فتاویٰ شامی

فتاویٰ شامی مترجم

مسمّٰی ردّ المحتار

از محمد امین بن عُمر الشہیر بابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ

دُرِمختار

از محمد بن علی بن محمد الحصکفی رحمۃ اللہ علیہ

تنویرُ الابصار

از محمد بن عبدُ اللہ بن احمد التمرتاشی رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ اہتمام: ادارہ ضیاءُ المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

فتاویٰ شامی مترجم

جلد دہم

مسمّٰی ردّ المحتار

از محمّد امین بن عُمر الشہیر بابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ

دُرِّ مُختار

از محمّد بن علی بن محمّد الحصکفی رحمۃ اللہ علیہ

تنویرُ الابصار

از محمّد بن عبداللہ بن احمد التمرتاشی رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ اہتمام: ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

نام کتاب	فتاویٰ شامی مترجم (جلد دہم)
مصنف	محمد امین بن عمر الشہیر بابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	علامہ ملک محمد بوستان، علامہ سید محمد اقبال شاہ، علامہ محمد انور مگھالوی
	من علماء دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
زیر اہتمام	ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
تاریخ اشاعت	ستمبر 2017ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	FQ28

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔فون:۔37221953 فیکس:۔042-37238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون:37247350۔فیکس042-37225085

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔021-32212011-32630411۔فیکس:۔021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com
Website:- www.ziaulquran.com

فہرست مضامین

باب القبول وعدمہ

باب دعویٰ النسب

کتاب الاقرار

کتاب الهبة

باب الرجوع في الهبة

فصل في مسائل متفرقة

کتاب الاجارة

مطلب فی المرصد والقیمۃ و مشد المسکۃ باب مایجوز من الاجارۃ وما یکون خلافا فیھا ای فی الحجارۃ

باب الاجارۃ الفاسدۃ

باب ضمان الاجیر

....

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مقدمہ از طرف شیخ محمد بن حسن بیطار رحمۃ اللہ علیہ

اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی مجھے بھروسا ہے۔

تیرے دروازے کی طرف مائل ہونے کے ساتھ ہی دل کی شکستگی کو بھرا جاتا ہے اور تیری عنایت کے جھونکوں کے چلنے کے انتظار کے ساتھ عیوب کے سوراخوں کو بند کیا جاتا ہے۔ اے وہ ذات پاک جو اپنی عظیم قدرت کے ساتھ بندوں پر ظاہر ہوئی اور اس کے ساتھ ان پر غالب آئی۔ اور کچھ بھی نہیں ہوتا مگر جس کا وہ ارادہ کرے۔ پس ہم اس کی ایسی حمد کرتے ہیں جو اس کے لائق ہے اور ہم اس کے انعامات پر ایسا شکر بجالاتے ہیں جو فائق ہے۔ ہم درود پیش کرتے ہیں اور سلام پیش کرتے ہیں اس کے رسول کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر جو اپنی امت کو مکمل کرنے والے ہیں، آپ کی آل پر، آپ کے صحابہ پر اور جو بھی آپ کی دعوت کا شیدائی ہو۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد بے شک عالم عامل، علامہ کامل، زمانہ کے یکتا، عصر کے یگانہ روزگار، زمانہ کے سردار، اپنے ہم مرتبہ کے سعد، علماء عاملین کے رئیس کبیر، فاضل لوگوں کے مرجع، اس حاشیہ کے مؤلف سیدی واستاذی ''محمد افندی عابدین''، اللہ تعالیٰ ان کی مٹی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بخشش کی بارش سے سیراب کرے اور ہمیں اور ان کو اپنی رحمت کے ٹھکانا میں جمع کرے اور ہمیں اپنی جنت کے درمیان میں سکونت عطا کرے جب اس مقام تک پہنچے تو اپنے رب کے مشاہدہ کے مشتاق ہوئے اور موت کے حوض پر جافرو کش ہوئے اور قبر کو اپنا ٹھکانا بنانے کو ترجیح دی جس میں سکونت نہیں تھی۔ مگر آپ، اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے، نے تالیف کا آغاز کتاب الاجارات سے آخر تک کیا پھر کتاب کے شروع سے اس تحریر کی انتہا تک پہنچے۔ لیکن ''الدر'' کے آپ کے نسخہ پر بعض تعلیقات، تحریرات اور اعتراضات تھے ہاتھوں کا پے در پے ان تک پہنچنا قریب تھا کہ اسے برباد کر دیتا کیونکہ ان کی راہ چلنے والا کوئی نہ تھا۔

مسودہ کا منہج

پھر میں فقیر، مولف کا شاگرد ''محمد بن شیخ حسن بیطار''، اللہ تعالیٰ مجھ پر نعمتوں کی موسلا دھار بارش فرمائے، عرض کرتا ہے: میں نے ارادہ کیا ہے کہ حضرت مؤلف نے اپنے نسخہ پر جو کچھ لکھا اسے الگ کردوں اور ان کے مسودہ کے ساتھ لاحق کر دوں جب کہ اس پر کچھ زیادتی نہ کروں کیونکہ غلطی کا اور ان کی طرف نسبت کا خوف ہے۔ اگر میں کوئی ایسا حاشیہ دیکھوں گا جو ان کی تحریر نہ ہوگی اس پر میں اپنے قول: کذا، ذکر، فی یا قالہ فی الھامش سے آگاہ کروں گا۔ کیونکہ مجھے علم ہے کہ انہوں نے اسے ثابت رکھا ہے ورنہ اس پر لکیر کھینچ دیتے یا اسے مٹا دیتے ساتھ ہی اس پر تنبیہ لازم ہوتی ہے جس طرح تو دیکھ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور دیکھتا ہے میں ابھی سے اعانت اور صحیح ترین راستہ کی توفیق طلب کرتا ہوں۔ قال رحمه الله و نفعنا به و رضی عنه، آمین۔

(ادَّعَى) عَلَى آخَرَ (هِبَةً) مَعَ قَبْضٍ (فِي وَقْتٍ فَسُئِلَ) الْمُدَّعِي (بَيِّنَةً فَقَالَ) قَدْ (جَحَدَنِيهَا) أَيْ الْهِبَةَ (فَاشْتَرَيْتُهَا مِنْهُ أَوْ لَمْ يَقُلْ ذٰلِكَ) أَيْ جَحَدَنِيهَا وَمُفَادُهُ الِاكْتِفَاءُ بِإِمْكَانِ التَّوْفِيقِ وَهُوَ مُخْتَارُ شَيْخِ الْإِسْلَامِ مِنْ أَقْوَالٍ أَرْبَعَةٍ، وَاخْتَارَ الْخُجَنْدِيُّ أَنَّهُ يَكْفِي مِنَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ لَا مِنَ الْمُدَّعِي لِأَنَّهُ مُسْتَحِقٌّ وَذَاكَ دَافِعٌ، وَالظَّاهِرُ يَكْفِي لِلدَّفْعِ لَا لِلِاسْتِحْقَاقِ بَزَّازِيَّةٌ (فَأَقَامَ بَيِّنَةً عَلَى الشِّرَاءِ بَعْدَ وَقْتِهَا) أَيْ وَقْتِ الْهِبَةِ

ایک آدمی نے دوسرے آدمی پر ہبہ کا دعویٰ کیا ساتھ ہی ایک وقت میں قبضہ کا دعویٰ کیا مدعی سے گواہیاں پوچھی گئیں تو اس نے کہا اس آدمی نے ہبہ سے انکار کر دیا تو میں نے اس سے وہ چیز خرید لی یا اس نے یہ نہ کہا کہ اس نے مجھے اس چیز کا انکار کر دیا۔ اس سے مستفاد یہ ہوتا ہے کہ تطبیق کے امکان پر اکتفا کیا جائے گا۔ یہ چار اقوال میں سے ''شیخ الاسلام'' کا مختار قول ہے۔ ''خجندی'' نے یہ اختیار کیا: مدعی علیہ کی جانب سے تطبیق پر کافی ہے مدعی کی جانب سے ضروری نہیں۔ کیونکہ مدعی مستحق ہے اور مدعی علیہ دافع ہے۔ اور ظاہر دفع کے لیے کافی ہے استحقاق کے لیے کافی نہیں، ''بزازیہ''۔ اس نے ہبہ کے وقت کے بعد خرید پر گواہیاں قائم کیں

26640۔(قولہ: ادَّعَى عَلَى آخَرَ الخ) ''قاضی خان'' نے کہا: ایک آدمی نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ اس نے اس سے مال لیا ہے، مال کی وضاحت کی اور اس کی صفت بیان کی مدعی علیہ نے مدعی کے اقرار پر گواہیاں قائم کر دیں کہ دوسرے شخص نے یہ مال لیا ہے، مدعی نے اس کا انکار کر دیا اس سے ان گواہیوں کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ پہلے کے دعویٰ کو باطل کرنا نہیں ہے۔ کیونکہ پہلے کی دلیل یہ بنتی ہے کہ وہ کہے: مجھ سے ایک اور شخص نے وہ مال لیا پھر اسے مجھ پر لوٹا دیا اور اس مدعی علیہ نے بعد میں یہ مال مجھ سے لیا۔ کذا فی الھامش

26641۔(قولہ: وَمُفَادُهُ) یعنی ان کے قول اولم یقل ذلك سے یہ مستفاد ہوتا ہے۔ ''ح''۔

26642۔(قولہ: بِإِمْكَانِ التَّوْفِيقِ) ''البحر'' میں نقل کیا ہے: یہی قیاس ہے۔ استحسان یہ ہے کہ بالفعل تطبیق شرط ہے۔ ''رملی'' نے کہا ہے: استحسان کا جواب اصح ہے جس طرح ''منیۃ المفتی'' میں ہے۔

26643۔(قولہ: وَهُوَ مُخْتَارُ الخ) ''البحر'' میں فضولی کی فصل میں اس کی یہ قید لگائی ہے کہ جو اس کی جانب سے مکمل ہو چکا ہے اس کے نقض میں کوشش کرنے والا نہ ہو پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

26644۔(قولہ: مِنْ أَقْوَالٍ أَرْبَعَةٍ) وہ یہ ہیں مطلقاً تطبیق کے امکان کا کافی ہونا، مطلقاً اس کا کافی نہ ہونا مدعی علیہ کی جانب سے نہ کہ مدعی کی جانب سے اس کا کافی ہونا۔ اگر تطبیق کی وجہ ایک ہو نہ کہ اس کی متعدد وجوہ ہوں۔ ''ح''، کذا فی الھامش

26645۔(قولہ: بَعْدَ وَقْتِهَا) یہ شرا کی ظرف ہے جس طرح قبلہ اس کی ظرف ہے۔ ''ح''۔

(تُقْبَلُ فِي الصُّورَتَيْنِ وَقَبْلَهُ لَا) لِوُضُوحِ التَّوْفِيقِ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ وَظُهُورِ التَّنَاقُضِ فِي الثَّانِي، وَلَوْ لَمْ يَذْكُرْ لَهُمَا تَارِيخًا أَوْ ذَكَرَ لِأَحَدِهِمَا تُقْبَلُ لِإِمْكَانِ التَّوْفِيقِ بِتَأْخِيرِ الشِّرَاءِ، وَهَلْ يُشْتَرَطُ كَوْنُ الْكَلَامَيْنِ عِنْدَ الْقَاضِي أَوْ الثَّانِي فَقَطْ خِلَافٌ وَيَنْبَغِي تَرْجِيحُ الثَّانِي بَحْرٌ لِأَنَّ بِهِ التَّنَاقُضَ وَالتَّنَاقُضُ يَرْتَفِعُ بِتَصْدِيقِ الْخَصْمِ وَبِقَوْلِ الْمُتَنَاقِضِ تَرَكْتُ الْأَوَّلَ وَادَّعَى بِكَذَا أَوْ بِتَكْذِيبِ الْحَاكِمِ

تو دونوں صورتوں میں انہیں قبول کیا جائے گا اگر اس سے قبل پر گواہیاں قائم کرے تو انہیں قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ پہلی صورت میں تطبیق واضح ہے۔ دوسری وجہ میں تناقض ظاہر ہے۔ اگر وہ ان دونوں کی تاریخ ذکر نہ کرے یا دونوں میں سے ایک کی تاریخ ذکر کرے تو اسے قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ خرید کے موخر ہونے کے ساتھ تطبیق ممکن ہے۔ کیا دونوں کلاموں کا قاضی کے ہاں ہونا شرط ہے یا صرف دوسری کلام کا قاضی کے ہاں ہونا شرط ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ چاہیے کہ دوسرے قول کو ترجیح دی جائے، ''بحر''۔ کیونکہ اس میں تناقض ہے اور تناقض خصم کی تصدیق کے ساتھ اور تناقض کے اس قول کے ساتھ اٹھ جاتا ہے میں نے اول کو ترک کر دیا اور اس کا دعویٰ کیا۔

26646۔ (قولہ: فِي الصُّورَتَيْنِ) یعنی جب اس نے کہا: اس نے مجھ سے اس کا انکار کر دیا یا اس نے یہ بات نہ کہی۔ ''ح''۔

26647۔ (قولہ: فِي الثَّانِي) کیونکہ وہ ہبہ کے بعد شرا کا دعویٰ کرتا ہے اس کے گواہ ہبہ سے قبل خریدار کی شہادت دیتے ہیں یہ ظاہر تناقض ہے دونوں میں تطبیق ممکن نہیں۔ ان کی مراد ہے دعویٰ اور بینہ کے درمیان تطبیق ممکن ہے ورنہ مدعی کی جانب سے کوئی تناقض نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے ہبہ سے پہلے شرا کا دعویٰ نہیں کیا۔ ''بحر''۔

26648۔ (قولہ: وَيَنْبَغِي تَرْجِيحُ الثَّانِي الخ) شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ تناقض متحقق ہو جاتا ہے۔ ''فتح''۔ ''النہر'' میں باب الاستحقاق (کتاب البیع) میں ہے: میرے نزدیک زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ دونوں حاکم کے نزدیک شرط ہیں۔ کیونکہ دعویٰ کی شرائط میں سے یہ ہے کہ وہ حاکم کے پاس ہو۔ ''شرح المقدسی'' میں ہے: چاہیے کہ دونوں میں سے ایک قاضی کے پاس ہو بلکہ قریب ہے کہ اختلاف لفظی ہو۔ کیونکہ مجلس قاضی سے پہلے جو حاصل ہو چکا ہے ضروری ہے کہ وہ اس کے ہاں ثابت ہوتا کہ تناقض کا حصول اس پر مرتب ہو جو اس کے نزدیک ہے اور جو چیز بیان سے ثابت ہو وہ عیان سے ثابت ہونے والی کی طرح ہے۔ گویا دونوں مجلس قاضی میں واقع ہوئے جس نے یہ شرط لگائی ہے کہ دونوں قاضی کی مجلس میں ہوں وہ سابق اور لاحق میں حقیقی اور حکمی دونوں کو عام ہے۔ کلام ختم ہوئی۔ یہ اچھی تعبیر ہے۔

26649۔ (قولہ: أَوْ بِتَكْذِيبِ الْحَاكِمِ) جس طرح اگر وہ دعویٰ کرے کہ اس نے مدیون کی جانب سے اس کے لیے ہزار کی کفالت اٹھائی ہے تو اس نے کفالت کا انکار کیا اور دائن نے یہ گواہی دے دی کہ اس نے مدیون کی جانب سے کفالت اٹھائی ہے اور حاکم نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے اور مکفول لہ نے اس سے مال لے لیا پھر کفیل نے مدیون پر یہ دعویٰ کر دیا کہ اس نے اس کے کہنے پر کفالت اٹھائی ہے اور اس پر گواہیاں قائم کر دی ہیں ہمارے نزدیک اسے قبول کیا جائے گا۔ اور

وَتَمَامُهُ فِي الْبَحْرِ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ (كَمَا لَوْ ادَّعَى أَوَّلًا أَنَّهَا) أَيِ الدَّارَ مَثَلًا (وَقْفٌ عَلَيْهِ ثُمَّ ادَّعَاهَا لِنَفْسِهِ) أَوْ ادَّعَاهَا لِغَيْرِهِ ثُمَّ ادَّعَاهَا (لِنَفْسِهِ) لَمْ تُقْبَلْ لِلتَّنَاقُضِ، وَقِيلَ تُقْبَلُ إِنْ وَفَّقَ بِأَنْ قَالَ كَانَ لِفُلَانٍ ثُمَّ اشْتَرَيْتُهُ دُرَرٌ فِي أَوَاخِرِ الدَّعْوَى قَالَ (وَلَوْ ادَّعَى الْمِلْكَ) لِنَفْسِهِ (أَوَّلًا ثُمَّ) ادَّعَى (الْوَقْفَ) عَلَيْهِ

اس کی مکمل بحث ''البحر'' میں ہے۔ مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے جس طرح پہلے اس نے یہ دعویٰ کیا کہ گھر مثلاً اس پر وقف ہے پھر اس گھر کے اپنے لیے ہونے کا دعویٰ کر دیا یا کسی اور کے لیے گھر کا دعویٰ کیا پھر اپنے لیے اس کا دعویٰ کیا تو تناقض کی وجہ سے اس کا دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قبول کیا جائے گا اگر وہ تطبیق کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ یہ گھر فلاں کا تھا پھر میں نے اسے خریدا، ''درر''۔ کتاب الدعویٰ کے اواخر میں ہے۔ کہا: اگر اس نے پہلے اپنے لیے ملکیت کا دعویٰ کیا پھر اپنے اوپر وقف کا دعویٰ کیا

جس کی اس نے ضمانت اٹھائی تھی مدیون سے اس کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ وہ قضا کے ساتھ شرعاً جھٹلا دیا گیا ہے۔ ''المنح'' میں اسی طرح ہے۔ ''ح''۔

26650۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ فِي الْبَحْرِ) استحقاق کے بارے میں ''البحر'' کی عبارت زیادہ بہتر ہے۔ وہ یہ ہے: جب اس نے کہا: میں نے دونوں کلاموں میں سے ایک کو ترک کیا تو اس سے اسے قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے اپنے حق میں اس سے استدلال کیا ہے۔ جو ''بزازیہ'' میں ''الذخیرہ'' سے مروی ہے: اس نے مطلقاً اس کا دعویٰ کیا مدعیٰ علیہ نے اس قول کے ساتھ اس کا دفاع کیا کہ تو نے اس سے قبل مقید دعویٰ کیا تھا اور اس پر گواہیاں پیش کر دیں۔ مدعی نے کہا: میں اب اس سبب سے دعویٰ کرتا ہوں اور مطلق کو ترک کرتا ہوں تو اس کا دعویٰ قبول کیا جائے گا اور دفاع باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ متروک دوسرا ہے پہلا متروک نہیں۔ ساتھ ہی وہاں صاحب ''النہر'' نے اعتراض کیا ہے۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے: وہ قول دونوں دعوؤں میں تطبیق ہے۔ تامل۔

میں نے ''ردالمحتار'' کے باب الاستحقاق میں (مقولہ 25578 میں) اس کی تائید لکھی ہے جو ''النہر'' میں ہے۔

''الخانیہ'' میں کہا: ایک آدمی نے سبب کی وجہ سے ملک کا دعوی کیا پھر اس کے بعد مطلق ملک کا دعویٰ کیا اس کے گواہوں نے اس کی گواہی دی عام روایات میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا اور اس کے بینہ قبول نہیں کیے جائیں گے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ (یعنی مصنف خانیہ) نے کہا: میرے دادا ''شمس الائمہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس کے بینہ قبول نہ ہوں گے اور ان کا دعویٰ باطل نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر کہا: میں نے اس مطلق ملک سے اس سبب سے ملکیت کا ارادہ کیا ہے تو اس کا دعویٰ سنا جائے گا اور اس کے بینہ کو قبول کیا جائے گا۔

جب نکرہ کا ارادہ کیا جائے تو وہ معرفہ ہو جاتا ہے

26651۔ (قولہ: عَلَيْهِ) ''المنح'' میں اسی طرح ہے۔ ''البحر'' میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ گویا اس قاعدہ سے اخذ کیا ہے

(تُقْبَلُ كَمَا لَوِ ادَّعَاهَا لِنَفْسِهِ ثُمَّ لِغَيْرِهِ) فَإِنَّهُ يُقْبَلُ (وَمَنْ قَالَ لِآخَرَ اشْتَرَيْتَ مِنِّي هٰذِهِ الْجَارِيَةَ وَأَنْكَرَ الْآخَرُ الشِّرَاءَ جَازَ (لِلْبَائِعِ أَنْ يَطَأَهَا إِنْ تَرَكَ) الْبَائِعُ (الْخُصُومَةَ) وَاقْتَرَنَ تَرْكُهُ بِفِعْلٍ يَدُلُّ عَلَى الرِّضَا بِالْفَسْخِ كَإِمْسَاكِهَا وَنَقْلِهَا لِمَنْزِلِهِ، لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ (جُحُودَ جَمِيعِ الْعُقُودِ (مَا عَدَا النِّكَاحَ فَسْخٌ) فَلِلْبَائِعِ رَدُّهَا بِعَيْبٍ قَدِيمٍ لِتَمَامِ الْفَسْخِ بِالتَّرَاضِي عَيْنِيٌّ، أَمَّا النِّكَاحُ فَلَا يَقْبَلُ الْفَسْخَ أَصْلًا (ف) لِذَا (لَوْ جَحَدَ أَنَّهُ تَزَوَّجَهَا ثُمَّ ادَّعَاهُ وَبَرْهَنَ) عَلَى النِّكَاحِ (يُقْبَلُ) بُرْهَانُهُ (بِخِلَافِ الْبَيْعِ) فَإِنَّهُ إِذَا أَنْكَرَهُ ثُمَّ ادَّعَاهُ لَا يُقْبَلُ لِانْفِسَاخِهِ بِالْإِنْكَارِ بِخِلَافِ النِّكَاحِ

تو اسے قبول کیا جائے گا جس طرح اگر وہ پہلے اپنے لیے پھر کسی اور کے لیے اس کا دعویٰ کرے تو اسے قبول کیا جائے گا۔ جس نے کسی دوسرے سے کہا: میں نے تجھ سے یہ لونڈی خریدی دوسرے نے شرا کا انکار کر دیا تو بائع کے لیے جائز ہے کہ وہ اس سے وطی کرے اگر بائع خصومت کو ترک کر دے اور اس کا ترک ایسے فعل کے ساتھ ملا ہوا ہو جو فسخ پر راضی ہونے پر دلالت کرے جیسے اسے روک لے اور اپنے گھر اسے منتقل کر دے۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ نکاح کے علاوہ جتنے بھی عقود ہیں ان کا جحود فسخ ہے پس بائع کو حق حاصل ہے کہ اسے قدیم عیب کی بنا پر اسے لوٹا دے۔ کیونکہ باہم رضامندی سے فسخ مکمل ہو چکا ہے۔ ''عینی''۔ جہاں تک نکاح کا تعلق ہے وہ اصلاً فسخ کو قبول نہیں کرتا اسی وجہ سے اگر وہ انکار کرے کہ اس نے اس عورت سے شادی کی ہے پھر اس نے اس کا دعویٰ کر دیا اور نکاح کے اوپر گواہیاں قائم کر دیں تو اس کی دلیل قبول کی جائے گی۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ جب اس کا انکار کیا پھر اس کا دعویٰ کیا تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ انکار کے ساتھ فسخ ہو جاتا ہے۔ نکاح کا معاملہ مختلف ہے۔

کہ جب نکرہ کا اعادہ کیا جائے تو وہ معرفہ ہو جاتا ہے۔ پس اس سے مراد گزشتہ وقف ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس تعبیر کی بنا پر تطبیق ظاہر نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس میں ظاہر تناقض ہے۔ اسے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر جاری کرنا ممکن ہے جو اپنی ذات پر کسی شے کے وقف کے صحیح ہونے کے قائل ہیں۔ انتہیٰ، اس میں جو ضعف ہے وہ مخفی نہیں۔ ''البحر'' میں فصل (باب) الاستحقاق میں ہے: اگر اس نے دعویٰ کیا کہ یہ اس کا ہے پھر اس نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ گھر اس پر وقف ہے تو دعویٰ کو سنا جائے گا کیونکہ انتفاع کے اعتبار سے رخصت کی اضافت صحیح ہے۔

26652۔ (قولہ: أَنْ يَطَأَهَا) یعنی استبرا کے بعد وطی کر سکتا ہے اگر وہ مشتری کے قبضہ میں ہو۔ ''ابو سعود'' نے ''حموی'' سے انہوں نے ''شلبی'' سے بحث کے انداز میں روایت کیا ہے۔

26653۔ (قولہ: فَلِلْبَائِعِ رَدُّهَا) ''النہایہ'' میں اس کی یہ قید لگائی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مشتری سے قسم لینے کے بعد ہو۔ اگر اس سے پہلے ہو تو اسے بائع پر رد کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ مدعی علیہ انکار کر دے۔ پس تیسرے کے حق میں اسے نئی بیع ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔ شارح نے اس کی یہ قید لگائی ہے کہ یہ قبضہ کے بعد ہو۔ جہاں تک

(أَقَرَّ بِقَبْضِ عَشَرَةِ) دَرَاهِمَ (ثُمَّ ادَّعَى أَنَّهَا زُيُوفٌ) أَوْ نَبَهْرَجَةٌ (صُدِّقَ) بِيَمِينِهِ لِأَنَّ اسْمَ الدَّرَاهِمِ يَعُمُّهُمَا، بِخِلَافِ السَّتُّوقَةِ لِغَلَبَةِ غِشِّهَا (وَ) لِذَا (لَوْ ادَّعَى أَنَّهَا سَتُّوقَةٌ لَا يُصَدَّقُ (إنْ) كَانَ الْبَيَانُ (مَفْصُولًا وَصُدِّقَ لَوْ بَيَّنَ (مَوْصُولًا) نِهَايَةٌ فَالتَّفْصِيلُ فِي الْمَفْصُولِ لَا فِي الْمَوْصُولِ (وَلَوْ أَقَرَّ بِقَبْضِ الْجِيَادِ لَمْ يُصَدَّقْ مُطْلَقًا) وَلَوْ مَوْصُولًا لِلتَّنَاقُضِ (وَلَوْ أَقَرَّ أَنَّهُ قَبَضَ حَقَّهُ أَوْ) قَبَضَ (الثَّمَنَ أَوْ اسْتَوْفَى) حَقَّهُ (صُدِّقَ فِي دَعْوَاهُ الزِّيَافَةَ لَوْ بَيَّنَ (مَوْصُولًا وَإِلَّا لَا) لِأَنَّ قَوْلَهُ جِيَادٌ مُفَسَّرٌ فَلَا يَحْتَمِلُ التَّأْوِيلَ، بِخِلَافِ غَيْرِهِ لِأَنَّهُ ظَاهِرٌ

ایک آدمی نے دس درہم پر قبضہ کرنے کا اقرار کیا پھر دعویٰ کیا کہ وہ زیوف یا نبہرجہ ہیں قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ دراہم کا اسم ان دونوں کو عام ہے۔ ستوقہ کا مسئلہ مختلف ہے۔ کیونکہ کھوٹ غالب ہے۔ اس وجہ سے اگر اس نے دعویٰ کیا کہ یہ ستوقہ ہیں تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اگر وضاحتی کلام پہلی کلام سے جدا ہوا گر بیان پہلی کلام کے ساتھ متصل ہو تو اس کی تصدیق کی جائے گی، ''نہایہ''۔ تفصیل مفصول بیان میں ہے موصول بیان میں نہیں۔ اگر اس نے عمدہ دراہم پر قبضہ کا اقرار کیا تو مطلقاً اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اگرچہ وہ بیان موصول ہو۔ کیونکہ تناقض پایا جارہا ہے۔ اگر اس نے یہ اقرار کیا کہ اس نے اس کے حق پر قبضہ کرلیا ہے اس نے ثمن پر قبضہ کرلیا ہے یا اس نے پورا پورا حق لے لیا ہے۔ اگر اس نے متصل یہ کہا کہ وہ زیوف تھے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ ورنہ اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ جیاد کا قول مفسر ہے تاویل کا احتمال نہیں رکھتا۔ دوسرے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ ظاہر ہے

اس سے قبل کا تعلق ہے تو چاہیے کہ اسے مطلقاً لوٹانے کا حق ہو۔ کیونکہ یہ ہر اعتبار سے فسخ ہے جو غیر عقار میں ہے۔ مگر اس کی قسم کے بعد تو کتاب کی تقیید واجب ہے۔ ''بحر''۔

اقرار کے بعد دعویٰ کی تصدیق قسم کے ساتھ کی جائے گی

26654۔ (قولہ: أَقَرَّ الخ) امام ''طرسوی'' کی اس مسئلہ میں تحقیق ہے۔ ''انفع المسائل'' میں اس کی طرف رجوع کیجئے۔

26655۔ (قولہ: زُيُوفٌ) ایسے دراہم جنہیں بیت المال قبول نہیں کرتا۔

26656۔ (قولہ: نَبَهْرَجَةٌ) جسے تاجر رد کر دیتے ہیں۔ ''قاموس'' میں فصل النون میں کہا: النبہرج یعنی کھوٹا ردی۔ ''المغرب'' میں ہے۔ النبہرج ایسا درہم ہے جس کی چاندی ردی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس میں چاندی کا غلبہ ہو ہر باطل ردی کے لیے اسے بطور مجاز استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی سے بھرج دمہ ہے جب وہ خون رائیگاں چلا جائے اور باطل ہو جائے۔ ''اللحیانی'' سے مروی ہے: درھم نبھرج میں نے نون کے ساتھ اسے ان کے ہاں ہی پایا ہے۔ یہ اس کے مخالف ہے جو ''قاموس'' میں ہے ساتھ ہی یہ مشہور ہے۔

26657۔ (قولہ: أَوْ اسْتَوْفَى) استیفا سے مراد پورے کا پورا حق قبضہ میں لینا ہے۔ ''سعدیہ''، ''ابن کمال''۔

26658۔ (قولہ: لِأَنَّهُ ظَاهِرٌ) یہ پہلی صورت کی طرف راجع ہے وہ (قبض الحق او الثمن) ہے یعنی حق یا ثمن پر

أَوْ نَصٌّ فَيَحْتَمِلُ التَّأْوِيلَ ابْنُ كَمَالٍ (أَقَرَّ بِدَيْنٍ ثُمَّ ادَّعَى أَنَّ بَعْضَهُ قَرْضٌ وَبَعْضَهُ رِبًا) وَبَرْهَنَ عَلَيْهِ (قُبِلَ) بُرْهَانُهُ قُنْيَةٌ عَنْ عَلَاءِ الدِّينِ وَسَيَجِيءُ فِي الْإِقْرَارِ (قَالَ لِآخَرَ لَكَ عَلَيَّ أَلْفُ) دِرْهَمٍ (فَرَدَّهُ) الْمُقَرُّ لَهُ (ثُمَّ صَدَّقَهُ) فِي مَجْلِسِهِ (فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ) لِلْمُقَرِّ لَهُ

یا نص ہے پس وہ تاویل کا احتمال رکھے گا،''ابن کمال''۔ایک آدمی نے دین کا اقرار کیا پھر اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس میں سے بعض قرض ہے اور بعض ربا ہے اور اس پر گواہیاں قائم کر دیں تو اس کی گواہیاں قبول کی جائیں گی،''قنیہ''''علاء الدین'' سے۔ کتاب الاقرار میں عنقریب یہ آئے گا۔ایک آدمی نے دوسرے سے کہا: تیرے مجھ پر ہزار درہم ہیں مقرلہ نے اسے رد کر دیا پھر اسی مجلس میں اس کی تصدیق کر دی تو مقرلہ کے لیے کوئی چیز نہیں ہوگی

قبضہ کرنا ہے۔ظاہر وہ ہوتا ہے جو غیر مراد کا احتمال رکھے جب کہ وہ احتمال بعیدی احتمال ہے۔نص یہ ہے: غیر مراد کا احتمال تو رکھتا ہے مگر احتمال ابعد ہوتا ہے۔مفسر کا معاملہ مختلف ہے۔کیونکہ وہ غیر مراد کا اصلاً احتمال نہیں رکھتا۔

25559۔(قولہ: أَوْ نَصٌّ) یہ دوسری صورت کی طرف راجع ہے وہ یہ قول ہے او استوفی۔

26660۔(قولہ: قُبِلَ بُرْهَانُهُ) کیونکہ وہ مجبور ہے اگرچہ تناقض ہو۔''قنیہ''۔

مال کے اقرار کو رد کرنے کے مسائل

26661۔(قولہ: فَرَدَّهُ الخ) مال کے اقرار کے رد کے مسائل کا حاصل یہ ہے: یہ امر اس سے خالی نہیں ہوگا: یا تو وہ مطلقاً اس کو رد کرے گا یا اس جہت کا رد کرے گا جس جہت کو مقر نے معین کیا، اسے کسی اور جہت کی طرف تحویل کرے گا یا اپنے نفس کے لیے اسے رد کرے گا اور اسے غیر کی طرف پھیر دے گا۔

اگر پہلی صورت ہو تو یہ باطل ہو جائے گا۔اگر دوسری صورت ہو: اگر دونوں میں منافات نہ ہوگی تو مال واجب ہوگا جس طرح اس کا قول ہے: اس کا ہزار قرض کا بدل ہے۔تو اس نے کہا: غصب کا بدل ہے۔ورنہ باطل ہو جائے گا جس طرح اس کا قول ہے: اس غلام کی قیمت ہے جس پر میں نے قبضہ نہیں کیا تھا۔اس نے کہا: قرض یا غصب ہے۔جب کہ غلام اس کے قبضہ میں نہ ہو۔ ہزار اس پر لازم ہو جائے گا وہ جہت میں اس کی تصدیق کرے یا اس کو جھٹلائے۔یہ''امام صاحب'' رطیٹیمیہ کے نزدیک ہے۔اگر غلام اس کے قبضہ میں ہو تو قول مقر کا ہوگا جس کے قبضہ میں غلام ہے۔اگر تیسری صورت ہو جیسے میرے لیے کبھی بھی یہ ثابت نہیں تھا مگر فلاں کے لیے۔اگر فلاں نے اس کی تصدیق کی تو وہ اس کی طرف پھر جائے گا ورنہ نہیں پھرے گا۔اگر اقرار طلاق، عتاق، ولاء، نکاح، وقف، نسب یا رق کا ہو تو رد کرنے سے رد نہیں ہوگا۔پس کہا جائے گا: اقرار مقرلہ کے رد کرنے سے رد ہو جاتا ہے مگر اس صورت میں رد نہیں ہوتا۔اس کے مجموعہ کو''البحر'' میں ذکر کیا ہے۔اس میں اختصار ہے جس کی وضاحت میں نے اس کے حاشیہ میں کر دی ہے۔

26662۔(قولہ: فِي مَجْلِسِهِ) کسی اور مجلس میں تصدیق کرے تو بدرجہ اولیٰ کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔

إِلَّا بِحُجَّةٍ أَوْ إِقْرَارٍ ثَانِيًا، وَكَذَا الْحُكْمُ فِي كُلِّ مَا فِيهِ الْحَقُّ لِوَاحِدٍ (وَمَنْ ادَّعَى عَلَى آخَرَ مَالًا فَقَالَ) الْمُدَّعَى عَلَيْهِ (مَا كَانَ لَكَ عَلَيَّ شَيْءٌ قَطُّ فَبَرْهَنَ الْمُدَّعِي عَلَى) أَنَّ لَهُ عَلَيْهِ (أَلْفٌ وَبَرْهَنَ) الْمُدَّعَى عَلَيْهِ (عَلَى الْقَضَاءِ) أَيْ الْإِيفَاءِ (أَوْ الْإِبْرَاءِ وَلَوْ بَعْدَ الْقَضَاءِ) أَيْ الْحُكْمِ بِالْمَالِ

مگر حجت کے ساتھ یا دوسری دفعہ اقرار کرنے کے ساتھ۔ اسی طرح کا حکم ہوگا ہر اس اقرار میں جس میں کسی ایک کے لیے حق ہو۔ جس نے دوسرے شخص پر مال کا دعویٰ کیا مدعی علیہ نے کہا: تیری مجھ پر کبھی کوئی چیز لازم نہیں رہی مدعی نے گواہیاں قائم کر دیں کہ اس کا ہزار مدعی علیہ پر لازم ہے مدعی علیہ نے گواہیاں قائم کر دیں کہ اس نے ادا کر دیا ہے یا بری کر دینے پر گواہیاں قائم کر دیں اگر وہ مال کے حکم کے بعد ہو

26663۔ (قولہ: إِلَّا بِحُجَّةٍ) اس کی حجت کیسے قبول ہوگی جب کہ یہ اس کے دعویٰ میں متناقض ہے؟ اس کے جواب میں غور وفکر کیجئے۔ ''سعدیہ''۔ ''البحر'' میں بھی اسے مشکل قرار دیا ہے۔ ''البزازیہ'' سے اس کے خلاف نقل کیا ہے۔ کیونکہ اس نے کہا: اس کے قبضہ میں غلام ہے اس نے ایک آدمی سے کہا: یہ تیرا غلام ہے مقرلہ نے اس کا رد کر دیا۔ پھر کہا: نہیں بلکہ یہ میرا غلام ہے۔ مقر نے کہا: یہ میرا غلام ہے۔ تو یہ غلام اس قابض کا ہوگا جس نے اقرار کیا تھا۔ اگر قابض نے دوسرے شخص سے کہا: وہ تیرا غلام ہے اس نے کہا: نہیں بلکہ یہ تیرا غلام ہے پھر دوسرے نے کہا: بلکہ وہ میرا غلام ہے اور اس پر گواہیاں پیش کر دیں تو ان کو قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس میں تناقض پایا جاتا ہے۔ یہ اس کے خلاف ہے جو ''الہدایہ'' میں ہے کہ حجت کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ دعویٰ کے سماع کا تقاضا کرتا ہے۔

26664۔ (قولہ: لِوَاحِدٍ) یہ صورت مختلف ہوگی اگر وہ کہے: تو نے اس کو خریدا تھا اور اس نے اس کا انکار کر دیا اسے تصدیق کرنے کا حق ہوگا۔ کیونکہ متعاقدین میں سے ایک فسخ میں یکتا نہیں۔ پس وہ عقد میں منفرد نہیں ہوگا۔ معنی یہ ہے کہ یہ دونوں کا حق ہے۔ پس عقد باقی رہے گا۔ پس تصدیق عمل کرے گی (موثر ہوگی)۔ جہاں تک مقرلہ کا تعلق ہے وہ اقرار کے رد کرنے میں منفرد ہے پس دونوں الگ الگ ہو گئے۔ ''الہدایہ'' میں اسی طرح ہے۔

حاصل یہ ہے: ہر شے جس میں جب دونوں کا حق ہو جب منکر تصدیق کی طرف اس سے پہلے لوٹے کہ دوسرا آدمی اس کے انکار پر اس کی تصدیق کرے تو یہ جائز ہے جیسے بیع اور نکاح ہے۔ اور ہر ایسی شے جس میں حق ایک کا ہو جیسے ہبہ، صدقہ اور اقرار اس کے بعد اس کا اقرار اسے کوئی نفع نہیں دے گا جس طرح ''القنیہ'' میں ہے۔ ''بحر''۔

26665۔ (قولہ: مَا كَانَ لَكَ) غور کرو اگر وہ کان کا لفظ ذکر نہ کرتے اور اس میں غور کرو جو ہم نے دوسرے صفحہ میں سمرقند کے واقعہ کے ہاں لکھا ہے یہ ماضی اور حال میں فرق کا فائدہ دیتا ہے۔

26666۔ (قولہ: قَطُّ) کوئی فرق نہیں کہ نفی کو کلمہ قط کے ساتھ موکد کیا جائے یا موکد نہ کیا جائے۔ ''بحر''۔

26667۔ (قولہ: عَلَى الخ) زیادہ صحیح یہ کہنا ہے: على الف له عليه فافهم۔ بعض نسخوں میں ہے على انه له عليه الف۔

26668۔ (قولہ: عَلَى الْقَضَاءِ أَيْ الْإِيفَاءِ) انکار کے بعد ایفا کے دعویٰ کی قید لگائی۔ کیونکہ اگر وہ دین کے اقرار

إِذِ الدَّفْعُ بَعْدَ قَضَاءِ الْقَاضِي صَحِيحٌ إِلَّا فِي الْمَسْأَلَةِ الْمُخَمَّسَةِ

کیونکہ قاضی کے فیصلہ کے بعد ادائیگی صحیح ہے۔ مگر مسئلہ مخمسہ کا معاملہ مختلف ہے

کے بعد اس کا دعویٰ کرتا۔ اگر دونوں قول ایک مجلس میں ہوں تو قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ تناقض موجود ہے۔ اگر مجلس سے وہ دونوں الگ ہو جائیں پھر وہ دعویٰ کرے اور اقرار کے بعد ادائیگی پر بینہ قائم کر دے تو اسے قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ تناقض نہیں اگر اقرار سے پہلے ادائیگی کا دعویٰ کرے تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ ''خزانۃ المفتین'' میں اسی طرح ہے۔ ''بحر''۔

مسئلہ مخمسہ

26669۔ (قولہ: إِلَّا فِي الْمَسْأَلَةِ الْمُخَمَّسَةِ) جیسے یہ چیز فلاں نے مجھے ودیعت کے طور پر دی ہے، فلاں نے مجھے اجرت پر دی ہے، میں نے اسے بطور رہن رکھا ہے، اسے میں نے اس سے غصب کیا ہے یا اس نے کہا: میں نے یہ زمین فلاں سے بطور مزارعت لی ہے یا میں نے انگور کی بیل اس سے بطور معاملہ کے لی ہے۔

اسے مخمسہ کا نام دیا ہے۔ کیونکہ اس میں پانچ قول ہیں۔ ''البحر'' میں کہا: یہ کتاب الدعویٰ کا مخمسہ ہے۔ کیونکہ اس کی صورت پانچ ہیں: ودیعت، اجارہ، اعارہ، رہن اور غصب یا اس لیے کیونکہ اس میں علما کے پانچ اقوال ہیں۔

(۱) جو کتاب میں ہے وہ یہ ہے مدعی کی خصومت اس کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ گواہیوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ اس کا قبضہ خصومت کا قبضہ نہیں۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

(۲) یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ''المختار'' میں اسے اختیار کیا ہے۔ مدعی علیہ اگر صالح ہو تو معاملہ اس طرح ہو گا جس طرح امام نے فرمایا ہے۔ اگر حیلے بہانے میں معروف ہو تو یہ اس سے مندفع نہیں ہو گا۔ کیونکہ بعض اوقات وہ اپنا مال مسافر کو دیتا ہے جو اسے یہ ودیعت کے طور پر دیتا ہے اور گواہ بنالیتا ہے۔ اور غیر کا حق باطل کرنے کے لیے حیلہ کرتا ہے۔ جب قاضی اس پر اس امر کی قیمت لگائے تو وہ اسے قبول نہیں کرے گا۔

(۳) یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ جب گواہوں نے کہا: ہم اسے صرف اس کے چہرے سے پہچانتے ہیں تو خصومت مندفع نہیں ہوگی۔ آپ کے نزدیک اس کو چہرہ، نام اور نسب کے حوالے سے پہچاننا ضروری ہے۔

''بزازیہ'' میں ہے: ائمہ کا اعتماد امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے۔ ''العمادیہ'' میں ہے: اگر علماء نے کہا: ہم اسے اس کے نام سے پہچانتے ہیں اس کے چہرے سے نہیں پہچانتے کتابوں میں کچھ ذکر نہیں کیا گیا۔ اس بارے میں دو قول ہیں۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضروری ہے کہ وہ کہیں: ہم اسے اس کے نام اور نسب کے اعتبار سے جانتے ہیں چہرے کی معرفت کافی ہے۔ علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے۔ اگر وہ کہیں: ایک آدمی نے اسے ودیعت دی ہے ہم اس کو نہیں پہچانتے تو خصومت مندفع نہیں ہوگی۔

(۴) ''ابن شبرمہ'' کا قول ہے: مطلقاً اس سے خصومت مندفع نہیں ہوتی۔ کیونکہ اثبات کا ملک متعذر ہے کیونکہ اس

كَمَا سَيَجِيءُ (قُبِلَ) بُرْهَانُهُ لِإِمْكَانِ التَّوْفِيقِ لِأَنَّ غَيْرَ الْحَقِّ قَدْ يُقْضَى وَيَبْرَأُ مِنْهُ دَفْعًا لِلْخُصُومَةِ وَسَيَجِيءُ فِي الْإِقْرَارِ أَنَّهُ لَوْ بَرْهَنَ عَلَى قَوْلِ الْمُدَّعِي أَنَا مُبْطِلٌ فِي الدَّعْوَى أَوْ شُهُودِي كَذَبَةٌ أَوْ لَيْسَ لِي عَلَيْهِ شَيْءٌ صَحَّ الدَّفْعُ إِلَى آخِرِهِ، وَذَكَرَهُ فِي الدُّرَرِ قُبَيْلَ الْإِقْرَارِ فِي فَصْلِ الِاسْتِشْرَاءِ (كَمَا) يُقْبَلُ (لَوْ ادَّعَى الْقِصَاصَ عَلَى آخَرَ فَأَنْكَرَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ (فَبَرْهَنَ الْمُدَّعِي) عَلَى الْقِصَاصِ (ثُمَّ بَرْهَنَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ عَلَى الْعَفْوِ أَوْ) عَلَى (الصُّلْحِ عَنْهُ عَلَى مَالٍ وَكَذَا فِي دَعْوَى الرِّقِّ) بِأَنْ ادَّعَى عُبُودِيَّةَ شَخْصٍ فَأَنْكَرَ فَبَرْهَنَ الْمُدَّعِي ثُمَّ بَرْهَنَ الْعَبْدُ أَنَّ الْمُدَّعِيَ أَعْتَقَهُ يُقْبَلُ

جس طرح آگے عنقریب آئے گا اس کی گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ کیونکہ تطبیق ممکن ہے۔ کیونکہ بعض اوقات جو چیز حق نہیں ہوتی وہ دی جاتی ہے اور وہ خصومت سے بچنے کے لیے اس سے بری ہوتا ہے۔ کتاب الاقرار میں عنقریب آئے گا: اگر اس نے مدعی کے قول پر گواہیاں قائم کر دیں: میں دعویٰ میں غلط ہوں، میرے گواہ جھوٹے ہیں، میری اس پر کوئی شے لازم نہیں۔ تو دفع خصومت صحیح ہوگی۔ الی آخرہ۔ ''الدرر'' میں کتاب الاقرار سے پہلے فصل الاستشراء میں ذکر کیا ہے۔ جس طرح اسے قبول کیا جاتا ہے اگر ایک آدمی دوسرے پر قصاص کا دعویٰ کرے تو مدعی علیہ انکار کر دے مدعی نے قصاص پر گواہیاں قائم کر دیں پھر مدعی علیہ نے عفو پر گواہیاں قائم کر دیں یا مال پر قصاص کی طرف سے گواہیاں قائم کر دیں۔ دعویٰ رق میں اسی طرح ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کی غلامی کا دعویٰ کیا تو اس شخص نے اس کا انکار کر دیا مدعی نے گواہیاں قائم کر دیں پھر غلام نے گواہیاں قائم کر دیں کہ مدعی علیہ نے اسے آزاد کر دیا تھا تو اسے قبول کیا جائے گا

سے خصم معدوم ہو چکا ہے اور خصومت کا دفع کرنا اس پر مبنی ہے۔ ہم کہتے ہیں: بینہ کا مقتضا دو چیزیں ہیں: غائب کے لیے ملک کا ثبوت اور اس میں خصم نہیں وہ ثابت نہیں، مدعی کی خصومت کا دفع کرنا جب کہ وہ ہی خصم ہے پس یہ ثابت ہے۔ وہ اس وکیل کی طرح ہے جو عورت کو منتقل کرنے اور طلاق پر بینہ کے قائم کرنے پر وکیل کی طرح ہے۔

(۵) یہ ''ابن ابی لیلیٰ'' کا قول ہے: خصومت بینہ کے بغیر ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ غائب کے لیے ملک کا اقرار کرتا ہے۔ ہم نے کہا: وہ قبضہ کے ظاہر کی وجہ سے خصم بن چکا ہے۔ وہ اپنے اقرار کے ساتھ اس امر کا ارادہ کرتا ہے کہ وہ ایسے حق کی تحویل کر دے جو اس کی ذات پر لازم تھا۔ پس اس کی تصدیق حجت کے ساتھ کی جائے گی جس طرح اگر وہ دین کے اپنے ذمہ سے غیر کے ذمہ کی طرف پھیرنے کا دعویٰ کرے۔

26670۔ (قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) کتاب الدعویٰ کی فصل دفع الدعاوی میں عنقریب آئے گا۔ ''ح''۔

26671۔ (قولہ: قُبِلَ بُرْهَانِهِ) اس میں غور کیجئے اگر وہ بعض کی ادائیگی پر گواہیاں قائم کرے۔ پس یہ حادثۃ الفتویٰ ہو جائے گا۔

26672۔ (قولہ: فِي فَصْلِ الِاسْتِشْرَاءِ) اس میں بہت زیادہ فوائد ہیں۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ استشراء

إِنْ لَمْ يُصَالِحْهُ؛ وَلَوْ ادَّعَى الْإِيفَاءَ ثُمَّ صَالَحَهُ قَبْلَ بُرْهَانِهِ عَلَى الْإِيفَاءِ بَحْرٌ وَفِيهِ بَرْهَنَ أَنَّ لَهُ أَرْبَعَمِائَةٍ ثُمَّ أَقَرَّ أَنَّ عَلَيْهِ لِلْمُنْكِرِ ثَلَاثَمِائَةٍ سَقَطَ عَنْ الْمُنْكِرِ ثَلَاثُمِائَةٍ، وَقِيلَ لَا وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى مُلْتَقَطٌ، وَكَأَنَّهُ لِأَنَّهُ لَمَّا كَانَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ جَاحِدًا فَذِمَّتُهُ غَيْرُ مَشْغُولَةٍ فِي زَعْمِهِ فَأَيْنَ تَقَعُ الْمُقَاصَّةُ؟ وَاللّٰهُ تَعَالَى أَعْلَمُ (وَإِنْ زَادَ) كَلِمَةَ (وَلَا أَعْرِفُكَ وَنَحْوَهُ) كَمَا رَأَيْتُكَ (لَا) يُقْبَلُ لِتَعَذُّرِ التَّوْفِيقِ، وَقِيلَ يُقْبَلُ لِأَنَّ الْمُحْتَجِبَ أَوْ الْمُخَدَّرَةَ قَدْ يَتَأَذَّى بِالشَّغَبِ عَلَى بَابِهِ فَيَأْمُرُ بِإِرْضَاءِ الْخَصْمِ وَلَا يَعْرِفُهُ ثُمَّ يَعْرِفُهُ،

اگر وہ اس کے ساتھ مصالحت نہ کرے اگر وہ حق کی ادائیگی کا دعویٰ کرے پھر حق کی ادائیگی پر گواہیاں قائم کرنے سے قبل مصالحت کر لے، ''بحر''۔ اس میں ہے: اس نے گواہیاں قائم کیں کہ اس کا چار سو ہے پھر اس نے اقرار کیا کہ اس پر منکر کے لیے صرف تین سو ہیں تو منکر سے تین سو ساقط ہو جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ساقط نہیں ہوں گے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ ''ملتقط''۔ گویا کیونکہ مدعیٰ علیہ منکر ہے اور اس کے ذمہ اس کے گمان میں غیر مشغول ہے تو یہ مقاصہ (باہم برابری) کیسے واقع ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اگر اس نے کہا: میں تجھے نہیں پہچانتا وغیرہ جیسے میں نے تجھے نہیں دیکھا کلمہ کو زائد کیا تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ تطبیق متعذر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ محتجب یا پردہ دار عورت بعض اوقات اپنے دروازہ پر شور و شغب سے اذیت حاصل کرتی ہے۔ پس وہ خصم کو راضی کرنے کا حکم لیتا ہے اور اسے نہیں پہچانتا پھر اسے پہچان لیتا ہے

سے مراد کسی شے کی خرید کو طلب کرنا ہے۔

26673۔ (قولہ: إِنْ لَمْ يُصَالِحْهُ) اس مسئلہ کا محل ان کا قول: ومن ادعی علی آخر مالا ہے۔ ''البحر'' میں کہا: اور یہ قید لگائی ہے کہ مدعیٰ علیہ نے مصالحت نہ کی۔ کیونکہ وہ اس سے خاموش ہے اصل عدم ہے۔ مگر جب وہ انکار کرے اور کسی شے پر مصالحت کر لے پھر ایفا پر گواہیاں قائم کر دے یا بری کرنے پر گواہیاں قائم کر دے اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا جس طرح ''الخلاصہ'' میں ہے۔ ''ح''۔

26674۔ (قولہ: وَكَأَنَّهُ الخ) یہ صاحب ''المنح'' کے کلام میں سے ہے۔

26675۔ (قولہ: فَأَيْنَ) ''المنح'' میں جو واقع ہے وہ اتی ہے۔

26676۔ (قولہ: وَإِنْ زَادَ) یعنی جو قول پہلے گزرا ہے مَالَكَ عَلَيَّ شَيْءٌ، تیرا مجھ پر کچھ نہیں۔ اس پر اس قول کا اضافہ کیا۔

26677۔ (قولہ: وَقِيلَ) قدوری نے ہمارے اصحاب سے اس کا ذکر کیا ہے۔ ''بحر''۔

26678۔ (قولہ: لِأَنَّ الْمُحْتَجِبَ) یعنی مردوں میں سے۔ محتجب اسے کہتے ہیں جو خود اپنے کام نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس کی عظمت کی وجہ سے ہر کوئی اسے نہیں دیکھتا۔ ''بحر''۔

حَتّٰى لَوْ كَانَ مِمَّنْ يَعْمَلُ بِنَفْسِهِ لَا يُقْبَلُ، نَعَمْ لَوِ ادَّعَى إِقْرَارَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ بِالْوُصُولِ أَوِ الْإِيصَالِ صَحَّ دُرَرٌ فِي آخِرِ الدَّعْوَى لِأَنَّ التَّنَاقُضَ لَا يَمْنَعُ صِحَّةَ الْإِقْرَارِ (أَقَرَّ بِبَيْعِ عَبْدِهِ) مِنْ فُلَانٍ (ثُمَّ جَحَدَهُ صَحَّ) لِأَنَّ الْإِقْرَارَ بِالْبَيْعِ بِلَا ثَمَنٍ بَاطِلٌ إِقْرَارُ بَزَّازِيَّةٍ

یہاں تک کہ اگر وہ ان لوگوں میں سے ہو جو خود عمل کرتا ہے تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ ہاں اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ مدعیٰ علیہ نے وصول یا ایصال کا اقرار کیا تو یہ صحیح ہوگا، ''درر'' کے کتاب الدعویٰ کے آخر میں ہے: کیونکہ تناقض صحت اقرار کے مانع نہیں۔ ایک آدمی نے اپنے غلام کو فلاں کے ہاتھ میں بیچنے کا اقرار کیا پھر اس کا انکار کر دیا تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ بیع کا ثمن کے بغیر اقرار باطل ہے۔ ''بزازیہ'' کے کتاب الاقرار میں ہے۔

26679۔(قولہ: حَتّٰى لَوْ كَانَ) کان کی ضمیر سے مراد مدعیٰ علیہ ہے۔ اسے اس قول جو ''النہایہ'' میں ہے ''قاضی خان'' کی پیروی میں تفریع کے طور پر ذکر کیا ہے۔ ''ایضاح الاصلاح'' میں ہے: ان میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ تطبیق کے امکان کی بنیاد یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک ان افراد میں سے ہو جو اعمال خود نہیں کرتا نہ کہ مدعی علیہ خصوصی طور پر اس کا مصداق ہے۔ انتہی۔ اس کا رد کرنا ظاہر ہے۔ کیونکہ مکمل کلام مدعیٰ علیہ کے تناقض میں ہے نہ کہ مدعی کے تناقض میں ہے۔ ''بحر''۔

26680۔(قولہ: نَعَمْ لَوِ ادَّعَى) ''الدرر'' میں ''القنیہ'' سے نقل کیا ہے: مدعی علیہ نے مدعی سے کہا: میں تجھے نہیں پہچانتا جب بینہ کے ساتھ حق ثابت ہو گیا تو اس نے ایصال (حق پہچانے) کا دعویٰ کر دیا تو اسے نہیں سنا جائے گا اگر مدعی کے وصول یا ایصال کے اقرار کا دعویٰ کیا تو اسے سنا جائے گا۔

''البحر'' میں کہا: کیونکہ متناقض وہ ہوتا ہے جو دو کلاموں کو جمع کرتا ہے یہاں اس نے دو کلاموں کو جمع نہیں کیا۔ اس وجہ سے اگر مدعی آنکھوں دیکھ کر اس کی تصدیق کرے تو وہ متناقض نہ ہوا۔ ''تمرتاشی'' نے اس کا ذکر کیا ہے، انتہی۔ اس کی مکمل گفتگو اس میں ہے۔

یہ اس سے زیادہ بہتر ہے جس کے ساتھ شارح نے علت بیان کی ہے۔ اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ شارح کا قول: اقرار المدعی علیہ اس کا صحیح اقرار المدعی ہے۔ مگر اسے یوں پڑھا جائے المدعی علیہ یعنی المدعی کو اسم فاعل کا صیغہ پڑھا جائے۔ تامل

بیع کا بغیر ثمن کے اقرار باطل ہے

26681۔(قولہ: لِأَنَّ الْإِقْرَارَ الخ) اس میں ہے: بیع کا اقرار اس کے دو رکنوں کا اقرار ہے کیونکہ یہ مال کا مال کے بدلے مبادلہ ہے۔ مگر یہ کہ اسے اس پر محمول کیا جائے کہ اس نے مال کے بغیر بیع کا اقرار کیا ہے، تامل۔ ''المبسوط'' میں کہا: دونوں نے بائع کے اقرار پر گواہیاں قائم کیں اور ثمن کا ذکر نہ کیا اور ثمن کے قبضہ کرنے پر گواہی نہ دی تو اسے قبول نہ کیا جائے گا۔ اگر وہ دونوں کہیں: ہمارے پاس اس نے اقرار کیا کہ اس نے اس کے ہاتھ شے بیچی اور ثمن لے لی اور ثمن کا ذکر نہ کیا تو یہ

(ادَّعَى عَلَى آخَرَ أَنَّهُ بَاعَهُ أَمَتَهُ) مِنْهُ (فَقَالَ) الْآخَرُ (لَمْ أَبِعْهَا مِنْكَ قَطُّ فَبَرْهَنَ) الْمُدَّعِي (عَلَى الشِّرَاءِ) مِنْهُ (فَوَجَدَ) الْمُدَّعِي (بِهَا عَيْبًا) وَأَرَادَ رَدَّهَا (فَبَرْهَنَ الْبَائِعُ أَنَّهُ) أَيْ الْمُشْتَرِي (بَرِئَ إِلَيْهِ مِنْ كُلِّ عَيْبٍ بِهَا لَمْ تُقْبَلْ) بَيِّنَةُ الْبَائِعِ لِلتَّنَاقُضِ، وَعَنْ الثَّانِي تُقْبَلُ لِإِمْكَانِ التَّوْفِيقِ بِبَيْعِ وَكِيلِهِ وَإِبْرَائِهِ عَنْ الْعَيْبِ، وَمِنْهُ وَاقِعَةُ سَمَرْقَنْدَ ادَّعَتْ أَنَّهُ نَكَحَهَا بِكَذَا وَطَالَبَتْهُ بِالْمَهْرِ

ایک آدمی نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ اس نے اپنی لونڈی اس کے ہاتھ میں بیچی دوسرے نے کہا: میں نے کبھی بھی اسے تیرے ہاتھ میں نہیں بیچا تو مدعی نے اس سے خریدنے پر گواہیاں قائم کردیں مدعی نے اس لونڈی میں عیب پایا اور اسے واپس کرنے کا ارادہ کیا بائع نے یہ گواہیاں قائم کیں کہ مشتری نے تو اسے اس عیب سے بری کر دیا تھا جو اس میں عیب ہے تو بائع کے بینہ کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ تناقض پایا جارہا ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: گواہیوں کو قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ تطبیق ممکن ہے کہ اس کے وکیل نے بیع کی ہو اور اسے عیب سے بری کر دیا ہو۔ اسی سے متعلق سمرقند کا واقع ہے: ایک عورت نے دعویٰ کیا کہ فلاں مرد نے اس کے ساتھ اتنے کے بدلے میں نکاح کیا ہے اور عورت نے مہر کا مطالبہ کیا

جائز ہوگا، انتہی۔ ''مجمع الفتاویٰ'' میں ہے: دونوں نے گواہی دی کہ اس نے بیچا اور ثمن پر قبضہ کیا تو یہ جائز ہوگا اگرچہ وہ ثمن کو بیان نہ کریں۔ اسی طرح اگر وہ بائع کے اقرار کی گواہی دیں کہ اس نے اسے بیچا اور ثمن پر قبضہ کیا۔

''الخلاصہ'' میں کہا: سب نے ثمن کے بیان کیے بغیر بیع پر گواہی دی اگر وہ ثمن کے قبضہ کرنے پر گواہی دیں تو اسے قبول کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر دونوں میں سے ایک وضاحت کرے اور دوسرا خاموش رہے۔ ''نور العین'' میں فصل سادس کے اوائل میں ہے۔ اس میں غور کیجئے جس کا ہم عنقریب کتاب الشہادۃ کے باب الاختلاف میں ذکر کریں گے۔

26682۔ (قولہ: أَمَتَهُ مِنْهُ) منہ کے قول کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ باعہ کی ضمیر اس سے غنی کر دیتی ہے۔ ''ح''۔

26683۔ (قولہ: أَيْ الْمُشْتَرِي) زیادہ صائب یہ ہے یعنی بائع جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

26684۔ (قولہ: لِلتَّنَاقُضِ) کیونکہ براءت کی شرط لگانا یہ اس عقد کی تغییر ہے جو دوسرے آدمی تک یہ وصف کی سلامتی کا تقاضا کرتا ہے۔ پس یہ عقد کے وجود کا تقاضا کرتا ہے جب کہ اس نے عقد کا انکار کیا ہے جو قول گزر چکا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ باطل کو بعض اوقات ادا کر دیا جاتا ہے۔ اور ایک آدمی اس سے براءت کا اظہار کرتا ہے مقصود باطل دعویٰ کو ختم کرنا ہوتا ہے۔ یہ سب کی جانب سے ظاہر روایت ہے۔ ''بحر''۔

26685۔ (قولہ: بِبَيْعِ وَكِيلِهِ) یعنی وکیل البائع۔

26686۔ (قولہ: وَإِبْرَائِهِ عَنْ الْعَيْبِ) یہاں مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے یہ ضمیر وکیل کی طرف راجع ہے اور فاعل مشتری ہے، ''ح''۔ اور جو کچھ ہم نے کہا اس بنا پر یہ مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے اور ضمیر وکیلہ کے لیے ہے۔ ''البحر'' کی عبارت کا یہی مفہوم ہے۔ ان کا پہلا قول: لم ابعھا منك قط سے مراد ہے میں نے اسے براہ راست

فَأَنْكَرَ فَبَرْهَنَتْ فَادَّعَى أَنَّهُ خَلَعَهَا عَلَى الْمَهْرِ تُقْبَلُ لِاحْتِمَالِ أَنَّهُ زَوَّجَهُ أَبُوهُ وَهُوَ صَغِيرٌ وَلَمْ يَعْلَمْ خُلَاصَةٌ (يَبْطُلُ) جَمِيعُ (صَكٍّ) أَيْ مَكْتُوبٍ (كُتِبَ إِنْ شَاءَ اللهُ فِي آخِرِهِ) وَقَالَا آخِرُهُ فَقَطْ وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ رَاجِحٌ عَلَى قَوْلِهِ فَتْحٌ وَاتَّفَقُوا عَلَى أَنَّ الْفُرْجَةَ كَفَاصِلِ السُّكُوتِ وَعَلَى انْصِرَافِهِ لِلْكُلِّ فِي جُمَلٍ عُطِفَتْ بِوَاوٍ

مرد نے اس کا انکار کر دیا، عورت نے گواہیاں قائم کر دیں مرد نے دعویٰ کر دیا کہ اس نے عورت سے مہر پر تو گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ مرد کے باپ نے اس کا عقد نکاح کیا ہو جب کہ وہ مرد چھوٹا ہو اور اسے علم نہ ہو، ''خلاصہ''۔ ہر وہ تحریر جس کے آخر میں ان شاء اللہ لکھا ہوا ہو وہ باطل ہو جائے گی۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: صرف اس کا آخری حصہ باطل ہوگا یہ استحسان ہے جو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر راجح ہے، ''فتح''۔ تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ تحریر میں انقطاع، فاصل سکوت کی طرح ہے اور ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اسے پوری تحریر کی طرف پھیرا جائے ایسے جملوں میں جو واؤ کے ساتھ معطوف ہوں

نہیں بیچا۔ اور ان کا قول: انہ بریٔ الیہ میں الیہ کی ضمیر و کیلہ کے لیے ہے۔

26687۔ (قولہ: فَأَنْكَرَ) یعنی اس نے کہا: ہمارے درمیان کوئی نکاح نہیں جس طرح ''البحر'' میں ''جامع الفصولین'' سے مروی ہے۔ اس نے کہا: میرے اور تیرے درمیان کوئی نکاح نہیں جب اس عورت نے نکاح پر گواہیاں قائم کیں مرد نے خلع پر گواہیاں قائم کر دیں تو مرد کی گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ اگر مرد نے کہا: ہمارے درمیان تو کبھی نکاح نہیں تھا یا اس نے کہا: میں نے اس سے کبھی شادی نہیں کی جب کہ صورتحال اسی حال پر باقی رہے چاہیے کہ یہ اور عیب کا مسئلہ برابر ہو۔ ظاہر روایت میں ہے: عیب سے براءت کے بینہ کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ بیع کا اقرار ہے۔ اسی طرح خلع سابقہ نکاح کا تقاضا کرتا ہے پس تناقض متحقق ہوگا۔

26688۔ (قولہ: رَاجِحٌ عَلَى قَوْلِهِ) کیونکہ جملوں میں اصل یہ ہے کہ وہ مستقل ہوں۔ اور تحریر تو اسی لیے لکھی جاتی ہے تاکہ اس بارے میں اطمینان ہو اگر وہ پوری تحریر کی طرف پھرے تو یہ سب تحریر کو باطل کرے گی۔ پس علما نے اس سے جو مقید کیا ہے یہ اس کی ضد ہوگی۔ پس جس کے ساتھ یہ متصل ہے ضرورۃ اس کی طرف پھرے گا۔ ''التبیین'' میں اسی طرح ہے۔ ''ح''

ہر وہ تحریر جس کے آخر میں ان شاء اللہ لکھا ہو وہ باطل ہو جائے گی

26689۔ (قولہ: فِي جُمَلٍ) یعنی قولی جملوں میں۔ ورنہ یہ ماقبل کے منافی ہوگا۔ ''البحر'' میں ہے: حاصل کلام یہ ہے: علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مشیت کا ذکر جب واؤ کے ساتھ ایک دوسرے پر عطف کی صورت میں جملوں کے بعد آئے جس طرح اس کا قول ہے: عبدہ حر وامرأتہ طالق وعلیہ المشی الی بیت اللہ الحرام ان شاء اللہ تو یہ مشیت تمام جملوں کی طرف راجع ہوگی۔ پس تمام کلام باطل ہو جائے گی۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اس کے حکم پر گامزن ہوئے ہیں اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما

وَأُعْقِبَتْ بِشَرْطٍ، وَأَمَّا الِاسْتِثْنَاءُ بِإِلَّا وَأَخَوَاتِهَا فَلِلْأَخِيرِ إِلَّا لِقَرِينَةٍ كَ لَهُ مِائَةُ دِرْهَمٍ وَخَمْسُونَ دِينَارًا إِلَّا دِرْهَمًا فَلِلْأَوَّلِ اسْتِحْسَانًا وَأَمَّا الِاسْتِثْنَاءُ بِإِنْ شَاءَ اللهُ بَعْدَ جُمْلَتَيْنِ إِيقَاعِيَّتَيْنِ فَإِلَيْهِمَا اتِّفَاقًا وَبَعْدَ طَلَاقَيْنِ مُعَلَّقَيْنِ أَوْ طَلَاقٍ مُعَلَّقٍ وَعِتْقٍ مُعَلَّقٍ فَإِلَيْهِمَا عِنْدَ الثَّالِثِ وَلِلْأَخِيرِ عِنْدَ الثَّانِي، وَلَوْ بِلَا عَطْفٍ أَوْ بِهِ بَعْدَ سُكُوتٍ فَلِلْأَخِيرِ اتِّفَاقًا وَعَطْفُهُ بَعْدَ سُكُوتِهِ لَغْوٌ إِلَّا بِمَا فِيهِ تَشْدِيدٌ عَلَى نَفْسِهِ وَتَمَامُهُ فِي الْبَحْرِ (مَاتَ ذِمِّيٌّ فَقَالَتْ عِرْسُهُ أَسْلَمْتُ بَعْدَ مَوْتِهِ وَقَالَتْ وَرَثَتُهُ قَبْلَهُ صُدِّقُوا)

اور اس کے آخر میں شرط ہو۔ جہاں تک الا اور اس کے اخوات کے ساتھ استثنا کا تعلق ہے تو یہ صرف آخری کے لیے ہوگی مگر جب قرینہ پائے جائے تو اس کے لیے استثنا ہوگی۔ جس طرح اس کے سو درہم اور پچاس دینار ہیں مگر ایک تو بطور استحسان استثنا پہلے سے ہوگی۔ جہاں تک اس استثنا کا تعلق ہے جو ان شاء اللہ کے ساتھ ہو ایسے دو جملوں کے بعد جو ایقاعی ہیں تو بالاتفاق استثنا دونوں جملوں سے متعلق ہوگی اور دو معلق طلاقوں کے بعد یا ایک معلق طلاق کے بعد اور ایک معلق عتق کے بعد تو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں سے متعلق ہوگی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آخری سے متعلق ہوگی۔ اگر دونوں جملے عطف کے بغیر ہوں یا اس کے ساتھ ہوں مگر سکوت کے ساتھ ہوں تو استثنا بالاتفاق آخری سے متعلق ہوگی۔ اس کے سکوت کے بعد اس کا عطف لغو ہوگا مگر جس میں اس کی ذات پر تشدید ہو۔ اس کی مکمل وضاحت ''البحر'' میں ہے۔ ایک ذمی فوت ہو گیا اس کی بیوی نے کہا: میں اس کی موت کے بعد مسلمان ہوئی ہوں۔ اس کے وارثوں نے کہا: وہ اس کی موت سے پہلے مسلمان ہو گئی تھی تو ورثا کی تصدیق کی جائے گی۔

نے تحریر لکھنے کی صورت کو اس کے عموم سے اس عارض کی وجہ سے خارج کیا ہے جس نے اس شرط کے حکم کے عموم سے تحریر کی تخصیص کا تقاضا کیا ہے جو شرط باہم ایک دوسرے پر معطوف جملوں کے بعد آئے۔ کیونکہ معمول یہی ہے اسی پر امر حادث کو محمول کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا قول استحسان ہے جو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر راجح ہے۔ ''فتح القدیر'' میں اسی طرح ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ شرط سب کی طرف راجع ہوتی ہے اگرچہ ان شاء اللہ کی صورت میں نہ ہو۔

26690۔ (قولہ: بِشَرْطٍ) یعنی خواہ شرط مشیت ہو یا نہ ہو جس طرح ''البحر'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ ''ح''۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ اقرار کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ اس کے بعد ان کا قول آئے گا: واما الاستثناء الخ، تامل

26691۔ (قولہ: إِيقَاعِيَّتَيْنِ) یعنی دونوں حتمی ہیں ان میں کوئی بھی معلق نہیں ہے یہاں قرینہ مقابل ہے جیسے انت طالق، ھذا حران شاء اللہ تعالیٰ۔ ''ح''۔

26692۔ (قولہ: أَوْ بِهِ بَعْدَ سُكُوتٍ) یعنی جب سکوت آخری جملہ اور اس کے مقابل میں ہو۔

26693۔ (قولہ: إِلَّا بِمَا فِيهِ تَشْدِيدٌ) اگر اس نے کہا: ان دخلت الدار فانت طالق (اگر تو گھر میں داخل ہو تو تجھے طلاق ہے) اور خاموش ہو گیا پھر اس نے کہا: وھذہ الاخری (اور یہ دوسری) تو دوسری اس یمین میں داخل ہوگی۔ اگر اس

تَحْكِيمًا لِلْحَالِ (كَمَا) يُحَكَّمُ الْحَالُ (فِي مَسْأَلَةِ) جَرَيَانِ (مَاءِ الطَّاحُونَةِ) ثُمَّ الْحَالُ إِنَّمَا تَصْلُحُ حُجَّةً لِلدَّفْعِ لَا لِلِاسْتِحْقَاقِ (كَمَا فِي مُسْلِمٍ مَاتَ فَقَالَتْ عِرْسُهُ) الذِّمِّيَّةُ (أَسْلَمْتُ قَبْلَ مَوْتِهِ)

یہ ظاہر حال پر حکم لگانے کی وجہ سے ہے جس طرح اس مسئلہ میں ظاہر حال پر حکم لگایا جاتا ہے جس میں پن چکی کے پانی کے جاری ہونے پر حکم لگایا جاتا ہے پھر ظاہر حال دفع کے لیے حجت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے استحقاق کے لیے حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ جس طرح ایک مسلمان مرگیا تو اس کی ذمی بیوی نے کہا: میں اس کی موت سے پہلے اسلام لاچکی تھی

نے وھذہ الدار الاخری (اور یہ دوسرا گھر) تو معاملہ مختلف ہوگا۔ اگر اس نے کہا: ھذہ طالقۃ اسے طلاق ہے پھر خاموش ہو گیا اور کہا: وھذہ (اور اسے) تو دوسری کو طلاق ہو جائے گی۔ عتق میں اسی طرح ہے۔ ''بحر''۔ کذا فی الھامش (حاشیہ میں اسی طرح ہے)

تحکیم الحال حق کو ساقط کرنے کی حجت ہے نہ کہ حق کو ثابت کرنے کی

26694۔ (قولہ: تَحْكِيمًا لِلْحَالِ) یعنی ظاہر حال پر حکم لگایا جائے گا۔ کذا فی الھامش

26695۔ (قولہ: کَمَا الخ) مصنف نے جس نسخہ پر شرح لکھی ہے اس میں یہ مسئلہ موجود نہیں۔

26696۔ (قولہ: جَرَيَانِ الخ) جریان کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں بلکہ انقطاع اسی طرح ہے۔ پس زیادہ بہتر اس کا حذف کرنا ہے۔

اجرت کو ثابت کرنے کے لیے ظاہر حال سے استدلال کیا جاتا ہے

26697۔ (قولہ: ثُمَّ الْحَالُ إِنَّمَا تَصْلُحُ حُجَّةً لِلدَّفْعِ لَا لِلِاسْتِحْقَاقِ) اگر یہ کہا جائے: اس قول کا تو اس کے ساتھ نقض واقع ہو جاتا ہے جو مستاجر پر اجرت کا فیصلہ کیا جاتا ہے جب پن چکی کا پانی جاری ہو جب باہم اختلاف واقع ہو۔ کیونکہ اجرت کو ثابت کرنے کے لیے ظاہر حال سے استدلال کیا جاتا ہے۔ ہم کہتے ہیں: یہ اس پر اعتراض کو دور کرنے کے لیے استدلال ہے جو مستاجر آجر پر دعویٰ کرتا ہے کہ ایسا عیب ثابت ہے جو اجر کے سقوط کا موجب ہے۔ جہاں تک اجر کے ثبوت کا تعلق ہے وہ تو اس سابقہ عقد کی وجہ سے ہے جو اس کا موجب ہے۔ پس یہ استدلال دافع ہوگا موجب نہیں ہوگا۔

حاشیہ میں ''البحر'' سے مروی ہے: اگر ایک مسلمان مرجائے اور اس کی نصرانی بیوی ہو وہ خاوند کی موت کے بعد مسلمان ہو کر آئی اور اس نے کہا: میں اس کی موت سے پہلے مسلمان ہو چکی تھی وارثوں نے کہا: یہ اس کی موت کے بعد مسلمان ہوئی تو بھی قول ان کا معتبر ہوگا۔ اور ظاہر حال کے مطابق حکم نہیں لگایا جائے گا۔ کیونکہ ظاہر حال استحقاق کے لیے حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی جب کہ عورت اس کی محتاج ہے۔ جہاں تک وارث اس کا دفاع کرنے والے (رد کرنے والے) ہیں اور حدوث کا ظاہر بھی ان کی تائید کرتا ہے۔

26698۔ (قولہ: کَمَا فِي مُسْلِمٍ الخ) یہ منفی کی تمثیل ہے۔ یہی استحقاق ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے: یہاں بھی انہیں کا

فَأَرِثُهُ (وَقَالُوا بَعْدَهُ) فَالْقَوْلُ لَهُمْ لِأَنَّ الْحَادِثَ يُضَافُ لِأَقْرَبِ أَوْقَاتِهِ فَرْعٌ وَقَعَ الِاخْتِلَافُ فِي كُفْرِ الْمَيِّتِ وَإِسْلَامِهِ فَالْقَوْلُ لِمُدَّعِي الْإِسْلَامِ بَحْرٌ فَرْعٌ وَقَعَ الِاخْتِلَافُ فِي كُفْرِ الْمَيِّتِ وَإِسْلَامِهِ فَالْقَوْلُ لِمُدَّعِي الْإِسْلَامِ بَحْرٌ (قَالَ الْمُودَعُ) بِالْفَتْحِ (هٰذَا) ابْنُ مُودِعٍ بِالْكَسْرِ (الْمَيِّتِ لَا وَارِثَ لَهُ غَيْرُهُ دَفَعَهَا إِلَيْهِ) وُجُوبًا كَقَوْلِهِ هٰذَا ابْنُ دَائِنِي، قَيَّدَ بِالْوَارِثِ لِأَنَّهُ لَوْ أَقَرَّ أَنَّهُ وَصِيُّهُ أَوْ وَكِيلُهُ أَوِ الْمُشْتَرِي مِنْهُ لَمْ يَدْفَعْهَا (فَإِنْ أَقَرَّ) ثَانِيًا (بِابْنٍ آخَرَ لَهُ لَمْ يُفِدْ) إِقْرَارُهُ (إِذَا كَذَّبَهُ) الِابْنُ (الْأَوَّلُ) لِأَنَّهُ إِقْرَارٌ عَلَى الْغَيْرِ، وَيَضْمَنُ لِلثَّانِي حَظَّهُ إِنْ دَفَعَ لِلْأَوَّلِ بِلَا قَضَاءٍ زَيْلَعِيٌّ

میں اس کی وارث ہوں۔ ورثاء نے کہا: یہ اس کی موت کے بعد مسلمان ہوئی تو قول ورثاء کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ امر حادث اپنے اوقات میں سے سب سے قریبی کی طرف مضاف ہوتی ہے۔ فرع: میت کے کفر اور اس کے اسلام میں اختلاف واقع ہو گیا تو قول اسلام کے مدعی کا معتبر ہوگا، ''بحر''۔ مودع نے کہا: یہ میرے مودع، جو فوت ہو چکا ہے، کا بیٹا ہے اس کے سوا اس کا کوئی وارث نہیں ہے۔ تو وجوبی طور پر اس کو دے دے گا جس طرح اس کا یہ قول ہے: یہ میرے قرض خواہ کا بیٹا ہے۔ وارث کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر وہ یہ اقرار کرے کہ یہ اس کا وصی ہے یا اس کا وکیل ہے یا اس کا خریدار ہے تو وہ اسے نہیں دے گا۔ اگر وہ دوسری دفعہ اپنے دوسرے بیٹے کا اقرار کرے تو اس کا اقرار صحیح نہیں ہوگا جب پہلا بیٹا اس کو جھٹلائے۔ کیونکہ یہ غیر کے خلاف اقرار ہے اور دوسرے بیٹے کے لیے اس کے حصہ کا ضامن ہوگا اگر پہلے بیٹے کو قاضی کے فیصلہ کے بغیر ادا کرے، ''زیلعی''۔

قول معتبر ہوگا۔ اسی وجہ سے جس کا ذکر عنقریب آئے گا۔ یہ ممکن نہیں کہ قول اس عورت کا معتبر ہو جب کہ اس پر بنا کی جائے کہ ظاہر حال پر حکم کیا جائے۔ کیونکہ یہ استحقاق کی دلیل نہیں بن سکتا جب کہ وہ عورت اس کی محتاج ہے۔

26699۔ (قولہ: لِمُدَّعِي الْإِسْلَامِ) اگر ایک آدمی مر جائے اور اس کے والدین ذمی ہوں تو وہ دونوں کہیں: ہمارا بیٹا کافر کی حیثیت سے مر گیا اور اس کے مسلمان بچے کہیں وہ مسلمان کی حیثیت سے مرا ہے تو اس کی میراث بچے کے لیے ہوگی والدین کے لیے نہیں ہوگی۔ ''بحر'' میں ''الخزانہ'' سے مروی ہے۔

26700۔ (قولہ: مُودِعٍ) ''البحر'' میں کہا: اپنے اقرار کو بیٹے ہونے کے ساتھ مقید کیا۔ کیونکہ اگر اس نے کہا: یہ اس کا حقیقی بھائی ہے اس کے سوا اس کا کوئی وارث نہیں جب کہ وہ اس کا دعویٰ کرتا ہے تو قاضی اس میں جلد بازی نہیں کرے گا۔ فرق یہ ہے کہ بھائی اس وقت متحقق ہوتا ہے جب بیٹا نہ ہو۔ بیٹے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ ہر حال میں وارث ہے۔ ابن سے مراد یہ ہے جو ہر حال میں وارث بنتا ہو بیٹی، باپ اور ماں بیٹے کی طرح ہے۔ ہر وہ شخص جو ایک حال میں وارث بنتا ہو دوسرے حال میں وارث نہ بنتا ہو تو وہ بھائی کی طرح ہے۔ ''بحر''۔

26701۔ (قولہ: زَيْلَعِيٌّ) یہی صحیح ہے جس طرح ''الفتح'' میں ہے۔ ''غایۃ البیان'' میں جو قول ہے وہ اس کے خلاف ہے۔

(تَرِكَةٌ قُسِمَتْ بَيْنَ الْوَرَثَةِ أَوْ الْغُرَمَاءِ بِشُهُودٍ لَمْ يَقُولُوا نَعْلَمُ) كَذَا نُسَخُ الْمَتْنِ وَالشَّرْحِ،

ترکہ وارثوں یا غرماء میں ایسے گواہوں کی گواہی کے ساتھ تقسیم کیا گیا جنہوں نے یہ نہیں کہا تھا ہم جانتے ہیں اسی طرح متن اور شرح کی نسخے ہیں،

وارث اگر غیر کے ساتھ محجوب ہوتو اس کا حکم

26702۔(قولہ: تَرِكَةٌ قُسِمَتْ الخ) ''جامع الفصولین'' کی بارہویں فصل کے آخر میں کہا جب کہ اصل کی طرف اشارہ کیا ہے: وارث اگر غیر کے ساتھ محجوب ہو جیسے دادا، دادی، بھائی، بہن تو کوئی شے اسے نہیں دی جائے گی جب تک وہ جمیع وارثوں پر گواہیاں قائم نہ کر دے یعنی جب وہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ میت کا بھائی ہے تو ضروری ہوگا کہ وہ تمام حاضر وارثوں کی موجودگی میں اسے ثابت کرے یا دونوں گواہ یہ گواہی دیں کہ وہ اس کے سوا کسی وارث کو نہیں جانتے۔ اگر وہ دونوں کہیں: اس کے سوا کوئی وارث نہیں تو ہمارے نزدیک اسے قبول کیا جائے گا۔ ''ابن ابی لیلیٰ'' کے ہاں اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ان دونوں نے اندازہ سے بات کی ہے۔ جب کہ ہمارے نزدیک عرف معتبر ہے۔ کیونکہ اس قول سے لوگوں کی مراد یہ ہوتی ہے، ہم اس کے سوا اس کا کوئی وارث نہیں جانتے یہ نفی پر شہادت ہے۔ پس اس شہادت کو قبول کیا جائے گا کیونکہ یہ بات گزر چکی ہے کہ شہادت کو شرط پر قبول کیا جاتا ہے اگرچہ وہ شرط نفی ہو۔ یہاں معاملہ اسی طرح ہے۔ کیونکہ یہ وراثت کی شرط پر قائم ہے۔ اگر وارث ان افراد میں سے ہے جو کسی کی وجہ سے محجوب نہیں ہوتا اگر دو آدمی گواہی دے دیں کہ یہ اس کا وارث ہے اور انہوں نے یہ نہ کہا: اس کے سوا اس کا کوئی وارث نہیں یا ہم اسے نہیں جانتے تو قاضی اتنا عرصہ انتظار کرے گا جس میں یہ امید ہو کہ کوئی دوسرا وارث حاضر ہو جائے۔ اگر وہ حاضر نہ ہو تو تمام وراثت کا اس کے حق میں فیصلہ کر دے دونوں مسئلوں میں امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے کفیل نہیں لیا جائے گا۔ یعنی اس صورت میں جب دونوں کہیں: اس کے سوا اس کا کوئی وارث نہیں یا ہم اسے نہیں جانتے ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس سے ضامن لیا جائے گا۔ انتظار کا عرصہ یہ قاضی کی رائے کے سپرد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک ماہ۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ جہاں تک میاں بیوی کا معاملہ ہے اگر ان میں سے ایک گواہیوں کے ساتھ وراثت کو ثابت کرے اور یہ ثابت نہ کرے کہ اس کا اس کے سوا کوئی وارث ہے تو امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں کے حق میں انتظار کے بعد دو حصوں سے زائد کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں کے حق میں اقل کا فیصلہ کیا جائے گا باپ کے لیے چوتھا اور ماں کے لیے آٹھواں۔ ملخص۔ اگر قاضی تاخیر کرے اور اس کا زمانہ گزر جائے تو کوئی فرق نہ ہوگا کہ یہ ان افراد میں سے ہے جو کسی دوسرے کی وجہ سے محجوب ہو جاتا ہے جیسے بھائی یا ان میں سے ہے جو محجوب نہیں ہوتا جیسے بیٹا جس طرح ''بزازیہ'' میں العاشر فی النسب والارث میں ہے اسے دیکھیے جس کا ذکر باب الشہادۃ علی الشہادۃ سے تھوڑا پہلے (مقولہ 27125 میں) آئے گا۔

26703۔(قولہ: كَذَا نُسَخُ الْمَتْنِ) یعنی لا کو ساقط کرنے کے ساتھ۔ حق یہ ہے کہ یہ ثابت ہو جس طرح باقی کتب

وَعِبَارَةِ الدُّرَرِ وَغَيْرِهَا لَا نَعْلَمُ (لَهُ وَارِثًا أَوْ غَرِيمًا لَمْ يُكَفَّلُوا) خِلَافًا لَهُمَا لِجَهَالَةِ الْمَكْفُولِ لَهُ وَيَتَلَوَّمُ الْقَاضِي مُدَّةً ثُمَّ يَقْضِي، وَلَوْ ثَبَتَ بِالْإِقْرَارِ كُفِّلُوا اتِّفَاقًا، وَلَوْ قَالَ الشُّهُودُ ذٰلِكَ لَا اتِّفَاقًا

''الدرر'' وغیرہا کی عبارت ہے: ہم نہیں جانتے کہ اس کا کوئی وارث یا قرض خواہ ہے ان سے ضمانت نہیں لی جائے گی۔ ''صاحبین'' رحمہا اللہ علیہما کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ کیونکہ مکفول لہ مجہول ہے۔ قاضی ایک عرصہ تک فیصلہ کرنے میں تاخیر کرے گا پھر وہ فیصلہ کرے گا اگر اقرار سے یہ ثابت ہو تو بالاتفاق ان سے ضامن لیے جائیں گے اگر گواہوں نے یہ کہا کہ بالاتفاق ضامن نہیں لیے جائیں گے۔

میں ہے،''ح''۔ کذا فی الهامش

26704۔(قولہ: لَمْ يُكَفَّلُوا) یہ مجہول کا صیغہ ہے عین کلمہ مشدد ہے واؤ وارثوں یا غرماء کے لیے ہے۔ یعنی قاضی ان سے کفیل نہیں لے گا،''ح''۔ کذا فی الهامش

''الدرر'' میں کہا: ان کا قول لم یکفلوا یعنی ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان سے شخصی ضامن نہیں لیا جائے گا۔ ''صاحبین'' رحمہا اللہ علیہما نے کہا: ان سے شخصی ضامن لیا جائے گا۔

یہ اس میں ظاہر ہے کہ ''صاحبین'' رحمہا اللہ علیہما کے قول کے مطابق ان سے شخصی ضامن لیا جائے گا۔ پھر میں نے تاج الشریعہ ''ابو سعود'' کو اپنے شیخ سے اسے نقل کرتے ہوئے دیکھا ہے۔''البحر'' میں اسے نہیں دیکھا پس اس میں توقف کیا کہ یہ کفالت بالنفس ہے یا کفالت بالمال ہے۔

26705۔(قولہ: لِجَهَالَةِ) یہ ان کے قول لم یکفلوا کی علت ہے۔ کذا فی الهامش

اس مدت کا بیان جس مدت تک قاضی فیصلے میں تاخیر کر سکتا ہے

26706۔(قولہ: وَيَتَلَوَّمُ) یعنی وہ تاخیر کرے،''ح''۔ مراد ہے فیصلہ کرنے میں تاخیر کرے نہ کہ اس کا مطلب ہے فیصلہ کرنے کے بعد تاخیر کرے۔ جس طرح ''البحر'' میں ''غایۃ البیان'' سے نقل کیا ہے۔ مسئلہ کی تین وجوہ ہیں۔ پس ''البحر'' کی طرف رجوع کیجئے۔ اس میں کچھ شے الشهادة على الشهادة سے تھوڑا پہلے (مقولہ 27125 میں) آئے گی۔

26707۔(قولہ: مُدَّةً) اس کی مدت کی مقدار قاضی کی رائے کے سپرد ہے۔ امام ''طحاوی'' نے اس کو ایک سال مقدر کیا ہے۔ کذا فی الهامش۔ اور عدم تقدیر کی صورت میں یہ ہے کہ جب اسے ظن غالب حاصل ہو جائے کہ اس کا کوئی وارث نہیں اور اس کا کسی دوسرے پر کوئی قرض نہیں۔

26708۔(قولہ: ثَبَتَ بِالْإِقْرَارِ) یعنی وراثت اور دین اقرار کے ساتھ ثابت ہو،''ح''۔ یہ ان کے قول بشهود سے محترز ہے۔

26709۔(قولہ: ذٰلِكَ) یعنی انہوں نے کہا: ہم اس کا نہ کوئی وارث جانتے ہیں اور نہ ہی قرض خواہ جانتے ہیں،

(ادَّعَى) عَلَى آخَرَ (دَارًا لِنَفْسِهِ وَلِأَخِيهِ الْغَائِبِ) إِرْثًا (وَبَرْهَنَ عَلَيْهِ) عَلَى مَا ادَّعَاهُ (أَخَذَ) الْمُدَّعِي (نِصْفَ الْمُدَّعَى) مُشَاعًا (وَتَرَكَ بَاقِيَهُ فِي يَدِ ذِي الْيَدِ بِلَا كَفِيلٍ جَحَدَ) ذُو الْيَدِ (دَعْوَاهُ أَوْ لَمْ يَجْحَدْ) خِلَافًا لَهُمَا وَقَوْلُهُمَا اسْتِحْسَانٌ نِهَايَةٌ، وَلَا تُعَادُ الْبَيِّنَةُ وَلَا الْقَضَاءُ إِذَا حَضَرَ الْغَائِبُ فِي الْأَصَحِّ لِانْتِصَابِ أَحَدِ الْوَرَثَةِ خَصْمًا لِلْمَيِّتِ

ایک آدمی نے دوسرے پر ایک گھر کا اپنے لیے اور اس کے اپنے غائب بھائی کے لیے وراثت کے طور پر دعویٰ کیا اور جو دعویٰ کیا تھا اس پر گواہیاں قائم کر دیں مدعی نصف مدعیٰ مشترک طور پر لے لے گا اور باقی ماندہ قابض کے حق میں بغیر کفیل کے چھوڑ دے گا قابض اس کے دعویٰ کا انکار کرے یا انکار نہ کرے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا قول استحسان ہے، ''نہایہ''۔ نہ بینہ دوبارہ پیش کیے جائیں گے اور نہ ہی قضا دوبارہ پیش کی جائے گی جب غائب حاضر ہو یہ اصح قول ہے۔ کیونکہ ایک وارث میت کا خصم بن سکتا ہے

''ح''۔ کذا فی الہامش۔

26710۔ (قولہ: ادَّعَى) ''جامع الفصولین'' کی فصل رابع میں ہے: ایک آدمی نے دو افراد کے خلاف دعویٰ کیا کہ وہ گھر جو تم دونوں کے قبضہ میں ہے وہ میری ملکیت ہے تو اس نے دونوں میں سے ایک کے خلاف گواہی قائم کر دی اگر گھر دونوں میں سے ایک کے قبضہ میں وراثت کی صورت میں ہو تو اس کے خلاف حکم غائب کے خلاف حکم ہوگا۔ کیونکہ ایک وارث سب کی جانب سے خصم ہو جاتا ہے اگر تمام گھر اس کے قبضہ میں نہ ہو تو یہ غائب کے خلاف قضا نہ ہوگی بلکہ اس کی قضا ہوگی کہ موجود کے قبضہ میں جو ہے حاضر کے خلاف اس کا فیصلہ ہے۔ اگر دونوں کے قبضہ میں ہو یا دونوں میں سے ایک کے قبضہ میں ہو وہ شراکی وجہ سے ہو تو دونوں میں سے ایک کے خلاف حکم دوسرے کے خلاف حکم نہیں ہوگا۔

26711۔ (قولہ: جَحَدَ ذُو الْيَدِ الخ) یہ تعمیم ان کے قول وبرهن علیه کے بعد غیر صحیح ہے۔ کیونکہ برہان اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ اس سے پہلے انکار ہو چکا ہو صحیح یہ ہے کہ ان کے قول: وبرهن علیه کو وثبت علیه سے بدل دیا جائے پس یہ اس ثبوت کو شامل ہوگا جو اقرار اور بینہ سے ثابت ہو اس وقت اس کا قول جحد دعواه اولم یجحد ساقط ہو جائے گا۔ ''ح''۔

اس کا جواب دیا جائے گا یہ تعمیم ان کے قول وترک باقیہ کی طرف راجع ہے اس کے ساتھ اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فافہم

26712۔ (قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) کیونکہ دونوں نے کہا: اگر قابض انکار کرے تو اس سے لے لیا جائے گا اور کسی دین دار آدمی کے پاس اس کو رکھ دیا جائے گا کیونکہ انکار کرنے کے ساتھ اس نے خیانت کی ہے ورنہ اس کے ہاتھ میں اسے چھوڑ دیا جائے گا۔ ''ح''۔

26713۔ (قولہ: خَصْمًا لِلْمَيِّتِ) زیادہ صحیح عن المیت ہے۔ حاشیہ میں ''البحر'' سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے: وہ تین

حَتّٰى تُقْضٰى مِنْهَا دُيُونُهُ، ثُمَّ إِنَّمَا يَكُونُ خَصْمًا بِشُرُوطٍ تِسْعَةٍ مَبْسُوطَةٍ فِي الْبَحْرِ، وَالْحَقُّ الْفَرْقُ بَيْنَ الدَّيْنِ وَالْعَيْنِ (وَمِثْلُهُ) أَيْ الْعَقَارِ (الْمَنْقُولُ) فِيمَا ذُكِرَ (فِي الْأَصَحِّ) دُرَرٌ لَكِنْ اعْتَمَدَ فِي الْمُلْتَقٰى أَنَّهُ يُؤْخَذُ مِنْهُ اتِّفَاقًا وَمِثْلُهُ فِي الْبَحْرِ قَالَ وَأَجْمَعُوا عَلٰى أَنَّهُ لَا يُؤْخَذُ لَوْ مُقِرًّا (أَوْصٰى لَهُ بِثُلُثِ مَالِهِ يَقَعُ)

یہاں تک وارثوں کی جانب سے اس کے دیون دیئے جائیں گے۔ پھر وہ نو شروط کے ساتھ خصم بنے گا جن کا ذکر ''البحر'' میں تفصیل سے آیا ہے۔ حق یہ ہے کہ دین اور عین میں فرق کیا جائے۔ اور عقار (جائیداد) کی مثل منقولہ چیز ہے ان امور میں جن کا ذکر کیا گیا ہے یہ اصح قول کے مطابق ہے، ''درر''۔ لیکن ''الملتقی'' میں اس پر اعتماد کیا ہے کہ بالاتفاق منقول اس سے لے لیا جائے گا۔ اسی کی مثل ''البحر'' میں ہے۔ کہا: علما نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ اگر وہ اقرار کرنے والا ہو تو اس سے نہیں لیا جائے گا۔ ایک آدمی نے اپنے مال کے تہائی کی وصیت کی

شروط کی موجودگی میں باقی کی جانب سے خصم بنے گا: عینی چیز مکمل کی مکمل اس کے قبضہ میں ہوگی، وہ تقسیم نہ کی گئی ہو، غائب اس امر کی تصدیق کرے کہ یہ معین میت کی جانب سے گھر وراثت کے طور پر انہیں ملا ہے۔ انتہی

عین اور دین میں فرق

26714۔ (قولہ: وَالْحَقُّ الخ) اس کا ماقبل کلام سے کوئی رابطہ نہیں۔ کیونکہ اس کا ماقبل اس کے بارے میں ہے کہ ایک وارث میت کی جانب سے خصم بن سکتا ہے جب کہ یہ فرق اس بارے میں ہے کہ ان میں سے ایک اس بارے میں خصم بن سکتا ہے جو اس پر لازم ہے۔ ''البحر'' میں کہا: اسی طرح ان میں سے ایک مطلقاً خصم بن سکتا ہے اس معاملہ میں جو اس کے ذمہ لازم ہوا گر وہ دین ہو۔ اگر عینی چیز کے دعویٰ کے بارے میں ہو تو ضروری ہے کہ وہ اس کے قبضہ میں ہو تا کہ یہ سب کے خلاف قضا ہو جائے اگر بعض اس کے قبضہ میں ہو تو اسی مقدار سے نافذ ہو جائے گا جس طرح ''الجامع الکبیر'' میں اس کی تصریح کی ہے۔

''الہدایہ''، ''النہایہ'' اور ''العنایہ'' میں جو کچھ ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے ضروری ہے کہ دعویٰ دین میں بھی سب کچھ اس کے قبضہ میں ہو۔

''فتح القدیر'' میں عین اور دین میں فرق کی تصریح کی ہے یہی حق ہے اور اس کے علاوہ سہو ہے۔

''حاشیۃ ابی سعود'' میں ان کے شیخ سے مروی ہے: دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے دائن کا حق تمام ترکہ میں مشترک ہوتا ہے۔ مدعی عین کا معاملہ مختلف ہے۔

26715۔ (قولہ: وَالْعَيْنِ) جہاں وارثوں میں سے ایک دعویٰ عین میں باقی وارثوں کی جانب سے خصم نہیں بنتا مگر جب وہ اس کے قبضہ میں ہو دین کے دعویٰ میں یہ شرط نہیں کہ تمام ترکہ اس کے قبضہ میں ہو یہاں تک کہ وہ سب کی جانب سے خصم بن سکے۔ ''الہدایہ''، ''النہایہ'' اور ''العنایہ'' میں جو کچھ ہے اس کے خلاف ہے۔ ''ح''۔

26716۔ (قولہ: لَوْ مُقِرًّا) یعنی اگر وہ اقراری ہے تو جائیداد کی طرح اس سے نہیں لیا جائے گا۔

ذٰلِكَ (عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ) لِأَنَّهَا أُخْتُ الْمِيرَاثِ (وَلَوْ قَالَ مَالِي أَوْ مَا أَمْلِكُهُ صَدَقَةٌ فَهُوَ عَلٰى) جِنْسِ (مَالِ الزَّكَاةِ) اسْتِحْسَانًا (وَإِنْ لَمْ يَجِدْ غَيْرَهُ أَمْسَكَ مِنْهُ) قَدْرَ (قُوتِهِ، فَإِذَا مَلَكَ) غَيْرَهُ (تَصَدَّقَ بِقَدْرِهِ) فِي الْبَحْرِ قَالَ إِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَمَا أَمْلِكُهُ صَدَقَةٌ فَحِيلَتُهُ أَنْ يَبِيعَ مِلْكَهُ مِنْ رَجُلٍ بِثَوْبٍ فِي مِنْدِيلٍ وَيَقْبِضَهُ وَلَمْ يَرَهُ ثُمَّ يَفْعَلُ ذٰلِكَ ثُمَّ يَرُدَّهُ بِخِيَارِ الرُّؤْيَةِ فَلَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ،

تو یہ وصیت ہر شے پر واقع ہوگی۔ کیونکہ یہ میراث کی بہن ہے اگر اس نے کہا: میرا مال اور جس کا میں مالک ہوں وہ صدقہ ہے تو اس کا اطلاق اس پر ہوگا جو مال زکوٰۃ کی جنس سے ہو۔ یہ بطور استحسان ہے۔ اگر وہ اس کے سوا کوئی شے نہ پاتا ہو تو اپنی خوراک کی مقدار اس سے روک لے جب وہ اس کے علاوہ کا مالک ہو تو جتنا روکا تھا اتنا صدقہ کر دے۔ ''البحر'' میں ہے: اس نے کہا: اگر میں اس طرح کروں تو جس کا میں مالک ہوں گا تو وہ صدقہ ہے تو اس کا حیلہ یہ ہے کہ وہ اپنی مملوکہ چیزیں ایک آدمی کے لیے ایسے کپڑے کے بدلے میں جو رومال میں ہے بیچ دے اور اس کپڑے پر قبضہ کرے اور اسے نہ دیکھے پھر وہ اس طرح کا فعل کرے پھر خیار رویت کے ساتھ اس کپڑے کو رد کر دے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔

26717۔ (قولہ: مَالِي أَوْ مَا أَمْلِكُهُ الخ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ دین بھی اس میں داخل ہوگا۔ ''القنیہ'' میں دو قولوں کی حکایت کی ہے۔ ''الوہبانیہ'' میں کتاب الوصایا میں اس کے دخول پر اعتماد کیا ہے۔ ''سائحانی'' نے ''المقدسی'' سے نقل کیا ہے: اس میں کوئی شک نہیں دین میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اور جب دین پورے کا پورا لے لیا تو وہ مال ہو جائے گا۔

لیکن ''البحر'' میں ''الخانیہ'' سے عدم دخول مروی ہے۔ یہی علماء کے قول ''دین مال نہیں یہاں تک کہ اگر وہ قسم اٹھائے کہ اس کے پاس کوئی مال نہیں جب کہ اس کا لوگوں پر دین ہو تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ ابن شحنہ نے ابن وہبان سے نقل کیا ہے اس کے حافظہ میں یہ ہے کہ ''خانیہ'' میں یہ روایت ہے کہ وہ دین اس میں داخل ہوگا۔ ''ح''۔

26718۔ (قولہ: جِنْسِ مَالِ الزَّكَاةِ) وہ کون سی جنس ہو وہ نصاب کو پہنچے یا نہ پہنچے اس پر ایسا دین لازم ہو جو اس کے تمام مال کو محیط ہو یا نہ ہو۔ ''بحر''۔

26719۔ (قولہ: تَصَدَّقَ بِقَدْرِهِ) یعنی اتنی مقدار وہ صدقہ کرے جتنا مال اس نے اپنے پاس روک لیا تھا۔ کیونکہ اس کی حاجت مقدم ہے۔ پس یہ صنعت والا اتنا روک لے گا جو اس کی نئی شے کے لیے کفایت کرے۔ ''منح''۔

26720۔ (قولہ: فَحِيلَتُهُ) یعنی اگر وہ ارادہ کرے کہ وہ یہ فعل کرے اور حانث نہ ہو۔

26721۔ (قولہ: ثُمَّ يَفْعَلُ ذٰلِكَ) یعنی وہ محلوف علیہ فعل کرے۔

26722۔ (قولہ: فَلَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ) علامہ ''مقدسی'' نے کہا: اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ معتبر وہ ملکیت ہے جو قسم توڑنے کے وقت ہو نہ کہ جب قسم اٹھائی ہو۔ انتہی

میں کہتا ہوں: اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ مشتری، یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ جو خیار رویت کے ساتھ ہو وہ اس کی ملک

وَلَوْ قَالَ أَلْفُ دِرْهَمٍ مِنْ مَالِي صَدَقَةٌ إِنْ فَعَلْتُ كَذَا فَفَعَلَهُ وَهُوَ يَمْلِكُ أَقَلَّ لَزِمَهُ بِقَدْرِ مَا يَمْلِكُ، وَلَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُ شَيْءٌ لَا يَجِبُ شَيْءٌ (وَصَحَّ الْإِيصَاءُ بِلَا عِلْمِ الْوَصِيِّ فَصَحَّ) تَصَرُّفُهُ (لَا) يَصِحُّ (التَّوْكِيلُ بِلَا عِلْمِ وَكِيلٍ) وَالْفَرْقُ أَنَّ تَصَرُّفَ الْوَصِيِّ خِلَافَةٌ وَالْوَكِيلِ نِيَابَةٌ (فَلَوْ عَلِمَ) الْوَكِيلُ بِالتَّوْكِيلِ (وَلَوْ مِنْ) مُمَيِّزٍ

اگر اس نے کہا: میرے مال میں سے ہزار درہم صدقہ ہیں اگر میں ایسا کروں تو اس نے اس طرح کیا جب کہ وہ ہزار سے کم کا مالک ہے تو جس مقدار کا مالک ہے وہ اس پر لازم ہو جائے گا اگر اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو تو کوئی شے واجب نہ ہو گی۔ اس کے علم کے بغیر وصی بنانا صحیح ہے۔ پس اس کا تصرف صحیح ہوگا۔ وکیل کو علم نہ ہو تو اس کو وکیل بنانا صحیح نہیں دونوں میں فرق یہ ہے کہ وصی کا تصرف خلافت ہے اور وکیل کا تصرف نیابت ہے۔ اگر وکیل کو وکیل بنانے کا علم ہو جائے اگرچہ تمیز رکھنے والے بچے

میں داخل نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ اسے دیکھ لے اور اس پر راضی ہو جائے۔ یہ شیخ ''ابوطیب مدنی'' نے کہا ہے۔ مسئلہ کتب کی طرف رجوع کا محتاج ہے۔

''البحر'' سے جو نقل کیا ہے ''البحر'' میں اسے ''الولوالجیہ'' کی طرف منسوب کیا ہے جو کتاب کے آخر میں الحیل میں ہے اس کی مکمل بحث وہاں ہے کیونکہ کہا: اگر اس کے لوگوں پر دیون ہوں وہ ان دیون کے بارے میں ایک آدمی کے ساتھ اس کپڑے کے عوض جو رومال میں ہے مصالحت کرتا ہے پھر وہ یہ عمل کرتا ہے اور کپڑا خیار رویت کے ساتھ واپس کر دیتا ہے پس دین لوٹ آئے گا اور وہ حانث نہیں ہوگا۔

اگر وصی حقیقۃً یا حکماً وصیت کو قبول کر لے تو وہ اپنے آپ کو معزول نہیں کر سکتا

26723۔(قولہ: فَصَحَّ تَصَرُّفُهُ) یہ امر مخفی نہیں کہ وصی کے حکم میں سے یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو معزول نہیں کر سکتا جب اس نے حقیقۃً یا حکماً اسے قبول کر لیا تھا۔ جو قول یہاں ہے وہ ''الکنز'' کی تبع میں ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ وہ بیع سے قبل وصی ہو جائے گا جب کہ معاملہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ اس کے بعد وصی بنتا ہے جس طرح ''البحر'' میں اس پر متنبہ کیا ہے۔ اسی وجہ سے ''نور العین'' میں کہا ہے: وصی مر گیا اور اس کے وصی نے اپنے وصی ہونے اور اس کی موت کے علم ہونے سے پہلے کوئی چیز بیچی تو یہ بطور استحسان جائز ہوگا۔ یہ اس کی جانب سے وصی ہونے کو قبول کرنا ہے وہ اپنے آپ معزول کرنے کا مالک نہیں ہوگا۔ پس شارح پر یہ لازم تھا کہ وہ فصح تصرفہ کی بجائے ان تصرف قبلہ کہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

26724۔(قولہ: بِلَا عِلْمِ وَكِيلٍ) اگر وصی نے وصیت کا علم ہونے سے پہلے ترکہ میں سے کوئی شے بیچ دی تو بیع جائز ہوگی اگر وکیل نے وصیت کا علم ہونے سے پہلے اس کو بیچ دیا تو یہ جائز نہ ہوگا ''بحر''۔ یعنی یہ فضولی کی بیع ہوگی۔ پس یہ جائز نہیں ہوگا یہاں تک کہ ان کا موکل اسے جائز قرار دے دے یا وکیل اسے جائز قرار دے دے جب کہ اسے وکالت کا علم ہو چکا تھا جس طرح ''نور العین'' میں فصل ثالث وعشرین میں ہے۔

''بزازیہ'' میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے خلاف مروی ہے۔ ''البحر'' میں ہے: جب مشتری کو وکالت کا علم ہو

أَوْ (فَاسِقٍ صَحَّ تَصَرُّفُهُ وَلَا يَثْبُتُ عَزْلُهُ إِلَّا بِ) إِخْبَارِ (عَدْلٍ) أَوْ فَاسِقٍ إِنْ صَدَّقَهُ عِنَايَةٌ (أَوْ مَسْتُورَيْنِ أَوْ فَاسِقَيْنِ) فِي الْأَصَحِّ (كَإِخْبَارِ السَّيِّدِ بِجِنَايَةِ عَبْدِهِ) فَلَوْ بَاعَهُ كَانَ مُخْتَارًا لِلْفِدَاءِ (وَالشَّفِيعِ) بِالْبَيْعِ (وَالْبِكْرِ) بِالنِّكَاحِ (وَالْمُسْلِمِ الَّذِي لَمْ يُهَاجِرْ) بِالشَّرَائِعِ، وَكَذَا الْإِخْبَارُ بِعَيْبٍ لِمُرِيدِ شِرَاءٍ وَحَجْرِ مَأْذُونٍ وَفَسْخِ شَرِكَةٍ وَعَزْلِ قَاضٍ وَمُتَوَلِّي وَقْفٍ فَهِيَ عَشَرٌ يُشْتَرَطُ فِيهَا أَحَدُ شَطْرَيِ الشَّهَادَةِ لَا لَفْظُهَا

یا فاسق کے ذریعے ہو تو اس کا تصرف صحیح ہوگا اور اس کا معزول ہونا ثابت نہیں ہوگا مگر جب عادل آدمی یا فاسق خبر دے اگر وہ اس کی تصدیق کرے، ''عنایہ''۔ یا دو مستور الحال یا دو فاسق آدمی خبر دیں یہ اصح قول کے مطابق ہے جیسے آقا کو اس کے غلام کی جنایت کی خبر دینا۔ اگر وہ آقا اسے بیچے تو وہ فدیہ دینے کے عمل کو اختیار کرنے والا ہوگا۔ شفعہ کرنے والے کو بیع کی خبر دینا، باکرہ کو نکاح کی خبر دینا، ایسا مسلمان جس نے ہجرت نہیں کی اسے شرائع کی خبر دینا، اسی طرح جو کوئی چیز خریدنا چاہتا ہے اسے مبیع کے عیب کے خبر دینا، جب غلام کو تجارت کی اجازت دی گئی تھی اسے مجبور کرنے کی خبر دینا، شرکت کے فسخ، قاضی اور وقف کے متولی کو معزول کرنے کی خبر دینا یہ دس چیزیں ہیں جن میں شہادت کے دو جزوں میں سے ایک شرط ہے لفظ شہادت شرط نہیں۔

اور وہ اس سے کوئی چیز خریدے اور بائع وکیل کو اس بات کا علم نہ ہو کہ وہ بیع کا وکیل ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مالک مشتری سے یہ کہے: میرا غلام زید کی طرف لے جاؤ اسے کہو کہ وہ اسے تیرے ہاتھ میری جانب سے وکیل کی حیثیت میں بیچ دے وہ اسے اس کی طرف لے گیا اور اسے وکیل بنائے جانے کی خبر نہ دی اس نے غلام کو اس کے ہاتھ میں بیچ دیا تو یہ جائز ہوگا۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

26725۔ (قولہ: أَوْ فَاسِقٍ) یعنی جب وکیل اس کی تصدیق کرے یہاں تک کہ اگر وہ اس کو جھٹلائے تو ثابت نہیں ہوگا اس تعبیر کی بنا پر وکالت اور عزل میں کوئی فرق نہیں کیونکہ معزول کرنے کی صورت میں جب وہ اس کی تصدیق کرے تو وہ معزول ہو جائے گا۔ ''غایۃ البیان'' میں اسی طرح ہے۔ ''یعقوبیہ''۔

26726۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) ''الکنز'' میں جو قول ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ انہوں نے مستورین کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ دو فاسقوں کی خبر قبول نہیں کی جائے گی جب کہ یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ ان دو کی خبر کی تاثیر عادل کی خبر کی تاثیر سے زیادہ قوی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے: اگر اس نے ایک عادل آدمی کی شہادت سے فیصلہ کیا تو وہ نافذ نہیں ہوگا اور دو فاسق افراد کی شہادت سے وہ نافذ ہو جائے گا۔ جس طرح ''البحر'' میں ''الفتح'' سے مروی ہے۔ ''المنح'' میں بھی اسے نقل کیا ہے۔

26727۔ (قولہ: وَعَزْلِ قَاضٍ) ''البحر'' میں اسے بحث کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

26728۔ (قولہ: شَطْرَيِ الشَّهَادَةِ) دونوں جزوں سے مراد عدد اور عدالت ہے۔ ''الحواشی السعدیہ'' میں ہے۔ میں کہتا ہوں: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عدالت عدد میں شرط نہیں اور اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ان کا قول

(وَيُشْتَرَطُ سَائِرُ الشُّرُوطِ فِي الشَّاهِدِ) وَقَيَّدَهُ فِي الْبَحْرِ بِالْعَزْلِ الْقَصْدِيِّ وَبِمَا إِذَا لَمْ يُصَدِّقْهُ، وَبِكَوْنِ الْمُخْبِرِ غَيْرَ الْمُرْسَلِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّهُ يُعْمَلُ بِخَبَرِهِ مُطْلَقًا كَمَا سَيَجِيءُ فِي بَابِهِ (وَبَاعَ قَاضٍ أَوْ أَمِينُهُ) وَإِنْ لَمْ يَقُلْ جَعَلْتُكَ أَمِينًا فِي بَيْعِهِ عَلَى الصَّحِيحِ وَلْوَالِجِيَّةٌ

اور شاہد میں باقی شروط شرط ہوں گی۔ ''البحر'' میں ارادۂ معزول کرنے اور اس کے تصدیق نہ کرنے کی قید لگائی ہے اور یہ قید لگائی ہے کہ خبر دینے والا مرسل اور اس کے قاصد کا غیر ہو۔ کیونکہ اس کی خبر پر مطلقاً عمل کیا جاتا ہے جس طرح اس کے باب میں عنقریب آئے گا۔ قاضی یا اس کے سیکرٹری نے غلام کی بیع کی اگرچہ قاضی نے یہ نہ کہا: میں نے تجھے اس کی بیع میں امین بنایا ہے۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے، ''ولوالجیہ''۔

عدل یہ رجل کی صفت ہے۔ ''التلویح'' میں میں کہا: یہی اصح ہے۔

26729۔ (قولہ: وَيُشْتَرَطُ) یعنی مخبر (خبر دینے والا) میں یہ شرط ہے۔

26730۔ (قولہ: سَائِرُ الشُّرُوطِ) یعنی امام اعظم کے قول کے مطابق عدد یا عدالت شرط ہے۔ پس عورت، غلام اور بچے کی جانب سے خبر دینے سے یہ ثابت نہیں ہوگا اگرچہ عدد یا عدالت موجود ہو بہت ہی کم ہوں گے جنہوں نے اس پر متنبہ کیا ہے۔ ''بحر''۔

26731۔ (قولہ: فِي الشَّاهِدِ) یعنی گواہ میں جو شرطیں ہیں۔

26732۔ (قولہ: الْقَصْدِيِّ) اس سے احتراز کیا ہے جب معزول کیا جانا حکماً ہو جیسے موکل کی موت۔ کیونکہ یہ امر ثابت ہو جاتا ہے اور موت کے علم سے پہلے وہ معزول ہو جاتا ہے۔

26733۔ (قولہ: إِذَا لَمْ يُصَدِّقْهُ) مگر جب وہ اس کی تصدیق کرے تو اسے قبول کیا جائے گا اگرچہ وہ فاسق ہو، ''بحر''۔ جب کہ یہ قول (مقولہ 26725 میں) گزر چکا ہے۔

26734۔ (قولہ: غَيْرَ الْمُرْسَلِ) جو ''البحر'' میں ہے وہ ہے غیر الخصم و رسولہ۔

26735۔ (قولہ: وَرَسُولِهِ) اس میں عدالت شرط نہیں یہاں تک کہ اگر وہ شفیع کو مشتری خود خبر دیتا ہے تو بالاجماع طلب واجب ہوگی اور قاصد کی خبر پر عمل کیا جائے گا اگرچہ وہ فاسق ہو وہ اس کی تصدیق کرے یا اس کی تکذیب کرے، ''بحر''۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

26736۔ (قولہ: وَإِنْ لَمْ الخ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: صرف اس غلام کو بیچ دو۔

قاضی کے امین کی تعریف

26737۔ (قولہ: عَلَى الصَّحِيحِ) یہ جان لو کہ قاضی کا امین وہ ہے جسے قاضی یہ کہتا ہے: میں نے اس غلام کی بیع میں تجھے امین بنایا ہے۔ مگر جب اس نے کہا: اس غلام کو بیچ دے اس پر کچھ اضافہ نہ کیا تو مشائخ میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے اسے

(عَبْدًا لِ) دَيْنِ (الْغُرَمَاءِ وَأَخَذَ الْمَالَ فَضَاعَ) ثَمَنُهُ عِنْدَ الْقَاضِي (وَاسْتُحِقَّ الْعَبْدُ) أَوْ ضَاعَ قَبْلَ تَسْلِيمِهِ (لَمْ يَضْمَنْ) لِأَنَّ أَمِينَ الْقَاضِي كَالْقَاضِي وَالْقَاضِي كَالْإِمَامِ، وَكُلٌّ مِنْهُمْ لَا يَضْمَنُ بَلْ وَلَا يُحَلَّفُ، بِخِلَافِ نَائِبِ النَّاظِرِ (وَرَجَعَ الْمُشْتَرِي عَلَى الْغُرَمَاءِ) لِتَعَذُّرِ الرُّجُوعِ عَلَى الْعَاقِدِ (وَلَوْ بَاعَهُ الْوَصِيُّ لَهُمْ) أَيْ لِأَجْلِ الْغُرَمَاءِ (بِأَمْرِ الْقَاضِي)

یہ غلام کی بیع قرض خواہوں کے دین کو ادا کرنے کے لیے کی تھی اور اس نے مال لے لیا اور قاضی کے ہاں اس غلام کی ثمن ضائع ہوگئی اور غلام کا کوئی اور آدمی مستحق نکل آیا یا سپرد کرنے سے پہلے وہ مال ضائع ہوگیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ قاضی کا امین قاضی کی طرح ہوتا ہے اور قاضی امام کی طرح ہوتا ہے اور ان میں سے کوئی بھی ضامن نہیں ہوتا بلکہ ان سے قسم کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔ نائب ناظر کا معاملہ مختلف ہے۔ خریدار قرض خواہوں سے واپسی کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ عاقد سے واپسی کا مطالبہ متعذر رہتا ہے۔ اگر وصی قاضی کے حکم سے

ذمہ داری لاحق نہ ہوگی اس کو شیخ الاسلام ''خواہر زادہ'' نے ذکر کیا ہے جس طرح ''البحر'' میں فارسی کی ''شرح التلخیص'' کی طرف منسوب کیا ہے۔

میں کہتا ہوں، مسئلہ ''الفتاویٰ الولوالجیہ'' میں اسی طرح مذکور ہے۔ ''منح''۔

26738۔ (قولہ: الْغُرَمَاءِ) اس سے مراد دیون والے ہیں۔ وارث کا ذکر نہیں کیا جب کہ دونوں برابر ہیں۔ جب ترکہ میں دین نہ ہو تو عقد کرنے والا اس کا عامل ہوگا تو جو ذمہ داری اسے لاحق ہوگی وہ اس کی طرف لوٹے گی اگر وہ میت کا وصی ہوگا۔ اگر قاضی یا اس کا سیکرٹری خود عقد کرنے والا ہو تو مشتری اس سے مطالبہ کرے گا جس طرح ''زیلعی'' نے اسے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ بیع کی ولایت قاضی کے لیے ہے جب ترکہ کو دین نے احاطہ کر لیا ہو اور وارث بیع کا مالک نہیں ہوگا۔ ''بحر''۔

26739۔ (قولہ: عِنْدَ الْقَاضِي) قاضی کے پاس یا اس کے سیکرٹری کے پاس ضائع ہو جائے، ''فتح''۔

26740۔ (قولہ: بِخِلَافِ) یہ ان کے قول ولا یخلف کی قید ہے۔

اس مسئلے کا بیان جس میں نگران کا نائب قاضی کے امین سے جدا ہوتا ہے

26741۔ (قولہ: نَائِبِ النَّاظِرِ) ''البحر'' میں کہا: قول کے قبول کرنے میں نائب امام، امام کی طرح ہے اور نگران کا نائب نگران کی طرح ہوتا ہے اگر وہ وقف کے مال کے ضیاع یا مستحقین پر اس کی تقسیم کر دینے کا دعویٰ کرے اور وہ لوگ اس کا انکار کر دیں تو قول اس کا معتبر ہوگا جس طرح اصیل کا قول معتبر ہوتا ہے لیکن قول قسم کے ساتھ معتبر ہوتا ہے اس کے ساتھ یہ قاضی کے امین سے الگ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ قاضی کی طرح اس پر قسم نہیں ہوتی۔ ''منح''۔

26742۔ (قولہ: وَلَوْ بَاعَهُ الْوَصِيُّ) ''شرنبلالیہ'' میں کہا ہے: اس میں میت کے وصی اور قاضی کی جانب سے کسی کے معین کرنے میں کوئی فرق نہیں۔ ''مدنی''۔

أَوْ بِلاَ أَمْرِهِ (فَاسْتُحِقَّ) الْعَبْدُ (أَوْ مَاتَ قَبْلَ الْقَبْضِ) لِلْعَبْدِ مِنَ الْوَصِيِّ (وَضَاعَ) الثَّمَنُ (رَجَعَ الْمُشْتَرِي عَلَى الْوَصِيِّ) لِأَنَّهُ وَإِنْ نَصَبَهُ الْقَاضِي عَاقِدٌ نِيَابَةً عَنِ الْمَيِّتِ فَتَرْجِعُ الْحُقُوقُ إِلَيْهِ (وَهُوَ يَرْجِعُ عَلَى الْغُرَمَاءِ) لِأَنَّهُ عَامِلٌ لَهُمْ، وَلَوْ ظَهَرَ بَعْدَهُ

یا اس کے حکم کے بغیر غرماء کے لیے اسے بیچ دے اور غلام کا کوئی اور آدمی مستحق نکل آیا یا وصی کی جانب سے غلام مشتری کے حوالے کرنے سے قبل فوت ہو گیا اور ثمن ضائع ہوگئی تو مشتری وصی سے مطالبہ کرے گا اگرچہ اسے قاضی نے معین کیا ہے۔ کیونکہ وہ عاقد ہے اور میت کی جانب سے نیابت کا فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔ پس حقوق اس کی طرف راجع ہوں گے اور وصی غرماء سے مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ وصی غرماء کے لیے کام کرنے والا تھا اگر اس کے بعد

26743۔ (قولہ: أَوْ بِلاَ أَمْرِهٖ) یعنی یہ بطریق اولی ہوگا۔

26744۔ (قولہ: لِلْعَبْدِ) ''الدرر'' کا قول الثمن ہے جو سبقت قلم ہے۔ اس کا صحیح الثمن ہے۔

26745۔ (قولہ: وَإِنْ نَصَبَهُ الْقَاضِي) زیادہ بہتر اس کا حذف ہے اور ان کے اس قول: لانہ عاقد نیابۃ عن المیت پر اقتصار ہے جس طرح ''الہدایہ'' میں ہے تاکہ میت کے وصی کو شامل ہو جائے۔ ''الکفایہ'' میں کہا: جب میت اسے وصی بنائے تو یہ امر ظاہر ہے مگر جب قاضی اسے معین کرے تو حکم اسی طرح ہے۔ کیونکہ قاضی اسے معین کرتا ہے تاکہ وہ میت کے قائم مقام ہو جائے نہ کہ قاضی کے قائم مقام ہو جائے۔

26746۔ (قولہ: إِلَيْهِ) جس طرح اپنی زندگی میں اسے وکیل بنائے۔

26747۔ (قولہ: وَلَوْ ظَهَرَ بَعْدَهُ الخ) اس میں ایسا ایجاز ہے جو مطلب کو سمجھنے میں مخل ہے۔ ''فتح القدیر'' میں جو قول ہے وہ اس کی وضاحت کرتا ہے۔ اگر میت کا مال ظاہر ہو تو قرض خواہ اس میں اپنے دین کے بارے میں مطالبہ کریں گے اس میں کوئی شک نہیں کیا اس نے جو مشتری کے لیے ضمانت اٹھائی ہے اس کا مطالبہ کرے گا؟ اس میں اختلاف ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہاں۔ ''مجد الائمہ سرخسی'' نے فرمایا: جو صحیح جواب ہے اس کے مطابق وہ نہیں لے گا۔ کیونکہ غریم اس لیے ضمانت اٹھاتا ہے۔ کیونکہ عقد اس کے لیے واقع ہوتا ہے تو اسے حق نہیں کہ وہ غیر سے اس کا مطالبہ کرے۔

''الکافی'' میں ہے: اصح یہ ہے کہ وہ واپسی کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ اس نے یہ ادا کیا تھا جب کہ وہ اس میں مجبور تھا اس کی تصحیح میں اختلاف کیا گیا ہے جس طرح تو سن چکا ہے اور ان کا قول بما ضمن للمشتری اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ پہلے مسئلہ میں اختلاف ہے۔ کیونکہ دوسرے مسئلہ میں وہ وصی کے لیے ضمانت اٹھاتا ہے مشتری کے لیے ضمانت نہیں اٹھاتا۔ لیکن ''البحر'' میں کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: دوسرے مسئلہ میں اس کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا جب کہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

حاصل کلام یہ ہے: پہلے مسئلہ میں واپسی کے مطالبہ میں تصحیح اختلاف ہے اور دوسرے مسئلہ میں اصح یہ ہے کہ رجوع نہیں کرے گا پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

لِلْمَيِّتِ مَالٌ رَجَعَ الْغَرِيمُ فِيهِ بِدَيْنِهِ هُوَ الْأَصَحُّ (أَخْرَجَ الْقَاضِي الثُّلُثَ لِلْفُقَرَاءِ وَلَمْ يُعْطِهِمْ إِيَّاهُ حَتَّى هَلَكَ كَانَ) الْهَالِكُ (مِنْ مَالِهِمْ) أَيْ الْفُقَرَاءِ (وَالثُّلُثَانِ لِلْوَرَثَةِ) لِمَا مَرَّ (أَمَرَكَ قَاضٍ) عَدْلٌ (بِرَجْمٍ أَوْ قَطْعٍ) فِي سَرِقَةٍ (أَوْ ضَرْبٍ) فِي حَدٍّ (قَضَى بِهِ) بِمَا ذُكِرَ (وَسِعَكَ فِعْلُهُ) لِوُجُوبِ طَاعَةِ وَلِيِّ الْأَمْرِ،

میت کا کوئی مال ظاہر ہو جائے تو قرض خواہ اس میں اپنے دین کا مطالبہ کرے گا۔ قاضی نے ایک تہائی مال فقرا کے لیے نکالا اور وہ مال فقرا کو نہ دیا یہاں تک کہ وہ مال ہلاک ہو گیا تو ہلاک ہونے والا مال فقرا کے مال میں سے ہو گا اور دو تہائی وارثوں کے لیے ہو گا اسی دلیل کی وجہ سے جو گزر چکی ہے ایک عادل قاضی نے تجھے حکم دیا کہ تو کسی کو رجم کرے یا چوری میں ہاتھ کاٹے یا حد میں کوڑے لگائے جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس کا اس نے فیصلہ کر دیا تھا تیرے لیے وہ فعل کرنا جائز ہے۔ کیونکہ ولی الامر کی طاعت واجب ہے۔

میں نے ایک نسخہ میں پایا: غریم صرف اس سے دین کا مطالبہ کرے گا نہ کہ اس کا مطالبہ کرے گا جس کی اس نے چٹی بھری یہی قول اصح ہے۔ ''حلبی'' نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا: اس نے جو چٹی بھری ہے وہ بھی واپس لے گا اس کی تصحیح کی گئی ہے۔

26748۔ (قولہ: فِیهِ) یعنی اس مال میں جو میت کے لیے ظاہر ہوا۔

26749۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) یہ ان کے قول کان الهالك من مالهم کے متعلق ہے اور ما مر سے مراد یہ ہے کہ قاضی ضامن نہیں ہو گا۔

26750۔ (قولہ: عَدْلٌ) یعنی عادل اور عالم ہو۔ ''الملتقی'' وغیرہ میں یہ قید ذکر کی ہے ''مدنی''۔ ''الکنز'' میں یہی قید لگائی۔ یہ یہاں ضروری ہے کیونکہ اس کے مقابل قول یہ ہے: وان عدلا جاھلا۔ ''البحر'' میں کہا: مصنف نے جو قول ذکر کیا ہے وہ ''ماتریدی'' کا قول ہے اور ''جامع صغیر'' میں اس کی دونوں کے لیے ساتھ قید نہیں لگائی۔ پھر امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے رجوع کر لیا اور فرمایا: اس کے قول کو نہیں اپنایا جائے گا یہاں تک کہ وہ حجت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے یا قاضی کے ساتھ اس کی ایک عادل آدمی گواہی دے۔ ہمارے مشائخ نے اسی کو اپنایا ہے۔

اس سے تیرے لیے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کا کلام دو قولوں کا مجموعہ ہے کیونکہ عدالت اور علم کے ساتھ اس کا قید نہ ہونا یہ اس پر مبنی ہے جو ''الجامع الصغیر'' میں ہے اور اس کے بعد جو تفصیل ہے وہ ''ماتریدی'' کے قول پر مبنی ہے۔ اس وقت جب شارح نے اسے اپنے قول عدل کے ساتھ مقید کیا ہے۔ تو عالم کے لفظ کی زیادتی واجب ہے تا کہ یہ ''ماتریدی'' کے قول پر واقع ہو جائے اور اس کے بعد ان کا قول وقیل یقبل لو عدلا عالما مستدرک ہو۔ حق یہ ہے کہ وہ کہتے: وقیل: یقبل ولو لم یکن عدلا عالما۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے قبول کیا جائے گا اگرچہ وہ عادل عالم نہ ہو۔ وہی ''الجامع الصغیر'' میں ہے یعنی سابقہ کلام محرر مسئلہ، جو ''ابن عابدین'' ہیں، کی ہے۔

26751۔ (قولہ: وَلِيِّ الْأَمْرِ) اسے دیکھیے جو ہم نے کتاب الصلاۃ کے باب الامامۃ میں (مقولہ 4623 میں) ذکر

وَمَنَعَهُ مُحَمَّدٌ حَتّٰى يُعَايِنَ الْحُجَّةَ وَاسْتَحْسَنُوهُ فِي زَمَانِنَا وَفِي الْعُيُونِ وَبِهِ يُفْتٰى إِلَّا فِي كِتَابِ الْقَاضِي لِلضَّرُورَةِ وَقِيلَ يُقْبَلُ لَوْ عَدْلًا عَالِمًا

امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے منع کیا ہے یہاں تک کہ وہ حجت کو اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ ہمارے زمانہ میں علما نے اسے مستحسن قرار دیا ہے۔ ''العیون'' میں ہے: اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے مگر قاضی کے مکتوب میں معاینہ کے بغیر عمل کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اس میں ضرورت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے قبول کیا جائے گا اگر وہ عادل و عالم ہو۔

کیا ہے۔

26752۔ (قولہ: وَمَنَعَهُ مُحَمَّدٌ) یہ وہ قول ہے جس طرف امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے رجوع کیا ہے جب کہ پہلے شیخین کی موافقت کی تھی۔ ''ح''۔

26753۔ (قولہ: حَتّٰى يُعَايِنَ الْحُجَّةَ) بعض مشائخ نے اس پر یہ اضافہ کیا: او یشهد بذلك مع القاضی عدل یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے۔ ''فتح القدیر'' میں اسے بعید خیال کیا ہے۔ کیونکہ یہ عادت و معمول میں بہت ہی بعید ہے جب کہ جلاد کے نزدیک قاضی کی شہادت ہوتی ہے۔ اس روایت کی بنا پر ایک فرد پر اکتفا اس حق میں ہوگا جو دو کی گواہی سے ثابت ہو، اگر زنا میں یہ ہو تو تین اور گواہوں کی ضرورت ہوگی۔ ''اسبیجابی'' نے اسے ذکر کیا ہے۔ ''بحر''۔

قاضی کے مکتوب میں معاینہ کے بغیر عدل کرنا جائز ہے

26754۔ (قولہ: وَقِيلَ يُقْبَلُ لَوْ عَدْلًا عَالِمًا) متن پر اسے داخل کرنا یہ اس کی اصلاح کے ارادہ سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے قاضی کو مطلق ذکر کیا اور عادل و عالم کے ساتھ اسے مقید نہیں کیا یہ جامع صغیر کی تبع میں ہے۔ جب کہ یہ ظاہر روایت ہے پھر تفصیل کا ذکر کیا جب کہ وہ ''الماتریدی'' کے قول پر ہے جو اس امر کے شرط ہونے کے قائل ہیں کہ وہ عادل و عالم ہو جس طرح ''کنز'' میں اس پر گامزن ہوئے ہیں۔ اگر زیادہ معلومات چاہیے ہوں تو ''ہدایہ'' کی طرف رجوع کیجئے۔ جب شارح کی مراد یہ ہے تو صحیح یہ ہے کہ وہ پہلے مسئلہ میں عدل کا قول حذف کر دیتے۔ کیونکہ یہ شرح میں سے ہے اس پر بنا کرتے ہوئے جسے ہم نے دیکھا ہے۔ یہ جان لو کہ ''جامع'' کی روایت کے مطابق امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے رجوع کر لیا اور کہا: نہیں یہاں تک کہ وہ حجت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے جس طرح اس کی وضاحت (مقولہ 26058 میں) گزر چکی ہے اور یہ گزر چکا ہے کہ اس پر فتویٰ ہے۔

''البحر'' میں کہا ہے: لیکن میں نے اس کے بعد ''صدر الشہید'' کی ''شرح ادب القضاء'' میں دیکھا کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا شیخین کے قول کی طرف رجوع صحیح ہے۔ ''شرح الصدر'' سے جو مفہوم حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے: شیخین نے فرمایا: جب کوئی قاضی کسی شے کے اقرار کے بارے میں خبر دے تو اسے قبول کیا جاتا ہے اس سے اس کا رجوع مطلقاً صحیح نہیں ہوتا اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے دونوں کی موافقت کی پھر اس سے رجوع کر لیا۔ اور کہا: اسے قبول نہ کیا جائے گا مگر اسی وقت جب دوسرا

(وَإِنْ عَدْلًا جَاهِلًا إِنْ اُسْتُفْسِرَ فَأَحْسَنَ) تَفْسِيرَ (الشَّرَائِطِ صُدِّقَ وَإِلَّا لَا، وَكَذَا) لَا يُقْبَلُ قَوْلُهُ (لَوْ كَانَ فَاسِقًا) عَالِمًا كَانَ أَوْ جَاهِلًا لِلتُّهْمَةِ فَالْقُضَاةُ أَرْبَعَةٌ (إِلَّا أَنْ يُعَايِنَ الْحُجَّةَ) أَيْ سَبَبًا شَرْعِيًّا (صَبَّ دُهْنًا لِإِنْسَانٍ عِنْدَ الشُّهُودِ) فَادَّعَى مَالِكُهُ ضَمَانَهُ (وَقَالَ) الصَّابُّ (كَانَتْ) الدُّهْنُ (نَجِسَةً وَأَنْكَرَهُ الْمَالِكُ فَـ) الْقَوْلُ لِلصَّابِّ) لِإِنْكَارِهِ الضَّمَانَ

اگر وہ قاضی عادل تو ہو مگر جاہل ہو اگر اس سے استفسار کیا جائے تو شرائط کی خوب وضاحت کرے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ ورنہ تصدیق نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا اگر وہ فاسق ہو عالم ہو یا جاہل ہو۔ کیونکہ تہمت پائی جا رہی ہے۔ قاضی چار قسم کے ہیں مگر جب وہ حجت کو اپنی آنکھوں سے دیکھے یعنی سبب شرعی کو اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ ایک آدمی نے دوسرے آدمی کا تیل گواہوں کی موجودگی میں بہا دیا اس کے مالک نے تیل کی ضمانت کا دعویٰ کر دیا بہانے والے نے کہا: تیل ناپاک تھا اور مالک نے اس کا انکار کر دیا تو قول بہانے والے کا تسلیم کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ ضمان کا انکار کر رہا ہے

عادل آدمی بھی اس کے ساتھ ملے۔ پھر امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا شیخین کے قول کی طرف رجوع صحیح ہے۔ مگر جب قاضی کسی شے کے اقرار کے بارے میں خبر دے تو اس سے اس کا رجوع صحیح ہوگا جیسے حد۔ تو اس کا قول بالاجماع قبول نہیں کیا جائے گا اگر وہ گواہیوں کے ساتھ حق کے ثبوت کی خبر دے اور وہ کہے: اس بارے میں بینہ قائم ہو چکے ہیں، انہیں عادل قرار دیا جا چکا ہے اور اس پر ان کی شہادت قبول کی جا چکی ہے تو دونوں صورتوں میں اسے قبول کیا جائے گا۔ اقرارہ کی ضمیر خصم کی طرف راجع ہے۔

یہ چیز ذہن نشین کر لو اور تجھ پر یہ امر مخفی نہیں کہ گفتگو اس قاضی کے بارے میں ہے جس کو یہ منصب تفویض کیا گیا ہو۔ جہاں تک معزول قاضی کا تعلق ہے اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا اگرچہ اس کے ساتھ ایک عادل آدمی گواہی دے جس طرح ''النہر'' میں کتاب القضاء کے اوائل میں گزر چکا ہے۔

26755۔ (قولہ: إِنْ اُسْتُفْسِرَ الخ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ حد زنا میں کہے: میں نے زنا کا اقرار کرنے والے سے استفسار کیا جس طرح اس میں معروف ہے اور میں نے اس پر رجم کا حکم لگا دیا اور حد سرقہ کے بارے میں کہتا ہے: میرے نزدیک حجت سے یہ امر ثابت ہوا کہ اس نے محفوظ جگہ سے نصاب لیا جس میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ قصاص میں کہا: اس نے بغیر شبہ کے عمداً قتل کیا۔

جاہل سے استفسار کی ضرورت ہے۔ کیونکہ بعض اوقات وہ اپنی جہالت کے باعث اس چیز کو دلیل خیال کرتا ہے جو دلیل نہیں ہوتی۔ ''کفایہ''۔

26756۔ (قولہ: شَرْعِيًّا) پس یہ اقرار کو شامل ہوگا۔

26757۔ (قولہ: لِإِنْكَارِهِ الضَّمَانَ) وہ مثلی ضمانت کا انکار کرتا ہے قیمت کا انکار نہیں کرتا۔ یہ ہمارے شیخ ''حلبی'' کا

وَالشُّهُودُ يَشْهَدُونَ عَلَى الصَّبِّ لَا عَلَى عَدَمِ النَّجَاسَةِ (وَلَوْ قَتَلَ رَجُلًا وَقَالَ قَتَلْتُهُ لِرِدَّتِهٖ أَوْ لِقَتْلِهِ أَبِي لَمْ يُسْمَعْ) قَوْلُهُ لِئَلَّا يُؤَدِّيَ إِلَى فَتْحِ بَابِ الْعُدْوَانِ فَإِنَّهُ يُقْتَلُ وَيَقُولُ كَانَ الْقَتْلُ لِذٰلِكَ وَأَمْرُ الدَّمِ عَظِيمٌ فَلَا يُهْمَلُ بِخِلَافِ الْمَالِ إِقْرَارُ بَزَّازِيَّةٌ (صُدِّقَ) قَاضٍ (مَعْزُولٌ) بِلَا يَمِينٍ (قَالَ لِزَيْدٍ أَخَذْتُ مِنْكَ أَلْفًا قَضَيْتُ بِهِ) أَيْ بِالْأَلْفِ (لِبَكْرٍ وَدَفَعْتُهُ إِلَيْهِ أَوْ قَالَ قَضَيْتُ بِقَطْعِ يَدِكَ فِي حَقٍّ وَادَّعَى زَيْدٌ أَخْذَهُ) الْأَلْفَ (وَقَطْعَهُ) الْيَدَ (ظُلْمًا وَأَقَرَّ بِكَوْنِهِمَا) أَيْ الْأَخْذِ وَالْقَطْعِ (فِي) وَقْتِ (قَضَائِهِ) وَكَذَا لَوْ زَعَمَ فِعْلَهُ قَبْلَ التَّقْلِيدِ أَوْ بَعْدَ الْعَزْلِ فِي الْأَصَحِّ

گواہ یہ گواہی دے رہے ہیں کہ اس نے تیل بہایا ہے اس کے ناپاک نہ ہونے پر گواہی نہیں دے رہے۔ اگر ایک آدمی نے کسی کو قتل کر دیا اور کہا: میں نے اس کی ردت کی وجہ سے یا اس نے میرے باپ کو قتل کیا تھا اس لیے قتل کیا ہے تو اس کا قول نہیں سنا جائے گا تا کہ یہ امر عدوان کا دروازہ کھولنے کی طرف نہ لے جائے۔ کیونکہ وہ قتل کرے گا اور کہے گا قتل اس وجہ سے تھا۔ دم کا امر عظیم ہے۔ پس اسے مہلت نہیں دی جائے گی۔ مال کا معاملہ مختلف ہے کتاب الاقرار ''بزازیہ''۔ معزول قاضی کی قسم کے بغیر تصدیق کی جائے گی جس نے زید سے کہا: میں نے تجھ سے ہزار لیا تھا جس ہزار کا میں نے بکر کے حق میں فیصلہ کیا اور وہ ہزار میں نے اسے دے دیا تھا۔ یا میں نے حق میں تیرے ہاتھ کے کاٹنے کا فیصلہ کیا تھا زید نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے ہزار ظلماً لیا اور قطع ید ظلماً کیا اور یہ اقرار کیا کہ یہ دونوں عمل اس کی قضا کے وقت میں ہوئے تھے۔ اس طرح حکم ہوگا اگر اس نے یہ گمان کیا کہ اس نے یہ فعل منصب حاصل کرنے سے پہلے یا معزول ہونے کے بعد کیا ہو۔ یہ اصح قول ہے۔

قول ہے۔ اس کا قول معتبر نہیں ہو سکتا مگر یہ کہ وہ ناپاک ہو۔ پس وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا جب تیل ناپاک ہو جس طرح ''ابوسعود'' نے اسے شیخ ''شرف الدین غزی'' محشی ''الاشباہ'' سے نقل کیا ہے۔ ''الخانیہ'' کتاب الشہادات میں کتاب القاضی سے تھوڑا پہلے عبارت ہے: قول اس کا قسم کے ساتھ معتبر ہوگا جب وہ اس امر کا انکار کرے گا کہ اس نے پاک تیل کو جان بوجھ کر ضائع کیا ہے۔ اور گواہوں میں یہ گنجائش نہیں کہ وہ اس کے بارے میں یہ گواہی دیں کہ اس نے ایسا تیل زائد ملا ہے جو ناپاک نہیں۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ جو کچھ یہاں ہے یہ اس سے زیادہ ظاہر ہے۔

26758۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ زَعَمَ الخ) یعنی مدعی یہ گمان کرے۔ لیکن اگر قطع ید کرنے والا اور مال لینے والا اس کا اقرار کریں جس کا قاضی نے اقرار کیا تو دونوں ضامن ہوں گے۔ کیونکہ دونوں نے ضمان کے سبب کا اقرار کیا۔ قاضی کا قول اپنی ذات سے ضمان کو دور کرنے میں مقبول ہے۔ غیر سے ضمان کا سبب باطل کرنے میں مقبول نہیں۔ پہلے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کا فعل دونوں جانب سے باہم تصدیق کے ساتھ اس کی قضا کے دور میں ثابت ہو چکا ہے۔

اگر مال کسی اور کے ہاں موجود ہو اور اس نے اس کا اقرار کیا جس کا قاضی نے اقرار کیا اور اس سے ماخوذ مال ہے۔ قاضی نے جس کے بارے میں تصدیق کی کہ اس نے یہ عمل اپنی قضا کے دور میں کیا یا نہیں کیا تو اس سے وہ لیا جائے گا کیونکہ اس نے

لِأَنَّهُ أَسْنَدَ فِعْلَهُ إِلَى حَالَةٍ مَعْهُودَةٍ مُنَافِيَةٍ لِلضَّمَانِ فَيُصَدَّقُ إِلَّا أَنْ يُبَرْهِنَ زَيْدٌ عَلَى كَوْنِهِمَا فِي غَيْرِ قَضَائِهِ فَالْقَاضِي يَكُونُ مُبْطِلًا صَدْرُ شَرِيعَةٍ فَرْعٌ نَقَلَ فِي الْأَشْبَاهِ عَنْ بَعْضِ الشَّافِعِيَّةِ إِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْقَاضِي شَيْءٌ فِي بَيْتِ الْمَالِ فَلَهُ أَخْذُ عُشْرِ مَا يَتَوَلَّى مِنْ أَمْوَالِ الْيَتَامَى

کیونکہ اس نے اس کے فعل کو اس کی معروف حالت کی طرف منسوب کیا جو ضمان کے منافی تھی۔ پس اس کی تصدیق کی جائے گی مگر یہ کہ زید یہ گواہیاں قائم کردے کہ یہ دونوں عمل اس کی قضا کے علاوہ ہوئے ہیں۔ پس قاضی باطل کا ارتکاب کرنے والا ہو گا۔ ''الاشباہ'' میں بعض شافعی علماء سے یہ منقول ہے: جب بیت المال میں قاضی کے لیے کوئی شے نہ ہو تو وہ یتیموں کے مال

یہ اقرار کیا ہے کہ قبضہ اس کا ہے تو مالک ہونے کے دعویٰ کی حجت کے بغیر تصدیق نہیں کی جاسکتی۔ معزول کا قول اس بارے میں حجت نہیں۔ ''بحر''۔

26759۔ (قولہ: لِأَنَّهُ أَسْنَدَ) ضمیر سے مراد قاضی ہے۔

26760۔ (قولہ: إِلَى حَالَةٍ) پس وہ اس طرح ہو جائے گا جس طرح جب وہ کہے: میں نے اسے طلاق دی یا میں نے اسے آزاد کیا جب کہ میں مجنون تھا اور اس کا جنون معروف ہے۔ ''بحر''۔

26761۔ (قولہ: لِلضَّمَانِ) ہر اعتبار سے ضمان کے منافی ہے جس طرح ''البحر'' میں اس کا اضافہ کیا۔ یہ اس سے اخذ کیا گیا ہے جو ''المجمع'' میں ہے کہا: یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا اگر آقا اپنی لونڈی کو اس کی آزادی کے بغیر کہے: میں نے تیرا ہاتھ کاٹا تھا جب کہ تو میری لونڈی تھی۔ لونڈی نے کہا: تو نے ہاتھ کاٹا تھا جب کہ میں آزاد تھی تو قول لونڈی کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنے فعل کو ایسی حالت کی طرف منسوب کیا ہے۔ بعض اوقات ضمان فی الجملہ اس کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کا لونڈی ہونا ہر اعتبار سے ضمانت کی نفی نہیں کرتا۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ضامن ہوگا جب وہ مرہونہ ہو یا ماذونہ ہو اور اس پر قرض ہو۔ ملخص۔ اس پر تمام تفریعات اس میں موجود ہیں۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

اوقاف اور یتیم کے اموال سے جو چیز پیدا ہوتی ہے قاضی کے لیے اس کا لینا جائز نہیں

26762۔ (قولہ: فِي الْأَشْبَاهِ) اس کی عبارت یہ ہے: ''بسط الانوار'' جو شافعیہ کی تالیف ہے، کے کتاب القضاء میں ہے جس کے الفاظ ہیں: امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے ایک جماعت نے یہ ذکر کیا ہے: جب قاضی کے لیے بیت المال میں سے روزینہ مقرر نہ ہو تو وہ یتیموں کے اموال اور اوقاف میں سے جس کا نگران ہے اس کا دسواں حصہ لے سکتا ہے۔ پھر انکار میں مبالغہ کیا۔ میں نے اپنے اصحاب میں سے کسی کا قول نہیں دیکھا۔ میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ شارح عبارت کو اس طریقہ پر نقل کرتے تاکہ بعض جذباتی لوگ یہ گمان نہ کرلیں کہ یہ منقولہ روایت صحیح ہے ساتھ ہی ناقل نے اس کے انکار میں مبالغہ سے کام لیا ہے جس طرح تو دیکھ رہا ہے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ ہمارے نزدیک علماء نے بیت المال سے روزینہ لینے میں اختلاف کیا ہے تو یتامی کے اموال اور اوقاف سے لینے کے بارے میں تیرا کیا گمان ہوسکتا ہے؟

وَالْأَوْقَافِ وَفِي الْخَانِيَّةِ لِلْمُتَوَلِّي الْعُشْرُ فِي مَسْأَلَةِ الطَّاحُونَةِ قُلْتُ لَكِنْ فِي الْبَزَّازِيَّةِ كُلُّ مَا يَجِبُ عَلَى الْقَاضِي وَالْمُفْتِي لَا يَحِلُّ لَهُمَا أَخْذُ الْأَجْرِ بِهِ كَنِكَاحِ صَغِيرٍ لِأَنَّهُ وَاجِبٌ عَلَيْهِ وَكَجَوَابِ الْمُفْتِي بِالْقَوْلِ وَأَمَّا بِالْكِتَابَةِ فَيَجُوزُ لَهُمَا عَلَى قَدْرِ كَتْبِهِمَا لِأَنَّ الْكِتَابَةَ لَا تَلْزَمُهُمَا، وَتَمَامُهُ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ وَفِيهَا

وَلَيْسَ لَهُ أَجْرٌ وَإِنْ كَانَ قَاسِمًا ‏ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ بَيْتِ مَالٍ مُقَرَّرُ

وَرَخَّصَ بَعْضٌ لِانْعِدَامِ مُقَرَّرٍ ‏ وَفِي عَصْرِنَا فَالْقَوْلُ الْأَوَّلُ يُنْصَرُ

وَجُوِّزَ لِلْمُفْتِي عَلَى كَتْبِ خَطِّهِ ‏ عَلَى قَدْرِهِ إِذَا لَيْسَ فِي الْكُتْبِ يُحْصَرُ

اور اوقاف میں سے جن کا نگران ہے اس کا دسواں حصہ لے لے۔ ''الخانیہ'' میں ہے: متولی کے لیے طاحونہ کے مسئلہ میں دسواں حصہ ہے۔ میں کہتا ہوں: لیکن ''بزازیہ'' میں ہے: ہر وہ چیز جو قاضی اور مفتی پر واجب ہو اس کے بدلے میں ان کو اجر لینا حلال نہیں۔ جس طرح صغیر کا نکاح کرانا۔ کیونکہ یہ نکاح کرانا اس پر واجب ہے اور مفتی جب زبانی جواب دے۔ جہاں تک مفتی کا تحریری جواب دینا ہے تو جس قدر انہوں نے لکھا ہے اس قدر اجرت لینا جائز ہے۔ کیونکہ لکھنا ان پر لازم نہیں۔ اس کی مکمل بحث ''شرح الوہبانیہ'' میں ہے۔ اس میں یہ اشعار ہیں: اس کے لیے اجرت نہیں اگرچہ وہ قاسم ہو اور اگرچہ اس کے لیے بیت المال سے کوئی چیز مقرر نہ ہو۔ بعض علماء نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ کیونکہ مقررہ خدمت معدوم ہے۔ ہمارے زمانہ میں پہلے قول کی مدد کی جاتی ہے۔ مفتی کے لیے جائز ہے کہ وہ فتویٰ تحریر کرنے پر اس کے حساب سے اجرت لے لے کیونکہ کتابوں میں یہ اجرت محصور نہیں۔

26763۔ (قولہ: وَالْأَوْقَافِ) میں کہتا ہوں: ''اشباہ'' میں اس قول کا اضافہ کیا ہے: ثم بالغ فی الانکار الخ۔ علامہ شیخ ''خیر الدین رملی'' نے ''اشباہ'' پر اپنے حاشیہ میں کہا: جس کی یہ نص ہے: پھر انہوں نے انکار میں مبالغہ کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: یعنی دونوں جماعتوں پر انکار میں مبالغہ کیا ہے۔ انکار میں مبالغہ واضح اعتبار والا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے: اگر وہ مثلاً بیس ہزار پر والی بنے اور اس بارے میں اسے کوئی مشقت لاحق نہ ہو جس کے ساتھ وہ اس کے دسویں حصہ کا مستحق بنے جب کہ وہ یتیم کا مال ہے؟ اس کی حرمت کے بارے میں قطعی دلائل آتے ہیں۔ پس یہ نہیں ہے مگر روشن شرع پر بہتان ہے اور ایسی ظلمت ہے جس نے ان کی آنکھوں کو ڈھانپ لیا ہے ہم اس کے واقع ہونے والے غضب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

''پیری زادہ'' نے اپنے حاشیہ میں کہا: صحیح یہ ہے کہ عشر سے مراد اس کے عمل کی مثل اجرت ہے یہاں تک کہ اگر وہ زائد ہو تو زائد کو واپس کر دے۔ ''مدنی''۔

26764۔ (قولہ: فِي مَسْأَلَةِ الطَّاحُونَةِ) یعنی جب اس کا عمل ہو جو ''الخانیہ'' میں کتاب الوقف میں ہے: ایک آدمی نے اپنے اموال پر جاگیر وقف صحیح کے ساتھ وقف کی۔ پس واقف مر گیا اور قاضی نے وقف جاگیر قیم کے ہاتھ میں دے دی

....

اور قیم کے لیے منافع کا دسواں حصہ مقرر کر دیا۔ وقف میں ایک پن چکی ایک آدمی کے قبضہ میں ہے جس کی اجرت طرفین کی جانب سے مقرر ہے اس میں قیم کی کوئی حاجت نہیں اس چکی کے مالک اس سے منافع لیتے ہیں اس چکی کا دسواں حصہ نگران کے لیے ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ نگران جو کچھ لیتا ہے وہ اجرت کے طور پر لیتا ہے۔ پس وہ عمل کے بغیر اجرت کا مستحق نہیں ہو گا۔ ''تاتر خانیہ'' اور ''الولواجیہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''ح''۔

كِتَابُ الشَّهَادَاتِ

أَخَّرَهَا عَنْ الْقَضَاءِ لِأَنَّهَا كَالْوَسِيلَةِ وَهُوَ الْمَقْصُودُ (هِيَ) لُغَةً خَبَرٌ قَاطِعٌ وَشَرْعًا (إخْبَارُ صِدْقٍ لِإِثْبَاتِ حَقٍّ) فَتْحٌ قُلْتُ فَإِطْلَاقُهَا عَلَى الزُّورِ مَجَازٌ كَإِطْلَاقِ الْيَمِينِ عَلَى الْغَمُوسِ (بِلَفْظِ الشَّهَادَةِ فِي مَجْلِسِ الْقَاضِي) وَلَوْ بِلَا دَعْوَى كَمَا فِي عِتْقِ الْأَمَةِ وَسَبَبُ وُجُوبِهَا طَلَبُ ذِي الْحَقِّ أَوْ خَوْفُ فَوْتِ حَقِّهِ بِأَنْ لَمْ يَعْلَمْ بِهَا ذُو الْحَقِّ وَخَافَ فَوْتَهُ لَزِمَهُ أَنْ يَشْهَدَ بِلَا طَلَبٍ فَتْحٌ (شَرْطُهَا) أَحَدٌ وَعِشْرُونَ شَرْطًا شَرَائِطُ مَكَانِهَا وَاحِدٌ وَشَرَائِطُ التَّحَمُّلِ ثَلَاثَةٌ (الْعَقْلُ الْكَامِلُ) وَقْتَ التَّحَمُّلِ،

گواہیوں کا بیان

کتاب الشہادات کو کتاب القضاء سے موخر کیا ہے۔ کیونکہ شہادت قضا کیلئے وسیلہ کی طرح ہے قضا ہی مقصود ہوتا ہے۔ شہادت کا لغوی معنی قطعی خبر ہے اور شہادت کا شرعی معنی حق کو ثابت کرنے کے لیے سچی خبر دینا ہے،''فتح'' میں کہتا ہوں: جھوٹی خبر پر شہادت کا اطلاق یہ مجاز ہے جس طرح غموس پر یمین کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ شہادت قاضی کی مجلس میں لفظ شہادت کے ساتھ ادا کرنا ہوگی اگرچہ دعویٰ کے بغیر ہو جس طرح لونڈی کی آزادی کے معاملہ میں ہوتا ہے۔ شہادت کے وجوب کا سبب صاحب حق کا مطالبہ یا اس کے حق کا فوت ہونا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ صاحب حق اسے نہ جانتا ہو اور اس کے فوت ہو جانے کا خوف ہو تو شاید یہ لازم ہوگا کہ وہ مطالبہ کے بغیر گواہی دے،''فتح''۔ شہادت کی اکیس شرائط ہیں شہادت کے مکان کی ایک شرط ہے۔ شہادت کے تحمل کی تین شرائط ہیں شہادت کے تحمل کے وقت کامل عقل کا ہونا،

26765۔(قولہ: كَإِطْلَاقِ الْيَمِينِ) کیونکہ یمین کی حقیقت تو یہ ہے یہ ایسا عقد ہے جس کے ساتھ حالف کا زمانہ مستقبل میں فعل یا اس کے ترک پر عزم قوی ہو جائے۔ غموس سے مراد زمانہ گزشتہ میں وقوع پذیر ہونے والے کسی فعل پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم اٹھانا۔

26766۔(قولہ: وَخَافَ) خاف کی ضمیر سے مراد شاہد ہے۔ اور ان کا قول فوتہ میں ضمیر سے مراد حق ہے۔

26767۔(قولہ: بِلَا طَلَبٍ) اس میں ''مقدسی'' نے اعتراض کیا ہے: اس میں واجب یہ ہے کہ جو وہ شہادت دینے والا ہے مدعی کو اس بارے میں آگاہ کرے۔ اگر مدعی گواہ دینے کا مطالبہ کرے تو گواہی دے ورنہ گواہی نہ دے۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ وہ اپنے حق کو ترک کر دے''ط''۔

26768۔(قولہ: شَرَائِطُ مَكَانِهَا وَاحِدٌ) یعنی قضا کی مجلس۔''فتح''۔

26769۔(قولہ: الْعَقْلُ الْكَامِلُ وَقْتَ التَّحَمُّلِ) مراد وہ ہے جو تمیز کو شامل ہو اس کی دلیل وہ ہے جو آنے والے

وَالْبَصَرُ وَ مُعَايَنَةُ الْمَشْهُودِ بِهِ اِلَّا فِيمَا يَثْبُتُ بِالتَّسَامُعِ (وَ) شَرَائِطُ الْأَدَاءِ سَبْعَةَ عَشَرَ عَشَرَةٌ عَامَّةٌ وَ سَبْعَةٌ خَاصَّةٌ، مِنْهَا (الضَّبْطُ وَالْوِلَايَةُ) فَيُشْتَرَطُ الْإِسْلَامُ لَوِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ مُسْلِمًا (وَالْقُدْرَةُ عَلَى التَّمْيِيزِ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ (بَيْنَ الْمُدَّعِي وَالْمُدَّعَى عَلَيْهِ) وَمِنَ الشَّرَائِطِ عَدَمُ قَرَابَةِ وِلَادٍ أَوْ زَوْجِيَّةٍ أَوْ عَدَاوَةٍ دُنْيَوِيَّةٍ أَوْ دَفْعِ مَغْرَمٍ أَوْ جَرِّ مَغْنَمٍ كَمَا سَيَجِيءُ

بصر اور مشہود بہ کو دیکھنا مگر جو تسامع سے ثابت ہو۔ اور شہادت کی ادائیگی کی سترہ شرائط ہیں۔ دس عام ہیں اور سات خاص ہیں۔ ان میں سے ضبط اور ولایت ہے۔ اگر مدعی علیہ مسلمان ہے تو گواہ کا مسلمان ہونا ضروری ہے وہ مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان سمع اور بصر کے ساتھ تمیز پر قدرت رکھتا ہو۔ اور شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ دونوں میں ولادت اور زوجیت کی رشتہ داری یا دنیوی دشمنی چٹی کو دور کرنا یا مال غنیمت کو حاصل کرنا نہ ہو جس طرح عنقریب آئے گا۔

باب میں عنقریب آئے گا۔

شہادت کی ادائیگی کی شرائط کا بیان

26770۔ (قولہ: عَشَرَةٌ عَامَّةٌ) یعنی شہادت کی تمام انواع میں یہ شرط ہیں۔ جب کہ عامہ یہ ہیں: آزاد ہونا، دیکھنا، بولنا اور عدالت۔ لیکن یہ ان شروط میں سے ہیں جو قاضی پر شہادت کے قبول کرنے کو واجب کرتی ہیں یہ اس کے جواز کی شرط نہیں۔ اس پر حد قذف نہ جاری کی گئی ہو۔ شاید اپنی جانب منفعت لانے والا نہ ہو، وہ اپنی ذات سے چٹی ونقصان دور کرنے والا نہ ہو، فرع کی اپنی اصل کے حق میں شہادت مقبول نہ ہوگی۔ اور اس کے برعکس بھی شہادت قبول نہ ہوگی۔ میاں بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کے لیے گواہی دینے والا نہ ہو، وہ خصم نہ ہو۔ وصی کی تقسیم کے حق میں گواہی قبول نہ ہوگی۔ وکیل کی اپنے موکل کے حق میں گواہی قبول نہ ہوگی۔ ادائیگی کے وقت وہ مشہود بہ کو جانتا ہو، اسے یاد رکھنے والا ہو۔ پس اس کا اپنی تحریر پر اعتبار کرنا جائز نہیں۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

جو بعض کے ساتھ خاص ہیں: وہ اسلام ہے اگر مشہود علیہ مسلمان ہو، حد اور قصاص کے بارے میں گواہی ہو تو گواہ کا مذکر ہونا شرط ہے۔ جو امر حقوق العباد سے متعلق ہیں اس میں دعویٰ کا پہلے ہونا، شہادت کا دعویٰ کے موافق ہونا، اگر شہادت دعویٰ کے موافق نہ ہو تو اسے قبول نہ کیا جائے گا مگر جب مدعی پر موافقت کرے جب کہ وہ ممکن ہو۔ شراب نوشی کے بارے میں شہادت میں بو کا باقی رہنا جب کہ وہ نشے کی حالت میں ہو مگر اس صورت میں جب مسافت کی دوری ہو، حدود وقصاص کی شہادت میں اصل گواہ گواہی دیں اور شہادت علی شہادت میں اصل گواہ کا حاضر ہونا متعذر رہو۔ ''البحر'' میں اسی طرح ہے۔

لیکن پہلے یہ ذکر کیا ہے: شہادت کی شرائط کی دو نوعیں ہیں: شہادت کے تحمل کی شرائط، شہادت کی ادائیگی کی شرائط۔ پہلی نوع کی تین قسمیں ہیں۔ شارح نے جن کا ذکر کر دیا ہے۔ دوسری نوع کی چار نوعیں ہیں: جو شاہد کی طرف راجع ہیں، اور جو شہادت کی طرف راجع ہیں، جو شہادت کے مکان کی طرف راجع ہیں، جو مشہود بہ کی طرف راجع ہیں۔

(وَرُكْنُهَا لَفْظُ أَشْهَدُ) لَا غَيْرُ لِتَضَمُّنِهِ مَعْنَى مُشَاهَدَةٍ وَقَسَمٍ وَإِخْبَارٍ لِلْحَالِ فَكَأَنَّهُ يَقُولُ أُقْسِمُ بِاللّٰهِ لَقَدْ اطَّلَعْتُ عَلَى ذٰلِكَ وَأَنَا أُخْبِرُ بِهِ وَهٰذِهِ الْمَعَانِي مَفْقُودَةٌ فِي غَيْرِهِ فَتَعَيَّنَ،

شہادت کا رکن لفظ اشھد ہے کوئی اور رکن نہیں کیونکہ اشھد کا لفظ مشاہدہ، قسم اور اخبار حالی کو لیے ہوئے ہے گویا وہ کہتا ہے میں اللہ کے نام کی قسم اٹھاتا ہوں کہ میں اس پر مطلع ہوں اور میں اس کی خبر دیتا ہوں۔ یہ معانی اس کے علاوہ میں مفقود ہیں پس یہ لفظ متعین ہو گیا ہے

اور یہ ذکر کیا ہے: جو شاہد کی طرف راجع ہیں وہ سترہ ہیں عام اور خاص۔ جو شہادت کی طرف راجع ہیں وہ تین ہیں۔ لفظ شہادت، ایسے معاملہ میں جس میں مرد مطلع ہو جاتا ہے گواہیوں کی تعداد کا ہونا، دونوں گواہوں کا اتفاق ہونا۔

جو شہادت کے مکان کی طرف راجع ہے وہ ایک ہے: وہ مجلس قضا ہے جو مشہود بہ کی طرف راجع ہیں وہ سات خاص ہیں۔

پھر کہا: حاصل کلام یہ ہے: اس کی شرائط اکیس ہیں: پس تحمل کی شرائط تین ہیں، ادائیگی کی شرائط سترہ ہیں، ان میں سے دس شرائط عامہ ہیں۔ اور ان میں سے سات شرائط خاصہ ہیں۔ نفس شہادت کی شرائط تین ہیں شہادت کے مکان کی شرط ایک ہے۔

اس کا مقتضا یہ ہے کہ ادائیگی کی شرائط دو ہیں چار نہیں ہیں جس طرح پہلے ذکر کیا ہے۔

صحیح یہ کہنا ہے: یہ چوبیس ہیں۔ ان میں سے تین تحمل کی شرائط ہیں اور اکیس ادائیگی کی شرائط ہیں۔ ان میں سے سترہ شاہد کی شرائط ہیں۔ دس عامہ اور سات خاصہ ہیں۔ ان میں سے تین نفس شہادت کی شرائط ہیں۔ ان میں سے ایک شہادت کے مکان کی شرط ہے اس سے تیرے لیے وہ ضعف بھی ظاہر ہو جائے گا جو شارح کے کلام میں ہے۔

شہادت کے رکن کا معنی

26771۔ (قولہ: أَشْهَدُ) اگر اس نے کہا: شهدت (میں نے گواہی دی) تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ ماضی کا صیغہ اس امر کے بارے میں خبر دینے کے لیے وضع کیا گیا ہے جو واقع ہو چکا ہے پس یہ فی الحال مخبر نہیں۔ ''س''۔

26772۔ (قولہ: لِتَضَمُّنِهِ) یعنی اپنے اشتقاق کے اعتبار سے یہ اس کو متضمن ہے۔

26773۔ (قولہ: مَعْنَى مُشَاهَدَةٍ) مشاہدہ سے مراد کسی شے پر آنکھوں سے مطلع ہونا ہے۔

26774۔ (قولہ: وَقَسَمٍ) کیونکہ شہادت کا لفظ قسم میں استعمال ہوتا ہے جیسے اشھد باللہ لقد کان کذا یعنی میں قسم اٹھاتا ہوں۔ ''س''۔

26775۔ (قولہ: لِلْحَالِ) یہ جائز نہیں کہ وہ لفظ شهدتُ کہے۔ کیونکہ ماضی کا صیغہ اس امر کے بارے میں خبر دینے کے لیے ہے جو امر واقع ہو چکا ہے۔

26776۔ (قولہ: فَتَعَيَّنَ) اسی وجہ سے بطور احتیاط اور ماثور کی اتباع کے لیے اس پر اکتفا کیا ہے یہ تعبد کے معنی سے خالی نہیں کیونکہ اس کے علاوہ کوئی لفظ نقل نہیں کیا گیا جس طرح ''البحر'' میں اسے تفصیلاً ذکر کیا ہے۔

حَتّٰى لَوْ زَادَ فِيمَا أَعْلَمُ بَطَلَ لِلشَّكِّ وَحُكْمُهَا وُجُوبُ الْحُكْمِ عَلَى الْقَاضِي بِمُوجِبِهَا بَعْدَ التَّزْكِيَةِ بِمَعْنَى افْتِرَاضِهِ فَوْرًا إِلَّا فِي ثَلَاثٍ قَدَّمْنَاهَا (فَلَوِ امْتَنَعَ) بَعْدَ وُجُودِ شَرَائِطِهَا (أَثِمَ) لِتَرْكِهِ الْفَرْضَ (وَاسْتَحَقَّ الْعَزْلَ) لِفِسْقِهِ (وَعُزِّرَ) لِارْتِكَابِهِ مَا لَا يَجُوزُ شَرْعًا زَيْلَعِيٌّ (وَكَفَرَ إِنْ لَمْ يَرَ الْوُجُوبَ) أَيْ إِنْ لَمْ يَعْتَقِدِ افْتِرَاضَهُ عَلَيْهِ ابْنُ مَلَكٍ، وَأَطْلَقَ الْكَافِيَجِيُّ كُفْرَهُ وَاسْتَظْهَرَ الْمُصَنِّفُ الْأَوَّلَ (وَيَجِبُ أَدَاؤُهَا بِالطَّلَبِ) وَلَوْ حُكْمًا كَمَا مَرَّ، لَكِنَّ وُجُوبَهُ بِشُرُوطٍ سَبْعَةٍ مَبْسُوطَةٍ فِي الْبَحْرِ وَغَيْرِهِ،

یہاں تک کہ اگر وہ زائد لفظ کہے: فیما اعلم (جو میں جانتا ہوں) تو یہ شہادت باطل ہو جائے گی کیونکہ شک پایا گیا ہے۔ شہادت کا حکم یہ ہے کہ گواہوں کے تزکیہ کے بعد شہادت کے موجب کا حکم کرنا قاضی پر واجب ہے یعنی فوراً اس پر فرض ہے مگر تین امور میں فرق نہیں جن کا ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں اگر شہادت کی شرائط پائی جانے کے بعد وہ حکم دینے سے رک جائے تو وہ گناہگار ہوگا۔ کیونکہ اس نے فرض کو ترک کیا ہے اور وہ معزول ہونے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ فاسق بن چکا ہے۔ اسے تعزیر لگائی جائے گی۔ کیونکہ اس نے ایسے امر کا ارتکاب کیا ہے جو شرعاً جائز نہیں ''زیلعی''۔ اگر وہ فیصلہ دینے کو اپنے اوپر فرض ہونے کا اعتقاد نہ رکھے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ ''ابن ملک''۔ ''کافیجی'' نے اس کے کفر کو مطلق ذکر کیا ہے اور مصنف نے اپنے قول کو ظاہر روایت خیال کیا ہے۔ جب گواہی دینے کا مطالبہ کیا جائے تو شہادت کی ادائیگی واجب ہوگی اگرچہ حکماً ہو جس طرح گزر چکا ہے لیکن اس کا وجوب سات شروط کے ساتھ ہے جو ''البحر'' وغیرہ میں ذکر کی گئی ہیں۔

26777۔ (قولہ: حَتّٰى لَوْ زَادَ فِيمَا أَعْلَمُ الخ) اگر اس نے کہا: اشھد بکذا فیما اعلم یعنی جو میں جانتا ہوں اس کے بارے میں یہ خبر دیتا ہوں تو اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی۔ جس طرح اگر وہ کہے: میرے گمان میں یہ ہے تو یہ باطل ہو جائے گی۔ اگر وہ کہے: اشھد بکذا قد علمتُ تو معاملہ مختلف ہوگا یعنی شہادت قبول ہوگی۔ اگر وہ کہے: جو میں علم رکھتا ہوں اس اعتبار سے فلاں کی جانب میرا کوئی حق نہیں تو یہ بری کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اگر کوئی آدمی یہ کہے فلاں کا مجھ پر ہزار ہے جو میں علم رکھتا ہوں تو اقرار صحیح نہ ہوگا۔ اگر معدل یہ کہے جو میں علم رکھتا ہوں اس میں یہ عادل ہے تو یہ تعدیل نہ ہوگی۔ ''بحر''۔

26778۔ (قولہ: ثَلَاثٍ) شک کا خوف ہو، قریبی رشتہ داروں کے صلح کی امید ہو، جب مدعی مہلت طلب کرے۔ ''س''۔

26779۔ (قولہ: قَدَّمْنَاهَا) یعنی باب التحکیم سے تھوڑا پہلے۔ ''ح''۔

26780۔ (قولہ: إِنْ لَمْ يَرَ الْوُجُوبَ) اسے ''البحر'' کے کتاب القضاء کے شروع میں باکیری کی ''شرح الکنز'' میں نقل کیا ہے۔

26781۔ (قولہ: وَأَطْلَقَ الْكَافِيَجِيُّ) یعنی انہوں نے اپنے رسالہ ''سیف القضاۃ علی البغاۃ'' میں مطلق رکھا ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا: یہاں تک کہ اگر اس نے عذر کے بغیر جان بوجھ کر حکم کو موخر کیا تو علماء نے کہا: وہ کافر ہو جائے گا۔

26782۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) وہ یہ قول ہے: او خوف فوت حقہ۔ ''ح''۔

مِنْهَا عَدَالَةُ قَاضٍ وَقُرْبُ مَكَانِهِ وَعِلْمُهُ بِقَبُولِهِ أَوْ بِكَوْنِهِ أَسْرَعَ قَبُولًا وَ طَلَبُ الْمُدَّعِي (لَوْ فِي حَقِّ الْعَبْدِ إِنْ لَمْ يُوجَدْ بَدَلُهُ) أَيْ بَدَلُ الشَّاهِدِ لِأَنَّهَا فَرْضُ كِفَايَةٍ تَتَعَيَّنُ لَوْ لَمْ يَكُنْ إِلَّا شَاهِدَانِ لِتَحَمُّلٍ أَوْ أَدَاءٍ، وَكَذَا الْكَاتِبُ إِذَا تَعَيَّنَ، لَكِنَّ لَهُ أَخْذَ الْأُجْرَةِ لَا لِلشَّاهِدِ، حَتَّى لَوْ أَرْكَبَهُ بِلَا عُذْرٍ لَمْ تُقْبَلْ وَبِهِ تُقْبَلُ لِحَدِيثِ أَكْرِمُوا الشُّهُودَ وَجَوَّزَ الثَّانِي الْأَكْلَ مُطْلَقًا وَبِهِ يُفْتَى بَحْرٌ، وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ

ان میں سے قاضی کا عادل ہونا، اس کے مکان کا قریب ہونا، اس کے قبول ہونے کا علم ہونا، یا اس کے جلد قبول کرنے کا علم ہونا اور مدعی کا شہادت کو طلب کرنا۔ اگر بندے کے حق میں ہو اگر اس شاہد کا بدل نہ پایا جائے۔ کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے۔ اگر تحمل شہادت یا ادا شہادت کے لیے صرف دو ہی گواہ ہوں تو شہادت متعین ہو جائے گی۔ کاتب کا معاملہ اسی طرح کا ہے جب وہ متعین ہو۔ لیکن کاتب کے لیے اجرت لینا صحیح ہے شاہد کے لیے اجرت لینا صحیح نہیں یہاں تک کہ اگر وہ عذر کے بغیر اسے سوار کرے تو اس کی گواہی قبول نہ کی جائے گی اور عذر کی صورت میں قبول کی جائے گی۔ کیونکہ حدیث طیبہ ہے: گواہوں کی عزت کرو (1) امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے گواہ کے لیے کھانا کھانا مطلقاً جائز قرار دیا ہے۔ اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''بحر'' مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے۔

26783۔ (قولہ: وَقُرْبُ مَكَانِهِ) یعنی قاضی کا مکان اگر دور ہو اس کی صورت یہ ہے کہ شاہد کے لیے ممکن نہ ہو کہ وہ گواہی کے لیے جائے اور اس روز اپنے گھر واپس آسکے۔ علماء نے کہا: وہ گناہگار نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی وجہ سے اسے ضرر لاحق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ (البقرہ: 282) ''بحر''۔

26784۔ (قولہ: إِنْ لَمْ يُوجَدْ بَدَلُهُ) یہ پانچویں شرط ہے۔ جہاں تک باقی ماندہ دو کا تعلق ہے وہ دو یہ ہیں: وہ مشہود بہ کے باطل ہونے کا علم نہ رکھتا ہو، وہ یہ نہ جانے کہ مقر نے خوف کی وجہ سے اقرار کیا ہے۔ ''ح''۔

26785۔ (قولہ: أَخْذَ الْأُجْرَةِ) تاکہ اسے اس کے ساتھ دیکھا جائے جو قول پہلے گزر چکا ہے۔ ہر وہ امر جو قاضی اور مفتی پر واجب ہو اس کے بدلے میں اجرت لینا دونوں کے لیے حلال نہیں۔ یہ امر ان دونوں کے ساتھ خاص نہیں اس کی دلیل وہ ہے جو انہوں نے ذکر کی ہے۔ جب میتوں کو غسل دینے والا متعین ہو جائے تو اس کے لیے اجرت لینا حلال نہیں۔ فتامل لیحرر۔

26786۔ (قولہ: بِلَا عُذْرٍ) اس کی صورت یہ ہے کہ چلنے پر اسے قدرت حاصل ہے۔ یا ان کے پاس مال ہے جس سے وہ سواری کا جانور کرائے پر لے سکتے ہیں۔

26787۔ (قولہ: وَبِهِ) یعنی عذر۔ کذا فی الھامش

26788۔ (قولہ: مُطْلَقًا) خواہ اس نے ان کے لیے کھانا تیار کیا ہو یا نہ کیا ہو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے مطلقاً اس سے منع کیا ہے بعض نے تفصیل بیان کی ہے۔

1۔ تاریخ بغداد، حافظ ابو بکر احمد بن علی الخطیب البغدادی، جلد 5 صفحہ 94 مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ بغداد

(وَ) يَجِبُ الْأَدَاءُ (بِلَا طَلَبٍ لَوْ) الشَّهَادَةُ (فِي حُقُوقِ اللهِ تَعَالَى) وَهِيَ كَثِيرَةٌ عَدَّ مِنْهَا فِي الْأَشْبَاهِ أَرْبَعَةَ عَشَرَ قَالَ وَمَتَى أَخَّرَ شَاهِدُ الْحِسْبَةِ شَهَادَتَهُ بِلَا عُذْرٍ فَسَقَ فَتُرَدُّ (كَطَلَاقِ امْرَأَةٍ) أَيْ بَائِنًا (وَعِتْقِ أَمَةٍ) وَتَدْبِيرِهَا وَكَذَا عِتْقُ عَبْدٍ وَتَدْبِيرُهُ شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ، وَكَذَا الرَّضَاعُ كَمَا مَرَّ فِي بَابِهِ، وَهَلْ يُقْبَلُ جَرْحُ الشَّاهِدِ حِسْبَةً؟ الظَّاهِرُ نَعَمْ لِكَوْنِهِ حَقًّا لِلّٰهِ تَعَالَى أَشْبَاهٌ

اور مطالبہ کے بغیر ادائیگی واجب ہوگی اگر شہادت حقوق اللہ کے بارے میں ہے۔ یہ کثیر ہیں۔ ان میں سے ''الاشباہ'' میں چودہ کو شمار کیا ہے۔ کہا: جب آخرت میں اجر کے خواہش مند شاہد نے گواہی میں تاخیر کی جب کہ عذر نہ ہو تو وہ فاسق ہو جائے گا اور اس کی گواہی رد کر دی جائے گی جس طرح ایک عورت کو طلاق بائنہ دی گئی تھی اور لونڈی کو آزاد کیا گیا تھا اور اسے مدبر بنایا گیا تھا۔ اسی طرح ایک غلام کو آزاد کیا گیا تھا اور اس کو مدبر بنایا گیا تھا ''شرح الوہبانیہ''۔ اسی طرح رضاعت کا معاملہ ہے۔ کیا آخرت میں اجر کی امید پر شاہد پر جرح کو قبول کیا جائے گا؟ ظاہر یہ ہے کہ ہاں۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، ''اشباہ''۔

26789۔ (قوله: أَرْبَعَةَ عَشَرَ) ہم وقف کے باب میں پہلے ہی (مقولہ 21637 میں) اسے ذکر کر چکے ہیں۔ ''ح''۔

کیا آخرت میں اجر کی امید پر شاہد پر جرح کو قبول کیا جائے گا؟

26790۔ (قوله: حِسْبَةً) حسبة کا لفظ حرج کے متعلق ہے شاہد کے متعلق نہیں۔ ''ح''۔

''الاشباہ'' میں کہا: عورت کی طلاق لونڈی کی آزادی، وقف، رمضان کے چاند وغیرہ کے معاملہ میں دعویٰ کے بغیر آخرت میں اجر کی نیت سے شہادت دینے والے کی شہادت کو قبول کیا جائے گا مگر عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے چاند میں دعویٰ کے بغیر شہادت کو قبول نہیں کیا جائے گا اور حدود میں دعویٰ کے بغیر آخرت میں اجر کے ارادہ سے گواہی قبول کی جائے گی مگر حد قذف اور حد سرقہ میں قبول نہیں کیا جائے گا۔ نسب کے معاملہ میں دعویٰ کے بغیر شہادت کے قبول کرنے میں علماء نے اختلاف کیا ہے جس طرح ''الظہیریہ'' کے کتاب الطلاق فصل ثانی فی النسب میں ہے۔ ''ابن وہبان'' نے قبول کو یقین سے بیان کیا ہے۔ لونڈی کو مدبر بنایا گیا ہو، حرمت مصاہرت، خلع، ایلا اور ظہار میں آخرت میں اجر کے ارادہ سے گواہی کو قبول کیا جائے گا۔ غلام کی آزادی میں دعویٰ کے بغیر ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شہادت ہو تو قبول نہیں کیا جائے گا جب کہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور علماء نے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق حرمت اصلیہ میں اختلاف کیا ہے جب کہ قابل اعتماد بات یہ ہے کہ اختلاف نہیں کیا۔

''الظہیریہ'' میں ہے: جب دو آدمیوں نے گواہی دی کہ اس کے خاوند نے اسے تین طلاقیں دی ہیں یا لونڈی کی آزادی پر گواہی دی۔ اور کہا: یہ گزشتہ سال ہوا تھا تو ان کی شہادت جائز ہوگی اور اس میں تاخیر دونوں کی شہادت میں کمزوری پیدا نہیں کرتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: چاہیے کہ یہ ان کی گواہی میں دین ہو جب دونوں کو علم ہو کہ ان کا یہ عمل دونوں کو بیوی اور لونڈی کی حیثیت میں انہیں باقی رکھنا ہے۔ کیونکہ اس شہادت کے قبول کرنے میں دعویٰ شرط نہیں۔ جب انہوں نے اس میں تاخیر کی

فَبَلَغَتْ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ، وَلَيْسَ لَنَا مُدَّعٍ حِسْبَةٍ إِلَّا فِي الْوَقْفِ عَلَى الْمَرْجُوحِ فَلْيُحْفَظْ (وَ سَتْرُهَا فِي الْحُدُودِ أَبَرُّ) لِحَدِيثِ مَنْ سَتَرَ سُتِرَ فَالْأَوْلَى الْكِتْمَانُ إِلَّا لِمُتَهَتِّكٍ بَحْرٌ- (وَ) الْأَوْلَى أَنْ (يَقُولَ) الشَّاهِدُ (فِي السَّرِقَةِ أَخَذَ) إِحْيَاءً لِلْحَقِّ (لَا سَرَقَ) رِعَايَةً لِلسَّتْرِ (وَنِصَابُهَا لِلزِّنَا أَرْبَعَةُ رِجَالٍ)

پس ان کی تعداد اٹھارہ ہوگئی۔ ہمارے نزدیک ثواب کی نیت سے دعویٰ کرنے والا صرف وقف میں دعویٰ کا حق رکھتا ہے۔ یہ مرجوح قول کے مطابق ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔ اور حدود میں پردہ پوشی کرنا زیادہ نیکی ہے۔ کیونکہ حدیث طیبہ میں ہے جس نے پردہ پوشی کی اس کی پردہ پوشی کی جائے گی (1)۔ زیادہ بہتر پردہ پوشی کرنا ہے مگر وہ آدمی جو عزت کا پردہ چاک کرنے والا ہو اس کی پردہ پوشی نہیں کی جائے گی، ''بحر''۔ زیادہ بہتر یہ ہے کہ چوری کے معاملہ میں گواہ کہے: اس نے مال لیا تاکہ حق دار کا حق ضائع نہ ہو۔ وہ سرق کا لفظ نہ کہے۔ یہ پردہ پوشی کی رعایت کرنے کے لیے ہے۔ زنا کے معاملہ میں اس کا نصاب شہادت چار مرد ہیں

تو وہ فاسق ہو گئے۔ کذا فی الہامش

فرع: ''المجتبیٰ'' میں ''الفضلی'' سے مروی ہے: گواہ بننا فرض کفایہ ہے جس طرح گواہی دینا فرض کفایہ ہے ورنہ حقوق ضائع ہو جائیں گے۔ اسی طریقہ پر کاتب کا معاملہ ہے مگر کاتب کے لیے کتابت پر اجرت لینا جائز ہے شہادت پر اجرت لینا جائز نہیں۔ یہ اجرت لینا اس کاتب کے لیے جائز ہے کہ کتابت کا اختیار اسی کو ہے۔ اسی پر فقہاء کا اجماع ہے۔ ہمارے نزدیک اس کاتب کے لیے اجرت لینا جائز ہے جس پر کتابت کا اختیار متعین نہ ہو۔ یہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ہے۔ ایک قول میں ہے: یہ جائز نہیں کیونکہ اس پر یہ عمل کرنا متعین نہیں ہے۔ ''شلبی''، ''ط''۔

26791۔ (قولہ: ثَمَانِيَةَ عَشَرَ) یعنی ان امور کا اضافہ کیا ہے غلام آزاد کرنا، غلام کو مدبر بنانا، رضاعت، زخمی کرنا۔ جہاں تک عورت کی طلاق، لونڈی کی آزادی، اور اس کو مدبر بنانے کا تعلق ہے تو یہ چودہ میں سے ہے۔ ''ح''۔

26792۔ (قولہ: إِلَّا فِي الْوَقْفِ) یعنی موقوف علیہ نے اصل وقف کا دعویٰ کیا تو بعض کے نزدیک اس کی سماعت کی جائے گی۔ اور مفتی بہ یہ قول ہے کہ اس کی سماعت نہیں ہوگی مگر جب یہ امر اس کے سپرد کیا جائے جس طرح وقف میں یہ گزر چکا ہے۔ ح۔

26793۔ (قولہ: وَ الْأَوْلَى أَنْ يَقُولَ الخ) اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مراد حدود کے اسباب کی ستر پوشی ہے۔ ''منہوات ابن کمال''۔

26794۔ (قولہ: وَنِصَابُهَا) یہ نہیں کہا: وشرطها جس طرح ''الکنز'' میں کہا ہے۔ کیونکہ عنقریب آئے گا کہ عورت ولادت اور اس کی اختین (یعنی نماز جنازہ پڑھنا اور وراثت) کے لیے شرط نہیں۔ ''ابن کمال''۔

26795۔ (قولہ: أَرْبَعَةُ رِجَالٍ) پس عورتوں کی شہادت قبول نہ کی جائے گی۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن، جلد 3، صفحہ 569، حدیث نمبر 4917

لَيْسَ مِنْهُمْ ابْنُ زَوْجِهَا، وَلَوْ عَلَّقَ عِتْقَهُ بِالزِّنَا وَقَعَ بِرَجُلَيْنِ وَلَا حَدَّ، وَلَوْ شَهِدَا بِعِتْقِهِ ثُمَّ أَرْبَعَةٌ بِزِنَاهُ مُحْصَنًا فَأَعْتَقَهُ الْقَاضِي ثُمَّ رَجَمَهُ ثُمَّ رَجَعَ الْكُلُّ ضَمِنَ الْأَوَّلَانِ قِيمَتَهُ لِمَوْلَاهُ وَالْأَرْبَعَةُ دِيَتَهُ لَهُ أَيْضًا لَوْ وَارِثَهُ (وَ) لِبَقِيَّةِ (الْحُدُودِ وَالْقَوَدِ

ان میں عورت کے خاوند کا بیٹا نہ ہو اگر آقا نے غلام کی آزادی کو بدکاری کے ساتھ معلق کیا تو آزادی دو مردوں کی گواہی سے ثابت ہو جائے گی اور اس غلام پر اس گواہی سے کوئی حد جاری نہ ہوگی۔ اگر دو آدمیوں نے اس کی آزادی کی گواہی دی پھر چار آدمیوں نے اس کے زنا کرنے کی گواہی دی جب کہ وہ محصن تھا قاضی نے اسے آزاد کر دیا پھر اس کو رجم کرنے کا حکم دے دیا پھر سب گواہوں نے شہادت سے رجوع کر لیا تو پہلے دو گواہ اس کے آقا کے لیے اس کی قیمت کے ضامن ہوں گے اور چار گواہ اس کی دیت کے بھی ضامن ہوں گے اگر وہ آقا اس کا وارث ہوا۔ اور باقی ماندہ حدود، قصاص

26796۔ (قولہ: ابْنُ زَوْجِهَا) یعنی جب باپ مدعی ہو۔ ''البحر'' میں کہا: یہ جان لو کہ یہ جائز ہے کہ ان چار گواہوں میں سے اس عورت کے خاوند کا بیٹا ہو سکتا ہے۔ ''المحیط البرہانی'' میں جس کا ذکر کیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ایک مرد کی اگر دو بیویاں ہوں اور دونوں میں سے ایک کے پانچ بیٹے ہوں۔ ان میں سے چار بھائی ایک بھائی کے خلاف گواہی دیں کہ اس نے اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ بدکاری کی ہے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی مگر یہ کہ باپ مدعی ہو یا ان کی ماں زندہ ہو۔

26797۔ (قولہ: فَأَعْتَقَهُ) یعنی قاضی نے اس کی آزادی کا حکم لگا دیا۔

26798۔ (قولہ: لَوْ وَارِثَهُ) اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے علاوہ اس کا کوئی وارث نہ ہو ورنہ اس غلام کا جو وارث ہوگا اس کو دیت دیں گے۔ ''س''۔

26799۔ (قولہ: وَالْقَوَدِ) یہ نفس اور عضو میں جو قصاص واقع ہوتا ہے اس کو شامل ہے اس کی قید لگائی۔ کیونکہ ''الخانیہ'' میں ہے: اگر ایک مرد اور دو عورتیں قتل خطا یا ایسے قتل کی گواہی دیں جو قصاص کو واجب نہیں کرتا تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی۔

اور ان کے قول: بخلاف الانثی کا تعلق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کے اسلام قبول کرنے پر ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔ بلکہ ''المقدسی'' میں ہے: اگر دو نصرانی مردوں نے نصرانی عورت کے بارے میں گواہی دی کہ اس نے اسلام قبول کیا ہے تو یہ جائز ہوگا اور اسے اسلام پر مجبور کیا جائے گا۔ میں کہتا ہوں: نصرانی میں بھی یہی چاہیے۔ پس اسے مجبور کیا جائے گا اور قبول نہ کیا جائے گا (بعض نسخوں میں اسے قتل نہیں کیا جائے گا) میں نے ''الولوالجیہ'' میں اسے دیکھا ہے۔ انتہی ''سائحانی''۔

غور کرو انہوں نے اس طرح ایک آدمی اور دو عورتوں کی اس کے اسلام پر گواہی کے بارے میں نہیں کہا؟ لیکن یہ بدرجہ اولیٰ معلوم ہو جاتا ہے۔ ''البحر'' میں ''المحیط'' سے ان کے قول: والذی علی مثلہ کے ہاں اس کی تصریح کی ہے۔ باب المرتد میں ''الدرر'' سے جو قول گزرا ہے اس میں غور کیجیے۔

وَ) مِنْهُ (إِسْلَامُ كَافِرٍ ذَكَرٍ) لِمَآلِهَا لِقَتْلِهِ بِخِلَافِ الْأُنْثَى بَحْرٌ (وَ) مِثْلُهُ (رِدَّةُ مُسْلِمٍ رَجُلَانِ) إِلَّا الْمُعَلَّقَ فَيَقَعُ وَلَا يُحَدُّ كَمَا مَرَّ (وَلِلْوِلَادَةِ وَاسْتِهْلَالِ الصَّبِيِّ لِلصَّلَاةِ عَلَيْهِ) وَلِلْإِرْثِ عِنْدَهُمَا

اس میں سے کافر مرد کا مسلمان ہونا کیونکہ انجام کار اس پر قتل کا حکم لگایا جاتا ہے مونث کا معاملہ مختلف ہے، ''بحر''۔ اس کی مثل مسلمان کا مرتد ہونا ہے ان سب کے لیے دو گواہ ہوں گے مگر جسے معلق کیا جائے پس معلق امر واقع ہو جائے گا اور اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی جس طرح گزر چکا ہے۔ ولادت، بچے کی نماز جنازہ پڑھنے کے لیے اس کے رونے اور وراثت کے ثبوت کے لیے ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا

26800۔ (قولہ: وَ مِنْهُ) ضمیر سے مراد القعود ہے۔ ''ح''۔

26801۔ (قولہ: لِقَتْلِهِ) یعنی اگر وہ اپنے کفر پر اصرار کرے۔

26802۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْأُنْثَى) اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ پس ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت قبول کی جائے گی اسی وجہ سے مذکر کی قید لگائی ہے۔

26803۔ (قولہ: رَجُلَانِ) ''البحر'' میں ہے: اگر ایک قاضی ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے حدود و قصاص میں فیصلہ کر دے جب کہ وہ یہ رائے رکھتا ہو یا رائے نہ رکھتا ہو۔ پھر اس کا معاملہ دوسرے قاضی کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ اس کو نافذ کر دے۔ ''الخانیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے کہا: اگر میں شراب پیوں تو میرا مملوک آزاد ہے۔ پس ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں کہ اس نے شراب پی ہے غلام آزاد ہو جائے گا آقا پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے اگر وہ یہ کہے: ان سرقت اگر میں چوری کروں۔ دونوں قولوں میں فتویٰ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے۔ کذا فی الھامش

26804۔ (قولہ: إِلَّا الْمُعَلَّقَ فَيَقَعُ) یعنی اسے ایک ایسی شے پر معلق کیا گیا جو ان چیزوں میں سے ہے جو حد یا قصاص کو واجب کرتی ہیں اس میں دو آدمی شرط نہیں بلکہ ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے وہ امر ثابت ہو جائے گا اگرچہ معلق علیہ ایسا امر ہے جو اس نصاب سے ثابت نہیں ہوتا۔ ''البحر'' میں یہی قول کیا ہے۔

26805۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی قریب ہی گزرا ہے۔

26806۔ (قولہ: وَلِلْوِلَادَةِ) یعنی ''الاصلاح'' میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ کہا: کیونکہ ولادت پر ایک عورت کی شہادت یہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک کافی ہے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے جیسے باب ثبوت النسب میں گزر چکا ہے۔ جہاں تک رونے پر عورت کی شہادت کا تعلق ہے تو نماز جنازہ کے حق میں بالاجماع اسے قبول کیا جائے گا۔ ہم نے حق الصلاۃ کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ وراثت کے حق میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی شہادت کو قبول نہیں کیا جائے گا ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

26807۔ (قولہ: عِنْدَهُمَا) یہ وراثت کے لیے قید ہے جہاں تک نماز جنازہ کے حق کا معاملہ ہے۔ تو بالاتفاق اس کی گواہی قبول کی جائے گی جس طرح ''المنح'' میں ہے۔

وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ وَهُوَ أَرْجَحُ فَتْحٌ (وَالْبَكَارَةِ وَعُيُوبِ النِّسَاءِ فِيمَا لَا يَطَّلِعُ عَلَيْهِ الرِّجَالُ امْرَأَةٌ) حُرَّةٌ مُسْلِمَةٌ وَالثِّنْتَانِ أَحْوَطُ، وَالْأَصَحُّ قَبُولُ رَجُلٍ وَاحِدٍ خُلَاصَةٌ وَفِي الْبُرْجَنْدِيِّ عَنْ الْمُلْتَقَطِ أَنَّ الْمُعَلِّمَ إذَا شَهِدَ مُنْفَرِدًا فِي حَوَادِثِ الصِّبْيَانِ تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ فَلْيُحْفَظْ

امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد کے نزدیک جب کہ یہی زیادہ راجح ہے، باکرہ ہونے اور عورتوں کے ایسے عیوب جن پر مرد مطلع نہیں ہو سکتے ایک آزاد مسلمان عورت گواہی کا نصاب ہے۔ دو عورتیں زیادہ محتاط ہیں۔ اصح یہ ہے کہ ان میں ایک مرد کی گواہی قبول ہوگی، ''خلاصہ''۔ برجندی میں ''الملتقط'' سے مروی ہے: معلم جب اکیلے طلبا کے معاملات کے بارے میں اکیلے شہادت دے تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔

ایسے عیوب میں جن پر مرد مطلع نہیں ہو سکتے گواہی کا نصاب

26808۔ (قولہ: وَعُيُوبِ النِّسَاءِ) یعنی جس طرح اس نے لونڈی خریدی۔ پس اس نے دعویٰ کیا کہ اس لونڈی کو قرن یا رتق کی بیماری ہے۔ لیکن ''المنح'' کے باب خیار العیب میں ان کے قول: اُدعی اباقا کے ہاں ذکر کیا ہے: وہ عیب جسے عورتیں ہی پہچان سکتی ہیں تو فی الحال اس عیب کے موجود ہونے میں ایک ثقہ عورت کا قول قبول کیا جائے گا۔ پھر اگر قبضہ کے بعد ہو تو عورت کا قول قبول نہیں کیا جائے گا بلکہ بائع سے قسم لینا ضروری ہے۔ اگر اس سے قبل ہو تو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حکم اسی طرح ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورتوں کا قول بائع کی قسم کے بغیر رد کر دیا جائے گا۔ ''الفتح'' میں باب خیار الرؤیت سے تھوڑا پہلے ہے: قاعدہ یہ ہے کہ قول اس کا معتبر ہوگا جو اصل سے تمسک کرے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ عورتوں کی اکیلی گواہی ان امور میں حجت ہے جس پر مرد مطلع نہیں ہو سکتے جب وہ کسی مؤید کے ساتھ مؤید ہو ورنہ معتبر ہوگی۔ تاکہ خصومت متوجہ ہو نہ کہ خصم پر کوئی شے لازم کی جائے۔ پھر یہ ذکر کیا: اگر اس نے کوئی لونڈی خریدی اس شرط پر کہ یہ باکرہ ہے پھر قبض سے پہلے یا اس کے بعد اس کے باکرہ ہونے میں اختلاف ہو گیا قاضی عورتوں کو وہ لونڈی دکھائے گا اگر وہ عورتیں کہہ دیں: یہ باکرہ ہے تو مشتری پر یہ لازم ہو جائے گی۔ کیونکہ عورتوں کی شہادت مؤید ہو گئی ہے کہ اصل باکرہ ہونا ہے۔ اگر وہ عورتیں کہیں کہ یہ ثیبہ ہے تو عورتوں کی گواہی سے فسخ کا حق ثابت ہو جائے گا تاکہ یمین بائع پر متوجہ ہو جائے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھائے گا۔ میں نے بیع کے حکم سے اسے مشتری کے حوالے کیا تھا جب کہ یہ باکرہ تھی اگر وہ انکار کر دے تو لونڈی بائع پر لوٹا دی جائے گی۔ ورنہ نہیں لوٹائی جائے گی۔ ملخص

26809۔ (قولہ: رَجُلٍ وَاحِدٍ) ''المنح'' میں کہا: اپنے اس قول فیما لا یطلع الخ کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ ہے اگر کوئی مرد اس بارے میں گواہی دے تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ اس قول کو اس امر پر محمول کیا جائے گا جب وہ کہے: تعمدت النظر میں نے جان بوجھ کر دیکھا تھا۔ مگر جب وہ ولادت کی گواہی دے اور کہے: میں اچانک اس پر گیا تو اچانک میری نظر اس پر پڑی اگر وہ عادل ہوگا تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ جس طرح ''المبسوط'' میں ہے۔

(وَ) نِصَابُهَا (لِغَيْرِهَا مِنَ الْحُقُوقِ سَوَاءٌ كَانَ) الْحَقُّ (مَالًا أَوْ غَيْرَهُ كَنِكَاحٍ وَطَلَاقٍ وَوَكَالَةٍ وَوَصِيَّةٍ وَاسْتِهْلَالِ صَبِيٍّ) وَلَوْ (لِلْإِرْثِ رَجُلَانِ) إلَّا فِي حَوَادِثِ صِبْيَانِ الْمَكْتَبِ فَإِنَّهُ يُقْبَلُ فِيهَا شَهَادَةُ الْمُعَلِّمِ مُنْفَرِدًا قُهُسْتَانِيٌّ عَنْ التَّجْنِيسِ (أَوْ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ) وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَهُمَا ـ فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى ـ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ أَرْبَعٍ بِلَا رَجُلٍ لِئَلَّا يَكْثُرَ خُرُوجُهُنَّ، وَخَصَّهُنَّ الْأَئِمَّةُ الثَّلَاثَةُ بِالْأَمْوَالِ وَتَوَابِعِهَا (وَلَزِمَ فِي الْكُلِّ) مِنَ الْمَرَاتِبِ الْأَرْبَعِ (لَفْظُ أَشْهَدُ) بِلَفْظِ الْمُضَارِعِ بِالْإِجْمَاعِ، وَكُلُّ مَا لَا يُشْتَرَطُ فِيهِ هَذَا اللَّفْظُ كَطَهَارَةِ مَاءٍ وَرُؤْيَةِ هِلَالٍ فَهُوَ إِخْبَارٌ لَا شَهَادَةٌ

ان کے علاوہ جو حقوق ہیں خواہ وہ حق مالی ہو یا کوئی اور جیسے نکاح، طلاق، وکالت، وصیت، بچے کا رونا اگر وراثت کے لیے ہو ان کا نصاب شہادت دو مرد ہیں مگر مکتب کے بچوں کے جو معاملات ہیں ان میں معلم کی اکیلے شہادت قبول کی جائے گی، ''قہستانی'' میں ''التجنیس'' سے مروی ہے۔ یا نصاب شہادت ایک مرد اور دو عورتیں ہیں دونوں عورتوں کو الگ الگ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ دونوں میں سے ایک دوسری کو یاد دلائے۔ مرد کے بغیر چار عورتوں کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی تاکہ ان کا نکلنا کثیر نہ ہو جائے۔ تینوں ائمہ نے عورتوں کی شہادت کو اموال اور ان کے توابع کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اور چاروں مراتب میں شہادت کے قبول ہونے کے لیے اشھد کا لفظ لازم ہے یعنی اس پر اجماع ہے کہ اشھد مضارع کا لفظ گواہی میں ذکر کرے اور تمام وہ معاملات جن میں یہ لفظ ذکر کرنا شرط نہیں جیسے پانی کی طہارت اور چاند کی رؤیت تو وہ اخبار ہے شہادت نہیں۔

26810۔(قولہ: لِغَيْرِهَا) یعنی حدود و قصاص کے علاوہ امور اور ایسے امور جن پر مرد مطلع نہیں ہو سکتا ''منح''۔ پس یہ قول قتل خطا کو شامل ہو گا اور اس قتل کو شامل ہو گا جس میں قصاص نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کا حکم مال ہوتا ہے۔ اس طرح اس میں شہادت پر شہادت اور قاضی کا مکتوب قبول کیا جائے گا۔ رملی نے ''الخانیہ'' سے نقل کیا ہے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

26811۔(قولہ: وَلَوْ لِلْإِرْثِ) بعض نسخوں میں لو واؤ کے بغیر ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ دونوں حذف ہوں۔ تامل۔ ان کا قول للارث یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ ''المنح'' میں کہا ہے: والعتاق والنسب۔

26812۔(قولہ: إلَّا فِي حَوَادِثِ الخ) یہ مکرر کلام ہے اس کے ساتھ جس کا ذکر گزر چکا ہے۔

26813۔(قولہ: فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى) حکایت بیان کی گئی ہے کہ ''ام بشیر'' نے حاکم کے ہاں گواہی دی۔ حاکم نے کہا: دونوں عورتوں کو الگ الگ کر دو تو اس نے کہا: تجھے ایسا کرنے کا حق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى (البقرہ: 282) حاکم خاموش ہو گیا۔ ''الملتقط'' میں اسی طرح ہے۔ ''بحر''۔

26814۔(قولہ: وَتَوَابِعِهَا) جیسے اجل (وقت مقرر) خیار شرط۔

26815۔(قولہ: لَفْظُ أَشْهَدُ) ''الیعقوبیہ'' میں کہا: عراقی علماء ہاتھوں کی شہادت میں لفظ شہادت کی ایسے امور میں

(لِقَبُولِهَا وَالْعَدَالَةُ لِوُجُوبِهِ) فِي الْيَنَابِيعِ الْعَدْلُ مَنْ لَمْ يُطْعَنْ عَلَيْهِ فِي بَطْنٍ وَلَا فَرْجٍ وَمِنْهُ الْكَذِبُ لِخُرُوجِهِ مِنْ الْبَطْنِ (لَا لِصِحَّتِهِ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ (فَلَوْ قَضَى بِشَهَادَةِ فَاسِقٍ نَفَذَ) وَأَثِمَ فَتْحٌ (إلَّا أَنْ يَمْنَعَ مِنْهُ) أَيْ مِنْ الْقَضَاءِ بِشَهَادَةِ الْفَاسِقِ (الْإِمَامُ فَلَا) يَنْفُذُ لِمَا مَرَّ أَنَّهُ يَتَأَقَّتُ وَيَتَقَيَّدُ بِزَمَانٍ وَمَكَانٍ وَحَادِثَةٍ وَقَوْلٍ مُعْتَمَدٍ حَتَّى لَا يَنْفُذَ قَضَاؤُهُ بِأَقْوَالٍ ضَعِيفَةٍ وَمَا فِي الْقُنْيَةِ وَالْمُجْتَبَى مِنْ قَبُولِ ذِي الْمُرُوْءَةِ الصَّادِقِ

اور شہادت کے قبول کے واجب ہونے میں عدالت شرط ہے۔ ''ینابیع'' میں ہے: عادل وہ ہے جس پر بطن کے معاملہ میں طعن نہ کیا جائے اور نہ ہی فرج کے معاملہ میں طعن کیا جائے۔ اسی سے جھوٹ بولنا ہے۔ کیونکہ جھوٹ بطن سے نکلتا ہے۔ عدالت قبول کی صحت کی شرط نہیں۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر قاضی نے فاسق کی شہادت کے ساتھ فیصلہ کر دیا تو وہ نافذ ہو جائے گا اور وہ گناہگار ہوگا، ''فتح''۔ مگر یہ کہ امام، قاضی کو فاسق کی گواہی کے ساتھ فیصلہ کرنے سے منع کر دے تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔ اسی دلیل کی وجہ سے جو گزر چکی ہے کہ قضا زمان، مکان، حادثہ اور معتمد قول کے ساتھ مختص اور مقید ہوتی ہے یہاں تک کہ اس کی قضا اقوال ضعیفہ کے ساتھ نافذ نہیں ہوتی۔ ''القنیہ'' اور ''المجتبیٰ'' میں جو قول ہے کہ صاحب مروت کی شہادت قبول ہوگی

شرط نہیں لگاتے تھے جن پر مرد مطلع نہیں ہوتے وہ اسے باب الاخبار سے بناتے ہیں۔ باب الشہادۃ سے نہیں بناتے۔ صحیح وہ ہے جو ''الکتاب'' میں ہے کیونکہ یہ باب الشہادۃ میں سے ہے۔ اسی وجہ سے اس میں شہادت کی شرائط یعنی آزادی، مجلس حکم وغیرہما کی شرط لگائی گئی ہے۔

26816۔(قولہ: لِوُجُوبِهِ) یعنی قاضی پر قضا کے وجوب کے لیے۔ ''منح''۔

عدالت کی تفسیر

26817۔(قولہ: الْعَدْلُ) ''الذخیرہ'' میں کہا: عدالت کی تفسیر میں جو اقوال کیے گئے ہیں ان میں سے احسن یہ ہے وہ کبائر سے اجتناب کرنے والا ہو، وہ صغائر پر مصر نہ ہو، اس کی اچھائیاں اس کی کمزوریوں سے زیادہ ہوں اس کے صحیح اعمال اس کی خطاؤں سے زیادہ ہوں۔ فتامل

26818۔(قولہ: لَا لِصِحَّتِهِ) یعنی قضا کی صحت کے لیے۔ یعنی اس کے نفاذ کے لیے۔ ''منح''۔

26819۔(قولہ: بِشَهَادَةِ فَاسِقٍ نَفَذَ) ''جامع الفتاویٰ'' میں کہا: جہاں تک فاسق کی شہادت کا تعلق ہے اگر قاضی اس کی شہادت میں صدق کی تلاش کرے تو اس کی شہادت کو قبول کیا جائے گا ورنہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ ''فتال''۔ ''الفتاویٰ القاعدیۃ'' میں ہے: یہ اس صورت میں ہے جب اس کا صدق اس کے ظن پر غالب ہو۔ یہ ان امور میں ہے جن کو یاد رکھا جانا چاہیے۔ ''درر''۔ کتاب القضاء کے آغاز میں ہے: ان کے قول وھو مما یحفظ کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

فَقَوْلُ الثَّانِي بَحْرٌ وَضَعَّفَهُ الْكَمَالُ بِأَنَّهُ تَعْلِيلٌ فِي مُقَابَلَةِ النَّصِّ فَلَا يُقْبَلُ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ (وَهِيَ) إنْ (عَلَى حَاضِرٍ يَحْتَاجُ) الشَّاهِدُ (إلَى الْإِشَارَةِ إلَى) ثَلَاثَةِ مَوَاضِعَ أَعْنِي (الْخَصْمَيْنِ وَالْمَشْهُودَ بِهِ لَوْ عَيْنًا) لَا دَيْنًا (وَإِنْ عَلَى غَائِبٍ) كَمَا فِي نَقْلِ الشَّهَادَةِ (أَوْ مَيِّتٍ فَلَا بُدَّ) لِقَبُولِهَا (مِنْ نِسْبَتِهِ إلَى جَدِّهِ فَلَا يَكْفِي ذِكْرُ اسْمِهِ وَاسْمِ أَبِيهِ وَصِنَاعَتِهِ إلَّا إذَا كَانَ يُعْرَفُ بِهَا) أَيْ بِالصِّنَاعَةِ (لَا مَحَالَةَ) بِأَنْ لَا يُشَارِكَهُ فِي الْمِصْرِ غَيْرُهُ (فَلَوْ قَضَى بِلَا ذِكْرِ الْجَدِّ نَفَذَ) فَالْمُعْتَبَرُ التَّعْرِيفُ لَا تَكْثِيرُ الْحُرُوفِ، حَتَّى لَوْ عُرِفَ بِاسْمِهِ فَقَطْ أَوْ بِلَقَبِهِ

یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، ''بحر''۔ ''کمال'' نے اسے ضعیف قرار دیا ہے کہ یہ نص کے مقابلہ میں تعلیل ہے۔ پس اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے۔ شہادت اگر حاضر کے خلاف ہو تو گواہ تین مواقع پر اس کی طرف اشارہ کا محتاج ہوگا۔ یعنی دونوں خصموں کی جانب، مشہود بہ کی جانب اگر وہ عینی چیز ہو دین نہ ہو اگر گواہی غائب کے خلاف ہو جس طرح شہادت کے نقل میں ہوتا ہے یا میت کے خلاف ہو تو شہادت کے قبول ہونے میں ضروری ہے کہ اس کی دادا کی طرف نسبت کی جائے۔ پس اس کا نام، اس کے باپ کا نام اور اس کی صنعت کا ذکر کافی نہیں ہوگا مگر یہ کہ وہ صنعت میں بغیر تردد کے معروف ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مصر میں اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہ ہو۔ اگر وہ دادا کے ذکر کرنے کے بغیر فیصلہ کر دے تو فیصلہ نافذ ہو جائے گا معتبر تعریف (پہچان) ہے حروف کی زیادتی نہیں یہاں تک کہ اگر وہ صرف اپنے نام سے معروف ہو جائے یا صرف اپنے لقب سے

26820۔ (قولہ: بَحْرٌ) جو ''البحر'' میں ہے انہ روایۃ عن الثانی، یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔

26821۔ (قولہ: النَّصِّ) اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (الطلاق: 2) ہم نے اس کا جواب کتاب القضاء کے شروع میں (مقولہ 25944 میں) دے دیا ہے۔

26822۔ فرع (قولہ: يَحْتَاجُ الشَّاهِدُ) ''بزازیہ'' میں ہے: اس نے شہادت لکھی اور ان میں سے بعض نے پڑھی۔ شاہد نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اس مدعی کا اس مدعیٰ علیہ پر وہ سب کچھ لازم ہے جس کا اس مکتوب میں ذکر کیا گیا ہے اور وصف بیان کیا گیا ہے۔ یا کہا: یہ دعویٰ جس کو پڑھا گیا ہے اور اس کتاب میں جس کا ذکر کیا گیا ہے یہ مدعیٰ علیہ کے قبضہ میں ناحق موجود ہے۔ اس پر لازم ہے کہ اس مدعی کے حوالے کر دے تو اسے قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ حاجت اس امر کی اسے دعوت دیتی ہے۔ کیونکہ شہادت طویل ہے اور شاید اس کے بیان سے عاجز ہے۔

26823۔ (قولہ: أَوْ بِلَقَبِهِ) اسی طرح اس کی صفت ہے۔ جس طرح ''الحامدیہ'' میں اس کا فتویٰ دیا ہے اس آدمی کے بارے میں جو یہ گواہی دیتا ہے کہ وہ عورت جو فلاں بازار، فلاں دن فلاں وقت میں قتل کی گئی اسے فلاں نے قتل کیا ہے۔ تو اس کی گواہی عورت کے نام اور اس کے باپ کے نام کی وضاحت کے بغیر قبول کی جائے گی۔ کیونکہ وہ عورت قتل ہونے میں معروف تھی اس عمل میں کوئی اور اس کے ساتھ شریک نہ تھا۔

وَحْدَہٗ کَفٰی جَامِعُ الْفُصُولَیْنِ وَمُلْتَقَطٌ (وَلَا یَسْأَلُ عَنْ شَاھِدٍ بِلَا طَعْنٍ مِنَ الْخَصْمِ إِلَّا فِی حَدٍّ وَقَوَدٍ، وَعِنْدَھُمَا یَسْأَلُ فِی الْکُلِّ) إِنْ جَھِلَ بِحَالِھِمْ بَحْرٌ (سِرًّا وَعَلَنًا بِہٖ یُفْتٰی) وَھُوَ اخْتِلَافُ زَمَانٍ لِأَنَّھُمَا کَانَا فِی الْقَرْنِ الرَّابِعِ، وَلَوْ اکْتَفٰی بِالسِّرِّ جَازَ مَجْمَعٌ وَبِہٖ یُفْتٰی سِرَاجِیَّۃٌ

معروف ہو جائے تو یہ کافی ہو جائے گا''جامع الفصولین''، ملتقط۔ خصم کی جانب سے طعن کے بغیر وہ شاہد کے بارے میں سوال نہیں کرے گا مگر حدود و قصاص میں سوال کرے گا''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک وہ سب میں سوال کرے گا اگر وہ ان کے حالات سے ناواقف ہو۔''بحر''۔ یعنی مخفی طریقہ سے اور اعلانیہ دونوں طریقوں سے سوال کرے گا۔ اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ یہ فرق زمانہ کے اختلاف کے باعث ہے۔ کیونکہ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما چوتھے قرن میں سے تھے۔ اگر وہ مخفی طریقہ سے سوال کرنے پر اکتفا کرے تو یہ جائز ہے''مجمع''۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔''سراجیہ''۔

26824۔ (قولہ: جَامِعُ الْفُصُولَیْنِ) یعنی نویں فصل میں اس طرح ہے۔

26825۔ (قولہ: یَسْأَلُ) یعنی وہ گواہوں کے بارے میں سوال کرے گا اور یہ عمل اس پر واجب ہے''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس کے صحیح ہونے کے لیے سوال کرنا شرط نہیں۔ جس طرح''البحر'' میں اس کی وضاحت کی ہے۔ اس میں ہے:''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک سوال کا محل یہ ہے کہ جب قاضی ان کے حال سے جاہل ہو۔ اسی وجہ سے''الملتقط'' میں فرمایا: قاضی جب جرح یا عدالت کے بارے گواہوں کو پہچانتا ہو تو وہ ان کے بارے میں سوال نہیں کرے گا۔

26826۔ (قولہ: بِہٖ یُفْتٰی) یہ ان کے قول وعندھما: یسأل فی الکل کے ساتھ متعلق ہے۔''البحر'' میں کہا: حاصل کلام یہ ہے: اگر خصم طعن کرے تو تمام امور میں ان کے متعلق سوال کرے ورنہ حدود و قصاص کے بارے میں سوال کرے اور ان کے علاوہ میں اختلاف کا محل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عصر و زمان کا اختلاف ہے۔ اس زمانہ میں فتویٰ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر ہے۔''الہدایہ'' میں اسی طرح ہے۔ انتہی

مصنف کو چاہیے تھا کہ وہ اسے اپنے قول سرًا و علنًا پر مقدم کرتے تا کہ یہ خلاف مراد کا وہم نہ دلائے۔ کیونکہ عنقریب وہ نقل کریں گے کہ فتویٰ یہ ہے کہ خفیہ طریقہ سے سوال کرنے پر اکتفا کرے۔''ابن کمال'' نے اپنے متن میں اسے یقین سے بیان کیا ہے۔''البحر'' میں ذکر کیا ہے کہ''الکنز'' میں جو قول ہے وہ مفتی بہ کے خلاف ہے۔ اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں جو اعلانیہ سوال کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے وہ مفتی بہ کے خلاف ہے بلکہ''البحر'' میں ہے: ضروری ہے کہ علانیہ تزکیہ سے پہلے خفیہ طریقہ سے تزکیہ کیا جائے۔ کیونکہ''الملتقط'' میں امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: میں اس وقت تک علانیہ تزکیہ قبول نہیں کروں گا یہاں تک کہ خفیہ طریقہ سے تزکیہ نہ کر لیا جائے۔ فتنبہ۔''جامع ترمذی''، باب ماجاء فی القرن الثالث۔

26827۔ (قولہ: الرَّابِعِ)''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ تیسرے قرن میں تھے جس کے خیر ہونے کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گواہی دی (1)۔

1۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 2، صفحہ 440، حدیث نمبر 3377

(وَكَفَى فِي التَّزْكِيَةِ) قَوْلُ الْمُزَكِّي (هُوَعَدْلٌ فِي الْأَصَحِّ) لِثُبُوتِ الْحُرِّيَّةِ بِالدَّارِ دُرَرٌ يَعْنِي الْأَصْلُ فِيمَنْ كَانَ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ الْحُرِّيَّةُ فَهُوَ بِعِبَارَتِهِ جَوَابٌ عَنْ النَّقْضِ (بِالْعَبْدِ وَبِدَلَالَتِهِ عَنْ النَّقْضِ) بِالْمَحْدُودِ ابْنُ كَمَالٍ (وَالتَّعْدِيلُ مِنْ الْخَصْمِ الَّذِي لَمْ يُرْجَعْ

تزکیہ میں تزکیہ کرنے والے کا قول، وہ عادل ہے، اصح قول کے مطابق کافی ہے۔ کیونکہ دار کی وجہ سے آزادی ثابت ہے، ''درر''۔ یعنی جو آدمی دارالاسلام میں رہتا ہے اس میں اصل آزادی ہے تو عدل کا لفظ اپنی عبارت کے اعتبار سے عبد کے نقض کا جواب ہے اور اپنی دلالت کے اعتبار سے محدود فی القذف کا جواب ہے۔ ''ابن کمال''۔ اس خصم کی جانب سے کسی کو عادل قرار دینا تعدیل میں جس کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا

26828۔ (قولہ: هُوَعَدْلٌ) یعنی یہ نہیں کہا: جائز الشہادۃ۔ ''الکافی'' میں کہا: پھر کہا گیا: تعدیل و تزکیہ کرنے والے کو یہ ضرور کہنا چاہیے: ہو عدل جائز الشہادۃ کیونکہ غلام اور قذف کی وجہ سے حد لگا یا گیا شخص جب توبہ کرلے تو بعض اوقات اسے عادل قرار دے دیا جاتا ہے۔ اصح یہ ہے کہ اس قول پر اکتفا کیا جائے: ہو عدل۔ کیونکہ دار کے ساتھ آزادی ثابت ہو چکی ہے۔ کذا فی الہامش

لیکن ''البحر'' میں ہے: ''سرخسی'' نے یہ اختیار کیا ہے کہ اس کے قول ہو عدل پر اکتفا نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ جو شخص قذف کی حد لگائے جانے کے بعد توبہ کرلے عادل قرار دیا جائے اس کی شہادت جائز نہیں ہوگی چاہیے کہ اسے ترجیح دی جائے۔

ہامش میں ہے: ان کا قول قول المزکی الخ یا اس صفحہ میں اس کے نام کے نیچے لکھا جائے۔ ہو عدل، ''درر''۔ جس کا فسق معروف ہو وہ کوئی چیز نہیں لکھے گا۔ یہ ہتک سے احتراز کے لیے ہے یا وہ لکھے اللہ اعلم۔ ''درر''۔

26829۔ (قولہ: الْحُرِّيَّةِ) یہ قول اس کے مخالف ہے جو بعض شروح میں ''الجامع الکبیر'' سے نقل کیا گیا ہے: لوگ آزاد ہیں مگر شہادت، حدود اور قصاص میں جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ پس اس میں غور کیا جانا چاہیے۔ ''یعقوبیہ''۔ لیکن ''البحر'' میں ''زیلعی'' سے ذکر کیا ہے: یہ اس پر محمول ہوگا جب خصم غلامی کا طعن کرے جس طرح ''قدوری'' نے قید لگائی ہے۔

26830۔ (قولہ: بِالْمَحْدُودِ) یعنی ان کا قول ہے: الاصل فیمن کان فی دار الاسلام الحریۃ یعنی جو آدمی دار السلام میں رہتا ہے اس میں اصل یہ ہے کہ وہ آزاد ہو، مفہوم موافقت کے ساتھ جسے دلالۃ النص کہتے ہیں۔ یہ اس اعتراض کا جواب ہے جو محدود فی القذف میں وارد ہوتا ہے جیسے پہلے گزر چکا ہے۔ کیونکہ عدالت اس امر کو مستلزم نہیں کہ قذف میں اس پر حد جاری نہ کی گئی ہو۔ یہ مفہوم موافقت کے ساتھ اس پر دال ہے۔ کیونکہ وہ شخص جو دارالسلام میں رہتا ہے اس پر قذف میں بھی جاری نہیں کی جاتی۔ پس یہ اس کے مساوی ہے۔ ''ح''۔

26831۔ (قولہ: وَالتَّعْدِيلُ) تعدیل سے مراد تزکیہ ہے۔

26832۔ (قولہ: مِنْ الْخَصْمِ) خصم سے مراد مدعی علیہ ہے اور مدعی بدرجہ اولیٰ خصم ہے۔ اسے مطلق ذکر کیا ہے۔

إِلَيْهِ فِي التَّعْدِيلِ لَمْ يَصْلُحْ) فَلَوْ كَانَ مِمَّنْ يُرْجَعُ إِلَيْهِ فِي التَّعْدِيلِ صَحَّ بَزَّازِيَّةٌ، وَالْمُرَادُ بِتَعْدِيلِهِ تَزْكِيَتُهُ بِقَوْلِهِ هُمْ عُدُولٌ زَادَ لَكِنَّهُمْ أَخْطَئُوا أَوْ نَسُوا أَوْ لَمْ يَزِدْ (وَ) أَمَّا (قَوْلُهُ صَدَقُوا أَوْ هُمْ عُدُولٌ صَدَقَةٌ) فَإِنَّهُ (اعْتِرَافٌ بِالْحَقِّ) فَيُقْضَى بِإِقْرَارِهِ لَا بِالْبَيِّنَةِ عِنْدَ الْجُحُودِ اخْتِيَارٌ وَفِي الْبَحْرِ عَنْ التَّهْذِيبِ يُحَلَّفُ الشُّهُودُ فِي زَمَانِنَا لِتَعَذُّرِ التَّزْكِيَةِ إِذْ الْمَجْهُولُ لَا يَعْرِفُ الْمَجْهُولَ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ ثُمَّ نَقَلَ عَنْهُ عَنْ الصَّيْرَفِيَّةِ تَفْوِيضَهُ لِلْقَاضِي قُلْتُ وَلَا تَنْسَ مَا مَرَّ عَنْ الْأَشْبَاهِ (وَ) الشَّاهِدُ (لَهُ أَنْ يَشْهَدَ بِمَا سَمِعَ أَوْ رَأَى فِي مِثْلِ الْبَيْعِ)

تو وہ تزکیہ کی صلاحیت نہیں رکھے گا اگر وہ ان لوگوں میں سے ہے تعدیل میں جس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے تو یہ امر صحیح ہو گا۔ ''بزازیہ''۔ اس کی تعدیل سے مراد یہ ہے کہ وہ اس قول کے ساتھ اس کا تزکیہ کرے وہ عادل ہیں وہ اس کا اضافہ کرے: لیکن انہوں نے خطا کی ہے یا یہ بھول گئے ہیں یا وہ اضافہ نہ کرے۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے: یہ سچے ہیں یا وہ عادل سچے ہیں یہ حق کا اعتراف ہے تو اس کے اقرار کی وجہ سے فیصلہ کیا جائے گا۔ انکار کی صورت میں گواہوں کے ساتھ فیصلہ نہیں کیا جائے گا، ''اختیار''۔ ''البحر'' میں ''التہذیب'' سے مروی ہے: ہمارے زمانہ میں گواہوں سے قسم لی جائے گی۔ کیونکہ تزکیہ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مجہول مجہول کو نہیں پہچانتا۔ مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے پھر ''الصیرفیہ'' سے یہ نقل کیا ہے: یہ امر قاضی کے سپرد ہے۔ میں کہتا ہوں: ''الاشباہ'' سے جو قول گزرا ہے اس کو نہ بھول۔ اور شاہد کے لیے جائز ہے کہ اس امر کی گواہی دے جس کو سنا ہو یا جسے دیکھا ہو جیسے بیع ہے

پس یہ قول اسے شامل ہوگا جب مدعی علیہ شہادت سے پہلے یا شہادت کے بعد اسے عادل قرار دے جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے اور تامل کی ضرورت ہے۔ کیونکہ دعویٰ سے قبل تعدیل کے وقت اس کے انکار میں جھوٹ نہیں پایا گیا گویا قضا سے قبل طاری ہونے والا فسق جو اس شخص پر واقع ہوا جس کی تعدیل کی گئی تھی وہ مقارن کی طرح ہے۔ ''بحر''۔

26833۔ (قولہ: لَمْ يَصْلُحْ) یعنی اس کا تزکیہ کرنے والا بننا صحیح نہ ہوگا۔ ''ہامش'' میں کہا: کیونکہ مدعی اور گواہوں کے گمان میں سے یہ ہے کہ مدعی علیہ انکار میں جھوٹا ہے۔ اور کاذب فاسق کا تزکیہ صحیح نہیں ہے۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس کا تزکیہ کرنا صحیح ہوگا اگر وہ اس کا اہل ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ عادل ہو لیکن امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوسرے مزکی کو ساتھ ملانا ضروری ہے۔ ''درر''۔

26834۔ (قولہ: عَنْ الْأَشْبَاهِ) یعنی کتاب التحکیم سے تھوڑا پہلے۔ امام اگر قاضیوں کو حکم دے کہ وہ گواہوں سے قسم لیں تو علماء پر واجب ہے کہ وہ اسے نصیحت کریں اور اسے کہیں۔

26835۔ (قولہ: فِي مِثْلِ الْبَيْعِ) جب گواہ کسی شے کے خریدنے پر گواہی دے رہا ہو تو ثمن کا بیان کرنا ضروری ہے ہم باب الاختلاف میں اس کا عنقریب ذکر کریں گے۔ حاشیہ میں ہے: پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

وَلَوْ بِالتَّعَاطِي فَيَكُونُ مِنَ الْمَرْئِيِّ (وَالْإِقْرَارِ) وَلَوْ بِالْكِتَابَةِ فَيَكُونُ مَرْئِيًّا (وَحُكْمِ الْحَاكِمِ وَ الْغَصْبِ وَالْقَتْلِ

اگرچہ بیع باہم لینے دینے کی صورت میں ہو۔ پس یہ امر اس میں سے ہے جس کو دیکھا جاتا ہے اور اقرار کی گواہی دینا جائز ہے اگرچہ اقرار کتابت کی صورت میں ہے۔ پس یہ امر دکھائی دینے والا ہے حاکم کے حکم، غصب اور قتل کی گواہی دینا جائز ہے

26836۔(قولہ: وَلَوْ بِالتَّعَاطِي) اس میں وہ گواہی دیں گے کہ اس نے لیا اور اس نے دیا۔ اگر وہ بیع کی گواہی دیں تو یہ جائز ہے۔ ''بحر'' میں ''بزازیہ'' سے مروی ہے۔ اس میں ''الخلاصہ'' سے مروی ہے: ایک آدمی بیع کے وقت حاضر ہوا پھر مشتری کو شہادت کی ضرورت پڑی تو وہ شرا کے سبب ملک کی گواہی دے گا۔ اور مطلق ملکیت کی گواہی نہیں دے گا۔ اس میں ہے: شرا پر شہادت دیتے وقت ثمن کا بیان کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ ثمن مجہول کی بنا پر شرا کا حکم صحیح نہیں۔ جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔ اس میں غور کیجئے جو عنقریب (مقولہ 27103 میں) آئے گا اور جو (مقولہ 26681 میں) گزر چکا ہے۔

''الہامش'' میں ہے: ''الدرر'' سے مروی ہے: وہ کہتا ہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ اس نے چیز بیچی ہے یا اس نے اقرار کیا ہے۔ کیونکہ اس نے سبب کا معاینہ کیا ہے۔ پس اس پر اسی طرح کی گواہی دینی واجب ہوگی جس طرح اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب عقد کے ساتھ بیع ظاہر ہے۔ اگر بیع باہم لینے دینے کی صورت میں ہو تو حکم اسی طرح کا ہوگا۔ کیونکہ بیع کی حقیقت یہ ہے کہ مال کا مال کے ساتھ تبادلہ ہو جو صورت پائی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بیع پر گواہی نہیں دیں گے بلکہ ایک چیز کے لینے اور ایک چیز کے دینے پر گواہی دیں گے کیونکہ یہ بیع حکمی ہے حقیقی نہیں۔

26837۔(قولہ: وَالْإِقْرَارِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ مقر کا قول سنے: فلاں کا مجھ پر اتنا ہے، ''درر''۔ الہامش میں اسی طرح ہے۔

26838۔(قولہ: وَلَوْ بِالْكِتَابَةِ) ''البحر'' میں ''بزازیہ'' سے مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: جب اس نے اپنا اقرار گواہوں کے سامنے لکھ دیا اور زبان سے کچھ نہ کہا تو یہ اقرار نہیں ہوگا۔ پس اس کی شہادت حلال نہ ہوگی اگرچہ ایسا خط ہو جس کے سرنامہ پر کچھ لکھا ہو اگرچہ غائب کے لیے خط کی صورت میں ہو جس پر عام علماء قائم ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کتابت بعض اوقات تجربہ کے لیے ہوتی ہے۔ گونگے کے حق میں شرط ہے کہ اس کا عنوان ہو اور اس کے سرنامہ پر کچھ ہو اگرچہ غائب کی طرف نہ ہو۔ اگر وہ لکھے اور گواہوں کے ہاں مطلقاً اسے پڑھے یا اسے کوئی اور آدمی پڑھے اور کاتب کہے: مجھ پر اس بارے میں گواہ بن جاؤ یا ان کے پاس لکھتا ہے اور کہتا ہے: اس میں جو کچھ ہے مجھ پر اس بارے میں گواہ بن جاؤ۔ اور گواہ اس کے بارے میں آگاہ ہیں تو یہ اقرار ہوگا ورنہ اقرار نہیں ہوگا۔

اس سے یہ امر ظاہر ہو جاتا ہے کہ جو یہاں ہے یہ اس کے خلاف ہے جس پر عام علماء ہیں۔ لیکن ''الفتح'' وغیرہ میں اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔

وَإِنْ لَمْ يُشْهِدْ عَلَيْهِ) وَلَوْ مُخْتَفِيًا يَرَى وَجْهَ الْمُقِرِّ وَيَفْهَمُهُ (وَلَا يَشْهَدُ عَلَى مُحَجَّبٍ بِسَمَاعِهِ مِنْهُ إلَّا إذَا تَبَيَّنَ الْقَائِلَ) بِأَنْ لَمْ يَكُنْ فِي الْبَيْتِ غَيْرُهُ، لَكِنْ لَوْ فَسَّرَ لَا تُقْبَلُ دُرَرٌ (أَوْ يَرَى شَخْصَهَا) أَيْ الْقَائِلَةِ (مَعَ شَهَادَةِ اثْنَيْنِ بِأَنَّهَا فُلَانَةُ بِنْتُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ) وَيَكْفِي هَذَا لِلشَّهَادَةِ عَلَى الِاسْمِ وَالنَّسَبِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى جَامِعُ الْفُصُولَيْنِ

اگر چہ اسے اس امر پر گواہ نہ بنایا گیا ہو اگر چہ گواہ چھپا ہوا ہو جو مقر کا چہرہ دیکھتا ہے اور اس کے کلام کو سمجھتا ہے۔ وہ آدمی جو حجاب میں ہو اس کی بات سن کر اس کے خلاف گواہی نہیں دے گا مگر جب قائل واضح ہو اس کی صورت یہ ہے کہ گھر میں اس کے سوا کوئی آدمی نہ ہو۔ لیکن اگر گواہ اس امر کی وضاحت کرے تو اس کی گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا، ''درر''۔ یا وہ گفتگو کرنے والی عورت کی ذات کو دیکھتا ہے ساتھ ہی دو آدمی گواہی دیتے ہیں کہ یہ فلاں بنت فلاں بن فلاں ہے نام اور نسب پر شہادت دینے کے لیے اتنا کافی ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے، ''جامع الفصولین''۔

26839۔ (قولہ: وَإِنْ لَمْ يُشْهِدْ عَلَيْهِ) اگر مولف کہتے: اگر وہ آدمی وان لم یشھد علیہ کی بجائے لا تشھد علی کہتے تو یہ زیادہ فائدہ مند ہوتا۔ کیونکہ ''الخلاصہ'' میں ہے: اگر مقر کہے: جو تو نے سنا ہے اس کے متعلق مجھ پر گواہ نہ بننا تو اس کے لیے گواہی دینے کی گنجائش ہے۔

جب وہ خاموش رہے تو اس کا حکم بدرجہ اولی معلوم ہو جاتا ہے، ''بحر''۔ اس میں ہے: جب وہ خاموش رہے تو وہ اس امر کی گواہی دے گا جس کا اسے علم ہے اور وہ یہ نہیں کہے گا: اس نے مجھے گواہ بنا دیا کیونکہ یہ جھوٹ ہے۔

26840۔ (قولہ: غَيْرُهُ) ''البحر'' کی عبارت کو دیکھیے۔

26841۔ (قولہ: فَسَّرَ) یعنی یہ وضاحت کی کہ وہ اس آدمی کے خلاف گواہی دے رہا ہو جو پردہ میں ہے۔

26842۔ (قولہ: شَخْصَهَا) ''الملتقط'' میں ہے: جب ایک آدمی نے عورت کی آواز کو سنا اور اس کی ذات کو نہ دیکھا دو آدمیوں نے اس کے سامنے گواہی دی کہ یہ فلاں عورت ہے تو اس مرد کے لیے حلال نہیں کہ اس کے خلاف گواہی دے۔ اگر وہ اس کی ذات کو دیکھے اور اس کے ہاں اقرار کرے پس دو آدمی گواہی دیں کہ یہ فلانہ ہے تو اس کے لیے حلال ہے کہ وہ اس کے خلاف گواہی دے۔ ''بحر'' سے کتاب الشہادات کے آغاز سے ماخوذ ہے۔

شَخْصَهَا کی رؤیت کے ساتھ وجہا کی رویت سے احتراز کیا ہے۔ ''جامع الفصولین'' میں فرمایا: عورت نے اپنے چہرہ سے پردہ ہٹایا اور کہا: میں فلانہ بنت فلان بن فلان ہوں یعنی میں فلانہ فلاں کی بیٹی اور فلاں کی پوتی ہوں۔ میں نے اپنے خاوند کو اپنا مہر ہبہ کر دیا ہے تو گواہ دو عادل آدمیوں کی گواہی کے محتاج نہیں ہوں گے کہ یہ فلانہ بنت فلاں ہے جب تک وہ زندہ ہے۔ کیونکہ گواہ کے لیے ممکن ہے کہ وہ اس کی طرف اشارہ کرے۔ اگر وہ اس وقت مر گئی تو گواہ اس کے نسب کے بارے میں دو عادل افراد کی گواہی کے محتاج ہوں گے۔

26843۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) اس قول کے مطابق قول کرنے والا کہتا ہے: ایک جماعت کی شہادت ضروری

فَرْعٌ فِي الْجَوَاهِرِ عَنْ مُحَمَّدٍ لَا يَنْبَغِي لِلْفُقَهَاءِ كَتْبُ الشَّهَادَةِ لِأَنَّ عِنْدَ الْأَدَاءِ يُبْغِضُهُمُ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ فَيَضُرُّهُ (وَإِذَا كَانَ بَيْنَ الْخَطَّيْنِ) بِأَنْ أَخْرَجَ الْمُدَّعِي خَطَّ إِقْرَارِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ فَأَنْكَرَ كَوْنَهُ خَطَّهُ فَاسْتُكْتِبَ فَكَتَبَ وَبَيْنَ الْخَطَّيْنِ
فرع: ''جواہر'' میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: فقہا کو شہادت نہیں لکھنی چاہیے کیونکہ شہادت کی ادائیگی کے وقت مدعی علیہ ان سے ناراض ہوجاتا ہے۔ پس وہ اسے نقصان پہنچاتا ہے جب دو تحریروں میں مشابہت ظاہر ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مدعی، مدعیٰ علیہ کے اقرار کی تحریر نکالے اور مدعی علیہ اس کا انکار کردے کہ یہ اس کی تحریر ہے تو مدعی علیہ سے تحریر لکھوائی گئی تو اس نے تحریر لکھی جب کہ دونوں تحریروں میں

ہے۔ دو گواہ کافی نہیں۔ فقیہ ''ابولیث'' نے ''نصیر بن یحییٰ'' سے ذکر کیا ہے: کہا: میں ''ابوسلیمان'' کے پاس تھا ''ابن محمد بن حسن'' داخل ہوا تو اس نے اس عورت کے خلاف شہادت کے بارے میں پوچھا کہ وہ شہادت کب جائز ہوگی جب وہ اس عورت کو نہیں پہچانتا؟ فرمایا: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے: اس کے خلاف شہادت دینا جائز نہیں یہاں تک کہ اس کے پاس ایک جماعت گواہی نہ دے کہ یہ فلاں عورت ہے۔ امام ''ابویوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اور تیرے باپ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: شہادت دینا جائز ہے جب اس کے پاس دو عادل آدمی گواہی دیں کہ یہ عورت فلاں ہے۔ یہی فتویٰ کے لیے مختار مذہب ہے اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگوں کے لیے زیادہ آسان ہے۔

یہ جان لو کہ دونوں گواہ جس طرح گواہ بننے کے وقت مشہود علیہ کے نام اور نسب کو جاننے کے محتاج ہیں وہ شہادت دینے کے وقت بھی اس آدمی کے محتاج ہیں جو یہ گواہی دے کہ اس اسم اور اس نسبت والی یہی عورت ہے۔ شیخ ''خیر الدین'' نے یہ ذکر کیا ہے: اس آدمی کی جانب سے یہ پہچان کرنا صحیح نہ ہوگا جس کی گواہی اس عورت کے حق میں قبول نہیں ہوتی خواہ شہادت اس عورت کے خلاف ہو یا اس کے حق میں ہو۔ ''سائحانی'' نے ''البحر'' وغیرہ سے کچھ زائد ذکر کیا ہے۔

26844۔ (قولہ: لِأَنَّ عِنْدَ الخ) ان کا اسم ضمیر شان ہے جو محذوف ہے اور اس کے بعد والا جملہ اس کی خبر ہے۔

26845۔ (قولہ: فَيَضُرُّهُ) یعنی مدعیٰ علیہ کا جو فقیہ سے بغض ہے اسے نقصان پہنچائے گا۔

26846۔ (قولہ: وَإِذَا كَانَ بَيْنَ الْخَطَّيْنِ الخ) ''باقانی'' میں ''خزانۃ الاکمل'' سے مروی ہے (مقولہ 26551): ایک صراف ہے اس نے اپنی ذات کے خلاف معلوم مال کی تحریر لکھ دی جب کہ اس خط کا تجار اور اہل شہر کے درمیان معلوم ہے۔ پھر وہ تاجر مرگیا اس کا قرض خواہ آیا تاکہ وارثوں سے مال کا مطالبہ کرے اور میت کی تحریر پیش کی جسے لوگ جانتے ہیں کہ یہ میت کی ہی تحریر ہے تو اس کے ترکہ میں سے اس کا حکم لگا دیا جائے گا اگر یہ ثابت ہو کہ یہ اس کی تحریر ہے جب کہ لوگوں کے درمیان یہ معلوم ہے کہ اس قسم کی تحریر حجت ہوتی ہے۔

یہ امر مشکل ہے۔ کیونکہ یہ تحریر کے خلاف گواہی ہے۔ یہاں ان علما نے اس اشتباہ کا اعتبار نہیں کیا۔ اس کی دلیل اس کے موافق نہیں۔ عنقریب یہ (مقولہ 26849 میں) آئے گا۔

(مُشَابَهَةٌ ظَاهِرَةٌ) عَلَى أَنَّهُمَا خَطُّ كَاتِبٍ وَاحِدٍ (لَا يُحْكَمُ عَلَيْهِ بِالْمَالِ) هُوَ الصَّحِيحُ خَانِيَّةٌ، وَإِنْ أَفْتَى قَارِئُ الْهِدَايَةِ بِخِلَافِهِ فَلَا يُعَوَّلُ عَلَيْهِ وَإِنَّمَا يُعَوَّلُ عَلَى هَذَا التَّصْحِيحِ لِأَنَّ قَاضِيَ خَانَ مِنْ أَجَلِّ مَنْ يُعْتَمَدُ عَلَى تَصْحِيحَاتِهِ، كَذَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ هُنَا، وَفِي كِتَابِ الْإِقْرَارِ وَاعْتَمَدَهُ فِي الْأَشْبَاهِ، لَكِنْ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ لَوْ قَالَ هَذَا خَطِّي لَكِنْ لَيْسَ عَلَيَّ هَذَا الْمَالُ، إِنْ كَانَ الْخَطُّ عَلَى وَجْهِ الرِّسَالَةِ مُصَدَّرًا مُعَنْوَنًا لَا يُصَدَّقُ وَيُلْزَمُ بِالْمَالِ وَنَحْوُهُ فِي الْمُلْتَقَطِ وَفَتَاوَى قَارِئِ الْهِدَايَةِ فَرَاجِعْ ذَلِكَ

ظاہرا مشابہت تھی کہ یہ دونوں تحریریں ایک کاتب کی تحریر ہیں۔تو اس پر مالی معاملات میں حکم نہیں لگایا جائے گا۔یہی قول صحیح ہے،''خانیہ''۔اگرچہ قاری''الہدایہ'' نے اس کے برعکس فتویٰ دیا ہے۔پس اس پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔اس تصحیح پر اعتماد کیا جائے گا۔کیونکہ''قاضی خان'' ان جلیل القدر علماء میں سے ہیں جن کی تصحیحات پر اعتماد کیا جاتا ہے مصنف نے یہاں اور کتاب الاقرار میں اسی طرح ذکر کیا ہے،''الاشباہ''میں اس پر اعتماد کیا ہے۔لیکن''شرح الوہبانیہ''میں ہے: اگر اس نے کہا: یہ میری تحریر ہے لیکن یہ مال میرے ذمہ لازم نہیں۔اگر تحریر پیغام کی صورت میں ہو مصدر معنون ہو تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اور مال لازم ہو جائے گا''الملتقط''اور فتاویٰ قاری''الہدایہ''میں اسی طرح ہے۔پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

شارح نے پہلے بیان کیا ہے: تحریر پر عمل نہیں کیا جائے گا مگر دو مسئلوں میں عمل کیا جائے گا: دارالحرب کے لوگ امان کی طلب کے لیے تحریر بھیجیں تو اس تحریر پر عمل کیا جائے گا جس طرح''الخانیہ'' کی کتاب السیر میں ہے۔ہمارے زمانہ میں اس کے ساتھ وظائف کے بارے براءت سلطانیہ کو لاحق کیا جاتا ہے۔(۲) ایجنٹ،صراف اور بیاع کے دفتر (رجسٹر) پر عمل کیا جائے گا جس طرح''الخانیہ'' کی کتاب القضاء میں ہے۔''علاء الدین'' نے اپنی شرح میں اس کو ذکر کیا ہے۔کذا فی الهامش

26847۔(قولہ: ظَاهِرَةٌ) یہ اپنے ضمن میں دالۃ کا معنی لیے ہوئے ہے۔پس اسی وجہ سے علی حرف جار کے ساتھ متعدی کیا ہے۔یا یہ حرف جار تدل محذوف کے متعلق ہے یا علی کالفظی کے معنی میں ہے۔

قاضی خان ان عظیم فقہا میں سے ہیں جن کی تصحیحات پر اعتماد کیا جاتا ہے

26848۔(قولہ: لَا يُصَدَّقُ) یہ اس کے خلاف ہے جس پر عام علما ہیں جس طرح ہم پہلے (مقولہ 26838 میں) ''البحر'' سے نقل کر چکے ہیں۔

26849۔(قولہ: وَفَتَاوَى قَارِئِ الْهِدَايَةِ) اس کی عبارت ہے: سوال کیا گیا: جب ایک آدمی نے اپنے ہاتھ سے یہ ورقہ لکھا: کہ فلاں شخص کا اس کے ذمہ اتنا مال ہے پھر فلاں شخص نے اس پر دعویٰ کر دیا تو اس مقر نے اس مقدار کا انکار کر دیا اور اپنی تحریر کا اعتراف کیا اور اس پر گواہ نہ بنائے۔

انہوں نے جواب دیا: جب رجسٹری واشتام کی صورت میں اس نے تحریر کیا تھا تو مال لازم ہوگا۔اس کی صورت یہ ہے کہ وہ لکھے: فلاں بن فلاں فلانی کہتا ہے کہ اس کے ذمہ میں فلاں بن فلاں کا اتنا اتنا مال ہے یہ ایسا اقرار ہے جو اس پر لازم ہوگا۔

(وَلَا يَشْهَدُ عَلَى شَهَادَةِ غَيْرِهِ مَا لَمْ يُشْهِدْ عَلَيْهِ) وَقَيَّدَهُ فِي النِّهَايَةِ بِمَا إِذَا سَمِعَهُ فِي غَيْرِ مَجْلِسِ الْقَاضِي، فَلَوْ فِيهِ جَازَ وَإِنْ لَمْ يُشْهِدْهُ شُرُنْبُلَالِيَّةٌ عَنْ الْجَوْهَرَةِ، وَيُخَالِفُهُ تَصْوِيرُ صَدْرِ الشَّرِيعَةِ وَغَيْرِهِ، وَقَوْلُهُمْ لَا بُدَّ مِنْ التَّحْمِيلِ

اور وہ کسی اور کی گواہی پر گواہی نہیں دے گا جب تک اسے اس پر گواہ نہ بنایا جائے۔ ''النہایہ'' میں یہ قید لگائی ہے کہ جب اس نے قاضی کی مجلس کی علاوہ میں اسے سنا ہو۔ اگر قاضی کی مجلس میں سنا ہو تو یہ جائز ہے اگر چہ اس پر اس نے گواہ نہ بنایا ہو۔ ''شرنبلالیہ'' میں ''جوہرہ'' سے مروی ہے۔ ''صدر الشریعہ'' وغیرہ نے جو اس کی صورت بنائی ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ اور علما کا قول تحمیل (گواہ بنانا)

اگر اس طریقہ پر تحریر نہ ہو تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا۔

پھر دوسرے نے اسی قسم کے سوال کا جواب اپنے اس قول کے ساتھ دیا جب اس نے اپنا اقرار نامہ گواہوں کی موجودگی میں متعارف طریقہ پر تحریر کیا تو وہ معتبر ہوگا۔ پس جس نے اس کے تحریر کرنے کے عمل کو دیکھا تھا اس کے لیے گنجائش ہوگی کہ جب وہ اس کا انکار کرے تو وہ گواہی دے جب شاہد اس امر کو پہچانتا ہو کہ اس نے جو کچھ لکھا یا اس نے اس پر جو کچھ پڑھا مگر جب انہوں نے یہ گواہی دی کہ یہ اس کی تحریر ہے اس کے بغیر کہ وہ اس کی کتابت کی گواہی دیں تو اس کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

دونوں جوابوں کا حاصل یہ ہے: جب اس نے یہ اعتراف کر لیا کہ یہ اس کی تحریر ہے یا اس پر اس کے بارے میں گواہی دے دی گئی تو حق ثابت ہو جاتا ہے جب وہ اس کے لکھائی کرنے یا ان کے سامنے ان کو پڑھنے کا معاینہ کر لیں ورنہ حق ثابت نہیں ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے جو وہ معنون ہو پھر یہ امر مخفی نہیں کہ یہ اس کے مخالف نہیں جو متن میں ہے۔ ہاں یہ اس کے مخالف ہے جو ''البحر'' میں ''بزازیہ'' سے مسئلہ کی تعلیل میں یہ ذکر کیا گیا ہے: وہ اس قول سے زائد کچھ نہیں کہتا: یہ میری تحریر ہے اور جس نے اسے تحریر کیا ہے لیکن یہ مال میرے ذمہ لازم نہیں وہاں یہ ثابت نہیں ہوتا اسی طرح یہاں ثابت نہیں ہوتا۔ بعض اوقات دونوں میں تطبیق یوں دی جاتی ہے کہ اسے اس صورت پر محمول کیا جائے جب وہ معنون نہ ہو۔ لیکن یہ ''قاضی نسفی'' کا قول ہے جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔ ہم پہلے (مقولہ 26838 میں) بیان کر چکے ہیں کہ عام علما جس نقطہ نظر کو اپنائے ہوئے ہیں یہ اس کے خلاف ہے۔

26850۔ (قولہ: مَا لَمْ يُشْهِدْ عَلَيْهِ) یعنی جب تک گواہ اسے یہ نہ کہے: میری گواہی پر گواہ بن جا۔

26851۔ (قولہ: تَصْوِيرُ صَدْرِ الشَّرِيعَةِ) کیونکہ کہا: ایک آدمی نے قاضی کے سامنے شہادت کی ادائیگی کو سنا تو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کی شہادت پر شہادت دے۔ ''ح''۔

26852۔ (قولہ: وَقَوْلُهُمْ) اس کا عطف تصویر پر ہے مخالفت کی وجہ سے اس کا مطلق ہونا اور یہ شرط نہ لگانا کہ وہ قاضی کے علاوہ ہو۔

وَقَبُولِ التَّحْمِيلِ وَعَدَمِ النَّهْيِ بَعْدَ التَّحْمِيلِ عَلَى الْأَظْهَرِ، نَعَمْ الشَّهَادَةُ بِقَضَاءِ الْقَاضِي صَحِيحَةٌ وَإِنْ لَمْ يُشْهِدْهُمَا الْقَاضِي عَلَيْهِ، وَقَيَّدَهُ أَبُو يُوسُفَ بِمَجْلِسِ الْقَضَاءِ وَهُوَ الْأَحْوَطُ ذَكَرَهُ فِي الْخُلَاصَةِ (كَفَى عَدْلٌ) وَاحِدٌ فِي اثْنَتَيْ عَشْرَةَ مَسْأَلَةً عَلَى مَا فِي الْأَشْبَاهِ مِنْهَا إِخْبَارُ الْقَاضِي بِإِفْلَاسِ الْمَحْبُوسِ بَعْدَ الْمُدَّةِ (لِلتَّزْكِيَةِ) أَيْ تَزْكِيَةِ السِّرِّ، وَأَمَّا تَزْكِيَةُ الْعَلَانِيَةِ فَشَهَادَةٌ إِجْمَاعًا (وَتَرْجَمَةِ الشَّاهِدِ) وَالْخَصْمِ

قبول تحمیل اور تحمیل کے بعد نہی کا نہ ہونا اظہر قول کے مطابق اس کے خلاف ہے۔ ہاں قاضی کی قضا کی شہادت صحیح ہے اگرچہ قاضی نے ان کو اس پر گواہ نہ بنایا ہو۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے مجلس قضا کی قید لگائی ہے۔ یہی زیادہ محتاط ہے۔ ''الخلاصہ'' میں اسے ذکر کیا ہے۔ ایک عادل آدمی بارہ مسائل میں کافی ہے جیسا ''الاشباہ'' میں ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے: قاضی محبوس کے افلاس کے بارے میں ایک مدت کے بعد خبر دے۔ اور مخفی طریقہ سے تزکیہ کے لیے ایک عادل کافی ہے جہاں تک اعلانیہ تزکیہ کا تعلق ہے تو وہ بالاجماع شہادت ہے۔ شاہد اور خصم کی ترجمانی

26853۔ (قولہ: وَقَبُولِ التَّحْمِيلِ) اگر وہ پہلا گواہ اسے اپنی شہادت پر گواہ بنائے اور وہ کہے: میں اسے قبول نہیں کرتا تو وہ شاہد نہیں ہوگا یہاں تک کہ اگر وہ اس کے بعد گواہی دے تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ ''قنیہ''۔ چاہیے کہ یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہو۔ کیونکہ یہ وکیل بنانا ہے اور وکیل کو حق حاصل ہے کہ وہ قبول نہ کرے۔ جہاں تک شیخین کے قول کا تعلق ہے کہ یہ تحمیل ہے تو رد کرنے کے ساتھ یہ باطل نہیں ہوگی۔ کیونکہ جو شخص کسی دوسرے کو شہادت کا حامل بناتا ہے تو وہ رد کرنے سے باطل نہیں ہوتی۔ ''بحر''۔

26854۔ (قولہ: بَعْدَ الْمُدَّةِ) یعنی اس کے بعد کہ قاضی نے اسے اتنی مدت محبوس رکھا جس سے وہ اس کا حال جان سکتا ہے کہ اگر اس کے پاس مال ہوتا تو وہ اپنا دین ادا کر دیتا اور قید کی ذلت پر صبر نہ کرتا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ ''مدنی''۔

وہ بارہ مسائل جن میں ایک عامل آدمی کی گواہی کافی ہے

26855۔ (قولہ: فَشَهَادَةٌ إِجْمَاعًا) سب سے اچھا وہ قول ہے جو ''البحر'' میں ہے۔ کیونکہ کہا: ہم نے تزکیہ سر کی قید لگائی ہے تاکہ اعلانیہ تزکیہ سے بچا جائے۔ کیونکہ اعلانیہ تزکیہ کے لیے وہ تمام شرطیں پیش نظر ہوتی ہیں جو شہادت میں پیش نظر ہوتی ہیں جیسے آزادی، دیکھنا وغیرہ۔ مگر لفظ شہادت لازم نہیں ہوتا اس پر اجماع ہے۔ کیونکہ شہادت کا معنی اس میں زیادہ ظاہر ہے۔ کیونکہ یہ قاضی کی مجلس کے ساتھ خاص ہوتا ہے اسی طرح اس تزکیہ میں تعداد شرط ہے جیسے ''خصاف'' نے کہا ہے۔

''البحر'' میں بھی ہے: اس کی کلام سے حد زنا کے شاہد کا تزکیہ خارج ہو گیا اس میں مزکی کے لیے گواہی کی اہمیت اور چار کی تعداد ضروری ہے اس پر اجماع ہے۔ میں نے اب تک باقی حدود میں شاہد کے تزکیہ کا حکم نہیں دیکھا۔ علماء نے جو کہا ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ اس کے لیے دو آدمی شرط ہیں۔

26856۔ (قولہ: وَالْخَصْمِ) اس سے مراد مدعی یا مدعیٰ علیہ ہے۔ جس طرح ''الفتح'' میں ہے۔

(وَالرِّسَالَةِ) مِنَ الْقَاضِي إِلَى الْمُزَكِّي وَالِاثْنَانِ أَحْوَطُ، وَجَازَ تَزْكِيَةُ عَبْدٍ وَصَبِيٍّ وَوَالِدٍ وَقَدْ نَظَمَ ابْنُ وَهْبَانَ مِنْهَا أَحَدَ عَشَرَ فَقَالَ

وَيُقْبَلُ عَدْلٌ وَاحِدٌ فِي تَقَوُّمٍ — وَجَرْحٍ وَتَعْدِيلٍ وَأَرْشٍ يُقَدَّرُ

وَتَرْجَمَةٍ وَالسَّلَمِ هَلْ هُوَ جَيِّدٌ — وَإِفْلَاسِهِ الْإِرْسَالِ وَالْعَيْبِ يُظْهَرُ

وَصَوْمٍ عَلَى مَا مَرَّ أَوْ عِنْدَ عِلَّةٍ — وَمَوْتٍ إِذَا لِلشَّاهِدَيْنِ يُخْبِرُ

اور قاضی کی جانب سے مزکی کی طرف پیغام رسانی کے لیے ایک عادل آدمی کافی ہے۔ غلام، بچے اور والد کی جانب سے تزکیہ جائز ہے۔ ''ابن وہبان'' نے ان میں سے گیارہ کو اشعار میں بیان کیا ہے اور کہا ہے: قیمت لگانے میں، آدمی کی جرح و تعدیل میں، سر کے زخم کی دیت میں جس کا اندازہ لگایا جائے، ترجمانی میں، بیع مسلم میں بیع کے متعلق یہ جید ہے، مقروض کے مفلس ہونے کے بارے میں، پیغام رسانی میں اور عیب میں جو ظاہر ہے اور روزے کے ہونے میں جیسے گزر چکا ہے یا جب آسمان پر بادل ہوں اور موت کے متعلق جب ایک عادل آدمی دو گواہوں کو خبر دے۔

26857۔ (قولہ: إِلَى الْمُزَكِّي) اسی طرح مزکی سے قاضی کی طرف پیغام رسانی کے لیے۔ ''فتح''۔

26858۔ (قولہ: وَجَازَ تَزْكِيَةُ الخ) اسی طرح عورت اور نابینے کی جانب سے تزکیہ کا معاملہ ہے۔ دونوں کی ترجمانی کا معاملہ مختلف ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

26859۔ (قولہ: وَوَالِدٍ) والد بچے کے لیے تزکیہ کرے۔ ''البحر'' میں یہ زائد ذکر کیا ہے: اور اس کے برعکس اور غلام آقا کا تزکیہ کرے اور اس کے برعکس اور عورت اور نابینا کسی کا تزکیہ کرے، جس پر حد قذف لگائی گئی ہو جب وہ توبہ کرلے تو وہ کسی کا تزکیہ کرے اور میاں بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کا تزکیہ کرے۔

26860۔ (قولہ: تَقَوُّمٍ) یعنی شکار اور دوسری چیزیں جن کو تلف کیا جائے ان کی قیمت لگانا۔

26861۔ (قولہ: جَيِّدٌ) یعنی مسلم فیہ عمدہ ہے۔ کذا فی الہامش

26862۔ (قولہ: وَإِفْلَاسِهِ) یعنی قاضی کو جب مدت گزرنے کے بعد محبوس کے افلاس کے بارے میں خبر دی گئی تو اسے چھوڑ دے۔ ''حموی'' علی ''الاشباہ''۔ کذا فی الہامش

26863۔ (قولہ: وَالْعَيْبِ يُظْهَرُ) یعنی اس عیب کو ثابت کرنے میں جس میں بائع اور مشتری اختلاف کرتے ہیں۔

26864۔ (قولہ: عَلَى مَا مَرَّ) یعنی حسن بن زیاد کی روایت ہے کہ علت (عارضہ) نہ ہونے کی صورت میں ایک آدمی کی خبر قبول کی جائے گی۔

26865۔ (قولہ: وَمَوْتٍ) یعنی غائب کی موت۔

26866۔ (قولہ: يُخْبِرُ) یعنی جب ایک آدمی نے دو آدمیوں کے سامنے ایک آدمی کی موت کی شہادت دی۔ تو ان

(وَالتَّزْكِيَةُ لِلذِّمِّيِّ) تَكُونُ (بِالْأَمَانَةِ فِي دِينِهِ وَلِسَانِهِ وَيَدِهِ وَأَنَّهُ صَاحِبُ يَقَظَةٍ) فَإِنْ لَمْ يَعْرِفْهُ الْمُسْلِمُونَ سَأَلُوا عَنْهُ عُدُولَ الْمُشْرِكِينَ اخْتِيَارٌ وَفِي الْمُلْتَقَطِ عُدِّلَ نَصْرَانِيٌّ ثُمَّ أَسْلَمَ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ، وَلَوْ سَكِرَ الذِّمِّيُّ لَا تُقْبَلُ (وَلَا يَشْهَدُ مَنْ رَأَى خَطَّهُ وَلَمْ يَذْكُرْهَا) أَيْ الْحَادِثَةَ (كَذَا الْقَاضِي وَالرَّاوِي) لِمُشَابَهَةِ الْخَطِّ لِلْخَطِّ، وَجَوَّزَاهُ لَوْ فِي حَوْزِهِ،

اور ذمی کا تزکیہ اس کی دین میں، اس کی زبان میں اور اس کے ہاتھ میں امانت داری کا اظہار ہے اور یہ ہے کہ وہ ہوشیار ہے۔ اگر مسلمان اس ذمی کے احوال نہ جانتے ہوں تو اس کے بارے میں مشرک عادلوں سے پوچھیں، ''اختیار''۔ ''الملتقط'' میں ہے: ایک نصرانی کا تزکیہ کیا گیا پھر وہ مسلمان ہو گیا تو اس کی شہادت قبول ہوگی۔ اگر ذمی نشے میں ہو تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ جو آدمی اپنی تحریر دیکھے اور اسے واقعہ یاد نہ ہو تو وہ گواہی نہ دے اسی طرح قاضی اور راوی ہے۔ کیونکہ ایک تحریر دوسری تحریر کے مشابہ ہوتی ہے۔ اگر وہ اس کی حفاظت ہو تو ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے اسے جائز قرار دیا ہے

دونوں افراد کے لیے گنجائش بنتی ہے کہ وہ اس کی موت پر گواہی دیں۔

بارہویں چیز یہ ہے قاضی کے سیکریٹری کا قول جب وہ قاضی کو کسی ایسی عینی چیز پر گواہوں کی شہادت کی خبر دے جس عینی چیز کا حاضر ہونا متعذر ہو جس طرح ''القنیہ'' کے دعویٰ میں ہے۔ ''اشباہ''، ''مدنی''۔

26867۔ (قولہ: وَفِي الْمُلْتَقَطِ الخ) ''الخانیہ'' میں ہے: ایک بچہ بالغ ہوا، میں اس کی شہادت قبول نہیں کروں گا جب تک میں اس کے بارے میں سوال نہیں کروں گا اور اس کے بالغ ہونے کے بعد اتنا انتظار ضروری ہے کہ اس کے مسجد کے اہل اور اس کے اہل محلہ کے ہاں یہ امر ثابت ہو جائے کہ یہ صالح ہے یا صالح نہیں۔ جس طرح اجنبی آدمی کے بارے میں ہے۔

''الظہیریہ'' میں دونوں میں فرق کیا ہے: نصرانی کی شہادت اس کے اسلام قبول کرنے سے پہلے قبول ہوتی ہے۔ بچے کا معاملہ مختلف ہے جب کہ یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ اصل عدالت کا نہ ہونا ہے۔ ''بحر''۔

وہ آدمی جو اپنی تحریر لکھے اور اسے واقعہ یاد نہ ہو تو اس کی شہادت کا حکم

26868۔ (قولہ: وَلَمْ يَذْكُرْهَا) یہ طرفین کا قول ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس کے بعد حلال ہے کہ وہ گواہی دے۔ ''الہدایہ'' میں ہے: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس مسئلہ میں ائمہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور ائمہ اس پر متفق ہیں کہ اس کے لیے حلال نہیں کہ وہ گواہی دے۔ یہ ہمارے تمام اصحاب کے نزدیک ہے مگر یہ کہ اسے شہادت یاد ہو۔ ائمہ میں اختلاف اس صورت میں ہے جب قاضی اپنے دیوان میں ایک شہادت پائے۔ کیونکہ جو کچھ اس کی مہر کے تحت اس کے تھیلے میں موجود ہے اس میں زیادتی اور کمی سے امن ہے۔ پس اس کو علم حاصل ہو گیا۔ وہ شہادت جو صک (اشتام) وغیرہ میں ہوتی ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ کسی اور کے قبضہ میں ہے۔ اسی تعبیر کی بنا پر جب اسے وہ مجلس یاد ہو جس میں یہ شہادت تھی یا اسے یہ خبر ایسی قوم نے دی جن پر اسے اعتماد تھا کہ ہم اور تو حاضر تھے۔

وَبِهِ نَأْخُذُ بَحْرٌ عَنِ الْمُبْتَغِي (وَلَا يَشْهَدُ أَحَدٌ (بِمَا لَمْ يُعَايِنْهُ) بِالْإِجْمَاعِ (إِلَّا فِي) عَشَرَةٍ عَلَى مَا فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ مِنْهَا الْعِتْقُ وَالْوَلَاءُ عِنْدَ الثَّانِي وَالْمَهْرُ عَلَى الْأَصَحِّ بَزَّازِيَّةٌ وَ (النَّسَبُ

ہم اسے ہی اپناتے ہیں۔ ''بحر'' میں ''المبتغی'' سے مروی ہے۔ اور کوئی بھی اس امر کی گواہی نہ دے جس کو اس نے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہو اس پر اجماع ہے مگر دس امور ایسے ہیں جیسے ''شرح الوہبانیہ'' میں ہے جن میں آنکھوں سے دیکھے بغیر گواہی دے سکتا ہے۔ ان میں سے آزادی اور ولا ہے۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ یہ صحیح ترین قول کے مطابق ہے ''بزازیہ''۔ نسب،

''الہدایہ'' میں اسی طرح ہے۔

''بزدوی'' میں ہے: چھوٹے کو جب یہ یقین ہو جائے کہ یہ اس کی تحریر ہے اور اسے علم ہو جائے کہ اس میں کسی شے کا اضافہ نہیں کیا گیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اس کے ہاں چھپائی گئی تھی اور اسے دوسری دلیل سے آگاہی ہوئی کہ اس میں کسی شے کا اضافہ نہیں کیا گیا لیکن اس نے جو سنا تھا اسے یاد نہیں تو طرفین کے نزدیک اس کے لیے گنجائش نہیں کہ وہ گواہی دے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گنجائش ہے کہ وہ گواہی دے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا ہے اسی پر عمل کیا جاتا ہے۔ ''التقویم'' میں ہے: طرفین کا قول صحیح ہے۔ ''جوہرہ''۔

26869۔ (قولہ: عَنْ الْمُبْتَغَى) ہم نے پہلے (مقولہ 26553 میں) کتاب القاضی میں ''الخزانہ'' سے نقل کیا ہے: وہ گواہی دے اگرچہ صک (اشٹام) گواہ کے قبضہ میں نہ ہو۔ کیونکہ تبدیلی نادر ہے اور اس کا اثر ظاہر ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ ''الفتح'' میں اس کو ترجیح دی ہے جس کا شارح نے ذکر کیا ہے۔ اور ایک ایسی حکایت ذکر کی جو اس کی تائید کرتی ہے۔

وہ دس امور جن میں آنکھوں سے دیکھے بغیر گواہی دے سکتا ہے اور ایک دوسرے کو شہادت سنانے کا معنی

26870۔ (قولہ: إِلَّا فِي عَشَرَةٍ) سب یہاں متن و شرح میں مذکور ہیں۔ ان میں سے آخری متن کا یہ قول ہے: ومن فی یدہ شیء، ''ح''۔ تمیمی کی ''الطبقات السنیہ'' میں ''ابراہیم بن اسحاق عنبوسی'' کے تعارف میں ہے ان کے اشعار ہیں۔

اِفْهَمْ مَسَائِلَ سِتَّةً وَاشْهَدْ بِهَا مِنْ غَيْرِ رُؤْيَاهَا وَ غَيْرِ وُقُوفِ

نَسَبٌ وَ مَوْتٌ وَالْوِلَادُ وَ نَاكِحٌ وَوِلَايَةُ الْقَاضِي وَاصْلُ وُقُوفِ

چھ مسائل اور ان کو دیکھے بغیر اور توقف کے بغیر گواہی دے، نسب، موت، ولادت، نکاح قاضی کی ولایت اور اصل وقوف۔

26871۔ (قولہ: وَ النَّسَبِ) ''فتاویٰ ہندیہ'' میں ہے: اگر ایک آدمی ایک قوم کے درمیان جا کر پڑاؤ ڈالتا ہے جب کہ اس قوم کے لوگ اسے نہیں پہچانتے اور اس نے کہا: میں فلاں بن فلاں ہوں۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس قوم کے افراد

وَالْمَوْتُ وَالنِّكَاحُ وَالدُّخُولُ) بِزَوْجَتِهِ (وَوِلَايَةُ الْقَاضِي وَأَصْلُ الْوَقْفِ) وَقِيلَ وَشَرَائِطُهُ عَلَى الْمُخْتَارِ كَمَا مَرَّ فِي بَابِهِ (وَ) أَصْلُهُ (هُوَ كُلُّ مَا تَعَلَّقَ بِهِ صِحَّتُهُ وَتَوَقَّفَ عَلَيْهِ) وَإِلَّا فَمِنْ شَرَائِطِهِ (فَلَهُ الشَّهَادَةُ بِذَلِكَ إِذَا أَخْبَرَهُ بِهَا) بِهَذِهِ الْأَشْيَاءِ (مَنْ يَثِقُ) الشَّاهِدُ (بِهِ) مِنْ خَبَرِ جَمَاعَةٍ لَا يُتَصَوَّرُ تَوَاطُؤُهُمْ عَلَى الْكَذِبِ

موت، نکاح، اپنی بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت، قاضی کی ولایت اور اصل وقف۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مختار مذہب کے مطابق اس کی شرائط وہ ہیں جس طرح اس کے باب میں گزر چکی ہیں۔ اور وقف کی اصل ہر وہ چیز ہے وقف کی صحت جس کے متعلق ہو اور وقف جس پر موقوف ہو ورنہ وہ چیز وقف کی شرائط میں سے ہوگی جب ان اشیاء کے متعلق ایسا خبر دے جس پر شاہد کو اعتماد ہو یعنی ایسی جماعت خبر دے جس کا جھوٹ پر متفق ہونے کا تصور نہیں کیا جا سکتا

کے لیے گنجائش نہیں کہ وہ اس کے نسب پر گواہی دیں یہاں تک کہ وہ اس کے شہر کے دو آدمیوں کو ملیں جو ان کے سامنے اس کے نسب پر گواہی دیں۔''جصاص'' نے کہا: یہی صحیح ہے۔ کذا فی الهامش

26872۔ (قولہ: وَالْمَوْتِ) ''جامع الفصولین'' کی فصل الثانی عشر میں کہا: دو عادل افراد میں سے ایک نے غائب کی موت کے بارے میں گواہی دی اور دوسرے نے اس کی زندگی کے بارے میں گواہی دے۔ عورت اس کا قول قبول کرے گی جس نے اسے اس کی موت کی خبر دی ہے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔ کذا فی الهامش

اس میں ہے: جب اس کی موت کو صرف ایک آدمی نے دیکھا کہ صرف اس ایک آدمی کے کہنے پر اس کے متعلق فیصلہ نہیں کیا جائے گا لیکن اگر وہ اس کے متعلق کسی عادل کو خبر دیتا ہے جب عادل آدمی اس سے سنتا ہے تو اس کے لیے حلال ہے کہ وہ اس کی موت کے بارے میں گواہی دے۔ پس دونوں گواہی دیتے ہیں پس اس کے متعلق فیصلہ کر دیا جائے گا۔''جامع الفصولین''۔ اس میں ہے: اگر ایک آدمی کی موت کی خبر دوسرے علاقہ سے آئے اور اس کے گھر والے وہ کچھ کرتے ہیں جو ایک میت پر کیا جاتا ہے تو کسی کے لیے جائز نہیں کہ اس کی موت کی شہادت دے مگر جو اس کی موت کے وقت حاضر تھا یا جس نے اس سے سنا جو اس کی موت کے وقت حاضر تھا۔ کیونکہ اس قسم کی خبریں بعض اوقات جھوٹی ہوتی ہے۔''جامع الفصولین''۔

26873۔ (قولہ: وَالنِّكَاحِ) ''جامع الفصولین'' میں کہا ہے: وہ لوگ جو عقد نکاح کے گھر میں حاضر تھے ان میں سے باہر نکلنے والوں سے سن کر گواہی دینا کہ مہر اتنا ہے تو اسے قبول کیا جائے گا ان کے علاوہ لوگوں سے سنا ہے تو گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ کذا فی الهامش

26874۔ (قولہ: وَوِلَايَةِ الْقَاضِي) والی کا اضافہ کیا جاتا ہے جس طرح ''الخلاصہ'' اور ''بزازیہ'' میں ہے۔

26875۔ (قولہ: وَشَرَائِطِهِ) شرائط سے مراد یہ ہے کہ وہ کہیں: اس وقف کے منافع کی اتنی مقدار فلاں کے لیے ہے پھر جہت کے بیان کے بعد۔ فاضل منافع دوسروں کی طرف صرف کر دیا جائے گا۔''بحر''۔

26876۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی کتاب الوقف میں جس طرح گزر چکا ہے۔ ہم وہاں اس کی تحقیق بیان کر چکے ہیں۔

بِلَا شَرْطِ عَدَالَةٍ أَوْ شَهَادَةِ عَدْلَيْنِ إِلَّا فِي الْمَوْتِ، فَيَكْفِي الْعَدْلُ وَلَوْ أُنْثَى وَهُوَ الْمُخْتَارُ مُلْتَقَى وَفَتْحٌ، وَقَيَّدَهُ شَارِحُ الْوَهْبَانِيَّةِ بِأَنْ لَا يَكُونَ الْمُخْبِرُ مُتَّهَمًا كَوَارِثٍ وَمُوصًى لَهُ (وَمَنْ فِي يَدِهِ شَيْءٌ سِوَى رَقِيقٍ) عُلِمَ رِقُّهُ وَ (يُعَبِّرُ عَنْ نَفْسِهِ) وَإِلَّا فَهُوَ كَمَتَاعٍ فَ (لَكَ أَنْ تَشْهَدَ) بِهِ (أَنَّهُ لَهُ إِنْ وَقَعَ فِي قَلْبِكَ ذَلِكَ) أَيْ أَنَّهُ مِلْكُهُ (وَإِلَّا لَا) وَلَوْ عَايَنَ الْقَاضِي ذَلِكَ جَازَ لَهُ الْقَضَاءُ بِهِ بَزَّازِيَّةٌ
اس میں عدالت کی شرط یا دو عادل آدمیوں کی شہادت کی شرط نہیں مگر موت کے معاملہ میں۔ پس ایک عادل آدمی کافی ہے اگر چہ وہ مونث ہو یہی مختار ہے، ''ملتقی''، ''فتح''۔ ''شارح الوہبانیہ'' نے اس کی قید لگائی ہے کہ مخبر متہم نہ ہو جیسے وہ وارث ہو اور اس کے لیے وصیت کی گئی ہو۔ جس آدمی سے قبضہ میں ایسے غلام کے علاوہ کوئی چیز ہو جس کی غلامی معلوم ہو اور وہ خود اپنے بارے میں تعبیر کر سکتا ہو ورنہ دوسرا غلام اس کے سامان کی طرح ہے تو تجھے حق حاصل ہے کہ تو اس بارے میں گواہی دے کہ یہ اس کی ملکیت ہے اگر تیرے دل میں یہ بات واقع ہو کہ یہ چیز اس کی ملکیت ہے ورنہ نہیں۔ اگر قاضی خود اپنی آنکھوں سے یہ دیکھے تو اس کے لیے فیصلہ کرنا جائز ہے، ''بزازیہ''۔

26877۔ (قولہ: عَدْلَيْنِ) یعنی جوان دونوں کے حکم میں ہے وہ ایک عادل مرد اور دو عادل عورتیں ہیں جس طرح ''الملتقی'' میں ہے۔

26878۔ (قولہ: إِلَّا فِي الْمَوْتِ) ''جامع الفصولین'' میں کہا: دو آدمیوں نے گواہی دی کہ اس کا باپ مر چکا ہے اور اس کے لیے ورثہ چھوڑا ہے مگر ان دونوں گواہوں نے اس کی موت کو نہیں پایا تو اس گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ دونوں نے میت کے حق میں سماع سے ایک شے کی ملکیت کی گواہی دی ہے پس یہ جائز نہ ہوگی۔

26879۔ (قولہ: وَمَنْ فِي يَدِهِ الخ) اسے ان دس چیزوں میں شمار کرنے میں اعتراف ہے جیسے ''الفتح'' اور ''البحر'' میں ذکر کیا ہے۔

26880۔ (قولہ: عُلِمَ رِقُّهُ) اس میں صحیح یہ ہے جس کی رق معلوم نہ ہو جس طرح یہ اس کے لیے ظاہر ہے جو تامل کرے۔ ''مدنی''۔

26881۔ (قولہ: لَكَ أَنْ تَشْهَدَ الخ) ''البحر'' میں کہا: پھر جان لو کہ وہ قابض کے حق میں ملکیت کی شہادت دے گا شرط یہ ہے کہ دو عادل آدمی اسے اس بارے میں آگاہ نہ کریں کہ یہ کسی اور کی ملکیت ہے اگر دونوں آدمی اس بارے میں خبر دیں تو اس کے لیے جائز نہیں کہ اس کے حق میں ملکیت کی شہادت دے جس طرح ''خلاصہ'' میں ہے۔

26882۔ (قولہ: ذَلِكَ) ''الشرنبلالیہ'' میں کہا: جب ایک آدمی نے قیمتی موتی شکاری کے ہاتھ میں دیکھا یا جاہل کے ہاتھ میں کتاب دیکھی اس کے آباء میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو اس کا اہل ہو تو اس کے لیے گنجائش نہیں ہوتی کہ اس کے حق میں ملکیت کی گواہی دے اس سے یہ امر معروف ہو گیا کہ محض قبضہ کافی نہیں۔ ''مدنی''۔

أَيْ إِذَا ادَّعَاهُ الْمَالِكُ وَإِلَّا لَا (وَإِنْ فَسَّرَ) الشَّاهِدُ (لِلْقَاضِي أَنَّ شَهَادَتَهُ بِالتَّسَامُعِ أَوْ بِمُعَايَنَةِ الْيَدِ رُدَّتْ) عَلَى الصَّحِيحِ (إِلَّا فِي الْوَقْفِ وَالْمَوْتِ إِذَا) فَسَّرَا (وَ قَالَا فِيهِ أَخْبَرَنَا مَنْ نَثِقُ بِهِ) تُقْبَلُ (عَلَى الْأَصَحِّ) خُلَاصَةٌ، بَلْ فِي الْعَزْمِيَّةِ عَنِ الْخَانِيَّةِ مَعْنَى التَّفْسِيرِ أَنْ يَقُولَا شَهِدْنَا لِأَنَّا سَمِعْنَا مِنَ النَّاسِ،

یعنی جب مالک اس کے بارے میں دعویٰ کرے ورنہ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر گواہ قاضی کے سامنے اس امر کی وضاحت کرے کہ اس کی شہادت سننے سے یا قبضہ کو دیکھنے سے ہے تو صحیح قول کے مطابق اس شہادت کو رد کر دیا جائے گا مگر وقف اور موت میں جب گواہ اس امر کی وضاحت کریں اور دونوں اس کے بارے میں کہیں ہمیں اس نے بتایا ہے جس پر ہم اعتماد کرتے ہیں تو اصح قول کے مطابق اس شہادت کو قبول کیا جائے گا ''خلاصہ''۔ بلکہ ''العزمیہ'' میں ''الخانیہ'' سے مروی ہے: تفسیر کا معنی یہ ہے کہ وہ دونوں کہیں: ہم نے گواہی دی ہے کیونکہ ہم نے لوگوں سے سنا ہے

26883۔ (قولہ: إِذَا ادَّعَاهُ) اس میں اور ''زیلعی'' میں جو کچھ ہے ان میں تطبیق کی طرف اشارہ کیا ہے جس طرح ''البحر'' میں اس کی وضاحت کی ہے۔

26884۔ (قولہ: أَوْ بِمُعَايَنَةِ الْيَدِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: کیونکہ میں نے اسے اس کے قبضہ میں دیکھا وہ اس چیز میں یوں تصرف کر رہا تھا جس طرح مالک تصرف کرتے ہیں۔ ''جامع الفصولین''، ''الظہیریہ'' میں ہے: شہرت شرعیہ میں سے یہ ہے کہ اس کے پاس دو عادل آدمی یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتیں لفظ شہادت کے ساتھ گواہی دیں جب کہ ان سے شہادت طلب نہ کی گئی ہو۔ اور اس کے دل میں یہ واقع ہو کہ معاملہ اس طرح ہے۔ اسی کی مثل ''جامع الفصولین'' میں ہے۔

26885۔ (قولہ: عَلَى الْأَصَحِّ) ہم نے کتاب الوقف میں فصل یراعی شرط الواقف میں جو کچھ مجموعۃ شیخ المشائخ ''منلا علی'' سے نقل کرتے ہوئے (مقولہ 21654 میں) لکھا ہے اسے دیکھو کیونکہ انہوں نے عدم قبول کی تصحیح کی ہے جب کہ اس پر اعتماد کیا ہے جو عام متون وغیرہا میں ہے: متون میں جو ہے وہ فتاویٰ پر مقدم ہے۔ ''رملی'' اور مفتی دار السلطنۃ ''علی آفندی'' نے یہی فتویٰ دیا ہے۔

26886۔ (قولہ: خُلَاصَةٌ) جو (مقولہ 21654 میں) گزر چکا ہے اس میں میں نے اس کی تائید لکھی ہے۔

26887۔ (قولہ: سَمِعْنَا مِنَ النَّاسِ الخ) ''الخانیہ'' میں کہا: ہم نے یہ شہادت دی۔ کیونکہ ہم نے لوگوں سے سنا ہے تو ان کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ کذا فی الہامش

میں کہتا ہوں: یہ باقی رہ گیا ہے اگر وہ کہے: مجھے اس نے خبر دی ہے جس پر میں اعتماد کرتا ہوں۔ شارح کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے: یہ تسامع (باہم سننا) میں سے نہیں ہے۔ لیکن ''البحر'' میں ''الینابیع'' سے مروی ہے کہ یہ اس میں سے ہے۔ اگر دو آدمی ایک آدمی کی وفات پر گواہی دیں اگر وہ مطلق بات کریں تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی یا دونوں کہیں: ہم نے اس کی موت کا معاینہ نہیں کیا ہم نے لوگوں سے اسے سنا ہے۔ اگر اس کی موت مشہور نہ ہو تو بغیر اختلاف کے اسے قبول نہیں کیا

أَمَّا لَوْ قَالَا لَمْ نُعَايِنْ ذَلِكَ وَلَكِنَّهُ اشْتُهِرَ عِنْدَنَا جَازَتْ فِي الْكُلِّ وَصَحَّحَهُ شَارِحُ الْوَهْبَانِيَّةِ وَغَيْرُهُ

مگر جب وہ دونوں کہیں: ہم نے اسے آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن ہمارے ہاں یہ مشہور ہے تو سب صورتوں میں شہادت جائز ہوگی۔ شارح ''الوہبانیہ'' وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ انتہی۔

جائے گا اگر مشہور ہو تو ''الاصل'' میں یہ ذکر کیا ہے کہ اسے قبول کرلیا جائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے: اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ ''صدر شہید'' نے اس کو اپنایا ہے۔ ''الغیاثیہ'' میں ہے: یہی صحیح ہے۔ اگر وہ کہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ مر گیا ہے۔ ہمیں اس نے خبر دی ہے جو اس کی موت کے وقت حاضر تھا وہ ان لوگوں میں سے ہے جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ بعض علماء نے کہا: یہ جائز نہیں، ''حامدیہ''۔

26888۔ (قولہ: فِي الْكُلِّ) ان سب امور میں جن میں سننے کی بنا پر گواہی دینا جائز ہوتا ہے۔ ''الہامش'' میں اسی طرح ہے۔

بَابُ الْقَبُولِ وَعَدَمِهِ

أَيْ مَنْ يَجِبُ عَلَى الْقَاضِي قَبُولُ شَهَادَتِهِ وَمَنْ لَا يَجِبُ لَا مَنْ يَصِحُّ قَبُولُهَا، أَوْ لَا يَصِحُّ لِصِحَّةِ الْفَاسِقِ مَثَلًا كَمَا حَقَّقَهُ الْمُصَنِّفُ تَبَعًا لِيَعْقُوبَ بَاشَا وَغَيْرِهِ (تُقْبَلُ مِنْ أَهْلِ الْأَهْوَاءِ)

شہادت کی قبولیت کے متعلقہ احکام

یعنی قاضی پر جس کی شہادت قبول کرنا واجب ہے اور جس کی شہادت قبول کرنا واجب نہیں نہ کہ اس سے مراد یہ ہے جس کی شہادت قبول کرنا صحیح ہے یا جس کی شہادت قبول کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ مثلاً فاسق کی شہادت صحیح ہوتی ہے جس طرح مصنف نے اسے ''یعقوب پاشا'' وغیرہ کی تبع میں اسے ثابت کیا ہے۔ اہل اہواء یعنی بدعتیوں کی گواہی قبول کی جائے گی

وہ شخص قاضی پر جس کی شہادت قبول کرنا واجب یا غیر واجب ہے

26889۔ (قولہ: أَيْ مَنْ يَجِبُ الخ) ''البحر'' میں کہا: مراد ہے قاضی پر جس کی شہادت قبول کرنا واجب ہے یا جس کی شہادت قبول کرنا واجب نہیں۔ نہ کہ اس کی مراد یہ ہے جس کی شہادت قبول کرنا صحیح ہے اور جس کی شہادت قبول کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ جن کا ذکر کیا ہے ان میں سے کچھ وہ ہے جن کی شہادت قبول نہیں ہوتی۔ فاسق کی شہادت پر اگر قاضی فیصلہ کر دے تو یہ صحیح ہوگا۔ غلام، بچے، بیوی، ولد اور اصل کا معاملہ مختلف ہے۔ لیکن ''خزانۃ المفتین'' میں ہے: جب کوئی نابینے اور حد قذف میں محدود آدمی کی گواہی سے فیصلہ کر دے جب وہ توبہ کر لے یا دونوں میاں بیوی کی گواہی سے جب کہ اس کے ساتھ دوسرا گواہ ہو اس کے صاحب کے حق میں یا والد کی گواہی بچے کے حق میں یا اس کے برعکس کی گواہی کے ساتھ فیصلہ کر دے تو یہ فیصلہ نافذ ہو جائے گا یہاں تک کہ دوسرے قاضی کے لیے یہ جائز نہیں کہ اسے باطل کرے اگرچہ اس کے بطلان کی رائے رکھے۔ عدم قبول سے مراد اس کا حلال نہ ہونا ہے۔ ''منیۃ المفتی'' میں قضا کے نفاذ میں اختلاف کا ذکر کیا ہے جب وہ فیصلہ اس آدمی کی گواہی سے کیا ہو جس نے حد قذف کے بعد توبہ کی ہو اس کے بعد گواہی دی ہو۔

26890۔ (قولہ: لِصِحَّةِ الْفَاسِقِ) یعنی فاسق کی شہادت صحیح ہے۔

26891۔ (قولہ: مَثَلًا) مثلاً کا لفظ ذکر کیا تاکہ یہ قول نابینا کو شامل ہو جائے۔

26892۔ (قولہ: تُقْبَلُ) اس سے مراد مسلمانوں اور غیر مسلموں پر قبول عام نہیں بلکہ مراد اصل قبول ہے۔ پس یہ اس امر کے منافی نہیں کہ ان میں سے بعض کافر ہوں۔

ان کی شہادت قبول کی جائے گی کیونکہ ان کا فسق اعتقاد کے اعتبار سے ہے۔ ان کو اس میں واقع نہیں کیا مگر دین میں تعمق اور غلو نے اس میں واقع کیا ہے۔ فاسق کی شہادت اس لیے رد کی جاتی ہے کیونکہ اس پر جھوٹ کی تہمت ہے۔ ''مدنی''۔

أَيْ أَصْحَابِ بِدَعٍ لَا تُكَفِّرُ كَجَبْرٍ وَقَدَرٍ وَرَفْضٍ وَخُرُوجٍ وَتَشْبِيهٍ وَتَعْطِيلٍ، وَكُلٌّ مِنْهُمُ اثْنَتَا عَشْرَةَ فِرْقَةً فَصَارُوا اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ (إِلَّا الْخَطَّابِيَّةَ) صِنْفٌ مِنَ الرَّوَافِضِ يَرَوْنَ الشَّهَادَةَ لِشِيعَتِهِمْ وَلِكُلِّ مَنْ حَلَفَ أَنَّهُ مُحِقٌّ فَرَدُّهُمْ لَا لِبِدْعَتِهِمْ بَلْ لِتُهْمَةِ الْكَذِبِ

یعنی ایسی بدعتیں جو بدعتی کو کافر نہیں بناتیں۔ جیسے جبر، قدر، رفض، خروج (خارجی ہونا) تشبیہ، تعطیل۔ ان میں سے ہر ایک کے بارہ فرقے ہیں یہ کل بہتر ہو جاتے ہیں۔ مگر خطابیہ کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ یہ رافضیوں کی ایک قسم ہے وہ اپنے حمائتیوں کے حق میں اور ہر اس شخص کے حق میں گواہی دینے کی رائے رکھتے ہیں جو یہ قسم کھائے کہ وہ حق پر ہے۔ ان کی شہادت کو ان کی بدعت کی وجہ سے رد نہیں کیا جاتا بلکہ جھوٹ کی تہمت کی وجہ سے رد کیا جاتا ہے

26893۔ (قولہ: لَا تُكَفِّرُ) ان میں سے جس کو کافر قرار دینا واجب ہے تو اکثر علما کی رائے یہ ہوتی ہے کہ اس کی گواہی کو قبول نہ کیا جائے جس طرح ''التقریر'' میں واقع ہے۔ ''المحیط البرہانی'' میں ہے: یہی صحیح ہے جو ''الاصل'' میں مذکور ہے وہ اس پر محمول ہے، ''بحر''۔ اس میں ''السراج'' سے مروی ہے: وہ بے حیا نہ ہو اور وہ لینے دینے میں عادل ہو۔ اس پر یہ اعتراض کیا کہ یہ ظاہر روایت میں مذکور نہیں۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ یہ سنی میں شرط ہے تو غیر کے بارے میں تیرا کیا گمان ہوگا؟ تامل

خطابیہ کی حقیقت اور نظریات

26894۔ (قولہ: وَلِكُلِّ مَنْ حَلَفَ أَنَّهُ مُحِقٌّ فَرَدُّهُمْ الخ) زیادہ بہتر واؤ کی بجائے را کے ساتھ تعبیر ہے جس طرح ''الفتح'' میں ہے۔ یہ ان کی تفسیر میں دوسرا قول ہے جس طرح ''البحر'' اور ''شرح ابن کمال'' میں ہے۔ ہاں ''شرح المجمع'' میں اسی طرح ہے جس طرح یہاں ہے۔ کیونکہ کہا: یہ رافضیوں کی ایک صنف ہے جنہیں ابو الخطاب ''محمد بن ابی وہب'' اجدع کوفی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ اس آدمی کے حق میں شہادت کے جواز کا اعتقاد رکھتے ہیں جو ان کے ہاں قسم اٹھا دے کہ وہ حق پر ہے۔ اور وہ کہتے ہیں: مسلمان جھوٹی قسم نہیں اٹھاتا اور وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اپنے شیعہ (حمایتی) کے حق میں گواہی دینا واجب ہے خواہ وہ سچا ہو یا جھوٹا ہو۔

''تعریفات السید الشریف'' میں وہ قول ہے جو اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ یہ کفار ہیں کیونکہ انہوں نے کہا جس کی تصریح یہ ہے: انہوں نے کہا: ائمہ انبیا ہیں۔ ''ابو الخطاب'' نبی ہے۔ یہ اپنے موافقوں کے حق میں اپنے مخالفین کے خلاف جھوٹی شہادت کو حلال خیال کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا: جنت دنیا کی نعمتیں ہیں اور نار (جہنم) اس کے مصائب ہیں۔

26895۔ (قولہ: بَلْ لِتُهْمَةِ الخ) مانع یہ تہمت ہے: شاید اپنی گواہی کے ساتھ اپنی طرف نفع لائے یا اپنی ذات سے چٹی کو دور کرے۔ ''خانیہ''۔

فرد کی شہادت مقبول نہیں ہوتی خصوصاً جب اس کی اپنی ذات کے فعل پر ہو۔ ''ہدایہ''، کذا فی الهامش۔

وَلَمْ يَبْقَ لِمَذْهَبِهِمْ ذِكْرٌ بَحْرٌ (وَ) مِنْ (الذِّمِّيِّ) لَوْ عَدْلًا فِي دِينِهِمْ جَوْهَرَةٌ (عَلَى مِثْلِهِ) إِلَّا فِي خَمْسِ مَسَائِلَ عَلَى مَا فِي الْأَشْبَاهِ وَتَبْطُلُ بِإِسْلَامِهِ قَبْلَ الْقَضَاءِ، وَكَذَا بَعْدَهُ لَوْ بِعُقُوبَةٍ كَقَوَدٍ بَحْرٌ (وَإِنْ اخْتَلَفَا مِلَّةً) كَالْيَهُودِ وَالنَّصَارَى (وَ) الذِّمِّيِّ (عَلَى الْمُسْتَأْمِنِ لَا عَكْسِهِ) وَلَا مُرْتَدٍّ عَلَى مِثْلِهِ فِي الْأَصَحِّ (وَتُقْبَلُ مِنْهُ عَلَى) مُسْتَأْمِنٍ

ان کے مذہب کا کوئی ذکر باقی نہیں، ''بحر''۔اور ذمی کی شہادت قبول کی جائے گی اگر وہ اپنے دین میں عادل ہو، ''جوہرہ''۔ اپنے جیسے ذمی کے خلاف مگر پانچ مسائل میں گواہی قبول نہیں کی جائے گی جیسا ''الاشباہ'' میں ہے۔ ذمی کے اسلام قبول کرنے سے قضا سے پہلے اسی طرح قضا کے بعد شہادت باطل ہو جائے گی اگر چہ وہ شہادت عقوبت کے متعلق ہو جیسے قصاص، ''بحر''۔ اگر چہ وہ ملت کے اعتبار سے مختلف ہوں جیسے یہودی اور نصرانی۔اور ذمی کی شہادت مستامن کے خلاف قبول کی جائے گی اس کے برعکس شہادت قبول نہ کی جائے گی۔ مرتد کی اپنے جیسے مرتد کے خلاف گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ یہ اصح قول کے مطابق ہے۔ مستامن کی شہادت دار کے ایک ہونے کی

ذمی اگر عادل ہو تو اس کی شہادت اپنے جیسے ذمی کے خلاف قبول کی جائے گی سوائے پانچ مسائل کے

26896۔(قولہ: وَمِنْ الذِّمِّيِّ الخ) ''فتاویٰ الہندیہ'' میں ہے: ایک نصرانی مر گیا اس پر ایک مسلمان کا دین ہے یہ ایک نصرانی کی شہادت سے ثابت ہے ایک دین نصرانی کا ہے جو نصرانی کی شہادت سے ثابت ہے۔ امام ''ابوحنیفہ''، امام ''محمد'' اور امام ''زفر'' رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا: مسلمان کے دین سے ادائیگی کا آغاز کیا جائے گا۔ ''محیط السرخسی'' میں اسی طرح ہے۔ اگر کوئی چیز بچ گئی تو وہ نصرانی کی ہوگی۔ ''المحیط'' میں اسی طرح ہے۔ کذا فی الہامش۔

26897۔(قولہ: عَلَى مَا فِي الْأَشْبَاهِ) وہ یہ ہے: جب دو نصرانیوں نے ایک نصرانی پر گواہی دی کہ وہ مسلمان ہو چکا تھا وہ زندہ ہو یا مردہ ہو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ جب وہ نصرانی عورت ہو تو معاملہ مختلف ہوگا جس طرح ''الخلاصہ'' میں ہے۔

جب وہ ایک نصرانی میت کے خلاف دین کی شہادت دیں جب کہ وہ مسلمان کا مدیون ہو۔ جب وہ اس کے خلاف عین کی شہادت دیں جو عینی چیز اس نے مسلمان سے خریدی ہو جب چار نصرانی ایک نصرانی کے خلاف گواہی دیں کہ اس نے ایک مسلمان عورت کے خلاف بدکاری کی ہے مگر وہ کہیں کہ اس نے عورت کو مجبور کیا تھا تو صرف مرد پر حد جاری کی جائے گی جس طرح ''خانیہ'' میں ہے۔ جب مسلمان نے کافر کے ہاتھ میں موجود ایک غلام کے بارے میں دعویٰ کیا تو دو کافروں نے گواہی دی کہ یہ اس کا غلام ہے فلاں مسلمان قاضی نے اس کے حق میں فیصلہ کیا ہے۔ ''الاشباہ والنظائر'' میں اسی طرح ہے، ''مدنی''۔

26898۔(قولہ: بِإِسْلَامِهِ) یعنی مشہود علیہ کے اسلام قبول کرنے کے ساتھ۔

26899۔(قولہ: مِنْهُ) یعنی مستامن کی جانب سے دی گئی گواہی قبول کی جائے گی۔ یہ قید لگائی ہے کیونکہ اس کے

(مِثْلِهِ مَعَ اتِّحَادِ الدَّارِ) لِأَنَّ اخْتِلَافَ دَارَيْهِمَا يَقْطَعُ الْوِلَايَةَ كَمَا يَمْنَعُ التَّوَارُثَ (وَ) تُقْبَلُ مِنْ عَدُوٍّ بِسَبَبِ الدِّينِ (لِأَنَّهَا مِنَ التَّدَيُّنِ) بِخِلَافِ الدُّنْيَوِيَّةِ فَإِنَّهُ لَا يَأْمَنُ مِنَ التَّقَوُّلِ عَلَيْهِ كَمَا سَيَجِيءُ: وَأَمَّا الصَّدِيقُ لِصَدِيقِهِ فَتُقْبَلُ إِلَّا إِذَا كَانَتِ الصَّدَاقَةُ مُتَنَاهِيَةً بِحَيْثُ يَتَصَرَّفُ كُلٌّ فِي مَالِ الْآخَرِ فَتَاوَى الْمُصَنِّفِ مَعْزِيًّا لِمُعِينِ الْحُكَّامِ (وَ) مِنْ (مُرْتَكِبِ صَغِيرَةٍ) بِلَا إِصْرَارٍ (إِنِ اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ) كُلَّهَا وَغَلَبَ صَوَابُهُ عَلَى صَغَائِرِهِ دُرَرٌ وَغَيْرُهَا قَالَ وَهُوَ مَعْنَى الْعَدَالَةِ

صورت میں متامن کے خلاف قبول کی جائے گی۔ کیونکہ دارین کا اختلاف ولایت کو ختم کر دیتا ہے جس طرح یہ باہم وارث بننے کے مانع ہوتا ہے۔ اور دن کے سبب سے دشمن ہو تو دشمن کے خلاف گواہی قبول کی جائے گی۔ کیونکہ یہ دشمنی دینداری کے سبب سے ہے۔ دنیوی دشمنی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کے خلاف جھوٹ بولنے سے امن میں نہیں ہوتا جس طرح عنقریب آئے گا۔ جہاں تک دوست کی دوست کے حق میں شہادت ہے تو اسے قبول کیا جائے گا مگر جب دوستی انتہا درجے کی ہو اس طرح کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کے مال میں تصرف کرتا ہو"فتاویٰ المصنف"۔ جب کہ یہ"معین الحکام" کی طرف منسوب ہے۔ اور صغیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والے کی شہادت قبول کی جائے گی جب وہ گناہ صغیرہ پر اصرار نہ کرتا ہو اگر وہ تمام کبائرہ سے اجتناب کرتا ہو۔ اور اس کے صحیح اعمال اس کے صغائر پر غالب ہوں"درر" وغیرہا۔ کہا: یہی عدالت کا معنی ہے۔

غیر کا تصور نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ حربی اگر امان کے بغیر جبراً دارالسلام میں داخل ہوگا تو اس کو غلام بنالیا جائے گا۔ غلام کی کسی کے خلاف گواہی قبول نہیں ہوتی۔"فتح"۔

26900۔ (قولہ: مَعَ اتِّحَادِ الدَّارِ) یعنی دونوں ایک دار میں ہوں۔ اگر وہ دو داروں سے ہوں جیسے روم اور ترک تو اس کی گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔"ہدایہ"،"مدنی"۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ کانوا میں ضمیر ہمارے دار میں امان لینے والوں کے لیے ہے۔ اس قول کے ساتھ اس قول کا صحیح نہ ہونا ظاہر ہو جاتا ہے جو"حموی" سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے یہ اتحاد دار کی یہ مثال دی ہے کہ دونوں دارالسلام میں ہوں ورنہ اس وقت دونوں کا باہم وارث ہونا لازم آئے گا اگرچہ وہ دونوں مختلف داروں سے تعلق رکھتے ہوں۔ کیونکہ عقد ذمہ کی وجہ سے ذمی مسلمان کی طرح ہو چکا ہے اور متامن کے خلاف مسلمان کی شہادت قبول کی جاتی ہے اسی طرح ذمی ہے۔

26901۔ (قولہ: عَلَى صَغَائِرِهِ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ چاہیے یہ تھا کہ وہ یہ اضافہ کرتے بلا غلبة۔"ابن کمال" نے کہا: کیونکہ صغیرہ اصرار کے ساتھ کبیرہ کا حکم لے لیتا ہے۔ اسی طرح غلبہ کے ساتھ کبیرہ کا حکم لے لیتا ہے جس طرح "فتاویٰ صغریٰ" میں اس کی وضاحت کی ہے۔ کیونکہ کہا: عادل وہ ہے جو تمام کبائرہ سے اجتناب کرتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ کبیرہ کا ارتکاب کرے تو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی۔ صغائر میں اعتبار غلبہ اور صغیرہ پر دوام کا ہے پس وہ کبیرہ ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے کہا: و غلب صوابہ۔

وَفِي الْخُلَاصَةِ كُلُّ فِعْلٍ يَرْفُضُ الْمُرُوْءَةَ وَالْكَرَمَ كَبِيرَةٌ، وَأَقَرَّهُ ابْنُ الْكَمَالِ قَالَ وَمَتَى ارْتَكَبَ كَبِيرَةً سَقَطَتْ عَدَالَتُهُ (وَ) مِنْ (أَقْلَفَ) لَوْ لِعُذْرٍ

''الخلاصہ'' میں ہے: ہر وہ عمل جو مروت اور کرم کو چھوڑ دے وہ کبیرہ ہے۔''ابن کمال'' نے اسے ثابت رکھا ہے۔ کہا: جب کوئی آدمی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی عدالت ساقط ہو جاتی ہے اور اقلف کی گواہی قبول کی جائے گی اگر اس کا اقلف ہونا عذر کی وجہ سے ہو

ہامش میں کہا: اس آدمی کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی جو فاجروں، مخولیوں، بے حیاؤں اور شراب نوشی کرنے والوں کی مجلس میں بیٹھتا ہو اگرچہ وہ شراب نوشی نہ کرتا ہو۔''المحیط'' میں اسی طرح ہے،''فتاویٰ ہندیہ''۔ اس میں ہے: فاسق آدمی جب توبہ کرے تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی جب تک اتنا زمانہ گزر جائے جو اس پر توبہ کا اثر ظاہر کر دے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ امر قاضی کی رائے کے سپرد ہے۔

26902۔(قولہ: وَفِي الْخُلَاصَةِ الخ) ''الاقضیہ'' میں کہا ہے: جو آدمی جھوٹ بولنے کا عادی ہو جب وہ توبہ کرے تو اس کی شہادت قبول نہ ہوگی،''ذخیرہ''۔ شارح عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔

کبیرہ گناہ کا ضابطہ

26903۔(قولہ: كَبِيرَةٌ) اصح قول یہ ہے کہ ہر وہ عمل جو مسلمانوں کے درمیان شنیع ہو وہ کبیرہ ہے اور اس میں دین کی ہتک ہو جس طرح''قہستانی'' وغیرہ نے اس کی تفصیل بیان کی ہے۔''شرح الملتقی'' میں اسی طرح ہے۔

''الفتح'' میں کہا:''الفتاویٰ الصغریٰ'' میں ہے: عادل وہ ہے جو تمام کبائرہ سے اجتناب کرتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ کبیرہ کا ارتکاب کرے تو اس کی عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔ صغائر میں غلبہ کا اعتبار کرنا تا کہ وہ کبیرہ ہو جائے یہ حسن ہے۔ ''عصام'' کی''ادب القضاء'' سے اسے نقل کیا ہے۔ اسی پر اعتماد ہے۔ مگر کبیرہ کے ارتکاب کے ساتھ عدالت کے زائل ہونے کا حکم لگانا اس میں غلبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے حرام (شراب) شے کے پینے میں اور نشہ آور چیز دوام کے ساتھ پینے میں شرط ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

کبیرہ گناہ کا ارتکاب عدالت کو ساقط کرنے کا موجب ہے

26904۔(قولہ: سَقَطَتْ عَدَالَتُهُ) یعنی جب وہ توبہ کرے گا تو اس کی عدالت لوٹ آئے گی۔ لیکن''البحر'' میں کہا: ''الخانیہ'' میں ہے: فاسق جب توبہ کرے تو اس کی شہادت قبول ہوگی جب تک اس پر اتنا زمانہ نہ گزر جائے جو اس کے توبہ کو ظاہر کر دے پھر ان میں سے بعض نے چھ ماہ کی مدت مقرر کی ہے۔ بعض نے سال کی مدت مقرر کی ہے۔ صحیح یہ ہے: یہ قاضی اور تعدیل کرنے والے کی رائے کے سپرد ہے۔''الخلاصہ'' میں ہے: اگر وہ عادل ہو پس وہ جھوٹی گواہی دے پھر وہ توبہ کر لے پھر وہ گواہی دے تو مدت کے بغیر اسے قبول کیا جائے گا۔

وَإِلَّا لَا وَبِهِ نَأْخُذُ بَحْرٌ وَالِاسْتِهْزَاءُ بِشَيْءٍ مِنَ الشَّرَائِعِ كُفْرٌ ابْنُ كَمَالٍ (وَخَصِيٍّ) وَأَقْطَعَ (وَوَلَدِ الزِّنَا) وَلَوْ بِالزِّنَا خِلَافًا لِمَالِكٍ (وَخُنْثَى) كَأُنْثَى

ورنہ گواہی قبول نہیں کی جائے گی ہم اس کو اپناتے ہیں،''بحر''۔شریعت کے احکام میں سے کسی شے کا مذاق اڑانا کفر ہے، ''ابن کمال''۔خصی، جس کا حد میں ہاتھ کاٹا گیا ہو اور ولد زنا کی گواہی قبول کی جاتی ہے اگرچہ وہ زنا کے بارے میں گواہی دے۔امام''مالک'' نے اس سے اختلاف کیا ہے۔خنثیٰ عورت کی طرح ہے اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جب شاہد مخفی طور پر فاسق ہو تو اسے نہیں چاہیے کہ اپنے فسق کے بارے میں خبر دے تاکہ مدعی کا حق باطل نہ ہو۔''العمدہ'' میں بھی اس کی تصریح کی ہے۔

فائدہ: جس آدمی پر فسق کی تہمت لگائی گئی ہو تو اس کی عدالت باطل نہیں ہوگی تعدیل کرنے والے نے جب شاہد کے بارے میں کہا: وہ فسق میں متہم ہے اس کی عدالت باطل نہیں ہوگی۔''خانیہ''۔

26905۔(قولہ: بَحْرٌ) اسی کی مثل''تاتر خانیہ'' میں ہے۔

26906۔(قولہ: كُفْرٌ)''الہدایہ'' میں اس کی قید لگانے کی طرف اشارہ کیا ہے: وہ دین کے احکام کو حقیر جانتے ہوئے ختنہ کے عمل کو ترک نہ کرے۔''البحر'' میں''الخلاصہ'' سے مروی ہے: مختار یہ ہے کہ اس کا اول وقت سات برس اور اس کا آخری وقت بارہ برس ہیں۔

26907۔(قولہ: وَخَصِيٍّ) کیونکہ اس کا حاصل امر یہ ہے کہ وہ مظلوم ہے۔ہاں اگر وہ اپنے لیے اسے پسند کرتا ہے اور خوشی سے یہ عمل کرتا ہے تو اسے اس عمل سے روک دیا جائے گا۔کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے''علقمہ خصی'' کی''قدامہ بن مظعون'' کے خلاف گواہی قبول کی تھی (1)۔اسے''ابن ابی شیبہ'' نے روایت کیا ہے۔''منح''۔

26908۔(قولہ: وَأَقْطَعَ) کیونکہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چوری کے معاملہ میں ایک آدمی کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا پھر وہ آدمی بعد میں شہادت دیتا تو آپ اس کی شہادت قبول فرماتے (2)۔کذا فی الھامش۔

26909۔(قولہ: بِالزِّنَا) یعنی اگر وہ ولد زنا کسی اور کے خلاف زنا کے بارے میں گواہی دے تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔''المنح'' میں کہا: ولد زنا کی شہادت قبول کی جائے گی۔کیونکہ والدین کا فسق بچے کی فسق کو ثابت نہیں کرتا جس طرح ان کا کفر بچے کے کفر کو ثابت نہیں کرتا۔اسے مطلق ذکر کیا ہے۔پس جب زنا یا اس کے علاوہ امر کے بارے میں گواہی دے تو یہ قول اسے شامل ہوگا۔امام''مالک'' نے زنا کے معاملہ میں اختلاف کیا ہے۔''مدنی''۔

26910۔(قولہ: كَأُنْثَى) یعنی خنثیٰ کی گواہی حدود و قصاص کے علاوہ مرد اور عورت کے ساتھ اسکی گواہی قبول کی جاتی ہے۔

1۔المصنف، ابن ابی شیبہ، کتاب البیوع، باب شہادۃ الخصی، حدیث نمبر 23219

2۔المصنف، ابن ابی شیبہ، کتاب البیوع، باب شہادۃ الاقطع، جلد 4، صفحہ 533

لَوْ مُشْكِلًا وَإِلَّا فَلَا إِشْكَالَ (وَعَتِيقٍ لِمُعْتِقِهِ وَعَكْسِهِ) إِلَّا لِتُهْمَةٍ لِمَا فِي الْخُلَاصَةِ شَهِدَا بَعْدَ عِتْقِهِمَا أَنَّ الثَّمَنَ كَذَا عِنْدَ اخْتِلَافِ بَائِعٍ وَمُشْتَرٍ لَمْ تُقْبَلْ لِجَرِّ النَّفْعِ بِإِثْبَاتِ الْعِتْقِ (وَلِأَخِيهِ وَعَمِّهِ وَمِنْ مَحْرَمٍ رَضَاعًا أَوْ مُصَاهَرَةً) إِلَّا إِذَا امْتَدَّتْ الْخُصُومَةُ وَخَاصَمَ مَعَهُ عَلَى مَا فِي الْقُنْيَةِ وَفِي الْخِزَانَةِ تَخَاصَمَ الشُّهُودُ وَالْمُدَّعَى عَلَيْهِ تُقْبَلُ لَوْ عُدُولًا (وَمِنْ كَافِرٍ عَلَى عَبْدٍ كَافِرٍ مَوْلَاهُ مُسْلِمٌ أَوْ عَلَى وَكِيلٍ (حُرٍّ كَافِرٍ مُوَكِّلُهُ مُسْلِمٌ لَا) يَجُوزُ (عَكْسُهُ) لِقِيَامِهَا عَلَى مُسْلِمٍ قَصْدًا وَفِي الْأَوَّلِ ضِمْنًا

اگرچہ وہ خنثیٰ مشکل ہو ورنہ کوئی اشکال نہیں۔ آزاد غلام کی اپنے آزاد کرنے والے آقا کے حق میں اور اس کے برعکس گواہی قبول کی جاتی ہے۔ تہمت کی وجہ سے گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ ''الخلاصہ'' میں ہے: ان دونوں کی آزادی کے بعد دونوں نے گواہی دی کہ ثمن یہ تھی جب کہ بائع اور مشتری میں اختلاف تھا تو اس کی شہادت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ آزادی کے اثبات کے ساتھ نفع اسے حاصل ہوتا ہے۔ اپنے بھائی، اپنے چچا اور رضاعی یا حرمت مصاہرت کی وجہ سے محرم کی گواہی قبول کی جائے گی۔ مگر جب خصومت طویل ہو جائے اور وہ اس کے ساتھ مخاصمت میں شریک ہو جیسے ''القنیہ'' میں ہے۔ خزانہ میں ہے: گواہوں اور مدعیٰ علیہ نے باہم خصومت کی اگر وہ عادل ہوں تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔ ایک کافر کی کافر غلام کے خلاف گواہی قبول کی جائے گی اگر اس غلام کا آقا مسلمان ہو یا آزاد کافر کے وکیل کے خلاف گواہی قبول کی جائے گی جس کا موکل مسلمان ہو اس کے برعکس جائز نہیں۔ کیونکہ وہ گواہی قصداً مسلمان کے خلاف واقع ہے اور پہلی صورت میں ضمناً مسلمان کے خلاف واقع ہے۔

26911۔ (قولہ: بِإِثْبَاتِ الْعِتْقِ) یہ پہلے گزر چکا ہے کہ مبیع اس کی ملک سے نکل جائے تو باہم قسم اٹھانا نہیں ہوتا۔ جو باب التحالف میں گزر چکا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

اور ان کا قول العتق کیونکہ اگر دونوں کی شہادت نہ ہوتی تو وہ دونوں فریق قسم اٹھاتے اور وہ بیع فسخ ہو جاتی تو آزادی کے باطل کرنے کی مقتضی تھی۔ ''منح''۔

26912۔ (قولہ: وَمِنْ مُحَرَّمٍ رَضَاعًا) ''الاقضیہ'' میں کہا: رضاعی والدین کے حق میں گواہی قبول کی جائے گی، اس کے حق میں گواہی قبول کی جائے گی جس کی بیوی نے اسے دودھ پلایا، اپنی بیوی کی ماں اور اس کے باپ کے حق میں گواہی قبول کی جائے گی۔ ''بزازیہ'' کی کتاب الشھادات باب فیما تقبل و فیما لا تقبل۔ اپنی بچی کے خاوند کے حق میں، اپنے بیٹے کی بیوی کے حق میں، اپنے باپ کی بیوی کے حق، اپنی بیوی کی بہن کے حق میں گواہی قبول کی جائے گی۔ کذا فی الھامش عن ''الحامدیہ'' جب کہ اسے ''الخلاصہ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔

26913۔ (قولہ: امْتَدَّتْ الْخُصُومَةُ) یعنی خصومت کئی سال تک جاری رہی۔ ''منح''۔

26914۔ (قولہ: لَوْ عُدُولًا) ''المنح'' میں ''البحر'' سے نقل کیا ہے: چاہیے کہ اسے اس پر محمول کیا جائے کہ جب وہ

(وَ) تُقْبَلُ (عَلَى ذِمِّيٍّ مَيِّتٍ وَصِيُّهُ مُسْلِمٌ
اور ذمی میت کے خلاف گواہی قبول کی جائے گی جس کا وصی مسلمان ہو

دونوں خصومت میں مدعی کی مدد نہ کریں یا یہ زیادہ نہ ہو جائے یہ تطبیق دینے کے لیے ہے۔ ''رملی'' نے اس کے علاوہ صورت میں تطبیق دی ہے۔ کیونکہ کہا: ان کے قول کا مفہوم یہ ہے: اگر وہ عادل ہوں یعنی جب وہ مستور الحال ہوں تو ان کی گواہی قبول نہ کی جائے گی اگرچہ خصومت طویل نہ ہو۔ کیونکہ مخاصمت کے ساتھ تہمت واقع ہوتی ہے جب وہ عادل ہوں تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔ کیونکہ عدالت کے ساتھ تہمت اٹھ جاتی ہے۔ پس ''القنیہ'' میں جو قول ہے اسے اس پر محمول کیا جائے گا جب وہ عادل ہوں یہ تطبیق دینے کے لیے ہے جو قول ہم نے کیا ہے وہ زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ شہادت کے باب میں قابل اعتماد عدالت ہوتی ہے۔

ذمی میت جس کا وصی مسلمان ہو کے خلاف گواہی کا حکم

26915۔ (قولہ: عَلَى ذِمِّيٍّ مَيِّتٍ) نصرانی مر گیا اور اس نے ہزار درہم چھوڑے اور مسلمان نے میت کے خلاف نصاریٰ میں سے گواہ پیش کیے۔ ایک نصرانی نے اسی طرح دو نصرانی گواہ پیش کیے تو امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متروکہ ہزار مسلمان کے لیے ہوگا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دونوں باہم حصہ کریں گے۔ قاعدہ یہ ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گواہی کی قبولیت صرف میت پر دین کو ثابت کرنے کے حق میں ہے نہ کہ اس میں اور مسلمان میں شرکت کو ثابت کرنے کے لیے ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں کے حق میں ہے ''ذخیرہ'' ملخص

اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ شہادت کا میت کے خلاف قبول کرنا یہ اس کے ساتھ مقید نہیں کہ جب اس پر مسلمان کا دین نہ ہو۔ ہاں یہ اس امر کی قید ہے کہ یہ شہادت اس میں اور دوسرے مدعی میں شرکت کو ثابت کرے جب دوسرا بھی نصرانی ہو تو وہ اس کے ساتھ شریک ہوگا ورنہ مال مسلمان کا ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ مسلمان کے ساتھ شریک ہو تو شہادت کا مسلمان کے خلاف قائم ہونا لازم ہوگا۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف نے ایک ایسی قید ترک کی ہے جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ وہ یہ ہے کہ ترکہ دونوں دینوں سے کم ہو ورنہ یہ لازم نہیں آئے گا کہ یہ شہادت مسلمان کے خلاف قائم ہوئی ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ یہ وہ امر ہے جو مکمل چھان بین کے بعد میرے لیے ظاہر ہوا ہے یہاں تک میں ''الذخیرہ'' کی عبارت پانے میں کامیاب ہو گیا۔ اس تحریر کو غنیمت جانو اور میرے حق میں دعا کرو۔

''البحر'' پر ''حاشیۃ الرملی'' میں ''ابو حفص عقیلی'' کی ''المنہاج'' سے مروی ہے: ایک نصرانی مر گیا تو ایک مسلمان اور ایک نصرانی آیا اور دونوں میں سے ہر ایک نے گواہیاں قائم کیں کہ اس کا میت کے خلاف قرض ہے۔ اگر فریقین کے گواہ دو ذمی ہیں یا نصرانی کے گواہ دو ذمی ہیں تو مسلمان کے دین سے اس کا آغاز کیا جائے گا۔ اگر کوئی چیز بچ گئی تو اسے نصرانی کے دین کی

إِنْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ دَيْنٌ لِمُسْلِمٍ) بَحْرٌ وَفِي الْأَشْبَاهِ لَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ كَافِرٍ عَلَى مُسْلِمٍ إِلَّا تَبَعًا كَمَا مَرَّ أَوْ ضَرُورَةً فِي مَسْأَلَتَيْنِ فِي الْإِيصَاءِ شَهِدَ كَافِرَانِ عَلَى كَافِرٍ أَنَّهُ أَوْصَى إِلَى كَافِرٍ وَأَحْضَرَ مُسْلِمًا عَلَيْهِ حَقٌّ لِلْمَيِّتِ وَفِي النَّسَبِ شَهِدَا

اگر اس پر مسلمان کا دین نہ ہو''بحر''۔''الاشباہ'' میں ہے: کافر کی شہادت مسلمان کے خلاف قبول نہیں کی جاتی مگر تبعاً قبول کی جاتی ہے جس طرح گزر چکا ہے یا دو مسئلوں میں وصی بنانے میں ضرورۃً قبول کی جاتی ہے۔ دو کافروں نے ایک کافر پر گواہی دی کہ اس نے ایک کافر کو وصی بنایا اور ایک ایسے مسلمان کو حاضر کیا جس کا میت پر حق تھا۔ نسب میں ہے دو آدمیوں نے گواہی دی

طرف پھیر دیا جائے گا۔''حسن'' نے امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے: اس مال کو دونوں کے درمیان ان کے قرضوں کی مقدار پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا آخری قول ہے۔ اگر دونوں فریقوں کے گواہ مسلمان ہوں یا ذمی کے گواہ خاص کر مسلمان ہوں تو مال سب کے قول میں ان کے درمیان تقسیم کیا جائے گا۔

26916۔(قولہ: بَحْرٌ) اس کی عبارت یہ ہے: فان کان فقد کتبناہ عن الجامع جو انہوں نے لکھا ہے وہ ان کا یہ قول ہے: ایک نصرانی سو چھوڑ کر مرا ایک مسلمان نے اس میت کے خلاف دو گواہ سو کے بارے میں پیش کیے ایک اور مسلمان اور ایک نصرانی نے اس کی مثل پر دو گواہ پیش کیے دو تہائی پہلے مسلمان کے لیے اور باقی ان دو کے درمیان تقسیم ہوگا اور شرکت مانع نہیں۔ کیونکہ یہ شرکت اس کے اقرار کے ساتھ واقع ہوئی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے: دوسری شہادت ذمی کے حق میں مسلمان کے ساتھ اس کی مشارکت کو ثابت نہیں کرتی جس طرح ہم پہلے (مقولہ 26900 میں) بیان کر چکے ہیں۔ لیکن جب ایک مسلمان نے نصرانی کے ساتھ مل کر سو کا دعویٰ کیا تو وہ سو کے نصف کا طالب ہوا اور منفرد پورے سو کا مطالبہ کرتا ہے تو اس سو کو عول کے طریقہ پر تقسیم کیا جائے گا۔ جو مسلمان پورے سو کا مدعی تھا تو اس کے لیے دو تہائی ہوں گے۔ کیونکہ اس کے لیے دو نصف ہیں اور دوسرے مسلمان کے ایک تہائی ہے۔ کیونکہ اس کے لیے صرف ایک نصف ہے لیکن جب اس نے نصرانی کے ساتھ مل کر دعویٰ کیا تو ایک تہائی کو ان دونوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ یہی ان کے قول: والشرکۃ لا تمنع لانہا باقرارہ کا معنی ہے۔ ہم کتاب الفرائض کے شروع میں ان کے قول ثم تقدم دیونہ کے ہاں (مقولہ 37110 میں) جو ذکر کریں گے اسے دیکھو۔

26917۔(قولہ: كَمَا مَرَّ) قریب ہی جو گزرا ہے۔

26918۔(قولہ: فِي مَسْأَلَتَيْنِ) دونوں مسئلوں میں قبول کو بحث کرتے ہوئے اس پر محمول کیا ہے۔ جب مسلمان خصم دین کا مقر ہو وصیت اور نسب کا انکاری ہو مگر جب وہ دین کا منکر ہو تو اس کے خلاف دو ذمیوں کی شہادت کیسے قبول کی جائے گی؟

26919۔(قولہ: وَأَحْضَرَ) یعنی وصی نے حاضر کیا۔

أَنَّ النَّصْرَانِيَّ ابْنُ الْمَيِّتِ فَادَّعَى عَلَى مُسْلِمٍ بِحَقٍّ وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ وَوَجْهُهُ فِي الدُّرَرِ (وَالْعُمَّالِ) لِلسُّلْطَانِ (إِلَّا إِذَا كَانُوا أَعْوَانًا عَلَى الظُّلْمِ) فَلَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُمْ لِغَلَبَةِ ظُلْمِهِمْ كَرَئِيسِ الْقَرْيَةِ وَالْجَابِي وَالصَّرَّافِ وَالْمُعَرِّفِينَ فِي الْمَرَاكِبِ وَالْعُرَفَاءِ فِي جَمِيعِ الْأَصْنَافِ وَمُحْضِرِ قُضَاةِ الْعَهْدِ وَالْوُكَلَاءِ الْمُفْتَعَلَةِ وَالصَّكَّاكِ وَضُمَّانِ الْجِهَاتِ كَمُقَاطَعَةِ سُوقِ النَّخَّاسِينَ حَتَّى حَلَّ لَعْنُ الشَّاهِدِ لِشَهَادَتِهِ عَلَى بَاطِلٍ فَتْحٌ وَبَحْرٌ وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ أَمِيرٌ كَبِيرٌ ادَّعَى فَشَهِدَ لَهُ عُمَّالُهُ وَنُوَّابُهُ وَرَعَايَاهُمْ لَا تُقْبَلُ كَشَهَادَةِ الْمُزَارِعِ لِرَبِّ الْأَرْضِ، وَقِيلَ أَرَادَ بِالْعُمَّالِ
کہ نصرانی میت کا بیٹا ہے اس نے مسلمان کے خلاف حق کا دعویٰ کیا۔ یہ استحسان ہے اس کی دلیل ''الدرر'' میں ہے۔ اور سلطان کے عمال کی گواہی قبول ہے مگر جب وہ ظلم پر مددگار ہوں تو ان کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ ان کا ظلم غالب ہوتا ہے جیسے بستی کا رئیس، خراج کا وصول کرنے والا، صراف، جہازوں کے معرف کی یعنی جو تجار سے شناسائی کرواتے ہیں، جمیع اصناف کے عرفاء کی، زمانہ کے قاضیوں کے سامنے حاضر کرنے والوں کی، بناوٹی وکلاء کی، اشٹام وغیرہ لکھنے والوں کی، جہات کے ضامنوں کی جیسے چوپاؤں کے بازار کا ٹھیکہ یہاں تک کہ گواہ پر لعنت کرنا حلال ہے کیونکہ وہ باطل پر شہادت دیتا ہے ''فتح''، ''بحر''۔ ''الوہبانیہ'' میں ہے: امیر کبیر نے دعویٰ کیا تو اس کے عمال، نائبین اور ان کی رعایا نے ان کے حق میں گواہی دی تو ان کی شہادت قبول نہ کی جائے گی جس طرح مزارع کی مالک زمین کے حق میں گواہی قبول نہیں ہوتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عمال سے مراد

26920۔ (قولہ: ابْنَ الْمَيِّتِ) یعنی نصرانی۔

26921۔ (قولہ: عَلَى مُسْلِمٍ) اس نے دو نصرانی گواہ اس کے نسب پر قائم کیے تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔ یہ استحسان ہے اس کی وجہ ضرورت ہے۔ کیونکہ مسلمان ان کی موت اور ان کے نکاح کے وقت حاضر نہیں ہوتے۔ ''الدرر'' میں اسی طرح ہے۔ کذا فی الہامش۔

26922۔ (قولہ: بِحَقٍّ) یعنی ایسے حق کا جو ثابت ہے۔ کذا فی الہامش۔

26923۔ (قولہ: كَرَئِيسِ الْقَرْيَةِ) ''الفتح'' میں کہا: ہمارے علاقوں میں اسے شیخ البلد کہتے ہیں ہم پہلے ''بزدوی'' سے نقل کر آئے ہیں: ان سلطانی ٹیکسوں اور خراج کو مسلمانوں کے درمیان عدل کے ساتھ تقسیم کرنے کا ذمہ دار ماموں ہوگا اگرچہ اس کی اصل ظلم ہے اس تعبیر کی بنا پر اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی۔

26924۔ (قولہ: النَّخَّاسِينَ) یہ نخاس کی جمع ہے یہ نخس سے مشتق ہے اس کا معنی طعن ہے۔ یعنی کچوکا لگانا۔ جانوروں کے دلال (ایجنٹ، تاجر) کو نخاس کہتے ہیں۔

26925۔ (قولہ: وَقِيلَ) یہ ''الکنز'' وغیرہ کی عبارت میں ممکن ہے۔ کیونکہ انہوں نے یہ نہیں کہا: الا اذا کانوا اعوانا الخ۔

الْمُحْتَرِفِينَ أَيْ بِحِرْفَةٍ لَائِقَةٍ بِهِ وَهِيَ حِرْفَةُ آبَائِهِ وَأَجْدَادِهِ وَإِلَّا فَلَا مروءة له لو دنيئة فَلَا شَهَادَةَ لَهُ لِمَا عُرِفَ فِي حَدِّ الْعَدَالَةِ فَتْحٌ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ

اہل حرفہ ہیں یعنی ایسے حرفہ والے جوان کے لائق ہے یہ اس کے آبا اور اجداد کا پیشہ ہے اگر پیشہ ایسا نہ ہو کہ اگر وہ پیشہ پست درجہ کا ہے تو اس میں مروت نہ ہو گی۔ تو اس کو شہادت کا حق نہیں ہو گا۔ کیونکہ عدالت کی تعریف میں پہچان ہو چکی ہے، ''فتح''۔ مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے۔

اہل حرفہ کی شہادت کا حکم

26926۔ (قولہ: الْمُحْتَرِفِينَ) یہ ان لوگوں کا رد ہے جو خسیس حرفہ کے اہل کی شہادت کو رد کرتے ہیں۔ ''الفتح'' میں کہا: جہاں تک کم درجہ کی صناعات کا تعلق ہے جیسے کوڑا کرکٹ اٹھانے والا، جولاہا، حجام (پچھنے لگانے والا)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اصح یہ ہے کہ ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔ کیونکہ یہ امور صالح لوگوں نے اپنائے ہیں۔ جب تک شہادت پر قدح والی بات کا علم نہیں ہو گا تو حرفہ کے ظاہر پر بنا نہیں کی جائے گی۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

26927۔ (قولہ: وَإِلَّا الخ) اس کی صورت یہ ہے کہ اس کا باپ تاجر ہو اور وہ خود جولاہا ہے، حلاقہ (بال مونڈنا) وغیرہ کا حرفہ اپنا لے۔ کیونکہ اس نے آبائی پیشہ سے کم درجہ کا پیشہ اپنایا ہے۔ کذا فی الھامش۔

کسی شخص کا اپنے باپ کے پیشہ سے ادنیٰ پیشہ کی طرف عدول عدم مروت کی دلیل نہیں

26928۔ (قولہ: فَتْحٌ) ''الفتح'' میں، میں نے اسے نہیں دیکھا۔ بلکہ ''البحر'' میں ینبغی کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

''رملی'' نے کہا: اس قید میں اعتراض کی گنجائش ہر اس شخص کے لیے ہے جو نظر و فکر کی صلاحیت رکھتا ہے، فتامل۔ یعنی یہ جو بحرفة لائقة الخ کی قید لگائی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے: علما نے عدالت کا اعتبار کیا ہے حرفہ کا اعتبار نہیں کیا۔ کتنے ہی کم مرتبہ پیشے والے ہوتے ہیں جو صاحب منصب و صاحب جاہ سے زیادہ متقی ہوتے ہیں جب کہ غالب یہی ہے کہ ایک آدمی اپنے باپ کے پیشہ سے ادنیٰ پیشے کی طرف نہیں آتا مگر اس صورت میں کہ اسے ہنر نہیں ہوتا یا وہ کام اس پر مشکل ہوتا ہے خصوصاً جب اس کے باپ نے صغر سنی میں اس کے باپ یا اس کے وصی نے اسے سکھایا اور اس کے علاوہ میں اسے پختہ نہ کیا ہو۔ فتامل

''حاشیۃ ابی السعود'' میں ہے: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ یہ اس کے خلاف ہے جس کا ذکر پہلے قریب ہی کیا ہے کہ کم مرتبہ کے پیشہ جیسے کوڑا کرکٹ اٹھانے والے اور جولاہا کی شہادت مقبول ہو گی جب وہ عادل ہو۔ یہ قول صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کو رد کیا جاتا ہے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ اس کا اپنے باپ کے پیشہ سے ادنیٰ پیشے کی طرف عدول یہ عدم مروت کی دلیل ہے اگرچہ اس کے باپ کا پیشہ کم مرتبہ ہو۔ پس یہ کہنا چاہیے تھا ھو کذلک ان عدل بلا عذر۔ تامل

(لَا تُقْبَلُ (مِنْ أَعْمَى) أَيْ لَا يُقْضَى بِهَا، وَلَوْ قُضِيَ صَحَّ، وَعَمَّ قَوْلُهُ (مُطْلَقًا) مَا لَوْ عَمِيَ بَعْدَ الْأَدَاءِ قَبْلَ الْقَضَاءِ وَمَا جَازَ بِالسَّمَاعِ خِلَافًا لِلثَّانِي، وَأَفَادَ عَدَمَ قَبُولِ الْأَخْرَسِ مُطْلَقًا بِالْأَوْلَى (وَمُرْتَدٍّ وَمَمْلُوكٍ)

نابینے کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی یعنی اس کی ساعت سے فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ اگر فیصلہ کر دیا جائے تو وہ صحیح ہوگا۔ ان کا قول مطلقاً اسے عام ہے اگر وہ ادائیگی کے بعد قضا سے پہلے اندھا ہو جائے اور اسے بھی عام ہے جس کی شہادت سماع سے جائز ہوتی ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا ہے کہ گونگے کی گواہی مطلقاً بدرجہ اولیٰ قبول نہیں کی جائے گی۔ مرتد اور مملوک کی شہادت قبول نہیں ہوگی

نابینا کی شہادت کا حکم

26929۔ (قولہ: مِنْ أَعْمَى) مگر امام ''زفر'' رحمۃ اللہ علیہ نے امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت کی ہے کہ نابینا کی گواہی اس میں مقبول ہوگی جس میں سن کر گواہی دی جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں سماع کی حاجت ہوتی ہے جب کہ اس میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ ''باقانی'' نے ''الملتقی'' سے نقل کیا ہے۔ کذا فی الهامش۔

26930۔ (قولہ: أَيْ لَا يُقْضَى بِهَا) امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس صورت میں اختلاف کیا ہے کہ جب وہ شہادت کا حالت بصارت میں حامل بنے تو اس کی شہادت کو قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ معاینہ کرنے سے علم حاصل ہو چکا ہے۔ ادائیگی قول کے ساتھ خاص ہے۔ اس کی زبان کو کوئی آفت لاحق نہیں اور پہچان نسبت کے ساتھ حاصل ہو سکتی ہے جس طرح میت پر شہادت کی صورت میں ہوتا ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ ادائیگی مشہود لہ اور مشہود علیہ کے درمیان اشارہ کے ساتھ تمیز کی محتاج ہوتی ہے۔ نابینا آدمی تمیز نہیں کر سکتا مگر لہجہ کا امتیاز کر سکتا ہے۔ اس میں شبہ ہے جس سے جنس شہود کے ساتھ بچنا ممکن ہے۔ اور نسبت یعنی نسب بیان کرنا یہ غائب کی تمیز کے لیے ہوتا ہے حاضر کی تمیز کے لیے نہیں ہوتا۔ پس یہ حدود و قصاص کی طرح ہو گیا۔ ''باقانی علی الملتقی''۔ کذا فی الهامش

26931۔ (قولہ: بِالسَّمَاعِ) جیسے نسب اور موت ہے۔

26932۔ (قولہ: خِلَافًا لِلثَّانِي) یعنی دونوں میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اختلاف کیا ہے۔ اور ''صدر الشریعہ'' نے پہلے کے بارے میں ان کے قول کو ظاہر روایت شمار کیا ہے اور کہا: وقولہ اظہر۔ لیکن ''الیعقوبیہ'' میں اس کو رد کیا ہے۔ تمام کتب سے جو مفہوم ہوتا ہے وہ اس کا اظہر نہ ہونا ہے۔ جہاں تک دوسرے کے بارے میں جو ان کا قول ہے وہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے۔ ''البحر'' میں کہا ہے: ''الخلاصہ'' میں اسے اختیار کیا ہے۔ ''رملی'' نے اس کا رد کیا ہے: ''الخلاصہ'' میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو اس کی ترجیح اور اس کے اختیار کا تقاضا کرتی ہو۔

26933۔ (قولہ: بِالْأَوْلَى) کیونکہ نابینا میں تہمت اس کی نسبت میں متحقق ہوتی تھی۔ یہاں تہمت اس کی نسبت اور اس کے غیر میں یعنی مشہود بہ کی قدر اور دوسرے امور میں متحقق ہوتی ہے۔ ''الفتح'' میں اسی طرح ''المبسوط'' سے اسے نقل کیا

وَلَوْ مُكَاتَبًا أَوْ مُبَعَّضًا
اگرچہ وہ مکاتب ہو یا اس کا بعض آزاد کر دیا گیا ہو۔

ہے: اس پر فقہاء کا اجماع ہے کیونکہ لفظ شہادت اس سے متحقق نہیں ہوتا۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

26934۔ (قولہ: وَلَوْ مُكَاتَبًا) حالت مرض میں جسے آزاد کیا گیا وہ مکاتب کی طرح ہے۔ جہاں تک کما کر حق ادا کرنے کا مرحلہ ہے یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک آزاد مقروض ہے۔

تنبیہات

ایک آدمی ایک چچا، دو لونڈیاں اور دو غلام چھوڑ کر مر گیا تو چچا نے دونوں غلاموں کو آزاد کر دیا دونوں نے ان دونوں میں سے ایک کے بیٹے ہونے کی شہادت دی یعنی اس میت نے اپنی حالت صحت میں اس کے بیٹے ہونے کا اقرار کیا تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی۔ کیونکہ ابتداءً اس کے قبول کرنے میں انتہاءً اس کا بطلان لازم آتا ہے۔ کیونکہ جس کا بعض آزاد کر دیا گیا ہو وہ مکاتب کی طرح ہوتا ہے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی نہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک قبول کی جاتی ہے۔

اگر دو آدمی گواہی دیں کہ دوسری لونڈی یہ میت کی بہن ہے یہ شہادت وہ پہلی شہادت سے پہلے، اس کے بعد یا اس کے ساتھ دیں تو بالاجماع ان کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ اگر ہم اس شہادت کو قبول کر لیں تو وہ بیٹی کے ساتھ عصبہ بن جائے گی اور چچا وراثت سے خارج ہو جائے گا۔ ''بحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ دونوں شہادتوں کے پائے جانے کے وقت ظاہر ہے۔ جہاں تک بہن ہونے کی شہادت کے پہلے ہونے کا تعلق ہے تو اس میں علت وہی ہے جو بنتیت کی علت ہے۔ اسے خوب سمجھو۔

''المحیط'' میں ہے: ایک آدمی بھائی چھوڑ کر فوت ہوا اس کے علاوہ وارث کا کوئی پتہ نہیں۔ میت کے غلاموں میں سے دو نے کہا: میت نے حالت صحت میں ہمیں آزاد کیا تھا اور یہ ایک اور اس کا بیٹا ہے۔ اس معاملہ میں بھائی نے ان دونوں کی تصدیق کی تو آزادی کے متعلق دعویٰ میں ان کی شہادت قبول نہیں جائے گی۔ کیونکہ اس نے اقرار کیا ہے کہ اس کی ان دونوں کے بارے میں کوئی ملکیت نہیں بلکہ یہ دونوں کسی اور کے غلام ہیں۔ کیونکہ میت کے بھائی نے یہ اقرار کیا ہے کہ یہ وارث ہے وہ وارث نہیں۔ پس نسب کے بارے میں ان کی شہادت باطل ہو جائے گی۔ اگر دوسرے کی جگہ عورت ہو تو دونوں کی شہادت جائز ہو گی اور اس عورت کا نسب میت سے ثابت ہو جائے گا اور وہ دونوں اپنی نصف قیمت میں سعی کریں گے (کمائیں گے)۔ کیونکہ اس نے یہ اقرار کیا ہے کہ اس کا حق نصف میراث میں ہے۔ پس آزادی صحیح ہو گی کیونکہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہ کے نزدیک آزادی کی تجزی نہیں ہو سکتی۔ مگر آزادی مشترک غلام میں ہے پس خاموش شریک کے لیے سعایت کرنا واجب ہو گا۔

میں کہتا ہوں: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ دونوں آزاد ہو جائیں گے جس طرح ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے کہا ہے مگر

(وَصَبِيٍّ) وَمُغَفَّلٍ وَمَجْنُونٍ (إلَّا) فِي حَالِ صِحَّتِهِ إلَّا (أَنْ يَتَحَمَّلَا فِي الرِّقِّ وَالتَّمْيِيزِ وَأَدَّيَا بَعْدَ الْحُرِّيَّةِ) وَلَوْ لِمُعْتِقِهِ كَمَا مَرَّ (وَ) بَعْدَ (الْبُلُوغِ) وَكَذَا بَعْدَ إبْصَارٍ وَإِسْلَامٍ وَتَوْبَةِ فِسْقٍ وَطَلَاقِ زَوْجَةٍ

بچے، غافل اور مجنون کی گواہی قبول نہیں مگر حالت صحت میں مجنون کی گواہی قبول ہے مگر یہ کہ وہ غلامی اور سن تمیز میں گواہ بنیں اور آزادی کے بعد گواہی دیں اگرچہ وہ اپنے آزاد کرنے والے آقا کے حق میں گواہی دیں جس طرح گزر چکا ہے اور بالغ ہونے کے بعد گواہی دیں۔ اسی طرح بینا ہونے، اسلام لانے، فسق سے توبہ کرنے اور زوجہ کو طلاق دینے کے بعد گواہی دیں

بیٹی ہونے کے بارے میں ان دونوں کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ جس کا بعض آزاد ہو اس کی شہادت قبول نہیں ہوتی۔ پس اس کو خوب سمجھو۔

فائدہ

قاضی نے شہادت سن کر فیصلہ کیا پس وہ غلام ظاہر ہوئے تو فیصلہ کا باطل ہونا ظاہر ہو گیا اگر اس نے گواہی سن کر وکالت کا فیصلہ کیا اور وکیل نے لوگوں سے قرض وصول کر لیے پھر وہ غلام ظاہر ہوئے تو مقروض بری نہ ہوں گے۔ اگر وہ وصیت میں اس کی مثل تھے تو بری ہو جائیں گے۔ کیونکہ اس کا قبضہ قاضی کے اذن سے ہوا ہے اگرچہ وصیت کرنا ثابت نہیں جس طرح وہ یہ اجازت دے دیتا ہے کہ وہ امین کے حوالے کر دے۔ وکالت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ غریم کو یہ اجازت دینے کا مالک نہیں کہ وہ زندہ کا دین کسی اور کو دے دے۔

''مقدسی'' نے کہا: اس تعبیر کی بنا پر آج کل جو اکثر واقع ہوتا ہے کہ ایک شخص کو وقف کی نگرانی کی ذمہ داری سونپی جاتی ہے پس وہ اس میں قبضہ، صرف، شرا اور بیع کا تصرف کرتا ہے۔ پھر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقف کی شرط کے بغیر ہے یا اس کا روکنا امر باطل ہے۔

چاہیے کہ وہ ضامن نہ ہو کیونکہ یہ قاضی کے اذن سے تصرف ہے جیسے وصی تصرف کرتا ہے۔ فلیتامل

میں کہتا ہوں: کتاب الوقف میں وہ قول گزر چکا ہے جو اس کی تائید کرتا ہے۔ ''سائحانی''۔

26935۔ (قولہ: وَمُغَفَّلٍ) امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اس نے کہا: ہم ایسے لوگوں کی گواہی رد کرتے ہیں قیامت کے روز جن کی شفاعت کی امید رکھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے غافل (بھولے بھالے) اور اس کی مثل لوگوں کی گواہی کو قبول نہیں کرتے اگرچہ وہ عادل وصالح ہوں۔ ''تاتر خانیہ''۔

26936۔ (قولہ: فِي حَالِ صِحَّتِهِ) یعنی اس وقت جب وہ جنون کی حالت میں نہ ہو، کذا فی الہامش۔

26937۔ (قولہ: بَعْدَ إبْصَارٍ) اس شرط کے ساتھ کہ وہ جب گواہ بنے تو دیکھنے والا بھی ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ دیکھنے والا ہو پس وہ گواہ بنے پھر وہ اندھا ہو جائے پھر وہ بینا ہو جائے تو وہ گواہی دے۔ فافہم۔ لمحررہ۔

26938۔ (قولہ: زَوْجَةٍ) یعنی اگرچہ اس نے اس کی گواہی کے رد کا فیصلہ نہ کیا ہو کیونکہ قریب ہی (مقولہ 26944

لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ حَالُ الْأَدَاءِ شَرْحُ تَكْمِلَةٍ وَفِي الْبَحْرِ مَتَى حَكَمَ بِرَدِّهِ لِعِلَّةٍ ثُمَّ زَالَتْ فَشَهِدَ بِهَا لَمْ تُقْبَلْ إلَّا أَرْبَعَةٌ عَبْدٌ وَصَبِيٌّ وَأَعْمَى وَكَافِرٌ عَلَى مُسْلِمٍ وَإِدْخَالُ الْكَمَالِ أَحَدَ الزَّوْجَيْنِ مَعَ الْأَرْبَعَةِ سَهْوٌ (وَمَحْدُودٍ فِي قَذْفٍ) تَمَامُ الْحَدِّ وَقِيلَ بِالْأَكْثَرِ (وَإِنْ تَابَ) بِتَكْذِيبِهِ نَفْسَهُ فَتْحٌ،

کیونکہ معتبر حالت ادا ہے۔''شرح تکملہ''۔''البحر'' میں ہے: جب کسی علت کی وجہ سے اس کے رد کا فیصلہ کر دیا پھر وہ علت زائل ہوگئی تو اسی حادثہ کے متعلق اس نے گواہی دی تو شہادت قبول نہ ہوگی مگر چار کی گواہی قبول کی جائے گی غلام، بچہ، نابینا اور جو مسلمان کے خلاف گواہی دے۔''کمال'' کا میاں بیوی میں سے ایک کو چار کے ساتھ داخل کرنا سہو ہے۔ اس آدمی کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی جس پر حد قذف لگائی گئی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس پر اکثر حد لگائی گئی ہو اگرچہ اس نے اپنے آپ کو جھٹلانے کے ساتھ توبہ کر لی ہو،''فتح''۔

میں) آئے گا۔

26938۔(قولہ: وَفِي الْبَحْرِ)''الخلاصہ'' سے مروی ہے۔

26940۔(قولہ: فَشَهِدَ بِهَا) یعنی وہ اسی حادثہ کے متعلق گواہی دے۔

26941۔(قولہ: إلَّا أَرْبَعَةٌ) جہاں تک اندھے کے علاوہ کا تعلق ہے تو یہ امر ظاہر ہے۔ کیونکہ ان کی گواہی کوئی گواہی نہیں۔ جہاں تک نابینا کا تعلق ہے پس اس میں اور میاں بیوی میں سے ایک میں جو فرق ہے اس میں غور کرنا چاہیے۔ پھر میں نے''شرنبلالیہ'' میں دیکھا ہے انہوں نے نابینا کی گواہی کے قبول کرنے میں اشکال کا اظہار کیا ہے۔

26942۔(قولہ: عَبْدٌ الخ)''البحر'' میں کہا: اس تعبیر کی بنا پر خاوند، مزدور، غافل، یتیم اور فاسق کی گواہی رد کرنے کے بعد قبول نہ کی جائے۔

''البحر'' میں بھی اس باب سے پہلے ذکر کیا ہے: یہ جان لو کہ تہمت کی وجہ سے جس کی گواہی رد کی گئی اور شبہ کی وجہ سے جس کی گواہی رد کی گئی دونوں میں فرق کیا جائے گا۔ دوسری کو مانع کے زوال کے وقت قبول کر لیا جائے گا پہلی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اسے مطلقاً قبول نہیں کیا جاتا۔''النوازل'' میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

26943۔(قولہ: وَإِدْخَالُ الخ) ساتھ ہی عبارت کے شروع میں اس کے برعکس کی تصریح کی ہے۔ اسی کی مثل ''تاتر خانیہ''،''جوہرہ'' اور''بدائع'' میں ہے۔

26944۔(قولہ: سَهْوٌ) کیونکہ خاوند کو گواہی کا حق ہے اور قاضی نے اس کو رد کرنے کا حکم دیا ہے۔ غلام وغیرہ کا معاملہ مختلف ہے۔ تامل

26945۔(قولہ: بِتَكْذِيبِهِ)''با'' صورت بیان کرنے کے لیے ہے، تامل۔ اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جو ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

لِأَنَّ الرَّدَّ مِنْ تَمَامِ الْحَدِّ بِالنَّصِّ وَالِاسْتِثْنَاءُ مُنْصَرِفٌ لِمَا يَلِيهِ وَهُوَ وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (إلَّا أَنْ يُحَدَّ كَافِرٌ) فِي الْقَذْفِ (فَيُسْلِمَ) فَتُقْبَلُ وَإِنْ ضُرِبَ أَكْثَرُهُ بَعْدَ الْإِسْلَامِ عَلَى الظَّاهِرِ بِخِلَافِ عَبْدٍ حُدَّ فَعَتَقَ لَمْ تُقْبَلْ (أَوْ يُقِيمَ) الْمَحْدُودُ (بَيِّنَةً عَلَى صِدْقِهِ) إمَّا أَرْبَعَةً عَلَى زِنَاهُ أَوْ اثْنَيْنِ عَلَى إقْرَارِهِ بِهِ، كَمَا لَوْ بَرْهَنَ قَبْلَ الْحَدِّ بَحْرٌ وَفِيهِ الْفَاسِقُ إذَا تَابَ تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ إلَّا الْمَحْدُودَ بِقَذْفٍ وَالْمَعْرُوفَ بِالْكَذِبِ وَشَاهِدَ الزُّورِ لَوْ عَدْلًا لَا تُقْبَلُ أَبَدًا مُلْتَقَطٌ، لَكِنْ سَيَجِيءُ تَرْجِيحُ قَبُولِهَا

کیونکہ اس کی گواہی کو رد کرنا یہ حد کا تتمہ ہے یہ نص سے ثابت ہے۔ اور استثنا اپنے قریب تر کی طرف منصرف ہے جو یہ ہے وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (النور) مگر جب کافر کو قذف کی وجہ سے حد لگائی گئی ہو پھر وہ اسلام لے آئے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اگرچہ ظاہر روایت کے مطابق اکثر حصہ اسلام قبول کرنے کے بعد لگایا گیا ہو۔ اس غلام کا معاملہ مختلف ہے جس پر حد لگائی گئی پھر وہ آزاد ہوا اس کی گواہی قبول نہ کی جائے گی یا محدود آدمی اپنی صداقت پر گواہیاں قائم کردے چار گواہ اس کے زنا پر یا دو اس کے اقرار پر، جس طرح اگر وہ حد سے پہلے گواہیاں قائم کردے''۔ اس میں ہے: فاسق جب توبہ کرلے تو اس کی شہادت قبول ہوگی مگر وہ آدمی جو قذف کی وجہ سے محدود ہو، جھوٹ میں معروف ہو اور جھوٹی شہادت دینے والا ہو اگرچہ وہ عادل ہو تو ان کی شہادت کبھی بھی قبول نہیں کی جائے گی ''ملتقط''۔ لیکن اس شہادت کے قبول کرنے کی ترجیح عنقریب آئے گی

26946۔(قولہ: فَتُقْبَلُ) کیونکہ کافر کو شہادت کا حق حاصل ہے۔ اس کا رد کرنا یہ حد کا تتمہ ہے۔ اسلام کے ساتھ دوسری شہادت پیدا ہوئی۔ مراد یہ نہیں کہ اسلام لانے کے بعد صرف مسلمانوں کے حق میں اسے قبول کیا جائے گا ''بحر''۔

26946۔(قولہ: لَمْ تُقْبَلْ) کیونکہ غلام کی غلامی کی حالت میں شہادت کا کوئی حق نہیں پس رد اس کی شہادت کے واقع ہونے پر ہوگا۔ جب اس کی جانب سے شہادت ہوگی تو آزادی کے بعد اس کی شہادت کا رد حد کا تتمہ ہے، ''بحر''۔

26847۔(قولہ: زِنَاهُ) یعنی جس پر اس نے تہمت لگائی تھی۔

فاسق جب توبہ کرلے تو اس کی شہادت کا حکم

26948۔(قولہ: إذَا تَابَ الخ) ''قاضی خان'' نے کہا: فاسق جب توبہ کرے تو اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی جب تک اس پر اتنا زمانہ گزر جائے جو اس پر توبہ کا اثر ظاہر کردے۔ پھر ان میں سے بعض نے اس کا اندازہ چھ ماہ لگایا ہے۔ بعض نے اس کا اندازہ سال لگایا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ قاضی اور تزکیہ کرنے والے کی رائے کے سپرد ہے۔ اس کی مکمل بحث وہاں ہے۔ ''خزانۃ المفتین'' میں ہے: ہر ایسی شہادت جو فسق کی تہمت کی وجہ سے رد کی گئی ہو جب وہ دوبارہ گواہی دے تو اس کی شہادت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ کذا فی الہامش۔

26949۔(قولہ: سَيَجِيءُ) یعنی باب الرجوع عن الشہادۃ سے تھوڑا پہلے آئے گا۔

26950۔(قولہ: تَرْجِيحُ قَبُولِهَا) اسی طرح ''الخانیہ'' میں ہے۔ اسی پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ پہلے قول کو امام

(وَمَسْجُونٍ فِي حَادِثَةٍ) تَقَعُ فِي (السِّجْنِ) وَكَذَا لَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الصِّبْيَانِ فِيمَا يَقَعُ فِي الْمَلَاعِبِ، وَلَا شَهَادَةُ النِّسَاءِ فِيمَا يَقَعُ فِي الْحَمَّامَاتِ وَإِنْ مَسَّتِ الْحَاجَاتُ لِمَنْعِ الشَّرْعِ عَمَّا يُسْتَحَقُّ بِهِ السِّجْنَ وَمَلَاعِبِ الصِّبْيَانِ وَحَمَّامَاتِ النِّسَاءِ، فَكَانَ التَّقْصِيرُ مُضَافًا إِلَيْهِمْ لَا إِلَى الشَّرْعِ بَزَّازِيَّةٌ وَصُغْرَى وَشُرُنْبُلَالِيَّةٌ، لَكِنْ فِي الْحَاوِي تُقْبَلُ شَهَادَةُ النِّسَاءِ وَحْدَهُنَّ فِي الْقَتْلِ فِي الْحَمَّامِ بِحُكْمِ الدِّيَةِ كَيْ لَا يُهْدَرَ الدَّمُ فَلْيُتَنَبَّهْ عِنْدَ الْفَتْوَى وَقَدَّمْنَا قَبُولَ شَهَادَةِ الْمُعَلِّمِ فِي حَوَادِثِ الصِّبْيَانِ (وَالزَّوْجَةِ لِزَوْجِهَا وَهُوَ لَهَا) وَجَازَ عَلَيْهَا إِلَّا فِي مَسْأَلَتَيْنِ

اور اس آدمی کی گواہی قبول نہیں ہوگی جو قید خانہ میں پڑا ہو ان امور کے بارے میں جو قید خانہ میں واقع ہوئے۔ اسی طرح بچوں کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی ان امور میں جو کھیل کود میں واقع ہوئے ہیں۔ اور نہ ہی عورتوں کی شہادت قبول ہوگی ان معاملات میں جو حمامات میں واقع ہوتی ہیں اگرچہ شدید ضرورت ہو کیونکہ شرع نے ان چیزوں سے منع کیا ہے جس کے باعث وہ قید خانہ کا مستحق بنتا ہے اور بچوں کو کھیل کود اور عورتوں کو حمامات سے منع کیا گیا ہے۔ پس کوتاہی ان لوگوں کی طرف منسوب ہوگی شرع کی طرف منسوب نہیں ہوگی ''بزازیہ''، ''صغریٰ'' اور ''شرنبلالیہ''۔ لیکن ''حاوی'' میں ہے: حمام میں قتل ہونے کی صورت میں صرف عورتوں کی شہادت قبول ہوگی دیت کے حوالے سے تاکہ خون رائیگاں نہ جائے فتویٰ دیتے وقت اس پر متنبہ ہو جائیے۔ ہم بچوں کے معاملات میں معلم کی شہادت کے قبول ہونے کو پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اور بیوی کی گواہی اس کے خاوند کے حق میں اور خاوند کی گواہی اس کی بیوی کے حق میں قبول نہیں ہوگی اور بیوی کے خلاف قبول کرنا جائز ہے مگر دو مسئلوں میں جائز نہیں

''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کی روایت قرار دیا ہے۔

26951۔ (قولہ: لَا إِلَى الشَّرْعِ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام میں اسے قبول کیا جائے گا۔ اصح پہلا قول ہے۔ ''القنیہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''جامع الفتاویٰ''۔

26952۔ (قولہ: وَحْدَهُنَّ) کتاب الوقف میں اسے پہلے ذکر کیا ہے۔ قاضی دوسرے قاضی کے فیصلہ کو جو حمام کے جھگڑوں کے بارے میں ہو اور صرف عورتوں کی گواہی سے کیا گیا ہے اسے نافذ نہیں کرے گا۔ ''سائحانی''۔ یہ ممکن ہے اسے زخموں کی وجہ سے قصاص پر محمول کیا جائے۔

بیوی کی گواہی خاوند کے حق میں اور خاوند کی گواہی بیوی کے حق میں قبول نہیں

26953۔ (قولہ: وَجَازَ عَلَيْهَا) ''الاشباہ'' میں کہا: خاوند کی عورت کے خلاف گواہی مقبول ہے مگر جب خاوند عورت کے زنا اور قذف کے بارے میں گواہی دے اور اس بارے میں گواہی دے کہ مرد عورت کے اس اقرار پر گواہی دے کہ وہ فلاں مرد کی لونڈی ہے جو مرد اس کا دعویٰ کرتا ہے۔ پس اسے قبول نہیں کیا جائے گا مگر اس صورت میں کہ خاوند نے اس عورت کو

فِی الْأَشْبَاهِ (وَلَوْ فِی عِدَّةٍ مِنْ ثَلَاثٍ) لِمَا فِی الْقُنْيَةِ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا وَهِیَ فِی الْعِدَّةِ لَمْ تَجُزْ شَهَادَتُهُ لَهَا وَلَا شَهَادَتُهَا لَهُ، وَلَوْ شَهِدَ لَهَا ثُمَّ تَزَوَّجَهَا بَطَلَتْ خَانِيَّةٌ، فَعُلِمَ مَنْعُ الزَّوْجِيَّةِ عِنْدَ الْقَضَاءِ لَا تَحَمُّلِ
جن کا ذکر ''الاشباہ'' میں ہے اگر چہ وہ تین طلاقوں کی عدت گزار رہی ہو۔ کیونکہ ''القنیہ'' میں ہے: مرد نے بیوی کو تین طلاقیں دیں جب کہ وہ عدت کی حالت میں ہے تو اس کی گواہی عورت کے حق میں جائز نہیں اور نہ ہی عورت کی گواہی اس کے حق میں جائز ہے۔ اگر مرد نے عورت کے حق میں گواہی دی پھر اس سے نکاح کیا تو اس کی گواہی باطل ہو جائے گی۔ ''خانیہ''۔ پس اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ قضا کے وقت بیوی ہونا ممنوع ہے تحمل

مہر دے دیا اور مدعی یہ کہتا ہے: میں نے اس عورت کو نکاح کی اجازت دی تھی جس طرح ''الخانیہ'' کی کتاب الشہادت میں ہے،''ح''۔ کذا فی الھاش۔

26954۔ (قولہ: فِی الْأَشْبَاهِ) یہ دونوں ''البحر'' میں بھی ہیں۔

26955۔ (قولہ: وَلَوْ شَهِدَ لَهَا الخ) اسی طرح اگر وہ گواہی دے اور وہ مزدور نہ ہو پھر وہ اس کا مزدور بن جائے قبل اس کے کہ اس کی گواہی کی وجہ سے وہ فیصلہ کر دے۔ ''تاتر خانیہ''۔

26956۔ (قولہ: ثُمَّ تَزَوَّجَهَا) یعنی فیصلہ سے پہلے وہ اس سے شادی کر لے۔

26957۔ (قولہ: فَعُلِمَ الخ) جو یہ ذکر کیا ہے کہ قضا کے وقت زوجیت کا رشتہ ہونا ممنوع ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے جہاں تک تحمل شہادت یا اداء شہادت کا ممنوع ہونا ہے یہ مذکورہ کلام سے معلوم نہیں ہوتا۔ پس وہ ضمیمہ ضروری ہے جس کا ذکر ''المنح'' میں ''بزازیہ'' سے ذکر کیا ہے: اگر حالت نکاح میں شہادت کا تحمل کیا پھر اسے طلاق بائنہ دے دی اور عدت کے ختم ہونے کے بعد اس کے حق میں گواہی دے دی تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ اور جس کا ذکر کیا ہے وہ ''فتاویٰ قاضی خان'' میں بھی ہے: اگر ایک آدمی نے اپنی بیوی کے حق میں گواہی دی جب کہ وہ عادل تھا حاکم نے اس کی شہادت کو رد نہ کیا یہاں تک کہ اسے طلاق بائنہ دے دی اور اس کی عدت ختم ہو گئی۔ ''ابن شجاع'' رطیفیہ نے روایت کیا ہے کہ قاضی اس کی شہادت کو نافذ کر دے گا۔ ملحررہ

''البحر'' میں کہا: حاصل کلام یہ ہے: قضا کے وقت تہمت کا منتفی ہونا ضروری ہے۔ جہاں تک باب الرجوع فی الہبۃ میں جو ہے وہ ہبہ کے وقت اس سے مانع ہے رجوع کے وقت اس سے مانع نہیں۔ اگر ایک آدمی نے اجنبی عورت کو کوئی چیز ہبہ کی پھر اس اجنبی عورت سے نکاح کر لیا تو اسے رجوع کا حق حاصل ہوگا۔ اس کے برعکس کا معاملہ مختلف ہے جس طرح عنقریب آئے گا۔ باب اقرار المریض میں ہے اعتبار اس کا ہے۔ کیونکہ وہ اقرار کے وقت بیوی ہے۔ اگر وہ اجنبی کے حق میں اقرار کرے پھر اس سے نکاح کرے اور مر جائے جب کہ یہ اس کی بیوی ہو تو یہ صحیح ہوگا۔ باب الوصیہ میں ہے: اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ عورت موت کے وقت بیوی ہے وصیت کے وقت بیوی نہیں۔

أَوْ أَدَاءٍ (وَالْفَرْعِ لِأَصْلِهِ) وَإِنْ عَلَا إِلَّا إِذَا شَهِدَ الْجَدُّ لِابْنِ ابْنِهِ عَلَى أَبِيهِ أَشْبَاهٌ قَالَ وَجَازَ عَلَى أَصْلِهِ إِلَّا إِذَا شَهِدَ عَلَى أَبِيهِ لِأُمِّهِ وَلَوْ بِطَلَاقِ ضَرَّتِهَا وَالْأُمُّ فِي نِكَاحِهِ، وَفِيهَا بَعْدَ ثَمَانِ وَرَقَاتٍ لَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْإِنْسَانِ لِنَفْسِهِ إِلَّا فِي مَسْأَلَةِ الْقَاتِلِ إِذَا شَهِدَ بِعَفْوِ وَلِيِّ الْمَقْتُولِ فَرَاجِعْهَا (وَبِالْعَكْسِ) لِلتُّهْمَةِ (وَسَيِّدٍ لِعَبْدِهِ وَمُكَاتَبِهِ وَالشَّرِيكِ لِشَرِيكِهِ

یا ادا کے وقت بیوی ہونا ممنوع نہیں۔ اور فرع کی اصل کے حق میں شہادت مقبول نہیں اگرچہ اصل کتنا اوپر چلا جائے مگر جب دادا پوتے کے حق میں اور اس کے باپ کے خلاف گواہی دے،''اشباہ''۔ کہا: اپنی اصل کے خلاف گواہی دینا جائز ہے مگر جب وہ اپنے باپ کے خلاف اپنی ماں کے حق میں گواہی دے اگرچہ ماں کی سوکن کے طلاق کے حق میں ہو۔ اور ماں اس کے باپ کے نکاح میں ہو۔ اسی کتاب میں آٹھ اوراق کے بعد ہے: انسان کی اپنے حق میں گواہی قبول نہیں مگر جب وہ قاتل کے مسئلہ میں یہ گواہی دے کہ مقتول کے ولی نے اسے معاف کر دیا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ اس کے برعکس یعنی اصل کی فرع کے حق میں گواہی قبول نہیں۔ کیونکہ تہمت پائی جارہی ہے۔ آقا کی اپنے غلام، اپنے مکاتب کے حق میں گواہی قبول نہیں کی جاتی اور شریک کی شریک کے حق میں گواہی قبول نہیں کی جاتی

فرع کی اصل کے حق میں گواہی کا حکم

26958۔ (قولہ: وَالْفَرْعِ) اگرچہ وہ من وجہ فرع ہو جس طرح ملاعنہ کا بچہ۔ اس کی مکمل بحث''البحر''میں ہے۔

26959۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا شَهِدَ الْجَدُّ) اس استثنا کا محل ان کے قول و بالعکس کے بعد ہے۔ کیونکہ جد (دادا) اصل ہے فرع نہیں۔

26960۔ (قولہ: وَلَوْ بِطَلَاقِ ضَرَّتِهَا) کیونکہ یہ اس کی اپنی ماں کے حق میں گواہی ہے۔''بحر''، کذا فی الھامش۔

26961۔ (قولہ: وَالْأُمُّ فِي نِكَاحِهِ) واؤ حالیہ ہے، کذا فی الھامش۔ یہاں''البحر''سے کئی اچھی فروع کا ذکر کیا ہے۔ پس ان کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

26962۔ (قولہ: إِلَّا فِي مَسْأَلَةِ الْقَاتِلِ) اس کی صورت یہ ہے: تین آدمیوں نے جان بوجھ کر ایک آدمی کو قتل کر دیا پھر توبہ کے بعد انہوں نے گواہی دی کہ ولی نے ہمیں معاف کر دیا ہے۔ امام''حسن بن زیاد''نے کہا: ان کی شہادت قبول نہیں ہوگی مگر ان میں سے دو یہ کہیں: اس نے ہمیں اور اس ایک کو معاف کر دیا ہے۔ اس صورت میں امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ایک کے حق میں اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ امام''حسن بن زیاد''نے کہا: سب کے حق میں قبول کی جائے گی، کذا فی الھامش۔''حاشیۃ الفتال''میں''حموی''اور''کفیری''میں جو کچھ مروی ہے اس میں غور وفکر کیجئے۔

26963۔ (قولہ: وَبِالْعَكْسِ) اگر بیوی لونڈی ہو۔''بحر''۔

26964۔ (قولہ: لِشَرِيكِهِ) اسے مطلق ذکر کیا ہے۔ پس یہ تمام قسم کی شرکتوں کو شامل ہوگا۔ شرکت مفاوضہ کے

فِيمَا هُوَ مِنْ شَرِكَتِهِمَا) لِأَنَّهَا لِنَفْسِهِ مِنْ وَجْهٍ فِي الْأَشْبَاهِ لِلْخَصْمِ أَنْ يَطْعَنَ بِثَلَاثَةٍ بِرِقٍّ وَحَدٍّ وَشَرِكَةٍ وَفِي فَتَاوَى النَّسَفِيِّ لَوْ شَهِدَ بَعْضُ أَهْلِ الْقَرْيَةِ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ بِزِيَادَةِ الْخَرَاجِ لَا تُقْبَلُ مَا لَمْ يَكُنْ خَرَاجُ كُلِّ أَرْضٍ مُعَيَّنًا أَوْ لَا خَرَاجَ لِلشَّاهِدِ، وَكَذَا أَهْلُ قَرْيَةٍ شَهِدُوا عَلَى ضَيْعَةٍ أَنَّهَا مِنْ قَرْيَتِهِمْ لَا تُقْبَلُ، وَكَذَا أَهْلُ سِكَّةٍ يَشْهَدُونَ بِشَيْءٍ مِنْ مَصَالِحِهِ لَوْ غَيْرَ نَافِذَةٍ، وَفِي النَّافِذَةِ إِنْ طَلَبَ حَقًّا لِنَفْسِهِ لَا تُقْبَلُ، وَإِنْ قَالَ لَا آخُذُ شَيْئًا تُقْبَلُ وَكَذَا فِي وَقْفِ الْمَدْرَسَةِ انْتَهَى فَلْيُحْفَظْ

ان امور میں جن میں دونوں شریک ہیں۔ کیونکہ وہ شہادت من وجہ اپنی ذات کے لیے ہے۔ ''الاشباہ'' میں ہے: خصم کو حق حاصل ہے کہ تین وجوہ سے طعن کرے گواہ غلام ہے، اس پر حد جاری کی جا چکی ہے اور مدعی کے ساتھ اس میں شریک ہے۔ ''فتاویٰ النسفی'' میں ہے: اگر دیہات کے بعض لوگ ان میں سے بعض کے خلاف خراج کی زیادتی کی گواہی دیں تو ان کی شہادت قبول نہ کی جائے گی جب تک ہر زمین کا خراج معین نہ ہو یا شاہد کے لیے خراج نہ ہو۔ اسی طرح بستی کے لوگ ایک جاگیر کے بارے میں یہ گواہی دیں کہ یہ جاگیر ان کے دیہات کی ہے تو اس شہادت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح گلی کے لوگ اپنے مصالح میں سے کسی شخص کے بارے میں گواہی دیں اگر چہ وہ گلی آگے نہ کھلتی ہو تو ان کی گواہی قبول نہ ہوگی وہ گلی جو آگے کھلتی ہو۔ اگر وہ اپنے لیے کسی حق کا مطالبہ کرے تو اس کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ اگر وہ کہے: میں کوئی شے نہیں لیتا تو شہادت قبول ہوگی مدرسہ کے وقف کے بارے میں یہی حکم ہے۔ گفتگو ختم ہوئی پس اسے یاد رکھنا چاہیے۔

بارے میں کلام ''البحر'' میں ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

26965۔ (قولہ: مِنْ شَرِكَتِهِمَا) جن امور میں شرکت نہیں ان میں شہادت مقبول نہیں، ''فتاویٰ ہندیہ''۔ کذا فی الہامش

26966۔ (قولہ: أَنْ يَطْعَنَ بِثَلَاثَةٍ الخ) ''البحر'' پر حاشیہ ''الرملی'' میں ان کے قول والمحدود فی قذف سے تھوڑا پہلے دیکھئے۔

26967۔ (قولہ: أَوْ لَا خَرَاجَ لِلشَّاهِدِ) یعنی شاہد کے لیے خراج نہیں۔

26968۔ (قولہ: عَلَى ضَيْعَةٍ) شاید یہ علی قطعة ہے جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔ لیکن ''الفتح'' میں عبارت اسی طرح ہے جس طرح یہاں ہے۔ ''القاموس'' میں ہے: ضیعة سے مراد جائیداد اور نفع دینے والی زمین ہے۔

لیکن ''خانیہ'' میں ''الحامدیہ'' سے مروی ہے: گواہوں نے وقف کے متولی کے ساتھ ایک اور آدمی کے خلاف گواہی دی کہ یہ قطعہ زمین ان کے دیہات کی زمینوں میں سے ہے تو گواہی قبول کی جائے گی۔ ''تمرتاشی'' کی کتاب الشہادہ سے ماخوذ ہے۔

26969۔ (قولہ: لَا تُقْبَلُ) ایک قول یہ کیا گیا ہے آگے سے کھلی گلی میں اسے مطلقاً قبول کیا جائے گا۔

26970۔ (قولہ: وَكَذَا) یعنی اسی طرح گواہی کو قبول کیا جائے گا۔

26971۔ (قولہ: الْمَدْرَسَةِ) یعنی مدرسہ پر وقف کی گئی چیز کے بارے میں یہی حکم ہے جب کہ وہ اس مدرسے

(وَالْأَجِيرِ الْخَاصِّ لِمُسْتَأْجِرِهِ) مُسَانَهَةً أَوْ مُشَاهَرَةً أَوْ الْخَادِمِ أَوْ التَّابِعِ أَوْ التِّلْمِيذِ الْخَاصِّ الَّذِي يَعُدُّ ضَرَرَ أُسْتَاذِهِ ضَرَرَ نَفْسِهِ وَنَفْعَهُ نَفْعَ نَفْسِهِ دُرَرٌ

اجیر خاص کی گواہی اس کے مستاجر کے حق میں قبول نہ ہوگی اجرت سال کے اعتبار سے ہو، مہینہ کے اعتبار سے ہو۔ یا خادم، تابع یا خاص تلمیذ جو اپنے استاذ کا ضرر اپنا ضرر سمجھتا ہو اور اس کا نفع اپنا نفع سمجھتا ہو کہ گواہی اپنے مخدوم، اپنے متبوع اور اپنے استاذ کے حق میں مقبول نہ ہوگی۔

والے ہوں۔ اسی طرح مکتب کے وقف پر شہادت کا معاملہ ہے جب کہ شاہد کا بچہ مکتب میں موجود ہو۔ اور اہل محلہ کی اس پر وقف کی گئی شے کے بارے میں شہادت ہے۔ اور اہل محلہ کی مسجد کے وقف کے بارے میں شہادت ہے، جامع مسجد کے وقف پر شہادت ہے۔ اسی طرح مسافر جب مسافروں پر کی گئی وقف شے کے بارے میں گواہی دیں۔ قابل اعتماد بات یہ ہے سب میں گواہی قبول ہوگی۔ ''بزازیہ''۔

''ابن شحنہ'' نے کہا ہے: اسی طریقہ سے اس وقف میں قاضی کی قضا کا مسئلہ ہے جو اس کی نگرانی میں ہو یا وہ چیز مستحق فیہ ہو۔ یہ سب کچھ اصل وقف کے متعلق فقہاء کی شہادت کے بارے میں ہے۔ جہاں تک مستحق کی اس امر میں شہادت ہے جو منفعت کی طرف راجع ہو جیسے اجارہ وغیرہ کی گواہی تو وہ قبول نہیں۔ کیونکہ اس کا اس میں حق ہے پس اس پر تہمت ہوگی۔

میں نے حواشی ''جامع الفصولین'' میں لکھا ہے: اس کی مثل اوقاف کی گواہوں کی شہادت ہے جو شہادت کے فریضہ میں مقرر ہوتے ہیں وہ مقبول نہیں اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ اس میں ان کی وضاحت اس شہادت کے مقبول ہونے کو واجب نہیں کرتی۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ فتویٰ سے تہمت کو ساقط کیا جائے۔ پس وہ قسم نہیں اٹھائے گا۔ اس کو یہ امر تقویت پہنچاتا ہے کہ یمین کو ساقط کرنے کے لیے گواہیاں قبول کی جائیں گی جس طرح مودع یہ دعویٰ کرے کہ اس نے امانت واپس کر دی تھی یا وہ امانت ہلاک ہو چکی ہے۔ ملخص۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

26972۔ (قولہ: انْتَهَى) یعنی ''فتاویٰ نسفی'' میں جو کچھ ہے اور اس سے ''الفتح'' میں باب کے آخر میں نقل کیا ہے۔

26973۔ (قولہ: أَوْ مُشَاهَرَةً) یعنی اجرت ماہ یا دن کے اعتبار سے ہو یہی قول صحیح ہے۔ ''جامع الفتاویٰ''۔

خاص شاگرد شیخ کے بیٹوں کی طرح ہے

26974۔ (قولہ: أَوْ التِّلْمِيذِ الْخَاصِّ) ''الخلاصہ'' میں ہے: اس سے مراد وہ طالب علم ہے جو استاد کے ساتھ کھانا کھاتا ہے اور اس کے عیال میں رہتا ہے۔ اس کے لیے معلوم اجرت نہیں۔ اس کی مکمل بحث ''الفتح'' میں ہے اس کی طرف رجوع کیجئے۔

''الہامش'' میں ہے: اگر اجیر نے اپنے استاد کے حق میں گواہی دی وہی تلمیذ خاص ہے جو اس کے ساتھ کھاتا پیتا ہے اور وہ اس کے عیال میں شمار ہوتا ہے تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی اگر اس کی معلوم اجرت نہ ہو۔ اگر اس کی معلوم اجرت ہو دن

وَهُوَ مَعْنَى قَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَا شَهَادَةَ لِلْقَانِعِ بِأَهْلِ الْبَيْتِ أَيُ الطَّالِبِ مَعَاشَهُ مِنْهُمْ، مِنَ الْقُنُوعِ لَا مِنَ الْقَنَاعَةِ، وَمُفَادُهُ

حضور ﷺ کے فرمان گھر والوں سے اپنی معاش طلب کرنے والے کے لیے گواہی کا حق نہیں (1) یہ قنوع سے مشتق ہے قناعت سے مشتق نہیں۔ اس سے مستفاد یہ ہے

کے اعتبار سے، مہینہ کے اعتبار سے یا سال کے اعتبار سے۔ اگر وہ ایک کا مزدور ہے تو گواہی قبول نہ ہوگی۔ اگر مشترک مزدور ہو تو گواہی قبول کی جائے گی۔

''العیون'' میں ہے: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اس نے اس مزدور کو ایک دن کے لیے اجرت پر لیا اس مزدور نے اس دن اس کے حق میں گواہی دی قیاس یہ ہے کہ اس کی گواہی قبول نہ ہو۔ اگر وہ اجیر خاص ہو اس نے گواہی دی، اس کا تزکیہ نہ کیا گیا یہاں تک کہ مہینہ گزر گیا پھر اس کی تعدیل کی گئی تو اس گواہی کو قبول نہ کیا جائے گا جس طرح ایک آدمی نے اپنی بیوی کے حق میں گواہی دی پھر خاوند نے اس بیوی کو طلاق دے دی۔ اگر وہ گواہی دے اور وہ اس کا اجیر نہ ہو پھر وہ فیصلہ سے پہلے اجیر ہو جائے تو اس کی گواہی قبول نہ کی جائے گی۔ ''بزازیہ''۔

ایسی فرع جو اپنے محل میں نہ ہو

پھر ''ہامش'' میں ایک ایسی فرع نقل کی جس کا یہاں محل نہیں ہے وہ یہ ہے: اس کے قبضہ میں جا گیر ہو ایک دوسرا آدمی دعویٰ کرتا ہے کہ یہ وقف ہے وہ ایک ایسا وثیقہ پیش کرتا ہے جس میں عادل لوگوں اور گزشتہ قاضیوں کے خطوط ہیں اور اس کے بارے میں حکم کا مطالبہ کرتا ہے تو قاضی کو اس وثیقہ کی بنا پر فیصلہ کرنے کا حق نہیں۔ کیونکہ وہ فیصلہ حجت کی بنا پر کرتا ہے جو بینہ اور اقرار ہے وثیقہ کی بنا پر فیصلہ نہیں کرتا۔ کیونکہ تحریر ان چیزوں میں سے ہے جس میں جھوٹ بولا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اگر دکان کے دروازہ پر ایک ایسی لوح لگی ہو جو اس دکان کے وقف ہونے کا اظہار کرتی ہے تو قاضی کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس دکان کے وقف ہونے کا فیصلہ کرے۔ ''جامع الفصولین''۔

اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ قاضی کو حق حاصل نہیں کہ وہ اس کو بنیاد بنا کر فیصلہ کرے جو بیاع، صراف اور ایجنٹ کے رجسٹروں میں ہے خصوصاً جو کچھ ہمارے زمانے میں ہے اور اسی کے مطابق فتویٰ بھی نہیں دینا چاہیے۔

26975۔ (قولہ: وَمُفَادُهُ) ''الفتح'' میں اس کی تصریح کی ہے جب کہ اسے یقین سے بیان کیا ہے۔ لیکن ''تاتر خانیہ'' میں ''الفتاویٰ الغیاثیہ'' سے مروی ہے: مستاجر کی اجیر کے حق میں شہادت جائز نہیں۔ ''حاشیۃ النتال'' میں ''المحیط السرخسی'' سے مروی ہے: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''المجرد'' میں فرمایا: قاضی کو نہیں چاہیے کہ وہ اجیر کو اس کے استاذ کے حق میں اور نہ ہی استاذ کی اس کے اجیر کے حق میں گواہی کو جائز قرار دے۔ یہ اس کے مخالف ہے جسے حدیث سے مستنبط کیا ہے۔

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الاقضیہ، باب من ترد شہادتہ، جلد 3، صفحہ 27، حدیث نمبر 3125

قَبُولُ شَهَادَةِ الْمُسْتَأْجِرِ وَالْأُسْتَاذِ لَهُ (وَمُخَنَّثٍ) بِالْفَتْحِ (مَنْ يَفْعَلُ الرَّدِیءَ) وَيُؤْتَى وَأَمَّا بِالْكَسْرِ فَالْمُتَكَسِّرُ الْمُتَلَيِّنُ فِي أَعْضَائِهِ وَكَلَامِهِ خِلْقَةً فَتُقْبَلُ بَحْرٌ (وَمُغَنِّيَةٍ) وَلَوْ لِنَفْسِهَا لِحُرْمَةِ رَفْعِ صَوْتِهَا دُرَرٌ، وَيَنْبَغِي تَقْيِيدُهُ بِمُدَاوَمَتِهَا عَلَيْهِ لِيَظْهَرَ عِنْدَ الْقَاضِي كَمَا فِي مُدْمِنِ الشُّرْبِ عَلَى اللَّهْوِ ذَكَرَهُ الْوَانِيُّ (وَنَائِحَةٍ فِي مُصِيبَةِ غَيْرِهَا) بِأَجْرٍ دُرَرٌ وَفَتْحٌ زَادَ الْعَيْنِيُّ فَلَوْ فِي مُصِيبَتِهَا تُقْبَلُ وَعَلَّلَهُ الْوَانِيُّ بِزِيَادَةِ اضْطِرَارِهَا وَانْسِلَابِ صَبْرِهَا وَاخْتِيَارِهَا

کہ مستاجر اور استاذ کی گواہی اس کے حق میں قبول ہے۔ اور مخنث یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے اور نون پر فتحہ ہے، جو ردی افعال کرتا ہو اور اس کے پاس خواہش پوری کرنے کے لیے آیا جاتا ہو اس کی گواہی قبول نہیں۔ جہاں تک مخنث جو نون کے کسرہ کے ساتھ ہے اور اسم فاعل کا صیغہ ہے اس سے مراد وہ ہے جو پیدائشی طور پر اپنے اعضا اور کلام میں شکستگی اور نرمی رکھتا ہو۔ پس اس کی شہادت کو قبول کیا جائے گا۔ اور مغنیہ کی گواہی قبول نہیں ہوتی اگر اس کی ذات کے حق میں ہو۔ کیونکہ اس کا اپنی آواز کو بلند کرنا حرام ہے۔ ''درر''۔ چاہیے کہ اس کی مداومت کے ساتھ قید لگائی جائے تا کہ قاضی کے ہاں یہ امر ظاہر ہو جس طرح ایک آدمی لہو ولعب کے لیے ہمیشہ شراب نوشی کرتا ہے۔ ''وانی'' نے اسے ذکر کیا ہے۔ وہ عورت جو اجرت لے کر غیر کی مصیبت میں نوحہ خوانی کرتی ہے اس کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ ''درر''، ''فتح''۔ ''عینی'' نے اس کا اضافہ کیا ہے: اگر وہ اپنی مصیبت میں نوحہ خوانی کرتی ہے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ ''وانی'' نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ وہ زیادہ اضطرار، صبر اور اختیار کے سلب ہونے کی بنا پر اپنی مصیبت میں نوحہ کرتی ہے۔

26976۔ (قولہ: رَفْعِ صَوْتِهَا) ''النہایہ'' میں ہے: اسی وجہ سے اپنے قول مغنیۃ کو مطلق ذکر کیا ہے اور مردوں کی غنا میں اپنے قول للناس کی قید لگائی ہے۔ اس کی مکمل بحث ''الفتح'' میں ہے۔ جہاں تک اس شہادت کا تعلق ہے جو اس بارے میں اس کے خلاف ہو تو یہ محض جرح ہے۔ اسی وجہ سے مداومت کے ساتھ قاضی کے ہاں اس کا ظہور مختص ہے۔ تامل

26977۔ (قولہ: دُرَرٌ) جس کا ذکر کیا ہے وہ بعینہ نوحہ میں جاری ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ عدالت کو ساقط نہ کرے جب وہ اپنی مصیبت کے بارے میں نوحہ کرے؟ ''سعدیہ''۔ اس کے ساتھ فرق کرنا ممکن ہے کہ مراد ایسی آواز بلند کرنا ہے جس سے فتنہ کا اندیشہ ہو۔

26978۔ (قولہ: وَنَائِحَةٍ الخ) نائحہ کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ اس سے مراد وہ نوحہ کرنے والی نہیں لی جو اپنی مصیبت میں نوحہ کرتی ہے۔ اس سے مراد وہ نائحہ ہے جو غیر کی مصیبت میں نوحہ کرتی ہے اسے کمائی کا ذریعہ بناتی ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔ ''الفتح'' میں ''الذخیرہ'' سے نقل کیا ہے پھر کہا: جو کچھ میں جانتا ہوں مشائخ میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

26979۔ (قولہ: وَاخْتِيَارِهَا) اس کا مقتضا یہ ہے: اگر وہ اپنے اختیار سے اس طرح کرے تو اس کی گواہی قبول نہ

فَكَانَ كَالشُّرْبِ لِلتَّدَاوِي (وَعَدُوٍّ بِسَبَبِ الدُّنْيَا) جَعَلَهُ ابْنُ الْكَمَالِ عَكْسَ الْفَرْعِ لِأَصْلِهِ فَتُقْبَلُ لَهُ لَا عَلَيْهِ وَاعْتَمَدَ فِي الْوَهْبَانِيَّةِ وَالْمُحِبِّيَّةِ قَبُولَهَا مَا لَمْ يُفْسَقْ بِسَبَبِهَا قَالُوا وَالْحِقْدُ فِسْقٌ لِلنَّهْيِ عَنْهُ وَفِي الْأَشْبَاهِ فِي تَتِمَّةِ قَاعِدَةِ إِذَا اجْتَمَعَ الْحَرَامُ وَالْحَلَالُ وَلَوْ الْعَدَاوَةُ لِلدُّنْيَا لَا تُقْبَلُ

پس یہ عمل اس آدمی کی طرح ہو جائے گا جو دوائی کے لیے شراب پیتا ہے۔ دنیاوی سبب سے دشمنی کی گواہی قبول نہیں۔ ''ابن کمال'' نے اسے فرع کی اصل کے حق میں شہادت کے برعکس قرار دیا ہے۔ پس اس کے حق میں دشمن کی گواہی قبول ہوگی اس کے خلاف گواہی قبول نہ ہوگی۔ ''الوہبانیہ'' اور ''المحبیہ'' میں اس کی شہادت کے قبول کرنے پر اعتماد کیا ہے جب تک اس کی وجہ سے اسے فاسق قرار نہ دیا جائے۔ علماء نے فرمایا: کینہ فسق ہے کیونکہ اس سے نہی کی گئی ہے (1)۔ ''الاشباہ'' میں قاعدہ: اذا اجتمع الحرام والحلال کے تتمہ میں ہے: اگر عداوت دنیاوی ہو تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔

کی جائے گی۔

دنیوی سبب سے دشمن کی گواہی قبول نہیں

26980۔ (قولہ: وَعَدُوٍّ الخ) یعنی اس کی گواہی اس کے دشمن کے خلاف قبول نہ کی جائے گی، ''ملتقی''۔ حانوتی نے کہا: ایک ایسے آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جس پر یہ دعویٰ کیا گیا تھا اور اس پر گواہیاں قائم کی گئی تھیں تو اس نے کہا: انہوں نے مجھے پانچ دن مارا ہے حاکم اس کے خلاف فیصلہ کر دے گا۔ پھر اس نے یہ ارادہ کیا کہ حکم کے بعد وہ خصومت پر گواہیاں قائم کرے تو کیا ان گواہوں کو سنا جائے گا؟

جواب یہ ہے: دنیاوی عداوت کی بنا پر دشمن کی گواہی قبول کرنے میں اختلاف واقع ہے یہ حکم سے پہلے ہے۔ جہاں تک حکم کے بعد کا تعلق ہے تو جو امر ظاہر ہے وہ حکم کا ختم نہ ہونا ہے جس طرح علماء نے کہا: قاضی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ فاسق کی شہادت کی بنا پر فیصلہ کرے اور اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے۔ جب وہ فیصلہ کر دے گا تو اس کا فیصلہ ختم نہیں ہوگا۔ یہ اس کے خلاف ہے جو ''التنویر'' میں ہے۔

26981۔ (قولہ: وَاعْتَمَدَ فِي الْوَهْبَانِيَّةِ الخ) ''المنح'' میں کہا: یہاں ''مختصر'' میں دشمن کی شہادت کے بارے میں جو تفصیل مذکور ہے یہ ''کنز'' وغیرہ کی تبع میں ہے۔ یہی ہمارے فقہاء کی زبانوں پر مشہور ہے۔ متاخرین نے اسے جزم و یقین کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن ''القنیہ'' میں ہے: دنیا کی وجہ سے عداوت یہ شہادت کے مانع نہیں جب تک اس کے سبب اس کو فاسق قرار نہ دیا جائے یا اس شہادت کے ساتھ وہ نفع حاصل نہ کرے یا اپنی ذات سے تکلیف دور کرے۔ یہی قول صحیح ہے اس پر اعتماد ہے۔ ''ابن وہبان'' نے اسے اختیار کیا ہے۔ ''ابن شحنہ'' نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ لیکن حدیث طیبہ: لا شہادۃ للقانع اس قول کی شاہد ہے جس پر متاخرین قائم ہیں۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔ ہم نے کتاب القضاء کے شروع میں جو

1۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ماینھی عن التحاسد، جلد 3، صفحہ 432، حدیث نمبر 5605

سَوَاءٌ شَهِدَ عَلَى عَدُوِّهِ أَوْ غَيْرِهِ لِأَنَّهُ فِسْقٌ وَهُوَ لَا يَتَجَزَّأُ وَفِي فَتَاوَى الْمُصَنِّفِ لَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْجَاهِلِ عَلَى الْعَالِمِ لِفِسْقِهِ بِتَرْكِ مَا يَجِبُ تَعَلُّمُهُ شَرْعًا فَحِينَئِذٍ لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ عَلَى مِثْلِهِ وَلَا عَلَى غَيْرِهِ، وَلِلْحَاكِمِ تَعْزِيرُهُ عَلَى تَرْكِهِ ذَلِكَ، ثُمَّ قَالَ وَالْعَالِمُ مَنْ يَسْتَخْرِجُ الْمَعْنَى مِنَ التَّرْكِيبِ كَمَا يَحِقُّ وَيَنْبَغِي (وَمُجَازِفٍ فِي كَلَامِهِ) أَوْ يَحْلِفُ فِيهِ كَثِيرًا أَوْ اعْتَادَ شَتْمَ أَوْلَادِهِ أَوْ غَيْرِهِمْ لِأَنَّهُ مَعْصِيَةٌ كَبِيرَةٌ كَتَرْكِ زَكَاةٍ أَوْ حَجٍّ عَلَى رِوَايَةِ فَوْرِيَّتِهِ

خواہ اس نے اپنے دشمن یا اس کے غیر کے خلاف گواہی دی۔ کیونکہ یہ فسق ہے اس کی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ ''فتاویٰ المصنف'' میں ہے: جاہل کی عالم کے خلاف گواہی قبول نہیں ہوگی۔ کیونکہ شرعی طور پر جس کا سیکھنا واجب ہے اس کو ترک کرنے کی وجہ سے وہ فاسق ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس کی شہادت اس کی مثل کے خلاف قبول نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے علاوہ کے خلاف قبول ہوتی ہے۔ حاکم کو حق حاصل ہے کہ اس کے ترک پر اس کو تعزیر لگائے۔ پھر کہا: عالم اسے کہتے ہیں کہ وہ ترکیب (کلام) سے اس معنی کا استخراج کرے جیسے حق بنتا ہے اور جیسا چاہیے۔ اور اپنی کلام میں اندازے سے گفتگو کرنے والے کی گواہی قبول نہیں ہوتی یا جو آدمی اپنی گفتگو میں زیادہ قسمیں اٹھاتا ہو، اولاد یا دوسروں کو گالیاں دینے کا عادی ہو اس کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ کبیرہ گناہ ہے جیسے زکوٰۃ نہ دینا اور حج نہ کرنا۔ یہ اس روایت کی بنا پر ہے جس میں فوری طور پر ان کی ادائیگی کرنا لازم ہوتا ہے۔

کچھ لکھا ہے اسے دیکھو۔

میں کہتا ہوں: ''الخیریہ'' میں کلام کے بعد ذکر کیا ہے جس کی نص یہ ہے: اس سے یہ حاصل ہوا کہ دشمن کی دشمن کے خلاف شہادت قبول نہیں ہوتی اگرچہ وہ عادل ہو۔ ''یعقوب پاشا'' نے اپنے ''حاشیہ'' میں یہ تصریح کی ہے کہ دشمن کی دشمن کے خلاف شہادت سے قاضی کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔ یہ مسئلہ کتب میں عام ہے۔

شارح نے ''یعقوب پاشا'' کی عبارت کتاب القضاء کے شروع میں ذکر کی ہے۔

26982۔ (قولہ: أَوْ اعْتَادَ شَتْمَ أَوْلَادِهِ) ''الفتح'' میں کہا: ''نصیر بن یحییٰ'' نے کہا: جو آدمی اپنے اہل اور غلاموں کو ہر لحہ کثرت سے گالیاں دیتا ہے تو اس کی گواہی قبول نہیں ہوتی اگرچہ بعض اوقات اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔ اسی طرح حیوانوں کو گالیاں دینے والا اسی طرح ہے جس طرح وہ اپنے جانور کو گالیاں دیتا ہے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی میں بلا عذر تاخیر عدالت کو ساقط کر دیتی ہے

26983۔ (قولہ: كَتَرْكِ زَكَاةٍ) صحیح یہ ہے کہ زکوٰۃ کی تاخیر عدالت کو باطل نہیں کرتی۔ ''خاصی'' نے ''قاضی خان'' سے ذکر کیا ہے: فتویٰ اس پر ہے عذر کے بغیر اس میں تاخیر کرے تو عدالت ساقط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ فقرا کے حق میں کوتاہی

أَوْ تَرْكِ جَمَاعَةٍ أَوْ جُمُعَةٍ، أَوْ أَكْلٍ فَوْقَ شِبَعٍ بِلَا عُذْرٍ، وَخُرُوجٍ لِفُرْجَةِ قُدُومِ أَمِيرٍ وَرُكُوبِ بَحْرٍ وَلُبْسِ حَرِيرٍ، وَبَوْلٍ فِي سُوقٍ أَوْ إِلَى قِبْلَةٍ أَوْ شَمْسٍ أَوْ قَمَرٍ أَوْ طُفَيْلِيٍّ وَمَسْخَرَةٍ وَرَقَّاصٍ وَشَتَّامٍ لِلدَّابَّةِ وَفِي بِلَادِنَا يَشْتِمُونَ بَائِعَ الدَّابَّةِ فَتْحٌ وَغَيْرُهُ وَفِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ لَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْبَخِيلِ لِأَنَّهُ لِبُخْلِهِ يَسْتَقْصِي فِيمَا يَتَقَرَّضُ مِنَ النَّاسِ فَيَأْخُذُ زِيَادَةً عَلَى حَقِّهِ، فَلَا يَكُونُ عَدْلًا

جماعت کو ترک کرنا، نماز جمعہ کو ترک کرنا، عذر کے بغیر سیر ہونے کے بعد کھانا، امیر کے آنے پر تماشے کے لیے نکلنا سمندر پر سواری کرنا، ریشم کا پہننا، بازار میں پیشاب کرنا، قبلہ، سورج اور چاند کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنا ان کی گواہی قبول نہیں یا طفیلی، مسخرہ، رقاص اور جانوروں کو گالیاں دینے والے کی گواہی قبول نہیں۔ ہمارے علاقوں میں جانوروں کے بیچنے والے کو گالیاں دیتے ہیں، ''فتح'' وغیرہ۔ ''شرح الوہبانیہ'' میں ہے: بخیل کی شہادت مقبول نہیں ہوتی کیونکہ وہ اپنے بخل کی وجہ سے لوگوں سے اس معاملہ میں سختی کرتا ہے جو قرض دیتا ہے پس وہ حق سے زائد لیتا ہے پس وہ عادل نہیں ہوگا۔

واقع ہوتی ہے۔ حج کا معاملہ مختلف ہے خصوصاً ہمارے زمانہ میں یہ حکم ہے کہ عدالت ساقط نہ ہوگی۔ جس طرح ''شرح النظم الوہبانی'' میں ہے، ''منح''۔ یہ فروع میں باب کے آخر میں ہے۔

بلا عذر جمعہ اور جماعت کو ترک کرنے والے کی گواہی معتبر نہیں

26984۔ (قولہ: أَوْ تَرْكِ جَمَاعَةٍ) ''فتح القدیر'' میں ہے: ان میں سے ایک یہ ہے کہ امام کے ہوتے ہوئے وہ نماز با جماعت کو ترک کرتا ہے جب کہ دین میں اس پر کوئی طعن نہیں کیا جاتا اور نہ ہی مال میں اس پر طعن کیا جاتا ہے اگرچہ وہ جماعت کے ترک کرنے میں تاویل کرنے والا ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اول وقت میں نماز پڑھنے کے افضل ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو جب کہ امام نماز میں تاخیر کرتا ہے یا اس کے علاوہ کوئی اور صورت ہو۔ اس کے ترک کرنے سے اس کی عدالت ساقط نہیں ہوتی۔ اسی طرح عذر کے بغیر نماز جمعہ کے ترک کا معاملہ ہے۔ ان میں سے کچھ علماء ایسے ہیں جنہوں نے صرف ایک دفعہ ترک کرنے سے اسے ساقط کر دیا ہے جیسے ''حلوانی'' ہیں۔ ان میں سے کچھ علماء وہ ہیں جنہوں نے تین دفعہ ترک کرنے کی شرط لگائی ہے۔ جیسے ''سرخسی'' ہیں۔ پہلا قول زیادہ ذی شان ہے۔

لیکن ہم پہلے (مقولہ 26903 میں) ان سے نقل کر چکے ہیں: گناہ کبیرہ کے ارتکاب کے ساتھ عدالت کے ساقط ہونے کا حکم ظہور کا محتاج ہے۔ تامل

26985۔ (قولہ: بِلَا عُذْرٍ) یہ اس سے احتراز ہے جب وہ اگلے دن روزہ رکھنے پر قوت حاصل کرنے یا مہمان کے ساتھ موانست کا ارادہ کرتا ہے جس طرح ''شرنبلالیہ'' اور ''الفتح'' میں ہے۔

26986۔ (قولہ: قُدُومِ أَمِيرٍ) مگر جب وہ اسکی تکریم کی خاطر جائے تو اس وقت اسکی عدالت ساقط نہیں ہوتی۔ ''س''۔

26987۔ (قولہ: فِيمَا يَتَقَرَّضُ) دونوں کی عبارت يقرض ہے۔ یعنی قرض دیتا ہے۔

وَلَا شَهَادَةُ الْأَشْرَافِ مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ لِتَعَصُّبِهِمْ وَنَقَلَ الْمُصَنِّفُ عَنْ جَوَاهِرِ الْفَتَاوَى، وَلَا مَنْ انْتَقَلَ مِنْ مَذْهَبِ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَى مَذْهَبِ الشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ وَكَذَا بَائِعُ الْأَكْفَانِ وَالْحَنُوطِ لِتَمَنِّيهِ الْمَوْتَ، وَكَذَا الدَّلَّالُ

اور اہل عراق کے شرفا کی شہادت مقبول نہیں۔ کیونکہ وہ تعصب برتتے ہیں۔ مصنف نے ''جواہر الفتاویٰ'' سے نقل کیا ہے۔ اور اس کی شہادت مقبول نہیں جو امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب سے امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی طرف منتقل ہو جائے۔ کہا: اسی طرح کفن اور حنوط بیچنے والے کی شہادت مقبول نہیں کیونکہ وہ موت کی تمنا کرتا ہے۔ اسی طرح دلال

26988۔ (قولہ: الْأَشْرَافِ مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ) کیونکہ یہ ایسی قوم ہیں جو تعصب سے کام لیتے ہیں۔ جب ان میں سے کسی کو مصیبت آن پڑتی ہے تو وہ اپنی قوم کے سردار کے پاس آتا ہے تو وہ سردار اس کی سفارش کرتا ہے۔ پس اس سے امن نہیں ہوتا کہ وہ جھوٹی گواہی دے۔ اس تعبیر کی بنا پر ہر متعصب کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ ''بحر''، کذا فی الھامش۔

جو شخص امام اعظم ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو خفیف جانتے ہوئے چھوڑتا ہے اس کی گواہی معتبر نہیں

26989۔ (قولہ: مِنْ مَذْهَبِ أَبِي حَنِيفَةَ) یعنی امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو خفیف جانتے ہوئے چھوڑتا ہے۔ ''س''۔ ''القنیہ'' کی کتاب الکراہہ میں کہا: عامی کو یہ حق حاصل نہیں کہ ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف پھرے۔ اس میں حنفی اور شافعی برابر ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو شافعی مذہب کی طرف اس لیے منتقل ہوتا ہے تاکہ اس کی شادی کی جائے تو مجھے خوف ہے کہ وہ فوت ہو اس حال میں کہ اس کا ایمان سلب ہو جائے۔ کیونکہ وہ دنیا اور اس کی شہوات کے لیے دین کی اہانت کرتا ہے۔ ''المنح'' کے اس باب کے آخر میں ہے: اگر وہ اعتقاد کی پرواہ نہ کرنے اور ایک مذہب سے دوسرے مذہب پر انتقال کی جرأت کے لیے ایسا کرتا ہے جس طرح وہ یہ قول کرتا ہے اور اس کی طبیعت کی ایسی غرض کے لیے مائل ہو جاتی ہے جو غرض اسے حاصل ہو تو اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی۔

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس کے مجموعہ سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ حنفی مذہب کو چھوڑنے کے ساتھ خاص نہیں اور یہ حکم اس کے متعلق ہے جب وہ صحیح غرض کے لیے نہ ہو۔ فافہم۔ اور وہ متعصبین میں سے نہ ہو اگر ایسا ہوگا تو وہ ائمہ مجتہدین کی برکت سے محروم ہو جائے گا۔ ہم نے پہلے (مقولہ 19064 میں) اس بحث کو فصل التعزیز سے مکمل طور پر بیان کیا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجیے۔

26990۔ (قولہ: وَكَذَا بَائِعُ الْأَكْفَانِ) جب وہ صبح صبح اٹھے اور اس کا انتظار کرے۔ ''جامع الفتاویٰ''، ''بحر''۔

26991۔ (قولہ: لِتَمَنِّيهِ الْمَوْتَ) اگر وہ اس کی تمنا نہ کرے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ عادل ہو تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی شمس الائمہ نے یہی قید ذکر کی ہے۔ ''س''۔

26992۔ (قولہ: وَكَذَا الدَّلَّالُ) یعنی جو وہ عقد کرے اس میں یا مطلقاً دلال کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کا

وَالْوَكِيلُ لَوْ بِإِثْبَاتِ النِّكَاحِ، أَمَّا لَوْ شَهِدَ أَنَّهَا امْرَأَتُهُ تُقْبَلُ وَالْحِيلَةُ أَنَّهُ يَشْهَدُ بِالنِّكَاحِ وَلَا يَذْكُرُ الْوَكَالَةَ بَزَّازِيَّةٌ وَتَسْهِيلٌ، وَاعْتَمَدَهُ قَدْرِي أَفَنْدِي فِي وَاقِعَاتِهِ، وَذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ فِي إجَارَةِ مُعَيَّنَةٍ مَعْزِيًّا لِلْبَزَّازِيَّةِ وَمُلَخَّصُهُ أَنَّهُ لَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الدَّلَّالِينَ وَالصَّكَّاكِينَ وَالْمُحْضِرِينَ وَالْوُكَلَاءِ الْمُفْتَعِلَةِ عَلَى أَبْوَابِهِمْ، وَنَحْوُهُ فِي فَتَاوَى مُؤَيَّدِ زَادَهْ، وَفِيهَا وَصِيٌّ أُخْرِجَ مِنْ الْوِصَايَةِ بَعْدَ قَبُولِهَا لَمْ تَجُزْ شَهَادَتُهُ لِلْمَيِّتِ أَبَدًا، وَكَذَا الْوَكِيلُ بَعْدَمَا أُخْرِجَ مِنْ الْوَكَالَةِ

اور نکاح ثابت کرنے والے وکیل کی گواہی مقبول نہیں مگر جب وہ یہ گواہی دے کہ یہ اس کی بیوی ہے تو اسے قبول کیا جائے گا۔ حیلہ یہ ہے کہ وہ نکاح کی گواہی دے اور وکالت کا ذکر نہ کرے، ''بزازیہ''، ''تسہیل''۔ ''قدری آفندی'' نے اپنے ''واقعات'' میں اسی پر اعتماد کیا ہے۔ مصنف نے اپنی تالیف ''معین'' میں اس کا ذکر کیا ہے جب کہ ''بزازیہ'' کی طرف اسے منسوب کیا ہے۔ اس کا خلاصہ ہے: دلالوں، وثیقہ نویسوں، قاضی کے سامنے مدعی اور مدعیٰ علیہ کو حاضر کرنے والوں اور قاضیوں کے دروازوں پر بیٹھے وکلاء مشتعلہ کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ ''فتاویٰ موید زادہ'' میں اسی طرح ہے۔ اس میں ہے: ایک وصی جس کو وصایہ سے خارج کیا گیا بعد اس کے اس نے وصایہ کو قبول کر لیا تھا تو میت کے حق میں اس کی شہادت کبھی بھی قبول نہیں ہوگی۔ اسی طرح وکیل کی گواہی قبول نہیں ہوگی بعد اس کے کہ اسے وکالت سے خارج کیا گیا

جھوٹ بہت زیادہ ہوتا ہے۔

وہ شخص جس کی گواہی کسی علت کی وجہ سے قبول نہ ہو اس کیلئے اسکا چھپانا اور گواہی دینا جائز ہے

26993۔(قولہ: وَالْحِيلَةُ الخ) اس کا مقتضا یہ ہے: جس کی شہادت کسی علت کی وجہ سے قبول نہ ہو چاہیے کہ اس علت کو مخفی رکھے اور گواہی دے جس طرح وہ مشہود لہ کا غلام ہو اس کا بیٹا ہو یا اس طرح کی صورت حال ہو۔ فلیتامل

26994۔(قولہ: بَزَّازِيَّةٌ) اس کی عبارت ہے: دو وکیلوں یا دو دلالوں کی شہادت یہ ہے کہ جب وہ کہیں: ہم نے اس شے کو بیچا، یا نکاح یا خلع کے دو وکیل کہیں۔ ہم نے یہ نکاح یا خلع کیا تو ان کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ ''ابو القاسم'' نے یہ ذکر کیا ہے: وراثوں نے نکاح کا انکار کیا تو ایک آدمی نے گواہی دی جو عقد اور نکاح کا والی بنا تھا۔ وہ نکاح کا ذکر کرے اور یہ ذکر نہ کرے کہ وہ اس عقد کا ذمہ دار تھا۔

26995۔(قولہ: وَالْوُكَلَاءِ الْمُفْتَعِلَةِ) وکلاء مشتعلہ سے مراد وہ وکلاء ہیں جو قاضیوں کے دروازوں پر جمع رہتے ہیں جو خصومات میں لوگوں کے خود بخود وکیل بن جاتے ہیں، ''ح''۔ کذا فی الہامش۔

26996۔(قولہ: عَلَى أَبْوَابِهِمْ) یعنی قاضیوں کے دروازوں پر۔

26997۔(قولہ: وَفِيهَا) یہ اس کے ساتھ مکرر ہے جو متن میں آئے گا۔

إِنْ خَاصَمَ اتِّفَاقًا، وَإِلَّا فَكَذَلِكَ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ (وَمُدْمِنِ الشُّرْبِ) لِغَيْرِ الْخَمْرِ لِأَنَّ بِقَطْرَةٍ مِنْهَا يَرْتَكِبُ الْكَبِيرَةَ فَتُرَدُّ شَهَادَتُهُ، وَمَا ذَكَرَهُ ابْنُ الْكَمَالِ غَلَطٌ كَمَا حَرَّرَهُ فِي الْبَحْرِ قَالَ وَفِي غَيْرِ الْخَمْرِ يُشْتَرَطُ الْإِدْمَانُ لِأَنَّ شُرْبَهُ صَغِيرَةٌ، وَإِنَّمَا قَالَ (عَلَى اللَّهْوِ) لِيَخْرُجَ الشُّرْبُ لِلتَّدَاوِي فَلَا يُسْقِطُ الْعَدَالَةَ لِشُبْهَةِ الِاخْتِلَافِ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ وَابْنُ كَمَالٍ (وَمَنْ يَلْعَبُ بِالصِّبْيَانِ) لِعَدَمِ مُرُوَّتِهِ

اگر وہ خصومت کرے یہ حکم بالاتفاق ہے۔ ورنہ یعنی خصومت نہ کرے تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حکم اسی طرح ہے۔ خمر (شراب) کے علاوہ جو نشہ آور چیزوں کو ہمیشہ پیتا ہے اس کی گواہی قبول نہیں ہوگی کیونکہ خمر کا ایک قطرہ پینے سے وہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے پس اس کی شہادت رد کر دی جائے گی۔ ''ابن کمال'' نے جو ذکر کیا ہے وہ غلط ہے جس طرح ''البحر'' میں اس کی وضاحت کی ہے۔ کہا: خمر کے علاوہ ادمان کی شرط ہے۔ کیونکہ اس کا پینا گناہ صغیرہ ہے۔ لہو کا لفظ کہا ہے تا کہ وہ پینا اس حکم سے نکل جائے جو بھلائی کے لیے پیا جائے اس اختلاف کے شبہ کی وجہ سے عدالت کو ساقط نہیں کرے گا۔ ''صدر شریعۃ'' و ''ابن کمال''۔ اور جو بچوں کے ساتھ کھیلتا ہے اس کی گواہی قبول نہیں۔ کیونکہ اس میں مروت نہیں

26998۔ (قولہ: وَمُدْمِنِ الشُّرْبِ) الادمان سے مراد یہ ہے کہ اس کی نیت میں ہو کہ جب بھی پائے گا اس کو پیئے گا۔ ''شمس الائمہ'' نے کہا: اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ وہ نشے کی حالت میں باہر آئے اور بچے اس کے ساتھ ٹھٹھا کریں یا یہ لوگوں کے لیے یہ امر ظاہر ہو۔ اسی طرح باقی ماندہ (مسکر) مشروبات کا تعلق ہے کہ اس میں ادمان پایا جائے۔ اسی طرح جو آدمی فاجروں اور بے حیا لوگوں کی مجلس میں بیٹھے جو اس مجلس میں مشروبات پیتے ہیں اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی اگرچہ وہ نہ پیئے۔ ''بزازیہ''، کذا فی الھامش۔

26999۔ (قولہ: وَمَا ذَكَرَهُ ابْنُ الْكَمَالِ غَلَطٌ) کیونکہ کہا: یعنی جو لہو ولعب پر ہمیشہ مسکر مشروبات پیے یعنی ایسے مشروبات پیے جو مطلقاً حرام ہیں۔ ''خصاف'' نے شرب خمر میں ادمان کی شرط نہیں لگائی۔ اس کی وجہ یہ ہے: نفس شرب الخمر یہ حد کو واجب کرتا ہے۔ پس شہادت کے رد کرنے کو ثابت کرے گا۔ ''الاصل'' کی کتاب الشہادۃ میں ادمان کی شرط لگائی ہے اس لیے نہیں کہ جب وہ خفیہ طریقہ سے پیے تو اس کی عدالت ساقط نہیں ہوتی۔ کیونکہ ادمان اعلان سے بڑھ کر ایک اور امر ہے بلکہ اس لیے کہ شرب خمر گناہ کبیرہ نہیں۔ پس اس پر اصرار ہی عدالت کو ساقط کرے گا۔ یہ ادمان کی صورت میں ہے۔

''الفتاویٰ الصغریٰ'' میں کہا: شارب خمر کی عدالت نفس شرب سے ساقط نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ حد نص قطعی سے ثابت نہیں ہاں مگر جب اس پر دوام اختیار کرے، ''ح''۔ کذا فی الھامش۔

27000۔ (قولہ: كَمَا حَرَّرَهُ فِي الْبَحْرِ) ''ابن کمال'' نے ذکر کیا ہے: شرب خمر گناہ کبیرہ نہیں یہ عدالت کو ساقط نہیں کرتا مگر جب وہ اس پر اصرار کرے۔ اس کی دلیل ''الفتاویٰ الصغریٰ'' کی متقدم عبارت ہے۔ لیکن ''حاشیہ'' میں شارح کے قول کما حررہ فی البحر کے تحت کہا: تحقیق یہ ہے کہ خمر کا ایک قطرہ پینا گناہ کبیرہ ہے۔ مشائخ نے ادمان کی شرط لگائی ہے تا کہ

وَكَذِبِهِ غَالِبًا كَافِي (وَالطُّيُورِ) إلَّا إذَا أَمْسَكَهَا لِلِاسْتِئْنَاسِ فَيُبَاحُ إلَّا أَنْ يَجُرَّ حَمَامَ غَيْرِهِ فَلَا لِأَكْلِهِ لِلْحَرَامِ عَيْنِيٌّ وَعِنَايَةٌ (وَالطُّنْبُورِ) وَكُلِّ لَهْوٍ شَنِيعٍ بَيْنَ النَّاسِ كَالطَّنَابِيرِ وَالْمَزَامِيرِ، وَإِنْ يَكُنْ شَنِيعًا نَحْوَ الْحُدَاءِ وَضَرْبِ الْقَصَبِ فَلَا إلَّا إذَا فَحُشَ بِأَنْ يَرْقُصُوا بِهِ خَانِيَّةٌ لِدُخُولِهِ فِي حَدِّ الْكَبَائِرِ بَحْرٌ (وَمَنْ يُغَنِّي لِلنَّاسِ) لِأَنَّهُ يَجْمَعُهُمْ عَلَى كَبِيرَةٍ هِدَايَةٌ وَغَيْرُهَا، وَكَلَامُ سَعْدِيٍّ أَفَنْدِي يُفِيدُ تَقْيِيدَهُ بِالْأُجْرَةِ فَتَأَمَّلْ وَأَمَّا الْمُغَنِّي لِنَفْسِهِ لِدَفْعِ وَحْشَتِهِ فَلَا بَأْسَ بِهِ عِنْدَ الْعَامَّةِ عِنَايَةٌ، وَصَحَّحَهُ الْعَيْنِيُّ وَغَيْرُهُ قَالَ وَلَوْ فِيهِ وَعْظٌ

اور وہ غالباً جھوٹ بولتا ہے'' کافی''۔ اور جو پرندوں کے ساتھ کھیلتا ہے اس کی گواہی قبول نہیں مگر جب وہ پرندوں کو روکے تاکہ ان سے مانوس ہو تو یہ مباح ہے مگر جب وہ کسی اور کا کبوتر اپنی طرف کھینچے تو پھر مباح نہیں۔ کیونکہ وہ حرام خوری کرتا ہے '' عینی''، '' عنایہ''۔ طنبور اور ہر ایسے لہو سے کھیلنے والا جو لوگوں کے درمیان شنیع ہوتے ہیں جیسے طنابیر اور مزامیر اس کی گواہی قبول نہیں۔ اگر وہ شنیع نہ ہو جیسے ہدی خوانی کرنا اور بانسری بجانا تو ایسے آدمی کی شہادت مقبول نہیں۔ مگر جب وہ زیادتی کرے کہ لوگ اس سے رقص کرنے لگیں۔ '' خانیہ''۔ کیونکہ یہ گناہ کبیرہ کی تعریف میں داخل ہو جاتے ہیں۔ '' بحر''۔ اور جو آدمی لوگوں کے لیے نغمہ سرائی کرتا ہے اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ کیونکہ مغنی لوگوں کو گناہ کبیرہ پر جمع کرتا ہے '' ہدایہ'' وغیرہا۔ '' سعدی آفندی'' کا کلام اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ انہوں نے اجرت کی قید لگائی ہے۔ فتامل۔ جہاں تک اس مغنی کا تعلق ہے جو وحشت کو دور کرنے کے لیے اپنے لیے گاتا ہے تو عام علماء کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں، '' عنایہ''۔ '' عینی'' وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ کہا: اگر اس میں وعظ

قاضی کے نزدیک اس کا پینا ظاہر ہو'' ح''۔

27001۔ (قولہ: الْقَصَبِ) '' المنح'' میں القضیب ہے۔

لہو یا مال جمع کرنے کے لیے گانا بالاجماع حرام ہے

27002۔ (قولہ: بِأَنْ يَرْقُصُوا) بعض نسخوں میں کا نواز ائد ہے۔ فتامل

وجہ اس کی یہ ہے کہ مغنیہ اور مغنی کا نام عرف میں اس کے لیے ہے غنا جس کا حرفہ ہو جس کے ساتھ وہ مال کماتا ہو جیسے کہ یہ حرام ہے۔ علماء نے اس پر نص قائم کی ہے کہ لہو اور مال جمع کرنے کے لیے گانا گانا حرام ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس وقت گویا کہا: اس آدمی کی گواہی قبول نہ کی جائے گی جس نے گانا گانا اپنا پیشہ بنالیا ہو جس کے وسیلہ سے وہ کھانا کھاتا ہو۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

27003۔ (قولہ: وَغَيْرُهُ) جیسے '' ابن کمال'' ہیں۔

27004۔ (قولہ: قَالَ) یعنی '' عینی''۔

وَحِكْمَةٌ فَجَائِزٌ اتِّفَاقًا، وَمِنْهُمْ مَنْ أَجَازَهُ فِي الْعُرْسِ كَمَا جَازَ ضَرْبُ الدُّفِّ فِيهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ أَبَاحَهُ مُطْلَقًا، وَمِنْهُمْ مَنْ كَرِهَهُ مُطْلَقًا وَفِي الْبَحْرِ وَالْمَذْهَبُ حُرْمَتُهُ مُطْلَقًا فَانْقَطَعَ الِاخْتِلَافُ، بَلْ ظَاهِرُ الْهِدَايَةِ أَنَّهُ كَبِيرَةٌ وَلَوْ لِنَفْسِهِ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ قَالَ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ مَنْ يَسْمَعُ الْغِنَاءَ أَوْ يَجْلِسُ مَجْلِسَ الْغِنَاءِ زَادَ الْعَيْنِيُّ أَوْ مَجْلِسَ الْفُجُورِ وَالشُّرْبِ وَإِنْ لَمْ يَسْكَرْ لِأَنَّ اخْتِلَاطَهُ بِهِمْ وَتَرْكَهُ الْأَمْرَ بِالْمَعْرُوفِ يُسْقِطُ عَدَالَتَهُ (أَوْ يَرْتَكِبُ مَا يُحَدُّ بِهِ) لِلْفِسْقِ، وَمُرَادُهُ مَنْ يَرْتَكِبُ كَبِيرَةً قَالَهُ الْمُصَنِّفُ وَغَيْرُهُ (أَوْ يَدْخُلُ الْحَمَّامَ بِغَيْرِ إِزَارٍ)

اور حکمت ہو تو بالاتفاق جائز ہے۔ ان میں سے کچھ علماء ایسے ہیں جس طرح اس میں دف بجانا جائز ہے۔ علماء میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اسے مطلقاً مباح قرار دیا ہے اور ان میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے مطلقاً اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ ''البحر'' میں ہے: مذہب یہ ہے کہ یہ مطلقاً حرام ہے۔ پس اختلاف منقطع ہو گیا بلکہ ظاہر روایت یہ ہے کہ یہ گناہ کبیرہ ہے اگر چہ وہ اپنی ذات کے لیے گانا گائے۔ مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے کہا: جو آدمی گانا سنتا ہے یا غنا کی مجلس میں بیٹھتا ہے اگر چہ وہ نشہ آور مشروب نہ پیتا ہو۔ کیونکہ اس کا ان کے ساتھ اختلاط اور امر بالمعروف کو ترک کرنا یہ اس کی عدالت کو ساقط کر دیتا ہے یا وہ ایسے امر کا ارتکاب کرے جس کی وجہ سے اس پر حد جاری ہوتی ہو تو اس کی گواہی قبول نہ ہوگی وجہ اس کا فسق ہے۔ مراد یہ ہے کہ جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے یہ مصنف وغیرہ کا قول ہے۔ یا جو آدمی حمام میں تہبند کے بغیر داخل ہوتا ہو۔

اپنے لیے یا دوسرے کو سنانے کے لیے گانے کا حکم

27005۔ (قولہ: فَجَائِزٌ اتِّفَاقًا) یہ امر جان لو کہ غیر کو سنانے اور اس کو مانوس کرنے کے لیے گانا گانا عام علما کے نزدیک حرام ہے۔ علما میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے شادی اور ولیمہ کے موقع پر اسے جائز قرار دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ گاتا ہے تاکہ اس کے ذریعے قوافی کے نظم کا فائدہ حاصل کرے اور وہ فصیح اللسان ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جہاں تک اپنے آپ کو سنانے کے لیے گانا تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مکروہ نہیں۔ ''شمس الائمہ'' نے اسی کو اپنایا ہے۔ کیونکہ صحابہ میں سے سب سے زیادہ زاہد حضرت ''براء بن عازب'' رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ان کے قول کے مطابق جو لہو کے طریقہ پر ہو وہ مکروہ ہے۔ مشائخ میں سے کچھ نے کہا: یہ سب مکروہ ہے۔ ''شیخ الاسلام'' نے اسے اپنایا ہے۔ ''بزازیہ''۔

27006۔ (قولہ: ضَرْبُ الدُّفِّ فِيهِ) اس میں دف کا جواز صرف عورتوں کے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ ''البحر'' میں ''المعراج'' سے نکاح اور جو اس کے معنی میں خوشی کا موقع ہو مباح ہے کے ذکر کے بعد ہے: مردوں کے لیے ہر حال میں مکروہ ہے کیونکہ یہ عورتوں کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے۔

270907۔ (قولہ: فَانْقَطَعَ الِاخْتِلَافُ) اس میں کلام ہے جس کا میں نے ''البحر'' پر اپنے ''حاشیہ'' میں ذکر کیا ہے۔ ''سائحانی'' نے ''صاحب البحر'' کا رد کیا ہے۔

لِأَنَّهُ حَرَامٌ (أَوْ يَلْعَبُ بِنَرْدٍ) أَوْ طَابٍ مُطْلَقًا قَامَرَ أَوْ لَا أَمَّا الشِّطْرَنْجُ فَلِشُبْهَةِ الِاخْتِلَافِ شَرْطٌ وَاحِدٌ مِنْ سِتٍّ فَلِذَا قَالَ (أَوْ يُقَامِرُ بِشِطْرَنْجٍ أَوْ يَتْرُكُ بِهِ الصَّلَاةَ) حَتَّى يَفُوتَ وَقْتُهَا (أَوْ يَحْلِفُ عَلَيْهِ) كَثِيرًا (أَوْ يَلْعَبُ بِهِ

کیونکہ یہ حرام ہے۔ یا نرد یا طاب کے ساتھ کھیلے یہ حکم مطلق ہے وہ جوا کھیلے یا نہ کھیلے اس کی گواہی قبول نہیں۔ جہاں تک شطرنج کا تعلق ہے تو اختلاف کے شبہ کی بنا پر چھ میں سے ایک شرط کا پایا جانا ضروری ہے کہا: یا وہ شطرنج کے ساتھ قمار کرے یا اس کے ساتھ نماز کو ترک کرے یہاں تک کہ اس کا وقت فوت ہو جائے یا اس پر بہت زیادہ قسمیں کھائے یا اس کے ساتھ راستہ

27008۔ (قولہ: أَوْ يَلْعَبُ بِنَرْدٍ) جب یہ امر معلوم و معروف ہو۔ ''فتح''۔

27009۔ (قولہ: أَوْ طَابٍ) یہ لعب کی ایک نوع ہے، کذا فی الہامش۔ ''الفتح'' میں کہا: ہمارے علاقوں میں طاب کا کھیل اسی کی مثل ہے۔ کیونکہ وہ حساب اور فکر کے عمل کے بغیر پھینکتا ہے۔ ہر وہ عمل جو اس طرح ہو جو ان اعمال میں سے ہو جسے شیطان نے پیدا کیا اور اہل غفلت نے اسے کیا وہ حرام ہے خواہ اس کے ساتھ جوا کیا جائے یا جوا نہ کیا جائے۔

میں کہتا ہوں: اسی کی مثل ہمارے علاقوں میں صینیہ اور انگوٹھی کے ساتھ کھیلتے ہیں اگرچہ وہ متقی ہو اس کی گواہی قبول نہیں۔ وہ نہ کھیلے لیکن لعب کی مجلس میں حاضر ہو اس کی دلیل وہ ہے جو غنا کی مجلس میں بیٹھے۔ اس سے بعض اہل ورع کی جہالت ظاہر ہو جاتی ہے جس کی تقویٰ میں حدت نہیں۔

27010۔ (قولہ: أَمَّا الشِّطْرَنْجُ فَلِشُبْهَةِ الِاخْتِلَافِ) یعنی امام ''مالک'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اختلاف کیا ہے۔ وہ اس کی اباحت کا قول کرتے ہیں۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت مروی ہے۔ ''ابن شحنہ'' نے اسے اختیار کیا ہے۔

ابن شحنہ اہل اختیار میں سے نہیں ہے

میں کہتا ہوں: اس روایت کو ''المجتبیٰ'' میں ذکر کیا ہے۔ اور مشہور کتب میں یہ مشہور نہیں۔ بلکہ مشہور یہ ہے کہ اس کے مباح ہونے کا رد کیا ہے۔ ''ابن شحنہ'' اہل اختیار میں سے نہیں ہے ''سائحانی''۔ استاذ ''عبد الغنی'' کی شرح ''المنظومۃ المحبیۃ'' کو دیکھیے۔

کیا شطرنج کھیلنے سے عدالت ساقط ہو جاتی ہے؟

27011۔ (قولہ: شَرْطٌ وَاحِدٌ) یعنی اس کے حرام ہونے کی ایک شرط کافی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے عدالت شطرنج کے ساتھ باطل ہو جاتی ہے جب پانچ چیزوں میں سے ایک شرط پائی جائے جوا، اس کے سبب نماز کا فوت ہو جانا، اس پر زیادہ قسمیں کھانا، راستہ پر اس کے ساتھ کھیلنا جس طرح ''فتح القدیر'' میں ہے یا اس پر فسق کا ذکر کرے جس طرح ''شرح الوہبانیہ'' میں ہے۔ ''بحر''، کذا فی الہامش۔

عَلَى الطَّرِيقِ أَوْ يَذْكُرُ عَلَيْهِ فِسْقًا) أَشْبَاهٌ أَوْ يُدَاوِمُ عَلَيْهِ ذَكَرَهُ سَعْدِيٌّ أَفَنْدِي مَعْزِيًّا لِلْكَافِي وَالْمِعْرَاجِ (أَوْ يَأْكُلُ الرِّبَا) قَيَّدُوهُ بِالشُّهْرَةِ، وَلَا يَخْفَى أَنَّ الْفِسْقَ يَمْنَعُهَا شَرْعًا إِلَّا أَنَّ الْقَاضِيَ لَا يُثْبِتُ ذٰلِكَ إِلَّا بَعْدَ ظُهُورِهِ لَهُ فَالْكُلُّ سَوَاءٌ بَحْرٌ فَلْيُحْفَظْ (أَوْ يَبُولُ أَوْ يَأْكُلُ عَلَى الطَّرِيقِ) وَكَذَا كُلُّ مَا يُخِلُّ بِالْمُرُوَّةِ، وَمِنْهُ كَشْفُ عَوْرَتِهِ لِيَسْتَنْجِيَ مِنْ جَانِبِ الْبِرْكَةِ وَالنَّاسُ حُضُورٌ وَقَدْ كَثُرَ فِي زَمَانِنَا فَتْحٌ

پر کھیلے یا اس پر فسوق کا ذکر کرے، ''اشباہ''۔ یا اس پر دوام اختیار کرے ''سعدی آفندی'' نے اس کا ذکر کیا ہے جب کہ یہ ''کافی'' اور ''معراج'' کی طرف منسوب ہے۔ یا وہ سود کھاتا ہو (تو اس کی گواہی قبول نہیں ہوگی)۔ علماء نے شہرت کی قید لگائی ہے اور یہ امر مخفی نہیں کہ فسق اس سے شرعاً مانع ہے مگر قاضی اس کو ثابت نہیں کرے گا مگر اس کے بعد کہ جب وہ اس کے لیے ظاہر ہو جائے۔ پس یہ سب برابر ہیں، ''بحر''۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔ یا وہ راستہ پر پیشاب کرے یا کھائے۔ اسی طرح ہر ایسا عمل جو مروت میں مخل ہو ان کے کرنے والے کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔ انہیں میں سے اپنی شرمگاہ کو ننگا کرنا ہے تا کہ وہ تالاب کی ایک جانب استنجا کرے جب کہ لوگ حاضر ہوں۔ ہمارے زمانہ میں یہ عمل کثرت سے واقع ہوتا ہے، ''فتح''۔

27012۔ (قولہ: عَلَى الطَّرِيقِ) ''الفتح'' میں کہا: مگر جس کا ذکر کیا گیا کہ جو راستہ پر یہ کھیلتا ہو تو اس کی شہادت رد کر دی جائے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایسے امور سرانجام دیتا ہے جو حقیر ہوتے ہیں۔

27013۔ (قولہ: أَوْ يُدَاوِمُ عَلَيْهِ) یہ ان چھ شرطوں میں سے چھٹی ہے۔ کذا فی الہامش

27014۔ (قولہ: قَيَّدُوهُ بِالشُّهْرَةِ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ جب وہ اس سے مشہور نہ ہو تو صرف سود کھانے کی تہمت واقع ہوتی ہے اس کے ساتھ عدالت ساقط نہیں ہوتی یہ زیادہ مناسب اور قریبی ہے۔ اس کا مرجع وہی ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے کہ شراب کے پینے میں دوام کی قید ہے۔

27015۔ (قولہ: فَالْكُلُّ سَوَاءٌ) یعنی ایسے فسق جو انسان کو فاسق بنا دیں خصوصی طور پر ربا ایسا امر نہیں۔ ''سائحانی''۔

27016۔ (قولہ: بَحْرٌ) اصل عبارت ''کمال'' کی ہے کیونکہ کہا: حاصل یہ ہے کہ نفس الامر میں فسق شرعاً مانع ہے مگر قاضی اس کا حکم مرتب نہیں کرے گا مگر اس کے بعد جب یہ امر اس کے لیے ظاہر ہو جائے۔ پس اس میں سب برابر ہیں۔ اس سے پہلے کہا: جہاں تک یتیم کے مال کے کھانے کا تعلق ہے تو کسی نے اس قید کا ذکر نہیں کیا اور علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ عمل ایک دفعہ واقع ہو تو شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ اور تو جانتا ہے کہ قاضی کے لیے اس کا ظاہر ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ کلام اس کے متعلق ہے جس کے ساتھ قاضی شہادت کو رد کر دیتا ہے گویا یہ عمل ایک دفعہ کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کا محاسبہ کیا جاتا ہے۔ پس اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس نے مال میں کمی کی ہے۔

27017۔ (قولہ: أَوْ يَأْكُلُ عَلَى الطَّرِيقِ) اس کی صورت یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے ایسا کرے۔ ''بحر''۔

پھر یہ جان لو کہ علما نے صغیرہ گناہ میں ادمان کی شرط لگائی ہے اور وہ فعل جو مروت میں مخل ہو اس سے اس کی شرط نہیں لگائی

(أَوْ يُظْهِرُ سَبَّ السَّلَفِ) لِظُهُورِ فِسْقِهِ، بِخِلَافِ مَنْ يُخْفِيهِ لِأَنَّهُ فَاسِقٌ مَسْتُورٌ عَيْنِيٌّ، قَالَ الْمُصَنِّفُ وَإِنَّمَا قَيَّدْنَا بِالسَّلَفِ تَبَعًا لِكَلَامِهِمْ؛ وَإِلَّا فَالْأَوْلَى أَنْ يُقَالَ سَبُّ مُسْلِمٍ لِسُقُوطِ الْعَدَالَةِ بِسَبِّ الْمُسْلِمِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مِنَ السَّلَفِ كَمَا فِي السِّرَاجِ وَالنِّهَايَةِ وَفِيهَا الْفَرْقُ بَيْنَ السَّلَفِ وَالْخَلَفِ، أَنَّ السَّلَفَ الصَّالِحَ الصَّدْرُ الْأَوَّلُ مِنَ التَّابِعِينَ مِنْهُمْ أَبُو حَنِيفَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ وَالْخَلَفَ بِالْفَتْحِ مَنْ بَعْدَهُمْ فِي الْخَيْرِ، وَبِالسُّكُونِ فِي الشَّرِّ بَحْرٌ وَفِيهِ عَنِ الْعِنَايَةِ عَنْ أَبِي يُوسُفَ لَا أَقْبَلُ شَهَادَةَ مَنْ سَبَّ الصَّحَابَةَ وَأَقْبَلُهَا مِمَّنْ تَبَرَّأَ مِنْهُمْ لِأَنَّهُ يَعْتَقِدُ دِينًا وَإِنْ كَانَ عَلَى بَاطِلٍ فَلَمْ يَظْهَرْ فِسْقُهُ بِخِلَافِ السَّابِّ شَهِدَا أَنَّ أَبَاهُمَا أَوْصَى إِلَيْهِ

یا وہ اسلاف کو گالیاں دے۔ کیونکہ اس کا فسق ظاہر ہے جو اس امر کو مخفی رکھتا ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ فاسق مستور ہے،"عینی"۔ مصنف نے کہا: ہم نے سلف کی قید لگائی ہے یہ علماء کی کلام کی پیروی کے طریقہ پر ہے ورنہ اولیٰ تو یہ تھا کہ یہ قول کیا جاتا، سب مسلم۔ مسلمان کو گالی دے تو اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی۔ کیونکہ مسلمان کو گالی دینے سے عدالت ساقط ہو جاتی ہے اگرچہ وہ مسلمان اسلاف میں سے نہ ہو جس طرح "السراج" اور "النہایہ" میں ہے۔ اس میں ہے: سلف اور خلف میں فرق یہ ہے سلف صالح سے مراد صدر اول یعنی تابعین ہیں۔ ان میں سے امام "ابوحنیفہ" رضی اللہ عنہ ہیں۔ خلف جو لام کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد جو خیر میں ان کے بعد ہو اور خلف کا لفظ لام کے سکون کے ساتھ ہو تو یہ شر میں استعمال ہوتا ہے یعنی شریر لوگ، "بحر"۔ اس میں "العنایہ" میں امام "ابو یوسف" رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: جس نے صحابہ کو گالیاں دیں میں اس کی شہادت کو قبول نہیں کرتا اور جو ان سے براءت کرتا ہے میں اس کی گواہی قبول کرتا ہوں۔ کیونکہ ایک دین کا اعتقاد رکھتا ہے اگرچہ وہ دین باطل ہے۔ اس کا فسق ظاہر نہیں ہوا۔ گالی دینے والے کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر دو آدمیوں نے گواہی دی کہ ان کے والد نے اسے وصی بنایا۔

ان تمام کتب کو جن کو میں نے دیکھا ہے اس کی شرط بدرجہ اولیٰ لگانا چاہیے۔ جب وہ ایسا عمل کرے جو مروت میں مخل ہو اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی اگرچہ وہ فاسق نہ بنے۔ کیونکہ یہ عمل مباح ہے جو مروت میں مخل ہو اس کو کرنے والا فاسق نہیں بلکہ عادل ہے۔ عادل وہ ہے جو تین امور سے اجتناب کرتا ہے اور فاسق وہ ہے جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے، صغیرہ پر اصرار کرے۔ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس پر متنبہ کیا ہو۔

"العنایہ" میں ہے: جو آدمی بازاروں میں چیخنے چلانے کا عادی ہو اس کی شہادت مقبول نہیں۔ "النہایہ" میں کہا ہے: مگر جب وہ راستہ پر پانی پیے یا پھل کھائے تو اس کی عدالت میں قدح نہیں لگائی جائے گی کیونکہ لوگ اسے قبیح نہیں سمجھتے۔ "منح"۔

جو صحابہ کو برا بھلا کہے اس کی شہادت قبول نہیں

27018۔(قولہ: أَوْصَى إِلَيْهِ) یعنی زید کو وصی بنایا زیادہ بہتر یہ تھا کہ ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ذکر کرتے۔

فَإِنْ ادَّعَاهُ (صَحَّتْ) شَهَادَتُهُمَا اسْتِحْسَانًا كَشَهَادَةِ دَائِنَيِ الْمَيِّتِ وَمَدْيُونَيْهِ وَالْمُوصَى لَهُمَا وَوَصِيَّيْهِ لِثَالِثٍ عَلَى الْإِيصَاءِ (وَإِنْ أَنْكَرَ لَا) لِأَنَّ الْقَاضِيَ لَا يَمْلِكُ إِجْبَارَ أَحَدٍ عَلَى قَبُولِ الْوَصِيَّةِ عَيْنِيٌّ (كَمَا) لَا تُقْبَلُ (لَوْ شَهِدَا

اگراس نے دعویٰ کیا تو بطور استحسان ان کی گواہی صحیح ہوگی جس طرح میت کے دو قرض خواہوں، اس کے دو مدیونوں اور ان کے موصی کی شہادت اور ان کے دو وصیوں کی تیسرے کے حق میں وصی بنانے پر شہادت قبول ہوگی اگر وہ اس کا انکار کرے تو شہادت صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ قاضی وصیت کے قبول کرنے پر کسی کو مجبور نہیں کرسکتا،''عینی''۔ جس طرح شہادت قبول نہیں ہوتی اگر دو آدمی گواہی دیں

27019۔(قولہ: فَإِنْ ادَّعَاهُ) یعنی وصی بننے پر رضامندی کا اظہار کردیا۔''سعدیہ''،''عزمیہ''۔

27020۔(قولہ: وَالْمُوصَى لَهُمَا) اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ جب میت کے دو وصی ہوں تو قاضی کسی اور وصی کو معین کرنے کا ذمہ نہیں ہوگا۔

اس کا یہ جواب دیا گیا کہ وہ اس کا مالک ہوگا۔ کیونکہ دونوں نے میت کے امور سرانجام دینے سے پہلے عجز کا اظہار کردیا ہے۔''البحر'' میں اسی طرح ہے۔

27021۔(قولہ: لِثَالِثٍ) یعنی تیسرے آدمی کے حق میں۔ یہ شھادۃ کے متعلق ہے جس طرح علی الایصاء شہادت کے متعلق ہے۔ یعنی میت نے اسے وصی بنادیا ہے۔ یہ چاروں مسائل کے ساتھ وابستہ ہے صرف آخری کے ساتھ وابستہ نہیں جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ فافہم۔''البحر'' میں ہے: سب صورتوں میں موت کا معروف ہونا یعنی ظاہر ہونا ضروری ہے مگر دو مدیونوں کا مسئلہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ دونوں اپنے خلاف اقرار کرتے ہیں کہ قبض کی ولایت مشہودلہ کے ساتھ ثابت ہو گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ثبوت کا معنی یہ ہے کہ قاضی دونوں کو اس کی ادائیگی کا حکم دے دے نہ کہ اس ادائیگی کے ساتھ دین سے وہ دونوں بری ہوجائیں۔ کیونکہ دونوں سے اس کا مطالبہ کرنا اور پورا پورا لینا یہ ایسا حق ہے جس کی ادائیگی ان پر لازم ہے۔ براءت دونوں کا حق ہے۔ پس اس کو قبول نہیں کیا جائے گا۔''الکافی'' میں اسی طرح ہے۔''ملخص''۔

27022۔(قولہ: عَلَى قَبُولِ الْوَصِيَّةِ) یہ اس امر میں ظاہر ہے کہ یہ وصی قاضی کی جانب سے ہے۔''البحر'' میں جو کچھ ہے وہ اس کے خلاف ہے۔

27023۔(قولہ: كَمَا لَا تُقْبَلُ لَوْ شَهِدَا الخ) یہ اس صورت میں ہے جب مطلوب وکالت کا انکار کرے ورنہ شہادت جائز ہوگی۔ کیونکہ اسے مال دینے پر مجبور کیا جائے گا یہ اس کے اقرار کی وجہ سے ہوگا اور شہادت کے بغیر نہیں ہوگا۔ بے شک یہ شہادت اس پر قائم ہوئی کہ وکیل کو ادا کرنے پر مطلوب کو بری کردیا جائے۔ جب طالب حاضر ہو اور وکالت کا انکار کردے تو اس وقت یہ شہادت ان کے باپ کے خلاف ہوئی پس اس کو قبول کیا جائے گا۔

أَنَّ أَبَاهُمَا الْغَائِبَ وَكَّلَهُ بِقَبْضِ دُيُونِهِ وَادَّعَى الْوَكِيلُ أَوْ أَنْكَرَ) وَالْفَرْقُ أَنَّ الْقَاضِيَ لَا يَمْلِكُ نَصْبَ الْوَكِيلِ عَلَى الْغَائِبِ بِخِلَافِ الْوَصِيِّ (شَهِدَ الْوَصِيُّ) أَيْ وَصِيُّ الْمَيِّتِ (بِحَقٍّ لِلْمَيِّتِ) بَعْدَمَا عَزَلَهُ الْقَاضِي عَنِ الْوِصَايَةِ وَنَصَبَ غَيْرَهُ أَوْ بَعْدَ

کہ ان کے غائب باپ نے اسے دیون پر قبضہ کرنے پر وکیل بنایا اور وکیل نے دعویٰ کیا یا اس کا انکار کیا۔ فرق یہ ہے قاضی غائب کی جانب سے وکیل معین کرنے کا مالک نہیں۔ وصی کا معاملہ مختلف ہے۔ میت کے وصی نے میت کے حق کے لیے گواہی دی اس کے بعد کہ قاضی نے وصی ہونے سے اسے معزول کر دیا اور اس کے غیر کو معین کر دیا یا اس کے بعد

اس میں اور اس میں جس سے ایک آدمی کسی کو معین گھر کے بارے میں خصومت کے متعلق وکیل بنائے اور وہ آدمی اس گھر پر قبضہ کر لے اور موکل کے دونوں بیٹے اس بارے میں گواہی دے دیں تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا اگرچہ مطلوب وکالت کا اقرار کرے۔ کیونکہ اس کے اقرار کے باعث گھر وکیل کے حوالے کرنے پر اسے مجبور نہیں کیا جائے گا بلکہ شہادت کی وجہ سے اسے مجبور کیا جائے گا۔ پس یہ گواہی ان کے باپ کے حق میں ہوگی۔ پس اس گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ ''بحر''۔ یہ ''المحیط'' سے ''ملخص'' ہے۔

27024۔(قولہ: أَبَاهُمَا) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بدرجہ اولیٰ وکیل کے دونوں بیٹوں کی شہادت قبول نہیں، ''بزازیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ ''بحر''۔

27025۔(قولہ: الْغَائِبَ) اس کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر وہ حاضر ہوتا تو اس کے بارے میں دعویٰ کرنا ممکن نہ ہوتا کہ دونوں اس کے متعلق گواہی دیں کیونکہ وکیل بنانے کے بارے میں دعویٰ نہیں سنا جاتا۔ کیونکہ یہ ان عقود میں سے ہے جو جائز ہوتے ہیں۔ لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کی عدم موجودگی میں دونوں کی شہادت کی صورت کو بیان کیا جائے جب کہ وکیل اس کا انکار کرے۔ کیونکہ شہادت کو دعوت کے بعد سنا جاتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس کی یہ صورت بیان کی جائے کہ صاحب ودیعت اس پر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ دیتے وقت موکل کی ودیعت سپرد کرے تو وہ اس کا انکار کرتا ہے تو دونوں اس بارے میں گواہی دیتے ہیں اور اپنے والد کے دیون کے قبضہ کے بارے میں گواہی دیتے ہیں۔ ہم نے یہ صورت بیان کی ہے کہ وکیل کو جس امر کا وکیل بنایا گیا ہے اس کے بارے میں اسے مجبور نہیں کیا جا سکتا مگر ودیعت وغیرہ کے واپس کرنے میں اسے مجبور کیا جا سکتا ہے جس طرح اس بارے میں کلام آئے گی۔ ''بحر''۔ اس میں اعتراض ہے جس کی وضاحت اس کے حاشیہ میں کر آئے ہیں۔ فتدبر

27026۔(قولہ: عَلَى الْغَائِبِ) کیونکہ اس کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے حاضر ہونے کی امید ہے۔ ''س''۔ ''البحر'' میں غائب کے ذکر کے بعد کہا: الا فی المفقود۔

قاضی کے معزول کرنے سے وصی معزول ہو جائے گا

27027۔(قولہ: بَعْدَ) اسی طرح اس سے قبل بدرجہ اولیٰ۔ زیادہ بہتر یہ قول تھا: ولو بعدہ ما عزلہ القاضی۔ مسئلہ

مَا أَدْرَكَ الْوَرَثَةُ (لَا تُقْبَلُ) شَهَادَتُهُ لِلْمَيِّتِ فِي مَالِهِ أَوْ غَيْرِهِ (خَاصَمَ أَوْ لَا) لِحُلُولِ الْوَصِيِّ مَحَلَّ الْمَيِّتِ، وَلِذَا لَا يَمْلِكُ عَزْلَ نَفْسِهِ بِلَا عَزْلِ قَاضٍ فَكَانَ كَالْمَيِّتِ نَفْسِهِ فَاسْتَوَى خِصَامُهُ وَعَدَمُهُ، بِخِلَافِ الْوَكِيلِ فَلِذَا قَالَ (وَلَوْ شَهِدَ الْوَكِيلُ بَعْدَ عَزْلِهِ لِلْمُوَكِّلِ إِنْ خَاصَمَ) فِي مَجْلِسِ الْقَاضِي ثُمَّ شَهِدَ بَعْدَ عَزْلِهِ (لَا تُقْبَلُ) اتِّفَاقًا لِلتُّهْمَةِ (وَإِلَّا قُبِلَتْ) لِعَدَمِهَا خِلَافًا لِلثَّانِي فَجَعَلَهُ كَالْوَصِيِّ سِرَاجٌ

کہ وارثوں سے اسے حاصل کرلیا تھا تو میت کے حق میں اس کی گواہی اس کے مال اور اس کے علاوہ میں مقبول نہیں ہوگی وہ خصومت کرے یا خصومت نہ کرے۔ کیونکہ وصی میت کے قائم مقام ہو چکا ہے اس وجہ سے وہ قاضی کے معزول کرنے کے بغیر اپنے آپ کو معزول نہیں کرسکتا تو وہ میت کی ذات کی طرح ہو گیا۔ پس اس کا خصومت کرنا یا خصومت نہ کرنا برابر ہو گئے۔ وکیل کا معاملہ مختلف ہے۔ اسی وجہ سے کہا: اگر وکیل نے معزول ہونے کے بعد موکل کے حق میں گواہی دی اگر وہ قاضی کی مجلس میں خصومت کرے پھر معزول ہونے کے بعد گواہی دے تو بالاتفاق قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ تہمت پائی جا رہی ہے ورنہ گواہی قبول ہوگی۔ کیونکہ تہمت موجود نہیں۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ پس اسے وصی کی طرح بنا دیا ہے، ''سراج''۔

اس پر دال ہے کہ قاضی جب وصی کو معزول کرے تو وہ معزول ہو جاتا ہے۔ ''بزازیہ''۔ یہ کہنا ممکن ہے: عزله بجنحة۔

27028۔ (قوله: وَلَوْ شَهِدَ الخ) اصل مسئلہ ''بزازیہ'' میں ہے۔ کیونکہ کہا: اس نے اسے وکیل بنایا تا کہ فلاں کی جانب سے ہزار کا مطالبہ کرے اور خصومت کرے اس نے قاضی کے علاوہ کسی اور کے ہاں خصومت کی پھر قاضی کی مجلس میں خصومت سے پہلے اسے معزول کر دیا گیا پھر اس مال کے بارے میں وکیل نے موکل کے حق میں گواہی دی تو یہ عمل جائز ہوگا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ جائز نہیں ہوگا۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ نفس وکیل موکل کے قائم مقام ہے۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اس نے اس امر میں خصومت کی جس میں اسے وکیل بنایا گیا تھا۔ اگر وہ کسی اور معاملہ میں خصومت کرے تو اس میں تفصیل ہے۔ شارح نے اس امر کی طرف ابھی آگے اشارہ کیا ہے۔

فرع: ''حاشیہ'' میں ایک فرع نقل کی ہے: مشتری نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے فلاں کے ہاتھ میں کوئی چیز بھیجی اور فلاں اس کا انکار کرتا ہے۔ بائع اس کے حق میں گواہی دیتا ہے تو اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی۔ ''المحیط'' میں اسی طرح ہے۔ بائع جب اس چیز کے متعلق غیر کے حق میں گواہی دے تو اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی اسی طرح مشتری ہے۔ ''فتاویٰ قاضی خان'' اور ''فتاویٰ الہندیہ'' میں اسی طرح ہے۔

27029۔ (قوله: كَالْوَصِيِّ) یہ اس پر مبنی ہے کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک محض وکالت کے قبول کرنے سے وہ خصم ہو جائے گا اگرچہ وہ مخاصمت نہ کرے۔ اسی وجہ سے اگر وہ مجلس قضا کے علاوہ میں اپنے موکل کے خلاف اقرار کرے تو اس کے خلاف اس کا اقرار نافذ ہو جائے گا اور طرفین کے نزدیک محض قبول کرنے سے خصم نہیں بنے گا۔ اسی وجہ سے اس کا

وَفِي قَسَامَةِ الزَّيْلَعِيِّ كُلُّ مَنْ صَارَ خَصْمًا فِي حَادِثَةٍ لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ فِيهَا وَمَنْ كَانَ بِعَرْضِيَّةِ أَنْ يَصِيرَ خَصْمًا وَلَمْ يَنْتَصِبْ خَصْمًا بَعْدُ تُقْبَلُ وَهَذَانِ الْأَصْلَانِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِمَا وَتَمَامُهُ فِيهِ، قَيَّدْنَا بِمَجْلِسِ الْقَاضِي لِأَنَّهُ لَوْ خَاصَمَ فِي غَيْرِهِ ثُمَّ عَزَلَهُ قُبِلَتْ عِنْدَهُمَا كَمَا لَوْ شَهِدَ فِي غَيْرِ مَا وُكِّلَ فِيهِ وَعَلَيْهِ جَامِعُ الْفَتَاوَى وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ وَكَّلَهُ بِالْخُصُومَةِ عِنْدَ الْقَاضِي فَخَاصَمَ الْمَطْلُوبَ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ عِنْدَ الْقَاضِي ثُمَّ عَزَلَهُ فَشَهِدَ أَنَّ لِمُوَكِّلِهِ عَلَى الْمَطْلُوبِ مِائَةَ دِينَارٍ تُقْبَلُ بِخِلَافِ مَا لَوْ وَكَّلَهُ عِنْدَ غَيْرِ الْقَاضِي وَخَاصَمَهُ

''زیلعی'' کی کتاب القسامہ میں ہے: ہروہ شخص جو کسی حادثہ میں خصم ہو تو اس حادثہ میں اس کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ اور جو خصم بننے کے درپیش ہے ابھی خصم بنا نہیں تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ یہ دونوں متفق علیہ قاعدے ہیں۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔ ہم نے مجلس قاضی کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر وہ قاضی کی مجلس کے علاوہ میں خصومت کرے پھر وہ اس کو معزول کر دے تو طرفین کے نزدیک اس کی گواہی قبول کی جائے گی جس طرح اگر وہ گواہی دے ایسے امر میں جو اس کے علاوہ ہے جس میں اسے وکیل بنایا گیا یا اس کے خلاف گواہی دی ''جامع الفتاویٰ''۔ ''بزازیہ'' میں ہے: قاضی کے سامنے اس نے خصومت کے لیے وکیل بنایا اس نے قاضی کے سامنے ہزار پر مطلوب سے خصومت کی پھر اس نے اسے معزول کر دیا تو اس نے گواہی دی کہ اس کے موکل کا مطلوب کے ذمہ سو دینار ہے تو اس کی گواہی کو قبول کیا جائے گا اگر قاضی کے علاوہ کے ہاں اس نے اسے وکیل بنایا اور اس نے خصومت کی۔

اقرار نافذ نہیں ہوگا ''ذخیرہ''۔ ملخص

27030۔ (قولہ: وَفِي قَسَامَةِ الزَّيْلَعِيِّ الخ) مسئلہ ''تاتر خانیہ'' کی فصل السادس والعشرین میں مفصل موجود ہے۔

27031۔ (قولہ: مُتَّفَقٌ عَلَيْهِمَا) اس میں ہے: امام ''ابو یوسف'' رطیٹیلیہ نے وکیل کو وصی بنا دیا ہے اگرچہ وہ خصومت نہ کرے ساتھ ہی وہ اس ارادہ میں ہے کہ وہ خصومت کرے۔

27032۔ (قولہ: عِنْدَهُمَا) امام ''ابو یوسف'' رطیٹیلیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے جس طرح (مقولہ 27028 میں) قول گزر چکا ہے۔ ''ح''۔

27033۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ) یعنی موکل کے خلاف گواہی دی۔

27034۔ (قولہ: وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ) یہ ان کے قول فی غیر ما وکل فیہ کا بیان ہے۔

27035۔ (قولہ: عِنْدَ الْقَاضِي) یہ وکل کے متعلق ہے۔ الخصومۃ کے متعلق نہیں۔

27036۔ (قولہ: مِائَةَ دِينَارٍ) یعنی ایسا مال جس کا اسے وکیل نہیں بنایا گیا جو (مقولہ 27028 میں) گزر چکا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔

وَتَمَامُهُ فِيهَا
اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

وکالت جب قضا کے ساتھ متصل ہو تو وکیل موکل کے حق میں غرما کے خلاف خصم ہو جاتا ہے

27037۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ فِيهَا) کیونکہ کہا: یہ صورت مختلف ہوگی اگر وہ قاضی کے علاوہ کسی اور کے ہاں اسے وکیل بنائے اور وہ مطلوب کے ساتھ ہزار پر مخاصمت کرے اور وکالت پر گواہیاں قائم کرے پھر موکل اسے وکالت سے معزول کر دے اور مطلوب کے خلاف اس کے حق میں ان سو دینار کے بارے میں گواہی دے جو موکل کا مطلوب کے ذمہ تھا جب کہ وکالت کے بارے میں فیصلہ ہونے کے بعد ہو تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ وکالت جب قضا کے ساتھ متصل ہو تو وکیل موکل کے حق میں غرما کے خلاف خصم ہو جاتا ہے۔ اور معزولی کے بعد دنانیر کے بارے میں شہادت یہ خصم کی شہادت ہے جسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ پہلی صورت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ قاضی کو اس کی وکالت کا علم ہونا یہ قضا نہیں تو وہ اس معاملہ میں خصم نہیں ہوگا جس میں اسے وکیل نہیں بنایا گیا یعنی وہ دراہم۔ تو دوسرے حق میں معزولی کے بعد اس کی شہادت جائز نہیں ہو گی۔ یہ ''جامع الفتاویٰ'' سے کچھ زیادتی کے ساتھ منقول ہے۔

''الذخیرہ'' میں یہ زائد ذکر کیا ہے: مگر یہ کہ وہ وکالت کی تاریخ کے بعد نئے مال کی گواہی دے تو اس وقت ان کی شہادت امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقبول نہ ہوگی۔ اسی وجہ سے جو کچھ گزرا ہے اس کے ذکر کے بعد ''بزازیہ'' میں کہا: یہ اس میں درست نہیں جو نئے مال میں واقع ہو۔ کیونکہ روایت اس کے بارے میں محفوظ ہے کہ جب وہ اسے ہر ایسے حق میں ایسی خصومت کا وکیل بنائے جو اس کا حق ہے اور معین آدمی کے خلاف قبضہ کرنے کا وکیل بنائے یہ نئے واقع ہونے والے مال کو شامل نہ ہوگی۔ مگر جب اسے ہر ایسے حق کے طلب میں وکیل بنائے جو تمام لوگوں کی طرف ثابت ہو تو خصومت نئے واقع ہونے مال کی طرف بھی پھر جائے گا۔ یہ بطور استحسان ہے تو اس وقت مذکورہ وکالت کو وکالت عامہ پر محمول کیا جائے گا۔

پھر اس نے کہا: وکالت عامہ میں خصومت کے بعد مطلوب پر موکل کے حق میں اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی، نہ ہی مطلوب کے علاوہ پر قائمہ (جو پہلے سے قائم ہو) میں اور نہ ہی حادثہ (جو نیا واقعہ ہو) میں گواہی قبول کی جائے گی مگر معزول ہونے کے بعد جو حق واجب ہو۔ یعنی جہاں تک وکالت خاصہ کا تعلق ہے تو شہادت ان امور میں قبول نہ کی جائے گی جو وکالت سے قبل مطلوب پر ہوں اور وکالت کے بعد جو واقع ہوئے یا معزول ہونے کے بعد قبول کی جائے گی۔ ان کے اس قول: بما كان للموكل على المطلوب بعد القضاء بالوكالة کے ساتھ تقیید درست واقع نہیں ہوگی۔ اسی وجہ سے ''الذخیرہ'' میں یہ قید ذکر نہیں کی بلکہ اس کے بعد تصریح کی ہے: بان الحادث تقبل فيه جس طرح ہم نے پہلے اسے بیان کیا ہے۔ اس تحریر کو غنیمت جان۔ ''حاشیہ'' میں ''جامع الفتاویٰ'' کی عبارت ذکر کی ہے اس کی نص یہ ہے: کیونکہ فصل ثانی میں ہے: جب قضا وکالت کے ساتھ متصل ہو گئی تو وکیل ان تمام حقوق میں خصم ہو گیا جو موکل کے غرماء کے ذمہ ہیں۔ جب اس نے دنانیر کے

(تَ) مَا قُبِلَتْ عِنْدَهُمَا خِلَافًا لِلثَّانِي (شَهَادَةُ اثْنَيْنِ بِدَيْنٍ عَلَى الْمَيِّتِ لِرَجُلَيْنِ ثُمَّ شَهِدَ الْمَشْهُودُ لَهُمَا لِلشَّاهِدَيْنِ بِدَيْنٍ عَلَى الْمَيِّتِ) لِأَنَّ كُلَّ فَرِيقٍ يَشْهَدُ بِالدَّيْنِ فِي الذِّمَّةِ وَهِيَ تَقْبَلُ حُقُوقًا شَتَّى فَلَمْ تَقَعْ الشَّرِكَةُ لَهُ فِي ذَلِكَ، بِخِلَافِ الْوَصِيَّةِ بِغَيْرِ عَيْنٍ كَمَا فِي وَصَايَا الْمَجْمَعِ وَشَرْحِهِ وَسَيَجِيءُ ثَمَّةَ (وَ) (تَ) (شَهَادَةِ وَصِيَّيْنِ لِوَارِثٍ كَبِيرٍ)

جس طرح طرفین کے نزدیک ان دو آدمیوں کی گواہی اس دین کے بارے میں قبول کی جائے گی جو میت پر دو گواہوں کا ہو پھر جن دو افراد کے حق میں گواہی دی گئی تھی انہوں نے دونوں گواہوں کے حق میں میت پر دین کی گواہی دی۔ یہ طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ یہ فریق دین فی الذمہ کی گواہی دیتا ہے۔ اور ذمہ مختلف حقوق کو قبول کرتا ہے۔ پس اس کی اس میں شرکت واقع نہیں اس وصیت کا معاملہ مختلف ہے جو غیر عین میں ہو جس طرح ''المجمع'' اور اس کی شرح کی کتاب الوصایا میں ہے۔ وہاں عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔ اور جس طرح دو وصی بڑے وارث کے حق میں

بارے میں گواہی دی تو اس نے اس بارے میں گواہی دی جس میں وہ خصم ہے۔ پہلی فصل میں قاضی کا اس کی وکالت کو جاننا یہ قضا نہیں پس وہ خصم نہیں۔ پس وہ اس میں شاہد ہے جس میں اس کو وکیل نہیں بنایا گیا وہ دراہم ہیں۔ پس معزول کے بعد اس کی شہادت ایک اور حق میں جائز ہوگی۔

27038۔ (قولہ: شَهَادَةِ اثْنَيْنِ الخ) ''تاتر خانیہ'' کی چوبیسویں فصل کی طرف رجوع کیجئے۔

27039۔ (قولہ: فِي ذَلِكَ) یعنی اس میں جو ذمہ میں ہے۔ مقبوض میں قبض کے بعد شرکت ثابت ہو جاتی ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے جو اسے قبول نہیں کیا اس کی دلیل یہ ہے: دونوں فریقوں میں سے ایک نے جب ترکہ میں سے کسی شے پر اپنے دین کے بدلے میں قبضہ کر لیا تو دوسرا فریق اس کے ساتھ شریک ہو جائے گا۔ پس ہر ایک اپنے حق میں گواہی دینے والا ہو جائے گا۔

27040۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْوَصِيَّةِ بِغَيْرِ عَيْنٍ) جس طرح جب دو آدمیوں نے گواہی دی کہ میت نے دو آدمیوں کے حق میں ہزار کی وصیت کی تو دو گواہوں نے دعویٰ کر دیا کہ میت نے دونوں کے حق میں ہزار کی وصیت کی اور جن دو افراد کے حق میں وصیت کی گئی تھی انہوں نے گواہی دی کہ میت نے دو گواہوں کے حق میں ہزار کی وصیت کی تھی تو ان کی گواہی قبول نہ کی جائے۔ کیونکہ موصی لہ کا حق عین ترکہ کے ساتھ متعلق ہو چکا ہے یہاں تک کہ ترکہ کے ہلاک ہونے کے بعد وہ باقی نہیں رہتا۔ پس دونوں فرقوں میں سے ہر ایک ترکہ میں اپنے لیے حق مشارکت کو ثابت کر رہا ہے پس دونوں کی شہادت صحیح نہ ہوگی۔

الوصیۃ بغیر عین کے قول کے ساتھ الوصیۃ بعین سے احتراز کیا ہے جس طرح دو آدمیوں نے گواہی دی کہ فلاں نے دو آدمیوں کے حق میں عین یعنی معین شے کی وصیت کی اور جن کے حق میں گواہی دی گئی تھی انہوں نے پہلے دو گواہوں کے حق

عَلَى أَجْنَبِيٍّ (فِي غَيْرِ مَالِ الْمَيِّتِ) فَإِنَّهَا مَقْبُولَةٌ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ كَمَا لَوْ شَهِدَ الْوَصِيَّانِ عَلَى إِقْرَارِ الْمَيِّتِ بِشَيْءٍ مُعَيَّنٍ لِوَارِثٍ بَالِغٍ تُقْبَلُ بَزَّازِيَّةٌ (وَلَوْ شَهِدَا (فِي مَالِهِ) أَيِ الْمَيِّتِ (لَا) خِلَافًا لَهُمَا، وَلَوْ لِصَغِيرٍ لَمْ تَجُزِ اتِّفَاقًا، وَسَيَجِيءُ فِي الْوَصَايَا (كَمَا) لَا تُقْبَلُ (الشَّهَادَةُ عَلَى جَرْحٍ) بِالْفَتْحِ أَيْ فِسْقٍ (مُجَرَّدٍ) عَنْ إِثْبَاتِ حَقِّ اللهِ تَعَالَى أَوْ لِلْعَبْدِ، فَإِنْ تَضَمَّنَتْهُ قُبِلَتْ وَإِلَّا لَا (بَعْدَ التَّعْدِيلِ وَ) لَوْ (قَبْلَهُ قُبِلَتْ) أَيِ الشَّهَادَةُ بَلِ الْإِخْبَارُ وَلَوْ مِنْ وَاحِدٍ عَلَى الْجَرْحِ الْمُجَرَّدِ كَذَا اعْتَمَدَهُ الْمُصَنِّفُ تَبَعًا لِمَا قَرَّرَهُ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ، وَأَقَرَّهُ مُنْلَا خُسْرو وَأَدْخَلَهُ تَحْتَ قَوْلِهِمُ الدَّفْعُ أَسْهَلُ مِنَ الرَّفْعِ، وَذَكَرَ وَجْهَهُ

اجنبی کے خلاف میت کے مال کے علاوہ میں وصیت کریں۔ ظاہر روایت میں یہ شہادت مقبول ہوگی۔ جس طرح دو وصی بالغ وارث کے حق میں معین شے کے بارے میں میت کے اقرار کے خلاف گواہی دیں تو گواہی قبول کی جائے گی،''بزازیہ''۔ اگر وہ دونوں میت کے مال میں اس کے حق میں گواہی دیں تو گواہی قبول نہ کی جائے گی۔ طرفین نے اس سے اختلاف کیا ہے اگر چھوٹے کے حق میں گواہی دیں تو بالاتفاق شہادت جائز نہ ہوگی۔ کتاب الوصایا میں عنقریب آئے گا۔ جس طرح ایسے فسق پر گواہی قبول نہیں کی جائے گی جو اللہ تعالیٰ کے حق یا بندے کے حق میں جدا ہو۔ جرح کا لفظ جیم کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اگر وہ اپنے ضمن میں حق کو لیے ہوئے ہو تو اس گواہی کو قبول کیا جائے گا ورنہ اسے قبول نہ کیا جائے گا۔ جرح پر یہ گواہی تعدیل کے بعد ہو۔ اگر تعدیل سے پہلے ہو شہادت کو قبول کیا جائے گا۔ بلکہ مجرد جرح کے بارے میں اخبار میں ہو تو اسے قبول کیا جائے گا اگرچہ یہ ایک آدمی سے ثابت ہو۔ مصنف نے اسی طرح اس پر اعتماد کیا ہے۔ یہ اس کی تبع میں ہے جسے''صدر الشریعہ'' نے ثابت کیا ہے اور''منلا خسرو'' نے اسے ثابت کیا ہے اور اسے علما کے اس قول کے تحت داخل کیا ہے: دفع رفع سے زیادہ آسان ہے اور اس کی وجہ کو ذکر کیا۔

میں گواہی دی کہ اس نے ان کے حق میں معین شے کی وصیت کی اور ان دونوں کے حق میں دوسری معین شے کی وصیت کی تو بالاتفاق دونوں شہادتوں کو قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ نہ کوئی شرکت ہے اور نہ ہی تہمت ہے،''ح''۔ کذا فی الهامش

27041۔(قولہ: عَلَى أَجْنَبِيٍّ) ظاہر یہ ہے کہ یہ قید نہیں۔ تامل

27042۔(قولہ: حَقِّ اللهِ تَعَالَى) اگرچہ حق تعزیر ہو۔''البحر'' کے باب التعزیر کو ان کے قول یا فاسق یا زانی کے ہاں دیکھو۔

27043۔(قولہ: وَإِلَّا لَا) یہ تکرار ہے۔''س''۔

جرح تعدیل پر مقدم ہے

27044۔(قولہ: بَعْدَ التَّعْدِيلِ) اگر یہ تعدیل سے پہلے گواہی ہو تو اسے قبول کیا جائے گا۔''البحر'' میں یہ ذکر کیا ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ یہ اس بارے میں ہے جب خصم اس کا دعویٰ کرے اور اس پر جہراً گواہیاں قائم کرے مگر جب وہ قاضی کو

....

مخفی طریقہ سے باخبر کرے اور وہ حق سے خالی ہو تو قاضی اس پر اس سے برہان طلب کرے گا جب وہ راز داری سے برہان قائم کرے تو وہ شہادت کو باطل کر دے گا۔ کیونکہ جرح و تعدیل میں تعارض ہے۔ پس جرح کو مقدم کیا جائے گا۔ جب خصم نے قاضی کو راز داری سے کہا: شاہد نے ربا کھایا اور اس پر گواہیاں قائم کر دیں تو اس کی شہادت کو رد کر دے گا جس طرح ''الکافی'' میں اس کو بیان کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے اگر برہان جہراً ہو تو اسے جرح مجرد پر قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ فاحشہ کے اظہار کے ساتھ گواہ فاسق ہو گئے ہیں۔ جب وہ راز داری سے گواہی دیں تو معاملہ مختلف ہوگا جس طرح ''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ جرح پر شہادت کو قبول کیا جائے گا اگرچہ وہ مجرد ہو، یا تعدیل کے بعد ہوا گر وہ راز داری سے گواہی دیں۔ اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کے قول: لا تقبل بعد التعديل كى بما اذا كان جهرا کے ساتھ قید لگانی ضروری ہے۔ ''الکافی'' کے کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جرح مجرد کا اعلان خصم کو کچھ نقصان نہیں دیتا جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ کیونکہ راز داری سے گواہوں کے ساتھ امر مشتبہ نہیں ہوا اور فاحشہ کے اظہار کے ساتھ شاہد کو فاسق قرار دیا گیا تو اس کا حق ساقط نہیں ہوگا۔ گواہوں کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس طرح فسق اختیار کرنے کے ساتھ ان کی شہادت ساقط ہو جائے گی۔ اسی طرح قاضی کے سوال کرنے کے وقت اسے قبول کیا جائے گا۔

''البحر'' میں گزشتہ باب کے شروع میں کہا: یہاں ان کی کلام کے اطلاق سے یہ امر ظاہر ہوتا کہ جرح کا مقام تعدیل پر مقدم ہے خواہ قاضی جب شاہد کے بارے میں سوال کرے تو وہ حق سے مجرد ہو یا نہ ہو۔ آنے والی تفصیل یہ ہے اگر وہ جرح مجرد ہو تو اس کے بارے میں گواہیاں نہیں سنی جائیں گی یا حق سے مجرد نہ ہوگی تو گواہیاں سنی جائیں گی۔ یہ اس وقت ہے جب خصم شاہد میں اعلانیہ طعن کرے۔

یہ امر ذہن نشین کر لو۔ اس باب سے پہلے گزر چکا ہے کہ قاضی شاہد کے بارے میں سوال نہیں کرے گا جب تک خصم کی جانب سے طعن نہ کیا جائے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک وہ مطلقاً سوال کرے گا۔ اور فتویٰ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے قول پر ہے کہ ظاہری عدالت پر اکتفا نہیں کیا جائے گا۔ تو اس وقت یہ قول کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ جرح مجرد پر تعدیل سے قبل شہادت کو رد کر دیا جائے؟

''سائحانی'' نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جس نے یہ کہا ہے: اس کی گواہی قبول کی جائے گی اس نے یہ ارادہ کیا اس وقت ظاہر عدالت کافی نہ ہوگی۔ جس نے کہا: اس کی شہادت رد کی جائے گی اس نے یہ ارادہ کیا اگر تعدیل ثابت ہو یا اس کے بعد اسے ثابت کیا جائے تو مجرد جرح اس کے معارض نہیں آئے گی۔ پس عدالت باطل نہ ہوگی۔ ''ابن کمال'' کا قول اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

اگر تو اعتراض کرے کیا گواہوں نے فسق کی خبر ان کی عدالت پر بینہ قائم کرنے سے پہلے قاضی کو ان کی شہادت کے قبول کرنے اور اس کے مطابق حکم لگانے سے مانع نہیں؟ میں کہوں گا: ہاں۔ لیکن یہ ان کی عدالت میں طعن کی وجہ سے ہے۔ یہ اس

وَأَطْلَقَ ابْنُ الْكَمَالِ رَدَّهَا تَبَعًا لِعَامَّةِ الْكُتُبِ، وَذَكَرَ وَجْهَهُ، وَظَاهِرُ كَلَامِ الْوَانِي وَعَزْمِي زَادَهْ الْمَيْلُ إلَيْهِ، وَكَذَا الْقُهُسْتَانِيُّ حَيْثُ قَالَ وَفِيهِ أَنَّ الْقَاضِيَ لَمْ يَلْتَفِتْ لِهَذِهِ الشَّهَادَةِ وَلَكِنْ يُزَكِّي الشُّهُودَ سِرًّا وَعَلَنًا، فَإِنْ عُدِّلُوا قَبِلَهَا وَعَزَاهُ لِلْمُضْمَرَاتِ وَجَعَلَهُ الْبُرْجَنْدِيُّ عَلَى قَوْلِهِمَا لَا قَوْلِهِ فَتَنَبَّهْ (مِثْلُ أَنْ يَشْهَدُوا عَلَى شُهُودِ الْمُدَّعِي) عَلَى الْجَرْحِ الْمُجَرَّدِ (بِأَنَّهُمْ فَسَقَةٌ أَوْ زُنَاةٌ أَوْ أَكَلَةُ الرِّبَا أَوْ شَرَبَةُ الْخَمْرِ أَوْ عَلَى إقْرَارِهِمْ أَنَّهُمْ شَهِدُوا بِزُورٍ أَوْ أَنَّهُمْ أُجَرَاءُ فِي هَذِهِ الشَّهَادَةِ أَوْ أَنَّ الْمُدَّعِيَ مُبْطِلٌ فِي هَذِهِ الدَّعْوَى

''ابن کمال'' کے اس کے رد کو مطلق ذکر کیا ہے کتب عامہ کی اتباع میں اور اس کی وجہ ذکر کی ہے۔ ''وانی'' اور ''عزمی زادہ'' کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے اس طرف میلان کیا ہے اور اسی طرح ''قہستانی'' ہے۔ کیونکہ کہا: اس میں ہے: قاضی اس شہادت کی طرف التفات نہیں کرے گا لیکن گواہوں کا راز داری اور اعلانیہ تزکیہ کرے گا اگر ان کی تعدیل کردی جائے تو وہ شہادت کو قبول کرے گا۔ اسے ''مضمرات'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ ''برجندی'' نے اسے طرفین کا قول قرار دیا ہے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول قرار نہیں دیا۔ پس اس پر متنبہ ہو جایئے۔ (مگر ''تقریرات رافعی'' میں ہما ضمیر سے مراد شیخین ہیں مترجم)۔ جیسے وہ مدعی کے گواہوں پر جرح مجرد گواہی دیں کہ یہ فاسق ہیں، زانی ہیں، سود خور ہیں، شراب نوشی کرنے والے ہیں یا ان کے اس اقرار پر گواہی دیں کہ انہوں نے اقرار کیا ہے کہ انہوں نے جھوٹی گواہی دی ہے یا وہ اس شہادت میں مزدوری پر تھے یا مدعی اس دعویٰ میں باطل پر ہے۔

امر کے سقوط کی وجہ سے نہیں جو ان گواہوں کو مرتبہ قبول سے ساقط کردے۔ اس وجہ سے اگر ان کی تعدیل اس کے بعد کی گئی تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی اگر ان کے فسق پر شہادت مقبول ہوتی تو وہ شہادت کے مرتبہ سے گر جاتے اور ان کے بارے میں تعدیل کا محل باقی نہ رہتا۔ ''قہستانی'' کے کلام کا یہی معنی ہے۔ اسی طرح ''صدر شریعہ'' اور ''منلا خسرو'' کا کلام اس کی طرف راجع ہے جسے ''ابن کمال'' نے ذکر کیا ہے۔

27045۔ (قولہ: وَجَعَلَهُ الْبُرْجَنْدِيُّ) میں کہتا ہوں: اس سے متبادر معنی یہ سمجھ آتا ہے یہ ان کے اس قول کی طرف راجع ہے: لیکن وہ گواہوں کا راز داری سے اور اعلانیہ تزکیہ کرے گا۔ جہاں تک ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا معاملہ ہے کہ صرف اعلانیہ تزکیہ کافی ہے جس طرح پہلے قول (مقولہ 26826 میں) گزر چکا ہے۔ یہ اس کا محل ہے جب خصم طعن نہ کرے۔ مگر جب وہ طعن کرے جس طرح یہاں ہے تو کوئی اختلاف نہیں بلکہ یہ سب کے قول کے مطابق ہے کہ وہ راز داری سے اور اعلانیہ ان کا تزکیہ کرے گے۔ فتامل وراجع۔ شاید یہی شارح کے قول فتنبہ کی وجہ ہے، ''س''۔ ظاہر یہی ہے کہ ضمیر اس اطلاق کی طرف راجع ہے جو ان کے قول: واطلق ابن کمال سے مفہوم ہے۔

27046۔ (قولہ: أَوْ زُنَاةٌ الخ) یعنی ان کی عادت زنا کرنا ہے، سود خوری ہے، شراب نوشی ہے۔ اس میں حد ثابت نہیں ہوتی جو آگے آرہا ہے وہ اس کے خلاف ہے: من انهم زنوا او سرقوا منّي الخ کیونکہ یہ فعل مخصوص پر شہادت ہے جو حد کو

أَوْ أَنَّهُ لَا شَهَادَةَ لَهُمْ عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ فِي هَذِهِ الْحَادِثَةِ) فَلَا تُقْبَلُ بَعْدَ التَّعْدِيلِ بَلْ قَبْلَهُ دُرَرٌ، وَاعْتَمَدَهُ الْمُصَنِّفُ (وَتُقْبَلُ لَوْ شَهِدُوا عَلَى) الْجَرْحِ الْمُرَكَّبِ
یا اس حادثہ میں مدعی علیہ پر انہیں شہادت کا کوئی حق نہیں پس تعدیل کے بعد بلکہ اس سے قبل ان کی شہادت قبول نہ کی جائے گی، ''درر''۔ مصنف نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ اگر وہ جرح مرکب پر گواہی دیں تو شہادت قبول کی جائے گی

واجب کرتی ہے۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے۔

فرع: اس فرع کا ذکر حاشیہ میں کیا ہے: جو آدمی اپنے لیے ملکیت کا دعویٰ کرے پھر وہ یہ گواہی دے کہ یہ غیر کی ملکیت ہے اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی اگر وہ کسی انسان کے حق میں ملکیت کی گواہی دے پھر اس کے متعلق غیر کے حق میں گواہی دے تو اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی۔

فرع: ایک آدمی نے کسی سے کوئی چیز خریدی۔ پھر کسی دوسرے کے حق میں اس بارے میں گواہی دی تو اس کی شہادت رد کر دی جائے گی اگر وہ گواہی دے کہ گواہ نے اقرار کیا کہ یہ ملکیت ہے تو اسے قبول کیا جائے گا۔ شاید اگر اقرار کا انکار کرے تو اس سے قسم نہیں لی جائے گی۔ ''جامع الفصولین''، فصل چودہ۔

27047۔ (قولہ: فَلَا تُقْبَلُ) یہ گزشتہ کے ساتھ تکرار ہے۔

عدالت ثابت ہونے کے بعد مرتفع نہیں ہوتی مگر شرح یا بندے کے حق کو ثابت کرنے کے ساتھ

27048۔ (قولہ: وَاعْتَمَدَهُ الْمُصَنِّفُ) کہا: تعدیل کے بعد اس شہادت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ عدالت ثابت ہونے کے بعد مرتفع نہیں ہوتی مگر شرع یا بندے کے حق کو ثابت کرنے کے ساتھ مرتفع ہوتی ہے جس طرح تو پہچان چکا ہے۔ جس کا ذکر کیا گیا ہے اس میں ان دونوں میں سے کسی ایک کا اثبات نہیں ہے۔ تعدیل سے پہلے جب شہادت پائی جائے تو معاملہ مختلف ہوگا کیونکہ دفع میں یہ کافی ہے۔ جس طرح قول گزر چکا ہے ''منلا خسرو'' وغیرہ نے اسی طرح کہا ہے۔

اگر تو کہے: ہم اسے تسلیم نہیں کرتے کہ یہ ان چیزوں میں سے نہیں ہے جن میں ان دونوں میں سے ایک کے اثبات کا ذکر کیا گیا ہو یعنی اللہ تعالیٰ کے حق اور بندوں کے حق کا اثبات ہو۔ کیونکہ ان کا یہ اقرار کرنا کہ گواہیاں جھوٹی ہیں یا شراب نوشی کی گواہی دیں ساتھ ہی بو کے جانے کی گواہی دیں یہ تعزیر کا موجب ہے جو یہاں اللہ تعالیٰ کے حق میں سے ہے۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ ان کی: مایوجب حقا للہ تعالیٰ سے مراد حد ہے تعزیر نہیں۔ کیونکہ علما کا قول ہے: قاضی کی طاقت میں یہ نہیں کہ وہ اس کو لازم کر دے۔ کیونکہ وہ توبہ کے ساتھ اس کو دور کر سکتا ہے۔ کیونکہ تعزیر اللہ تعالیٰ کا ایسا حق ہے جو توبہ کے ساتھ ساقط ہو جاتا ہے۔ حد کا معاملہ مختلف ہے جو توبہ کے ساتھ ساقط نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اعلم۔

میں کہتا ہوں: ''البحر'' کے باب التعزیر میں اس کی تصریح کی ہے: اللہ تعالیٰ کا حق حد کے ساتھ مختص نہیں۔ بلکہ حد سے اور تعزیر سے عام ہے۔ وہاں بھی اس کی تصریح کی ہے کہ تعزیر توبہ کے ساتھ ساقط نہیں ہوتی مگر یہ کہا جائے اس سے مراد بندے

(كَإِقْرَارِ الْمُدَّعِي بِفِسْقِهِمْ أَوْ إِقْرَارِهِ بِشَهَادَتِهِمْ بِزُورٍ أَوْ بِأَنَّهُ اسْتَأْجَرَهُمْ عَلَى هَذِهِ الشَّهَادَةِ) أَوْ عَلَى إِقْرَارِهِمْ أَنَّهُمْ لَمْ يَحْضُرُوا الْمَجْلِسَ الَّذِي كَانَ فِيهِ الْحَقُّ عَيْنِيٌّ (أَوْ أَنَّهُمْ عَبِيدٌ أَوْ مَحْدُودُونَ بِقَذْفٍ) أَوْ أَنَّهُ ابْنُ الْمُدَّعِي أَوْ أَبُوهُ عِنَايَةٌ أَوْ قَاذِفٌ وَالْمَقْذُوفُ يَدَّعِيهِ (أَوْ أَنَّهُمْ زَنَوْا وَوَصَفُوهُ أَوْ سَرَقُوا مِنِّي كَذَا) وَبَيَّنَهُ (أَوْ شَرِبُوا الْخَمْرَ وَلَمْ يَتَقَادَمْ الْعَهْدُ) كَمَا مَرَّ فِي بَابِهِ (أَوْ قَتَلُوا النَّفْسَ عَمْدًا) عَيْنِيٌّ

جیسے مدعی گواہوں کے فسق کا اقرار کرتا ہے یا یہ اقرار کرتا ہے کہ انہوں نے جھوٹ بولا یا مدعی نے یہ اقرار کیا کہ اس نے انہیں اس شہادت پر اجرت پر لیا ہے یا انہوں نے یہ اقرار کیا کہ وہ اس مجلس میں حاضر نہ تھے جس میں حق واقع ہوا، ''عینی''۔ یا گواہ غلام ہیں، قذف میں محدود ہیں یا وہ مدعی کا بیٹا یا اس کا باپ ہے، ''عنایہ''۔ یا وہ تہمت لگانے والا ہے اور مقذوف اس کا دعویٰ کرنے والا ہے یا گواہوں نے زنا کیا ہے اور اس کا وصف بیان کیا ہے یا انہوں نے میرا اتنا مال چرایا ہے اور اس کی وضاحت کی یا انہوں نے شراب پی اور وقت زیادہ نہیں گزرا جس طرح اس کے باب میں گزرا ہے یا کسی انسان کو جان بوجھ کر قتل کیا ہے، ''عینی''۔

کا وہ حق ہے جو توبہ کے ساتھ ساقط نہیں ہوتا۔ تامل

جرح مرکب

27049۔ (قولہ: كَإِقْرَارِ الْمُدَّعِي) ''البحر'' میں کہا: یہ جرح کے تحت داخل نہیں ہوگا جب وہ مدعی کے اس اقرار پر گواہیاں قائم کرے کہ گواہ فاسق ہیں، وہ اجرت پر ہیں، وہ واقعہ میں حاضر نہ تھے وہ قذف میں محدود ہیں، گواہ کی غلام پر یا شاہد کے معین شے میں شریک ہونے پر گواہیاں قائم کر دے۔ اسی وجہ سے ''الخلاصہ'' میں کہا: خصم کو حق حاصل ہے کہ وہ تین چیزوں کے ساتھ طعن کرے۔ وہ کہے: یہ دونوں غلام ہیں، دونوں قذف میں محدود ہیں یا دونوں شریک ہیں۔ جب اس نے کہا: یہ دونوں غلام ہیں تو گواہوں سے کہا جائے گا: اپنی آزادی پر گواہیاں قائم کرو اور دوسرے خصم سے کہا جائے گا کہ اس چیز کو ظاہر کر دیا جائے جو عدالت میں مخل ہو نہ کہ عدالت کے ساتھ شہادت میں مخل ہو۔ ان مسائل کو جرح مقبول میں داخل کرنا مردود ہے جس طرح ''ابن ہمام'' نے کہا ہے بلکہ یہ باب الطعن میں سے ہے جس طرح ''الخلاصہ'' میں ہے۔

''خزانۃ الاکمل'' میں ہے: اگر مدعی کے اس اقرار پر گواہیاں قائم کیں کہ گواہ فاسق ہیں یا ایسے امر کا اقرار کیا جو ان کی شہادت کو باطل کر دیتا ہے تو اسے قبول کیا جائے گا یہ جرح نہیں۔ یہ اقرار الانسان علی نفسہ کے باب سے ہے۔ یہ اعتراض مصنف پر وارد نہیں ہوتا شارح پر یہ لازم تھا کہ وہ جرح مرکب کا قول ذکر نہ کرتا۔ کیونکہ یہ زیادہ نقصان دہ ہے۔

27050۔ (قولہ: بِقَذْفٍ) کیونکہ اس کا حد کا تتمہ یہ ہے کہ اس کی شہادت کو رد کیا جائے جب کہ یہ حقوق اللہ میں سے ہے۔

27051۔ (قولہ: وَلَمْ يَتَقَادَمْ الْعَهْدُ) زمانہ کے متقادم ہونے کی صورت یہ ہے کہ شراب میں بو نہ جائے اور باقی چیزوں میں مہینہ نہ گزرے۔ عدم متقادم کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر یہ متقادم ہو تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے ساتھ حق ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ حد متقادم کے بارے میں شہادت مردود ہوتی ہے۔ ''منح''۔

(أَوْ شُرَكَاءُ الْمُدَّعِي) أَيْ وَالْمُدَّعَى مَالٌ (أَوْ أَنَّهُ اسْتَأْجَرَهُمْ بِكَذَا لَهَا) لِلشَّهَادَةِ (وَأَعْطَاهُمْ ذَلِكَ مِمَّا كَانَ لِي عِنْدَهُ) مِنَ الْمَالِ وَلَوْ لَمْ يَقُلْهُ لَمْ تُقْبَلْ لِدَعْوَاهُ الِاسْتِئْجَارَ لِغَيْرِهِ وَلَا وِلَايَةَ لَهُ عَلَيْهِ (أَوْ إِنِّي صَالَحْتُهُمْ عَلَى كَذَا وَدَفَعْتُهُ إِلَيْهِمْ) أَيْ رِشْوَةً وَإِلَّا فَلَا صُلْحَ بِالْمَعْنَى الشَّرْعِيِّ. وَلَوْ قَالَ وَلَمْ أَدْفَعْهُ لَمْ تُقْبَلْ (عَلَى أَنْ لَا يَشْهَدُوا عَلَيَّ زُورًا وَ) قَدْ (شَهِدُوا زُورًا) وَأَنَا أَطْلُبُ مَا أَعْطَيْتُهُمْ وَإِنَّمَا قُبِلَتْ

یا مدعا میں شریک ہیں یعنی مدعی مال ہے یا یہ گواہی دی کہ مدعی نے انہیں شہادت کے لیے اجرت پر لیا ہے اور اس نے ان کو وہ مال دیا جو میرا مال اس کے ہاں تھا۔ اگر وہ یہ قول نہ کرے تو غیر کے لیے اجرت پر لینے کے دعویٰ کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور اس کی دوسرے آدمی پر کوئی ولایت نہیں۔ یا میں نے ان گواہوں سے اتنے مال پر صلح کی اور انہیں وہ مال رشوت دیا تھا ورنہ یہ معنی شرعی کے طور پر صلح نہ ہوگی۔ اگر اس نے یہ کہا: میں نے وہ مال نہیں دیا تو گواہی قبول نہ کی جائے گی۔ میں نے یہ مال انہیں اس لیے دیا تھا کہ وہ مجھ پر جھوٹی گواہی نہ دیں جب کہ انہوں نے جھوٹی گواہی دی اور میں ان سے اس مال کا مطالبہ کرتا ہوں جو میں ان کو دیتا ہوں۔ ان صورتوں میں

مصنف نے جو اپنے قول وَلَمْ يَتَقَادَمِ الْعَهْدُ کے ساتھ ذکر کیا ہے ''زیلعی'' نے اس کے ساتھ یوں تطبیق کی ہے کہ علماء نے: ہم زناۃ شربۃ الخمر یہ جرح مجرد میں سے ہے اور: زنو و سرقوا کو غیر مجرد سے بنایا ہے۔ ''مقدسی'' سے یہ نقل کیا ہے۔ اظہر یہ ہے کہ ان کا قول وہ زانی ہیں، فاسق ہیں، شرابی ہیں، سودخور ہیں، یہ اسم فاعل کا صیغہ ہیں جو بعض اوقات استقبال کا معنی دیتا ہے تو جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس کے ساتھ ان کے وصف کی قطعیت کا قول نہیں کیا جاتا۔ ماضی کا معاملہ مختلف ہے۔ ملخص۔ یہ بہت ہی اچھا قول ہے۔ کیونکہ یہ متبادر معنی سمجھا آتا ہے کہ پہلے کی مثال بیان کرنے کے لیے اسم فاعل اور دوسرے کے لیے ماضی کا صیغہ ذکر کیا ہے۔

27052۔ (قولہ: أَوْ شُرَكَاءُ) جب شہادت اس بارے میں ہو جس میں وہ شریک ہیں۔ ''منح''۔ مراد یہ ہے کہ شاہد شریک مفاوض ہے جو اس باطل شہادت سے حاصل ہوتا ہے اس کی اس میں منفعت ہے نہ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ مدعی بہ میں شریک ہے ورنہ یہ اقرار ہوگا کہ مدعی بہ ان دونوں کا ہے۔ ''فتح''۔ اس کی مثل ''قہستانی'' میں ہے۔

''البحر'' میں اسے جو عقد اشرکت پر محمول کیا گیا ہے یہ اپنے عموم کی وجہ سے شرکت عنان کو شامل ہوگی۔ اس سے شاہد کا نفع لازم نہیں ہوتا۔ گویا یہ سبقت قلم ہے جو قول ہم نے کیا ہے اس کی تعبیر کی بنا پر شارح کا قول والمدعی مال سے مراد ایسا مال ہوگا جس میں شرکت صحیح ہوتا کہ جائداد، گھر والوں کا کھانا اور ان کے لباس وغیرہ خارج ہو جائیں یہ ان چیزوں میں سے ہے جس میں شرکت صحیح نہیں۔

27053۔ (قولہ: أَوْ إِنِّي صَالَحْتُهُمْ) یعنی مدعی کے اس قول انی صالحتھم الخ پر گواہی دی۔

27054۔ (قولہ: أَيْ رِشْوَةً) ''السعدیہ'' میں یہ کہا۔

فِي هَذِهِ الصُّوَرِ لِأَنَّهَا حَقُّ اللهِ تَعَالَى أَوْ الْعَبْدِ فَمَسَّتْ الْحَاجَةُ لِإِحْيَائِهِمَا (شَهِدَ عَدْلٌ فَلَمْ يَبْرَحْ) عَنْ مَجْلِسِ الْقَاضِي وَلَمْ يَطُلْ الْمَجْلِسُ وَلَمْ يُكَذِّبْهُ الْمَشْهُودُ لَهُ (حَتَّى قَالَ أَوْهَمْتُ) أَخْطَأْتُ (بَعْضَ شَهَادَتِي وَلَا مُنَاقَضَةَ قُبِلَتْ) شَهَادَتُهُ بِجَمِيعِ مَا شَهِدَ بِهِ لَوْ عَدْلًا وَلَوْ بَعْدَ الْقَضَاءِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى خَانِيَّةٌ وَبَحْرٌ قُلْتُ لَكِنَّ عِبَارَةَ الْمُلْتَقَى تَقْتَضِي قَبُولَ قَوْلِهِ أَوْهَمْتُ وَأَنَّهُ يَقْضِي بِمَا بَقِيَ وَهُوَ مُخْتَارُ السَّرَخْسِيِّ وَغَيْرِهِ، وَظَاهِرُ كَلَامِ الْأَكْمَلِ وَسَعْدِيٍّ تَرْجِيحُهُ

شہادت کو قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ یا بندے کا حق ہے۔ پس دونوں حقوق کے احیاء کی حاجت ہے۔ ایک عادل آدمی نے گواہی دی وہ قاضی کی مجلس میں تھا اور مجلس طویل نہ ہوئی اور نہ ہی مشہود لہ نے اسے جھٹلایا یہاں تک کہ اس نے کہا: میں نے اپنی گواہی میں کچھ غلطی کی ہے اور اس کی گواہی میں کوئی مناقضہ نہیں تو اس کی گواہی ان تمام چیزوں کے ساتھ قبول کی جائے گی اگر وہ عادل ہو اگرچہ قضا کے بعد ہو اسی پر فتویٰ ہے۔ ''خانیہ''، ''بحر''۔ میں کہتا ہوں لیکن ''الملتقی'' کی عبارت تقاضا کرتی ہے کہ ان کے قول میں مجھے وہم ہوا ہے، اور مابقی کا فیصلہ کر دے اس کے قبول کرنے کا تقاضا کرتی ہے یہ ''سرخسی''، وغیرہ کا مختار مذہب ہے۔ ''اکمل'' اور ''سعدی'' کے کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس کو ترجیح دی جائے

27055۔ (قولہ: فَلَمْ يَبْرَحْ) کیونکہ اگر وہ کھڑا ہو جائے تو اس سے یہ قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ خصم نے اسے دنیا میں دھوکہ دیا ہے۔ ''بحر''۔

27056۔ (قولہ: أَخْطَأْتُ) ''البحر'' میں کہا: ان کے قول اوھمت کا معنی ہے یعنی جس کا ذکر کرنا مجھ پر لازم تھا اس کو بھول کر میں نے خطا کی ہے یا اس زیادتی کے ذکر کے ساتھ خطا کی ہے جو زیادتی باطل ہے۔ ''الہدایہ'' میں اسی طرح ہے۔

27057۔ (قولہ: بَعْضَ شَهَادَتِي) حرف جار کے حذف کے ساتھ منصوب ہے یعنی کلام یہ ہے: فی بعض شہادتی۔ ''سعدیہ''۔

27058۔ (قولہ: قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ) ''المنح'' میں کہا ہے: ''الہدایہ'' میں اسے اختیار کیا ہے: کیونکہ مسئلہ کے جواب میں کہا: جازت شہادتہ ایک قول یہ کیا گیا ہے اگر نقصان کے ساتھ تدارک کیا ہو تو باقی ماندہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر زیادتی کے ساتھ تدارک کیا ہو تو اس زیادتی کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اگر مدعی اس کا دعویٰ کرے۔ کیونکہ جو شہادت کے بعد قضا سے پہلے امر واقع ہوا تو اسے یوں بنا دیا جائے گا جیسے وہ گواہی کے وقت واقع ہو شمس الائمہ ''سرخسی'' اس کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ ''قاضی خان'' نے اسی پر اکتفا کیا ہے۔ اور اسے ''الجامع الصغیر'' کی طرف منسوب کیا ہے۔

27059۔ (قولہ: لَوْ عَدْلًا) یہ متن کے ساتھ تکرار ہے۔ ''س''۔

27060۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) یعنی فتویٰ ان کے اس قول پر ہے: ولو بعد القضاء۔

27061۔ (قولہ: بِمَا بَقِيَ) یعنی باقی ماندہ یا جو زائد ذکر کیا جس طرح اس کی کسی اور نے تصریح کی ہے۔ اسی کی مثل

فَتَنَبَّهْ وَتَبَصَّرْ (وَإِنْ) قَالَهُ الشَّاهِدُ (بَعْدَ قِيَامِهِ عَنِ الْمَجْلِسِ لَا) تُقْبَلُ عَلَى الظَّاهِرِ احْتِيَاطًا وَكَذَا لَوْ وَقَعَ الْغَلَطُ فِي بَعْضِ الْحُدُودِ

پس متنبہ اور ہوشیار ہو جائیے۔ اگر گواہ نے یہ قول مجلس سے اٹھنے کے بعد کیا تو بطور احتیاط ظاہر روایت کے ساتھ قبول نہ کی جائے گی اسی طرح بعض حدود

''البحر'' میں ہے کہا: اس تعبیر کی بنا پر قبول کا معنی یہ ہوگا کہ اس کے دوسرے قول پر عمل کیا جائے۔

شارح رحمۃ اللہ علیہ کی کلام پر اشکال

27062۔ (قولہ: فَتَنَبَّهْ وَتَبَصَّرْ) شارح عفی عنہ کی کلام میں اس مقام پر کئی وجوہ سے اعتراض کی گنجائش ہے۔

(۱) ان کا قول ولو بعد القضاء یہ اپنے محل میں نہیں ہے۔ کیونکہ مصنف کے قول میں قبلت یہ شہادت کی طرف راجع ہے جس طرح ''المنح'' میں اس کی تصریح کی ہے یہاں اس کے عمل کا یہی مقتضا ہے اس وقت لقبولها بعد القضاء کا کوئی معنی نہیں بلکہ صحیح یہ تھا کہ اس کا ذکر ''الملتقی'' کی عبارت کے بعد کیا جاتا۔

(۲) یہاں استدراک کا کوئی محل نہیں۔ کیونکہ مسئلہ میں دو قول ہیں اور کسی قول سے دوسرے پر استدراک قبول نہیں کیا جائے گا۔ اللھم مگر استدراک کا اعتبار دوسرے قول کی ترجیح کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر کیا جائے۔

(۳) ان کا قول: و کذا لو وقع الغلط فی بعض الحدود او النسب تقاضا کرتا ہے کہ یہ اس قول پر تفریع ہے جس کا ذکر متن میں کیا گیا ہے جب کہ یہ معاملہ اس طرح نہیں۔

(۴) یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کے ساتھ اس کا قول قبول نہ کیا جائے جب کہ معاملہ اس طرح نہیں۔ ہم نے اعتراض کی جن وجوہ کا ذکر کیا ہے ''زیلعی'' کی عبارت اس پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ کہا: پھر کہا گیا پہلی دفعہ جس کی شہادت دی گئی اس کے ساتھ فیصلہ کیا جائے یہاں تک کہ اگر ہزار کی شہادت دے پھر کہے: میں نے پانچ سو میں غلطی کی ہے تو ہزار کا فیصلہ کیا جائے گا۔ کیونکہ جس کی پہلے گواہی دی گئی وہ مدعی کا حق ہو جاتا ہے اور قاضی پر اس کا فیصلہ کرنا واجب ہے۔ پس اس کے رجوع سے باطل ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ماقی کا فیصلہ کیا جائے گا کیونکہ جو شہادت کے بعد قضا سے پہلے امر واقع ہوا وہ شہادت کے وقت واقع ہونے کی طرح ہے۔

پھر کہا: ''النہایہ'' میں یہ ذکر کیا کہ جب شاہد نے یہ کہا: مجھے زیادتی یا نقصان میں وہم ہوا ہے تو اس کا قول قبول کیا جائے گا جب وہ عادل ہو قضا سے پہلے یا اس کے بعد میں کوئی تفاوت نہیں۔ امام ''حسن بن زیاد'' نے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت کیا ہے۔ اسی طرح اگر جائیداد کی بعض حدود بیان کرنے میں غلطی واقع ہو گئی یا نسب کے ذکر میں غلطی واقع ہو گئی پھر اسے یاد آئے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ کیونکہ بعض اوقات مجلس قضا میں شاہد کو اس آزمائش میں مبتلا ہونا پڑتا ہے گواہ کا قاضی کے سامنے اس کا ذکر اس کے صدق اور امور میں احتیاط پر دلیل ہے۔ فتامل

أَوِ النَّسَبِ هِدَايَةٌ (بَيِّنَةُ أَنَّهُ) أَيِ الْمَجْرُوحَ (مَاتَ مِنَ الْجُرْحِ أَوْلَى مِنْ بَيِّنَةِ الْمَوْتِ بَعْدَ الْبُرْءِ) وَلَوْ (أَقَامَ أَوْلِيَاءُ مَقْتُولٍ بَيِّنَةً عَلَى أَنَّ زَيْدًا جَرَحَهُ وَقَتَلَهُ وَأَقَامَ زَيْدٌ بَيِّنَةً عَلَى أَنَّ الْمَقْتُولَ قَالَ إِنَّ زَيْدًا لَمْ يَجْرَحْنِي وَلَمْ يَقْتُلْنِي فَبَيِّنَةُ زَيْدٍ أَوْلَى مِنْ بَيِّنَةِ أَوْلِيَاءِ الْمَقْتُولِ) مَجْمُوعُ الْفَتَاوَى

یا نسب میں غلطی واقع ہو جائے تو یہی حکم ہے''ہدایہ''۔ یہ گواہی کہ زخمی آدمی زخم کی وجہ سے مر گیا ہے یہ اس سے اولیٰ ہے کہ یہ گواہی دی جائے کہ وہ صحت مند ہونے کے بعد مرا ہے۔ اگر مقتول کے اولیا نے گواہیاں قائم کیں کہ زید نے اسے زخمی کیا اور اسے قتل کیا اور زید نے بینہ قائم کیے کہ مقتول نے کہا: زید نے مجھے زخمی نہیں کیا اور مجھے قتل نہیں کیا تو زید کی گواہیاں مقتول کے اولیاء کی گواہیوں سے اولیٰ ہوں گی''مجمع الفتاوی''۔

27063۔(قولہ: أَوِ النَّسَبِ) جیسے وہ کہے: محمد بن علی بن عمران۔ مجلس میں اس کا ازالہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کے بعد اس کا ازالہ کیا۔ اور اس سے پہلے ان کا قول بعض الحدود اس کی صورت یہ ہے کہ وہ غربی کی جگہ شرقی وغیرہ کا ذکر کرے۔''فتح''۔

بینات کے تعارض میں چند مسائل

27064۔(قولہ: أَوْلَى مِنْ بَيِّنَةِ الْمَوْتِ) شیخ''غانم''نے''الخلاصہ''وغیرہا سے اس کے خلاف ذکر کیا۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ مفتی''ابو سعود''نے اس کے برعکس فتویٰ دیا ہے۔

''البحر''میں چند ایسے مسائل کا آنے والے باب میں صاحب''کنز''کے قول: ولو شهدا انه قتل زيدا يوم النحر الخ کے ہاں ذکر کیا جو بینات کے باہم تعارض اور ان کی ترجیح کے بارے میں ہیں۔

حاشیہ میں''بینات''کے تعارض میں چند مسائل کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں: قع (قاضی عبد الجبار کی طرف اشارہ ہے): لونڈی نے یہ گواہیاں قائم کیں کہ اس کے آقا نے اپنی مرض موت میں اسے مدبر بنایا تھا جب کہ وہ عاقل تھا اور وارثوں نے گواہیاں قائم کیں کہ وہ مخلوط العقل تھا پس لونڈی کے بینہ اولیٰ ہیں۔ اسی طرح جب اس نے اپنی بیوی سے خلع کیا پھر خاوند نے گواہیاں قائم کیں کہ وہ خلع کے وقت مجنون تھا اور بیوی نے گواہیاں قائم کیں کہ وہ عاقل تھا پس بیوی کی گواہیاں دونوں فصلوں میں اولیٰ ہیں۔ باپ نے اپنی بالغ بیٹی کا ایک ایسے آدمی سے اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ اسے ہزار دے اس مرد نے باپ کو ہزار دے دیا پھر بیٹی نے دعویٰ کیا کہ ہزار اس کا مہر ہے اور باپ نے یہ دعویٰ کیا کہ قفقتانلق (یعنی لاجل اعمال القفطان) کے لیے ہے اور گواہیاں قائم کر دیں پس بیٹی کے بینہ اولیٰ ہیں۔ کیونکہ بیٹی کے بینہ نکاح میں وجود کو ثابت کرتا ہے اور باپ کے بینہ رشوت کو ثابت کرتے ہیں۔''حاوی الزاہدی''۔

اگر دونوں میں سے ایک نے بیع بالتلجئہ کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے اس کا انکار کیا تو قول قسم کے ساتھ اس کا معتبر ہوگا جو متعدد ارادہ سے اس فعل کے واقع کرنے کا قول کرے گا۔ اگر دونوں میں سے ایک نے گواہیاں قائم کیں تو ان گواہیوں کو

(وَبَيِّنَةُ الْغُبْنِ) مِنْ يَتِيمٍ بَلَغَ (أَوْلَى مِنْ بَيِّنَةِ كَوْنِ الْقِيمَةِ) أَيْ قِيمَةَ مَا اشْتَرَاهُ مِنْ وَصِيِّهِ

یتیم بالغ کی جانب سے غبن کی گواہی اس گواہی سے اولی ہے کہ اس وقت میں اس کے وصی سے جو چیز خریدی تھی

قبول کیا جائے گا۔ اگر دونوں نے گواہیاں قائم کیں تو بیع بالتلجئہ کے گواہوں کو قبول کیا جائے گا جس طرح کتاب البیع میں پہلے گزر چکا ہے۔

نوٹ: التلجئه: ایسے فعل پر مجبور کرنا جس کا ظاہر باطن کے خلاف ہو۔ مترجم

وقف کی صحت اور اس کے فساد کے بینہ آپس میں متعارض ہوئے اگر فساد وقف میں مفسد شرط کی وجہ سے ہو تو فساد کے بینہ اولی ہوں گے اگر بنیاد محل وغیرہ میں کسی سبب سے ہو تو صحت کے بینہ اولی ہیں۔ اس تفصیل پر صورتحال ہوگی جب بائع اور مشتری بیع کے صحیح ہونے اور فاسد ہونے میں اختلاف کریں، ''باقانی علی الملتقی''۔

اس امر کے بینہ کہ اس نے حالت بلوغ میں اسے بیچا یہ اس امر سے اولی ہیں کہ اس نے حالت صغر میں اسے بیچا، ''حاوی الزاہدی''۔

جب قدم (پرانا) اور حدوث (نیا) کے بینہ میں تعارض واقع ہو تو ''بزازیہ'' اور ''خلاصہ'' میں ہے: قدم کے بینہ اولی ہوں گے۔ ''بغدادی'' کی ترجیح ''البینات'' میں ''القنیہ'' سے مروی ہے: حدوث کے بینہ اولی ہیں۔

''علاقی'' نے ''شرح الملتقی'' میں ذکر کیا ہے کہ مکان کی تعمیر قدم کے بینہ اولی ہیں اور لیٹرین کے بارے میں حدوث کے بینہ۔

اگر اس کا جنون ظاہر ہو جب کہ وہ افاقہ کی حالت میں ہے وہ بیع کے وقت افاقہ کا انکار کرتا ہے تو قول اس کا معتبر ہوگا۔ افاقہ کے بینہ جنون کے بینہ سے اولیٰ ہیں۔

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: جب اس نے گھر خریدنے کا دعویٰ کیا تو دو گواہوں نے گواہی دی کہ جب اس نے گھر بیچا تھا وہ اس وقت مجنون تھا اور دو اور گواہوں نے گواہی دی کہ وہ عاقل تھا۔ تو عاقل ہونے اور بیع کے صحیح ہونے کی گواہیاں اولی ہوں گی۔

جب عقد کے صحیح ہونے اور فاسد ہونے میں باہم بیع کرنے والے اختلاف کریں تو قول اس کا معتبر ہوگا جو صحت کا دعویٰ کرتا ہے۔ گواہیاں اس کی معتبر ہوں گی جو فساد کا دعویٰ کرتا ہے۔ اگر اس نے کہا: میرے بھائی کے ترکہ پر کوئی دعویٰ یا میرے بھائی کے ترکہ میں کوئی حق نہیں جب کہ وہ خود ایک وارث ہے تو یہ دعویٰ اور حق کو باطل نہیں کرتا اور اسی لفظ کے ساتھ وہ وارثوں کو دور نہیں کر سکتا۔ ''بحر'' میں ''نوادر'' سے مروی ہے۔

27065۔ (قولہ: مِنْ يَتِيمٍ بَلَغَ) یہ بینہ کے متعلق ہے۔

27066۔ (قولہ: مَا اشْتَرَاهُ) یعنی مشتری نے جو خریدا۔

27067۔ (قولہ: مِنْ وَصِيِّهِ) یعنی یتیم کا وصی۔

فِي ذَلِكَ الْوَقْتِ (مِثْلَ الثَّمَنِ) لِأَنَّهَا تُثْبِتُ أَمْرًا زَائِدًا وَلِأَنَّ بَيِّنَةَ الْفَسَادِ أَرْجَحُ مِنْ بَيِّنَةِ الصِّحَّةِ دُرَرٌ خِلَافًا لِمَا فِي الْوَهْبَانِيَّةِ، أَمَّا بِدُونِ الْبَيِّنَةِ فَالْقَوْلُ لِمُدَّعِي الصِّحَّةِ مُنْيَةٌ (وَبَيِّنَةُ كَوْنِ الْمُتَصَرِّفِ) فِي نَحْوِ تَدْبِيرٍ أَوْ خُلْعٍ أَوْ خُصُومَةٍ (ذَا عَقْلٍ أَوْلَى مِنْ بَيِّنَةِ) الْوَرَثَةِ مَثَلًا (كَوْنِهِ مَخْلُوطَ الْعَقْلِ أَوْ مَجْنُونًا) وَلَوْ قَالَ الشُّهُودُ لَا نَدْرِي كَانَ فِي صِحَّةٍ أَوْ مَرَضٍ فَهُوَ عَلَى الْمَرَضِ، وَلَوْ قَالَ الْوَارِثُ كَانَ يَهْذِي يُصَدَّقُ حَتَّى يَشْهَدَا أَنَّهُ كَانَ صَحِيحَ الْعَقْلِ بَزَّازِيَّةٌ

وہ قیمت ثمن کی مثل تھی۔ کیونکہ یہ گواہیاں امر زائد کو ثابت کرتی ہیں اور اس لیے کہ فساد کے بینہ صحت کے بینہ سے زیادہ راجح ہیں۔ ''درر''۔ ''الوہبانیہ'' میں جو قول ہے وہ اس کے خلاف ہے جہاں تک گواہوں کے بغیر کا تعلق ہے تو قول مدعی صحت کا ہوتا ہے، ''منیہ''۔ متصرف یعنی مدبر بنانے، خلع یا خصومت کا عقل والا ہونا اس بارے میں گواہیاں یہ مثلاً وارثوں کی ان گواہیوں سے اولی ہیں کہ وہ مخلوط العقل تھا یا مجنون تھا۔ اگر گواہوں نے کہا: ہم یہ نہیں جانتے کہ وہ حالت صحت میں تھا یا حالت مرض میں تو وہ مرض پر محمول ہوگا۔ اگر وارث نے کہا: وہ ہذیان بکتا تھا تو اس کی تصدیق کی جائے گی یہاں تک کہ دو آدمی گواہی دیں کہ وہ صحیح العقل تھا، ''بزازیہ''۔

27068۔(قولہ: ذَا عَقْلٍ) یہ گواہیاں کہ بائع معتوہ تھا ان گواہوں سے اولی ہے کہ وہ عاقل تھا۔ ''غانم البغدادی''۔

حالت مرض کا تصرف صحت کے تصرف سے ادنیٰ ہے

27069۔(قولہ: فَهُوَ عَلَى الْمَرَضِ) کیونکہ اس کا تصرف صحت کے تصرف سے ادنی ہوتا ہے۔ پس یہ امر یقینی ہوا۔ ''سائحانی'' کا نسخہ دیکھیے۔

''محمد بیطار'' جو ان حواشی کے مجرد ہیں نے کہا: ''سائحانی'' میں جو ہے وہ ان کا یہ قول ہے اگر گواہوں نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ وہ حالت صحت میں تھا یا حالت مرض میں تو وہ حالت مرض پر محمول ہوگا۔ یعنی کیونکہ اس کا تصرف صحت کے تصرف سے ادنی ہے پس وہ یقینی ہوگا۔

''جامع الفتاویٰ'' میں ہے: اگر خاوند نے عورت کی وفات کے بعد دعویٰ کیا کہ بیوی نے اپنی حالت صحت میں مہر سے اسے بری کر دیا تھا اور وارثوں نے گواہیاں قائم کر دیں کہ بیوی نے اپنی مرض موت میں اسے بری کیا تھا تو صحت کے بینہ اولی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: وارثوں کے بینہ اولی ہیں۔

اگر کسی آدمی نے وارث کے حق میں اقرار کیا پھر وہ مر گیا اور مقرلہ نے کہا: اس نے حالت صحت میں اقرار کیا تھا باقی وارثوں نے کہا: اپنی مرض کی حالت میں اقرار کیا تھا تو قول وارثوں کا معتبر ہوگا اور گواہیاں مقرلہ کی ہوں گی۔ اگر وہ گواہیاں قائم نہ کرے اور ان سے قسم لینے کا ارادہ کرے تو اسے یہ حق حاصل ہوگا۔

عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے ایک شرط کے ساتھ مہر سے بری کیا تھا اور خاوند نے مطلقاً براءت کا دعویٰ کیا اور دونوں

(وَبَيِّنَةُ الْإِكْرَاهِ) فِي إِقْرَارِهِ (أَوْلَى مِنْ بَيِّنَةِ الطَّوْعِ) إِنْ أَرَّخَا وَاتَّحَدَ تَارِيخُهُمَا، فَإِنْ اخْتَلَفَا أَوْ لَمْ يُؤَرِّخَا فَبَيِّنَةُ الطَّوْعِ أَوْلَى مُلْتَقَطٌ وَغَيْرُهُ، وَاعْتَمَدَهُ الْمُصَنِّفُ وَابْنُهُ وَعَزْمِي زَادَهْ فُرُوعٌ بَيِّنَةُ الْفَسَادِ أَوْلَى مِنْ بَيِّنَةِ الصِّحَّةِ شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ

اس کے اقرار کے بارے میں اکراہ وجبر کے بینہ یہ خوشی و پسندیدگی کے بینہ سے اولی ہیں اگر دونوں تاریخ ذکر کریں اور دونوں کی تاریخ ایک ہو۔ اگر دونوں تاریخیں مختلف ہوں، یا دونوں تاریخ کا ذکر نہ کریں تو رضامندی کے بینہ اولی ہوں گے ''ملتقط'' وغیرہ، مصنف ان کے بیٹے اور ''عزمی زادہ'' نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ فرع: فساد کے بینہ صحت کے بینہ سے اولی ہیں۔ ''شرح وہبانیہ''۔

نے گواہیاں قائم کر دیں تو عورت کی گواہیاں اولی ہوں گی اگر شرط متعارف ہو جس کے ساتھ بری کرنا صحیح ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خاوند کے بینہ اولی ہوں گے۔ اگر عورت نے مہر پر یہ گواہیاں قائم کیں کہ اس کا خاوند اس دن تک اس کا اقراری تھا اور خاوند نے یہ گواہیاں قائم کیں کہ عورت نے اس مہر سے اسے بری کر دیا تو براءت کے بینہ اولی ہوں گے۔ اسی طرح دین کے معاملہ میں ہے۔ کیونکہ دین کے مدعی کے بینہ باطل ہو گئے جیسے مدعی علیہ کے دین کا اقرار براءت کے دعویٰ کے ضمن میں باطل ہو گیا جیسے بیع واقالہ کے گواہ ہیں۔ کیونکہ اقالہ کے بینہ کو کوئی شے باطل نہیں کرتی اور بیع کے بینہ باطل ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اقالہ کا دعویٰ بیع کا اقرار ہے اور ان کا قول فھو علی المرض اس امر کا ذکر نہیں کیا جب دونوں نے صحت و مرض میں اختلاف کیا۔

''الانقروی'' میں ہے: ایک وارث نے دعویٰ کیا کہ مورث نے اسے ایک معین شے ہبہ کی اور حالت صحت میں اس پر قبضہ کیا باقی وارثوں نے کہا، حالت مرض میں اس پر قبضہ کیا تو قول باقی وارثوں کا معتبر ہوگا۔ اگر وہ بینہ قائم کریں تو گواہیاں صحت کے مدعی کی ہوں گی۔ اگر عورت نے دعویٰ کیا کہ اس کے خاوند نے اسے مرض الموت میں طلاق دی اور خاوند مر گیا جب کہ یہ عدت میں تھی وارثوں نے دعویٰ کیا کہ وہ حالت صحت میں تھا تو قول عورت کا معتبر ہوگا اگر دونوں نے ایک وقت کے بارے میں گواہیاں قائم کیں تو وارثوں کے بینہ اولی ہوں گے۔ یہ وہ قول ہے جو میں نے اس میں پایا ہے۔

جبر اور رضامندی کی گواہیاں قائم کی گئیں تو جبر والی گواہیاں مقدم ہوں گی

27070_(قولہ: أَوْلَى مِنْ بَيِّنَةِ الطَّوْعِ) ''ابن شحنہ'' نے کہا

و بينا كره و طوع اقيمتا فتقديم ذات الكره صح الاكثر

جبر اور رضامندی کی گواہیاں قائم کی گئیں پس جبر والی گواہیوں کو مقدم کیا جائے گا۔ اکثر علما نے اس کی تصحیح کی ہے۔

حاشیہ میں کہا: بیع، صلح اور اقرار کے بارے میں اکراہ اور رضامندی کے بینہ میں تعارض ہوا۔ پس اکراہ کے بینہ اولی ہیں ''باقانی علی الملتقی'' اور ''خانیہ'' میں احکام البیوع الفاسدۃ میں اور ''ترجیح البینات'' میں ہے۔ وصیت سے رجوع کے بینہ یہ ان بینہ سے اولی ہیں کہ وہ موصی تھا اور وفات تک مصر تھا۔ ''ابوالسعود''، ''حامدیہ''۔

وَفِي الْأَشْبَاهِ اخْتَلَفَ الْمُتَبَايِعَانِ فِي الصِّحَّةِ وَالْبُطْلَانِ فَالْقَوْلُ لِمُدَّعِي الْبُطْلَانِ، وَفِي الصِّحَّةِ وَالْفَسَادِ لِمُدَّعِي الصِّحَّةِ إِلَّا فِي مَسْأَلَةِ الْإِقَالَةِ وَفِي الْمُلْتَقَطِ اخْتَلَفَا فِي الْبَيْعِ وَالرَّهْنِ فَالْبَيْعُ أَوْلَى، اخْتَلَفَا فِي الْبَتَاتِ وَالْوَفَاءِ فَالْوَفَاءُ أَوْلَى اسْتِحْسَانًا شَهَادَةٌ قَاصِرَةٌ يُتِمُّهَا غَيْرُهُمْ تُقْبَلُ كَأَنْ شَهِدَا بِالدَّارِ بِلَا ذِكْرِ أَنَّهَا فِي يَدِ الْخَصْمِ فَشَهِدَ بِهِ آخَرَانِ أَوْ شَهِدَا بِالْمِلْكِ بِالْمَحْدُودِ وَآخَرَانِ بِالْحُدُودِ أَوْ شَهِدَا عَلَى الِاسْمِ وَالنَّسَبِ وَلَمْ يَعْرِفَا الرَّجُلَ بِعَيْنِهِ فَشَهِدَ آخَرَانِ أَنَّهُ الْمُسَمَّى بِهِ دُرَرٌ، شَهِدَ وَاحِدٌ فَقَالَ الْبَاقُونَ نَحْنُ نَشْهَدُ كَشَهَادَتِهِ لَمْ تُقْبَلْ حَتَّى يَتَكَلَّمَ كُلُّ شَاهِدٍ بِشَهَادَتِهِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى، شَهَادَةُ النَّفْيِ الْمُتَوَاتِرِ مَقْبُولَةٌ

''الاشباہ'' میں ہے: دونوں باہم بیع کرنے والوں میں صحت و بطلان میں اختلاف ہو گیا تو قول بطلان کے مدعی کا معتبر ہو گا اور اختلاف صحت و فساد میں ہوا تو قول مدعی صحت کا ہو گا مگر اقالہ کے مسئلہ میں صورتحال مختلف ہو گی۔ ''الملتقط'' میں ہے: بیع و دین میں دونوں میں اختلاف ہوا تو بیع اولی ہے۔ دونوں نے بیع لازم اور بیع وفا میں اختلاف کیا تو بطور استحسان بیع وفا والی گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ شہادت قاصرہ کو شاہد مکمل کرتے ہیں تو انہیں قبول کیا جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دو آدمیوں نے دار کے بارے میں گواہی دی یہ ذکر نہیں کیا کہ وہ گھر خصم کے قبضہ میں ہے دو اور گواہوں نے اس بارے میں گواہی دی یا ملک محدود کے بارے میں گواہی دی اور دوسرے دو نے حدود کے بارے میں گواہی دی یا دونوں نے نام اور نسب کے بارے میں گواہی دی اور دونوں اس معین شخص کو نہیں پہچانتے تو دو اور نے گواہی دی کہ یہ وہی شخص ہے، ''درر''۔ ایک آدمی نے گواہی دی باقیوں نے کہا: ہم اس کی شہادت جیسی گواہی دیتے ہیں تو انہیں قبول نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ یہ شاہد اس کی شہادت جیسی کلام کرے اسی پر فتویٰ ہے۔ نفی متواتر کی شہادت مقبول ہے۔

27071۔(قولہ: لِمُدَّعِي الْبُطْلَانِ) کیونکہ عقد کا منکر ہے۔

27072۔(قولہ: لِمُدَّعِي الصِّحَّةِ) اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ بینہ فساد کے بینہ ہیں پس یہ ماقبل کے موافق ہے۔

27073۔(قولہ: إِلَّا فِي مَسْأَلَةِ الْإِقَالَةِ) جس طرح اگر مشتری یہ دعویٰ کرے کہ اس نے مبیع بائع کے ہاتھ میں ثمن کی ادائیگی سے قبل ثمن سے کم قیمت پر بیچ دیا اور بائع نے اقالہ کا دعویٰ کیا تو قول مشتری کا ہو گا ساتھ ہی وہ عقد کے فساد کا دعویٰ کرتا ہے اگر صورتحال اس کے الٹ ہو تو دونوں قسم اٹھائیں گے۔ ''اشباہ''۔

27074۔(قولہ: وَفِي الْمُلْتَقَطِ) اسے دیکھیے جسے ہم نے کتاب الکفالہ سے تھوڑا پہلے (مقولہ 25302 میں) لکھا ہے۔

نفی متواتر کی شہادت مقبول ہے

27075۔(قولہ: شَهَادَةُ النَّفْيِ الْمُتَوَاتِرِ مَقْبُولَةٌ) اس کے علاوہ کا معاملہ مختلف ہے۔ پس اس کو قبول نہیں کیا جائے گا خواہ وہ صورۃً یا معناً نفی ہو خواہ شاہد کا علم اس کو محیط ہو یا نہ ہو جس طرح باب الیمین فی البیع والشراء میں (مقولہ 18123 میں)

الشَّهَادَةُ إِذَا بَطَلَتْ فِي الْبَعْضِ بَطَلَتْ فِي الْكُلِّ إِلَّا فِي عَبْدٍ بَيْنَ مُسْلِمٍ وَنَصْرَانِيٍّ فَشَهِدَ نَصْرَانِيَّانِ عَلَيْهِمَا بِالْعِتْقِ قُبِلَتْ فِي حَقِّ النَّصْرَانِيِّ فَقَطْ أَشْبَاهٌ قُلْتُ وَزَادَهُ مُحَشِّيهَا خَمْسَةً أُخْرَى مَعْزِيَّةً لِلْبَزَّازِيَّةِ
شہادت جب بعض میں باطل ہوئی تو کل میں باطل ہوگی مگر اس غلام کے بارے میں جو مسلمان اور نصرانی میں مشترک ہے تو دو نصرانیوں نے ان دونوں کے خلاف غلام کے آزاد ہونے کی گواہی دی تو صرف نصرانی کے حق میں اسے قبول کیا جائے گا۔ ''اشباہ''۔ میں کہتا ہوں: اس کے محشی نے پانچ اور کو زائد ذکر کیا ہے جب کہ وہ ''بزازیہ'' کی طرف منسوب ہے۔

گزر چکا ہے۔ ہاں شروط میں نفی کے بینہ قبول نہیں ہوں گے جس طرح ہم نے وہاں پہلے اسے بیان کر دیا ہے۔

حاشیہ میں ذکر کیا: ''النوادر'' میں امام ''ابو یوسف'' رحلیٹھیہ سے مروی ہے: دو آدمیوں نے اس پر قول یا فعل کے بارے میں شہادت دی جس سے اس پر اجارہ، بیع، کتابت، طلاق، عتاق، قتل یا قصاص لازم آتا ہے جو کسی مکان میں یا زمان میں ہوا دونوں گواہوں نے اس کا وصف بیان کیا۔ مشہود علیہ نے اس پر گواہیاں قائم کیں کہ وہ اس روز وہاں موجود نہیں تھا تو گواہیاں قبول نہیں کی جائیں گی۔ لیکن ''المحیط'' میں فصل اکاون (مطبوعہ میں فصل ستر ہ) میں ہے: اگر یہ امر لوگوں کے ہاں متواتر ہو اور سب لوگ جانتے ہیں کہ اس مکان یا زمان میں سے وہ نہیں تو دعویٰ کو نہیں سنا جائے گا اور فراغ ذمہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ بدیہی طور پر ثابت شدہ امر کی تکذیب لازم آئے جب تک شک اس میں داخل نہ ہو۔ ہم نے امام ''ابو یوسف'' رحلیٹھیہ کی کلام کی طرف رجوع کیا۔ اسی طرح ہر ایسی گواہی جو اس امر پر قائم ہوئی کہ فلاں نے یہ قول نہیں کیا اور نہ یہ عمل کیا ہے اور نہ ہی اس کا اقرار کیا ہے۔

''ناطفی'' نے یہ ذکر کیا ہے: امام نے دار الحرب کے ایک شہر کے اہل کو امان دی تو وہ دوسرے شہر کے ساتھ خلط ملط ہو گئے، اور کہا: ہم سب اس شہر کے ہیں۔ دو آدمیوں نے گواہی دی کہ وہ امان کے وقت اس شہر میں نہ تھے تو ان دونوں کی گواہی قبول کی جائے گی جب وہ دونوں ان میں سے نہ ہوں۔ ''بزازیہ''۔

امام ''سرخسی'' نے یہ ذکر کیا ہے: شرط اگرچہ نفی کے بارے میں ہو جس طرح ان کا قول ہے اگر آج میں گھر میں داخل نہ ہوا تو اس کی بیوی کو طلاق ہے عورت نے گواہیاں پیش کر دیں کہ وہ آج گھر میں داخل نہیں ہوا تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔

اس نے قسم اٹھائی: اگر آج رات میری بہو نہ آئی اور میں نے اس سے کلام نہ کی پس دو آدمیوں نے گواہی دی کہ وہ نہیں آئی اور اس نے کلام نہیں کی تو گواہی کو قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ غرض جزا کو ثابت کرنا ہے جس طرح دو آدمیوں نے گواہی دی کہ وہ اسلام لایا اور استثنا کی اور دو اور افراد نے استثنا کے بغیر گواہی دی تو اسے قبول کیا جائے گا اور اس پر اسلام کا حکم لگا دیا جائے گا۔ ''بزازیہ''۔

27076۔ (قولہ: خَمْسَةً أُخْرَى) (1) ایک آدمی نے اپنے غلام سے کہا: اگر میں اس گھر میں داخل ہوا تو تو آزاد ہے نصرانی نے کہا: اگر وہ اس گھر میں داخل ہوا تو اس کی بیوی کو طلاق ہے۔ دو نصرانیوں نے اس کے گھر میں داخل ہونے کے بارے میں گواہی دی اگر غلام مسلمان ہو تو گواہی قبول نہ کی جائے گی اگر غلام کافر ہو تو طلاق کے وقوع کے حق میں گواہی قبول

....

کی جائے گی عتق کے حق میں قبول نہ کی جائے گی۔

(۲) اگر اس نے کہا: اگر میں نے فلاں سے قرض لیا تو اس کا غلام آزاد ہے تو ایک آدمی اور غلام کے باپ نے گواہی دی کہ اس نے فلاں سے قرض لیا ہے اور قسم اٹھانے والا اس کا انکار کرتا ہے تو مال کے حق میں اسے قبول کیا جائے گا۔ غلام کی آزادی کے حق میں اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس میں باپ کی بیٹے کے حق میں شہادت موجود ہے۔

(۳) اگر اس نے کہا: اگر میں شراب نوشی کروں تو اس کا غلام آزاد ہے تو ایک مرد اور دو عورتوں نے اس امر کے متحقق ہونے پر گواہی دی تو آزادی کے حق میں اسے قبول کیا جائے گا حد کے لازم ہونے کے حق میں اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔

(۴) اگر وہ کہے: اگر میں چوری کروں تو اس کا غلام آزاد ہے تو ایک مرد اور دو عورتوں نے اس کے خلاف اس کے بارے میں گواہی دی تو آزادی کے حق میں اسے قبول کیا جائے گا قطع کے حق میں اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ سب کچھ ''بزازیہ'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: پھر میں نے ایک اور مسئلہ دیکھا تو میں نے اس میں اضافہ کیا وہ پانچواں مسئلہ یہ ہے: اگر مرد عورت سے کہے: اگر میں تیسری طلاق کا ذکر کروں، میں تیسری طلاق کا نام لوں، اگر میں اس کے متعلق کلام کروں تو میرا غلام آزاد ہے۔ ایک گواہ نے گواہی دی کہ آج اس نے اسے طلاق دی ہے اور دوسرے نے گزشتہ کل اس کی طلاق پر گواہی دی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی آزادی واقع نہیں ہوگی۔ ''بزازیہ'' میں بھی ہے۔ ''تنویر الابصار'' کے حاشیہ میں بھی اسی طرح ہے۔ کذا فی الہامش۔

''خزانۃ الاکمل'' میں جو کچھ ہے اس پر ''بیری'' نے لقطہ کا اضافہ کیا ہے: ایک لقطہ مسلمان اور کافر کے قبضہ میں ہے لقطہ والے نے اس پر دو کافر گواہ پیش کیے تو بطور استحسان خاص طور پر کافر کے قبضہ میں جو کچھ ہے اس کے بارے میں گواہیاں سنی جائیں گی۔

اگر کافر مر جائے تو اس کے دو بیٹوں نے اس کے ترکہ کو تقسیم کیا پھر دونوں میں سے ایک مسلمان ہو گیا۔ پھر دو کافروں نے اس کے باپ کے خلاف دین کی گواہی دی تو خاص کر کافر کے حصہ میں اسے قبول کیا جائے گا۔

بَابُ الِاخْتِلَافِ فِی الشَّهَادَةِ

مَبْنَی هَذَا الْبَابِ عَلَی أُصُولٍ مُقَرَّرَةٍ مِنْهَا أَنَّ الشَّهَادَةَ عَلَی حُقُوقِ الْعِبَادِ لَا تُقْبَلُ بِلَا دَعْوَی، بِخِلَافِ حُقُوقِهِ تَعَالَی وَمِنْهَا أَنَّ الشَّهَادَةَ بِأَكْثَرَ مِنَ الْمُدَّعَی بَاطِلَةٌ، بِخِلَافِ الْأَقَلِّ لِلِاتِّفَاقِ فِيهِ وَمِنْهَا أَنَّ الْمِلْكَ الْمُطْلَقَ أَزْيَدُ مِنَ الْمُقَيَّدِ لِثُبُوتِهِ مِنَ الْأَصْلِ وَالْمِلْكَ بِالسَّبَبِ مُقْتَصِرٌ عَلَی وَقْتِ السَّبَبِ

شہادت میں اختلاف کے احکام

اس باب کی بنیاد مقررہ قواعد پر ہے: ان میں سے ایک یہ ہے: حقوق العباد پر شہادت دعویٰ کے بغیر قبول نہیں ہوتی۔ حقوق اللہ کا معاملہ مختلف ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے: مدعی سے زائد شہادت باطل ہے۔ اقل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اقل پر اتفاق ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے: ملک مطلق ملک مقید سے بڑھ کر ہوتی ہے کیونکہ وہ اصل سے ثابت ہوتی ہے اور ملک بالسبب یہ سبب کے وقت پر محدود ہوتی ہے۔

شہادت میں اختلاف کے چند مقرر قواعد

27077۔ (قولہ: مِنْهَا أَنَّ الشَّهَادَةَ الخ) یہ ''الدرر'' کی عبارت ہے اس کے محشی ''شرنبلالی'' نے کہا: یہ اس باب سے تعلق نہیں رکھتا کیونکہ یہ شہادت میں اختلاف کے بارے میں ہے شہادت کے قبول کرنے اور اس کے قبول نہ کرنے میں نہیں ہے۔ ''مدنی''۔

27078۔ (قولہ: بِأَكْثَرَ مِنَ الْمُدَّعَی) اس میں سے ہے: جب کوئی آدمی ملک مطلق کا دعویٰ کرے یا جانور کے ہاں بچہ جننے سے ملک کا دعویٰ کرے پس انہوں نے پہلی صورت میں ملک بسبب کی گواہی دی اور دوسری صورت میں ملک مطلق کی گواہی دی تو دونوں کو قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ ملک بسبب ملک مطلق سے اقل درجہ کا ہے۔ کیونکہ یہ اولویت کا فائدہ دیتی ہے ملک بسبب کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ملک بسبب حدوث کا فائدہ دیتی ہے۔ اور ملک مطلق یہ نتاج سے اقل ہے۔ کیونکہ ملک مطلق احتمال کی بنا پر اولویت کا فائدہ دیتی ہے اور نتاج (ولادت ہونا) یقینی طور پر اولویت کا فائدہ دیتی ہے۔ اگر گواہی میں الٹ کر دیں جیسے دعویٰ مطلق میں وہ نتاج کی گواہی دیں تو اس گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اکثر علماء سے یہ مروی ہے: اگر ایک آدمی ملک بالسبب کا دعویٰ کرے تو وہ ملک مطلق کی گواہی دیں تو انہیں قبول کیا جائے گا مگر جب سبب وراثت ہو، ''باقانی''۔ اس کی مکمل بحث وہاں ہے۔ کذا فی الھامش

27079۔ (قولہ: بَاطِلَةٌ) مگر جب وہ تطبیق دے۔ اس کی وضاحت ''البحر'' میں ہے۔

وَمِنْهَا مُوَافَقَةُ الشَّهَادَتَيْنِ لَفْظًا وَمَعْنًى، وَمُوَافَقَةُ الشَّهَادَةِ الدَّعْوَى مَعْنًى فَقَطْ وَسَيَتَّضِحُ (تَقَدُّمُ الدَّعْوَى فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ شَرْطُ قَبُولِهَا) لِتَوَقُّفِهَا عَلَى مُطَالَبَتِهِمْ وَلَوْ بِالتَّوْكِيلِ، بِخِلَافِ حُقُوقِ اللهِ تَعَالَى لِوُجُوبِ إقَامَتِهَا عَلَى كُلِّ أَحَدٍ فَكُلُّ أَحَدٍ خَصْمٌ فَكَأَنَّ الدَّعْوَى مَوْجُودَةٌ (فَإِذَا وَافَقَتْهَا) أَيْ وَافَقَتْ الشَّهَادَةُ الدَّعْوَى (قُبِلَتْ وَإِلَّا) تُوَافِقُهَا

ان میں سے ایک یہ ہے کہ دونوں شہادتیں لفظ اور معنی میں موافق ہوں اور شہادت دعویٰ کے ساتھ معنیٰ موافق ہو اور عنقریب اس کی وضاحت آئے گی۔ حقوق العباد میں دعویٰ کا پہلے ہونا یہ شہادت کے قبول کی شرط ہے۔ کیونکہ شہادت لوگوں کے مطالبہ پر موقوف ہوتی ہے اگرچہ وکیل بنانے کی صورت میں ہو۔ حقوق اللہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس شہادت کو قائم کرنا ہر کسی پر واجب ہے۔ پس یہ ایک خصم ہے گویا دعویٰ موجود ہے۔ جب شہادت دعویٰ کے موافق ہو جائے تو اسے قبول کیا جائے گا اگر اس کے موافق نہ ہو

27080۔ (قولہ: مُوَافَقَةُ الشَّهَادَتَيْنِ الخ) جس طرح ایک آدمی کسی گھر کا دعویٰ کرے جو کسی کے قبضہ میں ہو کہ وہ اتنے عرصہ سے اس کی ملکیت ہے۔ گواہوں نے گواہی دی کہ یہ گھر بیس سال سے اس کا ہے تو گواہی باطل ہو جائے گی۔ اگر مدعی دعویٰ کرے کہ یہ گھر بیس سال سے اس کا ہے اور گواہ گواہی دیں کہ وہ ایک سال سے اس کا ہے تو ان کی شہادت جائز ہو گی۔ ''خانیہ''۔ ''انقروی'' میں ''القاعدیہ'' سے کتاب الشہادات میں مروی ہے: گواہی اگر زیادتی کے ساتھ دعویٰ کے خلاف ہو تو اس کے اثبات کی ضرورت نہیں یا شہادت دعویٰ کے نقصان کے ساتھ مخالف ہو تو یہ اس شہادت کے قبول کرنے میں مانع نہیں'' حامدیہ''۔ ''الخیریہ'' میں ''الفصولین'' سے مروی ہے: شاہد کو اس امر کا مکلف نہیں بنایا جائے گا کہ وہ جانور کے رنگ کی وضاحت کرے۔ کیونکہ اس سے اس امر کے بارے میں سوال کیا گیا جس کی وضاحت کا اسے مکلف نہیں بنایا گیا۔ پس اس کا ذکر اور اس کا ترک برابر ہو گئے اس سے کثیر مسائل کا استخراج ہوتا ہے۔ ''حامدیہ''۔

ایک آدمی نے سامان یا گھر کے بارے میں دعویٰ کیا جو ایک آدمی کے قبضہ میں تھا کہ یہ فلاں کا ہے اور اس نے گواہیاں قائم کیں اور قاضی نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا اور اس پر قبضہ نہ کیا یہاں تک کہ اس نے گواہیاں قائم کر دیں جس کے قبضہ میں وہ چیز تھی کہ مدعی نے قاضی کے علاوہ کسی اور کے ہاں اس کا اقرار کیا کہ اس کے بارے میں اس کا کوئی حق نہیں فرمایا: اگر انہوں نے گواہی دی کہ اس نے قضا کے بعد اقرار کیا تو قضا باطل نہ ہوگی۔ کیونکہ جو چیز بینہ کے ساتھ ثابت ہو وہ آنکھوں دیکھی چیز کی طرح ثابت ہوتی ہے۔ اگر قاضی نے خود اقرار کا معاینہ کیا تو حکم اسی طریقہ پر ہوگا'' خانیہ'' میں باب تکذیب الشہود میں ہے۔ کذا فی الہامش

جب شہادت دعویٰ کے موافق ہو جائے تو اسے قبول کیا جائے گا

27081۔ (قولہ: فَإِذَا وَافَقَتْهَا قُبِلَتْ) باب کے شروع میں اس مسئلہ کو ذکر کیا ہے جب کہ یہ اختلاف فی الشہادۃ

(لَا) تُقْبَلُ وَهٰذَا أَحَدُ الْأُصُولِ الْمُتَقَدِّمَةِ (فَلَوْ ادَّعَى مِلْكًا مُطْلَقًا فَشَهِدَا بِهِ بِسَبَبٍ) كَشِرَاءٍ أَوْ إِرْثٍ (قُبِلَتْ) لِكَوْنِهَا بِالْأَقَلِّ مِمَّا ادَّعَى فَتَطَابَقَا مَعْنًى كَمَا مَرَّ (وَعَكْسُهُ) بِأَنْ ادَّعَى بِسَبَبٍ وَشَهِدَا بِمُطْلَقٍ (لَا) تُقْبَلُ لِكَوْنِهَا

تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ متقدم اصولوں میں سے ایک ہے۔ اگر ایک آدمی ملک مطلق کا دعویٰ کرے اور دونوں گواہ ملک بالسبب کی شہادت دیں جیسے خریداری اور وراثت کی گواہی دیں تو اسے قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ جو دعویٰ کیا اس سے یہ اقل کی شہادت ہے تو معناً دونوں مطابق ہوگئیں جس طرح قول گزر چکا ہے۔ اور اس کے برعکس صورتحال میں جیسے وہ ملک بالسبب کا دعویٰ کرے اور دونوں ملک مطلق کی گواہی دیں تو گواہی قبول نہ کی جائے گی۔

سے تعلق نہیں رکھتا۔ کیونکہ یہ دونوں شاہدوں کے اتفاق کے واجب ہونے کے لیے دلیل کی طرح ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا اگر دونوں باہم اختلاف کریں تو دعویٰ اور شہادت میں اختلاف لازم آتا ہے؟ جس طرح یہ امر اس آدمی کے لیے مخفی نہیں جس کو ادنیٰ بصیرت حاصل ہو۔''سعدیہ''۔ اس کو اصول میں رکھنے کی وجہ اس سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ پھر ماقبل پر اس کی تفریع اس امر کا شعور دلاتی ہے جسے''البحر''میں بیان کیا ہے: دعویٰ اور شہادت میں مطابقت کی شرط اس وقت ہوتی ہے جب دعویٰ اس میں شرط ہو۔''تنویر الابصار''میں اس کی پیروی کی ہے جب کہ یہ امر ظاہر ہے۔ کیونکہ دعویٰ کا پہلے ہونا جب کہ وہ شرط نہ ہو تو اس کا وجود اس کے عدم کی طرح ہوتا ہے۔ پس باہم مطابقت نہ ہونا کوئی نقصان نہیں دے گا۔ پھر ماقبل پر اس کی تفریع یہ اس کے منافی نہ ہوگی کہ یہ کسی اور کے لیے اصل ہو وہ شہادت میں اختلاف ہے۔ فافہم

جو امر واضح ہو چکا ہے اس سے وہ اعتراض اٹھ جاتا ہے جو''شرنبلالیہ''میں کیا ہے: ان کا قول: ان اصولوں میں سے یہ ہے کہ حقوق العباد پر شہادت اس باب میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق شہادت میں اختلاف سے ہے شہادت کے قبول کرنے یا قبول نہ کرنے سے نہیں ہے۔ فتدبر

27082۔ (قولہ: وَهٰذَا أَحَدُ الْأُصُولِ الخ) اس پر متنبہ کیا اس سے ماقبل پر متنبہ نہیں کیا تاکہ اس وہم کو دور کیا جائے جو اس کے اصل نہ ہونے کے بارے میں ہے۔ اس وہم کا سبب یہ ہے کہ یہ ماقبل پر مفرع ہے۔ کیونکہ جس طرح ہم پہلے بیان کر آئے ہیں ان میں کوئی منافات نہیں۔ ورنہ اس سے ماقبل جو ہے وہ بھی اصل ہے جس طرح تو جان چکا ہے۔ فتنبہ

27083۔ (قولہ: أَوْ إِرْثٍ) اس بارے میں''کنز''کی پیروی کی ہے۔ مشہور یہ ہے کہ یہ ملک مطلق کے دعویٰ کی طرح ہے جس طرح''البحر''میں''الفتح''سے مروی ہے۔ شارح عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔ اگر اس نے یہاں اس کو ساقط کر دیا ہوتا تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔''ح''۔

27084۔ (قولہ: قُبِلَتْ) اس میں قید ہے''البحر''میں''الخلاصہ''سے مروی ہے۔

27085۔ (قولہ: بِأَنْ ادَّعَى بِسَبَبٍ) یعنی عین کا دعویٰ کیا دین کا دعویٰ نہیں کیا۔''بحر''۔

بِالْأَكْثَرِ كَمَا مَرَّ قُلْتُ وَهَذَا فِي غَيْرِ دَعْوَى إِرْثٍ وَنِتَاجٍ وَشِرَاءٍ مِنْ مَجْهُولٍ كَمَا بَسَطَهُ الْكَمَالُ، وَاسْتَثْنَى فِي الْبَحْرِ ثَلَاثَةً وَعِشْرِينَ (وَكَذَا تَجِبُ مُطَابَقَةُ الشَّهَادَتَيْنِ لَفْظًا وَمَعْنًى) إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ وَأَرْبَعِينَ مَسْأَلَةً مَبْسُوطَةً فِي الْبَحْرِ وَزَادَ ابْنُ الْمُصَنِّفِ فِي حَاشِيَتِهِ عَلَى الْأَشْبَاهِ ثَلَاثَةَ عَشَرَ أُخَرَ تَرَكْتُهَا خَشْيَةَ التَّطْوِيلِ (بِطَرِيقِ الْوَضْعِ) لَا التَّضَمُّنِ،

کیونکہ یہ شہادت اکثر کی شہادت ہے جس طرح قول گزر چکا ہے میں کہتا ہوں: یہ وراثت اور جانور کے ہاں بچہ پیدا ہونے اور مجہول سے خریداری کے علاوہ میں معاملہ ہے جس طرح ''کمال'' نے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ''البحر'' میں تیئس کی استثنا کی ہے۔ اسی طرح دونوں شہادتوں کا لفظوں اور معنی میں مطابقت واجب ہے مگر بیالیس مسائل میں جن کی تفصیل ''البحر'' میں ہے۔ مصنف کے صاحبزادے نے ''الاشباہ'' پر اپنے حاشیہ میں تیرہ اور کا اضافہ کیا ہے جن کو میں نے طوالت کے خوف سے ترک کر دیا ہے۔ یہ مطابقت وضع کے طریقہ پر ہو تضمن کے طریقہ پر نہ ہو۔

27086۔ (قولہ: بِالْأَكْثَرِ) اس میں گواہی قبول نہیں کی جائے گی مگر جب موافقت کا اظہار کرے۔ ''بحر''۔

27087۔ (قولہ: فِي غَيْرِ دَعْوَى إِرْثٍ) کیونکہ یہ ملک مطلق کے مساوی ہے۔ جس طرح ہم نے اسے پہلے (مقولہ 27083 میں) بیان کیا ہے۔

27088۔ (قولہ: وَنِتَاجٍ) کیونکہ مطلق اس سے اقل ہے۔ کیونکہ یہ احتمال پر اولویت کا فائدہ دیتی ہے اور نتاج یقینی طور پر اولویت کا فائدہ دیتی ہے۔ ''الہامش'' میں ذکر کیا ہے: جاندار کے ہاں بچے کی ولادت پر شہادت یہ ہے کہ دونوں یہ گواہی دیں کہ یہ اس اونٹنی کے تابع ہے اور ولادت پر شہادت دینا شرط نہیں۔ ''فتاویٰ الہندیہ''، باب تحمل الشہادۃ۔ ''تاتر خانیہ'' سے وہ ''ینابیع'' سے نقل کرتے ہیں۔

27089۔ (قولہ: وَشِرَاءٍ مِنْ مَجْهُولٍ) کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ ملک مطلق کے مساوی ہے۔ اسی طرح قرض کے دعویٰ کے علاوہ میں ہے، ''بحر''۔ اسی کی مثل دعویٰ قبض کے ساتھ شرا ہے۔ جب ایک آدمی شرا (خریداری) اور قبض کا دعویٰ کرے اور دو گواہ ملک طلق پر گواہیاں دیں تو اس شہادت کو قبول کیا جائے گا۔ ''بحر'' میں ''الخلاصہ'' سے مروی ہے۔ ''الفتح'' میں ''العمادیہ'' سے اختلاف کی حکایت کی ہے۔

27090۔ (قولہ: ثَلَاثَةً وَعِشْرِينَ) لیکن ''البحر'' میں ان کے بعد ذکر کیا: حقیقت میں استثنا نہیں ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

27091۔ (قولہ: خَشْيَةَ التَّطْوِيلِ) شارح نے کتاب الوقف میں اسے پہلے بیان کر دیا ہے۔

دو گواہوں کی شہادت میں لفظاً اور معنیً مطابقت واجب ہے

27092۔ (قولہ: بِطَرِيقِ الْوَضْعِ) اس کا معنی مطابقی ہے (یعنی دلالت مطابقیہ) یہ وہ تعبیر ہے جسے ''زیلعی'' نے لفظ

وَاكْتَفَيَا بِالْمُوَافَقَةِ الْمَعْنَوِيَّةِ وَبِهِ قَالَتْ الْأَئِمَّةُ الثَّلَاثَةُ

اور دونوں (''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما) نے موافقت معنویہ پر اکتفا کیا ہے تینوں ائمہ نے یہی ارشاد فرمایا ہے۔

میں موافقت کی تفسیر بنایا ہے کیونکہ کہا: لفظ میں اتفاق سے مراد یہ ہے: دونوں لفظ معنی کے بیان میں بطریق وضع نہ کہ بطریق تضمن مطابق ہوں یہاں تک کہ اگر ایک آدمی سو دراہم کا دعویٰ کرے اور ایک گواہ ایک درہم اور دوسرا گواہ دو درہموں کی تیسرا تین کی اور چوتھا چار کی اور ایک اور پانچ دراہم کی گواہی دی امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ لفظاً موافقت نہیں اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک چار درہم کے بارے میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔

اس سے جو امر ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے: ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے بطریق وضع دونوں لفظوں کے ایک معنی پر موافقت کا اعتبار کیا ہے اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے موافقت معنویہ پر اکتفا کیا ہے اگرچہ تضمن کے طریقہ پر ہو اور انہوں نے دونوں لفظوں میں سے ہر ایک میں معنی موضوع لہ کی شرط نہیں لگائی۔ یہ مراد نہیں کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ میں توافق اور معنی وضعی میں توافق کی شرط لگائی ہے ورنہ اس پر جس تفریع کا ذکر کیا ہے کہ دونوں گواہوں میں سے ایک نکاح کی شہادت دے اور دوسرا تزویج کی شہادت دے اشکال کا باعث ہوتا۔ اسی طرح ہبہ اور عطیہ کا مسئلہ ہے۔

کیونکہ ان دونوں میں دونوں لفظ مختلف ہیں لیکن دونوں ایک معنی میں موافق ہیں دونوں میں سے ہر ایک بطریق وضع اس کا فائدہ دے رہا ہے۔ اس تطبیق پر وہ قول بھی دلالت کرتا ہے جسے ''زیلعی'' نے ''النہایہ'' سے نقل کیا ہے۔ کیونکہ کہا: اگر دونوں میں مخالفت لفظوں میں ہو معنی میں نہ ہو تو اس کی شہادت قبول ہوگی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک ہبہ پر گواہی دے اور دوسرا عطیہ پر گواہی دے۔ یہ حکم اس لیے ہے کیونکہ لفظ شہادت میں مقصود نہیں بلکہ مقصود وہ ہے لفظ جسے متضمن ہو وہ یہ کہ یہ لفظ اس کا علم بن گیا ہو۔ جب اس میں موافقت پائی جائے تو باقی ماندہ میں مخالفت نقصان نہ دے گی۔ کہا: اسی طرح اس کا ذکر کیا ہے اور اس میں اختلاف کا ذکر نہیں کیا۔ یہ اس سابقہ فرع کے خلاف ہے جسے ہم نے پہلے نقل کیا ہے۔ کیونکہ پانچ کا معنی مطابقی چار پر دلالت نہیں کرتا بلکہ چار کو متضمن ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسے قبول نہیں کیا اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے اسے قبول کیا ہے۔ کیونکہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما تضمن پر اکتفا کرتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے: ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بعینہ لفظ پر اتفاق شرط نہیں بلکہ یہ شرط ہے کہ بعینہ موافق ہو یا اس کے مرادف ہو۔ صاحب ''النہایہ'' کا قول ہے: لان اللفظ ليس بمقصود اس سے مراد یہ ہے کہ الفاظ پر بعینہ موافقت مقصود نہیں نہ کہ مطلقاً موافقت مقصود نہیں جس طرح گمان کیا گیا ہے۔ فافہم

27093۔ (قولہ: بِالْمُوَافَقَةِ الْمَعْنَوِيَّةِ) اگر یہ قول کیا جائے: تمام ائمہ کے قول پر اشکال پیدا کرے گا اگر دونوں میں سے ایک کہے مرد نے بیوی سے کہا: انت خلية تو آزاد ہے اور دوسرے نے کہا: انت برية تو بری ہے۔ تو اصلاً جدائی کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا جب کہ دونوں اس کا معنی نہیں دیتے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا: یہ مترادف نہیں بلکہ یہ دونوں معنوں میں

(وَلَوْ شَهِدَ أَحَدُهُمَا بِالنِّكَاحِ وَالْآخَرُ بِالتَّزْوِيجِ قُبِلَتْ) لِاتِّحَادِ مَعْنَاهُمَا (كَذَا الْهِبَةُ وَالْعَطِيَّةُ وَنَحْوُهُمَا، وَلَوْ شَهِدَ أَحَدُهُمَا بِأَلْفٍ وَالْآخَرُ بِأَلْفَيْنِ أَوْ مِائَةٍ وَمِائَتَيْنِ أَوْ طَلْقَةٍ وَطَلْقَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثٍ رُدَّتْ) لِاخْتِلَافِ الْمَعْنَيَيْنِ (كَمَا لَوْ ادَّعَى غَصْبًا أَوْ قَتْلًا فَشَهِدَ أَحَدُهُمَا بِهِ وَالْآخَرُ بِالْإِقْرَارِ بِهِ) لَمْ تُقْبَلْ، وَلَوْ شَهِدَا بِالْإِقْرَارِ بِهِ قُبِلَتْ (وَكَذَا) لَا تُقْبَلُ (فِي كُلِّ قَوْلٍ جُمِعَ مَعَ فِعْلٍ) بِأَنْ ادَّعَى أَلْفًا فَشَهِدَ أَحَدُهُمَا بِالدَّفْعِ وَالْآخَرُ بِالْإِقْرَارِ بِهَا لَا تُسْمَعُ لِلْجَمْعِ بَيْنَ قَوْلٍ وَفِعْلٍ قُنْيَةٌ، إلَّا إذَا اتَّحَدَا لَفْظًا كَشَهَادَةِ أَحَدِهِمَا بِبَيْعٍ أَوْ قَرْضٍ أَوْ طَلَاقٍ أَوْ عَتَاقٍ وَالْآخَرِ بِالْإِقْرَارِ بِهِ فَتُقْبَلُ لِاتِّحَادِ صِيغَةِ الْإِنْشَاءِ وَالْإِقْرَارِ، فَإِنَّهُ يَقُولُ فِي الْإِنْشَاءِ بِعْتُ وَاقْتَرَضْتُ

اگر دونوں گواہوں میں سے ایک نے نکاح کی گواہی دی اور دوسرے نے تزویج کی گواہی دی تو گواہی قبول کی جائے گی۔ کیونکہ دونوں کا معنی ایک ہے۔ اسی طرح ہبہ، عطیہ وغیر ہما ہے۔ اگر دونوں میں سے ایک نے ہزار کی اور دوسرے نے دو ہزار کی شہادت دی یا سو اور دو سو کی گواہی دی یا ایک طلاق، دو طلاق یا تین طلاقوں کی گواہی دی تو اس گواہی کو رد کر دیا جائے گا۔ کیونکہ دونوں معنوں میں اختلاف ہے جس طرح ایک آدمی غصب کا دعویٰ کرتا ہے یا قتل کا دعویٰ کرتا ہے دونوں میں سے ایک اسی امر کی اور دوسرا اقرار کی گواہی دیتا ہے تو اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی اگر دونوں اقرار کی گواہی دیں تو اس کی گواہی کو قبول کیا جائے گا۔ اسی طرح شہادت کو ہر ایسے قول میں قبول کیا جائے گا جسے فعل کے ساتھ جمع کیا گیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی ہزار کا دعویٰ کرے تو دونوں گواہوں میں سے ایک اس کی ادائیگی کا اور دوسرا اس کے اقرار کی شہادت دے تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ قول وفعل کو جمع کیا جائے گا ''قنیۃ''۔ مگر جب دونوں لفظوں میں متحد ہوں جس طرح دونوں میں سے ایک بیع کی، قرض کی، طلاق یا آزادی کی شہادت دے اور دوسرا اس کے اقرار کی شہادت دے تو اس شہادت کو قبول کیا جائے گا کیونکہ انشاء اور اقرار کا صیغہ ایک ہے۔ کیونکہ وہ انشا میں کہتا ہے: بعت (میں نے بیچا) اقرضت (میں نے قرض دیا)

متباین ہیں دونوں کو ایک لازم لازم آتا ہے۔ وہ بینونت کا وقوع ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''الفتح'' میں ہے۔

27094۔ (قولہ: لِاتِّحَادِ مَعْنَاهُمَا) یعنی دونوں کا معنی کلی طور پر متحد ہے تو یہ یوں ہو گیا گویا لفظ بھی متحد ہے۔ فافہم

27095۔ (قولہ: وَلَوْ شَهِدَا بِالْإِقْرَارِ) اس کا مقتضا یہ ہے کہ فعل کے ساتھ قول میں دعویٰ اور شہادت میں اختلاف کوئی نقصان نہیں دیتا۔ اس میں گواہوں کا اختلاف مختلف ہے۔

27096۔ (قولہ: لِلْجَمْعِ بَيْنَ قَوْلٍ وَفِعْلٍ) یہ صورت مختلف ہوگی جب دونوں میں سے ایک ہزار کی مدعیٰ علیہ کے خلاف گواہی دے اور دوسرا گواہ مدعیٰ علیہ کے ہزار کے اقرار پر گواہی دے تو اسے قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ قول وفعل کو جمع کرنا نہیں۔ ''منلا علی ترکمانی'' نے ''الحاوی الزاہدی'' سے روایت کیا ہے۔

27097۔ (قولہ: إلَّا إذَا اتَّحَدَا) ظاہر یہ ہے کہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ کیونکہ ان صورتوں میں قول کے ساتھ فعل نہیں بلکہ یہ

وَفِي الْإِقْرَارِ كُنْتُ بِعْتُ وَاقْتَرَضْتُ فَلَمْ يُمْنَعِ الْقَبُولُ، بِخِلَافِ شَهَادَةِ أَحَدِهِمَا بِقَتْلِهِ عَمْدًا بِسَيْفٍ وَالْآخَرِ بِهِ بِسِكِّينٍ لَمْ تُقْبَلْ لِعَدَمِ تَكْرَارِ الْفِعْلِ بِتَكَرُّرِ الْآلَةِ مُحِيطٌ وَشُرُنْبُلَالِيَّةٌ (وَتُقْبَلُ عَلَى أَلْفٍ فِي) شَهَادَةِ أَحَدِهِمَا (بِأَلْفٍ وَ) الْآخَرِ (بِأَلْفٍ وَمِائَةٍ إِنْ ادَّعَى) الْمُدَّعِي (الْأَكْثَرَ) لَا الْأَقَلَّ إِلَّا أَنْ يُوَفِّقَ بِاسْتِيفَاءٍ أَوْ إِبْرَاءٍ ابْنُ كَمَالٍ، وَهَذَا فِي الدَّيْنِ (وَفِي الْعَيْنِ تُقْبَلُ عَلَى الْوَاحِدِ كَمَا لَوْ شَهِدَ وَاحِدٌ أَنَّ هَذَيْنِ الْعَبْدَيْنِ لَهُ وَآخَرُ أَنَّ هَذَا لَهُ قُبِلَتْ عَلَى) الْعَبْدِ (الْوَاحِدِ) الَّذِي اتَّفَقَا عَلَيْهِ اتِّفَاقًا دُرَرٌ (وَفِي الْعَقْدِ لَا) تُقْبَلُ (مُطْلَقًا) سَوَاءٌ كَانَ الْمُدَّعِي أَقَلَّ الْمَالَيْنِ أَوْ أَكْثَرَهُمْ عَزْمِي زَادَهْ ثُمَّ فَرَّعَ عَلَى هَذَا الْأَصْلِ بِقَوْلِهِ (فَلَوْ شَهِدَ وَاحِدٌ بِشِرَاءِ

اقرار میں کہتا ہے: کنت بعت میں نے بیچا تھا کنت اقترضت، میں نے قرض لیا تھا تو قبول کرنا ممنوع نہیں۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب دونوں میں سے ایک جان بوجھ کر تلوار سے قتل کی شہادت دے اور دوسرا چھری سے قتل کی شہادت دے تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ آلہ کے متکرر ہونے سے فعل میں تکرار نہیں ہوتا ''محیط'' و ''شرنبلالیہ''۔ ایک ہزار پر گواہی قبول کی جائے گی جب دونوں میں سے ایک ہزار کی شہادت دے اور دوسرا ہزار اور ایک سو کی شہادت دے اگر مدعی زیادہ کا دعویٰ کرے کم کا دعویٰ نہ کرے ورنہ وہ پورا حق لے لینے یا بری کر دینے سے تطبیق دے، ''ابن کمال''۔ یہ دین کے متعلق ہے اور عین کے معاملہ میں ایک پر شہادت کو قبول کیا جائے گا جس طرح اگر ایک آدمی گواہی دے کہ یہ دونوں غلام اس کے ہیں اور دوسرا گواہی دے کہ یہ اس کا ہے تو جس پر دونوں گواہوں کا اتفاق ہوا ہے اس ایک غلام پر گواہی کو بالاتفاق قبول کیا جائے گا، ''درر''۔ عقد میں مطلقاً اسے قبول نہ کیا جائے گا خواہ مدعی دونوں مالوں میں سے کم رقم ہو یا ان سے اکثر ہو ''عزمی زادہ''۔ پھر اس قاعدہ پر اپنے اس قول سے تفریع ذکر کی ہے: اگر ایک ایک غلام کے خریدنے کی

دو قول ہیں۔ کیونکہ انشاء اور اس کا اقرار دونوں میں سے ہر ایک قول ہے جس طرح عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔

27098۔ (قولہ: بِأَلْفٍ وَمِائَةٍ) دس اور پندرہ کا معاملہ مختلف ہے ایسی گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ مرکب ہے جیسے دو ہزار۔ کیونکہ دونوں میں حرف عطف نہیں جس طرح شارح نے اس کا ذکر کیا ہے۔

27099۔ (قولہ: إِلَّا أَنْ يُوَفِّقَ) جیسے وہ کہے: میرا اس پر اتنا ہی حق ہے جیسے اس نے گواہی دی ہے مگر اس نے مجھے اتنا علم کے بغیر دے دیا ہے۔ ''البحر'' میں ہے: یہاں گواہیوں کے ساتھ تطبیق کو ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ اس کے ساتھ مکمل ہو جاتا ہے اگر وہ شرا کے ساتھ ملک کا دعویٰ کرے اور وہ دونوں ہبہ کا دعویٰ کریں تو معاملہ مختلف ہوگا کیونکہ بینہ کے ساتھ اس کے ثابت کرنے کی ضرورت ہے۔ ''سائحانی''۔

27100۔ (قولہ: وَهَذَا فِي الدَّيْنِ) یعنی دونوں شہادتوں میں لفظ موافقت شرط ہے۔

27101۔ (قولہ: سَوَاءٌ كَانَ الْمُدَّعِي الخ) خواہ مدعی بائع ہو یا مشتری ہو ''درر''۔

عَبْدٍ أَوْ كِتَابَتِهِ عَلَى أَلْفٍ وَآخَرُ بِأَلْفٍ وَخَمْسِمِائَةٍ رُدَّتْ) لِأَنَّ الْمَقْصُودَ إِثْبَاتُ الْعَقْدِ، وَهُوَ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْبَدَلِ فَلَمْ يَتِمَّ الْعَدَدُ

شہادت دے یا ہزار پر مکاتب بنانے کی شہادت دے اور دوسرا گواہ پندرہ سو کی گواہی دی تو اس گواہی کو رد کر دیا جائے گا۔ کیونکہ مقصود عقد کو ثابت کرنا ہے جب کہ وہ بدل کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتا ہے پس عدد کسی

27102۔(قولہ: أَوْ كِتَابَتِهِ عَلَى أَلْفٍ) یہ قول اس صورتحال کو شامل ہے جب غلام اس کا دعویٰ کرے اور آقا اس کا انکار کرے جب کہ یہ امر ظاہر ہے۔ کیونکہ اس کا مقصود عقد ہے اور اسے شامل ہے جب مدعی آقا ہو جس طرح صاحب ''ہدایہ'' نے جو کچھ ''جامع صغیر'' میں ہے اس پر اضافہ کیا ہے۔ ''الفتح'' میں کہا: کیونکہ آقا کا اپنے غلام کے خلاف مال کا دعویٰ صحیح نہیں۔ کیونکہ اس کا اپنے غلام کے خلاف کوئی دین نہیں ہاں کتابت کے واسطہ سے دین ہو سکتا ہے۔ پس غلام کا انکار اس کی طرف پھر جائے گا۔ کیونکہ یہ معلوم ہے کہ آقا کا صرف اسی طریقہ سے غلام پر دین متصور ہو سکتا ہے۔ پس شہادت تو صرف اس کو ثابت کرنے کے لیے ہے۔ ''البحر'' اور ''التبیین'' میں ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: آقا کے بینہ کچھ مفید نہ ہوں گے کیونکہ غلام کے حق میں عقد لازم نہیں۔ کیونکہ عاجز آنے کی صورت میں وہ فسخ کتابت پر قادر ہوتا ہے۔ اس قول کو ''عینی'' نے جزم ویقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ''الجامع'' کی عبارت سے جو کچھ مفہوم ہوا ہے یہ اس کے موافق ہے۔

27103۔(قولہ: وَهُوَ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْبَدَلِ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دونوں گواہوں نے اگر شرا کے بارے میں گواہی دی اور ثمن کی وضاحت نہ کی تو شہادت کو قبول نہ کیا جائے گا۔ اس کی مکمل بحث ''البحر'' میں ہے۔ ''خیر رملی'' نے اس پر اپنے حاشیہ میں کہا: اس محل اور دوسرے محل میں جو کلام ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ جس جگہ ثمن کی قضا کی ضرورت ہو تو ثمن کا ذکر، اس کی مقدار کا ذکر اور اس کی صفت کا ذکر ضروری ہے۔ اور جہاں اس کی قضا کی ضرورت نہ ہو تو اس کے ذکر کی حاجت نہیں۔

تنبیہ

''المبسوط'' میں ہے: جب کوئی آدمی کسی ایسے گھر کی خرید کا دعویٰ کرے جو گھر کسی کے قبضہ میں تھا اور دو گواہوں نے گواہی دی اور دونوں نے ثمن کا ذکر نہ کیا اور بائع اس کا انکار کرتا ہے تو دونوں کی شہادت باطل ہوگی۔ کیونکہ دعویٰ اگر شہادت کی صفت کے ساتھ ہو تو وہ فاسد ہوتا ہے تو دونوں کی شہادت باطل ہوگی۔ کیونکہ دعویٰ اگر شہادت کی صفت کے ساتھ ہو تو فاسد ہوتا ہے اگر ثمن کے ذکر کے ساتھ ہو تو گواہوں نے وہ گواہی نہیں دی جس کا مدعی نے دعویٰ کیا تھا پھر قاضی کے ذکر کے ساتھ ہو تو گواہوں نے وہ گواہی نہیں دی جس کا مدعی نے دعویٰ کیا تھا پھر قاضی عقد کے فیصلہ کا محتاج ہے اور اس پر عقد کی قضا متعذر رہوتی ہے جب ثمن کا ذکر نہ کیا جائے۔ کیونکہ جس ثمن کے ذکر کے بغیر ابتداءً بیع صحیح نہیں اسی طرح ثمن کے ذکر کے بغیر قضا ظاہر نہ ہوگی۔ اور اس کے لیے یہ ممکن نہیں ہوگا کہ وہ ثمن کا فیصلہ کرے جب گواہوں نے اس پر گواہی نہیں دی۔ پھر کہا: اگر دونوں گواہوں نے

عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ (وَمِثْلُهُ الْعِتْقُ بِمَالٍ وَالصُّلْحُ عَنْ قَوَدٍ وَالرَّهْنُ وَالْخُلْعُ إِنْ ادَّعَى الْعَبْدُ وَالْقَاتِلُ وَالرَّاهِنُ وَالْمَرْأَةُ) لَفٌّ وَنَشْرٌ مُرَتَّبٌ إِذْ مَقْصُودُهُمْ إِثْبَاتُ الْعَقْدِ كَمَا مَرَّ (وَإِنْ ادَّعَى الْآخَرُ) كَالْمَوْلَى مَثَلًا (فَكَدَعْوَى الدَّيْنِ) إِذْ مَقْصُودُهُمْ الْمَالُ

ایک پر مکمل نہ ہوا۔ اس کی مثل مال کے بدلے میں آزادی، قصاص کے بدلے میں صلح، دین اور خلع کا معاملہ ہے اگر غلام، قاتل، راہن اور عورت اس کا دعویٰ کرے۔ یہ کلام لف نشر مرتب کے طریقہ پر ہے۔ کیونکہ ان کا مقصود عقد کو ثابت کرنا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ اگر دوسرا جیسے مثلاً آقا دعویٰ کرے تو وہ دین کے دعویٰ کی طرح ہوگا۔ کیونکہ ان کا مقصود مال ہے۔

بیع کے بارے میں بیع کے اقرار پر گواہی دی اور دونوں نے ثمن کا ذکر نہ کیا اور دونوں نے ثمن پر قبضہ کی شہادت نہ دی تو شہادت باطل ہوگی۔ کیونکہ قاضی کو عقد کی قضا کی حاجت ہے۔ اور وہ اس پر قادر نہیں جب ثمن کا ذکر نہ کیا جائے۔ اگر دونوں گواہ کہیں: اس نے ہمارے پاس اس کا اقرار کیا ہے کہ اس نے یہ اس کے ہاتھ بیچی اور پوری ثمن لے لی اور دونوں نے ثمن کا ذکر نہیں کیا تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ ضرورت مدعی کے حق میں ملک کی قضا کی ہے عقد کی قضا کی ضرورت نہیں۔ پس ثمن پوری لینے کے ساتھ عقد کا حکم اپنی انتہا کو جا پہنچا۔

27104۔ (قولہ: عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ) کل کے لفظ کی کوئی حاجت نہیں۔ ''سعدیہ''۔

27105۔ (قولہ: وَالرَّهْنُ) ''البحر'' میں کہا: ''ہدایہ'' کا ظاہر معنی یہ ہے کہ رہن یہ دین کے دعویٰ کے قبیل سے ہے۔ ''العنایہ'' میں ''النہایہ'' کی پیروی کرتے ہوئے اس پر یہ اعتراض کیا ہے: ہزار کا عقد رہن یہ ڈیڑھ ہزار کے عقد رہن کا غیر ہے تو ضروری ہے کہ گواہیاں قبول نہ کی جائیں اگرچہ مدعی، مرتہن ہو۔ کیونکہ ان دونوں گواہوں میں سے ایک کو جھٹلایا ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا کہ عقد، مرتہن کے حق میں غیر لازم ہے۔ کیونکہ اسے رد کرنے کا اختیار ہوگا جب چاہے گا۔ پس وہ عدم کے حکم میں ہوگا۔ پس اعتبار دین کے دعویٰ کا ہوگا۔ کیونکہ رہن، دین کے بدلہ میں ہوتا ہے۔ پس گواہیاں قبول کی جائیں گی جس طرح باقی دیون میں ہوتا ہے۔ اور ہزار کے بدلے میں رہن ضمناً اور تبعاً ثابت ہوگا ''حواشی یعقوبیہ'' میں راہن کا ذکر ہے۔ (مقولہ 27108)

27106۔ (قولہ: إِنْ ادَّعَى الْعَبْدُ) صرف عتق کے مسئلہ کو مال کے ساتھ مقید کیا ہے اگر مصنف کے قول او کتابتہ، اس کے عموم پر جاری کیا جائے اس کی موافقت کرتے ہوئے جو صاحب ہدایہ نے کہا ہے یا ''العنایہ'' اور ''النہایہ'' کے قول کے موافقت ہوگی اگر مصنف کے قول کو اس کے ساتھ خاص کیا جائے جب غلام کتابت کا دعویٰ کرے۔ یہ اس کے موافق ہے جو ''الجامع'' میں ہے اور اس کے موافق ہے جو ''عینی'' میں ہے۔

27107۔ (قولہ: فَكَدَعْوَى الدَّيْنِ) اس دین کے دعویٰ کی طرح جو عقد سے منفرد ہو۔ ''سعدیہ''۔

27108۔ (قولہ: إِذْ مَقْصُودُهُمْ الْمَالُ) کیونکہ عتق، عفو اور طلاق صاحب ''ہدایہ'' کے اعتراف کے مطابق ثابت ہو

فَتُقْبَلُ عَلَى الْأَقَلِّ إنْ ادَّعَى الْأَكْثَرَ كَمَا مَرَّ (وَالْإِجَارَةُ كَالْبَيْعِ) لَوْ (فِي أَوَّلِ الْمُدَّةِ) لِلْحَاجَةِ لِإِثْبَاتِ الْعَقْدِ (وَكَالدَّيْنِ بَعْدَهَا) لَوْ الْمُدَّعِي الْمُؤَجِّرَ، وَلَوْ الْمُسْتَأْجِرَ فَدَعْوَى عَقْدٍ اتِّفَاقًا (وَصَحَّ النِّكَاحُ) بِالْأَقَلِّ أَيْ (بِأَلْفٍ) مُطْلَقًا (اسْتِحْسَانًا) خِلَافًا لَهُمَا

پس اقل پر گواہوں کو قبول کیا جائے گا اگر وہ اکثر کا دعویٰ کرے جس طرح قول گزر چکا ہے۔ اور اجارہ، بیع کی طرح ہے اگر موت کے آغاز میں ہو۔ کیونکہ عقد کو ثابت کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کے بعد دین کی طرح ہے اگر مدعی موجر ہو۔ اگر مدعی مستاجر ہو تو بالاتفاق دعویٰ عقد کی طرح ہے۔ اور نکاح اقل یعنی ہزار کے ساتھ مطلقاً بطور استحسان صحیح ہو جائے گا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

چکا ہے پس دعویٰ باقی نہیں رہا مگر دین میں باقی رہا ہے، ''فتح''۔ ''الایضاح'' میں یہ زائد ذکر کیا ہے: رہن میں اگر مدعی راہن ہو تو گواہی قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ دین میں اس کا کوئی حصہ نہیں پس شہادت دعویٰ سے خالی ہوگئی اگر مدعی مرتہن ہو تو وہ دعویٰ دین کے قائم مقام ہے۔ ''یعقوبیہ'' میں ہے۔ ''التبیین'' میں راہن کا ذکر ہے جو مناسب نہیں۔

27109۔ (قولہ: عَلَى الْأَقَلِّ) یعنی بالاتفاق اقل پر گواہی کو قبول کیا جائے گا اگر اکثر کا شاہد صرف عطف کے ساتھ گواہی دے جیسے ہزار اور پانچ سو۔ اگر اس کے علاوہ کے ساتھ گواہی دے جیسے ہزار اور دو ہزار تو ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اسی طرح ہے اور ''امام اعظم'' کے نزدیک کسی بھی شے کے بارے میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا، ''فتح''۔

27110۔ (قولہ: الْعَقْدِ) عقد بدل کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہو جائے گا پس اجارہ ثابت نہیں ہوگا۔ ''فتح''۔

27111۔ (قولہ: وَكَالدَّيْنِ) کیونکہ مدت کے بعد صرف اجر ہی مقصود ہے۔ ''فتح''۔

27112۔ (قولہ: بَعْدَهَا) وہ منفعت پوری کی پوری لے یا پوری کی پوری منفعت نہ لے اس کے بعد کہ وہ وصول کر چکا ہو۔ ''فتح''۔

27113۔ (قولہ: عَقْدٍ اتِّفَاقًا) کیونکہ وہ اجارہ کے مال کا معترف ہے۔ پس جس کا اس نے اعتراف کیا اس کا اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پس دونوں گواہوں کے اتفاق یا اس میں دونوں کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ اور نہ ہی عقد ثابت ہوگا۔ کیونکہ اختلاف پایا جاتا ہے۔

27114۔ (قولہ: مُطْلَقًا) خواہ خاوند یا بیوی اقل کا دعویٰ کرے یا اکثر کا دعویٰ کرے ''ہدایہ'' میں اسی طرح تصحیح کی ہے۔ ''الفتح'' میں ذکر کیا ہے: یہ روایت کے مخالف ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔

27115۔ (قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) کیونکہ دونوں نے کہا: یہ بھی باطل ہے۔ کیونکہ یہ عقد میں اختلاف ہے۔ یہی قیاس ہے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے: نکاح میں مال تابع ہوتا ہے اس میں اصل حلت ملکیت اور ازدواج ہے جو اصل ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں پس وہ ثابت ہو گیا۔ جب تبع میں اختلاف واقع ہو تو اقل کا فیصلہ کیا جائے گا۔ کیونکہ دونوں

(وَلَزِمَ) فِي صِحَّةِ الشَّهَادَةِ (الْجَرُّ بِشَهَادَةِ إِرْثٍ) بِأَنْ يَقُولَا مَاتَ
شہادت کے صحیح ہونے میں وارث کی شہادت جو لازم ہے وہ یہ ہے کہ دونوں کہیں: وہ مر گیا

اس پر متفق ہیں۔

27116_(قولہ: فِي صِحَّةِ الشَّهَادَةِ) گفتگو کے بعد ''البحر'' میں کہا: اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جر یہ دعویٰ کے صحیح ہونے کی شرط ہے نہ کہ مصنف کی کلام: من انه شرط القضاء بالبينة فقط سے جو متوہم ہوتا ہے یعنی یہ شرط ہے کہ وہ دعویٰ کے بارے میں کہے: وہ مر گیا اور اسے بطور میراث چھوڑا جس طرح شہادت میں شرط ہے اس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ کلام شہادت کے بارے میں ہے۔

27117_(قولہ: الْجَرُّ) یعنی نقل کرنا۔ یعنی وہ دونوں انتقال کی گواہی دیں۔ یہ یا تو صراحۃ ہوگا جس طرح شارح نے اس کی صورت بیان کی ہے یا موت کے وقت میت کے لیے ملکیت کو ثابت کرنے کے قائم مقام ہوگا، یا اس کے قبضہ یا اس کے نائب کے قبضہ کو ثابت کرنے کے قائم مقام ہوگا۔ یہ بھی اس کی موت کے وقت کا معاملہ ہے۔ یہ وہی چیز ہے جس طرف اس نے اپنے قول الا ان يشهدا الخ کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔ یہ طرفین کے نزدیک ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رطیٹیلیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ آپ کسی شے کی شرط نہیں لگاتے۔ اختلاف اس صورت میں ظاہر ہوگا جب دونوں اس امر کی گواہی دیں کہ یہ کسی زیادتی کے بغیر میت کی ملکیت تھی۔ دونوں سے اس میں اور جو آگے آرہا ہے اس میں فرق کا مطالبہ کیا گیا۔ آگے یہ ہے اگر دو آدمی زندہ کے حق میں گواہی دیں کہ یہ اس کی ملک میں ہے تو اس کی شہادت کو قبول کیا جائے گا۔ فرق وہ ہے جو ''الفتح'' میں اس تک ہے جس کا ذکر (مقولہ 27131 میں) آئے گا۔

ان حواشی کی تجرید کرنے والے نے کہا: مولف نے اپنے قول ''البحر'' پر حاشیہ لکھا ہے اس پر قلم زد کرنے کا نشان ہے لیکن میں اس پر یقین نہیں کر سکا میں نے اس کے ذکر کو پسند کیا ہے اگرچہ ما قبل سے یہ مفہوم ہے۔ کہا: ان کا قول ''البحر'' یہ طرفین کے نزدیک ہے۔ کیونکہ وارث کی ملکیت متجدد ہے اگر اس شہادت پر اکتفا کیا جائے گا کہ موت کے وقت مورث کی ملکیت کے قیام کی شہادت پر اکتفا کیا جائے۔ کیونکہ ضرورۃً انتقال ثابت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس کا قبضہ اور اس کا قبضہ جو اس کے قائم مقام ہوتا ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رطیٹیلیہ کہتے ہیں: وارث کی ملکیت مورث کی ملکیت ہے۔ پس مورث کے حق میں ملکیت کی شہادت وارث کے حق میں شہادت ہوگی۔ جر یہ ہے کہ گواہ یہ کہے: وہ مر گیا اور اس نے اسے بطور میراث چھوڑا یا ایسی بات کرے جو اس کے قائم مقام ہو کہ موت کے وقت اس کی ملکیت کو ثابت کرے، اس کے قبضہ کو ثابت کرے یا اس کے قبضہ کو ثابت کرے جو اس کے قائم مقام ہو۔ جب وارث نے یہ ثابت کر دیا کہ یہ عینی چیز اس کے مورث کی تھی تو اس کے حق میں اس کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ محل اختلاف ہے۔ حی (زندہ) کا معاملہ مختلف ہے جب وہ یہ ثابت کرے کہ یہ عینی چیز اس کی ہے تو استصحاب حال کا اعتبار کرتے ہوئے اس کے حق میں اس کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اصل بقا ہے۔

27118_(قولہ: إِرْثٍ) اس کی صورت یہ ہے کہ وارث کسی ایسی معین شے کا، جو کسی انسان کے قبضہ میں ہے، یہ دعویٰ

وَتَرَكَهُ مِيرَاثًا لِلْمُدَّعِي (إِلَّا أَنْ يَشْهَدَا بِمِلْكِهِ) عِنْدَ مَوْتِهِ (أَوْ يَدِهِ أَوْ يَدِ مَنْ يَقُومُ مَقَامَهُ) كَمُسْتَأْجِرٍ وَمُسْتَعِيرٍ وَغَاصِبٍ وَمُودَعٍ فَيُغْنِي ذَلِكَ عَنِ الْجَرِّ، لِأَنَّ الْأَيْدِيَ عِنْدَ الْمَوْتِ تَنْقَلِبُ يَدَ مِلْكٍ بِوَاسِطَةِ الضَّمَانِ، فَإِذَا ثَبَتَ الْمِلْكُ ثَبَتَ الْجَرُّ ضَرُورَةً (وَلَا بُدَّ مَعَ الْجَرِّ الْمَذْكُورِ (مِنْ بَيَانِ سَبَبِ الْوِرَاثَةِ

اور اس نے مدعی کے لیے میراث چھوڑی مگر اس صورت میں کہ اس کی موت کے وقت اس کی ملکیت کی، اس کے قبضہ کی اور یا جو اس کے قائم مقام ہے اس کے قبضہ کی شہادت دیں جیسے مستاجر، عاریۃً لینے والا، غاصب اور مودع۔ پس یہ جر میراث سے غنی کر دے گا۔ کیونکہ موت کے وقت قبضہ ضمان کے واسطہ سے قبضہ ملک کی طرف پھر جاتے ہیں۔ جب ملکیت ثابت ہوگئی تو جر میراث ضرورۃً ثابت ہوگئی۔ جر مذکور کے ساتھ وراثت کے سبب کا بیان اور یہ بیان ضروری ہے

کرے کہ یہ اس کے باپ کی میراث ہے اور دو گواہیاں قائم کر دے تو دونوں گواہی دیں کہ یہ اس کے باپ کی ہے تو اس کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ دونوں جر میراث کریں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ قول کریں۔

27119۔(قولہ: بِمِلْكِهِ) یعنی مورث کی ملکیت۔

27120۔(قولہ: عِنْدَ مَوْتِهِ) یعنی اس قید کا ہونا ضروری ہے جس طرح تو (مقولہ 27117 میں) جان چکا ہے۔ چاہیے یہ تھا کہ تو اس کا ذکر تینوں کے بعد کرتا۔

27121۔(قولہ: لِأَنَّ الْأَيْدِيَ) یہ اس امر کی دلیل ہے کہ میت کے قبضہ پر شہادت جر سے مستغنی کر دیتی ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے: جب موت کے وقت اس کا قبضہ ثابت ہو جائے گا اگر تو یہ ملکیت کا قبضہ ہو تو یہ امر ظاہر ہے۔ کیونکہ اس نے اس کی ملکیت کو ثابت کیا ہے، یا اس کی وضاحت یہ ہے کہ یہ وارث کی طرف منتقل ہو چکا ہے۔ پس انتقال ضرورۃً ثابت ہو جائے گا جس طرح جب دونوں ملکیت کی گواہی دیں اگر وہ امانت کا قبضہ ہو تو حکم اسی طرح ہوگا۔ کیونکہ امانات میں قبضہ موت کے وقت ضمان کے واسطہ سے ملک کے قبضہ کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں جب وہ اس کو جہالت میں رکھتے ہوئے مر گیا۔ کیونکہ وہ حفاظت کو ترک کر چکا تھا۔ مضمونہ چیز کا ضامن مالک ہو جاتا ہے جیسا کہ عرف ہے۔ پس اس وقت میں قبضہ کا اثبات ملکیت کا اثبات ہوتا ہے۔ جو اس کے قائم مقام ہو اس کے قبضہ پر شہادت کے ساتھ جر سے استغنا کی تعلیل کو ترک کر دیا ہے۔ کیونکہ وہ ظاہر ہے کیونکہ جو اس کے قائم مقام ہوتا ہے اس کے قبضہ کا اثبات اس کے قبضہ کا اثبات ہوتا ہے۔ پس موت کے وقت ملکیت کا اثبات یہ جر کے ذکر سے غنی کر دے گا۔ پس اس کا ذکر اس کے ذکر سے کفایت کر گیا۔

27122۔(قولہ: وَلَا بُدَّ مَعَ الْجَرِّ مِنْ بَيَانِ سَبَبِ الْوِرَاثَةِ) "الفتح" میں کہا: وہ میت اور وارث کا نسب بیان کریں یہاں تک کہ وہ ایک باپ پر مل جائیں اور وہ دونوں اس کا ذکر کریں کہ یہ اس کا ارث ہے۔ کیا ان کا قول وو ارثہ فی الاب والام والولد شرط ہے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ شرط ہے۔ فتویٰ اس کے شرط نہ ہونے پر ہے۔ اسی طرح ہر وہ شخص ہے جو کسی حال میں محجوب نہیں ہوتا۔ شہادت میں اس کا ذکر ضروری ہے کہ یہ میت کا پوتا ہے یا میت کی پوتی ہے۔ اور اس امر کی

وَ) بَيَانِ (أَنَّهُ أَخُوهُ لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ أَوْ لِأَحَدِهِمَا) وَنَحْوِ ذَلِكَ ظَهِيرِيَّةٌ، وَبَقِيَ شَرْطٌ ثَالِثٌ (وَ) هُوَ (قَوْلُ الشَّاهِدِ لَا وَارِثَ) أَوْ لَا أَعْلَمُ (لَهُ) وَارِثًا (غَيْرَهُ) وَرَابِعٌ، وَهُوَ أَنْ يُدْرِكَ الشَّاهِدُ الْمَيِّتَ وَإِلَّا فَبَاطِلَةٌ

کہ یہ اس کے ماں باپ یا دونوں میں سے کسی ایک کی جانب سے اس کا بھائی ہو وغیرہ، "ظہیریہ"۔ تیسری شرط باقی رہ گئی ہے وہ شاہد کا یہ قول ہے: اس کا کوئی وارث نہیں یا میں اس کے علاوہ اس کا کوئی وارث نہیں دیکھتا۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ گواہ میت کو پائے ورنہ گواہی باطل ہوگی۔

شہادت میں کہ یہ اس کا آقا ہے یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ آقا نے اسے آزاد کر دیا تھا۔ اس شرط کا ذکر نہ متن میں کیا اور نہ شرح میں کیا۔ ظاہر یہ ہے کہ تیسری شرط کے ساتھ جو اس سے غنی کر دیتا ہے، فلیتامل۔ اس میں غور کیجئے جس کا ذکر الشہادات سے پہلے (مقولہ 26700 میں) ہوا ہے۔

27123۔ (قولہ: سَبَبِ الْوِرَاثَةِ) وہ یہ ہے کہ مثلاً یہ اس کا بھائی ہے۔

27124۔ (قولہ: لِأَبِيهِ وَأُمِّهِ) "البحر" میں "البزازیہ" سے یہ ذکر کیا ہے: اگر انہوں نے یہ گواہی دی کہ یہ اس کا بیٹا ہے اور انہوں نے یہ نہ کہا: یہ اس کا وارث ہے اصح یہ ہے کہ یہ اسے کافی ہوگا جس طرح اگر وہ اس امر کی گواہی دیں کہ یہ اس کا باپ ہے یا اس کی ماں ہے اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ یہ میت کا چچا ہے تو دعویٰ کے صحیح ہونے کے لیے تفسیر شرط ہوگی۔ پس وہ کہے: یہ اس کے ماں باپ کی جانب سے چچا ہے یا صرف باپ کی جانب سے چچا ہے یا صرف ماں کی جانب سے چچا ہے۔ یہ کہنا بھی شرط ہوگا اس کا وارث جب وہ گواہیاں قائم کردے تو گواہوں کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ میت اور وارث کا نسب بیان کریں یہاں تک کہ وہ ایک باپ پر جا کر مل جائیں۔ اسی طرح یہ بھائی اور دادا میں ہوگا۔ ملخص

27125۔ (قولہ: وَارِثًا غَيْرَهُ) "فتح القدیر" میں کہا: جب وہ گواہی دیں کہ یہ اس کے مورث کا تھا اس نے اسے بطور میراث چھوڑا ہے اور یہ نہ کہا: ہم اس کے سوا اس کا کوئی وارث نہیں دیکھتے۔ اگر یہ ان لوگوں میں سے ہو جو ایک حال میں وارث ہوتے ہیں دوسرے حال میں وارث نہیں ہوتے تو وہ فیصلہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ مستحق نہ ہونے کا احتمال ہے یا ہر حال میں وارث ہوگا۔ قاضی احتیاط کرے گا اور ایک مدت تک انتظار کرے گا کیا اس کا کوئی دوسرا وارث تھا یا نہیں تھا؟ پھر سب کا فیصلہ کر دے گا۔ اگر اس کا حصہ احوال میں مختلف ہو جاتا ہو تو وہ اقل کا فیصلہ کرے گا اور وہ خاوند کے بارے میں چوتھائی اور بیوی کے بارے میں آٹھویں کا فیصلہ کر دے گا۔ مگر جب وہ یہ کہیں: ہم اس کے علاوہ کسی اور وارث کو نہیں جانتے۔ امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب کہ امام "ابوحنیفہ" رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت یہی ہے: وہ اکثر کا فیصلہ کر دے گا۔ ظاہر پہلا قول ہے۔ قاضی، طرفین کے نزدیک اس سے کفیل لے گا۔ امام "ابو یوسف" رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کفیل نہیں لے گا۔

اگر گواہ کہیں: اس واقع پر اس کا کوئی وارث نہیں جانتے امام "ابوحنیفہ" رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ کافی ہوگا "صاحبین" رحمہما اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

لِعَدَمِ مُعَايَنَةِ السَّبَبِ ذَكَرَهُمَا الْبَزَّازِيُّ (وَذِكْرُ اسْمِ الْمَيِّتِ لَيْسَ بِشَرْطٍ وَإِنْ شَهِدَا بِيَدِ حَيٍّ) سَوَاءٌ قَالَا (مُنْذُ شَهْرٍ أَوْ لَا (رُدَّتْ) لِقِيَامِهَا بِمَجْهُولٍ لِتَنَوُّعِ يَدِ الْحَيِّ (بِخِلَافِ مَا لَوْ شَهِدَا أَنَّهَا كَانَتْ مِلْكَهُ

کیونکہ سبب کا معاینہ نہیں ہوا۔ ''بزازی'' نے دونوں کا ذکر کیا ہے۔ میت کا نام ذکر کرنا شرط نہیں۔ اگر دونوں نے زندہ کے قبضہ کی گواہی دی خواہ دونوں نے کہا کہ یہ قبضہ ایک ماہ سے تھا یا اس کا ذکر نہ کیا تو گواہی کو رد کر دیا جائے گا۔ کیونکہ گواہی مجہول امر پر واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ زندہ کے قبضہ کی کئی انواع ہیں۔ اگر دونوں نے گواہی دی کہ یہ اس کی ملک تھی

کتاب الشہادات سے تھوڑا پہلے (مقولہ 26702 میں) مسئلہ گزر چکا ہے شرح ادب القضاء، باب نمبر چھپن میں اس کا ذکر کیا جب کہ وہ تین انواع پر منقسم ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ ہاں صاحب ''البحر'' نے اس کی ایسی تلخیص کی ہے جس میں خفا ہے جو (مقولہ 26702 میں) گزر چکا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہے کہ وارث اگر ان افراد میں سے ہو جس کو محرومی کے حجب کے ساتھ مجحوب کیا جاتا ہے اس شرط کا ذکر اصل قضا کے لیے ہے۔ اگر وہ وارث ان وارثوں میں سے ہے جن کو حجب نقصان کے ساتھ مجحوب کیا جاتا ہے تو اس کا ذکر اکثر کی قضا کے لیے شرط ہے اگر وہ دائمی وارث ہو اور کسی اور کی وجہ سے اس میں نقص واقع نہیں ہوتا تو اس کا ذکر فی الحال بغیر کسی انتظار کے قضا کے لیے شرط ہے۔ فتامل

27126۔ (قولہ: لِعَدَمِ مُعَايَنَةِ السَّبَبِ) کیونکہ ملکیت پر شہادت تسامع (سننے) سے جائز نہیں۔ ''فتح''۔

27127۔ (قولہ: الْبَزَّازِيُّ) ''الفتح'' میں اسی طرح ہے۔

27128۔ (قولہ: وَذِكْرُ اسْمِ الْمَيِّتِ) یہاں تک کہ اگر دو آدمی گواہی دیں کہ یہ اس کے دادا کا دادا ہے اور میت کا ذکر نہ کیا گیا تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ ''بزازیہ''۔

27129۔ (قولہ: رُدَّتْ) امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اس کی شہادت کو قبول کیا جائے گا۔

27130۔ (قولہ: يَدِ الْحَيِّ) کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ مثلاً وہ اس کی ملکیت ہے یا اس کی ودیعت ہے جب مثلاً وہ اس کی ودیعت ہو تو وہ اپنے حال پر باقی رہے گی۔ جہاں تک میت کا تعلق ہے تو وہ ودیعت اس کی ملک بن جائے گی جب اسے جہالت کی حالت میں چھوٹ کر مر جائے جس طرح پہلے (مقولہ 27121 میں) گزر چکا ہے۔

27131۔ (قولہ: أَنَّهَا كَانَتْ مِلْكَهُ) اگر دو گواہ ملک عین کے مدعی کے حق میں گواہی دیں جو کسی آدمی کے قبضہ میں ہو کہ یہ مدعی کی ملک ہے تو اس کے متعلق فیصلہ کر دیا جائے گا اگرچہ دونوں گواہ گواہی نہ دیں کہ یہ اب تک اس کی ملکیت ہے اس میں اور جو (مقولہ 27117 میں) گزر چکا ہے اس میں فرق یہ ہے کہ یہ میت کی ملکیت ہوتی ہے۔ اس گواہی کو رد کر دیا جائے گا جب تک وہ یہ گواہی نہ دیں کہ یہ موت کے وقت اس کی ملکیت تھی۔ ''الفتح'' میں جس کا ذکر کیا ہے: ''اگر دونوں گواہ حالت موت میں اس کی ملکیت کے ثبوت کی تصریح نہ کریں تو یہ ملکیت قاعدہ استصحاب سے ثابت نہیں ہوگی۔ اس کے ساتھ جو امر ثابت ہوتا ہے وہ ثابت کو باقی رکھنے کے لیے حجت ہے اور جو ثابت نہ ہو اس کو ثابت کرنے کے لیے یہ حجت نہیں۔ وارث میں

أَوْ أَقَرَّ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ بِذَلِكَ أَوْ شَهِدَ شَاهِدَانِ أَنَّهُ أَقَرَّ أَنَّهُ كَانَ فِي يَدِ الْمُدَّعِي) دُفِعَ لِلْمُدَّعِي لِمَعْلُومِيَّةِ الْإِقْرَارِ، وَجَهَالَةُ الْمُقَرِّ بِهِ لَا تُبْطِلُ الْإِقْرَارَ وَالْأَصْلُ أَنَّ الشَّهَادَةَ بِالْمِلْكِ الْمُنْقَضِي مَقْبُولَةٌ لَا بِالْيَدِ الْمُنْقَضِيَةِ لِتَنَوُّعِ الْيَدِ لَا الْمِلْكِ بَزَّازِيَّةٌ، وَلَوْ أَقَرَّ أَنَّهُ كَانَ بِيَدِ الْمُدَّعِي بِغَيْرِ حَقٍّ هَلْ يَكُونُ إِقْرَارًا لَهُ بِالْيَدِ؟ الْمُفْتَى بِهِ نَعَمْ جَامِعُ الْفُصُولَيْنِ فُرُوعٌ شَهِدَا بِأَلْفٍ وَقَالَ أَحَدُهُمَا قَضَى خَمْسَمِائَةٍ قُبِلَتْ بِأَلْفٍ إِلَّا إِذَا شَهِدَ مَعَهُ آخَرُ، وَلَا يَشْهَدُ مَنْ عَلِمَهُ حَتَّى يُقِرَّ الْمُدَّعِي بِهِ

یا مدعی علیہ نے اس کا اقرار کیا یا دونوں گواہ گواہی دیں کہ اس نے اقرار کیا کہ وہ مدعی کے قبضہ میں تھا تو وہ مدعی کو دے دے گا۔ کیونکہ اقرار معلوم ہے اور جس کا اقرار کیا گیا ہے اس کا مجہول ہونا اقرار کو باطل نہیں کرسکتا۔ قاعدہ یہ ہے: ختم ہو جانے والی ملکیت کے بارے میں شہادت مقبول ہوتی ہے وہ قبضہ جو ختم ہو جائے اس کے بارے میں گواہی قبول نہیں ہوتی۔ کیونکہ قبضہ کی انواع ہوسکتی ہیں، ملکیت کی انواع نہیں ہوسکتیں''بزازیہ''۔ اگر وہ اقرار کرے کہ وہ مدعی کے قبضہ میں ناحق چیز موجود تھی کیا یہ اس کے حق میں قبضہ کا اقرار ہوگا؟ مفتی بہ قول یہ ہے کہ ہاں''جامع الفصولین''۔ فروع: دو گواہوں نے ہزار کے بارے میں گواہی دی دونوں میں سے ایک نے کہا: اس نے پانچ سو ادا کر دیئے ہیں تو ہزار کے بارے میں گواہی قبول کی جائے گی مگر جب کوئی اور اس کے ساتھ گواہی دے اور جس کو یہ پتہ ہو وہ گواہی نہ دے یہاں تک کہ مدعی اس کا اقرار کرے۔

اسے اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ عین کے مدعی کا معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ کیونکہ استصحاب کے ساتھ جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ اس کی ملکیت کی بقا ہے اس کا تجدد نہیں۔

27132۔(قولہ: بِذٰلِكَ) اسم اشارہ سے مراد ید الحی ہوگا یا ملکہ ہوگا۔ جس نے صرف دوسرے پر اکتفا کیا ہے تو اس نے کوتاہی کی ہے۔

27133۔(قولہ: دَفَعَ لِلْمُدَّعِي) زیادہ بہتر یہ کہنا ہے: اسے مدعی کے حوالے کر دیا جائے گا جس طرح تامل سے ظاہر ہوتا ہے۔''البحر'' میں ہے: اس نے کہا: دفع الیہ یہ نہیں کہا: انہ اقرار بالملك۔ کیونکہ اگر وہ اس امر پر گواہی پیش کرے کہ یہ اس کی ملکیت ہے تو اسے قبول کیا جائے گا۔ یعنی قبضہ کے اقرار کے مسئلہ میں یا اس پر گواہی کے مسئلہ میں۔ کیونکہ ''کنز'' میں دونوں مسئلہ مذکور ہیں ملکیت پر شہادت کا مسئلہ مذکور نہیں۔

27134۔(قولہ: لِتَنَوُّعِ الْيَدِ) کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ یہ چیز اس کی تھی تو اس نے اس سے اسے خریدا۔

27135۔(قولہ: بِأَلْفٍ) یعنی اس کا قول، اس نے ادا کر دیا ہے نہیں سنا جائے گا۔

27136۔(قولہ: وَلَا يَشْهَدُ) یعنی پورے ہزار کی گواہی نہ دے۔

27138۔(قولہ: مَنْ عَلِمَهُ) یعنی پانچ سو کی ادائیگی کا وہ علم رکھتا ہو۔ کذا فی الہامش۔

27139۔(قولہ: حَتَّى يُقِرَّ الْمُدَّعِي بِهِ) تاکہ یہ ظلم پر اعانت نہ ہو۔''الکنز'' کی عبارت ینبغی سے مراد ہے یجب۔

شَهِدَا بِسَرِقَةِ بَقَرَةٍ وَاخْتَلَفَا فِي لَوْنِهَا قُطِعَ خِلَافًا لَهُمَا، وَاسْتَظْهَرَ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ قَوْلَهُمَا، وَهَذَا إذَا لَمْ يَذْكُرْ الْمُدَّعِي لَوْنَهَا ذَكَرَهُ الزَّيْلَعِيُّ ادَّعَى الْمَدْيُونُ الْإِيصَالَ مُتَفَرِّقًا وَشَهِدَا بِهِ مُطْلَقًا أَوْ جُمْلَةً لَمْ تُقْبَلْ وَهْبَانِيَّةٌ شَهِدَا فِي دَيْنِ الْحَيِّ بِأَنَّهُ كَانَ عَلَيْهِ كَذَا تُقْبَلُ إلَّا إذَا سَأَلَهُمَا الْخَصْمُ عَنْ بَقَائِهِ الْآنَ فَقَالَا لَا نَدْرِي، وَفِي دَيْنِ الْمَيِّتِ لَا تُقْبَلُ مُطْلَقًا حَتَّى يَقُولَا مَاتَ وَهُوَ عَلَيْهِ بَحْرٌ قُلْتُ وَيُخَالِفُهُ مَا فِي مُعِينِ الْحُكَّامِ مِنْ ثُبُوتِهِ بِمُجَرَّدِ بَيَانِ سَبَبِهِ

دو گواہوں نے گائے کی چوری کے بارے میں گواہی دی اور رنگ میں دونوں نے اختلاف کیا تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ''صدر الشریعۃ'' نے ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کو ظاہر روایت شمار کیا ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب مدعی اس کا رنگ ذکر نہ کرے۔ ''زیلعی'' نے اس کا ذکر کیا ہے۔ مدیون نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے متفرق طور پر پہنچایا تھا دونوں گواہوں نے اس کے بارے میں مطلقاً یا جملۃً شہادت دی تو گواہی کو قبول نہ کیا جائے گا ''وہبانیۃ''۔ زندہ آدمی کے دین کے بارے میں دو گواہوں نے گواہی دی کہ اس پر اتنا قرض تھا تو گواہی کو قبول کیا جائے گا۔ مگر جب خصم ان سے اس امر کا سوال کرے کہ کیا یہ اب تک باقی ہے دونوں کہیں: ہم نہیں جانتے میت کے دین کے بارے میں مطلقاً اسے قبول نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ دونوں کہیں: وہ مر گیا جب کہ یہ قرض اس کے ذمہ لازم تھا۔ ''بحر''۔ میں کہتا ہوں: ''معین الحکام'' میں جو قول ہے وہ اس کے مخالف ہے کہ محض سبب کے بیان سے یہ امر ثابت ہو جائے گا۔

اس کے حق میں گواہی دینا حلال نہیں ہوگا۔

27139۔ (قولہ: إِذَا لَمْ يَذْكُرْ الْمُدَّعِي لَوْنَهَا) ''الفتح'' میں کہا: اگر وہ اس کا رنگ متغیر کر دے تو دونوں میں سے ایک کہے: وہ سیاہ ہے تو بالاجماع ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

27140۔ (قولہ: مُطْلَقًا أَوْ جُمْلَةً) جہاں تک اول کا تعلق ہے تو اطلاق، مقید سے زائد ہے۔ جہاں تک دوسرے کا تعلق ہے تو شہادت اور دعویٰ میں اختلاف ہے۔ کیونکہ متفرق اور جملہ میں تباین ہے۔

27141۔ (قولہ: بَحْرٌ) اس کی وضاحت ''کنز'' کے قول و بعکسہ لا کے ہاں کی ہے پس اسکی طرف رجوع کیجئے۔

27142۔ (قولہ: قُلْتُ) یہ قول صاحب ''المنح'' کا ہے۔

27143۔ (قولہ: بَيَانِ سَبَبِهِ) ''مقدسی'' نے اسے تقویت بہم پہنچائی ہے۔ میں کہتا ہوں: ''نور العین'' میں اسی طرح ہے۔ کہا: پہلا ضعیف ہے۔ احتیاط میت کے امر میں ہے اس میں گواہوں کے پائے جانے کے ساتھ اس کے خصم سے قسم لینا کافی ہے۔ اس احتیاط میں ایک دوسری احتیاط کا ترک ہے جو قرض کی ادائیگی کے بارے میں ہے جو اسے جنت سے محجوب کر سکتا ہے۔ اور اس احتیاط کے ترک میں بہت سے حقوق کا ضیاع ہے جو ایسے لوگوں کو نہیں پاتے جو اس طریقہ پر ان کے حق میں گواہی دیں۔ ''ح''۔

وَإِنْ لَمْ يَقُولَا مَاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ وَالِاحْتِيَاطُ لَا يَخْفَى ادَّعَى مِلْكًا فِي الْمَاضِي وَشَهِدَا بِهِ فِي الْحَالِ لَمْ تُقْبَلْ فِي الْأَصَحِّ كَمَا لَوْ شَهِدَا بِالْمَاضِي أَيْضًا جَامِعُ الْفُصُولَيْنِ

اگر دونوں گواہ یہ نہ کہیں کہ وہ مر گیا جب کہ اس پر دین تھا۔ احتیاط مخفی نہیں۔ ایک آدمی نے ماضی میں ملک کا دعویٰ کیا اور دونوں نے فی الحال اس کی گواہی دی تو اصح قول کے مطابق اس کی گواہی قبول نہ کی جائے گی جس طرح اگر وہ زمانہ گزشتہ میں ملکیت کی بھی گواہی دیں تو حکم اسی طرح ہوگا'' جامع الفصولین''۔

27144۔(قولہ: مِلْكًا فِي الْمَاضِي) جس طرح وہ کہے: یہی میری ملکیت تھی اور دونوں اس امر کی گواہی دیں کہ یہ چیز اس کی ہے۔

27145۔(قولہ: كَمَا لَوْ شَهِدَا بِالْمَاضِي أَيْضًا) یعنی شہادت کو قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ مدعی کا یہ اسناد، فی الحال ملک کی نفی پر دال ہے۔ کیونکہ مدعی کا ماضی کی طرف اسناد میں کوئی فائدہ نہیں جب کہ فی الحال اس کی ملکیت قائم ہو۔ دو گواہوں کا معاملہ مختلف ہے اگر وہ ماضی کی طرف اس کی ملکیت کو منسوب کریں۔ کیونکہ دونوں کا اسناد فی الحال نفی پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ دونوں اس کی بقا کی معرفت صرف استصحاب حال سے ہی کرتے ہیں۔'' منح''۔

اس سے اس قول جو یہاں ہے اور جو قول متن میں گزر چکا ہے: بخلاف مالو شھدا انھا کانت ملکہ کے درمیان فرق ظاہر ہو گیا ہے۔

فرع مہم

مدعی نے کہا: گھر جس کی حدود اس محضر میں لکھی ہوئی ہیں وہ اس کی ملکیت ہے۔ گواہوں نے کہا: وہ گھر جس کی حدود اس محضر میں لکھی ہوئی ہیں یہ اس کی ملکیت میں ہے۔ دعویٰ اور شہادت صحیح ہوگی۔ اسی طرح اگر وہ یہ گواہی دیں کہ وہ مال جو اس تحریر میں لکھا ہوا ہے تو اس گواہی کو قبول کیا جائے گا۔ معنی ہے: اس کے لیے معلوم کی طرف اشارہ کیا۔

اگر دو گواہ متنازع فیہ کی ملکیت کی گواہی دیں اور دونوں خصم باہم تصدیق کریں کہ مشہود بہ ہی متنازع فیہ ہے تو چاہیے کہ اصل دار کے بارے میں گواہی قبول کی جائے اگرچہ حدود کا ذکر نہ کیا جائے۔ کیونکہ ایسی جہالت نہیں پائی جارہی جو اصل دار میں نزاع کی طرف لے جائے۔'' جامع الفصولین'' کی ساتویں فصل کے آخر میں ہے۔

بَابُ الشَّهَادَةِ عَلَى الشَّهَادَةِ

(هِيَ مَقْبُولَةٌ) وَإِنْ كَثُرَتْ اسْتِحْسَانًا فِي كُلِّ حَقٍّ عَلَى الصَّحِيحِ (إِلَّا فِي حَدٍّ وَقَوَدٍ) لِسُقُوطِهِمَا بِالشُّبْهَةِ وَجَازَ الْإِشْهَادُ مُطْلَقًا، لَكِنْ لَا تُقْبَلُ إِلَّا (بِشَرْطِ تَعَذُّرِ حُضُورِ الْأَصْلِ بِمَوْتٍ) أَيْ مَوْتِ الْأَصْلِ،

گواہی پر گواہی کے احکام

یہ شہادت مقبول ہے اگرچہ یہ بہت زیادہ ہو یہ بطور استحسان ہے۔ یہ ہر حق میں مقبول ہے۔ یہ صحیح قول ہے مگر حد اور قصاص میں یہ شہادت مقبول نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں امور شبہ کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں۔ کسی کو گواہی پر گواہ بنانا مطلقاً جائز ہے لیکن اسے قبول نہیں کیا جائے گا مگر اس شرط کے ساتھ کہ اصل گواہ مدت کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکے

شہادت پر شہادت کا حکم

27146۔ (قولہ: وَإِنْ كَثُرَتْ) میری مراد ہے فروع کی شہادت پر شہادت پھر آگے پھر آگے لیکن اس میں بدلیت کا شبہ ہے۔ کیونکہ بدل وہ ہوتا ہے جس کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا مگر جب اصل سے عجز واقع ہو۔ یہ اس طرح ہے۔ اسی وجہ سے ان امور میں یہ شہادت مقبول نہیں ہوگی جو شبہات کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں جس طرح مردوں کے ساتھ عورتوں کی شہادت۔ ''درر''۔ کذا فی الهامش۔

27147۔ (قولہ: إِلَّا فِي حَدٍّ وَقَوَدٍ) یعنی جو حد کو ثابت کرے۔ پس یہ اعتراض وارد نہیں ہوگا جب دو گواہوں نے دو گواہوں کی شہادت پر گواہی دی کہ فلاں شہر کے قاضی نے تہمت میں فلاں کو حد لگائی ہے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی یہاں تک کہ اس کی شہادت رد ہو جائے۔ ''بحر'' میں ''المبسوط'' سے مروی ہے۔ اس میں اس امر کا شعور دلایا گیا ہے کہ تعزیر میں اسے قبول کیا جائے گا۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ اور امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے: اس شہادت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ جس طرح ''الاختیار'' میں ہے۔ ''قہستانی''۔

27148۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی عذر ہو یا عذر نہ ہو۔

شہادت پر شہادت کی شرائط

27149۔ (قولہ: إِلَّا بِشَرْطِ تَعَذُّرِ حُضُورِ الْأَصْلِ) اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ مرض سے مراد ایسا مرض ہے جس کے ساتھ وہ قاضی کی مجلس میں حاضر ہونے کی طاقت نہ رکھتا ہو جس طرح ''ہدایہ'' میں اس قید کا ذکر کیا ہے۔ اور اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ سفر سے مراد ایسی غیوبت ہے جو مدت سفر کی ہو جس طرح مشائخ کی کلام کا ظاہر معنی ہے۔

وَمَا نَقَلَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ عَنْ قَضَاءِ النِّهَايَةِ فِيهِ كَلَامٌ فَإِنَّهُ نَقَلَهُ عَنِ الْخَانِيَةِ عَنْهَا، وَهُوَ خَطَأٌ وَالصَّوَابُ مَا هُنَا (أَوْ مَرَضٍ أَوْ سَفَرٍ) وَاكْتَفَى الثَّانِي بِغَيْبَتِهِ بِحَيْثُ يَتَعَذَّرُ أَنْ يَبِيتَ بِأَهْلِهِ، وَاسْتَحْسَنَهُ غَيْرُ وَاحِدٍ وَفِي الْقُهُسْتَانِيِّ وَالسِّرَاجِيَّةِ، وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ (أَوْ كَوْنِ الْمَرْأَةِ مُخَدَّرَةً)

''قہستانی'' نے ''النہایہ'' کی کتاب القضا سے جو نقل کیا ہے اس میں کلام ہے۔ کیونکہ انہوں نے ''الخانیہ'' سے اور انہوں نے ''النہایہ'' سے نقل کیا ہے جب کہ اس میں خطا ہے۔ صحیح وہ ہے جو یہاں ہے۔ یا مرض یا سفر کی وجہ سے گواہی دینے کے لیے اس کا حاضر ہونا متعذر رہو۔ امام ''ابو یوسف'' رطیٹیلیہ نے اس کی ایسی عدم موجودگی پر اکتفا کیا ہے جس کے ہوتے ہوئے اس کا اپنے اہل کے ہاں رات گزارنا متعذر رہو۔ کئی علما نے اسے مستحسن قرار دیا ہے۔ ''قہستانی'' اور ''سراجیہ'' میں ہے: اسی پر فتویٰ ہے۔ مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے یا عورت کا پردہ دار ہونے کی وجہ سے حاضر ہونا متعذر رہو

''الخانیہ'' اور ''الہدایہ'' میں اسے بیان کیا ہے اس سے مراد گھروں سے تجاوز کر جانا نہیں اگر چہ ''کنز'' میں اسے مطلق ذکر کیا ہے جیسے مرض۔ عذر ہونے کی تصریح نہیں کی۔ لیکن جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہی مراد ہے کیونکہ علت عجز ہے۔ فافہم

27150۔ (قولہ: وَمَا نَقَلَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ) اس کی عبارت یہ ہے: ''النہایہ'' وغیرہ کی کتاب القضاء میں ہے: اصل یہ ہے جب وہ مر جائے تو اس کی فرع کی شہادت قبول نہیں کی جاتی۔ پس اصل شاہد کی زندگی شرط ہے۔ کذا فی الہامش۔

27151۔ (قولہ: فِيهِ كَلَامٌ) آنے والا قول و بخروج اصلہ عن اہلہا ''قہستانی'' کے کلام کی تائید کرتا ہے۔

27152۔ (قولہ: فَإِنَّهُ نَقَلَهُ عَنِ الْخَانِيَةِ عَنْهَا) ''قہستانی'' میں یہ نہیں ہے۔ اس کو دیکھو جسے کتاب القاضی الی القاضی میں ذکر کیا ہے۔

27153۔ (قولہ: وَالصَّوَابُ مَا هُنَا) ''الدر المنتقیٰ'' میں کہا ہے: ''برجندی'' اور ''قہستانی'' دونوں نے اپنی کلام ''الخلاصہ'' سے نقل کی ہے۔ ''البحر''، ''المنح'' اور ''السراج'' وغیرہا میں اسی طرح ہے جب اصل شہادت کی اہلیت سے خارج ہو جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ گونگا ہو، فاسق ہو، اندھا ہو، مجنون ہو یا مرتد ہو تو شہادت باطل ہو جائے گی۔ فتنبہ۔ کذا فی الہامش

27154۔ (قولہ: وَفِي الْقُهُسْتَانِيِّ) اس کی عبارت یہ ہے: اکثر مشائخ کے ہاں شہادت کو قبول نہیں کیا جائے گی اس پر فتویٰ ہے جس طرح ''المضمرات'' میں ہے۔ ''قہستانی'' نے بھی ذکر کیا ہے: پہلا قول ظاہر روایت ہے اسی پر فتویٰ ہے۔

''البحر'' میں ہے: علماء نے کہا: پہلا قول احسن ہے۔ یہ ظاہر روایت ہے جس طرح ''الحاوی'' میں ہے۔ اور دوسرا زیادہ مناسب ہے الخ۔ امام ''محمد'' رطیٹیلیہ سے مروی ہے: جیسا بھی ہو یہ جائز ہے یہاں تک کہ ان سے روایت کی گئی کہ جب اصل مسجد کے ایک زاویہ میں اور فرع اسی مسجد کے دوسرے کونے میں ہو تو ان سب کی شہادت قبول کی جائے گی۔ ''منح'' اور ''بحر''۔

27155۔ (قولہ: أَوْ كَوْنِ الْمَرْأَةِ مُخَدَّرَةً) ''بزدوی'' نے کہا: اس سے مراد ایسی عورت ہوتی ہے جو نہ باکرہ حالت

لَا تُخَالِطُ الرِّجَالَ وَإِنْ خَرَجَتْ لِحَاجَةٍ وَحَمَّامٍ قُنْيَةٌ وَفِيهَا لَا يَجُوزُ الْإِشْهَادُ لِسُلْطَانٍ وَأَمِيرٍ، وَهَلْ يَجُوزُ لِمَحْبُوسٍ إنْ مِنْ غَيْرِ حَاكِمِ الْخُصُومَةِ، نَعَمْ ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ فِي الْوَكَالَةِ وَقَوْلُهُ (عِنْدَ الشَّهَادَةِ) عِنْدَ الْقَاضِي قَيْدٌ لِلْكُلِّ لِإِطْلَاقِ جَوَازِ الْإِشْهَادِ لَا الْأَدَاءِ كَمَا مَرَّ (وَ) بِشَرْطِ (شَهَادَةِ عَدَدٍ) نِصَابٍ وَلَوْ رَجُلًا وَامْرَأَتَيْنِ، وَمَا فِي الْحَاوِي غَلَطٌ بَحْرٌ (عَنْ كُلِّ أَصْلٍ) وَلَوْ امْرَأَةً (لَا تَغَايُرُ فَرْعَيْ

جو مردوں کے ساتھ خلط ملط نہیں ہوتی اگرچہ وہ کسی کام کے لیے اور حمام میں جانے کے لیے باہر نکلتی ہو۔ اس میں ہے سلطان اور امیر کے لیے کسی کو گواہ بنانا جائز نہیں کیا محبوس کے لیے گواہ بنانا جائز ہے؟ اگر خصومت کے حاکم کے علاوہ کی جانب سے ہو تو ہاں۔ مصنف نے اس کا ذکر کتاب الوکالہ میں کیا ہے۔ اور ان کا قول شہادت کے وقت قاضی کے ہاں حاضر ہونا متعذر رہو یہ سب کے لیے قید ہے۔ کیونکہ اشہاد (گواہ بنانے) کا جواز مطلق ہے ادائیگی مطلق نہیں جس طرح گزر چکا ہے اس میں نصاب شہادت کے عدد کی شہادت شرط ہے اگرچہ وہ ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ ''حاوی'' میں جو قول ہے وہ غلط ہے ہر اصل کی جانب سے اگرچہ وہ عورت ہو اس اصل کی دو فرع کا اور اس اصل کی دو فرع کا متغایر ہونا شرط نہیں۔

میں ظاہر ہوئی ہو نہ ثیبہ حالت میں ظاہر ہوئی ہو غیر محرم مردوں نے اسے نہ دیکھا ہو۔ وہ عورت جو دلہن کی کرسی پر بیٹھی ہو اور اجنبی لوگوں نے اسے دیکھا ہو جس طرح بعض علاقوں کا معمول ہے تو وہ مخدرہ نہیں ہوگی۔ ''حموی''۔

27156۔ (قولہ: فِي الْوَكَالَةِ) یہاں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

27157۔ (قولہ: عِنْدَ الْقَاضِي) ''المنح'' میں یہ قول کیا ہے۔

27158۔ (قولہ: لِإِطْلَاقِ جَوَازِ الْإِشْهَادِ) یعنی یہ جائز ہے کہ وہ گواہ بنائے جب کہ وہ صحیح ہو یا بیمار ہو وغیرہ۔ لیکن قاضی کے نزدیک شہادت جائز نہیں مگر جس کا ذکر کیا گیا ہو وہ موجود ہو۔

''البحر'' میں ''خزانۃ المفتین'' سے نقل کرتے ہوئے یہ کہا: اپنی شہادت پر گواہ بنانا جائز ہے اگرچہ اصول میں عذر نہ ہو یہاں تک اگر انہیں عذر لاحق ہو تو فروع گواہی دیں۔ اس کی مثل ''المنح'' میں ''سراجیہ'' سے مروی ہے۔

27159۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی ان کے قول: وجاز الاشہاد مطلقا میں گزر چکا ہے۔

27160۔ (قولہ: وَمَا فِي الْحَاوِي غَلَطٌ) وہ یہ قول ہے: شہادت علی شہادت میں عورتوں کی گواہی قبول نہ کی جائے گی۔ حاشیہ میں ہے: اگر دو گواہوں نے ایک آدمی کی شہادت پر گواہی دی اور ان دونوں میں سے ایک خود بھی شہادت دیتا ہے یہ جائز نہیں ہوگا جس طرح ''محیط سرخسی'' میں ہے۔ ''فتاویٰ ہندیہ''۔

27161۔ (قولہ: عَنْ كُلِّ أَصْلٍ) اگر دس آدمی ایک آدمی کی گواہی پر گواہی دیں تو اسے قبول کیا جائے گا لیکن فیصلہ نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ ایک دوسرا گواہ گواہی دے۔ کیونکہ ان کی گواہی سے جو امر ثابت ہے وہ ایک کی شہادت ہے، ''بحر'' میں ''خزانہ'' سے مروی ہے۔ اس قول نے یہ فائدہ دیا ہے اگر ایک آدمی اپنی ذاتی گواہی پر گواہی دے اور دوسرا مرد اس

هٰذَا وَذَاكَ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ (وَ) كَيْفِيَّتُهَا أَنْ (يَقُولَ الْأَصْلُ مُخَاطِبًا لِلْفَرْعِ) وَلَوْ ابْنَهُ بَحْرٌ (اشْهَدْ عَلَى شَهَادَتِي أَنِّي أَشْهَدُ بِكَذَا) وَيَكْفِي سُكُوتُ الْفَرْعِ، وَلَوْ رَدَّهُ ارْتَدَّ قُنْيَةٌ، وَلَا يَنْبَغِي أَنْ يَشْهَدَ عَلَى شَهَادَةِ مَنْ لَيْسَ بِعَدْلٍ عِنْدَهُ حَاوِي (وَيَقُولُ الْفَرْعُ أَشْهَدُ

امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ گواہ بنانے کی کیفیت یہ ہے کہ اصل فرع کو مخاطب کرتے ہوئے کہے اگرچہ اس کا بیٹا ہو ''بحر''۔ میری گواہی پر گواہ بن جاؤ کہ میں یہ گواہی دیتا ہوں فرع کا خاموش رہنا کافی ہے اگر وہ مخاطب اس کو رد کر دے تو یہ امر رد ہو جائے گا، ''قنیہ''۔ اور فرع کو ایسے آدمی کی گواہی پر گواہی دینا مناسب نہیں جو اس کے نزدیک عادل نہ ہو۔ ''حاوی''۔ اور فرع کہے گا: میں گواہی دیتا ہوں

کے غیر کی گواہی پر گواہی دے تو یہ صحیح ہوگا۔ ''بزازیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔

27162۔ (قولہ: وَذَاكَ) اس کی صورت یہ ہے کہ ہر گواہ کے دو متغایر گواہ ہوں۔ بلکہ ہر اصل پر دو گواہ کافی ہیں۔

27163۔ (قولہ: وَلَوْ ابْنَهُ) جس طرح متن میں آئے گا۔

گواہ بنانے کی کیفیت

27164۔ (قولہ: أَنِّي أَشْهَدُ بِكَذَا) اشہد قول کے ساتھ قید لگائی ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر اس کے لیے گنجائش نہیں کہ وہ اس کی گواہی پر گواہی دے اگرچہ اس نے اس سے گواہی کو سنا ہو۔ کیونکہ شاہد فرع اس کا نائب ہوتا ہے۔ تحمیل اور توکیل ضروری ہے اور اپنے قول علی شہادتی کے ساتھ قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر وہ کہے: اشہد علیٰ بذلك تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ یہ اشہاد نفس حق پر ہو جو مشہود بہ ہے پس یہ جھوٹ کا امر ہوگا۔ علیٰ کے ساتھ قید لگائی ہے کیونکہ اگر وہ کہے: شہادتی تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ یہ امر ہو کہ وہ اس کی شہادت کی مثل جھوٹ کی شہادت دے اور شہادت پر شہادت کا امر ہو کیونکہ قاضی کی قضا کی شہادت صحیح ہو اگرچہ قاضی نے اس پر ان دونوں کو گواہ نہ بنایا ہو۔

27165۔ (قولہ: سُكُوتُ الْفَرْعِ) یعنی جب وہ اس کو گواہ بنا رہے ہوں تو فرع خاموش رہے۔ ''البحر'' میں کہا: اگر اس نے کہا: میں اسے قبول نہیں کرتا۔ ''القنیہ'' میں کہا: چاہیے کہ وہ شاہد نہ ہو یہاں تک کہ اگر وہ اس کے بعد گواہی دے تو اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی۔

27166۔ (قولہ: حَاوِی) ''البحر'' میں اسے نقل کیا ہے پھر ایک ورق بعد کہا: ''خزانۃ المفتین'' میں ہے: فرع جب اصل کی عدالت اور اس کے غیر کو نہ پہچانتا ہو تو وہ شہادت علی شہادت میں گناہگار ہوگا۔ کیونکہ اس نے احتیاط کو ترک کیا ہے۔ علماء نے کہا: گناہگار ہونا یہ کراہت سے زیادہ فحش ہے۔

لیکن شارح نے ''المنار'' پر اپنی شرح میں ذکر کیا ہے کہ اساءت کراہت سے کم مرتبہ ہے۔ تو نے اس کی مثل ''التقریر شرح بزدوی''، ''التحقیق'' وغیرہما میں دیکھا ہے۔

أَنَّ فُلَانًا أَشْهَدَنِي عَلَى شَهَادَتِهِ بِكَذَا وَقَالَ لِي اشْهَدْ عَلَى شَهَادَتِي بِذَلِكَ) هَذَا أَوْسَطُ الْعِبَارَاتِ وَفِيهِ خَمْسُ شِينَاتٍ، وَالْأَقْصَرُ أَنْ يَقُولَ اشْهَدْ عَلَى شَهَادَتِي بِكَذَا وَيَقُولَ الْفَرْعُ أَشْهَدُ عَلَى شَهَادَتِهِ، بكذا و عليه فَتْوَى السَّرَخْسِيِّ وَغَيْرِهِ ابْنُ كَمَالٍ وَهُوَ الْأَصَحُّ كَمَا فِي الْقُهُسْتَانِيِّ عَنْ الزَّاهِدِيِّ

کہ فلاں نے مجھے اپنی شہادت پر گواہ بنایا ہے اور مجھے کہا ہے: میری اس گواہی پر گواہ بن جا یہ درمیانی عبارت ہے۔ اس میں پانچ شین (ش) ہیں۔ اور سب سے مختصر یہ ہے کہ وہ کہے: میری فلاں گواہی پر گواہ بن جا اور فرع میں اس کی فلاں گواہی پر گواہی دیتا ہوں۔ اس پر ''سرخسی'' وغیرہ کا فتویٰ ہے ''ابن کمال''۔ یہی اصح ہے جس طرح ''قہستانی'' میں ''زاہدی'' میں ہے۔

27167۔ (قولہ: أَنَّ فُلَانًا الخ) وہ اس کا نام، اس کے باپ کا نام اور اس کے دادا کا نام ذکر کرے۔ کیونکہ اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

27168۔ (قولہ: هَذَا أَوْسَطُ الْعِبَارَاتِ) زیادہ لمبی یہ عبارت ہے کہ وہ کہے: اشهد ان فلانا شهد عندی ان لفلان علی فلان كذا و اشهدنی علی شهادته و امرنی ان اشهد علی شهادته و انا الان اشهد علی شهادته بذلك اس میں آٹھ شین ہیں۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں نے میرے ہاں گواہی دی کہ فلاں کا فلاں پر اتنا حق ہے اور مجھے اپنی گواہی پر گواہ بنایا اور مجھے حکم دیا کہ میں اس کی گواہی پر گواہی دوں اور میں اب اس کی گواہی پر گواہی دیتا ہوں۔

27169۔ (قولہ: وَكَذَا فَتْوَى السَّرَخْسِيِّ) ''الفتح'' میں کہا: یہ فقیہ ''ابولیث'' اور اس کے استاذ ''ابوجعفر'' کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''السیر الکبیر'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔ تینوں ائمہ نے یہ بات کہی ہے۔

یہ حکایت بیان کی گئی ہے کہ ''ابوجعفر'' کے زمانہ کے فقہاء نے ان کی مخالفت کی اور طویل زیادتی کی شرط لگائی ''ابوجعفر'' نے ''السیر الکبیر'' سے روایت نقل کی تو ان فقہاء نے آپ کی اطاعت کر لی۔ ''الذخیرہ'' میں کہا: اگر کوئی آدمی اس پر اعتماد کرتا تو اس کے لیے زیادہ آسان ہوتا۔

یعنی صاحب ''ہدایہ'' کا کلام تقاضا کرتا ہے کہ ''قدوری'' کے کلام کو ترجیح دی جائے جو پانچ شینوں پر مشتمل ہے۔ کیونکہ حکایت بیان کی اور اس کا ذکر کیا: ان ثم اطول منه واقصر وہاں اس سے طویل اور اس سے مختصر کلام ہے پھر کہا: امور میں سے بہترین درمیانی اوامر ہوتے ہیں۔

''ابونصر بغدادی'' جو ''قدوری'' کے شارح ہیں نے ایک اور مختصر عبارت ذکر کی ہے جو تین شینوں پر مشتمل ہے وہ یہ ہے: اشهد ان فلانا اشهدنی علی شهادته ان فلانا اقر عنده بكذا میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ فلاں نے مجھے اپنی شہادت پر گواہ بنایا کہ فلاں نے اس کے ہاں اس کا اقرار کیا۔ پھر کہا: ''قدوری'' نے جس کا ذکر کیا ہے وہ زیادہ بہتر اور زیادہ احتیاط کا حامل ہے۔ پھر اس میں اختلاف کیا کہ ان کا قول: وقال لی: اشهد علی شهادتی امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد''

(وَيَكْفِي تَعْدِيلُ الْفَرْعِ لِأَصْلِهِ) إِنْ عُرِفَ الْفُرُوعُ بِالْعَدَالَةِ وَإِلَّا لَزِمَ تَعْدِيلُ الْكُلِّ (كَ) مَا يَكْفِي تَعْدِيلُ (أَحَدِ الشَّاهِدَيْنِ صَاحِبَهُ) فِي الْأَصَحِّ

فرع اپنی اصل کو عادل قرار دے تو یہ کافی ہے اگر فروع عدالت میں معروف ہوں ورنہ سب کی تعدیل لازم ہوگی جس طرح یہ کافی ہوتا ہے کہ دونوں گواہوں میں سے ایک اپنے ساتھی کی تعدیل کرے۔ یہ اصح قول ہے۔

رطیٹھیہ کے نزدیک شرط ہے اس کا ترک جائز نہیں۔ کیونکہ جب وہ یہ قول نہ کرے تو یہ احتمال رہے گا کہ اس نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ اس کی شہادت کی مثل گواہی دے جب کہ وہ جھوٹ ہو۔ اور اس نے اسے گواہی کے حامل بننے کے طریقہ پر اسے یہ امر کیا ہو۔ پس یہ شک کے ساتھ ثابت نہیں ہوگا۔ امام ''ابو یوسف'' رطیٹھیہ کے نزدیک اس کا ترک کرنا جائز ہے۔ کیونکہ شاہد کا امر صحت پر محمول ہوگا جس قدر ممکن ہوگا۔

اس زمانہ کے گواہوں میں مناسب طرفین کا قول ہے اگرچہ ان میں عارف دیندار لوگ ہوں۔ کیونکہ حکم غالب وظاہر کی بنا پر ہوتا ہے خصوصاً جس سے دراہم کی کمائی کی جاتی ہو۔ ''الفتح'' میں جو قول ہے وہ مختصر ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ وہی اختیار کیا ہے جو ''ہدایہ'' اور ''شرح القدوری'' میں اختیار کیا ہے کہ ادا میں پانچ شین لازم ہیں۔ یہ وہ ہے جس پر متون جیسے ''قدوری''، ''کنز''، ''غرر''، ''ملتقی''، ''اصلاح'' اور ''مواہب الرحمٰن'' وغیرہا میں گامزن ہوئے ہیں۔

فرع کا اپنی اصل کو عادل قرار دینا کافی ہے

27170۔ (قولہ: الْفَرْعِ لِأَصْلِهِ) کیونکہ یہ اہل تزکیہ میں سے ہے۔ ''ہدایہ''۔

27171۔ (قولہ: وَإِلَّا لَزِمَ تَعْدِيلُ الْكُلِّ) یہ امام ''ابو یوسف'' رطیٹھیہ کے نزدیک ہے۔ امام ''محمد'' رطیٹھیہ نے فرمایا: شہادت قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ کوئی شہادت بھی عدالت کے بغیر قبول نہیں ہوتی۔ جب وہ عدالت کو نہیں پہچانتے تو وہ شہادت کو آگے منتقل نہ کریں۔ پس اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔

امام ''ابو یوسف'' رطیٹھیہ کی دلیل یہ ہے: ان پر جس چیز کو اخذ کرنا لازم ہے وہ نقل ہے تعدیل نہیں۔ کیونکہ بعض اوقات تعدیل ان پر مخفی رہ جاتی ہے۔ پس قاضی عدالت کی پہچان کر لے گا جس طرح وہ خود اپنی گواہی دیں، ''الہدایہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''البحر'' میں ہے: ان کا قول والا چند صورتوں میں سچا ہے۔

(۱) وہ خاموش رہیں، یہاں یہی مراد ہے جس طرح ''ہدایہ'' میں اس کی وضاحت کی ہے۔

(۲) وہ کہیں: ہم تجھے خبر نہیں دیتے۔ ''الخانیہ'' میں اسے شیخین میں اختلاف پر مبنی قرار دیا ہے۔ ''خصاف'' نے یہ ذکر کیا: قبول نہ کرنا ظاہر روایت ہے۔ ''حلوانی'' نے یہ ذکر کیا کہ اسے قبول کیا جائے گا یہی صحیح ہے۔ کیونکہ اصل مستور کی حیثیت سے باقی ہے۔ کیونکہ وہ جرح اور توقف کا احتمال رکھتا ہے۔ پس شک کے ساتھ جرح ثابت نہیں ہوتی۔ مشہور کی دلیل یہ ہے کہ یہ اصول پر جرح ہے۔

لِأَنَّ الْعَدْلَ لَا يُتَّهَمُ بِمِثْلِهِ (وَإِنْ سَكَتَ) الْفَرْعُ (عَنْهُ نَظَرَ الْقَاضِي (فِي حَالِهِ) وَكَذَا لَوْ قَالَ لَا أَعْرِفُ حَالَهُ عَلَى الصَّحِيحِ شُرُنْبُلَالِيَّةٌ وَشَرْحُ الْمَجْمَعِ، وَكَذَا لَوْ قَالَ لَيْسَ بِعَدْلٍ عَلَى مَا فِي الْقُهُسْتَانِيِّ عَنِ الْمُحِيطِ

کیونکہ عادل آدمی اپنے جیسے آدمی کی تعدیل سے متہم نہیں ہوتا۔ اگر فرع اس سے خاموش رہے تو قاضی اس کے حال میں غور و فکر کرے گا۔ اسی طرح اگر وہ کہے: میں اس کا حال نہیں پہچانتا۔ یہی قول صحیح ہے ''شرنبلالیہ'' اور ''شرح المجمع''۔ اسی طرح اگر وہ کہے: وہ عادل نہیں جیسا کہ ''قہستانی'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔

''خصاف'' نے اس سے تائید حاصل کی ہے کہ اگر دونوں کہیں: ہم شہادت میں اس پر تہمت لگاتے ہیں تو قاضی اس کی شہادت پر ان دونوں کی شہادت کو قبول نہیں کرے گا جس سے وہ تائید حاصل کرے۔ یہ تیسری صورت ہے۔ ''الخانیہ'' میں اس کا ذکر کیا ہے ملخص۔ جب مراد پہلی صورت میں ہے تو شارح کا قول والا لزم الخ اس کے ساتھ تکرار ہو گا جو متن میں ہے۔

27172۔ (قولہ: لِأَنَّ الْعَدْلَ لَا يُتَّهَمُ بِمِثْلِهِ) ''البحر'' میں اس طرح اس کی علت بیان کی ہے۔ اس میں ضمیر مرجع مذکور کے بغیر لوٹ رہی ہے۔ عبارت کی اصل ''الہدایہ'' میں ہے۔ کیونکہ کہا: اسی طرح جب دو گواہ گواہی دیں تو دونوں میں سے ایک دوسرے کو عادل قرار دے تو یہ جائز ہو گا اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔ غایت امر یہ ہے: اس میں منفعت ہے۔ کیونکہ قضا اس کی گواہی سے ہی ہوتی ہے لیکن عادل آدمی کو جب اسی جیسا عادل آدمی عادل قرار دے تو اس پر تہمت نہیں لگائی جا سکتی جس طرح وہ اپنی گواہی دے تو اس پر تہمت نہیں لگائی جا سکتی۔ ''النہایہ'' میں کہا: ای بمثل ما ذکرت من الشبهة۔ یعنی اس کی جس شبہ کا میں نے ذکر کیا ہے۔ ''الفتح'' میں جو قول ہے اس کا حاصل یہ ہے: ان میں سے بعض علماء نے کہا: یہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وہ متہم ہے کیونکہ اس نے اپنے دوست کو عادل قرار دے کر اپنی گواہی سے قضا کو ثابت کر دیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے: اس کی اپنی گواہی اس جیسی منفعت کو متضمن ہے وہ اس کی شہادت سے قضا ہے تو جس طرح شرع نے اس کی عدالت کی وجہ سے اس کا اعتبار نہیں کیا اسی طرح اس مسئلہ میں اعتبار نہیں کیا جس میں ہم اس وقت بحث کر رہے ہیں۔

اگر فرع اصل کے بارے خاموش رہے یا وہ کہے میں اس کا حال نہیں پہچانتا تو اس کا حکم

27173۔ (قولہ: فِي حَالِهِ) وہ اس کی عدالت کے بارے میں پوچھے گا۔ جب اس کی عدالت ظاہر ہو گی تو اسے قبول کرے گا ورنہ قبول نہیں کرے گا۔ ''منح''۔

27174۔ (قولہ: عَلَى مَا فِي الْقُهُسْتَانِيِّ) اس کی عبارت یہ ہے: اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے اگر فرع کہے: اصل عادل نہیں یا میں اسے نہیں پہچانتا تو اس کی شہادت قبول نہیں ہو گی جس طرح ''خصاف'' نے کہا ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اس کی شہادت قبول کی جائے گی یہی قول صحیح ہے جس طرح ''حلوانی'' نے کہا ہے جس طرح ''المحیط'' میں ہے۔ پس اس نقل میں غور و فکر کرو۔ ''مدنی''۔

27175۔ (قولہ: عَنِ الْمُحِيطِ) ''تاتر خانیہ'' میں اس کے خلاف ذکر کیا ہے۔ اس میں اختلاف کا ذکر نہیں کیا۔ یہ

فَتَنَبَّهْ (وَتَبْطُلُ شَهَادَةُ الْفَرْعِ) بِأُمُورٍ بِنَهْيِهِمْ عَنْ الشَّهَادَةِ عَلَى الْأَظْهَرِ خُلَاصَةٌ وَسَيَجِيءُ مَتْنًا مَا يُخَالِفُهُ وَبِخُرُوجِ أَصْلِهِ عَنْ أَهْلِيَّتِهَا كَفِسْقٍ وَخَرَسٍ وَعَمًى وَ (بِإِنْكَارِ أَصْلِهِ الشَّهَادَةَ) كَقَوْلِهِمْ مَا لَنَا شَهَادَةٌ

پس اس پر متنبہ ہو جایئے۔ فرع کی شہادت کئی امور کے ساتھ باطل ہو جاتی ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ اصل فرع کو شہادت دینے سے منع کر دیں۔ یہ اظہر قول کے مطابق ہے، ''خلاصہ''۔ عنقریب متن میں وہ قول آئے گا جو اس کے مخالف ہے۔ اور اصل گواہ شہادت کی اہلیت سے نکل جائیں جیسے فاسق ہو جانا، گونگا ہو جانا اور اندھا ہو جانا اور اصل گواہی کا انکار کر دیں جیسے وہ کہیں: ہمیں گواہی کا حق نہیں،

کیسے ہو سکتا ہے اگر دونوں کہیں: ہم اس پر تہمت نہیں لگاتے تو دونوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ ''خصاف'' نے جو اس سے استشہاد کیا ہے جیسے (مقولہ 27171 میں) گزر چکا ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ ''بزازیہ'' میں ہے: دو گواہوں نے اصل کی جانب سے گواہی دی اور دونوں نے کہا: اس میں کوئی خیر نہیں۔ ان دونوں کے علاوہ نے اس کا تزکیہ کیا تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا اگر دونوں میں سے ایک نے اس پر جرح کی تو اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

27176۔ (قولہ: بِأُمُورٍ) ''البحر'' میں ان کا شمار کیا ہے۔ قضا سے قبل اصل گواہوں کا حاضر ہو جانا جب کہ یہ استدلال کیا ہے اس سے جو ''الخانیہ'' میں ہے۔ اگر فروع نے اصول کی گواہی پر گواہی دی پھر اصل قضا سے قبل حاضر ہو گئے تو وہ فروع کی گواہی سے فیصلہ نہیں کرے گا۔ لیکن ''البحر'' میں کہا، ان کے قول لا یقضی دون ان یقول: بطل الاشھاد کا ظاہر معنی ہے اگر اصل گواہ اس کے بعد غائب ہو جائیں تو ان کی شہادت کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ اسی وجہ سے شارح نے اسے ترک کر دیا ہے۔

27177۔ (قولہ: مَا يُخَالِفُهُ) یہ اظہر کے خلاف ہے۔

27178۔ (قولہ: وَ بِإِنْكَارِ أَصْلِهِ الشَّهَادَةَ) کثیر معتبر کتب میں اسی طرح واقع ہوا ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں فاضل ''جوی زادہ'' سے ایسا قول منقول ہے جو اس امر کا فائدہ دیتا ہے: زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ اشہاد کے ساتھ تعبیر کرے۔ کیونکہ شہادت کا انکار اسے شامل نہیں ہوگا جب وہ کہے: میری اس حادثہ پر شہادت ہے لیکن میں نے انہیں گواہ نہیں بنایا۔ گواہ بنانے کے انکار کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ اسے شامل ہوتا ہے اور شہادت کے انکار کو شامل ہوتا ہے۔ کیونکہ شہادت کا انکار گواہ بنانے کے انکار کو مستلزم ہوتا ہے۔ اشہاد کے انکار کی دو نوع ہیں: صریح، ضمنی۔ اسی وجہ سے ''زیلعی'' اور صاحب ''البحر'' نے اشہاد سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے ساتھ ''زیلعی'' پر ''درر'' کا اعتراض ختم ہو جاتا ہے۔

یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں شارح کا قول: اولم نشھدھم اپنے محل پر نہیں۔ کیونکہ یہ شہادت کے انکار کے افراد میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا معنی ہے ہمیں شہادت کا حق حاصل ہے اور ہم نے انہیں گواہ نہیں بنایا۔ فتامل

27179۔ (قولہ: مَا لَنَا شَهَادَةٌ) یعنی وہ غائب ہو گئے یا مریض ہو گئے پھر فروع آتے ہیں۔ انہوں نے گواہی دی تو اس گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

أَوْ لَمْ نُشْهِدْهُمْ أَوْ أَشْهَدْنَاهُمْ وَغَلِطْنَا، وَلَوْ سُئِلُوا فَسَكَتُوا قُبِلَتْ خُلَاصَةٌ (شَهِدَا عَلَى شَهَادَةِ اثْنَيْنِ عَلَى فُلَانَةَ بِنْتِ فُلَانٍ الْفُلَانِيَّةِ وَقَالَا أَخْبَرَانَا بِمَعْرِفَتِهَا وَجَاءَ الْمُدَّعِي بِامْرَأَةٍ لَمْ يَعْرِفَا أَنَّهَا هِيَ قِيلَ لَهُ هَاتِ شَاهِدَيْنِ أَنَّهَا هِيَ فُلَانَةُ) وَلَوْ مُقِرَّةً (وَمِثْلُهُ الْكِتَابُ الْحُكْمِيُّ) وَهُوَ كِتَابُ الْقَاضِي إِلَى الْقَاضِي لِأَنَّهُ كَالشَّهَادَةِ عَلَى الشَّهَادَةِ، فَلَوْ جَاءَ الْمُدَّعِي بِرَجُلٍ لَمْ يَعْرِفَاهُ كُلِّفَ إِثْبَاتَ أَنَّهُ هُوَ وَلَوْ مُقِرًّا لِاحْتِمَالِ التَّزْوِيرِ بَحْرٌ، وَيَلْزَمُ مُدَّعِيَ الِاشْتِرَاكِ الْبَيَانُ كَمَا بَسَطَهُ قَاضِي خَانَ

یا ہم نے انہیں گواہ نہیں بنایا یا ہم نے ان کو گواہ بنایا ہے اور ہم نے غلط کام کیا ہے۔ اگر ان سے سوال کیا جائے تو وہ خاموش ہو جائیں تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔ ''خلاصہ''۔ دو آدمیوں نے دو آدمیوں کی گواہی پر فلانہ بنت فلاں فلانیہ پر گواہی دی اور دونوں نے کہا: انہوں نے ہمیں پہچان کے بارے میں باخبر کیا اور مدعی ایک عورت لایا جس کو دونوں نہ پہچان سکے کہ یہ وہی عورت ہے اس مدعی کو کہا جائے۔ دو گواہ لاؤ جو یہ گواہی دیں کہ یہ وہی عورت ہے اگرچہ وہ عورت اس کے دعویٰ کا اقرار بھی کرے۔ اسی کی مثل کتاب حکمی ہے۔ یہ قاضی کی قاضی کی جانب کتاب ہے۔ کیونکہ یہ شہادت پر شہادت کی طرح ہے۔ اگر ایک مدعی ایک آدمی لایا تو اسے اس امر کا مکلف بنایا جائے گا کہ وہ یہ ثابت کرے کہ یہ وہی آدمی ہے کیونکہ دھوکہ دہی کا احتمال موجود ہے۔ ''بحر''۔ اشتراک کے مدعی پر بیان لازم ہوگا جس طرح ''قاضی خان'' نے تفصیل بیان کی ہے۔

27180۔ (قولہ: غَلِطْنَا) یہ انکار شہادت کے معنی میں ہے۔ تامل

27181۔ (قولہ: قِيلَ لَهُ هَاتِ الخ) یہ اس قبیل سے ہے جو گزر چکا ہے کہ یہ شہادت قاصرہ ہے ان کا غیر اسے مکمل کرتا ہے۔ کذا فی الهامش

27182۔ (قولہ: وَلَوْ مُقِرَّةً) ممکن ہے اقرار کرنے والی کوئی اور ہو پس اس کا نسب بیان کر کے اس کی تعریف ضروری ہے۔ ''منح''۔

27183۔ (قولہ: إِلَى الْقَاضِي) اگر وہ لکھے: فلاں، فلاں نے میرے ہاں اتنے مال کی فلانہ بنت فلاں فلانیہ کے خلاف گواہی دی اور مدعی نے اس قاضی کے پاس ایک عورت کو پیش کیا جس کی طرف خط لکھا گیا تھا عورت نے انکار کر دیا کہ اس نسبت میں یہی منسوب تھی تو دو اور گواہ ضروری ہیں جو اس امر کی گواہی دیں کہ یہی وہ عورت ہے جس کا نسب بیان کیا گیا ہے جس طرح پہلے مسئلہ میں ہے۔ ''عینی'' میں اسی طرح ہے ''مدنی''۔

27184۔ (قولہ: لِاحْتِمَالِ التَّزْوِيرِ) یعنی مدعی اس آدمی کے ساتھ موافقت کر لے۔

27185۔ (قولہ: الْبَيَانُ) یعنی جب اس نے مدعی علیہ پر یہ دعویٰ کیا کہ اس کا غیر اس کے ساتھ نام اور نسب میں اس کے ساتھ کوئی اور شریک ہے تو اس پر وضاحت ضروری ہوگی، ''ح''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔ یعنی قاضی اسے کہے: اسے ثابت کر۔ اگر وہ ثابت کر دے تو اس سے خصومت ختم ہو جائے گی جس طرح قاضی اسم اور نسب میں اس کے مشارک کا علم رکھتا

(وَلَوْ قَالَا فِيهِمَا التَّمِيمِيَّةُ لَمْ يَجُزْ حَتَّى يَنْسِبَاهَا إِلَى فَخِذِهَا) كَجَدِّهَا، وَيَكْفِي نِسْبَتُهَا لِزَوْجِهَا، وَالْمَقْصُودُ الْإِعْلَامُ (أَشْهَدَهُ عَلَى شَهَادَتِهِ ثُمَّ نَهَاهُ عَنْهَا لَمْ يَصِحَّ) أَيْ نَهْيُهُ، فَلَهُ أَنْ يَشْهَدَ عَلَى ذَلِكَ دُرَرٌ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ هُنَا، لَكِنَّهُ قَدَّمَ تَرْجِيحَ خِلَافِهِ عَنْ الْخُلَاصَةِ

اگر دونوں گواہوں نے دونوں کے بارے میں کہا: تمیمیہ تو یہ جائز نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس کے فخذ تک اس کا نسب ذکر کرے جیسے اس کا دادا اور اس کے خاوند کی طرف اس کی نسبت کافی ہے مقصود آگاہ کرنا ہے۔ ایک آدمی نے دوسرے کو اپنی گواہی پر گواہ بنایا پھر اسے گواہی سے منع کر دیا تو اس کی نہی صحیح نہ ہوگی تو اسے گواہی دینے کا حق ہوگا '' درر ''۔ مصنف نے اسے یہاں ثابت رکھا ہے۔ لیکن '' الخلاصہ '' سے اس کے برعکس کی ترجیح کو مقدم ذکر کیا ہے۔

ہوا گر وہ اس کو ثابت نہ کرے تو یہ خصم ہوگا۔

27186۔ (قولہ: فِيهِمَا) یعنی شہادت اور قاضی کے مکتوب کے بارے میں۔

عرب کے چھ طبقے ہیں

27187۔ (قولہ: إِلَى فَخِذِهَا) فخذ کا لفظ خا کے سکون اور اس کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد خاص قبیلہ ہے جس سے کم کوئی قبیلہ نہیں ہوتا۔ یہ لغویوں کے دو قولوں میں سے ایک قول کے مطابق ہوتا ہے جب کہ یہ '' صحاح '' میں ہے۔ '' الجمہرۃ '' میں ہے: فخذ کو قبیلہ سے نیچے اور بطن سے اوپر رکھا ہے۔

'' دیوان الادب '' میں اسے بطن سے اقل رکھا ہے۔ صاحب '' الکشاف '' نے بھی یہی کیا ہے۔ کہا: عرب کے چھ طبقات ہیں۔ شعب جیسے مضر، ربیعہ اور حمیر۔ ان کا نام شعب اس لیے رکھا کیونکہ قبائل ان سے تقسیم ہوتے ہیں۔ قبیلہ جیسے کنانہ، عمارہ جیسے قریش۔ بطن جیسے قصی۔ فخذ جیسے ہاشم۔ فصیلہ جیسے عباس۔ ان میں سے ایک مابعد کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے۔ پس شعب قبائل کو جمع کر دیتا ہے۔ عمارہ بطون کو جمع کرتا ہے۔ اسی طرح باقی کی صورتحال ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر فخذ پر اس وقت اکتفا کرنا جائز ہے جب تک اسے فصیلہ کی طرف منسوب نہ کرے۔ عمارہ، عین کے کسرہ کے ساتھ ہے شعب شین کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ '' فتح '' ملخص۔

تعریف سے مقصود اختصاص اور زوال اشتراک ہے

27188۔ (قولہ: كَجَدِّهَا) زیادہ مناسب او جدھا ہے۔

27189۔ (قولہ: وَالْمَقْصُودُ الْإِعْلَامُ) '' الفتح '' میں کہا: تعریف سے یہ مقصود نہیں کہ اس کا نسب بیان کیا جائے یہاں تک کہ قاضی اسے پہچان جائے۔ کیونکہ قاضی بعض اوقات اسے نہیں پہچانتا اگرچہ وہ اس کی سو دادوں کی طرف منسوب کر دے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ اختصاص ثابت ہو جائے اور اشتراک زائل ہو جائے۔ کیونکہ یہ کم ہی ہوتا ہے کہ دو آدمی اپنے ناموں، اپنے باپ کے ناموں، اپنے دادا کے ناموں میں یا صنعت اور لقب میں متفق ہو جائیں۔ جو '' قاضی خان '' سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر وہ دادا کے ذکر کے ساتھ معروف نہ ہو تو اس پر اکتفا نہ کیا جائے گا۔ اس سے زیادہ مناسب وہ قول ہے جو

(كَافِرَانِ شَهِدَا عَلَى شَهَادَةِ مُسْلِمَيْنِ لِكَافِرٍ عَلَى كَافِرٍ لَمْ تُقْبَلْ كَذَا شَهَادَتُهُمَا عَلَى الْقَضَاءِ لِكَافِرٍ عَلَى كَافِرٍ؛ وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ رَجُلٍ عَلَى شَهَادَةِ أَبِيهِ وَعَلَى قَضَاءِ أَبِيهِ) فِي الصَّحِيحِ دُرَرٌ خِلَافًا لِلْمُلْتَقَطِ (مَنْ ظَهَرَ أَنَّهُ شَهِدَ بِزُورٍ) بِأَنْ أَقَرَّ عَلَى نَفْسِهِ وَلَمْ يَدَّعِ سَهْوًا أَوْ غَلَطًا كَمَا حَرَّرَهُ ابْنُ الْكَمَالِ،

دو کافروں نے دو مسلمانوں کی شہادت پر ایک کافر کے حق میں ایک کافر کے خلاف شہادت دی تو اس شہادت کو قبول نہ کیا جائے گا۔ اسی طرح ایک کافر کے حق میں دوسرے کافر کے خلاف قضا پر ان کی شہادت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ ایک آدمی جب اپنے باپ کی شہادت پر شہادت دے یا اپنے باپ کے فیصلہ پر شہادت دے تو صحیح قول کے مطابق اس کی شہادت قبول کی جائے گی، ''درر''۔ ''ملتقط'' میں اس کے برعکس ہے جس کے بارے میں یہ ظاہر ہو جائے کہ اس نے جھوٹی گواہی دی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے خلاف خود اقرار کر لیتا ہے اور سہو یا غلطی کا دعویٰ نہیں کرتا جس طرح ''ابن کمال'' نے اس کی وضاحت کی ہے۔

''فصول الاستروشنی'' میں ہے کہ تعریف کی شرط یہ ہے کہ تین اشیاء کا ذکر کیا جائے مگر علماء نے اسم کے ساتھ لقب میں اختلاف کیا ہے۔ کیا یہ دونوں ایک ہیں یا ایک نہیں؟

تین چیزوں سے مراد اس نام، اس کے باپ اور دادا کا نام ہے یا اس کی صنعت یا اس کا فخر ہے۔ کیونکہ یہ دادا کی جگہ کفایت کر جاتا ہے۔ ''بزازیہ'' میں جو کچھ ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ ''الہدایہ'' میں ہے: پھر تعریف اگرچہ طرفین کے نزدیک دادا کے ذکر کے ساتھ مکمل ہو جاتی ہے جب کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے تو فخذ کا ذکر دادا کے قائم مقام ہو جائے گا۔ کیونکہ فخذ جد اعلیٰ کا نام ہوتا ہے۔ یعنی اس خاص فخذ میں جد اعلیٰ کا نام ہوتا ہے پس اسے ادنیٰ جد کے قائم مقام رکھا جائے گا۔ ''ایضاح الاصلاح'' میں ہے: عجم میں صناعت کا ذکر فخذ کے قائم مقام ہے کیونکہ عجمیوں نے اپنے نسب ضائع کر دیئے ہیں۔

زیادہ بہتر یہ تھا کہ الاعلام کی جگہ دفع الاشتراک کا لفظ ذکر کرتے۔ کیونکہ اعلام کہ وہ معروف ہو جائے، مراد نہیں جس طرح قول گزر چکا ہے۔ ''البحر'' میں ''بزازیہ'' سے مروی ہے: اگر وہ محض نام سے معروف و مشہور ہو جس طرح امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ مشہور ہیں تو یہ باپ اور دادا کے ذکر کی جگہ کافی ہے۔ اگر نام کے بغیر کنیت ذکر کی جائے تو اسے قبول نہ کیا جائے گا مگر جب وہ مشہور ہو جیسے الامام۔

27190۔ (قولہ: شَهِدَ بِزُورٍ) اس میں مرد اور عورتیں برابر ہیں۔ ''بحر'' میں ''کافی الحاکم'' سے مروی ہے۔

27191۔ (قولہ: بِأَنْ أَقَرَّ عَلَى نَفْسِهِ) ''البحر'' میں کہا: اقرار کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اس کے اقرار کے ساتھ ہی اس پر حکم لگایا جائے گا۔ ''شیخ الاسلام'' نے یہ اضافہ کیا ہے: ''وہ کسی کی موت کے بارے میں گواہی دے جب کہ وہ اندر آ گیا''۔ ''فتح القدیر'' میں اسی طرح ہے۔ ''رملی'' نے اس بارے میں ''حاشیۃ البحر'' میں بحث کی ہے۔

وَلَا يُمْكِنُ إِثْبَاتُهُ بِالْبَيِّنَةِ لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ النَّفْيِ (عُزِّرَ بِالتَّشْهِيرِ) وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى سِرَاجِيَّةٌ وَزَادَ ضَرْبَهُ وَحَبْسَهُ مَجْمَعٌ وَفِي الْبَحْرِ وَظَاهِرُ كَلَامِهِمْ أَنَّ لِلْقَاضِي أَنْ يُسَحِّمَ وَجْهَهُ إِذَا رَآهُ سِيَاسَةً،

اور گواہیوں کے ساتھ اس کا اثبات ممکن نہ ہو۔ کیونکہ یہ نفی کے باب میں سے ہے تو اس کی تشہیر کے ساتھ اس پر تعزیر لگائی جائے گی اس پر فتویٰ ہے۔''سراجیہ''۔ دونوں نے اس کو کوڑے مارنے اور اس کے محبوس کرنے کا اضافہ کیا ہے''مجمع''۔ ''البحر'' میں ہے: ان کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے: قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کے چہرے کو سیاہ کروائے وہ اس میں لوگوں کے معاملات کو درست انداز میں چلانے میں کوئی فائدہ دیکھے۔

''صدرالشریعہ'' نے اقرار پر اعتراض کیا ہے: ''بعض اوقات اس کے بغیر بھی علم ہو جاتا ہے جس طرح وہ زید کی موت کے بارے میں گواہی دے یا یہ گواہی دے کہ فلاں نے اسے قتل کر دیا ہے پھر یہ ظاہر ہو گیا کہ زید زندہ ہے یا اس نے چاند دیکھنے کے بارے میں گواہی دی تیس دن گزر گئے جب کہ آسمان میں کوئی مانع نہ تھا اور چاند دکھائی نہ دیا گیا۔

''العنایہ'' میں یہ جواب دیا ہے: انہوں نے اس امر کا ذکر نہیں کیا کہ اس قسم کا معاملہ نادر ہی ہوتا ہے کہ وہ کہے: میں نے جھوٹ بولا ہے یا میں نے یہ گمان کیا ہے۔ ظننت بھی کذبت کے معنی میں ہے۔ کیونکہ وہ بغیر علم کے شہادت کا اقرار کر رہا ہے۔

''یعقوبیہ'' میں ہے: یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے قول: لا یعلم الا بالاقرار کو حصر اضافی پر محمول کیا جائے۔ اس کا قرینہ ان کا قول ولا یعلم بالبینة ہے۔

''ابن کمال'' نے یہ جواب دیا ہے: موت کے بارے میں گواہی موت کی خبر سننے کے ساتھ جائز ہوتی ہے۔ اسی طرح نسب کے بارے میں گواہی سننے کے ساتھ جائز ہوتی ہے۔ پس اس کا یہ کہنا جائز ہے: میں نے ایک مقتول دیکھا لوگ یہ کہہ رہے تھے وہ عمرو بن زید ہے۔ جہاں تک رویت ہلال کے بارے میں شہادت کا تعلق ہے تو اس میں معاملہ بہت ہی وسیع ہے۔

27192۔(قولہ: وَلَا يُمْكِنُ إِثْبَاتُهُ) اس کے جھوٹ کو ثابت کرنا ممکن نہیں۔ جہاں تک اس کے اقرار کے اثبات کا معاملہ ہے تو یہ ممکن ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ تامل

27193۔(قولہ: وَزَادَ ضَرْبَهُ) ''البحر'' میں کہا: ''فتح القدیر'' میں دونوں کے قول کو ترجیح دی ہے۔ اور کہا: یہ قول حق ہے۔

27194۔(قولہ: أَنْ يُسَحِّمَ) سحم کا لفظ سین کے ضمہ اور حا کے سکون کے ساتھ ہے یہ دونوں مہمل ہیں۔ اس کا معنی سواد سیاہی ہے۔''وانی''۔ ہامش میں اسی طرح ہے۔

27195۔(قولہ: إِذَا رَآهُ سِيَاسَةً) شارح نے باب حد القذف کے آخر میں وہ قول کیا ہے جو اس کے مخالف ہے۔ کیونکہ کہا: یہ جان لو علما سیاست کے حکم کے بارے میں ذکر کرتے ہیں امام یہ کرے گا۔ ان علماء نے یہ نہیں فرمایا: قاضی ایسا کرے گا۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ قاضی کو نہ سیاست کا حکم کرنے کا حق حاصل ہے اور نہ ہی اس پر عمل کرنے کا حق ہے۔ فلیحرر''فتال''۔

وَقِيلَ إِنْ رَجَعَ مُصِرًّا ضُرِبَ إِجْمَاعًا، وَإِنْ تَائِبًا لَمْ يُعَزَّرْ إِجْمَاعًا، وَتَفْوِيضُ مُدَّةِ تَوْبَتِهِ لِرَأْيِ الْقَاضِي عَلَى الصَّحِيحِ لَوْ فَاسِقًا، وَلَوْ عَدْلًا أَوْ مَسْتُورًا لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ أَبَدًا قُلْتُ وَعَنْ الثَّانِي تُقْبَلُ، وَبِهِ يُفْتَى عَيْنِيٌّ وَغَيْرُهُ، وَاللهُ أَعْلَمُ

میں کہتا ہوں: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اس کی شہادت قبول کی جائے گی اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے ''عینی'' وغیرہ، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر وہ اصرار کرتے ہوئے ایسے امر کی طرف لوٹے تو بالاجماع اسے کوڑے مارے جائیں گے۔ اگر وہ توبہ کرتے ہوئے رجوع کرتا ہے تو بالاجماع اس پر تعزیر نہیں لگائی جائے گی۔ اگر فاسق ہو تو صحیح قول کے مطابق تو اس کی توبہ کی مدت قاضی کی رائے کے سپرد ہوگی۔ اگر وہ عادل ہو یا مستور الحال ہوگا تو اس کی شہادت کی صورت میں قبول نہیں کی جائے گی۔

27196۔(قولہ: مُصِرًّا) ''الفتح'' میں کہا: یہ جان لو کہ یہ کہا گیا ہے: مسئلہ کی تین صورتیں ہیں: اگر وہ اصرار کے طریقہ پر رجوع کرے جیسے وہ کہے: ہاں میں نے اس میں جھوٹی گواہی دی ہے اور میں اس جیسی شہادت سے رجوع نہیں کروں گا تو بالاتفاق کوڑے مارنے کے ساتھ اس کو تعزیر لگائی جائے گی، اگر وہ توبہ کے طریقہ پر رجوع کرے تو بالاتفاق اس پر تعزیر نہیں لگائی جائے گی، اگر اس کا حال معروف نہ ہو تو مذکورہ اختلاف پر معاملہ باقی رہے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس کا جواب تائب کے بارے میں ہے۔ کیونکہ تعزیر سے مقصود یہ ہے کہ وہ ایسے کام سے رک جائے جب کہ وہ اللہ کے داعی سے رک گیا ہے۔ دونوں (''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما) کا جواب اس شخص کے بارے میں ہے جو توبہ نہ کرے۔ اس میں امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے مخالفت نہیں کی۔

27197۔(قولہ: أَبَدًا) کیونکہ اس کی عدالت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ''منلا علی''۔

27198۔(قولہ: تُقْبَلُ) یعنی کوئی مدت متعین نہ کی جائے گی جس طرح ''البحر'' میں ''الخلاصہ'' ان کے قول والا قلف سے تھوڑا پہلے مروی ہے۔ ''الخانیہ'' میں ہے: وہ آدمی جو عدالت میں معروف ہو جب وہ جھوٹی گواہی دے تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے: اس کی شہادت کسی صورت میں قبول نہ کی جائے گی۔ کیونکہ اس کی توبہ معروف نہیں۔ فقیہ ''ابوجعفر'' سے مروی ہے: اس کی شہادت قبول کی جاتی ہے۔ اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ شارح کی کلام اس میں صریح ہے کہ دوسری روایت (قبول نہ کرنے والی) بھی امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ تامل

بَابُ الرُّجُوعِ عَنِ الشَّھَادَۃِ

(ھُوَ أَنْ یَقُولَ رَجَعْتُ عَمَّا شَھِدْتُ بِہِ وَنَحْوَہُ، فَلَوْ أَنْکَرَھَا لَا یَکُونُ رُجُوعًا (وَ) الرُّجُوعُ (شَرْطُہُ مَجْلِسُ الْقَاضِی) وَلَوْ غَیْرَ الْأَوَّلِ لِأَنَّہُ فَسْخٌ أَوْ تَوْبَۃٌ وَھِیَ بِحَسَبِ الْجِنَایَۃِ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ السِّرُّ بِالسِّرِّ وَالْعَلَانِیَۃُ بِالْعَلَانِیَۃِ (فَلَوْ ادَّعَی) الْمَشْھُودُ عَلَیْہِ (رُجُوعَھُمَا عِنْدَ غَیْرِہِ وَبَرْھَنَ) أَوْ أَرَادَ یَمِینَھُمَا

شہادت سے رجوع کے احکام

''شہادت سے رجوع کا طریقہ ہے وہ کہے: میں نے جو شہادت دی ہے میں نے اس سے رجوع کر لیا ہے وغیرہ۔ اگر وہ اس شہادت کا انکار کر دے تو یہ رجوع نہ ہوگا۔ رجوع کی شرط قاضی کی مجلس ہے اگرچہ وہ مجلس پہلے قاضی کی نہ ہو۔ کیونکہ رجوع یا تو نسخ ہے یا توبہ ہے یہ توبہ جنایت کے اعتبار سے ہوگی۔ جس طرح حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: خفیہ طریقہ سے گناہ کیا ہو تو توبہ خفیہ طریقہ سے ہوگی اور اعلانیہ گناہ کیا ہو تو اعلانیہ توبہ کرنا لازم ہے (1)۔ اگر مشہود علیہ نے قاضی کے علاوہ کسی اور جگہ دونوں گواہوں کے رجوع کا دعویٰ کیا اور گواہیاں قائم کر دیں یا اس نے دونوں سے قسم لینے کا ارادہ کیا

27199۔ (قولہ: فَلَوْ أَنْکَرَھَا) یعنی فیصلہ کے بعد شہادت کا انکار کر دے۔

رجوع کی شرط

27200۔ (قولہ: مَجْلِسُ الْقَاضِی) رجوع کی صحت دین کی قضا یا ضمان کی قضا پر موقوف ہوگی جس نے اسے بعید خیال کیا ہے اس نے اس سے اختلاف کیا ہے جس طرح ''الفتح'' میں اس پر متنبہ کیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے: مجلس کے شرط ہونے پر یہ متفرع ہوتا ہے اگر گواہ نے مجلس کے علاوہ میں رجوع کرنے کا اقرار کیا اور اپنی ذات کے خلاف اس پر اور مال کے لازم کرانے پر گواہ بنائے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ اگر اس کے خلاف اس وجہ سے دعویٰ کیا گیا تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی جب دونوں تصدیق کریں تو اس پر مال کا لزوم اس رجوع کی وجہ سے تھا۔

27201۔ (قولہ: لِأَنَّہُ فَسْخٌ) قاضی کی مجلس کے شرط ہونے کی علت ہے ان کے قول فسخ سے مراد ہے۔ رجوع اسی کے ساتھ خاص ہوگا جس کے ساتھ شہادت خاص ہوتی ہے یعنی قاضی کی مجلس کا ہونا ضروری ہے۔ ''منح''۔

27202۔ (قولہ: وَھِیَ) اس سے مراد توبہ ہے۔

27203۔ (قولہ: فَلَوْ ادَّعَی) قاضی کی مجلس کے شرط ہونے کے قاعدہ کا بیان ہے۔

27204۔ (قولہ: عِنْدَ غَیْرِہِ) قاضی کے علاوہ کے ہاں وہ رجوع کرے اگرچہ وہ شرطی ہو جس طرح ''المحیط'' میں ہے۔

1۔ کنز العمال علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی، جلد 3، صفحہ 23، حدیث نمبر 5252

(لَا يُقْبَلُ) لِفَسَادِ الدَّعْوَى، بِخِلَافِ مَا لَوِ ادَّعَى وُقُوعَهُ عِنْدَ قَاضٍ وَتَضْمِينَهُ إِيَّاهُمَا مُلْتَقَى أَوْ بَرْهَنَ أَنَّهُمَا أَقَرَّا بِرُجُوعِهِمَا عِنْدَ غَيْرِ الْقَاضِي قُبِلَ وَجُعِلَ إِنْشَاءً لِلْحَالِ ابْنُ مَلَكٍ (فَإِنْ رَجَعَا قَبْلَ الْحُكْمِ بِهَا سَقَطَتْ وَلَا ضَمَانَ) وَعُزِّرَ وَلَوْ عَنْ بَعْضِهَا لِأَنَّهُ فَسَّقَ نَفْسَهُ جَامِعُ الْفُصُولَيْنِ

تو اسے قبول نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ دعویٰ فاسد ہے۔ اگر قاضی کے ہاں اس کے رجوع کے وقوع کا دعویٰ کرے اور دونوں سے ضمانت لینے کے حکم کا دعویٰ کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ ''ملتقی'' یا اس نے گواہیاں قائم کردیں کہ دونوں نے قاضی کے علاوہ کے ہاں اپنے رجوع کا اقرار کیا ہے تو اس کا رجوع قبول کیا جائے گا اور اسے اس وقت نئے سرے سے رجوع بنادیا جائے گا۔ ''ابن ملک''۔ اگر شہادت پر حکم سے پہلے وہ دونوں گواہ رجوع کرلیں تو شہادت ساقط ہو جائے گی اور اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ اور اسے تعزیر لگائی جائے گی اگر رجوع بعض شہادت سے ہو کیونکہ اس نے خود اپنے آپ کو فاسق قرار دیا ہے، ''جامع الفصولین''۔

27205۔ (قولہ: لَا يُقْبَلُ) یعنی اس کا دعویٰ قبول نہ کیا جائے گا اور نہ ہی اس سے قسم لی جائے گی۔

27206۔ (قولہ: لِفَسَادِ الدَّعْوَى) کیونکہ قاضی کی مجلس رجوع کی شرط ہے پس وہ باطل رجوع کا دعویٰ کرنے والا ہے بینہ یا قسم کا مطالبہ یہ صحیح دعویٰ کے بعد ہی ہوتا ہے۔

27207۔ (قولہ: وَتَضْمِينَهُ) ضمیر سے مراد قاضی ہے یعنی مدعی یہ دعویٰ کرے کہ قاضی ان دونوں کے خلاف ضمانت لازم ہونے کا حکم کرے۔

27208۔ (قولہ: سَقَطَتْ) یعنی شہادت ساقط ہو جائے گی پس قاضی اس کا فیصلہ نہیں کرے گا کیونکہ دونوں خبریں متعارض ہیں جب کہ پہلی خبر کو ترجیح دینے والی کوئی چیز نہیں۔

27209۔ (قولہ: وَعُزِّرَ) ''الفتح'' میں کہا: علماء نے کہا: گواہوں پر تعزیر لگائی جائے گی خواہ انہوں نے قضا سے پہلے رجوع کیا یا قضا کے بعد رجوع کیا ہو۔ یہ قول اعتراض سے خالی نہیں۔ کیونکہ رجوع اس امر میں ظاہر ہے کہ اگر اس نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا ہو تو یہ اس سے توبہ ہے۔ اگر خطا کی ہے تو سہو اور جلد بازی سے توبہ ہے۔ توبہ پر کوئی تعزیر نہیں۔ اور نہ ہی ایسے گناہ پر تعزیر ہے جو توبہ سے اٹھ جاتا ہے۔ اس میں کوئی معین حد نہیں۔

''البحر'' میں یہ جواب دیا ہے: قضا سے قبل اس کا رجوع بعض اوقات حق کو تلف کرنے کے ارادہ سے ہوتا ہے یا اس ارادہ سے ہوتا ہے کہ مشہود علیہ نے اسے مال میں دھوکہ دیا ہے رجوع اس لیے نہیں جس کا اس نے ذکر کیا ہے اور قضا کے بعد رجوع اس کے ظن کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اس سے جاہل ہے کہ وہ مشہود لہ کے مال کو تلف کرنے والا ہے ساتھ ہی ساتھ چٹی کے ساتھ وہ اپنے مال کو تلف کرنے والا ہے۔

27210۔ (قولہ: عَنْ بَعْضِهَا) جس طرح اگر وہ دونوں گھر اور اس کی عمارت یا گدھی اور اس کے بچے کے بارے میں

(وَبَعْدَهُ لَمْ يُفْسَخْ) الْحُكْمُ (مُطْلَقًا) لِتَرْجِيحِهِ بِالْقَضَاءِ (بِخِلَافِ ظُهُورِ الشَّاهِدِ عَبْدًا أَوْ مَحْدُودًا فِي قَذْفٍ) فَإِنَّ الْقَضَاءَ يَبْطُلُ وَيَرُدُّ مَا أَخَذَ وَتَلْزَمُ الدِّيَةُ لَوْ قِصَاصًا، وَلَا يُضَمَّنُ الشُّهُودُ لِمَا مَرَّ أَنَّ الْحَاكِمَ إِذَا أَخْطَأَ فَالْغُرْمُ عَلَى الْمَقْضِيِّ لَهُ شَرْحُ تَكْمِلَةٍ (وَضَمِنَا مَا أَتْلَفَاهُ لِلْمَشْهُودِ عَلَيْهِ)

اس کے بعد حکم مطلقاً فسخ نہیں ہوگا۔ کیونکہ شہادت قضا کے ساتھ راجح ہو چکی ہے گواہ غلام یا قذف میں محدود ظاہر ہو تو معاملہ مختلف ہوگا کیونکہ قضا باطل ہو جاتی ہے اور مدعی نے جو مال لیا ہوگا وہ واپس کرے گا۔ اگر وہ قصاص ہو تو دیت لازم ہوگی۔ اور گواہوں سے ضمانت نہیں لی جائے گی۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے کہ حاکم جب خطا کرے تو چٹی اس پر ہوگی جس کے حق میں فیصلہ کیا گیا ہے۔ ''شرح تکملہ''۔ اور دونوں گواہ مشہود علیہ کے لیے اس کے ضامن ہوں گے جس کو انہوں نے تلف کیا

گواہی دے دیں۔ پھر اس کی عمارت اور بچے کے بارے میں رجوع کر لیں تو اس کے بارے میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ ''منح''۔

27211۔ (قولہ: مُطْلَقًا) ''المنح'' میں کہا: میرا قول: مطلقاً جامع ہے اس صورت کو جب گواہ رجوع کے وقت عدالت میں اسی کی مثل ہو جب اس نے گواہی دی تھی یا اس سے کم مرتبہ پر ہو یا اس سے افضل ہو۔ اسی طرح اکثر کتب میں متون، شروح اور فتاویٰ میں مطلق ذکر کیا گیا ہے۔ ''المحیط'' میں ہے: اس کا رجوع کرنا صحیح ہوگا اگر شہادت کے وقت سے رجوع کے وقت عدالت میں اس کا حال افضل ہو ورنہ اس کا رجوع صحیح نہ ہوگا اور اس پر تعزیر لگائی جائے گی۔ ''البحر'' میں اسے رد کیا ہے۔ ''الفتح'' میں نقل کیا ہے: یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا قول ہے یعنی ان کے شیخ ''حماد'' کا قول ہے۔ پھر آپ نے ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا اور اس پر مذہب پختہ ہو گیا۔ ''البحر'' میں اسے ''کافی الحاکم'' کی طرف منسوب کیا۔

27212۔ (قولہ: لِتَرْجِيحِهِ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ عبارت یوں ہوتی: لترجحها۔

27213۔ (قولہ: وَيَرُدُّ مَا أَخَذَ) یعنی جو لیا ہے وہ مدعیٰ علیہ کو واپس کرے گا۔ ''بحر''۔

27214۔ (قولہ: إِذَا أَخْطَأَ) یہاں اس نے خطا کی ہے۔ کیونکہ اس نے گواہوں کے احوال کے بارے میں تفتیش نہیں کی۔

27215۔ (قولہ: وَضَمِنَا مَا أَتْلَفَاهُ) یہ جان لو کہ گواہ کو ضامن بنانے کا معاملہ صرف اس کے رجوع میں منحصر نہیں بلکہ اس کی مثل وہ صورت بھی ہوگی جب وہ کسی ایسی شے کا ذکر کرے جو قضا کو لازم ہو۔ پھر اس کے برعکس ظاہر ہو جس طرح اس کی وضاحت ''لسان الحکام'' میں کی ہے اور ''البحر'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ پس ان دونوں کی طرف رجوع کرو۔ ''البحر'' میں اس کا ذکر کیا ہے جس کے ساتھ شاہد کی ضمان ساقط ہو جاتی ہے۔

مصنف کے قول: اتلفاہ سے یہ ماخوذ ہوتا ہے کہ اگر اس شے کا ہلاک ہونا ان دونوں کی طرف منسوب نہ ہو تو وہ دونوں ضامن ہوں گے جس طرح وہ موت سے پہلے نسب کی شہادت دیں تو مشہود علیہ مر جائے اور مشہود لہ مشہود علیہ سے مال کا وارث بن جائے پھر وہ دونوں شہادت سے رجوع کر لیں تو وہ دونوں ضامن نہیں ہوں گے۔ کیونکہ وہ موت کے ساتھ وارث بن گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وارث مال کا مستحق نسب اور موت سے بنتا ہے اور استحقاق دونوں میں سے جو وجود کے

لِتَسَبُّبِهِمَا تَعَدِّيًا مَعَ تَعَذُّرِ تَضْمِينِ الْمُبَاشِرِ لِأَنَّهُ كَالْمُلْجَإِ إلَى الْقَضَاءِ (قَبَضَ الْمُدَّعِي الْمَالَ أَوْ لَا بِهِ يُفْتَى) بَحْرٌ وَبَزَّازِيَّةٌ وَخُلَاصَةٌ وَخِزَانَةُ الْمُفْتِينَ وَقَيَّدَهُ فِي الْوِقَايَةِ وَالْكَنْزِ وَالدُّرَرِ وَالْمُلْتَقَى بِمَا إذَا قَبَضَ الْمَالَ لِعَدَمِ الْإِتْلَافِ قَبْلَهُ، وَقِيلَ إنْ الْمَالُ عَيْنًا فَكَالْأَوَّلِ،

کیونکہ وہ دونوں تعدی کا سبب بنے ہیں جب کہ جو اس تعدی کا مباشر ہے اس پر ضمانت لازم کرنا متعذر رہے کیونکہ وہ تو قضا کے معاملہ میں پناہ کی طرح ہے۔ مدعی نے مال پر قبضہ کر لیا ہو یا قبضہ نہ کیا ہو اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، ''بحر''، ''بزازیہ''، ''خلاصہ''، ''خزانۃ المفتین''۔ ''وقایہ''، ''کنز''، ''درر'' اور ''ملتقی'' میں یہ قید لگائی ہے جب وہ مال پر قبضہ کرلے کیونکہ اس سے قبل اس نے مال کو تلف نہیں کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر مال عین ہو تو وہ پہلے قول کی طرح ہے۔

اعتبار سے آخر میں ہوتا ہے اس کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ ''زیلعی'' نے اس کا ذکر باب اقرار المریض میں کیا ہے۔ ''سائحانی'' نے ''مقدسی'' سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ''البحر'' میں ''العتابیہ'' سے مروی ہے: گواہوں نے گواہی دی کہ اس کے قرض خواہ نے اسے دین سے بری کر دیا تھا پھر غریم مفلس مر گیا پھر گواہ رجوع کر لیتے ہیں تو وہ طالب کے لیے کسی چیز کے ضامن نہیں ہوں گے۔ کیونکہ اس کے ذمہ جو کچھ تھا وہ افلاس کے ذریعے ہلاک ہو گیا ہے۔

27216۔(قولہ: لِتَسَبُّبِهِمَا) ''البحر'' میں کہا: قاضی پر ضمانت لاگو کرنے کی صورت میں لوگوں کو اس منصب کے قبول کرنے سے پہلو تہی کرنا لازم آئے گا اور مدعی کے لیے اپنا حق لینا متعذر رہتا ہے۔ کیونکہ حکم تو جاری ہو کر رہے گا پس تسبب کا اعتبار کیا جائے گا۔ ''ہامش'' میں اسی طرح ہے۔

27217۔(قولہ: لِأَنَّهُ كَالْمُلْجَإِ) ضمیر سے مراد قاضی ہے۔

ارباب متون صرف ایسے قول پر اکتفا کرتے ہیں جس کو ترجیح حاصل ہوتی ہے اور متون کا قول شروح پر مقدم ہوتا ہے

27218۔ (قولہ: وَقَيَّدَهُ الخ) ''الہدایہ''، ''المختار''، ''الاصلاح'' اور ''مواہب الرحمٰن'' میں اسی طرح ہے۔ ''جوہرہ'' اور ''صاحب المجمع'' نے اسے یقین سے بیان کیا ہے۔ اور تجھے علم ہے کہ ارباب متون صرف ایسے قول پر اکتفا کرتے ہیں جس کو ترجیح حاصل ہوتی ہے اور متون میں جو قول ہوتا ہے وہ اس پر مقدم ہوتا ہے جو کچھ شروح میں ہوتا ہے۔ ''البحر'' میں ''الخلاصہ'' سے جو کچھ منقول ہے: ان ما فی الفتاوی ہو قول الامام الاخیر اس میں ہمیں اعتراض ہے۔ گویا یہی وہ قول ہے جس نے مصنف کو دھوکہ میں مبتلا کیا ہے۔

27219۔(قولہ: فَكَالْأَوَّلِ) یعنی گواہ مطلقاً اس کے ضامن ہوں گے جس کے حق میں گواہی دی گئی تھی اس نے اس مال پر قبضہ کیا تھا یا نہیں۔ کیونکہ عین سے مشہود لہ کی ملکیت قضا کے ساتھ زائل ہو جاتی ہے۔ اور دین میں اس وقت تک ملکیت

وَإِنْ دَيْنًا فَكَالثَّانِي وَأَقَرَّهُ الْقُهُسْتَانِيُّ (وَالْعِبْرَةُ فِيهِ لِمَنْ بَقِيَ) مِنَ الشُّهُودِ (لَا لِمَنْ رَجَعَ فَإِنْ رَجَعَ أَحَدُهُمَا ضَمِنَ النِّصْفَ، وَإِنْ رَجَعَ أَحَدُ ثَلَاثَةٍ لَمْ يَضْمَنْ، وَإِنْ رَجَعَ آخَرُ ضَمِنَا النِّصْفَ وَإِنْ رَجَعَتْ امْرَأَةٌ مِنْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ

اگر مال دین ہو تو وہ دوسرے قول کی طرح ہے۔ ''قہستانی'' نے اسے ثابت رکھا ہے۔ اس میں اعتبار اس کا ہوگا گواہوں میں سے جو باقی ہو، نہ کہ اس کا اعتبار ہوگا جس نے رجوع کیا ہو۔ اگر دونوں گواہوں میں سے ایک رجوع کر لے تو وہ نصف کا ضامن ہوگا اگر تین گواہوں میں سے ایک رجوع کر لے تو وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا اگر ایک اور رجوع کر لے تو دونوں نصف کے ضامن ہوں گے۔ اگر ایک مرد اور دو عورتوں میں سے ایک عورت نے گواہی سے رجوع کر لیا

زائل نہیں ہوتی یہاں تک کہ اس پر قبضہ کر لے۔

27220۔ (قولہ: فَكَالثَّانِي) یعنی اگر گواہ اس پر قبضہ سے قبل رجوع کر لے تو وہ اس کے ضامن نہ ہوں گے اگر قبضہ کے بعد رجوع کر لیں تو ضامن ہوں گے۔

گواہی سے رجوع میں اعتبار بقیہ گواہوں کا ہوگا نہ کہ اس کا جس نے رجوع کیا

27221۔ (قولہ: ضَمِنَ النِّصْفَ) کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کی گواہی سے نصف حجت قائم ہوئی ہے۔ دونوں میں سے ایک کے گواہی پر باقی رہنے سے نصف ہی حجت باقی رہے گی۔ پس جس نے رجوع کیا ہے اس پر اس کی ضمانت ہوگی۔ جس میں حجت باقی نہیں وہ نصف ہے۔ اور یہ جائز ہے کہ بعض علت کی وجہ سے ابتدا سے ہی حکم ثابت نہ ہو پھر بعض علت کے باقی رہنے کی وجہ سے حکم باقی رہے گا جس طرح سال کے شروع ہونے میں بعض نصاب پر حکم منعقد نہیں ہوتا اور بعض نصاب کے باقی رہنے کی صورت میں باقی رہتا ہے۔

27222۔ (قولہ: لَمْ يَضْمَنْ) یعنی رجوع کرنے والا ضامن نہیں ہوگا۔

27223۔ (قولہ: ضَمِنَا النِّصْفَ) ''المقدسی'' میں ہے: اگر یہ قول کیا جائے چاہیے: کہ صرف دوسرا رجوع کرنے والا ضامن ہو کیونکہ تلف ہونا اس کی طرف منسوب ہے ہم کہتے ہیں تلف ہونا یہ مجموع کی طرف منسوب ہے مگر پہلے کے رجوع کا اثر مانع کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوا مانع وہ ہے جو گواہ باقی ہے۔ جب دوسرے نے رجوع کر لیا تو یہ امر ظاہر ہو گیا کہ تلف دونوں کی وجہ سے ہوا ہے۔

میں کہتا ہوں: کتاب الحدود میں ''المحیط'' سے یہ قول گزر چکا ہے جب رجم کی حد پر پانچ افراد نے گواہی دی تو پانچویں نے رجوع کر لیا تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی اگر چوتھے نے رجوع کر لیا تو دونوں چوتھائی کے ضامن ہوں گے۔ اگر تیسرا رجوع کر لے تو وہ چوتھے حصے کا ضامن ہوگا۔ ان کا قول یضمن الثالث الربع یہ اس کے مخالف ہے جو یہاں ہے۔ کیونکہ یہ باب الرجوع فی الشهادة سے ماخوذ ہے کہ پانچواں، چوتھا اور تیسرا النصف کے ضامن ہوں گے جس کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے

ضَمِنَتْ الرُّبْعَ، وَإِنْ رَجَعَتَا فَالنِّصْفَ، وَإِنْ رَجَعَ ثَمَانِ نِسْوَةٍ مِنْ رَجُلٍ وَعَشْرِ نِسْوَةٍ لَمْ يَضْمَنَّ، فَإِنْ رَجَعَتْ أُخْرَى ضَمِنَّ) التِّسْعُ (رُبْعَهُ) لِبَقَاءِ ثَلَاثَةِ أَرْبَاعِ النِّصَابِ (فَإِنْ رَجَعُوا فَالْغُرْمُ بِالْأَسْدَاسِ)

تو وہ چوتھائی کی ضامن ہوگی اگر دونوں رجوع کرلیں تو نصف کی ضامن ہوں گی اگر ایک مرد اور دس عورتوں میں سے آٹھ رجوع کرلیں تو وہ ضامن نہ ہوں گی اگر ایک اور رجوع کرلے تو نو عورتیں اس کے چوتھائی کی ضامن ہوں گی۔ کیونکہ نصاب کا تین چوتھائی باقی ہے۔ اگر وہ سب رجوع کرلیں تو چٹی کو چھ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

گا۔ ''المحیط'' میں جو قول ہے وہ غلط ہے یا ضعیف ہے یا غیر مشہور ہے۔

جب چار افراد نے ایک شخص کے خلاف چار سو درہم کی گواہی دی اور ان کا فیصلہ کر دیا گیا پس ان میں سے ایک نے سو سے رجوع کرلیا ایک اور نے اس سو اور ایک اور سو سے رجوع کرلیا اور ایک اور نے ان دو سو اور ایک سو سے رجوع کرلیا تو رجوع کرنے والوں پر پچاس دراہم تین حصوں میں تقسیم کر کے لازم ہوں گے۔ کیونکہ پہلے گواہ نے صرف ایک سو کی گواہی سے رجوع کیا ہے اور وہ باقی ماندہ تین سو میں گواہ رہا ہے۔ اور چوتھا گواہ جس نے تین سو میں رجوع نہیں کیا۔ اسی طرح وہ چوتھے سو میں گواہ ہے پس تین سو میں سے نصاب شہادت پایا گیا پس اس میں کوئی ضمانت نہیں ہوگی۔ جہاں تک چوتھے سو کا تعلق ہے جب چوتھا گواہ اس میں شاہد رہا اور باقی ماندہ گواہوں نے رجوع کرلیا تو اس سو کو نصف نصف کیا جائے گا۔ کیونکہ اعتبار اس کا ہوتا ہے جو باقی ہوتا ہے پس وہ سب گواہ سو کے نصف کے ضامن ہوں گے وہ پچاس ہیں جن کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ اگر چوتھے نے سب سے رجوع کرلیا تو وہ سب سو کے ضامن ہوں گے جس کو چار حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ یعنی وہ سو جس سے رجوع کرنے میں سب نے اتفاق کیا۔ پہلے گواہ کے علاوہ وہ اس پچاس کی ضمانت دیں گے جس سے رجوع پر سب نے اتفاق کیا ہے وہ اس پچاس کو تین حصوں میں تقسیم کریں گے۔

دو سو پچاس کی ضمانت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پہلا گواہ تین سو کی گواہی پر باقی ہے دوسرا دو سو کی گواہی پر باقی ہے دو سو وہ ہیں جن پر گواہی پر نصاب مکمل ہے تیسرے سو پر صرف ایک گواہ باقی ہے جس نے رجوع نہیں کیا لیکن اس کے علاوہ جب تین نے رجوع کرلیا تو وہ سو نصف نصف ہو جائے گا۔ پس وہ سب پچاس کے ضامن ہوں گے جن کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ''سائحانی''۔

ان کا قول والثالث بقی شاهدا شاید ان کا قول والثانی ہے۔ مسئلہ ''البحر'' میں ''المحیط'' سے مذکور ہے جب کہ اس کی توجیہ ایک اور عبارت سے کی گئی ہے پس اس کی طرف رجوع کرو۔

27224۔ (قولہ: ضَمِنَتْ الرُّبْعَ) کیونکہ جس پر شہادت باقی ہے وہ تین چوتھائی ہے۔ ''منح''۔

27225۔ (قولہ: فَإِنْ رَجَعُوا) یعنی مرد وں عورتوں میں سے سب رجوع کرلیں۔

27226۔ (قولہ: بِالْأَسْدَاسِ) چھٹا حصہ مرد پر اور 5/6 عورتوں پر لازم ہوگا۔ کیونکہ دو عورتیں ایک آدمی کے قائم

وَقَالَا عَلَيْهِنَّ النِّصْفُ كَمَا لَوْ رَجَعْنَ فَقَطْ (وَلَا يَضْمَنُ رَاجِعٌ فِي النِّكَاحِ شَهِدَ بِمَهْرِ مِثْلِهَا) أَوْ أَقَلَّ إِذْ الْإِتْلَافُ بِعِوَضٍ كَلَا إِتْلَافٍ (وَإِنْ زَادَ عَلَيْهِ ضَمِنَاهَا) لَوْ هِيَ الْمُدَّعِيَةَ وَهُوَ الْمُنْكِرَ عَزْمِي زَادَهْ

''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: اگر سب عورتیں رجوع کرلیں تو اس پر نصف لازم ہوگا اور نکاح میں رجوع کرنے والا گواہ کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا جس نے مہر مثل کی گواہی دی یا اس سے کم کی گواہی دی۔ کیونکہ عوض کی صورت میں اتلاف اتلاف نہ ہونے کی طرح ہے۔ اگر وہ مہر مثل سے زائد پر گواہی دیں تو دونوں گواہ خاوند کے لیے اس کے ضامن ہوں گے اگرچہ عورت اس کی مدعی ہو اور خاوند اس کا انکاری ہو ''عزمی زادہ''۔

مقام ہوں گی۔

27227۔ (قولہ: فَقَطْ) کیونکہ وہ عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہوتی ہیں اگرچہ بہت زیادہ ہوں۔

عوض کی صورت میں اتلاف اتلاف نہ ہونے کی طرح ہے

27228۔ (قولہ: وَلَا يَضْمَنُ رَاجِعٌ الخ) اس مسئلہ کی چھ صورتیں ہیں۔ کیونکہ وہ دونوں گواہ یا تو مہر مثل کے موافق گواہی دیں گے، اس سے زیادہ کی گواہی دیں گے یا اس سے کم کی گواہی دیں گے۔ ان صورتوں میں سے ہر صورت میں مدعی یا تو مرد ہوگا یا عورت ہوگی اور وہ گواہ کسی صورت میں ضامن نہ ہوں گے مگر اسی صورت میں جب وہ مہر مثل سے زائد کی گواہی دیں۔

اگر مصنف اپنے قول: ضمناها کے بعد للزوج کے الفاظ کہتے جس طرح ''المنح'' میں ہے تو یہ قول پانچ منطوقہ صورتوں اور ایک مفہومہ صورت کا فائدہ دیتا اور شارح نے ''العزمیہ'' سے جو کچھ نقل کیا ہے اس سے غنی کر دیتا۔

مصنف پر یہ لازم تھا کہ وہ کہتے: وان باقل اور ولو شهدا باصل النكاح کو حذف کر دیتے۔ کیونکہ یہ قول وہم دلاتا ہے کہ پہلی صورت میں شہادت اپنے اصل پر نہیں۔ یہ صورت میں شارح کا قول او اقل تکرار ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ ''حلبی'' نے کہا: اگر وہ کہتے متن ہے۔ وہ گواہ جس نے خاوند کے خلاف مہر مثل سے زائد کی گواہی دی تو وہ گواہی سے رجوع کی شکل میں زیادتی کا ضامن ہوتا تو یہ قول ان چھ صورتوں کو جامع ہو جاتا جن میں سے ایک منطوق اور پانچ مفہوم ہیں۔

پھر میرے لیے یہ امر ظاہر ہوا کہ مصنف نے ان میں سے جو مخفی صورتیں تھیں ان کو ظاہر کیا اور جو ظاہر تھیں ان کو مخفی کر دیا اور مہر مثل کے مطابق شہادت دینے کی صورت ضمان کا ذکر نہیں کیا اور جب مہر مثل سے کم کی شہادت دے تو ضمانت لازم نہیں ہوگی اور مہر مثل سے زائد پر گواہی دی تو ضمان ہوگی۔ یہ سب اس وقت ہوگا اگر وہ عورت مدعی ہو جس طرح شارح نے اس پر متنبہ کیا ہے اور اس کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کا مابعد اس صورت کے متعلق ہے۔ اگر مرد مدعی ہو مصنف نے اس کے بعد ذکر کیا ہے ''اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی اگر وہ دونوں مہر مثل سے اقل کی شہادت دیں اور ان صورتوں سے خاموشی اختیار کی اگر وہ مہر مثل یا اس سے زیادہ کے بارے میں گواہی دیں۔ کیونکہ یہ تو معلوم ہے کہ ان صورتوں میں بدرجہ اولیٰ ضمانت نہیں ہوگی۔ کیونکہ گفتگو اس کے متعلق ہے جب مرد مدعی ہو شارح نے اس کی تصریح نہیں کی جس طرح پہلی صورت میں

(وَلَوْ شَهِدَا بِأَصْلِ النِّكَاحِ بِأَقَلَّ مِنْ مَهْرِ مِثْلِهَا فَلَا ضَمَانَ) عَلَى الْمُعْتَمَدِ لِتَعَذُّرِ الْمُمَاثَلَةِ بَيْنَ الْبُضْعِ وَالْمَالِ (بِخِلَافِ مَا لَوْ شَهِدَا عَلَيْهَا بِقَبْضِ الْمَهْرِ أَوْ بَعْضِهِ ثُمَّ رَجَعَا) ضَمِنَا لَهَا لِإِتْلَافِهِمَا الْمَهْرَ (وَضَمِنَا فِي الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ مَا نَقَصَ عَنْ قِيمَةِ الْمَبِيعِ) لَوِ الشَّهَادَةُ عَلَى الْبَائِعِ (أَوْ زَادَ) لَوِ الشَّهَادَةُ عَلَى الْمُشْتَرِي لِلْإِتْلَافِ بِلَا عِوَضٍ، وَلَوْ شَهِدَا بِالْبَيْعِ وَبِنَقْدِ الثَّمَنِ، فَلَوْ فِي شَهَادَةٍ وَاحِدَةٍ ضَمِنَا الْقِيمَةَ،

اگر وہ دونوں گواہ اصل نکاح پر اس کے مہر مثل سے کم مہر کی شہادت دیں تو قابل اعتماد قول کے مطابق ضمانت نہیں ہوگی۔ کیونکہ بضعہ اور مال میں مماثلت متعذر ہے۔ اگر وہ دونوں عورت کے بارے میں پورے مہر یا اس کے بعض پر قبضہ کرنے کی گواہی دیں پھر وہ دونوں رجوع کر لیں تو دونوں اس کی ضمانت دیں گے۔ کیونکہ دونوں مہر کو تلف کرنے والے ہیں۔ اور بیع وشرا میں وہ دونوں اس کی ضمانت دیں گے جو بیع کی قیمت میں کمی کی، اگر شہادت بائع کے خلاف ہو یا اس کی قیمت میں زیادتی کی اگر شہادت مشتری کے خلاف ہو۔ کیونکہ وہ عوض کے بغیر تلف کرنے والے ہیں۔ اگر دونوں گواہ بیع اور ثمن کو نقد لینے کے بارے میں گواہی دیں اگر یہ ایک ہی گواہی کی صورت میں ہو تو دونوں قیمت کے ضامن ہوں گے

اقل کی تصریح کی یہ اس پر اعتماد کیا ہے کہ مراد ظاہر ہے۔ فتنبہ

27229۔(قولہ: عَلَى الْمُعْتَمَدِ) "المنظومة النسفية" اور اس کی شرح میں جو کچھ ہے وہ اس سے مختلف ہے۔ صاحب "المجمع" نے ان دونوں کی پیروی کی۔ کیونکہ ان سب نے یہ ذکر کیا ہے: طرفین کے نزدیک وہ دونوں اس کے ضامن ہوں گے۔ امام "ابو یوسف" رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ "الفتح" میں کہا: "ہدایہ" اور اس کی شروح میں جو کچھ ہے وہی معروف ہے اور علماء نے اس کے علاوہ کو نقل نہیں کیا۔ یہی اصول جیسے "المبسوط"، "شرح الطحاوی" اور "ذخیرہ" وغیرہ میں مذکور ہے۔ انہوں ان میں امام "شافعی" رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف نقل کیا ہے اگر انہیں مذہب میں شعور کا اختلاف ہوتا تو وہ کلی طور پر اس سے اعراض نہ کرتے اور امام "شافعی" رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف کو نقل کرنے میں مشغول نہ ہوتے۔

27230۔(قولہ: وَلَوْ شَهِدَا بِالْبَيْعِ) "عینی" نے کہا: اگر وہ مثلاً ہزار کے بدلے میں بیع کی گواہی دیں اور قاضی اس کے مطابق فیصلہ کر دے پھر قضا کے بعد وہ اس پر ثمن کے قبضہ کی گواہی دیں اور قاضی اس کا فیصلہ کر دے پھر دونوں شہادتوں سے رجوع کر لیں تو دونوں ثمن کے ضامن ہوں گے۔ اگر انہوں نے بیع کی قیمت میں کمی کی گواہی دی تھی تو وہ اس کے ساتھ زائد قیمت کے بھی ضامن ہوں گے اگر وہ اس کے خلاف بیع کرنے اور ثمن پر قبضہ کی اکٹھی گواہی دیں اور قاضی اس کا فیصلہ کر دے پھر دونوں اپنی گواہی سے رجوع کر لیں تو ان دونوں پر صرف قیمت واجب ہوگی، "ح"۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

ضمانت کے حکم میں دونوں مسئلوں میں تفاوت ظاہر نہیں۔ کیونکہ دونوں صورتوں میں وہ قیمت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ پہلی صورت میں اگر ثمن قیمت کی مثل ہو تو بہت بہتر اور اگر وہ ثمن قیمت سے کم ہو تو وہ زیادتی کے بھی ضامن ہوں گے۔

27231۔(قولہ: ضَمِنَا الْقِيمَةَ) کیونکہ جس کا فیصلہ کیا گیا ہے وہ بیع ہے ثمن نہیں ہے۔ کیونکہ ثمن کے واجب کرنے

وَلَوْ فِي شَهَادَتَيْنِ ضَمِنَا الثَّمَنَ عَيْنِيٌّ (وَلَوْ شَهِدَا عَلَى الْبَائِعِ بِالْبَيْعِ بِأَلْفَيْنِ إِلَى سَنَةٍ وَقِيمَتُهُ أَلْفٌ، فَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الشُّهُودَ قِيمَتَهُ حَالًّا، وَإِنْ شَاءَ أَخَذَ الْمُشْتَرِيَ إِلَى سَنَةٍ وَأَيًّا مَا اخْتَارَ بَرِئَ الْآخَرُ) وَتَمَامُهُ فِي خِزَانَةِ الْمُفْتِينَ (وَفِي الطَّلَاقِ قَبْلَ وَطْءٍ وَخَلْوَةٍ ضَمِنَا نِصْفَ الْمَالِ) الْمُسَمَّى (أَوْ الْمُتْعَةَ) إِنْ لَمْ يُسَمِّ (وَلَوْ شَهِدَا أَنَّهُ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا وَآخَرَانِ أَنَّهُ طَلَّقَهَا وَاحِدَةً

اگر وہ دو گواہیوں میں ایسا ہو تو دونوں ثمن کے ضامن ہوں گے،''عینی''۔ اگر دونوں بائع کے خلاف دو ہزار کے عوض میں بیع کی گواہی دیں جو ایک سال تک ادا کرنے ہیں جب کہ اس کی قیمت ایک ہزار ہے اگر چاہے تو گواہوں سے اس کی قیمت (یعنی ہزار) فی الحال ضمان کے طور پر لے لے اور اگر چاہے تو مشتری سے ایک سال تک لے لے بائع نے جو بھی اختیار کیا دوسرا بری ہو جائے گا۔ اس کی مکمل بحث ''خزانۃ المفتین'' میں ہے۔ حقوق زوجیت اور خلوت سے پہلے طلاق پر وہ گواہی دیں تو مہر مسمی کے نصف کے ضامن ہوں گے یا متعہ کے ضامن ہوں گے اگر مہر معین نہ کیا گیا تھا۔ اگر دونوں نے گواہی دی کہ خاوند نے عورت کو تین طلاقیں دے دیں اور دوسرے دو نے گواہی دی کہ اس نے عورت کو

کا فیصلہ ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ اس کے ساتھ مقترن ہے جو اس کے سقوط کا موجب ہے وہ پوری ثمن ادا کر چکنے کا فیصلہ ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے کہا: اگر دونوں گواہی دیں کہ اس نے اس شخص کو اپنا غلام بیچا اور اس سے اقالہ کر لیا جب کہ دونوں امر ایک شہادت سے ہوتے ہیں تو بیع کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ اس امر کے ساتھ مقترن ہے جو اس کے فسخ کا موجب ہے وہ اقالہ کی قضا ہے۔''فتح''۔ ان کے قول ضمنا الثمن کی وجہ یہ ہے کہ ثمن کے بارے میں فیصلہ اس امر کے ساتھ مقترن نہیں ہو سکتا جو اس ثمن کو ساقط کر دے۔ کیونکہ دونوں نے اس کی پوری طرح ادائیگی کی شہادت نہیں دی بلکہ ان دونوں نے اس کے بعد اس بارے میں گواہی دی ہے۔ جب ثمن ایسا امر ہو گیا جس کا فیصلہ کیا گیا تو دونوں اس کے رجوع کے ضامن ہوں گے، ''فتح''۔''زیلعی'' نے یہ اضافہ کیا ہے: اگر ثمن مبیع کی قیمت سے کم ہو تو اس کے ساتھ وہ دونوں زیادتی کے ضامن ہوں گے کیونکہ انہوں نے پہلی گواہی کے ساتھ اتنی مقدار اس پر تلف کی ہے۔

27232۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ فِي خِزَانَةِ الْمُفْتِينَ) جس طرح ''المنح'' میں ہے اس کی عبارت ہے: اگر اس نے گواہوں سے ضمانت لینے کو پسند کیا تو مشتری سے ثمن کا مطالبہ کریں گے اور زائد کو صدقہ کر دیں گے۔ اگر مشتری عیب کی وجہ سے بیع کو باہم رضامندی سے واپس کر دے یا وہ باہم اقالہ کر لیں تو وہ بائع سے ثمن کا مطالبہ کرے گا اور گواہوں پر کوئی شے لازم نہ ہو گی اگر وہ قاضی کے فیصلہ کے ساتھ واپس کرے تو گواہوں پر فی الحال ضمانت لازم ہو گی اگر دونوں ادا کر دیں تو جو کچھ انہوں نے ادا کیا ہے وہ واپس لے لیں۔

27233۔ (قولہ: ضَمِنَا نِصْفَ الْمَالِ الْمُسَمَّى أَوْ الْمُتْعَةِ الخ) کیونکہ دونوں نے ایسی ضمانت کو مؤکد کیا ہے جو گرنے والی تھی۔ کیا تو نہیں دیکھتا اگر اپنے خاوند کے بیٹے کو اپنے اوپر قدرت دے دے یا وہ مرتد ہو جائے تو مہر اصلاً ساقط

قَبْلَ الدُّخُولِ ثُمَّ رَجَعُوا فَضَمَانُ نِصْفِ الْمَهْرِ عَلَى شُهُودِ الثَّلَاثِ لَا غَيْرُ لِلْحُرْمَةِ الْغَلِيظَةِ (وَلَوْ بَعْدَ وَطْءٍ أَوْ خَلْوَةٍ فَلَا ضَمَانَ) وَلَوْ شَهِدَا بِالطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُولِ وَآخَرَانِ بِالدُّخُولِ ثُمَّ رَجَعُوا ضَمِنَ شُهُودُ الدُّخُولِ ثَلَاثَةَ أَرْبَاعِ الْمَهْرِ وَشُهُودُ الطَّلَاقِ رُبْعَهُ اخْتِيَارٌ (وَلَوْ شَهِدَا بِعِتْقٍ فَرَجَعَا ضَمِنَا الْقِيمَةَ لِمَوْلَاهُ (مُطْلَقًا) وَلَوْ مُعْسِرَيْنِ

دخول سے قبل ایک طلاق دے دی پھر دونوں نے رجوع کرلیا تو نصف مہر کی ضمانت ان گواہوں پر ہوگی جنہوں نے تین طلاقوں کے بارے میں گواہی دی تھی کسی اور پر ضمانت نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس سے حرمت غلیظہ پائی جارہی ہے۔ اگر وطی یا خلوت کے بعد ایسا ہو تو کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ اگر دو گواہ حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل کی اور دو گواہ حقوق زوجیت کی ادائیگی کی گواہی دیں پھر رجوع کرلیں تو حقوق زوجیت کی ادائیگی والے گواہ تین چوتھائی کے ضامن ہوں گے اور طلاق پر گواہ ایک چوتھائی کے ضامن ہوں گے۔ اگر دونوں غلام کی آزادی کے بارے میں گواہی دیں اور وہ دونوں رجوع کرلیں تو دونوں اس کے آقا کے لیے قیمت کے مطلق ضامن ہوں گے اگرچہ وہ تنگ دست ہوں۔

ہوجائے گا۔ ''منح''۔

27234۔(قولہ: قَبْلَ الدُّخُولِ) یہ دونوں شہادتوں میں قید ہے۔ ''ح''۔

27235۔(قولہ: لَا غَيْرُ) کیونکہ قاضی نے ایک طلاق کے گواہوں کی گواہی کے مطابق فیصلہ نہیں کیا۔ کیونکہ یہ کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ کیونکہ ایک طلاق کا حکم حرمت خفیفہ ہے اور تین طلاقوں کا حکم حرمت غلیظہ ہے۔ ''منح''۔

27236۔(قولہ: فَلَا ضَمَانَ) کیونکہ مہر حقوق زوجیت کی ادائیگی کے ساتھ متاکد ہوجاتا ہے تو دونوں گواہوں نے اسے ثابت نہیں کیا جو گرنے والا تھا۔ ''ح''۔

27237۔(قولہ: ضَمِنَ شُهُودُ الدُّخُولِ الخ) کیونکہ ان گواہوں نے اپنی گواہی کے ساتھ تمام مہر کو اس پر ثابت کر دیا ہے جب کہ تمام کا تمام ساقط ہونے والا تھا۔ یہ امر اس کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ تمام مہر کی ضمانت ادا کریں۔ لیکن حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل انہوں نے اس پر نصف مہر کو ثابت کیا ہے جب کہ یہ ساقط ہونے والا تھا پہلا فریق نصف کی ضمانت کے ساتھ مختص ہوگیا اور دوسرے نصف میں اس نے دوسرے فریق کے ساتھ منازعہ کیا تو یہ نصف ان سب پر تقسیم کردیا جائے گا۔ پہلے فریق کو تین چوتھائی اور دوسرے فریق کو ایک چوتھائی پہنچے گا ''ح''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27238۔(قولہ: اخْتِيَارٌ) اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ دونوں فریق نصف پر متفق ہوگئے ہیں پس ہر فریق پر چوتھائی لازم ہوگا۔ اور حقوق زوجیت ادا کرنے پر گواہی دینے والے نصف میں منفرد ہیں۔ پس اس کی ضمانت میں منفرد ہوں گے۔ ''فتال''۔

''البحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے: اگر طلاق کے دو گواہ رجوع کرلیں تو ان پر کوئی ضمان نہیں ہوگی۔ کیونکہ دونوں نے

لِاَنَّهٗ ضَمَانُ اِتْلَافٍ (وَالْوَلَاءُ لِلْمُعْتِقِ) لِعَدَمِ تَحَوُّلِ الْعِتْقِ اِلَيْهِمَا بِالضَّمَانِ فَلَا يَتَحَوَّلُ الْوَلَاءُ هِدَايَةٌ (وَفِي التَّدْبِيرِ ضَمِنَا مَا نَقَصَهُ) وَهُوَ ثُلُثُ قِيمَتِهِ، (وَلَوْ مَاتَ الْمَوْلَى عَتَقَ مِنَ الثُّلُثِ وَلَزِمَهُمَا بَقِيَّةُ قِيمَتِهِ) وَتَمَامُهُ فِي الْبَحْرِ (وَفِي الْكِتَابَةِ يَضْمَنَانِ قِيمَتَهُ) كُلَّهَا. (وَاِنْ شَاءَ اتَّبَعَ الْمُكَاتَبَ) وَلَا يَعْتِقُ حَتّٰى يُؤَدِّيَ مَا عَلَيْهِ اِلَيْهِمَا) وَتَصَدَّقَا بِالْفَضْلِ (وَالْوَلَاءُ لِمَوْلَاهُ، وَلَوْ عَجَزَ عَادَ لِمَوْلَاهُ وَرَدَّ قِيمَتَهُ)

کیونکہ یہ تلف کرنے کی ضمانت ہے اور ولاء آزاد کرنے والے کے لیے ہے۔ کیونکہ ضمانت کے ساتھ آزادی ان دونوں کی طرف منتقل نہیں ہوتی۔ پس ولاء منتقل نہ ہوگی "ہدایہ"۔ تدبیر میں وہ دونوں اس کے ضامن ہوں گے جس قدر اس میں نقصان کیا وہ اس کی قیمت کا ایک تہائی ہے۔ اگر آقا مر جائے تو ایک تہائی سے آزاد ہوگا اور اس کے باقی ماندہ قیمت ان دونوں پر لازم ہوگی۔ اس کی مکمل بحث "البحر" میں ہے۔ عقد مکاتبت کی صورت میں وہ دونوں اس کی پوری قیمت کے ضامن ہوں گے اگر چاہے تو مکاتب کا پیچھا کرے وہ غلام آزاد نہیں ہوگا یہاں تک کہ جو اس پر لازم ہے وہ ان دونوں گواہوں کو ادا کر دے وہ زائد کو صدقہ کر دیں گے۔ اور ولاء اس کے آقا کے لیے ہوگی۔ اگر وہ عاجز آ جائے تو وہ اپنے آقا کی طرف لوٹ جائے گا اور آقا اس کی قیمت گواہوں کو

نصف مہر کو ثابت کیا ہے اور حقوق زوجیت ادا کرنے کی گواہی نے پورا مہر ثابت کیا ہے۔ وہ باقی رہ گیا جن کی گواہی سے تمام مہر ثابت ہوتا ہے وہ حقوق زوجیت کی ادائیگی پر گواہی دینے والے ہیں۔ اگر حقوق زوجیت کی ادائیگی پر گواہی دینے والے رجوع کر لیں کوئی اور رجوع نہ کرے تو ان دونوں پر نصف مہر ثابت ہوگا۔ کیونکہ طلاق کے گواہوں کی گواہی سے نصف مہر ثابت ہوتا ہے اور حقوق زوجیت کی ادائیگی پر گواہی سے نصف مہر تلف ہو گیا۔ اگر ہر فریق سے ایک آدمی رجوع کرے تو طلاق کے دو گواہوں پر کوئی شے واجب نہ ہوگی اور حقوق زوجیت کی ادائیگی پر گواہی دینے والوں پر چوتھائی واجب ہوگا۔

27239۔ (قولہ: لِاَنَّهٗ ضَمَانُ اِتْلَافٍ) آزاد کرنے کی ضمانت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس صورت میں اس نے صرف اس کی ملکیت کو ضائع کیا ہے اور اس سے اس کے ملک کی ملکیت کا فاسد ہونا لازم ہوا ہے۔ شارع نے تو صدقہ کی اور اس کی ہمدردی کے طور پر اس کی ضمانت کو لازم کیا ہے۔

27240۔ (قولہ: بِبَقِيَّةِ قِيمَتِهِ) اگر غلام کے علاوہ اس کا مال نہ ہو تو اس کا ایک تہائی آزاد ہو جائے گا اور وہ اس کے دو تہائی میں سعی کرے گا۔ اور دو گواہ عوض کے بغیر ایک تہائی قیمت کے ضامن ہوں گے اور وہ دونوں غلام سے اس کا مطالبہ نہیں کریں گے۔ اگر غلام دو تہائی سے عاجز آ گیا تو وارث اس کے بارے میں گواہی سے مطالبہ کریں گے۔ اور "صاحبین" رحمہما اللہ کے نزدیک گواہ غلام سے مطالبہ کرے گا "بحر"۔

27241۔ (قولہ: يَضْمَنَانِ قِيمَتَهُ) فرق یہ ہے دونوں عقد مکاتبت کے ساتھ آقا اور غلام کی مالیت میں اپنی گواہی کی وجہ سے حائل ہو چکے ہیں پس دونوں غاصب ہیں پس دونوں اس کی قیمت کے ضامن ہوں گے۔ مدبر بنانے کا معاملہ مختلف

عَلَى الشُّهُودِ (وَفِي الِاسْتِيلَادِ يَضْمَنَانِ نُقْصَانَ قِيمَتِهَا) بِأَنْ تُقَوَّمَ قِنَّةً وَأُمَّ وَلَدٍ لَوْ جَازَ بَيْعُهَا فَيَضْمَنَانِ مَا بَيْنَهُمَا (فَإِنْ مَاتَ الْمَوْلَى عَتَقَتْ وَضَمِنَا) بَقِيَّةَ (قِيمَتِهَا) أَمَةً (لِلْوَرَثَةِ) وَتَمَامُهُ فِي الْعَيْنِيِّ (وَفِي الْقِصَاصِ الدِّيَةُ) فِي مَالِ الشَّاهِدَيْنِ وَوَرِثَاهُ (وَلَمْ يُقْتَصَّا) لِعَدَمِ الْمُبَاشَرَةِ، وَلَوْ شَهِدَا بِالْعَفْوِ لَمْ يَضْمَنَا لِأَنَّ الْقِصَاصَ لَيْسَ بِمَالٍ اخْتِيَارٌ (وَضَمِنَ شُهُودُ الْفَرْعِ بِرُجُوعِهِمْ) لِإِضَافَةِ التَّلَفِ إِلَيْهِمْ (لَا شُهُودُ الْأَصْلِ بِقَوْلِهِمْ) بَعْدَ الْقَضَاءِ (لَمْ نُشْهِدْ الْفُرُوعَ عَلَى شَهَادَتِنَا أَوْ أَشْهَدْنَاهُمْ وَغَلِطْنَا) وَكَذَا لَوْ قَالُوا رَجَعْنَا عَنْهَا لِعَدَمِ إِتْلَافِهِمْ وَلَا الْفُرُوعُ لِعَدَمِ رُجُوعِهِمْ (وَلَا اعْتِبَارَ بِقَوْلِ الْفُرُوعِ) بَعْدَ الْحُكْمِ (كَذَبَ الْأُصُولُ أَوْ غَلِطُوا)

واپس کر دے گا۔ ام ولد بنانے کی صورت میں وہ اس کی قیمت کے نقصان کے ضامن ہوں گے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس لونڈی کی بحیثیت غلام اور ام ولد کی قیمت لگائی جائے گی اگر اس کی بیع جائز ہو تو دونوں اس کے ضامن ہوں گے جو ان دونوں قیمتوں میں فرق ہے اگر آقا مر جائے تو وہ لونڈی آزاد ہو جائے اور وہ دونوں گواہ وارثوں کے لیے لونڈی کی باقی ماندہ قیمت کے ضامن ہوں گے۔ اس کی مکمل بحث ''عینی'' میں ہے۔ قصاص میں دیت لازم ہوگی جو گواہوں کے مال سے ادا ہو گی اور وہ دونوں اس کے وارث ہو جائیں گے اور دونوں سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ کیونکہ ان دونوں گواہوں نے براہ راست قتل نہیں کیا اگر وہ دونوں معافی کی گواہی دے دیں تو وہ دونوں ضامن نہ ہوں گے۔ کیونکہ قصاص مال نہیں، ''اختیار''۔ شہود فرع ضامن ہوں گے اگر وہ رجوع کر لیں۔ کیونکہ تلف کی نسبت ان کی طرف کی جائے گی۔ شہود اصل ضامن نہیں ہوں گے جب وہ فیصلہ کے بعد کہیں: ہم نے فروع کو اپنی گواہی پر گواہ نہیں بنایا یا ہم نے گواہ تو بنایا اور ہم نے غلطی کی۔ اسی طرح اگر وہ کہیں: ہم نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ کیونکہ انہوں نے تلف نہیں کیا۔ اور نہ ہی فروع ضامن ہوں گے۔ کیونکہ انہوں نے رجوع نہیں کیا۔ اور حکم کے بعد فروع کے اس قول کا اعتبار نہیں ہوگا: اصول نے جھوٹ بولا یا انہوں نے غلطی کی

ہے۔ کیونکہ وہ درمیان میں حائل نہیں ہوگا بلکہ اس کی مالیت کم ہو جائے گی۔ ''فتح''۔

27242۔ (قولہ: عَلَى الشُّهُودِ) ''البحر'' میں کہا جب کہ اسے ''محیط'' سے نقل کیا: اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ جو کچھ ''فتح القدیر'' میں ہے کہ ولاء ان کے لیے ہوگی جنہوں نے اس پر عقد مکاتبہ کی گواہی دی وہ سہو ہے۔

27243۔ (قولہ: وَوَرِثَاهُ) اگر وہ اس کے وارث ہوں تو دونوں اس کے وارث ہو جائیں گے۔

27244۔ (قولہ: لَا شُهُودُ الْأَصْلِ الخ) مصنف نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا: کیونکہ شہود اصل نے سبب کا انکار کر دیا وہ گواہ بنانا ہے۔ اور یہ امر قضا کو باطل نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ خبر ہے جو صدق و کذب کا احتمال رکھتی ہے۔ پس وہ اس طرح ہو گیا کہ گواہ نے فیصلہ کے بعد رجوع کیا۔ پس اسی وجہ سے گواہی میں نقص واقع نہیں ہوگا۔ جب وہ قضا سے پہلے گواہ بنانے کا انکار کر دیں تو معاملہ مختلف ہوگا۔ اس صورت میں شہود فرع کی گواہی سے فیصلہ نہیں کیا جائے گا جس طرح وہ اس سے

فَلَا ضَمَانَ، وَلَوْ رَجَعَ الْكُلُّ ضَمِنَ الْفَرْعُ فَقَطْ (وَضَمِنَ الْمُزَكُّونَ) وَلَوْ الدِّيَةَ (بِالرُّجُوعِ) عَنْ التَّزْكِيَةِ (مَعَ عِلْمِهِمْ بِكَوْنِهِمْ عَبِيدًا) خِلَافًا لَهُمَا (أَمَّا مَعَ الْخَطَإِ فَلَا) إجْمَاعًا بَحْرٌ (وَضَمِنَ شُهُودُ التَّعْلِيقِ) قِيمَةَ الْقِنِّ وَنِصْفَ الْمَهْرِ لَوْ قَبْلَ الدُّخُولِ (لَا شُهُودُ الْإِحْصَانِ) لِأَنَّهُ شَرْطٌ، بِخِلَافِ التَّزْكِيَةِ لِأَنَّهَا عِلَّةٌ (وَالشَّرْطِ)

پس ضمانت نہ ہوگی۔ اور اگر سب ہی رجوع کرلیں تو صرف فرع ضامن ہوں گے۔ اور تزکیہ کرنے والے ضامن ہوں گے اگر چہ وہ دیت کے ضامن ہوں جب وہ تزکیہ سے رجوع کریں جب کہ انہیں علم ہو کہ وہ غلام ہیں۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر خطا کی وجہ سے ہو تو بالاجماع وہ ضامن نہیں ہوں گے، ''بحر''۔ تعلیق کے گواہ غلام کی قیمت اور نصف مہر کے ضامن ہوں گے اگر حقوق زوجیت سے پہلے طلاق واقع ہو احصان (شادی شدہ) کے گواہ ضامن نہیں ہوں گے۔ کیونکہ یہ شرط ہے۔ تزکیہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ علت ہے۔ اور شرط کے پائے جانے کے گواہ ضامن نہیں ہوں گے

قبل شہادت سے رجوع کرلیں۔ ''فتح''۔

27245۔ (قولہ: فَلَا ضَمَانَ) کیونکہ انہوں نے اپنی شہادت سے رجوع نہیں کیا۔ انہوں نے اپنے غیر پر رجوع کی گواہی دی ہے۔ ''منح''۔

27246۔ (قولہ: وَضَمِنَ الْمُزَكُّونَ) ''البحر'' میں کہا: ان کی ضمان میں مطلق قول کیا ہے پس یہ دیت کو جامع ہوگا۔ اگر وہ شہود زنا کا تزکیہ کریں اور اس کو رجم کردیا جائے جب کہ وہ گواہ غلام ہوں یا مجوسی ہوں پس ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دیت تزکیہ کرنے والوں پر ہوگی۔

27247۔ (قولہ: بِكَوْنِهِمْ عَبِيدًا) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہیں: ہم نے جان لیا کہ وہ غلام ہیں اس کے ساتھ ساتھ ہم نے اس کا تزکیہ کیا۔ ایک قول یہ ہے: اختلاف اس صورت میں ہے جب تزکیہ کرنے والے آزاد ہونے کی خبر دیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہیں وہ آزاد تھے مگر جب وہ کہیں: وہ عادل تھے تو وہ غلام ظاہر ہوئے تو وہ بالاجماع ضامن نہیں ہوں گے کیونکہ غلام بعض اوقات عادل ہوتا ہے۔ ''جوہرہ''۔

27248۔ (قولہ: أَمَّا مَعَ الْخَطَإِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: میں نے تزکیہ کرنے میں خطا کی ہے۔

27249۔ (قولہ: وَضَمِنَ شُهُودُ التَّعْلِيقِ) ''البحر'' میں کہا: کیونکہ وہ علت کے گواہ ہیں کیونکہ تلف ہونے کا حصول اس کے سبب سے ہوتا ہے جو آزاد کرنا اور طلاق دینا ہے جب کہ یہ امر انہوں نے ثابت کردیا ہے۔ اس قول کو مطلق ذکر کیا ہے پس یہ آزادی اور طلاق کی تعلیق کو شامل ہوگا۔ تو وہ پہلی صورت میں قیمت کے ضامن ہوں گے اور دوسری صورت (طلاق) میں نصف مہر کے ضامن ہوں گے اگر یہ طلاق حقوق زوجیت کی ادائیگی سے قبل ہو۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

شرط، علت، سبب اور علامت کے درمیان فرق

27250۔ (قولہ: وَالشَّرْطِ) یہ ذہن نشین رہے کہ اصولیین کے نزدیک شرط اسے کہتے ہیں جس پر (حکم کا) وجود

وَلَوْ وَحْدَهُمْ عَلَى الصَّحِيحِ عَيْنِيٌّ قَالَ وَضَمِنَ شَاهِدَا الْإِيقَاعِ لَا التَّفْوِيضِ لِأَنَّهُ عِلَّةٌ وَالتَّفْوِيضُ سَبَبٌ انتهى

اگر چہ وہ اکیلے گواہی سے پھر جائیں۔ یہ صحیح مذہب کے مطابق ہے،''عینی''۔ کہا: طلاق واقع کرنے کے گواہ ضامن ہوں گے طلاق تفویض کرنے کے گواہ ضامن نہیں ہوں گے۔ کیونکہ یہ علت ہے اور تفویض سبب ہے، کلام ختم ہوئی۔

موقوف ہوتا ہے نہ وہ حکم میں مؤثر ہوتی ہے اور نہ ہی حکم تک پہنچانے والی ہوتی ہے۔ علت وہ چیز ہوتی ہے جو حکم میں موثر ہو۔ سبب اسے کہتے ہیں جو تاثیر کے بغیر حکم تک لے جائے۔ علامت اسے کہتے ہیں جو حکم پر دلالت کرے اور حکم کا وجود اس پر موقوف نہیں ہوتا۔ اس گفتگو سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ احصان شرط ہے جس طرح اکثر علماء نے ذکر کیا ہے کیونکہ حد کا وجوب اس پر موقوف ہے،''منح''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27251۔(قولہ: شَاهِدَا الْإِيقَاعِ)''منیۃ المفتی'' میں ہے: دونوں گواہوں نے گواہی دی اس نے اپنی بیوی کو کہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو طلاق دے دے اور دوسرے دو گواہوں نے گواہی دی کہ اس عورت نے اپنے نفس کو طلاق دے دی ہے اور یہ امر حقوق زوجیت سے پہلے واقع ہوا ہے۔ پھر ان گواہوں نے رجوع کر لیا تو ضمانت طلاق کے گواہوں پر ہوگی۔ کیونکہ ان دونوں نے سبب کو ثابت کیا ہے اور تفویض طلاق کا امر اس کے سبب ہونے کی شرط ہے۔''بحر''، کذا فی الہامش

27252۔(قولہ: لَا التَّفْوِيضِ) یعنی طلاق کے امر کو عورت کے سپرد کرنا یا آزادی کے امر کو غلام کے حوالے کرنا اور دو دوسرے گواہوں نے گواہی دے دی کہ عورت نے اپنے آپ کو طلاق دے دی ہے۔ اور غلام نے اپنے آپ کو آزاد کر لیا ہے۔''شمنی''،''مدنی''۔

كِتَابُ الْوَكَالَةِ

مُنَاسَبَتُهُ أَنَّ كُلًّا مِنَ الشَّاهِدِ وَالْوَكِيلِ سَاعٍ فِي تَحْصِيلِ مُرَادِ غَيْرِهِ (التَّوْكِيلُ صَحِيحٌ) بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، قَالَ تَعَالَى فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ

وکالت کے احکام

سابقہ کتاب کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ شاہد اور وکیل میں سے ہر ایک دوسرے کی مراد حاصل کرنے میں لگا دیتا ہے۔ وکیل بنانا صحیح ہے کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: پس تم اپنے میں سے ایک، اپنے درہم دے کر بھیجو۔

27253۔(قولہ: التَّوْكِيلُ صَحِيحٌ) اس امر کا ذکر نہیں کیا جس کے ساتھ وہ وکیل بن جاتا ہے اور نہ ہی وکیل و قاصد میں فرق کیا ہے۔ میں نے اس کی وضاحت ''تنقیح الحامدیہ'' میں تحریر کر دی ہے۔

ان حواشی کو نقل کرنے والے کہتے ہیں: مولف رحمۃ اللہ علیہ نے ''الحامدیہ'' میں کتاب البیوع باب الخیارات میں ایک طویل سوال کیا ہے اور ضمن میں فرق کو بیان کیا ہے: میں یہاں اصل سے اس سوال کو ذکر کرتا ہوں تا کہ فائدہ کی تکمیل ہو جائے۔

جسے کسی شے پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا گیا ہو وہ موکل کے خیار رؤیت کو ساقط کرنے والا ہے

حضرت مولف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آپ سے ایک آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے کسی دوسرے شخص سے معلوم بھیڑ بکریوں میں سے نصف کو خریدا اور انہیں نہ دیکھا اور اس نے زید کو ان پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا، زید نے ان کو دیکھ لیا۔ آدمی گمان کرتا ہے کہ اسے خیار رویت حاصل ہوگا جب انہیں دیکھے گا۔ اگر قبضہ کرنے والے وکیل نے ان کو دیکھ لیا تو کیا قبضہ کرنے والے وکیل کا ان کو دیکھ لینا یہ موکل کے خیار رویت کو ساقط کر دے گا؟ جواب ہوگا: ہاں۔ قبضہ کرنے والے وکیل اور خریداری کے وکیل کا دیکھ لینا کافی ہوگا مشتری کے قاصد کی رؤیت اسے کافی نہیں ہوگی۔ یہ ''تنویر الابصار'' کے باب خیار رؤیت میں ہے۔

مبیع پر قبضہ کرنے والے وکیل کا دیکھ لینا امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک موکل کی خیار رؤیت کو ساقط کر دیتا ہے جس طرح خریداری کے وکیل کا دیکھ لینا موکل کے خیار رؤیت کو باطل کر دے گا۔ یعنی جس طرح خریداری کے وکیل کا دیکھ لینا یہ موکل کے خیار کو ساقط کر دے گا۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے فرمایا: وکیل قاصد کی طرح ہے یعنی قبضہ کرنے والے وکیل کا دیکھنا یہ قاصد کے دیکھنے کی طرح ہے یعنی اس کا دیکھنا خیار کو ساقط نہیں کرے گا۔

قبضہ کرنے والے وکیل کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر اس نے کسی آدمی کو دیکھنے کا وکیل بنایا تو بالاتفاق اس کا دیکھنا موکل کے دیکھنے کی طرح نہیں ہوگا۔ ''الخانیہ'' میں اسی طرح ہے: شارح، ''ابن ملک'' نے اسے ذکر نہیں کیا۔ مسئلہ متون میں ہے۔

....

''البحر''میں اس بارے میں طویل گفتگو کی ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

قبضہ کرنے پر وکیل بنانے کی صورت یہ ہے: جسے میں نے خریدا ہے اس پر قبضہ کرنے کا میری جانب سے وکیل بن جا اور میں نے اسے نہیں دیکھا۔''الدرر''میں اسی طرح ہے۔

وکیل اور قاصد میں فرق

میں کہتا ہوں: وکیل اور قاصد میں فرق نہیں کیا جب کہ یہ لازم ہے۔''البحر''میں کہا:''معراج''میں ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: قاصد اور وکیل میں فرق یہ ہے: وکیل عقد کو موکل کی طرف منسوب نہیں کرتا اور قاصد اسے موکل کی طرف منسوب کرنے سے مستغنی نہیں ہوتا۔

''الفوائد''میں ہے: توکیل کی صورت یہ ہے: مشتری کسی اور کو کہتا ہے: مبیع پر قبضہ کرنے کے لیے میرا وکیل بن جا یا میں نے تجھے اس پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا ہے۔

قاصد کی صورت یہ ہے: وہ کہے: اس پر قبضہ کرنے میں میرا قاصد بن جا یا میں نے تجھے اس پر قبضہ کرنے کا حکم دیا ہے یا میں نے تجھے بھیجا تا کہ تو اس پر قبضہ کر لے یا فلاں کو کہہ کہ وہ مبیع تیرے حوالے کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: امر کی صورت میں قاصد اور وکیل میں کوئی فرق نہیں۔ جیسے وہ کہے: مبیع پر قبضہ کر تو خیار ساقط نہیں ہوگا۔ کلام''البحر''۔

قاصد پر یہ لازم ہے کہ وہ عقد کی نسبت بھیجنے والے کی طرف کرے وکیل کا معاملہ مختلف ہے

میں نے''البحر''پر جو تعلیقات لکھی ہیں ان میں، میں نے لکھا ہے: ان کا قول وفی الفوائد ماقبل کے منافی نہیں کیونکہ اول قاصد اور وکیل میں فرق کرنے کے بارے میں ہے۔ قاصد کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ عقد کو بھیجنے والے کی طرف منسوب کرے۔ کیونکہ''الدرر''سے یہ قول (مقولہ 22860 میں) گزر چکا ہے: من انه معبرو سفیروہ معبر اور سفیر ہوتا ہے وکیل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ عقد کو موکل کی طرف منسوب نہیں کرتا مگر چند مواقع پر منسوب کرتا ہے جیسے نکاح، خلع، ہبہ، رہن وغیرہا۔ کیونکہ ان امور میں وکیل قاصد کی طرح ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ نکاح کو اپنی طرف منسوب کرے تو یہ نکاح اس کے لیے ہوگا۔''الفوائد''میں جو کچھ ہے یہ اس امر کا بیان ہے جس کے ساتھ وکیل وکیل بن جاتا ہے اور قاصد قاصد بن جاتا ہے۔

امر واذن توکیل ہے

اس کا حاصل یہ ہے: وہ وکالت کے الفاظ کے ساتھ وکیل بن جائے گا اور رسالت کے الفاظ اور امر کے ساتھ وہ قاصد ہو جائے گا۔ لیکن''البدائع''میں تصریح کی ہے: افعل کذا (اس طرح کر) اذنتُ لك میں نے تجھے اجازت دی کہ تو یہ کرے یہ وکیل بنانا ہوگا۔''الولوالجیہ''میں جو قول ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے قول یہ ہے: ایک آدمی نے دوسرے کو ہزار دیا اور کہا: اس کے ساتھ مجھے خرید دو یا کہا: بیچو، یا کہا: اس کے ساتھ خرید و یا بیچو اور میرے لیے کا قول نہ کیا تو یہ وکیل بنانا ہوگا۔ اسی طرح کہا:

وَوَكَّلَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ بِشِرَاءِ أُضْحِيَّةٍ، وَعَلَيْهِ الْإِجْمَاعُ، وَهُوَ خَاصٌّ وَعَامٌّ كَأَنْتَ وَكِيلِي فِي كُلِّ شَيْءٍ عَمَّ الْكُلَّ حَتَّى الطَّلَاقَ قَالَ الشَّهِيدُ وَبِهِ يُفْتَى، وَخَصَّهُ أَبُو اللَّيْثِ بِغَيْرِ طَلَاقٍ وَعِتَاقٍ وَوَقْفٍ، وَاعْتَمَدَهُ فِي الْأَشْبَاهِ، وَخَصَّهُ قَاضِي خَانَ بِالْمُعَاوَضَاتِ، فَلَا يَلِي الْعِتْقَ وَالتَّبَرُّعَاتِ وَهُوَ الْمَذْهَبُ كَمَا فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ وَزَوَاهِرِ الْجَوَاهِرِ، وَسَيَجِيءُ أَنَّ بِهِ يُفْتَى، وَاعْتَمَدَهُ فِي الْمُلْتَقَطِ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''حکیم بن حزام'' کو قربانی کا جانور خریدنے کے لیے وکیل بنایا اس کی صحت پر اجماع ہے۔ توکیل خاص بھی ہوتی ہے اور عام بھی۔ جیسے تو ہر شے میں میرا وکیل ہے یہ سب امور کو عام ہے یہاں تک کہ طلاق کو بھی شامل ہوگی۔ ''شہید'' نے کہا: اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''ابولیث'' نے اسے طلاق، عتاق اور وقف کے علاوہ امور کے ساتھ خاص کیا ہے۔ ''الاشباہ'' میں اس پر اعتماد کیا ہے۔ ''قاضی خان'' نے اسے معاوضات کے ساتھ خاص کیا ہے پس وہ غلاموں کو آزاد کرنے اور احسانات کا والی نہ ہوگا۔ یہی مذہب ہے جس طرح ''تنویر البصائر'' اور ''زواہر الجواہر'' میں ہے۔ عنقریب یہ آئے گا کہ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''الملتقط'' میں اس پر اعتماد کیا ہے

اس ہزار کے بدلے میں لونڈی خرید و اور اپنے مال کی طرف اشارہ کیا۔ اگر کہا: اس لونڈی کو ہزار کے بدلے میں خرید لو تو یہ مشورہ ہوگا اور خریداری مامور کے لیے ہوگی مگر جب وہ یہ زائد کہے: تیری اس خریداری میں تجھے ایک درہم دوں گا کیونکہ اس کے لیے اجر کی شرط یہ نائب بنانے پر دلالت کرتی ہے۔

صیغہ امر توکیل بنانا نہیں ہوگا مگر جب وہ نائب بنانے پر دلالت کرے

اس قول نے یہ فائدہ دیا ہے کہ یہ امر توکیل نہیں بلکہ یہ ضروری ہے کہ ایسی چیز بھی ہو جو اس امر کا فائدہ دے کہ مامور کا فعل آمر کی نیابت کے طریقہ پر ہو پس اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ یہ سب کچھ وہ ہے جسے حضرت مؤلف نے لکھا ہے، میں نے اسے نقل کیا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ہی توفیق دینے والی ہے۔

توکیل کا ثبوت

27254۔ (قولہ: وَوَكَّلَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ الخ) ''ابوداؤد'' نے اسے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے [illegible] میں ایک راوی مجہول ہے (1)۔ ''ترمذی'' نے اسے ''حبیب بن ابی ثابت'' سے انہوں نے ''حکیم'' سے روایت کیا ہے۔ کہا: ہم اس حدیث کو اسی سند سے پہچانتے ہیں۔ میرے نزدیک ''حبیب'' نے ''حکیم'' سے نہیں سنا۔ مگر ہمارے نزدیک یہ حدیث مرسل ہے۔ پس مصنف یعنی صاحب ''ہدایہ'' کا قول صحیح درست ہے جب ''حبیب'' ثقہ امام تھے۔ ''فتح''۔

عام اور خاص ہونے کے اعتبار سے وکیل کی اقسام

27255۔ (قولہ: كَأَنْتَ وَكِيلِي فِي كُلِّ شَيْءٍ) ''شرنبلالیہ'' وغیرہا میں ''قاضی خان'' سے منقول ہے: اگر اس نے کسی اور

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی المضارب یخالف، جلد 2، صفحہ 562، حدیث نمبر 2938

....

شخص کو کہا: تو ہر معاملہ میں میرا وکیل ہے، یا اس نے کہا: تو ہر تھوڑے اور زیادہ میں وکیل ہے تو وہ صرف مال کی حفاظت میں وکیل ہوگا۔ یہی قول صحیح ہے۔ اگر اس نے کہا: تو ہر شے میں میرا وکیل ہے اور تیرا امر کرنا جائز ہوگا وہ تمام مالی تصرفات میں وکیل ہوگا جیسے بیع، شرا، ہبہ اور صدقہ۔ طلاق، عتاق اور وقف میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس کا مالک ہوگا۔ کیونکہ تعمیم کا لفظ بولا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس کا مالک نہیں ہوگا مگر جب سابقہ کلام کی دلیل وغیرہ دلالت کرے۔ فقیہ ''ابولیث'' نے اسے اپنایا ہے۔ شارح کی کلام میں جو پہلے اور بعد میں ہے وہ اس بحث سے معلوم ہوجاتا ہے۔ پس خوب تدبیر کیجئے۔

''ابن نجیم'' کا ایک رسالہ ہے جس کا نام انہوں نے ''المسالة الخاصة فی الوکالة العامة'' رکھا ہے اس میں انہوں نے وہ کچھ ذکر کیا ہے جو ''الخانیہ'' میں ہے اور جو کچھ ''فتاویٰ ابی جعفر'' میں ہے پھر کہا: ''بزازیہ'' میں ہے: تو ہر شے میں میرا وکیل ہے اور تیرا امر جائز ہے۔ وہ نگہبانی، بیع اور شرا کا مالک ہوجائے گا اور وہ ہبہ اور صدقہ کا مالک ہوجائے گا یہاں تک کہ اگر وہ اس مال میں سے اپنی ذات پر خرچ کرے تو یہ جائز ہوگا یہاں تک کہ وہ موکل کے ارادہ سے برعکس کی طرف جائے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے: وہ معاوضات کے ساتھ خاص ہے وہ غلام آزاد کرنے اور احسان کرنے کا مالک نہیں ہوگا۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ اسی طرح اگر وہ کہے: میں نے تیری بیوی کو طلاق دے دی ہے، میں نے ہبہ کر دیا ہے اور تیری زمین کو وقف کر دیا ہے اصح قول کے مطابق یہ جائز نہیں۔

''الذخیرہ'' میں ہے: یہ معاوضات کا وکیل بنانا ہے غلام آزاد کرنے اور مال ہبہ کرنے کا وکیل بنانا نہیں۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''الخلاصہ'' میں اسی طرح ہے جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے: جس کو وکالت عامہ کے ساتھ وکیل بنایا گیا ہو وہ طلاق، عتاق، وقف، ہبہ اور صدقہ کے علاوہ ہر شے کا مالک ہوگا۔ یہ مفتی بہ قول ہے۔ چاہیے کہ وہ مدیون کو بری کرنے اور اس سے قرض میں کمی کرنے کا مالک نہ ہو۔ کیونکہ یہ دونوں امور احسانات کے زمرہ میں ہیں۔ پس یہ دونوں ''بزازی'' کے قول: انه لا یملك التبرع کے تحت داخل ہیں۔

اس کا ظاہر یہ ہے وہ کیے بعد دیگرے تصرف کا مالک ہوگا۔ کیونکہ اسے عوض کی شرط کے ساتھ قرض دینے اور ہبہ کرنے کا حق ہوگا۔ کیونکہ دونوں ابتدا کو دیکھتے ہوئے تبرع ہیں۔ کیونکہ قرض ابتداءً عاریہ ہوتا ہے۔ اور انتہاءً معاوضہ ہوتا ہے عوض کی شرط کے ساتھ ہبہ ابتداءً ہبہ ہوتا ہے اور انتہاءً معاوضہ ہوتا ہے۔ چاہیے کہ عمومی وکالت سے وکیل اس کا مالک نہ ہو۔ کیونکہ ان امور کا مالک وہی ہوتا ہے جو تبرع کرنے کا مالک ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے وصی یتیم کا مال قرض دینے کا مالک نہیں ہوتا اور نہ ہی عوض کے بدلے میں ہبہ کرنے کا مالک ہوتا ہے اگرچہ ایسا ہبہ انتہا کے اعتبار سے معاوضہ ہوتا ہے۔ عموم کا ظاہر یہ ہے کہ وہ دین پر قبضہ کرنے اور اس کا تقاضا کرنے اور اس کو ادا کرنے، موکل کے حقوق کا دعویٰ کرنے، موکل پر جو حقوق لازم ہوتے ہیں ان کے دعویٰ کو سننے اور موکل پر جو دیون کا اقرار کرنے کا مالک ہوتا ہے یہ امور کی مجلس کے ساتھ خاص نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ تو صرف خصومت کے وکیل میں ہوتا ہے عام وکیل میں نہیں ہوتا۔

فَقَالَ وَأَمَّا الْهِبَاتُ وَالْعِتَاقُ فَلَا يَكُونُ وَكِيلًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ وَفِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ وَلَوْ لَمْ يَكُنْ لِلْمُوَكِّلِ صِنَاعَةٌ مَعْرُوفَةٌ فَالْوَكَالَةُ بَاطِلَةٌ (وَهُوَ إِقَامَةُ الْغَيْرِ مَقَامَ نَفْسِهِ) تَرَفُّهًا أَوْ عَجْزًا (فِي تَصَرُّفٍ جَائِزٍ مَعْلُومٍ، فَلَوْ جُهِلَ ثَبَتَ الْأَدْنَى وَهُوَ الْحِفْظُ مِمَّنْ يَمْلِكُهُ) أَيْ التَّصَرُّفُ

فرمایا: جہاں تک ہبہ اور عتاق کا تعلق ہے تو وہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وکیل نہیں ہوگا امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں ہے: اگر موکل کا معروف پیشہ نہ ہو تو وکالت باطل ہوگی۔ وکیل بنانے سے مراد غیر کو اپنے قائم مقام کرنا ہے ایسا کرنا خوشحالی کی بنا پر ہو یا عجز کی بنا پر ہو جب کہ یہ ایسے تصرف میں ہو جو جائز ہو اور معلوم ہو۔ اگر وہ مجہول ہو تو ادنیٰ ثابت ہوگا۔ ادنیٰ سے مراد صرف حفاظت ہے۔ یہ وکیل بنانا اس آدمی کی جانب سے ہو جو تصرف کا مالک ہو

اگر تو کہے: اگر وہ اس صیغہ کے ساتھ وکیل بنائے میں نے تجھے وکالت مطلقہ عامہ کے ساتھ وکیل بنایا ہے کیا وہ طلاق، عتاق اور احسانات کو شامل ہوگی؟

میں کہتا ہوں: میں نے اسے صراحۃً نہیں دیکھا۔ ظاہر یہ ہے کہ مفتی بہ قول کے مطابق وہ ان امور کا مالک نہیں ہوگا۔ کیونکہ الفاظ میں سے کچھ ایسے الفاظ ہیں جس کے بارے میں ''قاضی خان'' وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ یہ عام توکیل ہے ساتھ ہی ساتھ انہوں نے یہ کہا کہ وہ ان امور کا مالک نہیں ہوگا۔ ''ابن نجیم'' نے جسے ملخص ذکر کیا تھا ''قنال'' نے اسے اپنے حاشیہ میں مفصل بیان کیا ہے۔

27256۔ (قولہ: وَفِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ) ''شرنبلالیہ'' کی عبارت ہے جو ''الخانیہ'' سے منقول ہے: ''فتاویٰ فقیہ ابوجعفر'' میں ہے: ایک آدمی نے کسی دوسرے کو کہا: میں نے تجھے اپنے تمام معاملات میں وکیل بنایا اور میں نے تجھے اپنے قائم مقام کیا تو وکالت عام نہ ہوگی۔ اگر اس نے کہا: میں نے تجھے اپنے ان تمام امور میں وکیل بنایا جن میں وکالت جائز ہے تو وکالت عام ہوگی جو تمام بیع و شرا اور نکاح کو شامل ہوگی۔

پہلی صورت میں جب وکالت عام نہیں تو دیکھا جائے گا اگر ایک آدمی مختلف کام کرتا ہے جس کا معروف پیشہ نہیں تو وکالت باطل ہوگی۔ اگر وہ آدمی معروف تجارت کرتا ہے تو وہ وکالت اس تجارت کی طرف پھر جائے گی۔

شارح کی کلام میں جو ضعف ہے اس سے وہ معلوم ہو جاتا ہے کیونکہ بطلان کی صورت ان کے اس قول ''تو ہر شے میں میرا وکیل ہے'' میں نہیں ہے۔ جس طرح شارح نے ان عبارات کی اس قول پر بنا کی ہے بلکہ اور ان کے علاوہ میں بھی ایسا کیا ہے۔ وہ یہ: میں نے تجھے اپنے تمام امور میں وکیل بنایا ہے۔ اگر یہ کہا جائے: دونوں عام نہ ہونے میں عام ہیں لیکن ان کی کلام کی بنیاد اس پر ہے کہ انہوں نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ عام ہے لیکن اس میں جو کچھ سقم ہے وہ تو جان چکا ہے جسے ہم نے پہلے نقل کر دیا ہے کہ انہوں نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ ان میں سے نہیں ہے جس میں اعتراض کیا جا سکے۔

27257۔ (قولہ: فَلَوْ جُهِلَ) جس طرح وہ کہے: جو کچھ ہوا ہے اس کا میں نے تجھے وکیل بنایا۔ ''منح''۔

نَظَرًا إِلَى أَصْلِ التَّصَرُّفِ، وَإِنْ امْتَنَعَ فِي بَعْضِ الْأَشْيَاءِ بِعَارِضِ النَّهْيِ ابْنُ كَمَالٍ (فَلَا يَصِحُّ تَوْكِيلُ مَجْنُونٍ وَصَبِيٍّ لَا يَعْقِلُ مُطْلَقًا وَصَبِيٌّ يَعْقِلُ بِتَصَرُّفٍ) ضَارٍّ (نَحْوُ طَلَاقٍ وَعِتَاقٍ وَهِبَةٍ وَصَدَقَةٍ، وَصَحَّ بِمَا يَنْفَعُهُ) بِلَا إِذْنِ وَلِيِّهِ (كَقَبُولِ هِبَةٍ، وَ) صَحَّ (بِمَا تَرَدَّدَ بَيْنَ ضَرَرٍ وَنَفْعٍ كَبَيْعٍ وَإِجَارَةٍ إِنْ مَأْذُونًا وَإِلَّا تَوَقَّفَ عَلَى إِجَازَةِ وَلِيِّهِ) كَمَا لَوْ بَاشَرَهُ بِنَفْسِهِ (وَلَا يَصِحُّ تَوْكِيلُ عَبْدٍ مَحْجُورٍ وَصَحَّ لَوْ مَأْذُونًا أَوْ مُكَاتَبًا، وَتَوَقَّفَ تَوْكِيلُ مُرْتَدٍّ، فَإِنْ أَسْلَمَ نَفَذَ، وَإِنْ مَاتَ أَوْ لَحِقَ أَوْ قُتِلَ لَا) خِلَافًا لَهُمَا (وَ) صَحَّ (تَوْكِيلُ مُسْلِمٍ ذِمِّيًّا بِبَيْعِ خَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ) وَشِرَائِهِمَا كَمَا مَرَّ فِي الْبَيْعِ الْفَاسِدِ

یہ اصل تصرف کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے اگر چہ نہی کے عارض آنے کی بنا پر وہ بعض اشیاء سے رک جائے۔''ابن کمال''۔ مجنون اور ایسے بچے کی جانب سے وکیل بنانا صحیح نہیں جو مطلقاً عقل نہیں رکھتا اور ایسے بچے کی جانب سے وکیل بنانا صحیح نہ ہوگا جو عقل تو رکھتا ہو مگر نقصان دہ تصرف کا وکیل بنائے جیسے طلاق، عتاق، ہبہ اور صدقہ۔ اور ایسے تصرف کا وکیل بنانا جو نفع دے اس کا وکیل بنانا صحیح ہوگا اگر چہ ولی کی اجازت کے بغیر ہو جیسے ہبہ کو قبول کرنا۔ اور وہ تصرف جو ضرر اور نفع میں متردد ہو اس میں بچے کی جانب سے وکیل بنانا صحیح ہوگا جیسے بیع، اجارہ اگر اسے اجازت دی گئی ہو ورنہ اس کے ولی کی اجازت پر موقوف ہوگی۔ جس طرح وہ بچہ خود ہی ایسا عقد کرے۔ ایسے غلام، جو مجور ہو، کی جانب سے وکیل بنانا صحیح نہیں اگر وہ غلام ماذون یا مکاتب ہو تو اس کی جانب سے وکیل بنانا جائز ہے۔ اور مرتد کی جانب سے وکیل بنانا موقوف ہوگا اگر وہ مسلمان ہو جائے تو اس کا وکیل بنانا نافذ ہو جائے گا اگر وہ مر جائے، دار الحرب چلا جائے یا اسے قتل کر دیا جائے تو اس کا وکیل بنانا نافذ نہیں ہوگا۔''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ مسلمان کسی ذمی کو خمر یا خنزیر بیچنے اور ان کو خریدنے کے لیے وکیل بنائے تو یہ صحیح ہے جس طرح بیع فاسد کے باب میں گزر چکا ہے۔

27258۔(قولہ: نَظَرًا إِلَى أَصْلِ التَّصَرُّفِ الخ) اس شرط پر جو اعتراض وارد ہوتا ہے یہ اس کا جواب ہے: وہ یہ ہے مسلمان کسی ذمی کو خمر یا خنزیر کی بیع کرنے کا وکیل بنائے اور محرم کسی غیر محرم کو شکار کی بیع کے لیے وکیل بنائے۔ کیونکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ صحیح ہے اور موکل اس کا مالک نہیں بنے گا۔''س''۔

27259۔(قولہ: فَلَا يَصِحُّ تَوْكِيلُ مَجْنُونٍ) توکیل مصدر ہے جو اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے۔

27260۔(قولہ: بِتَصَرُّفٍ) یہ توکیل کے متعلق ہے۔

27261۔(قولہ: إِنْ مَأْذُونًا) اگر وکیل بنانے والا بچہ ماذون ہو۔

27262۔(قولہ: تَوْكِيلُ عَبْدٍ) مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے۔

27263۔(قولہ: تَوْكِيلُ مُرْتَدٍّ) مرتد کسی اور کی جانب سے وکیل بنے تو معاملہ مختلف ہوگا جس کا ہم عنقریب (مقولہ 27267 میں) ذکر کریں گے۔

(وَمُحْرِمٍ حَلَالًا بِبَيْعِ صَيْدٍ وَإِنْ امْتَنَعَ عَنْهُ الْمُوَكِّلُ لِعَارِضٍ) النَّهْيِ كَمَا قَدَّمْنَا فَتَنَبَّهْ ثُمَّ ذَكَرَ شَرْطَ التَّوْكِيلِ فَقَالَ (إذَا كَانَ الْوَكِيلُ يَعْقِلُ الْعَقْدَ وَلَوْ صَبِيًّا

محرم کسی غیر محرم کو شکار کی بیع کے لیے وکیل بنائے تو یہ صحیح ہے اگر چہ نہی کے عارضہ کی وجہ سے موکل کے لیے یہ فعل کرنا ممتنع ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ پس آپ آگاہ رہیے۔ پھر وکیل بنانے کی شرط ذکر کی اور کہا: جب وکیل عقد کرنے کی سمجھ بوجھ رکھتا ہو اگر چہ وہ بچہ

27264۔(قولہ: وَإِنْ امْتَنَعَ عَنْهُ الْمُوَكِّلُ الخ) اس کی مثل ہے: اگر وہ فاسد خریداری کے ساتھ کوئی غلام خریدے اور قبضہ کرنے سے پہلے اس کو آزاد کر دے تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ اگر اس نے بائع کو اس کے آزاد کرنے کا حکم دیا تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ وہ بطور اقتضاء النص قابض ہو جائے گا جس طرح بیع فاسد میں اسے پہلے بیان کیا ہے۔

27265۔(قولہ: فَتَنَبَّهْ) اس قول میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کی دونوں کلاموں میں کوئی منافات نہیں جس طرح پہلے اسے بیان کیا ہے۔

توکیل کی شرط

27266۔(قولہ: ثُمَّ ذَكَرَ) اس کلام کا عطف محذوف کلام پر ہے پھر موکل بہ اور موکل کی شرط ذکر کی پھر آخر تک قول ذکر کیا۔ تامل

27267۔(قولہ: يَعْقِلُ الْعَقْدَ) یعنی وہ یہ سمجھ رکھتا ہو کہ بیع مبیع کو سلب کرنے والی اور ثمن کو کھینچنے والی ہے اور خریدنا اس کے برعکس ہوتا ہے، ''ح''۔ ہامش میں اسی طرح ہے۔ ''البحر'' میں ہے: وکیل کی طرف جو امر راجح ہوتا ہے وہ عقل ہے۔ پس مجنون اور ایسے بچے کو وکیل بنانا صحیح نہیں جو سمجھ بوجھ نہ رکھتا ہو نہ کہ بلوغ، آزادی اور ردت کا نہ ہونا شرط ہے۔ پس مرتد کو وکیل بنانا صحیح ہوگا۔ اور یہ امر موقوف نہیں ہوگا۔ کیونکہ موقوف وہ امر ہوگا جو اس کی ملک ہو اور وکیل کو وکیل بنائے جانے کا علم ہونا شرط ہے اگر موکل اسے وکیل بنائے اور وکیل اس کا علم نہ رکھتا ہو اور وہ تصرف کرے تو یہ تصرف موکل کی اجازت یا وکیل بنائے جانے کے علم کے بعد وکیل کی اجازت پر موقوف ہوگا۔

28268۔(قولہ: وَلَوْ صَبِيًّا) ''جامع احکام الصغار'' میں فرمایا: اگر بچے کو تجارت کا اذن ہو تو وہ بیع کا نقد یا ادھار ثمن کے بدلے میں بیع کا وکیل ہو جائے وہ بیع کرے تو اس کی بیع جائز ہو جائے گی۔ اس پر ذمہ داری لازم ہو جائے گی اگر وہ خریداری کا وکیل ہو۔ اگر خریداری ادھار ثمن کے ساتھ ہو تو قیاس و استحسان کی بنا پر ذمہ داری اسے لازم نہ ہوگی اور ذمہ داری آمر (موکل) پر ہوگی۔ یہاں تک کہ بائع آمر سے ثمن کا مطالبہ کرے گا بچے سے مطالبہ نہیں کرے گا۔ اگر نقد ثمن سے خریداری کا اسے وکیل بنائے تو قیاس یہ ہے کہ ذمہ داری اسے لازم نہ ہوگی۔ اور استحسان یہ ہے کہ ذمہ داری اسے لازم ہوگی۔ ''فتال''۔ اس کی مکمل بحث ''البحر'' میں ان کے قول: والحقوق فیما یضیفہ الوکیل الی نفسہ الخ کی شرح میں ہے۔

أَوْ عَبْدًا مَحْجُورًا) لَا يَخْفَى أَنَّ الْكَلَامَ الْآنَ فِي صِحَّةِ الْوَكَالَةِ لَا فِي صِحَّةِ بَيْعِ الْوَكِيلِ فَلِذَا لَمْ يَقُلْ وَيَقْصِدُهُ تَبَعًا لِلْكَنْزِ ثُمَّ ذَكَرَ ضَابِطَ الْمُوَكَّلِ فِيهِ فَقَالَ (بِكُلِّ مَا يُبَاشِرُهُ) الْمُوَكِّلُ (بِنَفْسِهِ) لِنَفْسِهِ فَشَمِلَ الْخُصُومَةَ

یا غلام مجور ہو اس میں کوئی خفا نہیں کہ اس وقت کلام وکالت کے صحیح ہونے میں ہے وکیل کی بیع کے صحیح ہونے کے بارے میں نہیں ہے۔ اسی وجہ سے یہ نہیں کہا: ویقصدہ۔ یہ ''کنز'' کی پیروی میں کہا ہے۔ پھر اس کا ضابطہ ذکر کیا جس میں وکیل بنایا جا رہا ہے تو کہا: ہر ایسے امر میں وکیل بنا سکتا ہے جس کو موکل خود اپنے لیے کرتا ہے۔ پس یہ امر خصومت کو شامل ہوگا۔

پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

27269۔ (قولہ: مَحْجُورًا) یہ بچے اور غلام کی صفت ہے۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27270۔ (قولہ: فَلِذَا لَمْ يَقُلْ وَيَقْصِدُهُ) ہ ضمیر سے مراد بیع ہے یہ ہنسی مذاق اور جسے مجبور کیا جائے اس کی بیع سے احتراز کیا گیا ہے جس طرح صاحب ''ہدایہ'' نے ذکر کیا ہے۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27271۔ (قولہ: تَبَعًا لِلْكَنْزِ) یعنی یہ قول نہ کرنے میں ''کنز'' کی پیروی کرنے والے ہیں۔ صاحب ''ہدایہ'' نے اس کا ذکر کیا ہے جب کہ وہ ہازل (ہنسی مذاق) کے طور پر بیع کرنے والا اور مکرہ (جسے مجبور کیا جائے) کی بیع سے احتراز (بچاؤ) کرنے والے ہیں۔ ''ح''۔

نوٹ: صاحب ''ہدایہ'' کی عبارت ہے: ویشترط ان یکون الوکیل ممن یعقل العقد و یقصدہ۔ مترجم۔

موکل فیہ کا ضابطہ

27272۔ (قولہ: ثُمَّ ذَكَرَ ضَابِطَ الْمُوَكَّلِ فِيهِ) مصنف نے جو ذکر کیا ہے یہ ضابطہ ہے حد نہیں۔ پس اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ مسلمان شراب کی بیع کا مالک نہیں ہوتا اور ذمی کو اس کے متعلق وکیل بنانے کا اختیار رکھتا ہے۔ کیونکہ قواعد کا ابطال طرد کو باطل کرنے کے ساتھ ہوتا ہے عکس کو باطل کرنے کے ساتھ نہیں ہوتا۔ ذمی کا مسلمان کو خمر کی بیع کا وکیل نہ بنا سکنا یہ اس کے طرد کو باطل نہیں کرتا جب کہ ذمی اس خمر کا مالک ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ذمی کو اس امر کا وکیل بنا کر اس تک رسائی حاصل کرنے کا مالک ہوتا ہے۔ پس ضابطہ سچا ہوا۔ کیونکہ انہوں نے یہ نہیں کہا: ہر ایسا عقد جس کا وہ مالک ہوتا ہے وہ یہ کہ کسی کو اس بارے میں وکیل بنانے کا مالک ہوتا ہے بلکہ ہر اعتبار سے اس تک رسائی حاصل کرنے کا مالک ہوتا ہے۔ اس کی مکمل بحث ''البحر'' میں ہے۔

27273۔ (قولہ: بِكُلِّ) باب کے شروع میں جو ماتن کا قول ہے التوکیل صحیح یہ اس کے متعلق ہے۔

27273۔ (ب) (قولہ: لِنَفْسِهِ) وکیل کو خارج کر دیا۔ کیونکہ جب وہ خود ایسا عمل کر رہا ہو تو اس کے ساتھ وہ کسی کو وکیل نہیں بنا تا۔

27274۔ (قولہ: فَشَمِلَ الْخُصُومَةَ) یہ ان کے قول بطل ما یباشرہ پر تفریع ہے۔ یہ ''الکنز'' کے قول: بطل ما

فَلِذَا قَالَ (فَصَحَّ بِخُصُومَةٍ فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ بِرِضَا الْخَصْمِ) وَجَوَّزَاهُ بِلَا رِضَاهُ، وَبِهِ قَالَتْ الثَّلَاثَةُ، وَعَلَيْهِ فَتْوَى أَبِي اللَّيْثِ وَغَيْرِهِ، وَاخْتَارَهُ الْعَتَّابِيُّ وَصَحَّحَهُ فِي النِّهَايَةِ، وَالْمُخْتَارُ لِلْفَتْوَى تَفْوِيضُهُ لِلْحَاكِمِ دُرَرٌ (إِلَّا أَنْ يَكُونَ) الْمُوَكِّلُ (مَرِيضًا)

اسی وجہ سے کہا: حقوق العباد میں خصم کی رضامندی کے ساتھ خصومت کو شامل ہوگا۔ اسی وجہ سے کہا: حقوق العباد میں خصم کی رضامندی کے ساتھ خصومت میں وکیل بنانا صحیح ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے خصم کی رضامندی کے بغیر اسے جائز قرار دیا ہے۔ تینوں ائمہ نے یہی فرمایا ہے۔ ''ابولیث'' وغیرہ کا فتویٰ اسی پر ہے۔ ''عتابی'' نے اسے پسند کیا ہے اور ''النہایہ'' میں اس کی تصحیح کی ہے۔ فتویٰ کے لیے مختار قول یہ ہے کہ اسے حاکم کے سپرد کر دے، ''درر''۔ مگر جب موکل بیمار ہو

یعقدہ سے اولیٰ ہے۔ کیونکہ یہ عقد اور اس کے غیر کو جامع ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے جیسے خصومت اور قبض۔

27275۔ (قولہ: فَصَحَّ بِخُصُومَةٍ) یہ قول بعض معین اور خصومت کی تمام صورتوں کو جامع ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ اس میں ''منیۃ المفتی'' سے مروی ہے: اگر موکل اسے اپنے حق میں خصومت کرنے نہ کہ اس کے خلاف خصومت کرنے کے لیے وکیل بنائے تو اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اسے ثابت کرے جو موکل کے لیے ہو۔ اگر مدعیٰ علیہ نے اس کے رد کا ارادہ کیا تو اسے نہیں سنا جائے گا۔ کہا: حاصل کلام یہ ہے: یہ خصومت موکل کے خاص کر دینے سے خاص ہو جائے گی اور اس کے عام کر دینے سے عام ہو جائے گی۔ ''بزازیہ'' میں ہے: اگر اس نے اسے اپنے ہر حق کے لیے وکیل بنایا اور اپنے ہر حق کے لیے خصومت کا وکیل بنایا اور مخاصم بہ اور مخاصم فیہ کی تعیین نہ کی تو بھی یہ جائز ہوگا۔ اس کی مکمل بحث اس ''البحر'' میں ہے۔

27276۔ (قولہ: بِرِضَا الْخَصْمِ) خصم کا لفظ طالب اور مطلوب دونوں کو شامل ہے۔ ''بحر''۔

وکالت کے لزوم اور عدم لزوم میں امام اعظم ''ابوحنیفہ'' اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہم کا اختلاف

27277۔ (قولہ: وَجَوَّزَاهُ الخ) ''ہدایہ'' میں کہا: جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف لزوم میں ہے یعنی کیا خصم کے رد کرنے سے وکالت رد ہو جائے گی؟ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک: ہاں یہ ایسا ہی ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک رد نہیں ہوگی اور اسے (خصم کو) مجبور کیا جائے گا۔ ''جوہرہ''۔

27278۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ فَتْوَى أَبِي اللَّيْثِ) ''رملی'' نے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر فتویٰ دیا ہے جس پر متون ہیں۔ اسے کئی علماء نے اختیار کیا ہے۔

27279۔ (قولہ: تَفْوِيضُهُ لِلْحَاكِمِ) ''بزازیہ'' میں اس بارے میں بحث کی ہے۔ ''البحر'' اور ''زیلعی'' میں جو کچھ ہے اس میں غور کرو۔ یعنی جب قاضی کو خصم کی جانب سے یہ معلوم ہو کہ وہ توکیل کو قبول کرنے سے انکار میں سرکشی کر رہا ہے تو اسے اس امر کا موقع نہ دے گا اور اگر موکل کی جانب سے یہ علم ہو کہ وہ اپنے خصم کو نقصان پہنچانے کا قصد کر رہا ہے تو رضامندی کے بغیر وکیل بنانا قبول نہ کرے۔

لَا يُمْكِنُهُ حُضُورُ مَجْلِسِ الْحُكْمِ بِقَدَمَيْهِ ابْنُ كَمَالٍ (أَوْ غَائِبًا مُدَّةَ سَفَرٍ أَوْ مُرِيدًا لَهُ) وَيَكْفِي قَوْلُهُ أَنَا أُرِيدُ السَّفَرَ ابْنُ كَمَالٍ (أَوْ مُخَدَّرَةً) لَمْ تُخَالِطِ الرِّجَالَ كَمَا مَرَّ (أَوْ حَائِضًا) أَوْ نُفَسَاءَ (وَالْحَاكِمُ بِالْمَسْجِدِ) إذَا لَمْ يَرْضَ الطَّالِبُ بِالتَّأْخِيرِ بَحْرٌ (أَوْ مَحْبُوسًا مِنْ غَيْرِ حَاكِمِ) هٰذِهِ (الْخُصُومَةِ) فَلَوْ مِنْهُ فَلَيْسَ بِعُذْرٍ بَزَّازِيَّةٌ بَحْثًا (أَوْ لَا يُحْسِنُ الدَّعْوَى) خَانِيَّةٌ (لَا يَكُونُ مِنَ الْأَعْذَارِ (إِنْ كَانَ) الْمُوَكِّلُ (شَرِيفًا خَاصَمَ مَنْ دُونَهُ) بَلِ الشَّرِيفُ وَغَيْرُهُ سَوَاءٌ بَحْرٌ

اس کے لیے اپنے قدموں پر چل کر حکم کی مجلس میں حاضر ہونا ممکن نہ ہو۔ ''ابن کمال''۔ یا وہ مدت سفر پر غائب ہو یا مدت سفر کا ارادہ رکھتا ہو۔ اس کا قول انا ارید السفر اسے کافی ہوتا ہے، ''ابن کمال''۔ یا وہ پردہ دار عورت ہو جو مردوں سے میل جول نہیں رکھتی جس طرح گزر چکا ہے یا وہ حیض یا نفاس والی ہو جب کہ حاکم مسجد میں بیٹھتا ہو اور طالب (مدعی) تاخیر پر راضی نہ ہو۔ ''بحر''۔ یا اس خصومت کے حاکم کے علاوہ کی جانب سے وہ محبوس ہو۔ اگر اسی حاکم کی جانب سے محبوس ہو تو یہ عذر نہیں ہو گا۔ ''بزازیہ'' میں بحث کے انداز میں موجود ہے: یا وہ دعویٰ اچھی طرح نہ کر سکتا ہو۔ ''خانیہ''۔ موکل کا شریک ہونا یہ کوئی عذر نہیں جب وہ اپنے سے کم مرتبہ لوگوں سے مخاصمت کرے بلکہ شریف اور اس کے علاوہ برابر ہیں، ''بحر''۔

27280۔ (قولہ: لَا يُمْكِنُهُ حُضُورُ مَجْلِسِ الْحُكْمِ) اگرچہ وہ سواری کی پشت پر سوار ہو کر یا انسان کے کندھے پر بیٹھ کر حاضر ہونے پر قادر ہو اگر اس طریقہ سے اس کا مرض بڑھ جائے تو وکیل بنانا لازم ہوگا۔ اگر اس طرح مرض نہ بڑھے ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ مسئلہ مختلف فیہ رہے گا۔ صحیح قول یہ ہے کہ وکیل بنانا لازم ہوگا۔ ''بزازیہ'' میں اسی طرح ہے۔

27281۔ (قولہ: وَيَكْفِي قَوْلُهُ أَنَا أُرِيدُ السَّفَرَ) ''البحر'' میں کہا: ''المحیط'' میں ہے: سفر کا ارادہ باطنی امر ہے اس کی دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ اس کی دلیل یا تو یہ ہے کہ خصم اس ارادہ کی تصدیق کرے یا کوئی ظاہر قرینہ ہو۔ اس کا قول ''میں سفر کا ارادہ رکھتا ہوں'' مقبول نہیں ہوگا۔ لیکن قاضی اس کا حال اور سامان دیکھے گا۔ کیونکہ جو آدمی سفر کرتا ہے اس کی حالت مخفی نہیں ہوتی شارح نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ ''بزازیہ'' میں ہے: اگر اس نے کہا: میں فلاں قافلہ کے ساتھ نکلوں گا تو قاضی ان لوگوں سے اس کے متعلق پوچھے گا۔ جس طرح فسخ الاجارہ میں ہے۔ ''خزانۃ المفتیین'' میں ہے: اگر سفر کے ارادہ میں خصم اس کو جھٹلا دے تو قاضی اس سے قسم لے گا اللہ کے نام کی قسم اٹھاؤ کہ تو سفر کا ارادہ رکھتا ہے۔

27282۔ (قولہ: إِذَا لَمْ يَرْضَ الطَّالِبُ) ''الجوہرہ'' میں کہا: اگر ایسی عورت مدعی ہو تو خصم کی رضامندی کے بغیر اس سے وکیل بنانا قبول کیا جائے گا۔ اگر وہ عورت مدعی علیہ ہو اگر مدعی اسے مہلت دے یہاں تک کہ قاضی مسجد سے نکل آئے تو خصم (مدعی) کی رضامندی کے بغیر وکیل بنانا قبول نہ ہوگا۔ کیونکہ وکیل بنانے کا کوئی عذر نہیں۔

27283۔ (قولہ: بَزَّازِيَّةٌ بَحْثًا) اس کی عبارت یہ ہے: اس کا محبوس ہونا عذر ہے اسے وکیل بنانا لازم ہوگا اس تعبیر کی بنا پر اگر گواہ محبوس ہو تو اسے حق حاصل ہے کہ اپنی گواہی پر کسی کو گواہ بنا لے۔ ''قاضی'' نے کہا: قاضی کی قید میں ہونا عذر نہیں۔

(وَلَهُ الرُّجُوعُ عَنْ الرِّضَا قَبْلَ سَمَاعِ الْحَاكِمِ الدَّعْوَى) لَا بَعْدَهُ قُنْيَةٌ (وَلَوْ اخْتَلَفَا فِي كَوْنِهَا مُخَدَّرَةً إنْ مِنْ بَنَاتِ الْأَشْرَافِ فَالْقَوْلُ لَهَا مُطْلَقًا) وَلَوْ ثَيِّبًا فَيُرْسِلُ أَمِينَهُ لِيُحَلِّفَهَا مَعَ شَاهِدَيْنِ بَحْرٌ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ (وَإِنْ مِنْ الْأَوْسَاطِ فَالْقَوْلُ لَهَا لَوْ بِكْرًا، وَإِنْ هِيَ (مِنْ الْأَسَافِلِ فَلَا فِي الْوَجْهَيْنِ) عَمَلًا بِالظَّاهِرِ بَزَّازِيَّةٌ (وَ) صَحَّ (بِإِيفَائِهَا وَ) كَذَا بِـ (اسْتِيفَائِهَا

حاکم نے ابھی دعویٰ نہ سنا ہو تو اسے رضامندی سے رجوع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ اس کے بعد رضامندی سے رجوع کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا،''قنیہ''۔ اگر مدعی اور مدعیٰ علیہ میں اس عورت کے پردہ دار ہونے میں اختلاف ہو جائے اگر وہ عورت اشراف کی بیٹیوں میں سے ہو تو مطلقاً قول اس عورت کا معتبر ہوگا اگرچہ وہ ثیبہ ہو۔ قاضی اس عورت کی طرف اپنا سیکرٹری بھیجے تاکہ اس عورت سے قسم لے ساتھ دو گواہ ہوں۔''بحر''۔ مصنف نے اس قول کو ثابت رکھا ہے۔ اگر وہ عورت درمیانی درجہ کے لوگوں سے ہو اگر وہ باکرہ ہو تو قول عورت کا معتبر ہوگا۔ اگر وہ نچلے درجہ کے لوگوں سے ہو تو دونوں صورتوں میں اس کی بات تسلیم نہ کی جائے گی۔ یہ ظاہر پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے۔''بزازیہ''۔ حقوق ادا کرنے، اسی طرح حقوق وصول کرنے میں وکیل بنانا صحیح ہے

کیونکہ وہ اسے قید سے باہر نکالے گا یہاں تک کہ وہ گواہی دے پھر قید کرے۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ ممکن ہے کہ دعویٰ میں بھی اسی طرح کہا جائے کہ وہ دعویٰ کا جواب دے پھر اس کو محبوس کر دیا جائے۔

لوگوں کی کلام میں مفاہیم حجت ہوتے ہیں

میں کہتا ہوں: یہ امر مخفی نہیں کہ یہ مصنف کی عبارت ان کی جانب سے نہیں بلکہ کسی اور کی کلام میں واقع ہے اور مفاہیم حجت ہیں بلکہ''الفتح''میں اس کی تصریح کی ہے۔ کیونکہ کہا: اگر موکل محبوس ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر وہ اس قاضی کی قید میں ہو تو اس قاضی کی رضامندی کے بغیر خصم وکیل بنانے کو قبول نہیں کرے گا۔ کیونکہ قاضی قید سے اسے نکالے گا تاکہ وہ اس کے ساتھ خصومت کرے پھر اسے واپس جیل میں بند کر دے۔ اگر وہ والی کی قید میں ہے اور والی اسے خصومات کے لیے باہر نکالتا تو اس سے وکیل بنانے کے عمل کو قبول نہیں کرتا۔

27284۔(قولہ: وَلَهُ) ضمیر سے مراد مدعیٰ علیہ ہے۔

27285۔(قولہ: فَيُرْسِلُ أَمِينَهُ) یعنی قاضی اپنا سیکرٹری بھیجے گا۔

27286۔(قولہ: فَالْقَوْلُ لَهَا) یعنی جب اس پر قسم واجب ہوتی ہو۔

27287۔(قولہ: فِي الْوَجْهَيْنِ) یعنی وہ عورت باکرہ ہو یا ثیبہ ہو۔

27288۔(قولہ: وَصَحَّ بِإِيفَائِهَا) یعنی حقوق العباد بجالانے کے لیے وکیل بنانا صحیح نہیں۔''حاشیہ''میں اسی طرح ہے۔ یعنی تمام تر حقوق ادا کرنے اور تمام تر حقوق لینے میں وکیل بنانا صحیح ہے مگر حدود و قصاص میں صحیح نہیں۔ کیونکہ ان دونوں

إِلَّا فِي حَدٍّ وَقَوَدٍ) بِغَيْبَةِ مُوَكِّلِهِ عَنِ الْمَجْلِسِ مُلْتَقًى (وَحُقُوقُ عَقْدٍ لَا بُدَّ مِنْ إِضَافَتِهِ) أَيْ ذَلِكَ الْعَقْدِ (إِلَى الْوَكِيلِ كَبَيْعٍ وَإِجَارَةٍ وَصُلْحٍ، عَنْ إِقْرَارٍ يَتَعَلَّقُ بِهِ) مَا دَامَ حَيًّا وَلَوْ غَائِبًا ابْنُ مَلَكٍ (إِنْ لَمْ يَكُنْ

مگر حدود وقصاص میں ایسا جائز نہیں جب موکل مجلس سے غائب ہو، ''ملتقی''۔ ایسا عقد جس کو وکیل کی طرف منسوب کرنا ضروری ہے جیسے بیع، اجارہ اور اقرار کے بعد صلح، اس کے حقوق وکیل کے متعلق ہوں گے جب تک وہ زندہ ہے اگرچہ غائب ہو، ''ابن ملک''۔ اگر وکیل

(ادا کرنا، لینا) میں سے ہر ایک موکل براہ راست بجالاتا ہے۔ پس وہ وکیل بنانے کا بھی اختیار رکھتا ہے۔ حدود وقصاص کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں یہاں ایفا سے مراد وہ چیز ادا کرنا ہے جو اس کے ذمہ ہے اور استیفا سے مراد ان حقوق کو لینا ہے۔ ''منح''۔

27289۔ (قولہ: إِلَّا فِي حَدٍّ وَقَوَدٍ) یہ ان کے قول و بایفائها و استیفائها سے مستثنیٰ ہے اور ان کا قول بغيبة موكله صرف دوسرے یعنی قود کے لیے قید ہے جس طرح ''البحر'' میں اس پر متنبہ کیا ہے۔

اس سے پہلے ان کا قول باستیفائها یعنی اسی طرح گواہوں کے ساتھ انہیں ثابت کرنا یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ یہاں اس کی تصریح نہیں کی کیونکہ یہ ان کے قول فصح بخصومة میں داخل ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

بیع وغیرہ میں حقوق وکیل کی طرف لوٹیں گے

27290۔ (قولہ: يَتَعَلَّقُ بِهِ) بہ کی ضمیر سے مراد وکیل ہے۔ ''منح''۔

27291۔ (قولہ: مَا دَامَ حَيًّا وَلَوْ غَائِبًا) جب وکیل کوئی چیز بیچے اور غائب ہو جائے تو موکل کو ثمن پر قبضہ کا حق حاصل نہیں ہوگا جس طرح ''البحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔ اور ان کا قول: ما دام حیا اسے ''البحر'' میں ''الصغریٰ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن اس کے بعد کہا: یہ قول اسے بھی شامل ہے جب وہ مرجائے۔ کیونکہ ''بزازیہ'' میں ہے: اگر وکیل وصی چھوڑ کر مر گیا۔ ''فضلی'' نے کہا: حقوق وصی کی طرف منتقل ہو جائیں گے موکل کی طرف منتقل نہیں ہوں گے۔ اگر وصی نہ ہو تو اسے حاکم کے سامنے پیش کرے گا جو ان حقوق پر قبضہ کرنے کے لیے وصی معین کرے گا۔ یہی امر معقول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان حقوق پر قبضہ کرنے کی ولایت موکل کی طرف منتقل ہو جائے گی پس فتویٰ کے وقت احتیاط کی جائے گی۔ پھر ''البحر'' میں ایک ورق اور نصف کے بعد کہا: خریداری کا وکیل جب ادھار لے اور وکیل مر جائے تو اس پر ثمن فوراً لازم ہوگی اور موکل کے حق میں اجل باقی رہے گی۔ یہاں جزم کا اظہار اس پر دلالت کرتا ہے کہ مذہب میں قابل اعتماد وہ ہے جو یہ کہا ہے: انہ المعقول۔ جب میں نے پوری طرح چھان بین کر لی تو میں نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا جس طرح سابقہ بحث میں انہوں نے کہا۔

27292۔ (قولہ: إِنْ لَمْ يَكُنْ) ضمیر مستتر سے مراد وکیل ہے۔

مَحْجُورًا كَتَسْلِيمِ مَبِيعٍ وَقَبْضِهِ وَقَبْضِ ثَمَنٍ وَرُجُوعٍ بِهِ عِنْدَ اسْتِحْقَاقِهِ وَخُصُومَةٍ فِي عَيْبٍ بِلَا فَصْلٍ بَيْنَ حُضُورِ مُوَكِّلِهِ وَغَيْبَتِهِ؛ لِأَنَّهُ الْعَاقِدُ حَقِيقَةً وَحُكْمًا، لَكِنْ فِي الْجَوْهَرَةِ لَوْ حَضَرَا فَالْعُهْدَةُ عَلَى آخِذِ الثَّمَنِ لَا الْعَاقِدِ فِي أَصَحِّ الْأَقَاوِيلِ، وَلَوْ أَضَافَ الْعَقْدَ إِلَى الْمُوَكِّلِ تَتَعَلَّقُ الْحُقُوقُ بِالْمُوَكِّلِ اتِّفَاقًا ابْنُ مَلَكٍ فَلْيُحْفَظْ فَقَوْلُهُ لَا بُدَّ، فِيهِ مَا فِيهِ وَلِذَا قَالَ ابْنُ الْكَمَالِ

مجور نہ ہوحقوق سے مراد جیسے مبیع کو سپرد کرنا، اس پر قبضہ کرنا، ثمن پر قبضہ کرنا، استحقاق کے وقت اس کو واپس کرنا اور عیب نکل آنے کی صورت میں خصومت کرنا اس میں کوئی فرق نہیں کہ اس کا موکل حاضر ہو یا غائب ہو۔ کیونکہ حقیقت اور حکم کے اعتبار سے وہ ہی عاقد ہے۔ لیکن ''جوہرہ'' میں ہے: اگر دونوں حاضر ہوں تو ذمہ داری ثمن لینے والے پر ہوگی۔ کیونکہ اقوال میں سے اصح قول کے مطابق وہی عقد کرنے والا ہے اگر وہ عقد کو موکل کی طرف منسوب کرے تو بالاتفاق حقوق موکل کے متعلق ہوں گے ''ابن ملک''۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ مصنف کا قول لابد اس میں خلل ہے۔ اسی وجہ سے ''ابن کمال'' نے کہا:

27293۔ (قولہ: مَحْجُورًا) اگر وہ مجور (یعنی اسے تصرف کرنے کی اجازت نہ ہو) جیسے غلام اور بچہ یہ دونوں مجور ہوتے ہیں جب یہ دونوں وکالت کے طریقہ پر عقد کریں تو دونوں کے عقد کے حقوق موکل کے متعلق ہوتے ہیں۔ ''س''۔

27294۔ (قولہ: كَتَسْلِيمِ مَبِيعٍ) یہ عقد کے حقوق کا بیان ہے۔

27295۔ (قولہ: وَرُجُوعٍ بِهِ عِنْدَ اسْتِحْقَاقِهِ) یہ دونوں مسئلوں کو شامل ہے۔

(۱) جب وکیل بائع ہو اور اس نے مشتری سے ثمن پر قبضہ کیا پھر مبیع کا کوئی مستحق نکل آیا تو مشتری وکیل سے ثمن کا مطالبہ کرے گا خواہ ثمن اس کے ہاتھ میں موجود ہو یا اس نے ثمن موکل کے حوالے کر دی ہو اور وکیل موکل سے واپسی کا مطالبہ کرے گا۔

(۲) جب وہ مشتری ہو تو مبیع کا کوئی اور مستحق نکل آیا اور مبیع اس سے لے لیا گیا تو وہ ثمن کا مطالبہ بائع سے کرے گا موکل سے نہیں کرے گا۔ ''بزازیہ'' میں ہے: وکیل سے خریدنے والا اسے وکیل کے ہاتھ بیچتا ہے پھر وکیل کے ہاں اس کا کوئی اور مستحق نکل آتا ہے تو وکیل اس مشتری سے مطالبہ کرے گا جس سے اس نے وہ چیز خریدی تھی اور مشتری وکیل سے مطالبہ کرے گا اور وکیل موکل سے رابطہ کرے گا۔ اس کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوگا جب ثمن مختلف ہو۔ انتہی ''بحر''۔

27296۔ (قولہ: فِي عَيْبٍ) یہ بھی دو مسئلوں کو شامل ہوتا ہے۔ جب وہ وکیل بائع ہو تو مشتری اس چیز کو اس کی طرف لوٹا دے گا۔ جب وہ وکیل مشتری ہو تو وکیل اسے بائع کی طرف لوٹا دے گا لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اس کے قبضہ میں ہو۔ اگر وہ اسے موکل کے سپرد کر دے تو وہ اس کی اجازت سے ہی لوٹائے گا جس طرح ''الکتاب'' میں آئے گا۔ ''بحر''۔

27297۔ (قولہ: وَلَوْ أَضَافَ الخ) ''البحر'' میں اسے رد کیا ہے پس اس کی طرف رجوع کرو۔ ان کا اعتراض مصنف پر وارد نہیں ہوتا یہاں ''حاشیۃ الفتال'' اور ''حاشیۃ ابی سعود'' میں بحث ہے پس ان کی طرف رجوع کیجئے۔ ''نور العین'' میں احکام الوکالۃ میں فصل تینتیس میں اسی طرح ہے۔ میں نے اسے ''البحر'' کے حاشیہ میں اسے لکھا ہے۔

يُكْتَفَى بِالْإِضَافَةِ إِلَى نَفْسِهِ فَافْهَمْ (وَشَرْطُ) الْمُوَكِّلِ (عَدَمَ تَعَلُّقِ الْحُقُوقِ بِهِ) أَيْ بِالْوَكِيلِ (لَغْوٌ) بَاطِلٌ جَوْهَرَةٌ (وَالْمِلْكُ يَثْبُتُ لِلْمُوَكِّلِ ابْتِدَاءً) فِي الْأَصَحِّ (فَلَا يَعْتِقُ قَرِيبُ الْوَكِيلِ بِشِرَائِهِ وَلَا يَفْسُدُ نِكَاحُ زَوْجَتِهِ بِهِ وَ) لَكِنْ (هُمَا) ثَابِتَانِ (عَلَى الْمُوَكِّلِ لَوِ اشْتَرَى وَكِيلُهُ قَرِيبَ مُوَكِّلِهِ وَزَوْجَتَهُ)؛ لِأَنَّ الْمُوجِبَ لِلْعِتْقِ وَالْفَسَادِ الْمِلْكُ الْمُسْتَقِرُّ (وَفِي كُلِّ عَقْدٍ لَا بُدَّ مِنْ إِضَافَتِهِ إِلَى مُوَكِّلِهِ) يَعْنِي لَا يُسْتَغْنَى عَنِ الْإِضَافَةِ إِلَى مُوَكِّلِهِ، حَتَّى لَوْ أَضَافَهُ إِلَى نَفْسِهِ لَا يَصِحُّ ابْنُ كَمَالٍ

وکیل کا اپنی ذات کی طرف نسبت کرنا کافی ہے فافہم۔ موکل کا یہ شرط لگانا کہ عقد کے حقوق وکیل کے متعلق نہ ہوں گے یہ لغو باطل ہے،''جوہرہ''۔ اور اصح قول کے مطابق ملکیت ابتدا سے ہی موکل کے لیے ثابت ہو جائے گی۔ وکیل اپنے قریبی کو خریدے تو وہ قریبی آزاد نہیں ہوگا اور وکیل اپنی بیوی کو خریدے تو اس کا نکاح فاسد نہیں ہوگا لیکن دونوں موکل ثابت ہوں گے اگر موکل کا وکیل موکل کے قریبی رشتہ دار اور اس کی زوجہ کو خریدے کیونکہ آزادی اور نکاح کے فساد کا موجب ایسی ملکیت ہے جو ثابت و قائم ہو۔ ہر ایسا عقد جس میں عقد کو موکل کی طرف منسوب کرنا ضروری ہے یعنی وکیل موکل کی طرف منسوب کرنے سے مستغنی نہیں یہاں تک کہ اگر وہ اسے اپنی طرف منسوب کرے تو یہ صحیح نہ ہوگا،''ابن کمال''۔

27298۔ (قولہ: يَكْتَفِى) یعنی بغیر لزوم کے اس پر اکتفا کیا جائے گا۔

27299۔ (قولہ: لِأَنَّ الْمُوجِبَ الخ) یہ مصنف کی کلام کے مناسب نہیں بلکہ یہ دوسرے قول پر جاری ہے کہ ابتداءً یہ وکیل کے لیے ثابت ہوگی پھر ملک موکل کی طرف منتقل ہوگی۔

ایسا عقد جس میں عقد کو موکل کی طرف منسوب کرنا ضروری ہو تو اس کا حکم

27300۔ (قولہ: حَتَّى لَوْ أَضَافَهُ إِلَى نَفْسِهِ لَا يَصِحُّ) اگر اپنی ذات کی طرف منسوب کرے تو موکل پر ثابت نہ ہوں گے۔ پس یہ آنے والے قول کے منافی نہیں ہوگا: یہاں تک کہ اگر وہ نکاح کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرے تو نکاح اس کے لیے واقع ہو جائے گا۔ جس طرح گمان کیا گیا ہے۔''بزازیہ'' میں ہے: طلاق اور عتاق کا وکیل جب گفتگو پیغام رسانی کے طور پر کرے جیسے وہ کہے: فلاں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں طلاق دے دوں یا آزاد کر دوں تو یہ امر موکل پر نافذ ہوگا کیونکہ ہر حال میں ان دونوں امور کی ذمہ داری موکل پر ہوگی۔ اگر وہ نکاح اور طلاق میں کلام وکالت کے طریقہ پر کرے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اسے اپنی ذات کی طرف منسوب کرے تو یہ صحیح ہوگا مگر نکاح میں صحیح نہ ہوگا۔

فرق یہ ہے: طلاق میں اس امر کو اس نے موکل کی طرف معنی کے اعتبار سے منسوب کیا ہے کیونکہ یہ ملک رقبہ پر مبنی ہے۔ یہ طلاق اور عتاق میں موکل کے لیے ہے۔ جہاں تک نکاح میں اس کا تعلق ہے تو وکیل کا ذمہ مہر کو قبول کرنے والا ہے یہاں تک کہ اگر نکاح عورت کی جانب سے ہو اور کلام کو وکالت کے انداز میں لیا گیا ہو تو وہ مخالفت کرنے والا نہیں ہوگا کیونکہ وہ نکاح کو معنوی طور پر عورت کی طرف منسوب کر رہا ہے گویا اس نے کہا: میں نے اپنی موکلہ کا بضع تیری ملکیت میں دیا۔

(كَنِكَاحٍ وَخُلْعٍ وَصُلْحٍ عَنْ دَمِ عَمْدٍ أَوْ عَنْ إِنْكَارٍ وَعِتْقٍ عَلَى مَالٍ وَكِتَابَةٍ وَهِبَةٍ وَتَصَدُّقٍ وَإِعَارَةٍ وَإِيدَاعٍ وَرَهْنٍ وَإِقْرَاضٍ) وَشِرْكَةٍ وَمُضَارَبَةٍ عَيْنِيٌّ (تَتَعَلَّقُ بِمُوَكِّلِهِ) لَا بِهِ لِكَوْنِهِ فِيهَا سَفِيرًا مَحْضًا، حَتَّى لَوْ أَضَافَهُ لِنَفْسِهِ وَقَعَ النِّكَاحُ لَهُ فَكَانَ كَالرَّسُولِ (فَلَا مُطَالَبَةَ عَلَيْهِ) فِي النِّكَاحِ (بِمَهْرٍ وَتَسْلِيمٍ) لِلزَّوْجَةِ (وَلِلْمُشْتَرِي الْإِبَاءُ عَنْ دَفْعِ الثَّمَنِ

جیسے نکاح، خلع، دم عمد (جان بوجھ کر قتل کرنا) سے صلح، انکار سے صلح، مال کے عوض آزادی، کتابت، ہبہ، صدقہ، عاریۃً دینا، ودیعت رکھنا، رہن رکھنا، قرض دینا، شرکت اور مضاربت ''عینی''۔ یہ سب موکل کے متعلق ہوں گے وکیل کے متعلق نہیں ہوں گے۔ کیونکہ ان تمام امور میں وکیل سفیر محض ہے یہاں تک کہ اگر وہ اسے اپنی ذات کی طرف منسوب کرے تو نکاح اس کے لیے واقع ہوگا۔ تو وہ صرف قاصد کی طرح ہوگا نکاح میں اس پر مہر اور بیوی کو حوالے کرنے کا مطالبہ نہیں ہوگا۔ اور مشتری کو حق حاصل ہوگا کہ وہ موکل کو ثمن دینے سے انکار

''البحر'' میں کہا: اس تعبیر کی بنا پر موکل کی طرف اضافت کا معنی مختلف ہے خاوند کی جانب سے نکاح کے وکیل میں وہ معنی شرط کے طریقہ پر ہے اور باقی صورتوں میں جواز کے طریقہ پر ہے پس اس کا معدوم ہونا جائز ہے۔ ''حاشیۃ الفتال'' میں ''الاشباہ'' سے یہ مروی ہے: بری کرنے کا وکیل جب بری کر دے اور اسے موکل کی طرف منسوب نہ کرے یہ صحیح نہ ہوگا۔ ''الخزانہ'' میں یہ اسی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں: ''البحر'' میں جو قول ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ اضافت صرف نکاح میں لازم ہوتی ہے۔ یہ ان کی کلام کے مخالف ہے ''الدرر'' میں جو کچھ ہے اسے دیکھیے اور تدبر کیجئے۔ ہم نے ''البحر'' پر جو تعلیقات لکھی ہیں اسے دیکھیے اور ''شرح الوہبانیہ'' کی کتاب الایمان کی طرف رجوع کیجئے۔

27301۔ (قولہ: أَوْ عَنْ إِنْكَارٍ) یہ ایسی صلح ہے جس کی اضافت وکیل کی طرف صحیح نہیں۔ اقرار سے صلح کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اسے دونوں کی طرف منسوب کرنا صحیح ہے۔ دونوں مواقع پر اضافت کے اختلاف کو آپ پہچان چکے ہیں۔ پس اضافت میں دونوں صلحیں مختلف ہیں۔ ''ابن کمال''۔ اس میں ''صدر الشریعہ'' پر رد ہے کیونکہ انہوں نے کہا: دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

27302۔ (قولہ: وَهِبَةٍ وَتَصَدُّقٍ) ہبہ اور صدقہ کے وہ حقوق جو موکل کے متعلق ہیں ان کی طرف دیکھیے۔

27303۔ (قولہ: سَفِيرًا) سفیر سے مراد قاصد اور قوم کے درمیان صلح کرانے والا ہے، ''صحاح''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔ کیونکہ وہ اسے موکل کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اسی طرح اس کی امثال میں ہے، ''ابن ملک''۔ ''مجمع''۔

27304۔ (قولہ: بِمَهْرٍ) یعنی جب وہ خاوند کا وکیل ہو۔

27305۔ (قولہ: وَتَسْلِيمٍ) جب وہ عورت کا وکیل ہو۔

لِلْمُوَكِّلِ وَإِنْ دَفَعَ لَهُ (صَحَّ وَلَوْ مَعَ نَهْيِ الْوَكِيلِ) اسْتِحْسَانًا (وَلَا يُطَالِبُهُ الْوَكِيلُ ثَانِيًا) لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ، نَعَمْ تَقَعُ الْمُقَاصَّةُ بِدَيْنِ الْوَكِيلِ لَوْ وَحْدَهُ وَيَضْمَنُهُ لِمُوَكِّلِهِ بِخِلَافِ وَكِيلِ يَتِيمٍ وَصَرْفٍ عَيْنِيٌّ (وَمِثْلُهُ) أَيْ مِثْلُ الْوَكِيلِ عَبْدٌ (مَأْذُونٌ لَا دَيْنَ عَلَيْهِ مَعَ مَوْلَاهُ) فَلَا يَمْلِكُ قَبْضَ دُيُونِهِ، وَلَوْ قَبَضَ صَحَّ اسْتِحْسَانًا مَا لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ دَيْنٌ؛ لِأَنَّهُ لِلْغُرَمَاءِ بَزَّازِيَّةٌ فَرْعٌ التَّوْكِيلُ بِالِاسْتِقْرَاضِ بَاطِلٌ لَا الرِّسَالَةُ دُرَرٌ، وَالتَّوْكِيلُ بِقَبْضِ الْقَرْضِ صَحِيحٌ فَتَنَبَّهْ

کردے۔ اگر وہ موکل کو ثمن دے دے تو یہ امر صحیح ہو جائے گا اگر چہ اس سے وکیل نے منع کیا ہو۔ یہ بطور استحسان صحیح ہوگا۔ وکیل اس سے دوبارہ مطالبہ نہیں کرے گا کیونکہ اس میں فائدہ نہیں ہاں باہم بدل واقع ہو جائے گا اگر وکیل پر صرف اس کا قرض ہو اور وکیل موکل کو اس کی ضمانت دے گا۔ یتیم کے وکیل اور بیع صرف کے وکیل کا معاملہ مختلف ہے ''عینی''۔ وکیل کی مثل ایسا ماذون غلام کا آقا کے ساتھ معاملہ ہے جس پر دین نہ ہو۔ پس وہ آقا اس کے دیون پر قبضہ کا مالک نہیں ہوگا اگر وہ اس کے دیون پر قبضہ کر لے تو بطور استحسان صحیح ہوگا جب تک اس پر دین نہ ہو کیونکہ وہ دین اس کے قرض خواہوں کا ہے۔ فرع: قرض طلب کرنے کے لیے وکیل بنانا باطل ہے قاصد بنانا باطل نہیں ''درر''۔ اور قرض پر قبضہ کرنے کے لیے وکیل بنانا صحیح ہے پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

27306۔ (قولہ: لِلْمُوَكِّلِ) کیونکہ وہ حقوق سے اجنبی ہے۔ کیونکہ حقوق اصل کے اعتبار سے وکیل کی طرف لوٹتے ہیں۔

27307۔ (قولہ: نَعَمْ تَقَعُ الْمُقَاصَّةُ) اگر مشتری کا موکل پر دین لازم ہو تو محض عقد کے ساتھ مقاصہ (باہم بدلہ) واقع ہو جائے گا۔ کیونکہ باہم بدلہ کے ساتھ حق مشتری تک پہنچ چکا ہے اگر مشتری کا موکل اور وکیل دونوں پر قرض ہو تو موکل کے دین میں تو باہم بدل واقع ہوگا وکیل کے دین میں یہ واقع نہ ہوگا۔ اگر مشتری کا صرف وکیل کے ذمہ قرض ہو تو یہ مقاصہ اس کے ساتھ واقع ہو جائے گا اور وکیل موکل کے لیے اس مال کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ وکیل نے موکل کے مال سے اپنا قرض ادا کیا ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وکیل کے دین کے ساتھ یہ مقاصہ واقع نہ ہوگا۔ جب وہ یتیم کا مال بیچے اور مشتری یتیم کو ثمن دے دے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ اس کا ذمہ ختم ہو جائے گا بلکہ اس پر یہ واجب ہوگا کہ وہ ثمن وصی کے حوالے کرے۔ کیونکہ یتیم کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے مال پر قبضہ کرے۔ پس اسے دین وصول کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ اسے مال دینا اسے ضائع کرنا ہے پس اس کا شمار نہ ہوگا۔ بیع صرف میں وکیل کا معاملہ مختلف ہے جب وہ بیع صرف کرے اور موکل بدل صرف پر قبضہ کرے۔ کیونکہ بیع صرف باطل ہو جائے گی اور اس کے قبضہ کا اعتبار نہیں ہوگا ''عینی''، حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27308۔ (قولہ: بِخِلَافِ) یہ ان کے قول وان دفع لہ کے متعلق ہے۔ ''ح''۔ اور ان کے قول وکیل یتیم سے مراد اس کا وصی ہے۔

27309۔ (قولہ: فَلَا يَمْلِكُ) یعنی آقا قبضہ کرنے کا مالک نہیں ہوگا۔

27310۔ (قولہ: بِقَبْضِ الْقَرْضِ) اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی کہے: مجھے قرض دو پھر اس پر قبضہ کرنے کے لیے

....

کسی آدمی کو وکیل بنائے۔ ''بحر'' میں ''القنیہ'' سے مروی ہے۔

فرع: اقرار کے لیے وکیل بنانا صحیح ہے۔ اقرار سے قبل اس کا وکیل بنانا یہ موکل کی جانب سے اقرار نہیں ہوگا۔ ''طواویسی'' سے مروی ہے: اس کا معنی ہے وہ خصومت کے لیے کسی کو وکیل بنائے اور وکیل کو کہے: تم خصومت کرو جب مجھ پر چٹی کے لاحق ہونے یا شرمندگی کا خوف تجھے لاحق ہو تو مدعی کا اقرار کر لینا۔ تو اس وکیل کا موکل پر اقرار صحیح ہوگا۔ ''بزازیہ'' میں اسی طرح ہے۔

اس بارے میں شافعیہ کے دو قول ہیں ان میں سے اصح یہ ہے: یہ صحیح نہیں۔ شیخ یعنی صاحب ''البحر'' نے کتاب الشرکۃ میں شرکت فاسدہ پر گفتگو کرتے ہوئے پہلے ذکر کیا ہے: مباح چیز کو لینے کے لیے کسی کو وکیل بنانا صحیح نہیں یہ باطل ہے۔ ''رملی'' نے ''البحر'' کے حاشیہ میں اسے نقل کیا ہے۔ فرع عنقریب، باب الوکالۃ بالخصومۃ کے متن میں آئے گی۔ واللہ اعلم

بَابُ الْوَكَالَةِ بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ

الْأَصْلُ أَنَّهَا إنْ عَمَّتْ أَوْ عُلِمَتْ أَوْ جُهِلَتْ جَهَالَةً يَسِيرَةً وَهِيَ جَهَالَةُ النَّوْعِ الْمَحْضِ كَفَرَسٍ صَحَّتْ وَإِنْ فَاحِشَةً وَهِيَ جَهَالَةُ الْجِنْسِ كَدَابَّةٍ بَطَلَتْ، وَإِنْ مُتَوَسِّطَةً كَعَبْدٍ، فَإِنْ بَيَّنَ الثَّمَنَ أَوْ الصِّفَةَ كَتُرْكِيٍّ صَحَّتْ وَإِلَّا لَا (وَكَّلَهُ بِشِرَاءِ ثَوْبٍ هَرَوِيٍّ أَوْ فَرَسٍ أَوْ بَغْلٍ صَحَّ)

بیع اور شرا میں وکالت کے احکام

اس میں قاعدہ یہ ہے: اگر وکالت عام ہو، معلوم ہو یا معمولی جہالت کے ساتھ مجہول ہو اور معمولی جہالت محض نوع کی جہالت ہے جیسے وہ تھوڑا خریدنے کے لیے وکیل بنائے تو وکالت صحیح ہوگی۔ اگر جہالت فحش ہو یہ جنس کی جہالت ہے جیسے وہ دابہ خریدنے کے لیے وکیل بنائے تو وکالت باطل ہوگی۔ اگر جہالت درمیانی ہو جیسے وہ غلام خریدنے کے لیے وکیل بنائے اگر تو اس آخری صورت میں ثمن یا صفت کو بیان کرے جیسے وہ کہے ترکی تو وکالت صحیح ہوگی ورنہ وکالت صحیح نہ ہوگی۔ موکل نے اسے ہروی کپڑا، گھوڑا یا خچر خریدنے کے لیے وکیل بنایا تو یہ صحیح ہوگا

بیع اور شرا میں وکالت کا ضابطہ

27311۔ (قولہ: إنْ عَمَّتْ) جیسے وہ کہے: جو مناسب سمجھو میرے لیے خرید لو۔ کیونکہ موکل نے معاملہ وکیل کی رائے کے حوالے کر دیا ہے۔ وہ جو چیز خریدے گا وہ موکل کے حکم کی تعمیل کرنے والا ہوگا۔ ''البحر'' میں ''بزازیہ'' سے مروی ہے: اگر وہ اسے کسی اپنے کپڑے کو خریدنے کے لیے وکیل بناتا ہے جیسے وکیل پسند کرے تو یہ صحیح ہوگا۔ اگر وہ کہے: میرے لیے کپڑے خرید و۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز نہیں اگر وہ اثوابا کا لفظ ذکر کرے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اگر وہ ثیابا، الدواب، الثیاب یا دواب کا لفظ ذکر کرے تو یہ جائز ہوگا اگرچہ وہ ثمن کی تعیین نہ کرے۔

نوٹ: اگر ثیاب یا اس جیسے الفاظ جو عموم پر دال ہوتے ہیں ذکر کرے تو امر وکیل کے سپرد ہوگا پس یہ وکالت صحیح ہوگی۔ ثوب اور اثواب وغیرہ کا معاملہ مختلف ہے۔ ان میں عموم ظاہر نہیں ہوتا پس یہ اپنی جنس میں مشترک ہوگا اور جہالت زیادہ ہوگی۔ پس یہ صحیح نہ ہوگا۔

27312۔ (قولہ: بَطَلَتْ) یعنی اگرچہ وہ ثمن بیان بھی کر دے تب بھی وکالت باطل ہو جائے گی۔

27313۔ (قولہ: مُتَوَسِّطَةً) ''النہایہ'' میں اس کی وضاحت کی ہے۔

بِمَا يتحمله حَالُ الْآمِرِ زَيْلَعِيٌّ فَرَاجِعْهُ (وَإِنْ لَمْ يُسَمِّ) ثَمَنًا: لِأَنَّهُ مِنَ الْقِسْمِ الْأَوَّلِ (وَبِشِرَاءِ دَارٍ أَوْ عَبْدٍ جَازَ إِنْ سَمَّى) الْمُوَكِّلُ (ثَمَنًا يُخَصِّصُ) نَوْعًا أَوْ لَا بَحْرٌ (أَوْ نَوْعًا كَحَبَشِيٍّ) زَادَ فِي الْبَزَّازِيَّةِ أَوْ قَدْرًا كَكَذَا قَفِيزًا (وَإِلَّا) يُسَمِّ ذَلِكَ (لَا) يَصِحُّ وَأُلْحِقَ بِجَهَالَةِ الْجِنْسِ (وَ) هِيَ مَا لَوْ وَكَّلَهُ

جب کہ وکیل آمر کی حالت کو پیش نظر رکھے گا کہ وہ کسی کا محتمل ہو سکتا ہے، ''زیلعی''۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ اگر وہ موکل ثمن کا ذکر نہ کرے کیونکہ یہ وکالت کی پہلی قسم سے متعلق ہے۔ گھر یا غلام کو خریدنے کے لیے وکیل بنائے تو یہ جائز ہوگا اگر موکل ثمن کا ذکر کرے وہ ثمن کی نوع کی تخصیص کرے یا تخصیص نہ کرے، ''بحر''۔ یا اس کی نوع کا ذکر کر دے جیسے وہ کہہ دے حبشی غلام خریدے۔ ''بزازیہ'' میں یہ زائد ذکر کیا ہے: یا مقدار کا ذکر کر دے جیسے اتنے قفیز۔ اگر وہ اس کا ذکر نہ کرے تو توکیل صحیح نہ ہوگی۔ اور اسے جنس کی جہالت کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ موکل

27314۔ (قولہ: زَيْلَعِيٌّ) اس کی عبارت یہ ہے: وکیل اس پر قادر ہے کہ موکل کا مقصود حاصل کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ موکل کے حال میں غور وفکر کرے۔ ''ح''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔ ''الکفایہ'' میں ہے: اگر یہ سوال کیا جائے گدھوں کی کئی اقسام ہیں ان میں سے ایک وہ قسم ہے جو بڑے لوگوں کی سواری کے لائق ہے ایک قسم وہ ہے جو مال لانے کے قابل ہوتی ہے ہم کہیں گے: یہ وصف میں اختلاف ہے ساتھ ہی یہ موکل کی حالت کی معرفت کے ساتھ معلوم ہو جائے گی یہاں تک کہ علما نے فرمایا: قاضی جب کسی انسان کو کہے کہ وہ قاضی کے لیے گدھا خریدے تو یہ وکالت اس طرف پھر جائے گی جس پر سواری کی جاتی ہے یہاں تک کہ اگر وہ ایسا گدھا خریدے جس کی دم کٹی ہوئی ہو یا جس کے کان کٹے ہوئے ہوں تو یہ اس کے لیے جائز نہ ہوگا۔

27315۔ (قولہ: الْقِسْمِ الْأَوَّلِ) یعنی جس میں تھوڑی جہالت ہو یہ محض نوع کی جہالت ہے۔

27316۔ (قولہ: دَارٍ أَوْ عَبْدٍ) دار (گھر) کو غلام کی طرح بنایا ہے یہ ''کنز'' کی تبع میں ہے۔ اور ''قاضی خان'' کے موافق ہے۔ لیکن ثمن کے بیان کے ساتھ محلہ کے بیان کی شرط لگائی ہے جس طرح ان کے فتاویٰ میں ہے جب کہ یہ ''ہدایہ'' کے مخالف ہے۔ کیونکہ انہوں نے گھر کو کپڑے کی طرح قرار دیا ہے کیونکہ گھر، اغراض، پڑوسیوں، منافع محل وقوع اور شہر کے مختلف ہونے کے ساتھ مختلف ہو جاتا ہے۔ ''المعراج'' میں یہ ذکر کیا ہے: یہ ''مبسوط'' کی روایت کے مخالف ہے۔ فرمایا: متاخرین نے کہا: ہمارے علاقوں میں محل وقوع کے بیان کے بغیر جائز نہیں۔ ''البحر'' میں یوں تطبیق دی ہے۔ ''ہدایہ'' میں جو قول ہے اسے اس پر محمول کیا جائے گا جب گھر ان میں فحش اختلاف کے ساتھ مختلف ہو اور دوسرے علماء کا قول اس کے علاوہ پر محمول کیا جائے گا۔

27317۔ (قولہ: أَوْ لَا) اس کی صورت یہ ہے کہ اس ثمن کی کئی انواع پائی جاتی ہیں۔

27318۔ (قولہ: وَهِيَ) یعنی جنس کی جہالت۔

(بِشِرَاءِ ثَوْبٍ أَوْ دَابَّةٍ) (لَا) يَصِحُّ وَإِنْ سَمَّى ثَمَنًا لِلْجَهَالَةِ الْفَاحِشَةِ (وَبِشِرَاءِ طَعَامٍ وَبَيَّنَ قَدْرَهُ أَوْ دَفَعَ ثَمَنَهُ وَقَعَ) فِي عُرْفِنَا (عَلَى الْمُعْتَادِ) الْمُهَيَّأِ (لِلْأَكْلِ) مِنْ كُلِّ مَطْعُومٍ يُمْكِنُ أَكْلُهُ بِلَا إِدَامٍ (كَلَحْمٍ مَطْبُوخٍ أَوْ مَشْوِيٍّ) وَبِهِ قَالَتِ الثَّلَاثَةُ، وَبِهِ يُفْتَى عَيْنِيٌّ وَغَيْرُهُ اعْتِبَارًا لِلْعُرْفِ كَمَا فِي الْيَمِينِ (وَفِي الْوَصِيَّةِ لَهُ) أَيْ لِشَخْصٍ (بِطَعَامٍ يَدْخُلُ كُلُّ مَطْعُومٍ) وَلَوْ دَوَاءً بِهِ حَلَاوَةٌ كَسَكَنْجَبِينَ بَزَّازِيَّةٌ (وَلِلْوَكِيلِ الرَّدُّ بِالْعَيْبِ مَا دَامَ الْمَبِيعُ فِي يَدِهِ) لِتَعَلُّقِ الْحُقُوقِ بِهِ

اسے کپڑا خریدنے یا دابہ خریدنے کے لیے وکیل بنائے تو یہ توکیل صحیح نہ ہوگی اگر چہ وہ ثمن کا ذکر کر دے۔ صحیح اس لیے نہ ہوگی کیونکہ جہالت فحش پائی جارہی ہے۔ کھانا خریدنے کے لیے توکیل بنائے اس کی مقدار ذکر کر دے یا اسے قیمت ادا کر دے تو ہمارے عرف میں یہ وکالت معتاد چیز پر واقع ہوگی جسے کھانے کے لیے تیار کیا گیا ہو وہ کسی بھی کھانے سے متعلق ہو جسے سالن کے بغیر کھانا ممکن ہو جیسے پکا ہوا گوشت یا بھونا ہوا گوشت تینوں ائمہ نے یہی کہا ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ یہ ''عینی'' اور دوسری کتب میں ہے۔ وہ اس معاملہ کو عرف پر قیاس کرتے ہیں جس طرح یمین میں ہے۔ جب کسی شخص کے لیے کھانے کی وصیت کی جائے تو ہر کھانا اس میں داخل ہو جائے گا اگر چہ وہ دوا ہو جس میں حلاوت ہے جیسے شکنجبین ''بزازیہ''۔ اور وکیل کو حق حاصل ہے کہ عیب کی وجہ سے مبیع واپس کر دے جب تک مبیع اس کے ہاتھ میں ہو۔ کیونکہ حقوق اس کے متعلق ہوتے ہیں

27319_(قولہ: بِشِرَاءِ ثَوْبٍ أَوْ دَابَّةٍ الخ) میں کہتا ہوں اس باب میں عنقریب متن میں آئے گا اگر وہ تعیین کے بغیر کسی شے کو خریدنے کے لیے کسی کو وکیل بناتا ہے تو خریداری وکیل کے لیے ہوگی مگر جب وہ موکل کے لیے اس کی نیت کرے یا موکل کے مال سے اسے خریدے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ وہ ثمن کا ذکر کرے یا فرع کا ذکر کرے، تامل۔ ان کا قول بغیر عینہ اس کے مقابل ہے کہ جن کی جنس بیان کرنے کے بعد اس کے عین کو بیان کرے۔

27320_(قولہ: فِي عُرْفِنَا) وراء النہر کے بعض مشائخ سے علماء نے نقل کیا ہے۔ ''بزازیہ'' میں کہا: ہمارے عرف میں وہ ہے جسے ہم نے ذکر کیا ہے۔ ''البحر'' میں کہا: لیکن قاہرہ کا عرف ان دونوں کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک طعام کا لفظ شوربے اور گوشت کے ساتھ پکائے گئے کھانے کے لیے بولا جاتا ہے۔

27321_(قولہ: بَزَّازِيَّةٌ) المنح میں یدخل کل مطعوم کے بعد کہا: جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔

''بزازیہ'' کی کتاب الایمان میں ہے: اس نے قسم کھائی وہ طعام نہیں کھائے گا اس نے دوائی کھائی جو طعام نہیں جیسے سقمونیا (قبض کشا دوا) تو وہ حانث نہیں ہوگا اگر اس میں شیرینی ہو جیسے شکنجبین تو وہ حانث ہو جائے گا۔ ''ہامش'' میں اسی طرح ہے۔ فلیتامل

27322_(قولہ: بِالْعَيْبِ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر وہ عیب پر راضی ہو تو یہ عقد اسے لازم ہو جائے گا۔ پھر موکل اگر چاہے تو اسے قبول کرلے اگر چاہے تو وکیل پر لازم کر دے۔ اگر وکیل کو ذمہ کرنے سے پہلے وہ چیز ہلاک ہو جاتی

(وَلِوَارِثِهِ أَوْ وَصِيِّهِ ذَلِكَ بَعْدَ مَوْتِهِ) مَوْتِ الْوَكِيلِ (فَإِنْ لَمْ يَكُونَا فَلِمُوَكِّلِهِ ذَلِكَ) أَيْ الرَّدُّ بِالْعَيْبِ وَكَذَا الْوَكِيلُ بِالْبَيْعِ وَهَذَا إِذَا لَمْ يُسَلِّمْهُ (فَلَوْ سَلَّمَهُ إِلَى مُوَكِّلِهِ امْتَنَعَ رَدُّهُ إِلَّا بِأَمْرِهِ) لِانْتِهَاءِ الْوَكَالَةِ بِالتَّسْلِيمِ بِخِلَافِ وَكِيلٍ بَاعَ فَاسِدًا فَلَهُ الْفَسْخُ مُطْلَقًا لِحَقِّ الشَّرْعِ قُنْيَةٌ (وَ) لِلْوَكِيلِ (حَبْسُ الْمَبِيعِ بِثَمَنٍ دَفَعَهُ) الْوَكِيلُ (مِنْ مَالِهِ أَوْلَا) بِالْأَوْلَى لِأَنَّهُ كَالْبَائِعِ (وَلَوْ اشْتَرَاهُ) الْوَكِيلُ (بِنَقْدٍ

اور وکیل کی موت کے بعد اس کے حقوق وکیل کے وارث یا اس کے وصی کے متعلق ہوتے ہیں اگر یہ دونوں (وارث اور وصی) نہ ہوں تو عیب کی وجہ سے لوٹانا موکل کا حق ہوتا ہے۔ اسی طرح بیع کے وکیل کا معاملہ ہے۔ یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب وہ اس کے سپرد نہ کرے اگر وہ موکل کے حوالے کر دے تو اس کا لوٹانا ممتنع ہوگا مگر جب موکل اس کا امر کرے کیونکہ سپرد کرنے کے ساتھ وکالت اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ اس وکیل کا معاملہ مختلف ہے جس نے بیع فاسد کے ساتھ کوئی چیز بیچی۔ اسے حق شرع کی وجہ سے مطلقاً فسخ کرنے کا حق ہوگا ''قنیہ''۔ وکیل کو حق حاصل ہے کہ وہ ثمن کے بدلے میں مبیع کو محبوس کر دے جو ثمن وکیل نے اپنے مال سے دے دی ہو یا نہ دی ہو یعنی وہ بدرجہ اولی ایسا کر سکتا ہے کیونکہ وہ بائع کی طرح ہے۔ اگر وکیل نے اس چیز کو نقداً خریدا

ہے تو وہ موکل کے مال سے ہلاک ہوگی۔ ''بزازیہ'' میں اسی طرح ہے۔

اور یہ قول اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے اگر وہ مبیع کا وکیل ہے اور مشتری نے اس میں عیب پایا جب تک وکیل عاقل ہے ذمہ داری اٹھانے والا ہے لوٹانا اس کی ذمہ داری ہوگی اگر وہ مجور ہو تو موکل کی ذمہ داری ہوگی۔

27323۔(قولہ: وَهَذَا الخ) متن کے قول ما دام المبیع فی یدہ کے ساتھ اس کی کوئی حاجت نہیں۔ ''ح''۔

27324۔(قولہ: مُطْلَقًا) یعنی اگر وہ اسے سپرد کر دے اور ثمن پر قبضہ کر لے اور موکل کے سپرد کر دے تو اس کی رضامندی کے بغیر ثمن واپس لے لے گا۔

27325۔(قولہ: حَبْسُ الْمَبِيعِ) وہ مبیع جو اس نے موکل کے لیے خریدا تھا۔ ''منح''۔

27326۔(قولہ: دَفَعَهُ) ''المنح'' میں کہا: اپنے اس قول دفعہ کے ساتھ قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر اس نے ثمن ادا نہ کی ہو تو بدرجہ اولی اسے روکنے کا حق ہوگا۔ کیونکہ ثمن دے دینے سے بعض اوقات یہ وہم ہوتا ہے وہ ثمن ادا کرنے میں تبرع کرنے والا ہے۔ پس وہ اسے اس وقت محبوس نہ کرے گا۔ محبوس کرنے کے ساتھ یہ بیان کیا کہ وہ تبرع کرنے والا نہیں اور اس نے جو ثمن ادا کی ہے اس موکل سے مطالبہ کرے گا اگرچہ اس نے صراحۃً اس کا حکم نہ دیا ہو۔ کیونکہ حکماً اس نے اذن دے دیا ہے۔

27327۔(قولہ: أَوْ لَا) یعنی ثمن نہ دی ہو۔

27328۔(قولہ: لِأَنَّهُ) یہ محبوس کرنے کی دلیل ہے یہ اولویت کی دلیل نہیں۔

27329۔(قولہ: بِنَقْدٍ) یعنی ثمن حال (جس کی ادائیگی فوراً لازم ہوتی ہے) کے ساتھ خریدے۔ اگر ثمن موجل کے

ثُمَّ أَجَلَهُ الْبَائِعُ كَانَ لِلْوَكِيلِ الْمُطَالَبَةُ بِهِ حَالًا) وَهِيَ الْحِيلَةُ خُلَاصَةٌ، وَلَوْ وَهَبَهُ كُلَّ الثَّمَنِ رَجَعَ بِكُلِّهِ، وَلَوْ بَعْضَهُ رَجَعَ بِالْبَاقِي؛ لِأَنَّهُ حَطٌّ بَحْرٌ (هَلَكَ الْمَبِيعُ مِنْ يَدِهِ قَبْلَ حَبْسِهِ هَلَكَ مِنْ مَالِ مُوَكِّلِهِ وَلَمْ يَسْقُطِ الثَّمَنُ)؛ لِأَنَّ يَدَهُ كَيَدِهِ (وَلَوْ) هَلَكَ (بَعْدَ حَبْسِهِ فَهُوَ كَمَبِيعٍ) فَيَهْلِكُ بِالثَّمَنِ، وَعِنْدَ الثَّانِي كَرَهْنٍ (وَلَا اعْتِبَارَ بِمُفَارَقَةِ الْمُوَكِّلِ) وَلَوْ حَاضِرًا كَمَا اعْتَمَدَهُ الْمُصَنِّفُ تَبَعًا لِلْبَحْرِ خِلَافًا لِلْعَيْنِيِّ وَابْنِ مَلَكٍ

پھر بائع نے اس کے لیے مدت معین کر دی وکیل کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اس کا مطالبہ اس وقت کرے یہی حیلہ ہے،''خلاصہ''۔ اگر بائع نے وکیل کو پوری ثمن ہبہ کر دی تو وکیل موکل سے پوری ثمن کا مطالبہ کرے گا۔ اگر بعض ثمن ہبہ کرے تو باقی ماندہ کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ یہ اس کی قیمت میں کمی کرنا ہے۔''بحر''۔ اگر مبیع محبوس کرنے سے پہلے وکیل کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا تو وہ موکل کے مال سے ہلاک ہوگا اور ثمن ساقط نہ ہوگی۔ کیونکہ وکیل کا قبضہ موکل کے قبضہ کی طرح ہے۔ اگر محبوس کرنے کے بعد ہلاک ہو جائے تو وہ مبیع کی طرح ہوگا پس وہ ثمن کے ساتھ ہلاک ہوگا۔ اور امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دین کی طرح ہلاک ہوگا۔ بیع صرف اور سلم میں موکل کی مفارقت کا کوئی اعتبار نہیں اگر چہ وہ حاضر ہو جس طرح مصنف نے''البحر'' کی پیروی میں اس پر اعتماد کیا ہے۔''عینی'' اور''ابن ملک'' نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

ساتھ خریدے تو موکل کے حق میں بھی وہ موجل ہو جائے گا پس وکیل کو فی الحال موکل سے طلب کرنے کا حق نہیں ہوگا۔''بحر''۔

(قولہ: وَهِيَ الْحِيلَةُ) یعنی وکیل کے بغیر موکل پر فی الحال ثمن لازم کرنے کا یہی حیلہ ہے ان کا قول ولو وھبہ یعنی اگر بائع وکیل کو ہبہ کر دے۔

27330۔ (قولہ: كُلَّ الثَّمَنِ) یعنی ایک ہی دفعہ تمام ثمن ہبہ کر دے۔''البحر'' میں کہا: اگر وہ اسے پانچ سو پھر باقی ماندہ پانچ سو ہبہ کرے تو وکیل آمر سے صرف دوسری دفعہ ہبہ کی جانے والی رقم کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ پہلی دفعہ ہبہ کی جانے والی رقم ثمن میں کمی کرنا ہے اور دوسری دفعہ ہبہ کی گئی رقم ہبہ ہے۔

27331۔ (قولہ: فَهُوَ كَمَبِيعٍ) یہ امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے یہ امام''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔''ابن کمال''۔

27332۔ (قولہ: كَرَهْنٍ) یعنی اس کی قیمت اور ثمن میں سے جو کم ہے اس کے ساتھ ہلاک ہوگا۔ امام''زفر'' کے نزدیک وہ غصب کی طرح ہے۔ اگر ثمن قیمت کے مساوی ہو تو کوئی اختلاف نہیں۔ اگر ثمن دس ہو اور قیمت پندرہ ہو تو امام''زفر'' کے نزدیک وہ پندرہ کا ضامن ہوگا۔ لیکن موکل وکیل سے پانچ کی واپسی کا مطالبہ کرے گا۔ باقی ائمہ کے نزدیک وہ دس کا ضامن ہوگا۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو وہ دس کا ضامن ہوگا اور موکل سے پانچ کا مطالبہ کرے گا۔ امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسی طرح ہے۔ کیونکہ دین کی ضمانت اس کی قیمت اور ثمن میں سے جو اقل ہو اس کے ساتھ دی جاتی ہے۔ امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی ضمانت ثمن کے ساتھ ہوگی وہ پندرہ ہے۔''ابن کمال''۔

27333۔ (قولہ: وَابْنِ مَلَكٍ) یعنی''ابن ملک'' اور''حدادی'' نے''المستصفی'' سے نقل کرتے ہوئے اختلاف کیا

(بَلْ بِمُفَارَقَةِ الْوَكِيلِ) وَلَوْ صَبِيًّا (فِي صَرْفٍ وَسَلَمٍ فَيَبْطُلُ الْعَقْدُ بِمُفَارَقَتِهِ صَاحِبَهُ قَبْلَ الْقَبْضِ)؛ لِأَنَّهُ الْعَاقِدُ، وَالْمُرَادُ بِالسَّلَمِ الْإِسْلَامُ لَا قَبُولُ السَّلَمِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ ابْنُ كَمَالٍ (وَالرَّسُولُ فِيهِمَا) أَيْ الصَّرْفِ وَالسَّلَمِ (لَا تُعْتَبَرُ مُفَارَقَتُهُ بَلْ مُفَارَقَةُ مُرْسِلِهِ)؛ لِأَنَّ الرِّسَالَةَ فِي الْعَقْدِ لَا الْقَبْضِ، وَاسْتُفِيدَ صِحَّةُ التَّوْكِيلِ بِهِمَا (وَكَّلَهُ بِشِرَاءِ عَشَرَةِ أَرْطَالِ لَحْمٍ بِدِرْهَمٍ فَاشْتَرَى

بلکہ وکیل کی مفارقت کا اعتبار ہے اگر چہ وہ بچہ ہو وکیل قبضہ سے پہلے صاحب عقد سے جدا ہو جائے تو عقد باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ وکیل ہی عقد کرنے والا ہوتا ہے۔ سلم سے مراد اسلام ہے قبول سلم نہیں۔ کیونکہ یہ جائز نہیں۔ ''ابن کمال''۔ بیع صرف اور بیع سلم میں قاصد کی مفارقت کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ بھیجنے والی کی مفارقت کا اعتبار ہے۔ کیونکہ پیغام رسانی عقد میں ہوتی ہے قبضہ میں نہیں ہوتی۔ دونوں میں وکیل بنانا صحیح ہے۔ اس نے دس رطل گوشت ایک رطل کے عوض خریدنے کا وکیل بنایا تو اس نے

ہے۔ ''دررالبحار'' میں اس پر گامزن ہوئے ہیں۔ صاحب ''النہایہ'' نے الامام ''خواہرزادہ'' کی طرف سے اسے منسوب کیا ہے۔ بیع کے معاملہ میں وکیل اصل ہے۔ موکل عقد کے وقت حاضر ہو یا حاضر نہ ہو۔ ''زیلعی'' نے کہا: ''مبسوط'' اور باقی کتب کا اطلاق اس امر کی دلیل ہے کہ موکل کی مفارقت اصلاً معتبر نہیں اگر چہ وہ حاضر ہو۔ مصنف ''البحر'' کی تبع میں جس پر گامزن ہوئے ہیں یہ اس کا منشا ہے۔ لیکن ''عینی'' نے اشکال کا جواب دیا ہے: وکیل نائب ہے جب اصل حاضر ہو تو نائب کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ ''حموی'' نے اس پر اعتراض کیا ہے۔ وکیل اصل عقد میں نائب ہے حقوق میں اصل ہے موکل کے حاضر ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس سے تو جان چکا ہوگا کہ شارح یعنی ''عینی'' نے جو ذکر کیا ہے وہ بے محل ہے۔

میں کہتا ہوں: جو اشکال کو اس کی اصل سے ختم کر دیتا ہے وہ وہ قول ہے جو شارح نے پہلے ''جوہرہ'' سے نقل کیا ہے: ذمہ داری ثمن لینے والے پر ہوتی ہے عاقد پر نہیں ہوتی اگر وہ دونوں حاضر ہوں۔ یہ اقوال میں سے اصح قول کے مطابق ہے۔ ''زیلعی'' اور صاحب ''العنایہ'' نے جو کچھ ذکر کیا ہے یہ دوسرے قول پر مبنی ہے جو یہ ہے کہ اس کے حاضر ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ وہی ہے جس پر پہلے ہی متن میں گامزن ہوئے ہیں۔ فتنبہ

27334۔ (قولہ: وَلَوْ صَبِيًّا) وہ مبالغہ کی صورت میں کلام لائے ہیں کیونکہ یہ ایسا محل ہے جو وہم دلاتا ہے کیونکہ حقوق اس کی طرف راجع نہیں ہوتا۔

27335۔ (قولہ: فَيَبْطُلُ الْعَقْدُ الخ) صاحب ہدایہ، کافی اور دوسرے متاخرین نے یہی کیا ہے۔ ''درر''۔ یہ مذکورہ ضابطہ پر تفریع ہے۔

27336۔ (قولہ: بِمُفَارَقَتِهِ) ضمیر سے مراد وکیل ہے وکیل کی مفارقت سے عقد باطل ہو جائے گا۔

27337۔ (قولہ: صَاحِبَهُ) اس سے مراد عقد کرنے والا ہے۔ ''منح''۔

27338۔ (قولہ: وَالْمُرَادُ الخ) ''زیلعی'' نے کہا: یہ بیع صرف میں اپنے اطلاق پر جاری کیا جائے گا۔ اس میں

ضِعْفَهُ بِدِرْهَمٍ مِمَّا يُبَاعُ مِنْهُ عَشَرَةٌ بِدِرْهَمٍ لَزِمَ الْمُوَكِّلَ مِنْهُ عَشَرَةٌ بِنِصْفِ دِرْهَمٍ) خِلَافًا لَهُمَا وَالثَّلَاثَةِ قُلْنَا إنَّهُ مَأْمُورٌ بِأَرْطَالٍ مُقَدَّرَةٍ فَيَنْفُذُ الزَّائِدُ عَلَى الْوَكِيلِ، وَلَوْ شَرَى مَا لَا يُسَاوِي ذَلِكَ وَقَعَ لِلْوَكِيلِ إجْمَاعًا كَغَيْرِ مَوْزُونٍ (وَلَوْ وَكَّلَهُ بِشِرَاءِ شَيْءٍ بِعَيْنِهِ) بِخِلَافِ الْوَكِيلِ بِالنِّكَاحِ إذَا تَزَوَّجَهَا لِنَفْسِهِ صَحَّ مُنْيَةٌ، وَالْفَرْقُ فِي الْوَانِيِّ

ایک درہم سے اس سے دگنا ایسا گوشت خرید لیا جو ایک درہم کے عوض دس رطل میں بیچا جاتا ہے تو موکل کو نصف درہم کے عوض دس رطل لازم ہوگا۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما اور تینوں دوسرے ائمہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں: اسے معین رطل خریدنے کا حکم دیا گیا تھا پس زائد مقدار وکیل پر نافذ ہوگی۔ اگر اس نے ایسا گوشت خریدا جو اس کے ہم پلہ نہ ہو تو بالاجماع جو عقد وکیل کے لیے ہوگا جیسے غیر وزنی چیز میں ہوتا ہے اگر موکل نے اسے معین شے کے خریدنے کے لیے وکیل بنایا۔ نکاح کے وکیل کا معاملہ مختلف ہے۔ جب وکیل اس عورت کے ساتھ خود نکاح کرے تو اس کا یہ نکاح صحیح ہوگا ''منیہ''۔ فرق ''وانی'' میں ہے:

جانبین سے وکیل بنانا جائز ہے۔ جہاں تک بیع سلم کا تعلق ہے تو یہ صرف راس المال دینے کے ساتھ جائز ہے۔ جہاں تک راس المال لینے کا تعلق ہے تو یہ جائز نہیں۔ کیونکہ وکیل جب رأس المال پر قبضہ کرلے تو مسلم فیہ اس کے ذمہ میں رہے گا۔ مسلم فیہ مبیع ہے اور رأس المال اس کی ثمن ہے جس طرح بیع العین میں ہوتا ہے۔ جب وکیل بنانا باطل ہوگیا تو وکیل اپنے لیے عقد کرنے والا ہوگا۔ پس مسلم فیہ اس کے ذمہ میں ہوگا اور راس المال اس کا مملوک ہوگا۔ جب وہ مالک بنانے کے طریقہ پر آمر کے سپرد کردے تو یہ قرض ہوگا۔

27339۔(قولہ: ضِعْفَهُ) تھوڑی سے زیادتی سے احتراز کیا ہے جس طرح دس رطل اور نصف۔ کیونکہ یہ تو آمر کو لازم ہوگی۔ کیونکہ یہ دو وارثوں کے درمیان داخل ہے۔ پس زیادتی کا حصول متحقق نہیں ہوتا۔ ''بحر'' میں ''غایۃ البیان'' سے مروی ہے۔

27340۔(قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک ایک درہم کے عوض اس پر بیس رطل لازم ہو جائیں گے۔ کیونکہ وہ اس نے مامور کو کیا ہے اور اس میں خیر کا اضافہ کیا ہے۔ ''منح''۔

27341۔(قولہ: كَغَيْرِ مَوْزُونٍ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ ذوات القیم میں موکل پر کوئی شے نافذ نہیں ہوتی۔ ''منح''۔

27342۔(قولہ: بِخِلَافِ الخ) اس کا محل ان کے قول لایشتریہ لنفسہ کے بعد ہے۔ ''ح''۔

27343۔(قولہ: وَالْفَرْقُ فِي الْوَانِيِّ) ''زیلعی'' نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ وہ نکاح جو وکالت کے تحت داخل ہے یہ ایسا نکاح ہے جو موکل کی طرف مضاف ہے جب وہ مخالفت کرے گا اور اسے اپنی ذات کی طرف منسوب کرے گا تو معزول ہو جائے گا۔ خریداری کا مسئلہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ مطلق ہے ہر ایک کی طرف مضاف ہونے کے اعتبار سے مقید نہیں۔

(غَيْرِ الْمُوَكِّلِ لَا يَشْتَرِيهِ لِنَفْسِهِ) وَلَا لِمُوَكِّلٍ آخَرَ بِالْأَوْلَى (عِنْدَ غَيْبَتِهِ حَيْثُ لَمْ يَكُنْ مُخَالِفًا دَفْعًا لِلْغَرَرِ) فَلَوْ اشْتَرَاهُ
وہ معین شے موکل کا غیر ہو تو وکیل اس چیز کو اپنے لیے نہ خریدے اور کسی دوسرے موکل کے لیے بدرجہ اولیٰ نہ خریدے جب وہ موکل غائب ہو

27344۔ (قولہ: غَيْرِ الْمُوَكِّلِ) غیر مجرور ہے شیء کی صفت ہے اور یہ صفت مخصصہ ہے۔ نصب کی صورت میں یہ شے سے مستثنیٰ ہوگا یا حال ہوگا۔ "المنح" میں کہا: غیر موکل کی قید لگائی ہے تاکہ اس سے احتراز ہو جائے جب غلام اسے وکیل بنائے جو اسے اس کے آقا سے خریدے۔ یا غلام کو وکیل بنایا کہ وہ اس کے لیے اپنے آپ کو اپنے آقا سے خریدے۔ پس اس نے اسے خرید لیا تو یہ آمر (موکل) کے لیے نہ ہوگا جب تک وہ آقا کے لیے اس کے لیے تصریح نہیں کرے گا کہ وہ دونوں صورتوں میں آمر کے لیے خرید رہا ہے جب کہ یہ معین شے کی خریداری کے لیے وکیل ہے اسی دلیل کی وجہ سے جو عنقریب آئے گی گویا احتراز کی صورت ان دونوں صورتوں میں ہے جن کا ذکر انہوں نے کیا ہے اس اعتبار سے کہ موکل کا لفظ اسم فاعل اور اسم مفعول ہونے کا احتمال رکھتا ہے۔ اس میں جو ضعف ہے وہ مخفی نہیں۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ کہتے: غیر الموکل والموکل۔

27345۔ (قولہ: لَا يَشْتَرِيهِ لِنَفْسِهِ) اس کے حضور کے بغیر اسے اپنے لیے نہیں خریدے گا۔ "باقانی"۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27346۔ (قولہ: بِالْأَوْلَى) "البحر" میں اس کی وضاحت کی ہے۔

27347۔ (قولہ: دَفْعًا لِلْغَرَرِ) "باقانی" نے کہا: کیونکہ یہ صورت موکل کو دھوکا دینے کی طرف لے جاتی ہے کیونکہ اس پر اعتماد کیا ہے نیز کیونکہ اس میں اپنے آپ کو معزول کرنا لازم آتا ہے جس طرح کہا گیا ہے وہ اس کا مالک نہ ہوگا مگر جب وہ موکل کی موجودگی میں اسے خریدے۔ "ہدایہ" میں اسی طرح ہے۔ کذا فی الھامش

اس میں ہے: بیع کا وکیل اس چیز کو اپنے لیے خریدنے کا مالک نہیں۔ کیونکہ ایک آدمی مشتری اور بائع نہیں ہوسکتا۔ پس وہ اسے کسی اور کے ہاتھ بیچے پھر اس سے وہ چیز خریدے۔ اگر موکل نے اسے حکم دیا کہ وہ اسے اپنے ہاتھ میں سے بیچ دے، اپنے چھوٹے بچے کے ہاتھ بیچ دے یا اس کے ہاتھ میں جس کی گواہی اس کے لیے قبول نہ ہوتی ہو تو وہ اس کے ہاتھ میں بیچ دے تو یہ جائز ہوگا۔ "بزازیہ"، "حامدیہ"۔

جب اس نے وکیل بنایا کہ وہ اس کے لیے معین غلام، معین ثمن کے بدلے میں خریدے وکیل نے وکالت کو قبول کر لیا پھر وہ موکل کے پاس سے نکلا اور اپنی ذات پر گواہ بنایا کہ اس نے یہ غلام اپنے لیے خریدا ہے پھر اس کی مثل ثمن کے بدلے میں غلام خریدا تو وہ غلام موکل کے لیے ہوگا۔ "فتاویٰ ہندیہ"۔

27348۔ (قولہ: فَلَوْ اشْتَرَاهُ) یہ ان کے قول حیث لم یکن مخالفا پر تفریع ہے۔

بِغَيْرِ النُّقُودِ (أَوْ بِخِلَافِ مَا سَمَّى) الْمُوَكِّلُ (لَهُ مِنَ الثَّمَنِ وَقَعَ) الشِّرَاءُ (لِلْوَكِيلِ) لِمُخَالَفَتِهِ أَمْرَهُ وَيَنْعَزِلُ فِي ضِمْنِ الْمُخَالَفَةِ عَيْنِيٌّ (وَإِنْ) بِشِرَاءِ شَيْءٍ (بِغَيْرِ عَيْنِهِ فَالشِّرَاءُ لِلْوَكِيلِ إِلَّا إِذَا نَوَاهُ لِلْمُوَكِّلِ) وَقْتَ الشِّرَاءِ (أَوْ شِرَاهُ بِمَالِهِ) أَيْ بِمَالِ الْمُوَكِّلِ، وَلَوْ تَكَاذَبَا فِي النِّيَّةِ حُكِمَ بِالنَّقْدِ إِجْمَاعًا، وَلَوْ تَوَافَقَا أَنَّهَا لَمْ تَحْضُرْهُ فَرِوَايَتَانِ (زَعَمَ أَنَّهُ اشْتَرَى عَبْدًا لِمُوَكِّلِهِ

تا کہ اس کی مخالفت کرنے والا نہ ہو تا کہ وہ دھوکا و فریب ختم کرے۔ اگر اس نے نقدی کے بغیر یا موکل نے جس ثمن کا ذکر کیا تھا اس کے علاوہ سے وہ شے خریدی تو یہ خریداری وکیل کے لیے واقع ہوگی۔ کیونکہ وکیل نے موکل کے امر کی مخالفت کی ہے اور مخالفت کے ضمن میں وہ معزول ہو جائے گا۔ ''عینی''۔ اگر غیر معین چیز کو خریدا تو خریداری وکیل کے لیے ہوگی مگر جب وہ خریداری کے وقت موکل کے لیے اس کی نیت کرے یا موکل کے مال سے اسے خریدے اگر نیت میں ایک دوسرے کو جھٹلائیں تو بالاجماع حکم نقد پر ہوگا یعنی نقد کی صورت میں موکل کے خریداری کا حکم لگایا جائے گا اگر دونوں موافقت کریں کہ نیت نہیں تو دو روایتیں ہیں۔ وکیل نے یہ گمان کیا کہ اس نے غلام موکل کے لیے خریدا ہے

27349۔ (قولہ: بِغَيْرِ النُّقُودِ) یعنی جب ثمن معین نہ ہو۔

27350۔ (قولہ: أَوْ بِخِلَافِ) یہ قول جنس اور قدر میں مخالفت کو شامل ہے۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ اسے ''البحر'' میں دیکھیے۔

27351۔ (قولہ: مَا سَمَّى) اگر ثمن معین کر دی گئی ہو۔

27352۔ (قولہ: فَالشِّرَاءُ لِلْوَكِيلِ) مسئلہ کی کئی صورتیں ہیں جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے: اگر وہ عقد کو دونوں میں سے ایک کے مال کی طرف منسوب کرے تو خریدی گئی چیز اس کی ہوگی۔ اگر اسے مال مطلق کی طرف منسوب کرے اگر وہ خریدتے وقت آمر کی نیت کرے تو وہ چیز آمر کے لیے ہوگی اگر وہ اس کی نیت اپنے لیے کرے تو وہ وکیل کے لیے ہوگی۔ اگر وہ نیت کے بارے میں ایک دوسرے کو جھٹلائیں تو بالاجماع حکم نقد پر ہوگا۔ یعنی نقد ہی کی صورت میں موکل کے لیے فیصلہ ہوگا۔ اگر نیت نہ ہونے پر دونوں موافقت کریں تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد عاقد کے لیے ہوگا اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نقد کا حکم لگایا جائے گا۔

اس بحث سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ موکل کے لیے نیت کا محل اس صورت میں ہے جب وہ اسے مطلق مال کی طرف منسوب کرے خواہ اپنے مال سے نقد دے یا موکل کے مال سے نقد دے۔ اسی طرح ان کا قول: ولو تکاذبا اور ان کا قول: ولو توافقا اس کا محل اس صورت میں ہے جب وہ اسے مطلق مال کی طرف منسوب کرے۔ لیکن پہلی صورت بالاجماع نقد کا حکم لگایا جائے گا اور دوسری صورت میں سابقہ اختلاف پر ہی حکم لگایا جائے گا۔

27353۔ (قولہ: أَوْ شِرَاهُ) اس کا معنی یہ ہے وہ عقد کو اپنے مال کی طرف منسوب کرے نہ کہ اس کا معنی ہے اپنے مال

فَهَلَكَ وَقَالَ مُوَكِّلُهُ بَلْ شَرَيْتَهُ لِنَفْسِكَ، فَإِنْ) كَانَ الْعَبْدُ (مُعَيَّنًا وَهُوَ حَيٌّ) قَائِمٌ (فَالْقَوْلُ لِلْمَأْمُورِ مُطْلَقًا إجْمَاعًا نَقَدَ الثَّمَنَ أَوْ لَا) لِإِخْبَارِهِ عَنْ أَمْرٍ يَمْلِكُ اسْتِئْنَافَهُ (وَإِنْ مَيِّتًا وَ) الْحَالُ أَنَّ (الثَّمَنَ مَنْقُودٌ فَكَذَلِكَ) الْحُكْمُ (وَإِلَّا) يَكُنْ مَنْقُودًا (فَالْقَوْلُ لِلْمُوَكِّلِ)؛ لِأَنَّهُ يُنْكِرُ الرُّجُوعَ عَلَيْهِ (وَإِنْ) الْعَبْدُ (غَيْرَ مُعَيَّنٍ) وَهُوَ حَيٌّ أَوْ مَيِّتٌ (فَكَذَا) أَيْ يَكُونُ لِلْمَأْمُورِ (إنْ) الثَّمَنُ مَنْقُودًا)؛ لِأَنَّهُ أَمِينٌ (وَإِلَّا فَلِلْآمِرِ)

تو وہ غلام مرگیا اس کے موکل نے کہا: تو نے وہ غلام اپنے لیے خریدا تھا اگر غلام معین ہو اور وہ زندہ و قائم ہو تو قول بالاجماع مطلقاً مامور کا معتبر ہوگا ثمن نقد دی تھی یا نہیں دی تھی۔ کیونکہ وہ ایسے امر کی خبر دے رہا ہے جو نئے سرے سے واقع کر سکتا ہے۔ اگر وہ غلام مرگیا ہو جب کہ حال یہ ہے کہ ثمن نقد دی گئی تھی تو حکم اسی طرح ہوگا۔ اگر ثمن نقد نہ دی گئی ہو تو قول موکل کا معتبر ہو گا۔ کیونکہ وہ اپنے ثمن کے رجوع کا منکر ہے۔ اگر غلام غیر معین ہو جب کہ وہ غلام زندہ ہو یا مردہ ہو تو حکم اسی طرح ہوگا یعنی وہ قول مامور کا ہوگا اگر ثمن نقد دی گئی ہو۔ کیونکہ وکیل دین ہے ورنہ قول آمر کا معتبر ہوگا۔

سے نقد دے۔ ''بحر''۔

27354۔ (قولہ: فَهَلَكَ) صحیح یہ تھا کہ اس قول کو ساقط کیا جاتا۔ کیونکہ ان کا قول ہے وھو حی جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں ہے اس میں انہوں نے صاحب ''الدرر'' اور ''صدرالشریعہ'' کی پیروی کی ہے۔

27355۔ (قولہ: قَائِمٌ) اس قول کی کوئی حاجت نہیں۔ شاید یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ ہر اعتبار سے قائم ہے تا کہ اس کے ساتھ اس سے احتراز کیا جائے جب اس میں عیب واقع ہو۔ کیونکہ ہر چیز ہلاک ہونے کی طرح ہے جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔ تامل

27356۔ (قولہ: لِلْمَأْمُورِ) یعنی قسم کے ساتھ قول مامور کا معتبر ہوگا۔ ''یعقوبیہ''۔

27357۔ (قولہ: وَإِلَّا يَكُنْ مَنْقُودًا) خواہ غلام زندہ ہو یا مردہ ہو، ''ح''۔ اس میں ہے: زندہ کی صورت گزر چکی ہے اور یہ صورت مردہ میں ہے۔

27358۔ (قولہ: أَيْ يَكُونُ) یعنی قول مامور کا معتبر ہوگا۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27359۔ (قولہ: وَإِلَّا فَلِلْآمِرِ) مذکورہ مسئلہ کا ماحصل آٹھ صورتوں پر ہے جس طرح ''زیلعی'' نے کہا ہے: یا تو اسے معین غلام یا غیر معین غلام خریدنے کا امر کیا جائے گا۔ پھر ہر ایک کی دو صورتیں ہیں: یا تو غلام زندہ ہوگا جب وکیل خریداری کی خبر دے یا وہ غلام مرگیا ہوگا۔ پھر کہا: اس کا حاصل یہ ہے: اگر ثمن نقد دی گئی ہو تو تمام صورتوں میں قول وکیل کا معتبر ہوگا۔ اگر ثمن نقد نہ دی گئی ہو تو دیکھا جائے گا اگر وکیل اس عقد کو نئے سرے سے واقع کرنے کا مالک نہیں ہوگا اس کی صورت یہ ہے کہ وہ مردہ ہو تو قول آمر کا معتبر ہوگا۔ اگر وہ اسے نئے سرے سے واقع کرنے کا مالک ہو تو ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک قول مامور (وکیل) کا معتبر ہوگا۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی صورتحال اسی طرح ہے جب تہمت کا موقع نہ ہو۔ اور تہمت کے موقع و محل میں قول آمر کا معتبر ہوگا۔

لِلتُّهْمَةِ خِلَافًا لَهُمَا (قَالَ بِعْنِي هَذَا لِعَمْرٍو فَبَاعَهُ ثُمَّ أَنْكَرَ الْأَمْرَ) أَيْ أَنْكَرَ الْمُشْتَرِي أَنَّ عَمْرًا أَمَرَهُ بِالشِّرَاءِ (أَخَذَهُ عَمْرٌو وَلَغَا إِنْكَارُهُ) الْأَمْرَ لِمُنَاقَضَتِهِ لِإِقْرَارِهِ بِتَوْكِيلِهِ بِقَوْلِهِ بِعْنِي لِعَمْرٍو (إِلَّا أَنْ يَقُولَ عَمْرٌو لَمْ آمُرْهُ بِهِ) أَيْ بِالشِّرَاءِ (فَلَا يَأْخُذُهُ عَمْرٌو؛ لِأَنَّ إِقْرَارَ الْمُشْتَرِي ارْتَدَّ بِرَدِّهِ (إِلَّا أَنْ يُسَلِّمَهُ الْمُشْتَرِي إِلَيْهِ) أَيْ إِلَى عَمْرٍو: لِأَنَّ التَّسْلِيمَ عَلَى وَجْهِ الْبَيْعِ بَيْعٌ بِالتَّعَاطِي، وَإِنْ لَمْ يُوجَدْ نَقْدُ الثَّمَنِ لِلْعُرْفِ (أَمَرَهُ بِشِرَاءِ شَيْئَيْنِ مُعَيَّنَيْنِ) أَوْ غَيْرِ مُعَيَّنَيْنِ إِذَا نَوَاهُ لِلْمُوَكِّلِ كَمَا مَرَّ بَحْرٌ (وَ) الْحَالُ أَنَّهُ (لَمْ يُسَمِّ ثَمَنًا فَاشْتَرَى لَهُ أَحَدَهُمَا بِقَدْرِ قِيمَتِهِ أَوْ بِزِيَادَةٍ) يَسِيرَةٍ (يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيهَا صَحَّ)

کیونکہ تہمت پائی جارہی ہے۔ ''صاحبین'' رحمہااللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ وکیل نے کہا: یہ غلام عمرو کے لیے میرے ہاتھ بیچ دو بائع نے وہ غلام اس کے ہاتھ بیچ دیا پھر امر کا انکار کر دیا یعنی مشتری نے یہ انکار کر دیا کہ عمرو نے اسے خریدنے کا حکم دیا تھا عمرو اسے لے لے گا اور اس کا انکار لغو چلا جائے گا۔ کیونکہ وہ اپنے انکار کو اپنی توکیل کے ساتھ اقرار کے مناقض کر رہا ہے۔ توکیل کا اقرار اس کا یہ قول تھا: بعنی لعمرو۔ مگر جب عمرو یہ کہہ دے: میں نے اسے خریداری کا حکم نہیں دیا تو عمرو وہ نہیں لے گا۔ کیونکہ مشتری کا اقرار اس کے رد کرنے سے رد ہو جائے گا مگر جب مشتری وہ چیز عمرو کے حوالہ کر دے۔ کیونکہ بیع کے طریقہ پر کسی شے کو سپرد کرنا باہم لین دین والی بیع ہے اگرچہ نقد ثمن نہ پائی جائے کیونکہ عرف یہی ہے۔ موکل نے وکیل کو دو معین یا دو غیر معین چیزوں کے خریدنے کا حکم دیا جب وکیل خریدتے وقت موکل کے لیے نیت کرے جس طرح پہلے گزر چکا ہے جب کہ حال یہ ہے اس نے ثمن کا ذکر نہ کیا تھا وکیل نے ان دونوں میں سے ایک موکل کے لیے خریدی اس کی قیمت کے معیار سے تھوڑی زائد سے جس میں لوگ باہم غبن کرتے ہیں یہ آمر کی جانب سے عقد کا ہونا صحیح ہو جائے گا

27360۔(قولہ: لِلتُّهْمَةِ) اس میں احتمال ہے کہ اس نے غلام اپنے لیے خریدا ہو جب وکیل عقد میں خسارہ دیکھے تو وہ اسے موکل پر لازم کرنے کا ارادہ کرے، ''ح''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27361۔(قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) اختلاف صرف اس صورت میں ہے جب آمر منکر ہو زندہ ہو اور ثمن نقد نہ دی گئی ہو، ''ح''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27362۔(قولہ: بِقَوْلِهِ بِعْنِي الخ) یہ ان کے قول بتوکیلہ سے بدل ہے۔

27363۔(قولہ: أَوْ غَيْرِ مُعَيَّنَيْنِ) اس میں ''ابوسعود'' نے بحث کی ہے۔ ہم نے ''البحر'' پر جو تعلیقات لکھی ہیں اسے دیکھ لیجئے۔

27364۔(قولہ: إِذَا نَوَاهُ) یہ صرف دو غیر معین چیزوں میں قید ہے، ''ح''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27365۔(قولہ: كَمَا مَرَّ) قریب ہی ان کے قول: وان بغیر عینه فالشراء للوکیل الا اذا نواه للموکل میں گزر چکا ہے۔

عَنِ الْآمِرِ (وَإِلَّا لَا) إِذْ لَيْسَ لِوَكِيلِ الشِّرَاءِ الشِّرَاءُ بِغَبْنٍ فَاحِشٍ إِجْمَاعًا، بِخِلَافِ وَكِيلِ الْبَيْعِ كَمَا سَيَجِيءُ (وَ) كَذَا (بِشِرَائِهِمَا) وَقِيمَتُهُمَا سَوَاءٌ فَاشْتَرَى أَحَدَهُمَا بِنِصْفِهِ أَوْ أَقَلَّ صَحَّ وَ (لَوْ بِالْأَكْثَرِ وَلَوْ يَسِيرًا (لَا) يَلْزَمُ الْآمِرَ (إِلَّا أَنْ يَشْتَرِيَ الثَّانِيَ) مِنَ الْمُعَيَّنَيْنِ مَثَلًا (بِمَا بَقِيَ) مِنَ الْأَلْفِ (قَبْلَ الْخُصُومَةِ) لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ، وَجَوَّزَاهُ إِنْ بَقِيَ مَا يُشْتَرَى بِمِثْلِهِ الْآخَرُ (وَ) لَوْ أَمَرَ رَجُلًا مَدْيُونَهُ (بِشِرَاءِ شَيْءٍ) مُعَيَّنٍ (بِدَيْنٍ لَهُ عَلَيْهِ وَعَيَّنَهُ أَوْ عَيَّنَ (الْبَائِعَ صَحَّ) وَجُعِلَ الْبَائِعُ وَكِيلًا بِالْقَبْضِ دَلَالَةً فَيَبْرَأُ الْغَرِيمُ بِالتَّسْلِيمِ إِلَيْهِ، بِخِلَافِ غَيْرِ الْمُعَيَّنِ: لِأَنَّ تَوْكِيلَ الْمَجْهُولِ بَاطِلٌ وَلِذَا قَالَ (وَإِلَّا) يُعَيِّنْ (فَلَا) يَلْزَمُ الْآمِرَ (وَنَفَذَ عَلَى الْمَأْمُورِ) فَهَلَاكُهُ عَلَيْهِ خِلَافًا لَهُمَا. وَكَذَا الْخِلَافُ لَوْ أَمَرَهُ أَنْ يُسْلِمَ مَا عَلَيْهِ

ورنہ آمر کی جانب سے عقد نہیں ہوگا۔ کیونکہ وکیل کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ غبن فاحش کے ساتھ اسے خریدے۔ اس پر اجماع ہے۔ بیع کے وکیل کا معاملہ مختلف ہے جس طرح عنقریب آئے گا۔ اسی طرح وہ ان دونوں چیزوں کو ہزار کے بدلے میں خریدنے کا حکم دیتا ہے جبکہ ان دونوں کی قیمت برابر ہے پس اس نے دونوں میں سے ایک کو اس کے نصف یا اس سے کم سے خریدا تو یہ صحیح ہو جائے گا۔ اگر وہ قیمت سے تھوڑا زائد کے ساتھ خریدے تو آمر کو وہ عقد لازم نہیں ہوگا۔ مگر خصومت سے قبل ہزار میں سے باقی ماندہ سے دوسرا معین خرید لے۔ کیونکہ اس کا مقصود حاصل ہو گیا ہے۔ اگر ہزار میں سے اتنا باقی ہو جس کے ساتھ دوسرا خریدا جا سکتا ہے تو "صاحبین" رحمہما اللہ نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ اگر ایک آدمی نے اپنے مقروض کو معین شے کو اس دین کے بدلے میں خریدنے کا حکم دیا جو دین اس کا مقروض کے ذمہ ہے اس شے کو معین کر دیا یا بائع کو معین کر دیا تو یہ صحیح ہوگا۔ وکیل کو دلالت کے اعتبار سے قبضہ کرنے کا وکیل بنا دیا جائے گا۔ پس وہ چیز اس کے سپرد کرے گی تو مقروض بری ہو جائے گا۔ غیر معین کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ مجہول کو وکیل بنانا باطل ہے۔ اسی وجہ سے کہا: اگر معین نہ کیا تو یہ عقد آمر پر لازم نہ ہوگا۔ اور وہ عقد مامور پر نافذ ہو جائے گا۔ اس شے کی ہلاکت مامور کے ذمہ ہوگی۔ "صاحبین" رحمہما اللہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اسی طرح اختلاف کی صورت ہے کہ ایک آدمی نے مدیون کو حکم دیا کہ اس کے ذمہ جو ثمن ہے

27366_(قولہ: عَنِ الْآمِرِ) کیونکہ توکیل مطلق ہے یعنی معیت کی قید سے مطلق ہے بعض اوقات دونوں کی تحقیق نہیں ہوتی۔

27367_(قولہ: مُعَيَّنٍ) مصنف کے قول وعینہ کے ساتھ اس کی وضاحت نہیں کی گئی۔

27368_(قولہ: وَإِلَّا يُعَيِّنْ) یعنی مبیع کو معین کرے اور نہ ہی بائع کو معین کرے۔

27369_(قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) "صاحبین" رحمہما اللہ نے فرمایا: یہ عقد آمر کو لازم ہو جائے گا جب مامور اس پر قبضہ کر لے۔ "بحر"۔

27370_(قولہ: عَلَيْهِ) یعنی جو اس کے ذمہ دین ہے اس کے ساتھ بیع سلم کرے۔ "بحر"۔ اس کی صورت یہ ہے۔

أَوْ يَصْرِفَهُ بِنَاءً عَلَى تَعَيُّنِ النُّقُودِ فِي الْوَكَالَاتِ عِنْدَهُ وَعَدَمِ تَعَيُّنِهَا فِي الْمُعَاوَضَاتِ عِنْدَهُمَا (وَلَوْ أَمَرَهُ) أَيْ أَمَرَ رَجُلٌ مَدْيُونَهُ (بِالتَّصَدُّقِ بِمَا عَلَيْهِ صَحَّ) أَمْرُهُ بِجَعْلِهِ الْمَالَ لِلّٰهِ تَعَالَى وَهُوَ مَعْلُومٌ (كَمَا) صَحَّ أَمْرُهُ (لَوْ أَمَرَ الْآجِرُ) (الْمُسْتَأْجِرَ بِمَرَمَّةِ مَا اسْتَأْجَرَهُ مِمَّا عَلَيْهِ مِنْ الْأُجْرَةِ) وَكَذَا لَوْ أَمَرَهُ بِشِرَاءِ عَبْدٍ يَسُوقُ الدَّابَّةَ وَيُنْفِقُ عَلَيْهَا صَحَّ اتِّفَاقًا لِلضَّرُورَةِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَجِدُ الْآجِرَ كُلَّ وَقْتٍ فَجُعِلَ الْمُؤْجَرُ كَالْمُؤْجِرِ فِي الْقَبْضِ قُلْتُ وَفِي شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ لِقَاضِي خَانَ إنْ كَانَ ذَلِكَ قَبْلَ وُجُوبِ الْأُجْرَةِ لَا يَجُوزُ،

اس میں بیع سلم یا بیع صرف کرے۔ یہ اس پر مبنی ہوگا کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وکالتوں میں نقود متعین ہوتی ہیں اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک معاوضات میں نقود متعین نہیں ہوتیں۔ اگر کوئی آدمی اپنے مدیون کو یہ کہے کہ اس کا جو دین مدیون کے ذمہ لازم ہے وہ صدقہ کردے تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنا وہ مال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دے دیا ہے جو معلوم ہے جس طرح اس کا امر صحیح ہے اگر اجرت پر دینے والا اجرت پر لینے والے کو کہے کہ اس کے ذمہ جو اجرت ہے اس سے اس چیز کو مرمت کردے جو اس نے اجرت پر لی تھی۔ اسی طرح یہ صحیح ہوگا کہ وہ اسے ایسا غلام خریدنے کا حکم دے جو جانور کو ہانکے اور ان پر خرچ کرے یہ بالاتفاق صحیح ہے۔ کیونکہ اس میں ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ اجر کو ہر وقت نہیں پاتا۔ پس مؤجر کو قبضہ کرنے میں مؤجر کی طرح بنا دیا جائے گا۔ میں کہتا ہوں، ''قاضی خان'' کی ''شرح الجامع الصغیر'' میں ہے: اگر یہ امر اجرت کے واجب ہونے سے پہلے ہو تو یہ جائز نہیں ہوگا۔

موکل اسے کہے: وہ دین جو میرا تیرے ذمہ لازم ہے اس کے ساتھ فلاں سے بیع سلم کرلے تو یہ جائز ہے اگر وہ فلاں (بائع) کو معین نہ کرے تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ جائز نہ ہوگا۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک کوئی بھی صورت ہو یہ جائز ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ اسے کہے کہ اس کے ذمہ جو اس کا دین ہے اس کے ساتھ بیع صرف کرے۔ ''زیلعی''۔

27371۔ (قولہ: أَوْ يَصْرِفَهُ) یعنی وہ بیع صرف کرے، ''ح''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27372۔ (قولہ: فِي الْوَكَالَاتِ عِنْدَهُ) اسی وجہ سے اسے نقود یا دین کی قید کے ساتھ مقید کیا ہے پھر عین ہلاک ہوگیا اور دین ساقط ہوگیا تو وکالت باطل ہوجائے گی۔ جب یہ نقود اس میں متعین ہوگئیں تو یہ اسے دین کا مالک بنانا ہے جس پر دین لازم نہیں جب کہ یہ جائز نہیں مگر جب وہ اسے اس دین پر قبضہ کرنے کا وکیل بنائے پھر اپنے لیے قبضہ کرنے کا وکیل بنائے اور مجہول کا وکیل بنانا یہ جائز نہیں ہوتا۔ پس یہ امر باطل ہوجائے گا یا یہ قبضہ سے پہلے اس شے کی بیع صرف کا امر ہوگا جس کا مالک وہ قبضہ کرنے کے ساتھ ہوتا ہے۔ ''زیلعی''۔

27373۔ (قولہ: فِي الْمُعَاوَضَاتِ) وہ نقود عین ہوں یا دین ہوں۔

27374۔ (قولہ: فَجُعِلَ الْمُؤْجَرُ) موجر کا لفظ فتحہ کے ساتھ اسم مفعول کا صیغہ ہے اس سے مراد گھر ہے مثلاً۔

27375۔ (قولہ: كَالْمُؤْجِرِ) یہ کسرہ کے ساتھ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔

وَبَعْدَ الْوُجُوبِ قِيلَ عَلَى الْخِلَافِ إلَخْ فَرَاجِعْهُ (وَ) لَوْ أَمَرَهُ (بِشِرَائِهِ بِأَلْفٍ وَدَفَعَ) الْأَلْفَ (فَاشْتَرَى وَقِيمَتُهُ كَذَلِكَ) فَقَالَ الْآمِرُ (اشْتَرَيْتَ بِنِصْفِهِ وَقَالَ الْمَأْمُورُ) بَلْ (بِكُلِّهِ صُدِّقَ)؛ لِأَنَّهُ أَمِينٌ (وَإِنْ) كَانَ (قِيمَتُهُ نِصْفَهُ فَ) الْقَوْلُ (لِلْآمِرِ بِلَا يَمِينٍ) دُرَرٌ، وَابْنُ كَمَالٍ تَبَعًا لِصَدْرِ الشَّرِيعَةِ حَيْثُ قَالَ صُدِّقَ فِي الْكُلِّ بِغَيْرِ الْحَلِفِ وَتَبِعَهُمْ الْمُصَنِّفُ

اورواجب ہونے کے بعد ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں اختلاف ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ اگر اس نے وکیل کو حکم دیا تھا کہ وہ ہزار کے بدلے میں خریدے اور ہزار دے دے وکیل نے غلام خریدا جب کہ اس کی قیمت اسی طرح تھی آمر نے کہا: تو نے ہزار کے نصف سے خریدا ہے مامور نے کہا: بلکہ میں نے پورے ہزار سے خریدا ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ وہ امین ہے اگر چہ اس کی قیمت ہزار کا نصف ہو اور قول آمر کا قسم کے بغیر معتبر ہوگا۔ ''درر''، ''ابن کمال'' یہ ''صدر الشریعہ'' کی اتباع میں کہا۔ کیونکہ انہوں نے کہا: سب صورتوں میں قسم کے بغیر اس کا قول معتبر ہوگا۔ مصنف نے ان کی پیروی کی ہے۔

27376۔(قولہ: فَرَاجِعْهُ) میں کہتا ہوں: مذکورہ شرح میں اس جگہ جو میں نے دیکھا ہے وہ اس کی مثل ہے جسے میں نے پہلے بیان کر دیا ہے۔ اس کی نص یہ ہے: جہاں تک حمام وغیرہ کو اجرت دینے کا مسئلہ ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے۔ اگر یہ سب کا قول ہو تو یہ ضرورت کے اعتبار سے جائز ہوگا۔ کیونکہ مستاجر آجر کو ہر وقت نہیں پاتا پس ہم نے حمام کو قبض میں آجر کے قائم مقام کر دیا ہے۔ میں نے اس عبارت کو اس میں نہیں پایا۔ لیکن ہاتف نے جو ذکر کیا ہے یہ عبارت اس کے مخالف نہیں۔ کیونکہ اجرت پوری طرف منفعت لینے کے بعد واقع ہوتی ہے یا اجرت پہلے ادا کرنے کی شرط کے ساتھ واجب ہوتی ہے۔ متن کے قول مما علیہ من الاجرۃ کا یہی معنی ہے۔

27377۔(قولہ: لِلْآمِرِ) وہ قول مامور پر نافذ ہو جائے گا۔ ''زیلعی''۔

وکیل کا قول اس کی قسم کے ساتھ قبول کیا جائے گا

27378۔(قولہ: بِلَا يَمِينٍ) ''الاشباہ'' میں ہے: ہر وہ شخص جس کا قول قبول کیا جاتا ہو اس پر قسم لازم ہوتی ہے۔ مگر دس مسائل میں ایسا نہیں ہوتا اور ان دس کا شمار کیا یہاں جس کا ذکر کیا ہے وہ ان دس میں سے نہیں ہے اور جواب ممکن ہے۔ تامل۔ بعض فضلاء کی تحریر اسی طرح ہے۔

حاشیہ میں چند فروع کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں: اگر کہا: اس نے مجھے کہا تو میں نے وہ چیز اس کے وکیل یا اس کے قرض خواہ کو دے دی یا اس نے مجھے ہبہ کی یا اس نے مجھے ادا کر دیا جو میرا اس پر لازم تھا تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اور وہ مال کا ضامن ہوگا۔ ''بحر''۔

اس میں مختلف مسائل ہیں جو کتاب القضاء میں ہیں قول کے قبول کرنے میں نگران کا نائب نگران کی طرح ہے اگر نگران کا

لَكِنْ جَزَمَ الْوَانِيُّ بِأَنَّهُ تَحْرِيفٌ وَصَوَابُهُ بَعْدَ الْحَلِفِ (وَإِنْ لَمْ يَدْفَعْ) الْأَلْفَ (وَقِيمَتُهُ نِصْفُهُ فَ) الْقَوْلُ (لِلْآمِرِ) بِلَا يَمِينٍ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ تَبَعًا لِلدُّرَرِ كَمَا مَرَّ قُلْتُ لَكِنْ فِي الْأَشْبَاهِ الْقَوْلُ لِلْوَكِيلِ بِيَمِينِهِ إِلَّا فِي أَرْبَعٍ فَبِالْبَيِّنَةِ فَتَنَبَّهْ (وَإِنْ) كَانَ (قِيمَتُهُ أَلْفًا فَيَتَحَالَفَانِ ثُمَّ يُفْسَخُ الْعَقْدُ) بَيْنَهُمَا (فَيَلْزَمُ الْمَبِيعُ الْمَأْمُورَ) وَكَذَا لَوْ أَمَرَهُ (بِشِرَاءِ مُعَيَّنٍ مِنْ غَيْرِ بَيَانِ ثَمَنٍ فَقَالَ الْمَأْمُورُ اشْتَرَيْتُهُ بِكَذَا وَ) إِنْ (صَدَّقَهُ بَائِعُهُ) عَلَى الْأَظْهَرِ (وَقَالَ الْآمِرُ بِنِصْفِهِ تَحَالَفَا) فَوُقُوعُ الِاخْتِلَافِ فِي الثَّمَنِ يُوجِبُ التَّحَالُفَ (وَلَوْ اخْتَلَفَا

لیکن ''وانی'' نے یقین سے بیان کیا کہ یہ تحریف ہے صحیح بعد الحلف ہے۔ اگر موکل نے وکیل کو ہزار نہیں دیا تھا اور اس کی قیمت ہزار کا نصف ہے تو قول قسم کے بغیر آمر کا ہوگا۔ یہ مصنف نے ''الدرر'' کی پیروی میں کہا ہے۔ جس طرح قول گزر چکا ہے۔ میں کہتا ہوں: لیکن ''الاشباہ'' میں ہے: قسم کے ساتھ قول وکیل کا معتبر ہوگا مگر چار مقامات پر قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر نہیں ہوگا بلکہ گواہوں کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا جس طرح قول گزر چکا ہے۔ اگر اس کی قیمت ہزار ہو تو دونوں ایک دوسرے سے قسم کا مطالبہ کریں گے پھر دونوں کے درمیان عقد فسخ ہو جائے گا پس مبیع مامور کو لازم ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر اس نے اسے ثمن کی وضاحت کے بغیر معین شے خریدنے کا حکم دیا مامور نے کہا: میں نے اسے اتنے میں خریدا ہے اگرچہ اظہر قول کے مطابق اس کا بائع اس کی تصدیق کر دے اور آمر کہے: اس نے اس کے نصف سے اسے خریدا ہے تو دونوں قسم اٹھائیں گے۔ ثمن میں اختلاف کا وقوع باہم قسم اٹھانے کو واجب کر دیتا ہے۔ اگر وہ دونوں ثمن کی مقدار میں

نائب وقف کے مال کے ضائع ہونے کا دعویٰ کرے یا مستحقین پر تقسیم کرنے کا دعویٰ کرے اور وہ لوگ انکار کر دیں تو اس کا قول اصیل کے قول کی طرح معتبر ہوگا لیکن اسے قسم اٹھانا ہوگی۔ اور امر کے ساتھ وہ قاضی کے سیکرٹری سے مختلف ہو گیا۔ کیونکہ قاضی کے سیکرٹری پر کوئی قسم نہیں ہوتی جس طرح قاضی پر کوئی قسم نہیں ہوتی۔ ''حامدیہ''۔

''خیریہ'' میں کتاب الوصایا میں ہے: وصی قیم کی مثل ہے کیونکہ ان کا قول ہے وصیت اور وقف دونوں بھائی ہیں۔ ''حامدیہ''۔

27379۔ (قولہ: جَزَمَ الْوَانِيُّ) ''یعقوبیہ'' میں اس پر اعتراض کیا ہے۔ ''البحر'' کے حاشیہ میں میں نے دونوں عبارتیں ذکر کی ہیں۔

27380۔ (قولہ: تَحْرِيفٌ) یہ دعویٰ کیا کہ یہ عقل و نقل کے خلاف ہے۔

27381۔ (قولہ: لَكِنْ فِي الْأَشْبَاهِ) ''الاشباہ'' کی عبارت میں طویل کلام ہے جسے ''شرنبلالی'' نے ایک جامع رسالہ ''منة الجليل فی قبول قول الوكيل'' میں ذکر کیا ہے۔ اسے ''مقدسی'' نے ذکر کیا ہے جن کا ایک رسالہ ہے جس کا خلاصہ ''حموی'' نے اپنے حاشیہ میں کیا ہے۔ ''فتال'' نے اسے نقل کیا ہے اگر تو چاہے تو اس کی طرف رجوع کر۔

27382۔ (قولہ: الْمَأْمُورَ) یعنی دونوں صورتوں میں مامور پر لازم ہو جائے گا۔ ''زیلعی''۔

27383۔ (قولہ: وَلَوْ اخْتَلَفَا الخ) یہاں وہ دونوں ایک شے کے بیان پر متفق ہو گئے ہیں لیکن اختلاف مقدار میں

فِي مِقْدَارِهِ) أَيِ الثَّمَنِ (فَقَالَ الْآمِرُ أَمَرْتُكَ بِشِرَائِهِ بِمِائَةٍ وَقَالَ الْمَأْمُورُ بِأَلْفٍ (فَالْقَوْلُ لِلْآمِرِ) بِيَمِينِهِ (فَإِنْ بَرْهَنَا قُدِّمَ بُرْهَانُ الْمَأْمُورِ)؛ لِأَنَّهَا أَكْثَرُ إِثْبَاتًا (وَ) لَوْ أَمَرَهُ (بِشِرَاءِ أَخِيهِ فَاشْتَرَى الْوَكِيلُ فَقَالَ الْآمِرُ لَيْسَ هَذَا) الْمُشْتَرَى (بِأَخِي فَالْقَوْلُ لَهُ) بِيَمِينِهِ (وَيَكُونُ الْوَكِيلُ مُشْتَرِيًا لِنَفْسِهِ) وَالْأَصْلُ أَنَّ الشِّرَاءَ مَتَى لَمْ يَنْفُذْ عَلَى الْآمِرِ يَنْفُذُ عَلَى الْمَأْمُورِ بِخِلَافِ الْبَيْعِ، كَمَا مَرَّ فِي خِيَارِ الشَّرْطِ (وَعِتْقُ الْعَبْدِ عَلَيْهِ) أَيْ عَلَى الْوَكِيلِ (لِزَعْمِهِ) عِتْقَهُ عَلَى مُوَكِّلِهِ فَيُؤَاخَذُ بِهِ خَانِيَةٌ (وَ) لَوْ أَمَرَهُ عَبْدٌ (بِشِرَاءِ نَفْسِ الْآمِرِ مِنْ مَوْلَاهُ بِكَذَا وَدَفَعَ) الْمَبْلَغَ (فَقَالَ) الْوَكِيلُ (لِسَيِّدِهِ اشْتَرَيْتُهُ لِنَفْسِهِ فَبَاعَهُ عَلَى هَذَا) الْوَجْهِ (عَتَقَ عَلَى الْمَالِكِ (وَوَلَاؤُهُ لِسَيِّدِهِ) وَكَانَ الْوَكِيلُ سَفِيرًا (وَإِنْ قَالَ) الْوَكِيلُ (اشْتَرَيْتُهُ) وَلَمْ يَقُلْ لِنَفْسِهِ (فَالْعَبْدُ) مِلْكٌ (لِلْمُشْتَرِي وَالْأَلْفُ لِلسَّيِّدِ فِيهِمَا)؛

اختلاف کریں آمر کہے: میں نے تجھے ایک سو میں اس کے خریدنے کا کہا تھا مامور کہے: تو نے ہزار میں خریدنے کا کہا تھا تو قسم کے ساتھ قول آمر کا معتبر ہوگا۔ اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو مامور کے گواہوں کو مقدم کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ امر کو ثابت کرنے میں بڑھ کر ہے۔ اگر وہ اس کے بھائی کو خریدنے کا کہے: وکیل نے اسے خرید لیا آمر نے کہا: یہ خریدا ہوا غلام میرا بھائی نہیں تو قسم کے ساتھ قول اس کا معتبر ہوگا اور وکیل اپنے لیے اسے خریدنے والا ہوگا۔ قاعدہ یہ ہے: جب شرا آمر پر نافذ نہ ہو تو مامور پر نافذ ہو جاتی ہے۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے جس طرح خیار شرط میں گزر چکا ہے۔ اور غلام وکیل پر بھی آزاد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے یہ گمان کیا تھا کہ وہ موکل پر آزاد ہو جائے گا۔ پس اس کے گمان پر حکم اخذ کیا جائے گا۔ ''خانیہ''۔ اگر غلام نے اسے کہا کہ وہ آمر کی ذات کو اس کے آقا سے اتنی رقم پر خرید لے اور وہ رقم اس کو ادا کر دی وکیل نے اس کے آقا سے کہا: میں نے وہ اسے اس کے لیے خریدا ہے تو آقا نے اسے اسی طرح بیچ دیا تو وہ غلام آقا پر لازم ہو جائے گا اور اس کی ولاء اس کے آقا کے لیے ہوگی۔ اور وکیل محض سفیر ہوگا۔ اگر وکیل نے کہا: میں نے اسے خریدا ہے اور لنفسہ کے الفاظ نہ کہے تو غلام مشتری کی ملکیت ہوگا اور ہزار دونوں صورتوں میں آقا کے لیے ہوگا۔

ہے۔ وہ صورت جو اس سے پہلے وہ اس سے مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں ثمن سے کوئی شے بیان نہیں کی گئی۔ ''زیلعی'' میں جو قول ہے وہ سہو ہے جس طرح ''البحر'' میں اس پر متنبہ کیا ہے۔

27384۔ (قولہ: بِشِرَاءِ أَخِيهِ) یعنی آمر کا بھائی خریدے۔

27385۔ (قولہ: فَالْقَوْلُ لَهُ) یعنی قول آمر کا معتبر ہوگا۔

27386۔ (قولہ: مِنْ مَوْلَاهُ بِكَذَا) یعنی مثلاً ہزار کے بدلے میں۔ مناسب یہ تھا کہ تعبیر اس طرح ہوتی یعنی بالف کا لفظ ذکر کیا جاتا۔ کیونکہ بعد میں انہوں نے کہا: والالف للسید ہزار آقا کا ہوگا۔

27387۔ (قولہ: سَفِيرًا) پس حقوق اس کی طرف نہیں لوٹیں گے۔ دوسرے ہزار کا مطالبہ غلام پر ہوگا وکیل پر نہیں ہو

لِأَنَّهُ كَسْبُ عَبْدِهِ (وَعَلَى الْعَبْدِ أَلْفٌ أُخْرَى فِي) الصُّورَةِ (الْأُولَى) بَدَلَ الْإِعْتَاقِ (كَمَا عَلَى الْمُشْتَرِي) أَلْفٌ (مِثْلُهَا فِي الثَّانِيَةِ)؛ لِأَنَّ الْأُولَى مَالُ الْمَوْلَى فَلَا يَصْلُحُ بَدَلًا (وَشِرَاءُ الْعَبْدِ مِنْ سَيِّدِهِ إِعْتَاقٌ) فَتَلْغُو أَحْكَامُ الشِّرَاءِ فَلِذَا قَالَ (فَلَوْ شَرَى) الْعَبْدُ (نَفْسَهُ إِلَى الْعَطَاءِ صَحَّ) الشِّرَاءُ بَحْرٌ (كَمَا صَحَّ فِي حِصَّتِهِ إِذَا اشْتَرَى نَفْسَهُ مِنْ مَوْلَاهُ وَمَعَهُ رَجُلٌ) آخَرُ (وَبَطَلَ) الشِّرَاءُ (فِي حِصَّةِ شَرِيكِهِ) بِخِلَافِ مَا لَوْ شَرَى الْأَبُ وَلَدَهُ مَعَ رَجُلٍ آخَرَ فَإِنَّهُ يَصِحُّ فِيهِمَا بُيُوعُ. الْخَانِيَّةِ مِنْ بَحْثِ الِاسْتِحْقَاقِ. وَالْفَرْقُ انْعِقَادُ الْبَيْعِ فِي الثَّانِي لَا الْأَوَّلِ؛ لِأَنَّ الشَّرْعَ جَعَلَهُ إِعْتَاقًا وَلِذَا بَطَلَ فِي حِصَّةِ شَرِيكِهِ لِلُزُومِ الْجَمْعِ بَيْنَ الْحَقِيقَةِ

کیونکہ یہ اس کے غلام کی کمائی ہے۔ اور غلام پر پہلی صورت میں ایک اور ہزار لازم ہوگا جو آزاد کرنے کا بدل ہوگا جس طرح مشتری پر دوسری صورت میں ہزار اس کی مثل ہوگا۔ کیونکہ پہلی صورت میں مال آقا کا ہے پس وہ بدل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اور غلام کا اپنے آقا سے خریدنا یہ آزاد کرنا ہے۔ پس خریداری کے احکام لغو چلے جائیں گے۔ اسی وجہ سے کہا: اگر غلام نے اپنے آپ کو عطیہ کے ملنے تک خریدا تو خریدنا صحیح ہوگا۔ ''بحر''۔ جس طرح غلام کا اپنے حصہ میں عقد صحیح ہوگا جب وہ اپنے آقا سے اپنے آپ کو خریدے اور اس غلام کے ساتھ ایک اور آدمی بھی شریک ہو اس کے شریک کے حصہ میں عقد باطل ہو جائے گا۔ اگر باپ کسی اور شخص کے ساتھ مل کر اپنے بیٹے کو خریدے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ عقد دونوں میں صحیح ہوگا۔ ''الخانیہ'' کی کتاب البیوع میں الاستحقاق کی بحث میں یہ چیز موجود ہے دوسری صورت میں بیع کے منعقد ہونے اور پہلی صورت میں بیع کے نہ ہونے میں فرق یہ ہے کہ شرع نے اسے اعتاق بنایا ہے۔ اسی وجہ سے اس کے شریک کے حق میں عقد باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ حقیقت ومجاز کا جمع ہونا لازم آئے گا۔ یہی قول صحیح ہے۔ ''بحر''۔

27388۔ (قولہ: فَتَلْغُو أَحْكَامُ الشِّرَاءِ) یعنی آزادی شروط فاسدہ کے ساتھ باطل نہیں ہوتی۔ اور خیار شرط کا اس میں عمل دخل نہیں ہوتا، ''ح''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27389۔ (قولہ: إِلَى الْعَطَاءِ) کیونکہ اگر یہ حقیقت میں شرا ہے تو مجہول اجل اسے فاسد کر دے گی۔

27390۔ (قولہ: وَمَعَهُ رَجُلٌ) یعنی غلام کو خریدنے میں ایک آدمی اور غلام شریک ہوئے۔ ''حاشیہ'' میں کہا: یعنی ایک ہی عقد میں۔ ''بحر''۔

27391۔ (قولہ: انْعِقَادُ الْبَيْعِ فِي الثَّانِي) یعنی جب باپ خریدے۔ کیونکہ شرا کا لفظ اپنے حقیقی معنی میں مستعمل ہے۔ پہلی صورت میں شرا کا لفظ اپنے حقیقی معنی میں نہیں۔ کیونکہ غلام کی جانب سے جو واقع ہوا ہے یہ ایسا صیغہ نہیں جو شرا کا فائدہ دے۔ ''س''۔

27392۔ (قولہ: الْحَقِيقَةِ) اس سے مراد ہے مشتری کے لیے ملکیت کا ثابت ہونا۔

وَالْمَجَازِ (قَالَ لِعَبْدٍ اشْتَرِلِي نَفْسَكَ مِنْ مَوْلَاكَ فَقَالَ لِمَوْلَاهُ بِعْنِي نَفْسِي لِفُلَانٍ فَفَعَلَ) أَيْ بَاعَهُ عَلَى هَذَا الْوَجْهِ (فَهُوَ لِلْآمِرِ) فَلَوْ وَجَدَ بِهِ عَيْبًا، إِنْ عَلِمَ بِهِ الْعَبْدُ فَلَا رَدَّ؛ لِأَنَّ عِلْمَ الْوَكِيلِ كَعِلْمِ الْمُوَكِّلِ، وَإِنْ لَمْ يَعْلَمْ فَالرَّدُّ لِلْعَبْدِ اخْتِيَارٌ (وَإِنْ لَمْ يَقُلْ لِفُلَانٍ عَتَقَ)؛ لِأَنَّهُ أَتَى بِتَصَرُّفٍ آخَرَ فَنَفَذَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِ الثَّمَنُ فِيهِمَا لِزَوَالِ حَجْرِهِ بِعَقْدٍ بَاشَرَهُ مُقْتَرِنًا بِإِذْنِ الْمَوْلَى دُرَرٌ فَرْعٌ الْوَكِيلُ إِذَا خَالَفَ، إِنْ خِلَافًا إِلَى خَيْرٍ فِي الْجِنْسِ كَبِعْ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ فَبَاعَهُ بِأَلْفٍ وَمِائَةٍ نَفَذَ، وَلَوْ بِمِائَةِ دِينَارٍ لَا، وَلَوْ خَيْرًا خُلَاصَةٌ وَدُرَرٌ

آتا ہے۔ایک آدمی نے کسی غلام سے کہا: اپنے آقا سے میرے لیے اپنے آپ کو خرید لو تو غلام نے اپنے آقا سے کہا: مجھے فلاں کے لیے بیچ دو۔تو اس نے اسی طرح کر دیا یعنی اسی طریقہ سے بیچ دیا تو یہ عقد آمر (موکل) کے لیے ہوگا۔اگر آمر اس میں کوئی عیب پائے اگر تو غلام اس کو جانتا ہو تو رد کرنے کی صورت نہ ہوگی۔کیونکہ وکیل کا علم موکل کے علم کی طرح ہے اگر علم نہ ہو تو لوٹانے کا اختیار غلام کو ہوگا،''اختیار''۔اگر وہ لفلان کے الفاظ نہ کہے تو غلام آزاد ہو جائے گا۔کیونکہ اس نے دوسرا تصرف کیا ہے پس وہ تصرف اس پر نافذ ہو جائے گا۔دونوں صورتوں میں اس پر ثمن لازم ہوگی۔کیونکہ اس پر واقع حجر اس عقد کی وجہ سے زائل ہو گیا ہے جو عقد اس نے خود کیا تھا جب کہ اس میں آقا کی اجازت ملی ہوئی ہے،''درر''۔فرع: وکیل جب موکل کے امر کی مخالفت کرے جب کہ وہ مخالفت جنس میں ہے اور خیر کے اعتبار سے ہو جیسے آمر نے کہا: ہزار درہم کے عوض بیچ دو تو اس نے ایک ہزار اور سو کے بدلے میں بیچ دیا تو یہ عقد نافذ ہو جائے گا اگر سو دینار سے بیچے تو عقد نافذ نہیں ہوگا اگر چہ اس میں بھلائی موجود ہے۔''خلاصہ''،''درر''۔

27393۔(قولہ: وَالْمَجَازِ) اس سے مراد آزاد کرنا ہے۔

27394۔(قولہ: لِزَوَالِ حَجْرِهِ) یہ اس سوال کا جواب ہے جو یوں کیا جاتا ہے: محجور غلام جب وکیل بنے تو حقوق اس کی طرف نہیں لوٹتے۔حاشیہ میں اشکال کو''الدرر'' کی طرف منسوب کیا ہے۔

27395۔(قولہ: الْوَكِيلُ إِذَا خَالَفَ) حاشیہ میں کہا: ایک آدمی نے دوسرے کو وکیل بنایا کہ وہ اس کے غلام کو ہزار میں بیچ دے جب کہ اس کی قیمت اتنی ہی تھی پھر اس کی قیمت دو ہزار تک بڑھ گئی وہ اس کو ہزار میں بیچنے کا مالک نہیں ہوگا۔''بزازیہ''۔

فَصْلٌ لَا يَعْقِدُ وَكِيلُ الْبَيْعِ وَالشِّرَاءَ

وَالْإِجَارَةَ وَالصَّرْفَ وَالسَّلَمَ وَنَحْوَهَا (مَعَ مَنْ تُرَدُّ شَهَادَتُهُ لَهُ) لِلتُّهْمَةِ وَجَوَّزَاهُ بِمِثْلِ الْقِيمَةِ (إِلَّا مِنْ عَبْدِهِ وَمُكَاتَبِهِ إِلَّا إِذَا أَطْلَقَ لَهُ الْمُوَكِّلُ) كَبِعْ مِمَّنْ شِئْتَ (فَيَجُوزُ بَيْعُهُ لَهُمْ بِمِثْلِ الْقِيمَةِ) اتِّفَاقًا

وکیل عقد بیع اور شرا نہیں کرے گا

وکیل بیع، شرا، اجارہ، صرف، سلم وغیرہ کا عقد اس شخص کے ساتھ نہیں کر سکتا جس کے حق میں اس کی گواہی رد ہو جاتی ہے۔ کیونکہ تہمت متحقق ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے مثل قیمت کے ساتھ ان عقود کو جائز قرار دیا ہے مگر وہ اپنے غلام یا اپنے مکاتب کے ساتھ عقد کرے۔ مگر جب موکل اسے مطلق امر دے جیسے جس سے تو چاہے اس کے ساتھ عقد بیع کر، پس اس کے لیے جائز ہوگا کہ مثل قیمت کے ساتھ ان کے ساتھ بیع کرے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔

بیع کا وکیل اقالہ کا مالک ہوتا ہے شرا کا وکیل اقالہ کا مالک نہیں ہوگا

27396۔ (قولہ: وَالْإِجَارَةَ الخ) جہاں تک حوالہ، اقالہ، قیمت میں کمی کرنا، بری کرنا اور حق کے بغیر درگزر سے کام لینا طرفین کے نزدیک جائز ہے اور وہ ضامن ہوگا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں۔

بیع کا وکیل اقالہ کا مالک ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر بیع کرے پھر اقالہ کرے تو موکل کے لیے اس پر ثمن لازم ہوگی۔ اور شرا کا وکیل اقالہ کا مالک نہیں ہوگا۔ بیع کے وکیل اور سلم کے وکیل کا معاملہ مختلف ہے۔

وصی، باپ اور متولی وکیل کی طرح ہے۔

اگر موکل نے وکیل سے کہا: تو نے جو بھی کیا تو وہ جائز ہوگا وہ بالاجماع حوالہ کا مالک ہوگا، اور اقالہ کا مالک ہوگا۔ یہ اس اختلاف پر مبنی ہوگا جو گزر چکا ہے۔ اسی طرح اگر اس نے مشتری کو ثمن سے بری کیا تو طرفین کے نزدیک یہ صحیح ہوگا لیکن وہ ضامن ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ ثمن پر قبضہ نہ کرے مگر جب وہ قبضہ کرے تو وہ حط اور اقالہ کا مالک نہیں ہوگا۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

اس کے جامع فقیر ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: لیکن اسے کسی سے نقل نہیں کیا اور یہ منسوب کرنے کی محتاج ہے۔ بعض کی نسبت کا ذکر عنقریب آئے گا۔

27397۔ (قولہ: إِلَّا مِنْ عَبْدِهِ وَمُكَاتَبِهِ) اسی طرح اس کا مفاوض (شرکت مفاوضہ کرنے والا) اور اس کا چوتھا بیٹا ہے پس ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول سے چار چیزیں مستثنیٰ ہیں۔ ''بحر''۔

''المبسوط'' میں عبد کی قید غیر مدیون سے لگائی ہے۔ اس میں یہ اشارہ موجود ہے اگر وہ مدیون ہو تو جائز ہوگا۔ ''بحر''۔

(كَمَا يَجُوزُ عَقْدُهُ مَعَهُمْ بِأَكْثَرَ مِنَ الْقِيمَةِ) اتِّفَاقًا أَيْ بَيْعُهُ لَا شِرَاؤُهُ بِأَكْثَرَ مِنْهَا اتِّفَاقًا، كَمَا لَوْ بَاعَ بِأَقَلَّ مِنْهَا بِغَبْنٍ فَاحِشٍ لَا يَجُوزُ اتِّفَاقًا، وَكَذَا بِيَسِيرٍ عِنْدَهُ خِلَافًا لَهُمَا ابْنُ مَلَكٍ وَغَيْرُهُ وَفِي السِّرَاجِ لَوْ صَرَّحَ بِهِمْ جَازَ إِجْمَاعًا إِلَّا مِنْ نَفْسِهِ وَطِفْلِهِ وَعَبْدِهِ غَيْرِ الْمَدْيُونِ (وَصَحَّ بَيْعُهُ بِمَا قَلَّ أَوْ كَثُرَ وَبِالْعَرْضِ)

یعنی قیمت سے زائد پر بیع کرنا جائز ہے اس کو خریدنا جائز نہیں اس پر سب کا اتفاق ہے جس طرح اگر وہ غبن فاحش کے ساتھ قیمت سے کم پر بیع کرے تو بالاتفاق جائز نہیں۔ اسی طرح ''امام صاحب'' رطیقیہ کے نزدیک تھوڑے غبن کے ساتھ بھی جائز نہیں۔ ''صاحبین'' رحلاتیلیہا نے اس سے اختلاف کیا ہے ''ابن ملک'' وغیرہ۔ ''السراج'' میں ہے: اگر وہ ان کی تصریح کر دے تو بالاجماع ان سے بیع کرنا جائز ہوگا مگر اپنی ذات سے، اپنے بچے سے اور غیر مقروض اپنے غلام سے اس کی بیع نہیں کر سکتا۔ اس کی بیع قلیل، کثیر اور سامان تجارت کے بدلے میں صحیح ہوگی

27398۔ (قولہ: كَمَا يَجُوزُ عَقْدُهُ) یعنی جب وہ مطلق کلام نہ کرے۔

بیع کا وکیل اپنے لیے خریدنے کا مالک نہیں ہوتا

27399۔ (قولہ: إِلَّا مِنْ نَفْسِهِ) ''السراج'' میں ہے: اگر ان افراد سے بیع کرنے کا حکم دیا تو بالاجماع جائز ہوگا مگر جب وہ اس کی بیع اپنی ذات، اپنے چھوٹے بچے اور اپنے غلام سے کرے جب کہ اس پر دین نہ ہو تو وہ عقد قطعاً جائز نہیں ہوگا اگرچہ مؤکل اس کی تصریح کرے۔ ''منح''۔

بیع کا وکیل اسے اپنے لیے خریدنے کا مالک نہیں ہوتا کیونکہ ایک ہی آدمی مشتری اور بائع نہیں ہو سکتا پس وہ پہلے غیر کے ہاتھ میں بیچے گا پھر اس سے اسے خریدے گا۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

اگر مؤکل نے اسے حکم دیا کہ وہ اس چیز کو اپنے ہاتھ میں یا اپنے چھوٹے بچوں کے ہاتھ بیچ دے یا اس کے ہاتھ میں بیچ دے جس کے حق میں اس کی شہادت قبول نہیں ہوتی تو اس نے ان کے ہاتھوں میں اسے بیچ دیا تو یہ جائز ہوگا ''بزازیہ''۔ ''البحر'' میں اسی طرح ہے۔ ان دونوں میں جو مخالفت ہے وہ مخفی نہیں۔ ''السراج'' میں جو قول ہے اس کی مثل ''النہایہ'' میں ''المبسوط'' سے نقل کیا ہے۔ اور ''بزازیہ'' میں جو کچھ ہے اس کی مثل ''الذخیرہ'' میں ''طحاوی'' سے ذکر کیا ہے۔ گویا مسئلہ میں دو قول ہیں۔ اس سے اس نے اختلاف کیا ہے جس نے یہ دعویٰ کیا کہ دونوں میں کوئی مخالفت نہیں۔

وہ تمام افراد جو کسی چیز پر غلبہ پانے کے ساتھ اس میں تصرف کرتے ہیں ان کا حکم پانچ طریقوں پر ہے

27400۔ (قولہ: وَصَحَّ بَيْعُهُ بِمَا قَلَّ أَوْ كَثُرَ الخ) ''خجندی'' نے کہا: وہ تمام افراد جو کسی چیز پر غلبہ پانے کے ساتھ اس میں تصرف کرتے ہیں ان کا حکم پانچ طریقوں پر ہے۔

(1) ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کی بیع اور شرا معروف طریقے سے جائز ہے۔ وہ باپ، دادا اور وصی ہے اتنی مقدار جس کا عام طور پر غبن کیا جاتا ہے اسے معاف قرار دیا جائے گا۔

....

(۲) ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کی بیع اور شرا معروف طریقہ اور اس کے برعکس جائز ہوتی ہے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ مکاتب اور ماذون غلام ہے۔ ان کے لیے جائز ہے کہ جو چیز ہزار کی ہو وہ ایک درہم سے بیچ دیں۔ اور جو چیز درہم کے مساوی ہو اسے ہزار سے بیچ دیں۔

''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک معروف طریقہ سے ہی جائز ہوگی۔ جہاں تک آزاد، بالغ اور عاقل کا تعلق ہے اس کی بیع جائز ہے کیسے بھی ہو۔ اسی طرح اس کی خریداری بالاجماع جائز ہے۔

(۳) ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جن کی بیع جائز ہے جیسے بھی ہو۔ اسی طرح اس کی خریداری معروف طریقہ پر جائز ہے وہ مضارب، شرکت عنان میں جو شریک ہوتا ہے، شرکت مفاوضہ میں جو شریک ہوتا ہے۔ اور بیع مطلق کا جو وکیل ہوتا ہے۔ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کی بیع ہر اس چیز سے کرنا جائز ہے جو قابل قدر ہو اور بے وقعت ہو۔

''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اس کی بیع معروف سے ہی جائز ہے۔

جہاں تک ان کی خریداری کا تعلق ہے تو وہ جائز نہیں مگر بالاجماع وہ معروف طریقہ سے ہی جائز ہے۔ اگر وہ معروف، عادت کے خلاف سے یا نقدی کے بغیر بیچی تو ان کی شرا اپنی ذات پر واقع ہوگی اور غیر کے مال سے جو انہوں نے مال دیا ہے بالاجماع وہ اس مال کے ضامن ہوں گے۔

(۴) ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جن کی وہ مقدار جس میں عام طور پر غبن کیا جاتا ہے اسے عفو قرار نہیں دیا جاتا۔ وہ مریض ہے جب وہ اپنی مرض موت میں کوئی چیز بیچے اور اس میں تھوڑا سا محابات کرے جب کہ اس کے ذمہ اتنا قرض ہو جو اس کے تمام مال کو محیط ہو۔ کیونکہ اس کی محابات جائز نہیں اگرچہ وہ تھوڑی ہو۔ مشتری کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو قیمت کے مکمل ہونے تک ثمن دے دے اگر چاہے تو عقد کو فسخ کر دے۔ جہاں تک موت کے بعد اس کی وصیت کا تعلق ہے جب وہ اپنے دیون کو ادا کرنے کے لیے اپنے ترکہ کو بیچے اور اس میں اس قدر محابات کرے جس میں غبن کیا جاتا ہے اس کی بیع صحیح ہوگی اور اسے معاف قرار دیا جائے گا۔ اسی طرح اگر وہ اپنا مال کسی وارث کو دیتا ہے اور اس میں محابات کرتا ہے اگرچہ وہ کم ہی ہو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق یہ جائز نہیں ہوگا اگرچہ وہ اس کی قیمت سے بڑھ کر ہو یہاں تک کہ اس کے تمام وارث اسے جائز قرار دیں جب کہ اس پر دین نہ ہو۔ اگر وصی اس کے ہاتھ میں بیچے جس کے حق میں اس کی شہادت جائز نہ ہو اور اس میں تھوڑا محابات کرے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ مضارب کا معاملہ اسی طرح ہے۔

(۵) ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جن کی بیع اور شرا جائز نہیں ہوتی جب تک اس میں خیر نہ ہو۔ وہ وصی ہے جب وہ اپنا مال یتیم کو بیچے یا اس سے مال خریدے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ عقد کسی حال میں جائز نہیں۔ شیخین کے نزدیک اگر خیر ہو تو ٹھیک ورنہ عقد جائز نہ ہوگا۔ ''سائحانی''۔

وَخَصَّاهُ بِالْقِيمَةِ وَبِالنُّقُودِ وَبِهِ يُفْتَى بَزَّازِيَّةٌ وَلَا يَجُوزُ فِي الصَّرْفِ كَدِينَارٍ بِدِرْهَمٍ بِغَبْنٍ فَاحِشٍ إِجْمَاعًا؛ لِأَنَّهُ بَيْعٌ مِنْ وَجْهٍ، شِرَاءٌ مِنْ وَجْهٍ صَيْرَفِيَّةٌ (وَ) صَحَّ (بِالنَّسِيئَةِ إِنْ) التَّوْكِيلُ بِالْبَيْعِ (لِلتِّجَارَةِ وَإِنْ كَانَ (لِلْحَاجَةِ لَا) يَجُوزُ (كَالْمَرْأَةِ إِذَا دَفَعَتْ غَزْلًا إِلَى رَجُلٍ لِيَبِيعَهُ لَهَا وَيَتَعَيَّنُ النَّقْدُ) بِهِ يُفْتَى خُلَاصَةٌ، وَكَذَا فِي كُلِّ مَوْضِعٍ قَامَتْ الدَّلَالَةُ عَلَى الْحَاجَةِ كَمَا أَفَادَهُ الْمُصَنِّفُ، وَهَذَا أَيْضًا إِنْ بَاعَ بِمَا يَبِيعُ النَّاسُ نَسِيئَةً، فَإِنْ طَوَّلَ الْمُدَّةَ لَمْ يَجُزْ بِهِ يُفْتَى ابْنُ مَلَكٍ، وَمَتَى عَيَّنَ الْآمِرُ شَيْئًا تَعَيَّنَ إِلَّا فِي بِعْهُ بِالنَّسِيئَةِ بِأَلْفٍ فَبَاعَ بِالنَّقْدِ بِأَلْفٍ جَازَ بَحْرٌ

اور ''صاحبین'' رحمہااللہ علیہما نے اسے قیمت اور نقود کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے ''بزازیہ''۔ اور بیع صرف میں غبن فاحش بالاجماع جائز نہیں جیسے درہم کے ساتھ دینار کو غبن فاحش کے ساتھ بیچا جائے۔ کیونکہ بیع صرف من وجہ بیع ہوتی ہے اور من وجہ شرا ہوتی ہے ''صیرفیہ''۔ ادھار بیع جائز ہوگی اگر تجارت کے لیے بیع کا وکیل بنایا گیا ہو۔ اگر کسی ضرورت کے لیے بیع کا وکیل بنایا گیا ہو تو یہ جائز نہیں ہوگا جس طرح ایک عورت جب کسی مرد کو سوت دیتی ہے تاکہ وہ اس سوت کو اس عورت کے لیے بیچ دے اور یہ نقد بیچنا متعین ہوگا۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے ''خلاصہ''۔ اسی طرح کا حکم ہوگا ہر ایسی جگہ جہاں حاجت پر دلالت ہو جس طرح مصنف نے اسے بیان کیا ہے۔ یہ ادھار بیچنا اس صورت میں جائز ہوگا اگر وہ اتنی مہلت کے ساتھ بیع کرے جتنی مدت میں لوگ ادھار بیچتے ہیں۔ اگر وکیل طویل مدت ذکر کرے تو یہ جائز نہ ہوگا اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''ابن ملک''۔ جب آمر نے کسی شے کو معین کیا تو وہ شے متعین ہو جائے گی مگر اس قول میں اسے ہزار کے بدلہ میں ادھار بیچ دے تو اس نے ہزار نقد کے بدلے میں بیچ دیا تو یہ جائز ہوگا۔ ''بحر''۔

وصیت اور وکالت میں خیر ہونے کی تفسیر

میں کہتا ہوں: ''الخانیہ'' کی کتاب الوصایا میں ہے: ''سرخسی'' نے خیر ہونے کی تفسیر اس سے بیان کی ہے جب وصی یتیم کا مال اپنے لیے ایسا مال جو دس درہم کا ہو پندرہ میں خریدے یا اپنا ایسا مال جو دس کا ہو آٹھ میں بیچے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس کا ذکر ''منیۃ المفتی'' میں اس عبارت سے کیا ہے جو اس سے مختصر ہے جس کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

27401۔ (قولہ: بَزَّازِيَّةٌ) علامہ ''قاسم'' نے ''قدوری'' پر اپنی تصحیح میں کہا: ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کو رجوع قرار دیا ہے۔ ''نسفی'' کے ہاں اس پر اعتماد کیا گیا ہے۔ یہ اقوال میں سے اصح ہے۔ ''محبوبی'' کے ہاں یہ مختار ہے۔ ''موصلی'' اور ''صدر الشریعہ'' نے اس کی موافقت کی ہے۔ ''رملی''۔ وہ متون جو مذہب کو نقل کرنے کے لیے وضع کیے گئے ان کے اصحاب کا یہی نقطہ نظر ہے جو متون ظاہر روایت ہے۔ ''سائحانی''۔

27402۔ (قولہ: بِالنَّقْدِ بِأَلْفٍ جَازَ) کیونکہ اگرچہ وہ مخالفت کرنے والا ہے مگر یہ ہر اعتبار سے خیر ہے۔ اگر وہ ہزار سے کم کے ساتھ نقد بیچے تو یہ عقد جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اگرچہ وہ تعجیل (جلد ثمن کے حصول) کے اعتبار سے خیر کے حوالے سے مخالفت

قُلْتُ وَقَدَّمْنَا أَنَّهُ إِنْ خَالَفَ إِلَى خَيْرٍ فِي ذَلِكَ الْجِنْسِ جَازَ وَإِلَّا لَا وَأَنَّهَا تَتَقَيَّدُ بِزَمَانٍ وَمَكَانٍ، لَكِنْ فِي الْبَزَّازِيَّةِ الْوَكِيلُ إِلَى عَشَرَةِ أَيَّامٍ وَكِيلٌ فِي الْعَشَرَةِ وَبَعْدَهَا فِي الْأَصَحِّ، وَكَذَا الْكَفِيلُ لَكِنَّهُ لَا يُطَالَبُ إِلَّا بَعْدَ الْأَجَلِ كَمَا فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ وَفِي زَوَاهِرِ الْجَوَاهِرِ قَالَ بِعْهُ بِشُهُودٍ أَوْ بِرَأْيِ فُلَانٍ أَوْ عِلْمِهِ أَوْ مَعْرِفَتِهِ وَبَاعَ بِدُونِهِمْ جَازَ، بِخِلَافِ لَا تَبِعْ إِلَّا بِشُهُودٍ

میں کہتا ہوں: ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اگر وہ اس جنس میں خیر کے حصول میں امر کی مخالفت کرے تو یہ جائز ہے ورنہ جائز نہیں اور وکالت زمان اور مکان کے ساتھ متقید ہوتی ہے۔ لیکن ''بزازیہ'' میں ہے: دس دنوں تک وکیل بنایا گیا وکیل دس دنوں میں اور ان کے بعد بھی وکیل ہوتا ہے یہ اصح قول ہے۔ اسی طرح کفیل ہے لیکن اس سے مطالبہ مدت معینہ پوری ہونے کے بعد کیا جائے گا جس طرح ''تنویر الابصار'' میں ہے۔ ''زواہر الجواہر'' میں ہے کہا: اسے گواہوں کی موجودگی میں بیچ دو یا فلاں کی رائے، اس کے علم اور اس کی معرفت کے ساتھ بیچ دینا اس نے ان کے بغیر ہی بیچ دیا تو یہ جائز ہو جائے گا۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ کہے: اسے گواہوں کے بغیر نہ بیچنا

کرنے والا ہے مگر ساتھ ہی مقدار کے اعتبار سے وہ شر کے حوالہ سے مخالفت کرنے والا ہے اور ایک اعتبار سے شر کے حوالہ سے مخالفت منع کرنے میں کافی ہے۔ اگر وہ دو ہزار کے ساتھ اسے ادھار بیچے اور ایک ماہ کی مہلت دے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ ''ذخیرہ''۔

اس میں اس سے پہلے موجود ہے: جب وہ ادھار بیع کا اسے وکیل بنائے اور وہ اسے نقد اتنی ثمن سے بیچ دیتا ہے جس ثمن پر اسے ادھار بیچا جاتا ہے تو یہ جائز ہوگا ورنہ جائز نہ ہوگا۔

''البحر'' میں ''الخلاصہ'' سے مروی ہے: اگر وہ کہے: اسے ایک مدت تک بیچ دے تو اس نے اسے نقد بیچ دیا۔ ''سرخسی'' نے کہا: یہ بالا جماع جائز نہیں ہوگا۔

امام ''سرخسی'' کے قول اور شارح نے جو قول ذکر کیا ہے اس میں فرق یہ ہے کہ ایک میں ثمن متعین ہے اور ایک میں ثمن متعین نہیں۔

میں کہتا ہوں: چاہیے کہ ''الخلاصہ'' میں جو قول ہے اسے اس پر محمول کیا جائے جب وہ نقد اتنی ثمن سے بیچے جو اس ثمن سے کم ہو جس کے ساتھ ادھار بیچا جاتا ہے۔ اس کی دلیل وہ ہے جو ہم نے ''الذخیرہ'' میں نقل کی ہے۔ اس سے قبل ان کا قول بالنسیئۃ بالف ثمن کے بیان کے لیے قید ہے۔ کیونکہ اگر وہ اسے معین نہ کرے اور نقد بیچ دے تو یہ جائز نہ ہوگا جس طرح ''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے۔

27403۔ (قولہ: بِزَمَانٍ وَمَكَانٍ) اگر اس نے کہا: اسے کل بیچ دینا اس کے لیے آج اسے بیچنا جائز نہیں۔ اسی طرح طلاق اور عتاق ہے۔ اس کے برعکس میں اور روایتیں ہیں (یعنی جب وہ اسے کہے اسے آج بیچ دینا تو وہ دوسرے دن اسے بیچتا ہے)۔ صحیح قول یہ ہے کہ یہ پہلے قول کی طرح ہے۔ ''س''۔

أَوْ إِلَّا بِمَحْضَرِ فُلَانٍ بِهِ يُفْتَى
یا فلاں کی موجودگی کے بغیر نہ بیچنا اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

ہر وہ امر جسے موکل مقید نہ کرے اگر وہ ہر اعتبار سے مفید ہو تو اس کی رعایت لازمی ہے

27404۔(قولہ: أَوْ إِلَّا بِمَحْضَرِ فُلَانٍ الخ) ''فتاویٰ ہندیہ'' میں کہا: اسے بیع کا وکیل بنایا اور اسے فلاں کی موجودگی کے بغیر اسے بیع سے منع کر دیا تو وکیل اس آدمی کی موجودگی میں ہی بیع کرے گا۔ ''وجیز کردری'' میں اسی طرح ہے۔ جب وہ حکم دے کہ دین لے کر بیع کرے یا کفیل لے کر بیع کرے اس نے دین اور کفیل لیے بغیر وہ چیز بیچ دی تو یہ بیع جائز نہ ہوگی وہ نفی کے ساتھ اسے موکد کرے یا موکد نہ کرے۔ جب وہ قابل وثوق دین کا قول کرے تو یہ اسی دین کے ساتھ جائز ہوگا جس کی قیمت ثمن کے برابر ہو یا اس کی قیمت اسی مقدار کے ساتھ کم ہے جس میں غبن کیا جاتا ہے۔ جب وہ مطلقاً دین کا ذکر کرے تو تھوڑے سے دین کے ساتھ بھی جائز ہے۔ ''المحیط'' میں اسی طرح ہے۔ اگر اس نے کہا: اسے بیچ دو اور کفیل لے لو یا اسے بیچ دو اور دین لے لو تو یہ اسی مذکورہ صورت میں ہی بیع جائز ہوگی۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

خلاصہ امر یہ ہے: ہر وہ امر جسے موکل مقید ذکر کرے اگر وہ ہر اعتبار سے مفید ہو تو اس کی رعایت لازم ہوگی اسے نفی کے ساتھ مقید کرے یا مقید نہ کرے۔ جیسے موکل نے کہا: اسے خیار کے ساتھ بیچ دو تو اس نے اسے خیار کے بغیر بیچ دیا۔

اس کی مثل ودیعت ہے۔ اگر وہ فائدہ مند ہو جیسے اس گھر میں محفوظ رکھو تو وہ گھر متعین ہو جائے گا اگرچہ وہ یہ نہ کہے: لا تحفظ الا فی ھذہ الدار تو اس گھر کے علاوہ میں حفاظت نہ کرے۔ کیونکہ حرز و حفاظت میں فرق ہوتا ہے۔ اگر وہ اصلا فائدہ مند نہ ہو تو اس کی رعایت کرنا واجب نہیں۔ جیسے وہ کہے: اسے ادھار بیچ دو تو وہ اس کو نقد بیچ دے تو یہ جائز ہوگا۔ اگر وہ ایک اعتبار سے مفید اور دوسرے اعتبار سے مفید نہ ہو تو اس کی رعایت کرنا واجب ہوگا اگرچہ وہ نفی کے ساتھ اسے مؤکد کرے۔ اگر وہ اسے نفی کے ساتھ مؤکد نہ کرے تو رعایت کرنا واجب نہیں ہوگا۔ اس کی مثال ہے: تو اسے نہ بیچنا مگر فلاں بازار میں تو اس کی رعایت واجب ہوگی۔ ان کا قول اسے فلاں بازار میں بیچنا اس سے مختلف ہے۔

ودیعت میں اس طرح ہے جب وہ کہے: تو اسے محفوظ نہ کرنا مگر اس گھر میں تو رعایت کرنا لازم ہوگا۔ اگر وہ اصلاً فائدہ مند نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ صندوق کی تعیین کر دے تو رعایت لازم نہ ہوگی اگرچہ وہ اسے نفی کے ساتھ مؤکد کرے۔

دین اور کفالت ہر اعتبار سے مفید ہے اسکے برعکس جائز نہیں وہ ان دونوں کو نفی کے ساتھ اسے مؤکد کرے یا مؤکد نہ کرے۔

گواہ بنانا بعض اوقات مفید ہوتا ہے اگرچہ گواہ غائب نہ ہوں اور وہ عادل ہو اور بعض اوقات مفید نہیں ہوتا۔ اگر وہ نفی کے ساتھ اسے مؤکد کرے تو رعایت لازم ہوگی۔ ورنہ رعایت لازم نہ ہوگی یہ دونوں مشابہتوں پر عمل کرنے کی بنا پر ہے ''بزازیہ'' اس کا ذکر فصل خامس سے تھوڑا پہلے کیا ہے۔ ہم نے بیع نسیئہ (ادھار بیع) میں جو پہلے (مقولہ 27402 میں) ''البحر'' سے نقل کیا ہے اس میں غور و فکر کیجئے۔

وَقُلْتُ وَبِهِ عُلِمَ حُكْمُ وَاقِعَةِ الْفَتْوَى دَفَعَ لَهُ مَالًا وَقَالَ اشْتَرِلِي زَيْتًا بِمَعْرِفَةِ فُلَانٍ فَذَهَبَ وَاشْتَرَى بِلَا مَعْرِفَتِهِ فَهَلَكَ الزَّيْتُ لَمْ يَضْمَنْ، بِخِلَافِ لَا تَشْتَرِ إلَّا بِمَعْرِفَةِ فُلَانٍ فَلْيُحْفَظْ (وَ) صَحَّ (أَخْذُهُ رَهْنًا وَكَفِيلًا بِالثَّمَنِ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ إنْ ضَاعَ) الرَّهْنُ (فِي يَدِهِ أَوْ تَوِيَ) الْمَالُ (عَلَى الْكَفِيلِ)؛ لِأَنَّ الْجَوَازَ الشَّرْعِيَّ يُنَافِي الضَّمَانَ (وَتَقَيَّدَ شِرَاؤُهُ بِمِثْلِ الْقِيمَةِ وَغَبْنٍ يَسِيرٍ)

میں کہتا ہوں: اس سے واقعۃ الفتویٰ کا حکم معلوم ہوگیا: ایک آدمی نے دوسرے کو مال دیا اور کہا: فلاں کی معرفت سے میرے لیے تیل خرید لو وہ آدمی گیا اور اس کی معرفت کے بغیر تیل خرید لیا تیل ہلاک ہوگیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اگر وہ اسے کہے: اسے نہ خریدنا مگر فلاں کی معرفت سے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ فلیحفظ۔ ایک آدمی کا ثمن کے بدلے میں رہن اور کفیل لینا صحیح ہے۔ اگر وہ دین اس کے ہاتھ میں ضائع ہوجائے تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی یا کفیل پر وہ مال ہلاک ہوگیا کیونکہ شرعی جواز ضمان کے منافی ہے۔ اور اس کی خریداری مثل قیمت اور تھوڑے غبن کے ساتھ مقید ہوگی۔

27405۔ (قولہ: وَاقِعَةِ الْفَتْوَى الخ) اس مسئلہ کی تصریح ''الخانیہ'' کی کتاب الوصایا میں ہے۔ لیکن بمحضر فلان کے الفاظ ہیں۔ اس میں حکم وہی ہے جس کا یہاں ذکر کیا ہے۔

27406۔ (قولہ: وَصَحَّ أَخْذُهُ رَهْنًا الخ) ''نور العین'' میں کہا: بیع کا وکیل اگر اقالہ کرے، حوالہ کرے، بری کر دے، ثمن میں کمی کر دے، ہبہ کر دے یا درگزر سے کام لے۔ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ صحیح ہے۔ اور وہ اپنے موکل کے لیے ضامن ہوگا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح نہیں۔ وکیل اگر ثمن پر قبضہ کرلے تو وہ بالاجماع اقالہ کا مالک نہیں۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح ثمن پر قبضہ کرنے کے بعد وہ ثمن میں کمی کرنے اور بری کرنے کا مالک نہیں ہوگا۔ ''بزازیہ''۔

27407۔ (قولہ: أَوْ تَوِيَ الْمَالُ عَلَى الْكَفِيلِ) یہ اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ وہ مالکی حاکم کے سامنے مسئلہ پیش کرے جو یہ رائے رکھتا ہے کہ کفالت کے ذریعے اصیل دین سے بری ہوجاتا ہے اور جب اصیل مفلس کی حیثیت سے مر جائے تو اصیل سے مطالبہ کی رائے نہیں رکھتا اور اس کا حکم دے دیتا ہے۔ پھر کفیل مفلس کی حیثیت سے مرجاتا ہے۔ ''ابن کمال''۔ اس کی مثل ''شرنبلالیہ'' میں ''کافی'' سے مروی ہے۔ اس کی تحقیق ''شرح الزیلعی'' میں ہے۔

27408۔ (قولہ: وَتَقَيَّدَ شِرَاؤُهُ) کیونکہ اکثر صورتوں میں تہمت متحقق ہوتی ہے۔ شاید اس نے اس چیز کو اپنے لیے خریدا ہو جب وہ اسے موافق نہ پائے تو اسے کسی دوسرے کے ساتھ لاحق کر دے جیسے گزر چکا ہے۔

اسے مطلق ذکر کیا ہے پس یہ قول اس صورت کو شامل ہوگا جب وہ معین شے کو خریدنے کا وکیل ہو اگرچہ وہ اسے خود خریدنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ جب مخالفت کرے گا تو وہ اس شے کو اپنے لیے خریدنے والا ہوگا۔ پس تہمت باقی رہے گی جس طرح ''زیلعی'' میں ہے۔ ''ہدایہ'' میں ہے: علماء نے فرمایا: یہ بیع آمر پر نافذ ہوجائے گی۔ ''العنایہ'' میں یہ ذکر کیا ہے: یہ عام

وَهُوَ مَا يُقَوِّمُ بِهِ مُقَوِّمٌ وَهَذَا (إِذَا لَمْ يَكُنْ سِعْرُهُ مَعْرُوفًا وَإِنْ كَانَ) سِعْرُهُ (مَعْرُوفًا) بَيْنَ النَّاسِ (كَخُبْزٍ وَلَحْمٍ) وَمَوْزٍ وَجُبْنٍ (لَا يَنْفُذُ عَلَى الْمُوَكِّلِ وَإِنْ قَلَّتْ الزِّيَادَةُ) وَلَوْ فَلْسًا وَاحِدًا بِهِ يُفْتَى بَحْرٌ وَبِنَايَةٌ (وَكَّلَهُ بِبَيْعِ عَبْدٍ فَبَاعَ نِصْفَهُ صَحَّ) لِإِطْلَاقِ التَّوْكِيلِ وَقَالَا إِنْ بَاعَ الْبَاقِيَ قَبْلَ الْخُصُومَةِ جَازَ وَإِلَّا لَا وَهُوَ اسْتِحْسَانٌ مُلْتَقًى وَهِدَايَةٌ، وَظَاهِرُهُ تَرْجِيحُ قَوْلِهِمَا وَالْمُفْتَى بِهِ خِلَافُهُ بَحْرٌ، وَقَيَّدَ ابْنُ الْكَمَالِ

اس سے مراد وہ ہے جسے کوئی قیمت لگانے والا قیمت لگاتا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس کا بھاؤ معروف نہ ہو۔ اگر اس کا بھاؤ لوگوں کے درمیان معروف ہو جیسے روٹی، گوشت، کیلے اور پنیر۔ تو وہ عقد موکل پر نافذ نہ ہوگا اگرچہ زیادتی قلیل ہو اگرچہ وہ زیادتی ایک فلس ہو اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، ''بحر''، ''بنایہ''۔ اس نے غلام کو بیچنے کے لیے بنایا اور اس نے اس کے نصف کو بیچ دیا تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ وکالت کا عمل مطلق ہے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے فرمایا: اگر خصومت سے قبل باقی ماندہ بیچ دیا تو یہ جائز ہوگا ورنہ جائز نہ ہوگا۔ یہ استحسان ہے ''ملتقی''، ''ہدایہ''۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول کو ترجیح دی جائے مفتی بہ قول اس کے برعکس ہے، ''بحر''۔ ''ابن کمال'' نے

مشائخ کا قول ہے اور پہلا قول بعض کا قول ہے۔ ''الذخیرہ'' میں ہے: اس میں کوئی نص نہیں، ''بحر''۔ ملخص

27409۔ (قولہ: مَا يُقَوِّمُ بِهِ مُقَوِّمٌ) یعنی قیمت لگانے والوں میں سے کسی کی قیمت کے تحت داخل نہ ہو۔

نوٹ: عبارت اسی طرح ہے لیکن مناسب یہ ہے جو کسی قیمت لگانے والے کی قیمت کے تحت داخل ہو۔ مترجم

''مسکین'' نے کہا: اگر ایک عادل آدمی دس قیمت لگائے دوسرا عادل آٹھ قیمت لگائے ایک اور عادل سات قیمت لگائے تو دس اور سات کے درمیان یہ قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت داخل ہے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

27410۔ (قولہ: وَبِنَايَةٌ) یہ ''ہدایہ'' کی شرح ہے۔

27411۔ (قولہ: لِإِطْلَاقِ التَّوْكِيلِ) یہ اجتماع وافتراق کی قید سے مطلق ہو۔

27412۔ (قولہ: وَظَاهِرُهُ الخ) یعنی کیونکہ اسے انہوں نے استحسان قرار دیا ہے۔ ''البحر'' میں کہا: اسی وجہ سے اسے اس کی دلیل کے ساتھ موخر کیا ہے جس طرح ان کا محمول ہے۔ اسی وجہ سے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اس کے ساتھ قوی قرار دیا ہے: اگر وہ سب نصف ثمن کے ساتھ خرید لے تو یہ جائز ہوگا۔ جب کہ تو یہ جان چکا ہے کہ مفتی بہ قول اس کے قول کے برعکس ہے۔ یعنی ان کے اس قول کے خلاف ہے جس میں انہوں نے اس سے تائید حاصل کی ہے۔

میں کہتا ہوں، ہم نے جو پہلے علامہ ''قاسم'' سے نقل کیا ہے اسے آپ جان چکے ہیں۔

27412۔ (ب) (قولہ: وَالْمُفْتَى بِهِ خِلَافُهُ بَحْرٌ) جو ''البحر'' میں ہے تو یہ جان چکا ہے کہ مفتی بہ قول اس کے قول کے برعکس ہے۔ جس طرح ہم پہلے (مقولہ 27401 میں) بیان کر چکے ہیں۔

27413۔ (قولہ: وَقَيَّدَ ابْنُ الْكَمَالِ الخ) اسی کی مثل ''البحر'' میں ''المعراج'' کی طرف منسوب ہے، ''الکفایہ''

الْخِلَافَ بِمَا يَتَعَيَّبُ بِالشَّرِكَةِ وَإِلَّا جَازَ اتِّفَاقًا فَلْيُرَاجَعْ (وَفِي الشِّرَاءِ يَتَوَقَّفُ عَلَى شِرَاءِ بَاقِيهِ قَبْلَ الْخُصُومَةِ) اتِّفَاقًا (وَلَوْ رُدَّ مَبِيعٌ بِعَيْبٍ عَلَى وَكِيلِهِ) بِالْبَيْعِ (بِبَيِّنَةٍ أَوْ نُكُولِهِ أَوْ إِقْرَارِهِ فِيمَا لَا يَحْدُثُ مِثْلُهُ فِي هَذِهِ الْمُدَّةِ

اختلاف کو اس کے ساتھ مقید کیا ہے کہ وہ شرکت عیب دار ہوتا ہے۔ ورنہ بالاتفاق جائز ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔ اور خریداری کی صورت میں خصومت سے پہلے باقی ماندہ غلام کی خریداری پر موقوف ہوگا۔ اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے۔ اگر مبیع کو عیب کی وجہ سے بیع کے وکیل پر لوٹا دیا گیا یہ لوٹانا گواہوں کی وجہ سے ہو، اس کے انکار کی وجہ سے ہو یا اس کے اقرار کی وجہ سے ہو یہ صورتحال ایسے عیب کی وجہ سے ہو جو اس مدت میں پیدا نہیں ہوتا

میں ''الایضاح'' سے بھی اتفاق نقل کیا ہے۔

27414۔ (قولہ: وَفِي الشِّرَاءِ يَتَوَقَّفُ الخ) وہ معین غلام یا غیر معین غلام کے خریدنے کا وکیل بنائے کوئی فرق نہیں۔ ''زیلعی''۔ اس میں ہے: یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ یہ موقوف نہیں ہوگا بلکہ عقد مشتری پر نافذ ہو جائے گا۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں: یہ موقوف نہیں ہوگا جب وہ عقد کرنے والے پر وہ عقد کے نفاذ کو پائے گا۔ یہاں تو نصف غلام کو خریدنے کا معاملہ ہے یہ وکیل پر نافذ نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے ہر اعتبار سے موکل کی مخالفت نہیں کی۔ اور نہ ہی آمر پر یہ عقد نافذ ہوگا کیونکہ اس نے موکل کے امر کی ہر اعتبار سے موافقت نہیں کی۔ پس ہم نے توقف کا قول کیا ہے۔

27415۔ (قولہ: اتِّفَاقًا) امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع اور شرا میں فرق یہ ہے کہ شرا کی صورت میں یہ تہمت متحقق ہوتی ہے کہ اس نے غلام اپنے لیے خریدا ہے۔ اور بیع کا امر اس کی اپنی ملک کو جا ملتا ہے۔ پس یہ صحیح ہوگا پس اس میں اطلاق کا اعتبار کیا جائے گا اور شرا کا امر غیر کی ملکیت کو ملتا ہے۔ پس اس میں تقیید اور اطلاق کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔

اگر مبیع کو عیب کی وجہ سے بیع کے وکیل پر لوٹا دیا گیا تو وکیل اسے آمر پر لوٹا دے گا

27416۔ (قولہ: وَلَوْ رُدَّ مَبِيعٌ بِعَيْبٍ عَلَى وَكِيلِهِ) اسے مطلق ذکر کیا ہے پس یہ قول اسے شامل ہوگا کہ وہ ثمن پر قبضہ کر لے یا ثمن پر قبضہ نہ کرے۔ اور اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ خصومت وکیل کے ساتھ ہوگی اور مشتری کا موکل پر کوئی دعویٰ نہیں۔ اگر موکل نے ایسے عیب کا اقرار کیا جو اس مبیع میں ہے اور وکیل نے اس کا انکار کر دیا تو دونوں پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ موکل حقوق میں اجنبی ہے۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہو یعنی وکیل اقرار کرے اور موکل عیب کا انکار کرے تو مشتری اسے وکیل پر لوٹا دے گا۔ کیونکہ اس کا اقرار اس کے اپنے حق میں صحیح ہے موکل کے حق میں صحیح نہیں۔ ''بزازیہ''۔

ثمن کے لوٹانے کا ذکر نہیں کیا۔ اس کا حکم یہ ہے: اگر مشتری نے وکیل کو ثمن نقد دی تھی تو وکیل سے واپسی کا مطالبہ کرے گا اگر موکل کو ثمن ادا کی تھی تو موکل سے مطالبہ کرے گا جس طرح ''شرح طحطاوی'' میں ہے۔ اگر اس نے ثمن وکیل کو دی تھی اور

(رَدَّهُ) الْوَكِيلُ (عَلَى الْآمِرِ، وَ) لَوْ (بِإِقْرَارِهِ فِيمَا يَحْدُثُ لَا) يَرُدُّهُ وَلَزِمَ الْوَكِيلَ

تو وکیل اسے آمر پر لوٹا دے گا اگر وہ اقرار کے ساتھ واپس لوٹائے ایسے عیب کی وجہ سے جو اتنی مدت میں پیدا ہو جاتا ہے تو وہ موکل کی طرف نہیں لوٹائے گا اور وکیل کو لازم ہوگا۔

وکیل نے موکل کو وہ چیز دی تھی پھر خریدار نے اس میں عیب پایا تو ''قاضی'' نے فتویٰ دیا کہ وہ مشتری وکیل سے مطالبہ کرے گا ''بزازیہ'' میں اسی طرح ہے۔

یہاں بیع کی قید لگائی ہے کیونکہ اجارہ کا وکیل جب کسی کو کوئی شے اجارہ پر دے اور وہ شے مستاجر کے حوالے کر دے پھر مستاجر اس میں عیب کا طعن لگائے وکیل قضا کے بغیر اسے قبول کرلے تو وہ موکل کو لازم ہو جائے گا اسے نیا اجارہ شمار نہیں کیا جائے گا۔

عیب کی قید لگائی ہے اگر وہ قضا کے بغیر خیار رویت یا خیار شرط کے ساتھ قبول کرے تو یہ آمر پر جائز ہوگا۔ اسی طرح اگر مشتری قبضہ سے پہلے عیب کی وجہ سے واپس کر دے تو آمر (موکل) پر اس کو لوٹانا جائز ہوگا۔ ''بحر''، ملخص۔

27417_(قولہ: رَدَّهُ الْوَكِيلُ عَلَى الْآمِرِ) اگر وہ کہتے: فهو رد على الآمر اسے آمر پر لوٹا دیا جائے گا تو یہ عبارت بہتر ہوتی۔ کیونکہ وکیل موکل کے ساتھ خصومت کا محتاج نہیں مگر جب عیب ایسا ہو جس کی مثل اس میں پیدا ہو سکتی ہے۔ اور اس وکیل کے اقرار کی وجہ سے قاضی کی قضا سے اس پر وہ چیز لوٹائی گئی اگر قاضی کی قضا کے بغیر لوٹائی گئی تو اس کی خصومت صحیح نہ ہو گی۔ کیونکہ وہ مشتری ہے جس طرح ''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے۔

اس مسئلہ کا حاصل یہ ہے: عیب اس سے خالی نہیں ہوتا یا تو وہ ایسا ہوگا جس کی مثل پیدا نہیں ہوتی جس طرح دانت یا زائد انگلی۔ یا وہ پیدا ہو سکتی ہے لیکن اتنی مدت میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ یا اتنی مدت میں پیدا ہو سکتی ہے۔

پہلی اور دوسری صورت میں قاضی اسے بغیر حجت کے لوٹا دے گا۔ حجت سے مراد گواہیاں، اقرار اور قسم سے انکار ہے۔ کیونکہ یہ معلوم ہے کہ یہ عیب بائع کے ہاں موجود تھا۔ الکتاب ''کنز'' میں حجت کے شرط ہونے کی دلیل یہ ہے: مال بعض اوقات قاضی پر مشتبہ ہو جاتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ بیع کی تاریخ کو نہیں پہچانتا۔ پس وہ حجت کا محتاج ہوتا ہے تا کہ تاریخ ظاہر ہو جائے یا وہ ایسا عیب ہے جسے صرف اطباء یا عورتیں ہی پہچانتی ہیں۔ ان کا قول خصومت کے متوجہ ہونے میں حجت ہوگا رد کرنے میں حجت نہیں ہوگا۔ پس وہ رد کرنے کے لیے حجت کا محتاج ہوگا یہاں تک اگر قاضی خود عقد بیع کو اپنی آنکھوں سے دیکھے اور عیب ظاہر ہو تو وہ ان میں سے کسی شے کا محتاج نہیں ہوگا۔

تیسری صورت میں (جس میں عیب اتنی مدت میں پیدا ہو سکتا ہے) حکم اسی طرح ہوگا اگر حجت گواہوں کی صورت میں یا قسم سے انکار کی صورت میں ہو۔ کیونکہ گواہیاں حجت مطلقہ ہیں۔ اسی طرح اس کے حق میں قسم سے انکار کرنا ہے۔ پس وہ اسے اس پر لوٹا دے گا ان مواقع پر وکیل پر کسی شے کو لوٹانا موکل پر لوٹانا ہے۔ اگر وہ تیسری صورت میں اسے اس کے اقرار کے ساتھ لوٹائے اگر لوٹانا قاضی کے فیصلہ کے ساتھ ہو تو یہ موکل پر لوٹانا نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ حجت قاصرہ ہے۔ پس یہ حجت آگے

(الْأَصْلُ فِي الْوَكَالَةِ الْخُصُوصُ وَفِي الْمُضَارَبَةِ الْعُمُومُ) وَفَرَّعَ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ (فَإِنْ بَاعَ الْوَكِيلُ (نَسِيئَةً فَقَالَ أَمَرْتُكَ بِنَقْدٍ وَقَالَ أَطْلَقْتَ صُدِّقَ الْآمِرُ، وَفِي) الِاخْتِلَافِ فِي (الْمُضَارَبَةِ) صُدِّقَ (الْمُضَارِبُ) عَمَلًا بِالْأَصْلِ (لَا يَنْفُذُ تَصَرُّفُ أَحَدِ الْوَكِيلَيْنِ)

وکالت میں اصل خصوص ہے اور مضاربت میں اصل عموم ہے۔ اس پر اپنے اس قول سے تصریح کی ہے: اگر وکیل نے کسی چیز کو ادھار بیچا موکل نے کہا: میں نے تجھے نقد بیچنے کا کہا تھا وکیل نے کہا: تو نے مطلق امر کیا تھا آمر کی تصدیق کی جائے گی۔ مضاربت میں اختلاف کی صورت میں مضارب کی تصدیق کی جائے گی۔ یہ اصلاً پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے۔ وہ دو وکیل جن کو اکٹھے وکیل بنایا گیا ہو

متعدی نہ ہوگی بلکہ اسی تک محدود رہے گی۔

لیکن وکیل کو حق حاصل ہوگا کہ وہ موکل سے خصومت کرے اور بینہ کے ساتھ یا مدعی علیہ سے قسم کے انکار کے ساتھ وہ چیز اس کی موکل کی طرف لوٹا دے۔ کیونکہ رد کرنا یہ عقد کا فسخ کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ رد قاضی کے فیصلہ کے ساتھ اس پر جبر کرتے ہوئے حاصل ہوا ہے۔ پس رضا معدوم ہوگئی۔ اگر قاضی کے فیصلے کے بغیر ہو تو اسے لوٹانے کا حق نہیں ہوگا کیونکہ یہ تو اقالہ (پہلی بیع کو پہلی ثمن پر ختم کرنا ہے)۔ یہ تیسرے آدمی کے حق میں جدید بیع ہے وہ تیسرا آدمی موکل ہے۔

پہلی اور دوسری صورت میں اگر اس چیز کو اقرار کے ساتھ، قاضی کے فیصلہ کے بغیر وکیل پر لوٹا دیا گیا تو یہ چیز وکیل کو لازم ہوگی۔ عام روایات میں یہ ہے: اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ موکل سے مخاصمت کرے۔ ایک روایت میں ہے: یہ موکل پر رد ہو گا۔ اس کی مکمل بحث شرح ''الزیلعی'' میں ہے۔

اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ متن میں جو ''کنز'' کی تبع میں ہے وہ اس روایت پر مبنی ہے۔ ''الاصلاح'' میں اسی طرح کہا ہے: ''اسی طرح ایسے عیب کے اقرار کرنے کے ساتھ جس کی مثل اتنی مدت میں پیدا نہیں ہوتا اگر قاضی کے فیصلہ سے واپس کیا جائے۔ ''المواہب'' میں ہے: اگر اس کے اقرار کے ساتھ اسے اس پر لوٹا دیا جائے جس کی مثل پیدا نہیں ہوتا تو یہ وکیل کو لازم ہو جائے گا اور موکل کو لازم ہونے کی ایک روایت ہے۔

وکالت میں اصل خصوص اور مضاربت میں اصل عموم ہے

27418۔ (قولہ: الْأَصْلُ فِي الْوَكَالَةِ الْخُصُوصُ الخ) شاعر کا شعر ہے:

الاصل فی الوکالۃ الخصوص لا فی المضاربۃ ذا المنصوص

وکالت میں اصل خصوص ہے۔ مضاربت میں خصوص نہیں یہ منصوص ہے۔

کسی معاملے کے دو وکیلوں میں سے ایک کا اکیلے تصرف نافذ نہیں ہوگا

27419۔ (قولہ: لَا يَنْفُذُ تَصَرُّفُ أَحَدِ الْوَكِيلَيْنِ) کیونکہ موکل دونوں میں سے ایک کی رائے سے راضی نہیں۔

مَعًا كَوَكَّلْتُكُمَا بِكَذَا (وَحْدَهُ) وَلَوْ الْآخَرُ عَبْدًا أَوْ صَبِيًّا أَوْ مَاتَ أَوْ جُنَّ (إِلَّا) فِيمَا إِذَا وَكَّلَهُمَا عَلَى التَّعَاقُبِ بِخِلَافِ الْوَصِيَّيْنِ كَمَا سَيَجِيءُ فِي بَابِهِ وَ (فِي خُصُومَةٍ) بِشَرْطِ رَأْيِ الْآخَرِ لَا حَضْرَتِهِ عَلَى الصَّحِيحِ إِلَّا إِذَا انْتَهَيَا إِلَى الْقَبْضِ فَحَتَّى يَجْتَمِعَا جَوْهَرَةٌ

ان میں سے ایک کا اکیلے تصرف نافذ نہیں ہوگا جیسے وہ کہے: اس نے تم دونوں کو اس کا وکیل بنایا ہے اگر چہ دوسرا غلام یا بچہ ہو یا وہ مرگیا ہو یا مجنون ہو گیا ہو مگر جب وہ ان دونوں کو یکے بعد دیگرے وکیل بنائے دو وصیوں کا معاملہ مختلف ہے جس طرح اس کے باب میں آئے گا۔ خصومت کی صورت میں دوسرے وکیل کی رائے شرط ہے اس کا وہاں حاضر ہونا شرط نہیں۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے۔ مگر جب دونوں قبض تک پہنچیں تو پھر ایک کا تصرف جائز نہیں ہوگا یہاں تک کہ دونوں اکٹھے ہوں، ''جوہرہ''۔

بدل اگر چہ مقدر ہے لیکن تقدیر زیادتی میں رائے کے استعمال اور مشتری کے اختیار میں مانع نہیں، ''منح''۔ یعنی بدل کی تقدیر کے مانع نہیں تا کہ اس سے نقصان کو روکے۔ بعض اوقات اجتماع کے وقت نقصان بڑھ جاتا ہے۔ بعض اوقات دوسرا وکیل خوشحال مشتری کو اختیار کرتا ہے اور پہلا وکیل اس تک نہیں پہنچ پاتا۔

حاشیہ میں ہے: اگر ایک آدمی نے دو آدمیوں کو ہزار درہم مضاربت کے طریقہ پر عطا فرمائے ان دونوں کو کہا: اپنی رائے کے مطابق عمل کرو دونوں میں سے ہر ایک کے لیے جائز نہیں کہ وہ اکیلے بیع وشرا کرے کیونکہ وہ ان دونوں کی رائے پر راضی ہوا ہے دونوں میں سے ایک کی رائے سے راضی نہیں ہوا۔ اگر دونوں میں ایک آدمی اپنے ساتھی کی اجازت کے بغیر عمل کرے تو وہ نصف مال کا ضامن ہوگا اور اس کا نفع اس کا ہوگا۔ اس میں کمی اس کے ذمہ ہوگی۔ اپنی ذات کے لیے خریدنے کی صورت میں مضاربت کے رأس المال کا نصف نقد ادا کرنا اس کے ذمہ لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے رأس المال کے اذن کے بغیر عقد مضاربت کیا پس وہ ضامن ہوگا۔ ''عطاء اللہ آفندی''۔

میں نے اس عبارت کو اسی طرح پایا ہے۔ پس اس کے اصل کی طرف رجوع کیا جائے۔

27420۔ (قولہ: أَوْ مَاتَ) یعنی دوسرا یہ غلام یا بچے کو شامل ہے اسی طرح ان کا قول او جن ہے۔

27421۔ (قولہ: أَوْ جُنَّ) دوسرے وکیل کے لیے ایک تصرف کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ آمر صرف اس کی رضا سے راضی نہیں۔ اگر دو وصی ہوں تو زندہ قاضی کی رائے سے ہی تصرف کرے گا۔ ''بحر'' میں ''الخانیہ'' کی کتاب الوصایا سے مروی ہے۔

27422۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْوَصِيَّيْنِ) کیونکہ جب اس نے دو وصیوں کو علیحدہ کلام کے ساتھ وصی بنایا تو اصح قول کے مطابق دونوں میں سے کسی کے لیے اکیلے تصرف کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ موت کے وقت دونوں اکٹھے وصی ہو گئے ہیں وکالت میں وکالت کا حکم نفس توکیل (وکیل بنانے) سے ثابت ہوتا ہے۔ ''بحر''۔

27423۔ (قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی متن میں قریب ہی آئے گا۔

27424۔ (قولہ: فَحَتَّى يَجْتَمِعَا) لیکن عنقریب آئے گا: خصومت کا وکیل قبض کرانے کا مالک نہیں ہوتا۔ اسی پر

(وَعِتْقِ مُعَيَّنٍ وَطَلَاقِ مُعَيَّنَةٍ لَمْ يُعَوَّضَا) بِخِلَافِ مُعَوَّضٍ وَغَيْرِ مُعَيَّنٍ (وَتَعْلِيقٌ بِمَشِيئَتِهِمَا) أَيْ الْوَكِيلَيْنِ فَإِنَّهُ يَلْزَمُ اجْتِمَاعُهُمَا عَمَلًا بِالتَّعْلِيقِ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ قُلْتُ وَظَاهِرُهُ عَطْفُهُ عَلَى لَمْ يُعَوَّضَا كَمَا يُعْلَمُ مِنْ الْعَيْنِيِّ وَالدُّرَرِ، فَحَقُّ الْعِبَارَةِ وَلَا عُلِّقَا بِمَشِيئَتِهِمَا فَتَدَبَّرْ (وَ) فِي (تَدْبِيرٍ وَرَدِّ عَيْنٍ) كَوَدِيعَةٍ وَعَارِيَّةٍ وَمَغْصُوبٍ وَمَبِيعٍ فَاسِدٍ خُلَاصَةٌ بِخِلَافِ اسْتِرْدَادِهَا، فَلَوْ قَبَضَ أَحَدُهُمَا ضَمِنَ كُلَّهُ

معین غلام کی آزادی اور معینہ عورت کی طلاق جن کے عوض میں کوئی شے نہ ہو تو ان میں دونوں کا اکٹھے ہونا شرط نہیں۔ جس کا عوض معین کیا گیا اور غلام غیر معین ہو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ دونوں وکیلوں کی مشیت کے ساتھ معلق کرنے کی صورت میں دونوں کا اجتماع لازم ہے۔ یہ تعلیق پر عمل کرنے کی بنا پر ہے۔ مصنف نے یہ قول کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کا ظاہر یہ ہے کہ بمشیتھما کا عطف لم یعوضا پر ہے جس طرح ''عینی'' اور ''درر'' سے معلوم ہے۔ پس عبارت کا حق یہ ہے: ولا علقا بمشیئتھما دونوں کی مشیئت پر معلق نہ کیا گیا ہو شرط نہیں، فتدبر۔ غلام کو مدبر بنانے، عین کو لوٹانے جیسے ودیعت، عاریہ، مغصوب اور بیع فاسد دونوں کا اکٹھے ہونا، ''خلاصہ''۔ ان کو واپس لینے کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر ان دونوں میں سے ایک اس پر قبضہ کرتا ہے تو تمام کا ضامن ہوگا۔

فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''ابوسعود''۔

27425۔ (قولہ: وَظَاهِرُهُ) یعنی مصنف کے قول کا ظاہر یہ ہے ان کا قول عطفہ مراد ہے دونوں کی مشیئت کی تعلیق کا عطف۔

27426۔ (قولہ: وَالدُّرَرِ) کیونکہ اپنے قول لم یعوضا کے بعد کہا: بخلاف ما اذا قال لھما طلّقاھا ان شئتما او قال امرھما بایدیکما لانہ تفویض الی مشیئتھما فیقتصر علی المجلس جب وہ ان دونوں کو کہے اگر تم دونوں چاہو تو اسے طلاق دے دو یا کہا: ان دونوں کا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے کیونکہ یہ ان کی مشیئت کے سپرد کرنا ہے۔ پس یہ تفویض امر صرف مجلس تک محدود ہوگا۔

27427۔ (قولہ: وَلَا عُلِّقَا) ''البحر'' ان دو مسائل کے علاوہ تین اور مسائل کو مستثنیٰ کیا ہے اس کی طرف رجوع کیجئے۔ ''رملی'' نے اس پر اعتراض کیا ہے۔

27428۔ (قولہ: فَلَوْ قَبَضَ أَحَدُهُمَا) یعنی اپنے ساتھی کی اجازت کے بغیر اس پر قبضہ کیا اور وہ چیز اس کے قبضہ میں ہلاک ہوگئی جس طرح ''الذخیرہ'' میں اس کی تصریح کی اور اسی طرح دوسرے کے حاضر ہونے کے بغیر قبضہ کیا جس طرح ''البحر'' کی عبارت اس کا وہم دلاتی ہے۔

27429۔ (قولہ: ضَمِنَ كُلَّهُ) ''السراج'' کی عبارت ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے: اگر یہ کہا جائے: چاہیے کہ وہ نصف کا ضامن ہو کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک نصف کے قبض پر مامور ہے ہم اس کا جواب دیں گے: وہ اپنے ساتھی کی

لِعَدَمِ أَمْرِهِ بِقَبْضِ شَيْءٍ مِنْهُ وَحْدَهُ سِرَاجٌ (وَ) فِي (تَسْلِيمِ هِبَةٍ) بِخِلَافِ قَبْضِهَا وَلْوَالِجِيَّةٌ (وَقَضَاءِ دَيْنٍ) بِخِلَافِ اقْتِضَائِهِ عَيْنِيٌّ (وَ) بِخِلَافِ (الْوِصَايَةِ) لِاثْنَيْنِ (وَ) كَذَا (الْمُضَارَبَةُ وَالْقَضَاءُ) وَالتَّحْكِيمُ (وَالتَّوْلِيَةُ عَلَى الْوَقْفِ) فَإِنَّ هَذِهِ السِّتَّةَ (كَالْوَكَالَةِ فَلَيْسَ لِأَحَدِهِمَا الِانْفِرَادُ) بَحْرٌ إِلَّا فِي مَسْأَلَةِ مَا إِذَا شَرَطَ الْوَاقِفُ النَّظَرَ لَهُ أَوْ الِاسْتِبْدَالَ مَعَ فُلَانٍ فَإِنَّ لِلْوَاقِفِ الِانْفِرَادَ دُونَ فُلَانٍ أَشْبَاهٌ (وَالْوَكِيلُ بِقَضَاءِ الدَّيْنِ) مِنْ مَالِهِ أَوْ مَالِ مُوَكِّلِهِ

کیونکہ اسے اکیلے کسی شے پر قبضہ کرنے کا امر نہیں تھا۔''سراج''، ہبہ کو سپرد کرنے، ہبہ پر قبضہ کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ ''ولوالجیہ''۔ دین کو ادا کرنے میں دونوں کا اکٹھے ہونا شرط نہیں۔ دین کے تقاضا کا معاملہ مختلف ہے،''عینی''۔ دو آدمیوں کو وصی بنایا گیا تو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ اسی طرح مضاربت، قضا، تحکیم اور وقف پر والی بنانا ہے۔ کیونکہ یہ چھ وکالت کی طرح ہیں دونوں میں سے کسی کو انفرادی طور پر تصرف کرنے کا حق نہیں مگر اس مسئلہ میں جب واقف نگرانی کی شرط اپنے لیے لگائے یا اس میں تبدیلی کے شرط اپنے لیے رکھے ساتھ ہی فلاں کی قید لگائے تو واقف اکیلے ان امور کو بجالائے گا فلاں یہ کام نہ کرے گا،''الاشباہ''۔ وکیل کو اپنے مال سے یا موکل کے مال سے دین کی ادائیگی پر

اجازت کے ساتھ اس پر مامور ہے۔ جہاں تک انفرادی حالت کا تعلق ہے وہ اس میں سے کوئی شے قبض کرنے پر مامور نہیں۔

27430۔(قولہ: وَ بِخِلَافِ الْوِصَايَةِ) الوصایۃ مبتدا ہے اس کی خبر ان کا قول کالوکالۃ ہے واؤ کے بعد بخلاف کو زائد ذکر کیا ہے تا کہ اس کا عطف ان کے قول بخلاف اقتضائہ پر کریں۔

نوٹ: الوصایۃ مبتدا اس حیثیت میں ہوگا کہ شرح کے موجود نہ ہونے کو مقدر مانا جائے۔ مترجم۔

معطوف پانچ ہیں اور چھٹا معطوف علیہ ہے۔ اس کی کلام میں کوئی اعتراض نہیں۔ پس اس پر متنبہ ہو جایئے۔ لیکن اقتضا کے مسئلہ کو وکالت کے ساتھ تشبیہ دینا اچھا نہیں کیونکہ یہ حقیقت میں وکالت ہے۔

27431۔(قولہ: فَإِنَّ هَذِهِ السِّتَّةَ) اس میں ہے: یہاں مذکور پانچ چیزیں ہیں اگر انہوں نے ان تمام مسئلوں کا ارادہ کیا ہے جو گزر چکے ہیں جن میں ایک اکیلے طور پر تصرف نہیں کرسکتا تو وہ وکالت کے مسئلہ کے ساتھ مل کر انیس مسئلہ بن جاتے ہیں، ''ح''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔ اس کے جامع ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جو گزر چکا ہے اس سے اس کا جواب آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔

27432۔(قولہ: النَّظَرَ لَهُ) یعنی واقف کو نگرانی کا حق ہوگا۔

27433۔(قولہ: أَوْ مَالِ مُوَكِّلِهِ) ''عمادی'' نے اس مسئلہ سے اسی طرح مستنبط کیا ہے جسے انہوں نے ''الخانیہ'' سے ذکر کیا ہے۔ لیکن اس سے قبل ''الخانیہ'' سے ذکر کیا ہے: اگر اس نے مکتوب کے آخر میں تحریر کیا کہ یہ مخاصمت کرے گا اور اس سے مخاصمت کی جائے گی۔ یعنی یہ دعویٰ کرے گا اور دعویٰ کا جواب دے گا پھر کچھ لوگوں نے موکل غائب پر مال کا دعویٰ کر دیا وکیل نے وکالت کا اقرار کیا اور مال کا انکار کر دیا ان لوگوں نے موکل پر گواہیاں قائم کر دیں تو ان لوگوں کو حق حاصل نہیں کہ وہ وکیل کو

(لَا یُجْبَرُ عَلَیْهِ) إِذَا لَمْ یَکُنْ لِلْمُوَکِّلِ عَلَی الْوَکِیلِ دَیْنٌ وَهِیَ وَاقِعَةُ الْفَتْوَی
مجبور نہیں کیا جائے گا۔ جب موکل کا وکیل پر دین نہ ہو یہ واقعۃ الفتویٰ ہے

محبوس کر دیں۔ کیونکہ محبوس کرنا ظلم کی جزا ہے اور وکیل کا ظلم ظاہر نہیں ہوا۔ کیونکہ اس شہادت میں مال کی ادائیگی کا امر نہیں اور نہ ہی موکل کی جانب سے وکیل کی ضمانت ہے۔ جب وکیل پر یہ واجب نہیں کہ وہ موکل کے امر سے موکل کے مال سے مال ادا کرے اور نہ ہی اس پر یہ واجب ہے کہ اپنے موکل کی جانب سے ضمانت دے تو وکیل ادائیگی سے رکنے کے ساتھ ظالم نہ ہوا۔

اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے: اگر اس کے موکل کا امر ثابت ہو جائے یا اس کی جانب سے ضمانت ثابت ہو جائے اس کو ادائیگی کا حکم دیا جائے گا۔ اسی پر ''قاری الہدایہ'' کا کلام محمول کیا جائے گا۔ تامل

پھر میں نے اسے ''حاشیہ المنح'' میں دیکھا۔ کیونکہ انہوں نے کہا: میں کہتا ہوں: ''الخانیہ'' کی کلام اس میں صریح ہے جس کے بارے میں ''قاری الہدایہ'' نے فتویٰ دیا ہے۔ کیونکہ یہ اس میں صریح ہے کہ مال کی ادائیگی کا وجوب دو چیزوں میں سے کسی ایک کے ساتھ واجب ہے۔ یا تو موکل کا امر ہو یا موکل کا ضامن ہو۔ پس چاہیے کہ اس پر اعتماد کیا جائے۔ فلیتامل

پھر ''الخانیہ'' کی سابقہ عبارت اور ''خانیہ'' کی دوسری عبارت، جس میں یہ کہا ہے: اگر وکیل پر دین نہ ہو تو اسے مجبور نہ کیا جائے گا۔ اور ''ابن نجیم'' کی ''الفوائد'' جس میں یہ کہا ''وکیل کو مجبور نہ کیا جائے گا جب وہ ایسے فعل سے رک جائے جس کا اسے وکیل بنایا گیا مگر چند مسائل میں'' میں تطبیق دیتے ہوئے کہا: اس کی نص یہ ہے: میں کہتا ہوں: جس کا ''الفوائد'' میں ذکر کیا ہے وہ اس کے اپنے مال اور اس کے موکل کے مال ہونے اور اس کے اوپر دین ہونے کی قید سے مطلقاً ہے۔ آخری نوع جو ''الخانیہ'' سے منقول ہے یہ اس کے ساتھ مقید ہے جب اس پر دین نہ ہو۔ اور اس کا ماقبل اس کے ساتھ مقید ہے جب موکل کا مال وکیل کے قبضہ میں نہ ہو۔

جب تو غور وفکر کرے گا تو مسئلہ کو تین صورتوں میں پائے گا: یا تو موکل کا امر پایا جائے گا اور موکل کا مال وکیل کے قبضہ میں نہیں ہوگا اور نہ ہی اس پر دین ہوگا۔ یا ان دونوں میں سے کوئی ایک صورت ہوگی۔ ظاہر یہ ہے کہ ودیعت دین کی مثل ہے کیونکہ ودیعت پر قبضہ کرنے کے لیے وکیل بنانا صحیح ہے اس میں ودیعت دین کی طرح ہے۔ پس دوسری فرع میں دین کو مطلق مال پر محمول کیا جائے گا یہاں تک کہ پہلی فرع میں ان کا کلام دوسری فرع میں ان کے کلام کے مخالف نہیں۔ کیونکہ اس کی توجیہ صحیح ہے۔ ''الفوائد'' میں جو ان کی کلام ہے اسے اس صورت پر محمول کیا جائے گا۔ ان دونوں صورتوں میں سے کوئی صورت موجود نہیں پس تطبیق حاصل ہو جائے گی پس کوئی مخالفت نہ ہوگی۔ فتامل

اس کا حاصل یہ ہے: جب وکیل کے پاس موکل کا مال نہ ہو اور نہ ہی اس کے ذمہ دین ہو تو اسے مجبور نہ کیا جائے گا۔ اس تطبیق میں غور وفکر کرنا تم پر لازم ہے۔

27434۔ (قولہ: لَا یُجْبَرُ عَلَیْهِ) اگر وہ یہ قول کرتے: ولا یجبر الوکیل اذا امتنع عن فعل ما وکل فیه الا فی

كَمَا بَسَطَهُ الْعِمَادِيُّ وَاعْتَمَدَهُ الْمُصَنِّفُ قَالَ وَمُفَادُهُ أَنَّ الْوَكِيلَ بِبَيْعِ عَيْنٍ مِنَ الْمُوَكِّلِ لِوَفَاءِ دَيْنِهِ لَا يُجْبَرُ عَلَيْهِ كَمَا لَا يُجْبَرُ الْوَكِيلُ بِنَحْوِ طَلَاقٍ وَلَوْ بِطَلَبِهَا عَلَى الْمُعْتَمَدِ وَعِتْقٍ وَهِبَةٍ مِنْ فُلَانٍ وَبَيْعٍ مِنْهُ لِكَوْنِهِ مُتَبَرِّعًا إِلَّا فِي مَسَائِلَ إِذَا وَكَّلَهُ بِدَفْعِ عَيْنٍ ثُمَّ غَابَ، أَوْ بِبَيْعِ رَهْنٍ شُرِطَ فِيهِ أَوْ بَعْدَهُ فِي الْأَصَحِّ، أَوْ بِخُصُومَةٍ بِطَلَبِ الْمُدَّعِي وَغَابَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ أَشْبَاهٌ

جس طرح ''عمادی'' نے بڑی تفصیل سے اس کو ذکر کیا ہے اور مصنف نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ ایسا آدمی جسے موکل کے مال میں سے کسی عینی چیز کو بیچنے کے لیے وکیل بنایا تھا تا کہ وہ موکل کا دین ادا کرے تو اس وکیل کو مجبور نہ کیا جائے گا جس طرح وکیل کو طلاق وغیرہ پر مجبور نہیں کیا جائے گا اگر عورت کے مطالبہ پر ہو۔ یہ قابل اعتماد قول کے مطابق ہے جیسے عتق، فلاں کی جانب سے ہبہ اور اس کی جانب سے بیع۔ یعنی ان امور میں اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ وکیل ان امور میں متبرع ہے۔ مگر چند مسائل میں اسے مجبور کیا جائے گا۔ جب موکل کوئی عینی چیز دینے کے لیے وکیل بنائے پھر خود غائب ہو جائے، رہن کی بیع کا وکیل بنایا گیا ہو جس میں بیع کی شرط رکھی تھی یا رہن کے بعد اس کی شرط رکھی گئی اصح قول کے مطابق ہے یہ مدعی کے مطالبہ پر خصومت کا وکیل بنایا گیا اور مدعی علیہ غائب ہو گیا ''اشباہ''۔

مسائل وھی الثلاثۃ الآتیۃ لکان اولی وکیل جب ایسے فعل کے کرنے سے رک جائے جس کا اسے وکیل بنایا گیا تھا تو اسے مجبور نہیں کیا جائے گا مگر چند مسائل میں وہ یہ آنے والے تین مسائل ہیں تو یہ بہتر ہوتا تا کہ یہ اس کے ساتھ مختص نہ ہوتا جس کا ذکر متن میں کیا ہے۔ جس طرح ''الاشباہ'' میں ہے اسی طرح حاشیہ میں ہے۔

27435۔ (قولہ: لَا يُجْبَرُ عَلَيْهِ) یعنی اسے بیع پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

27436۔ (قولہ: عَلَى الْمُعْتَمَدِ) عنقریب باب عزل الوکیل میں اس کا ذکر آئے گا۔

27437۔ (قولہ: لِكَوْنِهِ مُتَبَرِّعًا) یہ ان کے قول لایجبر کی علت ہے۔

27438۔ (قولہ: بِدَفْعِ عَيْنٍ ثُمَّ غَابَ) کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ وہ عینی چیز اس کی ہو پس اس کا دینا اس کے لیے واجب ہو۔ ''نور العین''۔

27439۔ (قولہ: أَوْ بِبَيْعِ رَهْنٍ شُرِطَ فِيهِ الخ) خواہ رہن کا عقد کرتے وقت بیع کا وکیل بنایا گیا ہو یا اس کے بعد وکیل بنایا گیا ہو، ''نور العین'' میں ہے: اگر عقد رہن میں بیع کا وکیل نہیں بنایا گیا اور اس کے بعد اس کی شرط لگائی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ یہ اصح قول ہے۔

27440۔ (قولہ: بِطَلَبِ الْمُدَّعِي) ہم اس کی وضاحت باب عزل الوکیل میں (مقولہ 27545 میں) کریں گے اور اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وکیل خصومت سے مراد مدعی علیہ کا وکیل ہے۔ ''الدرر'' کا قول ''وکیل خصومت اگر خصومت سے انکار کر دے تو اسے خصومت پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے احسان کرنے کا وعدہ کیا ہے''۔ چاہیے کہ

خِلَافًا لِمَا أَفْتَى بِهِ قَارِئُ الْهِدَايَةِ قُلْتُ وَظَاهِرُ الْأَشْبَاهِ أَنَّ الْوَكِيلَ بِالْأَجْرِ يُجْبَرُ فَتَدَبَّرْ، وَلَا تَنْسَ مَسْأَلَةَ وَاقِعَةَ الْفَتْوَى وَرَاجِعْ تَنْوِيرَ الْبَصَائِرِ فَلَعَلَّهُ أَوْفَى وَفِي فُرُوقِ الْأَشْبَاهِ التَّوْكِيلُ بِغَيْرِ رِضَا الْخَصْمِ لَا يَجُوزُ عِنْدَ الْإِمَامِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْمُوَكِّلُ حَاضِرًا بِنَفْسِهِ أَوْ مُسَافِرًا أَوْ مَرِيضًا أَوْ مُخَدَّرَةً

اس سے وہ مختلف ہے جس کا فتویٰ ''قاری الہدایہ'' نے دیا ہے۔ میں کہتا ہوں: ''الاشباہ'' کی عبارت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جس وکیل کو اجرت پر رکھا گیا ہو اسے مجبور کیا جائے گا۔ پس اس میں تدبر کرو۔ واقعۃ الفتویٰ کے مسئلہ کو نہ بھولو اور ''تنویر البصائر'' کی طرف رجوع کیجئے۔ شاید وہ کافی شافی ہو۔ ''الاشباہ'' کے فروق (الفن السادس) میں ہے: خصم کی رضامندی کے بغیر کسی کو وکیل بنانا ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں مگر جب موکل خود حاضر ہو، مسافر ہو، مریض ہو یا پردہ دار ہو۔

اسے مدعی کے وکیل کے ساتھ خاص کیا جائے جس طرح یہاں جو کلام ہے اس سے سمجھا جا سکتا ہے جس طرح ''نور العین'' میں اس پر تنبیہ کی ہے۔ اور ان کا قول: اذا غاب المدعی اس سے دور کر دیتا ہے۔ بہترین صورت وہ ہے جس کا ہم عنقریب بعد میں (مقولہ 27478 میں) ذکر کریں گے۔

27441۔ (قولہ: خِلَافًا لِمَا أَفْتَى بِهِ قَارِئُ الْهِدَايَةِ) یہ متن کے متعلق ہے۔ کیونکہ ان سے سوال کیا گیا کیا وکیل کو اس دین میں مجبور کیا جائے گا جو موکل پر واجب ہو جب موکل کا حال وکیل کے قبضہ میں ہو اور وکیل وہ دین دینے سے رک جائے خواہ موکل حاضر ہو یا غائب ہو؟ تو آپ نے جواب دیا: وکیل کو وہ دین دینے پر مجبور کیا جائے گا جو دین موکل پر ثابت ہو اور جب یہ ثابت ہو کہ موکل نے وکیل کو دین ادا کرنے کا حکم دیا یا وہ وکیل کفیل تھا ورنہ اسے محبوس نہیں کیا جائے گا، ''ح''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27442۔ (قولہ: وَظَاهِرُ الْأَشْبَاهِ) کیونکہ کہا: ایسے وکیل کو ثمن کا تقاضا کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا جس کو اجرت پر نہ رکھا گیا ہو۔ وہ موکل کے ساتھ حوالہ کرے گا۔ ''ح''۔

یہ چیز شارح کے قول: لکونہ متبرعا سے مستفاد ہے جو استثنا سے پہلے حاشیہ میں کہا: وکیل کو موکل کے دین کی وجہ سے محبوس نہیں کیا جائے گا اگر وکالت عام ہو مگر جب وہ ضمانت اٹھائے۔ اس کی مکمل بحث ''الاشباہ'' کی کتاب الوکالہ میں ہے۔

27443۔ (قولہ: وَاقِعَةَ الْفَتْوَى) یعنی جو ابھی گزرا ہے یہ وہ مسئلہ ہے جس میں موکل اس دین کو ادا کرنے کا وکیل بناتا ہے جو موکل کا وکیل کے ذمہ ہے۔ پس جن امور کی استثنا کی گئی وکیل بالاجر کو ملنے کے ساتھ پانچ ہو گئے۔

27444۔ (قولہ: وَفِي فُرُوقِ الْأَشْبَاهِ) کتاب الوکالہ کے شروع میں گزر چکا ہے۔

27445۔ (قولہ: حَاضِرًا بِنَفْسِهِ) اس میں غور کیجئے اس کا کیا معنی ہے؟ ہم نے کسی کو اس کا ذکر کرتے ہوئے نہیں دیکھا بلکہ جو مذکور ہے وہ یہ ہے تعذر حضورہ شرط۔ میں نے اس عبارت کو ''الاشباہ'' کی فروق میں نہیں دیکھا۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

(الْوَكِيلُ لَا يُوَكِّلُ إِلَّا بِإِذْنِ آمِرِهِ) لِوُجُودِ الرِّضَا (إِلَّا) إِذَا وَكَّلَهُ (فِي دَفْعِ زَكَاةٍ) فَوَكَّلَ آخَرَ ثُمَّ وَ ثُمَّ دَفَعَ الْأَخِيرُ جَازَ وَلَا يَتَوَقَّفُ، بِخِلَافِ شِرَاءِ الْأُضْحِيَّةِ أُضْحِيَّةُ الْخَانِيَّةِ (وَ) إِلَّا الْوَكِيلَ (فِي قَبْضِ الدَّيْنِ) إِذَا وَكَّلَ (مَنْ فِي عِيَالِهِ) صَحَّ ابْنُ مَلَكٍ (وَ) إِلَّا (عِنْدَ تَقْدِيرِ الثَّمَنِ) مِنَ الْمُوَكِّلِ الْأَوَّلِ (لَهُ) أَيْ لِوَكِيلِهِ فَيَجُوزُ بِلَا إِجَازَتِهِ

وکیل موکل کی اجازت کے بغیر آگے کسی کو وکیل نہیں بنائے گا۔ کیونکہ اجازت کی صورت میں رضا موجود ہے۔ مگر جب وہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں اسے وکیل بنائے تو وکیل نے ایک آدمی کو، اس نے ایک اور آدمی کو وکیل بنایا یہ سلسلہ چلتا رہا تو آخری آدمی نے وہ مال دے دیا تو یہ جائز ہوگا یہ ادائیگی موقوف نہ ہوگی۔ قربانی کے خریدنے کا معاملہ مختلف ہے۔ ''الخانیہ'' کی کتاب ''الاضحیہ'' میں ہے: مگر وہ وکیل جسے دین پر قبضہ کرنے کے لیے وکیل بنایا گیا ہے جب ایسا وکیل اپنے عیال میں سے کسی کو وکیل بنائے تو یہ صحیح ہوگا ''ابن ملک''۔ مگر جب پہلے موکل کی جانب سے اپنے وکیل کے ثمن کی تعیین ہو جائے۔ پس اس کی اجازت کے بغیر جائز ہے

وہ شخص جسے کسی امر میں وکیل بنایا گیا ہو اس میں وہ کسی اور کو وکیل نہیں بنا سکتا

27446۔ (قولہ: الْوَكِيلُ لَا يُوَكِّلُ) مراد ہے جس امر میں اسے وکیل بنایا گیا ہے اس میں وہ کسی کو وکیل نہیں بنائے گا پس ایسے عقد کا وکیل بنانا اس سے خارج ہو جائے گا جس کے حقوق وکیل کی طرف لوٹتے ہیں۔ پس اس طرح اسے اجازت کے بغیر وکیل بنانے کا حق حاصل ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ اس میں اصیل ہے۔ اسی وجہ سے موکل اسے ان حقوق سے روک نہیں سکتا۔ موکل کا کسی کو وکیل بنانا صحیح ہے۔ اسی وجہ سے موکل اسے ان حقوق سے روک نہیں سکتا۔ موکل کا کسی کو وکیل بنانا صحیح ہے جس طرح ہم اسے ''البحر'' میں بیان کر چکے ہیں۔ ''بحر''۔ اس میں ہے: وہ اس ''کنز'' کے قول سے خارج ہو جائے گا اگر دین پر قبضہ کرنے والا وکیل اپنے عیال میں سے کسی کو وکیل بناتا ہے۔ مدیون اس شخص کو دین دے دیتا ہے تو وہ بری ہو جائے گا۔ کیونکہ عیال میں سے کسی شخص کا قبضہ وکیل کے قبضہ کی طرح ہے شارح نے اس مسئلہ کو سرقہ میں ذکر کیا ہے مصنف نے دوسرے قول کو ذکر کیا ہے۔

27447۔ (قولہ: بِخِلَافِ شِرَاءِ الْأُضْحِيَّةِ) اگر اس نے کسی شخص کو قربانی کا جانور خریدنے کے لیے وکیل بنایا تو وکیل نے کسی اور کو وکیل بنا دیا پھر یہ سلسلہ آگے چلتا رہا تو آخری وکیل نے وہ جانور خریدا تو وہ عقد پہلے وکیل کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر پہلے وکیل نے اس کی اجازت دے دی تو ٹھیک ورنہ یہ عقد جائز نہ ہوگا۔ ''بحر'' میں ''الخانیہ'' سے منقول ہے۔

27448۔ (قولہ: تَقْدِيرِ الثَّمَنِ) یعنی اگر موکل نے اس شے کی ثمن اس کے وکیل کے لیے معین کر دی۔ ''س''۔

27449۔ (قولہ: مِنَ الْمُوَكِّلِ الْأَوَّلِ) ''البحر'' میں جو قول ہے یہ اس کے مخالف ہے اور تعلیل کے بھی مخالف ہے جس طرح یہ اس سے ظاہر ہوتا ہے جسے ہم نے ''البحر'' پر حاشیہ میں رقم کیا ہے۔ ''البحر'' کی موافقت کے لیے یہ کہنا چاہیے تھا من الوکیل الاول لہ ای للوکیل الثانی یعنی پہلے وکیل کی جانب سے دوسرے وکیل کے لیے۔ ان مسائل پر ان کا اکتفا کرنا

لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ دُرَرٌ (وَالتَّفْوِيضُ إِلَى رَأْيِهِ) كَ اعْمَلْ بِرَأْيِكَ (كَالْإِذْنِ) فِي التَّوْكِيلِ (إِلَّا فِي طَلَاقٍ وَعِتَاقٍ)؛ لِأَنَّهُمَا مِمَّا يُحْلَفُ بِهِ فَلَا يَقُومُ غَيْرُهُ مَقَامَهُ قُنْيَةٌ (فَإِنْ وَكَّلَ) الْوَكِيلُ غَيْرَهُ (بِدُونِهِمَا) بِدُونِ إِذْنٍ وَتَفْوِيضٍ (فَفَعَلَ الثَّانِي) بِحَضْرَتِهِ أَوْ غَيْبَتِهِ (فَأَجَازَهُ) الْوَكِيلُ (الْأَوَّلُ صَحَّ) وَتَتَعَلَّقُ حُقُوقُهُ بِالْعَاقِدِ عَلَى الصَّحِيحِ (إِلَّا فِي) مَا لَيْسَ بِعَقْدٍ نَحْوِ (طَلَاقٍ وَعِتَاقٍ) لِتَعَلُّقِهِمَا بِالشَّرْطِ فَكَأَنَّ الْمُوَكِّلَ عَلَّقَهُ بِاللَّفْظِ الْأَوَّلِ دُونَ الثَّانِي (وَإِبْرَاءٍ) عَنِ الدَّيْنِ قُنْيَةٌ (وَخُصُومَةٍ وَقَضَاءِ دَيْنٍ) فَلَا تَكْفِي الْحَضْرَةُ ابْنُ مَلَكٍ خِلَافًا لِلْخَانِيَّةِ (وَإِنْ فَعَلَ أَجْنَبِيٌّ فَأَجَازَهُ الْوَكِيلُ) الْأَوَّلُ (جَازَ إِلَّا فِي شِرَاءٍ) فَإِنَّهُ يَنْفُذُ عَلَيْهِ وَلَا يَتَوَقَّفُ

کیونکہ مقصود حاصل ہو گیا ہے۔ ''درر''۔ موکل کی جانب سے یہ امر تفویض ہونا کہ اپنی رائے پر عمل کرو یہ وکیل بنانے کی اجازت کی طرح ہے۔ مگر طلاق و عتاق میں ایسا نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں ایسی چیزوں میں سے ہیں جن میں قسم کھائی جاتی ہے۔ پس کوئی دوسرا شخص اس کے قائم مقام نہیں۔ ''قنیہ''۔ اگر وکیل نے کسی اور کو اجازت اور تفویض کے بغیر وکیل بنایا اور دوسرے وکیل نے پہلے وکیل کی موجودگی میں یا عدم موجودگی میں عقد کیا اور پہلے وکیل نے اس عقد کو جائز قرار دے دیا تو یہ صحیح ہو جائے گا۔ صحیح قول کے مطابق عقد کے حقوق عاقد کے متعلق ہو جائیں گے مگر جو عقد نہ ہو جیسے طلاق اور عتاق۔ کیونکہ دونوں شرط کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں۔ تو گویا موکل نے اسے پہلے وکیل کے قول کے ساتھ معلق کیا ہے دوسرے وکیل کے لفظ کے ساتھ معلق نہیں کیا۔ اور جیسے دین سے بری کرنا، ''قنیہ''۔ جیسے خصومت اور دین کی ادائیگی پس حاضر ہونا کافی نہ ہوگا، ''ابن ملک''، ''خانیہ'' نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر اجنبی نے ایسا کیا اور پہلے وکیل نے اسے جائز قرار دے دیا تو یہ جائز ہوگا مگر خریداری میں معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ خریداری اس پر نافذ ہو جائے گی اور وہ موقوف نہ ہوگی

اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ جو آدمی نکاح میں وکیل ہوتا ہے اسے آگے وکیل بنانے کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ ''الخلاصہ''، ''البزازیہ'' اور ''البحر'' کے کتاب النکاح میں اسی کی تصریح کی ہے۔ ہم باب الولی میں پہلے (مقولہ 11546 میں) اسے بیان کر چکے ہیں اس کی طرف رجوع کیجئے۔ وہاں امام ''طحاوی'' نے بحث کرتے ہوئے جو کچھ کہا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ ان کا قول یہ ہے: ان تین مسائل پر قیاس کرتے ہوئے اسے وکیل بنانے کا حق تھا۔

27450۔ (قولہ: لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ) کیونکہ عموماً اس میں ثمن کی تعیین کے لیے رائے کی ضرورت ہوتی ہے جب کہ ثمن کی تعیین تو حاصل ہو چکی ہے۔ جب وہ دو آدمیوں کو وکیل بنائے اور ثمن کی تعیین کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ جب اس نے ثمن کی تعیین کے ساتھ معاملہ کو ان دونوں کے سپرد کر دیا تو اس سے یہ امر ظاہر ہو جائے گا کہ اس کی غرض زیادتی میں اور مشتری کے اختیار میں ان دونوں کی رائے کا جمع ہونا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ ''درر''۔

27451۔ (قولہ: خِلَافًا لِلْخَانِيَّةِ) یہ خصومت کی طرف راجع ہے جس طرح ''المنح'' اور ''البحر'' میں اسے مقید کیا ہے۔

27452۔ (قولہ: يَنْفُذُ عَلَيْهِ) یعنی اجنبی پر وہ عقد نافذ ہو جائے گا۔ ''بحر'' میں ''السراج'' سے مروی ہے۔

مَتَى وَجَدَ نَفَاذًا (وَإِنْ وَكَّلَ بِهِ) أَيْ بِالْأَمْرِ أَوْ التَّفْوِيضِ (فَهُوَ) أَيْ الثَّانِي (وَكِيلُ الْآمِرِ) وَحِينَئِذٍ (فَلَا يَنْعَزِلُ بِعَزْلِ مُوَكِّلِهِ أَوْ مَوْتِهِ وَيَنْعَزِلَانِ بِمَوْتِ الْأَوَّلِ) كَمَا مَرَّ فِي الْقَضَاءِ وَفِي الْبَحْرِ عَنْ الْخُلَاصَةِ وَالْخَانِيَّةِ لَهُ عَزْلُهُ فِي قَوْلِهِ اصْنَعْ مَا شِئْتَ لِرِضَاهُ بِصُنْعِهِ، وَعَزْلُهُ مِنْ صُنْعِهِ، بِخِلَافِ اعْمَلْ بِرَأْيِكَ

جب وہ نفاذ کو پالے اگر وہ امر یا تفویض کے ساتھ کسی کو وکیل بنائے تو دوسرا وکیل بھی موکل کا وکیل ہوگا اس صورت میں پہلے وکیل یعنی اپنے موکل کی جانب سے معزول کیے جانے یا پہلے وکیل کے مرجانے سے دوسرا وکیل معزول نہیں ہوگا اور دونوں وکیل موکل کی موت سے معزول ہوجائیں گے جس طرح قضا کے باب میں گزر چکا ہے۔''البحر'' میں ''خلاصہ'' اور ''خانیہ'' سے مروی ہے: پہلے وکیل کو یہ حق حاصل ہے کہ دوسرے وکیل کو معزول کرے جب موکل نے پہلے وکیل کو یہ کہا ہو: جو تو چاہے کر کیونکہ وکیل اس کے عمل پر راضی ہے اور پہلے وکیل کا دوسرے وکیل کو معزول کرنا یہ بھی پہلے وکیل کا عمل ہے۔اگر موکل نے اسے یہ کہا تھا اپنی رائے سے عمل کرنا تو معاملہ مختلف ہوگا۔

27453۔(قولہ: وَإِنْ وَكَّلَ) یعنی وکیل نے آگے وکیل بنایا۔

27454۔(قولہ: بِالْأَمْرِ) یعنی ایسی وکالت سے وکیل بنایا جو توکیل کے امر کے ساتھ تھی یعنی اسے اجازت دی گئی تھی۔اصل میں ترکیب کی طرف اشارہ ہے: ان وکل وکالۃ ملتبسۃ بالامر الخ۔

27455۔(قولہ: يَنْعَزِلَانِ) یعنی پہلا اور دوسرا وکیل معزول ہوجاتے ہیں۔

27456۔(قولہ: بِمَوْتِ الْأَوَّلِ) یعنی موکل کے فوت ہوجانے سے۔زیادہ بہتر یہ تھا کہ یوں تعبیر کرتے بموت المؤکل۔''ح''۔

27457۔(قولہ: وَفِي الْبَحْرِ) جو''البحر'' میں ہے: دوسرا وکیل موکل کا وکیل ہوگا اور پہلا وکیل اسے معزول کرنے کا اختیار نہیں رکھے گا جب موکل اسے یہ کہے: اعمل برایك اپنی رائے پر عمل کرو۔یہ''ہدایہ'' کی طرف منسوب ہے۔اور اسے اصنع ما شئت جو چاہو کرو اس میں اسے معزول کرنے کا اختیار ہوگا یہ''خلاصہ'' کی طرف منسوب ہے۔پھر کہا: یہ''ہدایہ'' کے مخالف ہے۔مگر اصنع ما شئت اور اعمل برایك میں فرق کیا جائے۔فرق ظاہر ہے''الخانیہ'' میں یہ علت بیان کی ہے: جب تصرف کو اس کے عمل کی طرف تفویض کردیا تو اس کے عمل پر موکل راضی ہوگیا اور وکیل کو معزول کرنا یہ بھی اس کا عمل ہے۔''الخلاصہ'' اور''الخانیہ'' کے کلام میں دونوں میں سے ایک کی دوسرے کے ساتھ مخالفت کی کوئی تصریح نہیں۔تو یہ احتمال ہے کہ مسئلہ میں دو قول ہیں۔صاحب''البحر'' کا یہ دعویٰ کہ فرق ظاہر ہے ظاہر نہیں۔کیونکہ''الحواشی الیعقوبیہ'' اور''الحواشی السعدیہ'' میں ہے: چاہیے کہ وہ اس صورت اعمل برایك میں بھی معزول کرنے کا اختیار رکھتا ہو۔کیونکہ رائے کے مطابق عمل کرنا یہ معزول کرنے کو شامل ہوتا ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔

27458۔(قولہ: بِخِلَافِ اعْمَلْ بِرَأْيِكَ) اس بارے میں''الحواشی الیعقوبیہ'' اور''الحواشی السعدیہ'' میں بحث کی ہے۔

قَالَ الْمُصَنِّف فَعَلَيْهِ لَوْ قِيلَ لِلْقَاضِي اصْنَعْ مَا شِئْتَ فَلَهُ عَزْلُ نَائِبِهِ بِلَا تَفْوِيضِ الْعَزْلِ صَرِيحًا؛ لِأَنَّ النَّائِبَ كَوَكِيلِ الْوَكِيلِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْوَكِيلَ وَكَالَةً عَامَّةً مُطْلَقَةً مُفَوَّضَةً إِنَّمَا يَمْلِكُ الْمُعَاوَضَاتِ لَا الطَّلَاقَ وَالْعَتَاقَ وَالتَّبَرُّعَاتِ بِهِ يُفْتَى زَوَاهِرُ الْجَوَاهِرِ وَتَنْوِيرُ الْبَصَائِرِ (قَالَ) لِرَجُلٍ (فَوَّضْتُ إِلَيْكَ أَمْرَ امْرَأَتِي صَارَ وَكِيلًا بِالطَّلَاقِ وَتَقَيَّدَ) طَلَاقُهُ (بِالْمَجْلِسِ بِخِلَافِ) (قَوْلِهِ وَكَّلْتُكَ) فِي أَمْرِ امْرَأَتِي فَلَا يَتَقَيَّدُ بِهِ دُرَرٌ مَنْ لَا وِلَايَةَ لَهُ عَلَى غَيْرِهِ لَمْ يَجُزْ تَصَرُّفُهُ فِي حَقِّهِ وَحِينَئِذٍ (فَإِذَا) (بَاعَ عَبْدٌ أَوْ مُكَاتَبٌ أَوْ ذِمِّيٌّ) أَوْ حَرْبِيٌّ عَيْنِيٌّ (مَالَ صَغِيرِهِ الْحُرِّ الْمُسْلِمِ أَوْ شَرَى وَاحِدٌ مِنْهُمْ بِهِ أَوْ زَوَّجَ صَغِيرَةً كَذَلِكَ) أَيْ حُرَّةً مُسْلِمَةً (لَمْ يَجُزْ لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ (وَالْوِلَايَةُ فِي مَالِ الصَّغِيرِ

مصنف نے کہا: اسی پر قیاس کیا جائے گا اگر قاضی سے یہ کہا گیا ہو: جو چاہو کرو تو قاضی کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے نائب کو معزول کر دے جب کہ صراحۃً اسے معزول کرنے کا اختیار نہ دیا گیا ہو۔ کیونکہ نائب، وکیل کے وکیل کی طرح ہوتا ہے۔ یہ جان لو کہ ایسا وکیل جس کی وکالت عام، مطلق اور مفوضہ ہو ایسا وکیل معاوضات کا اختیار رکھے گا طلاق، عتاق اور احسانات کا اختیار نہیں رکھے گا۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے ''زواہر الجواہر''، ''تنویر الابصار''۔ ایک آدمی نے کہا: میں نے اپنی بیوی کا امر تیرے سپرد کر دیا تو وہ طلاق کا وکیل بن جائے گا اور اس کی طلاق مجلس کے ساتھ مقید ہوگی اس کا قول میں نے اپنی بیوی کے امر میں تجھے وکیل بنایا ہے تو وہ مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوگا۔ ''درر''۔ جس کی غیر پر ولایت نہ ہو تو اس کے حق میں اس آدمی کا تصرف جائز نہیں ہوگا۔ اس وقت جب کوئی غلام، مکاتب، ذمی یا حربی ''عینی''۔ اپنے چھوٹے آزاد مسلمان کا مال بیچے یا ان میں سے کوئی اس سے مال خریدے یا اسی طرح چھوٹی بچی یعنی آزاد مسلمان کا عقد نکاح کرے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ ولایت موجود نہیں۔ چھوٹے بچے کے مال میں ولایت

27459۔ (قولہ: وَاعْلَمْ) کتاب کے شروع میں جو مفصل گزر چکا ہے اس کے ساتھ تکرار ہے۔ ''ح''۔

زواہر الجواہر اور تنویر البصائر کا تعارف

27460۔ (قولہ: زَوَاهِرُ الْجَوَاهِرِ وَتَنْوِيرُ الْبَصَائِرِ) یہ دونوں کتابیں ''الاشباہ'' کے حواشی ہیں۔ پہلا حاشیہ شیخ ''صالح'' کا ہے اور دوسرا ان کے بھائی شیخ ''عبد القادر'' کا ہے یہ دونوں ہستیاں شیخ ''محمد بن عبد اللہ'' غزی صاحب ''المنح'' کے بیٹے ہیں۔

27361۔ (قولہ: لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ) اسی طرح مسلمان کو کافرہ عورت پر نہ نکاح کے معاملہ میں اور نہ ہی مال میں ولایت کا حق ہوگا۔ جس طرح ''البحر'' میں کتاب النکاح کے باب الولی میں ہے۔ وہاں یہ متن و شرح میں بھی گزر چکا ہے۔ پس اس کی حفاظت کی جانی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (الانفال: 73)

(إِلَى الْأَبِ ثُمَّ وَصِيِّهِ ثُمَّ وَصِيِّ وَصِيِّهِ) إِذْ الْوَصِيُّ يَمْلِكُ الْإِيصَاءَ (ثُمَّ إِلَى) الْجَدِّ (أَبِي الْأَبِ ثُمَّ إِلَى وَصِيِّهِ) ثُمَّ وَصِيِّ وَصِيِّهِ (ثُمَّ إِلَى الْقَاضِي ثُمَّ إِلَى مَنْ نَصَّبَهُ الْقَاضِي) ثُمَّ وَصِيِّ وَصِيِّهِ (وَلَيْسَ لِوَصِيِّ الْأُمِّ) وَوَصِيِّ الْأَخِ (وِلَايَةُ التَّصَرُّفِ فِي تَرِكَةِ الْأُمِّ مَعَ حَضْرَةِ الْأَبِ أَوْ وَصِيِّهِ أَوْ وَصِيِّ وَصِيِّهِ أَوْ الْجَدِّ) أَبِي الْأَبِ (وَإِنْ لَمْ يَكُنْ وَاحِدٌ مِمَّا ذَكَرْنَا فَلَهُ)

باپ کو حاصل ہوگی پھر اس کے وصی کو، پھر وصی کے وصی کو حاصل ہوگی۔ کیونکہ وصی وصی بنانے کا اختیار رکھتا ہے۔ پھر دادا جو باپ کا باپ ہوتا ہے پھر اس کے وصی پھر اس کے وصی کے وصی کو اختیار ہوگا پھر قاضی کو اختیار ہوگا پھر جسے قاضی یہ ذمہ داری سونپے یا اس کے وصی کے وصی کو اختیار ہوگا۔ ماں کے وصی اور بھائی کے وصی کو باپ کی موجودگی میں اس کے وصی اس کے وصی کے وصی یا دادا جو باپ کا باپ ہے کی موجودگی ماں کے ترکہ میں تصرف کا اختیار نہیں ہوگا۔ جن کا ہم نے ذکر کیا ہے

چھوٹے بچے کے مال میں ولایت

27462۔(قولہ: إِلَى الْأَبِ) باپ کو اختیار حاصل ہوگا جب باپ سفیر نہ ہو۔ جہاں تک سفیر باپ کا تعلق ہے تو اسے اپنے بیٹے کے مال میں ولایت کا حق نہیں۔''اشباہ''، الفوائد من الجمع والفرق۔''جامع الفوصلین'' میں ہے: باپ کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے بیٹے کا غلام مال وغیرہ سے آزاد کردے اور نہ ہی اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس کا مال ہبہ کردے اگر وہ عوض کے بدلے میں ہبہ کردے اور اصح قول کے مطابق نہ ہی اس کا مال کسی کو قرض دے۔ قاضی کو حق حاصل ہے کہ وہ یتیم، وقف اور غائب کا مال کسی کو قرض دے دے قاضی کے وصی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مال کسی کو قرض دے۔ اگر وہ قرض دے گا تو ضامن ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: باپ کو حق حاصل ہے کہ وہ کسی کو قرض دے دے۔ کیونکہ اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی کو ودیعت دے دے یہ زیادہ بہتر ہے۔''عدۃ''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27463۔(قولہ: يَمْلِكُ الْإِيصَاءَ) خواہ وہ میت کا وصی ہو یا قاضی کا وصی ہو۔''منح''۔

27464۔(قولہ: ثُمَّ وَصِيِّ وَصِيِّهِ)''جامع الفصولین'' کی فصل السابع والعشرین میں کہا: انہیں نفس، مال، منقول اور غیر منقول میں اجارہ کا عقد کرنے کی ولایت حاصل ہے۔ اگر ان کا عقد مثل قیمت یا تھوڑے سے غبن کے ساتھ ہو تو یہ صحیح ہوگا۔ غبن فاحش کے ساتھ ہو تو یہ عقد صحیح نہ ہوگا۔ بالغ ہونے کے بعد اس کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ عقد ہے عقد کی حالت میں اس کو جائز قرار دینے والا کوئی نہیں۔ اسی طرح یتیم کے لیے ان کی خریداری کا معاملہ ہے۔ یہ تھوڑے سے غبن کے ساتھ صحیح ہے۔ اگر غبن فاحش کے ساتھ ہو تو ان پر وہ عقد نافذ ہوگا اس پر نافذ نہیں ہوگا۔ اگر وہ اجارہ کی مدت میں بالغ ہو جائے اگر اجارہ نفس پر ہو تو اسے اختیار ہوگا وہ اسے باطل کر دے یا اسے جاری رکھے۔ اگر اس کی املاک پر ہو تو اس کے لیے کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ اسے اس بیع کے فسخ کرنے کا حق نہیں ہوگا جو بیع اس کی چھوٹی عمر میں نافذ ہو گئی تھی۔ ایک قول میں کہا گیا ہے: ان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ یتیم کو اجرت پر بھیجیں جب اسے اجرت مثل پر بھیجیں اجرت مثل سے کم پر اسے نہ بھیجیں صحیح یہ ہے

أَيْ لِوَصِيِّ الْأُمِّ (الْحِفْظُ) وَلَهُ (بَيْعُ الْمَنْقُولِ لَا الْعَقَارِ) وَلَا يَشْتَرِي إِلَّا الطَّعَامَ وَالْكِسْوَةَ؛ لِأَنَّهُمَا مِنْ جُمْلَةِ حِفْظِ الصَّغِيرِ خَانِيَّةٌ فُرُوعٌ وَصِيُّ الْقَاضِي كَوَصِيِّ الْأَبِ إِلَّا إِذَا قَيَّدَ الْقَاضِي بِنَوْعٍ تَقَيَّدَ بِهِ، وَفِي الْأَبِ يَعُمُّ الْكُلَّ عِمَادِيَّةٌ وَفِي مُتَفَرِّقَاتِ الْبَحْرِ الْقَاضِي أَوْ أَمِينُهُ لَا تَرْجِعُ حُقُوقُ عَقْدٍ بَاشَرَاهُ لِلْيَتِيمِ إِلَيْهِمَا بِخِلَافِ وَكِيلٍ وَوَصِيٍّ وَأَبٍ، فَلَوْ ضَمِنَ الْقَاضِي أَوْ أَمِينُهُ ثَمَنَ مَا بَاعَهُ لِلْيَتِيمِ بَعْدَ بُلُوغِهِ صَحَّ بِخِلَافِهِمْ وَفِي الْأَشْبَاهِ جَازَ التَّوْكِيلُ بِكُلِّ مَا يَعْقِدُهُ الْوَكِيلُ لِنَفْسِهِ إِلَّا الْوَصِيَّ فَلَهُ أَنْ يَشْتَرِيَ مَالَ الْيَتِيمِ لِنَفْسِهِ لَا لِغَيْرِهِ بِوَكَالَةٍ وَجَازَ التَّوْكِيلُ بِالتَّوْكِيلِ

اگر ان میں سے کوئی بھی نہ ہو تو ماں کے وصی کو حفاظت کرنے کا حق ہوگا اور اس کے لیے منقولہ چیز کی بیع کا اختیار ہوگا جائیداد (غیر منقولہ) کی بیع کا اختیار نہیں ہوگا وہ کھانا اور لباس کے سوا کوئی شے نہیں خریدے گا۔ کیونکہ یہ دونوں چیزیں بچے کی حفاظت کے امور میں سے ہیں۔ ''خانیہ''۔ فرع: قاضی کا وصی باپ کی وصی کی طرح ہوتا ہے مگر جب قاضی کسی نوع کے ساتھ مقید کر دے تو وہ اس کے ساتھ متقید ہو جائے گا۔ باپ میں وصی سب چیزوں کو عام ہوگا۔ ''عمادیہ''۔ ''البحر'' کی کتاب القضاء کے متفرقات (مسائل شتی) میں ہے۔ قاضی یا اس کا امین جب یتیم کے لیے کوئی عقد کریں تو عقد کے حقوق ان دونوں کی طرف نہیں لوٹیں گے۔ وکیل، وصی اور باپ کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر قاضی یا اس کا سیکرٹری بچے کے بالغ ہونے کے بعد اس شے کے ثمن کی ضمانت اٹھائیں جس کو دونوں نے یتیم کے لیے بیچا تو یہ عقد صحیح ہوگا مگر دوسرے لوگوں کا معاملہ مختلف ہے ''الاشباہ'' میں ہے: وکیل جو امر اپنے لیے کر سکتا ہے اس کے لیے اسے وکیل بنانا جائز ہوتا ہے مگر وصی پس اس کے لیے جائز ہے کہ وکالت کے ساتھ یتیم کا مال اپنے لیے خریدے نہ کہ غیر کے لیے اور وکیل بنانے کے لیے وکیل بنانا جائز ہے۔

کہ ایسا کرنا جائز ہے اگر چہ کم اجرت پر بھیجیں۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

ان کا قول فصط یہ صاحب ''المحیط'' کے فوائد کے لیے رمز ہے۔

27465۔ (قولہ: لَا الْعَقَارِ) اس میں اعتراض ہے جسے ''ابو سعود'' نے ''حاشیۃ المسکین'' میں ذکر کیا ہے اس کی طرف رجوع کیجئے۔

27466۔ (قولہ: فَلَهُ أَنْ يَشْتَرِيَ الخ) نفع ظاہر ہے ''اشباہ''۔ فرق یہ ہے: جب اس نے غیر کے لیے خریدا تو یتیم کی جانب سے حقوق اس کی طرف راجع ہوں گے اور آمر کی جانب سے معاملہ اسی طرح ہوگا۔ پس یہ امر تکلیف پہنچانے کی طرف لے جائے گا۔ اس کی ذات کا معاملہ مختلف ہے۔ ''حموی''، ''س''۔

27467۔ (قولہ: بِالتَّوْكِيلِ) اس کی وضاحت ''الاشباہ'' کے کتاب الوکالہ میں ہے۔

بَابُ الْوَكَالَةِ بِالْخُصُومَةِ وَالْقَبْضِ

(وَكِيلُ الْخُصُومَةِ وَالتَّقَاضِي) أَيْ أَخْذِ الدَّيْنِ (لَا يَمْلِكُ الْقَبْضَ) عِنْدَ زُفَرَ وَبِهِ يُفْتَى لِفَسَادِ الزَّمَانِ، وَاعْتَمَدَ فِي الْبَحْرِ الْعُرْفَ (وَ) لَا (الصُّلْحَ) إجْمَاعًا بَحْرٌ (وَرَسُولُ التَّقَاضِي يَمْلِكُ الْقَبْضَ لَا الْخُصُومَةَ) إجْمَاعًا بَحْرٌ، أَرْسَلْتُكَ أَوْ كُنْ رَسُولًا عَنِّي إرْسَالٌ

خصومت اور قبضہ کرنے کی وکالت کے احکام

''جسے خصومت کرنے کے لیے اور دین کا تقاضا کرنے کے لیے وکیل بنایا گیا ہو امام ''زفر'' کے نزدیک وہ مال پر قبضہ کا اختیار نہیں رکھتا۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ زمانہ فاسد ہو چکا ہے۔ اور ''البحر'' میں عرف پر اعتماد کیا ہے اور نہ ہی ایسا وکیل صلح کا اختیار رکھتا ہے اس پر اجماع ہے، ''بحر''۔ تقاضا کرنے کا قاصد مال پر قبضہ کرنے کا اختیار رکھتا ہے خصومت کا اختیار نہیں رکھتا ہے اس پر اجماع ہے، ''بحر''۔ میں نے تجھے قاصد بنایا تو میری جانب سے قاصد بن جا یہ قاصد بنانا ہے

عرف لغت پر غالب ہے

27468۔ (قولہ: أَيْ أَخْذِ الدَّيْنِ) التقاضی کا لغوی معنی دین وصول کرنا ہے۔ عرف میں اس سے مراد مطالبہ کرنا ہے۔ ''عنایہ''، ''حلبی''۔ حضرت شارح پر یہ لازم تھا کہ اس معنی کا ذکر کرتے۔ کیونکہ انہوں نے اس پر حکم کی بنیاد رکھی ہے جب کہ یہ علت بیان کی ہے کہ عرف لغت پر غالب ہے۔ تجھ پر یہ امر مخفی نہیں کہ اخذ دین دین پر قبضہ کرنے کے معنی میں ہے۔ اگر مراد معنی لغوی ہو تو معنی یہ ہو جائے گا دین پر قبضہ کرنے کا وکیل قبض کا مالک نہیں ہوگا۔ یہ تو کوئی معقول بات نہیں۔ تدبر

27469۔ (قولہ: عِنْدَ زُفَرَ) یہ قول امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ ''غرر الافکار''۔

27470۔ (قولہ: وَاعْتَمَدَ فِي الْبَحْرِ الْعُرْفَ) کیونکہ کہا: ''الفتاویٰ الصغریٰ'' میں ہے: تقاضا کرنے کے لیے وکیل بنانا عرف پر منحصر ہوگا۔ اگر وہ آدمی ایسے شہر میں ہے کہ جہاں تجار کے درمیان عرف یہ ہے کہ متقاضی ہی دین پر قبضہ کرتا ہے تو تقاضا کرنے والا وکیل دین کو وصول کرنے کا وکیل ہوگا اگر ایسا عرف نہیں تو وہ دین وصول کرنے والا وکیل نہیں ہوگا۔ ''ح''۔

ان کی کلام میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اعتماد کا تقاضا کرے۔ ہاں ''المنح'' میں ''السراجیہ'' سے نقل کیا ہے کہ فتویٰ اسی پر ہے۔ ''القہستانی'' میں ''المضمرات'' سے اسی طرح مروی ہے۔

27471۔ (قولہ: إِجْمَاعًا) جسے ایک عقد کا وکیل بنایا گیا ہو وہ دوسرے عقد کا اختیار نہیں رکھتا۔

وَأَمَرْتُكَ بِقَبْضِهِ تَوْكِيلٌ خِلَافًا لِلزَّيْلَعِيِّ (وَلَا يَمْلِكُهُمَا) أَيْ الْخُصُومَةَ وَالْقَبْضَ (وَكِيلُ الْمُلَازَمَةِ كَمَا لَا يَمْلِكُ الْخُصُومَةَ وَكِيلُ الصُّلْحِ) بَحْرٌ (وَوَكِيلُ قَبْضِ الدَّيْنِ يَمْلِكُهَا) أَيْ الْخُصُومَةَ خِلَافًا لَهُمَا لَوْ وَكِيلَ الدَّائِنِ، وَلَوْ وَكِيلَ الْقَاضِي

میں نے دین پر قبضہ کرنے کا تجھے حکم دیا ہے یہ وکیل بنانا ہے ''زیلعی'' نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ جسے مدیون کے ساتھ ساتھ رہنے کا وکیل بنایا گیا ہو وہ خصومت اور مال پر قبضہ کا اختیار نہیں رکھتا جس طرح جسے صلح کے لیے وکیل بنایا گیا ہو وہ خصومت کا اختیار نہیں رکھتا۔ ''بحر''۔ اور جسے دین پر قبضہ کرنے (وصول کرنے) کا وکیل بنایا گیا ہو تو وہ خصومت کرنے کا مالک ہوگا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا اختلاف اس صورت میں ہے جب وہ دین واپس لینے والے کا وکیل ہو۔ اگر وہ قاضی کا وکیل ہو

وکیل بنانے اور قاصد بنانے میں فرق

27472۔ (قولہ: وَأَمَرْتُكَ بِقَبْضِهِ تَوْكِيلٌ) ''البحر'' میں کتاب الوکالہ کے شروع میں کہا: اگر تو کہے: توکیل اور ارسال میں کیا فرق ہے؟ کیونکہ اذن اور امر دونوں توکیل (بنانا) ہیں جس طرح تو ''البدائع'' کی کلام سے آگاہ ہو چکا ہے ان کا قول ہے: موکل کی جانب سے ایجاب یہ ہے کہ وہ کہے: میں نے تجھے اس امر کا وکیل بنایا یا تو یہ کام کر یا میں نے تجھے یہ کام کرنے کی اجازت دی ہے وغیرہ۔

میں کہتا ہوں: قاصد یہ ہے کہ قاصد بنانے والا یہ کہے: میں نے تجھے قاصد بنایا یا میری جانب سے اس امر میں تو قاصد بن جا۔ ''زیلعی'' نے باب خیار الرویہ میں، میں نے تجھے اس پر قبضہ کرنے کا امر کیا، کو اس میں شامل کیا ہے۔ ''النہایہ'' میں ''الفوائد الظہیریہ'' کی طرف نسبت کرتے ہوئے یہ تصریح کی ہے کہ یہ وکالت کے باب سے ہے۔ یہ اس کے موافق ہے جو ''البدائع'' میں ہے۔ کیونکہ ''یہ کر'' اور ''میں نے تجھے یہ کرنے کا حکم دیا'' میں کوئی فرق نہیں۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے''۔

27473۔ (قولہ: خِلَافًا لِلزَّيْلَعِيِّ) کیونکہ ''زیلعی'' نے امرتك بقبضه (میں نے تجھے اس پر قبضہ کرنے کا امر کیا) کو ارسال (قاصد بنانا) قرار دیا ہے، ''ح''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27474۔ (قولہ: وَكِيلُ الصُّلْحِ) کیونکہ صلح مصالحت ہے مخاصمت نہیں۔

27475۔ (قولہ: أَيْ الْخُصُومَةَ) اگر یہاں تک کہ اگر وکیل کے خلاف یہ گواہیاں قائم کر دی گئیں کہ موکل نے اپنا حق وصول کر لیا ہے یا اس نے اسے بری کر دیا تھا ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے قبول کیا جائے گا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: وہ خصم نہیں ہوگا۔ ''زیلعی''۔

27476۔ (قولہ: وَلَوْ وَكِيلَ الْقَاضِي) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اسے غائب کے دین پر قبضہ کرنے کے لیے وکیل بنائے۔ ''شرنبلالیہ''۔

لَا يَمْلِكُهَا اتِّفَاقًا كَوَكِيلِ قَبْضِ الْعَيْنِ اتِّفَاقًا وَأَمَّا وَكِيلُ قِسْمَةٍ وَأَخْذِ شُفْعَةٍ وَرُجُوعِ هِبَةٍ وَرَدٍّ بِعَيْبٍ فَيَمْلِكُهَا مَعَ الْقَبْضِ اتِّفَاقًا ابْنُ مَلَكٍ (أَمَرَهُ بِقَبْضِ دَيْنِهِ وَأَنْ لَا يَقْبِضَهُ إِلَّا جَمِيعًا فَقَبَضَهُ إِلَّا دِرْهَمًا لَمْ يَجُزْ قَبْضُهُ) الْمَذْكُورُ (عَلَى الْآمِرِ) لِمُخَالَفَتِهِ لَهُ فَلَمْ يَصِرْ وَكِيلًا (وَ) الْآمِرُ (لَهُ الرُّجُوعُ عَلَى الْغَرِيمِ بِكُلِّهِ)

تو بالاتفاق وہ اس کا مالک نہیں ہوگا جس طرح جسے عین پر قبضہ کرنے کے لیے وکیل بنایا گیا ہو تو بالاتفاق اس کا مالک نہیں ہوگا۔ جہاں تک اس وکیل کا تعلق ہے جسے تقسیم کرنے کے لیے وکیل بنایا تھا شفعہ والی چیز کے وصول کرنے کا وکیل بنایا گیا، ہبہ کے واپس کرنے کا وکیل بنایا گیا یا عیب کی وجہ سے واپس کرنے کا وکیل بنایا گیا تو وہ قبضہ کے ساتھ خصومت کرنے کا مالک ہوگا۔ اس پر سب ائمہ کا اتفاق ہے۔ ''ابن ملک''۔ موکل نے وکیل کو حکم دیا کہ اس کے دین کو وصول کرے اور اس پر قبضہ نہ کرے مگر پورے کا پورا وصول کرے اس نے دین پر قبضہ کیا مگر ایک درہم چھوڑ دیا اس کا مذکورہ قبضہ آمر پر جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ موکل کے امر کی مخالفت کرنے والا ہے۔ پس وہ وکیل نہ ہوگا۔ اور آمر یعنی موکل کو حق حاصل ہوگا کہ وہ مقروض سے پورے کا پورا دین لے

اوضاح کا معنی

27477۔ (قولہ: أَمَرَهُ بِقَبْضِ دَيْنِهِ) حاشیہ میں ''ہندیہ'' سے نقل کرتے ہوئے کہا: دین پر قبضہ کرنے کا وکیل جب مقروض سے سامان تجارت لے لے اور موکل اس پر راضی نہ ہو اور وہ سامان تجارت نہ لے تو وکیل کو حق حاصل ہے کہ وہ سامان تجارت مقروض کو واپس کر دے اور اس سے دین کا مطالبہ کرے، ''جواہر الفتاویٰ'' میں اسی طرح ہے۔

ایک آدمی کا دوسرے آدمی پر ہزار درہم لازم ہے جو کھرے ہیں اس نے ایک آدمی کو ان درہموں پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا اور اسے آگاہ کیا کہ وہ وضح (کھرے) ہیں وکیل نے ایسے ہزار دراہم پر قبضہ کر لیا جو غلہ (کھوٹ والے) ہیں جب کہ وکیل یہ جانتا ہے کہ یہ دراہم غلہ ہیں تو آمر پر یہ ادائیگی جائز نہ ہوگی۔ اگر یہ دراہم اس کے قبضہ میں منافع ہو جائیں تو وکیل ان کا ضامن ہوگا اور آمر کو کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ اگر وکیل ان دراہم پر قبضہ کرے اور وہ یہ نہ جانتا ہو کہ یہ دراہم غلہ ہیں تو وکیل کا ان دراہم پر قبضہ کرنا جائز ہوگا اور وکیل پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ وکیل کو حق حاصل ہوگا کہ وہ ان دراہم کو واپس کر دے اور اس کے علاوہ وصول کرے۔ اگر وہ وکیل کے قبضہ میں ہلاک ہو جائیں تو گویا وہ آمر کے قبضہ سے ہلاک ہوتے ہیں۔ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قیاس میں وہ کسی شے کا مطالبہ نہ کریں گے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قیاس وہ ان کی مثل واپس کر دے گا اور روشن (روشن کھرے) درہم لے لے گا۔

اس کے جامع ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اوضاح سے مراد چاندی کے زیورات ہیں۔ یہ وضح کی جمع ہے اس کا اصل معنی سفید ہے ''مغرب''۔ ''المختار'' میں ہے: اوضاح سے مراد صحیح دراہم کے زیورات ہیں۔

حاشیہ میں ذکر کیا: ایک آدمی نے دوسرے کا مال لیا جو وہ مال کسی اور کو دے دیتا ہے اس نے یہ ذکر کیا کہ فلاں نے اسے یہ مال دیا اور اس میں آمر اور جس کے لیے مال کا امر کیا گیا وہ اسے جھٹلا دیتے ہیں تو اپنی ذات سے ضمانت کے بری ہونے میں

وَكَذَا لَا يَقْبِضُ دِرْهَمًا دُونَ دِرْهَمٍ بَحْرٌ (وَلَوْ لَمْ يَكُنْ لِلْغَرِيمِ بَيِّنَةٌ عَلَى الْإِيفَاءِ فَقُضِيَ عَلَيْهِ) بِالدَّيْنِ (وَقَبَضَهُ الْوَكِيلُ فَضَاعَ مِنْهُ ثُمَّ بَرْهَنَ الْمَطْلُوبُ) عَلَى الْإِيفَاءِ لِلْمُوَكِّلِ (فَلَا سَبِيلَ لَهُ) لِلْمَدْيُونِ (عَلَى الْوَكِيلِ، وَإِنَّمَا يَرْجِعُ عَلَى الْمُوَكِّلِ)؛ لِأَنَّ يَدَهُ كَيَدِهِ ذَخِيرَةٌ (الْوَكِيلُ بِالْخُصُومَةِ إِذَا أَبَى الْخُصُومَةَ (لَا يُجْبَرُ عَلَيْهَا) فِي الْأَشْبَاهِ لَا يُجْبَرُ الْوَكِيلُ إِذَا امْتَنَعَ عَنْ فِعْلِ مَا وُكِّلَ فِيهِ لِتَبَرُّعِهِ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ كَمَا مَرَّ (بِخِلَافِ الْكَفِيلِ) فَإِنَّهُ يُجْبَرُ عَلَيْهَا لِلِالْتِزَامِ

اور اسی طرح وکیل ایک ایک درہم اس سے وصول نہیں کرے گا۔ ''بحر''۔ اگر مقروض کے پاس دین کی ادائیگی کے گواہ نہ ہوں اور دین کا مقروض کے خلاف فیصلہ کر دیا گیا وکیل نے اس پر قبضہ کر لیا اور وکیل سے وہ مال ضائع ہو گیا پھر مطلوب مقروض نے مؤکل کو قرض ادا کرنے پر گواہیاں قائم کر دیں تو مدیون وکیل پر کوئی دعویٰ نہیں ہو گا بلکہ وہ موکل سے واپسی کا مطالبہ کرے گا کیونکہ وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ ہے، ''ذخیرہ''۔ خصومت کا وکیل جب خصومت کا اقرار کرے تو اسے خصومت پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ''الاشباہ'' میں ہے: وکیل کو وکالت پر مجبور نہ کیا جائے گا جب وہ ایسے فعل کے بجالانے سے رک جائے جس میں اسے وکیل بنایا گیا ہے کیونکہ وہ وکیل تبرع واحسان کرنے والا ہے مگر تین چیزوں میں اسے مجبور کیا جا سکتا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ کفیل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اسے وکالت پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ اسے اپنے اوپر لازم کیا ہے۔

اس کا قول معتبر ہو گا۔ اور قول دوسرے آدمی کا معتبر ہو گا کہ اس نے مال پر قبضہ نہیں کیا اور آمر سے اس کا دین ساقط نہیں ہو گا۔ اور دونوں پر قسم لازم نہ ہو گی۔ قسم اس پر واجب ہو گی جس نے اس کو جھٹلایا اس پر قسم واجب نہ ہو گی جس نے اس کی تصدیق کی۔ اگر اس نے مال دینے میں مامور کی تصدیق کر دی تو وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی یہ قسم اٹھائے گا کہ اس نے مال پر قبضہ نہیں کیا۔ اگر وہ قسم اٹھا دے تو اس کا دین ساقط نہیں ہو گا۔ اگر وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو اس کا دین ساقط ہو جائے گا۔ اگر اس نے دوسرے شخص کی تصدیق کر دی کہ اس نے قبضہ نہیں کیا اور مامور کو جھٹلا دیا تو صرف مامور سے قسم لی جائے گی کہ اس نے اسے مال دے دیا تھا۔ اگر وہ قسم اٹھا دے تو دین سے بری ہو جائے گا۔ اگر وہ قسم سے انکار کر دے تو اس پر وہ مال لازم ہو جائے گا جو اس نے دے دیا تھا۔ ''ہندیہ'' کی اس فصل میں یہ ہے: اذا وکل انسانا بقضاء دین علیہ۔

27477۔ (ب) (قولہ: دِرْهَمًا دُونَ دِرْهَمٍ) اس کا معنی یہ ہے: وہ متفرق طور پر قبضہ نہیں کرے گا۔ اگر وہ ایک شے پر قبضہ کرے دوسری شے پر قبضہ نہ کرے تو غریم کسی شے سے بری نہ ہو گا۔ ''جامع الفصولین''۔ اس میں ہے: ودیعت پر قبضہ کرنے کے لیے جسے وکیل بنایا گیا وہ اس کے بعض پر قبضہ کر لے تو یہ جائز ہو گا۔ اگر اسے یہ حکم دیا گیا کہ وہ پوری کی پوری ودیعت اکٹھے قبضہ کرے تو وکیل نے بعض پر قبضہ کیا تو وہ اس پر ضامن ہو گا۔ اور قبضہ کرنا جائز نہ ہو گا۔ اگر وہ ماقبی پر قبضہ کرے قبل اس کے کہ پہلا ہلاک ہو تو یہ موکل پر قبضہ کرنا جائز ہو گا۔ یعنی موکل کے حکم کے مطابق قبضہ کرنا جائز ہو جائے گا۔

27478۔ (قولہ: فِي الْأَشْبَاهِ الخ) ظاہر یہ ہے کہ نقل مذکورہ سے انہوں نے ''الاشباہ'' میں جو قول ہے اس کی مخالفت

(وَكَّلَهُ بِخُصُومَاتِهِ وَأَخْذِ حُقُوقِهِ مِنَ النَّاسِ عَلَى أَنْ لَا يَكُونَ وَكِيلًا فِيمَا يُدَّعَى عَلَى الْمُوَكِّلِ جَازَ) هَذَا التَّوْكِيلُ (فَلَوْ أَثْبَتَ) الْوَكِيلُ (الْمَالَ لَهُ) أَيْ لِمُوَكِّلِهِ (ثُمَّ أَرَادَ الْخَصْمُ الدَّفْعَ لَا يُسْمَعُ عَلَى الْوَكِيلِ)؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِوَكِيلٍ فِيهِ دُرَرٌ (وَصَحَّ إقْرَارُ الْوَكِيلِ بِالْخُصُومَةِ) لَا بِغَيْرِهَا مُطْلَقًا (بِغَيْرِ الْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ) عَلَى مُوَكِّلِهِ (عِنْدَ الْقَاضِي) (دُونَ غَيْرِهِ)

ایک آدمی نے دوسرے کو اپنے خصومات اور لوگوں سے حقوق لینے کے لیے وکیل بنایا اس شرط پر کہ وہ ان امور میں وکیل نہ ہوگا جو موکل پر دعویٰ کیے جائیں گے یہ وکالت جائز ہوگی۔ اگر وکیل نے اپنے موکل کے لیے مال کو ثابت کیا پھر خصم نے یہ ارشاد کیا کہ اس کا دفاع کرے تو وکیل کے خلاف اس کے دعویٰ کو نہیں سنا جائے گا۔ کیونکہ اس امر میں وہ وکیل نہیں، ''درر''۔ موکل کے خلاف خصومت کے وکیل کا اقرار حدود و قصاص کے علاوہ میں صحیح ہے خصومت کے علاوہ کا اقرار مطلقاً صحیح نہیں جب کہ یہ اقرار قاضی کے سامنے کرے کسی اور کے سامنے اس کا اقرار نہ ہوگا۔

کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ یہ ان تین مسائل میں سے ہے جس طرح اس باب سے پہلے گزر چکا ہے۔ مدعی کے مطالبہ پر خصومت کے وکیل کو مجبور کیا جائے گا جب مدعی علیہ غائب ہو جائے۔ مصنف نے صاحب ''الدرر'' کی پیروی کی ہے۔

''العزمیہ'' میں کہا ہے: ہم نے یہاں یہ مسئلہ نہیں پایا نہ متون میں اور نہ ہی شروح میں۔ پھر اس کا جواب ''شرنبلالی'' کی طرح دیا۔ اسے مجبور نہ کیا جائے گا یعنی جب موکل غائب نہ ہو جب وہ غائب ہو جائے تو اسے خصومت پر مجبور کیا جائے گا۔ جس طرح مصنف نے اس کا ذکر باب: رھن یوضع عند عدل میں کیا ہے: یہ اس سے احسن ہے جس کو ہم ''نور العین'' سے (مقولہ 27440 میں) نقل کر آئے ہیں۔ تامل

اسے ذہن نشین کرلو۔ لیکن ''المنح'' میں متن کی حیثیت سے جو مذکور ہے وہ اس کے موافق ہے جو ''الاشباہ'' میں قول ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے اس قول لایجبر علیہا کے بعد ذکر کیا، مگر جب وہ خصومت کا وکیل ہو اور مدعی علیہ غائب ہو تو مدعی کے مطالبہ پر اسے مجبور کیا جائے گا۔ گویا متن سے وہ حصہ ساقط ہے جس کی شارح نے شرح کی ہے۔ فتامل۔

موکل کے خلاف خصومت کے وکیل کا اقرار حدود و قصاص کے علاوہ میں صحیح ہے

27479۔ (قولہ: وَصَحَّ إقْرَارُ الْوَكِيلِ) یعنی جب خصومت کے وکیل کی وکالت ثابت ہو جائے اور وہ وکیل موکل پر کسی چیز کا اقرار کرلے خواہ اس کا موکل مدعی ہو تو وکیل نے حق وصول کرنے کا اقرار کرلیا یا موکل مدعی علیہ ہو تو وکیل نے اس پر حق کے ثابت ہونے کا اقرار کرلیا۔ ''درر''۔

27480۔ (قولہ: بِالْخُصُومَةِ) یہ جار مجرور دکیل کے متعلق ہے۔

27481۔ (قولہ: لَا بِغَيْرِهَا) خصومت کے علاوہ کے وکیل کا اقرار صحیح نہ ہوگا وہ وکالت کون سی ہی ہو۔

27482۔ (قولہ: بِغَيْرِ الْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ) یہ جار مجرور اقرار کے متعلق ہے۔

اسْتِحْسَانًا (وَإِنْ انْعَزَلَ) الْوَكِيلُ (بِهِ) أَيْ بِهَذَا الْإِقْرَارِ حَتَّى لَا يُدْفَعُ إلَيْهِ الْمَالُ وَإِنْ بَرْهَنَ بَعْدَهُ عَلَى الْوَكَالَةِ لِلتَّنَاقُضِ دُرَرٌ (وَكَذَا إذَا اسْتَثْنَى) الْمُوَكِّلُ (إقْرَارَهُ) بِأَنْ قَالَ وَكَّلْتُكَ بِالْخُصُومَةِ غَيْرَ جَائِزِ الْإِقْرَارِ صَحَّ التَّوْكِيلُ وَالِاسْتِثْنَاءُ عَلَى الظَّاهِرِ بَزَّازِيَّةٌ (فَلَوْ أَقَرَّ عِنْدَهُ) أَيْ الْقَاضِي (لَا يَصِحُّ وَخَرَجَ بِهِ عَنْ الْوَكَالَةِ) فَلَا تُسْمَعُ خُصُومَتُهُ دُرَرٌ (وَصَحَّ) (التَّوْكِيلُ بِالْإِقْرَارِ) (وَلَا يَصِيرُ بِهِ)

یہ بطور استحسان ہے اگر چہ اس اقرار کے ساتھ وکیل وکالت سے معزول ہو جائے یہاں تک اسے مال نہیں دیا جائے گا اگر چہ وہ اس کے بعد وہ وکالت پر دلائل قائم کرے کیونکہ تناقض پایا جا رہا ہے'' درر''۔ اسی طرح جب موکل وکیل کے اقرار کو مستثنیٰ کر دے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: میں نے تجھے خصومت کا وکیل بنایا ہے جب کہ اقرار کو جائز قرار نہیں دیا تو توکیل اور استثنا صحیح ہوں گے۔ یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے۔'' بزازیہ''۔ اگر وہ وکیل قاضی کی موجودگی میں اقرار نہ کرے تو اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا اور وہ اس اقرار کے ساتھ وکالت سے خارج ہو جائے گا اس کی خصومت نہیں سنی جائے گی'' درر''۔ اقرار کا وکیل بنانا صحیح ہے اور وکیل

27483۔ (قولہ: اسْتِحْسَانًا) قیاس یہ ہے کہ یہ اقرار قاضی کے نزدیک بھی صحیح نہ ہو۔ کیونکہ وہ تو مخاصمت پر مامور تھا اور اقرار تو مخاصمت کو نقصان پہنچاتا ہے کیونکہ اقرار تو مسالمت (مصالحت) ہے'' ح''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27484۔ (قولہ: انْعَزَلَ) یعنی خصم کا دفاع کرنے کی وجہ سے وہ خود بخود معزول ہو چکا ہے۔'' وانی''،'' عزمی زادہ'' نے اس کا رد کیا ہے'' ط''۔'' ہدایہ'' میں اپنے قول انعزل کے تحت کہا: اگر قاضی کی مجلس کے علاوہ میں اقرار کرنے پر اس کے خلاف گواہیاں قائم کر دی جائیں تو وہ آدمی وکالت سے خارج ہو جائے گا۔

27485۔ (قولہ: حَتَّى لَا يُدْفَعَ إلَيْهِ الْمَالُ) یعنی خصم کو حکم نہیں دیا جائے گا کہ وہ مال وکیل کے حوالے کرے۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ وہ مطلق جواب کا وکیل باقی ہے۔ کیونکہ وہ انکار کا مالک نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی کلام میں مناقض ہے۔ اگر وہ وکیل باقی رہے گا تو مقید جواب کا وکیل رہے گا جو اقرار ہے۔ اور موکل نے اسے مقید جواب دینے کا وکیل نہیں بنایا اس نے تو اسے مطلق جواب کا وکیل بنایا تھا'' ح''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

اس کے جامع محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہمارے شیخ مولف نے اس قول کو بطور دلیل نقل کیا ہے جب کہ کہا: قاضی زادہ کی'' شرح الہدایہ'' میں اسی طرح ہے۔

27486۔ (قولہ: لِلتَّنَاقُضِ) کیونکہ انہوں نے گمان کیا کہ وہ اپنے دعویٰ میں باطل پر ہیں۔'' درر''۔

27487۔ (قولہ: بِأَنْ قَالَ) اس مسئلہ کی پانچ صورتیں ہیں جن کی تفصیل'' مبسوط'' میں ہے۔

27488۔ (قولہ: عَلَى الظَّاهِرِ) یعنی ظاہر روایت۔ انکار کی استثنا کرنا اس کی مثل ہے۔ پس ظاہر روایت کے مطابق دونوں (اقرار و انکار) سے استثنا صحیح ہوگی۔'' زیلعی''۔ اس کی وضاحت اس میں ہے۔

أَيْ بِالتَّوْكِيلِ (مُقِرًّا) بَحْرٌ (وَبَطَلَ تَوْكِيلُ الْكَفِيلِ بِالْمَالِ) لِئَلَّا يَصِيرَ عَامِلًا لِنَفْسِهِ (كَمَا) لَا يَصِحُّ (لَوْ وَكَّلَهُ بِقَبْضِهِ) أَيْ الدَّيْنِ (مِنْ نَفْسِهِ أَوْ عَبْدِهِ) لِأَنَّ الْوَكِيلَ مَتَى عَمِلَ لِنَفْسِهِ بَطَلَتْ إِلَّا إِذَا وَكَّلَ الْمَدْيُونَ

بنانے کے ساتھ وہ مقر نہیں ہوگا۔ ''بحر''۔ جو مال کا ضامن بنا ہوا ہے اسے وکیل بنانا باطل ہے تا کہ وہ اپنی ہی ذات کے لیے عامل نہ ہو جائے جس طرح یہ صحیح نہیں کہ موکل اسے اپنی ہی ذات یا اپنے غلام سے مال قبض کرنے کا وکیل بنائے۔ کیونکہ وکیل جب اپنی ہی ذات کے لیے عمل کرے گا تو وکالت باطل ہو جائے گی۔ مگر جب وہ مدیون کو وکیل بنائے

نوٹ: تقریرات رافعی میں دونوں سے مراد طالب اور مطلوب لیا ہے۔ مترجم۔

27489۔ (قولہ: أَيْ بِالتَّوْكِيلِ) اقرار کا وکیل بنانا صحیح ہے اقرار سے قبل اقرار کا وکیل بنانا یہ موکل کی جانب سے اقرار نہیں ہوگا۔ ''طواویسی'' سے مروی ہے: اس کا معنی ہے: وہ خصومت کا وکیل بنائے اور کہے: تو خصومت کر، جب تو مجھ پر چٹی کے لاحق ہونے یا شرمندگی کے لاحق ہونے کو دیکھے تو مدعی کا اقرار کر لینا۔ تو اس کا موکل کے خلاف اقرار صحیح ہوگا'' بزازیہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''رملی''

میں کہتا ہوں، اس سے اس کے اقرار نہ ہونے کی وجہ معلوم ہو جاتی ہے اسی کی مثل منکر کی صلح کا معاملہ ہے۔

جو شخص مال کا ضامن ہے اسے وکیل بنانا باطل ہے

27490۔ (قولہ: وَبَطَلَ تَوْكِيلُ الْكَفِيلِ) اگر وہ اسے کفالت سے بری کر دے تو بھی یہ صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ وکالت ابتداءً باطل ہے۔ جس طرح اگر وہ غائب آدمی کی جانب سے کفیل بنے تو یہ باطل واقع ہوگی پھر وہ اس کفالت کو جائز قرار دے تو یہ جائز نہ ہوگی۔ (کیونکہ یہ ابتداءً باطل تھی)

27491۔ (قولہ: بِالْمَالِ) یہ جار مجرور کفیل کے متعلق ہے، ''ح''۔ جس سے احتراز کیا ہے اور اس کا ذکر عنقریب متن میں آئے گا۔

27492۔ (قولہ: لَوْ وَكَّلَهُ بِقَبْضِهِ) اس کی صورت یہ ہے: اگر آقا اپنے مدیون کو آزاد کر دے یہاں تک قرض خواہوں کے لیے اس غلام کی قیمت اس آقا پر لازم ہو جائے۔ اور غلام سے پورے دین کا مطالبہ کیا جائے۔ اگر طالب اس آقا کو غلام سے مال وصول کرنے کا وکیل بنا دے تو یہ امر باطل ہوگا۔ کیونکہ وکیل وہ ہوتا ہے جو غیر کے لیے عمل کرتا ہے جب کہ آقا کو اپنے لیے عمل کرنا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے ساتھ اپنے آپ کو بری الذمہ کرتا ہے۔ پس اس کا وکیل بننا صحیح نہ ہوگا'' کفایہ''۔

27493۔ (قولہ: لِأَنَّ الْوَكِيلَ) حاشیہ میں کہا: کیونکہ وکیل اپنے لیے عمل کرتا ہے جب وہ صرف اپنے لیے عمل کرے تو وکالت باطل ہو جاتی ہے۔ ''الاشباہ''۔

27494۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا الخ) استثنا مستدرک ہے۔ ''البحر'' میں جو قول ہے اسے دیکھیے۔ المدیون کا لفظ منصوب ہے اور وکل کا فاعل مستتر ہے۔

بِإِبْرَاءِ نَفْسِهِ، فَيَصِحُّ وَيَصِحُّ عَزْلُهُ قَبْلَ إِبْرَائِهِ نَفْسَهُ أَشْبَاهٌ (أَوْ وَكَّلَ الْمُحْتَالُ الْمُحِيلَ بِقَبْضِهِ مِنَ الْمُحَالِ عَلَيْهِ) أَوْ وَكَّلَ الْمَدْيُونُ وَكِيلَ الطَّالِبِ بِالْقَبْضِ لَمْ يَصِحَّ لِاسْتِحَالَةِ كَوْنِهِ قَاضِيًا وَمُقْتَضِيًا قُنْيَةٌ (بِخِلَافِ كَفِيلِ النَّفْسِ وَالرَّسُولِ وَوَكِيلِ الْإِمَامِ بِبَيْعِ الْغَنَائِمِ وَالْوَكِيلِ بِالتَّزْوِيجِ) حَيْثُ يَصِحُّ ضَمَانُهُمْ؛ لِأَنَّ كُلًّا مِنْهُمْ سَفِيرٌ (الْوَكِيلُ بِقَبْضِ الدَّيْنِ إِذَا كَفَلَ صَحَّ وَتَبْطُلُ الْوَكَالَةُ)؛ لِأَنَّ الْكَفَالَةَ أَقْوَى لِلُزُومِهَا فَتَصْلُحُ نَاسِخَةً (بِخِلَافِ الْعَكْسِ،

کہ وہ اپنے آپ کو بری کردے پس یہ توکیل صحیح ہوگی۔ اور ابھی اس نے اپنے آپ کو دین سے بری نہ کیا ہو تو اسے وکالت سے معزول کردینا صحیح ہے، ''اشباہ''۔ یا محال نے محلل کو محال علیہ سے مال پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا یا مدیون نے طالب کے وکیل کو مال پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا تو یہ توکیل صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ محال ہے کہ وہ دینے والا بھی ہو اور تقاضا کرنے والا بھی ہو، ''قنیہ''۔ نفس کے کفیل قاصد اور امام کے وکیل کا معاملہ مختلف ہے جو مال غنیمت کو بیچنے کا وکیل بنایا گیا ہو اور جسے لوگوں کی شادی کا وکیل بنایا گیا ہو۔ کیونکہ ان کی ضمانت صحیح ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک سفیر ہے۔ جب دین وصول کرنے والا وکیل دین کی ضمانت اٹھالے تو یہ کفالت صحیح ہوگی اور وکالت باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ کفالت اقوی ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ لازم ہوتی ہے۔ پس کفالت وکالت کے لیے ناسخ بننے کی صلاحیت رکھے گی۔ اس کے برعکس کا معاملہ مختلف ہے۔

27495۔ (قولہ: قُنْيَةٌ) اس کی عبارت جس طرح ''المنح'' میں ہے: اگر اس نے فلاں سے اس دین پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا اور مدیون کو اس باب میں خبر دے دی مدیون نے اسے اس کا سامان بیچنے اور اس کی ثمن قرض خواہ کو ادا کرنے کا وکیل بنادیا وکیل نے اس سامان کو بیچ دیا اور ثمن لے لی اور وہ ثمن ہلاک ہوگئی تو یہ مدیون کے مال سے ہلاک ہوگئی۔ کیونکہ یہ تو محال ہے کہ وہ ادا کرنے والا اور تقاضا کرنے والا ہو۔ ایک آدمی اس کی صلاحیت نہیں رکھتا کہ وہ دینے اور لینے میں مطلوب اور طالب کا وکیل بنے۔ اس کی مکمل بحث ''البحر'' میں ہے۔ پس اس میں غور کیجئے۔

27496۔ (قولہ: بِخِلَافِ كَفِيلِ النَّفْسِ) ''زیلعی'' نے یہ قید لگائی ہے: بان یوکلہ بالخصومۃ۔ ''البحر'' میں کہا: یہ قید نہیں۔ کیونکہ اگر وہ مدیون سے مال وصول کرنے کے لیے وکیل بناتا ہے تو یہ صحیح ہوگا۔

27497۔ (قولہ: حَيْثُ يَصِحُّ ضَمَانُهُمْ) یعنی ان کا ثمن اور مہر کی ضمانت اٹھانا صحیح ہوگا۔ حاشیہ میں یہ اسی طرح ہے۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک سفیر اور معبر ہے، ''منح''۔ مناسب یہ ہے کہ یہ کہے: یصح توکیلھم لیکن یہ امام کے غنیمت کے مال کو بیچنے کے لیے وکیل بنانے میں ظاہر نہیں۔ تامل

27498۔ (قولہ: سَفِيرٌ) یعنی غیر کی جانب سے تعبیر کرنے والا ہے پس اسے کوئی ذمہ داری لاحق نہ ہوگی۔

27499۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْعَكْسِ) یہ ماقبل کے ساتھ تکرار محض ہے، ''ح''۔ یعنی ماقبل جو ان کا یہ قول ہے وبطل توکیل الکفیل بالمال لیکن جب شارح کے قول فتصلح ناسخۃ کے ساتھ اس کے ارتباط کو ملحوظ خاطر رکھا جائے جو دونوں

وَكَذَا كُلَّمَا صَحَّتْ كَفَالَةُ الْوَكِيلِ بِالْقَبْضِ بَطَلَتْ وَكَالَتُهُ تَقَدَّمَتْ الْكَفَالَةُ أَوْ تَأَخَّرَتْ) لِمَا قُلْنَا (وَكِيلُ الْبَيْعِ إذَا ضَمِنَ الثَّمَنَ لِلْبَائِعِ عَنْ الْمُشْتَرِي لَمْ يَجُزْ) لِمَا مَرَّ أَنَّهُ يَصِيرُ عَامِلًا لِنَفْسِهِ (فَإِنْ أَدَّى بِحُكْمِ الضَّمَانِ رَجَعَ) لِبُطْلَانِهِ (وَبِدُونِهِ لَا) لِتَبَرُّعِهِ (ادَّعَى أَنَّهُ وَكِيلُ الْغَائِبِ بِقَبْضِ دَيْنِهِ فَصَدَّقَهُ الْغَرِيمُ أُمِرَ بِدَفْعِهِ إلَيْهِ) عَمَلًا بِإِقْرَارِهِ

اسی طرح جب مال وصول کرنے والے وکیل کی کفالت صحیح ہے تو اس کی وکالت باطل ہو جائے گی خواہ کفالت وکالت سے پہلے ہو یا بعد میں ہو۔ اس کی دلیل وہی ہے جسے ہم بیان کر چکے ہیں۔ بیع کا وکیل جب مشتری کی جانب سے بائع کے لیے ثمن کا ضامن بن جائے تو یہ جائز نہ ہوگا اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ذات کے لیے عمل کرنے والا ہے۔ اگر ضمانت کے حکم کے طور پر ادا کرے تو وہ واپس لے گا۔ کیونکہ ضمانت باطل ہے اور اگر ضمانت کے حکم کے بغیر ادا کرے گا تو واپس نہیں لے گا کیونکہ وہ احسان کرنے والا ہے۔ ایک آدمی نے دعویٰ کیا کہ وہ غائب کی جانب سے وکیل ہے کہ اس کے دین کو وصول کرے مقروض نے اس کی تصدیق کی تو اس کے اقرار پر عمل کرتے ہوئے مقروض کو حکم دیا جائے گا کہ وہ دین وکیل کے حوالے کر دے۔

میں فرق ظاہر کرنے کے لیے ہے تو تکرار نہیں ہوگا۔ تامل۔

27500۔(قولہ: وَكَذَا كُلَّمَا الخ) یہ ماقبل کے ساتھ تکرار محض ہے۔

27501۔(قولہ: لِلْبَائِعِ) مناسب یہ تھا کہ یہ کہتے۔ للموکل۔

27502۔(قولہ: لَمْ يَجُزْ) ''شرنبلالی'' نے اس سے اشکال کا ذکر کیا ہے اس امر کی وجہ سے کہ امام غنیمت کا مال بیچنے کے لیے کسی کو وکیل بنائے۔''ابوسعود'' نے اس اشکال کو اس قول کے ساتھ دور کیا ہے جو (مقولہ 27498 میں) گزر چکا ہے: من انه سفیر و معبر فلا تلحقه عهدة۔

27503۔(قولہ: عَامِلًا لِنَفْسِهِ) کیونکہ تقاضا کرنے کا حق اسے حاصل ہوتا ہے۔

27504۔(قولہ: رَجَعَ) جس موکل نے اسے بیع کا وکیل بنایا تھا اس سے واپسی کا مطالبہ کرے گا۔ کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے: جب اس نے ضمان کی جہت سے وہ مال ادا کیا تو تبرع اس کی ادائیگی میں حاصل ہوا جس طرح وہ مشتری کی جانب سے کفالت کے حکم سے ادا کرتا ہے جب کہ مشتری نے امر نہ کیا ہو۔ فلیتامل، ''شرنبلالیہ''۔

یہ امر مخفی نہیں کہ مقیس علیہ میں تبرع یہ نفس کفالت میں ہوتا ہے۔ جہاں تک ادائیگی کا تعلق ہے تو وہ لازم ہے چاہے یا نہ چاہے۔ ہمارے مسئلہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ جب وہ ضمانت کے حکم سے ادا کرتا ہے تو اسے تبرع نہیں کہہ سکتے بلکہ اس کے ضمن میں یہ اس پر لازم ہے۔

27505۔(قولہ: عَمَلًا بِإِقْرَارِهِ) یعنی اس نے اپنے مال میں جو اقرار کیا ہے اس پر عمل کرنے کی وجہ سے۔ کیونکہ

وَلَا يُصَدَّقُ لَوْ ادَّعَى الْإِيفَاءَ (فَإِنْ حَضَرَ الْغَائِبُ فَصَدَّقَهُ) فِي التَّوْكِيلِ (فَبِهَا) وَنِعْمَتْ (وَإِلَّا أُمِرَ الْغَرِيمُ بِدَفْعِ الدَّيْنِ إلَيْهِ) أَيْ الْغَائِبِ (ثَانِيًا) لِفَسَادِ الْأَدَاءِ بِإِنْكَارِهِ مَعَ يَمِينِهِ (وَرَجَعَ) الْغَرِيمُ (بِهِ عَلَى الْوَكِيلِ إنْ بَاقِيًا فِي يَدِهِ وَلَوْ حُكْمًا) بِأَنْ اسْتَهْلَكَهُ فَإِنَّهُ يَضْمَنُ مِثْلَهُ خُلَاصَةٌ

اگر مقروض اس قرض کی ادائیگی کا دعویٰ کر دے تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اگر غائب حاضر ہو جائے اور وہ وکالت میں وکیل کی تصدیق کر دے تو بہت ہی بہتر ورنہ مقروض کو حکم دیا جائے گا کہ وہ دین اسے یعنی غائب قرض خواہ کے حوالہ کرے کیونکہ پہلی ادائیگی فاسد ہو چکی ہے کیونکہ قسم کے ساتھ اس نے انکار کر دیا ہے۔ اور مقروض وکیل سے اس مال کی واپسی کا مطالبہ کرے گا اگر وہ مال اس کے ہاتھ میں موجود ہو اگرچہ موجود ہونا حکماً ہو۔ حکماً موجود ہونے کی صورت یہ ہے کہ وہ اس مال کو ہلاک کر چکا ہو تو وہ وکیل اس کی مثل کا ضامن ہوگا۔

دیون کی ادائیگی ان کی مثل سے کی جاتی ہے۔ ودیعت پر قبضہ کا جو وہ اقرار کرتا ہے جس کا ذکر آگے آئے گا اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں مالک کا حق عین میں باطل کرنا ہوتا ہے۔ ''سائحانی''۔

27506۔ (قولہ: وَلَا يُصَدَّقُ الخ) اس کا ذکر عنقریب متن میں اس قول: ولو وكله بقبض مال فادعى الغريم ما يسقط حق موكله الخ میں آئے گا۔

27507۔ (قولہ: لِفَسَادِ الْأَدَاءِ) کیونکہ جب غائب قرض خواہ نے انکار کیا تو حق کا وصول کرنا ثابت نہ ہوا تو ان کے قول بانكاره میں باء سببیہ ہے۔ اور ان کا قول مع یمینہ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ محض انکار کی بنا پر اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔

''البحر'' میں ''بزازیہ'' سے مروی ہے: اگر مقروض مدعی پر یہ دعوے کرے جب وہ مدعی اس سے مال کی واپسی کا مطالبہ کرنا چاہتا ہو کہ اس مدعی نے مال پر قبضہ کرنے والے کو وکیل بنایا تھا اور مقروض نے گواہیاں قائم کر دیں تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی اور مقروض بری ہو جائے گا۔ اگر وہ مدعی وکیل بنانے کا انکار کر دے تو مقروض اس سے قسم کا مطالبہ کرے گا اگر وہ مدعی قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو وہ بری ہو جائے گا۔

''البحر'' میں ''بزازیہ'' سے یہ بھی مروی ہے: اگر مقروض یہ ارادہ کرے کہ وہ مدعی سے اللہ تعالیٰ کے نام کی یہ قسم لے میں نے اسے اس مال پر قبضہ کرنے کے وکیل نہیں بنایا، اگر مقروض نے خاموشی سے اسے مال دے دیا تھا تو اسے مدعی سے قسم لینے کا حق نہیں ہوگا مگر جب مدعی تصدیق کی طرف لوٹ آئے (یعنی وہ کہے میں نے وکیل بنایا تھا) اگر مقروض نے جھٹلانے کی صورت میں مال وکیل کو دے دیا تھا تو اسے کوئی حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ مدعی سے قسم لے اگرچہ وہ تصدیق کی طرف لوٹ آئے لیکن وہ وکیل سے اس مال کا مطالبہ کرے گا۔ پس شارح نے جو مطلقاً کلام ذکر کی ہے وہ محل تقیید میں ہے۔ تامل

27508۔ (قولہ: فَإِنَّهُ يَضْمَنُ مِثْلَهُ) زیادہ بہتر یہ قول ہے بدلہ۔ تامل

(وَإِنْ ضَاعَ لَا) عَمَلًا بِتَصْدِيقِهِ (إِلَّا إِذَا) كَانَ قَدْ (ضَمَّنَهُ عِنْدَ الدَّفْعِ) بِقَدْرِ مَا يَأْخُذُهُ الدَّائِنُ ثَانِيًا لَا مَا أَخَذَهُ الْوَكِيلُ؛ لِأَنَّهُ أَمَانَةٌ لَا تَجُوزُ بِهَا الْكَفَالَةُ زَيْلَعِيٌّ وَغَيْرُهُ (أَوْ قَالَ لَهُ قَبَضْتُ مِنْكَ عَلَى أَنِّي أَبْرَأْتُكَ مِنْ الدَّيْنِ) فَهُوَ كَمَا لَوْ قَالَ الْأَبُ لِلْخَتَنِ عِنْدَ أَخْذِ مَهْرِ بِنْتِهِ آخُذُ مِنْكَ عَلَى أَنِّي أَبْرَأْتُكَ مِنْ مَهْرِ بِنْتِي، فَإِنْ أَخَذَتْهُ الْبِنْتُ ثَانِيًا رَجَعَ الْخَتَنُ عَلَى الْأَبِ فَكَذَا هَذَا بَزَّازِيَّةٌ (وَكَذَا) يَضْمَنُهُ (إِذَا لَمْ يُصَدِّقْهُ عَلَى الْوَكَالَةِ يَعُمُّ) صُورَتَيْ السُّكُوتِ وَالتَّكْذِيبِ (وَدَفَعَ لَهُ ذَلِكَ عَلَى زَعْمِهِ) الْوَكَالَةَ فَهَذِهِ أَسْبَابٌ لِلرُّجُوعِ عِنْدَ الْهَلَاكِ (فَإِنْ ادَّعَى الْوَكِيلُ هَلَاكَهُ أَوْ دَفْعَهُ لِمُوَكِّلِهِ صُدِّقَ) الْوَكِيلُ (بِحَلِفِهِ وَفِي الْوُجُوهِ) الْمَذْكُورَةِ (كُلِّهَا) الْغَرِيمُ (لَيْسَ لَهُ الِاسْتِرْدَادُ حَتَّى يَحْضُرَ الْغَائِبُ)

اگر مال ویسے ہی ضائع ہوجائے تو وکیل ضامن نہیں ہوگا یہ مقروض کی تصدیق کرنے کی وجہ سے ہے مگر مدیون نے دین دیتے وقت اس مقدار کی اس سے ضمانت لی جو قرض خواہ اس سے دوبارہ لے نہ کہ وکیل نے اس سے جو مال لیا ہے۔ کیونکہ وکیل کے پاس یہ مال امانت ہے امانت کی کفالت جائز نہیں ہوتی۔ ''زیلعی'' وغیرہ۔ یا وکالت کے مدعی نے اسے کہا: میں نے تجھ سے مال پر قبضہ اس شرط پر کیا تھا کہ میں تجھے دین سے بری کردوں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح باپ اپنے داماد سے اپنی بیٹی کا مہر وصول کرتے ہوئے کہے: میں تجھ سے یہ مال لے رہا ہوں تا کہ میں تجھے اپنی بیٹی کے مہر سے بری کردوں۔ اگر بیٹی اپنے خاوند سے دوبارہ مہر وصول کرے تو داماد اس کے باپ سے واپسی کا مطالبہ کرے گا۔ اسی طرح یہ بھی اس سے مطالبہ کرے گا، ''بزازیہ''۔ اسی طرح اس سے ضمانت لے گا جب وکالت پر اس کی تصدیق نہ کرے۔ یہ تصدیق نہ کرنے کا قول خاموشی اور تکذیب کی دونوں صورتوں کو عام ہے۔ اور اس نے وکالت کے گمان پر اسے مال دے دیا ہو یہ ہلاکت کے وقت رجوع کے اسباب ہیں۔ اگر وکیل اس مال کی ہلاکت کا دعویٰ کردے یا موکل کو ادا کر دینے کا دعویٰ کردے تو قسم کے ساتھ وکیل کی تصدیق کی جائے گی۔ تمام مذکورہ صورتوں میں مقروض کو واپس لینے کا حق حاصل نہیں ہوگا یہاں تک غائب حاضر ہو

27509۔ (قولہ: قَدْ ضَمَّنَهُ) میم مشدد ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: تو اس کا وکیل ہے لیکن مجھے خوف ہے کہ وہ وکالت کا انکار کردے گا اور دوبارہ مجھ سے اس مال کا مطالبہ کرے گا پس اس ماخوذ مال پر ضامن طلب کرتا ہے۔ پس وکلہ میں مستتر ضمیر الوکیل کی طرف لوٹتی ہے اور ضمیر بارز المال کی طرف لوٹتی ہے۔ ''بحر''۔

27510۔ (قولہ: أَوْ قَالَ) یہ وکالت کا مدعی کہے۔

27511۔ (قولہ: فَهَذِهِ) اسم اشارہ سے مراد تینوں ہیں۔ حاشیہ میں القول لمن کے باب الوکالہ سے نقل کیا ہے: ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے دوسرے شخص کو اجازت دی کہ وہ زید کو اس کے اس مال سے ہزار دے جو مال اس کے قبضہ میں ہے مامور (وکیل) نے مال ادا کرنے کا دعویٰ کیا اور زید غائب ہوگیا اور اذن کا انکار کردیا اور رقم ادا کرنے پر گواہوں کا مطالبہ کیا، کیا اس پر گواہیاں پیش کرنا لازم ہوگا؟

وَإِنْ بَرْهَنَ أَنَّهُ لَيْسَ بِوَكِيلٍ أَوْ عَلَى إِقْرَارِهِ بِذَلِكَ أَوْ أَرَادَ اسْتِحْلَافَهُ لَمْ يُقْبَلْ لِسَعْيِهِ فِي نَقْضِ مَا أَوْجَبَهُ لِلْغَائِبِ، نَعَمْ لَوْ بَرْهَنَ أَنَّ الطَّالِبَ جَحَدَ الْوَكَالَةَ وَأَخَذَ مِنِّي الْمَالَ تُقْبَلُ بَحْرٌ، وَلَوْ مَاتَ الْمُوَكِّلُ وَوَرِثَهُ غَرِيمُهُ أَوْ وَهَبَهُ لَهُ أَخَذَهُ قَائِمًا، وَلَوْ هَالِكًا ضَمِنَهُ إِلَّا إِذَا صَدَّقَهُ عَلَى الْوَكَالَةِ، وَلَوْ أَقَرَّ بِالدَّيْنِ وَأَنْكَرَ الْوَكَالَةَ حُلِّفَ مَا يَعْلَمُ أَنَّ الدَّائِنَ وَكَّلَهُ عَيْنِيٌّ (قَالَ إِنِّي وَكِيلٌ بِقَبْضِ الْوَدِيعَةِ فَصَدَّقَهُ الْمُودَعُ لَمْ يُؤْمَرْ بِالدَّفْعِ إِلَيْهِ) عَلَى الْمَشْهُورِ خِلَافًا لِابْنِ الشِّحْنَةِ، وَلَوْ دَفَعَ لَمْ يَمْلِكْ الِاسْتِرْدَادَ مُطْلَقًا لِمَا مَرَّ

اگر وہ گواہیاں قائم کردے کہ وہ وکیل نہیں یا اس کے وکیل نہ ہونے کے بارے میں اس کے اقرار پر گواہیاں قائم کردے یا اس سے قسم لینے کا ارادہ کرے تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اس امر میں نقص پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے جو اس نے غائب کے لیے ثابت کیا تھا۔ ہاں اگر وہ یہ گواہیاں قائم کردے کہ طالب نے وکالت کا انکار کیا ہے اور مجھ سے مال وصول کیا ہے تو اس کی گواہی مانی جائے گی۔ ''بحر''۔ اگر موکل مرجائے اور اس کا غریم اس کا وارث بن جائے یا موکل نے اسے ہبہ کیا وہ چیز موجود ہو تو لے لے اگر ہلاک ہو چکی ہو تو اس کا ضامن ہوگا مگر جب وکالت کے بارے میں اس کی تصدیق کی ہو۔ اگر وہ دین کا اقرار کرے اور وکالت کا انکار کردے تو اس سے یہ قسم لی جائے گی۔ وہ نہیں جانتا کہ قرض خواہ نے اسے وکیل بنایا ہے۔ ''عینی''۔ ایک آدمی نے کہا: میں ودیعت وصول کرنے کے لیے وکیل بنایا گیا ہوں مودع (جس کے پاس امانت رکھی گئی تھی) نے اس کی تصدیق کردی تو مشہور قول کے مطابق اسے ودیعت دینے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ ''ابن شحنہ'' نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر مودع وہ ودیعت اس وکیل کے حوالے کردے تو مطلقاً واپس لینے کا مالک نہیں ہوگا۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔

اس کا یہ جواب دیا: اگر مال اس کے پاس امانت ہو تو قسم کے ساتھ قول مامور کا معتبر ہوگا اگر وہ عوض یا دین ہو تو اس کا قول صرف بینہ کی صورت میں قبول کیا جائے گا۔

27512۔(قولہ: لَمْ يُقْبَلْ) نہ اس کی بات مانی جائے گی اور نہ ہی واپس لینے کا حق ہوگا۔

27513۔(قولہ: خِلَافًا لِابْنِ الشِّحْنَةِ) اس میں یہ ہے کہ ''ابن شحنہ'' نے ایک روایت امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کی ہے کہ اسے وہ مال دے دینے کا حکم دیا جائے گا۔ جو قول یہاں ہے وہ مذہب ہے پس کوئی معارضہ نہیں۔ ''ح''۔

27514۔(قولہ: مُطْلَقًا) خواہ وہ خاموش رہے، جھٹلائے یا تصدیق کرے۔

27515۔(قولہ: لِمَا مَرَّ) کہ اس نے غائب کے لیے جو چیز واجب کی تھی اس کو ختم کرنے کے لیے کوشش کر رہا ہے۔ ''البحر'' میں ہے: اگر ودیعت اس کے پاس ہلاک ہوگئی اس کے بعد مودع نے ودیعت اپنے پاس روک لی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ ضامن نہیں ہوگا جب کہ یہ چاہیے کہ ضمانت ہو۔ کیونکہ اس نے اپنے گمان کے مطابق مودع کے وکیل سے ودیعت روکی ہے۔ اس کی مثل ''جامع الفصولین'' میں ہے۔

(وَكَذَا) الْحُكْمُ (لَوْ ادَّعَى شِرَاءَهَا مِنَ الْمَالِكِ وَصَدَّقَهُ) الْمُودَعُ لَمْ يُؤْمَرْ بِالدَّفْعِ؛ لِأَنَّهُ إِقْرَارٌ عَلَى الْغَيْرِ (وَلَوْ ادَّعَى انْتِقَالَهَا بِالْإِرْثِ أَوْ الْوَصِيَّةِ مِنْهُ وَصَدَّقَهُ أُمِرَ بِالدَّفْعِ إِلَيْهِ) لِاتِّفَاقِهِمَا عَلَى مِلْكِ الْوَارِثِ (إِذَا لَمْ يَكُنْ عَلَى الْمَيِّتِ دَيْنٌ مُسْتَغْرِقٌ) وَلَا بُدَّ مِنَ التَّلَوُّمِ فِيهِمَا لِاحْتِمَالِ ظُهُورِ وَارِثٍ آخَرَ (وَلَوْ أَنْكَرَ مَوْتَهُ أَوْ قَالَ لَا أَدْرِي لَا) يُؤْمَرُ بِهِ مَا لَمْ يُبَرْهِنْ، وَدَعْوَى الْإِيصَاءِ كَوَكَالَةٍ فَلَيْسَ لِمُودَعِ مَيِّتٍ وَمَدْيُونِهِ الدَّفْعُ قَبْلَ ثُبُوتِ أَنَّهُ وَصِيٌّ، وَلَوْلَا وَصِيَّ فَدَفَعَ لِبَعْضِ الْوَرَثَةِ بَرِئَ عَنْ حِصَّتِهِ فَقَطْ (وَلَوْ وَكَّلَهُ بِقَبْضِ مَالٍ فَادَّعَى الْغَرِيمُ مَا يُسْقِطُ حَقَّ مُوَكِّلِهِ)

یہی حکم ہوگا اگر وہ آدمی ودیعت کے مالک سے خریدنے کا دعویٰ کرے اور مودع اس کی تصدیق کردے تو اسے وہ ودیعت اس کے حوالے کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ غیر پر اقرار ہے۔ اگر وہ اس ودیعت کے وراثت کے ذریعے منتقل ہونے کا دعویٰ کرے یا مودع کی جانب سے اس کے حق میں وصیت کا دعویٰ کرے اور مودع اس کی تصدیق کردے تو اسے ودیعت حوالے کردینے کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ دونوں وارث کی ملکیت پر اتفاق کر رہے ہیں جب میت پر ایسا دین نہ ہو جو اس کے تمام مال کا احاطہ کیے ہوئے ہو تو دونوں میں انتظار کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ کسی اور وارث کے ظاہر ہونے کا احتمال موجود ہے۔ اگر مودع مودع کی موت کا انکار کردے یا وہ کہہ دے: میں نہیں جانتا تو اسے ودیعت اس کے حوالے کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا جب تک وہ گواہیاں پیش نہ کرے وصیت کرنے کا دعویٰ وکالت کی طرح ہے۔ میت کے مودع اور اس کے مدیون کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس امر کے ثابت ہونے سے پہلے مال اس کے حوالے کرے کہ یہ اس میت کا وصی ہے اگر کوئی وصی نہ ہو تو اس نے کسی وارث کو وہ مال دے دیا تو صرف اس وراث کے حصہ سے وہ بری ہوگا۔ اگر اسے مال پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا تو مقروض نے ایسی چیز کا دعویٰ کر دیا جو اس کے مؤکل کے حق کو ساقط کر دیتا ہے

27516۔(قولہ: وَلَوْ ادَّعَى) یعنی وارث یا جس کے حق میں وصیت کی گئی ہے وہ یہ دعویٰ کرے۔

27517۔(قولہ: عَلَى مِلْكِ الْوَارِثِ) یعنی موصی کے ملکیت پر اتفاق ہے۔

27518۔(قولہ: وَلَا بُدَّ مِنَ التَّلَوُّمِ) یہ مسائل کتاب القضاء کے متفرقات میں گزر چکے ہیں ہم ان پر پہلے (مقولہ 26702 میں) گفتگو کر چکے ہیں۔

27519۔(قولہ: وَدَعْوَى الْإِيصَاءِ كَوَكَالَةٍ) جب اس مال پر قابض اس کی تصدیق کرے تو اسے وہ مال دینے کا حکم نہیں دیا جائے گا جب وہ مقر کے قبضہ میں عینی چیز ہو۔ کیونکہ اس نے یہ اقرار کیا ہے کہ وہ صاحب مال کی موت کے بعد ودیعت یا غصب شدہ شے پر قبضہ کرنے کے لیے وکیل بنایا گیا ہو تو یہ صحیح نہیں ہوگا جس طرح وہ یہ اقرار کرے کہ وہ اس کی زندگی میں اس ودیعت پر قبضہ کرنے کے لیے وکیل بنایا گیا ہو۔ اگر مال مقر پر دین ہو تو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے قول کے مطابق اس کی تصدیق کی جائے گی اور اسے وہ چیز حوالے کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ اور دوسرے قول کے مطابق جو امام

كَأَدَاءٍ أَوْ إِبْرَاءٍ أَوْ إِقْرَارِهِ بِأَنَّهُ مِلْكِي (دَفَعَ) الْغَرِيمُ (الْمَالَ) وَلَوْ عَقَارًا (إِلَيْهِ) أَيْ الْوَكِيلِ لِأَنَّ جَوَابَهُ تَسْلِيمٌ مَا لَمْ يُبَرْهِنْ، وَلَهُ تَحْلِيفُ الْمُوَكِّلِ لَا الْوَكِيلِ؛ لِأَنَّ النِّيَابَةَ لَا تَجْرِي فِي الْيَمِينِ خِلَافًا لِزُفَرَ

جیسے وہ کہے: میں نے وہ مال ادا کر دیا تھا، مال نے مجھے بری کر دیا تھا یا موکل نے یہ اقرار کیا کہ یہ تو میری ملک ہے تو مقروض وکیل کو وہ چیز حوالے کر دے گا اگر چہ وہ غیر منقولہ جائیداد ہو۔ کیونکہ مقروض کا جواب اس دعویٰ کو تسلیم کرنا ہے جب تک مقروض اپنے قول کے حق میں دلائل نہ پیش کرے۔ مقروض کو موکل سے قسم لینے کا حق ہوگا وہ وکیل سے قسم نہیں لے سکتا۔ کیونکہ نیابت یمین سے جاری نہیں ہوتی۔ امام ''زفر'' نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور اسے حوالے کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اس کی وضاحت ''الشرح'' میں ہے۔ ''بحر''۔

27520۔ (قولہ: أَوْ إِقْرَارِهِ) یعنی موکل یہ اقرار کرتا ہے کہ یہ چیز مقروض کی ملک ہے۔ مسئلہ ''جامع الفصولین'' میں ہے۔ کیونکہ کہا: ایک آدمی نے وکالت کے اعتبار سے زمین کے بارے میں دعویٰ کیا کہ وہ میرے موکل کی ملکیت ہے اور اس نے گواہیاں پیش کر دیں۔ قاضی نے کہا: یہ میری ملکیت ہے اور تیسرے موکل نے اس کا اقرار کیا اگر اس پر گواہ نہ ہوں تو اسے حق حاصل ہے کہ وہ موکل سے قسم لے اس کے وکیل سے قسم نہ لے۔ اگر اس کا موکل غائب ہو تو اس کے قاضی کو حق حاصل ہے کہ اس کے موکل کے حق میں فیصلہ کر دے۔ اگر موکل حاضر ہو اور یہ قسم اٹھائے کہ اس نے اس کے حق میں اقرار نہیں کیا تو حکم اپنی حالت پر باقی رہے گا اگر وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو حکم باطل ہو جائے گا۔ یہ شارح کی کلام میں جو ضعف ہے وہ اس سے ظاہر ہو جاتا ہے۔

27521۔ (قولہ: لِأَنَّ جَوَابَهُ تَسْلِيمٌ) کیونکہ اس نے حق ادا کرنے کا دعویٰ کیا ہے اس کے دعویٰ کے ضمن میں دین اور وکالت کا اقرار ہے۔ اس کی مکمل بحث ''التبیین'' میں ہے۔

27522۔ (قولہ: مَا لَمْ يُبَرْهِنْ) یعنی جب تک حق ادا کرنے پر گواہیاں پیش نہ کر دے۔ اگر وہ گواہیاں پیش کر دے تو اس کی گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے کہ دین پر قبضہ کرنے کے لیے جو وکیل بنایا جاتا ہے وہ خصومت کا وکیل ہوتا ہے۔ ''بحر''۔

27523۔ (قولہ: لَا الْوَكِيلِ) یعنی وکیل سے یہ قسم نہیں لی جائے گی کہ اسے موکل کے اپنا حق وصول کر لینے کا علم نہیں۔ ''بحر''۔

یمین میں نیابت جاری نہیں ہوتی

27524۔ (قولہ: لِأَنَّ النِّيَابَةَ لَا تَجْرِي فِي الْيَمِينِ) دین پر قبضہ کرنے کے وکیل پر مدیون نے یہ دعویٰ کر دیا کہ اس نے موکل کو حق ادا کر دیا ہے یا اس نے مدیون کو بری کر دیا تھا اور مدیون نے وکیل سے یہ قسم لینے کا ارادہ کیا کہ وہ قسم اٹھائے

(وَلَوْ وَكَّلَهُ بِعَيْبٍ فِي أَمَةٍ وَادَّعَى الْبَائِعُ أَنَّ الْمُشْتَرِيَ رَضِيَ بِالْعَيْبِ لَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتَّى يَحْلِفَ الْمُشْتَرِي) وَالْفَرْقُ أَنَّ الْقَضَاءَ هُنَا فَسْخٌ لَا يَقْبَلُ النَّقْضَ، بِخِلَافِ مَا مَرَّ خِلَافًا لَهُمَا (فَلَوْ رَدَّهَا الْوَكِيلُ عَلَى الْبَائِعِ

اگر ایک آدمی نے کسی کو وکیل بنایا کہ وہ لونڈی میں عیب کی وجہ سے بائع کو واپس کر دے اور بائع نے یہ دعویٰ کیا کہ مشتری تو عیب پر راضی ہو گیا تھا تو وہ اسے واپس نہیں کر سکے گا یہاں تک کہ مشتری قسم اٹھائے۔ فرق یہ ہے کہ یہاں قضا عقد کا ایسا فسخ ہے جو نقض کو قبول نہیں کرتا۔ جو مسئلہ اس سے پہلے گزرا ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر وکیل وہ لونڈی عیب کی وجہ سے بائع پر لوٹا دے

کہ اس کے بارے میں نہیں جانتا تو اس سے قسم نہیں لی جائے گی۔ کیونکہ اگر وہ وکیل اس کا اقرار کر لے تو اس کے موکل کے خلاف یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ اقرار غیر کے خلاف ہے، ''جامع الفصولین''۔ یہ تعدیل اس سے زیادہ ظاہر ہے جس کا ذکر شارح نے کیا ہے۔ فتدبر

''نور العین'' میں ''الخلاصہ'' سے مروی ہے: ''زیادات'' میں ہے: ہر جگہ جہاں وہ اقرار کرے تو وہ اقرار اس پر لازم ہو جائے گا جب وہ انکار کر دے تو اس سے قسم لی جائے گی مگر تین مسائل میں اس سے قسم نہیں لی جائے گی۔ خریداری کا وکیل مبیع میں عیب پائے تو اس وکیل نے اسے واپس کرنے کا ارادہ کیا اور بائع نے اس سے یہ قسم لینے کا ارادہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھائے: وہ نہیں جانتا کہ وہ موکل عیب پر راضی ہے وہ قسم نہیں اٹھائے گا۔ اگر وکیل اقرار کر لے تو وہ اس پر لازم ہو جائے گا۔

(۲) دین وصول کرنے والے وکیل پر جب مدیون یہ دعویٰ کرے کہ اس کے موکل نے اسے دین سے بری کر دیا ہے اور وکیل سے اس کے علم کے متعلق قسم کا مطالبہ کیا جائے تو وہ اس سے قسم نہیں لے گا۔ اگر وکیل اس کا اقرار کر لے تو اس پر لازم ہو جائے گا۔

یہ حقیر کہتا ہے ''الخلاصہ'' میں تیسرے مسئلہ کا ذکر نہیں کیا اور دوسرے مسئلہ میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ جس کا اقرار کیا گیا ہے وہی تو بری کرنا ہے جس کا مدیون دعویٰ کرتا ہے تو وکیل پر اس کے لازم ہونے کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے؟

27525۔(قولہ: وَلَوْ وَكَّلَهُ بِعَيْبٍ) یعنی عیب کی وجہ سے لونڈی لوٹانے کے لیے اسے وکیل بنایا۔ ''ح''۔

27526۔(قولہ: لَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ الخ) یعنی وکیل بائع پر اسے نہیں لوٹائے گا، ''ح''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27527۔(قولہ: حَتَّى يَحْلِفَ الخ) یعنی قاضی اس کے خلاف لوٹانے کا فیصلہ نہیں کرے گا یہاں تک کہ مشتری حاضر ہو جائے اور وہ یہ قسم اٹھا دے کہ وہ عیب پر راضی نہیں ہے۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27528۔(قولہ: وَالْفَرْقُ) یعنی اس مسئلہ، جس میں لونڈی کو بائع پر نہیں لوٹایا جائے گا، اور اس مسئلہ جو، اس سے پہلے ہے جس میں مقروض مال وکیل کو دے دیتا ہے، کے درمیان فرق یہ ہے، ''ح''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27529۔(قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) کیونکہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: دونوں فصلوں میں قضا کو موخر نہیں کیا جائے گا کیونکہ

بِالْعَيْبِ فَحَضَرَ الْمُوَكِّلُ وَصَدَّقَهُ عَلَى الرِّضَا كَانَتْ لَهُ لَا لِلْبَائِعِ اتِّفَاقًا فِي الْأَصَحِّ؛ لِأَنَّ الْقَضَاءَ لَا عَنْ دَلِيلٍ بَلْ لِلْجَهْلِ بِالرِّضَا ثُمَّ ظَهَرَ خِلَافُهُ فَلَا يَنْفُذُ بَاطِنًا نِهَايَةٌ (وَالْمَأْمُورُ بِالْإِنْفَاقِ) عَلَى أَهْلٍ أَوْ بِنَاءٍ (أَوْ الْقَضَاءِ) لِدَيْنٍ (أَوْ الشِّرَاءِ أَوْ التَّصَدُّقِ عَنْ) زَكَاةٍ (إذَا أَمْسَكَ مَا دُفِعَ إلَيْهِ وَنَقَدَ مِنْ مَالِهِ) نَاوِيًا الرُّجُوعَ كَذَا قَيَّدَ الْخَامِسَةَ فِي الْأَشْبَاهِ (حَالَ قِيَامِهِ لَمْ يَكُنْ مُتَبَرِّعًا) بَلْ يَقَعُ التَّقَاصُّ اسْتِحْسَانًا (إذَا لَمْ يُضِفْ إلَى غَيْرِهِ) فَلَوْ كَانَتْ وَقْتَ إنْفَاقِهِ مُسْتَهْلَكَةً وَلَوْ بِصَرْفِهَا لِدَيْنِ نَفْسِهِ أَوْ أَضَافَ الْعَقْدَ إلَى دَرَاهِمِ نَفْسِهِ ضَمِنَ وَصَارَ مُشْتَرِيًا لِنَفْسِهِ

موکل حاضر ہوا اور اس کی رضامندی پر تصدیق کردی تو وہ لونڈی موکل کی ہوئی بائع کی نہ ہوگی۔ اصح قول کے مطابق سب کا اس پر اتفاق ہے۔ کیونکہ فیصلہ دلیل کی وجہ سے نہیں ہوا تھا بلکہ رضامندی سے ناواقفی کی وجہ سے ہوا تھا۔ پھر اس کے برعکس معاملہ ظاہر ہوا تھا پس وہ فیصلہ باطنا نافذ نہیں ہوگا۔ ''نہایہ''۔ جس شخص کو اہل یا عمارت کی تعمیر پر خرچ کرنے کا حکم دیا گیا تھا یا جسے دین کی ادائیگی، کسی شے کے خریدنے یا زکوٰۃ کے طور پر صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا تھا جب وہ وکیل وہ مال روک لے جو اسے دیا گیا تھا اور اپنا مال ادا کردے جب کہ اس کی واپسی کی امید کی تھی۔ ''الاشباہ'' میں پانچویں مسئلہ کو مقید کیا ہے جب کہ وہ مال موجود ہو تو وہ احسان کرنے والا نہ ہوگا بلکہ یہ تو بطور استحسان ادلے کا بدلہ ہوجائے گا جب وہ اسے کسی اور کی طرف منسوب نہ کرے۔ اگر خرچ کرتے وقت وہ مال ہلاک ہو چکا ہو اگرچہ اس کا ہلاک ہونا اپنے ذاتی دین کی وجہ سے ہو یا اس نے عقد کو اپنے ذاتی دراہم کی طرف منسوب کیا ہو تو وہ ضامن ہوگا اور وہ اپنے لیے اسے خریدنے والا ہوگا

''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک قاضی کی قضا صرف ظاہراً نافذ ہوتی ہے جب خطا ظاہر ہو۔ ''ح''۔

27530۔ (قولہ: فَلَا يَنْفُذُ بَاطِنًا) ''قاضی زادہ'' نے اس پر اعتراض کیا ہے۔ جس طرح امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہاں بھی قضا کا نقض جائز ہے خواہ وہ کسی سبب سے ہو تو مذکورہ دلیل مکمل نہ ہوگی کیونکہ دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔ ''ح''۔

27531۔ (قولہ: أَوْ الشِّرَاءِ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ ''البحر'' میں ''الخلاصہ'' سے مروی ہے: دینار بیچنے کے لیے بنایا جانے والا وکیل جب دینار روک لے اور اپنے دینار کو بیچ دے تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔

27532۔ (قولہ: عَنْ زَكَاةٍ) ظاہر یہ ہے کہ یہ قید نہیں، ''ح''۔ ''المنتقی'' سے جو قول آئے گا اس کا اطلاق اس پر دلالت کرتا ہے۔

27533۔ (قولہ: إلَى غَيْرِهِ) یعنی آمر کے مال کے غیر کی طرف اسے منسوب نہ کرے۔ خواہ وہ آمر کے مال کی طرف منسوب کرے یا اسے مطلق ذکر کرے۔ ''ح''۔

27534۔ (قولہ: وَقْتَ إنْفَاقِهِ) یعنی اسے خریدتے وقت یا اسے صدقہ کرتے وقت۔

27535۔ (قولہ: لِدَيْنِ نَفْسِهِ) یعنی اپنے دین کے لیے یا کسی اور کے دین کے لیے صرف کرنے کے ساتھ وہ

مُتَبَرِّعًا بِالْإِنْفَاقِ؛ لِأَنَّ الدَّرَاهِمَ تَتَعَيَّنُ فِي الْوَكَالَةِ نِهَايَةٌ وَبَزَّازِيَّةٌ، نَعَمْ فِي الْمُنْتَقَى لَوْ أَمَرَهُ أَنْ يَقْبِضَ مِنْ مَدْيُونِهِ أَلْفًا وَيَتَصَدَّقَ فَتَصَدَّقَ بِأَلْفٍ لِيَرْجِعَ عَلَى الْمَدْيُونِ جَازَ اسْتِحْسَانًا (وَصِيٌّ أَنْفَقَ مِنْ مَالِهِ وَ) الْحَالُ أَنَّ (مَالَ الْيَتِيمِ غَائِبٌ فَهُوَ) أَيْ الْوَصِيُّ كَالْأَبِ (مُتَطَوِّعٌ إِلَّا أَنْ يُشْهِدَ أَنَّهُ قَرْضٌ عَلَيْهِ أَوْ أَنَّهُ يَرْجِعُ) عَلَيْهِ جَامِعُ الْفُصُولَيْنِ وَغَيْرُهُ، وَعَلَّلَهُ فِي الْخُلَاصَةِ بِأَنَّ قَوْلَ الْوَصِيِّ وَإِنْ اُعْتُبِرَ فِي الْإِنْفَاقِ لَكِنْ لَا يُقْبَلُ فِي الرُّجُوعِ فِي مَالِ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالْبَيِّنَةِ فُرُوعٌ الْوَكَالَةُ الْمُجَرَّدَةُ لَا تَدْخُلُ تَحْتَ الْحُكْمِ وَبَيَانُهُ فِي الدُّرَرِ

جب کہ انفاق میں وہ احسان کرنے والا ہوگا۔ کیونکہ وکالت میں دراہم متعین ہو جاتے ہیں۔ ''نہایہ''، ''بزازیہ''۔ ہاں ''المنتقی'' میں ہے: اگر وہ اسے حکم دے کہ وہ اس کے مدیون سے ہزار وصول کرے اور صدقہ کر دے اور اس نے ہزار صدقہ کر دیا تا کہ مدیون سے واپس لے تو یہ بطور استحسان جائز ہوگا۔ ایک وصی نے اپنے مال سے خرچ کیا جب کہ صورتحال یہ ہے کہ یتیم کا مال غائب ہے تو وہ وصی باپ کی طرح احسان کرنے والا ہوگا مگر وہ یہ گواہ بنائے کہ یہ مال اس یتیم پر قرض ہے اور وہ اس سے واپس لے گا، ''جامع الفصولین'' وغیرہ۔ ''الخلاصہ'' میں اس کی یہ علت بیان کی ہے: وصی کا قول اگرچہ انفاق میں معتبر ہوتا ہے لیکن یتیم کے مال کی واپسی کا مطالبہ صرف بینہ کے ساتھ ہی قبول ہوتا ہے۔ فروع: مجرد وکالت حکم کے تحت داخل نہیں ہوتی۔ اس کی وضاحت ''الدرر'' میں ہے۔

اسے ہلاک کر دے۔ ''ح''۔

27536۔ (قولہ: نَعَمْ الخ) استدراک کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ یہ ماقبل کے منافی نہیں۔ کیونکہ مدیون کے ذمہ میں دین کا قیام وکیل کے قبضہ میں مال کا قیام ہے۔ صاحب ''المنح'' اور صاحب ''البحر'' نے دونوں کو استدراک کے بغیر ذکر کیا ہے۔

27537۔ (قولہ: وَصِيٌّ أَنْفَقَ الخ) اس مسئلہ کی وضاحت کتاب الوصایا کے آخر میں (مقولہ 36767 میں) آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

27538۔ (قولہ: غَائِبٌ) حاضر مال بدرجہ اولی اس طرح ہوگا۔

27539۔ (قولہ: فُرُوعٌ) باب کے شروع میں جو عنقریب آئے گا اس کے ساتھ یہ تکرار ہے۔

27540۔ (قولہ: وَبَيَانُهُ فِي الدُّرَرِ) ''الدرر'' میں کہا: ''الصغریٰ'' میں کہا: دین وصول کرنے کا وکیل جب خصم کو حاضر کرے تو وکیل بنانے کے عمل کا اقرار کرے اور دین کا انکار کر دے تو وکالت ثابت نہ ہوگی یہاں تک کہ اگر وکیل بنانے کے عمل کا اقرار کرے اور دین کا انکار کر دے تو وکالت ثابت نہ ہوگی یہاں تک کہ اگر وکیل دین پر گواہیاں قائم کرنے کا ارادہ کرے تو اس کی گواہیاں قبول نہ کی جائیں گی۔

اس نے وکیل بنائے جانے کا اقرار کیا اور دین کا انکار کیا تو وکالت ثابت نہ ہوگی۔ کیونکہ جب اس نے وکالت کا اقرار کیا تو وہ دین میں خصم (مدعیٰ علیہ) نہیں ہوگا جب وہ وکالت کا انکار کرے اور دین کا اقرار کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ دین

صَحَّ التَّوْكِيلُ بِالسَّلَمِ لَا بِقَبُولِ عَقْدِ السَّلَمِ، فَلِلنَّاظِرِ أَنْ يُسْلِمَ مِنْ رَيْعِهِ فِي زَيْتِهِ وَحُصْرِهِ، وَلَيْسَ لَهُ أَنْ يُوَكِّلَ بِهِ مَنْ يَجْعَلُهُ بِجُعْلٍ أَمِينًا عَلَى الْقَرْيَةِ فَيَأْمُرُهُ بِعَقْدِ السَّلَمِ وَيَسْتَلِمُ مِنْهُ عَلَى مَا قَرَّرَ لَهُ بَاطِنًا؛ لِأَنَّهُ وَكِيلُ الْوَاقِفِ وَالْوَكَالَةُ أَمَانَةٌ لَا يَصِحُّ بَيْعُهَا، وَتَمَامُهُ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ انتهى واللہ اعلم

بیع سلم کے لیے وکیل بنانا صحیح ہے، عقد سلم کو قبول کرنے کے لیے وکیل کرنا صحیح نہیں۔ وقف کے نگران کے لیے یہ صحیح ہے کہ وہ وقف کے منافع سے تیل اور چٹائیوں میں بیع سلم کرے اور نگران کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اس کے لیے اسے وکیل بنائے جس کو اس نے وظیفہ ادا کرنے کی شرط پر اس دیہات پر امین بنایا ہو۔ پھر اس امین کو عقد سلم کا حکم کرے اس اناج میں جو وقف کی زمین میں پیدا ہوا اور بیع سلم کا راس المال اس امین سے لے۔ باطن میں اس وظیفے کے عوض جو ناظر کے واسطے مقرر کیا ہو گیا یہ اس واسطے جائز نہیں۔ کیونکہ وہ واقف کا وکیل ہے۔ وکالت امانت ہے اس کی بیع صحیح نہیں۔ اس کی مکمل وضاحت ''شرح الوہبانیہ'' میں ہے، انتہی، واللہ اعلم۔

کے ثابت کرنے میں خصم ہے۔ کیونکہ گواہیاں ایسے خصم پر واقع ہوں گی جو وکالت کا انکار کرتا ہے حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

اس کے جامع فقیر ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس عبارت کو کسی کی طرف منسوب نہیں کیا اور یہ عبارت منسوب کرنے کی محتاج ہے۔ اس میں اس کی کتاب کی جگہ قطعی ہے میرے ہاں یہ اسی طرح مرتب ہو گی۔ واللہ اعلم

بیع سلم کے لیے وکیل بنانا صحیح ہے، عقد سلم کو قبول کرنے کے لیے وکیل کرنا صحیح نہیں

27541۔(قولہ: صَحَّ التَّوْكِيلُ بِالسَّلَمِ) سلم سے مراد اسلام ہے یعنی بیع سلم کے لیے کسی کو رقم دینا۔ اس مسئلہ پر تنبیہ باب الوکالۃ بالبیع والشراء میں گزر چکی ہے۔ کیونکہ وہاں کہا: سلم سے مراد بیع سلم کرنا ہے سلم کو قبول کرنا نہیں کیونکہ بیع سلم کو قبول کرنے کے لیے وکیل بنانا جائز نہیں۔ ''ابن کمال''۔ ہم نے اس کی وضاحت ''زیلعی'' کی عبارت سے کی ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجیے۔

''شرح الوہبانیہ'' میں ہے: ''المبسوط'' میں کہا: جب ایک آدمی نے دوسرے کو وکیل کیا وہ معین کھانے میں دراہم لے وکیل نے وہ دراہم وصول کر لیے پھر وہ دراہم موکل کے حوالہ کر دیئے تو کھانا وکیل کے ذمہ ہوگا۔ اور وکیل کے موکل پر دراہم قرض ہوں گے کیونکہ اصل توکیل باطل ہے کیونکہ مسلم الیہ نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ کھانے کی بیع اپنے ذمہ سے وکیل کے ذمہ کی طرف کر دے۔ اگر وہ اسے حکم دے کہ وہ اپنے مال کا عین بیچ دے شرط یہ ہو کہ ثمن آمر کے ذمہ ہو گی تو یہ امر باطل ہوگا۔ اسی طرح جب وہ اسے حکم دے کہ وہ کھانا اس کے ذمہ میں بیچے اور بیع سلم کا قبول کرنا مفلس لوگوں کا عمل ہے تو اس کا وکیل بنانا باطل ہوگا۔

27542۔(قولہ: فَلِلنَّاظِرِ أَنْ يُسْلِمَ الخ) ماقبل پر اس کی تفریع کی ہے کیونکہ وہ ناظر وکیل کی طرح ہے جس طرح علما نے تصریح کی ہے۔ اس عبارت میں ایجاز ہے جس طرح ایجاز نے اس عبارت کو پہلی کے ساتھ لاحق کر دیا ہے۔ یہ دو مسئلوں پر مشتمل ہے۔

....

دونوں مسئلوں میں سے ایک یہ ہے: نگران کے لیے یہ جائز ہے کہ وقف کے منافع سے اس کے تیل اور چٹائیوں میں بیع سلم کر دے جس طرح وہ عقد سلم کا وکیل ہو۔ پھر راس المال اگرچہ اس کے ذمہ میں ثابت ہوگا جس طرح سابقہ مسئلہ تھا پس وہ وقف کے منافع سے اس کا بدل دینے پر مامور ہوگا۔ مراد یہ نہیں کہ ذمہ میں اس کا ثبوت متاخر ہوگا کہ عقد فاسد ہو جائے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ ثمن کی طرح ہے جو ذمہ میں ثابت ہے پھر جو چیز وہ عطا کرے گا تو وہ اس کا بدل ہوگا جو واجب ہوا یہاں وہ اسے مجلس میں عطا کرے گا جس طرح خریداری کے لیے کسی کو وکیل بنایا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہوگا اگرچہ ثمن اس کی ملک نہ ہوتا ہم کہتے ہیں: یہاں ثمن معین ہے یعنی بیع سلم کا راس المال معین ہے کیونکہ امانت کا مال تعیین کے ساتھ متعین ہو جاتا ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے: تو یہ جان چکا ہے کہ وقف کا نگران واقف کا وکیل ہوتا ہے وکالت امانت ہوتی ہے۔ امانت کی بیع صحیح نہیں ہوتی۔ جب یہ بات مشہور ہوگئی کہ یہ صحیح نہیں تو نگرانوں نے اس کے لیے ایک حیلہ بنایا جب انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ وہ دیہات میں ایک سیکرٹری بنائیں جو اس دیہات کی کھیتی کی حفاظت کرے وہ اس امین کے لیے کوئی وظیفہ مقرر کر دیں۔ وہ حیلہ یہ ہے: وہ نگران اس آدمی کو عقد سلم کا حکم دیتے اور وکیلوں سے اس پر بیع سلم کر لیتے جو ان کے لیے باطنا مقرر ہوتا پس وہ غلہ جس میں بیع سلم کی جاتی وہ وکیل کے ذمہ میں ثابت ہوتا اگر وہ وقف کے منافع سے صرف کرے گا تو وہ اس کا ضامن ہوگا اگر وہ مال سلم مستحقین پر صرف کر دے تو اسے وقف کے منافع میں واپس نہیں کرے گا اور وہ تبرع واحسان کرنے والا ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنا مال ایسی جگہ صرف کیا ہے جس جگہ اسے صرف کرنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی اسے سابقہ مسئلہ پر تخریج کیا ہے۔ کیونکہ یہ تو بیع سلم کو قبول کرنے کے لیے وکیل بنایا گیا ہے۔

''وہبانیہ'' کے شارحین نے اس محل میں جو ذکر کیا ہے۔ یہ اس کا حاصل ہے۔ اس کلام کو سمجھنا میرے لیے مشکل ہو گیا ایک طویل مدت تک اس سے حاصل مجھے اخذ نہ ہو سکا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ایک شے کو میرے لیے کھول دیا جو میرے ظن پر غالب آ گئی کہ دوسرے مسئلہ میں اس حیلہ کی صورت میں یہی مراد ہے۔

وہ صورت یہ ہے: ایک شخص وقف کا نگران ہے وہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ ایسا سیکرٹری معین کر دے جو اس پر قادر ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ نگران اس سے جلدی نفع اٹھائے اور سیکرٹری کچھ عرصہ بعد نفع اٹھائے جب وہ سیکرٹری سے اس پر کوئی شے وصول کر لے تا کہ وہ نگران کے قائم مقام ہو جائے۔ اور وظیفہ کے بدلہ میں وقف کے منافع وصول کرے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ معنوی اعتبار سے یہ وکالت کی بیع ہے۔ کیونکہ تو یہ جان چکا ہے کہ نگران واقف کا وکیل ہے۔ ہمارے زمانہ میں مقاطعات اور اوقاف میں اکثر ہوتا ہے۔ اسے وہ لوگ التزام کا نام دیتے ہیں۔ جب اس کے لیے اس نے حیلہ کیا اس کی صورت یہ ہے کہ نگران سیکرٹری سے معلوم مقدار وقف کے غلہ (زمین کے منافع) پر بیع سلم کے طور پر لے لیتا ہے تا کہ وہ اس کے مصارف میں صرف کرے اور واقف نے اس کے لیے جو دسواں حصہ مثلاً معین کیا ہے وہ اس سے لے۔ وہ سیکرٹری وقف کا غلہ وصول کرتا ہے کیونکہ وہ مسلم فیہ ہے تا کہ نگران کو نگرانی کا نفع حاصل ہو جائے اور امین کو اس کی سیکرٹری شپ کا نفع حاصل ہو

....

جائے۔ یہ بھی جائز نہیں۔ کیونکہ نگران واقف کی جانب سے وکیل ہوتا ہے تو گویا وہ واقف کی جانب سے عقد سلم کے قبول کرنے اور حاصل ہونے والے منافع پر دراہم وصول کرنے میں وکیل ہو گیا جب کہ تو جان چکا ہے کہ جائز یہ ہے کہ عقد سلم کے لیے وکیل بنانا جائز ہے اس کے قبول کرنے کے لیے وکیل بنانا جائز نہیں جب اس نے دراہم لے لیے اور انہیں مستحقین پر صرف کر دیا تو وہ تبرع کرنے والا اور اپنے مال میں سے صرف کرنے والا ہو گا غلہ اس کے ذمہ ثابت ہو گا اور اس کی مثل اس کو لازم ہو گی۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے۔

پھر یہ امر مخفی نہیں کہ یہ سب کچھ مسلم فیہ کی مقدار کے بیان کے بعد ہوا ساتھ ہی بیع سلم کی تمام شروط موجود تھیں ورنہ اس کا فساد ایک دوسری جہت سے ہو گا جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ عَزْلِ الْوَكِيلِ

(الْوَكَالَةُ مِنَ الْعُقُودِ الْغَيْرِ اللَّازِمَةِ) كَالْعَارِيَّةِ (فَلَا يَدْخُلُهَا خِيَارُ شَرْطٍ وَلَا يَصِحُّ الْحُكْمُ بِهَا مَقْصُودًا وَإِنَّمَا يَصِحُّ فِي ضِمْنِ دَعْوَى صَحِيحَةٍ عَلَى غَرِيمٍ) وَبَيَانُهُ فِي الدُّرَرِ (فَلِلْمُوَكِّلِ الْعَزْلُ مَتَى شَاءَ مَا لَمْ يَتَعَلَّقْ بِهِ حَقُّ الْغَيْرِ)

وکیل کو معزول کرنے کے احکام

وکالت ان عقود میں سے ہے جو لازم نہیں ہوتے جیسے عاریہ (کسی کو کوئی چیز ادھار دینا)۔ پس وکالت میں خیار شرط داخل نہیں ہوگا اور وکالت کے بارے میں باعتبار مقصود حکم دینا صحیح نہ ہوگا۔ یہ غریم کے خلاف دعویٰ صحیحہ کے ضمن میں صحیح ہوگا۔ اس کی وضاحت ''الدرر'' میں ہے۔ موکل کو حق حاصل ہے کہ جب چاہے وکیل کو معزول کر دے جب تک اس کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہوگا

27543۔ (قولہ: خِيَارُ شَرْطٍ) خیار شرط کی ضرورت عقد لازم میں ہوتی ہے تاکہ جسے خیار ہے وہ چاہے تو اسے فسخ کر سکے۔ ''منح''۔

جب تک وکیل کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہو موکل جب چاہے وکیل کو معزول کر سکتا ہے

27544۔ (قولہ: فَلِلْمُوَكِّلِ الْعَزْلُ) ''زیلعی'' نے وکیل کو معزول کرنے کے مسئلہ کی وضاحت کے بعد کہا: جب تک غیر کا حق اس وکیل سے متعلق نہ ہو چکا ہو۔ اسی تعبیر کی بنا پر بعض مشائخ نے کہا: جب خاوند نے عورت کے التماس کرنے پر اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لیے وکیل بنایا پھر وہ خاوند غائب ہو گیا تو اب وہ موکل (خاوند) بیوی کو معزول کرنے کا مالک نہیں ہوگا یہ قول کوئی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ صحیح قول کے مطابق اسے معزول کرنے کا اختیار ہے۔ کیونکہ طلاق کے معاملہ میں عورت کا کوئی حق نہیں۔ اسی وجہ سے علماء نے فرمایا: اگر موکل وکیل سے کہے: جب بھی میں تجھے معزول کروں تو تو میرا وکیل ہے تو اسے معزول کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ کیونکہ موکل جب بھی اسے معزول کرے گا اس کی وکالت نئے سرے سے پیدا ہو جائے گی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس قول کے ساتھ معزول ہو جائے گا۔ میں جب بھی تجھے وکیل بناؤں تو تو معزول ہے۔

''صاحب النہایہ'' نے کہا: میرے نزدیک وہ اسے معزول کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: میں نے تجھے تمام وکالتوں سے معزول کر دیا ہے تو یہ معزولی معلق اور نافذ دونوں وکالتوں کی طرف متوجہ ہوگی۔ یہ دونوں کوئی شے نہیں۔

صحیح یہ ہے کہ جب وہ اسے معزول کرنے کا ارادہ کرے اور وہ یہ ارادہ کرے کہ معزولی کے بعد وکالت منعقد نہ ہو تو وہ کہے: میں نے معلق وکالت سے تجھے معزول کیا ہے اور میں نے تجھے حتمی وکالت سے معزول کیا ہے۔ کیونکہ جو امر لازم نہیں اس

كَوَكِيلِ خُصُومَةٍ بِطَلَبِ الْخَصْمِ كَمَا سَيَجِيءُ وَلَوْ الْوَكَالَةُ دَوْرِيَّةً
جس طرح خصم کے مطالبہ پر خصومت کا وکیل بنایا گیا ہو جس طرح عنقریب آئے گا اگرچہ وکالت

سے رجوع صحیح ہوتا ہے اور وکالت اسی امر میں سے ہے۔ ملخص

27545۔(قولہ: كَوَكِيلِ خُصُومَةٍ) یہ نفی کے مدخول کی تمثیل ہے یعنی اسے معزول کرنے کا حق نہیں اگرچہ وکیل کو اس کا علم ہو کیونکہ غیر کا حق اس کے متعلق ہے۔

حاشیہ میں کہا: ان کا قول کوکیل خصومۃ یہ مفہوم کی مثال ہے۔ گویا اس نے کہا: اگر غیر کا حق اس سے متعلق ہو گیا تو موکل کو حق حاصل نہیں کہ اسے معزول کرے جس طرح وکیل خصومت کو معزول نہیں کر سکتا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مدعی علیہ نے خصم یعنی مدعی کے مطالبہ پر وکیل بنایا ہو پھر موکل غائب ہو جائے اور وکیل کو معزول کر دے تو یہ معزول کرنا صحیح نہ ہوگا تا کہ مدعی کے حق میں تنگی واقع نہ ہو۔ ''ح''۔

27546۔(قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی قریب یہ آئے گا۔

27547۔(قولہ: وَلَوْ الْوَكَالَةُ دَوْرِيَّةً) یہ اس حالت سے خالی نہیں یا تو یہ قول ان کے قول فللموکل العزل پر مبالغہ ہو یا ان کے قول مالم یتعلق بہ حق الغیر پر مبالغہ ہوگا۔ پہلی صورت میں اس کا معنی ہوگا: اسے معزول کرنے کا اختیار ہوگا اگرچہ وکالت دوریہ ہو۔ اس وقت مبالغہ ظاہر ہے۔ اور دوسری صورت میں معنی ہوگا: اسے وکالت دوریہ میں معزول کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

ہر صورت میں شارح کی کلام میں مناقشہ ہے۔ جہاں تک پہلی صورت میں مناقشہ کی صورت ہے وہ یہ ہے: کیونکہ یہ ان کے قول: وسیجیء عن العینی فلانہ کے منافی ہے۔ کیونکہ جو قول عنقریب آئے گا وہ یہ ہے ان لہ العزل جب کہ یہ تو اس کے خلاف نہیں۔

جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ وہ یہ تقاضا کرتا ہے کہ یہ ان امور میں سے ہے جس کے ساتھ غیر کا تعلق متعلق ہے جب کہ معاملہ اس طرح نہیں۔ کیونکہ جو یہ کہتا ہے کہ وکالت دوریہ میں وکیل معزول نہیں ہوگا وہ یہ کہتا ہے: یہ ممکن نہیں۔ کیونکہ جب بھی وہ اسے معزول کرے گا اس کے لیے وکالت نئے سرے سے واقع ہو جائے گی۔ اور ان کا قول فی طلاق و عتاق یہ احتمال رکھتا ہے کہ یہ وکالت دوریہ سے حال ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ لو کے مدخول میں سے ایک مسئلہ ہو۔ یعنی کلام یوں ہے: ولوفی طلاق و عتاق نہ کہ قید ہے کہ وہ وکالت دوریہ میں سے ہو۔

ہر ایک میں مناقشہ بھی ہے۔ کیونکہ ''بزازی'' نے ان دونوں میں سے کسی شے کی تصحیح نہیں کی بلکہ کہا: اسے ایسا وکیل بنایا ہے جس میں رجوع جائز نہیں۔ بعض مشائخ نے کہا: طلاق اور عتاق میں اسے معزول کرنے کا حق نہیں۔ ہمارے بعض مشائخ نے کہا: اسے معزول کرنے کا حق ہے اس میں کوئی مسطور روایت نہیں یعنی ایسی روایت نہیں جو کسی کتاب میں تحریر ہو۔

فِي طَلَاقٍ وَعَتَاقٍ عَلَى مَا صَحَّحَهُ الْبَزَّازِيُّ، وَسَيَجِيءُ عَنْ الْعَيْنِيِّ خِلَافُهُ فَتَنَبَّهْ (بِشَرْطِ عِلْمِ الْوَكِيلِ) أَيْ فِي الْقَصْدِيِّ، أَمَّا الْحُكْمِيُّ فَيَثْبُتُ وَيَنْعَزِلُ قَبْلَ الْعِلْمِ كَالرَّسُولِ (وَلَوْ عَزَلَهُ (قَبْلَ وُجُودِ الشَّرْطِ فِي الْمُعَلَّقِ بِهِ) أَيْ بِالشَّرْطِ بِهِ يُفْتَى شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ (وَيَثْبُتُ ذَلِكَ) أَيْ الْعَزْلُ (بِمُشَافَهَةٍ بِهِ وَبِكِتَابَةٍ) مَكْتُوبٍ بِعَزْلِهِ (وَإِرْسَالِهِ رَسُولًا) مُمَيِّزًا (عَدْلًا أَوْ غَيْرَهُ)

طلاق اور عتاق میں دوری ہو جس طرح ''بزازی'' نے اس کی تصحیح کی ہے، ''عینی'' سے اس کے برعکس آئے گا، فتنبہ۔ جب وکیل کو قصداً معزول کیا گیا تو معزول ہونے سے وکیل کو علم ہونا شرط ہے۔ جہاں تک معزول حکمی کا تعلق ہے تو عزل ثابت ہو جائے گا اور وکیل علم سے پہلے ہی معزول ہو جائے گا جیسے قاصد کا معاملہ ہے اگر چہ موکل کے وکیل کو شرط کے پائے جانے سے پہلے معزول کر دیا جب کہ اسے شرط کے ساتھ معلق کیا گیا تھا اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے ''شرح وہبانیہ''۔ یہ معزولی زبانی اور معزول کے بارے میں تحریر کرنے اور ایسے قاصد کے بھیجنے سے ثابت ہو جاتی ہے جو قاصد تمیز رکھتا ہو وہ عادل ہو یا عادل نہ ہو۔

اس سے قبل کہا: طلاق اور عتاق کے وکیل کو معزول کرنا علم کے بغیر صحیح نہیں۔ کیونکہ اگر چہ اسے ضرر لاحق نہیں ہوتی لیکن وہ ایسا شخص ہو جاتا ہے جس کو جھٹلایا جاتا ہے پس یہ دھوکا ہوگا۔

ہاں اسے دوسرے قول پر محمول کرنا صحیح ہوگا اگر فللموکل عزله پر اسے مبالغہ بنایا جائے۔ اس پر اس وقت یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ یہ ان میں سے ہے جس میں غیر کا حق نہیں ہوتا جس طرح عنقریب اس کی تصریح کی جائے گی۔ ظاہر یہ ہے کہ ان کا قول: و سیجیء عن العینی فلانه قلم کے سہو کے طور پر واقع ہوا ہے۔ اگر وہ اس قول کو حذف کر دیتے تو کلام درست ہو جاتا اور کلام منظم ہو جاتا۔

عمدہ عبارت یہ ہو سکتی ہے: موکل کو حق حاصل ہے کہ وہ اسے معزول کر دے جب چاہے اگر چہ وکالت دور یہ ہو جب تک اس کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہو جس طرح خصومت ایسا وکیل جو خصم کی طلب پر بنایا گیا ہو۔ اس میں وکیل کا علم شرط ہے اگر چہ وہ طلاق اور عتاق میں وکیل بنایا گیا ہو۔

27548۔ (قوله: فِي طَلَاقٍ وَعَتَاقٍ) لو یہ ظرف پر بھی داخل ہے گویا انہوں نے یوں کہا ہے: ولو کانت الوکالة بطلاق و عتاق یعنی ان میں وکیل کو معزول کرنا صحیح نہیں۔ ''س''۔

27549۔ (قوله: وَسَيَجِيءُ) یعنی قریب ہی آئے گا۔

27550۔ (قوله: بِشَرْطِ عِلْمِ الْوَكِيلِ) اگر وکیل کی عدم موجودگی میں معزولی پر گواہ بنائے تو وکیل معزول نہیں ہو گا۔ ''بحر''۔

27551۔ (قوله: كَالرَّسُولِ) کیونکہ قاصد علم سے قبل ہی معزول ہو جاتا ہے جب بھیجنے والا اسے معزول کر دے۔ ''س''۔

27552۔ (قوله: بِعَزْلِهِ) یعنی اگر مکتوب اس تک پہنچے جس طرح فروع میں آگے آئے گا۔

اتِّفَاقًا (حُرًّا أَوْ عَبْدًا صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا) صَدَّقَهُ أَوْ كَذَّبَهُ، ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ فِي مُتَفَرِّقَاتِ الْقَضَاءِ (إذَا قَالَ) الرَّسُولُ (الْمُوَكِّلُ أَرْسَلَنِي إلَيْكَ لِأُبَلِّغَكَ عَزْلَهُ إيَّاكَ عَنْ وَكَالَتِهِ وَلَوْ أَخْبَرَهُ فُضُولِيٌّ) بِالْعَزْلِ (فَلَا بُدَّ مِنْ أَحَدِ شَطْرَيْ الشَّهَادَةِ) عَدَدٌ أَوْ عَدَالَةٌ (كَأَخَوَاتِهَا) الْمُتَقَدِّمَةِ فِي الْمُتَفَرِّقَاتِ، وَقَدَّمْنَا أَنَّهُ مَتَى صَدَّقَهُ قُبِلَ وَلَوْ فَاسِقًا اتِّفَاقًا ابْنُ مَلَكٍ وَفَرَّعَ عَلَى عَدَمِ لُزُومِهَا مِنْ الْجَانِبَيْنِ بِقَوْلِهِ (فَلِلْوَكِيلِ) أَيْ بِالْخُصُومَةِ وَبِشِرَاءِ الْمُعَيَّنِ لَا الْوَكِيلِ بِنِكَاحٍ وَطَلَاقٍ وَعَتَاقٍ وَبِبَيْعِ مَالِهِ وَبِشِرَاءِ شَيْءٍ بِغَيْرِ عَيْنِهِ كَمَا فِي الْأَشْبَاهِ (عَزْلُ نَفْسِهِ بِشَرْطِ عِلْمِ مُوَكِّلِهِ) وَكَذَا يُشْتَرَطُ عِلْمُ السُّلْطَانِ بِعَزْلِ قَاضٍ

یہ متفق علیہ ہے وہ آزاد ہو، غلام ہو، بچہ ہو یا بڑا ہو وہ اس کی تصدیق کرے یا اس کو جھٹلائے۔ مصنف نے اسے کتاب القضاء کے متفرقات میں ذکر کیا ہے۔ جب قاصد نے کہا: موکل نے مجھے تیری طرف بھیجا ہے تا کہ تجھے یہ پہنچادوں کہ موکل نے تجھے اپنی وکالت سے معزول کر دیا ہے اگر کوئی فضولی وکیل کو معزولی کی خبر پہنچائے تو شہادت کی دو شرطوں یعنی تعداد یا عدالت میں سے ایک کا پایا جانا ضروری ہے جس طرح شہادت کی اخوات ہیں جن کا ذکر متفرقات میں گزر چکا ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں جب وکیل نے اس کی تصدیق کر دی تو اسے قبول کیا جائے گا اگر چہ وہ فاسق ہو اس پر سب کا اتفاق ہے ''ابن ملک''۔ جانبین سے شہادت کے لازم نہ ہونے پر اپنے اس قول سے تفریع ذکر کی ہے خصومت اور معین شے کے خریدنے کے لیے بنائے گئے وکیل، نہ کہ نکاح، طلاق، عتاق، اس مال کے بیچنے اور غیر معین شے کے خریدنے کے لیے بنائے گئے وکیل، کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے آپ کو معزول کر دے۔ شرط یہ ہے کہ اس کے موکل کو علم ہو۔ اسی طرح قاضی اور امام کے معزول ہونے کے بارے میں سلطان کو علم ہونا شرط ہے

27553۔ (قولہ: الْمُوَكِّلُ الخ) یہ قول کا مقولہ ہے۔

27554۔ (قولہ: كَأَخَوَاتِهَا) اخوات سے مراد آقا کو اس کے غلام کی جنایت کی خبر دینا، شفیع کو بیع کی خبر دینا، باکرہ عورت کو نکاح کی خبر دینا، ایسا مسلمان جس نے دار الاسلام کی طرف ہجرت نہ کی ہو اسے شرعی احکام کی خبر دینا، جو کوئی چیز خریدنے کا ارادہ رکھتا ہو اسے عیب کی خبر دینا، ماذون غلام کو خبر دینا، شرکت کے فسخ کی خبر دینا، قاضی کو معزولی کی خبر دینا اور وقف کے متولی کو خبر دینا۔

27555۔ (قولہ: لَا الْوَكِيلِ بِنِكَاحٍ) کیونکہ نکاح کا جو وکیل ہوتا ہے وہ ان اشیاء میں اپنے آپ کو معزول کر سکتا ہے اگر چہ موکل کو علم نہ ہو۔ کیونکہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ ''ح''۔

وکیل کا اپنے آپ کو معزول کرنا

27556۔ (قولہ: عَزْلُ نَفْسِهِ) ''الاشباہ'' میں کہا: وکیل کا اپنے آپ کو معزول کرنا صحیح نہیں مگر موکل کے علم کے ساتھ وہ معزول کر سکتا ہے مگر ایسا وکیل جسے غیر معین شے کو خریدنے کے لیے وکیل بنایا گیا ہو یا اسے موکل کا مال بیچنے کے لیے وکیل

وَ إِمَامٍ نَفْسِهِمَا وَإِلَّا لَا كَمَا بَسَطَهُ فِي الْجَوَاهِرِ وَ كُلُّهُ بِقَبْضِ الدَّيْنِ مَلَكَ عَزْلَهُ (إِنْ بِغَيْرِ حَضْرَةِ الْمَدْيُونِ، وَإِنْ) وَكَّلَهُ (بِحَضْرَتِهِ لَا) لِتَعَلُّقِ حَقِّهِ بِهِ كَمَا مَرَّ (إِلَّا إِذَا عَلِمَ بِهِ) بِالْعَزْلِ (الْمَدْيُونُ) فَحِينَئِذٍ يَنْعَزِلُ ثُمَّ فَرَّعَ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ (فَلَوْ دَفَعَ الْمَدْيُونُ دَيْنَهُ إِلَيْهِ) أَيِ الْوَكِيلِ (قَبْلَ عِلْمِهِ) أَيِ الْمَدْيُونِ (بِعَزْلِهِ يَبْرَأُ) وَبَعْدَهُ لَا لِدَفْعِهِ لِغَيْرِ وَكِيلٍ (وَلَوْ عَزَلَ الْعَدْلُ) الْمُوَكَّلُ بِبَيْعِ الرَّهْنِ (نَفْسَهُ بِحَضْرَةِ الْمُرْتَهِنِ إِنْ رَضِيَ بِهِ) بِالْعَزْلِ (صَحَّ وَإِلَّا لَا) لِتَعَلُّقِ حَقِّهِ بِهِ، وَكَذَا الْوَكَالَةُ بِالْخُصُومَةِ بِطَلَبِ الْمُدَّعِي

ورنہ ان کا معزول ہونا صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح ''الجواہر'' میں اس کو مفصل بیان کیا ہے۔ ایک موکل نے دین وصول کرنے کے لیے کسی کو وکیل بنایا تو وہ وکیل اپنے آپ کو معزول کر سکتا ہے جب اسے مدیون کی عدم موجودگی میں وکیل بنایا گیا ہو۔ اگر مدیون کی موجودگی میں اسے وکیل بنایا گیا ہو تو وہ اپنے آپ کو معزول نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کا حق اس سے متعلق ہو چکا ہوتا ہے۔ جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ مگر جب مدیون کو اس کے معزول ہونے کا علم ہو تو وہ معزول ہو جائے گا۔ پھر اس پر اپنے اس قول سے تفریع ذکر کی ہے: اگر مدیون نے اپنا دین وکیل کو ادا کر دیا جب کہ ابھی مدیون کو یہ علم نہیں ہوا تھا کہ وکیل کو معزول کیا جا چکا ہے تو مدیون بری ہو جائے گا اور علم ہو جانے کے بعد اسے دین دے تو بری نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے وکیل کے علاوہ کسی اور شخص کو یہ مال دیا ہے۔ اگر ایسے وکیل نے مرتہن کی موجودگی میں اپنے آپ کو معزول کر دیا جس کو دین کی بیع کرنے کے لیے وکیل بنایا گیا تھا اگر مرتہن اس کے معزول ہونے پر راضی ہو گیا تو اس کا معزول ہونا صحیح ہو جائے گا ورنہ اس کا معزول ہونا صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ مرتہن کا حق اس سے متعلق ہو چکا ہے۔ اسی طرح خصومت کے لیے وکالت کا معاملہ ہے جو مدعی کے مطالبہ پر وکیل بنایا گیا تھا

بنایا گیا ہو۔ اسے ''الہدایہ'' کی کتاب الوصایا میں ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: نکاح، طلاق اور عتاق میں وکیل اسی طرح ہے۔

''باقانی'' نے کہا: یہ صحیح نہیں اور وہ موکل کے علم سے قبل وکالت سے خارج نہیں ہوگا۔

''زیلعی'' میں ہے: وکیل نے اپنے آپ کو وکالت سے معزول کر دیا پھر موکل کو ابھی اس کے معزول ہونے کا علم نہ ہوا تھا کہ وکیل نے اس امر میں تصرف کر دیا جس میں اسے وکیل بنایا گیا تھا تو اس امر میں اس کا تصرف کرنا صحیح ہوگا۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27557۔ (قولہ: وَ إِمَامٍ) یعنی جو نماز میں امام ہے۔ ''منح''۔ یعنی جس نے اسے یہ ذمہ داری سونپی تھی اس کے علم کے بغیر معزول کرنا صحیح نہیں۔ ''الجواہر'' کی نص ہے: ''وہ معزول نہیں ہوگا مگر جب سلطان کو اس کا علم ہو اور اس کے معزول ہونے پر راضی ہو۔

27558۔ (قولہ: وَلَوْ عَزَلَ الْعَدْلُ الخ) یہ عزل فعل کا فاعل ہے اور الموکل یہ اسم مفعول کا صیغہ العدل کی صفت ہے اور نفسہ، عزل فعل کا مفعول ہے۔

عِنْدَ غَیْبَتِهِ کَمَا مَرَّ وَلَیْسَ مِنْهُ تَوْکِیلُهُ بِطَلَاقِهَا بِطَلَبِهَا عَلَى الصَّحِیحِ؛ لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لَهَا فِیهِ وَلَا قَوْلُهُ کُلَّمَا عَزَلْتُكَ فَأَنْتَ وَکِیلِی لِعَزْلِهِ بِکُلَّمَا وَکَّلْتُكَ فَأَنْتَ مَعْزُولٌ عَیْنِیٌّ (وَقَوْلُ الْوَکِیلِ بَعْدَ الْقَبُولِ بِحَضْرَةِ الْمُوَکِّلِ أَلْغَیْتُ تَوْکِیلِی أَوْ أَنَا بَرِیءٌ مِنَ الْوَکَالَةِ لَیْسَ بِعَزْلٍ کَجُحُودِ الْمُوَکِّلِ) بِقَوْلِهِ لَمْ أُوَکِّلْكَ لَا یَکُونُ عَزْلًا (إِلَّا أَنْ یَقُولَ) الْمُوَکِّلُ لِلْوَکِیلِ (وَاللهِ لَا أُوَکِّلُكَ بِشَیْءٍ فَقَدْ عَرَفْتُ تَهَاوُنَكَ فَعَزْلٌ) زَیْلَعِیٌّ لَکِنَّهُ ذَکَرَ فِی الْوَصَایَا أَنَّ جُحُودَهُ عَزْلٌ، وَحَمَلَهُ الْمُصَنِّفُ عَلَى مَا إِذَا وَافَقَهُ الْوَکِیلُ عَلَى التَّرْكِ، لَکِنْ أَثْبَتَ الْقُهُسْتَانِیُّ اخْتِلَافَ الرِّوَایَةِ وَقَدَّمَ الثَّانِیَ وَعَلَّلَهُ بِأَنَّ جُحُودَهُ مَا عَدَا النِّکَاحَ فَسْخٌ

جب وہ مدعی غیب ہو جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ اس قسم سے وہ صورت نہیں کہ عورت کے مطالبہ پر عورت کے طلاق دینے کے لیے وکیل بنایا جائے۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے۔ کیونکہ عورت کا طلاق میں کوئی حق نہیں۔ اور نہ ہی اس قسم سے یہ صورت ہے: وہ یہ قول کرے: میں جب بھی تجھے معزول کروں تو تو میرا وکیل ہوگا۔ کیونکہ وہ اسے اس قول کے ساتھ معزول کر سکتا ہے میں جب بھی تجھے وکیل بناؤں تو معزول ہے۔ ''عینی''۔ وکالت قبول کرنے کے بعد موکل کی موجودگی میں وکیل کا یہ کہنا: میں نے اپنے وکیل بنائے جانے کو لغو کر دیا ہے یا میں وکالت سے بری ہوں تو یہ معزول ہونا نہیں ہوگا جس طرح موکل اپنے اس قول کے ساتھ انکار کر دے ''میں نے تجھے وکیل نہیں بنایا تھا'' یہ معزول کرنا نہیں ہوگا۔ مگر موکل وکیل سے کہے: اللہ کی قسم میں تجھے کسی شے میں وکیل نہیں بناؤں گا۔ تحقیق میں نے تیری سستی کو پہچان لیا ہے تو یہ اسے معزول کرنا ہوگا، ''زیلعی''۔ لیکن انہوں نے کتاب الوصایا میں ذکر کیا ہے: موکل کا انکار کرنا معزول ہوگا۔ مصنف نے اسے اس پر محمول کیا ہے جب وکیل ترک پر اس کے ساتھ موافقت کرے۔ لیکن ''قہستانی'' نے اختلاف روایت کو ثابت کیا ہے اور دوسرے قول کو مقدم کیا اور اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ نکاح کے علاوہ کے بارے میں اس کا انکار فسخ ہے۔

27559۔ (قولہ: عِنْدَ غَیْبَتِهِ) جب خصم یعنی موکل غائب ہو۔

27560۔ (قولہ: وَلَیْسَ مِنْهُ) منہ کی ضمیر سے مراد ما تعلق بہ حق الغیر یعنی یہ امر ان میں سے نہیں جن کے ساتھ غیر کا حق متعلق ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو معزول کرنے کا مالک نہیں ہوتا۔

27561۔ (قولہ: وَلَا قَوْلُهُ) اس کا عطف توکیلہ پر ہے۔

27562۔ (قولہ: لِعَزْلِهِ) ہم پہلے ''زیلعی'' سے اسے معزول کرنے کی صورت بیان کر چکے ہیں اور ان میں جو صحیح ہیں انہیں ذکر کر چکے ہیں۔ مگر یہاں جس کا ذکر کیا ہے کہ ''البحر'' میں ہے: اگر وہ کہے: میں جب بھی تجھے وکیل بناؤں تو تو معزول ہے یہ صحیح نہیں۔ فرق یہ ہے کہ وکیل بنانے کے عمل کو شروط کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہے۔ اور معزول کرنے کو شروط کے ساتھ معلق کرنا صحیح نہیں جس طرح ''صغریٰ'' اور ''صیرفیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ اور جب وہ اسے وکیل بنائے گا تو وہ معزول نہیں ہوگا''۔

ثُمَّ قَالَ وَفِي رِوَايَةٍ لَمْ يَنْعَزِلْ بِالْجُحُودِ فَلْيُحْفَظْ (وَيَنْعَزِلُ الْوَكِيلُ) بِلَا عَزْلٍ (بِنِهَايَةِ) الشَّيْءِ (الْمُوَكَّلِ فِيهِ كَانَ كَمَا لَوْ وَكَّلَهُ بِقَبْضِ دَيْنٍ فَقَبَضَهُ) بِنَفْسِهِ (أَوْ وَكَّلَهُ (بِنِكَاحٍ فَزَوَّجَهُ) الْوَكِيلُ بَزَّازِيَّةٌ، وَلَوْ بَاعَ الْمُوَكِّلُ وَالْوَكِيلُ مَعًا أَوْ لَمْ يُعْلَمِ السَّابِقُ فَبَيْعُ الْمُوَكِّلِ أَوْلَى عِنْدَ مُحَمَّدٍ، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ يَشْتَرِكَانِ وَيُخَيَّرَانِ كَمَا فِي الِاخْتِيَارِ وَغَيْرِهِ

پھر کہا: ایک روایت میں انکار کرنے سے وکیل معزول نہیں ہوگا۔ پس اسے یاد رکھنا چاہیے۔ اور وکیل معزول کیے جانے کے بغیر معزول ہوجائے گا جب کہ اسے معزول نہ کیا گیا ہے جب وہ چیز منتہی ہوجائے جس میں اسے وکیل بنایا گیا تھا جس طرح اگر وہ دین وصول کرنے کے لیے اسے وکیل بنائے اور وہ خود اس پر قبضہ کرلے یا اسے نکاح کا وکیل بنائے تو وکیل نے اس کا نکاح کردیا، ''بزازیہ''۔ اگر موکل اور وکیل اکٹھے بیع کریں یا یہ معلوم نہ ہو کہ پہلے کس نے نکاح کیا تو موکل کی بیع اولی ہوگی۔ یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ دونوں شریک ہوں گے اور دونوں کو اختیار ہوگا جس طرح ''الاختیار'' وغیرہ میں ہے۔

27563۔ (قولہ: لَمْ يَنْعَزِلْ بِالْجُحُودِ) ''حاشیہ ابی سعود'' میں سید ''حموی'' کی تحریر ''الولوالجیہ'' سے مروی ہے: یہ ہے کہ یہ امر صحیح ہے کہ انکار کرنا یہ رجوع ہے۔ کہا: اس پر فتویٰ ہے۔

27564۔ (قولہ: وَيَنْعَزِلُ الْوَكِيلُ) ''العنایہ'' کی کتاب الشرکہ میں ہے: اس پر یہ امر اشکال پیدا کرتا ہے کہ جسے دین کو ادا کرنے کا وکیل بنایا گیا تھا تو موکل نے وہ دین اسے دے دیا پھر علم سے پہلے وکیل نے اسے دے دیا تو وہ وکیل ضامن نہیں ہوگا اگرچہ موکل کی جانب سے دین کی ادائیگی حکماً معزول کرنا ہے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا کہ دین کی ادائیگی کے لیے بنایا گیا وکیل اس امر پر مامور ہوتا ہے کہ وہ ادا کی گئی چیز کو قابض پر قابل ضمانت بنا دے۔ کیونکہ دیون کی ادائیگی دیون کی مثل سے ہوتی ہے اس کا تصور موکل کی ادائیگی کے بعد ہوتا ہے اس وجہ سے قابض اس کا ضامن ہوگا اگر وہ ہلاک ہوجائے۔ جس کو صدقہ کرنے کا وکیل بنایا گیا ہو اس کا معاملہ مختلف ہوتا ہے جب وہ موکل کی ادائیگی کے بعد ادا کرے۔ اگر وکیل ضامن نہ ہو تو موکل کو نقصان ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ فقیر سے صدقہ واپس لینے کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ ہی اس سے ضمانت لے سکتا ہے۔ اس میں کچھ تصرف کیا گیا ہے۔ ''سائحانی''۔

27565۔ (قولہ: فَزَوَّجَهُ الْوَكِيلُ) اس قول کے ساتھ اور اسی سے جو ماقبل قول ہے اس کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس امر کا وکیل بنایا گیا اس کی انتہا یا تو موکل کی جانب سے ہوگی یا وکیل کی جانب سے ہوگی اور وکیل اس کے ساتھ معزول ہوجائے گا۔ اگر موکل نے عورت کو طلاق دی تو وکیل کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس عورت سے موکل کا نکاح کرے کیونکہ حاجت ختم ہوچکی ہے۔

''بزازیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے شخص کو نکاح کا وکیل بنایا اور پھر خود اس عورت سے نکاح کردیا، اس کے ساتھ

(وَ) يَنْعَزِلُ (بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا وَجُنُونِهِ مُطْبِقًا) بِالْكَسْرِ، أَيْ مُسْتَوْعِبًا سَنَةً عَلَى الصَّحِيحِ دُرَرٌ وَغَيْرُهَا، لَكِنْ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ عَنْ الْمُضْمَرَاتِ شَهْرٌ، وَبِهِ يُفْتَى وَكَذَا فِي الْقُهُسْتَانِيِّ وَالْبَاقَانِيِّ وَجَعَلَهُ قَاضِي خَانْ فِي فَصْلِ فِيمَا يُقْضَى بِالْمُجْتَهَدَاتِ قَوْلَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَنَّ عَلَيْهِ الْفَتْوَى فَلْيُحْفَظْ (وَ) بِالْحُكْمِ (بِلُحُوقِهِ مُرْتَدًّا)

اور دونوں میں سے ایک کی موت سے اور اس کے ایسے جنون جو پورے سال کو گھیرے رہے صحیح قول کے مطابق وکیل معزول ہو جائے گا'' درر'' وغیرہا۔ لیکن ''شرنبلالیہ'' میں ''المضمرات'' سے مروی ہے: ایک ماہ تک اس کا جنون رہے تو وہ معزول ہو جائے گا۔ اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''قہستانی'' اور ''باقانی'' میں اسی طرح ہے۔ اور ''قاضی خان'' نے اسے فصل فیما یقضی بالمجتہدات میں اسے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول قرار دیا ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔ وکیل جب مرتد ہو کر دارالحرب بھاگ جائے تو معزول ہو جاتا ہے

حقوق زوجیت ادا کیے اور اس عورت کو طلاق دے دی عدت کے گزر جانے کے بعد وکیل نے اس عورت کا عقد نکاح موکل سے کر دیا تو یہ صحیح ہوگا کیونکہ وکالت باقی ہے۔ ''سائحانی''۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ تزوجہا میں ضمیر مذکر وکیل کے لیے ہے موکل کے لیے نہیں۔ مگر جو یہاں ہے اور جو قول آگے آئے گا من ان تصرفه بنفسه عزل میں منافات ہے۔ تامل

27566۔ (قولہ: وَيَنْعَزِلُ) ''التجنیس'' میں باب المفقود میں ہے: ایک آدمی غائب ہوا اور اس نے اپنا گھر ایک آدمی کے حوالے کر دیا تا کہ اسے آباد کرے اور اس نے اسے مال دیا تا کہ وہ مال کی حفاظت کرے پھر مال دینے والا مفقود ہو گیا تو وہ مال کی حفاظت کرے اور اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ اس گھر میں رہائش رکھے مگر حاکم کی اجازت کے ساتھ ایسا کر سکتا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے وہ مر گیا ہو اور وہ آدمی اس مفقود کا وصی نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس کی موت کا حکم لگا دیا جائے۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ وکالت موکل کے مفقود ہونے کے ساتھ تصرف کے حق میں باطل ہو جاتی ہے حفظ کے حق میں باطل نہیں ہوتی۔ ''بحر''۔

27567۔ (قولہ: عَنْ الْمُضْمَرَاتِ شَهْرٌ) یعنی ایک ماہ کی مقدار مجنون رہے۔

وکیل جب مرتد ہو کر دارالحرب چلا جائے تو وہ معزول ہو جاتا ہے

27568۔ (قولہ: بِلُحُوقِهِ مُرْتَدًّا) ''ایضاح الاصلاح'' میں ہے: دارالحرب چلے جانے سے مراد یہ ہے کہ حاکم کے حکم سے یہ امر ظاہر ہو جائے۔ ''بحر''۔ لیکن ''درر البحار'' کی عبارت یہ ہے: دارالحرب چلے جانا یہ اس کو باطل کرنے والا ہے جب کہ اس کا حکم نہ ہوا ہو۔ اس کے شارح نے کہا: کیونکہ اہل دارالحرب اسلام کے احکام میں اموات کا درجہ رکھتے ہیں اور دارالحرب چلے جانے سے وہ اموات میں سے ہو گیا ہے۔

''المجمع'' میں ہے: موکل کے مرتد ہونے کے بعد دارالحرب چلے جانا وکالت کو باطل کرنے والا ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: اگر اس کا حکم لگا دیا گیا۔ ''ابن ملک'' نے کہا: اس کا دارالحرب چلے جانا یہ قاضی کی قضا سے ثابت ہوتا ہے دارالحرب

ثُمَّ لَا تَعُودُ بِعَوْدِهِ مُسْلِمًا عَلَى الْمَذْهَبِ وَلَا بِإِفَاقَتِهِ بَحْرٌ وَفِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ وَاعْلَمْ أَنَّ الْوَكَالَةَ إِذَا كَانَتْ لَازِمَةً لَا تَبْطُلُ بِهَذِهِ الْعَوَارِضِ فَلِذَا قَالَ (إِلَّا) الْوَكَالَةَ اللَّازِمَةَ (إِذَا وَكَّلَ الرَّاهِنُ الْعَدْلَ أَوْ الْمُرْتَهِنَ بِبَيْعِ الرَّهْنِ عِنْدَ حُلُولِ الْأَجَلِ فَلَا يَنْعَزِلُ) بِالْعَزْلِ، وَلَا (بِمَوْتِ الْمُوَكِّلِ وَجُنُونِهِ) (كَالْوَكِيلِ بِالْأَمْرِ بِالْيَدِ وَالْوَكِيلِ بِبَيْعِ الْوَفَاءِ) لَا يَنْعَزِلَانِ بِمَوْتِ الْمُوَكِّلِ، بِخِلَافِ الْوَكِيلِ

اور جب وہ مسلمان ہوکر واپس دارالاسلام آئے گا تو اس کی وکالت واپس نہیں لوٹے گی۔ یہی مذہب ہے۔ اور جب اسے جنون سے افاقہ ہو تب بھی اس کی وکالت واپس نہیں لوٹے گی، ''بحر''۔ ''شرح المجمع'' میں ہے: یہ ذہن نشین کرلو وکالت جب لازم ہو تو ان عوارض کے ساتھ وہ باطل نہیں ہوگی۔ اسی وجہ سے کہا ہے: مگر وکالت لازم۔ جب راہن نے عادل آدمی کو وکیل بنایا یا مرتہن کو وکیل بنایا کہ وہ مدت پوری ہونے پر رہن کو بیچ دے تو معزول کرنے سے معزول نہیں ہوگا اور موکل کی موت اور اس کے مجنون رہنے سے وہ معزول نہیں ہوگا۔ جس طرح وہ وکیل معزول نہیں ہوتا معاملہ جس کے سپرد کیا گیا ہو اور جسے دین کی ادائیگی کے لیے بیع کرنے کا وکیل بنایا گیا ہو۔ یہ دونوں وکیل موکل کی مدت کے ساتھ وکیل نہیں بنتے وکیل

چلے جانے کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ دارالحرب چلے جانے سے پہلے ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک اس کی وکالت باطل نہیں ہوتی اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک موقوف ہوتی ہے۔ اگر وہ اسلام قبول کرلے تو اس کو وکیل بنائے جانے کا عمل نافذ ہو جائے گا۔ اگر اسے قتل کردیا جائے یا وہ دارالحرب چلا جائے تو اس کو وکیل بنائے جانے کا عمل باطل ہوجائے گا۔ اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ ''الایضاح'' میں جو قول ہے وہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے قول کے مطابق ہے۔ ''یعقوبیہ'' میں اس بارے میں بحث ہے۔ ہم نے ''البحر'' پر جو حاشیہ لکھا ہے اسے دیکھیے۔

27569۔ (قولہ: بِعَوْدِهِ مُسْلِمًا) خواہ وہ وکیل ہو یا موکل ہو۔ ''بحر''۔

27570۔ (قولہ: بَحْرٌ) اس کی عبارت یہ ہے: اس کا مقتضایہ ہے اگر اسے جنون سے افاقہ ہوا جو جنون لگاتار رہوا تھا تو اس کی وکالت نہیں لوٹے گی۔

27571۔ (قولہ: الْعَدْلَ) یہ وکل کا مفعول ہے اور ان کا قول او المرتهن اس کا عطف العدل پر ہے۔ ''ح''۔

27572۔ (قولہ: وَالْوَكِيلِ بِبَيْعِ الْوَفَاءِ) شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض ادا کے لیے بیع کا معاملہ دین کے حکم میں ہوتا ہے۔ پس وکیل ہوجائے گا۔ اس کی صورت یہ ہوگی کہ وہ اس شے کو رہن رکھے۔ پس یہ چیز ان چیزوں میں سے ہوگی جس سے غیر کا حق متعلق ہوگیا اور وہ مشتری ہوگا ای مرتہن۔ تامل۔ پھر میں نے اسے دیکھا کہ وہ ''حموی'' سے منقول ہے، ''سائحانی'' نے جوذکر کیا ہے: من انه بيع الرهن تو یہ غفلت ہوگی۔ فتنبہ

اس کے جامع فقیر ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''سائحانی'' نے اسی محل میں جو لکھا ہے اس کی نص یہ ہے: ان کا قول والوكيل ببيع الوفاء شاید اس کی صورت وہ ہے جو ''المحیط'' میں ہے: ایک آدمی نے اسے کسی عین کو بیچنے کا وکیل بنایا تو اسے معزول

بِالْخُصُومَةِ أَوْ الطَّلَاقِ بَزَّازِيَّةٌ قُلْتُ وَالْحَاصِلُ كَمَا فِي الْبَحْرِ أَنَّ الْوَكَالَةَ بِبَيْعِ الرَّهْنِ لَا تَبْطُلُ بِالْعَزْلِ حَقِيقِيًّا أَوْ حُكْمِيًّا وَلَا بِالْخُرُوجِ عَنْ الْأَهْلِيَّةِ بِجُنُونٍ وَرِدَّةٍ، وَفِيمَا عَدَاهَا مِنْ اللَّازِمَةِ لَا تَبْطُلُ بِالْحَقِيقِيِّ بَلْ بِالْحُكْمِيِّ وَبِالْخُرُوجِ عَنْ الْأَهْلِيَّةِ قُلْتُ فَإِطْلَاقُ الدُّرَرِ فِيهِ نَظَرٌ (وَ) يَنْعَزِلُ (بِافْتِرَاقِ أَحَدِ الشَّرِيكَيْنِ)

خصومت یا وکیل طلاق کا معاملہ مختلف ہے۔''بزازیہ''۔ میں کہتا ہوں: حاصل کلام یہ ہے جس طرح ''البحر'' میں جو قول ہے: رہن کو بیچنے کے لیے جو وکالت ہوتی ہے وہ باطل نہیں ہوتی خواہ اسے حقیقۃً معزول کر دیا جائے یا اسے حکماً معزول کر دیا جائے۔ اور اسی طرح وہ جنون اور ردت کی وجہ سے اہلیت سے ہی خارج ہو جائے تو وکالت باطل نہیں ہوتی۔ ان کے علاوہ جو وکالت لازم ہیں ان میں وکالت حقیقی معزولی سے باطل نہیں ہوتی حکمی سے اور اہلیت سے خارج ہونے سے باطل ہو جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں: ''درر'' میں جو مطلق کلام ہے اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ دو شریکوں میں سے جب ایک الگ ہو جائے

کرنے کا حق ہوگا مگر جب وکیل کا حق اس سے متعلق ہو جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اسے بیع کرنے اور اپنے دین کے مقابلہ میں ثمن پوری کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ''قاضی خان'' نے کہا: جب صاحبِ دین (قرض خواہ) کو کوئی عینی چیز دے اور اسے کہے: اسے بیچو اور اپنا حق اس سے لے لو۔ اسی وکیل نے اسے بیچا اور ثمن پر قبضہ کر لیا تو وہ ثمن اس کے ہاتھ سے ہلاک ہو گئے تو وہ مدیون کے مال سے ہلاک ہوئے جب تک صاحب دین اس سے اپنے لیے قبضہ واقع نہ کرے۔ ''بزازیہ'' میں یہ اضافہ کیا ہے: اگر کہا: اسے اپنے حق کے لیے بیچ دو تو وہ اس پر قبضہ کرنے والا ہو جائے گا۔ اس پر اس شے کی ہلاکت اس پر لازم ہوگی مدیون پر لازم نہ ہوگی۔ جہاں تک معہود وفا کی بیع کا تعلق ہے تو وہ دین کے حکم میں ہوتا ہے۔

27573۔ (قولہ: بِالْخُصُومَةِ) جب اسے مدعی کے التماس سے وکیل بنایا گیا ہو۔

27574۔ (قولہ: أَوْ الطَّلَاقِ) اس میں ہے کہ طلاق کے لیے وکیل بنانا یہ لازم نہیں جس طرح پہلے گزر چکا ہے، ''ح''۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ اصح قول کے مقابل ہے جو یہ ہے کہ یہ لازم ہے۔

27575۔ (قولہ: بَزَّازِيَّةٌ) اس کی نص یہ ہے: جہاں تک رہن کا تعلق ہے جب راہن عادل آدمی یا مرتہن کو رہن کے بیع کا وکیل بنائے جب اجل پوری ہو جائے اور راہن وکیل کو مکمل مختار بنا دے تو وہ معزول نہیں ہوگا اگرچہ موکل مر جائے یا مجنون ہو جائے۔ اور ایسا وکیل خصومت جو خصم کی التماس سے وکیل بنایا گیا ہو وہ موکل کے مجنون ہونے اور اس کی موت سے معزول ہو جائے گا۔ اور طلاق کا وکیل موکل کی موت کے ساتھ بطور استحسان معزول ہوگا بطور قیاس معزول نہیں ہوگا۔ ''بحر''۔ تامل

27576۔ (قولہ: وَفِيمَا عَدَاهَا) عداھا کی ضمیر سے مراد وکالت ہے یہ متن کے قول کالوکیل بالامر بالید الوکیل ببیع الوفاء کے منافی ہے۔

27577۔ (قولہ: فَإِطْلَاقُ الدُّرَرِ) کیونکہ کہا: یعنی مذکورہ صورتوں میں وکیل کا معزول ہونا جب توکیل کے ساتھ غیر کا حق متعلق نہ ہو مگر جب غیر کا حق اس کے متعلق ہو تو وہ معزول نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کا قول: اما اذا تعلق بہ حق الغیر اس

وَلَوْ بِتَوْكِيلِ ثَالِثٍ بِالتَّصَرُّفِ (وَإِنْ لَمْ يَعْلَمِ الْوَكِيلُ)؛ لِأَنَّهُ عَزْلٌ حُكْمِيٌّ (وَ) يَنْعَزِلُ (بِعَجْزِ مُوَكِّلِهِ لَوْ مُكَاتَبًا وَحَجْرِهِ) أَيْ مُوَكِّلِهِ (لَوْ مَأْذُونًا كَذٰلِكَ) أَيْ عَلِمَ أَوْ لَا؛ لِأَنَّهُ عَزْلٌ حُكْمِيٌّ كَمَا مَرَّ، وَهٰذَا (إِذَا كَانَ وَكِيلًا فِي الْعُقُودِ وَالْخُصُومَةِ، أَمَّا إِذَا كَانَ وَكِيلًا فِي قَضَاءِ دَيْنٍ وَاقْتِضَائِهِ وَقَبْضٍ وَدِيعَةٍ فَلَا) يَنْعَزِلُ بِحَجْرٍ وَعَجْزٍ،

تو شریک وکالت سے معزول ہوجاتا ہے اگر تیسرے آدمی کو تصرف کا وکیل بنایا گیا ہو اگرچہ وکیل کو علم نہ ہو کیونکہ یہ حکمی معزول کرنا ہے۔ موکل مکاتب ہو اور وہ عاجز آجائے تو وکیل معزول ہوجائے گا اور اگر وہ موکل ماذون غلام ہو تو اس پر حجر لازم ہو جائے تو اس کا وکیل اسی طرح معزول ہوجائے گا اسے علم ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ یہ عزل حکمی ہے جس طرح گزر چکا ہے یہ اس صورت میں ہے جب وہ عقود اور خصومت میں وکیل ہو مگر جب وہ دین ادا کرنے یا اس کا تقاضا کرنے کا وکیل ہو تو وہ مجور ہو جانے اور عاجز آجانے سے معزول نہیں ہوگا

میں طالب کی التماس سے وکالت بالخصومت بھی داخل ہے اس میں حکم اس طرح نہیں ہے، ''ح''۔ اس کی اصل ''المنح'' میں ہے۔ یہ امر مخفی نہیں کہ یہ اعتراض اس پر وارد ہوتا ہے جو شارح نے ''شرح المجمع'' سے بھی نقل کیا ہے۔

27578۔ (قولہ: وَلَوْ بِتَوْكِيلِ ثَالِثٍ) یعنی دونوں شریک یا دونوں میں سے ایک تیسرے فرد کو وکیل بنائیں، ''بحر''۔ یعنی وہ وکالت شرکت کے ضمن میں ہوتی ہے اور دونوں نے تصرف کے وکیل کے حق میں جو وکالت ہوتی ہے وہ باطل ہوجاتی ہے۔

اس میں یہ اشکال ہے کہ یہ صحیح نہیں کہ دونوں میں سے ایک دوسرے کے علم کے بغیر شرکت کے فسخ کرنے کے ساتھ منفرد ہوجائے۔ بلکہ یہ تو دوسرے کے علم پر موقوف ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ قصداً معزول کرنا ہے تو یہ کیسے تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ اس کے بغیر معزول ہوجائے؟

یہ ممکن ہے کہ اسے اس پر معمول کیا جائے کہ جب دونوں مال ہلاک ہوجائیں یا دونوں میں سے ایک مال شرا سے پہلے ہلاک ہوجائے تو شرکت اسکے ساتھ باطل ہوجائے گی اور وہ وکالت باطل ہوجائے گی جو اس شرکت کے ضمن میں تھی دونوں کو اس کا علم ہو یا دونوں کو اس کا علم نہ ہو۔ کیونکہ یہ عزل حکمی ہے جب شرکت کا عقد کرتے وقت وکالت کی تصریح نہ کی گئی ہو۔ ''زیلعی''، ''س''۔

27579۔ (قولہ: لَوْ مُكَاتَبًا) موکل کے معزول کرنے سے وکالت کے بطلان کے عموم سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ مکاتب اور ماذون کو اپنا وکیل معزول کرنے کا بھی حق ہوتا ہے جس طرح اس پر ''البحر'' میں متنبہ کیا ہے اور اس بارے میں کہا ہے: اگر ایک آدمی نے غلام بیچا اگر مشتری اس بات پر راضی ہو کہ غلام اپنی وکالت پر باقی رہے تو وہ وکیل ہوگا۔ اگر وہ اس پر راضی نہ ہو تو اسے وکالت پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ''کافی الحاکم'' میں اسی طرح ہے۔ یہ قول تقاضا کرتا ہے کہ غیر کے غلام کو وکیل بنانا آقا کی رضا پر موقوف ہوتا ہے جب کہ اس کے جواز کا اطلاق پہلے گزر چکا ہے۔ کیونکہ اس میں اس پر کوئی ذمہ داری

وَلَوْ عَزَلَ الْمَوْلَى وَكِيلَ عَبْدِهِ الْمَأْذُونِ لَمْ يَنْعَزِلْ (وَ) يَنْعَزِلُ (بِتَصَرُّفِهِ) أَيِ الْمُوَكِّلِ (بِنَفْسِهِ فِيمَا وَكَّلَ فِيهِ تَصَرُّفًا يَعْجِزُ الْوَكِيلُ عَنِ التَّصَرُّفِ مَعَهُ وَإِلَّا لَا، كَمَا لَوْ طَلَّقَهَا وَاحِدَةً وَالْعِدَّةُ بَاقِيَةٌ) فَلِلْوَكِيلِ تَطْلِيقُهَا أُخْرَى لِبَقَاءِ الْمَحَلِّ، وَلَوِ ارْتَدَّ الزَّوْجُ أَوْ لَحِقَ؛ وَقَعَ طَلَاقُ وَكِيلِهِ مَا بَقِيَتِ الْعِدَّةُ (وَتَعُودُ الْوَكَالَةُ إِذَا عَادَ إِلَيْهِ) أَيِ الْمُوَكِّلِ (قَدِيمُ مِلْكِهِ)

اگر آقا اپنے ماذون غلام کے وکیل کو معزول کر دے تو وہ معزول نہیں ہوگا۔ موکل نے جس امر میں اسے وکیل بنایا تھا اگر اس میں موکل نے خود ایسا تصرف کر لیا وکیل موکل کے ساتھ تصرف کرنے سے عاجز تھا جس طرح اگر موکل نے عورت کو طلاق دی جب کہ عدت باقی ہو تو وکیل کو حق حاصل ہے کہ اسے دوسری طلاق دے دے۔ کیونکہ محل باقی ہے۔ اگر خاوند مرتد ہو جائے یا دار الحرب بھاگ جائے، تو جب تک عدت باقی ہے تو اس کے وکیل کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور جب موکل کی طرف اس کی قدیمی ملک لوٹے گی تو وکالت لوٹ آئے گی۔

نہیں مگر یہ کہا جائے: یہ غیر کے غلام سے خدمت لینے کے باب سے ہے۔ پھر مکاتب کو اگر بعد میں پھر مکاتب بنایا گیا یا مجور کو تجارت کی اجازت دے دی گئی تو وکالت واپس نہیں آئے گی۔ کیونکہ وکالت کی صحت اس اعتبار سے ہوتی ہے کہ موکل وکیل بنانے کے وقت تصرف کا مالک ہو جب کہ یہ امر ظاہر ہو چکا ہے اور دوسرے عقد مکاتبہ یا دوسری اجازت کے ساتھ یہ دوبارہ نہیں لوٹے گا، ''شرح المجمع''، ''لابن ملک''۔

27580۔ (قولہ: لَمْ يَنْعَزِلْ) یہ خاص حجر ہے اور تجارت میں اذن تو عام ہی ہوتا ہے۔ پس عزل باطل ہوگا کیا تو نہیں دیکھتا کہ آقا اذن کے باقی ہوتے ہوئے اسے تجارت سے روکنے کا مالک نہیں ہوتا۔

27581۔ (قولہ: وَيَنْعَزِلُ الخ) ''حاشیہ'' میں کہا: ایک عورت نے کسی کو شادی کے لیے وکیل بنایا پھر عورت نے خود ہی نکاح کر لیا تو وکیل وکالت سے خارج ہو جائے گا وکیل کو اس امر کا علم ہو یا علم نہ ہوا گر وہ عورت وکیل کو وکالت سے خارج کر دے اور وکیل کو اس کا علم نہ ہو تو وہ وکالت سے خارج نہیں ہوگا۔ اور جب اس وکیل نے اس عورت کا نکاح کر دیا تو نکاح جائز ہو جائے گا۔ اگر وہ مرد کی جانب سے ایک معین عورت سے عقد نکاح کرنے کا وکیل ہو پھر اس مرد نے اس معین عورت کی ماں یا اس کی بیٹی سے شادی کر لی تو وکیل وکالت سے خارج ہو جائے گا۔ ''المحیط'' میں اسی طرح ہے۔ ''ہندیہ''۔

27582۔ (قولہ: وَالْعِدَّةُ بَاقِيَةٌ) واؤ مستانفہ ہے حالیہ نہیں ہے۔ اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے۔

27583۔ (قولہ: أَوْ لَحِقَ) وہ دار الحرب چلا جائے جب کہ اس پر حکم نہ لگایا گیا ہو۔ پس جو قول گزر چکا ہے یہ اس کے منافی نہیں۔

27584۔ (قولہ: وَتَعُودُ الْوَكَالَةُ) یعنی سابقہ وکالت کے حکم سے وکیل کے لیے تصرف کی ملک لوٹ آئے گی۔ یہ مراد نہیں کہ وکالت زائل ہونے کے بعد لوٹ آئے گی، کیونکہ وہ ابھی معزول ہی نہیں ہوا تھا جس طرح اس کے ماقبل قول والا لا

كَانَ وَكَّلَهُ بِبَيْعٍ فَبَاعَ مُوَكِّلُهُ ثُمَّ رُدَّ عَلَيْهِ بِمَا هُوَ فَسْخٌ بَقِيَ عَلَى وَكَالَتِهِ (أَوْ بَقِيَ أَثَرُهُ) أَيْ أَثَرُ مِلْكِهِ كَمَسْأَلَةِ الْعِدَّةِ بِخِلَافِ مَا لَوْ تَجَدَّدَ الْمِلْكُ فُرُوعٌ فِي الْمُلْتَقَطِ عَزَلَ وَكَتَبَ لَا يَنْعَزِلُ مَا لَمْ يَصِلْهُ الْكِتَابُ وَكَّلَ غَائِبًا ثُمَّ عَزَلَهُ قَبْلَ قَبُولِهِ صَحَّ وَبَعْدَهُ لَا دَفَعَ إِلَيْهِ قُمْقُمَةً لِيَدْفَعَهَا إِلَى إِنْسَانٍ يُصْلِحُهَا فَدَفَعَهَا وَنَسِيَ لَا يَضْمَنُ الْوَكِيلُ بِالدَّفْعِ أَبْرَأَهُ مِمَّا لَهُ عَلَيْهِ بَرِئَ مِنَ الْكُلِّ قَضَاءً، وَأَمَّا فِي الْآخِرَةِ فَلَا إِلَّا بِقَدْرِ

اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اسے بیع کا وکیل بنائے اور اس کا موکل اسے بیچ دے پھر وہ مبیع اس پر اس طریقہ سے لوٹا دیا جائے جو اس پر فسخ ہو تو وہ اپنی وکالت پر باقی رہے گا یا اس کا اثر باقی رہے یعنی اس کی ملکیت کا اثر باقی رہے جس طرح عورت کا مسئلہ ہے اگر ملکیت متجدد ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ فروع: ''الملتقط'' میں ہے: موکل نے وکیل کو معزول کیا اور تحریر لکھی وہ اس وقت تک معزول نہیں ہوگا جب تک وہ تحریر اسے نہیں پہنچے گی۔ ایک آدمی نے کسی غائب کو وکیل بنایا پھر اس کے قبول کرنے سے اسے معزول کر دیا تو یہ معزول کرنا صحیح ہوگا اور اس کے بعد صحیح نہیں ہوگا۔ ایک آدمی نے دوسرے کو آفتابہ دیا تاکہ وہ یہ آفتابہ ایسے انسان کو دے جو اس کو درست کر دے اس وکیل نے وہ آفتابہ اس انسان کو دے دیا اور پھر بھول گیا تو وکیل وہ چیز دینے سے ضامن نہیں ہوگا۔ ایک آدمی کا دوسرے پر جو حق تھا اس سے اسے بری کر دیا تو وہ آدمی تمام سے بطور قضا بری ہو جائے گا۔ جہاں تک آخرت کا تعلق ہے تو وہ بری نہیں ہوگا مگر اتنی مقدار سے جتنی مقدار کے بارے میں

سے سمجھا جا رہا تھا۔

''زیلعی'' کی عبارت ہے فالوکیل باق علی وکالتہ

27585۔ (قولہ: بَقِيَ عَلَى وَكَالَتِهِ) اگر وہ مبیع اس کی طرف اس طریقہ سے لوٹایا جائے جو فسخ عقد نہ ہو تو وکالت نہیں لوٹے گی۔ جس طرح اس نے کسی شے کو ہبہ کرنے کے لیے وکیل بنایا پھر موکل نے اسے ہبہ کیا پھر اس کے ہبہ کرنے میں رجوع کر لیا تو وکیل کے لیے ہبہ نہیں ہوگا۔ ''منح''۔

27586۔ (قولہ: وَبَعْدَهُ لَا) یعنی اس کے بعد وہ معزول نہیں ہوگا یہاں تک کہ خبر اس تک پہنچ جائے۔

27587۔ (قولہ: دَفَعَ إِلَيْهِ الخ) بیع کا وکیل یہ کہے: میں نے اسے بیچا اور اسے ایک آدمی کو سپرد کر دیا جسے میں نہیں پہچانتا اور ثمن ضائع ہو گئی۔ قاضی نے کہا ہے: وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے وہ مبیع سپرد کرنے کا مجاز نہیں ہوتا جب کہ حکم صحیح ہے علت صحیح نہیں۔ اس کی علت وہی ہے جو گزر چکی ہے: ثمن پر قبضہ کرنے سے پہلے مبیع سپرد کرنے کے بارے میں نہی صحیح نہیں جب سپرد کرنے سے نہی موثر نہیں تو وہ بدرجہ اولیٰ سپرد کرنے سے ممنوع نہ ہوگی۔ یہ مسئلہ آفتابہ والے مسئلہ سے مختلف ہے۔ ''بزازیہ''۔

27588۔ (قولہ: وَنَسِيَ) یعنی جس کو آفتابہ دیا تھا اسے وکیل بھول گیا۔

27589۔ (قولہ: أَبْرَأَهُ مِمَّا لَهُ عَلَيْهِ) یہاں اس فرع کو ذکر کرنے سے جو مناسبت ہے اس میں غور کیجئے۔

مَا يُتَوَهَّمُ أَنَّ لَهُ عَلَيْهِ وَفِي الْأَشْبَاهِ قَالَ لِمَدْيُونِهِ مَنْ جَاءَكَ بِعَلَامَةِ كَذَا أَوْ مَنْ أَخَذَ إِصْبَعَكَ أَوْ قَالَ لَكَ كَذَا فَادْفَعْ إِلَيْهِ لَمْ يَصِحَّ؛ لِأَنَّهُ تَوْكِيلُ الْمَجْهُولِ فَلَا يَبْرَأُ بِالدَّفْعِ إِلَيْهِ وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ قَالَ

وَمَنْ قَالَ أَعْطِ الْمَالَ قَابِضَ خِنْصَرِي فَأَعْطَاهُ لَمْ يَبْرَأْ وَبِالْمَالِ يَخْسَرُ

وَبِعْهُ وَبِعْ بِالنَّقْدِ أَوْ بِعْ لِخَالِدٍ فَخَالَفَهُ قَالُوا يَجُوزُ التَّغَيُّرُ

وَفِي الدَّفْعِ قُلْ قَوْلُ الْوَكِيلِ مُقَدَّمٌ كَذَا قَوْلُ رَبِّ الدَّيْنِ وَالْخَصْمُ يُجْبَرُ

وہ وہم رکھتا ہو کہ اس کا مدیون کے ذمہ لازم تھا۔ ''الاشباہ'' میں ہے: ایک آدمی نے مدیون سے کہا: جو آدمی تیرے پاس ایسی نشانی لائے یا جو تیری انگلی پکڑے یا تجھے یہ کہے تو تم اسے یہ چیز دے دینا تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ مجہول کو وکیل بنانا ہے تو اسے وہ چیز دینے کے ساتھ بری نہیں ہوگا۔ ''وہبانیہ'' میں ہے: جس نے کہا: مال اسے دے دینا جو خنصر (چھوٹی) انگلی پکڑے اس نے مال دے دیا تو وہ بری نہیں ہوگا۔ اور مال میں اسے خسارہ ہو یا یعنی اسے دوبارہ مال دینا ہوگا۔ موکل نے وکیل کو کہا: اسے بیچ دو، اسے نقد بیچو، اسے خالد کے ہاتھ بیچ دو وکیل نے موکل کی مخالفت کی تو علماء نے کہا: اتنی تبدیلی جائز ہے۔ مال دینے میں یہ کہو کہ وکیل کا قول مقدم ہے اسی طرح رب الدین کا قول مقدم ہوگا اور خصم کو مجبور کیا جائے گا۔

فروع: مدیون نے قاصد کے ہاتھ مال بھیجا اور وہ مال ہلاک ہو گیا اگر وہ قرض خواہ کا قاصد ہو تو مال قرض خواہ کا ہلاک ہوگا اگر مدیون کا قاصد ہو تو مدیون کا مال ہلاک ہوگا۔

قرض خواہ کا یہ کہنا: اس کے ساتھ فلاں کو بھیج دو تو یہ قرض خواہ کی جانب سے قاصد بنانا نہیں ہوگا جب مال ہلاک ہوگا تو وہ مال مدیون پر ہلاک ہوگا۔ اگر وہ یہ قول کرے: ''یہ فلاں کو دے دو'' تو یہ قاصد بنانا ہوگا جب وہ مال ہلاک ہوتا ہے تو قرض خواہ کا مال ہلاک ہوتا ہے اس کی وضاحت ''شرح المنظومہ'' میں ہوتی ہے۔

27590۔(قولہ: أَوْ بِعْ لِخَالِدٍ) اس نے یہ قول کیا یا کہا بعہ۔ اسے بیچ دو یا خالد کو بیچ دو۔

27591۔(قولہ: فَخَالَفَهُ) یعنی اگر وہ اس کی مخالفت کرے تو بیع جائز ہوگی۔ کیونکہ جب اسے بیع کا حکم دیا گیا تو یہ امر مطلق تھا۔ پھر ان کا قول اسے نقد بیچو یا خالد کو بیچو یہ قول اس نے بعد میں کیا تو یہ مشورہ ہوگا اس کا قول: بع بالنقد یا بع لخالد کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کا جواز منقول ہے۔ اسی وجہ سے قالوا کا صیغہ ذکر کیا ہے۔ ''شرنبلالی''، ملخص۔

27592۔(قولہ: وَفِي الدَّفْعِ) یعنی جب اسے ہزار دینے کے لیے وکیل بنایا جس کے ساتھ وہ اس کا دین ادا کرے تو اس نے دے دینے کا دعویٰ کیا۔

27593۔(قولہ: مُقَدَّمٌ) یعنی موکل کے قول پر مقدم ہے موکل کا قول یہ ہے کہ اس نے مال ادا نہیں کیا۔

27594۔(قولہ: رَبِّ الدَّيْنِ) رب الدین کا یہ قول مقدم ہوگا کہ اس نے مال پر قبضہ نہیں کیا۔

27595۔(قولہ: وَالْخَصْمُ يُجْبَرُ) یعنی موکل کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ طالب کو مال دے دے۔

وَلَوْ قَبَضَ الدَّلَّالُ مَالَ الْمَبِيعِ كَيْ　يُسَلِّمَهُ مِنْهُ وَضَاعَ يُشَطَّرُ

اگر دلال نے مال مبیع قبضہ میں لیا تا کہ بائع کے سپرد کرے اور وہ مال ہلاک ہو گیا تو اسے نصف نصف کیا جائے گا۔

27596۔(قولہ: مَالَ الْمَبِيعِ) اس سے مراد ثمن ہے، ''ابن شحنہ''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27597۔(قولہ: يُشَطَّرُ) یعنی دونوں میں نصف نصف پر مصالحت ہوگی۔

کِتَابُ الدَّعْوٰی

لَا یَخْفَی مُنَاسَبَتُهَا لِلْوَکَالَةِ بِالْخُصُومَةِ (هِیَ) لُغَةً قَوْلٌ یَقْصِدُ بِهِ الْإِنْسَانُ إِیجَابَ حَقٍّ عَلَی غَیْرِهِ وَأَلِفُهَا لِلتَّأْنِیثِ فَلَا تُنَوَّنُ وَجَمْعُهَا دَعَاوَی بِفَتْحِ الْوَاوِ کَفَتْوَی وَفَتَاوَی دُرَرٌ، لَکِنْ جَزَمَ فِی الْمِصْبَاحِ بِکَسْرِهَا أَیْضًا فِیهِمَا مُحَافَظَةً عَلَی أَلِفِ التَّأْنِیثِ، وَشَرْعًا (قَوْلٌ مَقْبُولٌ) عِنْدَ الْقَاضِی (یَقْصِدُ بِهِ طَلَبَ حَقٍّ قِبَلَ غَیْرِهِ) خَرَجَ الشَّهَادَةُ وَالْإِقْرَارُ (أَوْ دَفْعَهُ) أَیْ دَفْعَ الْخَصْمِ (عَنْ حَقِّ نَفْسِهِ) دَخَلَ دَعْوَی دَفْعِ التَّعَرُّضِ فَتُسْمَعُ بِهِ یُفْتَی بَزَّازِیَّةٌ، بِخِلَافِ دَعْوَی قَطْعِ النِّزَاعِ فَلَا تُسْمَعُ سِرَاجِیَّةٌ

دعوی کے احکام

کتاب الدعویٰ اسے وکالت بالخصومت کے ساتھ جو مناسبت ہے وہ مخفی نہیں۔ لغت میں اس سے مراد ایسا قول ہے جس کے ذریعے ایک انسان دوسرے پر حق کو ثابت کرتا ہے۔ دعویٰ کے آخر میں الف تانیث کا ہے۔ پس اس کے آخر میں تنوین نہیں آئے گی۔ اس کی جمع دعاوی واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہے جیسے فتویٰ اور فتاویٰ میں ہے، ''درر''۔ لیکن ''مصباح'' میں دونوں میں کسرہ کے ساتھ یقین سے بیان کیا ہے تا کہ الف تانیث کی محافظت کی جائے۔ اور شرع میں دعویٰ سے مراد ایسا قول ہے جو قاضی کے ہاں مقبول ہو جس کے ساتھ غیر کی جانب سے حق کے مطالبہ کا قصد کیا جائے۔ اس قید سے شہادت اور اقرار خارج ہو جاتے ہیں۔ یا اس کے ذریعے اپنے ذاتی حق سے خصم کو دور کرنا ہے اس میں تعرض کا دعویٰ داخل ہو گا پس اس دعویٰ کو سنا جائے گا اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ نزاع کو ختم کرنے کے دعویٰ کا معاملہ مختلف ہے پس اسے نہیں سنا جائے گا، ''سراجیہ''۔

''ابن غرس'' کی ''الفواکہ البدریہ'' میں ایسے کثیر مسائل ہیں جو دعویٰ سے متعلق ہیں پس ان کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

لفظ دعویٰ کی لغوی تحقیق

27598۔ (قولہ: لَکِنْ جَزَمَ) اس کی عبارت میں خلل ہے۔ ''المصباح'' میں ہے: دعویٰ کی جمع دعاوی ہے۔ کیونکہ یہی اصل ہے جس طرح عنقریب آئے گا۔ اور اس پر فتحہ الف تانیث کی محافظت کے لیے ہوتی ہے، ''ح''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27599۔ (قولہ: دَعْوَی دَفْعِ التَّعَرُّضِ) ''البحر'' میں کہا ہے: یہ جان لو ''قاری الہدایہ'' سے اس دعویٰ کے بارے میں سوال کیا گیا جو اس کے اور اس کے غیر کے درمیان نزاع کو ختم کرنے کے لیے کیا جائے؟

آپ نے جواب دیا: مدعی کو دعویٰ پر مجبور نہیں کیا جائے گا کیونکہ حق مدعی کا ہے۔ اور علما نے ''الفتاویٰ'' میں جو یہ نقل کیا ہے کہ تعرض کو دور کرنے کے لیے دعویٰ کا صحیح ہونا اس کے معارض نہیں یہ دعویٰ سنا جائے گا جس طرح ''بزازیہ'' اور ''خزانہ'' میں

وَهٰذَا إِذَا أُرِيدَ بِالْحَقِّ فِي التَّعْرِيفِ الْأَمْرُ الْوُجُودِيُّ، فَلَوْ أُرِيدَ مَا يَعُمُّ الْوُجُودِيَّ وَالْعَدَمِيَّ لَمْ يُحْتَجْ لِهٰذَا الْقَيْدِ (وَالْمُدَّعِي مَنْ إِذَا تَرَكَ) دَعْوَاهُ (تُرِكَ) أَيْ لَا يُجْبَرُ عَلَيْهَا (وَالْمُدَّعَى عَلَيْهِ بِخِلَافِهِ) أَيْ يُجْبَرُ عَلَيْهَا، فَلَوْ فِي الْبَلْدَةِ قَاضِيَانِ كُلٌّ فِي مَحَلَّةٍ فَالْخِيَارُ لِلْمُدَّعَى عَلَيْهِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ بِهِ يُفْتَى بَزَّازِيَّةٌ وَلَوْ الْقُضَاةُ فِي الْمَذَاهِبِ الْأَرْبَعَةِ عَلَى الظَّاهِرِ، وَبِهِ أَفْتَيْتُ مِرَارًا بَحْرٌ

یہ اس صورت میں ہے جب تعریف میں حق سے مراد وجودی امر ہو اور اگر اس سے مراد وہ چیز لی جائے جو وجودی اور عدمی دونوں کو عام ہو تو اس قید کی ضرورت نہ ہوگی۔ اور مدعی وہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے دعویٰ کو ترک کر دے تو اسے ترک کر دیا جائے گا یعنی اسے دعویٰ پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ مدعی علیہ کا معاملہ مختلف ہوتا ہے یعنی اسے مجبور کیا جائے گا۔ اگر شہر میں دو قاضی ہوں ہر ایک محلہ میں قاضی ہو تو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مدعی علیہ کو اختیار ہوگا۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''بزازیہ''۔ اگرچہ ظاہر ملکیت کے مطابق چاروں مذاہب کے قاضی ہوں میں نے اس کا بار بار فتویٰ دیا ہے، ''بحر''۔

ہے فرق ظاہر ہے۔ کیونکہ پہلے دعویٰ کی صورت میں وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ایک شے ہے جس کا وہ دعویٰ کر رہا ہے ورنہ وہ اپنی ذات پر بری ہونے کی گواہی پیش کرتا ہے۔ اور دوسرے دعویٰ میں وہ دوسرے شخص پر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ بغیر حق کے اس معاملہ میں اس سے تعرض کرتا ہے اور وہ تعرض (چھیڑ چھاڑ کرنا) کو دور کرنے کے لیے اس کا مطالبہ کرتا ہے، فافہم، ''ح''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27600۔(قولہ: لِهٰذَا الْقَيْدِ) اس قید سے مراد ان کا یہ قول ہے: او دفعہ کیونکہ یہ ایک فصل ہے جس کے ساتھ اس نے ایک شے کو اس میں داخل کرنے کا قصد کیا ہے۔ جنس کے بعد فصل قید ہے۔ فافہم

27601۔(قولہ: فَلَوْ) اس قول کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جبر اصل دعویٰ میں ہوتا ہے نہ کہ اس میں جسے اس کے سامنے بیان کیا جائے یہ تفریع ظاہر نہیں، ''ط''۔ بعض نسخوں میں واؤ ہے۔

27602۔(قولہ: فِي مَحَلَّةٍ) یعنی اسے صرف اسی محلہ میں قضا کا اختیار ہے اس کی قضا عام نہیں۔

اگر شہر میں دو قاضی ہوں تو مدعی علیہ کو اختیار ہوگا

27603۔(قولہ: بَزَّازِيَّةٌ) جو حضرت شارح نے عبارت ذکر کی ہے یہ ''بزازیہ'' کی عبارت نہیں جس طرح ''المنح'' میں ہے۔ اس کی عبارت ہے: شہر میں دو قاضی ہیں دونوں میں سے ہر ایک سے مطالبہ کیا کہ وہ ایک قاضی کے پاس جائے تو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مدعی علیہ کو اختیار ہوگا۔ اسی پر فتویٰ ہے۔

اس سے پہلے ''المنح'' میں ''الخانیہ'' سے مروی ہے: اگر شہر میں دو قاضی ہوں دونوں میں سے ہر ایک علیحدہ محلہ میں ہو دو آدمیوں کے درمیان خصومت واقع ہوتی ہے دونوں میں سے ایک، ایک محلہ میں ہوتا ہے اور دوسرا دوسرے محلہ میں ہوتا ہے مدعی یہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ اپنے محلہ کے قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کرے اور دوسرا فریق اس کا انکار کرتا ہے اس میں صحیح قول یہ ہے کہ

....

اعتبار مدعی علیہ کے مکان کا ہوتا ہے۔ یہی صورتحال ہوگی اگر دونوں میں سے ایک اہل لشکر میں سے ہو اور دوسرا اہل شہر میں سے ہو۔

''المحیط'' میں اس کی علت بیان کی ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: مدعی کیونکہ خصومت کا آغاز کرنے والا ہے پس اس کے قاضی کا اعتبار کیا جائے گا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: مدعی علیہ اس کا دفاع کرتا ہے اس لیے اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

شارح نے ''بزازی'' کی عبارت کو اس پر محمول کیا ہے جو ''الخانیہ'' میں محلہ کی قید ہے۔ کیونکہ مصنف نے ''المنح'' میں کہا ہے: یہ سب اور اصحاب فتاویٰ کی تمام عبارات اس امر کا فائدہ دیتی ہیں کہ وہ مسئلہ جس میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اختلاف واقع ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جب شہر میں دو قاضی ہوں ہر قاضی ایک محلہ میں ہے مگر جب ولایت دو قاضیوں یا کئی قاضیوں کو ایک شہر پر برابر ہو تو دعویٰ میں مدعی کا اعتبار کیا جائے گا وہ جس قاضی کے پاس دعویٰ کرنے کا ارادہ کرے اسے دعویٰ کا حق حاصل ہوگا۔ کیونکہ اس میں فائدہ ظاہر نہیں ہوگا کہ اعتبار مدعی کا ہو یا مدعی علیہ کا ہو۔ اس کی تصحیح کی شہادت وہ قول دیتا ہے جو ہم پہلے صاحب ''المحیط'' سے بیان کر چکے ہیں۔

''خیر رملی'' نے اس کا رد کیا ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے: یہ قول ہذیان کے زیادہ مشابہ ہے۔ اور یہ ذکر کیا ہے کہ جب امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کی علت یہ ہے کہ مدعی خصومت کو شروع کرنے والا ہے اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک علت یہ ہے کہ مدعی علیہ اس کا دفاع کرنے والا ہے یہ قابل توجہ نہیں۔ کیونکہ حکم علت کے ساتھ گردش کناں ہوتا ہے جس طرح ہمارے شیخ نے فرمایا: یہ امر ظاہر ہے۔

میں کہتا ہوں: اس مسئلہ میں وضاحت وہ ہے جسے شارح نے مصنف کے مخطوطہ سے نقل کیا ہے۔ اسی پر علامہ ''مقدسی'' گامزن ہوئے ہیں۔ جس طرح ''ابو سعود'' نے ان سے نقل کیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے: علما نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی جو تصحیح ذکر کی ہے کہ اعتبار مدعی علیہ کے مکان کا ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے جب دو قاضی ہوں دونوں میں سے ہر ایک، ایک محلہ میں ہو دونوں قاضیوں میں سے ہر ایک کو صرف اپنے محلہ کے لوگوں پر فیصلہ کا اختیار ہو۔ اس کی دلیل ''عمادی'' کا قول ہے: اسی طرح اگر دونوں میں سے ایک اہل لشکر سے ہو اور دوسرا اہل شہر میں سے ہو لشکری یہ ارادہ کرے کہ لشکر کے قاضی کے سامنے مخاصمت کرے تو وہ اس قول کے مطابق ہوگا اور لشکر کے قاضی کو غیر لشکری پر کوئی ولایت نہیں ہوتی۔ تو ان کا قول ولا ولایۃ اس پر واضح دلیل ہے۔ مگر جب قاضیوں میں سے ہر ایک کو ہر اس شخص پر حکم کرنے کی اجازت ہو جو اس کے پاس حاضر ہو وہ مصری ہو، شامی ہو، حلبی ہو وغیرہ۔ جس طرح ہمارے زمانے کے قاضیوں کا معاملہ ہے تو چاہیے کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اعتماد کیا جائے۔ کیونکہ وہ مدعی اور مدعی علیہ کی تعریف کے موافق ہے۔ کیونکہ مدعی کو ہی خصومت کا حق حاصل ہوتا ہے پس وہ جس قاضی کے ہاں معاملہ پیش کرنے کا ارادہ کرے وہ اس کا مطالبہ کرے۔

اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ ''البحر'' میں جو قول ہے اس کی کوئی وجہ نہیں۔ قول یہ ہے: اگر مذاہب اربعہ ہیں متعدد قاضی

قَالَ الْمُصَنِّفُ وَلَوِ الْوِلَايَةُ لِقَاضِيَيْنِ فَأَكْثَرَ عَلَى السَّوَاءِ فَالْعِبْرَةُ لِلْمُدَّعِي، نَعَمْ لَوْ أَمَرَ السُّلْطَانُ بِإِجَابَةِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ لَزِمَ اعْتِبَارُهُ لِعَزْلِهِ بِالنِّسْبَةِ إِلَيْهَا كَمَا مَرَّ مِرَارًا قُلْت وَهَذَا الْخِلَافُ فِيمَا إِذَا كَانَ كُلُّ قَاضٍ عَلَى مَحَلَّةٍ عَلَى حِدَةٍ، أَمَّا إِذَا كَانَ فِي الْمِصْرِ حَنَفِيٌّ وَشَافِعِيٌّ وَمَالِكِيٌّ وَحَنْبَلِيٌّ فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ وَالْوِلَايَةُ وَاحِدَةٌ فَلَا يَنْبَغِي أَنْ يَقَعَ الْخِلَافُ فِي إِجَابَةِ الْمُدَّعِي لِمَا أَنَّهُ صَاحِبُ الْحَقِّ كَذَا بِخَطِّ الْمُصَنِّفِ عَلَى هَامِشِ الْبَزَّازِيَّةِ فَلْيُحْفَظْ (وَرُكْنُهَا إِضَافَةُ

مصنف نے کہا: اگر ولایت دو قاضیوں یا زیادہ کو برابر طور پر حاصل ہو تو اعتبار مدعی کا ہوگا۔ ہاں اگر سلطان نے مدعی علیہ کی عرضداشت کو قبول کرنے کا حکم دیا تو اس کا اعتبار کرنا لازم ہوگا۔ کیونکہ اس دعویٰ کی طرف نسبت کے اعتبار سے سلطان نے اس قاضی کو معزول کر دیا ہے جس طرح یہ کئی دفعہ گزر چکا ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب ہر قاضی ایک محلہ میں علیحدہ ہو۔ مگر جب شہر میں حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی ایک ہی مجلس میں ہو اور ولایت ایک کو ہو تو نہیں چاہیے کہ مدعی کی عرضداشت کے قبول کرنے میں اختلاف واقع ہو کیونکہ وہ صاحب حق ہے، ''بزازیہ'' کے حاشیہ پر مصنف کی تحریر اسی طرح ہے۔ پس اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ اگر دعویٰ کرنے والا خود اصل ہو تو وہ دعویٰ کا رکن یہ ہے

ہوں جس طرح ''قاہرہ'' میں ہے تو اختیار مدعی علیہ کو ہوگا جب قاضی دونوں کے محلہ میں سے نہ ہو۔ فرمایا: میں نے کئی بار اس کا فتویٰ دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: میں نے بعض علما کا مخطوطہ دیکھا جب کہ اسے ''ابوسعود عمادی'' سے نقل کیا گیا: ممالک محروسہ کے قاضیوں کو مدعی علیہ کے مذہب کے خلاف فیصلہ کرنے سے روک دیا گیا۔ شارح نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

27604۔ (قوله: قَالَ الْمُصَنِّفُ) اس میں ''البحر'' پر رد ہے۔ کیونکہ ہمارے زمانہ میں مختلف مذاہب کے قاضیوں کی ولایت برابر ہوتی ہے۔

27695۔ (قوله: عَلَى السَّوَاءِ) ولایت کے عموم میں برابر ہیں۔

27606۔ (قوله: لِعَزْلِهِ) یعنی مدعی نے جس قاضی کو اختیار کیا ہے سلطان نے اس دعویٰ کی طرف حکم کرنے سے معزول کر دیا ہے۔

27607۔ (قوله: كَمَا مَرَّ) جس طرح یہ گزر چکا ہے کہ قضا مقید ہوتی ہے۔

27608۔ (قوله: قُلْت) یہ ماقبل کے ساتھ مکرر ہے۔

27609۔ (قوله: عَلَى حِدَةٍ) یعنی وہ اس محلہ کے علاوہ لوگوں کے خلاف فیصلہ نہیں کر سکے گا۔

27610۔ (قوله: فِي مَجْلِسٍ) یہ اتفاقی قید ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے مجلس سے مراد ایک شہر لیا ہے۔

27611۔ (قوله: أَوْ وِلَايَةٍ وَاحِدَةٍ) یعنی ان میں سے ہر ایک محلہ کے ساتھ خاص نہیں۔

الْحَقِّ إِلَى نَفْسِهِ) لَوْ أَصِيلًا كَلِي عَلَيْهِ كَذَا (أَوْ) إِضَافَتُهُ (إِلَى مَنْ نَابَ) الْمُدَّعِي (مَنَابَهُ) كَوَكِيلٍ وَوَصِيٍّ (عِنْدَ النِّزَاعِ) مُتَعَلِّقٌ بِإِضَافَةِ الْحَقِّ (وَ أَهْلُهَا الْعَاقِلُ الْمُمَيِّزُ) وَلَوْ صَبِيًّا لَوْ مَأْذُونًا فِي الْخُصُومَةِ وَإِلَّا لَا أَشْبَاهٌ (وَشَرْطُهَا) أَيْ شَرْطُ جَوَازِ الدَّعْوَى (مَجْلِسُ الْقَضَاءِ وَحُضُورُ خَصْمِهِ) فَلَا يُقْضَى عَلَى غَائِبٍ وَهَلْ يُحْضِرُهُ بِمُجَرَّدِ الدَّعْوَى؟ إِنْ بِالْمِصْرِ أَوْ بِحَيْثُ يَبِيتُ بِمَنْزِلِهِ نَعَمْ

کہ وہ نزاع کے وقت حق کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرے جس طرح وہ کہے: میرا اس پر یہ حق ہے یا وہ حق کو اس کی طرف منسوب کرے مدعی جس کے قائم مقام ہو جیسے وکیل اور وصی ہوتا ہے۔ عند النزاع کے الفاظ اضافۃ الحق کے متعلق ہیں دعویٰ کا اہل عاقل اور سمجھ بوجھ رکھنے والا شخص ہے اگرچہ وہ بچہ ہو اگر اسے خصومت کا اذن دیا گیا ہو ورنہ بچہ مدعی نہیں ہو سکتا۔ ''الاشباہ''۔ اور دعویٰ کے جائز ہونے کی شرط قاضی کی مجلس اور اس کے خصم کا حاضر ہونا ہے۔ پس غائب خصم کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ کیا محض دعویٰ کے ساتھ خصم کو حاضر کرے گا؟ اگر وہ شہر میں ہو یا وہ اپنے گھر میں رات گزارتا ہو، ہاں۔

دعویٰ کا رکن

27612۔ (قولہ: المصنف: عِنْدَ النِّزَاعِ) ''البحر'' میں کہا ہے: جب باہم صلح ہو جائے تو یہ منسوب کرنا خارج ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ لغت کے اعتبار سے دعویٰ نہیں۔ اس کی مثل وہ ہے جو ''بزازیہ'' میں ہے: کوئی عینی چیز ایک آدمی کے قبضہ میں ہے وہ کہتا ہے: یہ چیز میری نہیں اور یہاں کوئی نزاع کرنے والا نہیں ہے۔ اس کا نفی کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ اگر وہ یہ بات کرنے کے بعد اپنے لیے اس کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ کرنا صحیح ہوگا۔ اگر وہاں کوئی نزاع کرنے والا ہو تو یہ نزاع کرنے والے کے لیے ملکیت کا اقرار ہوگا اگر وہ اس کے بعد اپنے لیے اس شے کا دعویٰ کرے تو یہ دعویٰ کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ اور اصل کی روایت کے مطابق یہ اس کے لیے ملکیت کا اقرار نہیں ہوگا۔ ''سائحانی'' نے کہا: میں کہتا ہوں: ''بزازیہ'' کا کلام اس بارے میں فرض کیا گیا ہو کہ نفی منازع کے لیے اقرار ہے یا نہیں۔ اور باہمی صلح کی صورت میں اس میں اپنے لیے ملکیت کا دعویٰ نہیں ہوتا''۔

دعویٰ کے جواز کی شرط

27613۔ (قولہ: وَشَرْطُهَا) دعویٰ کے لیے میں مخصوص لفظ کی شرط کی رائے نہیں رکھتا۔ یہ مناسب ہے کہ ایسے لفظ کے ذکر کرنے کی شرط لگائی جائے جو یقین اور ایک امر کے ثابت کرنے پر دلالت کرے۔ اگر اس مدعی نے کہا: میں شک کرتا ہوں، میں گمان کرتا ہوں تو دعویٰ صحیح نہ ہوگا۔ ''بحر''۔

فائدہ

اقرار کے دعویٰ کو نہیں سنا جائے گا۔ کیونکہ ''بزازیہ'' میں ''ذخیرہ'' سے مروی ہے: ایک آدمی نے دعویٰ کیا کہ اس کا فلاں پر اتنا ہے اور وہ عینی چیز جو اس کے قبضہ میں ہے اس کی (میری) ہے۔ کیونکہ فلاں نے اس کے حق میں اس چیز کا اقرار کیا ہے یا

وَإِلَّا فَحَتَّى يُبَرْهِنَ أَوْ يَحْلِفَ مُنْيَةٌ (وَمَعْلُومِيَّةُ) الْمَالِ (الْمُدَّعَى) إِذْ لَا يُقْضَى بِمَجْهُولٍ، وَلَا يُقَالُ مُدَّعًى فِيهِ وَبِهِ إِلَّا أَنْ يَتَضَمَّنَ الْإِخْبَارَ (وَ) شَرْطُهَا أَيْضًا (كَوْنُهَا مُلْزِمَةً) شَيْئًا عَلَى الْخَصْمِ بَعْدَ ثُبُوتِهَا وَإِلَّا كَانَ عَبَثًا

ورنہ اسے حاضر نہیں کرے گا یہاں تک کہ وہ گواہیاں قائم کردے یا وہ قسم اٹھادے،''منیہ''۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ جس مال کا دعویٰ کیا جارہا ہے وہ معلوم ہو۔ کیونکہ مجہول مال کے بارے میں فیصلہ نہیں کیا جاسکتا مدعی کو مدعی فیہ یا مدعی بہ نہیں کہتے مگر اس وقت اسے یہ نام دیا جاسکتا ہے۔ جب وہ اخبار کے معنی کو متضمن ہو۔ اور دعویٰ کی شرط یہ بھی ہے کہ دعویٰ اپنے ثبوت کے بعد خصم پر کسی شے کو لازم کرنے والا ہو ورنہ وہ عبث ہوگا

اقرار کے دعویٰ کے ساتھ آغاز کیا اور یہ کہا: فلاں نے یہ اقرار کیا تھا کہ یہ چیز میری ہے یا یہ اقرار کیا کہ میرا اس پر اتنا ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ صحیح ہے۔ عام مشائخ کی رائے یہ ہے کہ دعویٰ صحیح نہیں۔ کیونکہ اقرار استحقاق کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ''بحر''۔ فصل الاختلاف فی الشہادۃ کتاب الاقرار کے شروع میں (مقولہ 28085 میں) آئے گا۔

27614۔ (قولہ: فَحَتَّى يُبَرْهِنَ أَوْ يَحْلِفَ) یہ دو قول ہیں۔ یہ ایک قول نہیں جس میں اسے گواہیاں پیش کرنے اور قسم میں اختیار دیا جائے گا۔ پس ''البحر'' کی طرف رجوع کیجئے۔

27615۔ (قولہ: وَمَعْلُومِيَّةُ الْمُدَّعَى) یعنی اس کی جنس اور اس کی مقدار واضح ہونی چاہیے جس طرح ''الکنز'' میں ہے۔

27616۔ (قولہ: إِذْ لَا يُقْضَى بِمَجْهُولٍ) مجہول چیز کی وجہ سے دعویٰ میں جو فساد واقع ہوتا ہے اس سے رہن اور غصب کے دعویٰ کو مستثنیٰ کیا ہے۔ کیونکہ ''الخانیہ'' میں ''الاصل'' کے کتاب الرہن کی طرف منسوب کیا ہے جب وہ اس امر کی گواہی دیں کہ فلاں نے اس کی پاس کپڑا رہن رکھا ہے انہوں نے کپڑے کا نام نہیں رکھا اور انہوں نے کپڑے کے عین کو نہیں پہچانا تو ان کی شہادت جائز ہوگی اور قول مرتہن کا معتبر ہوگا وہ کسی کپڑے میں ہو۔ غصب میں معاملہ اسی طرح ہے تو قول دعویٰ میں بدرجہ اولیٰ معتبر ہوگا۔ ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: ''المعراج'' میں ہے: دعویٰ کے فاسد ہونے کی صورت یہ ہے یا تو خصم پر کوئی شے لازم نہ ہو یا مدعی فی نفسہ مجہول ہو اس میں اختلاف معلوم نہیں مگر وصیت میں اختلاف ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ وصیت یا اقرار میں سے حق کا دعویٰ کرے تو یہ دونوں چیزیں مجہول کے ساتھ صحیح ہوتی ہیں۔ مجہول براءت کا دعویٰ بغیر اختلاف کے صحیح ہوگا۔ پس مستثنیات پانچ تک پہنچ گئی ہیں۔ تامل

27617۔ (قولہ: وَلَا يُقَالُ مُدَّعًى فِيهِ وَبِهِ) ''طلبۃ الطلبہ'' میں ہے: مدعی فیہ اور مدعی بہ کا قول نہیں کیا جائے گا اگرچہ فقہ حاصل کرنے والا یہ کلام کرے مگر وہ مشہور ہو تو یہ اس صحیح سے بہتر ہے جس کو چھوڑ دیا گیا ہو، ''حموی''، ''ط''۔

27618۔ (قولہ: وَإِلَّا كَانَ عَبَثًا) یعنی اگر وہ دعویٰ کسی چیز کو لازم کرنے والا نہ ہو جس طرح وہ حاضر موکل پر وکیل

(وَكَوْنُ الْمُدَّعَى مِمَّا يَحْتَمِلُ الثُّبُوتَ فَدَعْوَى مَا يَسْتَحِيلُ وُجُودُهُ عَقْلًا أَوْ عَادَةً (بَاطِلَةٌ) لِتَيَقُّنِ الْكَذِبِ فِي الْمُسْتَحِيلِ الْعَقْلِيِّ كَقَوْلِهِ لِمَعْرُوفِ النَّسَبِ أَوْ لِمَنْ لَا يُولَدُ مِثْلُهُ لِمِثْلِهِ هَذَا ابْنِي، وَظُهُورِهِ فِي الْمُسْتَحِيلِ الْعَادِي كَدَعْوَى مَعْرُوفٍ بِالْفَقْرِ أَمْوَالًا عَظِيمَةً عَلَى آخَرَ أَنَّهُ أَقْرَضَهُ إِيَّاهَا دَفْعَةً وَاحِدَةً أَوْ غَصَبَهَا مِنْهُ، فَالظَّاهِرُ عَدَمُ سَمَاعِهَا بَحْرٌ، وَبِهِ جَزَمَ ابْنُ الْغَرْسِ فِي الْفَوَاكِهِ الْبَدْرِيَّةِ (وَحُكْمُهَا وُجُوبُ الْجَوَابِ عَلَى الْخَصْمِ) وَهُوَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ بِلَا أَوْ بِنَعَمْ، حَتَّى لَوْ سَكَتَ كَانَ إِنْكَارًا فَتُسْمَعُ الْبَيِّنَةُ عَلَيْهِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ أَخْرَسَ اخْتِيَارٌ وَسَنُحَقِّقُهُ وَسَبَبُهَا تَعَلُّقُ الْبَقَاءِ الْمُقَدَّرِ بِتَعَاطِي الْمُعَامَلَاتِ

اور مدعیٰ کا ان چیزوں میں سے ہونا شرط ہے جو ثبوت کا احتمال رکھیں اور وہ چیز جس کا پایا جانا عقلاً یا عادۃً محال ہو وہ دعویٰ باطل ہوگا۔ کیونکہ محال عقلی میں جھوٹ یقینی ہے جس طرح وہ ایک معروف نسب شخص کے بارے میں کہے یا جس آدمی سے اس کی مثل اولاد نہیں ہوسکتی اس کے بارے میں کہے: یہ میرا بیٹا ہے۔ اور یہ محال عادی ہے۔ اس کے ظہور کی صورت یہ ہے جس طرح ایک ایسا شخص جس کا فقر معروف ہو وہ جس آدمی پر عظیم اموال کا دعویٰ کرے کہ اس نے فلاں شخص کو یہ سب ایک ہی دفعہ بطور قرض دیے تھے یا فلاں شخص نے اس سے یہ مال غصب کیا۔ ظاہر روایت یہ ہے کہ اس کے دعویٰ کو نہیں سنا جائے گا ''بحر''۔ ''ابن غرس'' نے ''الفواکہ البدریہ'' میں اس کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ دعویٰ کا حکم یہ ہے کہ خصم پر اس کا جواب واجب ہے۔ خصم سے مراد مدعیٰ علیہ ہے وہ نہ سے جواب دے یا ہاں سے جواب دے یہاں تک کہ اگر وہ خاموش رہے تو یہ انکار ہوگا۔ پس اس پر گواہوں کو سنا جائے گا مگر جب وہ گونگا ہو، ''اختیار''۔ ہم عنقریب اس کو ثابت کریں گے۔ دعویٰ کا سبب: دعویٰ کا سبب یہ ہے مقدر بقا کا معاملات کے استعمال سے متعلق ہونا،

ہونے کا دعویٰ کرے تو اس دعویٰ کو نہیں سنا جائے گا۔ کیونکہ اس کا معزول کیا جانا ممکن ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27619۔ (قولہ: وَظُهُورِهِ) یہ مجرور ہے اس کا عطف تیقن پر ہے۔

27620۔ (قولہ: فِي الْفَوَاكِهِ الْبَدْرِيَّةِ) ''المنح'' میں کہا: مستحیل عادی کے دعویٰ کے ممنوع ہونے کو مشائخ سے منقول ہونے کی طرف منسوب نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں: لیکن مذہب میں ایسی فروع ہیں جو اس کی شہادت دیتی ہیں ان میں سے کچھ فصل التحالف کے آخر میں عنقریب آئے گی۔

دعویٰ کا حکم

دعویٰ کا سبب

27621۔ (قولہ: وَسَنُحَقِّقُهُ) مصنف کے قول و قضی بنکولہ مرة کے ہاں ہم اس کو ثابت کریں گے۔

(فَلَوْ كَانَ مَا يَدَّعِيهِ مَنْقُولًا فِي يَدِ الْخَصْمِ ذَكَرَ) الْمُدَّعِي (أَنَّهُ فِي يَدِهِ بِغَيْرِ حَقٍّ) لِاحْتِمَالِ كَوْنِهِ مَرْهُونًا فِي يَدِهِ أَوْ مَحْبُوسًا بِالثَّمَنِ فِي يَدِهِ (وَ طَلَبَ) الْمُدَّعِي (إحْضَارَهُ إنْ أَمْكَنَ) فَعَلَى الْغَرِيمِ إحْضَارُهُ (لِيُشَارَ إلَيْهِ فِي الدَّعْوَى وَالشَّهَادَةِ) وَالِاسْتِحْلَافِ (وَ ذَكَرَ) الْمُدَّعِي (قِيمَتَهُ إنْ تَعَذَّرَ) إحْضَارُ الْعَيْنِ بِأَنْ كَانَ فِي نَقْلِهَا مُؤْنَةٌ وَإِنْ قَلَّتْ ابْنُ كَمَالٍ مَعْزِيًّا لِلْخِزَانَةِ (بِهَلَاكِهَا أَوْ غَيْبَتِهَا) لِأَنَّهُ مِثْلُهُ مَعْنًى

اگر مدعی جس چیز کا دعویٰ کرتا ہے اگر وہ منقول چیز ہو خصم کے قبضہ میں ہو تو مدعی یہ ذکر کرے گا کہ وہ ناحق اس کے قبضہ میں ہے۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ وہ اس کے قبضہ میں رہن رکھی گئی ہو یا اس کے قبضہ میں ثمن کے بدلہ میں محبوس ہو۔ اگر ممکن ہو تو مدعی اس کے حاضر کرنے کا مطالبہ کرے گا اور غریم پر لازم ہو گا کہ وہ اس شے کو حاضر کرے تا کہ دعویٰ شہادت اور استحلاف میں اس کی طرف اشارہ کرے اگر اس شے کے عین کو حاضر کرنا متعذر ہو تو مدعی اس کی قیمت ذکر کرے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس شے کے منتقل کرنے میں مؤنت ہو اگرچہ وہ تھوڑی ہو۔ ''ابن کمال'' نے ''الخزانہ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کے عین کو حاضر کرنے کی متعذر صورت یہ ہے کہ وہ چیز ہلاک ہو چکی ہو یا وہ چیز غائب ہو۔ کیونکہ قیمت معنوی طور پر اس کی مثل ہے۔

27622۔ (قولہ: أَنَّهُ فِي يَدِهِ) اگر مدعی علیہ انکار کر دے کہ وہ چیز اس کے ہاتھ میں ہے تو مدعی یہ گواہی دے گا کہ یہ چیز اس تاریخ سے ایک سال پہلے اس کے ہاتھ میں تھی کیا اس کو قبول کیا جائے گا اور اس کے حاضر کرنے پر اسے مجبور کیا جائے گا؟ صاحب ''جامع الفصولین'' نے کہا: جب اس چیز کا اس کے قبضہ سے نکالنا ثابت نہ ہوا اور وہ باقی ہو تو چاہیے کہ اسے قبول کیا جائے اور وہ شک سے زائل نہ ہو گی۔ ''البحر'' میں اسے ثابت رکھا ہے۔ ''قہستانی'' نے اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ''نور العین'' میں اسے رد کیا ہے: یہ استصحاب ہے یہ دفع میں حجت ہے اثبات میں حجت نہیں جس طرح کتب اصول میں ہے۔

27623۔ (قولہ: وَطَلَبَ الْمُدَّعِي الخ) یہ اس صورت میں ہے جب مدعی علیہ مودع نہ ہو۔ اگر وہ ودیعت کے عین کا دعویٰ کرے تو اسے ودیعت کے حاضر کا مکلف نہیں بنایا جائے گا بلکہ اسے ودیعت کے قبضہ میں مانع نہ بننے کا حکم دیا جائے گا جس طرح ''البحر'' میں ''جامع الفصولین'' سے مروی ہے۔

27624۔ (قولہ: بِأَنْ كَانَ فِي نَقْلِهَا مُؤْنَةٌ) یہ چکی اور ڈھیر کے قبیل سے ہے یہاں اس کا ذکر سہو ہے۔ ''ایضاح الاصلاح'' میں ہے: مگر جب وہ مشکل ہو اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے نقل کرنے میں مؤنت ہو اگرچہ وہ تھوڑی ہو۔ ''الخزانہ'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔

27625۔ (قولہ: أَوْ غَيْبَتِهَا) اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے مکان کا علم نہ ہو، ''قاضی زادہ'' نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ''ح''۔

27626۔ (قولہ: لِأَنَّهُ) ضمیر سے مراد قیمت ہے۔ مذکور کے اعتبار سے اسے مذکر کیا ہے یہ ان کے قول وذکر قیمتہ

(وَإِنْ تَعَذَّرَ) إِحْضَارُهَا (مَعَ بَقَائِهَا كَرَحًى وَصُبْرَةِ طَعَامٍ) وَقَطِيعِ غَنَمٍ (بَعَثَ الْقَاضِي أَمِينَهُ) لِيُشَارَ إِلَيْهَا (وَإِلَّا) تَكُنْ بَاقِيَةً (اكْتُفِيَ) فِي الدَّعْوَى (بِذِكْرِ الْقِيمَةِ) وَقَالُوا لَوْ ادَّعَى أَنَّهُ غَصَبَ مِنْهُ عَيْنَ كَذَا

''اگر اس چیز کے باقی ہونے کے باوجود اس کو حاضر کرنا متعذر ہو جیسے چکی اور کھانے کا ڈھیر اور بھیڑوں کا ریوڑ تو قاضی اپنا سیکرٹری اس طرف بھیجے گا تا کہ اس شے کی طرف اشارہ کیا جائے اگر وہ چیز باقی نہ رہے تو دعویٰ میں قیمت ذکر کرنے پر اکتفا کیا جائے گا۔ علما نے کہا: اگر ایک آدمی نے دعویٰ کیا کہ فلاں نے اس سے فلاں شے غصب کی

کی علت ہے۔

27627۔ (قولہ: وَإِنْ تَعَذَّرَ) یعنی اگر ایسا کرنا مشکل ہو۔

27628۔ (قولہ: وَإِلَّا تَكُنْ) یہ ان کے قول وذکر قیمتہ ان تعذر کے ساتھ تکرار ہے۔ ''س''۔

فروع: مدعی نے مدعیٰ کا وصف بیان کیا جب وہ مدعی حاضر ہوا تو بعض چیزوں میں وہ اس کے خلاف ثابت ہوا اگر وہ پہلے دعویٰ کو ترک کر دے اور حاضر کا دعویٰ کرے تو اس دعویٰ کو سنا جائے گا۔ کیونکہ یہ نیا دعویٰ ہے ورنہ دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ ''بحر'' میں ''بزازیہ'' سے منقول ہے۔

اگر کوئی ایسی چیز کا دعویٰ کرے جس کی جنس، نوع اور صفت مختلف ہو تو اس کا حکم

27629۔ (قولہ: بِذِكْرِ الْقِيمَةِ) کیونکہ مدعی کے عین کا مشاہدہ متعذر ہے اور وصف بیان کرنے سے اس کی معرفت ممکن نہیں۔ پس قیمت کا بیان کرنا شرط ہے۔ کیونکہ یہ ایسی شے ہے جس کے ذریعے ہلاک ہونے والے عین کو پہچانا جا سکتا ہے، ''غایۃ البیان''۔ ''شرح ابن کمال'' میں ہے: اس میں وصف بیان کرنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ قیمت ذکر کیے بغیر اس کا کوئی فائدہ نہیں اور جب اس کی قیمت ذکر کر دی جائے تو وصف بیان کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ ''الہدایہ'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

''القہستانی'' میں ہے: ان کے قول وذکر قیمتہ ان تعذر سے اس امر کی طرف اشارہ ہے جانور میں رنگ، مذکر، مونث ہونے اور عمر کا ذکر کرنا شرط نہیں اس میں اختلاف ہے جس طرح ''عمادیہ'' میں ہے۔ سید ''ابوالقاسم'' نے کہا: مدعی کی یہ تعریفات ذکر کرنا لازم ہے جب وہ اس شے کے عین کو لینے کا ارادہ کرے یا مثلی چیز میں اس کی مثل کے لینے کا ارادہ کرے مگر جب وہ ذوات القیم میں اس کی قیمت وصول کرنے کا ارادہ کرے تو ضروری ہوگا کہ صرف قیمت کے ذکر پر اکتفا کیا جائے جس طرح ''الخزانہ'' کے باب المحاضر میں ہے۔

27630۔ (قولہ: عَيْنَ كَذَا) ''البحر'' میں کہا: حاصل کلام یہ ہے کہ غصب اور رہن کے دعویٰ میں اور دعویٰ اور شہادت کے صحیح ہونے میں جنس اور قیمت شرط نہیں اور قیمت میں قول غاصب اور مرتہن کا معتبر ہوگا۔

میں کہتا ہوں: ''المعراج'' میں وصیت اور اقرار کا دعویٰ کا اضافہ کیا ہے کہا: ''یہ دونوں مجہول صورت میں صحیح ہیں۔ مجہول

وَلَمْ يَذْكُرْ قِيمَتَهَا تُسْمَعُ فَيُحَلَّفُ خَصْمُهُ أَوْ يُجْبَرُ عَلَى الْبَيَانِ دُرَرٌ وَابْنُ مَلِكٍ وَلِهٰذَا لَوْ ادَّعَى أَعْيَانًا مُخْتَلِفَةَ الْجِنْسِ وَالنَّوْعِ وَالصِّفَةِ وَذَكَرَ قِيمَةَ الْكُلِّ جُمْلَةً كَفَى ذٰلِكَ الْإِجْمَالُ عَلَى الصَّحِيحِ، وَتُقْبَلُ بَيِّنَتُهُ أَوْ يُحَلَّفُ خَصْمُهُ عَلَى الْكُلِّ مَرَّةً (وَإِنْ لَمْ يَذْكُرْ قِيمَةَ كُلِّ عَيْنٍ عَلَى حِدَةٍ) لِأَنَّهُ لَمَّا صَحَّ دَعْوَى الْغَصْبِ بِلَا بَيَانٍ فَلَأَنْ يَصِحَّ إِذَا بَيَّنَ قِيمَةَ الْكُلِّ جُمْلَةً بِالْأَوْلَى وَقِيلَ فِي دَعْوَى السَّرِقَةِ

اوراس کی قیمت کا ذکر نہ کیا تو اس کا دعویٰ سنا جائے گا۔ پس اس کے خصم سے قسم لی جائے گی یا اسے وضاحت پر مجبور کیا جائے گا، ''درر''، ''ابن ملک''۔ اسی طرح اگر وہ ایسی چیزوں کا دعویٰ کرے جن کی جنس، نوع اور صفت مختلف ہو اور سب کی مجموعی قیمت بیان کر دے تو صحیح قول کے مطابق یہ اجمال کافی ہوگا اس کے بینہ قبول کیے جائیں گے یا سب پر ایک ہی دفعہ خصم سے قسم لی جائے گی اگرچہ ہر شے کی علیحدہ قیمت ذکر نہ کرے۔ کیونکہ جب غصب کا دعویٰ بیان کے بغیر صحیح ہوگا تو جب سب کی قیمت ایک ہی دفعہ بیان کرے تو یہ بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: چوری کے مال کے بارے میں دعویٰ ہو

طریقہ سے بری کرنے کا دعویٰ صحیح ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں''۔ پس یہ پانچ ہیں۔

27631۔ (قولہ: وَلِهٰذَا) یعنی غصب میں کیونکہ دعویٰ سنا جاتا ہے اگرچہ وہ قیمت ذکر نہ کرے۔

حاشیہ میں کہا: ''الدرر'' میں کہا: اگر اس نے کہا: تو نے مجھ سے اس کا عین غصب کیا اور میں اس کی قیمت کو نہیں جانتا۔ علماء نے کہا: اس کے دعویٰ کو سنا جائے گا۔

''الکافی'' میں کہا: اگرچہ وہ قیمت کی وضاحت نہ کرے اور کہا: تو نے مجھ سے فلاں عین غصب کیا اور میں نہیں جانتا کہ وہ ہلاک ہو چکا ہے یا وہ قائم ہے؟ میں نہیں جانتا اس کی قیمت کتنی تھی؟ عام کتب میں مذکور ہے کہ اس کا دعویٰ سنا جائے گا۔ کیونکہ انسان بعض اوقات اپنے مال کی قیمت نہیں جانتا اگر اسے قیمت بیان کرنے کا مکلف بنایا جائے تو اسے نقصان ہوگا۔

میں کہتا ہوں: اس جہالت فاحشہ کے ہوتے ہوئے دعویٰ کے صحیح ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ خصم جب انکار کرے تو یمین اس کی طرف متوجہ ہو اور جب وہ اقرار کرے یا قسم دینے سے انکار کرے تو اسے بیان پر مجبور کیا جائے، فتامل۔ کیونکہ ''الکافی'' کا کلام اسی تحقیق کے ساتھ کفایت کرتا ہے۔ ''ح''۔

اس کے جامع فقیر ''محمد'' بیطار نے کہا: مولف نے اسے یمین سے یمین تک ثابت رکھا ہے۔ کیونکہ یہ کلام ناقص تھی یہ سب آپ کی تحریر ہے اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔

27632۔ (قولہ: وَتُقْبَلُ بَيِّنَتُهُ) یعنی قیمت پر اس کے بینہ کو قبول کیا جائے گا۔

27633۔ (قولہ: أَوْ يُحَلِّفُ) یعنی گواہیاں نہ ہونے کی صورت میں اس سے قسم لی جائے گی۔

27634۔ (قولہ: لِأَنَّهُ) یہ علت کی علت ہے۔

يُشْتَرَطُ ذِكْرُ الْقِيمَةِ لِيُعْلَمَ كَوْنُهَا نِصَابًا، فَأَمَّا فِي غَيْرِهَا فَلَا يُشْتَرَطُ عِمَادِيَّةٌ وَهٰذَا كُلُّهُ فِي دَعْوَى الْعَيْنِ لَا الدَّيْنِ فَلَوْ (ادَّعَى قِيمَةَ شَيْءٍ مُسْتَهْلَكٍ اُشْتُرِطَ بَيَانُ جِنْسِهِ وَنَوْعِهِ) فِي الدَّعْوَى وَالشَّهَادَةِ لِيَعْلَمَ الْقَاضِي بِمَاذَا يَقْضِي وَاخْتُلِفَ فِي بَيَانِ الذُّكُورَةِ وَالْأُنُوثَةِ فِي الدَّابَّةِ) فَشَرَطَهُ أَبُو اللَّيْثِ أَيْضًا وَ اخْتَارَهُ فِي الِاخْتِيَارِ وَ شَرَطَ الشَّهِيدُ بَيَانَ السِّنِّ أَيْضًا وَ تَمَامُهُ فِي الْعِمَادِيَّةِ (وَفِي دَعْوَى الْإِيدَاعِ لَا بُدَّ مِنْ بَيَانِ مَكَانِهِ) أَيْ مَكَانِ الْإِيدَاعِ (سَوَاءٌ كَانَ لَهُ حَمْلٌ أَوْ لَا وَفِي الْغَصْبِ أَنَّ لَهُ حَمْلٌ وَمُؤْنَةٌ فَلَا بُدَّ)

تو اس کی قیمت کا ذکر کرنا شرط ہے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ مال نصاب ہے۔ جہاں تک اس کے علاوہ میں دعویٰ کا تعلق ہے تو شرط نہیں ''عمادیہ''۔ یہ سب شرطیں عین چیز کے دعویٰ میں ہے۔ دین میں یہ شرط نہیں اگر وہ ایسی شے کی قیمت کا دعویٰ کرے جس کو جان بوجھ کر ہلاک کیا گیا ہو تو دعویٰ اور شہادت میں اس کی جنس اور اس کی نوع کا بیان کرنا شرط ہے تا کہ قاضی کو علم ہو کہ وہ کس کا فیصلہ کر رہا ہے۔ جانور کے مذکر اور مونث کے بیان میں اختلاف کیا گیا ہے ''ابولیث'' نے بھی اس کی شرط لگائی ہے۔ ''الاختیار'' میں اسے اختیار کیا ہے۔ ''شہید'' نے عمر بیان کرنے کی شرط لگائی ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''العمادیۃ'' میں ہے۔ ودیعت رکھنے کے بیان میں ودیعت رکھنے کی جگہ کی وضاحت ضروری ہے خواہ اس کے لیے بار برداری کی ضرورت ہو یا بار برداری کی ضرورت نہ ہو اور غصب کی صورت میں اگر بار برداری کی ضرورت ہو اور مشقت ہو

27635_(قولہ: يُشْتَرَطُ ذِكْرُ الْقِيمَةِ) ''شیخ عمر'' جو ''النہر'' کے مولف ہیں انہوں نے کہا: چاہیے کہ معنی یہ ہوں: جب عین (وہ چیز جس کے بارے میں دعویٰ ہے) حاضر ہو تو اس کی قیمت بیان کرنا شرط نہیں مگر چوری کے مال کا دعویٰ ہو تو اس کی قیمت ذکر کرنا شرط ہے۔ ''حموی''۔

27636_(قولہ: وَهٰذَا كُلُّهُ) مراد سابقہ تمام مذکورہ شرائط ہیں۔

27637_(قولہ: لَا الدَّيْنِ) دین کے دعویٰ کا ذکر عنقریب متن میں آئے گا۔

اگر کوئی ایسی شے کی قیمت کا دعویٰ کرے جسے قصداً ہلاک کیا گیا ہو تو اس کا حکم

27638_(قولہ: اشْتُرِطَ بَيَانُ جِنْسِهِ) میں کہتا ہوں: مجھے اس محل میں شبہ ہے۔ وہ یہ ہے: اگر وہ مختلف اعیان کا دعویٰ کرے تو یہ گزر چکا ہے کہ سب کی ایک ہی دفعہ قیمت ذکر کرنا کافی ہے۔ ''الفصولین'' میں ذکر کیا ہے: اگر اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اعیان اس کے ہاتھ میں موجود ہیں تو مدعیٰ علیہ کو حکم دیا جائے گا کہ وہ ان کو حاضر کرے تو ان کے حاضر ہونے پر گواہیوں کو قبول کیا جائے گا۔ اگر اس نے کہا: وہ ہلاک ہو چکے ہیں اور سب کی ایک ہی دفعہ قیمت بیان کر دی تو اس کا دعویٰ سنا جائے گا۔

اس سے یہ امر ظاہر ہو گا کہ مصنف نے اعیان کے دعویٰ میں جو پہلے کہا ہے یہ اس دعویٰ کے متعلق ہے جب وہ اعیان ہلاک ہو چکے ہوں۔ ورنہ قیمت کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ان اعیان کو حاضر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہم نے پہلے ''ابن کمال'' سے نقل کیا ہے: جیسا عین کو حاضر کرنا متعذر رہو وہ ہلاک ہو چکے ہوں یا کوئی اور صورت ہو تو قیمت کا ذکر کرنا وصف

لِصِحَّةِ الدَّعْوَى (مِنْ بَيَانِهِ وَإِلَّا) حَمْلَ لَهُ (لَا) (وَفِي غَصْبِ غَيْرِ الْمِثْلِيِّ يُبَيِّنُ قِيمَتَهُ يَوْمَ غَصْبِهِ عَلَى الظَّاهِرِ) عِمَادِيَّةٌ۔ (وَيُشْتَرَطُ التَّحْدِيدُ فِي دَعْوَى الْعَقَارِ كَمَا يُشْتَرَطُ فِي الشَّهَادَةِ عَلَيْهِ وَلَوْ) كَانَ الْعَقَارُ (مَشْهُورًا) خِلَافًا لَهُمَا (إِلَّا إِذَا عَرَفَ الشُّهُودُ الدَّارَ بِعَيْنِهَا فَلَا يُحْتَاجُ إِلَى ذِكْرِ حُدُودِهَا) كَمَا لَوْ ادَّعَى ثَمَنَ الْعَقَارِ لِأَنَّهُ دَعْوَى الدَّيْنِ حَقِيقَةً بَحْرٌ (وَلَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ بَلْدَةٍ بِهَا الدَّارُ ثُمَّ الْمَحَلَّةِ ثُمَّ السِّكَّةِ)

تو دعویٰ کے صحیح ہونے کے لیے مکان کی وضاحت ضروری ہے۔ اگر بار برداری کی ضرورت نہ ہو تو مکان کی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ غیر مثلی چیز کے غصب کی صورت میں وہ ظاہر روایت کے مطابق غصب کے دن اس کی جو قیمت تھی اس کی وضاحت کرے گا۔ جائیداد کے بارے میں دعویٰ کیا جائے تو حدود بیان کرنا شرط ہے جس طرح اس پر شہادت دینی ہو تو حدود بیان کرنا شرط ہے اگرچہ جائیداد مشہور ہو۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ مگر جب گواہوں نے بعینہ اس گھر کی وضاحت کردی ہو تو اس کی حدود ذکر کرنے کی ضرورت نہیں جس طرح اگر ایک آدمی جائیداد کی ثمن کا دعویٰ کرے۔ کیونکہ یہ حقیقت میں دین کا دعویٰ ہے، ''بحر''۔ اس شہر کا ذکر کرنا ضروری ہے جس میں وہ گھر ہے پھر محلہ اور پھر گلی کا ذکر کرنا ضروری ہے۔

بیان کرنے سے اسے مستغنی کردے گا۔ یہ اس کے موافق ہے جس کا ذکر مصنف نے ان اعیان میں کیا ہے جن کی قیمت کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔ یہاں ان کا قول اشترط بیان جنسہ ونوعہ اشکال پیدا کر رہا ہے۔

اگر ہم یہ کہیں کہ قیمت کے ذکر کرنے کے ساتھ وصف کا بیان کرنا ضروری ہے تو قیمت کے دعویٰ اور ہلاک ہونے والے عین کے دعویٰ میں فرق ظاہر نہیں ہوگا تو صاحب المنح کا قول جو''البحر'' کی تبع میں ہے: وھذا کلہ فی دعوی العین لا الدین کا کیا معنی ہوگا، فلیتامل۔ ''البحر'' میں ''السراجیہ'' سے مروی ہے: ایک آدمی نے محدود شے کی ثمن کا دعویٰ کیا تو اس کی حدود کو بیان کرنے کی شرط نہیں لگائی جائے گی۔

27639۔ (قولہ: مِنْ بَيَانِهِ) یعنی غصب کرنے کی جگہ کو بیان کرنا ضروری ہے۔

27640۔ (قولہ: عَلَى الظَّاهِرِ) ''نور العین'' میں کہا: غیر مثلی چیز کے غصب میں اور اس کو ہلاک کرنے کی صورت میں چاہیے کہ ظاہر روایت کے مطابق اس کے غصب کے دن کی قیمت کو بیان کرے۔ ایک روایت میں ہے: مالک کو اختیار ہوگا کہ وہ غصب کے دن کی یا اس کے ہلاک ہونے کی قیمت کو لے یہ ضروری ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک دن کی قیمت کو بیان کرے۔ اگر وہ اعیان کے ہلاک کرنے کی صورت میں ہزار دینار کا دعویٰ کرے تو ضروری ہوگا کہ وہ ہلاک کرنے کی جگہ میں جو ان کی قیمت ہو اس کو بیان کرے۔ اسی طرح یہ ضروری ہوگا کہ وہ اعیان کو بیان کرے۔ کیونکہ ان میں سے کچھ ذوات القیم میں سے ہیں اور کچھ مثلی ہیں''۔

27641۔ (قولہ: فِي دَعْوَى الْعَقَارِ) ''المغرب'' میں ہے: العقار سے مراد جاگیر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہر ایسا مال ہے جس کی اصل ہے جیسے گھر، جاگیر۔ ہمارے مشائخ نے کتاب الشفعہ میں اس امر کی تصریح کی ہے کہ

فَیُبْدَأُ بِالْأَعَمِّ ثُمَّ الْأَخَصِّ فَالْأَخَصِّ كَمَا فِي النَّسَبِ (وَيُكْتَفَى بِذِكْرِ ثَلَاثَةٍ) فَلَوْ تَرَكَ الرَّابِعَ صَحَّ، وَإِنْ ذَكَرَهُ وَغَلِطَ فِيهِ لَا مُلْتَقًى لِأَنَّ الْمُدَّعِي يَخْتَلِفُ بِهِ ثُمَّ إِنَّمَا يَثْبُتُ الْغَلَطُ بِإِقْرَارِ الشَّاهِدِ فُصُولَيْنِ

وہ اعم سے شروع کرے گا پھر اخص پھر اس سے اخص کا ذکر کرے گا جس طرح نسب میں ہوتا ہے۔ متن کے ذکر پر اکتفا کیا جائے گا۔ اگر وہ چوتھی چیز کے ذکر کو ترک کر دے تو یہ صحیح ہوگا۔ اگر وہ اس کا ذکر کرے اور اس میں غلطی کر جائے تو صحیح نہیں ہو گا۔ ''ملتقی''۔ کیونکہ مدعیٰ اس کے ساتھ مختلف ہو جاتا ہے پھر شاہد کے اقرار کے ساتھ غلطی ثابت ہو جاتی ہے، ''فصولین''۔

عمارت اور کھجور کے درخت منقول چیزوں میں سے ہیں اور جب ان دونوں کو سفیدہ زمین کے بغیر بیچا جائے تو ان میں کوئی شفع نہیں ہوگا۔ اگر سفیدہ زمین کے ساتھ اسے بیچا گیا ہو تو وہ تبع میں شفعہ واجب ہوگا۔ اس زمانہ کے بعض لوگوں نے اس میں غلطی کی اور کھجور کے درخت کو جائیداد سے قرار دیا ہے۔ اسے اس غلطی پر متنبہ کیا گیا تو انہوں نے اپنی عادت کے مطابق رجوع نہ کیا۔ ''بحر''۔

محتکرہ زمین میں جو عمارت ہوتی ہے اس میں شفعہ ثابت ہوتا ہے

''حاشیہ ابی سعود'' میں ہے: ان کے قول لا شفعہ فیھما تو اس پر محمول کیا جائے گا جب زمین محتکرہ (جس کو مہنگی قیمت بیچنے کے لیے روکا گیا ہو) نہ ہو ورنہ محتکرہ زمین میں جو عمارت ہوتی ہے اس میں شفعہ ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ جس چیز کے لیے عقار کا حق ہو تو وہ چیز عقار کے ساتھ لاحق ہو جاتی ہے جس طرح کتاب الشفعہ میں آئے گا۔

27642۔ (قولہ: كَمَا فِي النَّسَبِ) کیونکہ صرف اس کا نام ذکر کرنا اس کا نام اور اس کے باپ کا نام ذکر کرنے سے عام ہے اور اس کا اور اس کے باپ کا نام ذکر کرنا یہ اس کا نام، اس کے باپ کا نام اور اس کے دادا کے نام کے ذکر کرنے سے زیادہ عام ہے، ''ح''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27643۔ (قولہ: فَلَوْ تَرَكَ) یعنی مدعی یا شاہد اسے ترک کر دے تو ترک کرنے اور غلطی کرنے میں دونوں کا حکم ایک ہوگا جس طرح ''الفصولین'' میں اس کی تصریح کی ہے۔

27644۔ (قولہ: وَغَلِطَ فِيهِ لَا) یعنی اس میں غلطی کی تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ اس کی مثل ہے جب نقد ثمن کے ساتھ کسی شے کو خریدنے کا دعویٰ کرے تو شہادت کو قبول نہیں کیا جائے گا اگرچہ وہ ثمن کی جنس بیان کرنے سے خاموش ہو جائیں۔ اگر وہ اسے ذکر کریں اور اس میں اختلاف کریں تو شہادت مقبول نہ ہوگی جس طرح ''زیلعی'' میں ہے۔ ''سائحانی''۔

27645۔ (قولہ: فُصُولَيْنِ) کہ اس میں بھی ہے اگر مدعی علیہ اس کا دعویٰ کرے تو اسے نہیں سنا جائے گا اور اس کی گواہیاں قبول نہ کی جائیں گی۔ کیونکہ مدعی علیہ نے جب مدعی کو جواب دیا تو اس نے اس امر کی تصدیق کی کہ مدعیٰ کی یہ حدود ہیں۔ پس غلط دعویٰ کے ساتھ وہ اپنے بعد کا مناقض ہو جائے گا۔ یا ہم کہیں گے غلط دعویٰ کی تفسیر یہ ہے کہ مدعی علیہ یہ کہے: اس کی حدود میں سے ایک وہ نہیں جس کا شاہد نے ذکر کیا ہے یا وہ کہے: صاحب حد کا یہ نام نہیں۔ یہ سب نفی ہے۔ اور نفی پر شہادت

(وَذِكْرِ أَسْمَاءِ أَصْحَابِهَا) أَيْ الْحُدُودِ (وَأَسْمَاءِ أَنْسَابِهِمْ، وَلَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ الْجَدِّ) لِكُلٍّ مِنْهُمْ (إِنْ لَمْ يَكُنْ) الرَّجُلُ (مَشْهُورًا) وَإِلَّا اُكْتُفِي بِاسْمِهِ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ (وَ) ذِكْرِ (أَنَّهُ) أَيْ الْعَقَارَ (فِي يَدِهِ) لِيَصِيرَ خَصْمًا (وَيَزِيدُ) عَلَيْهِ (بِغَيْرِ حَقٍّ

اور ضروری ہے کہ ان حدود کے مالکوں کے ناموں کا ذکر کرے اور ان کے سب کے نسبوں کے ناموں کا ذکر کرے۔ اور ان میں سے ہر ایک کے دادا کا ذکر کرنا ضروری ہے اگر آدمی مشہور نہ ہو ورنہ اس کے نام پر اکتفا کیا جائے گا۔ کیونکہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ جائیداد اس کے قبضہ میں ہے تا کہ وہ خصم بن جائے۔ اور اس پر غیر حق کا اضافہ کرے

کو قبول نہیں کیا جاتا۔

صاحب ''جامع الفصولین'' کی اس مذکورہ مسئلہ میں بحث ہے جسے ہم نے ''البحر'' کے حاشیہ میں لکھا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے: یہ ممکن ہے کہ مدعی یہ جواب دے کہ یہ تیرا نہیں تو یہ مناقض نہ ہوگی یا ابتداءً جواب دے کہ تو نے جو حد بیان کی ہے یہ اس کے مخالف ہے پس تفصیل چاہیے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

''سائحانی'' کی تحریر یہ ہے: خلاصی کی صورت یہ ہے: مدعی علیہ یہ کہے: جس کی حدود بیان کی گئی ہیں میرے قبضہ میں نہیں۔ تو یہ لازم آتا ہے کہ خصم کہے: بلکہ یہ تیرے قبضہ میں ہے لیکن غلطی ہوئی ہے۔ پس اس کے ساتھ وہ ممنوع ہو جائے گا۔ اگر مجلس میں گواہ غلطی کا تدارک کر دے تو اسے قبول کر لیا جائے گا یا مجلس کے علاوہ میں کرے جب وہ تطبیق دے، ''بزازیہ''۔ اس کی عبارت ہے: اگر وہ ایک حد یا دو حدوں میں غلطی کریں پھر وہ مجلس یا غیر مجلس میں تدارک کریں تو تطبیق کے امکان کی صورت میں اسے قبول کر لیا جائے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: اس کا نام فلاں تھا پھر اس کا فلاں نام ہو گیا یا فلاں نے اسے بیچا اور مذکور فرد نے اسے خریدا۔

اگر آدمی مشہور نہ ہو تو زمین کی حدود کے مالکوں کے ناموں کے ساتھ دادا کا نام ذکر کرنا ضروری ہے

27646۔ (قوله: وَلَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ الْجَدِّ) باب الشہادۃ علی الشہادۃ سے تھوڑا پہلے (مقولہ 27145 میں) ہم نے ذکر کیا ہے کہ اس تحریر (دستاویز) میں جو حدود بیان کی گئی ہیں اس کے بارے میں دعویٰ اور شہادت صحیح ہے۔ جہاں تک گھر کا تعلق ہے تو اس کی حدود بیان کرنا ضروری ہے اگرچہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ مشہور ہو۔ اور مکمل تعریف اس صورت میں ہوتی ہے جب صاحب حد کے دادا کا نام لے۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک معروف گھر کی صورت میں اس کی حدود کا اس طرح بیان کرنا ضروری نہیں جس طرح کوفہ میں عمر بن حارث کا گھر ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر اگر وہ یہ ذکر کرے فلاں کے گھر کے ساتھ ملا ہوا اور اس کے نام اور نسب کا ذکر نہ کرے جب کہ وہ گھر معروف ہو تو یہ اسے کافی ہوگا۔ کیونکہ ان دونوں کی ضرورت اس آدمی کو باخبر کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ یہ ان باتوں میں سے ہے جنہیں اچھی طرح یاد کیا جانا چاہیے۔ ''فصولین''۔

فرع: ''جامع الفصولین'' میں کہا: اگر اس نے فلاں کے وارثوں کے گھر کے ساتھ ملے ہونے کا ذکر کیا تو تعریف حاصل

إِنْ كَانَ) الْمُدَّعَى (مَنْقُولًا) لِمَا مَرَّ (وَلَا تَثْبُتُ يَدُهُ فِي الْعَقَارِ بِتَصَادُقِهِمَا بَلْ لَا بُدَّ مِنْ بَيِّنَةٍ أَوْ عِلْمِ قَاضٍ) لِاحْتِمَالِ تَزْوِيرِهِمَا بِخِلَافِ الْمَنْقُولِ لِمُعَايَنَةِ يَدِهِ، ثُمَّ هَذَا لَيْسَ عَلَى إِطْلَاقِهِ بَلْ (إِذَا ادَّعَى) الْعَقَارَ

اگر مدعیٰ منقول ہو اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔ اور دونوں کی باہم تصدیق سے قبضہ ثابت نہیں ہوگا بلکہ گواہیاں ضروری ہیں یا قاضی کا علم ضروری ہے۔ کیونکہ دھوکہ دہی کا احتمال موجود ہے۔ منقول کا معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ اس کے قبضہ کا معاینہ کیا جاسکتا ہے۔ پھر یہ مطلق نہیں بلکہ جب وہ جائیداد کا

نہ ہوگی۔ کیونکہ تعریف تو اس آدمی کا نام اور اس کے نسب کے ذکر سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ صحیح ہے۔ کیونکہ یہ تعریف کے اسباب میں سے ہے۔ اور پہلے قول کی علت اس سے قبل بیان کر دی ہے وہ یہ کہ وارث مجہول ہیں ان میں سے کچھ اصحاب الفروض ہیں، کچھ عصبہ ہیں اور کچھ ذورحم ہیں۔ پھر اشارہ کیا: اگر یہ لکھا: فلاں کے ورثاء کے متصل جب کہ یہ تقسیم سے پہلے ہو ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ صحیح ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: صحیح نہیں ہوگا۔ پھر اشارہ کیا: اس نے لکھا: فلاں کے ترکہ کے گھر کے متصل تو یہ حد بیان کرنے کے اعتبار سے صحیح ہوگا۔ اگر اس نے اس کی حدود میں اسے ایک حد کو ایسی زمین قرار دیا جس کے مالک کا پتہ نہ ہو تو یہ کافی نہ ہوگا۔

میں کہتا ہوں: اگر وہ زمین معروف ہو تو چاہیے کہ قابض کے ذکر کی ضرورت نہ ہو۔ کیونکہ غرض حاصل ہو چکی ہے۔ یہ امر مخفی نہیں کہ ان کی بحث ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مخالف ہے جس طرح ہم پہلے ان سے بیان کر چکے ہیں۔

پھر کہا: اگر اس نے اس کی حدود میں سے ایک کو مملکت کی زمین قرار دیا تو یہ صحیح ہوگا اگر چہ وہ یہ ذکر نہ کرے کہ وہ فلاں کے قبضہ میں ہے۔ کیونکہ سلطان کے نائب کے واسطہ سے سلطان کے قبضہ میں ہے اور راستہ حد بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جب کہ اس کا طول وعرض بیان نہ کیا جائے۔ مگر ایک قول ایسا ہے جس کے مطابق حد بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اور بعض علماء کے نزدیک حد بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اسی طرح دیوار ہے۔ یہ ایک روایت ہے: ظاہر مذہب کے مطابق حد بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ خندق نہر کی طرح ہے۔ اگر وہ کہے: لزیق ارض فلان۔ فلاں کی زمین کے متصل اور فلاں کی اس دیہات میں بہت زیادہ متفرق مختلف زمینیں ہیں۔ دعویٰ اور شہادت صحیح ہوگی۔ اگر وہ یہ ذکر کرے وقف کی زمین کے متصل تو یہ کافی نہیں ہوگا۔ اور چاہیے کہ وہ یہ ذکر کرے کہ وہ فقراء، مسجد یا اس طرح کی چیز پر وقف ہے اور یہ وقف کرنے والے کے ذکر کی طرح ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: واقف کے ذکر کرنے سے تعریف ثابت نہیں ہوتی جب تک وہ یہ ذکر نہ کرے کہ وہ فلاں کے قبضہ میں ہے۔

میں کہتا ہوں: چاہیے کہ یہ اس تقدیر پر ہو کہ معرفت صرف اسی صورت میں حاصل ہوتی ہے ورنہ یہ بلا ضرورت اسے تنگی میں ڈالنا ہے۔

27647۔ (قولہ: مَنْقُولًا) یہ اس کے ساتھ تکرار ہے جس کا قول گزر چکا ہے۔ ''س''۔

27648۔ (قولہ: وَلَا تَثْبُتُ يَدُهُ فِي الْعَقَارِ بِتَصَادُقِهِمَا الخ) یہ اکثر واقع ہوتا ہے اور ہمارے زمانہ کے کثیر

(مِلْكًا مُطْلَقًا أَمَّا فِي دَعْوَى الْغَصْبِ وَ) دَعْوَى (الشِّرَاءِ) مِنْ ذِي الْيَدِ (فَلَا) يَفْتَقِرُ لِبَيِّنَةٍ، لِأَنَّ دَعْوَى الْفِعْلِ كَمَا تَصِحُّ عَلَى ذِي الْيَدِ تَصِحُّ عَلَى غَيْرِهِ أَيْضًا بَزَّازِيَّةٌ (وَ) ذُكِرَ (أَنَّهُ يُطَالِبُهُ بِهِ) لِتَوَقُّفِهِ عَلَى طَلَبِهِ وَلِاحْتِمَالِ رَهْنِهِ أَوْ حَبْسِهِ بِالثَّمَنِ وَبِهِ أُسْتُغْنِيَ عَنْ زِيَادَةِ بِغَيْرِ حَقٍّ فَافْهَمْ (وَلَوْ كَانَ) مَا يَدَّعِيهِ

ملک مطلق کے طور پر دعویٰ کرے۔ جہاں تک غصب کے دعویٰ کا تعلق ہے اور قابض سے خریداری کے دعویٰ کا تعلق ہے تو اس کے لیے گواہوں کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ دعویٰ فعل جس طرح قابض پر صحیح ہے اسی طرح غیر پر بھی صحیح ہے۔ ''بزازیہ''۔ اور یہ ذکر کرنا شرط ہے کہ وہ اس سے اس امر کا مطالبہ کر رہا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے مطالبہ پر موقوف ہے۔ کیونکہ اس کے دین ہونے اور ثمن کے بدلے میں اس کے محبوس ہونے کا احتمال موجود ہے اس کے ساتھ بغیر حق کے اضافہ سے وہ مستغنی ہو گیا ہے اسے خوب سمجھ لیجئے۔ جس چیز کا وہ دعویٰ کرتا ہے

قاضی اس سے غافل ہیں۔ کیونکہ دستاویزات میں اکثر لکھا ہوتا ہے اس نے مذکورہ جائیداد پر اس کے قبضہ کا اقرار کیا۔ مدعی کے لیے یہ کہنا ضروری ہے وہ جائیداد پر قابض ہے اور دو گواہ اس کی گواہی دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے میں نے اسے اپنے ان اشعار میں نظم کیا ہے۔

والید لا تثبتُ فی العقار مع التصادق فلا تُمارِ

بل یلزم البرهان ان لم یدع علیه غصبا او شراء مدعی

باہم تصدیق کرنے سے تو شک میں نہ پڑ عقار (غیر منقولہ شے) میں قبضہ ثابت نہیں ہوتا غصب کے ساتھ یا مدعی کے خریدنے کے ساتھ بلکہ برہان لازم ہے اگر وہ نہ چھوڑے۔

''جامع الفصولین'' میں ''الخانیہ'' کی رمز کے ساتھ ہے: ایک آدمی نے کسی شے کا دعویٰ کیا جو کسی اور کے قبضہ میں ہے کہا: وہ میری ملکیت ہے اس نے اس شے پر اس کے قبضہ کو بغیر حق کے ظاہر کیا۔ علماء نے کہا: ہر قابض کے خلاف غصب کا دعویٰ نہیں۔ صاحب ''الفصولین'' نے کہا: جو قول گزر چکا ہے اس کا قیاس ''فش'' (فتاویٰ رشید الدین) میں: اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ یہ اس کی ملکیت ہے اور تیرے قبضہ میں بغیر حق کے ہے تو یہ صحیح ہوگا۔ اگر وہ غصب کے دن کا ذکر نہ کرے تو چاہیے کہ یہاں یہ صحیح ہو۔ اس کی مکمل وضاحت چھٹی فصل میں ہے۔

27649۔ (قولہ: يُطَالِبُهُ بِهِ) خواہ وہ عین ہو یا دین ہو وہ منقول چیز ہو یا غیر منقول چیز ہو۔ اگر وہ کہے: میرے اس پر دس درہم ہیں اور اس پر کچھ زائد نہ کرے تو یہ صحیح نہ ہوگا جب تک وہ قاضی سے یہ نہ کہے: اسے حکم دو یہاں تک کہ وہ اسے عطا کر دے ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ صحیح ہے۔ یہی قول صحیح ہے۔ ''قہستانی''، ''سائحانی''۔

27650۔ (قولہ: وَبِهِ اسْتُغْنِيَ) یعنی اس چیز کے ذکر کرنے کے ساتھ کہ وہ اس کا مطالبہ کرنے والا ہے کیونکہ جب حق کے بدلے میں محبوس ہو تو اسے مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہوگا۔

(دَيْنًا) مَكِيلًا أَوْ مَوْزُونًا نَقْدًا أَوْ غَيْرَهُ (ذَكَرَ وَصْفَهُ) لِأَنَّهُ لَا يُعْرَفُ إِلَّا بِهِ (وَلَا بُدَّ فِي دَعْوَى الْمِثْلِيَّاتِ مِنْ ذِكْرِ الْجِنْسِ وَالنَّوْعِ وَالصِّفَةِ وَالْقَدْرِ وَسَبَبِ الْوُجُوبِ) فَلَوْ ادَّعَى كُرَّ بُرٍّ دَيْنًا عَلَيْهِ وَلَمْ يَذْكُرْ سَبَبًا لَمْ تُسْمَعْ؛ وَإِذَا ذَكَرَ، فَفِي السَّلَمِ إِنَّمَا لَهُ الْمُطَالَبَةُ فِي مَكَانٍ عَيَّنَاهُ، وَفِي نَحْوِ قَرْضٍ وَغَصْبٍ وَاسْتِهْلَاكٍ فِي مَكَانِ الْقَرْضِ وَنَحْوِهِ بَحْرٌ فَلْيُحْفَظْ (وَيَسْأَلُ الْقَاضِي الْمُدَّعَى عَلَيْهِ) عَنْ الدَّعْوَى فَيَقُولُ إِنَّهُ ادَّعَى عَلَيْكَ كَذَا فَمَاذَا تَقُولُ (بَعْدَ صِحَّتِهَا وَإِلَّا) تَصْدُرْ صَحِيحَةً (لَا) يَسْأَلُ لِعَدَمِ وُجُوبِ جَوَابِهِ (فَإِنْ أَقَرَّ) فَبِهَا

اگر وہ دین ہو وہ کیلی ہو یا وزنی ہو وہ نقدی ہو یا غیر نقدی ہو تو وہ اس کا وصف ذکر کرے۔ کیونکہ دین کی تعریف اسی کے ساتھ ہوتی ہے۔ مثلی چیزوں کے دعویٰ میں جنس، نوع، صفت، قدر اور وجوب کے سبب کو ذکر کرنا ضروری ہے۔ اگر وہ اس پر ایک کر گندم کا بطور دین کے دعویٰ کرے اور سبب کا ذکر نہ کرے تو اسے نہیں سنا جائے گا۔ جب وہ ذکر کرے تو بیع سلم کی صورت میں اسے وہاں مطالبہ کا حق ہوگا جس کو ان دونوں نے معین کیا۔ قرض، غصب اور جان بوجھ کر ہلاک کرنے کی صورت میں قرض وغیرہ کی جگہ میں مطالبہ کا حق ہوگا۔ پس اسے یاد رکھیے۔ قاضی مدعیٰ علیہ سے دعویٰ کے بارے میں سوال کرے وہ اسے کہے گا: اس نے تجھ پر اس چیز کا دعویٰ کیا ہے تو کیا کہتا ہے؟ یہ معاملہ اس وقت ہوگا جب اس کا دعویٰ صحیح ہو۔ اگر دعویٰ صحیح نہ ہو تو وہ سوال نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس کا جواب دینا واجب نہیں۔ اگر وہ اقرار کرلے تو بہتر

جو متون اور شروح میں ہے وہ فتاوی پر مقدم ہے

27651۔ (قولہ: ذَكَرَ وَصْفَهُ) ''الکنز'' میں یہ زائد ذکر کیا ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کرے۔ ''البحر'' میں کہا: متون اور شروح میں اس کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جہاں تک اصحاب الفتاویٰ کا تعلق ہے جیسے ''الخلاصہ'' اور ''البزازیہ'' تو انہوں نے شرط لگانے کو ضعیف قول قرار دیا ہے۔ مراد واطالبہ بہ (میں اس کا مطالبہ کرتا ہوں) کا لفظ نہیں بلکہ یہ لفظ ہے یا جو اس کا فائدہ دے اس کے قول میں سے یہ ہے اسے حکم دو تاکہ وہ مجھے میرا حق دے دے جس طرح ''العمدۃ'' میں ہے۔

یہ امر مخفی نہیں کہ مصنف کو اس کا ذکر کرنا چاہیے۔ کیونکہ علماء نے کہا: جو متون اور شروح میں ہے وہ اس پر مقدم ہے جو الفتاویٰ میں ہے۔

27652۔ (قولہ: مِنْ ذِكْرِ الْجِنْسِ) جنس کا ذکر جیسے گندم اور نوع کا ذکر جیسے سقیہ جو اس زمین سے ہو جس کو سیراب کیا جاتا ہے اور صفت کا ذکر جیسے عمدہ۔

27653۔ (قولہ: لَمْ تُسْمَعْ) بیع سلم میں اس کی شرائط ذکر کرے گا جیسے وہ راس المال کی جنس کی خبر دے اور اس کے غیر میں اس کی نوع، اس کی صفت اور وزن کی مقدار بیان کرے اگر وہ وزنی ہو اور مجلس میں نقدی ادا کرے یہاں تک کہ وہ عقد صحیح ہو جائے۔

اگر وہ کہے: اس بیع صحیح کے سبب جو ان دونوں کے درمیان جاری ہوئی تو بغیر اختلاف کے دعویٰ صحیح ہو جائے گا۔ اس تعبیر

(أَوْ أَنْكَرَ فَبَرْهَنَ الْمُدَّعِي قَضَى عَلَيْهِ) بِلَا طَلَبِ الْمُدَّعِي (وَإِلَّا) يُبَرْهِنْ (حَلَّفَهُ) الْحَاكِمُ (بَعْدَ طَلَبِهِ) إذْ لَا بُدَّ مِنْ طَلَبِهِ الْيَمِينَ فِي جَمِيعِ الدَّعَاوَى إلَّا عِنْدَ الثَّانِي فِي أَرْبَعٍ عَلَى مَا فِي الْبَزَّازِيَّةِ،

یا وہ انکار کر دے تو مدعی نے گواہیاں قائم کر دیں تو مدعی کے مطالبہ کے بغیر وہ اس کا فیصلہ کرے گا۔ کیونکہ تمام قسم کے دعوؤں میں اسے قسم کا مطالبہ کرنے کا حق ہو گا مگر امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چار قسم کے دعوؤں میں اسے مطالبہ کا حق نہیں ہو گا جیسے ''بزازیہ'' میں ہے کہا:

کی بنا پر ہر ایسا سبب جس کی بے شمار شرائط ہوں اس کے اس قول پر اکتفا نہیں کیا جائے گا فلاں صحیح سبب کے ساتھ جب شرائط قلیل ہوں تو اس پر اکتفا کیا جائے گا۔

''شمس الائمہ'' نے اس آدمی کے بارے میں جواب دیا جس نے یہ کہا: اس نے صحیح کفالت کی، یہ صحیح نہیں جس طرح بیع سلم صحیح نہیں۔ کیونکہ ممکن ہے یہ اس کے اعتقاد میں صحیح ہو۔ نہ کہ اس حنفی کے پاس صحیح ہو جو قبول کے بغیر اس کے معدوم ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو۔ پس وہ کہے گا: اس نے کفالت اٹھائی اور مکفول لہ نے مجلس میں اسے قبول کر لیا۔ قرض میں وہ یہ ذکر کرے گا اس نے اپنے مال سے اسے قرض دیا۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ وہ وکیل ہو جب کہ وہ سفیر ہوتا ہے مطالبہ کا اختیار نہیں رکھتا۔ وہ یہ ذکر کرے گا کہ اس نے اس پر قبضہ کیا اور اپنی ضروریات میں اسے صرف کیا تا کہ وہ بالاجماع دین ہو جائے۔ کیونکہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ اس کے صرف کرنے اور جان بوجھ کر ہلاک کرنے پر موقوف ہے، ''بزازیہ'' ملخص۔

27654۔ (قولہ: فَبَرْهَنَ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ بینہ حق پر قائم نہیں کی جاتیں۔ ''البحر'' میں کہا: مگر چار میں۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ اس میں ہے: اگر اس نے گواہوں کے بعد اقرار کیا تو اقرار کی وجہ سے فیصلہ کیا جائے گا بینہ کی وجہ سے فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ اگر وہ جواب دینے سے خاموشی اختیار کر لے تو اسے محبوس کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اس کا جواب دے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

تمام قسموں کے دعوؤں میں مدعی کو قسم کا مطالبہ کرنے کا حق ہو گا سوائے چار قسموں کے دعوؤں کے

27655۔ (قولہ: حَلَّفَهُ الْحَاكِمُ) اس کی قسم کے ساتھ اس کا حق باطل نہیں ہو گا لیکن اسے حق حاصل نہیں کہ وہ اس کے ساتھ خصومت کرے جب تک وہ اپنے دعویٰ کے موافق گواہیاں پیش نہ کر دے اگر وہ گواہیاں پائے تو انہیں قائم کر دے اور گواہوں کے مطابق قاضی اس کے حق میں فیصلہ کر دے ''درر''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27656۔ (قولہ: فِي أَرْبَعٍ) عیب کی وجہ سے مبیع کو رد کرنے کی صورت میں مشتری سے یہ قسم لی جائے گی: اللہ کی قسم تو عیب پر راضی نہیں تھا اور شفعہ کرنے والے سے قسم لی جائے گی: اللہ کی قسم تو نے اپنے شفعہ کو باطل نہیں کیا۔ عورت جب اپنے غائب خاوند کے خلاف نفقہ کی تعیین کا مطالبہ کرے تو اس سے قسم لی جائے گی: اللہ کی قسم تیرے خاوند نے تیرے لیے کوئی شے نہیں چھوڑی اور نہ ہی تجھے نفقہ دیا۔ اور چوتھی چیز یہ ہے مستحق سے قسم لی جائے گی: اللہ کی قسم تو نے بیع نہیں کی۔ حاشیہ میں اسی

قَالَ وَأَجْمَعُوا عَلَى التَّحْلِيفِ بِلَا طَلَبٍ فِي دَعْوَى الدَّيْنِ عَلَى الْمَيِّتِ (وَإِذَا قَالَ) الْمُدَّعَى عَلَيْهِ (لَا أُقِرُّ وَلَا أُنْكِرُ لَا يُسْتَحْلَفُ بَلْ يُحْبَسُ لِيُقِرَّ أَوْ يُنْكِرَ) دُرَرٌ، وَكَذَا لَوْ لَزِمَ السُّكُوتَ بِلَا آفَةٍ عِنْدَ الثَّانِي خُلَاصَةٌ قَالَ فِي الْبَحْرِ وَبِهِ أَفْتَيْت لِمَا أَنَّ الْفَتْوَى عَلَى قَوْلِ الثَّانِي فِيمَا يَتَعَلَّقُ بِالْقَضَاءِ

علما نے میت کے خلاف دین کے دعویٰ میں مطالبہ کے بغیر قسم لینے پر اجماع کیا ہے۔ جب مدعی علیہ کہے: نہ میں اقرار کرتا ہوں اور نہ ہی انکار کرتا ہوں تو اس سے قسم کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے محبوس کیا جائے گا تاکہ وہ اقرار کر لے یا اس کا انکار کرے، ''درر''۔ اسی طرح اگر وہ کسی آفت کے بغیر خاموشی کو لازم پکڑے۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے، ''خلاصہ''۔ ''البحر'' میں کہا: اس کے مطابق میں فتویٰ دیتا ہوں۔ کیونکہ وہ امور جو قضا سے متعلق ہیں ان میں فتویٰ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہوتا ہے۔

طرح ہے۔ اس میں ہے:

فرع: ایک آدمی نے دوسرے آدمی پر دعویٰ کیا: میرے باپ کے تجھ پر سو دینار ہیں۔ جب کہ میرا باپ ان سے اپنا پورا حق وصول کرنے سے قبل مر گیا اور اس کی موت کی وجہ سے وہ میرے میراث بن گئے ہیں اور اس نے سو دینار سپرد کرنے کا مطالبہ کیا مدعی علیہ نے کہا: تیرے باپ کے مجھ پر سو دینار تھے مگر ان میں سے اسی دینار تیرے باپ کو اس کی زندگی میں دے دیئے تھے تیرے باپ نے فارسی زبان میں فلاں دن میرے گھر میں سمرقند شہر میں ان پر قبضہ کرنے کا اقرار کیا تھا اور اس پر گواہیاں قائم کر دیں۔ مدعی نے مدعیٰ علیہ سے کہا: تو نے میرے باپ کے اس اقرار کا جو دعویٰ کیا ہے کہ اس نے تجھ سے اسی دینار وصول کیے تھے اس میں باطل ہے۔ کیونکہ اس دن جس کا تو دعویٰ کر رہا ہے کہ اس نے اس دن میں اقرار کیا تھا وہ سمرقند شہر سے غائب تھا وہ بڑے شہر میں تھا اور اس نے اس دعویٰ پر گواہ پیش کر دیئے۔ کیا مدعی علیہ کی گواہیاں مدعی کے بینہ سے ختم ہو جائیں گئے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہیں۔ مگر مدعی کے باپ کی سمرقند سے اس دن عدم موجودگی جس دن کے بارے میں مدعی علیہ کے گواہوں نے گواہی دی تھی تو اس نے سمرقند میں اقرار کیا تھا کہ اس نے حق لے لیا ہے اور اس کا بڑا شہر ہونا ظاہر و مشہور ہے جیسے ہر چھوٹا اور بڑا، ہر عالم اور جاہل پہچانتا ہے اس وقت قاضی، مدعی کے بینہ کے ساتھ مدعی علیہ کے بینہ کو رد کر دے گا۔ ''الذخیرہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''فتاویٰ ہندیہ''، الباب التاسع فی الشھادۃ علی النفی والاثبات۔

27657۔(قولہ: وَأَجْمَعُوا) زیادہ مناسب یہ قول تھا: والا فی دعوی الدین علی المیت اتفاقا۔ قسم لینے کی صورت یہ ہے کہ قاضی سے کہے: اللہ کی قسم تو نے مدیون سے اپنا حق وصول نہیں کیا اور نہ ہی کسی اور شخص نے اس کی جانب سے کوئی چیز ادا کی ہے۔ اور نہ ہی تیرے امر سے کسی وصول کرنے والے نے تیرے لیے اسے وصول کیا ہے، نہ تو نے اسے قرض سے بری کیا ہے اور نہ ہی کسی شے سے بری کیا ہے۔ اور نہ ہی تو نے اس میں سے کسی سے کچھ حوالہ کیا ہے اور نہ تیرے پاس اس کے بدلے میں اور نہ ہی اس میں سے کسی شے کے بدلے میں کوئی رہن ہے۔ ''البحر'' میں ''البزازیہ'' سے اسی طرح مروی ہے،

ثُمَّ نُقِلَ عَنِ الْبَدَائِعِ الْأَشْبَهُ أَنَّهُ إِنْكَارٌ فَيُسْتَحْلَفُ، قَيَّدْنَا بِتَحْلِيفِ الْحَاكِمِ لِأَنَّهُمَا لَوِ اصْطَلَحَا عَلَى أَنْ يَحْلِفَ عِنْدَ غَيْرِ قَاضٍ وَيَكُونُ بَرِيئًا فَهُوَ بَاطِلٌ لِأَنَّ الْيَمِينَ حَقُّ الْقَاضِي مَعَ طَلَبِ الْخَصْمِ وَلَا عِبْرَةَ بِالْيَمِينِ وَلَا نُكُولٍ عِنْدَ غَيْرِ الْقَاضِي (فَلَوْ بَرْهَنَ عَلَيْهِ) أَيْ عَلَى حَقِّهِ (يُقْبَلُ وَإِلَّا يُحَلِّفُهُ ثَانِيًا عِنْدَ قَاضٍ) بَزَّازِيَّةٌ (إِلَّا إِذَا كَانَ حَلِفُهُ الْأَوَّلُ عِنْدَهُ) فَيَكْفِي دُرَرٌ وَنَقَلَ الْمُصَنِّفُ عَنِ الْقُنْيَةِ أَنَّ التَّحْلِيفَ حَقُّ الْقَاضِي،

پھر ''البدائع'' سے نقل کیا: زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ انکار ہے۔ پس اس سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا ہم نے حاکم کی جانب سے قسم لینے کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر دونوں اس بات پر صلح کرلیں کہ وہ قاضی کے علاوہ کسی اور کے ہاں قسم اٹھالے اور وہ بری ہو جائے تو یہ باطل ہوگا۔ کیونکہ خصم کے مطالبہ کے ساتھ قسم قاضی کا حق ہے۔ قاضی کے علاوہ کے ہاں نہ قسم دینے کا اعتبار ہے اور نہ ہی قسم سے انکار کا اعتبار ہے۔ اگر وہ اپنے حق پر گواہیاں قائم کردے تو اسے قبول کیا جائے گا ورنہ قاضی کے نزدیک دوبارہ اس سے قسم لے گا، ''بزازیہ''۔ ورنہ جب اس کی پہلی قسم قاضی کے پاس ہو تو یہ کافی ہوگی؛ ''درر''۔ مصنف نے ''القنیہ'' سے نقل کیا ہے: قسم لینا یہ قاضی کا حق ہے

''ح''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

اور اس سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا اگر مریض اپنی مرض موت میں اس کا اقرار کرے جس طرح ''الاشباہ'' میں ''تاترخانیہ'' سے مروی ہے۔ شارح نے کتاب القضاء کی باب التحکیم سے تھوڑا پہلے اسے بیان کیا ہے۔

27658۔ (قولہ: ثُمَّ نُقِلَ) یعنی متن کے مسئلہ میں اسے نقل کیا ہے۔

حاشیہ میں کہا: ان کا قول: ثم نقل عن البدائع اس میں متبادر یہ ہے کہ یہ سکوت کے مسئلہ کی طرف راجع ہے۔ یہ اس طرح نہیں بلکہ یہ متن کی طرف راجع ہے۔

''البحر'' میں کہا: ''المجمع'' میں ہے: اگر وہ کہے: نہ میں اقرار کرتا ہوں اور نہ ہی انکار کرتا ہوں تو قاضی اس سے قسم کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ شارح نے کہا: بلکہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے محبوس کردے گا یہاں تک کہ وہ اقرار کرے یا انکار کرے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے کہا: اس سے قسم لی جائے گی۔ ''البدائع'' میں ہے: یہ انکار ہے۔ یہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول کی تصحیح ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں کیونکہ الاشبہ تصحیح کے الفاظ میں سے ہے جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔ ''ح''۔

27659۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا كَانَ) یہ مستثنیٰ منقطع ہے کیونکہ مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ پہلی قسم قاضی کے علاوہ کسی اور کے ہاں ہے۔

27660۔ (قولہ: حَلِفُهُ الْأَوَّلُ عِنْدَهُ) یعنی پہلی قسم قاضی کے پاس ہو یعنی دوبارہ قسم کا مطالبہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ چیز ذہن نشین کرلو جس طرح یہ امر مخفی نہیں یہ استثنا کا موقع نہیں، ''ح''۔ مگر مراد یہ ہو یہ اس کے قضا کا عہدہ قبول کرنے سے پہلے اس کے پاس قسم اٹھائی ہو۔ تامل۔ اور اس کی طرف رجوع کیجئے۔ اور ان کا قول حلفہ یہ فا کے فتحہ، لام کے

فَمَا لَمْ يَكُنْ بِاسْتِحْلَافِهِ لَمْ يُعْتَبَرْ (وَكَذَا لَوْ اصْطَلَحَا أَنَّ الْمُدَّعِيَ لَوْ حَلَفَ فَالْخَصْمُ ضَامِنٌ) لِلْمَالِ (وَحَلَفَ) أَيْ الْمُدَّعِي (لَمْ يَضْمَنْ) الْخَصْمُ لِأَنَّ فِيهِ تَغْيِيرَ الشَّرْعِ (وَالْيَمِينُ لَا تُرَدُّ عَلَى مُدَّعٍ) لِحَدِيثِ الْبَيِّنَةِ عَلَى الْمُدَّعِي وَحَدِيثُ الشَّاهِدِ وَالْيَمِينِ ضَعِيفٌ بَلْ رَدَّهُ ابْنُ مَعِينٍ بَلْ أَنْكَرَهُ الرَّاوِي عَيْنِيٌّ (بَرْهَنَ) الْمُدَّعِي (عَلَى دَعْوَاهُ وَطَلَبَ مِنَ الْقَاضِي أَنْ يُحَلِّفَ الْمُدَّعِيَ أَنَّهُ مُحِقٌّ فِي الدَّعْوَى أَوْ عَلَى أَنَّ الشُّهُودَ صَادِقُونَ أَوْ مُحِقُّونَ فِي الشَّهَادَةِ لَا يُجِيبُهُ) الْقَاضِي إِلَى طَلَبَتِهِ لِأَنَّ الْخَصْمَ لَا يَحْلِفُ مَرَّتَيْنِ فَكَيْفَ الشَّاهِدُ لِأَنَّ لَفْظَ أَشْهَدُ عِنْدَنَا يَمِينٌ، وَلَا يُكَرِّرُ الْيَمِينَ لِأَنَّا أُمِرْنَا بِإِكْرَامِ الشُّهُودِ

جب اس کے مطالبہ پر قسم نہ لی جائے تو وہ معتبر نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر وہ دونوں مصالحت کر لیں کہ مدعی اگر قسم اٹھائے تو خصم مال کا ضامن ہوگا۔ مدعی نے قسم اٹھائی تو مدعی علیہ ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں شرع کے حکم کو تبدیل کرنا لازم آتا ہے اور قسم کو مدعی پر نہیں لوٹایا جاتا۔ کیونکہ حدیث طیبہ ہے: گواہیاں پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہیں (1)۔ اور شاہد و قسم والی حدیث ضعیف ہے بلکہ "ابن معین" نے اس کا رد کیا ہے بلکہ راوی نے اس کا انکار کیا ہے، "عینی"۔ مدعی نے اپنے دعویٰ پر گواہیاں قائم کیں اور مدعی علیہ نے قاضی سے مطالبہ کیا کہ وہ مدعی سے قسم لے کہ وہ دعویٰ میں حق پر ہے یا گواہ سچے ہیں یا وہ شہادت میں حق پر ہیں تو قاضی اس کے مطالبہ کو قبول نہیں کرے گا۔ کیونکہ خصم سے دو دفعہ قسم نہیں لی جاتی۔ تو اگر گواہ سے قسم کیسے لی جاسکتی ہے؟ کیونکہ ہمارے نزدیک اشهد کے لفظ یمین ہے اور یمین بار بار نہیں لی جاتی۔ کیونکہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم گواہوں کی تکریم بجالائیں۔

کسرہ اور فا اور ہا کے ضمہ کے ساتھ ہے۔

27661۔ (قولہ: لَمْ يُعْتَبَرْ) یہ مسئلہ اس مسئلہ کے متغایر ہے جو متن میں پہلے گزر چکا ہے۔ کیونکہ اس مسئلہ کی صورت یہ تھی کہ جب وہ قاضی کے علاوہ کے ہاں قسم اٹھائے اور یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب وہ قاضی کے ہاں قسم اٹھائے جب کہ قسم کا مطالبہ مدعی نے کیا ہو نہ کہ قاضی نے اس کا مطالبہ کیا ہو۔ "ح"۔

27662۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ اصْطَلَحَا) "الواقعات الحسامیہ" میں کتاب الرہن سے تھوڑا پہلے ہے: امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: ایک آدمی نے دوسرے سے کہا: میرا تجھ پر ہزار درہم ہے دوسرے نے اس سے کہا: اگر تو نے قسم اٹھائی کہ وہ ہزار تیرا ہے تو میں تجھے وہ ہزار دے دوں گا تو اس نے قسم اٹھا دی تو مدعی علیہ نے اسے وہ ہزار دے دیا اگر اس نے وہ ہزار اسے اس شرط پر دیا جو مدعی علیہ نے شرط لگائی تھی تو یہ باطل ہوگی اور ادا کرنے والے کو حق حاصل ہوگا کہ اس نے جو ادا کیا ہے وہ واپس لے لے۔ کیونکہ یہ شرط باطل ہے کیونکہ یہ حکم شرع کے خلاف ہے۔ کیونکہ حکم شرع یہ ہے کہ قسم اس کے ذمہ ہے جو انکار کر دے قسم مدعی کے ذمہ نہیں ہے۔ "بحر"۔

27663۔ (قولہ: أَوْ عَلَى أَنَّ الشُّهُودَ الخ) یعنی اس مدعی علیہ نے گواہوں سے قسم لینے کا مطالبہ کیا کہ وہ یہ قسم

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام باب البينة على المدعی واليمين على المدعى عليه، جلد 2، صفحہ 77، حدیث نمبر 2312

وَلِذَا لَوْ (عَلِمَ الشَّاهِدُ أَنَّ الْقَاضِيَ يُحَلِّفُهُ) وَيَعْمَلُ بِالْمَنْسُوخِ (لَهُ الِامْتِنَاعُ عَنْ أَدَاءِ الشَّهَادَةِ) لِأَنَّهُ لَا يَلْزَمُهُ بَزَّازِيَّةٌ (وَبَيِّنَةُ الْخَارِجِ فِي الْمِلْكِ الْمُطْلَقِ) وَهُوَ الَّذِي لَمْ يُذْكَرْ لَهُ سَبَبٌ (أَحَقُّ مِنْ بَيِّنَةِ ذِي الْيَدِ) لِأَنَّهُ الْمُدَّعِي وَالْبَيِّنَةُ لَهُ بِالْحَدِيثِ، بِخِلَافِ الْمُقَيَّدِ بِسَبَبِ كَنِتَاجٍ وَنِكَاحٍ فَالْبَيِّنَةُ لِذِي الْيَدِ إجْمَاعًا كَمَا سَيَجِيءُ (وَقَضَى) الْقَاضِي (عَلَيْهِ بِنُكُولِهِ مَرَّةً) لَوْ نُكُولُهُ (فِي مَجْلِسِ الْقَاضِي) حَقِيقَةً (بِقَوْلِهِ لَا أَحْلِفُ)

اسی وجہ سے اگر گواہ کو علم ہو کہ قاضی اس سے قسم لے گا اور منسوخ پر عمل کرے گا تو اسے شہادت کی ادائیگی سے رک جانے کا حق ہوگا۔ کیونکہ یہ اس پر لازم نہیں،''بزازیہ''۔ مطلق ملکیت میں خارج (جس کا قبضہ نہ ہو) کی گواہیاں قابض کی گواہوں سے زیادہ حق ہیں ملک مطلق اسے کہتے ہیں جس کا سبب ذکر نہ کیا گیا ہو۔ زیادہ حق اس لیے ہیں کیونکہ وہ مدعی ہے اور حدیث کی وجہ سے اسے گواہوں کا حق ہے۔ جو کسی سبب کے ساتھ مقید ہو اس کا معاملہ مختلف ہے جیسے بچے کی پیدائش اور نکاح کو اس صورت میں گواہیاں بالاجماع قابض کی ہوں گی۔ جس طرح عنقریب آئے گا۔ مدعی علیہ ایک دفعہ انکار کردے اگر اس کا انکار قاضی کی مجلس میں حقیقۃً ہو جیسے وہ کہے میں قسم نہیں اٹھاتا

اٹھائیں کہ وہ سچے ہیں۔

27664۔(قولہ: فِي الْمِلْكِ الْمُطْلَقِ) ملک مطلق کی قید اس لیے لگائی جس کا ذکر عنقریب آرہا ہے۔ اسے مطلقاً کہا ہے جب کہ یہ اس کے ساتھ مقید ہے جب وہ دونوں اس کی تاریخ بیان نہ کریں یا تاریخ تو بیان کریں اور غیر قابض کی تاریخ مساوی ہو یا پہلے کی ہو مگر جب قابض کی تاریخ پہلے کی ہو تو اس کے حق میں فیصلہ کردیا جائے گا جس طرح کتاب''کنز'' میں آئے گا۔ جب غیر قابض ملک مطلق کا دعویٰ کرے اور قابض فلاں سے خریداری کا دعویٰ کرے دونوں گواہیاں قائم کریں اور تاریخ بتائیں اور قابض کی تاریخ پہلے کی ہو تو غیر قابض کے حق میں اس کا فیصلہ کردیا جائے گا جس طرح''ظہیریہ'' میں ہے۔''بحر''۔

27665۔(قولہ: بِخِلَافِ الْمُقَيَّدِ) کیونکہ گواہیاں اس پر قائم ہوئی ہیں جس پر قبضہ دلالت نہیں کرتا۔ پس وہ دونوں برابر ہو گئے۔ اور قابض کی قبضہ کی وجہ سے گواہیاں راجح ہو گئیں تو اس کے حق میں فیصلہ کردیا جائے گا۔ یہی قول صحیح ہے۔ سنت میں سے اس کی دلیل وہ ہے جسے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے: ایک آدمی نے ایک ایسی اونٹنی کے بارے میں دعویٰ کیا جو دوسرے آدمی کے قبضہ میں تھی اور گواہیاں قائم کردیں کہ یہ اس کی اونٹنی ہے جس نے بچہ دیا ہے اور جس کے قبضہ میں اونٹنی تھی اس نے گواہیاں قائم کردیں یہ اس کی اونٹنی ہے جس نے بچہ دیا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں فیصلہ کیا جس کے قبضہ میں وہ اونٹنی تھی (1)۔ یہ حدیث مشہور ہے،''بحر''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27666۔(قولہ: وَنِكَاحٍ) اگر وہ دونوں ایک عورت کے نکاح پر گواہیاں قائم کریں اور ایک دوسرے کو باطل کی گالی دیں (ایک دوسرے پر جھوٹ کا دعویٰ کریں) تو دونوں کی گواہی پر عمل کرنا متعذر ہو جائے گا۔ کیونکہ محل، اشتراک کو قبول نہیں

1۔ سنن دارقطنی، الکتاب فی الاقضیۃ والاحکام وغیر ذلک، جلد 4، صفحہ 209، حدیث نمبر 21

أَوْ حُكْمًا كَأَنْ (سَكَتَ) وَعُلِمَ أَنَّهُ (مِنْ غَيْرِ آفَةٍ) كَخَرَسٍ وَطَرَشٍ فِي الصَّحِيحِ سِرَاجٌ وَعَرْضُ الْيَمِينِ ثَلَاثًا ثُمَّ الْقَضَاءُ أَحْوَطُ (وَهَلْ يُشْتَرَطُ الْقَضَاءُ عَلَى فَوْرِ النُّكُولِ، خِلَافٌ) دُرَرٌ، وَلَمْ أَرَ فِيهِ تَرْجِيحًا قَالَهُ الْمُصَنِّفُ قُلْتُ قَدَّمْنَا أَنَّهُ يُفْتَرَضُ الْقَضَاءُ فَوْرًا إِلَّا فِي ثَلَاثٍ

یا اس کا انکار حکماً ہو جیسے وہ خاموش ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے کسی عذر کے بغیر خاموشی اختیار کی ہے جیسے گونگا پن اور طرش (بہرہ پن) یہ صحیح قول کے مطابق ہے''سراج''۔ تین دفعہ قسم پیش کرنا پھر فیصلہ زیادہ احتیاط کا باعث ہے۔ کیا انکار کے فوراً بعد فیصلہ کرنا شرط ہے؟ اس میں اختلاف ہے،''درر''۔ میں نے اس میں ترجیح نہیں دیکھی یہ مصنف نے کہا ہے۔ میں کہتا ہوں: ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ فوراً فیصلہ کرنا فرض ہے مگر تین امور میں فوراً فیصلہ نہیں کرے گا

کرتا جب وہ دونوں باطل کی گالی دیں تو قاضی میاں بیوی میں تفریق کر دے گا۔ کیونکہ یہاں کوئی ترجیح دینے والا کوئی سبب نہیں۔ جس طرح''القنیہ''میں ہے۔ اور دونوں میں سے کسی پر کوئی شے لازم نہ ہوگی اگر یہ تفریق حقوق زوجیت کی ادائیگی سے پہلے ہو۔ مگر جب باطل کی گالی دینے کا عمل اس عورت کی موت کے بعد ہو اور دونوں تاریخ بیان نہ کریں تو قاضی دونوں میں نکاح کا فیصلہ کر دے گا دونوں میں سے ہر ایک کے ذمہ نصف مہر ہوگا اور وہ دونوں ایک خاوند کی مقدار کے وارث ہوں گے،''بحر''۔ مفصل بحث اس میں ہے۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27667۔ (قولہ: فِي الصَّحِيحِ) یہ امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے علاوہ کے مطابق ہے جن کے قول پر فتویٰ ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

27668۔ (قولہ: وَعَرْضُ الْيَمِينِ) یہ مبتدا ہے اور احوط اس کی خبر ہے۔

27669۔ (قولہ: أَحْوَطُ) یعنی یہ بطور مستحب ہے۔ امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: تکرار حتمی ہے یہاں تک کہ اگر قاضی ایک دفعہ قسم سے انکار کے ساتھ ہی فیصلہ کر دے تو وہ فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔ صحیح یہ ہے کہ یہ نافذ ہو جائے گا۔''س''۔

27670۔ (قولہ: وَهَلْ يُشْتَرَطُ) زیادہ بہتر یہ قول ہے: ھل یفترض

نوٹ: صاحب''تقریرات رافعی''کہتے ہیں یہی صحیح ہے۔ مترجم۔

27671۔ (قولہ: قَالَهُ الْمُصَنِّفُ)''رملی''نے حاشیۃ''المنح''میں کہا ہے: یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ طرفین کے قول کے مطابق اسے منکر کے قائم مقام رکھا جائے گا۔ امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے محبوس کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ جواب دے۔ لیکن پہلا اس صورت میں ہے جس نے ابتدا سے ہی سکوت کو لازم پکڑا اور دعویٰ کے وقت کوئی جواب نہ دیا اور یہ اس صورت میں ہے جب وہ انکار کے ساتھ جواب دے پھر سکوت کو لازم پکڑے۔ تامل

27672۔ (قولہ: قَدَّمْنَا) یعنی ہم پہلے کتاب القضاء میں بیان کر چکے ہیں۔''ح''۔

(قُضِیَ عَلَیْهِ بِالنُّكُولِ ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يَحْلِفَ لَا يُلْتَفَتُ إِلَيْهِ وَالْقَضَاءُ عَلَى حَالِهِ) مَاضٍ دُرَرٌ فَبَلَغَتْ طُرُقُ الْقَضَاءِ ثَلَاثًا، وَعَدَّهَا فِي الْأَشْبَاهِ سَبْعًا بَيِّنَةٌ، وَإِقْرَارٌ، وَيَمِينٌ، وَنُكُولٌ عَنْهُ، وَقَسَامَةٌ، وَعِلْمُ قَاضٍ عَلَى الْمَرْجُوحِ، وَالسَّابِعُ قَرِينَةٌ قَاطِعَةٌ كَأَنْ ظَهَرَ مِنْ دَارٍ خَالِيَةٍ إِنْسَانٌ خَائِفٌ بِسِكِّينٍ مُتَلَوِّثٍ بِدَمٍ فَدَخَلُوهَا فَوْرًا فَرَأَوْا مَذْبُوحًا لِحِينِهِ أُخِذَ بِهِ إِذْ لَا يَمْتَرِي أَحَدٌ أَنَّهُ قَاتِلُهُ (شَكَّ فِيمَا يَدَّعِي عَلَيْهِ يَنْبَغِي أَنْ يُرْضِيَ خَصْمَهُ وَلَا يَحْلِفُ) تَحَرُّزًا عَنِ الْوُقُوعِ فِي الْحَرَامِ (وَإِنْ أَبَى خَصْمُهُ إِلَّا حَلْفَهُ إِنْ أَكْبَرُ رَأْيِهِ أَنَّ الْمُدَّعِي مُبْطِلٌ حَلَفَ وَإِلَّا) بِأَنْ غَلَبَ عَلَى ظَنِّهِ أَنَّهُ مُحِقٌّ (لَا) يَحْلِفُ بَزَّازِيَّةٌ (وَتُقْبَلُ الْبَيِّنَةُ لَوْ أَقَامَهَا) الْمُدَّعِي وَإِنْ قَالَ قَبْلَ الْيَمِينِ لَا بَيِّنَةَ لِي سِرَاجٌ خِلَافًا لِمَا فِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ عَنِ الْمُحِيطِ

اس پر قسم سے انکار کی وجہ سے فیصلہ کیا گیا پھر اس نے ارادہ کیا کہ وہ قسم اٹھائے تو اس کی طرف توجہ نہ کی جائے گی اور قضا اپنی حالت پر نافذ رہے گی، ''درر''۔ قضا کے طرق تین تک پہنچ چکے ہیں، ''الاشباہ'' میں نے انہیں سات شمار کیا ہے۔ گواہ، اقرار، قسم، قسم سے انکار، قسامت، مرجوح قول کے مطابق قاضی کا علم اور ساتواں قطعی قرینہ جس طرح خالی گھر سے ایک ایسا انسان ظاہر ہو جو خوفزدہ ہو اس کے پاس چھری ہو اور وہ خون سے لت پت ہو لوگ فوراً اس میں داخل ہوں تو وہ اسی وقت ایک ذبح شدہ شخص دیکھیں تو اس پر اس کا مواخذہ کیا جائے گا۔ کیونکہ کوئی بھی شک نہیں کرے گا کہ اس کا قاتل وہی شخص ہے۔ جو مدعیٰ علیہ پر دعویٰ کیا گیا ہے اس کے بارے میں اسے شک ہو تو چاہیے کہ وہ اپنے خصم کو راضی کرے اور قسم نہ اٹھائے تا کہ وہ حرام فعل میں واقع ہونے سے بچ جائے اگر اس کا خصم اس کی قسم کے سوا ہر چیز سے انکار کر دے۔ اگر مدعیٰ علیہ کی غالب رائے یہ ہو کہ مدعی باطل پر ہے تو وہ قسم اٹھا دے۔ اگر ایسا نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ اس کا ظن غالب یہ ہو کہ وہ حق پر ہے تو قسم نہ اٹھائے ''بزازیہ''۔ مدعیٰ علیہ کی قسم کے بعد گواہی کو قبول کیا جائے گا اگر مدعی اسے قائم کرے اگرچہ قسم سے پہلے اس نے کہا ہو میرے پاس گواہی نہیں، ''سراج''۔ ''شرح المجمع'' میں ''المحیط'' سے جو مروی ہے

27673۔(قولہ: لَا يُلْتَفَتُ إِلَيْهِ) اگر وہ اس کے بعد گواہیاں پیش کرے تو انہیں قبول کیا جائے گا جس طرح قریب ہی آئے گا۔

27674۔(قولہ: ثَلَاثًا) گواہی، اقرار، قسم سے انکار۔

27675۔(قولہ: وَالسَّابِعُ الخ) حاشیۃ ''المنح'' میں ''خیر رملی'' نے اس ساتویں صورت میں بحث کی ہے اور کہا: یہ غریب صورت ہے اسے قبول نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک قابل اعتماد کتاب سے کوئی قول اس کی تائید نہ کرے۔ ''البحر'' میں یہ ذکر کیا ہے: اس صورت کا دارو مدار ابن غرس پر ہے لیکن ''ابن الغرس'' کی عبارت ہے: فقد قالوا لو ظھر انسان الخ۔

27676۔(قولہ: خِلَافًا لِمَا فِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ) اس میں ایسی کوئی بات نہیں جو اس کے منافی ہو بلکہ انہوں نے دو قول بیان کیے ہیں۔ ''ح''۔

(بَعْدَ يَمِينِ) الْمُدَّعَى عَلَيْهِ كَمَا تُقْبَلُ الْبَيِّنَةُ بَعْدَ الْقَضَاءِ بِالنُّكُولِ خَانِيَةٌ (عِنْدَ الْعَامَّةِ) وَهُوَ الصَّحِيحُ لِقَوْلِ شُرَيْحٍ الْيَمِينُ الْفَاجِرَةُ أَحَقُّ أَنْ تُرَدَّ مِنَ الْبَيِّنَةِ الْعَادِلَةِ، وَلِأَنَّ الْيَمِينَ كَالْخَلَفِ عَنِ الْبَيِّنَةِ فَإِذَا جَاءَ الْأَصْلُ انْتَهَى حُكْمُ الْخَلَفِ كَأَنَّهُ لَمْ يُوجَدْ أَصْلًا بَحْرٌ

وہ اس کے خلاف ہے جس طرح قسم سے انکار کے بعد فیصلہ کرنے کی صورت میں گواہی کو قبول کیا جائے گا ''خانیہ''۔ یہ عام علما کے نزدیک ہے۔ یہی صحیح ہے۔ کیونکہ شریح کا قول ہے: غلط قسم اس امر کی زیادہ حق دار ہے کہ عادل گواہوں کے ساتھ اسے رد کر دیا جائے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ یمین گواہی کا نائب ہے۔ جب اصل آ جائے تو نائب کا حکم ختم ہو جائے گا گویا وہ اصلاً پایا ہی نہیں گیا۔ ''بحر''۔

27677۔ (قولہ: بَعْدَ يَمِينِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ) کیونکہ یمین کا حکم یہ ہے کہ فی الحال خصومت ختم ہو جائے گی جب کہ گواہی کے پیش کرنے تک رہے گی یہ قول صحیح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ مطلقاً منقطع ہو جائے گی۔ ''ط''۔

27678۔ (قولہ: بَعْدَ الْقَضَاءِ بِالنُّكُولِ) گویا اس کا فائدہ یہ ہے کہ یہ غیر کی طرف متعدی ہو کیونکہ قسم سے انکار اقرار ہے۔ یہ حجت قاصرہ ہے۔ گواہی کا معاملہ مختلف ہے ''شیخنا''۔ یہ عیب کی وجہ سے رد کرنے میں ظاہر ہے۔

قسم سے انکار کی وجہ سے مدعی علیہ کے لیے گواہیاں پیش کرنے کا حکم

27679۔ (قولہ: خَانِيَةٌ) ''البحر'' میں کہا: پھر یہ جان لو کہ قسم سے انکار کی وجہ سے فیصلہ یہ مدعی علیہ کو اس امر سے نہیں روکتا کہ وہ ایسی گواہیاں پیش کرے جس کے ساتھ وہ اسے باطل کر دے۔ کیونکہ ''الخانیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے ایک غلام خریدا تو اس نے اس میں عیب پایا اس نے بائع سے خصومت کی بائع نے اس سے انکار کر دیا کہ اس کے پاس کوئی عیب تھا۔ پس اس سے قسم کا مطالبہ کیا گیا تو اس نے قسم سے انکار کر دیا قاضی نے اس کے خلاف فیصلہ کر دیا اور غلام نے اسے لازم کر دیا پھر اس کے بعد بائع نے کہا: میں نے تجھے اس عیب سے بری کر دیا تھا اور گواہی قائم کر دی تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

میں کہتا ہوں: جو قاعدہ انہوں نے ذکر کیا ہے اگر اس کی بنیاد وہ ہے جو انہوں نے ''الخانیہ'' سے قول نقل کیا ہے تو اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ قسم سے انکار یا تو بذل ہے یا اس امر کا اقرار ہے کہ عیب اس کے پاس موجود تھا اس کا یہ گواہیاں قائم کرنا کہ اس نے اس عیب سے براءت کا اظہار کر دیا تھا یہ اسے موکد کر رہا ہے جس کا اس سے قسم سے انکار کے ضمن میں اقرار کیا تھا۔ مگر جب مدعی اس پر مال کا دعویٰ کرے اور وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے اور اس پر اس کا فیصلہ کر دیا جائے تو یہ اس کا اقرار اور حکم ہو گا جب وہ اس پر گواہی قائم کرے کہ اس نے اس کا حق اسے ادا کر دیا تھا تو یہ تناقض اور حکم کا نقض ہو گا۔ پس دونوں مسئلوں میں فرق ہو گا۔

پھر یہ امر مخفی نہیں کہ ''البحر'' کا کلام اس بارے میں ہے کہ مدعی علیہ گواہیاں قائم کرے۔ اور شارح کی کلام کا ظاہر یہ ہے

(وَيَظْهَرُ كَذِبُهُ بِإِقَامَتِهَا) أَيْ الْبَيِّنَةِ (لَوْ ادَّعَاهُ) أَيْ الْمَالَ (بِلَا سَبَبٍ فَحَلَفَ) أَيْ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ ثُمَّ أَقَامَهَا حَتَّى يَحْنَثَ فِي يَمِينِهِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى طَلَاقُ الْخَانِيَّةِ خِلَافًا لِإِطْلَاقِ الدُّرَرِ (وَإِنْ) ادَّعَاهُ (بِسَبَبٍ فَحَلَفَ) أَنَّهُ لَا دَيْنَ عَلَيْهِ (ثُمَّ أَقَامَهَا) الْمُدَّعِي عَلَى السَّبَبِ (لَا يَظْهَرُ كَذِبُهُ لِجَوَازِ أَنَّهُ وُجِدَ الْقَرْضُ ثُمَّ وُجِدَ الْإِبْرَاءُ أَوْ الْإِيفَاءُ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى فُصُولَيْنِ وَسِرَاجٌ وَشُمُنِّيٌّ وَغَيْرُهُمْ

اور مدعی علیہ کا جھوٹ ظاہر ہوگا جب وہ گواہیاں قائم کرے اگر مدعی نے سبب کے بغیر مال کا دعویٰ کیا تو مدعی علیہ نے قسم اٹھا دی۔ پھر مدعی نے گواہیاں قائم کر دیں یہاں تک کہ وہ مدعی علیہ اپنی قسم میں حانث ہوگا اور اس پر فتویٰ ہے۔ یہ ''الخانیہ'' کی کتاب الطلاق میں ہے۔ ''الدرر'' کا اطلاق اس کے خلاف ہے۔ اگر وہ مدعی مال کا سبب کے ساتھ دعویٰ کرے تو وہ قسم اٹھائے کہ اس پر کوئی دین لازم نہیں۔ پھر مدعی نے سبب پر گواہیاں قائم کر دیں تو اس کا جھوٹ ظاہر نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ قرض پایا گیا پھر بری کرنا یا پورا حق دینا پایا گیا اس پر فتویٰ ہے، ''فصولین''، ''سراج''، ''شمنی''، وغیرہم۔

کہ مدعی نے گواہیاں قائم کی ہیں جس طرح سیاق اس پر دلالت کرتا ہے۔ اس صورت میں ''الخانیہ'' میں جو کچھ ہے وہ اس پر دلالت نہیں کرتا۔ جو ہم نے حاشیہ ''البحر'' میں حموی کے ''حاشیۃ الاشباہ'' سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے اسے دیکھیے۔

27680۔(قولہ: طَلَاقُ الْخَانِيَّةِ) جسے ''البحر'' میں ''خانیہ'' اور ''الولوالجیہ'' کی کتاب الطلاق سے قسم توڑنے کے حوالے سے جو نقل کیا ہے وہ سبب کے ہونے اور نہ ہونے کی قید سے مطلق ہے۔ ''الدرر'' میں جو مطلقاً حانث نہ ہونے کا ذکر ہے علماء نے اسے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی دو روایتوں میں سے ایک روایت قرار دیا ہے۔ وہ جس پر علماء نے فتویٰ قرار دیا ہے وہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے دوسری روایت ہے۔ وہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے متن میں مذکورہ تفصیل وہ ہے جسے ''جامع الفصولین'' میں ذکر کیا ہے۔ پس شارح کی عبارت غیر واضح ہے۔

27681۔(قولہ: خِلَافًا لِإِطْلَاقِ الدُّرَرِ) کیونکہ انہوں نے کہا: کیا گواہیاں قائم کرنے سے منکر کا جھوٹ ظاہر ہو جاتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جھوٹ ظاہر نہیں ہوتا یہاں تک کہ جھوٹی گواہی دینے والے کی سزا اسے نہیں دی جائے گی۔ زیلعی نے اس کا ذکر کیا۔ ''ح''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

اس کے جامع فقیر ''محمد'' بیطار نے کہا: مولف رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ثابت رکھا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے معروف خط کے ساتھ اس کی تصحیح کی ہے۔

27682۔(قولہ: ثُمَّ أَقَامَهَا الْمُدَّعِي) شارح دو ورق کے بعد عنقریب اس مسئلہ کو دوبارہ ذکر کریں گے۔

27683۔(قولہ: أَوْ الْإِيفَاءَ) اس میں علامہ ''مقدسی'' نے بحث کی ہے۔ ثابت امر میں اصل یہ ہے کہ وہ اپنے ثبوت پر باقی رہے جس آدمی کے حق میں کسی شے کی گواہی دی گئی۔ اس کے بارے میں تم فیصلہ کر چکے ہو کہ وہ شے اس کی ہو گی اصل اس کی ملکیت کا باقی رہنا ہے جب سبب پایا جائے گا تو وہ ثابت ہو جائے گا اور اصل اس کا باقی رہنا ہے۔

(وَلَا تَحْلِيفَ فِي نِكَاحٍ) أَنْكَرَهُ هُوَ أَوْ هِيَ (وَرَجْعَةٍ) جَحَدَهَا هُوَ أَوْ هِيَ بَعْدَ عِدَّةٍ (وَفَيْءِ إِيلَاءٍ) أَنْكَرَهُ أَحَدُهُمَا بَعْدَ الْمُدَّةِ (وَاسْتِيلَادٍ) تَدَّعِيهِ الْأَمَةُ، وَلَا يَتَأَتَّى عَكْسُهُ لِثُبُوتِهِ بِإِقْرَارِهِ (وَرِقٍّ وَنَسَبٍ) بِأَنْ ادَّعَى عَلَى مَجْهُولٍ أَنَّهُ قِنُّهُ أَوْ ابْنُهُ وَبِالْعَكْسِ (وَوَلَاءٍ) عَتَاقَةً أَوْ مُوَالَاةً ادَّعَاهُ الْأَعْلَى أَوْ الْأَسْفَلُ (وَحَدٍّ وَلِعَانٍ) وَالْفَتْوَى عَلَى أَنَّهُ يُحَلَّفُ الْمُنْكِرُ

نکاح میں کوئی قسم نہیں نکاح کا انکار مرد کرے یا عورت کرے رجوع میں قسم نہیں اس کا انکار مرد کرے یا عورت کرے جب یہ معاملہ عدت کے بعد ہو۔ ایلاء کے فئی میں قسم نہیں اس کا انکار دونوں میں سے ایک مدت کے بعد کرے۔ ام ولد بنانے میں کوئی قسم نہیں جس کا لونڈی دعویٰ کرے اس کے برعکس نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ آقا کے اقرار کرنے سے ام ولد میں ثابت ہو جاتا ہے۔ غلامی اور نسب میں قسم نہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ مجہول پر دعویٰ کرے کہ وہ اس کا غلام ہے یا اس کا بیٹا ہے اور اس کے برعکس بھی معاملہ اسی طرح ہے آزادی اور موالات کی ولاء میں قسم نہیں جس کا دعویٰ اعلیٰ یا اسفل کرے حد اور لعان میں قسم نہیں۔ فتویٰ اس پر ہے کہ ساتوں اشیاء

میں کہتا ہوں: اس کا جواب یہ ہے شے کا اس کے لیے ثابت کرنا سابقہ زمانہ میں اس کے لیے اس کی ملکیت کا فائدہ دیتا ہے۔ اس ثابت کا استصحاب اس امر کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کہ اس کے ثبوت کے بعد ملکیت میں جو اس کے معارض ہو اس کا دفاع کرے۔ علماء نے کہا: اور استصحاب دفع کی صلاحیت رکھتا ہے اثبات کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ جب ہم نے حنث کو اس طریقہ سے ثابت کیا کہ اصل قرض کا باقی رہنا ہے تو یہ استصحاب کے ساتھ اثبات میں سے ہوگا۔ جب کہ یہ جائز نہیں فرق ظاہر ہے۔ فتامل

نو چیزوں میں قسم نہیں

27684_(قولہ: وَلَا تَحْلِيفَ) یعنی نو چیزوں میں قسم نہیں۔

27685_(قولہ: بَعْدَ عِدَّةٍ) یہ دوسری یعنی رجوع کی قید ہے جس طرح ''الدرر'' میں ہے۔

27686_(قولہ: تَدَّعِيهِ الْأَمَةُ) یعنی لونڈی نے اس آقا سے بچہ جنا ہے جب کہ وہ بچہ مر چکا ہو یا اس لونڈی نے نا مکمل بچہ گرادیا ہو جب کہ اس کے اعضاء ظاہر ہو چکے ہیں اور آقا اس کا انکار کرے۔ ''ابن کمال''۔

27687_(قولہ: وَلَا يَتَأَتَّى الخ) زیلعی نے عبارت کو الٹ دیا جب کہ یہ سبقت قلم ہے۔

27688_(قولہ: وَنَسَبٍ) ''المنظومہ'' میں ہے وولاد، ''الحقائق'' میں کہا: و نسب نہیں کہا: کیونکہ محض نسب میں ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک اس سے قسم لی جائے گی جب اس کے اقرار سے وہ ثابت ہو جاتا ہو جیسے مرد کے حق میں باپ اور بیٹا ہے اور عورت کے حق میں باپ ہے۔

27689_(قولہ: وَوَلَاءٍ) یعنی اس کی صورت یہ ہے کہ وہ آدمی جس کا غلام ہونا معروف ہو اس کے بارے میں وہ

(فِي الْأَشْيَاءِ السَّبْعَةِ، وَمَنْ عَدَّهَا سِتَّةً أَلْحَقَ أُمِيَّةَ الْوَلَدِ بِالنَّسَبِ أَوِ الرِّقِّ وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْمُفْتَى بِهِ التَّحْلِيفُ فِي الْكُلِّ إِلَّا فِي الْحُدُودِ وَمِنْهَا حَدُّ قَذْفٍ وَلِعَانٍ فَلَا يَمِينَ إِجْمَاعًا، إِلَّا إِذَا تَضَمَّنَ حَقًّا بِأَنْ عَلَّقَ عِتْقَ عَبْدِهِ بِزِنَا نَفْسِهِ فَلِلْعَبْدِ تَحْلِيفُهُ، فَإِنْ نَكَلَ ثَبَتَ الْعِتْقُ لَا الزِّنَا (وَ) كَذَا (يُسْتَحْلَفُ السَّارِقُ)

میں منکر سے قسم لی جائے گی جس نے ان چیزوں کو چھ شمار کیا ہے اس نے ام ولد ہونے کو نسب یا غلامی کے ساتھ لاحق کر دیا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے: مفتی بہ قول یہ ہے کہ سب صورتوں میں قسم لی جائے گی مگر حدود میں قسم نہیں لی جائے گی ان میں سے حد قذف اور حد لعان ہے۔ تو کوئی قسم نہیں اس پر سب کا اجماع ہے مگر جب وہ کسی حق کو ضمن میں لیے ہوئے ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے غلام کی آزادی کو اپنے زنا کے ساتھ معلق کرے تو غلام کو اس سے قسم لینے کا حق ہوگا۔ اگر وہ آقا انکار کر دے تو آزادی متحقق ہو جائے گی زنا ثابت نہیں ہوگا۔ اسی طرح چور سے مال کے لیے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا

دعویٰ کرے کہ یہ اس کو آزاد کرنے والا ہے یا یہ اس کا آقا ہے۔

27690۔ (قولہ: فِي الْأَشْيَاءِ السَّبْعَةِ) یعنی نو میں سے پہلے سات۔ ''زیلعی'' نے کہا: یہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کا قول ہے اور پہلا ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، ''س''۔ ''رملی'' نے کہا: ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک قسم سے انکار کی صورت میں اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا۔

دو پہیلیوں کا ذکر

27691۔ (قولہ: وَ كَذَا يُسْتَحْلَفُ السَّارِقُ) اگر وہ عورت کا دعویٰ کرے تو نکاح میں مرد سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا۔ یعنی عورت نکاح کا دعویٰ کرے اور اس کی غرض مال ہو جیسے مہر اور نفقہ ہوتا ہے۔ خاوند نے انکار کیا تو اس سے قسم لی جائے گی۔ اگر وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو اس پر مال لازم ہو جائے گا۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حلت ثابت نہیں ہوگی۔ کیونکہ مال بدل کے ساتھ ثابت ہو جاتا ہے حلت ثابت نہیں ہوتی۔

نسب میں جب وہ حق یعنی مال کا دعویٰ کرے تو وہ وراثت اور نفقہ کی طرح ہوگا یا وہ مال نہ ہو جس طرح لقیط میں گود لینے کا حق، ملک کے سبب آزادی کا حق، ہبہ میں رجوع کا ممتنع ہونا۔ اگر وہ قسم دینے سے انکار کرے تو حق ثابت ہو جائے گا اور نسب ثابت نہیں ہوگا اگر وہ ان چیزوں میں سے ہو جو اقرار سے ثابت نہ ہوں۔ اگر وہ ان میں سے ہو تو وہ مذکورہ اختلاف پر مبنی ہو گا۔ اسی طرح قصاص کا منکر ہے۔ ''ابن کمال''۔ قصاص کے انکار کو عنقریب مصنف ذکر کرے گا۔

''صدر الشریعہ'' میں ہے: پہیلی ڈالی جاتی ہے وہ کون سی عورت ہے جو نفقہ لیتی ہے جب کہ وہ نہ عدت گزار رہی ہوتی ہے، نہ حائضہ ہوتی ہے اور نہ نفاس والی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ وطی کرنا حلال نہیں ہوتا۔ اس میں ہے: یہ پہیلی ڈالی جاتی ہے وہ کون سا شخص ہے جو وراثت لیتا ہے اور اس کا نسب ثابت نہیں ہوتا؟ جس طرح وہ بھائی ہونے کے سبب وراثت کا دعویٰ کرے۔ پس وہ بھائی ہونے کا انکار کر دیتا ہے۔

لِأَجْلِ الْمَالِ (فَإِنْ نَكَلَ ضَمِنَ وَلَمْ يُقْطَعْ) وَإِنْ أَقَرَّ بِهَا قُطِعَ، وَقَالُوا يُسْتَحْلَفُ فِي التَّعْزِيرِ كَمَا بَسَطَهُ فِي الدُّرَرِ وَفِي الْفُصُولِ ادَّعَى نِكَاحَهَا فَحِيلَةُ دَفْعِ يَمِينِهَا أَنْ تَتَزَوَّجَ فَلَا تَحْلِفُ وَفِي الْخَانِيَّةِ لَا اسْتِحْلَافَ فِي إِحْدَى وَثَلَاثِينَ مَسْأَلَةً (النِّيَابَةُ تَجْرِي فِي الِاسْتِحْلَافِ

اگر وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو وہ ضامن ہوگا اور اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اگر وہ چوری کا اقرار کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ علما نے کہا: تعزیر میں اس سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا جس طرح ''الدرر'' میں اس کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ''الفصول'' میں ہے: ایک آدمی نے عورت کے ساتھ نکاح کا دعویٰ کیا تو عورت کی یمین کو دور کرنے کا حیلہ یہ ہے کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح کر لے اور قسم نہ اٹھائے۔ ''الخانیہ'' میں ہے: اکتیس مسائل میں قسم کا مطالبہ نہیں۔ نیابت قسم کا مطالبہ کرنے میں جاری ہوتی ہے

حاصل کلام یہ ہے: ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان چیزوں میں قسم نہیں جب تک وہ اپنے ساتھ مال نہ چھوڑے اگر وہ مال چھوڑے تو بالاتفاق اس سے قسم لی جائے گی۔

27692۔ (قولہ: وَلَمْ يُقْطَعْ) اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ چاہیے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ کیونکہ یہ بدل ہے جس طرح اطراف کے قصاص میں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ طرف کے قطع میں قسم سے انکار کرنا اور چوری کے مال میں قسم سے انکار کرنا چاہیے کہ ہاتھ کے کاٹنے اور نہ کاٹنے میں دونوں متحد ہو جائیں۔

یہ جواب دینا ممکن ہے: طرف کا قصاص بندے کا حق ہے پس یہ شبہ کے ساتھ ثابت ہوگا جس طرح اموال میں چوری میں ہاتھ کاٹنے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ خالص اللہ کا حق ہے اور اللہ تعالیٰ کا حق شبہ سے ثابت نہیں ہوتا پس فرق ظاہر ہو گیا۔ فلیتامل ''یعقوبیہ''۔

27693۔ (قولہ: فِي التَّعْزِيرِ) کیونکہ یہ خالص بندے کا حق ہے اسی وجہ سے بندہ معافی کے ساتھ اس کو ساقط کرنے کا مالک ہوتا ہے۔ ''س''۔

عورت سے قسم کو دور کرنے کا حیلہ

27694۔ (قولہ: فَحِيلَةُ دَفْعِ يَمِينِهَا) یعنی عورت سے قسم دور کرنے کا طریقہ یہ ہے حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27695۔ (قولہ: أَنْ تَتَزَوَّجَ) یعنی کسی اور مرد سے شادی کر لے۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27696۔ (قولہ: فِي إِحْدَى وَثَلَاثِينَ مَسْأَلَةً) کتاب الوقف میں گزر چکا ہے، ''س''۔ ''البحر'' میں یہاں ان کا ذکر کیا ہے۔

حاشیہ میں امام ''خصاف'' سے نقل کیا ہے کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے ائمہ رحمۃ اللہ علیہم جو ہمارے اصحاب میں سے

لَا الْحَلِفِ) وَفَرَّعَ عَلَى الْأَوَّلِ بِقَوْلِهِ (فَالْوَكِيلُ وَالْوَصِيُّ وَالْمُتَوَلِّي وَأَبُو الصَّغِيرِ يَمْلِكُ الِاسْتِحْلَافَ) فَلَهُ طَلَبُ يَمِينِ خَصْمِهِ (وَلَا يُحَلَّفُ) أَحَدٌ مِنْهُمْ (إِلَّا إِذَا) ادُّعِيَ عَلَيْهِ الْعَقْدُ أَوْ (صَحَّ إِقْرَارُهُ) عَلَى الْأَصِيلِ فَيُسْتَحْلَفُ حِينَئِذٍ، كَالْوَكِيلِ بِالْبَيْعِ فَإِنَّ إِقْرَارَهُ صَحِيحٌ عَلَى الْمُوَكِّلِ، فَكَذَا نُكُولُهُ وَفِي الْخُلَاصَةِ كُلُّ مَوْضِعٍ لَوْ أَقَرَّ لَزِمَهُ فَإِذَا أَنْكَرَهُ يُسْتَحْلَفُ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ ذَكَرَهَا،

قسم میں جاری نہیں ہوتی۔ پہلی صورت پر اپنے اس قول سے تفریع کی ہے، وکیل، وصی، متولی اور چھوٹے بچے کا باپ قسم کے مطالبہ کرنے کا مالک ہوتا ہے اسے اس کے خصم سے قسم کے مطالبہ کا حق ہے ان میں سے کسی سے قسم نہیں لی جائے گی مگر جب اس پر عقد کا دعویٰ کیا جائے یا اس کا اقرار اصیل پر صحیح ہو اس وقت قسم کا مطالبہ کیا جائے گا جیسے بیع کا وکیل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا اقرار موکل پر صحیح ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کا قسم سے انکار کرنا صحیح ہوتا ہے۔ ''خلاصہ'' میں ہے: ہر وہ جگہ اگر وہ اقرار کرے تو وہ چیز اس پر لازم آجائے جب وہ انکار کرے تو اس سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا مگر تین مواقع پر جن کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔

ہیں کہتے ہیں: ہر ایسے سبب میں اس سے قسم لی جائے گی جس کا اگر مدعیٰ علیہ اقرار کرے تو وہ اس پر لازم ہو جائے جس طرح وہ یہ دعویٰ کرے کہ یہ اس کا باپ ہے، یہ اس کا بیٹا ہے، یہ اس کی بیوی ہے یا یہ اس کا آقا ہے۔ اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ یہ اس کا بھائی ہے، اس کا چچا ہے یا اس جیسا کوئی رشتہ ذکر کرے تو اس سے قسم نہیں لی جائے گی مگر جب وہ اپنے ذمہ میں کسی حصہ کا دعویٰ کرے جس طرح اس جہت سے وراثت کا دعویٰ کرے، اس وقت اس سے قسم لی جائے گی۔ اگر وہ قسم دینے سے انکار کر دے تو مال کا فیصلہ کر دیا جائے گا اگر مال ثابت ہو۔ ایک تہائی مال کی وصیت کا دعویٰ اسی طرح ہے جس طرح وراثت کا دعویٰ ہے جیسے ہم نے ذکر کیا ہے۔ مگر ایک فصل میں ایسا نہیں ہوگا۔ وہ یہ ہے: وارث اگر مورث کی موت کے بارے میں قسم دینے سے انکار کر دے اور اس کے مال میں سے جو مال اس کے پاس موجود ہے اس کے تہائی کا ایک تہائی اسے دے دے جو ایک تہائی کی وصیت کا دعویٰ کرے پھر مورث زندہ آجائے تو وارث اور قسم سے انکار کرنے والا اس کے لیے کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا۔ یہ ''بزازیہ'' کی کتاب ادب القاضی، فصل سابع فی الیمین سے ہے۔

27697۔ (قوله: لَا الْحَلِفِ) ''شرح الوہبانیہ'' سے جو عبارت آئے گی وہ اس کے خلاف ہے: من ان الاخرس الاصم الاعمی یحلّف ولیہ۔

27698۔ (قوله: وَلَا يَحْلِفُ) زیادہ بہتر یہ کہنا ہے: وعلی الثانی بقوله: ولا یحلف الخ۔ یعنی فرع الثانی بقولہ۔

27699۔ (قوله: عَلَى الْأَصِيلِ) یعنی صرف وکیل۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27700۔ (قوله: فَيُسْتَحْلَفُ الخ) یہ امر باقی رہ گیا ہے کیا اس سے یہ قسم لی جائے گی کہ اسے علم نہیں تھا یا اس سے قطعی نہ ہونے کی قسم لی جائے گی۔ ''نور العین'' میں چھبیسویں فصل میں یہ ذکر کیا ہے۔ وصی جب ترکہ میں سے کسی شے کو بیچ دے مشتری یہ دعویٰ کرے کہ وہ عیب دار ہے تو اس سے قطعی طور پر عیب نہ ہونے کی قسم لی جائے گی۔ وکیل کا معاملہ مختلف

وَالصَّوَابُ فِي أَرْبَعٍ وَثَلَاثِينَ لِمَا مَرَّ عَنْ الْخَانِيَّةِ؛ وَزَادَ سِتَّةً أُخْرَى فِي الْبَحْرِ، وَزَادَ أَرْبَعَةَ عَشَرَ فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ حَاشِيَةِ الْأَشْبَاهِ وَالنَّظَائِرِ وَزَادَ عَلَيْهِمَا سَبْعَةً أُخْرَى فِي زَوَاهِرِ الْجَوَاهِرِ عَلَى الْأَشْبَاهِ وَالنَّظَائِرِ لِابْنِ الْمُصَنِّفِ، وَلَوْلَا خَشْيَةُ التَّطْوِيلِ لَأَوْرَدْتهَا كُلَّهَا (التَّحْلِيفُ عَلَى فِعْلِ نَفْسِهِ يَكُونُ عَلَى الْبَتَاتِ) أَيْ الْقَطْعِ بِأَنَّهُ لَيْسَ كَذَلِكَ (وَ) التَّحْلِيفُ (عَلَى فِعْلِ غَيْرِهِ) يَكُونُ (عَلَى الْعِلْمِ) أَيْ أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ أَنَّهُ كَذَلِكَ لِعَدَمِ عِلْمِهِ بِمَا فَعَلَ غَيْرُهُ ظَاهِرًا، اللَّهُمَّ (إلَّا إذَا كَانَ) فِعْلُ الْغَيْرِ (شَيْئًا يَتَّصِلُ بِهِ) أَيْ بِالْحَالِفِ وَفَرَّعَ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ (فَإِنْ ادَّعَى) مُشْتَرِي الْعَبْدِ (سَرِقَةَ الْعَبْدِ أَوْ إبَاقَهُ) وَأَثْبَتَ ذَلِكَ (يَحْلِفُ) الْبَائِعُ

صحیح یہ ہے کہ یہ چونتیس مقامات ہیں۔ کیونکہ ''الخانیہ'' سے یہ گزر چکا ہے اور ''البحر'' میں چھ اور کا اضافہ کیا ہے اور ''تنویر البصائر'' میں چودہ کا اضافہ کیا ہے۔ ''حاشیہ الاشباہ والنظائر''۔ اور دونوں کتابوں پر سات اور کو ''زواہر الجواہر علی الاشباہ والنظائر'' پر زائد کیا ہے جو حضرت مصنف کے بیٹے کی کاوش ہے۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو پس ان سب کو ذکر کرتا۔ اپنے فعل پر جب اس سے قسم لی جائے گی تو حتمی لی جائے گی کہ معاملہ اس طرح نہیں اور دوسرے کے فعل پر جب قسم لی جائے تو وہ قسم علم پر لی جائے گی یعنی وہ نہیں جانتا کہ معاملہ اسی طرح ہے۔ کیونکہ جو دوسرا آدمی کرے اس کے بارے میں ظاہر امر یہی ہے کہ اسے علم نہیں مگر غیر کا فعل ایسی شے ہو جو قسم اٹھانے والے کے ساتھ متصل ہے۔ اس پر اپنے اس قول سے تفریع کا ذکر کیا ہے: اگر غلام خریدنے والا غلام کے چوری کرنے یا اس کے بھاگ جانے کا دعویٰ کرے اور اسے ثابت کرے تو بائع سے حتمی امر پر

ہے۔ اس سے عدم علم پر قسم لی جائے گی اس میں غور کرو۔ بعض فضلاء کی تحریر اسی طرح ہے۔

27701۔ (قولہ: وَالصَّوَابُ فِي أَرْبَعٍ وَثَلَاثِينَ) ''الخانیہ'' جو صورتیں ہیں ان کے ساتھ ان تین کو ملانے سے چونتیس بن جاتی ہیں لیکن ان میں سے پہلی ''الخانیہ'' میں مذکور ہے۔

27702۔ (قولہ: لِابْنِ الْمُصَنِّفِ) اس سے مراد ''شیخ شرف الدین عبدالقادر'' ہیں۔ یہ صاحب ''تنویر البصائر'' ہیں۔ ان کے بھائی شیخ ''صالح'' صاحب ''الزواہر'' ہیں کتاب الوقف میں یہی سمجھا جاتا ہے۔

27703۔ (قولہ: سَرِقَةَ الْعَبْدِ الخ) یعنی غلام کو خریدنے والا جب یہ دعویٰ کرے کہ وہ چوری کرتا ہے یا بھاگ جاتا ہے اور اپنے قبضہ میں اسکے بھاگ جانے اور اسکے چوری کرنے کو ثابت کرے اور یہ دعویٰ کرے کہ وہ بائع کے قبضہ میں بھی چوری کرتا تھا یا بھاگ جاتا تھا اور مشتری بائع سے قسم لینے کا ارادہ کرے تو بائع سے قسم لی جائے گی: اللہ کی قسم تیرے قبضہ میں وہ غلام نہیں بھاگا تھا اللہ کی قسم اس نے تیرے قبضہ میں چوری نہیں کی تھی یہ غیر کے فعل پر قسم اٹھانا ہے۔ ''درر''، حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27704۔ (قولہ: أَوْ إبَاقَهُ) بھاگنا جس کا مشتری دعویٰ کرتا ہے۔ اس سے مراد وہ بھاگنا نہیں جو مشتری کے پاس واقع ہوا۔ کیونکہ اگر بائع اس کا اقرار کرے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ بھاگنا ان عیوب میں سے ہے جن میں فعل کا بار بار واقع ہونا پایا جاتا ہے۔ ان کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اس کا وجود بائع کے ہاں پایا جائے پھر مشتری کے ہاں پایا جائے

(عَلَى الْبَتَاتِ) مَعَ أَنَّهُ فِعْلُ الْغَيْرِ وَإِنَّمَا صَحَّ بِاعْتِبَارِ وُجُوبِ تَسْلِيمِهِ سَلِيمًا فَرَجَعَ إِلَى فِعْلِ نَفْسِهِ فَحُلِّفَ عَلَى الْبَتَاتِ لِأَنَّهَا آكَدُ وَلِذَا تُعْتَبَرُ مُطْلَقًا بِخِلَافِ الْعَكْسِ دُرَرٌ عَنْ الزَّيْلَعِيِّ وَفِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ عَنْهُ هَذَا إِذَا قَالَ الْمُنْكِرُ لَا عِلْمَ لِي بِذَلِكَ، وَلَوْ ادَّعَى الْعِلْمَ حُلِّفَ عَلَى الْبَتَاتِ كَمُودِعٍ ادَّعَى قَبْضَ رَبِّهَا

قسم لی جائے گی جب کہ وہ غیر کا فعل ہے حتمی قسم اس وجہ سے صحیح ہے۔ کیونکہ بائع پر یہ واجب تھا کہ وہ غلام صحیح و سالم مشتری کے حوالے کرے۔ پس غلام کا فعل اس کے اپنے فعل کی طرف راجع ہوگا۔ پس اس سے حتمی امر پر قسم لی جائے گی۔ کیونکہ علم کی بجائے حتمی فعل پر قسم اٹھانا زیادہ موکد ہے۔ اسی وجہ سے مطلقاً اس کا اعتبار کیا جائے گا اس کے برعکس معاملہ مختلف ہے، ''درر'' نے ''زیلعی'' سے ثابت کیا ہے۔ ''شرح المجمع'' میں ''زیلعی'' سے مروی ہے: یہ حکم اس وقت ہے جب منکر یہ کہے: مجھے اس کا علم نہیں اگر وہ علم کا دعویٰ کرے تو اس سے حتمی امر پر قسم لی جائے گی جس طرح مودع (جس کے پاس امانت رکھی گئی ہو) یہ دعویٰ کرے کہ مالک نے اس ودیعت پر قبضہ کر لیا تھا۔

دونوں اس کے بیچنے میں اور اس کے بڑھاپے میں پائے جائیں جیسا کہ اس کے محل میں گزر چکا ہے۔ ''ابوالسعود''۔

''الحواشی السعدیہ'' میں ہے: ان کا قول یحلف علی البتات سے مراد ہے اللہ کی قسم وہ نہیں بھاگا۔ میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ اس کا جو حاصل ہے اس پر قسم لی جائے گی اللہ کی قسم تجھ پر ادا کرنے کا حق نہیں۔ کیونکہ سبب پر قسم اٹھانے سے بائع کو ضرر پہنچتا ہے یا بعض اوقات مشتری عیب سے بری ہو جاتا ہے۔

27705۔ (قولہ: عَلَى الْبَتَاتِ) ہر موقع جس میں علم پر قسم واجب ہوتی ہے تو اس نے حتمی امر پر قسم اٹھا دی تو یہ کافی ہو جائے گا اور اس سے دعویٰ ساقط ہو جائے گا اس کے برعکس معاملہ ہو تو کافی نہ ہوگی۔ اور جو امر اس پر واجب نہ ہو قسم سے انکار کرنے کی صورت میں اس پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ ''بحر''، حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

اس کے جامع فقیر ''محمد'' بیطار نے کہا: مولف نے اس کی تکمیل کرنے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کی طرف منسوب کرتے ہوئے اسے ثابت رکھا ہے۔

27706۔ (قولہ: لِأَنَّهَا آكَدُ) یعنی حتمی امر پر قسم اٹھانا یہ علم (جاننے) کی یمین سے زیادہ مؤکد ہے۔ ''ح''۔

27707۔ (قولہ: وَلِذَا تُعْتَبَرُ مُطْلَقًا) کیونکہ حتمی امر پر قسم علم پر قسم سے زیادہ مؤکد ہے اسے اپنے فعل اور غیر کے فعل میں معتبر مانا جاتا ہے، ''ح''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27708۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی اپنے فعل میں اور غیر کے فعل میں۔

27709۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْعَكْسِ) یعنی جاننے کی قسم اپنے فعل میں کافی نہیں ہوتی، ''ح''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

27710۔ (قولہ: عَنْ الزَّيْلَعِيِّ) ہر وہ جگہ جہاں حتمی امر پر قسم اٹھانا واجب تھی تو اس نے علم پر قسم اٹھائی تو وہ قسم معتبر

وَفَرَّعَ عَلَى قَوْلِهِ وَفِعْلِ غَيْرِهِ عَلَى الْعِلْمِ بِقَوْلِهِ (وَإِذَا ادَّعَى) بَكْرٌ (سَبْقَ الشِّرَاءِ) لَهُ عَلَى شِرَاءِ زَيْدٍ وَلَا بَيِّنَةَ (يُحَلِّفُ خَصْمَهُ) وَهُوَ بَكْرٌ (عَلَى الْعِلْمِ) أَيْ أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ أَنَّهُ اشْتَرَاهُ قَبْلَهُ لِمَا مَرَّ (كَذَا إِذَا ادَّعَى دَيْنًا أَوْ عَيْنًا عَلَى وَارِثٍ

مصنف نے ''زیلعی'' کے قول و فعل غیرہ علی العلم پر اپنے اس قول سے تفریع کا ذکر کیا ہے: جب بکر اپنی خریداری زید کی خریداری پر پہلے ہونے کا دعویٰ کرے اور اس کے پاس گواہیاں نہ ہو تو اس یعنی بکر کے خصم سے جاننے پر قسم لی جائے گی یعنی وہ یہ نہیں جانتا کہ اس نے پہلے خریداری کی ہے۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔ اسی طرح جب وہ وارث پر دین یا عین کا دعویٰ کرے

نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ اس کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائے گا اور اس سے قسم ساقط نہ ہوگی۔ اور ہر ایسی جگہ جہاں جاننے کی قسم اٹھانا واجب ہوتی ہے تو اس نے حتمی امر پر قسم اٹھا دی تو یمین معتبر ہوگی یہاں تک کہ اس سے قسم ساقط ہو جائے گی اور جب وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ حتمی امر پر قسم زیادہ موکد ہے پس مطلقاً اس کا اعتبار کیا جائے گا اس کے برعکس کا معاملہ مختلف ہے۔

''جامع الفصولین'' میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ فرع مشکل ہے ''رملی'' نے کہا: اس کے اشکال کی وجہ یہ ہے اس کے خلاف کیسے فیصلہ کیا جائے گا جب کہ حتمی اور ہر قسم اٹھانے کا مکلف نہیں؟ اشکال زائل ہو جاتا ہے کہ یہ اس یمین کو ساقط کرنے والا ہے جو قسم اس پر واجب تھی۔ پس اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ پس اس قسم سے انکار کے بعد قضا ہوگی جو اس سے حلف کو ساقط کرنے والی ہو۔ اس کے برعکس کا معاملہ مختلف ہے۔ اسی وجہ سے دوبارہ اس سے قسم لی جائے گی۔ کیونکہ اس کے ساتھ اس سے قسم ساقط نہیں ہوگی۔ اس کا قلم سے انکار کرنا یہ اس کے معتبر نہ ہونے اور اس کے کافی نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ پس اس کے سبب سے اس کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ تامل

''السعدیہ'' میں دونوں فروع میں اشکال کا ذکر کیا ہے دوسرے کا جواب نہیں دیا اور پہلے کا جواب دیا ہے: یہ جائز ہے کہ اس کا قسم سے انکار اس علم کی وجہ سے ہو کہ جاننے پر قسم اٹھانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ پس اس سے قسم نہیں لی جائے گی تا کہ تکرار سے بچا جائے۔ ''رملی'' نے جو کچھ ذکر کیا ہے یہ اس کے معنی میں ہے۔

27711۔ (قولہ: وَهُوَ بَكْرٌ) یہ خصمہ کی ضمیر کی تفسیر ہے۔ زیادہ بہتر یہ قول تھا: ای خصم بکر جو زید ہے۔ میں کہتا ہوں: شارح نے اس میں مصنف اور صاحب ''الدرر'' کی پیروی کی ہے۔

ہمارے بعض مشائخ نے کہا ہے: صحیح زید ہے کیونکہ وہ منکر ہے اور قسم اس پر لازم ہوگی۔ یہ کہنا ممکن ہے کہ یحلف معروف کا صیغہ ہے مجہول کا صیغہ نہیں۔ اس کا معنی ہے: وہ قاضی سے مطالبہ کرے کہ وہ اس سے قسم لے۔ کیونکہ قسم لینے کا اختیار قاضی کو حاصل ہے۔ پس ان کا قول وھو بکر یہ خصمہ کی ضمیر کی تفسیر ہے لیکن اس عبارت میں کمزوری ہے۔ ''س''۔

إِذَا عَلِمَ الْقَاضِي كَوْنَهُ مِيرَاثًا أَوْ أَقَرَّ بِهِ الْمُدَّعِي أَوْ بَرْهَنَ الْخَصْمُ عَلَيْهِ) فَيُحَلَّفُ عَلَى الْعِلْمِ۔ (وَلَوْ ادَّعَى هُمَا) أَيِ الدَّيْنَ وَالْعَيْنَ (الْوَارِثُ) عَلَى غَيْرِهِ (يُحَلَّفُ) الْمُدَّعَى عَلَيْهِ (عَلَى الْبَتَاتِ) كَمَوْهُوبٍ وَشِرَاءٍ دُرَرٌ (وَ) يُحَلَّفُ (جَاحِدُ الْقَوَدِ) إِجْمَاعًا (فَإِنْ نَكَلَ، فَإِنْ كَانَ فِي النَّفْسِ حُبِسَ حَتَّى يُقِرَّ أَوْ يَحْلِفَ وَفِيمَا دُونَهُ يُقْتَصُّ) لِأَنَّ الْأَطْرَافَ خُلِقَتْ وِقَايَةً لِلنَّفْسِ كَالْمَالِ فَيَجْرِي فِيهَا الِابْتِذَالُ

جب قاضی کو اس کے میراث ہونے کا علم ہو یا مدعی اس کا اقرار کرے یا خصم اس پر گواہیاں قائم کر دے تو اس سے جاننے پر قسم لی جائے گی۔ اگر ان دونوں یعنی دین اور عین کا کسی اور پر دعویٰ کرے تو مدعی علیہ سے حتمی امر پر قسم لی جائے گی جیسے ہبہ کیا گیا ہو اور خریدا گیا ہو، ''درر''۔ جو قصاص کا انکار کرے اس سے بالاجماع قسم لی جائے گی اگر وہ قسم سے انکار کرے۔ اگر یہ نفس (جان) کا معاملہ ہو تو اسے محبوس کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ اقرار کرے یا قسم اٹھا دے۔ اور اس سے جو کم درجہ کی صورت ہے تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ کیونکہ اطراف نفس کی حفاظت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں جیسے مال۔ پس اس میں ابتذال جاری ہوگا۔

حاشیہ میں کہا: ان کا قول وھو بکر مضاف الیہ کی طرف راجع ہے مضاف کی طرف راجع نہیں۔ اگر وہ ھوزید کہتے تو زیادہ بہتر تھا۔ ''ح''۔

27712۔ (قولہ: إِذَا عَلِمَ الْقَاضِي) چاہیے کہ اس تقیید کو عین کی صورت کے ساتھ خاص کیا جائے جس طرح ''العمادیۃ'' سے ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ دین میں اسے جاری کرنا مشکل ہوتا ہے، ''عزمی''۔ ''البحر'' میں دعوی الدین میں تفصیل ذکر کی ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے کیونکہ یہ بہت اہم ہے۔

27713۔ (قولہ: كَوْنَهُ مِيرَاثًا) یعنی مورث مر گیا اور اس نے یہ ترکہ چھوڑا ہے۔

27714۔ (قولہ: أَوْ بَرْهَنَ الْخَصْمُ) خصم سے مراد مدعی علیہ ہے۔

27715۔ (قولہ: فَيَحْلِفُ) یعنی وارث سے قسم لی جائے گی۔

27716۔ (قولہ: عَلَى الْعِلْمِ) یعنی اس سے آگاہ ہونے پر قسم لی جائے گی اگر ایسا نہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے: قاضی حقیقت حال سے آگاہ نہ ہو، مدعی نے اس کا اقرار نہیں کیا اور مدعی علیہ نے گواہیاں قائم نہیں کیں، تو اس سے حتمی طور پر قسم لی جائے گی اللہ کی قسم تجھ پر اس عین کو مدعی کے سپرد کرنا واجب نہیں۔ ''عمادیہ''، ''عزمی''۔

27717۔ (قولہ: كَمَوْهُوبٍ) یعنی اگر ایک آدمی دوسرے آدمی کو غلام ہبہ کر دے وہ اس پر قبضہ کر لے یا ایک آدمی دوسرے آدمی سے غلام خریدے۔ ایک آدمی آئے اور یہ گمان کرے کہ غلام اس کا غلام ہے اور اس کے کوئی بینہ نہیں اس نے مدعی علیہ سے قسم لینے کا ارادہ کیا تو اس سے حتمی طور پر قسم لی جائے گی، ''ح''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

اس کے جامع فقیر ''محمد'' بیطار نے کہا: مولف نے اس کے ناقص میں تکمیل کرنے کے ساتھ اسے ثابت رکھا ہے۔

خِلَافًا لَهُمَا (قَالَ الْمُدَّعِي لِي بَيِّنَةٌ حَاضِرَةٌ) فِي الْمِصْرِ (وَطَلَبَ يَمِينَ خَصْمِهِ لَمْ يُحَلَّفْ) خِلَافًا لَهُمَا، وَلَوْ حَاضِرَةً فِي مَجْلِسِ الْحُكْمِ لَمْ يُحَلَّفْ اتِّفَاقًا، وَلَوْ غَائِبَةً عَنْ الْمِصْرِ حُلِّفَ اتِّفَاقًا ابْنُ مَلَكٍ، وَقَدَّرَ فِي الْمُجْتَبَى الْغَيْبَةَ بِمُدَّةِ السَّفَرِ (وَيَأْخُذُ الْقَاضِي) فِي مَسْأَلَةِ الْمَتْنِ فِيمَا لَا يَسْقُطُ بِشُبْهَةٍ (كَفِيلًا ثِقَةً يُؤْمَنُ هُرُوبُهُ بَحْرٌ فَلْيُحْفَظْ (مِنْ خَصْمِهِ) وَلَوْ وَجِيهًا وَالْمَالُ حَقِيرًا فِي ظَاهِرِ الْمَذْهَبِ عَيْنِيٌّ

''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ مدعی نے کہا: میرے گواہ شہر میں موجود ہیں اور اپنے خصم (مدعی علیہ) سے قسم کا مطالبہ کرے تو اس سے قسم نہیں لی جائے گی۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر وہ گواہ مجلس حکم میں حاضر ہوں تو بالاتفاق قسم نہیں لی جائے گی اگر وہ شہر سے غائب ہوں تو بالاتفاق اس سے قسم لی جائے گی ''ابن ملک''۔ ''المجتبیٰ'' میں مدت سفر کی غیوبت کا اندازہ لگایا ہے۔ متن کے مسئلہ میں یعنی جب مدعی کہے کہ میرے گواہ حاضر ہیں ایسے معاملہ میں جو شبہ سے ساقط نہیں ہوتا تو قاضی اس کے خصم (مدعی علیہ) سے قابل اعتماد ضمانت لے گا تا کہ اس کے بھاگ جانے سے امن ہو، ''بحر''۔ پس اسے یاد رکھا جانا چاہیے اگرچہ مدعی علیہ عظیم الشان ہو اور مال حقیر ہو یہ ظاہر مذہب کے مطابق ہے، ''عینی''۔

27718۔ (قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک دونوں میں اس پر چٹی لازم ہوگی۔ کیونکہ قسم سے انکار ایسا اقرار ہے جس میں ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک شبہ ہے پس اس سے قصاص ثابت نہیں ہوتا۔ ''منح''۔

27719۔ (قولہ: حَاضِرَةٌ فِي الْمِصْرِ) ان کے حاضر ہونے کو مطلق ذکر کیا ہے۔ پس شہر میں عرض کے ساتھ حاضر ہونے کو شامل ہوگا۔ ''خزانۃ المفتین'' میں جو قول ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ کہا: قسم کا مطالبہ یہ صحیح دعووں میں جاری ہوتا ہے جب مدعی علیہ انکار کرے اور مدعی کہے: میرے پاس گواہ نہیں یا میرے گواہ غائب ہیں یا وہ شہر میں ہیں۔ ''بحر''۔

27720۔ (قولہ: وَيَأْخُذُ الْقَاضِي) یعنی مدعی کے مطالبہ پر قاضی ضامن لے گا جس طرح ''الخانیہ'' میں ہے۔ ''الصغریٰ'' میں ہے: یہ اس صورت میں ہے جب مدعی اس کا علم رکھتا ہو۔ مگر جب وہ جاہل ہو تو قاضی مطالبہ کرے گا۔ ''ابن سماعہ'' نے اسے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ ''بحر''۔

27721۔ (قولہ: فِي مَسْأَلَةِ الْمَتْنِ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ اگر وہ کہے: میرے گواہ نہیں یا میرے گواہ غائب ہیں تو اس سے ضامن نہیں لیا جائے گا۔ ''الہدایہ'' میں اسی طرح ہے۔

27722۔ (قولہ: يُؤْمَنُ هُرُوبُهُ) اس کی صورت یہ ہے کہ اس کا ایک معروف گھر ہے یا معروف دکان ہے وہ کرائے پر کسی گھر میں نہیں رہتا کہ وہ اسے چھوڑ دے اور وہ بھاگ جائے۔ ''منح''۔ یہ ایسی چیز ہے جس کو اچھی طرح یاد کیا جانا چاہیے۔ ''بحر'' میں ''الصغریٰ'' سے مروی ہے۔

کہا: چاہیے کہ فقیہ اوقاف کے وظائف کی وجہ سے ثقہ ہو اگرچہ گھر یا دکان میں اس کی ملکیت نہ ہو۔ کیونکہ وہ نہ اسے چھوڑے گا اور نہ بھاگے گا۔

(بِنَفْسِهِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الصَّحِيحِ، وَعَنْ الثَّانِي إلَى مَجْلِسِهِ الثَّانِي وَصُحِّحَ (فَإِنْ امْتَنَعَ مِنْ) إعْطَاءِ

صحیح قول کے مطابق یہ ضمانت اس کی ذات کی تین دن کے لیے ہوگی۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے۔ دوسری مجلس قضا تک ضامن لے اس قول کی تصحیح کی گئی ہے۔ اگر وہ ضامن نہ دے سکے تو

''البحر'' میں میں ''الصغریٰ'' کی کتاب الکفالۃ سے ہے: قاضی یا قاصد جب مدعی علیہ سے شخصی ضامن لے یہ مدعی کے کہنے پر ہو یا اس کے امر کے بغیر ہو اگر وہ کفالت کو مدعی کی طرف منسوب نہ کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: اپنا شخصی ضامن دو اور طالب کے لیے کا لفظ نہ کہے تو حقوق قاضی اور قاصد کی طرف لوٹ جائیں گے یہاں تک کہ اگر ضامن اس کے حوالہ کر دیا جائے تو وہ بری ہو جائے گا۔ اگر ضامن مدعی کے سپرد کر دیا جائے تو وہ بری نہ ہوگا۔ اگر اسے مدعی کی طرف منسوب کیا جائے تو جواب اس کے برعکس ہوگا۔

''البحر'' میں ''الصغریٰ'' سے منقول ہے: مدعی نے قاضی سے مطالبہ کیا کہ وہ منقولہ چیز کو ایک عادل آدمی کے حوالے کر دے اور وہ شخصی ضامن پر اکتفا نہ کرے اگر مدعی علیہ عادل ہو تو قاضی مدعی کی بات نہیں مانے گا اگر مدعی علیہ فاسق ہو تو اس کی بات مان لے گا اور جائیداد کی صورت میں مدعی کی بات نہیں مانے گا مگر ایسے درخت کے معاملہ میں جس پر پھل ہو۔ کیونکہ پھل منتقل ہونے والی شے ہے۔ ''البحر'' میں کہا: اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ درخت جائیداد میں سے ہے۔ ہم اس کے برعکس پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ''ابوسعود'' میں ''حموی'' سے وہ ''مقدسی'' سے یہ تصریح نقل کر چکے ہیں کہ درخت جائیداد میں سے ہے۔

27723۔(قولہ: فِي الصَّحِيحِ) ''البحر'' میں ''القنیہ'' سے منقول ہے: قاتل نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے پاس معافی کے گواہ ہیں اسے تین دن مہلت دی جائے گی۔ اگر وہ تین دن گزر جائیں اور وہ گواہ نہ لائے اور کہے: میرے پاس ایسے گواہ ہیں جو غائب ہیں تو اموال پر قیاس کرتے ہوئے قصاص کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ استحسان یہ ہے کہ اسے مہلت دی جائے گی۔ یہ اس لیے کیونکہ دم کا معاملہ بڑا عظیم ہے۔

''البحر'' میں ''الصغریٰ'' کی کتاب القضاء سے مروی ہے اس کا حاصل یہ ہے: ضمانت کا فائدہ تین دن یا اس کی مثل کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان دونوں کے بعد کفیل بری ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جسے ایک ماہ تک کا ضامن بنایا گیا ہو وہ اس کے بعد بری نہیں ہوتا لیکن ایک ماہ تک جسے کفیل بنایا گیا ہے یہ ضامن پر آسانی پیدا کرنے کے لیے ہے۔ اس ضامن سے اس کے بعد ہی مطالبہ کیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ اس سے قبل دے دے تو یہ صحیح ہوگا۔ یہاں مدعی پر آسانی کرنے کے لیے ہے۔ فی الحال سپرد کرنے سے کفیل بالذات بری نہیں ہوگا۔ کیونکہ بعض اوقات مدعی گواہیاں پیش کرنے سے عاجز ہوتا ہے جب وہ بینہ حاضر کرتا ہے تو انہیں قائم کرنے سے بعض اوقات عاجز ہوتا ہے۔ اس وقت کے پائے جانے کے بعد اسے مدعی کے سپرد کر دیا جائے گا یہاں تک کہ اگر وہ وقت سے پہلے بینہ حاضر کر دے تو کفیل سے مطالبہ کیا جائے گا (کہ وہ اسے حاضر کرے)

27724۔(قولہ: إلَى مَجْلِسِهِ) ضمیر سے مراد قاضی ہے۔

(ذٰلِكَ الْكَفِيلِ (لَازَمَهُ) بِنَفْسِهِ أَوْ أَمِينِهِ مِقْدَارَ (مُدَّةِ التَّكْفِيلِ) لِئَلَّا يَغِيبَ (إِلَّا أَنْ يَكُونَ) الْخَصْمُ (غَرِيبًا) أَيْ مُسَافِرًا (فَ) يُلَازِمُ أَوْ يُكْفَلُ (إِلَى انْتِهَاءِ مَجْلِسِ الْقَاضِي) دَفْعًا لِلضَّرَرِ، حَتَّى لَوْ عَلِمَ وَقْتَ سَفَرِهِ يَكْفُلُهُ إِلَيْهِ وَيَنْظُرُ فِي زِيِّهِ أَوْ يَسْتَخْبِرُ رُفَقَاءَهُ لَوْ أَنْكَرَ الْمُدَّعِي بَزَّازِيَّةٌ (قَالَ لَا بَيِّنَةَ لِي وَطَلَبَ يَمِينَهُ فَحَلَّفَهُ الْقَاضِي ثُمَّ بَرْهَنَ) عَلَى دَعْوَاهُ بَعْدَ الْيَمِينِ (قُبِلَ ذٰلِكَ) الْبُرْهَانُ عِنْدَ الْإِمَامِ (مِنْهُ) وَكَذَا لَوْ قَالَ الْمُدَّعِي كُلُّ بَيِّنَةٍ آتِي بِهَا فَهِيَ شُهُودُ زُورٍ أَوْ قَالَ إِذَا حَلَفْت فَأَنْتَ بَرِيءٌ مِنَ الْمَالِ فَحَلَفَ ثُمَّ بَرْهَنَ عَلَى الْحَقِّ قُبِلَ خَانِيَةٌ، وَبِهِ جَزَمَ فِي السِّرَاجِ كَمَا مَرَّ (وَقِيلَ لَا) يُقْبَلُ قَائِلُهُ مُحَمَّدٌ كَمَا فِي الْعِمَادِيَّةِ،

مدعی خود یا اپنے سیکرٹری کے ذریعے کفالت کی مدت تک ساتھ ساتھ رہے تا کہ وہ غائب نہ ہو جائے مگر جب مدعی علیہ مسافر ہو تو قاضی کی مجلس کے ختم ہونے تک اس کے ساتھ ساتھ رہا جائے گا یا اس سے ضامن لیا جائے گا تا کہ ضرر کو دور کیا جائے یہاں تک کہ اگر اسے سفر کے وقت کا علم ہو جائے تو اس وقت تک اس سے ضامن لے گا وہ اس کے لباس میں نظر کرے گا اور اس کے ساتھیوں میں سے خبر حاصل کرے گا اگر مدعی اسے نہ جانتا ہو، ''بزازیہ''۔ مدعی نے کہا: میرے پاس گواہ نہیں اور مدعی علیہ کی قسم کا مطالبہ کیا اور قاضی نے مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کیا پھر قسم کے بعد اس نے اپنے دعویٰ پر گواہیاں پیش کیں تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے اس سے گواہی قبول کی جائے گی۔ اسی طرح اگر مدعی نے کہا: میں جو گواہ بھی لاؤں گا تو وہ جھوٹے گواہ ہوں گے یا کہا: جب تو قسم اٹھا دے تو مال سے بری ہو گا اس مدعی علیہ نے قسم اٹھا دی پھر مدعی نے اپنے حق پر گواہیاں پیش کر دیں تو انہیں قبول کیا جائے گا، ''خانیہ''۔ ''السراج'' میں اسے یقین سے بیان کیا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ قول کیا گیا: اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس کے قائل امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ ہیں جس طرح ''العمادیہ'' میں ہے۔

27725۔ (قولہ: لَازَمَهُ) یعنی جہاں مدعی علیہ جاتا ہے وہ اس کے ساتھ جائے وہ معین مکان میں اس کے ساتھ نہیں رہے گا۔ ''الصغریٰ'' میں ہے: مسجد میں اس کا پیچھا نہیں کرے گا۔ کیونکہ مسجد ذکر کے لیے بنائی گئی ہے اس پر فتویٰ ہے۔ پھر کہا: وہ اپنا سیکرٹری اس کے ساتھ بھیجے گا جو اس کے ساتھ رہے گا۔ میں نے بعض مشائخ کی ''زیادات'' میں دیکھا مطلوب کو حق حاصل ہے کہ وہ سیکرٹری پر راضی نہ ہو۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ یہ مسئلہ اس اصل پر مبنی ہے کہ خصم کی رضامندی کے بغیر وکیل بنانا کیسا ہے، ''بحر'' ملخص۔ اس کی مکمل وضاحت اس میں ہے۔

27726۔ (قولہ: أَيْ مُسَافِرًا) یہ غریب کی مرادی تفسیر ہے۔

27727۔ (قولہ: حَتَّى لَوْ عَلِمَ) اس کی صورت یہ ہے وہ کہے: میں کل چلا جاؤں گا۔ مثلاً۔

27728۔ (قولہ: يَكْفُلُهُ) یعنی اس کے سفر کے وقت تک اس سے ضامن لے۔ ''بحر''۔

27729۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی مصنف کے قول: اصطلحا علی ان یحلف عند غیر قاض الخ کے ہاں گزر چکا ہے۔ لیکن وہاں قسم مدعی سے مانگی جاتی ہے۔ اور جس طرح ان کے قول: و تقبل البینة لو اقامها بعد یمین کے ہاں گزر چکا ہے۔

وَعَكَسَهُ ابْنُ مَلَكٍ، وَكَذَا الْخِلَافُ لَوْ قَالَ لَا دَفْعَ لِي ثُمَّ أَتَى بِدَفْعٍ، أَوْ قَالَ الشَّاهِدُ لَا شَهَادَةَ لِي ثُمَّ شَهِدَ وَالْأَصَحُّ الْقَبُولُ لِجَوَازِ النِّسْيَانِ ثُمَّ التَّذَكُّرِ كَمَا فِي الدُّرَرِ، وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ (ادَّعَى الْمَدْيُونُ الْإِيصَالَ فَأَنْكَرَ الْمُدَّعِي) ذَلِكَ (وَلَا بَيِّنَةَ لَهُ) عَلَى مُدَّعَاهُ (فَطَلَبَ يَمِينَهُ فَقَالَ الْمُدَّعِي اجْعَلْ حَقِّي فِي الْخَتْمِ ثُمَّ اسْتَحْلِفْنِي لَهُ ذَلِكَ) قُنْيَةٌ (وَالْيَمِينُ بِاللّٰهِ تَعَالَى) لِحَدِيثِ مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ تَعَالَى أَوْ لِيَذَرْ وَهُوَ قَوْلُ وَاللّٰهِ خِزَانَةٌ، وَظَاهِرُهُ أَنَّهُ لَوْ حَلَّفَهُ بِغَيْرِهِ لَمْ يَكُنْ يَمِينًا، وَلَمْ أَرَهُ صَرِيحًا بَحْرٌ (لَا بِطَلَاقٍ وَعِتَاقٍ) وَإِنْ أَلَحَّ الْخَصْمُ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى تَتَارْخَانِيَّةٌ، لِأَنَّ التَّحْلِيفَ بِهِمَا حَرَامٌ خَانِيَّةٌ

''ابن ملک'' نے اس کے برعکس ذکر کیا ہے۔ اسی قسم کا اختلاف ہوگا اگر مدعی علیہ کہے: میرے پاس دعویٰ سے دفاع کی کوئی وجہ نہیں پھر وہ دفاع کی صورت لے آیا یا گواہ نے کہا: میرے پاس گواہی نہیں پھر اس نے گواہی دے دی اصح یہ ہے کہ اسے قبول کیا جائے۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ وہ پہلے بھول گیا ہو پھر اسے یاد آ گیا ہو جس طرح ''الدرر'' میں ہے۔ مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے۔ مدیون نے دین مدعی کو پہنچانے کا دعویٰ کیا مدعی نے اس کا انکار کر دیا اور اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لیے اس کے پاس گواہ نہیں تو اس نے اس سے قسم کا مطالبہ کیا تو مدعی نے کہا: میرا حق پہلے دستاویز میں لکھ دو پھر مجھ سے قسم کا مطالبہ کرو تو اسے یہ حق حاصل ہوگا، ''قنیہ''۔ قسم اللہ تعالیٰ کے نام کی ہے۔ کیونکہ حدیث طیبہ ہے: جو قسم اٹھانے والا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھائے یا اسے چھوڑ دے وہ واللہ کا قول ہے، ''خزانہ''۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے: اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے نام کے علاوہ کی قسم اٹھائی تو وہ قسم نہ ہوگی میں نے اسے صراحۃً نہیں دیکھا، ''بحر''۔ طلاق اور غلام آزاد کرنے کی قسم نہ ہوگی۔ اگرچہ خصم اس کا اصرار کرے اسی پر فتویٰ ہے ''تاتر خانیہ''۔ کیونکہ ان دونوں کی قسم اٹھوانا حرام ہے، ''خانیہ''۔

27730۔ (قولہ: فَأَنْكَرَ الْمُدَّعِي) یعنی دین کے مدعی نے انکار کیا۔

27731۔ (قولہ: لَا بَيِّنَةَ لَهُ) یعنی جو حق پہنچانے کا دعویٰ کرتا ہے اس کے پاس بینہ نہیں۔

27732۔ (قولہ: فَطَلَبَ يَمِينَهُ) یعنی قرض خواہ کی قسم کا مطالبہ کیا۔

27733۔ (قولہ: فَقَالَ الْمُدَّعِي) یعنی دین کے مدعی نے کہا۔

27734۔ (قولہ: اجْعَلْ حَقِّي فِي الْخَتْمِ) ختم سے مراد صک یعنی اشتام، رجسٹری، دستاویز ہے۔ اس کا معنی ہے: میرے لیے گواہوں کے ساتھ تحریر لکھ دو پھر مجھ سے قسم کا مطالبہ کرو ''مدنی''۔ یا اس سے مراد نفس حق مہر لگے تھیلے میں حاضر کر دو۔ یہی قول زیادہ ظاہر ہے۔ ''حاشیۃ الفتال'' میں ''الفتاویٰ الانقرویہ'' سے مروی ہے: یعنی میرا حق حاضر کرو پھر مجھ سے قسم کا مطالبہ کرو۔ اسی کی مثل ''سائحانی'' کی تحریر ہے۔ اسی کی مثل ''الحامدیہ'' میں ہے۔

27735۔ (قولہ: أَنَّهُ لَوْ حَلَّفَهُ بِغَيْرِهِ) یعنی جیسے رحمٰن و رحیم کی قسم اٹھائے۔ ''بحر''۔

27736۔ (قولہ: وَلَمْ أَرَهُ صَرِيحًا) اس میں ہے: ان کا قول شدت و سختی کے بارے میں ہے وہ عطف سے

(وَقِيلَ إنْ مَسَّتْ الضَّرُورَةُ فُوِّضَ إلَى الْقَاضِي) اتِّبَاعًا لِلْبَعْضِ (فَلَوْ حَلَّفَهُ) الْقَاضِي (بِهِ فَنَكَلَ فَقَضَى عَلَيْهِ) بِالْمَالِ (لَمْ يَنْفُذْ) قَضَاؤُهُ (عَلَى) قَوْلِ (الْأَكْثَرِ كَذَا فِي خِزَانَةِ الْمُفْتِينَ، وَظَاهِرُهُ أَنَّهُ مُفَرَّعٌ عَلَى قَوْلِ الْأَكْثَرِ، أَمَّا عَلَى الْقَوْلِ بِالتَّحْلِيفِ بِهِمَا فَيُعْتَبَرُ نُكُولُهُ وَيُقْضَى بِهِ وَإِلَّا فَلَا فَائِدَةَ بَحْرٌ، وَاعْتَمَدَهُ الْمُصَنِّفُ

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر ضرورت پڑ جائے تو امر قاضی کے سپرد کیا جائے گا۔ یہ بعض علماء کی اتباع کی بنا پر ہے۔ اگر قاضی اس سے اس امر کی قسم لے وہ یہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے اور قاضی اس پر مال کا فیصلہ کر دے تو اکثر علماء کے نزدیک اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ ''خزانۃ المفتین'' میں اسی طرح ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے: یہ اکثر علماء کے قول پر تفریع ہے۔ جہاں تک اس کے قول کا تعلق ہے جو ان دونوں کی قسم کو درست خیال کرتا ہے تو قسم سے اس کے انکار اعتبار کیا جائے گا اور اس کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ورنہ اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا ''بحر''۔ مصنف نے اس پر اعتماد کیا ہے۔

اجتناب کرے تا کہ قسم میں تکرار واقع نہ ہو جس طرح آگے آئے گا۔ صاحب ''البحر'' نے خود اس کی تصریح کی ہے۔ اور کتاب الایمان میں ان کا قول، قسم اللہ تعالیٰ کے نام کی ہے یا اس کے اسماء میں سے کسی اسم کی ہے جیسے رحمٰن، رحیم، حق یا ایسی صفت کی ہے اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے جس صفت کے ساتھ قسم اٹھائی جاتی ہے جیسے عزۃ اللہ، جلال اللہ، کبریاء اللہ، عظمتہ، قدرتہ۔ یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ یمین ہے، ''شیخنا''۔ صاحب ''المنح'' سے تعجب ہے کہ انہوں نے اسے نقل کیا اور اس پر اسے ثابت رکھا۔ اسی طرح شارح نے کہا ہے پھر میں نے جو پہلے بیان کیا ہے اس کی مثل ''مقدسی'' سے منقول دیکھا۔ اور اسے حاشیہ ''البحر'' میں لکھا ہے۔

27737۔ (قولہ: وَإِلَّا فَلَا فَائِدَةَ) اس کا فائدہ اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے جب وہ اس سے جاہل ہو کہ اس کی قسم سے انکار کا اعتبار نہیں ہوگا جب وہ طلب کرے تو وہ اس کی قسم اٹھا دے۔ بعض اوقات وہ قسم سے رک جاتا ہے اور مدعی کا اقرار کرتا ہے۔ ''درر البحار''۔

27738۔ (قولہ: وَاعْتَمَدَهُ الْمُصَنِّفُ) لیکن ''ابن کمال'' کی عبارت ہے: اگر خصم اصرار کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہمارے زمانہ میں دونوں کی قسم اٹھانا صحیح ہوگا۔ لیکن اس قسم سے انکار کی صورت میں اس کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اس عمل سے رکا ہے جس سے شرعی طور پر اسے منع کیا گیا تھا۔ اگر اس پر قسم سے انکار کرنے کی بنا پر فیصلہ کیا گیا تو وہ نافذ نہیں ہوگا کلام ختم ہوئی۔ اسی کی مثل ''زیلعی'' میں اور ''شرح درر البحار'' میں ہے۔

اس کا ظاہر معنی یہ ہے: دونوں کی قسم لینے والے کا قول کرنے والا کہے گا: یہ غیر مشروع ہے۔ لیکن اس پر اعتراض کیا جائے گا شاید کہ وہ رک جائے۔ کیونکہ جس میں معمولی دیانت ہوگی وہ ان دونوں امور کی جھوٹی قسم نہیں اٹھائے گا۔ بے شک یہ امر بیوی کی طلاق اور لونڈی کی آزادی کی طرف لے جائے گا یا حرام طریقہ سے روکنے کی طرف لے جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم معاملہ مختلف ہے کیونکہ ہمارے زمانے میں اسے بہت زیادہ آسان سمجھا جاتا ہے۔ تامل

قُلْت وَلَوْ حَلَفَ بِالطَّلَاقِ أَنَّهُ لَا مَالَ عَلَيْهِ ثُمَّ بَرْهَنَ الْمُدَّعِي عَلَى الْمَالِ، إنْ شَهِدُوا عَلَى السَّبَبِ كَالْإِقْرَاضِ لَا يُفَرَّقُ، وَإِنْ شَهِدُوا عَلَى قِيَامِ الدَّيْنِ يُفَرَّقُ لِأَنَّ السَّبَبَ لَا يَسْتَلْزِمُ قِيَامَ الدَّيْنِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ فِي الشَّهَادَةِ عَلَى قِيَامِ الْمَالِ لَا يَحْنَثُ لِاحْتِمَالِ صِدْقِهِ خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ، كَذَا فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ لِلشُّرُنْبُلَالِيِّ وَقَدْ تَقَدَّمَ (وَيُغَلَّظُ بِذِكْرِ أَوْصَافِهِ تَعَالَى) وَقَيَّدَهُ بَعْضُهُمْ بِفَاسِقٍ وَمَالٍ خَطِيرٍ (وَالِاخْتِيَارُ) فِيهِ وَ (فِي صِفَتِهِ إلَى الْقَاضِي) وَيَجْتَنِبُ الْعَطْفَ كَيْ لَا تَتَكَرَّرَ الْيَمِينُ (فَلَوْ حَلَفَ بِاللَّهِ وَنَكَلَ عَنْ التَّغْلِيظِ لَا يُقْضَى عَلَيْهِ بِهِ) أَيْ بِالنُّكُولِ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ الْحَلِفُ بِاللَّهِ وَقَدْ حَصَلَ زَيْلَعِيٌّ

میں کہتا ہوں: اگر اس نے طلاق کی قسم کھائی کہ اس پر کوئی مال لازم نہیں۔ پھر مدعی نے مال پر گواہیاں قائم کر دیں اگر وہ سبب پر گواہی دے دیں جس طرح وہ قرض دینے پر گواہی دے دیں تو تفریق نہ کی جائے گی۔ اگر دین کے قیام پر گواہی دے دیں تو تفریق کر دی جائے گی۔ کیونکہ سبب دین کے قیام کو مستلزم نہیں۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے مال کے قیام پر شہادت کے بارے میں کہا: وہ حانث نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے صدق کا احتمال موجود ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ''شرح الوہبانیہ'' جو ''شرنبلالی'' کی تالیف ہے اس میں معاملہ اسی طرح ہے جب کہ یہ پہلے گزر چکا ہے: اللہ تعالیٰ کے اوصاف ذکر کر کے قسم میں سختی واقع ہو جاتی ہے۔ بعض علماء نے اس کی یہ قید لگائی ہے کہ مدعی علیہ فاسق ہو اور مال بہت زیادہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں اختیار قاضی کو حاصل ہوگا۔ وہ عطف سے اجتناب کرے گا تاکہ یمین متکرر نہ ہو۔ اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھائی اور تشدید سے رک گیا تو قسم سے انکار کی وجہ سے اس پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ مقصود اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم ہے جو حاصل ہو چکی ہے، ''زیلعی''۔

جہاں تک ان کے قول: لانه امتنع عما هو منهي عنه شرعا کا تعلق ہے۔

میں کہتا ہوں، قاضی کے لیے یہ کیسے جائز ہے کہ وہ اسے ایسا امر بجالانے کا مکلف بنائے جس سے اسے شرعاً روکا گیا تھا شاید وہ یہ کہے: وہ نہی تنزیہی ہے۔ ''سعدیہ''۔

27739۔ (قوله: وَقَدْ تَقَدَّمَ) یعنی ان کے قول: ولا تحليف في طلاق و رجعة الخ سے تھوڑا پہلے گزر چکا ہے۔

27740۔ (قوله: وَيُغَلَّظُ الخ) یعنی اللہ تعالیٰ کے اوصاف ذکر کرنے کے ساتھ قسم کو موکد کیا جائے گا جیسے قسم اٹھانے والا کہے: اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اللہ جو غیب و شہادت کا عالم ہے، رحمٰن رحیم ہے وہ پوشیدہ کو اس طرح جانتا ہے جس طرح ظاہر کو جانتا ہے۔ فلاں کا تجھ پر یہ حق نہیں جس مال کا اس نے تجھ پر دعویٰ کیا اور نہ ہی اس میں سے کوئی شے تیرے ذمہ ہے۔ کیونکہ لوگوں کے احوال مختلف ہیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اس تشدید سے قسم سے رک جاتے ہیں اور تشدید نہ ہونے پر جری ہو جاتے ہیں۔ پس اس پر سختی کی جاتی ہے شاید وہ اس طریقہ سے رک جائے۔ ''زیلعی''۔

27741۔ (قوله: زَيْلَعِيٌّ) اس کی عبارت ہے: اگر اس نے عطف کا حکم دیا اور اس نے ایک کا ذکر کیا اور باقی سے انکار کیا

(لَا) يُسْتَحَبُّ التَّغْلِيظُ عَلَى الْمُسْلِمِ (بِزَمَانٍ وَ) لَا بِمَكَانٍ) كَذَا فِي الْحَاوِي، وَظَاهِرُهُ أَنَّهُ مُبَاحٌ (وَ يُسْتَحْلَفُ الْيَهُودِيُّ بِاللهِ الَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلَى مُوسَى، وَالنَّصْرَانِيُّ بِاللهِ الَّذِي أَنْزَلَ الْإِنْجِيلَ عَلَى عِيسَى، وَالْمَجُوسِيُّ بِاللهِ الَّذِي خَلَقَ النَّارَ) فَيُغَلَّظُ عَلَى كُلٍّ بِمُعْتَقَدِهِ، فَلَوْ اكْتَفَى بِاللهِ كَالْمُسْلِمِ كَفَى اخْتِيَارٌ (وَالْوَثَنِيُّ بِاللهِ تَعَالَى) لِأَنَّهُ يُقِرُّ بِهِ وَإِنْ عَبَدَ غَيْرَهُ وَ جَزَمَ ابْنُ الْكَمَالِ (بِأَنَّ الدَّهْرِيَّةَ لَا يَعْتَقِدُونَهُ تَعَالَى) قُلْتُ وَ عَلَيْهِ فَبِمَاذَا يَحْلِفُونَ وَبَقِيَ تَحْلِيفُ الْأَخْرَسِ أَنْ يَقُولَ لَهُ الْقَاضِي عَلَيْكَ عَهْدُ اللهِ وَ مِيثَاقُهُ إِنْ كَانَ كَذَا وَكَذَا فَإِذَا أَوْمَأَ بِرَأْسِهِ أَيْ نَعَمْ صَارَ حَالِفًا، وَلَوْ أَصَمَّ أَيْضًا كَتَبَ لَهُ لِيُجِيبَ بِخَطِّهِ إِنْ عَرَفَهُ وَإِلَّا فَبِإِشَارَتِهِ، وَلَوْ أَعْمَى أَيْضًا فَأَبُوهُ

مسلمان پر نہ زمان کے حوالہ سے اور نہ ہی مکان کے حوالے سے قسم میں تشدید کی جائے گی، ''الحاوی'' میں اسی طرح ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ مباح ہے اور یہودی سے ان الفاظ کے ساتھ قسم لی جائے گی اس اللہ کی قسم جس نے تورات کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا، اور نصرانی سے قسم لی جائے گی اس اللہ کی قسم جس نے انجیل کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا، اور مجوسی سے قسم لی جائے گی اس اللہ کی قسم جس نے آگ کو پیدا کیا ہر ایک آدمی سے اس کے اعتقاد کے مطابق اس کی قسم میں تشدید کی جائے گی۔ اگر وہ مسلمان کی طرح صرف اللہ کی قسم اٹھانے پر اکتفا کرے تو یہ کافی ہوگا ''اختیار''۔ بت پرست سے اللہ تعالیٰ کی قسم لی جائے گی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا اقرار کرتا ہے اگرچہ وہ غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ ''ابن کمال'' نے اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے کہ دہریہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ میں کہتا ہوں: اس تعبیر کی بنا پر وہ کیوں قسم اٹھاتے ہیں؟ گونگے سے قسم لینے کا معاملہ باقی ہے قاضی اسے کہے: اگر معاملہ اس طرح ہے تو تجھ پر اللہ تعالیٰ کا عہد اور اس کا میثاق ہے جب وہ اپنے سر سے اشارہ کرے یعنی ہاں کا اشارہ کرے تو وہ قسم اٹھانے والا ہوگا۔ اگر وہ بہرا بھی ہے تو قاضی اس کے لیے تحریر کرے گا تا کہ وہ اپنی تحریر کے ساتھ جواب دے اگر وہ اسے پہچانتا ہو اگر وہ اندھا بھی ہو تو اس کا باپ،

تو قسم سے انکار کرنے کی صورت میں اس کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا۔ کیونکہ اس پر لازم صرف ایک قسم تھی اور وہ لے آیا ہے۔

27742۔ (قولہ: وَظَاهِرُهُ أَنَّهُ مُبَاحٌ) ''البحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے مکان کے اعتبار سے قسم میں تشدید جائز نہیں۔

27743۔ (قولہ: فَيُغَلَّظُ عَلَى كُلٍّ الخ) ''البحر'' میں کہا: اگر تو کہے: جب کافر سے صرف اللہ تعالیٰ کی قسم لی جائے اور جس کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس کا انکار کر دے تو وہ قسم اس کے لیے کافی ہے یا کافی نہیں؟ میں کہتا ہوں: میں نے اسے صریح نہیں دیکھا۔ ان کے قول کا ظاہر معنی یہ ہے اس کے ساتھ اس پر تشدید کی جاتی ہے یہ شرط نہیں یہ تشدید کے باب سے ہے پس اللہ تعالیٰ کی قسم پر اکتفا کیا جائے گا اور مذکورہ وصف سے انکار کی صورت میں اس کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

27744۔ (قولہ: صَارَ حَالِفًا) وہ یہ نہ کہے: باللہ انہ کان کذا اللہ کی قسم یہ معاملہ اس طرح ہے۔ کیونکہ جب وہ نعم ہاں کہے گا تو یہ اقرار بن جائے گا قسم نہیں بنے گا جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔ ''س''۔

أَوْ وَصِيُّهُ أَوْ مَنْ نَصَبَهُ الْقَاضِي شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ (وَلَا يَحْلِفُونَ فِي بُيُوتِ عِبَادَاتِهِم) لِكَرَاهَةِ دُخُولِهَا بَحْر (وَيُحَلِّفُ الْقَاضِي) فِي دَعْوَى سَبَبٍ يَرْتَفِعُ (عَلَى الْحَاصِلِ) أَيْ عَلَى صُورَةِ إِنْكَارِ الْمُنْكِرِ وَفَسَّرَهُ بِقَوْلِهِ

اس کا وصی یا جسے قاضی معین کرے،''شرح وہبانیہ''۔ ان کی عبادت گاہوں میں ان سے قسم نہیں لی جائے گی۔ کیونکہ ان کی عبادت گاہوں میں داخل ہونا مکروہ ہے،''بحر''۔ ایسے سبب کے دعویٰ میں جو اٹھ سکتا ہے قاضی منکر کے انکار کی صورت میں حاصل پر قسم لے گا۔ حاصل پر قسم لینے کی تفسیر

27745۔ (قولہ: أَوْ وَصِيُّهُ أَوْ مَنْ نَصَبَهُ الْقَاضِي) یہ ان کے قول الحلف لا یجری فیہ النیابة سے مستثنیٰ ہے۔ یعنی قسم میں نیابت جاری نہیں ہوتی مگر ان میں۔''ابوسعود''۔

مدعی دین کا عین میں ملک کا یا یمین میں حق کا دعویٰ کرے تو اس کی صورتیں

27746۔ (قولہ: وَيُحَلِّفُ الْقَاضِي الخ)''نور العین'' میں کہا: تیری قسم ان مواضع کے بارے میں ہے جن میں حاصل پر اور سبب پر قسم لی جاتی ہے۔ جغ (یہ''جامع صغیر'' کی طرف رمز ہے) پھر مسئلہ کئی وجوہ پر ہے (۱) مدعی دین کا، عین میں ملک کا یا یمین میں حق کا دعویٰ کرے ان میں سے ہر ایک کی دو صورتیں ہیں (۱) یا تو وہ مطلقاً اس کا دعویٰ کرے یا سبب پر بنا کرتے ہوئے دعویٰ کرے اگر وہ دین کا دعویٰ کرے اور اس کا سبب ذکر نہ کرے تو حاصل پر قسم لی جائے گی اس نے جو دعویٰ کیا ہے یا اس میں سے کچھ بھی اس کی جانب سے تیرے ذمہ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر وہ حاضر عین میں ملکیت کا دعویٰ کرے یا عین حاضر میں حق کا دعویٰ کرے تو وہ مطلقاً اس کا دعویٰ کرے اور اس کے لیے سبب ذکر نہ کرے تو حاصل پر اس سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اور نہ یہ اور اس میں سے کچھ فلاں کے لیے ہے۔

اگر وہ اس کا دعویٰ سبب کی بنا پر کرے اس کی صورت یہ ہے کہ قرض یا شرا کے سبب دین کا دعویٰ کرے یا بیع، ہبہ کے سبب ملک کا دعویٰ کرے یا غصب، ودیعت یا عاریہ کا دعویٰ کرے تو ظاہر روایت کے مطابق حاصل پر اس سے قسم لی جائے گی سبب پر قسم نہیں لی جائے گی: اللہ کی قسم تو نے قرض نہیں لیا، تو نے غصب نہیں کیا، اس نے تیرے ہاں ودیعت نہیں رکھی، تو نے اس سے کوئی شے نہیں خریدی۔''کافی''۔

امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: ان مذکورہ تمام صورتوں میں قاضی سبب پر قسم لے گا مگر جب مدعی علیہ پر تعریض کی جا رہی ہو جیسے مدعی کہے: اے قاضی بعض اوقات ایک انسان کسی شے کو بیچتا ہے پھر اقالہ کرتا ہے اس وقت قاضی حاصل پر قسم لے گا۔''صع''۔ یہ''فصول العمادی'' کی طرف اشارہ ہے۔

شمس الائمہ''الحلوانی'' نے امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اور روایت نقل کی ہے: مدعی علیہ اگر سبب کا انکار کرے تو سبب پر قسم لی جائے گی۔ اگر وہ کہے: جس کا وہ دعویٰ کر رہا ہے وہ مجھ پر لازم نہیں تو حاصل پر قسم لی جائے گی۔''قاضی خان''۔ میرے نزدیک یہ قول تمام اقوال سے اچھا ہے۔ اکثر قاضی اس پر گامزن ہیں۔ حقیر پر تقصیر کہتا ہے صاحب''الہدایہ'' کی

(أَيْ بِاللّٰهِ مَا بَيْنَكُمَا نِكَاحٌ قَائِمٌ وَ) مَا بَيْنَكُمَا (بَيْعٌ قَائِمٌ وَمَا يَجِبُ عَلَيْكَ رَدُّهُ) لَوْ قَائِمًا أَوْ بَدَلُهُ لَوْ هَالِكًا (وَمَا هِيَ بَائِنٌ مِنْكَ) وَقَوْلُهُ (الْآنَ) مُتَعَلِّقٌ بِالْجَمِيعِ مِسْكِينٌ (فِي دَعْوَى نِكَاحٍ

اپنے اس قول کے بیان میں کی ہے اللہ کی قسم تمہارے درمیان نکاح قائم نہیں اور تمہارے درمیان بیع قائم نہیں اور اگر وہ مال قائم ہے تو تجھ پر اس کا رد کرنا واجب نہیں اگر ہلاک ہو گیا ہے تو اس کا بدل واپس کرنا لازم نہیں اور وہ عورت اس وقت تجھ سے جدا نہیں۔ اس کا قول الآن یہ سب کے متعلق ہے، ''مسکین''۔ حاصل پر قسم نکاح،

''مختارات النوازل'' میں اسی طرح ہے۔

27747۔(قولہ: مَا بَيْنَكُمَا نِكَاحٌ قَائِمٌ) نکاح کو ان مسائل میں داخل کرنا جن میں طرفین کے نزدیک حاصل پر قسم لی جاتی ہے۔ یہ صاحب ''ہدایہ'' اور شارحین کی جانب سے غفلت ہے۔ کیونکہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نکاح میں قسم لینے کا قول نہیں کرتے مگر جب یہ کہا جائے امام نے ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر تفریع کا ذکر کیا ہے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر تفریع کا ذکر نہیں کیا جس طرح مزارعت میں ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر تفریع کا ذکر کیا ہے، ''بحر''۔ ''مقدسی'' سے یہ نقل کیا گیا ہے۔ یہ اس پر محمول ہے کہ جب نکاح کے ساتھ مال کا دعویٰ ہو۔

27748۔(قولہ: بَيْعٌ قَائِمٌ) یہ قاصر کلام ہے۔ اور حق وہ ہے جو ''الخزانہ'' میں تفصیل موجود ہے کہا: مشتری نے جب شرا کا دعویٰ کیا ہوا گر وہ نقد ثمن کا ذکر کرے تو مدعی علیہ سے یہ قسم لی جائے گی: اللہ کی قسم یہ غلام، مدعی کی ملکیت نہیں اور نہ ہی اس میں سے کوئی شے اس کی ہے اس سبب کی وجہ سے جس کا اس نے دعویٰ کیا۔ اور نہ ہی اس سے یہ قسم لی جائے گی: اللہ کی قسم تو نے اس کو نہیں بیچا اگر وہ مشتری نقد ثمن کا ذکر نہ کرے تو اسے کہا جائے گا ثمن کو حاضر کرو جب وہ اس کو حاضر کرے تو اس سے قسم لے: اللہ کی قسم وہ اس ثمن پر قبضہ کرنے کا اور اس غلام کو اس طریقہ سے سپرد کرنے کا اختیار نہیں رکھتا جس کا یہ دعویٰ کرتا ہے۔ اگر چاہے تو وہ اس سے یہ قسم لے: اللہ کی قسم تیرے درمیان اور اس کے درمیان ایسی شرا نہیں جو اس لمحہ قائم ہو۔ حاصل یہ ہے کہ شرا کا دعویٰ ساتھ ہی نقد ثمن کا دعویٰ یہ مبیع کے بارے میں مطلق ملکیت کا دعوی ہے۔ یہ عقد کا دعویٰ نہیں۔ اسی وجہ سے ثمن کی جہالت کے ساتھ یہ سچ ہے۔ پس مبیع کی ملکیت پر اس سے قسم لی جائے گی اور بیع کا مبیع سپرد کرنے کے ساتھ دعویٰ یہ معنا ثمن کا دعویٰ ہے۔ یہ عقد کا دعویٰ نہیں۔ اسی وجہ سے یہ مبیع کی جہالت کے ساتھ صحیح ہو جائے گا۔ پس اس ثمن پر اس سے قسم لی جائے گی۔

27749۔(قولہ: لَوْ قَائِمًا) اسے زائد کہا ہے۔ کیونکہ ''البحر'' میں جو قول ہے: مولف کے قول میں تجھ پر اس کا رد کرنا واجب نہیں۔ اس میں کجی ہے۔ صحیح وہ ہے جو ''الخلاصہ'' میں ہے: تجھ پر اس کا، اس کی مثل کا، اس کے بدل کا اور اس میں سے کسی شے کا رد کرنا واجب نہیں۔ اسی طرح اس کے قول میں: وما ھی بائن منك الآن وہ اس وقت تجھ سے بائنہ نہیں، کا معاملہ ہے۔ کیونکہ یہ قول طلاق بائنہ کے ساتھ خاص ہے۔ جہاں تک طلاق رجعی کا تعلق ہے تو اس سے قسم لی جائے گی: اللہ کی قسم وہ اس نکاح میں تجھ سے طلاق والی نہیں جو تمہارے درمیان تھا مگر جب تین طلاقوں کا دعویٰ ہو تو ''اسبیجابی'' نے کہا: اس سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا اللہ کی قسم تو نے اس عورت کو اس نکاح میں تین طلاقیں نہیں دیں جو تمہارے درمیان تھا۔

وَبَيْعٍ وَغَصْبٍ وَطَلَاقٍ) فِيهِ لَفٌّ وَنَشْرٌ لَا عَلَى السَّبَبِ أَيْ بِاللهِ مَا نَكَحْت وَمَا بِعْت خِلَافًا لِلثَّانِي نَظَرًا لِلْمُدَّعَى عَلَيْهِ أَيْضًا لِاحْتِمَالِ طَلَاقِهِ وَإِقَالَتِهِ (إِلَّا إِذَا لَزِمَ) مِنَ الْحَلِفِ عَلَى الْحَاصِلِ (تَرْكُ النَّظَرِ لِلْمُدَّعِي فَيَحْلِفُ) بِالْإِجْمَاعِ (عَلَى السَّبَبِ) أَيْ عَلَى صُورَةِ دَعْوَى الْمُدَّعِي (كَدَعْوَى شُفْعَةٍ بِالْجِوَارِ وَنَفَقَةِ مَبْتُوتَةٍ وَالْخَصْمُ لَا يَرَاهُمَا) لِكَوْنِهِ شَافِعِيًّا لِصِدْقِ حَلِفِهِ عَلَى الْحَاصِلِ فِي مُعْتَقَدِهِ فَيَتَضَرَّرُ الْمُدَّعِي

بیع، غصب اور طلاق کے دعویٰ میں ہے۔ اس میں لف اور نشر ہے۔ قسم سبب پر نہیں لی جائے گی۔ یعنی یہ قسم نہیں لی جائے گی: اللہ کی قسم تو نے نکاح نہیں کیا، تو نے اسے نہیں بیچا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ وہ مدعی علیہ کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔ حاصل پر قسم اس لیے لی جاتی ہے کیونکہ طلاق اور اقالہ کا احتمال موجود ہے مگر جب حاصل پر قسم اٹھانے کی صورت میں مدعی کی منفعت کا ترک لازم آئے تو بالاجماع سبب پر قسم لی جائے گی یعنی مدعی کے دعویٰ کی صورت پر قسم لی جائے گی جس طرح پڑوس کی وجہ سے شفعہ کیا گیا ہو، مطلقہ بائنہ کے نفقہ کا مسئلہ ہو اور خصم ان دونوں کی رائے نہ رکھتا ہو۔ کیونکہ وہ شافعی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے معتقدات کے مطابق حاصل پر قسم اٹھانے میں سچا ہے۔ پس مدعی کو نقصان ہوگا۔

''البحر'' میں یہاں ان تمام چیزوں کا ذکر کیا ہے جن میں حاصل پر قسم لی جاتی ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ اس کے بعد کہا: پھر جان لو قسم لینے کی صورتوں میں سے بعض میں ان سے یمین کے لفظ میں لا کا تکرار واقع ہوا ہے۔ خصوصاً جب کوئی فرد میت پر دین کا دعویٰ کرے تو اس کے قسم لینے میں ایسا ہے۔ یہ صورتیں پانچ تک پہنچ جاتی ہیں اور استحقاق میں چار تک پہنچتی ہیں۔ ساتھ ہی کتاب الایمان میں ان کا قول ہے قسم حرف عطف کے تکرار کے ساتھ، ساتھ ہی جب حرف لا ذکر کیا جائے تو قسم متکرر ہو جاتی ہے جس طرح اس کا قول ہے: لا آکل طعاما ولا شرابا ساتھ ہی ان کا یمین کی تشدید میں قول ہے: عطف سے احتراز کرنا واجب ہے۔ کیونکہ واجب ایک قسم ہے جب عطف کیا جائے گا تو وہ کئی قسمیں ہو جائیں گی۔ میں نے اس کا جواب نہیں دیکھا بلکہ اسے بھی نہیں دیکھا جو اس سے تعرض کرے۔

''رملی'' نے کہا: میں کہتا ہوں: جب متامل غور و فکر کرے تو مدعی کے تکرار کی وجہ سے تکرار پائے گا، فلیتامل۔ یعنی مدعی اگر الفاظ میں ایک شے کا دعویٰ کرے لیکن وہ متعدد اشیاء کا ضمناً مدعی ہو تو بطور احتیاط ان پر خصم کا مطالبہ کیا جائے گا۔

27750۔ (قولہ: نَظَرًا لِلْمُدَّعَى عَلَيْهِ) یہ ان کے قول لا علی السبب کی تعلیل ہے۔

27751۔ (قولہ: لِكَوْنِهِ شَافِعِيًّا) کیونکہ شافعی حاصل پر قسم اٹھاتا ہے جب کہ وہ اپنے مذہب کا اعتقاد رکھتا ہے کہ عورت نہ نفقہ کی مستحق ہے اور نہ وہ آدمی شفعہ کا مستحق ہے۔ پس نفع ضائع ہو جائے گا۔ جب وہ قسم اٹھائے: اس نے اسے طلاق بائنہ نہیں دی اور اس نے وہ زمین نہیں خریدی تو نفع ظاہر ہو جائے گا اور مدعی کی جانب کی رعایت کرنا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ جب سبب ثابت ہو گیا تو حق ثابت ہو گیا کسی عارضہ کی وجہ سے اس کے سقوط کا احتمال موہوم ہے۔ اصل اس کا معدوم ہونا ہے یہاں تک کہ اس عارضہ پر دلیل قائم ہو جائے۔

قُلْتُ وَمُفَادُهُ أَنَّهُ لَا اعْتِبَارَ بِمَذْهَبِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ، وَأَمَّا مَذْهَبُ الْمُدَّعِي فَفِيهِ خِلَافٌ، وَالْأَوْجَهُ أَنْ يَسْأَلَهُ الْقَاضِي هَلْ تَعْتَقِدُ وُجُوبَ شُفْعَةِ الْجِوَارِ أَوْ لَا، وَاعْتَمَدَهُ الْمُصَنِّفُ (وَكَذَا) أَيْ يُحَلِّفُ عَلَى السَّبَبِ إجْمَاعًا (فِي سَبَبٍ لَا يَرْتَفِعُ) بِرَافِعٍ بَعْدَ ثُبُوتِهِ (كَعَبْدٍ مُسْلِمٍ يَدَّعِي) عَلَى مَوْلَاهُ (عِتْقَهُ) لِعَدَمِ تَكَرُّرِ رِقِّهِ (وَ) أَمَّا (فِي الْأَمَةِ) وَلَوْ مُسْلِمَةً (وَالْعَبْدِ الْكَافِرِ) فَلِتَكَرُّرِ رِقِّهِمَا بِاللَّحَاقِ حُلِّفَ مَوْلَاهُمَا (عَلَى الْحَاصِلِ) وَالْحَاصِلُ اعْتِبَارُ الْحَاصِلِ إلَّا لِضَرَرِ مُدَّعٍ وَسَبَبٍ غَيْرِ مُتَكَرِّرٍ (وَصَحَّ فِدَاءُ الْيَمِينِ وَالصُّلْحُ مِنْهُ) لِحَدِيثِ ذُبُّوا عَنْ أَعْرَاضِكُمْ بِأَمْوَالِكُمْ وَقَالَ الشَّهِيدُ الِاحْتِرَازُ عَنْ الْيَمِينِ الصَّادِقَةِ وَاجِبٌ۔ قَالَ فِي الْبَحْرِ أَيْ ثَابِتٌ بِدَلِيلِ جَوَازِ الْحَلِفِ صَادِقًا

میں کہتا ہوں: اس سے مستفاد یہ ہوتا ہے کہ مدعی علیہ کے مذہب کا کوئی اعتبار نہیں۔ جہاں تک مدعی کے مذہب کا تعلق ہے تو اس میں اختلاف ہے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ قاضی اس سے سوال کرے کیا تو پڑوسی کے لیے شفعہ کے ثبوت کا اعتقاد رکھتا ہے یا اعتقاد نہیں رکھتا مصنف نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ اسی طرح ایسے سبب پر بالاجماع قسم لی جائے گی جو ثابت ہونے کے بعد اس سبب کو ختم کرنے والے کسی عارضہ کے ساتھ وہ ختم نہ ہو جس طرح مسلمان کا غلام ہو جو اپنے آقا کے خلاف آزادی کا دعویٰ کرے۔ کیونکہ اسکی غلامی متکرر نہیں ہوسکتی۔ جہاں تک لونڈی کا تعلق ہے اگرچہ مسلمان ہو اور کافر غلام کا تعلق ہے تو اسکی غلامی دارالحرب چلے جانے سے دوبارہ واقع ہوسکتی ہے تو ان دونوں کے آقا سے حاصل پر قسم لی جاسکتی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے: حاصل کا اعتبار کیا جائے گا مگر مدعی کو ضرر پہنچانے اور ایسے سبب کی صورت میں جو متکرر نہیں ہوتا اس میں حاصل کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ قسم کا فدیہ دے دینا اور اس سے صلح کر لینا صحیح ہے۔ کیونکہ حدیث طیبہ ہے: اپنے اموال کے ساتھ اپنی عزتوں کی حفاظت کرو(1)۔ ''شہید'' نے کہا: سچی قسم سے احتراز کرنا واجب ہے۔ ''البحر'' میں کہا: یہ ثابت ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ سچی قسم اٹھانا جائز ہے۔

27752۔(قولہ: فَفِيهِ خِلَافٌ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا کوئی اعتبار نہیں اعتبار قاضی کے مذہب کا ہے۔

27753۔(قولہ: وَالْأَوْجَهُ أَنْ يَسْأَلَهُ) یعنی مدعی سے سوال کرے۔

27754۔(قولہ: وَاعْتَمَدَهُ الْمُصَنِّفُ) یعنی ''البحر'' کی تبع میں اس پر اعتماد کیا ہے۔ ذرا غور کیجئے کیا یہ ہمارے زمانہ کے قاضیوں میں جاری ہوسکتا ہے جو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق فیصلہ کرنے پر مامور ہیں۔

27755۔(قولہ: وَالصُّلْحُ مِنْهُ) یعنی قسم کی بجائے معلوم شے پر صلح کر لینا صحیح ہے۔ فرق یہ ہے کہ دوسری چیز یعنی جس پر صلح کی جارہی ہے وہ مدعی سے کم ہو۔ جہاں تک پہلی کا تعلق ہے جب وہ فدیہ دیتا ہے تو یہ مدعی کے مثل ہوگی جس طرح ''قہستانی'' میں ہے۔ ''ح''۔

1۔ کنز العمال، جلد 3، صفحہ 386

(وَلَا يُحَلِّفُ) الْمُنْكِرُ (بَعْدَهُ) أَبَدًا لِأَنَّهُ أَسْقَطَ حَقَّهُ (وَ) قَيَّدَ بِالْفِدَاءِ وَ الصُّلْحِ لِأَنَّ الْمُدَّعِيَ (لَوْ أَسْقَطَهُ) أَيِ الْيَمِينَ (قَصْدًا بِأَنْ قَالَ بَرِئْتَ مِنَ الْحَلِفِ أَوْ تَرَكْتُه عَلَيْهِ أَوْ وَهَبْتُه لَا يَصِحُّ وَلَهُ التَّحْلِيفُ) بِخِلَافِ الْبَرَاءَةِ عَنِ الْمَالِ لِأَنَّ التَّحْلِيفَ لِلْحَاكِمِ بَزَّازِيَّةٌ، وَكَذَا إِذَا اشْتَرَى يَمِينَهُ لَمْ يَجُزْ لِعَدَمِ رُكْنِ الْبَيْعِ دُرَرٌ فَرْعٌ اسْتَحْلَفَ خَصْمَهُ فَقَالَ حَلَّفْتَنِي مَرَّةً، إِنَّ عِنْدَ حَاكِمٍ أَوْ مُحَكَّمٍ وَبَرْهَنَ قُبِلَ وَإِلَّا فَلَهُ تَحْلِيفُهُ دُرَرٌ

اس کے بعد منکر سے کبھی قسم نہیں لی جائے گی۔ کیونکہ اس نے اپنے حق کو ساقط کر دیا ہے۔ فدیہ دینے اور صلح کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ مدعی اگر یمین کو قصدا ساقط کر دے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: تو قسم سے بری ہو گیا ہے، میں نے اسے تجھ پر چھوڑ دیا ہے یا میں نے تجھے وہ ہبہ کر دیا ہے تو یہ صحیح نہیں ہوگا اور اسے قسم لینے کا حق حاصل ہوگا۔ مال سے براءت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ قسم لینے کا حق صرف حاکم کو ہوگا،''بزازیہ''۔ اسی طرح جب وہ اپنی قسم خریدے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ بیع کا رکن موجود نہیں (کیونکہ بیع کا رکن مال ہوتا ہے قسم مال نہیں)''درر''۔ فرع: ایک آدمی نے اپنے خصم سے قسم کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا: تو نے ایک دفعہ حاکم یا ثالث کے پاس مجھ سے قسم لے لی ہے اور گواہیاں پیش کر دیں تو اس کا قول قبول کیا جائے گا ورنہ اسے قسم کا مطالبہ کرنے کا حق ہوگا،''درر''۔

27756۔(قولہ: وَلَا يُحَلِّفُ) مولف رحمۃ اللہ علیہ نے لام کی تشدید کے ساتھ اسے لکھا ہے۔

27757۔(قولہ: لِأَنَّهُ أَسْقَطَ حَقَّهُ) یعنی خصومت میں اس کا جو حق تھا۔''البحر'' میں جو عبارت ہے وہ یہ ہے: کیونکہ اس نے اس سے مال لے کر اپنی خصومت کو ختم کر دیا ہے۔''مدنی''۔

27758۔(قولہ: وَبَرْهَنَ قُبِلَ)''البحر'' میں''البزازیہ'' سے مروی ہے: جب قاضی نے مدعی علیہ سے قسم کا ارادہ کیا تو مدعی علیہ نے کہا: اس مدعی نے دوسرے قاضی کے ہاں مجھ سے اس مال پر قسم لی یا اس نے مجھے اس سے بری کر دیا اگر وہ گواہیاں قائم کر دے تو اسے قبول کر لیا جائے گا اور اس سے دعویٰ ختم ہو جائے گا۔ اگر ایسا نہ ہو تو امام''بزدوی'' نے کہا: مدعی مدعی علیہ ہو جائے گا اگر وہ انکار کر دے تو دعویٰ ختم ہو جائے گا اگر وہ قسم اٹھا دے تو مال لازم ہو جائے گا۔ کیونکہ مال سے بری کرنے کا دعویٰ مال کے واجب ہونے کا اقرار ہے مال کے دعویٰ سے بری کرنے کا دعویٰ اس کے خلاف ہے۔

اس کا ظاہر یہ ہے کہ شارح کا قول وَإِلَّا فَلَهُ تَحْلِيفُهُ۔ یہ پہلے مدعی سے قسم کا مطالبہ کرنا ہے (اس کا مطلب یہ ہے اگر وہ گواہیاں پیش نہ کر سکے تو اسے پہلے مدعی سے قسم کا مطالبہ کرنے کا حق ہوگا) تامل۔''الدرر'' کی عبارت ہے: اگر اس کے پاس بینہ نہ ہوں اور وہ قسم کا مطالبہ کرے یعنی مدعی سے قسم لینے کا مطالبہ کرے تو یہ جائز ہوگا۔

27759۔(قولہ: وَإِلَّا فَلَهُ تَحْلِيفُهُ) یعنی مدعی سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا،''نور العین''۔ یہ کہا: مدعی نے مدعی علیہ سے قسم لینے کا مطالبہ کیا تو اس نے یہ گواہی پیش کی کہ مدعی نے مجھ سے فلاں قاضی کے ہاں قسم لی ہے تو اسکا قول قبول کیا جائے گا اگر اسکے پاس گواہ نہ ہوں تو اسے پہلے مدعی سے قسم کا مطالبہ کا حق ہوگا۔ کیونکہ وہی یمین میں اپنے حق کے باقی رہنے کا دعویٰ

قُلْتُ وَلَمْ أَرَ مَا لَوْ قَالَ إنِّي قَدْ حَلَفْتُ بِالطَّلَاقِ أنِّي لَا أَحْلِفُ فَيُحَرَّرُ

میں کہتا ہوں: اگر وہ کہے: میں نے طلاق کی قسم اٹھا رکھی ہے میں قسم نہیں اٹھاؤں گا۔ میں نے اس بارے میں کوئی قول نہیں سنا اس کی وضاحت ہونی چاہیے۔

کرتا ہے۔ اگر وہ دعویٰ کرے مدعی نے مجھے اس دعویٰ سے بری کر دیا ہے اگر وہ گواہیاں پیش نہ کرے تو اسے قسم کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔ کیونکہ مدعی اپنے دعویٰ کے ساتھ مدعی علیہ کے خلاف جواب کا مستحق ہے۔ جواب یا تو اقرار کی صورت میں ہوگا یا انکار کی صورت میں ہوگا۔ اس کا قول ابر عنی نہ اقرار ہے اور نہ ہی انکار ہے۔ پس اسے نہیں سنا جائے گا اسے کہا جائے گا۔ اپنے خصم کو جواب دو پھر جو چاہو دعویٰ کرو۔ یہ اس کے برعکس ہے اگر وہ کہے: مجھے اس ہزار سے بری کر دیا تو اس سے قسم لی جائے گی۔ کیونکہ مال سے بری کرنے کا دعویٰ اس کے مال کے واجب ہونے کا اقرار ہے اور اقرار جواب ہے۔ اور بری کرنے کا دعویٰ ساقط کرنے والا ہے پس اس پر قسم مرتب ہوگی۔ ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا: صحیح یہ ہے کہ براءت کے دعویٰ پر قسم اٹھائی جائے جس طرح قسم لینے کے دعویٰ پر قسم لی جاتی ہے۔ اسی طرف ح مائل ہوئے ہیں۔ ''ح'' سے مراد ''شمس الائمہ الحلوانی'' ہیں۔ ہمارے زمانہ کے اکثر قاضی اسی نقطہ نظر کے حامل ہیں۔

''الدرر'' کی عبارت ہے: اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں اور وہ مدعی سے قسم لینے کا ارادہ کرے تو یہ جائز ہوگا کلام ختم ہوئی۔ الشارح کی عبارت میں جو ابہام ہے وہ اس کے ساتھ معلوم ہو جاتا ہے۔ فتنبہ

27760۔ (قولہ: وَلَمْ أَرَ الخ) میں نے اپنے شیخ کے نسخہ کے حاشیہ میں بعض علماء کی تحریر پائی ہے اس کی نص یہ ہے: میں ''فتاویٰ الکرنبشی'' کی کتاب الشہادت سے تھوڑا پہلے کتاب القضاء کے آخر میں ''جواہر الفتاویٰ'' کے کتاب القضاء کے اول کی طرف منسوب دیکھا ہے۔ اس کی عبارت ہے: ایک آدمی نے دوسرے پر دعویٰ کیا اور قسم اس پر لازم آئی جب قاضی نے اس پر قسم کو پیش کیا تو اس نے کہا: میں نے طلاق کی قسم اٹھا رکھی ہے کہ میں کبھی بھی قسم نہیں اٹھاؤں گا، اب میں قسم نہیں اٹھاؤں گا یہاں تک کہ مجھ پر طلاق واقع نہ ہو۔ بے شک قاضی تین دفعہ اس پر قسم پیش کرے پھر قسم سے انکار کی صورت میں اس پر حکم لگا دے گا۔ اس قسم کی وجہ سے اس سے قسم ساقط نہ ہوگی۔

27761۔ (قولہ: فَيُحَرَّرُ) میں کہتا ہوں: پہلے ''العنایہ'' سے گزر چکا ہے کہ قاضی حاصل پر یا سبب پر قسم لینے کی صورت میں دونوں میں سے ایک کو ضرر لاحق کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں پاتا۔ پس مدعی کی جانب کی رعایت کرنا اولیٰ ہے اس تعبیر کی بنا پر اسے اس بنا پر معذور قرار نہیں دیا جائے گا کہ وہ طلاق کی قسم اٹھانے کا دعویٰ کرتا ہے اس پر قسم سے انکار کی بنا پر فیصلہ کیا جائے گا اس بنا پر کہ یہ بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ کیونکہ وہی وہ شخص ہے جس نے اپنے آپ کو طلاق کی قسم اٹھا کر نقصان پہنچایا ہے۔ ''ابوسعود''۔

میں کہتا ہوں: نیز اگر یہ صحیح حجت ہو تو وہ ہر شخص جس پر قسم لازم ہو تو وہ حیلہ کرے گا۔ پس اس سے مدعی کے حق کا ضیاع اور حدیث والیمین من انکر (1) کی نص کی مخالفت لازم آئے گی۔ فتدبر

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب البینۃ علی المدعی، جلد 2، صفحہ 77، حدیث نمبر 2312

بَابُ التَّحَالُفِ

لَمَّا قَدَّمَ يَمِينَ الْوَاحِدِ ذَكَرَ يَمِينَ الِاثْنَيْنِ (اخْتَلَفَا) أَيْ الْمُتَبَايِعَانِ (فِي قَدْرِ ثَمَنٍ) أَوْ وَصْفِهِ أَوْ جِنْسِهِ (أَوْ فِي قَدْرِ (مَبِيعٍ حُكِمَ لِمَنْ بَرْهَنَ) لِأَنَّهُ نَوَّرَ دَعْوَاهُ بِالْحُجَّةِ (وَإِنْ بَرْهَنَ فَلِمُثْبِتِ الزِّيَادَةِ) إِذْ الْبَيِّنَاتُ لِلْإِثْبَاتِ (وَإِنْ اخْتَلَفَا فِيهِمَا) أَيْ الثَّمَنِ وَالْمَبِيعِ جَمِيعًا (قُدِّمَ بُرْهَانُ الْبَائِعِ لَوْ الِاخْتِلَافُ (فِي الثَّمَنِ وَبُرْهَانُ الْمُشْتَرِي لَوْ فِي الْمَبِيعِ) نَظَرًا لِإِثْبَاتِ الزِّيَادَةِ (وَإِنْ عَجَزَا) فِي الصُّوَرِ الثَّلَاثِ عَنْ الْبَيِّنَةِ، فَإِنْ رَضِيَ

باہم قسم اٹھانے کے احکام

جب پہلے ایک کی قسم کو بیان کیا اب دو کی قسم کو ذکر کیا دو خرید و فروخت کرنے والوں نے ثمن کی مقدار، اس کے وصف اور اس کی جنس میں اختلاف کیا یا مبیع کی مقدار میں اختلاف کیا تو جس نے گواہیاں پیش کیں اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے اپنے دعویٰ کو دلیل سے منور کر دیا ہے اگر دونوں گواہیاں پیش کر دیں تو جو زیادتی کو ثابت کرے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ گواہیاں امر کو ثابت کرنے کے لیے ہوتی ہیں اگر وہ دونوں ثمن اور مبیع دونوں میں اختلاف کریں تو بائع کی دلیل کو مقدم کیا جائے گا اگر اختلاف ثمن میں ہو، اور مشتری کی دلیل کو مقدم کیا جائے گا۔ اگر اختلاف مبیع میں ہو یہ حکم زیادتی کو ثابت کرنے کے اعتبار سے ہے۔ اگر تینوں صورتوں میں وہ گواہیاں پیش کرنے سے عاجز آ جائیں اگر

اگر بائع اور مشتری میں ثمن یا مبیع کی مقدار میں اختلاف ہو جائے تو اس کا حکم

27762۔(قوله: أَوْ وَصْفِهِ) جیسے بخاری اور بغدادی ہے۔

27763۔(قوله: أَوْ جِنْسِهِ) جیسے دراہم اور دنانیر۔

27764۔(قوله: أَوْ فِي قَدْرِ مَبِيعٍ) اگر مبیع کے وصف میں اختلاف ہو تو باہم قسم نہیں اور قول بائع کا معتبر ہوگا جس طرح شارح اس کا ذکر کرتے ہیں۔

27765۔(قوله: لَوْ الِاخْتِلَافُ فِي الثَّمَنِ) میں کہتا ہوں: یہاں دو جگہ لو زائد کرنے میں خلل ہے۔ ''الہدایہ'' کی عبارت ہے: اگر اختلاف ثمن اور مبیع دونوں میں ہو تو ثمن میں بائع کے گواہ اولی ہوں گے اور مبیع میں مشتری کے گواہ اولی ہوں گے یہ اثبات کی زیادتی کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے یہ قول میرے والد کے شیخ مفتی ''محمد تاج الدین'' کا ہے۔ ''مدنی''۔

27766۔(قوله: فَإِنْ رَضِيَ الخ) یہ عبارت دونوں میں اختلاف کی صورت کو جامع ہے۔ زیادہ بہتر یہ قول ہے: جس طرح ان کے علاوہ نے کہا: اگر وہ دونوں کسی شے پر راضی ہو جائیں یعنی اس کی صورت یہ ہے یعنی بائع اس ثمن پر راضی ہو

كُلٌّ بِمَقَالَةِ الْآخَرِ فَبِهَا (وَ) إِنْ (لَمْ يَرْضَ وَاحِدٌ مِنْهُمَا بِدَعْوَى الْآخَرِ تَحَالَفَا) مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ خِيَارٌ فَيَفْسَخُ مَنْ لَهُ الْخِيَارُ (وَبُدِئَ بِ) يَمِينِ (الْمُشْتَرِي) لِأَنَّهُ الْبَادِئُ بِالْإِنْكَارِ، وَهٰذَا (لَوْ كَانَ (بَيْعَ عَيْنٍ بِدَيْنٍ وَإِلَّا)

سب دوسرے کی گفتگو سے راضی ہو جائیں تو بہتر اگر دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کے دعویٰ سے راضی نہ ہو تو دونوں قسم اٹھائیں گے جب تک اس میں خیار نہ ہو خیار ہو تو جسے خیار ہو گا وہ اسے فسخ کر سکتا ہے۔ مشتری کی قسم سے آغاز کیا جائے گا۔ کیونکہ وہی انکار کا آغاز کرنے والا ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب عین کی بیع دین کے ساتھ ہو۔ اگر ایسا نہ ہو

جائے جس کا مشتری نے دعویٰ کیا ہے یا مشتری اس بیع پر راضی ہو جائے جس کا بائع نے دونوں میں سے کسی ایک میں اختلاف کے وقت دعویٰ کیا یا دونوں میں اختلاف کے وقت ہر ایک دوسرے کے قول پر راضی ہو گیا۔ ''حلبی'' نے کہا: عبارت فاسد ہے۔ صحیح وہ ہے جس طرح دوسرے علما نے کہا: فان تراضیا علی شیء۔

اگر عاقدین میں سے کسی کے پاس خیار ہو تو وہ عقد کو فسخ کر سکتا ہے تقسیم کی ضرورت نہیں

27767۔ (قولہ: فَيَفْسَخُ مَنْ لَهُ الْخِيَارُ) ''البحر'' میں کہا: دونوں کے عاجز آنے سے اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ بیع میں دونوں میں سے کسی ایک کے لیے خیار نہیں۔ اسی وجہ سے ''الخلاصہ'' میں کہا: جب مشتری کو خیار رویت، خیار عیب یا خیار شرط ہو تو وہ دونوں قسم نہیں اٹھائیں گے۔ بائع مشتری کی طرح ہے۔ مقصود یہ ہے کہ جسے خیار ہو گا وہ فسخ کرنے پر قادر ہو گا پس دونوں کے قسم اٹھانے کی حاجت نہیں۔ لیکن چاہیے کہ بائع جب ثمن کی زیادتی کا دعویٰ کرے اور مشتری اس کا انکار کرے تو مشتری کا خیار تحالف کے مانع ہو گا جہاں تک بائع کے خیار کا تعلق ہے تو وہ مانع نہیں۔ اگر مدعی مبیع کی زیادتی کا دعویٰ کرتا ہے اور بائع اس کا انکار کرتا ہے تو بائع کا خیار اس کے مانع ہو گا۔ کیونکہ وہ فسخ پر قادر ہے۔ جہاں تک مشتری کے خیار کا تعلق ہے تو وہ مانع نہیں۔ یہ امر میرے لیے تخریج کے طور پر ظاہر ہوا ہے نقل کے طور پر ظاہر نہیں ہوا۔

اس کا حاصل یہ ہے: جسے خیار ہوتا ہے وہ ہمیشہ فسخ کرنے پر قادر نہیں ہوتا پس اطلاق کی تخصیص کرنی چاہیے۔

قسم کا آغاز مشتری سے ہو گا

27768۔ (قولہ: وَبُدِئَ بِ يَمِينِ الْمُشْتَرِي) یعنی تینوں صورتوں میں مشتری سے قسم کا آغاز کیا جائے گا جس طرح ''شرح ابن کمال'' میں ہے۔ اور ان کا قول لانہ البادی بالانکار ''سائحانی'' نے کہا: یہ ثمن میں باہم قسم اٹھانے میں ظاہر ہے۔ جہاں تک ثمن پر اتفاق کے ساتھ مبیع میں باہم قسم اٹھانے کا تعلق ہے تو وہ ظاہر نہیں۔ کیونکہ بائع وہ منکر ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ قسم کا آغاز منکر سے ہو۔ اس کی تائید وہ کرتا ہے جس کا ذکر عنقریب آئے گا: جب موجر اور مستاجر میں مدت کی مقدار میں اختلاف واقع ہو جائے تو موجر کی قسم سے آغاز کیا جائے گا۔ اسی کی طرف ''قہستانی'' نے اشارہ کیا ہے۔ اسی بحث کی مثل علامہ ''رملی'' نے بحث کی ہے۔

بِأَنْ كَانَ مُقَايَضَةً أَوْ صَرْفًا (فَهُوَ مُخَيَّرٌ) وَقِيلَ يُقْرَعُ ابْنُ مَلَكٍ، وَيَقْتَصِرُ عَلَى النَّفْيِ فِي الْأَصَحِّ (وَفَسَخَ الْقَاضِي الْبَيْعَ بِطَلَبِ أَحَدِهِمَا) أَوْ بِطَلَبِهِمَا، وَلَا يَنْفَسِخُ بِالتَّحَالُفِ وَلَا بِفَسْخِ أَحَدِهِمَا بَلْ بِفَسْخِهِمَا بَحْرٌ (وَمَنْ نَكَلَ) مِنْهُمَا (لَزِمَهُ دَعْوَى الْآخَرِ) بِالْقَضَاءِ، وَأَصْلُهُ قَوْلُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَايِعَانِ وَالسِّلْعَةُ قَائِمَةٌ بِعَيْنِهَا تَحَالَفَا وَتَرَادَّا وَهَذَا كُلُّهُ لَوِ الِاخْتِلَافُ فِي الْبَدَلِ مَقْصُودًا. فَلَوْ فِي ضِمْنِ شَيْءٍ

اس کی صورت یہ ہے کہ بیع سامان کے بدلے سامان سے ہو تو اسے اختیار ہوگا ایک قول یہ کیا گیا ہے قرعہ اندازی کی جائے گی، ''ابن ملک''۔ اصح قول کے مطابق نفی پر اکتفا کیا جائے گا۔ دونوں میں سے ایک کے مطالبہ کے ساتھ قاضی بیع کو فسخ کر دے گا یا دونوں کے مطالبہ کے ساتھ بیع کو فسخ کر دے گا۔ اس کی اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جب دو خرید و فروخت کرنے والے اختلاف کریں اور سامان اپنی ذات کے اعتبار سے قائم ہو تو دونوں قسم اٹھائیں اور بیع وثمن واپس کر دیں (1)۔ یہ سب اس صورت میں ہے اگر اختلاف بدل میں مقصود ہو۔ اگر وہ اختلاف کسی شے کے ضمن میں ہو

27769۔(قولہ: بِأَنْ كَانَ مُقَايَضَةً) یعنی سامان کی سامان کے بدلے میں بیع ہو۔

27770۔(قولہ: أَوْ صَرْفًا) یعنی نقدی کی نقدی کے بدلے بیع ہو۔

27771۔(قولہ: وَيَقْتَصِرُ عَلَى النَّفْيِ) اس کی صورت یہ ہے کہ بائع کہے: اللہ کی قسم اس نے ہزار کے بدلے میں نہیں بیچا اور مشتری کہے: اللہ کی قسم اس نے ہزار کے بدلے میں نہیں خریدا۔

27772۔(قولہ: فِي الْأَصَحِّ) ''زیادات'' میں ہے: بائع سے قسم لی جائے گی: اللہ کی قسم اس نے اسے ہزار کے بدلے میں نہیں بیچا تحقیق اسے دو ہزار کے ساتھ بیچا ہے مشتری سے قسم لی جائے گی: اللہ کی قسم اسے دو ہزار کے بدلے میں نہیں خریدا اور تحقیق ہزار کے بدلے میں بیچا ہے۔ ''س''۔

27773۔قولہ: بَلْ بِفَسْخِهِمَا) شارحین نے جو ذکر کیا ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے: اگر دونوں اسے فسخ کر دیں تو قاضی کے فیصلہ پر توقف کے بغیر بیع ختم ہو جائے گی۔ اگر دونوں میں سے ایک بیع کو فسخ کرے تو یہ کافی نہیں ہوگا اگرچہ ایک کا مطالبہ کافی ہوگا۔ ''بحر''۔

نفس تحالف سے فسخ نہ ہونے کا فائدہ ذکر کیا ہے: اگر مبیع لونڈی ہو تو مشتری کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اس لونڈی سے وطی کرے جس طرح ''النہایہ'' میں ہے۔

27774۔(قولہ: وَالسِّلْعَةُ قَائِمَةٌ) جب وہ سامان ہلاک ہو جائے تو اس سے احتراز کیا ہے۔ متن میں عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

1۔سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب البیعان یختلفان، جلد 2، صفحہ 36، حدیث نمبر 2176

كَاخْتِلَافِهِمَا فِي الزِّقِّ فَالْقَوْلُ لِلْمُشْتَرِي فِي أَنَّهُ الزِّقُّ وَلَا تَحَالُفَ، كَمَا لَوْ اخْتَلَفَا فِي وَصْفِ الْمَبِيعِ كَقَوْلِهِ اشْتَرَيْتُه عَلَى أَنَّهُ كَاتِبٌ أَوْ خَبَّازٌ وَقَالَ الْبَائِعُ لَمْ أَشْتَرِطْ فَالْقَوْلُ لِلْبَائِعِ وَلَا تَحَالُفَ ظَهِيرِيَّةٌ (وَ) قَيَّدَ بِاخْتِلَافِهِمَا فِي ثَمَنٍ وَمَبِيعٍ لِأَنَّهُ (لَا تَحَالُفَ فِي غَيْرِهِمَا) لِأَنَّهُ لَا يَخْتَلُّ بِهِ قِوَامُ الْعَقْدِ نَحْوُ (أَجَلٍ وَشَرْطٍ)

جس طرح مشک میں اختلاف ہو تو قول مشتری کا معتبر ہوگا کہ یہ وہی مشک ہے اور کوئی باہم قسم اٹھانا نہیں ہوگا۔ جس طرح اگر وہ دونوں مبیع کے وصف میں اختلاف کریں جس طرح اس کا قول ہے: میں نے اسے خریدا اس شرط پر کہ وہ کاتب ہے یا نانبائی ہے بائع نے کہا: میں نے یہ شرط نہیں لگائی تو قول بائع کا معتبر ہوگا اور باہم قسم اٹھانا لازم نہیں آئے گا، ''ظہیریہ''۔ ثمن اور مبیع میں دونوں کی قید ذکر کی ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے علاوہ میں کوئی باہم قسم نہیں کیونکہ اس کے ساتھ عقد کے بنیاد میں کچھ خلل واقع نہیں ہوتا جس طرح اجل، شرط،

27775۔(قولہ: كَاخْتِلَافِهِمَا فِي الزِّقِّ) یہ ظرف ہے جب بائع انکار کرے کہ یہ وہ مشک ہے جس طرح ''زیلعی'' میں ہے۔ اس کی صورت یہ ہے: ایک آدمی دوسرے سے مشک میں گھی خریدے اس کا وزن سو رطل ہو پھر وہ خالی مشک لائے تا کہ اسے اس کے مالک کی طرف لوٹا دے اور اس کا وزن بیس ہو بائع کہے: یہ میری مشک نہیں۔ مشتری کہے: یہ تیری مشک ہے۔ قول مشتری کا ہوگا خواہ وہ ہر رطل کی ثمن ذکر کرے یا ثمن ذکر نہ کرے۔ اسے مقبوض میں اختلاف قرار دیا ہے۔ اس میں ہے: قول قبضہ کرنے والے کا معتبر ہوگا اگر اس کے ضمن میں اختلاف ثمن میں ہو باہم قسم اٹھانے کے واجب ہونے کا اعتبار نہیں۔ کیونکہ اس میں اختلاف مشک میں اختلاف کے ضمن میں بطور مقتضا کے واقع ہوا ہے''۔

27776۔(قولہ: نَحْوُ أَجَلٍ) یہاں ''البحر'' میں عجیب مسئلہ ذکر کیا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

اختلاف کی صورت میں قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا

27777۔(قولہ: نَحْوُ أَجَلٍ وَشَرْطٍ) کیونکہ یہ دونوں شرط کے عارضہ کے ساتھ ثابت ہوتے ہیں اور قول عوارض کے منکر کا معتبر ہوتا ہے۔ یہاں علما نے اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے کہ قول اس کا معتبر ہوگا جو خیار کا منکر ہوتا ہے جس طرح تیرے علم میں ہے۔ خیار شرط میں اس میں انہوں نے دو قول ذکر کیے ہیں جن دونوں اقوال کو ہم نے اس کے باب میں بیان کر دیا ہے۔ مذہب وہی ہے جس کا ہم نے یہاں ذکر کیا ہے۔ ''بحر''۔

اجل میں اختلاف کو مطلق ذکر کیا ہے۔ پس یہ اس کی اصل اور اس کی قدر میں اختلاف کو شامل ہوگا۔ پس قول اس کا معتبر ہوگا جو زیادتی کا انکار کرے گا۔ اگر وہ بیع سلم میں اجل میں اختلاف کریں تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ وہ دونوں قسم اٹھائیں گے جس طرح ہم نے اس کے باب میں بیان کیا ہے۔ اجل کے گزر جانے میں اختلاف اس سے خارج ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس میں قول مشتری کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ یہ اس کا حق ہے اور اپنا حق وصول کرنے کا منکر ہے۔ ''النہایہ'' میں یہ اسی طرح ہے، ''بحر''۔

اجل میں جو اختلاف ہے اس کی استثنا کی جاتی ہے۔ اگر وہ بیع سلم میں اجل میں اختلاف کریں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ

رَهْنٍ أَوْ خِيَارٍ أَوْ ضَمَانٍ (وَقَبْضِ بَعْضِ ثَمَنٍ وَالْقَوْلُ لِلْمُنْكِرِ) بِيَمِينِهِ وَقَالَ زُفَرُ وَالشَّافِعِيُّ يَتَحَالَفَانِ (وَلَا) تَحَالُفَ إِذَا اخْتَلَفَا (بَعْدَ هَلَاكِ الْمَبِيعِ)

دین، خیار، ضمان اور بعض ثمن کے قبضہ میں اختلاف واقع ہو جائے اور قول قسم کے ساتھ منکر کا معتبر ہوگا۔ امام ''زفر'' اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وہ دونوں قسم اٹھائیں گے۔ مبیع کے ہلاک ہونے کے بعد،

دونوں میں سے ایک اس کا دعویٰ کرے اور دوسرا اس کی نفی کرے۔ کیونکہ اس میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قول اس کا معتبر ہوتا ہے جو اس کا مدعی ہوتا ہے۔ کیونکہ بیع سلم میں اجل شرط ہے اور اس میں اجل کا ترک کرنا عقد کو فاسد کر دیتا ہے اور اس پر دونوں کا اقدام صحت پر دلالت کرتا ہے۔ جس عقد میں ہم بات کر رہے ہیں اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کا اجل میں فساد وصحت کا کوئی تعلق نہیں۔ پس قول اس کا معتبر ہوگا جو اجل کی نفی کرتا ہے۔

27778۔ (قولہ: وَشَرْطِ رَهْنٍ) یعنی مشتری کی جانب سے ثمن کے بدلے میں رہن کی شرط لگائی گئی ہو۔ ''ط''۔

27779۔ (قولہ: أَوْ ضَمَانٍ) یعنی کفیل کی شرط لگائی گئی ہو۔

27780۔ (قولہ: وَقَبْضِ بَعْضِ ثَمَنٍ) یعنی بعض ثمن پر قبضہ، بعض سے کمی یا سب سے بری کرنے کا معاملہ ہو یہ قید لگانا اتفاقی ہے۔ کیونکہ تمام میں قبضہ کرنے کے بارے میں اختلاف ہو تو اس کا حکم اسی طرح ہے۔ وہ بائع کے قول کو قبول کرنا ہے۔ اس کا ذکر اس لیے نہیں کیا کیونکہ باقی ماندہ دعاوی کے قائم مقام ہوتے ہوئے اس سے فراغت ہو چکی ہے۔ ''النہایہ'' میں اسی طرح ہے۔

27781۔ (قولہ: بِيَمِينِهِ) کیونکہ یہ معقود علیہ اور معقود بہ کے غیر میں اختلاف ہے۔ پس یہ ثمن میں کمی کرنے اور اس سے بری کرنے میں اختلاف کے مشابہ ہے۔ یہ حکم اس لیے ہے کیونکہ اس کے معدوم ہونے سے اس میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا جس پر عقد کا دارومدار ہے۔ ثمن کے وصف اور اس کی جنس میں اختلاف کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ باہم قسم کے جاری ہونے میں قدر میں اختلاف کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ یہ نفس ثمن کی طرف راجع ہوتا ہے۔ کیونکہ ثمن دین ہے اور اس کی پہچان وصف سے ہوتی ہے۔ اجل کا معاملہ اس طرح نہیں۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ثمن اجل کے گزر جانے کے بعد موجود رہتی ہے۔

27782۔ (قولہ: إِذَا اخْتَلَفَا) یعنی وہ ثمن کی مقدار میں اختلاف کریں، ''معراج''۔ اس کی مثل ''المجمع'' کے متن میں ہے۔

27783۔ (قولہ: بَعْدَ هَلَاكِ الْمَبِيعِ) اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا ہے کہ یہ اختلاف اجل کے بارے میں ہے۔ اور اس کے مابعد جو کلام ہے اس میں کوئی فرق نہیں کہ اختلاف ہلاکت کے بعد ہو یا اس سے پہلے ہو۔

27784۔ (قولہ: الْمَبِيعَ) یعنی مشتری کے پاس ہلاک ہو جائے۔ کیونکہ قبضہ سے پہلے ہلاک ہونے کی صورت میں عقد فسخ ہو جائے گا۔ ''معراج''۔

أَوْ خُرُوجِهِ عَنْ مِلْكِهِ أَوْ تَعَيُّبِهِ بِمَا لَا يُرَدُّ بِهِ (وَحُلِّفَ الْمُشْتَرِي) إِلَّا إِذَا اسْتَهْلَكَهُ فِي يَدِ الْبَائِعِ غَيْرُ الْمُشْتَرِي وَقَالَ مُحَمَّدٌ وَالشَّافِعِيُّ يَتَحَالَفَانِ وَيُفْسَخُ عَلَى قِيمَةِ الْهَالِكِ وَهٰذَا لَوْ الثَّمَنُ دَيْنًا، فَلَوْ مُقَايَضَةً تَحَالَفَا إِجْمَاعًا لِأَنَّ الْمَبِيعَ كُلٌّ مِنْهُمَا وَيَرُدُّ مِثْلَ الْهَالِكِ أَوْ قِيمَتَهُ، كَمَا لَوْ اخْتَلَفَا

مبیع کے اس کی ملک سے نکل جانے کے بعد یا ایسے عیب کے واقع ہونے کے بعد جس کی موجودگی کی صورت اسے واپس نہیں کیا کوئی باہمی قسم نہیں ہوگی۔ مشتری سے قسم لی جائے گی مگر جب مشتری کے علاوہ کوئی اور بائع کے ہاتھ میں اسے ہلاک کر دے۔ امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ اور امام "شافعی" رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: دونوں حلف اٹھائیں گے اور ہلاک ہونے والی چیز کی قیمت پر اسے فسخ کر دیا جائے گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب ثمن دین ہو۔ اگر سامان کے بدلے سامان کی صورت ہو تو بالاجماع دونوں قسم اٹھائیں گے۔ کیونکہ مبیع دونوں میں سے ایک ہے اور وہ ہلاک ہونے والی چیز کی مثل یا اس کی قیمت واپس کر دے گا جس طرح سامان

27785۔ (قولہ: أَوْ تَعَيُّبِهِ الخ) اس میں ہے: یہ ہلاک ہونے میں داخل ہے۔ کیونکہ یہ تعیب ہلاک ہونے میں سے ہے، تامل۔ پھر ان کی عبارت اس طرح ہے: یا وہ ایسی حالت پر ہو جائے کہ وہ عیب کی وجہ سے اس کے لوٹانے پر قادر نہ ہو۔ "الکفایہ" میں کہا: اس کی صورت یہ ہے کہ وہ زیادتی کا اضافہ کرے خواہ وہ زیادتی متصل ہو یا منفصل ہو۔ یعنی ایسی زیادتی جو ذات کی وجہ سے ہو جیسے موٹا ہونا، بچہ، مہر، "غرر الافکار" میں کہا: اگر وہ ذات سے پیدا نہ ہو، خواہ وہ بھاؤ کے اعتبار سے ہو یا کسی اور حوالے سے ہو قبضہ سے پہلے ہو یا اس کے بعد ہو، تو وہ بالاتفاق دونوں قسم اٹھائیں گے اور کمائی بالاتفاق مشتری کے لیے ہوگی۔ پھر شارح نے "الدرر" کی پیروی کی ہے۔ اور یہ امر مخفف نہیں کہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ اولیٰ ہے۔ کیونکہ آپ جان چکے ہیں کہ یہ عیب وغیرہ کو جامع ہے، تامل"۔

27786۔ (قولہ: غَيْرُ الْمُشْتَرِي) کیونکہ وہ دونوں قسم اٹھائیں گے کیونکہ قیمت عین کے قائم مقام ہوتی ہے جس طرح "البحر" میں ہے۔ "س"۔

27787۔ (قولہ: عَلَى قِيمَةِ الْهَالِكِ) اگر وہ ہلاک ہونے والی چیز ذوات القیم میں سے ہو اور اگر مثلی ہے تو ہلاک ہونے والی چیز کی مثل پر عقد کو فسخ کر دیا جائے گا "خیر الدین"۔ "س"۔

27788۔ (قولہ: تَحَالَفَا إِجْمَاعًا) اگر وہ اختلاف کریں کہ بدل دین ہے یا عین ہے۔ اگر مشتری دعویٰ کرے کہ وہ عین تھا تو دونوں ائمہ کے نزدیک وہ قسم اٹھائیں گے۔ اگر بائع دعویٰ کرے کہ وہ عین تھا اور مشتری دعویٰ کرے کہ وہ دین تھا تو دونوں قسم نہیں اٹھائیں گے اور قول مشتری کا معتبر ہوگا۔ "کفایہ"۔

27789۔ (قولہ: لِأَنَّ الْمَبِيعَ كُلٌّ مِنْهُمَا) یعنی پس معقود علیہ (جس پر عقد کیا گیا) کے باقی ہونے کی وجہ سے قائم ہے پس وہ اس کو لوٹا دے گا، "بحر"۔ یعنی جو قائم ہے اسے لوٹا دے گا۔

27790۔ (قولہ: كَمَا لَوْ اخْتَلَفَا) اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ جنس ثمن میں اختلاف اس کی مقدار میں اختلاف کی

فِي جِنْسِ الثَّمَنِ بَعْدَ هَلَاكِ السِّلْعَةِ بِأَنْ قَالَ أَحَدُهُمَا دَرَاهِمُ وَالْآخَرُ دَنَانِيرُ تَحَالَفَا وَلَزِمَ الْمُشْتَرِيَ رَدُّ الْقِيمَةِ سِرَاجٌ (وَلَا) تَحَالُفَ (بَعْدَ هَلَاكِ بَعْضِهِ) أَوْ خُرُوجِهِ عَنْ مِلْكِهِ كَعَبْدَيْنِ مَاتَ أَحَدُهُمَا عِنْدَ الْمُشْتَرِي بَعْدَ قَبْضِهِمَا ثُمَّ اخْتَلَفَا فِي قَدْرِ الثَّمَنِ لَمْ يَتَحَالَفَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى (إِلَّا أَنْ يَرْضَى الْبَائِعُ بِتَرْكِ حِصَّةِ الْهَالِكِ) أَصْلًا

کے ہلاک ہونے کے بعد ثمن کی جنس میں دونوں اختلاف کریں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک کہے: دراہم اور دوسرا کہے دنانیر تو دونوں قسم اٹھائیں گے اور مشتری پر قیمت کا لوٹانا لازم ہوگا۔ ''سراج''۔ بعض مبیع کے ہلاک ہونے یا مشتری کی ملک سے نکل جانے کے بعد باہم قسم نہیں جیسے دو غلام ہوں ان میں سے ایک مشتری کے پاس مرجائے جب کہ اس نے دونوں پر قبضہ کرلیا تھا پھر دونوں میں ثمن کی مقدار میں اختلاف ہوا تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں قسم نہیں اٹھائیں گے مگر اس صورت میں کہ بائع ہلاک والے کے حصہ کو ترک کرنے پر اصلاً راضی ہو جائے

طرح ہے مگر ایک مسئلہ میں۔ وہ مسئلہ یہ ہے: جب مبیع ہلاک ہو چکا ہو۔

27791۔ (قولہ: تَحَالَفَا) کیونکہ وہ دونوں ثمن پر متفق نہیں ہوتے اور فسخ عقد کے لیے جانبین سے قسم اٹھانا ضروری ہے۔

27792۔ (قولہ: بَعْدَ هَلَاكِ بَعْضِهِ) یعنی مبیع پر قبضہ کرنے کے بعد بعض ہلاک ہو گیا جس طرح عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔

27793۔ (قولہ: عِنْدَ الْمُشْتَرِي) یعنی ثمن کی ادائیگی سے پہلے۔

27794۔ (قولہ: بَعْدَ قَبْضِهِمَا) اگر قبضہ سے پہلے ایسا ہو تو دونوں کی موت کی صورت میں اور ان میں سے ایک کی موت کی صورت میں وہ باہم قسم اٹھائیں گے اور زیادتی کی صورت میں وہ دونوں قسم اٹھائیں گے۔ کیونکہ جانبین سے انکار پایا جا رہا ہے۔ ''کفایہ''۔

27795۔ (قولہ: عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) کیونکہ دونوں کی باہم قسم قبضہ کے بعد سامان کے موجود ہونے کے ساتھ مشروط ہے۔ یہ پورے مبیع کا نام ہے جب اس کا بعض ہلاک ہو گیا تو شرط معدوم ہو گئی اور امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قسم کے ساتھ قول مشتری کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ زائد انکار کرتا ہے۔ ''غرر الافکار''۔

27796۔ (قولہ: أَصْلًا) یعنی وہ ہلاک ہونے مبیع کی قیمت کی ثمن میں سے کوئی شے اصلاً وصول نہیں کرے گا۔ وہ ہلاک ہونے والی شے کو یوں بنادے گا گو یا وہ چیز تھی ہی نہیں اور گو یا عقد موجود چیز پر ہی ہوا تھا اس وقت وہ اس کی ثمن پر باہم قسم اٹھائیں گے اور ان دونوں میں سے کسی ایک کے قسم سے انکار کی صورت میں دوسرے کا دعویٰ لازم آجائے گا۔ ''غرر الافکار''۔

اس کے جامع فقیر ''محمد'' بیطار نے کہا: ان کا قول من ثمن قيمة الهالك کے بارے میں مجھے لفظ قيمة میں شک ہوا ہے

فَحِينَئِذٍ يَتَحَالَفَانِ، هٰذَا عَلَى تَخْرِيجِ الْجُمْهُورِ، وَصَرَفَ مَشَايِخُ بَلْخٍ الِاسْتِثْنَاءَ إِلَى يَمِينِ الْمُشْتَرِي (وَلَا فِي) قَدْرِ (بَدَلِ كِتَابَةٍ) لِعَدَمِ لُزُومِهَا (وَ) قَدْرِ (رَأْسِ مَالٍ بَعْدَ إِقَالَةِ) عَقْدِ (السَّلَمِ)

اس وقت وہ دونوں قسم اٹھائیں گے۔ یہ جمہور کی تخریج کے مطابق ہے۔ بلخ کے مشائخ نے استثنا کو مشتری کی طرف پھیر دیا ہے۔ اور نہ ہی وہ بدل کتابت کی مقدار میں وہ باہم قسم اٹھائیں گے۔ کیونکہ بدل کتابت لازم نہیں ہوتا اور عقد سلم کے اقالہ کے بعد راس المال کی مقدار میں اختلاف کی صورت میں وہ باہم قسم نہیں اٹھائیں گے

کیا اسے مٹادیا گیا ہے یا نہیں؟ پس اس کے اصل کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

27797۔(قولہ: يَتَحَالَفَانِ) یعنی زندہ غلام کی ثمن پر وہ باہم قسم اٹھائیں گے۔

27798۔(قولہ: تَخْرِيجِ الْجُمْهُورِ) یہ اس صورت میں ہوگا جب استثنا کو تحالف کی طرف پھیرا جائے۔

27799۔(قولہ: وَصَرَفَ مَشَايِخُ بَلْخٍ الِاسْتِثْنَاءَ الخ) بلخی مشائخ نے کلام میں مقدر استثنا کو مشتری کی یمین کی طرف پھیرا ہے۔ کیونکہ معنی یہ ہے: بعض مبیع کے ہلاک ہونے کے بعد کوئی باہمی قسم نہیں بلکہ یمین مشتری پر لازم ہوگی مگر بائع راضی ہو جائے الخ۔ ''ح''۔

جو کچھ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اس کے بعد ''غرر الافکار'' میں کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: استثنا کو مشتری کی قسم کی طرف پھیر دیا جائے گا جو قسم سیاق سے مفہوم ہے یعنی ہلاک ہونے والے کی ثمن سے اس قدر لے گا جس قدر مشتری نے اقرار کیا ہے اور اس سے قسم لی جائے گی نہ کہ زائد لے گا مگر بائع راضی ہو جائے کہ وہ موجود لے لے اور ہلاک ہونے والے چیز میں مخاصمت نہ کرے اس وقت مشتری سے قسم نہیں لی جائے گی۔ کیونکہ بائع نے موجود کو بطور صلح کے لیا ہے اس تمام کے مقابلہ میں جس کا اس نے مشتری پر دعویٰ کیا تھا۔ پس مشتری سے قسم لینے کی کوئی حاجت نہیں۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ ہلاک ہونے والے مبیع کی ثمن لے گا جس کا مشتری نے اقرار کیا ہے زیادہ نہیں لے گا پس وہ دونوں باہم قسم اٹھائیں گے اور جو چیز موجود ہے اسے واپس لوٹا دیں گے۔

27800۔(قولہ: إِلَى يَمِينِ الْمُشْتَرِي) اس وقت بائع زندہ غلام کو لے لے گا اس سے صلح کے طور پر جس کا اس نے مشتری کی جانب زیادتی کا دعویٰ کیا تھا۔ ''زیلعی''۔

27801۔(قولہ: بَعْدَ إِقَالَةِ) اقالہ کے بعد اختلاف کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر اقالہ سے پہلے اس کی مقدار میں اختلاف کریں تو وہ دونوں قسم اٹھائیں گے جس طرح اس کی جنس اس کی اور اس کی صفت میں اختلاف ہو جس طرح مسلم فیہ میں چاروں وجوہ میں اختلاف ہو جیسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ''بحر''۔

27802۔(قولہ: عَقْدِ السَّلَمِ) باہم دونوں کا قسم اٹھانا جائز نہیں۔ کیونکہ اس کا موجب اقالہ کا اٹھا دینا اور بیع سلم کا لوٹ آنا ہے جب کہ یہ دین ہے اور ساقط ہو جانے والی چیز نہیں لوٹتی۔ ''سائحانی''۔

بَلْ الْقَوْلُ لِلْعَبْدِ وَالْمُسْلَمِ إِلَيْهِ وَلَا يَعُودُ السَّلَمُ (وَإِنْ اخْتَلَفَا) أَيْ الْمُتَعَاقِدَانِ (فِي مِقْدَارِ الثَّمَنِ بَعْدَ الْإِقَالَةِ) وَلَا بَيِّنَةَ (تَحَالَفَا) وَعَادَ الْبَيْعُ (لَوْ كَانَ كُلٌّ مِنَ الْمَبِيعِ وَالثَّمَنِ مَقْبُوضًا وَلَمْ يَرُدَّهُ الْمُشْتَرِي إِلَى بَائِعِهِ) بِحُكْمِ الْإِقَالَةِ (فَإِنْ رَدَّهُ إِلَيْهِ بِحُكْمِ الْإِقَالَةِ) لَا تَحَالُفَ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ (وَإِنْ اخْتَلَفَا) أَيْ الزَّوْجَانِ (فِي قَدْرِ (الْمَهْرِ) أَوْ جِنْسِهِ (قُضِيَ لِمَنْ أَقَامَ الْبُرْهَانَ، وَإِنْ بَرْهَنَا فَلِلْمَرْأَةِ

بلکہ قول غلام اور مسلم الیہ کا ہوگا۔ اور بیع سلم واپس نہیں لوٹے گی۔ اگر دونوں عقد کرنے والے اقالہ کے بعد ثمن کی مقدار میں اختلاف کریں اور گواہیاں نہ ہوں تو دونوں قسم اٹھائیں گے اور بیع لوٹ آئے گی اگر مبیع اور ثمن میں سے ہر ایک قبضہ میں لی گئی ہو اور مشتری نے اسے اقالہ کے حکم سے بائع کی طرف نہ لوٹایا ہو۔ اگر اقالہ کے حکم سے اسے لوٹائے تو باہم قسم نہیں ہوگی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ اگر میاں بیوی مہر کی مقدار میں اختلاف کریں یا اس کی جنس میں اختلاف کریں تو جو گواہیاں قائم کرے گا اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر دونوں گواہیاں قائم کردیں تو گواہیاں عورت کی معتبر ہوں گی

27803_(قولہ: لِلْعَبْدِ وَالْمُسْلَمِ إِلَيْهِ) یعنی قسم کے ساتھ ان دونوں کا قول معتبر ہوگا۔ ''بحر''۔

27804_(قولہ: وَلَا يَعُودُ السَّلَمُ) کیونکہ باب السلم میں اقالہ نقض کا احتمال نہیں رکھتا۔ کیونکہ یہ تو اسقاط ہے پس سلم نہیں لوٹے گا۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے جس طرح عنقریب آئے گا۔ ان کی تعلیل سے اخذ کرتے ہوئے یہ چاہیے اگر دونوں اس کی جنس، اس کی نوع یا صفت میں اقالہ کے بعد اختلاف کریں تو حکم اسی طرح ہوگا۔ میں نے اسے صریح نہیں دیکھا، ''بحر''۔ اس میں ہے: یہاں ان کی وضاحت سے معلوم ہو چکا ہے اقالہ، اقالہ کو قبول کرتا ہے مگر سلم کے اقالہ میں اقالہ کو قبول نہیں کرتا اور بری کرنا اقالہ کو قبول نہیں کرتا۔ ہم نے اسے ''الفوائد'' میں لکھ دیا ہے۔

اگر زوجین مہر کی مقدار یا اس کی جنس میں اختلاف کریں تو اس کا شرعی حکم

27805_(قولہ: لَا تَحَالُفَ) یعنی باہم قسم نہیں ہوگی اور قول منکر کا معتبر ہوگا۔ '' س''۔

27806_(قولہ: أَوْ جِنْسِهِ) جس طرح اس کا قول ہے: وہ یہ غلام ہے اور عورت کا قول ہے وہ یہ لونڈی ہے، ''س''۔ قدر اور جنس کا حکم برابر ہوتا ہے مگر ایک فعل میں برابر نہیں۔ وہ ایک فعل یہ ہے جب مہر مثل لونڈی کی قیمت کی مثل ہو یا اس سے زیادہ ہو تو اس کے لیے لونڈی کی قیمت ہوگی اس لونڈی کا عین نہیں ہوگا جس طرح ''الظہیریہ'' اور ''الہدایہ'' میں ہے۔ ''بحر''۔

اس میں ہے: حقوق زوجیت سے پہلے طلاق کے بعد اس کا حکم ذکر نہیں کیا گیا جس طرح ''ظہیریہ'' میں ہے۔ اس کا حکم یہ ہے: خاوند نے جس کا دعویٰ کیا ہے عورت کے لیے اس کا نصف ہوگا غلام اور لونڈی کے مسئلہ میں اس کے لیے متعہ ہوگا۔ مگر جب دونوں اس پر راضی ہو جائیں کہ عورت لونڈی کا نصف لے گی۔

27807_(قولہ: الْبُرْهَانَ) جہاں تک عورت کے بینہ قبول کرنے کا تعلق ہے تو وہ ظاہر ہے۔ کیونکہ وہ عورت دو ہزار کا دعویٰ کرتی ہے اور اس کے لیے کوئی اشکال نہیں۔ خاوند کی گواہیاں قبول کرنے میں اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ خاوند

إذا كَانَ مَهْرُ الْمِثْلِ شَاهِدًا لِلزَّوْجِ) بِأَنْ كَانَ كَمَقَالَتِهِ أَوْ أَقَلَّ (وَإِنْ كَانَ شَاهِدًا لَهَا) بِأَنْ كَانَ كَمَقَالَتِهَا أَوْ أَكْثَرَ (فَبَيِّنَتُهُ أَوْلَى) لِإِثْبَاتِهَا خِلَافَ الظَّاهِرِ (وَإِنْ كَانَ غَيْرَ شَاهِدٍ لِكُلٍّ مِنْهُمَا) بِأَنْ كَانَ بَيْنَهُمَا (فَالتَّهَاتُرُ) لِلِاسْتِوَاءِ (وَيَجِبُ مَهْرُ الْمِثْلِ) عَلَى الصَّحِيحِ (وَإِنْ عَجَزَا) عَنِ الْبُرْهَانِ (تَحَالَفَا وَلَمْ يُفْسَخِ النِّكَاحُ) لِتَبَعِيَّةِ الْمَهْرِ بِخِلَافِ الْبَيْعِ (وَيُبْدَأُ بِيَمِينِهِ)

جب مہر مثل خاوند کی تائید کرتا ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مہر مثل خاوند کے قول کی طرح ہو یا اس سے کم ہوا گر مہر مثل عورت کی تائید کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مہر مثل اس کے قول کی طرح ہو یا اس سے زیادہ ہو تو اس کی گواہیاں اولیٰ ہوں گی۔ کیونکہ گواہیوں نے ظاہر کے برعکس کو ثابت کیا ہے۔ اگر وہ ان دونوں میں سے کسی کی تائید نہ کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مہر مثل ان دونوں کے درمیان ہے تو دونوں کے گواہ ساقط الاعتبار ہو جائیں گے تاکہ دونوں میں برابری کی جائے اور صحیح قول کے مطابق مہر مثل واجب ہوگا۔ اگر دونوں گواہیاں پیش کرنے سے عاجز آ جائیں تو دونوں قسم اٹھائیں گے اور نکاح فسخ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ مہر نکاح میں تابع ہوتا ہے بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ مرد کی قسم سے آغاز کیا جائے گا۔

زیادتی کا انکار کرتا ہے۔ پس اس پر یمین ہوگی اس پر گواہیاں لازم نہ ہوں گی پس اس کی گواہیاں کیسے قبول ہوں گی؟

ہم کہتے ہیں: وہ صورت کے اعتبار سے مدعی ہے۔ کیونکہ وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ خاوند نے جس مہر کا اقرار کیا ہے اس کی ادائیگی کی صورت میں عورت اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دے جب کہ عورت اس کا انکار کرتی ہے اور دعویٰ بینہ کے قبول کرنے کے لیے کافی ہے جس طرح مودع جب ودیعت کے رد کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ''معراج''۔

27808۔(قولہ: لِإِثْبَاتِهَا) یہ دونوں مسئلوں کی علت ہے۔

حاشیہ میں کہا: بیوی نے ورثاء سے خاوند کے ذمہ موخر مہر پر جھگڑا کیا جب کہ اس کے پاس گواہ نہیں تو مہر مثل کی مقدار تک قول اس عورت کا معتبر ہوگا۔ ''حامدیہ'' میں ''البحر'' سے مروی ہے۔

27809۔(قولہ: عَلَى الصَّحِيحِ) یہ تہاتر کی قید ہے۔ ''البحر'' میں کہا: صحیح یہ ہے کہ گواہیاں ساقط الاعتبار ہو جائیں اور مہر مثل واجب ہو جائے۔

27810۔(قولہ: وَلَمْ يُفْسَخِ النِّكَاحُ) کیونکہ قسم اٹھانے کا اثر مہر کی تعیین نہ ہونے میں ہے۔ اور مہر کی تعیین نہ ہونا نکاح کے صحیح ہونے میں مخل نہیں۔ کیونکہ وہ اس میں تابع ہے۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ تسمیہ کا نہ ہونا اس بیع کو فاسد کر دیتا ہے جس طرح گزر چکا ہے پس بیع کو فسخ کر دیا جائے گا، ''منح''۔ ''بحر''۔

27811۔(قولہ: وَيُبْدَأُ بِيَمِينِهِ) ''رملی'' نے ''البحر'' باب المہر سے وہ ''غایۃ البیان'' سے نقل کرتے ہیں کہ دونوں میں بطور استحباب قرعہ اندازی کی جائے گی۔ اور ''الظہیریہ'' میں اسے اختیار کیا ہے۔ کثیر علماء کی رائے ہے کہ اس کی قسم سے آغاز کیا جائے گا اور اختلاف اولیٰ ہونے میں ہے۔

لِأَنَّ أَوَّلَ التَّسْلِيمَيْنِ عَلَيْهِ فَيَكُونُ أَوَّلُ الْيَمِينَيْنِ عَلَيْهِ ظَهِيرِيَّةٌ (وَيُحَكِّمُ) بِالتَّشْدِيدِ أَيْ يُجْعَلُ (مَهْرُ مِثْلِهَا) حُكْمًا لِسُقُوطِ اعْتِبَارِ التَّسْمِيَةِ بِالتَّحَالُفِ (فَيُقْضَى بِقَوْلِهِ لَوْ كَانَ كَمَقَالَتِهِ أَوْ أَقَلَّ، وَبِقَوْلِهَا لَوْ كَمَقَالَتِهَا أَوْ أَكْثَرَ، وَبِهِ لَوْ بَيْنَهُمَا) أَيْ بَيْنَ مَا تَدَّعِيهِ وَيَدَّعِيهِ (وَلَوْ اخْتَلَفَا) أَيْ الْمُؤَجِّرُ وَالْمُسْتَأْجِرُ (فِي بَدَلِ (الْإِجَارَةِ) أَوْ فِي قَدْرِ الْمُدَّةِ (قَبْلَ الِاسْتِيفَاءِ) لِلْمَنْفَعَةِ (تَحَالَفَا) وَتَرَادَّا وَبُدِئَ بِيَمِينِ الْمُسْتَأْجِرِ

کیونکہ دونوں سپردگیوں میں سے پہلی اس کے ذمہ ہے۔ پس دونوں قسموں میں سے پہلی قسم اس کے ذمہ ہوگی۔ اور یحکم یہ لفظ تشدید کے ساتھ ہے یعنی اس عورت کے مہر مثل کو حکم بنایا جائے گا۔ کیونکہ باہم قسم اٹھانے سے تسمیہ کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے پس مرد کے قول کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر وہ مہر مثل مرد کے قول کے مطابق ہو یا اس سے کم ہو اور عورت کے قول کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا اگر عورت کے قول کے موافق ہو یا اس سے زائد ہو اور مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا اگر وہ دونوں کے درمیان ہو یعنی جس کا عورت دعویٰ کرے اور جس کا مرد دعویٰ کرے۔ اگر موجر اور مستاجر بدل اجارہ میں یا مدت کی مقدار میں اختلاف کریں یہ منفعت حاصل کرنے سے پہلے ہو تو دونوں قسم اٹھائیں گے اور عقد اجارہ کو ختم کر دیں گے۔ اور مستاجر کی قسم سے آغاز کیا جائے گا

27812۔ (قولہ: لِأَنَّ أَوَّلَ التَّسْلِيمَيْنِ) اس سے مراد مہر کا سپرد کرنا اور بیوی کا اپنے آپ کو حوالے کرنا ہے۔

27813۔ (قولہ: وَيُحَكِّمُ) یہ ''کرخی'' کا قول ہے۔ میری مراد ہے: یعنی پہلے قسم اٹھانا اور پھر ثالث قرار دینا۔ کیونکہ مہر مسمی کے ہوتے ہوئے مہر مثل کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور قسم اٹھانے کے بعد مہر مسمی کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے تمام صورتوں میں اسے مقدم کیا جاتا ہے۔ جہاں تک رازی کی تخریج کا تعلق ہے تو تحکیم، تحالف سے پہلے ہوتی ہے۔ ہم اسے باب المہر میں تصحیح کے اختلاف اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے اختلاف کو بیان کر چکے ہیں۔ ''بحر''۔

اگر موجر اور مستاجر بدل اجارہ میں یا مدت کی مقدار میں اختلاف کریں تو اس کا حکم

27814۔ (قولہ: قَبْلَ الِاسْتِيفَاءِ) کیونکہ بیع میں قبضہ سے پہلے باہم قسم اٹھانا قیاس کے مطابق ہے۔ اور منافع حاصل کرنے سے پہلے اجارہ اس بیع کی مثل ہے۔ ''بحر''۔ استیفاء سے مراد مدت میں ان پر قادر ہونا ہے اور قدرت نہ ہونے کی صورت میں ان کا معدوم ہونا ہے۔ کیونکہ یہ معروف ہے کہ اجر کے واجب ہونے میں قدرت، استیفاء کے قائم مقام ہے۔ ''بحر''۔

27815۔ (قولہ: تَحَالَفَا) دونوں میں سے جو بھی قسم سے انکار کر دے تو اس پر اس کے ساتھی کا دعویٰ لازم آ جائے گا اور دونوں میں سے جو بھی گواہیاں قائم کر دے اسے قبول کر لیا جائے گا۔

27816۔ (قولہ: وَبُدِئَ بِيَمِينِ الْمُسْتَأْجِرِ الخ) اگر یہ اعتراض کیا جائے: واجب یہ تھا کہ آجر کی قسم سے آغاز کیا جاتا تاکہ قسم سے انکار کا فائدہ جلدی حاصل ہو جاتا۔ کیونکہ معقود علیہ کو سپرد کرنا واجب ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا: اگر اجرت ایسی تھی جس کو جلدی (پہلے) ادا کرنے کی شرط لگائی گئی تھی۔ پس وہ انکار میں سبقت

لَوْ اخْتَلَفَا فِي الْبَدَلِ وَالْمُؤجِرِ لَوْ فِي الْمُدَّةِ وَإِنْ بَرْهَنَا فَالْبَيِّنَةُ لِلْمُؤجِرِ فِي الْبَدَلِ وَلِلْمُسْتَأْجِرِ فِي الْمُدَّةِ (وَبَعْدَهُ لَا وَالْقَوْلُ لِلْمُسْتَأْجِرِ لِأَنَّهُ مُنْكِرٌ لِلزِّيَادَةِ (وَلَوْ اخْتَلَفَا (بَعْدَ التَّمَكُّنِ مِنْ اسْتِيفَاءِ الْبَعْضِ) مِنْ الْمَنْفَعَةِ (تَحَالَفَا وَفُسِخَ الْعَقْدُ فِي الْبَاقِي وَالْقَوْلُ فِي الْمَاضِي لِلْمُسْتَأْجِرِ لِانْعِقَادِهَا سَاعَةً فَسَاعَةً فَكُلُّ جُزْءٍ كَعَقْدٍ بِخِلَافِ الْبَيْعِ (وَإِنْ اخْتَلَفَ الزَّوْجَانِ) وَلَوْ مَمْلُوكَيْنِ أَوْ مُكَاتَبَيْنِ أَوْ صَغِيرَيْنِ وَالصَّغِيرُ يُجَامِعُ أَوْ ذِمِّيَّةً مَعَ مُسْلِمٍ

اگر وہ دونوں بدل میں اختلاف کریں۔ اور موجر سے قسم کا آغاز ہوگا اگر وہ مدت میں اختلاف کریں۔ اگر وہ دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو بدل میں گواہیاں موجر کی معتبر ہوں گی اور مدت میں مستاجر کی معتبر ہوں گے۔ اور حق پورا لینے کے بعد تحالف نہیں ہوگا اور قول مستاجر کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ زیادتی کا منکر ہے۔ اگر بعض منفعت حاصل کرنے کے بعد دونوں میں اختلاف ہو جائے تو دونوں قسم اٹھائیں گے اور باقی ماندہ میں عقد فسخ ہو جائے گا۔ اور جو عرصہ گزر چکا ہے اس میں قول مستاجر کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ عقد اجارہ ساعت بساعت منعقد ہوتا ہے پس ہر جز عقد کی طرح ہوگا۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر دونوں میاں بیوی میں، اگرچہ دونوں مملوک ہوں، دونوں مکاتب ہوں، دونوں بچے ہوں اور چھوٹا جماع کرتا ہو یا ذمی عورت کا مسلمان مرد کے ساتھ نکاح ہوا ہو

لے جانا والا ہے۔ پس اس سے قسم کا آغاز ہوگا اگر اس کی شرط نہ لگائی گئی ہو تو آجر عین مستاجرہ کو سپرد کرنے سے رکنے والا نہیں۔ کیونکہ اس کا سپرد کرنا اجرت کے وصول کرنے پر موقوف نہیں۔ ''ابوسعود'' نے ''العنایہ'' سے اسے نقل کیا ہے۔

27817۔ (قولہ: لَوْفِي الْمُدَّةِ) اگر اختلاف دونوں یعنی مدت اور بدل میں ہو تو ہر ایک کی گواہی اس میں قبول کی جائے گی جس میں وہ زیادتی کا دعویٰ کرتا ہے جیسے یہ ایک ماہ کا دس کے بدلے میں دعویٰ کرتا ہے اور مستاجر دو ماہ کا پانچ کے بدلے میں دعویٰ کرتا ہے پس دس کے بدلے میں دو ماہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ''بحر''۔

27818۔ (قولہ: وَبَعْدَهُ) یعنی پوری اجرت (حق) وصول کرنے کے بعد تحالف نہیں ہوگا۔

اگر زوجین میں ایسے گھر میں اختلاف ہو جائے جو دونوں کا یا ایک کا ہو تو اس کا حکم

27819۔ (قولہ: وَإِنْ اخْتَلَفَ الزَّوْجَانِ) یہ قید اس لیے لگائی ہے تاکہ مابعد مذکور اختلاف سے بچا جائے جیسے خاوند کی بیویاں خاوند کے علاوہ کسی اور سے اختلاف کریں، باپ اپنی بیٹی سے بیٹی کے جہیز کے سامان میں اختلاف کرے، باپ اپنے بیٹے کے ساتھ گھر کے سامان میں اختلاف کرے، اسکاف (موچی) اور عطار، اسا کفہ (جوتے درست کرنے کا پیشہ) اور عطاروں کے آلہ میں اختلاف کریں جب کہ وہ آلہ دونوں کے قبضہ میں ہو موجر اور مستاجر گھر کے سامان میں اختلاف کریں اور میاں بیوی گھر کے سامان کے علاوہ میں جو ان دونوں کے قبضہ میں ہے میں اختلاف کریں ان سب سے احتراز کرنا مقصود تھا۔ ان سب کی وضاحت ''البحر'' میں ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ اس کا کچھ حصہ بعد میں آئے گا۔

قَامَ النِّكَاحُ أَوْلَا فِي بَيْتٍ لَهُمَا أَوْ لِأَحَدِهِمَا خِزَانَةُ الْأَكْمَلِ لِأَنَّ الْعِبْرَةَ لِلْيَدِ لَا لِلْمِلْكِ (فِي مَتَاعٍ) هُوَ هُنَا مَا كَانَ فِي (الْبَيْتِ) وَلَوْ ذَهَبًا أَوْ فِضَّةً (فَالْقَوْلُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِيمَا صَلَحَ لَهُ مَعَ يَمِينِهِ)

نکاح قائم ہو یا نہ ہو اختلاف ایسے گھر میں ہو جو دونوں کا ہے یا ایک کا ہے، ''خزانۃ الاکمل''۔ کیونکہ اعتبار قبضہ کا ہوتا ہے ملکیت کا نہیں ہوتا۔ گھر کے اس سامان میں اختلاف ہو جائے جو اس گھر میں ہے اگرچہ وہ سونا ہو یا چاندی ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کا قول اس میں قسم کے ساتھ معتبر ہوگا جو اس کے مناسب ہے

27820۔ (قولہ: قَامَ النِّكَاحُ أَوْلَا) اس کی صورت یہ ہے کہ خاوند اس کو طلاق دے دے اور جب وہ خاوند اس عورت کی عدت کے بعد مر جائے اسے مستثنیٰ کیا جائے گا جس طرح عنقریب آئے گا۔ ''رملی'' نے حاشیۃ ''البحر'' میں کہا ہے: ''لسان الحاکم'' میں وہ ہے جو اس کے مخالف ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ لیکن جو یہاں ہے اس پر شارحین گامزن ہوئے ہیں۔

27821۔ (قولہ: صَلَحَ لَهُ) ضمیر کل کی طرف راجع ہے۔ ''القنیہ'' میں اس باب میں جو بیٹوں کے جہیز کے سامان کے متعلق ہے میں ہے: وہ دونوں آپس میں جدا ہو گئے جب کہ بیوی کے گھر میں ایک لونڈی ہے۔ وہ بیوی اسے اپنے ساتھ لے گئی اور ایک سال تک اس سے خدمت لی جب کہ خاوند اس کو جانتا تھا اور خاموش رہا پھر خاوند نے اس لونڈی کے بارے میں دعویٰ کر دیا تو قول مرد کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ اس کا قبضہ ثابت ہے اور زائل کرنے والی کوئی چیز نہیں پائی گئی۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو سامان دونوں کے مناسب ہو عورت کے منتقل کرتے وقت خاوند کا خاموش رہنا یہ اس کے دعویٰ کو باطل نہیں کرتا۔ ''البدائع'' میں ہے: یہ سب اس صورت میں ہے جب عورت اس امر کا اقرار نہ کرے کہ یہ سامان خاوند نے خریدا تھا اگر وہ عورت اس کا اقرار کرے تو عورت کا قول ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ عورت نے خاوند کی ملکیت کا اقرار کر لیا ہے پھر عورت کی جانب اس کے منتقل ہونے کا دعویٰ کیا ہے تو یہ انتقال بینہ کے ساتھ ہی ثابت ہوگا۔

اسی طرح جب عورت دعویٰ کرے کہ اس نے خاوند سے یہ چیز خریدی ہے جس طرح ''الخانیہ'' میں ہے۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ اگر وہ خاند اس کے خریدنے پر گواہی قائم کرے تو یہ عورت کے اس اقرار کی طرح ہوگا کہ مرد نے اسے خریدا۔ پس ضروری ہے کہ خاوند سے عورت کی طرف اس کے منتقل ہونے کی کوئی دلیل ہو وہ ہبہ کی صورت میں ہو یا اس کے علاوہ ہو۔ عورت کا مرد کی خریدی ہوئی چیز سے فائدہ اٹھانا اور مرد کا اس پر راضی ہونا یہ اس امر کی دلیل نہیں کہ مرد نے اسے اس چیز کا مالک بنا دیا تھا جس طرح عورتیں اور عوام سمجھتے ہیں۔ میں نے اس بارے میں کئی بار فتویٰ دیا ہے۔

''حاشیہ'' میں یہ ذکر کیا ہے: عورت جس چیز کی ملکیت کا دعویٰ کرتی ہے جب کہ وہ ان چیزوں میں سے ہے جو عورت کے مناسب ہیں اس میں عورت کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوتا ہے۔ اسی طرح جو چیزیں مردوں اور عورتوں کے مناسب ہوتی ہیں ان میں بھی عورت کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوتا ہے۔ اسی طرح قسم کے ساتھ عورت کا قول معتبر ہوگا ان چیزوں میں جن کے بارے

إِلَّا إِذَا كَانَ كُلٌّ مِنْهُمَا يَفْعَلُ أَوْ يَبِيعُ مَا يَصْلُحُ لِلْآخَرِ فَالْقَوْلُ لَهُ تَعَارُضُ الظَّاهِرَيْنِ دُرَرٌ وَغَيْرُهَا

مگر جب ان میں سے ہر ایک ایسا فعل کرتا ہے یا بیچتا ہے جو دوسرے کے مناسب ہے تو پھر قول خاوند کا معتبر ہو گا۔ کیونکہ دونوں ظاہر امتعارض ہیں، ''درر'' وغیرہما۔

میں وہ دعویٰ کرتی ہے کہ یہ اس کے قبضہ میں ودیعت ہیں جب کہ وہ ان چیزوں میں سے ہے جو عورتوں کے مناسب ہوتی ہیں اور ان چیزوں میں سے ہے جو عورتوں اور مردوں کے مناسب ہیں۔ واللہ اعلم۔ ''حامدیہ'' میں ''شلبی'' سے اسی طرح مروی ہے۔

27822۔ (قولہ: الظَّاهِرَيْنِ) یعنی ہم نے قبضہ کا اعتبار کرنے کی طرف رجوع کیا ہے ورنہ تعارض تساقط کا تقاضا کرتا ہے۔

اگر زوجین میں سے ہر ایک ایسی چیز بیچتا ہو جو دوسرے کے مناسب ہو تو اس کا حکم

27823۔ (قولہ: دُرَرٌ) ''الدرر'' کی عبارت ہے: مگر جب دونوں میں سے ہر ایک وہ عمل کرتا ہے یا ایسی چیز بیچتا ہے جو دوسرے کے مناسب ہوتی ہے یعنی مگر جب مرد سنار ہو اور اس کے کنگن اور انگوٹھیاں ہوں، زیورات ہوں اور پازیب ہوں وغیرہ پس یہ چیزیں عورت کی نہ ہوں گی۔ اسی طرح اگر عورت ایجنٹ ہو وہ مردوں کے کپڑے بیچتی ہو، تاجرہ ہو جو مردوں کے کپڑوں اور عورتوں کے کپڑوں میں تجارت کرتی ہو یا صرف مردوں کے کپڑوں میں تجارت کرتی ہو۔ ''الہدایہ'' کی شرح میں اسی طرح ہے۔

''شرنبلالیہ'' میں کہا ہے: ان کا قول: مگر جب دونوں میں سے ہر ایک ایسا کام کرتا ہو یا ایسی چیز بیچتا ہو جو دوسروں کے لیے مناسب و موزوں ہو ایک ایسے فعل یا بیع کے لیے مناسب ہو جو دوسرے کے ساتھ دونوں میں سے ایک کے قول کی نفی کے عموم میں اپنے ظاہر پر نہیں۔ کیونکہ عورت جب مردوں کے کپڑے بیچتی ہے یا ایسے کپڑے بیچتی ہے جو دونوں کے مناسب ہوتے ہیں جیسے برتن، سونا، چاندی، سامان اور جائیداد تو وہ مرد کے لیے ہوں گے۔ کیونکہ عورت اور جو اس کے قبضہ میں ہے وہ خاوند کا ہے۔ اور دعاوی میں قول قابض کا ہوتا ہے۔ جو چیزیں عورتوں کے ساتھ خاص ہوتی ہے ان کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ خاوند کے قبضہ کے معارض ہے جو اس سے زیادہ قوی ہے وہ استعمال میں اختصاص ہے جس طرح ''العنایہ'' میں ہے۔ مصنف جس کا عنقریب ذکر کریں گے اس سے یہ چیز معلوم ہو جائے گی۔

اس وقت ''الدرر'' کا قول ''اسی طرح جب عورت ایجنٹ ہو'' اس کا معنی ہے: اس میں قول خاوند کا بھی معتبر ہو گا مگر جب وہ عورتوں کے کپڑے بیچتی ہو تو وہ اس قول سے خارج ہو جائے گا۔ کیونکہ اس سے قبل ان کا قول ہے: فالقول لکل منهما فيما يصلح له اور شارح کی کلام کو اس معنی پر بھی محمول کرنا ممکن ہے کہ ان کے قول فالقول له میں ضمیر زوج کی طرف راجع ہو۔

پھر ان کا قول: لتعارض الظاهرين علت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا خواہ کلام کو اپنے ظاہر معنی پر محمول کیا جائے یا اس معنی پر محمول کیا جائے۔ جہاں تک پہلے قول کا تعلق ہے تو جب خاوند اسے بیچتا ہے تو دو ظاہر اس کی تائید کرتے ہیں: قبضہ اور بیع

(وَالْقَوْلُ لَهُ فِي الصَّالِحِ لَهُمَا) لِأَنَّهَا وَمَا فِي يَدِهَا فِي يَدِهِ وَالْقَوْلُ لِذِي الْيَدِ بِخِلَافِ مَا يَخْتَصُّ بِهَا لِأَنَّ ظَاهِرَهَا أَظْهَرُ مِنْ ظَاهِرِهِ وَهُوَ يَدُ الِاسْتِعْمَالِ (وَلَوْ أَقَامَا بَيِّنَةً يُقْضَى بِبَيِّنَتِهَا) لِأَنَّهَا خَارِجَةٌ خَانِيَةٌ وَالْبَيْتُ لِلزَّوْجِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ لَهَا بَيِّنَةٌ بَحْرٌ وَهَذَا لَوْ حَيَّيْنِ (وَإِنْ مَاتَ أَحَدُهُمَا وَاخْتَلَفَ وَارِثُهُ مَعَ الْحَيِّ فِي الْمُشْكِلِ) الصَّالِحُ لَهُمَا

جو چیز دونوں کے مناسب ہو اس میں قول خاوند کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ عورت خود اور اس کے قبضہ میں جو کچھ ہے وہ مرد کے قبضہ میں ہے۔ اور قول قابض کا معتبر ہوتا ہے۔ جو چیز عورت کے ساتھ خاص ہوتی ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ عورت کا ظاہر مرد کے ظاہر سے زیادہ ظاہر ہے یہ استعمال کا قبضہ ہے۔ اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو عورت کے بینہ کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ کیونکہ عورت غیر قابض ہے''خانیہ''۔ مکان خاوند کا ہوگا مگر جب عورت کی گواہیاں ہوں،''بحر'' یہ اس صورت میں ہے جب دونوں میاں بیوی زندہ ہوں۔ اگر دونوں میں ایک مر جائے اور اس کا وارث زندہ کے ساتھ مشکل، یعنی جو چیز دونوں کے مناسب ہو، میں اختلاف کرے

صرف۔ ایک ظاہر اس کی تائید نہیں کرتا، تو کوئی تعارض واقع نہیں ہوگا مگر جب عورت اسے بیچتی ہو۔ یہ امر اس کی ملکیت کو راجح نہیں کرتا۔ کیونکہ''شرنبلالی'' نے اس کا ذکر کیا ہے مگر جب وہ ایسی چیز ہو جو اس عورت کے مناسب ہے۔ کیونکہ تعارض ترجیح کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ تساقط کا تقاضا کرتا ہے۔ جہاں تک دوسرے کا تعلق ہے تو جب خاوند بیچتا ہے تو کوئی تعارض نہیں جس طرح قول گزر چکا ہے۔ مگر جب عورت بیچتی ہو تو حکم اسی طرح ہوگا۔ اس کی دلیل بھی وہی ہے جو گزر چکی ہے پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

میں کہتا ہوں:''شرنبلالیہ'' نے جو''العنایہ'' سے ذکر کیا ہے۔''النہایہ'' میں اس کی تصریح کی ہے لیکن''الکفایہ'' میں وہ ہے جو یہ تقاضا کرتا ہے کہ قول عورت کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے کہا: مگر جب عورت مردوں کے کپڑے اور جو عورتوں کے مناسب چیزیں ہوتی ہیں وہ بیچتی ہو جیسے اوڑھنی، قمیص، ملحفہ اور زیورات تو وہ ان میں قول عورت کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ ظاہر عورت کے حق میں شاہد ہے۔ اسی کی مثل''زیلعی'' میں ہے۔ کہا: اسی طرح عورت جب ایسی چیزیں بیچتی ہو جو مردوں کے مناسب ہوتو اس میں قول مرد کا معتبر نہیں ہوگا۔ ظاہر یہ ہے کہ مسئلہ میں دو قول ہیں۔ پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔

27824۔ (قولہ: وَالْبَيْتُ لِلزَّوْجِ) یعنی اگر میاں بیوی گھر میں اختلاف کریں تو وہ مرد کا ہوگا۔

27825۔ (قولہ: لَهَا بَيِّنَةٌ) یعنی گھر عورت کا ہوگا اگر ان کے پاس گواہیاں ہوں۔ اسی طرح ہر وہ چیز جو دونوں کے مناسب ہو تو عورت اس پر گواہیاں قائم کر دے تو وہ بھی عورت کے لیے ہوگی۔

27826۔ (قولہ: لَوْ حَيَّيْنِ) یہ تثنیہ کا صیغہ ہے۔

27827۔ (قولہ: فِي الْمُشْكِلِ) اس کے علاوہ کا جو حکم ہے اس میں غور و فکر کیجئے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کا حکم وہی ہے جو گزر چکا ہے۔ پھر میں نے اسے''طحطاوی'' میں''حموی'' سے دیکھا ہے۔

(فَالْقَوْلُ) فِيهِ (لِلْحَيِّ) وَلَوْ رَقِيقًا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَمَالِكٌ الْكُلُّ بَيْنَهُمَا وَقَالَ ابْنُ أَبِي لَيْلَى الْكُلُّ لَهُ وَقَالَ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ الْكُلُّ لَهَا وَهِيَ الْمُسَبَّعَةُ عَدَّ فِي الْخَانِيَّةِ تِسْعَةَ أَقْوَالٍ

تو اس میں قول زندہ کا معتبر ہوگا اگرچہ وہ غلام ہو۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''مالک'' نے فرمایا: وہ تمام چیزان دونوں میں تقسیم ہوگی۔ ''ابن ابی لیلیٰ'' نے کہا: سب مرد کا ہوگا۔ حضرت ''حسن بصری'' نے کہا: سب عورت کا ہوگا۔ یہ سات اقوال ہیں۔ ''الخانیہ'' میں انہیں نو اقوال شمار کیا ہے۔

''مشکل'' میں اختلاف کی صورت میں فقہا کے اقوال

27828۔ (قولہ: فَالْقَوْلُ فِيهِ لِلْحَيِّ) یعنی قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا، ''در منتقی''۔ کیونکہ میت کا کوئی قبضہ نہیں۔ ''البحر'' میں ''الخانیہ'' سے اس استثنا کا ذکر کیا ہے کہ جب عورت شب زفاف کو مرد کے کمرے میں مرجائے تو وہ چیز جو دونوں کے مناسب ہو اور جس قسم کا سامان عورت کو دیا جاتا ہے اسے خاوند کے لیے کردینا مستحسن نہیں مگر جب مرد اس کی جنس کی تجارت میں معروف ہو تو پھر وہ چیز اس کے لیے ہوگی۔ ''صاحب البحر'' نے اسی کے ساتھ اسے لاحق کیا ہے جب زندگی میں شب زفاف کو وہ دونوں اختلاف کریں کہا: چاہیے کہ فتویٰ کے لیے اس پر اعتماد کیا جائے مگر جب اس کے برعکس کوئی نص پائی جائے۔

27829۔ (قولہ: وَلَوْ رَقِيقًا) متن میں جو عنقریب آئے گا اس کے ساتھ اس سے استغنا حاصل ہوجاتی ہے۔ ''ح''۔

27830۔ (قولہ: تِسْعَةَ أَقْوَالٍ) پہلا وہ ہے جو ''الکتاب (الکنز)'' میں ہے۔ وہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ دوسرا امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: عورت کے لیے وہ اشیا ہوں گی جس کی مثل اسے جہیز کا سامان دیا جاتا ہے اور باقی ماندہ مرد کا ہوتا ہے یعنی حیات و موت کی صورت مشکل میں، یعنی جو چیزیں مرد و عورت کے مناسب ہوتی ہیں، میں یہ حکم ہوگا۔

تیسرا قول ابن ابی لیلیٰ کا ہے: تمام سامان مرد کا ہے اور عورت کا صرف وہی ہوگا جو عورت کے اوپر ہے۔

چوتھا قول ''ابن معن'' اور ''شریک'' کا ہے: سامان مرد و عورت میں تقسیم کیا جائے گا۔

پانچواں قول حضرت ''حسن بصری'' کا ہے: تمام سامان عورت کا ہوگا اور مرد کا صرف وہی ہوگا جو مرد کے جسم پر ہے۔

چھٹا قول یہ ''شریح'' کا ہے۔ گھر عورت کا ہوگا۔

ساتواں قول مشکل یعنی جو مرد اور عورت دونوں کے مناسب ہو اس میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: یعنی طلاق اور موت کی صورت میں سامان مرد کا ہوگا اور جو دونوں کے مناسب نہیں ہوتا اس میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت کی ہے۔

آٹھواں قول امام ''زفر'' کا ہے جو مشکل یعنی جو دونوں کے لیے مناسب ہو وہ دونوں میں تقسیم ہوگا۔

نواں قول یہ امام مالک کا ہے۔ سب دونوں میں مشترک ہوگا۔

''خزانۃ الاکمل'' میں اقوال کی اسی طرح حکایت بیان کی ہے یہ امر مخفی نہیں کہ نواں قول چوتھا قول ہی ہے، ''بحر''۔

(وَلَوْ أَحَدُهُمَا مَمْلُوكًا) وَلَوْ مَأْذُونًا أَوْ مُكَاتَبًا وَقَالَا وَالشَّافِعِيُّ هُمَا كَالْحُرِّ (فَالْقَوْلُ لِلْحُرِّ فِي الْحَيَاةِ وَلِلْحَيِّ فِي الْمَوْتِ) لِأَنَّ يَدَ الْحُرِّ أَقْوَى وَلَا يَدَ لِلْمَيِّتِ (أُعْتِقَتْ الْأَمَةُ) أَوْ الْمُكَاتَبَةُ وَالْمُدَبَّرَةُ (وَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا فَمَا فِي الْبَيْتِ قَبْلَ الْعِتْقِ فَهُوَ لِلرَّجُلِ، وَمَا بَعْدَهُ قَبْلَ أَنْ تَخْتَارَ نَفْسَهَا فَهُوَ عَلَى مَا وَصَفْنَاهُ فِي الطَّلَاقِ) بَحْرٌ وَفِيهِ طَلَّقَهَا وَمَضَتْ الْعِدَّةُ فَالْمُشْكِلُ لِلزَّوْجِ وَلِوَرَثَتِهِ بَعْدَهُ

اگر دونوں میں سے ایک مملوک ہو اگرچہ وہ ماذون یا مکاتب ہوں۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما اور امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وہ دونوں آزاد کی طرح ہیں تو زندگی میں قول آزاد کا معتبر ہوگا اور موت میں زندہ کا ہوگا۔ کیونکہ آزاد کا قبضہ زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اور میت کا کوئی قبضہ نہیں ہوتا۔ لونڈی، مکاتبہ یا مدبرہ کو آزاد کیا گیا اور اس نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا تو آزادی سے پہلے گھر میں جو کچھ تھا وہ مرد کے لیے ہے اور آزادی کے بعد اپنے آپ کو اختیار کرنے سے پہلے جو کچھ ہے تو وہ اسی پر ہوگا جو ہم نے طلاق میں بیان کیا ہے۔ ''بحر''۔ اس میں ہے: مرد نے اسے طلاق دی اور عدت گزر گئی تو مشکل مال یعنی جو میاں بیوی دونوں کے مناسب ہو وہ خاوند کے لیے ہوگا اور خاوند کے بعد اس کے ورثاء کے لیے ہوگا۔

''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

27831۔ (قولہ: وَلَوْ أَحَدُهُمَا مَمْلُوكًا الی قولہ، وَلِلْحَيِّ فِي الْمَوْتِ) ''الجامع'' کی عام شروح میں اسی طرح ہے۔ ''رضی'' نے ذکر کیا ہے: یہ سہو ہے صحیح یہ ہے کہ یہ مطلقاً آزاد کے لیے ہے۔ ''فخر الاسلام'' نے یہ ذکر کیا ہے یہاں سب صورتوں میں قول مرد کا معتبر ہوگا صرف مشکل مال میں اس کا قول معتبر نہیں ہوگا۔ ''قہستانی'' میں اسی طرح ہے۔ ''سائحانی''۔

27832۔ (قولہ: لِأَنَّ يَدَ الْحُرِّ الخ) یہ لف نشر مرتب ہے۔

27833۔ (قولہ: لِلْمَيِّتِ) اس میں ''صاحب الیعقوبیہ'' نے بحث کی ہے۔

27834۔ (قولہ: فَهُوَ عَلَى مَا وَصَفْنَاهُ فِي الطَّلَاقِ) یعنی مشکل مال خاوند کا ہوگا۔ اور جو مال عورت کے مناسب ہو وہ عورت کے لیے ہوگا۔ کیونکہ طلاق کے وقت وہ آزاد تھی جس طرح سیاق و لحاق سے معلوم ہو جاتا ہے۔ اس کی تائید ''السراج'' کا قول کرتا ہے: اگر خاوند آزاد ہو اور عورت مکاتبہ، لونڈی، مدبرہ یا ام ولد ہو جب کہ اس کو اس سے قبل آزاد کر دیا گیا ہو پھر گھر کے سامان میں ان میں اختلاف ہو جائے تو انہوں نے آزادی سے قبل جو چیز بنائی تھی وہ مرد کے لیے ہوگی اور جسے آزادی کے بعد بنایا تو اس میں وہ دونوں دو آزاد افراد کی طرح ہوں گے۔ ''سائحانی''۔

27835۔ (قولہ: فِي الطَّلَاقِ) میاں بیوی کے اختلاف کے اس مسئلہ میں جو ان کے قول: وان مات احدھما سے پہلے ہے۔ کیونکہ یہ نکاح کے قیام کی حالت اور اس کے بعد کی حالت کو شامل ہوتا ہے جس طرح شارح نے اس کا ذکر کیا ہے۔

27836۔ (قولہ: ثُمَّ اِعْلَمْ اَنَّ هٰذَا) اسم اشارہ سے مراد وہ تمام صورتیں ہیں جو گزر چکی ہیں جب ان دونوں کے درمیان تنازع غلامی، آزادی، نکاح اور اس کے نہ ہونے میں نہ ہوا ہو اگر تنازع واقع ہوا تو آخر تک کلام ''البحر'' میں ہے پس

لِأَنَّهَا صَارَتْ أَجْنَبِيَّةً لَا يَدَ لَهَا وَلِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ الْمُشْكِلَ لِلزَّوْجِ فِي الطَّلَاقِ فَكَذَا لِوَارِثِهِ أَمَّا لَوْ مَاتَ وَهِيَ فِي الْعِدَّةِ فَالْمُشْكِلُ لَهَا فَكَأَنَّهُ لَمْ يُطَلِّقْهَا بِدَلِيلِ إِرْثِهَا وَلَوْ اخْتَلَفَ الْمُؤْجِرُ وَالْمُسْتَأْجِرُ فِي مَتَاعِ الْبَيْتِ فَالْقَوْلُ لِلْمُسْتَأْجِرِ بِيَمِينِهِ وَلَيْسَ لِلْمُؤْجِرِ إِلَّا مَا عَلَيْهِ مِنْ ثِيَابِ بَدَنِهِ وَلَوْ اخْتَلَفَ إِسْكَافٌ وَعَطَّارٌ فِي آلَاتِ الْأَسَاكِفَةِ وَآلَاتِ الْعَطَّارِينَ، وَهِيَ فِي أَيْدِيهِمَا فَهِيَ بَيْنَهُمَا بِلَا نَظَرٍ لِمَا يَصْلُحُ لِكُلٍّ مِنْهُمَا وَتَمَامُهُ فِي السِّرَاجِ (رَجُلٌ مَعْرُوفٌ بِالْفَقْرِ وَالْحَاجَةِ صَارَ بِيَدِهِ غُلَامٌ وَعَلَى عُنُقِهِ بَدْرَةٌ وَذَلِكَ بِدَارِهِ فَادَّعَاهُ رَجُلٌ عُرِفَ بِالْيَسَارِ وَادَّعَاهُ صَاحِبُ الدَّارِ فَهُوَ لِلْمَعْرُوفِ بِالْيَسَارِ (وَكَذَا كَنَّاسٌ فِي مَنْزِلِ رَجُلٍ وَعَلَى عُنُقِهِ

کیونکہ وہ عورت اجنبی بن چکی ہے اس کا کوئی قبضہ نہیں۔ اور جو ہم نے ذکر کیا ہے: ان المشکل للزوج فی الطلاق طلاق کی صورت میں جو مال دونوں کے مناسب ہوتا ہے وہ خاوند کے لیے ہوگا اس کی وجہ سے یہ حکم ہوگا۔ اسی طرح اس کے وارث کے لیے ہوگا مگر جب خاوند مر جائے جب کہ عورت عدت گزار رہی ہو تو جو مال میاں بیوی دونوں کے مناسب ہو وہ عورت کے لیے ہوگا۔ گویا مرد نے اسے طلاق نہیں دی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ عورت اس خاوند کی وارث ہوتی ہے۔ اگر مؤجر اور مستاجر گھر کے سامان میں اختلاف کریں تو قول قسم کے ساتھ مستاجر کے لیے ہوگا اور موجر کے لیے اور کچھ نہیں ہوگا مگر جو اس کے بدن پر کپڑے ہیں۔ اگر کفشگر اور عطار کفشگر اور عطاروں کے آلات میں اختلاف کریں جب کہ یہ آلات دونوں کے قبضہ میں ہوں تو یہ دونوں میں مشترک ہوں گے یہ دیکھے بغیر کہ کون سا ہتھیار دونوں میں سے کس کے مناسب ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''سراج'' میں ہے۔ ایک آدمی فقر و تنگ دستی میں معروف ہے اس کے قبضہ میں ایک غلام آ گیا جس کی گردن پر بدرہ ہے یعنی بیس ہزار دینار ہیں اور وہ اس کے گھر میں ہے۔ اس کا دعویٰ ایک ایسے آدمی نے کیا جو خوشحالی میں معروف ہے۔ گھر کے مالک نے اس کا دعویٰ کیا تو یہ غلام اس کا ہوگا جو خوشحالی میں معروف ہے۔ اسی طرح ایک جاروب کش ایک آدمی کے گھر میں ہے جب کہ اس کی گردن پر

اسی کی طرف رجوع کیجئے۔

27837۔ (قولہ: لِأَنَّهَا صَارَتْ الخ) یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے اگر وہ دونوں مر جائیں تو حکم اسی طرح ہوگا۔

27838۔ (قولہ: بِلَا نَظَرٍ) یہ فرع اپنے ماقبل اور بعد میں آنے والے مسائل کے خلاف ہے۔

فرع: ایک آدمی نے ایک زمانہ تک ایک زمین میں تصرف کیا ایک دوسرے آدمی نے زمین اور تصرف کو دیکھا اور دعویٰ نہ کیا اور اسی پر مر گیا اس کے بعد اس کے بچے کے دعویٰ کو نہیں سنا جائے گا۔ پس اس زمین کو متصرف کے قبضہ میں چھوڑ دیا جائے گا کیونکہ حال شاہد ہے۔ ''حامدیہ'' نے ''الولواجیہ'' سے روایت کی ہے۔

27839۔ (قولہ: بَدْرَةٌ) بدرہ سے مراد بیس ہزار دینار ہیں۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

قَطِيفَةٌ يَقُولُ) الَّذِي هو عَلَى عُنُقِهِ (هِيَ لِي وَادَّعَاهَا صَاحِبُ الْمَنْزِلِ فَهِيَ لِصَاحِبِ الْمَنْزِلِ رَجُلَانِ فِي سَفِينَةٍ بِهَا دَقِيقٌ فَادَّعَى كُلٌّ وَاحِدِ السَّفِينَةَ وَمَا فِيهَا وَأَحَدُهُمَا يُعْرَفُ بِبَيْعِ الدَّقِيقِ وَالْآخَرُ يُعْرَفُ بِأَنَّهُ مَلَّاحٌ فَالدَّقِيقُ لِلَّذِي يُعْرَفُ بِبَيْعِهِ وَالسَّفِينَةُ لِمَنْ يُعْرَفُ بِأَنَّهُ مَلَّاحٌ) عَمَلًا بِالظَّاهِرِ وَلَوْ فِيهَا رَاكِبٌ وَآخَرُ مُمْسِكٌ وَآخَرُ يَجْذِبُ وَآخَرُ يَمُدُّهَا وَكُلُّهُمْ يَدَّعُونَهَا فَهِيَ بَيْنَ الثَّلَاثَةِ أَثْلَاثًا وَلَا شَيْءَ لِلْمَادِّ رَجُلٌ يَقُودُ قِطَارَ إِبِلٍ وَآخَرُ رَاكِبٌ إِنْ عَلَى الْكُلِّ مَتَاعُ الرَّاكِبِ فَكُلُّهَا لَهُ وَالْقَائِدُ أَجِيرُهُ وَأَنْ لَا شَيْءَ عَلَيْهَا فَلِلرَّاكِبِ مَا هُوَ رَاكِبُهُ وَالْبَاقِي لِلْقَائِدِ بِخِلَافِ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ وتمامه فِي خِزَانَةِ الْأَكْمَلِ

ایک مخملی چادر ہے جس کی گردن پر وہ چادر ہے وہ کہتا ہے: یہ چادر میری ہے اور گھر والا دعویٰ کرتا ہے یہ چادر میری ہے تو وہ چادر گھر والے کی ہوگی۔ ایک کشتی میں دو آدمی ہیں جس کشتی میں آٹا ہے دونوں میں ہر ایک کشتی اور اس میں جو کچھ ہے اس کا دعویٰ کرتا ہے ان دونوں میں سے ایک آٹا بیچنے میں معروف ہے اور دوسرا اس میں معروف ہے کہ وہ ملاح ہے آٹا اس کا ہوگا جو آٹا بیچنے میں معروف ہے اور کشتی اس کی ہوگی جو اس میں معروف ہے کہ وہ ملاح ہے۔ یہ ظاہر پہ عمل کرنے کی بنا پر ہے۔ اگر اس کشتی میں ایک سوار ہو، دوسرا اسے پکڑے ہوئے ہے، ایک اسے کھینچ رہا ہے، ایک اسے بہاتا ہے سب کشتی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تو یہ کشتی تینوں میں ایک تہائی ایک تہائی کے اعتبار سے ہوگی اور بہانے والے کے لیے کچھ نہیں ہوگا۔ ایک آدمی اونٹوں کی قطار کی قیادت کر رہا ہے اور ایک آدمی سوار ہے اگر تمام اونٹوں پر سوار کا سامان ہے تو سب اونٹ اس کے ہوں گے اور قیادت کرنے والا مزدور ہوگا۔ اگر اونٹوں پر کوئی شے نہ ہو تو سوار کے لیے وہ اونٹ ہوگا جس پر سوار ہو اور باقی ماندہ قیادت کرنے والے کے لیے ہوں گے۔ بقر اور غنم کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کی مکمل بحث ''خزانۃ الاکمل'' میں ہوگی۔

27840۔ (قولہ: قَطِيفَةٌ) مخملی چادر۔ اس کی جمع قَطَائِف آتی ہے اور قُطُف بھی آتی ہے جیسے صحیفہ اور صُحُف۔ گویا دونوں قطیفہ اور صحیفہ کی جمع ہیں۔ اسی سے قطائف ہیں جنہیں کھایا جاتا ہے۔ ''صحاح الجوہری''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

27841۔ (قولہ: وَآخَرُ مُمْسِكٌ) ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد دفتہ کو پکڑنے والا ہے۔ دفتہ کشتی کے لیے ایسی حیثیت میں ہوتا ہے جو دابہ کے لیے لگام کی ہوتی ہے۔

27842۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ) ''المنح'' میں کہا: اگر وہ جانور گائے یا بھیڑ بکریاں ہوں جن کی نگہبانی دو آدمی کر رہے ہوں گے۔ مگر جب ایک آدمی اپنے ساتھ ایک بکری لے جا رہا ہو تو وہ اکیلی بکری اس کی ہوگی۔ ''ح''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

فرع: ایک آدمی نے دھوبی کو کپڑے کے چار ٹکڑے دیئے تاکہ وہ ان کو دھو دے جب وہ آدمی فارغ ہو تو دھوبی نے مالک سے کہا: میری طرف کوئی آدمی بھیجو تاکہ میں تیرے لیے انہیں حوالے کر دوں قاصد تین ٹکڑے لایا دھوبی نے کہا: میں نے تیری طرف چار ٹکڑے بھیجے ہیں۔ قاصد نے کہا: تو نے مجھے دیئے اور انہیں مجھ پر شمار نہیں کیا تو کپڑے کے مالک سے کہا

....

جائے گا دونوں میں سے جس کی چاہو تصدیق کرو۔ اگر اس مالک نے قاصد کی تصدیق کی تو وہ دعویٰ سے بری ہو جائے گا اور قسم دھوبی پر لازم ہو جائے گی۔ اگر وہ قسم اٹھا دے تو وہ بری ہو جائے گا۔ اگر وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو اس پر ضمان واجب ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر اس نے دھوبی کی تصدیق کر دی تو وہ بری ہو جائے گی اور قسم قاصد پر لازم ہو جائے گی اور اس پر دھوبی کی اجرت لازم ہو جائے گی جب دھوبی نے اس پر قسم اٹھائی یا کپڑے کے مالک اس کی تصدیق کر دے۔ کیونکہ جب دھوبی قسم اٹھا دے تو اس کے گمان میں یہ ہے کہ اس نے چار ٹکڑے دیئے تھے پس وہ اس سے لے گا۔ ''ولولوالجیہ'' الفصل الثانی۔

فَصْلٌ فِی دَفْعِ الدَّعَاوٰی

لَمَّا قَدَّمَ مَنْ يَكُونُ خَصْمًا ذَكَرَ مَنْ لَا يَكُونُ (قَالَ ذُو الْيَدِ هَذَا الشَّيْءُ) الْمُدَّعَى مَنْقُولًا كَانَ أَوْ عَقَارًا (أَوْ دَعَنِيهِ أَوْ أَعَارَنِيهِ أَوْ آجَرَنِيهِ أَوْ رَهَنَنِيهِ زَيْدٌ الْغَائِبُ أَوْ غَصَبْتُهُ مِنْهُ) مِنَ الْغَائِبِ

دعووٴں کو رد کرنے کے احکام

جب پہلے ان کا ذکر کیا جو خصم ہوتا ہے اب ان کا ذکر کیا ہے جو خصم نہیں ہوتا۔ قابض نے کہا: ہر شے جس پر دعویٰ کیا گیا ہے وہ چیز منقول ہو یا جائیداد ہو مجھے فلاں نے ودیعت کی ہے، مجھے عاریۃً دی ہے، مجھے اجرت پر دی ہے یا زید جو غائب ہے اس نے میرے پاس رہن رکھی ہے یا میں نے فلاں غائب سے اسے غصب کیا ہے

27543۔(قولہ: أَوْ دَعَنِيهِ) ان کے قول او دعنیہ اور اس کے بعد جو قول ہے اس کا ظاہر معنی اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ تمام شے کے ودیعت رکھنے کا دعویٰ کرنا ضروری ہے جب کہ معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ کیونکہ ''الاختیار'' میں ہے: اگر وہ کہے: نصف میرا ہے اور نصف میرے پاس فلاں کا ودیعت ہے اور اس پر گواہیاں قائم کر دیں تو وہ دعویٰ سب میں ختم ہو جائے گا کیونکہ تمیز کرنا متعذر ہے۔ ''بحر''۔

اس میں یہ بھی ہے: مولف نے یہ بیان کیا: اگر وہ جواب دیتے یہ مال میرا نہیں یہ مال فلاں کا ہے اور اس پر کچھ اضافہ نہ کرے تو یہ دعویٰ کا رد نہیں ہوگا۔ یہ قید لگائی ہے کہ جو کچھ ذکر کیا ہے اس میں دعویٰ کے رد پر اکتفا کیا ہے۔ کیونکہ یہ اس سے احتراز کرنا مقصود ہے جب وہ یہ زائد کرے اور کہے: میرا یہ گمان تھا میں نے اسے فلاں کے ہاتھ بیچا تھا اور اس نے اس پر قبضہ کیا تھا پھر اس نے مجھے وہ ودیعت کر دیا تھا یا اس نے ہبہ اور اسے قبضہ میں لینے کا ذکر کیا تو دعویٰ رد نہیں ہوگا مگر جب مدعی اس کا اقرار کرے یا قاضی کو اس کا علم ہو۔

27844۔(قولہ: أَوْ رَهَنَنِيهِ زَيْدٌ) یہاں اسم علم کا ذکر کیا ہے کیونکہ اگر وہ یہ کہے: یہ مال مجھے ایسے آدمی نے ودیعت کیا جسے میں نہیں پہچانتا تو دعویٰ رد نہیں ہوگا۔ پس دعویٰ کو رد کرنے کے لیے غائب کی تعیین ضروری ہے۔ شہادت میں معاملہ اس طرح ہے جس طرح شارح اس کا ذکر کرتے ہیں۔ اگر وہ مجہول کا دعویٰ کرے اور گواہ معین کے بارے میں گواہی دیں یا اس کے برعکس معاملہ ہو تو دعویٰ ختم نہیں ہوگا۔ ''بحر''۔

اس میں ''خزانۃ الاکمل'' اور ''الخانیہ'' سے مروی ہے: اگر مدعی اقرار کرے کہ ایک آدمی نے اسے یہ چیز دی ہے اور وہ اس کے متعلق اس کے اقرار پر گواہی دے دیں تو ان کے درمیان کوئی خصومت نہ ہوگی۔ اس میں ہے: غائب میں مطلق قول کیا ہے پس یہ اسے بھی شامل ہوگا جو بعید ہو اور معروف ہو جس تک پہنچنا متعذر ہو یا وہ قریب ہو جس طرح ''الخلاصہ'' اور

(وَبَرْهَنَ عَلَيْهِ) عَلَى مَا ذَكَرَ وَالْعَيْنُ قَائِمَةٌ لَا هَالِكَةٌ وَقَالَ الشُّهُودُ نَعْرِفُهُ بِاسْمِهِ وَنَسَبِهِ أَوْ بِوَجْهِهِ وَشَرَطَ مُحَمَّدٌ مَعْرِفَتَهُ بِوَجْهِهِ أَيْضًا

اور جو کچھ ذکر کیا تھا اس پر گواہیاں قائم کر دیں جب کہ وہ چیز موجود ہے ہلاک نہیں ہوئی گواہوں نے کہا: ہم اسے اس کے نام، اس کے نسب یا اس کے چہرے سے پہچانتے ہیں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے چہرے سے اس کی پہچان کی شرط لگائی ہے

''البزازیہ'' میں ہے۔

27845۔ (قولہ: عَلَى مَا ذَكَرَ) لیکن اس نے جس چیز کا دعویٰ کیا ہے اس کے عین کے ساتھ مطابقت شرط نہیں۔ کیونکہ ''خزانۃ الاکمل'' میں ہے: اگر وہ لوگ یہ گواہی دیں کہ فلاں نے اسے یہ چیز دی ہے اور ہم نہیں جانتے کہ وہ کون ہے تو اس کے درمیان کوئی خصومت نہیں ہوگی اور برہان کے ساتھ انہوں نے حجت کے پائے جانے کا ارادہ کیا ہے خواہ وہ مدعی علیہ دلیل قائم نہ کرے اور مدعی کی قسم کا مطالبہ کرے قاضی اس سے اس قسم کا مطالبہ کرے گا۔ اگر وہ آگاہ ہونے پر قسم اٹھائے تو وہ خصم ہوگا اگر وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو خصومت نہیں ہوگی جس طرح ''خزانۃ الاکمل'' میں ہے۔ ''بحر''۔

27846۔ (قولہ: وَالْعَيْنُ قَائِمَةٌ) ان کے قول ھذا الشیء میں جو اشارہ ہے اس اشارہ سے تقیید اخذ کی گئی ہے۔ کیونکہ اشارہ حسیہ میں صرف اس موجود کی طرف ہوتا ہے جو خارج میں موجود ہو جس طرح ''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے جس سے احتراز کیا گیا اس کا ذکر عنقریب آئے گا۔

''حاشیہ'' میں کہا: ایک غلام ایک آدمی کے ہاتھ میں ہلاک ہو گیا ایک آدمی نے گواہیاں قائم کر دیں کہ وہ اس کا غلام ہے جس کے قبضہ میں غلام فوت ہوا اس نے یہ گواہیاں قائم کر دیں فلاں نے اسے یہ غلام ہبہ کیا تھا یا اسے غصب کیا یا اس نے اجرت پر دیا تو اسے قبول نہ کیا جائے گا جب کہ وہ خصم ہوگا وہ اس پر دین کا دعویٰ کرے گا اور دین کو ودیعت کرنا ممکن نہیں ہوتا پھر جب غائب حاضر ہو اور ودیعت رکھنے، اجرت پر دینے اور رہن رکھنے میں اس کی تصدیق کر دے گا تو خصم نے مدعی کے لیے جس چیز کی ضمانت دی تھی وہ اس سے واپس لے لے گا۔ مگر جب وہ غاصب ہو تو وہ واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ ادھار میں معاملہ اسی طرح ہے۔ یہاں غلام کا بھاگ جانا ہلاک ہونے کی طرح ہے۔ اگر کسی روز غلام واپس آجائے تو یہ غلام اس کا ہوگا جس پر ضمان واقع ہوئی تھی۔

27847۔ (قولہ: نَعْرِفُهُ) یعنی ہم غائب کو پہچانتے ہیں۔

27848۔ (قولہ: أَوْ بِوَجْهِهِ) ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گواہوں کا اسکے چہرے سے پہچاننا کافی ہے، ''بزازیہ''۔

27849۔ (قولہ: وَشَرَطَ مُحَمَّدٌ) اختلاف کا محل اس میں ہے جب خصم اسم اور نسب کی تعیین کے ساتھ دعویٰ کرے اور دونوں گواہ اس کے حق میں مجہول فرد کے بارے میں گواہی دیں۔ لیکن ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے کہا: ہم اس کو اس کے چہرے سے پہچانتے ہیں۔ مگر جب مدعی مجہول کے بارے میں دعویٰ کرے تو بالاجماع گواہی قبول نہ کی جائے گی۔ ''خصاف'' کی ''شرح ادب القضاء'' میں اسی طرح ہے۔

فَلَوْ حَلَفَ لَا يَعْرِفُ فُلَانًا وَهُوَ لَا يَعْرِفُهُ إِلَّا بِوَجْهِهِ لَا يَحْنَثُ ذَكَرَهُ الزَّيْلَعِيُّ وَفِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ عَنْ خَطِّ الْعَلَّامَةِ الْمَقْدِسِيِّ عَنِ الْبَزَّازِيَّةِ أَنَّ تَعْوِيلَ الْأَئِمَّةِ عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ فَلْيُحْفَظْ (دُفِعَتْ خُصُومَةُ الْمُدَّعِي) لِلْمِلْكِ الْمُطْلَقِ لِأَنَّ يَدَ هَؤُلَاءِ لَيْسَتْ يَدَ خُصُومَةٍ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ إِنْ عُرِفَ ذُو الْيَدِ

اگر وہ قسم اٹھائے وہ فلاں کو نہیں پہچانتا جب کہ وہ اس کو اس کے چہرے سے پہچانتا ہے تو وہ حانث نہیں ہوگا۔''زیلعی'' نے اسے ذکر کیا ہے۔''شرنبلالیہ'' میں علامہ ''مقدسی'' کی ''بزازیہ'' سے منقول ایک تحریر ہے۔ائمہ کا اعتماد امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے پس اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ملک مطلق کی وجہ سے مدعی کی خصومت رد کر دی جائے گی۔کیونکہ ان لوگوں کا قبضہ خصومت کا قبضہ نہیں۔امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر قابض

اگر کسی نے قسم اٹھائی کہ وہ فلاں کو نہیں پہچانتا جب کہ وہ اسے چہرے سے پہچانتا ہو تو وہ حانث نہیں ہوگا

27850۔(قولہ: فَلَوْ حَلَفَ) یہ امر مخفی نہیں کہ یہ تفریع ظاہر نہیں۔یہ کہنا زیادہ بہتر ہے: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے صرف چہرے کی پہچان پر اکتفا نہیں کیا۔اس پر ''زیلعی'' کا قول دلالت کرتا ہے: صرف چہرے سے معرفت، معرفت نہیں ہوتی۔کیا آپ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کی طرف نہیں دیکھتے: اتعرف فلانا؟ کیا تو فلاں کو پہچانتا ہے؟ عرض کی: جی ہاں۔فرمایا: کیا تو اس کا نام اور نسب جانتا ہے؟ عرض کی: نہیں۔فرمایا: اذا لا تعرفہ پھر تو اسے نہیں پہچانتا۔اسی طرح اگر وہ قسم اٹھا دے۔

27851۔(قولہ: عَنِ الْبَزَّازِيَّةِ) ''بحر'' میں اس سے نقل کیا ہے۔

ملک مطلق کی وجہ سے مدعی کی خصوصیت رد کر دی جائے گی کیونکہ ان لوگوں کا قبضہ خصومت کا قبضہ نہیں

27852۔(قولہ: دُفِعَتْ خُصُومَةُ الْمُدَّعِي) یعنی قاضی اس کے رد کرنے کا حکم دے دے گا۔اور اس کا یہ فائدہ بیان کیا ہے: اگر مدعی دوسرے قاضی کے ہاں دعویٰ کا اعادہ کرے تو مدعی علیہ دوبارہ اس کے دفاع کا محتاج نہیں ہوگا۔بلکہ پہلے قاضی کا حکم ثابت رہے گا جس طرح علماء نے اس کی تصریح کی ہے ان کے قول دفعت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ وہ مدعی کے لیے یہ قسم نہیں اٹھائے گا کہ مدعی علیہ پر اس کا سپرد کرنا لازم نہیں۔میں نے اس وقت تک اسے نہیں دیکھا، ''بحر''۔اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔کیونکہ وہ دلیل قائم ہونے کے بعد کیسے قسم اٹھائے گا؟ جہاں تک اس سے پہلے کا تعلق ہے تو ''بزازیہ'' سے نقل کیا ہے: وہ حتمی قسم اٹھائے گا تحقیق اس نے اسے یہ چیز ودیعت کی ہے۔صرف جاننے پر قسم نہیں اٹھائے گا۔پھر ''ذخیرہ'' سے نقل کیا ہے: وہ قسم نہیں اٹھائے گا کیونکہ وہ ودیعت رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے اگر وہ قسم اٹھا دے تو خصومت رفع نہ ہوگی۔بلکہ مدعی علم نہ ہونے پر قسم اٹھائے گا۔

27853۔(قولہ: لِلْمِلْكِ الْمُطْلَقِ) ملک مطلق میں سے وقف کا دعویٰ اور وقف کے منافع کا دعویٰ ہے جس طرح ''البحر'' میں آنے والی فصل کے آغاز میں اس کی وضاحت کی ہے۔''البحر'' میں کہا: مولف رحمۃ اللہ علیہ نے مدعی کے دعویٰ کی صورت کا ذکر نہیں کیا اور اس کے ساتھ یہ ارادہ کیا کہ مدعی نے عین میں ملک مطلق کا دعویٰ کیا اور قابض پر فعل کا دعویٰ نہ کیا اس کی دلیل

بِالْحِيَلِ لَا تَنْدَفِعُ وَبِهِ يُؤْخَذُ مُلْتَقًى وَاخْتَارَهُ فِي الْمُخْتَارِ وَهٰذِهِ مُخَمَّسَةُ كِتَابِ الدَّعْوٰى، لِأَنَّ فِيهَا أَقْوَالَ خَمْسَةِ عُلَمَاءَ كَمَا بُسِطَ فِي الدُّرَرِ أَوْ لِأَنَّ صُوَرَهَا خَمْسٌ عَيْنِيٌّ وَغَيْرُهُ

حیلہ کرنے میں معروف ہو تو خصومت مندفع نہ ہوگی۔ اسی کو اخذ کیا جاتا ہے ''ملتقی''۔ ''المختار'' میں اسے اختیار کیا ہے یہ کتاب الدعوی کا مخمسہ ہے۔ کیونکہ اس میں پانچ علما کے اقوال ہیں جس طرح ''الدرر'' میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے یا اس کی پانچ صورتیں ہیں، ''عینی'' وغیرہ۔

وہ آنے والے مسائل ہیں جو ان کے مقابل ہیں۔ مدعی علیہ کے جواب کا حاصل یہ ہے: مدعی علیہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان کا قبضہ امانت کا قبضہ ہے یا ضمانت کا قبضہ ہے اور ملکیت کسی اور کی ہے اور مدعی کی برہان کا ذکر نہ کیا جب کہ اس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ کیونکہ یہ معروف ہو چکا ہے کہ جو قابض نہیں ہوتا اس سے برہان کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور مدعی علیہ اس سے پہلے دفاع کا محتاج نہیں ہوتا۔ اس کا حاصل یہ ہے: مدعی جب ملک مطلق کا اس چیز کے بارے میں دعویٰ کرے جو مدعی علیہ کے قبضہ میں ہے تو مدعی علیہ اس کا انکار کر دے اور مدعی سے برہان کا مطالبہ کرے اور مدعی نے برہان قائم کر دی اور قاضی نے اس کے مطابق فیصلہ نہ کیا یہاں تک کہ مدعی علیہ اس کا رد کر دے جس کا ذکر کیا گیا اور دفاع پر برہان قائم کر دے۔

اگر قابض حیلہ کرنے میں معروف ہو تو خصومت مندفع نہ ہوگی

27854۔(قولہ: بِالْحِيَلِ) اس کی صورت یہ ہے: وہ کسی انسان کا مال غصب کے طریقہ پر لے لے پھر وہ مال خفیہ طریقہ سے اس آدمی کے حوالے کر دے جو سفر کا ارادہ رکھتا ہو اور وہ گواہوں کی گواہی کے ساتھ اسے ودیعت رکھ دے یہاں تک کہ جب مالک آئے اور اس مال میں اپنی ملکیت کا ارادہ کرے تو قابض اس امر پر گواہیاں قائم کر دے کہ فلاں آدمی اس کے پاس ودیعت رکھ گیا ہے پس اس کا حق باطل ہو جائے گا۔ ''الدرر'' میں اسی طرح ہے۔ ''ح''۔

27855۔(قولہ: فِي الْمُخْتَارِ) ''المعراج'' میں ہے: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف رجوع کیا جب انہیں قضا کا فریضہ سونپا گیا اور آپ نے لوگوں کے اموال کو پہچانا تو کہا: لوگوں میں سے چالباز ایک انسان بطور غصب کے کوئی چیز لیتا ہے پھر جو آدمی سفر کا ارادہ کرتا ہے اس کے حوالے کر دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے پاس گواہوں کی گواہی کے ساتھ ودیعت رکھ دیتا ہے یہاں تک کہ جب مالک اس کے پاس آئے اور یہ ارادہ کرے کہ وہ اپنی ملکیت کو ثابت کرے تو قابض گواہیاں قائم کر دے کہ فلاں شخص یہ مال اس کے پاس ودیعت رکھ گیا ہے پس اس کا حق باطل ہو جائے گا اور خصومت ختم ہو جائے گی۔ ''المبسوط'' میں اسی طرح ہے۔

27856۔(قولہ: كَمَا بُسِطَ فِي الدُّرَرِ) یہاں ہمارے تینوں اقوال کا ذکر کیا۔ چوتھا قول ''ابن شبرمہ'' کا ہے۔ وہ یہ ہے کہ خصومت مطلقاً اس سے ختم نہ ہوگی۔ پانچواں قول ''ابن ابی لیلی'' کا ہے وہ خصومت بینہ کے بغیر ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ غائب کے لیے ملکیت کا اقرار کر رہا ہے۔ ''س''۔

قُلْت وَفِيهِ نَظَرٌ إذْ الْحُكْمُ كَذَلِكَ لَوْ قَالَ وَكَّلَنِي صَاحِبُهُ بِحِفْظِهِ، أَوْ أَسْكَنَنِي فِيهَا زَيْدٌ الْغَائِبُ أَوْ سَرَقْته مِنْهُ أَوْ انْتَزَعْته مِنْهُ أَوْ ضَلَّ مِنْهُ فَوَجَدْته بَحْرٌ أَوْ هِيَ فِي يَدِي مُزَارَعَةً بَزَّازِيَّةٌ فَالصُّوَرُ إحْدَى عَشْرَةَ قُلْت لَكِنْ أَلْحَقَ فِي الْبَزَّازِيَّةِ الْمُزَارَعَةَ بِالْإِجَارَةِ أَوْ الْوَدِيعَةِ قَالَ فَلَا يُزَادُ عَلَى الْخَمْسِ وَقَدْ حَرَّرْته فِي شَرْحِ الْمُلْتَقَى (وَإِنْ) كَانَ هَالِكًا أَوْ قَالَ الشُّهُودُ أَوْدَعَهُ مَنْ لَا نَعْرِفُهُ

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ حکم اسی طرح ہوگا اگر وہ کہے: اس کے مالک نے مجھے اس کی حفاظت کا وکیل بنایا ہے یا اس میں غائب زید نے رہائش دی ہے یا میں نے اس سے چوری کیا ہے یا میں نے اس سے چھینا ہے یا یہ اس سے گم ہوگیا تھا تو میں نے اسے پایا ہے،''بحر''۔ یا یہ میرے قبضہ میں مزارعت کے طریقہ پر ہے،''بزازیہ''۔ صورتیں گیارہ بنتی ہیں۔ میں کہتا ہوں: لیکن''بزازیہ'' میں مزارعت کو اجارہ یا ودیعت کے ساتھ لاحق کیا ہے کہا: پس یہ پانچ سے زائد نہ ہوگی۔ میں نے اس کی وضاحت''شرح الملتقی'' میں کی ہے۔ اگر وہ چیز جس کے بارے میں دعویٰ کیا گیا ہے وہ ہلاک ہو چکی ہو یا گواہوں نے کہا: اس نے اس کے پاس ودیعت رکھی جس کو ہم نہیں پہچانتے

27857۔ (قولہ: وَفِيهِ نَظَرٌ) اس میں اعتراض یہ ہے۔ کیونکہ و کلنی، او دعنیہ کی طرف راجع ہے، اسکننی۔ اعارنیہ کی طرف راجع ہے۔ سرقتہ یہ غصبتہ منہ کی طرف راجع ہے۔ ضل منہ فوجدتہ، او دعنیہ کی طرف راجع ہے ھی فی یدی مزارعۃ، الاجارہ کی طرف یا الودیعۃ کی طرف راجع ہے۔ پس یہ پانچ سے زائد نہ ہوگا۔''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

27858۔ (قولہ: بَحْرٌ)''البحر'' میں اس کے بعد ذکر کیا جس کی نص یہ ہے: پہلے دونوں امانت کی طرف راجع ہیں۔ آخری تین ضمانت کی طرف راجع ہیں اگر وہ آخری میں گواہ نہ بنائے۔ ورنہ امانت کی طرف راجع ہیں۔ پس صورتیں دس بنتی ہیں اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ صورتیں پانچ میں منحصر نہیں۔

یہ امر مخفی نہیں کہ جو زائد ذکر کیا ہے اس کے مذکورہ کی طرف لوٹنے کے بعد منحصر نہ ہونے کے اعتراض کا محل نہ رہا۔ تامل

27859۔ (قولہ: أَوْ هِيَ فِي يَدِي) ان کی کلام کا مقتضا یہ ہے: یہ عبارت''البحر'' میں نہیں اور جو اس کے بعد عبارت ہے وہ اس میں ہے۔''ح''۔

27860۔ (قولہ: أَلْحَقَ) یہ ماضی کا صیغہ ہے۔

27861۔ (قولہ: قَالَ)''بزازیہ'' میں کہا۔

27862۔ (قولہ: فَلَا يُزَادُ) مزارعت کا وہ مسئلہ زائد نہیں کیا جائے گا جو''بزازی'' نے زائد ذکر کیا ہے۔''البحر'' میں جو کچھ ہے اس سے تو جان چکا ہے کہ باقی ماندہ بھی زائد نہیں کیا جائے گا۔

27863۔ (قولہ: وَقَدْ حَرَّرْته الخ) کیونکہ انہوں نے اپنے قول غصبتہ منہ کو اپنے قول ولو حکما کے ساتھ عام

أَوْ أَقَرَّ ذُو الْيَدِ بِيَدِ الْخُصُومَةِ كَأَنْ (قَالَ) ذُو الْيَدِ (اشْتَرَيْته) أَوْ اتَّهَبْته (مِنْ الْغَائِبِ أَوْ لَمْ يَدَّعِ الْمِلْكَ الْمُطْلَقَ بَلْ ادَّعَى عَلَيْهِ الْفِعْلَ بِأَنْ (قَالَ الْمُدَّعِي غَصَبْته) مِنِّي

یا قابض نے خصومت کے قبضہ کا اقرار کرلیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ قابض کہے: میں نے غائب سے اسے خریدا ہے یا اس سے میں نے ہبہ لیا ہے یا ملک مطلق کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ اس پر فعل کا دعویٰ کیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ مدعی نے کہا: تو نے اسے مجھ سے غصب کیا ہے

کر دیا ہے اور اس میں اپنے قول سرقته منه او انتزعنه منه کو داخل کر دیا ہے۔ اسی طرح انہوں نے اپنے قول او دعنیه کو اپنے قول ولوحکما کے ساتھ عام کر دیا ہے اور اس میں باقی ماندہ چار کو داخل کر دیا ہے۔

یہ امر مخفی نہیں کہ وہ یہاں سے زیادہ احسن صورت میں واضح ہے۔ کیونکہ یہاں اعتراض کا ذکر کیا اور اس کا جواب نہ دیا مگر مزارعہ کے مسئلہ میں جواب دیا ہے۔ پس اس انداز نے یہ وہم دلایا کہ اس کے علاوہ جو مسائل ہیں ان سے خارج ہیں جن کا علماء نے ذکر کیا ہے جب کہ وہ اس میں داخل ہیں جس طرح تو (مقولہ 27857 میں) جان چکا ہے۔ فافہم

27864۔ (قولہ: أَوْ أَقَرَّ ذُو الْيَدِ) اگر اسکے بعد اس نے ودیعت پر دلیل قائم کی تو اسے نہیں سنا جائے گا، ''بزازیہ''۔

27865۔ (قولہ: قَالَ ذُو الْيَدِ) اس کا حاصل یہ ہے: مدعی نے عین میں ملک مطلق کا دعویٰ کیا مدعی علیہ نے اس کا انکار کیا مدعی نے ملک پر دلیل قائم کی قابض نے اس کا رد اس طرح کیا کہ کہا: اس نے یہ فلاں غائب سے خریدا ہے اور اس پر دلیل قائم کر دی تو خصومت مندفع نہ ہوگی یعنی قاضی مدعی کے دلیل کے ساتھ فیصلہ کر دے گا۔ کیونکہ اس نے جب گمان کیا کہ اس کا قبضہ ملک کا قبضہ ہے تو اس نے اعتراف کرلیا کہ وہ خصم ہے، ''بحر''۔ اس میں ''زیلعی'' سے مروی ہے: جب اس مسئلہ میں خصومت مندفع نہ ہوگئی اور غیر قابض نے گواہیاں قائم کر دیں تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پھر وہی شخص آیا جس کے حق میں اقرار کیا گیا تھا جب کہ وہ غائب ہے اور اس نے دلیل قائم کر دی تو اس کی گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ کیونکہ غائب ایسا شخص نہیں جس کے خلاف فیصلہ کیا گیا ہو یہ تو خاص کر قابض کے خلاف فیصلہ کیا گیا ہے۔

27866۔ (قولہ: اشْتَرَيْته) اگرچہ وہ خریداری فاسد ہو قبضہ کے ساتھ ہو۔ ''بحر''۔

27867۔ (قولہ: أَوْ اتَّهَبْته) اس کے ساتھ اشارہ کیا کہ شرا سے مراد مطلقاً ملکیت ہے۔

27868۔ (قولہ: بَلْ ادَّعَى عَلَيْهِ) یعنی قابض کے خلاف فعل کا دعویٰ کیا اور یہ قید لگائی تاکہ غیر پر دعویٰ کرنے سے احتراز ہو جائے۔ مدعی علیہ نے مذکورہ صورتوں میں سے ایک صورت کے ساتھ دفاع کیا اور اس پر گواہیاں پیش کر دیں تو خصومت مندفع ہو جائے گی جس طرح وہ ملک مطلق کا دعویٰ کرے جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے، ''بحر''۔ شارح نے اس کی طرف بھی اپنے اس قول بخلاف قولہ: غصب منی الخ کے ساتھ اشارہ کیا۔ لیکن ان کا قول و برھن اس کے منافی وہ قول ہے جسے ہم عنقریب ''نورالعین'' سے متن کے قول اندفعت کے ہاں (مقولہ 27885 میں) نقل کریں گے: گواہیوں کی ضرورت

(أَوْ قَالَ (سُرِقَ مِنِّی) وَبَنَاهُ لِلْمَفْعُولِ لِلسَّتْرِ عَلَیْهِ فَکَأَنَّهُ قَالَ سَرَقْتَه مِنِّی بِخِلَافِ غُصِبَ مِنِّی أَوْ غَصَبَهُ مِنِّی فُلَانٌ الْغَائِبُ کَمَا سَیَجِیءُ حَیْثُ تَنْدَفِعُ وَهَلْ تَنْدَفِعُ بِالْمَصْدَرِ الصَّحِیحُ لَا بَزَّازِیَّةٌ (وَقَالَ ذُو الْیَدِ) فِی الدَّفْعِ (أَوْدَعَنِیهِ فُلَانٌ وَبَرْهَنَ عَلَیْهِ) لَا تَنْدَفِعُ فِی الْکُلِّ لِمَا قُلْنَا

یا اس نے کہا: مجھ سے چوری کرلیا گیا اس کی پردہ پوشی کی غرض مجہول صیغہ بنایا گیا۔ گویا اس نے کہا: تو نے اسے مجھ سے چوری کیا ہے۔ غصب منی اور غصبه منی فلان الغائب کا معاملہ مختلف ہے۔ جس طرح عنقریب آئے گا اس وقت خصومت مندفع ہوجائے گی کیا مصدر ذکر کرنے کے ساتھ خصومت ختم ہوجائے گی؟ صحیح قول یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوگا، ''بزازیہ''۔ قابض نے خصومت کا دفاع کرتے ہوئے کہا: فلاں نے مجھے یہ چیز ودیعت کی ہے اور اس پر گواہیاں قائم کردیں تو سب میں خصومت ختم نہ ہوگی اس کی دلیل وہی ہے جسے ہم ذکر کرچکے ہیں۔

نہیں۔ اسی طرح اس شرا کا مسئلہ ہے جس کا مصنف ذکر کریں گے۔ یہ متون کا مسئلہ ہے۔

27869۔ (قولہ: أَوْ قَالَ سُرِقَ مِنِّی) غصب اور سرقہ کا ذکر ایک تمثیل ہے۔ مراد اس پر ایک فعل کا دعویٰ ہے۔ اگر مدعی کہے: میں نے تجھے وہ چیز ودیعت کے طور پر دی تھی۔ میں نے وہ چیز تجھ سے خریدی تھی اور قابض اس طریقہ سے گواہی قائم کردے جس طرح ہم نے (مقولہ 27865 میں) ذکر کیا ہے، جو اس کے حق میں ملک رقبہ کا فائدہ نہ دے تو خصومت مندفع نہ ہوگی، ''بزازیہ'' میں اسی طرح ہے، ''بحر''۔ زیادہ بہتر یہ قول ہے۔ فان قال

27870۔ (قولہ: وَبَنَاهُ) جب وہ فعل معروف کا صیغہ ذکر کرے تو بدرجہ اولیٰ اس کا حکم معلوم ہوجائے گا۔ ''بحر''۔

27871۔ (قولہ: الصَّحِیحُ لَا) میں کہتا ہوں، یہ مذکورہ حکم غصب میں ہے تو سرقہ میں حکم کیسا ہے؟ واجب ہے کہ خصومت بدرجہ اولیٰ مندفع نہ ہو۔ جس طرح مجہول کے صیغہ میں ہے۔ یہ امر ظاہر ہے۔ تامل۔ ''رملی علی المنح''۔

27872۔ (قولہ: بَزَّازِیَّةٌ) کہا: اس نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ اس کی ملکیت ہے جب کہ وہ اس کے قبضہ میں غصب تھا قابض نے ودیعت رکھنے پر گواہیاں قائم کردیں ایک قول یہ کیا گیا ہے خصومت مندفع ہوجائے گی۔ کیونکہ اس نے اس پر فعل کا دعویٰ نہیں کیا۔ صحیح قول یہ ہے کہ خصومت مندفع نہ ہوگی۔ ''بحر''۔ ''س''۔

27873۔ (قولہ: وَبَرْهَنَ عَلَیْهِ) برہان سے گواہیاں قائم کرنا مراد لیا ہے۔ پس اقرار اس سے خارج ہوجائے گا کیونکہ ''بزازیہ'' میں ''ذخیرہ'' کی طرف منسوب ہے: جو خصم اس طریقہ سے بنا ہو کہ اس پر ایک فعل کا دعویٰ کیا گیا اگر وہ مدعی کے اس اقرار پر یہ گواہیاں قائم کرے کہ ایک غائب آدمی نے اسے یہ چیز ودیعت دی تو خصومت مندفع ہوجائے گی۔ اگرچہ ودیعت رکھنے پر گواہیاں قائم کرنے سے مندفع نہ ہوگی۔ کیونکہ مدعی کا یہ اقرار ثابت ہے کہ اس کا قبضہ خصومت کا قبضہ نہیں۔ ''بحر''۔

27874۔ (قولہ: لِمَا قُلْنَا) یعنی مدعی نے اس پر فعل کا دعویٰ کیا۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔ جہاں تک متن کے دونوں مسئلوں کا تعلق ہے تو پہلے کی علت کی طرف اپنے اس قول کے ساتھ اشارہ کیا: یا قابض نے ید خصومت کا اقرار کیا۔ اور

(قَالَ فِی غَیْرِ مَجْلِسِ الْحُکْمِ إِنَّهُ مِلْکِی ثُمَّ قَالَ فِی مَجْلِسِهِ إِنَّهُ وَدِیعَةٌ عِنْدِی) أَوْ رَهْنٌ (مِنْ فُلَانٍ تَنْدَفِعُ مَعَ الْبُرْهَانِ عَلَى مَا ذُکِرَ وَلَوْ بَرْهَنَ الْمُدَّعِی عَلَى مَقَالَتِهِ الْأُولَى یَجْعَلُهُ خَصْمًا وَیَحْکُمُ عَلَیْهِ) لِسَبْقِ إِقْرَارٍ یَمْنَعُ الدَّفْعَ بَزَّازِیَّةٌ (وَإِنْ قَالَ الْمُدَّعِی اشْتَرَیْتُه مِنْ فُلَانٍ) الْغَائِبِ (وَقَالَ ذُو الْیَدِ أَوْ دَعَنِیهِ فُلَانٌ ذَلِکَ) أَیْ بِنَفْسِهِ فَلَوْ بِوَکِیلِهِ لَمْ تَنْدَفِعْ بِلَا بَیِّنَةٍ (دُفِعَتْ الْخُصُومَةُ

مجلس حکم کے علاوہ میں کہا: یہ میری ملکیت ہے۔ پھر مجلس حکم میں کہا: یہ میرے پاس ودیعت ہے یا فلاں کی جانب سے رہن ہے جس طرح ذکر کر دیا گیا۔ گواہیاں قائم کرنے کے ساتھ خصومت ختم ہو جائے گی جیسے کہ ذکر کر دیا گیا ہے۔ اگر مدعی اس کے پہلے قول پر گواہیاں قائم کر دے تو وہ اسے خصم بنائے گا اور اس پر حکم جاری کرے گا۔ کیونکہ پہلے ایسا اقرار واقع ہو چکا ہے جو دفاع کے مانع ہے، ''بزازیہ''۔ اگر مدعی کہے: میں نے اسے فلاں غائب سے خریدا ہے قابض کہے: فلاں نے بذات خود یہ چیز مجھے دی ہے، اگر اس نے اپنے وکیل کے ذریعے دی ہے کا قول کیا تو گواہوں کے بغیر خصومت ختم نہ ہو گی، تو خصومت ختم ہو جائے گی

دوسرے کی علت کی طرف اپنے اس قول سے اشارہ کیا: ''اس پر فعل کا دعویٰ'' یعنی وہ خصم اس لیے بنا ہے کہ اس پر فعل کا دعویٰ کیا نہ کہ قبضہ کی وجہ سے دعویٰ کیا۔ بلکہ طلاق کے دعویٰ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ خصم ہے اس میں اس کے قبضہ کا اعتبار ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

جب وہ ہلاک ہو چکا ہو تو اس کی علت کی طرف اشارہ نہیں کیا۔ وہ یہ ہے کہ اس نے اس پر دین کا دعویٰ کیا اور اس کا محل ذمہ ہے۔ پس مدعی علیہ اپنے ذمہ کی وجہ سے خصم بن جائے گا۔ اور ان گواہوں کے ساتھ کہ وہ اس کے ہاتھ میں ودیعت ہے اس میں یہ واضح نہیں ہوتا کہ اس کے ذمہ میں جو کچھ ہے وہ غیر کے لیے ہے۔ پس خصومت مندفع نہ ہو گی جس طرح ''المعراج'' میں ہے۔ اسی طرح جب گواہ کہیں: اس کے ہاں اس نے ودیعت رکھی ہے جسے ہم نہیں پہچانتے۔ اس کی علت یہ ہے کہ انہوں نے مدعی کو اس آدمی کی طرف نہیں پھیرا جس کی مخاصمت ممکن تھی۔ اسی طرح قول کیا گیا ہے۔

27875۔(قولہ: فِی مَجْلِسِهِ) یعنی مجلس حکم میں۔

27876۔(قولہ: لِسَبْقِ إِقْرَارٍ) سبق اقرار کی طرف مضاف ہے اور الدفع، یمنع کا مفعول ہے۔

27877۔(قولہ: ذَلِکَ) یعنی جو مدعی کے کلام میں مذکور ہے۔ ''ح''۔

27878۔(قولہ: بِنَفْسِهِ) یہ ان کے قول او دعنیه کی تقیید ہے ان کے قول ذلک کی تفسیر نہیں۔ ''ح''۔ ''حاشیہ'' میں کہا: بنفسہ یعنی بنفس فلان الغائب۔

27879۔(قولہ: بِلَا بَیِّنَةٍ) کیونکہ وکالت ان کے قول کے ساتھ ثابت نہیں ہوتی، ''معراج''۔ اور اس لیے بھی کہ جس سے اس نے اسے خریدا ہے اس سے اس کا قبضہ ثابت نہیں ہوا۔ کیونکہ قابض نے اس کا انکار کیا ہے نہ ہی وکیل کی جانب

(وَإِنْ لَمْ يُبَرْهِنْ) لِتَوَافُقِهِمَا أَنَّ أَصْلَ الْمِلْكِ لِلْغَائِبِ إِلَّا إِذَا قَالَ اشْتَرَيْته وَوَكَّلَنِي بِقَبْضِهِ وَبَرْهَنَ وَلَوْ صَدَّقَهُ فِي الشِّرَاءِ لَمْ يُؤْمَرْ بِالتَّسْلِيمِ لِئَلَّا يَكُونَ قَضَاءً عَلَى الْغَائِبِ بِإِقْرَارِهِ وَهِيَ عَجِيبَةٌ ثُمَّ اقْتِصَارُ الدُّرَرِ وَغَيْرِهَا عَلَى دَعْوَى الشِّرَاءِ قَيْدٌ اتِّفَاقِيٌّ فَلِذَا قَالَ (وَلَوْ ادَّعَى أَنَّهُ لَهُ غَصَبَهُ مِنْهُ فُلَانٌ الْغَائِبُ وَبَرْهَنَ عَلَيْهِ وَزَعَمَ ذُو الْيَدِ أَنَّ هَذَا الْغَائِبَ أَوْدَعَهُ عِنْدَهُ انْدَفَعَتْ) لِتَوَافُقِهِمَا أَنَّ الْيَدَ لِذَلِكَ الرَّجُلِ (وَلَوْ كَانَ مَكَانَ دَعْوَى الْغَصْبِ دَعْوَى سَرِقَةٍ

اگر چہ وہ گواہیاں قائم نہ کرے۔ کیونکہ دونوں نے یہ موافقت کی ہے کہ اصل ملکیت غائب کی ہے مگر جب وہ کہے: میں نے اسے خریدا ہے اور مجھے اس پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا ہے اور اس پر گواہیاں قائم کر دیں۔ اگر وہ خریداری میں اس کی تصدیق کرے تو اسے سپرد کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا تا کہ اس کے اقرار کی وجہ سے غائب پر قضا نہ ہو جب کہ یہ مسئلہ عجیب ہے۔ پھر ''الدرر'' وغیرہ کا شرا کے دعویٰ پر انحصار کرنا یہ اتفاقی قید ہے۔ اسی وجہ سے کہا: اگر مدعی نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ مال اس کا ہے، فلاں غائب نے اس سے یہ مال غصب کیا تھا اور اس پر گواہیاں قائم کر دیں قابض نے گمان کیا کہ اس غائب نے اس کے پاس یہ مال ودیعت رکھا تھا تو خصومت مندفع ہو جائے گی۔ کیونکہ دونوں اس پر متفق ہیں کہ قبضہ فلاں آدمی کا ہے اگر غصب کے دعویٰ کی جگہ سرقہ کا دعویٰ ہو

سے قبض ثابت ہوا کیونکہ مشتری نے اس کا انکار کیا ہے۔ ''بحر''۔

27880۔ (قولہ: وَإِنْ لَمْ يُبَرْهِنْ) ''البنایہ'' میں ہے: اگر مدعی ودیعت رکھنے پر اس کی قسم کا مطالبہ کرے تو اس سے حتمی امر پر قسم کا مطالبہ کیا جائے گا۔ ''بحر''۔

27881۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا قَالَ) یعنی جب مدعی کہے۔

27882۔ (قولہ: اشْتَرَيْته) میں نے غائب سے اسے خریدا ہے۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

27883۔ (قولہ: وَهِيَ عَجِيبَةٌ) عجب کی وجہ ظاہر نہیں۔

27884۔ (قولہ: وَلَوْ ادَّعَى الخ) یہ مسئلہ باب عزل الوکیل سے تھوڑا پہلے متن میں گزر چکا ہے جس کی یہ علت بیان کی گئی تھی: بانہ اقرار علی الغیر، یہ غیر پر اقرار ہے۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح اگر اس نے دعویٰ کیا کہ اس نے یہ چیز فلاں کو عاریۃً دی جس طرح علت سے ظاہر ہوتا ہے۔

''حاشیہ'' میں کہا: نسب کو ثابت کرنے میں خصم پانچ ہیں۔ وارث، وصی، جس کے لیے وصیت کی جائے، میت کا مقروض، میت کا قرض خواہ، ''بزازیہ''۔ وراثت میں اسی طرح ہے۔ ''جامع الفصولین''۔

27885۔ (قولہ: انْدَفَعَتْ) یعنی گواہوں کے بغیر خصومت مندفع ہو جائے گی۔ ''نور العین''۔

27886۔ (قولہ: دَعْوَى سَرِقَةٍ لَا) یہ ان کے قول: انه ثوبی سرقه منی زید، یہ میرا کپڑا ہے زید نے اسے مجھ سے

لَا تَنْدَفِعُ بِزَعْمِ ذِي الْيَدِ إِيدَاعَ ذٰلِكَ الْغَائِبِ اسْتِحْسَانًا بَزَّازِيَّةٌ وَفِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ لِلشُّرُنْبُلَالِيِّ لَوِ اتَّفَقَا عَلَى الْمِلْكِ لِزَيْدٍ وَكُلٌّ يَدَّعِي الْإِجَارَةَ مِنْهُ لَمْ يَكُنِ الثَّانِي خَصْمًا لِلْأَوَّلِ عَلَى الصَّحِيحِ وَلَا لِمُدَّعِي رَهْنٍ أَوْ شِرَاءٍ أَمَّا الْمُشْتَرِي فَخَصْمٌ لِلْكُلِّ فُرُوعٌ قَالَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ لِي دَفْعٌ

تو خصومت قابض کے اس گمان سے ختم نہ ہوگی کہ فلاں غائب نے اس کے پاس ہر چیز ودیعت رکھی تھی۔ یہ بطور استحسان ہے، ''بزازیہ''۔ ''شرنبلالی'' کی ''شرح الوہبانیہ'' میں ہے: اگر دونوں زید کی ملکیت پر متفق ہو گئے اور ہر ایک اس سے اجارہ کا دعویٰ کرتا ہے تو صحیح قول کے مطابق دوسرا پہلے کا خصم نہیں ہوگا اور نہ ہی وہ دین یا شرا کے مدعی کا خصم ہوگا۔ جہاں تک مشتری کا تعلق ہے وہ سب کا خصم ہوگا۔ فروع: مدعیٰ علیہ نے کہا: میرے پاس مدعی کے دعویٰ کو رد کرنے کی وجہ موجود ہے

چوری کیا ہے۔ قابض نے کہا: زید نے مجھے یہ ودیعت کیا تھا تو بطور استحسان خصومت مندفع نہ ہوگی۔

حقیر پر تقصیر کہتا ہے: شاید استحسان کی وجہ یہ ہے کہ غصب کا معنی ہے: حق دار قبضہ کو باطل قبضہ کے ساتھ ختم کر دینا جس طرح کتب فقہ میں مذکور ہے۔ پس غصب کے مسئلہ میں قبضہ غاصب کا ہوگا۔ سرقہ کا مسئلہ اس سے مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں قبضہ قابض کا ہوتا ہے۔ کیونکہ شرع میں چور کا کوئی قبضہ نہیں۔ پھر یہ عبارت لا ید للسارق یہ ایسا نکتہ لطیفہ ہے جس کا حسن دانش مندوں پر مخفی نہیں۔ ''نور العین''۔ یہ زیادہ بہتر ہے۔ ''سائحانی'' نے جو قول کیا ہے ضروری ہے کہ اسے اس قول پر محمول کیا جائے: سرق منی۔ مجھ سے یہ مال چوری کیا گیا۔ مگر جب وہ یہ قول کرے: ایک غائب آدمی نے مجھ سے اسے چوری کیا تو خصومت ختم ہو جائے گی۔ کیونکہ دونوں اس پر متفق ہیں کہ قبضہ غائب کا ہے اور یہ غیر قابض پر فعل کے دعویٰ کے قبیل میں سے ہو جائے گا۔ اور خصومت مندفع ہو جائے گی۔ ''الفصولین'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ شاید قیاس واستحسان کے اعتبار سے مسئلہ میں دو قول ہیں۔

27887۔ (قولہ: لَا تَنْدَفِعُ) صاحب ''البحر'' نے کہا: اس محل کی تالیف کے بعد مجھ سے ایک ایسے آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنی بہن کا سامان اس کے گھر سے لے لیا، اسے رہن رکھا اور غائب ہو گیا۔ بہن نے قابض کے خلاف اس مال کا دعویٰ کیا تو قابض نے رہن کے ساتھ جواب دیا۔

میں نے اس کا جواب دیا: اگر عورت اس کے بھائی کے غصب کا دعویٰ کرے اور قابض رہن رکھے جانے پر گواہیاں قائم کر دے تو خصومت مندفع ہو جائے گی اگر وہ چوری کا دعویٰ کرے تو خصومت ختم نہ ہوگی۔

اس کا ظاہر معنی یہ ہے: عورت نے اپنے بھائی پر چوری کا دعویٰ کیا ساتھ ہی ہم پہلے (مقولہ 27868 میں) اس سے یہ نقل کر آئے ہیں: قابض کے خلاف فعل کے دعویٰ کی قید لگانا یہ غیر پر اس کے دعویٰ سے احتراز کے لیے ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر قابض، جن امور کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے کسی ایک طریقہ سے دفاع کرے اور گواہیاں قائم کر دے تو خصومت ختم ہو جائے گی۔ پس واجب ہوگا کہ اسے اس پر محمول کیا جائے کہ عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ اس سے مال چوری کیا گیا یعنی مجہول کا صیغہ ذکر کیا تا کہ دعویٰ قابض کے خلاف ہو لیکن اس کا قول ان اخاھا اخذہ من بیتھا اس کے خلاف ہے۔ تامل

يُمْهَلُ إِلَى الْمَجْلِسِ الثَّانِي صُغْرَى لِلْمُدَّعِي تَحْلِيفُ مُدَّعِي الْإِيدَاعِ عَلَى الْبَتَاتِ دُرَرٌ وَلَهُ تَحْلِيفُ الْمُدَّعِي عَلَى الْعِلْمِ وَتَمَامُهُ فِي الْبَزَّازِيَّةِ وَكَّلَ بِنَقْلِ أَمَتِهِ فَبَرْهَنَتْ أَنَّهُ أَعْتَقَهَا قُبِلَ لِلدَّفْعِ لَا لِلْعِتْقِ مَا لَمْ يَحْضُرِ الْمَوْلَى ابْنُ مَلَكٍ

تو اسے قاضی کی دوسری مجلس تک مہلت دی جائے گی۔ ''صغریٰ''۔ مدعی کو حق حاصل ہے کہ جو ودیعت رکھنے کا دعویٰ کرے اس سے حتمی امر پر قسم لے، ''درر''۔ اور جو ودیعت رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے اسے یہ حق حاصل ہے کہ مدعی سے آگاہ ہونے پر قسم لے اس کی مکمل وضاحت ''بزازیہ'' میں ہے۔ ایک آدمی نے دوسرے کو اپنی لونڈی منتقل کرنے کا وکیل بنایا تو اس لونڈی نے گواہیاں قائم کر دیں کہ اس کے آقا نے اسے آزاد کر دیا ہے تو اس کی یہ گواہیاں دعویٰ کو رد کرنے میں قبول کی جائیں گی آزاد کرنے کے لیے قبول نہ کی جائیں گی جب تک آقا حاضر نہ ہو، ''ابن ملک''۔

27888۔ (قولہ: يُمْهَلُ إِلَى الْمَجْلِسِ الثَّانِي) یعنی اس کے بعد اسے مہلت دی جائے گی جب کہ اس نے اس سے اس کے بارے میں سوال کیا ہو اور اسے یہ علم ہو چکا ہو کہ دعویٰ رد کرنے کی وجہ صحیح ہے جس طرح ہم نے تحکیم سے پہلے (مقولہ 26440 میں) اس کو بیان کر دیا ہے۔

27889۔ (قولہ: لِلْمُدَّعِي تَحْلِيفُ الخ) ''الذخیرہ'' میں جو قول ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ وہ تو ودیعت رکھے جانے کا دعویٰ کر رہا ہے اور مدعی پر قسم نہیں ہوتی۔ ''ح''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

فروع: ''حاشیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے ایک عورت سے نکاح کا دعویٰ کیا جس کا ایک خاوند ہے تو ظاہر خاوند کے حاضر ہونے کی شرط لگائی جائے گی۔ ''جامع الفصولین''۔

زمین کا جو مدعی ہو خواہ ملک کا ہو خواہ وقف کا ہو۔ سابی (ایک بوڑھا جس کی عقل جاتی رہی ہو) اس کا خصم نہیں ہوگا۔ ''خیریہ''۔ کتاب الدعویٰ۔

قاعدہ یہ ہے: ملک مطلق کا دعویٰ ساقط ہو جاتا ہے۔ جو دعویٰ سبب کے ساتھ مقید ہو وہ ساقط نہیں ہوتا۔ ''درمنتقی''۔
مشتری مستاجر اور مرتہن کا خصم نہیں ہوگا۔ ''جامع الفصولین''، الفصل الثالث۔

بَابُ دَعْوَی الرَّجُلَیْنِ

(تُقَدَّمُ حُجَّةُ خَارِجٍ فِی مِلْكٍ مُطْلَقٍ) أَیْ لَمْ یُذْكَرْ لَهُ سَبَبٌ كَمَا مَرَّ

دو آدمیوں کا دعوی کے احکام

ملک مطلق میں غیر قابض کی حجت قابض کی حجت پر مقدم ہو گی اگر دونوں میں سے ایک وقت کا ذکر کرے۔

یہ امر تجھ پر مخفی نہیں کہ یہ باب اس لیے باندھا گیا ہے کہ دو آدمی تیسرے کے خلاف دعویٰ کریں ورنہ تمام دعوے دو افراد کے درمیان ہوتے ہیں۔ اس وقت یہ مسئلہ اس کتاب کے مسائل میں سے نہیں ہو گا۔ اسی وجہ سے صاحب ''الہدایہ'' اور صاحب ''کنز'' نے اسے کتاب الدعویٰ کے اوائل میں ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: شاید صاحب ''الدرر'' نے اسے اس مقام تک موخر کیا ہے جب کہ وہ اس میں صاحب ''الوقایہ'' کے اثر کی پیروی کر رہے ہیں تا کہ ان مسائل میں اور اس باب کے مسائل میں مناسبت متحقق ہو جائے تا کہ یہ ان مسائل کا آغاز ہو اگر چہ یہ اس باب سے نہیں۔ ''عزمی''۔

ملک مطلق میں غیر قابض کی حجت قابض کی حجت پر مقدم ہو گی

27890۔ (قولہ: حُجَّةُ خَارِجٍ) جو قابض نہیں اور جو قابض ہے اگر دونوں ایک ہی فرد سے وراثت کا دعویٰ کریں تو قابض غیر قابض سے اولیٰ ہو گا جس طرح شرا میں ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب غیر قابض اور قابض ایک ہی جہت سے ملک پانے کا دعویٰ کریں۔ اگر وہ دو جہتوں سے ملکیت کو پانے کا دعویٰ کریں تو غیر قابض کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا مگر جب قابض کی تاریخ پہلے کی ہو اگر دونوں ایک ہی فرد سے دعویٰ کریں تو وہاں قابض کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا مگر جب غیر قابض کی تاریخ مقدم ہو۔ فرق ''ہدایہ'' میں موجود ہے۔

اگر دونوں میں سے ایک کی تاریخ پہلے کی ہو تو وہ زیادہ مستحق ہو گا۔ جس طرح اگر دونوں بائع حاضر ہوں اور دونوں گواہیاں پیش کریں اور دونوں تاریخ کا ذکر کریں اور دونوں میں سے ایک کی تاریخ پہلے ہو اور مبیع دونوں میں سے ایک کے پاس ہو سابق کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا ''جامع الفصولین''۔ فصل ثامن۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

27891۔ (قولہ: فِی مِلْكٍ مُطْلَقٍ) کیونکہ غیر قابض مدعی ہے اور گواہیاں حدیث سے مدعی کی ہوتی ہیں۔ ملک مطلق کی قید لگائی۔ یہ اس ملک مقید سے احتراز ہے جو بچہ جننے کے دعویٰ کے ساتھ ہو، اور اس مقید سے احتراز ہے جب دونوں افراد سے خریداری کا دعویٰ کریں اور دونوں میں سے ایک کی تاریخ ہے۔ کیونکہ ان صورتوں میں بالاجماع قابض کی گواہیاں قبول کی جاتی ہیں۔ جس طرح عنقریب آئے گا۔ ''درر''۔

(عَلٰی حُجَّةِ ذِی الْيَدِ وَإِنْ وَقَّتَ أَحَدُهُمَا فَقَطْ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ ذُو الْوَقْتِ أَحَقُّ وَثَمَرَتُهُ فِيمَا لَوْ (قَالَ) فِي دَعْوَاهُ (هٰذَا الْعَبْدُ لِی غَابَ عَنِّی مُنْذُ شَهْرٍ وَقَالَ ذُو الْيَدِ لِی مُنْذُ سَنَةٍ قُضِیَ لِلْمُدَّعِی) لِأَنَّ مَا ذَكَرَهُ تَارِيخُ غَيْبَةٍ لَا مِلْكٍ فَلَمْ يُوجَدْ التَّارِيخُ مِنَ الطَّرَفَيْنِ فَقُضِیَ بِبَيِّنَةِ الْخَارِجِ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ

ملک مطلق اسے کہتے ہیں جس کا سبب ذکر نہ کیا گیا ہو۔امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جس نے وقت بیان کیا وہ زیادہ حق دار ہے۔اس کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا اگر کوئی آدمی اپنے دعویٰ میں کہے: یہ غلام میرا ہے مجھ سے چند ماہ سے غائب ہے اور قابض نے کہا: یہ ایک سال سے میرا ہے تو مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے جو ذکر کیا ہے وہ غائب ہونے کی تاریخ ہے ملک کی تاریخ نہیں۔پس طرفین سے تاریخ نہ پائی گئی۔پس غیر قابض کی گواہیوں کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

جب غیر قابض اور قابض کسی چھوٹے بچے کے نسب پر گواہیاں قائم کر دیں تو اس کا حکم

فرع:''حاشیہ''میں ہے: جب غیر قابض اور قابض کسی چھوٹے بچے کے نسب پر گواہیاں قائم کر دیں تو قابض کو مقدم سمجھا جائے گا مگر دو مسئلوں میں مقدم نہیں سمجھا جائے گا۔یہ''الخزانہ''میں ہے۔

(۱) اگر غیر قابض اس پر گواہیاں قائم کرے کہ یہ اس کا بیٹا اس کی اس بیوی سے ہے اور یہ دونوں آزاد ہیں اور قابض یہ گواہیاں قائم کرے کہ یہ اس کا بیٹا ہے اور اس بچے کی نسبت اس کی ماں کی طرف نہ کرے تو بچہ غیر قابض کا ہوگا۔

(۲) اگر قابض ذمی ہو اور غیر قابض مسلمان ہو اور ذمی کافر گواہوں کے ساتھ دلیل قائم کرے اور غیر قابض گواہیاں قائم کرے تو غیر قابض کو مقدم کیا جائے گا خواہ وہ دو مسلمانوں کی گواہیاں پیش کرے یا کفار کی۔اگر کافر دو مسلمانوں کی گواہی پیش کرے تو اسے مطلقاً مسلمان پر مقدم کیا جائے گا۔''الاشباہ''میں کتاب الوکالہ سے تھوڑا پہلے اسے ذکر کیا گیا ہے۔

27892۔(قولہ: فَقَطْ) فقط کے قول کے ساتھ اسے مقید کیا ہے۔کیونکہ اگر دونوں وقت ذکر کریں تو سابق کو مقدم کیا جائے گا جس طرح عنقریب متن میں آئے گا۔مراد یہ ہے خواہ دونوں وقت ذکر نہ کریں یا صرف دونوں میں سے ایک وقت کا ذکر کرے۔اگر دونوں کی تاریخ برابر ہو تو غیر قابض اولیٰ ہوگا۔زیادہ عام غرر کا قول ہے: ملک مطلق میں غیر قابض کی دلیل اولیٰ ہے مگر جب دونوں تاریخ بیان کریں اور قابض زیادہ سبقت رکھتا ہے۔''سائحانی''۔

27893۔(قولہ: قَالَ فِی دَعْوَاهُ هٰذَا الْعَبْدُ الخ) مسئلہ متن میں باب بیع السلم سے تھوڑا پہلے گزر چکا ہے۔

27894۔(قولہ: تَارِيخُ غَيْبَةٍ) کیونکہ ان کا قول: منذ شهر غاب کے متعلق ہے یہ غیب ہونے کی قید ہے۔اور ان کا قول: منذ سنة یہ اسی کی متعلق ہے جس کے متعلق لی ہے یعنی ملك لی منذ سنة۔پس یہ ملک کی قید ہے اور اس کی تاریخ ہے۔اور معتبر ملک کی تاریخ ہے۔اور وہ دونوں جانب سے نہیں پائی گئی۔

27895۔(قولہ: وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ) یہ قول ضعیف ہے۔

يُقْضَى لِلْمُؤَرِّخِ وَلَوْ حَالَةَ الِانْفِرَادِ وَيَنْبَغِي أَنْ يُفْتَى بِقَوْلِهِ لِأَنَّهُ أَوْفَقُ وَأَظْهَرُ كَذَا فِي جَامِعِ الْفُصُولَيْنِ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ (وَلَوْ بَرْهَنَ خَارِجَانِ عَلَى شَيْءٍ قُضِيَ بِهِ لَهُمَا فَإِنْ بَرْهَنَا فِي) دَعْوَى (نِكَاحٍ سَقَطَا) لِتَعَذُّرِ الْجَمْعِ لَوْ حَيَّةً

جس نے تاریخ ذکر کی اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا اگر چہ حالت انفراد میں ہو۔ چاہیے کہ ان کے قول کے مطابق فتویٰ دیا جائے۔ کیونکہ یہ زیادہ موافق اور زیادہ ظاہر ہے،''جامع الفصولین'' میں اسی طرح ہے مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے۔ اگر دو غیر قابض کسی شے پر گواہیاں قائم کریں تو دونوں کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر وہ دونوں نکاح کے دعویٰ میں گواہیاں قائم کریں تو دونوں گواہیاں ساقط ہو جائیں گی۔ کیونکہ اگر وہ زندہ ہو تو دونوں کو جمع کرنا متعذر رہے۔

27896۔(قولہ: وَلَوْ حَالَةَ الِانْفِرَادِ) چاہیے کہ اس قول کو ساقط کر دیا جائے (مقولہ 2915)۔ کیونکہ گفتگو حالت انفراد کے بارے میں ہے۔

27897۔(قولہ: كَذَا فِي جَامِعِ الْفُصُولَيْنِ) اسے سولہویں فصل میں ذکر کیا کیونکہ کہا: گدھے کا کوئی مستحق نکل آیا تو مشتری نے بائع سے اس کی ثمن کا مطالبہ کیا بائع نے مستحق سے کہا: کتنے عرصہ سے تیرا یہ گدھا غائب رہا؟ اس نے کہا: ایک سال سے، بائع نے گواہیاں قائم کر دیں وہ اس گدھے کا دس سال سے مالک ہے تو مستحق کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ مستحق نے اس کے غائب ہونے کی تاریخ ذکر کی ملک کی تاریخ ذکر نہیں کی اور بائع نے ملک کی تاریخ بیان کی۔ اور اس کا دعویٰ مشتری کا دعویٰ ہے۔ کیونکہ مشتری اسے اس کی جہت سے پاتا ہے۔ وہ یوں ہو گیا گویا مشتری دس سال سے اس کے بائع کی ملکیت کا دعویٰ کرتا ہے مگر امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حالت انفراد میں تاریخ کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ پس ملک کا دعویٰ باقی رہا پس مستحق کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ میں کہتا ہوں: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا جس نے تاریخ بیان کی۔ کیونکہ حالت انفراد میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ تاریخ بیان کرنے والے کو ترجیح دیتے ہیں۔ ملخص

فصل ثامن میں پہلے بیان کر آئے ہیں۔ کہا: امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور اور صحیح مذہب یہ ہے کہ صرف قابض کی تاریخ غیر معتبر ہے۔ تنبیہ۔ اسے ''خیر الدین رملی'' نے ''حاشیۃ المنح'' میں ذکر کیا ہے۔

اگر قابض کسی شے پر گواہیاں قائم کریں تو دونوں کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا

27898۔(قولہ: وَلَوْ بَرْهَنَ خَارِجَانِ) یعنی جب دو آدمی کسی عینی چیز کے بارے میں دعویٰ کریں جو کسی اور کے قبضہ میں ہے اور دونوں میں سے ہر ایک گمان کرے کہ یہ اس کی ملک میں ہے۔ اور وہ دونوں نہ ملکیت کا سبب اور نہ اس کی تاریخ ذکر کریں تو اس عتق کا ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اولویت کسی کے حق میں موجود نہیں۔ اسے مطلق ذکر کیا ہے۔ پس یہ قول اسے شامل ہو گا جب وہ اس چیز کے بارے وقف کا دعویٰ کریں جو کسی اور کے قبضہ میں ہو۔ پس ہر ایک کے لیے نصف کے وقف کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پس یہ ملک مطلق کے دعویٰ کے قبیل سے ہے یہ واقف کی ملکیت کے اعتبار سے ہے۔

وَلَوْ مَيِّتَةً قُضِيَ بِهِ بَيْنَهُمَا وَعَلَى كُلٍّ نِصْفُ الْمَهْرِ وَيَرِثَانِ مِيرَاثَ زَوْجٍ وَاحِدٍ وَلَوْ وَلَدَتْ يَثْبُتُ النَّسَبُ مِنْهُمَا وَتَمَامُهُ فِي الْخُلَاصَةِ (وَهِيَ لِمَنْ صَدَّقَتْهُ إِذَا لَمْ تَكُنْ فِي يَدِ مَنْ كَذَّبَتْهُ وَلَمْ يَكُنْ دَخَلَ)

اگر وہ مردہ ہو تو اس کا فیصلہ دونوں میں کر دیا جائے گا اور ہر ایک پر اس کا نصف مہر لازم ہوگا۔ اور وہ دونوں مرد ایک خاوند کی میراث کے وارث ہوں گے اگر وہ عورت بچہ جن دے تو ان دونوں سے نسب ثابت ہو جائے گا۔ اس کی مکمل بحث ''الخلاصہ'' میں ہے۔ یہ عورت اس کی بیوی ہوگی جس کی اس عورت نے تصدیق کی جب وہ عورت اس مرد کے قبضہ میں نہ ہو جس کی اس نے تکذیب کی ہو اور جس کو اس نے جھٹلایا ہو اس نے اس عورت کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہ کیے ہوں۔

اس کی مکمل وضاحت ''البحر'' میں ہے۔ اس میں ہے کہ منافع اس کی مثل ہوں گے دونوں کی جانب سے برہان کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر صرف ایک گواہیاں قائم کرے تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر ایک اور غیر قابض اس کے بارے میں گواہیاں قائم کر دے تو اس کے حق میں تمام کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے حق میں جس کا فیصلہ کیا گیا ہے وہ فیصلہ کے ساتھ قبضہ والا ہو گیا ہے۔ تو ایک اور غیر قابض کی گواہیاں مقدم کی جائیں گی۔ ''بحر''۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے''۔

اگر دو آدمی نکاح کے دعویٰ میں گواہیاں قائم کر دیں تو اس کا حکم

27899۔ (قولہ: وَلَوْ مَيِّتَةً) یعنی وہ دونوں تاریخ بیان نہ کریں یا ان دونوں کی تاریخ برابر ہو جائے جس طرح ''البحر'' میں ''الخلاصہ'' سے عبارت ہے۔

27900۔ (قولہ: وَلَوْ وَلَدَتْ) یعنی وہ عورت مرنے سے پہلے بچہ جن دے۔ عبارت کا ظاہر معنی یہ ہے: وہ موت کے بعد بچہ جنے۔ لیکن اس پر اعتراض کیا جائے گا کیا اسے ولادت کہا جائے گا (مقولہ 2962)؟

27901۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ فِي الْخُلَاصَةِ) وہ یہ ہے: وہ بچہ ان دونوں میں سے ہر ایک سے کامل بچے کی میراث کا وارث بنے گا اور وہ دونوں اس بیٹے سے ایک باپ کی میراث کے وارث بنیں گے۔ ''ح''۔

27902۔ (قولہ: وَهِيَ لِمَنْ صَدَّقَتْهُ) یہ اسے شامل ہے جب قاضی اس تصدیق کو سننے یا عورت اس کے حق میں انکار کرے تو اس کے بعد اس کا مدعی اس پر گواہیاں قائم کرے۔ ''بحر'' میں ''الخلاصہ'' سے مروی ہے۔

27903۔ (قولہ: إِذَا لَمْ تَكُنْ الخ) رہی وہ صورت کہ عورت اس کے قبضہ میں ہو جس کو اس نے جھٹلایا ہے یا اس نے اس عورت کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کر لیے ہیں تو وہ زیادہ حق دار ہوگا۔ اور اس کے قول کا اعتبار نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس مرد کا اس عورت کے ساتھ لے جانے پر قادر ہونا یا اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرنا یہ اس پر دلیل ہے کہ اس کا عقد پہلے ہوا ہے مگر دوسرا اس پر گواہیاں قائم کر دے کہ اس نے اس مرد سے پہلے اس عورت کے ساتھ عقد نکاح کیا تھا۔ پس یہ زیادہ حق دار ہو گا کیونکہ صریح دلالت پر فائق ہوتا ہے۔ ''زیلعی''۔

یہ امر باقی ہے: اگر دونوں میں سے ایک اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرے جب کہ وہ دوسرے مرد کے گھر میں ہو تو

مَنْ كَذَّبَتْهُ (بِهَا) هٰذَا إِذَا لَمْ يُؤَرِّخَا (فَإِنْ أَرَّخَا فَالسَّابِقُ أَحَقُّ بِهَا) فَلَوْ أَرَّخَ أَحَدُهُمَا فَهِيَ لِمَنْ صَدَّقَتْهُ أَوْ لِذِي الْيَدِ بَزَّازِيَّةٌ قُلْت وَعَلَى مَا مَرَّ عَنْ الثَّانِي يَنْبَغِي

یہ اس صورت میں ہے جب وہ دونوں تاریخ بیان نہ کریں اگر وہ دونوں تاریخ بیان کریں تو جس کی تاریخ پہلے ہو وہ زیادہ حق دار ہوگا۔ اگر دونوں میں سے ایک تاریخ بیان کرے تو یہ عورت اس کی بیوی ہوگی جس کی یہ عورت تصدیق کرے یا یہ اس کی بیوی ہو گی جس کے قبضہ میں ہو۔ ''بزازیہ''۔ میں کہتا ہوں: جو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے قول گزر چکا ہے اس کو پیش نظر رکھا جائے

''البحر'' میں ''الظہیریہ'' سے مروی ہے: جس کے گھر میں وہ عورت ہے وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔

27904۔ (قولہ: هٰذَا إِذَا لَمْ يُؤَرِّخَا) اسی طرح اگر وہ دونوں تاریخ بیان کریں اور تاریخیں دونوں برابر ہوں۔

27905۔ (قولہ: فَإِنْ أَرَّخَا) یعنی دونوں مطلق غیر قابض تاریخ بیان کریں۔

27906۔ (قولہ: فَالسَّابِقُ أَحَقُّ) یعنی جس کی تاریخ پہلے ہے وہ زیادہ حق دار ہے یعنی اگرچہ وہ دوسرے مرد کی تصدیق کرے یا وہ قابض ہو یا اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرے۔

جس طرح ''زیلعی'' میں ہے حاصل کلام یہ ہے: دونوں مرد جب ایک عورت میں تنازع کریں اور گواہیاں قائم کریں اگر وہ دونوں تاریخ بیان کریں اور ان دونوں میں سے ایک کی تاریخ پہلے ہو تو وہ زیادہ حق دار ہوگا۔ اگر وہ دونوں تاریخ بیان نہ کریں یا دونوں تاریخ میں برابر ہوں۔ اگر دونوں میں سے ایک کے ساتھ قبضہ ہو جس طرح اس عورت کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے ہوں یا وہ مرد اس عورت کو اپنے گھر لے گیا ہو تو وہ زیادہ حق دار ہوگا اگر کوئی شے نہ پائی جائے تو عورت جس کی تصدیق کرے اس کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

27907۔ (قولہ: فَالسَّابِقُ أَحَقُّ بِهَا) یعنی اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا جس کا انہوں نے ذکر کیا کہ وہ عورت اس کے قبضہ میں ہو یا تاریخ بیان کرنے کے ساتھ اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کیے ہوں۔ کیونکہ یہ صریح ہے اور صریح دلالت پر فائق ہوتا ہے۔ ''منح''۔

27908۔ (قولہ: فَلَوْ أَرَّخَ أَحَدُهُمَا) یعنی عورت نے دوسرے کی تصدیق کی یا وہ دوسرا قابض تھا اگر یہ دونوں صورتیں نہ پائی جائیں تو تاریخ بیان کرنے والے کو مقدم کیا جائے گا پس تصدیق یا قبضہ تاریخ سے زیادہ قوی ہیں۔

جو گزر چکا ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ قبضہ تصدیق اور حقوق زوجیت سے زیادہ راجح ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ حاصل کلام یہ ہے: تاریخ کا پہلے ہونا یہ سب سے ارجح ہے پھر قبضہ پھر حقوق زوجیت۔ پھر اقرار پھر دونوں میں سے ایک کی تاریخ۔

27909۔ (قولہ: أَوْ لِذِي الْيَدِ) یعنی اگر دونوں میں سے ایک تاریخ بیان کرے اور دوسرے کا قبضہ ہو تو وہ عورت قابض کی ہوگی۔

27910۔ (قولہ: وَعَلَى مَا مَرَّ عَنْ الثَّانِي) یعنی حالت انفراد میں جس نے تاریخ بیان کی ہے اس کے حق میں

اعْتِبَارُ تَارِيخِ أَحَدِهِمَا، وَلَمْ أَرَ مَنْ نَبَّهَ عَلَى هَذَا فَتَأَمَّلْ (وَإِنْ أَقَرَّتْ لِمَنْ لَا حُجَّةَ لَهُ فَهِيَ لَهُ، وَإِنْ بَرْهَنَ الْآخَرُ قُضِيَ لَهُ وَلَوْ بَرْهَنَ أَحَدُهُمَا وَقُضِيَ لَهُ ثُمَّ بَرْهَنَ الْآخَرُ لَمْ يُقْضَ لَهُ إِلَّا إِذَا ثَبَتَ سَبْقُهُ) لِأَنَّ الْبُرْهَانَ مَعَ التَّارِيخِ أَقْوَى مِنْهُ بِدُونِهِ (كَمَا لَمْ يُقْضَ بِبُرْهَانِ خَارِجٍ عَلَى ذِي يَدٍ ظَهَرَ نِكَاحُهُ إِلَّا إِذَا ثَبَتَ سَبْقُهُ) أَيْ أَنَّ نِكَاحَهُ أَسْبَقُ (وَإِنْ) ذَكَرَا سَبَبَ الْمِلْكِ بِأَنْ (بَرْهَنَا عَلَى شِرَاءِ شَيْءٍ مِنْ ذِي يَدٍ، فَلِكُلٍّ نِصْفُهُ بِنِصْفِ الثَّمَنِ) إِنْ شَاءَ (أَوْ تَرَكَهُ) إِنَّمَا خُيِّرَ لِتَفْرِيقِ الصَّفْقَةِ عَلَيْهِ (وَإِنْ تَرَكَ أَحَدُهُمَا بَعْدَ مَا قُضِيَ لَهُمَا

تو دونوں میں سے ایک کی تاریخ کا اعتبار کیا جانا چاہیے۔ میں نے کسی ایسے عالم کو نہیں دیکھا جس نے اس پر متنبہ کیا ہو۔ پس غور کرو۔ اگر عورت اس کا اقرار کرے جس کے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو یہ عورت اس کی بیوی ہو گی اگر دوسرا گواہیاں پیش کر دے تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر دونوں میں سے ایک گواہیاں پیش کرے اور اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے پھر دوسرا گواہیاں قائم کرے تو اس کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا مگر جب اس کا نکاح پہلے ہونا ثابت ہو جائے۔ کیونکہ تاریخ کے ساتھ گواہیاں یہ اس سے زیادہ قوی ہوتے ہیں جب تاریخ کے بغیر ہوں جس طرح وہ مرد جس کے قبضہ میں وہ عورت نہ ہو تو گواہیوں کے ساتھ اس قابض کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائے گا جس کا نکاح ظاہر ہو۔ مگر جب اس کا نکاح پہلے ہونا ثابت ہو جائے۔ اگر دونوں ملکیت کا سبب ذکر کریں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ قابض سے کسی شے کے خریدنے پر گواہیاں قائم کریں تو ہر ایک کے لیے نصف ثمن کے عوض اس کا نصف ہو گا۔ اگر وہ چاہے یا اسے ترک کر دے۔ اسے اختیار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس پر صفقہ میں تفریق ہے۔ اگر دونوں کے حق میں فیصلہ کے بعد ایک اس کو ترک کر دے

قابض کے خلاف فیصلہ کیا جائے گا۔ یہاں جس نے تاریخ بیان کی ہے اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا اگرچہ دوسرا قابض ہو۔ کیونکہ حال انفراد میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مورخ کی جانب راجح ہوتی ہے۔

ہم پہلے (مقولہ 27903 میں) ''زیلعی'' سے بیان کر چکے ہیں۔ اگر وہ گواہیاں قائم کرے کہ اس نے عورت سے پہلے عقد نکاح کیا ہے تو وہ زیادہ حقدار ہو گا۔ عنقریب متن میں آئے گا۔

27911۔ (قولہ: وَإِنْ أَقَرَّتْ لِمَنْ لَا حُجَّةَ لَهُ فَهِيَ لَهُ) ''سائحانی'' نے کہا: ان کو یہ کہنا لازم تھا: فان لم تقم حجة فهي لمن اقرت له ثم ان برهن الآخر قضى له الخ اگر حجت قائم نہ ہو تو یہ عورت اس کی ہو گی جس کے حق میں یہ اقرار کرے پھر اگر دوسرا گواہیاں پیش کر دے تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔

وہ چیز جسے دو آدمی خریدنے کا دعویٰ کریں وہ اس کی ہو گی جس کی تاریخ مقدم ہو گی

27912۔ (قولہ: مِنْ ذِي يَدٍ) اگر دونوں اس آدمی سے خریداری کا دعویٰ کریں جو غیر قابض ہو تو عنقریب متن میں ان کے اس قول میں آئے گا: وان برهن خارجان على ملك مورخ الخ۔

27913۔ (قولہ: بِنِصْفِ الثَّمَنِ) یعنی اس ثمن کا نصف جو اس نے معین کی۔ اگر دونوں میں سے ایک نے یہ دعویٰ

لَمْ يَأْخُذِ الْآخَرُ كُلَّهُ) لِانْفِسَاخِهِ بِالْقَضَاءِ فَلَوْ قَبْلَهُ فَلَهُ، (وَهُوَ) أَيْ مَا ادَّعَيَا شِرَاءَهُ (لِلسَّابِقِ) تَارِيخًا (إِنْ أَرَّخَا) فَيَرُدُّ الْبَائِعُ مَا قَبَضَهُ مِنَ الْآخَرِ إِلَيْهِ سِرَاجٌ (وَ) هُوَ (لِذِي يَدٍ إِنْ لَمْ يُؤَرِّخَا أَوْ أَرَّخَ أَحَدُهُمَا) وَاسْتَوَى تَارِيخُهُمَا

تو دوسرا سارے کا سارا نہیں لے گا۔ کیونکہ قضا کے ساتھ وہ فسخ ہو چکا ہے۔ اگر وہ قضا سے پہلے ترک کر دے تو سارے کا سارا دوسرے کا ہوگا۔ وہ یعنی جس چیز کو خریدنے کا دونوں نے دعویٰ کیا، اس کا ہوگا جس کی تاریخ مقدم ہو۔ اگر دونوں تاریخ بیان کریں تو بائع نے دوسرے سے جو چیز وصول کی تھی وہ اسے لوٹا دے گا۔ ''سراج''۔ اور دونوں تاریخ نہ بیان کریں یا ان دونوں میں سے ایک تاریخ بیان کرے یا دونوں کی تاریخ برابر ہو تو وہ چیز قابض کی ہوگی۔

کیا کہ اس نے اسے سو میں خریدا اور دوسرے نے دعویٰ کیا کہ اس نے دو سو میں خریدا تو پہلا نصف پچاس میں اور دوسرے نے سو میں نصف لے گا۔

27914۔ (قولہ: مَا قَبَضَهُ) یعنی اس نے جو ثمن پر قبضہ کیا۔

27915۔ (قولہ: وَهُوَ لِذِي يَدٍ) یعنی مدعیٰ قابض کا ہوگا۔ ''البحر'' میں کہا: مجھے ''الکتاب (الکنز)'' کی عبارت میں اشکال ہے وہ یہ ہے کہ اصل مسئلہ دو ایسے آدمیوں میں مفروض ہے جو قابض نہیں وہ ایسی چیز میں نزاع کرتے ہیں جو ایک تیسرے آدمی کے پاس ہے جب دونوں میں سے ایک کے پاس قبضہ ہو تو وہ ایسا قابض ہوگا جو غیر قابض کے ساتھ منازعہ کر رہا ہے۔ پس یہ مسئلہ نہیں۔ پھر میں نے ''المعراج'' میں وہ قول دیکھا جو اس اشکال کو زائل کر دیتا ہے: یہ جائز ہے کہ وہ گواہوں کے ساتھ زمانہ گزشتہ میں قبضہ کو ثابت کرے جب کہ اب وہ بائع کے قبضہ میں ہو۔ مگر اس کے بعد جو ''ذخیرہ'' سے نقل کیا ہے وہ اس میں اشکال پیدا کرتا ہے کہ دونوں میں سے ایک کے حق میں قبضہ کا ثبوت آنکھوں کے دیکھنے سے ہے الخ۔ حق یہ ہے کہ یہ دوسرا مسئلہ ہے۔ چاہیے کہ اسے الگ ذکر کیا جائے۔ اس کا حاصل یہ ہے: ایک غیر قابض اور قابض دونوں میں سے ہر ایک تیسرے آدمی سے ایک چیز خریدنے کا دعویٰ کریں اور دونوں گواہیاں قائم کریں تو قابض کو تینوں وجوہ میں مقدم کیا جائے گا اور غیر قابض کو ایک صورت میں مقدم کیا جائے گا۔ مصنف نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنا قول ذکر کیا ہے۔ ولذی مقت لیکن ان پر یہ لازم تھا کہ وہ اسے اپنے قول ولذی ید پر مقدم کرتے۔ کیونکہ یہ پہلے مسئلہ کا تتمہ ہے اور ان کا قول ولذی یہ دوسرے مسئلہ کا آغاز ہے۔

اگر ایک آدمی فسق، بچوں سے محبت اور حیلہ سازی میں مصروف ہو تو اس کے دعویٰ کو نہیں سنا جائے گا

فرع: ایک ایسے بے ریش نوجوان کے بارے میں سوال کیا گیا جو اس آدمی کی خدمت کو کسی وجہ سے ناپسند کرتا ہے جس کی حالت اور حقیقت کو وہ خوب جانتا ہے وہ نوجوان اس آدمی کے پاس سے نکل جاتا ہے وہ آدمی اس پر تہمت لگاتا ہے کہ اس نے اس کی ٹوکری، بکس کا قصد کیا، اس کی عدم موجودگی میں اسے توڑا اور اتنی مقدار اس سے چیز لے لی اس پر ایسی علامت قائم

(وَ) هُوَ لِذِي وَقْتٍ إِنْ وَقَّتَ أَحَدُهُمَا (فَقَطْ وَ) الْحَالُ أَنَّهُ (لَا يَدَ لَهُمَا) وَإِنْ لَمْ يُوَقِّتَا فَقَدْ مَرَّ أَنَّ لِكُلٍّ نِصْفَهُ بِنِصْفِ الثَّمَنِ (وَالشِّرَاءُ أَحَقُّ مِنْ هِبَةٍ وَصَدَقَةٍ) وَرَهْنٍ وَلَوْ مَعَ قَبْضٍ

وہ چیز اس کی ہو گی جس نے وقت بیان کیا ہو گا اگر دونوں میں سے ایک وقت بیان کرے جب کہ حالت یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کسی کا قبضہ نہیں اگر دونوں وقت بیان کریں تو یہ گزر چکا ہے کہ ہر ایک کے لیے نصف ثمن کے عوض اس شے کا نصف ہو گا۔ اور خریدنا یہ ہبہ، صدقہ اور دین سے زیادہ حق کو ثابت کرتا ہے اگرچہ قبضہ کے ساتھ ہو

ہوئی کہ اس کی غرض یہ ہے کہ اسے اپنے پاس باقی رکھے اور اسے اپنے قبضہ میں رکھے جیسے وہ قصد رکھتا ہے کیا قاضی اس کا دعویٰ سنے گا جب کہ حالت یہ ہے جس پر وہ دعویٰ کر رہا ہے اور اس کی شہادت قبول کرے گا جو اس کی خدمت کرنے، اس کو کھانا کھلانے اور مشروب پلانے پر مامور ہے جب کہ اس کا کھانا اور سالن اس کے کھانے میں سے ہے۔ جب کہ حال یہ ہے کہ وہ شخص لڑکوں سے محبت کرتا ہے؟ جواب عطا کیجئے۔ تمہارے لیے وسیع جنتیں ہوں۔

جواب: اسی قسم کا فتویٰ شیخ الاسلام ''ابوسعود عمادی'' سے پوچھا گیا تو آپ نے فتویٰ دیا: اس قسم کا دعویٰ قاضی پر سماعت کرنا حرام ہے جب کہ اس کی علت یہ بیان کی اس قسم کا حیلہ فاجر لوگوں میں معروف و معلوم ہے لوگوں کے درمیان ان کے اس قسم کے معمولات مشہور ہیں۔ ''شیخ الاسلام'' کے الفاظ ہیں: لابد للحکام الخ حکام کے لیے ضروری ہے کہ اس قسم کا دعویٰ نہ سنا کریں بلکہ مدعی پر تعزیر جاری کریں اور اس قسم کے دھوکا بازی سے انہیں روکیں۔

صاحب ''تنویر الابصار'' نے اسی قسم کا فتویٰ دیا۔ کیونکہ اکثر دیہاتوں اور شہروں میں یہ امر پھیل چکا ہے۔ اس کی تائید وہ فروع کرتی ہیں جن کا ذکر باب الدعویٰ میں کیا گیا ہے جو مدعی کی حالت اور مدعی علیہ کی حالت کے اختلاف سے متعلق ہیں۔ اور جو آدمی اس کے رات کے کھانے کے ساتھ کھانا کھاتا ہے اور اس کے دن کے کھانے کے ساتھ کھانا کھاتا ہے اس کی گواہی اس کی قباحت اور حقیقت سے دور ہونے کو مزید بڑھا دیتی ہے لا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم انا للہ و انا الیہ راجعون۔ جو اللہ تعالیٰ چاہے وہ ہو کر رہتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ فتاویٰ خیریہ

''ابوسعود'' کے فتویٰ کو ذکر کرنے کے بعد مصنف کی ان کی فتاویٰ میں یہ عبارت ہے: میں کہتا ہوں: اگر ایک آدمی فسق، بچوں سے محبت اور حیلہ سازی میں معروف ہو تو اس کے دعویٰ کو نہیں سنا جائے گا اور قاضی اس کی طرف توجہ نہیں کرے گا۔ اگر وہ صالحیت و نیکی میں معروف ہو تو اس کی بات سنے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

27916۔ (قولہ: فَقَطْ) میں کہتا ہوں: ملک مطلق میں تاریخ کا ایک طرف سے کوئی اعتبار نہیں ایسی ملکیت جو سبب کے ساتھ ہو اس کا معاملہ مختلف ہے جس طرح یہ معروف ہے۔ یہ قول میرے والد شیخ کا ہے۔ ''مدنی''۔

خریدنا یہ ہبہ، صدقہ اور دین سے زیادہ حق کو ثابت کرتا ہے

27917۔ (قولہ: وَالشِّرَاءُ أَحَقُّ مِنْ هِبَةٍ) اگر غیر قابض آدمی قابض پر یہ گواہیاں قائم کرے۔ ان دونوں میں

وَهٰذَا (إِنْ لَمْ يُؤَرِّخَا فَلَوْ أَرَّخَا وَاتَّحَدَ الْمُمَلِّكُ فَالْأَسْبَقُ أَحَقُّ) لِقُوَّتِهِ (وَلَوْ أَرَّخَتْ إِحْدَاهُمَا فَقَطْ فَالْمُؤَرَّخَةُ أَوْلَى)، وَلَوْ اخْتَلَفَ الْمُمَلِّكُ اسْتَوَيَا

اگر دونوں تاریخ بیان نہ کریں۔ اگر دونوں تاریخ بیان کریں اور ملکیت عطا کرنے والا ایک ہو تو جس کی تاریخ پہلے ہوگی وہ زیادہ حق دار ہوگا۔ کیونکہ اس میں قوت موجود ہے۔ اگر دونوں میں سے صرف ایک تاریخ بیان کرے تو جس نے تاریخ بیان کی ہے وہ زیادہ حق دار ہوگا۔ اگر دونوں ملکیت عطا کرنے والے مختلف ہوں تو وہ دونوں برابر ہوں گے۔

سے ایک شرا پر اور دوسرا اس سے ہبہ پر گواہیاں قائم کرے تو شرا اولیٰ ہوگا۔ کیونکہ یہ زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ یہ جانبین سے معاوضہ ہے۔ نیز یہ (خریدنا) بنفسہ ملکیت کو ثابت کرتا ہے اور ہبہ، اس میں ملکیت، قبضہ کرنے پر موقوف ہوتی ہے۔ اگر دونوں میں سے ایک قابض ہو اور مسئلہ اپنے حال پر ہو تو غیر قابض کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا یا اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا جس کی تاریخ پہلے ہو۔ اگر دونوں میں سے ایک کی تاریخ بیان کر دی جائے تو پھر ترجیح کی کوئی صورت نہیں۔ اگر دونوں میں سے ہر ایک قابض ہو تو یہ دونوں کا ہو یا اس کا ہوگا جس کی تاریخ پہلے کی ہو جس طرح ملک مطلق کا دعویٰ ہے۔

ہبہ میں مطلق قول کیا ہے جب کہ یہ سپرد کرنے کے ساتھ مقید اور عوض نہ ہونے کے ساتھ مقید ہے۔ کیونکہ عوض کی صورت میں یہ بیع ہو جاتی ہے۔

صدقہ اور ہبہ جن پر قبضہ کر لیا گیا ہو اس کے برابر ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ یہ تبرع واحسان میں برابر ہیں۔ اور صدقہ کو لزوم کے اعتبار سے کوئی ترجیح نہیں۔ کیونکہ وہ دوسرے حال میں ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرے حال سے مراد زمانہ مستقبل میں رجوع پر قدرت کا نہ ہونا ہے۔

ہبہ بعض اوقات لازم ہوتا ہے جس طرح کوئی ذی رحم محرم ہبہ کرے اور صدقہ کبھی لازم نہیں ہوتا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ صدقہ غنی کا ہو۔ یہ ''البحر'' سے ملخص ہے۔ اس میں ہے: میں نے قبضہ کے ساتھ فاسد خریداری کا حکم نہیں دیکھا اور ہبہ کا قبضہ کے صورت میں حکم نہیں دیکھا۔ کیونکہ ہر ایک میں ملک قبضہ پر موقوف ہوتی ہے۔ پس چاہیے کہ خریداری کو مقدم رکھا جائے۔ کیونکہ اس میں معاوضہ ہوتا ہے۔

''مقدسی'' نے اس کا رد کیا ہے: چاہیے کہ ہبہ کو مقدم کیا جائے کیونکہ ہبہ مشروع ہے۔

27918۔ (قولہ: وَلَوْ أَرَّخَتْ إِحْدَاهُمَا) یعنی دونوں گواہیوں میں سے ایک کی تاریخ بیان کی جائے۔

27919۔ (قولہ: وَلَوْ اخْتَلَفَ الْمُمَلِّكُ اسْتَوَيَا) کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک اپنے مملک کی جانب سے اس کی ملکیت کو ثابت کرنے کے لیے خصم ہے جب کہ وہ دونوں اس میں برابر ہیں۔ جب مملک ایک ہو تو معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ دونوں ملک کو ثابت کرنے کے محتاج ہیں اس میں اقوی کو مقدم کیا جائے گا۔

''حاشیہ'' میں کہا ہے: ''البحر'' میں ہے: اگر ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے خریداری کا دعویٰ کیا اور دوسرے آدمی نے

وَهٰذَا فِيمَا لَا يُقْسَمُ اتِّفَاقًا وَاخْتَلَفَ التَّصْحِيحُ فِيمَا يُقْسَمُ كَالدَّارِ وَالْأَصَحُّ أَنَّ الْكُلَّ لِمُدَّعِي الشِّرَاءِ لِأَنَّ الِاسْتِحْقَاقَ مِنْ قَبِيلِ الشُّيُوعِ الْمُقَارِنِ لَا الطَّارِئِ هِبَةُ الدُّرَرِ (وَالشِّرَاءُ وَالْمَهْرُ سَوَاءٌ) فَيُنْصَّفُ وَتَرْجِعُ هِيَ بِنِصْفِ الْقِيمَةِ وَهُوَ بِنِصْفِ الثَّمَنِ أَوْ يُفْسَخُ

یہ اس صورت میں ہے جب وہ چیز تقسیم نہ کی جاسکتی ہو۔ یہ متفق علیہ مسئلہ ہے۔ اور جس کو تقسیم کیا جاتا ہے اس میں تصحیح میں اختلاف ہے جیسے گھر ہے۔ اصح یہ ہے کہ سب اس کا ہوگا جس نے خریدنے کا دعویٰ کیا تھا۔ کیونکہ استحقاق اس شیوع (عام ہونا، شامل ہونا) کے قبیل سے ہے جو مقارن ہوتا ہے اس شیوع کے قبیل سے نہیں جو طاری ہوتا ہے، ''الدرر''، کتاب الہبہ۔ خریداری اور مہر برابر ہیں۔ پس اسے نصف کیا جائے گا اور وہ عورت اپنے خاوند سے نصف قیمت کا مطالبہ کرے گی اور وہ نصف ثمن کا مطالبہ کرے گا۔ یا اسے فسخ کردیا جائے گا۔

کسی اور سے ہبہ اور قبضہ کا دعویٰ کیا اور تیسرے نے اپنے باپ سے اس کے میراث کا دعویٰ کیا، چوتھے نے کسی اور سے صدقہ کا دعویٰ کیا تو اس چیز کو ان کے درمیان چوتھائی چوتھائی کا فیصلہ کردیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اپنے مملک کی جانب سے ملک پاتے ہیں تو اسے یوں بنادیا جائے گا گویا وہ حاضر ہوئے اور ملک مطلق پر گواہیاں قائم کیں۔

27920۔(قولہ: وَهٰذَا) یعنی اگر مملک مختلف ہو تو اس میں ان دونوں کا برابر ہونا۔ یہ اسم اشارہ سے مراد ہے۔ اسی طرح اگر عین دونوں کے قبضہ میں ہو۔ ان دونوں میں سے کسی کی تاریخ پہلے نہ ہو۔ وہ دونوں برابر ہوں گے جس طرح ہم پہلے (مقولہ 27898 میں) بیان کرآئے ہیں۔

27921۔(قولہ: فِيمَا لَا يُقْسَمُ) جیسے غلام اور جانور۔

27922۔(قولہ: لِأَنَّ الِاسْتِحْقَاقَ الخ) یہ اس کا جواب ہے جو ''عمادیہ'' میں قول کیا ہے: صحیح یہ ہے کہ وہ دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ بعد میں واقع ہونے والا اشتراک ہبہ اور صدقہ کو فاسد نہیں کرتا اور دین کو فاسد کردیتا ہے۔ ''البحر'' میں اور ''صدر الشریعہ'' نے اسے ثابت رکھا ہے۔ مصنف نے ''الدرر'' سے نقل کرتے ہوئے کہا: استحقاق کی صورت کا بعد میں لاحق ہونے والے اشتراک کی امثلہ میں سے ان کا شمار کرنا صحیح نہیں۔ صحیح وہ ہے جو ''الکافی'' اور ''الفصولین'' میں سے ہے۔ کیونکہ استحقاق جب گواہوں کے ساتھ ظاہر ہوگیا تو وہ ہبہ سے قبل کی طرف منسوب ہوگا۔ پس وہ اس کے مقارن ہوگا طاری نہ ہوگا۔ یعنی یہ مکان کے قبیل سے ہوگا۔ مقارن وہ ہوتا ہے جو بالاجماع ہبہ کو باطل کردیتا ہے، تو خریداری کا دعویٰ کرنے والا دلیل قائم کرنے میں منفرد ہوجائے گا پس وہ زیادہ مستحق ہوگا۔

27923۔(قولہ: لَا الطَّارِئِ) کیونکہ طاری اشتراک ہبہ اور صدقہ کو فاسد نہیں کرتا۔ مقارن کا معاملہ مختلف ہے۔

27924۔(قولہ: وَتَرْجِعُ هِيَ) یعنی وہ عورت خاوند سے مطالبہ کرے گی ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

27925۔(قولہ: وَهُوَ بِنِصْفِ الثَّمَنِ) جس طرح بعض کا مطالبہ ہوتا ہے۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

لِمَا مَرَّ (هٰذَا إِذَا لَمْ يُؤَرِّخَا أَوْ أَرَّخَا وَاسْتَوَى تَارِيخُهُمَا فَإِنْ سَبَقَ تَارِيخُ أَحَدِهِمَا كَانَ أَحَقَّ) قَيَّدَ بِالشِّرَاءِ لِأَنَّ النِّكَاحَ أَحَقُّ مِنْ هِبَةٍ أَوْ رَهْنٍ أَوْ صَدَقَةٍ عِمَادِيَّةٌ وَالْمُرَادُ مِنَ النِّكَاحِ الْمَهْرُ كَمَا حَرَّرَهُ فِي الْبَحْرِ مُغَلِّطًا لِلْجَامِعِ نَعَمْ يَسْتَوِي النِّكَاحُ وَالشِّرَاءُ لَوْ تَنَازَعَا فِي الْأَمَةِ مِنْ رَجُلٍ وَاحِدٍ وَلَا مُرَجِّحَ فَتَكُونُ مِلْكًا لَهُ مَنْكُوحَةً لِلْآخَرِ فَتَدَبَّرْ (وَرَهْنٌ مَعَ قَبْضٍ أَحَقُّ مِنْ هِبَةٍ

اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ تاریخ بیان نہ کریں یا دونوں تاریخ بیان کر دیں اور دونوں کی تاریخ برابر ہو۔ اگر دونوں میں سے ایک کی تاریخ پہلے ہو تو وہ زیادہ حق دار ہوگا جس نے خریداری کی قید لگائی۔ کیونکہ نکاح ہبہ، رہن یا صدقہ سے زیادہ حق رکھتا ہے "عمادیہ"۔ نکاح سے مراد مہر ہے جس طرح "البحر" میں اس کی وضاحت کی ہے جب کہ جامع کی تغلیط کی ہے۔ ہاں نکاح اور شرا برابر ہوتے ہیں اگر وہ ایک لونڈی میں جھگڑا کریں جب کہ وہ ایک مرد سے حاصل کی گئی ہو۔ اور اسے ترجیح دینے والا کوئی نہیں پس وہ ایک کی لونڈی ہوگی اور دوسری کی بیوی ہوگی۔ فتدبر۔ ایسا رہن جو قبضہ کے ساتھ ہو وہ اس ہبہ سے زیادہ حق کو ثابت کرتا ہے

27926۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی صفقہ الگ الگ ہو گیا۔

27927۔ (قولہ: فَإِنْ سَبَقَ تَارِيخُ أَحَدِهِمَا) لیکن شہادت میں شروط ہوتی ہے کہ اس نے فلاں سے یہ خریدی جب کہ وہ اس کا مالک تھا جس طرح "الحامدیہ" کے کتاب الدعویٰ میں "البحر" سے مروی ہے جب کہ "خزانۃ الاکمل" کی طرف منسوب ہے۔ "حاشیہ" میں اسی طرح ہے۔

اگر نکاح اور ہبہ جمع ہو جائیں تو اس کا حکم

27928۔ (قولہ: مُغَلِّطًا لِلْجَامِعِ) یعنی "جامع الفصولین" کے اس قول: اگر نکاح اور ہبہ جمع ہو جائیں تو دونوں کی گواہیوں پر عمل کرنا ممکن ہے اگر وہ دونوں برابر ہو جائیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس مرد کی وہ منکوحہ ہو اور دوسرے کا ہبہ ہو ہبہ کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنی منکوحہ لونڈی کو ہبہ کر دے۔ پس چاہیے کہ ہبہ کی گواہیاں باطل نہ ہوں تاکہ مومن کو جھٹلانے سے بچایا جائے اور اسے صلاح پر محمول کیا جائے۔ اسی طرح نکاح کے ساتھ صدقہ ہے اور اسی طرح نکاح کے ساتھ رہن ہے۔ ہمارے مولانا نے اپنی "بحر" میں فرمایا: میں نے اس کے "حاشیہ" میں لکھا: اسے وہم ہوا ہے کیونکہ انہوں نے سمجھا مراد یہ ہے اگر وہ دونوں لونڈی میں منازعہ کریں ان دونوں میں سے ایک یہ دعویٰ کرے کہ یہ عورت ہبہ کی وجہ سے اس کی مملوکہ ہے اور دوسرا یہ دعویٰ کرے اس مرد نے اس عورت سے عقد نکاح کیا ہے جب کہ ان کی یہ مراد نہیں۔ نکاح سے مراد مہر ہے جس طرح "الکتاب" میں اس کی تعبیر ہے۔ اس کی مکمل وضاحت "المنح" میں ہے۔

27929۔ (قولہ: نَعَمْ الخ) "الجامع" میں اسے بحث کرتے ہوئے ذکر کیا ہے جس طرح تجھے علم ہے۔ "البحر" میں کہا: میں نے اسے صراحۃً نہیں دیکھا۔

بِلَا عِوَضٍ مَعَهُ) اسْتِحْسَانًا وَلَوْ بِهِ فَهِيَ أَحَقُّ لِأَنَّهَا بَيْعٌ انْتِهَاءً، وَالْبَيْعُ، وَلَوْ بِوَجْهٍ أَقْوَى مِنْ الرَّهْنِ وَلَوْ الْعَيْنُ مَعَهُمَا اسْتَوَيَا مَا لَمْ يُؤَرِّخَا وَأَحَدُهُمَا أَسْبَقُ (وَإِنْ بَرْهَنَ خَارِجَانِ عَلَى مِلْكٍ مُؤَرَّخٍ أَوْ شِرَاءٍ مُؤَرَّخٍ مِنْ وَاحِدٍ) غَيْرِ ذِي يَدٍ (أَوْ) بَرْهَنَ (خَارِجٌ عَلَى مِلْكٍ مُؤَرَّخٍ وَذُو يَدٍ عَلَى مِلْكٍ مُؤَرَّخٍ أَقْدَمَ

جس کے ساتھ عوض نہ ہو۔ یہ بطور استحسان ہے۔ اگر ہبہ عوض کے ساتھ ہو تو ہبہ زیادہ حق ثابت کرتا ہے۔ کیونکہ یہ انتہاءً بیع ہوتی ہے۔ بیع اگرچہ کسی شکل میں ہو۔ یہ دین سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ اگر وہ عینی چیز ان دونوں کے قبضہ میں ہو تو وہ دونوں برابر ہوں گے جب تک وہ تاریخ بیان نہ کریں جب کہ ان دونوں میں سے ایک زیادہ سبقت لے جانا والا ہو۔ اگر دونوں غیر اسی ملک پر گواہیاں قائم کریں جس کی تاریخ بیان کی گئی ہو یا ایک ہی آدمی سے ایسی خریداری پر گواہیاں قائم کی گئی ہوں جس کی تاریخ بیان کی گئی ہو جب کہ وہ خریداری ایسے آدمی سے کی گئی جو اس پر قبضہ رکھنے والا نہیں۔ یا غیر قابض ایسی ملکیت پر گواہیاں قائم کریں جس کی تاریخ بیان کی گئی ہو اور قابض ایسی ملک پر گواہیاں قائم کرے جس کی ایسی تاریخ ذکر کی گئی ہو جو مقدم ہو

27930_(قولہ: مَعَهُ) ضمیر قبض (قبضہ کرنا) کی طرف راجع ہے۔

27931_(قولہ: أَقْوَى مِنْ الرَّهْنِ) ہبہ دین سے زیادہ قوی ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ کسی تیسرے فرد کے قبضہ میں ہو۔ ''س''۔

27932_(قولہ: اسْتَوَيَا) اس میں ''عمادی'' نے بحث کی ہے: بعد میں واقع ہونے والا اشتراک دین کو فاسد کر دیتا ہے۔ پس چاہیے کہ تمام چیز کا فیصلہ اس کے حق میں کر دیا جائے جو خریداری کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیونکہ جو دین کا مدعی تھا اس نے فاسد دین کو ثابت کیا ہے۔ پس اس کی گواہیاں قبول نہ کی جائیں گی۔ پس وہ یوں ہو گیا گویا خریداری کا دعویٰ کرنے والا گواہیاں قائم کرنے میں منفرد ہے۔ اس کی مکمل بحث ''البحر'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: جیسے گزر چکا ہے متعارف استدارک کی وجہ سے استحقاق کے بارے میں مناسب یہ ہے کہ جو آدمی خریداری کا دعویٰ کرتا ہے اس کے حق میں بدرجہ اولیٰ فیصلہ کر دیا جائے۔ پس دونوں قولوں میں سے ہر ایک کے مطابق حکم مشکل ہے۔ فلیتامل

27933_(قولہ: غَيْرِ ذِي يَدٍ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ صاحب قبضہ سے خریداری کے بارے میں ان دونوں کا دعویٰ کا ذکر باب کے شروع میں گزر چکا ہے۔ ''س''۔

27934_(قولہ: عَلَى مِلْكٍ مُؤَرَّخٍ) یہاں ملک کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس پر گواہیاں قائم کرے کہ یہ لونڈی دو سال سے اس کے قبضہ میں ہے اور یہ گواہیاں قائم نہ کرے کہ یہ لونڈی اس کی ملک ہے تو مدعی کے حق میں اس لونڈی کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ گواہوں نے قبضہ کے بارے میں گواہیاں دی ہیں۔ ملکیت کے بارے میں گواہیاں نہیں دیں۔ ''بحر''۔

فَالسَّابِقُ أَحَقُّ وَإِنْ بَرْهَنَا عَلَى شِرَاءٍ مُتَّفِقٍ تَارِيخُهُمَا أَوْ مُخْتَلِفٍ عَيْنِيٌّ

تو سبقت رکھنے والا زیادہ حق دار ہوگا۔ اگر دونوں خریداری پر گواہیاں قائم کریں دونوں کی تاریخ متفق ہو یا مختلف ہو، "عینی"۔

27935۔ (قولہ: فَالسَّابِقُ أَحَقُّ) کیونکہ اس نے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ دو مالکوں میں سے پہلا مالک ہے۔ پس ملکیت اس کی جانب سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور دوسرے نے اس سے ملکیت حاصل نہیں کی، "منح"۔ دونوں کی جانب سے تاریخ کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ جب دونوں تاریخ کا ذکر نہ کریں یا دونوں اس میں برابر ہوں تو پہلے دونوں مسئلوں میں وہ لونڈی ان دونوں میں مشترک ہوگی۔ اگر دونوں میں سے کسی کی تاریخ پہلے ہو تو دونوں میں سبقت لے جانے والا زیادہ مستحق ہوگا۔ اگر صرف ایک تاریخ بیان کرے تو وہ دوسرے مسئلہ میں زیادہ حق دار ہوگا۔ پہلے مسئلہ میں زیادہ حق دار نہیں ہوگا۔ جہاں تک دوسرے مسئلہ کا تعلق ہے تو غیر قابض تینوں صورتوں میں زیادہ مستحق ہوگا۔

نوٹ: تینوں صورتوں سے مراد اصلاً تاریخ کا ذکر نہ ہونا، اس میں برابری ہونا یا دونوں میں صرف ایک تاریخ بیان کرنا۔ (مترجم) اس کی مکمل بحث "البحر" میں ہے۔

27936۔ (قولہ: مُتَّفِقٍ) صحیح تو اس پر نصب ہے یہ برھنا کے فاعل سے حال ہے۔ "ح"۔

27937۔ (قولہ: أَوْ مُخْتَلِفٍ) یعنی دونوں کی تاریخ مختلف ہے، "باقانی"۔ اگر دونوں خریداری کا وعدہ کریں اور ہر ایک ایک اور آدمی سے خریداری کا ذکر کرے ان دونوں میں سے ایک گواہیاں پیش کردے کہ اس نے فلاں سے اسے خریدا ہے جب کہ وہ اس کا مالک ہے دوسرا یہ گواہیاں قائم کرے کہ اس نے ایک اور سے اسے خریدا جب کہ وہ اس کا مالک ہے تو قاضی دونوں کے درمیان اس کا فیصلہ کردے گا۔ اگر دونوں وقت کا ذکر کریں تو ظاہر روایت میں پہلے وقت والا زیادہ مستحق ہو گا۔ امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: تاریخ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ اگر دونوں میں سے ایک تاریخ کا ذکر کرے دوسرا ذکر نہ کرے تو بالاتفاق دونوں میں اس کا فیصلہ کردیا جائے گا۔ اگر ان دونوں میں سے ایک کا قبضہ ہو تو دوسرا زیادہ مستحق ہوگا۔ گویا دو بیع کرنے والے دعویٰ کرتے ہیں اور ان دونوں میں سے ایک کا قبضہ ہے تو ان دونوں میں سے جو غیر قابض ہے اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔ "قاضی خان"۔ "حاشیہ" میں اسی طرح ہے۔

27938۔ (قولہ: عَيْنِيٌّ) اس کی مثل "زیلعی" میں ہے جو "الکافی" کی پیروی میں ہے۔ "البحر" میں یہ دعویٰ کیا: یہ سہو ہے اور جس کو سبقت ہوگی وہ زیادہ مستحق ہوگا۔ جس طرح ایک شخص سے خریداری کا دعویٰ ہو پس جس کی تاریخ پہلے ہوگی وہ مقدم کیا جائے گا۔ یعنی اس شخص کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔ "رملی" نے اس کا رد کیا ہے: اسے بھول ہوئی ہے۔ کیونکہ مسئلہ میں روایات کا اختلاف ہے۔ "جامع الفصولین" میں ہے: اگر وہ دو افراد سے خریداری پر گواہیاں پیش کریں اور دونوں میں سے ایک کی تاریخ پہلے ہو تو کتب میں روایات میں اختلاف ہے۔ "الہدایہ" میں جو ذکر کیا گیا ہے وہ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ تاریخ کے پہلے ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔

(وَكُلٌّ يَدَّعِي الشِّرَاءَ مِنْ) رَجُلٍ (آخَرَ أَوْ وَقَّتَ أَحَدُهُمَا فَقَطْ اسْتَوَيَا) إنْ تَعَدَّدَ الْبَائِعُ،

اوران میں سے ہر ایک ایک اور آدمی سے خریداری کا دعویٰ کرے یا دونوں میں سے صرف ایک تعیین کرے تو وہ دونوں برابر ہوں گے اگر بائع متعدد ہوں

''المبسوط'' میں ایسی عبارت ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جو تاریخ پہلے ہے وہ اولیٰ ہے۔ پھر صاحب ''جامع الفصولین'' نے پہلے قول کو ترجیح دی۔ ملخص

میں کہتا ہوں: ''نور العین'' میں ''قاضی خان'' سے مروی ہے: دو آدمیوں نے دو آدمیوں سے خریداری کا دعویٰ کیا اس شے کا دونوں کے درمیان نصف نصف فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر دونوں تاریخ بیان کریں اوران میں سے ایک کی تاریخ پہلے ہو تو ظاہر روایت کے مطابق وہ زیادہ حق دار ہوگا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: تاریخ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ یعنی اس کا ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر دونوں میں سے صرف ایک تاریخ بیان کرے تو اس چیز کا دونوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر دونوں میں سے ایک کا قبضہ ہو تو جو غیر قابض ہے وہ اس کا زیادہ مستحق ہوگا۔

پھر ''نور العین'' میں کہا: جو قول ''المبسوط'' میں ہے اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جو ''قاضی خان'' میں ہے وہ ظاہر روایت ہے۔ اور جو ''ہدایہ'' میں ہے وہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔

پھر کہا: ''المبسوط'' اور ''قاضی خان'' میں جو قول ہے اس کی دلیل یہ ہے: جس کی تاریخ پہلے ہو وہ ملکیت کو ایسے زمانہ میں منسوب کرتا ہے جس میں کوئی دوسرا اس کے ساتھ منازعہ نہیں کرتا۔ اس دلیل سے زیادہ قوی ہے جو ''الہدایہ'' میں ہے۔ ''ہدایہ'' کی دلیل یہ ہے: وہ دونوں اپنے بائعوں کے لیے ملک کو ثابت کرتے ہیں۔ گویا وہ دونوں حاضر ہوئے اور تاریخ کے بغیر ملک کا دعویٰ کیا۔ پہلے قول کی وجہ اس آدمی پر مخفی نہیں جو تامل کرتا ہے۔ ''الہدایہ'' میں جو قول ہے اس کی دلیل میں ''الحواشی السعدیہ'' میں بحث کی ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجیے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے مصنف نے جو تاریخ کے اتفاق کی قید لگائی ہے وہ ظاہر روایت پر مبنی ہے۔ یہ اس سے اولیٰ ہے جو شارح نے کیا ہے اگر چہ شارح نے ''الکافی'' اور ''الہدایہ'' کی موافقت کی ہے۔ جہاں تک اس پر سہو کا حکم لگانا جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ یہ ان امور میں سے ہے جو مناسب نہیں۔

27939۔ (قولہ: مِنْ رَجُلٍ آخَرَ) یعنی وہ آدمی اس آدمی کے علاوہ ہے جس سے اس کا صاحب خریداری کا دعویٰ کرتا ہے۔ ''زیلعی''۔

27940۔ (قولہ: اسْتَوَيَا) کیونکہ دونوں پہلی صورت میں اپنے بائعوں کے لیے ملک کو ثابت کرتے ہیں۔ گویا دونوں حاضر ہیں۔ اگر دونوں میں سے ایک وقت کا ذکر کرے تو اس کا وقت ذکر کرنا یہ ملک کے متقدم ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ دوسرا پہلے ہو۔ مگر بائع ایک ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ دونوں اس پر متفق ہیں کہ ملکیت اس کی جانب سے ہی حاصل ہوتی ہے جب دونوں میں سے ایک نے تاریخ ثابت کی تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا یہاں تک

وَإِنِ اتَّحَدَ فَذُو الْوَقْتِ أَحَقُّ ثُمَّ لَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ الْمُدَّعِي وَشُهُودِهِ مَا يُفِيدُ مِلْكَ بَائِعِهِ إِنْ لَمْ يَكُنِ الْمَبِيعُ فِي يَدِ الْبَائِعِ وَلَوْ شَهِدَ وْا بِيَدِهِ فَقَوْلَانِ بَزَّازِيَّةٌ (فَإِنْ بَرْهَنَ خَارِجٌ عَلَى الْمِلْكِ وَذُو الْيَدِ عَلَى الشِّرَاءِ مِنْهُ، أَوْ بَرْهَنَا عَلَى سَبَبِ مِلْكٍ لَا يَتَكَرَّرُ

اگر بائع ایک ہو تو جس نے وقت بیان کیا وہ زیادہ حق دار ہوگا۔ پھر مدعی اور گواہوں کے لیے ضروری ہے کہ ایسی چیز کا ذکر کرے جو بائع کی ملکیت کو ثابت کرے اگر مبیع بائع کے ہاتھ میں نہ ہو اگر وہ اس کے قبضہ کے بارے میں گواہی دیں تو اس بارے میں دو قول ہیں۔ ''بزازیہ''۔ اگر غیر قابض نے ملک پر گواہیاں قائم کیں اور قابض نے اس سے خریداری پر گواہیاں قائم کیں یا دونوں نے ملک کے ایسے سبب پر گواہیاں قائم کیں جو سبب متکرر نہیں ہوتا

کہ یہ واضح ہو جائے کہ اس کے دوسرے ساتھی کی خریداری اس سے پہلے ہو۔ ''بحر''۔ پھر کہا: جب وہ کتاب کے مسئلہ میں برابر ہوں تو ان دونوں کے درمیان اس کے نصف کا فیصلہ کر دیا جائے گا پھر دونوں میں سے ہر ایک کو اختیار ہوگا۔ اگر چاہے تو نصف غلام نصف ثمن کے بدلے میں لے لے اور اگر چاہے تو ترک کر دے۔

27941۔ (قولہ: مِلْكَ بَائِعِهِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ گواہ یہ گواہی دیں کہ اس آدمی نے فلاں سے اسے خریدا ہے اور وہ اس کا مالک ہے۔ ''بحر''۔

اگر غیر قابض نے ملک پر گواہیاں قائم کیں اور قابض نے خریداری پر تو اس کا حکم

27942۔ (قولہ: أَوْ بَرْهَنَا) یعنی غیر قابض اور قابض دونوں گواہیاں پیش کر دیں۔ ''البحر'' میں ہے: اسے مطلق ذکر کیا ہے پس یہ قول اسے شامل ہو گیا جب وہ دونوں تاریخ ذکر کریں اور دونوں کی تاریخ برابر ہو جائے یا ایک کی تاریخ پہلے کی ہو یا دونوں اصلاً تاریخ کا بیان نہ کریں یا دونوں میں سے ایک تاریخ بیان کرے تو بچہ جننے کے ساتھ تاریخ کا کوئی اعتبار نہیں مگر جو ایسی تاریخ بیان کرے جو محال ہو۔ اس کی صورت یہ ہے مدعی کی عمر قابض کے وقت کے موافق نہ ہو اور غیر قابض کے وقت کے موافق ہو اس وقت غیر قابض کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر اس کی عمر دونوں وقتوں کے خلاف ہو تو عام مشائخ کے نزدیک دو گواہیاں لغو چلی جائیں گی۔ اور قابض کے ہاتھ میں اسے چھوڑ دیا جائے گا جس طرح وہ پہلے قابض کے ہاتھ میں تھی۔ ایک روایت میں اسی طرح ہے۔ ایک روایت کے مطابق یہ ان دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگی۔ ''جامع الفصولین'' میں اسی طرح ہے۔

اس میں ہے: غیر قابض نے گواہیاں پیش کیں کہ یہ اس کی لونڈی ہے جس نے یہ غلام میری ملک میں جنا ہے اور قابض نے اس کی مثل گواہیاں پیش کیں تو مدعی کے حق میں اس لونڈی کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ دونوں نے لونڈی میں ملک مطلق کا دعویٰ کیا پس مدعی کے حق میں اس لونڈی کا فیصلہ کر دیا جائے گا پس غلام پر تبع میں استحقاق ثابت ہوگا۔

اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ قابض کو بچہ جننے کے دعویٰ میں غیر قابض پر مقدم کیا جاتا ہے۔ جب وہ دونوں ماں میں

کَالنِّتَاجِ) وَمَا فِي مَعْنَاهُ كَنَسْجٍ لَا يُعَادُ وَغَزْلِ قُطْنٍ (وَحَلْبِ لَبَنٍ وَجَزِّ صُوفٍ) وَنَحْوِهَا وَلَوْ عِنْدَ بَائِعِهِ دُرَرٌ (فَذُو الْيَدِ أَحَقُّ) مِنَ الْخَارِجِ إِجْمَاعًا إِلَّا إِذَا ادَّعَى الْخَارِجُ عَلَيْهِ فِعْلًا كَغَصْبٍ أَوْ وَدِيعَةٍ أَوْ إِجَارَةٍ وَنَحْوِهَا فِي رِوَايَةٍ دُرَرٌ أَوْ كَانَ سَبَبًا يَتَكَرَّرُ كَبِنَاءٍ وَغَرْسٍ وَنَسْجِ خَزٍّ وَزَرْعِ بُرٍّ وَنَحْوِهِ أَوْ أُشْكِلَ عَلَى أَهْلِ الْخِبْرَةِ

جس طرح بچہ جننا اور جو اس کے معنی میں ہوتا ہے جیسے بنا جس میں اعادہ نہیں ہوتا اور روئی کا تنا، دودھ دوہنا، اون کاٹنا وغیرہا اگرچہ یہ بائع کے پاس ہو''درر''۔ تو قابض غیر قابض کی بنسبت زیادہ حق دار ہوگا اس پر اجماع ہے مگر جب غیر قابض اس پر فعل کا دعویٰ کرے جیسے غصب، ودیعت، اجارہ وغیرہ یہ ایک روایت میں ہے۔''درر''۔ یا وہ ایسے سبب پر گواہیاں قائم کریں جو متکرر ہوسکتا ہے جیسے عمارت تعمیر کرنا، درخت لگانا، ریشم بننا، گندم کاشت کرنا وغیرہ یا وہ ایسا سبب ہو جو دانشمندوں پر مشتبہ ہو جائے

تنازع نہ کریں۔ مگر جب وہ مال میں ملک مطلق میں تنازع کریں اور ملک مطلق اور اس کے بچے کی ولادت کے بارے میں گواہی دیں تو اسے مقدم نہیں کیا جائے گا۔ اس مسئلہ کو یاد رکھنا واجب ہے۔

27943۔ (قولہ: كَالنِّتَاجِ) اس سے مراد حیوان کی ولادت ہے یہ نتجت عندہ سے مشتق ہے۔ نتجت مجہول کا صیغہ ہے اس نے بچہ جنا اور وضع حمل کیا جس طرح''المغرب''میں ہے۔ مراد اس کی ملک میں، بائع کی ملک میں یا مورث کی ملک میں اس کا پیدا ہونا ہے۔ اس کی وضاحت''البحر''میں ہے۔

27944۔ (قولہ: فِعْلًا) یعنی اگر غیر قابض بچے کی ولادت کا دعویٰ نہ کرے۔ تامل

27945۔ (قولہ: فِي رِوَايَةٍ) زیادہ بہتر یہ قول ہے: فی قول جس طرح''شرنبلالیہ''میں ہے۔

27946۔ (قولہ: دُرَرٌ)''زیلعی''، صاحب''البحر''اور''ہدایہ''کے شارحین نے اس پر اکتفا کیا ہے۔ ہم نے مصنف کے قول فلولم یورخا قضی بھا للذی الید جو آنے والا ہے کے تحت جو کچھ لکھا ہے اس کی تائید کرتا ہے۔''زیلعی''نے نتاج کے دعویٰ میں قابض کو مقدم کرنے کی تعلیل کے بعد کہا، قبضہ ملک کی اولیت پر دلالت نہیں کرتا پس وہ اس میں غیر قابض کے مساوی ہوگا پس اولیت ثابت کرنے کی صورت میں غیر قابض مندفع (درمیان سے ہٹ جانا) ہو جاتا ہے اور قابض کی گواہیاں خصومت کو ختم کرنے میں مقبول ہوں گی جب غیر قابض قابض پر فعل کا دعویٰ کرے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا جب اس کی گواہیاں ارجح ہوں اگرچہ قابض نتاج کا دعویٰ کرے کیونکہ اس صورت میں وہ اثبات میں بڑھ کر ہے کیونکہ یہ اس چیز کو ثابت کر دیتا ہے جو اصلاً غیر ثابت ہوتا ہے۔''ملخص''

جب وہ مال میں تنازع کریں اسے بھی مستثنیٰ کیا جائے گا جس طرح پہلے قول گزر چکا ہے اور جب غیر قابض بچے کی ولادت کے ساتھ آزاد کیے جانے کا دعویٰ کرے تو اسے بھی مستثنیٰ کیا جائے گا۔ اس کی وضاحت''البحر''میں ہے۔

29747۔ (قولہ: وَنَسْجِ خَزٍّ)''الکفایہ''میں کہا: خز ایک جانور کا نام ہے پھر اس کپڑے کو خز کہتے ہیں جو اس کے بالوں سے بنایا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد بنا ہے جب یہ بوسیدہ ہو جائے تو اسے دوسری دفعہ کاتا جاتا ہے

فَهُوَ لِلْخَارِجِ؛ لِأَنَّهُ الْأَصْلُ وَإِنَّمَا عَدَلْنَا عَنْهُ بِحَدِيثِ النِّتَاجِ (وَإِنْ بَرْهَنَ كُلٌّ) مِنَ الْخَارِجَيْنِ أَوْ ذَوِي الْأَيْدِي أَوْ الْخَارِجِ وَذِي الْيَدِ عَيْنِيٌّ (عَلَى الشِّرَاءِ مِنَ الْآخَرِ بِلَا وَقْتٍ سَقَطَا وَتُرِكَ الْمَالُ) الْمُدَّعَى بِهِ (فِي يَدِ مَنْ مَعَهُ) وَقَالَ مُحَمَّدٌ يُقْضَى لِلْخَارِجِ قُلْنَا الْإِقْدَامُ عَلَى الشِّرَاءِ إِقْرَارٌ مِنْهُ بِالْمِلْكِ لَهُ وَلَوْ أَثْبَتَا قَبْضًا تَهَاتَرَتَا اتِّفَاقًا دُرَرٌ (وَلَا يُرَجَّحُ بِزِيَادَةِ عَدَدِ الشُّهُودِ) فَإِنَّ التَّرْجِيحَ عِنْدَنَا بِقُوَّةِ الدَّلِيلِ لَا بِكَثْرَتِهِ،

تو وہ چیز غیر قابض کی ہوگی۔ کیونکہ یہی اصل ہے۔ ہم نے اس سے عدول حدیث نتاج کی وجہ سے کیا تھا۔ اگر دونوں غیر قابض یا قابض یا غیر قابض اور قابض، ''عینی''۔ کسی اور سے خریداری پر گواہیاں قائم کریں جب کہ وقت ذکر نہ کریں تو وہ گواہیاں ساقط ہو جائیں گی اور مدعی بہ مال اس آدمی کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جائے گا جس کے قبضہ میں وہ ہو۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: غیر قابض کے حق میں اس کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ہم کہتے ہیں: خریداری پر اقدام اس کی جانب سے دوسرے کے لیے ملک کا اقرار ہے اگر دونوں قبضہ کو ثابت کریں تو بالاتفاق ساقط الاعتبار ہو جائیں گی۔ ''درر''۔ گواہوں کی تعداد کی زیادتی کی وجہ سے ترجیح نہیں دی جائے گی۔ کیونکہ ہمارے نزدیک ترجیح دلیل کی قوت کے ساتھ ہوتی ہے اس کی کثرت کے ساتھ نہیں ہوتی۔

اور پھر بنا جاتا ہے۔ ''عزمی حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

27948۔ (قولہ: بِحَدِيثِ النِّتَاجِ) اس سے مراد وہ حدیث ہے جسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے: ''ایک آدمی نے ایک ایسی اونٹنی کے متعلق دعویٰ کیا جو ایک آدمی کے قبضہ میں تھی اور اس نے گواہیاں قائم کر دیں کہ یہ اس کی اونٹنی ہے جس نے اس کے ہاں بچہ جنا اور وہ آدمی جس کے قبضہ میں اونٹنی تھی اس نے گواہیاں قائم کر دیں کہ یہ اس کی اونٹنی ہے جس نے بچہ جنا، فقضی بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم للذی ھی فی یدیہ (1)، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ اس کے حق میں کر دیا جس کے قبضہ میں وہ تھی۔ یہ حدیث صحیح مشہور ہے پس بچہ جننے کا مسئلہ مخصوص ہوگا۔ ''بحر''۔

27949۔ (قولہ: مِنَ الْآخَرِ) یعنی دوسرے خصم سے۔

27950۔ (قولہ: بِلَا وَقْتٍ) اگر دونوں وقت کی تعیین کریں تو بعد کے وقت والے کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ''بحر''۔

27951۔ (قولہ: وَقَالَ مُحَمَّدٌ يُقْضَى لِلْخَارِجِ) کیونکہ دونوں پر عمل کرنا ممکن ہے۔ پس اس کو یوں بنا دیا جائے گا گویا قابض نے دوسرے سے خریدا، قبضہ کیا پھر بیچ دیا۔ اس کی مکمل بحث ''البحر'' میں ہے۔

27952۔ (قولہ: بِالْمِلْكِ لَهُ) پس یہ یوں ہو گیا گویا دونوں دو اقراروں پر قائم رہے تو اس میں بالاجماع گواہیاں ساقط ہو جائیں گی یہاں بھی صورت حال اسی طرح ہے۔

27953۔ (قولہ: تَهَاتَرَتَا) کیونکہ جمع کرنا ممکن نہیں، ''بحر''۔ یہ جائیداد کے علاوہ میں ہے اسکی وضاحت بھی ''البحر'' میں ہے۔

1۔ سنن دارقطنی، کتاب فی الاقضیۃ والاحکام، جلد 4، صفحہ 209، حدیث نمبر 21

ثُمَّ فَرَّعَ عَلَى هٰذَا الْأَصْلِ بِقَوْلِهِ (فَلَوْ أَقَامَ أَحَدُ الْمُدَّعِيَيْنِ شَاهِدَيْنِ وَالْآخَرُ أَرْبَعَةً فَهُمَا سَوَاءٌ) فِي ذٰلِكَ (وَكَذَا لَا تَرْجِيحَ بِزِيَادَةِ الْعَدَالَةِ) لِأَنَّ الْمُعْتَبَرَ أَصْلُ الْعَدَالَةِ؛ إِذْ لَا حَدَّ لِلْأَعْدَلِيَّةِ (دَارٌ فِي يَدِ آخَرَ ادَّعَى رَجُلٌ نِصْفَهَا، وَآخَرُ كُلَّهَا وَبَرْهَنَا فَلِلْأَوَّلِ رُبْعُهَا وَالْبَاقِي لِلْآخَرِ بِطَرِيقِ الْمُنَازَعَةِ) وَهُوَ أَنَّ النِّصْفَ سَالِمٌ لِمُدَّعِي الْكُلِّ بِلَا مُنَازَعَةٍ ثُمَّ اسْتَوَتْ مُنَازَعَتُهُمَا فِي النِّصْفِ الْآخَرِ فَيُنَصَّفُ (وَقَالَا الثُّلُثُ لَهُ وَالْبَاقِي لِلثَّانِي بِطَرِيقِ الْعَوْلِ) لِأَنَّ فِي الْمَسْأَلَةِ كُلًّا وَنِصْفًا فَالْمَسْأَلَةُ مِنَ اثْنَيْنِ وَتَعُولُ إِلَى ثَلَاثَةٍ وَاعْلَمْ أَنَّ أَنْوَاعَ الْقِسْمَةِ أَرْبَعَةٌ مَا يُقْسَمُ بِطَرِيقِ الْعَوْلِ إِجْمَاعًا وَهُوَ ثَمَانٍ مِيرَاثٌ وَدُيُونٌ وَوَصِيَّةٌ

پھر اس قاعدہ پر اپنے اس قول سے تفریع بیان کی ہے: اگر ایک مدعی دو گواہ پیش کرے اور دوسرا چار پیش کرے تو اس میں وہ دونوں اسی طرح عدالت کی زیادتی کی وجہ سے کوئی ترجیح نہیں ہوگی۔ کیونکہ معتبر اصل عدالت ہے۔ کیونکہ زیادہ عادل ہونے کی کوئی حد نہیں۔ ایک گھر دوسرے آدمی کے قبضہ میں ہے ایک آدمی نے اس کے نصف کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے تمام گھر کا دعویٰ کیا اور دونوں نے گواہیاں پیش کر دیں تو پہلے کے لیے چوتھائی ہوگا اور باقی دوسرے کے لیے ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے جب فیصلہ بطریق منازعہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ نصف گھر اس مدعی کے لیے منازعہ کے بغیر سالم ہے جو تمام کا مدعی ہے پھر دوسرے نصف میں منازعہ برابر ہو گیا۔ پس اس کو نصف نصف کر دیا جائے گا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: ایک تہائی اس کا ہوگا اور باقی دوسرے کے لیے بطریق عدل ہوگا۔ کیونکہ مسئلہ میں کل اور نصف ہے پس مسئلہ دو سے ہے اور یہ تین کی طرف عدل کرے گا۔ یہ جان لو کہ تقسیم کی چار اقسام ہیں (۱) جسے بطریق عول تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس پر تمام علماء کا اجماع ہے یہ آٹھ ہیں: میراث، دیون، وصیت،

27954۔(قولہ: فَهُمَا سَوَاءٌ فِي ذٰلِكَ) ہمارے مشائخ کے شیخ نے فرمایا: چاہیے کہ اس کی یہ قید لگائی جائے کہ جب وہ تواتر کی حد تک نہ پہنچے۔ کیونکہ جب ایک کی گواہی حد تواتر تک جا پہنچے تو وہ علم کا فائدہ دے گی۔ پس یہ نہیں چاہیے کہ اسے دوسری جانب کی طرح بنا دیا جائے۔

میں کہتا ہوں: ''الشمنی'' اور ''الزیلعی'' میں جو کچھ ہے اس کا ظاہر اس امر کا فائدہ دیتا ہے۔ کیونکہ کہا: ہماری دلیل یہ ہے: دو گواہوں کی شہادت مکمل علت ہے جس طرح حالت انفراد میں مکمل علت ہوتی ہے۔ ترجیح کثرت علل کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ قوت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک متواتر ہو اور دوسری آحاد میں ہو۔ یا دونوں میں سے ایک مفسر ہو اور دوسری مجمل ہو۔ پس مفسر کو مجمل پر اور متواتر کو آحاد پر ترجیح دی جائے گی۔

اگر ایک نصف کا جب کہ دوسرا تمام گھر کا دعویٰ کرے تو اس کی تقسیم میں فقہا کا موقف

27955۔(قولہ: بِطَرِيقِ الْمُنَازَعَةِ) یہ جان لو کہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں منازعہ کے طریقہ کا اعتبار کیا ہے۔ وہ یہ ہے نصف اس مدعی کے لیے منازعہ کے بغیر سالم ہے جس نے کل کا دعویٰ کیا ہے دوسرا نصف باقی رہ گیا اس

وَمُحَابَاةٌ وَدَرَاهِمُ مُرْسَلَةٌ وَسِعَايَةٌ وَجِنَايَةُ رَقِيقٍ وَبِطَرِيقِ الْمُنَازَعَةِ إِجْمَاعًا وَهُوَ مَسْأَلَةُ الْفُضُولِيَّيْنِ وَبِطَرِيقِ الْمُنَازَعَةِ عِنْدَهُ وَالْعَوْلِ عِنْدَهُمَا، وَهُوَ ثَلَاثُ مَسَائِلَ مَسْأَلَةُ الْكِتَابِ وَإِذَا أَوْصَى لِرَجُلٍ بِكُلِّ مَالِهِ أَوْ بِعَبْدٍ بِعَيْنِهِ وَلِآخَرَ بِنِصْفِ ذَلِكَ وَبِطَرِيقِ الْعَوْلِ عِنْدَهُ وَالْمُنَازَعَةِ عِنْدَهُمَا وَهُوَ خَمْسٌ كَمَا بَسَطَهُ الزَّيْلَعِيُّ وَالْعَيْنِيُّ وَتَمَامُهُ فِي الْبَحْرِ وَالْأَصْلُ عِنْدَهُ أَنَّ الْقِسْمَةَ مَتَى وَجَبَتْ لِحَقٍّ ثَابِتٍ فِي عَيْنٍ أَوْ ذِمَّةٍ شَائِعًا فَعَوْلِيَّةٌ أَوْ مُمَيَّزًا أَوْ لِأَحَدِهِمَا شَائِعًا وَلِلْآخَرِ فِي الْكُلِّ فَمُنَازَعَةٌ وَعِنْدَهُمَا مَتَى ثَبَتَا

محابات، دراہم مرسلہ، سعایت اور غلام کی جنایت، اور جسے بطریق منازعہ تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس پر سب کا اجماع ہے وہ ''فضولیین'' کا مسئلہ ہے۔ اور جنہیں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بطریق منازعہ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک جنہیں بطریق عدل تقسیم کیا جاتا ہے وہ تین مسائل ہیں۔ ''الکتاب'' (یعنی متن) کا مسئلہ ہے: جب کوئی آدمی کسی دوسرے شخص کے لیے اپنے تمام مال کی وصیت کرے یا معین غلام کی وصیت کرے تو اور دوسرے کے لیے اپنے تمام مال کی وصیت کرے یا معین غلام کی وصیت کرے اور دوسرے کے لیے اس کے نصف کی وصیت کرے۔ اور جسے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بطریق عول اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک بطریق منازعہ تقسیم کیا جاتا ہے وہ پانچ مسائل ہیں جس طرح ''زیلعی'' اور ''عینی'' نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس کی مکمل بحث ''البحر'' میں ہے۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ ایسی تقسیم جو کسی ایسے حق میں ثابت ہو جو حق کسی عین میں یا ذمہ میں بطور اشتراک کے ثابت ہو تو وہ تقسیم عولی ہوتی ہے یا وہ حق ممیز ہو یا دونوں میں سے ایک کے لیے مشترک اور دوسرے کے لیے کل میں حق ثابت ہو تو وہ تقسیم منازعہ کے طریقہ پر ہو گی۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک جب دونوں حق اکٹھے

دوسرے نصف میں دونوں کا منازعہ برابر ہے پس وہ نصف نصف ہو جائے گا۔ پس جو کل کا مدعی تھا اس کے لیے تین چوتھائی اور جو نصف کا مدعی تھا اس کے لیے ایک چوتھائی ہو گا۔

''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے طول اور مضاربہ کے طریقہ کا اعتبار کیا ہے اسے یہ نام اس لیے دیا گیا۔ کیونکہ مسئلہ میں کل اور نصف ہے۔ پس مسئلہ دو سے ہو گا۔ اور تین کی طرف عول کرے گا۔ پس جو کل کا مدعی تھا اس کو دو حصے مل جائیں گے اور جو نصف کا مدعی تھا اسے ایک حصہ مل جائے گا۔ یہ عول کا طریقہ ہے۔ جہاں تک مضاربت کا طریقہ ہے کیونکہ ہر ایک کو امر کے حق کی مقدار سے ضرب دی جائے گی جو کل کا مدعی ہے اس کو تین سے دو تہائی ملیں گے پس دو تہائی میں ضرب دی جائے گی اور جو نصف کا مدعی ہے اس کے لیے تین میں ایک تہائی ہو گا پس گھر میں ایک تہائی کو گھر میں ضرب دی جائے گی پس گھر کا ایک تہائی حاصل ہو گیا۔ کیونکہ کسور کی ضرب اضافت کے طریقہ پر ہوتی ہے کیونکہ جب ایک تہائی کی چھ میں ضرب دی جائے تو اس کا معنی چھ کا ایک تہائی ہوتا ہے وہ دو ہیں۔ ''منح''۔

27956۔ (قولہ: وَمُحَابَاةٌ) مراد محابات کی وصیت ہے اس کی صورت یہ ہے جب کوئی آدمی وصیت کرے کہ اس

مَعًا عَلَى الشُّيُوعِ فَعَوْلِيَّةٌ وَإِلَّا فَمُنَازَعَةٌ فَلْيُحْفَظْ (وَلَوْ الدَّارُ فِي أَيْدِيهِمَا فَهِيَ لِلثَّانِي) نِصْفٌ لَا بِالْقَضَاءِ وَنِصْفٌ بِهِ لِأَنَّهُ خَارِجٌ

اشتراک کے طریقہ پر ثابت ہوں تو ان کی تقسیم عولی ہوگی ورنہ تقسیم منازعہ کے طریقہ پر ہوگی، فلیحفظ۔ اگر گھر دونوں کے قبضہ میں ہو تو گھر دوسرے کا ہوگا نصف قضا کے بغیر اور نصف قضا کے ساتھ کیونکہ وہ اس نصف میں غیر قابض ہے۔

غلام جس کی قیمت تین ہزار ہے اس آدمی کے ہاتھ دو ہزار میں بیچی جائے اور دوسرے آدمی کے حق میں وصیت کی کہ وہ غلام جس کی قیمت دو ہزار درہم ہے ایک ہزار میں اس کو بیچا جائے۔ یہاں تک دونوں کے لیے دو ہزار کی محابات حاصل ہو جائے تو ایک تہائی عول ان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ ''ح''۔

دراہم مرسلہ کی وصیت کا طریقہ یہ ہے: جب ایک آدمی ایک آدمی کے لیے ہزار کی وصیت کرے اور دوسرے کے لیے دو ہزار کی وصیت کرے تو ایک تہائی بطریق عول ان میں تقسیم کیا جائے گا۔

آزادی کی وصیت: جب ایک آدمی یہ وصیت کرے کہ اس غلام سے اس کا نصف آزاد کر دیا جائے اور اس نے یہ وصیت کی کہ اس دوسرے غلام سے ایک تہائی آزاد کر دیا جائے اور یہ مقدار ایک تہائی سے پوری نہیں ہوتی تو ایک تہائی مال ان کے درمیان بطریق عول تقسیم کر دیا جائے گا۔ اور دونوں میں سے ہر ایک سے سعایت میں سے اس کا حصہ ساقط ہو جائے گا، ''ح''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

اس میں ہے: ایک مدبر ہے جس نے اس طریقہ سے جنایت کی اور قیمت جنایت کے اولیاء کو دے دی گئی تو ان میں قیمت بطریق عول تقسیم ہوگی۔

جہاں تک اس کا تعلق ہے جسے ائمہ کے نزدیک بطریق منازعہ تقسیم کیا جاتا ہے تو وہ ایک مسئلہ ہے اسے ''جامع'' میں ذکر کیا ہے: ایک فضولی ہے جس نے ایک غلام کسی کے ہاتھ ہزار میں بیچا ہے اور دوسرا فضولی ہے جس نے اس کا نصف ایک اور آدمی کے ہاتھ پانچ سو میں بیچا ہے۔ آقا نے دونوں بیعوں کو اکٹھے جائز قرار دے دیا تو دونوں خریداروں کو اختیار ہوگا۔ جب دونوں اس کے لینے کو اختیار کریں تو دونوں بطریق منازعہ لیں اس کا تین چوتھائی اس کا ہوگا جس نے کل خریدا ہے اور چوتھائی اس کا ہوگا جس نے نصف خریدا۔ یہ ان سب ائمہ کے نزدیک ہے۔

''البحر'' میں ہے: ایک غلام ہے جس نے ایک آدمی کی آنکھ پھوڑ دی اور دوسرے کو قتل کر دیا جب کہ یہ عمل خطا ہوا تو یہ غلام ان دونوں کے بدلے میں دے دیا گیا تو جنایت کرنے والے کو بطریق عدل تقسیم کیا جائے گا اس کے دو تہائی مقتول کے ولی کو دیئے جائیں گے اور ایک تہائی دوسرے کو دیا جائے گا۔ ''بحر''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

مولف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہاں انہوں نے آزاد کرنے کی وصیت کو ترک کر دیا ہے۔ اس کے سات آٹھ صورتیں پوری ہو جاتی ہیں۔

27957۔ (قولہ: لِأَنَّهُ خَارِجٌ) کیونکہ جو نصف کا مدعی ہے اس کا دعویٰ صرف اس کی طرف پھر جاتا ہے جو اس کے

وَلَوْ فِي يَدِ ثَلَاثَةٍ وَادَّعَى أَحَدُهُمْ كُلَّهَا، وَآخَرُ نِصْفَهَا وَآخَرُ ثُلُثَهَا وَبَرْهَنُوا قُسِمَتْ عِنْدَهُ بِالْمُنَازَعَةِ، وَعِنْدَهُمَا بِالْعَوْلِ وَبَيَانُهُ فِي الْكَافِي (وَلَوْ بَرْهَنَا عَلَى نِتَاجِ دَابَّةٍ) فِي أَيْدِيهِمَا أَوْ أَحَدِهِمَا أَوْ غَيْرِهِمَا (وَأَرَّخَا قُضِيَ لِمَنْ وَافَقَ سِنُّهَا تَارِيخَهُ) بِشَهَادَةِ الظَّاهِرِ (فَلَوْ لَمْ يُؤَرِّخَا قُضِيَ بِهَا لِذِي الْيَدِ وَلَهُمَا إنْ فِي أَيْدِيهِمَا أَوْ فِي يَدِ ثَالِثٍ إنْ لَمْ يُوَافِقْهُمَا) بِأَنْ خَالَفَ أَوْ أَشْكَلَ (فَلَهُمَا إنْ كَانَتْ فِي أَيْدِيهِمَا أَوْ كَانَا خَارِجَيْنِ فَإِنْ فِي يَدِ أَحَدِهِمَا قُضِيَ بِهَا لَهُ) هُوَ الْأَصَحُّ

اگر ایک گھر تین افراد کے قبضہ میں ہے اور ان میں سے ایک پورے گھر کا دعویٰ کرے اور دوسرا اس کے نصف کا دعویٰ کرے اور تیسرا اس کے ایک تہائی کا دعویٰ کرے اور سب گواہیاں قائم کر دیں۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس گھر کو منازعہ کے طریقہ پر تقسیم کیا جائے گا اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک عول کے طریقہ پر تقسیم کیا جائے گا۔ اس کی وضاحت ''کافی'' میں ہے۔ اگر دونوں اپنے قبضہ میں یا ان میں سے ایک کے قبضہ میں یا ان دونوں کے علاوہ کسی اور کے قبضہ میں ہونے پر گواہیاں پیش کریں اور دونوں تاریخ کا ذکر کریں تو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا جس کے حق میں اس جانور کی عمر اس کی بیان کردہ تاریخ کے موافق ہوگی۔ یہ ظاہر حال کی شہادت کی بنا پر ہے۔ اگر وہ دونوں تاریخ بیان نہ کریں تو اس جانور کا فیصلہ اس کے حق میں کیا جائے گا جو قابض ہوگا اور ان دونوں کے حق میں اس کا فیصلہ کیا جائے گا اگر وہ ان دونوں کے قبضہ میں ہو یا کسی تیسرے فرد کے قبضہ میں ہو۔ اگر تاریخ دونوں کے موافق نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ان کے خلاف ہو یا اشکال پیدا کرے اگر وہ ان دونوں کے قبضہ میں ہو یا دونوں غیر قابض ہوں اگر وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے قبضہ میں ہو تو اس جانور کا فیصلہ اس کے حق میں کر دیا جائے گا۔ یہی اصح ہے۔

قبضہ میں ہے اور اس کے ساتھی کے قبضہ میں جو کچھ ہے اس میں وہ کسی شے کا دعویٰ نہیں کرتا۔

27958۔ (قولہ: وَبَيَانُهُ فِي الْكَافِي) اس کا ذکر ''غرر الافکار'' میں کیا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

27959۔ (قولہ: وَلَوْ بَرْهَنَا) یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ دو گواہوں نے یہ دیکھا ہو کہ اس نے اس مادہ کا دودھ پیا جو دوسرے کی ملک میں تھی۔ پس دونوں فریقوں کے لیے گواہی حلال ہو جائے گی۔ ''بحر'' میں ''الخلاصہ'' سے مروی ہے۔ ہم پہلے (مقولہ 27642 میں) اس سے نقل کر چکے ہیں۔ بچہ جننے کی صورت میں تاریخ کا کوئی اعتبار نہیں مگر جب وہ ایسی تاریخ بیان کرے جو محال ہو۔ فتامل

27960۔ (قولہ: لِذِي الْيَدِ) یہ اس کے ساتھ مقید ہے کہ جب دونوں میں سے ہر ایک صرف بچہ جننے کا دعویٰ کرے اگر غیر قابض قابض پر فعل کا دعویٰ کرے جیسے غصب، اجارہ اور عاریہ۔ تو غیر قابض کی گواہیاں اولیٰ ہوں گی۔ کیونکہ یہ اثبات میں اکثر واقع ہوا ہے۔ کیونکہ یہ گواہیاں قابض کے خلاف فعل کو ثابت کرتی ہیں۔ جس طرح ''البحر'' میں ''الزیلعی'' سے مروی ہے۔

قُلْت وَهٰذَا أَوْلَى مِمَّا وَقَعَ فِي الْكَنْزِ وَالدُّرَرِ وَالْمُلْتَقَى فَتَبَصَّرْ (بَرْهَنَ أَحَدُ الْخَارِجَيْنِ عَلَى الْغَصْبِ) مِنْ زَيْدٍ (وَالْآخَرُ عَلَى الْوَدِيعَةِ) مِنْهُ (اسْتَوَيَا) لِأَنَّهَا بِالْجَحْدِ تَصِيرُ غَصْبًا (النَّاسُ أَحْرَارٌ) بِلَا بَيَانٍ

میں کہتا ہوں: یہ قول اس سے بہتر ہے جو "کنز"، "الدرر" اور "الملتقی" میں ہے۔ پس خوب توجہ کیجئے۔ دو غیر قابض افراد میں سے ایک نے زید کے غصب پر گواہیاں قائم کیں اور دوسرے نے زید کے ہاں ودیعت پر گواہیاں قائم کیں تو وہ دونوں برابر ہوں گے۔ کیونکہ ودیعت کے انکار کی صورت میں وہ غصب ہو جائے گا اگر وضاحت کے بغیر آزاد ہوں گے

"نور العین" میں "الذخیرہ" سے اس کے برعکس نقل کیا ہے جو "المبسوط" میں ہے۔ کہا: ظاہر یہ ہے کہ جو "الذخیرہ" میں ہے وہی اصح اور ارجح ہے۔ کیونکہ "خواہر زادہ" کی "الخلاصہ" کی کتاب الولاء (یعنی باب الشہادۃ فی الولاء) میں ہے: جب قابض بچے کے جننے کا دعویٰ کرے اور غیر قابض یہ دعویٰ کرے کہ یہ اس کی ملکیت ہے قابض نے اس سے اس چیز کو غصب کیا ہے یا اسے ودیعت کے طور پر دیا یا اسے عاریہ دیا ہے تو غیر قابض کی گواہیاں زیادہ قابل قبول ہوں گی۔ قابض کی گواہیاں بچہ جننے پر راجح ہوں گی جب غیر قابض قابض کے خلاف فعل کا دعویٰ نہ کرے مگر جب غیر قابض قابض کے خلاف فعل کا دعویٰ کرے جیسے شرا وغیرہ تو غیر قابض کی گواہیاں اولیٰ ہوں گی۔ کیونکہ یہ اثبات میں بڑھ کر ہیں۔ اثبات میں بڑھ کر اس لیے ہیں کیونکہ یہ اس کے خلاف فعل کو ثابت کرتی ہیں۔ اس صفحہ سے قبل صفحہ کے حاشیہ میں جو ہم نے (مقولہ 27946 میں) لکھا ہے اسے بھی دیکھیے۔

27961۔ (قولہ: مِمَّا وَقَعَ فِي الْكَنْزِ) کیونکہ کہا: وان اشکل فلهما اگر وہ اشکال پیدا کرے تو وہ چیز دونوں میں تقسیم کی جائے گی۔ کیونکہ ان کا قول وان لم یوافقهما یہ "الکنز" کے قول سے عام ہے۔ اسی طرح "الکنز" کا قول فلهما اس کے ساتھ مقید ہے جب وہ ان دونوں میں سے ایک کے قبضہ میں نہ ہو۔ "الملتقی" اور "الغرر" کی عبارت ہے: اگر وہ اشکال پیدا کرے تو وہ ان دونوں کی ہوگی۔ اگر وہ ان دونوں کی مخالفت کرے تو باطل ہو جائے گی۔ شارح نے "شرح الملتقی" میں کہا: قابض کے حق میں ترک کی قضا کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اسی طرح "الہدایہ" اور "الکافی" میں اختیار کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: لیکن اصح یہ ہے کہ وہ مشکل کی طرح ہے جس طرح "التنویر"، "الدرر" اور "البحر" وغیرہ میں یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔

میں کہتا ہوں: "شرنبلالی" نے "کافی الحاکم" سے نقل کیا ہے: اول یہی صحیح ہے کیونکہ دونوں گواہیاں جھوٹی ہیں۔ پس قابض کے ہاتھ میں اسے چھوڑ دیا جائے گا کہا: اس کا حاصل یہ ہے کہ تصحیح میں اختلاف ہے۔

27962۔ (قولہ: مِنْ زَيْدٍ) نسخوں میں اسی طرح واقع ہوا ہے۔ صحیح یہ ہے: یعنی دونوں غیر قابضوں میں سے ایک کے قبضہ میں سے زید نے غصب کیا۔

"زیلعی" نے "منح" نے کہا: اس کا معنی ہے: جب کوئی عینی چیز کسی آدمی کے قبضہ میں ہو دو آدمی اس پر گواہیاں قائم کر دیں ان میں سے ایک غصب کا دعویٰ کرے اور دوسرا ودیعت کا دعویٰ کرے تو دونوں دعوے برابر ہو جائیں گے۔ یہاں تک

(اِلَّا فِي) أَرْبَعٍ (الشَّهَادَةِ وَالْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ وَالْقَتْلِ) كَذَا فِي نُسْخَةِ الْمُصَنِّفِ وَفِي نُسْخَةٍ وَالْعَقْلِ، وَعِبَارَةُ الْأَشْبَاهِ وَالدِّيَةِ وَحِينَئِذٍ (فَلَوْ ادَّعَى عَلَى مَجْهُولِ الْحَالِ) أَحُرٌّ أَمْ لَا (أَنَّهُ عَبْدُهُ فَأَنْكَرَ وَقَالَ أَنَا حُرُّ الْأَصْلِ فَالْقَوْلُ لَهُ) لِتَمَسُّكِهِ بِالْأَصْلِ (وَاللَّابِسُ) لِلثَّوْبِ (أَحَقُّ مِنْ آخِذِ الْكُمِّ وَالرَّاكِبُ أَحَقُّ مِنْ آخِذِ اللِّجَامِ وَمَنْ فِي السَّرْجِ مِنْ رَدِيفِهِ

مگر چار چیزوں میں ایسا نہیں ہوگا: گواہی، حدود، قصاص اور قتل۔ مصنف کے نسخہ میں اسی طرح ہے۔ ایک نسخہ میں ہے: عقل یعنی دیت مراد ہے۔ ''الاشباہ'' کی عبارت ہے: دیت۔ اس وقت اگر مجہول الحال آدمی پر دعویٰ کیا گیا۔ اس سے مراد ہے کیا وہ آزاد ہے یا نہیں؟ کہ وہ غلام ہے مجہول الحال آدمی نے غلام ہونے کا انکار کیا اور کہا: میں اصلاً آزاد ہوں تو اس کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ اصل سے تمسک کرنے والا ہوتا ہے۔ جس نے کپڑے کو زیب تن کیا ہوا ہے وہ اس کپڑے کا اس آدمی سے زیادہ مستحق ہے جس نے اس کپڑے کی آستین پکڑی ہوئی ہو اور سوار اس آدمی کی بنسبت سواری کا زیادہ مستحق ہے جو اس سواری کی لگام پکڑے ہوئے ہو اور زین میں اس کا ردیف ہو

کہ دونوں کے درمیان نصف نصف کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ ودیعت انکار کی صورت میں غصب ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس پر ضمان واجب ہو جاتی ہے۔ ''مدنی''۔

ظاہر یہ ہے کہ اس نے یہ ارادہ کیا کہ یہ غصب زید کی جانب سے واقع ہوا۔ پس زید، غاصب ہے۔ من حرف جار یہ غصب کا صلہ نہیں بلکہ یہ ابتدائیہ ہے۔ تامل

27963۔ (قولہ: الشَّهَادَةُ) جب خصم گواہ پر غلام ہونے کا طعن کرے گا تو شاہد کے متعلق پوچھا جائے گا۔ اگر وہ طعن نہ کرے تو سوال نہیں کیا جائے گا۔ اس گواہ کا یہ قول قبول نہیں کیا جائے گا میں آزاد ہوں۔ یہ شہادت کی طرف نسبت کے اعتبار سے ہوگا جب تک وہ گواہیاں قائم نہ کرے جب وہ تہمت لگائے پھر وہ یہ گمان کرے کہ جس پر اس نے تہمت لگائی ہے۔ وہ غلام ہے تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی یہاں تک کہ دلیل کے ساتھ مقذوف اپنی آزادی ثابت نہ کرے۔ اسی طرح اگر انسان کسی کا ہاتھ کاٹ دے۔ اسی طرح اگر وہ کسی انسان کو قتل کر دے جب کہ یہ عمل خطا ہو عاقلہ یہ گمان کرے کہ مقتول غلام ہے۔ ''ط''۔

27964۔ (قولہ: الدِّيَةُ) یہ تین الفاظ قتل، عقل اور دیت انجام کے اعتبار سے ایک ہیں۔

27965۔ (قولہ: وَاللَّابِسُ لِلثَّوْبِ) شیخ ''قاسم'' نے کہا: اس کے حق میں ترک کی قضا کے طور پر فیصلہ کر دیا جائے گا استحقاق کے قضا کے طور پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر دوسرا اس کے بعد گواہیاں قائم کر دے تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ''شرنبلالیہ''۔

27966۔ (قولہ: وَمَنْ فِي السَّرْجِ) ''ناطفی'' نے یہ روایت ''النوادر'' سے نقل کی ہے ظاہر الروایہ میں ہے۔ یہ ان

وَذُو حِمْلِهَا مِمَّنْ عَلَّقَ كُوزَهُ بِهَا لِأَنَّهُ أَكْثَرُ تَصَرُّفًا (وَالْجَالِسُ عَلَى الْبِسَاطِ وَالْمُتَعَلِّقُ بِهِ سَوَاءٌ) كَجَالِسَيْهِ وَرَاكِبَيْ سَرْجٍ (كَمَنْ مَعَهُ ثَوْبٌ وَطَرَفُهُ مَعَ الْآخَرِ لَا هُدْبَتُهُ) أَيْ طُرَّتُهُ الْغَيْرُ الْمَنْسُوجَةِ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِثَوْبٍ (بِخِلَافِ جَالِسَيْ دَارٍ تَنَازَعَا فِيهَا) حَيْثُ لَا يُقْضَى لَهُمَا لِاحْتِمَالِ أَنَّهَا فِي يَدِ غَيْرِهِمَا

اور جس کا سامان سواری پر موجود ہو وہ اس آدمی کی بنسبت اس کا زیادہ مستحق ہے جس نے اس کے ساتھ کوزہ لٹکایا ہوا ہو۔ کیونکہ اس کا تصرف زیادہ ہے اور جو قالین یا بستر پر بیٹھا ہوا ہے اور جس نے اسے پکڑ رکھا ہے وہ حکم میں برابر ہیں جس طرح دو آدمی اس پر بیٹھے ہوئے ہوں اور زین پر سوار ہوں۔ اس آدمی کی طرح جس کے پاس کپڑا ہو اور اس کی ایک طرف دوسرے آدمی کے پاس ہو نہ کہ اس کا ہدبہ دوسرے کے پاس ہو۔ ہدبہ سے مراد ایسی طرف ہے جو بنی ہوئی نہ ہو۔ کیونکہ وہ کپڑا نہیں ہوتا۔ گھر میں ان دو بیٹھنے والوں کا معاملہ مختلف ہے جس گھر میں وہ دونوں تنازع کریں۔ ان دونوں کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ یہ گھر ان دونوں کے علاوہ کسی اور کے قبضہ میں ہو

دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''الہدایہ'' اور ''الملتقی'' میں اس کی مثل ہے جو متن میں ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ جب وہ دونوں زین پر سوار ہیں تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ ان دونوں کے درمیان ایک قول ہے جس طرح ''العنایہ'' میں ہے۔ اس سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جب اس سواری پر زین نہ ڈالی گئی ہو تو دونوں اس سواری میں شریک ہوں گے۔ ''شرنبلالیہ''۔

27967۔ (قولہ: وَذُو حِمْلِهَا مِمَّنْ عَلَّقَ كُوزَهُ) یہ اس سے احتراز ہے کہ جب بعض سامان اس کا ہو۔ کیونکہ اگر دونوں میں سے ایک کا سیر، نصف سیر اور دوسرے کا سو ہو تو بار بردار جانور دونوں کا ہوگا جس طرح ''التبیین'' میں ہے۔

27968۔ (قولہ: لَا هُدْبَتُهُ) ترکی زبان میں اسے سجق کہتے ہیں۔ ''سعدیہ''۔

اگر دو آدمی ایک گھر کے بارے میں دعویٰ کریں اور ایک اس میں رہائش پذیر ہو تو اس کا حکم

27969۔ (قولہ: بِخِلَافِ جَالِسَيْ دَارٍ) ''العنایہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''البدائع'' میں جو قول ہے وہ اس کے خلاف ہے: اگر دو آدمی ایک گھر کے بارے میں دعویٰ کریں اور ان دونوں میں سے ایک اس میں رہائش پذیر ہو تو گھر رہائش پذیر کا ہوگا۔ اسی طرح اگر ان دو افراد میں سے ایک اس میں کوئی شے تعمیر کرے یا اس میں گڑھا کھودے تو یہ گھر اس کا ہوگا اگر اس میں سے کوئی شے واقع نہ ہو لیکن ان دونوں میں سے ایک اندر ہو اور دوسرا اس سے باہر ہے تو یہ گھر دونوں میں مشترک ہوگا۔ اس طرح وہ گھر دونوں میں مشترک ہوگا جب وہ دونوں اس گھر میں ہوں۔ کیونکہ جائیداد پر قبضہ اس میں ہونے سے نہیں ہوتا۔ اس میں قبضہ تصرف سے ثابت ہوتا ہے۔

تنبیہ

''البدائع'' میں کہا: ہر وہ جگہ جس کی ملکیت کا ایک آدمی کے حق میں فیصلہ کر دیا گیا۔ کیونکہ مدعیٰ اس کے قبضہ میں تھا تو اس

وَهُنَا عُلِمَ أَنَّهُ لَيْسَ فِي يَدِ غَيْرِهِمَا عَيْنِيٌّ (الْحَائِطُ لِمَنْ جُذُوعُهُ عَلَيْهِ
جب کہ وہاں قالین میں یہ معلوم ہے کہ یہ گھر ان دونوں کے علاوہ کسی اور کے قبضہ میں نہیں، ''عینی''۔ دیوار اس کی ہوگی جس کی کڑیاں دیوار پر ہوں

پر اپنے صاحب کے لیے قسم دینا واجب ہوگا جب وہ مطالبہ کرے۔ اگر وہ انکار کرے تو اس چیز کا اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ''شرنبلالیہ''۔

27970۔ (قولہ: وَهُنَا عُلِمَ) یعنی قالین پر بیٹھنے کا مسئلہ معلوم ہو گیا۔ مناسب یہ تھا کہ هنا کی بجائے هناك لفظ ذکر کرتے۔ ''زیلعی'' نے کہا: اسی طرح اگر وہ دونوں اس پر بیٹھے ہوئے ہوں۔ تو وہ ان دونوں کے درمیان تقسیم کی جائے گی۔ مگر جب وہ ایک گھر میں بیٹھے ہوئے ہوں اور اس کے بارے میں تنازع کریں تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ اس گھر کا دونوں کے حق میں فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ یہ گھر کسی اور کے قبضہ میں ہو۔ اور وہاں قالین کے بارے میں یہ معلوم ہو گیا کہ یہ کسی اور کے قبضہ میں نہیں۔

دیوار کی ملکیت کا حکم

27971۔ (قولہ: لِمَنْ جُذُوعُهُ عَلَيْهِ) اگر دونوں میں سے ایک کی ایک کڑی یا دو کڑیاں ہوں یعنی تین سے کم ہوں اور دوسرے کی تین کڑیاں یا زیادہ کڑیاں ہوں تو ''النوازل'' میں ذکر کیا: دیوار اس کی ہوگی جس کی تین کڑیاں دیوار پر ہوں اور جس کی تین سے کم کڑیاں ہوں اسے صرف کڑیاں رکھنے کا حق ہوگا۔ کہا: یہ استحسان ہے۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا قول ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: قیاس یہ ہے کہ دیوار دونوں میں نصف نصف ہو۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ بھی پہلے یہی کہا کرتے تھے پھر استحسان کی طرف رجوع کیا۔ ''قاضی خان'' نے اس کا ذکر باب فی دعویٰ الحائط والطریق میں کیا ہے۔ ''حامدی'' نے یہی فتویٰ دیا۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

جب اس دیوار کی تعمیر لازمی ہو تو لکڑی کے مالک پر لازم ہوگا کہ وہ اس کی جگہ کی تعمیر کرے جس طرح ''الحامدیہ'' میں ہے۔ یعنی اس کے نیچے سے اوپر تک جس کی حالت یہ ہو کہ لکڑی اسے کفایت کر جائے جس طرح میرے لیے امر ظاہر ہوا ہے۔ ''سائحانی''۔

پھر کہا: ''بزازیہ'' میں ہے: ایک دیوار دو افراد میں مشترک ہے ان میں سے ایک کا کوئی وزنی سامان پڑا ہوا ہے تو دوسرے کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے ساتھی کے سامان کی مثل اس پر رکھ دے اگر وہ دیوار اتنا وزن برداشت کر سکتی ہو۔ ورنہ کڑیوں کے مالک سے کہا جائے گا۔ اگر تو چاہے تو اسے رکھ لے تاکہ تیرا ساتھی برابر ہو جائے۔ اگر چاہے تو جتنا ممکن ہو تو اس سے اتار لے تاکہ اس کا شریک اس پر اتنی چیز رکھ سکے۔ ''ملخص''۔

''بزازیہ'' میں بھی ہے: ایک دیوار ان دونوں افراد میں مشترک ہے ان دونوں میں سے ایک نے یہ ارادہ کیا کہ وہ اس پر

أَوْ مُتَّصِلٌ بِهِ اتِّصَالَ تَرْبِيعٍ بِأَنْ تَتَدَاخَلَ أَنْصَافُ لَبِنَاتِهِ فِي لَبِنَاتِ الْآخَرِ وَلَوْ مِنْ خَشَبٍ فَبِأَنْ تَكُونَ الْخَشَبَةُ مُرَكَّبَةً فِي الْأُخْرَى لِدَلَالَتِهِ عَلَى أَنَّهُمَا بُنِيَا مَعًا وَلِذَا سُمِّيَ بِذَلِكَ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ يُبْنَى مُرَبَّعًا (لَا لِمَنْ لَهُ) اتِّصَالُ مُلَازَقَةٍ أَوْ نَقْبٍ وَإِدْخَالٍ

یا اس کی ایک دیوار دوسری دیوار کے ساتھ تربیع کے طریقہ پر متصل ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس دیوار کی اینٹوں کے نصف دوسری دیوار کی اینٹوں کے نصف میں داخل ہوں یعنی جوڑ ملے ہوئے ہوں اگر دیوار لکڑی کی بنی ہو تو ایک لکڑی دوسری لکڑی کے ساتھ جڑی ہوئی ہو۔ کیونکہ یہ چیز اس پر دلالت کرتی ہے کہ دونوں دیواریں اکٹھی بنائی گئی ہیں۔ اسی وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا ہے کیونکہ اس وقت دیوار مربع انداز میں بنائی جاتی تھی اس کی دیوار نہ ہوگی جس کا اتصال ملازقہ کی شکل کا ہو یا نقب کی صورت میں ہو، ادخال کی صورت میں ہو،

ایک اور چھت بنائے یا ایک کمرہ بنالے تو اسے منع کیا جائے گا۔ اسی طرح جب دونوں میں سے ایک سیڑھی بنانا چاہے تو اسے منع کیا جائے مگر جب وہ سیڑھی قدیمی طور پر ہو۔ ''حامدیہ''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

مولف نے کہا: اس میں اس کے برعکس فتویٰ دیا جب کہ ''العمادیہ'' سے نقل کیا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

27972۔(قولہ: أَوْ مُتَّصِلٌ بِهِ اتِّصَالَ تَرْبِيعٍ) پھر سوال یہ ہے کہ کیا ایک جانب سے اتصال تربیع کافی ہے تو امام ''طحاوی'' کی روایت کے مطابق یہ کافی ہے۔ یہ امر زیادہ ظاہر ہے اگرچہ ظاہر روایت میں ہے چاروں جوانب سے یہ شرط ہے اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو دونوں کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر دونوں میں سے ایک گواہیاں پیش کرے تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے۔ ''خلاصہ''، ''حامدیہ''، ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

اگر دونوں اتصال ہوں یعنی اتصال تربیع اور اتصال مجاورہ تو اسے ان دونوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔ اگر ایک کا تربیع ہے اور دوسرے فرد کے لیے ملازقہ ہے تو صاحب تربیع کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر دونوں میں سے ان کا تربیع ہو اور دوسرے فرد کی اس کے اوپر کڑیاں ہوں تو اتصال والے کا حق زیادہ ہوگا اور کڑیاں والا یہ اتصال ملازقہ سے بہتر ہے۔

پھر تربیع کے اتصال میں کیا ایک جانب سے کافی ہے؟ امام ''طحاوی'' کی روایت کے مطابق کافی ہے۔ یہ زیادہ ظاہر ہے اگرچہ ظاہری روایت میں چاروں جانب سے اتصال ضروری ہو۔

اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو دونوں کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا اگر دونوں میں سے ایک گواہیاں قائم کر دیں تو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔ ''خلاصہ''، ''بزازیہ''۔ ''منلا علی'' کی تحریر اسی طرح ہے۔

27973۔(قولہ: فِي لَبِنَاتِ الْآخَرِ) ''زیلعی'' میں ''الکرخی'' سے جو روایت مروی ہے اسے دیکھیے یہاں انہوں نے خوب سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

27974۔(قولہ: أَوْ نَقْبٍ) اس کی صورت یہ ہے: سوراخ کیا جائے اور اس میں لکڑی یعنی شہتیر داخل کر دیا جائے۔

أَوْ (هَرَادِيّ) كَقَصَبٍ وَطَبَقٍ يُوضَعُ عَلَى الْجُذُوعِ (بَلْ) يَكُونُ (بَيْنَ الْجَارَيْنِ لَوْ تَنَازَعَا) وَلَا يُخَصُّ بِهِ صَاحِبُ الْهَرَادِيّ بَلْ صَاحِبُ الْجِذْعِ وَالْوَاحِدُ أَحَقُّ مِنْهُ خَانِيَةٌ وَلَوْ لِأَحَدِهِمَا جُذُوعٌ وَلِلْآخَرِ اتِّصَالٌ فَلِذِي الِاتِّصَالِ وَلِلْآخَرِ حَقُّ الْوَضْعِ، وَقِيلَ لِذِي الْجُذُوعِ مُلْتَقَى وَتَمَامُهُ فِي الْعَيْنِيِّ وَغَيْرِهِ وَأَمَّا حَقُّ الْمُطَالَبَةِ بِرَفْعِ جُذُوعٍ وُضِعَتْ تَعَدِّيًا فَلَا يَسْقُطُ بِإِبْرَاءٍ وَلَا صُلْحٍ وَعَفْوٍ وَبَيْعٍ وَإِجَارَةٍ أَشْبَاهٌ مِنْ أَحْكَامِ السَّاقِطِ لَا يَعُودُ فَلْيُحْفَظْ (وَذُو بَيْتٍ مِنْ دَارٍ) فِيهَا بُيُوتٌ كَثِيرَةٌ (كَذِي بُيُوتٍ) مِنْهَا

یا ہرادی کی صورت میں ہو جیسے بانس اور طبق جنہیں کڑیوں پر رکھا جاتا ہے بلکہ یہ دو پڑسیوں کے درمیان مشترک ہوگا اگر وہ آپس میں تنازع کریں صاحب ہرادی اس دیوار کا خاص طور پر مالک نہیں ہوگا بلکہ ایک کڑی والا اس دیوار کا زیادہ حق دار ہوگا، ''خانیہ''۔ اگر ایک کی کڑیاں ہوں اور دوسرے کا اتصال ہو تو دیوار اتصال والی کی ہوگی اور دوسرے کو اس پر کڑیاں رکھنے کا حق ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دیوار کڑیوں والے کی ہوگی، ''ملتقی''۔ اس کی مکمل بحث ''عینی'' وغیرہ میں ہے۔ جہاں تک ان کڑیوں کے اٹھانے کے مطالبہ کا حق ہونا جن کڑیوں کو بطور تعدی رکھا گیا تھا وہ بری کرنے، صلح، عفو، بیع اور اجارہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ یہ ''اشباہ'' میں الساقط لا یعود کے احکام میں سے ہے۔ اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ صحن کے حقوق میں ایک بڑی حویلی میں سے ایک کمرے والا جس حویلی میں بہت سے کمرے ہوں،

27975۔ (قولہ: أَوْ هَرَادِيّ) یہ هردية کی جمع ہے سرکنڈے جنہیں دہرا کر کے انگور کی شاخوں کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے جن پر انگور کی شاخوں کو ڈالا جاتا ہے، ''ح''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

''منهوات العزمیه'' میں ہے: هردية یہ ہا کے ضمہ، را مہملہ کے سکون، دال مہملہ کے کسرہ اور یا مشددہ کے ساتھ ہے۔ الهرادی یہ ہا کے فتحہ اور دال کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

27976۔ (قولہ: وَلَوْ لِأَحَدِهِمَا جُذُوعٌ) ''منلا علی'' نے کہا: اگر ایک کی کڑیاں نیچے ہوں اور دوسرے کی کڑیاں اوپر کے طبقہ میں ہوں اور وہ دونوں اس دیوار میں جھگڑا کریں تو وہ دیوار نیچے والے کی ہوگی۔ کیونکہ اس کا قبضہ غالب ہے اور اوپر والے کی کڑیاں نہیں اٹھوائی جائیں گی۔ ''عمادیہ''۔ فصل پینتیس اس کی مثل ''الفصولین'' میں ہے۔

27977۔ (قولہ: وَإِجَارَةٍ) یعنی اس گھر کو اجارہ پر دے دیا تب بھی وہ مطالبہ کا حق ساقط نہیں ہوگا۔

27978۔ (قولہ: أَشْبَاهٌ مِنْ أَحْكَامِ السَّاقِطِ لَا يَعُودُ) ایک آدمی نے اپنے پڑوسی سے پڑوسی کی دیوار پر اپنی کڑیاں رکھنے کی اجازت مانگی یا اس کے گھر کے نیچے سرداب (تہہ خانہ) کھودنے کی اجازت مانگی اس نے اسے اس امر کی اجازت دے دی تو اس نے اسی طرح کر دیا پھر پڑوسی نے اپنا گھر بیچ دیا اور مشتری نے کڑیاں اٹھا لینے اور سرداب بند کر دینے کا مطالبہ کر دیا تو اسے یہ حق حاصل ہوگا مگر جب بائع اپنی اس بیع میں شرط لگا دے تو اس وقت مشتری کو حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ اس کا مطالبہ کرے ''قاضی خان''، ''خانیہ'' ''کتاب البیوع باب ما یدخل فی البیع من غیر ذکرہ ما لا یدخل، جو پہلی

(فِي حَقِّ سَاحَتِهَا فَهِيَ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ) كَالطَّرِيقِ (بِخِلَافِ الشُّرْبِ) إذَا تَنَازَعَا فِيهِ (فَإِنَّهُ يُقَدَّرُ بِالْأَرْضِ) بِقَدْرِ سَقْيِهَا

اس حویلی میں بہت سے کمرے والوں کی طرح ہے وہ صحن ان دونوں کے درمیان نصف نصف ہوگا جس طرح راستہ ہے۔ پانی کی باری کا معاملہ مختلف ہے۔ جب وہ اس میں تنازع کریں تو جس قدر زمین ہوگی اتنی ہی باری کا اندازہ لگایا جائے گا۔

فصل کی تبع میں ہے۔ اس کی مثل ''بزازیہ'' کی کتاب القسمہ میں ہے اور ''الاشباہ'' میں ''العاریہ'' میں ہے۔ اور سید ''احمد'' جو اس کے محشی ہیں کی طرف رجوع کیجئے۔ ''منلا علی''، مسئلہ کتاب العاریۃ میں (مقولہ 28965 میں) آنے والا ہے۔

27979۔ (قولہ: فِي حَقِّ سَاحَتِهَا) جب حصوں کی مقدار کا علم نہ ہو۔ ''منیۃ المفتی''۔

راستہ کی تقسیم

27980۔ (قولہ: كَالطَّرِيقِ) راستہ حصہ داروں کی تعداد کے حساب سے تقسیم کیا جائے گا املاک کی پیمائش کے اعتبار سے تقسیم نہیں کیا جائے گا جب حصوں کی مقدار کا علم نہ ہو اور پانی کی باری میں جب حصوں کی مقدار کا علم نہ ہو تو املاک کی مقدار کے اعتبار سے نہ کہ حصہ داروں کی تعداد کے اعتبار سے اسے تقسیم کیا جائے گا۔ ''منیہ''۔

فرع: ساباط (چھپر) جب ایک انسان کی دیوار پر ہو تو دیوار گر جائے۔ صاحب ''الکتاب'' نے ذکر کیا ہے: چھپر کو اٹھانا اور اسے بنانا یہ دیوار والے کے ذمہ ہوگا۔ کیونکہ اس کو اٹھانا اس کے ذمہ لازم ہے۔ ''ابو بکر خوارزمی'' یہی فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اس سے وہ یہ ارادہ کیا کرتے تھے و دیوار بنانے کے مطالبہ کا اختیار رکھتا ہے۔ کتاب ''الحیطان'' لقاسم بن قطلوبغا، فصل ثالث، ''مراصد الحیطان''۔ اور اس کا قول و یرید بہ الخ سے مراد ان کا قول لان حملہ الخ ہے میرے لیے یہی امر ظاہر ہوا ہے تامل۔ ہم نے متفرقات القضاء میں جو کچھ لکھا ہے اسے دیکھیے (اصل میں فی الحاشیۃ فی متفرقات القضاء ہے)

27981۔ (قولہ: بِخِلَافِ الشُّرْبِ) ایک حویلی ہے جس میں دس کمرے ایک آدمی کے ہیں اور ایک کمرہ دوسرے آدمی کا ہے دونوں نے صحن میں تنازع کیا یا ایک کپڑا ہے جو ایک آدمی کے پاس ہے اور اس کی ایک طرف دوسرے کے ہاتھ میں ہے دونوں اس میں تنازع کرتے ہیں تو وہ ان میں نصف نصف ہوگا۔ زیادہ قبضہ کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا جس طرح گواہوں کی زیادتی کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ کیونکہ ادلہ کی کثرت کی وجہ سے ترجیح دینا باطل ہے۔ ''بزازیہ''، فصل ثالث عشر۔

اس سے یہ معلوم ہو گیا یہ اس صورت میں ہے جب اصل ملک مجہول ہو مگر جب یہ معلوم ہو، جس طرح مذکورہ پوری حویلی ایک آدمی کی ہو پھر وہ اولاد چھوڑ کر مر جائے تو وہ کمرے آپس میں تقسیم کریں، تو وہ صحن اپنے کمروں کی مقدار کے اعتبار سے تقسیم کریں گے۔

جسے مالکوں کی تعداد کے اعتبار سے تقسیم کیا جاتا ہے

27982۔ (قولہ: بِقَدْرِ سَقْيِهَا) جب زمین کی مقدار زائد ہو تو اس کی ضرورت زائد ہوتی ہے۔ پس پانی کی باری

(بَرْهَنَا) أَیِ الْخَارِجَانِ (عَلَی یَدٍ) لِكُلٍّ مِنْهُمَا (فِی أَرْضٍ قُضِیَ بِیَدِهِمَا) فَتَنْتَصِفُ (وَلَوْ بَرْهَنَ عَلَیْهِ) أَیْ عَلَی الْیَدِ (أَحَدُهُمَا أَوْ كَانَ تَصَرَّفَ فِیهَا) بِأَنْ لَبَّنَ أَوْ بَنَی (قُضِیَ بِیَدِهِ) لِوُجُودِ تَصَرُّفِهِ (ادَّعَی الْمِلْكَ فِی الْحَالِ وَ شَهِدَ الشُّهُودُ أَنَّ هٰذَا الْعَیْنَ كَانَ مِلْكَهُ تُقْبَلُ) لِأَنَّ مَا ثَبَتَ فِی زَمَانٍ یُحْكَمُ بِبَقَائِهِ مَا لَمْ یُوجَدْ الْمُزِیلُ دُرَرٌ

دو غیر قابضوں نے قبضہ پر گواہیاں قائم کیں دونوں کی گواہیاں ایک قطعہ زمین کے بارے میں تھیں تو ان کے قبضہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پس وہ زمین نصف نصف ہوگی۔ اگر ان میں سے ایک آدمی زمین پر قبضہ کی گواہیاں قائم کرے یا اس میں تصرف پر گواہیاں قائم کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کچی اینٹیں بنوائے یا کوئی عمارت بنائے تو تصرف کے پائے جانے کی وجہ سے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ ایک آدمی نے فی الحال ایک شے کی ملکیت کا دعویٰ کیا اور گواہوں نے گواہی دی کہ یہ عینی چیز اس کی ملکیت تھی تو اس کا دعویٰ قبول کیا جائے گا۔ کیونکہ جو کسی زمانہ میں ثابت ہو تو اس کی بقا کا فیصلہ کیا جائے گا جب تک اس کو زائل کرنے والی چیز نہ پائی جائے۔ ''درر''۔

زمین کی مقدار کے اعتبار سے ہوگی۔ صحن سے نفع حاصل کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ املاک کے مختلف ہونے سے مختلف نہیں ہوتا جس طرح راستہ سے گزرنا۔ ''زیلعی''۔

یہ امر ذہن نشین کر لو کہ افراد کی تعداد کے اعتبار سے جن کی تقسیم ہوگی وہ یہ ہیں: صحن، شفعہ، تقسیم کرنے والے کی اجرت، نوائب (شاہی ٹیکس)، عاقلہ (دیت) غرق اور راستہ کے خوف سے جو سواری کے حوالے سے چیز لازم کی جاتی ہے۔ ''شیخ شاہین'' کی تحریر اسی طرح ہے۔ ''ابو سعود''۔

27983۔ (قولہ: أَیِ الْخَارِجَانِ) ''الدرر''، ''المنح'' میں اسی طرح ہے۔ ''الہدایہ'' اور ''زیلعی'' کی عبارت دوسری کتب میں ہے اس امر کا فائدہ دیتی ہے کہ وہ دونوں قابض ہیں۔ ''الفصولین'' میں ہے: ''خ'' یہ ''قاضی خان'' کی طرف اشارہ ہے: دونوں میں سے ہر ایک نے دعویٰ کیا کہ وہ چیز اس کی ہو اور اس کے قبضہ میں ہے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاصل'' میں ذکر کیا ہے: ان دونوں میں سے ہر ایک پر گواہیاں پیش کرنا لازم ہوں گی ورنہ قسم پیش کرنا لازم ہوگی۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک اس امر کا اقرار کرتا ہے کہ خصومت اس کی طرف متوجہ ہے جب وہ اپنے لیے قبضہ کا دعویٰ کرتا ہے۔ اگر دونوں کے قبضہ میں تصور کیا جائے گا۔ کیونکہ قبضہ ثابت کرنے میں وہ دونوں برابر ہیں۔ اور جائیداد (زمین) میں دعویٰ ملک صرف اس کے خلاف سنا جا سکتا ہے جس کا قبضہ ہو۔ اور قبضہ کا دعویٰ اس کے خلاف مقبول ہوتا ہے جو قابض نہ ہو اگر وہ غیر قبضہ میں اس کے ساتھ منازعہ کرے پس وہ قبضہ کا بطور قصد اور ملک کا بطور تبع مدعی ہوگا۔

''الکفایہ'' میں ہے: ''تمرتاشی'' نے ذکر کیا: اگر دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کی قسم کا مطالبہ کرے۔ وہ اس کے قبضہ میں نہیں تو ان دونوں میں سے ہر ایک سے یہ قسم لی جائے گی۔ یہ اس کے ساتھی کے قبضہ میں نہیں ہے یہ قسم حتمی ہو۔ اگر دونوں یہ

(صَبِیٌّ یُعَبِّرُ عَنْ نَفْسِهِ) أَیْ یَعْقِلُ مَا یَقُولُ (قَالَ أَنَا حُرٌّ فَالْقَوْلُ لَهُ) لِأَنَّهُ فِی یَدِ نَفْسِهِ كَالْبَالِغِ (فَإِنْ قَالَ أَنَا عَبْدُ فُلَانٍ) لِغَیْرِ ذِی الْیَدِ (قُضِیَ بِهِ لِذِی الْیَدِ) كَمَنْ لَا یُعَبِّرُ عَنْ نَفْسِهِ لِإِقْرَارِهِ بِعَدَمِ یَدِهِ (فَلَوْ كَبِرَ وَادَّعَی الْحُرِّیَّةَ تُسْمَعُ مَعَ الْبُرْهَانِ) لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ التَّنَاقُضَ فِی دَعْوَی الْحُرِّیَّةِ لَا یَمْنَعُ صِحَّةَ الدَّعْوَی

ایک بچہ ہے جو اپنے مافی الضمیر کی تعبیر کر لیتا ہے یعنی جو کہتا ہے اسے سمجھتا ہے اس نے کہا: میں آزاد ہوں: تو قول اس کا معتبر ہو گا۔ کیونکہ ایسا فرد اپنے قبضہ میں ہوتا ہے۔ جیسے بالغ ہوتا ہے اگر وہ کہے: میں فلاں کا غلام ہوں جو قابض کے علاوہ ہے تو جو قابض ہے اس کے حق میں اسے غلام کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ جس طرح اس بچے کا معاملہ ہوتا ہے جو اپنے بارے میں تعبیر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ اپنے قبضہ میں نہ ہونے کا اقرار کرتا ہے۔ اگر وہ بڑا ہوا اور آزادی کا دعویٰ کر دے تو دلیل کے ساتھ اس کے دعویٰ کو سنا جائے گا۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آزادی کے دعویٰ میں تناقض کے صحیح ہونے کے مانع نہیں۔

قسم اٹھا دیں تو دونوں کے حق میں قبضہ کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ اور ہر ایک اپنے ساتھی کے دعویٰ سے بری ہو جائے گا اور اس گھر کو موقوف کر دیا جائے گا یہاں تک کہ حال ظاہر ہو جائے۔ اگر دونوں انکار کر دیں تو ہر ایک کے حق میں اس نصف کا فیصلہ کر دیا جائے گا جو اس کے قبضہ میں ہے۔ اگر ان دونوں میں سے ایک انکار کر دے تو تمام کی تمام کا قسم اٹھانے والے کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ نصف جو اس کے قبضہ میں ہے اور نصف جو اس کے ساتھی کے قبضہ میں ہے یہ اس کی قسم کے انکار کرنے کی وجہ سے ہے۔ اگر گھر تیسرے کے قبضہ میں ہو تو اس کے قبضہ سے اسے نہیں چھڑایا جائے گا۔ کیونکہ اس کا قسم سے انکار کرنا تیسرے آدمی کے حق میں حجت نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ خارجین کی قید اتفاقی ہے۔ پس اولیٰ اس کا خلاف ہے۔

27984۔ (قولہ: قُضِیَ بِهِ) یہ اعتراض نہیں کیا جائے گا کہ غلامی کا اقرار نقصان اور مضرت میں سے ہے۔ پس بچے سے ایسے اقرار کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں: یہ اس کے قول سے ثابت نہیں بلکہ قابض کے دعویٰ سے یہ امر ثابت ہوا ہے۔ کیونکہ یہاں کوئی معارض موجود نہیں اور ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ مضرات میں سے ہے۔ کیونکہ اس کے بعد آزادی کے دعویٰ کے ساتھ ان مضرات کے تدارک کا امکان موجود ہے۔

یہ اعتراض نہیں کیا جائے گا: آدمی میں اصل آزادی ہے پس گواہوں کے بغیر دعویٰ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور اس کے قبضہ میں ہونا اس کے قول کے قبول کرنے کو واجب نہیں کرتا جیسے لقیط (جو لاوارث بچہ پایا جائے) ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں ملتقط (لاوارث بچے کو اٹھانے والا) کا یہ قول قبول نہیں کیا جاتا: یہ اس کا غلام ہے اگرچہ وہ بچہ اس کے قبضہ میں ہو۔

جواب کیونکہ ہم یہ کہتے ہیں: جب اصل پر اس کے خلاف دلیل عارض آ گئی تو وہ اصل باطل ہو گیا اور قبضہ کا ثبوت ملک کی دلیل ہے۔ ہم اس امر کو تسلیم نہیں کرتے کہ لقیط جب اپنے بارے میں تعبیر کر سکتا ہو اور غلامی کا اقرار کرے تو وہ حکم میں اس کے مخالف ہوگا۔ اگر وہ تعبیر نہ کرے تو وہ ملتقط کے قبضہ میں ہر اعتبار سے نہ ہوا۔ کیونکہ ملتقط تو امین ہوتا ہے ''زیلعی''۔ ''ملخص''

بَابُ دَعْوَی النَّسَبِ

الدِّعْوَةُ نَوْعَانِ دِعْوَةُ اسْتِيلَادٍ وَهُوَ أَنْ يَكُونَ أَصْلُ الْعُلُوقِ فِي مِلْكِ الْمُدَّعِي وَدِعْوَةُ تَحْرِيرٍ وَهُوَ بِخِلَافِهِ وَالْأَوَّلُ أَقْوَى لِسَبْقِهِ وَاسْتِنَادِهَا لِوَقْتِ الْعُلُوقِ وَاقْتِصَارِ دَعْوَى التَّحْرِيرِ عَلَى الْحَالِ وَسَيَتَّضِحُ (مَبِيعَةٌ وَلَدَتْ لِأَقَلَّ مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ مُنْذُ بِيعَتْ

نسب کے احکام

دعویٰ کی دو قسمیں ہیں (۱) دعویٰ استیلاد۔ اس سے مراد یہ ہے حمل کا ٹھہرنا یہ مدعی کی ملک میں ہو۔ (۲) دعویٰ تحریر۔ یہ دعویٰ استیلاد سے مختلف ہے۔ پہلا دعوہ زیادہ قوی ہے کیونکہ یہ سابق ہے اور یہ حمل کے ٹھہرنے کے وقت کی طرف منسوب ہے اور آزادی کا دعویٰ حال پر مقصور ہے۔ عنقریب اس کی وضاحت آئے گی۔ ایک بیچی گئی لونڈی نے اس وقت سے چھ ماہ سے کم عرصہ میں بچہ جن دیا جس وقت سے اسے بیچا گیا تھا

دِعوہ اور دَعوہ میں فرق

27985۔ (قولہ: الدِّعْوَةُ) یہ لفظ دال کے کسرہ کے ساتھ ہے یعنی نسب میں دعویٰ کرنا اور جب یہی لفظ دال کے فتحہ کے ساتھ ہوتو اس سے مراد کھانے کی دعوت ہوتی ہے۔

27986۔ (قولہ: فِي مِلْكِ الْمُدَّعِي) یعنی حقیقت میں یا حکم میں مدعی کی ملک میں ہو جس طرح ایک آدمی اپنے بیٹے کی لونڈی سے وطی کرے اور اس کے بچے کے نسب کا دعویٰ کردے تو اس کی ملکیت اس لونڈی میں ثابت ہو جائے گی اور بچے کی آزادی ثابت ہو جائے گی اور وہ اپنے بچے کے لیے لونڈی کی قیمت کا ضامن ہو جائے گا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ الله تعالیٰ نے اسے دعوۃ شبہۃ الملک قرار دیا ہے۔

27987۔ (قولہ: وَاسْتِنَادِهَا) یہ علت کا معمول پر عطف ہے ''الدرر'' میں یہ قول کیا ہے: والاول اقوی لانه اسبق لاستنادھا، ''ح''۔ پہلا زیادہ قوی ہے کیونکہ یہ زیادہ سابق ہے کیونکہ یہ منسوب ہے۔ ''ح''۔

27988۔ (قولہ: مِنْ سِتَّةِ أَشْهُرٍ) اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ دونوں مدت پر متفق ہیں ورنہ ''تاتر خانیہ'' میں ''الکافی'' سے مروی ہے: بائع نے کہا: پس میں نے اسے تجھ سے ایک ماہ ہوا خریدا ہے اور بچہ مجھ سے ہے۔ مشتری نے کہا: تو نے مجھے ایک سال سے زیادہ ہوا اسے بیچا ہے اور بچہ تیرا نہیں ہے۔ تو بالاتفاق قول مشتری کا ہوگا۔ اگر دونوں گواہیاں قائم کریں تو گواہی امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مشتری کی معتبر ہوگی اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بائع کی معتبر ہوگی۔ شارح عنقریب اس کا اپنے قول میں ذکر کریں گے: ولو تنازعا بائع کے دعویٰ کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر اس کا بیٹا دعویٰ کرے اور

فَادَّعَاهُ) الْبَائِعُ (ثَبَتَ نَسَبُهُ) مِنْهُ اسْتِحْسَانًا لِعُلُوقِهَا فِي مِلْكِهِ وَمَبْنَى النَّسَبِ عَلَى الْخَفَاءِ فَيُعْفَى فِيهِ التَّنَاقُضُ (وَ) إذَا صَحَّتْ أُسْتُنِدَتْ وَ (صَارَتْ أُمَّ وَلَدِهِ فَيُفْسَخُ الْبَيْعُ وَيُرَدُّ الثَّمَنُ وَ) لَكِنْ (إذَا ادَّعَاهُ الْمُشْتَرِي قَبْلَهُ ثَبَتَ) نَسَبُهُ (مِنْهُ) لِوُجُودِ مِلْكِهِ وَأُمِّيَّتُهَا

بائع نے اس بچے کے نسب کا دعویٰ کر دیا تو بطور استحسان اس کا نسب اس آقا سے ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ لونڈی اس آقا کی ملکیت میں حاملہ ہوئی تھی اور سب کا معاملہ خفا پر مبنی ہوتا ہے۔ پس اس میں تناقض معاف ہے اور جب نسب کا دعویٰ صحیح ہوا تو وہ بائع کے زمانہ ملکیت کی طرف منسوب ہوگا۔ پس وہ لونڈی اس آقا کی ام ولد بن جائے گی۔ پس مبیع کو فسخ کر دیا جائے گا، ثمن لوٹا دی جائے گی لیکن جب مشتری نے اس سے قبل دعویٰ کیا تو مشتری سے اس بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کی ملکیت پائی جا رہی ہے اور اس لونڈی کا ام ولد ہونا

مشتری اس کو جھلائے بائع اس کی تصدیق کرے یا نہ کرے تو اس کا دعویٰ باطل ہوگا۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

27989_(قولہ: فَادَّعَاهُ) فا کے ساتھ اس کو بیان کیا کہ ولادت سے پہلے اس کا دعویٰ موقوف ہے۔ اگر وہ زندہ بچہ جنے تو نسب ثابت ہو جائے گا ورنہ نسب ثابت نہیں ہوگا جس طرح ''الاختیار'' میں ہے۔

ویلزم البائع: **نوٹ**: ''تقریرات رافعی'' میں یوں وضاحت کی گئی ہے: ''اصل'' کی عبارت ہے: ویلام البائع دکتور فرفور کہتے ہیں: ویلزم علی قول الشارح البائع۔ (مترجم)

لونڈی اگر ایک جماعت کی ہو ان میں سے ایک آدمی اس لونڈی کو خرید لے وہ لونڈی بچہ جن دے وہ سب اس کا دعویٰ کر دیں تو اس کا نسب ان سب سے ثابت ہو جائے گا۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اسے دو افراد کے ساتھ خاص کیا ہے۔ ورنہ نسب ثابت نہیں ہوگا جس طرح ''النظم'' میں ہے۔

اطلاق کی صورت میں اگر مشتری بائع کی تصدیق نہ کرے اور کہے: تیرے پاس لونڈی کو حمل نہیں ٹھہرا تو قول بائع کا معتبر ہوگا۔ یہ ظاہر امر کی شہادت کی وجہ سے ہے۔ اگر دونوں میں سے ایک گواہی دے تو اس کی گواہیاں معتبر ہوں گی۔ اگر دونوں گواہیاں پیش کر دیں تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مشتری کی گواہیاں معتبر ہوں گی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بائع کی گواہیاں معتبر ہوں گی جس طرح ''المنیہ'' میں ہے۔ ''شرح الملتقی''۔

27990_(قولہ: الْبَائِعُ) اگرچہ بائع ایک سے زیادہ ہوں۔

27991_(قولہ: ثَبَتَ نَسَبُهُ) مشتری اس کی تصدیق کرے یا اس کی تصدیق نہ کرے جس طرح ''غرر الافکار'' میں ہے۔ ''البائع'' میں مطلق کلام کی ہے۔ پس یہ قول مسلمان اور ذمی، آزاد اور مشتری دونوں کو شامل ہوگا۔ یہ استحسان کے طریقہ پر ہے قیاس کے طریقہ پر نہیں۔ کیونکہ اس کی بیع اس کی جانب سے یہ اقرار ہے کہ یہ لونڈی ہے پس وہ مناقض ہوگا۔

27993_(قولہ: وَأُمِّيَّتِهَا) اس کا عطف ثبت کے فاعل پر ہے، ''ح''۔ یہ اس صورت میں ہے جب حال مجہول ہو

بِإِقْرَارِهِ وَقِيلَ يُحْمَلُ عَلَى أَنَّهُ نَكَحَهَا وَاسْتَوْلَدَهَا ثُمَّ اشْتَرَاهَا (وَلَوْ ادَّعَاهُ مَعَهُ) أَيْ مَعَ ادِّعَاءِ الْبَائِعِ (أَوْ بَعْدَهُ لَا) لِأَنَّ دِعْوَتَهُ تَحْرِيرٌ، وَالْبَائِعِ اسْتِيلَادٌ فَكَانَ أَقْوَى كَمَا مَرَّ (وَكَذَا) يَثْبُتُ مِنَ الْبَائِعِ (لَوْ ادَّعَاهُ بَعْدَ مَوْتِ الْأُمِّ بِخِلَافِ مَوْتِ الْوَلَدِ) لِفَوَاتِ الْأَصْلِ (وَيَأْخُذُهُ) الْبَائِعُ بَعْدَ مَوْتِ أُمِّهِ (وَيَسْتَرِدُّ الْمُشْتَرِي كُلَّ الثَّمَنِ) وَقَالَا حِصَّتَهُ (وَإِعْتَاقُهُمَا)

اس آقا کے اقرار کی وجہ سے ہے۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ اس نے لونڈی کے ساتھ نکاح کیا اور اس سے بچہ جا یعنی حقوق زوجیت ادا کیے پھر اس لونڈی کو خرید لیا۔اگر مشتری بچے کے نسب کا دعویٰ بائع کے دعویٰ کے ساتھ یا اس کے بعد کرے تو اس کا دعویٰ قابل قبول نہیں ہوگا۔کیونکہ مشتری کا دعویٰ تحریر ہے اور بائع کا دعویٰ استیلاد ہے اور بائع کا دعویٰ اقویٰ ہے جس طرح یہ گزر چکا ہے۔اسی طرح بائع سے نسب کا دعویٰ ثابت ہوگا اگر وہ ماں کی موت کے بعد اس کا دعویٰ کرے۔بچے کی موت کا معاملہ مختلف ہے۔کیونکہ اصل فوت ہو چکا ہے۔اور بائع اس بچے کو لے لے گا جب کہ اس کی ماں فوت ہو چکی ہو گی۔اور مشتری پوری ثمن واپس لے لے گا۔''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: وہ ثمن میں سے بچے کا حصہ لے گا۔

کیونکہ استیلاد میں یہ گزر چکا ہے: اگر وہ لونڈی سے زنا کرے اور وہ بچہ جن دے پھر وہ اس لونڈی کا مالک بن جائے تو یہ لونڈی ام ولد نہیں بنے گی اگر وہ بچہ کا مالک بنے گا تو یہ بچہ اس پر آزاد ہو جائے گا یہ متن کے طور پر گزر چکا ہے: استولد جارية احد ابويه وقال ظننت حلالى فلا نسب وان ملكه عتق عليه۔وہاں شارح نے کہا تھا: اگر وہ اس کی ماں کا مالک بن گیا تو وہ اس کی ام ولد نہیں ہوگی کیونکہ اس بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔''سائحانی''۔

27994۔(قولہ: بِإِقْرَارِهِ) پھر اس کے بعد بائع کا دعویٰ صحیح نہیں ہوگا۔کیونکہ بچے کا جب نسب ثابت ہو گیا تو بچہ اس کے اقرار سے مستغنی ہو گیا۔اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ اسے باطل کرنے کا احتمال نہیں رکھتا۔''زیلعی''۔

27995۔(قولہ: وَلَوْ ادَّعَاهُ) اگر وہ مشتری اس بچے کے نسب کا دعویٰ کرے جب کہ اس عورت نے چھ ماہ سے کم عرصہ سے بچہ جن دیا تھا۔

27996۔(قولہ: بِخِلَافِ مَوْتِ الْوَلَدِ) یعنی جب کہ عورت نے اسے چھ ماہ سے کم عرصہ میں جنا تھا۔پس ماں میں ام ولد ہونا ثابت نہیں ہوگا۔کیونکہ اصل فوت ہو چکا ہے۔کیونکہ بچہ فوت ہونے کے ساتھ موت سے مستغنی ہو چکا ہے۔شارح کے لیے مناسب یہ تھا کہ وہ استغنا کی علت کو بیان کرتا جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔فتدبر

27997۔(قولہ: كُلَّ الثَّمَنِ) کیونکہ یہ امر واضح ہو چکا ہے کہ اس نے اپنی ام ولد کو بیچا ہے اور ام ولد کی مالیت ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقد اور غصب میں متقوم نہیں۔پس مشتری اس کا ضامن نہیں ہوگا۔اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک متقوم ہے پس وہ اس کا ضامن ہوگا۔''ہدایہ''۔

27998۔(قولہ: وَقَالَا حِصَّتَهُ) یعنی بچے کا حصہ۔یعنی بائع ماں کا حصہ واپس نہیں کرے گا۔

أَيْ إِعْتَاقُ الْمُشْتَرِي الْأُمَّ وَالْوَلَدَ (كَمَوْتِهِمَا) فِي الْحُكْمِ (وَالتَّدْبِيرُ كَالْإِعْتَاقِ) لِأَنَّهُ أَيْضًا لَا يَحْتَمِلُ الْإِبْطَالَ وَيَرُدُّ حِصَّتَهُ اتِّفَاقًا مُلْتَقَى وَغَيْرُهُ وَكَذَا حِصَّتُهَا أَيْضًا عَلَى الصَّحِيحِ مِنْ مَذْهَبِ الْإِمَامِ كَمَا فِي الْقُهُسْتَانِيِّ وَالْبُرْهَانِ وَنَقَلَهُ فِي الدُّرَرِ وَالْمِنَحِ عَنِ الْهِدَايَةِ

مشتری کا ماں یا بچے کو آزاد کرنا حکم میں ان دونوں کی مدت کی طرح ہے اور مدبر بنانا آزاد کرنے کی طرح ہے۔ کیونکہ یہ باطل کرنے کا احتمال نہیں رکھتا وہ باطل اس بچے کا حصہ واپس کرے گا، ''ملتقی'' وغیرہ میں ہے۔ اسی طرح ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے صحیح مذہب کے مطابق وہ لونڈی کا حصہ بھی واپس کرے گا جس طرح ''قہستانی'' اور ''برہان'' میں ہے۔ ''الدرر'' اور ''المنح'' میں ''الہدایہ'' سے اسے نقل کیا ہے۔

27999۔ (قولہ: الْأُمَّ وَالْوَلَدَ) یہاں واؤ، او کے معنی میں ہے۔ یہ مانعۃ الخلو ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ دو چیزوں میں سے ایک کے لیے حقیقت ہے۔ تامل

28000۔ (قولہ: كَمَوْتِهِمَا) یہاں تک کہ اگر وہ ماں کو آزاد کرے بچے کو آزاد نہ کرے اور بائع اس کے بارے میں دعویٰ کر دے کہ وہ اس کا بیٹا ہے تو اس کا دعویٰ صحیح ہو جائے گا اور اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اگر وہ بچے کو آزاد کرے ماں کو آزاد نہ کرے تو اس کا دعویٰ نہ بچے کے حق میں اور نہ ہی ماں کے حق میں صحیح ہوگا جس طرح موت میں ہوتا ہے۔ ''منح''۔

28001۔ (قولہ: وَيَرُدُّ حِصَّتَهُ) یعنی اگر وہ ماں کو آزاد کر دے یا اسے مدبر بنا دے نہ کہ بچے کے ساتھ ایسا معاملہ کرے تو بائع بچے کا حصہ واپس کرے گا۔

28002۔ (قولہ: وَكَذَا حِصَّتُهَا) پس اس سب کا حاصل یہ ہے: بائع پوری کی پوری ثمن واپس کرے گا وہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک موت اور آزادی کی صورت میں ماں اور بچے کا حصہ ہے اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک دونوں صورتوں میں وہ صرف بچے کا حصہ واپس کرے گا۔ ''الکافی'' میں جو قول ہے اس کے مطابق آزاد کرنے کی صورت میں ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کی طرف ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی صرف ثمن میں سے بچہ کا حصہ واپس کرے گا۔

28003۔ (قولہ: أَيْضًا) مدبر بنانے اور آزاد کرنے کی صورت میں لونڈی کا حصہ واپس کرے گا۔ جہاں تک موت کا تعلق ہے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لونڈی کا حصہ واپس کرے گا۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ہی قول ہے جس طرح ''الدرر'' کا کلام اس پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ کہا: جب مشتری نے ماں کو آزاد کر دیا یا اسے مدبر بنا دیا تو بائع ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ثمن میں سے بچے کا حصہ واپس کرے گا اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق تمام ثمن واپس کرے گا جس طرح موت کی صورت میں ہے جس طرح ''الہدایہ'' میں ہے۔ ''ح''۔

28004۔ (قولہ: وَنَقَلَهُ فِي الدُّرَرِ) ''الدرر'' میں کہا ہے: ''المبسوط'' میں ذکر کیا ہے: وہ ثمن میں سے صرف بچے کا حصہ واپس کرے گا لونڈی کا حصہ واپس نہیں کرے گا اس میں سب کا اتفاق ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر موت اور آزادی میں فرق

عَلَى خِلَافِ مَا فِي الْكَافِي عَنِ الْمَبْسُوطِ وَعِبَارَةُ الْمَوَاهِبِ وَإِنِ ادَّعَاهُ بَعْدَ عِتْقِهَا أَوْ مَوْتِهَا ثَبَتَ مِنْهُ، وَعَلَيْهِ رَدُّ الثَّمَنِ وَاكْتَفَيَا بِرَدِّ حِصَّتِهِ وَقِيلَ لَا يَرُدُّ حِصَّتَهَا فِي الْإِعْتَاقِ بِالِاتِّفَاقِ فَلْيُحْفَظْ (وَلَوْ وَلَدَتْ الْأَمَةُ الْمَذْكُورَةُ (لِأَكْثَرَ مِنْ حَوْلَيْنِ مِنْ وَقْتِ الْبَيْعِ وَصَدَّقَهُ الْمُشْتَرِي ثَبَتَ النَّسَبُ) بِتَصْدِيقِهِ (وَهِيَ أُمُّ وَلَدِهِ عَلَى الْمَعْنَى اللُّغَوِيِّ

''الکافی'' میں ''المبسوط'' سے جو مروی ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ ''المواہب'' کی عبارت ہے: اگر وہ بچے کے نسب کا دعویٰ لونڈی کی آزادی یا اس کی موت کے بعد کرے تو بچے کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور اس پر ثمن کا لوٹانا واجب ہوگا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے صرف ثمن میں سے بچے کے حصہ پر اکتفا کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آزاد کرنے کی صورت میں بالاتفاق لونڈی کا حصہ واپس نہیں لوٹائے گا۔ اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ اگر مذکورہ لونڈی نے بیع کے وقت سے دو سال سے زیادہ میں بچہ جنا اور مشتری نے اس کی تصدیق کی تو اس کی تصدیق سے بائع سے نسب ثابت ہو جائے گا اور یہ نکاح کے لغوی معنی پر محمول کرتے ہوئے اس بائع کی ام ولد

کیا گیا ہے۔ قاضی بائع کی اس معاملہ میں تکذیب کرے گا جو اس نے گمان کیا۔ کیونکہ بائع نے اس لونڈی کو مشتری کی جانب سے آزاد قرار دیا تھا۔ پس اس کا گمان باطل ہو گیا اور موت کی صورت میں تکذیب نہ پائی گئی۔ پس اس کے گمان پر اس کا مواخذہ ہوگا۔ ''الکافی'' میں اسی طرح ہے۔ لیکن ''زیلعی'' میں ''المبسوط'' کے کلام کو ترجیح دی ہے اور اسے ہی روایت قرار دیا ہے اور ''ہدایہ'' سے تصحیح کی نقل کے بعد کہا: یہ روایت کے مخالف ہے اور یہ کیسے کہا جا سکتا ہے وہ تمام ثمن کا مطالبہ کرے گا جب کہ لونڈی میں بیع باطل نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس کا آزاد کرنا باطل نہیں ہوا؟ بلکہ صرف بچے کا حصہ واپس لوٹائے گا۔ اس کی صورت یہ ہے ثمن کو ان دونوں کی قیمت پر تقسیم کیا جائے گا اور لونڈی کی قیمت کا اعتبار اس دن کے حوالے سے ہوگا جس دن اس پر قبضہ کیا گیا تھا۔ کیونکہ وہ قبضہ کے ساتھ ہی اس کی ضمان میں داخل ہوئی تھی اور بچے کی قیمت کا اعتبار ولادت کے دن کے اعتبار سے ہوگا۔ کیونکہ اس کی قیمت ولادت کے ساتھ ہی ثابت ہوئی ہے پس اس کی قیمت کا اعتبار اس وقت سے ہوگا۔

28005۔ (قولہ: مَا فِي الْكَافِي) وہ صرف بچے کا حصہ واپس کرنا ہے نہ کہ لونڈی کا حصہ واپس کرنا ہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔

28006۔ (قولہ: لِأَكْثَرَ مِنْ حَوْلَيْنِ) اسی کی مثل مکمل دو سال ہیں۔ کیونکہ اس کی ملک میں یقینی طور پر حمل کا ٹھہرنا نہیں پایا گیا جب کہ یقینی طور پر حمل کا ٹھہرنا ہی شاہد اور حجت ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔

28007۔ (قولہ: ثَبَتَ النَّسَبُ) اگر صرف مشتری اس کا دعویٰ کرے تو یہ صحیح ہوگا اور یہ دعویٰ دعویٰ استیلاد ہوگا۔ اگر وہ دونوں اکٹھے دعویٰ کریں یا ان دونوں میں سے ایک سبقت لے جائے تو مشتری کا دعویٰ صحیح ہوگا بائع کا دعویٰ صحیح نہیں ہوگا۔ ''تاتر خانیہ''۔

نِكَاحًا حَمْلًا لِأَمْرِهِ عَلَى الصَّلَاحِ بَقِيَ لَوْ وَلَدَتْ فِيمَا بَيْنَ الْأَقَلِّ وَالْأَكْثَرِ إِنْ صَدَّقَهُ فَحُكْمُهُ كَالْأَوَّلِ لِاحْتِمَالِ الْعُلُوقِ قَبْلَ بَيْعِهِ وَإِلَّا لَا ملتقى، وَلَوْ تَنَازَعَا فَالْقَوْلُ لِلْمُشْتَرِي اتِّفَاقًا وَكَذَا الْبَيِّنَةُ لَهُ عِنْدَ الثَّانِي خِلَافًا لِلثَّالِثِ شُرُنْبُلَالِيَّةٌ وَشَرْحُ مَجْمَعٍ، وَفِيهِ لَوْ وَلَدَتْ عِنْدَ الْمُشْتَرِي وَلَدَيْنِ أَحَدُهُمَا لِدُونِ سِتَّةِ أَشْهُرٍ وَالْآخَرُ لِأَكْثَرَ ثُمَّ ادَّعَى الْبَائِعُ الْأَوَّلَ ثَبَتَ نَسَبُهُمَا بِلَا تَصْدِيقِ الْمُشْتَرِي

بن جائے گی۔ یہ بائع پر تقویٰ کے امر کو محمول کرنے کی بنا پر ہے۔ یہ صورت باقی رہ گئی ہے کہ اگر لونڈی ان کی مدت اور اکثر مدت کے درمیان بچہ جن دے اگر مشتری بائع کے دعویٰ کی تصدیق کر دے تو اس کا حکم پہلے کی مانند ہے۔ کیونکہ حمل کے ٹھہرنے کا احتمال یہ اس کی بیع سے پہلے کا ہے ورنہ حکم پہلے کی مانند نہ ہوگا، ''ملتقی''۔ اگر بائع اور مشتری آپس میں تنازع کریں تو بالاتفاق قول مشتری کا معتبر ہوگا۔ اسی طرح امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گواہیاں اس کی قبول کی جائیں گی اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس سے اختلاف کیا ہے، ''شرنبلالیہ''، ''شرح الجمع''۔ ''الملتقی'' میں ہے: اگر مشتری کے نزدیک دو بچے پیدا ہوں ان میں سے ایک چھ ماہ سے کم عرصہ میں اور دوسرا چھ ماہ سے زیادہ عرصہ میں۔ پھر بائع نے پہلے بچے کے نسب کا دعویٰ کیا تو مشتری کی تصدیق کے بغیر دونوں کا نسب بائع سے ثابت ہو جائے گا۔

28008۔ (قولہ: نِكَاحًا) اس کی صورت یہ ہے کہ مشتری نے اس بائع سے اس لونڈی کی شادی کر دی ہو ورنہ وہ زنا ہوگا۔

28009۔ (قولہ: فَحُكْمُهُ كَالْأَوَّلِ) پس نسب ثابت ہو جائے گا اور بیع باطل ہو جائے گا اور بچہ آزاد ہو جائے گا اور ماں ام ولد ہو جائے گی۔ ''تاتر خانیہ''۔

28010۔ (قولہ: قَبْلَ بَيْعِهِ) ''تاتر خانیہ'' میں کہا ہے: جو کچھ ہم نے یہ ذکر کیا ہے یہ اس وقت ہے جب مدت معلوم ہو اگر مدت معلوم نہ ہو کہ چھ ماہ سے کم عرصہ میں اس نے بچہ جنا، دو سال سے زیادہ میں بچہ جنا یا بیع کے وقت سے زیادہ میں بچہ جنا اگر بائع اس کے نسب کا دعویٰ کرے تو یہ مشتری کی تصدیق کے بغیر صحیح نہیں ہوگا۔ اگر مشتری اس کا دعویٰ کر دے تو یہ صحیح ہوگا۔ اگر دونوں اکٹھے اس کا دعویٰ کر دیں تو دونوں میں سے کسی کا دعویٰ بھی صحیح نہیں ہوگا۔ اگر دونوں میں سے ایک سبقت لے جائے اگر تو وہ مشتری ہو تو اس کا دعویٰ بھی صحیح ہوگا۔ اگر وہ بائع ہو تو دونوں میں سے کسی کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا۔

28010۔ (ب) (قولہ: وَإِلَّا) یعنی ان کو جھٹلائے، اس کا دعویٰ نہ کرے یا اس کا دعویٰ کر دے یا وہ خاموش ہو جائے۔ تو یہ ان کے قول ولو تنازعا سے عام ہوگا۔ ''ح''۔

28011۔ (قولہ: وَلَوْ تَنَازَعَا) یعنی اگر وہ تنازع کریں کہ اس بچے کی ولادت چھ ماہ سے کم ہوئی ہے یا اس سے زیادہ ہوئی ہے جس طرح ہم نے اسے پہلے ''تاتر خانیہ'' سے نقل کیا ہے۔

28012۔ (قولہ: وَالْآخَرُ لِأَكْثَرَ) یعنی ان دونوں کے درمیان چھ ماہ کا عرصہ نہ ہو۔

(بَاعَ مَنْ وُلِدَ عِنْدَهُ وَادَّعَاهُ بَعْدَ بَيْعِ مُشْتَرِيهِ ثَبَتَ نَسَبُهُ) لِكَوْنِ الْعُلُوقِ فِي مِلْكِهِ (وَرُدَّ بَيْعُهُ) لِأَنَّ الْبَيْعَ يَحْتَمِلُ النَّقْضَ (وَكَذَا) الْحُكْمُ (لَوْ كَاتَبَ الْوَلَدَ أَوْ رَهَنَهُ أَوْ آجَرَهُ

جو غلام اس کی ملکیت میں پیدا ہوا تھا اسے بیچا اور اس کے مشتری کے بیع کرنے کے بعد اس کے نسب کا دعویٰ کر دیا تو پہلے بائع سے اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ حمل اس کی ملک میں ٹھہرا اور اس کی بیع رد کر دی جائے گی۔ کیونکہ بیع نقض کا احتمال رکھتی ہے۔ اگر اس نے بچے سے عقد مکاتبہ کیا اسے رہن کے طور پر رکھا، اجرت پر دیا

28013۔ (قولہ: وَكَذَا الْحُكْمُ لَوْ كَاتَبَ) اگر مشتری عقد مکاتبہ کرے تو حکم اسی طرح ہوگا۔

یہ جان لو کہ ''الہدایہ'' کی عبارت اسی طرح ہے جس نے کسی ایسے غلام کو بیچا جس نے اس کے ہاں ہی جنم لیا تھا اور مشتری نے آگے کسی اور کو بیچ دیا پھر پہلے بائع نے اس کا دعویٰ کر دیا تو وہ پہلے بائع کا بیٹا ہوگا پس یہ اس کا بیٹا ہوگا اور بیع باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ بیع نقض (ٹوٹ جانے) کا احتمال رکھتی ہے اور اسے جو دعویٰ کا حق ہے وہ نقض کا احتمال نہیں رکھتا۔ پس بیع اس کی وجہ سے ٹوٹ جائے گی۔ اسی طرح جب اس نے بچے سے عقد مکاتبہ کیا، اس کو رہن کے طور پر رکھا اسے اجرت پر دیا یا اس کی ماں کے ساتھ عقد مکاتبہ کیا، اسے رہن پر رکھا یا اس کی کسی کے ساتھ شادی کر دی پھر دعویٰ نسب ہوا کیونکہ یہ عوارض نقض کا احتمال رکھتے ہیں پس ان سب کو توڑ دیا جائے گا اور دعویٰ نسب صحیح ہو جائے گا۔ آزاد کرنے اور مدبر بنانے کا معاملہ مختلف ہے جیسے گزر چکا ہے۔ ''صدر الشریعہ'' نے کہا: کاتب کی ضمیر اگر مشتری کی طرف راجع ہو۔ اسی طرح ان کے قول میں کاتب الام میں ضمیر مشتری کی طرف راجع ہو تو تقدیر کلام یہ ہوگی: جس نے ایسا غلام بیچا جس نے اس کے ہاں ولادت پائی اور مشتری نے اس کی ماں سے عقد مکاتبہ کیا یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ معطوف علیہ بچے کو بیچنا ہے ماں کو بیچنا نہیں۔ تو اس کا قول و کاتب المشتری الام کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ اگر و من باع عبدا میں جو من ہے ضمیر اس کی طرف راجع ہو تو مسئلہ یہ ہوگا: ایک آدمی نے ایسے غلام کے ساتھ عقد مکاتبہ کیا جس کی اس کے ہاں پیدائش ہوئی یا اسے رہن کے طور پر یا اسے اجرت پر دیا پھر نسب کا دعویٰ ہوا اس وقت ان کا قول بخلاف الاعتاق مستحسن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اعتاق کا مسئلہ جو گزر چکا ہے وہ یہ ہے: جب مشتری بچے کو آزاد کر دے۔ کیونکہ صحیح فرق یہ ہے کہ وہ فرق مشتری کے آزاد کرنے اور اس کے عقد مکاتبہ کے درمیان ہو مشتری کے آزاد کرنے اور بائع کے عقد مکاتبہ کے درمیان نہ ہو۔ جب تو نے یہ امر پہچان لیا ہے تو کاتب الولد میں ضمیر کا مرجع وہ مشتری ہوگا اور کاتب الام میں ضمیر کا مرجع وہ من ہوگا جو من باع کے قول میں ہے۔

میں کہتا ہوں: اظہر یہ ہے کہ دونوں میں ضمیر کا مرجع مشتری ہے اور ان کا قول: لان المعطوف علیہ بیع الولد لا بیع الام قابل اعتنا نہیں۔ کیونکہ متبادر یہ ہے کہ اس بچے کی بیع اس کی ماں کے ساتھ کی گئی۔ اس کا قرینہ سیاق کلام ہے اور دوسرا قرینہ وہ دلیل ہے جو حدیث طیبہ سے ثابت ہے کہ ان کو جدا جدا کرنا مکروہ ہے۔ ہاں ''الوقایہ'' کی عبارت کے ظاہر کا مقتضا یہ ہے کہ ان کے قول بعد بیع مشتریہ کے قول کی طرف نظر کی جائے۔ اسی طرح بچے کے ساتھ عقد مکاتبہ کرنے اور اس کو رہن

أَوْ كَاتَبَ الْأُمَّ أَوْ رَهَنَهَا أَوْ آجَرَهَا أَوْ زَوَّجَهَا ثُمَّ ادَّعَاهُ) فَيَثْبُتُ نَسَبُهُ وَتُرَدُّ هٰذِهِ التَّصَرُّفَاتُ بِخِلَافِ الْإِعْتَاقِ كَمَا مَرَّ (بَاعَ أَحَدَ التَّوْأَمَيْنِ الْمَوْلُودَيْنِ) يَعْنِي عَلِقَا وَوُلِدَا (عِنْدَهُ وَأَعْتَقَهُ الْمُشْتَرِي ثُمَّ ادَّعَى الْبَائِعُ) الْوَلَدَ (الْآخَرَ ثَبَتَ نَسَبُهُمَا وَبَطَلَ عِتْقُ الْمُشْتَرِي) بِأَمْرٍ فَوْقَهُ وَهُوَ حُرِّيَّةُ الْأَصْلِ لِأَنَّهُمَا عَلِقَا فِي مِلْكِهِ، حَتّٰى لَوْ اشْتَرَاهَا

یا اس کی ماں سے عقد مکاتبہ کیا، اسے کسی کے ہاں رہن رکھا، اسے اجرت پر دیا یا اس کی کسی مرد سے شادی کر دی پھر اس بچے کے نسب کا دعویٰ کر دیا پس اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور ان تصرفات کو رد کر دیا جائے گا۔ آزاد کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ جس نے دو جڑواں مولود بچوں یعنی جو حمل ٹھہرنے اور پیدائش میں جڑواں تھے ان میں سے ایک کو بیچ دیا اور مشتری نے اسے آزاد کر دیا پھر بائع نے دوسرے بچے کا دعویٰ کر دیا تو دونوں کا نسب ثابت ہو جائے گا اور مشتری کا آزاد کرنا ایسے امر کی وجہ سے باطل ہو جائے گا جو اس سے فائق ہو وہ اصلاً آزاد ہونا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اس کی ملک میں حمل ٹھہرے تھے یہاں تک کہ اگر اس نے لونڈی کو

رکھنے کے بعد نظر کی جائے۔ لیکن یہ سہو ہے ''دابن علی الدر''۔

28014۔ (قولہ: أَوْ كَاتَبَ الْأُمَّ) یعنی اگر ماں کو بچے کے ساتھ بیچ دیا جائے تو سب میں ضمیر مشتری کی طرف لوٹے گی۔ اس تعبیر کے ساتھ وہ سب ساقط ہو جاتا ہے جو ''صدر الشریعہ'' میں بحث موجود ہے۔

28015۔ (قولہ: يَعْنِي عَلِقَا) اس قول کے ساتھ جس قول سے احتراز کیا گیا ہے وہ یہ ہے: حتی لو اشتراھا ''حلبی''۔

28016۔ (قولہ: ثُمَّ ادَّعَى الْبَائِعُ الْوَلَدَ) کیونکہ بائع کا دعویٰ نسب اس بچے میں صحیح ہو گیا جس کو مشتری نے نہیں بیچا۔ کیونکہ حمل کا ٹھہرنا اور دعویٰ اس کی ملک کو مل گئے ہیں پس اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اور ضروری ہے کہ دوسرے کا نسب ثابت ہو۔ کیونکہ یہ دونوں ایک ہی پانی سے حمل واقع ہوئے ہیں پس مشتری کی آزادی کا باطل ہونا لازم آئے گا جب بچہ ایک ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ''زیلعی'' میں ہے۔

28017۔ (قولہ: وَهُوَ حُرِّيَّةُ الْأَصْلِ) یعنی ایسی آزادی جو اصل خلقت کے ساتھ ثابت ہوئی ہے۔ جہاں تک اعتاق کی آزادی کا تعلق ہے وہ عارضی ہے۔

28018۔ (قولہ: لِأَنَّهُمَا عَلِقَا فِي مِلْكِهِ) اگر بچہ ایک ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ اس صورت میں مشتری کا آزاد کرنا باطل نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر اس صورت میں باطل ہو جائے تو یہ بائع کے نسب کے دعویٰ کے حق کی وجہ سے مقصوداً باطل ہوگا جب کہ یہ جائز نہیں یہاں آزادی اس میں ثابت ہوئی جو آزاد نہیں پھر آزادی دوسرے کی طرف متعدی ہوئی اور کتنی ہی چیزیں ہوتی ہیں جو ضمناً ثابت ہوتی ہیں بطور مقصود ثابت نہیں ہوتیں۔ ''عینی''۔

28019۔ (قولہ: حَتّٰى لَوْ اشْتَرَاهَا) یعنی بائع نے اس حاملہ کو خریدا اور اس حاملہ نے دو سال سے زائد عرصہ میں ان

حُبْلَى لَمْ يَبْطُلْ عِتْقُهُ لِأَنَّهَا دِعْوَةُ تَحْرِيرٍ فَتَقْتَصِرُ عَيْنِيٌّ وَغَيْرُهُ وَجَزَمَ بِهِ الْمُصَنِّفُ ثُمَّ قَالَ وَحِيلَةُ إِسْقَاطِ دَعْوَى الْبَائِعِ أَنْ يُقِرَّ الْبَائِعُ أَنَّهُ ابْنُ عَبْدِهِ فُلَانٍ فَلَا تَصِحُّ دَعْوَاهُ أَبَدًا مُجْتَبَى

حاملہ خرید اہوتو اس کا آزاد کرنا باطل نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ دعویٰ تحریر ہے۔ پس یہ اس تک محدود رہے گا ''عینی'' وغیرہ۔ مصنف نے اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پھر بائع کے دعویٰ کو ساقط کرنے کا حیلہ یہ ہے کہ بائع یہ اقرار کرے کہ یہ اس کے فلاں غلام کا بیٹا ہے۔ پس اس کا دعویٰ کبھی بھی صحیح نہ ہوگا۔ ''مجتبیٰ''۔

دو بچوں کو جنا۔

28020۔ (قولہ: لَمْ يَبْطُلْ) ''الاکمل'' نے کہا: اس کا نقص (اس پر اعتراض) اس کے ساتھ کیا گیا ہے جب ایک آدمی نے دو جڑواں بچوں میں سے ایک کو خریدا اور اس کے باپ نے دوسرے کو خریدا ان دونوں میں سے ایک جس کے قبضہ میں وہ بچہ ہے نے دعویٰ کر دیا کہ وہ بچہ اس کا بیٹا ہے تو ان دونوں بچوں کا نسب اس سے ثابت ہو جائے گا اور وہ دونوں آزاد ہو جائیں گے اور دعویٰ اس ایک بچے تک محدود نہیں رہے گا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا: یہ ایک اور موجب کی وجہ سے ہے وہ یہ ہے کہ مدعی اگر چہ باپ ہے تو بیٹا اپنے بھائی کا مالک ہو گیا اگر وہ بیٹا ہے تو باپ اپنے پوتے کا مالک ہو گیا پس وہ پوتا آزاد ہو جائے گا۔

اگر عورت نے دو جڑواں بچوں کو جنم دیا تو اس نے ان دونوں میں سے ایک کو بیچ دیا پھر بائع کے باپ نے دونوں بچوں کے نسب کا دعویٰ کر دیا اور دونوں نے یعنی اس کے بیٹے جو بائع ہے اور مشتری نے اس کو جھٹلا دیا تو وہ قیمت کے ساتھ اس کی ام ولد ہو جائے گی اور دونوں کا نسب ثابت ہو جائے گا اور بائع کے قبضہ میں جو بچہ ہے وہ آزاد ہو جائے گا اور مبیع بچہ آزاد نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس میں اس کی ظاہر ملکیت کا ابطال لازم ہوتا ہے۔ نسب کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی ضرر نہیں۔

اس میں اور بائع میں فرق یہ ہے: جب وہ بائع نسب کا مدعی ہو، کہ بائع کے دعویٰ میں، نسب اس حمل ٹھہرنے کے ساتھ ہوا ہے جو اس بائع کی ملکیت میں واقع ہوا یہاں باپ کی دلیل انت و مالك لابيك (تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے) کا شبہ صرف اس کے بائع بیٹے کے مال میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''سائحانی'' کے نسخہ میں ہے جو ''المقدسی'' سے مروی ہے۔

28021۔ (قولہ: لِأَنَّهَا دَعْوَةُ تَحْرِيرٍ) کیونکہ اس کی ملک میں حمل نہیں ٹھہرا۔

28022۔ (قولہ: فَتَقْتَصِرُ) پہلے مسئلہ کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ اس صورت میں ہے جب حمل کا ٹھہرنا اس کی ملک میں ہوا اس وقت وہ دونوں آزاد ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہ ذکر کر دیا گیا ہے کہ یہ ام ولد بنانے کا دعویٰ ہے۔ پس یہ دعویٰ اس کی طرف منسوب ہوگا۔ اور اس کی ضرورت میں سے ہے کہ دونوں آزاد ہو جائیں اس طریقہ سے کہ دونوں اصلاً آزاد ہیں۔ پس اس سے یہ امر واضح ہو گیا کہ اس نے آزاد کو بیچا تھا۔ ''عینی''۔

28023۔ (قولہ: أَبَدًا) یعنی اگر چہ غلام اس کا انکار کرے۔

وَقَدْ أَفَادَهُ بِقَوْلِهِ (قَالَ) عَمْرٌو (لِصَبِيٍّ مَعَهُ) أَوْ مَعَ غَيْرِهِ عَيْنِيٌّ (هُوَ ابْنُ زَيْدٍ) الْغَائِبِ (ثُمَّ قَالَ هُوَ ابْنِي لَمْ يَكُنْ ابْنَهُ) أَبَدًا (وَإِنْ) وَصْلِيَّةٌ (جَحَدَ زَيْدٌ بُنُوَّتَهُ) خِلَافًا لَهُمَا بَعْدَ ثُبُوتِهِ حَتَّى لَوْ صَدَّقَهُ بَعْدَ تَكْذِيبِهِ صَحَّ، وَلِذَا لَوْ قَالَ لِصَبِيٍّ هَذَا الْوَلَدُ مِنِّي ثُمَّ قَالَ لَيْسَ مِنِّي لَا يَصِحُّ نَفْيُهُ لِأَنَّهُ بَعْدَ الْإِقْرَارِ بِهِ لَا يَنْتَفِي بِالنَّفْيِ فَلَا حَاجَةَ إِلَى الْإِقْرَارِ بِهِ ثَانِيًا وَلَا سَهْوَ فِي عِبَارَةِ الْعِمَادِيِّ

اپنے اس قول کے ساتھ بیان کیا ہے عمرو نے ایسے بچے کے بارے میں کہا جو اس کے ساتھ تھا یا اس کے غیر کے ساتھ تھا، ''عینی''۔ وہ زید کا بیٹا ہے جو غائب ہے پھر اس نے کہا: وہ میرا بیٹا ہے وہ کبھی بھی اس کا بیٹا نہیں ہوگا۔ اگرچہ زید اس کے بیٹے ہونے کا انکار کردے یہاں ان وصلیہ ہے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ نسب ثابت ہونے کے بعد نقض (ٹوٹ جانے) کا احتمال نہیں رکھتا یہاں تک کہ اگر جھٹلانے کے بعد اس کی تصدیق کردے تو یہ صحیح ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے اگر وہ کسی بچے سے کہے: یہ بچہ میرا ہے پھر وہ کہے: یہ میرا نہیں تو اس کی نفی کرنا صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کا اقرار کرنے کے بعد نفی کرنے سے وہ منتفی نہیں ہوگا۔ پس دوبارہ اس کے اقرار کرنے کی ضرورت نہیں۔ ''العمادی'' کی عبارت میں کوئی سہو نہیں

28024۔ (قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) ان دونوں ائمہ نے فرمایا: جب زید اس کے بیٹا ہونے کا انکار کردے تو یہ بچہ مقر کا بیٹا ہوگا۔ جب زید اس کی تصدیق کردے یا نہ اس کی تصدیق کا پتہ چلے اور نہ ہی اس کی تکذیب کا پتہ چلے تو ائمہ کے نزدیک مقر کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا۔ ''درر''۔

28025۔ (قولہ: بَعْدَ ثُبُوتِهِ) یہاں مقر کی جانب سے مقرلہ کے لیے نسب ثابت ہوا ہے۔

28026۔ (قولہ: حَتَّى لَوْ صَدَّقَهُ) یعنی مقرلہ نے مقر کی تصدیق کی۔ تفریع میں خفا ہے۔ ''الدرر'' کی عبارت ہے: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے: نسب ثابت ہونے کے بعد نقض کا احتمال نہیں رکھتا اور اس جیسا اقرار رد کرنے سے رد نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کے ساتھ مقرلہ کا حق متعلق ہو چکا ہے یہاں تک کہ تکذیب کے بعد اس کی تصدیق کرے تو اس سے نسب ثابت ہو جاتا ہے۔ نیز اس کے ساتھ بچے کا حق متعلق ہو جاتا ہے۔ پس یہ امر ظاہر ہو گیا کہ یہ اس امر پر تفریع ہے کہ مقرلہ کا حق اس سے متعلق ہو چکا ہے۔

28027۔ (قولہ: لَا يَنْتَفِي بِالنَّفْيِ) یہ اس وقت ہے جب بیٹا اس کی تصدیق کرے۔ جہاں تک تصدیق کے بغیر کا تعلق ہے تو نسب ثابت نہیں ہوگا۔ لیکن جب بیٹا اس کی تصدیق نہ کرے پھر اس کی تصدیق کرے تو بیٹا ہونا ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ بیٹے کا اقرار بیٹے کی تصدیق کے بغیر باطل نہیں ہوتا۔ ''فصولین''۔

اس کے جامع فقیر ''محمد'' بیطار نے کہا: میں یہ گمان کرتا ہوں یہ مقولہ اس پر مشطوب (اس پر لکیر کھینچی گئی ہے) ہوا ہے پس اس کو جاننا چاہیے۔

28028۔ (قولہ: فِي عِبَارَةِ الْعِمَادِيِّ) اس کی عبارت: یہ ''بچہ میرا نہیں پھر کہا: یہ میرا ہے تو یہ صحیح ہے۔ کیونکہ اس کے

كَمَا زَعَمَهُ مُنْلَا خُسْرو وَكَمَا أَفَادَهُ الشُّرُنْبُلَالِيُّ وَهٰذَا إِذَا صَدَّقَهُ الِابْنُ وَأَمَّا بِدُونِهِ فَلَا إِلَّا إِذَا عَادَ الِابْنُ إِلَى التَّصْدِيقِ لِبَقَاءِ إِقْرَارِ الْأَبِ، وَلَوْ أَنْكَرَ الْأَبُ الْإِقْرَارَ فَبَرْهَنَ عَلَيْهِ الِابْنُ قُبِلَ وَأَمَّا الْإِقْرَارُ بِأَنَّهُ أَخُوهُ فَلَا يُقْبَلُ، لِأَنَّهُ إِقْرَارٌ عَلَى الْغَيْرِ فُرُوعٌ لَوْ قَالَ لَسْتُ وَارِثَهُ ثُمَّ ادَّعَى أَنَّهُ وَارِثُهُ وَبَيَّنَ جِهَةَ الْإِرْثِ صَحَّ۔ إِذْ التَّنَاقُضُ فِي النَّسَبِ عَفْوٌ وَلَوْ ادَّعَى بُنُوَّةَ الْعَمِّ لَمْ يَصِحَّ مَا لَمْ يَذْكُرْ اسْمَ الْجَدِّ وَلَوْ بَرْهَنَ أَنَّهُ أَقَرَّ

جس طرح ''منلا خسرو'' نے گمان کیا ہے جس طرح ''شرنبلالی'' نے بیان کیا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب بیٹا اس کی تصدیق کرے مگر جب بیٹا تصدیق نہ کرے تو پھر ایسا نہ ہوگا۔ مگر جب بیٹا دوبارہ تصدیق کی طرف لوٹ آئے کیونکہ باپ کا اقرار تو موجود ہے اگر باپ اقرار کا انکار کرے اور بیٹا اس پر گواہیاں قائم کر دے تو گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ جہاں تک اس اقرار کا تعلق ہے کہ یہ اس کا بھائی ہے تو اسے قبول نہیں جائے گا کیونکہ یہ غیر پر اقرار ہے۔ فروع: اگر اس نے کہا: میں اس کا وارث نہیں پھر اس نے دعویٰ کر دیا کہ وہ اس کا وارث ہے اور وراثت کی جہت کو بیان کر دیا تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ نسب میں تناقض معاف ہے۔ اگر کوئی آدمی کسی کے متعلق چچا کے بیٹے ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ صحیح نہ ہوگا جب تک دادا کا نام ذکر نہ کرے۔ اگر ایک آدمی گواہی قائم کرے کہ اس نے یہ اقرار کیا ہے

اس اقرار کرنے کے ساتھ کہ یہ اس کا بیٹا ہے اس کا نسب ثابت ہو گیا پس اس کی نفی صحیح نہ ہوگی'' میں سہو ہے جیسے ''منلا خسرو'' نے کہا ہے۔ کیونکہ عبارت میں نفی سے پہلے اقرار نہیں ہے۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28029۔ (قولہ: كَمَا زَعَمَهُ) یہ منفی کی تمثیل ہے اور ان کا قول کما افادہ یہ نفی کی تمثیل ہے۔

''حاشیہ'' میں کہا: یہ عدم سہو ہے اس کی نص ہے: جو امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے تیرا لفظ جو یہ قول ہے ھو منی صح نسب کی صحت کے ثبوت میں اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ پہلے اقرار کرنے کے ساتھ بعد میں نفی سے وہ منتفی نہیں ہوتا۔ پس اس کے بعد اس کے اقرار کی کوئی حاجت نہیں ہوتی پس اس پر غور کیا جانا چاہیے۔

نسب میں تناقض معاف ہے

28030۔ (قولہ: إِذْ التَّنَاقُضُ الخ) ''الدرر'' میں فصل فی الاشتراء میں بے شمار فوائد ذکر کیے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

اگر کوئی آدمی کسی کے متعلق چچا کے بیٹے ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ صحیح نہ ہوگا

28031۔ (قولہ: اسْمَ الْجَدِّ) یعنی دادا کا نام ذکر کرنا ضروری ہے۔ بھائی ہونے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ دادا کا نام لیے بغیر صحیح ہے جس طرح ''الدرر'' میں ہے۔

یہ جان لو کہ بھائی ہونے کا دعویٰ وغیرہا ان چیزوں میں سے ہے اگر مدعی علیہ اس کا اقرار کرے تو وہ اقرار اس پر لازم نہیں ہوگا۔ اس دعویٰ کو نہیں سنا جائے گا جب تک اس کی جانب مال کا دعویٰ نہیں کرے گا۔ ''الولوالجیہ'' میں کہا: اگر وہ دعویٰ کرے کہ

أَنِّي ابْنُهُ تُقْبَلُ لِثُبُوتِ النَّسَبِ بِإِقْرَارِهِ وَلَا تُسْمَعُ إِلَّا عَلَى خَصْمٍ هُوَ وَارِثٌ أَوْ دَائِنٌ أَوْ مَدْيُونٌ أَوْ مُوصًى لَهُ وَلَوْ أَحْضَرَ رَجُلًا لِيَدَّعِيَ عَلَيْهِ حَقًّا لِأَبِيهِ وَهُوَ مُقِرٌّ بِهِ أَوْ لَا فَلَهُ إِثْبَاتُ نَسَبِهِ بِالْبَيِّنَةِ

کہ میں اس کا بیٹا ہوں تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ کیونکہ اس کے اقرار کے ساتھ نسب ثابت ہو چکا ہے اور گواہی نہیں سنی جائے گی مگر خصم کے خلاف، وہ وارث ہو، دائن ہو، مدیون ہو یا موصی لہ ہو۔ اگر کوئی آدمی کسی آدمی کو حاضر کرے تا کہ اس پر اپنے باپ کے حق کا دعویٰ کرے وہ دوسرا آدمی اس کا اقرار کرتا ہو یا انکار کرتا ہو تو حاضر کرنے والے پر لازم ہوگا

وہ اس کے والدین کی جانب سے بھائی ہے اس نے اس امر سے انکار کر دیا تو قاضی اس سے سوال کرے گا: کیا تیری اس کی جانب کوئی میراث ہے جس کا تو دعویٰ کرتا ہے، نفقہ ہے یا ایسے حقوق میں سے کوئی حق ہے جن کو وصول کرنے پر قدرت حاصل نہیں ہوتی مگر اسی صورت میں جب نسب ثابت کیا جائے؟

اگر معاملہ اس طرح ہو تو قاضی نسب کے ثابت کرنے پر اس کی گواہیاں قبول کرے گا ورنہ ان دونوں کے درمیان کوئی خصومت نہ ہوگی۔ کیونکہ جب وہ مال کا دعویٰ نہ کرے تو وہ حق کا دعویٰ نہیں کر رہا۔ کیونکہ اخوت دو بھائیوں کے درمیان صلب یا رحم میں مجاورت کا نام ہے اگر ایک آدمی دعویٰ کرے کہ وہ فلاں کا باپ ہے اور وہ اس کا انکار کر دے یہ اس امر کو ثابت کرے تو اس کو قبول کیا جائے گا۔ اس کے برعکس معاملہ اسی طرح ہے اگرچہ اس کی جانب حق کا دعویٰ نہ کرے۔ کیونکہ اگر اس نے اس کا اقرار کیا تو یہ صحیح ہو جائے گا پس وہ خصم بن جائے گا یہ امر اس لیے ہے۔ کیونکہ وہ حق کا دعویٰ کرتا ہے کیونکہ بیٹا یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اس کی طرف منسوب ہونے کا حق رکھتا ہے اور باپ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی ذات کی طرف شرعی طور پر اس کا منسوب ہونا واجب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: من انتسب الی غیر ابیه او انتهی الی غیر موالیه فعلیه لعنة الله والملائكة والناس اجمعین(1)۔ جس نے اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ کی طرف منسوب کیا یا اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کی طرف منسوب کیا تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اس کی مکمل بحث اس میں اور ''بزازیہ'' میں ہے۔

28032۔(قولہ: أَنِّي ابْنُهُ) جو قول قریب ہی گزرا ہے اس کے ساتھ تکرار ہے۔

خصم کے خلاف ہی دعویٰ سنا جائے گا وہ وارث ہو، دائن ہو، مدیون ہو یا موصی لہ ہو

28033۔(قولہ: وَلَا تُسْمَعُ) یعنی وارثت کی گواہیاں نہیں سنی جائیں گی جس طرح ''الفصولین'' میں ہے۔

28034۔(قولہ: أَوْ دَائِنٌ) غور کیجئے اس کی صورت کیا بنتی ہے؟ شاید اس کی صورت یہ بنتی ہے وہ میت پر دین کا دعویٰ کرتا ہے اور قاضی اس کے لیے ایک ایسے آدمی کو کھڑا کرتا ہے جو اس کے سامنے اس کا دین ثابت کرتا ہے اس وقت وہ وراثت کے مدعی کا خصم ہوگا اسی کی مثل موصی لہ میں قول کیا جاتا ہے۔ تامل

28035۔(قولہ: أَوْ مُوصًى لَهُ) یا وصی ہو''بزازیہ''۔''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، باب من ادعی الی غیر ابیہ، جلد 2، صفحہ 163، حدیث نمبر 2598

عِنْدَ الْقَاضِي بِحَضْرَةِ ذٰلِكَ الرَّجُلِ، وَلَوْ ادَّعَى إِرْثًا عَنْ أَبِيهِ فَلَوْ أَقَرَّ بِهِ أُمِرَ بِالدَّفْعِ إِلَيْهِ، وَلَا يَكُونُ قَضَاءً عَلَى الْأَبِ حَتّٰى لَوْ جَاءَ حَيًّا يَأْخُذُهُ مِنَ الدَّافِعِ، وَالدَّافِعُ عَلَى الِابْنِ، وَلَوْ أَنْكَرَ قِيلَ لِلِابْنِ بَرْهِنْ عَلٰى مَوْتِ أَبِيكَ وَأَنَّكَ وَارِثُهُ، وَلَا يَمِينَ وَالصَّحِيحُ تَحْلِيفُهُ عَلَى الْعِلْمِ بِأَنَّهُ ابْنُ فُلَانٍ وَأَنَّهُ مَاتَ ثُمَّ يُكَلَّفُ الِابْنُ بِالْبَيِّنَةِ بِذٰلِكَ وَتَمَامُهُ فِي جَامِعِ الْفُصُولَيْنِ مِنَ الْفَصْلِ السَّابِعِ وَالْعِشْرِينَ (وَلَوْ كَانَ) الصَّبِيُّ (مَعَ مُسْلِمٍ وَكَافِرٍ فَقَالَ الْمُسْلِمُ هُوَ عَبْدِي، وَقَالَ الْكَافِرُ هُوَ ابْنِي فَهُوَ حُرٌّ ابْنُ الْكَافِرِ) لِنَيْلِهِ الْحُرِّيَّةَ حَالًا

کہ گواہوں کے ساتھ اپنے نسب کو ثابت کرے جب کہ یہ گواہیاں قاضی کے پاس اس آدمی کی موجودگی میں ہوں۔ اگر ایک آدمی اپنے باپ کی جانب سے وراثت کا دعویٰ کرے اگر وہ مدعی علیہ اس کا اقرار کرتا ہو تو اسے یہ حکم دیا جائے گا کہ مال اس مدعی کے حوالے کر دے، اور یہ باپ پر فیصلہ نہیں ہوگا یہاں تک کہ اگر باپ زندہ واپس آ جائے تو وہ دینے والے سے مال لے گا اور مال دینے والا باپ سے لے گا اگر وہ انکار کرے تو بیٹے سے کہا جائے گا اپنے باپ کی موت پر اپنے اس کے وارث ہونے پر گواہیاں قائم کرے اور اس پر کوئی قسم لازم نہ ہوگی۔ صحیح قول یہ ہے کہ اس پر علم کے بارے میں قسم لازم ہوگی کہ وہ فلاں کا بیٹا ہے اور وہ مر چکا ہے پھر بیٹے کو مکلف بنایا جائے گا کہ وہ اس کے بارے میں گواہیاں پیش کرے۔ اس کی مکمل بحث ''جامع الفصولین'' میں ستائیسویں فصل میں ہے۔ اگر کوئی بچہ کسی مسلمان اور کافر کے ساتھ ہو مسلمان کہے یہ میرا غلام ہے۔ کافر کہے: یہ میرا بیٹا ہے تو وہ آزاد ہوگا اور کافر کا بیٹا ہوگا۔ کیونکہ وہ آزادی کو فی الحال

28036۔ (قولہ: فَلَوْ أَقَرَّ) یعنی مدعی علیہ اقرار کرے اور ان کا قول بہ ضمیر سے مراد بنوت اور موروث ہے۔

28037۔ (قولہ: وَلَوْ أَنْكَرَ) یعنی مدعی علیہ انکار کرے۔

28038۔ (قولہ: تَحْلِيفُهُ) یعنی منکر سے قسم لی جائے گی۔

28039۔ (قولہ: عَلَى الْعِلْمِ) یعنی علم نہ ہونے پر۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ یہ فلان کا بیٹا ہے۔

28040۔ (قولہ: بِأَنَّهُ ابْنُ فُلَانٍ) ظاہر یہ ہے اس سے یہ قسم لینا کہ وہ فلاں کا بیٹا نہیں اس بنا پر ہے کہ جب مدعی موت کو ثابت کر چکا ہو ورنہ موت کا علم نہ ہونے پر قسم لینے کا کوئی فائدہ نہیں۔ تامل

28041۔ (قولہ: بِذٰلِكَ) اسم اشارہ سے مراد وہ مال بھی ہے جس کا اس نے انکار کیا۔

28042۔ (قولہ: السَّابِعِ وَالْعِشْرِينَ) صحیح الفصل الثمن والعشرین ہے۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28043۔ (قولہ: وَقَالَ الْكَافِرُ هُوَ ابْنِي) شرح ''الملتقی'' میں کہا: یہ اس صورت میں ہے جب وہ دونوں اکٹھے اس کے بارے میں دعویٰ کریں اگر مسلمان کا دعویٰ پہلے ہو تو وہ مسلمان کا غلام ہوگا اگر دونوں بیٹا ہونے کا دعویٰ کریں تو وہ مسلمان کا بیٹا ہوگا کیونکہ مسلمان سے اس کے نسب کا فیصلہ اس کے اسلام کا فیصلہ ہوگا۔

وَالْإِسْلَامَ مَآلًا لَكِنْ جَزَمَ ابْنُ الْكَمَالِ بِأَنَّهُ يَكُونُ مُسْلِمًا لِأَنَّ حُكْمَهُ حُكْمُ دَارِ الْإِسْلَامِ، وَعَزَاهُ لِلتُّحْفَةِ فَلْيُحْفَظْ (قَالَ زَوْجُ امْرَأَةٍ لِصَبِيٍّ مَعَهُمَا هُوَ ابْنِي مِنْ غَيْرِهَا وَقَالَتْ هُوَ ابْنِي مِنْ غَيْرِهِ فَهُوَ ابْنُهُمَا) إنْ ادَّعَيَا مَعًا وَإِلَّا فَفِيهِ تَفْصِيلُ ابْنِ كَمَالٍ وَهَذَا (لَوْ غَيْرَ مُعَبِّرٍ وَإِلَّا) بِأَنْ كَانَ مُعَبِّرًا (فَهُوَ لِمَنْ صَدَّقَهُ)

اور اسلام کو از روئے انجام کے پانے والا ہے۔ لیکن ''ابن کمال'' نے اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے کہ وہ مسلمان ہوگا کیونکہ اسلام کا حکم ہی دار الاسلام کا حکم ہے اور اسے ''التحفہ'' کی طرف منسوب کیا ہے پس اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ ایک عورت کے خاوند نے اس بچے سے کہا جو ان دونوں کے ساتھ ہے: یہ میرا بیٹا ہے جو اس عورت کے علاوہ بیوی کے بطن سے ہے عورت نے کہا: یہ میرا بیٹا ہے جو اس مرد کے علاوہ خاوند سے ہے پس وہ ان دونوں کا بیٹا ہوگا۔ اگر دونوں نے اکٹھے اس کا دعویٰ کیا تھا ورنہ اس میں تفصیل ہوگی، ''ابن کمال''۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ خود تعبیر نہ کرتا ہو ورنہ یعنی اگر وہ تعبیر کرتا ہو وہ اس کا بیٹا ہوگا جس کی وہ تصدیق کرے۔

28044۔ (قولہ: وَالْإِسْلَامَ مَآلًا) کیونکہ ہر دانش مند کے لیے توحید کے دلائل ظاہر ہیں اور اس کے برعکس اسلام تبعاً ثابت ہوگا۔ اور جب آزادی کے حاصل کرنے سے وہ عاجز ہوگا تو اسے آزادی حاصل نہیں ہوگی۔ ''درر''۔

28045۔ (قولہ: لَكِنْ جَزَمَ الخ) اس میں ہے: جب والدین میں سے کوئی ایک فرد موجود ہو تو دار کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، ''ح''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28046۔ (قولہ: بِأَنَّهُ يَكُونُ مُسْلِمًا) یعنی وہ بچہ مسلمان ہو اور کافر کا بیٹا ہو۔

28047۔ (قولہ: مَعَهُمَا) یعنی وہ بچہ ان دونوں کے قبضہ میں ہے۔ اس امر سے احتراز کیا کہ اگر بچہ ان دونوں میں سے ایک کے قبضہ میں ہو۔ ''تاتر خانیہ'' میں کہا: اگر بچہ خاوند کے قبضہ میں ہو۔ بیوی کے قبضہ میں ہو تو دونوں صورتوں میں قول خاوند کا ہوگا۔

یہ قید لگائی کہ ان دونوں میں سے ہر ایک بچہ کی نسبت اپنے ساتھی کے علاوہ کسی اور کی طرف کرتا ہے۔ کیونکہ اس بارے میں ''المنتقی'' سے مروی ہے: ایک بچہ ایک مرد اور ایک عورت کے قبضہ میں ہے عورت کہتی ہے: یہ میرا بیٹا ہے جو اس مرد سے ہے اور مرد نے کہا: یہ میرا بیٹا ہے جو اس عورت کے علاوہ ایک اور عورت کے بطن سے ہے۔ وہ بچہ اس مرد کا بیٹا ہوگا اور وہ اس عورت کا بیٹا نہیں ہوگا۔ اگر وہ ایک ایسی عورت لے آئی جس نے اس عورت کے اس بچے جننے پر گواہی دی تو وہ بچہ اس عورت کا ہوگا جو اس مرد سے ہوگا۔ اور اس گواہی کے ساتھ وہ اس مرد کی بیوی ہوگی۔ اگر وہ اس کے قبضہ میں ہو اور مرد اس بچے کا دعویٰ کر دے اور عورت دعویٰ کر دے کہ یہ اس عورت کا بیٹا ہے جو مجھ سے ہے اور ایک عورت ولادت پر گواہی دے دے تو یہ اس مرد سے اس عورت کا بیٹا نہیں ہوگا۔ بلکہ اس مرد کا بیٹا ہوگا۔ کیونکہ وہ بچہ اس کے قبضہ میں ہے۔

اس میں جو ایک قول ہے اس سے بھی احتراز کیا ہے: ایک بچہ ایک آدمی کے قبضہ میں ہے جو اس بچے کے نسب کے بارے

لِأَنَّ قِيَامَ أَيْدِيهِمَا وَفِرَاشِهِمَا يُفِيدُ أَنَّهُ مِنْهُمَا (وَلَوْ وَلَدَتْ أَمَةٌ اشْتَرَاهَا فَاسْتُحِقَّتْ غَرِمَ الْأَبُ قِيمَةَ الْوَلَدِ يَوْمَ الْخُصُومَةِ لِأَنَّهُ يَوْمُ الْمَنْعِ (وَهُوَ حُرٌّ) لِأَنَّهُ مَغْرُورٌ وَالْمَغْرُورُ مَنْ يَطَأُ امْرَأَةً مُعْتَمِدًا عَلَى مِلْكِ يَمِينٍ أَوْ نِكَاحٍ فَتَلِدُ مِنْهُ ثُمَّ تُسْتَحَقُّ فَلِذَا قَالَ (وَكَذَا) الْحُكْمُ (لَوْ مَلَكَهَا بِسَبَبٍ آخَرَ) أَيَّ سَبَبٍ كَانَ عَيْنِيٌّ (كَمَا لَوْ تَزَوَّجَهَا عَلَى أَنَّهَا حُرَّةٌ فَوَلَدَتْ لَهُ ثُمَّ اُسْتُحِقَّتْ) غَرِمَ قِيمَةَ وَلَدِهِ (فَإِنْ مَاتَ الْوَلَدُ قَبْلَ الْخُصُومَةِ فَلَا شَيْءَ عَلَى أَبِيهِ) لِعَدَمِ الْمَنْعِ كَمَا مَرَّ

کیونکہ دونوں کا قبضہ کے موجود ہونا اور دونوں کا فراش ہونا اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ یہ ان دونوں کا بچہ ہے۔ اگر ایک لونڈی بچہ جن دے جسے اس نے خریدا تھا اس عورت کا کوئی اور مستحق نکل آیا تو باپ خصومت کے دن بچے کی جو قیمت ہوگی اس کی چٹی بھرے گا۔ کیونکہ یہی روکنے کا دن ہے جب کہ بچہ آزاد ہوگا۔ کیونکہ وہ مغرور ہے اور مغرور اس آدمی کو کہتے ہیں جو کسی عورت سے وطی کرتا ہے جب کہ وہ ملک یمین یا نکاح پر اعتماد کرتا ہے پس لونڈی اس سے بچہ جنم دیتی ہے پھر اس لونڈی کا کوئی اور مستحق نکل آتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا: اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ کسی بھی دوسرے سبب سے اس کا مالک بن گیا۔ جس طرح اگر کوئی آدمی کسی عورت سے اس شرط پر شادی کرتا ہے کہ وہ آزاد ہے اس عورت نے اس کا بچہ جنا پھر اس عورت کا کوئی اور مستحق نکل آیا تو وہ اپنے بچے کی قیمت کی چٹی ادا کرے گا اگر خصومت سے قبل ہی وہ بچہ فوت ہو جائے تو اس کے باپ کے ذمہ کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کی طرف منع کرنا نہیں پایا گیا جس طرح گزر چکا ہے

میں دعویٰ نہیں کرتا عورت گواہیاں قائم کر دیتی ہے کہ یہ بچہ اس کا بیٹا ہے جس کو اس نے جنا ہے اور وہ اس کے باپ کا ذکر نہیں کرتی۔ ایک آدمی گواہیاں قائم کر دیتا ہے کہ یہ بچہ اس کے فراش پر پیدا ہوا ہے اور وہ مرد اس بچے کی ماں کا ذکر نہیں کرتا تو اس بچے کو اس عورت سے اس کا بیٹا قرار دے دیا جائے گا۔ قبضہ کے ساتھ ترجیح کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جس طرح اگر دو آدمی اس کا دعویٰ کریں جب کہ وہ ان دونوں میں سے ایک کے قبضہ میں ہو تو قابض کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا۔

28048۔ (قولہ: لِأَنَّ) یہ پہلے مسئلہ کی تعلیل ہے زیادہ بہتر یہ تھا کہ اسے ان کے قول والا پر مقدم کرتے۔

28049۔ (قولہ: وَلَوْ وَلَدَتْ أَمَةٌ) اگر مشتری کی لونڈی بچہ جن دے اور مشتری بچے کا دعویٰ کر دے۔ ''حموی''۔

28050۔ (قولہ: يَوْمَ الْخُصُومَةِ) اس سے مراد یوم قضا ہے جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔ اسی طرح ان کا قول لانہ یوم المنع اشارہ کرتا ہے۔ اس کی مکمل بحث ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔

28051۔ (قولہ: أَيَّ سَبَبٍ كَانَ) جس طرح گھر کی اجرت کا بدل اور جیسے ہبہ، صدقہ اور وصیت۔ مگر مغرور تین امور ہیں جو ضمانت دے چکا ہو اس کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا جس طرح ''ابو سعود'' میں ہے۔

28052۔ (قولہ: غَرِمَ قِيمَةَ وَلَدِهِ) اور باپ اس کا مطالبہ مخبر سے کرے گا جس طرح باب المرابحہ کے آخر میں گزر چکا ہے۔

(وَإِرْثُهُ لَهُ) لِأَنَّهُ حُرُّ الْأَصْلِ فِي حَقِّهِ فَيَرِثُهُ (فَإِنْ قَتَلَهُ أَبُوهُ أَوْ غَيْرُهُ) وَقَبَضَ الْأَبُ مِنْ دِيَتِهِ قَدْرَ قِيمَتِهِ (غَرِمَ الْأَبُ قِيمَتَهُ) لِلْمُسْتَحِقِّ كَمَا لَوْ كَانَ حَيًّا، وَلَوْ لَمْ يَقْبِضْ شَيْئًا لَا شَيْءَ عَلَيْهِ وَإِنْ قَبَضَ أَقَلَّ لَزِمَهُ بِقَدْرِهِ عَيْنِيٌّ (وَرَجَعَ بِهَا) أَيْ بِالْقِيمَةِ فِي الصُّورَتَيْنِ (ك) مَا يَرْجِعُ بِـ (ثَمَنِهَا) وَلَوْ هَالِكَةً (عَلَى بَائِعِهَا) وَكَذَا لَوْ اسْتَوْلَدَهَا الْمُشْتَرِي الثَّانِي لَكِنْ إنَّمَا يَرْجِعُ الْمُشْتَرِي الْأَوَّلُ عَلَى الْبَائِعِ الْأَوَّلِ بِالثَّمَنِ فَقَطْ كَمَا فِي الْمَوَاهِبِ وَغَيْرِهَا (لَا بِعُقْرِهَا) الَّذِي أَخَذَهُ مِنْهُ الْمُسْتَحِقُّ لِلُزُومِهِ

اور اس بچے کی وراثت اس کے والد کے لیے ہوگی۔ کیونکہ باپ کے حق میں وہ اصلاً آزاد ہے۔ پس یہ اس کا وارث بنے گا۔ اگر اس بچے کو اس کا باپ قتل کر دے یا کوئی اور اسے قتل کر دے اور باپ اس کی دیت میں سے اس کی قیمت کی مقدار مال پر قبضہ کرے تو باپ مستحق کے لیے اس کی قیمت کی چٹی بھرے گا جس طرح اگر وہ زندہ ہوتو باپ اس کی قیمت کی چٹی ادا کرے گا۔ اگر باپ اس کی دیت میں سے کسی شے پر قبضہ نہ کرے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی اگر اس سے کم پر قبضہ کرے تو اسی حساب سے اس پر چیز لازم ہوگی۔ ''عینی''۔ اور وہ بائع سے دونوں صورتوں میں قیمت کا مطالبہ کرے گا جس طرح اس لونڈی کی قیمت کا وہ مطالبہ کرے گا اگر وہ ہلاک ہوگئی ہو۔ اسی طرح اگر دونوں مشتریوں نے اسے ام ولد بنا لیا۔ لیکن پہلا مشتری پہلے بائع سے صرف ثمن کا مطالبہ کرے گا جس طرح ''المواہب'' وغیرہا میں ہے۔ اس سے اس کے عقر کا مطالبہ نہیں کرے گا جو اس مشتری سے مستحق نے وصول کیا ہے۔

28053۔ (قولہ: فَيَرِثُهُ) وہ اس کا وارث ہوگا۔ اور کسی شے کی چٹی ادا نہیں کرے گا۔ کیونکہ وراثت بچے کے عوض میں نہیں ہے پس وہ عوض کے قائم مقام نہ ہوگی۔ پس وراثت کی سلامتی کو اس کی سلامتی کے ساتھ خاص نہیں کیا جائے گا۔

28054۔ (قولہ: بِالْقِيمَةِ) یہ اس صورت میں ہے جب باپ کے علاوہ کوئی اور اسے قتل کرے مگر جب باپ اسے قتل کر دے تو اس نے جو چٹی بھری ہے اس کا کیسے مطالبہ کرے گا جب کہ یہ چٹی اس کو تلف کرنے کی ضمانت ہے؟ ''زیلعی'' نے اس کی تصریح کی ہے یعنی واپسی کا مطالبہ کرے گا جب اسے کوئی دوسرا آدمی قتل کرے اور جب باپ قتل کرے تو کوئی واپسی کا مطالبہ نہیں ہوگا۔ ''شرنبلالیہ''۔

اس تعبیر کی بنا پر شارح کے قول فی الصورتین کا معنی ہوگا جب باپ اس کی دیت وصول کرے گا تو اس کی قیمت کی مقدار واپس کرے گا اور جب اس کی قیمت سے کم پر قبضہ کرے گا تو اس کی مقدار واپس کرے گا۔ یہ دو صورتیں ہوں گی یا الصورتین سے مراد خریدنے اور شادی کرنے کی دو صورتیں ہیں جس طرح ''مقدسی'' سے منقول ہوا ہے۔

''سائحانی'' نے کہا: ان کا قول فی الصورتین سے مراد خریدنا اور شادی کرنا ہے وہ ہبہ کرنے والے، صدقہ کرنے والے اور وصیت کرنے والے سے اولاد کی قیمت میں سے کسی شے کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ ''مقدسی''۔

28055۔ (قولہ: وَكَذَا الخ) کیونکہ وہ دوسرا مشتری پہلے مشتری سے ثمن اور بچے کی قیمت کا مطالبہ کرے گا۔

بِاسْتِيفَاءِ مَنَافِعِهَا كَمَا مَرَّ فِي بَابَيْ الْمُرَابَحَةِ وَالِاسْتِحْقَاقِ مَعَ مَسَائِلِ التَّنَاقُضِ، وَغَالِبُهَا مَرَّ فِي مُتَفَرِّقَاتِ الْقَضَاءِ، وَيَجِيءُ فِي الْإِقْرَارِ فُرُوعٌ التَّنَاقُضُ فِي مَوْضِعِ الْخَفَاءِ عَفْوٌ لَا تُسْمَعُ الدَّعْوَى عَلَى غَرِيمِ مَيِّتٍ إلَّا إذَا وَهَبَ جَمِيعَ مَالِهِ لِأَجْنَبِيٍّ، وَسَلَّمَهُ لَهُ فَإِنَّهَا تُسْمَعُ عَلَيْهِ لِكَوْنِهِ زَائِدًا لَا يَجُوزُ لِلْمُدَّعَى عَلَيْهِ الْإِنْكَارُ مَعَ عِلْمِهِ بِالْحَقِّ إلَّا فِي دَعْوَى الْعَيْبِ لِيُبَرْهِنَ فَيَتَمَكَّنَ مِنْ الرَّدِّ وَفِي الْوَصِيِّ إذَا عَلِمَ بِالدَّيْنِ

کیونکہ جب اس نے اس عورت کے منافع حاصل کر لیے یعنی اس کے ساتھ وطی کر لی تو عقر اس پر لازم ہو گیا جس طرح باب المرابحہ اور باب الاستحقاق میں تناقض کے مسائل کے ساتھ گزر چکا ہے۔ ان میں سے اکثر کتاب القضاء کے متفرقات میں گزر چکا ہے اور کتاب الاقرار میں آگے آئے گا۔ فروع: موضع خفا میں تناقض معاف ہے، میت کے مقروض کے خلاف دعویٰ نہیں سنا جائے گا مگر جب میت اپنا سارا مال کسی اجنبی کو ہبہ کر دے اور مال اجنبی کے حوالے کر دے تو زائد ہونے کی وجہ سے دعویٰ سنا جائے گا مدعیٰ علیہ کے لیے جائز نہیں کہ جب اسے حق کا علم ہو تو انکار کرے سوائے دعویٰ عیب کے تاکہ وہ گواہیاں پیش کرے پس وہ لوٹانے پر قادر ہو جائے اور وصی میں جب اسے دین کا علم ہو

28056۔(قولہ: مَنَافِعِهَا) یعنی وطی کے ساتھ اس کے منافع حاصل کر لیتے ہیں۔

28057۔(قولہ: عَفْوٌ) ''الاشباہ'' میں ہے: جہالت کی وجہ سے وارث، وصی اور متولی کو مغرور خیال کیا جائے گا۔ ممکن ہے وہ اس امر سے جاہل ہو جو مورث، موصی اور مولی سے کہا ہے۔ ''انقروی'' کے کتاب الدعوی میں تناقض میں ہے: دین کی ادائیگی کے بعد مدیون اور بدل خلع کی ادائیگی کے بعد خلع لینے والی عورت اگر خلع سے پہلے خاوند کے طلاق دینے پر گواہیاں قائم کرے اور دین سے بری کرنے پر گواہیاں قائم کرے تو اسے قبول کیا جائے گا۔ لیکن پھر اس نے نقل کیا ہے: جب اس نے دین کی ادائیگی میں مہلت طلب کی پھر اس نے بری کرنے کا دعویٰ کر دیا تو اسے نہیں سنا جائے گا۔ ''سائحانی''۔

28058۔(قولہ: لَا تُسْمَعُ الدَّعْوَى) یعنی جس کا میت پر دین لازم ہو اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔

28059۔(قولہ: عَلَى غَرِيمِ مَيِّتٍ) ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد میت کا مقروض ہو۔ ''حموی''۔

28060۔(قولہ: إلَّا إذَا وَهَبَ) یہ مستثنیٰ منقطع ہے کیونکہ وہ غریم نہیں بن سکتا مگر موہوبہ چیز میں کوئی چیز مغصوبہ ہو وغیرہ۔ تو وہ اس شے کے مدعی کا خصم ہوگا۔ ''حموی''، ''ملخص''۔

28061۔(قولہ: لِكَوْنِهِ زَائِدًا) ''الاشباہ'' کی عبارت زائد ہے۔

28062۔(قولہ: لَا يَجُوزُ لِلْمُدَّعَى عَلَيْهِ الْإِنْكَارُ الخ) بعض فضلاء نے کہا: اس کے ساتھ اسے لاحق کر دیا جائے گا جو مبیع پر استحقاق کا مدعی ہو۔ کیونکہ وہ حق کا انکار کرتا ہے یہاں تک کہ حق ثابت ہو جائے تاکہ وہ بائع سے واپسی کا مطالبہ کر سکے۔ اگر وہ اقرار کر لے وہ قادر نہیں ہوتا نیز وکالت اور وصایہ کے دعوی کو بھی اس کے ساتھ لاحق کیا جا سکتا ہے اور اس کا ثبوت نہیں ہوتا مگر ایسے خصم کے سامنے جو انکار کرتا ہے جس طرح ''قاضی خان'' نے ذکر کیا ہے۔ اگر مدعی علیہ انکار کرے تاکہ

لَا تَحْلِيفَ مَعَ الْبُرْهَانِ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ دَعْوَى دَيْنٍ عَلَى مَيِّتٍ، وَاسْتِحْقَاقِ مَبِيعٍ وَدَعْوَى آبِقٍ اَلْإِقْرَارُ لَا يُجَامِعُ الْبَيِّنَةَ
تو گواہوں کے ساتھ کوئی قسم نہیں لی جائے گی مگر تین صورتوں میں ایسا ہو سکتا ہے (۱) میت پر دین کا دعویٰ ہو مبیع میں استحقاق ثابت ہو اور آبق (بھاگنے والا غلام) کا دعویٰ ہو۔ اقرار گواہوں کے ساتھ جمع نہیں ہوتا

وکالت اور وصایہ کا ثبوت شرعی ہو صحیح ہو تو یہ جائز ہوگا اسے بھی ان دونوں کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا۔ اور وصی کے ساتھ وارث کو بھی لاحق کر دیا جائے گا جب اس وارث پر دین کا دعویٰ کیا جائے۔ کیونکہ جب وہ حق کا اقرار کرے تو اس کے حصہ میں سے کل لازم ہو جائے گا۔ جب وہ انکار کرے اور اس کے خلاف گواہیاں قائم کر دی جائیں تو اس کا حصہ اور ان سب کے حصے لازم ہو جائیں گے۔ ''حموی''۔

برہان کے ساتھ قسم صرف تین چیزوں میں ہیں

28063۔ (قولہ: دَعْوَى دَيْنٍ عَلَى مَيِّتٍ) علماء نے اس پر اجماع کیا کہ جو آدمی میت پر دین کا دعویٰ کرے تو وصی اور وارث کے مطالبہ کے بغیر اس سے یہ قسم لی جائے گی: اللہ کی قسم تو نے میت سے اپنا دین پورے کا پورا نہیں لیا اور نہ کسی ایسے آدمی سے لیا جس نے میت کی جانب سے ادا کیا ہو اور کسی قبضہ کرنے والے نے اس پر قبضہ کیا۔ نہ تو نے اسے بری کیا اور نہ ہی اس میں سے کسی شے سے بری کیا، نہ تو نے اسے اور نہ ہی اس میں سے کسی شے کا حوالہ کیا ہے، نہ تیرے پاس اس کی جانب سے کوئی شے دین ہے۔ ''خلاصہ''۔

اگر قاضی قسم کا مطالبہ کرنے سے پہلے اسے دین ادا کرنے کا حکم دے دے تو اس کا حکم نافذ نہیں ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ''الحامدیہ'' کے کتاب الدعویٰ کے اول میں ہے۔ اور کتاب الدعویٰ کے شروع میں ماتن کے قول: و یسال القاضی المدعی علیہ بعد صحتھا الخ کے تحت گزر چکا ہے اور کتاب القضاء میں (مقولہ 26448 میں) یہ گزر چکا ہے۔

28064۔ (قولہ: وَدَعْوَى آبِقٍ) شاید اس کی صورت یہ ہے جب ایک آدمی کسی پر دعویٰ کرے کہ یہ غلام میرا غلام ہے جو مجھ سے بھاگ گیا تھا اور اس نے اس پر گواہیاں قائم کر دیں کہ یہ اس کا غلام ہے تو اس سے بھی قسم لی جائے گی۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ اس نے اس غلام کو بیچا ہو۔ تامل

پھر میں نے اس شرح کی شرح میں دیکھا اسے ''الفتح'' میں اس طرح نقل کیا ہے اس کی عبارت ہے: ''الفتح'' میں ہے: بھاگنے والے غلام کے مدعی سے گواہیاں کے ساتھ قسم لی جائے گی: اللہ کی قسم یہ غلام آج تک تیری ملکیت پر قائم ہے وہ تیری ملک سے بیع، ہبہ وغیرہا کے ساتھ نہیں نکلا۔

اقرار اور بینہ جمع نہیں ہوتے

28065۔ (قولہ: اَلْإِقْرَارُ لَا يُجَامِعُ الْبَيِّنَةَ) کیونکہ گواہیاں منکر پر ہی قائم کی جاتی ہیں اس قانون کو ''الاشباہ'' کی

اِلَّا فِیْ اَرْبَعٍ وَ کَالَةٍ وَوَصَایَةٍ وَ اِثْبَاتِ دَیْنٍ عَلٰی مَیِّتٍ وَاسْتِحْقَاقِ عَیْنٍ مِنْ مُّشْتَرٍ وَ دَعْوَی الْاٰبِقِ لَا تَحْلِیْفَ عَلٰی حَقٍّ مَجْهُوْلٍ اِلَّا فِیْ سِتٍّ اِذَا اتَّهَمَ الْقَاضِیْ وَصِیَّ یَتِیْمٍ وَ مُتَوَلِّیْ وَقْفٍ وَفِیْ رَهْنٍ مَجْهُوْلٍ وَ دَعْوٰی سَرِقَةٍ وَ غَصْبٍ خِیَانَةِ مُوْدَعٍ لَا یُحَلَّفُ الْمُدَّعِیْ اِذَا حَلَفَ الْمُدَّعٰی عَلَیْهِ اِلَّا فِیْ مَسْئَلَةٍ فِیْ دَعْوَی الْبَحْرِ

مگر چار صورتوں میں جمع ہوسکتا ہے۔ وکالت، وصایت، میت پر دین کو ثابت کرنا مشتری سے عین کا استحقاق اور آبق کا دعویٰ۔ مجہول حق پر قسم نہیں لی جائے گی۔ مگر چھ چیزوں میں قسم لی جائے گی: جب قاضی یتیم کے وصی پر تہمت لگائے اور وقف کے متولی پر تہمت لگائے، مجہول دین میں، سرقہ کے دعویٰ میں، غصب میں اور مودع کی خیانت میں۔ مدعی سے قسم نہیں لی جائے گی جب مدعی علیہ قسم اٹھادے مگر اس مسئلہ میں قسم لی جاسکتی ہے جو''البحر'' میں مسئلہ ذکر کیا گیا ہے۔

کتاب الاقرار میں''الخانیہ'' سے ذکر کیا ہے۔ اس قاعدہ سے چار مسائل کو مستثنیٰ کیا ہے۔ وہ چار مسائل بھاگنے والے غلام کے دعویٰ کے خلاف ہیں۔ اسی طرح ان کا ذکر اس سے پہلے کتاب القضاء والشہادات میں کیا ہے اور پانچویں مسئلہ کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ دوسرے مسئلہ کا اضافہ کیا ہے ان کی عبارت ہے اقرار کرنے والے کے خلاف گواہیاں نہیں سنی جائیں گی مگر ایسے وارث کے خلاف گواہیاں سنی جائیں گی جو میت پر دین کا اقرار کرے پس تعدی کی وجہ سے گواہیاں قائم کی جائیں گی۔ اور ایسے مدعی علیہ کے بارے میں گواہیاں سنی جائیں گی جس نے وکالت کا اقرار کیا تو وکیل اس وکالت کو ثابت کرتا ہے تا کہ ضرر کو دور کرے اور استحقاق میں گواہیاں قبول کی جائیں گی جب مستحق علیہ اقرار کرے تا کہ وہ بائع سے مطالبہ پر قادر ہو اور اس صورت میں گواہی سنی جائے گی جب بچے کی جانب سے کسی حق میں باپ سے مخاصمت کی جائے وہ اقرار کرلے تو وہ خصومت سے خارج نہیں ہوگا۔ لیکن اس کے اقرار کے ساتھ اس پر گواہیاں قائم کی جائیں گی۔ وصی اور قاضی کے سیکرٹری کا معاملہ مختلف ہے جب وہ اقرار کرے تو وہ خصومت سے خارج نہیں ہوگا۔ اور اس صورت میں گواہیاں سنی جائیں گی اگر وارث موصی لہ کے لیے اقرار کرے تو اس کے اقرار کے ساتھ اس پر گواہیاں سنی جائیں گی۔ اور اس صورت میں اگر وہ معین جانور کسی آدمی کو اجرت پر دے پھر دوسرے آدمی کو اجرت پر دے پہلا گواہیاں قائم کرے اگر آجر حاضر ہو تو اس پر گواہوں کو قبول کیا جائے گا اگرچہ جس کا دعویٰ کیا گیا ہو وہ اس کا اقرار کرتا ہو۔''ملخص''۔ یہ سات مسائل ہیں۔

28066۔(قولہ: اِلَّا فِیْ اَرْبَعٍ) یہ سات ہیں جس طرح''حموی'' میں ہے یہاں مذکور پانچ ہیں۔

28067۔(قولہ: مِنْ مُّشْتَرٍ) مستحق علیہ کے اقرار کے ساتھ اس بارے میں گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ تا کہ بائع سے مطالبہ پر قادر ہو۔''الاشباہ'' میں اسی طرح ذکر کیا ہے۔ لیکن اقرار کے ساتھ وہ کیسے مطالبہ کرسکتا ہے؟ تامل

28068۔(قولہ: وَفِیْ رَهْنٍ مَجْهُوْلٍ) جیسے مثلاً کپڑا۔

28069۔(قولہ: فِیْ دَعْوَی الْبَحْرِ) یعنی ان کے قول ولا تردیمین علی مدع سے تھوڑا پہلے۔

قَالَ (وَهِيَ غَرِيبَةٌ يَجِبُ حِفْظُهَا) اَشْبَاهٌ قُلْتُ وَهِيَ مَا لَوْ قَالَ الْمَغْصُوبُ مِنْهُ كَانَتْ قِيمَةُ ثَوْبِي مِائَةً وَقَالَ الْغَاصِبُ لَمْ اَدْرِ وَلٰكِنَّهَا لَا تَبْلُغُ مِائَةً صُدِّقَ بِيَمِينِهِ وَاُلْزِمَ بِبَيَانِهِ فَلَوْ لَمْ يُبَيِّنْ يَحْلِفُ عَلَى الزِّيَادَةِ ثُمَّ يَحْلِفُ الْمَغْصُوبُ مِنْهُ اَيْضًا اَنَّ قِيمَتَهُ مِائَةٌ وَلَوْ ظَهَرَ خُيِّرَ الْغَاصِبُ بَيْنَ اَخْذِهٖ اَوْ قِيمَتِهٖ فَلْيُحْفَظْ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ

کہا: یہ مسئلہ غریب ہے اس کو یاد رکھنا واجب ہے ''اشباہ''۔ میں کہتا ہوں: وہ یہ ہے اگر مغصوب منہ کہے: میرے کپڑے کی قیمت سو تھی غاصب نے کہا: میں نہیں جانتا لیکن قیمت سو تک نہیں پہنچتی تو اس کی قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی اور اس پر اس کی وضاحت لازم ہوگی۔ اگر وہ وضاحت نہ کرے تو زیادتی پر اس سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا پھر مغصوب منہ سے بھی قسم لی جائے گی کہ اس کی قیمت سو تھی اگر یہ امر ظاہر ہو جائے تو غاصب کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ کپڑا لے لے یا اس کی قیمت لے لے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

28070۔ (قولہ: وَهِيَ مَا لَوْ قَالَ الخ) یہ مسئلہ کتاب الغصب میں (مقولہ 31384 میں) آئے گا۔ محشی نے وہاں ان کے قول: فلو لم یبین پر لکھا اور کہا: ظاہر یہ ہے کہ نسخہ میں کوئی خلل ہے۔ کیونکہ جب وہ وضاحت نہ کرے تو وہ زیادتی کون سی ہے جس پر وہ قسم اٹھائے گا؟ یعنی جس کی نفی پر وہ قسم اٹھائے گا میرے گمان میں ہے کہ نسخہ کی اصل یہ ہے: اگر وہ بیان کر دے یعنی اگر وہ بیان کر دے تو اس زیادتی کی نفی پر اس سے قسم لی جائے گی جو اس سے زیادہ ہو جس کو اس نے بیان کیا ہے اور مالک جس کا دعویٰ کرتا ہے اس سے کم ہے۔ اسے ذہن نشین کر لو مناسب یہ ہے کہ وہ وضاحت حقیقت کے قریب قریب ہے یہاں تک کہ اگر وہ گھوڑے کی قیمت درہم سے لگائے تو اس کی یہ وضاحت قبول نہ کی جائے گی جس طرح اس کی مثل گزر چکا ہے وہاں ان کے قول پر لکھا: اگر مالک زیادتی پر قسم اٹھا دے تو وہ اسے لے لے گا۔ اس کی وجہ ظاہر نہیں پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

28071۔ (قولہ: يَحْلِفُ عَلَى الزِّيَادَةِ) وہ زیادتی جس کا مالک دعویٰ کرتا ہے۔

28072۔ (قولہ: اَوْ قِيمَتِهٖ) اس کا عطف اخذہ کی ضمیر مجرور پر ہے یعنی او اخذ قیمتہ۔

کِتَابُ الْإِقْرَارِ

مُنَاسَبَتُهُ أَنَّ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ إِمَّا مُنْكِرٌ أَوْ مُقِرٌّ وَهُوَ أَقْرَبُ لِغَلَبَةِ الصِّدْقِ (هُوَ) لُغَةً الْإِثْبَاتُ يُقَالُ قَرَّ الشَّيْءُ إِذَا ثَبَتَ وَشَرْعًا (إِخْبَارٌ بِحَقٍّ عَلَيْهِ) لِلْغَيْرِ (مِنْ وَجْهٍ، إِنْشَاءٌ مِنْ وَجْهٍ) قُيِّدَ بِعَلَيْهِ

اقرار کے احکام

کتاب الاقرار کی کتاب الدعویٰ کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ مدعی علیہ (جس پر دعویٰ کیا گیا ہو) یا تو دعویٰ کا انکار کرے گا یا اس کا اقرار کرے گا۔صدق کے غلبہ کی وجہ سے اقرار زیادہ قریب ہے۔لغت میں اقرار کا معنی ثابت کرنا ہے۔قَرَّ الشيءُ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ شے ثابت ہو۔اور شرع میں اس کا معنی ہے غیر کا ایسا حق جو اس مقر کے ذمہ ہے اس کی خبر دینا ہے۔اقرار من وجہ خبر دینا ہے اور من وجہ انشا ہے۔لفظ علیہ یہ قید ہے۔

28073۔(قولہ: وَهُوَ أَقْرَبُ) ضمیر سے مراد مقر ہے۔

اقرار کی شرعی تعریف

28074۔(قولہ: إِخْبَارٌ بِحَقٍّ عَلَيْهِ) شاید اس تعریف میں اس اقرار کے ساتھ نقض واقع ہو جائے کہ وہ یہ کہے کہ اس کا فلاں پر کوئی حق نہیں۔اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس نے حق سے بری کر دیا ہو، دین ساقط کر دیا ہو اور اسی طرح کی کوئی صورت بنی ہو جیسے شفعہ کے حق کو ساقط کرنا''سعدیہ''۔بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے: اس میں اس حق کی خبر دینا ہے جو اس پر لازم ہے جب کہ مطالبہ کا حق ثابت نہ ہو۔تامل

اقرار کے ملک سبب ہونے یا نہ ہونے میں مشائخ کا اختلاف

28075۔(قولہ: إِنْشَاءٌ مِنْ وَجْهٍ) یہی صحیح ہے۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: اقرار انشا ہے۔جو عنقریب قول آ رہا ہے وہ اس پر مبنی ہے۔لیکن''غایۃ البیان''میں''الاسروشنیہ''سے مذکور ہے۔

''حلوانی''نے کہا: مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ اقرار ملک کا سبب ہے یا ملک کا سبب نہیں۔''ابن فضل''نے کہا: ملک کا سبب نہیں۔اور دو مسئلوں سے استدلال کیا ہے۔

(۱) ایسا مریض جس کے ذمہ دین ہو وہ اپنے تمام مال کا کسی اجنبی کے حق میں اقرار کرے تو وارث کی اجازت کے بغیر اس کا اقرار صحیح ہوگا۔اگر یہ تملیک ہوتو اجازت نہ ہونے کی صورت میں صرف ایک تہائی میں اقرار نافذ ہوگا۔

(۲) ماذون غلام جب کسی شخص کے لیے ایسی معین شے کا اقرار کرے جو اس کے قبضہ میں ہو تو یہ اقرار صحیح ہوگا اگر یہ تملیک ہوتو یہ اس کی جانب سے تبرع ہوگا پس یہ صحیح نہ ہوگا۔

لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ لِنَفْسِهِ يَكُونُ دَعْوَى لَا إِقْرَارًا ثُمَّ فَرَّعَ عَلَى كُلٍّ مِنَ الشَّبَهَيْنِ فَقَالَ (فَا) لِوَجْهِ (الْأَوَّلِ) وَهُوَ الْإِخْبَارُ (صَحَّ إِقْرَارُهُ بِمَالٍ مَمْلُوكٍ لِلْغَيْرِ) وَمَتَى أَقَرَّ بِمِلْكِ الْغَيْرِ (يَلْزَمُهُ تَسْلِيمُهُ) إِلَى الْمُقَرِّ لَهُ (إِذَا مَلَكَهُ)
کیونکہ اگر یہ عمل اپنے حق کے لیے ہو تو وہ دعویٰ ہوگا اقرار نہیں ہوگا۔ پھر دونوں شبہوں پر تفریع کا ذکر کیا ہے اور کہا: پہلی وجہ کی وجہ سے جو اخبار ہے اس کا غیر کے مملوکہ مال کا اقرار صحیح ہوگا جب اس نے غیر کی ملکیت کا اقرار کر لیا تو جس کے لیے اس نے اقرار کیا ہے اسے سپرد کرنا لازم ہوگا جب وہ کسی معمولی سے زمانہ کے لیے

''جرجانی'' نے کہا: یہ اقرار تملیک ہے اور انہوں نے یہ امر چند مسائل سے استدلال کیا ہے۔ ان میں سے یہ ہیں: اگر وہ حالت مرض میں اپنے وارث کے لیے دین کا اقرار کرے تو یہ صحیح نہ ہوگا۔ ملخص

پس اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ مصنف اور صاحب ''البحر'' نے جو کچھ ذکر کیا ہے یہ دونوں طریقوں کو جمع کرنا ہے۔ گویا اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں فریقوں نے جس سے استدلال کیا ہے وہ ثابت ہے۔ تامل

28076۔(قولہ: لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ لِنَفْسِهِ) یعنی اگر وہ غیر پر اپنے حق کی خبر دے تو یہ دعویٰ ہوگا اگر وہ غیر پر کسی غیر کے لیے خبر دے تو یہ شہادت ہوگی۔

28077۔(قولہ: لَا إِقْرَارًا) وکیل یا ولی وغیرہ کے اقرار سے اس میں نقض واقع نہیں ہوتا کیونکہ یہ لوگ شرعی طور پر اپنی اپنی جگہ اپنے اصول کے نائب ہوتے ہیں۔

28078۔(قولہ: صَحَّ إِقْرَارُهُ بِمَالٍ الخ) اگر غاصب نے یہ اقرار کیا ہو تو اسے وضاحت کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے مجہول قیمت کا اقرار کیا ہے۔ جب غاصب وضاحت نہ کرے تو مالک جس زیادتی کا دعویٰ کرتا ہے اس پر اس سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم اٹھا دے اور مالک نے جس چیز کا دعویٰ کیا تھا وہ ثابت نہ ہو تو اس مالک سے قسم لی جائے گی کہ اس کی قیمت سو تھی اور وہ غاصب سے سو وصول کرے گا۔ جب مالک وہ سو لے لے پھر کپڑا ظاہر ہو جائے (یعنی جو مغصوبہ چیز تھی وہ ظاہر ہو جائے) تو غاصب کو اختیار ہوگا کہ وہ کپڑا لے لے یا اسے مالک کی طرف لوٹا دے اور قیمت وصول کر لے۔

''حاکم ابو محمد عینی'' سے یہ حکایت کی جاتی ہے کہ آپ کہا کرتے تھے: جو مغصوب منہ کی قسم اور غاصب سے ایک صد، اس کی قیمت کے طور پر لینے کا ذکر کیا گیا ہے یہ اس صورت میں صحیح ہوگا جب غاصب انکار کرے۔

وہ یہ کہا کرتے تھے: صحیح جواب یہ ہے کہ غاصب کو وضاحت کرنے پر مجبور کیا جائے گا اگر وہ انکار کر دے تو قاضی اسے یہ کہے گا کیا اس کی قیمت سو تھی اگر غاصب کہے: نہیں۔ قاضی کہے گا: کیا وہ پچاس تھی؟ اگر وہ کہے: نہیں قاضی کہے گا: پچیس یہ سلسلہ اس تک جائے گا جس سے اس کی قیمت عرف اور عادت میں کم نہ ہو سکتی ہو پس یہ اسے لازم ہو جائے گا۔ یہ ''تاتر خانیہ'' کے کتاب الاقرار کے متفرقات سے ماخوذ ہے۔

بُرْهَةً مِنَ الزَّمَانِ لِنَفَاذِهِ عَلَى نَفْسِهِ، وَلَوْ كَانَ إِنْشَاءً لَمَا صَحَّ لِعَدَمِ وُجُودِ الْمِلْكِ وَفِي الْأَشْبَاهِ أَقَرَّ بِحُرِّيَّةِ عَبْدٍ ثُمَّ شَرَاهُ عَتَقَ عَلَيْهِ وَلَا يَرْجِعُ بِالثَّمَنِ أَوْ بِوَقْفِيَّةِ دَارٍ ثُمَّ شَرَاهَا أَوْ وَرِثَهَا صَارَتْ وَقْفًا مُؤَاخَذَةً لَهُ بِزَعْمِهِ (وَلَا يَصِحُّ إِقْرَارُهُ بِطَلَاقٍ وَعَتَاقٍ مُكْرَهًا) وَلَوْ كَانَ إِنْشَاءً لَصَحَّ لِعَدَمِ التَّخَلُّفِ (وَصَحَّ إِقْرَارُ الْمَأْذُونِ بِعَيْنٍ فِي يَدِهِ، وَالْمُسْلِمِ بِخَمْرٍ وَبِنِصْفِ دَارِهِ مُشَاعًا وَالْمَرْأَةِ بِالزَّوْجِيَّةِ مِنْ شُهُودٍ) وَلَوْ كَانَ إِنْشَاءً لَمَا صَحَّ (وَلَا تُسْمَعُ دَعْوَاهُ عَلَيْهِ) بِأَنَّهُ أَقَرَّ لَهُ

اس شے کا مالک بنے۔ کیونکہ اقرار اس کی ذات پر نافذ ہو چکا ہے اگر اقرار انشا ہوتو یہ صحیح نہ ہو کیونکہ ملکیت نہیں پائی گئی۔ ''الاشباہ'' میں ہے: ایک آدمی نے ایک غلام کی آزادی کا اقرار کیا پھر اس غلام کو خریدا تو وہ غلام اس پر آزاد ہو جائے گا۔ اور وہ مشتری جو مقر ہے وہ بائع سے ثمن کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ ایک آدمی نے ایک گھر کے وقف کا اقرار کیا پھر اس گھر کو خریدا یا اس گھر کا وارث بنا تو وہ گھر وقف ہو جائے گا اس نے گمان کیا تھا اسی پر مواخذہ کرنے کی بنا پر یہ حکم جاری ہوگا۔ اس پر جبر کر کے اس سے طلاق یا عتاق کا اقرار کرایا جائے تو یہ صحیح نہ ہوگا اگر یہ اقرار انشا ہوتا تو یہ صحیح ہوتا۔ کیونکہ انشا اپنے حکم سے پیچھے نہیں رہ سکتا۔ عبد ماذون جب ایسی چیز کے بارے میں اقرار کرے جو اس کے قبضہ میں ہے، مسلمان شراب کے بارے میں اقرار کرے، وہ اپنے مشترک گھر کے نصف کا اقرار کرے اور عورت گواہوں کے بغیر کسی کی بیوی ہونے کا اقرار کرے تو یہ صحیح ہوگا اگر یہ انشا ہوتا تو یہ صحیح نہ ہوتا۔ اور مقر لہ کا دعویٰ مقر کے اس اقرار کی بنا پر نہیں سنا جائے گا

28079۔ (قولہ: بُرْهَةً) یعنی تھوڑا سا۔

28080۔ (قولہ: لَا يَرْجِعُ) وہ ثمن کی واپسی کا مطالبہ اس لیے نہیں کر سکتا کیونکہ اس کا اقرار اس کی ذات تک محدود رہتا ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے فرد کی طرف متعدی نہیں ہوتا۔

28081۔ (قولہ: مُكْرَهًا) اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا کیونکہ جھوٹ کی دلیل موجود ہے وہ دلیل، جبر و اکراہ ہے اور اقرار ایسی خبر دینا ہے جو صدق و کذب کا احتمال رکھتا ہے۔ پس اس سے اس کے وضعی مدلول کا تخلف جائز ہوگا۔ ''منح''۔

28082۔ (قولہ: لِعَدَمِ التَّخَلُّفِ) کیونکہ انشا سے اس کے مدلول وضعی کا تخلف صحیح نہیں۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے: اس سے مراد یہ ہے انشا سے اس کا مدلول متخلف نہیں ہوتا۔

28083۔ (قولہ: وَالْمُسْلِمِ بِخَمْرٍ) یہاں تک اس کے اقرار کی صورت میں اسے حکم دیا جائے گا کہ وہ اس کو سپرد کر دے اگر یہ اقرار ابتداءً تملیک ہوتا تو یہ صحیح نہ ہوتا۔ ''الدرر'' میں ہے: اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ خمر موجود ہے وہ ابھی ہلاک نہیں ہوا۔ کیونکہ مسلمان کے لیے اس کا بدل واجب نہیں۔ ''المحیط'' میں اس پر نص قائم کی ہے جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔

28084۔ (قولہ: وَبِنِصْفِ دَارِهِ) یعنی ایسے گھر کے نصف کا اقرار کرے جو تقسیم کو قبول کرے۔

(بِشَیْءٍ) مُعَیَّنٍ (بِنَاءً عَلَی الْإِقْرَارِ) لَهُ بِذَلِكَ بِهِ يُفْتَى لِأَنَّهُ إِخْبَارٌ يَحْتَمِلُ الْكَذِبَ حَتَّى لَوْ أَقَرَّ كَاذِبًا لَمْ يَحِلَّ لَهُ لِأَنَّ الْإِقْرَارَ لَيْسَ سَبَبًا لِلْمِلْكِ نَعَمْ لَوْ سَلَّمَهُ بِرِضَاهُ كَانَ ابْتِدَاءَ هِبَةٍ، وَهُوَ الْأَوْجَهُ بَزَّازِيَّةٌ (إِلَّا أَنْ يَقُولَ) فِي دَعْوَاهُ (هُوَ مِلْكِي) وَأَقَرَّ لِي بِهِ أَوْ يَقُولَ لِي عَلَيْهِ كَذَا وَهَكَذَا أَقَرَّ بِهِ فَتُسْمَعُ إِجْمَاعًا لِأَنَّهُ لَمْ يَجْعَلِ الْإِقْرَارَ سَبَبًا لِلْوُجُوبِ ثُمَّ لَوْ أَنْكَرَ الْإِقْرَارَ هَلْ يَحْلِفُ؟ الْفَتْوَى أَنَّهُ لَا يَحْلِفُ عَلَى الْإِقْرَارِ، بَلْ عَلَى الْمَالِ

کہ اس مقر نے مدعی کیلئے ایک معین شے کا اقرار کیا تھا۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اقرار اخبار ہے جو جھوٹ کا احتمال رکھتا ہے یہاں تک کہ اگر مقر جھوٹ بولتے ہوئے کسی چیز کا اقرار کرتا ہے تو مدعی کے لیے وہ چیز حلال نہ ہوگی۔ کیونکہ اقرار ملکیت کا سبب نہیں ہاں اگر مقر اپنی رضامندی سے اسے کوئی شے دے دے تو یہ ابتداءً ہبہ ہوگا یہی زیادہ مناسب ہے۔ ''بزازیہ''۔ مگر جب مدعی اپنے دعویٰ میں یہ کہے: وہ چیز میری ملکیت ہے اور اس نے میرے حق میں اس کا اقرار کیا تھا یا مدعی یہ کہے: میرا اس پر یہ حق ہے اور اس نے اسی طرح اس کا اقرار بھی کیا ہو تو بالاجماع اس کا دعویٰ سنا جائے گا۔ کیونکہ اس نے اقرار کو وجوب کا سبب نہیں بنایا۔ پھر اگر مقر اقرار کا انکار کردے تو کیا اس سے قسم لی جائے گی؟ فتویٰ یہ ہے کہ اس سے اقرار پر قسم نہ لی جائے گی۔ بلکہ مال پر اس سے قسم لی جائے گی۔

28085۔ (قولہ: بِنَاءً عَلَى الْإِقْرَارِ) یعنی جب وہ اس کے خلاف کسی شے کا دعویٰ کرے اور دعویٰ اس بنا پر کرے کہ اس مدعی علیہ نے اس کے لیے اس شے کا اقرار کیا تھا تو اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ کیونکہ اقرار، اخبار ہے یہ مقر پر اس شے کے لازم ہونے کا سبب نہیں۔ اس نے مقر کے خلاف اقرار کو دعویٰ میں ذکر کی گئی چیز کے واجب ہونے کی علت قرار دیا ہے۔ گویا اس نے کہا: میں اس سے اس کے اقرار کی وجہ سے ایسی چیز کا مطالبہ کر رہا ہوں جس کے وجوب اور لزوم کا کوئی سبب نہیں یہ باطل کلام ہے۔ ''منح''۔ اس سے یہ امر ظاہر ہو جاتا ہے کہ معین شے کا دعویٰ یہ اقرار پر مبنی ہے جس طرح صریح متن ہے نہ کہ یہ اقرار کا دعویٰ ہے جو اقرار پر مبنی ہے تو شارح کے قول بانہ اقر لہ کا کوئی محل نہیں۔ تامل

اگر مقر جھوٹ بولتے ہوئے کسی چیز کا اقرار کرے تو اس کا حکم

28086۔ (قولہ: لَمْ يَحِلَّ لَهُ) یعنی جس کے حق میں اقرار کیا گیا ہے اس کے لیے وہ چیز لینا حلال نہیں ہوگا۔ ''حاشیہ'' میں یہ اسی طرح ہے۔

28087۔ (قولہ: ثُمَّ لَوْ أَنْكَرَ الخ) دین کے دعویٰ میں اگر وہ انکار کردے یعنی اگر مدعی علیہ کہے: مدعی نے اپنا حق پورا پورا وصول کرنے کا اقرار کیا اور اس کے اقرار پر مدعی علیہ گواہیاں پیش کردے تو ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ کیونکہ یہ استحقاق کے طرق میں اقرار کا دعویٰ ہے کیونکہ دین کو اس کی مثل سے ادا کیا جا سکتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہ دین کا دعویٰ اپنے لیے ہے پس یہ استحقاق کے ذرائع میں اقرار کا دعویٰ ہے پس اسے نہیں سنا جائے گا۔ ''ط''، ''ذ''، ''جامع الفصولین''، ''فتاویٰ قدوری''۔

وَأَمَّا دَعْوَى الْإِقْرَارِ فِي الدَّفْعِ فَتُسْمَعُ عِنْدَ الْعَامَّةِ (وَ) فِي الْوَجْهِ (الثَّانِي) وَهُوَ الْإِنْشَاءُ (لَوْ رَدَّ) الْمُقَرُّ لَهُ (إِقْرَارَهُ ثُمَّ قَبِلَ لَا يَصِحُّ) وَلَوْ كَانَ إِخْبَارًا لَصَحَّ وَأَمَّا بَعْدَ الْقَبُولِ

جہاں تک دعویٰ کے دفاع میں اقرار کے دعویٰ کا تعلق ہے تو عام فقہا کے نزدیک سنا جائے گا۔ اور دوسری وجہ سے جو انشا ہے، کا اعتبار کرنے کی صورت میں اگر مقرلہ نے اس کے اقرار کو رد کر دیا پھر اسے قبول کیا تو یہ قبول کرنا صحیح نہ ہوگا اگر اقرار محض اخبار ہوتا تو یہ قبول کرنا صحیح ہوتا۔ جہاں تک قبول کرنے کے بعد رد کرنے کا تعلق ہے

حاشیہ میں اسی طرح ہے۔ طا ''محیط'' کے لیے اور ''ذ'' ''ذخیرہ'' کے لیے ہے۔ ''جامع الفصولین'' میں جو لکھا ہوا ہے اس کی مثل ''بزازیہ'' میں ہے۔ اس میں یہ اضافہ کیا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: دعویٰ کو سنا جائے گا۔ کیونکہ حاصل کلام یہ ہے وہ اپنی ذات سے دین کی ادائیگی کو دور کر رہا ہے۔ پس یہ استحقاق کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔ ''محیط'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔

''شیخ الاسلام'' نے ذکر کیا: مطلوب نے مدعی کے اس اقرار پر گواہیاں قائم کر دیں کہ مدعیٰ میں اس کا کوئی حق نہیں یا اس کی ملکیت نہیں یا وہ اس کی ملکیت نہ تھی دعویٰ ختم ہو جائے گا۔ اگر وہ کسی معروف انسان کے لیے اقرار نہ کرے اسی طرح وہ وراثت کا دعویٰ کرے اور مطلوب مورث کے اقرار پر اس طرح گواہیاں قائم کر دے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28088۔ (قولہ: وَأَمَّا دَعْوَى الْإِقْرَارِ) اس کی صورت یہ ہے مدعیٰ، مدعیٰ علیہ کی ملکیت ہے۔ جہاں تک حق وصول کرنے کے اقرار کا تعلق ہے تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے نہیں سنا جائے گا۔ علما نے اس میں اختلاف کیا کیا دفع کے طرق میں اقرار کا دعویٰ صحیح ہوگا یہاں تک کہ مدعی علیہ یہ گواہیاں قائم کر دے کہ مدعی علیہ نے یہ اقرار کیا کہ یہ عینی چیز مدعی علیہ کی ملکیت ہے کیا اس کا دعویٰ قبول کیا جائے گا؟ بعض علما نے کہا: اس کا دعویٰ قبول نہ کیا جائے گا اور عام علما کی رائے ہے کہ یہاں اسے قبول کیا جائے گا۔ ''درر''۔

28089۔ (قولہ: ثُمَّ قَبِلَ لَا يَصِحُّ) اس کا محل ایسی صورت میں ہے جب اس میں حق ایک کا ہو جیسے ہبہ اور صدقہ ہے۔ مگر جب حق دونوں کا ہو جیسے شرا اور نکاح تو پھر نہیں۔ یہ محل تقیید میں اطلاق ہے۔ اور ضروری ہے کہ اس کی یہ قید بھی لگائی جائے کہ جب مقر اپنے اقرار پر مصر نہ ہو۔ کیونکہ عنقریب یہ آئے گا کہ اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی مگر جب وہ اس کی تصدیق کی طرف لوٹے۔ جب کہ مقر اپنے اقرار میں اصرار کرنے والا ہو۔ ''حموی''۔ ''سائحانی'' کی تحریر سے ''خلاصہ'' سے مروی ہے۔ اگر وہ کسی دوسرے کو کہتا ہے: میں نے تیرے ہاتھ میں ہزار کے بدلہ میں غلام بیچا تو دوسرے نے کہا: میں نے اسے تجھ سے نہیں خریدا، بائع خاموش ہو گیا یہاں تک کہ مشتری نے مجلس یا اس کے بعد کہا: ہاں میں نے تجھ سے ایک ہزار میں خریدا تھا تو یہ جائز ہو جائے گا۔ اسی طرح نکاح اور ہر وہ معاملہ جس میں دونوں کا حق ہو اس کا حکم یہی ہوگا۔ اور ہر وہ معاملہ جس میں صرف ایک فریق کا حق ہو جیسے ہبہ اور صدقہ تو رد کے بعد اس کا اقرار کوئی نفع نہ دے گا۔

فَلَا يَرْتَدُّ بِالرَّدِّ وَلَوْ أَعَادَ الْمُقِرُّ إِقْرَارَهُ فَصَدَّقَهُ لَزِمَهُ لِأَنَّهُ إِقْرَارٌ آخَرُ ثُمَّ لَوْ أَنْكَرَ إِقْرَارَهُ الثَّانِيَ لَا يَحْلِفُ وَلَا تُقْبَلُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ قَالَ الْبَدِيعُ وَالْأَشْبَهُ قَبُولُهَا وَاعْتَمَدَهُ ابْنُ الشِّحْنَةِ وَأَقَرَّهُ الشُّرُنْبُلَالِيُّ (وَالْمِلْكُ الثَّابِتُ بِهِ) بِالْإِقْرَارِ (لَا يَظْهَرُ فِي حَقِّ الزَّوَائِدِ الْمُسْتَهْلَكَةِ فَلَا يَمْلِكُهَا الْمُقَرُّ لَهُ) وَلَوْ إِخْبَارًا لَمَلَكَهَا

تو وہ رد کرنے کے ساتھ رد نہیں ہوتا اگر مقر نے دوبارہ اقرار کیا اور مقر لہ نے اس کی تصدیق کر دی تو مقر پر یہ اقرار لازم ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ دوسرا اقرار ہے پھر اگر مقر نے اپنے دوسرے اقرار کا انکار کر دیا تو اس سے قسم نہیں لی جائے گی اور اس کے خلاف بینہ کو قبول نہ کیا جائے گا (قاضی) ''بدیع'' (جو صاحب ''قنیہ'' کے استاد ہیں) نے کہا: زیادہ مناسب تو یہ ہے کہ اس کے خلاف گواہیاں قبول کی جائیں۔ ''ابن شحنہ'' نے اس پر اعتماد کیا ہے اور ''شرنبلالی'' نے اسے ثابت رکھا ہے۔ وہ ملکیت جو اقرار کے ساتھ ثابت ہو وہ ان زوائد کے حق میں ظاہر نہیں ہوگی جو ہلاک ہونے والی ہیں مقر لہ ان کا مالک نہیں ہوگا اگر اقرار محض اخبار ہوتا تو وہ ان زوائد کا مالک ہو جاتا۔

28090۔ (قولہ: فَلَا يَرْتَدُّ) کیونکہ وہ چیز اس کی ملکیت بن چکی ہے اور مالک نے اپنی ذات سے اس کی ملکیت کی نفی کر دی جب نزاع کرنے والا کوئی نہیں رہا تو یہ رد کرنا صحیح نہ ہوگا۔ ہاں اگر دونوں حق نہ ہونے پر ایک دوسرے کی تصدیق کریں تو یہ رد کرنا صحیح ہو جائے گا۔ کیونکہ بیع فاسد میں یہ گزر چکا ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے آدمی پر اس مال کے نفع کا دعویٰ کیا جس مال کا اس نے دعویٰ کیا تھا مدعی علیہ نے اس امر پر اس کی تصدیق کر دی اور اسے وہ نفع دے دیا پھر دونوں کے باہم تصدیق کرنے سے اس کا عدم ظاہر ہو گیا غور کرو کس طرح بعد والے باہم تصدیق کے عمل نے سابقہ تصادق کو ختم کر دیا جب کہ اس کا نفع پاکیزہ اور حلال تھا'' سائحانی''۔

28091۔ (قولہ: قَالَ الْبَدِيعُ) یہ صاحب ''قنیہ'' کے شیخ ہیں۔

وہ ملکیت جو اقرار کے ساتھ ثابت ہو وہ ان زوائد کے حق میں ظاہر نہیں ہوگی

28092۔ (قولہ: الزَّوَائِدِ الْمُسْتَهْلَكَةِ) یہ قول اپنے ظاہر کے اعتبار سے اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ یہ ملکیت ان زوائد کے حق میں ظاہر ہوتی ہے جو غیر مستہلک ہوں۔ یہ اس قول کے مخالف ہے جو'' الخانیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے کہا: جس کے قبضہ میں ایک لونڈی اور اس کا بچہ ہے اس آدمی نے اقرار کیا کہ یہ لونڈی فلاں کی ہے تو اس اقرار میں اس کا بچہ داخل نہیں ہوگا۔

اگر کوئی آدمی کسی لونڈی کے متعلق یہ گواہیاں قائم کرے کہ وہ لونڈی اس کی ہے وہ اس لونڈی کی اولاد کا مستحق بن جائے گا۔ اسی طرح اگر اس نے کہا: یہ غلام تیری لونڈی کا بیٹا ہے اور یہ میمنہ تیری بکری کا ہے تو یہ غلام کا اقرار نہ ہوگا۔ اسی طرح میمنہ کا حکم ہے پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ ''حموی'' میں ''اسروشنیہ'' میں مستہلکہ کی قید لگائی ہے اور اس سے اس'' غایۃ البیان'' میں نقل کیا ہے۔

28093۔ (قولہ: فَلَا يَمْلِكُهَا) ایک آدمی نے ایک لونڈی خریدی اس لونڈی نے اس کے ہاں ام ولد کی حیثیت سے

(أَقَرَّ حُرٌّ مُكَلَّفٌ) يَقْظَانَ طَائِعًا (أَوْ عَبْدٌ) أَوْ صَبِيٌّ أَوْ مَعْتُوهٌ (مَأْذُونٌ) لَهُمْ إِنْ أَقَرُّوا بِتِجَارَةٍ كَإِقْرَارِ مَحْجُورٍ بِحَدٍّ وَقَوَدٍ

آزاد، مکلف اور بیدار نے خوشی سے اقرار کیا یا غلام، بچے یا معتوہ نے اقرار کیا جنہیں معاملہ کرنے کی اجازت دی گئی تھی اگر وہ تجارت کا اقرار کریں تو صحیح ہوگا جیسے مجور حد یا قصاص کا اقرار کرے تو اس کا اقرار صحیح ہوگا

بچہ جن دیا پھر گواہیوں کے باعث اس لونڈی کا کوئی مستحق نکل آیا تو اس کا بچہ بھی اس لونڈی کے تابع ہوگا۔ اگر ایک آدمی نے اس لونڈی کا کسی کے حق میں اقرار کیا تو اس کا بچہ اس لونڈی کے تابع نہیں ہوگا۔ فرق یہ ہے کہ وہ آدمی گواہیوں کے ساتھ اس لونڈی کا اصل سے مستحق ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے کہا: بے شک بیچنے والے باہم رجوع کریں گے۔ اقرار کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ اس بارے میں وہ باہم رجوع نہیں کریں گے،''ف''۔ پھر لونڈی کے بارے میں حکم بچے کے بارے میں بھی حکم ہے۔ اسی طرح حیوان کا معاملہ ہے کیونکہ حکم کامل حجت ہے۔ اقرار کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اقرار بچے کو شامل نہیں کیونکہ اقرار ناقص حجت ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے اگر بچہ مدعی علیہ کے قبضہ میں ہو۔ اگر وہ کسی اور کی ملک میں ہو کیا وہ حکم میں داخل ہوگا؟ مشائخ نے حکم میں اختلاف کیا ہے۔''نور العین''۔ یہ سابق کے آخر میں ذکر کیا ہے اس میں مصنف کے کلام کا مفہوم مخالف ہے۔

جو آدمی ممنوع طریقہ سے نشہ کی حالت میں ہو اس کا اقرار صحیح ہوگا

28094۔(قولہ: أَقَرَّ حُرٌّ مُكَلَّفٌ) یہ جان لو مکلف ہونے اور خوشی خوشی اقرار کی شرط مطلق ہو اور دیت کی شرط فی الحال نفاذ کی ہے یہ شرط مطلقاً نہیں۔ غلام کا ایسا اقرار فی الحال نفاذ کے لیے صحیح ہوگا جس میں اس پر کوئی تہمت نہ ہو جیسے حدود اور قصاص۔ اور جس میں اس پر تہمت ہو اسے اس کی آزادی تک مؤخر کر دیا جائے گا جس طرح وہ یہ اقرار کرتا ہے کہ اس نے کوئی جنایت کی ہے اور کسی موطوءہ کا مہر اس کے ذمہ لازم ہے جب کہ اس نے اجازت نہ لی تھی۔ ماذون بچہ ان معاملات میں غلام کی طرح ہوگا جو تجارت سے متعلق ہیں اور جو تجارت سے متعلق نہیں ان میں وہ غلام کی طرح نہیں ہوگا جس طرح کفالت ہے۔ جو آدمی نشے کی حالت میں ہے جب کہ اس کا نشہ ممنوع طریقہ سے ہو تو اس کا اقرار صحیح ہوگا مگر حد زنا اور حد شرب وغیرہ جن میں رجوع قبول نہیں ہوتا ان میں صحیح نہیں ہوتا۔ اگر مباح طریقہ سے اسے نشہ آ گیا ہو اور وہ اقرار کرے تو اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا۔ ''منح''۔''عزمیہ'' کو دیکھیے۔

28095۔(قولہ: إِنْ أَقَرُّوا بِتِجَارَةٍ) اس شرط کا جواب مصنف کا آنے والا قول صح ہے۔ یعنی ان کا یہ اقرار فی الوقت کے لیے صحیح ہوگا۔''شمنی'' نے یہ اضافہ کیا ہے مگر جو اقرار تجارت کی ضروریات سے متعلق ہو جیسے دین، ودیعت، عاریہ، مضاربہ اور غصب نہ کہ وہ اقرار جو ان سے متعلق نہ ہو جیسے مہر، جنایت، کفالہ۔ کیونکہ یہ چیزیں تجارت کے متعلق نہیں ان کی اجازت ہونا ضروری ہے اس کے بغیر اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا۔ فتامل

28096۔(قولہ: قَوَدٍ) قصاص اور وہ امور جن میں تہمت نہیں ہوتی تو وہ اقرار فی الحال صحیح ہوگا۔

وَإِلَّا فَبَعْدَ عِتْقِهِ، وَنَائِمٌ وَمُغْمًى عَلَيْهِ كَمَجْنُونٍ وَسَيَجِيءُ السَّكْرَانُ وَمَرَّ الْمُكْرَهُ (بِحَقٍّ مَعْلُومٍ أَوْ مَجْهُولٍ) صَحَّ لِأَنَّ جَهَالَةَ الْمُقَرِّ بِهِ لَا تَضُرُّ إِلَّا إِذَا بَيَّنَ سَبَبًا تَضُرُّهُ الْجَهَالَةُ كَبَيْعٍ وَإِجَارَةٍ وَأَمَّا جَهَالَةُ الْمُقِرِّ فَتَضُرُّ كَقَوْلِهِ لَكَ عَلَى أَحَدِنَا أَلْفُ دِرْهَمٍ لِجَهَالَةِ الْمَقْضِيِّ عَلَيْهِ إِلَّا إِذَا جَمَعَ بَيْنَ نَفْسِهِ وَعَبْدِهِ فَيَصِحُّ وَكَذَا تَضُرُّ جَهَالَةُ الْمُقَرِّ لَهُ إِنْ فَحُشَتْ كَلِوَاحِدٍ مِنَ النَّاسِ عَلَيَّ كَذَا وَإِلَّا لَا كَلِأَحَدِ هٰذَيْنِ عَلَيَّ كَذَا فَيَصِحُّ

اگر مجور غلام کسی اور چیز کا اقرار کرے تو آزادی کے بعد نافذ ہوگا سویا ہوا اور جس پر غشی چھائی ہوئی ہو وہ مجنوں کی طرح ہے جو آدمی نشے میں ہے اس کا ذکر عنقریب آئے گا اور جس پر جبر کیا گیا تھا اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ وہ اقرار کرنے والا معلوم یا مجہول حق کا اقرار کرے تو صحیح ہوگا۔ کیونکہ جس شے کا اقرار کیا گیا ہے اس کی جہالت نقصان نہیں دیتی مگر جب وہ اس سبب کو بیان کرے جسے جہالت نقصان پہنچاتی ہو جیسے بیع اور اجارہ۔ مگر اقرار کرنے والے کی جہالت نقصان دیتی ہے جس طرح اس کا قول۔ تیرا ہم میں سے ایک پر ہزار درہم ہے۔ یہ جہالت اس لیے نقصان دیتی ہے کیونکہ جس کے خلاف فیصلہ کیا جاتا ہے وہ مجہول ہے مگر جب وہ اپنی ذات اور اپنے غلام کو اس میں جمع کرے تو یہ اقرار صحیح ہوگا۔ اسی طرح جس کے لیے اقرار کیا ہو اس کا مجہول ہونا نقصان دیتا ہے اگر جہالت فاحش ہو جس طرح وہ یہ کہے: لوگوں میں سے ایک کے لیے مجھ پر اتنا ہے۔ اگر جہالت فاحش نہ ہو تو پھر نقصان نہیں دیتی۔ جس طرح اس کا یہ کہنا: ان دونوں میں سے ایک کا مجھ پر اتنا لازم ہے تو یہ اقرار صحیح ہوگا۔

فائدہ: یہاں تہمت کا مطلب ہے کہ مالک کی جانب سے اس پر تہمت لگائی جائے کہ غلام اس امر کا اقرار کر کے مجھے نقصان پہنچانا چاہتا ہے اور فی الحال کا مطلب ہے اسی وقت اس سے اس اقرار کے نتیجہ میں مواخذہ ہوگا۔ ''مترجم''۔

28097۔(قولہ: وَإِلَّا) اس کی صورت یہ ہے کہ اس میں اس غلام پر مالک کی جانب سے تہمت لازم آتی ہو۔

28098۔(قولہ: تَضُرُّهُ الْجَهَالَةُ) کیونکہ جس نے یہ اقرار کیا کہ اس نے فلاں کے ہاتھ کوئی شے بیچی ہے یا فلاں سے کوئی شے کسی شے کے بدلے میں خریدی ہے یا اس نے فلاں کو کوئی شے اجرت پر دی ہے تو اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا اور فقیر کو وہ شے اس کے سپرد کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ ''درر''، ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28099۔(قولہ: بَيْنَ نَفْسِهِ وَعَبْدِهِ) ''مقدسی'' نے کہا: یہ معاملہ معلوم کے حکم میں ہے۔ کیونکہ اس کے غلام پر جو چیز لازم ہوتی ہے وہ معنوی طور پر مالک کی طرف ہی لوٹتی ہے لیکن یہ امر اس میں ظاہر ہوتا ہے جو فی الحال اس پر لازم ہو مگر جو چیز اس غلام کی آزادی کے بعد لازم ہو تو وہ غلام اجنبی کی طرح ہے جب وہ اسے اپنی ذات کے ساتھ اقرار میں جمع کرے گا تو وہ اقرار اس کے اس قول کی طرح ہو جائے گا: تیرا مجھ پر یا زید پر اتنا لازم ہے تو یہ اقرار مجہول ہے یہ اقرار صحیح نہ ہوگا۔ ''حموی'' نے اسے ''الاشباہ'' پر ذکر کیا ہے۔ فتامل

28100۔(قولہ: عَلَيَّ كَذَا) علی کی یا مشدد ہے۔

وَلَا يُجْبَرُ عَلَى الْبَيَانِ لِجَهَالَةِ الْمُدَّعِي بَحْرٌ
مدعی کی جہالت کی وجہ سے مقر کو بیان پر مجبور نہیں کیا جائے گا،''بحر''۔

مدعی کی جہالت کی وجہ سے مقر کو بیان پر مجبور نہیں کیا جائے گا

28101۔(قولہ: وَلَا يُجْبَرُ عَلَى الْبَيَانِ)''زیلعی'' نے یہ اضافہ کیا ہے: اسے یاد کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ مقر بعض اوقات حقدار کو بھول جاتا ہے۔''غایۃ البیان'' میں یہ زائد ذکر کیا ہے: جب وہ دعویٰ کرے دونوں میں سے ہر ایک سے قسم لی جائے گی۔''تاتر خانیہ'' میں ہے: یہ ذکر نہیں کیا کہ دونوں سے علیحدہ قسم کا مطالبہ کرے گا۔ بعض علما نے کہا: ہاں۔ قاضی جس سے چاہے گا قسم لینے کا آغاز کرے گا یا وہ قرعہ اندازی کرے گا جب وہ ایک کے لیے قسم اٹھائے تو قسم تین حالتوں سے خالی نہ ہوگی (۱) اگر وہ دونوں میں سے صرف ایک کے لیے قسم اٹھائے گا تو وہ صرف دوسرے کے لیے غلام کا فیصلہ کر دے گا (۲) اگر دونوں کے لیے قسم سے انکار کر دے تو وہ اس غلام اور بچے کی قیمت کی دونوں کے درمیان نصف نصف کا فیصلہ کر دے گا خواہ اس نے ہر ایک کے لیے ایک ہی دفعہ قسم اٹھانے سے انکار کر دیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ قاضی نے اس سے دونوں سے ایک ہی قسم لی یا یکے بعد دیگرے قسم لی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ہر ایک کے لیے اس سے علیحدہ قسم لی (۳) اگر اس نے قسم اٹھا دی تو ہر ایک کے دعویٰ سے وہ بری ہو جائے گا۔

اگر وہ ارادہ کرے کہ وہ اس سے صلح کر لیں اور اس سے غلام لے لیا جائے امام''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے قول کے مطابق ان دونوں کو یہ اختیار ہوگا۔ یہی امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جس طرح قسم سے پہلے انہیں مصالحت کا اختیار تھا۔ پھر امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول سے رجوع کر لیا اور فرمایا: قسم کے بعد دونوں کی مصالحت جائز نہیں۔ علماء نے فرمایا: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں کوئی روایت نہیں۔

عام کا اقرار صحیح ہے

فرع: اقرار عام کا ذکر نہیں کیا۔''المنح'' میں اس کا ذکر کیا ہے عام کا اقرار صحیح ہوتا ہے جس طرح وہ کہے: میرے قبضہ میں جو قلیل، کثیر، غلام، سامان، جو میرے متعلق معروف ہے وہ سب کچھ دیا جو کچھ فلاں کی طرف منسوب ہے (سب فلاں کے لیے ہے) جب مقر اور مقر لہ میں کسی معین شے کے بارے میں اختلاف ہو جائے کہ وہ شے اقرار کے وقت موجود تھی یا موجود نہ تھی تو اس بارے میں مقر کا قول معتبر ہوگا مگر جب مقر لہ گواہیاں قائم کر دے کہ اقرار کے وقت یہ چیز مقر کی ملکیت تھی۔

یہ جان لو کہ اقرار کے صحیح ہونے کے لیے قبول شرط نہیں مگر اقرار مقر لہ کے رد کرنے سے رد ہو جاتا ہے۔''الخلاصہ'' اور دوسری معتبر کتب میں اس کی تصریح موجود ہے۔ مصنف نے''عمادی'' اور''قاضی خان'' کے اس قول پر بنا کرتے ہوئے اشکال بیان کیا ہے قول: غائب کے لیے اقرار کیا جائے تو وہ تصدیق پر موقوف ہوتا ہے پھر اس کا جواب دیا اور جواب میں بحث کی۔''رملی''۔

وَنَقَلَهُ فِي الدُّرَرِ لَكِنْ بِاخْتِصَارٍ مُخِلٍّ كَمَا بَيَّنَهُ عَزْمِي زَادَهْ (وَلَزِمَهُ بَيَانُ مَا جُهِلَ) كَشَيْءٍ وَحَقٍّ (بِذِي قِيمَةٍ) كَفَلْسٍ وَجَوْزَةٍ لَا بِمَا لَا قِيمَةَ لَهُ كَحَبَّةِ حِنْطَةٍ وَجِلْدِ مَيْتَةٍ وَصَبِيٍّ حُرٍّ لِأَنَّهُ رُجُوعٌ فَلَا يَصِحُّ (وَالْقَوْلُ لِلْمُقِرِّ مَعَ حَلِفِهِ) لِأَنَّهُ الْمُنْكِرُ (إنْ ادَّعَى الْمُقَرُّ لَهُ أَكْثَرَ مِنْهُ) وَلَا بَيِّنَةَ (وَلَا يُصَدَّقُ فِي أَقَلَّ مِنْ دِرْهَمٍ فِي عَلَيَّ مَالٌ وَمِنْ النِّصَابِ) أَيْ نِصَابِ الزَّكَاةِ فِي الْأَصَحِّ اخْتِيَارٌ

''الدرر'' میں اسے نقل کیا ہے لیکن ایسے اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے جو اس میں مخل ہے جس طرح عزمی زادہ نے بیان کیا ہے۔ مجہول چیز کا اقرار کیا تو اس کی وضاحت مقر پر لازم ہوگی۔ جیسے مقر نے کہا تھا: کوئی شے یا حق پر مجھ پر لازم ہے جیسے فلس اور اخروٹ، وہ وضاحت ایسی چیز کے ساتھ کرے جس کی کوئی قیمت نہ ہو جیسے گندم کا دانہ، مردار کی جلد اور آزاد کا بچہ۔ کیونکہ یہ وضاحت تو اقرار سے رجوع ہے پس یہ اقرار صحیح نہ ہوگا۔ اور قسم کے ساتھ قول مقر کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ مقر ہی انکار کرنے والا ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب مقرلہ اس سے زیادہ کا دعویٰ کرے اور اس کے پاس گواہ نہ ہوں۔ جب اس نے یہ کہا تھا کہ مجھ پر مال لازم ہے تو درہم سے کم میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اور سونے چاندی میں سے مال عظیم اقرار کرنے کی صورت میں نصاب سے کم میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اصح قول کے مطابق وہ زکوٰۃ کا نصاب ہو''اختیار''۔

پھر اشکال کا جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے: لزوم، صحت کا غیر ہے اور عقد کے صحیح ہونے کے باوجود عمل کے توقف سے کوئی مانع نہیں جس طرح فضولی کی بیع ہے جس میں توقف ہے وہ اس کا لزوم ہے اس کی صحت نہیں۔ غائب کے لیے اقرار یہ اسے لازم نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کے غیر کے لیے اقرار صحیح ہوتا ہے جس طرح مقرلہ کی جانب سے اقرار لازم نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس کا رد کرنا صحیح ہوتا ہے۔ جہاں تک حاضر کے لیے اقرار کا تعلق ہے تو اس کا رد کرنا صحیح ہے۔ جہاں تک صحت کا تعلق ہے تو قبول کیے بغیر جانبین میں اس میں کوئی شبہ نہیں۔

28102۔(قولہ: عَزْمِي زَادَهْ) اس کا اصل یہ ہے۔ صاحب''الدرر'' نے جس جبر کا ذکر کیا ہے وہ اس صورت میں ہے جب مقر بہ میں جہالت ہو نہ کہ جب مقرلہ میں جہالت ہو۔ کیونکہ''کافی'' کا قول ہے کیونکہ یہ مجہول کے لیے اقرار ہے جب کہ یہ فائدہ مند نہیں۔ بیان پر مجبور کرنے کا فائدہ یہ صاحب حق کے لیے ہوتا ہے جب کہ صاحب حق مجہول ہے۔

28103۔(قولہ: كَشَيْءٍ وَحَقٍّ) اگر اس نے یہ وضاحت کی کہ میں نے حق سے مراد حق اسلام لیا ہے تو یہ صحیح نہ ہوگی اگر اس نے وضاحت پہلی کلام سے الگ کلام میں کی تھی۔ اگر اس نے یہ وضاحت پہلی کلام سے متصل کلام میں کی تھی تو پھر یہ صحیح ہوگی۔''تاتر خانیہ''،''کفایہ''۔

28104۔(قولہ: فِي عَلَيَّ مَالٌ) علی کی یا مشدد ہے۔

28105۔(قولہ: وَمِنْ النِّصَابِ) اس قول کا عطف قول من درهم پر ہے اور اس طرح کی صورت ہے جو اس کے بعد معطوفات ہیں۔

وَقِيلَ إِنْ كَانَ الْمُقِرُّ فَقِيرًا فَنِصَابُ السَّرِقَةِ وَصُحِّحَ (فِي مَالٌ عَظِيمٌ) لَوْ بَيَّنَهُ (مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَمِنْ خَمْسٍ وَعِشْرِينَ مِنَ الْإِبِلِ) لِأَنَّهَا أَدْنَى نِصَابٍ يُؤْخَذُ مِنْ جِنْسِهِ (وَمِنْ قَدْرِ النِّصَابِ قِيمَةً فِي غَيْرِ مَالِ الزَّكَاةِ مِنْ ثَلَاثَةِ نُصُبٍ فِي أَمْوَالٍ عِظَامٍ) وَلَوْ فَسَّرَهُ بِغَيْرِ مَالِ الزَّكَاةِ أُعْتُبِرَ قِيمَتُهَا كَمَا مَرَّ

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر مقر فقیر ہو تو سرقہ کا نصاب ہو۔ اور اس قول کی تصحیح کی گئی ہے اور اونٹوں میں سے جو ذکر کیا تھا تو پچیس سے کم اونٹوں میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی کیونکہ یہ کم سے کم نصاب ہے جس کی جنس سے زکوٰۃ لی جاتی ہے اور جب مال عظیم کی وضاحت میں ایسی چیز کا ذکر کیا جس میں زکوٰۃ کا نصاب معین نہیں تو نصاب کے برابر قیمت سے کم میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اور جب اس نے اقرار میں عظیم اموال کا ذکر کیا تھا تو تین نصابوں سے کم میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اگر اس نے عظیم اموال کی وضاحت ایسی چیز سے کی جس سے نصاب مقرر نہیں تو ان نصابوں کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا جس طرح یہ گزر چکا ہے۔

28106۔(قولہ: وَقِيلَ إِنْ كَانَ الْمُقِرُّ الخ) ''زیلعی'' نے کہا: اصح قول یہ ہے کہ اس کا قول فقر و غنا میں مقر کی حالت پر مبنی ہوگا۔ کیونکہ فقیر کے نزدیک قلیل بھی عظیم ہے اور غنی کے نزدیک اس کا کئی گنا بھی عظیم نہیں۔ شرح میں یہ متعارض ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ میں دو سو درہم عظیم ہیں۔ سرقہ اور مہر میں دس درہم عظیم ہیں پس یہ مقر کی حالت کی طرف راجع ہوگی۔ ''النہایہ'' اور حواشی ''الہدایہ'' میں اسے ''مبسوط'' کی طرف منسوب کرتے ہوئے ذکر کیا ہے، ''شرنبلالیہ''۔ ''حاشیہ'' میں ''زیلعی'' سے یہ ذکر کیا ہے: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے جو روایت کی گئی ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے چاہیے کہ فقر کی حالت کا اعتبار کیا جائے۔ ''شرنبلالیہ''۔

28107۔(قولہ: فِي مَالٌ عَظِيمٌ) مال اور عظیم دونوں مرفوع ہیں۔

28108۔(قولہ: لَوْ بَيَّنَهُ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: مال عظیم من الذہب یا کہے: مال عظیم من الفضۃ، یعنی سونے میں سے عظیم مال، چاندی میں سے عظیم مال۔

28109۔(قولہ: وَمِنْ خَمْسٍ وَعِشْرِينَ) یعنی اگر اس نے یہ کہا تھا: مال عظیم من الابل اونٹوں میں سے عظیم مال تو پچیس سے کم اونٹوں میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔

28110۔(قولہ: وَمِنْ قَدْرِ النِّصَابِ قِيمَةً) قیمۃ کا لفظ منصوب ہے۔

28111۔(قولہ: مِنْ ثَلَاثَةِ نُصُبٍ) وہ جس جنس سے بھی اس کا ذکر کرے۔ تین اس لیے ضروری ہیں تاکہ ادنیٰ جمع کو ثابت کیا جائے یہاں تک کہ اگر اس نے من الدراہم دراہم میں سے جو ذکر کیا تھا تو وہ چھ سو دراہم ہوں گے ان سے کم میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ یہی حکم ہوگا وہ جس جنس کا ارادہ کرے یہاں تک کہ اگر وہ ''اونٹوں میں سے'' کا قول کرے تو اس پر پچھتر اونٹ لازم ہوں گے۔ ''کفایہ''۔

28112۔(قولہ: أُعْتُبِرَ قِيمَتُهَا) اس میں سے ادنیٰ کا اعتبار کیا جائے گا کیونکہ اس کا یقین ہے، ''زیلعی''۔ یعنی قیمت

(وَفِي دَرَاهِمَ ثَلَاثَةٍ وَ) فِي (دَرَاهِمَ) أَوْ دَنَانِيرَ أَوْ ثِيَابٍ (كَثِيرَةٍ عَشَرَةٌ) لِأَنَّهَا نِهَايَةُ اسْمِ الْجَمْعِ (وَكَذَا دِرْهَمًا دِرْهَمٌ) عَلَى الْمُعْتَمَدِ وَلَوْ خَفَضَهُ لَزِمَهُ مِائَةٌ وَفِي دُرَيْهِمٍ أَوْ دِرْهَمٍ عَظِيمٍ دِرْهَمٌ وَالْمُعْتَبَرُ الْوَزْنُ الْمُعْتَادُ إِلَّا بِحُجَّةٍ زَيْلَعِيٌّ (وَكَذَا كَذَا) دِرْهَمًا (أَحَدَ عَشَرَ وَكَذَا وَكَذَا أَحَدٌ وَعِشْرُونَ) لِأَنَّ نَظِيرَهُ بِالْوَاوِ أَحَدٌ وَعِشْرُونَ

اور اگر اس نے اپنے اقرار میں دراہم (جمع کا صیغہ) ذکر کیا تو تین دراہم سے کم میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی یعنی اس پر تین دراہم لازم ہو جائیں گے۔ اور اگر دراہم، دنانیر اور ثیاب کی صفت کثیرہ لگاتے ہوئے اقرار کرتا ہے تو ان میں سے دس لازم ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہ اسم جمع کی انتہا ہے۔ اسی طرح اگر اس نے اقرار میں درہم کا لفظ ذکر کیا تو ایک درہم لازم ہوگا اگر درہم کے لفظ کے نیچے جر پڑھتا ہے تو اس پر سو درہم لازم ہو جائیں گے اگر اس نے اقرار میں درہم کا اسم مصغر یا ''درہم عظیم'' کا قول کرتا ہے تو ایک درہم لازم ہوگا۔ معتبر وہ وزن ہوگا جو معتاد و مروج ہے مگر جب درہم کے وزن پر حجت قائم کر دے تو پھر وہ معتبر ہوگا، ''زیلعی''۔ اگر اس نے اقرار میں اتنے اتنے درہم کا قول کیا تو گیارہ درہم لازم ہو جائیں گے اگر اس نے اتنے اور اتنے کا قول کیا تو اکیس لازم ہو جائیں گے۔ کیونکہ عدد میں واؤ کے ساتھ مثال اکیس درہم ہوتے ہیں۔

کے اعتبار سے سب سے ادنیٰ نصاب۔ ''ابوالسعود''۔

28113۔ (قولہ: اسْمِ الْجَمْعِ) یعنی یہ کہا جاتا ہے عشرۃ دراھم (دس درہم) پھر یہاں کہا جاتا ہے: احد عشر گیارہ۔ پس لفظ کے اعتبار سے یہی (عشرہ) اکثر ہے جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔ ''س''۔

28114۔ (قولہ: وَكَذَا) اگر اس نے کہا: اس کے مجھ پر کذا درھما اتنے درہم ہیں تو ایک درہم لازم ہوگا۔

28115۔ (قولہ: عَلَى الْمُعْتَمَدِ) یہ قابل اعتماد اس وجہ سے ہے کیونکہ متون میں جو کچھ ہوتا ہے وہ فتاویٰ پر مقدم ہوتا ہے، ''شرنبلالیہ''۔ ''تتمہ'' اور ''ذخیرہ'' میں ہے: دو درہم۔ کیونکہ کذا (اتنے) کا لفظ عدد سے کنایہ ہے کیونکہ اقل عدد دو ہے کیونکہ ایک کو تو نہیں گنا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے ساتھ کوئی اور چیز ہو۔ ''شرح المختار'' میں ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے اس پر بیس لازم ہو جائیں گے یہی قیاس ہے۔ کیونکہ غیر مرکب اقل عدد جس کے بعد دراہم کو منسوب ذکر کیا جاتا ہے وہ بیس ہیں۔ ''فتح''۔

28116۔ (قولہ: وَكَذَا كَذَا دِرْهَمًا) درہم کو مذکر ذکر کرے تو دس درہم اور جر کے ساتھ ذکر کرے تو تین سو درہم۔ کذا کذا درھما (اتنے اتنے درہم) کذا کذا دینارا اتنے اتنے دینار۔ اس پر ہر ایک سے گیارہ لازم ہوں گے اگر اس نے کہا: کذا کذا دینارا و درھما تو دونوں سے کل گیارہ لازم ہوں گے تو تقسیم یوں کی جائے گی چھ درہم اور پانچ دینار یہ بطور احتیاط ہوگا۔ اس کے برعکس نہیں ہوگا۔ کیونکہ دراہم کی مالیت کم ہوتی ہے۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے ہر ایک سے پانچ اور نصف، لیکن لفظ میں کوئی ایسی چیز نہیں جو کسر پر دلالت کرے۔ ''غایۃ البیان''، ملخص۔

28117۔ (قولہ: وَلَوْ ثَلَّثَ) اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے کہا کذا کذا کذا درھما، اتنے اتنے اتنے درہم۔

(وَلَوْ ثَلَّثَ بِلَا وَاوٍ فَأَحَدَ عَشَرَ) إِذْ لَا نَظِيرَ لَهُ فَحُمِلَ عَلَى التَّكْرَارِ (وَمَعَهَا فَمِائَةٌ وَأَحَدٌ وَعِشْرُونَ وَإِنْ رَبَّعَ مَعَ الْوَاوِ (زِيدَ أَلْفٌ) وَلَوْ خَمَّسَ زِيدَ عَشَرَةُ آلَافٍ وَلَوْ سَدَّسَ زِيدَ مِائَةُ أَلْفٍ

اگر واؤ کے بغیر (یعنی عطف کے بغیر) اتنے اتنے اتنے کا اقرار کیا تو گیارہ درہم لازم ہوں گے کیونکہ عدد میں اس کی کوئی مثل نہیں پس اسے تکرار پر محمول کیا جائے گا۔ اور حرف عطف کے ساتھ اتنے اور اتنے اور اتنے کہا تو ایک سو اکیس درہم لازم ہوں گے۔ اگر حرف عطف کے ساتھ چار دفعہ یہ لفظ استعمال کیا تو ہزار کا اضافہ کر دیا جائے گا۔ اگر پانچ دفعہ اسی طرح کہا تو دس ہزار کا اضافہ کر دیا جائے گا۔ اگر چھ دفعہ یہ لفظ اسی طرح کہا تو ایک لاکھ درہم کا اضافہ کر دیا جائے گا۔

28118۔(قولہ: إِذْ لَا نَظِيرَ لَهُ) کیونکہ اس کی کوئی نظیر نہیں۔ اور جو یہ قول کیا گیا ہے کہ اس کی مثل یہ ہے: مائۃ الف الف تو یہ ایسا سہو ہے جو ظاہر ہے۔ کیونکہ کلام اس صورت میں ہو رہی ہے جب درہم کا لفظ منصوب ہو اور الف لفظ کی تمیز مجرور ہوتی ہے۔ اس میں غور کیا جانا چاہیے کہ کیا جب وہ اس کو جر دے تو یہ اس پر لازم ہو جائے گا؟ ان کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ لازم نہیں ہوگا۔

28119۔(قولہ: وَلَوْ خَمَّسَ زِيدَ الخ) اس صورت میں ہزار کو دس ہزار کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔

28120۔(قولہ: عَشَرَةُ آلَافٍ) ''عینی'' نے اسے ہی ینبغی کے لفظ کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن وہ واضح غلط ہے۔ کیونکہ عشرۃ آلاف (دس ہزار) واؤ کے بغیر الف (ہزار) کے ساتھ ترکیب پاتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے: احد عشر الفا (گیارہ ہزار) وہ واؤ جس کا اس کے ساتھ اعتبار کیا جا رہا تھا جہاں تک ممکن ہو اس کو گرایا جائے گا یہاں یہ ممکن ہے۔ پس یوں قول کیا جاتا ہے: احد و عشرون الفا و مائۃ احد و عشرون درھما، اکیس ہزار اور ایک لاکھ اکیس ہزار۔ ہاں ان کا قول ولو سدس یہ درست ہے۔ ''سائحانی'' نے کہا: اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: مائۃ الف واحد و عشرون الفا و احد و عشرون درھما ایک لاکھ اکیس ہزار اکیس درہم۔ اسی طرح اگر سات دفعہ وہ اسی طرح کہے تو اس سے قبل ہزار کا اضافہ کرے اور انہوں نے جو ذکر کیا ہے وہ ان کے بعض علماء کے قول سے احسن ہے۔

28121۔(قولہ: زِيدَ عَشَرَةُ آلَافٍ) اس میں یہ ہے: ہزار کو دس ہزار کے ساتھ ملا دیا جائے گا تو یوں کہا جائے گا: احد عشر، گیارہ۔ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایک لاکھ دس ہزار لازم ہو۔ الخ کیونکہ اکیس ہزار، ایک لاکھ سے کم ہے۔ اقل کا اعتبار کرنا ممکن ہے پس اکثر واجب نہ ہوگا۔ وہ مسائل جو اس کے بعد ہیں سب میں بھی خلل لازم آئے گا۔ تو یہ کہا جاتا ہے اگر اسے پانچ دفعہ کہا جائے تو ایک لاکھ کا اضافہ کیا جائے گا۔ اگر چھ دفعہ وہ یہ لفظ اسی طرح کہے تو دس لاکھ کا اضافہ کیا جائے گا اور یہ امر اسی طرح ہوگا جو قول گزر چکا ہے یہ اس کے خلاف ہے پس اس میں تدبیر کیجئے۔

28122۔(قولہ: زِيدَ مِائَةُ أَلْفٍ) تو یوں کہا جائے گا: مائۃ الف واحد و عشرون الفا و مائۃ و احد و عشرون۔ ایک لاکھ، اکیس ہزار ایک سو اکیس۔

وَلَوْ سَبَّعَ زِيدَ أَلْفُ أَلْفٍ وَهٰكَذَا يُعْتَبَرُ نَظِيرُهُ أَبَدًا (وَلَوْ قَالَ لَهُ (عَلَيَّ أَوْ لَهُ (قِبَلِي) فَهُوَ (إِقْرَارٌ بِدَيْنٍ) لِأَنَّ عَلَيَّ لِلْإِيجَابِ وَقِبَلِي لِلضَّمَانِ غَالِبًا (وَصُدِّقَ إِنْ وَصَلَ بِهِ هُوَ وَدِيعَةٌ) لِأَنَّهُ يَحْتَمِلُهُ مَجَازًا (وَإِنْ فَصَلَ لَا) يُصَدَّقُ لِتَقَرُّرِهِ بِالسُّكُوتِ (عِنْدِي أَوْ مَعِي أَوْ فِي بَيْتِي أَوْ) فِي (كِيسِي أَوْ) فِي (صُنْدُوقِي) إِقْرَارًا بِالْأَمَانَةِ عَمَلًا بِالْعُرْفِ (جَمِيعُ مَالِي أَوْ مَا أَمْلِكُهُ لَهُ) أَوْ لَهُ مِنْ مَالِي أَوْ مِنْ دَرَاهِمِي كَذَا فَهُوَ (هِبَةٌ لَا إِقْرَارٌ) وَلَوْ عَبَّرَ بِفِي مَالِي أَوْ بِفِي دَرَاهِمِي كَانَ إِقْرَارًا بِالشَّرِكَةِ (فَلَا بُدَّ) لِصِحَّةِ الْهِبَةِ

اگر سات دفعہ یہ لفظ اسی طرح کہا تو دس لاکھ کا اضافہ کر دیا جائے گا۔ ہمیشہ اسی طرح قیاس کیا جائے گا۔ اگر اس نے کہا: اس کا مجھ پر یا اس کا میرے ذمہ (اتنا مال ہے) تو یہ دین کا اقرار ہوگا۔ کیونکہ علی (مجھ پر) یہ واجب کرنے کے لیے آتا ہے اور قبلی (میرے ذمہ) یہ عموماً ضمانت کے لیے آتا ہے۔ اگر اس نے متصل ہی ہو ودیعة (وہ امانت ہے) کے الفاظ کہہ دیے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ یہ مجازاً اس کا احتمال رکھتا ہے۔ اگر وہ اس کا ذکر الگ طور پر کرے تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ کیونکہ جب اس نے خاموشی اختیار کی تھی تو وہ چیز اس پر ثابت ہو چکی تھی۔ اگر وہ عندی (میرے پاس) معی (میرے پاس) میرے گھر میں، میرے تھیلہ میں اور میرے صندوق کے الفاظ استعمال کرتا ہے تو امانت کا اقرار ہوگا یہ عرف پر عمل کرنے کی وجہ سے ہے۔ اگر وہ کہے: میرا تمام مال جس کا میں مالک ہوں وہ سب اس کا ہے، میرے مال یا میرے دراہم میں سے اتنے اس کے ہیں تو یہ ہبہ ہوگا اقرار نہیں ہوگا۔ اگر اس نے یوں تعبیر کیا میرے مال میں یا میرے دراہم میں تو یہ شرکت کا اقرار ہوگا۔ ہبہ کے صحیح ہونے کے لیے سپرد کرنا ضروری ہے۔

28123۔(قولہ: أَوْ قِبَلِي) بعض نسخوں میں وقبلی کے الفاظ ہیں یعنی او کی جگہ و ہے۔

28124۔(قولہ: عِنْدِي أَوْ مَعِي) گویا ان کے عرف میں یہ اسی طرح ہے جہاں تک آج کل عندی اور معی کے بارے میں جو عرف ہے وہ دین کے لیے۔ لیکن انہوں نے ایک دوسری علت ذکر کی ہے جو اس امر کا فائدہ دیتی ہے کہ ہمارا عرف معتبر نہیں۔ ''سائحانی'' نے ''مقدسی'' سے نقل کرتے ہوئے کہا: کیونکہ یہ مواقع عین کا محل ہیں دین کا محل نہیں۔ کیونکہ اس کا محل ذمہ ہے اور عین یہ احتمال رکھتا ہے کہ مضمون ہو اور وہ امانت ہو اور امانت کا درجہ ادنیٰ ہے اس لیے اس پر اسے محمول کیا ہے اور عرف بھی اس کی شہادت دیتا ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے اگر کہے مجھ پر سو دین کی ودیعت یا ودیعت کا دین ہے۔ اس صورت میں امانت ثابت نہیں ہوتی جب کہ امانت، ودیعت اور دین سے درجہ میں کم ہے۔

اس کا جواب یہ دیا جائے گا: جب ان دونوں لفظوں میں سے ایک امانت کے لیے اور دوسرا دین کے لیے ہے جب دونوں اقرار میں جمع ہو گئے تو دین راجح ہو جائے گا۔ اس لفظ واحد کا معاملہ مختلف ہوگا جو دو معنوں کا احتمال رکھتا ہو۔

28125۔(قولہ: بِالشَّرِكَةِ) ''مقدسی'' نے کہا: اگر وہ متمیز ہو تو وہ ودیعت ہوگی ورنہ شرکت ہوگی، ''سائحانی''۔ ان

(مِنَ التَّسْلِيمِ) بِخِلَافِ الْإِقْرَارِ وَالْأَصْلُ أَنَّهُ مَتَى أَضَافَ الْمُقَرَّ بِهِ إِلَى مِلْكِهِ كَانَ هِبَةً وَلَا يَرِدُ

اقرار کا معاملہ مختلف ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب مقر نے مقر بہ (جس چیز کا ذکر کیا) کی نسبت اپنی ملک کی طرف کی تو یہ ہبہ ہوگا اس پر یہ اعتراض نہیں ہوگا

پر لازم یہ تھا یہ کہتے: او بالودیعة۔

28126۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْإِقْرَارِ) اقرار کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اگر یہ اقرار ہوتا تو اسے تسلیم کی ضرورت نہ ہوتی۔

جب مقر نے مقر بہ کی نسبت اپنی ملک کی طرف کی تو یہ ہبہ ہوگا

28127۔ (قولہ: مَتَى أَضَافَ) چاہیے یہ کہ متی کو ما کے ساتھ مقید کیا جائے جب ما کا لفظ کلام میں نہ آئے اور فی کے لفظ کا معاملہ سابقہ کلام سے معلوم ہے۔

28128۔ (قولہ: الْمُقَرَّ بِهِ) مقر کا لفظ میم کے ضمہ، قاف کے فتحہ اور را کی تشدید کے ساتھ ہے۔

28129۔ (قولہ: كَانَ هِبَةً) کیونکہ اس اضافت کا نتیجہ اسے اس اقرار پر محمول کرنے کے منافی ہے جو اخبار ہے، انشا نہیں۔ پس اسے انشا بنایا جائے گا تو یہ ہبہ ہوگا۔ پس اس میں وہ چیزیں شرط ہوں گی جو ہبہ میں شرط ہوتی ہیں۔ ''منح''۔

جب اس نے کہا: گواہ بن جاؤ میں نے فلاں کے لیے ہزار کی وصیت کی ہے اور میں نے یہ وصیت کی ہے کہ فلاں کے لیے میرے مال میں سے ہزار ہے تو پہلے قول میں وصیت ہے اور دوسرے میں اقرار ہے۔ ''الاصل'' میں یہ ہے: جب اس نے اپنی وصیت میں کہا: میرے گھر کا چھٹا فلاں کے لیے ہے تو یہ وصیت ہوگی۔ اگر اس نے کہا: فلاں کا میرے گھر میں چھٹا حصہ ہے تو یہ اقرار ہوگا۔ کیونکہ پہلے قول میں اس نے دوسرے فرد کے لیے اپنے اس گھر کا چھٹا حصہ مقرر کیا ہے جو سب کا سب اس کی ذات کی طرف منسوب تھا اور وہ تملیک کے ارادہ سے تھا دوسرے قول میں اس نے اپنے گھر اس چھٹے حصہ کا ظرف بنایا ہے جو گھر فلاں کا تھا، اس کا گھر اس چھٹے حصہ کا ظرف ہوگا جب وہ چھٹا حصہ اس سے پہلے فلاں کا مملوک ہوگا پس یہ اقرار ہوگا۔ اگر وہ انشا ہو تو یہ ظرف نہیں ہوگا۔ کیونکہ سارے کا سارا گھر اسی کا ہے۔ پس بعض بعض کی طرف نہیں ہوگا۔ اس تعبیر کی بنا پر جب اس نے کہا: میرے مال میں سے ہزار اس کے لیے ہے تو یہ استحسانا وصیت ہوگی۔ جب وہ وصیت ذکر کر رہا ہو اگر وہ کہے: میرے مال میں تو وہ اقرار ہوگا۔ یہ کلام ''النہایہ'' کی کتاب الوصیہ کے آغاز سے لی گئی ہے۔

مصنف کا قول: فھو ھبة یعنی اگر وہ وصیت کا ذکر نہ کر رہا ہو تو وہ ہبہ ہوگا۔ اس ضابطہ میں اختلاف ہے جس طرح ''المنح'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔ متفرقات ہبہ میں ''بزازیہ'' وغیرہا سے اس کا ذکر آئے گا: وہ دین جو میرا فلاں پر ہے وہ فلاں کے لیے ہے وہ اقرار ہوگا۔ شارح نے وہاں اشکال کا ذکر کیا ہے ہم نے وہاں اس کی شرح کر دی ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

28130۔ (قولہ: وَلَا يَرِدُ) یعنی مذکورہ اصول و قاعدہ کے منطوق یعنی صریح کلام پر اعتراض وارد نہیں ہوگا۔ قولہ: ولا الارض، یعنی اس کے مفہوم پر اعتراض وارد نہیں ہوگا۔ وہ یہ ہے کہ جب وہ اضافت کا ذکر نہ کرے تو یہ اس کا اقرار ہوگا۔ قولہ:

مَا فِي بَيْتِي لِأَنَّهَا إِضَافَةُ نِسْبَةٍ لَا مِلْكٍ، وَلَا الْأَرْضُ الَّتِي حُدُودُهَا كَذَا لِطِفْلِي فُلَانٍ فَإِنَّهُ هِبَةٌ، وَإِنْ لَمْ يَقْبِضْهُ، لِأَنَّهُ فِي يَدِهِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مِمَّا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ، فَيُشْتَرَطُ قَبْضُهُ

کہ جب وہ کہے: جو میرے گھر میں ہے۔ کیونکہ نسبت کی اضافت ہے ملک کی اضافت نہیں اور نہ ہی اس زمین کی وجہ سے اعتراض ہوگا جس کی وہ حدود بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ میرے فلاں بچے کی ہے۔ کیونکہ یہ ہبہ ہے اگرچہ وہ بچہ اس پر قبضہ نہ کرے۔ کیونکہ وہ بچہ اسی باپ کے پاس ہے مگر وہ چیز ایسی ہو جو تقسیم کا احتمال رکھتی ہو تو جداگانہ قبضہ شرط ہوگا۔

للاضافة تقديرا، یہ ان کے قول ولا الارض کی علت ہے۔

28131۔(قولہ: مَا فِي بَيْتِي) جو کچھ میرے گھر میں ہے۔ اسی طرح اس قول ما فی منزلی ہے جو کچھ میری منزل میں ہے۔ اس قول میں چوپائے داخل ہوں گے۔ جن جانوروں کو وہ دن کے وقت باہر بھیج دیتا ہے اور رات کے وقت وہ جانور اس کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ اسی طرح غلاموں کا معاملہ ہے جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں ہے یعنی یہ اقرار ہوگا۔

28132۔(قولہ: لِأَنَّهَا إِضَافَةُ) یعنی اس نے ظرف کی نسبت کی ہے مظروف جو مقربہ ہے کی نسبت نہیں کی۔

28133۔(قولہ: وَلَا الْأَرْضُ) سابقہ قول پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں اضافت اس کی ملک کی طرف ہے۔ ہاں ''المنح'' میں ''الخانیہ'' سے اسے نقل کیا ہے کہ یہ تملیک ہے۔ پھر ''المنتقی'' سے اس کی مثل نقل کیا ہے کہ یہ اقرار ہے۔ پھر ''القنیہ'' سے وہ قول نقل کیا ہے جو اس امر کا فائدہ دیتا ہے۔ کیونکہ کہا: باپ کا اپنے چھوٹے بچے کے حق میں اپنے مال میں سے کسی معین شے کا اقرار یہ تملیک ہے اگر وہ اقرار میں اسے اپنی ذات کی طرف منسوب کرے۔ اگر وہ اسے مطلق ذکر کرے تو یہ اقرار ہوگا جس طرح وہ کہے: میرے گھر کا چھٹا حصہ اور اس گھر کا چھٹا حصہ۔ پھر اسی سے وہ قول نقل کیا جو اس کے مخالف ہے۔

پھر کہا: میں کہتا ہوں: ان فروع میں سے بعض اضافت اور عدم اضافت میں برابری کا تقاضا کرتی ہیں۔ پس یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ مسئلہ میں اختلاف ہے اور چھوٹے بچے کے مسئلہ میں ہبہ قبضہ کے بغیر صحیح ہوتا ہے۔ کیونکہ باپ کے قبضہ میں ہونا ہی قبضہ ہے پس اقرار اور تملیک میں کوئی فرق نہیں۔ اجنبی کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر چھوٹے بچے کے مسئلہ میں ایسی شے ہو جو تقسیم کو قبول کرنے کا احتمال رکھتی ہے تو اس کے حق میں بھی اقرار اور تملیک کا فرق ظاہر ہوگا کیونکہ وہ چیز جداگانہ قبضہ کی محتاج ہوتی ہے۔

پھر انہوں نے کہا: یہاں ایک ایسا مسئلہ ہے جو اکثر واقع ہوتا ہے وہ یہ ہے ''جب وہ کسی کے لیے اقرار کرے الخ''۔ شارح نے جسے مختصر انداز میں ذکر کیا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے: ان کے قول الارض التی حدودھا کذا لطفلی ''وہ زمین جس کی حدود یہ ہیں وہ میرے بچے کے لیے ہے'' مجھے نقل میں اختلاف ہے کیا یہ اقرار ہے یا ہبہ ہے؟ اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں مگر جب اس میں کوئی ایسی چیز ہو جو تقسیم کا احتمال رکھتی ہے پس قبضہ کے واجب ہونے اور واجب نہ ہونے میں اختلاف کا ثمرہ ظاہر ہوگا۔ شارح کی مراد اس امر کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ مصنف نے آخر میں جو ذکر کیا ہے وہ اس پر توقف کا فائدہ دیتا ہے کہ جس

مُفْرَزًا لِلْإِضَافَةِ تَقْدِيرًا بِدَلِيلِ قَوْلِ الْمُصَنِّفِ أَقَرَّ لِآخَرَ بِمُعَيَّنٍ وَلَمْ يُضِفْهُ لَكِنْ مِنَ الْمَعْلُومِ لِكَثِيرٍ مِنَ النَّاسِ أَنَّهُ مِلْكُهُ فَهَلْ يَكُونُ إِقْرَارًا أَوْ تَمْلِيكًا يَنْبَغِي الثَّانِي فَيُرَاعَى فِيهِ شَرَائِطُ التَّمْلِيكِ فَرَاجِعْهُ

کیونکہ تقدیراً اضافت پائی جارہی ہے۔ اس کی دلیل مصنف کا قول ہے: اس نے کسی دوسرے شخص کے لیے معین شے کا اقرار کیا اور اس چیز کی نسبت نہ کی لیکن لوگوں میں سے کثیر لوگ اس کو جانتے ہیں کہ وہ یہ چیز اس کی ملکیت ہے تو کیا یہ اقرار ہوگا یا تملیک ہوگا؟ چاہیے کہ یہ دوسری صورت ہو۔ پس اس میں تملیک کی جملہ شرائط کو ملحوظ خاطر رکھا جائے گا پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

نے یہ کہا ہے کہ یہ تملیک ہے اس کے قول کو اس پر محمول کیا جائے کہ جب وہ زمین لوگوں میں معروف ہو کہ یہ اس مقر کی ملکیت ہے تو اس میں اضافت تقدیراً ہوگی۔ اور جس نے یہ کہا کہ یہ اقرار ہے اس کے قول کو اس پر محمول کیا جائے کہ جب وہ لوگوں میں اس طرح معروف نہ ہو۔ اور ان کا قول ولا الارض یعنی زمین کا مسئلہ سابقہ قاعدہ پر بطور اعتراض وارد نہیں ہوتا پس وہ ہبہ ہے۔ یعنی اگر یہ معلوم ہو کہ یہ زمین اس مقر کی ہے کیونکہ یہاں تقدیراً اضافت پائی جارہی ہے لیکن زمین بچے کے حوالے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی جس طرح قاعدہ کا تقاضا ہے۔ کیونکہ وہ زمین اس کے قبضہ میں ہے۔ اس وقت اعتراض کا دور ہونا ظاہر ہو جاتا ہے۔ تامل

28134۔ (قولہ: مُفْرَزًا لِلْإِضَافَةِ) بعض نسخوں میں یہاں ان کے قول مفرزا اور ان کے قول للاضافة میں بیاض (خالی جگہ) ہے۔ بعض میں لفظ ہے۔ ہم نے قریب ہی بیان کیا ہے کہ ان کا قول للاضافة، یہ ان کے قول لا الارض کی علت ہے۔

28135۔ (قولہ: فَهَلْ يَكُونُ إِقْرَارًا) میں کہتا ہوں: ان کے کلام سے جو مفہوم ہے وہ یہ ہے کہ جب وہ مقربہ یا موہوب کی اضافت نفس (ذات) کی طرف کرے تو وہ ہبہ ہوگا ورنہ وہ ہبہ اور اقرار کا احتمال رکھے گا پس قرائن پر عمل کیا جائے گا۔ لیکن پہلے قول پر جو چیز اشکال کا باعث بنتی ہے وہ وہ قول ہے جو ''نجم الائمہ بخاری'' سے مروی ہے کہ یہ دونوں حالتوں میں اقرار ہے۔ بعض اوقات علما کی کلام میں یوں تطبیق دی جاتی ہے جب ملک ملک کے لیے ظاہر ہو تو وہ تملیک ہوگی اگر ایسا نہ ہو تو وہ اقرار ہوگا اگرچہ کوئی قرینہ پایا جائے۔ اور اگر ایسا قرینہ پایا جائے جو تملیک پر دلالت کرے تو وہ تملیک ہوگی۔ فتامل۔ کیونکہ ہم حوادث میں ایسی چیز پاتے ہیں جو اس کا تقاضا کرتی ہے، ''رملی''۔ ''سائحانی'' نے کہا: تو اچھی طرح باخبر ہے کہ مذہب کے اقوال بہت زیادہ ہیں۔ اور مشہور وہ ہے جو شارح کا قول والاصل الخ گزر چکا ہے۔ ''المنح'' میں ''سعدی'' سے مروی ہے: باپ کا اپنے چھوٹے بچے کے لیے اپنے معین مال کا اقرار تملیک ہے اگر اس کی اپنی ذات کی طرف نسبت کرے۔ ان کے قول بعین مالہ اور ان کے قول لولدہ الصغیر کی طرف دیکھیے تو یہ اشارہ کرتا ہے کہ جو معہود ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ اعتبار لفظ کا ہوگا۔

میں کہتا ہوں: اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جو گزر چکا ہے۔ قول سے مراد ما فی بیتی کا قول ہے اور جو ''الخانیہ'' میں قول

(قَالَ لِی عَلَيْكَ أَلْفٌ فَقَالَ أَتَزِنُهُ أَوْ أَتَنَقَّدُهُ أَوْ أَجِّلْنِی بِهِ أَوْ قَضَيْتُكَ إِيَّاهُ أَوْ أَبْرَأْتَنِی مِنْهُ أَوْ تَصَدَّقْتَ بِهِ عَلَیَّ أَوْ وَهَبْتَهُ لِی أَوْ أَحَلْتُكَ بِهِ عَلَى زَيْدٍ) وَنَحْوِ ذَلِكَ (فَهُوَ إِقْرَارٌ لَهُ بِهَا) لِرُجُوعِ الضَّمِيرِ إِلَيْهَا فِی كُلِّ ذَلِكَ عَزْمِی زَادَهْ، فَكَانَ جَوَابًا،

ایک آدمی نے کہا: میرا تیرے ذمہ ایک ہزار ہے تو مخاطب نے کہا: میں اس کا وزن کر دیتا ہوں، اس کی چھان بین کرتا ہوں، مجھے اس کی مہلت دے دو، میں نے تجھے وہ ادا کر دیا ہے، تو نے مجھے اس سے بری کر دیا تھا، تو نے وہ مجھ پر صدقہ کر دیا تھا، تو نے مجھے وہ ہبہ کر دیا تھا، میں نے زید پر اس کا حوالہ کر دیا تھا وغیرہ۔ تو مخاطب کی جانب سے اس کا اس کے حق میں اقرار ہوگا۔ کیونکہ ہر صورت میں ضمیر ہزار کی طرف لوٹ رہی ہے، ''عزمی زادہ''۔ تو یہ جواب ہوگا۔

ہے، تمام وہ چیزیں جو میرے ساتھ معروف ہیں یا جو سب میری طرف منسوب ہیں سب فلاں کے لیے ہے۔ وہ ''اسکاف'' نے کہا یہ اقرار ہے وہ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے گھر میں جو کچھ ہے، جو اس کے ساتھ معروف ہے اور جو اس کی طرف منسوب ہے یہ کثیر لوگوں کو معلوم ہوگا کہ یہ اس کی ملک ہے۔ کیونکہ قبضہ اور تصرف ملک کی دلیل ہے۔ علماء نے اس کی تصریح کی یہ اقرار ہے۔ ''حامدیہ'' میں اس کا فتویٰ دیا ہے۔ اس سے ''سائحانی'' کی بحث کی تائید حاصل ہوگئی۔ زمین کے مسئلہ میں اسے ہبہ سے تعبیر کیا ہے کیونکہ جب وہ ایک بچے کے لیے ہو تو اس میں ہبہ اور اقرار میں کوئی فرق نہیں۔ اسی وجہ سے ''المنتقی'' میں طفل کے علاوہ کی جانب میں اسے ذکر کیا جب کہ مقر کی طرف منسوب ہو۔ کیونکہ کہا: جب اس نے کہا: میری یہ زمین، جب کہ اس کی حدود ذکر کیں۔ فلاں کے لیے ہیں یا کہا: وہ زمین جس کی حدود یہ ہیں میرے فلاں بیٹے کے لیے ہیں جب کہ وہ بچہ چھوٹا ہو تو یہ جائز ہوگا اور تملیک ہوگا۔ فتامل۔ واللہ اعلم

28136۔ (قولہ: فَهُوَ إِقْرَارٌ لَهُ بِهَا) اسی طرح اگر وہ یہ جملہ کہے: لا اقضیکھا (میں وہ تجھے نہیں دوں گا) واللہ لا اقضیکھا اللہ کی قسم میں وہ تجھے نہیں دوں گا۔ لا اعطیکھا (میں وہ تجھے عطا نہیں کروں گا) تو یہ اقرار ہوگا۔ ''الخانیہ'' میں ہے: میں وہ تجھے عطا نہیں کروں گا یہ اقرار نہیں ہوگا۔ اگر اس نے کہا: تو اپنے قرض خواہوں کا مجھ پر حوالہ کر دو۔ ان میں سے بعض کا مجھ پر حوالہ کر دو یا جس کا تو چاہے اس کا مجھ پر حوالہ کر دو یا ان میں سے جس کا چاہو مجھ پر حوالہ کر دو تو یہ اس کا اقرار ہوگا۔ ''مقدسی''۔ اس میں یہ ہے: اس نے کہا: مجھے وہ ہزار دے دو جو ہوا تجھ پر ہے تو اس نے کہا: تو صبر کر یا تو تو اسے وصول کر لے گا تو یہ اقرار نہیں ہوگا۔ اس کا قول اتزن وزن کر لے ان شاء اللہ (شاید صحیح ہے: اتزنھا ان شاء اللہ مترجم) تو یہ اقرار ہوگا۔

''فقیہ'' نے کہا: جس نے اسے اقرار بنایا ہے اس کے قول کی طرف توجہ نہ کی جائے گی، ''سائحانی''۔ ''عینی'' میں جو قول ''الکافی'' سے مروی ہے اس میں کچھ زائد ہے۔ ''فتال'' نے اسے نقل کیا ہے۔ ''المنح'' میں اس میں سے کچھ کا ذکر کیا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجیے۔

28137۔ (قولہ: لِرُجُوعِ الضَّمِيرِ إِلَيْهَا) گویا یہ قول کیا: اتزن الالف التی لك علی، وہ ہزار جو تیرا مجھ پر ہے میں اس کا وزن کرتا ہوں۔

وَهَذَا إِذَا لَمْ يَكُنْ عَلَى سَبِيلِ الِاسْتِهْزَاءِ، فَإِنْ كَانَ وَشَهِدَ الشُّهُودُ بِذَلِكَ لَمْ يَلْزَمْهُ شَيْءٌ أَمَّا لَوْ ادَّعَى الِاسْتِهْزَاءَ لَمْ يُصَدَّقْ (وَبِلَا ضَمِيرٍ) مِثْلُ اتَّزَنَ إلَخْ وَكَذَا نَتَحَاسَبُ أَوْ مَا اسْتَقْرَضْتُ مِنْ أَحَدٍ سِوَاكَ أَوْ غَيْرَكَ أَوْ قَبْلَكَ أَوْ بَعْدَكَ (لَا) يَكُونُ إقْرَارًا لِعَدَمِ انْصِرَافِهِ إلَى الْمَذْكُورِ فَكَانَ كَلَامًا مُبْتَدَأً، وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَا يَصْلُحُ جَوَابًا لَا ابْتِدَاءً يُجْعَلُ جَوَابًا، وَمَا يَصْلُحُ لِلِابْتِدَاءِ لَا لِلْبِنَاءِ أَوْ يَصْلُحُ لَهُمَا يُجْعَلُ ابْتِدَاءً لِئَلَّا يَلْزَمَهُ الْمَالُ بِالشَّكِّ اخْتِيَارٌ وَهَذَا إذَا كَانَ الْجَوَابُ مُسْتَقِلًّا فَلَوْ غَيْرَ مُسْتَقِلٍّ كَقَوْلِهِ نَعَمْ كَانَ إقْرَارًا

یہ جواب اس صورت میں ہوگا جب وہ استہزا کے طریقہ پر نہ ہو۔ اگر یہ استہزا کے طریقہ پر ہو اور گواہ اس کی گواہی دے دیں تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ مگر جب وہ استہزا کا دعویٰ کرے تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اور جب وہ یہی الفاظ ضمیر کے بغیر کہے تو اقرار نہ ہوگا جیسے وہ صرف کہے: وزن کر الخ۔ اسی طرح اقرار نہ ہوگا جب وہ کہے: ہم حساب کرتے ہیں، میں نے تیرے سوا کسی سے قرض نہیں لیا یا تیرے پہلے یا تیرے بعد قرض نہیں لیا۔ یہ اقرار اس لیے نہیں ہوگا کیونکہ اس نے اسے مذکور کی طرف نہیں پھیرا۔ پس یہ نئی کلام ہوگی۔ قاعدہ یہ ہے کہ جو کلام جواب بننے کی صلاحیت رکھتی ہو ابتدا بننے کی صلاحیت نہ رکھتی ہو اسے جواب بنایا جائے گا۔ اور جو ابتدا بننے کی صلاحیت رکھے بنا کی صلاحیت نہ رکھے یا دونوں کی صلاحیت رکھے تو اسے ابتدا بنایا جائے گا تا کہ شک کے ساتھ مال لازم نہ ہو، ''اختیار''۔ یہ اس صورت میں ہے جب جواب مستقل ہو۔ اگر وہ غیر مستقل ہو جیسے وہ کہے: ہاں تو وہ مطلقاً اقرار ہوگا

28138۔(قولہ: عَلَى سَبِيلِ الِاسْتِهْزَاءِ) قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بطور استہزا یہ قول کرتا ہے۔

28139۔(قولہ: إِلَى الْمَذْكُورِ) یعنی مذکورہ کلام کی طرف اس کا پھرنا متعین نہیں ورنہ اس کا احتمال ہوگا۔

28140۔(قولہ: وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ مَا يَصْلُحُ الخ) قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ لفظ جو جواب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جس طرح گزشتہ الفاظ ہیں۔ اس کے بعد ''کافی'' کی عبارت ہے جس طرح ''المنح'' میں ہے: اگر ضمیر کا ذکر کیا تو جواب بننے کی صلاحیت رکھے گا ابتدا بننے کی صلاحیت نہیں رکھے گا۔ اگر وہ ضمیر کا ذکر نہ کرے تو وہ جواب بننے کی صلاحیت نہیں رکھے گا یا وہ جواب اور ابتدا بننے کی صلاحیت رکھے گا تو شک کی وجہ سے اقرار نہیں ہوگا۔

28141۔(قولہ: جَوَابًا) اسی میں سے یہ قول ہے جو جواب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جب ایک آدمی نے اس سے سو درہم کا تقاضا کیا تو دوسرے نے جواب دیا میں نے تجھے ادا کر دیئے تھے یا تو نے مجھے بری کر دیا تھا۔

28142۔(قولہ: لَا لِلْبِنَاءِ) یعنی سابقہ کلام پر بنا کی صلاحیت نہیں رکھتا اس طرح کہ وہ اس کا جواب بن سکے۔

28143۔(قولہ: هَذَا) اسم اشارہ سے مراد ضمیر کے ذکر اور عدم ذکر کی تفصیل ہے جس طرح یہ اس سے مستفاد ہے جس کو ہم نے پہلے نقل کیا ہے۔

مُطْلَقًا حَتَّى لَوْ قَالَ أَعْطِنِي ثَوْبَ عَبْدِي هَذَا، أَوْ افْتَحْ لِي بَابَ دَارِي هَذِهِ أَوْ جَصِّصْ لِي دَارِي هَذِهِ أَوْ أَسْرِجْ دَابَّتِي هَذِهِ أَوْ أَعْطِنِي سَرْجَهَا أَوْ لِجَامَهَا فَقَالَ نَعَمْ كَانَ إِقْرَارًا مِنْهُ بِالْعَبْدِ وَالدَّارِ وَالدَّابَّةِ كَافِي (قَالَ أَلَيْسَ لِي عَلَيْكَ أَلْفٌ فَقَالَ بَلَى فَهُوَ إِقْرَارٌ لَهُ بِهَا وَإِنْ قَالَ نَعَمْ لَا) وَقِيلَ نَعَمْ لِأَنَّ الْإِقْرَارَ يُحْمَلُ عَلَى الْعُرْفِ لَا عَلَى دَقَائِقِ الْعَرَبِيَّةِ كَذَا فِي الْجَوْهَرَةِ وَالْفَرْقُ أَنَّ بَلَى جَوَابُ الِاسْتِفْهَامِ الْمَنْفِيِّ بِالْإِثْبَاتِ وَنَعَمْ جَوَابُهُ بِالنَّفْيِ (وَالْإِيمَاءُ بِالرَّأْسِ) مِنَ النَّاطِقِ (لَيْسَ بِإِقْرَارٍ بِمَالٍ وَعِتْقٍ وَطَلَاقٍ وَبَيْعٍ وَنِكَاحٍ وَإِجَارَةٍ وَهِبَةٍ بِخِلَافِ إِفْتَاءٍ وَنَسَبٍ وَإِسْلَامٍ وَكُفْرٍ) وَأَمَانِ كَافِرٍ وَإِشَارَةِ مُحْرِمٍ لِصَيْدٍ وَالشَّيْخِ بِرَأْسِهِ فِي رِوَايَةِ الْحَدِيثِ وَالطَّلَاقِ فِي أَنْتِ طَالِقٌ هَكَذَا، وَأَشَارَ بِثَلَاثٍ إِشَارَةُ الْأَشْبَاهِ وَيُزَادُ الْيَمِينُ كَحَلِفِهِ لَا يَسْتَخْدِمُ فُلَانًا أَوْ لَا يُظْهِرُ سِرَّهُ أَوْ لَا يَدُلُّ عَلَيْهِ وَأَشَارَ حَنِثَ عِمَادِيَّةٌ فَتَحَرَّرَ بُطْلَانُ إِشَارَةِ النَّاطِقِ إِلَّا فِي تِسْعٍ

یہاں تک کہ اگر کوئی کہے: میرے اس غلام کا کپڑا دے دو، میرے لیے میرے اس گھر کا دروازہ کھول دو، میرے گھر کو سفیدی کردو، میری اس سواری پر زین ڈال دو، اس کی زین مجھے دے دو یا اس کی لگام مجھے دے دو تو اس نے کہا: ہاں تو یہ اس کی جانب سے غلام، گھر اور سواری کا اقرار ہوگا'' کافی''۔ ایک آدمی نے کہا: کیا میرا تجھ پر ہزار نہیں تو اس نے کہا: کیوں نہیں تو یہ اس کے حق میں ہزار کا اقرار ہوگا اگر اس نے کہا: ہاں۔ تو یہ اقرار نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ بھی اقرار ہوگا۔ کیونکہ اقرار عرف پر محمول ہوتا ہے عربی دقائق پر محمول نہیں ہوتا۔'' جوہرہ'' میں اسی طرح ہے۔ فرق یہ ہے کہ بلی (کیوں نہیں) یہ منفی استفہام کا اثبات کے ساتھ جواب ہے اور نعم ہاں اس کا نفی کے ساتھ جواب ہوتا ہے۔ وہ آدمی جو گفتگو کرسکتا ہے اس کی طرف سے سر سے اشارہ یہ مال، آزادی، طلاق، بیع، نکاح، اجارہ اور ہبہ کا اقرار نہیں۔ ناطق فتویٰ دینے میں اشارہ کرے تو معاملہ مختلف ہے، نسب، اسلام اور کفر کافر کی امان، شکار کی طرف محرم کا اشارہ، روایت حدیث میں شیخ کا سر سے اشارہ اور تجھے اتنی طلاقیں میں اشارہ اور تین اشارے کیے تو یہ معتبر ہیں،'' الاشباہ''۔ قسم کا اضافہ کیا گیا ہے جس طرح وہ قسم اٹھاتا ہے فلاں کو خادم نہیں بنائے گا، وہ اپنا راز ظاہر نہیں کرے گا، اس پر رہنمائی نہیں کرے گا اور اشارہ کیا تو حانث ہو جائے گا'' عمادیہ''۔ گفتگو کرنے کی صلاحیت کے حامل کے اشارہ کا بطلان واضح ہو گیا مگر نو امور میں اس کا بطلان واضح نہیں۔

28144۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی وہ ضمیر ذکر کرے جیسے وہ قول کرے نعم ھو علی، ہاں وہ مجھ پر لازم ہے یا وہ ضمیر ذکر نہ کرے۔ جس طرح مثال دی گئی ہے۔

28145۔ (قولہ: لَا يَسْتَخْدِمُ فُلَانًا) یعنی اس نے اس کی خدمت کی طرف اشارہ کیا۔'' حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔ شرح میں اس کا ذکر آئے گا۔

28146۔ (قولہ: إِلَّا فِي تِسْعٍ) چاہیے کہ اسے زائد ذکر کیا جاتا کہ عالم (جاننے والا) اشارہ سے گواہ کی عدالت کو

فَلْيُحفظ (وَإِنْ أَقَرَّ بِدَيْنٍ مُؤَجَّلٍ وَادَّعَى الْمُقَرُّ لَهُ حُلُولَهُ) لَزِمَهُ الدَّيْنُ (حَالًّا) وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ مُؤَجَّلًا بِيَمِينِهِ (كَإِقْرَارِهِ بِعَبْدٍ فِي يَدِهِ أَنَّهُ لِرَجُلٍ وَأَنَّهُ اسْتَأْجَرَهُ مِنْهُ) فَلَا يُصَدَّقُ فِي تَأْجِيلٍ وَإِجَارَةٍ لِأَنَّهُ دَعْوَى بِلَا حُجَّةٍ (وَ) حِينَئِذٍ (يُسْتَحْلَفُ الْمُقَرُّ لَهُ فِيهِمَا بِخِلَافِ مَا لَوْ أَقَرَّ بِالدَّرَاهِمِ السُّودِ فَكَذَّبَهُ فِي صِفَتِهَا) حَيْثُ (يَلْزَمُهُ مَا أَقَرَّ فَقَطْ) لِأَنَّ السُّودَ نَوْعٌ، وَالْأَجَلُ عَارِضٌ لِثُبُوتِهِ بِالشَّرْطِ وَالْقَوْلُ لِلْمُقِرِّ فِي النَّوْعِ وَلِلْمُنْكِرِ فِي الْعَوَارِضِ (كَإِقْرَارِ الْكَفِيلِ بِدَيْنٍ مُؤَجَّلٍ) فَإِنَّ الْقَوْلَ لَهُ فِي الْأَجَلِ لِثُبُوتِهِ فِي كَفَالَةِ الْمُؤَجَّلِ بِلَا شَرْطٍ

پس اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ اگر اس نے موجل دین کا اقرار کیا اور مقرلہ نے اس کے وقت کے آجانے کا دعویٰ کر دیا تو فی الحال اس پر دین لازم ہو جائے گا۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی قسم کے ساتھ موجل لازم ہو جائے گا۔ جس طرح ایک آدمی ایک غلام کے بارے میں اقرار کرتا ہے جو اس کے قبضہ میں ہے کہ یہ فلاں آدمی کا ہے اور اس نے فلاں سے اجرت پر اسے لیا ہے تو اجل اور اجارہ کے بارے میں اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ یہ ایسا دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ اسی وقت مقرلہ سے دونوں امور میں قسم کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر وہ سیاہ دراہم کا اقرار کرے اور مقرلہ اس کی صفت میں مقر کو جھٹلا دے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ اس نے جس امر کا اقرار کیا ہے صرف وہی اس پر لازم ہوگا۔ کیونکہ سیاہ ہونا نوع ہے اور اجل اسے لاحق ہونے والا امر ہے۔ کیونکہ یہ شرط کے ساتھ ثابت ہوتا ہے نوع میں قول مقر کا معتبر ہوگا۔ اور عارض آنے والے امور میں قول مقر کا معتبر ہوگا جس طرح دین موجل میں کفیل کا اقرار ہوتا ہے۔ کیونکہ اجل میں اس کا قول تسلیم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ موجل کی کفالت میں شرط کے بغیر ثابت ہوتا ہے''۔

بیان کر دے تو یہ کافی ہوگا جس طرح ہم نے شہادت میں اسے پہلے بیان کیا ہے۔ ''فتال''۔

فرع: ''حاشیہ'' میں اس کا ذکر کیا ہے تقسیم کے بعد کسی وارث نے میت پر دین کا دعویٰ کیا تو اسے قبول کیا جائے گا۔ تقسیم یہ دین سے بری کرنا نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کا حق غیر سے متعلق نہیں۔ تقسیم پر رضامندی یہ عدم تعلق کا اقرار نہیں ہوتا۔ اگر وہ تقسیم کے بعد ترکہ میں سے کسی معین شے کا دعویٰ کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ کیونکہ اس کا حق عین ترکہ کے ساتھ صورت اور معنی کے اعتبار سے متعلق ہوتا ہے تو تقسیم ترکہ میں اس کے حق کے انقطاع پر مشتمل ہوگی۔ کیونکہ تقسیم اس کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ چیز اس کے ساتھ خاص نہیں۔ ''بزازیہ''۔

28147۔ (قولہ: بِلَا شَرْطٍ) پس اس میں اجل ایک نوع ہے۔ پس ایسی کفالت جس کی مدت معین کی گئی ہو یہ کفالت کی دونوعوں میں سے ایک ہے۔ پس اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ ایک نوع کا اقرار دوسری نوع کا اقرار نہیں ہوتا۔ ''غایۃ البیان''۔

یہ مسئلہ باب الکفالہ میں ان کے قول لک مائۃ درھم الی شھر میں گزر چکا ہے۔

(وَشِرَاؤُهُ) أَمَةً (مُتَنَقِّبَةً إِقْرَارٌ بِالْمِلْكِ لِلْبَائِعِ كَثَوْبٍ فِي جِرَابٍ كَذَا الِاسْتِيَامُ وَالِاسْتِيدَاعُ) وَقَبُولُ الْوَدِيعَةِ بَحْرٌ (وَالْإِعَارَةُ وَالِاسْتِيهَابُ وَالِاسْتِئْجَارُ وَلَوْ مِنْ وَكِيلٍ) فَكُلُّ ذَلِكَ إِقْرَارٌ بِمِلْكِ ذِي الْيَدِ فَيُمْنَعُ دَعْوَاهُ لِنَفْسِهِ وَلِغَيْرِهِ بِوَكَالَةٍ أَوْ وِصَايَةٍ لِلتَّنَاقُضِ بِخِلَافِ إِبْرَائِهِ عَنْ جَمِيعِ الدَّعَاوَى ثُمَّ الدَّعْوَى

نقاب پہنے ہوئے لونڈی کو خریدنا یہ بائع کی ملکیت کا اقرار ہے جس طرح گٹھڑی کے اندر کپڑے کا خریدنا، اسی طرح بھاؤ کا طلب کرنا، ودیعت رکھنے کا مطالبہ کرنا اور ودیعت کا قبول کرنا یہ دوسرے فرد کی ملکیت کا اقرار ہے ''بحر''۔ کوئی چیز ادھار دینا، کسی سے کسی شے کو بطور ہبہ کے طلب کرنا، کسی سے کوئی شے بطور اجارہ کے طلب کرنا اگرچہ قابض کے وکیل سے ہو یہ سب قابض کی ملکیت کا اقرار ہے۔ پس یہ اس کے مانع ہوگا کہ وہ اپنے لیے اور اپنے غیر کے لیے وکالت یا وصیت کے ساتھ اسکا دعویٰ کرے۔ کیونکہ تناقض پایا جارہا ہے۔ یہ صورت مختلف ہوگی کہ تمام دعاوی سے اسے بری کردے پھر ان دونوں صورتوں کا دعویٰ کرے۔

نقاب کے اندر لونڈی، گٹھڑی کے اندر کپڑے کا خریدنا اور بھاؤ معلوم کرنا بائع کی ملکیت کا اقرار ہے

28148۔ (قولہ: وَشِرَاؤُهُ أَمَةً مُتَنَقِّبَةً الخ) ''بزازیہ'' میں اپنے اس قول کے ساتھ اس کی علت بیان کی ہے: ضابطہ یہ ہے اگر شے ان چیزوں میں سے ہو جو بھاؤ لگانے کے وقت معروف ہو جس طرح وہ لونڈی جو اس کے سامنے کھڑی ہو اور نقاب میں ہو اس کا قول قبول نہ کیا جائے گا مگر جب مدعی علیہ اس بارے میں اس کی تصدیق کردے کہ یہ اس لونڈی کو نہیں پہچانتا تھا تو اسے قبول کرلیا جائے گا اگر وہ ان چیزوں میں سے ہو جو نہیں پہچانی جاسکتیں۔ جیسے رومال میں ایک کپڑا ہو یا ایک لونڈی ہو جو بیٹھی ہوئی ہو جس کے سر پر پردہ ہو اس لونڈی کی کوئی شے نظر نہ آتی ہو تو اسے قبول کرلیا جائے گا۔ اسی وجہ سے علما کے اقوال مختلف ہیں۔ میرے لیے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ گٹھڑی میں کپڑا اسی طرح ہے جس طرح رومال میں وہ کپڑا ہو۔ ''سائحانی''۔

28149۔ (قولہ: كَثَوْبٍ) جس طرح گٹھڑی میں موجود کپڑے کو خریدا جائے۔

28150۔ (قولہ: كَذَا الِاسْتِيَامُ) ''جامع الفصولین'' اور ''نور العین'' کی دسویں فصل اور ''حاشیۃ الفتال'' کی طرف دیکھو۔

فرع: حاشیہ میں یہ ذکر کیا ہے: ایک آدمی نے دوسرے سے کہا: میرے تجھ پر ہزار درہم ہیں مدعی علیہ نے اسے کہا: اگر تو یہ قسم اٹھادے کہ تیرا ہزار مجھ پر لازم ہے تو میں تجھے ہزار دے دوں گا مدعی نے قسم اٹھادی اور مدعی علیہ نے اسے وہ دراہم دے دیئے۔ علما نے فرمایا: اگر اس نے دراہم اس شرط کی بنا پر دیئے جو اس نے شرط لگائی تو وہ باطل ہے اور دینے والے کو حق حاصل ہوگا کہ اس سے وہ واپس لے کیونکہ شرط باطل ہے۔ ''خانیہ''۔

قابض کی ملکیت کے اقرار کا بیان

28151۔ (قولہ: وَالْإِعَارَةُ) زیادہ بہتر یہ کہنا ہے: الاستعمار جس طرح ''جامع الفصولین'' میں فصل عاشر میں ہے۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

بِهِمَا لِعَدَمِ التَّنَاقُضِ ذَكَرَهُ فِي الدُّرَرِ قُبَيْلَ الْإِقْرَارِ وَصَحَّحَهُ فِي الْجَامِعِ

کیونکہ تناقض نہیں پایا گیا۔ اس کا ذکر کتاب الاقرار سے تھوڑا پہلے ''درر'' میں ذکر کیا ہے۔ ''جامع'' میں اس کی تصحیح کی ہے

فرع: ''حاشیہ'' میں ہے: اس نے اسے خریدا، ایک آدمی نے اس پر گواہی دی اور اس نے مہر لگا دی تو یہ سپردگی نہ ہوگی۔ اس سے یہ ارادہ کیا کہ شرا کی گواہی دے یعنی شہادت کی دستاویز میں شہادت لکھی اور شہادت کی دستاویز پر مہر لگائی پھر اس کا دعویٰ کیا تو اس کا دعویٰ صحیح ہوگا۔ شہادت کا لکھنا اس امر کا اقرار نہیں ہوگا کہ یہ چیز بائع کی ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ انسان غیر کے مال کی بیع اسی طرح کرتا ہے جس طرح اپنے مال کی بیع کرتا ہے بیع کی شہادت اس کے صحیح ہونے پر دلالت نہیں کرتی۔ ''جامع الفصولین'' فی الرابع عشر۔

28152۔ (قولہ: ذَكَرَهُ فِي الدُّرَرِ) ضمیر متن میں مذکور قول و کذا الخ کی طرف اور شرح میں مذکور قول کی طرف راجع ہے صرف اجارہ کی طرف راجع نہیں۔ یہ سب اس میں مذکور ہے اور ان کے قول و صححہ فی الجامع الخ کی ضمیر اس کی طرف راجع ہے جو صرف متن میں مذکور ہے جس پر مصنف کا ''المنح'' میں قول دلالت کرتا ہے۔ جس نے یہ تصریح کی ہے کہ یہ اقرار ہے وہ ''منلا خسرو'' ہے۔ ''عبدالبر'' کی نظم ''وہبانی'' میں اس کے برعکس ہے۔

پھر کہا: حاصل کلام یہ ہے کہ ''جامع'' کی جو روایت ہے اسیام (بھاؤ لگانا) استئجار (اجرت پر لینا) استعارہ (عاریۃً لینا) اور اسی طرح کے دوسرے معاملات کرنا یہ اس امر کا اقرار ہے کہ جس کے ساتھ بھاؤ لگایا گیا ہے، جس سے اجرت پر لیا جا رہا ہے یہ چیز اس کی ملکیت ہے۔ ''زیادات'' کی روایت یہ ہے کہ یہ امور ملکیت کا اقرار نہیں ہوں گے۔ یہی قول صحیح ہے۔ ''عمادیہ'' میں اسی طرح ہے۔ اس میں روایات کے اتفاق کی حکایت کی ہے کہ مساوم وغیرہ کے لیے کوئی ملکیت نہیں۔ اس اختلاف کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر یہ چاہیے کہ جس چیز میں وہ اپنے لیے (صحیح یہ ہے کہ لنفسہ (اپنے لیے) کو ساقط کیا جائے، مترجم) یا غیر کے لیے قیمت لگاتا ہے اس میں اس کی ملکیت کے دعویٰ کو صحیح مانا جائے۔ ہم نے یہاں اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے کہ یہ اقرار ہے۔ یہ ہم نے ''جامع صغیر'' سے اخذ کرتے ہوئے کہا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

''سائحانی'' نے کہا: میرے لیے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ اگر وہ عذر ظاہر کرے تو اس کے مطابق فتویٰ دے جو ''زیادات'' میں ہے کہ بھاؤ لگانا وغیرہ اقرار نہیں ہوگا۔ ''عمادیہ'' میں ہے: یہی صحیح ہے۔ ''سراجیہ'' میں ہے: یہی اصح ہے۔ ''انقروی'' نے کہا: اکثر علماء اس پر ہیں کہ ''زیادات'' میں جو قول ہے وہ صحیح ہے اور یہی ظاہر روایت ہے۔

28153۔ (قولہ: وَصَحَّحَهُ فِي الْجَامِعِ) جامع سے مراد ''جامع الفصولین'' ہے۔ یہ روایت امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی ''جامع'' کی ہے۔ صححہ میں جو ضمیر ہے یہ لکونہ اقرار بالملک لذی الید کے لیے ہے۔ یعنی قابض کے لیے ملک کا اقرار ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں کہا ہے: ان اشیاء کا مباشر کے لیے عدم ملک کا اقرار یہ متفق علیہ ہے۔ جہاں تک قابض کے لیے ان کا ملک کا اقرار اس بارے میں دو روایات ہیں۔ ''جامع'' کی جو روایت ہے یہ قابض کے لیے ملکیت کا فائدہ دیتی ہے اور

خِلَافًا لِتَصْحِيحِ الْوَهْبَانِيَّةِ وَوَفَّقَ شَارِحُهَا الشُّرُنْبُلَالِيُّ بِأَنَّهُ إِنْ قَالَ بِعْنِي هَذَا كَانَ إِقْرَارًا

''وہبانیہ'' کی تصحیح اس کے خلاف ہے۔''وہبانیہ'' کے شارح ''شرنبلالی'' نے یوں تطبیق دی ہے اگر اس نے کہا: یہ چیز میرے ہاتھ بیچ دو تو یہ بائع کی ملکیت کا اقرار ہوگا۔

''زیادات'' کی جو روایت ہے یہ ملکیت کا فائدہ نہیں دیتی۔ یہی صحیح ہے۔''الصغریٰ'' میں اسی طرح ہے۔''جامع الفصولین'' میں ملکیت کا فائدہ دینے والی روایت کی تصحیح کی ہے۔ پس دونوں روایتوں کی تصحیح میں اختلاف ہے۔ مدعی علیہ کی ملکیت کے فائدہ نہ دینے پر یہ امر مبنی ہے کہ مقر بہا کا دعویٰ کسی اور کے لیے جائز ہو۔''سائحانی'' نے ''انقرویٰ'' سے نقل کیا ہے کہ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ ''زیادات'' میں جو قول ہے وہ صحیح ہے اور یہی ظاہر روایت ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کے مطابق فتویٰ دیا جائے کیونکہ یہ ظاہر روایت ہے اگرچہ تصحیح میں اختلاف ہے۔

تتمہ: اشتراء (شاید صحیح استشہاء ہے جس کا معنی خرید کو طلب کرنا ہے) ایسے آدمی سے جو مدعی علیہ نہیں اس سے خریدنا یہ اس امر کا اقرار ہو کہ یہ مدعی کی ملک نہیں یہ اس اشترا کی طرح ہے جو مدعی علیہ سے ہو یہاں تک کہ اگر وہ گواہیاں قائم کر دے تو یہ دعویٰ کا دفاع ہو جائے گا۔''صغریٰ'' سے نقل کرنے کے بعد ''جامع الفصولین'' میں کہا: چاہیے کہ استیداع، اسی طرح استیعاب وغیرہ اشترا کی طرح ہو۔

مہمہ: ''بزازیہ'' میں کہا: یہاں جسے یاد رکھنا واجب ہے کہ باہم بھاؤ لگانا یہ بائع کی ملکیت کا اقرار ہے یا اس کا اقرار ہے کہ یہ اس کی ملک نہیں یہ ضمناً ہوگا قصداً نہیں ہوگا یہ بائع کی ملک کے لیے صریحاً اقرار کی طرح نہیں ہوگا۔ تفاوت اس صورت میں ظاہر ہوگا جب وہ چیز اس کے ہاتھ تک پہنچے گی تو تعداد صریح کی صورت میں اسے بائع کی طرف پھیرنے کا حکم دیا جائے گا۔ اور مساومہ (بھاؤ لگانے کی صورت میں) اسے حکم نہیں دیا جائے گا۔

اس کی وضاحت یہ ہے: ایک آدمی نے کسی انسان سے سامان خریدا اور اس پر قبضہ کر لیا پھر مشتری کا باپ گواہیوں کے ساتھ مشتری سے اس شے کا مستحق نکل آیا اور مشتری کے باپ نے وہ چیز لے لی اور باپ مر گیا اور مشتری بیٹا اس کا وارث بن گیا تو اسے بائع کو واپس لوٹانے کا حکم نہیں دیا جائے گا اور وہ بائع سے اس کی ثمن لے لے گا تو یہ سامان مشتری کے قبضہ میں اس کی وراثت کی وجہ سے رہے گا۔ اگر بیع کے موقع پر اس نے اقرار کیا کہ یہ چیز بائع کی ملکیت ہے پھر مشتری کے قبضہ میں اس کا باپ اس شے کا مستحق ثابت ہو گیا ہو پھر باپ مر گیا اور مشتری بیٹا اس کا وارث بن گیا تو وہ بائع سے واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس کے قبضہ میں یہ چیز اس کے اس گمان کی وجہ سے ہے کہ اس نے اس سے یہ چیز خریدی ہے۔ کیونکہ یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ مستحق کی قضا ثمن کے واپس لینے سے قبل بیع کے فسخ کو ثابت نہیں کرتی۔ اس کا ذکر کتاب الدعویٰ کی فصل اول میں کیا ہے۔ اس میں بے شمار فروع ہیں سب بڑی اہم ہیں پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

28154۔(قولہ: لِتَصْحِيحِ الْوَهْبَانِيَّةِ) یعنی بھاؤ لگانے کے مسئلہ میں ''وہبانیہ'' کی تصحیح اس کے خلاف ہے۔

وَإِنْ قَالَ أَتَبِيعُ لِي هٰذَا لَا يُؤَيِّدُهُ مَسْأَلَةُ كِتَابَتِهِ وَخَتْمِهِ عَلَى صَكِّ الْبَيْعِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بِإِقْرَارٍ بِعَدَمِ مِلْكِهِ (وَ) لَهُ عَلَيَّ (مِائَةٌ وَدِرْهَمٌ كُلُّهَا دَرَاهِمُ) وَكَذَا الْمَكِيلُ وَالْمَوْزُونُ اسْتِحْسَانًا (وَفِي مِائَةٍ وَثَوْبٍ، وَمِائَةٍ وَثَوْبَانِ يُفَسِّرُ الْمِائَةَ) لِأَنَّهَا مُبْهَمَةٌ (وَفِي مِائَةٍ وَثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ كُلُّهَا ثِيَابٌ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

اگر اس نے کہا: کیا تو اسے میرے لیے بیچتا ہے تو یہ اس کی ملکیت کا اقرار نہیں ہوگا۔ اس کی تائید اس کا کتابت کرنا اور بیع کی دستاویز پر مہر لگانا نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ اس کی عدم ملک کا اقرار نہیں۔ اس کا مجھ پر سو اور ایک دراہم ہے یہ سب کے سب دراہم ہوں گے۔ کیلی اور وزنی چیز کا معاملہ اسی طرح ہوگا۔ یہ استحسان ہوگا۔ ایک سو اور کپڑا، سو اور دو کپڑے کا اقرار کیا تو سو کی تفسیر پوچھی جائے گی۔ کیونکہ سو مبہم ہے۔ سو اور تین کپڑے تو سب کے سب کپڑے ہوں گے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔

28155۔ (قولہ: لَا) یعنی اقرار نہیں ہوگا بلکہ یہ استفہام ہوگا اور اس کے اقرار پر شہادت کو طلب کرنا ہوگا کہ وہ اپنی مملوکہ چیز کی بیع کا اعادہ کر رہا ہے پس اس کے بعد یہ لازم ہوگا۔ ''شرنبلالی''۔

28156۔ (قولہ: فَإِنَّهُ لَيْسَ بِإِقْرَارٍ) یعنی جو یہاں ہے وہ اولی ہے یا مساوی ہے۔ ''حاشیہ'' میں کہا: اگر آقا اپنے غلام کو دیکھے جو مولی کے اعیان میں سے کسی عین کو بیچتا ہے اور خاموش رہتا ہے تو یہ اذن نہیں ہوگا۔ اسی طرح مرتہن جب راہن کو دیکھتا ہے کہ وہ دین کو بیچ رہا ہے اور خاموش ہو جاتا ہے تو رہن باطل ہو جاتا ہے۔

امام ''طحاوی'' نے ہمارے اصحاب سے روایت کی ہے: مرتہن جب خاموش ہو جائے تو یہ بیع پر رضامندی ہوگی اور رہن باطل ہو جائے گا۔ ''خانیہ''، کتاب الماذون۔

28157۔ (قولہ: وَالْمَوْزُونُ) جس طرح اس کا قول ہے: مائة و قفيز سو اور ایک قفیز اسی طرح ہے سو اور رطل۔ اگر اس نے کہا: نصف درہم، دینار اور کپڑا تو اس پر ایک میں سے نصف ہوگا۔ اسی طرح اس غلام اور اس لونڈی کا نصف کیونکہ تمام کی تمام کلام اس کے عین کے بغیر واقع ہوگی یا اس کے عین کے ساتھ واقع ہوگی پس نصف کل کی طرف پھر جائے گا۔ اگر اس کا بعض غیر معین ہو جس طرح اس دینار کا نصف اور درہم تو پورا درہم واجب ہوگا۔ ''زیلعی'' نے کہا: دراہم کو جر دی جائے تو یہ اشکال پیدا کرے گا۔

میں کہتا ہوں: جوار کی لغت کی بنا پر کوئی اشکال نہیں کیونکہ طلبہ کے بارے میں غالب یہ ہے کہ وہ اعراب کا التزام نہیں کرتے ''سائحانی''۔ چہ جائیکہ عوام اس کا التزام کریں لیکن زیادہ احتیاط استفسار ہے۔ کیونکہ اصل ذمہ سے بری ہونا ہے شاید انہوں نے جر کا قصد کیا ہے۔ تامل

28158۔ (قولہ: كُلُّهَا ثِيَابٌ) کیونکہ اس نے دو مبہم عددوں کا ذکر کیا ہے اور ان کے پیچھے تفسیر ذکر کی ہے پس عطف نہ ہونے کی وجہ سے تفسیر کو دونوں کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ ''منح''۔

قُلْنَا الْأَثْوَابُ لَمْ تُذْكَرْ بِحَرْفِ الْعَطْفِ فَانْصَرَفَ التَّفْسِيرُ إِلَيْهِمَا لِاسْتِوَائِهِمَا فِي الْحَاجَةِ إِلَيْهِ (وَالْإِقْرَارُ بِدَابَّةٍ فِي إِصْطَبْلٍ تَلْزَمُهُ) الدَّابَّةُ (فَقَطْ) وَالْأَصْلُ أَنَّ مَا يَصْلُحُ ظَرْفًا إِنْ أَمْكَنَ نَقْلُهُ لَزِمَاهُ، وَإِلَّا لَزِمَ الْمَظْرُوفُ فَقَطْ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ، وَإِنْ لَمْ يَصْلُحْ لَزِمَ الْأَوَّلُ كَقَوْلِهِ دِرْهَمٌ فِي دِرْهَمٍ قُلْت وَمُفَادُهُ أَنَّهُ لَوْ قَالَ دَابَّةٌ فِي خَيْمَةٍ لَزِمَاهُ وَلَوْ قَالَ ثَوْبٌ فِي دِرْهَمٍ

ہم کہیں گے: کپڑے حرف عطف کے ساتھ ذکر نہیں کیے گئے ہیں۔ پس تفسیر دونوں کی طرف پھر جائے گی۔ کیونکہ دونوں کو اس کی حاجت ہے۔ اصطبل میں گھوڑے کا اقرار کیا تو اس پر صرف دابہ لازم ہوگا۔ قاعدہ یہ ہے جو چیز ظرف بننے کی صلاحیت رکھتی ہے اگر اس کا نقل کرنا ممکن ہو تو دونوں چیزیں اس پر لازم ہوں گی ورنہ صرف مظروف لازم ہوگا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر ظرف بننے کی صلاحیت نہ رکھے تو پہلی لازم ہو جائے گی جیسے اس کا قول ہے درھم فی درھم۔ ایک درہم، درہم میں۔ میں کہتا ہوں: اس کا مستفاد یہ ہے: اگر وہ کہے: جانور خیمہ میں۔ تو دونوں لازم ہوں گے اگر اس نے کہا: کپڑا درہم میں۔

28159۔ (قولہ: بِحَرْفِ الْعَطْفِ) اس کی صورت یہ ہے کہ یہ کہے: سو اور تین کپڑے جس طرح سو اور ایک کپڑا۔

28160۔ (قولہ: إِنْ أَمْكَنَ نَقْلُهُ) جیسے ٹوکرے میں کھجوریں۔

28161۔ (قولہ: خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ) امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں لازم ہوں گے۔ کیونکہ غیر منقولہ چیز کا غصب امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح ہے۔ ''زیلعی''۔

28162۔ (قولہ: فِي خَيْمَةٍ) اس میں یہ ہے خیمہ کو حقیقت کے اعتبار سے ظرف نہیں کہتے اور معتبر یہ ہے کہ یہ حقیقت کے اعتبار سے ظرف ہے۔

جو چیز ظرف بننے کی صلاحیت رکھتی ہو اگر اس کا نقل کرنا ممکن ہو تو دونوں چیزیں لازم ہوں گی

28163۔ (قولہ: لَزِمَاهُ) کیونکہ غصب کا اقرار یہ اس کے ظرف اور مظروف کے نقل کرنے کی خبر دینا ہے جب کہ وہ مظروف ہو۔ کیونکہ ظرف کو نقل کرنے کے بغیر اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ پس بدیہی طور پر دونوں کے غصب کا اقرار ہوگا اور بیان میں اس کی طرف رجوع کیا ہے۔ کیونکہ اس نے تعیین نہیں کی۔ ''غایۃ البیان'' وغیرہ میں یہاں اور اس کے بعد میں اسی طرح وضاحت کی ہے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اسے غصب کے اقرار پر محدود رکھا جائے۔ اس کی تائید وہ قول کرتا ہے جو ''الخانیہ'' میں ہے: اس کا مجھ پر کپڑا یا غلام ہے یہ صحیح ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی درمیانی قیمت کے ساتھ وہ فیصلہ کر دے گا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: قیمت میں اس کا قول معتبر ہوگا۔ ''البحر'' اور ''الاشباہ'' میں ہے: اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ شاید یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہو۔ یہ قول اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جو یہاں ہے وہ غصب پر محدود ہے ورنہ اسے قیمت لازم ہو جائے گی یا اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ پھر میں نے ''شرنبلالیہ'' میں ''الجوہرہ'' سے منقول ایک قول دیکھا

لَزِمَهُ الثَّوْبُ وَلَمْ أَرَهُ فَيُحَرَّرُ (وَبِخَاتِمٍ) تَلْزَمُهُ (حَلْقَتُهُ وَفَصُّهُ) جَمِيعًا (وَبِسَيْفٍ جَفْنُهُ وَحَمَائِلُهُ وَنَصْلُهُ وَبِحَجَلَةٍ) بِحَاءٍ فَجِيمٍ بَيْتٌ مُزَيَّنٌ بِسُتُورٍ وَسُرُرٍ (الْعِيدَانُ وَالْكِسْوَةُ وَبِتَمْرٍ فِي قَوْصَرَةٍ أَوْ بِطَعَامٍ فِي جَوَالِقَ أَوْ) فِي (سَفِينَةٍ أَوْ ثَوْبٍ فِي مِنْدِيلٍ أَوْ) فِي (ثَوْبٍ يَلْزَمُهُ

توصرف کپڑا لازم ہوگا۔ میں نے اس بارے میں کوئی قول نہیں دیکھا پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ اور انگوٹھی کا اقرار کرنے کی صورت میں اس پر اس کا حلقہ اور نگینہ دونوں لازم ہوں گے اور تلوار کا اقرار کرنے کی صورت میں تلوار کا میان، اس کا پرتلا، اس کا پھل اور اس کی کوٹھی لازم ہوگی۔ اور حجلہ کا اقرار کرنے کی صورت میں، حجلہ یہ حا اور جیم کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد ایسا کمرہ ہے جو پردوں اور چارپائیوں سے مزین ہو، لکڑیاں اور کپڑے لازم ہوں گے اور جب وہ ٹوکری میں کھجوروں کا طعام کا گون میں یا کشتی میں کھانے کا، رومال میں کپڑے کا یا کپڑے میں کپڑے کا اقرار کرے

کیونکہ کہا: جس کا اس نے اقرار کیا تھا اگر اسے کسی فعل کی طرف منسوب کیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے کہا: میں نے اس سے قوصرہ (بانس سے بنا برتن) میں کھجوریں غصب کی ہیں تو اس پر کھجوریں، قوصرہ اور اونٹ لازم ہو جائے گا اسے ابتداءً ذکر کیا ہے اور کہا: مجھ پر قوصرہ میں کھجوریں لازم ہیں تو اس پر کھجوریں لازم ہوں گی قوصرہ لازم نہیں ہوگا۔ کیونکہ اقرار قول ہے۔ اور تمیز کے ساتھ قول بعض لازم ہوتا ہے بعض لازم نہیں ہوتا جس طرح اگر وہ کہے: میں نے ٹوکری میں اسے زعفران بیچا، وللہ الحمد۔ شاید ان کے قول: فعليه التمر سے مراد اس کی قیمت ہوگی۔

28264۔ (قوله: لَزِمَهُ الثَّوْبُ) یہ ظاہر ہے اس پر وہ قول دلالت کرتا ہے جو متن میں آئے گا۔ وہ یہ ہے ثوب فی منديل یا ثوب فی ثوب رومال میں کپڑا یا کپڑے میں کپڑا۔ کیونکہ جو یہاں ہے وہ اولی ہے۔ ''غاية البيان'' میں ہے: اگر اس نے کہا: میں نے تجھ سے اتنا اتنے میں غصب کیا تو دوسرا پہلے کا برتن نہیں ہوگا تو دونوں اس پر لازم ہو جائیں گے۔ اس میں ہے: اگر اس نے کہا: مجھ پر ایک قفیز گندم میں ایک درہم لازم ہے تو اس پر صرف درہم لازم ہوگا۔ اگرچہ قفیز درہم کی ظرف بن سکتا ہے اس کی وضاحت وہ ہے جو ''خواہرزادہ'' نے کہا: اس نے ذمہ میں ایک درہم کا اقرار کیا اور جو ذمہ میں ہو تو یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کسی اور شے میں مظروف ہو الخ۔ میرے لیے یہ امر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ اقرار میں ابتدا ہے۔ جہاں تک غصب میں اس کے اقرار کا تعلق ہے تو اس پر ظرف بھی لازم ہوگا جس طرح وہ اقرار کرے میں نے تھیلی میں درہم کو غصب کیا یہ اس پر مبنی ہے جسے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ تعلیل اس کا فائدہ دیتی ہے۔ اسی تفصیل پر یہ قول ہے درهم فی ثوب کپڑے میں دراہم۔ تامل

28165۔ (قوله: جَفْنُهُ) یہ لفظ جیم کے فتحہ کے ساتھ ہے مراد نیام ہے۔

28166۔ (قوله: وَحَمَائِلُهُ) یعنی جس کے ساتھ اسے لٹکایا جائے۔ ''اصمعی'' نے کہا: اس کا واحد لفظی نہیں ہے اس کا واحد محمل ہے۔ ''عینی''۔

28167۔ (قوله: فِي قَوْصَرَةٍ) یہ لفظ تشدید کے ساتھ ہے اسے مخفف پڑھا گیا ہے۔ ''مختار''۔

الظَّرْفُ كَالْمَظْرُوفِ) لِمَا قَدَّمْنَاهُ (وَمِنْ قَوْصَرَّةٍ) مَثَلًا (لَا) تَلْزَمُهُ الْقَوْصَرَّةُ وَنَحْوُهَا (كَثَوْبٍ فِي عَشَرَةٍ وَطَعَامٍ فِي بَيْتٍ) فَيَلْزَمُهُ الْمَظْرُوفُ فَقَطْ لِمَا مَرَّ؛ إِذْ الْعَشَرَةُ لَا تَكُونُ ظَرْفًا لِوَاحِدٍ عَادَةً (وَبِخَمْسَةٍ فِي خَمْسَةٍ وَعَنَى) مَعْنَى عَلَى أَوْ (الضَّرْبَ خَمْسَةٌ) لِمَا مَرَّ وَأَلْزَمَهُ زُفَرُ بِخَمْسَةٍ وَعِشْرِينَ (وَعَشَرَةٌ إِنْ عَنَى مَعَ)

تو اس پر مظروف کی طرح ظرف لازم ہوگا۔ اس کی دلیل وہی ہے جسے ہم نے پہلے بیان کیا اگر وہ ٹوکری کھجوروں کی کا اقرار کرے تو اس پر ٹوکرہ وغیرہ لازم نہ ہوگا جس طرح یوں اقرار کرے ایک کپڑا دس کپڑوں میں، اور کھانا گھر میں، کا اقرار کرے تو ان صورتوں میں صرف مظروف لازم ہوگا اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے کیونکہ عادت کے مطابق دس ایک چیز کی ظرف نہیں بن سکتا۔ اور جب اس نے یوں اقرار کیا خمسة فی خمسة اور فی سے علی کا معنی لیا یعنی مجھ پر پانچ پر پانچ لازم ہیں تو پانچ کا اقرار ہوگا اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔ امام ''زفر'' نے اس اقرار کی صورت میں پچیس دراہم لازم کیے ہیں اگر وہ فی کو مع کے معنی میں لے تو دس لازم ہوں گے

28168۔ (قولہ: وَطَعَامٍ فِي بَيْتٍ) اس جیسے مسائل میں قاعدہ یہ ہے اگر ظرف ایسی ہو اگر حقیقت کے اعتبار سے اسے ظرف بنانا ممکن ہو تو دیکھا جائے گا اگر اس کا منتقل کرنا ممکن ہو تو دونوں (ظرف ومظروف) لازم ہوں گے اگر منتقل کرنا ممکن نہ ہوں تو شیخین کے نزدیک صرف مظروف لازم ہوگا۔ کیونکہ ایسا غصب جو ضمان کو واجب کرتا ہے وہ غیر منقول چیز میں متحقق نہیں ہوتا۔ اگر وہ یہ دعویٰ کرے کہ اس نے مظروف کو نقل نہیں کیا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ اس نے غصب تام کا اقرار کیا ہے۔ کیونکہ یہ مطلق ہے پس اسے کمال پر محمول کیا جائے گا۔

امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ دونوں اس پر لازم ہوں گے کیونکہ منقولہ چیز کا غصب امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متصور ہے۔

اگر یہ ممکن نہ ہو کہ اسے حقیقت میں ظرف بنایا جائے تو اس پر صرف پہلی چیز لازم ہوگی جس طرح علما کا قول ہے درھم فی درھم (درہم میں درہم) تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ چیز اس کی ظرف بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی، ''منح''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28169۔ (قولہ: لَا تَكُونُ ظَرْفًا) امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ نفیس کپڑے کو دس کپڑوں میں لپیٹا جائے۔ ''منح''۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

28170۔ (قولہ: خَمْسَةٍ) کیونکہ فعل ضرب کا اثر اجزا کی تکثیر میں ہوتا ہے مال کی تکثیر میں نہیں ہوتا۔ ''درر''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''الولوالجیہ'' میں ہے: اگر اس نے عشرة فی عشرة ضرب کا ارادہ کیا یا ضرب بمعنی اجزا کی تکثیر کا ارادہ کیا تو دس لازم ہوں گے۔ اگر ضرب سے اس نے عین کی تکثیر کا ارادہ کیا تو سو لازم ہوں گے۔ ''سائحانی''۔

28171۔ (قولہ: وَعَشَرَةٌ إِنْ عَنَى مَعَ) ''بیانیہ'' میں ہے: اگر علی درھم کو مع درھم مراد لے یا معہ دراھم مراد

كَمَا مَرَّ فِي الطَّلَاقِ (وَمِنْ دِرْهَمٍ إِلَى عَشَرَةٍ أَوْ مَا بَيْنَ دِرْهَمٍ إِلَى عَشَرَةٍ إِلَى تِسْعَةٍ) لِدُخُولِ الْغَايَةِ الْأُولَى ضَرُورَةً: إِذْ لَا وُجُودَ لِمَا فَوْقَ الْوَاحِدِ بِدُونِهِ بِخِلَافِ الثَّانِيَةِ، مَا بَيْنَ الْحَائِطَيْنِ فَلِذَا قَالَ (وَ) فِي لَهُ

جس طرح طلاق کے باب میں گزر چکا ہے۔ اگر وہ یوں اقرار کرے: ایک سے دس تک یا ایک اور دس کے درمیان تو نو لازم ہوں گے۔ کیونکہ پہلی غایت تو مجبوراً داخل ہوگی۔ کیونکہ ایک کے بغیر اوپر والے اعداد نہیں پائے جا سکتے۔ دوسری غایت کا معاملہ مختلف ہے۔ اسی طرح اگر وہ یہ اقرار کرے دونوں دیواروں کے درمیان جو ہے اس کا اقرار کرتا ہوں تو اس کا معاملہ بھی مختلف ہوگا۔ اسی وجہ سے کہا:

لے تو دونوں درہم لازم ہوں گے۔ اسی طرح اس کے ماقبل اور مابعد کا معاملہ ہے۔ اسی طرح درهم فدرهم یا و درهم کا معاملہ ہے۔ درهم علی درهم کا معاملہ مختلف ہے یا کہا درهم درهم تو دوسرا تاکید ہوگا۔ اگر وہ کہے له علی درهم فی قفیزبر اس کا مجھ پر ایک قفیز گندم میں درہم لازم ہے۔ اسی طرح اگر وہ کہے فرق زیت فی عشرة مخاتیم حنطة و درهم ثم درهمان۔ تو اس پر تین دراہم لازم ہوں گے اور ایک درہم ایک درہم کے بدلے میں لازم ہوگا کیونکہ یہ بدلیہ کے لیے ہے۔

''حاوی قدسی'' میں ہے: اس کے مجھ پر سو اور کچھ ہیں تو اس پر سو لازم ہو جائیں گے اور نصف کی وضاحت میں اس کا قول معتبر ہوگا۔ ''حاشیہ'' میں ہے: اگر وہ ارادہ کرے پانچ سو پانچ سو کے ساتھ تو اس پر دس لازم ہوں گے۔ کیونکہ لفظ اس کا احتمال رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَادْخُلِي فِي عِبَادِي (الفجر) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مع عبادی کے معنی میں ہے جب لفظ اس کا احتمال رکھتا ہو اگر مجازاً ہی احتمال رکھتا ہو اور وہ اس معنی کی نیت کرے تو یہ صحیح ہوگا خصوصاً جب اس میں اپنی ذات پر تشدید ہو جس طرح اس کے محل میں اسے پہچانا گیا ہے۔ ''درر''۔

غایت کے بارے میں آئمہ احناف کا اختلاف

28172۔ (قوله: تِسْعَةٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ) امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نو لازم ہوں گے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: اس پر دس لازم ہوں گے۔ امام ''زفر'' نے فرمایا: آٹھ لازم ہوں گے یہی قیاس ہے۔ کیونکہ پہلے درہم اور آخری درہم کو حد بنایا جائے گا وہ محدود میں داخل نہ ہوں گے۔

''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل یہ ہے کہ غایت کے لیے ضروری ہے کہ وہ موجود ہو۔ کیونکہ معدوم کے لیے جائز نہیں کہ وہ موجود کی حد بنے اور اس کا موجود ہونا اسے ثابت کرے گا۔ پس دونوں غایتیں اس میں داخل ہوں گی۔

''امام اعظم'' کی دلیل یہ ہے کہ غایت داخل نہ ہوگی۔ کیونکہ حد محدود کے مغایر ہوتی ہے لیکن یہاں پہلی حد کو داخل کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ دوسرا درہم اور تیسرا درہم پہلے درہم کے بغیر متحقق نہیں ہوتا۔ پس پہلی غایت مجبوری کی وجہ سے داخل ہوگی اور دوسری غایت میں کوئی ضرورت نہیں، ''درر''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28173۔ (قوله: بِخِلَافِ الثَّانِيَةِ) یعنی دوسری غایت کا معاملہ مختلف ہے۔

(كُرُّ حِنْطَةٍ إِلَى كُرِّ شَعِيرٍ لَزِمَاهُ) جَمِيعًا (إِلَّا قَفِيزًا)؛ لِأَنَّهُ الْغَايَةُ الثَّانِيَةُ (وَلَوْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ إِلَى عَشَرَةِ دَنَانِيرَ يَلْزَمُهُ الدَّرَاهِمُ وَتِسْعَةُ دَنَانِيرَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لِمَا مَرَّ نِهَايَةٌ (وَفِي) لَهُ (مِنْ دَارِي مَا بَيْنَ هَذَا الْحَائِطِ إِلَى هَذَا الْحَائِطِ لَهُ مَا بَيْنَهُمَا) فَقَطْ لِمَا مَرَّ (وَصَحَّ الْإِقْرَارُ بِالْحَمْلِ الْمُحْتَمَلِ وُجُودُهُ وَقْتَهُ) أَيْ وَقْتَ الْإِقْرَارِ

اس کے لیے ایک کر گندم سے ایک کر جو تک ہے تو دونوں لازم ہوں گے مگر قفیز نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ دوسری غایت ہے اگر اس نے کہا: اس کے مجھ پر دس درہم سے دس دنانیر تک لازم ہے تو اس پر دس درہم اور نو دینار لازم ہوں گے۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے، ''نہایہ''۔ اگر وہ یہ اقرار کرے اس کا اس دیوار سے اس دیوار تک ہے تو دونوں دیواروں کے درمیان جو کچھ ہے صرف وہ اسے لازم ہوگا۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔ اس حمل کے بارے میں اقرار صحیح ہوگا اقرار کے وقت جس کے پائے جانے کا احتمال ہو اس کی صورت یہ ہے کہ اگر وہ حالت

28174۔ (قولہ: إِلَّا قَفِيزًا) یعنی جو کا قفیز، ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک دو کر لازم ہوں گے، ''منح''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28175۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی دوسری غایت داخل نہیں ہوگی کیونکہ ضرورت نہیں۔

یہ جان لو کہ دوسری غایت سے مراد ہے جو مذکور کو مکمل کردے۔ الی عشرہ اور الی الف دس تک اور ہزار تک میں غایت آخری فرد ہے۔ میرے لیے جو امر ظاہر ہوا ہے وہ اسی طرح ہے۔ ''مقدسی'' نے کہا: ''اتقانی'' نے ''حسن'' سے نقل کیا ہے: اگر وہ کہے درہم سے دینار تک تو دینار اس پر لازم نہیں ہوگا۔ ''الاشباہ'' میں ہے: مجھ پر بکری سے گائے تک لازم ہے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی خواہ وہ بعینہ ہو یا نہ ہو۔ میں نے اس کی شرح کی طرف منسوب ایک قول دیکھا ہے۔ امام ''ابویوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب وہ معین نہ ہو تو دونوں اس پر لازم ہوں گے۔ اگر اس نے کہا: ایک درہم سے درہم تک کے درمیان تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ امام ''ابویوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو درہم لازم ہو جائیں گے۔ ''سائحانی''۔

28176۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی دوسری غایت داخل نہیں ہوتی اور پہلی غایت ضرورت کی بنا پر داخل ہو جاتی ہے۔ یہاں ضرورت نہیں تامل۔ ''البرہان'' میں اسکی علت بیان کی ہے جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں ہے کہ دونوں خود بخود قائم ہوتی ہیں۔

28177۔ (قولہ: وَصَحَّ الْإِقْرَارُ بِالْحَمْلِ) خواہ وہ لونڈی کا حمل ہو یا کسی اور کا حمل ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: میری لونڈی کا حمل یا میری بکری کا حمل فلاں کے لیے ہے اگرچہ وہ سبب بیان نہ کرے۔ کیونکہ اس کو صحیح قرار دینے کی ایک وجہ یہ ہے کہ کسی اور کی طرف سے وصیت ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی مثلاً ایک بکری کے حمل کی دوسرے آدمی کے لیے وصیت کرے اور مر جائے اس مرنے والے کا بیٹا اس کا اقرار کرے تو اس پر اسے محمول کیا جائے گا۔

28178۔ (قولہ: الْمُحْتَمَلِ) یعنی یقینی بدرجہ اولیٰ اسی طرح ہوگا شاید زیادہ بہتر یہ قول تھا المتقین وجودہ شرعاً۔

بِأَنْ تَلِدَ لِدُونِ نِصْفِ حَوْلٍ لَوْ مُزَوَّجَةً أَوْ لِدُونِ حَوْلَيْنِ لَوْ مُعْتَدَّةً لِثُبُوتِ نَسَبِهِ (وَلَوْ الْحَمْلُ) (غَيْرَ آدَمِيٍّ) وَيُقَدَّرُ بِأَدْنَى مُدَّةٍ يُتَصَوَّرُ ذَلِكَ عِنْدَ أَهْلِ الْخِبْرَةِ زَيْلَعِيٌّ لَكِنْ فِي الْجَوْهَرَةِ أَقَلُّ مُدَّةِ حَمْلِ الشَّاةِ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَأَقَلُّهَا لِبَقِيَّةِ الدَّوَابِّ سِتَّةُ أَشْهُرٍ (وَ) صَحَّ (لَهُ إِنْ بَيَّنَ) الْمُقِرُّ (سَبَبًا صَالِحًا) يُتَصَوَّرُ لِلْمَحَلِّ (كَالْإِرْثِ وَالْوَصِيَّةِ) كَقَوْلِهِ مَاتَ أَبُوهُ فَوَرِثَهُ أَوْ أَوْصَى لَهُ بِهِ فُلَانٌ يَجُوزُ، وَإِلَّا فَلَا كَمَا يَأْتِي (فَإِنْ وَلَدَتْهُ حَيًّا لِأَقَلَّ مِنْ نِصْفِ حَوْلٍ) مُذْ أَقَرَّ (فَلَهُ مَا أَقَرَّ، وَإِنْ وَلَدَتْ حَيَّيْنِ فَلَهُمَا) نِصْفَيْنِ، وَلَوْ أَحَدُهُمَا ذَكَرًا وَالْآخَرُ أُنْثَى فَكَذَلِكَ فِي الْوَصِيَّةِ بِخِلَافِ الْمِيرَاثِ (وَإِنْ وَلَدَتْ مَيِّتًا فَ) يُرَدُّ (لِوَرَثَةِ) ذَلِكَ (الْمُوصِي وَالْمُوَرِّثِ)

نکاح میں ہوتو نصف سال سے کم میں وہ بچہ جن دے اگر وہ عدت گزار رہی ہوتو دو سال سے کم عرصہ میں وہ بچہ جن دے یہ اس بچے کے نسب کے ثبوت کے لیے ہے۔ اگر وہ حمل انسان کا نہ ہوتو پھر اس ادنی مدت کے ساتھ اس کا اندازہ لگایا جائے گا جو باخبر لوگوں کے ہاں اس کا تصور کیا جاتا ہے۔ ''زیلعی''۔ لیکن ''الجوہرہ'' میں ہے: بھیڑ بکری کے حمل کی ادنی مدت چار ماہ ہے باقی ماندہ جانوروں کے حمل کی ادنی مدت چھ ماہ ہے اور اس محل کے لیے اقرار کرنا صحیح ہوگا اگر مقر مناسب سبب کو بیان کرے جس کا اس محل میں تصور کیا جا سکتا ہے جس طرح وراثت اور وصیت جس طرح اس کا قول اس کا باپ مر گیا ہے پس یہ اس کا وارث ہے یا فلاں نے اس کے حق میں یہ وصیت کی تو یہ جائز ہوگا ورنہ حمل کے لیے اقرار صحیح نہ ہوگا جس طرح آگے آئے گا۔ اگر اس حاملہ عورت نے اس بچے کو چھ ماہ سے کم عرصہ میں زندہ جن دیا تو جس چیز کا اقرار کیا تھا وہ اس کے لیے ہو جائے گا۔ اگر اس نے دو زندہ بچے جنے تو اقرار ان دونوں کے لیے نصف نصف ہوگا اگرچہ ان دونوں میں سے ایک مذکر ہو اور دوسرا مؤنث ہو وصیت میں حکم اسی طرح ہوگا۔ میراث کا معاملہ مختلف ہوگا۔ اگر وہ مردہ بچے جنے تو وہ چیز اس موصی اور مورث کے ورثا کے طرف لوٹا دی جائے گی۔

28179۔ (قولہ: لِثُبُوتِ نَسَبِهِ) پس وہ اس کے وجود کے ساتھ حکم ہوگا۔

28180۔ (قولہ: لَكِنْ فِي الْجَوْهَرَةِ) سابقہ کلام جو اپنے ضمن میں لیے ہوئے تھی کہ اس معاملہ کے باخبر لوگوں کی طرف رجوع کیا جائے گا اس پر استدراک ہے کیونکہ جو کلام مذکور ہے اسے یہ استدراک لازم نہیں آتا۔

28181۔ (قولہ: وَصَحَّ لَهُ) یعنی اقرار کے وقت جس حمل کے پائے جانے کا احتمال ہو اس کے لیے اضرار صحیح ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ نصف سال سے کم عرصہ میں بچہ جن دے یا دو سال سے کم عرصہ میں بچہ جن دے جب کہ اس کا باپ فوت ہو چکا ہو۔ اگر وہ دو سالوں میں بچہ جنے جب کہ اس کا باپ زندہ ہو اور اس کی ماں سے اس کا وطی کرنا حلال ہو تو حمل کا اقرار (تمام نسخوں میں عبارت اسی طرح ہے حالانکہ چاہیے حمل کے لیے اقرار)۔ کیونکہ قریب ترین اوقات کی طرف حمل ٹھہرنے کا قول محال ہے۔ پس اقرار کے وقت اس کا وجود نہ حقیقت میں ثابت ہے اور نہ ہی حکماً ثابت ہے۔

28182۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْمِيرَاثِ) کیونکہ میراث میں مذکر کا حصہ دو مونثوں کے برابر ہوتا ہے۔

لِعَدَمِ أَهْلِيَّةِ الْجَنِينِ (وَإِنْ فَسَّرَهُ بِ) مَا لَا يُتَصَوَّرُ كَهِبَةٍ أَوْ (بَيْعٍ أَوْ إِقْرَاضٍ أَوْ أَبْهَمَ الْإِقْرَارَ) وَلَمْ يُبَيِّنْ سَبَبًا (لَغَا) وَحَمَلَ مُحَمَّدٌ الْمُبْهَمَ عَلَى السَّبَبِ الصَّالِحِ، وَبِهِ قَالَتْ الثَّلَاثَةُ (وَ) أَمَّا (الْإِقْرَارُ لِلرَّضِيعِ) فَإِنَّهُ (صَحِيحٌ وَإِنْ بَيَّنَ) الْمُقِرُّ (سَبَبًا غَيْرَ صَالِحٍ مِنْهُ حَقِيقَةً كَالْإِقْرَاضِ) أَوْ ثَمَنِ مَبِيعٍ لِأَنَّ هَذَا الْمُقِرَّ مَحَلٌّ لِثُبُوتِ الدَّيْنِ لِلصَّغِيرِ فِي الْجُمْلَةِ أَشْبَاهٌ (أَقَرَّ بِشَيْءٍ عَلَى أَنَّهُ بِالْخِيَارِ) ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ (لَزِمَهُ بِلَا خِيَارٍ) لِأَنَّ الْإِقْرَارَ إخْبَارٌ، فَلَا يَقْبَلُ الْخِيَارَ (وَإِنْ) وَصْلِيَّةٌ (صَدَّقَهُ الْمُقَرُّ لَهُ) فِي الْخِيَارِ لَمْ يُعْتَبَرْ تَصْدِيقُهُ (إلَّا إذَا أَقَرَّ بِعَقْدٍ) بَيْعٍ (وَقَعَ بِالْخِيَارِ لَهُ) فَيَصِحُّ بِاعْتِبَارِ الْعَقْدِ إذَا صَدَّقَهُ أَوْ بَرْهَنَ فَلِذَا قَالَ (إلَّا أَنْ يُكَذِّبَهُ الْمُقَرُّ لَهُ) فَلَا يَصِحُّ لِأَنَّهُ مُنْكِرٌ وَالْقَوْلُ لَهُ (كَإِقْرَارِهِ بِدَيْنٍ بِسَبَبِ كَفَالَةٍ عَلَى أَنَّهُ بِالْخِيَارِ فِي مُدَّةٍ، وَلَوْ الْمُدَّةُ (طَوِيلَةً) أَوْ قَصِيرَةً

کیونکہ جنین اس کا اہل نہیں۔ اگر وہ اس کی تفسیر ایسی چیز سے کرے جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا جیسے ہبہ، بیع، قرض دینا یا وہ اقرار کو مبہم رکھے اور سبب کی وضاحت نہ کرے تو اقرار لغو چلا جائے گا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے مبہم کو صلاحیت رکھنے والے سبب پر محمول کیا ہے۔ تینوں ائمہ نے یہی فرمایا ہے۔ جہاں تک دودھ پیتے بچے کے حق میں اقرار کا تعلق ہے تو یہ صحیح ہے اگر مقر ایسے سبب کا اقرار کرے جو حقیقت میں اس کی جانب سے نہ ہو سکتا ہو جس طرح قرض دینے یا مبیع کی ثمن کا اقرار کرنا۔ کیونکہ یہ مقر فی الجملہ صغیر کے حق میں دین کے ثبوت کا محل ہے،'' اشباہ''۔ ایک آدمی نے اس شرط پر کسی شے کا اقرار کیا کہ اسے تین دن تک اختیار ہوگا تو خیار کے بغیر وہ چیز اس پر لازم ہو جائے گی۔ کیونکہ اقرار اخبار (خبر دینا) ہے وہ خیار شرط کو قبول نہیں کرتا اگرچہ مقر لہ خیار میں اس کی تصدیق کرے اس کی تصدیق کا اعتبار نہیں کیا جائے گا مگر جب وہ عقد بیع کا اقرار کرے جو بیع اس کے لیے خیار کے ساتھ واقع ہو۔ پس عقد کے اعتبار سے یہ صحیح ہوگا جب وہ اس کی تصدیق کرے یا اس پر گواہیاں پیش کر دے۔ اسی وجہ سے فرمایا: مگر جب مقر لہ اس کو جھٹلا دے تو یہ خیار صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ مقر لہ منکر ہے اور قول منکر کا معتبر ہوگا۔ جس طرح ایک آدمی کفالت کے سبب سے دین کا اقرار کرے کہ اسے مدت میں خیار ہوگا اگرچہ مدت طویل ہو یا مختصر ہو۔

28183۔(قولہ: فَإِنَّهُ صَحِيحٌ) کیونکہ اقرار مقر لہ کے قبول کرنے پر موقوف نہیں ہوگا۔ اور تصدیق کے بغیر مقر لہ کے لیے ملکیت ثابت ہو جائے گا لیکن اس کا بطلان اس کے باطل کرنے پر موقوف ہوگا۔ جس طرح ''انقرویٰ'' میں ہے ''سائحانی''۔ اس میں اور حمل میں فرق شارح عنقریب ذکر کریں گے۔

28184۔(قولہ: فِي الْجُمْلَةِ) اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے ولی کے ساتھ وہ عقد کرے۔ حمل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس پر کسی کی ولایت حاصل نہیں ہوتی۔

28185۔(قولہ: لَمْ يُعْتَبَرْ) مناسب تو یہ تھا کہ یہ قول کرتے فانه لم يعتبر کیونکہ ان وصلیہ کا جواب نہیں ہوتا۔'' ح''۔

28186۔(قولہ: أَوْ قَصِيرَةً) زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ اس کو حذف کیا جائے۔ جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔'' ح''۔

فَإِنَّهُ يَصِحُّ إِذَا صَدَّقَهُ لِأَنَّ الْكَفَالَةَ عَقْدٌ أَيْضًا بِخِلَافِ مَا مَرَّ لِأَنَّهَا أَفْعَالٌ لَا تَقْبَلُ الْخِيَارَ زَيْلَعِيٌّ (الْأَمْرُ بِكِتَابَةِ الْإِقْرَارِ إِقْرَارٌ حُكْمًا) فَإِنَّهُ كَمَا يَكُونُ بِاللِّسَانِ يَكُونُ بِالْبَنَانِ فَلَوْ قَالَ لِلصَّكَّاكِ اُكْتُبْ خَطَّ إِقْرَارِي بِأَلْفٍ عَلَيَّ أَوْ اُكْتُبْ بَيْعَ دَارِي أَوْ طَلَاقَ امْرَأَتِي صَحَّ كَتَبَ أَمْ لَمْ يَكْتُبْ وَحَلَّ لِلصَّكَّاكِ أَنْ يَشْهَدَ إِلَّا فِي حَدٍّ وَقَوَدٍ خَانِيَّةٌ وَقَدَّمْنَا فِي الشَّهَادَاتِ عَدَمَ اعْتِبَارِ مُشَابَهَةِ الْخَطَّيْنِ

جب مقرلہ اس کی تصدیق کر دے تو یہ صحیح ہوگا کیونکہ کفالت بھی عقد ہے۔ جو گزر چکا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ وہ ایسے افعال ہیں جو خیار کو قبول نہیں کرتے،''زیلعی''۔ اقرار کے لکھنے کا امر یہ حکماً اقرار ہے کیونکہ اقرار جس طرح زبان سے ہوتا ہے وہ پوروں سے گننے کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ اگر اس نے عرضی نویس سے کہا: میرا اقرار لکھو کہ مجھ پر ہزار لازم ہے یا میرے گھر کا بیع نامہ لکھو یا میری بیوی کو طلاق لکھو تو یہ اقرار صحیح ہوگا خواہ وہ عرضی نویس لکھے یا نہ لکھے۔ اور عرضی نویس کے لیے یہ حلال ہے کہ وہ حدود و قصاص کے علاوہ امور میں گواہی دے۔''خانیہ''۔ ہم کتاب الشہادات میں یہ پہلے بیان کر آئے ہیں کہ دو تحریروں کی مشابہت کا اعتبار نہیں ہوگا۔

28187۔ (قولہ: لِأَنَّهَا أَفْعَالٌ) کیونکہ جس شے کا اقرار کیا گیا ہے وہ قرض ہوگا، غصب ہوگا، ودیعت ہوگی یا ادھار ہوگا۔

28188۔ (قولہ: بِكِتَابَةِ الْإِقْرَارِ) مگر جب عقد اجارہ لکھنے کا امر کرے تو معاملہ مختلف ہوگا جب کہ اس امر پر اس نے گواہ بنایا تو یہ اور اس کی جانب سے جائز قرار نہ دیا ہو تو اجارہ منعقد نہیں ہوگا۔''اشباہ''۔

اقرار جس طرح زبان سے ہوتا ہے اسی طرح پوروں سے گننے کے ساتھ بھی ہوتا ہے

28189۔ (قولہ: يَكُونُ بِالْبَنَانِ) بنان کا لفظ با اور نون کے ساتھ ہے۔ کلام کا مقتضایہ ہے کہ متن کا مسئلہ اس قبیل سے ہے جس میں پوروں کے ساتھ اقرار کیا جاتا ہے جب کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ زبان کے اقرار کے قبیل سے ہے۔ اس کی دلیل کتب ام لم یکتب ہے۔ اور اس کی دلیل وہ قول ہے جو''المنح'' میں''الخانیہ'' سے مروی ہے۔ کیونکہ کہا: بعض اوقات اقرار پوروں کے ساتھ ہوتا ہے جس طرح اقرار زبان سے ہوتا ہے۔ ایک آدمی نے اپنے خلاف تحریر لکھوائی اس میں حق کا ذکر کیا یہ عمل ایک قوم کی موجودگی میں ہوا یا اس نے ایک انسان کو املا کرائی تاکہ وہ لکھے پھر اس نے کہا: میرے خلاف فلاں کے حق میں تم گواہ بن جاؤ تو یہ اقرار ہوگا۔ کیونکہ اس ترکیب (کلام) کا ظاہر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ پہلا مسئلہ پوروں سے اقرار کرنے کی مثال ہے اور دوسرا مسئلہ زبان سے اقرار کرنے کی مثال ہے تامل۔''ح''۔

فرع: مدیون نے یہ دعویٰ کیا کہ دائن نے اپنے ہاتھ سے ایک کاغذ پر یہ تحریر کیا تھا کہ میرا وہ دین جو فلاں کے ذمہ ہے میں نے اسے اس دین سے بری کر دیا ہے تو یہ صحیح ہوگا اور دین ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ ایسی تحریر جس کا عنوان ہو وہ زبان سے کی گئی کلام کی طرح ہوتی ہے۔ اگر یہ اس طرح نہ ہو تو نہ بری کرنا صحیح ہوگا اور نہ بری کرنے کا دعویٰ صحیح ہوگا۔ اس میں کوئی فرق

....

نہیں کہ یہ تحریر دائن کے مطالبہ پر ہو یا اس کے مطالبہ کے بغیر ہو۔ "بزازیہ" کتاب الدعویٰ کے چودہویں فصل کے آخر میں ہے۔ "الاشباہ" کے احکام الکتابہ میں ہے: جب ایک آدمی نے کوئی تحریر لکھی اور منہ سے کچھ نہ کہا تو شہادت حلال نہ ہوگی۔ "قاضی نسفی" نے کہا: اگر اس نے سرنامہ پر لکھا فلاں بن فلاں کا مجھ پر اتنا لازم ہے یا اس نے شروع میں لکھا فلاں کے لیے مجھ پر یہ لازم ہے تو گواہ کے لیے یہ حلال ہے کہ گواہی دے اگرچہ وہ تحریر کرنے والا یہ نہ کہے "مجھ پر گواہ بن جاؤ"۔ عام علماء کی رائے اس سے مختلف ہے کیونکہ بعض اوقات تحریر تجربہ کے لیے ہوتی ہے اگرچہ وہ لکھے، اسے گواہوں کے ہاں پڑھے اگرچہ انہیں گواہ نہ بنائے اگر وہ ان کے ہاں پڑھتا ہے اور کہتا ہے مجھ پر اس بارے میں گواہ بن جاؤ جو اس تحریر میں ہے اگر تو وہ گواہ اس کے بارے میں جانتے ہیں جو کچھ اس میں ہے تو یہ اقرار ہوگا ورنہ اقرار نہیں ہوگا۔

قاضی نے یہ ذکر کیا ہے ایک آدمی نے دوسرے پر مال کا دعویٰ کیا اور ایک تحریر نکالی اور یہ کہا: اس مال کے بارے میں یہ مدعیٰ علیہ کی تحریر ہے مدعیٰ علیہ نے اس کی تحریر ہونے کا انکار کر دیا اس مدعیٰ علیہ سے لکھنے کا مطالبہ کیا گیا جب کہ دونوں تحریروں میں ظاہر مشابہت موجود ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ دونوں تحریریں ایک کاتب کی ہیں صحیح قول کے مطابق اس مدعیٰ علیہ پر مال لازم نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر یہاں کچھ نہیں کہ وہ کہے کہ یہ میری تحریر ہے اور میں نے اسے تحریر کیا ہے لیکن مجھ پر یہ مال لازم نہیں یہاں اس طرح کی کوئی شے ثابت نہیں ہوتی مگر سمسار، بیاع اور صراف کے دفتر میں ایسی تحریر ہو تو مال لازم ہو جائے گا۔ ہم باب کتاب القاضی میں اور کتاب الشہادات میں اس کے متعلق پہلے گفتگو کر چکے ہیں۔ اسی کی مثل بزازیہ میں ہے۔

"سائحانی" نے کہا: "مقدسی" میں "الظہیریہ" سے مروی ہے: اگر اس نے کہا: میں نے اپنی کتاب میں یہ پایا ہے کہ اس کا مجھ پر ہزار لازم ہے یا میں نے یادداشت میں، اپنے حساب میں یا اپنی تحریر میں یہ پایا ہے یا کہا: میں نے اپنے ہاتھ سے یہ لکھا ہے کہ فلاں کا مجھ پر یہ لازم ہے تو یہ سب باطل ہے۔ بلخ کے ائمہ کی ایک جماعت نے بیاع کے رجسٹر کے بارے میں کہا: بیاع کی تحریر سے جو پائے گا وہ اس پر لازم ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنے رجسٹر میں وہی چیز تحریر کرتا ہے جو اس کا لوگوں کے ذمہ ہو یا لوگوں کا اس کے ذمہ ہو۔ وہ یہ عمل اس لیے کرتا ہے تاکہ بھول نہ جائے۔ اور غالب معمول پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔

ہم نے اس سے یہ استفادہ کیا ہے کہ ہمارے ائمہ کا جو یہ قول ہے "تحریر پر عمل نہیں کیا جائے گا" یہ اپنے عموم پر جاری ہو گا۔ سمسار اور بیاع کے رجسٹر کا جہاں تک تعلق ہے وہ ظاہر نہیں۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ اسے بلخ کے ائمہ کی جماعت کی طرف منسوب کیا جائے اور اسے اس کے ساتھ مقید کیا جائے کہ یہ اس کے متعلق ہے جو غیر کا حق اس پر لازم ہو۔ یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "طرسوسی" نے جو تحریر پر عمل کرنے کا رد کیا ہے اس کی تائید مذہب سے ہو رہی ہے۔ پس ہم اس کے علاوہ کی طرف نہیں جائیں گے۔ ہم نے کتاب القاضی الی القاضی کے باب میں جو کچھ پہلے لکھا ہے اس کی طرف نظر کیجئے۔

(أَحَدُ الْوَرَثَةِ
وارثوں میں سے ایک وارث

18190۔(قولہ: أَحَدُ الْوَرَثَةِ) اگر سب اس کی تصدیق کر دیں لیکن فرق کے ساتھ تصدیق کریں جیسے ایک آدمی ہے جو تین بیٹے اور تین ہزار چھوڑ کر فوت ہوتا ہے بیٹوں نے اس ترکہ کو تقسیم کر لیا اور ہر ایک نے ایک ایک ہزار لے لیا تو ایک آدمی نے ان کے باپ کے خلاف تین ہزار کا دعویٰ کر دیا تو بڑے بیٹے نے مکمل دین میں مدعی کی تصدیق کی درمیانے نے دو ہزار میں اس کی تصدیق کی اور سب سے چھوٹے نے ایک ہزار میں اس کی تصدیق کی تو مدعی بڑے بیٹے سے ہزار، درمیانے سے ہزار کا 5/6 اور چھوٹے سے ہزار کا 1/3 وصول کرے گا۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے چھوٹے اور بڑے کے بارے میں یہی قول کیا ہے۔ اور درمیانے سے ایک ہزار وصول کرے گا ہر ایک کی وجہ ''الکافی'' میں ہے۔

اگر مدعی علیہ قاضی کے پاس کہے: جو کچھ مدعی کی تحریر میں ہے اسے میں نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، تو یہ اقرار نہیں

تنبیہ

اگر مدعی علیہ قاضی کے پاس کہے: مدعی کے تذکرہ میں جو کچھ اس کی تحریر موجود ہے میں نے اسے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے تو یہ قول اقرار نہیں ہوگا۔ کیونکہ شرط کی قید اقرار کے مناسب نہیں۔ کیونکہ ہمارے اصحاب رحمۃ اللہ علیہم سے یہ ثابت ہے کہ جس نے کہا: اس نے فلاں کے خلاف جس کا اقرار کیا ہے میں اس کا اقرار کرتا ہوں تو یہ اقرار نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ وعدہ کے مشابہ ہے۔ ''شرنبلالیہ'' کی ''محیط'' میں اسی طرح ہے۔

ایک ایسے آدمی کے بارے میں جو زید سے قرض لیا کرتا تھا اور اسے واپس کر دیتا تھا پھر دونوں نے دین کی ایسی مقدار پر باہم حساب کیا جو زید کے لیے آدمی کے ذمہ تھا اس آدمی نے اقرار کیا کہ یہ قبض و حساب کا آخر ہے پھر کچھ دنوں کے بعد وہ اس کے نقض اور حساب کے اعادہ کا ارادہ کرتا ہے کیا اس کے لیے یہ نہیں؟ جواب ہوگا ہاں۔ کیونکہ ''الدرر'' کا قول ہے ''جس نے اقرار کیا اس کے لیے کوئی عذر نہیں ہوگا''۔ ''سائحانی''۔

اس میں تجارت کے دو شریکوں کے بارے میں ہے دونوں کے لیے دفاتر کی جماعت نے حساب لگایا وہ دونوں راضی ہو گئے اور مجلس ختم ہو گئی دونوں شریکوں نے یہ گمان کیا تھا کہ حساب میں جماعت صحیح ہے پھر دوسری جماعت کے ہاں حساب میں خطا واضح ہو گئی کیا صحیح حساب کی طرف لوٹایا جائے گا؟

جواب: ہاں۔ یہ ''اشباہ'' کے قول کی بنا پر ہے: ''اس ظن کا کوئی اعتبار نہیں جس کی خطا واضح ہو چکی ہو''۔

شرکت عنان کے دو شریکوں کے بارے میں دونوں شریکوں نے حساب لگایا پھر ایک دوسرے کو بری کیے بغیر وہ دونوں آپس میں جدا ہو گئے یا شرکت پر باقی رہے پھر دونوں شریکوں میں سے ایک کو یاد آیا کہ اس نے شرکت میں سے کچھ ایسی اشیاء

أَقَرَّ بِالدَّيْنِ) الْمُدَّعَى بِهِ عَلَى مُوَرِّثِهِ وَجَحَدَهُ الْبَاقُونَ (يَلْزَمُهُ) الدَّيْنُ (كُلُّهُ) يَعْنِي إنْ وَفَّى مَا وَرِثَهُ بِهِ بُرْهَانٌ وَشَرْحُ مَجْمَعٍ (وَقِيلَ حِصَّتُهُ) وَاخْتَارَهُ أَبُو اللَّيْثِ دَفْعًا لِلضَّرَرِ، وَلَوْ شَهِدَ هَذَا الْمُقِرُّ مَعَ آخَرَ أَنَّ الدَّيْنَ كَانَ عَلَى الْمَيِّتِ قُبِلَتْ وَبِهَذَا عُلِمَ أَنَّهُ لَا يَحِلُّ الدَّيْنُ فِي نَصِيبِهِ

نے اس دین کا اقرار کیا جس کے بارے میں مورث پر دعویٰ کیا گیا تھا باقی ورثا نے اس دین کا انکار کر دیا اس مقر پر سارا دین لازم ہو جائے گا اگر ترکہ میں سے جو اس وارث کا حصہ بنتا ہے وہ اس دین کو پورا ہو جائے ''برہان''، ''شرح مجمع''۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس قدر دین اس کے ذمہ لازم ہوگا جس قدر وراثت میں سے اس کا حصہ بنتا ہے۔ ''ابولیث'' نے اسے اختیار کیا ہے تا کہ اس مقر سے ضرر کو دور کیا جائے۔ اگر اس مقر نے ایک آدمی کے ساتھ گواہی دی کہ یہ دین میت پر لازم تھا تو گواہی قبول کی جائے گی۔ اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ محض اس کے اقرار سے دین اس کے حصہ میں لاحق نہیں ہوگا

پہنچائی ہیں جس کا دونوں نے حساب نہیں کیا دوسرے نے اس کا انکار کر دیا جب کہ گواہ بھی نہیں۔ مدعی نے اس پر اپنے شریک سے قسم کا مطالبہ کر دیا تو کیا اسے یہ حق حاصل ہے کیونکہ منکر پر قسم واجب ہوتی ہے۔ جواب ہے: ہاں۔

28191۔ (قولہ: أَقَرَّ بِالدَّيْنِ) باب العتق فی المرض سے تھوڑا پہلے کتاب الوصایا میں یہ آئے گا۔

28192۔ (قولہ: وَقِيلَ حِصَّتُهُ) اسے قیل کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ پہلا قول ظاہر روایت ہے جس طرح مصنف کے ''فتاویٰ'' میں ہے عنقریب یہ پھر بھی آئے گا۔ ''جامع الفصولین'' میں جس وصیت کا ذکر ہے اس کے یہ خلاف ہے۔ ''جامع الفصولین'' میں ہے: وارثوں میں سے ایک اگر وصیت کا اقرار کرے تو بالاتفاق اس میں وہ چیز وصول کی جائے گی جو اس کے ساتھ خاص ہے۔ جب وہ آدمی مر جائے اور وہ تین بیٹے اور تین ہزار درہم چھوڑے اور ہر بیٹے نے ایک ہزار وصول کر لیا ہو تو ایک آدمی دعویٰ کر دے کہ میت نے اس کے حق میں اپنے مال میں سے ایک تہائی کی اس کے حق میں وصیت کی تھی بیٹوں میں سے ایک نے اس کی تصدیق کر دی تو قیاس یہ ہے کہ اس کے قبضہ میں جو مال ہے اس میں سے 3/5 وصول کر لیا جائے۔ یہی امام ''زفر'' کا قول ہے۔ استحسان یہ ہے اس سے اس کا ایک تہائی وصول کیا جائے گا جو اس کے قبضہ میں ہے یہی ہمارے عام علما کا قول ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے مقر نے ایک ہزار مشترک کا اقرار کیا ہے جو مشترک پورے مال میں موجود ہے اس کا ایک تہائی اس مقر کے قبضہ میں ہے اور اس کے دو تہائی اس کے دو شریکوں کے پاس ہے اس کے قبضہ میں جو مال ہے اس میں اس کا اقرار قبول کیا جائے گا۔ اور جو مال غیر کے قبضہ میں ہے اس میں اس کے اقرار کو قبول نہ کیا جائے گا۔ پس ضروری ہوگا کہ مقر کے قبضہ میں جو مال ہے اس کا ایک تہائی موصی لہ کے سپرد کر دیا جائے۔

28193۔ (قولہ: وَلَوْ شَهِدَ هَذَا الْمُقِرُّ مَعَ آخَرَ) ''جامع الفصولین'' میں ہے، ''ح''۔ قاضی کو چاہیے کہ وہ مدعی علیہ سے سوال کرے کیا تیسرا مورث فوت ہو چکا ہے اگر وہ کہے: ہاں، تو اس سے مال کے دعویٰ کے بارے میں سوال کرے گا۔ اگر وہ اقرار کر لے اور باقی وارث اس کو جھٹلا دیں قاضی اس کے اقرار سے فیصلہ نہ کرے یہاں تک کہ یہ مقر اور اس کے

بِمُجَرَّدِ إِقْرَارِهِ بَلْ بِقَضَاءِ الْقَاضِي عَلَيْهِ بِإِقْرَارِهِ فَلْتُحْفَظْ هٰذِهِ الزِّيَادَةُ دُرَرٌ (أَشْهَدَ عَلَى أَلْفٍ فِي مَجْلِسٍ وَأَشْهَدَ رَجُلَيْنِ آخَرَيْنِ

بلکہ قاضی اس کے اقرار کی وجہ سے جب فیصلہ کرے گا تب اس کے حصہ میں لاحق ہوگا۔ اس زیادتی کو یاد رکھنا چاہیے، ''درر''۔ ہزار پر ایک مجلس میں گواہ بنائے اور دوسری مجلس میں دو اور آدمیوں کو گواہ بنایا

ساتھ ایک اجنبی گواہی نہ دے پھر وہ اسے قبول کرے گا اور تمام وارثوں کے خلاف فیصلہ کر دے گا اس کے اقرار کی وجہ سے فیصلہ کرنے کے بعد اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی۔ اگر وہ گواہیاں قائم نہ کرے تو وارث کا اقرار کرے یا قسم سے انکار کرے تو ظاہر روایت کے مطابق مقر کے حصہ سے تمام دین وصول کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اس امر کا اقرار کرتا ہے کہ دین کا درجہ اس کی وراثت پر مقدم ہے۔

''ش'' نے کہا: یہی قیاس ہے لیکن میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ اس مقر پر وہی چیز لازم ہوگی جو اس کے حصہ میں آئی ہے۔ یہ امام شعبی، امام حسن بصری، امام مالک، سفیان ثوری، ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہم وغیرہم کا نقطہ نظر ہے جنہوں نے ان جلیل القدر علما کی پیروی کی۔ یہ قول زیادہ عدل پر مبنی ہے اور اسے ضرر پہنچانے سے دور ہے۔

اگر مدعی گواہیاں قائم کر دے تو اس سے وہی چیز وصول کی جائے گی جو اس کے ساتھ خاص ہے یہ قول متفق علیہ ہے۔ انتہی

یہ صورت باقی رہ گئی ہے اگر دونوں گواہ ترکہ کی تقسیم کے بعد کسی ایک وارث کے خلاف اس کے دین پر گواہیاں پیش کر دیں تو کیا دائن کو حق حاصل ہے کہ وہ موجود وارث کے حصہ سے تمام دین وصول کرلے۔

مصنف نے اپنے فتاویٰ میں ارشاد فرمایا: علما نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ بعض علما نے ارشاد فرمایا: ہاں۔ جب غائب واپس آئے گا تو یہ حاضر وارث اس سے واپس لے لے گا۔

بعض علما نے فرمایا: وہ اس سے نہیں لے گا مگر حاضر سے اتنا وصول کرے گا جو اس کے ساتھ خاص ہے۔ ملخص

''جامع الفصولین'' میں بھی ہے: اسی طرح اگر طالب اس مقر کے خلاف گواہیاں پیش کر دے تو اس کے خلاف گواہیاں سنی جائیں گی جس طرح عین پر قبضہ کرنے والے وکیل کا معاملہ ہے اگر وہ آدمی اقرار کرے، جس کے پاس وہ عین موجود ہے، کہ یہ اس شے پر قبضہ کرنے کا وکیل ہے تو اس کا اقرار کافی نہیں ہوگا۔ وکیل کو اس امر کا مکلف بنایا جائے گا کہ وہ وکالت کو ثابت کرنے کے لیے گواہیاں پیش کرے یہاں تک کہ اسے قبضہ کرنے کا حق ثابت ہو یہاں بھی معاملہ اسی طرح ہے۔

28194۔ (قولہ: بِمُجَرَّدِ إِقْرَارِهِ) اگر محض اقرار سے دین اس کے حصہ میں واقع ہو جاتا ہو تو اس کی شہادت قبول نہ کی جائے گی کیونکہ جو چٹی اس کے ذمہ لازم ہوتی ہے وہ اس کے ساتھ اپنی ذات سے دور کرنے کا اہتمام کرتا ہے، ''باقانی''، ''درر''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28195۔ (قولہ: أَشْهَدَ عَلَى أَلْفٍ الخ) مصنف نے ''المنح'' میں ''الخانیہ'' سے ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کی دو روایتیں نقل کی ہیں۔ متن میں جو قول ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں۔

فِي مَجْلِسٍ آخَرَ) بِلَا بَيَانِ السَّبَبِ (لَزِمَهُ الْمَالَانِ (أَلْفَانِ)
جب کہ سبب بیان نہ کیا تو دونوں ہزار لازم ہو جائیں گے

ایک روایت یہ ہے: دونوں مال اس پر لازم ہوں گے اگر وہ دوسری مجلس میں پہلے ہی دونوں گواہوں کو گواہ بنائے۔ اگر ان دونوں کے علاوہ کو گواہ بنائے تو مال ایک ہی ہوگا۔

زیادہ مناسب یہ ہے کہ اگر وہ ہر اقرار پر گواہ لائے تو دونوں مال مکمل طور پر اس پر لازم ہوں گے خواہ وہ دوسرے اقرار پر پہلے ہی گواہوں کو گواہ بنائے یا اور گواہوں کو گواہ بنائے۔

دونوں مالوں کا لزوم اس صورت میں ہے اگر وہ دوسری مجلس میں دو گواہ بنائے جو کچھ ذکر کیا گیا ہے۔ یہ ان میں سے ایک بھی نہیں۔

''درر'' میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے روایت نقل کی گئی ہے اور دوسری کو اس سے بدل دیا جسے مصنف نے ذکر کیا یہ انداز ان کی متابعت کی وجہ سے اپنایا ہے۔

ہم نے جو ذکر کیا ہے ''عزمیہ'' میں اس کے ساتھ اعتراض کیا گیا ہے۔ اور یہ کہا گیا کہ یہ تیسرا قول اپنی جانب سے پیش کرنا ہے جو کسی طرف بھی منسوب نہیں اور کتابوں میں بھی مذکور نہیں۔

28196۔ (قولہ: فِي مَجْلِسٍ آخَرَ) یہ صورت مختلف ہوگی پہلے ایک آدمی کو گواہ بنایا اور دوبارہ ایک اور کو گواہ بنایا یہ عمل ایک جگہ ہو یا دو جگہوں میں ہو بالاتفاق مال ایک ہی ہوگا۔ اسی طرح اگر پہلے مال پر ایک آدمی کو گواہ بنائے اور دوسرے مال پر زیادہ افراد کو گواہ بنائے جب کہ وہ دوسری مجلس میں ہو۔ تو ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک ایک مال لازم ہوگا اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معاملہ اسی طرح ہے یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے۔ ''منح''۔

28197۔ (قولہ: لَزِمَهُ أَلْفَانِ) یہ بات ذہن نشین رہے کہ تکرار کا اقرار اس امر سے خالی نہیں ہوگا کہ وہ کسی سبب کے ساتھ مقید ہوگا یا مطلق نہ ہوگا۔ اگر پہلی صورت ہو (یعنی سبب کے ساتھ مقید ہو) تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو سبب متحد ہوگا تو ایک مال لازم ہوگا اگرچہ مجلس مختلف ہو یا سبب مختلف ہوگا تو مطلقاً دو مال لازم ہوں گے۔

اگر وہ مطلق ہو یا تو دستاویز کے ساتھ ہوگا یا دستاویز کے بغیر ہوگا پہلے کی پھر دو صورتیں ہیں یا تو ایک دستاویز کے ساتھ ہوگا تو مال مطلقاً ایک ہوگا۔ یا دو دستاویزات کے ساتھ ہوگا تو مطلقاً دو مال لازم ہوں گے۔ جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے اگر اقرار ایک جگہ میں ہو تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں مال لازم ہوں گے۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک ایک مال لازم ہوگا مگر جب مطلوب یہ کہے وہ دونوں دو مال ہوں گے اگر پہلے دو گواہوں کے علاوہ کو گواہ بنایا تو دونوں مال لازم ہوں گے۔ ایک دوسری جگہ آپ سے اس کے برعکس مروی ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر مشہود ایک ہے تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو مال لازم ہوں گے ورنہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک ایک مال لازم ہوگا۔ جہاں تک ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے تو مشائخ کا اختلاف ہے۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے کہا ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق دو مال لازم

كَمَا اخْتَلَفَ السَّبَبُ بِخِلَافِ مَا لَوِ اتَّحَدَ السَّبَبُ أَوِ الشُّهُودُ أَوْ أَشْهَدَ عَلَى صَكٍّ وَاحِدٍ أَوْ أَقَرَّ عِنْدَ الشُّهُودِ ثُمَّ عِنْدَ الْقَاضِي أَوْ بِعَكْسِهِ ابْنُ مَلَكٍ، وَالْأَصْلُ أَنَّ الْمُعَرَّفَ أَوِ الْمُنَكَّرَ إِذَا أُعِيدَ مُعَرَّفًا كَانَ الثَّانِي عَيْنَ الْأَوَّلِ أَوْ مُنَكَّرًا فَغَيْرُهُ

جس طرح سبب مختلف ہو۔ اگر سبب متحد ہو یا گواہ وہی ہوں یا ایک ہی دستاویز پر گواہ بنائے یا گواہوں کے سامنے اس نے اقرار کیا پھر قاضی کے سامنے اقرار کیا یا اس کے برعکس کیا، ''ابن ملک''۔ قاعدہ یہ ہے کہ معرف باللام یا اسم نکرہ کو دوبارہ معرف باللام لایا جائے تو دوسرا پہلے کا عین ہوتا ہے جب دوبارہ اسے نکرہ لایا جائے تو وہ پہلے کا غیر ہوتا ہے۔

ہوں گے اور استحسان میں ہے کہ ایک مال لازم ہوگا۔ امام ''سرخسی'' اسی طرف گئے ہیں۔ علما میں سے کچھ وہ ہیں جو یہ کہتے ہیں۔ امام ''کرخی'' کے قول کے مطابق دو مال لازم ہوں گے امام ''طحاوی'' کے قول کے مطابق ایک مال لازم ہوگا۔ ''شیخ الاسلام'' اسی طرف گئے ہیں یہ ''تاتر خانیہ'' سے ملخص ہے۔ یہ سب کچھ شرح سے مفہوم ہے۔ اس بحث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ متن میں جو قول ہے یہ منقول روایت ہے اور ''الدرر'' کے اوپر ''عزمیہ'' کا اعتراض مردود ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس قول کو ایسا قول قرار دیا ہے جو اپنی طرف سے کہا گیا یہ کتب میں مذکور نہیں جب کہ اس امر کا سہارا لیا تھا کہ ''خانیہ'' میں مسئلہ میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت یہ ہے: اگر گواہ وہی ہوں تو دو مال لازم ہوں گے ورنہ ایک مال لازم ہوگا۔ دوسری روایت یہ ہے: دو مال لازم ہوں گے۔ اگر ہر اقرار پر دو گواہ بنائے وہ دونوں گواہ ایک ہی ہوں یا وہ نہ ہوں۔ ''الولوالجیہ'' میں مسئلہ تو واضح کیا ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

28198۔(قولہ: كَمَا اخْتَلَفَ السَّبَبُ) اگر چہ ایک مجلس میں ہو، ''بزازیہ'' میں ہے۔ صفت کو سبب کی طرح بنا دیا ہے کیونکہ کہا: اگر اس نے ہزار سفید کا اقرار کیا پھر ہزار سیاہ کا اقرار کیا تو دو مال لازم ہوں گے۔ اگر مقرلہ نے سبب کے مختلف ہونے کا دعویٰ کیا اور مقر نے سبب کے متحد ہونے کا دعویٰ کیا یا صک اور وصف کے معاملہ میں یہ اختلاف ہوا تو قول مقر کا معتبر ہوگا۔ اگر سبب متحد ہوا اور دوسرا مال زیادہ ہو تو دو مال واجب ہوں گے اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اکثر مال لازم ہوگا۔ ''سائحانی''۔

28199۔(قولہ: اتَّحَدَ السَّبَبُ) اس کی صورت یہ ہے: وہ کہتا ہے اس کا مجھ پر اس غلام کا ہزار روپے لازم ہے پھر اس کے بعد اس مجلس میں یا کسی اور مجلس میں اقرار کرے۔ ''منح''۔

28200۔(قولہ: أَوِ الشُّهُودُ) یہ وہ صورت ہے جس طرف ''امام سرخسی'' گئے ہیں جس طرح سابقہ گفتگو سے تو جان چکا ہے۔

28201۔(قولہ: ثُمَّ عِنْدَ الْقَاضِي) اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ سب قاضی کے پاس مجلس میں ہو۔ ''ط''۔

28202۔(قولہ: وَالْأَصْلُ أَنَّ الْمُعَرَّفَ) جس طرح متحد سبب کی صورت میں اقرار ہو۔

28203۔(قولہ: أَوِ الْمُنَكَّرَ) جس طرح دو سبب ہوں اور سبب سے مطلق ہو۔

وَلَوْ نَسِيَ الشُّهُودُ أَيْ مَوْطِنٍ أَوْ مَوْطِنَيْنِ فَهُمَا مَالَانِ مَا لَمْ يُعْلَمِ اتِّحَادُهُ وَقِيلَ وَاحِدٌ وَتَمَامُهُ فِي الْخَانِيَّةِ (أَقَرَّ ثُمَّ ادَّعَى) الْمُقِرُّ (أَنَّهُ كَاذِبٌ فِي الْإِقْرَارِ يَحْلِفُ الْمُقَرُّ لَهُ أَنَّ الْمُقِرَّ لَمْ يَكُنْ كَاذِبًا فِي إِقْرَارِهِ) عِنْدَ الثَّانِي وَبِهِ يُفْتَى دُرَرٌ (وَكَذَا) الْحُكْمُ يَجْرِي (لَوْ ادَّعَى وَارِثُ الْمُقِرِّ) فَيَحْلِفُ (وَإِنْ كَانَتْ الدَّعْوَى عَلَى وَرَثَةِ الْمُقَرِّ لَهُ فَالْيَمِينُ عَلَيْهِمْ) بِالْعِلْمِ أَنَّا لَا نَعْلَمُ أَنَّهُ كَانَ كَاذِبًا صَدْرُ الشَّرِيعَةِ

اگر گواہ یہ بھول جائیں کہ اس نے ایک جگہ اقرار کیا تھا یا دو جگہ اقرار کیا تھا تو یہ اس وقت تک دو مال ہوں گے جب تک ان کا ایک ہونا معلوم نہ ہوا ایک قول یہ کیا گیا ہے وہ ایک مال ہوگا جس کی مکمل بحث ''الخانیہ'' میں ہے۔ ایک آدمی نے اقرار کیا پھر مقر نے دعویٰ کیا کہ وہ اقرار میں جھوٹا ہے مقرلہ سے یہ قسم لی جائے گی کہ وہ اپنے اقرار میں جھوٹا نہیں۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، ''درر''۔ اسی طرح حکم جاری ہوگا اگر مقر کا وارث اسی چیز کا دعویٰ کر دے پس اس سے قسم لی جائے گی اگر دعویٰ مقرلہ کے ورثا کے خلاف ہو تو ان سے یہ قسم لی جائے گی کہ وہ اس کو نہیں جانتے کہ مقر جھوٹا تھا۔ ''صدر الشریعہ''۔

28204۔(قولہ: وَلَوْ نَسِيَ الشُّهُودُ) اس کی صورت یہ ہے کہ متعدد بار گواہ بنائے گئے ہوں۔

28205۔(قولہ: وَتَمَامُهُ فِي الْخَانِيَّةِ) ''المنح'' میں اسے نقل کیا ہے۔

28206۔(قولہ: أَقَرَّ) ایک آدمی نے دین یا کسی اور چیز کا اقرار کیا جس طرح ''کنز'' کے آخر میں ہے۔

28207۔(قولہ: ثُمَّ ادَّعَى) ''الکنز'' میں اس مسئلہ کو کتاب الفرائض کے مسائل شتی میں اس کا ذکر کیا ہے۔

28208۔(قولہ: وَبِهِ يُفْتَى) یہی پسندیدہ نقطہ نظر ہے، ''بزازیہ''۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ مقر جب اس امر کا دعویٰ کرے کہ اقرار جھوٹا تھا تو مقرلہ یا اس کے وارث سے قسم لی جائے گی۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ یہی مطلقاً مفتی بہ ہے خواہ وہ معاملہ اس طرح نہیں ہے۔ کیونکہ کتاب الصلح میں مصنف کے قول اقر بمال فی ملك و اشهد علیه به ثم ادعی ان بعض هذا المال المقر به قرض و بعضه ربا الخ سے پہلے آئے گا۔ کیونکہ شارح نے ''شرنبلالی'' کی ''شرح الوہبانیہ'' سے جو نقل کیا ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے کہ مقرلہ سے یہ قسم لی جائے گی کہ مقر نے جھوٹ بولتے ہوئے ایسی صورت میں اقرار نہیں کیا جس میں یہ امر پایا جاتا ہو کہ مقر اقرار میں جھوٹ بولنے پر مجبور تھا جس طرح اس صورت میں ہے جو گزر چکی ہے وغیرہا۔

شیخ ''محمد ابی سعود'' مصری کے ''حاشیہ مسکین'' میں اسی طرح ہے۔ اس میں ہے کہ اس پر محمول کرنا متعین نہیں ہوتا کیونکہ وہاں عبارت اس میں اور اس کی مثل میں ہے اور ان کا قول و نحوہ احتمال رکھتا ہے کہ اس سے مراد ہر اس صورت میں ہو کہ جو اقرار کے بعد مطلق رجوع میں ہو اس کے بعد ان کا جو قول ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے مصنف نے اس کو جزم کے ساتھ بیان کیا ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

28209۔(قولہ: فَيَحْلِفُ) یعنی مقرلہ سے قسم لی جائے گی۔ بعض علماء نے فرمایا: اس سے قسم نہیں لی جائے گی

....

''بزازیہ''۔اصح قول یہ ہے کہ اس سے قسم لی جائے گی۔''حامدیہ'' نے''صدرالشریعہ'' سے نقل کیا ہے۔''جامع الفصولین'' میں ہے: اس نے اقرار کیا ہے پھر وہ مر گیا تو اس کے ورثا نے کہا: اس نے جھوٹا اقرار کیا تھا تو اس کا اقرار جائز نہ ہوگا اور مقرلہ اسے جانتا ہے تو ورثا کو حق حاصل نہیں کہ وہ مقرلہ سے قسم لیں۔ کیونکہ اقرار کے وقت ورثا کا حق مقر کے مال سے متعلق نہیں ہوا تھا۔ پس اقرار صحیح ہوگا جب ان کا حق متعلق ہوا تو مقرلہ کا حق بھی ثابت ہو گیا تھا''ص''۔

ایک آدمی نے مال کا اقرار کیا تو اس کے ورثا نے کہا: اس نے تلجئہ کے طور پر اقرار کیا مقرلہ یہ قسم اٹھائے گا: اللہ کی قسم اس نے تیرے حق میں صحیح اقرار کیا ہے۔''ط''۔

ایک وارث نے دعویٰ کیا کہ اس کے مورث نے تلجئہ کی غرض سے اقرار کیا۔ بعض نے کہا: اسے حق حاصل ہوگا کہ مقرلہ سے قسم لے اگر وہ دعویٰ کرے کہ اس نے جھوٹا اقرار کیا ہے تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔''نورالعین'' میں کہا: حقیر کہتا ہے: چاہیے کہ ظاہر کے اعتبار سے حکم دونوں مسئلوں میں ایک ہی ہو کیونکہ جھوٹ بولنے کی حالت میں اقرار پناہ لینے کی صورت میں بھی موجود ہے۔ شاید فرق یہ ہو کہ تلجئہ (پناہ لینا) یہ ہو کہ دونوں شخصوں میں سے ایک یا دونوں اعلانیہ ایسی چیز ظاہر کر دیں جو اس کے برعکس ہو جس پر دونوں نے مخفی طریقہ سے اتفاق کیا ہے۔

تلجئہ کے دعویٰ میں وارث، مقرلہ کے خلاف ایک فعل کا دعویٰ کرتا ہے وہ مخفی طریقہ سے مقر کے ساتھ موافقت ہے اسی وجہ سے اس سے قسم کا مطالبہ کیا جاتا ہے جھوٹے اقرار کا معاملہ مختلف ہے جس طرح یہ امر اس پر مخفی نہیں جسے صاف فہم عطا کیا گیا ہو۔ یہ پندرہویں فصل کے آخر سے ماخوذ ہے۔

پھر یہ امر ذہن نشین رہے جھوٹے اقرار کے دعویٰ کو سنا جائے گا جب وہ عام ابرا نہ ہو، اگر وہ عام ابرا ہو تو اس دعویٰ کو نہیں سنا جائے گا لیکن''ابن نجیم'' کا رسالہ ہے: ایک ایسی عورت کے بارے میں جس نے اپنی صحت کی حالت میں فلاں بیٹی کے لیے اقرار کیا پھر دونوں کے درمیان عام براءت واقع ہوئی پھر ماں مر گئی وصی نے دعویٰ کر دیا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے تو انہوں نے اس کے دعویٰ کے سماع اور بچی سے قسم لینے اور قسم لینے سے قبل فیصلہ نہ کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ یہ ایسا حکم ہوگا جو مفتی بہ قول کے خلاف ہوگا اور اس امر کا فتویٰ دیا کہ یہاں بری کرنا دعویٰ کے سماع کے منافی نہیں۔ کیونکہ وصی اس امر کا دعویٰ کرتا ہے کہ کوئی شے لازمی نہیں یہ صورت مختلف ہوگی جب مقر اقرار کا مال مقرلہ کے حوالے کر دے تو اسے حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ مقرلہ سے قسم لے کیونکہ وہ مال کے واپس لینے کا دعویٰ کرتا ہے اور بری کرنا یہ اس سے مانع ہے۔ جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تو اس نے کیونکہ کسی شے کی واپس لینے کا دعویٰ نہیں کیا وہ اپنی ذات کا دفاع کرتا ہے پس دونوں صورتیں مختلف ہو گئیں۔

بَابُ الِاسْتِثْنَاءِ

وَمَا فِي مَعْنَاهُ فِي كَوْنِهِ مُغَيِّرًا كَالشَّرْطِ وَنَحْوِهِ (هُوَ) عِنْدَنَا (تَكَلُّمٌ بِالْبَاقِي بَعْدَ الثُّنْيَا بِاعْتِبَارِ الْحَاصِلِ مِنْ مَجْمُوعِ التَّرْكِيبِ وَنَفْيٌ وَإِثْبَاتٌ بِاعْتِبَارِ الْأَجْزَاءِ) فَالْقَائِلُ لَهُ عَلَيَّ عَشَرَةٌ إلَّا ثَلَاثَةً لَهُ عِبَارَتَانِ مُطَوَّلَةٌ وَهِيَ مَا ذَكَرْنَاهُ وَمُخْتَصَرَةٌ وَهِيَ أَنْ يَقُولَ ابْتِدَاءً لَهُ عَلَيَّ سَبْعَةٌ، وَهَذَا مَعْنَى قَوْلِهِمْ تَكَلُّمٌ بِالْبَاقِي بَعْدَ الثُّنْيَا أَيْ بَعْدَ الِاسْتِثْنَاءِ (وَشُرِطَ فِيهِ الِاتِّصَالُ) بِالْمُسْتَثْنَى مِنْهُ (إلَّا لِضَرُورَةٍ كَنَفَسٍ أَوْ سُعَالٍ أَوْ أَخْذِ فَمٍ) بِهِ يُفْتَى (وَالنِّدَاءُ بَيْنَهُمَا لَا يَضُرُّ) لِأَنَّهُ لِلتَّنْبِيهِ وَالتَّأْكِيدِ (كَقَوْلِهِ لَك عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ يَا فُلَانُ إلَّا عَشَرَةً بِخِلَافِ لَك عَلَيَّ أَلْفٌ فَاشْهَدُوا إلَّا كَذَا وَنَحْوَهُ) مِمَّا يُعَدُّ فَاصِلًا

استثنا کے احکام

یہ باب استثنا اور جو اس کے معنی میں ہے جو اس کلام کو تبدیل کر دے جیسے شرط وغیرہ ہمارے نزدیک (احناف کے نزدیک) استثنا کے بعد جو باقی ماندہ چیز ہوتی ہے اسی کا تکلم مراد ہے یہ اس تمام کلام نفی اور اثبات کا اجزاء کے اعتبار سے حاصل ہونا ہے یہ قول کرنے والا اس کا مجھ پر دس مگر تین ہیں اس کی دو عبارتیں ہیں ایک طویل، وہ وہ ہے جو ہم نے ذکر کر دی ہے۔ اور ایک مختصر وہ یہ ہے کہ وہ ابتدا میں یہی کہے: اس کے مجھ پر سات لازم ہیں۔ علماء نے جو یہ کہا: تکلم بالباقی الثنیا کا یہی مطلب ہے۔ اس میں مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے ساتھ متصل کرنا شرط ہے مگر کوئی ضرورت پیش آ جائے جیسے سانس لینے، کھانسی آنے یا اس کے منہ پر ہاتھ رکھنے کی صورت میں اتصال باقی نہ رہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس پر فتویٰ دیا گیا۔ درمیان میں ندا یہ کوئی نقصان نہیں دیتی۔ کیونکہ یہ تنبیہ اور تائید کے لیے ہوتی ہے جس طرح ان کا یہ قول ہے: تیرا مجھ پر ہزار درہم ہے اے فلاں مگر دس۔ یہ صورت مختلف ہوگی: تیرا مجھ پر ہزار ہے گواہ رہنا مگر اتنے۔ اس جیسی صورت کو فاصل شمار کیا جائے

28210۔(قولہ: تَكَلُّمٌ بِالْبَاقِي) معنی کے اعتبار سے یہ باقی ماندہ کا تکلم ہے صورت کے اعتبار سے باقی ماندہ کا تکلم نہیں۔ ''درر''۔

28211۔(قولہ: بَعْدَ الثُّنْيَا) ثنیا کا لفظ ضمہ پر سکون کے ساتھ ہے یعنی پہلا حرف مضموم اور دوسرا ساکن ہے اس کے آخر میں الف مقصورہ ہے یہ استثنا سے اسم ہے۔ ''سائحانی''۔

استثنا کے صحیح ہونے کے لیے مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ کے ساتھ اتصال ضروری ہے

28212۔(قولہ: لِأَنَّهُ لِلتَّنْبِيهِ) یہ مخاطب کو تنبیہ اور تاکید کے لیے ہوتی ہے۔ کیونکہ منادیٰ ہی مخاطب ہوتا ہے اس سے یہ امر مستفاد ہوتا ہے اگر منادیٰ، مقرلہ کے علاوہ کوئی اور ہو تو پھر یہ مضر ہوگا۔ ''جوہرہ'' سے اسے نقل کیا ہے لیکن میں نے

لِأَنَّ الْإِشْهَادَ يَكُونُ بَعْدَ تَمَامِ الْإِقْرَارِ فَلَمْ يَصِحَّ الِاسْتِثْنَاءُ (فَمَنْ اسْتَثْنَى بَعْضَ مَا أَقَرَّ بِهِ صَحَّ) اسْتِثْنَاؤُهُ وَلَوْ الْأَكْثَرَ عِنْدَ الْأَكْثَرِ (وَلَزِمَهُ الْبَاقِي) وَلَوْ مِمَّا لَا يُقْسَمُ كَهَذَا الْعَبْدُ لِفُلَانٍ إلَّا ثُلُثَهُ أَوْ ثُلُثَيْهِ صَحَّ عَلَى الْمَذْهَبِ (وَ) الِاسْتِثْنَاءُ (الْمُسْتَغْرِقُ بَاطِلٌ، وَلَوْ فِيمَا يَقْبَلُ الرُّجُوعَ كَوَصِيَّةٍ) لِأَنَّ اسْتِثْنَاءَ الْكُلِّ لَيْسَ بِرُجُوعٍ بَلْ هُوَ اسْتِثْنَاءٌ فَاسِدٌ هُوَ الصَّحِيحُ جَوْهَرَةٌ وَهَذَا (إنْ كَانَ) الِاسْتِثْنَاءُ (بِـ) عَيْنِ (لَفْظِ الصَّدْرِ أَوْ مُسَاوِيهِ) كَمَا يَأْتِي (وَإِنْ بِغَيْرِهِمَا كَ عَبِيدِي أَحْرَارٌ إلَّا هَؤُلَاءِ أَوْ إلَّا سَالِمًا وَغَانِمًا وَرَاشِدًا) وَمِثْلُهُ نِسَائِي طَوَالِقُ إلَّا هَؤُلَاءِ أَوْ إلَّا زَيْنَبَ وَعَمْرَةَ وَهِنْدَ (وَهُمْ الْكُلُّ صَحَّ) الِاسْتِثْنَاءُ وَكَذَا ثُلُثُ مَالِي لِزَيْدٍ إلَّا أَلْفًا وَالثُّلُثُ أَلْفٌ صَحَّ فَلَا يَسْتَحِقُّ شَيْئًا؛ إذْ الشَّرْطُ إبْهَامُ الْبَقَاءِ

کیونکہ گواہ بنانے کا عمل اقرار کے مکمل ہونے کے بعد ہوتا ہے پس استثنا صحیح نہ ہوئی۔ اگر اس نے جس چیز کا اقرار کیا تھا اس کے بعض کی استثنا کر دے تو اس کی استثنا صحیح ہو گی اگر چہ استثنا اس کا اکثر ہو اور باقی ماندہ اس پر لازم ہو گا اگر چہ وہ چیز ان چیزوں میں سے ہو جو تقسیم کو قبول نہیں کرتیں جس طرح وہ یوں اقرار کرے یہ غلام فلاں کے لیے ہے مگر اس کا ایک تہائی یا اس کے دو تہائی یہ صحیح مذہب کے مطابق صحیح ہے۔ ایسی استثنا جو پورے اقرار کو محیط ہو وہ باطل ہے اگر چہ اس امر میں ہو جو رجوع کو قبول کرتا ہو جیسے وصیت۔ کیونکہ اس کی استثنا یہ رجوع نہیں بلکہ یہ فاسد استثنا ہے۔ یہی قول صحیح ہے ''جوہرہ''۔ یہ حکم اس صورت میں ہے اگر استثنا صدر کلام کے لفظ کے عین کے ساتھ ہو یا اس کے ہم مرتبہ سے ہو جس طرح آرہا ہے اگر استثنا غیر کے ساتھ ہو جیسے وہ قول کرے: میرے تمام غلام آزاد مگر یہ یا مگر سالم، غانم اور راشد۔ اسی کی مثل ہے: میری بیوی کو طلاق مگر ان کو یا مگر زینب، عمرہ اور ہند کو جب کہ وہی وہ سب ہیں تو استثنا صحیح ہو گی۔ اسی طرح میرے مال کا ایک تہائی زید کے لیے ہے مگر ہزار اور ایک تہائی ہی ہزار ہے تو استثنا صحیح ہو گی وہ کسی شے کا مستحق نہیں ہو گا۔ کیونکہ شرط باقی ماندہ کا وہم دلانا ہے

اس میں یہ قول نہیں دیکھا لیکن ''غایۃ البیان'' میں کہا: اگر اس نے کہا: فلاں کے مجھ پر ایک ہزار درہم لازم ہیں اے فلاں مگر دس تو یہ جائز ہو گا۔ کیونکہ اس نے ندا کو مخصوص شخص کے لیے اخبار کے قائم مقام ذکر کیا ہے۔ یہ اس کا صیغہ ہے پس اسے فاصل شمار نہیں کیا جائے گا، تامل۔ ''الولوالجیہ'' میں ہے: کیونکہ ندا مخاطب کی تنبیہ کے لیے ہے جب کہ خطاب اور اقرار کی تاکید کے لیے ندا کی ضرورت ہوتی ہے پس یہ ندا اقرار میں سے ہو جائے گی۔

28213۔ (قولہ: وَلَوْ الْأَكْثَرَ) یعنی مستثنیٰ نصف سے زائد ہو۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28214۔ (قولہ: لَفْظِ الصَّدْرِ) جس طرح وہ کہے: عبیدی احرار الاعبیدی میرے غلام آزاد ہیں مگر میرے غلام۔

28215۔ (قولہ: مُسَاوِيهِ) جس طرح اس کا یہ قول ہو میرے تمام غلام آزاد ہیں مگر میرے مملوک۔

28216۔ (قولہ: وَإِنْ بِغَيْرِهِمَا) اس کی صورت یہ ہے کہ مفہوم میں اس سے خاص ہو لیکن وجوب میں اس کے مساوی ہو۔

28217۔ (قولہ: إبْهَامُ الْبَقَاءِ) یعنی لفظ کی صورت کے حساب سے کیونکہ استثنا تصرف لفظی ہوتا ہے پس معنی کو مہمل

لَا حَقِيقَتُهُ حَتَّى لَوْ طَلَّقَهَا سِتًّا إِلَّا أَرْبَعًا صَحَّ وَوَقَعَ ثِنْتَانِ (كَمَا صَحَّ اسْتِثْنَاءُ الْكَيْلِيِّ وَالْوَزْنِيِّ وَالْمَعْدُودِ الَّذِي لَا تَتَفَاوَتُ آحَادُهُ كَالْفُلُوسِ وَالْجَوْزِ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ وَيَكُونُ الْمُسْتَثْنَى الْقِيمَةَ) اسْتِحْسَانًا لِثُبُوتِهَا فِي الذِّمَّةِ فَكَانَتْ كَالثَّمَنَيْنِ (وَإِنْ اُسْتُغْرِقَتْ) الْقِيمَةُ جَمِيعَ (مَا أَقَرَّ بِهِ) لِاسْتِغْرَاقِهِ بِغَيْرِ الْمُسَاوِي (بِخِلَافِ) لَهُ عَلَيَّ (دِينَارٌ إِلَّا مِائَةَ دِرْهَمٍ لِاسْتِغْرَاقِهِ بِالْمُسَاوِي) فَيَبْطُلُ لِأَنَّهُ اسْتَثْنَى الْكُلَّ بَحْرٌ

اس کی حقیقت مراد نہیں یہاں تک کہ اگر وہ عورت کو چھ طلاقیں دے مگر چار تو یہ صحیح ہوگا اور دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اسی طرح کیلی، وزنی اور اس عددی کی استثنا صحیح ہے جس کی آحاد متفاوت نہ ہوں جس طرح فلوس اور اخروٹ جب کہ ان کی دراہم اور دنانیر سے استثنا کرے اور مستثنیٰ ان چیزوں کی قیمت ہوگی۔ یہ بطور استحسان ہے۔ کیونکہ یہ اس کے ذمہ میں ثابت ہیں۔ پس یہ دونوں ثمنوں کی طرح ہو جائیں گے اگرچہ قیمت اس سب کو محیط ہو جائے جس کا اس نے اقرار کیا تھا۔ کیونکہ وہ غیر مساوی کے ساتھ مستغرق ہوئی ہے۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ کہے: اس کا مجھ پر ایک دینار ہے مگر سو درہم۔ کیونکہ یہ مساوی کے ساتھ مستغرق ہے تو یہ استثنا باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ اس نے کل کی استثنا کی ہے،''بحر''۔

کرنا کچھ نقصان نہیں دیتا۔

28218۔(قولہ: وَوَقَعَ ثِنْتَانِ) اگرچہ چھ حکم کے اعتبار سے صحیح نہیں کیونکہ طلاقیں تین سے زائد نہیں ہوتیں گویا سے یوں نہیں بنایا جائے گا گویا اس نے کہا تجھے تین طلاقیں مگر چار۔ پس لفظ کا اعتبار اولیٰ ہوگا۔''عنایہ''۔

مقدر سے مقدر کی استثنا میں فقہا کا اختلاف

28219۔(قولہ: كَمَا صَحَّ) اس کو ماقبل سے الگ کیا ہے۔ کیونکہ یہ اس استثنا کا بیان ہے جو جنس کے خلاف ہو۔ کیونکہ مقدر سے مقدر کی استثنا شیخین کے نزدیک بطور استحسان صحیح ہوتا ہے اور مستثنیٰ کی قیمت اس سے منہا کر لی جائے گی جس کا اس نے اقرار کیا تھا۔ قیاس یہ ہے کہ یہ صحیح نہ ہو۔ یہی امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام''زفر'' کا قول ہے۔ اگر مقدر سے غیر مقدر کی استثنا ہو تو ہمارے نزدیک بطور قیاس اور استحسان صحیح نہیں۔ امام''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں اختلاف کیا ہے جیسے وہ یہ قول کرے: مائة درهم الا ثوبا اس کے لیے سو درہم ہے مگر کپڑا''غایۃ البیان''۔ لیکن جب یہاں استثنا صحیح نہ ہوگی تو وضاحت پر اسے مجبور کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ اقرار کی صحت ممتنع نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ امر ثابت ہے کہ مقر بہ کی جہالت اقرار کے صحیح ہونے کے مانع نہیں لیکن مستثنیٰ کی جہالت استثنا کے صحت کے مانع ہے،''شرنبلالیہ'' میں اسے''قاضی زادہ'' سے ذکر کیا ہے۔

28220۔(قولہ: لِثُبُوتِهَا) کیونکہ یہ مذکورہ چیزیں ثابت ہیں۔

28221۔(قولہ: فَكَانَتْ كَالثَّمَنَيْنِ) کیونکہ یہ اپنے اوصاف کے اعتبار سے ثمن ہیں یہاں تک کہ اگر متعین ہوں تو عقد ان کے عین کے ساتھ متعلق ہوگا۔ اگر ان کی صفت بیان کی جائے اور متعین نہ کی جائیں تو ان کا حکم دینار کے حکم کی طرح

لَكِنْ فِي الْجَوْهَرَةِ وَغَيْرِهَا عَلَيَّ مِائَةُ دِرْهَمٍ إِلَّا عَشَرَةَ دَنَانِيرَ وَقِيمَتُهَا مِائَةٌ أَوْ أَكْثَرُ لَا يَلْزَمُهُ شَيْءٌ فَيُحَرَّرُ (وَإِذَا اسْتَثْنَى عَدَدَيْنِ بَيْنَهُمَا حَرْفُ الشَّكِّ كَانَ الْأَقَلُّ مُخْرَجًا نَحْوُ لَهُ عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ إِلَّا مِائَةً) دِرْهَمٍ (أَوْ خَمْسِينَ) دِرْهَمًا فَيَلْزَمُهُ تِسْعُمِائَةٍ وَخَمْسُونَ عَلَى الْأَصَحِّ بَحْرٌ

لیکن ''الجوہرہ'' وغیرہ میں ہے: مجھ پر سو درہم مگر دس دینار ہیں جب کہ اس دینار کی قیمت سو درہم یا اس سے زائد ہے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ جب وہ دو عدد کی استثنا کرے جن دونوں کے درمیان حرف شک ہو تو جو اقل عدد ہوگا وہ ماقبل کے حکم سے خارج ہوگا۔ جیسے وہ کہے: اس کے مجھ پر ہزار درہم ہیں مگر سو درہم یا پچاس درہم تو اس پر ساڑھے نو سو لازم ہوں گے یہ اصح قول ہے، ''بحر''۔

ہو جائے گا۔ ''کفایہ''۔

28222۔ (قولہ: لَكِنْ فِي الْجَوْهَرَةِ) اس کی مثل ''ینابیع'' میں ہے ''قاضی زادہ'' نے ''الذخیرہ'' پر نقل کیا ہے جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں ہے اس میں ہے: شیخ نے کہا: علی عشرۃ دراھم الا دینارا، مجھ پر دس دراہم ہیں مگر دینار۔ جب کہ دینار کی قیمت زائد ہے یا اس نے کہا: اس کے مجھ پر دس دراہم ہیں مگر ایک کر گندم کا، تو حکم اسی طرح ہوگا۔ اگر ہم اس اصول پر چلیں کہ کل کی استثنا جب اس کے لفظ کے علاوہ سے ہو تو صحیح ہوتی ہے تو چاہیے کہ اقرار باطل ہو جائے لیکن ''بزازیہ'' میں ذکر کیا ہے وہ اس کے خلاف پر دلالت کرتا ہے اس نے کہا: مجھ پر ایک دینار لازم ہے مگر سو دراہم، استثنا باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ مستثنیٰ صدر کلام سے اکثر ہے۔ اس نے کہا: اس تھیلے میں جو دراہم ہیں وہ فلاں کے ہیں مگر ہزار۔ تو دیکھا جائے گا اگر اس تھیلے میں ہزار سے زائد ہوں تو زائد مقرلہ کے لیے ہوں گے اور ہزار مقر کا ہوگا اگر اس میں ہزار یا اس سے کم ہوں تو سب مقرلہ کے لیے ہوں گے۔ کیونکہ استثنا صحیح نہیں۔

میں کہتا ہوں: اس کی وجہ غور و فکر کرنے کے ساتھ ظاہر ہو جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں: مصنف کو یہ چاہیے تھا کہ اس رائے کو اپناتے جو ''جوہرہ'' میں ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس سے ماقبل میں فرمایا: اگرچہ استثنا سب کو مستغرق ہو جائے۔ تامل

28223۔ (قولہ: فَيُحَرَّرُ) ظاہر یہ ہے کہ مسئلہ میں دو روایتیں ہیں جو اس پر مبنی ہیں کہ دراہم اور دینار ایک جنس ہیں یا دو جنسیں ہیں۔ ''ح''۔

جب استثنا دو عدد کی ہو جن کے درمیان حرف شک ہو تو اقل عدد ماقبل کے حکم سے خارج ہوگا

28224۔ (قولہ: مُخْرَجًا) مخرج اسم مفعول کا صیغہ ہے۔

28225۔ (قولہ: فَيَلْزَمُهُ تِسْعُمِائَةٍ الخ) کیونکہ استثنا میں شک کا حکم ذکر کیا پس اس کا اقل ثابت ہوگا۔ یہ ''ابی سلیمان'' کی روایت ہے ''ابو حفص'' کی روایت میں تو سو لازم ہوں گے۔ علماء نے کہا: پہلا قول اصح ہے۔ ''کا کی''۔

(وَإِذَا كَانَ الْمُسْتَثْنَى مَجْهُولًا ثَبَتَ الْأَكْثَرُ نَحْوُ لَهُ عَلَيَّ مِائَةُ دِرْهَمٍ إلَّا شَيْئًا أَوْ) إلَّا (قَلِيلًا أَوْ) إلَّا (بَعْضًا لَزِمَهُ أَحَدٌ وَخَمْسُونَ) لِوُقُوعِ الشَّكِّ فِي الْمُخْرَجِ فيحكم بِخُرُوجِ الْأَقَلِّ (وَلَوْ وَصَلَ إقْرَارَهُ بِإِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى) أَوْ فُلَانٌ أَوْ عَلَّقَهُ بِشَرْطٍ عَلَى خَطَرٍ لَا بِكَائِنٍ كَإِنْ مِتُّ

جب مستثنیٰ مجہول ہو تو اکثر ثابت ہو جائے گا جیسے وہ کہے: اس کا مجھ پر سو درہم لازم ہے مگر کوئی شے یا مگر تھوڑا یا مگر بعض تو اس پر اکاون لازم ہوں گے۔ کیونکہ شک اس میں واقع ہے جس کو خارج کیا گیا پس اقل کو خارج کرنے کا حکم لگایا جائے گا۔ اگر مقر نے اپنے اقرار کے ساتھ ان شاء اللہ تعالیٰ کے قول کو ملا دیا یا کہا: فلاں نے چاہا تو مجھ پر یہ لازم ہے یا اقرار کو ایسی شرط کے ساتھ معلق کیا جس کے پائے جانے کا احتمال ہوگا

''قاضی خان'' نے ''شرح الزیادات'' میں دوسرے قول کو صحیح قرار دیا ہے یہی مذہب کے قواعد کے موافق ہے جس طرح ''الرمز'' میں ہے ''حموی''۔ ''سائحانی'' نے پہلے قول پر یہ لکھا یہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول: یہ دخول کے بعد خروج ہے، پر ظاہر ہے۔

جہاں تک ہمارے مذہب کا تعلق ہے جو یہ ہے کہ ترکیب سے مستفاد، مفرد ہوتا ہے۔ گویا اس نے یہ کلام کی ہے: اس کے مجھ پر نوسو ہیں یا نوسو اور پچاس ہیں پس نوسو ثابت ہوں گے۔ کیونکہ یہ اقل ہیں یہاں تک کہ علماء نے کہا: اختلاف کا ثمرہ اس ترکیب کی مثل میں ظاہر ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک اقل لازم ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے مراد جب استثنا کے بعد باقی ماندہ کلام ہوتی ہے تو ہم نے متکلم بہ میں شک کیا جب کہ اصل یہ ہے کہ ذمہ سے فارغ ہوا جائے۔

امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب ہزار داخل ہو گیا تو شک مخرج میں ہوا پس اقل کو خارج کیا جائے گا، ''زیلعی''۔ ''قاضی خان'' نے اس کی تصحیح کی ہے۔ علما کا قالوا والاول اصح کے ساتھ تعبیر کرنا اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ وہ بری ہو جائے گا، تامل۔

28226۔ (قولہ: فِي الْمُخْرَجِ) مخرج مجہول کا صیغہ ہے۔

28227۔ (قولہ: بِخُرُوجِ الْأَقَلِّ) اقل یہ نصف سے کم ہوتا ہے۔ کیونکہ شے کی استثنا عرف میں اقل کی استثنا ہے۔ پس ہم نے نصف اور ایک درہم زائد کو واجب کر دیا۔ کیونکہ جس کے ساتھ قلت متحقق ہوتی ہے۔ اس کی ادنیٰ صورت یہ ہوتی ہے کہ نصف سے ایک درہم کم کر دیا جائے۔

28228۔ (قولہ: أَوْ فُلَانٌ) یعنی اگر وہ کہے لو شاء فلان تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ ''ولوالجیہ''۔

28229۔ (قولہ: عَلَى خَطَرٍ) جیسے اگر تو نے قسم اٹھا دی تو تیرے لیے وہ کچھ ہے جس کا تو نے دعویٰ کیا ہے۔ اگر وہ قسم اٹھا دے تو کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ اگر اس نے وہ چیز دے دی اس پر بنا کرتے ہوئے کہ یہ چیز اس پر لازم ہو چکی تھی تو اسے واپس لینے کا حق ہوگا جس طرح ''البحر'' میں فصل صلح الورثۃ میں ہے۔ ''البحر'' میں التعلیق علی خطر کی قید لگائی ہے کہ وہ اپنے ضمن میں اجل کا دعویٰ لیے ہوئے نہ ہو۔ کہا: اگر وہ اجل کو متضمن ہو جس طرح وہ کہے اگر مہینہ کا اختتام ہو جائے تو مجھ پر تیرے لیے اتنا لازم ہے تو وہ مال فی الحال لازم ہو جائے گا اجل کے بارے میں مقر لہ سے قسم کا مطالبہ کیا جائے گا۔ تامل

فَإِنَّهُ يُنَجَّزُ (بَطَلَ إِقْرَارُهُ) بَقِيَ لَوْ ادَّعَى الْمَشِيئَةَ هَلْ يُصَدَّقُ؟ لَمْ أَرَهُ وَقَدَّمْنَا فِي الطَّلَاقِ أَنَّ الْمُعْتَمَدَ لَا فَلْيَكُنْ الْإِقْرَارُ كَذَلِكَ لِتَعَلُّقِ حَقِّ الْعَبْدِ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ

تو اقرار باطل ہو جائے گا نہ کہ ایسی شرط کے ساتھ متعلق ہو جس کا پایا جانا یقینی ہو جیسے اگر میں مرجاؤں تو تعلیق نہ ہوگی بلکہ تنجیز ہوگی۔ تو اقرار باطل ہو جائے گا اگر مشیئت کا دعویٰ کرے تو کیا اس کی تصدیق کی جائے گی؟ میں نہیں سمجھتا کہ اس کی تصدیق کی جائے گی اور کتاب الطلاق میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ مستند بات یہی ہے کہ تصدیق نہیں کی جائے گی۔ پس اقرار بھی اسی طرح ہونا چاہیے کیونکہ اس کے ساتھ غلام کا حق متعلق ہے۔ یہی مصنف نے فرمایا ہے۔

''البحر'' میں یہ بھی ہے: باطل تعلیق میں سے یہ بھی ہے: اس کا مجھ پر ہزار ہے مگر میرے لیے کوئی امر ظاہر ہو یا میں اس کے علاوہ رائے رکھوں یا جو میرے علم میں ہے۔ اس طرح کی صورتحال ہوگی جب اس نے کہا: گواہ رہو اس کا مجھ پر اتنا ہے جو میں جانتا ہوں۔

28230۔ (قولہ: فَإِنَّهُ يُنَجَّزُ) یعنی جب وہ امر واقع کے ساتھ معلق کرے تو یہ تنجیز ہوگی۔ کیونکہ یہ حقیقت میں تعلیق نہیں بلکہ اس سے مراد ہے کہ وہ انہیں گواہ بنائے تو اس کی موت کے بعد اس کے ذمہ سے بری ہے اگر ورثاء انکار کر دیں۔ پس یہ اس کے ذمہ ہوگا وہ مرجائے یا زندہ رہے چاہیے تو یہ تھا کہ اسے متفرقات بیع میں ذکر کیا جاتا کیونکہ یہ وصیت ہے۔

اقرار کو مشیئت کے ساتھ معلق کرنے کا حکم

28231۔ (قولہ: بَطَلَ إِقْرَارُهُ) یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہے۔ آپ کا کہنا ہے: مشیئت کے ساتھ اقرار کو معلق کرنا یہ اسے باطل کر دیتا ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: شرط پر معلق کیا گیا اقرار شرط پر موقوف نہ ہوگا۔ ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا جب مشیئت کو مقدم کرے وہ کہے: ان شاء اللہ انت طالق۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ یہ اسے باطل کر دیتی ہے۔

امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: طلاق واقع ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ تعلیق ہے۔ جب وہ شرط کو پہلے ذکر کرے اور جزا ذکر نہ کرے تو یہ تعلیق نہ ہوگی اور طلاق شرط کے بغیر باقی رہے گی ''کفایہ''۔ اگر اس کی زبان پر ان شاء اللہ کا لفظ ارادہ کے بغیر جاری ہو گیا اور اس کا ارادہ طلاق واقع کرنے کا تھا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ کیونکہ استثنا حقیقت میں موجود ہے اور استثنا کے ساتھ کلام کا ہونا یہ طلاق کو واقع نہیں کرتا۔ ''عینی''۔

28232۔ (قولہ: لَوْ ادَّعَى الْمَشِيئَةَ) یعنی اس نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے ان شاء اللہ کے الفاظ کہے۔ ''ح''۔

28233۔ (قولہ: قَالَهُ الْمُصَنِّفُ) ''رملی'' نے حواشی میں کہا: میں کہتا ہوں: فقہ اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ جب اس کا اقرار گواہیوں کے ساتھ ثابت ہو گیا ہے تو اس کی تصدیق بینہ کے ساتھ ہی کی جائے گی۔ مگر جب وہ ابتدا میں کہے: میں نے اس کے لیے اتنے کا اقرار کیا تھا جب کہ میں نے اپنے اقرار میں استثنا کی تھی تو بغیر گواہیوں کے اس کا قول قبول کیا جائے گا

(وَصَحَّ اسْتِثْنَاءُ الْبَيْتِ مِنَ الدَّارِ لَا اسْتِثْنَاءُ الْبِنَاءِ) مِنْهُمَا لِدُخُولِهِ تَبَعًا فَكَانَ وَصْفًا وَاسْتِثْنَاءُ الْوَصْفِ لَا يَجُوزُ (وَإِنْ قَالَ بِنَاؤُهَا لِي وَعَرْصَتُهَا لَكَ

دار سے بیت کی استثنا کرنا صحیح ہے مگر بنا کی بیت اور دار سے استثنا کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ ان میں تبع کے طور پر داخل ہے پس بنا وصف ہوگا اور وصف کی استثنا جائز نہیں۔ اگر اس نے کہا: اس کی عمارت میرے لیے ہے اور سفیدہ زمین تیرے لیے ہے

گویا اس نے کہا: اس کا میرے ہاں اتنا مال ہے ان شاء اللہ پہلے قول کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں وہ ثبوت کے بعد اس کے باطل کرنے کا قصد کرتا ہے۔ تامل

دار سے بیت کی استثنا صحیح ہے لیکن بنا کی استثنا صحیح نہیں

28234۔ (قولہ: لِدُخُولِهِ تَبَعًا) اسی وجہ سے اگر بیع میں عمارت کا کوئی اور مستحق نکل آیا جب کہ اس پر مشتری نے قبضہ نہ کیا ہو تو اس کے مقابلہ میں ثمن سے کوئی شے کم نہ کی جائے گی بلکہ مشتری کو اختیار ہوگا۔ بیت کا معاملہ مختلف ہے اس صورت میں ثمن میں سے اتنا حصہ کم کر دیا جائے گا۔

28235۔ (قولہ: وَإِنْ قَالَ بِنَاؤُهَا لِي الخ) ''ذخیرہ'' میں کہا: یہ ذہن نشین کر لو یہ پانچ مسائل ہیں جن کی تخریج دو ضابطوں پر ہے (۱) اقرار سے قبل دعویٰ، یہ بعد میں اقرار کے صحیح ہونے کے مانع نہیں اور اقرار کے بعد دعویٰ بعض ان چیزوں میں جو اقرار کے تحت داخل ہوں وہ دعویٰ صحیح نہیں ہوگا۔

(۲) انسان کا اقرار اس کی اپنی ذات کے خلاف حجت ہوتا ہے دوسرے آدمی کے خلاف حجت نہیں ہوتا۔ جب تو نے یہ پہچان لیا تو تو کہے گا: جب اس نے کہا: اس کی عمارت میرے لیے ہے اور اس کی زمین فلاں کے لیے ہے تو اس کی عمارت فلاں کے لیے ہوگی۔ کیونکہ پہلے اس نے عمارت کا دعویٰ کیا اور دوسری دفعہ عمارت کا فلاں کے لیے اقرار کیا جو زمین کی تبع میں اس کا اقرار بنتا ہے۔ اور دعویٰ کے بعد اقرار صحیح ہوتا ہے جب وہ یہ کہے: زمین میرے لیے ہے اور اس کی عمارت فلاں کے لیے ہے تو اس نے جیسے قول کیا معاملہ اسی طرح ہوگا۔ کیونکہ اس نے پہلے عمارت کا تبعاً اپنے لیے اقرار کیا اور دوسری دفعہ اس عمارت کا اقرار فلاں کے لیے کیا اور دعویٰ کے بعد اقرار صحیح ہوتا ہے مقرلہ کو حکم دیا جائے گا کہ وہ عمارت کو اس کی زمین سے منتقل کر لے یا جب وہ کہے: اس کی زمین فلاں کے لیے ہے اور اس کی عمارت میرے لیے ہے تو دونوں فلاں کے لیے ہوں گی۔ کیونکہ پہلے اس نے تبع میں عمارت کا اقرار کیا اور دوسری دفعہ اس کا اپنے لیے دعویٰ کیا اور اقرار کے بعد دعویٰ اس چیز میں جسے اقرار شامل ہو صحیح نہیں ہوتا۔

جب اس نے کہا: اس کی زمین فلاں کے لیے ہے اور اس کی عمارت فلاں دوسرے شخص کے لیے ہے تو دونوں چیزیں پہلے مقرلہ کی ہوں گی۔ کیونکہ پہلے اس نے فلاں کے لیے عمارت کا اقرار زمین کی تبع میں کیا اور (جب یہ کہا:) اس کی عمارت فلاں دوسرے کے لیے تو وہ آدمی پہلے مقرلہ کے خلاف اقرار کرنے والا ہوگا اور کسی دوسرے شخص کے خلاف اقرار صحیح نہیں ہوتا۔ جب اس نے کہا: اس کی عمارت فلاں کے لیے ہے اور اس کی زمین دوسرے فلاں کے لیے ہے تو حکم اسی طرح ہوگا جس

فَكَمَا قَالَ) لِأَنَّ الْعَرْصَةَ هِيَ الْبُقْعَةُ لَا الْبِنَاءُ حَتَّى لَوْ قَالَ وَأَرْضُهَا لَكَ كَانَ لَهُ الْبِنَاءُ أَيْضًا لِدُخُولِهِ تَبَعًا إِلَّا إِذَا قَالَ بِنَاؤُهَا لِزَيْدٍ وَالْأَرْضُ لِعَمْرٍو فَكَمَا قَالَ (وَ) اسْتِثْنَاءُ (فَصِّ الْخَاتَمِ وَنَخْلَةِ الْبُسْتَانِ وَطَوْقِ الْجَارِيَةِ كَالْبِنَاءِ) فِيمَا مَرَّ (وَإِنْ قَالَ) مُكَلَّفٌ

تو اس طرح ہوگا جس طرح اس نے کہا: کیونکہ عرصہ سے مراد قطعہ زمین ہوتا ہے عمارت نہیں ہوتی یہاں تک کہ اگر وہ کہے: اس کی زمین تیرے لیے ہے تو عمارت بھی اس کے لیے ہوگی۔ کیونکہ عمارت تبع میں اس کے تحت داخل ہے مگر جب وہ کہے اس کی عمارت زید کے لیے ہے اور زمین عمرو کے لیے ہے تو اس طرح ہوگا جس طرح اس نے قول کیا انگوٹھی کے نگینہ، باغ کی کھجور اور بچی کے ہار کی استثنا عمارت کی طرح ہے جیسے گزر چکا ہے۔ اگر ایک مکلف آدمی کہے:

طرح اس نے قول کیا۔ کیونکہ پہلے اس نے عمارت کا پہلے مقرلہ کے لیے اقرار کیا اور دوسری دفعہ پہلے کے خلاف عمارت کا دوسرے کے لیے اقرار کیا تو دوسرے کے خلاف یہ اقرار صحیح نہیں ہوگا۔ ملخص

28236۔ (قولہ: فَكَمَا قَالَ) اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ یہ قول کرے: اس زمین کا سفیدہ فلاں کے لیے ہے اور اس کی عمارت میرے لیے ہے۔

28237۔ (قولہ: هِيَ الْبُقْعَةُ) اس کے حکم کو اس کے ساتھ خاص کرنا وصف کے تبع میں داخل ہونے کے مانع ہوگا۔

28238۔ (قولہ: فَصِّ الْخَاتَمِ) ''الحامدیہ'' میں ''الذخیرہ'' سے جو مروی ہے اسے دیکھیے۔

28239۔ (قولہ: وَنَخْلَةِ الْبُسْتَانِ) مگر جب وہ کھجوروں کے اصول کی استثنا کرے۔ کیونکہ اس کے اصول (تنے) اقرار میں قصداً داخل ہیں تبعاً داخل نہیں۔ ''خانیہ'' میں فص، نخلہ اور تلوار کے حلیہ ذکر کرنے کے بعد کہا: استثنا صحیح نہ ہوگی اگرچہ استثنا متصلاً کی گئی ہو مگر جب مدعی اپنے دعویٰ پر گواہیاں قائم کردے۔ لیکن ''الذخیرہ'' میں ہے: اگر اس نے زمین یا گھر کا کسی آدمی کے حق میں دعویٰ کیا تو عمارت اور درخت داخل ہوں گے یہاں تک کہ اگر مقر اس کے بعد اس پر گواہیاں قائم کردے کہ عمارت اور درخت اس کے ہیں تو اس کی گواہیاں قبول نہ کی جائیں گی۔ مگر اس صورت میں جب اسے اس پر محمول کیا جائے کہ استثنا مفصول صورت میں ہو موصول صورت میں نہ ہو جس طرح ''خانیہ'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ''سائحانی''۔

28240۔ (قولہ: وَطَوْقِ الْجَارِيَةِ) اس پر اس سے اشکال کا ذکر کیا ہے کہ علماء نے یہ ذکر کیا ہے وہ طوق لونڈی کی تبع میں اقرار میں داخل نہیں ہوتا مگر بطور عادت ایسا ہوتا ہے کیونکہ لونڈی کے گلے میں عموماً یہ چیز موجود ہوتی ہے مگر جب اسے اس پر محمول کیا جائے کہ طوق کی زیادہ قیمت نہیں ہوتی۔

میں کہتا ہوں: یہ بیع میں ہوتا ہے کیونکہ وہ لونڈی اور وہ چیز جو لونڈی پر ہوتی ہے وہ بائع کے لیے ہوتی ہے۔ جہاں تک یہاں اس معاملہ کا تعلق ہے تو جب اس نے اس کا اقرار کیا تو یہ امر ظاہر ہوگا کہ یہ لونڈی مقرلہ کی ہے اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لونڈی پر جو کچھ ہے وہ اس کے مالک کے لیے ہوگا اگرچہ وہ کتنی ہی عظیم الشان کیوں نہ ہو۔

28241۔ (قولہ: فِيمَا مَرَّ) یعنی یہ صحیح نہیں۔

(لَهُ عَلَيَّ أَلْفٌ مِنْ ثَمَنِ عَبْدٍ مَا قَبَضْتُهُ) الْجُمْلَةُ صِفَةُ عَبْدٍ وَقَوْلُهُ (مَوْصُولًا) بِإِقْرَارِهِ حَالٌ مِنْهَا ذَكَرَهُ فِي الْحَاوِي فَلْيُحْفَظْ (وَعَيْنُهُ) أَيْ عَيْنُ الْعَبْدِ وَهُوَ فِي يَدِ الْمُقَرِّ لَهُ (فَإِنْ سَلَّمَهُ إلَى الْمُقِرِّ لَزِمَهُ الْأَلْفُ وَإِلَّا لَا) عَمَلًا بِالصِّفَةِ (وَإِنْ لَمْ يُعَيِّنْ) الْعَبْدَ (لَزِمَهُ) الْأَلْفُ (مُطْلَقًا) وَصَلَ أَمْ فَصَلَ وَقَوْلُهُ مَا قَبَضْتُهُ لَغْوٌ لِأَنَّهُ رُجُوعٌ (كَقَوْلِهِ مِنْ ثَمَنِ خَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ أَوْ مَالِ قِمَارٍ أَوْ حُرٍّ أَوْ مَيْتَةٍ أَوْ دَمٍ) فَيَلْزَمُهُ مُطْلَقًا (وَإِنْ وَصَلَ) لِأَنَّهُ رُجُوعٌ (إلَّا إذَا صَدَّقَهُ أَوْ أَقَامَ بَيِّنَةً) فَلَا يَلْزَمُهُ (وَلَوْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ حَرَامٌ أَوْ رِبًا فَهِيَ لَازِمَةٌ مُطْلَقًا) وَصَلَ أَمْ فَصَلَ لِاحْتِمَالِ حِلِّهِ عِنْدَ غَيْرِهِ (وَلَوْ قَالَ زُورًا أَوْ بَاطِلًا لَزِمَهُ إنْ كَذَّبَهُ الْمُقَرُّ لَهُ،

اس کا مجھ پر اس غلام کی قیمت کا ہزار ہے جس پر میں نے ابھی تک قبضہ نہیں کیا۔ ما قبضتہ، یہ جملہ عبد کی صفت ہے، اوران کا قول موصولا باقرارہ، یہ اس سے حال ہے''حاوی'' نے اسے ذکر کیا ہے پس اسے یادرکھا جانا چاہیے۔ اور غلام کی ذات وہ مقرلہ کے قبضہ میں ہو اگر مقرلہ وہ غلام مقر کے حوالے کر دے تو مقر پر ہزار لازم ہو جائے گا ورنہ لازم نہیں ہوگا۔ یہ صفت پر عمل کرنے کی بنا پر ہے۔ اگر مقر غلام کو معین نہ کرے تو اس پر مطلقاً ہزار لازم ہو جائے گا وہ استثنا کا ذکر وصل کی صورت میں کرے یا فصل کی صورت میں کرے۔ اوران کا قول ما قبضتہ میں نے اس پر قبضہ نہیں کیا لغو ہے کیونکہ یہ تو رجوع ہوا۔ جس طرح وہ یہ قول کرے: شراب کی قیمت، خنزیر کی قیمت، جوئے کے مال کی قیمت، آزاد کی قیمت، مردار یا خون کی قیمت میں سے تو اس پر مطلقاً یہ مال لازم ہو جائے گا اگر چہ وہ یہ کلام متصلاً کرے۔ کیونکہ یہ رجوع ہے مگر جب وہ اس کی تصدیق کر دے یا گواہیاں قائم کر دے تو پھر یہ مال مقر پر لازم نہیں ہوگا۔ اور اگر اس نے کہا مجھ پر ایک ہزار درہم حرام ہیں یا سود ہے تو یہ اس پر مطلقاً لازم ہوں گے خواہ وہ یہ کلام متصلاً کرے یا غیر متصل کرے کیونکہ غیر کی نظر میں یہ حلت کا احتمال رکھتا ہے اگر مقر نے کہا: یہ جھوٹ ہے، باطل ہے تو مال اس پر لازم ہو جائے گا اگر مقر بہ اس کو جھٹلا دے

28242۔ (قولہ: لَهُ عَلَيَّ أَلْفٌ) یہ قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر وہ ابتدا میں ہی کہے: میں نے اس سے بیع کے طور پر خریدا مگر میں نے اس پر قبضہ نہ کیا تو اس کا قول قبول کیا جائے گا جس طرح بائع کا یہ قول قبول کیا جائے گا میں نے اس کے ہاتھ اسے بیچا اور میں نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا جب کہ مبیع بائع کے قبضہ میں ہو۔ کیونکہ وہ بیع اور ثمن پر قبضہ کرنے کا منکر ہے اور قول منکر کا قبول کیا جاتا ہے جو یہاں صورتحال ہے وہ اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ لہ علی کذا اس کا مجھ پر اتنا لازم ہے کے بعد اس کا یہ کہنا: میں نے اس پر قبضہ نہیں کیا یہ رجوع ہوتا ہے پس یہ صحیح نہ ہوگا''رملی'' نے یہ بیان کیا ہے۔

28243۔ (قولہ: حَالٌ مِنْهَا) یعنی اس جملہ سے حال ہے۔

28244۔ (قولہ: قولہ: فَإِنْ سَلَّمَهُ) شاید انہوں نے یہاں تسلیم سے یہ ارادہ کیا ہے کہ اسے حاضر کرے یا یہ ان کے قول مشتری پر لازم ہے کہ وہ پہلے ثمن سپرد کرے اس سے خاص ہے کیونکہ یہ صریح بیع نہیں''مقدسی ابوالسعو دملخص''۔

28245۔ (قولہ: إنْ كَذَّبَهُ) اس کے جھوٹ یا باطل ہونے میں اس کو جھٹلا دے۔

وَإِلَّا بِأَنْ صَدَّقَهُ (لَا يَلْزَمُهُ (وَالْإِقْرَارُ بِالْبَيْعِ تَلْجِئَةٌ) هِيَ أَنْ يُلْجِئَكَ أَنْ تَأْتِيَ أَمْرًا بَاطِنُهُ عَلَى خِلَافِ ظَاهِرِهِ فَإِنَّهُ (عَلَى هَذَا التَّفْصِيلِ) إِنْ كَذَّبَهُ لَزِمَ الْبَيْعُ، وَإِلَّا لَا (وَلَوْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ أَلْفُ دِرْهَمٍ زُيُوفٌ) وَلَمْ يَذْكُرِ السَّبَبَ (فَهِيَ كَمَا قَالَ عَلَى الْأَصَحِّ) بَحْرٌ (وَلَوْ قَالَ لَهُ عَلَيَّ أَلْفٌ) مِنْ ثَمَنِ مَتَاعٍ أَوْ قَرْضٍ، وَهِيَ زُيُوفٌ مَثَلًا لَمْ يُصَدَّقْ مُطْلَقًا لِأَنَّهُ رُجُوعٌ، وَلَوْ قَالَ (مِنْ غَصْبٍ أَوْ وَدِيعَةٍ إِلَّا أَنَّهَا زُيُوفٌ أَوْ نَبَهْرَجَةٌ صُدِّقَ مُطْلَقًا) وَصَلَ أَمْ فَصَلَ (وَإِنْ قَالَ سَتُّوقَةٌ أَوْ رَصَاصٌ فَإِنْ وَصَلَ صُدِّقَ وَإِنْ فَصَلَ لَا) لِأَنَّهَا دَرَاهِمُ مَجَازًا (وَصُدِّقَ) بِيَمِينِهِ (فِي غَصَبْتُهُ) أَوْ أَوْدَعَنِي (ثَوْبًا إِذَا جَاءَ بِمَعِيبٍ) وَلَا بَيِّنَةَ (وَ) صُدِّقَ (فِي لَهُ عَلَيَّ أَلْفٌ) وَلَوْ مِنْ ثَمَنِ مَتَاعٍ مَثَلًا (إِلَّا أَنَّهُ يَنْقُصُ كَذَا)

ورنہ یعنی وہ اس کی تصدیق کردے تو اس پر مال لازم نہ ہوگا۔ بیع کا اقرار تلجئہ ہے۔ تلجئہ یہ ہے کہ وہ تجھے مجبور کرے کہ تو ایسا امر کرے جس کا باطن ظاہر کے خلاف ہو کیونکہ اس تفصیل کی بنا پر اگر وہ مقرلہ اسے جھٹلا دے تو بیع لازم ہو جائے گی ورنہ بیع لازم نہ ہوگی۔ اگر وہ کہے: اس کے مجھ پر ہزار زیوف دراہم ہیں اور سبب ذکر نہ کرے۔ اصح قول کے مطابق اس پر وہی لازم ہوں گے جس طرح اس نے کہا ''بحر''۔ اگر ایک آدمی کہے: اس کا مجھ پر سامان کی ثمن یا قرض کا ہزار ہے جب کہ وہ مثلاً زیوف ہیں تو مطلقاً اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ کیونکہ یہ تو اقرار رجوع ہے۔ اگر اس نے کہا: وہ ہزار غصب یا ودیعت کا ہے مگر وہ زیوف یا نبہرجہ ہیں تو مطلقاً اس کی تصدیق کی جائے گی وہ استثنا کو متصل ذکر کرے یا منفصل ذکر کرے۔ اگر وہ کہے: وہ ستوقہ ہیں یا رصاص کے ہیں۔ اگر متصل کلام کرے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اگر الگ کلام کرے تو تصدیق نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ یہ مجازاً دراہم ہیں جب اس نے یہ اقرار کیا کہ میں نے کپڑا غصب کیا تھا یا اس نے میرے ہاں ودیعت کے طور پر رکھا تھا اور وہ عیب دار کپڑا لے آئے تو قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی جب کہ گواہ نہ ہوں۔ اگر وہ کہتا ہے: اس کے مجھ پر ہزار ہیں مگر اتنے کم ہیں اگرچہ مثلاً سامان کی ثمن ہوں تو اس کی تصدیق کی جائے گی

28246۔ (قولہ: إِنْ كَذَّبَهُ لَزِمَ الْبَيْعُ، وَإِلَّا لَا) ''بدائع'' میں ہے: جس طرح تلجئہ کی بیع جائز نہیں تو تلجئہ کا اقرار جائز نہیں ہوگا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ دوسرے شخص کو کہے: میں علانیہ تیرے لیے مال کا اقرار کرتا ہوں اور دونوں اقرار کے فاسد ہونے پر اتفاق کرلیں اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا یہاں تک کہ مقرلہ اس کا مالک نہیں ہوگا۔ ''سائحانی''۔

28247۔ (قولہ: صُدِّقَ مُطْلَقًا) کیونکہ وہ چیز غصب کر لیتا ہے جسے پاتا ہے اور مودع امانت کے طور پر رکھتا ہے جو اس کے پاس چیز ہوتی ہے پس یہ سلامتی کا تقاضا نہیں کرتا۔ یہ ان امور میں سے ہے جو اکثر واقع ہوتا ہے جو ''تاتر خانیہ'' میں ہے تو نے مجھے یہ جانور عاریۃً دیا دوسرے نے کہا: نہیں بلکہ تو نے مجھ سے غصب کر لیا اگر ادھار لینے والے نے اس پر سواری نہ کی ہو تو ضمانت نہ ہوگی ورنہ ضامن ہوگا اس طرح کا حکم ہوگا جب وہ کہے: تو نے مجھے یہ عاریۃً دیا یا تو نے مجھے عاریۃً عطا کیا۔ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر اس نے کہا: میں نے تجھ سے یہ چیز عاریۃً لی دوسرا اس کا انکار کردے تو وہ مقر ضامن ہوگا جب

أَيْ الدَّرَاهِمَ وَزْنَ خَمْسَةٍ لَا وَزْنَ سَبْعَةٍ (مُتَّصِلًا، وَإِنْ فَصَلَ) بِلَا ضَرُورَةٍ (لَا) يُصَدَّقُ لِصِحَّةِ اسْتِثْنَاءِ الْقَدْرِ لَا الْوَصْفِ كَالزِّيَافَةِ (وَلَوْ قَالَ) لِآخَرَ (أَخَذْتُ مِنْكَ أَلْفًا وَدِيعَةً فَهَلَكَتْ فِي يَدِي بِلَا تَعَدٍّ، وَقَالَ الْآخَرُ بَلْ) أَخَذْتَهَا مِنِّي (غَصْبًا ضَمِنَ) الْمُقِرُّ لِإِقْرَارِهِ بِالْأَخْذِ وَهُوَ سَبَبُ الضَّمَانِ (وَفِي) قَوْلِهِ أَنْتَ (أَعْطَيْتَنِيهِ وَدِيعَةً وَقَالَ الْآخَرُ) بَلْ (غَصَبْتَهُ) مِنِّي (لَا يَضْمَنُ بَلْ الْقَوْلُ لَهُ لِإِنْكَارِهِ الضَّمَانَ (وَفِي هَذَا كَانَ وَدِيعَةً) أَوْ قَرْضًا لِي (عِنْدَكَ فَأَخَذْتُهُ) مِنْكَ (فَقَالَ) الْمُقَرُّ لَهُ (بَلْ هُوَ لِي أَخَذَهُ الْمُقَرُّ لَهُ) لَوْ قَائِمًا وَإِلَّا فَقِيمَتُهُ لِإِقْرَارِهِ بِالْيَدِ لَهُ ثُمَّ بِالْأَخْذِ مِنْهُ وَهُوَ سَبَبُ الضَّمَانِ (وَصُدِّقَ مَنْ قَالَ آجَرْتُ) فُلَانًا (فَرَسِي هَذِهِ) (أَوْ ثَوْبِي هَذَا فَرَكِبَهُ أَوْ لَبِسَهُ) أَوْ أَعَرْتُهُ ثَوْبِي أَوْ أَسْكَنْتُهُ بَيْتِي (وَرَدَّهُ أَوْ خَاطَ)

جو دراہم پانچ کے وزن کے ہیں سات کے وزن کے نہیں جب کہ اس نے یہ کلام متصل کی ہو۔ اگر ضرورت کے بغیر وہ منفصل کلام کرے تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ کیونکہ قدر کی استثنا صحیح ہوتی ہے وصف کی استثنا صحیح نہیں ہوتی جس طرح زیوف ہونا۔ اگر ایک آدمی نے دوسرے سے کہا: میں نے تجھ سے ہزار ودیعت کے طور پر لیا جو میرے ہاتھ میں بغیر تعدی کے ہلاک ہو گیا دوسرے آدمی نے کہا بلکہ تو نے مجھ سے بطور غصب لیا ہے تو مقر اخذ کا اقرار کرنے کی وجہ سے ضامن ہو گا یہ ضمان کا سبب ہے۔ اس قول میں کہ تو نے مجھے ودیعت کے طور پر دیے دوسرے نے کہا: بلکہ تو نے مجھ سے غصب کیے تو مقر ضامن نہیں ہو گا بلکہ قول مقر کا ہو گا۔ کیونکہ وہ ضمان کا انکار کرتا ہے اور اس قول میں کہ یہ تیرے پاس میری ودیعت تھی یا قرض تھا تو میں نے تجھ سے وہ لے لیا مقر لہ نے کہا: بلکہ وہ تو میرا تھا تو اگر وہ چیز موجود ہو تو مقر لہ اس سے وصول کر لے گا ورنہ اس کی قیمت لے گا۔ کیونکہ مقر نے مقر لہ کے قبضہ کا اقرار کیا پھر اس سے وہ لینے کا اقرار کیا جب کہ یہ امر ضمان کا سبب ہے۔ اور اس آدمی کی تصدیق کی جائے گی جس نے کہا: میں نے فلاں کو اپنا یہ گھوڑا یا یہ کپڑا اجرت پر دیا تو وہ اس پر سوار ہوا یا اس نے وہ کپڑا زیب تن کیا یا میں نے اسے یہ کپڑا اعاریۃً دیا یا میں نے اسے اپنے گھر میں سکونت عطا کی اور اس فلاں نے اس کو رد کر دیا

اس نے کہا: میں نے تجھ سے یہ کپڑا اعاریۃً لیا تو دوسرے نے کہا: تو نے وہ مجھ سے بیع کے ساتھ لیا تو جب اس نے وہ کپڑا زیب تن کیا ہو تو قول مقر کا معتبر ہو گا۔ کیونکہ وہ انکار کرتا ہے۔ اگر وہ کپڑا زیب تن کر لے تو وہ ضامن ہو گا۔ ایک آدمی نے کہا: تو نے مجھے یہ عاریۃً دیا تو دوسرے نے کہا: نہیں بلکہ تو نے مجھے اجرت پر دیا تو اگر وہ چیز ہلاک ہو جائے تو ضامن نہیں ہو گا۔ یہ صورت مختلف ہو گی اگر وہ کہے: تو نے مجھ سے یہ غصب کیا تھا اگر اس مقر نے اس کپڑے کو استعمال کیا تھا تو وہ ضامن ہو گا۔

28248۔ (قولہ: أَيْ الدَّرَاهِمَ) اسی کی مثل ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔ لیکن ''العینی'' میں ہے: الا ان ینقص کذا مگر اس میں سے سو کم۔ یہ امر ظاہر ہے۔ ''فتال''۔

28249۔ (قولہ: وَإِلَّا فَقِيمَتُهُ) اس میں ہے: مسئلہ کی صورت مشار الیہ میں ہے مگر یہ کہا جائے کہ اشارہ کے وقت وہ موجود تھا پھر مقر نے جان بوجھ کر اسے ہلاک کر دیا۔ ''فتال''۔

فُلَانٌ (ثَوْبِي هٰذَا بِكَذَا فَقَبَضْتُهُ) مِنْهُ وَقَالَ فُلَانٌ بَلْ ذٰلِكَ لِي (فَالْقَوْلُ لِلْمُقِرِّ) اسْتِحْسَانًا لِأَنَّ الْيَدَ فِي الْإِجَارَةِ ضَرُورِيَّةٌ بِخِلَافِ الْوَدِيعَةِ (هٰذَا الْأَلْفُ وَدِيعَةُ فُلَانٍ لَا بَلْ وَدِيعَةُ فُلَانٍ فَالْأَلْفُ لِلْأَوَّلِ وَعَلَى الْمُقِرِّ) أَلْفٌ (مِثْلُهُ لِلثَّانِي بِخِلَافِ هِيَ لِفُلَانٍ لَا بَلْ لِفُلَانٍ) بِلَا ذِكْرِ إِيدَاعٍ (حَيْثُ لَا يَجِبُ عَلَيْهِ لِلثَّانِي شَيْءٌ) لِأَنَّهُ لَمْ يُقِرَّ بِإِيدَاعِهِ وَهٰذَا (إِنْ كَانَتْ مُعَيَّنَةً وَإِنْ كَانَتْ غَيْرَ مُعَيَّنَةٍ لَزِمَهُ أَيْضًا كَقَوْلِهِ غَصَبْتُ فُلَانًا مِائَةَ دِرْهَمٍ وَمِائَةَ دِينَارٍ وَكُرَّ حِنْطَةٍ لَا بَلْ فُلَانًا لَزِمَهُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا كُلُّهُ وَإِنْ كَانَتْ بِعَيْنِهَا فَهِيَ لِلْأَوَّلِ وَعَلَيْهِ لِلثَّانِي مِثْلُهَا)

یا فلاں نے میرے کپڑے کو اتنے میں سیا اور میں نے اس سے قبضہ میں لے لیا۔ فلاں نے کہا: بلکہ وہ کپڑا میرا تھا تو قول بطور استحسان مقر کا ہوگا۔ کیونکہ اجارہ میں قبضہ ضروری ہوتا ہے۔ ودیعت کا معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ یہ ہزار فلاں کی ودیعت ہے نہیں بلکہ فلاں کی ودیعت ہے۔ پس ہزار پہلے کا ہوگا اور مقر پر اس کی مثل ہزار دوسرے کے لیے ہوگا جب وہ یہ قول کرے: یہ فلاں کا ہے جب کہ ودیعت کا ذکر نہ کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ اس صورت میں دوسرے کے لیے کوئی شے واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے ودیعت رکھنے کا اقرار نہیں کیا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ معین ہو اگر وہ غیر معین ہو تو اس پر یہ بھی لازم ہو جائے گا جس طرح اس کا یہ قول ہے: میں نے فلاں سے سو درہم، سو دینار اور گندم کا ایک کر غصب کیا بلکہ فلاں سے یہ غصب کیا تو ہر ایک کے لیے ان دونوں میں سے کل لازم ہوگا اگر وہ چیزیں معین ہوں تو وہ سب پہلے مقر لہ کے لیے ہوں گی اور دوسرے کے لیے اس کی مثل اس پر لازم ہوگا۔

28250۔ (قولہ: هٰذَا الْأَلْفُ وَدِيعَةُ فُلَانٍ) اس کا ذکر کتاب الصلح سے تھوڑا پہلے آئے گا۔ اگر وہ کہے: میرے باپ نے اپنے مال کے ایک تہائی کی فلاں کے لیے وصیت کی بلکہ فلاں کے لیے وصیت کی۔

28251۔ (قولہ: لِأَنَّهُ لَمْ يُقِرَّ بِإِيدَاعِهِ) پس وہ ضمان کے سبب کا اقرار کرنے والا نہیں ہوگا۔ پہلی صورت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ جب اس نے یہ اقرار کیا کہ یہ فلاں دوسرے کی ودیعت ہے تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس کا اس نے پہلے کے لیے اقرار کیا۔ کیونکہ پہلے کے حق میں اس کا اقرار صحیح ہوگا۔ پس وہ ودیعت پہلے کی ملک ہو جائے گی اب دوسرے کو یہ سپرد کرنا ممکن نہیں۔ جب وہ ودیعت بیچ دے اور مشتری کے حوالے نہ کرے تو محض بیع کرنے کے ساتھ وہ ضامن نہیں ہوگا کیونکہ اس کے مالک کے حوالے کرنا یہ ممکن ہے یہ امر ظاہر ہے۔ فتامل

فرع: ایک آدمی نے دو اموال کا اقرار کیا اور اس نے ہزار درہم اور سو دینار پر سب کی استثنا کر دی مگر درہم۔ اگر دونوں مالوں میں مقر لہ دو آدمی ہوں تو اسے دوسرے مال کی طرف پھیر دیا جائے گا اگرچہ وہ اس کی جنس سے نہ ہو تو یہ بطور قیاس ہوگا۔ اگر وہ اس کی جنس سے ہو تو بطور استحسان پہلے مال کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ اگر مقر لہ دو آدمی ہوں تو مطلقاً دوسرے مال کی طرف اسے پھیر دیا جائے گا جیسے فلاں کے مجھ پر ہزار دراہم ہیں اور فلاں کے مجھ پر سو دینار ہیں مگر ایک درہم یہ سب شیخین کا

وَلَوْ كَانَ الْمُقَرُّ لَهُ وَاحِدًا يَلْزَمُهُ أَكْثَرُهُمَا قَدْرًا وَأَفْضَلُهُمَا وَصْفًا نَحْوُ لَهُ أَلْفُ دِرْهَمٍ لَا بَلْ أَلْفَانِ أَوْ أَلْفُ دِرْهَمٍ جِيَادٌ لَا بَلْ زُيُوفٌ أَوْ عَكْسُهُ (وَلَوْ قَالَ الدَّيْنُ الَّذِي لِي عَلَى فُلَانٍ لِفُلَانٍ (أَوْ الْوَدِيعَةُ عِنْدَ فُلَانٍ هِيَ لِفُلَانٍ فَهُوَ إِقْرَارٌ لَهُ، وَحَقُّ الْقَبْضِ لِلْمُقِرِّ) لَكِنْ (لَوْ سَلَّمَ إِلَى الْمُقَرِّ لَهُ بَرِئَ) خُلَاصَةٌ لَكِنَّهُ مُخَالِفٌ لِمَا مَرَّ أَنَّهُ إِنْ أَضَافَ لِنَفْسِهِ كَانَ هِبَةً فَيَلْزَمُ التَّسْلِيمُ؛ وَلِذَا قَالَ فِي الْحَاوِي الْقُدْسِيِّ وَلَوْ لَمْ يُسَلِّطْهُ عَلَى الْقَبْضِ فَإِنْ قَالَ وَاسْمِي فِي كِتَابِ الدَّيْنِ عَارِيَّةٌ صَحَّ وَإِنْ لَمْ يَقُلْهُ لَمْ يَصِحَّ قَالَ الْمُصَنِّفُ

اگر مقرلہ ایک ہوتو دونوں میں سے جوقدر کے اعتبار سے اکثر اور وصف کے اعتبار سے افضل ہووہ لازم ہوگا۔ جیسے اس کے لیے ہزار درہم ہے نہیں بلکہ دو ہزار جوعمدہ ہیں نہیں بلکہ زیوف ہیں یا اس کے برعکس کہے۔ اگر اس نے کہا: میرا وہ دین جو فلاں کے ذمہ ہے وہ فلاں کے لیے ہے یا میری وہ ودیعت فلاں کے پاس ہے وہ فلاں کے لیے ہے یہ اس کے حق میں اقرار ہوگا اور اس شے پر قبضہ کا حق مقر کو حاصل ہوگا اگر وہ مدیون یا مودع وہ چیز مقرلہ کے حوالے کر دے تو وہ مدیون وغیرہ بری ہو جائے گا،'' خلاصہ''۔ لیکن یہ اس کے مخالف ہے جو قول گزر چکا ہے کہ اگر وہ اسے اپنی ذات کی طرف منسوب کرے تو وہ ہبہ ہوگا پس مقر کی جانب سے سپرد کرنا لازم ہوگا۔ اسی وجہ سے'' حاوی قدسی'' میں کہا ہے: اگر وہ اسے قبض پر مسلط نہ کرے۔ اگر وہ کہے: کتاب الدین میں میرا نام عاریۃ ہے تو یہ صحیح ہوگا۔ اگر وہ یہ نہ کہے تو یہ صحیح نہ ہوگا۔ مصنف نے کہا:

قول ہے۔ امام'' محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اگر اقرار ایک آدمی کے لیے ہوتو استثنا کو اس کی جنس کی طرف پھیر دیا جائے گا اگر اقرار دو افراد کے لیے ہوتو استثنا اصلاً صحیح نہ ہوگی،'' تاتر خانیہ''۔ اسے'' المحیط'' سے اسے نقل کیا ہے۔

28252۔ (قولہ: أَكْثَرُهُمَا قَدْرًا) یہ اس صورت میں ہے اگر وہ دونوں ایک جنس سے ہوں اگر دو جنسوں سے ہوں جس طرح ہزار درہم نہیں بلکہ ہزار دینار تو اس پر دو ہزار لازم ہوں گے،'' ط''، ملخص۔

28253۔ (قولہ: وَلَوْ قَالَ الدَّيْنُ الخ)'' حاوی قدسی'' کی عبارت ہے کہا: میرا وہ دین جو فلاں کے ذمہ ہے وہ فلاں کے لیے ہے اور اسے اس پر قبضہ کا اختیار نہ دیا۔ لو کا لفظ مذکور نہیں'' حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28254۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی کتاب الاقرار کے شروع میں یہ گزر چکا ہے۔

28255۔ (قولہ: فَيَلْزَمُ التَّسْلِيمُ) جس پر دین ہے اس کے علاوہ کی جانب اس کا ہبہ صحیح نہیں ہوگا مگر جب وہ اسے قبضہ کرنے پر مسلط کرے۔

28256۔ (قولہ: وَلَوْ لَمْ يُسَلِّطْهُ) یہاں لو شرطیہ ہے وصلیہ نہیں۔

28257۔ (قولہ: وَاسْمِي الخ) اس کا حاصل یہ ہے کہ اس پر قبضہ کرنے کا اختیار دیا یا اختیار نہ دیا۔ لیکن اس نے کہا: اس میں میرا نام عاریۃ ہے تو یہ صحیح ہوگا جس طرح المصنف کے فتاویٰ میں ہے۔ پہلی صورت میں وہ ہبہ ہوگا اور دوسری صورت میں اقرار ہوگا اور اس کی اپنی ذات کی طرف نسبت یہ نسبت اضافت ہے ملک کی نسبت نہیں جس طرح شارح نے گزشتہ بحث

وَهُوَ الْمَذْكُورُ فِي عَامَّةِ الْمُعْتَبَرَاتِ خِلَافًا لِلْخُلَاصَةِ فَتَأَمَّلْ عِنْدَ الْفَتْوَى
یہی عام معتبر کتب میں مذکور ہے جو ''الخلاصہ'' کے خلاف ہے پس فتویٰ دیتے وقت خوب غور وفکر کرلو۔

میں ذکر کر دیا ہے۔ ''اسمی عاریة میرا نام عاریۃ ہے'' کے قول کی شرط لگائی ہے تا کہ یہ اس امر کا قرینہ ہو جائے کہ نسبت کی اضافت کا ارادہ کیا ہے اس پر متن کی کلام کو محمول کیا جائے گا۔ پس یہ محل تقیید میں اطلاق ہوگا۔ اسے اقرار قرار دینے میں کوئی اشکال نہیں۔ گزشتہ ضابطہ ظاہر قرینہ کے خلاف نہیں ہوگا۔

''شرح الوہبانیہ'' میں ہے: ایک عورت نے کہا: میرا وہ مہر جو میرے خاوند کے ذمہ ہے وہ فلاں بن فلاں کی ملکیت ہے اس مہر میں میرا کوئی حق نہیں۔ مقرلہ اس کی تصدیق کر دے پھر عورت اپنے خاوند کو مہر سے بری کر دیتی ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: خاوند بری ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بری نہیں ہوگا۔ بری ہونا زیادہ ظاہر ہے اس دلیل کی وجہ سے ''مرغینانی'' نے جس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ اس عورت کا اقرار صحیح نہیں پس بری کرنا اپنے محل سے ملاقات کرنے والا ہوگا۔ کیونکہ ملک کی اضافت کا ظاہر ہے کیونکہ اس کا مہر کسی اور کا نہیں ہو سکتا پس اس کا اقرار ہبہ بن جائے گا جس ہبہ پر قبضہ کا اختیار نہیں ہو گا۔ شارح نے اس مسئلہ کو متفرقات ہبہ میں دوبارہ ذکر کیا ہے اور اس میں اشکال کا ذکر کیا ہے جب کہ تو نے اللہ تعالیٰ کے کرم سے اشکال کے زوال کو جان چکا ہے پس اسے غنیمت جانیے۔

28258۔ (قولہ: وَهُوَ الْمَذْكُورُ) یعنی ان کا قول وان یقلہ لم یصح مذکور ہے۔

بَابُ إِقْرَارِ الْمَرِيضِ

يَعْنِي مَرَضَ الْمَوْتِ وَحَدُّهُ مَرَّ فِي طَلَاقِ الْمَرِيضِ وَسَيَجِيءُ فِي الْوَصَايَا (إِقْرَارُهُ بِدَيْنٍ لِأَجْنَبِيٍّ نَافِذٌ مِنْ كُلِّ مَالِهِ) بِأَثَرِ عُمَرَ وَلَوْ بِعَيْنٍ فَكَذَلِكَ إِلَّا إِذَا عَلِمَ تَمَلُّكَهُ لَهَا فِي مَرَضِهِ فَيَتَقَيَّدُ بِالثُّلُثِ

مریض کے اقرار کے احکام

اس سے مراد صرف ایسا مریض ہے جو مرض الموت میں مبتلا ہو طلاق المریض میں یہ گزر چکا ہے کتاب الوصایا میں اس کا ذکر آئے گا۔ ایک آدمی کسی اجنبی کے لیے دین کا اقرار کرے تو یہ اقرار اس کے کل مال سے نافذ ہوگا۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے حکم مستنبط ہے۔ اگر وہ کسی عینی چیز کا اقرار کرے تو حکم اسی طرح ہوگا مگر جب یہ معلوم ہو کہ مریض اسے حالت مرض میں مالک بنانا چاہتا ہے تو پھر یہ اقرار صرف ایک تہائی مال کے ساتھ مقید ہوگا۔

مریض کی تعریف

28259۔ (قولہ: وَحَدُّهُ) یہ مبتدا ہے اس کی خبر ان کا قول مر ہے۔ ''ہندیہ'' میں ہے: مرض الموت کا مریض وہ ہوتا ہے جو اپنی ضروریات کے لیے گھر سے باہر نہ نکلے یہی قول اصح ہے۔ ''اسماعیلیہ'' میں ہے: جس میں کچھ مرض ہو جس سے اسے تکلیف ہوتی ہو اور اکثر اوقات وہ بازار کی طرف جاتا ہے اور اپنی ضروریات پوری کرتا ہو تو ایسا آدمی مرض الموت کا مریض نہیں ہوگا۔ اس کے تبرعات کا اعتبار تمام مال سے ہوگا۔ جب وہ اسے کسی وارث کے ہاتھ بیچے یا اسے ہبہ کرے تو باقی ماندہ وارثوں کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگا۔

مریض کے اقرار کا حکم

28260۔ (قولہ: نَافِذٌ) لیکن غریم سے قسم لی جائے گی جس طرح باب التحکیم سے تھوڑا پہلے گزر چکا ہے۔ اسی کی مثل ''الاشباہ'' کے کتاب القضاء میں ہے۔ کہا: قاعدہ یہ ہے جب کوئی آدمی اپنی مرض میں غیر وارث کے لیے دین کا اقرار کرے تو یہ جائز ہوگا اگرچہ یہ اس کے تمام مال کو محیط ہو جائے۔ اگر وہ اپنے وارث کے لیے اقرار کرے تو یہ اقرار باطل ہو جائے گا۔ مگر جب وارث اس کی تصدیق کر دیں تو معاملہ مختلف ہوگا۔ عام معتبر کتابوں یعنی ''جامع کبیر'' کی مختصرات وغیرہا میں اسی طرح ہے۔ لیکن ''الفصول العمادیہ'' میں ہے: مریض کا وارث کے لیے اقرار نہ حکایۃً جائز ہے نہ ابتداءً جائز ہے اور اس کا اجنبی کے لیے اقرار حکایۃً تمام مال سے جائز ہے اور تہائی مال سے ابتداءً جائز ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اس کے مخالف ہے جسے مشائخ نے مطلق ذکر کیا ہے پس تطبیق کی ضرورت ہوگی۔ پس چاہیے کہ یوں تطبیق دی جائے کہ ابتدا سے مراد ہو جس کی صورت اقرار کی صورت ہو۔ یہ حقیقت میں ابتداءً تملیک ہے کہ کسی صورت میں یہ جان

....

لیا جائے کہ جس چیز کا اس نے اقرار کیا ہے وہ اس کی ملک ہے اس نے اسے اقرار کی صورت میں ملک سے نکالنے کا قصد کیا ہے یہاں تک کہ اس میں مقر پر کوئی ظاہر مانع نہیں۔ جس طرح یہ امر واقع ہوتا ہے کہ انسان ارادہ کرتا ہے کہ وہ کسی فقیر پر صدقہ کرے تو لوگوں کے دمیان اسے قرض دیتا ہے جب اس کے ساتھ تنہا ہوتا ہے تو وہی قرض اسے ہبہ کر دیتا ہے یا وہ یہ انداز اس لیے اپناتا ہے کہ وارثوں میں سے کوئی اس سے حسد نہ کرے اور کسی نہ کسی صورت میں اسے ان کی جانب سے اذیت حاصل نہ ہو۔ جہاں تک حکایت کا تعلق ہے تو وہ اقرار کی حقیقت پر ہے۔ اس فرق کے مطابق ہمارے زمانے کے محقق علماء میں سے بعض نے جواب دیا وہ علامہ ''علی المقدسی'' ہے جس طرح ''رملی'' کی ''حاشیۃ الفصولین'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: جو ہم نے فرق ذکر کیا ہے اس کی صحت کی شہادت وہ چیز بھی دیتی ہے جس کی تصریح صاحب ''القنیہ'' نے کی ہے: ایک صحیح آدمی نے ایک ایسے غلام کے بارے میں فلاں کے لیے اقرار کیا جو غلام اس کے باپ کے قبضہ میں ہے پھر باپ فوت ہو جاتا ہے اور بیٹا مریض ہے تو غلام کو کل مال کے ایک تہائی سے خارج ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کا اقرار اس میں متردد ہے کہ بیٹا فوت ہو گا یا فوت نہیں ہو گا۔ پس اقرار باطل ہو جائے گا اور اس کے درمیان متردد ہے کہ باپ فوت ہو گا یا نہیں تو اقرار صحیح ہو گا تو یہ اس اقرار کی طرح ہو گیا جو مرض میں ہوا۔

ہمارے استاذ صاحب نے فرمایا: یہ اس پر نص کی مانند ہے کہ مریض جب کسی غیبی چیز کا اقرار کرے جو معین چیز کسی کے قبضہ میں ہو جب کہ یہ اقرار اجنبی کے حق میں ہو تو اس کا اقرار اس کے تمام مال سے ہو گا۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ وہ حالت مرض میں اسے مالک بنا رہا ہے یہاں تک کہ اسے مالک بنانے کا اظہار ممکن ہو مگر حالت مرض میں اس کے مالک بنانے کا علم ہو تو اس کا اقرار صحیح نہ ہو گا مگر ایک تہائی میں اقرار صحیح ہو گا۔ انہوں نے فرمایا: یہ معنی کے اعتبار سے بہت اچھی تطبیق ہے۔

میں کہتا ہوں: انہوں نے یہ قید لگائی ہے کہ یہ معنی کے اعتبار سے حسن ہے۔ کیونکہ روایت کے اعتبار سے یہ اس کے مخالف ہے جو علماء نے ''جامع کبیر'' کی مختصرات میں اسے مطلقاً ذکر کیا ہے۔ پس مرض کا غیر وارث کے لیے اقرار مطلقاً صحیح ہو گا اگرچہ وہ اقرار اس کے تمام مال کو محیط ہو جائے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔ ''معین المفتی''۔

ہمارے مشائخ کے شیخ ''منلا علی'' نے اسے نقل کیا پھر طویل کلام کے بعد کہا: متون و شروح سے جو ہمارے لیے ظاہر ہوا وہ یہ ہے کہ مریض کا اجنبی کے لیے اقرار صحیح ہے اگرچہ وہ تمام کو محیط ہو جائے اور دین و عین سب کو جامع ہو جائے۔ متون اکثر ظاہر روایت پر جاری ہوتی ہیں۔ ''البحر'' کے باب قضاء الفوائد میں ہے: جب ترجیح میں اختلاف واقع ہو جائے تو متون کے اطلاق کو راجح قرار دیا جائے گا۔ تو یہ جان چکا ہے کہ یہ تفصیل اس کے خلاف ہے جس کو انہوں نے مطلق ذکر کیا ہے اور اس کے مخالف ہے جو انہوں نے یہ کہا کہ اس کا حسن ہونا معنی کے اعتبار سے ہے نہ کہ روایت کے اعتبار سے حسن ہے۔ جب کہ تو یہ جان چکا ہے کہ شارح نے مصنف سے جو قول نقل کیا ہے مصنف اس پر راضی نہیں مگر جب یہ معلوم ہوا یعنی کہ وہ اپنی حالت مرض میں اس عین پر اپنی ملکیت کے باقی معلوم ہو۔

ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ فِي مُعِينِهِ فَلْيُحْفَظْ (وَأُخِّرَ الْإِرْثُ عَنْهُ، وَدَيْنُ الصِّحَّةِ) مُطْلَقًا (وَمَا لَزِمَهُ فِي مَرَضِهِ بِسَبَبٍ مَعْرُوفٍ) بِبَيِّنَةٍ أَوْ بِمُعَايَنَةِ قَاضٍ (قُدِّمَ عَلَى مَا أَقَرَّ بِهِ فِي مَرَضِ مَوْتِهِ، وَلَوْ الْمُقَرُّ بِهِ (وَدِيعَةً) وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ الْكُلُّ سَوَاءٌ (وَالسَّبَبُ الْمَعْرُوفُ) مَا لَيْسَ بِتَبَرُّعٍ (كَنِكَاحٍ مُشَاهَدٍ) إنْ بِمَهْرِ الْمِثْلِ أَمَّا الزِّيَادَةُ فَبَاطِلَةٌ، وَإِنْ جَازَ النِّكَاحُ عِنَايَةٌ (وَبَيْعٌ مُشَاهَدٌ وَإِتْلَافُ كَذَلِكَ) أَيْ مُشَاهَدٌ (وَ الْمَرِيضُ (لَيْسَ لَهُ أَنْ يَقْضِيَ دَيْنَ بَعْضِ الْغُرَمَاءِ دُونَ بَعْضٍ وَلَوْ) كَانَ ذَلِكَ (إعْطَاءَ مَهْرٍ وَإِيفَاءَ أُجْرَةٍ) فَلَا يُسَلَّمُ لَهُمَا

مصنف نے اسے اپنی معین یعنی ''معین المفتی'' میں ذکر کیا ہے پس اسے یاد رکھنا چاہیے۔ اور وراثت کو اس سے مؤخر کیا جائے گا حالت صحت کا دین مطلقاً اور حالت مرض میں جو معروف سبب سے لازم ہو وہ گواہیوں کے ساتھ ہو یا قاضی کے معاینہ کے ساتھ ہو اسے مرض موت کے دوران کیے گئے اقرار پر مقدم کیا جائے گا اگرچہ مقربہ ودیعت ہو امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سب برابر ہیں۔ سبب معروف وہ ہوتا ہے جو تبرع نہ ہو جیسے ایسا نکاح جو گواہوں کی موجودگی میں ہو اگر مہر مثل کے ساتھ ہو۔ جہاں تک زیادتی کا تعلق ہے تو وہ باطل ہے اگرچہ نکاح جائز ہوگا۔ ایسی بیع جو گواہوں کی موجودگی میں ہو اور کسی چیز کو گواہوں کی موجودگی میں تلف کیا جائے۔ اس کا حکم بھی اسی طرح ہے اور مریض کے لیے یہ جائز نہیں کہ بعض غرماء کے دیون ادا کرے بعض کے ادا نہ کرے اگرچہ وہ مہر کی ادائیگی اور اجرت کی ادائیگی ہو یہ صرف انہیں دینا درست نہ ہوگا

28261۔ (قولہ: فِي مُعِينِهِ) اس سے مراد مصنف کی ''معین المفتی'' ہے۔

28262۔ (قولہ: وَدَيْنُ الصِّحَّةِ) یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر قدم والا جملہ ہے۔

28263۔ (قولہ: فَبَاطِلَةٌ) اگر وارث اسے جائز قرار نہ دیں۔ کیونکہ یہ اپنی وارث زوجہ کے لیے وصیت بنتی ہے۔

28264۔ (قولہ: وَ الْمَرِيضُ) صحیح کا معاملہ مختلف ہے جس طرح ''العنایہ'' کے باب الحجر میں ہے۔

28265۔ (قولہ: لَيْسَ لَهُ) یعنی مریض کے لیے یہ جائز نہیں۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ صحیح کی تخصیص صحیح ہوتی ہے جس طرح ''النہایہ''، ''الملتقی'' کی شرح ہے کے باب الحجر میں ہے۔

28266۔ (قولہ: بَعْضِ الْغُرَمَاءِ) اگرچہ وہ حالت صحت کے غریم (قرض خواہ) ہوں۔

28267۔ (قولہ: إعْطَاءَ مَهْرٍ) یہ لفظ اعطاء کے ہمزہ، اس کے نصب اور مہر کی طرف اضافت کے ساتھ ہے۔

28268۔ (قولہ: فَلَا يُسَلَّمُ لَهُمَا) یسلم یہ یا اور لام کے فتحہ اور سین مہملہ کے سکون کے ساتھ ہے۔ بلکہ حالت صحت کے غرما ان دونوں کے ساتھ شریک ہوں گے۔ کیونکہ نکاح اور گھر کی رہائش سے اسے جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ ان کے حقوق کے متعلق ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا پس ان دونوں کی تخصیص دوسرے غرماء کے حقوق کو باطل کرنے کے حکم میں ہے۔ اس کے بعد جو مسئلے ہیں ان کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کے ہاتھ میں حاصل ہونے والی چیز اس کی مثل ہے جو اس نے نقدی حاصل کی اور غرماء کا حق ترکہ کے معنی کے ساتھ متعلق ہو گیا ہے اس کی صورت کے متعلق نہیں ہوا۔ جب اسے اس کی مثل

(إلَّا) فِي مَسْأَلَتَيْنِ (إذَا قَضَى مَا اسْتَقْرَضَ فِي مَرَضِهِ أَوْ نَقَدَ ثَمَنَ مَا اشْتَرَى فِيهِ) لَوْ بِمِثْلِ الْقِيمَةِ كَمَا فِي الْبُرْهَانِ (وَقَدْ عُلِمَ ذَلِكَ) أَيْ ثَبَتَ كُلٌّ مِنْهُمَا (بِالْبُرْهَانِ) لَا بِإِقْرَارِهِ لِلتُّهْمَةِ (بِخِلَافِ) إعْطَاءِ الْمَهْرِ وَنَحْوِهِ وَ (مَا إذَا لَمْ يُؤَدِّ حَتَّى مَاتَ فَإِنَّ الْبَائِعَ أُسْوَةٌ لِلْغُرَمَاءِ) فِي الثَّمَنِ (إذَا لَمْ تَكُنْ الْعَيْنُ) الْمَبِيعَةُ (فِي يَدِهِ) أَيْ يَدِ الْبَائِعِ فَإِنْ كَانَتْ كَانَ أَوْلَى (وَ إِذَا أَقَرَّ) الْمَرِيضُ (بِدَيْنٍ ثُمَّ أَقَرَّ) (بِدَيْنٍ تَحَاصَّا) وَصَلَ أَوْ فَصَلَ لِلِاسْتِوَاءِ وَلَوْ أَقَرَّ بِدَيْنٍ ثُمَّ بِوَدِيعَةٍ تَحَاصَّا

مگر دو مسئلوں میں درست ہوگا۔ جو اس نے حالت مرض میں قرض لیا اسے ادا کیا یا اس نے حالت مرض میں جس کو خریدا تھا اس کی ثمن ادا کی اگر مثل قیمت کے ہو جس طرح ''برہان'' میں ہے۔ جب کہ یہ دونوں چیزیں برہان سے ثابت ہوئی تھیں نہ کہ اقرار کی وجہ سے ثابت ہوئی تھیں۔ کیونکہ اقرار میں اس پر تہمت واقع ہوتی ہے۔ مہر وغیرہ کے عطا کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ اور جب اس نے ادا نہ کیا یہاں تک وہ مر گیا تو بائع ثمن میں دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہوگا جب بیچی گئی چیز بائع کے قبضہ میں نہ ہو (مناسب تو یہ ہے کہ وہ مقر کے قبضہ میں نہ ہو)۔ اگر وہ اس کے قبضہ میں ہو تو اس کا زیادہ حق دار ہوگا۔ جب مریض نے ایک دین کا اقرار کیا پھر دوسرے دین کا اقرار کرے تو دونوں کے حصہ کے مطابق ملے گا اس نے یہ اقرار متصلاً کیا ہو یا منفصلاً کیا ہو۔ کیونکہ دونوں میں برابری ہے۔ اگر اس نے دین کا اقرار کیا پھر ودیعت کا اقرار کیا تو دونوں حصہ کے مطابق لیں گے۔

حاصل ہو گیا تو اسے تقویت شمار نہیں کیا جائے گا۔ ''کفایہ''۔

28269۔ (قولہ: أَيْ ثَبَتَ كُلٌّ مِنْهُمَا) یعنی قرض اور شرا میں سے ہر ایک ثابت ہے۔

28270۔ (قولہ: اذا اقر الخ) اگر وارث پر دین ہو تو اس مریض نے قبضہ کا اقرار کیا تو یہ جائز نہ ہوگا۔ خواہ یہ دین حالت صحت میں واجب ہوا ہو یا ایسا نہ ہوا ہو مریض پر دین ہو یا اس پر دین نہ ہو۔ ''قطنط''۔

عورت نے اپنے مہر پر قبضہ کا اقرار کیا اگر وہ عورت مر جائے جب کہ یہ اس کی بیوی ہو یا اس کی معتدہ ہو تو اس عورت کا اقرار جائز نہ ہوگا اگر ایسا نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ حقوق زوجیت سے پہلے اسے طلاق دے دے تو یہ جائز ہوگا۔ ''جغ''، ''فصولین''، ''قع''، ''عت''۔

ایک مریض ہے جس نے اپنی مرض موت میں کہا: دنیا میں میری کوئی شے نہیں پھر وہ مر گیا تو بعض وارثوں کو حق حاصل ہو گا کہ وہ میت کی بیوی اور اس کی بیٹی سے یہ قسم لیں کہ وہ متوفی کے ترکہ میں سے کوئی شے نہیں جانتیں بطریقۃ اسنع۔ اسی طرح اگر وہ کہے: میرے پاس دنیا میں اس کے سوا کوئی شے نہیں ''حاوی الزاہدی''، تو حکم یہی ہوگا۔ قع سے اشارہ قاضی عبدالجبار کی طرف ہے۔ عت سے اشارہ علا تاجری کی طرف ہے۔ اسنع سے اشارہ ''الاسرار'' نجم الدین کی طرف ہے۔ بیوی کا اپنے خاوند کو اپنی اس مرض موت میں بری کرنا جس میں وہ مر جائے یہ باقی وارثوں کی اجازت پر موقوف ہے ''فتاوی الشبلی''۔ ''حامدیہ''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

وَ بِعَكْسِهِ الْوَدِيعَةُ أَوْلَى (وَإِبْرَاؤُهُ مَدْيُونَهُ وَهُوَ مَدْيُونُهُ غَيْرُ جَائِزٍ أَيْ لَا يَجُوزُ (إِنْ كَانَ أَجْنَبِيًّا وَإِنْ) كَانَ (وَارِثًا فَلَا)

اگر اس کے برعکس صورتحال ہوگی تو ودیعت اولیٰ ہے۔ اور مریض کا اپنے مدیون کو بری کرنا جب کہ وہ خود مدیون ہو یہ جائز نہیں اگرچہ وہ مدیون اجنبی ہوا گر وہ مدیون وارث ہو تو

28271۔ (قولہ: اَلْوَدِیْعَةُ أَوْلٰی) کیونکہ جب اس نے اس کے ودیعت ہونے کا اقرار کیا تو اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ چیز اس کے ترکہ میں سے نہیں پھر اس کا دین کا اقرار کرنا اسے شامل نہیں ہو گا جو اس کے ترکہ میں سے نہ ہو۔ ''بزازیہ''۔

مریض کا اپنے مدیون کو بری کرنا جب کہ وہ خود مدیون ہو جائز نہیں

28272۔ (قولہ: وَإِبْرَاؤُهُ مَدْيُونَهُ وَهُوَ مَدْيُونُهُ) یہ قید لگائی تا کہ غیر مدیون سے احتراز ہو جائے۔ کیونکہ اس کا اجنبی کو بری کرنا یہ ایک تہائی میں نافذ ہو جاتا ہے جس طرح ''جوہرہ'' میں ہے۔ ''سائحانی''۔

فائدہ: ایک آدمی نے اپنی مرض میں ایک شے کا اقرار کیا اس نے کہا: میں نے یہ حالت صحت میں کیا تھا تو یہ مرض میں اقرار کے قائم مقام ہو گا یہ صحت کے زمانہ کی طرف منسوب نہ ہو گا ''اشباہ''۔ ''بزازیہ'' میں ''المنتقی'' سے مروی ہے: اس نے اقرار کیا کہ اس نے اپنا غلام فلاں کو بیچا اور اپنی حالت صحت میں اس پر قبضہ کیا مشتری نے اس بارے میں اس کی تصدیق کر دی تو بیع کے معاملہ میں اس کی تصدیق کی جائے گی۔ ثمن کے قبضہ کرنے میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی مگر ایک تہائی میں تصدیق کی جائے گی۔ ''نور العین'' میں ''الخلاصہ'' میں اسے نقل کیا ہے اس سے قبل ''الخانیہ'' سے نقل کیا۔

ایک آدمی نے اقرار کیا کہ اس نے فلاں کو حالت صحت میں اپنے دین سے بری کر دیا تو یہ جائز نہیں ہو گا۔ کیونکہ وہ فی الحال اسے بری کرنے کا مالک نہیں۔ حکایت کا حکم بھی اسی طرح ہے۔ قبضہ کرنے کے اقرار کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کے نئے سرے سے واضع کرنے کا مالک ہے تو وہ اس کے اقرار کا بھی مالک ہو گا۔ پھر کہا: شاید مسئلہ میں دو روایتیں ہیں یا ان دونوں میں سے ایک سہو ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ ''الخانیہ'' میں جو قول ہے وہ اصح ہے۔ اور یہ بھی کہا: ان کا قول ''وہ فی الحال انشا کا مالک نہیں'' یہ اس کے بھی مخالف ہے جو قول اس میں ہے کہ اجنبی کو بری کرنا جائز ہے مگر اس صورت میں کہ انشا پر عدم قدرت کے اس کے ساتھ خاص کیا جائے کہ فلاں وارث ہے یا وارث فلاں اجنبی کا کفیل ہے۔ پس اس کو مطلق ذکر کرنے کی صورت میں اعتراض کی گنجائش موجود ہے۔

میں کہتا ہوں: یا مقر مدیون ہو جس طرح مصنف نے اسے بیان کیا ہے۔

28273۔ (قولہ: أَجْنَبِيًّا) مگر جب وارث اس کی جانب سے کفیل ہو تو یہ جائز نہ ہو گا۔ کیونکہ کفیل، اصیل کے بری ہونے کے ساتھ بری ہو جائے گا۔ ''جامع الفصولین''۔ اگر اجنبی اس بات کا اقرار کرلے کہ اس نے مقر سے اپنا دین وصول کر لیا تھا تو اس کی تصدیق کی جائے گی جس طرح ''الولوالجیہ'' میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

يَجُوزُ (مُطْلَقًا) سَوَاءٌ كَانَ الْمَرِيضُ مَدْيُونًا أَوْ لَا لِلتُّهْمَةِ، وَحِيلَةُ صِحَّتِهِ أَنْ يَقُولَ لَا حَقَّ لِي عَلَيْهِ كَمَا [illegible] دَهُ بِقَوْلِهِ (وَقَوْلُهُ لَمْ يَكُنْ لِي عَلَى هٰذَا الْمَطْلُوبِ شَيْءٌ) يَشْمَلُ الْوَارِثَ وَغَيْرَهُ

مطلقاً جائز نہیں خواہ مریض مدیون ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ وارث کی صورت میں اس پر تہمت پائی جا رہی ہے اس کی براءت کے صحیح ہونے کا حیلہ یہ ہے کہ وہ کہے: میرا اس پر کوئی حق نہیں جس طرح انہوں نے اپنے اس قول میں بیان کیا ہے۔ اس کا قول: اس مطلوب پر میری کوئی شے نہیں وارث اور غیر وارث کو شامل ہوگا۔

28274۔ (قولہ: فَلَا يَجُوزُ) خواہ اس پر اس کا دین اصلاً ہو یا کفالت کے اعتبار سے ہو۔ اسی طرح وہ اس دین پر قبضہ کا اقرار کرے اور کسی غیر پر اس کا حوالہ کر دے۔ ''فصولین''۔

حاشیہ میں ہے: مرض الموت کے مریض نے اقرار کیا کہ اس کا اس کی بیوی ہند پر کوئی حق نہیں اور خاوند نے بیوی کو تمام حقوق شرعی سے بری کر دیا تو یہ اقرار صحیح نہ ہوگا۔ ''حامدیہ''۔

کسی مریض کا اپنے کسی وارث پر دین ہو اور وہ اسے بری کر دے تو یہ جائز نہیں

28275۔ (قولہ: يَشْمَلُ الْوَارِثَ) ''جامع الفصولین'' میں اس کی تصریح کی ہے کیونکہ کہا: ایک مریض ہے جس کا اس کے وارث پر دین ہے اس نے اسے بری کر دیا تو بری کرنا جائز نہ ہوگا۔ اگر اس نے کہا: میرا تجھ پر کوئی حق نہیں پھر وہ مر گیا تو اس کا اقرار قضاءً جائز ہوگا دیانۃً جائز نہ ہوگا۔ اگر کوئی دوسرا وارث دعویٰ کر دے یا مقر اپنے اقرار میں جھوٹا ہو تو چاہیے کہ مقر لہ قسم اٹھائے کہ یہ جھوٹا نہیں۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے مفتی بہ پر مبنی ہے جس طرح باب الاستثنا سے تھوڑا پہلے گزر چکا ہے۔

''بزازیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے پر دیون، مال اور ودیعت کا دعویٰ کیا اور طالب نے تھوڑی سی چیز پر خفیہ مصالحت کر لی اور طالب نے اعلانیہ اقرار کر لیا کہ اس کا مدعی علیہ پر کوئی حق نہیں جب کہ یہ مدعی کی حالت مرض میں تھا پھر وہ مر گیا وارث نے گواہیاں قائم کر دیں کہ میرے مورث کے اس پر کثیر اموال تھے اور اس نے ہمیں محروم کرنے کا قصد کیا تو اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ اگر مدعی علیہ مدعی کا وارث ہو اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ جاری ہوا باقی ماندہ وارثوں نے گواہیاں قائم کر دیں کہ ہمارے باپ نے اس اقرار کے ساتھ ہمیں محروم کرنے کا قصد کیا ہے تو دعویٰ سنا جائے گا۔

چاہیے تو یہی کہ ہمارے مسئلہ میں معاملہ اس طرح ہو۔ لیکن ''الاشباہ'' میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ اس اقرار میں وہ متہم ہے کیونکہ دعویٰ پہلے ہو چکا ہے اور اس کے ساتھ تھوڑے سے مال پر صلح ہو چکی ہے اور کلام اس بارے میں ہے جب تہمت کا قرینہ موجود نہ ہو۔

میں کہتا ہوں: ہمارے زمانہ میں مقر اکثر طور پر باقی وارثوں کو محروم کرنے کا قصد کرتا ہے جس پر احوال قریبہ کے صحیح قرائن دلالت کرتے ہیں اس بنا پر اس کا دعویٰ سنا جائے گا کہ وہ اپنے اقرار میں جھوٹا ہے اور مقر لہ پر حق کے قیام میں ان کے بینہ قبول کیے جائیں گے۔ اسی وجہ سے ''سائحانی'' نے کہا: متن میں اقرار اور ابرا کا جو ذکر ہے دونوں وارث کے لیے صحیح نہیں جس طرح

(صَحِيحٌ قَضَاءً لَا دِيَانَةً) فَتَرْتَفِعُ بِهِ مُطَالَبَةُ الدُّنْيَا لَا مُطَالَبَةُ الْآخِرَةِ حَاوِي إلَّا الْمَهْرَ فَلَا يَصِحُّ عَلَى الصَّحِيحِ بَزَّازِيَّةٌ أَيْ لِظُهُورِ أَنَّهُ عَلَيْهِ غَالِبًا بِخِلَافِ إقْرَارِ الْبِنْتِ فِي مَرَضِهَا بِأَنَّ الشَّيْءَ الْفُلَانِيَّ مِلْكُ أَبِي أَوْ أُمِّي لَا حَقَّ لِي فِيهِ أَوْ أَنَّهُ كَانَ عِنْدِي عَارِيَّةً فَإِنَّهُ يَصِحُّ وَلَا تُسْمَعُ دَعْوَى زَوْجِهَا فِيهِ كَمَا بَسَطَهُ فِي الْأَشْبَاهِ قَائِلًا فَاغْتَنِمْ هَذَا التَّحْرِيرَ فَإِنَّهُ مِنْ مُفْرَدَاتِ كِتَابِي (وَإِنْ أَقَرَّ الْمَرِيضُ لِوَارِثِهِ) بِمُفْرَدِهِ

یہ براءت قضاءً صحیح ہوگی دیانۃً صحیح نہ ہوگی۔ پس اس کے ساتھ دنیا کا مطالبہ ختم ہو جائے گا آخرت کا مطالبہ ختم نہیں ہوگا، ''حاوی''۔ مگر مہر کا معاملہ مختلف ہے۔ صحیح قول کے مطابق یہ صحیح نہیں، ''بزازیہ''۔ یعنی غالب یہی ہوتا ہے کہ خاوند کے ذمہ مہر باقی ہوتا ہے۔ بچی جب اپنی مرض میں اقرار کرے کہ فلاں شے میرے باپ کی یا ماں کی ملکیت ہے میرا اس شے میں کوئی حق نہیں یا وہ چیز میرے پاس عاریۃً تھی تو یہ صحیح ہوگا۔ اس عورت کے خاوند کے دعویٰ کو نہیں سنا جائے گا جس طرح ''الاشباہ'' میں یہ کہتے ہوئے تفصیل بیان کی ہے۔ اس تحریر کو غنیمت جانو کیونکہ یہ میری کتاب کے مفردات میں سے ہے۔ اگر مریض نے صرف اپنے وارث کے لیے

متون اور شروح میں ہے پس اس پر اعتماد نہیں کیا جائے گا تا کہ یہ وراثت کے جبری اسقاط کا حیلہ نہ بن جائے۔ واللہ اعلم

28276۔ (قولہ: صَحِيحٌ قَضَاءً) باب الدعویٰ سے تھوڑا پہلے فروع میں یہ گزر چکا ہے۔

28277۔ (قولہ: كَمَا بَسَطَهُ فِي الْأَشْبَاهِ) میں کہتا ہوں: اس زمانے کے علما نے ان کی مخالفت کی ہے اور انہوں نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ یہ صحیح نہیں ان میں سے ''ابن عبد العال''، ''مقدسی''، مصنف کے بھائی، ''حانوتی'' اور ''رملی'' ہیں۔ انہوں نے جو کہا اس کے رد میں ''حموی'' نے بہت اچھی کتاب لکھی ہے جو متقدمین سے منقول ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

میں کہتا ہوں: ''رملی'' نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے: ان کا قول لم یکن علیہ شیء یہ اس کے مطابق ہے جو اصل ہے کہ وہ دین کے ذمہ سے خالی ہے یہ اقرار نہیں بلکہ اس عینی چیز کے اعتراف کی طرح ہے جو زید کے قبضہ میں ہے کہ یہ چیز [illegible]کی ہے پس تہمت منتفی ہو جائے گی۔ اس کی مثل یہ قول ہے کہ اس کا اپنے والد کے خلاف اس کی ماں کے ترکہ میں سے کوئی شے لا[illegible] اور میرے اپنے خاوند پر کوئی مہر نہیں یہ مرجوح ہے جو یہاں ہے وہ اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ عورت کا اس چیز کے بارے میں اقرار ہو اس کے قبضہ میں ہے یہ بغیر [illegible] کے وارث کی ملکیت کا اقرار ہے۔ کیونکہ ملک پر جس چیز سے سب سے زیادہ استدلال کیا جاتا ہے وہ اس شے پر قبضہ ہوتا ہے تو یہ [illegible] ار کیسے صحیح ہوگا اور تہمت کس طرح ختم ہوگی۔ اور روایات منقولہ اس بارے صریح ہیں کہ کسی ایسی عینی چیز کے بارے میں اقرار [illegible]قر کے قبضہ میں ہو یہ دین کے اقرار کی طرح ہے جب صحیح قول کے مطابق یہ مہر میں صحیح نہیں جب کہ اصل یہ ہے کہ انسان ذمہ [illegible]ی ہو تو اس میں اقرار کیسے صحیح ہوگا جس میں ملکیت کا مشاہدہ قبضہ کے ساتھ کیا جا رہا ہو۔ ہاں اگر سامان باپ کے قبضہ میں ہو تو اس کے صحیح ہونے میں کوئی اعتراض و کلام نہیں ہو سکتا۔ ''حاشیۃ البازی'' میں ہے: صحیح یہ ہے کہ نفی کے صیغہ کے ساتھ وارث کے حق میں عینی چیز کا اقرار ہے۔ مصنف نے جس چیز کا سہارا لیا ہے

أَوْ مَعَ أَجْنَبِيّ بِعَيْنٍ أَوْ دَيْنٍ (بَطَلَ) خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ وَلَنَا حَدِيثُ لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ وَلَا إِقْرَارَ لَهُ بِدَيْنٍ (إِلَّا أَنْ يُصَدِّقَهُ) بَقِيَّةُ الْوَرَثَةِ فَلَوْ لَمْ يَكُنْ وَارِثٌ آخَرُ

یا کسی اجنبی کے ساتھ کسی معین شے یا دین کا اقرار کیا تو اقرار باطل ہو جائے گا۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ہمارے پیش نظر ایک حدیث ہے: نہ وارث کے لیے وصیت ہے (1) اور نہ ہی اس کے لیے دین کا اقرار ہے۔ مگر جب باقی ماندہ ورثاء اس کی تصدیق کریں اگر اس کا کوئی اور وارث نہ ہو

وہ دین کے بارے میں ہے۔ وہ عین کے بارے میں نہیں جب کہ وہ ذمہ میں وصف ہے وہ تو قبضہ کے ساتھ مال بنے گا۔

اگر کوئی اپنے وارث اور اجنبی کے لیے دین مشترکہ کا اقرار کرے تو یہ باطل ہے

28278۔ (قولہ: أَوْ مَعَ أَجْنَبِيّ) ''نور العین'' میں کہا: ایک آدمی نے اپنے وارث اور اجنبی کے لیے دین مشترک کا اقرار کیا تو شیخین کے نزدیک اس کا اقرار باطل ہو جائے گا وہ دونوں شرکت میں ایک دوسرے کی تصدیق کریں یا دونوں اس کی تکذیب کریں۔

امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر اجنبی شرکت کا انکار کرے تو اجنبی کو اس کے حصہ کے مطابق مل جائے گا اور اس کے برعکس صورت کا امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر نہیں کیا۔ یہ جائز ہے کہ کہا جائے کہ یہ مختلف فیہ ہے صحیح قول یہ ہے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق جائز نہیں جس طرح شیخین کا قول ہے۔

28279۔ (قولہ: إِلَّا أَنْ يُصَدِّقَهُ) یعنی اسکی موت کے بعد دوسرے وارث اسکی تصدیق کریں اس سے قبل انکے جائز قرار دینے کا اعتبار نہیں۔ جس طرح ''خزانۃ المفتین'' میں ہے اگرچہ صاحب ''الہدایہ'' نے اس کی ضد کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس کا جواب ان کے بیٹے ''نظام الدین'' اور ان کے پوتے ''عماد الدین'' نے دیا جس کا ذکر ''قہستانی'' نے کیا ہے۔ ''شرح الملتقی''۔

''التعمیہ'' میں ہے: جب ورثاء نے مریض کے اپنے وارث کے حق میں اقرار کی اس کی زندگی میں تصدیق کر دی تو اس کی وفات کے بعد ان کی تصدیق کی ضرورت نہ ہوگی۔ اسے ''حاشیۃ مسکین'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ کہا: اجازت کو تصدیق کی طرح نہیں بنایا جائے گا شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ انہوں نے اس کا اقرار کیا۔

شارح نے باب الفضولی میں پہلے بیان کر دیا ہے اس طرح اگر وہ کوئی چیز اپنے وارث کے ہاتھ بیچتا ہے تو یہ باقی ماندہ ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

''خلاصہ'' میں ہے: وارث کے ہاتھ میں نفس بیع یہ وارثوں کی اجازت کے ساتھ ہی جائز ہوگی یعنی جب وہ مرض الموت میں یہ بیع کرے یہی قول صحیح ہے۔

1۔ سنن ترمذی، کتاب الوصایا، باب ماجاء لا وصیۃ لوارث، جلد 2، صفحہ 105، حدیث نمبر 2046

أَوْ أَوْصَى لِزَوْجَتِهِ أَوْ هِيَ لَهُ صَحَّتْ الْوَصِيَّةُ وَأَمَّا غَيْرُهُمَا فَيَرِثُ الْكُلَّ فَرْضًا وَرَدًّا فَلَا يَحْتَاجُ لِوَصِيَّةٍ شُرُنْبُلَالِيَّةٌ وَفِي شَرْحِهِ لِلْوَهْبَانِيَّةِ أَقَرَّ بِوَقْفٍ، وَلَا وَارِثَ لَهُ فَلَوْ عَلَى جِهَةٍ عَامَّةٍ صَحَّ بِتَصْدِيقِ السُّلْطَانِ أَوْ نَائِبِهِ وَكَذَا لَوْ وَقَفَ خِلَافًا لِمَا زَعَمَهُ الطَّرَسُوسِيُّ فَلْيُحْفَظْ (وَلَوْ) كَانَ ذَلِكَ إِقْرَارًا

یا اس نے اپنی بیوی کے لیے وصیت کی یا بیوی نے خاوند کے حق میں وصیت کی وصیت صحیح ہوگی۔ جہاں تک ان دونوں (میاں بیوی) کے علاوہ کا تعلق ہے تو سب فرض اور رد کے اعتبار سے کل کا وارث ہوگا پس وصیت کی ضرورت نہ ہوگی، ''شرنبلالیہ''۔ اس کی ''شرح وہبانیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے وقف کا اقرار کیا جب کہ اس کا کوئی وارث نہ ہوا گر وہ وقف جہت عامہ کے اعتبار سے ہو تو سلطان یا اس کے نائب کی تصدیق سے صحیح ہوگا اگر وہ وقف کر دے تو بھی حکم اسی طرح ہوگا۔ ''طرسوسی'' نے اس کی مخالفت کی ہے پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ اگر وہ اقرار اپنے

شیخین کے نزدیک بیع جائز ہوگی لیکن اگر اس میں غبن اور محابات ہو تو مشتری کو اختیار ہوگا کہ وہ بیع کو رد کر دے یا مکمل قیمت ادا کر دے۔ ''سائحانی''۔

28280۔ (قولہ: أَوْ أَوْصَى) بعض نسخوں میں واوصی ہے الف نہیں ہے۔

28281۔ (قولہ: لِزَوْجَتِهِ) یعنی اس کا کوئی اور وارث نہ ہو اسی طرح اس کے برعکس ہے جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔ یہ قول میرے والد کے شیخ مدنی کا ہے۔

28282۔ (قولہ: صَحَّتْ) اس کی مثل ''حاشیۃ الرملی علی الاشباہ'' میں ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجیے۔

28283۔ (قولہ: أَمَّا غَيْرُهُمَا) ھما ضمیر سے مراد میاں بیوی ہیں۔ ''حاشیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے اپنی مرض میں ایسی زمین کے وقف کا اقرار کیا جو اس کے قبضہ میں تھی اگر وہ اپنی جانب سے وقف کا اقرار کرے تو وہ وقف اس کے تہائی مال سے ہوگا جس طرح ایک آدمی ایک غلام کے وقف کا اقرار کرے یا وہ یہ اقرار کرے کہ اس نے یہ چیز فلاں پر صدقہ کی ہے یہ پہلے والا مسئلہ ہے اگر اس نے کسی اور کی جانب سے وقف کا اقرار کیا اگر غیر نے اس کی تصدیق کی یا اس کے وارثوں نے تصدیق کی تو تمام مال میں وقف جائز ہوگا اگر اس نے وقف کا اقرار کیا اور یہ وضاحت نہ کی کہ یہ وقف اس کی جانب سے ہے یا کسی اور کی جانب سے ہے تو وہ وقف ایک تہائی مال سے جاری ہوگا ''ابن شحنہ''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28284۔ (قولہ: صَحَّ الخ) یہ امر اشکال پیدا کر رہا ہے پس اس کے حل کے لیے کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

28285۔ (قولہ: لِمَا زَعَمَهُ الطَّرَسُوسِيُّ) یعنی سلطان تصدیق بھی کر دے تب بھی ایک تہائی میں جاری ہوگا۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28286۔ (قولہ: وَلَوْ كَانَ ذَلِكَ) اسم اشارہ سے مراد الاقرار ہے اور لو وصلیہ ہے۔

(بِقَبْضِ دَيْنِهِ أَوْ غَصْبِهِ أَوْ رَهْنِهِ) وَنَحْوِ ذَلِكَ (عَلَيْهِ) أَيْ عَلَى وَارِثِهِ أَوْ عَبْدِ وَارِثِهِ أَوْ مُكَاتَبِهِ
وارث کے خلاف، اس کے غلام کے خلاف یا اس کے مکاتب کے خلاف اپنے دین، غصب شدہ چیز یا رہن پر قبضہ

ایسا مریض جو مرض موت میں مر گیا تو اس کا اپنے وارث سے دین پر قبضہ کا اقرار صحیح نہیں

28287۔(قولہ: بِقَبْضِ دَيْنِهِ)''الخانیہ'' میں کہا: ایسا مریض جو اس مرض موت میں مر گیا تو اس کا اپنے وارث سے دین پر قبضہ کا اقرار صحیح نہیں ہو گا اور نہ ہی وارث کے کفیل سے قبضہ کرنے کا اقرار صحیح ہو گا۔ قریب ہی ''نور العین'' سے مفصل گفتگو آئے گی۔

دین وارث کی قید لگائی ہے یہ اصل میں اجنبی کے دین کو وصول کرنے کے اقرار سے احتراز ہے۔

اس میں اصل یہ ہے: اگر اس کا دین اجنبی پر حالت صحت میں واجب ہوا ہو تو اس کو وصول کرنے کا اقرار جائز ہو گا اگرچہ اس مقر پر دین معروف ہو خواہ وہ دین جس کے قبض کا وہ اقرار کرتا ہے۔ خواہ وہ مال کے بدل کے طور پر واجب ہو جیسے ثمن یا ایسا نہ ہو جس طرح دم عمد کا بدل صلح اور مہر وغیرہ۔ اگر وہ دین ہو جو مرض میں واجب ہوا گر وہ مال جس پر قبضہ کرنے کا اقرار کیا ہو وہ مال کا بدل ہو تو اس کا یہ اقرار حالت صحت کے قرض خواہوں کے حق میں جائز نہ ہو گا جس طرح ''سائحانی'' نے ''البدائع'' سے نقل کیا ہے۔ اگر وہ ایسی چیز کا بدل ہو جو مال نہ ہو تو اس پر قبض کا اقرار جائز ہو گا اگرچہ اس پر معروف دین ہو۔ ''جامع الفصولین''۔

اس میں ہے: اگر وہ اپنی مرض میں کوئی شے اس کی قیمت سے زیادہ کے ساتھ بیچتا ہے اس پر قبضہ کا اقرار کرتا ہے تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ مشتری سے کہا جائے گا: ایک دفعہ پھر قیمت ادا کرو یا بیع کو توڑ دو۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ بازاری قیمت کے برابر ادا کرے یا بیع کو توڑ دے۔

28288۔(قولہ: أَوْ غَصْبِهِ) یعنی جو چیز مقر سے وارث نے غصب کی تھی وہ اس پر قبضہ کا اقرار کرتا ہے۔

28289۔(قولہ: وَنَحْوِ ذَلِكَ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ یہ اقرار کرے کہ اس نے دوسرے شخص سے مبیع پر قبضہ کیا جب کہ وہ بیع فاسد تھی یا اسے مرض کی حالت میں جو ہبہ کیا تھا اس سے رجوع کر لیا۔ ''حموی''، ''ط''۔

فرع: اس نے اپنے وارث کے لیے دین کا اقرار کیا یا کسی اور کے لیے دین کا اقرار کیا پھر اس سے بری ہو گیا تو یہ دین اس حالت صحت کا دین ہو گا۔ اگر ایک آدمی نے اپنے وارث کو وصیت کی پھر وہ بری ہو گیا تو اس کی وصیت باطل ہو جائے گی۔ ''جامع الفصولین''۔

تتمہ: ''تاتر خانیہ'' میں ''واقعات ناطفی'' سے منقول ہے: ایک عورت نے اپنے بیٹے یا اپنے بھائی کے حق میں گواہ بنائے اس سے اس کا مقصود اپنے خاوند کو نقصان پہنچانا تھا یا ایک مرد نے اپنے آپ پر مال کے متعلق کسی بچے کے حق میں گواہ بنائے جس سے اس نے یہ ارادہ کیا کہ وہ باقی ماندہ اولاد کو نقصان پہنچائے جب کہ گواہ یہ جانتے تھے تو گواہوں کے لیے گنجائش ہے وہ گواہی نہ دیں الخ۔ اسے علامہ ''بیری'' نے ذکر کیا ہے۔ اس قول پر قیاس کرنے کی بنا پر چاہیے کہ یہ کہا جائے: اگر قاضی کو اس

لَا يَصِحُّ لِوُقُوعِهِ لِمَوْلَاهُ وَلَوْ فَعَلَهُ ثُمَّ بَرِئَ ثُمَّ مَاتَ جَازَ كُلُّ ذٰلِكَ لِعَدَمِ مَرَضِ الْمَوْتِ اخْتِيَارٌ وَلَوْ مَاتَ الْمُقَرُّ لَهُ ثُمَّ الْمَرِيضُ وَوَرَثَةُ الْمُقَرِّ لَهُ مِنْ وَرَثَةِ الْمَرِيضِ جَازَ إِقْرَارُهُ كَإِقْرَارِهِ لِلْأَجْنَبِيِّ بَحْرٌ وَسَيَجِيءُ عَنِ الصَّيْرَفِيَّةِ (بِخِلَافِ إِقْرَارِهِ) لَهُ أَيْ لِوَارِثِهِ (بِوَدِيعَةٍ مُسْتَهْلَكَةٍ) فَإِنَّهُ جَازَ وَصُورَتُهُ أَنْ يَقُولَ كَانَتْ عِنْدِي وَدِيعَةٌ لِهٰذَا الْوَارِثِ فَاسْتَهْلَكْتُهَا جَوْهَرَةٌ وَالْحَاصِلُ

کا ہو تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کا وقوع اس کے آقا کے لیے ہوگا۔ اگر اس نے ایسا اقرار کیا پھر وہ صحت مند ہو گیا پھر مر گیا تو سب جائز ہو جائے گا۔ کیونکہ مرض الموت نہیں پایا گیا''اختیار''۔ اگر مقرلہ مر گیا پھر مریض مر گیا اور مقرلہ کے وارث مریض کے وارث ہوں تو اس کا اقرار جائز ہوگا جس طرح اس کا اجنبی کے لیے اقرار جائز ہوگا،''بحر''۔ عنقریب''صیرفیہ'' سے آئے گا۔ اگر وہ وارث کے لیے ایسی ودیعت کا اقرار کرے جس کو جان بوجھ کر ہلاک کیا گیا تو یہ جائز ہوگا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: اس وارث کی میرے پاس ودیعت تھی تو میں نے اسے جان بوجھ کر ہلاک کر دیا،''جوہرہ''۔ حاصل کلام یہ ہے

کا علم ہو تو اسے فیصلہ کرنے کی گنجائش نہ ہوگی۔''الاشباہ والنظائر'' پر''حاشیہ ابوسعود'' میں اسی طرح ہے۔

28290۔(قولہ: وَلَوْ فَعَلَهُ) اگر وہ ان اشیاء کا اقرار وارث کے لیے کرتا ہے۔

28291۔(قولہ: مِنْ وَرَثَةِ الْمَرِيضِ) جس طرح ایک آدمی اپنے پوتے کے لیے اقرار کرے پھر پوتا اپنے باپ کو چھوڑ کر مر جاتا ہے۔

28292۔(قولہ: وَسَيَجِيءُ) یعنی قریب ہی اس کا ذکر آئے گا۔

28293۔(قولہ: بِوَدِيعَةٍ) زیادہ صحیح یہ ہے باستهلاك الوديعة جو بینہ کے ساتھ معروف ہے۔

28294۔(قولہ: مُسْتَهْلَكَةٍ) یعنی اس کا ہلاک ہونا معروف ہو۔

28295۔(قولہ: وَصُورَتُهُ)''الولوالجیہ'' میں مسئلہ کی وضاحت کی اور اس صورت کی وضاحت نہیں کی کہ ودیعت معروف ہے جس طرح''الاشباہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔''جامع الفصولین'' میں اس کی صورت کی وضاحت کی ہے: ایک آدمی نے اپنے باپ کی مرض کی حالت میں یا حالت صحت میں گواہوں کی موجودگی میں ودیعت کے طور پر دیے جب اسے موت کا وقت آیا تو اس کے ہلاک کر دینے کا اقرار کیا تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ اگر وہ خاموش رہتا اور مر جاتا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ اس نے کیا کیا ہے تو وہ اس کے مال میں سے ہوتا تو جب اس نے اس کے تلف کرنے کا اقرار کیا تو بدرجہ اولی اس کی بات تسلیم کی جائے گی۔

حاصل کلام یہ ہے یہاں اقرار کا دارومدار ودیعت کے ہلاک کر دینے پر ہے ودیعت پر اقرار نہیں ہے۔

خلاصہ کلام

28296۔(قولہ: وَالْحَاصِلُ) اس میں''الاشباہ'' اور اس کی نص کی مخالفت ہے۔ جہاں تک وارث کے لیے مجرد

أَنَّ الْإِقْرَارَ لِلْوَارِثِ مَوْقُوفٌ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ مَذْكُورَةٍ فِي الْأَشْبَاهِ مِنْهَا إِقْرَارُهُ بِالْأَمَانَاتِ كُلِّهَا

کہ وارث کے حق میں اقرار یہ موقوف ہوگا مگر تین صورتوں میں موقوف نہیں ہوگا جو ''الاشباہ'' میں مذکور ہیں۔ان میں سے ایک یہ کہ تمام قسم کی امانات کا اقرار کرے۔

اقرار کا تعلق ہے تو وہ اجازت پر موقوف ہوگا۔خواہ وہ عینی چیز ہو یا دین ہو، اس سے قبضہ کیا ہو یا بری کیا ہو۔تین امور میں دوسرے ورثاء کی اجازت ضروری نہیں: اگر وہ معروف ودیعت کے تلف کرنے کا اقرار کرے، اس کے پاس جو چیز ودیعت پڑی ہوئی تھی اس پر قبضہ کا اقرار کرے یا وارث نے وکالت کی وجہ سے مدیون سے مال لیا تھا اس پر قبضہ کا اقرار کرے، ''تلخیص الجامع'' میں اسی طرح ہے۔ چاہیے کہ دوسری صورت کے ساتھ اسے بھی لاحق کر دیا جائے کہ جب وہ تمام قسم کی امانتوں کا اقرار کرے اگرچہ شرکت یا عاریہ کا مال ہو اور معنیٰ یہ ہے کہ اس میں بعض کو ترجیح دینا نہیں ہے۔اس تحریر کو غنیمت جانیے یہ اس کتاب کے مفردات سے ہے۔''ط''۔

28297۔(قولہ: إِقْرَارُهُ بِالْأَمَانَاتِ) یعنی وارث کے پاس جو امانتیں ہیں ان کے قبضہ کا اقرار کرنا یہ عینی چیز وارث کی ہے کیونکہ یہ صحیح نہیں جس طرح شارح نے قریب ہی اس کی وضاحت کی ہے اور ''الاشباہ'' میں اس کی وضاحت کی ہے۔صاحب ''الاشباہ'' کا قول: ''چاہیے کہ تمام امانات کے بارے میں اس کے قول کو دوسری صورت کے ساتھ لاحق کیا جائے'' کی مراد ہے اس کو خوب سمجھ لیجیے۔

کیونکہ ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو اس میں خطا کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: اس کا اپنے وارث کے لیے ان کا اقرار کرنا مطلقاً جائز ہے جب کہ اقوال منقولہ اس امر کی تصریح کرتے ہیں کہ اس کا وارث کے لیے عین کا اقرار یہ دین کی طرح ہے جس طرح ہم نے اسے پہلے ''رملی'' سے بیان کر دیا ہے۔اس سے تیرے لیے یہ امر ظاہر ہو جاتا ہے جو شارح کی باقی ماندہ کلام میں ضعف ہے جب کہ وہ ''الاشباہ'' کی پیروی کرنے والے ہیں اور منقول کی مخالفت کرنے والے ہیں۔علماء فحول نے اس امر میں ان کی مخالفت کی ہے جس طرح ہم پہلے اسے بیان کر چکے ہیں۔

''فتاویٰ اسماعیلیہ'' میں ہے: اس آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنی مرض میں یہ اقرار کیا تھا کہ اس کی معلوم بیٹی کے ساتھ اس کا اسباب اور معلوم سامان میں کوئی حق نہیں۔وہ شرع کے اعتبار سے بچی اس کی مستحق نہیں تو کیا وہ اعیان معلوم جو اس کے قبضہ میں تھے اور ان میں اس کی ملکیت ظاہر تھی اور وہ آدمی اس مرض میں مر گیا تو اس کے اپنے وارث کے لیے اقرار باطل ہوگا؟

جواب: محققین نے جس پر اعتماد کیا یہ اسی طرح ہے۔اگرچہ شروع کلام میں نفی لائے۔یہ ''اشباہ'' کے خلاف ہے۔اور علماء نے ''الاشباہ'' کا انکار کیا ہے۔''سائحانی'' نے اسے اپنی ''محتومہ'' میں نقل کیا ہے اور ''اشباہ'' کا رد کیا ہے اور شارح نے اپنے نسخہ کے ''حاشیہ'' میں اس کا رد کیا ہے۔

''حامدیہ'' میں ہے: ایک مریض کے بارے میں سوال کیا گیا جو مرض الموت کا شکار ہوا اس نے اقرار کیا کہ اس کی زوجہ

وَمِنْهَا النَّفْيُ كَلَا حَقَّ لِي قِبَلَ أَبِي أَوْ أُمِّي، وَهَذِهِ الْحِيلَةُ فِي إِبْرَاءِ الْمَرِيضِ وَارِثَهُ، وَمِنْهُ هَذَا الشَّيْءُ الْفُلَانِيُّ مِلْكُ أَبِي أَوْ أُمِّي كَانَ عِنْدِي عَارِيَّةً، وَهَذَا حَيْثُ لَا قَرِينَةَ، وَتَمَامُهُ فِيهَا فَلْيُحْفَظْ فَإِنَّهُ مُهِمٌّ

ان میں سے ایک نفی کرنا ہے جیسے وہ کہے: میرا میرے باپ اور میری ماں کی جانب کوئی حق نہیں۔ یہی حیلہ ہے کہ مریض وارث کو بری کردے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ کہے یہ فلانی شے میرے باپ یا میری ماں کی ملک ہے میرے پاس عاریۃ ہے یہ اس وقت ہے جب کوئی قرینہ نہ ہو۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔ پس اسے یاد رکھا جانا چاہیے کیونکہ یہ بہت ہی اہم ہے۔

ہند کے ہاں اس کا کوئی حق نہیں اور اس کے ذمہ کو ہر شرعی حق سے بری کردیا اور اس بیوی کے علاوہ وارثوں کو چھوڑ کر مر گیا جب کہ اس میت کے قبضہ میں کئی عینی چیزیں تھیں۔ اور اس بیوی کے ذمہ میں بھی دین تھا اور دوسرے ورثاء نے اس اقرار کو جائز قرار نہ دیا کیا یہ غیر صحیح ہوگا۔

جواب: اقرار غیر صحیح ہوگا جب کہ یہ حالت ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

28298۔ (قولہ: وَمِنْهَا النَّفْيُ) اس میں ہے کہ یہ وارث کیلئے اقرار نہیں جس طرح ''الاشباہ'' میں اس کی تصحیح کی ہے۔

28299۔ (قولہ: كَلَا حَقَّ لِي) یہ دین میں صحیح ہے عین میں صحیح نہیں جس طرح گزر چکا ہے۔

28300۔ (قولہ: أَوْ أُمِّي) اسی میں سے یہ ہے کہ وہ اس کی معروف ودیعت کے تلف کرنے کا اقرار کرتا ہے جس طرح متن میں ہے۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28301۔ (قولہ: وَمِنْهُ هَذَا الشَّيْءُ) یہ غیر صحیح ہے جس طرح تو اس سے جان چکا ہے جو گزر چکا ہے۔ ''البحر'' میں متفرقات قضا میں کہا: میری فلاں پر کوئی شے لازم نہیں پھر اس پر مال کا دعویٰ کیا اور اس سے قسم لینے کا ارادہ کیا تو اس سے قسم نہ لی جائے گی۔

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس سے قسم لی جائے گی یہ معمول اور عادت کی وجہ سے ہے کتاب کے آخر میں مسائل شتی میں عنقریب آئے گا فتویٰ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے خواہ ان کے ائمہ نے اسے اختیار کیا ہے لیکن اس صورت میں علما نے اختلاف کیا ہے جب مقر کا وارث اقرار کرے اس بارے میں دو قول ہیں۔ ''بزازیہ'' میں دونوں میں سے کسی کو ترجیح نہیں دی۔ ''صدر الشہید'' نے کہا: قسم اٹھوانے میں رائے قاضی کے سپرد ہوگی۔ ''فتح القدیر'' میں اس کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ وہ خصوصی وقائع میں اجتہاد کرے گا مگر اس کا ظن غالب یہ ہے کہ جب اس نے اقرار کیا ہے اس وقت اس نے اس شے پر قبضہ نہیں کیا تو خصم سے قسم لے گا اگر اس کا اس بارے میں ظن غالب نہ ہو تو اس سے قسم نہیں لے گا۔ یہ ان چیزوں میں سے ہے جو خصموں (باہم مدمقابل) میں فراست سے متعلق ہے۔ میں کہتا ہوں: یہ اس کی تائید کرتا ہے جو ہم نے بحث کی ہے۔ والحمد للہ

تتمہ

''تاتر خانیہ'' میں ''خلاصہ'' سے نقل کیا ہے: ایک آدمی نے کہا: لوگوں کے ذمہ جو میرا دین تھا وہ میں نے سب کا سب

(أَقَرَّ فِيهِ) أَيْ فِي مَرَضِ مَوْتِهِ (لِوَارِثِهِ يُؤْمَرُ فِي الْحَالِ بِتَسْلِيمِهِ إِلَى الْوَارِثِ، فَإِذَا مَاتَ يَرُدُّهُ) بَزَّازِيَّةٌ وَفِي الْقُنْيَةِ تَصَرُّفَاتُ الْمَرِيضِ نَافِذَةٌ وَإِنَّمَا تُنْقَضُ بَعْدَ الْمَوْتِ (وَالْعِبْرَةُ لِكَوْنِهِ وَارِثًا وَقْتَ الْمَوْتِ لَا وَقْتَ الْإِقْرَارِ) فَلَوْ أَقَرَّ لِأَخِيهِ مَثَلًا ثُمَّ وُلِدَ لَهُ صَحَّ الْإِقْرَارُ لِعَدَمِ إِرْثِهِ (إِلَّا إِذَا صَارَ وَارِثًا) وَقْتَ الْمَوْتِ (بِسَبَبٍ جَدِيدٍ كَالتَّزْوِيجِ وَعَقْدِ الْمُوَالَاةِ) فَيَجُوزُ كَمَا ذَكَرَهُ بِقَوْلِهِ (فَلَوْ أَقَرَّ لَهَا) أَيْ لِأَجْنَبِيَّةٍ (ثُمَّ تَزَوَّجَهَا صَحَّ بِخِلَافِ إِقْرَارِهِ لِأَخِيهِ الْمَحْجُوبِ) بِكُفْرٍ أَوْ ابْنٍ (إِذَا زَالَ حَجْبُهُ) بِإِسْلَامِهِ أَوْ بِمَوْتِ الِابْنِ فَلَا يَصِحُّ لِأَنَّ إِرْثَهُ بِسَبَبٍ قَدِيمٍ لَا جَدِيدٍ

اس نے اپنی مرض موت میں اقرار کیا تو اسے فی الحال حکم دیا جائے گا کہ وہ اسے وارث کے سپرد کر دے جب وہ فوت ہو جائے گا تو وہ اسے واپس کر دے گا ''بزازیہ''۔ ''قنیۃ'' میں ہے: مریض کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں۔ موت کے بعد وہ ختم ہو جاتے ہیں۔ وارث ہونے کا اعتبار موت کے وقت ہوتا ہے اقرار کے وقت نہیں ہوتا۔ مثلاً وہ اپنے بھائی کے لیے اقرار کرتا ہے پھر مقر کا بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا اقرار صحیح ہوگا۔ کیونکہ بھائی اس کا وارث نہیں مگر جب موت کے وقت وہ بھائی جدید سبب سے وارث بنے جس طرح تزویج اور عقد موالات ہے۔ تو یہ جائز ہوگا جس طرح اسے اپنے اس قول میں ذکر کیا ہے: اگر ایک آدمی نے اجنبیہ کے لیے اقرار کیا پھر اس سے شادی کی تو یہ صحیح ہوگا۔ جب وہ مجوب بھائی کے لیے اقرار کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ اس کا مجوب ہونا کفر کی وجہ سے ہو یا بیٹے کے پیدا ہونے کی وجہ سے ہو۔ جب اس کا مجوب ہونا اس کے اسلام قبول کرنے یا بیٹے کے فوت ہونے کی صورت میں زائل ہو جائے تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی وارثت سبب قدیم کی وجہ سے ہے سبب جدید کی وجہ سے نہیں

وصول کر لیا ہے تو اس کا اقرار صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ کہے: میں نے اپنے تمام مقروضوں کو بری کر دیا ہے تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ مگر جب وہ یہ کہے: فلاں قبیلہ جب کہ وہ شمار ہو سکتے ہیں اس وقت اس کا اقرار اور بری کرنا صحیح ہوگا۔

28302۔ (قولہ: بِسَبَبٍ قَدِيمٍ) یعنی ایسا سبب جو اقرار کے وقت قائم ہو۔ اگر ایک آدمی نے ایسے وارث کے لیے اقرار کیا جو اقرار کے وقت وارث تھا اور اس کی موت کے وقت وارث تھا اور درمیان والے عرصہ میں وہ اس کا وارث نہ رہا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا اقرار باطل ہو جائے گا امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اقرار باطل نہیں ہوگا۔ ''نور العین'' میں ''قاضی خان'' سے منقول ہے۔ ''جامع الفصولین'' میں ہے: ایک آدمی نے اپنے بیٹے کے حق میں کسی شے کا اقرار کیا جب کہ وہ بیٹا غلام تھا پھر وہ بچہ آزاد ہو گیا پھر باپ فوت ہو گیا تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ یہ اقرار آقا کے لیے ہوگا غلام کے لیے نہیں ہوگا۔ باپ جب اپنے بچے کے لیے وصیت کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ جب کہ وہ وصیت کے وقت غلام ہو پھر اسے آزاد کر دیا گیا تو اس وقت وصیت باطل ہوگی۔ کیونکہ اس وقت وصیت بیٹے کے لیے ہے۔ اس کی وضاحت ''المنح'' میں ہے۔ ہم نے کتاب الوصایا میں جو کچھ لکھا ہے اس کو دیکھیے۔

(وَبِخِلَافِ الْهِبَةِ) لَهَا فِي مَرَضِهِ (وَالْوَصِيَّةِ لَهَا) ثُمَّ تَزَوَّجَهَا فَلَا تَصِحُّ لِأَنَّ الْوَصِيَّةَ تَمْلِيكٌ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَهِيَ حِينَئِذٍ وَارِثَةٌ (أَقَرَّ فِيهِ أَنَّهُ كَانَ لَهُ عَلَى ابْنَتِهِ الْمَيِّتَةِ عَشَرَةُ دَرَاهِمَ قَدْ اسْتَوْفَيْتهَا وَلَهُ) أَيْ لِلْمُقِرِّ (ابْنٌ يُنْكِرُ ذَلِكَ صَحَّ إِقْرَارُهُ) لِأَنَّ الْمَيِّتَ لَيْسَ بِوَارِثٍ (كَمَا لَوْ أَقَرَّ لِامْرَأَتِهِ فِي مَرَضِ مَوْتِهِ بِدَيْنٍ ثُمَّ مَاتَتْ قَبْلَهُ وَتَرَكَ) مِنْهَا (وَارِثًا) صَحَّ الْإِقْرَارُ (وَقِيلَ لَا) قَائِلُهُ بَدِيعُ الدِّينِ صَيْرَفِيَّةٌ وَلَوْ أَقَرَّ فِيهِ لِوَارِثِهِ وَلِأَجْنَبِيٍّ بِدَيْنٍ لَمْ يَصِحَّ

یہ صورت مختلف ہوگی۔ اپنی مرض میں اس کو ہبہ کرے اور اس کے لیے وصیت کرے پھر اسے شادی کر لے تو یہ صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ وصیت موت کے بعد مالک بنانا ہے جب کہ موت کے وقت وہ عورت اس کی وارث ہے اس نے مرض میں اقرار کیا کہ میرے میت بچی پر دس دراہم تھے جو میں نے اس سے لے لیے جب کہ مقر کا ایک بیٹا ہے جو اس کا انکار کرتا ہے۔ تو اس کا اقرار صحیح ہوگا۔ کیونکہ جو فرد مر چکا ہے وہ اس کا وارث نہیں۔ جس طرح ایک آدمی اپنی مرض موت میں اپنی بیوی کے لیے اقرار کرتا ہے پھر اس سے پہلے وہ عورت مر جاتی ہے اور وہ مرد ایک وارث چھوڑتا ہے جو اس کا اقرار کا انکاری ہے تو اقرار صحیح ہو گا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اقرار صحیح نہیں ہوگا۔ اس قول کے قائل ''بدیع الدین صیرفی'' ہیں۔ اگر ایک آدمی اپنی مرض میں اپنے وارث کے لیے اور اجنبی کے لیے دین کا اقرار کرے تو یہ صحیح نہ ہوگا۔

28303۔(قولہ: لَيْسَ بِوَارِثٍ) یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے اگر وہ بچی زندہ ہوتی اور وارث ہوتی تو یہ صحیح نہ ہوتا۔ ''الخانیہ'' میں ہے: ایسا مریض جو اس مرض میں فوت ہو جاتا ہے اس کا اپنے وارث کی جانب سے دین پر قبضہ کا اقرار صحیح نہ ہوگا۔ اور نہ وارث کے کفیل کی جانب سے اس پر قبضہ کا اقرار صحیح ہوگا اگرچہ وہ اس کی حالت صحت میں اسے کفیل بنایا ہو۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ اجنبی سے دین پر قبضہ کرنے کا اقرار کرے جس اجنبی نے اس کے وارث کی جانب سے تبرع کیا ہو۔ ایک آدمی نے ایک معین شے کے بیچنے کے لیے وکیل بنایا تو اس نے موکل کے وارث کے ہاں اسے بیچ دیا اور اس مریض نے وارث کی جانب سے ثمن پر قبضہ کا اقرار کر لیا یا اس نے یہ اقرار کیا کہ اس کے وکیل نے ثمن پر قبضہ کیا اور وہ ثمن اس کے حوالے کر دی ہے تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اگر مریض خود وکیل ہو اور اس کا موکل صحیح ہو وکیل نے یہ اقرار کیا کہ اس نے مشتری سے ثمن لے لی ہے تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ کیونکہ اس کا مرض اس کے اس اقرار کو باطل کرنے کے لیے کافی ہے جو اقرار اس نے وارث سے قبض کرنے کے بارے میں کیا تو دونوں کا مرض بدرجہ اولیٰ اس کے باطل کرنے کے لیے کافی ہوگا۔

ایک مریض ہے جس پر اتنا قرض ہے جو اس کے تمام مال کو محیط ہے وہ ودیعت، عاریۃ یا مضاربت پر قبضہ کرنے کا اقرار کرتا ہے جو یہ مال اس کے وارث کے پاس تھا تو اس کا اقرار صحیح ہوگا کیونکہ وارث اگر اپنے مریض مورث کی جانب امانت لوٹنے کا دعویٰ کرتا ہے اور مورث اس کو جھٹلاتا ہے تو وارث کا قول قبول کیا جائے گا۔ یہ نور العین کی کتاب الوصیۃ سے تھوڑا پہلے سے لیا گیا ہے۔

خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ عِمَادِيَّةٌ (وَإِنْ أَقَرَّ لِأَجْنَبِيٍّ) مَجْهُولِ نَسَبُهُ (ثُمَّ أَقَرَّ بِبُنُوَّتِهِ) وَصَدَّقَهُ، وَهُوَ مِنْ أَهْلِ التَّصْدِيقِ (ثَبَتَ نَسَبُهُ) مُسْتَنِدًا لِوَقْتِ الْعُلُوقِ (وَ) إِذَا ثَبَتَ (بَطَلَ إِقْرَارُهُ) لِمَا مَرَّ وَلَوْ لَمْ يَثْبُتْ بِأَنْ كَذَّبَهُ أَوْ عَرَفَ نَسَبُهُ صَحَّ الْإِقْرَارُ لِعَدَمِ ثُبُوتِ النَّسَبِ شُرُنْبُلَالِيَّةٌ مَعْزِيًّا لِلْيَنَابِيعِ (وَلَوْ أَقَرَّ لِمَنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا) يَعْنِي بَائِنًا (فِيهِ) أَيْ فِي مَرَضِ مَوْتِهِ (فَلَهَا الْأَقَلُّ مِنْ الْإِرْثِ وَالدَّيْنِ) وَيُدْفَعُ لَهَا ذَلِكَ بِحُكْمِ الْإِقْرَارِ لَا بِحُكْمِ الْإِرْثِ حَتَّى لَا تَصِيرَ شَرِيكَةً فِي أَعْيَانِ التَّرِكَةِ شُرُنْبُلَالِيَّةٌ

امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔''عمادیہ''۔ایک آدمی نے ایسے اجنبی کے حق میں اقرار کیا جس کا نسب مجہول تھا پھر اس کے بارے میں بیٹا ہونے کا اقرار کیا اور اس اجنبی نے اس کی تصدیق کر دی جب کہ وہ ان افراد میں سے ہے جو تصدیق کی اہلیت رکھتا ہے تو اس اجنبی کا نسب حمل کے ٹھہرنے کے وقت سے ثابت ہو جائے گا۔اور جب اس کا نسب ثابت ہو جائے گا تو اس کا اقرار باطل ہو جائے گا۔اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے اگر اس کا نسب ثابت نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اجنبی اس کو جھٹلا دے یا اس اجنبی کا نسب معروف ہو تو نسب کے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے اقرار صحیح ہو جائے گا''شرنبلالیہ''۔جب کہ ''ینابیع'' کی طرف سے منسوب کیا ہے۔اگر ایک مرد نے اپنی مرض موت میں اس عورت کے حق میں اقرار کیا جس کو اس نے تین طلاقیں دے دی تھیں یعنی بائنہ دے دی تھی تو وراثت اور دین میں سے جو کم ہو گا وہ اسے مل جائے گا اسے یہ مال اقرار کے حکم کے تحت ملے گا وراثت کے طور پر نہیں ملے گا یہاں تک کہ وہ ترکہ کے اعیان میں شریک نہیں ہو گا ''شرنبلالیہ''۔

28304۔(قولہ: خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ)

فرع: اس نے اپنی حالت مرض میں اجنبی کے ہاتھ غلام بیچا اور اجنبی آدمی نے اس مریض کے وارث کے ہاتھ وہ غلام بیچ دیا یا اسے ہبہ کر دیا تو یہ عقد صحیح ہو گا۔اگر اجنبی نے اس پر قبضہ کرنے کے بعد ایسا کیا ہو کیونکہ وارث غلام کا مالک اجنبی کی جانب سے بنا ہے اپنے مورث کی جانب سے نہیں بنا۔''بزازیہ''۔

28305۔(قولہ: عِمَادِيَّةٌ) ہم نے اس کی عبارت پہلے ''نور العین'' سے نقل کر دی ہے۔

وہ عورت جس کو تین طلاقیں دی گئی ہوں اس کے حق میں اقرار کا حکم

28306۔(قولہ: لِمَنْ طَلَّقَهَا) یعنی جس نے مرض الموت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔

فرع: مرد عورت کے لیے اتنے مہر کا اقرار کرے جو اس کے مہر مثل کے برابر ہو تو یہ اقرار صحیح ہو گا کیونکہ تہمت نہیں پائی جا رہی اگرچہ یہ حقوق زوجیت کے بعد ہو یہ امام ''ظہیر الدین'' نے کہا ہے۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: اب معمول یہ ہے کہ عورت جب تک مہر کی مقدار کے برابر مال پر قبضہ نہیں کر لیتی تو اسے حق حاصل ہے کہ اپنے آپ کو خاوند سے روک لے تو مہر کی مقدار کے برابر اقرار کا حکم نہیں لگایا جائے گا جب وہ قبضہ کا اعتراف نہ کرے۔صحیح یہ ہے کہ مہر مثل کے مکمل ہونے تک اس کی تصدیق کی جائے گی اگرچہ یہ ظاہر ہو کہ اس عورت نے اپنا حق پورا پورا لے لیا ہے۔''بزازیہ''۔

(وَهَذَا إِذَا) كَانَتْ فِي الْعِدَّةِ وَ (طَلَّقَهَا بِسُؤَالِهَا) فَإِذَا مَضَتْ الْعِدَّةُ جَازَ لِعَدَمِ التُّهْمَةِ عَزْمِيَّةٌ (وَإِنْ طَلَّقَهَا بِلَا سُؤَالِهَا فَلَهَا الْمِيرَاثُ بَالِغًا مَا بَلَغَ، وَلَا يَصِحُّ الْإِقْرَارُ لَهَا) لِأَنَّهَا وَارِثَةٌ؛ إِذْ هُوَ فَارٌّ وَأَهْمَلَهُ أَكْثَرُ الْمَشَايِخِ لِظُهُورِهِ مِنْ كِتَابِ الطَّلَاقِ (وَإِنْ أَقَرَّ لِغُلَامٍ مَجْهُولِ) النَّسَبِ فِي مَوْلِدِهِ أَوْ فِي بَلَدٍ هُوَ فِيهَا وَهُمَا فِي السِّنِّ بِحَيْثُ (يُولَدُ مِثْلُهُ لِمِثْلِهِ أَنَّهُ ابْنُهُ وَصَدَّقَهُ الْغُلَامُ) لَوْ مُمَيِّزًا وَإِلَّا لَمْ يَحْتَجْ لِتَصْدِيقِهِ كَمَا مَرَّ

یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ عورت ابھی عدت میں ہو اور مرد نے اسے طلاق اس کے کہنے پر دی ہو۔ جب عدت گزر جائے تو تہمت نہ ہونے کی وجہ سے اقرار جائز ہوگا،''عزمیہ''۔ اگر خاوند نے اسے اس کے مطالبہ کے بغیر طلاق دے دی تو اس عورت کے لیے میراث ہوگی وہ جہاں تک پہنچے اس مرد کا اس عورت کے لیے اقرار صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ عورت اس مرد کی ملکیت ہے کیونکہ خاوند فرار اختیار کرنے والا ہے اکثر مشائخ نے اس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ یہ کتاب الطلاق میں ظاہر ہے۔ اگر ایک آدمی ایسے بچے کے لیے نسب کا دعویٰ کرے جس کا نسب مجہول ہو جب کہ یہ اقرار اس بچے کی جائے پیدائش یا اس شہر میں ہو جس میں وہ بچہ رہ رہا ہو جب کہ وہ دونوں ایسی عمر میں ہیں جس میں اس قسم کے مرد کا اس قسم کا بچہ ہو سکتا ہے وہ مرد یہ اقرار کرتا ہے کہ یہ اس کا بیٹا ہے اور بیٹا اس کی تصدیق کرتا ہے اگر وہ تمیز رکھتا ہو اگر وہ تمیز نہیں رکھتا تو اس کی تصدیق کی کوئی ضرورت نہیں جس طرح قول گزر چکا ہے۔

اس کتاب میں ہے: اس نے اپنی مرض میں اپنی اس بیوی کے لیے اقرار کیا جو بچہ چھوڑ کر مرگئی تھی جب کہ اقرار مہر کی مقدار کا تھا جب کہ اس مرد کے کئی اور وارث موجود ہیں تو اس میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ قاضی امام نے کہا: اس کا اقرار نہ ہوگا یہ اس کے مناقض نہیں جو قول گزر چکا ہے۔ کیونکہ یہاں غالب امر یہ ہے کہ عورت کے فوت ہونے کے بعد عورت کے ورثاء یا اس کے وصی پورے کا پورا مہر وصول کرتے ہیں۔ پہلے قول کا معاملہ مختلف ہے۔

فرع: ''تاتر خانیہ'' میں ''سراجیہ'' سے قول منقول ہے: اگر وہ کہے: یہ گھر مشترک ہے یا اس گھر میں شرکت ہے تو یہ قول نصف کا اقرار ہوگا۔ ''عتابیہ'' میں ہے: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلق شرکت نصف میں ہوتی ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقر جس کی تفسیر بیان کرے اس میں شرکت ہوتی ہے اگر وہ متصلاً دو تہائی کہہ دے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اسی طرح وہ یہ قول کرے: میرے اور اس کے درمیان (مشترک ہے) یا کہے: میرا اور اس کا ہے۔ الخ

28307۔(قولہ: وَإِنْ أَقَرَّ لِغُلَامٍ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ اس مسئلہ کو اس مسئلہ وان اقر لا جنبی ثم اقر ببنوتہ سے پہلے ذکر کرتے۔ کیونکہ یہاں تینوں شرطیں معتبر ہیں جس طرح وہاں معتبر ہیں۔ ''حاشیہ مسکین'' میں ''حموی'' سے اسی طرح منقول ہے۔

28308۔(قولہ: أَوْ فِي بَلَدٍ) یہ دوسرے قول کی حکایت ہے۔ ''حواشی یعقوبیہ'' میں کہا: مجہول نسب والا بچہ وہ ہوتا ہے جس کے شہر میں اس کا باپ معروف نہ ہو جس طرح ''شرح تلخیص الجامع'' جو ''اکمل الدین'' کی تالیف ہے، میں ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد ایسا شہر ہے جس میں وہ رہ رہا ہے جس طرح ''القنیہ'' میں ہے نہ کہ جہاں اس کی پیدائش ہوئی

وَحِينَئِذٍ (ثَبَتَ نَسَبُهُ) وَلَوْ الْمُقِرُّ (مَرِيضًا وَ) إِذَا ثَبَتَ (شَارَكَ) الْغُلَامُ (الْوَرَثَةَ) فَإِنْ انْتَفَتْ هَذِهِ الشُّرُوطُ يُؤَاخَذُ الْمُقِرُّ مِنْ حَيْثُ اسْتِحْقَاقُ الْمَالِ كَمَا لَوْ أَقَرَّ بِأُخُوَّةِ غَيْرِهِ كَمَا مَرَّ عَنْ الْيَنَابِيعِ كَذَا فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ فَيُحَرَّرُ عِنْدَ الْفَتْوَى

اس وقت اس کا نسب ثابت ہو جائے گا اگرچہ اقرار کرنے والا مریض ہو جب نسب ثابت ہو جائے گا تو بچہ دوسرے وارثوں کے ساتھ شریک ہوگا۔ اگر یہ شروط نہ پائی جائیں تو مقر کا مواخذہ مال کے استحقاق کے اعتبار سے ہوگا جس طرح وہ کسی اور کے بھائی ہونے کا اقرار کرے جس طرح ینابیع سے گزر چکا ہے، ''شرنبلالیہ'' میں اسی طرح ہے پس فتویٰ کے وقت خوب چھان بین کی جانی چاہیے۔

جس طرح بعض علما نے ذکر کیا ہے کیونکہ مغربی جب مشرق کی طرف منتقل ہو تو اس پر کوئی حادثہ واقع ہو تو اس پر یہ لازم ہوگا کہ وہ مغرب میں اپنے نسب کے بارے میں تفتیش کرے۔ اس میں ایسا حرج واقع ہوتا ہے جو مخفی نہیں۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔

28309۔(قولہ: وَحِينَئِذٍ) اس کو حذف کر دینا مناسب ہے کیونکہ اس کے ذکر کرنے کی صورت میں شرط جواب کے بغیر رہ گئی ہے۔ ''ح''۔

28310۔(قولہ: هَذِهِ الشُّرُوطُ) یعنی ان میں سے ایک۔ ''ح''۔

28311۔(قولہ: مِنْ حَيْثُ اسْتِحْقَاقُ الْمَالِ) اگر مال سے مراد وہ مال ہے جس کا اقرار کیا گیا ہے جس طرح اس کے قول کا ظاہر ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ قول سے میری مراد ہے کہ وہ اجنبی کے لیے اقرار کرے پھر اس کے بیٹا ہونے کا اقرار کرے تو شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے اس کا بیٹا ہونا ثابت نہ ہو تو یہ تکرار ہوگا جس کا یہاں کوئی محل نہیں۔ اگر مراد وراثت ہے جس طرح ان کے قول کما لو اقر باخوۃ غیرہ کا ظاہر معنی ہے تو اس کا معنی ہوگا اگر اس نے لڑکے کے بارے میں اقرار کیا کہ یہ اس کا بیٹا ہے اور ان شروط میں سے کسی شرط کے منتفی ہونے سے اس کا نسب ثابت نہ ہوا تو وہ وارثوں کے ساتھ شریک ہوگا تو اس کی وجہ ظاہر نہیں۔ کیونکہ پہلے یہ گزر چکا ہے کہ اس کے حق میں مال کا اقرار کرنا صحیح ہے اور وارث کے لیے اقرار صحیح نہیں جس طرح یہ قول گزر چکا ہے ساتھ ہی اس وقت مواخذہ مقر کا نہیں ہوگا بلکہ وارثوں کا ہوگا۔ کیونکہ وہ ان کے ساتھ وراثت میں شریک ہوا ہے۔ اس کے ساتھ اگر حکم اس طرح ہے تو پھر نقل صریح کا ہونا ضروری ہے یہاں تک کہ اسے قبول کیا جائے۔ میں نے کئی کتب کی طرف رجوع کیا تو میں نے اسے نہیں پایا۔ اسی وجہ سے شارح نے چھان بین کرنے کا حکم دیا۔ فتامل

28312۔(قولہ: عَنْ الْيَنَابِيعِ) جسے ''شرنبلالی'' نے ''ینابیع'' سے اس قول اقر لاجنبی ثم ببنوته کے ہاں ذکر کیا ہے۔ اس کی نص یہ ہے: اگر وہ لڑکا اس مقر کو جھٹلا دے یا اس کا نسب غیر سے معروف ہو تو اس نے جو اقرار کیا وہ اس پر لازم ہو جائے گا اور نسب ثابت نہیں ہوگا۔ پھر یہاں وہ لکھا ہے جسے شارح نے ان سے نقل کیا ہے۔

28313۔(قولہ: فَيُحَرَّرُ) میرے لیے وہ مخالفت ظاہر نہیں ہوئی جو فصاحت کا موجب ہو تامل۔ ''ح''۔

(وَ) الرَّجُلُ (صَحَّ إِقْرَارُهُ) أَيِ الْمَرِيضِ (بِالْوَلَدِ وَالْوَالِدَيْنِ) قَالَ فِي الْبُرْهَانِ وَإِنْ عَلَيَا قَالَ الْمَقْدِسِيُّ وَفِيهِ نَظَرٌ لِقَوْلِ الزَّيْلَعِيِّ وَلَوْ أَقَرَّ بِالْجَدِّ وَابْنِ الِابْنِ لَا يَصِحُّ لِأَنَّ فِيهِ حَمْلَ النَّسَبِ عَلَى الْغَيْرِ (بِالشُّرُوطِ) الثَّلَاثَةِ (الْمُتَقَدِّمَةِ) فِي الِابْنِ (وَ) صَحَّ (بِالزَّوْجَةِ بِشَرْطِ خُلُوِّهَا عَنْ زَوْجٍ وَعِدَّتِهِ وَخُلُوِّهِ) أَيِ الْمُقِرِّ (عَنْ أُخْتِهَا) مَثَلًا (وَأَرْبَعٍ سِوَاهَا وَ) صَحَّ (بِالْوَلِيِّ) مِنْ جِهَةِ الْعَتَاقَةِ (إِنْ لَمْ يَكُنْ وَلَاؤُهُ ثَابِتًا مِنْ جِهَةِ غَيْرِهِ) أَيْ غَيْرِ الْمُقِرِّ (وَ) الْمَرْأَةُ صَحَّ (إِقْرَارُهَا بِالْوَالِدَيْنِ وَالزَّوْجِ وَالْمَوْلَى) الْأَصْلُ أَنَّ إِقْرَارَ الْإِنْسَانِ عَلَى نَفْسِهِ حُجَّةٌ لَا عَلَى غَيْرِهِ قُلْت وَمَا ذَكَرَهُ مِنْ صِحَّةِ الْإِقْرَارِ بِالْأُمِّ كَالْأَبِ هُوَ الْمَشْهُورُ الَّذِي عَلَيْهِ الْجُمْهُورُ وَقَدْ ذَكَرَ الْإِمَامُ الْعَتَّابِيُّ فِي فَرَائِضِهِ أَنَّ الْإِقْرَارَ بِالْأُمِّ لَا يَصِحُّ، وَكَذَا فِي ضَوْءِ السِّرَاجِ لِأَنَّ النَّسَبَ لِلْآبَاءِ لَا لِلْأُمَّهَاتِ

مرد جو مریض ہو وہ کسی کے بارے میں بچے یا والدین ہونے کا اقرار کرے۔''برہان'' میں کہا: اگرچہ والدین کتنے ہی اوپر چلے جائیں۔''مقدسی'' نے کہا: اس میں اعتراض ہے۔ کیونکہ ''زیلعی'' کا قول ہے: اگر کوئی آدمی دادے یا پوتے کا اقرار کرے تو صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس اقرار میں غیر پر نسب کا حمل ہے جب کہ بیٹے کے اقرار میں گزشتہ تینوں شروط موجود ہوں اور کسی مریض کا بیوی کے بارے میں اقرار کرنا صحیح ہوگا۔ شرط یہ ہے کہ کسی اور کی بیوی ہونے، اس کی معتدہ ہونے اور مقر کی بہن اور اس کے علاوہ چار عورتوں سے عقد نکاح سے خالی ہو۔ آزاد کرنے کے حوالے سے ولی ہونے کا اقرار صحیح ہوگا اگر کسی اور جہت سے اس کی ولا ثابت نہ ہو۔ عورت کا والدین، خاوند اور ولی کے بارے میں اقرار صحیح ہوگا قاعدہ یہ ہے کہ انسان کا اپنی ذات پر اقرار حجت ہے غیر پر حجت نہیں۔ میں کہتا ہوں: ماں کے متعلق اقرار کا صحیح ہونا یہ باپ کی طرح ہے۔ یہی قول مشہور ہے۔ اس پر جمہور علماء ہیں۔ امام ''عتابی'' نے فرائض میں ذکر کیا ہے کہ ماں کے بارے میں اقرار کرنا صحیح نہیں۔ اسی طرح ''ضوء السراج'' میں ہے۔ کیونکہ نسب آباء کے لیے ہوتا ہے امہات کے لیے نہیں ہوتا

28314۔(قولہ: وَ الرَّجُلُ صَحَّ إِقْرَارُهُ) بعض نسخوں میں الرجل کے لفظ کو ساقط کر دیا گیا ہے اور یوں کلام کی گئی ہے: وصح اقرارہ۔

28315۔(قولہ: أَيِ الْمَرِيضِ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ اس لفظ کو ترک کر دیا جاتا ''ح''۔

28316۔(قولہ: وَإِنْ عَلَيَا) علیا کے تینوں حروف مفتوح ہیں عین، لام، اور یا۔ یعنی والدین کتنے اوپر چلے جائیں۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے یہ اس طرح ہے جس طرح نواسی کا اقرار کرے۔''جامع الفصولین'' میں کہا: ایک آدمی نے کسی کے متعلق بیٹی ہونے کا اقرار کیا تو اس کے لیے نصف ترکہ ہوگا اور باقی عصبہ کے لیے ہو گا۔ کیونکہ بیٹی ہونے کا اقرار کرنا صحیح ہے پوتی ہونے کا اقرار صحیح نہیں ہے۔ یہ حکم محض اس لیے ہے۔ کیونکہ اس میں نسب کو بیٹے پر لازم کیا جا رہا ہے فتدبر۔''ط''۔

28317۔(قولہ: لَا يَصِحُّ) اس کی وضاحت عنقریب متن میں آئے گی۔

وَفِيهِ حَمْلُ الزَّوْجِيَّةِ عَلَى الْغَيْرِ فَلَا يَصِحُّ وَلَكِنَّ الْحَقَّ صِحَّتُهُ بِجَامِعِ الْأَصَالَةِ فَكَانَتْ كَالْأَبِ فَلْيُحْفَظْ (وَ) كَذَا صَحَّ (بِالْوَلَدِ إِنْ شَهِدَتْ) امْرَأَةٌ، وَلَوْ (قَابِلَةً) بِتَعْيِينِ الْوَلَدِ أَمَّا النَّسَبُ فَبِالْفِرَاشِ شُمُنِّيٌّ، وَلَوْ مُعْتَدَّةً جَحَدَتْ وِلَادَتَهَا فَبِحُجَّةٍ تَامَّةٍ كَمَا مَرَّ فِي بَابِ ثُبُوتِ النَّسَبِ (أَوْ صَدَّقَهَا الزَّوْجُ إِنْ كَانَ) لَهَا زَوْجٌ (أَوْ كَانَتْ مُعْتَدَّةً) مِنْهُ (وَ) صَحَّ (مُطْلَقًا إِنْ لَمْ تَكُنْ كَذَلِكَ) أَيْ مُزَوَّجَةً وَلَا مُعْتَدَّةً (أَوْ كَانَتْ) مُزَوَّجَةً

اس میں بیوی ہونے کے رشتہ کو غیر پر محمول کرنا ہے تو یہ اقرار صحیح نہ ہوگا۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ اقرار صحیح ہے اس کی دلیل اصل ہونا ہے پس ماں باپ کی طرح ہوگی پس اس کو یاد رکھنا جانا چاہیے۔ اسی طرح بچے کا نسب صحیح ہوگا اگر ایک عورت گواہی دے دے اگرچہ وہ دائی ہو جب کہ وہ بچے کی تعیین کرے جہاں تک نسب کے ثابت ہونے کا تعلق ہے تو وہ فراش کے ساتھ ثابت ہو جائے گا، ''شمنی''۔ اگر وہ عورت عدت گزار رہی ہے وہ ولادت کا انکار کر دے تو نسب مکمل حجت سے ثابت ہوگا جس طرح ثبوت النسب میں گزر چکا ہے یا اس کا خاوند اس کی تصدیق کر دے۔ اگر اس عورت کا کوئی خاوند ہو یا وہ اس خاوند کی عدت گزار رہی ہو اگر اس طرح نہ ہو یعنی وہ شادی شدہ نہ ہو یا معتدہ نہ ہو تو مطلقاً صحیح ہوگا یا وہ کسی اور کے ساتھ شادی شدہ ہو

28318۔ (قولہ: وَ كَذَا صَحَّ) یعنی عورت کا اقرار اس طرح صحیح ہوگا۔

28319۔ (قولہ: وَلَوْ قَابِلَةً) اس کے بعد اپنے اس قول او صدقها الزوج کے ساتھ اس کے مقابلہ کو بیان کیا۔ یہ اس وقت ہے جب خاوند نسب کا انکار کرے اور عورت اس خاوند سے اس بچے کے نسب کا دعویٰ کرے۔ اور اس امر کو بیان کیا ہے کہ وہ عورت خاوند والی ہے۔ معتدہ کا معاملہ مختلف ہے جس طرح شارح نے اس کی تصریح کی ہے۔ مگر جب وہ نہ خاوند والی ہو اور نہ ہی معتدہ ہو یا اس کا خاوند ہو اور عورت یہ دعویٰ کرے تو بچہ کسی اور مرد سے ہوا ہے تو عورت کے اقرار سے بڑھ کر کسی زائد امر کی حاجت نہیں۔ اس سب امر کی ''ابن کمال'' نے تصریح کی ہے۔ عنقریب اس کی وضاحت آئے گی۔

28320۔ (قولہ: بِتَعْيِينِ الْوَلَدِ) جس طرح تو اس سے جان چکا ہے جس کو ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ یہ گفتگو اس کے بارے میں ہے جب خاوند بچے کی ولادت کا انکار کرے اور دائی کی شہادت بچے کی تعیین کے متعلق ہے جب وہ بچے کی پیدائش کے بارے میں ایک دوسرے کی تصدیق کریں اور خاوند تعیین کا انکار کرے۔ ''غایۃ البیان'' کی شرح ''الاقطع'' سے یہ عبارت ہے: دونوں کی شہادت سے ولادت ثابت ہو جائے گی اور نسب فراش سے ثابت ہوگا۔ الخ

ظاہر یہ ہے کہ شارح نے جو بیان کیا ہے اس کا حکم اسی طرح ہے۔

28321۔ (قولہ: وَ صَحَّ مُطْلَقًا) یہ بیان کیا ہے کہ جو شروط ذکر کی گئی ہیں وہ سب کے اقرار کے صحیح ہونے کے بارے میں ہیں تاکہ خاوند پر اسے لازم نہ کیا جائے۔ اگر شرط مفقود ہو تو عورت کا اقرار اس کو اپنی ذات پر اقرار صحیح ہوگا اور بچہ اس کا وارث ہوگا۔ اور اگر بچے نے اس کی تصدیق کر دی تو وہ عورت بچے کی وارث ہوگی۔ ان دونوں کے علاوہ ان کا کوئی وارث نہ ہوگا تو وہ بھائی کا اقرار کرنے کی طرح ہو جائے گا۔ جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے اس کا یہی مفہوم ہے۔ ''غایۃ البیان''

(وَادَّعَتْ أَنَّهُ مِنْ غَيْرِهِ) فَصَارَ كَمَا لَوْ ادَّعَاهُ مِنْهَا لَمْ يُصَدَّقْ فِي حَقِّهَا إِلَّا بِتَصْدِيقِهَا قُلْت بَقِيَ لَوْ لَمْ يُعْرَفْ لَهَا زَوْجٌ غَيْرُهُ لَمْ أَرَهُ فَيُحَرَّرُ (وَلَا بُدَّ مِنْ تَصْدِيقِ هَؤُلَاءِ إِلَّا فِي الْوَلَدِ إِذَا كَانَ لَا يُعَبِّرُ عَنْ نَفْسِهِ) لِمَا مَرَّ أَنَّهُ حِينَئِذٍ كَالْمَتَاعِ (وَلَوْ كَانَ الْمُقَرُّ لَهُ عَبْدَ الْغَيْرِ اشْتَرَطَ تَصْدِيقَ مَوْلَاهُ) لِأَنَّ الْحَقَّ لَهُ (وَصَحَّ التَّصْدِيقُ) مِنْ الْمُقَرِّ لَهُ (بَعْدَ مَوْتِ الْمُقِرِّ) لِبَقَاءِ النَّسَبِ وَالْعِدَّةِ بَعْدَ الْمَوْتِ (إِلَّا تَصْدِيقَ الزَّوْجِ بِمَوْتِهَا)

اور وہ یہ دعویٰ کر دے کہ یہ کسی اور مرد سے ہے تو یہ اسی طرح ہوگا کہ وہ مرد یہ دعویٰ کرے کہ یہ بچہ اس عورت سے میرا ہے تو عورت کے حق میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی مگر جب عورت اس کی تصدیق کر دے۔ میں کہتا ہوں: یہ صورت باقی رہ گئی ہے اگر اس کے علاوہ کوئی اور خاوند معروف نہ ہو میں نے اس کے بارے میں کوئی قول نہیں دیکھا پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ ان کی تصدیق ضروری ہے مگر بچے کے معاملہ میں جب وہ خود اپنے بارے میں تعبیر نہ کر سکتا ہو۔ اس کی وجہ وہی ہے جو گزر چکی ہے کہ اس وقت وہ بچہ سامان کی طرح ہے۔ اگر مقر لہ غیر کا غلام ہو تو اس کے آقا کی تصدیق شرط ہے۔ کیونکہ حق اس کا ہے اور مقر لہ کی تصدیق مقر کی موت کے بعد صحیح ہے۔ کیونکہ موت کے بعد نسب اور عدت باقی رہتی ہے مگر مقرہ عورت کی موت کی تصدیق خاوند کی جانب سے ضروری ہے۔

میں ہے: عورت کا بچہ کے بارے میں اقرار کرنا جائز نہیں اگرچہ بچہ اس کی تصدیق کر دے اگر ان دونوں کا معروف وارث نہ ہو تو دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ کیونکہ عورت کا اقرار اپنے حق میں معتبر ہے اور نسب کا فیصلہ نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ نسب حجت کے بغیر ثابت نہیں ہوتا اور حجت یہ ہے کہ جب دائی اس کی گواہی دے دے اور بچہ اس عورت کی تصدیق کر دے تو نسب ثابت ہو جائے گا۔ اور جب خاوند اس کی تصدیق کر دے تو بھی نسب ثابت ہو جائے گا تو دونوں کی تصدیق کرنے سے نسب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ ان دونوں کے علاوہ کی طرف متعدی نہیں ہوتا۔

28322۔ (قولہ: مِنْ غَيْرِهِ) یعنی عورت کا اقرار صرف اس کے اپنے حق میں صحیح ہوگا۔

28323۔ (قولہ: قُلْت) میں کہتا ہوں: دوسرے خاوند کے معروف نہ ہونے کی صورت میں انتہائی امر لازم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ بچہ زنا کی وجہ سے ہے جب کہ ایسا ہونا لازم نہیں اور یہ فرض کیا جائے کہ یہ زنا سے ہے تو بھی اس پر یہ لازم ہو جائے گا۔ کیونکہ ولد زنا اور ولد لعان صرف ماں کی طرف سے وارث بنتا ہے۔ پس اس میں توقف کی کوئی صورت نہیں ''ابو سعود مصری'' کے ''حاشیہ مسکین'' میں اسی طرح ہے۔

28324۔ (قولہ: وَصَحَّ التَّصْدِيقُ الخ) اگرچہ مقر کے انکار کرنے کے بعد تصدیق ہو۔ کیونکہ ''بزازی'' کا قول ہے: ایک آدمی نے اقرار کیا کہ اس نے فلاں عورت سے حالت صحت میں یا حالت مرض میں شادی کی اور عورت نے اس کی زندگی میں یا اس کی موت کے بعد تصدیق کی تو یہ تصدیق جائز ہوگی۔ ''سائحانی''۔

28325۔ (قولہ: بِمَوْتِهَا) ایک نسخہ میں اسی طرح ہے اور یہی صحیح ہے جب کہ یہ اس کے موافق ہے جو ''الملتقی'' پر

مُقِرَّةٌ لِانْقِطَاعِ النِّكَاحِ بِمَوْتِهَا وَلِهَذَا لَيْسَ لَهُ غَسْلُهَا بِخِلَافِ عَكْسِهِ (وَلَوْ أَقَرَّ) رَجُلٌ (بِنَسَبٍ) فِيهِ تَحْمِيلٌ (عَلَى غَيْرِهِ) لَمْ يَقُلْ مِنْ غَيْرِ وِلَادٍ كَمَا فِي الدُّرَرِ لِفَسَادِهِ بِالْجَدِّ وَابْنِ الِابْنِ كَمَا قَالَ (كَالْأَخِ وَالْعَمِّ وَالْجَدِّ وَابْنِ الِابْنِ لَا يَصِحُّ) الْإِقْرَارُ (فِي حَقِّ غَيْرِهِ) إِلَّا بِبُرْهَانٍ وَمِنْهُ إِقْرَارُ اثْنَيْنِ كَمَا مَرَّ فِي بَابِ ثُبُوتِ النَّسَبِ فَلْيُحْفَظْ وَكَذَا لَوْ صَدَّقَهُ الْمُقَرُّ عَلَيْهِ أَوْ الْوَرَثَةُ وَهُمْ مِنْ أَهْلِ التَّصْدِيقِ (وَيَصِحُّ فِي حَقِّ نَفْسِهِ حَتَّى يَلْزَمَهُ) أَيْ الْمُقِرَّ (الْأَحْكَامُ مِنْ النَّفَقَةِ وَالْحَضَانَةِ وَالْإِرْثِ إِذَا تَصَادَقَا عَلَيْهِ) أَيْ عَلَى ذَلِكَ الْإِقْرَارِ لِأَنَّ إِقْرَارَهُمَا حُجَّةٌ عَلَيْهِمَا (فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ) أَيْ لِهَذَا الْمُقِرِّ (وَارِثٌ غَيْرُهُ مُطْلَقًا) لَا قَرِيبًا كَذَوِي الْأَرْحَامِ

کیونکہ عورت کے مرنے کے ساتھ نکاح ختم ہو جاتا ہے اس وجہ سے مرد کو حق حاصل نہیں کہ وہ عورت کو غسل دے۔ اس کے برعکس کا معاملہ مختلف ہے اگر مرد ایسے نسب کا اقرار کرتا ہے جس کا حمل غیر پر واقع ہوتا ہے، غیر ولاد، کا قول نہیں کیا جس طرح ''الدرر'' میں ہے۔ کیونکہ دادے اور پوتے کے ساتھ اس میں نقض واقع ہو جاتا ہے جس طرح کہا جیسے بھائی، چچا، دادا اور پوتے کا اقرار کرے تو یہ اقرار غیر کے حق میں صحیح نہیں ہوگا مگر جب گواہیاں قائم کر دے۔ اسی میں سے ہے کہ دو آدمی اقرار کریں جس طرح باب ثبوت النسب میں گزر چکا ہے۔ پس اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر مقر علیہ یا وارث اس کی تصدیق کر دیں جب کہ وہ اہل تصدیق میں سے ہوں۔ اس کی ذات کے حق میں اقرار صحیح ہوگا یہاں تک کہ نفقہ، حضانت اور وراثت کے احکام مقر پر لازم ہوں گے جب دونوں اس اقرار پر باہم تصدیق کریں کیونکہ دونوں کا اقرار دونوں کے خلاف حجت ہے۔ اگر اس مقر کا اس کے علاوہ مطلقاً وارث نہ ہو نہ قریبی جیسے ذوی الارحام

اس کی شرح میں ہے۔

28326۔ (قولہ: فِي بَابِ ثُبُوتِ النَّسَبِ) کیونکہ کہا: یا بعض وارث اس کی تصدیق کر دیں۔ پس یہ اقرار کرنے والوں کے حق میں ثابت ہو جائے گا غیر کے حق میں نسب ثابت ہو جائے گا یہاں تک کہ تمام لوگوں کے حق میں ثابت ہو جائے گا اور اقرار کرنے والوں کے حق میں نصاب شہادت پورا ہو جائے۔ اگر نصاب شہادت مکمل نہ ہو وہ جھٹلانے والوں کے ساتھ شریک نہیں ہوگا۔

28327۔ (قولہ: أَوْ الْوَرَثَةُ) اس قول سے ان کا یہ قول و منہ اقرار اثنین غنی کر دیتا ہے۔ ''ط''۔

لیکن یہاں ہماری کلام مقر کی تصدیق کے بارے میں ہے اور وہاں نفس اقرار کے بارے میں ہے اگرچہ دونوں قول معنی میں ایک جیسے ہیں لیکن دونوں میں فرق ہے تصدیق پہلے کے اقرار کے علم کے بعد ہوتی اور جیسے وہ کہے یا اس نے سچ کہا اور اقرار کا علم ہونا لازم نہیں ہوتا۔ تامل

28328۔ (قولہ: كَذَوِي الْأَرْحَامِ) ''عنایہ'' میں قریب کی تفسیر ذوی الفروض اور عصبات سے کی ہے اور بعید کی تفسیر ذوی الارحام سے کی ہے۔ پہلا قول زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ ولی موالات کی وراثت کا درجہ ذوی الارحام کے بعد ہوتا

وَلَا بَعِيدًا كَمَوْلَى الْمُوَالَاةِ عَيْنِيٌّ وَغَيْرُهُ (وَرِثَهُ وَإِلَّا لَا) لِأَنَّ نَسَبَهُ لَمْ يَثْبُتْ فَلَا يُزَاحِمُ الْوَارِثَ الْمَعْرُوفَ، وَالْمُرَادُ غَيْرُ الزَّوْجَيْنِ لِأَنَّ وُجُودَهُمَا غَيْرُ مَانِعٍ قَالَهُ ابْنُ الْكَمَالِ، ثُمَّ لِلْمُقِرِّ أَنْ يَرْجِعَ عَنْ إِقْرَارِهِ؛ لِأَنَّهُ وَصِيَّةٌ مِنْ وَجْهٍ زَيْلَعِيٌّ أَيْ وَإِنْ صَدَّقَهُ الْمُقَرُّ لَهُ كَمَا فِي الْبَدَائِعِ لَكِنْ نَقَلَ الْمُصَنِّفُ عَنْ شُرُوحِ السِّرَاجِيَّةِ

اور نہ ہی بعیدی جس طرح مولی موالات ''عینی'' وغیرہ تو وہ اس کا وارث بن جائے گا ورنہ وارث نہیں بنے گا۔ کیونکہ اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا پس وہ معروف وارث کا مزاحم نہیں ہوگا۔ اور مراد میاں بیوی کے علاوہ وارث ہیں۔ کیونکہ ان کا پایا جانا مانع نہیں۔ یہ ''ابن کمال'' نے قول کیا ہے۔ پھر مقر کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے اقرار سے رجوع کر لے۔ کیونکہ یہ من وجہ وصیت ہے، ''زیلعی''۔ یعنی اگرچہ مقرلہ اس کی تصدیق کرے جس طرح ''البدائع'' میں ہے لیکن مصنف نے ''شروح السراجیہ'' سے نقل کیا ہے

ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔

28329۔ (قولہ: وَرِثَهُ)

تتمہ: مقر، جب اس کے علاوہ کوئی اور وارث نہ ہو، اس کی وراثت اسی کے ساتھ خاص ہوگی اور مقرلہ کی فرع کی طرف منتقل نہ ہوگی اور نہ ہی اس کی اصل کی طرف منتقل ہوگی۔ کیونکہ یہ وصیت کے قائم مقام ہے۔ یہ قول ہمارے شیخ کا ہے انہوں نے ''جامع الفصولین'' سے اخذ کیا ہے۔ ''حاشیہ مسکین'' میں اسی طرح ہے۔

28330۔ (قولہ: الْمَعْرُوفَ) وہ وارث قریبی ہو یا بعیدی ہو وہ مقرلہ کی بنسبت وارثت کا زیادہ حق دار ہوگا یہاں تک کہ اگر وہ کسی کے بھائی ہونے کا اقرار کرے جب کہ اس کی پھوپھی یا خالہ ہو تو وراثت پھوپھی کو ملے گی یا خالہ کو ملے گی۔ کیونکہ اس کا نسب ثابت نہیں تو وہ معروف وارث کے مزاحم نہیں ہوگا، ''درر''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28331۔ (قولہ: وَالْمُرَادُ غَيْرُ الزَّوْجَيْنِ) یعنی وہ وارث جو مقرلہ کو وارثت سے روک دیتا ہے وہ میاں بیوی کے علاوہ ہے۔

اگر مقرلہ مقر کی تصدیق نہ کرے تو وہ اقرار سے رجوع کر سکتا ہے

28332۔ (قولہ: وَإِنْ صَدَّقَهُ الْمُقَرُّ لَهُ) صحیح مقر علیہ ہے جس طرح اس گزشتہ قول میں اسے تعبیر کیا ہے۔ ''المنح'' کی کلام اس پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ صاحب ''المنح'' نے کہا: ان کا قول یعنی ''زیلعی'' کا قول مقر کو حق حاصل ہے کہ وہ اقرار سے رجوع کرے۔ اس کا محل یہ ہے کہ جب مقرلہ اس کی تصدیق نہ کرے یا اس کے اقرار کی مثل اقرار نہ کرے الخ۔ اسے ''سراجیہ'' کی بعض شروح کی طرف منسوب کیا ہے۔ ان کا قول اولم یقر، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میں ضمیر مقر علیہ کے لیے ہے مقرلہ کے لیے نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مقرلہ کی جگہ صحیح مقر علیہ ہے جس طرح کتاب الفرائض میں صاحب ''المنح'' نے اس کی تعبیر کی ہے۔ اس پر آنے والا قول بھی دلالت کرتا ہے کہ تصدیق سے نسب ثابت ہو جاتا ہے اور یہ

أَنَّ بِالتَّصْدِيقِ يَثْبُتُ النَّسَبُ فَلَا يَنْفَعُ الرُّجُوعُ فَلْيُحَرَّرْ عِنْدَ الْفَتْوَى (وَمَنْ مَاتَ أَبُوهُ فَأَقَرَّ بِأَخٍ شَارَكَهُ فِي الْإِرْثِ) فَيَسْتَحِقُّ نِصْفَ نَصِيبِ الْمُقِرِّ (وَلَمْ يَثْبُتْ نَسَبُهُ) لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ إِقْرَارَهُ مَقْبُولٌ فِي حَقِّ نَفْسِهِ فَقَطْ

کہ تصدیق کے ساتھ نسب ثابت ہو جاتا ہے۔ پس رجوع کوئی نفع نہ دے گا۔ پس فتویٰ کے وقت اس کی چھان بین کر لینی چاہیے۔ وہ آدمی جس کا باپ فوت ہو گیا تو اس نے کسی کے بارے میں بھائی ہونے کا اقرار کیا تو وہ اس کے ساتھ وراثت میں شریک ہوگا پس وہ مقر کے حصہ کے نصف کا مستحق ہو جائے گا اور اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ ثابت ہے کہ اس کا اقرار صرف اس کی ذات کے حق میں مقبول ہے۔

تصدیق مقر علیہ کی جانب سے ہی ہوتی ہے۔

''سراجیہ'' پر ''روح الشروح'' میں کہا: یہ جان لو اگر مقر کے ساتھ ایک اور آدمی نے گواہی دی یا مقر علیہ نے اس کی تصدیق کی یا وارثوں نے اس کی تصدیق کی جب کہ وہ اقرار کے اہل ہوں تو موت تک اقرار پر اصرار شرط نہیں ہوگا اور نسب کے ثبوت کے لیے رجوع نفع نہ دے گا۔

''طرابلسی'' کی شرح ''فرائض الملتقی'' میں ہے: اس کا رجوع صحیح ہوگا کیونکہ معنی میں وصیت ہے اور اس کے ترکہ میں سے مقر لہ کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔ ''شرح السراجیہ'' جس کا نام ''المنہاج'' ہے میں کہا: یہ حکم اس وقت ہے جب مقر علیہ نے اس کے رجوع سے قبل اقرار کی تصدیق نہ کی ہو، اس کے اقرار کی مثل اقرار نہ کیا ہو مگر جب اس کے رجوع سے پہلے اس کے اقرار کی تصدیق کر دی ہو یا اس کے اقرار کی مثل اقرار کیا ہو تو اقرار سے مقر کا رجوع مقر کو کوئی نفع نہ دے گا۔ کیونکہ مقر لہ کا نسب مقر علیہ پر ثابت ہو چکا ہے۔ یہ ''سراجیہ'' کے شارحین کا کلام ہے۔ صحیح علیہ کے ساتھ تعبیر ہے جس طرح ''المنح'' میں کتاب الفرائض میں اس سے تعبیر کیا ہے اگرچہ یہاں اس کی عبارت شارح کی طرح ہے اس طرح فرائض میں شارح کی عبارت غیر واضح ہے پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

28333۔(قولہ: عِنْدَ الْفَتْوَى) میں کہتا ہوں: اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر مقر لہ اس کی تصدیق کر دے تو اسے رجوع کا حق ہوگا۔ کیونکہ نسب ثابت نہیں ہوا۔ اور یہی وہ ہے جو ''البدائع'' میں ہے۔ اگر مقر علیہ اس کی تصدیق کرے تو اس کا رجوع صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ رجوع اس نسب کے ثابت ہونے کے بعد ہے۔ یہی وہ ہے جو ''شروح السراجیہ'' میں ہے۔ پس اشتباہ کی بنیاد صلہ کی تحریف ہے۔ پس موضوع مختلف ہے۔ اور یہ امر مخفی نہیں کہ یہ سب ولد وغیرہ کے اقرار کے علاوہ میں ہے۔

28334۔(قولہ: نِصْفَ نَصِيبِ الْمُقِرِّ) اگر اس مقر کے ساتھ میت کا کوئی اور وارث ہو۔ اس کی وضاحت ''زیلعی'' میں ہے۔

اگر کوئی باپ کے فوت ہونے کے بعد کسی کے بارے بھائی ہونے کا اقرار کرے تو اس کا حکم

28335۔(قولہ: فِي حَقِّ نَفْسِهِ) وہ مقر اس مشتری کی طرح ہو جائے گا جب وہ یہ اقرار کرتا ہے کہ بائع نے مبیع غلام

....

کو آزاد کر دیا تھا تو غلام کی آزادی میں اس کا اقرار قبول کیا جائے گا اور ثمن کے واپس کرنے میں اس کا اقرار قبول نہیں کیا جائے گا۔''بیانیہ''۔

''زیلعی'' میں ہے: جب اس کی ذات کے حق میں اس کا اقرار قبول کیا جائے گا تو مقرلہ ہمارے نزدیک مقر کے حصہ کے نصف کا مستحق بن جائے گا۔

امام ''مالک'' اور ''ابن ابی لیلیٰ'' کے نزدیک اس کے اقرار کو ترکہ میں عام کر دیا جائے گا اور مقر کو اس کے حصہ میں سے وہ کچھ دیا جائے گا جو اس میں سے اس کے ساتھ خاص ہو یہاں تک کہ وہ شخص جس کا باپ فوت ہو جائے اس کا ایک معروف بھائی ہو وہ دوسرے بھائی کا اقرار کرے اور اس کا معروف بھائی اس بارے میں اسے جھٹلا دے تو مقر کے قبضہ میں جو کچھ ہوگا اس کا نصف دے گا۔

اور ان دونوں یعنی امام ''مالک'' اور ''ابن ابی لیلیٰ'' کے نزدیک اس کے قبضہ میں جو کچھ ہوگا اس کا تیسرا حصہ اسے دے گا۔ کیونکہ مقر نے اس مقرلہ کے لیے اس ایک تہائی کا اقرار کیا ہے جو دو نصفوں میں مشترک ہے تو اس کا اقرار اس کے اپنے حصہ میں نافذ ہوگا اور اس کے بھائی کے حصہ میں اس کا اقرار باطل ہو جائے گا تو اس کے قبضہ میں جو کچھ ہوگا اس کا ایک تہائی مقرلہ کے لیے ہوگا اور یہ ایک تہائی کل مال کا چھٹا حصہ ہوگا اور دوسرا چھٹا جو اس کے بھائی کے حصہ میں ہے اس میں اس کا اقرار باطل ہو جائے گا۔ اس کی دلیل وہ ہے جو ہم نے ذکر کر دی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں: مقر کے گمان میں ہے کہ استحقاق میں وہ اس کے مساوی ہے اور منکر اپنے انکار کے ساتھ ظلم کرنے والا ہے تو منکر کے قبضہ میں جو کچھ ہے وہ ہلاک ہونے والے مال کی طرح ہے تو باقی ماندہ مال ان دونوں (مقر، مقرلہ) کے درمیان برابر ہوگا۔

اگر وہ کسی کے بارے میں اپنی بہن ہونے کا اقرار کرے تو بہن اس میں سے تیسرا حصہ لے گی جو اس مقر کے قبضہ میں ہوگا۔

اور ان دونوں مذکور علما کے نزدیک اس کا پانچواں حصہ لے گا۔

اگر کوئی آدمی بیٹا اور بیٹی بھائی ہونے کا اقرار کریں اور ایک بیٹا اور بیٹی ان دونوں کو جھٹلا دیں تو اقرار کرنے والوں کا حصہ پانچویں حصہ کے طور پر تقسیم کیا جائے گا اور دوسرے دو ائمہ کے نزدیک چار چار حصوں کی بنا پر تقسیم کیا جائے گا۔ اور تخریج ظاہر ہے۔

اگر کوئی آدمی کسی عورت کے بارے یہ اقرار کرتا ہے کہ فلاں عورت اس کے باپ کی بیوی ہے تو اس کے قبضہ میں جو کچھ ہوگا اس کا آٹھواں حصہ اس عورت کا ہوگا۔

اگر وہ کسی عورت کے بارے میں یہ اقرار کرتا ہے یہ اس کی دادی ہے یعنی میت کی ماں ہے تو اس مقر کے قبضہ میں جو کچھ ہوگا تو اس کا چھٹا حصہ وصول کرے گی۔ تو اس کے قبضہ میں جو کچھ ہوگا اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا جائے گا جس طرح اس وقت معاملہ کیا جاتا ہے اگر وہ ثابت ہو جائے جس کا وہ اقرار کر رہا ہے اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

قُلْت بَقِيَ لَوْ أَقَرَّ الْأَخُ بِابْنٍ هَلْ يَصِحُّ؟ قَالَ الشَّافِعِيَّةُ لَا لِأَنَّ مَا أَدَّى وُجُودُهُ إِلَى نَفْيِهِ انْتَفَى مِنْ أَصْلِهِ، وَلَمْ أَرَهُ لِأَئِمَّتِنَا صَرِيحًا، وَظَاهِرُ كَلَامِهِمْ نَعَمْ فَلْيُرَاجَعْ (وَإِنْ تَرَكَ) شَخْصٌ (ابْنَيْنِ، وَلَهُ عَلَى آخَرَ مِائَةٌ فَأَقَرَّ أَحَدُهُمَا بِقَبْضِ أَبِيهِ خَمْسِينَ مِنْهَا فَلَا شَيْءَ لِلْمُقِرِّ)

میں کہتا ہوں: یہ صورت باقی رہ گئی ہے اگر میت کے بھائی نے کسی کے متعلق میت کے بیٹا ہونے کا اقرار کیا، کیا وہ اقرار صحیح ہو گا؟ شافعیہ نے کہا: اقرار صحیح نہیں ہوگا۔ کیونکہ جس امر کا وجود اس کی نفی کی طرف لے جاتا ہو تو وہ اپنی اصل سے ہی منتفی ہوتا ہے میں نے اپنے ائمہ کے ہاں اسے صریح صورت میں نہیں دیکھا۔ ان علما کی کلام کا ظاہر یہ ہے: ہاں۔ پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔ اگر ایک آدمی دو بیٹے چھوڑتا ہے اور اس کا دوسرے پر سو ہو ان دو بیٹوں میں سے ایک یہ اقرار کرتا ہے کہ ان سو میں سے پچاس پر اس کے باپ نے قبضہ کر لیا تھا تو مقر کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔

اگر میت کا بھائی کسی کے متعلق میت کا بیٹا ہونے کا اقرار کرے تو کیا وہ اقرار صحیح ہوگا؟

28336۔(قولہ: بِابْنٍ) اگر کوئی آدمی اپنے فوت ہونے والے بھائی کے بیٹا ہونے کا اقرار کرے۔

28337۔(قولہ: انْتَفَى) یہ دور حکمی کا مسئلہ ہے جسے امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے وراثت کے موانع میں شمار کیا ہے۔ کیونکہ توریث سے اس کا عدم لازم ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے جب ایسا بھائی میت کے بیٹے کے بارے میں اقرار کرتا ہے جو اس بیٹے کی وجہ سے وراثت سے محروم ہو جاتا ہے تو اس کا نسب ثابت نہیں ہوگا اور وہ وارث نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ بھائی کے محجوب ہونے سے وارث بنتا ہے تو اس بیٹے کے بارے میں اقرار قبول نہ ہوگا اور اس کا نسب ثابت نہ ہوگا اور وارث نہیں ہوگا۔ کیونکہ وراثت کو ثابت کرنا اس کی نفی کی طرف لے جاتا ہے اور جس امر کا اثبات اس کی نفی کی طرف لے جاتا ہو تو وہ اپنی اصل سے ہی منتفی ہو جائے گا۔ یہی ان کے مذہب میں سے صحیح مذہب ہے لیکن باطنی طور پر مقر پر واجب ہے کہ وہ بیٹے کو ترکہ دے دے جب وہ اپنے اقرار میں سچا ہو۔

28338۔(قولہ: وَظَاهِرُ كَلَامِهِمْ نَعَمْ) یعنی علما کی کلام کا ظاہر معنی یہ ہے کہ میت کا بھائی جب میت کے بیٹے کے بارے میں اقرار کرے تو اس کا اقرار صحیح ہوگا اور صرف اس کی ذات کے حق میں اس کا نسب ثابت ہوگا۔ پس مقر لہ بیٹا وارث ہوگا میت کا بھائی وارث نہ ہوگا۔ کیونکہ علماء نے یہ ارشاد فرمایا کہ غیر پر نسب کے بارے میں اقرار اس کی ذات کے حق میں صحیح ہوتا ہے یہاں تک کہ نفقہ اور پرورش کے احکام اس پر لازم ہوں گے غیر کے حق میں یہ اقرار صحیح نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے میں نے اس مسئلہ کو ''قاسم بن قطلوبغا حنفی'' کے فتاویٰ میں دیکھا ہے اس کی نص یہ ہے:

امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاملاء'' میں کہا: اگر ایک آدمی کی پھوپھی ہو یا مولی نعمت ہو پھوپھی یا مولی نعمت نے میت کے باپ یا ماں کی جانب سے بھائی کا اقرار کیا یا میت کے چچا کا اقرار کیا یا چچا زاد کا اقرار کیا تو مقر لہ پوری میراث لے لے گا۔ کیونکہ معروف وارث نے یہ اقرار کیا کہ میت کے استحقاق مال میں وہ اس مقر سے پہلے ہے اور اس کا اقرار اس کی ذات کے خلاف حجت ہے۔

لِأَنَّ إِقْرَارَهُ يَنْصَرِفُ إِلَى نَصِيبِهِ (وَلِلْآخَرِ خَمْسُونَ) بَعْدَ حَلِفِهِ أَنَّهُ لَا يَعْلَمُ أَنَّ أَبَاهُ قَبَضَ شَطْرَ الْمِائَةِ قَالَهُ الْأَكْمَلُ قُلْت وَكَذَا الْحُكْمُ لَوْ أَقَرَّ أَنَّ أَبَاهُ قَبَضَ كُلَّ الدَّيْنِ لَكِنَّهُ هُنَا يُحَلَّفُ لِحَقِّ الْغَرِيمِ زَيْلَعِيٌّ

کیونکہ اس کا اقرار اس کے حصہ کی طرف لوٹتا ہے اور دوسرے کے لیے پچاس ہوں گے جب کہ دوسرا قسم اٹھا دے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے باپ نے سو کے نصف پر قبضہ کیا تھا تو اس کے لیے پچاس ہوں گے۔ یہ ''اکمل'' نے کہا ہے۔ میں کہتا ہوں: حکم اسی طرح ہے اگر وہ یہ اقرار کرے کہ اس کے باپ نے تمام دین پر قبضہ کیا تھا لیکن غریم کے حق کے لیے اس سے قسم لی جائے گی۔ ''زیلعی''۔

اسی طرح ان کا کلام ہے پھر کہا: جب اس میں دور نہیں تو موانع میں اس کا ذکر نہ کیا اور اس کے باب میں اس کا ذکر کیا۔

28339۔ (قولہ: إِلَى نَصِيبِهِ) تو اس کو یوں بنا دیا جائے گا گویا اس نے پورا پورا حق لے لیا اور پورا پورا حق لینا ہی مضمونہ شے پر قبضہ کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ کیونکہ دیون کو ان کی امثال کے ساتھ ہی ادا کیا جاتا ہے پھر ادلے کے بدلے کے طور ان کو دلایا جاتا ہے۔ اس نے میت پر دین کا اقرار کیا تو مقر پر وہ لازم ہو جائے گا جس طرح باب الاستثناء سے تھوڑا پہلے گزر چکا ہے اس مسئلہ میں سابقہ اختلاف جاری نہیں ہوتا جس طرح یہ امر ذہین آدمی پر مخفی نہیں۔

28340۔ (قولہ: بَعْدَ حَلِفِهِ) یعنی منکر کی قسم اٹھانے کے بعد یعنی بھائی کے لیے نہ کہ غریم کے لیے۔ کیونکہ غریم پر کوئی ضرر نہیں۔ پس یہ اس کے منافی نہیں جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ اگر وہ قسم سے انکار کر دے تو مقر اس کے ساتھ شریک ہو جائے گا۔

28341۔ (قولہ: لَكِنَّهُ) استدراک تقاضا کرتا ہے کہ پہلی صورت میں قسم نہ لی جائے گی۔ ''زیلعی'' نے اس کی تصریح کی ہے۔ یہ اس کے مخالف ہے جسے پہلے ''الاکمل'' سے نقل کر دیا ہے اور اس کا جواب گزر چکا ہے۔

28342۔ (قولہ: يُحَلَّفُ) منکر یہ قسم اٹھائے گا: اللہ کی قسم وہ نہیں جانتا کہ باپ نے دین پر قبضہ کیا تھا اگر وہ انکار کر دے تو مدیون بری الذمہ ہو جائے گا۔ اگر وہ قسم اٹھا دے تو اس کا حصہ اسے دے دے گا۔ پہلے مسئلہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ غریم کے حق کی وجہ سے قسم نہیں لی جائے گی۔ کیونکہ اس کا تمام حق مقر کی جہت سے اسے حاصل ہو چکا ہے۔ پس اس سے قسم لینے کی کوئی حاجت نہ ہوگی یہاں صرف نصف حاصل ہوا ہے پس اس سے قسم لی جائے گی۔ ''زیلعی''۔

فَصْلٌ فِي مَسَائِلَ شَتَّى

(أَقَرَّتْ الْحُرَّةُ الْمُكَلَّفَةُ بِدَيْنٍ) لِآخَرَ (فَكَذَّبَهَا زَوْجُهَا صَحَّ) إقْرَارُهَا (فِي حَقِّهِ أَيْضًا) عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ (فَتُحْبَسُ) الْمُقِرَّةُ (وَتُلَازِمُ) وَإِنْ تَضَرَّرَ الزَّوْجُ وَهَذِهِ إحْدَى الْمَسَائِلِ السِّتِّ الْخَارِجَةِ مِنْ قَاعِدَةِ الْإِقْرَارُ حُجَّةٌ قَاصِرَةٌ عَلَى الْمُقِرِّ وَلَا يَتَعَدَّى إلَى غَيْرِهِ وَهِيَ فِي الْأَشْبَاهِ، وَيَنْبَغِي

متفرق مسائل کے احکام

ایک عاقل بالغ عورت نے کسی دوسرے کے لیے دین کا اقرار کیا اس عورت کے خاوند نے اس کو جھٹلا دیا تو عورت کا خاوند کے حق میں اقرار صحیح ہوگا یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ پس اقرار کرنے والی عورت کو روکا جائے گا اور اس کا ساتھ نہ چھوڑا جائے گا اگرچہ خاوند کو ضرر لاحق ہو۔ یہ ان چھ مسائل میں سے ہے جو اس قاعدہ سے خارج ہیں کہ اقرار ایسی حجت ہے جو مقر تک محدود رہتی ہے اور مقر کے علاوہ کی طرف متعدی نہیں ہوتی۔ یہ چھ مسائل ''الاشباہ'' کے اندر ہیں۔ یہ بھی چاہیے

اقرار مقر پر حجت قاصرہ ہے یہ غیر کی طرف متعدی نہیں ہوگا

28343۔(قولہ: وَهِيَ فِي الْأَشْبَاهِ) ''الاشباہ'' کی عبارت یہ ہے کہ اقرار مقر پر حجت قاصرہ ہے پس یہ غیر کی طرف متعدی نہ ہوگی۔ اگر مؤجر یہ اقرار کرے کہ گھر کسی اور کا ہے تو اجارہ فسخ نہیں ہوگا مگر چند مسائل میں اجارہ فسخ ہو جائے گا۔

(۱) اگر بیوی نے دین کا اقرار کیا تو قرض خواہ کو حق حاصل ہوگا کہ اسے محبوس کر دے اگرچہ خاوند کو اس سے مضرت پہنچے اگر مؤجر ایسے دین کا اقرار کرتا ہے جس کی ادائیگی اس عین کی ثمن سے ہو سکتی ہے (جس کو اجارہ پر دیا گیا ہے) تو دین کی ادائیگی کے لیے اس عین کو بیچنے کا اسے حق حاصل ہوگا اگرچہ مستاجر کو ضرر پہنچے۔

اگر مجہول نسب والی عورت اقرار کرے کہ وہ اس کے خاوند کے باپ کی بیٹی ہے اور باپ اس کی تصدیق کر دے تو دونوں میاں بیوی کے درمیان نکاح فسخ ہو جائے گا اگر وہ ارتداد کا اقرار کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔

اگر خاوند نے بیوی کے بارے میں غلامی کے اقرار کے بعد دو طلاقیں دے دیں تو وہ رجوع کا مالک نہیں ہوگا۔

جب وہ بیچی گئی لونڈی کے بچے کا دعویٰ کرے اور اس مقر کا بھائی ہو تو اس کا نسب ثبت ہو جائے گا اور یہ وراثت سے بھائی کی محرومی کی طرف لے جائے گا۔ کیونکہ میراث بیٹے کے لیے ہوتی ہے اسی طرح مکاتب جب آزاد عورت کے بچے کے نسب کا دعویٰ کرے جب کہ اس مکاتب کا بھائی ہو تو بچے کا نسب ثابت ہو جائے گا اور میراث سے بھائی کی محرومی تک لے جائے گا کیونکہ میراث بیٹے کے لیے ہوتی ہے۔

28344۔(قولہ: وَيَنْبَغِي) یہ بحث صاحب ''المنح'' کی ہے۔

أَنْ يَخْرُجَ أَيْضًا مَنْ كَانَ فِي إِجَارَةِ غَيْرِهِ فَأَقَرَّ لِآخَرَ بِدَيْنٍ فَإِنَّ لَهُ حَبْسَهُ وَإِنْ تَضَرَّرَ الْمُسْتَأْجِرُ وَهِيَ وَاقِعَةُ الْفَتْوَى وَلَمْ نَرَهَا صَرِيحَةً (وَعِنْدَهُمَا لَا) تُصَدَّقُ فِي حَقِّ الزَّوْجِ فَلَا تُحْبَسُ وَلَا تُلَازِمُ دُرَرٌ قُلْتُ وَيَنْبَغِي أَنْ يُعَوَّلَ عَلَى قَوْلِهِمَا إِفْتَاءً وَقَضَاءً لِأَنَّ الْغَالِبَ أَنَّ الْأَبَ يُعَلِّمُهَا الْإِقْرَارَ لَهُ أَوْ لِبَعْضِ أَقَارِبِهَا لِيَتَوَصَّلَ بِذَلِكَ إِلَى مَنْعِهَا بِالْحَبْسِ عِنْدَهُ عَنْ زَوْجِهَا كَمَا وَقَفْتُ عَلَيْهِ مِرَارًا حِينَ ابْتُلِيتُ بِالْقَضَاءِ كَذَا ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ (مَجْهُولَةُ النَّسَبِ أَقَرَّتْ بِالرِّقِّ لِإِنْسَانٍ) وَصَدَّقَهَا الْمُقَرُّ لَهُ (وَلَهَا زَوْجٌ وَأَوْلَادٌ مِنْهُ) أَيْ الزَّوْجِ (وَكَذَّبَهَا) زَوْجُهَا (صَحَّ فِي حَقِّهَا خَاصَّةً)

کہ اس قاعدہ سے وہ بھی خارج ہو جو غیر کے اجارہ پر ہو تو اس نے کسی شخص کے لیے دین کا اقرار کیا تو اسے محبوس کرنے کا حق حاصل ہوگا اگرچہ اس آدمی کو ضرر لاحق ہو جس نے اس مزدور کو اجرت پر لیا ہوا ہو۔ یہ واقعۃ الفتویٰ ہے ہم نے اسے کتب میں صریح صورت میں نہیں دیکھا۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک خاوند کے حق میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی نہ اس عورت کو محبوس کیا جائے گا اور نہ ہی اس کے ساتھ رہا جائے گا۔ ''درر''۔ چاہیے کہ فتوی میں اور قضا میں ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے قول پر اعتماد کیا جائے۔ کیونکہ باپ اس عورت کو یہ سکھاتا ہے کہ وہ اس کے حق میں یا کسی قریبی رشتہ دار کے حق میں اقرار کرے تا کہ اس کے واسطہ سے اس عورت کو اس کے خاوند سے روک سکے جس طرح میں اس حقیقت پر مطلع ہوا جب مجھے منصب قضا سنبھالنا پڑا تھا مصنف نے اسے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ ایسی عورت کا نسب مجہول ہے اس نے کسی انسان کے حق میں غلامی کا اقرار کیا اور مقرلہ نے اس کی تصدیق کی جب کہ اس کا ایک خاوند موجود ہے اور اس خاوند سے اس کی اولاد بھی ہے اس کا خاوند اس عورت کو جھٹلاتا ہے اس عورت کا اقرار اس کی ذات کے حق میں صحیح ہوگا

28345۔ (قولہ: إِفْتَاءً وَقَضَاءً) یہ دونوں منصوب ہیں۔

28346۔ (قولہ: لِأَنَّ الْغَالِبَ) اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ علت خاص ہے اور مدعیٰ عام ہے۔ کیونکہ جب اقرار اجنبی کے لیے ہو تو اس میں یہ ظاہر نہیں ہوتا اور ان کا قول لیتوصل الخ وہ بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ کیونکہ جس قاضی کے ہاں ہے باپ کے ہاں نہیں۔ کیونکہ جس پر انحصار ہے وہ امام کا قول ہے۔ نیز تصحیح میں ائمہ ترجیح میں سے کسی کی طرف منسوب نہیں ''ط''۔ لیکن ان کا قول اذا لجس عند القاضی یہ اس کے مخالف ہے جو اس باب میں گزر چکا ہے کہ خیار مدعیٰ کے لیے ہوگا۔

اگر کوئی مجہول النسب عورت کسی کے حق میں غلامی کا اقرار کرے تو اس کا حکم

28347۔ (قولہ: مَجْهُولَةُ النَّسَبِ أَقَرَّتْ) یہ قول اپنے اطلاق پر نہیں۔ کیونکہ ''الاشباہ'' میں ہے: جب مجہول نسب والا کسی انسان کے لیے غلام ہونے کا دعویٰ کرے اور مقرلہ اس کی تصدیق کر دے تو اس کا اقرار صحیح ہوگا۔ اور وہ غلام بن جائے گا جب قضا کے ساتھ اس کی آزادی کے ساتھ متاکد ہونے سے پہلے ہو۔ جہاں تک اس کے خلاف قاضی کی جانب سے کامل حد کے فیصلہ کا تعلق ہے یا اطراف میں قصاص کا تعلق ہے اس کے بعد اس کی غلامی کا اقرار صحیح نہ ہوگا ''سائحانی''۔

فَوَلَدٌ عَلِقَ بَعْدَ الْإِقْرَارِ رَقِيقٌ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ (لَا) فِي (حَقِّهِ) يَرِدُ عَلَيْهِ انْتِقَاضُ طَلَاقِهَا كَمَا حَقَّقَهُ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ (وَحَقِّ الْأَوْلَادِ) وَفَرَّعَ عَلَى حَقِّهِ بِقَوْلِهِ (فَلَا يَبْطُلُ النِّكَاحُ) وَعَلَى حَقِّ الْأَوْلَادِ بِقَوْلِهِ (وَأَوْلَادٌ حَصَلَتْ قَبْلَ الْإِقْرَارِ وَمَا فِي بَطْنِهَا وَقْتَهُ أَحْرَارٌ) لِحُصُولِهِمْ قَبْلَ إِقْرَارِهَا بِالرِّقِّ

اور اقرار کے بعد جو حمل ٹھہرا وہ غلام ہوگا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ مرد کے حق میں اس کا اقرار صحیح نہیں ہوگا اس قول پر اس سے اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس کی طلاق میں نقض واقع ہوتا ہے جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں اسے ثابت کیا ہے اور بچوں کے حق میں اس کا اقرار صحیح نہیں ہوگا اور خاوند کے حق پر یہ تفریع بیان کی کہ نکاح باطل نہیں ہوگا اور اولاد کے حق پر یہ تفریع ذکر کی ہے اور ایسی اولاد جو اقرار سے پہلے حاصل ہو چکی ہو اور وہ اولاد جو اقرار کے وقت بطن میں موجود ہو۔ کیونکہ یہ اولاد عورت کی جانب سے غلامی کے اقرار سے قبل حاصل ہو چکی ہے۔

28348۔ (قولہ: فَوَلَدٌ) تفریع غیر ظاہر ہے اور اس کا محل مابعد میں ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ کہا جاتا فتكون رقيقة له جس طرح ''العزمیہ'' میں اسے بیان کیا ہے۔

28349۔ (قولہ: كَمَا حَقَّقَهُ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ) کیونکہ کہا: کیونکہ ''محیط'' میں ''المبسوط'' سے منقول ہے کہ اس کی طلاقیں دو ہوں گی اور اس کی عدت دو حیض ہوگی اس پر اجماع ہے۔ کیونکہ یہ لونڈی ہو چکی ہے۔ اور یہ ایسا حکم ہے جو اس عورت کے ساتھ خاص ہوگا۔ پھر ''زیادات'' سے یہ نقل کیا گیا ہے: اگر خاوند اسے دو طلاقیں دے جب کہ اسے عورت کے اقرار کا علم نہ ہو تو اس کا خاوند رجوع کا مالک ہوگا۔ ''جامع'' میں یہ ذکر کیا۔ وہ رجوع کا مالک نہیں ہوگا اسے علم ہو یا علم نہ ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو ذکر کیا گیا ہے وہ قیاس ہے اور جو ''جامع'' میں ذکر کیا گیا ہے وہ استحسان ہے۔ ''کافی'' میں ہے: ایک آدمی نے ایلا کیا اور عورت نے دو ماہ گزرنے سے پہلے اس امر کا اقرار کیا تو دونوں ماہ اس کی عدت ہوں گے اگر دو ماہ گزرنے کے بعد اس نے اقرار کیا تو پھر چار ماہ ہوں گے۔

قاعدہ یہ ہے کہ غیر کے اقرار سے جس کے فوت ہونے کا امکان ہو جب اس کا تدارک ممکن ہو اور اس نے تدارک نہ کیا تو اس کا حق باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کے حق کا فوت ہونا اس کی اپنی کوتاہی کی طرف منسوب ہے۔ اگر تدارک ممکن نہ ہو تو اس کے حق میں اقرار صحیح نہ ہوگا جب اس نے مہینہ کے بعد اقرار کیا تو خاوند کے لیے تدارک ممکن ہے اور دو ماہ کے بعد اس کے لیے تدارک ممکن نہیں۔ طلاق اور عدت کا معاملہ اسی طرح ہے یہاں تک کہ اگر وہ اسے دو طلاقیں دے پھر وہ اقرار کرے تو خاوند تیسری طلاق کا مالک ہوگا۔ اگر طلاق سے قبل اس نے اقرار کیا تو دو طلاقوں کے ساتھ جدا ہو جائے گا اگر اس کی عدت کے دو حیض گزر چکے تھے پھر اس عورت نے اقرار کیا تو خاوند رجوع کا مالک ہوگا۔ اگر ایک حیض گزر چکا تھا پھر اس عورت نے اس امر کا اقرار کیا تو وہ دو حیضوں کے ساتھ جدا ہو جائے گی۔ الخ

میں کہتا ہوں: جو ''الکافی'' میں ہے تو اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ اس کے حق کا فوت ہونا اس کی اپنی کوتاہی کی طرف

(مَجْهُولُ النَّسَبِ حَرَّرَ عَبْدَهُ ثُمَّ أَقَرَّ بِالرِّقِّ لِإِنْسَانٍ وَصَدَّقَهُ) الْمُقَرُّ لَهُ (صَحَّ) إِقْرَارُهُ (فِي حَقِّهِ) فَقَطْ (دُونَ إِبْطَالِ الْعِتْقِ، فَإِنْ مَاتَ الْعَتِيقُ يَرِثُهُ وَارِثُهُ إِنْ كَانَ) لَهُ وَارِثٌ يَسْتَغْرِقُ التَّرِكَةَ (وَإِلَّا فَيَرِثُ) الْكُلَّ أَوْ الْبَاقِيَ كَافِي وَشُرُنْبُلَالِيَّة (الْمُقَرُّ لَهُ فَإِنْ مَاتَ الْمُقِرُّ ثُمَّ الْعَتِيقُ فَإِرْثُهُ لِعَصَبَةِ الْمُقِرِّ) وَلَوْ جَنَى هَذَا الْعَتِيقُ سَعَى فِي جِنَايَتِهِ لِأَنَّهُ لَا عَاقِلَةَ لَهُ وَلَوْ جَنَى عَلَيْهِ يَجِبُ أَرْشُ الْعَبْدِ وَهُوَ كَالْمَمْلُوكِ فِي الشَّهَادَةِ لِأَنَّ حُرِّيَّتَهُ بِالظَّاهِرِ وَهُوَ يَصْلُحُ لِلدَّفْعِ لَا لِلِاسْتِحْقَاقِ (قَالَ) رَجُلٌ لِآخَرَ (لِي عَلَيْكَ أَلْفٌ فَقَالَ) فِي جَوَابِهِ (الصِّدْقَ أَوْ الْحَقَّ أَوْ الْيَقِينَ أَوْ نَكَّرَ) كَقَوْلِهِ حَقًّا

مجہول النسب آدمی نے اپنے غلام کو آزاد کیا پھر کسی انسان کے لیے اپنے بارے میں غلام کا اقرار کیا مقرلہ نے اس کے دعویٰ کی تصدیق کردی تو صرف اس مجہول النسب کے اپنے حق میں اس کا اقرار صحیح ہوگا۔ اگر آزاد کردہ غلام مر گیا تو اس کا وارث اس کا وارث ہوگا اگر اس کا کوئی وارث ہوگا تو پورے ترکہ کو لے ورنہ مقرلہ سارے کا یا باقی ماندہ کا وارث ہوگا''کافی''، ''شرنبلالیہ''۔ اگر مقر مرجائے پھر آزاد کردہ غلام مرجائے تو اس کا وارث مقر کے عصبہ کے لیے ہوگا اگر یہ آزاد کردے۔ غلام کسی کا نقصان کرے تو یہ اپنی جنایت میں سعی کرے گا۔ کیونکہ اس کی کوئی عاقلہ نہیں۔ اگر اس کا کسی نے نقصان کیا تو غلام کی چٹی لازم ہوگی جب کہ وہ شہادت میں مملوک کی طرح ہوگا۔ کیونکہ اس کی آزادی ظاہر کے اعتبار سے ہے یہ حق کو دور کرنے میں مؤثر ہے استحقاق میں مؤثر نہیں۔ ایک آدمی نے دوسرے سے کہا: میرا تجھ پر ایک ہزار لازم ہے تو اس نے جواب میں کہا: سچ، حق، یقینی یا ان کلمات کو نکرہ ذکر کیا جیسے حقا وغیرہ

منسوب ہے۔

28350۔(قولہ: حَرَّرَ عَبْدَهُ) حرر فعل ماضی معروف ہے اور عبدہ اس کا مفعول بہ ہے۔

28351۔(قولہ: فَيَرِثُ الْكُلَّ) اگر اس آزاد کیے گئے غلام کا اصلا وارث نہ ہو تو مقرلہ اس کے تمام ترکہ کا وارث بن جائے گا۔

28352۔(قولہ: أَوْ الْبَاقِيَ) اگر اس میت کا ایسا وارث ہے جو اس کے تمام ترکہ کو نہ لے سکتا ہو۔

28353۔(قولہ: وَشُرُنْبُلَالِيَّة) ''المحیط'' سے مروی ''شرنبلالیہ'' میں یہ عبارت ہے: اگر میت کی بیٹی ہو تو نصف ترکہ اس کا ہوگا اور نصف ترکہ مقرلہ کا ہوگا الخ۔ اگر یہ آزاد کردہ غلام کوئی جنایت کرے تو وہ اپنی جنایت میں خود کوشش کرے گا۔ کیونکہ اس کی کوئی عاقلہ نہیں ہے اگر اس پر کوئی جنایت کرے تو غلام کی حیثیت سے چٹی اس جنایت کرانے والے پر لازم ہوگی اور وہ آزاد کیا گیا غلام شہادت میں مملوک کے درجہ پر ہوگا۔ کیونکہ اس کی آزادی ظاہر میں ہے جب کہ وہ دفع کی صلاحیت رکھتا ہے استحقاق کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

28354۔(قولہ: أَرْشُ الْعَبْدِ) اس تعبیر کی بنا پر اقرار مجنی علیہ کے حق میں حجت متعدی ہے پس چاہیے کہ اسے چھ

وَنَحْوَهُ (أَوْ كَرَّرَ لَفْظَ الْحَقِّ أَوِ الصِّدْقِ) كَقَوْلِهِ الْحَقَّ الْحَقَّ أَوْ حَقًّا حَقًّا (وَنَحْوَهُ أَوْ قَرَنَ بِهَا الْبِرَّ) كَقَوْلِهِ الْبِرُّ حَقٌّ أَوِ الْحَقُّ بِرٌّ إلَخْ (فَإِقْرَارٌ) وَلَوْ قَالَ الْحَقُّ حَقٌّ أَوِ الصِّدْقُ صِدْقٌ أَوِ الْيَقِينُ يَقِينٌ لَا يَكُونُ إقْرَارًا لِأَنَّهُ كَلَامٌ تَامٌّ بِخِلَافِ مَا مَرَّ، لِأَنَّهُ لَا يَصْلُحُ لِلِابْتِدَاءِ فَجُعِلَ جَوَابًا فَكَأَنَّهُ قَالَ ادَّعَيْتَ الْحَقَّ إلَخْ (قَالَ لِأَمَتِهِ يَا سَارِقَةُ يَا زَانِيَةُ يَا مَجْنُونَةُ يَا آبِقَةُ أَوْ قَالَ هَذِهِ السَّارِقَةُ فَعَلَتْ كَذَا وَبَاعَهَا فَوُجِدَ بِهَا وَاحِدٌ مِنْهَا) أَيْ مِنْ هَذِهِ الْعُيُوبِ (لَا تُرَدُّ بِهِ) لِأَنَّهُ نِدَاءٌ أَوْ شَتِيمَةٌ لَا إخْبَارٌ (بِخِلَافِ هَذِهِ سَارِقَةٌ أَوْ هَذِهِ آبِقَةٌ أَوْ هَذِهِ زَانِيَةٌ أَوْ هَذِهِ مَجْنُونَةٌ) حَيْثُ تُرَدُّ بِإِحْدَاهَا؛ لِأَنَّهُ إخْبَارٌ، وَهُوَ لِتَحْقِيقِ الْوَصْفِ (وَبِخِلَافِ يَا طَالِقُ أَوْ هَذِهِ الْمُطَلَّقَةُ فَعَلَتْ كَذَا) حَيْثُ تَطْلُقُ امْرَأَتُهُ لِتَمَكُّنِهِ مِنْ إثْبَاتِهِ شَرْعًا فَجُعِلَ إيجَابًا لِيَكُونَ صَادِقًا

یا لفظ حق کو مکرر ذکر کیا یا لفظ صدق کو مکرر ذکر کیا جیسے الحق الحق یا حقا حقا یا اسی طرح کا قول کیا یا اس کے ساتھ البر کا لفظ ملایا جیسے البرحق ہے نیکی حق ہے یا کہا: الحق بر، حق نیکی ہے الخ۔ تو یہ اقرار ہو جائے گا۔ اگر اس نے یہ قول کیا حق حق ہے، صدق صدق ہے یا یقین یقین ہے تو یہ اقرار نہیں ہوگا۔ کیونکہ مکمل کلام ہے اور یہ اس کے خلاف ہے جو قول گزر چکا ہے۔ کیونکہ یہ ابتدا کے لیے صحیح نہیں۔ پس اس کو جواب بنایا جائے گا گویا اس نے کہا: کیا تو نے حق کا دعویٰ کیا ہے الخ۔ ''ایک آدمی نے اپنی لونڈی سے کہا: اے چورنی، اے بدکارہ، اے مجنونہ، اے بھاگ جانے والی یعنی نکرہ کے اسماء ذکر کیے یا اس نے کہا: اے چوری کرنے والی تو نے یہ کیا ہے اور اسے بیچ دیا مشتری نے ان عیوب میں سے ایک پایا تو اسے رد نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ یا تو ندا ہے یا گالی ہے یہ خبر دینا نہیں ہے۔ جب وہ یہ کہے کہ یہ چورن ہے، یہ بدکاری کرنے والی ہے یا یہ مجنونہ ہے تو ان عیوب میں سے کسی ایک کے ساتھ اس کو رد کر دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ خبر دینا ہے اور یہ وصف کی تحقیق کے لیے ہوتی ہے۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ کہے یا طالق۔ اس مطلقہ نے یہ عمل کیا ہے تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ کیونکہ اس نے اسے شرعی طور پر ثابت کیا ہے۔ پس اسے ایجاب بنایا جائے گا تا کہ وہ اپنے قول میں صادق ہو۔

مسائل پر زیادہ کر دیا جائے۔ جو ابھی گزر رہے ہیں۔

28355۔(قولہ: وَنَحْوَهُ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ یقین کا لفظ معرفہ کی صورت میں یا نکرہ کی صورت میں مکرر لائے۔

28356۔(قولہ: كَقَوْلِهِ الْبِرُّ حَقٌّ الخ) یہ ان میں سے ہے جو خبر دینے کی صلاحیت رکھتا ہے اور بطور جواب متعین نہیں ہوتا۔ ''الدرر'' میں جو قول ہے البر الحق بعض نسخوں میں اسی طرح ہے یہ ظاہر ہے اسے ابدال پر محمول کیا جائے گا''ط''۔

28357۔(قولہ: لِأَنَّهُ نِدَاءٌ) یعنی آخری صورت کے علاوہ میں یہ ندا ہیں اور ندا سے مراد منادی کو باخبر کرنا ہوتا ہے اور اس کو مقدم اور حاضر باش کرنا ہوتا ہے یہ وصف کو ثابت کرنا نہیں ہوتا۔

28358۔(قولہ: حَيْثُ تُرَدُّ) یعنی اس لونڈی کو اس آدمی نے خریدا جو ان عیوب سے آگاہ نہ تھا پھر اسے علم ہوا''ط''۔

بِخِلَافِ الْأَوَّلِ دُرَرٌ (اِقْرَارُ السَّكْرَانِ بِطَرِيْقٍ مَحْظُوْرٍ) اَيْ مَمْنُوْعٍ مُحَرَّمٍ (صَحِيْحٌ) فِي كُلِّ حَقٍّ فَلَوْ اَقَرَّ بِقَوَدٍ اقيم عَلَيْهِ الْحَدُّ فِي سُكْرِهٖ وَفِي السَّرِقَةِ يَضْمَنُ الْمَسْرُوْقَ كَمَا بَسَطَهٗ سَعْدُ آفَنْدِي فِي بَابِ حَدِّ الشُّرْبِ (اِلَّا فِي) مَا يَقْبَلُ الرُّجُوْعَ كَالرِّدَّةِ وَ (حَدِّ الزِّنَا وَ شُرْبِ الْخَمْرِ وَاِنْ) سَكِرَ بِطَرِيْقٍ مُبَاحٍ كَشُرْبِهٖ مُكْرَهًا (لَا) يُعْتَبَرُ بَلْ هُوَ كَالْاِغْمَاءِ

پہلی صورت کا معاملہ مختلف ہے،'' درر''۔ نشے میں مست کا اقرار صحیح ہے جب کہ نشہ حرام طریقہ سے واقع ہے ممنوع وحرام ہو یہ تمام حقوق میں ہے اگر وہ قصاص کا اقرار کرے تو اس کے نشہ میں ہی اس پر حد جاری کر دی جائے گی اور سرقہ کی صورت میں مال مسروق کی ضمانت لی جائے گی جس طرح ''سعدی آفندی'' نے باب حد الشرب میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے مگر جوامر اقرار میں رجوع کو قبول کرتے ہیں جیسے ارتداد، حد زنا اور شرب خمر تو ان میں اقرار صحیح نہیں ہوگا۔ اگر مباح طریقہ سے نشہ آ جائے جس طرح اسے جبری کوئی شے پلائی جائے تو اس اقرار کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا بلکہ وہ اس نشہ کی صورت اغماء کی طرح ہوگی۔

28359۔(قولہ: بِخِلَافِ الْأَوَّلِ) کیونکہ آقا ان اوصاف کو ثابت کرنے پر قادر نہیں ہوتا۔'' ط''۔

28360۔(قولہ: بِطَرِيْقٍ) یہ سکران کے متعلق ہے۔

28361۔(قولہ: عَلَيْهِ الْحَدُّ) شاید الحد کے الفاظ سبقت قلم ہے۔ صحیح قصاص ہے پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

نشہ میں مست آدمی جب اپنے بارے زنا اور سرقہ کا اقرار کرے تو اس پر حد جاری نہ ہوگی

28362۔(قولہ: كَمَا بَسَطَهٗ سَعْدٌ) وہاں ان کی عبارت ہے۔'' صاحب النہایہ'' نے کہا: امام'' تمرتاشی'' نے کہا: ایک نشہ میں مست آدمی جب اپنے بارے میں زنا اور سرقہ کا اقرار کرے تو اس پر حد جاری نہ ہوگی۔ کیونکہ جب وہ ہوش میں آئے اور رجوع کر لے تو اس کا اقرار باطل ہو جائے گا لیکن مسروق ضامن ہوگا۔ حد قذف اور قصاص کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ دونوں نشہ کی حالت میں قائم کی جائیں گی۔ کیونکہ ان کو مؤخر کرنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ وہ رجوع کرنے کا مالک نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں حقوق العباد میں سے ہیں پس یہ مال طلاق اور عتاق کے اقرار کے مشابہ ہوگا۔

تجھ پر یہ امر مخفی نہیں کہ ان کا قول لانه لا فائدة في تاخيرہ محل بحث ہے۔'' معراج الدرایہ'' میں ہے: حد قذف کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اسے محبوس کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ ہوش میں آئے۔ پھر اس پر حد قذف جاری کی جائے۔ پھر اسے محبوس کر دیا جائے یہاں تک کہ ضرب کے اثر میں کمی واقع ہو جائے پھر اس پر نشہ کی حد جاری کی جائے۔ اسے'' مبسوط'' میں ذکر کیا ہے۔'' معراج الدرایہ'' میں اقرار کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس حال میں زنا کرے یا چوری کرے تو اس پر ہوش آنے کے بعد حد جاری کی جائے گی۔ اقرار کا معاملہ مختلف ہے۔'' الذخیرہ'' میں یہ اسی طرح ہے۔

إِلَّا فِي سُقُوطِ الْقَضَاءِ وَ تَمَامُهُ فِي أَحْكَامَاتِ الْأَشْبَاهِ (الْمُقَرُّ لَهُ إِذَا كَذَّبَ الْمُقِرَّ بَطَلَ إِقْرَارُهُ) لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّهُ يَرْتَدُّ بِالرَّدِّ (إِلَّا فِي) سِتٍّ عَلَى مَا هُنَا تَبَعًا لِلْأَشْبَاهِ (الْإِقْرَارُ بِالْحُرِّيَّةِ وَالنَّسَبِ وَوَلَاءِ الْعَتَاقَةِ وَالْوَقْفِ) فِي الْإِسْعَافِ لَوْ وَقَفَ

مگر قضا کے سقوط کا معاملہ مختلف ہے اس کی مکمل بحث احکامات ''الاشباہ'' میں ہے''۔ جب مقر لہ مقر کو جھٹلا دے تو مقر کا اقرار باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ ثابت ہے کہ اقرار رد کرنے کے ساتھ رد ہو جاتا ہے مگر چھ مسائل میں جس طرح یہاں ان کا ذکر کیا گیا ہے یہ ''الاشباہ'' کی تبع میں ہے آزادی، نسب، آزادی کی ولاء ''وقف الاسعاف'' میں ہے: اگر ایک آدمی نے کسی پر

28363_(قولہ: سُقُوطِ الْقَضَاءِ) یعنی نماز کی قضا جو ایک دن اور رات سے بڑھ جائے۔ اغماء کا معاملہ مختلف ہے۔

28364_(قولہ: عَلَى مَا هُنَا) یعنی اس کی بنا پر جو متن میں ہے ورنہ عنقریب اس پر کچھ زائد آئے گا۔

28365_(قولہ: بِالْحُرِّيَّةِ) جب وہ یہ اقرار کرے کہ وہ غلام جو اس کے قبضہ میں ہے وہ آزاد ہے تو اس کی آزادی ثابت ہو جائے گی اگرچہ غلام اس کو جھٹلائے ''ط''۔

اگر کوئی آدمی کسی پر وقف کرے موقوف لہ اسے قبول کر لے پھر واقف اسے رد کر دے تو وہ رد نہیں ہوگا

28366_(قولہ: فِي الْإِسْعَافِ) اس کی نص یہ ہے وہ آدمی جس نے اس شے کو قبول کر لیا جس کو اس پر وقف کیا گیا تھا تو اسے بعد میں رد کرنے کا حق نہیں ہوگا جس نے پہلی دفعہ رد کر دیا تو اسے بعد میں قبول کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ تمام تفریعات اس میں ہیں۔

یہ امر مخفی نہیں کہ گفتگو وقف کے اقرار کے متعلق ہے وقف کے بارے میں نہیں۔ ''الاسعاف'' میں بھی ہے: اگر ایک آدمی نے ایسی زمین کا اقرار کیا جو اس کے قبضہ میں تھی کہ یہ زمین اس نے ان دونوں پر وقف کر دی ہے، ان کی اولاد اور ان کی نسلوں پر ہمیشہ کے لیے وقف کر دی ہے۔ پھر ان کے بعد مساکین پر وقف کر دی ہے تو ان دونوں میں سے ایک نے اس کی تصدیق کی اور دوسرے نے اس کو جھٹلایا اور ان افراد میں سے کسی کی اولاد نہیں تو اس زمین کا نصف ان میں سے اس کے لیے ہوگا جس نے اس کی تصدیق کی اور دوسرا نصف مساکین کے لیے ہوگا۔ اگر انکار کرنے والا تصدیق کی طرف لوٹ آئے تو زمین کے منافع اس کی طرف لوٹ آئیں گے۔ یہ صورت اس کے برعکس ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی کے لیے زمین کا اقرار کرے اور مقر لہ اس کو جھٹلا دے پھر اس کی تصدیق کرے تو وہ چیز اس کے لیے نہیں ہوگی جب تک وہ دوبارہ اس کے لیے اقرار نہ کرے۔

فرق یہ ہے کہ وہ زمین جس کے وقف کے بارے میں اقرار کیا تھا مقر لہ کی تکذیب کی وجہ سے وہ کسی کی ملکیت نہیں ہوگی جب وہ رجوع کرے گا تو زمین اس کی طرف لوٹ آئے گی اور وہ زمین جس کے ملک ہونے کا اقرار کیا گیا تو وہ زمین اقرار کی تکذیب کے ساتھ مقر کی ملک کی طرف لوٹ آئے گی۔

28367_(قولہ: لَوْ وَقَفَ) اس میں یہ تصریح ہے کہ گفتگو وقف کے اقرار کے بارے میں ہے وقف کے بارے میں

عَلَى رَجُلٍ فَقَبِلَهُ ثُمَّ رَدَّهُ لَمْ يَرْتَدَّ وَإِنْ رَدَّهُ قَبْلَ الْقَبُولِ ارْتَدَّ (وَالطَّلَاقُ وَالرِّقُّ) فَكُلُّهَا لَا تَرْتَدُّ وَيَزِيدُ الْمِيرَاثُ بَزَّازِيَّةٌ وَالنِّكَاحُ كَمَا فِي مُتَفَرِّقَاتِ قَضَاءِ الْبَحْرِ وَتَمَامُهُ ثَمَّةَ وَاسْتَثْنَى ثَمَّةَ مَسْأَلَتَيْنِ مِنْ الْإِبْرَاءِ وَهُمَا إبْرَاءُ الْكَفِيلِ لَا يَرْتَدُّ وَإِبْرَاءُ الْمَدْيُونِ بَعْدَ قَوْلِهِ أَبْرِئْنِي فَأَبْرَأَهُ لَا يَرْتَدُّ فَالْمُسْتَثْنَى عَشَرَةٌ فَلْتُحْفَظْ دُرَرٌ وَفِي وَكَالَةِ الْوَهْبَانِيَّةِ

وقف کیا اس نے قبول کر لیا پھر اسے رد کیا تو وہ رد نہیں ہوگا اگر قبول کرنے سے پہلے رد کیا تو رد ہو جائے گا، طلاق اور عتاق یہ سب رد نہیں ہوتے۔ میراث کو زیادہ کیا جاتا ہے ''بزازیہ'' اور نکاح جس طرح ''البحر'' کی کتاب القضاء میں ہے۔ اس کی مکمل بحث وہاں ہے۔ وہاں دو مسائل کو بری کرنے سے مستثنیٰ کیا ہے وہ کفیل کا مال سے بری کرنا رد نہیں ہوگا اور مدیون کو بری کرنا جب اس نے یہ قول اس کے بعد کیا ہے مجھے بری کر دے تو اس نے اسے بری کر دیا یہ رد نہیں ہوگا پس جو مستثنیٰ ہیں وہ دس ہیں پس ان کو یاد رکھا جائے۔ ''وہبانیہ'' کے کتاب الوکالہ میں ہے

نہیں ہے اور نیز کلام اس کے بارے میں ہے جو رد کرنے سے رد نہیں ہوتا اگرچہ وہ قبول سے پہلے رد کرے۔ کیونکہ ''الاسعاف'' کی عبارت جو ''الاشباہ'' اور ''المنح'' پر ہے وہ یہ ہے کہ مقرلہ جب اس کو رد کر دے پھر اس کی تصدیق کر دے تو یہ صحیح ہوگا۔ ''ح''۔

28368۔ (قولہ: قَضَاءِ الْبَحْرِ) اس کی عبارت میں مال کے اقرار کی قید رق، طلاق، نسب اور ولا کے اقرار سے احتراز ہے۔ کیونکہ یہ رد کے ساتھ مرتد نہیں ہوتا۔ جہاں تک پہلے تین کا تعلق ہے تو ''بزازیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے سے کہا: میں تیرا غلام ہوں تو مقرلہ نے اس کو رد کر دیا پھر اس کی تصدیق کی طرف رجوع کیا تو وہ اس کا غلام ہوگا۔ اور رق کا اقرار رد کرنے کے ساتھ باطل نہیں ہوگا جس طرح مولیٰ کے انکار کرنے کے ساتھ اقرار باطل نہیں ہوتا۔ عین اور دین کے اقرار کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ اقرار رد کرنے کے ساتھ باطل ہو جاتا ہے اور عتاق وطلاق رد کرنے کے ساتھ باطل نہیں ہوتے۔ کیونکہ یہ دونوں اسقاط (حق کو ساقط کرنا) ہیں جو صرف مسقط کے ساتھ مکمل ہو جاتا ہے۔ جہاں تک نسب کے اقرار کا تعلق ہے اور ولاء عتاقہ کا تعلق ہے تو ''شرح المجمع'' کے کتاب الولاء میں مذکور ہے۔ جہاں تک نکاح کے اقرار کا تعلق ہے تو اب تک میں نے اس بارے میں قول نہیں دیکھا اس کی مکمل بحث وہاں ہے۔

28369۔ (قولہ: وَاسْتَثْنَى ثَمَّةَ) یہاں ان دونوں کے ذکر کی کوئی حاجت نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں اس سے متعلق نہیں جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں، ''ح''۔ کیونکہ گفتگو اقرار کے متعلق ہو رہی ہے اور جو ذکر کیا گیا ہے وہ ابرا کے متعلق ہے۔

28370۔ (قولہ: مَسْأَلَتَيْنِ) کیونکہ کہا: یہ جان لو کہ ابرا رد کرنے سے رد ہو جاتا ہے مگر اس صورت میں جب مدیون کہے: تو مجھے بری کر دے تو قرض خواہ نے اسے بری کر دیا تو یہ رد نہیں ہوگا جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔ اسی طرح کفیل کا بری کرنا رد کرنے سے رد نہیں ہوتا۔ پس مستثنیٰ دو مسئلے ہیں جس طرح ان کا قول ہے بری کرنا قبول کرنے پر موقوف نہیں ہوتا اس سے وہ خارج ہو جاتا ہے جو بدل صرف اور بدل سلم سے بری کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ قبول پر موقوف ہوتا ہے تاکہ وہ اسے باطل

وَمَتَى صَدَّقَهُ فِيهَا ثُمَّ رَدَّهُ لَا يَرْتَدُّ بِالرَّدِّ وَهَلْ يُشْتَرَطُ لِصِحَّةِ الرَّدِّ مَجْلِسُ الْإِبْرَاءِ خِلَافٌ؟ وَالضَّابِطُ أَنَّ مَا فِيهِ تَمْلِيكُ مَالٍ مِنْ وَجْهٍ يَقْبَلُ الرَّدَّ، وَإِلَّا فَلَا كَإِبْطَالِ شُفْعَةٍ وَطَلَاقٍ وَعَتَاقٍ لَا يَقْبَلُ الرَّدَّ وَهَذَا ضَابِطٌ جَيِّدٌ فَلْيُحْفَظْ (صَالَحَ أَحَدَ الْوَرَثَةِ وَأَبْرَأَهُ إِبْرَاءً عَامًّا) أَوْ قَالَ لَمْ يَبْقَ لِي حَقٌّ مِنْ تَرِكَةِ أَبِي عِنْدَ الْوَصِيِّ أَوْ قَبَضْتُ الْجَمِيعَ وَنَحْوَ ذَلِكَ (ثُمَّ ظَهَرَ) فِي يَدِ وَصِيِّهِ مِنْ (التَّرِكَةِ شَيْءٌ لَمْ يَكُنْ وَقْتَ الصُّلْحِ) وَتَحَقَّقَهُ (تُسْمَعُ دَعْوَى حِصَّتِهِ مِنْهُ عَلَى الْأَصَحِّ)

جب اس (مقرلہ) نے اس میں اس (مقر) کی تصدیق کی پھر اس کا رد کیا تو رد کرنے سے یہ رد نہیں ہوگا کیا رد کے صحیح ہونے کے لیے ابرا کی مجلس کا ہونا شرط ہے اس میں اختلاف ہے۔ ضابطہ یہ ہے جس میں کسی بھی اعتبار سے مال کی تملیک ہو وہ رد کو قبول کرتا ہے ورنہ وہ رد کو قبول نہیں کرے گا جس طرح شفعہ، طلاق اور عتاق ہے یہ رد کو قبول نہیں کرتے۔ یہ عمدہ ضابطہ ہے اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ وارثوں میں سے ایک نے مصالحت کر لی اور اسے عام بری کر دیا یا اس نے کہا وصی کے پاس میرے باپ کے ترکہ میں سے کوئی چیز نہیں بچی یا اس نے کہا: میں نے تمام چیزوں پر قبضہ کر لیا وغیرہ پھر وصی کے قبضہ میں ترکے میں سے کوئی شے ظاہر ہوئی جو صلح کے وقت موجود نہیں تھی اور اسے ثابت کر دیا تو اصح قول کے مطابق اس شے میں سے اس کے حصہ کے دعویٰ کو سنا جائے گا۔

کر دیں جس طرح ہم نے باب السلم میں پہلے بیان کر دیا ہے۔

28371۔ (قولہ: فِيهَا) یعنی الوکالت میں۔

وارث کا یہ اقرار کرنا کہ اس نے وہ مال لے لیا جو والد کا لوگوں پر تھا تو اس میں بری کرنا لازم نہیں آتا

28372۔ (قولہ: أَوْ قَالَ) اس کا عطف صالح پر ہے۔ کیونکہ یہ ایک مسئلہ ہے جو ''فتاویٰ حانوتی'' کے الثلث الثالث کے اوائل میں ہے۔ عام براءت کے بارے میں اس میں طویل گفتگو ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

''الخانیہ'' میں ہے: میت کے وصی نے جب میت کے ترکہ میں سے میت کے بچے کو وہ سب کچھ دے دیا اور بچے کو گواہ بنایا کہ اس نے ترکہ پر قبضہ کر لیا ہے اور اس کے والد کے ترکہ میں سے قلیل اور کثیر کوئی چیز نہیں بچی مگر اس نے وہ بھی لے لیا ہے۔ پھر وصی کے قبضہ میں موجود چیز کے بارے میں دعویٰ کیا اور کہا: یہ اس کے باپ کے ترکہ میں سے ہے اور اس پر گواہ پیش کر دیئے۔ اسی طرح اگر وارث اقرار کرے کہ اس کے والد کے ترکے میں سے جو مال لوگوں پر تھا سب کو وصول کر لیا ہے۔ پھر اس نے ایک آدمی پر اپنے والد کے دین کا دعویٰ کر دیا تو اس کا دعویٰ سنا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: اس کے دعویٰ کے سماع کی وجہ یہ ہے کہ بچے کا اقرار معین شخص کے بری کرنے کو متضمن نہیں۔ اسی طرح جب وارث یہ اقرار کرے کہ اس نے وہ تمام مال لے لیا ہے جو والد کا لوگوں پر تھا اس میں بری کرنا لازم نہیں آتا۔ اگر ہم بطور نزول اسے براءت مان بھی لیں تو یہ اعیان میں غیر صحیح ہے۔ ''شرح الوہبانیہ للشرنبلالی''۔

صُلْحُ الْبَزَّازِيَّةِ وَلَا تَنَاقُضَ لِحَمْلِ قَوْلِهِ لَمْ يَبْقَ لِي حَقٌّ أَيْ مِمَّا قَبَضْتُهُ

یہ ''بزازیہ'' کے کتاب الصلح میں ہے۔ یہاں کوئی تناقض نہیں۔ کیونکہ اس کے قول لم یبق لی حق کو اس پر محمول کیا جائے جو میں نے مال قبضہ میں لیا تھا اس میں میرا کوئی حق باقی نہیں رہا۔

اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ اس کے صحیح نہ ہونے کا معنی ہے کہ یہ مدعی علیہ کی ملکیت نہیں ورنہ دعویٰ نہیں سنا جائے گا جس طرح ''الصلح'' میں آئے گا۔

اگر ایک وارث دوسرے ورثا سے صلح کر لے اور عام بری کر دے پھر ترکہ میں سے کوئی چیز ظاہر ہو تو دعویٰ کے جواز اور عدم جواز میں فقہا کی روایات

28373_(قولہ: صُلْحُ الْبَزَّازِيَّةِ) ''بزازیہ'' کی عبارت ہے: ''تاج الاسلام'' نے کہا: ایک نے دوسرے ورثا سے صلح کی اور عام بری کر دیا پھر ترکہ میں سے کوئی شے ظاہر ہوئی جو صلح کے وقت ظاہر نہ تھی تو دعویٰ کے جواز کے بارے میں کوئی روایت موجود نہیں۔

ایک قائل یہ کہتا ہے: اس شے میں سے اس کے حصہ کا دعویٰ جائز ہے یہی قول اصح ہے۔

ایک قائل یہ کہتا ہے: دعویٰ جائز نہیں۔ ''شرنبلالی'' کا رسالہ ہے جس کا نام ''تنقیح الاحکام فی الاقرار والابراء الخاص والعام'' ہے۔

اس میں یہ جواب دیا ہے کہ وارثوں کے درمیان براءت عامہ کسی شے کے دعویٰ میں مانع ہے جو براءت عامہ اس سے پہلے ہو چکی ہو وہ دعویٰ عینی چیز کے بارے میں ہو یا دین کے بارے میں ہو وہ حق، میراث سے بنتا ہو یا کسی اور چیز سے بنتا ہو۔

اس امر کو ثابت کیا ہے کہ براءت یا تو عامہ ہوگی جیسے وہ کہے: فلاں پر میرا کوئی حق نہیں، کوئی دعویٰ نہیں، کوئی خصومت نہیں یا وہ میرے حق سے بری ہے یا میرا اس پر کوئی دعویٰ نہیں یا میرا اس پر کوئی تعلق نہیں یا میں اس پر کسی شے کا استحقاق نہیں رکھتا یا میں نے اسے اپنے حق سے بری کر دیا ہے یا میرا اس پر جو حق تھا اس سے بری کر دیا ہے۔

یا براءت خاص دین کے اعتبار سے ہوگی جیسے وہ کہے: میں نے اسے فلاں دین سے بری کر دیا ہے یا عام دین کے اعتبار سے ہوگی میرا جو تجھ پر حق تھا میں نے اس سے تجھے بری کر دیا ہے تو اس طریقہ سے وہ ہر دین سے بری ہو جائے گا عین سے بری نہیں ہوگا۔

یا وہ براءت عین کے ساتھ خاص ہوگی تو یہ ضمان کی نفی کے ساتھ صحیح ہوگی دعویٰ کی نفی میں صحیح نہ ہوگی۔ پس عین کا مخاطب اور غیر پر دعویٰ کرے گا۔ اگر وہ عین کے دعویٰ سے ہو تو وہ صحیح ہوگی۔

پھر اگر مجہول شخص کو بری کیا جائے تو یہ صحیح نہیں ہوگا اگر معلوم شخص کو بری کیا تو یہ صحیح ہوگا۔ اگر معلوم شخص کے لیے براءت ہو اگرچہ حق، مجہول ہو تو یہ صحیح ہوگا۔ پس اس کا قول: میں نے اپنے مورث کا پورا ترکہ یا میری اس پر جو کوئی شے تھی یا جو دین تھا

....

میں نے اس پر قبضہ کرلیا ہے تو وہ بری ہوگا نہ یہ عام ابراء ہے نہ یہ خاص ابراء ہے بلکہ یہ محض اقرار ہے یہ دعویٰ کے مانع نہیں۔

کیونکہ ''المحیط'' میں ہے: اس نے کہا: میرا کسی پر کوئی دین نہیں پھر اس نے کسی پر دین کا دعویٰ کر دیا تو یہ دعویٰ صحیح ہوگا۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ یہ دین اقرار کے بعد واجب ہوا ہو۔

اس میں یہ بھی ہے: اس کا قول میرا اس پر جو کچھ ہے وہ اس سے بری ہے یہ براءت کے ثبوت میں اخبار ہے یہ انشاء نہیں ہے۔

''الخلاصہ'' میں ہے: میرا اس پر کوئی حق نہیں۔ اس قول میں ہر عین، ہر دین، ہر کفالت، ہر اجارہ، ہر جنایت اور حد شامل ہوجائے گی۔ الخ

''الاصل'' میں ہے: پس وہ وراثت، نفس کی کفالت، مال کی کفالت کا دعویٰ نہیں کرے گا نہ ہی وہ مال، دین کا دعویٰ کرے گا نہ مضاربت، شرکت، ودیعت، میراث، دار، غلام کا دعویٰ کرے گا نہ مضاربت، شرکت، ودیعت، میراث، دار، غلام کا دعویٰ نہیں کرے گا اور نہ ہی کسی شے کا دعویٰ کرے گا مگر ایسی شے کا دعویٰ کرسکتا ہے جو براءت کے بعد واقع ہو۔

''شرح المنظومہ'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے: وارثوں میں سے ایک نے باقی کو بری کر دیا پھر ترکہ کا دعویٰ کیا اور دوسروں نے انکار کر دیا تو اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا اگر انہوں نے ترکہ کا اقرار کیا تو انہیں حکم دیا جائے گا کہ وہ اسے واپس کریں۔

جب براءت عام نہ ہو جسے تو جان چکا ہے اور جسے ہم عنقریب ذکر کریں گے اگر اس نے اسے عام بری کر دیا پھر بری کردہ مال کا دعویٰ کیا تو وہ مال ساقط ہونے کے بعد دوبارہ نہیں لوٹے گا۔

''عمادیہ'' میں ہے: قابض نے کہا: یہ میرا نہیں، یہ میری ملک نہیں، اس میں میرا کوئی حق نہیں وغیرہ اس وقت اس کا کوئی منازعہ نہیں پھر اس کا کسی نے دعویٰ کر دیا قابض نے کہا: یہ چیز میری ہے تو قول اسی کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ مجہول کے حق میں اقرار باطل ہے۔ اور تناقض اس وقت مانع ہوجاتا ہے جب وہ کسی کے خلاف حق کے ابطال کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہو اس کی مثل ''فیض'' اور ''خزانۃ المفتی'' میں ہے۔ اس سے تو ان اقوال، میں نے تجھے بری کر دیا، میرا تیرے ذمہ کوئی حق نہیں، کے درمیان اور اس کے قول، میں نے اپنے مورث کے ترکہ پر قبضہ کرلیا یا جس پر قرض تھا میں نے اس پر قبضہ کرلیا ہے، میں فرق جان چکا ہے پس وہ بری ہوگا جب کہ اس نے معین کو خطاب نہ کیا ہوگا۔

اور تو ہمارے زمانہ کے اہل کے بعض لوگوں کے فتووں کے بطلان کو جان چکا ہے کہ جب ایک وارث دوسرے وارث کو عام بری کردے تو یہ ترکہ میں سے کسی شے کے بارے میں دعویٰ سے مانع نہیں۔

جہاں تک ''بزازیہ'' کی اس عبارت کا تعلق ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں تو اس کی اصل ''المحیط'' کی طرف منسوب ہے اس میں ظاہر اعتراض ہے ساتھ ہی یہ ابرا کو اس سے مقید نہیں کیا کہ یہ ابرا معین شخص کے لیے ہے یا معین شخص کے لیے نہیں۔ اس کے حکم میں جو فرق ہے وہ تو جان چکا ہے۔ پھر اگر اس سے مراد اس صلح، جس کا ذکر متون اور شروح میں تخارج کے

مسئلہ میں ہے، کا اجتماع معین شخص کے لیے براءت عام کے ساتھ ہے۔ تو اس کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اس کے بارے میں کوئی روایت نہیں کیونکہ یہ قول کیسے کیا جا سکتا ہے جب کہ ''قاضی خان'' نے کہا: روایات اس بارے میں متفق ہیں کہ اس کے بعد اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا مگر جو نیا حق ثابت ہو۔

اگر اس سے مراد صلح اور بری کرنا ہے جیسے وہ کہے: میں نے اپنے مورث کے ترکہ پر قبضہ کر لیا ہے میرا کوئی حق باقی نہیں مگر میں نے اسے پورا پورا لے لیا ہے تو اس کا یہ قول بھی صحیح نہیں ہوگا کہ اس میں کوئی روایت نہیں۔ کیونکہ اس کے بعد اس کے دعویٰ کے صحیح ہونے پر ہم نصوص ذکر کر چکے ہیں۔

روایات اس بارے میں متفق ہیں کہ قابض کا دعویٰ صحیح ہوگا کہ جب وہ اقرار کرے کہ اس عین میں اس کی ملکیت نہیں جب کہ کوئی منازع نہ ہو۔ جو چیز دکھائی دیتی ہے کہ اس عبارت سے مراد غیر معین کو بری کرنا ہے ساتھ ہی اس میں ضعف موجود ہے۔

اگر ہم تسلیم کر لیں کہ اس سے مراد معین ہے ہم نے اس اعتراض کو ختم کر دیا ہے کیونکہ روایات متفق ہیں کہ اس کے بعد دعویٰ ممنوع ہے تو یہ اس کے خلاف ہو جائے گا جو ''المحیط'' میں ''المبسوط'' سے مروی ہے۔

''الاصل''، ''جامع کبیر''، مشہور فتاویٰ جن پر اعتماد کیا جاتا ہے جیسے ''الخانیہ'' اور ''الخلاصہ'' ان میں جو کچھ ہے اسے مقدم کیا جانا چاہیے اور ان سے کسی اور کی طرف عدول نہیں کرنا چاہیے۔

جہاں تک اس چیز کا تعلق ہے جو ''الاشباہ'' میں اور ''البحر'' میں ''القنیہ'' سے مروی ہے کہ دو میاں بیوی جدا ہوئے ان میں سے ہر ایک نے اپنے ساتھی کو تمام دعاوی سے بری کر دیا اور خاوند کی کئی عینی چیزیں تھیں جو موجود تھیں عورت ان سے بری نہ ہوئی اور مرد کو دعویٰ کا حق ہوگا۔ کیونکہ ابراء دیون کی طرف پھرتا ہے اعیان سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اسے اس پر محمول کیا جائے گا جب وہ خاص صیغہ کے ساتھ حاصل ہو جیسے وہ کہے: میں نے اس بیوی کو ان تمام دعاوی سے بری کر دیا ہے جو میرا اس پر واقع ہو سکتا ہے تو یہ ابراء صرف دیون کے ساتھ خاص ہوگا۔ کیونکہ یہ اس کے ساتھ مقید ہے کہ پھر اس پر جو حق ہے تعلیل اس کی تائید کرتی ہے۔

اگر یہ اپنے ظاہر پر باقی ہو تو ''مبسوط''، ''المحیط''، ''کافی الحاکم'' کی کلام، جس میں عموم براءت کی تصریح کی گئی ہے کہ یہ حکم ہر اس شخص کے لیے ہے جو براءت عام کرتا ہے سے اس کی طرف عدول نہیں کیا جائے گا جو ''القنیہ'' میں ہے۔

''شرنبلالی'' نے اپنے رسالہ میں جو کچھ کہا ہے یہ اس کا حاصل ہے۔ یہ کئی کتابچوں کے قریب ہے۔ جو زیادہ معلومات کا ارادہ رکھتا ہو وہ اس کتابچہ کی طرف رجوع کرے۔

اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ''بزازیہ'' میں جو قول ہے اسے متن میں ذکر نہیں کرنا چاہیے تھا۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے جو صلح کے آخر میں آئے گا تو اس میں عام ابرا نہیں ہے پس اس میں تدبر کیا جانا چاہیے۔ ''شرح الملتقی'' کی کتاب الصلح میں دیکھیے۔

عَلَى أَنَّ الْإِبْرَاءَ عَنْ الْأَعْيَانِ بَاطِلٌ وَحِينَئِذٍ فَالْوَجْهُ عَدَمُ صِحَّةِ الْبَرَاءَةِ كَمَا أَفَادَهُ ابْنُ الشِّحْنَةِ وَاعْتَمَدَهُ الشُّرُنْبُلَالِيُّ وَسَنُحَقِّقُهُ فِي الصُّلْحِ (أَقَرَّ) رَجُلٌ بِمَالٍ فِي صَكٍّ وَأَشْهَدَ عَلَيْهِ بِهِ (ثُمَّ ادَّعَى أَنَّ بَعْضَ هَذَا الْمَالِ) الْمُقَرِّ بِهِ (قَرْضٌ وَبَعْضُهُ رِبًا عَلَيْهِ فَإِنْ أَقَامَ عَلَى ذَلِكَ بَيِّنَةً تُقْبَلُ) وَإِنْ كَانَ مُتَنَاقِضًا؛ لِأَنَّا نَعْلَمُ أَنَّهُ مُضْطَرٌّ إِلَى هَذَا الْإِقْرَارِ شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ قُلْتُ وَحَرَّرَ شَارِحُهَا الشُّرُنْبُلَالِيُّ أَنَّهُ لَا يُفْتَى بِهَذَا الْفَرْعِ لِأَنَّهُ لَا عُذْرَ لِمَنْ أَقَرَّ غَايَتُهُ أَنْ يُقَالَ بِأَنَّهُ يَحْلِفُ الْمُقَرُّ لَهُ عَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ الْمُخْتَارِ لِلْفَتْوَى فِي هَذِهِ وَنَحْوِهَا

کیونکہ اعیان سے بری کرنا باطل ہے۔ اس وقت مناسب یہ ہے کہ براءت صحیح نہ ہو جس طرح ''ابن الشحنہ'' نے اسے بیان کیا ہے۔ ''شرنبلالی'' نے اس پر اعتماد کیا ہم عنقریب اسے کتاب الصلح میں ثابت کریں گے۔ ایک آدمی نے ایک دستاویز میں مال کا اقرار کیا اور اس مال پر گواہ بنائے پھر اس نے یہ دعویٰ کیا کہ جس مال کا اقرار کیا گیا اس میں سے کچھ قرض ہے اور ان میں سے بعض ربا ہے۔ اگر وہ اس پر وہ گواہیاں پیش کر دے تو قبول کر لیا جائے گا اگرچہ تناقض پایا جا رہا ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ اس اقرار پر مجبور ہے۔ ''شرح وہبانیہ''۔ میں کہتا ہوں: اس کے شارح ''شرنبلالی'' نے وضاحت کی: اس فرع پر فتویٰ نہ دیا جائے گا کیونکہ جو آدمی اقرار کرے گا اس کا کوئی عذر نہیں ہوگا۔ اس کی غایت یہ ہے کہ یہ کہا جائے گا کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق جو اس جیسے مسائل میں فتویٰ کے لیے مختار قول ہے: مقرلہ سے قسم لی جائے گی۔

28374۔ (قولہ: عَنْ الْأَعْيَانِ) کتاب الصلح میں اس کے بارے میں گفتگو آئے گی۔

28375۔ (قولہ: فِي الصُّلْحِ) یعنی اس کے آخر میں۔

28376۔ (قولہ: أَقَرَّ رَجُلٌ) یہ مسئلہ متفرقات القضاء میں متن میں گزر چکا ہے۔

28377۔ (قولہ: شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ) ''حامدیہ'' اور ''خیریہ'' کے کتاب الدعویٰ میں اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔

28378۔ (قولہ: لَا عُذْرَ لِمَنْ أَقَرَّ) اس میں ہے کہ اس اقرار کے لیے اس کا مجبور ہونا عذر ہے۔

28379۔ (قولہ: غَايَتُهُ) اس کا حاصل کلام یہ ہے: اس کے اس دعویٰ کا کوئی فائدہ نہیں کہ جس مال کا اقرار کیا گیا ہے اس کا بعض سود ہے مگر مقرلہ سے قسم لینے کا معاملہ اس پر مبنی ہے کہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا: جب دوسرے نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے جھوٹا اقرار کیا تھا تو مقرلہ سے قسم لی جائے گی یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جو ''افراد'' کہلاتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس میں اور اس جیسے دوسرے مسائل میں کہا: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو صرف ضرورت پر محمول کرنا بہت ہی بعید ہے جس طرح اس مسئلہ میں ہوا ہے جس طرح کتاب الاستثناء سے تھوڑا پہلے گزر چکا ہے۔

28380۔ (قولہ: أَنْ يُقَالَ الخ) یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر درست واقع نہیں ہوتا کیونکہ آپ کے نزدیک اس پر مال لازم آجاتا ہے۔ اس کی تفسیر قبول کی جائے گی وہ متصل اسے لائے یا جدا لائے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اگر تفسیر متصل لائے تو تفسیر قبول کی جائے گی ورنہ قبول نہ کی جائے گی۔ ثم کا لفظ فصل کا معنی دے رہا ہے تو بالاتفاق اسے قبول نہ کیا

قُلْتُ وَبِهِ جَزَمَ الْمُصَنِّفُ فِيمَنْ أَقَرَّ فَتَدَبَّرْ (أَقَرَّ بَعْدَ الدُّخُولِ) مِنْ هُنَا إِلَى كِتَابِ الصُّلْحِ ثَابِتٌ فِي نُسَخِ الْمَتْنِ سَاقِطٌ مِنْ نُسَخِ الشَّرْحِ (أَنَّهُ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ لَزِمَهُ مَهْرٌ) بِالدُّخُولِ (وَنِصْفٌ) بِالْإِقْرَارِ (أَقَرَّ الْمَشْرُوطُ لَهُ الرِّيعُ) أَوْ بَعْضُهُ (أَنَّهُ) أَيِ رِيعَ الْوَقْفِ (يَسْتَحِقُّهُ فُلَانٌ دُونَهُ صَحَّ) وَسَقَطَ حَقُّهُ، وَلَوْ كِتَابُ الْوَقْفِ بِخِلَافِهِ

میں کہتا ہوں: جو آدمی اقرار کرتا ہے اس بارے میں مصنف نے اسے ہی یقین کے ساتھ بیان کیا ہے پس اس میں غور وفکر کیجئے۔ یہاں سے لے کر کتاب الصلح تک متن کے نسخہ میں موجود ہے شرح کے نسخہ سے ساقط ہے اس نے حقوق زوجیت کے بعد اقرار کیا کہ اس نے حقوق زوجیت سے قبل طلاق دے دی تو حقوق زوجیت کی ادائیگی کی صورت میں پورا مہر لازم ہوگا اور اقرار کی صورت میں نصف مہر لازم ہوگا۔ جس کے لیے وقف کے محصولات کی شرط لگائی گئی تھی یا اس کے بعض کی شرط لگائی گئی تھی اس نے یہ اقرار کیا وقف کے محصولات کا فلاں مستحق ہے وہ مستحق نہیں تو یہ اقرار صحیح ہو جائے گا اور اس کا حق ساقط ہو جائے گا اگرچہ وقف کی تحریر اس کے خلاف ہو۔

جائے گا'' شرنبلالیہ''۔

28381۔(قولہ: وَبِهِ جَزَمَ) یعنی امام'' ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو جزم سے بیان کیا ہے۔

28382۔(قولہ: فِيمَنْ أَقَرَّ) ایک نسخہ میں فیما مر ہے اس تعبیر کی بنا پر یہ صورت ہوگی۔ کیونکہ'' الاستثناء'' سے قبل یہ گزر چکا ہے۔

28383۔(قولہ: مِنْ نُسَخِ الشَّرْحِ) شرح سے مراد'' المنح'' ہے۔

28384۔(قولہ: أَنَّهُ يَسْتَحِقُّهُ) استحقاق پر باہم تصدیق سے عمل کیا جائے گا اگر وہ کتاب الوقف کے مخالف ہو تو یہ صرف مقر کے حق میں خاص ہوں گے الخ۔ جو کتاب الوقف میں گزر چکا ہے۔

وہ شخص جس کے لیے وقف کے تمام یا بعض محصولات کی شرط لگائی گئی تو اس کا حکم

28385۔(قولہ: وَسَقَطَ حَقُّهُ) ظاہر یہ ہے کہ سقوط سے مراد ظاہر سقوط ہے جب وہ واقع کے مطابق نہیں تو مقر لہ کے لیے حلال نہیں ہوگا کہ وہ یہ چیزیں لے پھر یہ سقوط اس وقت تک ہے جب تک وہ زندہ ہے جب وہ مر جائے گا تو واقف کی شرط کی طرف وہ لوٹ جائے گا'' سائحانی'' نے اپنے مجموعہ میں یہ کہا ہے۔

'' خصاف'' میں کہا ہے: منافع کے بارے میں مقر لہ نے کہا: آج سے دس سال تک اس کے منافع زید کے لیے ہیں جب وہ دس سال گزر جائیں گے تو منافع مقر لہ کی طرف لوٹ آئیں گے۔ اگر مدت گزرنے سے پہلے مقر اور مقر لہ مر جائیں تو منافع واقف کی شرط کی طرف عود کر آئیں گے گویا انہوں نے مدت کے گزرنے یا مقر کی مدت کے ساتھ باہم تصدیق کرنے کے بطلان کی تصریح کی ہے۔

(وَلَوْ جَعَلَهُ لِغَيْرِهِ أَوْ أَسْقَطَهُ) لَا لِأَحَدٍ (لَمْ يَصِحَّ) وَكَذَا الْمَشْرُوطُ (لَهُ النَّظَرُ عَلَى هَذَا) كَمَا مَرَّ فِي الْوَقْفِ وَذَكَرَهُ فِي الْأَشْبَاهِ ثَمَّةَ وَهُنَا وَفِي السَّاقِطِ لَا يَعُودُ فَرَاجِعْهُ

اگر وہ اسے غیر کے لیے بنائے یا اسے ساقط کرے مگر کسی معین کے لیے معین نہ کرے تو یہ اقرار صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح جس کے لیے وقف کی نگرانی کی شرط لگائی گئی تھی وہ اس قسم کا اقرار کرے تو حکم اسی طرح ہوگا جس طرح ''الوقف'' میں گزر چکا ہے۔ اسے ''الاشباہ'' میں وہاں اور یہاں کتاب الوقف میں اس کا ذکر کیا ہے اور جو چیز ساقط ہو چکی ہو وہ نہیں لوٹتی پس اس (شبہ) کی طرف رجوع کیجئے۔

''خصاف'' میں بھی ہے: ایک آدمی نے زید، اس کی اولاد پھر مساکین کے لیے کوئی چیز وقف کی پھر زید نے اس کا اقرار کیا اور بکر کے لیے اقرار کیا پھر زید مر گیا تو بکر کے لیے اس کا اقرار باطل ہو جائے گا۔

''حامدیہ'' میں ہے: جب جماعت نے باہم وقف کی تصدیق کی پھر ان میں سے ایک بچے کو چھوڑ کر مر گیا تو کیا اس کے حق میں میت کا باہم تصدیق کرنا باطل ہو جائے گا؟

جواب ہے: ہاں۔ اس سے میرے لیے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ جس نے طویل مدت کے گزر جانے کے بعد اس کے استحقاق کے ممنوع ہونے کا قول کیا ہے جب وہ مر جائے تو اس کا بچہ وہ چیز لے گا واقف نے جو شرط لگائی ہوگی۔ کیونکہ ترک صریح مصادقہ سے بڑھ کر نہیں ہوتا۔ اس کی علت یہ بھی ہے کہ بچہ اپنے باپ کی جانب سے اس شے کا مالک نہیں ہوتا وہ واقف کی جانب سے اس کا مالک ہوتا ہے۔

اگر مقر منافع غیر کے لیے بنائے یا ساقط کرے مگر کسی کے لیے معین نہ کرے تو یہ اقرار صحیح نہ ہوگا

28386۔ (قولہ: وَلَوْ جَعَلَهُ الخ) ''الاسماعیلیہ'' کے کتاب الاقرار میں اس شخص کے بارے میں ہے: ایک عورت نے اقرار کیا کہ فلاں وقف میں سے جو اس کے لیے منافع میں سے خاص ہے معلوم مدت کے لیے فلاں اس کا مستحق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اتنی مقدار قبضہ میں لے لی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ باطل ہے۔ کیونکہ یہ اقرار کے وقت معدوم استحقاق کی معین مبلغ کے بدلے بیع ہے۔ ان کا یہ مطلق قول: اگر مشروط لہ نے منافع کا اقرار کیا کہ اس کا مستحق فلاں ہے وہ نہیں تو یہ اقرار صحیح ہوگا اگر وہ اس کو غیر کے لیے بنا دے تو یہ صحیح نہ ہوگا اس کے باطل ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ کیونکہ عوض کا اقرار معاوضہ ہے۔ ملخص

''خصاف'' سے ہی ہے: اگر واقف نے اپنی موقوفہ زمین زید کے لیے خاص کی پھر اس کے بعد مساکین کے لیے وقف کی زید نے اس اقرار کا اقرار کیا یعنی اس قول کے ساتھ اقرار کیا یعنی مجھ پر اور اس آدمی پر وقف کیا جب تک وہ زندہ ہے نفع میں وہ اس کے ساتھ شریک ہوگا۔ اگر زید مر جائے تو وہ منافع مساکین کے لیے ہوں گے۔ زید نے ان کی تصدیق نہ کی اگر مقر لہ مر جائے اور زید زندہ ہو تو وہ نصف جس کا زید نے اقرار کیا تو وہ مساکین کے لیے ہوگا اور نصف زید کے لیے ہوگا۔ جب

(الْقِصَصُ الْمَرْفُوعَةُ إِلَى الْقَاضِي لَا يُؤَاخَذُ رَافِعُهَا بِمَا كَانَ فِيهَا مِنْ إِقْرَارٍ وَتَنَاقُضٍ) لِمَا قَدَّمْنَا فِي الْقَضَاءِ أَنَّهُ لَا يُؤَاخَذُ بِمَا فِيهَا (إِلَّا إِذَا) أَقَرَّ بِلَفْظِهِ صَرِيحًا (قَالَ لَهُ عَلَيَّ أَلْفٌ فِي عِلْمِي أَوْ فِيمَا أَعْلَمُ أَوْ أَحْسِبُ أَوْ أَظُنُّ لَا شَيْءَ عَلَيْهِ) خِلَافًا لِلثَّانِي فِي الْأَوَّلِ قُلْنَا هِيَ لِلشَّكِّ عُرْفًا نَعَمْ لَوْ قَالَ قَدْ عَلِمْتُ لَزِمَهُ اتِّفَاقًا (قَالَ غَصَبْنَا أَلْفًا) مِنْ فُلَانٍ (ثُمَّ قَالَ كُنَّا عَشَرَةَ أَنْفُسٍ) مَثَلًا (وَادَّعَى الْغَاصِبُ) كَذَا فِي نُسَخِ الْمَتْنِ وَقَدْ عَلِمْتَ سُقُوطَ ذٰلِكَ مِنْ نُسَخِ الشَّرْحِ، وَصَوَابُهُ وَادَّعَى الطَّالِبُ كَمَا عَبَّرَ بِهِ فِي الْمَجْمَعِ وَقَالَ شُرَّاحُهُ أَيِ الْمَغْصُوبُ مِنْهُ

وہ حکایات وواقعات جو قاضی کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں تو ان میں جو اقرار اور تناقض ہوتا ہے ان کے پیش کرنے والے پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ مگر جب وہ صراحۃ اقرار کرے۔ ایک آدمی نے کہا: فلاں کا مجھ پر ہزار ہے یہ میرے علم کے مطابق ہے یا جو میں جانتا ہوں یا میں گمان کرتا ہوں یا ظن رکھتا ہوں تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ امام ''ابو یوسف'' رطیٹھایہ نے پہلے لفظ میں اختلاف کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں: عرف میں یہ الفاظ شک کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ ہاں اگر وہ یہ کہے: میں نے یہ جان لیا ہے تو بالاتفاق اس پر ہزار لازم ہو جائے گا۔ ایک آدمی نے کہا: ہم نے فلاں سے ہزار غصب کیا ہے پھر اس نے کہا: ہم مثلاً دس افراد تھے اور غاصب نے یہ دعویٰ کیا متن کے نسخہ میں الفاظ اسی طرح ہیں جب کہ تو جان چکا ہے کہ شرح کے نسخوں میں اسی طرح ہے جب کہ صحیح یہ ہے طالب نے دعویٰ کیا جس طرح ''المجمع'' میں تعبیر کیا ہے۔ اس کے شارحین نے کہا: جس سے غصب کیا گیا

زید فوت ہو گیا تو تمام نفع مساکین کے لیے ہوگا۔

اگر اس نے یہ اقرار کیا کہ یہ صرف اس آدمی پر صرف ہوگا تو منافع تمام کے تمام اس کے لیے ہوں گے جب تک زندہ رہے گا۔ جب وہ مرجائے گا منافع مساکین کے لیے ہوں گے اور وقف ان پر صدقہ نہیں کیا جائے گا۔ جب تک وہ زندہ رہے اس کے اپنے حق کو باطل کرنے کے لیے اس کی تصدیق کی جائے گی۔ ملخص

اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ استحقاق پر مصادقہ مقر کی موت سے باطل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد کے لوگوں پر ضرر لازم ہوگا۔ مقرلہ کی موت سے وہ باطل نہیں ہوگا یہ اس لیے ہے تاکہ مقر نے اپنی ذات پر جو اقرار کیا ہے اس پر عمل ہو۔

یہ صورت باقی رہ گئی ہے مستحق جماعت جیسے تین بھائیوں مثلاً اقرار کیا جن پر برابر برابر طور پر ایک چیز کو وقف کیا گیا تھا سب نے یہ تصدیق کی کہ زید ان میں سے ہے تو زید نصف کا مستحق ہوگا جب زید فوت ہو جائے گا تو باہم مصادقہ باقی رہے گا۔ اگر دو اقرار کرنے والے مرجائیں تو مصادقہ باطل ہو جائے گا۔ اگر ان دونوں میں سے ایک فوت ہو تو مصادقہ صرف اس کے حصہ میں باطل ہوگا۔ ہمارے زمانے میں جو اکثر واقع ہوا ہے۔ وہ نگرانی میں مصادقہ ہے نظر و فکر جس کا تقاضا کرتا ہے کہ دونوں میں سے ہر ایک موت سے اس کا باطل ہونا ہے تو جیہ قاضی کی طرف راجع ہوگی۔ یہ وہ امر ہے جو میرے لیے ظاہر ہوا ہے۔ فتامل

28387۔ (قوله: كَذَا فِي نُسَخِ الْمَتْنِ) یعنی اس کے بعض نسخوں میں اسی طرح ہے۔ متن کے بعض نسخوں میں

(أَنَّهُ هُوَ وَحْدَهُ) غَصَبَهَا (لَزِمَهُ الْأَلْفُ كُلُّهَا) وَأَلْزَمَهُ زُفَرُ بِعُشْرِهَا قُلْنَا هٰذَا الضَّمِيرُ يُسْتَعْمَلُ فِي الْوَاحِدِ وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ يُخْبِرُ بِفِعْلِهِ دُونَ غَيْرِهِ فَيَكُونُ قَوْلُهُ كُنَّا عَشَرَةً رُجُوعًا فَلَا يَصِحُّ نَعَمْ لَوْ قَالَ غَصَبْنَاهُ كُلُّنَا صَحَّ اتِّفَاقًا لِأَنَّهُ لَا يُسْتَعْمَلُ فِي الْوَاحِدِ (قَالَ) رَجُلٌ (أَوْصَى أَبِي بِثُلُثِ مَالِهِ لِزَيْدٍ بَلْ لِعَمْرٍو بَلْ لِبَكْرٍ فَالثُّلُثُ لِلْأَوَّلِ وَلَيْسَ لِغَيْرِهِ شَيْءٌ) وَقَالَ زُفَرُ لِكُلٍّ ثُلُثُهُ وَلَيْسَ لِلِابْنِ شَيْءٌ قُلْنَا نَفَاذُ الْوَصِيَّةِ فِي الثُّلُثِ وَقَدْ أَقَرَّ بِهِ لِلْأَوَّلِ فَاسْتَحَقَّهُ فَلَمْ يَصِحَّ رُجُوعُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ لِلثَّانِي بِهَا بِخِلَافِ الدَّيْنِ لِنَفَاذِهِ مِنَ الْكُلِّ، الْكُلُّ مِنَ الْمَجْمَعِ فُرُوعٌ أَقَرَّ بِشَيْءٍ ثُمَّ ادَّعَى الْخَطَأَ لَمْ يُقْبَلْ إِلَّا إِذَا أَقَرَّ بِالطَّلَاقِ بِنَاءً عَلَى إِفْتَاءِ الْمُفْتِي، ثُمَّ تَبَيَّنَ عَدَمُ الْوُقُوعِ لَمْ يَقَعْ يَعْنِي دِيَانَةً قُنْيَةٌ الْإِقْرَارُ الْمُكْرَهُ بَاطِلٌ إِلَّا إِذَا أَقَرَّ السَّارِقُ مُكْرَهًا فَأَفْتٰى بَعْضُهُمْ بِصِحَّتِهِ ظَهِيرِيَّةٌ

اس نے یہ دعویٰ کیا اس نے اکیلے ہزار غصب کیا ہے تو اس آدمی پر پورا ہزار لازم ہو جائے گا۔ امام ''زفر'' نے اس پر ہزار کا دسواں حصہ لازم کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں: یہ ضمیر واحد کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ اس کے فعل کی خبر دے رہا ہے کسی اور کے فعل کی خبر نہیں دے رہا۔ پس اس کا دس کہنا یہ اقرار سے رجوع ہے پس یہ صحیح نہ ہوگا۔ ہاں اگر وہ کہے: ہم سب نے اسے غصب کیا تو بالاتفاق یہ صحیح ہے۔ کیونکہ یہ واحد میں استعمال نہیں ہوا۔ ایک آدمی نے کہا: میرے باپ نے اپنے ایک تہائی مال کی زید کے لیے وصیت کی نہیں بلکہ عمرو کے لیے نہیں بلکہ بکر کے لیے وصیت کی۔ پس ایک تہائی پہلے کے لیے ہو گی کسی اور کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔ امام ''زفر'' نے کہا: ہر ایک کے لیے ایک تہائی ہوگا اور بیٹے کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔ ہم کہتے ہیں: وصیت کا نفاذ ایک تہائی میں ہوتا ہے جس کا اس نے پہلے فرد کے لیے اقرار کیا پس وہ اس کا مستحق بن گیا اس کے بعد دوسرے کے لیے اس کا رجوع صحیح نہیں ہوگا دین کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ کل میں نافذ ہو جاتا ہے۔ اور یہ تمام مسائل ''المجمع'' سے ماخوذ ہیں۔ فروع: ایک آدمی نے کسی شے کا اقرار کیا پھر خطا کا دعویٰ کیا تو اس کا دعویٰ قبول نہ کیا جائے گا مگر جب وہ طلاق کا اقرار کرے اور یہ اقرار مفتی کے فتویٰ پر مبنی ہو پھر یہ واضح ہوا کہ طلاق واقع نہیں ہوگی تو دیانۃً طلاق واقع نہ ہوگی۔ ''قنیہ''۔ مکرہ کا اقرار باطل ہے مگر جب چور اقرار کرے جب کہ اس سے اقرار زبردستی کروایا گیا ہو۔ بعض علماء نے اس کے صحیح ہونے کا فتویٰ دیا ہے، ''ظہیریہ''۔

المغصوب منہ ہے۔

28388۔(قولہ: مِنَ الْكُلِّ) اقرار المریض سے تھوڑا پہلے یہ گزر چکا ہے۔

28389۔(قولہ: بِنَاءً عَلَى إِفْتَاءِ الْمُفْتِي) ''بزازیہ'' میں ہے: جو آدمی فتویٰ دینے کا اہل نہیں تھا اس کے فتویٰ سے تین طلاقوں کے وقوع کا گمان ہوا تو اس نے کاتب کو طلاق کی دستاویز لکھنے کا حکم دیا تو اس نے وہ تحریر لکھ دی پھر عالم نے اسے یہ فتویٰ دیا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی تو اس خاوند کو از روئے دیانت کے اس عورت کی طرف لوٹنے کا حق ہوگا۔ لیکن قاضی اس

اَلْإِقْرَارُ بِشَیْءٍ مُحَالٍ وَبِالدَّیْنِ بَعْدَ الْإِبْرَاءِ مِنْهُ بَاطِلٌ، وَلَوْ بِمَهْرٍ بَعْدَ هِبَتِهَا لَهُ عَلَی الْأَشْبَهِ نَعَمْ لَوْ ادَّعَی دَیْنًا بِسَبَبٍ حَادِثٍ بَعْدَ الْإِبْرَاءِ الْعَامِّ، وَأَنَّهُ أَقَرَّ بِهِ یَلْزَمُهُ

محال شے اور دین سے براءت کے بعد اس کا اقرار باطل ہے اگر چہ یہ اقرار اس مہر کا ہو جو عورت نے اسے ہبہ کر دیا تھا۔ یہ زیادہ مناسب قول کے مطابق ہے۔ ہاں اگر وہ ابرا کے بعد کسی ایسے دین کا دعویٰ کرے جو دین نئے امر سے واقع ہوا اور وہ اس سبب کا اقرار کرے تو دین لازم ہو جائے گا

دستاویز کی وجہ سے اس کی تصدیق نہیں کرے گا۔ ''سائحانی''۔

محال شے اور دین سے براءت کے بعد اقرار کرنا باطل ہے

28390۔ (قولہ: بِشَیْءٍ مُحَالٍ) جس طرح ایک آدمی اس ہاتھ کی چٹی پانچ سو درہم کا اقرار کرے جس کو اس نے کاٹا تھا جب کہ اس کے دونوں ہاتھ صحیح تھے تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی جس طرح ''تاتر خانیہ'' کے کتاب الحیل میں ہے۔ اسی وجہ سے میں نے انسان کے اس اقرار کے باطل ہونے کا فتویٰ دیا جو وارث کے سہم کے برابر ہو جب کہ وہ شرعی مقدار سے زائد ہو۔ کیونکہ یہ شرعاً محال ہے۔ پس اس وجہ سے اس کا محال ہونا ضروری ہے۔ ورنہ اگر وہ یہ اقرار کرے کہ اس بچے کے مجھ پر ہزار درہم قرض ہیں جو اس نے مجھے قرض دیئے ہیں یا مبیع کی ثمن میں سے ہیں جو اس نے مجھے بیچا تو اقرار صحیح ہوگا۔ جس طرح گزر چکا ہے۔ ''اشباہ''، ملخص۔

28391۔ (قولہ: بِالدَّیْنِ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ ابرا عام کے بعد عین کا اقرار صحیح ہوتا ہے جب کہ وہ ابرا عام میں اعیان سے بری ہو جاتا ہے جس طرح ''الاشباہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ فرق کی تحقیق ابرا عام کے متعلق ''رسالہ الشرنبلالی'' میں ہے۔

28392۔ (قولہ: بَعْدَ هِبَتِهَا لَهُ عَلَی الْأَشْبَهِ) ''بزازیہ'' میں کہا: ''محیط'' میں ہے: عورت نے مرد کو مہر ہبہ کر دیا پھر مرد نے کہا: گواہ بن جاؤ عورت کا مجھ پر اتنا مہر ہے۔ فقیہ کے نزدیک مختار مذہب یہ ہے کہ اس کا اقرار جائز ہے اور اس پر مذکور مہر لازم ہوگا جب وہ عورت قبول کرے۔ کیونکہ زیادتی عورت کی جانب سے قبول کرنے کے بعد صحیح نہیں ہوتی۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ صحیح نہ ہو اور زیادتی کے ارادہ کے بغیر اسے زیادتی قرار نہیں دیا جائے گا۔ ''حموی'' سے مروی ہے: ایک آدمی نے گواہیاں قائم کر دیں کہ اس نے مجھے دعویٰ سے بری کر دیا پھر مدعی نے دوبارہ دعویٰ کر دیا کہ میرے بری کرنے کے بعد اس نے میرے لیے مال کا اقرار کیا۔ اگر مدعی علیہ یہ کہے: اس نے مجھے بری کر دیا تھا اور میں نے ابرا کو قبول کر لیا تھا اور کہا: میں نے اس کی اس میں تصدیق کی تو دعویٰ کا دفاع صحیح نہ ہوگا۔ یعنی اقرار کے دعویٰ کا دفاع صحیح نہ ہوگا اگر وہ یہ قول نہ کرے تو دعویٰ دفاع صحیح ہوگا۔ کیونکہ ان کا احتمال پایا جاتا ہے اور ابرا رد کرنے سے رد ہو جاتا ہے اور مال اس کے ذمہ باقی رہتا ہے۔ قبول کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ قبول کرنے کے بعد رد کرنے سے رد نہیں ہوتا۔ ''جامع الفصولین''۔

ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ فِي فَتَاوِيهِ قُلْتُ وَمُفَادُهُ أَنَّهُ لَوْ أَقَرَّ
مصنف نے اس کا ذکر اپنے فتاویٰ میں کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے اگر اس نے بھی

لیکن ہماری گفتگو دین سے بری کرنے میں ہے اور یہ دعویٰ سے بری کرنے میں ہے۔ ''تاتر خانیہ'' کی چوبیسویں فصل میں ہے: اگر وہ کہے: میرا جو حق تجھ پر تھا میں نے اس سے تجھے بری کر دیا ہے اس نے کہا: تیرا مجھ پر ہزار ہے تو نے سچ بولا ہے تو وہ بطور استحسان بری ہو جائے گا۔

اس گھر میں میرا کوئی حق نہیں اس نے کہا: تیرا چھٹا حصہ تھا میں نے اسے تجھ سے خرید لیا تھا اس نے کہا: میں نے تجھے نہیں بیچا تھا تو اس کے لیے چھٹا حصہ ہوگا۔

اگر وہ کہے: میرا اس گھر میں جو حق تھا تو میں اس سے خارج ہوں یا کہا میں تیرے لیے اس سے بری ہو چکا ہوں یا کہا: میں نے تیرے لیے اس کا اقرار کر لیا ہے۔ دوسرے نے کہا: میں نے تجھ سے اسے خرید لیا ہے تو دوسرا کہے: میں نے ثمن پر قبضہ نہیں کیا تو اسے ثمن لینے کا حق ہوگا۔

اسی میں ''العتابیہ'' سے مروی ہے: اگر وہ کہے: میرا کوئی حق نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہر عیب اور دین سے بری ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے اگر کہا: میرا اس فلاں کے ذمہ جو حق تھا اس سے وہ بری ہے تو اس قول میں مضمن چیز اور امانت داخل ہو گی۔ اگر اس نے کہا: وہ اس سے بری ہے جو میرا اس پر حق تھا تو صرف قابل ضمانت چیز داخل ہوگی امانت داخل نہ ہوگی۔ اگر اس نے کہا: اس کے ہاں جو میری چیز تھی اس سے بری ہے تو وہ ہر شے سے بری ہو جائے گا جس کی اصل امانت ہے اور مضمونہ شے سے بری نہیں ہوگا۔ اگر اس کے بعد طالب نے حق کا دعویٰ کیا اور گواہیاں قائم کر دیں اگر اس نے براءت کے بعد کی تاریخ بیان فرمائی تو اس کا دعویٰ سنا جائے گا اور اس کی گواہیوں کو قبول کیا جائے گا۔ اگر وہ تاریخ بیان نہ کرے تو قیاس یہ ہے کہ اسے سنا جائے اور اسے اس حق پر محمول کیا جائے جو اس کے بعد ثابت ہوا ہے استحسان یہ ہے کہ اس کی گواہیاں قبول نہ کی جائیں۔

28393۔ (قولہ: ذَكَرَهُ الْمُصَنِّفُ فِي فَتَاوِيهِ) اس کی نص یہ ہے: دو ایسے آدمیوں کے بارے میں آپ سے سوال کیا گیا جن دونوں کے درمیان ابراء عام واقع ہوا تھا پھر ابراء عام کے بعد ان دونوں میں سے ایک نے اقرار کیا کہ اس کے ذمہ پر ایک معین مقدار لازم ہے تو کیا اس پر یہ اقرار لازم ہوگا یا اقرار لازم نہیں ہوگا۔

اس کا یہ جواب دیا: جب بری کرنے کے بعد اس نے دین کا اقرار کیا تو وہ دین اس کے ذمہ لازم نہ ہوگا جس طرح ''فوائد زینیہ'' میں ''تاتر خانیہ'' سے منقول ہے۔

اگر وہ اس دین کا دعویٰ کرے جو ابراء عام کے بعد نئے سبب سے پیدا ہوا تھا اور اس نے اس کا اقرار بھی کیا تو وہ دین اس کے ذمہ لازم ہو جائے گا۔ ''غانم بغدادی'' کے ''تعارض البینات'' کے اقرار کے باب میں دیکھیے۔

28394۔ (قولہ: قُلْتُ وَمُفَادُهُ) اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نئے سبب سے اس کا دعویٰ لازم ہو جائے گا اور ان کا قول لو اقر ببقاء الدین اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے کہا: اس نے مجھے جس چیز سے بری کیا تھا اس میں سے میرے ذمہ

بِبَقَاءِ الدَّيْنِ أَيْضًا فَحُكْمُهُ كَالْأَوَّلِ وَهِيَ وَاقِعَةُ الْفَتْوَى فَتَأَمَّلْ الْفِعْلُ فِي الْمَرَضِ أَحَطُّ مِنْ فِعْلِ الصِّحَّةِ إلَّا فِي مَسْأَلَةِ إسْنَادِ النَّاظِرِ لِغَيْرِهِ بِلَا شَرْطٍ فَإِنَّهُ صَحِيحٌ فِي الْمَرَضِ لَا فِي الصِّحَّةِ تَتِمَّةٌ وَتَمَامُهُ فِي الْأَشْبَاهِ وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ

أَقَرَّ بِمَهْرِ الْمِثْلِ فِي ضِعْفِ مَوْتِهِ فَبَيِّنَةُ الْإِيهَابِ مِنْ قَبْلُ تُهْدَرُ

وَإِسْنَادُ بَيْعٍ ....

دین کے باقی رہنے کا اقرار کیا تو اس کا حکم پہلے کی طرح ہوگا۔ یہ ''واقعۃ الفتوی'' ہے۔ پس اس میں غور وفکر کیجئے۔ حالت مرض کا فعل صحت کے فعل سے درجہ میں کم ہے مگر اس مسئلہ میں کہ وقف کا نگران کسی اور کو یہ ذمہ داری سپرد کر دے جب کہ یہ امر شرط کے بغیر ہو یہ تفویض کا امر حالت مرض میں صحیح ہوتا ہے حالت صحت میں صحیح نہیں ہوتا ''تتمہ''۔ اس کی مکمل بحث ''الاشباہ'' میں ہے۔ ''الوہبانیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے اپنی موت کے ضعف میں مہر مثل کا اقرار کیا تو اس سے قبل کی ہبہ کی گواہیاں رائیگاں چلی جائیں گی۔

باقی ہے۔ اس قول اور ان کے سابقہ قول: و بالدین بعد الابراء منہ میں فرق یہ ہے کہ اس نے وہاں بری کرنے کے بعد کہا: فلاں کے مجھ پر اتنے ہیں۔ تامل

28395۔ (قولہ: بِبَقَاءِ الدَّيْنِ) یعنی عام براءت کر دینے کے بعد یہ کہا۔

28396۔ (قولہ: كَالْأَوَّلِ) یعنی اس قول کی طرح جس میں بری کرنے کے بعد دین کا اقرار کرے۔

28397۔ (قولہ: تَتِمَّةٌ) یہ ایک کتاب کا نام ہے۔

28398۔ (قولہ: أَقَرَّ بِمَهْرِ الْمِثْلِ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ اگر اقرار اس سے زیادہ ہو تو یہ صحیح نہیں۔

28399۔ (قولہ: الْإِيهَابِ) یعنی اگر وارثوں نے گواہیاں قائم کر دیں۔ اسی کی مثل بری کرنا ہے جس طرح ''ابن شحنہ'' نے اسے ثابت کیا ہے۔

28400۔ (قولہ: مِنْ قَبْلُ تُهْدَرُ) یعنی حالت صحت میں عورت نے اپنا مہر اپنے خاوند کو اس کی زندگی میں ہبہ کر دیا تھا تو اسے قبول نہ کیا جائے گا۔ یہ قول اس کے منافی نہیں جس کا شارح نے پہلے ذکر کیا ہے کہ ہبہ کے بعد اقرار باطل ہے۔ کیونکہ اس مسئلہ میں احتمال موجود ہے کہ اس نے اسے طلاق بائنہ دی پھر مذکورہ مہر پر اس سے نکاح کیا۔ اسی طرح قول کیا گیا۔ اس میں یہ ہے کہ احتمال وہاں موجود ہے۔

28401۔ (قولہ: وَإِسْنَادُ) ''المنتقی'' میں ہے: اگر ایک آدمی نے اپنی اس مرض میں اقرار کیا جس میں وہ فوت ہوا تھا کہ اس نے اپنی حالت صحت میں فلاں کے ساتھ یہ غلام بیچا اور ثمن پر قبضہ کیا اور مشتری نے اس کا دعویٰ کیا تھا تو بیع میں اس کی تصدیق کی جائے گی اور ثمن کے قبضہ کرنے میں صرف ایک تہائی میں اس کی تصدیق کی جائے گی۔ وہ ''نظم'' کا مسئلہ ہے مگر

............فِيهِ لِلصِّحَّةِ اقْبَلَنْ　　وَفِي الْقَبْضِ مِنْ ثُلُثِ التُّرَاثِ يُقَدَّرُ
وَلَيْسَ بِلَا تَشْهَدْ مُقِرًّا نَعُدُّهُ　　وَلَوْ قَالَ لَا تُخْبِرْ فَخُلْفٌ يُسَطَّرُ
وَمَنْ قَالَ مِلْكِي ذَا الَّذِي كَانَ مُنْشَأً　　وَمَنْ قَالَ هٰذَا مِلْكُ ذَا فَهُوَ مُظْهِرُ
وَمَنْ قَالَ لَا دَعْوَى لِي الْيَوْمَ عِنْدَ ذَا　　فَمَا يُدَّعَى مِنْ بَعْدُ مِنْهَا فَمُنْكَرُ

حالت مرض میں حالت صحت کی طرف بیع کی نسبت کو قبول کر اور تر کہ کے تہائی سے قبضہ کو مقدر کیا جائے گا۔ تو گواہ نہ بن ہم اسے اقرار شمار نہیں کرتے مگر اس نے کہا تو خبر نہ دے تو اس میں اختلاف مسطور ہے۔ جس نے یہ کہا: میری یہ ملکیت فلاں کے لیے ہے تو یہ نئے سرے سے مالک بنانا ہے اور جس نے کہا: یہ فلاں کی ملک ہے تو یہ اس کی ملک کا مظہر ہے۔ جس نے کہا: آج میرا فلاں کے ہاں کوئی دعویٰ نہیں اس کے بعد جو دعویٰ کیا جائے گا اس کا انکار کیا جائے گا۔

مشتری کی تصدیق کی قید کو چھوڑ دیا ہے۔ ''ابن شحنہ''، ''مدنی''۔

ہم نے پانچ اوراق قبل ''نور العین'' سے کلام ذکر کی ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

28402۔ (قولہ: فِيهِ) یعنی موت کے ضعف میں یعنی مرض الموت میں۔

28403۔ (قولہ: مِنْ ثُلُثِ التُّرَاثِ) تراث سے مراد میراث ہے۔

28404۔ (قولہ: تَشْهَدْ) یہ لفظ دال مہملہ کے سکون کے ساتھ ہے۔

28405۔ (قولہ: نَعُدُّهُ) یہ لفظ نون کے فتحہ، عین اور دال مشددہ کے رفع کے ساتھ ہے۔

28406۔ (قولہ: فَخُلْفٌ) یہ لفظ خا کے ضمہ اور لام کے سکون کے ساتھ ہے۔ ''مقدسی'' نے کہا: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ذکر کیا کہ اس کا قول فلاں کو خبر نہ دینا کہ اس کا مجھ پر ہزار لازم ہے یہ اقرار ہوگا۔

''سرخسی'' نے یہ گمان کیا ہے کہ اس میں دو روایتیں ہیں۔ ''سائحانی''۔

28407۔ (قولہ: مُنْشَأً) یعنی یہ ہبہ ہوگا۔

28408۔ (قولہ: مُظْهِرٌ) یہ لفظ میم کے ضمہ کے ساتھ ہے یعنی وہ اقرار کرنے والا ہوگا۔

كِتَابُ الصُّلْحِ

مُنَاسَبَتُهُ أَنَّ إِنْكَارَ الْمُقِرِّ سَبَبٌ لِلْخُصُومَةِ الْمُسْتَدْعِيَةِ لِلصُّلْحِ (هُوَ لُغَةً اسْمٌ مِنَ الْمُصَالَحَةِ وَشَرْعًا عَقْدٌ يَرْفَعُ النِّزَاعَ) وَيَقْطَعُ الْخُصُومَةَ (وَرُكْنُهُ الْإِيجَابُ) مُطْلَقًا (وَالْقَبُولُ) فِيمَا يَتَعَيَّنُ أَمَّا فِيمَا لَا يَتَعَيَّنُ كَالدَّرَاهِمِ فَيَتِمُّ بِلَا قَبُولٍ عِنَايَةٌ وَسَيَجِيءُ (وَشَرْطُهُ الْعَقْلُ) لَا الْبُلُوغُ وَالْحُرِّيَّةُ (فَصَحَّ مِنْ صَبِيٍّ مَأْذُونٍ إِنْ عَرِيَ) صُلْحُهُ (عَنْ ضَرَرٍ بَيِّنٍ وَ) صَحَّ (مِنْ عَبْدٍ مَأْذُونٍ وَمُكَاتَبٍ) لَوْ فِيهِ نَفْعٌ (وَ) شَرْطُهُ أَيْضًا (كَوْنُ الْمُصَالَحِ عَلَيْهِ مَعْلُومًا إِنْ كَانَ يَحْتَاجُ إِلَى قَبْضِهِ وَ) كَوْنُ (الْمُصَالَحِ عَنْهُ حَقًّا يَجُوزُ الِاعْتِيَاضُ عَنْهُ،

صلح کے احکام

اس کی ماقبل کتاب سے مناسبت یہ ہے کہ منکر کا انکار اس خصومت کا سبب ہے جو صلح کا تقاضا کرتا ہے یہ لغوی اعتبار سے مصلحت سے اسم ہے اور شرع میں اس سے مراد ایسا عقد ہے جو نزاع کو ختم کر دے اور خصومت کو مٹا دے صلح کا رکن مطلقاً ایجاب ہے اور قبول صلح کا رکن ہے ان میں جو متعین ہوتے ہیں۔ جہاں تک ان چیزوں کا تعلق ہے جو متعین نہیں ہوتیں۔ جیسے دراہم تو یہ قبول کے بغیر مکمل ہو جاتی ہے ''عنایہ''۔ اس کا ذکر عنقریب آئے گا۔ اس کی شرط عقل ہے بالغ ہونا اور آزادی شرط نہیں۔ ماذون بچے کی جانب سے صلح صحیح ہے اگر اس کی صلح واضح ضرر سے خالی ہو۔ اور عبد ماذون اور مکاتب کی جانب سے صلح صحیح ہے اگر اس میں نفع ہو۔ صلح کی شرط یہ بھی ہے کہ مصالح علیہ معلوم ہو اگر اس پر قبضہ کی حاجت ہو اور مصالح علیہ ایسا حق ہو جس کا عوض لینا جائز ہے

28409۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی جو چیز متعین ہو جاتی ہے اور جو چیز متعین نہیں ہوتی۔

28410۔ (قولہ: بِلَا قَبُولٍ) کیونکہ یہ اسقاط (یعنی حق ساقط کرنا) ہے اس کا ذکر عنقریب آئے گا۔

صلح کی شرائط

28411۔ (قولہ: وَشَرْطُهُ الخ) اس کی یہ بھی شرط ہے کہ اس کے بدل پر قبضہ کیا جائے اگر یہ دین کے بدلے دین ہو ورنہ یہ شرط نہ ہوگی جس طرح کتاب کے آخر میں مسائل شتی میں آئے گا۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ یہاں ''الدرر'' میں اس کی وضاحت کی ہے۔

28412۔ (قولہ: فَصَحَّ مِنْ صَبِيٍّ الخ) اسی طرح جب اس کی جانب سے صلح ہو اس کی صورت یہ ہے کہ اس بچے کا باپ اس کے گھر کی جانب سے صلح کرے جب کہ ایک مدعی نے اس کا دعویٰ کیا ہو اور گواہیاں قائم کر دی ہوں۔

28413۔ (قولہ: لَوْ فِيهِ نَفْعٌ) اگر وہ یہ قول کرتے: لو لم یکن فیہ ضرر بین تو یہ زیادہ بہتر ہوتا تاکہ یہ اسے بھی

وَلَوْ كَانَ (غَيْرَ مَالٍ كَالْقِصَاصِ وَالتَّعْزِيرِ مَعْلُومًا كَانَ) الْمُصَالَحُ عَنْهُ (أَوْ مَجْهُولًا لَا) يَصِحُّ (لَوْ الْمُصَالَحُ عَنْهُ (مِمَّا لَا يَجُوزُ الِاعْتِيَاضُ عَنْهُ) وَبَيَّنَهُ بِقَوْلِهِ

اگرچہ وہ مال نہ ہو جیسے قصاص اور تعزیر مصالح عنہ معلوم ہو یا مجہول ہو۔ اگر مصالح عنہ ایسی چیز ہو جس کا عوض لینا صحیح نہ ہو تو صلح صحیح نہ ہوگی

شامل ہو جاتا جب اس میں نہ نفع ہوتا اور نہ ہی نقصان ہوتا یا اس میں ضرر ہوتا جو واضح نہ ہوتا۔ ''ط''۔

صلح کی صورتیں

28414۔ (قولہ: مَعْلُومًا) ''جامع الفصولین'' میں ''مبسوط'' کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا: صلح پانچ صورتوں پر ہے۔

(۱) دراہم، دنانیر یا فلوس پر صلح۔ پس مقدار ذکر کرنے کی ضرورت ہوگی۔

(۲) گندم پر، کیلی یا وزنی چیز پر صلح جس میں بار برداری اور مؤنت کا تصور نہیں۔ پس اس میں قدر اور صفت کے ذکر کرنے کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ یہ چیز جید، وسط یا ردی ہوتی ہے پس اس کی وضاحت کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۳) ایسی کیلی اور وزنی چیز پر صلح جس میں بار برداری اور مشقت کا تصور ہو اس میں مقدار، صفت اور اس جگہ کی وضاحت کرنا ضروری ہے جہاں وہ چیز سپرد کرے گا۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے جس طرح بیع سلم میں ہے۔

(۴) کپڑے پر صلح، اس میں گز (پیمائش) صفت اور مدت کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ کپڑا صرف بیع سلم میں دین ہو سکتا ہے۔ بیع سلم مؤجل ہی معروف ہے۔

(۵) حیوان پر صلح۔ معین حیوان پر ہی صلح ہو سکتی ہے۔ کیونکہ مال تجارت اور حیوان پر بطور دین کے صلح صحیح نہیں ہوتی۔

28415۔ (قولہ: إِلَى قَبْضِهِ) جس پر قبضہ کی ضرورت نہیں ہوتی اس کا معاملہ مختلف ہے جیسے ایک آدمی دوسرے آدمی کے گھر میں حق کا دعویٰ کرے اور مدعی علیہ اس زمین میں حق کا دعویٰ کرے جو مدعی کے ہاتھ میں ہے۔ پس دونوں دعویٰ کے ترک پر صلح کر لیں تو یہ جائز ہوگا۔

28416۔ (قولہ: وَالتَّعْزِيرِ) یعنی جب وہ بندے کا حق ہو جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ ''ح''۔

28417۔ (قولہ: أَوْ مَجْهُولًا) یعنی اس شرط کے ساتھ کہ وہ ان چیزوں میں سے ہو جو سپرد کیے جانے کی محتاج نہیں جس طرح مثلاً دعویٰ کو ترک کرنا۔ اگر مدعی کو سپرد کرنے کا معاملہ ہو تو وہ مختلف ہوگا۔ ''جامع الفصولین'' میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے پر مال کا دعویٰ کیا اور اس سے ہزار درہم پر صلح کر لی اور بدل صلح پر قبضہ کر لیا اور دستاویز کے آخر میں ذکر کیا اور مدعی نے اپنے تمام تر دعاوی اور خصومات سے ابراء صحیح عام کے ساتھ بری کر دیا۔

تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: صلح صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے مدعی فیہ کی مقدار کا ذکر نہیں کیا جب کہ اس کی وضاحت ضروری ہے

(كَحَقِّ شُفْعَةٍ وَحَدِّ قَذْفٍ وَكَفَالَةٍ بِنَفْسٍ) وَيَبْطُلُ بِهِ الْأَوَّلُ وَالثَّالِثُ وَكَذَا الثَّانِي لَوْ قَبْلَ الرَّفْعِ لِلْحَاكِمِ لَا حَدَّ زِنًا وَشُرْبٍ مُطْلَقًا (وَطَلَبُ الصُّلْحِ كَافٍ عَنِ الْقَبُولِ مِنَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ إِنْ كَانَ الْمُدَّعَى بِهِ مِمَّا لَا يَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ) كَالدَّرَاهِمِ وَالدَّنَانِيرِ وَطَلَبُ الصُّلْحِ عَلَى ذٰلِكَ، لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ لِلْبَعْضِ،

جیسے حق شفعہ، حد قذف اور کفالہ نفس۔ صلح کے ساتھ پہلی اور تیسری صورت باطل ہو جائے گی۔ اسی طرح دوسری باطل ہو جائے گی اگر حاکم کے سامنے مسئلہ پیش کرنے کی صورت میں ہو۔ حد زنا اور حد شرب کی صلح مطلقاً صحیح نہیں۔ اور صلح کی طلب جب مدعی علیہ کی جانب سے ہو تو یہ طلب ہی قبول کو کافی ہوگی اگر مدعی بہ ان چیزوں میں سے ہو جو متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتیں جیسے دراہم اور دنانیر اور اس پر صلح طلب کرے۔ کیونکہ بعض چیز کو ساقط کرنا ہے

تا کہ یہ معلوم ہو کہ یہ صلح بطور معاوضہ واقع ہوئی ہے یا بطور اسقاط واقع ہوئی ہے یا صرف صلح واقع ہوئی ہے مجلس میں باہم قبضہ کی شرط لگائی ہے یا شرط نہیں لگائی۔ جب کہ بدل صلح کے قبض کا ذکر کیا اور مجلس صلح سے تعرض نہیں کیا یعنی اس کا ذکر نہیں کیا اس احتمال کے باوجود صلح کے صحیح ہونے کا قول ممکن نہیں۔ جہاں تک بری کرنے کا تعلق ہے تو وہ علی سبیل العموم حاصل ہو چکا ہے تو عام براءت کی وجہ سے مدعی کا معین شے کے بارے میں دعویٰ نہیں سنا جائے گا نہ کہ دعویٰ کا نہ سننا صلح کی وجہ سے ہوگا۔ کتاب الاستحقاق میں اس بارے میں تصریح پہلے گزر چکی ہے ہم نے خیار العیب کے آخر میں جو قول ''الفتح'' سے نقل کیا ہے اسے دیکھیے۔

28418۔ (قولہ: كَحَقِّ شُفْعَةٍ) کیونکہ حق شفعہ سے مراد ولایت طلب اور تسلیم شفعہ ہے جس کی کوئی قیمت نہیں۔ پس اس کے مقابلہ میں مال لینا جائز نہیں۔

28419۔ (قولہ: الثَّالِثُ) دو روایتوں میں سے یہ ایک روایت ہے اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں ''صغریٰ'' سے مروی ہے۔ جہاں تک پہلی صورت کے باطل ہونے کا تعلق ہے تو وہ صرف ایک روایت ہے۔ جس طرح اس میں بھی ''صغریٰ'' سے مروی ہے۔

28420۔ (قولہ: لِلْحَاكِمِ) اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ اصلاً صلح کے ساتھ باطل ہو جاتا ہے۔ یہی ''شرنبلالیہ'' میں ''قاضی خان'' سے مروی ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا: صلح باطل ہو گئی اور حد ساقط ہو گئی اگر یہ امر قاضی کے سامنے پیش ہونے سے پہلے ہو۔ اگر یہ صلح قاضی کے سامنے مسئلہ پیش ہونے کے بعد ہو تو حد باطل نہ ہوگی جب کہ یہ امر پہلے گزر چکا ہے کہ یہ حاف کرنے سے ساقط ہو گی۔ کیونکہ حد کا مطالبہ موجود نہیں یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اور مطالبہ کرے تو اس پر حد جاری کی جائے گی تو ''خانیہ'' میں جو عبارت ہے اسے اس پر محمول کیا جائے کہ اس نے بعد میں مطالبہ نہ کیا۔

28421۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی قاضی کے سامنے مسئلہ پیش ہونے سے پہلے ہو یا اس کے بعد ہو۔

28422۔ (قولہ: وَطَلَبُ الصُّلْحِ) طلب فعل کا فاعل مستتر ہے اور الصلح اس کا مفعول ہے اس کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ متن میں جو قول ہے اس کے ساتھ تکرار ہے۔

28423۔ (قولہ: عَلَى ذٰلِكَ) بعض نسخوں میں معاملہ اسی طرح ہے۔

وَهُوَ يَتِمُّ بِالْمُسْقِطِ (وَإِنْ كَانَ مِمَّا يَتَعَيَّنُ بِالتَّعْيِينِ فَلَا بُدَّ مِنْ قَبُولِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ) لِأَنَّهُ كَالْبَيْعِ بَحْرٌ (وَحُكْمُهُ وُقُوعُ الْبَرَاءَةِ عَنِ الدَّعْوَى وَوُقُوعُ الْمِلْكِ فِي مُصَالَحٍ عَلَيْهِ) وَعَنْهُ لَوْ مُقِرًّا أَوْ هُوَ صَحِيحٌ مَعَ إِقْرَارٍ أَوْ سُكُوتٍ أَوْ إِنْكَارٍ فَالْأَوَّلُ حُكْمُهُ (كَبَيْعٍ إِنْ وَقَعَ عَنْ مَالٍ بِمَالٍ) وَحِينَئِذٍ (فَتَجْرِي فِيهِ) أَحْكَامُ الْبَيْعِ كَ (الشُّفْعَةِ وَالرَّدِّ بِعَيْبٍ وَخِيَارِ رُؤْيَةٍ وَشَرْطٍ وَيُفْسِدُهُ جَهَالَةُ الْبَدَلِ الْمُصَالَحِ عَلَيْهِ لَا جَهَالَةُ)

اور یہ مسقط کے ساتھ مکمل ہو جاتا ہے اگر وہ ان چیزوں میں ہے جو متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا تو مدعی علیہ کا قبول کرنا ضروری ہوگا کیونکہ یہ بیع کی طرح ہے۔ صلح کا حکم یہ ہے کہ دعویٰ سے براءت واقع ہو جاتی ہے اور جس عوض پر مصالحت واقع ہوئی ہے اس پر ملکیت حاصل ہو جاتی ہے اور مصالح عنہ پر ملکیت حاصل ہو جاتی ہے اگر وہ مقر ہو۔ صلح صحیح ہوتی ہے اقرار کے ساتھ، سکوت کے ساتھ یا انکار کے ساتھ۔ پہلی صورت کا حکم بیع کی طرح ہے اگر صلح مال کی مال کے عوض ہو اس وقت اس میں بیع کے احکام جاری ہوں گے جیسے شفعہ، عیب، خیار رویت اور خیار شرط کی وجہ سے اسے واپس کرنا، جس بدل پر مصالحت کی جا رہی ہے اس کی جہالت صلح کو فاسد کر دیتی ہے مصالح عنہ کی جہالت اسے فاسد نہیں کرتی۔

28424۔ (قولہ: بِالْمُسْقِطِ) یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اس میں طلب شرط نہیں جس طرح قبول شرط نہیں۔ ''ط''۔

صلح کا حکم

28425۔ (قولہ: وَحُكْمُهُ وُقُوعُ الخ) ''البحر'' میں کہا: مصالح علیہ کی جانب اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں مدعی کی ملکیت حاصل ہو جاتی ہے خواہ مدعی علیہ مقر ہو یا منکر ہو۔ اور مصالح عنہ کی جانب اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں مدعی علیہ کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اگر وہ تملیک کا احتمال رکھے جیسے مال اور مدعی علیہ اس کا مقر ہو اگر وہ تملیک کا احتمال نہ رکھے جیسے قصاص تو اس میں حکم یہ ہے کہ وہ بری ہو جائے گا جس طرح وہ مطلقاً منکر ہو۔

28426۔ (قولہ: وَوُقُوعُ الْمِلْكِ) یعنی مدعی یا مدعی علیہ کے لیے ملکیت ثابت ہو جاتی ہے۔

28427۔ (قولہ: عَلَيْهِ) یعنی مطلقاً اگرچہ وہ منکر ہو۔

28428۔ (قولہ: كَبَيْعٍ) یعنی اس میں بیع کے احکام جاری ہوں گے۔ پس دیکھا جائے گا اگر مدعی کی جنس کے خلاف پر صلح واقع ہو تو یہ بیع و شرا ہوگا جس طرح ہم نے یہاں ذکر کیا ہے اگر وہ اس کی جنس سے ہو اگر مدعی سے کم کے ساتھ صلح ہو تو یہ اپنے حق میں کمی کرنا ہے۔ اگر اس کی مثل کے ساتھ ہو تو یہ قبض و استیفا (پورا پورا حق لینا) ہوگا۔ اگر زیادہ کے ساتھ ہو تو وہ فضل ربا ہوگا یہ ''زیلعی'' سے ہے۔ ''رملی''۔

''البحر'' میں کہا: اگر جنس مختلف ہو تو اسے بیع اعتبار کیا ہے مگر دو مسئلوں میں اس طرح نہیں اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

28429۔ (قولہ: فَتَجْرِي فِيهِ) یعنی اس صلح میں بیع کے احکام جاری ہوں گے، ''منح''۔ پس یہ مصالح عنہ اور مصالح علیہ کو شامل ہوگا یہاں تک کہ اگر اس نے دار کے عوض دار سے صلح کی اس میں شفعہ ثابت ہوگا۔ ''ط''۔

الْمُصَالَحِ عَنْهُ؛ لِأَنَّهُ يَسْقُطُ وَتُشْتَرَطُ الْقُدْرَةُ عَلَى تَسْلِيمِ الْبَدَلِ (وَمَا أُسْتُحِقَّ مِنْ الْمُدَّعَى) أَيْ الْمُصَالَحِ عَنْهُ (يَرُدُّ الْمُدَّعِي حِصَّتَهُ عَلَى الْعِوَضِ) أَيْ الْبَدَلِ إنْ كُلًّا فَكُلًّا أَوْ بَعْضًا فَبَعْضًا (وَمَا أُسْتُحِقَّ مِنْ الْبَدَلِ يَرْجِعُ) الْمُدَّعِي (بِحِصَّتِهِ مِنْ الْمُدَّعَى) كَمَا ذَكَرْنَا لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةٌ، وَهَذَا حُكْمُهَا (وَ) حُكْمُهُ (كَإِجَارَةٍ) إنْ وَقَعَ (الصُّلْحُ) عَنْ مَالٍ (بِمَنْفَعَةٍ) كَخِدْمَةِ عَبْدٍ وَسُكْنَى دَارٍ (فَشُرِطَ التَّوْقِيتُ فِيهِ) إنْ أُحْتِيجَ إلَيْهِ وَإِلَّا لَا كَصَبْغِ ثَوْبٍ

کیونکہ مصالح عنہ ساقط ہو جاتا ہے اور بدل کو سپرد کرنے پر قدرت شرط ہوتی ہے مصالح عنہ کا کوئی اور آدمی مستحق نکل آیا تو مدعی بدل میں سے اتنے میں حصہ کو واپس کرے گا اگر تمام کا کوئی اور مستحق نکل آیا تو پورا بدل واپس کرے گا اگر بعض کا مستحق نکل آیا تو بعض واپس کرے گا اور بدل میں سے جس مقدار کا کوئی اور مستحق نکل آیا تو مدعی اتنے ہی حصہ کا مطالبہ کرے گا جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ یہ معاوضہ ہے۔ یہ اس کا حکم ہے اگر مال کی صلح منفعت کے بدلے میں ہو تو اس کا حکم اجارہ کا ہوگا جیسے غلام کی خدمت اور گھر کی رہائش اگر وقت کی تعیین کی ضرورت ہو تو اس کی تعیین شرط ہوگی ورنہ شرط نہ ہوگی جیسے کپڑا رنگنا۔

28430۔ (قولہ: تُشْتَرَطُ) یہ تعلیل کے محل میں ہے کیونکہ ان کا قول ہے ویفسد جهالة البدل۔

28431۔ (قولہ: مِنْ الْمُدَّعَى) المدعی مجہول کا صیغہ ہے۔

28432۔ (قولہ: إنْ كُلًّا الخ) اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ من بیانیہ ہے یا بعضیہ ہے اور ہر ایک مراد ہے۔ تامل

28433۔ (قولہ: كَمَا ذَكَرْنَا) یعنی سب کا مستحق نکل آیا تو سب، بعض کا مستحق نکل آیا تو بعض۔''ح''۔

28434۔ (قولہ: لِأَنَّهُ مُعَاوَضَةٌ) معاوضہ کا مقتضا یہ ہے کہ جب کوئی ثمن کا مستحق نکل آیا اگر وہ ثمن مثلی ہو تو اس کی مثل واپس لے گا یا وہ ذوات القیم میں سے ہو تو اس کی قیمت لے گا اور عقد فاسد نہیں ہوگا۔

فرع: ''بزازیہ'' میں کہا: ''نظم الفقہ'' میں ہے: ایک آدمی نے غیر کے گھر سے چور کو پکڑا اور یہ ارادہ کیا کہ اسے صاحب مال تک پہنچا دے چور نے اسے مال دیا کہ وہ اس عمل سے رک جائے تو یہ صلح باطل ہوگی اور وہ آدمی بدل چور کے حوالے کر دے گا۔ کیونکہ حق اس کا نہیں اگر صلح صاحب سرقہ کے ساتھ ہو تو مال لینے کے ساتھ وہ خصومت سے بری ہو جائے گا اور حد سرقہ خصومت کے بغیر ثابت نہیں ہوتی اور صلح صحیح ہو جائے گی۔

اس میں ہے: ایک آدمی پر چوری کی تہمت لگائی گئی اسے محبوس کر لیا گیا تو اس نے صلح کی پھر اس نے گمان کیا کہ وہ صلح اس کی ذات پر خوف کی وجہ سے تھی اگر وہ والی کی قید میں ہو تو دعویٰ صحیح ہوگا۔ کیونکہ عمومی بات یہی ہے کہ اسے ظلماً محبوس کیا جاتا ہے اگر قاضی کی قید میں ہو تو اس کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ غالب یہ ہے کہ وہ حق کی وجہ سے محبوس کرتا ہے۔

28435۔ (قولہ: إنْ أُحْتِيجَ إلَيْهِ) جیسے گھر کی رہائش۔

(وَيَبْطُلُ بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا وَبِهَلَاكِ الْمَحَلِّ فِي الْمُدَّةِ) وَكَذَا لَوْ وَقَعَ عَنْ مَنْفَعَةٍ بِمَالٍ أَوْ بِمَنْفَعَةٍ عَنْ جِنْسٍ آخَرَ ابْنُ كَمَالٍ لِأَنَّهُ حُكْمُ الْإِجَارَةِ (وَالْأَخِيرَانِ) أَيْ الصُّلْحُ بِسُكُوتٍ أَوْ إِنْكَارٍ (مُعَاوَضَةٌ فِي حَقِّ الْمُدَّعِي وَفِدَاءٌ وَقَطْعُ نِزَاعٍ فِي حَقِّ الْآخَرِ) وَحِينَئِذٍ (فَلَا شُفْعَةَ فِي صُلْحٍ عَنْ دَارٍ مَعَ أَحَدِهِمَا) أَيْ مَعَ سُكُوتٍ أَوْ إِنْكَارٍ لَكِنْ لِلشَّفِيعِ أَنْ يَقُومَ مَقَامَ الْمُدَّعِي فَيُدْلِي بِحُجَّتِهِ، فَإِنْ كَانَ لِلْمُدَّعِي بَيِّنَةٌ أَقَامَهَا الشَّفِيعُ عَلَيْهِ وَأَخَذَ الدَّارَ بِالشُّفْعَةِ لِأَنَّ بِإِقَامَةِ الْحُجَّةِ تَبَيَّنَ أَنَّ الصُّلْحَ كَانَ فِي مَعْنَى الْبَيْعِ، وَكَذَا لَوْ لَمْ يَكُنْ لَهُ بَيِّنَةٌ فَحَلَفَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ فَنَكَلَ شُرُنْبُلَالِيَّةٌ

ملک میں دونوں میں سے کوئی ایک مرجائے یا محل ہلاک ہوجائے تو صلح باطل ہوجائے گی۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر صلح منفعت کے دعویٰ کی صورت میں مال کے بدلے میں ہو یا منفعت کے دعویٰ کی صورت دوسری منفعت سے ہو جو منفعت دوسری جنس سے ہے، ''ابن کمال''۔ یہ اجارہ کا حکم ہے اور آخری دو یعنی دعویٰ کے بارے میں سکوت یا انکار کی صورت میں صلح ہو تو یہ مدعی کے حق میں معاوضہ ہے اور دوسرے فریق کے حق میں یمین اور نزاع کے ختم کرنے کا فدیہ ہے اس وقت گھر کے بارے میں نزاع ہو تو دونوں صورتوں یعنی خاموشی یا انکار میں سے کسی صورت میں صلح ہو تو گھر پر شفع نہیں ہوگا لیکن شفیع کو حق حاصل ہوگا کہ مدعی کے قائم مقام ہوجائے اور مدعی کی دلیل سے حجت لائے۔ اگر مدعی کے بینہ ہوں تو شفیع اس پر گواہیاں قائم کرے اور شفعہ کے ساتھ گھر لے لے۔ کیونکہ گواہیاں قائم ہونے کی صورت پر امر واضح ہوگیا کہ صلح بیع کے معنی میں ہے اسی طرح اگر اس کے پاس گواہیاں نہ ہوں تو اس نے مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کیا تو مدعی علیہ نے قسم اٹھانے سے انکار کردیا، ''شرنبلالیہ''۔

28436۔(قولہ: بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا) یعنی اگر اس نے اپنے لیے عقد کیا تھا۔ ''بحر''۔

28437۔(قولہ: بِهَلَاكِ الْمَحَلِّ) یعنی پورا پورا حق وصول کرنے سے قبل محل ہلاک ہوگیا۔ اس کی مکمل بحث ''البحر'' میں ہے۔

28438۔(قولہ: لَوْ وَقَعَ) زیادہ مناسب تو یہ تھا کہ اس قول کا ذکر اپنے قول فشرط التوقیت فیہ سے پہلے کرتے۔

28439۔(قولہ: عَنْ مَنْفَعَةٍ) یعنی صلح صحیح ہے۔ اگر ایک آدمی نے گھر میں راستہ کا دعویٰ کیا، سطح پر پانی کی گزرگاہ کا دعویٰ کیا یا نہر میں باری کا دعویٰ کیا اس نے اقرار کیا یا انکار کیا پھر معلوم شے پر صلح کرلی تو یہ جائز ہے جس طرح ''قہستانی'' میں ہے ''علائی''، ''شرح الملتقی''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28440۔(قولہ: عَنْ جِنْسٍ آخَرَ) جس طرح گھر کی رہائش کے دعویٰ کی صورت میں غلام کی خدمت پر صلح کی۔

28441۔(قولہ: فِي حَقِّ الْمُدَّعِي) یعنی دراہم کے دعویٰ کے بعد دراہم پر صلح باطل ہوگی جب وہ قبضہ سے متفرق ہوجائیں۔ ''بحر''۔

28442۔(قولہ: عَنْ دَارٍ) یعنی جب کوئی آدمی دوسرے پر اس کے گھر کے بارے میں دعویٰ کرتا ہے اور دوسرا آدمی

(وَتَجِبُ فِي صُلْحٍ) وَقَعَ (عَلَيْهَا بِأَحَدِهِمَا) أَوْ بِإِقْرَارٍ لِأَنَّ الْمُدَّعِي يَأْخُذُهَا عَنِ الْمَالِ فَيُؤَاخَذُ بِزَعْمِهِ (وَمَا اُسْتُحِقَّ مِنَ الْمُدَّعِي رَدَّ الْمُدَّعِي حِصَّتَهُ مِنَ الْعِوَضِ وَرَجَعَ بِالْخُصُومَةِ فِيهِ) فَيُخَاصِمُ الْمُسْتَحِقَّ لِخُلُوِّ الْعِوَضِ عَنِ الْغَرَضِ (وَمَا اُسْتُحِقَّ مِنَ الْبَدَلِ رَجَعَ إِلَى الدَّعْوَى

اور اس صلح میں گھر پر شفعہ ثابت ہوگا جس پر دونوں میں سے ایک یعنی سکوت وانکار یا اقرار کے ساتھ صلح واقع ہو۔ کیونکہ مدعی اس گھر کو مال کے عوض میں لیتا ہے۔ پس شفیع اس کے گمان پر اس کا مواخذہ کرے گا اور مدعی میں سے جس کا کوئی مستحق نکل آیا مدعی عوض میں سے اتنا حصہ واپس کر دے گا اور اس میں دوبارہ خصومت کرے گا اور مستحق سے مخاصمت کرے گا۔ کیونکہ عوض غرض سے خالی ہے اور بدل میں سے جس کا کوئی مستحق نکل آیا تو تمام یا بعض میں دوبارہ دعویٰ کرے گا۔

خاموش ہو جاتا ہے اور انکار کر دیتا ہے اور اس کے گھر کے بارے میں کوئی شے دے کر صلح کرتا ہے تو شفعہ واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس صلح کے ذریعے اس ولد مملوک کو اپنے پاس باقی رکھے گا اور مدعی کی خصومت اپنے آپ سے دور کر دے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس مدعی سے مصالحت کر کے اس سے کوئی چیز خریدتا ہے اور مدعی کا گمان اسے لازم نہیں ہوتا۔ ''منح''۔

دو آدمیوں نے ایسی زمین کے بارے میں دعویٰ کیا کہ یہ ان کے باپ کی جانب سے ان کی وراثت ہے جو زمین کسی اور کے قبضہ میں ہے۔ قابض نے اسکا انکار کر دیا۔ دونوں میں سے ایک نے سو پر صلح کر لی تو دوسرا اس کے ساتھ شریک نہیں ہوگا۔ کیونکہ مدعی کے گمان کے مطابق صلح معاوضہ ہے اور مدعی علیہ کے گمان میں یہ یمین کا فدیہ ہے یہ ہر اعتبار سے معاوضہ نہیں ہوگا۔ پس شک کے ساتھ شریک کے لیے حق شرکت ثابت نہیں ہوگا۔ ''ابی'' سے مروی روایت میں ہے: وہ اس کے ساتھ شریک ہوگا۔ ''خانیہ''، ملخص۔

28443۔(قولہ: وَتَجِبُ) اس گھر میں شفعہ واقع ہوگا جس گھر پر صلح کی گئی اس کی صورت یہ ہوگی کہ وہ گھر بدل ہوگا۔

28444۔(قولہ: بِأَحَدِهِمَا) دونوں سے مراد انکار اور خاموشی ہے۔

28445۔(قولہ: لِخُلُوِّ) یہ ان کے قول رد المدعی حصتہ۔

28446۔(قولہ: رَجَعَ) یعنی مدعی نے رجوع کر لیا ہے۔

28447۔(قولہ: إِلَى الدَّعْوَى) مگر جب وہ ان چیزوں میں سے ہو جو متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتیں اور وہ رقم بدل کی جنس میں سے ہو تو اس وقت وہ اس کی مثل کا مطالبہ کرے گا جس کا وہ دوسرا آدمی مستحق نکل آیا ہے اور صلح باطل نہ ہوگی جس طرح ایک آدمی ہزار کا دعویٰ کرے اور اس پر صلح کرلے اور اس سو پر قبضہ کر لے تو استحقاق کے وقت سو کا دوبارہ مطالبہ کرے گا خواہ یہ صلح اقرار کے بعد ہو یا اقرار سے قبل ہو جس طرح کہ وہ انہیں ستوقہ یا نبہرجہ پائے۔ اگر وہ دوسری جنس سے ہو تو معاملہ مختلف ہے جس طرح یہاں دینار ہوں جب افتراق کے بعد ان کا کوئی مستحق نکل آیا۔ کیونکہ صلح باطل ہو جائے گی۔ اگر اس سے قبل ہو تو اس کی مثل کا مطالبہ کرے گا اور صلح باطل نہ ہوگی جیسے وہ فلوس ہوں۔ ''بحر''۔

28448۔(قولہ: رَجَعَ إِلَى الدَّعْوَى) اگر جب مصالح عنہ ایسی چیز ہو جو نقص کو قبول نہیں کرتی۔ کیونکہ وہ مصالح علیہ

فِي كُلِّهِ أَوْ بَعْضِهِ) هَذَا إِذَا لَمْ يَقَعْ الصُّلْحُ بِلَفْظِ الْبَيْعِ فَإِنْ وَقَعَ بِهِ رَجَعَ بِالْمُدَّعَى نَفْسِهِ لَا بِالدَّعْوَى لِأَنَّ إِقْدَامَهُ عَلَى الْمُبَايَعَةِ إِقْرَارٌ بِالْمِلْكِيَّةِ عَيْنِيٌّ وَغَيْرُهُ (وَهَلَاكُ الْبَدَلِ) كُلًّا أَوْ بَعْضًا (قَبْلَ التَّسْلِيمِ لَهُ) أَيْ لِلْمُدَّعِي (كَاسْتِحْقَاقِهِ) كَذَلِكَ (فِي الْفَصْلَيْنِ) أَيْ مَعَ إِقْرَارٍ أَوْ سُكُوتٍ وَإِنْكَارٍ وَهَذَا لَوْ الْبَدَلُ مِمَّا يَتَعَيَّنُ، وَإِلَّا لَمْ يَبْطُلْ بَلْ يَرْجِعُ بِمِثْلِهِ عَيْنِيٌّ (صَالَحَ عَنْ) كَذَا نُسَخُ الْمَتْنِ وَالشَّرْحِ وَصَوَابُهُ عَلَى (بَعْضِ مَا يَدَّعِيهِ) أَيْ عَيْنٍ يَدَّعِيهَا لِجَوَازِهِ فِي الدَّيْنِ كَمَا سَيَجِيءُ فَلَوْ ادَّعَى عَلَيْهِ دَارًا فَصَالَحَهُ عَلَى بَيْتٍ مَعْلُومٍ

یہ اس صورت میں ہے جب صلح بیع کے لفظ کے ساتھ نہ ہو اگر صلح بیع کے ساتھ واقع ہو تو مدعی کو لے لے دعویٰ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ باہم بیع کا اقدام ملکیت کا اقرار ہے ''عینی'' وغیرہ۔ مکمل بدل ہلاک ہو جائے یا بعض ہلاک ہو جائے جب کہ ابھی مدعی کے سپرد نہ کیا ہو تو یہ اس طرح ہے جس طرح کوئی اس کا مستحق نکل آیا ہو یہ دونوں فصلوں یعنی اقرار اور سکوت کی صورت میں اس طرح ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب بدل ان چیزوں میں سے ہو جو متعین کرنے سے متعین ہو جاتا ہے۔ ورنہ صلح باطل نہ ہو گی بلکہ اس کی مثل کا مطالبہ کرے گا، ''عینی''۔ جس کا دعویٰ کیا اس کے بعض عین پر صلح کر لی، شرح اور متن کے نسخوں میں اسی طرح ہے جب کہ صحیح عن کی بجائے علی ہے۔ کیونکہ دین میں یہ جائز ہے جس طرح عنقریب آئے گا۔ اگر اس نے اس کے خلاف گھر کا دعویٰ کیا تھا اور گھر میں سے ایک معلوم کمرے پر صلح کی

کی قیمت لے گا جیسے قصاص، عتق، نکاح اور خلع جس طرح ''الاشباہ'' میں ''جامع کبیر'' سے مروی ہے۔ اس پر مفصل گفتگو ''حاشیۃ الحموی'' میں ہے۔

28449۔ (قولہ: فِي كُلِّهِ) اگر تمام عوض کا کوئی مستحق نکل آیا تو تمام میں اپنا دعویٰ کرے گا۔

28450۔ (قولہ: أَوْ بَعْضِهِ) اگر بعض عوض کا کوئی مستحق نکل آیا۔

28451۔ (قولہ: لِأَنَّ إِقْدَامَهُ) ضمیر سے مراد مدعیٰ علیہ ہے۔

28452۔ (قولہ: بِالْمِلْكِيَّةِ) مدعی کے لیے ملکیت کا اقرار ہے۔ صلح کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس سے کوئی ایسی چیز نہیں پائی گئی جو اس پر دلالت کرے کہ اس نے اس کے لیے ملکیت کا اقرار کیا۔ کیونکہ صلح بعض اوقات خصومت کو ختم کرنے کے لیے ہوتی ہے۔

28453۔ (قولہ: كَاسْتِحْقَاقِهِ) وہ مدعی کی واپسی کا مطالبہ کرے گا یا دوبارہ دعویٰ کرے گا، ''در منتقی''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28454۔ (قولہ: كَذَلِكَ) اس سے مراد تمام یا بعض۔

28455۔ (قولہ: بَعْضِ مَا يَدَّعِيهِ) یعنی جب کہ وہ موجود ہو جب وہ ہلاک ہو تو اس کا حکم ماتن کے قول والصلح عن المغصوب الهالك کے ہاں آئے گا۔ ''قہستانی'' نے کہا: کیونکہ اس صلح کے مدعی نے اپنے بعض حق کو وصول کیا اور باقی

مِنْهَا فَلَوْ مِنْ غَيْرِهَا صَحَّ قُهُسْتَانِيٌّ (لَمْ يَصِحَّ) لِأَنَّ مَا قَبَضَهُ مِنْ عَيْنِ حَقِّهِ، وَإِبْرَاءٌ عَنِ الْبَاقِ، وَالْإِبْرَاءُ عَنْ الْأَعْيَانِ بَاطِلٌ قُهُسْتَانِيٌّ وَحِيلَةُ صِحَّتِهِ مَا ذَكَرَهُ بِقَوْلِهِ (إِلَّا بِزِيَادَةِ شَيْءٍ) آخَرَ كَثَوْبٍ وَدِرْهَمٍ (فِي الْبَدَلِ) فَيَصِيرُ ذَلِكَ عِوَضًا عَنْ حَقِّهِ فِيمَا بَقِيَ (أَوْ) يَلْحَقُ بِهِ (الْإِبْرَاءُ عَنْ دَعْوَى الْبَاقِ) لَكِنَّ ظَاهِرَ الرِّوَايَةِ

اگر چہ اس گھر کے علاوہ کمرے پر ہو تو یہ صحیح ہوگا،''قہستانی''۔ تو یہ صلح صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ جس پر قبضہ کیا ہے وہ اس کے عین حق میں سے ہے اور باقی ماندہ کو بری کرنے میں سے ہے اور اعیان سے بری کرنا باطل ہے،''قہستانی''۔ اس کے صحیح ہونے کا یہ حیلہ ہے جس کا ذکر اپنے اس قول سے کیا ہے: مگر وہ کسی اور شے کا بدل میں اضافہ نہ کر دے جیسے کپڑا، درہم تو وہ زائد چیز باقی ماندہ میں اس کا جو حق تھا یہ اس کا عوض بن جائے گی یا باقی ماندہ کے دعویٰ سے بری کرنے کو اس کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا۔ لیکن ظاہر روایت یہ ہے

ماندہ سے بری کر دیا اور اعیان سے بری کرنا باطل ہے۔''مدنی''۔

28456۔ (قولہ: أَوْ يَلْحَقُ بِهِ) یہ فعل ان مصدریہ کے ساتھ منصوب ہے جیسے او یرسل۔

عَنْ دَعْوَى الْبَاقِ دعویٰ کے بری کرنے کی قید ہے کیونکہ عین سے بری کرنا صحیح نہیں

28457۔ (قولہ: عَنْ دَعْوَى الْبَاقِ) یہ دعویٰ سے بری کرنے کی قید ہے۔ کیونکہ عین سے بری کرنا صحیح نہیں۔ ''المبسوط'' میں اسی طرح ہے''ابن ملک''۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: میں نے تجھے اس سے بری کر دیا، اس میں اپنی خصومت سے تجھے بری کر دیا یا اس گھر کے بارے میں جو میرا دعویٰ تھا اس سے بری کر دیا۔ پس نہ اس کا دعویٰ سنا جائے گا اور نہ ہی اس کے گواہ سنے جائیں گے مگر جب وہ کہے: میں نے تجھے اس سے یا میں نے تجھے اپنی خصومت سے بری کر دیا تو یہ صلح باطل ہے۔ پس اسے حق حاصل ہوگا کہ وہ اس بارے میں خصومت کرے جس طرح وہ اس آدمی کو کہے جس کے قبضہ میں غلام تھا تو اس سے بری ہے تو وہ بری ہو جائے گا۔ اگر وہ کہے: میں نے تجھے بری کیا ہے تو وہ بری نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنی ضمانت سے بری کر دیا ہے جس طرح''الاشباہ'' کے احکام اور دین میں ہے۔

میں کہتا ہوں: علما نے ابرأتك (میں نے تجھے بری کیا) برئت (تو بری ہے) اور انا بری میں بری ہوں میں علماء نے فرق کیا ہے۔ کیونکہ اس نے براءت کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے پس وہ عام ہوگی۔ ابراتك، میں نے تجھے بری کیا، کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ ایک کو خطاب ہے پس اسے غیر کے ساتھ خصومت کا حق ہوگا جس طرح اس کے''حاشیہ'' میں ''الولوالجیہ''،''شرح الملتقی'' کی طرف منسوب ہے۔''البحر'' میں ہے: اگر بری کرنا نئے سرے سے ہے اگر وہ براءت عین سے ہو تو یہ دعویٰ کے اعتبار سے براءت باطل ہوگی اسے مخاطب اور دوسرے شخص پر دعویٰ کا حق ہوگا اور ضمان کی نفی کے اعتبار سے بری کرنا صحیح ہوگا۔ اگر ابرا دعویٰ سے ہو اگر وہ ابرا کو مخاطب کی طرف منسوب کرے جیسے وہ کہے: میں نے تجھے اس گھر سے، اس میں اپنی خصومت سے یا اپنے دعویٰ سے تجھے بری کر دیا ہے تو صرف مخاطب کے خلاف اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے

الصِّحَّةُ مُطْلَقًا شُرُنْبُلَالِيَّةٌ، وَمَشَى عَلَيْهِ فِي الِاخْتِيَارِ وَعَزَاهُ فِي الْعَزْمِيَّةِ لِلْبَزَّازِيَّةِ وَفِي الْجَلَالِيَّةِ لِشَيْخِ الْإِسْلَامِ وَجَعَلَ مَا فِي الْمَتْنِ رِوَايَةَ ابْنِ سِمَاعَةَ وَقَوْلُهُمْ الْإِبْرَاءُ عَنْ الْأَعْيَانِ بَاطِلٌ مَعْنَاهُ بَطَلَ الْإِبْرَاءُ عَنْ دَعْوَى الْأَعْيَانِ وَلَمْ يَصِرْ مِلْكًا لِلْمُدَّعَى عَلَيْهِ وَلِذَا لَوْ ظَفِرَ بِتِلْكَ الْأَعْيَانِ حَلَّ لَهُ أَخْذُهَا

کہ یہ مطلقاً صحیح ہے، ''شرنبلالی''۔''الاختیار'' میں اسی پر گامزن ہوئے ہیں، ''عزمیہ'' میں اسے ''بزازیہ'' کی طرف منسوب کیا ہے اور ''جلالیہ'' میں ''شیخ الاسلام'' کی طرف منسوب کیا ہے اور متن میں جو قول ہے اسے ''ابن سماعہ'' کی روایت بنایا ہے اور ان کا قول الابراء عن الاعیان باطل اس کا معنی ہے اعیان کے دعویٰ سے بری کرنا باطل ہے۔ اور وہ چیز یعنی مدعی بہ مدعی علیہ کی ملک نہیں ہوگی۔ اس وجہ سے اگر وہ مدعی ان اعیان کو پانے میں کامیاب ہو جائے تو اس کے لیے لینا حلال ہوگا

گا۔ اگر وہ براءت کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرے جس طرح وہ کہے: میں اس سے بری ہو چکا ہوں یا میں بری ہوں تو اس کا دعویٰ مطلقاً نہیں سنا جائے گا۔

یہ خصوص کے طریقہ پر ہے یعنی مخصوص عین کے طریقہ پر ہے۔ اگر وہ عموم کے طریقہ پر ہو تو اسے مخاطب اور اس کے غیر پر دعویٰ کا حق ہوگا جس طرح دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کو تمام حقوق سے بری کر دیں اور خاوند کے کچھ اعیان موجود ہوں تو اسے ان کے بارے میں دعویٰ کا حق ہوگا۔ کیونکہ یہ بری کرنا دیون کی طرف پھر جائے گا، اعیان کی طرف نہیں پھرے گا۔

مگر جب وہ اخبار کے طریقہ پر ہوں جس طرح کہے: وہ اس سے بری ہے جو میرا اس کے ذمہ حق تھا تو وہ صحیح ہوگا یہ عین اور دین سب کو شامل ہوگا پس اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔

اسی طرح اگر وہ کہے: میری اس عین میں کوئی ملکیت نہیں۔ اس کا ذکر ''مبسوط'' اور ''محیط'' میں کیا ہے۔ پس یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے قول کہ میں اس کی جانب مطلقاً حق نہیں رکھتا اور کوئی دعویٰ نہیں رکھتا یہ عین اور دین کے دعویٰ کے مانع ہے۔ کیونکہ ''مبسوط'' میں ہے، میرا اس کی جانب کوئی حق نہیں یہ ہر عین اور دین کو شامل ہوتا ہے۔ اگر وہ کسی حق کا دعویٰ کرے تو اسے نہیں سنا جائے گا جب تک وہ یہ گواہی نہ دیں کہ یہ حق براءت کے بعد ثابت ہوا ہے۔ ''البحر'' میں جو بحث ہے یہ اس کا خلاصہ ہے۔

ان کا قول بعد البراءۃ اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ ان کا قول لاحق لی یہ عام ابرا ہے یہ اقرار نہیں۔

28458۔ (قولہ: مُطْلَقًا) خواہ دونوں امروں میں سے ایک پایا جائے یا نہ پایا جائے پس باقی کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ ''ح''۔

28459۔ (قولہ: وَقَوْلُهُمْ) یہ اس سوال کا جواب ہے جو ماتن کی کلام پر وارد ہوتا ہے نہ کہ جو ظاہر روایت پر وارد ہوتا ہے۔ کیونکہ ظاہر روایت میں ابرا کا کوئی ذکر نہیں اور صلح جسے اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے یہ باقی ماندہ کو ساقط کرنا ہے یہ بری کرنا نہیں۔ فافہم

28460۔ (قولہ: عَنْ دَعْوَى الخ) ''قہستانی'' کی عبارت اسی طرح ہے۔ دعویٰ کے لفظ کو ساقط کرنا واجب ہے کیونکہ آنے والا استدراک اس کا قرینہ ہے۔ ''حموی'' نے ''حواشی صدر الشریعہ للحفید'' سے ہمارے قول البراءۃ عن الاعیان

لَكِنْ لَا تُسْمَعُ دَعْوَاهُ فِي الْحُكْمِ وَأَمَّا الصُّلْحُ عَلَى بَعْضِ الدَّيْنِ فَيَصِحُّ وَيَبْرَأُ عَنْ دَعْوَى الْبَاقِي أَيْ قَضَاءً لَا دِيَانَةً فَلِذَا لَوْ ظَفِرَ بِهِ أَخَذَهُ قُهُسْتَانِيٌّ

لیکن حکم میں اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ جہاں تک بعض دین پر صلح کا تعلق ہے تو یہ صلح صحیح ہے اور وہ باقی ماندہ دعویٰ سے بری ہو جائے گا یعنی قضاءً بری ہو جائے گا دیانۃً بری نہیں ہوگا اس وجہ سے اگر وہ اسے پانے میں کامیاب ہو جائے تو لے لے "قہستانی"۔

لا تصح کا یہ معنی نقل کیا ہے کہ عین، مدعی علیہ کی ملکیت نہیں بنے گا نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ مدعی اپنے دعویٰ پر باقی رہے گا الخ "ابوسعود"۔ یہ اس سے زیادہ واضح ہے جو یہاں ہے۔ "سائحانی" نے کہا: یہ قول کرنا زیادہ اچھا ہے: اعیان سے بری کرنا یہ دیانت کے اعتبار سے باطل ہے قضا کے اعتبار سے باطل نہیں۔ "حاشیہ" میں کہا: "شرح الملتقی" میں اس کی عبارت ہے: اس کا معنی ہے کہ عین، مدعی علیہ کی ملکیت نہیں ہوگا نہ کہ اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنے دعویٰ پر باقی رہے گا بلکہ وہ حکم میں ساقط ہو جائے گا جس طرح بعض دین سے صلح کر لی جائے۔ کیونکہ وہ باقی ماندہ سے حکم میں بری ہو جائے گا دیانت کے اعتبار سے بری نہیں ہوگا۔ جب وہ اسے پالے تو اسے لے لے۔ اسے "قہستانی" اور "برجندی" وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ جہاں تک اعیان کے دعویٰ سے بری کرنے کا تعلق ہے تو وہ صحیح ہے الخ جو کچھ "حاشیہ" میں ہے۔ ہم نے "شرح الملتقی" سے جو ابھی نقل کیا ہے یہ اس کے مخالف ہے۔ "الخلاصہ" میں ہے: میں نے تجھے اس گھر سے بری کر دیا، اس میں جو میری خصومت تھی اس سے بری کر دیا یا اس میں جو میرا دعویٰ تھا اس سے بری کر دیا یہ سب باطل ہے یہاں تک کہ اگر وہ اس کے بعد دعویٰ کرے تو اس دعویٰ کو سنا جائے گا اگر وہ گواہیاں قائم کر دے تو انہیں قبول کیا جائے گا۔ تامل

28461۔(قولہ: وَأَمَّا الصُّلْحُ) یہ ان کے قول عین یدعیہ کا مقابل ہے۔

28462۔(قولہ: بَعْضِ الدَّيْنِ) "مقدسی" نے "المحیط" سے نقل کرتے ہوئے کہا: اس کا ہزار تھا مطلوب نے اس کا انکار کر دیا تو اس نے ہزار میں سے تین سو پر صلح کر لی تو یہ صحیح ہو جائے گا اور وہ مطلوب باقی ماندہ سے قضاءً بری ہو جائے گا دیانۃً بری نہیں ہوگا۔ اگر اس نے ہزار ادا کر دیا تو طالب نے ہزار کی وصولی کا انکار کر دیا تو اس نے سو کے بدلے میں صلح کر لی تو یہ صلح صحیح ہوگی۔ اور دیانۃً اسے لینا حلال نہیں ہوگا اس مسئلہ سے اور اس مسئلہ سے، کہ ربا سے ایسا ابرا صحیح نہیں جو اس کے عین کو ہی فوت کر دے، سے اخذ ہوتا ہے کہ ہمارے زمانے کے علماء جو بری کرتے ہیں وہ صحیح نہیں جس مال کو وہ لیتے ہیں اور براءت کا مطالبہ کرتے ہیں پس قاضی اسے بری کر دیتے ہیں بلکہ وہ جور بالیتے ہیں یہ عدم حلت کی تمام صورتوں سے زیادہ ظلم والی ہے۔

یہ جان لو کہ صلح میں بری نہ ہونا "خانیہ" میں اس سے یہ استثنا کی ہے: اگر وہ یہ قول زائد کرے و ابرأتك عن البقية میں نے تجھے باقی ماندہ سے بری کر دیا ہے۔ "سائحانی"۔ اس قول سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلح جس اسقاط کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے یہ ہر اعتبار سے بری کرنا نہیں ورنہ اس قول کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ میں نے تجھے باقی ماندہ سے بری کر دیا ہے۔

28463۔(قولہ: قَضَاءً) اس وقت ظاہر روایت کے مطابق دین اور عین میں کوئی فرق نہیں۔ تامل

وَتَمَامُهُ فِي أَحْكَامِ الدَّيْنِ مِنَ الْأَشْبَاهِ وَقَدْ حَقَّقْتُه فِي شَرْحِ الْمُلْتَقَى (وَصَحَّ) الصُّلْحُ (عَنْ دَعْوَى الْمَالِ مُطْلَقًا) وَلَوْ بِإِقْرَارٍ

اس کی مکمل وضاحت ''الاشباہ'' کے احکام الدین میں ہے اور میں نے ''شرح الملتقی'' میں اس پر مکمل تحقیق کی ہے۔ مال کا دعویٰ کیا تھا تو صلح مطلقاً صحیح ہوگی اگرچہ مدعی علیہ اس کا اقرار کرے

فقہا کا قول: اعیان سے بری کرنا باطل ہے، کا معنی

28464۔ (قولہ: مِنَ الْأَشْبَاهِ) اس میں ''الخانیہ'' سے نقل کرتے ہوئے یہ کہا ہے: عین مغصوبہ سے بری کرنا اور اس کی ضمانت سے بری کرنا ہے اور وہ غاصب کے قبضہ میں امانت ہوگا۔ اگر اس عین کو ہلاک کر دیا گیا ہو تو بری کرنا صحیح ہوگا اور مطلوب اس کی قیمت سے بری ہو جائے گا۔

ان کا قول اعیان سے بری کرنا باطل ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ بری کرنے سے یہ چیز مدعی علیہ کی مملوکہ نہیں بنے گی مگر ان کی ضمانت کے ساقط ہونے کے لیے اس سے بری کرنا صحیح ہوگا یا اسے امانت پر محمول کیا جائے گا، ''ملخص''۔ یعنی اعیان سے باطل ہونے کا محل یہ ہوگا جب اعیان امانت ہوں کیونکہ جب وہ امانت ہوں تو اس کی ذمہ داری اسے لاحق نہ ہوگی پس اس سے بری کرنے کی کوئی وجہ نہ ہوگی۔ تامل

اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ ابرا جو اعیان سے متعلق ہو یا تو اعیان کے دعویٰ سے ہوگا تو مطلقاً بغیر کسی اختلاف کے صحیح ہوگا اگر وہ بری کرنا اعیان کی ذات سے متعلق ہو۔ اگر وہ اعیان ایسے ہوں جو مغصوب ہوں اور ہلاک ہو چکے ہوں تو بھی بری کرنا صحیح ہوگا جس طرح دین سے بری کرنا صحیح ہوتا ہے۔ اگر وہ موجود ہوں تو ان سے براءت کا معنی یہ ہوگا کہ ان کی ضمانت سے بری ہونا ہوگا اگر وہ ہلاک ہو جائیں اور اس کے عین سے بری ہونے کے بعد وہ امانت کی طرح ہو جائیں گے جن کی ضمانت صرف ان پر تعدی کرنے کی صورت میں ہوتی ہے اگر عین امانت ہو تو دیانۃً براءت صحیح نہ ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہے اگر اس کا مالک اسے پالے تو اسے لے لے اور قضاءً براءت صحیح ہوگی۔ پس قاضی براءت کے بعد اس کے متعلق دعویٰ نہیں سنے گا۔ اس مقام پر جو کچھ بیان کیا گیا یہ اس کا خلاصہ ہے۔

یہ بہت اچھی کلام ہے جو تیری اس امر کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ شارح کے قول کا معنی امانت پر محمول ہوگا۔

یہ صورت باقی رہ گئی ہے: ایک آدمی اس کے خلاف اس عین کے متعلق دعویٰ کرتا ہے جو اس کے قبضے میں موجود ہے وہ اس دعویٰ کا انکار کر دیتا ہے پھر مدعی اسے اس دعویٰ سے بری کر دیتا ہے تو وہ غصب کے دعویٰ کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ انکار کرنے کے ساتھ وہ غاصب بن چکا ہے اگر وہ چیز موجود ہو تو کیا دعویٰ سنا جائے گا۔

ظاہر یہی ہے کہ دعویٰ سنا جائے گا۔

28465۔ (قولہ: وَلَوْ بِإِقْرَارٍ) یعنی مال کا دعویٰ تھا تو مدعی علیہ نے اقرار کیا پھر صلح کر لی اگر صلح مدعی علیہ کے اقرار کے

أَوْ بِمَنْفَعَةٍ (وَ) عَنْ دَعْوَى (الْمَنْفَعَةِ) وَلَوْ بِمَنْفَعَةٍ عَنْ جِنْسٍ آخَرَ (وَ) عَنْ دَعْوَى (الرِّقِّ وَكَانَ عِتْقًا عَلَى مَالٍ) وَيَثْبُتُ الْوَلَاءُ لَوْ بِإِقْرَارٍ، وَإِلَّا لَا إِلَّا بِبَيِّنَةٍ دُرَرٌ قُلْتُ وَلَا يَعُودُ بِالْبَيِّنَةِ رَقِيقًا وَكَذَا فِي كُلِّ مَوْضِعٍ

یا مال کے دعویٰ کی صلح منفعت کے بدلے کرے تو بھی صلح صحیح ہوگی اگر دعویٰ منفعت کا کیا ہو تو صلح صحیح ہوگی اگر چہ صلح کسی جنس کی منفعت سے ہو۔ اگر غلام ہونے کا دعویٰ کیا تو صلح کی تو یہ مال پر آزاد ہوگی۔ اگر مدعی علیہ نے اقرار کیا تو ولا مدعی کے لیے ثابت ہوگی ورنہ مدعی کے لیے ولا ثابت نہ ہوگی مگر جب گواہیاں پیش کر دے تو ولا ثابت ہو جائے گی، ''درر''۔ میں کہتا ہوں: صلح کے بعد گواہیاں پیش کرنے سے وہ دوبارہ غلام نہیں بنے گا اس پر ایسا موقع

ساتھ ہو خواہ اس کے بارے میں صلح مال کے عوض ہو یا منفعت کے عوض ہو۔ یہاں ان کے قول عنه سے مراد عن المال ہے۔

28466۔ (قولہ: أَوْ بِمَنْفَعَةٍ) اگر چہ صلح منفعت کے عوض ہو۔

28467۔ (قولہ: عَنْ دَعْوَى الْمَنْفَعَةِ) منافع کے دعویٰ کی صورت یہ ہے: ایک آدمی وارثوں کے خلاف دعویٰ کرتا ہے کہ ودیعت نے اس غلام کی خدمت کے بارے میں وصیت کی تھی اور ورثاء اس وصیت کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ اس بارے میں محفوظ ہے کہ ایک آدمی کی عین کے اجرت پر لانے کا دعویٰ کرتا ہے اور مالک اس امر کا انکار کرتا ہے پھر وہ صلح کر لیتا ہے تو یہ صلح جائز نہ ہوگی۔

''الاشباہ'' میں ہے: منافع کا دعویٰ کیا جائے تو اس بارے میں صلح جائز نہ ہوگی مگر اجارہ کا دعویٰ کیا جائے تو صلح صحیح نہ ہوگی جس طرح ''المستصفی'' میں ہے۔ ''رملی''۔ یہ قول اس کے مخالف ہے جو ''البحر'' میں موجود ہے، تامل۔

28468۔ (قولہ: عَنْ جِنْسٍ آخَرَ) جس طرح رہائش کے بارے میں دعویٰ کیا تھا تو غلام کی خدمت پر صلح کر لی۔ جب رہائش کے دعویٰ کی صورت میں رہائش پر صلح کی تو معاملہ مختلف ہوگا۔ تو یہ جائز نہ ہوگی جس طرح ''عینی'' اور ''زیلعی'' میں ہے۔ ''سید حموی'' نے کہا: لیکن ''الولوالجیہ'' میں جو قول ہے وہ اس کے مخالف ہے۔ کیونکہ کہا: جب ایک آدمی نے ایک گھر میں رہائش رکھنے کا دعویٰ کیا جب کہ یہ دوسرے گھر کی رہائش کی مصالحت کے طور پر تھا جب یہ معلوم مدت کے لیے ہو تو یہ جائز ہے اور ایک گھر کی رہائش کا اجارہ دوسرے گھر کی رہائش کے اجارہ کے عوض کی صلح صحیح نہیں۔ کہا: یہ اس طرح تھا کیونکہ دونوں تملیک کے بدلے تملیک کے طور پر منعقد ہوتے ہیں۔ ''ابو سعود''۔

''ابن ملک'' نے ''شرح نقایہ'' میں وہ قول ذکر کیا ہے جو اس کے خلاف ہے جس کا ذکر ''المجمع'' پر اپنی شرح میں کیا ہے۔ ''یعقوبیہ'' میں کہا: ''شرح المجمع'' میں جو قول ہے وہ کتب کے موافق ہے۔

28469۔ (قولہ: عَلَى مَالٍ) یعنی مدعی کے حق میں یہ مال لے کر آزاد کرنا ہوگا اور دوسرے کے حق میں خصومت کو دور کرنے کے لیے ہوگا۔ ''بحر''۔

28470۔ (قولہ: لَوْ بِإِقْرَارٍ) یعنی غلام کی جانب سے اقرار کی صورت میں۔

أَقَامَ بَيِّنَةً بَعْدَ الصُّلْحِ لَا يَسْتَحِقُّ الْمُدَّعَى، لِأَنَّهُ بِأَخْذِ الْبَدَلِ بِاخْتِيَارِهِ نَزَلَ بَائِعًا فَلْيُحْفَظْ (وَ) عَنْ دَعْوَى الزَّوْجِ (النِّكَاحَ) عَلَى غَيْرِ مُزَوَّجَةٍ (وَكَانَ خُلْعًا) وَلَا يَطِيبُ لَوْ مُبْطِلًا وَيَحِلُّ لَهَا التَّزَوُّجُ لِعَدَمِ الدُّخُولِ وَلَوْ ادَّعَتْهُ الْمَرْأَةُ فَصَالَحَهَا لَمْ يَصِحَّ وِقَايَةٌ وَنُقَايَةٌ وَدُرَرٌ وَمُلْتَقَى، وَصَحَّحَهُ فِي الْمُجْتَبَى وَالِاخْتِيَارِ وَصَحَّحَ الصِّحَّةَ فِي دُرَرِ الْبِحَارِ (وَإِنْ قَتَلَ الْعَبْدُ الْمَأْذُونُ لَهُ رَجُلًا عَمْدًا لَمْ يَجُزْ صُلْحُهُ عَنْ نَفْسِهِ) لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ تِجَارَتِهِ

جس میں صلح کے بعد مدعی گواہیاں قائم کردے تو مدعی کا مستحق نہیں بنے گا۔ کیونکہ اپنی مرضی سے بدل لینے کے ساتھ وہ بائع کے قائم مقام ہوجائے گا۔ اسے یادرکھا جانا چاہیے۔ اور مرد نے ایسی عورت کے خلاف نکاح کا دعویٰ کیا جس کی شادی نہیں ہوئی تھی پھر عورت نے اس مرد سے صلح کی تو یہ صلح صحیح ہوگی اور یہ خلع ہوگا۔ اگر وہ مرد حق پر ہو تو بدل صلح اس کے لیے حلال نہ ہوگا اور ایسی عورت کے لیے نکاح کرنا حلال ہوگا۔ کیونکہ اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا نہیں کیے گئے۔ اگر عورت نے مرد پر نکاح کا دعویٰ کیا پھر مرد نے اس عورت سے صلح کر لی تو یہ صلح صحیح نہ ہوگی۔ ''وقایہ''، ''نقایہ''، ''درر'' اور ''ملتقی''۔ ''المجتبیٰ'' اور ''الاختیار'' میں اسے صحیح قرار دیا ہے ''درر البحار'' میں اس کی صحت کی تصحیح کی ہے۔ اگر ماذون غلام نے کسی آدمی کو جان بوجھ کر قتل کردیا تو اپنی ذات کی جانب سے اس کی صلح صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ صلح تجارت نہیں ہے

28471_(قولہ: لَا يَسْتَحِقُّ الْمُدَّعَى) مدعی اسم مفعول کا صیغہ ہے مسئلہ کی استثناء باب کے آخر میں آئے گی۔

28472_(قولہ: لِأَنَّهُ بِأَخْذِ الْبَدَلِ) اخذ کا لفظ البدل کی طرف مضاف ہے۔

28473_(قولہ: عَلَى غَيْرِ مُزَوَّجَةٍ) کیونکہ وہ عورت خاوند والی ہو تو صلح صحیح نہ ہوگی۔ اس پر کوئی عدت لازم نہ ہوگی اور اپنے خاوند کے ساتھ تجدید نکاح لازم نہ ہوگا جس طرح ''عمادیہ'' میں ہے۔ ''قہستانی''۔

28474_(قولہ: وَكَانَ خُلْعًا) اس کا ظاہر معنی یہ ہے یہ طلاق کے عدد میں کمی کردے گا۔ پس اگر اس مرد نے اس عورت سے بعد میں نکاح کیا تو دو طلاقوں کا مالک ہوگا۔ مگر جب یہ صلح اقرار کے بعد ہو تو پھر یہ امر ظاہر ہے مگر جب مدعی علیہ کی جانب سے انکار یا موت کے بعد صلح ہو تو اس کا معاملہ اس کے گمان کے مطابق ہوگا، فتدبر۔ ''ط''۔

28475_(قولہ: لَوْ مُبْطِلًا) یہ صلح کی تمام انواع میں عام ہے۔ ''کفایہ''۔

28476_(قولہ: لَمْ يَصِحَّ) صاحب ''غایۃ البیان'' نے اس کی ترجیح میں طویل گفتگو کی ہے۔ ''حموی''۔

28477_(قولہ: فِي دُرَرِ الْبِحَارِ) انہوں نے اپنی شرح ''غرر الافکار'' میں اسے ثابت کیا ہے۔ ''البحر'' میں اسی پر اکتفا کیا ہے۔ پس اس کی تصحیح میں اختلاف ہے۔ ''المجمع'' کی عبارت ہے: ''یا عورت نے مرد کے ساتھ نکاح کے نہ ہونے کا دعویٰ کیا تو مرد نے اس عورت کے ساتھ مصالحت کر لی تو یہ جائز ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز نہیں ہوگا''۔

28478_(قولہ: عَمْدًا) یہ قید لگائی ہے کیونکہ اگر قتل خطا ہو تو ظاہر یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز ہوگا۔ کیونکہ اس میں وہی

فَلَمْ يَلْزَمِ الْمَوْلَى لَكِنْ يَسْقُطُ بِهِ الْقَوَدُ وَيُؤَاخَذُ بِالْبَدَلِ بَعْدَ عِتْقِهِ (وَإِنْ قَتَلَ عَبْدٌ لَهُ) أَيْ لِلْمَأْذُونِ (رَجُلًا عَمْدًا وَصَالَحَهُ) الْمَأْذُونُ (عَنْهُ جَازَ) لِأَنَّهُ مِنْ تِجَارَتِهِ وَالْمُكَاتَبُ كَالْحُرِّ (وَ) الصُّلْحُ عَنِ الْمَغْصُوبِ الْهَالِكِ

پس یہ صلح آقا کو لازم نہ ہوگی۔ لیکن اس صلح کی وجہ سے قصاص ساقط ہو جائے گا اور اس کا بدل اس غلام کی آزادی کے بعد لیا جائے گا۔ اگر عبد ماذون کے غلام نے کسی آدمی کو جان بوجھ کر قتل کر دیا اور عبد ماذون نے اس قاتل غلام کی جانب سے صلح کر لی تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ یہ اس کی تجارت میں سے ہے اور مکاتب آزاد کی طرح ہے اور وہ چیز جس کو غصب کیا گیا تھا اور وہ ہلاک ہوگئی تھی

طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جو اموال کے دعویٰ پر کیا جاتا ہے۔''ط''۔

28479۔(قولہ: فَلَمْ يَلْزَمِ الْمَوْلَى)''مقدسی'' نے کہا: اگر آقا اسے جائز قرار دے دے تو یہ صحیح ہوگا۔''سائحانی''۔

28480۔(قولہ: عَبْدٌ) یہ قتل فعل کا فاعل ہے۔

اگر مغصوبہ چیز مثلی ہو اور وہ ہلاک ہو جائے تو اس کا حکم

28481۔(قولہ: الْمَغْصُوبِ) یعنی مغصوبہ چیز ذوات القیم میں سے ہو۔ کیونکہ اگر وہ چیز مثلی ہو اور وہ ہلاک ہو جائے اگر مصالح علیہ یعنی بدل مغصوب کی جنس سے ہو تو بالاتفاق زیادتی جائز نہیں اگر اس کی جنس سے نہ ہو تو بالاتفاق جائز ہے۔ ہلاک ہونے کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر صلح اس سے قبل ہو تو بالاتفاق جائز ہے۔''ابن ملک''۔ جس قول سے احتراز مقصود ہے عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔ وہ قبل القضاء ہے۔ اور عنی اکثر من قیمتہ کے قول کے ساتھ قید لگائی ہے کیونکہ یہی اختلاف کا محل ہے۔

''جامع الفصولین'' میں ہے: ایک آدمی نے ایک کر گندم کا یا ہزار درہم کو غصب کیا اور اس کے نصف پر مصالحت کر لی اگر مغصوبہ چیز ہلاک ہو چکی ہو تو صلح جائز ہوگی۔ اگر وہ چیز موجود ہو لیکن اس کو اس نے غائب کر دیا ہو یا اسے چھپا دیا ہو جب کہ وہ مقر یا منکر ہو تو قضاءً یہ جائز ہے دیانۃً جائز نہیں۔ اگر وہ حاضر ہو جسے وہ دیکھ رہا ہے لیکن اس کا غاصب منکر ہے تو اسی طرح یہ جائز ہوگا۔ اگر مالک اپنے باقی ماندہ مال پر گواہ پاتا ہو تو اس مال کا اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیلی اور وزنی چیز میں اس کے بعض حق پر صلح جب کہ وہ موجود ہو تو یہ باطل ہے۔ اگر وہ اس شے کے غصب کا اقرار کرے جب کہ وہ شے ظاہر ہو اور مالک اس شے پر قبضہ کرنے پر قدرت رکھتا ہو تو اس کے نصف پر صلح کر لے اس شرط پر کہ جو باقی ہے اس سے اسے بری کر دے تو یہ قیاس کے اعتبار سے جائز ہے استحسان کے اعتبار سے جائز نہیں۔ اگر وہ اس میں کپڑے پر صلح کرے اور کپڑا ادا کر دے تو تمام صورتوں میں یہ جائز ہو جائے گا کیونکہ وہ مغصوبہ شے کے عوض کپڑا خریدنے والا ہو جائے گا۔ اگر مغصوبہ چیز غلام یا سامان تجارت ہو اور اس کا غصب اس کے مالک کے ساتھ اس کے نصف پر صلح کر لے جب کہ وہ اس کے مالک سے اسے غائب کرنے والا ہو اور اس شے کو غصب کرنے والا اقرار کرنے والا ہو یا انکار کرنے والا ہو تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے نصف پر صلح اس کے موجود ہونے کا اقرار ہے۔ کیلی اور وزنی کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ عام معمول کے مطابق بعض شے کے

عَلٰى أَكْثَرَ مِنْ قِيمَتِهِ قَبْلَ الْقَضَاءِ بِالْقِيمَةِ جَائِزٌ كَصُلْحِهِ بِعَرْضٍ (فَلَا تُقْبَلُ بَيِّنَةُ الْغَاصِبِ بَعْدَهُ) أَيْ الصُّلْحِ عَلٰى (أَنَّ قِيمَتَهُ أَقَلُّ مِمَّا صَالَحَ عَلَيْهِ) وَلَا رُجُوعَ لِلْغَاصِبِ عَلَى الْمَغْصُوبِ مِنْهُ بِشَيْءٍ (لَوْ تَصَادَقَا بَعْدَهُ أَنَّهَا أَقَلُّ) بَحْرٌ (وَلَوْ أَعْتَقَ مُوسِرٌ عَبْدًا مُشْتَرَكًا فَصَالَحَ) الْمُوسِرُ (الشَّرِيكَ عَلٰى أَكْثَرَ مِنْ نِصْفِ قِيمَتِهِ لَا يَجُوزُ) لِأَنَّهُ مُقَدَّرٌ شَرْعًا فَبَطَلَ الْفَضْلُ اتِّفَاقًا (كَالصُّلْحِ فِي الْمَسْأَلَةِ (الْأُولٰى) عَلٰى أَكْثَرَ مِنْ قِيمَةِ الْمَغْصُوبِ (بَعْدَ الْقَضَاءِ بِالْقِيمَةِ) فَإِنَّهُ لَا يَجُوزُ لِأَنَّ تَقْدِيرَ الْقَاضِي كَالشَّارِعِ (وَكَذَا لَوْ صَالَحَ بِعَرْضٍ صَحَّ وَإِنْ كَانَتْ الْقِيمَةُ أَكْثَرَ مِنْ قِيمَةِ مَغْصُوبٍ تَلِفَ) لِعَدَمِ الرِّبَا

اس کی قیمت کے بارے میں قضا سے قبل ہی اس کی قیمت سے زائد مقدار پر صلح جائز ہوگی جس طرح وہ کسی اور سامان کے بدلے میں صلح کرلے اور صلح کے بعد غاصب کی اس امر پر گواہیاں قبول نہ کی جائیں گی کہ جس مقدار پر صلح کی گئی ہے مغصوب چیز کی قیمت اس سے کم تھی۔ اور غاصب کو مغصوب منہ سے کسی شے کی واپسی کا مطالبہ کا کوئی حق نہ ہوگا اگر دونوں اس امر کی تصدیق کریں کہ قیمت کم تھی۔ ''بحر''۔ اگر ایک خوشحال آدمی نے مشترک غلام کو آزاد کردیا اور خوشحال نے شریک کے ساتھ غلام کی نصف قیمت سے زائد پر مصالحت کرلی تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ شرعاً مقدر ہے پس زیادتی بالاتفاق باطل ہوگی۔ جس طرح پہلے مسئلہ میں مغصوب کی قیمت سے زائد پر مصالحت کی جائے جب کہ قیمت کا فیصلہ ہوچکا ہے تو وہ صلح جائز نہیں ہوتی۔ کیونکہ قاضی کی تقدیر شارح کی طرح ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر وہ سامان پر مصالحت کرے تو یہ صحیح ہوگی اگرچہ سامان کی قیمت مغصوب تلف شدہ کی قیمت سے زیادہ ہو۔ کیونکہ یہاں ربا موجود نہیں ہے۔

ہلاک ہونے اور بعض کے ہلاک نہ ہونے کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ کپڑے اور غلام کا معاملہ مختلف ہے۔

28482۔ (قولہ: مِنْ قِيمَتِهِ) اگرچہ غبن فاحش کے ساتھ ہو۔ ''غایۃ البیان'' میں کہا: غبن یسیر (تھوڑے غبن) کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ جب وہ قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت داخل ہوتو اسے زائد شمار نہیں کیا جاتا پس وہ ربا نہ ہوگا۔ یعنی یہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ہے۔

28483۔ (قولہ: بِالْقِيمَةِ جَائِزٌ) کیونکہ جب جنس مختلف ہوتو زیادتی ظاہر نہیں ہوتی پس یہ ربا نہ ہوگا۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ کیونکہ ہلاک ہونے والی چیز میں مالک کا حق منقطع نہیں ہوا اور یہ قیمت کی طرف متغیر نہیں ہوا تو یہ مغصوبہ چیز پر صلح ہوگی اس کی قیمت پر صلح نہ ہوگی۔

28484۔ (قولہ: بِعَرْضٍ) یعنی خواہ اس کی قیمت ہلاک ہونے والی چیز کی طرح ہو، کم ہو یا اس سے زائد ہو، شارح نے اس کا ذکر یہاں کیا ہے ساتھ ہی متن میں اس کا عنقریب ذکر آئے گا یہ اس امر کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اس کا محل یہاں ہے۔ ''ح''۔

28485۔ (قولہ: مُوسِرٌ) یہ قید لگائی کیونکہ وہ مالک تنگدست ہوتو غلام اپنی نصف قیمت میں محنت ومزدوری کرے گا

(وَ) صَحَّ (فِي) الْجِنَايَةِ (الْعَمْدِ) مُطْلَقًا وَلَوْ فِي نَفْسٍ مَعَ إِقْرَارٍ (بِأَكْثَرَ مِنَ الدِّيَةِ وَالْأَرْشِ) أَوْ بِأَقَلَّ لِعَدَمِ الرِّبَا، وَفِي الْخَطَأِ كَذَلِكَ لَا تَصِحُّ الزِّيَادَةُ لِأَنَّ الدِّيَةَ فِي الْخَطَأِ مُقَدَّرَةٌ حَتَّى لَوْ صَالَحَ بِغَيْرِ مَقَادِيرِهَا صَحَّ كَيْفَمَا كَانَ بِشَرْطِ الْمَجْلِسِ لِئَلَّا يَكُونَ دَيْنًا بِدَيْنٍ وَتَعْيِينُ الْقَاضِي أَحَدَهَا يُصَيِّرُ غَيْرَهُ كَجِنْسٍ آخَرَ

ایسی جنایت جو عمداً کی گئی ہو اس میں صلح مطلقاً جائز ہوتی ہے اگرچہ وہ جنایت نفس میں ہو ساتھ ہی اقرار بھی کیا گیا ہو جبکہ مصالحت دیت اور ارش سے زیادہ مال پر ہو یا کم مال پر ہو۔ صلح اس لیے صحیح ہے کیونکہ ربا متحقق نہیں ہوتا اور خطاً جنایت کی جائے تو اس طرح کے معاملہ میں صلح میں زیادتی صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ خطا میں دیت مقرر ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر مقادیر کے غیر پر صلح کرے تو صحیح ہوگی کوئی بھی حالت ہو صرف مجلس شرط ہے تاکہ دین کے بدلے دین نہ ہو دونوں میں سے ایک کو قاضی کا متعین کرنا اس کے غیر کو دوسری جنس بنا دے گا۔

جس طرح ''مسکین'' میں ہے۔

28486۔(قولہ: وَصَحَّ فِي الْجِنَايَةِ الْعَمْدِ) یہ قول اسے شامل ہے جب قاتل متعدد ہوں یا وہ منفرد ہو یہاں تک کہ اگر وہ قاتل ایک جماعت ہو اور ان میں ایک دیت کی مقدار سے زیادہ پر صلح کر لے تو یہ جائز ہوگا اور مقتول کے وارث کو باقی ماندہ افراد کو قتل کرنا اور ان کے ساتھ صلح کرنے کا حق ہوگا۔ کیونکہ قصاص کا حق ان میں سے ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ ثابت ہے۔ تامل، ''رملی''۔

28487۔(قولہ: لِعَدَمِ الرِّبَا) کیونکہ اس جنایت میں اصل جو چیز واجب ہوئی ہے وہ قصاص ہے جب کہ قصاص مال نہیں ہے۔

28488۔(قولہ: كَذَلِكَ) یعنی اگر وہ نفس میں اقرار کے ساتھ ہو۔ ''ح''۔

28489۔(قولہ: الزِّيَادَةُ) نقص (کمی) کے صحیح ہونے کا فائدہ دیا ہے۔

28490۔(قولہ: حَتَّى لَوْ صَالَحَ) اس قول نے یہ بیان کیا ہے کہ کلام اس بارے میں ہے جب وہ دیت کی مقادیر میں سے کسی ایک پر مصالحت کرے اور وہ سو اونٹ، دو سو گائے، دو سو بکری یا دو سو حلے، ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہے جس طرح ''عزمیہ'' میں ''کافی'' سے منقول ہے۔

28491۔(قولہ: بِشَرْطِ الْمَجْلِسِ) یعنی مجلس میں قبضہ کی شرط لگائی ہو یہ اس کے ساتھ مقید ہے کہ صلح کیلی یا وزنی چیز پر ہو جس طرح ''العنایہ'' میں یہ قید ذکر کی ہے۔ ''ح''۔

28492۔(قولہ: أَحَدَهَا) جیسے مثلاً اونٹ ہوں۔

28493۔(قولہ: يُصَيِّرُ) یہ لفظ یا کے ضمہ، صاد کے فتحہ اور یا کی تشدید کے ساتھ ہے یہ فعل مضارع ہے۔

28494۔(قولہ: كَجِنْسٍ آخَرَ) اگر قاضی سو اونٹوں کا فیصلہ کرے تو قاتل دو سو گائیوں سے زیادہ پر مصالحت کرے

وَلَوْ صَالَحَ عَلَى خَمْرٍ فَسَدَ فَتَلْزَمُ الدِّيَةُ فِي الْخَطَأِ وَيَسْقُطُ الْقَوَدُ لِعَدَمِ مَا يَرْجِعُ إِلَيْهِ اخْتِيَارٌ (وَكَّلَ) زَيْدٌ عَمْرًا (بِالصُّلْحِ عَنْ دَمِ عَمْدٍ أَوْ عَلَى بَعْضِ دَيْنٍ يَدَّعِيهِ) عَلَى آخَرَ مِنْ مَكِيلٍ وَمَوْزُونٍ (لَزِمَ بَدَلُهُ الْمُوَكِّلَ لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ فَكَانَ الْوَكِيلُ سَفِيرًا إِلَّا أَنْ يَضْمَنَهُ الْوَكِيلُ) فَيُؤَاخَذُ بِضَمَانِهِ (كَمَا لَوْ وَقَعَ الصُّلْحُ) مِنَ الْوَكِيلِ (عَنْ مَالٍ بِمَالٍ عَنْ إِقْرَارٍ) فَيَلْزَمُ الْوَكِيلَ؛

اگر وہ شراب پر مصالحت کرے تو صلح فاسد ہو جائے گی۔ پس خطا میں دیت لازم ہوگی اور قصاص ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ چیز موجود نہیں جس کی طرف یہ لوٹے،''اختیار''۔ زید نے عمرو کو دم عمد کی صلح کا وکیل بنایا یا اس دین کے بعض پر صلح کا وکیل بنایا جس دین کا وہ کسی دوسرے شخص کے خلاف دعویٰ کرتا ہے وہ دین کیلی ہو یا وزنی ہو تو اس صلح کا بدل موکل کو لازم ہوگا۔ کیونکہ یہ صلح حق کا اسقاط ہے تو وکیل سفیر ہوگا مگر جب وکیل اس بدل کی ضمانت اٹھالے پس اس کا مواخذہ ضمانت کی وجہ سے ہوگا جس طرح وکیل کی جانب سے مال کے بارے میں مال کے ساتھ صلح ہو جب کہ مدعی علیہ نے اس کا اقرار کیا ہو تو یہ بدل وکیل کو لازم ہوگا۔

اور وہ اس کے پاس موجود ہیں اور وہ مستحق کے حوالے کر دے تو یہ جائز ہو جائے گا۔ اس کی مکمل بحث''جوہرہ''میں ہے۔

28495۔(قولہ: وَيَسْقُطُ الْقَوَدُ) یعنی عمداً جنایت کی صورت میں مصالحت کی جائے تو قصاص ساقط ہو جائے گا یعنی ایسی فاسد صلح جو ایسے معاملہ میں ہو جو قصاص کو واجب کرے تو یہ قصاص سے عفو ہوگا۔ اسی طرح اگر خنزیر یا آزاد پر صلح کی جس طرح''ہندیہ''میں ہے،''سائحانی''۔ یہ اس کے برعکس ہے جب صلح جہالت کی وجہ سے فاسد ہو۔

''المنح''میں کہا: جب صلح کا تسمیہ (جو بدل ذکر کیا گیا) فاسد ہو گیا جس طرح وہ جانور پر یا کپڑے پر صلح کرے جو معین نہ ہو تو دیت واجب ہوگی۔ کیونکہ اس کا ولی بغیر عوض کے اپنے حق کے ساقط ہونے پر راضی نہیں ہے۔ یہ صورت اس سے مختلف ہوگی جب وہ کسی عوض کا ذکر ہی نہ کرے یا شراب وغیرہ ذکر کرے تو کوئی شے واجب نہ ہوگی اس دلیل کی وجہ سے جو ہم ذکر کر چکے ہیں کہ قصاص قیمت لگانے کے ساتھ قیمت والا ہوتا ہے جو کہ نہیں پایا گیا۔

28496۔(قولہ: مَا يَرْجِعُ إِلَيْهِ) کیونکہ اس صورت میں کوئی دیت نہیں ہوتی۔ خطا کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ جب صلح باطل ہوگی تو وہ دیت کی طرف لوٹ آئے گی جس کا ذکر قریب ہی گزرا ہے۔

28497۔(قولہ: أَوْ عَلَى) متن کے نسخوں میں او عن ہے۔

28498۔(قولہ: يَدَّعِيهِ عَلَى آخَرَ) عبارت میں قلب ہے جب کہ صحیح یہ ہے: یدعیه علیه الآخر اس پر ان کا یہ قول لزم بدله الموکل دلالت کرتا ہے۔

28499۔(قولہ: فَيُؤَاخَذُ) یعنی موکل سے اس کا مطالبہ کرے گا اسی طرح جو حکم ہوگا جب خلع کے بدلے میں صلح کرتا ہے اسی طرح جو صورت اس کے بعد آرہی ہے اس میں بدل کا مطالبہ کرے گا جس طرح''مقدسی''میں ہے۔''سائحانی''۔

28500۔(قولہ: فَيَلْزَمُ الْوَكِيلَ) یعنی پھر وہ موکل سے اس کا مطالبہ کرے گا۔

لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ كَبَيْعٍ (أَمَّا إذَا كَانَ عَنْ إنْكَارٍ لَا) يَلْزَمُ الْوَكِيلَ مُطْلَقًا بَحْرٌ وَدُرَرٌ (صَالَحَ عَنْهُ) فُضُولِيٌّ (بِلَا أَمْرٍ صَحَّ إنْ ضَمِنَ الْمَالَ أَوْ أَضَافَ) الصُّلْحَ (إلَى مَالِهِ أَوْ قَالَ عَلَى هَذَا أَوْ كَذَا وَسَلَّمَ) الْمَالَ صَحَّ وَصَارَ مُتَبَرِّعًا

کیونکہ اس وقت یہ صلح بیع کی طرح ہوگی۔ مگر جب صلح مدعی علیہ کے انکار کی صورت میں ہو تو بدل صلح وکیل پر مطلق لازم نہ ہوگا، ''بحر''، ''درر''۔ ''فضولی'' نے اس کی جانب سے اس کے امر کے بغیر مصالحت کی تو صلح صحیح ہوگی اگر اس نے مال کی ضمانت اٹھائی یا صلح کو اپنے مال کی طرف منسوب کیا یا کہا: اس مال پر صلح کرتا ہوں یا اتنے مال پر صلح کرتا ہوں اور مال سپرد کر دیا تو صلح صحیح ہوگی اور وہ تمام صورتوں میں

28501۔ (قولہ: لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ كَبَيْعٍ) بیع میں حقوق اس کی طرف لوٹتے ہیں جو عقد کرتا ہے اس طرح جو معاملات بیع کے قائم مقام ہیں ان میں بھی حقوق اسی طرف لوٹیں گے جو عقد کرتا ہے۔

28502۔ (قولہ: مُطْلَقًا) خواہ صلح مال کے بارے میں مال کے ساتھ ہو یا ایسے ہی ہو۔ ''ح''۔

28503۔ (قولہ: صَالَحَ عَنْهُ فُضُولِيٌّ الخ) یہ اس صورت میں ہے جب وہ عقد کو مصالح عنہ کی طرف منسوب کرے۔ کیونکہ ''جامع الفصولین'' میں تصرفات کے آخر میں ہے: فضولی جب عقد کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرے تو بدل اس پر لازم ہوگا اگر چہ وہ اس کی ضمانت نہ اٹھائے، اسے اپنے مال کی طرف منسوب نہ کرے اور نہ اپنے نفس کے ذمہ کی طرف منسوب کرے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا جب وہ غیر کی طرف سے صلح کرے۔

28504۔ (قولہ: وَسَلَّمَ) یعنی آخری صورت میں مال حوالے کر دے۔

28505۔ (قولہ: صَحَّ) یہ متن میں موجود قول کے ساتھ تکرار ہے۔

''الدرر'' میں ہے: جہاں تک اول کا تعلق ہے تو وہ اس لیے کیونکہ مدعی علیہ کے لیے حاصل براءت ہے اور براءت کے حق میں اجنبی اور مدعی علیہ برابر ہیں اور یہ جائز ہے کہ فضولی اصیل ہو جب وہ ضامن بنے جس طرح خلع کرانے والا فضولی جب بری کی ضمانت اٹھالے تو وہ اصیل ہو جاتا ہے۔

جہاں تک ثانی (دوسری) کا تعلق ہے جب اس نے عقد اپنی ذات کی طرف منسوب کیا تو بری کا سپرد کرنا اس کو لازم ہوگا پس صلح صحیح ہوگی۔

جہاں تک ثالث (تیسری) کا تعلق ہے تو جب اس نے سپرد کرنے کے لیے مال کو معین کر دیا تو اس نے دوسرے فریق کے لیے عوض کی سلامتی کی شرط تسلیم کر لی ہے۔ پس اس کے قبول کرنے کے ساتھ عقد مکمل ہو جائے گا۔

جہاں تک رابع (چوتھی) کا تعلق ہے تو مدعی کی رضا پر تسلیم کی دلالت یہ ضمانت کی دلالت سے بڑھ کر ہے اور اپنی ذات کی طرف اس کی اضافت پر اس کی رضامندی پر دال ہے یہ کلام اختصار کے ساتھ ہے۔

فِي الْكُلِّ إِلَّا إِذَا ضَمِنَ بِأَمْرِهِ عَزْمِي زَادَهْ (وَإِلَّا) يُسَلِّمْ فِي الصُّورَةِ الرَّابِعَةِ (فَهُوَ مَوْقُوفٌ فَإِنْ أَجَازَهُ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ جَازَ وَلَزِمَهُ) الْبَدَلُ (وَإِلَّا بَطَلَ وَالْخُلْعُ فِي جَمِيعِ مَا ذَكَرْنَا مِنَ الْأَحْكَامِ الْخَمْسَةِ

تبرع کرنے والا ہوگا مگر جب وکیل اس کے حکم سے ضمانت اٹھانے والا ہو''عزمی زادہ''۔ اگر چوتھی صورت میں وکیل مال سپرد نہ کرے تو صلح موقوف ہوگی۔ اگر مدعی علیہ اس کو جائز قرار دے تو صلح جائز ہو جائے گی اور بدل اس کو لازم ہو جائے گی ورنہ صلح باطل ہو جائے گی۔ پانچوں احکام جن کا ہم نے ذکر کیا ہے ان سب میں خلع

28506۔ (قولہ: فِي الْكُلِّ) اگر متقدمہ وجوہ میں عوض کا کوئی مستحق نکل آیا یا مدعی نے اس عوض کے دراہم کو زیوف یا ستوقہ پایا تو وہ مصالح سے مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ مصالح تبرع کرنے والا ہے اس پر معین شے کو سپرد کرنا لازم تھا اس نے غیر کی جانب سے پورا حق ادا کرنے کو اپنے اوپر لازم نہیں کیا تھا تو اس پر کوئی اور شے لازم نہ ہوگی۔ لیکن وہ دوبارہ دعویٰ کرے گا۔ کیونکہ وہ اپنے حق کو عوض کے بغیر چھوڑنے پر راضی نہیں۔ مگر ضمان کی صورت کا معاملہ مختلف ہے۔ اس صورت میں وہ مصالح سے مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ وہ مصالح کے ذمہ دین بن چکا ہے اس وجہ سے اگر وہ سپرد کرنے سے رکتا ہے تو اسے اس پر مجبور کیا جائے گا۔''زیلعی''۔

28507۔ (قولہ: بِأَمْرِهِ) اگر صلح اس کے امر سے ہو تو مصالح عنہ سے مطالبہ کرے گا،''بزازیہ''۔ پس ضمان کی قید لگانا اتفاقی ہے۔ اس میں ہے کہ صلح اور خلع کا امر یہ ضمان کا امر ہے۔ کیونکہ دونوں کی صحت امر پر موقوف نہیں پس امر کو مطالبہ کے حق کو ثابت کرنے کی طرف پھیر دیا جائے گا۔ قضاءِ دین کے امر کا معاملہ مختلف ہے۔

28508۔ (قولہ: عَزْمِي) میں نے اس میں یہ قول نہیں پایا پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

28509۔ (قولہ: وَإِلَّا يُسَلِّمْ) اسے یہ قول کرنا چاہیے تھا والا یوجد شیء بما ذکر من الصور الاربعۃ جس طرح ''الدرر'' سے جو قول ہم نے نقل کیا ہے اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے۔

28510۔ (قولہ: وَإِلَّا فَهُوَ مَوْقُوفٌ) یہ پانچویں صورت ہے جو جواز اور بطلان میں متردد ہے۔ اس کی وجہ جس طرح ''درر'' میں ہے یہ ہے کہ فضولی مال کا ضامن ہوگا یا ضامن نہیں ہوگا۔ اگر ضامن نہ ہو یا وہ اپنے مال کی طرف اس کو منسوب کرے گا یا منسوب نہیں کرے گا وہ یا تو نقدی کی طرف اشارہ کرے گا یا سامان تجارت کی طرف اشارہ کرے گا یا ایسا نہیں کرے گا وہ یا تو عوض سپرد کرے گا یا سپرد نہیں کرے گا تو صلح تمام صورتوں میں جائز ہے صرف آخری میں جائز نہیں۔ وہ یہ ہے کہ جب وہ بدل کی ضمانت نہ اٹھائے، اسے اپنے مال کی طرف منسوب نہ کرے، اس کی طرف اشارہ نہ کرے اور مدعی کے حوالے نہ کرے تو اس کے جواز کا حکم نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ اجازت پر موقوف ہوگا۔ کیونکہ مدعی کو کوئی عوض سپرد نہیں کیا گیا الخ۔ اور ''زیلعی'' نے چار صورتیں بنائی ہیں حق یہ تھا کہ مشار کو مضاف کے ساتھ لاحق کیا۔

28511۔ (قولہ: الْخَمْسَةِ) جو پانچویں صورت ہے وہ یہ قول ہے: والابطل یا اس کی پانچویں صورت ان کا یہ قول

(كَالصُّلْحِ ادَّعَى وَقْفِيَّةَ دَارٍ وَلَا بَيِّنَةَ لَهُ فَصَالَحَهُ الْمُنْكِرُ لِقَطْعِ الْخُصُومَةِ جَازَ وَطَابَ لَهُ) الْبَدَلُ (لَوْ صَادِقًا فِي دَعْوَاهُ وَقِيلَ) قَائِلُهُ صَاحِبُ الْأَجْنَاسِ (لَا) يَطِيبُ لِأَنَّهُ بَيْعٌ مَعْنًى، وَبَيْعُ الْوَقْفِ لَا يَصِحُّ (كُلُّ صُلْحٍ بَعْدَ صُلْحٍ فَالثَّانِي بَاطِلٌ وَكَذَا) النِّكَاحُ

صلح کی طرح ہے۔ ایک آدمی نے ایک گھر کے وقف ہونے کا دعویٰ کیا جب کہ اس کے پاس گواہ نہیں ہے منکر خصومت کو ختم کرنے کے لیے اس کے ساتھ مصالحت کرتا ہے تو صلح جائز ہوگی اور بدل صلح اس کے لیے حلال ہوگا اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بدل صلح اس کے لیے حلال و پاکیزہ نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس قول کا قائل صاحب الاجناس ہے کیونکہ یہ معنوی طور پر بیع ہے اور وقف کی بیع صحیح نہیں ہوتی۔ ہر ایسی صلح جو صلح کے بعد کی گئی ہو تو دوسری صلح باطل ہوتی ہے اسی طرح نکاح

ہے: الا فھو موقوف جب او علی ھذا کے قول کو شمار کیا جائے چاروں صورتوں میں شارح کا سابقہ قول اس کی تائید کرتا ہے۔

28512۔ (قولہ: فِي دَعْوَاهُ) اس میں ہے: جب وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہو تو اس کے لیے یہ کیسے پاکیزہ ہو سکتا ہے جب کہ اس کے گمان میں ہے کہ یہ وقف ہے اور وقف کے بدل کا مالک بننا حرام ہے یہ کسی صورت میں جائز نہیں تو اس بدل کو لینا محض رشوت ہے تاکہ وہ اپنے دعویٰ سے رک جائے تو وہ اس طرح ہو جائے گا جس طرح وہ سچا نہیں تھا۔ بعض اوقات یہ قول کیا جاتا ہے: اس نے یہ بدل اس لیے لیا تاکہ وہ اپنے دعویٰ سے باز آجائے نہ کہ اس لیے لیا ہے کہ اس کے وقف ہونے کو باطل کردے ممکن ہے کوئی اور مدعی پایا جائے۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: ''حامدیہ'' کے کتاب الوقف کے آغاز میں مطلقاً جواب ذکر کیا ہے کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ کہا: کیونکہ مصالح اپنے گمان کے مطابق بدل صلح اپنے حق کا عوض لے رہا ہے پس یہ عمل معاوضہ کی طرح ہو جائے گا۔ یہ وقف میں نہیں ہوتا کیونکہ موقوف علیہ (جن پر کوئی چیز وقف کی گئی ہو) وقف کا مالک نہیں ہوتا۔ پس اس کی بیع کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہوتا یہاں اگر وقف ثابت ہے تو اس کا بدل لینا جائز نہیں ورنہ وہ بدل صلح لیتا ہے نہ کہ ایسے حق کا بدل لیتا ہے جو ثابت ہے۔ پس یہ کسی حال میں صحیح نہیں ہوگا۔ ''جواہر الفتاویٰ'' میں یہ اسی طرح ہے۔ پھر ''حامدی'' نے وہ نقل کیا ہے جو یہاں ہے پھر کہا۔ فتامل

ہم نے باب البیع الفاسد میں ''النہر'' سے قول بخلاف بیع قن ضم الی مدبر کے ہاں جو کچھ تحریر کیا ہے اس پر غور و فکر کیجئے۔

28513۔ (قولہ: كُلُّ صُلْحٍ بَعْدَ صُلْحٍ) مراد ایسی صلح ہے جو ساقط کرنے والی ہو مگر جب دونوں کسی عوض پر صلح کر لیں پھر دوسرے عوض پر صلح کر لیں تو دوسری صلح جائز ہوگی اور پہلی صلح فسخ ہو جائے گی جس طرح بیع کا معاملہ ہوتا ہے۔ ''نور العین'' میں ''الخلاصہ'' سے مروی ہے۔

28514۔ (قولہ: فَالثَّانِي بَاطِلٌ) یہ قول قاضی امام نے کیا ہے۔

28515۔ (قولہ: وَكَذَا النِّكَاحُ الخ) اس کی مکمل بحث ''جامع الفصولین'' کی دسویں فصل میں ہے ''حاشیہ'' میں

بَعْدَ النِّكَاحِ وَالْحَوَالَةُ بَعْدَ الْحَوَالَةِ وَ (الصُّلْحُ بَعْدَ الشِّرَاءِ) وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ عَقْدٍ أُعِيدَ فَالثَّانِي بَاطِلٌ إِلَّا فِي ثَلَاثٍ مَذْكُورَةٍ فِي بُيُوعِ الْأَشْبَاهِ الْكَفَالَةُ وَالشِّرَاءُ وَالْإِجَارَةُ فَلْتُرَاجَعْ (أَقَامَ) الْمُدَّعَى عَلَيْهِ (بَيِّنَةً بَعْدَ الصُّلْحِ عَنْ إِنْكَارٍ أَنَّ الْمُدَّعِيَ قَالَ قَبْلَهُ) قَبْلَ الصُّلْحِ (لَيْسَ لِي قِبَلَ فُلَانٍ حَقٌّ فَالصُّلْحُ مَاضٍ) عَلَى الصِّحَّةِ (وَلَوْ قَالَ) الْمُدَّعِي (بَعْدَهُ مَا كَانَ لِي قِبَلَهُ) قِبَلَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ (حَقٌّ بَطَلَ) الصُّلْحُ بَحْرٌ قَالَ الْمُصَنِّفُ وَهُوَ مُقَيَّدٌ لِإِطْلَاقِ الْعِمَادِيَّةِ

کے بعد نکاح، حوالہ کے بعد حوالہ اور خریداری کے بعد صلح باطل ہے قاعدہ یہ ہے کہ ہر ایسا عقد جو دوبارہ کیا جائے تو دوسرا عقد باطل ہوتا ہے۔ مگر تین عقد باطل نہیں ہوتے جن کا ذکر ''الاشباہ'' کے کتاب البیوع میں ہے: کفالہ، شرا اور اجارہ۔ پس ان کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔ مدعی علیہ نے دعویٰ سے انکار کے بعد مدعی سے صلح کی پھر یہ گواہیاں قائم کردیں کہ مدعی نے صلح سے قبل یہ کہا تھا کہ فلاں پر میرا کوئی حق نہیں تو صلح صحیح ہوگی اور جاری و نافذ رہے گی۔ اگر مدعی نے اس کے بعد کہا: مدعی علیہ کے ذمہ اس کا کوئی حق نہیں تو صلح باطل ہو جائے گی ''بحر''۔ مصنف نے کہا: یہ ''عمادیہ'' کے اطلاق کے لیے مقید ہے۔

اسی طرح ہے۔

28516۔ (قولہ: بَعْدَ النِّكَاحِ) اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دوسرا تسمیہ واجب ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں میں سے ہر ایک واجب ہوگا۔

28517۔ (قولہ: وَالْحَوَالَةُ الخ) اس کی صورت یہ ہے کہ اس کا دوسرے پر ہزار ہو تو وہ اس ہزار پر کسی شخص پر حوالہ کرتا ہے پھر اس کا ایک اور شخص پر حوالہ کرتا ہے یہ ہمارے شیخ کا قول ہے۔

28518۔ (قولہ: بَعْدَ الشِّرَاءِ) یعنی اس کے بعد کے مصالح عنہ نے اسے خریدا تھا۔

28519۔ (قولہ: إِلَّا فِي ثَلَاثٍ) میں کہتا ہوں: ''الفصولین'' میں شرا کے بعد صلح کا اضافہ کیا ہے۔

28520۔ (قولہ: الْكَفَالَةُ) تاکہ اعتماد اور وثوق میں اضافہ ہو۔ ''اشباہ''۔

28521۔ (قولہ: وَالشِّرَاءُ) ''جامع الفصولین'' میں اسے مطلق ذکر کیا ہے۔ اور ''القنیہ'' میں یہ قید ذکر کی ہے کہ دوسری شرا پہلی شرا سے ثمن میں بڑھ کر یا اس سے کم یا دوسری جنس سے ہو ورنہ دوسری شرا صحیح نہ ہوگی۔ ''اشباہ''۔

28522۔ (قولہ: وَالْإِجَارَةُ الخ) یعنی پہلے مستاجر سے تو یہ پہلے اجارہ کا فسخ کا ہوگا ''الاشباہ''۔

28523۔ (قولہ: لَيْسَ لِي قِبَلَ) قبل یہ قاف کے کسرہ اور با کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

28524۔ (قولہ: مَا كَانَ لِي قِبَلَهُ) قبل کا یہ لفظ بھی قاف کے کسرہ اور فا کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

28525۔ (قولہ: قَالَ الْمُصَنِّفُ) اس کی نص یہ ہے: ''عمادیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے دعویٰ کیا اور مدعی علیہ نے اس کے دعویٰ کا انکار کر دیا پھر مدعا علیہ نے اس مدعی کے ساتھ صلح کر لی پھر یہ امر ظاہر ہو گیا کہ مدعی کا مدعی علیہ پر کوئی حق نہیں تو

ثُمَّ نَقَلَ عَنْ دَعْوَى الْبَزَّازِيَّةِ أَنَّهُ لَوْ ادَّعَى الْمِلْكَ بِجِهَةٍ أُخْرَى لَمْ يَبْطُلْ فَيُحَرَّرُ (وَالصُّلْحُ عَنْ الدَّعْوَى الْفَاسِدَةِ يَصِحُّ، وَعَنْ الْبَاطِلَةِ لَا) وَالْفَاسِدَةُ مَا يُمْكِنُ تَصْحِيحُهَا بَحْرٌ

پھر ''بزازیہ'' کے کتاب الدعوی سے نقل کیا ہے کہ اگر اس نے دوسری جہت سے ملکیت کا دعویٰ کیا تو صلح باطل نہ ہوگی اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ دعویٰ فاسد ہے صلح صحیح ہے اور دعویٰ باطلہ سے صلح صحیح نہیں اور دعویٰ فاسدہ وہ ہوتا ہے جس کی تصحیح ممکن ہوتی ہے۔''بحر''۔

صلح باطل ہو جائے گی۔

میں کہتا ہوں: یہ ضروری ہے کہ ان کے قول کو اس کے ساتھ مقید کیا جائے پھر صلح سے پہلے اقرار کے بغیر یہ امر ظاہر ہو گیا کہ مدعی علیہ کے ذمہ مدعی کا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ مختصر کا مسئلہ پہلے گزر چکا ہے جو ہمارے آقا صاحب ''البحر'' نے اس کی تصریح کی ہے۔ ''ح''۔ یہ امر مخفی نہیں کہ متن کے متقدم مسئلہ میں صلح کے صحیح ہونے کے جاری رکھنے کی علت شہادت کا قبول نہ ہونا ہے۔ کیونکہ اس میں تناقض پایا جا رہا ہے اس وقت یہ امر ظاہر نہیں ہوگا کہ اس کے ذمہ کوئی چیز نہیں۔ پس ''عمادیہ'' کی عبارت اسے شامل نہیں۔ فافہم

28526۔ (قولہ: عَنْ دَعْوَى الْبَزَّازِيَّةِ) اس کی نص یہ ہے: ''المنتقی'' میں ہے: ایک آدمی نے کپڑے کا دعویٰ کیا اور صلح کی پھر مدعی علیہ نے مدعی کے اقرار پر گواہیاں قائم کر دیں کہ اس کا اس میں کوئی حق نہیں۔ اگر یہ گواہیاں صلح سے قبل اس کے اقرار پر ہوں تو صلح صحیح ہوگی۔ اگر صلح کے بعد ہوں تو صلح باطل ہو جائے گی اگرچہ حاکم یہ جانتا ہو کہ اس نے حق نہ ہونے کا اقرار کیا ہے۔ اگر یہ صلح سے پہلے ہو تو صلح باطل ہو جائے گی سابقہ اقرار کا علم صلح کے بعد اس کے اقرار کی طرح ہے۔ یہ اس صورت میں ہے: جب ملکیت کا اقرار ایک ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے کہا: میراث کی جہت سے اس کا کوئی حق نہیں۔ پھر اس نے کہا: یہ میرے باپ کی جانب سے میری میراث ہے۔ جہاں تک اس کے غیر کا تعلق ہے وہ یہ ہے جب وہ ملکیت کا دعویٰ کرے جو وراثت کی جہت سے نہ ہو جب کہ یہ دعویٰ وراثت کے طریقہ سے حق نہ ہونے کے اقرار کے بعد ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے میرا حق خریدنے کی وجہ سے ہے یا ہبہ کی وجہ سے ہے تو صلح باطل نہ ہوگی۔

28527۔ (قولہ: فَيُحَرَّرُ) ''بزازیہ'' سے جو قول نقل کیا ہے وہ تحریر کا محتاج نہیں۔ کیونکہ یہ مقید قید ہے۔ شاید انہوں نے یہ ارادہ کیا ہو کہ مصنف نے اس کی تقیید کا جو قول کیا جو ''عمادیہ'' میں ہے اس کی وضاحت کی جائے۔ کیونکہ وہ ظاہر نہیں جس طرح تیرے علم میں ہے۔ واللہ اعلم

28528۔ (قولہ: وَالْفَاسِدَةُ) یہ اس دعویٰ کی مثال ہے جس کی تصحیح ممکن نہیں، ایک آدمی نے کسی کے بارے میں لونڈی ہونے کا دعویٰ کیا اس عورت نے کہا: میں تو اصلاً آزاد ہوں تو مدعی نے اس عورت سے اس دعویٰ کے بارے میں صلح کر لی تو یہ صلح جائز ہوگی۔ اگر عورت نے اپنی آزادی کے بارے میں گواہیاں قائم کیں کہ وہ اصلاً آزاد ہے تو صلح باطل ہو جائے گی

وَحَرَّرَ فِي الْأَشْبَاهِ أَنَّ الصُّلْحَ عَنْ إِنْكَارٍ بَعْدَ دَعْوَى فَاسِدَةٍ فَاسِدٌ لَا فِي دَعْوَى بِمَجْهُولٍ فَجَائِزٌ فَلْيُحْفَظْ (وَقِيلَ اشْتِرَاطُ صِحَّةِ الدَّعْوَى لِصِحَّةِ الصُّلْحِ غَيْرُ صَحِيحٍ مُطْلَقًا) فَيَصِحُّ الصُّلْحُ مَعَ بُطْلَانِ الدَّعْوَى كَمَا اعْتَمَدَهُ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ آخِرَ الْبَابِ وَأَقَرَّهُ ابْنُ الْكَمَالِ وَغَيْرُهُ فِي بَابِ الِاسْتِحْقَاقِ كَمَا مَرَّ

''الاشباہ'' میں وضاحت کی ہے کہ فاسد دعویٰ کے بعد انکار دعویٰ کی صورت میں صلح فاسد ہے مگر مجہول دعویٰ کے بعد صلح یہ جائز ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: صلح کے صحیح ہونے کے لیے دعویٰ کے صحیح ہونے کی شرط مطلقاً غیر صحیح ہے۔ پس دعویٰ کے بطلان کی صورت میں صلح صحیح ہے جس طرح باب کے آخر میں ''صدر الشریعہ'' نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ ''ابن کمال'' وغیرہ نے باب الاستحقاق میں اسے ثابت رکھا ہے جس طرح قول گزر چکا ہے۔

کیونکہ اصلاً آزادی کے بعد اس دعویٰ کی تصحیح ممکن نہیں۔

اس دعویٰ کی مثال جس کی تصحیح ممکن ہے اگر اس عورت پر گواہیاں قائم کیں کہ وہ فلاں کی لونڈی تھی جس نے فلان سال اس کو آزاد کر دیا جب کہ مدعی اس لونڈی کا مالک بنا تھا اس کے بعد کسی شخص نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ اس کی لونڈی ہے تو صلح باطل نہ ہوگی۔ کیونکہ صلح کے وقت مدعی کے دعویٰ کی تصحیح ممکن ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے کہ فلاں جس نے تجھے آزاد کیا اس نے تجھے مجھ سے غصب کیا تھا یہاں تک کہ اگر اس نے اس دعویٰ پر گواہیاں قائم کر دیں تو ان گواہوں کو سنا جائے گا ''حموی''، ''مدنی'' یہاں ان کا قول ھو یملکہا جملہ حالیہ ہے۔

28529۔ (قولہ: وَحَرَّرَ الخ) یہ وضاحت واضح نہیں۔ ''رملی'' اور دوسرے علماء نے اس کا رد اس قول سے کیا ہے جو ''بزازیہ'' میں ہے۔ ائمہ خوارزم کا فتویٰ جس پر ثابت ہے وہ یہ ہے دعویٰ فاسدہ سے صلح ایسا امر ہے جس کی تصحیح ممکن نہیں۔ یہ قول صحیح نہیں جس کی تصحیح ممکن ہے جس طرح وہ حدود میں سے ایک حد کا ذکر چھوڑ دے یہ صحیح ہے۔ یہ وہ چیز ہے جس کا ذکر مصنف نے کیا ہے تو یہ جان چکا ہے کہ یہی وہ چیز ہے جس پر ''صدر الشریعہ'' وغیرہ نے اعتماد کیا ہے پس اسی پر اعتماد کیا جائے گا۔

28530۔ (قولہ: وَقِيلَ) زیادہ مختصر یہ قول تھا وقیل یصح مطلقا۔

کیا صلح کے صحیح ہونے کے لیے دعویٰ کا صحیح ہونا شرط ہے؟

28531۔ (قولہ: آخِرَ الْبَابِ) اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ اس کی عبارت اس طرح ہے مسائل مہمہ میں سے یہ ہے کیا صلح کے صحیح ہونے کے لیے دعویٰ کا صحیح ہونا شرط ہے یا ایسا نہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ شرط ہے: لیکن یہ قول صحیح نہیں۔ کیونکہ جب وہ ایک گھر میں مجہول حق کا دعویٰ کرے تو کسی شے پر مصالحت کی گئی تو صلح صحیح ہوگی جس طرح باب الحقوق والاستحقاق میں گزر چکا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں مجہول حق کا دعویٰ صحیح نہیں ہوتا۔ ''الذخیرہ'' میں ایسے مسائل ہیں جو ہمارے قول کی تائید کرتے ہیں یعنی متبادر یہ ہے کہ انہوں نے فاسد کا ارادہ کیا ہے۔ اس کی دلیل تمثیل ہے کیونکہ صلح کے وقت مجہول حق کی تعیین کے ساتھ اس

فَرَاجِعْهُ (وَصَحَّ الصُّلْحُ عَنْ دَعْوَى حَقِّ الشُّرْبِ وَحَقِّ الشُّفْعَةِ وَحَقِّ وَضْعِ الْجُذُوعِ عَلَى الْأَصَحِّ) الْأَصْلُ أَنَّهُ مَتَى تَوَجَّهَتْ الْيَمِينُ نَحْوَ الشَّخْصِ فِي أَيِّ حَقٍّ كَانَ فَافْتَدَى الْيَمِينَ بِدَرَاهِمَ جَازَ حَتَّى فِي دَعْوَى التَّعْزِيرِ مُجْتَبَى بِخِلَافِ دَعْوَى حَدٍّ وَنَسَبٍ دُرَرٌ (الصُّلْحُ إنْ كَانَ بِمَعْنَى الْمُعَاوَضَةِ) بِأَنْ كَانَ دِينَارٌ بِعَيْنٍ (يُنْتَقَضُ بِنَقْضِهِمَا) أَيْ بِفَسْخِ الْمُتَصَالِحَيْنِ (وَإِنْ كَانَ لَا بِمَعْنَاهَا) أَيْ الْمُعَاوَضَةِ بَلْ اسْتِيفَاءُ الْبَعْضِ وَإِسْقَاطُ الْبَعْضِ (فَلَا) تَصِحُّ إقَالَتُهُ وَلَا نَقْضُهُ لِأَنَّ السَّاقِطَ لَا يَعُودُ قُنْيَةٌ وَ صَيْرَفِيَّةٌ فَلْيُحْفَظْ (وَلَوْ صَالَحَ عَنْ دَعْوَى دَارٍ

پس اس کی طرف رجوع کیجیے۔ اصح قول کے مطابق حق شرب، حق شفعہ اور کڑیاں رکھنے کے حق کے بارے میں دعویٰ کی صورت میں صلح صحیح ہے۔ قاعدہ یہ ہے: کسی بھی حق میں جب قسم کسی شخص کی طرف متوجہ ہو تو اس نے دراہم کی صورت میں قسم کا فدیہ دے دیا تو یہ جائز ہوگا یہاں تک تعزیر کے دعویٰ میں بھی جائز ہوگا،''مجتبیٰ''۔ حد، نسب کے دعویٰ کا معاملہ مختلف ہے۔ ''درر''۔ صلح اگر معاوضہ کے معنی میں ہو اس کی صورت یہ ہے کہ دینار عین کے بدلہ میں ہو تو دونوں باہم صلح کرنے والوں کے فسخ کرنے سے صلح ختم ہو جائے گی اگر وہ صلح معاوضہ کے معنی میں نہ ہو بلکہ بعض حق کو وصول کرنے اور بعض کے ساقط کرنے کی صورت میں ہو تو اس کا اقالہ اور اس کا نقض صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ جو چیز ساقط ہو چکی ہو وہ واپس نہیں آتی ''قنیہ''،''صیرفیہ''۔ پس اسے یاد رکھا جائے۔ گھر کے دعویٰ کی صورت میں

دعویٰ کی تصحیح ممکن ہے۔''حاشیہ رملی'' جو''المنح'' پر ہے میں اس کی عبارت نقل کرنے کے بعد کہا:

میں کہتا ہوں: یہ اس امر کو ثابت نہیں کرتا کہ دعویٰ باطلہ، دعویٰ فاسدہ کی طرح ہے۔ کیونکہ اس سے صلح کے صحیح ہونے کی کوئی وجہ نہیں جس طرح کوئی آدمی حد، ربا، حلوان کاہن، فاتحہ اور مغنیہ کی اجرت کا دعویٰ کرے اور اس پر صلح کی جائے۔

اسی طرح''رملی'' نے''الفصولین'' پر اپنے''حاشیہ'' میں''صدر شریعہ'' کی عبارت ذکر کرنے کے بعد مصنف سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ فرمایا: اس کی نص یہ ہے: اس قول نے یہ فائدہ دیا ہے صلح کے صحیح ہونے کے لیے دعویٰ کے صحیح ہونے کی شرط کا قول کرنا ضعیف ہے۔

28532۔(قولہ: وَحَقِّ الشُّفْعَةِ) یعنی یمین کو دور کرنے کے لیے شفعہ کے حق ہونے کے دعویٰ سے صلح کرنا اگر شفعہ کے ثابت حق سے صلح ہو تو معاملہ مختلف ہے جس طرح قول گزر چکا ہے۔

28533۔(قولہ: دِينَارٌ بِعَيْنٍ) بعض نسخوں میں بدین کے الفاظ ہیں۔

28534۔(قولہ: وَصَيْرَفِيَّةٌ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ''القنیہ'' کی طرف منسوب کرنے پر اکتفا کیا جاتا۔ کیونکہ''صیرفیہ'' میں صحت اور عدم صحت میں مطلقاً اختلاف نقل کیا گیا ہے۔ جہاں تک''القنیہ'' کا تعلق ہے۔ انہوں نے دو قول ذکر کیے ہیں۔ پھر دونوں میں تطبیق دی ہے اس کے ساتھ جو یہاں قول ہے اور کہا: الصواب ای الصلح ان کان الخ۔

عَلَى سُكْنَى بَيْتٍ مِنْهَا أَبَدًا أَوْ صَالَحَ عَلَى دَرَاهِمَ إِلَى الْحَصَادِ أَوْ صَالَحَ مَعَ الْمُودِعِ بِغَيْرِ دَعْوَى الْهَلَاكِ لَمْ يَصِحَّ الصُّلْحُ فِي الصُّوَرِ الثَّلَاثِ سِرَاجِيَّةٌ قُيِّدَ بِعَدَمِ دَعْوَى الْهَلَاكِ لِأَنَّهُ لَوْ ادَّعَاهُ وَصَالَحَهُ قَبْلَ الْيَمِينِ صَحَّ بِهِ يُفْتَى خَانِيَّةٌ

اس میں سے ایک کمرہ کی ہمیشہ کے لیے رہائش پر صلح کر لی یا فصل کے کاٹنے تک دو دراہم پر صلح کر لی یا امانت کے ہلاک ہونے کے دعویٰ کے بغیر مودع کے ساتھ صلح کر لی تو تینوں صورتوں میں صلح صحیح نہ ہوگی، ''سراجیہ''۔ ہلاک ہونے کے دعویٰ کے نہ ہونے کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر اس نے اس کا دعویٰ کیا ہے اور یمین سے قبل اس کے ساتھ صلح کر لی تو صلح صحیح ہوگی۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''خانیہ''۔

28535۔(قولہ: عَلَى سُكْنَى بَيْتٍ) سکنیٰ کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر اس گھر کے ایک کمرہ پر صلح کرتے تو صلح کے صحیح نہ ہونے کی وجہ وہ اس کا مدعیٰ کا ایک جز ہونا ہوتا یہ ظاہر روایت کے خلاف پر مبنی ہے جس ظاہر روایت پر متن میں پہلے گامزن ہوئے ہیں۔ ابدا کی قید لگائی ہے اس جیسی کلام سے مراد موت تک ہوتا ہے جس طرح ''خانیہ'' میں ہے۔ کیونکہ اگر وہ مدت کی وضاحت کرتا تو یہ صحیح ہوتا۔ کیونکہ یہ ایک منفعت پر صلح ہے تو یہ اجارہ کے حکم میں ہے۔ پس وقت کی تعیین ضروری ہے جس طرح قول گزر چکا ہے بعض محشین پر امر مشتبہ ہو گیا ہے۔

28536۔(قولہ: إِلَى الْحَصَادِ) کیونکہ یہ معنوی طور پر بیع ہے پس مدت کی جہالت نقصان دے گی۔

28537۔(قولہ: بِغَيْرِ دَعْوَى) یعنی مودع کی جانب سے دعویٰ کے بغیر۔

مودع کی مودع سے صلح کرنے کی صورتیں

28538۔(قولہ: يَصِحَّ الصُّلْحُ) یعنی اگر اس نے مال کا دعویٰ کیا تو مدعی علیہ نے دعویٰ کا انکار کیا اور قسم اٹھا دی پھر مدعی نے دوسرے قاضی کے پاس اس کا دعویٰ کر دیا تو اس نے دعویٰ کا انکار کیا تو اس کے ساتھ صلح کی گئی تو یہ صلح صحیح ہوگی۔ اس مسئلہ کا ودیعت کے مسئلہ کے ساتھ کوئی ارتباط نہیں۔

مودع نے کہا: ودیعت ضائع ہوگئی یا میں نے ودیعت واپس کر دی تھی مودع نے واپس کرنے یا ہلاک ہونے کا انکار کر دیا تو قسم کے ساتھ مودع کی تصدیق کی جائے گی اور اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ اگر اس کے بعد مودع نے کسی چیز پر مودع سے صلح کر لی تو اس کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) ودیعت کا مالک ودیعت رکھنے کا دعویٰ کرے اور مودع اس کا انکار کر دے پھر معلوم شے پر اس کے ساتھ مصالحت کرے تو بالاتفاق یہ جائز ہوگا۔

(۲) وہ ودیعت کا دعویٰ کرے اور واپسی کا مطالبہ کرے مودع ودیعت کا اقرار کرے اور خاموش ہو جائے اور کچھ نہ کہے رب المال اس پر جان بوجھ کر ہلاک کرنے کا دعویٰ کرے پھر معلوم شے پر اس کے ساتھ مصالحت کرے تو بھی یہ بالاتفاق جائز ہے۔

....

(۳) وہ اس پر جان بوجھ کر ہلاک کرنے کا دعویٰ کرے جب کہ مودع ودیعت واپس کرنے یا ہلاک ہو جانے کا دعویٰ کرے پھر معلوم شے پر اس کے ساتھ صلح کر لے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دوسرے قول میں صلح جائز ہوگی۔ اور امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلے قول میں صلح جائز نہ ہوگی۔ اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

علما کا اس پر اجماع ہے کہ اگر اس نے اس کے بعد صلح کی جب وہ ودیعت واپس کرنے کی قسم اٹھا چکا تھا یا ودیعت کے ہلاک ہونے کی قسم اٹھا چکا تھا تو صلح جائز نہ ہوگی۔ اختلاف اس صورت میں ہے جب وہ یمین سے پہلے صلح کرے۔

(۴) مودع ودیعت واپس کرنے یا اس کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے اور رب المال خاموش رہے اور کچھ نہ کہے۔

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صلح جائز نہ ہوگی امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صلح جائز ہوگی۔

مودع نے صلح کے بعد کہا: میں نے صلح سے پہلے کہا تھا ودیعت ہلاک ہو چکی ہے یا میں نے ودیعت کو واپس کر دیا ہے تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق صلح صحیح نہ ہوگی۔ رب المال نے کہا: تو نے یہ قول نہیں کیا تھا تو قول منکر کا ہوگا اور صلح باطل نہ ہوگی۔ ''خانیہ''۔ یہ وہ گفتگو ہے جو میں نے ''الخانیہ'' میں کچھ اختصار کے ساتھ دیکھی ہے اور دوسری کتب میں اس کی طرف اسی طرح منسوب دیکھا ہے۔ ''المنح'' میں اسے نقل کیا ہے لیکن عبارت میں کچھ ساقط ہو گیا ہے جس کی وجہ سے معنی میں خلل واقع ہو گیا ہے۔

اگر وہ تیسری صورت میں کہے: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے قول میں صلح جائز ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ ''الخانیہ'' میں جو میں نے دیکھا ہے وہ یہ ہے کہ فتویٰ عدم جواز پر ہے۔

پانچویں وجہ رہ گئی ہے جسے ''مقدسی'' نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے: رب الودیعہ نے شے کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کیا اور مودع خاموش رہا تو اس کی صلح جائز ہوگی۔ لیکن ''الخانیہ'' میں یہی دوسری صورت ہے۔

پھر جان لو کہ ماتن اور شارح کا کلام غیر واضح ہے۔ کیونکہ ان کا قول: بغیر دعوی ھلاك یا انکار، خاموشی اور رد کے دعویٰ کو شامل ہے۔ یہی پہلی دوسری اور تیسری اور چوتھی کی ایک صورت ہے تو یہ جان چکا ہے کہ یہ پہلی اور دوسری وجہ میں بالاتفاق صلح جائز ہے۔ اور تیسری اور چوتھی کی ایک صورت ہے راجح قول کے مطابق صلح جائز نہیں۔

صحیح یہ ہے کہ واپس کرنے اور ہلاک ہونے کے دعویٰ کے بعد وہ غیر کے اسقاط کے ساتھ قول کرے بعد اور رد کی زیادتی کی تعبیر کے بعد اس میں تیسری وجہ داخل ہو جائے گی۔ یہ مفتی بہ قول پر مبنی ہے۔ اور چوتھی وجہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر مبنی ہے۔ یہی قابل اعتماد قول ہے کیونکہ صاحب ''خانیہ'' نے اسے مقدم کیا ہے جس طرح ان کا معمول ہے۔

ان کا قول لان لو ادعاہ ھا ضمیر سے مراد ھلاك ہے یہ اسے بھی شامل ہے جب مالک اس کے جان بوجھ کر ہلاک کرنے کا دعویٰ کرے۔ یہ تیسری وجہ کی ایک شق ہے۔ یا وہ خاموش رہے تو یہ چوتھی وجہ کی ایک شق ہے۔ اور تو یہ جان چکا ہے کہ دونوں

(وَيَصِحُّ) الصُّلْحُ (بَعْدَ حَلِفِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ دَفْعًا لِلنِّزَاعِ) بِإِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ، وَلَوْ بَرْهَنَ الْمُدَّعِي بَعْدَهُ عَلَى أَصْلِ الدَّعْوَى لَمْ تُقْبَلْ إِلَّا فِي الْوَصِيِّ عَنْ مَالِ الْيَتِيمِ عَلَى إِنْكَارٍ إِذَا صَالَحَ عَلَى بَعْضِهِ ثُمَّ وَجَدَ الْبَيِّنَةَ فَإِنَّهَا تُقْبَلُ وَلَوْ بَلَغَ الصَّبِيُّ، فَأَقَامَهَا تُقْبَلُ، وَلَوْ طَلَبَ يَمِينَهُ لَا يَحْلِفُ أَشْبَاهٌ (وَقِيلَ لَا) جَزَمَ بِالْأَوَّلِ فِي الْأَشْبَاهِ، وَبِالثَّانِي فِي السِّرَاجِيَّةِ

مدعی علیہ کے قسم اٹھا دینے کے بعد گواہیاں قائم کرنے سے نزاع کو ختم کرنے کے لیے صلح جائز ہے۔ اگر مدعی اس کے بعد اصل دعویٰ پر گواہیاں قائم کر دے تو گواہیاں مقبول نہ ہوں گی مگر وہ وصی جو یتیم کے مال کے بارے میں صلح کرے جب کہ مدعی علیہ نے اس دعویٰ کے بارے میں گواہ پائے تو یہ گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ اگر بچہ بالغ ہو جائے اور گواہیاں قائم کرے تو گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ اگر وہ مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کرے تو مدعی علیہ قسم نہیں اٹھائے گا۔ ''اشباہ''۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایسی صلح صحیح نہیں۔ ''الاشباہ'' میں پہلے قول کو جزم ویقین کے ساتھ بیان کیا ہے اور ''سراجیہ'' میں دوسرے قول کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔

میں عدم جواز کو ترجیح دی گئی ہے۔

ان کا قول وصالحہ قبل الیمین یہ بھی متن کے اطلاق پر وارد ہے۔ میں نے ''الاشباہ'' کی عبارت اسی کے مطابق دیکھی ہے جس کو میں نے صحیح قرار دیا ہے۔ اس کی نص ہے: الصلح عقد یرفع النزاع صلح ایسا عقد ہے جو نزاع کو ختم کر دیتا ہے اور ہلاکت کے دعویٰ کے بعد مودع کے ساتھ صلح صحیح نہیں۔ کیونکہ کوئی نزاع موجود نہیں۔ پھر میں نے ''المجمع'' کے متن کی عبارت اسی طرح دیکھی ہے جس طرح میں نے قول کیا ہے اس کی نص یہ ہے: اجاز صلح الاجیر الخاص والمودع بعد دعوی الهلاك او الرد ولله الحمد۔ اجیر خاص امر مودع شے کے ہلاک ہونے یا واپس کرنے کے دعویٰ کے بعد صلح کریں تو اس صلح کو جائز قرار دیا ہے ہر قسم کی حمد اللہ کے لیے ہے۔

28539۔(قولہ: بِإِقَامَةِ) یہ نزاع کے متعلق ہے۔

28540۔(قولہ: بَعْدَهُ) ضمیر سے مراد صلح ہے۔

28541۔(قولہ: فَإِنَّهَا تُقْبَلُ) اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ اگر گواہ صلح کے وقت موجود ہو اور صلح میں غبن ہو تو صلح صحیح نہ ہوگی۔ ''بزازیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ ''سائحانی''۔

28542۔(قولہ: وَلَوْ طَلَبَ) یعنی بالغ ہونے کے بعد بچے نے قسم کا مطالبہ کیا۔

28543۔(قولہ: وَقِيلَ لَا) اس کی دلیل یہ ہے کہ یمین مدعیٰ کا بدل ہے جب مدعی علیہ نے قسم اٹھا دی تو مدعی نے بدل پورا لے لیا۔ ''حموی'' نے ''قنیہ'' سے نقل کیا ہے۔

28544۔(قولہ: فِي السِّرَاجِيَّةِ) ''البحر'' میں اسے جزم ویقین کے ساتھ بیان کیا ہے ''حموی'' نے کہا: ''الاشباہ''

وَحَكَاهُمَا فِي الْقُنْيَةِ مُقَدِّمًا لِلْأَوَّلِ (طَلَبُ الصُّلْحِ وَالْإِبْرَاءُ عَنْ الدَّعْوَى لَا يَكُونُ إقْرَارًا) بِالدَّعْوَى عِنْدَ الْمُتَقَدِّمِينَ، وَخَالَفَهُمْ الْمُتَأَخِّرُونَ، وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ بَزَّازِيَّةٌ (بِخِلَافِ طَلَبِ الصُّلْحِ) عَنْ الْمَالِ (وَالْإِبْرَاءُ عَنْ الْمَالِ) فَإِنَّهُ إقْرَارٌ أَشْبَاهٌ (صَالَحَ عَنْ عَيْبٍ) أَوْ دَيْنٍ (وَظَهَرَ عَدَمُهُ) أَوْ زَالَ الْعَيْبُ (بَطَلَ الصُّلْحُ) وَيَرُدُّ مَا أَخَذَهُ أَشْبَاهٌ وَدُرَرٌ

''القنیہ'' میں دونوں اقوال ذکر کیے ہیں جب کہ پہلے قول کو پہلے ذکر کیا ہے۔ صلح اور دعویٰ سے بری کرنے کا مطالبہ یہ دعویٰ کا اقرار نہیں ہوگا۔ یہ متقدمین کے نزدیک ہے متاخرین نے اس کی مخالفت کی ہے۔ پہلا قول اصح ہے ''بزازیہ''۔ مال کے بارے میں صلح کا مطالبہ اور مال سے بری کرنے کا مطالبہ یہ اقرار ہے، ''اشباہ''۔ ایک آدمی نے عیب یا دین کے بارے میں دعویٰ سے صلح کی اور اس کا نہ ہونا ظاہر ہوا یا عیب زائل ہو گیا۔ صلح باطل ہو جائے گی اور جو بدل صلح لیا تھا اسے واپس کر دے گا، ''اشباہ''، ''درر''۔

میں جو قول اپنایا ہے وہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ اور ''البحر'' میں جو قول ہے وہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا قول ہے یہی صحیح ہے جو ''معین المفتی'' میں ہے۔

28545۔ (قولہ: لِلْأَوَّلِ) صحیح دوسرا ہے جس طرح ''حموی'' نے نقل کیا ہے۔

28546۔ (قولہ: وَالْإِبْرَاءُ) یہاں اور اس کے بعد جو واؤ ہے وہ او کے معنی ہے۔ ''حموی''۔

28547۔ (قولہ: عَنْ عَيْبٍ) کوئی سا عیب سفید دھبوں کی کوئی خصوصیت نہیں، کہا: اس کی مکمل بحث ''المنح'' میں ہے۔

فَصْلٌ فِي دَعْوَى الدَّيْنِ

(الصُّلْحُ الْوَاقِعُ عَلَى بَعْضِ جِنْسِ مَالِهِ عَلَيْهِ) مِنْ دَيْنٍ أَوْ غَصْبٍ (أَخْذٌ لِبَعْضِ حَقِّهِ وَحَطٌّ لِبَاقِيهِ لَا مُعَاوَضَةٌ لِلرِّبَا) وَحِينَئِذٍ (فَصَحَّ الصُّلْحُ بِلَا اشْتِرَاطِ قَبْضِ بَدَلِهِ عَنْ أَلْفٍ حَالٍّ عَلَى مِائَةٍ

دین کے دعویٰ کے احکام

ایک آدمی کا دوسرے پر جو حق ثابت ہے خواہ دین کی صورت میں ہو یا غصب کی صورت میں ہو تو اس صلح جو انتہائی جنس کے بعض پر واقع ہونے والی ہو یہ اس کے بعض حق کو وصول کرنا ہے اور اس کے باقی کو ساقط کرنا ہے۔ یہ ربا کے طور پر معاوضہ نہیں ہے تو یہ صلح صحیح ہوگی۔ اس میں بدل صلح پر قبضہ کرنا شرط نہیں جب کہ یہ صلح ہزار جو فوری ادا کرنے ہوں ان کے بارے میں سو پر صلح کریں

28548۔ (قولہ: فِي دَعْوَى الدَّيْنِ) زیادہ بہتر یہ عبارت ہے: الصلح عن دعوی الدین۔ ''المنح'' میں کہا: جب عام دعووں کے بارے میں صلح کا حکم ذکر کیا تو اس باب خاص کا حکم ذکر کیا وہ دین کا دعویٰ ہے۔ کیونکہ خصوص ہمیشہ عموم کے بعد ہوتا ہے۔

مصالح عنہ کی جہالت صلح کی صحت کے مانع نہیں

28549۔ (قولہ: عَلَى بَعْضِ الخ) بعض کی قید لگائی ہے۔ اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ اکثر پر صلح جائز نہیں ہوگی۔ اور اس قول نے یہ فائدہ دیا ہے کہ اس کی مقدار کی معرفت شرط ہے۔ لیکن ''غایۃ البیان'' میں ''شرح الکافی'' سے نقل کیا ہے: اگر ایک آدمی کے دوسرے آدمی پر ایسے دراہم لازم ہوں دونوں جن کا وزن نہ پہچانتے ہوں تو وہ دوسرے کے ساتھ ان کے بارے میں کپڑے یا کسی اور چیز پر صلح کرلے تو صلح جائز ہوگی۔ کیونکہ مصالح عنہ کی جہالت صلح کی صحت کے مانع نہیں۔ اگر وہ اس کے ساتھ دراہم پر صلح کرتا ہے تو یہ صلح قیاس میں فاسد ہوگی۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ بدل صلح اس سے زائد ہو لیکن میں اسے مستحسن خیال کرتا ہوں کہ اس کو جائز قرار دے دوں۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ بدل صلح اس سے کم ہی ہوگا جو حق مدعی کا مدعی علیہ پر لازم تھا۔ کیونکہ صلح کی بنیاد حق میں کمی کرنے اور چشم پوشی کرنے پر ہے۔ پس دونوں کا کسی شے کو بدل صلح قرار دینا یہ ظاہر دلالت ہے کہ دونوں یہ پہچانتے ہیں کہ بدل صلح اس سے کم ہے جو اس مدعی علیہ پر لازم تھا اگرچہ اس کے ذمہ اس کا جو لازم تھا اس کی مقدار کے برابر تھا۔

28550۔ (قولہ: مِنْ دَيْنٍ) دین کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ بیع کی ہو، اجارہ کیا ہو، قرض لیا ہو۔ ''قہستانی''۔

28551۔ (قولہ: وَحَطٌّ لِبَاقِيهِ) اگر مدعی نے مدعی علیہ جو منکر ہے سے کہا: میرا تیرے ذمہ جو ہزار ہے اس کے

حَالَّةٍ أَوْ عَلَى أَلْفٍ مُؤَجَّلٍ وَعَنْ أَلْفٍ جِيَادٍ عَلَى مِائَةٍ زُيُوفٍ وَلَا يَصِحُّ عَنْ دَرَاهِمَ عَلَى دَنَانِيرَ مُؤَجَّلَةٍ) لِعَدَمِ الْجِنْسِ فَكَانَ صَرْفًا فَلَمْ يَجُزْ نَسِيئَةً (أَوْ عَنْ أَلْفٍ مُؤَجَّلٍ عَلَى نِصْفِهِ حَالًّا) إلَّا فِي صُلْحِ الْمَوْلَى مُكَاتَبَهُ فَيَجُوزُ زَيْلَعِيٌّ (أَوْ عَنْ أَلْفٍ سُودٍ عَلَى نِصْفِهِ بِيضًا) وَالْأَصْلُ أَنَّ الْإِحْسَانَ إنْ وُجِدَ مِنْ الدَّائِنِ فَإِسْقَاطٌ وَإِنْ مِنْهُمَا فَمُعَاوَضَةٌ (قَالَ) لِغَرِيمِهِ (أَدِّ إلَيَّ خَمْسَمِائَةٍ غَدًا مِنْ أَلْفٍ لِي عَلَيْكَ عَلَى أَنَّك بَرِيءٌ مِنْ) النِّصْفِ (الْبَاقِي فَقَبِلَ) وَأَدَّى فِيهِ (بَرِئَ وَإِنْ لَمْ يُؤَدِّ ذَلِكَ فِي الْغَدِ عَادَ دَيْنُهُ) كَمَا كَانَ لِفَوَاتِ التَّقْيِيدِ بِالشَّرْطِ، وَوُجُوهُهَا خَمْسَةٌ أَحَدُهَا هَذَا (وَ) الثَّانِي (إنْ لَمْ يُوَقِّتْ) بِالْغَدِ

جو فوری ادا کرنے ہیں یا ہزار مؤخر پر صلح کرلیں اور ایسے ہزار جو عمدہ تھے تو وہ سو زیوف پر صلح کرلیں۔ دراہم کے بارے میں دعویٰ ہو تو مؤجل دنانیر پر صلح صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ جنس ایک نہیں ہے۔ پس یہ بیع صرف بن جائے گی اور بیع صرف ادھار جائز نہیں ہوتی۔ اور ہزار موجل کے بارے میں دعویٰ ہو تو ہزار کے نصف جو فی الحال ادا کرنے ہوں تو صلح صحیح نہ ہوگی مگر جب آقا اپنے مکاتب سے صلح کرلے تو یہ صلح جائز ہوگی، ''زیلعی''۔ ہزار سیاہ کے بارے میں دعویٰ تھا تو اس کے نصف سفید پر صلح کریں تو یہ جائز نہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ احسان اگر دائن سے پایا جائے تو یہ اسقاط ہوتا ہے اگر دونوں کی جانب سے پایا جائے تو معاوضہ ہوتا ہے۔ ایک آدمی نے اپنے مقروض سے کہا: اس ہزار میں سے جو میرا تیرے ذمہ ہے کل پانچ سو ادا کردے اس شرط پر کہ تو باقی نصف سے بری ہوجائے تو مقروض نے اسے قبول کرلیا اور دوسرے دن اسے ادا کردیا تو وہ بری ہوجائے گا۔ اگر وہ اگلے روز ادا نہ کرے تو اس کا دین لوٹ آئے گا جس طرح وہ پہلے تھا۔ کیونکہ جس شرط کی قید لگائی تھی وہ فوت ہوچکی ہے۔ اس کی پانچ وجوہ ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ کل کے ساتھ اسے مؤقت نہیں کرتا

بارے میں میں تجھ سے سو پر صلح کرتا ہوں تو سو کا وصول کرنا یہ نو سو سے بری کرنا ہوگا۔ یہ قضاءً ہے دیانۃً نہیں مگر جب میں تجھے بری کردوں، ''قہستانی''۔ ہم نے اس کی مثل پہلے بیان کردیا ہے جو ''الخانیہ'' کی طرف منسوب ہے۔

28552۔ (قولہ: حَالَّةٍ) یعنی فوراً کیونکہ یہ اجل کا عوض ہے تو وہ حرام ہے۔

28553۔ (قولہ: فَيَجُوزُ) کیونکہ دونوں میں جو معاملہ ہے اس میں نرمی کا معنی معاوضہ کے معنی سے زیادہ ظاہر ہے تو یہ اجل کا بعض مال سے مقابلہ نہیں ہوگا لیکن آقا کی جانب سے یہ بعض مال میں کمی کرنے کے ساتھ نرمی ہے اور مکاتب کو سہولت دینا ہے اس مال میں جو باقی ہے جب کہ ابھی ادائیگی کا وقت نہیں آیا تاکہ وہ آزادی کے شرف تک پہنچ جائے۔

28554۔ (قولہ: فَمُعَاوَضَةٌ) یعنی اس میں اس کا حکم جاری ہوگا اگر ربا یا اس کا شبہ متحقق ہوگیا تو معاوضہ فاسد ہوجائے گا ورنہ صحیح ہوجائے گا، ''ط''۔

''طحطاوی'' نے کہا: اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ایک ایسی چیز پر صلح کرتا ہے جو مقدار، وصف یا وقت ہیں اس کے حق سے کم ہو یا بدل صلح دونوں یعنی دائن اور مدین کے حق سے کم ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ صلح میں وہ چیز داخل ہو دائن جس وصف کا

(لَمْ يَعُدْ) لِأَنَّهُ إِبْرَاءٌ مُطْلَقٌ (وَ) الثَّالِثُ (كَذَا لَوْ صَالَحَهُ مِنْ دَيْنِهِ عَلَى نِصْفِهِ يَدْفَعُهُ إِلَيْهِ غَدًا وَهُوَ بَرِيءٌ مِمَّا فَضَلَ عَلَى أَنَّهُ إِنْ لَمْ يَدْفَعْهُ غَدًا فَالْكُلُّ عَلَيْهِ كَانَ الْأَمْرُ كَالْوَجْهِ الْأَوَّلِ (كَمَا قَالَ) لِأَنَّهُ صَرَّحَ بِالتَّقْيِيدِ، وَالرَّابِعُ (فَإِنْ أَبْرَأَهُ عَنْ نِصْفِهِ عَلَى أَنْ يُعْطِيَهُ مَا بَقِيَ غَدًا فَهُوَ بَرِيءٌ أَدَّى الْبَاقِيَ) فِي (الْغَدِ أَوْ لَا) لِبُدَاءَتِهِ بِالْإِبْرَاءِ لَا بِالْأَدَاءِ (وَ) الْخَامِسُ (لَوْ عَلَّقَ بِصَرِيحِ الشَّرْطِ كَإِنْ أَدَّيْتَ إِلَيَّ) كَذَا (أَوْ إِذَا أَوْ مَتَى لَا يَصِحُّ) الْإِبْرَاءُ لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ تَعْلِيقَهُ بِالشَّرْطِ صَرِيحًا بَاطِلٌ لِأَنَّهُ تَمْلِيكٌ مِنْ وَجْهٍ

تو دین نہیں لوٹے گا کیونکہ یہ مطلق بری کرنا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے اسی طرح اگر وہ اپنے دین کے نصف پر مصالحت کر لیتا ہے مقروض اگلے روز اسے وہ ادا کر دیتا ہے تو وہ اس سے بری ہو جائے گا جو باقی بچ گیا ہے اس شرط پر کہ اگر وہ کل اسے ادا نہ کرے تو تمام کا تمام قرض اس کے ذمہ ہوگا جس طرح پہلی صورت میں اس کے ذمہ لازم تھا جس طرح اس نے کہا کیونکہ اس نے قید لگانے کی تصریح کر دی ہے۔ چوتھی صورت یہ ہے اگر اس نے اپنے نصف دین سے اسے اس شرط پر بری کر دیا کہ وہ باقی ماندہ کل ادا کر دے گا تو وہ بری ہو جائے گا اگلے روز وہ باقی ماندہ ادا کر دے یا ادا نہ کرے کیونکہ اس نے آغاز بری کرنے سے کیا ہے ادائیگی سے آغاز نہیں کیا۔ پانچویں صورت یہ ہے اگر وہ صریح شرط کے ساتھ معلق کرے جیسے اگر تو نے اتنے ادا کر دیئے یا جب تو نے اتنے ادا کر دیئے تو یہ بری کرنا صحیح نہ ہوگا کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس کا صراحۃً شرط کے ساتھ معلق کرنا یہ باطل ہے کیونکہ یہ من وجہ تملیک ہے۔

مستحق نہ ہو جس طرح سیاہ دراہم کی جگہ سفید پر صلح کی جائے یا وہ ایسی چیز ہو جو وصف کے معنی میں ہے جس طرح ایک موجل کو فوراً ادا کرنے پر صلح کرنا یا ایک جنس کے بارے میں نزاع تھا تو اس کی جنس کے خلاف پر صلح کرنا۔

28555۔(قولہ: لَمْ يَعُدْ) یعنی دین مطلق نہیں لوٹے گا وہ دین ادا کرے یا دین ادا نہ کرے۔

28556۔(قولہ: مَا بَقِيَ غَدًا) اگر اس نے کہا: میں نے تجھے پانچ سے بری کر دیا اس شرط پر کہ تو پانچ فوراً ادا کر دے گا اگر دس فوراً ادا کرنے ہوں۔ یہ بری کرنا صحیح ہوگا۔ کیونکہ پانچ فوراً ادا کرنا اس پر واجب تھا تو یہ پانچ جلدی ادا کرنے کی شرط پر بری کرنے کو معلق نہیں کیا۔ اگر دراہم کی ادائیگی موجل ہو تو بری کرنا باطل ہو جائے گا جب وہ پانچ ادا نہ کرے۔ ''جامع الفصولین''، ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28557۔(قولہ: بِصَرِيحِ الشَّرْطِ) ''قہستانی'' نے کہا: اس میں اس امر کا شعور دلایا گیا اگر وہ جزا کو مقدم کرے تو یہ صلح صحیح ہوگی۔ ''الظہیریہ'' میں ہے: اگر اس نے کہا: میں نے تجھ سے نصف کو ساقط کر دیا اگر تو اس کا نصف مجھ پر نقد ادا کر دے۔ یہ علما کے نزدیک قرض کو ساقط کرنا ہے اگرچہ وہ نقد نہ دے۔ ''سائحانی''۔

شرط متعارف کے ساتھ کفیل کی براءت صحیح ہے جب کہ غیر متعارف کے ساتھ صحیح نہیں

28558۔(قولہ: كَإِنْ أَدَّيْتَ) خطاب غریم کو ہے اسی کی مثل کفیل ہے جس طرح ''اسبیجابی'' سے ''شرح الکافی'' میں

(وَإِنْ قَالَ) الْمَدْيُونُ (لِآخَرَ سِرًّا لَا أُقِرُّ لَكَ بِمَا لَكَ حَتَّى تُؤَخِّرَهُ عَنِّي أَوْ تَحُطَّ) عَنِّي (فَفَعَلَ) الدَّائِنُ التَّأْخِيرَ أَوْ الْحَطَّ (صَحَّ) لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمُكْرَهٍ عَلَيْهِ (وَلَوْ أَعْلَنَ مَا قَالَهُ سِرًّا أَخَذَ مِنْهُ الْكُلَّ لِلْحَالِ) وَلَوْ ادَّعَى أَلْفًا وَجَحَدَ فَقَالَ أَقِرَّ لِي بِهَا عَلَى أَنْ أَحُطَّ مِنْهَا مِائَةً جَازَ، بِخِلَافِ عَلَى أَنْ أُعْطِيَكَ مِائَةً لِأَنَّهَا رِشْوَةٌ، وَلَوْ قَالَ إِنْ أَقْرَرْتَ لِي حَطَطْتُ لَكَ مِنْهَا مِائَةً فَأَقَرَّ صَحَّ الْإِقْرَارُ لَا الْحَطُّ مُجْتَبَى (الدَّيْنُ الْمُشْتَرَكُ)

اگر ایک مدیون نے دوسرے سے راز داری سے کہا: میں تیرے لیے تیرے مال کا اقرار نہیں کروں گا یہاں تک کہ تو اسے مجھ سے مؤخر کرے یا اسے مجھ سے ساقط نہ کر دے تو دائن نے تاخیر یا کمی کر دی تو یہ صحیح ہو جائے گا کیونکہ اس پر جبر نہیں کیا گیا۔ جو بات راز داری سے کی تھی اگر اس کا اعلان کر دیا تو تمام مال فی الحال لے گا اگر ایک آدمی نے ہزار کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے انکار کر دیا اور کہا: میرے لیے اس کا اقرار کر لے اس شرط پر کہ میں ان سے سو کم کر دوں گا تو یہ جائز ہوگا یہ صورت مختلف ہوگی کہ میں تجھے سو دوں گا۔ کیونکہ یہ تو رشوت ہوگی۔ اگر اس نے کہا: اگر تو نے میرے لیے اقرار کیا میں اس میں سے سو کم کر دوں گا تو اس نے اقرار کر لیا تو اقرار صحیح ہوگا کمی صحیح نہ ہوگی، ''مجتبیٰ''۔ مشترک دین،

اس کی تصریح کی ہے ''قاضی خان'' نے ''شرح الجامع'' میں تصریح کی ہے۔ ''غایۃ البیان'' میں کہا: اس میں ایک قسم کا اشکال ہے کیونکہ کفیل کو بری کرنا محض اسقاط ہے۔ اس وجہ سے اس کے رد کرنے سے یہ رد نہیں ہوگا۔ پس چاہیے کہ شرط کے ساتھ اس کا معلق کرنا صحیح ہو مگر یہ اصیل کے بری کرنے کی طرح ہے اس حیثیت سے کہ اس سے قسم نہیں لی جائے گی جس طرح طلاق کی قسم لی جاتی ہے۔ پس شرط متعارف کے ساتھ اس کی تعلیق صحیح ہوگی غیر متعارف کی شرط صحیح نہ ہوگی۔ اسی وجہ سے ہم نے کہا: جب ایک آدمی نے ایک آدمی کی جانب مال کی ضمانت اٹھائی اور اس کی ذات کی بھی ضمانت اٹھائی اس شرط پر اگر اس نے خود کل اپنے آپ کو پیش کر دیا تو وہ مال کی ضمانت سے بری ہو جائے گا تو اس نے اپنے آپ کو پیش کر دیا تو کفیل مال سے بری ہو جائے گا۔ کیونکہ ہر شرط متعارف کے ساتھ معلق کرنا ہے۔

28559۔ (قولہ: بِمُكْرَهٍ عَلَيْهِ) کیونکہ اگر وہ چاہتا تو ایسا نہ کرتا مگر جب وہ گواہ پائے یا دوسرے سے قسم لے لیتا۔ ''اتقانی''۔

28560۔ (قولہ: أَخَذَ مِنْهُ) یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ مدعی علیہ کا قول لا اقر لك لمالك یہ اقرار ہے۔ اسی وجہ سے ''غایۃ البیان'' میں کہا: علماء نے ''شروح الجامع الصغیر'' میں کہا: یہ اس صورت میں ہے جو راز داری سے بات کرے مگر جب وہ علانیہ یہ بات کرے تو اس کے اقرار کے مطابق اس کا مواخذہ ہوگا۔

اگر صلح عین مشترک کے بارے میں ہو تو مصالح بدل صلح کے ساتھ ضامن ہوگا

28561۔ (قولہ: الدَّيْنُ الْمُشْتَرَكُ) دین کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر صلح عین مشترک کے بارے میں ہو تو مصالح بدل صلح کے ساتھ ضامن ہوگا۔ اس کے شریک کے لیے کوئی حق نہیں ہوگا کہ وہ بدل صلح میں شریک ہو۔ کیونکہ یہ ہر اعتبار سے معاوضہ

بِسَبَبٍ مُتَّحِدٍ كَثَمَنِ مَبِيعٍ بِيعَ صَفْقَةً وَاحِدَةً، أَوْ دَيْنٍ مَوْرُوثٍ أَوْ قِيمَةِ مُسْتَهْلَكٍ مُشْتَرَكٍ (إِذَا قَبَضَ أَحَدُهُمَا شَيْئًا مِنْهُ شَارَكَهُ الْآخَرُ فِيهِ) إِنْ شَاءَ أَوْ أَتْبَعَ الْغَرِيمَ كَمَا يَأْتِي وَحِينَئِذٍ (فَلَوْ صَالَحَ أَحَدُهُمَا عَنْ نَصِيبِهِ عَلَى ثَوْبٍ)

جو متحد سبب سے ہو جیسے مبیع کی ثمن ہو جو مبیع ایک صفقہ سے بیچا گیا، موروثی دین ہو یا مشترک چیز جس کو ہلاک کیا گیا ہو اس کی قیمت ہو، جب دونوں میں سے کوئی ایک اس میں سے کسی چیز پر قبضہ کرے گا تو دوسرا اس میں شریک ہوگا اگر چاہے یا مقروض کا پیچھا کرے گا جس طرح عنقریب آئے گا اس وقت اگر دونوں میں سے ایک اپنے حصہ کے عوض ایک کپڑے پر صلح کر لیتا ہے

ہے۔ کیونکہ مصالح عنہ حقیقت میں مال ہے دین کا معاملہ مختلف ہے، ''زیلعی''۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے کیونکہ یہ کثیر الواقع ہے۔

''الخانیہ'' میں ہے: دو آدمیوں نے زمین کا یا گھر کا دعویٰ کیا جو ایک آدمی کے قبضہ میں تھا دونوں نے کہا: یہ ہمارا ہے جس کے ہم اپنے باپ کی جانب سے وارث ہوتے ہیں جس کے قبضہ میں وہ گھر تھا اس نے انکار کر دیا تو دونوں میں سے ایک نے اپنے حصہ کے بارے میں سو درہم پر صلح کر لی دوسرے بیٹے نے ارادہ کیا کہ وہ سو دراہم میں اپنے بھائی کے ساتھ شریک ہو جائے تو اسے شریک ہونے کا حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ مدعی کے گمان میں صلح معاوضہ ہے اور مدعی علیہ کے گمان میں یمین کا فدیہ ہے۔ پس یہ ہر اعتبار سے معاوضہ نہیں ہوگا۔ پس شک کی وجہ سے شریک کے لیے شرکت کا حق ثابت نہیں ہوگا۔

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں مروی ہے: شریک کے لیے سو میں شریک ہونے کا حق ہے۔

28562۔ (قولہ: صَفْقَةً وَاحِدَةً) اس کی صورت یہ ہے کہ ہر ایک کے لیے عین علیحدہ ہو یا دونوں میں مشترک ہو اور دونوں سب ایک صفقہ کے ساتھ بیچ دیں جب کہ دونوں میں سے ہر ایک اپنے حصہ کے ثمن کی تفصیل بیان نہ کرے۔ صفقۃ واحدۃ کے ساتھ دو صفقوں سے احتراز کیا ہے یہاں تک کہ اگر غلام دو آدمیوں میں شریک ہو ان دونوں میں سے ایک اپنے حصہ کو پانچ سو دراہم کے بدلے میں بیچ دے اور دوسرا اسی آدمی کو اپنا حصہ پانچ سو میں بیچ دے اور دونوں اس بارے میں ایک ہی دستاویز ہزار کی لکھ دیں اور ہزار میں سے کچھ پر ایک قبضہ کر لے تو دوسرے کو کوئی حق حاصل نہیں کہ اس کے ساتھ اس میں شریک ہو۔ کیونکہ دین میں ان دونوں کی کوئی شرکت نہیں کیونکہ یہ دین علیحدہ سبب سے واجب ہوا ہے ''عزمیہ''۔ اس کی مکمل بحث ''المنح'' میں ہے۔

28563۔ (قولہ: مَوْرُوثٍ) یہ وارث ہو یا دونوں کے حق میں اس کی وصیت کی گئی ہو یا ان کے فریضہ کا بدل ہو۔ ''ابو سعود'' نے اپنے شیخ سے یہ نقل کیا ہے۔

28564۔ (قولہ: أَوْ أَتْبَعَ الْغَرِيمَ) اگر اس نے غریم کا پیچھا کرنے کو اپنایا پھر اس کا حصہ ہلاک ہو گیا اس کی صورت یہ ہے کہ غریم مفلس کی حیثیت سے مر گیا تو وہ قابض سے مقبوضہ کے تصرف کا مطالبہ کرے گا اگرچہ وہ مقبوض کا غیر ہو، ''بحر'' اور ''زیلعی'' کی طرف رجوع کیجئے۔

أَيْ خِلَافِ جِنْسِ الدَّيْنِ (أَخَذَ الشَّرِيكُ الْآخَرُ نِصْفَهُ إِلَّا أَنْ يَضْمَنَ) لَهُ (رُبْعَ) أَصْلِ (الدَّيْنِ) فَلَا حَقَّ لَهُ فِي الثَّوْبِ (وَلَوْ لَمْ يُصَالِحْ بَلْ اشْتَرَى بِنِصْفِهِ شَيْئًا ضَمَّنَهُ) شَرِيكُهُ (الرُّبْعَ) لِقَبْضِهِ النِّصْفَ بِالْمُقَاصَّةِ (أَوْ أَتْبَعَ غَرِيمَهُ) فِي جَمِيعِ مَا مَرَّ لِبَقَاءِ حَقِّهِ فِي ذِمَّتِهِ (وَإِذَا أَبْرَأَ أَحَدُ الشَّرِيكَيْنِ الْغَرِيمَ عَنْ نَصِيبِهِ لَا يَرْجِعُ) لِأَنَّهُ إِتْلَافٌ لَا قَبْضٌ (وَكَذَا) الْحُكْمُ (إِنْ) كَانَ لِلْمَدْيُونِ عَلَى أَحَدِهِمَا دَيْنٌ قَبْلَ وُجُوبِ دَيْنِهِمَا عَلَيْهِ حَتَّى (وَقَعَتْ الْمُقَاصَّةُ بِدَيْنِهِ السَّابِقِ) لِأَنَّهُ قَاضٍ لَا قَابِضٌ (وَلَوْ أَبْرَأَ) الشَّرِيكُ الْمَدْيُونَ

یعنی دین کی جنس کے خلاف پر صلح کر لیتا ہے تو دوسرا شریک اس سے اس کا نصف لے لے گا مگر جب مصالحت کرنے والا اصل دین کے چوتھائی کی ضمانت اٹھالے تو کپڑے میں اس کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ اگر وہ صلح نہ کرے بلکہ اس کے نصف کے عوض کوئی چیز خرید لے تو اس کا شریک اس سے چوتھائی کی ضمانت لے گا۔ کیونکہ اس شریک نے دین کے نصف پر بطریقہ مقاصہ قبضہ کیا ہے یا جتنی صورتیں گزری ہیں ان سب میں اپنے غریم کا پیچھا کرے گا کیونکہ اس کے ذمہ میں اس کا حق باقی ہے۔ جب دو شریکوں میں سے ایک نے مقروض کو اپنے حصہ سے بری کر دیا تو دوسرا شریک اس شریک سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ بری کرنا تلف کرنا ہے قبض کرنا نہیں مطالبہ نہ کرنے کا یہی حکم ہوگا اگر مدیون کا دونوں شریکوں میں سے ایک پر اس پر دین واجب ہونے سے پہلے دین لازم ہو یہاں تک کہ یہ مقاصہ دین سابق سے ہوگا۔ کیونکہ وہ مدیون سابق کو دور کرنے والا ہے اس مشترک دین پر قبضہ کرنے والا نہیں۔ اگر شریک نے مدیون کو بعض دین سے بری کر دیا

28565۔(قولہ: أَيْ خِلَافِ الخ) کیونکہ اگر اس نے اس کی جنس پر صلح کی تو اس میں وہ شریک ہوگا یا مقروض کی طرف رجوع کرے گا اس میں قابض کا کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ بعض دین پر قبضہ کے قائم مقام ہے، ''زیلعی''۔

28566۔(قولہ: نِصْفَهُ) یعنی اپنے غریم سے نصف دین لے گا یا نصف کپڑا لے گا۔ ''منح''۔

28567۔(قولہ: إِلَّا أَنْ يَضْمَنَ) یہ مصالحت کرنے والا شریک ضامن ہوگا۔

28568۔(قولہ: رُبْعَ أَصْلِ الدَّيْنِ) اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ مصالح کو اختیار ہوگا جب اس کے شریک نے اس کا پیچھا کرنے کو اختیار کیا اگر چاہے تو مصالح علیہ میں سے اس کا حصہ دے دے اگر چاہے تو دین کے چوتھائی کی ضمانت اسے دے دے صلح اقرار سے ہو یا اس کے علاوہ صورت سے ہو کوئی فرق نہیں۔

28569۔(قولہ: مَا مَرَّ) یعنی قبض یا صلح اور شرا کے مسئلہ میں گزر چکا ہے۔

28570۔(قولہ: قَبْلَ وُجُوبِ الخ) اگر وہ دین نیا ہو یہاں تک کہ دونوں ادلے کا بدلہ بنیں تو یہ دین پر قبضہ کی مثل ہوگا ''بحر''۔

28571۔(قولہ: عَلَيْهِ) ضمیر سے مراد مدیون ہے۔

28572۔(قولہ: الْمَدْيُونَ) یہ منصوب ہے اور ابرء کا مفعول ہے۔

(عَنْ الْبَعْضِ قُسِمَ الْبَاقِي عَلَى سِهَامِهِ) وَمِثْلُهُ الْمُقَاصَّةُ وَلَوْ أَجَّلَ نَصِيبَهُ صَحَّ عِنْدَ الثَّانِي، وَالْغَصْبُ وَالِاسْتِئْجَارُ بِنَصِيبِهِ قَبْضٌ لَا التَّزَوُّجُ وَالصُّلْحُ عَنْ جِنَايَةِ عَمْدٍ، وَحِيلَةُ اخْتِصَاصِهِ بِمَا قَبَضَ أَنْ يَهَبَهُ الْغَرِيمُ قَدْرَ دَيْنِهِ ثُمَّ يُبْرِئَهُ

تو باقی ماندہ کو اس کے سہم کے اعتبار سے تقسیم کیا جائے گا۔ اسی کی مثل مقاصہ ہے۔ اگر ایک شریک اپنے حصہ کے لیے کوئی مدت معین کر دے تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ صحیح ہوگا۔ اپنے حصہ کو غصب کر لیا یا اجرت پر لے لیا تو یہ قبضہ شمار ہوگا۔ شادی اور جنایت عمد سے صلح قبضہ شمار نہیں ہوگا۔ اور جس چیز پر قبضہ کیا ہے اس کے اختصاص کا حیلہ یہ ہے کہ غریم اسے دین کے برابر ہبہ کرے۔ پھر شریک اس غریم کو بری کر دے

28573۔ (قولہ: قُسِمَ الْبَاقِي الخ) یہاں تک اگر مدیون پر ان دونوں کے بیس دراہم ہوں تو ان دونوں میں سے اپنے حصہ کے نصف سے اسے بری کر دے تو اسے پانچ دراہم کے مطالبہ کا حق ہوگا اور جو خاموش رہا تھا اسے دس کے مطالبہ کا حق ہوگا۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28574۔ (قولہ: عَلَى سِهَامِهِ) باقی ماندہ سہام پر اسے تقسیم کیا جائیگا نہ کہ اصل پر اسے تقسیم کیا جائیگا۔ ''سائحانی''۔

28575۔ (قولہ: وَمِثْلُهُ الْمُقَاصَّةُ) اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً مدیون کے شریک پر اس دین کے ثابت ہونے سے قبل پانچ دراہم ہوں تو مابقی میں تقسیم اس مقاصہ کے بعد ہوگی۔

28576۔ (قولہ: وَالْغَصْبُ) یعنی جب دونوں میں سے ایک نے مدیون سے کسی شے کو غصب کیا اس کے دوسرے شریک نے اسے تلف کر دیا تو وہ ضمانت کی ادائیگی کی صورت میں غصب کے وقت سے اس کا مالک ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر ایک آدمی اپنے حصہ کے عوض اس سے گھر کرایہ پر ایک سال کے لیے لیتا ہے اور اس میں رہائش رکھ لیتا ہے۔ اسی طرح غلام کی خدمت اور زمین کی زراعت کا معاملہ ہے۔ اسی طرح اگر وہ اجر مطلق کے ساتھ اسے اجرت پر لے لیتا ہے۔ ''ابن سماعہ'' نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے: اگر وہ اپنے حصہ کے عوض اجرت پر لیتا ہے تو دوسرا اس کے ساتھ شریک نہیں ہوگا اور اسے آپ نے نکاح کی طرح بنا دیا ہے۔ اس کی مکمل بحث شرح ''الہدایہ'' میں ہے۔

28577۔ (قولہ: لَا التَّزَوُّجُ) یعنی اس شریک مدیونہ سے اپنے حصہ کے عوض عقد نکاح کر لیا تو یہ ظاہر روایت کے مطابق تلف کرنا ہے مگر جب وہ اس سے دراہم پر عقد نکاح کرتا ہے تو یہ ادلے کا بدلہ ہو جائے گا تو یہ پورا حق لینے کی طرح ہو جائے گا۔ ''اتقانی''

28578۔ (قولہ: جِنَايَةِ عَمْدٍ) اگر ایک شریک نے مدیون پر جان بوجھ کر کوئی جنایت کی جو نفس سے کم ہو جس کی ارش جانی کے دین کی مثل ہو تو اس نے اپنے حصہ پر اس سے صلح کر لی۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر اس جنایت میں قصاص ہو۔ ''اتقانی''۔

28579۔ (قولہ: يُبْرِئَهُ) یعنی شریک غریم کو بری کر دے۔

أَوْ يَبِيعَهُ بِهِ كَفًّا مِنْ تَمْرٍ مَثَلًا ثُمَّ يُبْرِئَهُ مُلْتَقَطٌ وَغَيْرُهُ، وَمَرَّتْ فِي الشَّرِكَةِ۔ (صَالَحَ أَحَدُ رَبَّيِ السَّلَمِ عَنْ نَصِيبِهِ عَلَى مَا دَفَعَ مِنْ رَأْسِ الْمَالِ فَإِنْ أَجَازَهُ الشَّرِيكُ) الْآخَرُ (نَفَذَ عَلَيْهِمَا وَإِنْ رَدَّهُ رُدَّ) لِأَنَّ فِيهِ قِسْمَةَ الدَّيْنِ قَبْلَ قَبْضِهِ وَأَنَّهُ بَاطِلٌ نَعَمْ لَوْ كَانَا شَرِيكَيْ مُفَاوَضَةٍ جَازَ مُطْلَقًا بَحْرٌ

یا مثلاً ہتھیلی بھر کھجوروں سے اسے بیچ دے پھر اسے بری کر دے''ملتقط'' وغیرہ۔ کتاب الشرکۃ میں یہ گزر چکا ہے دو رب السلم میں سے ایک نے اپنے حصہ کے عوض اس چیز پر صلح کی جو اس نے رأس المال میں سے دیا تھا اگر دوسرے شریک نے اس کی اجازت دے دی تو یہ صلح دونوں پر نافذ ہو جائے گی۔ اگر وہ اس کو رد کر دے تو رد ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ قبضہ سے قبل دین کی تقسیم ہے اور وہ باطل ہے۔ ہاں اگر دونوں شرکت مفاوضہ کے ساتھ شریک ہوں تو مطلقاً یہ جائز ہوگا،''بحر''۔

28580۔(قولہ: عَنْ نَصِيبِهِ) یعنی ضمیر سے مراد مسلم فیہ ہے یعنی ایک رب السلم اپنے حصہ کے بارے میں صلح کر لے۔

28581۔(قولہ: مِنْ رَأْسِ الْمَالِ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے رأس المال لینے اور عقد شرکت کو فسخ کرنے کا ارادہ کرے،''اتقانی''۔ پس صلح فسخ سے مجاز ہوگی۔''عزمیہ''۔

28582۔(قولہ: عَلَيْهِمَا) یعنی صلح دونوں پر نافذ ہوگی اور مال مقبوضہ دونوں میں مشترک ہوگا۔ اسی طرح مسلم فیہ میں سے جو باقی ہے وہ بھی مشترک ہوگا۔''درر البحار''۔

28583۔(قولہ: رُدَّ) اور بیع سلم اسی طرح باقی رہے گی جس طرح وہ تھی۔

فَصلٌ فِی التَّخَارُجِ

(أَخْرَجَتْ الْوَرَثَةُ أَحَدَهُمْ عَنْ) التَّرِكَةِ وَهِيَ (عَرَضٌ أَوْ هِيَ (عَقَارٌ بِمَالٍ) أَعْطَاهُ لَهُ (أَوْ) أَخْرَجُوهُ (عَنْ) تَرِكَةٍ هِيَ (ذَهَبٌ بِفِضَّةٍ) دَفَعُوهَا لَهُ (أَوْ) عَلَى الْعَكْسِ أَوْ عَنْ نَقْدَيْنِ بِهِمَا (صَحَّ) فِي الْكُلِّ صَرْفًا لِلْجِنْسِ بِخِلَافِ جِنْسِهِ (قَلَّ) مَا أَعْطَوْهُ (أَوْ كَثُرَ) لَكِنْ بِشَرْطِ التَّقَابُضِ فِيمَا هُوَ صَرْفٌ (وَفِي) إخْرَاجِهِ عَنْ (نَقْدَيْنِ) وَغَيْرِهَا بِأَحَدِ النَّقْدَيْنِ لَا يَصِحُّ (إلَّا أَنْ يَكُونَ مَا أُعْطِيَ لَهُ

ترکہ سے خارج کرنے کے احکام

وارثوں نے اپنے میں سے ایک کو مال دے کر ترکہ سے خارج کر دیا جب کہ وہ ترکہ مال ہو یا جائیداد ہو جو مال انہوں نے اسے دے دیا ہے یا اسے ترکہ، جو سونا ہے، سے چاندی دے کر خارج کر دیا جو چاندی انہوں نے اسے دے دی ہو یا اس کے برعکس صورتحال ہو یا ترکہ سونا چاندی ہو تو انہوں نے سونا چاندی دے کر اسے خارج کر دیا تو یہ تمام صورتوں میں صحیح ہوگا۔ جنس کو اس کی مخالف جنس سے پھیر کر جو انہوں نے مال دیا ہو وہ تھوڑا ہو یا زیادہ ہو مگر جس صورت میں وہ بیع صرف بنتی ہے اس میں تقابض شرط ہے۔ اور جب ترکہ دونوں نقدیاں اور اس کے علاوہ ہو تو ایک نقدی کے ساتھ اسے خارج کرنا صحیح نہ ہوگا مگر اس صورت میں کہ اسے جو نقدی عطا کی گئی ہے

موصی لہ اور وارث کا حق تقسیم سے پہلے غیر متاکد ہوتا ہے جو سقوط کا احتمال رکھتا ہے

28584۔(قولہ: أَخْرَجَتْ الخ) ایک آدمی نے کسی کے لیے اپنے ایک تہائی مال کی وصیت کی اور وصیت کرنے والا مر گیا وارث نے موصی لہ سے ایک تہائی سے چھٹے حصہ پر صلح کر لی تو یہ صلح جائز ہوگی۔ امام جو''خواہرزادہ'' کے نام سے معروف ہیں نے ذکر کیا ہے کہ موصی لہ کا حق اور وارث کا حق تقسیم سے پہلے غیر متاکد ہوتا ہے جو ساقط کرنے کے ساتھ ساقط ہونے کا احتمال رکھتا ہے۔

یہ معلوم ہے کہ تقسیم سے پہلے غانم کا حق، رہن کے حبس کا حق، صرف پانی کی گزرگاہ کا حق، موصی لہ کے لیے رہائش کا حق، جس موصی لہ کے لیے ایک تہائی کی وصیت کی گئی ہو تقسیم سے پہلے اس کا حق اور تقسیم سے قبل وارث کا حق ساقط کرنے کے ساتھ ساقط ہو جاتے ہیں۔ اس کی مکمل وضاحت''الاشباہ'' میں اس فعل میں موجود ہے جو اسقاط کو قبول کرتے ہیں اور جو اسقاط میں قبول نہیں کرتے۔''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28585۔(قولہ: صَرْفًا لِلْجِنْسِ) یہ آخری صورت کی علت ہے۔

28586۔(قولہ: لَكِنْ بِشَرْطِ)''البحر'' میں کہا: ایک وارث کی صلح جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے اس میں یہ شرط نہیں

أَكْثَرَ مِنْ حِصَّتِهِ مِنْ ذٰلِكَ الْجِنْسِ) تَحَرُّزًا عَنِ الرِّبَا، وَلَا بُدَّ مِنْ حُضُورِ النَّقْدَيْنِ عِنْدَ الصُّلْحِ وَعِلْمِهِ بِقَدْرِ نَصِيبِهِ شُرُنْبُلَالِيَّةٌ وَجَلَالِيَّةٌ وَلَوْ بِعَرَضٍ جَازَ مُطْلَقًا لِعَدَمِ الرِّبَا، كَذَا لَوْ أَنْكَرُوا إِرْثَهُ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ لَيْسَ بِبَدَلٍ بَلْ لِقَطْعِ الْمُنَازَعَةِ (وَبَطَلَ الصُّلْحُ إِنْ أَخْرَجَ أَحَدُ الْوَرَثَةِ، وَفِي التَّرِكَةِ دُيُونٌ بِشَرْطِ أَنْ تَكُونَ الدُّيُونُ لِبَقِيَّتِهِمْ)

وہ اس کی جنس سے بڑھ کر ہوتا کہ ربا سے بچا جائے۔ صلح کے وقت دونوں نقدیوں کا موجود ہونا اور اپنے حصہ کا علم ہونا ضروری ہے ''شرنبلالیہ''، ''جلالیہ''۔ اگر وہ سامان تجارت ہو تو مطلقاً جائز ہے۔ کیونکہ ربا موجود نہیں۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ اس کی وراثت کا انکار کر دے۔ کیونکہ اس وقت جو اسے مال دیا جا رہا ہے یہ بدل نہیں بلکہ منازعہ ختم کرنے کے لیے دیا جا رہا ہے۔ اور صلح باطل ہو جائے گی اگر ایک وارث خارج کر دیا جائے جب کہ ترکہ میں دیون ہوں۔ اس کی شرط یہ ہو کہ دیون باقی ماندہ وارثوں کے ہوں گے۔

کہ ترکہ کے اعیان معلوم ہوں۔ لیکن اگر صلح دونوں نقدیوں میں سے ایک کی دوسری نقدی کے عوض میں ہو تو مجلس میں تقابض کا اعتبار کیا جائے گا۔ مگر وہ جس کے قبضہ میں بقیہ ترکہ ہے اگر وہ انکاری ہو تو وہی قبضہ کافی ہوگا۔ کیونکہ یہ ضمان کا قبضہ ہے۔ پس یہ قبضہ صلح کے قائم مقام ہوگا۔ اگر وہ مقر غیر مانع ہو تو قبضہ کی تجدید شرط ہوگی۔

28587۔ (قولہ: أَكْثَرَ مِنْ حِصَّتِهِ) اگر اس جنس میں سے اس کے حصہ کا علم نہ ہو تو صحیح یہ ہے اگر شک ترکہ میں اس کے وجود کے بارے میں ہو تو صلح جائز ہوگی۔ اگر ترکہ میں اس کے وجود کا علم ہو لیکن یہ پتہ نہ ہو کہ اس کے حصہ میں سے بدل صلح اس سے کم ہے یا اس سے زائد ہے یا اس کی مثل ہے تو صلح فاسد ہوگی، ''بحر'' میں ''الخانیہ'' سے مروی ہے۔

28588۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ أَنْكَرُوا إِرْثَهُ) تو یہ مطلقاً جائز ہوگا۔ ''شرنبلالیہ'' میں کہا: ''حاکم شہید'' نے کہا: تصادق کی حال میں ربا کے مال میں اس کے حصہ سے کم پر صلح باطل ہوگی۔ جہاں تک حالت تناکر کا تعلق ہے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ رشتہ دار اس کے وارث ہونے کا انکار کریں پھر صلح کر لیں تو یہ جائز ہوگا۔

اس کی وجہ یہ ہے باہم جھٹلانے کی صورت میں جو کچھ وہ لے گا وہ لینے والے کے حق میں اور نہ ہی دینے والے کے حق میں بدل ہوگا۔ ''مرغینانی'' نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ جس صورت میں سونا اور چاندی مقابل ہوں گے اس میں باہم بدل پر قبضہ کرنا شرط ہے۔ کیونکہ یہ بیع صرف ہے۔ اگر تمام صورتوں میں وہ سامان تجارت ہو تو مطلقاً یہ جائز ہوگا اگرچہ وہ مال تھوڑا ہو اور وہ مجلس میں اس پر قبضہ نہ کرے۔

28589۔ (قولہ: دُيُونٌ) یعنی لوگوں کے ذمہ دیون ہیں اس کا قرینہ وہ کلام ہے جو آگے آرہی ہے۔ اسی طرح اگر دین میت پر ہو۔ ''بزازیہ'' میں کہا: ''شمس الاسلام'' نے یہ ذکر کیا ہے: تخارج صحیح نہیں ہوتا جب میت پر دین ہو یعنی رب الدین جس کا مطالبہ کرتا ہو۔ کیونکہ شرع کا حکم یہ ہے کہ دین تمام ورثاء کے ذمہ ہو۔

28590۔ (قولہ: بِشَرْطِ) یہ اخرج کے متعلق ہے۔

لِأَنَّ تَمْلِيكَ الدَّيْنِ مِنْ غَيْرِ مَنْ عَلَيْهِ الدَّيْنُ بَاطِلٌ ثُمَّ ذَكَرَ لِصِحَّتِهِ حِيَلًا فَقَالَ (وَصَحَّ لَوْ شَرَطُوا إِبْرَاءَ الْغُرَمَاءِ مِنْهُ) أَيْ مِنْ حِصَّتِهِ لِأَنَّهُ تَمْلِيكُ الدَّيْنِ مِمَّنْ عَلَيْهِ فَيَسْقُطُ قَدْرُ نَصِيبِهِ عَنْ الْغُرَمَاءِ (أَوْ قَضَوْا نَصِيبَ الْمُصَالِحِ مِنْهُ) أَيْ الدَّيْنِ (تَبَرُّعًا) مِنْهُمْ (وَأَحَالَهُمْ بِحِصَّتِهِ أَوْ أَقْرَضُوهُ قَدْرَ حِصَّتِهِ مِنْهُ وَصَالَحُوهُ عَنْ غَيْرِهِمْ) بِمَا يَصْلُحُ بَدَلًا (وَأَحَالَهُمْ بِالْقَرْضِ عَلَى الْغُرَمَاءِ) وَقَبِلُوا الْحَوَالَةَ، وَهَذِهِ أَحْسَنُ الْحِيَلِ ابْنُ كَمَالٍ وَالْأَوْجَهُ أَنْ يَبِيعُوهُ كَفًّا مِنْ تَمْرٍ أَوْ نَحْوِهِ بِقَدْرِ الدَّيْنِ ثُمَّ يُحِيلَهُمْ عَلَى الْغُرَمَاءِ ابْنُ مَلَكٍ

کیونکہ جس کے ذمہ دین نہ ہو اسے دین کا مالک بنانا باطل ہوتا ہے پھر صلح کے صحیح ہونے کے لیے حیلے ذکر کیے ہیں اور کہا: اگر وہ یہ شرط لگائیں کہ وہ غرماء کو اپنے حصہ سے بری کر دے گا تو صلح صحیح ہو گی۔ کیونکہ یہ صورت ایسی ہے جس میں اسے دین کا مالک بنانا ہے جس کے ذمہ دین ہے۔ پس غرماء سے اس کے حصہ کی مقدار ساقط ہو جائے گی یا دین میں سے مصالح کا حصہ بطور تبرع اپنی جانب سے ادا کر دیں اور مصالح قرض میں سے اپنے حصہ کا حوالہ ورثاء کو کر دے یا قرض میں سے جو اس کا حصہ بنتا ہے اتنی مقدار دوسرے ورثاء اسے قرض دیں اور جو چیز بدل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے اس پر اس کے علاوہ سے صلح کر لیں اور مصالح ان ورثاء سے قرض کے معاملہ میں ان سے حوالہ کر لے اور ورثاء اس حوالہ کو قبول کر لیں۔ یہ بہترین حیلہ ہے، ''ابن کمال''۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ اسے ایک ہتھیلی کھجور وغیرہ دین کی مقدار کے بدلے میں بیچے پھر وہ غرماء کے خلاف ان وارثوں سے حوالہ کر لے ''ابن ملک''۔

28591۔ (قولہ: لِأَنَّ تَمْلِيكَ الدَّيْنِ) وہ یہاں مصالح کا حصہ ہے۔

28592۔ (قولہ: مَنْ عَلَيْهِ الدَّيْنُ) وہ یہاں ورثاء ہیں۔

28593۔ (قولہ: بَاطِلٌ) پھر بطلان سب کی طرف متعدی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ صفقہ ایک ہے خواہ دین کا حصہ بیان کرے یا بیان نہ کرے۔ یہ امام اعظم ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور چاہیے کہ دین کے علاوہ میں ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہ جائز ہو جب وہ دین کا حصہ بیان کرے، ''ابن ملک''۔

28594۔ (قولہ: إِبْرَاءَ الْغُرَمَاءِ) یعنی مصالح غرماء کو بری کر دے۔

28595۔ (قولہ: وَأَحَالَهُمْ) یہاں اس جملہ کا کوئی محل نہیں۔ یہ ''ابن ملک'' کی ''شرح الوقایہ'' میں موجود ہے۔ بعض نسخوں میں ہے: و احالھم۔

28596۔ (قولہ: عَنْ غَيْرِهِمْ) یعنی جو دین کے علاوہ ہے۔

28597۔ (قولہ: أَحْسَنُ الْحِيَلِ) کیونکہ پہلے حیلہ میں وارثوں کو ضرر ہے۔ کیونکہ ان کے لیے ممکن نہیں کہ وہ مصالح کے حصہ کی مقدار کا ان سے مطالبہ کریں۔ اسی طرح دوسرے حیلہ میں بھی ضرر ہے کیونکہ نقد ادھار سے بہتر ہے، ''اتقانی''۔

28598۔ (قولہ: وَالْأَوْجَهُ) کیونکہ آخری میں مال کے وصول کرنے میں تقدیم کے ضرر سے خالی نہیں، ''ابن ملک''۔

(وَفِي صِحَّةِ صُلْحٍ عَنْ تَرِكَةٍ مَجْهُولَةٍ) أَعْيَانُهَا وَلَا دَيْنَ فِيهَا (عَلَى مَكِيلٍ أَوْ مَوْزُونٍ) مُتَعَلِّقٌ بِصُلْحٍ (اخْتِلَافٌ) وَالصَّحِيحُ الصِّحَّةُ زَيْلَعِيٌّ لِعَدَمِ اعْتِبَارِ شُبْهَةِ الشُّبْهَةِ، وَقَالَ ابْنُ الْكَمَالِ إِنْ فِي التَّرِكَةِ جِنْسُ بَدَلِ الصُّلْحِ لَمْ يَجُزْ وَإِلَّا جَازَ وَإِنْ لَمْ يُدْرَ فَعَلَى الِاخْتِلَافِ (وَلَوْ) التَّرِكَةُ (مَجْهُولَةً وَهِيَ غَيْرُ مَكِيلٍ أَوْ مَوْزُونٍ فِي يَدِ الْبَقِيَّةِ) مِنْ الْوَرَثَةِ (صَحَّ فِي الْأَصَحِّ) لِأَنَّهَا لَا تُفْضِي إِلَى الْمُنَازَعَةِ لِقِيَامِهَا فِي يَدِهِمْ حَتَّى لَوْ كَانَتْ فِي يَدِ الْمُصَالِحِ أَوْ بَعْضُهَا لَمْ يَجُزْ مَا لَمْ يَعْلَمْ جَمِيعَ مَا فِي يَدِهِ لِلْحَاجَةِ إِلَى التَّسْلِيمِ ابْنُ مَلَكٍ

جس ترکہ کے اعیان مجہول ہوں اور ان میں دین نہ ہو اس میں کیلی اور وزنی چیز پر صلح کرنے میں اختلاف ہے۔ علی مکیل او موزون یہ صلح کے متعلق ہے۔ صحیح یہ ہے کہ صلح صحیح ہے،''زیلعی''۔ کیونکہ شبہ کے شبہ کا اعتبار نہیں کیا گیا۔''ابن کمال'' نے کہا: اگر ترکہ میں بدل صلح کی جنس ہو تو صلح جائز نہ ہوگی ورنہ صلح جائز ہوگی۔ اگر پتا نہ ہو تو مسئلہ مختلف فیہ ہوگا اگرچہ ترکہ مجہول ہو اور وہ کیلی اور وزنی نہ ہو باقی ماندہ وارثوں کے قبضہ میں ہو تو اصح قول کے مطابق صلح صحیح ہوگی۔ کیونکہ یہ امر منازعہ کی طرف نہیں لے جاتا۔ کیونکہ یہ ان کے قبضہ میں ہے یہاں تک کہ اگر وہ مکمل مصالح کے قبضہ میں ہے یا اس کا بعض اس کے قبضہ میں ہے تو صلح جائز نہ ہوگی جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ اس کے قبضہ میں کل کس قدر ہے۔ کیونکہ سپرد کرنے کی حاجت پائی جا رہی ہے،''ابن ملک''۔

28599۔ (قولہ: شُبْهَةِ الشُّبْهَةِ) کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ ترکہ میں اس کی جنس سے کوئی چیز نہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کی جنس سے ہو جب ترکہ میں اس کی جنس سے ہو تو یہ احتمال موجود ہے کہ جس بدل پر صلح واقع ہوئی ہے وہ مقدار میں زائد ہو۔ اگر یہ احتمال ہو کہ وہ اس کی مثل ہے یا اس سے کم ہے یہ احتمال کا احتمال ہے تو یہ شبہ شبہ کے مقام پر آ گیا جب کہ یہ معتبر نہیں۔

28600۔ (قولہ: يُدْرَ) یہ مجہول کا صیغہ ہے۔

28601۔ (قولہ: أَوْ مَوْزُونٍ) یعنی ان میں دین نہیں اور صلح کیل اور وزنی چیز پر واقع ہوئی۔''اتقانی''۔

تہایو کے جواز اور عدم جواز کی بحث

28602۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز نہیں۔ کیونکہ یہ مجہول کی بیع ہے کیونکہ مصالح نے ترکہ میں سے اپنے حصہ کو بیچا ہے جب کہ وہ حصہ مجہول ہے ایسی چیز کے بدلے میں جو کیلی اور وزنی ہے۔''اتقانی''۔

خاتمہ: التہایو یعنی دو شریکوں کا دو جانوروں کے منافع یا سواری میں باری بنانا اس کا جواز امام''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صلح کے ساتھ خاص ہے جبر کے ساتھ صحیح نہیں۔ ایک جانور میں اس کے منافع اور سواری میں صلح کے ساتھ جائز ہے۔ امام''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو غلاموں کے منافع میں فاسد ہے اگر جبر کے ساتھ ہو،''درر البحار'' اور اس کی شرح''غرر الافکار'' میں ہے۔

پھر یہ جان لو کہ ایک غلام یا جانور میں جبراً تہایو بالاتفاق جائز نہیں کیونکہ کفالت پایا جاتا ہے۔ ایک غلام یا دو غلاموں کی خدمت بالاتفاق جائز ہے۔ کیونکہ ظاہر میں تفاوت نہیں یا بہت ہی قلیل تفاوت ہے۔ ایک گھر، دو گھروں، ایک گھر کی رہائش یا

(وَبَطَلَ الصُّلْحُ وَالْقِسْمَةُ مَعَ إِحَاطَةِ الدَّيْنِ بِالتَّرِكَةِ) إِلَّا أَنْ يَضْمَنَ الْوَارِثُ الدَّيْنَ بِلَا رُجُوعٍ أَوْ يَضْمَنَ أَجْنَبِيٌّ بِشَرْطِ بَرَاءَةِ الْمَيِّتِ أَوْ يُوَفِّيَ مِنْ مَالٍ آخَرَ (وَلَا) يَنْبَغِي أَنْ (يُصَالِحَ) وَلَا يَقْسِمَ (قَبْلَ الْقَضَاءِ بِالدَّيْنِ (فِي غَيْرِ دَيْنٍ مُحِيطٍ وَلَوْ فَعَلَ) الصُّلْحَ وَالْقِسْمَةَ (صَحَّ) لِأَنَّ التَّرِكَةَ لَا تَخْلُو عَنْ قَلِيلِ دَيْنٍ فَلَوْ وَقَفَ الْكُلَّ تَضَرَّرَ الْوَرَثَةُ فَيُوقَفُ قَدْرُ الدَّيْنِ اسْتِحْسَانًا وِقَايَةً لِئَلَّا يَحْتَاجُوا إِلَى نَقْضِ الْقِسْمَةِ بَحْرٌ (وَلَوْ أَخْرَجُوا وَاحِدًا) مِنَ الْوَرَثَةِ (فَحِصَّتُهُ تُقْسَمُ بَيْنَ الْبَاقِي عَلَى السَّوَاءِ إِنْ كَانَ مَا أَعْطَوْهُ

جب دین ترکہ کو محیط ہو تو صلح اور تقسیم باطل ہو جائے گی مگر جب وارث دین کی ضمانت اٹھالے اور کسی قسم کے مطالبہ کا تصور نہ رکھے یا اجنبی آدمی دیون کی ضمانت اٹھالے شرط یہ ہو کہ میت بری ہو گا یا کسی اور مال سے وہ دین ادا کیا جائے گا۔ اور یہ مناسب نہیں کہ دین ادا کرنے سے پہلے وہ صلح کریں اور نہ ہی وراثت تقسیم کرنا مناسب ہے جب کہ دین ترکہ کو محیط نہ ہو۔ اگر صلح اور تقسیم کی گئی تو یہ صحیح ہو گا کیونکہ ترکہ تھوڑے دین سے خالی نہیں ہوتا۔ اگر سب موقوف ہو تو وارثوں کو ضرر لاحق ہوتا ہے تو بطور استحسان دین کی مقدار موقوف ہو گا تا کہ وہ تقسیم کے توڑنے کے محتاج نہ ہوں ''بحر''۔ اگر ورثاء نے ایک وارث کو ورثہ سے خارج کر دیا تو اس کا حصہ باقی ماندہ پر برابر تقسیم کیا جائے گا اگر انہوں نے جو کچھ اسے عطا کیا ہے

دو گھروں کی رہائش بالاتفاق جائز ہے۔ کیونکہ معادلہ ممکن ہے۔ کیونکہ تغایر ظاہر میں جائیداد کی طرف مائل نہیں ہوتا اور صلح کے طور پر تہایؤ تمام صورتوں میں جائز ہے جس طرح امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ نے صلح سے غلام کی تقسیم کو جائز قرار دیا ہے۔

28603۔ (قولہ: أَوْ يُوَفِّيَ) یوفی مجہول کا صیغہ ہے باب تفعیل سے ہے یعنی پہلے حرف پر ضمہ دوسرے پر فتح اور تیسرا مشدد ہے۔

28604۔ (قولہ: لِئَلَّا الخ) علامہ ''مقدسی'' نے کہا: اگر معزول ہلاک ہو جائے تو تقسیم کو ختم کرنا ضروری ہے۔ ''ط''۔

28605۔ (قولہ: عَلَى السَّوَاءِ) اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ ایک وارث نے جب بعض سے صلح کی باقی ماندہ سے صلح نہ کی تو صلح صحیح ہو گی اور اس کا حصہ صرف اس کے لیے ہو گا۔ اسی طرح اگر موصی لہ سے صلح کرے جس طرح ''الفردی'' میں ہے۔ ''سائحانی''۔

مسئلہ: یہ مسئلہ ایسے آدمی کے بارے میں ہے جو ایک بیوی، ایک بیٹی اور تین چچا زاد بھائی بطور عصبہ چھوڑ کر مرتا ہے اور ترکہ چھوڑتا ہے جس کو انہوں نے باہم تقسیم کر لیا ہے پھر ورثا بیوی کے خلاف دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ گھر جو اس کے قبضہ میں ہے یہ ان کے متوفی مورث کی ملکیت ہے۔ بیوی ان کے دعویٰ کا انکار کرتی ہے اور وہ ان کے ساتھ انکار کی صورت میں صلح کرتے ہوئے کچھ دراہم دے دیتی ہے کیا بدل صلح ان پر میراث کے حصہ کے مطابق تقسیم کیا جائے گا؟

جواب اس کا یہ ہے: ''البحر'' میں ہے: مصالح علیہ کی جانب میں اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں کسی کی ملکیت واقع ہو تو وہ مدعی کے لیے ہے خواہ مدعی علیہ مقر ہو یا منکر ہو اور مصالح عنہ کی جانب میں اس کا حکم ہے کہ اس میں مدعی علیہ کے لیے ملکیت

مِنْ مَالِهِمْ غَيْرَ الْمِيرَاثِ، وَإِنْ كَانَ) الْمُعْطَى (مِمَّا وَرِثُوهُ فَعَلَى قَدْرِ مِيرَاثِهِمْ) يُقْسَمُ بَيْنَهُمْ وَقَيَّدَهُ الْخَصَّافُ بِكَوْنِهِ عَنْ إِنْكَارٍ فَلَوْ عَنْ إِقْرَارٍ فَعَلَى السَّوَاءِ، وَصُلْحُ أَحَدِهِمْ عَنْ بَعْضِ الْأَعْيَانِ صَحِيحٌ، وَلَوْ لَمْ يَذْكُرْ فِي صَكِّ التَّخَارُجِ أَنَّ فِي التَّرِكَةِ دَيْنًا أَمْ لَا فَالصَّكُّ صَحِيحٌ وَكَذَا لَوْ لَمْ يَذْكُرْهُ فِي الْفَتْوَى فَيُفْتَى بِالصِّحَّةِ، وَيُحْمَلُ عَلَى وُجُودِ شَرَائِطِهَا مَجْمَعُ الْفَتَاوَى (وَالْمُوصَى لَهُ) بِمَبْلَغٍ مِنَ التَّرِكَةِ (كَوَارِثٍ فِيمَا قَدَّمْنَاهُ) مِنْ مَسْأَلَةِ التَّخَارُجِ

وہ مال میراث کے علاوہ ہو اگر عطا کیا جانے والا مال اس میں سے ہو جس کے وہ وارث ہوں تو اسے ان کی میراث کی مقدار کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ ''خصاف'' نے اس کی یہ قید لگائی ہے کہ یہ صلح انکار کی صورت میں ہو اگر اقرار کی صورت میں ہو تو پھر برابر ان میں تقسیم کیا جائے گا۔ بعض اعیان کے مطابق ان میں سے کسی ایک کا صلح کرنا صحیح ہے اگرچہ تخارج کی دستاویز میں یہ ذکر نہ کیا گیا ہو کہ ترکہ میں دین ہے یا نہیں تو دستاویز صحیح ہوگی۔ اسی طرح اگر وہ فتویٰ میں اس کا ذکر نہ کرے تو وہ صحت کا فتویٰ دے دے اور اس کی شرائط کے پائے جانے پر اسے محمول کیا جائے گا۔ ''مجمع الفتاویٰ''۔ اور موصی لہ جسے ترکہ میں سے کچھ وصیت کی گئی ہو تو وہ ان تمام امور میں وارث کی طرح ہوگا جن کا ذکر مسئلہ تخارج میں پہلے ہو چکا ہے۔

واقع ہو۔ الخ

اس کی مثل ''المنح'' میں ہے۔ ''مجموع النوازل'' میں ہے: دعویٰ فاسدہ کے بعد انکار کی حالت میں صلح کے بارے میں پوچھا گیا کیا وہ صحیح ہوتی ہے؟

کہا: کیونکہ مدعی کی جانب سے انکار کی صورت میں صلح کی تصحیح کا مطلب یہ ہے کہ اس نے جو کچھ لیا ہے وہ اس کا عین حق قرار دیا جائے یا اس کا عوض قرار دیا جائے ضروری ہے کہ وہ اس کے حق میں ثابت ہو تا کہ صلح کی تصحیح ممکن ہو۔ یہ ''ذخیرہ'' سے لیا گیا ہے۔ ان کے قول: وقوع الملك فيه للمدعى اس میں ملک مدعی کے لیے واقع ہو اور ان کے قول: ان يجعل ما اخذ عين حقه او عوض عنه اسے اس کا عین حق یا اس کا عوض قرار دیا جائے کا مقتضا یہ ہے کہ وہ ان کے میراث کی مقدار پر ہو۔ مجموعہ ''منلا علی''۔

28606۔ (قوله: مِنْ مَالِهِمْ) یعنی جب کہ وہ اس مال میں برابر ہوں اور اگر تفاوت ہو تو پھر یہ حکم ظاہر نہیں ہوا۔

28607۔ (قوله: فَعَلَى قَدْرِ مِيرَاثِهِمْ) کتاب الفرائض کے آخر میں ان کے درمیان ترکہ کی تقسیم کی وضاحت آئے گی۔

تتمہ: ایک آدمی نے مال یا کسی اور چیز کا دعویٰ کیا ایک آدمی نے وہ چیز مدعی سے خرید لی تو خریداری جائز ہو جائے گی اور دعویٰ میں مشتری مدعی کے قائم مقام ہو جائے گا۔ اگر وہ اس میں سے کسی شے کا مستحق بن گیا تو وہ چیز اس کی ہوگی ورنہ وہ چیز اس کی نہ ہوگی۔ اگر مطلوب انکار کر دے اور گواہ نہ ہوں تو اسے حق حاصل ہوگا کہ وہ مدعی سے مطالبہ کرے، ''بحر''۔ اس کی وجہ میں غور و فکر کیجئے۔ ''بزازیہ'' میں کتاب الہبہ کے آغاز میں ہے: دین کے بیع جائز نہیں اگر اس نے اسے مدیون کے ہاتھ بیچ دیا

(صَالَحُوا) أَيِ الْوَرَثَةُ (أَحَدَهُمْ) وَخَرَجَ مِنْ بَيْنِهِمْ (ثُمَّ ظَهَرَ لِلْمَيِّتِ دَيْنٌ أَوْ عَيْنٌ لَمْ يَعْلَمُوهَا هَلْ يَكُونُ ذٰلِكَ دَاخِلًا فِي الصُّلْحِ) الْمَذْكُورِ
وارثوں نے ایک وارث سے صلح کی اور وہ ایک وارث دوسرے وارثوں سے نکل گیا پھر میت کا دین یا عین ظاہر ہوا جس کو وہ نہیں جانتے تھے کیا وہ مذکورہ صلح میں داخل ہوگا؟

یا اسے ہبہ کر دیا تو یہ جائز ہو جائے گا۔

اگر وارث کسی وارث سے صلح کریں اور وہ دست بردار ہو جائے پھر میت کا دین یا عین ظاہر ہو تو کیا وہ مذکورہ صلح میں داخل ہوگا؟

28608۔(قولہ: صَالَحُوا الخ) میں کہتا ہوں: ''بزازیہ'' میں صلح کی چھٹی فصل میں کہا: اگر تخارج کے بعد ترکہ میں کوئی عین ظاہر ہو گیا اس بارے میں کوئی روایت نہیں کہ کیا وہ عین صلح کے تحت داخل ہوگا یا وہ صلح کے تحت داخل نہیں ہوگا۔ کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ داخل ہوگا اور کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے داخل نہیں ہوگا پھر دو ورق کے بعد کہا: ''تاج الاسلام'' نے کہا اور ''صدر الاسلام'' کے خط سے پایا: ایک وارث نے صلح کی اور عام بری کر دیا پھر ترکہ میں سے ایک شے ظاہر ہوئی جو صلح کے وقت نہ تھی تو دعویٰ کے جواز میں کوئی روایت نہیں۔ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے اس میں سے اس کے حصہ کا دعویٰ جائز نہیں ہے۔ یہی قول اصح ہے۔ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ یہ جائز نہیں۔

''المحیط'' میں ہے: اگر وارثوں میں سے ایک نے باقی کو بری کر دیا پھر ترکہ کا دعویٰ کر دیا اور وارثوں نے انکار کر دیا تو اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا اگر وہ ترکہ کا اقرار کریں تو ان وارثوں کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اسے واپس کر دیں، کلام ''البزازیہ''۔ پھر چند سطور بعد کہا: بیوی نے آٹھویں حصہ کے بارے میں صلح کی پھر دین یا عین ظاہر ہو گیا جو وارثوں کو معلوم نہ تھا ایک قول یہ کیا گیا ہے وہ صلح میں داخل نہیں ہوگا اور ورثاء کے درمیان اسے تقسیم کیا جائے گا۔ کیونکہ جب انہیں علم نہیں تھا تو ان کی صلح معلوم کے بارے میں تھی جو ان کے نزدیک ظاہر ہے ان کی صلح مجہول کے بارے میں نہیں تھی پس یہ عین اور دین اس چیز کی طرح ہو جائے گی جس کو صلح سے مستثنیٰ کیا گیا ہو پس صلح باطل نہ ہوگی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ صلح میں داخل ہوگی کیونکہ یہ صلح ترکہ کے بارے میں واقع ہوئی اور ترکہ سب کا نام ہے۔ جب دین ظاہر ہوگا تو صلح فاسد ہو جائے گی اور اسے یوں بنایا جائے گا جو صلح کے وقت ظاہر تھا۔

اس کے مجموعی کلام کا ماحصل یہ ہے کہ اگر صلح کے بعد ترکہ میں کوئی عین ظاہر ہو جائے کیا وہ عین صلح میں داخل ہوگا تو اس کے بارے میں دعویٰ نہیں سنا جائے گا یا وہ عین صلح میں داخل نہیں ہوگا تو دعویٰ سنا جائے گا اس کے بارے میں دو قول ہیں۔ اسی طرح اگر صلح کے بعد عام بری کرنا صادر ہوا پھر مصالح کے لیے عین ظاہر ہوا کیا اس کا دعویٰ سنا جائے گا اس بارے میں بھی دو قول ہیں۔

اصح قول یہ ہے کہ دعویٰ سنا جائے گا۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ یہ عین صلح کے تحت داخل نہیں۔ پس یہ داخل نہ ہونے کے قول کی

(قَوْلَانِ أَشْهَرُهُمَا لَا) بَلْ بَيْنَ الْكُلِّ وَالْقَوْلَانِ حَكَاهُمَا فِي الْخَانِيَّةِ مُقَدِّمًا لِعَدَمِ الدُّخُولِ وَقَدْ ذَكَرَ فِي أَوَّلِ فَتَاوَاهُ أَنَّهُ يُقَدِّمُ مَا هُوَ الْأَشْهَرُ فَكَانَ هُوَ الْمُعْتَمَدَ كَذَا فِي الْبَحْرِ قُلْت وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ أَنَّهُ الْأَصَحُّ وَلَا يَبْطُلُ الصُّلْحُ، وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ

وَفِي مَالِ طِفْلٍ بِالشُّهُودِ فَلَمْ يَجُزْ وَمَا يَدَّعِ خَصْمٌ وَلَا يَتَنَوَّرُ

اس بارے میں دو قول ہیں دونوں میں سے زیادہ مشہور یہ قول ہے کہ وہ داخل نہیں ہوگا بلکہ وہ سب وارثوں میں تقسیم ہوگا۔ دونوں قولوں کو ''خانیہ'' میں بیان کیا ہے جب کہ عدم دخول کو مقدم کیا ہے۔ انہوں نے اپنے فتاویٰ کے شروع میں یہ ذکر کیا تھا کہ جو قول زیادہ مشہور ہوگا اسے مقدم کیا جائے گا پس یہی قابل اعتماد ہے۔ ''البحر'' میں اسی طرح ہے۔ میں کہتا ہوں: ''بزازیہ'' میں ہے: یہی اصح ہے اور صلح باطل نہیں ہوگی۔ ''الوہبانیہ'' میں ہے: طفل کا ایسا مال جو گواہوں سے ثابت ہے اور اس میں صلح جائز نہ ہوگی۔ اور مدعی جس مال کے بارے میں بچے پر دعویٰ کرے اور گواہیوں سے روشن نہ کرے

تصحیح ہوگی۔ یہ اس صورت میں ہے جب باقی ماندہ وارث اعتراف کرلیں کہ یہ عین ترکہ میں سے نہیں ورنہ بری کرنے کے بعد اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا جس طرح اس کا وہ قول فائدہ دیتا ہے جسے ''المحیط'' سے نقل کیا ہے۔

عین کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر صلح کے بعد ترکہ میں دین ظاہر ہو جائے تو صلح میں داخل نہ ہونے کے قول کی بنا پر صلح صحیح ہوگی اور دین سب میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے کہ وہ صلح میں داخل ہوگا تو صلح فاسد ہو جائے گی جس طرح اگر صلح کے وقت دین ظاہر ہو تو صلح فاسد ہو جائے گی اگر اس صورت میں جب اسے صلح سے خارج کر دیا جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ صلح کے بارے میں یہ تصریح کی جائے کہ یہ ترکہ کے اعیان کے بارے میں ہے دین کے بارے میں نہیں۔ ''بزازیہ'' میں اس کا بھی ذکر کیا ہے کیونکہ فرمایا: پھر تخارج کے بعد جو چیز ظاہر ہوتی ہے یہ اس کے قول کے مطابق ہے جس نے کہا: یہ صلح کے تحت داخل نہیں ہوتی تو اس میں کوئی خفا نہیں اور جس نے کہا: وہ صلح کے تحت داخل ہوگی تو اس کا حکم اس طرح ہوگا اگر وہ عین ہو تو یہ صلح کے فساد کو ثابت نہیں کرے گی اگرچہ دین ہو اگر اسے صلح سے خارج کیا گیا ہو تو صلح فاسد نہ ہوگی ورنہ صلح فاسد ہو جائے گی۔

28609۔ (قولہ: بَيْنَ الْكُلِّ) یعنی جو دین یا عین ظاہر ہوا ہے وہ سب میں تقسیم ہوگا۔

28610۔ (قولہ: قُلْت الخ) میں کہتا ہوں: ''فصولین'' کی اٹھائیسویں فصل میں ہے کہ یہ زیادہ مناسب ہے یعنی اگر عین ظاہر ہو جائے دین ظاہر نہ ہو۔

28611۔ (قولہ: وَلَا يَبْطُلُ الصُّلْحُ) یعنی اگر ترکہ میں عین ظاہر ہو جائے تو صلح باطل نہ ہوگی مگر جب اس میں دین ظاہر ہو جائے تو ''بزازیہ'' میں کہا: اگر اسے صلح سے خارج کیا گیا ہو تو صلح فاسد نہ ہوگی ورنہ صلح فاسد ہو جائے گی یعنی اگر صلح دین کے علاوہ پر واقع ہوئی ہو تو صلح فاسد نہ ہوگی۔ اگر تمام ترکہ پر صلح ہوئی ہو تو صلح فاسد ہو جائے گی جس طرح دین صلح کے وقت ظاہر ہو۔

28612۔ (قولہ: وَفِي مَالِ طِفْلٍ) یعنی جب بچے کا مال ہو جس کے گواہ ہوں تو اس میں صلح جائز نہیں اور جس مال کے

وَصَحَّ عَلَى الْإِبْرَاءِ مِنْ كُلِّ غَائِبٍ　وَلَوْ زَالَ عَيْبٌ عَنْهُ صَالَحَ يُهْدَرُ
وَمَنْ قَالَ إِنْ تَحْلِفْ فَتَبْرَأُ فَلَمْ يَجُزْ　وَلَوْ مُدَّعٍ كَالْأَجْنَبِيِّ يُصَوَّرُ

اور یہ عیب سے صلح صحیح ہوگی اگر اس مبیع سے عیب زائل ہو گیا تو صلح رائیگاں چلی جائے گی۔ اور جس نے یہ کہا اگر تو قسم اٹھادے تو تو بری ہے تو یہ صلح جائز نہ ہوگی اگر مدعی قسم اٹھائے تو وہ اجنبی کی طرح تصور کیا جائے گا۔

بارے میں کوئی مدعی بچے پر دعویٰ کرتا ہے اس میں صلح جائز نہیں اور جس مال کا دعویٰ کرتا ہے اسے گواہیوں سے منور نہیں کرتا۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ صلح جائز ہے جب بچے کے گواہ نہ ہوں اور جہاں خصم کے گواہ ہوں۔ ''ابن الشحنہ''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28613۔(قولہ: وَصَحَّ عَلَى الْإِبْرَاءِ الخ) اگر ایک آدمی (مشتری) نے عیب کی وجہ سے صلح کی پھر عیب زائل ہو گیا اس کی صورت یہ ہے کہ غلام کی آنکھ میں سفیدی ہو پھر وہ سفیدی ختم ہو جائے تو صلح باطل ہو جائے گی اور جو بدل صلح اس نے لیا تھا اسے واپس کر دے گا۔ کیونکہ جو معوض عنہ ہے وہ سلامتی کی صفت ہے جب کہ وہ لوٹ آئی ہے پس عوض لوٹ آئے گا پس صلح باطل ہوگی ''ابن شحنہ شرح الوہبانیہ''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28614۔(قولہ: وَمَنْ قَالَ الخ) یعنی اگر دونوں نے صلح کی کہ مدعی علیہ قسم اٹھائے اگر وہ قسم اٹھادے تو وہ بری ہو جائے گا۔ مدعی علیہ نے قسم اٹھادی کہ مدعی کا اس کے ذمہ نہ قلیل مال ہے اور نہ ہی کثیر ہے تو صلح باطل ہوگی۔ اور مدعی اپنے دعویٰ پر باقی رہے گا۔ اگر وہ گواہیاں قائم کر دے تو گواہیاں قبول کی جائیں گی اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں اور اس نے یہ ارادہ کیا کہ قاضی کے پاس جا کر اس سے قسم کا مطالبہ کرے تو اسے یہ حق ہوگا اگر وہ دونوں اس پر صلح کر لیں کہ مدعی اپنے دعویٰ پر قسم اٹھادے اس شرط پر کہ اگر مدعی قسم اٹھادے تو مدعی علیہ اس کا ضامن ہوگا جس کا وہ دعویٰ کرتا ہے تو یہ صلح باطل ہوگی ''ابن الشحنہ''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28615۔(قولہ: وَلَوْ مُدَّعٍ) لو وصلیہ ہے۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

كِتَابُ الْمُضَارَبَةِ

(هِيَ) لُغَةً مُفَاعَلَةٌ مِنَ الضَّرْبِ فِي الْأَرْضِ وَهُوَ السَّيْرُ فِيهَا وَشَرْعًا (عَقْدُ شَرِكَةٍ فِي الرِّبْحِ بِمَالٍ مِنْ جَانِبِ) رَبِّ الْمَالِ (وَعَمَلٍ مِنْ جَانِبِ) الْمُضَارِبِ (وَرُكْنُهَا الْإِيجَابُ وَالْقَبُولُ وَحُكْمُهَا) أَنْوَاعٌ: لِأَنَّهَا (إِيدَاعٌ ابْتِدَاءً) وَمِنْ حِيَلِ الضَّمَانِ أَنْ يُقْرِضَهُ الْمَالَ إِلَّا دِرْهَمًا ثُمَّ يَعْقِدَ شَرِكَةَ عِنَانٍ بِالدِّرْهَمِ،

مضاربت کے احکام

مضاربہ یہ لغت کے اعتبار سے ضرب فی الارض سے مفاعلہ کا وزن ہے، ضرب فی الارض سے مراد زمین میں گھومنا پھرنا ہے۔ اور شرع میں مضاربہ سے مراد نفع میں شریک ہونا ہے جب کہ مال ایک جانب یعنی رب المال کی طرف سے ہو اور عمل مضارب کی جانب سے ہو۔ مضاربہ کا رکن ایجاب اور قبول ہے اور اس کے حکم کی کئی انواع ہیں۔ کیونکہ یہ ابتداءً ودیعت کے طور پر مال دینا ہے۔ اور ضمانت کے حیلوں میں سے ایک یہ ہے کہ مالک مضارب کو مال قرض کے طور پر دے مگر ایک درہم قرض کے طور پر نہ دے پھر جو درہم قرض کے طور پر نہیں دیا اور جو قرض کے طور پر دیا ہے اس کے ساتھ شرکت عنان کرے

اگر رب المال نے یہ شرط لگائی کہ وہ مضارب کے ساتھ کام کرے گا تو یہ مضاربت فاسد ہو جائے گی

28616۔ (قولہ: مِنْ جَانِبِ الْمُضَارِبِ) اس کی یہ قید لگائی ہے کیونکہ اگر رب المال نے یہ شرط لگائی کہ وہ مضارب کے ساتھ کام کرے گا تو مضاربت فاسد ہو جائے گی۔ جس طرح مصنف عنقریب باب المضارب یضارب میں اس کی تصریح کریں گے۔ اسی طرح مضاربت فاسد ہو جائے گی اگر اس نے مضارب سے مال اس کے امر کے بغیر لیا اسے بیچا اور اس کے بدلے میں خریدا مگر جب مال سامان تجارت ہو جائے تو مضاربت فاسد نہ ہو گی اگر چہ وہ اس مضارب سے وہ مال لے جس طرح فصل المتفرقات میں عنقریب آئے گا۔

28617۔ (قولہ: اِيدَاعٌ ابْتِدَاءً) ''خیر رملی'' نے کہا: عنقریب یہ آئے گا کہ مضارب مضاربہ مطلقہ میں مال ودیعت کے طور پر دے سکتا ہے جب کہ یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ مودع آگے مال ودیعت پر نہیں دے سکتا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مال ودیعت کے طور پر دینے کی صورت میں وہ ضامن نہیں ہو گا یہ مخصوص احکام میں ہے ہر حکم میں نہیں ہے۔ فتامل

ضمان کے حیلے

28618۔ (قولہ: وَمِنْ حِيَلِ الخ) اگر رب المال یہ ارادہ کرے کہ مال ہلاک ہونے کی صورت میں مضارب ضامن ہو تو اسے مال قرض دے پھر اس سے مال مضاربت پر لے پھر مضارب کو مال بضاعت پر دے دے جس طرح

وَبِمَا أَقْرَضَهُ عَلَى أَنْ يَعْمَلَا، وَالرِّبْحُ بَيْنَهُمَا ثُمَّ يَعْمَلَ الْمُسْتَقْرِضُ فَقَط فَإِنْ هَلَكَ فَالْقَرْضُ عَلَيْهِ (وَتَوْكِيلٌ مَعَ الْعَمَلِ) لِتَصَرُّفِهِ بِأَمْرِهِ (وَشَرِكَةٌ إِنْ رَبِحَ وَغَصْبٌ إِنْ خَالَفَ وَإِنْ أَجَازَ) رَبُّ الْمَالِ (بَعْدَهُ) لِصَيْرُورَتِهِ غَاصِبًا بِالْمُخَالَفَةِ (وَإِجَارَةٌ فَاسِدَةٌ إِنْ فَسَدَتْ فَلَا رِبْحَ) لِلْمُضَارِبِ (حِينَئِذٍ بَلْ لَهُ أَجْرُ) مِثْلِ (عَمَلِهِ مُطْلَقًا)

اس شرط پر کہ وہ دونوں اس میں عمل کریں گے اور نفع دونوں میں مشترک ہوگا پھر صرف قرض لینے والا عمل کرے اگر مال ہلاک ہو گیا تو قرض مستقرض کے ذمہ ہوگا۔ اور یہ عمل کے ساتھ وکیل بنانا ہے کیونکہ وہ مالک کے امر سے تصرف کرتا ہے اگر نفع حاصل ہو جائے تو یہ شرکت ہے اگر مضارب رب المال کی مخالفت کرے تو یہ غصب ہے اگر چہ بعد میں رب المال اسے جائز قرار دے دے۔ کیونکہ وہ مخالفت کی وجہ سے غاصب ہو چکا ہے۔ اگر مضاربت فاسد ہو جائے تو یہ اجارہ فاسدہ ہے تو اس وقت مضارب کے لیے کوئی نفع نہیں ہوگا بلکہ مطلقاً اس کے لیے اجرت مثلی ہوگی

''واقعات'' میں ہے، ''قہستانی''۔ ''زیلعی'' نے بھی اس حیلہ کو ذکر کیا ہے اس سے قبل جو حیلہ تھا اسے شارح نے ذکر کیا ہے۔

اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ یہ شرکت عنان ہے اس میں اس آدمی پر عمل کی شرط لگائی ہے جو مال میں بڑھ کر تھا جب کہ یہ جائز نہیں۔ اس کے برعکس کی صورت مختلف ہے وہ جائز ہے۔ جس طرح ''ظہیریہ'' میں کتاب الشرکہ میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی ''الاصل'' سے ذکر کیا ہے۔ تامل

اسی طرح ''بزازیہ'' کے کتاب الشرکہ میں ہے کیونکہ کہا: اگر دونوں میں سے ایک کے ہزار اور دوسرے کے دو ہزار ہوں اور وہ دونوں شریک ہوں اور جس کے ہزار ہیں اس پر دونوں عمل کی شرط لگا دیں اور نفع برابر ہو تو یہ جائز ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ دونوں نفع اور نقصان کی شرط مال کے مطابق کی مقدار لگا دیں اور عمل ایک جانب سے ہو تو یہ جائز ہوگا اگر وہ دونوں عمل کی شرط دو ہزار والے پر لگا دیں اور نفع نصف نصف ہو تو شرط جائز نہ ہوگی اور نفع دونوں میں تہائی کے اعتبار سے ہوگا۔ کیونکہ ہزار والے نے اپنے لیے دوسرے کے مال کے نفع کی شرط اپنے لیے لگائی ہے نہ اس کا عمل ہے اور نہ مال ہے جب کہ استحقاق مال، عمل یا ضمان کے ساتھ ہوتا ہے ملخص۔ لیکن شارح کے مسئلہ میں دونوں پر عمل کی شرط لگائی ہے صرف جس کا مال زائد تھا اس پر شرط نہیں لگائی۔

حاصل کلام یہ ہے: ان کی کلام سے جو مفہوم ہے وہ یہ ہے کہ نفع میں اصل یہ ہے کہ وہ مال کی مقدار کے حساب سے ہوگا جب ایک کا عمل ہو پھر یہ صحیح ہوگا کہ یہ نفع اس کے عمل کے مقابل ہو اسی طرح اگر عمل دونوں سے ہو تو کفالت بھی صحیح ہوگا۔ تامل

28619۔ (قولہ: وَتَوْكِيلٌ مَعَ الْعَمَلِ) اس پر جو ذمہ داری لازم ہوتی ہے رب المال سے اس کا مطالبہ کرے گا۔ ''درر''۔

28620۔ (قولہ: بِالْمُخَالَفَةِ) نفع مضارب کیلئے ہوگا مگر طرفین کے نزدیک وہ اس کیلئے پاکیزہ نہ ہوگا۔ ''در منتقی''۔

28621۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یہ ظاہر روایت ہے۔ ''قہستانی''۔

رَبِحَ أَوْ لَا (بِلَا زِيَادَةٍ عَلَى الْمَشْرُوطِ) خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ وَالثَّلَاثَةِ إِلَّا فِي وَصِيٍّ

اسے نفع ہو یا نفع نہ ہو وہ مشروط پر زائدہ نہ ہو۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ اور تینوں ائمہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ مگر ایسا وصی

اگر مضاربت فاسد ہو جائے تو اس وقت مضارب کے لیے اجرت مثل ہوگی

28622۔ (قولہ: رَبِحَ أَوْ لَا) امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول مروی ہے: جب اسے نفع نہ ہو تو کوئی اجر نہیں ہوگی۔ یہی قول صحیح ہے تا کہ فاسدہ صحیحہ پر بڑھ نہ جائے ''سائحانی''۔ اسی کی مثل'' حاشیہ طحطاوی'' میں ''عینی'' سے منقول ہے۔

28623۔ (قولہ: عَلَى الْمَشْرُوطِ) ''الملتقی'' میں کہا: اس کے لیے جو شرط لگائی گئی ہے اس سے زائد نہ ہو۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے یعنی اس صورت میں جب اسے نفع ہو ورنہ زیادتی متحقق نہ ہوگی۔ پس عامل کے لیے معین دراہم ذکر کرنے کے سبب فساد نہ ہوگا۔ تامل

28624۔ (قولہ: خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ) اس میں اس امر کا شعور دلایا گیا ہے کہ اختلاف اس صورت میں ہے جب وہ نفع حاصل کرے مگر جب وہ نفع حاصل نہ کرے تو اجرت مثلی لازم ہوگی وہ جہاں تک پہنچ جائے۔ کیونکہ معدوم نفع کے نصف کا اندازہ لگانا ممکن نہیں جس طرح ''الفصولین'' میں ہے۔ لیکن ''واقعات'' میں ہے: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا جو قول ہے وہ اس کے ساتھ مخصوص ہے جب اس نے نفع کمایا ہو اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: اس کے لیے اجرت مثلی ہوگی وہ جہاں تک پہنچے وہ اعم ہے۔ ''قہستانی''۔

28625۔ (قولہ: وَالثَّلَاثَةِ) امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے لیے اس کے عمل کی اجرت ہوگی وہ جہاں تک پہنچے جب اسے نفع ہو، ''درمنتقی''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

اس بارے میں سوال کیا گیا جب زید عمرو کو مضاربت کے طریقہ پر مال دے اور عمرو سے کہا: اسے بیچو اور جب تک نفع ہو تو وہ ہمارے درمیان تہائی کے اعتبار سے ہوگا عمرو نے اس سامان کو بیچا اور اس میں نقصان اٹھایا تو مضاربت صحیح نہ ہوگی اور عمرو کے لیے اجرت مثلی ہوگی جو مشروط سے زائد نہ ہو۔ ''حامدیہ''۔

ایک آدمی نے دوسرے کو سامان دیا اور کہا: اسے بیچ اور اسے خرید جو تجھے نفع ہو تو وہ ہمارے درمیان نصف نصف ہوگا اسے نقصان ہو گیا تو عامل پر خسارہ لازم نہ ہوگا جب سامان کے مالک نے اس سے مطالبہ کیا تو دونوں نے باہم صلح کی اس شرط پر کہ عامل اسے دے گا تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ اگر کسی انسان نے بدل صلح کی ضمانت اٹھائی تو یہ صحیح نہ ہوگا۔ اگر اس عامل نے اس مال میں عمل کیا تو وہ مال ان دونوں کے درمیان شرط کے مطابق ہوگا۔ کیونکہ اس کا آغاز مضاربت نہیں بلکہ یہ سامان بیچنے کا وکیل بنانا ہے پھر جب ثمن نقدی میں سے ہو جائے تو اس کے بعد یہ مضاربت کے طریقہ پر دینا ہوگا پس وہ پہلے ضامن نہیں ہو گا۔ کیونکہ وہ وکالت کے حق کے طریقہ پر دین تھا پھر وہ مضارب ہو گیا تو وہ مشروط کا مستحق بن جائے گا۔ ''جواہر الفتاویٰ''۔

28626۔ (قولہ: وَصِيٍّ الخ) اس قول کا ظاہر معنی تو یہ ہے کہ وصی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یتیم کے مال میں نفع میں

أَخَذَ مَالَ يَتِيمٍ مُضَارَبَةً فَاسِدَةً) كَشَرْطِهِ لِنَفْسِهِ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ (فَلَا شَيْءَ لَهُ) فِي مَالِ الْيَتِيمِ (إِذَا عَمِلَ) أَشْبَاهٌ فَهُوَ اسْتِثْنَاءٌ مِنْ أَجْرِ عَمَلِهِ (وَ) الْفَاسِدَةُ (لَا ضَمَانَ فِيهَا) أَيْضًا (كَصَحِيحَةٍ) ؛ لِأَنَّهُ أَمِينٌ (وَدَفْعُ الْمَالِ إِلَى آخَرَ مَعَ شَرْطِ الرِّبْحِ) كُلِّهِ (لِلْمَالِكِ بِضَاعَةٌ) فَيَكُونُ وَكِيلًا مُتَبَرِّعًا (وَمَعَ شَرْطِهِ لِلْعَامِلِ قَرْضٌ) لِقِلَّةِ ضَرَرِهِ (وَشَرْطُهَا) أُمُورٌ سَبْعَةٌ (كَوْنُ رَأْسِ الْمَالِ مِنَ الْأَثْمَانِ) كَمَا مَرَّ فِي الشَّرِكَةِ وَهُوَ مَعْلُومٌ لِلْعَاقِدَيْنِ

جس نے یتیم کا مال مضارب فاسدہ کے طور پر لیا۔ جس طرح وہ وصی اپنے لیے دس دراہم کی شرط لگائے تو یتیم کے مال میں اس کے لیے کچھ نہیں ہوگا، ''اشباہ''۔ یہ قول اجر عملہ سے مستثنیٰ ہے اور مضاربہ فاسدہ میں بھی ضمان نہیں جس طرح مضاربہ صحیحہ میں کوئی ضمان نہیں۔ کیونکہ یہ امین ہے اور کسی دوسرے شخص کو مال دینا اس شرط پر کہ سارا نفع مالک کے لیے ہوگا یہ بضاعت ہوگا۔ پس وہ متبرع وکیل ہوگا۔ اور یہ شرط لگائی جائے کہ نفع عامل کے لیے ہوگا تو یہ قرض ہوگا کیونکہ اس میں ضرر کم ہے۔ اس کی شرط سات امور ہیں (۱) راس المال ثمن ہو جس طرح شرکت میں گزر چکا ہے یہ عاقدین کو معلوم ہے

سے ایک جز میں مضاربت کرے۔ اس میں ''زیلعی'' کا کلام زیادہ ظاہر ہے۔ ''زیلعی'' نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ وصی کو حق حاصل ہے کہ وہ یتیم کے نائب کے طور پر اسے مال دے دے جو اس میں مضاربت کے طور پر عمل کرے جس طرح اس بچے کا باپ اس کا مال دے سکتا ہے۔ ''ابوسعود''۔

28627۔ (قولہ: إِذَا عَمِلَ) کیونکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ وصی اپنے آپ کو یتیم کے لیے اجرت پر پیش کرتا ہے جب کہ یہ جائز نہیں۔

28628۔ (قولہ: لِقِلَّةِ ضَرَرِهِ) قرض کی ہبہ کی بنسبت ضرر کم ہے پس اس کو قرض بنا دیا جائے گا اور اسے ہبہ نہیں بنایا جائے گا۔ ''زیلعی'' نے اس کو ذکر کیا ہے۔

28629۔ (قولہ: مِنَ الْأَثْمَانِ) یعنی دراہم و دنانیر۔ اگر وہ سامان تجارت سے ہو پس وہ انہیں بیچ دے تو وہ چیزیں نقود بن جائیں اور مشروط لازم ہو جائے گا جس طرح ''جواہر'' میں ہے۔

مشترک شے کو قرض دینا جائز ہے

28630۔ (قولہ: وَهُوَ مَعْلُومٌ لِلْعَاقِدَيْنِ) اگرچہ وہ سامان ہو۔ کیونکہ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: جب ایک آدمی نے دوسرے کو ہزار درہم دیئے اور کہا: اس کا نصف تیرے پاس نصف نفع کے عوض مضاربت کے طریقہ پر ہے تو یہ صحیح ہوگا۔ یہ مسئلہ اس امر پر نص ہے کہ مشترک شے کو قرض دینا جائز ہے اس کی روایت نہیں پائی جاتی مگر یہاں ہی روایت پائی جاتی ہے۔ جب یہ عقد جائز ہے تو ہر ایک کے لیے اس کے حکم کا نصف ہوگا۔ اگر اس نے کہا: شرط یہ ہے کہ اس کا نصف قرض ہے اور دوسرے نصف میں تو مضاربت کے طریقے پر عمل کرے گا اس شرط پر کہ تمام کا تمام نفع میرے لیے ہوگا تو یہ جائز ہے اور مکروہ

(وَكَفَتْ فِيهِ الْإِشَارَةُ) وَالْقَوْلُ فِي قَدْرِهِ وَصِفَتِهِ لِلْمُضَارِبِ بِيَمِينِهِ، وَالْبَيِّنَةُ لِلْمَالِكِ وَأَمَّا الْمُضَارَبَةُ بِدَيْنٍ فَإِنْ عَلَى الْمُضَارِبِ لَمْ يَجُزْ، وَإِنْ عَلَى ثَالِثٍ جَازَ

اس میں اشارہ کافی ہے اس کی مقدار اور اس کی صفت میں قسم کے ساتھ قول مضارب کا ہوگا اور گواہ مالک کے ہوں گے۔ جہاں تک دین سے عقد مضاربت کا تعلق ہے اگر تو وہ دین مضارب پر ہو تو یہ جائز نہیں۔ اگر وہ کسی تیسرے شخص پر ہو تو پھر جائز ہے

ہوگا۔ کیونکہ یہ ایسا قرض ہے جو منفعت کو لانے والا ہے اگر اس نے کہا: شرط یہ ہے کہ اس کا نصف تجھ پر قرض ہے اور اس کا نصف نصف نفع کے عوض مضاربت کے طریقہ پر ہے تو یہ جائز ہوگا۔ یہاں کراہیت کا ذکر نہیں۔

مشائخ میں سے کچھ نے کہا: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی یہاں خاموشی اس کے مکروہ تنزیہی ہونے پر دلیل ہے۔

''الخانیہ'' میں کہا: اس شرط پر کہ تو نصف آخر میں عمل کرے گا اس شرط پر کہ نفع میرے لیے ہوگا یہ جائز ہے اور مکروہ نہیں ہو گا۔ اگر اسے نفع ہو تو وہ نفع دونوں میں برابر برابر طور پر تقسیم کر دیا جائے گا اور نقصان دونوں پر لازم ہوگا۔ کیونکہ اس مال کا نصف قرض کے طور پر اس کی ملک میں ہے اور دوسرا نصف بضاعت کے طور پر اسکے قبضہ میں ہے۔ ''تجرید'' میں یہ قول ہے کہ یہ مکروہ ہے۔

''المحیط'' میں ہے: اگر اس نے کہا: اس کا نصف، نصف نفع کے عوض مضاربت کے طریقہ پر ہے اور اس کا نصف تیرے لیے ہبہ ہے اس دوسرے آدمی نے اس پر تقسیم کے بغیر قبضہ کر لیا تو ہبہ فاسد ہو جائے گا اور مضاربت جائز ہو جائے گی۔ اگر عمل سے پہلے یا عمل کے بعد مال ہلاک ہو گیا تو صرف نصف جو ہبہ کا حصہ ہے کی ضمانت اٹھائے گا۔ یہ مسئلہ اس پر نص ہے کہ ہبہ فاسدہ کے طریقہ پر جس مال پر قبضہ کیا گیا ہے اس کی موہوب لہ پر ضمانت ہوگی، ملخص۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے پس اس کو یاد رکھا جائے کیونکہ یہ بہت ہی اہم ہے۔ یہ جو آخری صورت ہے کتاب الایداع سے تھوڑا پہلے عنقریب آئے گی۔

28631۔ (قولہ: وَكَفَتْ فِيهِ) یعنی اعلام یا خبر کرنے میں اشارہ کافی ہے۔ ''منح''۔

دین سے عقد مضاربت کا حکم

28632۔ (قولہ: لَمْ يَجُزْ) اس نے جو خریدا ہے وہ اسی کے لیے ہوگا اور دین اس کے ذمہ ہوگا۔ ''بحر''۔

28633۔ (قولہ: إِنْ عَلَى ثَالِثٍ) اس کی صورت یہ ہے کہ فلاں کے ذمہ جو مال ہے اس پر قبضہ کیجئے پھر اس سے مضاربت کیجئے۔ اگر تمام دین پر قبضہ کرنے سے قبل اس نے عمل کیا تو ضامن ہوگا۔ اگر کہا: اس سے مضاربت کا عمل کرو تو ضامن نہیں ہوگا۔ یہی صورت ہوگی اگر اس نے کلام میں واؤ کا ذکر کیا۔ کیونکہ ثم کا لفظ ترتیب کے لیے آتا ہے۔ پس اسے عمل مضاربت کی اجازت نہ ہوگی مگر جب کل پر قبضہ کر لے۔ فا اور واؤ کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر اس نے کہا: میرے دین پر قبضہ کر تاکہ اس سے تو مضاربت کرے تو جب تک مکمل پر قبضہ نہیں کرے گا اسے اجازت نہ ہوگی۔ ''بحر''۔ ''حاشیہ'' میں کہا: ''الدرر'' میں کہا ہے: اگر اس نے کہا: اس دین سے مضاربت کا عمل کر جو دین تیرے ذمہ ہے جب کہ نفع نصف نصف ہوگا تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اگر دین تیسرے آدمی کے ذمہ ہو تو معاملہ مختلف ہوگا جیسے اگر اس نے کہا: میرا جو مال فلاں کے ذمہ ہے اسے وصول کرو

وَكُرِهَ وَلَوْ قَالَ اشْتَرِ لِي عَبْدًا نَسِيئَةً ثُمَّ بِعْهُ وَضَارِبْ ثَمَنَهُ فَفَعَلَ جَازَ كَقَوْلِهِ لِغَاصِبٍ أَوْ مُسْتَوْدَعٍ أَوْ مُسْتَبْضِعٍ اعْمَلْ بِمَا فِي يَدِكَ مُضَارَبَةً بِالنِّصْفِ جَازَ مُجْتَبَى (وَكَوْنُ رَأْسِ الْمَالِ عَيْنًا لَا دَيْنًا) كَمَا بَسَطَهُ فِي الدُّرَرِ (وَكَوْنُهُ مُسَلَّمًا إلَى الْمُضَارِبِ) لِيُمْكِنَهُ التَّصَرُّفُ (بِخِلَافِ الشَّرِكَةِ) ؛ لِأَنَّ الْعَمَلَ فِيهَا مِنْ الْجَانِبَيْنِ (وَكَوْنُ الرِّبْحِ بَيْنَهُمَا شَائِعًا) فَلَوْ عَيَّنَ قَدْرًا فَسَدَتْ (وَكَوْنُ نَصِيبِ كُلٍّ مِنْهُمَا مَعْلُومًا) عِنْدَ الْعَقْدِ وَمِنْ شُرُوطِهَا كَوْنُ نَصِيبِ الْمُضَارِبِ مِنْ الرِّبْحِ حَتَّى لَوْ شَرَطَ لَهُ مِنْ رَأْسِ الْمَالِ أَوْ مِنْهُ وَمِنْ الرِّبْحِ فَسَدَتْ،

اور مکروہ ہے۔ اگر اس نے کہا: میرے لیے ادھار پر ایک غلام خرید و پھر اسے بیچو اور اس کی ثمن سے مضاربت کرو تو دوسرے آدمی نے اسی طرح کیا تو یہ جائز ہو جائے گا جس طرح وہ غاصب مستودع یا مستبضع کو کہتا ہے تیرے ہاتھ میں جو مال ہے اس پر مضاربت کرو اور نفع نصف نصف ہوگا تو یہ جائز ہوگا۔ ''مجتبیٰ''۔ مضاربت کے صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ رأس المال عین ہو دین نہ ہو جس طرح ''الدرر'' میں اسے بیان کیا ہے۔ مضاربت کے صحیح ہونے کی یہ شرط ہے کہ وہ مال مضارب کے سپرد کیا جا چکا ہوتا کہ اس کے لیے تصرف کرنا ممکن ہو۔ شرکت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں عمل جانبین سے ہوتا ہے اور اس کے صحیح ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ نفع دونوں میں مشترک ہو اگر نفع کی مقدار معین کر دی تو مضاربت فاسد ہو جائے گی اور مضاربت کے صحیح ہونے کی یہ شرط ہے کہ عقد کے وقت دونوں میں سے ہر ایک کا حصہ معلوم ہو۔ مضاربت کی شروط میں سے ایک یہ ہے کہ مضارب کا حصہ نفع میں سے ہو یہاں تک کہ اگر اس کے لیے رأس المال یا رأس المال اور نفع میں شرط لگائی گئی تو مضاربت فاسد ہو جائے گی۔

اور اس سے مضاربت کا عمل کرو یہاں تک کہ رب المال کا اس میں قبضہ نہ رہے۔

28634۔ (قولہ: وَكُرِهَ) کیونکہ اس نے عقد سے پہلے ہی اپنے لیے منفعت کی شرط لگائی ہے۔ ''منح''۔

28635۔ (قولہ: اشْتَرِ لِي عَبْدًا) یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اگر وہ سامان دے اور اسے کہے اسے بیچو اور اس کی ثمن سے مضاربت کا عمل کرو تو یہ بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا شارح نے اس کی وضاحت کی ہے سامان تجارت میں مضاربت کے جواز کا یہ حیلہ ہے۔ ایک اور حیلہ ہے جسے ''خصاف'' نے ذکر کیا ہے کہ وہ یہ سامان قابل اعتماد آدمی کے ہاتھ بیچ دے، مال پر قبضہ کرے اور مضاربت کے طریقہ پر مضارب کے حوالے کر دے پھر یہ مضارب اس سامان کو اس آدمی سے وصول کرے جس نے مالک سے خریدا تھا۔

28636۔ (قولہ: عَيْنًا) یعنی معین۔ یہاں عین سے مراد سامان نہیں ہے۔ ''ط''۔

28637۔ (قولہ: لَا دَيْنًا) یہ متقدم کے ساتھ تکرار ہے۔

28638۔ (قولہ: مُسَلَّمًا) اگر رب المال نے شرط لگائی کہ وہ مضارب کے ساتھ عمل کرے گا تو مضاربت جائز نہ ہو

وَفِي الْجَلَّالِيَّةِ كُلُّ شَرْطٍ يُوجِبُ جَهَالَةً فِي الرِّبْحِ أَوْ يَقْطَعُ الشَّرِكَةَ فِيهِ يُفْسِدُهَا، وَإِلَّا بَطَلَ الشَّرْطُ وَصَحَّ الْعَقْدُ اعْتِبَارًا بِالْوَكَالَةِ (وَلَوْ ادَّعَى الْمُضَارِبُ فَسَادَهَا فَالْقَوْلُ لِرَبِّ الْمَالِ وَبِعَكْسِهِ فَلِلْمُضَارِبِ) الْأَصْلُ أَنَّ الْقَوْلَ لِمُدَّعِي الصِّحَّةِ فِي الْعُقُودِ إِلَّا إِذَا قَالَ رَبُّ الْمَالِ

''جلالیہ'' میں ہے: ہر وہ شرط ہے جو نفع میں جہالت کو ثابت کرتی ہو یا اس میں شرکت کو قطع کرتی ہو تو وہ مضاربت کو فاسد کر دے گی ورنہ شرط باطل ہو جائے گی اور وکالت پر قیاس کرتے ہوئے عقد صحیح ہوگا۔ اگر مضارب نے مضاربت کے فاسد ہونے کا دعویٰ کیا تو قول رب المال کا ہوگا اور اگر صورت حال اس کے برعکس ہو تو قول مضارب کا ہوگا۔ اصل یہ ہے کہ عقود میں قول اس کا معتبر ہوتا ہے جو اس کے صحیح ہونے کا مدعی ہو مگر جب رب المال کہے:

گی۔ خواہ مالک عقد کرنے والا ہو یا عقد کرنے والا نہ ہو جیسے باپ اور وصی جب وہ صغیر کا مال مضاربت پر دے اور مضارب کے ساتھ اپنے شریک کے عمل کی شرط لگائے تو مضاربت صحیح نہ ہوگی۔

''سغناقی'' میں ہے: صغیر کے عمل کی شرط جائز نہیں اس طرح شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان کی صورت میں ایک حصہ دار کا معاملہ ہے جب وہ مال مضاربت کے طریقہ پر دے اور اپنے ساتھی کے عمل کی شرط لگائے تو عقد فاسد ہو جائے گا، ''تاتر خانیہ''۔ آنے والے باب کے متن میں اس کا کچھ آئے گا۔

مضاربت کے فاسد ہونے کا ضابطہ

28639۔(قولہ: كُلُّ شَرْطٍ الخ) ''اکمل'' نے کہا: رب المال پر عمل کی شرط لگائی جائے تو یہ عقد مضاربت کو فاسد کر دیتی ہے جو مذکور ہے ان میں سے یہ ایک نہیں۔

جواب: عقد مضاربہ ہونے کے بعد یہ کلام شروط فاسدہ میں ہے اور انہوں نے جو اعتراض کیا ہے اس میں عقد عقد مضاربہ نہیں ہے۔

اگر تو کہے: ان کے قول یفسدھا کا کیا معنی ہے کیونکہ نفی ثبوت کا تقاضا کرتی ہے؟

میں کہتا ہوں: معدوم شے کی نفی صحیح ہے جیسے وہ زید جو معدوم ہے وہ بصیر نہیں ہے، متن میں عنقریب آئے گا کہ یہ مفسد ہے۔

شارح نے کہا: کیونکہ یہ تخلیہ کے مانع ہے پس وہ صحت کے مانع ہے۔ پس زیادہ بہتر یہ ہے کہ منع کے ساتھ جواب دیا جائے پس یہ کہا جائے گا ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ غیر مفسد ہے۔ ''سائحانی''۔

28640۔(قولہ: فِي الرِّبْحِ) جس طرح وہ اس کے لیے نصف ربح یا ثلث (ایک تہائی) نفع کی شرط اور تردید یہ کے ساتھ لگائے۔ ''س''۔

28641۔(قولہ: فِيهِ) جس طرح ان دونوں میں سے ایک کے لیے مخصوص دراہم کی شرط لگا دے۔ ''س''۔

28642۔(قولہ: بَطَلَ الشَّرْطُ) جس طرح مضارب پر نقصان لازم ہونے کی شرط لگا دی جائے۔ ''س''۔

شَرَطْتُ لَكَ ثُلُثَ الرِّبْحِ إلَّا عَشَرَةً وَقَالَ الْمُضَارِبُ الثُّلُثَ فَالْقَوْلُ لِرَبِّ الْمَالِ وَلَوْ فِيهِ فَسَادُهَا؛ لِأَنَّهُ يُنْكِرُ زِيَادَةً يَدَّعِيهَا الْمُضَارِبُ خَانِيَّةٌ وَمَا فِي الْأَشْبَاهِ فِيهِ اشْتِبَاهٌ فَافْهَمْ (وَيَمْلِكُ الْمُضَارِبُ فِي الْمُطْلَقَةِ) الَّتِي لَمْ تُقَيَّدْ بِمَكَانٍ أَوْ زَمَانٍ أَوْ نَوْعٍ (الْبَيْعَ) وَلَوْ فَاسِدًا بِنَقْدٍ وَنَسِيئَةٍ مُتَعَارَفَةٍ، وَالشِّرَاءَ وَالتَّوْكِيلَ بِهِمَا، وَالسَّفَرَ بَرًّا وَبَحْرًا) وَلَوْ دَفَعَ لَهُ الْمَالَ فِي بَلَدِهِ عَلَى الظَّاهِرِ (وَالْإِبْضَاعَ) أَيْ دَفْعَ الْمَالِ بِضَاعَةً

میں نے تیرے لیے ایک تہائی نفع کی شرط لگائی ہے مگر دس کی، مضارب نے کہا: ایک تہائی کی شرط لگائی ہے تو قول رب المال کا ہوگا اگر چہ اس میں مضاربت کا فساد ہو کیونکہ وہ ایسی زیادتی کا دعویٰ کرتا ہے مضارب جس کا انکار کرتا ہے۔''خانیہ''، ''الاشباہ'' میں جو قول ہے اس میں اشتباہ ہے۔ فافہم۔ مضاربہ مطلقہ جسے کسی مکان، زمان یا نوع کے ساتھ مقید نہ کیا گیا ہے اس میں مضارب بیع، اگر چہ فاسد ہو، کا مالک ہوتا ہے وہ بیع نقد کرے، ایسا ادھار کرے جو متعارف ہو اور وہ مضارب خریدنے اور دونوں کا وکیل بنانے کا مالک ہوتا ہے اور وہ سفر کا مالک ہوتا ہے وہ سفر خشکی کا ہو یا سمندر کا ہو اگر چہ اس نے اسے مال کسی شہر میں دیا ہو وہ مضارب ابضاع کا مالک ہوتا ہے۔ ابضاع سے مراد بضاعت کے طور پر مال دینا ہے

28643۔(قولہ: وَمَا فِي الْأَشْبَاهِ) یعنی ان کا جو یہ قول ہے القول قول مدعی الصحۃ، مگر جب رب المال کہے: میں نے تیرے لیے تہائی اور دس زیادہ کی شرط لگائی ہے مضارب نے کہا: ایک تہائی کی شرط تھی تو قول مضارب کا ہوگا جس طرح ''ذخیرہ'' میں ہے۔

28644۔(قولہ: فِيهِ اشْتِبَاهٌ) یعنی ان پر ایک مسئلہ دوسرے مسئلہ کے ساتھ مشتبہ ہو گیا وہ یہاں مذکور ہے۔ کیونکہ جو مسئلہ انہوں نے ذکر کیا ہے وہ مذکور اصل کے تحت داخل ہے کیونکہ اس میں جس کا قول یہ ہو کہ وہ مضاربت کی صحت کا مدعی ہو تو اس کی استثنا صحیح نہ ہوگی۔ جو یہاں ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔

28645۔(قولہ: أَوْ نَوْعٍ) یعنی یا کسی شخص معین کے ساتھ بیع کرنے کی قید نہ لگائی ہو جس طرح عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔

28646۔(قولہ: وَلَوْ فَاسِدًا) یعنی بیع فاسد کی صورت میں وہ اس کی مخالفت کرنے والا نہیں ہوگا۔ پس مال اس حالت سے خارج نہیں ہوگا کہ یہ اس کے قبضہ میں امانت کے طور پر ہے اگر چہ اس کا عقد فاسد کرنا جائز نہیں۔ اور عقد باطل اس سے نکل گیا جس طرح ''الاشباہ'' میں ہے۔

28647۔(قولہ: بِنَقْدٍ وَنَسِيئَةٍ) اگر ان دونوں میں رب المال اور مضارب اختلاف کریں تو مضاربت میں قول مضارب کا معتبر ہوگا اور وکالت میں قول موکل کا معتبر ہوگا جس طرح کتاب وکالت میں متن میں گزر چکا ہے۔

28648۔(قولہ: وَالشِّرَاءَ) اطلاق اس امر کا شعور دلاتا ہے کہ اس کی ہر کسی کے ساتھ تجارت کرنا جائز ہوگا۔ لیکن ''النظم'' میں ہے کہ وہ اپنی بیوی اور بڑے دانشمند بیٹے اور اپنے والدین کے ساتھ تجارت نہیں کر سکتا۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ

(وَلَوْ لِرَبِّ الْمَالِ وَلَا تَفْسُدُ بِهِ) الْمُضَارَبَةُ كَمَا يَجِيءُ

اگر چہ وہ رب المال کو دے دے۔ اس کے ساتھ مضاربت فاسد نہیں ہوتی جس طرح آگے آئے گا۔

کے نزدیک ہے۔ "صاحبین" رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ وہ اپنے عبد ماذون سے کوئی چیز نہیں خریدے گا ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بالاتفاق اپنے مکاتب غلام سے کوئی چیز نہیں خریدے گا۔ "قہستانی"۔

فروع مہمہ

اہم ترین تفریعات: اسے حق حاصل ہے کہ مضاربت کے لیے کسی کے ہاں کوئی شے رہن رکھے یا اپنے ہاں کوئی شے رہن رکھے اگر وہ کھجور کے درخت یا اور درخت معاملہ کے طور پر لیتا ہے کہ وہ ان کی تلقیح اور تابیر میں مال مضاربت میں سے کوئی شے خرچ کرے گا تو یہ جائز نہیں ہوگا اگر چہ رب المال نے اسے یہ کہا ہو کہ تو اپنی مرضی سے عمل کر۔ اگر مال مضاربہ میں سے کسی شے کو بطور رہن رکھا تو اس کا ضامن ہوگا۔ اگر ثمن کو موخر کیا تو یہ رب المال پر جائز ہوگا اور وہ مضارب ضامن نہیں ہو گا۔ وکیل خاص کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر اس نے بعض ثمن کو ساقط کر دیا، اگر عیب ایسا تھا جس میں مشتری نے طعن کیا، اور اس نے قیمت میں کمی کر دی تو یہ کمی کرنا صحیح ہوگا۔ اگر وہ تھوڑا اضافہ کر دے تو یہ جائز ہوگا۔ اگر اس زیادتی میں لوگ غبن نہیں کرتے تو حط (کمی کرنا) صحیح ہوگا اور مضارب رب المال کے لیے اس کمی کا ضامن ہوگا۔ اور جو مشتری کے ذمہ باقی ہے وہ راس المال ہو گا۔ مضارب پر یہ حرام ہے کہ وہ مضاربت کے مال کی لونڈی سے وطی کرے اگر چہ رب المال نے اس کی اجازت دی ہو۔ اگر رب المال کی جانب سے اس لونڈی کے ساتھ اس کا نکاح کر دینے سے شادی کی ہو تو یہ جائز ہوگا اگر چہ مال میں نفع نہ ہو اور لونڈی مضاربت سے خارج ہو جائے گی۔ اگر مال میں نفع ہو تو یہ نکاح جائز نہ ہوگا۔ اس کے لیے وہ کام کرنا جائز نہ ہوگا جس میں ضرر ہو اور نہ ہی ایسا کام کرنا جائز ہے جو تجار نہیں کرتے۔ دو مضاربوں میں سے کسی ایک کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے ساتھی کی اجازت کے بغیر کوئی چیز بیچے یا خریدے۔ اگر وہ ایسی چیز سے خریدے جس میں لوگ تغابن نہیں کرتے تو وہ امر کی مخالفت کرنے والا ہوگا اگر چہ رب المال نے اسے یہ کہا ہو کہ تو اپنی مرضی سے عمل کر۔

اگر وہ اس حالت میں کوئی چیز بیچے تو یہ جائز ہوگا "صاحبین" رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے جس طرح بیع مطلق کا وکیل بنایا جائے۔

جب وہ مضاربت کے مال سے زیادہ سے کوئی چیز خریدے تو زیادتی مضارب کے لیے ہوگی اور اس خلط حکم کی وجہ سے وہ کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا۔

اگر مال مضاربت دراہم کی صورت میں ہو اس نے اثمان کے علاوہ سے کوئی شے خریدی تو وہ اس مضارب کی ہوگی اور دنانیر سے وہ چیز خرید لی تو وہ مضاربہ کے لیے ہوگی کیونکہ وہ دونوں یہاں جنس ہیں۔ یہ سب "البحر" سے منقول ہے۔

28649_(قولہ: وَلَا تَفْسُدُ) کیونکہ تصرف کا حق مضارب کے لیے ہے۔

(وَ) يَمْلِكُ (الْإِيدَاعَ وَالرَّهْنَ وَالِارْتِهَانَ وَالْإِجَارَةَ وَالِاسْتِئْجَارَ فَلَوْ اسْتَأْجَرَ أَرْضًا بَيْضَاءَ لِيَزْرَعَهَا أَوْ يَغْرِسَهَا جَازَ) ظَهِيرِيَّةٌ (وَالِاحْتِيَالَ) أَيْ قَبُولُ الْحَوَالَةِ (بِالثَّمَنِ مُطْلَقًا) عَلَى الْأَيْسَرِ وَالْأَعْسَرِ؛ لِأَنَّ كُلَّ ذَلِكَ مِنْ صَنِيعِ التُّجَّارِ (لَا يَمْلِكُ (الْمُضَارَبَةَ) وَالشَّرِكَةَ وَالْخَلْطَ بِمَالِ نَفْسِهِ (إِلَّا بِإِذْنٍ أَوْ اعْمَلْ بِرَأْيِكَ)

وہ مال کسی کے پاس ودیعت رکھنے، رہن رکھنے اور رہن کے طور پر کسی شے کو لینے، اجارہ پر دینے اور اجارہ پر لینے کا مالک ہوتا ہے۔ اگر اس نے سفید زمین لی تا کہ اس میں کوئی شے کاشت کرے یا اس میں درخت لگائے تو یہ جائز ہوگا۔ ''ظہیریہ''۔ وہ ثمن کے بدلے میں مطلقاً حوالہ قبول کرنے کا مالک ہوتا ہے وہ آدمی تنگدست ہو یا خوشحال ہو۔ کیونکہ یہ سب کچھ تجار کے اعمال میں سے ہے۔ وہ مضارب آگے عقد مضاربت، عقد شرکت اور مال مضاربت کو اپنے مال کے ساتھ ملانے کا مالک نہیں ہوگا مگر جب رب المال اجازت دے یا کہے اپنی مرضی سے کام کرو۔

28650۔ (قولہ: وَالِاسْتِئْجَارَ) مزدوروں کو اعمال کے لیے اجرت پر لینا اور گھر میں مال کی حفاظت کے لیے لینا اور کشتیاں اور جانور کرائے پر لینا۔

رب المال کی اجازت کے بغیر مضارب تصرف نہیں کر سکتا

28651۔ (قولہ: وَالْخَلْطَ بِمَالِ نَفْسِهِ) یعنی اپنے مال یا غیر کے مال کے ساتھ ملانے کا مالک نہیں ہوتا جس طرح ''البحر'' میں ہے مگر جب ان شہروں میں تجار کا معمول یہ ہو کہ مضارب مال خلط ملط کر دیتے ہوں اور رب المال انہیں منع نہ کرتے ہوں۔ اگر اس جیسی صورت میں ان کا عام معمول یہ ہو تو ضروری ہے کہ وہ ضامن نہ ہو جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔

''تاتر خانیہ'' میں اس سے پہلے یہ ہے: اصل یہ ہے: مضاربت میں تصرفات تین قسم کے ہیں۔ ایک قسم مضاربت اور اس کے توابع کے باب میں سے ہے پس وہ ان کا مضارب مالک ہو جاتا ہے جب کہ رب المال نے اسے یہ نہ کہا ہو کہ اپنی مرضی سے کام کرو جیسے بیع وشرا کے لیے وکیل بنانا، رہن رکھنا، رہن وصول کرنا، اجرت پر کسی چیز کو لینا، بضاعت پر مال دینا اور سفر کرنا۔ ایک قسم ایسی ہے جس کا وہ مطلق عقد سے مالک نہیں بنتا بلکہ جب اسے کہا جائے: اپنی رائے سے عمل کرو جس طرح کسی اور کو مضاربت، شرکت کے طور پر مال دینا یا مضاربت کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا دینا یا غیر کے مال کے ساتھ ملا دینا۔ ایک قسم وہ ہے جس کا مطلق عقد اور رب المال کے قول اعمل برأیك سے بھی مالک نہیں ہوتا مگر اس پر نص قائم کر دے اور وہ چیز مضاربت نہ ہو اور وہ اس کا احتمال نہ رکھتا ہو کہ اسے مضاربت کے ساتھ لاحق کر دیا جائے جس طرح اس پر قرض لینا۔ ملخص

28652۔ (قولہ: بِمَالِ نَفْسِهِ) یعنی اسے اپنے مال کے ساتھ ملانے کا اختیار نہیں اور نہ ہی کسی اور کے مال کے ساتھ ملانے کا اختیار ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب تجارت کے درمیان اس کی مثل غالب تعارف نہ ہو جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔ ''تاتر خانیہ'' کے اٹھارہویں فصل میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے کو ہزار نصف نفع پر دیا پھر دوسرا ہزار اسی طرح دیا مضارب نے دونوں مال ملا دیئے تو اس کی تین وجوہ ہیں۔

إِذْ الشَّيْءُ لَا يَتَضَمَّنُ مِثْلَهُ (وَ) لَا (الْإِقْرَاضُ وَالِاسْتِدَانَةُ وَإِنْ قِيلَ لَهُ ذٰلِكَ) أَيْ اعْمَلْ بِرَأْيِكَ؛

کیونکہ کوئی بھی شے اپنی مثل کو متضمن نہیں ہوگی۔ وہ مضارب قرض دینے اور ادھار پر کوئی چیز لینے کا مالک نہیں ہوگا اگرچہ اسے یہ کہا گیا ہو کہ اپنی رائے کے مطابق عمل کرو۔

(۱) یا تو رب المال دونوں مضاربتوں میں اسے کہے گا: اپنی رائے سے عمل کر یا دونوں مضاربتوں میں ایسا قول نہیں کرے گا یا دونوں میں سے کسی ایک مضاربت میں یہ قول کرے گا۔

ہر ایک میں یا تو دونوں مالوں میں سے نفع سے پہلے ایسا ہوگا یا نفع کے بعد ایسا ہوگا یعنی دونوں میں نفع ہو چکا تھا یا ایک میں نفع ہو چکا تھا۔ پہلی صورت میں وہ مطلقاً ضامن نہیں ہوگا۔ دوسری صورت میں اگر دونوں میں نفع سے قبل خلط ملط کیا تو بھی کوئی ضمان نہیں ہوگی اگر نفع کے بعد دونوں میں ایسا کیا تو دونوں مالوں اور ملانے سے پہلے نفع میں سے رب المال کا جو حصہ تھا اس کا ضامن ہوگا۔ اگر دونوں میں سے ایک کے نفع کے بعد اس نے ایسا کیا تو اس کا ضامن ہوگا جس میں نفع نہیں۔

تیسری صورت میں یا تو اس کا قول: اعمل برایك (اپنی رائے کے مطابق عمل کرو) پہلی مضاربت میں ہوگا یا دوسری مضاربت میں ہوگا۔ ہر ایک کی چار صورتیں ہیں یا تو دونوں مالوں کو دونوں مضاربتوں میں نفع سے پہلے خلط ملط کرے گا یا صرف پہلی مضاربت میں نفع کے بعد مال ملائے گا یا صرف دوسری مضاربت میں نفع کے بعد مال ملائے گا یا دونوں مضاربتوں میں اس کے بعد دونوں میں نفع سے پہلے یا دوسری مضاربت میں اس کے بعد ملائے گا۔ اگر پہلی مضاربت میں یہ کہا تو نہ اول کا اور نہ ہی ثانی کا ضامن ہوگا ان دونوں صورتوں میں اگر وہ نفع سے پہلے مال ملا دے۔

28653۔ (قولہ: إِذْ الشَّيْءُ) یہ اس کی مضاربت کے مالک نہ ہونے کی علت ہے اس میں اخیرین کی نفی لازم آتی ہے۔ کیونکہ شرکت اور ملانا یہ مضاربت سے اعلیٰ ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں اصل مال میں شرکت ہیں۔

مستعیر، مکاتب اور مضارب کے تصرف میں فرق

28654۔ (قولہ: لَا يَتَضَمَّنُ مِثْلَهُ) مستعیر اور مکاتب کے حوالے سے اس پر اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ اسے عاریۃً دینا اور عقد مکاتبہ کا حق ہے۔ کیونکہ گفتگو اس تصرف میں ہو رہی ہے جو نیابت کے اعتبار سے ہو اور وہ دونوں مالکیت کے اعتبار سے تصرف کرتے ہیں نیابت کے طور پر تصرف نہیں کرتے۔ کیونکہ مستعیر منفعت کا مالک ہوتا ہے اور مکاتب تصرف و قبضہ کے اعتبار سے آزاد ہے اور مضارب نیابت کے طریقہ پر عمل کرتا ہے۔ پس اس پر نص یا اس کی طرف مطلق سپردگی ضروری ہے جس طرح ''کفایہ'' میں ہے۔

28655۔ (قولہ: وَلَا الْإِقْرَاضُ) اور نہ ہی سفتجہ (ہنڈی) کے طور پر لے، ''بحر''۔ یعنی کیونکہ یہ بھی ادھار پر لینا ہے اسی طرح سفتجہ پر نہ دے کیونکہ یہ قرض ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''شلبی'' سے نقل کیا ہے۔

28656۔ (قولہ: وَالِاسْتِدَانَةُ) جس طرح ایک آدمی ایسی ثمن کے بدلے میں سامان خرید تا ہے جو دین ہے اور اس

لِأَنَّهُمَا لَيْسَا مِنْ صَنِيعِ التُّجَّارِ فَلَمْ يَدْخُلَا فِي التَّعْمِيمِ (مَا لَمْ يَنُصَّ) الْمَالِكُ (عَلَيْهِمَا) فَيَمْلِكُهُمَا وَإِنْ اسْتَدَانَ كَانَتْ شَرِكَةَ وُجُوهٍ وَحِينَئِذٍ (فَلَوْ اشْتَرَى بِمَالِ الْمُضَارَبَةِ ثَوْبًا وَقَصَّرَ بِالْمَاءِ أَوْ حَمَلَ) مَتَاعَ الْمُضَارَبَةِ

کیونکہ یہ دونوں چیزیں تجار کے عمل میں سے نہیں۔ پس دونوں اس تعمیم میں داخل نہ ہوں گی جب تک مالک ان دونوں پر نص قائم نہ کرے۔ اگر نص قائم کردے تو ان دونوں کا مالک ہو جائے گا۔ اگر وہ ادھار پر کوئی چیز لے گا تو یہ مضاربت شرکت وجوہ ہو جائے گی۔ اس وقت اگر اس نے مضاربت کے مال سے کوئی کپڑا خریدا، پانی سے دھویا اور اپنے مال سے مضاربت کا سامان اٹھایا

کے پاس مضاربت کے مال میں سے اس ثمن کی جنس میں سے کوئی شے نہیں۔ اگر اس ثمن کی جنس میں سے کوئی چیز ہو تو مضاربت پر شرا ہوگی اور استدانت میں سے نہ ہوگی جس طرح شرح الطحطاوی میں ہے، ''قہستانی''۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کے پاس جو چیز ہے اگر وہ اس کو پوری نہ ہو تو اس پر جو زائد ہے وہ ادھار لینا ہوگا۔ ہم نے پہلے ہی ''البحر'' سے نقل کیا ہے جب مال سے زیادہ سے کوئی چیز خریدے تو زیادتی مضاربت کے لیے ہوگی اور اس خلط حکمی سے وہ ضامن نہ ہوگا۔

''البدائع'' میں ہے: جس طرح مال مضاربت پر ادھار لینا جائز نہیں اس کی اصلاح پر خرچ کرنا جائز نہیں۔ اگر اس نے تمام مال مضاربت سے کپڑے خرید لیے پھر اس کے اٹھانے، اس کے دھونے یا اس کے بانٹنے پر کسی کو اجرت پر لیا تو وہ متطوع ہوگا اپنے لیے عقد کرنے والا ہوگا ''طحطاوی'' نے ''شلبی'' سے نقل کیا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جسے مصنف نے اپنے قول: فلو شرى بمال المضاربة ثوبا سے ذکر کیا ہے تفریع کے ساتھ حکمی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

شرکت وجوہ کی تعریف

28657۔ (قولہ: وَإِنْ اسْتَدَانَ) یعنی اگر اذن کے ساتھ ادھار لیا اور اس نے جو خریدا دونوں میں نصف نصف ہوگا اسی طرح دین ان دونوں پر ہوگا۔ اور مضاربت کا حکم تبدیل نہ ہوگا۔ پس دونوں کے مال کا نفع اس کے مطابق تقسیم کیا جائے گا جیسی شرط لگائی ہے۔ ''قہستانی''۔

''سائحانی'' نے کہا: میں کہتا ہوں: شرکت وجوہ یہ ہے کہ وہ دونوں ادھار پر کوئی شے خریدنے پر متفق ہوں اور جس چیز کو خریدا گیا ہے وہ ان دونوں کے ذمہ تہائی یا نصف نصف کے اعتبار سے ہو کہا: نفع اس شرط کے تابع ہوگا اگر دونوں نے اس کے برعکس معاہدہ کیا اور جس کا ذکر کیا گیا ہے وہ نہ پایا گیا تو میرے لیے یہ امر ظاہر ہوا ہے کہ جس کو ادھار خریدا گیا ہے وہ آمر کے لیے ہوگا۔ اگر خریدی جانے والی چیز عیب دار یا نوع کی جہالت سے مجہول ہو اور وہ اس کی ثمن کا ذکر کردے یا جنس کی جہالت ہو جب کہ اسے یہ کہا گیا تھا: وہ خرید لے جسے تو پسند کرے ورنہ وہ چیز مشتری کی ہوگی جس طرح کتاب الوکالت میں پہلے گزر چکا ہے۔ لیکن متون کا ظاہر معنی یہ ہے کہ وہ چیز رب المال کی ہوگی اور اس کا نفع شرط کے مطابق ہوگا ضمنی میں وہ چیز معاف ہوتی ہے جو صریح میں معاف نہیں ہوتی۔

(بِمَالِهِ وَ) قَدْ (قِيلَ لَهُ ذٰلِكَ فَهُوَ مُتَطَوِّعٌ)؛ لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ الِاسْتِدَانَةَ بِهٰذِهِ الْمَقَالَةِ وَإِنَّمَا قَالَ بِالْمَاءِ؛ لِأَنَّهُ لَوْ قَصَّرَ بِالنَّشَا فَحُكْمُهُ كَصَبْغٍ (وَإِنْ صَبَغَهُ أَحْمَرَ فَشَرِيكٌ بِمَا زَادَ) الصَّبْغُ وَدَخَلَ فِي اعْمَلْ بِرَأْيِكَ كَالْخَلْطِ (وَ) كَانَ (لَهُ حِصَّةُ) قِيمَةِ (صَبْغِهِ إِنْ بِيعَ وَحِصَّةُ الثَّوْبِ) أَبْيَضَ (فِي مَالِهَا) وَلَوْ لَمْ يَقُلْ اعْمَلْ بِرَأْيِكَ لَمْ يَكُنْ شَرِيكًا بَلْ غَاصِبًا، وَإِنَّمَا قَالَ أَحْمَرَ لِمَا مَرَّ أَنَّ السَّوَادَ نَقْصٌ عِنْدَ الْإِمَامِ فَلَا يَدْخُلُ فِي اعْمَلْ بِرَأْيِكَ بَحْرٌ (وَلَا يَمْلِكُ أَيْضًا (تَجَاوُزَ بَلَدٍ أَوْ سِلْعَةٍ أَوْ وَقْتٍ أَوْ شَخْصٍ عَيَّنَهُ الْمَالِكُ)؛ لِأَنَّ الْمُضَارَبَةَ تَقْبَلُ التَّقْيِيدَ

جب کہ اسے یہ قول کیا گیا تھا تو وہ تبرع کرنے والا ہوگا۔ کیونکہ وہ اس قول کے ساتھ ادھار پر کسی چیز کو لینے کا مالک نہیں ہوتا۔ ماء (پانی) کا لفظ کہا ہے کیونکہ اگر وہ کپڑے کو نشاستے کے ساتھ دھلا دے گا تو اس کا حکم کپڑا رنگنے کے حکم کی طرح ہوگا اگر اسے سرخ رنگ کے ساتھ رنگا تو رنگ نے اس کی قدر میں جتنا اضافہ کیا ہے تو یہ اس مالک کے ساتھ شریک ہو جائے گا اور یہ اعمل برأیك میں داخل ہو جائے گا جس طرح مال کو خلط ملط کرنا ہوتا ہے۔ اگر اس کپڑے کو بیچا جاتا ہے تو اس کے رنگ کی قیمت کا حصہ مضارب کا ہوگا اور سفید کپڑے کا حصہ مضاربت کے مال سے ہوگا۔ اگر رب المال نے اعمل برأیك کا قول نہ کیا ہو تو وہ شریک نہ ہوگا بلکہ غاصب ہوگا۔ احمر (سرخ) کا قول کیا ہے کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ سیاہ رنگ کرنا یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کپڑے کی قدر و قیمت میں کمی کر دیتا ہے پس یہ عمل اعمل برأیك میں داخل نہیں ہوگا۔ ''بحر''۔ اور مضارب شہر، سامان، وقت اور شخص سے تجاوز کرنے کا مالک نہیں ہوگا مالک نے جسے معین کیا ہو۔ کیونکہ مضاربت اس تقیید کو قبول کرتی ہے

28658۔ (قولہ: بِمَالِهِ) یہ قول (جار مجرور) قصر اور حمل میں سے ہر ایک کے متعلق ہے۔

28659۔ (قولہ: ذٰلِكَ) اسم اشارہ سے مراد اعمل برأیك کا قول ہے۔

28660۔ (قولہ: بِهٰذِهِ الْمَقَالَةِ) اس قول سے مراد بھی اعمل برأیك ہے۔

میں کہتا ہوں: استدانہ سے مراد وہی ہے جو ہم پہلے ''قہستانی'' سے نقل کر چکے ہیں۔ جب رب المال اس کی وضاحت کر دے تو مضارب اس کا مالک ہوگا۔ مگر جب وہ نقدی ادھار لے تو ظاہر یہی ہے کہ یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ تو قرض لینے کا وکیل بنانا ہے جس طرح کتاب الوکالہ میں گزر چکا ہے۔ ''الخانیہ'' کی فصل شرکۃ العنان میں ہے: مضارب رب المال کے خلاف ادھار لینے کا اختیار نہیں رکھتا۔ جس نے قرض دیا ہے وہ مضارب سے مطالبہ کرے گا رب المال سے مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ ادھار لینے کا وکیل بنانا یہ قرض لینے کا وکیل بنانا ہے جب کہ یہ باطل ہے۔ کیونکہ یہ تو تکدی (محنت مشقت برداشت کرنا) کا وکیل بنانا ہے۔ مگر جب وکیل قرض دینے والے کو کہے: فلاں تجھ سے اتنے کے قرض کا مطالبہ کرتا ہے تو اس وقت یہ مؤکل کے ذمہ ہوگا وکیل کے ذمہ نہ ہوگا۔ یعنی کیونکہ یہ اس وقت وکالت نہیں پیغام رسانی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ مضاربت بھی اسی طرح ہے جس طرح ہم نے کہا ہے۔

الْمُفِيدَ وَلَوْ بَعْدَ الْعَقْدِ مَا لَمْ يَصِرِ الْمَالُ عَرَضًا؛ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ لَا يَمْلِكُ عَزْلَهُ فَلَا يَمْلِكُ تَخْصِيصَهُ كَمَا سَيَجِيءُ قَيَّدْنَا بِالْمُفِيدِ ؛ لِأَنَّ غَيْرَ الْمُفِيدِ لَا يُعْتَبَرُ أَصْلًا كَنَهْيِهِ عَنْ بَيْعِ الْحَالِ وَأَمَّا الْمُفِيدُ فِي الْجُمْلَةِ كَسُوقٍ مِنْ مِصْرٍ فَإِنْ صَرَّحَ بِالنَّهْيِ صَحَّ، وَإِلَّا لَا (فَإِنْ فَعَلَ ضَمِنَ) بِالْمُخَالَفَةِ (وَكَانَ ذَلِكَ الشِّرَاءُ لَهُ) وَلَوْ لَمْ يَتَصَرَّفْ

جو فائدہ مند ہو اور عقد کے بعد بھی تعیین کو قبول کرتی ہے جب تک مال سامان تجارت نہ بن گیا ہو۔ کیونکہ جب رأس المال سامان تجارت بن جائے اس وقت رب المال مضارب کو معزول کرنے کا مالک نہیں ہوگا پس وہ تخصیص کا مالک بھی نہیں ہوگا جس طرح عنقریب آئے گا۔ ہم نے المفید کی قید لگائی ہے کیونکہ غیر مفید کا اصلاً کوئی اعتبار نہیں جس طرح وہ نقد بیع کرنے سے منع کرے فی الجملہ جو مفید ہے اس کی مثال یہ ہے کہ وہ مصر کے بازار میں اسے بیچنے کی شرط لگائے اگر صراحۃً نہی کر دے تو یہ تقیید صحیح ہوگی ورنہ صحیح نہ ہوگی۔ اگر وہ مضارب اس کے باوجود ایسا کرے تو مخالفت کرنے کی وجہ سے ضامن ہوگا اور وہ خریداری مضارب کے لیے ہوگی۔ اگر وہ اس میں تصرف نہ کرے

28661۔ (قولہ: وَلَوْ بَعْدَ الْعَقْدِ) اس کی صورت یہ ہے کہ رأس المال اسی طرح موجود ہو۔

فرع: حاشیہ میں کہا: اگر رب المال نے مضارب کو مال بیچنے سے پہلے ادھار بیچنے سے منع کیا بعد اس کے کہ رأس المال سامان تجارت بن چکا تھا اور رأس المال نقدی تھی تو ایسے مال کی نہی صحیح نہ ہوگی۔ جہاں تک عمل سے پہلے یا عمل کے بعد کا تعلق ہے اور مال نقدی کی شکل اختیار کر چکا تھا تو اس کی نہی صحیح ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں رب المال اسے معزول کرنے کا اختیار رکھتا ہے پہلی حالت میں معزول کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ ''منح''۔

28662۔ (قولہ: عَنْ بَيْعِ الْحَالِ) پھر اسے نقداً اس بھاؤ سے بیچ دے جیسے مؤجل سے بیچا جاتا ہے جس طرح ''عینی'' میں ہے۔ ''سائحانی''۔

28663۔ (قولہ: بِالنَّهْيِ) اس کی صورت یہ ہے کہ کہے: لا تبع فی سوق کذا، فلاں بازار میں اسے نہ بیچنا۔

28664۔ (قولہ: الشِّرَاءُ لَهُ) اس کا نفع مضارب کے لیے ہوگا اور اس کا نقصان اس کے ذمہ ہوگا۔ لیکن طرفین کے نزدیک اس کا نفع صدقہ کر دے گا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ اس کے لیے پاکیزہ ہوگا۔ اس کی اصل وہ مودع ہے جب وہ اس میں تصرف کرے اور اس میں نفع کمائے۔ ''اتقانی''۔

28665۔ (قولہ: وَلَوْ لَمْ يَتَصَرَّفْ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اصل ضمان نفس مخالفت کی وجہ سے واجب ہے لیکن یہ خریدنے کے ساتھ ہی ثابت ہے۔ کیونکہ جب اتفاق کی صورت پیدا ہو جائے تو یہ زوال کے محل میں ہے۔ جامع کی روایت میں ہے کہ وہ ضامن نہیں ہوگا مگر جب وہ کسی چیز کو خریدے۔ پہلا قول صحیح ہے جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔ ''قہستانی''۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ اس کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا اگر وہ مال شہر سے نکالنے اور خریداری کرنے سے پہلے

فِيهِ حَتَّى عَادَ لِلْوِفَاقِ عَادَتْ الْمُضَارَبَةُ، وَكَذَا لَوْ عَادَ فِي الْبَعْضِ اعْتِبَارًا لِلْجُزْءِ بِالْكُلِّ (وَلَا يَمْلِكُ) (تَزْوِيجَ قِنٍّ مِنْ مَالِهَا وَلَا شِرَاءَ مَنْ يُعْتَقُ عَلَى رَبِّ الْمَالِ بِقَرَابَةٍ أَوْ يَمِينٍ بِخِلَافِ الْوَكِيلِ بِالشِّرَاءِ فَإِنَّهُ يَمْلِكُ ذَلِكَ (عِنْدَ عَدَمِ الْقَرِينَةِ) الْمُقَيِّدَةِ لِلْوَكَالَةِ كَ اشْتَرِ لِي عَبْدًا أَبِيعُهُ أَوْ أَسْتَخْدِمُهُ أَوْ جَارِيَةً أَطَؤُهَا (وَلَا مَنْ يُعْتَقُ عَلَيْهِ) أَيْ الْمُضَارِبِ (إنْ كَانَ فِي الْمَالِ رِبْحٌ) هُوَ هُنَا أَنْ تَكُونَ قِيمَةُ هَذَا الْعَبْدِ أَكْثَرَ مِنْ كُلِّ رَأْسِ الْمَالِ كَمَا بَسَطَهُ الْعَيْنِيُّ فَلْيُحْفَظْ (فَإِنْ فَعَلَ) شِرَاءَ مَنْ يُعْتَقُ عَلَى وَاحِدٍ مِنْهُمَا

یہاں تک کہ وہ اسی شہر کی طرف لوٹ آئے تو مضاربت لوٹ آئے گی۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ بعض میں لوٹ آئے وہ جز کو کل پر قیاس کرتے ہیں۔ اور مضارب مال مضاربہ سے غلام کی شادی کرنے کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ ہی اس غلام کو خریدنے کا اختیار رکھتا ہے جو رب المال پر آزاد ہو جاتا ہے آزادی یہ قرابت کی وجہ سے ہو یا ملک یمین کی وجہ سے ہو۔ جس کو خریداری کا وکیل بنایا گیا ہو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ اس کا مالک ہوتا ہے کیونکہ کوئی ایسا قرینہ نہیں پایا جا رہا جو وکالت کو مقید کر دے جیسے موکل کہے: میرے لیے ایسا غلام خریدو جسے میں بیچ دوں یا اس سے خدمت لوں یا ایسی لونڈی خریدو جس سے میں وطی کروں اور نہ ہی ایسا غلام خریدنے کا مالک ہوتا ہے جو مضارب پر آزاد ہو جاتا ہو۔ اگرچہ مال میں نفع ہو ہاں اس کی صورت یہ ہے کہ اس غلام کی قیمت رأس المال سے بڑھ کر ہو جس طرح ''عینی'' نے اسے بیان کیا ہے۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ اگر اس نے شرا کا عمل اس پر واقع کیا جو ان دونوں (رب المال، مضارب) میں سے کسی پر آزاد ہو جاتا ہو

ہلاک ہو جائے تو پہلی صورت میں مضارب ضامن ہوگا دوسری صورت میں ضامن نہیں ہوگا۔

28666_(قولہ: حَتَّى عَادَ الخ) یہ مکان کی مخالفت کرنے کی صورت میں امر ظاہر ہوگا۔ تامل

28667_(قولہ: وَكَذَا لَوْ الخ) ''الاتقانی'' نے کہا: اگر کوفہ کے علاوہ میں اس کے بعض مال سے کوئی چیز خریدی پھر باقی ماندہ سے کوفہ میں چیز خریدی تو پہلی خریداری میں مخالفت کرنے والا ہوگا اور جو اس نے کوفہ میں خریداری کی ہے وہ مضاربت پر ہوگا۔ کیونکہ مخالفت کی دلیل بعض مال میں پائی گئی ہے بعض مال میں نہیں پائی گئی۔

28668_(قولہ: عَادَ فِي الْبَعْضِ) یعنی مضاربت لوٹ آئے گی لیکن خاص کر اس بعض میں لوٹے گی۔ ''الاتقانی'' نے کہا: جو قول گزر چکا ہے۔

28669_(قولہ: أَوْ يَمِينٍ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: اگر میں اس کا مالک ہوا تو وہ آزاد ہے کیونکہ اس طریقہ سے وہ اس کا مالک ہوجاتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ خریداری کی وکالت مطلق ہے اور مضاربت میں وکالت اس کے ساتھ مقید ہوتی ہے جس میں بیع کے ساتھ نفع ظاہر ہو جائے۔ جب وہ ایسی چیز خریدے جس کی بیع کرنے پر قادر نہ ہو تو اس نے امر کی مخالفت کی۔

28670_(قولہ: كَمَا بَسَطَهُ الْعَيْنِيُّ) ''عینی'' کی عبارت یہ ہے: جب راس المال ہزار ہو اور وہ دس ہزار درہم ہو جائے پھر مضارب ایسا غلام خریدے جو اس پر آزاد ہو جاتا ہو اور اس غلام کی قیمت ہزار یا اس سے کم ہو تو اس پر آزاد نہیں ہو

(وَقَعَ الشِّرَاءُ لِنَفْسِهِ) وَإِنْ لَمْ يَكُنْ رِبْحٌ كَمَا ذَكَرْنَا (صَحَّ) لِلْمُضَارَبَةِ (فَإِنْ ظَهَرَ الرِّبْحُ (بِزِيَادَةِ قِيمَتِهِ بَعْدَ الشِّرَاءِ عَتَقَ حَظُّهُ، وَلَمْ يَضْمَنْ نَصِيبَ الْمَالِكِ) لِعِتْقِهِ لَا بِصُنْعِهِ (وَسَعَى) الْعَبْدُ (الْمُعْتَقُ فِي قِيمَةِ نَصِيبِ رَبِّ الْمَالِ، وَلَوِ اشْتَرَى الشَّرِيكُ مَنْ يُعْتَقُ عَلَى شَرِيكِهِ أَوِ الْأَبُ أَوِ الْوَصِيُّ مَنْ يُعْتَقُ عَلَى الصَّغِيرِ نَفَذَ عَلَى الْعَاقِدِ) إِذْ لَا نَظَرَ فِيهِ لِلصَّغِيرِ (وَالْمَأْذُونُ إِذَا اشْتَرَى مَنْ يُعْتَقُ عَلَى الْمَوْلَى صَحَّ وَعَتَقَ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ مُسْتَغْرَقًا بِالدَّيْنِ، وَإِلَّا لَا) خِلَافًا لَهُمَا زَيْلَعِيٌّ (مُضَارِبٌ مَعَهُ أَلْفٌ بِالنِّصْفِ اشْتَرَى بِهِ أَمَةً فَوَلَدَتْ) وَلَدًا (مُسَاوِيًا لَهُ) أَيْ لِلْأَلْفِ (فَادَّعَاهُ مُوسِرًا فَصَارَتْ قِيمَتُهُ)

تو اس کی خریداری مضارب کے لیے ہوگی اگر مال میں نفع نہ ہو جس طرح ہم ذکر کر چکے ہیں تو یہ خرید مضاربت کے لیے صحیح ہوگی۔ اگر خریدنے کے بعد اس کی قیمت کی زیادتی کی وجہ سے نفع ظاہر ہو جائے تو مضارب کا حصہ آزاد ہو جائے گا اور وہ مالک کے حصہ کا ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ آزاد تو ہوا ہے مگر مضارب کے عمل سے آزاد نہیں ہوا اور آزاد ہونے والا غلام رب المال کے حصہ میں محنت مزدوری کرے گا۔ اگر شریک ایسا غلام خریدتا ہے جو اس کے شریک پر آزاد ہو جاتا ہے یا باپ یا وصی اسے خریدتا ہے جو بچے پر آزاد ہو جاتا ہے تو اس کا عقد عاقد پر نافذ ہوگا۔ کیونکہ اس عقد میں بچے کی منفعت کا خیال نہیں رکھا گیا۔ اور عبد ماذون جب اسے خریدے جو آقا پر آزاد ہو جاتا ہو تو یہ عقد صحیح ہوگا اور وہ غلام اس پر آزاد ہو جائے گا اگر وہ دین سے مستغرق نہ ہوا اگر مستغرق ہو تو آزاد نہ ہوگا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے، ''زیلعی''۔ ایک مضارب ہے جس کے پاس مال مضاربت کا ایک ہزار ہے اور نصف، نصف نفع پر ہے اس کے ساتھ وہ ایک لونڈی خریدتا ہے وہ لونڈی ایک ایسا بچہ جنتی ہے جو ہزار کے مساوی ہے مضارب اس بچے کے نسب کا دعویٰ کر دیتا ہے جب کہ مضارب

گا۔ اسی طرح اگر اس کے تین بچے ہوں یا اس سے زیادہ بچے ہوں اور ہر بچے کی قیمت ہزار ہو یا اس سے کم ہو اس نے ان سب کو خرید لیا تو ان میں سے کوئی بچہ آزاد نہ ہوگا۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک رأس مال میں مشغول ہے اور مضارب ان میں سے کسی شے کا مالک نہیں ہوگا یہاں تک ہر عین کی قیمت علیحدہ طور پر دوسرے کی طرف ملائے بغیر رأس المال پر بڑھ جائے۔ ''عینی''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28671۔ (قولہ: رِبْحٌ) یعنی دوسری صورت میں نفع ظاہر ہوا۔

28672۔ (قولہ: لِلصَّغِيرِ) یہ علت قاصرہ ہے اور شریک میں علت وہی ہے جو مضارب میں مذکور ہے کہ نفع حاصل کرنے کا مقصد ہوتا ہے۔ ''ط''۔

28673۔ (قولہ: بِالنِّصْفِ) یہ مضارب کے متعلق ہے ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28674۔ (قولہ: أَمَةً) تو اس نے لونڈی کے ساتھ وطی کی۔ ''ملتقی''، ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28675۔ (قولہ: مُوسِرًا) کیونکہ یہ آزادی کی ضمانت ہے یہ لازمی قید نہیں ہے بلکہ اس لیے تا کہ یہ سمجھا جائے کہ اگر

أَيْ الْوَلَدِ (وَحْدَهُ) كَمَا ذَكَرْنَا (أَلْفًا وَنِصْفَهُ) أَيْ خَمْسَمِائَةٍ نَفَذَتْ دَعْوَتُهُ لِوُجُودِ الْمِلْكِ بِظُهُورِ الرِّبْحِ الْمَذْكُورِ فَعَتَقَ (سَعَى لِرَبِّ الْمَالِ فِي الْأَلْفِ وَرِبْعِهِ) إنْ شَاءَ الْمَالِكُ (أَوْ أَعْتَقَهُ) إنْ شَاءَ (وَلِرَبِّ الْمَالِ بَعْدَ قَبْضِهِ أَلْفَهُ) مِنْ الْوَلَدِ (تَضْمِينُ الْمُدَّعِي) وَلَوْ مُعْسِرًا ؛ لِأَنَّهُ ضَمَانُ تَمَلُّكٍ (نِصْفِ قِيمَتِهَا) أَيْ الْأَمَةِ لِظُهُورِ نُفُوذِ دَعْوَتِهِ فِيهَا، وَيُحْمَلُ عَلَى أَنَّهُ تَزَوَّجَهَا ثُمَّ اشْتَرَاهَا حُبْلَى مِنْهُ، وَلَوْ صَارَتْ قِيمَتُهَا أَلْفًا وَنِصْفَهُ صَارَتْ أُمَّ وَلَدٍ،

خوشحال ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے صرف اس بچے کی قیمت پندرہ سو ہو جاتی ہے تو اس کا دعویٰ نافذ ہو جائے گا۔ کیونکہ مذکورہ نفع کے ظاہر ہونے کے ساتھ ملکیت پائی گئی ہے اور وہ بچہ آزاد ہو جائے گا اگر مالک چاہے تو وہ غلام رب المال کے لیے ہزار اور اس کے چوتھائی میں سعایت کرے۔ اگر چاہے تو اسے آزاد کر دے اور رب المال جب بچے سے ہزار پر قبضہ کرے تو وہ مدعی سے لونڈی کی نصف قیمت کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ یہ مالک بننے کی ضمانت ہے۔ کیونکہ اس مضارب کا اس لونڈی میں دعویٰ نافذ ہو چکا ہے۔ اور اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ مضارب نے اس لونڈی سے عقد نکاح کیا پھر جب وہ اس سے حاملہ ہو چکی تھی تو رب المال نے اس سے اس لونڈی کو خریدا اگر اس لونڈی کی قیمت پندرہ سو ہو جائے تو وہ لونڈی ام ولد ہو جائے گی

وہ تنگدست ہوگا تو بدرجہ اولی ضامن نہیں ہوگا جس طرح اس امر پر ''مسکین'' نے متنبہ کیا ہے۔

28676۔(قولہ: كَمَا ذَكَرْنَا) جیسے ہم نے ان کے قول مساویالہ میں ذکر کیا ہے۔ اور کان مثل کے معنی میں ہو کر صار کی خبر ہے اور الفا اس سے بدل ہے یا الفا یہ خبر ہے اور اس سے قبل جو جار مجرور ہے یہ اس سے حال ہے۔

28677۔(قولہ: سَعَى) زیادہ بہتر یہ صورت تھی: وسعی یعنی اس کا عطف نفذت پر ہوتا۔

28678۔(قولہ: الْمُدَّعِي) وہی مضارب ہے۔

28679۔(قولہ: تَمَلُّكٍ) ولد کی ضمان کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ آزادی کی ضمانت ہے۔ جب کہ اس کا انحصار تعدی پر ہے جب کہ وہ نہیں پائی گئی۔

28680۔(قولہ: لِظُهُورِ) کیونکہ اس کا دعویٰ ظاہراً صحیح واقع ہوا ہے۔

مال مضاربت جب مختلف اجناس ہو جائیں تو ان کا حکم

28681۔(قولہ: حُبْلَى مِنْهُ) جس نے بھی اس سے شادی کی اور اس کو خریدا اس نے اس میں تنازع کیا یعنی اس کے امر کو صلاح پر محمول کرنے کی بنا پر۔ لیکن ملک نہ ہونے کی وجہ سے یہ دعویٰ نافذ نہ ہوگا۔ جب کہ وہ اس میں شرط ہے کیونکہ لونڈی اور اس کے بچے میں سے ہر ایک رأس المال میں مشغول ہے اس میں نفع ظاہر نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ معروف ہو چکا ہے کہ مال مضاربت جب مختلف اجناس ہو جائیں ان میں سے کوئی رأس المال سے زائد نہ ہو تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نفع ظاہر نہ ہوگا۔ کیونکہ ان میں سے بعض بعض سے اولی نہیں۔ اس وقت مضارب کا نہ لونڈی میں حصہ ہوگا اور نہ ہی بچے میں حصہ

وَضَمِنَ لِلْمَالِكِ أَلْفًا وَ رُبُعَهُ لَوْ مُوسِرًا، فَلَوْ مُعْسِرًا فَلَا سِعَايَةَ عَلَيْهَا ؛ لِأَنَّ أُمَّ الْوَلَدِ لَا تَسْعَى وَتَمَامُهُ فِي الْبَحْرِ وَاللهُ أَعْلَمُ
اور مضارب مالک کے لیے ہزار اور اس کے چوتھائی کا ضامن ہوگا اگر وہ خوشحال ہوا گر وہ تنگدست ہو تو لونڈی پر کوئی محنت و مزدوری نہیں ہے۔ کیونکہ ام ولد سعایت نہیں کرتی۔ اس کی مکمل بحث ''البحر'' میں ہے۔ واللہ اعلم''۔

ہوگا اس کے لیے جو امر ثابت ہے وہ صرف حق تصرف ہے۔ پس اس کا دعویٰ نافذ نہیں ہوگا۔ جب اس کی قیمت زائد ہو جائے اور وہ پندرہ سو ہو جائے تو نفع ظاہر ہو جائے گا اور مضارب زیادتی کے نصف کا مالک بن جائے گا تو اس کا سابقہ دعویٰ نافذ ہو جائے گا۔ کیونکہ اس کی شرط پائی جا رہی ہے وہ ملک ہے۔ پس وہ اس کا بیٹا بن جائے گا اور اس میں سے اس مضارب کا جتنا حصہ بنتا ہے وہ ایک چوتھائی ہے وہ آزاد ہو جائے گا اور وہ مضارب بچے میں جو باپ کا حصہ بنتا ہے اس کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ آزادی ملک اور نسب سے ثابت ہوئی ہے۔ پس علت دو وجہوں والی ہوگی اور ملک ان دونوں میں سے وجود کے اعتبار سے آخری ہوگی۔ پس آزادی کو اس کی طرف منسوب کیا جائے گا اس کا ملک میں کوئی عمل دخل نہیں۔ پس تعدی نہ پائے جانے کی وجہ سے ضمانت نہ ہوگی۔ جب وہ اس سے سعایت کرانے کو اختیار کرے تو وہ اس سے ہزار جو اس کا رأس المال ہے اور اس کے چوتھائی جو نفع میں اس کا حصہ ہے میں سعایت کروائے۔ جب اس نے ہزار پر قبضہ کر لیا تو وہ اپنے رأس المال کو لینے والا ہو جائے گا اور یہ امر ظاہر ہو گیا کہ ماں تمام کی تمام نفع ہے جو ان دونوں کے درمیان نصف نصف ہے اس میں مضارب کا دعویٰ نافذ ہو جائے گا اور وہ ساری کی ساری اس کی ام ولد بن جائے گی۔ کیونکہ استیلاد جب ایسے محل کو پائے جو نقل کا احتمال رکھتا ہو تو بالاجماع وہ تجزی کو قبول نہیں کرے گا اور اس لونڈی کی قیمت کا نصف رب المال کے لیے ثابت ہوگا۔

اگر یہ سوال کیا جائے: بچے میں سے جو مقبوض ہے اس کو نفع میں سے کیوں نہیں بنایا گیا؟

ہم کہیں گے: کیونکہ یہ اس کے رأس المال کی جنس سے ہے جب کہ رأس المال نفع پر مقدم ہے پس اسے رأس المال میں سے بنانا اولیٰ ہوگا۔ ''زیلعی''، مخلص۔

28682۔(قولہ: وَضَمِنَ لِلْمَالِكِ) کیونکہ جب اس کی قیمت زائد ہو تو اس میں نفع ظاہر ہوگا اور مضارب بعض نفع کا مالک ہو جائے گا پس اس میں اس کا دعویٰ نافذ ہو جائے گا۔ پس رب المال کے لیے اس پر اس کا رأس المال اور نفع میں سے اس کا حصہ واجب ہوگا جب اس تک ہزار پہنچ گیا تو اس نے اپنا رأس المال پورا پورا لے لیا اور بچہ سارے کا سارا نفع ہو جائے گا مضارب اس میں سے اس کے نصف کا مالک ہو جائے گا۔ پس وہ اس پر آزاد ہو جائے گا جب تک ہزار اس تک نہیں پہنچے گا تو بچہ اپنی حالت پر غلام رہے گا جس طرح ہم اسے ماں کے معاملہ میں ذکر کر چکے ہیں۔

بَابُ الْمُضَارِبِ يُضَارِبُ

لَمَّا قَدَّمَ الْمُفْرَدَةَ شَرَعَ فِي الْمُرَكَّبَةِ فَقَالَ (ضَارَبَ الْمُضَارِبُ) آخَرَ (بِلَا إِذْنِ) الْمَالِكِ (لَمْ يَضْمَنْ بِالدَّفْعِ مَا لَمْ يَعْمَلْ الثَّانِي رَبِحَ) الثَّانِي (أَوْ لَا) عَلَى الظَّاهِرِ؛ لِأَنَّ الدَّفْعَ إِيدَاعٌ وَهُوَ يَمْلِكُهُ فَإِذَا عَمِلَ تَبَيَّنَ أَنَّهُ مُضَارَبَةٌ فَيَضْمَنُ إِلَّا إِذَا كَانَتْ الثَّانِيَةُ فَاسِدَةً فَلَا ضَمَانَ وَإِنْ رَبِحَ بَلْ لِلثَّانِي أَجْرُ مِثْلِهِ عَلَى الْمُضَارِبِ الْأَوَّلِ وَلِلْأَوَّلِ الرِّبْحُ الْمَشْرُوطُ (فَإِنْ ضَاعَ) الْمَالُ (مِنْ يَدِهِ) أَيْ يَدِ الثَّانِي (قَبْلَ الْعَمَلِ) الْمُوجِبِ لِلضَّمَانِ (فَلَا ضَمَانَ) عَلَى أَحَدٍ (وَكَذَا) لَا ضَمَانَ (لَوْ غَصَبَ الْمَالَ مِنَ الثَّانِي وَ) إِنَّمَا (الضَّمَانُ عَلَى الْغَاصِبِ فَقَطْ وَلَوْ اسْتَهْلَكَهُ الثَّانِي أَوْ وَهَبَهُ فَالضَّمَانُ عَلَيْهِ

مضاربت مرکبہ کے احکام

جب مضاربت مفردہ کا ذکر پہلے کر دیا تو مضاربت مرکبہ میں شروع ہوئے تو کہا: مضارب نے مالک کی اجازت کے بغیر کسی اور شخص کے ساتھ عقد مضاربہ کیا تو مال دوسرے مضارب کے حوالے کرنے سے ضامن نہ ہوگا جب تک دوسرا مضارب اس مال میں عمل نہ کرے دوسرے کو نفع ہو یا نفع نہ ہو۔ یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے۔ کیونکہ مال دینا یہ ودیعت کے طور پر رکھنا ہے جب کہ مضارب اس کا مالک ہوتا ہے جب دوسرے مضارب نے اس میں عمل کیا تو یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ مضاربت ہے تو پہلا مضارب اس کا ضامن ہوگا مگر جب دوسری مضاربت فاسد ہو تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی اگرچہ اسے نفع ہو بلکہ دوسرے مضارب کے لیے پہلے مضارب پر اجرت مثلی ہوگی۔ اور پہلے مضارب کے لیے مشروط نفع ہوگا اگر دوسرے مضارب کے ہاتھ میں اس عمل سے پہلے ہی مال ضائع ہوگیا جو ضمان کو واجب کرتا ہو تو کسی پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ اسی طرح کوئی ضمانت نہ ہوگی اگر دوسرے مضارب سے مال غصب کرلیا گیا ضمان صرف غاصب پر ہوگی۔ اگر دوسرے مضارب نے جان بوجھ کر مال ہلاک کر دیا یا کسی کو ہبہ کر دیا تو خاص طور پر اسی پر ضمانت ہوگی۔

28683۔ (قولہ: عَلَى الظَّاهِرِ) یعنی ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہر روایت ہے اور یہی ''صاحبین'' رحمہما اللہ کا قول ہے، ''منح''۔

اگر دونوں مضاربتوں میں سے ایک یا دونوں فاسد ہوں تو دونوں میں سے کسی پر ضمانت نہیں

28684۔ (قولہ: فَاسِدَةً) ''البحر'' میں کہا: اگر دونوں میں سے ایک فاسد ہو یا دونوں فاسد ہوں تو دونوں میں سے کسی پر بھی ضمانت نہیں اور عامل کے لیے پہلے مضارب پر اجرت کے مثل لازم ہوگی۔ اور پہلا مضارب رب المال سے اس کا مطالبہ کرے گا اور نقصان رب المال کے ذمہ ہوگا اور نفع پہلے مضارب اور رب المال کے درمیان شرط کے مطابق تقسیم ہوگا بعد اس

خَاصَّةً فَإِنْ عَمِلَ) حَتَّى ضَمِنَهُ (خُيِّرَ رَبُّ الْمَالِ إِنْ شَاءَ ضَمَّنَ) الْمُضَارِبَ (الْأَوَّلَ رَأْسَ مَالِهِ وَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الثَّانِيَ) وَإِنْ اخْتَارَ أَخْذَ الرِّبْحِ، وَلَا يُضَمِّنُ لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ بَحْرٌ (فَإِنْ أَذِنَ) الْمَالِكُ (بِالدَّفْعِ وَدَفَعَ

اگر وہ عمل کرے یہاں تک کہ وہ اس کا ضامن بن گیا تو رب المال کو اختیار دیا جائے گا اگر چاہے تو پہلے مضارب سے اپنے راس المال کی ضمانت لے اگر چاہے تو دوسرے مضارب سے ضمانت لے۔ اگر وہ نفع وصول کرنے کو پسند کرے اور ضمانت نہ لینے کا ارادہ کرے تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا،''بحر''۔ اگر مالک نے آگے مضاربت پر مال دینے کی اجازت دے دی اور پہلے مضارب نے

کے کہ دوسرے مضارب نے اپنی اجرت لے لی ہو جب پہلی مضاربت صحیح ہو ورنہ پہلے مضارب کے لیے اجرت مثلی ہوگی۔

28685۔ (قولہ: خَاصَّةً) زیادہ مشہور خیار ہے پس وہ دونوں میں سے جس سے چاہے گا ضمانت لے گا جس طرح ''الاختیار'' میں ہے۔''سائحانی''۔

اگر رب المال پہلے مضارب سے ضمانت لے تو اس کا حکم

28686۔ (قولہ: خُيِّرَ رَبُّ الْمَالِ) اگر رب المال پہلے مضارب سے ضمانت لے تو اسی مضارب اور دوسرے مضارب کے درمیان مضاربت صحیح ہو جائے گی اور نفع اسی کے مطابق تقسیم ہوگا جس طرح انہوں نے شرط لگائی تھی اگر دوسرے سے ضمانت لی تو اس نے جو ضمانت دی ہوگی وہ پہلے سے اس کا مطالبہ کرے گا اور دونوں مضاربوں کے درمیان مضاربت صحیح ہوگی اور نفع دونوں میں مشترک ہوگا اور دوسرے مضارب کے لیے نفع پاکیزہ وحلال ہوگا جو اس نے نفع کمایا ہے نہ کہ پہلے کے لیے حلال ہوگا۔''بحر''۔

اس میں ہے: اگر دوسرے مضارب نے تیسرے مضارب کو مال نفع پر دیا اور تیسرے کو نفع ہوا یا نقصان ہوا اگر پہلے نے دوسرے سے کہا: اپنی رائے کے مطابق عمل کرو تو رب المال کو حق ہوگا کہ تینوں میں سے جس سے چاہے اس سے ضمانت لے تیسرا دوسرے سے اور دوسرا پہلے سے واپسی کا مطالبہ کرے گا اور پہلا کسی سے واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا اگر رب المال نے اس سے ضمانت لی ہو ورنہ پہلے پر کوئی ضمانت نہ ہوگی اور دوسرا اور تیسرا مضارب ضامن ہوں گے۔''محیط'' میں اسی طرح ہے۔

28687۔ (قولہ: ضَمَّنَ الثَّانِيَ) اس میں اس امر کا شعور دلایا گیا ہے کہ جب وہ ضمانت دے گا تو پہلے سے مطالبہ کرے گا اور اس کے لیے نفع پاکیزہ وحلال ہوگا پہلے کے لیے نفع پاکیزہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ ملک مستند ہے۔''قہستانی''،''سائحانی''۔

28688۔ (قولہ: لَيْسَ لَهُ الخ) کیونکہ عمل کے ساتھ مال مغصوبہ ہو چکا ہے اور مالک کو حق حاصل نہیں مگر یہ عین مغصوبہ کے چلے جانے کے بعد وہ بدل کی ضمانت لے لے۔ غاصب سے نفع لینے کا اسے کوئی حق نہیں ہوگا میرے لیے اس طرح ظاہر ہوا ہے۔''ط''۔

28689۔ (قولہ: فَإِنْ أَذِنَ) ان کے قول بلا اذن کا یہ مفہوم ہے۔

بِالثُّلُثِ وَقَدْ قِيلَ) لِلْأَوَّلِ (مَا رَزَقَ اللهُ فَبَيْنَنَا نِصْفَانِ فَلِلْمَالِكِ النِّصْفُ) عَمَلًا بِشَرْطِهِ (وَلِلْأَوَّلِ السُّدُسُ الْبَاقِ وَلِلثَّانِي الثُّلُثُ) الْمَشْرُوطُ (وَلَوْ قِيلَ مَا رَزَقَكَ اللهُ بِكَافِ الْخِطَابِ) وَالْمَسْأَلَةُ بِحَالِهَا (فَلِلثَّانِي ثُلُثُهُ وَالْبَاقِ بَيْنَ الْأَوَّلِ وَالْمَالِكِ نِصْفَانِ) بِاعْتِبَارِ الْخِطَابِ فَيَكُونُ لِكُلٍّ ثُلُثٌ (وَمِثْلُهُ مَا رَبِحْتَ مِنْ شَيْءٍ أَوْ مَا كَانَ لَكَ فِيهِ مِنْ رِبْحٍ) وَنَحْوِ ذَلِكَ وَكَذَا لَوْ شَرَطَ لِلثَّانِي أَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ أَوْ أَقَلَّ فَالْبَاقِ بَيْنَ الْمَالِكِ وَالْأَوَّلِ (وَلَوْ قَالَ لَهُ مَا رَبِحْتُ بَيْنَنَا نِصْفَانِ، وَدَفَعَ بِالنِّصْفِ فَلِلثَّانِي النِّصْفُ، وَاسْتَوَيَا فِيمَا بَقِيَ)؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَرْبَحْ سِوَاهُ (وَلَوْ قِيلَ مَا رَزَقَ اللهُ فَلِي نِصْفُهُ أَوْ مَا كَانَ مِنْ فَضْلِ اللهِ، فَبَيْنَنَا نِصْفَانِ، فَدَفَعَ بِالنِّصْفِ فَلِلْمَالِكِ النِّصْفُ وَلِلثَّانِي كَذَا وَلَا شَيْءَ لِلْأَوَّلِ) لِجَعْلِهِ مَالَهُ لِلثَّانِي

دوسرے مضارب کو ایک تہائی نفع پر مال دے دیا جب کہ پہلے مضارب کے لیے یہ کہا گیا تھا: جو اللہ تعالیٰ رزق عطا فرمائے وہ ہمارے درمیان نصف نصف ہوگا تو مالک کے لیے نفع کا نصف ہوگا یہ اس کی شرط پر عمل کرنے کی وجہ سے ہوگا پہلے مضارب کے لیے باقی ماندہ چھٹا حصہ ہوگا اور دوسرے مضارب کے لیے ایک تہائی ہوگا جس کی شرط لگائی گئی۔ اگر یہ کہا گیا: اللہ تعالیٰ نے جو تجھے رزق دیا یعنی کاف خطاب کے ساتھ کلام کی جب کہ مسئلہ اس حال پر ہو تو دوسرے کے لیے ایک تہائی ہوگا اور باقی ماندہ پہلے اور مالک کے درمیان نصف نصف ہوگا۔ یہ خطاب کے اعتبار سے ہے۔ پس ہر ایک کے لیے ایک تہائی ہوگا۔ اسی کی مثل صورتحال ہوگی: تجھے جو کچھ نفع ہوا یا تیرے لیے اس میں جو نفع ہوا وغیرہ۔ اسی طرح اگر اس نے دوسرے مضارب کے لیے ایک تہائی سے زائد یا اس سے کم کی شرط لگائی تو باقی ماندہ مالک اور پہلے مضارب کے درمیان تقسیم ہوگا۔ اگر مالک نے مضارب اول کو کہا: جو تجھے نفع ہو تو وہ ہمارے درمیان نصف نصف ہوگا اور اس نے دوسرے مضارب کو نصف نفع پر مال دے دیا تو دوسرے کے لیے نصف ہوگا اور باقی ماندہ میں مالک اور پہلا مضارب برابر ہوں گے۔ کیونکہ اسے اس کے سوا نفع نہیں ہوا۔ اگر اسے کہا گیا: اللہ تعالیٰ جو رزق عطا فرمائے تو اس کا نصف میرے لیے ہے یا جو اللہ تعالیٰ کا فضل ہوگا تو وہ ہمارے درمیان نصف نصف ہوگا۔ تو پہلے مضارب نے دوسرے مضارب کو نصف پر دے دیا تو مالک کے لیے نصف ہوگا اور دوسرے کے لیے اسی قدر ہوگا اور پہلے مضارب کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔ کیونکہ اس کا جو حصہ تھا اس نے دوسرے کے لیے متعین کر دیا ہے۔

28690۔ (قولہ: عَمَلًا بِشَرْطِهِ) کیونکہ اس نے تمام نفع کے نصف کی شرط اپنے لیے لگائی ہے۔

28691۔ (قولہ: الْبَاقِ) زیادہ بہتر تو یہ تھا کہ الباقی کو حذف کر دیا جاتا۔ باقی سے مراد وہ ہے جو دوسرے کے لیے شرط لگائی تھی اس سے جو بچ گیا ہو۔ کیونکہ پہلے مضارب نے جو واجب کیا ہے وہ صرف اس کے حصہ کی طرف پھرے گا۔ کیونکہ اس پر حق حاصل نہیں کہ وہ مالک کے حصہ میں سے کسی شے کو دوسرے کے لیے ثابت کرے جب اس نے اپنے حصہ میں سے ایک تہائی دوسرے مضارب کے لیے ثابت کیا ہے جب کہ اس کا حصہ نصف تھا تو اس کے لیے چھٹا حصہ باقی رہے

(وَلَوْ شَرَطَ) الْأَوَّلُ (لِلثَّانِي ثُلُثَيْهِ)، وَالْمَسْأَلَةُ بِحَالِهَا (ضَمِنَ الْأَوَّلُ لِلثَّانِي سُدُسًا) بِالتَّسْمِيَةِ؛ لِأَنَّهُ الْتَزَمَ سَلَامَةَ الثُّلُثَيْنِ (وَإِنْ شَرَطَ) الْمُضَارِبُ (لِلْمَالِكِ ثُلُثَهُ وَ) شَرَطَ (لِعَبْدِ الْمَالِكِ ثُلُثَهُ) وَقَوْلُهُ (عَلَى أَنْ يَعْمَلَ مَعَهُ) عَادِيٌّ، وَلَيْسَ بِقَيْدٍ (وَ) شَرَطَ (لِنَفْسِهِ ثُلُثَهُ صَحَّ) وَصَارَ كَأَنَّهُ اشْتَرَطَ لِلْمَوْلَى ثُلُثَيِ الرِّبْحِ كَذَا فِي عَامَّةِ الْكُتُبِ

اگر پہلے مضارب نے دوسرے مضارب کے لیے دوتہائی کی شرط لگائی جب کہ اپنی حالت پر ہو تو پہلا مضارب دوسرے مضارب کے لیے چھٹے حصہ کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس کا ذکر کیا تھا کیونکہ اس نے دوتہائی کی سلامتی اپنے اوپر لازم کی تھی۔ اگر مضارب نے مالک کے لیے نفع کے تہائی کی شرط لگائی اور مالک کے غلام کے لیے تہائی کی شرط لگائی اور ان کا یہ قول: علی ان یعمل معه یہ امر عادی ہے قید نہیں ہے، اور مضارب نے اپنے لیے ایک تہائی کی شرط لگائی تو یہ صحیح ہوگا اور یہ امر اس طرح ہو جائے گا گویا اس نے مولی کے لیے دوتہائی کی شرط لگائی ہے۔ عام کتب میں اسی طرح ہے۔

گا۔ ''البحر'' میں کہا: سب کے لیے نفع پاکیزہ ہے۔ کیونکہ دوسرے مضارب کا عمل پہلے مضارب کی جانب سے عمل تجارت ہے جس طرح اجیر مشترک ہوتا ہے جب وہ کسی اور کو مزدور رکھے جب اجرت اس سے کم ہو جس پر اسے اجرت پر رکھا گیا تھا۔

28692۔ (قوله: لِعَبْدِ الْمَالِكِ) رب المال کے غلام کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر نفع میں سے مضارب کے غلام کے لیے کوئی شرط لگائی جائے اور اس کے عمل کی شرط نہ لگائی جائے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اور اس کے لیے جو شرط لگائی ہے وہ مال رب المال کے لیے ہوگا مگر جب غلام کا کوئی دین ہو ورنہ شرط صحیح ہوگی خواہ اس کے عمل کی شرط لگائی یا شرط نہ لگائی اور وہ مال مضارب کے لیے ہوگا، ''بحر''۔ اور یہ قید لگائی ہے کہ عاقد آقا ہو کیونکہ اگر عبد ماذون شرط لگائے تو اس کا ذکر عنقریب آئے گا۔ اور یہ ان کے اس قول: لعبد مالو شرط للمکاتب بعض الربح کو شامل ہوگا۔ اور اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ مضارب کا مکاتب ہو لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ دونوں میں اس کے عمل کی شرط لگائے اور مشروط مال مضارب کے مکاتب کے لیے ہوگا اس کے آقا کے لیے نہ ہوگا اگر اس کے عمل کی شرط نہ لگائے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ دوسرے اجنبی بھی اس شرط پر ہوں گے۔ پس مضاربت صحیح ہو گی اور وہ رب المال کے لیے ہوگی اور شرط باطل ہوگی، ''بحر''۔ اس بارے میں کلام عنقریب آئے گی۔ یہاں عورت (بیوی) اور بچہ اجنبی کی طرح ہیں۔ ''نہایہ'' میں اسی طرح ہے، ''بحر''۔ غلام کے عمل کی شرط ہونے کی قید لگائی ہے یہ مضارب کے ساتھ رب المال کے عمل کی شرط سے احتراز ہے کیونکہ ایسی شرط مضاربت کو فاسد کر دیتی ہے جس طرح عنقریب آئے گا۔

28693۔ (قوله: لِلْمَوْلَى) لیکن آقا غلام کے ایک تہائی کو مطلقاً نہیں لے گا۔ کیونکہ ''تبیین'' میں ہے: پھر اگر غلام پر رہن نہ ہو تو یہ حصہ آقا کا ہوگا خواہ اس میں غلام کے عمل کی شرط لگائی یا نہ لگائی۔ اگر اس غلام پر دین ہو تو وہ اس کے غرماء کی طرح ہوگا اگر اس کے عمل کی شرط لگائے کیونکہ وہ اپنے آقا کے مال میں مضارب بن چکا ہے پس اس کی کمائی اس کے لیے ہوگی پس اس کے غرماء اس کو وصول کریں گے۔ اگر اس کے عمل کی شرط نہ لگائی ہو تو وہ عقد سے اجنبی ہوگا۔ پس وہ مسکوت عنہ کی طرح ہو

وَفِي نُسَخِ الْمَتْنِ وَالشَّرْحِ هُنَا خَلْطٌ فَاجْتَنِبْهُ (وَلَوْ عَقَدَهَا الْمَأْذُونُ مَعَ أَجْنَبِيٍّ وَشَرَطَ الْمَأْذُونُ عَمَلَ مَوْلَاهُ لَمْ يَصِحَّ إنْ لَمْ يَكُنْ) الْمَأْذُونُ (عَلَيْهِ دَيْنٌ) ؛ لِأَنَّهُ كَاشْتِرَاطِ الْعَمَلِ عَلَى الْمَالِكِ (وَإِلَّا صَحَّ) ؛ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ لَا يَمْلِكُ كَسْبَهُ (وَاشْتِرَاطُ عَمَلِ رَبِّ الْمَالِ مَعَ الْمُضَارِبِ مُفْسِدٌ) لِلْعَقْدِ ؛ لِأَنَّهُ يَمْنَعُ التَّخْلِيَةَ فَيَمْنَعُ الصِّحَّةَ (وَكَذَا اشْتِرَاطُ عَمَلِ الْمُضَارِبِ مَعَ مُضَارِبِهِ قَوْلُهُ أَوْ عَمَلَ رَبُّ الْمَالِ مَعَ) الْمُضَارِبِ (الثَّانِي) بِخِلَافِ مُكَاتَبٍ شَرَطَ عَمَلَ مَوْلَاهُ كَمَا لَوْ ضَارَبَ مَوْلَاهُ (وَلَوْ شَرَطَ بَعْضَ الرِّبْحِ لِلْمَسَاكِينِ أَوْ لِلْحَجِّ

متن اور شرح کے نسخوں میں جہاں خلط ہے پس اس سے اجتناب کیجئے۔ اگر عبد ماذون نے اجنبی کے ساتھ عقد مضاربہ کیا اور ماذون نے اپنے آقا کے عمل کی شرط لگائی تو یہ شرط صحیح نہ ہوگی اگر ماذون پر دین نہ ہو۔ کیونکہ یہ اسی طرح ہے کہ وہ مالک پر عمل کی شرط لگا رہا ہے۔ اگر اس طرح نہ ہو یعنی عبد ماذون پر دین ہو تو شرط صحیح ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں مولی اس کی کمائی کا مالک نہیں ہوتا۔ مضارب کے ساتھ رب المال کے عمل کی شرط لگانا یہ عقد کو فاسد کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ تخلیہ کے مانع ہے۔ پس یہ اس کے صحیح ہونے کے مانع ہوگا۔ اسی طرح مضارب کی مضارب کے ساتھ عمل کی شرط لگانا یا رب المال کی دوسرے مضارب کے ساتھ عمل کی شرط لگانے کا معاملہ ہے۔ مکاتب کا معاملہ مختلف ہے جب وہ اپنے آقا کے عمل کی شرط لگائے جس طرح مضارب وہ اپنے آقا کے ساتھ مضاربت کا عقد کرے۔ اگر وہ بعض نفع کو مساکین کے لیے، حج کے لیے،

گا پس وہ مال مولی کا ہوگا۔ کیونکہ اس کے مملوکہ مال کا نما ہے۔ کیونکہ اس کے حصہ کا بیان شرط نہیں بلکہ مضارب کے حصہ کا بیان شرط ہے کیونکہ وہ اجیر کی طرح ہوتا ہے۔ ملخص

28694۔(قولہ: وَفِي نُسَخِ الْمَتْنِ الخ) جہاں تک متن کا تعلق ہے تو میں نے اس کے ایک نسخہ میں دیکھا ہے: اگر اس نے دوسرے مضارب کے لیے نفع کے دو تہائی کی شرط لگائی اور مالک کے غلام کے لیے ایک تہائی کی شرط لگائی اس شرط پر کہ مالک کا غلام اس کے ساتھ کام کرے گا اور اپنے لیے ایک تہائی کی شرط لگائی تو یہ شرط صحیح ہوگی جب کہ یہ فاسد ہے جس طرح تم دیکھ رہے ہو۔ جہاں تک شرا کا تعلق ہے تو اس کی نص یہ ہے ان کا قول: وہ اس کے ساتھ کام کرے گا یہ قول عادی (عادت کے مطابق ہے) ہے یہ قید نہیں بلکہ شرط صحیح ہوگی اور وہ آقا کے لیے ہوگا اگر اس کے عمل کی شرط نہ لگائی تو یہ شرط جائز نہ ہوگی۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28695۔(قولہ: وَاشْتِرَاطُ) یہ مسئلہ ماقبل کے لیے تعلیل کی طرح ہے۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ اسے مقدم کرتے اور اس پر تفریع کا ذکر کرتے۔

28696۔(قولہ: بِخِلَافِ مُكَاتَبٍ) یعنی جب مکاتب کسی اور کو مال مضاربہ عطا کرے۔

28697۔(قولہ: مَوْلَاهُ) کیونکہ یہ مطلقاً فاسد نہیں اگر وہ عمل سے قبل عاجز آ جائے اور اس پر دین نہ ہو تو مضاربت فاسد ہو جائے گی۔ ''بحر''۔

أَوْ فِي الرِّقَابِ) أَوْ لِامْرَأَةِ الْمُضَارِبِ أَوْ مُكَاتَبِهِ صَحَّ الْعَقْدُ وَ (لَمْ يَصِحَّ) الشَّرْطُ (وَيَكُونُ) الْمَشْرُوطُ (لِرَبِّ الْمَالِ وَلَوْ شَرَطَ الْبَعْضَ لِمَنْ شَاءَ الْمُضَارِبُ فَإِنْ شَاءَ لِنَفْسِهِ أَوْ لِرَبِّ الْمَالِ صَحَّ) الشَّرْطُ (وَإِلَّا) بِأَنْ شَاءَهُ لِأَجْنَبِيّ (لَا يَصِحُّ، وَمَتَى شَرَطَ الْبَعْضَ لِأَجْنَبِيّ إِنْ شَرَطَ عَلَيْهِ عَمَلَهُ صَحَّ، وَإِلَّا لَا قُلْتُ لَكِنْ فِي الْقُهُسْتَانِيّ أَنَّهُ يَصِحُّ مُطْلَقًا، وَالْمَشْرُوطُ لِلْأَجْنَبِيّ إِنْ شَرَطَ عَمَلَهُ وَإِلَّا فَلِلْمَالِكِ أَيْضًا، وَعَزَاهُ لِلذَّخِيرَةِ خِلَافًا لِلْبُرْجُنْدِيّ وَغَيْرِهِ فَتَنَبَّهْ، وَلَوْ شَرَطَ الْبَعْضَ لِقَضَاءِ دَيْنِ الْمُضَارِبِ أَوْ دَيْنِ الْمَالِكِ جَازَ

غلاموں کے آزاد کرنے، مضارب کی بیوی یا اپنے مکاتب کے لیے شرط لگائے تو عقد صحیح ہوگا اور شرط صحیح نہ ہوگی اور مشروط رب المال کے لیے ہوگا۔ اگر بعض نفع کی اس کے لیے شرط لگائے مضارب جس کے لیے چاہے اگر وہ اپنے لیے یا رب المال کے لیے چاہے تو شرط صحیح ہوگی ورنہ صحیح نہ ہوگی۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اجنبی کے لیے چاہے جب وہ اجنبی کے لیے بعض نفع کی شرط لگائے اگر اس پر عمل کی شرط لگائے تو یہ صحیح ہوگا ورنہ صحیح نہ ہوگا۔ میں کہتا ہوں: لیکن ''قہستانی'' میں ہے: یہ مطلقاً صحیح ہے اور مشروط اجنبی کے لیے ہوگا اگر اس کے عمل کی شرط لگائے ورنہ وہ مشروط بھی مالک کے لیے ہوگا۔ اسے ''ذخیرہ'' کی طرف منسوب کیا ہے۔ ''برجندی'' وغیرہ نے اس سے اختلاف کیا ہے پس اس پر متنبہ ہو جاؤ۔ اگر بعض نفع کے بارے میں یہ شرط لگائی کہ مضارب کے دین یا مالک کے دین کو ادا کیا جائے گا تو یہ شرط جائز ہوگی

28698۔ (قولہ: أَوْ فِي الرِّقَابِ) یعنی غلام کو آزاد کرانے میں، تینوں میں شرط فاسد ہے۔ کیونکہ عمل کی شرط نہیں جس طرح عنقریب یہ امر ظاہر ہو جائے گا۔

28699۔ (قولہ: وَلَمْ يَصِحَّ الشَّرْطُ) ''سراجیہ'' میں جس جواز کا ذکر ہے وہ عقد کے جواز پر محمول ہوگا شرط کے جواز پر محمول نہیں ہوگا۔ ''منح''۔

جو یہ قول کیا گیا ہے کہ مسئلہ اختلافی ہے اس کی ضرورت نہیں۔ لیکن ان دونوں میں شرط صحیح نہ ہوگی جب ان دونوں پر عمل کی شرط نہ لگائے جس طرح اس کی طرف اپنے اس قول و متی شرط لاجنبی الخ میں اشارہ کر دیں گے۔ ''النہایہ'' سے گزر چکا ہے کہ بیوی اور بچہ یہاں اجنبی کی طرح ہیں۔ ''التبیین'' میں ہے: اگر بعض نفع کی رب المال کے مکاتب یا مضارب کے مکاتب کے لیے شرط لگائی اگر اس کے عمل کی شرط لگائی تو یہ جائز ہوگی اور مشروط اس کا ہوگا۔ کیونکہ وہ مضارب بن چکا ہے ورنہ شرط صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ مضاربت نہیں۔ کیونکہ مشروط ہبہ موعودہ ہے پس یہ شرط لازم نہ ہوگی۔ اسی پر دوسری جانب کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اگر اس کے لیے بعض نفع کی شرط لگائی ہو اور اس پر عمل کی شرط لگائی ہو تو یہ صحیح ہوگی ورنہ شرط صحیح نہ ہوگی۔

28700۔ (قولہ: لَا يَصِحُّ) کیونکہ اس کے عمل کی شرط نہیں لگائی۔

28701۔ (قولہ: صَحَّ) یعنی شرط لگانا صحیح ہوگا جس طرح عقد صحیح ہوگا۔

28702۔ (قولہ: لَكِنْ فِي الْقُهُسْتَانِيّ) استدراک کا یہاں کوئی محل نہیں۔ کیونکہ ان کا قول: یصح مطلقا یعنی عقد

وَیَکُونُ لِلْمَشْرُوطِ لَهُ قَضَاءُ دَیْنِهِ وَلَا یَلْزَمُ بِدَفْعِهِ لِغُرَمَائِهِ بَحْرٌ (وَتَبْطُلُ الْمُضَارَبَةُ بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا) لِكَوْنِهَا وَكَالَةً وَكَذَا بِقَتْلِهِ، وَحَجْرٍ يَطْرَأُ عَلَى أَحَدِهِمَا وَبِجُنُونِ أَحَدِهِمَا مُطْبَقًا قُهُسْتَانِيٌّ وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ مَاتَ الْمُضَارِبُ وَالْمَالُ عُرُوضٌ بَاعَهَا وَصِيُّهُ، وَلَوْ مَاتَ رَبُّ الْمَالِ، وَالْمَالُ نَقْدٌ تَبْطُلُ فِي حَقِّ التَّصَرُّفِ وَلَوْ عَرَضًا تَبْطُلُ فِي حَقِّ الْمُسَافَرَةِ لَا التَّصَرُّفِ فَلَهُ بَيْعُهُ بِعَرَضٍ وَنَقْدٍ (وَ) بِالْحُكْمِ (بِلُحُوقِ الْمَالِكِ مُرْتَدًّا فَإِنْ عَادَ بَعْدَ لُحُوقِهِ مُسْلِمًا فَالْمُضَارَبَةُ عَلَى حَالِهَا) حُكِمَ بِلَحَاقِهَا أَمْ لَا عِنَايَةٌ

اور مشروط لہ پر لازم ہوگا کہ وہ اپنے دین کو ادا کرے اس کے غرماء کو ادا کرنا اس پر لازم نہ ہوگا، ''بحر''۔ مضارب اور مالک میں سے ایک کے فوت ہونے سے مضاربت باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ یہ وکالت ہے۔ اسی طرح اس کے قتل ہونے یا حجر کے جاری ہونے سے مضاربت ختم ہو جائے گی۔ ان دونوں میں سے کسی کو جنون مطبقہ لاحق ہو تو بھی مضاربت ختم ہو جائے گی، ''قہستانی''۔ ''بزازیہ'' میں ہے: مضارب مر گیا اور مال سامان تجارت ہے مضارب کا وصی اسے بیچے گا اگر رب المال مر جائے اور مال نقدی ہو تو تصرف کے حق میں مضاربت باطل ہو جائے گی اگر سامان تجارت ہو تو مسافرت کے حق میں باطل ہو جائے گی تصرف کے حق میں باطل نہ ہوگی۔ اسے حق حاصل ہوگا کہ سامان تجارت یا نقدی کے بدلے میں بیچ دے۔ اور مضاربت باطل ہو جاتی ہے جب مالک پر مرتد ہو کر دار الحرب میں لاحق ہونے کا حکم لگا دیا جائے۔ اگر دار الحرب چلے جانے کے بعد مسلمان کی حیثیت سے لوٹ آئے تو مضاربت اپنے حال پر باقی رہے گی اس پر دار الحرب میں لاحق ہونے کا حکم لگایا گیا ہو یا لاحق ہونے کا حکم نہ لگایا گیا ہو، ''عنایہ''۔

مضاربت صحیح ہے خواہ اس نے اجنبی کے عمل کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو مگر جب اس نے عمل کی شرط لگائی ہو تو مشروط اس کا ہوگا ورنہ مشروط رب المال کا ہوگا۔ کیونکہ یہ اس کے قائم مقام ہے جس سے سکوت اختیار کیا گیا ہے۔ اگر مراد یہ ہو کہ شرط لگانا مطلقاً صحیح ہے تو یہ اس قول الا کے منافی ہوگا یعنی اگر اس نے اس اجنبی کے عمل کی شرط نہ لگائی ہو تو وہ مشروط مالک کے لیے ہوگا۔

28703۔ (قولہ: وَیَكُونُ) یکون کی ضمیر سے مراد بعض ہے۔

28704۔ (قولہ: قَضَاءُ) یہ مشروط کا نائب الفاعل ہے۔

28705۔ (قولہ: بَحْرٌ) اس کی عبارت یہ ہے: ولا یجبر علی دفعه لغرمائه یعنی غرماء کو دینے پر اسے مجبور نہ کیا جائے گا۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28706۔ (قولہ: الْمُسَافَرَةِ) رب المال کے شہر کے علاوہ کی طرف سفر۔ ''طحطاوی'' نے ''بزازیہ'' سے نقل کیا ہے۔

28707۔ (قولہ: فَإِنْ عَادَ الخ) چاہیے کہ یہ حکم اس وقت ہو جب اس پر دار الحرب میں چلے جانے کا حکم نہ لگایا جائے۔ مگر جب اس پر دار الحرب میں لاحق ہونے کا حکم لگا دیا جائے تو مضاربت نہیں لوٹے گی۔ کیونکہ مضاربت باطل ہو چکی ہے جس طرح ''غایة البیان'' میں ''الاتقانی'' کی عبارت ہے۔ لیکن ''العنایہ'' میں ہے کہ مضاربت لوٹ آئے گی اس پر

(بِخِلَافِ الْوَكِيلِ)؛ لِأَنَّهُ لَا حَقَّ لَهُ بِخِلَافِ الْمُضَارِبِ (وَلَوْ ارْتَدَّ الْمُضَارِبُ، فَهِيَ عَلَى حَالِهَا فَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ أَوْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ وَحُكِمَ بِلَحَاقِهِ بَطَلَتْ) وَمَا تَصَرَّفَ نَافِذٌ وَعُهْدَتُهُ عَلَى الْمَالِكِ عِنْدَ الْإِمَامِ بَحْرٌ (وَلَوْ ارْتَدَّ الْمَالِكُ فَقَطْ) أَيْ وَلَمْ يَلْحَقْ (فَتَصَرُّفُهُ) أَيْ الْمُضَارِبِ (مَوْقُوفٌ) وَرِدَّةُ الْمَرْأَةِ غَيْرُ مُؤَثِّرَةٍ (وَيَنْعَزِلُ بِعَزْلِهِ)؛ لِأَنَّهُ وَكِيلٌ (إنْ عَلِمَ بِهِ) بِخَبَرِ رَجُلَيْنِ مُطْلَقًا أَوْ فُضُولِيٍّ عَدْلٍ أَوْ رَسُولٍ مُمَيِّزٍ (وَإِلَّا) يَعْلَمْ (لَا يَنْعَزِلُ (فَإِنْ عَلِمَ) بِالْعَزْلِ وَلَوْ حُكْمًا

وکیل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ مضارب کا معاملہ مختلف ہے اگر مضارب مرتد ہو جائے تو مضاربت اپنے حال پر رہے گی اگر وہ مرجائے یا قتل ہو جائے یا مرتد ہو کر دار الحرب چلا جائے اور اس پر دار الحرب چلے جانے کا حکم لگا دیا جائے تو مضاربت باطل ہو جائے گی اور اس نے جو تصرف کیا ہو گا وہ نافذ ہو جائے گا۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی ذمہ داری مالک پر ہو گی۔ اگر مالک صرف مرتد ہو جائے اور یعنی اور وہ دار الحرب نہ جائے تو اس مضارب کا تصرف موقوف ہو گا اور عورت کا ارتداد غیر مؤثر ہے اور مالک کے معزول کرنے سے مضارب معزول ہو جائے گا۔ کیونکہ مضارب وکیل ہے اگر معزولی کا علم مطلقاً دو آمیوں کی خبر، فضولی عادل یا سوجھ بوجھ رکھنے والے قاصد کے ذریعے خبر ملے۔ اگر اسے معزولی کا علم نہ ہو تو وہ معزول نہیں ہو گا اگر معزول ہونے کا علم ہو جائے اگرچہ حکماً ہو

دار الحرب میں لاحق ہونے کا حکم لگایا گیا ہو یا حکم نہ لگایا گیا ہو۔ فتامل، ''رملی''۔

28708۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْوَكِيلِ) یعنی اگر اس کا موکل مرتد ہو جائے اور دار الحرب چلا جائے پھر وہ واپس آ جائے تو وکالت اپنے حال پر نہ ہو گی۔ فرق یہ ہے کہ محل تصرف موکل کی ملک سے نکل چکا ہے اور وکیل کا حق اس کے ساتھ متعلق نہیں ہوا اسی وجہ سے کہا لانہ الخ۔ ''س''۔

28709۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْمُضَارِبِ) کیونکہ اس کا حق ہے جب مالک واپس لوٹے گا تو مضاربت اپنے حال پر ہو گی۔

28710۔ (قولہ: وَلَوْ ارْتَدَّ) یہ ان کے قول و بلحوق سے احتراز ہے۔

28711۔ (قولہ: فَقَطْ) اس تعبیر کی بنا پر مالک اور مضارب میں کوئی فرق نہیں ہے اگر یوں کلام کرتے: وبلحوق احدھما پھر کہتے: ولو ارتد احدھما فقط تو یہ زیادہ مختصر اور زیادہ ظاہر ہوتا۔ تمام فرق میں غور و فکر کیجئے۔ جب مضارب مرتد ہو جائے تو اس کا تصرف نافذ ہو گا۔

28712۔ (قولہ: غَيْرُ مُؤَثِّرَةٍ) خواہ وہ عورت صاحبۃ المال ہو یا مضاربہ ہو مگر جب وہ مرجائے یا دار الحرب چلی جائے تو اس پر دار الحرب چلے جانے کا حکم لگا دیا جائے۔ کیونکہ عورت کی ردت اس کی املاک میں موثر نہیں ہوتی۔ اسی طرح اس کے تصرفات میں موثر نہیں ہوتی۔ ''منح''۔

28713۔ (قولہ: وَلَوْ حُكْمًا) یعنی اگرچہ معزول کرنا حکمی ہو تو حکمی میں معزول نہ ہو گا مگر علم کے ساتھ ہی معزول ہو گا۔

كَمَوْتِ الْمَالِكِ وَلَوْ حُكْمًا (وَالْمَالُ عُرُوضٌ) هُوَ هُنَا مَا كَانَ خِلَافَ جِنْسِ رَأْسِ الْمَالِ، فَالدَّرَاهِمُ وَالدَّنَانِيرُ هُنَا جِنْسَانِ (بَاعَهَا) وَلَوْ نَسِيئَةً، وَإِنْ نَهَاهُ عَنْهَا (ثُمَّ لَا يَتَصَرَّفُ فِي ثَمَنِهَا) وَلَا فِي نَقْدٍ مِنْ جِنْسِ رَأْسِ مَالِهِ وَيُبَدِّلُ خِلَافَهُ بِهِ اسْتِحْسَانًا

جیسے مالک مرجائے اوراس کا مرنا حکما ہواور مال سامان تجارت ہے یہاں وہ مال ہے جو رأس المال کی جنس کے علاوہ ہے یہاں دراہم اور دنانیر دو جنسیں ہیں مضارب اس مال کو بیچے اگرچہ ادھار بیچے اگر مالک اسے اس عمل سے منع کرے پھر اس کی ثمن میں تصرف نہ کرے اور نہ ہی رأس المال کی جنس کی نقدی میں تصرف کرے اور اس کی جنس کے جو خلاف ہے بطور استحسان اسے بدل لے۔

وکیل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ حکم میں معزول ہو جاتا ہے اگرچہ اسے علم نہ ہو۔ علماء نے اسی طرح فرمایا ہے۔ اگر تو سوال کرے دونوں میں کیا فرق ہے؟ میں کہوں گا: علماء نے یہ ذکر کیا ہے: دونوں میں فرق یہ ہے کہ اس کا کوئی حق نہیں۔ مضارب کا معاملہ مختلف ہے۔ ''منح''۔

28714۔ (قولہ: وَلَوْ حُكْمًا) جیسے وہ مرتد ہو جائے ساتھ ہی اس کے دار الحرب میں چلے جانے کا حکم لگا دیا جائے۔ ''س''۔

28715۔(قولہ: فَالدَّرَاهِمُ) یہ تفریع ظاہر نہیں۔ زیادہ بہتر فا کی بجائے واؤتھی جس طرح ''البحر'' اور ''المنح'' میں ہے۔

28716۔(قولہ: جِنْسَانِ) اگر رأس المال دراہم ہوں اور اسے معزول کر دے جب کہ مضارب کے پاس دنانیر ہوں اسے بطور استحقاق دراہم سے بیچنے کا حق ہوگا۔ ''منح''۔

بیع فاسد میں جو مصنف کے قول والدراھم والدنانیر جنس کے ہاں گزرا ہے اس میں غور وفکر کیجئے۔

28717۔(قولہ: بَاعَهَا) یعنی اسے بیچنے کا حق حاصل ہوگا معزول کیا جانا اسے اس سے مانع نہیں۔ ''اتقانی''۔

28718۔ (قولہ: عَنْهَا) ضمیر سے مراد نسیئہ ہے جس طرح مشہور روایات میں اسے سفر کرنے سے روکنا صحیح نہیں۔ جس طرح جو معزول کرنے کا مالک نہیں وہ اذن کی تخصیص کا مالک نہیں۔ کیونکہ اذن کی تخصیص ایک اعتبار سے معزول کرنا ہے، ''بحر'' میں ''نہایہ'' سے مروی ہے عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

28719۔ (قولہ: وَيُبَدِّلُ) اس قول کی کوئی حاجت نہیں۔ کیونکہ ماقبل کلام سے اسے سمجھا جا رہا ہے۔ کیونکہ قریب ہی عروض کی وضاحت کی ہے اور یہ وضاحت کی ہے کہ دراہم اور دنانیر دو جنسیں ہیں۔

28720۔(قولہ: خِلَافَهُ بِهِ) یعنی اسے حق حاصل ہے کہ رأس المال کے خلاف نقدی کو رأس المال سے تبدیل کر دے۔ ''البحر'' میں کہا ہے: اگر رأس المال دراہم ہوں تو وہ اسے معزول کر دے جب کہ اس کے پاس دنانیر ہوں تو بطور استحسان دراہم سے انہیں بیچ دے۔ ''رملی''۔

لِوُجُوبِ رَدِّ جِنْسِهِ وَلِيَظْهَرَ الرِّبْحُ وَلَا يَمْلِكُ الْمَالِكُ فَسْخَهَا فِي هٰذِهِ الْحَالَةِ) بَلْ وَلَا تَخْصِيصَ الْإِذْنِ؛ لِأَنَّهُ عَزْلٌ مِنْ وَجْهٍ نِهَايَةٌ (بِخِلَافِ أَحَدِ شَرِيكَيْنِ إِذَا فَسَخَ الشَّرِكَةَ، وَمَالُهَا أَمْتِعَةٌ) صَحَّ (افْتَرَقَا، وَفِي الْمَالِ دُيُونٌ وَرِبْحٌ يُجْبَرُ الْمُضَارِبُ

کیونکہ اس کی جنس کو واپس کرنا واجب ہے اور اس لیے بھی کہ نفع ظاہر ہو چکا ہے مالک اس حالت میں اس مضاربت کو منسوخ کرنے کا مالک نہیں اور اذن کی تخصیص کا اہل نہیں۔ کیونکہ اذن کی تخصیص ایک اعتبار سے معزول کرنا ہے۔''نہایہ''۔ جب دونوں شریکوں میں سے ایک جب شرکت کو فسخ کر دے اور اس شرکت کا کوئی سامان نہ ہو تو یہ فسخ صحیح ہوگا مضارب اور مالک جدا جدا ہو گئے اور مال میں دیون اور نفع تھا تو مضارب کو مجبور کیا جائے گا

28721۔(قولہ: لِوُجُوبِ الخ) اگر مالک فلاں جنس کے لینے سے رک جائے جس طرح اس امر کا وہ قول فائدہ دیتا ہے جو ہم پہلے ''الاتقانی'' سے نقل کر چکے ہیں۔

مضارب اختلاف کے وقت رب المال کے لیے اس کے مال کی مثل کا ضامن ہوگا

فرع: ''القنیہ'' میں مضاربہ کی بحث سے ہے ایک آدمی نے دوسرے کو دنانیر مضاربت کے طریقہ پر دیئے پھر تقسیم کا ارادہ کیا تو اسے حق حاصل ہوگا کہ وہ دنانیر کا مطالبہ کرے اور اسے یہ بھی حق حاصل ہوگا کہ مال میں سے ان کی قیمت کے حساب سے لے لے اور ان کی قیمت کا اعتبار تقسیم کے دن سے کیا جائے گا ادائیگی کے وقت کی قیمت کا نہیں کیا جائے گا۔ ''شرح الطحاوی'' مضاربت کی بحث سے ہے: مضارب اختلاف کے وقت رب المال کے لیے اس کے مال کی مثل کا ضامن ہوگا اور قول کی بحث میں ثمن مثل میں بری کرے گا۔ یہ ایسا فائدہ ہے جس کے بارے میں میں نے طویل وقت تک توقف کیا ہے۔ کیونکہ رب المال مثلاً مخصوص تعداد میں دنانیر دیتا ہے پھر ان کی قیمت بڑھ جاتی ہے اور وہ یہ ارادہ کرتا ہے کہ وہ ان کی تعداد لے نہ کہ ان کی قیمت لے۔ تامل

اس سے جو امر ظاہر ہوتا ہے اگر دیے جانے والے کی تعداد اور اس کی نوع کا علم ہو تو اسے وہی لینے کا حق ہوگا اگر وہ یہ ارادہ کرے کہ اس کی قیمت کسی دوسری نوع سے لے تو اختلاف کے دن اس کی جو قیمت ہو وہ لے لے اختلاف والے دن سے مراد نزاع اور خصومت کا دن ہے۔ اسی طرح اگر دیے جانے والے مال کی نوع کا علم نہ ہو جس طرح ہمارے زمانہ میں اکثر واقع ہوتا ہے کیونکہ وہ کئی انواع کی صورت میں مال ادا کرتا ہے پھر وہ انواع مجہول ہو جاتی ہیں تو ان کی جہالت کی وجہ سے ان کی قیمت کا محتاج ہوتا ہے تو یوم خصومت کے دن ان کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ واللہ اعلم۔ تامل

28722۔(قولہ: فِي هٰذِهِ الْحَالَةِ) یعنی اس حالت میں کہ مال عروض ہوتا ہے۔ کیونکہ مضارب کا ربح میں حق ہوتا ہے۔''بحر''۔

28723۔(قولہ: صَحَّ) الفسخ صحیح ہوگا۔

عَلَى اقْتِضَاءِ الدُّيُونِ) إِذْ حِينَئِذٍ يَعْمَلُ بِالْأُجْرَةِ (وَإِلَّا) رِبْحَ (لَا) جَبْرَ ؛ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ مُتَبَرِّعٌ (وَ) يُؤْمَرُ بِأَنْ (يُوَكِّلَ الْمَالِكَ عَلَيْهِ)؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ الْعَاقِدِ (وَ) حِينَئِذٍ فَ (الْوَكِيلُ بِالْبَيْعِ، وَالْمُسْتَبْضَعُ كَالْمُضَارِبِ) يُؤْمَرَانِ بِالتَّوْكِيلِ، (وَالسِّمْسَارُ يُجْبَرُ عَلَى التَّقَاضِي) وَكَذَا الدَّلَّالُ ؛ لِأَنَّهُمَا يَعْمَلَانِ بِالْأُجْرَةِ فَرْعٌ أُسْتُؤْجِرَ عَلَى أَنْ يَبِيعَ، وَيَشْتَرِيَ لَمْ يَجُزْ لِعَدَمِ قُدْرَتِهِ عَلَيْهِ، وَالْحِيلَةُ أَنْ يَسْتَأْجِرَهُ مُدَّةً لِلْخِدْمَةِ، وَيَسْتَعْمِلَهُ فِي الْبَيْعِ زَيْلَعِيٌّ

کہ وہ دیون کا مطالبہ کرے۔ کیونکہ وہ اس وقت اجرت پر عمل کر رہا ہے۔ اگر نفع نہ ہو تو اسے مجبور نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ اس وقت وہ متبرع ہے اور اسے یہ حکم دیا جائے گا کہ وہ مالک کو اس دین پر وکیل بنا دے۔ کیونکہ مالک عاقد نہیں۔ اس وقت بیع کا وکیل اور مستبضع مضارب کی طرح ہوگا ان دونوں کو حکم دیا جائے گا کہ وہ وکیل بنا دیں اور سمسار کو دین کے تقاضا پر مجبور کیا جائے گا۔ اسی طرح دلال کو مجبور کیا جائے گا کیونکہ وہ دونوں اجرت پر عمل کرتے ہیں۔ فرع: ایک آدمی کو اس امر پر اجرت پر رکھا گیا کہ وہ بیع و شرا کرے گا تو یہ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ اس پر قادر نہیں اس کا حیلہ یہ ہے کہ وہ ایک مدت کے لیے اسے خدمت پر لے اور بیع میں اس سے کام لے، ''زیلعی''۔

28724۔ (قولہ: عَلَى اقْتِضَاءِ الدُّيُونِ) یعنی جو ان دیون کے مقروض ہیں ان سے مطالبہ کرنے پر۔

28725۔ (قولہ: إِذْ حِينَئِذٍ) ''البحر'' کی عبارت ہے: کیونکہ وہ مزدور کی طرح ہے۔ نفع اجرت کی طرح ہے اور دین کا مطالبہ عمل کے تکملہ کے طور پر ہے پس اسے اس پر مجبور کیا جائے گا۔

28726۔ (قولہ: بِالْأُجْرَةِ) اس قول کا ظاہر معنی یہ ہے اگر چہ نفع تھوڑا ہو۔ ''شرح الملتقی'' میں کہا: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مطالبہ پر کوئی خرچہ اٹھتا ہو تو وہ مضارب کے ذمہ ہوگا۔ یہ اسی صورت میں ہے اگر دین شہر کے اندر ہو ورنہ وہ خرچ مال مضاربہ میں سے ہوگا۔ ''ہندیہ'' میں کہا: اگر مضارب کا سفر اور مقام دور ہو یہاں تک کہ نفقہ پورے دین میں واقع ہوتا ہو۔ اگر دین سے بڑھ جاتا ہو تو نفقہ کا حساب دین کی مقدار سے لگایا جائے گا اور اس سے جو زائد ہوگا تو وہ مضارب پر ہوگا۔ ''المحیط'' میں یہ اسی طرح ہے۔ ''ط''۔

28727۔ (قولہ: وَالسِّمْسَارُ) سمسار وہ شخص ہوتا ہے جو بائع اور مشتری کے درمیان اجرت کے ساتھ کام کرتا ہے لیکن اسے اجرت پر رکھا نہیں جاتا۔

28728۔ (قولہ: زَيْلَعِيٌّ) ان کی مکمل گفتگو یہ ہے: یہ حیلہ جائز ہے لیکن عقد منفعت حاصل کرتا ہے جو موت کی مقدار کے بیان کرنے کی وجہ سے معلوم ہے اور وہ اس ملک میں اپنے آپ کو سپرد کرنے پر قادر ہے اگر وہ شرط کے بغیر عمل کرے اور اسے مالک کوئی شے عطا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ ایسا عمل ہے جس کے ساتھ نیکی ہے۔ پس اس نے اسے اچھی جزا دی پس یہ معمول بن چکا ہے اور مسلمان جسے اچھا گمان کریں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اچھا ہے۔

لِأَنَّهُ أَمِينٌ (وَإِنْ قُسِّمَ الرِّبْحُ وَبَقِيَتْ الْمُضَارَبَةُ ثُمَّ هَلَكَ الْمَالُ أَوْ بَعْضُهُ تَرَادَّا الرِّبْحَ لِيَأْخُذَ الْمَالِكُ رَأْسَ الْمَالِ وَمَا فَضَلَ بَيْنَهُمَا، وَإِنْ نَقَصَ لَمْ يَضْمَنْ) لِمَا مَرَّ ثُمَّ ذَكَرَ مَفْهُومَ قَوْلِهِ وَبَقِيَتْ الْمُضَارَبَةُ، فَقَالَ (وَإِنْ قَسَّمَ الرِّبْحَ، وَفُسِخَتْ الْمُضَارَبَةُ) وَالْمَالُ فِي يَدِ الْمُضَارِبِ (ثُمَّ عَقَدَاهَا فَهَلَكَ الْمَالُ لَمْ يَتَرَادَّا) وَبَقِيَتْ الْمُضَارَبَةُ؛ لِأَنَّهُ عَقْدٌ جَدِيدٌ (وَهِيَ الْحِيلَةُ النَّافِعَةُ لِلْمُضَارِبِ) (وَمَا هَلَكَ مِنْ مَالِ الْمُضَارَبَةِ يُصْرَفُ إِلَى الرِّبْحِ)؛ لِأَنَّهُ تَبَعٌ (فَإِنْ زَادَ الْهَالِكُ عَلَى الرِّبْحِ لَمْ يَضْمَنْ) وَلَوْ فَاسِدَةً مِنْ عَمَلِهِ؛

مال مضارب میں سے جو چیز ہلاک ہو جائے تو اسے نفع کی طرف پھیر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ نفع تابع ہے اگر ہلاک ہونے والا مال نفع سے بڑھ جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا اگر چہ مضاربت فاسد ہو اور وہ ہلاکت اس کے عمل سے ہو کیونکہ مضارب امین ہے اگر نفع تقسیم کر دیا گیا اور مضاربت باقی رہی تو تمام مال ہلاک ہو گیا یا اس کا بعض ہلاک ہو گیا تو دونوں نفع واپس لوٹائیں گے تا کہ مالک رأس المال لے لے اور اس سے جو بچ جائے وہ دونوں میں تقسیم کر دیا جائے گا اگر مال کم پڑ جائے تو وہ ضامن نہ ہوگا۔ پھر ان کے قول: و بقیت المضاربة کا مفہوم ذکر کیا اور کہا: اگر ربح تقسیم کر دیا گیا اور مضاربت فسخ ہو گئی اور مال مضارب کے قبضہ میں ہو پھر دونوں نے عقد مضاربہ کیا تو مال ہلاک ہو گیا تو دونوں نفع نہیں لوٹائیں گے اور مضاربت باقی رہے گی۔ کیونکہ یہ جدید عقد ہے۔ یہی ایسا حیلہ ہے جو مضارب کے لیے نافع ہے۔

28729۔ (قولہ: وَلَوْ فَاسِدَةً) یعنی خواہ مضاربت صحیح ہو یا فاسدہ ہو خواہ مال اس کے عمل سے ہلاک ہوا ہو یا عمل سے ہلاک نہ ہوا ہو۔ ''ح''۔

28730۔ (قولہ: مِنْ عَمَلِهِ) یعنی ایسا عمل جو تجارت کے نزدیک اس پر مسلط کیا گیا ہو جہاں تک تعدی کا تعلق ہے تو یہ امر ظاہر ہے کہ وہ ضامن ہوگا۔ ''سائحانی''۔

28731۔ (قولہ: وَمَا فَضَلَ بَيْنَهُمَا) یعنی نفقہ ادا کرنے کے بعد۔

28732۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ وہ امین ہے پس وہ ضامن نہیں ہوگا۔

28733۔ (قولہ: فِي يَدِ الْمُضَارِبِ) اس کی مثل ''عزمیہ'' میں ''صدر الشریعہ'' سے منقول ہے۔ یہ متوہم پر نص ہے ورنہ بدرجہ اولی یہ صورتحال ہوگی جب وہ عقد کے فسخ کے بعد مال رب المال کو دے دے پھر وہ اس سے واپس لے اور دوسرا عقد کرے۔

28734۔ (قولہ: النَّافِعَةُ لِلْمُضَارِبِ) یعنی اگر مضارب کو خوف ہو کہ نفع کی تقسیم کے بعد رب المال اس سے نفع واپس لے لے گا اس کا سبب یہ ہو کہ رأس المال میں سے جو باقی ہے وہ ہلاک ہو جائے جو قول ابھی گزرا ہے اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ حیلہ کی صحت اس امر پر موقوف نہیں کہ مضارب رأس المال رب المال کے حوالے کرے۔ ''زیلعی'' نے جو قید لگائی ہے وہ اتفاقی ہے جس طرح ''ابو سعود'' نے اس بارے میں متنبہ کیا ہے۔

فَصْلٌ فِی الْمُتَفَرِّقَاتِ

(الْمُضَارَبَةُ لَا تَفْسُدُ بِدَفْعِ كُلِّ الْمَالِ أَوْ بَعْضِهِ) تَقْيِيدُ الْهِدَايَةِ بِالْبَعْضِ اتِّفَاقِيٌّ عِنَايَةٌ (إلَى الْمَالِكِ بِضَاعَةً لَا مُضَارَبَةً) لِمَا مَرَّ (وَإِنْ أَخَذَهُ) أَيْ الْمَالِكُ الْمَالَ (بِغَيْرِ أَمْرِ الْمُضَارِبِ وَبَاعَ وَاشْتَرَى بَطَلَتْ إنْ كَانَ رَأْسُ الْمَالِ نَقْدًا) ؛ لِأَنَّهُ عَامِلٌ لِنَفْسِهِ

متفرق مسائل کے احکام

مضاربت فاسد نہیں ہوتی جب مضارب مضاربت کا تمام مال یا اس کا بعض مال رب المال کو بضاعت پر دے دے نہ کہ مضاربت پر دے۔ ''ہدایہ'' نے جو بعض کی قید لگائی ہے وہ اتفاقی ہے ''عنایہ''۔ اس کی دلیل یہ ہے جو گزر چکی ہے۔ اگر مالک نے مضارب کے امر کے بغیر مال لے لیا، اسے بیچا اور اسے خریدا تو مضاربت باطل ہو جائے گی اگر رأس المال نقدی ہو۔ کیونکہ وہ اپنی ذات کے لیے عمل کرنے والا ہے۔

اگر مضارب رب المال کو مال مضاربت، مضاربت کے طور پر دے دے تو مضاربت فاسد ہو جائے گی

28735۔ (قولہ: لَا مُضَارَبَةً) یعنی اگر مضارب نے رب المال کو وہ مال مضاربت کے طور پر دے دیا تو مضاربت فاسد ہو جائے گی مصنف نے ''زیلعی'' کی پیروی کی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے: اگر اس نے وہ مال مضاربت کے طریقہ پر دیا تو پہلی مضاربت فاسد ہو جائے گی جب کہ جو مضاربت فاسد ہوتی ہے وہ دوسری ہے نہ کہ پہلی فاسد ہوتی ہے جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔ ''البحر'' میں کہا: بضاعت کی قید لگانا یہ اتفاقی ہے۔ کیونکہ اگر اس نے رب المال کو مال مضاربت کے طریقہ پر دیا تو پہلی مضاربت باطل نہیں ہوگی بلکہ دوسری مضاربت باطل ہوگی۔ کیونکہ مضاربت اس طرح شرکت پر منعقد ہوتی ہے کہ رب المال کا مال ہوتا ہے اور مضارب کا عمل ہوتا ہے یہاں کوئی مال نہیں۔ اگر ہم اس دوسرے عقد کو جائز قرار دیں تو یہ امر قلب موضوع کی طرف لے جاتا ہے۔ اور جب یہ عقد صحیح نہیں تو رب المال کا عمل مضارب کے حکم سے باقی رہا۔ پس پہلی مضاربت باطل نہ ہوگی۔ ''ہدایہ'' میں اسی طرح ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقد عقد بضاعہ ہے اگرچہ اس کا نام مضاربت رکھا گیا۔ کیونکہ یہاں بضاعت سے مراد استعانت ہے۔ کیونکہ حقیقی ابضاع یہاں واقع نہیں ہوتا وہ یہ ہوتا ہے کہ مال مبضع کا ہوتا ہے اور عمل دوسرے آدمی کا ہوتا ہے اور عامل کے لیے کوئی نفع نہیں ہوتا۔ کتاب کے مسئلہ سے اجنبی کے ساتھ ابضاع بدرجہ اولیٰ سمجھ آتا ہے۔ قول لمامر

28736۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی شے اپنی مثل کو متضمن نہیں ہوتی۔

28737۔ (قولہ: وَإِنْ أَخَذَهُ) جس قول سے احتراز ہے وہ بدفع ہے۔

(وَإِنْ صَارَ عَرَضًا لَا)؛ لِأَنَّ النَّقْدَ الصَّرِيحَ حِينَئِذٍ لَا يَعْمَلُ فَهَذَا أَوْلَى عِنَايَةٌ ثُمَّ إِنْ بَاعَ بِعَرَضٍ بَقِيَتْ وَإِنْ بِنَقْدٍ بَطَلَتْ لِمَا مَرَّ (وَإِذَا سَافَرَ) وَلَوْ يَوْمًا (فَطَعَامُهُ وَشَرَابُهُ وَكِسْوَتُهُ وَرُكُوبُهُ) بِفَتْحِ الرَّاءِ مَا يُرْكَبُ وَلَوْ بِكِرَاءٍ (وَكُلُّ مَا يَحْتَاجُهُ عَادَةً) أَيْ فِي عَادَةِ التُّجَّارِ بِالْمَعْرُوفِ (فِي مَالِهَا) لَوْ صَحِيحَةً لَا فَاسِدَةً؛ لِأَنَّهُ أَجِيرٌ، فَلَا نَفَقَةَ لَهُ كَمُسْتَبْضِعٍ وَوَكِيلٍ وَشَرِيكٍ كَافِي وَفِي الْأَخِيرِ خِلَافٌ

اگر وہ مال سامان تجارت بن چکا ہوتو مضاربت باطل نہ ہوگی۔ کیونکہ اس وقت نقد صریح میں عمل نہیں ہو رہا یہ اولی ہے ''عنایہ''۔ پھر اگر اس نے وہ سامان تجارت سامان تجارت سے بیچا تو مضاربت باقی رہے گی۔ اگر نقدی سے بیچا تو مضاربت باطل ہو جائے گی۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔ اگر مضارب سفر کرے اگر چہ ایک دن کا ہی سفر ہو تو اس کا کھانا، پینا، لباس اور اس کی سواری اور عادت میں جس کا وہ محتاج ہوتا ہے وہ مضاربت کے مال سے ہوں گے اگر مضاربت صحیح ہو۔ رکوب کا لفظ را کے فتحہ کے ساتھ ہے یعنی جس پر سوار ہوا جاتا ہے اگر چہ کرایہ کی صورت میں ہو۔ عادت سے مراد یہ ہے کہ تجار کے معمول میں جو معروف ہوتا ہے مضاربت کے مال میں سے اس وقت ہوں گے اگر مضاربت صحیح ہو وہ فاسد نہ ہو۔ کیونکہ مضاربت فاسد ہو تو وہ مضارب اجیر کی طرح ہوتا ہے تو مزدور کے لیے نفقہ نہیں ہوتا جس طرح مستبضع، وکیل اور شریک ہے، ''کافی''۔ آخری میں اختلاف ہے۔

28738۔ (قولہ: وَإِنْ صَارَ عَرَضًا) یعنی مضارب کے ہاتھ میں وہ عرض ہو جائے۔

28739۔ (قولہ: ثُمَّ إِنْ بَاعَ) یعنی اس مال کو بیچ دے جو عرض بن چکا ہو۔

28740۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی وہ اپنے لیے عمل کرنے والا ہوگا۔ ''حاشیہ'' میں کہا: یعنی رب المال نے سامان کو نقدی سے بیچا پھر اس نے نقدی سے سامان تجارت خریدا تو پہلے سامان تجارت کے نفع سے مضارب کا حصہ ہوگا دوسرے سامان تجارت سے حصہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب اس نے سامان تجارت بیچا اور مال اس کے قبضہ میں نقدی ہو گیا تو وہ یہ مضاربت کا نقص ہوگا اس کے بعد اس کا خریداری کرنا اپنی ذات کے لیے ہوگا۔ اگر اس نے سامان تجارت اسی کی مثل سامان تجارت سے بیچا یا کیلی یا وزنی چیز سے بیچا اور اسے نفع حاصل ہوا تو وہ نفع دونوں کے درمیان اس طریقہ سے واقع ہوگا جیسی انہوں نے شرط لگائی تھی، ''بحر'' اور ''منح'' میں ''مبسوط'' سے مروی ہے۔

28741۔ (قولہ: وَلَوْ يَوْمًا) کیونکہ نفقہ کے واجب ہونے کی علت یہ ہے تو وہ مضاربت کے لیے اپنے آپ کو محبوس رکھے تو اس سے معلوم ہو گیا کہ مراد سفر شرعی نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کا اپنے گھر رات گزارنا ممکن نہیں۔ اگر یہ ممکن ہو کہ وہ رات کے وقت اپنے گھر لوٹ آئے تو وہ اس طرح ہے جس طرح شہر میں ہو جس کے لیے نفقہ نہیں ہوگا۔ ''بحر''۔

28742۔ (قولہ: وَلَوْ بِكِرَاءٍ) یہ لفظ را کے فتحہ، الف ممدودہ اور ہمزہ مکسور کے ساتھ ہے۔

28743۔ (قولہ: لِأَنَّهُ أَجِيرٌ) یعنی مضاربت فاسدہ میں اجیر کی طرح ہے۔

28744۔ (قولہ: خِلَافٌ) کیونکہ ''النہایہ'' میں اس کی تصریح کی ہے کہ نفقہ شرکت کے مال میں واجب ہوگا، ''منح''۔

(وَإِنْ عَمِلَ فِي الْمِصْرِ) سَوَاءٌ وُلِدَ فِيهِ أَوْ اتَّخَذَهُ دَارًا (فَنَفَقَتُهُ فِي مَالِهِ) كَدَوَائِهِ عَلَى الظَّاهِرِ أَمَّا إذَا نَوَى الْإِقَامَةَ بِمِصْرٍ وَلَمْ يَتَّخِذْهُ دَارًا فَلَهُ النَّفَقَةُ ابْنُ مَلَكٍ مَا لَمْ يَأْخُذْ مَالًا؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَحْتَبِسْ بِمَالِهَا

اگر مضارب شہر میں کام کرے خواہ اس شہر میں اس کی ولادت ہوئی ہو یا اس نے اس شہر کو گھر بنالیا ہو تو اس کا نفقہ اس کے اپنے مال میں سے ہوگا جس طرح اس کی دوائی اپنے مال سے ہوگی۔ یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے۔ مگر جب وہ شہر میں اقامت کی نیت کرے اور اسے گھر نہ بنائے تو اس کے لیے نفقہ ہوگا''ابن ملک''۔ جب تک وہ مال نہ لے کیونکہ وہ مضاربت کے مال کی وجہ سے رکا ہوا نہیں ہے۔

''شرح المجمع'' میں اسے امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت قرار دیا ہے۔''حامدیہ'' کے کتاب الشرکہ میں''الرملی علی المنح'' سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں: میں کہتا ہوں:''تاتر خانیہ'' میں''الخانیہ'' سے ذکر کیا ہے: امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ استحسان ہے۔ یعنی شرکت کے مال میں اس کا نفقہ واجب ہوگا۔ کیونکہ تو جانتا ہے جب یہ صورتحال ہو کہ یہ استحسان ہے تو عمل اسی پر ہوتا ہے کیونکہ تو جانتا ہے کہ عمل استحسان پر ہوتا ہے مگر چند مسائل میں عمل استحسان پر نہیں ہوتا جب کہ یہ مسئلہ ان میں سے نہیں ہے۔ ''خیر الدین علی المنح''۔

اگر مضارب شہر میں اقامت کی نیت کرے اور اسے اپنا گھر نہ بنائے تو اس کا حکم

28745۔(قولہ: مَا لَمْ يَأْخُذْ مَالًا) یعنی اگر وہ شہر میں اقامت کی نیت کرے اور اس کو اپنا گھر نہ بنائے تو اس کے لیے مضاربت کے مال سے نفقہ ہوگا مگر جب وہ اس شہر میں مضاربت کا مال لے تو جب تک اس شہر میں ہے اس میں نفقہ لینے کا حق نہیں ہوگا۔ اس میں جو ایجاز ہے جو پہلی کے ساتھ لاحق ہے وہ مخفی نہیں۔

''البحر'' میں کہا: اگر اس نے کوفہ میں مال لیا جب کہ وہ اہل بصرہ میں سے ہے جب کہ وہ کوفہ میں مسافر کے طور پر آیا تھا تو جب تک وہ کوفہ میں ہوگا مضاربت کے مال میں سے اس کے لیے نفقہ نہیں ہوگا۔ جب وہ وہاں سے مسافر کے طور پر نکل پڑے تو اس کے لیے نفقہ ہوگا یہاں تک کہ بصرہ آجائے۔ کیونکہ اس کا وہاں سے نکلنا مال مضاربت کے لیے ہے۔ جب تک وہ بصرہ میں ہے وہ مال سے خرچ نہیں کرے گا۔ کیونکہ بصرہ اس کا اصلی وطن ہے تو اس کی وہاں اقامت وطن کی وجہ سے ہے مال کی وجہ سے نہیں ہے۔ جب وہ بصرہ سے نکلے تو اسے مال میں سے خرچ کرنے کا حق ہوگا یہاں تک کہ وہ کوفہ آجائے۔ کیونکہ اس کا بصرہ سے نکلنا مال مضاربت کی وجہ سے ہے۔ اور وہ جب تک کوفہ رہے گا اسے خرچ کرنے کا حق ہوگا یہاں تک کہ وہ بصرہ کی طرف لوٹ آئے۔ کیونکہ کوفہ میں اس کا وطن وطن اقامت ہے اور وطن اقامت سفر سے باطل ہو جاتا ہے جب وہ اس کی طرف لوٹے اور وہ اس کا وطن نہ ہو تو اس میں اس کی اقامت مال کی وجہ سے ہوگی۔''البدائع''،''المحیط'' اور''الفتاویٰ الظہیریہ'' میں اسی طرح ہے۔ اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے اگر اس کا کوفہ میں بھی وطن ہو تو اس کے لیے سفر راستہ میں خرچ کرنے کا اختیار ہوگا۔''تاتر خانیہ'' کی پندرہویں فصل میں اس کے بارے میں تصریح دیکھی ہے۔

وَلَوْ سَافَرَ بِمَالِهِ وَمَالِهَا أَوْ خَلَطَ بِإِذْنٍ أَوْ بِمَالَيْنِ لِرَجُلَيْنِ أَنْفَقَ بِالْحِصَّةِ، وَإِذَا قَدِمَ رَدَّ مَا بَقِيَ مَجْمَعٌ، وَيَضْمَنُ الزَّائِدَ عَلَى الْمَعْرُوفِ وَلَوْ أَنْفَقَ مِنْ مَالِهِ لِيَرْجِعَ فِي مَالِهَا لَهُ ذٰلِكَ وَلَوْ هَلَكَ لَمْ يَرْجِعْ عَلَى الْمَالِكِ وَيَأْخُذُ الْمَالِكُ قَدْرَ مَا أَنْفَقَهُ الْمُضَارِبُ

اگر وہ مضارب اپنے مال اور مضاربت کے مال کے ساتھ سفر کرے یا اس نے اجازت کے ساتھ اس نے مال ملا دیا ہو یا دو آدمیوں کے مالوں کے ساتھ اس نے سفر کیا ہو تو وہ حصہ کے مطابق خرچ کرے گا اور جب وہ آئے گا تو باقی ماندہ واپس لوٹا دے گا، ''مجمع''۔ اور معروف سے زائد مال کا ضامن ہوگا اگر وہ اپنے مال میں سے خرچ کر دے تا کہ وہ مضاربت کے مال سے واپس لے لے تو اسے یہ حق حاصل ہوگا اگر وہ مال ہلاک ہو جائے تو مالک سے واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ مضارب نے رأس المال میں سے جو خرچ کیا ہو اس کی مقدار کے

28746۔ (قولہ: أَوْ خَلَطَ الخ) یا عام عرف یہی ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وہ اس کا ضامن نہیں ہو گا۔ تامل

28747۔ (قولہ: بِإِذْنٍ) یعنی وہ شرکت ملک ہو جائے گی پس یہ مضاربت کے منافی نہیں اس کی مثل وہی ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اگر وہ اسے ہزار دیتا ہے اس کا نصف قرض ہے اور نصف مضاربت کے طریقہ پر ہو تو یہ صحیح ہوگا ہر نصف کا اپنا حکم ہوگا۔ ساتھ ہی مال شرکت ملک کی صورت میں ہوگا پس وہ مضاربت کا ضامن نہیں ہوگا۔

(۱) شاید صحیح عبارت یہ ہے کہ مضاربت باطل نہ ہوگی۔ ''مترجم''۔

اس سے یہ امر ظاہر ہوتا کہ یہ اس کے منافی نہیں جو شارح نے پہلے کافی سے عبارت نقل کی ہے کہ شریک کے لیے نفقہ نہیں ہوگا۔ فافہم

28748۔ (قولہ: أَوْ بِمَالَيْنِ) اگر دونوں مالوں میں سے ایک بضاعت کی صورت میں ہو تو نفقہ مال مضاربت سے ہو گا مگر بضاعت کے مال میں ہی تمام صلاحیتیں صرف کر دے تو اپنے مال سے خرچ کرے گا بضاعت کے مال سے خرچ نہیں کرے گا مگر جب مستبضع اس سے نفقہ کی اجازت دے کیونکہ وہ تبرع ہے۔ ''تاتر خانیہ'' کی پندرہویں فصل میں ''المحیط'' سے منقول ہے: اس میں ''العتابیہ'' سے مروی ہے: اگر مضارب رب المال کی موت کے بعد اپنے سفر سے واپس لوٹا تو اسے حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنی ذاتی ضروریات پر مال مضاربت سے خرچ کرے اور غلام پر اس میں سے خرچ کرے۔ نہی کے بعد کا معاملہ اسی طرح ہے اگر وہ اسے خط لکھے جس سے وہ اسے منع کرتا ہے جب کہ مال نقدی بن چکا ہو تو وہ اپنی واپسی میں مال مضاربت سے خرچ نہیں کرے گا۔

28749۔ (قولہ: وَلَوْ هَلَكَ) یعنی مال مضاربت ہلاک ہو جائے۔

28750۔ (قولہ: وَيَأْخُذُ) یعنی وہ نفع سے لے گا۔

مِنْ رَأْسِ الْمَالِ إِنْ كَانَ ثَمَّهٗ رِبْحٌ فَإِنِ اسْتَوْفَاهُ أَوْ فَضَلَ شَيْءٌ) مِنَ الرِّبْحِ (اقْتَسَمَاهُ) عَلَى الشَّرْطِ لِأَنَّ مَا أَنْفَقَهُ يُجْعَلُ كَالْهَالِكِ وَالْهَالِكُ يُصْرَفُ إِلَى الرِّبْحِ كَمَا مَرَّ (وَإِنْ لَمْ يَظْهَرْ رِبْحٌ فَلَا شَيْءَ عَلَيْهِ) أَيِ الْمُضَارِبِ (وَإِنْ بَاعَ الْمَتَاعَ مُرَابَحَةً حَسَبَ مَا أَنْفَقَ عَلَى الْمَتَاعِ مِنَ الْحُمْلَانِ وَأُجْرَةِ السِّمْسَارِ وَالْقَصَّارِ وَالصَّبَّاغِ وَنَحْوِهِ) مِمَّا اُعْتِيدَ ضَمُّهُ (وَيَقُولُ) الْبَائِعُ (قَامَ عَلَيَّ بِكَذَا وَكَذَا يَضُمُّ إِلَى رَأْسِ الْمَالِ مَا يُوجِبُ زِيَادَةً فِيهِ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا أَوْ اعْتَادَهُ التُّجَّارُ) كَأُجْرَةِ السِّمْسَارِ هٰذَا هُوَ الْأَصْلُ نِهَايَةٌ (لَا يَضُمُّ مَا أَنْفَقَهُ (عَلَى نَفْسِهِ) لِعَدَمِ الزِّيَادَةِ وَالْعَادَةِ (مُضَارِبٌ بِالنِّصْفِ شَرَى بِأَلْفِهَا بَزًّا)

برابر مالک لے لے گا اگر وہاں نفع ہو۔ اگر مالک نے اپنا حق پورا لے لیا اور نفع میں سے کوئی شے بچ گئی تو دونوں اسے شرط کے مطابق تقسیم کرلیں گے۔ کیونکہ مضارب نے جو مال خرچ کر دیا ہے اسے ہلاک ہونے والے مال کی طرح بنا دیا جائے گا۔ اور جو ہلاک ہوتا ہے اسے نفع کی طرف پھیر دیا جاتا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ اگر نفع ظاہر نہ ہو تو اس مضارب کے ذمہ کوئی شے نہ ہوگی۔ اگر اس مضارب نے مال مرابحہ پر بیچا اس حساب سے کہ اس نے جو مال پر خرچ کیا جیسے بار برداری، ایجنٹ کی اجرت، دھوبی، رنگ ریز وغیرہ کی اجرت جو معمول ہے تو ان اخراجات کو اصل قیمت کے ساتھ ملا دے گا۔ اور بائع کہے گا: یہ مجھے اتنے میں پڑی ہے اور اسی طرح رأس المال کے ساتھ وہ بھی ملا لے گا جو اس میں حقیقت میں یا حکمی طور پر زیادتی کو ثابت کرے یا تاجر جس کے عادی ہوں جس طرح ایجنٹ کی اجرت۔ یہی ضابطہ ہے۔ ''نہایہ''۔ اس نے اپنی ذات پر جو خرچ کیا ہے عقد مرابحہ میں اسے شامل نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس سے اس شے میں نہ کوئی اضافہ ہوتا ہے اور نہ ہی تجار کا معمول ہے۔ نصف، نصف نفع کا مضارب ہے وہ مال مضاربت کے ہزار سے

28751۔ (قولہ: مِنْ رَأْسِ) یہ انفق کے متعلق ہے۔ مسئلہ کا حاصل یہ ہے شاید وہ اسے ایک ہزار رقم دے اور مضارب راس المال میں سے سو خرچ کر دے اور سو نفع کمائے مالک سو روپے نفع کے لے لے گا یہ اس سو کا بدلہ ہوگا جو مضارب نے خرچ کیے ہوں گے تاکہ مالک پورا رأس المال لے لے اگر اس صورت میں نفع دو سو ہو تو مالک سو نفقہ کے بدلے میں لے لے گا اور دوسرا سو وہ آپس میں تقسیم کرلیں گے۔

28752۔ (قولہ: مِنَ الْحُمْلَانِ) ''مجمع البحرین'' میں کہا: حملان حا کے ضمہ کے ساتھ ہے یہ حملہ کا مصدر ہے اور حملان یہ بوجھ اٹھانے کا اجر بھی ہے یہی مراد ہے۔ ''ط''۔

28753۔ (قولہ: حَقِيقَةً) جیسے رنگ کرنا۔

28754۔ (قولہ: أَوْ حُكْمًا) جیسے اس کو دھونا۔

28755۔ (قولہ: وَالْعَادَةُ) کتاب المرابحہ میں یہ گزر چکا ہے کہ ملانے کا اعتبار تجار کی عادت کی بنا پر ہے۔ جب اس کے ملانے کی عادت جاری ہو تو اسے ملایا جائے گا۔ ''ط''۔

أَيْ ثِيَابًا (وَبَاعَهُ بِأَلْفَيْنِ وَشَرَى بِهِمَا عَبْدًا فَضَاعَا فِي يَدِهِ) قَبْلَ نَقْدِهِمَا لِبَائِعِ الْعَبْدِ (غَرِمَ الْمُضَارِبُ) نِصْفَ الرِّبْحِ (رُبْعَهُمَا وَ) غَرِمَ (الْمَالِكُ الْبَاقِيَ وَ) يَصِيرُ (رُبْعُ الْعَبْدِ) مِلْكًا (لِلْمُضَارِبِ) خَارِجًا عَنْ الْمُضَارَبَةِ لِكَوْنِهِ مَضْمُونًا عَلَيْهِ وَمَالُ الْمُضَارَبَةِ أَمَانَةٌ وَبَيْنَهُمَا تَنَافٍ (وَبَاقِيهِ لَهَا وَ) رَأْسُ الْمَالِ جَمِيعُ مَا دَفَعَ الْمَالِكُ وَهُوَ (أَلْفَانِ وَخَمْسُمِائَةٍ وَ) لَكِنْ (رَابَحَ) الْمُضَارِبُ فِي بَيْعِ الْعَبْدِ (عَلَى أَلْفَيْنِ) فَقَطْ؛ لِأَنَّهُ شَرَاهُ مُبْهَمًا (وَلَوْ بِيعَ) الْعَبْدُ (بِضِعْفِهِمَا) بِأَرْبَعَةِ آلَافٍ (فَحِصَّتُهَا ثَلَاثَةُ آلَافٍ)؛

کپڑا خریدتا ہے اور دو ہزار میں بیچتا ہے اور ان دو ہزار کے عوض غلام خریدتا ہے اور دو ہزار اس کے قبضہ میں غلام کے بائع کو ادا کرنے سے پہلے ضائع ہو جاتے ہیں مضارب نصف نفع کا ضامن ہوگا جو کل مال کا چوتھائی ہے اور باقی ماندہ کا مالک ضامن ہوگا اور غلام کا چوتھائی مضارب کی ملک ہوگا جب کہ وہ مضاربت سے باہر ہوگا۔ کیونکہ یہ وہ ہے جس کی ضمانت دی گئی ہے اور مضاربت کا مال امانت ہوتا ہے اور ان دونوں کے درمیان تنافی ہے۔ اور باقی ماندہ مضاربت کا مال ہوگا اور رأس المال وہ تمام مال ہوگا۔ جو مالک نے اسے دیا وہ دو ہزار اور پانچ سو ہے لیکن مضارب کے غلام کی بیع میں صرف دو ہزار پر عقد مرابحہ کرے۔ کیونکہ اس نے اسے مبہم خریدا ہے۔ اگر غلام کو دو ہزار کے دوگنا یعنی چار ہزار سے بیچا گیا تو مال مضاربت کا حصہ تین ہزار ہوگا۔

28756_(قولہ: أَيْ ثِيَابًا) ''البحر'' میں کہا: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''السیر'' میں کہا ہے: اہل کوفہ کے نزدیک بز سے مراد کتان یا روئی کے کپڑے ہیں اون یا خز کے کپڑے نہیں۔ ''المغرب'' میں اسی طرح ہے۔

28757_(قولہ: نِصْفَ الرِّبْحِ) کیونکہ اس میں ہزار کا نفع ظاہر ہو چکا ہے جب مال نقدی بن چکا ہے۔ جب وہ دو ہزار سے غلام خریدے تو وہ مشترک ہو جائے گا اس کا چوتھائی مضارب کا اور باقی رب المال کا ہوگا تو دونوں پر حصص کے مطابق ضمانت ہوگی۔

28758_(قولہ: الْبَاقِيَ) لیکن دونوں ہزار بائع کے لیے مضارب پر واجب ہوں گے پھر مضارب پندرہ سو کا رب المال سے مطالبہ کرے گا کیونکہ مضارب ہی عقد کرنے والا ہے۔ اور عقد کے احکام مضارب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ''اتقانی''۔

28759_(قولہ: لِكَوْنِهِ) یہ ان کے قول خارجاً کی علت ہے۔

28760_(قولہ: وَبَيْنَهُمَا) ھا ضمیر سے مراد وہ ضمان، جو مضمون سے مفہوم ہے اور امانت ہے یعنی ضمان اور امانت میں منافات ہے۔

28761_(قولہ: لَهَا) کیونکہ رب المال کی ضمانت مضاربت کے منافی نہیں۔ ''س''۔

28762_(قولہ: وَلَوْ بِيعَ) یعنی اور مسئلہ اپنے حال پر رہے گا۔

28763_(قولہ: فَحِصَّتُهَا) ھا ضمیر سے مراد مضاربہ ہے۔

لِأَنَّ رُبْعَهُ الْمُضَارِبُ (وَالرِّبْحُ مِنْهَا نِصْفُ الْأَلْفِ بَيْنَهُمَا)؛ لِأَنَّ رَأْسَ الْمَالِ أَلْفَانِ وَخَمْسُمِائَةٍ (وَلَوْ شَرَى مِنْ رَبِّ الْمَالِ بِأَلْفٍ عَبْدًا شَرَاهُ) رَبُّ الْمَالِ (بِنِصْفِهِ رَابَحَ بِنِصْفِهِ) وَكَذَا عَكْسُهُ؛

کیونکہ اس کا چوتھائی مضارب کا ہے اور اس میں سے نفع جو ہزار کا نصف ہے وہ ان دونوں کے درمیان تقسیم ہوگا۔ کیونکہ راس المال دو ہزار اور پانچ سو ہے۔ اگر اس نے رب المال سے ہزار کے بدلے میں ایسا غلام خریدا جسے رب المال نے اس کے نصف سے خریدا تھا تو وہ اس کے نصف پر عقد مرابحہ کرے گا اسی طرح اس کے برعکس صورتحال ہوگی۔

28764۔ (قولہ: لِأَنَّ رُبْعَهُ) یعنی غلام کا چوتھائی مضارب کی ملکیت ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ حاشیہ میں ہے قولہ: ربعہ وہ ہزار ہے۔

28765۔ (قولہ: بَيْنَهُمَا) ہزار کا نصف یعنی پانچ سو ان دونوں کے درمیان اس لیے تقسیم ہوگا۔ کیونکہ راس المال پچیس سو ہے اور ہزار مضارب کے لیے خاص ہوگا جس طرح گزر چکا ہے۔

مضارب مالک سے اور مالک مضارب سے خریداری کر سکتا ہے

28766۔ (قولہ: عَبْدًا) یعنی ایسا غلام جس کی قیمت ہزار ہے پس ثمن اور قیمت برابر ہیں بے شک ہم نے یہ کہا ہے کیونکہ اگر دونوں میں فضل (زیادتی) ہو اس کی صورت یہ ہے کہ رب المال ایسا غلام ہزار کے بدلے خریدے جس کی قیمت دو ہزار ہو پھر وہ مضارب کے ہاتھ دو ہزار میں بیچ دے اس کے بعد کہ مضارب نے ہزار کا نفع کمایا تو وہ پندرہ سو پر عقد مرابحہ کرے گا اس طرح اگر فضل (زیادتی) مبیع کی قیمت میں ہو ثمن میں نہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ غلام پندرہ سو کے مساوی ہو رب المال نے اسے ہزار کے بدلے خریدا اور مضارب کو ہزار کے بدلے میں بیچا تو وہ اس غلام کو ساڑھے بارہ سو عقد مرابحہ سے بیچے گا۔ اسی طرح اس کے برعکس کا معاملہ ہے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ایسا غلام ہزار سے خریدے جس کی قیمت ہزار ہو اور اس سے ہزار☆ کے بدلے میں بیچ دے تو مسئلہ رباعیہ ہوگا۔ دو قسمیں ایسی ہیں جن میں وہ عقد مرابحہ نہیں کرے گا مگر جس پر رب المال نے اسے خریدا ہے اور دو قسمیں ایسی ہیں جن میں وہ اس پر اور مضارب کے حصہ پر عقد مرابحہ کرے گا۔ یہ ایسی صورت میں ہے جب بائع رب المال ہو اگر بائع مضارب ہو تو اس کی بھی چار قسمیں ہیں جس طرح آگے آئے گا۔ اس کی مکمل بحث ''البحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔

☆ شاید صحیح دو ہزار ہے۔ ''مترجم''۔

28767۔ (قولہ: شَرَاهُ) یہ جملہ عبد کی صفت ہے۔

28768۔ (قولہ: رَابَحَ) یہ لو کا جواب ہے۔

28769۔ (قولہ: وَكَذَا عَكْسُهُ) اس کی صورت یہ ہے کہ اگر بائع مضارب ہو۔ مسئلہ اپنی حالت پر رہے گا اس کی صورت یہ ہے کہ رب المال ہزار کے بدلے میں ایسا غلام خریدے جسے مضارب نے اس کے نصف کے بدلے میں خریدا ہو

لِأَنَّهُ وَكِيلُهُ وَمِنْهُ عُلِمَ جَوَازُ شِرَاءِ الْمَالِكِ مِنَ الْمُضَارِبِ وَعَكْسُهُ (وَلَوْ شَرَى بِأَلْفِهَا عَبْدًا قِيمَتُهُ أَلْفَانِ، فَقَتَلَ الْعَبْدُ رَجُلًا خَطَأً، فَثَلَاثَةُ أَرْبَاعِ الْفِدَاءِ عَلَى الْمَالِكِ، وَرُبُعُهُ عَلَى الْمُضَارِبِ) عَلَى قَدْرِ مِلْكِهِمَا (وَالْعَبْدُ يَخْدُمُ الْمَالِكَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَالْمُضَارِبَ يَوْمًا) لِخُرُوجِهِ عَنِ الْمُضَارَبَةِ بِالْفِدَاءِ لِلتَّنَافِي كَمَا مَرَّ، وَلَوْ اخْتَارَ الْمَالِكُ الدَّفْعَ،

کیونکہ یہ اس کا وکیل ہے۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ مالک مضارب سے خریداری کرسکتا ہے اور مضارب مالک سے خریداری کرسکتا ہے۔ اگر وہ مضاربت کے مال سے ہزار کے بدلے میں ایسا غلام خریدتا ہے جس کی قیمت دو ہزار ہو تو غلام نے خطاءً ایک آدمی قتل کر دیا تو فدیہ کے تین چوتھائی مالک کے ذمہ ہوں گے۔ اور اس کا ایک چوتھائی مضارب کے ذمہ ہوگا جس قدر ان کی ملکیت ہے۔ غلام مالک کی تین دن خدمت کرے گا اور مضارب کی ایک دن خدمت کرے گا۔ کیونکہ فدیہ دینے کے ساتھ وہ مضاربت سے خارج ہو گیا ہے۔ کیونکہ دونوں میں منافات پائی جارہی ہے جس طرح قول گزر چکا ہے۔ اگر مالک نے غلام مستحق کے حوالے کرنے کو اختیار کیا

اور راس المال ہزار ہو تو وہ اس کے نصف پر عقد مرابحہ کرے گا۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس کی قیمت ثمن کی مثل ہو دونوں میں کوئی زیادتی نہ ہو اس کی مثل صورتحال ہوگی اگر زیادتی صرف قیمت میں ہو۔ مگر جب دونوں میں زیادتی ہو یا صرف ثمن میں زیادتی ہو تو وہ اس مقدار پر مرابحہ کرے گا جس پر مضارب نے اسے خریدا ہے اور جو مضارب کا حصہ ہے۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ مسئلہ بھی رباعی ہے۔ اس کی مکمل بحث ''البحر'' میں ہے۔

28770۔ (قولہ: وَلَوْ شَرَى) یعنی وہ خریدے جس کے پاس ہزار نصف نفع کے عوض میں ہو جس طرح ''کنز'' میں اس کی قید لگائی ہے۔

28771۔ (قولہ: بِالْفِدَاءِ) کیونکہ جب مال صرف ایک عین بن چکا ہے تو نفع ظاہر ہو جائے گا وہ ان دونوں کے درمیان ہزار ہے اور ہزار رب المال کا ہے جب دونوں نے اس کا فدیہ دے دیا تو وہ غلام مضاربت سے نکل گیا۔ کیونکہ مضارب کا جو حصہ ہے وہ ایسا ہے جس پر ضمانت ہے۔ اور رب المال کا حصہ اس کا حصہ بن چکا ہے۔ کیونکہ قاضی نے ان دونوں کے خلاف فدیہ دینے کا فیصلہ کر دیا تھا جب وہ غلام مستحق کے حوالے کرنے یا فدیہ دینے کے ساتھ مضاربت سے نکل گیا تو دونوں اپنی ملکیت کے مطابق چٹی دیں گے۔ ''بحر''۔

اس میں اور جو قول گزر چکا ہے اس میں فرق یہ ہے وہاں وہ چیز مضاربت سے خارج نہیں کرتی جو رب المال کے ساتھ خاص ہے اور یہاں وہ خارج کرتی ہے وہاں واجب تجارت کی ضمانت تھی اور تجارت کی ضمانت مضاربت کے منافی نہیں۔ یہاں جنایت کی ضمانت ہے۔ جنایت کی ضمانت کسی بھی حوالے سے تجارت نہیں۔ پس مضاربت باقی نہ رہے گی۔ ''کفایہ''۔

28772۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی جس طرح قریب ہی گزرا ہے کہ مضارب کی ضمان مضاربت کے منافی ہے۔ ''س''۔

28773۔ (قولہ: وَلَوْ اخْتَارَ الْمَالِكُ الدَّفْعَ الخ) ''البحر'' میں کہا: اپنے اس قول قیمتہ الفان کے ساتھ قید لگائی

وَالْمُضَارِبُ الْفِدَاءَ فَلَهُ ذٰلِكَ لِتَوَهُّمِ الرِّبْحِ حِينَئِذٍ (اشْتَرَى بِأَلْفِهَا عَبْدًا، وَهَلَكَ الثَّمَنُ قَبْلَ النَّقْدِ) لِلْبَائِعِ لَمْ يَضْمَنْ؛ لِأَنَّهُ أَمِينٌ بَلْ (دَفَعَ الْمَالِكُ) لِلْمُضَارِبِ (أَلْفًا أُخْرَى ثُمَّ، وَثُمَّ) أَيْ كُلَّمَا هَلَكَ دَفَعَ أُخْرَى إِلَى غَيْرِ نِهَايَةٍ (وَرَأْسُ الْمَالِ جَمِيعُ مَا دَفَعَ) بِخِلَافِ الْوَكِيلِ؛ لِأَنَّ يَدَهُ ثَانِيًا يَدُ اسْتِيفَاءٍ لَا أَمَانَةٍ (مَعَهُ أَلْفَانِ، فَقَالَ) لِلْمَالِكِ (دَفَعْتَ إِلَيَّ أَلْفًا وَرَبِحْتُ أَلْفًا، وَقَالَ الْمَالِكُ دَفَعْتُ أَلْفَيْنِ

اور مضارب نے فدیہ کو اختیار کیا ہے تو اسے یہ حق حاصل ہوگا کیونکہ اس وقت ربح کا وہم ہے۔اس نے مضاربت کے مال سے ہزار کے بدلے میں ایک غلام خریدا اور بائع کو نقد ادا کرنے سے قبل ثمن ہلاک ہوگئی تو مضارب ضامن نہیں ہوگا۔کیونکہ وہ امین ہے بلکہ مالک مضارب کو ایک اور ہزار دے گا یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا یعنی جب بھی مال مضاربت ہلاک ہوگا تو مالک ایک اور مال اسے دے گا اور رأس المال وہ سب ہوگا جو اس نے مال دیا وکیل کا معاملہ مختلف ہے۔کیونکہ اس کا دوسری دفعہ قبضہ یہ حق وصول کرنے کا قبضہ ہے امانت کا قبضہ نہیں۔مضارب کے پاس دو ہزار ہیں اس نے مالک سے کہا: تو نے مجھے ہزار دیا اور ہزار مجھے نفع ہوا مالک نے کہا: میں نے تجھے دو ہزار دیئے

ہے۔کیونکہ اگر اس کی قیمت ہزار ہو تو جنایت کی تدبیر رب المال کے ذمہ ہوگی کیونکہ رقبہ اس کی ملک پر ہے اس میں مضارب کی کوئی ملک نہیں۔اگر رب المال غلام مستحق کے حوالے کرنے کو اختیار کرے اور مضارب اس کے ساتھ فدیہ دینے کو پسند کرے تو اسے یہ حق حاصل ہوگا۔کیونکہ وہ فدیہ دینے کے ساتھ مال مضاربت کو باقی رکھنا چاہتا ہے۔اسے یہ حق حاصل ہے کیونکہ نفع کا وہم ہے۔''الایضاح'' میں اسی طرح ہے اس کی مثل ''غایۃ البیان'' میں ہے۔

یہ امر مخفی نہیں کہ متن کے مسئلہ میں نفع محقق ہے اس کی صورت مختلف ہے۔پس انہوں نے غیر مذکور کی علت بیان کی ہے۔کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ متن کے مسئلہ میں دونوں میں سے ایک خیار میں منفرد نہیں کیونکہ غلام مشترک ہے۔''غایۃ البیان'' میں جو عبارت ہے وہ اس کے حق میں دلالت کرتی ہے خیار دونوں کو اکٹھے ہوگا اگر دونوں چاہیں تو فدیہ دے دیں اگر چاہیں تو غلام مستحق کے حوالے کر دیں۔

28774۔(قولہ: مَا دَفَعَ) پس نفع ظاہر نہیں ہوگا مگر جب پورا مال مالک وصول کرلے لیکن مضاربہ عقد مرابحہ ہزار پر ہی کرے گا۔جس طرح قول گزر چکا ہے۔

28775۔(قولہ: بِخِلَافِ الْوَكِيلِ) یعنی جب ثمن شرا سے قبل ہی اس کو دے دی گئی پھر وہ مال ہلاک ہو گیا تو وہ صرف ایک نفقہ لے سکتا ہے۔

28776۔(قولہ: لِأَنَّ يَدَهُ ثَانِيًا الخ) اس میں ضمیر وکیل کے لیے ہے۔اس کی وضاحت یہ ہے کہ مضارب کے ہاتھ میں مال امانت ہے اسے حق کے وصول کرنے پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔کیونکہ حق کے وصول کرنے کا معاملہ مضمون کے قبضہ کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔پس جس پر قبضہ کیا گیا وہ امانت ہوگی اور وکیل جب دوبارہ قبضہ کرے گا تو یہ حق کو لینا ہوگا۔

فَالْقَوْلُ لِلْمُضَارِبِ)؛ لِأَنَّ الْقَوْلَ فِي مِقْدَارِ الْمَقْبُوضِ لِلْقَابِضِ أَمِينًا أَوْ ضَمِينًا كَمَا لَوْ أَنْكَرَهُ أَصْلًا (وَلَوْ كَانَ الِاخْتِلَافُ) مَعَ ذَلِكَ (فِي مِقْدَارِ الرِّبْحِ فَالْقَوْلُ لِرَبِّ الْمَالِ فِي مِقْدَارِ الرِّبْحِ فَقَطْ)؛ لِأَنَّهُ يُسْتَفَادُ مِنْ جِهَتِهِ (وَأَيُّهُمَا أَقَامَ بَيِّنَةً تُقْبَلُ، وَإِنْ أَقَامَاهَا فَالْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ رَبِّ الْمَالِ فِي دَعْوَاهُ الزِّيَادَةَ فِي رَأْسِ الْمَالِ وَ) بَيِّنَةُ (الْمُضَارِبِ فِي دَعْوَاهُ الزِّيَادَةَ فِي الرِّبْحِ) قُيِّدَ الِاخْتِلَافُ بِكَوْنِهِ فِي الْمِقْدَارِ؛ لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ فِي الصِّفَةِ، فَالْقَوْلُ لِرَبِّ الْمَالِ، فَلِذَا قَالَ (مَعَهُ أَلْفٌ، فَقَالَ هُوَ مُضَارَبَةٌ بِالنِّصْفِ، وَقَدْ رَبِحَ أَلْفًا،

توقول مضارب کا ہوگا۔ کیونکہ مقبوض کی مقدار میں قول قابض کا معتبر ہوتا ہے وہ امین ہو یا ضامن ہو جس طرح اگر وہ اسے اس کا اصلاً انکار کر دے اگر اس کے ساتھ اختلاف نفع کی مقدار میں ہو تو صرف نفع کی مقدار میں قول رب المال کا ہوگا کیونکہ یہ رب المال کی جانب سے حاصل ہوتا ہے۔ اور دونوں میں سے جس نے گواہیاں قائم کر دیں تو اس کی گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ اگر دونوں نے گواہیاں قائم کر دیں تو گواہیاں رب المال کی رأس المال کی زیادتی کے دعویٰ میں قبول کی جائیں گی اور نفع میں جب وہ زیادتی کا دعویٰ کرے تو مضارب کی گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ اختلاف کی یہ قید لگائی ہے کہ وہ اختلاف مقدار کے بارے میں ہو۔ کیونکہ اگر اختلاف صفت میں ہو تو قول رب المال کا ہوگا۔ اسی وجہ سے کہا: اس کے پاس ہزار ہو وہ کہے یہ نصف نصف نفع پر مضاربت کے طریقہ پر ہے جب کہ اس نے ہزار نفع کمایا ہو

کیونکہ موکل پر اس کے حق میں اس طرح واجب ہے جس طرح اس پر بائع کے لیے واجب ہے جب وہ اس کو پورا پورا لینے والا ہو گیا تو یہ مال اس پر اس طرح ہو گیا کہ اس کی ضمانت لازم ہے۔ پس یہ مال اس پر لازم ہوتے ہوئے ہلاک ہوگا۔

یہ صورت مختلف ہوگی جب مال اسے نہ دیا گیا ہو مگر خریداری کے بعد تو وہ اصلاً مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس کے حق میں مطالبہ کا حق نفس شرا کے ساتھ ثابت ہوا پس شرا کے بعد قبضہ کرنے کی صورت میں وہ حق وصول کرنے والا ہوگا کیونکہ شرا سے قبل اسے دیا گیا مال امانت ہے وہ شرا کے بعد بھی امانت پر قائم ہے پس وہ حق وصول کرنے والا نہیں ہوگا جب وہ ہلاک ہو جائے تو وہ صرف ایک دفعہ مطالبہ کرے گا اس کی دلیل وہی ہے جو ہم کہہ چکے ہیں۔

28777۔ (قولہ: مَعَ ذَلِكَ) یعنی رأس المال میں اختلاف کے ساتھ۔

28778۔ (قولہ: الرِّبْحِ) اس کی صورت یہ ہے رب المال نے کہا: رأس المال دو ہزار ہے اور میں نے تیرے لیے نفع میں ایک تہائی کی شرط لگائی تھی مضارب نے کہا: رأس المال ہزار ہے اور تو نے میرے لیے نصف نفع کی شرط لگائی تھی۔

28779۔ (قولہ: فَقَطْ) نہ کہ رأس المال میں، بلکہ اس میں قول مضارب کا ہوگا۔ جس طرح تو نے جان لیا ہے۔

28780۔ (قولہ: فَالْبَيِّنَةُ) کیونکہ رب المال کے بینہ رأس المال کی زیادتی میں زیادہ چیز کو ثابت کرنے والے ہیں اور نفع کی زیادتی میں مضارب کے بینہ زیادہ چیز کو ثابت کرنے والے ہیں جس طرح ''زیلعی'' میں ہے۔ اس سے اور صفت میں جو اختلاف ہے اس سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ رب المال نے اگر مضاربت کا دعویٰ کیا اور جس کے قبضہ میں وہ مال ہے اس

وَقَالَ الْمَالِكُ هُوَ بِضَاعَةٌ فَالْقَوْلُ لِلْمَالِكِ؛ لِأَنَّهُ مُنْكِرٌ (وَكَذَا لَوْ قَالَ) الْمُضَارِبُ (هِيَ قَرْضٌ وَقَالَ رَبُّ الْمَالِ هِيَ بِضَاعَةٌ أَوْ وَدِيعَةٌ أَوْ مُضَارَبَةٌ فَالْقَوْلُ لِرَبِّ الْمَالِ وَالْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ الْمُضَارِبِ)؛ لِأَنَّهُ يَدَّعِي عَلَيْهِ التَّمْلِيكَ وَالْمَالِكُ يُنْكِرُ (وَ) أَمَّا (لَوْ ادَّعَى الْمَالِكُ الْقَرْضَ وَالْمُضَارِبُ الْمُضَارَبَةَ فَالْقَوْلُ لِلْمُضَارِبِ)؛ لِأَنَّهُ يُنْكِرُ الضَّمَانَ وَأَيُّهُمَا أَقَامَ الْبَيِّنَةَ قُبِلَتْ (وَإِنْ أَقَامَا بَيِّنَةً فَبَيِّنَةُ رَبِّ الْمَالِ أَوْلَى)؛ لِأَنَّهَا أَكْثَرُ إِثْبَاتًا وَأَمَّا الِاخْتِلَافُ فِي النَّوْعِ فَإِنْ ادَّعَى الْمُضَارِبُ الْعُمُومَ أَوْ الْإِطْلَاقَ وَادَّعَى الْمَالِكُ الْخُصُوصَ

مالک نے کہا: وہ مال بضاعت پر تھا تو قول مالک کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ منکر ہے۔ اسی طرح اگر مضارب نے کہا: یہ قرض ہے رب المال نے کہا: یہ بضاعت پر ہے یا ودیعت ہے یا مضاربت پر ہے تو قول رب المال کا تسلیم ہوگا اور گواہیاں مضارب کی معتبر ہوں گی۔ کیونکہ وہ اس پر ملک کا دعویٰ کرتا ہے جب کہ مالک اس کا انکار کرتا ہے۔ مگر جب مالک قرض کا دعویٰ کرے اور مضارب مضاربت کا دعویٰ کرے تو قول مضارب کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ ضمان کا انکار کرتا ہے جس نے بھی گواہیاں قائم کر دیں انہیں قبول کیا جائے گا۔ اگر دونوں گواہیاں قائم کریں تو رب المال کی گواہیاں اولی ہوں گی۔ کیونکہ وہ زیادتی کو ثابت کرنے والا ہے۔ جہاں تک نوع میں اختلاف کا تعلق ہے اگر مضارب عموم کا یا اطلاق کا دعوی کرے اور مالک خصوص کا دعویٰ کرے

نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ شرکت عنان کے طریقہ پر ہے اور اس کا رأس مال میں اتنا حصہ ہے اور انہوں نے گواہیاں قائم کر دیں تو قابض کی گواہیاں زیادہ قابل قبول ہوں گی۔ کیونکہ انہوں نے مال میں سے حصہ کو ثابت کیا اور صفت کو ثابت کیا'' سائحانی''۔

28781۔ (قولہ: فَالْقَوْلُ لِلْمَالِكِ) کیونکہ مضارب اس پر اپنے عمل کی قیمت لگانے کا یا اپنی جانب سے شرط کا یا وہ شرکت کا دعویٰ کرتا ہے جب کہ مالک اس کا انکار کرتا ہے۔ ''منح''۔

28782۔ (قولہ: الْمُضَارِبُ) زیادہ بہتر یہاں ذوالید کا لفظ ہے۔

28783۔ (قولہ: هِيَ قَرْضٌ) تاکہ تمام نفع اس کا ہو جائے۔

28784۔ (قولہ: فَالْقَوْلُ لِلْمُضَارِبِ) اسی کی مثل ''الخانیہ''، ''غایۃ البیان''، ''زیلعی'' اور ''البحر'' میں ہے۔ ''ابن شحنہ'' نے اسے ''النہایہ'' اور ''شرح التجرید'' سے نقل کیا ہے۔ ''ابن وہبان'' نے اپنے اشعار میں دو قول بیان کیے ہیں۔ ''مجموعہ منلا علی'' میں ''مجموعہ النقروی'' سے انہوں نے ''محیط سرخسی'' سے نقل کیا ہے: اگر رب المال کہے: وہ مال قرض تھا اور قابض کہے: وہ مال مضاربت کے طریقہ پر تھا اگر یہ اختلاف تصرف کے بعد ہو تو قول رب المال کا ہوگا اور گواہیاں بھی اسی کی معتبر ہوں گی اور مضارب ضامن ہوگا اگر اس سے قبل ہو تو قول اس کا معتبر ہوگا اور قابض پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ کیونکہ دونوں نے یہ تصدیق کی کہ قبضہ رب المال کے اذن سے ہوا ہے اور قابض کے انکار کی وجہ سے قرض ثابت نہیں ہوا۔

اس میں ''ذخیرہ'' کی چودہویں فصل سے اس کی مثل منقول ہے اس کی مثل ''کتاب القول لمن'' میں ''غانم بغدادی'' سے اور انہوں نے ''الوجیز'' سے نقل کیا ہے۔ اسی کی مثل ''علی آفندی'' مفتی ممالک عثمانیہ نے فتویٰ دیا ہے۔ ''فتاویٰ ابو نجیم'' میں اسی

فَالْقَوْلُ لِلْمُضَارِبِ لِتَمَسُّكِهِ بِالْأَصْلِ وَلَوْ ادَّعَى كُلٌّ نَوْعًا فَالْقَوْلُ لِلْمَالِكِ، وَالْبَيِّنَةُ لِلْمُضَارِبِ فَيُقِيمُهَا عَلَى صِحَّةِ تَصَرُّفِهِ، وَيَلْزَمُهُ نَفْيُ الضَّمَانِ وَلَوْ وَقَّتَ الْبَيِّنَتَانِ قَضَى بِالْمُتَأَخِّرَةِ وَإِلَّا فَبَيِّنَةُ الْمَالِكِ

تو قول مضارب کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ اصل سے تمسک کرنے والا ہے۔ اگر سب نے ایک نوع کا دعویٰ کیا تو قول مالک کا معتبر ہوگا اور گواہیاں مضارب کی ہوں گی۔ پس اپنے تصرف کی صحت پر گواہیاں قائم کرے گا اور اس پر ضمان کی نفی لازم ہوگی۔ اگر دونوں نے وقت کا ذکر کیا تو وہ متاخرہ کے مطابق فیصلہ کرے گا ورنہ مالک کی گواہیوں کا اعتبار کیا جائے گا۔

طرح کا قول کیا ہے کہ قول رب المال کا ہوگا۔ یہ کہنا ممکن ہے کہ ''الخانیہ'' اور ''التنویر'' میں جو قول ہے اس صورت کے بارے میں ہے کہ جب یہ اختلاف تصرف سے پہلے ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے کیونکہ حادثہ اور حکم میں اتحاد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی توفیق عطا کرنے والی ہے۔ یہ مجموعہ ''منلا علی'' سے ملخص ہے۔

28785۔ (قولہ: بِالْأَصْلِ) کیونکہ مضاربت میں اصل عموم ہے۔ کیونکہ مضاربت سے مقصود نفع حاصل کرنا ہوتا ہے۔ عموم اور اطلاق اس کے مناسب ہیں۔ یہ اس وقت ہے جب وہ تصرف کے بعد تنازع اختیار کریں۔ اگر تصرف سے پہلے وہ تنازع کریں تو قول امام ''مالک'' کا معتبر ہوگا جس طرح تصرف کے بعد مالک عموم کا دعویٰ کرے اور مضارب خصوص کا دعویٰ کرے تو قول مالک کا معتبر ہوگا۔ ''در منتقی''۔

28786۔ (قولہ: كُلٌّ نَوْعًا) یعنی دونوں میں ایک نے بر (گندم) میں کاروبار کرنے کا ذکر کیا اور دوسرے نے بر (گندم) میں کاروبار کرنے کا ذکر کیا۔

28787۔ (قولہ: فَالْقَوْلُ لِلْمَالِكِ) کیونکہ دونوں خصوص پر متفق ہو گئے ہیں تو قول اس کا معتبر ہوگا جس کی جہت سے اجازت حاصل ہوتی ہے۔ ''س''۔

28788۔ (قولہ: فَيُقِيمُهَا) ھا ضمیر سے مراد گواہیاں ہیں یعنی وہ گواہیاں قائم کرے۔

28789۔ (قولہ: عَلَى صِحَّةِ الخ) یعنی اس وقت گواہیاں اس کے تصرف کے صحیح ہونے پر ہوں گی ضمان کی نفی پر گواہیاں نہیں ہوں گی یہاں تک کہ گواہیاں نفی پر ہوں تو انہیں قبول نہ کیا جائے۔

28790۔ (قولہ: لَوْ وَقَّتَ) بعض نسخوں میں ولو وقتت ہے۔

28791۔ (قولہ: الْبَيِّنَتَانِ) یہ وقت فعل کا فاعل ہے مسئلہ اپنی حالت پر رہے گا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ رب المال کہے: میں نے مال تجھے مضاربت پر دیا تھا کہ تو کپڑے میں رمضان میں تجارت کرے مضارب کہے: تو نے مجھے مال دیا تا کہ میں شوال میں طعام میں کاروبار کروں اور دونوں گواہیاں قائم کر دیں۔

28792۔ (قولہ: قَضَى بِالْمُتَأَخِّرَةِ) کیونکہ اور شرطوں میں سے دوسری ان دونوں میں سے پہلی کو منسوخ کر دیتی ہے۔

28793۔ (قولہ: وَإِلَّا) یعنی اگر دونوں وقت کا ذکر نہ کریں یا دونوں میں سے ایک وقت کا ذکر کرے دوسرا وقت کا

فُرُوعٌ دَفَعَ الْوَصِيُّ مَالَ الصَّغِيرِ إِلَى نَفْسِهِ مُضَارَبَةً جَازَ، وَقَيَّدَهُ الطَّرَسُوسِيُّ بِأَنْ لَا يَجْعَلَ الْوَصِيُّ لِنَفْسِهِ مِنَ الرِّبْحِ أَكْثَرَ مِمَّا يَجْعَلُ لِأَمْثَالِهِ، وَتَمَامُهُ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ وَفِيهَا مَاتَ الْمُضَارِبُ وَلَمْ يُوجَدْ مَالُ الْمُضَارَبَةِ فِيمَا خَلَفَ عَادَ دَيْنًا فِي تَرِكَتِهِ وَفِي الِاخْتِيَارِ دَفَعَ الْمُضَارِبُ شَيْئًا لِلْعَاشِرِ لِيَكُفَّ عَنْهُ ضَمِنَ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ أُمُورِ التِّجَارَةِ لَكِنْ صَرَّحَ فِي مَجْمَعِ الْفَتَاوَى بِعَدَمِ الضَّمَانِ فِي زَمَانِنَا قَالَ وَكَذَا الْوَصِيُّ؛ لِأَنَّهُمَا يَقْصِدَانِ الْإِصْلَاحَ، وَسَيَجِيءُ آخِرَ الْوَدِيعَةِ وَفِيهِ لَوْ شَرَى بِمَالِهَا مَتَاعًا فَقَالَ أَنَا أُمْسِكُهُ حَتَّى أَجِدَ رِبْحًا كَثِيرًا، وَأَرَادَ الْمَالِكُ بَيْعَهُ فَإِنْ فِي الْمَالِ رِبْحٌ

فروع: وصی نے صغیر کا مال اپنے آپ کو مضاربت کے طریقہ پر دیا تو یہ جائز ہو جائے گا۔ ''طرسوی'' نے اس کی یہ قید لگائی ہے کہ وصی نفع میں سے اپنے لیے اس سے زیادہ معین نہ کرے جو اس کی مثل کے لیے معین کیا جاتا ہے۔ اس کی مکمل بحث ''شرح الوہبانیہ'' میں ہے۔ اس میں ہے: مضارب مر گیا اس نے جو چیز چھوڑی ہے اس میں مضاربت کا مال نہ پایا گیا تو وہ مال بطور دین اس کے ترکہ کی طرف لوٹ جائے گا۔ ''الاختیار'' میں ہے: مضارب نے کوئی چیز عاشر کو دے دی تا کہ عاشر اس سے رک جائے تو مضارب ضامن ہوگا۔ کیونکہ عاشر کو اس طرح کوئی چیز دینا امور تجارت میں سے نہیں ہے۔ لیکن ''مجمع الفتاویٰ'' میں اس کی تصریح کی ہے کہ ہمارے زمانے میں ضمانت نہیں۔ کہا: اسی طرح وصی ہے کیونکہ دونوں اصلاح کا قصد کرتے ہیں۔ کتاب الودیعہ کے آخر میں آئے گا اس میں ہے: اگر اس نے مضاربت کے مال سے کوئی سامان خریدا اس نے کہا: میں اسے روکے رکھوں گا یہاں تک کہ میں کثیر نفع پاؤں اور مالک نے اس کے بیچنے کا ارادہ کیا اگر تو مال میں نفع ہو

ذکر نہ کرے۔

28794۔ (قوله: إِلَى نَفْسِهِ) ضمیر وصی کی طرف راجع ہے۔

28795۔ (قوله: وَقَيَّدَهُ الطَّرَسُوسِيُّ) یعنی بحث کرتے ہوئے ''ابن وہبان'' نے اس کا رد کیا ہے کہ یہ ان کے اطلاق کو اپنی رائے کے ساتھ مقید کرنا ہے جب کہ اطلاق پر دلیل قائم ہے ''ابن شحنہ'' نے اسے ظاہر روایت قرار دیا ہے جو ''طرسوی'' نے قول کیا ہے یہ بچے کے مفادات کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے۔

میں کہتا ہوں: ''جامع الفصولین'' میں ''الملتقط'' سے مروی ہے: اس زمانے میں وصی کو حق حاصل نہیں کہ یتیم کا مال مضاربت کے طریقہ پر لے لے یہ مطلقا منع کا فائدہ دیتا ہے۔

28796۔ (قوله: فِي تَرِكَتِهِ) کیونکہ تجہیل کے ساتھ وہ اسے ہلاک کرنے والا ہوگا۔ اس کی مکمل بحث کتاب الودیعہ میں ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

''حامدیہ'' میں یہ کہتے ہوئے فتویٰ دیا ہے: قاری ''الہدایہ'' نے یہی فتویٰ دیا ہے۔

28797۔ (قوله: وَفِيهِ لَوْ شَرَى الخ) یہاں کلام دو مواقع میں ہے (۱) مضارب کو رب المال کی رضامندی کے بغیر

أُجْبِرَ عَلَى بَيْعِهِ لِعَمَلِهِ بِأَجْرٍ كَمَا مَرَّ إِلَّا أَنْ يَقُولَ لِلْمَالِكِ أُعْطِيكَ رَأْسَ الْمَالِ وَحِصَّتَكَ مِنَ الرِّبْحِ فَيُجْبَرُ الْمَالِكُ عَلَى قَبُولِ ذَلِكَ، وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ دَفَعَ إِلَيْهِ أَلْفًا نِصْفُهَا هِبَةٌ وَنِصْفُهَا مُضَارَبَةٌ، فَهَلَكَتْ يَضْمَنُ حِصَّةَ الْهِبَةِ قُلْت وَالْمُفْتَى بِهِ أَنَّهُ لَا ضَمَانَ مُطْلَقًا لَا فِي الْمُضَارَبَةِ؛ لِأَنَّهَا أَمَانَةٌ وَلَا فِي الْهِبَةِ؛ لِأَنَّهَا فَاسِدَةٌ وَهِيَ

تو اسے منع کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ کیونکہ اسے اجرت کا علم ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ مگر وہ مالک سے کہے: میں تجھے رأس المال اور نفع میں سے تیسرا حصہ دیتا ہوں تو مالک کو اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ ''بزازیہ'' میں ہے: اسے ہزار دیا نصف ہبہ تھا اور اس کا نصف مضاربت پر تھا تو ہزار ہلاک ہو گیا تو ہبہ والے حصہ کا ضامن ہو گا۔ میں کہتا ہوں: مفتی بہ قول یہ ہے کہ مطلقاً ضمانت نہ ہوگی نہ مضاربت میں۔ کیونکہ یہ امانت ہے اور نہ ہی ہبہ میں کیونکہ یہ ہبہ فاسد ہے۔ معتمد اور

مال روکنے کا حق ہوتا ہے (۲) مضارب کو بیع پر مجبور کرنا کیونکہ اسے روکنے کا حق نہیں۔ جہاں تک پہلے موقع کا تعلق ہے تو اس کا اس میں کوئی حق نہیں خواہ مال میں نفع ہو یا نہ ہو مگر وہ رب المال کو صرف رأس المال دے دے اگر اسے نفع نہ ہو اور نفع میں سے اس کا حصہ دے دے اس وقت مضارب کو روکنے کا حق ہے۔

جہاں تک دوسرے کا تعلق ہے جو مضارب کو بیع پر مجبور کرتا ہے وہ اس صورت میں ہے اگر مال میں نفع ہو تو اسے بیع پر مجبور کیا جائے گا مگر اس صورت میں کہ وہ مالک کو رأس المال اور نفع میں سے اس کا حصہ دے دے۔ اگر مال میں نفع نہ ہو تو اسے مال بیچنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا لیکن اس مضارب کو حق حاصل ہے کہ وہ مالک کو رأس المال دے دے یا رأس المال کے عوض میں سامان دے دے۔ ''المنح'' کی عبارت جو ''الذخیرہ'' سے منقول ہے اس سے جو میں نے سمجھا ہے اس کا حاصل ہے۔ یہ پیچیدہ عبارت ہے میں نے ''الذخیرہ'' کی عبارت کی طرف رجوع کیا تو میں نے اسے اسی طرح پایا جس طرح ''المنح'' میں ہے۔

یہ صورت باقی رہ گئی ہے جب مالک یہ ارادہ کرے کہ مال روکا جائے اور مضارب اس کے بیچنے کا ارادہ کرے یہ حادثۃ الفتویٰ ہے۔

فصل سے تھوڑا پہلے جو قول گزرا ہے اس سے جواب معلوم کیا جا سکتا ہے اگر مالک نے اسے معزول کر دیا اسے اس کا علم بھی ہو گیا جب کہ مال سامان تجارت ہے تو مضارب اسے بیچے اگر مالک اس سے منع کرے۔ مالک اس کے فسخ کا مالک نہیں نہ ہی اذن کی تخصیص کا اختیار رکھتا ہے کیونکہ وہ بھی من وجہ معزول کرنا ہے۔

28798۔ (قولہ: حِصَّةَ الْهِبَةِ) کیونکہ ایسی مشترک چیز جو تقسیم کو قبول نہ کرتی ہو اس کا ہبہ کرنا صحیح نہیں پس وہ اس کی ضمان میں ہو گی۔

28799۔ (قولہ: وَهِيَ الخ) ''فتال'' نے ''ہندیہ'' سے اسے نقل کیا ہے۔

تُمْلَكُ بِالْقَبْضِ عَلَى الْمُعْتَمَدِ الْمُفْتَى بِهِ كَمَا سَيَجِيءُ فَلَا ضَمَانَ فِيهَا وَبِهِ يَضْعُفُ قَوْلُ الْوَهْبَانِيَّةِ وَأَوْدَعَهُ عَشْرًا عَلَى أَنَّ خَمْسَةً لَهُ هِبَةٌ فَاسْتَهْلَكَ الْخَمْسَ يَخْسَرُ

مفتی بہ قول کے مطابق قبضہ کرنے سے اس ہزار پر ملکیت حاصل ہو جاتی ہے جس طرح عنقریب آئے گا۔ پس اس میں کوئی ضمان نہ ہوگی اس کے ساتھ ''وہبانیہ'' کا قول ضعیف ہو جاتا ہے: وہ اس کے پاس دس ودیعت رکھے اس شرط پر کہ اس کے پاس پانچ ہبہ ہیں تو پانچ کو جان بوجھ کر ہلاک کر دیا گیا تو وہ ضمانت دے۔

28800۔ (قولہ: تُمْلَكُ بِالْقَبْضِ) میں کہتا ہوں: قبضہ کرنے کے ساتھ مالک ہونے اور ضمان میں کوئی منافات نہیں۔ ''سائحانی''۔

میں کہتا ہوں: ''جامع الفصولین'' میں اس پر نص قائم فرمائی ہے جب ''فتاویٰ فضلی'' کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: فاسد ہبہ قبضہ کرنے کی صورت میں ملکیت کا فائدہ دیتا ہے اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ پھر جب وہ ہلاک ہو جائے تو یہ فتویٰ دیا گیا کہ فاسد ہبہ کی صورت میں واہب اپنے ذی رحم محرم سے اس کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ کیونکہ فاسد ہبہ پر ضمانت ہوتی ہے جب ہلاکت کے بعد قیمت کے ساتھ اس کی ضمانت ہے تو ہلاک ہونے سے قبل وہ لوٹانے کا زیادہ استحقاق رکھتی ہے الخ۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

فروع: اس صورت کے بارے میں پوچھا گیا جب مضارب فوت ہو جائے جب کہ اس پر دین ہوں اور مضاربت کا مال معروف ہو کیا رب المال اپنے رأس المال اور نفع میں اپنے حصہ کا زیادہ حقدار ہوگا؟

جواب ہے: ہاں۔ جس طرح اس کی ''خانیہ'' اور ''ذخیرہ برہانیہ'' میں اس کی تصریح ہے۔ ''حامدیہ''۔

اس بارے میں قاری ''الہدایہ'' سے ان کے فتاویٰ کے باب القضاء میں ہے: جب دونوں شریکوں میں سے ایک معلوم مقدار میں خیانت کا دعویٰ کرے اور دوسرا انکار کر دے تو اس سے قسم لی جائے گی اگر وہ قسم اٹھا دے تو وہ بری ہو جائے گا اگر وہ انکار کر دے تو جس کا اس نے دعویٰ کیا تھا وہ ثابت ہو گیا اگر وہ مقدار کی تعیین نہ کرے تو حکم اسی طرح ہوگا۔ لیکن جب وہ قسم سے انکار کر دے تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ اس مقدار کی تعیین کرے جس میں اس نے خیانت کی۔ اس کی مقدار میں قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ کیونکہ اس کا انکار کرنا مجہول شے کے اقرار کی طرح ہے اس کی مقدار میں وضاحت مقر کے ذمہ ہے ساتھ ہی اس کی قسم لازم ہوگی مگر جب اس کا مد مقابل زیادہ پر گواہیاں قائم کر دے (تو معاملہ مختلف ہو جائے گا)

كِتَابُ الْإِيدَاعِ

لَا خَفَاءَ فِي اشْتِرَاكِهِ مَعَ مَا قَبْلَهُ فِي الْحُكْمِ، وَهُوَ الْأَمَانَةُ (هُوَ لُغَةً مِنَ الْوَدْعِ أَيِ التَّرْكِ وَشَرْعًا (تَسْلِيطُ الْغَيْرِ عَلَى حِفْظِ مَالِهِ صَرِيحًا أَوْ دَلَالَةً) كَأَنْ انْفَتَقَ زِقُّ رَجُلٍ فَأَخَذَهُ رَجُلٌ بِغَيْبَةِ مَالِكِهِ ثُمَّ تَرَكَهُ، ضَمِنَ لِأَنَّهُ بِهَذَا الْأَخْذِ الْتَزَمَ حِفْظَهُ دَلَالَةً بَحْرٌ (الْوَدِيعَةُ مَا تُتْرَكُ عِنْدَ الْأَمِينِ) وَهِيَ أَخَصُّ مِنَ الْأَمَانَةِ كَمَا حَقَّقَهُ الْمُصَنِّفُ وَغَيْرُهُ (وَرُكْنُهَا الْإِيجَابُ صَرِيحًا) كَأَوْدَعْتُكَ

ودیعت کے احکام

اس میں کوئی خفانہیں کہ یہ اپنے ماقبل باب کے ساتھ حکم میں شریک ہے وہ امانت ہے۔ایداع لغت میں ودع سے مشتق ہے جس کا معنی چھوڑنا ہے۔اور شرع میں ایداع سے مراد صراحۃً یا دلالۃً غیر کو اپنے مال کی حفاظت پر مسلط کرنا ہے۔اس کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی کی مشک پھٹ گئی تو اس کے مالک کی عدم موجودگی میں دوسرے آدمی نے لے لی پھر اسے ترک کر دیا تو ایسا آدمی ضامن ہوگا۔کیونکہ اسے لینے کے ساتھ دلالۃً اس کی حفاظت لازم ہوگی، ''بحر''۔ودیعت وہ ہوتی ہے جسے امین کے پاس چھوڑ دیا جاتا ہے یہ امانت سے خاص ہے جس طرح مصنف وغیرہ نے اس کو ثابت کیا ہے۔اس کا رکن ایجاب ہے جو صریحا ہو جیسے میں نے تیرے پاس ودیعت رکھی

امانت اور ودیعت میں فرق

28801۔(قولہ: بِغَيْبَةِ الخ) اس کی قید لگائی ہے کیونکہ مالک اگر حاضر ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا جس طرح مصنف نے اسے ثابت کیا ہے۔''یعقوبیہ'' کو دیکھیے۔''المنح'' میں کہا: امانت اس شے کا نام ہے جو مضمون نہ ہو۔پس یہ ان تمام کو شامل ہوگا جس میں ضمانت نہ ہو جس طرح عاریہ، متاجرہ۔جس کی خدمت کی وصیت کی گئی جب کہ وہ موصی لہ کے قبضہ میں ہو۔

ودیعت اسے کہتے ہیں جسے ایجاب وقبول کے ساتھ امانت کے لیے رکھا جائے پس دونوں چیزیں متغایر ہو جائیں گی۔ صاحب ''النہایہ'' نے اسے اختیار کیا ہے۔اور ''البحر'' میں ہے: ان دونوں کا حکم بعض صورتوں میں مختلف ہے۔کیونکہ ودیعت سے وہ ضمانت سے بری نہیں ہوتا جب وہ اتفاق کی طرف لوٹ آئے اور امانت میں اختلاف کے بعد ضمانت سے بری نہیں ہوتا۔

ایک نکتہ ہے جسے ''حاشیہ'' میں ذکر کیا ہے روایت بیان کی جاتی ہے: جب زلیخا فقر میں مبتلا ہوئی اور حضرت یوسف علیہ السلام پر حزن کی وجہ سے اس کی آنکھیں سفید ہو گئیں تو وہ فقرا کے لباس میں ایک راستہ کی بلند جگہ پر بیٹھ گئی حضرت یوسف علیہ السلام اس کے پاس سے گزرے وہ ندا دینے لگی اے بادشاہ میری بات سنیے حضرت یوسف علیہ السلام ٹھہر گئے اس نے کہا: امانت نے مملوک کو ملوک کے مقام پر پہنچا دیا ہے اس خیانت نے ملوک کو مملوک کے مقام پر پہنچا دیا ہے۔حضرت یوسف علیہ السلام نے اس عورت کے بارے

(أَوْ كِنَايَةً) كَقَوْلِهِ لِرَجُلٍ أَعْطِنِي أَلْفَ دِرْهَمٍ أَوْ أَعْطِنِي هَذَا الثَّوْبَ مَثَلًا فَقَالَ أَعْطَيْتُكَ كَانَ وَدِيعَةً بَحْرٌ لِأَنَّ الْإِعْطَاءَ يَحْتَمِلُ الْهِبَةَ لَكِنَّ الْوَدِيعَةَ أَدْنَى، وَهُوَ مُتَيَقَّنٌ فَصَارَ كِنَايَةً (أَوْ فِعْلًا) كَمَا لَوْ وَضَعَ ثَوْبَهُ بَيْنَ يَدَيْ رَجُلٍ وَلَمْ يَقُلْ

یا کنایۃً ہو جس طرح وہ ایک آدمی کو کہے: مجھے ہزار درہم دو یا مجھے یہ کپڑا دے دو مثلاً تو وہ کہے: میں نے تجھے دے دیا تو ودیعت ہو گی، ''بحر''۔ کیونکہ اعطا کا لفظ ہبہ کا احتمال رکھتا ہے لیکن ودیعت کا درجہ کم ہے جو یقینی ہے۔ پس یہ کنایہ ہو جائے گا یا ایجاب فعلاً ہو جس طرح ایک آدمی اپنا کپڑا ایک آدمی کے سامنے رکھے اور کچھ نہ کہے

میں پوچھا تو آپ کو بتایا گیا یہ زلیخا ہے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اس پر رحمت کرتے ہوئے اس سے شادی کر لی۔ ''زیلعی''۔

28802۔ (قولہ: أَوْ كِنَايَةً) اس سے مراد وہ ہے جو صریح کے مقابل ہے جیسے طلاق کے کنایات نہ کہ جو بیانیہ کے مقابل ہے۔

28803۔ (قولہ: لِأَنَّ الخ) ''البحر'' میں بھی یہ تعلیل ہے۔

کسی شخص کا ودیعت کو قبول نہ کرنا عدم ضمان کا باعث ہے

28804۔ (قولہ: وَلَمْ يَقُلْ الخ) اگر وہ یہ کہہ دے میں ودیعت کو قبول نہیں کرتا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ جسے عرف کے اعتبار سے قبول کیا گیا ہو وہ صریحاً رد کے وقت ثابت نہیں ہوتا۔

صاحب ''الفصولین'' نے کہا: میں کہتا ہوں: یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ بقار (گائیں چرانے والا) اس کی گائے کے بارے میں مودع نہیں ہوگا جس نے وہ گائے اس کی طرف بھیجی تو بقار نے قاصد سے کہا: اسے اس کے مالک کے پاس لے جاؤ میں اسے قبول نہیں کرتا وہ قاصد اسے لے گیا پس چاہیے کہ بقار اس کا ضامن نہ ہو جب کہ اس کے برعکس گزر چکا ہے ان کا قول ینبغی اس حقیر کا قول ہے کہ یہ قول نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ قاصد جب اس گائے کو اس کے پاس لایا تو وہ پیغام رسانی کے حکم سے خارج ہو گیا اور وہ اجنبی ہو گیا جب بقار نے اسے کہا: اسے اس کے مالک کی طرف لوٹا دو بقار یوں ہو گیا گویا اس نے گائے اجنبی کی طرف لوٹا دی ہے یا اجنبی کے ساتھ لوٹا دی ہے اس وجہ سے بقار ضامن ہوگا۔ کپڑے کا مسئلہ مختلف ہے ''نور العین''۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

اس میں ''الذخیرہ'' سے بھی مروی ہے: اگر وہ کہے: میں نے اسے قبول نہیں کیا تو وہ مودع نہیں ہوگا اور کپڑے کے مالک نے اسے چھوڑ دیا اور چلا گیا اس آدمی نے اس کپڑے کو اٹھا لیا جس نے اسے قبول نہ کیا تھا اور اپنے گھر میں اسے داخل کر دیا چاہیے کہ وہ اس کا ضامن ہو۔ کیونکہ جب ایداع (ودیعت رکھنا) ثابت نہیں ہوا تو وہ اس کپڑے کو اٹھانے کے ساتھ غاصب ہو گیا۔ بندہ حقیر پر تقصیر کہتا ہے: اس میں اشکال ہے۔ وہ یہ ہے کہ غصب مالک کے قبضہ کو زائل کرنا ہوتا ہے جب کہ وہ نہیں پایا گیا اور اس کا کپڑے کو اٹھانا یہ نفع پہنچانے کے لیے ہے نقصان پہنچانے کے لیے نہیں بلکہ مالک کا اس کپڑے کو

شَيْئًا فَهُوَ إِيدَاعٌ (وَالْقَبُولُ مِنَ الْمُودَعِ صَرِيحًا) كَقَبِلْتُ (أَوْ دَلَالَةً) كَمَا لَوْ سَكَتَ عِنْدَ وَضْعِهِ فَإِنَّهُ قَبُولٌ دَلَالَةً كَوَضْعِ ثِيَابِهِ فِي حَمَّامٍ بِمَرْأَى مِنَ الثِّيَابِيِّ، وَكَقَوْلِهِ لِرَبِّ الْخَانِ أَيْنَ أَرْبِطُهَا فَقَالَ هُنَاكَ كَانَ إِيدَاعًا خَانِيَّةٌ

تو یہ ودیعت رکھنا ہوگا۔ اور ایداع کا رکن مودع کی جانب سے قبول ہے وہ صریحاً ہو جیسے وہ کہے: میں نے قبول کیا یا دلالۃً ہو جس طرح جب مودع اس کے پاس کوئی چیز رکھے تو مودع خاموش رہے یہ دلالۃ قبول ہے۔ جس طرح ایک آدمی حمام میں اپنے کپڑے کپڑوں کے نگہبان کے سامنے رکھے اور جس طرح سرائے کے مالک سے کہے: میں سواری کو کہاں باندھوں تو مالک کہے وہاں تو یہ ودیعت رکھنا ہوگا، ''خانیہ''۔

چھوڑ دینا دوبارہ ودیعت رکھنا ہے اور جس نے قبول نہ کیا تھا اس کا کپڑے کو اٹھانا ضمناً قبول کرنا ہے۔ تو ظاہر یہ ہے کہ وہ ضامن نہیں ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

28805۔ (قولہ: شَيْئًا) اگر وہ کہے: میں قبول نہیں کرتا تو وہ مودع نہیں ہوگا۔ کیونکہ دلالت نہیں پائی گئی، ''بحر''۔ اس میں ''خلاصہ'' سے مروی ہے: اگر اس نے اپنی کتاب کسی کے ہاں رکھی تو وہ قوم چلی گئی اور انہوں نے اس کتاب کو وہاں ہی چھوڑ دیا جب وہ کتاب ضائع ہو جائے گی تو وہ ضامن ہوں گے۔ اگر وہ ایک ایک کر کے کھڑے ہوئے تو آخری ضامن ہوگا۔ کیونکہ وہ حفاظت کے لیے متعین ہو گیا۔ پس وہ ضمان کے لیے متعین ہو گیا۔ پس ایجاب و قبول میں سے ہر ایک غیر صریح ہے جس طرح قریب ہی خانی کا آنے والا مسئلہ ہے۔

فرع: ''جامع الفصولین'' میں ہے: اگر آدمی نے اپنا جانور غیر کے گھر میں داخل کیا اور گھر کے مالک نے اسے باہر نکال دیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ جانور گھر کو نقصان پہنچاتا ہے اگر وہ اپنے باڑے میں کوئی جانور پائے تو مالک اس کو نکال دے تو اس کا ضامن ہوگا۔ ''سائحانی''۔

28806۔ (قولہ: كَمَا لَوْ سَكَتَ) یعنی یہ قبول ہے۔ ''ہندیہ'' میں یہ ذکر کرنے کے بعد کہا: ایک آدمی نے کوئی شے مالک کے امر کے بغیر رکھی۔ پس مالک کو اس کا علم نہ ہوا یہاں تک کہ وہ شے ضائع ہو گئی تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ حفاظت کا التزام نہیں ہوا۔ تطبیق دینا ممکن ہے اس قرینہ کی وجہ سے جو رضامندی یا عدم رضامندی پر دال ہو۔ ''سائحانی''۔

28807۔ (قولہ: مِنَ الثِّيَابِيِّ) جو حمام والا ہے وہ مودع نہیں ہے جب تک کپڑوں کی نگہبانی کرنے والا حاضر ہے اگر کپڑوں کی نگہبانی کرنے والا غائب ہو تو حمام والا مودع ہوگا۔ ''بحر''۔

اس میں اجازات ''الخلاصہ'' سے مروی ہے: ایک آدمی نے کپڑا پہنا کپڑوں کی نگہبانی کرنے والے نے گمان کیا یہ اس کا کپڑا ہے جب کہ وہ کپڑا کسی اور کا تھا تو ضامن ہوگا۔ یہی قول اصح ہے۔ کیونکہ سوال نہ کرنے اور تفتیش نہ کرنے کی وجہ سے وہ کوتاہی کرنے والا ہے یہ اس کے منافی نہیں جو قول آگے آ رہا ہے کہ امین پر ضمانت کی شرط باطل ہے اسے ''ابو سعود'' نے بیان کیا ہے۔

هَذَا فِي حَقِّ وُجُوبِ الْحِفْظِ، وَأَمَّا فِي حَقِّ الْأَمَانَةِ فَتَتِمُّ بِالْإِيجَابِ وَحْدَهُ حَتَّى لَوْ قَالَ لِلْغَاصِبِ أَوْدَعْتُكَ الْمَغْصُوبَ بَرِئَ عَنِ الضَّمَانِ، وَإِنْ لَمْ يَقْبَلْ اخْتِيَارٌ (وَشَرْطُهَا كَوْنُ الْمَالِ قَابِلًا لِإِثْبَاتِ الْيَدِ عَلَيْهِ) فَلَوْ أَوْدَعَ الْآبِقَ أَوْ الطَّيْرَ فِي الْهَوَاءِ لَمْ يَضْمَنْ (وَكَوْنُ الْمُودَعِ مُكَلَّفًا شَرْطٌ لِوُجُوبِ الْحِفْظِ عَلَيْهِ) فَلَوْ أَوْدَعَ صَبِيًّا فَاسْتَهْلَكَهَا لَمْ يَضْمَنْ، وَلَوْ عَبْدًا مَحْجُورًا ضَمِنَ بَعْدَ عِتْقِهِ (وَهِيَ أَمَانَةٌ) هَذَا حُكْمُهَا مَعَ وُجُوبِ الْحِفْظِ وَالْأَدَاءِ

یہ حفاظت کے وجوب کے حق میں ہے۔ جہاں تک امانت کے حق کا تعلق ہے تو وہ صرف ایجاب سے مکمل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر غاصب سے کہے: میں نے تیرے پاس مغصوب چیز ودیعت رکھی ہے تو وہ ضمان سے بری ہو جائے گا اگرچہ وہ قبول نہ کرے''اختیار''۔ اور اس کی شرط یہ ہے کہ مال ایسا ہو جو قبضہ کے اثبات کو قبول کرنے والا ہو۔ اگر وہ بھاگے ہوئے غلام کو یا ہوا میں موجود پرندے کو ودیعت کے طور پر رکھے تو مودع ضامن نہیں ہوگا۔ اور مودع کا مکلف ہونا یہ حفاظت کے واجب ہونے کے لیے شرط ہے۔ اگر ایک آدمی نے بچے کے ہاں ودیعت رکھی بچے نے اس شے کو جان بوجھ کر ہلاک کر دیا تو وہ بچہ ضامن نہیں ہوگا۔ اگر عبد مجور کے ہاں ودیعت رکھی تو وہ غلام اپنی آزادی کے بعد ضامن ہوگا جب کہ یہ ودیعت امانت ہے۔ یہ اس کا حکم ہے ساتھ ہی اس کی حفاظت، مطالبہ کے وقت ادائیگی واجب ہے۔

28808۔(قولہ: هَذَا) یعنی قبول کا بھی شرط ہونا۔

28809۔(قولہ: وَإِنْ لَمْ يَقْبَلْ) یہ قول گزر چکا ہے کہ قبول کی دو قسمیں ہیں: صریح اور دلالۃ۔ شاید یہاں یہ رد کے معنی میں ہے۔ مگر جب وہ خاموش ہو جائے تو وہ دلالۃً قبول ہے۔

28810۔(قولہ: لِإِثْبَاتِ الْيَدِ) بعض فضلا نے کہا: اس میں تسامح ہے۔ کیونکہ مراد بالفعل قبضہ کو ثابت کرنا ہے اور اثبات کا قبول کرنا کافی نہیں جس طرح ''درر'' میں اس قول کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا ہے'' قبضہ ثابت کیے بغیر کسی شے کی حفاظت محال ہوتی ہے۔ تامل''۔''فتال''۔''ابوسعود'' نے اس کا جواب دیا ہے۔

28811۔(قولہ: فَلَوْ أَوْدَعَ صَبِيًّا) ''الرملی'' نے ''حاشیۃ المنح'' میں کہا: بچے کے ہاں ودیعت رکھنے سے، اس صورت کو مستثنیٰ کیا جائے گا جب مجور بچہ اپنے جیسے بچے کے ہاں کوئی شے ودیعت رکھے جب کہ یہ ان دونوں کے علاوہ کی ملک ہو پس مالک کو حق حاصل ہوگا کہ مال دینے والے یا لینے والے سے ضمانت لے۔ ''الفوائد الزینیہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''مدنی''،''حاشیۃ الفتال'' کو دیکھیے۔

28812۔(قولہ: ضَمِنَ بَعْدَ عِتْقِهِ) یعنی اگر غلام بالغ ہو ورنہ اس پر کوئی ضمان نہ ہوگی۔

فرع: حاشیہ میں کہا، اگر اسے عیال منتقل کرنے کی ضرورت ہو یا اس کے عیال ہی نہ ہوں پس وہ ودیعت کے ساتھ سفر کرے تو ضامن نہ ہوگا۔ یہ اس صورت میں ہے جب مودع نے مکان معین کیا ہو۔ اگر اس نے مکان معین نہ کیا اس کی

عِنْدَ الطَّلَبِ وَاسْتِحْبَابِ قَبُولِهَا (فَلَا تُضْمَنُ بِالْهَلَاكِ) إِلَّا إِذَا كَانَتِ الْوَدِيعَةُ بِأَجْرٍ أَشْبَاهٌ مَعْزِيًّا لِلزَّيْلَعِيِّ (مُطْلَقًا) سَوَاءٌ أَمْكَنَ التَّحَرُّزُ أَمْ لَا، هَلَكَ مَعَهَا شَيْءٌ أَمْ لَا لِحَدِيثِ الدَّارَقُطْنِيِّ لَيْسَ عَلَى الْمُسْتَوْدَعِ

اور اس کا قبول کرنا مستحب ہے۔ اگر وہ چیز ہلاک ہو جائے تو مطلقاً اس کی ضمانت نہ ہوگی مگر جب ودیعت اجر کے ساتھ ہو، ''اشباہ''۔ جب کہ ''زیلعی'' کی طرف منسوب ہے خواہ اس ہلاکت سے بچنا ممکن ہو یا ممکن نہ ہو اس کے ساتھ کوئی شے ہلاک ہو یا ہلاک نہ ہو۔ کیونکہ ''دارقطنی'' کی حدیث ہے: خائن مستودع کے علاوہ پر

صورت یہ ہے کہ اس نے کہا: اس کی حفاظت کرو اور یہ نہ کہا، فلاں جگہ اس کی حفاظت کرنا تو اس نے اس مال کے ساتھ سفر کیا اگر راستہ ایسا ہے جہاں خوف ہو تو بالاجماع مودع ضامن ہوگا ورنہ ضامن نہ ہوگا۔ یہ ہمارے نزدیک ہے جس طرح باپ اور وصی ہے اگر وہ بچے کے مال کے ساتھ سفر کرے۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس کے بار برداری کے اخراجات اور مؤنت نہ ہو۔ ''جامع الفصولین''۔

اگر اس کی بار برداری کا معاملہ ہو اور مؤنت ہو جب کہ مالک نے مطلقاً اس کی حفاظت کا کہا ہو اگر سفر سے بچنے کا چارہ کار ہو اور وہ اس شہر میں اس کی حفاظت سے عاجز ہو جس میں اس نے اس کے ہاں ودیعت رکھا تھا تو بالاجماع سفر سے ضامن نہ ہو گا۔ اگر سفر سے بچنے کا چارہ کار ہو تو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی حکم ہے وہ سفر قریب کا ہو یا بعید کا ہو۔

امام ''ابویوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے اگر سفر دور کا ہے تو ضامن ہوگا اگر قریب کا ہے تو ضامن نہ ہوگا۔

امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے: دونوں حالتوں میں ضامن ہوگا۔ ''جامع الفصولین''۔

جس کو اجرت پر مودع بنایا گیا ہو اس کے لیے اسے سفر پر لے جانا جائز نہیں۔ کیونکہ حفاظت کے لیے عقد کا مکان متعین ہو چکا ہے۔ ''جامع الفصولین''۔

28813۔ (قولہ: عِنْدَ الطَّلَبِ) مگر چند ایسے مسائل ہیں جن کا ذکر عنقریب آئے گا جن میں ایسا کرنا واجب نہیں۔

28814۔ (قولہ: بِأَجْرٍ) عنقریب یہ آئے گا کہ اجیر مشترک ضامن نہیں ہوگا اگرچہ اس پر ضمان کی شرط لگائی جائے نیز متن کا قول واشتراط الخ اس سے بھی اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔ جب شرط کے ساتھ اس کی یہ صورتحال ہے تو شرط نہ ہونے کی صورت میں کیا حال ہوگا۔ ''بزازیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے حمام کے مالک کو چیز دی اور اسے اجرت پر رکھا اور اس پر ضمان کی شرط لگائی۔ جب وہ چیز تلف ہو جائے تو ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اس کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ یہ اس کے مطابق ہے جس پر فتویٰ ہے ''سائحانی''۔ ''حاشیۃ الفتال'' کو دیکھیے۔ بعض اوقات یہ فرق کیا جاتا ہے کہ وہ یہاں قصداً حفاظت پر اجرت پر لیا گیا ہے اجیر مشترک کا معاملہ مختلف ہے بے شک اسے عمل پر اجرت پر رکھا گیا ہے۔ تامل

28815۔ (قولہ: لِلزَّيْلَعِيِّ) اس کی مثل ''النہایہ''، ''الکنایہ'' اور کثیر کتب میں ہے۔ ''رملی علی المنح''۔

غَيْرِ الْمُغِلِّ ضَمَانٌ (وَاشْتِرَاطُ الضَّمَانِ عَلَى الْأَمِينِ) كَالْحَمَّامِيِّ وَالْخَانِيِّ (بَاطِلٌ بِهِ يُفْتَى) خُلَاصَةٌ وَصَدْرُ الشَّرِيعَةِ (وَلِلْمُودَعِ حِفْظُهَا بِنَفْسِهِ وَعِيَالِهِ) كَمَالِهِ (وَهُمْ مَنْ يَسْكُنُ مَعَهُ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا لَا مَنْ يَمُونُهُ) فَلَوْ دَفَعَهَا لِوَلَدِهِ الْمُمَيِّزِ أَوْ زَوْجَتِهِ، وَلَا يَسْكُنُ مَعَهُمَا، وَلَا يُنْفِقُ عَلَيْهِمَا لَمْ يَضْمَنْ خُلَاصَةٌ وَكَذَا لَوْ دَفَعَتْهَا لِزَوْجِهَا، لِأَنَّ الْعِبْرَةَ لِلْمُسَاكَنَةِ لَا لِلنَّفَقَةِ، وَقِيلَ يُعْتَبَرَانِ مَعًا عَيْنِيٌّ (وَشَرْطُ كَوْنِهِ) أَيْ مَنْ فِي عِيَالِهِ (أَمِينًا) فَلَوْ عَلِمَ خِيَانَتَهُ ضَمِنَ خُلَاصَةٌ (وَ) جَازَ (لِمَنْ فِي عِيَالِهِ الدَّفْعُ لِمَنْ فِي عِيَالِهِ وَلَوْ نَهَاهُ عَنِ الدَّفْعِ إِلَى بَعْضِ مَنْ فِي عِيَالِهِ فَدَفَعَ إِنْ وَجَدَ بُدًّا مِنْهُ) بِأَنْ كَانَ لَهُ عِيَالٌ غَيْرُهُ ابْنُ مَلَكٍ

کوئی ضمانت نہیں ہے (1)۔ رہن جیسے حمام والا اور سرائے والا، پر ضمان کی شرط لگانا باطل ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے ''خلاصہ''، ''صدر الشریعہ''۔ مودع کو حق حاصل ہے کہ خود اور اپنے عیال کے ذریعے اس کی حفاظت کرے اس کے عیال سے مراد وہ افراد ہیں جو اس کے ساتھ حقیقتاً یا حکماً رہتے ہیں نہ کہ وہ افراد ہیں جن کی وہ کفالت کرتا ہے اگر وہ مال اپنے اس بچے کو دے دیتا ہے جو سوجھ بوجھ رکھتا ہے یا اپنی بیوی کو دے دیتا ہے جن کے ساتھ وہ نہیں رہتا اور نہ یہ ان پر خرچ کرتا ہے تو وہ ضامن نہ ہوگا ''خلاصہ''۔ اسی طرح اگر بیوی ودیعت اپنے خاوند کو دے دیتی ہے۔ کیونکہ اعتبار باہم سکونت کا ہے نفقہ کا اعتبار نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں کا اکٹھے اعتبار کیا جائے گا۔ اور جو اس کے عیال میں سے ہے اس کا امین ہونا شرط ہے اگر اس کی خیانت کا علم ہو تو وہ ضامن ہوگا ''خلاصہ''۔ جو آدمی اس کے عیال میں سے ہو وہ اسے دے دے۔ جو اس کے عیال میں ہے اسے دینا جائز ہے اگر وہ اسے دینے سے منع کر دے جو اس کے عیال میں ہے اگر وہ اسے دے دے اگر اس کے سوا کوئی چارہ پاتا ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ غیر کے عیال میں سے ہو ''ابن ملک''۔

28816۔ (قولہ: غَيْرِ الْمُغِلِّ) مغل سے مراد خائن ہے ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28817۔ (قولہ: كَالْحَمَّامِيِّ) یعنی حمام کا معلم۔ مگر جس کا عرف یہ ہو کہ وہ حفاظت کے عوض میں اجرت لیتا ہو تو وہ ضامن ہوگا کیونکہ یہ اجرت کے بدلے میں ودیعت رکھی گئی ہے لیکن فتویٰ ضمانت کے نہ ہونے پر ہے۔ ''سائحانی''۔

28818۔ (قولہ: فَلَوْ دَفَعَهَا) یہ ان کے قول او حکما پر تفریع ہے۔

28819۔ (قولہ: لِوَلَدِهِ الْمُمَيِّزِ) شرط یہ ہے کہ وہ اس کی حفاظت پر قادر ہو، ''بحر'' میں ''خلاصہ'' سے مروی ہے۔

28820۔ (قولہ: ضَمِنَ) یعنی اگر ودیعت اس کے حوالے کر دیتا ہے تو ضامن ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ اسے اس گھر میں چھوڑ دیتا ہے جس میں لوگوں کی ودیعتیں ہیں اور خود چلا جاتا ہے اور ودیعت ضائع ہو جاتی ہے تو ضامن ہوگا ''بحر'' میں ''الخلاصہ'' سے مروی ہے۔

28821۔ (قولہ: فِي عِيَالِهِ) دوسرے عیال میں جو ضمیر ہے اس کے بارے میں یہ صحیح ہے کہ وہ پہلے عیال کی طرف

1۔ سنن دارقطنی، کتاب البیوع، جلد 3 صفحہ 41، حدیث نمبر 168

(ضَمِنَ وَإِلَّا لَا، وَإِنْ حَفِظَهَا بِغَيْرِهِمْ ضَمِنَ) وَعَنْ مُحَمَّدٍ إِنْ حَفِظَهَا بِمَنْ يَحْفَظُ مَالَهُ كَوَكِيلِهِ وَمَأْذُونِهِ وَشَرِيكِهِ مُفَاوَضَةً وَعِنَانًا جَازَ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى ابْنُ مَلَكٍ وَاعْتَمَدَهُ ابْنُ الْكَمَالِ وَغَيْرُهُ وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ (إِلَّا إِذَا خَافَ الْحَرَقَ أَوْ الْغَرَقَ) وَكَانَ غَالِبًا مُحِيطًا، فَلَوْ غَيْرَ مُحِيطٍ ضَمِنَ

تو ضامن ہوگا ورنہ ضامن نہیں ہوگا اگر وہ ودیعت کی حفاظت ان کے علاوہ سے کرے تو وہ ضامن ہوگا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: اگر وہ اس کی حفاظت کرے اس کے ساتھ جن کے ساتھ وہ اپنے مال کی حفاظت کرتا ہے جیسے اس کا وکیل، اس کا عبد ماذون اور اس کا شریک ہے وہ شریک شرکت مفاوضہ کی وجہ سے ہو یا شرکت عنان کی وجہ سے ہو تو یہ جائز ہوگا۔ اسی پر فتویٰ ہے، ''ابن ملک''۔ ''ابن کمال'' وغیرہ نے اس پر اعتماد کیا ہے اور مصنف نے اسے ثابت رکھا ہے مگر جب مودع کو اس کے جل جانے اور غرق ہونے کا خوف ہو، اور وہ حرق اور غرق غالب و محیط ہوا گر وہ محیط نہ ہو تو پھر ضامن ہوگا

لوٹے۔ ''شرنبلالی'' نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ وہ مودع کی طرف لوٹے ''مقدسی'' نے اس کی تصریح کی ہے۔ اس میں ہے کہ والدین میں یہ شرط نہیں کہ وہ دونوں اس کے عیال میں سے ہوں۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اگر اس نے اپنے عیال کے علاوہ کے ہاں ودیعت رکھی اور مالک نے اس کی اجازت دے دی تو وہ اس سے خارج ہو جائے گا جس کی وضاحت کی ہے۔ اگر اس نے غیر کی حرز میں اجرت کے بغیر اسے رکھا تو ضامن ہوگا۔ اگر ایک آدمی نے اپنے گھر میں سے ایک کمرہ اجرت پر دیا اور ودیعت مستاجر کے حوالے کر دی اگر دونوں میں سے ہر ایک کے پاس علیحدہ چابی ہو تو ضامن ہوگا۔ اگر علیحدہ چابی نہ ہو اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے پاس جاہ و حشمت کے بغیر داخل ہوتا ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ مودع کے عیال کے حوالے کرنے سے خاموشی میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مودع اس کا مالک نہیں۔ ہمارے شیخ نے اختلاف اور ضمان کی ترجیح کا ذکر کیا ہے۔ ''سائحانی''۔ ہمارے شیخ سے مراد ''ابو سعود'' ہے۔

فرع: اگر اس نے کہا: میں اسے جس کے پاس چاہوں گا رکھوں گا جو اسے مجھ تک پہنچائے گا تو اسے مودع نے ایک امین کے حوالے کر دیا اور وہ ودیعت ضائع ہوگئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ضامن نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ضامن ہوگا۔

فرع: مودع کی موت کا وقت آ پہنچا تو اس نے ودیعت پڑوسی کے حوالے کر دی وہ ودیعت پڑوسی کے پاس ہلاک ہوگئی ''بلخی'' نے کہا: اگر اس کی وفات کے وقت اس کے پاس کوئی ایسا آدمی نہ ہو جو اس کے عیال میں سے ہے تو وہ ضامن نہیں ہوگا جس طرح مودع کے گھر میں آگ بھڑک اٹھی تو اسے حق حاصل ہے کہ ودیعت اجنبی کو دے دے۔ ''خانیہ''۔

28822۔ (قولہ: عَلَيْهِ الْفَتْوَى) ''البحر'' میں ''الخانیہ'' سے نقل کیا ہے اس سے قبل کہا: متون کا ظاہر یہ ہے کہ غیر کا اس کے عیال میں سے ہونا شرط ہے۔ ''الخلاصہ'' میں اسے ہی اختیار کیا ہے۔

28823۔ (قولہ: وَكَانَ غَالِبًا مُحِيطًا) ''تاتر خانیہ'' میں ''تتمہ'' سے مروی ہے: ''حمید و بری'' سے اس مودع کے بارے میں پوچھا گیا جس کے گھر میں آگ لگ گئی اور اس نے ودیعت دوسرے مکان کی طرف منتقل نہ کی اگر منتقل کرنا ممکن تھا

(فَسَلَّمَهَا إِلَى جَارِهِ أَوْ إِلَى (فُلْكٍ آخَرَ) إِلَّا إِذَا أَمْكَنَهُ دَفْعُهَا لِمَنْ فِي عِيَالِهِ أَوْ أَلْقَاهَا فَوَقَعَتْ فِي الْبَحْرِ ابْتِدَاءً أَوْ بِالتَّدَحْرُجِ ضَمِنَ زَيْلَعِيٌّ (فَإِنْ ادَّعَاهُ) أَيْ الدَّفْعَ لِجَارِهِ أَوْ فُلْكٍ آخَرَ (صُدِّقَ إِنْ عُلِمَ وُقُوعُهُ) أَيْ الْحَرْقِ (بِبَيِّنَتِهِ) أَيْ بِدَارِ الْمُودَعِ (وَإِلَّا) يُعْلَمْ وُقُوعُ الْحَرْقِ فِي دَارِهِ (لَا) يُصَدَّقُ إِلَّا بِبَيِّنَةٍ فَحَصَلَ بَيْنَ كَلَامَيْ الْخُلَاصَةِ وَالْهِدَايَةِ التَّوْفِيقُ وَبِاللَّهِ التَّوْفِيقُ (وَلَوْ مَنَعَهُ الْوَدِيعَةَ ظُلْمًا بَعْدَ طَلَبِهِ) لِرَدِّ وَدِيعَتِهِ فَلَوْ لِحَمْلِهَا إِلَيْهِ لَمْ يَضْمَنْ ابْنُ مَلَكٍ بِنَفْسِهِ وَلَوْ حُكْمًا

تو وہ اس ودیعت کو اپنے پڑوسی یا دوسری کشتی میں رکھوائے مگر جب اس کے لیے یہ ممکن ہو کہ وہ ودیعت اس کے حوالے کر دے جو اس کے عیال میں سے ہے یا اس نے ودیعت پھینکی تو ابتدا اسے ہی سمندر میں جا گری یا لڑھک کر سمندر میں جا گری تو ضامن ہوگا، ''زیلعی''۔ اگر مودع نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے پڑوسی کو ودیعت دی یا کسی اور کشتی میں ودیعت رکھی تو اس کی تصدیق کی جائے گی اگر اس مودع کے گھر میں آگ لگنے کا علم ہو۔ اگر اس کے گھر میں آگ لگنے کا علم نہ ہو تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی مگر گواہوں کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی۔ پس ''خلاصہ'' اور ''ہدایہ'' کی کلاموں میں تطبیق حاصل ہوگی اللہ تعالیٰ کی ذات ہی توفیق دینے والی ہے۔ اگر مودع نے ودیعت واپس کرنے کے مطالبہ کے بعد ودیعت کو ظلماً روک لیا، اگر تو یہ اس کی طرف اٹھانے کی وجہ سے روکا ہو تو ضامن نہ ہوگا یہ مطالبہ اس مالک نے خود کیا ہو اگرچہ حکماً مطالبہ ہو

تو اس نے چھوڑے رکھا یہاں تک کہ ودیعت جل گئی تو ضامن ہوگا۔ اسی کی مثل یہ صورتحال ہوگی اگر اس نے اسے چھوڑے رکھا یہاں تک عت (کیڑا) اسے کھا گیا جس طرح ''النظم'' میں آئے گا۔

امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس حریق (آگ) کے بارے میں ذکر کیا جو مودع کے گھر میں بھڑک اٹھی تھی تو مودع نے ودیعت اجنبی کو دے دی تو وہ ضامن نہیں ہوگا اگر وہ اس سے نکل آیا اور اس نے ودیعت کی واپسی کا مطالبہ نہ کیا تو ضامن ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ''نور العین'' میں ہے۔

''جواہر الفتاویٰ'' میں ہے: جب مودع نے کسی عذر کی وجہ سے ودیعت کسی اور کے حوالے کی، اس نے عذر کے زائل ہونے کے بعد اسے واپس نہ لیا تو وہ ودیعت دوسرے آدمی کے پاس ہلاک ہوگئی تو وہ مودع ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ مودع ودیعت حوالے کرنے پر ضامن ہوتا ہے تو جب عذر کی وجہ سے وہ ضامن نہ ہوا تو اسے ترک کرنے کی وجہ سے ضامن نہ ہوگا۔ اس پر یہ امر دلالت کرتا ہے اگر اس نے وہ چیز اپنے عیال کے سپرد کر دی اور انہیں کے پاس چھوڑے رکھی تو ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اسے اس امر کا اذن تھا اس طرح یہاں دینے کی اسے اجازت دی گئی ہے۔ ملخص

28824۔ (قولہ: أَوْ أَلْقَاهَا) یعنی کشتی میں اسے پھینکا۔

28825۔ (قولہ: كَلَامَيْ الْخُلَاصَةِ الخ) ''خلاصہ'' کی نص یہ ہے: جب اس کے قول سے قبل یہ معلوم ہو گیا کہ اس کے گھر میں آگ لگی تھی ورنہ اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔ ''ہدایہ'' کی عبارت ہے: گواہوں کے بغیر اس کی تصدیق نہ کی

كَوَكِيلِهِ بِخِلَافِ رَسُولِهِ، وَلَوْ بِعَلَامَةٍ مِنْهُ عَلَى الظَّاهِرِ (قَادِرًا عَلَى تَسْلِيمِهَا ضَمِنَ،

جس طرح اس کے وکیل نے مطالبہ کیا ہو۔ قاصد کا معاملہ مختلف ہے اگرچہ وہ مالک کی جانب سے نشانی لایا ہو۔ یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے، جب کہ مودع ودیعت سپرد کرنے پر قادر تھا تو ضامن ہوگا۔

جائے گی۔ ''المنح'' میں کہا: ''ہدایہ'' کی کلام کو اس پر محمول کرنا ممکن ہے تو اس کے گھر میں آگ لگنے کا علم نہ ہو اس کے ساتھ تطبیق حاصل ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اسی پر ہم نے ''المختصر'' میں اعتماد کیا ہے۔ ''ح''۔

اگر پیغام رسانی سے مرسل رجوع کرے تو قاصد کے علم سے پہلے یہ صحیح ہوگا

28826۔(قولہ: كَوَكِيلِهِ) خلاصہ یہ ہے: مالک جب ودیعت کا مطالبہ کرے تو مودع کہے: میرے لیے یہ ممکن نہیں کہ اس لمحہ اسے حاضر کرسکوں طالب نے اسے ترک کیا اور چلا گیا اگر تو اس نے رضا مندی سے ودیعت کو ترک کیا تھا تو ودیعت ہلاک ہوگئی تو وہ ضامن نہیں ہوگا کیونکہ جب وہ گیا تو اس نے نئے سرے سے ودیعت رکھ دی اگر رضا مندی کے بغیر چھوڑی تو مودع ضامن ہوگا اگر طلب کرنے والا مالک کا وکیل ہے تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ یہ نئے سرے سے ودیعت رکھنا نہیں۔ مالک کا معاملہ مختلف ہے یہ قول اس میں صریح ہے کہ مالک کے وکیل کو نہ دینے کی صورت میں ضامن نہیں ہوگا جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔

''فصول عمادیہ'' میں ہے جب کہ ''ظہیریہ'' کی طرف منسوب ہے: مودع کے قاصد نے جب ودیعت کو طلب کیا۔ مودع نے کہا: میں ودیعت سے اسے دوں گا جو ودیعت لایا تھا اور قاصد کے حوالے نہ کیا یہاں تک کہ ودیعت ہلاک ہوگئی تو وہ ضامن ہوگا۔

''فتاویٰ قاضی ظہیر الدین'' میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے ''نجم الدین'' نے اس کا جواب دیا کہ وہ ضامن ہوگا۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب مودع نے اس کی تصدیق کی جس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ ودیعت پر قبضہ کرنے کا وکیل ہے تو انہوں نے کتاب الوکالہ میں کہا: ودیعت اس کے سپرد کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔

لیکن قائل کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ وکیل اور قاصد میں فرق کرے۔ کیونکہ قاصد بھیجنے والے کی زبان پر نطق کرتا ہے ورنہ وکیل کا معاملہ اسی طرح ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر وکیل کو وہ وکالت سے معزول کر دے جب کہ وکیل کو معزولی کا علم نہ ہو تو یہ معزولی صحیح نہ ہوگی۔ اگر پیغام رسانی سے مرسل رجوع کرے تو قاصد کے علم سے پہلے یہ صحیح ہوگا ان کے فتاویٰ میں اسی طرح ہے۔ ''منح''۔

حاشیہ ''البحر'' میں اسی کے محشی ''رملی'' نے کہا: ''الفصول'' میں جو قول ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ وہ وکیل کے مسئلہ میں ضامن نہیں ہوگا۔ پس یہ ''خلاصہ'' کے قول کے مخالف ہے میرے لیے تطبیق یوں ظاہر ہوئی کہ ''الخلاصہ'' میں جو قول ہے اسے اس پر محمول کیا جائے کہ جب وکیل نے مودع کے پاس نئے سرے سے ودیعت رکھنے کا اظہار کیا جب کہ مودع نے ودیعت سے انکار کر دیا تھا تا کہ مودع ودیعت کسی اور وقت میں دے دے۔ ''الفصول'' اور ''تجنیس'' میں جو قول ہے وہ اس پر محمول

وَإِلَّا بِأَنْ كَانَ عَاجِزًا أَوْ خَافَ عَلَى نَفْسِهِ أَوْ مَالِهِ بِأَنْ كَانَ مَدْفُونًا مَعَهَا ابْنُ مَلَكٍ (لَا) يَضْمَنُ كَطَلَبِ الظَّالِمِ (فَلَوْ كَانَ الْوَدِيعَةُ سَيْفًا أَرَادَ صَاحِبُهُ أَنْ يَأْخُذَهُ لِيَضْرِبَ بِهِ رَجُلًا فَلَهُ الْمَنْعُ مِنَ الدَّفْعِ) إِلَى أَنْ يَعْلَمَ أَنَّهُ تَرَكَ الرَّأْيَ الْأَوَّلَ وَأَنَّهُ يُنْتَفَعُ بِهِ عَلَى وَجْهٍ مُبَاحٍ جَوَاهِرُ (كَمَا لَوْ أَوْدَعَتْ) الْمَرْأَةُ (كِتَابًا فِيهِ إِقْرَارٌ مِنْهَا لِلزَّوْجِ بِمَالٍ أَوْ بِقَبْضِ مَهْرِهَا مِنْهُ) فَلَهُ مَنْعُهُ مِنْهَا لِئَلَّا يَذْهَبَ حَقُّ الزَّوْجِ خَانِيَةٌ (وَمِنْهُ) أَيْ مِنَ الْمَنْعِ ظُلْمًا (مَوْتُهُ) أَيْ مَوْتُ الْمُودَعِ (مُجْهِلًا

اگر ایسا نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ سپرد کرنے سے عاجز ہو یا اسے اپنی ذات پر خوف ہو یا اپنے مال پر خوف ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ مال ودیعت کے ساتھ دفن شدہ ہو، ''ابن ملک''۔ تو ضامن نہیں ہوگا جس طرح ظالم نے مطالبہ کیا ہو اگر ودیعت تلوار ہو مالک نے یہ ارادہ کیا کہ وہ تلوار لے تا کہ اس کے ساتھ کسی آدمی پر وار کرے تو اسے نہ دینے کا حق ہوگا یہاں تک مودع کو یہ علم ہو جائے کہ اس نے پہلی رائے بدل دی ہے اور وہ مالک اس سے مباح طریقہ سے نفع حاصل کرے گا، ''جواہر''۔ جس طرح ایک عورت نے کتاب کا دعویٰ کیا جس میں عورت کا خاوند کے حق میں مال کا اقرار ہے یا اس سے مہر کے قبض کا اقرار ہے تو اسے حق حاصل ہوگا کہ عورت کو دینے سے رک جائے تا کہ خاوند کا حق ضائع نہ ہو۔ ''خانیہ''۔ اور ظلماً روکنے کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ مودع ودیعت کو مجہول حالت میں چھوڑ جائے۔

ہو کہ جب اس نے انکار کر دیا تا کہ وہ مودع کی ذات کے حوالے کرے۔ اسی وجہ سے اس کے جواب میں فرمایا: میں ودیعت اسے دوں گا جو میرے پاس ودیعت لایا تھا۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

28827۔ (قولہ: كَطَلَبِ الظَّالِمِ) ظاہر یہ ہے کہ یہاں ظالم سے مراد مالک ہے۔ کیونکہ گفتگو اس کے مطالبہ کے بارے میں ہے اور اس کے مابعد جو کلام ہے وہ اس پر تفریع کے طور پر ذکر کی گئی ہے۔ میری مراد ان کا یہ قول ہے: فلو كانت اس پر مصنف کا قول: لما فيه من الاعانة على الظلم دلالت کرتا ہے۔

فرع: اسے حاشیہ میں ذکر کیا ہے وہ جانور جو ودیعت کے طور پر رکھا گیا تھا وہ بیمار ہو گیا مودع نے کسی انسان کو حکم دیا کہ وہ اس کا علاج کرے تو مالک ان دونوں میں سے جس سے چاہے ضمان لے اگر اس نے مودع سے ضمانت لی تو وہ معالج سے واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ اگر وہ معالج سے ضمانت لے تو وہ مودع سے مطالبہ کرے گا تو معالج کو یہ پتہ ہو کہ یہ جانور کسی اور کا ہے یا نہیں مگر مودع کہے: یہ میرا نہیں یا میں نے اس کے بارے میں حکم نہیں دیا اس وقت وہ مطالبہ نہیں کرے گا۔ ''جامع الفصولین'' میں اسی طرح ہے۔

28828۔ (قولہ: الْمُودَعِ) یہ دال کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

28829۔ (قولہ: مُجْهِلًا) جہاں تک مالک کو مجہول رکھنے کا تعلق ہے تو کوئی ضمانت لازم نہ ہوگی قول قسم کے ساتھ مودع کا معتبر ہوگا اس میں کوئی شبہ نہیں۔ ''حانوتی'' نے کہا: کیا اس سے دین کی مقدار کے مطابق رہن میں زیادتی ہوگی۔

فَإِنَّهُ يَضْمَنُ فَتَصِيرُ دَيْنًا فِي تَرِكَتِهِ إِلَّا إِذَا عَلِمَ أَنَّ وَارِثَهُ يَعْلَمُهَا فَلَا ضَمَانَ، وَلَوْ قَالَ الْوَارِثُ أَنَا عَلِمْتُهَا وَأَنْكَرَ الطَّالِبُ إِنْ فَسَّرَهَا، وَقَالَ هِيَ كَذَا وَأَنَا عَلِمْتُهَا وَهَلَكَتْ صُدِّقَ وَهَذَا وَمَا لَوْ كَانَتْ عِنْدَهُ سَوَاءٌ إِلَّا فِي مَسْأَلَةٍ وَهِيَ أَنَّ الْوَارِثَ إِذَا دَلَّ السَّارِقَ عَلَى الْوَدِيعَةِ لَا يَضْمَنُ، وَالْمُودَعُ إِذَا دَلَّ ضَمِنَ خُلَاصَةٌ

کیونکہ وہ ضامن ہوگا۔ پس وہ ودیعت اس کے ترکہ میں دین ہوگی مگر جب یہ معلوم ہو کہ اس کا وارث ودیعت کو جانتا ہے۔ پس کوئی ضمانت نہ ہوگی اگر وارث کہے: میں اسے جانتا ہوں اور طالب اس امر کا انکار کردے۔ اگر وارث اس ودیعت کی تفسیر بیان کردے اور کہے: ودیعت فلاں چیز ہے اور میں اسے جانتا تھا اور وہ ودیعت ہلاک ہوگئی تو اس کی تصدیق کی جائے گی ودیعت کا وارث کے پاس ہونا یا مورث کے پاس ہونا برابر ہے مگر ایک مسئلہ میں برابر نہیں وہ یہ ہے کہ جب وارث چور کو ودیعت کے بارے میں رہنمائی کردے تو وہ ضامن نہیں ہوگا اور مودع جب چور کی رہنمائی کرے تو ضامن ہوگا'' خلاصہ''۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہی ہے کہ یہ اس سے ہی ہے۔ کیونکہ علماء کا قول ہے: جس کے ساتھ وہ ودیعت کا ضامن ہوتا ہے اس کے ساتھ رہن کا ضامن ہوتا ہے جب مجہول چھوڑ کر مر گیا تو اس کا ضامن ہوگا جو زائد ہوا اس نے اس کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ ''رملی''، ملخص۔

28830۔ (قولہ: فَإِنَّهُ يَضْمَنُ) ''مجمع الفتاوی'' میں کہا ہے: مودع، مضارب، مستعیر یا مستبضع اور ہر وہ شخص جس کے قبضہ میں مال امانت ہو جب وہ وضاحت سے قبل مر جائے اور امانت بعینہا معروف نہ ہو تو یہ اس کے ترکہ میں اس کے ذمہ دین ہوگا۔ کیونکہ وہ مجہول رکھنے کی وجہ سے ودیعت کو ہلاک کرنے والا ہوگا جہالت کی حالت میں چھوڑ کر اس کی موت کا مطلب یہ ہے کہ وہ امانت کی حالت کو بیان نہ کرے جس طرح ''الاشباہ'' میں ہے۔

شیخ ''عمر بن نجیم'' سے سوال کیا گیا اس کے بارے میں اگر مریض کہے: میرے پاس دکان میں ایک ورقہ ہے جو فلاں کا ہے اس کے ضمن میں چند دراہم ہیں جن کی مقدار کو میں نہیں جانتا اور وہ مر جاتا ہے اور وہ ورقہ نہیں پایا جاسکتا۔

انہوں نے جواب دیا یہ بھی تجہیل میں سے ہے کیونکہ ''البدائع'' میں ان کا قول ہے وہ یہ ہے کہ وہ بیان سے پہلے مر جائے اور امانت کی ذات معروف نہ ہو۔

بعض فضلاء نے کہا: اس میں تامل ہے پس اس میں غور وفکر کیجئے۔ ملخص

28831۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا عَلِمَ) یعنی جس نے امر کو مجہول رکھا ہے وہ اسے جانتا ہو جب وارث یہ کہے: مورث نے اپنی زندگی میں اسے واپس کر دیا تھا یا وہ ودیعت اس کی زندگی میں ہلاک ہوگئی تھی تو بغیر گواہوں کے اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اگر وہ یہ گواہیاں قائم کردے کہ مودع نے اپنی زندگی میں کہا تھا میں نے اسے واپس کر دیا تھا تو اس کی بات قبول کی جائے گی۔ ''سائحانی''۔

28832۔ (قولہ: عِنْدَهُ) یعنی مودع کے نزدیک۔ اور مالک اس کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے مقصود یہ ہے کہ

إِلَّا إِذَا مَنَعَهُ مِنَ الْأَخْذِ حَالَ الْأَخْذِ (كَمَا فِي سَائِرِ الْأَمَانَاتِ) فَإِنَّهَا تَنْقَلِبُ مَضْمُونَةً بِالْمَوْتِ عَنْ تَجْهِيلٍ كَشَرِيكٍ وَمُفَاوِضٍ (إِلَّا فِي) عَشْرٍ عَلَى مَا

مگر جب چور لینے کے لیے آئے تو اسے روک دے جس طرح تمام امانات میں ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ سب موت کے ساتھ مضمونہ ہو جاتی ہیں جب وہ مجہول چھوڑ کر مر جائے جس طرح شریک ہو اور شریک مفاوض کا مسئلہ ہے جب وہ مر جائے مگر دس میں ایسا نہیں ہو سکتا

وارث مودع کی طرح ہے پس ہلاک ہونے کے بارے میں اس کا قول قبول کیا جائے گا جب وہ اس کی تفسیر بیان کر دے تو وہ وارث مودع کی طرح ہو گا مگر ایک مسئلہ میں اس کے مخالف ہو گا۔

ودیعت کے مالک نے کہا: مودع اسے مجہول چھوڑ کر مر گیا ہے اس کے ورثاء کہتے ہیں اس کی وفات کے دن وہ چیز موجود تھی اور معروف تھی پھر اس کی موت کے بعد وہ چیز ہلاک ہو گئی تو ودیعت کے مالک کی تصدیق کی جائے گی یہی صحیح ہے۔ کیونکہ ظاہر روایت کے مطابق ودیعت اس کے ترکہ میں دین بن چکی ہے پس ورثا کی تصدیق نہ کی جائے گی۔

اگر اس کے ورثا نے کہا: اس نے اپنی زندگی میں ودیعت واپس کر دی تھی یا اس کی زندگی میں وہ تلف ہو گئی تھی تو بغیر گواہیوں کے اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ کیونکہ وہ اسے مجہول چھوڑ کر مر گیا تھا۔ پس ترکہ میں ضمان ثابت ہو جائے گی۔ اگر وہ یہ گواہیاں قائم کر دے کہ مودع نے اپنی زندگی میں کہا تھا میں نے اسے لوٹا دیا تھا تو ان کی گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ کیونکہ جو گواہیوں سے ثابت ہو وہ آنکھوں دیکھی سے ثابت کرنے کی طرح ہے۔ ''جامع الفصولین'' میں ''الذخیرہ'' سے مروی ہے۔

28833۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا الخ) یہ ان کے قول والمودع اذا دل ضمن سے استثنا ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''خلاصہ'' سے نقل کیا ہے مودع ضامن ہو گا جب وہ ودیعت پر چور کی رہنمائی کرے گا جب چور کے لینے کی حالت میں اسے لینے سے نہ روکے اگر وہ اسے روکے تو ضامن نہ ہو گا۔

28834۔ (قولہ: مَنَعَهُ) مودع نے چور کو روکا تو چور نے زبردستی اسے لے لیا۔ ''فصولین''۔

28835۔ (قولہ: سَائِرِ الْأَمَانَاتِ) ان میں سے دین ہے جب مرتہن اسے مجہول حالت میں چھوڑ کر مر گیا تو اس کے ترکہ میں سے دین کی ضمانت لی جائے گی جس طرح ''انقروی'' میں ہے: یعنی زائد کی ضمانت لے گا جس طرح ہم نے پہلے ''رملی'' سے نقل کر دیا ہے۔ اسی طرح وکیل کا معاملہ ہے جب وہ اسے مجہول چھوڑ کر مر گیا جس پر اس نے قبضہ کیا تھا جس طرح اس سے اخذ کیا جا سکتا ہے جو یہاں ہے۔ ''خیری'' کے بعد ''حامدی'' نے اس کا فتویٰ دیا۔ ''بزازیہ'' کے کتاب الاجارہ میں ہے مستاجر ضامن ہو گا جب وہ اسے مجہول چھوڑ کر مر گیا۔ ''سائحانی''۔

28836۔ (قولہ: بِالْمَوْتِ) غرماء کے ہم پلہ ہو گا۔ ''بیری علی الاشباہ''۔

28837۔ (قولہ: وَمُفَاوِضٍ) اور جس طرح مرتہن ہے ''انقروی''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

فِي الْأَشْبَاهِ مِنْهَا (نَاظِرٌ أَوْدَعَ غَلَّاتِ الْوَقْفِ ثُمَّ مَاتَ مُجْهِلًا)

جس طرح ''الاشباہ'' میں ہے۔ ان مسائل میں سے ہے نگران نے وقف کے محاصل کو ودیعت رکھا پھر اس کو مجہول چھوڑ کر مر گیا

28838۔ (قولہ: عَلَى مَا فِي الْأَشْبَاهِ) اس کی عبارت یہ ہے: وصی جب مجہول چھوڑ کر مر گیا تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی جس طرح ''جامع الفصولین'' میں ہے۔ باپ جب اپنے بیٹے کے مال کو مجہول چھوڑ کر مر گیا اور وارث جب اسے مجہول چھوڑ کر مر گیا جو اس کے مورث کے ہاں ودیعت رکھی گئی تھی اور جب وہ اسے مجہول چھوڑ کر مر گیا جسے ہوا نے اس کے گھر میں پھینک دیا تھا یا مالک نے اسے بتائے بغیر اس کے گھر میں چھوڑ دیا تھا۔ جب بچہ اسے مجہول چھوڑ کر مر گیا تھا جسے اس کے ہاں مجور حالت میں ودیعت رکھا تھا، ملخص۔ یہ سات ہیں مصنف نے تین کا ذکر کیا پس یہ کل دس ہوئیں۔

28839۔ (قولہ: أَوْدَعَ) ''الدرر'' کی عبارت قبض ہے جب کہ وہ اولی ہے۔ تامل

وقف کا ماحصل کا موقوف علیہ مالک ہوتا ہے اگر چہ وہ اسے قبول نہ کرے

28840۔ (قولہ: غَلَّاتِ الْوَقْفِ) میں کہتا ہوں: ''الولوالجیہ'' اور ''بزازیہ'' میں مطلقاً واقع ہوا ہے۔ ''قاضی خان'' نے متولی مسجد کی قید لگائی ہے جب وہ مسجد کے محاصل لے اور وضاحت کے بغیر مر جائے۔

میں کہتا ہوں: مگر جب محاصل کسی قوم کے لیے شرط کی وجہ سے لازم ہوں تو مطلقاً ضامن ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے ان سب کا اس پر اتفاق ہے جب گھر دو بھائیوں پر وقف ہو ان میں سے ایک غائب ہو جائے اور دوسرا اس کے محاصل پر نو سال تک قبضہ کیے رکھے پھر حاضر مر جائے اور وصی چھوڑ جائے پھر غائب حاضر ہو اور وصی سے محاصل میں سے اپنے حصہ کا مطالبہ کرے فقیہ ''ابوجعفر'' نے کہا: اگر حاضر جس نے محاصل پر قبضہ کیا وہی قیم ہو مگر دونوں بھائیوں نے سب اجرت پر دیا تو حکم اسی طرح ہوگا۔ اگر حاضر نے وہ گھر اجرت پر دیا تو حکم میں اس کے تمام محاصل اس کے لیے ہوں اور یہ اس کے لیے پاکیزہ نہ ہوگا۔ الخ۔ کلامہ

میں کہتا ہوں: مسجد کے محاصل کے ساتھ اسے بھی لاحق کیا جائے گا جب یہ شرط لگائی ہو کہ آبادی کے لیے کچھ شے نگران کے قبضہ میں رہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ ''بیری علی الاشباہ''۔

حقیر پر تقصیر کہتا ہے: یہ ان کے قول سے مستفاد ہے: وقف کے محاصل اور جو وکیل کے قبضہ میں ہے یہ وقف کا ماحصل نہیں بلکہ شرط کی وجہ سے مستحقین کا مال ہے۔ ''الاشباہ'' میں ملکیت کے حوالے سے یہ کہا: وقف کا ماحصل کا موقوف علیہ مالک ہوتا ہے اگر چہ وہ اسے قبول نہ کرے۔ یہ ''منلا علی'' کے ''مجموعہ'' جو کتاب الوقف کے آخر میں ہے سے ملخص ہے۔ یہ اس وقت نقل کیا جب ان سے متولی کے وکیل کے بارے میں سوال کیا گیا جب وہ مجہول چھوڑ کر مر گیا کیا وہ ضامن ہوگا۔

میں کہتا ہوں: ''البحر'' میں باب دعوی الرجلین میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ محاصل کا دعویٰ یہ ملک کے دعویٰ میں سے ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ مصنف اور شارح کا اطلاق تقیید کے محل میں ہے۔ ''انفع المسائل'' کی آنے والی عبارت اس کا فائدہ دیتی ہے۔ پس اس پر

فَلَا يَضْمَنُ، قُيِّدَ بِالْغَلَّةِ لِأَنَّ النَّاظِرَ لَوْ مَاتَ مُجْهِلًا لِمَالِ الْبَدَلِ ضَمِنَهُ أَشْبَاهٌ أَيْ لِثَمَنِ الْأَرْضِ الْمُسْتَبْدَلَةِ قُلْت فَلِعَيْنِ الْوَقْفِ بِالْأَوْلَى كَالدَّرَاهِمِ الْمَوْقُوفَةِ عَلَى الْقَوْلِ بِجَوَازِهِ قَالَهُ الْمُصَنِّفُ وَأَقَرَّهُ ابْنُهُ فِي الزَّوَاهِرِ وَقُيِّدَ مَوْتُهُ بَحْثًا بِالْفَجْأَةِ فَلَوْ بِمَرَضٍ وَنَحْوِهِ ضَمِنَ لِتَمَكُّنِهِ مِنْ بَيَانِهَا فَكَانَ مَانِعًا لَهَا ظُلْمًا فَيَضْمَنُ وَرَدَّ مَا بَحَثَهُ فِي أَنْفَعِ الْوَسَائِلِ فَتَنَبَّهْ (وَ) مِنْهَا (قَاضٍ مَاتَ مُجْهِلًا لِأَمْوَالِ الْيَتَامَى) زَادَ فِي الْأَشْبَاهِ عِنْدَ مَنْ أَوْدَعَهَا، وَلَا بُدَّ مِنْهُ لِأَنَّهُ لَوْ وَضَعَهَا فِي بَيْتِهِ، وَمَاتَ مُجْهِلًا

تو وہ ضامن نہیں ہوگا یہاں غلہ (محاصل) کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر نگران اگر بدل کے مال کو مجہول چھوڑ کر مر گیا تو اس کا ضامن ہوگا''اشباہ''۔ بدل سے مراد اس زمین کی ثمن ہے جسے بدلا گیا۔ میں کہتا ہوں: تو وقف کے عین کو مجہول چھوڑ کر مر گیا تو بدرجہ اولیٰ ضامن ہوگا جس طرح ایسے دراہم جن کو وقف کیا گیا تھا یہ اس کے قول کے مطابق ہے جو اس کے جواز کا قول کرتا ہے یہ مصنف نے قول کیا ہے اور ان کے بیٹے نے''الزوائد'' میں اسے ثابت کیا ہے اور بحث کرتے ہوئے موت کو اچانک وقوع کے ساتھ قید لگائی ہے اگر موت مرض وغیرہ سے ہو تو ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس کا بیان کرنا ممکن ہے۔ پس وہ ظلماً اس سے مانع ہوگا پس وہ ضامن ہوگا۔''انفع المسائل'' میں جو بحث کی ہے اسے رد کیا ہے پس اس پر متنبہ ہو جایئے۔ اور ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے ایک قاضی یتیموں کے اموال کو مجہول چھوڑ کر مر گیا''الاشباہ''۔ میں یہ اضافہ کیا ہے جس کے پاس اس نے ودیعت رکھی اس کا ذکر نہ کیا اور اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو۔ کیونکہ اگر اس نے اسے اپنے گھر میں رکھا اور مر گیا جب کہ مجہول چھوڑ گیا

متنبہ ہو جایئے۔

28841۔(قولہ: الْمُصَنِّفُ) یعنی''المنح'' میں مصنف کا یہ قول ہے۔

28842۔(قولہ: ابْنُهُ) اس سے مراد مصنف کے بیٹے شیخ''صالح'' ہیں۔

28843۔(قولہ: بِالْفَجْأَةِ) کیونکہ وہ وضاحت بیان پر قادر نہ تھا پس وہ ظلم کرتے ہوئے روکنے والا نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ مسلم ہے اگر وہ قبضہ کرنے کے بعد اچانک مر گیا۔ تامل

28844۔(قولہ: فِي أَنْفَعِ الْوَسَائِلِ) یعنی اگر مستحقین کی طلب واقع ہوئی اور اس نے تاخیر کی یہاں تک کہ مجہول چھوڑ کر مر گیا تو ضامن ہوگا اگر وہ طلب نہ کریں: تو امانت کے بارے میں محمود و معروف یہ ہے کہ وہ ضامن نہ ہوگا اگر ایسا نہ ہوا اور وہ مانع شرعی کے بغیر انہیں عطا نہ کرے تو ضامن ہوگا۔ رد کا حاصل یہ ہے کہ یہ قول اس کے مخالف ہے جس پر اہل مذہب ہیں کہ ضمان مطلقاً لازم ہوگی وہ محمود ہو یا نہ ہو۔''الاسماعیلیہ'' میں فتویٰ دیا ہے کہ ناظر ضامن ہوگا جب وہ اس وقت مر جائے جب مستحق نے استحقاق طلب کیا اور ظلم کرتے ہوئے روک لیا اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ منع کرنے کی صورت میں امانت کی ضمانت ہوتی ہے۔

28845۔(قولہ: وَ مِنْهَا قَاضٍ) اگر قاضی نے اپنی زندگی میں کہا: میرے پاس یتیم کا مال ضائع ہو گیا: یا کہا میں نے اسے یتیم پر خرچ کر دیا تو اس پر کوئی ضمان نہیں ہوگی۔ اگر کوئی قول کرنے سے پہلے مر گیا تو وہ ضامن ہوگا''خانیہ'' کتاب

ضَمِنَ لأنَّهُ مُودَعٌ، بِخِلَافِ مَا لَوْ أَوْدَعَ غَيْرَهُ لأنَّ لِلْقَاضِي وِلَايَةَ إيدَاعِ مَالِ الْيَتِيمِ عَلَى الْمُعْتَمَدِ كَمَا فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ فَلْيُحْفَظْ (وَ) مِنْهَا (سُلْطَانٌ أَوْدَعَ بَعْضَ الْغَنِيمَةِ عِنْدَ غَازٍ ثُمَّ مَاتَ مُجْهِلًا) وَلَيْسَ مِنْهَا مَسْأَلَةُ أَحَدِ الْمُتَفَاوِضَيْنِ عَلَى الْمُعْتَمَدِ لِمَا نَقَلَهُ الْمُصَنِّفُ هُنَا، وَفِي الشَّرِكَةِ عَنْ وَقْفِ الْخَانِيَّةِ أَنَّ الصَّوَابَ أَنَّهُ يَضْمَنُ نَصِيبَ شَرِيكِهِ بِمَوْتِهِ مُجْهِلًا وَخِلَافُهُ غَلَطٌ قُلْت وَأَقَرَّهُ مُحَشُّوهَا فَبَقِيَ الْمُسْتَثْنَى تِسْعَةً فَلْيُحْفَظْ وَزَادَ الشُّرُنْبُلَالِيُّ فِي شَرْحِهِ لِلْوَهْبَانِيَّةِ عَلَى الْعَشَرَةِ تِسْعَةَ الْجَدُّ وَوَصِيُّهُ وَوَصِيُّ الْقَاضِي، وَسِتَّةٌ مِنْ الْمَحْجُورِينَ،

تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ وہ مودع ہے بخلاف اس کے کہ اس نے غیر کے ہاں ودیعت رکھی۔ کیونکہ قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ یتیم کا مال کسی کے ہاں ودیعت رکھے یہ قابل اعتماد قول ہے جس طرح ''تنویر البصائر'' میں ہے۔ پس اسے یاد رکھنا چاہیے۔ اور ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے سلطان نے کچھ غنیمت غازی کے پاس رکھی پھر مجہول چھوڑ کر وہ مر گیا قابل اعتماد قول کے مطابق متفاوضین میں سے ایک کا مسئلہ ان میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ مصنف نے اسے یہاں اور کتاب الشرکہ میں ''الخانیہ'' کے کتاب الوقف سے نقل کیا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ وہ اپنے شریک کے حصہ کا ضامن ہوتا ہے جب وہ مجہول چھوڑ کر مر جائے اس کے برعکس غلط ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کا حاشیہ لکھنے والوں نے اسے ثابت رکھا ہے پس مستثنیٰ نو رہ گئے پس اسے یاد رکھا جائے ''شرنبلالی'' نے ''وہبانیہ'' کی اپنی شرح میں دس پر نو کا اضافہ کیا ہے۔ دادا، اس کا وصی، قاضی کا وصی اور چھ محجوروں میں سے

الوقف میں ہے۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28846۔ (قولہ: ضَمِنَ) شاید ضمان کی وجہ یہ ہے کہ ودیعت وارثوں تک تجاوز نہ کرے۔ پس چٹی منفعت کے بدلے میں ہوتی ہے اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ وصی جب یتیم کا مال اپنے گھر میں رکھے اور مجہول چھوڑ کر مر جائے تو ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس کی ولایت کبھی قاضی سے مدد طلب کرتی ہے یا باپ سے مدد طلب کرتی ہے تو اس کی ضمان بدرجہ اولیٰ مدد طلب کرے گی۔ ''خیریہ'' میں ہے وصی میں ضمان کا قول ہے۔ ''سائحانی''۔

28847۔ (قولہ: أَقَرَّهُ) ہ ضمیر سے مراد صواب ہے۔ یعنی اس کے صحیح ہونے کو ثابت رکھا ہے۔

28848۔ (قولہ: مُحَشُّوهَا) ضمیر سے مراد ''الاشباہ'' ہے۔

28849۔ (قولہ: تِسْعَةً) مفاوضین میں سے ایک کو خارج کرنے کے ساتھ۔

28850۔ (قولہ: وَوَصِيُّهُ) ''الاشباہ'' کے قول میں وصی داخل ہے۔ مگر یہ کہا جائے کہ یہ باپ کے وصی پر محمول ہوگا تا کہ ایضاح کے لیے قصد تفصیل کا بیان ہو۔ تامل

28851۔ (قولہ: وَسِتَّةٌ مِنْ الْمَحْجُورِينَ) وہ صغیر کے علاوہ ہیں صغیر کو ساقط کر دیا ہے کیونکہ وہ ''الاشباہ'' میں مذکور ہے مراد یہ ہے جو ''الاشباہ'' پر زائد ہے۔ فافہم

لِأَنَّ الْحَجْرَ يَشْمَلُ سَبْعَةً فَإِنَّهُ لِصِغَرٍ وَرِقٍّ وَجُنُونٍ وَغَفْلَةٍ وَدَيْنٍ وَسَفَهٍ وَعَتَهٍ وَالْمَعْتُوهُ كَصَبِيٍّ وَإِنْ بَلَغَ ثُمَّ مَاتَ لَا يَضْمَنُ إِلَّا أَنْ يَشْهَدُوا أَنَّهَا كَانَتْ فِي يَدِهِ بَعْدَ بُلُوغِهِ لِزَوَالِ الْمَانِعِ، وَهُوَ الصِّبَا فَإِنْ كَانَ الصَّبِيُّ وَالْمَعْتُوهُ مَأْذُونًا لَهُمَا ثُمَّ مَاتَا قَبْلَ الْبُلُوغِ وَالْإِفَاقَةِ ضَمِنَا كَذَا فِي شَرْحِ الْجَامِعِ الْوَجِيزِ قَالَ فَبَلَغَ تِسْعَةَ عَشَرَ وَنَظَمَ عَاطِفًا عَلَى بَيْتَيِ الْوَهْبَانِيَّةِ بَيْتَيْنِ وَهِيَ

وَكُلُّ أَمِينٍ مَاتَ وَالْعَيْنَ يَحْصُرُ ... وَمَا وُجِدَتْ عَيْنًا فَدَيْنًا تُصَيَّرُ

سِوَى مُتَوَلِّي الْوَقْفِ ثُمَّ مُفَاوِضٍ ... وَمُودِعِ مَالِ الْغُنْمِ وَهُوَ الْمُؤَمَّرُ

کیونکہ حجر سات کو شامل ہوتا ہے۔ کیونکہ حجر صغر، غلامی، جنون، غفلت، دین سفہ اور عتہ سے واقع ہوتا ہے اور معتوہ بچے کی طرح ہے۔ اگر وہ بالغ ہو جائے پھر وہ مرجائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا مگر وہ گواہی دیں کہ وہ امانت، بالغ ہونے کے بعد، اس کے قبضہ میں تھی۔ کیونکہ مانع زائل ہو چکا ہے جو بچپنہ ہے۔ اگر بچے اور معتوہ کو اجازت دی گئی تھی پھر دونوں بلوغ اور افاقہ سے پہلے مر گئے، ضمنا ''شرح جامع وجیز'' میں اسی طرح ہے کہا: اور وہ انیس کو پہنچ گئے اور ''وہبانیہ'' کے دو شعروں پر عطف کرتے ہوئے دو شعروں کو نظم کیا ہے وہ یہ ہیں: ہر امین جو مر گیا اور عین کا نگہبان تھا اور جو عین پایا گیا تو وہ دین ہو جاتا ہے سوائے وقف کے متولی پھر مفاوض، مال غنیمت کے مودع اور اس سے مراد امیر لشکر ہے

28852۔ (قولہ: يَشْمَلُ سَبْعَةً) تا کہ اس میں غور کیا جائے جو سات سے خارج ہے یہاں تک کہ وہ چھ رہ جائیں۔

28853۔ (قولہ: فَإِنَّهُ لِصِغَرٍ) صغیر کا مسئلہ ان دس مسائل میں سے ہے جن کا ذکر ''الاشباہ'' میں ہے مگر یہ کہا جائے: یہاں اس کا شمار اس قول: وان بلغ ثم مات لا یضمن کا اعتبار کرتے ہوئے کیا ہے، تامل۔ پھر میرے لیے یہ امر ظاہر ہوا کہ اس سے مراد محض مجوروں کو سات شمار کرنا ہے اور ان میں سے چھ صغیر کے علاوہ ہیں۔ کیونکہ وہ ''الاشباہ'' میں مذکور ہے۔ اسی وجہ سے کہا: مجوروں میں سے چھ۔

28854۔ (قولہ: وَدَيْنٍ) دین یہ دال کے فتحہ اور یا کے سکون کے ساتھ ہے۔

28855۔ (قولہ: كَصَبِيٍّ) شاید اس تشبیہ سے اس امر کی طرف اشارہ کرنے کا قصد کیا ہے جو ''الوجیز'' سے آئے گا۔ تامل ''تلخیص الجامع'' میں کہا: ایک ایسے مجور بچے کو ودیعت دی جو سمجھ بوجھ رکھتا ہے جو بارہ سال کا ہے اور بالغ ہونے سے پہلے مر گیا جب کہ اسے مجہول چھوڑ گیا تو ضمان واجب نہ ہوگی۔ ''س''۔

28856۔ (قولہ: وَإِنْ بَلَغَ) ضمیر سے مراد بچہ ہے۔

28857۔ (قولہ: يَحْصُرُ) یعنی وہ حفاظت کرتا ہے اس کا مفعول العین ہے جو اس سے ماقبل ہے۔

28858۔ (قولہ: تُصَيَّرُ) یہ مجہول کا صیغہ ہے۔

28859۔ (قولہ: مُفَاوِضٍ) یہ معتمد کے خلاف ہے جس طرح پہلے بیان کیا ہے۔

28860۔ (قولہ: وَمُودِعِ) یہ دال کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ المؤمر یہ دوسری میم کی شد کے ساتھ ہے۔

وَصَاحِبِ دَارٍ أَلْقَتِ الرِّيحُ مِثْلَ مَا　　لَوْ الْقَاهُ مُلَّاكٌ بِهَا لَيْسَ يَشْعُرُ
كَذَا وَالِدٌ جَدٌّ وَقَاضٍ وَصِيُّهُمْ　　جَمِيعًا وَمَحْجُورٌ فَوَارِثٌ يُسْطَرُ
(وَكَذَا لَوْ خَلَطَهَا الْمُودَعُ) بِجِنْسِهَا أَوْ بِغَيْرِهِ (بِمَالِهِ) أَوْ مَالٍ آخَرَ ابْنُ كَمَالٍ (بِغَيْرِ إِذْنِ) الْمَالِكِ

اور گھر کا مالک، ہوا نے اس کی مثل کوئی چیز پھینک دی۔ اگر اس کے مالک اس کے گھر میں رکھ دیں جس کا وہ شعور نہ رکھتا ہو۔ اسی طرح والد، دادا، قاضی، ان سب کا وصی اور مجور اور اس کے بعد وارث مرقوم ہے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر مودع اس ودیعت کو اس کی جنس یا غیر جنس کی صورت میں اپنے مال سے ملا دے، ''ابن کمال''۔ جب کہ مالک کی اجازت نہ ہو اور اس طرح ملا دے کہ

28861۔(قولہ: لَوْ الْقَاهُ) یہ واؤ کے فتحہ اور لام کے ساتھ وصل کے ساتھ ہے۔

28862۔(قولہ: بِهَا) ضمیر سے مراد الدار ہے۔

28863۔(قولہ: یَشْعُرُ) اس میں صاحب ''الاشباہ'' کی پیروی کی ہے۔ کیونکہ کہا: بغیر علمہ۔ ''حموی'' نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ صحیح بغیر امرہ ہے جس طرح ''شرح الجامع'' میں ہے۔ کیونکہ جس کا علم نہ رکھتا ہو اس کو مجہول رکھنا محال ہے پس اس پر لازم تھا کہ وہ اشعار میں کہتا لیس یامر۔

28864۔(قولہ: کَذَا وَالِدٌ) یہ لفظ رفع اور تنوین کے ساتھ ہے جیسے جد۔

28865۔(قولہ: وَقَاضٍ) یہ لفظ یا اور تنوین کے حذف کے ساتھ ہے۔

28866۔(قولہ: وَصِیُّهُمْ) یہ رفع کے ساتھ ہے۔

28867۔(قولہ: وَمَحْجُورٌ) اگر مجور سے مراد وہ چھ ہیں جس طرح پہلے ذکر کیا ہے تو پھر نظم میں موجود مجور سترہ ہوں گے۔ تامل

28868۔(قولہ: فَوَارِثٌ) جب وہ اسے مجہول چھوڑ کر مر جائے جس ودیعت کے بارے میں مورث نے اسے بتایا تھا۔

متولی، قاضی، وصی اور ایجنٹ ودیعت کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا دے تو ضامن نہیں ہوگا

28869۔(قولہ: وَكَذَا لَوْ خَلَطَهَا) اگر متولی نے اپنے مال کو وقف کے مال کے ساتھ خلط ملط کر دیا تو ضامن نہیں ہوگا۔ ''خلاصہ'' میں ہے: ضامن ہوگا۔ ضمان سے نکلنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے مسجد کی ضروریات پر صرف کر دیا جائے یا وہ مال حاکم کے حوالے کر دیا جائے۔ ''منتقی''۔

قاضی نے اگر بچے کا مال اپنے مال کے ساتھ ملایا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اسی طرح ایجنٹ ایک آدمی کے مال کو دوسرے آدمی کے مال کے ساتھ ملا دیتا ہے۔ اگر وہ اپنے مال کے ساتھ ملائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا چاہیے کہ متولی اسی طرح ہو اور وصی جب اسے مجہول چھوڑ کر مر جائے تو ضامن نہیں ہوگا اگر وہ اپنے مال کے ساتھ ملا دے تو ضامن ہوگا۔

(بِحَيْثُ لَا تَتَمَيَّزُ إِلَّا بِكُلْفَةٍ كَحِنْطَةٍ بِشَعِيرٍ وَدَرَاهِمَ جِيَادٍ بِزُيُوفٍ مُجْتَبَى (ضَمِنَهَا) لِاسْتِهْلَاكِهِ بِالْخَلْطِ لَكِنْ لَا يُبَاحُ تَنَاوُلُهَا قَبْلَ أَدَاءِ الضَّمَانِ، وَصَحَّ الْإِبْرَاءُ وَلَوْ خَلَطَهُ بِرَدِيءٍ ضَمِنَهُ لِأَنَّهُ عَيَّبَهُ وَبِعَكْسِهِ شَرِيكٌ

وہ الگ نہ ہو سکے مگر مشقت کے ساتھ الگ ہو جیسے گندم کو جو سے ملا دے عمدہ دراہم کو زیوف کے ساتھ ملا دے، ''مجتبیٰ''۔ تو اس ودیعت کا وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ ملانے کے ساتھ اس نے جان بوجھ کر ہلاک کیا ہے لیکن ضمان ادا کرنے سے قبل اس کا لینا مباح نہیں اور بری کرنا صحیح ہوگا اگر اسے ردی کے ساتھ ملا دے تو ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے اسے عیب ناک کر دیا ہے اس کے برعکس وہ اس کا شریک ہو جائے گا

یہ بندہ حقیر کہتا ہے: ''منتقی'' سے بھی منقول گزر چکا ہے۔ اگر وصی اگر اپنے مال کو یتیم کے مال کے ساتھ خلط ملط کر دیتا ہے تو ضامن نہ ہوگا۔

''الوجیز'' میں بھی ہے: امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جب وصی یتیم کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا دیتا ہے اور وہ مال ضائع ہو جاتا ہے تو ضامن نہ ہوگا۔ ''نور العین'' یا چھبیسویں کے آخر میں یہ ''سائحانی'' کی تحریر ہے جو ''خیریہ'' سے منقول ہے۔ وصی میں ضمان کا قول ہے میں کہتا ہوں: پس اس نے یہ فائدہ دیا کہ جس کو ترجیح دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ضمان نہ ہوگی۔

حاصل کلام یہ ہے: جو اپنے مال کے ساتھ خلط ملط کرنے سے ضامن نہیں ہوتا وہ متولی، قاضی اور ایجنٹ ہے جو دوسرے آدمی کے مال کے ساتھ ملا دیتا ہے اور وصی ہے چاہیے کہ باپ بھی اسی طرح ہو۔ ''جامع الفصولین'' میں جو قول ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے باپ اپنے بیٹے کا مال لے لے تو وہ غاصب نہیں ہوتا اسے بغیر شے کے بدلے میں بیٹے کا مال لینے کا حق ہے اگر وہ محتاج ہو مگر جب وہ اس مال کو حفاظت کے ارادہ سے لیتا ہے تو وہ ضامن نہیں ہوتا مگر جب وہ ضرورت کے بغیر اسے تلف کر دے بلکہ یہ وصی سے زیادہ ولایت رکھتا ہے۔ تامل

ولدہ سے مراد ولد صغیر ہے جس طرح ''الفصول العمادیہ'' میں یہ قید لگائی ہے۔

28870۔ (قولہ: لَا تَتَمَيَّزُ) اگر آسانی سے اس تک رسائی حاصل کرنا ممکن ہو جس طرح بادام کو اخروٹوں سے ملا دیا جائے اور سیاہ درہم کو سفید درہم کے ساتھ ملا دیا جائے تو بالا جماع مالک کا حق منقطع نہیں ہوتا۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ عدم تمیز سے مراد آسانی سے تمیز نہ کر سکنا ہے نہ کہ مطلقاً ممکن نہ ہونا ہے۔ ''بحر''۔

28871۔ (قولہ: لِاسْتِهْلَاكِهِ) جب وہ اس کی ضمان دے دے گا تو اس ودیعت کا مالک ہو جائے گا اور ضمان کی ادائیگی سے قبل اس کے لیے مباح نہیں۔ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مالک کا اس پر کوئی اختیار نہیں۔ اگر وہ اس کو بری کر دے تو عین اور دین سے اس کا حق ساقط ہو جائے گا۔ ''بحر''۔

28872۔ (قولہ: خَلَطَهُ) جید کو ملا دیا۔

28873۔ (قولہ: شَرِيكٌ) اس کی مثل مصنف نے ''المجتبیٰ'' سے نقل کیا ہے۔ شاید یہ غیر ودیعت میں ہو یا یہ سابقہ قول

لِعَدَمِهِ مُجْتَبَی (وَإِنْ بِإِذْنِهِ اشْتَرَكَا) شَرِكَةَ أَمْلَاكٍ (كَمَا لَوْ اخْتَلَطَتْ بِغَيْرِ صُنْعِهِ) كَأَنْ انْشَقَّ الْكِيسُ لِعَدَمِ التَّعَدِّي وَلَوْ خَلَطَهَا غَيْرُ الْمُودَعِ ضَمِنَ الْخَالِطُ وَلَوْ صَغِيرًا، وَلَا يَضْمَنُ أَبُوهُ خُلَاصَةٌ (وَلَوْ أَنْفَقَ بَعْضَهَا فَرَدَّ مِثْلَهُ فَخَلَطَهُ بِالْبَاقِي) خَلْطًا لَا يَتَمَيَّزُ مَعَهُ (ضَمِنَ) الْكُلَّ لِخَلْطِ مَالِهِ بِهَا فَلَوْ تَأَتَّى التَّمْيِيزُ أَوْ أَنْفَقَ، وَلَمْ يَرُدَّ أَوْ أُودِعَ وَدِيعَتَيْنِ

کیونکہ عیب دور کرنا نہیں پایا گیا، "مجتبیٰ"۔ اگر مالک کی اجازت سے اس نے ملایا ہو تو دونوں شرکت املاک کی صورت میں شریک ہوں گے جس طرح اگر وہ ودیعت مودع کے عمل کے بغیر مل جائے اس کی صورت یہ ہوگی کہ تھیلا پھٹ جائے یہاں ضمانت اس لیے نہیں ہوگی۔ کیونکہ تعدی نہیں پائی گئی اگر غیر مودع نے اسے خلط ملط کر دیا تو ملانے والا ضامن ہوگا اگر چہ وہ چھوٹا ہو اور اس کا باپ ضامن نہ ہوگا، "خلاصہ"۔ اگر اس نے ودیعت کا بعض خرچ کر دیا اور پھر اس کی مثل واپس لوٹا دیا اور باقی ماندہ کے ساتھ اسے ایسا خلط ملط کر دیا کہ اس کے ساتھ تمیز نہ ہو سکتی ہو تو سب کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے اپنا مال اس ودیعت کے ساتھ ملا دیا ہے اگر تمیز ہو سکتی ہو یا اس نے مال خرچ کیا اور مال واپس نہ لوٹایا یا اس کے پاس دو ودیعتیں رکھی گئیں

کے مقابل ہے کہ ودیعت میں خلط ملط کرنا یہ مطلقاً ضمان کو واجب کرتا ہے جب اس میں تمیز نہ ہو سکے۔ "ط"۔

28874۔ (قولہ: لِعَدَمِهِ) یعنی اس میں عیب نہیں تعیب یہ عیبہ کا مفہوم ہے۔

28875۔ (قولہ: بِغَيْرِ صُنْعِهِ) اگر وہ ہلاک ہو تو دونوں کے مال سے ہلاک ہوگا اور باقی ماندہ کو ان کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا۔ اسی حساب سے جس قدر ان دونوں کا مال تھا جس طرح مال مشترک ہے۔ "بحر"۔

28876۔ (قولہ: غَيْرُ الْمُودَعِ) خواہ وہ اجنبی ہو یا اس کے عیال میں سے ہو۔ "بحر" میں "خلاصہ" سے مروی ہے۔

28877۔ (قولہ: فَرَدَّ مِثْلَهُ) "ابن سماعہ" نے امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ سے ایسے آدمی کے بارے میں روایت نقل کی ہے جس نے دوسرے آدمی کو ہزار درہم ودیعت کیے اس آدمی نے اس کے ساتھ کوئی چیز خریدی اور وہ دراہم دے دیے پھر ہبہ یا شرا کے ساتھ انہیں واپس لے لیا اور انہیں ان کی جگہ واپس کر دیا تو وہ ضائع ہو گئے تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ امام "محمد" رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: یا ودیعت کے مالک کے کہنے پر اس نے وہ پیسے غریم کو دے دیے تو اس غریم نے انہیں زیوف پایا اس نے وہ دراہم مودع کو واپس کر دیے تو وہ ہلاک ہو گئے تو مودع ضامن ہوگا۔ "تاتر خانیہ"۔

28878۔ (قولہ: الْكُلَّ) بعض خرچ کرنے اور بعض خلط ملط کرنے کے ساتھ۔ "س"۔ "بحر"۔

28879۔ (قولہ: التَّمْيِيزُ) جس طرح سیاہ دراہم کو سفید دراہم کے ساتھ ملا دیتا ہے یا دراہم کو دنانیر کے ساتھ ملا دیتا ہے تو بالاجماع مالک کا حق منقطع نہیں ہوتا "مسکین"، "س"۔

28880۔ (قولہ: وَلَمْ يَرُدَّ) یہ لفظ دال کی تشدید کے ساتھ ہے۔

28881۔ (قولہ: أَوْ أُودِعَ) یہ ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہے۔

فَأَنْفَقَ إِحْدَاهُمَا ضَمِنَ مَا أَنْفَقَ فَقَطْ مُجْتَبَى وَهَذَا إِذَا لَمْ يَضُرَّهُ التَّبْعِيضُ (وَإِذَا تَعَدَّى عَلَيْهَا فَلَبِسَ ثَوْبَهَا أَوْ رَكِبَ دَابَّتَهَا أَوْ أَخَذَ بَعْضَهَا ثُمَّ) رَدَّ عَيْنَهُ إِلَى يَدِهِ حَتَّى (زَالَ التَّعَدِّى زَالَ) مَا يُؤَدِّى إِلَى (الضَّمَانِ) إِذَا لَمْ يَكُنْ مِنْ نِيَّتِهِ الْعَوْدُ إِلَيْهِ أَشْبَاهٌ مِنْ شُرُوطِ النِّيَّةِ (بِخِلَافِ الْمُسْتَعِيرِ وَالْمُسْتَأْجِرِ فَلَوْ أَزَالَاهُ لَمْ يَبْرَأْ لِعَمَلِهِمَا لِأَنْفُسِهِمَا بِخِلَافِ مُودَعٍ

تو ان دونوں میں سے ایک نے خرچ کر دیا تو صرف اس کا ضامن ہوگا جو اس نے خرچ کیا ہے، ''مجتبیٰ''۔ یہ اس صورت میں ہے جب تقسیم نقصان نہ دے۔ جب وہ اس ودیعت پر تعدی کرے اور ودیعت کا کپڑا زیب تن کر لے یا اس کی سواری پر سوار ہو جائے یا اس کے بعض کو لے لے پھر اس کے عین کو اپنے قبضہ کی طرف لوٹا دے یہاں تک کہ تعدی زائل ہو جائے تو وہ بھی زائل ہو گئی جو ضمان کی طرف لے جاتی ہے جب اس کی نیت میں اس امر کی طرف لوٹنا نہ ہو۔ ''اشباہ'' کے شروط النیۃ میں یہ ہے۔ مستعیر اور مستاجر کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر وہ دونوں اسے زائل کر دیں تو بری نہ ہوں گے۔ کیونکہ دونوں نے اپنی ذات کے لیے عمل کیا۔ بخلاف مودع

28882۔ (قولہ: وَهَذَا) یہ ان کے قول او انفق ولم یرد کے ساتھ مرتبط ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ ''طحطاوی'' نے کہا: میں نے اس بارے میں کوئی قول نہیں دیکھا جب وہ یہ عمل اس میں کرے جس میں تقسیم اس کو نقصان پہنچاتی ہو تو کہا: وہ سب مال کا ضامن ہوگا یا جو مال اس نے لیا ہے اس کا ضامن ہوگا اور ماقی کے نقصان کا ضامن ہوگا۔ فیحرر

28883۔ (قولہ: التَّبْعِيضُ) جیسے الدراہم، دنانیر، مکیل اور موزون۔

28884۔ (قولہ: أَشْبَاهٌ) اس کی عبارت ہے: مودع جب تعدی کرے پھر تعدی زائل ہو جائے اور اس کی نیت یہ ہو کہ وہ دوبارہ ایسا کرے تو تعدی زائل نہ ہوگی الخ۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28885۔ (قولہ: مِنْ شُرُوطِ النِّيَّةِ) یہاں ''البحر'' میں ''الظہیریہ'' سے نقل کیا ہے کہا: یہاں تک کہ اگر وہ ودیعت کا کپڑا رات کو اتار لے اور اس کا عزم یہ ہو کہ وہ دن کے وقت پہن لے گا پھر اس کا وہ کپڑا رات کے وقت چوری کر لیا گیا تو وہ ضمان سے بری نہیں ہوگا۔

28886۔ (قولہ: وَالْمُسْتَأْجِرِ) چوپائے کے مستاجر یا اسے عاریۃ لینے والے نے یہ نیت کی کہ وہ اسے واپس نہیں کرے گا پھر وہ شرمندہ ہوا اگر نیت کے وقت چل رہا تھا تو ضامن ہوگا اگر نیت کے بعد وہ چیز ہلاک ہو گئی مگر جب وہ رکا ہوا ہو جب اس نے مخالفت کی نیت کو ترک کر دیا تو رہن کی حیثیت سے لوٹے گا۔ ''جامع الفصولین''۔

28887۔ (قولہ: فَلَوْ أَزَالَاهُ) اگر وہ تعدی کو زائل کر دیں۔

28888۔ (قولہ: بِخِلَافِ مُودَعٍ الخ) اگر وہ ایک ماہ تک حفاظت پر مامور تھا تو ایک ماہ گزر گیا پھر اسے کام میں لایا پھر اس کے استعمال کو ترک کر دیا اور وہ حفاظت کی طرف لوٹ آیا تو جب لوٹے گا تو ضامن ہوگا جب کہ حفاظت کا امر زائل ہو

وَوَكِيلِ بَيْعٍ أَوْ حِفْظٍ أَوْ إِجَارَةٍ أَوْ اسْتِئْجَارٍ وَمُضَارِبٍ وَمُسْتَبْضِعٍ وَشَرِيكِ عِنَانٍ أَوْ مُفَاوَضَةٍ وَمُسْتَعِيرٍ لِرَهْنٍ أَشْبَاهٌ وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْأَمِينَ إِذَا تَعَدَّى ثُمَّ أَزَالَهُ لَا يَزُولُ الضَّمَانُ إِلَّا فِي هَذِهِ الْعَشَرَةِ لِأَنَّ يَدَهُ

اور بیع، حفظ، اجارہ یا استجارہ کے وکیل کے، مضارب، مستبضع، عنان یا مفاوضہ کے شریک کے اور جس نے گروی رکھنے کے لیے کوئی چیز رہن رکھی، ''اشباہ''۔ حاصل یہ ہے کہ بے شک امین جب تعدی کرے پھر اسے زائل کر دے تو ضمان زائل نہیں ہوگی مگر ان دس صورتوں میں ضمان زائل ہو جائے گی۔ کیونکہ اس کا قبضہ

چکا ہے۔ ''جامع الفصولین''۔

28889۔ (قولہ: وَوَكِيلِ) جس کی بیع کا اسے وکیل بنایا اس سے کام لیا پھر چھوڑ دیا وہ چیز ضائع ہوگئی تو ضامن نہ ہوگا۔

28890۔ (قولہ: أَوْ إِجَارَةٍ) اس کی صورت یہ ہے کہ اس نے اسے وکیل بنایا کہ وہ اجرت پر دے یا اس کے لیے جانور اجرت پر لے وہ اس پر سوار ہوا پھر اس کو ترک کیا۔

جب ملک کا شریک تعدی کرے پھر وہ تعدی کو زائل کر دے تو ضمان زائل نہیں ہوگی

28891۔ (قولہ: أَوْ مُفَاوَضَةٍ) جہاں تک ملک کا شریک ہے جب وہ تعدی کرتا ہے پھر وہ تعدی کو زائل کر دیتا ہے تو ضمان زائل نہیں ہوتی جس طرح یہ ظاہر ہے۔ کیونکہ یہ ثابت ہے کہ وہ اپنے ساتھی کے حصہ میں اجنبی ہے۔ اگر اس نے شرکت کے دابہ کو عاریۃ دیا پس اس نے تعدی کی پھر اس تعدی کو زائل کر دیا تو ضمان زائل نہ ہوگی۔ اگر حفاظت کے طریقہ پر اس کی باری میں ہو تو اس نے تعدی کی پھر اس کو زائل کر دیا تو ضمان زائل ہو جائے گی یہ واقعۃ الفتویٰ ہے۔

مجھ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو میں نے وہی جواب دیا جس کا میں نے ذکر کیا ہے اگر چہ علما کی کلام میں میں نے نہیں دیکھا کیونکہ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس سے یہ معلوم ہے کیونکہ وہ اس حالت میں مودع ہے۔ جہاں تک شریک کی اجازت کے بغیر اس کے استعمال کا تعلق ہے تو یہ ایسا مسئلہ ہے جو علماء کے نزدیک مشہور ہے ثابت ہے اس پر ضمانت ہے اور وہ غاصب ہوگا۔ ''رملی علی المنح''۔

28892۔ (قولہ: وَمُسْتَعِيرٍ لِرَهْنٍ) یعنی جب اس نے ایک غلام عاریۃ لیا تا کہ اسے رہن کے طور پر رکھے یا چوپایہ عاریۃ لیا تا کہ اسے دین کے طور پر رکھے یا چوپایہ عاریۃ لیا اس نے غلام سے خدمت لی یا چوپائے پر سوار ہوا قبل اس کے کہ اس نے اسے دین کے طور پر رکھا پھر اسے مال کے بدلے قیمت کی مثل سے رہن کے طور پر رکھا پھر اس نے مال دے دیا اور رہن پر قبضہ نہ کیا یہاں تک کہ مرتہن کے پاس وہ چیز ہلاک ہوگئی تو راہن پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ کیونکہ جب اس نے رہن کے طور پر رکھ دیا تو ضمان سے بری ہو گیا۔ ''منح''۔

یہ مسئلہ ان کے قول بخلاف المستعیر سے مستثنیٰ ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

28893۔ (قولہ: ثُمَّ أَزَالَهُ) یعنی تعدی کو زائل کر دیا۔

كَيَدِ الْمَالِكِ وَلَوْ كَذَّبَهُ فِي عَوْدِهِ لِلْوِفَاقِ فَالْقَوْلُ لَهُ وَقِيلَ لِلْمُودَعِ، عِمَادِيَّةٌ (وَ) بِخِلَافِ (إقْرَارِهِ بَعْدَ جُحُودِهِ) أَيْ جُحُودِ الْإِيدَاعِ حَتَّى لَوْ ادَّعَى هِبَةً أَوْ بَيْعًا لَمْ يَضْمَنْ خُلَاصَةٌ وَقَيَّدَ بِقَوْلِهِ (بَعْدَ طَلَبِ) رَبِّهَا (رَدَّهَا) فَلَوْ سَأَلَهُ عَنْ حَالِهَا فَجَحَدَهَا فَهَلَكَتْ لَمْ يَضْمَنْ بَحْرٌ وَقَيَّدَ بِقَوْلِهِ (وَنَقَلَهَا مِنْ مَكَانِهَا وَقْتَ الْإِنْكَارِ) أَيْ حَالَ جُحُودِهِ؛ لِأَنَّهُ لَوْ لَمْ يَنْقُلْهَا وَقْتَهُ فَهَلَكَتْ

مالک کے قبضہ کی طرح ہے اگر مالک مودع کو جھٹلا دے اس امر میں کہ اس نے تعدی کو زائل کیا تو قول مالک کا معتبر ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: قول مودع کا معتبر ہوگا،''عمادیہ''۔ اگر وہ ودیعت رکھنے کے انکار کے بعد اس کا اقرار کر لے یہاں تک کہ اگر وہ ہبہ یا بیع کا دعویٰ کرے تو وہ ضامن نہیں ہوگا،''خلاصہ''۔ اپنے اس قول کے ساتھ قید لگائی ہے کہ مالک کے رد کے مطالبہ کے بعد اگر مالک نے اس کا حال پوچھا تو مودع نے ودیعت کا انکار کر دیا پھر وہ ودیعت ہلاک ہوگئی تو ضامن نہیں ہو گا،''بحر''۔ اور اپنے اس قول کے ساتھ قید لگائی ہے انکار کی حالت میں انکار کے وقت اسے اس کی جگہ سے منتقل کر دیا۔ کیونکہ اگر اس وقت وہ اسے منتقل کر دے تو وہ ودیعت ہلاک ہو جائے

28894۔(قولہ: فِي عَوْدِهِ لِلْوِفَاقِ الخ)''نور العین'' کی''مجمع الفتاویٰ'' سے یہ روایت ہے: ہر وہ امین جو مخالفت کرے پھر اتفاق کی طرف لوٹ آئے تو جس طرح وہ پہلے امین تھا امین کی حیثیت میں لوٹ آئے گا مگر مستعیر اور متاجر کیونکہ وہ دونوں ضامن کی حیثیت سے باقی رہیں گے یہ زیادہ بہتر ہے۔ تدبر

28895۔(قولہ: لَهُ) ضمیر سے مراد مالک ہے۔

28896۔(قولہ: لِلْمُودَعِ) مودع دال کے فتحہ کے ساتھ ہے کیونکہ وہ اپنی ذات سے ضمان کی نفی کرتا ہے۔

28897۔(قولہ: هِبَةً الخ) یعنی اس نے اسے ودیعت ہبہ کر دی یا اسے بیچ دی۔

28898۔(قولہ: بَعْدَ طَلَبِ) یہ اس کے جحود کے متعلق ہے۔

28899۔(قولہ: رَبِّهَا)''الخانیہ'' میں یہ بیان کیا ہے کہ وصی سے غائب کی بیوی اور یتیم کے وصی کا مطالبہ تا کہ وہ اس کے مال میں سے اس پر خرچ کرے اسی طرح ہے۔''سائحانی''۔

اسی کی مثل''تاتر خانیہ'' میں ہے۔

عقد ایداع مالک کے مطالبہ کے ساتھ منسوخ ہو جاتا ہے

28900۔(قولہ: وَقْتَ الْإِنْكَارِ) اس کلام کا ظاہر یہ ہے کہ یہ نقلها کے متعلق ہے اس کا وقوع مستبعد ہے۔''الخلاصہ'' کی عبارت یہ ہے:''اجناس کے غصب میں وہ ضامن ہوگا جب وہ اسے اس جگہ سے نقل کرے گا جس میں وہ انکار کی حالت میں تھا اگر وہ منتقل نہ کرے اور وہ چیز ہلاک ہو جائے تو ضامن نہیں ہوگا۔ یہ ظاہر ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ ان کے قول مکانها کے متعلق ہے۔''المنتقی'' میں ہے: اگر عاریۃً لی ہوئی چیز ان چیزوں میں سے ہو جو منتقل ہو جاتی ہے تو انکار کی صورت

لَمْ يَضْمَنْ خُلَاصَةٌ وَقُيِّدَ بِقَوْلِهِ (وَكَانَتْ) الْوَدِيعَةُ (مَنْقُولًا) لِأَنَّ الْعَقَارَ لَا يُضْمَنُ بِالْجُحُودِ عِنْدَهُمَا خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ فِي الْأَصَحِّ غَصْبُ الزَّيْلَعِيِّ وَقُيِّدَ بِقَوْلِهِ (وَلَمْ يَكُنْ هُنَاكَ مَنْ يَخَافُ مِنْهُ عَلَيْهَا) فَلَوْ كَانَ لَمْ يَضْمَنْ لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ الْحِفْظِ وَقُيِّدَ بِقَوْلِهِ (وَلَمْ يُحْضِرْهَا بَعْدَ جُحُودِهَا) لِأَنَّهُ لَوْ جَحَدَهَا ثُمَّ أَحْضَرَهَا فَقَالَ لَهُ رَبُّهَا دَعْهَا وَدِيعَةً فَإِنْ أَمْكَنَهُ أَخْذُهَا لَمْ يَضْمَنْ لِأَنَّهُ إِيدَاعٌ جَدِيدٌ، وَإِلَّا ضَمِنَهَا، لِأَنَّهُ لَمْ يَتِمَّ الرَّدُّ اخْتِيَارٌ، وَقُيِّدَ بِقَوْلِهِ (لِمَالِكِهَا)

تو وہ ضامن نہ ہوگا، ''خلاصہ''۔ اور اس قول کے ساتھ قید لگائی ہے اور ودیعت منقولہ چیز ہو کیونکہ انکار کے ساتھ عقار کی ضمانت نہیں ہوتی۔ اصح قول کے مطابق امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے ''زیلعی'' کے کتاب ''الغصب'' میں ہے۔ اور اپنے اس قول کے ساتھ قید لگائی ہے: وہاں ایسا کوئی شخص نہ ہو جس سے اسے ودیعت کے بارے میں خوف ہو اگر وہاں کوئی ایسا شخص ہو تو وہ ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ حفاظت کے باب میں سے ہے۔ اور اپنے اس قول کے ساتھ قید لگائی ہے: ودیعت کے انکار کے بعد اسے حاضر نہ کرے۔ کیونکہ اگر وہ اس کا انکار کرے پھر اسے حاضر کر دے تو اس کا مالک اسے کہے: اسے ودیعت کے طور پر چھوڑ دے اگر اسے لینا اس کے لیے ممکن ہو تو وہ ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ نئے سرے سے ودیعت رکھنا ہے ورنہ وہ ضامن ہوگا کیونکہ لوٹانا مکمل نہیں ہوا، ''اختیار''۔ اور اپنے اس قول: اس کے مالک کی قید لگائی ہے۔

میں وہ ضامن ہوگا اگرچہ وہ اس کو منتقل نہ کرے۔ ہمارے شیخ نے ''شرنبلالی'' سے ذکر کیا ہے۔ اگر وہ اس کا انکار کر دے تو ضامن ہوگا اگر اسے منتقل نہ کیا جائے اس کی تائید ''البدائع'' کا قول کرتا ہے: عقد ایداع مالک کے مطالبہ کے ساتھ منسوخ ہو جاتا ہے پس اس نے حفاظت سے اسے معزول کر دیا ہے پس غیر کا مال اس کے قبضہ میں اس کے اذن کے بغیر باقی رہا پس وہ مضمون ہوگا جب وہ چیز ہلاک ہو گئی تو ضمان ثابت ہوگی۔ ''سائحانی''۔

''تاتر خانیہ'' میں ''خانیہ'' سے منقول ہے: ''ناطفی'' نے یہ ذکر کیا ہے: جب مودع نے ودیعت کے مالک کی موجودگی میں ودیعت کا انکار کر دیا تو یہ ودیعت کا فسخ ہوگا یہاں تک کہ اگر مودع نے اسے اس جگہ سے منتقل کر دیا جس جگہ میں حالت انکار میں تھی تو ضامن ہوگا اگر انکار کرنے کے بعد اسے اس جگہ سے منتقل نہ کیا تو وہ چیز ہلاک ہو گئی تو ضامن نہیں ہوگا۔ فتامل

28901۔(قولہ: خُلَاصَةٌ) ''الخلاصہ'' میں اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسے ''غصب الاجناس'' سے نقل کیا ہے پھر اس کے بعد کہا: ''المنتقی'' میں ہے: جب ودیعت عاریہ ان چیزوں میں سے ہو جو منتقل ہو جاتی ہیں تو انکار کرنے کے ساتھ ضامن ہوگا اگرچہ وہ اسے منتقل نہ کرے ''رملی'' نے ذکر کیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ جو ''الاجناس'' میں ہے وہ ایسا قول ہے جس کی صحت اصحاب متون کے لیے ظاہر نہیں ہوئی۔ پس انہوں نے اس کی طرف نظر و فکر نہیں کی پس مطولات کی طرف رجوع کر و تیرے لیے یہ امر ظاہر ہو جائے گا۔

28902۔(قولہ: لِمَالِكِهَا) ودیعت کا مالک یا مالک کا وکیل جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔

لِأَنَّهُ لَوْ جَحَدَهَا لِغَيْرِهِ لَمْ يَضْمَنْ؛ لِأَنَّهُ مِنَ الْحِفْظِ فَإِذَا تَمَّتْ هَذِهِ الشُّرُوطُ لَمْ يَبْرَأْ بِإِقْرَارِهِ إِلَّا بِعَقْدٍ جَدِيدٍ وَلَمْ يُوجَدْ (وَلَوْ جَحَدَهَا ثُمَّ ادَّعَى رَدَّهَا بَعْدَ ذَلِكَ وَبَرْهَنَ عَلَيْهِ قُبِلَ) وَبَرِئَ كَمَا لَوْ بَرْهَنَ أَنَّهُ رَدَّهَا قَبْلَ الْجُحُودِ وَقَالَ غَلِطْتُ فِي (الْجُحُودِ أَوْ نَسِيتُ أَوْ ظَنَنْتُ أَنِّي دَفَعْتُهَا) قُبِلَ بُرْهَانُهُ،

کیونکہ اگر وہ مالک کے علاوہ کے لیے اس کا انکار کردے تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ حفاظت کے باب میں سے ہے۔ جب یہ شروط مکمل ہوگئیں تو وہ اپنے اقرار کے ساتھ بری نہیں ہوگا مگر عقد جدید کے ساتھ بری ہوگا اور عقد جدید نہیں پایا گیا۔ اگر وہ ودیعت کا انکار کرے پھر اس کے بعد ودیعت کے لوٹانے کا دعویٰ کرے اور لوٹانے پر گواہیاں قائم کردے تو اسے قبول کیا جائے گا اور وہ بری ہوجائے گا جس طرح اگر وہ ودیعت کے انکار سے پہلے ودیعت لوٹانے پر گواہیاں قائم کردے اور کہے: میں نے انکار کرنے میں غلطی کی ہے یا میں بھول گیا ہوں یا میں نے گمان کیا کہ میں نے ودیعت دے دی تھی تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی

ہر وہ فعل جس کی وجہ سے مودع پر چٹی لازم ہوتی ہے اس کی وجہ مرتہن پر بھی چٹی لازم ہوگی

28903_(قولہ: وَلَوْ جَحَدَهَا الخ) اگر اس نے کہا: اس کی مجھ پر کوئی شے لازم نہیں پھر اس شے کے لوٹانے کا دعویٰ کردے یا اس شے کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کردے تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ اگر وہ کہے: اس نے میرے ہاں کوئی شے ودیعت نہیں رکھی پھر واپس لوٹانے یا ہلاک ہونے کا دعویٰ کردے تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ گویا پہلے کی دلیل یہ ہے کہ علی کا لفظ دین کے لیے استعمال ہوتا ہے پس وہ ودیعت کا منکر نہیں۔ تامل

''جامع الفصولین'' میں ہے: ودیعت کے مالک نے ودیعت کا مطالبہ کیا مودع نے کہا: اسے کل طلب کرنا تو اگلے روز کہا: میرے قول ''اسے کل طلب کرنا'' سے پہلے ہی وہ چیز ہلاک ہوچکی تھی تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس کے قول میں تناقض پایا جا رہا ہے اس کے بعد ہلاک ہونے کی بات کرے تو ضامن نہیں ہوگا۔

مالک نے ودیعت کو طلب کیا تو مودع نے کہا: میں نے ودیعت تجھے دے دی تھی پھر کہا: میں نے ودیعت تجھے نہیں دی تھی لیکن ودیعت تلف ہوچکی ہے تو وہ ضامن ہوگا اور اس کی تصدیق نہ کی جائے گی کیونکہ تناقض پایا جا رہا ہے۔

پھر کہا: ہر وہ فعل جس کی وجہ سے مودع پر چٹی لازم ہوتی ہے اس کی وجہ سے مرتہن پر بھی چٹی لازم ہوگی۔

28904_(قولہ: كَمَا لَوْ بَرْهَنَ الخ) ''الخانیہ'' اور ''الخلاصہ'' میں اسی طرح منقول ہے۔ ''البحر'' میں ''الخلاصہ'' سے مروی ہے کہ اس کی تصدیق نہ کی جائے گی لیکن اس کی عبارت میں کوئی لفظ رہ گیا ہے۔ اس پر یہ امر دلالت کرتا ہے تو گفتگو بینہ کے بارے میں ہے محض دعویٰ کے بارے میں نہیں ہے یہاں تک کہ یہ کہا جائے کہ اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ میں نے ''الخلاصہ'' کی طرف رجوع کیا اور ''البحر'' کے حاشیہ پر وہ لفظ لکھا جو رہ گیا تھا پس اس پر متنبہ ہوجایئے۔

28905_قولہ: أَنِّي دَفَعْتُهَا) یہ ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ اور نون کے کسرہ کے ساتھ ہے اور نون مشدد ہے یعنی ودیعت رکھتے وقت۔

وَلَوْ ادَّعَى هَلَاكَهَا قَبْلَ جُحُودِهِ حَلَفَ الْمَالِكُ مَا يَعْلَمُ ذَلِكَ فَإِنْ حَلَفَ ضَمِنَهُ، وَإِنْ نَكَلَ بَرِئَ، وَكَذَا الْعَارِيَّةُ مِنْهَاجٌ وَيَضْمَنُ قِيمَتَهَا يَوْمَ الْجُحُودِ إِنْ عَلِمَ، وَإِلَّا فَيَوْمَ الْإِيدَاعِ عِمَادِيَّةٌ بِخِلَافِ مُضَارِبٍ جَحَدَ ثُمَّ اشْتَرَى لَمْ يَضْمَنْ خَانِيَّةٌ (وَ) الْمُودَعُ (لَهُ السَّفَرُ بِهَا) وَلَوْ لَهَا حِمْلٌ دُرَرٌ (عِنْدَ عَدَمِ نَهْيِ الْمَالِكِ وَ عَدَمِ (الْخَوْفِ عَلَيْهَا) بِالْإِخْرَاجِ فَلَوْ نَهَاهُ، وَأَخَافَ فَإِنْ لَهُ بُدٌّ مِنْ السَّفَرِ ضَمِنَ وَإِلَّا فَإِنْ سَافَرَ بِنَفْسِهِ ضَمِنَ وَبِأَهْلِهِ لَا اخْتِيَارٌ (وَلَوْ أَوْدَعَا شَيْئًا)

اگر انکار سے قبل وہ ودیعت کے ہلاک ہونے کا دعویٰ کرے تو مالک قسم اٹھائے گا جب تک اسے علم نہ ہوا گر وہ قسم اٹھادے تو اس کا ضامن ہوگا اگر وہ قسم اٹھانے سے انکار کر دے تو بری ہو جائے گا۔ عاریۃ کا حکم اسی طرح ہے ''منہاج''۔ اگر علم ہو تو انکار کے دن اس کی جو قیمت ہو اس کی ضمانت دے گا ورنہ ودیعت رکھنے کے دن کی قیمت کی ضمانت دے گا ''عمادیہ''۔ اس مضارب کا معاملہ مختلف ہے جس نے انکار کیا پھر خریدا تو وہ ضامن نہ ہوگا ''خانیہ''۔ اور مودع کو حق حاصل ہے کہ اس ودیعت کے ساتھ سفر کرے اگر چہ اس میں بار برداری کی ضرورت ہو ''درر''۔ جب کہ مالک نے اس سے منع نہ کیا ہو اور اسے لے جانے میں ودیعت کے متعلق کوئی خوف نہ ہوا گر اس نے اس سے منع نہ کیا ہو اور اسے لے جانے میں ودیعت کے متعلق کوئی خوف نہ ہوا گر اس نے اس سے منع کیا اور اسے ڈرایا ہوا گر سفر کے بغیر چارہ کار ہو تو ضامن ہوگا اگر چارہ کار نہ ہو اگر خود سفر کرے تو ضامن ہوگا اور اہل کے ساتھ سفر کرے تو ضامن نہیں ہوگا ''اختیار''۔ اگر دو آدمی ایک شے ودیعت رکھیں

28906۔ (قولہ: إِنْ عَلِمَ) زیادہ صحیح علت ہے یعنی قیمت معلوم ہو اس سے قبل ''المنح'' میں ''الخلاصہ'' سے مروی ہے: قیمت کی ضمانت ہوگی جو قیمت ودیعت رکھنے کے دن ہو۔ کوئی تفصیل نہیں ہے۔ لیکن ''الخلاصہ'' میں نقل میں یہ صاحب ''البحر'' کے متابع ہے۔ جو نقل کیا ہے اس میں کوئی چیز ساقط ہے۔ کیونکہ میں نے جو ''الخلاصہ'' میں دیکھا ہے وہ اس کے موافق ہے جو ''العمادیہ'' میں ہے پس اس پر متنبہ ہو جایئے۔

28907۔ (قولہ: فَيَوْمَ) نصب کے ساتھ یہ ایداع کی طرف مضاف ہے۔

28908۔ (قولہ: جَحَدَ) رب المال سے کہا: تو نے مجھے کوئی شے نہیں دی۔

28909۔ (قولہ: اشْتَرَى) یعنی اس کے بعد کہ اس نے اقرار کیا اور انکار سے رجوع کیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کہا: کیوں نہیں تو نے مجھے دیا۔ یہ صورت اس کے خلاف ہوگی کہ اگر وہ شرا کے انکار کا اقرار کرے۔ پس وہ ضامن ہوگا اور خریدی گئی چیز اس کی ہوگی۔ ''منح'' میں ''الخانیہ'' سے مروی ہے۔

28910۔ (قولہ: فَإِنْ لَهُ) إن نون ساکن کے ساتھ ہے۔

28911۔ (قولہ: وَبِأَهْلِهِ لَا) علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ اگر وہ ودیعت کو لے کر سمندری سفر کرے گا تو ضامن ہوگا یہ قول ''اسبیجابی'' نے کہا ہے۔ ''عینی'' میں اسی طرح ہے۔ ''مدنی''۔

مِثْلِيًّا أَوْ قِيمِيًّا (لَمْ) يَجُزْ أَنْ (يَدْفَعَ الْمُودَعُ إِلَى أَحَدِهِمَا حَظَّهُ فِي غَيْبَةِ صَاحِبِهِ) وَلَوْ دَفَعَ هَلْ يَضْمَنُ فِي الدُّرَرِ نَعَمْ،

جو مثلی ہو یا ذوات القیم والی ہو تو یہ جائز نہ ہوگا کہ مودع ان میں سے ایک کو اس کا حصہ اس کے ساتھی کی عدم موجودگی میں دے اگر دے تو کیا ضامن ہوگا؟ ''الدرر'' میں ہے: ہاں ضامن ہوگا۔

28912۔(قولہ: مِثْلِيًّا أَوْ قِيمِيًّا) ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا مثلی میں اختلاف ہے انہوں نے مشترک دین پر قیاس کیا ہے۔

28913۔(قولہ: لَمْ يَجُزْ) انہوں نے یجز فعل کو مقدر مانا ہے یہ اس پر مبنی ہے جس کا ذکر عنقریب آئے گا کہ اگر وہ اسے دے تو ضامن نہ ہوگا دفع کی نفی سے مراد باقی نہیں رہ جاتی مگر یہ کہ یہ جائز نہیں اس میں جو ضعف ہے عنقریب آئے گا۔

''البحر'' میں ہے: انہوں نے اپنے قول لم یدفع سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں یہاں تک قاضی اس کا حصہ اسے دینے کا فیصلہ نہ کردے۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہے۔ مگر جب وہ اسے دے تو یہ بالاتفاق تقسیم نہ ہوگی یہاں تک کہ جب باقی ماندہ ہلاک ہو جائے تو اس کا ساتھی لینے والے سے اپنا حصہ لے گا اور دونوں میں سے ایک اس میں سے اپنا حصہ لے گا جب بھی اس کو پانے میں کامیاب ہوگا۔

28914۔(قولہ: الْمُودَعُ) مودع دال کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

28915۔(قولہ: إِلَى أَحَدِهِمَا) یعنی دونوں ودیعت رکھنے والوں میں سے ایک کو۔ یہاں مودعین میں دال کے نیچے کسرہ ہے۔

28916۔(قولہ: فِي غَيْبَةِ صَاحِبِهِ) یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اور یہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا اسے یہ حق حاصل ہے: کیونکہ اس نے اپنا حصہ طلب کیا جس طرح دونوں حاضر ہوئے۔ تینوں ائمہ نے یہ کہا ہے۔

اگر ودیعت غیر ذوات الامثال میں سے ہو تو بالاجماع اسے یہ حق نہیں۔ یہ ''عینی'' کا قول ہے۔ ''الدرر'' میں ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: اختلاف مثلی اور قیمی میں اکٹھا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ اختلاف صرف مثلی میں ہے۔

پس یہ واضح ہو گیا کہ متن و شرح میں جو قول ہے وہ غیر صحیح ہے اس پر اجماع ہے یہ قول ہمارے شیخ قاضی ''عبدالمنعم'' کا ہے۔

''فقیر محمد بیطار'' نے کہا: میں گمان کرتا ہوں: یہ ایسا قول ہے جس سے مؤلف نے رجوع کر لیا تھا: لانہ شطب علیہا شطبا لا یظھر جدا۔ میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ میں اسے لکھ رہا ہوں لیکن میرے دل میں ایک بات آئی پس میں نے اسے لکھنا اور اس پر تنبیہ کرنا پسند کیا۔ پس میں اسے مراجعت کی تعلیم دیتا ہوں۔

''حاشیہ'' اور ''در منتقی'' میں ہے: اگر مودع نے حاضر کو ودیعت کا نصف دے دیا پھر ماقبی ہلاک ہو گیا اور غائب حاضر ہو

وَفِي الْبَحْرِ الِاسْتِحْسَانُ لَا، فَكَانَ هُوَ الْمُخْتَارَ (فَإِنْ أَوْدَعَ رَجُلٌ عِنْدَ رَجُلَيْنِ مَا يُقْسَمُ اقْتَسَمَاهُ وَحَفِظَ كُلٌّ نِصْفَهُ) كَمُرْتَهِنَيْنِ وَمُسْتَبْضِعَيْنِ وَوَصِيَّيْنِ وَعَدْلَيْ رَهْنٍ وَوَكِيلَيْ شِرَاءٍ (وَلَوْ دَفَعَهُ) أَحَدُهُمَا (إِلَى صَاحِبِهِ ضَمِنَ) الدَّافِعُ (بِخِلَافِ مَا لَا يُقْسَمُ) لِجَوَازِ حِفْظِ أَحَدِهِمَا بِإِذْنِ الْآخَرِ (وَلَوْ قَالَ لَا تَدْفَعْ إِلَى عِيَالِكَ أَوْ احْفَظْ فِي هَذَا الْبَيْتِ فَدَفَعَهَا إِلَى مَا لَا بُدَّ مِنْهُ أَوْ حَفِظَهَا فِي بَيْتٍ آخَرَ مِنَ الدَّارِ

''البحر'' میں ہے: استحسان یہ ہے کہ ضامن نہیں ہوگا یہی مختار ہے۔ اگر ایک آدمی نے دو آدمیوں کے پاس ایسی چیز ودیعت رکھی جس کو تقسیم کیا جا سکتا ہے تو دونوں نے اس کو تقسیم کر دیا اور ہر ایک نے اس کے نصف کی حفاظت کی جس طرح دو مرتہن ہوں، دو مستبضع ہوں، دو وصی ہوں، دو رہن کے عادل ہوں اور شرا کے دو وکیل ہوں اگر دونوں میں سے ایک دوسرے کو دے دے تو دینے والا ضامن ہوگا۔ وہ چیز جو تقسیم نہیں ہوتی اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ایک کی دوسرے کی اجازت سے حفاظت کرنا جائز ہے۔ اگر وہ کہے: اپنے عیال کو یہ نہ دینا یا اس کمرہ میں اس کی حفاظت کرنا تو اس نے وہ ودیعت اس کے حوالے کر دی جس کے بغیر اس کے لیے چارہ کار نہ ہو یا گھر کے دوسرے کمرہ میں اس کی حفاظت کی

گیا۔ ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اگر ادائیگی قاضی کے فیصلہ کے ساتھ ہو تو کسی پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ اگر قاضی کے فیصلے کے بغیر ہو تو جواب حاضر ہوا ہے تو وہ دینے والے کا اس نصف کے بارے میں پیچھا کرے گا جو اس نے دیا ہے اور جس نے دیا ہے وہ قابض کا پیچھا کرے گا اگر چاہے تو یہ حاضر قابض سے اس کا نصف لے لے جو اس نے قبضہ کیا ہے۔ ''ذخیرہ'' میں اسی طرح ہے ''فتاویٰ ہندیہ''، کتاب ودیعت، باب الثانی۔

انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ مودع اگر مکمل ودیعت دونوں میں سے ایک کو فیصلہ کے بغیر دے دے اور دوسرا اس میں سے اپنے حصہ کی ضمانت لے لے تو اسے قابض سے مطالبہ کا حق ہوگا اس کے متعلق جس کی اس نے ضمانت دی ہے۔

28917۔ (قولہ: هُوَ الْمُخْتَارَ) ''مقدسی'' نے کہا: بڑے بڑے ائمہ جس پر ہیں یہ اس کے مخالف ہے۔ بلکہ اکثر قول اس پر متفق ہیں۔ شیخ ''قاسم'' نے کہا: امام ''نسفی'' نے امام ''محبوبی'' اور ''صدر الشریعہ'' کے قول کو اختیار کیا ہے ''ابو سعود'' نے ''حموی'' سے نقل کیا ہے۔

28918۔ (قولہ: ضَمِنَ الدَّافِعُ) یعنی دینے والا نصف کا ضامن ہوگا جس طرح ''الاصلاح'' میں ہے۔ ان کے قول دافع سے مراد ہے دینے والا نہ کہ قابض کیونکہ وہ مودع کا مودع ہے۔ ''بحر''۔

28919۔ (قولہ: لَا بُدَّ مِنْهُ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ضروری ہے کہ ودیعت ان چیزوں میں سے ہو جس کی حفاظت اس کے قبضہ میں کی جاتی ہے جس سے اس نے اسے منع کیا ہو یہاں تک کہ اگر وہ گھوڑا ہو تو اس نے اس امر سے منع کیا ہو کہ وہ اپنی بیوی کے حوالے کرے یا موتیوں کا ہار ہو وہ اسے اس کے غلام کے حوالے کرنے سے منع کرے۔ پس اس نے وہ چیز ان کے حوالے کر دی تو ضامن ہوگا، ''بحر''۔

فَإِنْ كَانَتْ بُيُوتُ الدَّارِ مُسْتَوِيَةً فِي الْحِفْظِ) أَوْ أَحْرَزَ (لَمْ يَضْمَنْ، وَإِلَّا ضَمِنَ) لِأَنَّ التَّقْيِيدَ مُفِيدٌ (وَلَا يَضْمَنُ مُودَعُ الْمُودَعِ) فَيَضْمَنُ الْأَوَّلُ فَقَطْ إِنْ هَلَكَتْ بَعْدَ مُفَارَقَتِهِ وَإِنْ قَبْلَهَا لَا ضَمَانَ وَلَوْ قَالَ الْمَالِكُ هَلَكَتْ عِنْدَ الثَّانِي، وَقَالَ بَلْ رَدَّهَا وَهَلَكَتْ عِنْدِي لَمْ يُصَدَّقْ وَفِي الْغَصْبِ مِنْهُ يُصَدَّقُ لِأَنَّهُ أَمِينٌ سِرَاجِيَّةٌ وَفِي الْمُجْتَبَى الْقَصَّارُ إِذَا غَلِطَ فَدَفَعَ ثَوْبَ رَجُلٍ لِغَيْرِهِ فَقَطَعَهُ فَكِلَاهُمَا ضَامِنٌ وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَصَابَ الْوَدِيعَةَ شَيْءٌ فَأَمَرَ مُودَعٌ رَجُلًا لِيُعَالِجَهَا فَعَطِبَتْ مِنْ ذَلِكَ فَلِرَبِّهَا تَضْمِينُ مَنْ شَاءَ

اگر گھر کے کمرے حفاظت میں برابر ہوں یا یہ کمرہ پہلے سے زیادہ محفوظ ہو تو ودیعت کے ہلاک ہونے کی صورت میں ضامن نہیں ہوگا۔ ورنہ ضامن ہوگا کیونکہ تقیید فائدہ مند ہے۔ اور مودع کا مودع ضامن نہیں ہوگا۔ اگر مفارقت کے بعد ودیعت ہلاک ہوگئی تو صرف پہلا مودع ضامن ہوگا اگر مفارقت سے پہلے ہلاک ہوگئی تو ضمانت نہ ہوگی۔ اگر مالک نے کہا: ودیعت دوسرے آدمی کے پاس ہلاک ہوگئی مودع نے کہا: بلکہ اس نے اسے لوٹا دیا تھا اور میرے پاس وہ ہلاک ہوگئی تھی اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اور اس سے غصب کرنے کے بارے میں اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ وہ امین ہے، ''سراجیہ''۔ ''المجتبیٰ'' میں ہے: دھوبی نے جب غلطی کی تو اس نے ایک آدمی کا کپڑا کسی اور کو دے دیا اس نے اس کپڑے کو کاٹ دیا تو دونوں ضامن ہوں گے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: ودیعت کو کوئی عارضہ لاحق ہوا مودع نے کسی آدمی کو حکم دیا کہ وہ اس کا علاج کرے اس علاج سے وہ چیز ہلاک ہوگئی تو مالک کو حق حاصل ہے جس سے چاہے ضمانت لے

28920۔ (قولہ: وَإِلَّا ضَمِنَ) جس طرح وہ کمرہ جس سے منع کیا گیا تھا اس کی پشت گلی کی جانب ہو۔ ''بحر''۔

28921۔ (قولہ: فَقَطْ) یعنی ایسے ایداع میں جو قصدی ہو۔ ''جامع الفصولین'' میں کہا: وہ آدمی حمام میں داخل ہوا اور ودیعت کے دراہم کپڑوں کی حفاظت کرنے والے کے سامنے اپنے کپڑوں کے ساتھ رکھ دیئے۔ ''حلبی'' نے کہا: وہ مودع کے ودیعت رکھنے کی وجہ سے ضامن ہوگا۔

''صط'' نے کہا: وہ ضامن نہیں ہوگا کیونکہ یہ ودیعت رکھنا ضمنی ہے۔ وہ ایداع قصدی کی وجہ سے ضامن ہوتا ہے۔ اگر اس نے اذن کے بغیر ودیعت رکھ دی پھر مالک نے اجازت دے دی تو اول مودع بین (اختلاف) سے نکل آئے گا۔ ''بحر'' میں ''الخلاصہ'' سے مروی ہے۔

28922۔ (قولہ: لَمْ يُصَدَّقْ) کیونکہ اس نے اپنے اوپر ضمان کے وجوب کا اقرار کرلیا ہے پھر اس نے براءت کا دعویٰ کردیا پس اس کی تصدیق نہ کی جائے گی مگر گواہیوں کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی۔ ''جامع الفصولین''۔

جب مودع سے ودیعت کو غصب کیا گیا تو اس کا حکم

28923۔ (قولہ: وَفِي الْغَصْبِ الخ) جب مودع سے ودیعت کو غصب کیا گیا تو مودع نے اس کے واپس کرنے کا دعویٰ کیا تو اس کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ مودع نے ایسا کوئی عمل نہیں کیا جو ضمان کو واجب کرنے والا ہو تو وہ اس چیز پر

لَكِنْ إِنْ ضَمَّنَ الْمُعَالِجَ رَجَعَ عَنِ الْأَوَّلِ إِنْ لَمْ يَعْلَمْ أَنَّهَا لِغَيْرِهِ وَإِلَّا لَمْ يَرْجِعْ اھ

لیکن اگر معالج اس کا ضامن ہو تو وہ پہلے سے مطالبہ کرے گا اگر اسے یہ علم نہ ہو کہ یہ چیز کسی دوسرے کی ہے ورنہ واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔

لوٹانے کے وقت، اس سے پہلے اور اس کے بعد امین تھا۔ وہ کسی اجنبی کو چیز دے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ یہ امر ضمان کو واجب کرتا ہے۔ ''سائحانی''۔

فرع: ایک آدمی نے دوسرے کو ہزار درہم دیا اور کہا: یہ فلاں کوری (شہر کا نام) میں دے دینا۔ دینے والا مر گیا مودع نے وہ مال ایک اور آدمی کو دیا تا کہ وہ فلاں کوری میں دے دے راستہ میں وہ مال اس سے چھین لیا گیا تو مودع ضامن نہیں ہو گا۔ کیونکہ وہ میت کا وصی ہے اگر دینے والا زندہ ہو تو مودع ضامن ہوگا۔ کیونکہ وہ وکیل ہے مگر جب دوسرا اس کے عیال میں سے ہو پس اس وقت وہ ضامن نہیں ہوگا۔ ''خانیہ''۔

ایک آدمی نے دوسرے پر گواہیاں قائم کیں کہ اس نے اسے دس دیئے دوسرے نے کہا: تو نے مجھے دس دیئے تا کہ میں وہ فلاں کو دے دوں تو یہ دینا صحیح ہوگا۔ ''بزازیہ'' کے کتاب الدعویٰ میں ہے۔

سرقہ اور ودیعت کے حرز میں فرق

28924۔ (قولہ: عَنِ الْأَوَّلِ) ''جامع الفصولین'' میں ہے: اگر معالج سے ضمانت لی تو وہ مودع سے مطالبہ کرے گا اسے یہ علم ہو کہ یہ غیر کی چیز ہے یا علم نہ ہو مگر جب مودع کہے: یہ میری نہیں اور مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا اس وقت وہ اس سے مطالبہ نہیں کرے گا۔ تامل

فرع: اگر وہ کہے: تو نے ودیعت میں سامنے رکھی، میں اٹھا اور میں اسے بھول گیا پس وہ ودیعت ضائع ہوگئی تو وہ ضامن ہوگا۔ اگر اس نے کہا: تو نے میرے گھر میں میرے سامنے اسے رکھا جب کہ مسئلہ اپنے حال پر رہے گا اگر وہ چیز ان چیزوں میں سے ہے جن کی گھر کے صحن میں حفاظت نہیں کی جاتی جس طرح نقدی کی تھیلی تو وہ ضامن ہوگا اگر وہ ان چیزوں میں سے ہے کہ گھر کا صحن اس کے لیے حفاظت کی جگہ ہوتی ہے تو ضامن نہیں ہوگا ''بزازیہ''، ''خلاصہ''، ''فصولین''، ''ذخیرہ''، ''خانیہ''۔

اس کا ظاہری معنی یہ ہے: ہر شے کی حفاظت اس کی مثل کے حرز میں ہوتی ہے، تامل۔ لیکن کتاب السرقہ میں یہ قول گزر چکا ہے کہ ظاہر مذہب یہ ہے کہ ہر وہ شے جو کسی نوع کے لیے حرز ہو وہ ہر نوع کے لیے حرز ہوتی ہے پس جو آدمی اصطبل سے موتی چوری کرتا ہے اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ تامل

بعض اوقات سرقہ کے حرز اور ودیعت کے حرز میں فرق کیا جاتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹنے میں اسکے حرز کا اعتبار کیا جاتا ہے اور وہ محرزات کے اعتبار سے متفاوت نہیں ہوتا اور مودع کی ضمان میں معتبر حفاظت کرنے میں کوتاہی کرنا ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر وہ ودیعت کو محفوظ گھر میں رکھتا ہے اور اسکی بیوی امین نہیں تو وہ ضامن ہوگا اگر کوئی آدمی اسے چوری کر

(بِخِلَافِ مُودَعِ الْغَاصِبِ) فَيُضَمِّنُ أَيًّا شَاءَ، وَإِذَا ضَمَّنَ الْمُودَعَ رَجَعَ عَلَى الْغَاصِبِ وَإِنْ عَلِمَ عَلَى الظَّاهِرِ دُرَرٌ خِلَافًا لِمَا نَقَلَهُ الْقُهُسْتَانِيُّ وَالْبَاقَانِيُّ وَالْبُرْجُنْدِيُّ وَغَيْرُهُمْ فَتَنَبَّهْ (مَعَهُ أَلْفٌ ادَّعَى رَجُلَانِ كُلٌّ مِنْهُمَا أَنَّهُ لَهُ، أَوْدَعَهُ إِيَّاهُ، فَنَكَلَ عَنِ الْحَلِفِ لَهُمَا فَهُوَ لَهُمَا وَعَلَيْهِ أَلْفٌ آخَرُ بَيْنَهُمَا) وَلَوْ حَلَفَ لِأَحَدِهِمَا

غاصب کے مودع کا معاملہ مختلف ہے۔ پس وہ جس سے چاہے گا ضمانت لے گا۔ جب مودع سے ضمانت لی تو وہ غاصب سے مطالبہ کرے گا اگرچہ اسے اس کا علم ہو یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے۔ ''درر''، ''قہستانی''، ''باقانی''، ''برجندی'' وغیرہم نے جو نقل کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے، فتنبہ۔ ایک آدمی کے پاس ہزار ہے دو آدمیوں میں سے ہر ایک دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے یہ ہزار اس کے پاس ودیعت رکھا تھا تو وہ ان دونوں کے بارے میں قسم اٹھانے سے انکار کرتا ہے تو وہ ہزار ان دونوں کا ہوگا اور اس پر ایک اور ہزار ہوگا جو ان دونوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے گا اگر وہ دونوں میں سے

لیتا ہے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ کیونکہ گھر حرز ہے۔ بے شک وہ ضامن اس لیے ہے۔ کیونکہ وہ حفاظت میں کوتاہی کر رہا ہے۔

اگر ایک آدمی ودیعت کو گھر میں رکھتا ہے اور گھر سے نکل جاتا ہے جب کہ دروازہ کھلا ہوا ہو جب کہ گھر میں کوئی بھی نہ ہو یا وہ ودیعت کو حمام، مسجد یا رستہ وغیرہ میں رکھتا ہے اور غائب ہو جاتا ہے تو وہ ضامن ہوگا مگر چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اس کے نظائر بے شمار ہیں۔ جب ہم نے اس حرز کا اعتبار کیا جو سرقہ میں معتبر ہے تو یہ لازم آئے گا کہ اس جیسے مسائل میں وہ ضامن نہ ہو تو اس باب میں جس پر انہوں نے اتفاق کیا ہے اس کی مخالفت لازم آئے گی تو ہم نے جو فرق بیان کیا ہے اس کی صحت یقیناً ظاہر ہوگی۔ واللہ اعلم

اس سے ایک حادثہ کا جواب بھی ظاہر ہو گیا وہ یہ ہے کہ ایک مودع نے گھوڑوں کے اصطبل میں قیمتی شالوں کی گٹھری رکھی تو اسے چوری کر لیا گیا جواب یہ ہے کہ وہ ضامن ہوگا اگرچہ اس کے چور کے ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

28925۔ (قولہ: بِخِلَافِ مُودَعِ الْغَاصِبِ) امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق دونوں میں فرق یہ ہے کہ مودع کا غاصب غاصب ہے کیونکہ ابتدا اور انتہا میں مالک کی اجازت نہیں ہے۔

28926۔ (قولہ: دُرَرٌ) ''البحر'' میں اسے یقین سے بیان کیا ہے۔

28927۔ (قولہ: فَنَكَلَ عَنِ الْحَلِفِ) اس مسئلہ کی صورتیں چھ ہیں: (۱) دونوں کے لیے اقرار کیا (۲) دونوں کے لیے قسم سے انکار کر دیا (۳) دونوں کے لیے قسم اٹھا دی (۴) ایک کے لیے اقرار کیا دوسرے کے لیے قسم سے انکار کر دیا (۵) یا قسم اٹھا دی (۶) دونوں میں سے ایک کے لیے قسم سے انکار کیا اور دوسرے کے لیے قسم اٹھا دی۔ ''سائحانی''۔

28918۔ (قولہ: وَلَوْ حَلَفَ الخ) اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ مودع قسم اٹھاتا ہے جب وہ ایداع کا انکار کرتا ہے جس طرح جب وہ واپس کرے یا ہلاک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا تہمت کی نفی کی وجہ سے یا ضمان کے انکار کی وجہ سے۔ یہاں تک کہ اگر وہ قسم اٹھا دے تو اس پر ان دونوں کے لیے کوئی شے نہ ہوگی اور یہاں تک کہ قاضی کو حق حاصل ہوگا کہ جس سے چاہے شروع کرے زیادہ بہتر قرعہ ہے یہاں تک کہ اگر وہ پہلے کے لیے قسم سے انکار کر دے دوسرے کے لیے قسم اٹھوائے

وَنَكَلَ لِلْآخَرِ فَالْأَلْفُ لِمَنْ نَكَلَ لَهُ (دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ أَلْفًا وَقَالَ ادْفَعْهَا الْيَوْمَ إِلَى فُلَانٍ فَلَمْ يَدْفَعْهَا حَتَّى ضَاعَتْ لَمْ يَضْمَنْ) إِذْ لَا يَلْزَمُهُ ذَلِكَ (كَمَا لَوْ قَالَ احْمِلْ إِلَى الْوَدِيعَةِ فَقَالَ أَفْعَلُ وَلَمْ يَفْعَلْ حَتَّى مَضَى الْيَوْمُ وَ هَلَكَتْ لَمْ يَضْمَنْ لِأَنَّ الْوَاجِبَ عَلَيْهِ التَّخْلِيَةُ عِمَادِيَّةٌ (قَالَ) رَبُّ الْوَدِيعَةِ (لِلْمُودَعِ ادْفَعْ الْوَدِيعَةَ إِلَى فُلَانٍ فَقَالَ دَفَعْت وَكَذَّبَهُ) فِي الدَّفْعِ (فُلَانٌ) وَضَاعَتْ الْوَدِيعَةُ (صُدِّقَ الْمُودَعُ مَعَ يَمِينِهِ لِأَنَّهُ أَمِينٌ سِرَاجِيَّةٌ (قَالَ) الْمُودَعُ ابْتِدَاءً (لَا أَدْرِي كَيْفَ ذَهَبَتْ لَا يَضْمَنُ عَلَى الْأَصَحِّ كَمَا لَوْ قَالَ ذَهَبَتْ وَلَا أَدْرِي كَيْفَ ذَهَبَتْ)

ایک کے حق میں قسم اٹھائے اور دوسرے کے حق میں انکار کر دے تو ہزار اس کے لیے ہو جس کے بارے میں اس نے انکار کیا ہے۔ایک آدمی نے کسی کو ایک ہزار دیا اور کہا: یہ آج فلاں کو دے دینا تو اس آدمی نے اسے ہزار نہ دیا یہاں تک کہ وہ ضائع ہو گیا تو وہ ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ اس پر لازم نہ تھا جس طرح وہ کہے: ودیعت کو میری طرف اٹھا لا تو اس نے کہا: میں اس طرح کرتا ہوں اور اس نے اس طرح نہ کیا یہاں تک کہ آج کا دن گزر گیا اور وہ ودیعت ہلاک ہو گئی تو وہ ضامن نہ ہوگا۔ کیونکہ اس پر تخلیہ تھا،''عمادیہ''۔ودیعت کے مالک نے مودع سے کہا: ودیعت فلاں کو دے دو اس نے کہا: میں نے ودیعت دے دی ہے اور فلاں نے اسے دیتے وقت جھٹلا دیا ہے اور ودیعت ضائع ہو گئی تو قسم کے ساتھ مودع کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ وہ امین ہے،''سراجیہ''۔مودع نے ابتدا میں کہا: میں نہیں جانتا کہ ودیعت کیسے چلی گئی اصح قول کے مطابق وہ ضامن نہیں ہوگا جس طرح وہ کہے: وہ چلی گئی اور میں یہ نہیں جانتا کہ وہ کیسے چلی گئی

اور قسم سے انکار کی بنا پر وہ کوئی فیصلہ نہ کرے جب وہ دونوں میں سے ایک کے لیے اقرار کرے تو معاملہ مختلف ہوگا کیونکہ اقرار بذات خود حجت ہے۔اس کی مکمل بحث''البحر'' میں ہے۔

28929۔(قولہ: وَنَكَلَ لِلْآخَرِ) دوسرے سے قسم لیتے وقت وہ کہے: اللہ کی قسم نہ اس کا عین اور نہ اس کی قیمت اس کے لیے ہے۔کیونکہ جب اس نے اس کا پہلے کے لیے اقرار کیا تو اس میں اس کا اقرار ثابت ہو گیا تو اس میں دوسرے کے لیے اس کا اقرار کچھ فائدہ نہ دے گا۔اگر وہ پہلے پر اکتفا کرے تو وہ سچا ہوگا۔''بحر''۔

اس کا ایک آدمی پر دین ہے تو دائن نے اپنے مدیون کی طرف ایک آدمی بھیجا تا کہ اس دین پر قبضہ کر لے دونوں نے کہا: میں نے دین کے قاصد کے حوالے کر دیا ہے اور قاصد نے کہا: میں نے دین مالک کو دے دیا ہے اور مالک انکار کر دیتا ہے تو قول قسم کے ساتھ قاصد کا معتبر ہوگا۔اور جو قول''نور العین'' میں ہے: قول قسم کے ساتھ مرسل کا ہوگا۔تامل

مالک نے کہا: دین فلاں کیساتھ بھیج دے تو وہ دین قاصد کے ہاتھ سے ضائع ہو گیا تو وہ مدیون سے ضائع ہوگا۔''بزازیہ''۔

28930۔(قولہ: وَضَاعَتْ) یعنی غائب ہو گئی اور ظاہر نہ ہوئی۔اس کی کوئی ضرورت نہیں ہمارے شیخ کا قول ہے۔

28931۔(قولہ: عَلَى الْأَصَحِّ) اس کا مقتضا یہ ہے کہ اجیر مشترک ضامن نہیں ہوگا۔لیکن''خیر رملی'' نے ضمان کا فتویٰ

فَإِنَّ الْقَوْلَ قَوْلُهُ بِخِلَافِ قَوْلِهِ لَا أَدْرِي أَضَاعَتْ أَمْ لَمْ تَضِعْ أَوْ لَا أَدْرِي وَضَعْتَهَا أَوْ دَفَنْتُهَا فِي دَارِي أَوْ مَوْضِعٍ آخَرَ فَإِنَّهُ يَضْمَنُ وَلَوْ لَمْ يُبَيِّنْ مَكَانَ الدَّفْنِ لَكِنَّهُ قَالَ سُرِقَتْ مِنَ الْمَكَانِ الْمَدْفُونِ فِيهِ لَا يَضْمَنُ، وَتَمَامُهُ فِي الْعِمَادِيَّةِ

بے شک قول اس کا معتبر ہوگا۔ اس کا قول: میں نہیں جانتا کہ کیا وہ ضائع ہوگئی یا ضائع نہیں ہوئی یا میں نہیں جانتا میں نے اسے اپنے گھر میں رکھا یا اپنے گھر میں دفن کیا یا کسی اور جگہ دفن کیا تو وہ ضامن ہوگا۔ اگر وہ دفن کی جگہ کی وضاحت نہیں کرتا لیکن وہ کہتا ہے: مدفون جگہ سے اسے چوری کرلیا گیا ہے تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ''عمادیہ'' میں ہے۔

دیا ہے اور ''حاشیہ الفصولین'' میں ''بزازیہ'' کی طرف منسوب کیا ہے ساتھ ہی یہ علت بیان کی ہے کہ ہمارے زمانے میں یہ ضائع کرنا ہے۔ تامل

28932۔ (قولہ: بِخِلَافِ) یہ اس کے مخالف ہے جو ''جامع الفصولین''، ''نور العین'' وغیرہما میں ہے ساتھ ہی ضامن نہیں ہوگا۔ ''منح'' کے نسخوں میں میں نے اسی طرح دیکھا ہے۔ لیکن لا کا حرف سطروں کے درمیان لاحق کیا گیا ہے گویا یہ لکھنے سے رہ گیا تھا شارح نے اسی طرح نقل کیا ہے پس اس پر متنبہ ہوجایئے۔

فرع: ''حاشیہ'' اور ''نوازل'' میں ہے: وہ ظالم کے پاس سے یتیم کا مال لے کر گزرا اور اسے خوف لاحق ہوا کہ اگر اس نے ظالم کو ہدیہ نہ دیا تو وہ سارے کا سارا مال چھین لے گا تو مال دینے سے وہ ضامن نہیں ہوگا۔ مضارب کا معاملہ بھی اسی طرح ہے مشائخ نے اس قول کو اپنایا ہے۔ ''انقروی''۔

''فتاویٰ نسفی'' میں ہے وصی نے قاضی کے دروازہ پر خرچ کیا تو وہ ضامن ہوگا جو اس نے رشوت کے طور پر دیئے ہیں نہ کہ جو اجارہ کے طور پر دیے ہیں جب وہ اجرت مثلی سے زائد نہ دے۔ ''انقروی''۔

28933۔ (قولہ: فَإِنَّهُ يَضْمَنُ) ''قاضی خان'' نے کہا: میں نے ودیعت کو اپنے گھر میں رکھا پس میں مکان کو بھول گیا تو وہ ضامن نہ ہوگا اگر اس نے کہا: میں نے اسے محفوظ مکان میں رکھا تو میں جگہ بھول گیا تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے امانت کو مجہول بنا دیا ہے جس طرح امانت کو مجہول چھوڑ کر مر گیا ہو۔ تو یہ صحیح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ضامن نہیں ہوگا جس طرح اس کا قول ہے: وہ ودیعت جاتی رہی اور میں نہیں جانتا کہ وہ ودیعت کیسے جاتی رہی۔

اگر اس نے کہا: میں نے اسے اپنے گھر میں دفن کیا ہے یا کسی اور جگہ میں دفن کیا ہے تو وہ ضامن ہوگا۔ اگر اس نے دفن کی جگہ کو واضح نہ کیا لیکن کہا: اس کو اس جگہ سے چوری کرلیا گیا ہے جس میں میں نے اسے دفن کیا تھا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اگر وہ اسے زمین میں دفن کر دے تو وہ بری ہوجائے گا اگر اس نے وہاں کوئی علامت بنائی ورنہ بری نہ ہوگا۔ جنگل میں دفن کرنے سے مطلقاً ضامن ہوگا۔ اگر اسے انگور کی بیلوں میں دفن کر دے تو وہ بری ہوجائے گا اگر وہ محفوظ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ اس کا بند دروازہ ہو۔

اگر اس نے ودیعت کو دفن کیے بغیر رکھ دیا اگر وہ ایسی جگہ سے جس میں اجازت کے بغیر کوئی داخل نہ ہوتا ہو۔

فُرُوعٌ هُدِّدَ الْمُودَعُ أَوْ الْوَصِيُّ عَلَى دَفْعِ بَعْضِ الْمَالِ إِنْ خَافَ تَلَفَ نَفْسِهِ أَوْ عُضْوِهِ فَدَفَعَ لَمْ يَضْمَنْ، وَإِنْ خَافَ الْحَبْسَ أَوْ الْقَيْدَ ضَمِنَ، وَإِنْ خَشِيَ أَخْذَ مَالِهِ كُلِّهِ فَهُوَ عُذْرٌ كَمَا لَوْ كَانَ الْجَابِرُ هُوَ الْآخِذَ بِنَفْسِهِ فَلَا ضَمَانَ عِمَادِيَّةٌ خِيفَ عَلَى الْوَدِيعَةِ الْفَسَادُ رَفَعَ الْأَمْرَ لِلْحَاكِمِ لِيَبِيعَهُ وَلَوْ لَمْ يَرْفَعْ حَتَّى فَسَدَ فَلَا ضَمَانَ، وَلَوْ أَنْفَقَ عَلَيْهَا بِلَا أَمْرِ قَاضٍ فَهُوَ مُتَبَرِّعٌ قَرَأَ مِنْ مُصْحَفِ الْوَدِيعَةِ أَوْ الرَّهْنِ فَهَلَكَ حَالَةَ الْقِرَاءَةِ لَا ضَمَانَ لِأَنَّ لَهُ وِلَايَةَ هَذَا التَّصَرُّفِ صَيْرَفِيَّةٌ قَالَ وَكَذَا لَوْ وَضَعَ السِّرَاجَ عَلَى الْمَنَارَةِ وَفِيهَا أَوْدَعَ صَكًّا وَعَرَفَ أَدَاءَ بَعْضِ الْحَقِّ وَمَاتَ الطَّالِبُ وَأَنْكَرَ الْوَارِثُ الْأَدَاءَ حَبَسَ الْمُودَعُ الصَّكَّ أَبَدًا

مودع اور وصی کو بعض مال دینے پر دھمکایا گیا اگر اسے اپنی ذات یا اپنے عضو کے تلف ہونے کا خوف ہو تو وہ مال دے دے تو ضامن نہ ہوگا اگر اسے حبس یا قید کا خوف ہو تو ضامن ہوگا اگر تمام مال چھین لینے کا خوف ہو تو یہ عذر ہوگا جس طرح جابر حاکم خود ہی مال چھیننے والا ہو تو اس پر کوئی ضمانت نہیں۔ ''عمادیہ''۔ ودیعت کے بارے میں فساد کا خوف ہوا تو وہ حاکم کے سامنے مسئلہ پیش کرے تاکہ وہ اسے بیچ دے اگر وہ مسئلہ پیش نہ کرے یہاں تک کہ وہ خراب ہو جائے تو اس پر کوئی ضمان نہ ہوگی۔ اگر قاضی کے امر کے بغیر اس پر خرچ کرے تو وہ متبرع ہوگا۔ ودیعت کے مصحف سے یا رہن کے مصحف سے پڑھا تو وہ مصحف حالت قراءت میں ہلاک ہو گیا تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ کیونکہ اسے اس تصرف کی ولایت حاصل ہے۔ ''صیرفیہ''۔ کہا: اسی طرح کا حکم ہوگا اگر اس نے چراغ، چراغ رکھنے کی جگہ رکھا۔ اس میں ہے: اس نے دستاویز ودیعت رکھی اور بعض حق کی ادائیگی کا علم ہوا اور طالب مر گیا اور وارث نے ادائیگی کا انکار کر دیا تو مودع دستاویز ہمیشہ کے لیے روک لے۔

جنگل میں چور اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے احتیاط کی غرض سے اسے دفن کر دیا جب وہ واپس لوٹا تو اس جگہ کو نہ پا سکا جہاں اس نے اسے دفن کیا تھا اگر اس کے لیے علامت لگانا ممکن ہو اور اس نے علامت نہ لگائی تو وہ ضامن ہوگا۔

اسی طرح اگر خوف کے زوال کے بعد قریب ہی لوٹنا ممکن ہو اور وہ نہ لوٹا پھر آیا اور ودیعت نہ پائی تو ضامن نہ ہوگا۔ اگر اس نے اس کے مالک کی اجازت سے اسے دفن کیا ہو تو یہ امر ظاہر ہے شاید صحیح یہ ہے کہ وہ امانت ضائع ہوئی۔

مودع نے ودیعت آسودگی کے دور میں کھنڈر کمرے میں رکھی، تو وہ ضامن ہوگا اگر اس نے اسے زمین پر رکھ دیا ہو، اگر اسے دفن کر دیا ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔ ''نور العین''۔

28934۔ (قولہ: مَالِهِ كُلِّهِ) مگر جب اسے مال لینے کا خوف ہو اور قدر کفایت باقی رہے تو ضامن ہوگا۔ ''فصولین''۔

28935۔ (قولہ: وَلَوْ أَنْفَقَ الخ) اگر مودع اس پر خرچ نہ کرے یہاں تک کہ ودیعت ہلاک ہو جائے تو ضامن ہوگا لیکن اس کا نفقہ مودع کے ذمہ ہوگا۔ ''منلا علی حاوی زاہدی''۔

28936۔ (قولہ: عَلَى الْمَنَارَةِ) یہ اس صورت میں ہے جب چراغ رکھنے کی ودیعت ہو۔

28937۔ (قولہ: أَبَدًا) یعنی جب تک وارث ادائیگی کا اقرار نہ کرے۔

وَفِي الْأَشْبَاهِ لَا يَبْرَأُ مَدْيُونُ الْمَيِّتِ بِدَفْعِ الدَّيْنِ إِلَى الْوَارِثِ وَعَلَى الْمَيِّتِ دَيْنٌ لَيْسَ لِلسَّيِّدِ أَخْذُ وَدِيعَةِ الْعَبْدِ الْعَامِلُ لِغَيْرِهِ أَمَانَةً لَا أَجْرَ لَهُ إِلَّا الْوَصِيَّ وَالنَّاظِرَ إِذَا عَمِلَا قُلْت فَعُلِمَ مِنْهُ أَنْ لَا أَجْرَ لِلنَّاظِرِ فِي الْمُسَقَّفِ إِذَا أُحِيلَ عَلَيْهِ الْمُسْتَحِقُّونَ فَلْيُحْفَظُوا فِي الْوَهْبَانِيَّةِ

وَدَافِعُ أَلْفٍ مُقْرِضًا وَمُقَارِضًا وَرِبْحُ الْقِرَاضِ الشَّرْطُ جَازَ وَيُحْذَرُ

وَأَنْ يَدَّعِي ذُو الْمَالِ قَرْضًا وَخَصْمُهُ قِرَاضًا فَرَبُّ الْمَالِ قَدْ قِيلَ أَجْدَرُ

وَفِي الْعَكْسِ بَعْدَ الرِّبْحِ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ كَذَلِكَ فِي الْإِبْضَاعِ مَا يَتَغَيَّرُ

''الاشباہ'' میں ہے: میت کا مدیون دین وارث کو دینے سے بری نہ ہوگا جب کہ میت پر دین ہو۔ آقا کو حق حاصل نہیں کہ غلام سے ودیعت لے۔ غیر کے لیے جو شخص بطور امانت عمل کرتا ہے اس کے لیے اجر نہیں ہوتا مگر وصی اور نگران جب دونوں عمل کریں۔ میں کہتا ہوں: اس سے معلوم ہوا کہ وقف کے ناظر کے واسطے پٹے ہوئے مکان میں (جس پر چھت ڈالی جا چکی ہو) کوئی اجرت نہیں جب وقف کے مستحقین کو اس کے پاٹنے کا حوالہ کر دیا گیا ہو انہیں حفاظت کرنی چاہیے اور ہزار دینے والا قرض کے طور پر اور مضاربت کے طور پر اور مضاربت کے نفع کی شرط لگانا یہ جائز ہے اور ممنوع ہے اگر صاحب مال قرض کا دعویٰ کرے اور اس کا مدمقابل مضاربت کا دعوے کرے تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: رب المال کا قول زیادہ مناسب ہے۔ اور نفع کے بعد اس کے برعکس دعویٰ کرے تو قول صاحب مال کا معتبر ہوگا اس طرح بضاعت پر مال دینے میں حکم متغیر نہیں ہوتا۔

28938۔(قولہ: إِلَى الْوَارِثِ) اس کا ظاہر یہ ہے دین اسے محیط ہو جو اس نے دیا ہے یا محیط نہ ہو حکم برابر ہے۔ ظاہر تو یہ ہے کہ عدم براءت کو اس کے ساتھ مقید کرے جب دین اسے محیط ہو جو اس نے دیا ہے اور وارث اس کے علاوہ ہے جس پر اعتماد ہے جس طرح مودع میں دونوں قیدیں ذکر کی ہیں جب وہ مورث کو ودیعت دے۔ ''حموی''۔

28939۔(قولہ: وَدِيعَةِ الْعَبْدِ) وہ تاجر ہو یا مجور ہو اس پر دین ہو یا دین نہ ہو۔ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب یہ معلوم نہ ہو کہ ودیعت غلام کی کمائی ہے اگر اسے علم ہو تو اسے لینے کا حق حاصل ہے اسی طرح اگر اسے علم ہو کہ یہ آقا کی ہے۔ ''تاتر خانیہ''۔

28940۔(قولہ: قُلْت) میں کہتا ہوں قول صاحب ''الاشباہ'' کا ہے۔

28941۔(قولہ: مُقْرِضًا) یعنی اس کا نصف قرض ہے۔

28942۔(قولہ: مُقَارِضًا) یعنی اس کا نصف مضاربت پر ہے، ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28943۔(قولہ: وَرِبْحُ) یہ لفظ را کے فتحہ کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

28944۔(قولہ: قِرَاضًا) یعنی مضاربت پر۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28945۔(قولہ: فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ) یعنی رب المال کا قول معتبر ہوگا۔ ''حاشیہ'' میں کہا: جب دونوں نے گواہیاں قائم کر دیں تو گواہیاں عامل کی گواہیاں ہوں گی۔ اگر دونوں میں اختلاف کے بعد مضارب کے قبضہ میں مال ہلاک ہو گیا تو عامل رب

وَإِنْ قَالَ قَدْ ضَاعَتْ مِنَ الْبَيْتِ وَحْدَهَا يَصِحُّ وَيُسْتَحْلَفُ فَقَدْ يُتَصَوَّرُ
وَتَارِكُ فِي قَوْمٍ لِأَمْرٍ صَحِيفَةٍ فَرَاحُوا وَرَاحَتْ يَضْمَنُ الْمُتَأَخِّرُ
وَتَارِكُ نَشْرِ الصُّوفِ صَيْفًا فَعِثٌ لَهُ يُضَمَّنُ وَقَرْضُ الْفَأْرِ بِالْعَكْسِ يُؤْثَرُ
إِذَا لَمْ يُسَدَّ الثُّقْبُ مِنْ بَعْدِ عِلْمِهِ وَلَمْ يَعْلَمِ الْمُلَّاكُ مَا هِيَ تُقَرَّرُ
قُلْتُ بَقِيَ لَوْ سَدَّهُ مَرَّةً فَفَتَحَهُ الْفَأْرُ وَأَفْسَدَهُ لَمْ يَذْكُرْ وَيَنْبَغِي تَفْصِيلُهُ كَمَا مَرَّ فَتَدَبَّرْ

اگر مودع نے یہ کہا: کوٹھڑی سے صرف ودیعت ضائع ہوگئی تو یہ قول صحیح ہوگا اس سے قسم لی جائے گی۔ کیونکہ یہ تصور کیا جاسکتا ہے۔ کسی امر کی وجہ سے قوم میں صحیفہ کو چھوڑنے والا پس وہ سب چلے گئے اور صحیفہ جاتا رہا تو آخری آدمی ضامن ہوگا۔ اور گرمی کے موسم میں صوف کے پھیلانے کو ترک کرنے والا مودع پھر صوف کو اس کا کیڑا چاٹ گیا ضامن نہ ہوگا اور چوہے کا کاٹ لینا اس کے برعکس مروی ہے۔ جب وہ آگاہی کے بعد اسے بند نہ کرے اور مالک کو اس بارے میں آگاہ نہ کرے تو یہ امر ثابت ہو جائے گا۔ میں کہتا ہوں: یہ صورت باقی رہ گئی ہے اگر وہ ایک دفعہ بند کر دے اور چوہا اسے کھول دے اسے ذکر نہیں کیا گیا اس کی تفصیل ہونی چاہیے جس طرح گزر چکا ہے پس اس میں تدبر کیجئے۔

المال کے لیے اس سب کا ضامن ہوگا جو اس کے قبضہ میں ہوگا وہ عمل کرے یا عمل نہ کرے۔''شرح الوہبانیۃ لابن الشحنہ''۔

28946۔(قولہ: يَضْمَنُ الْمُتَأَخِّرُ) اس کا مفہوم یہ ہے جب وہ سب اکٹھے اٹھ کھڑے ہوئے تو سب ضامن ہوں گے''قاضی خان'' نے اس کی تصریح کی ہے۔ میرے لیے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ ہر وہ چیز جو تقسیم نہیں کی جاتی اس کا حکم اسی طرح ہے۔''سائحانی''۔

''حاشیہ'' میں کہا: اگر ایک شخص نے ایک قوم کے لیے ودیعت چھوڑی اور سب لوگ اکٹھے کھڑے ہو گئے اور اسے وہیں چھوڑ دیا اور ان میں سے کسی ایک نے بھی نہ اٹھایا تو سب اس کے ضامن ہوں گے۔''ابن شحنہ''۔

28947۔(قولہ: فَعِثٌ) یہ لفظ ثا کے ساتھ ہے۔

28948۔(قولہ: وَلَمْ يَعْلَمِ الخ) واؤ، او کے معنی میں ہے اور یعلم کی یا مضموم ہے۔''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

وہ صورتیں جن میں مودع ضامن ہوگا یا نہیں

28949۔(قولہ: وَيَنْبَغِي) بحث ''طرسوسی'' کی ہے جب انہوں نے کہا: یہ چاہیے کہ اس میں تفصیل ہو۔ کیونکہ امر اس میں دائر ہے کہ مودع کو آگاہ کیا جائے یا اس کے بغیر ہی اس سوراخ کو بند کر دیا جائے جب کہ وہ اور اس کی رضامندی موجود ہے۔''ابن الشحنہ شرنبلالی'' سے اسے ثابت رکھا ہے۔

فروع: اس نے ودیعت کو اپنی آستین یا اپنی پگڑی کے کنارہ میں باندھا یا اسے رومال میں باندھا اور اسے آستین میں رکھ لیا یا اپنے جیب میں ڈال دیا جب کہ وہ اس میں واقع نہ ہوا جب کہ وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس میں واقع ہو چکا ہے تو وہ ضامن

....

نہیں ہوگا۔

وہ باہر نکل گیا اور دروازہ کو کھلا چھوڑ دیا تو وہ ضامن ہوگا اگر گھر میں کوئی بھی نہ ہو اور وہ ایسی جگہ نہ ہو جہاں داخل ہونے والے کا احساس ہوتا ہے۔

اس نے ودیعت کو انگوروں کی بیل میں رکھا اگر اس کی اتنی دیوار ہو کہ انگور کے باغ میں جو کچھ ہے وہ باہر سے دکھائی نہیں دیتا تو وہ ضامن نہیں ہوگا جب وہ دروازہ کو بند کر دے ورنہ وہ ضامن ہوگا۔

ایک تاجر ہے جو نماز کی طرف اٹھتا ہے جب کہ اس (دکان) میں ودیعتیں ہیں (عبارت اسی طرح ہے شاید صحیح یہ ہے کہ اس کے پاس ودیعتیں ہوں) وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے پڑوسی اس کی حفاظت کرتے ہیں یہ مودع کا ودیعت کرنا نہیں بلکہ یہ ایسا مودع ہے جس نے کسی شے کو ضائع نہ کیا۔ شارح نے وہ ذکر کیا ہے جو ضمانت پر دلالت کرتا ہے۔ پس فتویٰ کے وقت غور وفکر کیا جائے۔ ''جامع الفصولین''۔ ''بزازیہ'' میں ہے: حاصل یہ ہے کہ اعتبار عرف کا ہوتا ہے۔

ودیعت کا مالک غائب ہو گیا اور وہ نہیں جانتا کہ کیا وہ زندہ ہے یا مر چکا ہے مودع اس ودیعت کو روکے رکھے یہاں تک کہ اس کی موت کا علم ہو جائے اور اس کو صدقہ نہ کرے۔ لقطہ کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر وہ ودیعت پر قاضی کے امر کے بغیر خرچ کرے تو وہ متطوع ہوگا قاضی اس سے اس بارے میں گواہ پوچھے گا کہ یہ چیز اس کے پاس ودیعت ہے اور مالک غائب ہے۔ اگر وہ گواہیاں پیش کر دے۔ اگر ودیعت ان چیزوں میں سے ہے جسے اجرت پر دیا جا سکتا ہے اور اس کے منافع سے اس پر خرچ کیا جا سکتا ہے تو وہ اسے اس کا حکم دے گا یا وہ چیز ایسی نہ ہوگی تو قاضی اسے ایک، دو یا تین دن اس پر خرچ کرنے کا حکم دے گا اس امید پر کہ مالک حاضر ہو جائے اس سے زیادہ کا حکم نہیں دے گا بلکہ اسے بیع کرنے اور اس کی ثمن کے محفوظ رکھنے کا حکم دے گا۔ اگر ابتدا میں ہی اسے بیچنے کا حکم دے دے تو ودیعت کے مالک کو یہ حق ہوگا کہ اس سے واپسی کا مطالبہ کرے جب وہ حاضر ہو۔ لیکن چوپائے کی صورت میں قیمت کی مقدار کے بدلے میں مطالبہ کرے ثمن کے بدلے میں مطالبہ نہ کرے گا اور غلام میں قیمت کے بدلے میں مطالبہ کرے گا وہ جہاں تک پہنچ جائے۔ اگر ودیعت کے دودھ سے بہت سی شے جمع ہو جائے یا ودیعت ایسی تھی تو اس نے پھل دیا اور اس کے فساد کا خوف ہو تو اس نے قاضی کے امر سے بیچ دیا اگر وہ شہر میں ہو یا ایسی جگہ پر ہو جہاں سے قاضی تک وہ پہنچ سکتا ہو قبل اس کے کہ وہ خراب ہو تو وہ ضامن ہوگا۔ ''تاتر خانیہ'' کے متفرقات میں دسویں فصل میں ہے۔

تتمہ: مودع کی ضمان کے بارے میں ''قاضی خان'' میں ہے: مودع نے ودیعت کے کپڑے میں رہن کا کپڑا رکھا اور وہ ودیعت اس کے مالک کو دے دی اور اس میں کپڑا بھول گیا تو وہ کپڑا مودع کے پاس ضائع ہو گیا تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے غیر کا کپڑا اذن کے بغیر لیا ہے۔ اور اس میں عدم واقفیت عذر نہیں ہے۔ ''نور العین'' میں کہا: چاہیے کہ مسئلہ کو اس مقید کے ساتھ قید کیا جائے کہ وہ آگاہ نہ ہو پھر وہ اس سے آگاہ ہوا اور وہ چیز اس کے پاس ضائع ہو گئی۔ ورنہ ضمان کا اصلاً کوئی سبب نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ ان کا قول: والجهل فيه لا يكون عذرا یہ اپنے اطلاق پر نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ ''ملخص''

کِتَابُ الْعَارِيَّةِ

أَخَّرَهَا عَنِ الْوَدِيعَةِ؛ لِأَنَّ فِيهَا تَمْلِيكًا، وَإِنِ اشْتَرَكَا فِي الْأَمَانَةِ، وَمَحَاسِنُهَا النِّيَابَةُ عَنِ اللهِ تَعَالَى فِي إِجَابَةِ الْمُضْطَرِّ؛ لِأَنَّهَا لَا تَكُونُ إِلَّا لِمُحْتَاجٍ كَالْقَرْضِ فَلِذَا كَانَتِ الصَّدَقَةُ بِعَشَرَةٍ، وَالْقَرْضُ بِثَمَانِيَةَ عَشَرَ (هِيَ) لُغَةً مُشَدَّدَةٌ وَتُخَفَّفُ إِعَارَةُ الشَّيْءِ قَامُوسٌ

عاریہ کے احکام

کتاب العاریہ کو کتاب الودیعۃ سے مؤخر کیا ہے۔ کیونکہ عاریہ میں تملیک (مالک بنانا) موجود ہے اگرچہ امانت میں دونوں شریک ہیں اس کے محاسن میں سے یہ ہے کہ مضطر کی حاجت روائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی نیابت کی جاتی ہے۔ کیونکہ عاریہ صرف محتاج کے لیے ہوتا ہے جس طرح قرض ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے صدقہ کا اجر دس گناہ ہوتا ہے اور قرض کا اجر اٹھارہ گنا ہوتا ہے۔ عاریہ کا لفظ یا مشدد کے ساتھ ہو یا اس کی تخفیف کے ساتھ لغت میں اس سے مراد شے کو ادھار دینا ہے۔ ''قاموس''۔

اعارہ کی لغوی تعریف

28950۔ (قولہ: مُشَدَّدَةٌ) گویا ''عار'' کی طرف منسوب ہے کیونکہ اس کا طلب کرنا عار اور عیب ہے، ''صحاح''۔ ''النہایہ'' میں اس کا رد کیا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود چیز ادھار پر لی (1)۔ اگر اس کی طلب میں عار ہوتی تو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بذات خود ایسا نہ کرتے۔ اور ''المغرب'' میں جو قول ہے اس سے اس کا رد کیا ہے۔ وہ قول یہ ہے کہ یہ اعارہ کا اسم ہے اور اسے عار جس کا معنی عیب ہے، سے اخذ کرنا خطا ہے۔ ''المبسوط'' میں ہے: یہ تعار سے ماخوذ ہے جس کا معنی باری باری کسی فعل کو کرنا ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ اسے مخفف بھی پڑھا گیا ہے۔

''جوہری'' نے کہا: یہ عار کی طرف منسوب ہے۔ ''راغب'' نے اس کا رد کیا ہے کہ عار لاحق ہوتی ہے اور عاریہ واوی ہے۔ ''المبسوط'' میں ہے: یہ عریہ سے مشتق ہے جس کا معنی عوض کے بغیر پھلوں کا مالک بنانا ہے۔ ''مطرزی'' نے اس کا رد کیا ہے۔ کیونکہ یہ کہا جاتا ہے: استعارہ منہ فاعارہ۔ اس نے اس سے کوئی شے ادھار طلب کی تو اس نے اسے ادھار دے دی۔ استعارہ الشیء یہ من کے حذف کے ساتھ صحیح ہے کہ اس کی طرف منسوب العارۃ کا لفظ ہے جو الاعارہ سے اسم ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ تعاور سے ماخوذ ہے جس کا معنی تناوب ہے۔ ''قہستانی''، ملخص۔

1۔ کنز العمال، کتاب العاریہ من قسم الافعال، جلد 10، صفحہ 362، حدیث نمبر 29823

وَشَرْعًا (تَمْلِيكُ الْمَنَافِعِ مَجَانًا) أَفَادَ بِالتَّمْلِيكِ لُزُومَ الْإِيجَابِ وَالْقَبُولِ وَلَوْ فِعْلًا وَحُكْمُهَا كَوْنُهَا أَمَانَةً وَشَرْطُهَا قَابِلِيَّةُ الْمُسْتَعَارِ لِلِانْتِفَاعِ وَخُلُوُّهَا عَنْ شَرْطِ الْعِوَضِ، لِأَنَّهَا تَصِيرُ إِجَارَةً وَصَرَّحَ فِي الْعِمَادِيَّةِ بِجَوَازِ إِعَارَةِ الْمُشَاعِ وَإِيدَاعِهِ وَبَيْعِهِ يَعْنِي،

شرح میں اس سے مراد بغیر عوض کے منافع کا مالک بنانا ہے تملیک سے یہ بیان کیا کہ ایجاب وقبول لازم ہے اگر چہ قول کی بجائے فعل سے ہو۔ عاریہ کا حکم یہ ہے کہ یہ امانت ہے اس کی شرط یہ ہے کہ مستعار چیز نفع حاصل کرنے کے قابل ہو اور عوض کی شرط سے خالی ہو کیونکہ یہ اجارہ ہوتا ہے۔ اور ''عمادیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے کہ مشترک چیز کو ادھار دینا، اسے کسی کے ہاں ودیعت رکھنا اور اسے بیچنا جائز ہے مراد یہ ہے

اعارہ کی شرعی تعریف

28951۔ (قولہ: تَمْلِيكُ) اس میں ''کرخی'' پر رد ہے جو اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ اباحت ہے یہ تملیک نہیں ہے۔ لفظ تملیک کے ساتھ اس کا انعقاد اس کی شہادت دیتا ہے اور اس امر کا جائز ہونا کہ وہ ایسا مال عاریۃً دے جو مستعمل کے مختلف ہونے کے ساتھ مختلف ہو جاتا ہے اور جس کے لیے کوئی شے مباح کی جائے وہ کسی اور کے لیے مباح نہیں کر سکتا۔ اور اباحت کے لفظ کے ساتھ اس کا انعقاد اس لیے ہے کہ یہ لفظ تملیک کے معنی میں بطور مجاز استعمال ہوتا ہے۔ ''بحر''۔

اعارہ کا رکن

28952۔ (قولہ: وَلَوْ فِعْلًا) جیسے ایک ہاتھ سے دینا اور دوسرے ہاتھ سے لینا ہو۔ ''قہستانی'' میں ہے: یہ قبول پر مبالغہ ہے۔ جہاں تک ایجاب کا تعلق ہے تو وہ اس کے ساتھ صحیح نہیں ہوتا۔ اس پر وہ مسائل متفرع ہوتے ہیں جن کا ذکر قریب ہی آئے گا کہ آقا کہتا ہے: اسے لے لو اور اس سے خدمت لو۔ ظاہر یہ ہے کہ یہی اس قول سے مراد ہے جو ''ہندیہ'' سے نقل کیا گیا ہے۔ اس کا رکن ایجاب ہے جو عاریۃً دینے والے کی جانب سے ہو۔ جہاں تک قبول کا تعلق ہے تو یہ مستعیر کی جانب سے ہوتا ہے۔ ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک یہ مستحب نہیں۔ یعنی قبول جو صریحا ہو یہ شرط نہیں۔ ایجاب کا معاملہ مختلف ہے۔ اسی وجہ سے ''تاتر خانیہ'' میں کہا: اعارہ سکوت کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا ورنہ لازم آتا کہ اس کا اخذ کرنا قبول نہ ہوتا۔

مشترک چیز کو اعارہ پر دینا جائز ہے

28953۔ (قولہ: بِجَوَازِ إِعَارَةِ الْمُشَاعِ) یعنی مشترک جز کو ادھار دینا یہ صحیح ہے وہ کیسے بھی ہو وہ چیز اس چیز میں سے ہو جو تقسیم کو قبول کرتی ہے یا تقسیم کو قبول نہیں کرتی وہ شریک کی ہو یا اجنبی کی ہو اسے دو افراد کو ادھار دینا اسے مجمل ذکر کیا جائے یا تفصیل بیان کی جائے وہ نصف نصف ہو یا ایک تہائی کی صورت میں ہو۔ ''قنیہ''۔

28954۔ (قولہ: وَبَيْعِهِ) اسی طرح اس کا قرض پر دینا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ اسی طرح شریک کو ادھار دینا نہ کہ اجنبی کو۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے وقف کا معاملہ بھی ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں ایسی چیز کے

لِأَنَّ جَهَالَةَ الْعَيْنِ لَا تُفْضِي لِلْجَهَالَةِ لِعَدَمِ لُزُومِهَا، وَقَالُوا عَلَفُ الدَّابَّةِ عَلَى الْمُسْتَعِيرِ، وَكَذَا نَفَقَةُ الْعَبْدِ أَمَّا كِسْوَتُهُ فَعَلَى الْمُعِيرِ، وَهَذَا إذَا طَلَبَ الِاسْتِعَارَةَ فَلَوْ قَالَ الْمَوْلَى خُذْهُ وَاسْتَخْدِمْهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَسْتَعِيرَهُ فَنَفَقَتُهُ عَلَى الْمَوْلَى أَيْضًا لِأَنَّهُ وَدِيعَةٌ (وَتَصِحُّ بِأَعَرْتُكَ) لِأَنَّهُ صَرِيحٌ (وَأَطْعَمْتُكَ أَرْضِي) أَيْ غَلَّتَهَا؛ لِأَنَّهُ صَرِيحٌ مَجَازًا مِنْ إطْلَاقِ اسْمِ الْمَحَلِّ عَلَى الْحَالِّ (وَمَنَحْتُكَ) بِمَعْنَى أَعْطَيْتُكَ (ثَوْبِي

کہ عین کی جہالت یہاں نزاع کا موجب نہیں۔ کیونکہ عقد عاریہ لازم نہیں اور علماء نے کہا: جانور کا چارہ ادھار لینے والے پر ہو گا۔ اسی طرح غلام کے نفقہ کا معاملہ ہے۔ جہاں تک اس کے کسوہ کا تعلق ہے تو وہ ادھار دینے والے پر ہے یہ اس وقت ہے جب وہ اعارہ کے طور پر طلب کرے۔ اگر آقا کہے: اسے لے لو اور اس سے خدمت لو جب کہ اس نے اسے عاریۃ نہ مانگا ہو تو نفقہ بھی آقا پر ہوگا۔ کیونکہ یہ ودیعت ہے۔ میں نے تجھے ادھار دے دیا کے ساتھ اعارہ صحیح ہے۔ کیونکہ یہ لفظ صریح ہے۔ میں نے اپنی زمین یعنی اس کے منافع تجھے کھلائے اس کے ساتھ اعارہ صحیح ہے۔ کیونکہ یہ صریح ہے۔ محل کے اسم کو حال پر اطلاق کرنے کے ساتھ مجاز ہے۔ اور اعارہ صحیح ہے جب وہ کہے: میں نے تجھے اپنا کپڑا،

متعلق اختلاف کیا ہے جو تقسیم کو قبول کرتی ہو ورنہ یہ جائز ہے۔ اس کی مکمل بحث ''البحر'' کی کتاب الہبہ میں ہے پس اس کی طرف رجوع کر لیجئے۔

28955۔ (قولہ: لِأَنَّ جَهَالَةَ الخ) اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ جہالت اس کو فاسد نہیں کرتی۔ ''البحر'' میں کہا: جہالت سے مراد ان منافع کی جہالت ہے جن کا مالک بنایا گیا ہے مستعار چیز کی جہالت مراد نہیں۔ اس کی دلیل وہ ہے جو ''الخلاصہ'' میں ہے۔

ایک آدمی اگر دوسرے شخص سے ادھار لیتا ہے وہ آدمی کہتا ہے: اصطبل میں میرے دو گدھے ہیں ان میں سے ایک لے لے جو بھی تم چاہتے ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔

28956۔ (قولہ: لِلْجَهَالَةِ) بعض نسخوں میں للمنازعة کے الفاظ ہیں۔

28957۔ (قولہ: لِأَنَّهُ وَدِيعَةٌ) مالک نے اسے اس سے فائدہ اٹھانے کو مباح قرار دیا تھا۔

علمائے اصول کے نزدیک لفظ صریح کا معنی اور حکم

28958۔ (قولہ: لِأَنَّهُ صَرِيحٌ) یہ حقیقت میں صریح ہے۔ ''قاضی زادہ'' نے کہا ہے: علماء اصول کے نزدیک صریح سے مراد وہ لفظ ہوتا ہے جس کی مراد فی نفسہ منکشف، واضح ہو پس وہ حقیقت غیر مہجورہ اور مجاز متعارف کو شامل ہوگا۔ پہلے کی مثال اعرتك ہے اور دوسرے کی مثال اطعمتك ارضی ہے۔ ''ط''۔

28959۔ (قولہ: لِأَنَّهُ صَرِيحٌ) یہ منحتك (میں نے تجھے عطا کیا) میں ظاہر ہے۔ جہاں تک حملتك میں نے تجھے سوار کیا کا تعلق ہے ''زیلعی'' نے کہا: یہ لفظ دونوں میں مستعمل ہے۔ ایک آدمی کہتا ہے: حمل فلان فلانا علی دابته، اس سے

أَوْ جَارِيَتِي هَذِهِ وَحَمَلْتُك عَلَى دَابَّتِي هَذِهِ إذَا لَمْ يُرِدْ بِهِ) بِمَنَحْتُكَ وَحَمَلْتُك (الْهِبَةَ) لِأَنَّهُ صَرِيحٌ فَيُفِيدُ الْعَارِيَّةَ بِلَا نِيَّةٍ وَالْهِبَةَ بِهَا أَيْ مَجَازًا (وَأَخْدَمْتُك عَبْدِي) وَآجَرْتُك دَارِي شَهْرًا مَجَّانًا (وَدَارِي) مُبْتَدَأٌ (لَك) خَبَرٌ (سُكْنَى) تَمْيِيزٌ أَيْ بِطَرِيقِ السُّكْنَى (وَ) دَارِي لَك (عُمْرَى) مَفْعُولٌ مُطْلَقٌ أَيْ أَعْمَرْتُهَا لَك عُمْرَى (سُكْنَى) تَمْيِيزُهُ يَعْنِي جَعَلْت سُكْنَاهَا لَك مُدَّةَ عُمْرِك (وَ) لِعَدَمِ لُزُومِهَا (يَرْجِعُ الْمُعِيرُ مَتَى شَاءَ)

اپنی یہ لونڈی عطا کی، میں نے تجھے اپنی اس سواری پر سوار کیا جب وہ، میں نے تجھے عطا کیا یا میں نے تجھے سواری پر سوار کیا، سے ہبہ مراد نہ لے۔ کیونکہ یہ صریح مجازی ہے۔ پس نیت کے بغیر یہ عاریہ کا فائدہ دے گا۔ اور نیت کیساتھ ہبہ کا فائدہ دے گا۔ میں نے اپنا غلام تیری خدمت میں دے دیا، میں نے اپنا گھر ایک ماہ کے لیے عوض کے بغیر اجرت پر دے دیا، داری کا لفظ مبتدا ہے لک خبر ہے اور سکنی تمیز ہے۔ یعنی سکنی کے طریقہ پر۔ اور داری لک عمری میں عمری کا لفظ مفعول مطلق ہے۔ اس کی ترکیب یہ ہے اعمرتہا لک عمری، سکنی کا لفظ تمیز ہے یعنی تیری عمر کے عرصہ کے لیے اس کی رہائش تیرے لیے بنا دیا ہے۔ اور کیوں کہ یہ اعارہ لازم نہیں ہوتا اس لیے عاریہ پر دینے والا جب چاہے گا واپس لے لے گا

بعض اوقات مراد ہبہ ہوتا ہے اور بعض اوقات عاریہ ہوتا ہے۔ جب وہ دونوں میں سے ایک کی نیت کرے تو اس کی نیت صحیح ہوتی ہے۔ اگر اس کی نیت نہ ہو تو اسے ادنیٰ پر محمول کیا جائے گا تا کہ اعلیٰ شک کے ہوتے ہوئے لازم نہ ہو۔ یہ اس امر پر دال ہے کہ یہ دونوں میں مشترک میں سے ہے۔ لیکن جب نیت نہ ہو تو اس سے عاریہ مراد لیا جاتا ہے تا کہ شک کے ہوتے ہوئے اعلیٰ لازم نہ آئے۔ ''ط''۔ ہم نے ''البحر'' کے اوپر لکھا ہے جو ''کفایہ'' سے نقل کیا ہے اس میں کفایت موجود ہے۔

28960_(قولہ: بِهَا) اس میں کفایت موجود ہے۔

28961_(قولہ: شَهْرًا) اگر وہ شهرا کا لفظ نہ بولے تو اعارہ نہ ہوگا۔ ''بحر'' میں ''الخانیہ'' سے مروی ہے یعنی بلکہ اجارہ فاسدہ۔ اس کے خلاف بھی قول کیا گیا ہے ''تاتر خانیہ''۔

یہی چاہیے کیونکہ جب مدت کی تصریح نہ کرے اور نہ ہی عوض کی تصریح کرے تو بہتر ہے کہ اسے اعارہ بنایا جائے بنسبت اس کے کہ جو مدت کی تصریح کے ساتھ اعارہ بناتا ہے نہ کہ عوض کے ساتھ اعارہ بناتا ہے۔ یہ ہمارے شیخ کا قول ہے۔ ''رملی'' نے ''حاشیۃ البحر'' میں ''بزازیہ'' کے کتاب الاجارہ میں نقل کیا ہے: اعارہ اجارہ کے لفظ سے منعقد نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگر وہ کہے: میں نے تجھے اس کے منافع سال تک عوض کے بغیر دیئے ہیں تو وہ اجارہ فاسدہ ہوگا وہ عاریۃً نہ ہوگا۔ کہا: اس کے ساتھ اس میں غور وفکر کیجئے۔

28962_(قولہ: مَجَّانًا) یعنی عوض کے بغیر۔

28963_(قولہ: مُدَّةَ عُمْرِك) یہ ایک اور صورت ہے جسے ''قہستانی'' نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ عمری ظرف ہو۔

وَلَوْ مُوَقَّتَةً أَوْ فِيهِ ضَرَرٌ فَتَبْطُلُ، وَتَبْقَى الْعَيْنُ بِأَجْرِ الْمِثْلِ كَمَنْ اسْتَعَارَ أَمَةً لِتُرْضِعَ وَلَدَهُ وَصَارَ لَا يَأْخُذُ إِلَّا ثَدْيَهَا فَلَهُ أَجْرُ الْمِثْلِ إِلَى الْفِطَامِ وَتَمَامُهُ فِي الْأَشْبَاهِ وَفِيهَا مَعْزِيًّا لِلْقُنْيَةِ تَلْزَمُ الْعَارِيَةُ فِيمَا إِذَا اسْتَعَارَ جِدَارَ غَيْرِهِ لِوَضْعِ جُذُوعِهِ فَوَضَعَهَا ثُمَّ بَاعَ الْمُعِيرُ الْجِدَارَ لَيْسَ لِلْمُشْتَرِي رَفْعُهَا، وَقِيلَ نَعَمْ إِلَّا إِذَا شَرَطَهُ وَقْتَ الْبَيْعِ

اگر چہ اس کے لیے کوئی وقت ذکر کیا گیا ہو یا اس میں ضرر ہو۔ پس اعارہ باطل ہو جائے گا اور عین اجرت مثلی کے ساتھ باقی رہے گی جس طرح ایک آدمی لونڈی عاریۃً لیتا ہے تا کہ اس کے بچے کو دودھ پلائے اور وہ بچہ یوں ہو گیا ہے کہ وہ اس لونڈی کے سوا کسی کا پستان نہیں پکڑتا تو دودھ چھڑانے تک اس کے لیے اجرت مثلی ہو گی۔ اس کی مکمل بحث ''الاشباہ'' میں ہو گی۔ اس میں ''قنیہ'' کی طرف منسوب قول ہے: عاریہ لازم ہو گا جب کوئی آدمی اپنی کڑیاں رکھنے کے لیے کسی اور کی دیوار عاریۃً لیتا ہے پس وہ اس پر کڑیاں رکھ لیتا ہے پھر معیر دیوار بیچ دیتا ہے تو مشتری کو حق حاصل نہیں کہ وہ یہ اٹھائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مگر جب وہ بیع کرتے وقت اس کی شرط لگا لے۔

28964۔ (قولہ: وَلَوْ مُوَقَّتَةً) لیکن وقت مکمل ہونے سے پہلے یہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں وعدہ خلافی ہے۔ ''ابن کمال''۔
میں کہتا ہوں: یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ وعدہ خلافی مکروہ ہے حرام نہیں ہے۔ ''الذخیرہ'' میں ہے: یہ مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ وعدہ خلافی ہے اور وعدہ پورا کرنا مستحب ہے۔ ''سائحانی''۔

28965۔ (قولہ: فَتَبْطُلُ) یہ واپسی کے مطالبہ کے ساتھ اعارہ باطل ہو جائے۔

28966۔ (قولہ: فَلَهُ أَجْرُ الْمِثْلِ) یعنی معیر کے لیے اجرت مثلی ہو گی زیادہ بہتر یہ قول تھا: فعلیہ یعنی مستعیر پر اجرت مثلی ہو گی۔

28967۔ (قولہ: لِلْقُنْيَةِ) ''القنیہ'' میں اس جگہ میں نے یہ قول نہیں پایا۔

28968۔ (قولہ: وَقْتَ الْبَيْعِ) یعنی مگر جب بائع بیع کے وقت شرط لگا دے تو کڑیاں باقی رہیں گی اس میں وارث مشتری کے قائم مقام ہے مگر وارث کو یہ حق حاصل ہے کہ ہر حال میں اسے اٹھا لینے کا حکم دے جس طرح ''ہندیہ'' میں ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس نے کسی وارث کو اپنے گھر میں کوئی شے تعمیر کرنے کا حکم دیا پھر وہ مر گیا تو باقی وارثوں کو حق حاصل ہو گا کہ اس کے اٹھا لینے کا مطالبہ کریں اگر تقسیم نہ ہوئی ہو یا یہ اس کے حصہ میں وہ نہ نکلتا ہو۔
''جامع الفصولین'' میں ہے: ایک آدمی نے ایک گھر عاریۃً لیا اور مالک کی اجازت کے بغیر اس میں گھر بنا لیا یا اس نے کہا: اپنے لیے بنا لے پھر گھر کو اس کے حقوق کے ساتھ بیچ دیا تو بنانے والے کو حکم دیا جائے گا کہ عمارت کو گرا دیا جائے۔ جب مطالبہ کے بعد اس نے لوٹانے میں کوتاہی کی جب کہ اس پر قادر تھا تو ضامن نہیں ہو گا۔ ''سائحانی''۔
''حاشیہ'' میں کہا: عنقریب اس کے بارے میں مسئلہ آئے گا جس نے اپنی بیوی کے گھر میں کوئی چیز تعمیر کی۔ یہ کتاب

قُلْت وَبِالْقِيلِ جَزَمَ فِي الْخُلَاصَةِ وَالْبَزَّازِيَّةِ وَغَيْرِهِمَا وَاعْتَمَدَهُ مُحَشِّيهَا فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ وَلَمْ يَتَعَقَّبْهُ ابْنُ الْمُصَنِّفِ فَكَأَنَّهُ ارْتَضَاهُ فَلْيُحْفَظْ (وَلَا تُضْمَنُ بِالْهَلَاكِ مِنْ غَيْرِ تَعَدٍّ) وَشَرْطُ الضَّمَانِ بَاطِلٌ كَشَرْطِ عَدَمِهِ فِي الرَّهْنِ خِلَافًا لِلْجَوْهَرَةِ (وَلَا تُؤَجَّرُ وَلَا تُرْهَنُ)

میں کہتا ہوں: قول ضعیف کو جزم کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، ''خلاصہ'' اور ''بزازیہ'' وغیرہما۔ ''تنویر البصائر'' میں اس کے محشی نے اس پر اعتماد کیا ہے مصنف کے بیٹے نے اس پر اعتراض نہیں کیا گویا وہ اس پر راضی ہیں پس اسے یاد رکھا جائے۔ بغیر تعدی کے عاریہ ہلاک ہو تو اس کی ضمانت نہ ہوگی اور ضمان کی شرط باطل ہے جس طرح رہن میں ضمان نہ ہونے کی شرط لگائی جائے ''جوہرہ'' نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ نہ اسے اجرت پر دیا جائے گا اور نہ ہی رہن پر دیا جائے گا

الوصایا کے مسائل شتی میں ہے اس میں جذوع (کڑیاں) سرداب (تہہ خانہ) کے مسئلہ کا اضافہ ہے کہا: ایک آدمی نے اپنی کڑیاں اپنے پڑوسی کی دیوار پر پڑوسی کی اجازت سے رکھیں یا پڑوسی کی اجازت سے اپنے گھر میں سرداب کھودا پھر پڑوسی نے اپنا گھر بیچ دیا مشتری نے یہ ارادہ کیا کہ وہ اپنی کڑیاں اس کی دیوار سے اتار لے اور سرداب ختم کر دے تو مشتری کو یہ حق حاصل ہوگا۔ مگر جب بائع نے بیع میں یہ شرط لگائی ہو کہ کڑیاں اور سرداب جو گھر کے نیچے ہے باقی رہیں گے اس وقت مشتری کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ اس کے اتار لینے کا حکم دے۔ اس کی مکمل بحث ''الخانیہ'' کی فصل مایتضرر بہ الجار میں ہے۔

28969۔ (قولہ: وَبِالْقِيلِ الخ) ''خیریہ'' میں اس کا فتویٰ دیا ہے ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28970۔ (قولہ: فِي الْخُلَاصَةِ) ''الخانیہ'' میں اسی طرح ہے جس طرح ہم اس کی عبارت دعوی النسب سے تھوڑا پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

28971۔ (قولہ: وَلَا تُضْمَنُ) یہ اس وقت ہے جب یہ واضح نہ ہو کہ غیر کا اس میں استحقاق نہیں۔ اگر کسی اور کا استحقاق ظاہر ہو گیا تو وہ اس کا ضامن ہوگا اور اسے معیر سے مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ مودع کا معاملہ مختلف ہے جب اس نے مستحق کو ضمانت دی تو وہ مودع سے مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ وہ مودع مودع کے لیے عمل کرتا ہے۔ ''بحر''۔

28972۔ (قولہ: بِالْهَلَاكِ) یہ اس وقت ہے جب اعارہ مطلقہ ہو جب اعارہ مقیدہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ایک دن کے لیے عاریۃً دے اور دن گزرنے کے بعد اسے واپس نہ کرے تو وہ ضامن ہوگا جب عاریۃً پر دی گئی چیز ہلاک ہو جائے جس طرح ''شرح المجمع'' میں ہے: یہی مختار ہے جس طرح ''العمادیہ'' میں ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں کہا: خواہ وقت کے بعد اس سے کام لیا یا کام نہ لیا۔ ''صاحب المحیط'' اور ''شیخ الاسلام'' نے اسے ذکر کیا ہے: بے شک وہ ضامن ہوگا جب وقت گزرنے کے بعد وہ نفع حاصل کرے کیونکہ اس وقت وہ غاصب ہو جاتا ہے۔ ''ابو سعود''۔

28973۔ (قولہ: لِلْجَوْهَرَةِ) کیونکہ ''جوہرہ'' میں اسے یقین سے بیان کیا ہے کہ ضمان کی شرط پر اسے مضمونہ قرار دیا ہے۔ اس میں ایک روایت ذکر نہیں کی جب کہ اس میں دو روایتیں ہیں جس طرح ''زیلعی'' کی عبارت سے اخذ کیا گیا ہے، ''س''۔

لِأَنَّ الشَّیْءَ لَا یَتَضَمَّنُ مَا فَوْقَهُ (کَالْوَدِیعَةِ) فَإِنَّهَا لَا تُؤْجَرُ، وَلَا تُرْهَنُ بَلْ وَلَا تُودَعُ، وَلَا تُعَارُ بِخِلَافِ الْعَارِیَّةِ عَلَى الْمُخْتَارِ، وَأَمَّا الْمُسْتَأْجَرُ فَیُؤَاجَرُ وَیُودَعُ وَیُعَارُ وَلَا یُرْهَنُ، وَأَمَّا الرَّهْنُ فَکَالْوَدِیعَةِ وَفِی الْوَهْبَانِیَّةِ نَظَمَ تِسْعَ مَسَائِلَ لَا یَمْلِكُ فِیهَا تَمْلِیكًا لِغَیْرِهِ بِدُونِ إِذْنٍ سَوَاءٌ قَبَضَ أَوْ لَا فَقَالَ

وَمَالِكُ أَمْرٍ لَا یُمَلِّکُهُ بِدُونِ أَمْرٍ وَكِیلٍ مُسْتَعِیرٍ وَمُؤَجَّرُ

کیونکہ یہ اپنے مافوق کو متضمن نہیں ہوتی جیسے ودیعت۔ کیونکہ نہ اسے اجرت پر دیا جاتا ہے اور نہ ہی اسے رہن رکھا جاتا ہے بلکہ نہ اسے ودیعت کے طور پر کسی کو دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی عاریۃ دیا جاسکتا ہے۔ عاریہ کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ مختار مذہب کے مطابق ہے۔ جہاں تک مستاجر کا تعلق ہے پس اسے اجرت پر دے گا ودیعت کے طور پر دے گا اور عاریۃ دے گا اور رہن کے طور پر نہیں رکھے گا۔ جہاں تک رہن کا تعلق ہے وہ ودیعت کی طرح ہے۔ ''وہبانیہ'' میں ان نو مسائل کو نظم کیا ہے جس میں غیر کو مالک نہیں بنا سکتا جب تک اجازت نہ ہو خواہ وہ قبضہ کرے یا قبضہ نہ کرے۔ امر کا مالک جسے وکیل کے امر کے بغیر کسی اور کو مالک بنانے کا اختیار نہیں وہ مستعیر اور موجر ہے

28974۔ (قولہ: عَلَى الْمُخْتَارِ) کیونکہ اسے عاریۃ دیا جاتا ہے۔ ''اشباہ''۔ اس کے محشی نے کہا: جب وہ ان چیزوں میں سے ہو جو استعمال سے مختلف نہیں ہوتیں جس طرح رہائش رکھنا، بوجھ اٹھانا اور زراعت۔ اگرچہ وہ یہ شرط لگائے کہ وہ خود اس سے فائدہ اٹھائے۔ کیونکہ جس میں فرق نہ پڑتا ہو اس کی قید لگانا مفید نہیں ہوتی جس طرح ''شروح المجمع'' میں ہے۔ ''س''۔

''البحر'' میں ہے: مستعیر کے لیے جائز ہے کہ وہ اسے ودیعت رکھے۔ یہ مفتی بہ قول ہے یہی مختار ہے۔ بعض نے اس کے عدم کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے اگر وہ اجنبی کے ہاتھ اسے بھیجے تو وہ چیز ہلاک ہو جائے تو دوسرے سے ضمانت لے گا پہلے سے ضمانت نہیں لے گا۔ عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

28975۔ (قولہ: وَأَمَّا الْمُسْتَأْجَرُ) ''البحر'' کی کتاب الودیعہ میں ''الخلاصہ'' سے مروی ہے: ودیعت کو نہ آگے ودیعت پر دیا جاسکتا ہے، نہ عاریۃ دیا جاسکتا ہے، نہ اجرت پر دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی دین پر رکھا جاسکتا ہے اور مستاجر (اجرت پر لی گئی چیز) کو اجرت پر دیا جاسکتا ہے، عاریۃ دیا جاسکتا ہے اور اسے ودیعت رکھا جاسکتا ہے رہن کا حکم ذکر نہیں کیا و ینبغی الخ۔ ''الخلاصہ'' کے قول میں ہے: اور چاہیے الخ۔ یہ ایسی کلام ہے جسے ہم نے ''حاشیۃ البحر'' میں لکھا ہے۔

28976۔ (قولہ: وَیُودَعُ) لیکن اجیر مشترک ''فصولین'' کے قول کے مطابق اپنے قبضہ میں موجود چیز جو ودیعت پر دینے کی صورت میں ضامن ہوگا۔ اگر دلال نے کوئی چیز ودیعت رکھی تو وہ ضامن ہوگا۔ ''سائحانی''۔

28977۔ (قولہ: لَا یُمَلِّکُهُ) یہ باب تفعیل سے لام کی تشدید کے ساتھ ہے۔ اور دوسرے مصرعہ کا آغاز دون کی نون سے ہے۔

28978۔ (قولہ: وَمُؤَجَّرُ) یہ جیم کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

رُكُوبًا وَلُبْسًا فِيهِمَا وَمُضَارِبٌ وَمُرْتَهَنٌ أَيْضًا وَقَاضٍ يُؤَمَّرُ
وَمُسْتَوْدَعٌ مُسْتَبْضَعٌ وَمُزَارِعٌ إِذَا لَمْ يَكُنْ مِنْ عِنْدِهِ الْبَذْرُ يُبْذَرُ

قُلْت وَالْعَاشِرَةُ

وَمَا لِلْمُسَاقِي أَنْ يُسَاقِيَ غَيْرَهُ وَإِنْ أَذِنَ الْمَوْلَى لَهُ لَيْسَ يُنْكَرُ

(فَإِنْ آجَرَ الْمُسْتَعِيرُ) (أَوْ رَهَنَ فَهَلَكَتْ ضَمَّنَهُ الْمُعِيرُ) لِلتَّعَدِّي (وَلَا رُجُوعَ لَهُ) لِلْمُسْتَعِيرِ (عَلَى أَحَدٍ) لِأَنَّهُ بِالضَّمَانِ ظَهَرَ أَنَّهُ آجَرَ نَفْسَهُ وَيَتَصَدَّقُ بِالْأُجْرَةِ خِلَافًا لِلثَّانِي (أَوْ ضَمَّنَ (الْمُسْتَأْجِرَ) سَكَتَ عَنْ الْمُرْتَهِنِ

یعنی سوار ہونے اور پہننے دونوں میں اسے کسی اور کو دینے کا اختیار نہیں۔ مضارب و مرتہن بھی اور قاضی جسے امر کیا گیا ہو، مستودع، مستبضع اور مزارع جب اس کی جانب سے بیج نہ ہو جسے بویا جائے۔ میں کہتا ہوں: دسواں یہ ہے: ساقی کو یہ حق حاصل نہیں کہ کسی اور کو مساقات پر دے اگر مالک اسے اجازت دے تو پھر انکار کی کوئی بات نہیں۔ اگر مستعیر نے وہ چیز اجرت پر دی یا رہن پر رکھی تو وہ چیز ہلاک ہوگئی تو معیر اس سے ضمانت لے گا۔ کیونکہ اس نے حد سے تجاوز کیا ہے اور مستعیر کو کسی کے خلاف مطالبہ کا حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ ضمان سے یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ اس نے اپنی ذات کو اجارہ پر دیا اور اس کی اجرت کو صدقہ کرے گا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے یا مستاجر سے ضمانت لے گا مرتہن سے سکوت کیا ہے۔

28979۔ (قولہ: فِيهِمَا) ضمیر سے مراد اعارہ اور اجارہ ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ اس کے لبس اور رکوب کی قید لگائے ورنہ یہ قول گزر چکا ہے اور آگے آئے گا کہ وہ اس چیز کو عاریۃً دے سکتا ہے جو مستعمل کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتی ہے۔ اگر وہ لابس اور راکب کی قید نہ لگائے۔ ''سائحانی''۔

وکیل آگے وکیل نہیں بنا سکتا اور پہننے اور سواری کرنے کے لیے عاریۃً لینے والا وہ اسے عاریہ پر نہیں دے سکتا جس کا استعمال مختلف ہو۔ مستاجر کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اجازت کے بغیر مرکوب یا ملبوس کو اجرت پر کسی اور کو دے۔

28980۔ (قولہ: وَمُسْتَوْدَعٌ) یہ دال کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

28981۔ (قولہ: ضَمَّنَهُ الْمُعِيرُ) ضمن باب تفعیل سے میم کی تشدید کے ساتھ ہے۔ یہ معروف کا صیغہ ہے۔ المعیر اس کا فاعل ہے۔ ضمنہ میں جو ضمیر ہے وہ مستعیر کی طرف راجع ہے۔

28982۔ (قولہ: عَلَى أَحَدٍ) ''مسکین'' کی عبارت ہے: علی المستاجر۔ ''قہستانی'' نے اسی طرح اسے ثابت رکھا ہے اور کہا: نکرہ عامہ میں کوئی فائدہ نہیں۔ ''ابو سعود'' نے کہا: ہمارے شیخ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ فائدہ کا سبب اس کے مانع ہے کہ رہن کی قیمت بیس ہو اور وہ اس کے بدلے میں رہن ہو پس وہ زائد کا مرتہن سے مطالبہ نہیں کرے گا۔

28983۔ (قولہ: الْمُسْتَأْجِرَ) ضمن کا مفعول ہے اسی طرح لکھا گیا ہے۔

28984۔ (قولہ: عَنْ الْمُرْتَهِنِ) ''شرنبلالیہ'' میں کہا ہے: اس امر سے خاموشی اختیار کی ہے اگر وہ مرتہن سے ضمانت

وَفِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ الْخَامِسَةُ لَا يَمْلِكُ الْمُرْتَهِنُ أَنْ يَرْهَنَ فَيَضْمَنَ، وَلِلْمَالِكِ الْخِيَارُ، وَيَرْجِعُ الثَّانِي عَلَى الْأَوَّلِ (وَ رَجَعَ) الْمُسْتَأْجِرُ (عَلَى الْمُسْتَعِيرِ إِذَا لَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّهُ عَارِيَةٌ فِي يَدِهِ) دَفْعًا لِضَرَرِ الْغَرَرِ (وَلَهُ أَنْ يُعِيرَ مَا اخْتَلَفَ اسْتِعْمَالُهُ أَوْ لَا إِنْ لَمْ يُعَيِّنْ) الْمُعِيرُ (مُنْتَفِعًا وَ) يُعِيرُ (مَا لَا يَخْتَلِفُ إِنْ عَيَّنَ)

''شرح الوہبانیہ'' میں ہے: پانچواں مسئلہ یہ ہے مرتہن اس کا مالک نہیں کہ وہ آگے رہن رکھے اگر وہ رہن رکھے گا تو ضامن ہو گا اور مالک کو اختیار ہوگا اور دوسرا مرتہن پہلے مرتہن سے ضمانت لے گا اور مستاجر مستعیر سے مطالبہ کرے گا جب اسے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ اس کے قبضہ میں عاریۃ ہے تا کہ دھوکہ کے ضرر کو دور کرے۔ اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ آگے عاریۃ دے دے جس کا استعمال مختلف ہوتا ہو یا مختلف نہ ہوتا ہو اگر معیر نفع اٹھانے والے کو معین نہ کرے اگر وہ منتفع کو معین کر دے تو جس کے استعمال میں فرق نہ پڑتا ہو تو وہ عاریۃ دے سکتا ہے۔

لے تو اس کے حکم میں غور وفکر کیا جائے گا۔ ہمارے شیخ نے فرمایا: اس صورت میں مرتہن کا حکم غاصب کا حکم ہے جس طرح ''نوح آفندی'' نے اس کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اس نے غیر کا مال اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر قبضہ میں لیا ہے پس معیر کو حق حاصل ہوگا کہ اس سے ضمانت لے اور ضمانت کے ادا کرنے کی صورت میں دین مرتہن کی ملکیت پر ہلاک ہونے والا ہوگا۔ اور جو ضمانت رہی ہے اس کا رہن مستعیر سے مطالبہ نہ کرے گا کیونکہ تجھے علم ہے کہ وہ غاصب اور اس کا دین واپس کرے گا۔

اپنے اس قول: ولا رجوع اليه على الراهن المستعير کی قید لگانے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے اگر رہن مرتہن ہو۔ بے شک وہ اول سے مطالبہ کرے گا۔ ''ابوسعود''۔

یہ وہ صورت ہے جسے شارح نے اپنے اس قول کے ساتھ ذکر کیا ہے: وفی شرح الوهبانية الخ۔ مصنف جس سے خاموش رہے ہیں یہ اس کا بیان نہیں ہے جس طرح ان کی کلام وہم دلاتی ہے بلکہ یہ دوسرے فائدہ کا بیان ہے۔ تامل

28985۔ (قوله: وَفِي شَرْحِ الخ) اس کا ظاہر یہ ہے یہ اس کی وضاحت ہے جس سے مصنف خاموش رہے جب کہ اس کے قبل سے نہیں۔ کیونکہ کلام مستعیر کے بارے میں ہے جب وہ اس چیز کو آگے اجرت پر دے یا رہن کے طور پر دے۔

28986۔ (قوله: أَنْ يَرْهَنَ) یعنی رہن کی اجازت کے بغیر رہن پر دے۔ ''شرح الوہبانیہ'' ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28987۔ (قوله: وَيَرْجِعُ الثَّانِي) یعنی اگر اس نے ضمانت دی ہو اگر پہلے نے ضمانت دی تو وہ کسی سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔ ''ابن شحنہ''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28988۔ (قوله: إِنْ لَمْ يُعَيِّنْ) یعنی اس نے مطلقاً ذکر کیا تھا جس طرح ہم اس کا قریب ہی ذکر کریں گے۔ جس طرح اگر وہ سواری کے لیے جانور ادھار لے یا پہننے کے لیے کپڑا ادھار لے تو اسے حق حاصل ہے کہ وہ آگے کسی کو ادھار دے دے۔ اور یہ راکب اور لابس کی تعیین ہو جائے گی۔ اگر اس کے بعد وہ سوار ہوا تو امام علی ''بزدوی'' نے کہا: وہ ضامن ہوگا۔

وَإِنْ اخْتَلَفَ لَا لِلتَّفَاوُتِ وَعَزَاهُ فِي زَوَاهِرِ الْجَوَاهِرِ لِلِاخْتِيَارِ (وَمِثْلُهُ) أَيْ كَالْمُعَارِ (الْمُؤَجَّرُ)، وَهَذَا عِنْدَ عَدَمِ النَّهْيِ فَلَوْ قَالَ لَا تَدْفَعْ لِغَيْرِكَ فَدَفَعَ فَهَلَكَ ضَمِنَ مُطْلَقًا خُلَاصَةٌ (فَمَنْ اسْتَعَارَ دَابَّةً أَوْ اسْتَأْجَرَهَا مُطْلَقًا) بِلَا تَقْيِيدٍ

اگر فرق پڑتا ہوتو آگے عاریہ پر نہ دے کیونکہ تفاوت پایا جارہا ہے۔''زواہر الجواہر'' میں اسے''الاختیار'' کی طرف منسوب کیا ہے۔اور معار کی مثل موجر ہے۔یہ اس صورت میں ہے جب نہی نہ ہو۔اگر اس نے کہا: کسی اور کو نہ دینا اور اس نے وہ چیز دے دی تو وہ ہلاک ہوجائے تو مطلقاً ضامن ہوگا''خلاصہ''۔پس جو جانور عاریۃً لے یا اسے مطلقاً اجارہ پر لے کوئی قید نہ لگائے

''سرخسی'' اور''خواہر زادہ'' نے کہا: وہ ضامن نہیں ہوگا۔''فتاویٰ قاضی خان'' میں اسی طرح ہے۔''کافی'' میں پہلے کو صحیح قرار دیا ہے۔''بحر''۔اور عنقریب اس کا ذکر ہوگا۔

28989۔(قولہ: وَإِنْ اخْتَلَفَ) یعنی اگر وہ منتفع کو معین کردے اور اس کا استعمال مختلف ہوجائے تو وہ تفاوت کی وجہ سے ادھار نہیں دے گا۔علماء نے کہا: سوار ہونا اور پہننا ان امور میں سے ہیں جن کا استعمال مختلف ہوتا ہے۔جانور پر کوئی شے لادنا، خدمت لینا اور رہائش رکھنا ان چیزوں میں سے ہے جس کا استعمال مختلف ہوتا ہے۔''ابوالطیب مدنی''۔

28990۔(قولہ: الْمُؤَجَّرُ) یہ جیم کے فتحہ کے ساتھ اسم مفعول کا صیغہ ہے یعنی جب وہ کوئی شے اجرت پر دے اگر وہ اس سے نفع حاصل کرنے والے کو متعین نہ کرے تو مستاجر کو حق حاصل ہے کہ اسے اجرت پر دے خواہ اس کا استعمال مختلف ہو یا مختلف نہ ہو۔اگر وہ معین کردے تو اسے عاریۃ دے سکتا ہے جس کا استعمال مختلف نہ ہو جس کا استعمال مختلف ہو وہ نہیں دے سکتا۔''منح''۔

28991۔(قولہ: أَوْ اسْتَأْجَرَهَا) اسے حق حاصل ہے کہ جس وقت چاہے بوجھ لادے اور جس نوع سے چاہے بوجھ لادے،''باقانی''۔''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28992۔(قولہ: مُطْلَقًا) میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ اطلاق سے مراد معین منتفع کی قید نہ لگانا ہے۔کیونکہ وہ عنقریب وقت اور نوع میں اطلاق کا ذکر کریں گے ورنہ تکرار لازم آئے گا۔تامل

جو شخص جانور عاریۃً لے یا اسے مطلقاً اجارہ پر لے کوئی قید نہ لگائے تو جو چاہے اس پر بوجھ لادے

28993۔(قولہ: بِلَا تَقْيِيدٍ)''التبیین'' میں کہا: جس اطلاق کا انہوں نے یہاں ذکر کیا ہے چاہیے اس اطلاق کو اس صورت پر محمول کیا جائے جو مستعمل کے اختلاف سے مختلف ہوجاتا ہے جیسے پہننا، سوار ہونا اور زراعت کرنا جب وہ یہ کہے: جسے میں چاہوں گا اسے اس پر سوار کروں گا جس طرح اس اطلاق جس کو اجارہ میں ذکر کیا ہے اسے اس پر محمول کیا ہے۔''شرنبلالیہ'' میں اسے ثابت رکھا ہے۔مولف کے قول بلا تقیید نے جس کا وہم دلایا ہے وہ مکمل نہیں ہوتا جب اسے پیش نظر رکھا جائے جو مستعمل کے مختلف ہونے سے مختلف ہوجاتا ہے۔

(يَحْمِلُ) مَا شَاءَ (وَيُعِيرُ لَهُ) لِلْحَمْلِ (وَيَرْكَبُ) عَمَلًا بِالْإِطْلَاقِ (وَأَيًّا فَعَلَ) أَوَّلًا (تَعَيَّنَ) مُرَادًا (وَضَمِنَ بِغَيْرِهِ) إِنْ عَطِبَتْ حَتَّى لَوْ أَلْبَسَ أَوْ أَرْكَبَ غَيْرَهُ لَمْ يَرْكَبْ بِنَفْسِهِ بَعْدَهُ هُوَ الصَّحِيحُ كَافِي (وَإِنْ أَطْلَقَ) الْمُعِيرُ أَوِ الْمُؤَجِّرُ (الِانْتِفَاعَ فِي الْوَقْتِ وَالنَّوْعِ انْتَفَعَ مَا شَاءَ أَيَّ وَقْتٍ شَاءَ) لِمَا مَرَّ (وَإِنْ قَيَّدَهُ) بِوَقْتٍ أَوْ نَوْعٍ أَوْ بِهِمَا

تو جو چاہے اس پر بوجھ لادے اور بوجھ لادنے کے لیے اسے عاریۃً دے اور اس پر سوار ہو یہ اطلاق پر عمل کرنے کی بنا پر ہے وہ پہلے جو بھی عمل کرے وہ بطور مراد متعین ہو جائے گا اور کسی دوسرے عمل کی وجہ سے ضامن ہوگا اگر وہ چیز ہلاک ہو جائے یہاں تک کہ اگر وہ کسی اور کو وہ لباس پہنائے یا کسی اور کو سوار کرے اس کے بعد خود اس پر سوار نہ ہو یہی صحیح قول ہے، ''کافی''۔ اگر معیر یا موجر نے انتفاع کو وقت اور نوع میں مطلق کیا تھا تو جو چاہے نفع اٹھائے جس وقت چاہے نفع اٹھائے اس دلیل کی وجہ سے جو گزر چکی ہے اگر وقت یا نوع کے ساتھ مقید کرے یا دونوں کے ساتھ مقید کرے

میں کہتا ہوں: اس تعبیر کی بنا پر مصنف کا سابقہ قول: ان لم یعین، مختلف کی طرف نسبت کے اعتبار سے، اس پر محمول کیا جائے گا جب وہ اطلاق پر نص قائم کرے نہ کہ یہ اسے شامل ہے جب وہ سکوت اختیار کرے۔ لیکن ''ہدایہ'' میں ہے: اگر وہ جانور ادھار لے اور اس کے لیے کسی شے کا ذکر نہ کرے تو اسے حق حاصل ہے کہ اس پر بوجھ لادے اور کسی اور کو بوجھ لادنے کے لیے عاریۃً دے دے اور کسی امر کو سوار کرے، الخ۔ پس اس کی طرف رجوع کیجیے۔

28994۔(قولہ: يَحْمِلُ مَا شَاءَ) یعنی جس نوع سے چاہے اس پر بوجھ لادے اگر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہ لادے جس طرح اگر وہ ایسے راستہ پر چلے جس پر لوگ نہیں چلتے جب کہ اسے اس مکان تک حاجت ہو تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ مطلقاً اذن متعارف کی طرف پھر جاتا ہے یہ متعارف نہیں کہ جانور کی طاقت سے بڑھ کر اس پر بوجھ لادے۔ اس کی مثال اور اس کی عدت ''جامع الفصولین'' میں ہے۔ عنقریب اجارہ کے باب میں اس کی مثل متن میں آئے گا۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

28995۔(قولہ: وَيَرْكَبُ) یہ لفظ پہلے حرف کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ ہے۔ ''سائحانی''۔

28996۔(قولہ: أَوَّلًا) یہ لفظ ہمزہ کے فتحہ اور واو کی تشدید کے ساتھ ہے۔

28997۔(قولہ: بِغَيْرِهِ) یہ اس کے بارے میں ہے جو مستعمل کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتا ہے جس طرح سیاق و سباق اس کو بیان کرتا ہے، ''سائحانی''۔ ہم پہلے ''زیلعی'' سے بیان کر چکے ہیں چاہیے کہ وہ چیزیں جو مستعمل کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتی ہیں اس میں عدم ضمان کو اس کے ساتھ مقید جائے جب وہ انتفاع کو مطلقاً ذکر کرے۔ فافہم

28998۔(قولہ: انْتَفَعَ) اگر وہ موضع کا ذکر نہ کرے تو اسے وہاں سے باہر لے جانے کا حق نہیں۔ یہ ''فصولین'' سے ماخوذ ہے۔

28999۔(قولہ: أَوْ بِهِمَا) وقت کے اعتبار سے تقیید وہ وقت کیسا بھی ہو۔ اسی طرح انتفاع کے اعتبار سے جو مستعمل

(ضَمِنَ بِالْخِلَافِ إِلَى شَرٍّ فَقَطْ) لَا إِلَى مِثْلٍ أَوْ خَيْرٍ (وَكَذَا تَقْيِيدُ الْإِجَارَةِ بِنَوْعٍ أَوْ قَدْرٍ) مِثْلُ الْعَارِيَةِ (عَارِيَّةُ الثَّمَنَيْنِ وَالْمَكِيلِ وَالْمَوْزُونِ وَالْمَعْدُودِ وَالْمُتَقَارِبِ) عِنْدَ الْإِطْلَاقِ (قَرْضٌ) ضَرُورَةَ اسْتِهْلَاكِ عَيْنِهَا (فَيَضْمَنُ) الْمُسْتَعِيرُ (بِهَلَاكِهَا قَبْلَ الِانْتِفَاعِ) لِأَنَّهُ قَرْضٌ حَتَّى لَوْ اسْتَعَارَهَا لِيُعَيِّرَ الْمِيزَانَ أَوْ يُزَيِّنَ الدُّكَّانَ

توصرف شر کی جانب برعکس فعل کرنے میں ضامن ہوگا۔مثل یااس سے بہتر فعل کرنے میں ضامن نہیں ہوگا۔اسی طرح اجارہ کونوع یا مقدار کے ساتھ مقید کرنے کا معاملہ ہے یہ عاریہ کی مثل ہوگا۔دراہم ودنانیر (روپیہ)، کیلی، وزنی اور متقارب عددی کا عاریہ اطلاق کے وقت یہ قرض ہے۔کیونکہ ان کے عین کے ہلاک کرنے کی حاجت ہے۔انتفاع سے قبل ہلاک ہونے کی صورت میں مستعیر اس کا ضامن ہوگا۔کیونکہ یہ قرض ہے یہاں تک کہ اگر وہ اس نے ادھارلیا تا کہ ترازو کی درستگی کو پہچانے یادکان کومزین کرے

کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے اور جو مستعمل کے مختلف ہونے سے مختلف نہیں ہوتا اس میں کوئی قید نہیں۔کیونکہ کوئی فائدہ نہیں جس طرح گزر چکا ہے۔اور مکان کی تقیید کا ذکر نہیں کیا لیکن شارح نے آخر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔مصنف نے اس کا ذکر اپنے قول: ولا توجر سے پہلے کیا ہے اور کہا: اس نے ایک چوپایہ عاریۃً لیا تا کہ اس پر سوار ہو کر کام کے لیے اس جگہ کی طرف جائے جس کا اس نے ذکر کیا ہے وہ اسے نہر کی طرف لے گیا تا کہ وہ اسے پانی پلائے یہ اس ناحیہ کے علاوہ کسی اور طرف تھا جب وہ چوپایہ ہلاک ہو گیا تو ضامن ہوگا۔اسی طرح اس نے ایک بیل ادھار لیا تا کہ اس کے ساتھ اپنی زمین میں ہل چلائے تو اس نے کسی اور زمین میں ہل چلایا تو وہ ضامن ہوگا۔اسی طرح اس نے اس بیل کو اس سے اعلیٰ بیل کے ساتھ جوڑا جس کے بارے میں معمول نہ ہو۔''البدائع'' میں ہے: دونوں نے ایام، مکان اور جو اس پر بوجھ لادے گا میں اختلاف کیا ہے تو قسم کے ساتھ قول معیر کا معتبر ہوگا۔''سائحانی''۔

اس نے اسے ایک ماہ تک کے لیے عاریۃ پر دیا

اسی طرح خادم کے اعارہ، اس کے اجارہ کا معاملہ ہے اور موصی لہ کی خدمت کا معاملہ ہے۔''فصولین''۔

29000۔(قولہ: قَرْضٌ) یعنی یہ قرض دینا ہے کیونکہ عاریۃ، اعارہ کے معنی میں ہے جس طرح گزر چکا ہے۔یعنی مالک بنانا۔اس کی مکمل بحث ''عزمیہ'' میں ہے۔

29001۔(قولہ: حَتّٰی الخ) یہ ان کے قول عند الاطلاق کے مفہوم پر تفریع ہے۔

29002۔(قولہ: لِيُعَيِّرَ) یہ لفظ دوسری یا کی تشدید کے ساتھ ہے۔اصل عایر ہے۔''جوہری'' نے اس سے منع کیا ہے کہ عیر کہا جائے۔''یعقوبیہ''۔

29003۔(قولہ: أَوْ يُزَيِّنَ) دوسری یائے مشددہ کے ساتھ ہے۔

كَانَ عَارِيَةً وَلَوْ أَعَارَ قَصْعَةَ ثَرِيدٍ فَقَرْضٌ وَلَوْ بَيْنَهُمَا مُبَاسَطَةٌ فَإِبَاحَةٌ وَتَصِحُّ عَارِيَةُ السَّهْمِ وَلَا يَضْمَنُ لِأَنَّ الرَّمْيَ يَجْرِي مَجْرَى الْهَلَاكِ صَيْرَفِيَّةٌ (وَلَوْ أَعَارَ أَرْضًا لِلْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ صَحَّ) لِلْعِلْمِ بِالْمَنْفَعَةِ (وَلَهُ أَنْ يَرْجِعَ مَتَى شَاءَ) لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّهَا غَيْرُ لَازِمَةٍ (وَيُكَلِّفُهُ قَلْعَهُمَا إِلَّا إِذَا كَانَ فِيهِ مَضَرَّةٌ بِالْأَرْضِ فَيُتْرَكَانِ

تو یہ عاریہ ہوگا اگر وہ ثرید کا پیالہ عاریۃً دے تو یہ قرض ہوگا۔ اگر دونوں میں بے تکلفی ہے تو یہ اباحت ہوگی۔ پس تیر کا عاریہ صحیح ہوگا اور وہ ضامن نہیں ہوگا کیونکہ تیر پھینکنا ہلاکت کے قائم مقام ہے،''صیرفیہ''۔ اگر ایک آدمی عمارت بنانے اور درخت لگانے کے لیے زمین عاریۃً دیتا ہے تو یہ عمل صحیح ہوگا۔ کیونکہ منفعت کا علم ہے اور مالک کو حق حاصل ہوگا جب چاہے وہ اسے واپس لے لے۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ عاریہ لازم نہیں۔ مالک اسے مجبور کرے گا کہ وہ انہیں اکھیڑ لے مگر جب اکھیڑنے میں زمین کا نقصان ہو پس ان دونوں کے اکھڑے ہوئے ہونے کی حالت میں

29004_(قولہ: كَانَ عَارِيَةً) کیونکہ یہ عین ارتفاع ہے یہ اطلاق کے وقت قرض ہوگا جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

29005_(قولہ: فَقَرْضٌ) یعنی اس پر اس کی مثل یا اس کی قیمت لازم ہوگی۔''منح''۔

تیر کو عاریۃً لینا صحیح ہے

29006_(قولہ: وَتَصِحُّ عَارِيَةُ السَّهْمِ) تا کہ وہ دارالحرب میں جنگ کرے کیونکہ فی الحال اس سے انتفاع ممکن ہے۔ یہ احتمال موجود ہے کہ وہ اس کی طرف لوٹ آئے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے بعد کافر اسے پھینکیں۔''منح'' نے ''صیرفیہ'' سے نقل کیا ہے۔ اس سے پہلے اس سے نقل کیا ہے کہ جب اس نے ایک تیر ادھار لیا تا کہ دارالحرب میں جنگ کرے تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ اگر اس نے ادھار لیا تا کہ ہدف پر تیر مارے تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ پہلی صورت میں عین سہم سے فائدہ اٹھانا صحیح نہیں مگر ہلاک کرنے کے ساتھ ممکن ہے۔ ہر عاریہ جو اس طرح ہو وہ قرض ہوتا ہے عاریہ نہیں ہوتا۔

29007_(قولہ: وَلَا يَضْمَنُ) ''عبارۃ الصیرفیہ'' جس طرح ''المنح'' میں ہے: کہا: اسلحہ کو عاریہ لینا صحیح ہے۔ تیر کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ وہ ضامن ہوگا جس طرح قرض ہوتا ہے۔ کیونکہ تیر پھینکنا ہلاک ہونے کے قائم مقام ہے۔ یہ نسخہ جس سے میں نے نقل کیا ہے یہ مصحح ہے۔ اس پر بعض علماء کے خطوط ہیں۔ اصل میں لکھا تھا لا یضمن۔ اس سے لا کا حرف مٹا دیا گیا اس کی مثال اس پر دلالت کرتی ہے جیسے قرض۔ لیکن اس تعبیر کی بنا پر ظاہر یہ تھا کہ تعلیل میں یہ کہا جاتا: کیونکہ تیر پھینکنا یہ جان بوجھ کر ہلاک کرنے کے قائم مقام ہے۔ پس اسے ہلاک کے ساتھ تعبیر کرنا عدم ضمان کا تقاضا کرتا ہے، فتامل مراجع۔ غور کرو اور رجوع کرو۔

29008_(قولہ: لِلْعِلْمِ) اس تعلیل میں غور وفکر کیجئے۔ ایک آدمی نے کپڑے کا ٹکڑا لیا تا کہ اس کے ساتھ اپنے قمیص میں پیوند لگائے یا لکڑی لی تا کہ اسے اپنی بنا میں داخل کرے یا اینٹیں لیں تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ یہ قرض ہے۔ مگر جب وہ کہے: میں نے اس لیے لیا ہے تا کہ تجھ پر اسے لوٹا دوں پس یہ عاریہ ہوگا''تاتر خانیہ''۔

بِالْقِيمَةِ مَقْلُوعَيْنِ) لِئَلَّا تَتْلَفَ أَرْضُهُ (وَإِنْ وَقَّتَ) الْعَارِيَّةَ (فَرَجَعَ قَبْلَهُ) كَلَّفَهُ قَلْعَهُمَا (وَضَمِنَ) الْمُعِيرُ لِلْمُسْتَعِيرِ (مَا نَقَصَ) الْبِنَاءُ وَالْغَرْسُ (بِالْقَلْعِ) بِأَنْ يُقَوَّمَ قَائِمًا

قیمت کے بدلے چھوڑ دیا جائے گا تا کہ اس کی زمین تلف نہ ہو۔ اگر ایک آدمی نے عاریہ کے لیے وقت معین کیا اور اس وقت سے پہلے اسے واپس لے لیا یعنی اسے اکھیڑنے پر مجبور کیا تو معیر مستعیر کے لیے اس چیز کا ضامن ہوگا اکھیڑنے کی وجہ سے وہ عمارت اور درختوں میں جتنا نقصان ہوا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ معین مدت تک

عاریہ مطلقہ میں ضمان نہیں

29009۔ (قولہ: مَقْلُوعَيْنِ) یا ادھار مانگنے والا اپنے درخت اور اپنا ملبہ معیر سے ضمانت لیے بغیر لے لے "ہدایہ"۔ "حاکم" نے یہ ذکر کیا ہے: اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ معیر سے ان کی قیمت، ضمان لے اس حال میں کہ وہ قائم ہوں اور وہ دونوں چیزیں معیر کی ہوں یا انہیں اٹھا لے مگر جب انہیں اٹھانا زمین کو نقصان دیتا ہو۔ اس وقت خیار معیر کو ہوگا جس طرح "ہدایہ" میں ہے۔ اس میں اس طرف رمز ہے کہ عاریہ مطلقہ میں کوئی ضمان نہیں۔ ان میں یہ بھی قول مروی ہے کہ ان پر قیمت ہوگی اور اگر اس کے لیے وقت کا ذکر کیا گیا تھا تو وقت گزرنے کے بعد کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ پس معیر عمارت اور درخت اکھیڑ لے گا مگر اکھیڑنا نقصان دیتا ہو اس وقت وہ ان کی قیمت کی ضمان لے گا جب کہ وہ اکھڑے ہوئے ہوں نہ کہ کھڑے ہوں جس طرح "المحیط" میں ہے، "قہستانی"۔ "حاشیہ" میں اسی طرح ہے۔

29010۔ (قولہ: مَا نَقَصَ الْبِنَاءُ) یہ وہ نقطہ نظر ہے "کنز" اور "ہدایہ" میں جس پر گامزن ہوئے ہیں۔ "البحر" میں "المحیط" سے قیمت کی ضمانت کا ذکر کیا ہے جب کہ وہ قائم ہو مگر جب ادھار لینے والا اس کو اکھیڑ دے اور اس میں کوئی ضرر نہیں اگر وہ نقصان دے تو اکھیڑے گئے کی قیمت کی ضمانت ہوگی۔ "المجمع" کی عبارت ہے: ہم نے اس پر ضمان کو لازم کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اکھیڑنا اس میں جتنی کمی کرے گا اس کی ضمانت لازم ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کی قیمت کی ضمانت ہوگی اور وہ ان دونوں چیزوں کا مالک بن جائے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر وہ نقصان دے تو مالک کو اختیار ہوگا۔ یعنی معیر کو اختیار ہوگا کہ جتنی کمی واقع ہوئی ہے اس کی ضمانت دے دے یا قیمت کی ضمانت دے دے۔ "درر البحار"، "المواہب" اور "الملتقی" میں اسی طرح ہے۔ میں نے اول صورت کو مقدم رکھا ہے۔ بعض نے اسے جزم اور یقین سے بیان کیا ہے اور دوسری صورتوں کو قیل کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ اس وجہ سے مصنف نے اسے اختیار کیا ہے۔ یہ "قدوری" کی روایت ہے اور دوسری "حاکم شہید" کی روایت ہے جس طرح "غرر الافکار" میں ہے۔

29011۔ (قولہ: قَائِمًا) اگر اس کی فی الحال کھڑے ہونے کی حالت میں قیمت چاہے اور آخر کار دس ہے تو وہ چھ کا ضامن ہوگا۔ "شرح الملتقی"۔

إِلَى الْمُدَّةِ الْمَضْرُوبَةِ، وَتُعْتَبَرُ الْقِيمَةُ يَوْمَ الِاسْتِرْدَادِ بَحْرٌ (وَإِذَا اسْتَعَارَهَا لِيَزْرَعَهَا لَمْ تُؤْخَذْ مِنْهُ قَبْلَ أَنْ يَحْصُدَ الزَّرْعَ وَقَّتَهَا أَوْ لَا) فَتُتْرَكُ بِأَجْرِ الْمِثْلِ مُرَاعَاةً لِلْحَقَّيْنِ فَلَوْ قَالَ الْمُعِيرُ أُعْطِيكَ الْبَذْرَ وَكُلْفَتَكَ إنْ كَانَ لَمْ يَنْبُتْ لَمْ يَجُزْ؛ لِأَنَّ بَيْعَ الزَّرْعِ قَبْلَ نَبَاتِهِ بَاطِلٌ، وَبَعْدَ نَبَاتِهِ فِيهِ كَلَامٌ أَشَارَ إلَى الْجَوَازِ فِي الْمُغْنِي نِهَايَةٌ (وَمُؤْنَةُ الرَّدِّ عَلَى الْمُسْتَعِيرِ فَلَوْ كَانَتْ مُؤَقَّتَةً فَأَمْسَكَهَا بَعْدَهُ فَهَلَكَتْ ضَمِنَهَا)

وہ چیز کھڑی رہتی اور جس دن واپس لوٹانا تھا اس دن کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا،''بحر''۔ جب اس نے زمین مانگ کر لی تا کہ اس میں فصل کاشت کرے تو اس سے زمین واپس نہ لی جائے گی یہاں تک کہ وہ فصل کاٹ لے اس کے لیے وقت کی تعیین کی تھی یا وقت کی تعیین نہیں تھی۔ پس دونوں حقوق کی رعایت کرتے ہوئے اس زمین کو اجرت مثلی پر چھوڑ دیا جائے گا۔ اگر معیر نے کہا: میں تجھے بیج اور تیری مشقت کی مزدوری دوں گا اگر کھیتی نہ اگے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اگنے سے پہلے کھیتی کی بیع باطل ہے اور اس کی اگنے کے بعد اس کی بیع میں کلام یعنی اختلاف ہے،''المغنی'' میں اس کے جواز کی طرف اشارہ کیا ہے، ''نہایہ''۔ عاریۃ لی گئی چیز کے واپس کرنے کی مؤنت عاریۃ لینے والے پر ہے۔ اگر اس کا وقت بیان کیا گیا تو وہ اسے اس کے بعد روکے رکھے تو وہ عاریۃ والی چیز ہلاک ہو جائے تو مستعیر اس کا ضامن ہوگا۔

29012۔ (قولہ: الْمَضْرُوبَةِ) اس سے جو کمی واقع ہوگی اس کا ضامن ہوگا۔

29013۔ (قولہ: الْقِيمَةُ) یعنی قیمت پر جو الف لام ہے وہ مضاف کے عوض میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی ابتداء القیمۃ، قیمت کا آغاز۔

29014۔ (قولہ: وَقَّتَهَا) یہ باب تفعیل سے ماضی کا صیغہ ہے اور قاف مشدد ہے۔

29015۔ (قولہ: فَتُتْرَكُ الخ) ''البرہان'' میں یہ وضاحت کی کہ اجرت کے بدلے میں ترک کرنا استحسان ہے۔ پھر ''المبسوط'' سے یہ نقل کیا ہے: ''کتاب'' میں یہ وضاحت نہیں کی کہ زمین کو مستعیر کے ہاتھ میں چھوڑا جائے گا یہاں تک کہ فصل پک جائے یہ اجرت کے ساتھ ہو یا اجرت کے بغیر ہو۔ علماء نے کہا: چاہیے کہ اسے اجرت مثلی کے بدلے میں ترک کیا جائے جس طرح اجارہ کی مدت ختم ہو جائے اور کھیتی ابھی سبز ہی ہو۔ ''شرنبلالیہ''۔

29016۔ (قولہ: أُعْطِيكَ الْبَذْرَ) اعطیك ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہے اور البذر اس کا مفعول ہے۔

29017۔ (قولہ: وَكُلْفَتَكَ) یہ لفظ کاف کے ضمہ، لام کے سکون اور باقی کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

29018۔ (قولہ: الْجَوَازِ) یہی مختار ہے جس طرح ''غیاثیہ'' میں ہے۔ ''ط''۔

اگر مستعیر دعویٰ کرے کہ اس نے معیر کے اذن سے کام کیا اور معیر جھٹلا دے تو اس کا حکم

29019۔ (قولہ: عَلَى الْمُسْتَعِيرِ)

فروع: جانور کا چارہ مستعیر کے ذمہ ہے وہ اعارہ مطلقہ ہو یا مقیدہ ہو اور غلام کا نفقہ بھی اسی طرح ہے اور لباس معیر کے

لِأَنَّ مُؤْنَةَ الرَّدِّ عَلَيْهِ نِهَايَةٌ (إِلَّا إِذَا اسْتَعَارَهَا لِيَرْهَنَهَا) فَتَكُونُ كَالْإِجَارَةِ رَهْنُ الْخَانِيَّةُ (وَكَذَا الْمُوصَى لَهُ بِالْخِدْمَةِ مَؤُنَةُ الرَّدِّ عَلَيْهِ وَكَذَا الْمُؤْجِرُ وَالْغَاصِبُ وَالْمُرْتَهِنُ) مُؤْنَةُ الرَّدِّ عَلَيْهِمْ لِحُصُولِ الْمَنْفَعَةِ لَهُمْ هَذَا

کیونکہ واپس کرنے کی مؤنت اس کے ذمہ ہے''نہایہ''۔مگر جب وہ اسے عاریۃ اس لیے لے کہ اسے رہن کے طور پر رکھے پس یہ چیز اجارہ کی طرح ہوجائے گی۔کتاب الرہن''الخانیہ''۔اسی طرح جس کے حق میں خدمت کی وصیت ہوئی تو لوٹانے کی مؤنت اس پر ہوگی اسی طرح موجر، غاصب اور مرتہن کا معاملہ ہے لوٹانے کی مؤنت ان کے ذمہ ہوگی۔کیونکہ ان کے لیے منفعت حاصل ہوچکی ہے۔یہ اس صورت میں ہے

ذمہ ہے (اگرچہ متن میں مستعیر کا لفظ ہے لیکن صحیح معیر ہے ترجمہ اس کے مطابق کیا گیا ہے)''بزازیہ''۔شارح نے ترجمہ کے آغاز اور نفقہ کے آخر میں اسے بیان کیا ہے۔ایک آدمی مستعیر کے پاس آیا اور کہا: میں نے اس جانور کو اس کے فلاں مالک سے ادھار لیا جو جانور تیرے پاس موجود ہے۔اس نے مجھے اس پر قبضہ کا حکم دیا ہے پہلے مستعیر نے اس کی تصدیق کی اور جانور اس کے حوالے کردیا پھر معیر نے اس نئے امر کا انکار کردیا تو مستعیر ضامن ہوگا اور جب پہلے مستعیر نے دوسرے کی تصدیق کی تھی تو اس سے اس ضمان کا مطالبہ نہیں کرے گا اگر وہ اس کو جھٹلا دے یا اس کی تصدیق نہ کرے یا اس پر ضمان کی شرط لگا دے تو وہ واپسی کا مطالبہ کرے گا۔

کہا: ہر وہ تصرف جو ضمان کا سبب ہو اگر مستعیر نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے معیر کے اذن سے یہ کام کیا ہے اور معیر اس کو جھٹلا دے تو مستعیر اس وقت تک ضامن ہوگا جب تک گواہیاں قائم نہ کرے۔''فصولین''۔

ایک آدمی نے کپڑے دھونے کے لیے قدر (دیگچی وغیرہ) مانگی اور مالک نے اس کے حوالے نہ کی یہاں تک کہ وہ رات کو چوری ہوگئی تو وہ ضامن ہوگا''بزازیہ''۔تامل

29020۔(قولہ: لِأَنَّ) فاتفریع سے مستدرک ہے۔

29021۔(قولہ: وَإِلَّا إِذَا اسْتَعَارَهَا الخ) پس رد کی مؤنت معیر پر ہوگی فرق وہ ہے جس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ یہ اعارہ ہے جس میں اس کے مالک کے لیے منفعت ہے۔کیونکہ یہ مرتہن کے ہاتھ میں مضمون ہے اور معیر کو حق حاصل ہے کہ مستعیر سے اس کی قیمت کا مطالبہ کرے۔پس یہ اجارہ کے قائم مقام ہوگا۔''خانیہ''۔پس دین اور کسی اور مقصد کے لیے جو چیز ادھار لی گئی اس میں دو وجوہ سے فرق ظاہر ہوگیا۔پہلی وجہ یہ ہے اور دوسری وجہ وہ ہے جو باب میں اس سے پہلے ان کے قول بخلاف المستعیر کے ہاں گزر چکی ہے۔متاجر اگر مخالفت کرے پھر اگر شرط کی طرف لوٹ آئے تو وہ ضمان سے بری ہوجاتا ہے۔''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے۔

29022۔(قولہ: هَذَا الخ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ اس کا ذکر غاصب سے پہلے کرتے۔کیونکہ یہ اس امر کی طرف راجع

لَوْ الْإِخْرَاجُ بِإِذْنِ رَبِّ الْمَالِ، وَإِلَّا فَمُؤْنَةُ مُسْتَأْجِرٍ وَمُسْتَعَارٍ عَلَى الَّذِي أَخْرَجَهُ إِجَارَةُ الْبَزَّازِيَّةِ بِخِلَافِ شَرِكَةٍ وَمُضَارَبَةٍ وَهِبَةٍ قُضِيَ بِالرُّجُوعِ مُجْتَبًى (وَإِنْ رَدَّ الْمُسْتَعِيرُ الدَّابَّةَ مَعَ عَبْدِهِ أَوْ أَجِيرِهِ مُشَاهَرَةً) لَا مُيَاوَمَةً (أَوْ مَعَ عَبْدِ رَبِّهَا مُطْلَقًا) يَقُومُ عَلَيْهَا أَوْ لَا فِي الْأَصَحِّ (أَوْ أَجِيرِهِ) أَيْ مُشَاهَرَةً كَمَا مَرَّ فَهَلَكَتْ قَبْلَ قَبْضِهَا (بَرِئَ) لِأَنَّهُ أَتَى بِالتَّسْلِيمِ الْمُتَعَارَفِ (بِخِلَافِ نَفِيسٍ) كَجَوْهَرَةٍ (وَبِخِلَافِ الرَّدِّ مَعَ الْأَجْنَبِيِّ)

اگر اخراج رب المال کی اجازت سے ہو ورنہ مستاجر اور مستعار کی مؤنت اس کے ذمہ ہوگی جس نے اسے نکالا ہے ''بزازیہ'' کتاب الاجارہ۔ شرکت، مضاربت اور ہبہ کا معاملہ مختلف ہے۔ اس کے واپس کرنے کا حکم کیا جائے گا، ''مجتبیٰ''۔ اگر مستعیر نے وہ جانور اپنے غلام یا اپنے ایسے ملازم کے ساتھ بھیج دیا جو مہینہ کی ملازمت پر ہے نہ کہ یومیہ ملازمت پر ہے یا اس جانور کے مالک کے غلام کے ساتھ بھیج دیا جو غلام مطلق ہے وہ غلام جانوروں کی نگہداشت کرتا ہو یا نگہداشت نہ کرتا ہو یہ اصح قول کے مطابق ہے یا اس کے ماہانہ ملازم کے ہاتھ بھیج دیا ہو جس طرح قول گزر چکا ہے تو قبضہ سے پہلے وہ جانور ہلاک ہو گیا تو وہ مستعیر بری ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے متعارف سپردگی کے طریقہ پر سپرد کر دیا ہے۔ نفیس چیز کا معاملہ مختلف ہے جیسے موتی۔ اجنبی کے ہاتھ لوٹانے کا معاملہ مختلف ہے

ہے کہ لوٹانے کی مؤنت موجر کے ذمہ ہے۔ یعنی یہ مؤنت اس کے ذمہ ہوگی جب مستاجر اس کے اذن سے وہاں سے باہر لے جائے گا۔ ورنہ مؤنت مستاجر کے ذمہ ہوگی پس وہ مستعیر کی طرح ہو جائے گا۔ ''البحر'' میں ''الخلاصہ'' سے مروی ہے: اجیر مشترک جیسے درزی وغیرہ لوٹانے کی اجرت ان کے ذمہ ہوگی کپڑے کے مالک کے ذمہ نہ ہوگی۔

29023۔ (قولہ: لَوْ الْإِخْرَاجُ) یعنی دوسرے شہر کی طرف مثلاً۔ ظاہر یہ ہے کہ اذن سے مراد صریحاً اذن ہے ورنہ دلالۃً تو اذن موجود ہے۔ تامل

29024۔ (قولہ: بِخِلَافِ شَرِكَةٍ الخ) کیونکہ اس کے لوٹانے کی اجرت صاحب مال اور واہب کے ذمہ ہے جس طرح ''المنح'' میں ہے۔

29025۔ (قولہ: مَعَ عَبْدِهِ) یعنی اس کے ساتھ جو مستعیر کے عیال میں سے ہے۔ ''قہستانی''۔ ''حاشیہ'' میں کہا: اس نے اس کے ساتھ لوٹا یا جو اس کے عیال میں ہے تو وہ بری ہو جائے گا۔ ''جامع الفصولین''۔

29026۔ (قولہ: لَا مُيَاوَمَةً) کیونکہ یہ اس کے عیال میں سے ہے۔ ''قہستانی''۔

29027۔ (قولہ: أَوْ مَعَ عَبْدِ الخ) یعنی اس کے ساتھ جو معیر کے عیال میں سے ہے۔ ''قہستانی''۔

29028۔ (قولہ: يَقُومُ عَلَيْهَا) یعنی اس کی نگہداشت کرتا ہو جیسے سائس۔

29029۔ (قولہ: مَعَ الْأَجْنَبِيِّ) حاشیہ میں کہا: مستاجر اگر اجنبی آدمی کے ساتھ جانور لوٹائے تو ضامن ہوگا۔ ''جامع الفصولین''۔

أَيْ (بِأَنْ كَانَتِ الْعَارِيَةُ مُؤَقَّتَةً فَمَضَتْ مُدَّتُهَا ثُمَّ بَعَثَهَا مَعَ الْأَجْنَبِيِّ) لِتَعَدِّيهِ بِالْإِمْسَاكِ بَعْدَ الْمُدَّةِ (وَإِلَّا فَالْمُسْتَعِيرُ يَمْلِكُ الْإِيدَاعَ)

یعنی وہ عاریہ موقت ہو۔ پس اس کی مدت گزر چکی ہو پھر اسے اجنبی کے ہاتھ بھیجے۔ کیونکہ مدت گزرنے کے بعد وہ روکنے سے تعدی کر رہا ہے ورنہ مستعیر اجنبی کو ودیعت دینے کا مالک ہوگا

جب عاریہ موقت ہو تو مستعیر کسی اور کو وہ چیز ودیعت نہیں کر سکتا

29030۔ (قولہ: وَإِلَّا فَالْمُسْتَعِيرُ) یہ وقت معین کرنے کی شرط کے فائدہ کی طرف اشارہ ہے۔ ''زیلعی'' نے کہا: ''بخلاف الاجنبی'' کا قول اس کے حق میں شاہد ہے مشائخ میں سے جو یہ قول کرتا ہے کہ مستعیر کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ آگے کسی کو وہ چیز ودیعت کر دے۔ مختار مذہب کے مطابق یہ مسئلہ اس پر محمول ہے کہ جب عاریہ موقت ہو پس اس کی مدت گزر گئی پھر اس نے وہ جانور اجنبی کے ساتھ بھیجا۔ کیونکہ مدت گزرنے کے بعد رکھنے کی صورت میں وہ تعدی کی وجہ سے ضامن ہوگا۔ اسی طرح جب اسے اجنبی کے ہاتھ چھوڑے گا۔ ''برہان'' میں ہے: اسی طرح یعنی وہ بری ہو جائے گا اگر وہ اجنبی کے ہاتھ اسے بھیجے یہ مختار مذہب کے مطابق ہے۔ یہ اس پر مبنی ہے جو عراق کے مشائخ نے کہا ہے کہ مستعیر، ودیعت کے طور پر وہ چیز دینے کا مالک ہوتا ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ کیونکہ جب وہ عاریۃً دینے کا مالک ہوتا ہے جب کہ اس میں ودیعت رکھنے اور منافع کا مالک بنانا ہوتا ہے تو وہ ودیعت کے طور پر دینے کا مالک ہوگا جب کہ اس میں منافع کا مالک بنانا نہ ہو تو بدرجہ اولی اس کا مالک ہوگا۔ علما نے ان کے قول کی یہ تاویل کی ہے: اگر اس نے اجنبی کے ساتھ اس کو لوٹایا جب وہ جانور ہلاک ہو گیا تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ یہ اس صورت میں موضوع ہے جب عاریہ کے لیے کوئی وقت معین کیا گیا ہو مدت کے پورے ہونے کے ساتھ عاریہ ختم ہو چکا ہو اس وقت مستعیر مودع ہو جائے گا اور مودع آگے ودیعت رکھنے کا اختیار نہیں رکھتا یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔

میں کہتا ہوں: ''ہدایہ'' کی شروح میں اسی طرح ہے۔ لیکن متن میں یہ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ عاریۃ موقتہ میں ضامن ہو گا۔ ''جامع الفصولین'' میں ہے: اگر عاریہ موقتہ ہو، وقت گزرنے کے بعد واپس لوٹانے کی قدرت کے باوجود اسے روک لے تو وہ ضامن ہوگا اگرچہ وقت کے بعد اسے کام میں نہ لائے۔ یہی قول مختار ہے خواہ اس کا وقت واضح نص سے معین کیا گیا ہو یا دلالۃً معین کیا گیا ہو۔ جہاں تک کہ جس نے کلہاڑا عاریۃً لیا تا کہ لکڑیاں پھاڑے اس نے لکڑیاں پھاڑ لیں اور اسے روک لیا تو ضامن ہوگا اگرچہ اس نے وقت معین نہ کیا ہو۔ اس تعبیر کی بنا پر اس کی ضمان اجنبی کے ہاتھ بھیجنے کی وجہ سے نہ ہوگی۔ مگر اسے اس پر محمول کیا جائے کہ اس کا لوٹانا ممکن نہ ہو۔ تامل۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ تاویل تقیید کو بہت بعید کر دیتی ہے۔ اور اس پر ضمان غلام کے ساتھ اور مزدور کے ساتھ بھیجنے کی وجہ سے نہیں۔ کیونکہ اس تعبیر کی بنا پر ان دونوں میں اور اجنبی میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ مدت سے پہلے جس کے ساتھ بھی بھیجے وہ لوٹانے پر ضامن نہیں ہوگا۔ اور مدت کے بعد جس کے ہاتھ بھیجے وہ ضامن ہوگا۔ یہ اس کے قول پر قوی ترین دلیل ہے جو یہ کہتا ہے اسے وہ چیز ودیعت کے طور پر دینے کا اختیار نہیں ہوگا۔

فِيمَا يَمْلِكُ الْإِعَارَةَ (مِنَ الْأَجْنَبِيِّ) بِهِ يُفْتَى زَيْلَعِيٌّ فَتَعَيَّنَ حَمْلُ كَلَامِهِمْ عَلَى هَذَا وَبِخِلَافِ رَدِّ وَدِيعَةٍ وَمَغْصُوبٍ إِلَى دَارِ الْمَالِكِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بِتَسْلِيمٍ (وَإِذَا اسْتَعَارَ أَرْضًا) بَيْضَاءَ (لِلزِّرَاعَةِ)

ان چیزوں میں جس میں وہ عاریۃً دینے کا مالک ہوتا ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، ''زیلعی''۔ پس ان کا کلام اس پر محمول ہونا متعین ہو گیا۔ ودیعت اور مغصوبہ چیز کو مالک کے گھر تک پہنچانے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ سپردگی نہیں جب اس نے سفیدہ زمین عاریۃً لی کھیتی باڑی کرنے کے لیے

''النہایہ'' میں اس کی تصحیح کی ہے جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں اس سے نقل کیا ہے۔

وہ چیز جو مستعمل کے بدلنے سے تبدیل نہیں ہوتی مستعیر اجنبی کو بطور ودیعت دے سکتا ہے

29031۔ (قولہ: فِيمَا يَمْلِكُ) وہ چیز جس کے مستعمل کے مختلف ہونے سے اس میں اختلاف نہیں ہوتا۔ اس کا ظاہر معنی یہ بنتا ہے کہ وہ اس چیز کو ودیعت کے طور پر دینے کا مالک ہوتا ہے جس کے مستعمل کے مختلف ہونے سے وہ مختلف ہو جاتا ہے حالانکہ معاملہ اس طرح نہیں۔ ''زیلعی'' کی عبارت ہے: یہ حکم اس لیے ہے کیونکہ ودیعت عاریہ سے ادنی حالت میں ہوتی ہے جب وہ اس چیز کو عاریۃً دینے کا اختیار رکھتا ہے جس کے مستعمل کے مختلف ہونے سے اس میں اختلاف ہوتا ہے تو وہ اس کا بدرجہ اولی اختیار رکھے گا کہ وہ ودیعت کے طور پر رکھے جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا ہے یہ ایک شے کے بغیر دوسری شے کے ساتھ خاص نہیں ہوتا۔ کیونکہ سب ودیعت رکھنے کے حق میں مختلف نہیں۔ وہ نفع حاصل کرنے کے حق میں مختلف ہوتے ہیں۔ مگر یہ کہا جائے کہ ما سے مراد وقت ہے یعنی ایسے وقت میں جس میں عاریۃً دینے کا مالک ہوتا ہے۔ وہ مدت کے گزرنے سے پہلے کا وقت ہے جب اس کا وقت ذکر کیا گیا ہو۔ یہ بہت ہی بعید ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ تامل

فرع: ''حاشیہ'' میں ہے جب عاریہ سے انتفاع میں معیر اور مستعیر میں اختلاف ہو جائے معیر نے مخصوص نوع (قول) مخصوص زمانہ میں انتفاع کا دعویٰ کیا اور مستعیر نے اطلاق کا دعویٰ کیا تو تقیید میں قول معیر کا ہو گا۔ کیونکہ اصل اعارہ میں قول معیر کا معتبر ہو گا اس کی صفت میں بھی قول اس کا معتبر ہو گا۔ ''قاری الهداية في القول لمن''۔

29032۔ (قولہ: عَلَى هَذَا) وہ یہ ہے کہ عاریہ موقت ہو، اس وقت اس کے اور اس کے غیر کے درمیان میں کوئی فرق نہیں۔

29033۔ (قولہ: وَبِخِلَافِ) اس کا عطف متن کے قول بخلاف پر ہے اس کا یہاں ذکر کرنا اولی تھا۔ تامل

29034۔ (قولہ: فَإِنَّهُ لَيْسَ الخ) ''الہدایہ'' میں اسی طرح ہے۔ مسالة الغير اختلافی ہے۔ ''الخلاصہ'' میں ہمارے مشائخ نے کہا: واجب ہے کہ وہ بری ہو جائے۔ ''جامع صغیر'' جو امام ''قاضی خان'' کی ہے میں کہا: چور اور غاصب مالک کی منزل، اس کے اصطبل، اس کے ملازم اور اس کے غلام تک لوٹانے سے بری نہ ہوں گے جب تک اس شے کو اس کے مالک تک نہ پہنچائیں۔

(يَكْتُبُ الْمُسْتَعِيرُ أَنَّكَ (أَطْعَمْتَنِي أَرْضَكَ لِأَزْرَعَهَا) فَيُخَصِّصُ لِئَلَّا يَعُمَّ الْبِنَاءَ وَنَحْوَهُ (الْعَبْدُ الْمَأْذُونُ يَمْلِكُ الْإِعَارَةَ وَالْمَحْجُورُ إِذَا اسْتَعَارَ وَاسْتَهْلَكَهُ يَضْمَنُ بَعْدَ الْعِتْقِ، وَلَوْ أَعَارَ عَبْدٌ مَحْجُورٌ عَبْدًا مَحْجُورًا (مِثْلَهُ فَاسْتَهْلَكَهَا ضَمِنَ) الثَّانِي (لِلْحَالِ) (وَلَوْ اسْتَعَارَ ذَهَبًا فَقَلَّدَهُ صَبِيًّا فَسُرِقَ) الذَّهَبُ (مِنْهُ) أَيْ مِنَ الصَّبِيِّ (فَإِنْ كَانَ الصَّبِيُّ يَضْبِطُ) حِفْظَ (مَا عَلَيْهِ) مِنَ اللِّبَاسِ (لَمْ يَضْمَنْ وَإِلَّا ضَمِنَ) لِأَنَّهُ إِعَارَةٌ وَالْمُسْتَعِيرُ

تو مستعیر یہ لکھے گا: تو نے مجھے اپنی زمین دی تا کہ میں اسے کاشت کروں پس اسے خاص کرے گا تا کہ یہ عمارت بنانے وغیرہ کو عام نہ ہو جائے۔ عبد ماذون کوئی چیز عاریۃً دینے کا مالک ہوگا اور محجور جب عاریۃً لے اور اسے ہلاک کر دے تو آزادی کے بعد اس کی ضمانت اٹھا لے گا اگر کوئی عبد محجور کسی اپنے جیسے محجور کو عاریۃً دے پس وہ اس کو ہلاک کر ڈالے تو دوسرا مستعیر فی الحال ضمانت دے۔ اگر ایک آدمی نے سونا ادھار لیا اور اسے بچے کے گلے میں ہار بنا دیا اس بچے سے وہ سونا چوری کر لیا گیا اگر بچہ اس کی حفاظت کر سکتا ہو جو اس پر لباس ہے تو وہ ضامن نہیں ہوگا ورنہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ یہ اعارہ ہے اور مستعیر

29035۔ (قولہ: لِأَزْرَعَهَا) لام تعلیل کے لیے ہے۔

29036۔ (قولہ: فَيُخَصِّصُ) وہ یہ نہ کہے گا تو نے مجھے عاریۃً دی ہے۔

29037۔ (قولہ: يَمْلِكُ الْإِعَارَةَ) اسی طرح صبی ماذون ہے۔ ''بزازیہ'' میں ہے: بچے سے اس کی مثل عاریۃً لیا جیسے کلہاڑا وغیرہ۔ اگر اسے اجازت ہو اور یہ اس کا مال ہو تو ضمانت نہ ہوگی اگر وہ چیز اس کے علاوہ کی ہو جس نے دی اور اس کی اجازت تھی تو پہلا ضامن ہوگا دوسرا ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب وہ ماذون تھا تو اس کی طرف سے دینا صحیح ہوگا اور تلف ہونا اس کے مسلط کرنے سے حاصل ہوا ہے بے شک دینے والا محجور ہوتا ہے وہ دینے کے ساتھ ضامن ہوگا اور دوسرا لینے کے ساتھ ضامن ہوگا کیونکہ وہ غاصب کا غاصب ہے۔

29038۔ (قولہ: وَاسْتَهْلَكَهُ الخ) کیونکہ معیر نے اس کے تلف کرنے پر مسلط کر دیا ہے اور اس پر ضمان کی شرط لگائی ہے پس اس کا مسلط کرنا صحیح ہوگا اور آقا کے حق میں شرط باطل ہوگی۔ ''درر''، ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

29039۔ (قولہ: عَبْدٌ مَحْجُورٌ عَبْدًا مَحْجُورًا) عبد، اعار کا فاعل ہے اور محجور فاعل کی صفت ہے اسی طرح عبد اس کا مفعول اور موصوف ہے اور محجور اس کی صفت ہے اسی طرح اعراب دیا گیا ہے۔

29040۔ (قولہ: ضَمِنَ الثَّانِي) کیونکہ اس نے اذن کے بغیر اسے لیا ہے تو وہ غاصب ہوگا۔

29041۔ (قولہ: لِلْحَالِ) کیونکہ محجور اسے تلف کرنے کے ساتھ فی الحال ضمانت دے گا ''درر''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

29042۔ (قولہ: لِأَنَّهُ) یہ ان کے قول لم یضمن کی علت ہے۔

يَمْلِكُهَا (وَضَعَهَا) أَيِ الْعَارِيَةَ (بَيْنَ يَدَيْهِ فَنَامَ فَضَاعَتْ لَمْ يَضْمَنْ لَوْ نَامَ جَالِسًا) لِأَنَّهُ لَا يُعَدُّ مُضَيِّعًا لَهَا (وَضَمِنَ لَوْ نَامَ مُضْطَجِعًا) لِتَرْكِهِ الْحِفْظَ (لَيْسَ لِلْأَبِ إِعَارَةُ مَالِ طِفْلِهِ) لِعَدَمِ الْبَدَلِ وَكَذَا الْقَاضِي وَالْوَصِيُّ (طَلَبَ) شَخْصٌ (مِنْ رَجُلٍ ثَوْرًا عَارِيَةً فَقَالَ أُعْطِيكَ غَدًا فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ ذَهَبَ الطَّالِبُ وَأَخَذَهُ بِغَيْرِ إِذْنِهِ وَاسْتَعْمَلَهُ فَمَاتَ) الثَّوْرُ (لَا ضَمَانَ عَلَيْهِ) خَانِيَّةٌ عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ يُوسُفَ

اس کا مالک ہوتا ہے۔اس نے عاریۃً لی گئی چیز اپنے سامنے رکھی تو وہ سو گیا پس وہ چیز ضائع ہوگئی تو وہ ضامن نہ ہوگا اگر وہ بیٹھ کر سو گیا ہو۔کیونکہ اسے ضائع کرنے والا شمار نہیں کیا جاتا۔اگر پہلو کے بل سو جائے تو ضامن ہوگا۔کیونکہ اس نے حفاظت کو ترک کر دیا ہے۔باپ کو یہ حق حاصل نہیں کہ اپنے بچے کے مال کو ادھار دے۔کیونکہ بدل نہیں پایا جارہا۔اسی طرح قاضی اور وصی کا معاملہ ہے ایک آدمی نے دوسرے سے ایک بیل ادھار طلب کیا تو اس نے کہا: میں کل تجھے دے دوں گا جب اگلا روز آیا تو طالب گیا اور بغیر اجازت کے بیل لے آیا اور اس سے کام لیا اور بیل مر گیا تو اس پر کوئی ضمان نہ ہوگی۔''خانیہ'' نے ''ابراہیم بن یوسف'' سے نقل کیا ہے

29043_(قولہ: يَمْلِكُهَا) یعنی وہ اعارہ کا مالک ہوتا ہے۔

29044_(قولہ: وَضَعَهَا) یعنی مستعیر نے اسے رکھا۔

29045_(قولہ: يَدَيْهِ) یعنی مستعیر نے اسے اپنے سامنے رکھا۔

مستعیر جب عاریۃً لی گئی چیز کو پہلو میں رکھ کر سو جائے تو سفر میں ضامن نہیں ہوگا

29046_(قولہ: مُضْطَجِعًا) یہ حضر (حالت اقامت) میں ہے۔''جامع الفصولین'' میں ہے: مستعیر جب عاریۃً لی گئی چیز اپنے سامنے رکھے اور پہلو کے بل ہو جائے تو حضر میں ضامن ہوگا سفر میں ضامن نہیں ہوگا۔اگر وہ سو گیا تو ایک آدمی نے جانور کی رسی کاٹ دی جو اس کے ہاتھ میں تھی تو وہ حضر و سفر میں اس کا ضامن نہ ہوگا۔اگر رسی اس کے ہاتھ سے لے لی تو ضامن ہوگا اگر وہ حالت حضر میں پہلو کے بل سو گیا ہو ورنہ ضامن نہیں ہوگا۔

''بزازیہ'' میں ہے: مستعیر جنگل میں سو گیا اور اس کی رسی اس کے ہاتھ میں تھی چور نے رسی کاٹ لی تو وہ ضامن نہ ہوگا۔اگر چور نے اس کے ہاتھ سے رسی کھینچی اور اس کو شعور نہ ہوا تو ضامن ہوگا۔''صدر'' نے کہا: یہ اس صورت میں ہے جب وہ پہلو کے بل سو گیا ہو۔اگر بیٹھا ہوا ہو تو دونوں صورتوں میں ضامن نہیں ہوگا۔یہ قول اس قول کے مناقض نہیں جو قول گزر چکا ہے کہ سفر میں پہلو کے بل سونا یہ حفاظت کو ترک کرنا نہیں۔کیونکہ وہ نفس نیند میں ہے یہ نیند سے زائد امر میں ہے۔

اسی میں ہے: اس نے دوسرے شخص سے رسی ادھار لی تاکہ پانی نکالے اور پہلو کے بل لیٹ گیا اور سو گیا اور رسی اپنے سر کے نیچے رکھ دی تو ضامن نہیں ہوگا۔کیونکہ وہ اس کی حفاظت کرنے والا ہے کیا ایسا نہیں کہ سونے والے کے سر کے نیچے سے چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے اگرچہ وہ صحرا میں ہی ہو یہ سفر کے علاوہ میں ہے اگر وہ سفر میں ہو تو ضامن نہ ہوگا وہ بیٹھا

لَكِنْ فِي الْمُجْتَبَى وَغَيْرِهِ أَنَّهُ يَضْمَنُ (جَهَّزَ ابْنَتَهُ بِمَا يُجَهَّزُ بِهِ مِثْلُهَا ثُمَّ قَالَ كُنْتُ أَعَرْتُهَا الْأَمْتِعَةَ إِنَّ الْعُرْفُ مُسْتَمِرًّا) بَيْنَ النَّاسِ (أَنَّ الْأَبَ يَدْفَعُ ذَلِكَ) الْجِهَازَ (مِلْكًا لَا إِعَارَةً لَا يُقْبَلُ قَوْلُهُ) إِنَّهُ إِعَارَةٌ لِأَنَّ الظَّاهِرَ يُكَذِّبُهُ (وَإِنْ لَمْ يَكُنْ) الْعُرْفُ (كَذَلِكَ) أَوْ تَارَةً وَتَارَةً (فَالْقَوْلُ لَهُ) بِهِ يُفْتَى كَمَا لَوْ كَانَ أَكْثَرَ مِمَّا يُجَهَّزُ بِهِ مِثْلُهَا فَإِنَّ الْقَوْلَ لَهُ اتِّفَاقًا (وَالْأُمُّ) وَوَلِيُّ الصَّغِيرَةِ (كَالْأَبِ) فِيمَا ذَكَرَهُ، وَفِيمَا يَدَّعِيهِ الْأَجْنَبِيُّ بَعْدَ الْمَوْتِ لَا يُقْبَلُ إِلَّا بِبَيِّنَةٍ شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ وَتَقَدَّمَ فِي بَابِ الْمَهْرِ وَفِي الْأَشْبَاهِ (كُلُّ أَمِينٍ ادَّعَى إِيصَالَ الْأَمَانَةِ إِلَى مُسْتَحِقِّهَا قُبِلَ قَوْلُهُ) بِيَمِينِهِ (كَالْمُودَعِ إِذَا ادَّعَى الرَّدَّ وَالْوَكِيلِ وَالنَّاظِرِ

لیکن ''مجتبیٰ'' وغیرہ میں ہے: وہ ضامن ہوگا۔ ایک آدمی نے اپنی بیٹی کو جہیز کا سامان دیا جس کی مثل سامان دیا جاتا ہے پھر اس نے کہا: میں نے یہ سامان عاریۃ دیا تھا جب کہ لوگوں میں عرف یہ ہے کہ باپ اسے یہ سامان بطور ملک دیتا ہے بطور عاریۃ نہیں دیتا تو اس کا یہ قول قبول نہیں کیا جائے گا کہ یہ اعارہ ہے۔ کیونکہ ظاہر اس کو جھٹلاتا ہے۔ اگر عرف اس طرح نہ ہو یا کبھی ہو کبھی نہ ہو تو اس کا قول معتبر ہوگا۔ اسی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔ جس طرح جو اس نے مال دیا وہ اس سے زائد تھا جس قسم کا مال دیا جاتا ہے تو بالاتفاق اس کا قول معتبر ہوگا۔ ماں اور صغیرہ کا ولی باپ کی طرح ہے ان امور میں جن کا اس نے ذکر کیا ہے اور موت کے بعد جس کا اجنبی دعویٰ کرتا ہے اس کا قول گواہوں کے بغیر قبول نہیں کیا جائے گا ''شرح وہبانیہ''۔ باب المہر میں یہ گزر چکا ہے۔ اور ''الاشباہ'' میں ہے: ہر وہ امین جو امانت اس کے مستحق تک پہنچانے کا دعویٰ کرے تو قسم کے ساتھ اس کا قول قبول کیا جائے گا جس طرح مودع جب وہ رد کا دعویٰ کرے وکیل اور نگران

ہوا سو جائے یا پہلو کے بل سو جائے اور جو چیز عاریۃ لی گئی تھی وہ اس کے سر کے نیچے ہو، اس کے سامنے ہو اس کے ارد گرد ہو وہ حفاظت کرنے والا شمار کیا جائے گا۔

29047۔ (قولہ: أَنَّهُ يَضْمَنُ) ''بزازیہ'' میں اسے یقین سے بیان کیا ہے کہا: کیونکہ اس نے بغیر اجازت کے اسے لیا ہے کہا: اگر اس نے دوسرے سے کل کے لیے اس کا بیل مانگا اس نے کہا: ہاں۔ اگلے روز مستعیر آیا اور بیل لے لیا وہ بیل ہلاک ہو گیا تو ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے اگلے روز کے لیے ادھار مانگا تھا اور اس نے ہاں کہہ دیا تھا تو اعارہ منعقد ہو جائے گا پہلے مسئلہ میں اعارہ کا وعدہ ہے کوئی اور کچھ نہیں۔

29048۔ (قولہ: جَهَّزَ ابْنَتَهُ) ''الولوالجیہ'' میں ہے: جب باپ نے اپنی بیٹی کے لیے جہیز کا سامان تیار کیا پھر باقی ماندہ وارث اس میں سے تقسیم کا مطالبہ کرتے ہیں اگر تو باپ نے اس بچی کی صغرسنی میں یا اس کے بعد جب وہ بڑی ہو چکی تھی یہ سامان خریدا تھا اور اس کے حوالے کر دیا تھا اور یہ سب کچھ اس کی حالت صحت میں ہوا تھا تو وارثوں کو اس پر کوئی حق نہ ہوگا۔ اور وہ سامان خاص کر بیٹی کے لیے ہوگا۔ ''منح''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

29049۔ (قولہ: فَإِنَّ الْقَوْلَ لَهُ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے اس وقت اس کا قول تمام سامان میں معتبر ہوگا سامان کی مثل

إِذَا ادَّعَى الصَّرْفَ إِلَى الْمَوْقُوفِ عَلَيْهِمْ) يَعْنِي مِنَ الْأَوْلَادِ وَالْفُقَرَاءِ وَأَمْثَالِهِمَا، وَأَمَّا إِذَا ادَّعَى الصَّرْفَ إِلَى وَظَائِفِ الْمُرْتَزِقَةِ فَلَا يُقْبَلُ قَوْلُهُ فِي حَقِّ أَرْبَابِ الْوَظَائِفِ لَكِنْ لَا يَضْمَنُ مَا أَنْكَرُوهُ لَهُ بَلْ يَدْفَعُهُ ثَانِيًا مِنْ مَالِ الْوَقْفِ كَمَا بَسَطَهُ فِي حَاشِيَةِ أَخِي زَادَهْ قُلْت وَقَدْ مَرَّ فِي الْوَقْفِ عَنْ الْمَوْلَى أَبِي السُّعُودِ وَاسْتَحْسَنَهُ الْمُصَنِّفُ وَأَقَرَّهُ ابْنُهُ فَلْيُحْفَظْ (وَسَوَاءٌ كَانَ فِي حَيَاةِ مُسْتَحِقِّهَا أَوْ بَعْدَ مَوْتِهِ إِلَّا فِي الْوَكِيلِ بِقَبْضِ الدَّيْنِ إِذَا ادَّعَى بَعْدَ مَوْتِ الْمُوَكِّلِ أَنَّهُ قَبَضَهُ وَدَفَعَهُ لَهُ

جب ان لوگوں پر صرف کا دعویٰ کریں جن پر اس مال کو وقف کیا گیا ہو یعنی اولاد، فقراء اور ان کی مثل لوگ۔ مگر جب وہ ان پر صرف کا دعویٰ کرے جن کے رزق کے طور پر وظائف معین کیے گئے تو وظائف والوں کے حق میں اس کا قول قبول نہ کیا جائے گا۔ لیکن جس کا انہوں نے انکار کیا ہے اس کے وہ ضامن نہ ہوں گے بلکہ وہ وقف کے مال سے دوبارہ دے گا جس طرح ''حاشیہ اخی زادہ'' سے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: کتاب الوقف میں مولی ''ابو سعود'' سے گزر چکا ہے مصنف نے اسے مستحسن قرار دیا ہے اور ان کے بیٹے نے اسے ثابت رکھا ہے پس اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ خواہ اس کے مستحق کی زندگی میں ایسا ہو یا اس کی موت کے بعد ہو مگر جو دین پر قبضہ کا وکیل ہے جب وہ موکل کی موت کے بعد دعویٰ کرے کہ اس نے اس پر قبضہ کیا اور اس کی زندگی میں اس کے حوالے کر دیا

سے زائد جو سامان ہے اس میں نہ ہوگا پس اسے بیان کیا جانا چاہیے۔

29050۔ (قولہ: وَأَمْثَالِهِمَا) جس طرح علماء اور اشراف۔ بعض فضلاء نے کہا: چاہیے کہ یہ قید لگائی جائے کہ نگران خیانت میں معروف نہ ہو۔ جس طرح ہمارے زمانے کے اکثر نگران ہیں بلکہ واجب ہے کہ اس مسئلہ میں علماء میں فتویٰ نہ دیں۔ ''حموی''، ''ط''۔

29051۔ (قولہ: الْمُرْتَزِقَةِ) جیسے امام، موذن اور بواب (دربان) کیونکہ اسے اجرت کے ساتھ مشابہت ہے اولاد وغیرہ کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہ محض صلہ ہے۔

29052۔ (قولہ: أَخِي زَادَةْ) یعنی ''صدر الشریعہ'' پر۔

29053۔ (قولہ: مُسْتَحِقِّهَا) یعنی امانات کا مستحق۔

29054۔ (قولہ: إِلَّا فِي الْوَكِيلِ) حصر اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ بیع کے وکیل کا قول قبول کیا جائے گا، ''الاشباہ'' کے کتاب الوکالہ میں جو قول ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے جب وہ موکل کی موت کے بعد کہے میں نے اسے فلاں کے ہاتھ ہزار میں بیچا ہے میں نے اس پر قبضہ کر لیا اور وہ ہزار ہلاک ہو گیا وارثوں نے بیع کے معاملہ میں اس کو جھٹلایا تو اس وکیل کی تصدیق نہ کی جائے گی جب مبیع بعینہ موجود ہو۔ جب وہ ہلاک ہو چکا ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ ''سائحانی''۔

29055۔ (قولہ: بَعْدَ مَوْتِ الْمُوَكِّلِ) اس کی زندگی میں ایسا ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔

....

فروع: فتح، اگر وہ اس مکان کی طرف گیا جس کا ذکر نہ کیا گیا تھا تو وہ ضامن ہوگا اگر چہ وہ مکان قریب تر ہو۔ اسی طرح اگر وہ اس جانور کو اپنے گھر میں روکے رکھے اور ذکر کیے گئے مکان کی طرف نہ جائے تو وہ ضامن ہوگا۔ ''قاضی خان''۔ کیونکہ اس نے وہ جانور جانے کے لیے مانگا تھا گھر میں روکنے کے لیے نہیں مانگا تھا۔

بندہ حقیر کہتا ہے: دونوں مسئلوں میں اشکال واقع ہوتا ہے وہ یہ ہے دونوں میں مخالفت خیر کی طرف لے جانے والی ہے شر کی طرف لے جانے والی نہیں۔ ظاہر تو یہ ہے دونوں میں وہ ضامن نہ ہو شاید دوسرے مسئلہ میں دو روایتیں ہیں۔ کیونکہ ذکر کیا جا چکا ہے اگر وہ لکڑیاں توڑنے کے لیے کلہاڑا لے، اسے اپنے گھر میں رکھے اور وہ کوتاہی کے بغیر تلف ہو جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ضامن ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضامن نہ ہوگا، فتح۔ معتاد ٹھہرنا معاف ہے، ''نور العین''۔ جب معیر مر جائے یا مستعیر مر جائے تو اعارہ باطل ہو جائے گا۔ ''خانیہ''۔

ایک آدمی نے دوسرے سے کوئی شے عاریۃ لی اور اس کے چھوٹے بچے نے، جس پر حجر تھا، وہ چیز کسی اور کو عاریۃ دے دی وہ چیز ضائع ہوگئی وہ بچہ جو وہ شے دے رہا ہے ضامن ہوگا۔ اسی طرح جس کو وہ چیز دی گئی ہے وہ ضامن ہوگا۔ ''تاتر خانیہ'' نے ''المحیط'' سے اسے نقل کیا ہے۔

ایک آدمی نے کوئی کتاب ادھار لی وہ کتاب ضائع ہوگئی اس کا مالک آیا اور مطالبہ کیا تو اس نے مالک کو ضائع ہونے کے بارے میں خبر نہ دی اور اسے واپس کرنے کا وعدہ کیا پھر اس کے ضائع ہونے کی خبر دی بعض مواقع پر کہا: اگر وہ واپسی سے مایوس نہ ہو تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔ اگر مایوس ہو تو ضامن ہوگا لیکن یہ ظاہر روایت کے خلاف ہے۔ ''الکتاب'' میں کہا: وہ ضامن ہوگا کیونکہ وہ متناقض ہے۔ ''الولوالجیہ''۔

اس میں ہے: اس نے سونا ادھار لیا وہ بچے کے گلے کا ہار بنا دیا، اسے چوری کر لیا گیا اگر وہ بچہ اس چیز کی حفاظت کرتا ہو جو اس پر ہے تو وہ ضامن نہیں ہوگا ورنہ ضامن ہوگا۔

اس میں ہے: وہ اس کے گھر میں اس کی اجازت سے داخل ہوا اس نے ایک برتن لیا تا کہ اسے دیکھے وہ برتن گر گیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا اگر چہ اجازت کے بغیر دیا ہو اگر وہ بازار میں داخل ہوا۔ جس میں برتن بیچے جاتے ہیں تو معاملہ مختلف ہوگا اور وہ ضامن ہوگا۔

ایک آدمی مستعیر کے پاس آیا اور کہا: میں نے وہ جانور عاریۃ اس کے فلاں مالک سے لیا جو تیرے پاس ہے اس نے مجھے اس پر قبضہ کا حکم دیا ہے اس نے اس کی تصدیق کی اور وہ جانور دے دیا پھر معیر نے اپنے امر کا انکار کر دیا تو مستعیر ضامن ہوگا اور وہ قابض سے مطالبہ نہ کرے گا۔ اگر مستعیر یہ دعویٰ کرے کہ اس نے معیر کی اجازت سے وہ کیا ہے اور معیر اس کو جھٹلا دے تو مستعیر ضامن ہوگا جب تک گواہیاں قائم نہ کرے۔ ''فصولین''۔

اس میں ہے: اس سے ادھار لیا اور اپنا غلام بھیجا تا کہ اسے لے آئے پس اس کا غلام اس پر سوار ہوا تو وہ اس کی وجہ سے

فِي حَيَاتِهِ لَمْ يُقْبَلْ قَوْلُهُ إِلَّا بِبَيِّنَةٍ بِخِلَافِ الْوَكِيلِ بِقَبْضِ الْعَيْنِ) كَوَدِيعَةٍ قَالَ قَبَضْتُهَا فِي حَيَاتِهِ وَهَلَكَتْ وَأَنْكَرَتْ الْوَرَثَةُ أَوْ قَالَ دَفَعْتُهَا إِلَيْهِ فَإِنَّهُ يُصَدَّقُ، لِأَنَّهُ يَنْفِي الضَّمَانَ عَنْ نَفْسِهِ، بِخِلَافِ الْوَكِيلِ بِقَبْضِ الدَّيْنِ، لِأَنَّهُ يُوجِبُ الضَّمَانَ عَلَى الْمَيِّتِ، وَهُوَ ضَمَانُ مِثْلِ الْمَقْبُوضِ فَلَا يُصَدَّقُ وَكَالَةُ الْوَلْوَالِجِيَّةِ قُلْت وَظَاهِرُهُ أَنَّهُ لَا يُصَدَّقُ لَا فِي حَقِّ نَفْسِهِ وَلَا فِي حَقِّ الْمُوَكِّلِ، وَقَدْ أَفْتَى بَعْضُهُمْ أَنَّهُ يُصَدَّقُ فِي حَقِّ نَفْسِهِ لَا فِي حَقِّ الْمُوَكِّلِ وَحُمِلَ عَلَيْهِ كَلَامُ الْوَلْوَالِجِيَّةِ فَيُتَأَمَّلُ عِنْدَ الْفَتْوَى فُرُوعٌ أَوْصَى بِالْعَارِيَةِ لَيْسَ لِلْوَرَثَةِ الرُّجُوعُ الْعَارِيَةُ كَالْإِجَارَةِ لَا يَنْفَسِخُ بِمَوْتِ أَحَدِهِمَا مَاتَ وَعَلَيْهِ دَيْنٌ وَعِنْدَهُ وَدِيعَةٌ بِغَيْرِ

اوراس کا قول گواہوں کے بغیر قبول نہ کیا جائے گا۔عین پر قبضہ کے وکیل کا معاملہ مختلف ہے جیسے ودیعت۔کہا: میں نے اس کی زندگی میں اس پر قبضہ کیا اور وہ چیز ہلاک ہوگئی وارثوں نے انکار کر دیا یا اس نے کہا میں نے وہ اسے دے دی تھی تو اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ وہ اپنی ذات سے ضمان کی نفی کر رہا ہے۔ دین پر قبضہ کے وکیل کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ میت پر ضمان کو واجب کرتا ہے وہ مثل مقبوض ضمان ہوگی تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ وکالۃ ''الولوالجیہ''۔ میں کہتا ہوں: اس کا ظاہر یہ ہے کہ اس کی تصدیق نہ کی جائے گی نہ اس کی ذات کے حق میں اور نہ ہی موکل کے حق میں۔ بعض علماء نے فتویٰ دیا ہے کہ اس کی ذات کے حق میں اس کی تصدیق کی جائے گی موکل کے حق میں اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ ''الولوالجیہ'' کا کلام اسی پر محمول کیا گیا ہے۔ پس فتویٰ کے وقت غور وفکر کیا جائے گا۔ فروع: اس نے عاریہ کی وصیت کی تو وارثوں کو رجوع کا حق نہیں ہوگا۔ عاریہ اجارہ کی طرح ہے دونوں میں سے ایک کی موت کے ساتھ فسخ ہو جاتا ہے۔ وہ آدمی مر گیا جب کہ اس پر دین ہے اور اس کے پاس غیر معین ودیعت ہے

ہلاک ہو گیا غلام ضامن ہوگا اور اسے فی الحال بیچا جائے گا۔ مجور غلام کا معاملہ مختلف ہے جس نے اس ودیعت کو تلف کر دیا تھا جسے آقا کی اجازت کے بغیر اسے قبول کیا تھا۔

29056۔(قولہ: فِي حَيَاتِهِ) ضمیر سے مراد موکل ہے۔

29057۔(قولہ: مِثْلِ الْمَقْبُوضِ) کیونکہ دیون کو ان کی مثل سے ادا کیا جاتا ہے۔

29058۔(قولہ: لَا فِي حَقِّ نَفْسِهِ) یعنی وہ ضامن ہوگا۔

29059۔(قولہ: وَلَا فِي حَقِّ الْمُوَكِّلِ) یعنی مقبوض کی مثل اس پر ضمان واجب ہوگی۔

29060۔(قولہ: بَعْضُهُمْ) وہ ''صاحب المنح'' کے معاصرین میں سے ہے جس طرح اس میں ذکر کیا ہے۔ ''رملی'' نے اس کے ''حاشیہ'' میں ذکر کیا ہے: یہ ایسی چیز ہے جس سے الگ ہونے کی صورت نہیں۔ ہمارے ائمہ کے کلام میں ایسی چیز نہیں جو اس کے علاوہ کی شاہد ہو۔ تامل

میں کہتا ہوں: اس مسئلہ میں ''شرنبلالی رسالہ'' ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے جس طرح ہم نے کتاب الوکالہ میں

عَيْنِهَا فَالتَّرِكَةُ بَيْنَهُمْ بِالْحِصَصِ اسْتَأْجَرَ بَعِيرًا إِلَى مَكَّةَ فَعَلَى الذَّهَابِ، وَفِي الْعَارِيَةِ عَلَى الذَّهَابِ وَالْمَجِيءِ؛ لِأَنَّ رَدَّهَا عَلَيْهِ اسْتَعَارَ دَابَّةً لِلذَّهَابِ فَأَمْسَكَهَا فِي بَيْتِهِ فَهَلَكَتْ ضَمِنَ لِأَنَّهُ أَعَارَهَا لِلذَّهَابِ لَا لِلْإِمْسَاكِ اسْتَقْرَضَ ثَوْبًا فَأَغَارَ عَلَيْهِ الْأَتْرَاكُ لَمْ يَضْمَنْ لِأَنَّهُ عَارِيَةٌ عُرْفًا اسْتَعَارَ أَرْضًا لِيَبْنِيَ وَيَسْكُنَ وَإِذَا خَرَجَ فَالْبِنَاءُ لِلْمَالِكِ فَلِلْمَالِكِ أَجْرُ مِثْلِهَا مِقْدَارَ السُّكْنَى، وَالْبِنَاءُ لِلْمُسْتَعِيرِ لِأَنَّ الْإِعَارَةَ تَمْلِيكٌ بِلَا عِوَضٍ فَكَانَتْ إِجَارَةً مَعْنًى، وَفَسَدَتْ بِجَهَالَةِ الْمُدَّةِ، وَكَذَا لَوْ شَرَطَ الْخَرَاجَ عَلَى الْمُسْتَعِيرِ

پس ترکہ ان ورثا میں حصص کے اعتبار سے تقسیم ہوگا۔ایک آدمی نے مکہ تک جانے کے لیے اونٹ اجرت پر لیا تو یہ معاہدہ جانے پر ہوگا۔اور عاریہ میں جانے اور آنے پر ہوگا۔کیونکہ اس کو لوٹانا اس کی ذمہ داری ہے۔ایک آدمی نے جانے کے لیے جانور ادھار لیا اور اسے اپنے گھر میں روک لیا تو وہ جانور ہلاک ہوگیا تو وہ ضامن ہوگا کیونکہ اس نے وہ جانے کے لیے اسے ادھار دیا تھا روکنے کے لیے نہیں دیا تھا۔ایک آدمی نے کپڑا ادھار لیا ترکوں نے اس پر غارت گری مچائی تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔کیونکہ یہ عرف کے اعتبار سے عاریہ ہے۔ایک آدمی نے زمین عاریۃً لی تاکہ وہاں مکان بنائے اور اس میں رہائش رکھے جب وہ اسے چھوڑے تو عمارت مالک کی ہوگی جتنا عرصہ وہ رہائش رکھے گا اتنا عرصہ مالک کو زمین کی اجرت مثلی کا حق ہوگا اور عمارت مستعیر کی ہوگی۔کیونکہ اعارہ بغیر عوض کے تملیک ہے۔پس وہ معناً اجارہ ہوگا اور مدت کے مجہول ہونے کی وجہ سے اجارہ فاسد ہو جائے گا۔اس طرح اگر وہ خراج کی شرط مستعیر پر لگائے۔

اشارہ کیا ہے۔میں نے ''البحر'' کے حاشیہ میں وہاں ایک شے لکھی ہے۔

29061۔(قولہ: بَيْنَهُمْ) یعنی وصی۔دین اور ودیعت کے مالک کے درمیان۔

29062۔(قولہ: لِأَنَّهُ عَارِيَةٌ) یعنی وہ تعدی کے بغیر ضامن نہیں ہوگا اور وہ نہیں پائی گئی۔

29063۔(قولہ: بِلَا عِوَضٍ) یا یہاں اس کا عوض مقرر کردے۔''بزازیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے اپنا گھر اس شرط پر دیا کہ وہ اس میں رہائش رکھے گا اور اس کی مرمت کرے گا اور کوئی اجر نہیں ہوگا پس یہ عاریہ ہوگا۔کیونکہ مرمت نفقہ کے سبب سے ہوتی ہے یہ مستعیر کے ذمہ ہوتی ہے۔کتاب العاریہ میں اس کے خلاف ہے۔''سائحانی''۔

29064۔(قولہ: بِجَهَالَةِ الْمُدَّةِ) ''البحر'' کی ''المحیط'' سے مروی عبارت ہے: مدت اور اجرت کی جہالت کی وجہ سے۔کیونکہ بنا مجہول ہے پس اجرت مثلی واجب ہوگی۔پس اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ حکم اسی طرح ہو اگر وہ مدت کی وضاحت کرے کیونکہ اجرت کی جہالت باقی ہے جب کہ وہ ظاہر ہے۔

29065۔(قولہ: لَوْ شَرَطَ) یعنی یہ اجارہ فاسدہ ہوگا۔کیونکہ خراج اس کے ذمہ ہے اور اس نے جو شرط لگائی ہے وہ مستعیر کے ذمہ ہے۔پس اس نے اسے منافع کا بدل بنایا ہے وہ اجارہ کے معنی میں ہے اور عقود میں اعتبار معانی کا ہوتا ہے۔

لِجَهَالَةِ الْبَدَلِ، وَالْحِيلَةُ أَنْ يُؤَجِّرَهُ الْأَرْضَ سِنِينَ مَعْلُومَةً بِبَدَلٍ مَعْلُومٍ ثُمَّ يَأْمُرَهُ بِأَدَاءِ الْخَرَاجِ مِنْهُ اسْتَعَارَ كِتَابًا فَوَجَدَ بِهِ خَطَأً أَصْلَحَهُ إِنْ عَلِمَ رِضَا صَاحِبِهِ قُلْت وَلَا يَأْثَمُ بِتَرْكِهِ إِلَّا فِي الْقُرْآنِ لِأَنَّ إِصْلَاحَهُ وَاجِبٌ بِخَطٍّ مُنَاسِبٍ وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ وَفِي مُعَايَاتِهَا

وَسِفْرٌ رَأَى إِصْلَاحَهُ مُسْتَعِيرُهُ　　يَجُوزُ إِذَا مَوْلَاهُ لَا يَتَأَثَّرُ

وَأَيُّ مُعِيرٍ لَيْسَ يَمْلِكُ أَخْذَ مَا　　أَعَارَ وَفِي غَيْرِ الرِّهَانِ التَّصَوُّرُ

وَهَلْ وَاهِبٌ لِابْنٍ يَجُوزُ رُجُوعُهُ　　وَهَلْ مُودَعٌ مَا ضَيَّعَ الْمَالَ يَخْسَرُ

کیونکہ بدل مجہول ہے اس کا حیلہ یہ ہے وہ معلوم سالوں تک کے لیے زمین کو بدل معلوم کے عوض اجرت پر دے پھر اس سے خراج دینے کا حکم دے۔ایک آدمی نے کتاب عاریۃً لی اس میں خطا پر آگاہ ہوا تو اس کی اصلاح کرے اگر مالک کی رضا کا علم ہو۔میں کہتا ہوں: وہ اس غلطی کو چھوڑنے پر گناہ گار نہیں ہوگا مگر قرآن میں غلطی چھوڑنے پر گنہگار ہوگا۔کیونکہ مناسب خط کے ساتھ اس کی اصلاح واجب ہے۔''وہبانیہ'' میں ہے اور اس کی پہیلیوں میں ہے: ایک کتاب جس میں اصلاح کا محل اس کا مستعیر دیکھتا ہے تو اس کے لیے اصلاح کرنا جائز ہے جب اس کا مالک آزردہ نہ ہو۔اور کون ایسا معیر ہے جو اپنی عاریۃً دی گئی چیز کے لینے کا مالک نہیں اور رہن کے علاوہ میں اس کا تصور کیا جاسکتا ہے۔کیا اپنے بیٹے کو ہبہ کرنے والا رجوع کرسکتا ہے۔کیا کوئی ایسا مودع ہے جس نے مال ضائع نہ کیا ہو تو وہ چٹی بھرے۔

29066_(قولہ: لِجَهَالَةِ الْبَدَلِ) جہاں تک خراج مقاسم کا تعلق ہے تو بعض فصل کبھی زائد ہوتی ہے اور کبھی کم ہوتی ہے۔مگر جب وہ خراج موظف ہو تو وہ اگرچہ مقدار معین ہوتی ہے مگر زمین جب اس کا احتمال نہ رکھے تو اس میں کمی کردی جاتی ہے۔''منح''۔ملخص

29067_(قولہ: مِنْهُ) ضمیر سے مراد وہ بدل ہے۔

29068_(قولہ: وَأَيُّ مُعِيرٍ الخ) ایک زمین ہے جس کے مالک نے وہ زمین زراعت پر دی پھر مستاجر کو عاریۃً دے دی اور مستعیر نے اسے کاشت کیا تو اسے واپس لینے کا مالک نہیں ہوگا۔کیونکہ اس میں ضرر ہے۔اعارہ کے وقت اجارہ فسخ ہوجائے گا۔''ابن شحنہ''۔''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

29069_(قولہ: يَجُوزُ رُجُوعُهُ) جواب یہ ہے کہ یہ بیٹا غیر کا مملوک ہے اور مملوک کسی شے کا مالک نہیں ہوتا۔پس یہ ہبہ غیر کے لیے واقع ہوتا ہے جب کہ وہ اس کا آقا ہے پس رجوع کرنا صحیح ہوگا۔''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

29070_(قولہ وَهَلْ مُودَعٌ) مودع اگر ودیعت قاضی کے امر کے بغیر وارث کے حوالے کردے تو وہ ضامن ہوگا اگر دین سے وہ ودیعت مستغرق ہو اور وہ وارث امین نہ ہو ورنہ وہ ضامن نہ ہوگا جب وہ وارثوں میں سے کسی کے حوالے کردے۔''فوائد زینیہ''،''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

كِتَابُ الْهِبَةِ

وَجْهُ الْمُنَاسَبَةِ ظَاهِرٌ (هِيَ) لُغَةً التَّفَضُّلُ عَلَى الْغَيْرِ وَلَوْ غَيْرَ مَالٍ وَشَرْعًا (تَمْلِيكُ الْعَيْنِ مَجَّانًا) أَيْ بِلَا عِوَضٍ لَا أَنَّ عَدَمَ الْعِوَضِ شَرْطٌ فِيهِ وَأَمَّا تَمْلِيكُ الدَّيْنِ مِنْ غَيْرِ مَنْ عَلَيْهِ الدَّيْنُ فَإِنْ أَمَرَهُ بِقَبْضِهِ

ہبہ کے احکام

ماقبل باب سے مناسبت ظاہر ہے۔لغت میں اس کا معنی غیر پر فضل واحسان کرنا ہے اگر وہ مال کے علاوہ ہو اور شرع میں اس سے مراد بغیر عوض، عین کا مالک بنانا ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ عوض کا نہ ہونا شرط ہے۔جہاں تک اسے دین کے مالک بنانے کا تعلق ہے جس پر دین لازم ہوا گر تو دین پر قبضہ کرنے کا امر کرے

29071۔(قولہ: وَجْهُ الْمُنَاسَبَةِ ظَاهِرٌ) کیونکہ اس سے قبل جو کتاب تھی اس میں عوض کے بغیر مالک بنانا تھا یہ اسی طرح عین کا مالک بنانا ہے۔

ہبہ کی تعریف میں مذکور لفظ بلاعوض کی توجیہ

29072۔(قولہ: مَجَّانًا) ''ابن کمال'' نے للحال کے لفظ کا اضافہ کیا ہے تا کہ وصیت کو اس سے خارج کردے۔

29073۔(قولہ: بِلَا عِوَضٍ) یعنی اس میں عوض کی شرط نہیں۔اس میں مضاف حذف ہے لیکن یہ ظاہر ہوتا اگر بلا عوض کا قول کرتے۔جس طرح ''کنز'' میں ہے۔کیونکہ مجان کا معنی عوض کا نہ ہونا ہے نہ کہ اس کی شرط نہ لگانا ہے۔کیونکہ ''حموی'' نے اعتراض کیا ہے جس طرح ''ابوسعود'' میں ہے کہ ان کا قول بلا عوض، عوض نہ ہونے کی شرط ہونے میں نص ہے اور ہبہ عوض کی شرط کے ساتھ اس کی نقیض ہے پس یہ دونوں کیسے جمع ہوں گی۔یعنی جو انہوں نے کہا ہے اس کے ساتھ مراد مکمل نہیں ہوتی۔وہ تعریف کا اس ہبہ کو شامل ہونا ہے جو عوض کی شرط کے ساتھ ہو۔کیونکہ وہ اس وقت تعریف سے اس کا خارج ہونا لازم آتا ہے جس طرح ''عزمیہ'' میں اس پر متنبہ کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: تحقیق یہ ہے کہ اگر ''با'' ملابسہ کے لیے بنالی جائے، محذوف کے متعلق ہو تملیک سے حال ہو تو جو [illegible] گیا ہے وہ لازم آئے گا مگر جب محذوف کو خبر کے بعد خبر بنایا جائے یعنی ھی کائنۃ بلا شرط عوض یہ اس معنی پر ہوگا کہ اس میں عوض شرط نہیں ہے۔بیع اور اجارہ کا معاملہ مختلف ہے۔جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ اعتراض وارد نہیں ہوتا، فتدبر۔

29074۔(قولہ: شَرْطٌ فِيهِ) ورنہ عوض کی شرط کے ساتھ یہ تعریف ہبہ کو شامل نہ ہوگی۔''ح''۔

عین کی قید پر وارد ہونے والا اعتراض اور اس کا جواب

29075۔(قولہ: وَأَمَّا تَمْلِيكُ الدَّيْنِ الخ) یہ ایک مقدر سوال کا جواب ہے۔وہ سوال یہ ہے کہ عین کی قید لگانا

صَحَّتْ لِرُجُوعِهَا إِلَى هِبَةِ الْعَيْنِ (وَسَبَبُهَا إِرَادَةُ الْخَيْرِ لِلْوَاهِبِ) دُنْيَوِيٌّ كَعِوَضٍ وَمَحَبَّةٍ وَحُسْنِ ثَنَاءٍ، وَأُخْرَوِيٌّ قَالَ الْإِمَامُ أَبُو مَنْصُورٍ يَجِبُ عَلَى الْمُؤْمِنِ أَنْ يُعَلِّمَ وَلَدَهُ الْجُودَ وَالْإِحْسَانَ كَمَا يَجِبُ عَلَيْهِ

تو یہ ہبہ صحیح ہوگا کیونکہ یہ عین کے ہبہ کی طرف راجع ہے۔اس کا سبب یہ ہے کہ واہب کے لیے خیر کا ارادہ کیا جائے وہ خیر دنیوی ہو جیسے عوض، محبت اور اچھی تعریف اور اخروی خیر۔امام ''ابومنصور'' نے کہا: مومن پر واجب ہے کہ وہ اپنے بچے کو جود و احسان کی تعلیم دے جس طرح اس پر یہ واجب ہے

اسے خارج کر دے گی جس میں دین کا اسے مالک بنایا جاتا ہے جس پر وہ دین لازم نہ ہو حالانکہ یہ بھی ہبہ ہے پس یہ صورت تعریف سے خارج ہو جائے گی۔

اس کا جواب یہ دیا: وہ از روئے مال کے عین ہے۔تعریف میں عین سے مراد وہ ہے جو حال میں عین ہو یا مال کے اعتبار سے عین ہو۔

بعض فضلا نے یہ کہا ہے: اسی وجہ سے یہ لازم نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس پر قبضہ کر لے اور اسے قبضہ سے قبل رجوع کرنے کا حق ہوتا ہے وہ اس سے منع کر سکتا ہے۔کیونکہ یہ قبضہ کرنے کی نیابت کے حکم میں ہے۔اس پر وہ مسئلہ مبنی ہے جس میں موہوب لہ کے قبضہ کرنے سے پہلے واہب مرجائے۔فتامل

ایک چیز باقی رہ گئی ہے کیا اذن مجلس پر موقوف ہے؟ ظاہر یہ ہے کہ ہاں۔پس اس کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔جس پر دین لازم ہو اسے ہبہ کرنے سے اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ یہ تو بری کرنے سے مجاز ہے اور فرد مجازی اس میں نقض واقع نہیں کرتا۔واللہ سبحان اللہ تعالیٰ

29076۔(قولہ: صَحَّتْ) یعنی وہ اس کی جانب سے اس میں وکیل ہوگا۔''البحر'' میں ''المحیط'' سے نقل کیا ہے: اگر اس نے اپنا دین اسے ہبہ کر دیا جو ایک آدمی کے ذمہ تھا اور اسے قبضہ کا حکم دیا اس نے اس پر قبضہ کر لیا تو ہبہ بطور استحسان جائز ہوگا اور نیابت کے حکم سے واہب کے لیے قبضہ کرنے والا ہوگا پھر ہبہ کے حکم سے اپنے لیے قبضہ کرنے والا ہوگا اگر قبضہ کی اجازت نہ دے تو یہ جائز نہ ہوگا۔''ابوسعود'' میں ''حموی'' سے مروی ہے: اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ معلوم چیز جو کسی کے لیے منفعت کے حوالے سے خاص کر دی گئی تھی اور اس سے اپنا تعلق ختم کر دیا تھا تو اسے مخاطب کے لیے بطور ہبہ بنا دینا غیر صحیح ہے جب تک اسے قبضہ کی اجازت نہ دے۔یہ ''واقعہ الفتوی'' ہے۔''الاشباہ'' میں کہا: یہ صحیح ہے اور وہ موکل کے لیے پھر اپنے لیے قبضہ کرنے کا وکیل ہوگا۔اس کا مقتضایہ ہے کہ قبضہ سے پہلے مسلط ہونے سے معزول کر سکتا ہے۔

مومن پر اپنے بچے کو جود و احسان اور توحید و ایمان کی تعلیم دینا واجب ہے

29077۔(قولہ: قَالَ الْإِمَامُ) یہ اخروی خیر کا بیان ہے۔''ح''۔

29078۔(قولہ: يُعَلِّمَ) یہ باب تفعیل سے ہے اس کے لام کے نیچے کسرہ ہے۔

أَنْ يُعَلِّمَهُ التَّوْحِيدَ وَالْإِيمَانَ ؛ إذْ حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ نِهَايَةٌ مَنْدُوبَةٌ وَقَبُولُهَا سُنَّةٌ قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَهَادَوْا تَحَابُّوا (وَشَرَائِطُ صِحَّتِهَا فِي الْوَاهِبِ الْعَقْلُ وَالْبُلُوغُ وَالْمِلْكُ) فَلَا تَصِحُّ هِبَةُ صَغِيرٍ وَرَقِيقٍ، وَلَوْ مُكَاتَبًا وَ) شَرَائِطُ صِحَّتِهَا (فِي الْمَوْهُوبِ أَنْ يَكُونَ مَقْبُوضًا غَيْرَ مَشَاعٍ

کہ اسے توحید و ایمان کی تعلیم دے کیونکہ دنیا کی محبت ہر خطا کی سردار ہے، ''نہایہ''۔ ہبہ دینا مستحب ہے اور اس کا قبول کرنا سنت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ باہم ہدیہ دیا کرو تم باہم محبت کرنے لگو گے (1)۔ واہب میں اس کی صحت کی شرائط یہ ہیں: عقل، بلوغ اور ملک۔ چھوٹے بچے اور غلام کا ہبہ صحیح نہیں اگرچہ وہ غلام مکاتب ہو۔ موہوب لہ میں اس کے صحیح ہونے کی شرائط یہ ہیں کہ وہ مقبوض ہو مشترک نہ ہو،

29079۔ (قولہ: تَهَادَوْا تَحَابُّوا) تہادوا تا کے فتحہ کے ساتھ ہے اس کی ھا اور دال مفتوح اور واؤ ساکن ہے۔ تحابوا تا اور حا مفتوح ہے اور اس کی با مضموم اور مشدد ہے۔

29080۔ (قولہ: وَلَوْ مُكَاتَبًا) اور اس کے علاوہ بھی جیسے مدبر، ولد اور جس کا بعض آزاد کیا جا چکا ہو بدرجہ اولیٰ ان کا یہ حکم ہے۔

ہبہ کے صحیح ہونے کی شرط

29081۔ (قولہ: صِحَّتِهَا) اس کی صحت پر باقی رہنا جس طرح عنقریب آئے گا۔

29082۔ (قولہ: مَقْبُوضًا) ایک آدمی نے ایک موتی گم کر دیا اس نے وہ موتی کسی اور کو ہبہ کر دیا اور جب اسے پائے تو اس کی طلب اور قبضہ پر اسے مسلط کر دے۔

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ فاسد ہبہ ہے۔ کیونکہ یہ خطر پر واقع ہے اور خطر کے ہوتے ہوئے ہبہ صحیح نہیں ہوتا۔ امام زفر نے فرمایا: یہ ہبہ جائز ہوتا ہے۔ ''خانیہ''۔

29083۔ (قولہ: مَشَاعٍ) مشترک جس کو تقسیم کیا جا سکتا ہے جس طرح آگے آئے گا یہ ہبہ میں ہے مگر جب وہ سب کا سب دو افراد پر تقسیم کر دے تو اصح قول کے مطابق یہ جائز ہو گا۔ ''بحر''۔ جب اس کا بعض کسی ایک پر صدقہ کرے تو معاملہ مختلف ہو گا۔ کیونکہ یہ صحیح نہیں ہوتا جس طرح متفرقات کے آخر میں آئے گا۔ لیکن عنقریب یہ بھی آئے گا کہ پہلے میں کوئی اشتراک نہیں۔ ''البحر'' میں یہاں مشاع کے احکام ذکر کیے ہیں اور ''جامع الفصولین'' میں اس کے لیے عنوان باندھا ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

فائدہ: جس نے یہ ارادہ کیا وہ نصف گھر مشترک ہبہ کر دے تو وہ نصف گھر اسے ثمن معلوم کے بدلے میں بیچ دے پھر اسے ثمن سے بری کر دے۔ ''بزازیہ''۔

1۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، کتاب الھبات باب التحریض علی الھبۃ، جلد 6، صفحہ 169

مُمَيَّزًا غَيْرَ مَشْغُولٍ) كَمَا سَيَتَّضِحُ (وَرُكْنُهَا) هُوَ (الْإِيجَابُ وَالْقَبُولُ) كَمَا سَيَجِيءُ (وَحُكْمُهَا ثُبُوتُ الْمِلْكِ لِلْمَوْهُوبِ لَهُ غَيْرَ لَازِمٍ) فَلَهُ الرُّجُوعُ وَالْفَسْخُ (وَعَدَمُ صِحَّةِ خِيَارِ الشَّرْطِ فِيهَا)

ممیز ہو مشغول نہ ہو جس طرح عنقریب اس کی وضاحت آئے گی۔ ہبہ کا رکن ایجاب اور قبول ہے جس طرح عنقریب آئے گا۔ اس کا حکم یہ ہے کہ موہوب لہ کے لیے اس کی ملک کا ثبوت لازم نہیں۔ اسے رجوع کرنے اور فسخ کرنے کا حق ہوتا ہے۔ اس میں خیار شرط صحیح نہیں۔

ہبہ کا رکن

29084۔ (قولہ: هُوَ الْإِيجَابُ) ''خزانۃ الفتاویٰ'' میں ہے: جب وہ اپنے بیٹے کو مال دے بیٹے نے اس میں تصرف کیا تو یہ باپ کے لیے ہوگا مگر تملیک کی دلالت اس پر دلالت کرے۔ ''بیری''۔

میں کہتا ہوں: اس قول نے یہ فائدہ دیا ہے کہ ایجاب وقبول کا تلفظ شرط نہیں بلکہ اسے قرائن کافی ہیں جو تملیک پر دلالت کرتے ہیں جس طرح ایک آدمی نے فقیر کے لیے کوئی شے دی اور اس نے اس چیز پر قبضہ کرلیا اور دونوں نے کسی شے کا تلفظ نہ کیا، ''ہدایہ'' وغیرہ میں اسی طرح واقع ہوا ہے پس اسے یاد رکھو۔ اس کی مثل حکم ہے جب وہ اپنی بیوی یا کسی اور کو دے۔ کہا: میں نے تجھے یہ عین ہبہ کیا موہوب لہ نے واہب کی موجودگی میں اس پر قبضہ کرلیا اس نے ''میں نے قبول کیا'' کا قول نہ کیا تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ ہبہ کے باب میں قبضہ رکن کے قائم مقام ہے پس وہ قبول کی طرح ہو جائے گا۔ ''ولوالجیہ''۔

''ابن ملک'' کی ''شرح المجمع'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے: جب اس نے ہبہ کیا اگر اس وقت قبضہ کا رد کر دیا تھا تو یہ مجلس کے ساتھ متقید نہ ہوگا اور اس کے بعد اس پر قبضہ کرنا جائز ہوگا۔

29085۔ (قولہ: وَالْقَبُولُ) اس میں اختلاف ہے۔ ''قہستانی'' میں ہے: وهبتُ (میں نے ہبہ کیا) کے ساتھ ہبہ صحیح ہوتا ہے۔ اس میں یہ دلالت موجود ہے کہ قبول ہبہ کا رکن نہیں ہے۔ جس طرح ''خلاصہ'' وغیرہ میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ''کرمانی'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ ہبہ میں ایجاب کا ہو جانا یہ عقد تام ہے۔ ''مبسوط'' میں ہے: ہبہ میں قبضہ کرنا یہ بیع میں قبول کی طرح ہے۔ اسی وجہ سے اگر دین غریم کو ہبہ کر دیا تو وہ قبول کرنے کا محتاج نہیں ہوگا جس طرح ''کرمانی'' میں ہے۔ لیکن ''کافی'' اور ''تحفہ'' میں ہے کہ قبول ہبہ میں رکن ہے۔ ''کرمانی'' میں یہ ذکر کیا ہے: وہ ایجاب کا محتاج ہے کیونکہ انسان کی ملکیت اس کے مالک بنانے کے بغیر غیر کی طرف منتقل نہیں ہوتی۔ اور ہبہ قبول کا محتاج ہوتا ہے کیونکہ یہ غیر پر ملکیت کو لازم کرنا ہے۔ جب وہ یہ قسم اٹھائے کہ وہ ہبہ نہیں کرے گا اور وہ ہبہ کرے اور قبول نہ کرے تو حانث نہیں ہوگا۔ کیونکہ غرض سخاوت کا اظہار نہ کرنا ہے جب کہ اظہار تو پایا گیا ہے۔ شاید حق پہلا قول ہے کیونکہ تاویلات میں یہ تصریح ہے کہ وہ لازم نہیں۔

اسی وجہ سے ہمارے اصحاب نے کہا: اگر وہ اپنا مال راستہ میں رکھ دے تا کہ وہ اٹھانے والے کی ملک ہو جائے تو یہ جائز ہوگا۔ اس کی مکمل بحث قریب ہی آئے گی۔

فَلَوْ شَرَطَهُ صَحَّتْ إِنْ اخْتَارَهَا قَبْلَ تَفَرُّقِهِمَا، وَكَذَا لَوْ أَبْرَأَهُ صَحَّ الْإِبْرَاءُ، وَبَطَلَ الشَّرْطُ خُلَاصَةٌ (وَ) حُكْمُهَا (أَنَّهَا لَا تَبْطُلُ بِالشُّرُوطِ الْفَاسِدَةِ) فَهِبَةُ عَبْدٍ عَلَى أَنْ يُعْتِقَهُ تَصِحُّ وَيَبْطُلُ الشَّرْطُ (وَتَصِحُّ بِإِيجَابٍ كَ وَهَبْتُ وَنَحَلْتُ وَأَطْعَمْتُكَ هَذَا الطَّعَامَ وَلَوْ) ذَلِكَ (عَلَى وَجْهِ الْمِزَاحِ) بِخِلَافِ أَطْعَمْتُكَ أَرْضِي فَإِنَّهُ عَارِيَةٌ لِرَقَبَتِهَا وَإِطْعَامٌ لِغَلَّتِهَا بَحْرٌ (أَوْ الْإِضَافَةِ إِلَى مَا) أَيْ إِلَى جُزْءٍ (يُعَبَّرُ بِهِ عَنْ الْكُلِّ كَ وَهَبْتُ لَكَ فَرْجَهَا وَجَعَلْتُهُ لَكَ) لِأَنَّ اللَّامَ لِلتَّمْلِيكِ بِخِلَافِ جَعَلْتُهُ بِاسْمِكَ

اگر وہ شرط لگائے تو ہبہ صحیح ہوگا اگر دونوں کے باہم جدا ہونے سے پہلے وہ اسے اختیار کر لے۔ اسی طرح اگر وہ اسے بری کر دے تو بری کرنا صحیح ہوگا اور شرط باطل ہو جائے گی۔ ''خلاصہ''۔ اور ہبہ کا حکم یہ ہے کہ ہبہ شروط فاسدہ کے ساتھ باطل نہیں ہوتا ہے غلام کو اس شرط پر ہبہ کرنا کہ وہ اسکو آزاد کر دے گا یہ ہبہ صحیح ہوگا اور شرط باطل ہو جائے گی۔ ہبہ ایجاب کے ساتھ صحیح ہو جاتا ہے جیسے وہ کہے: میں نے ہبہ کیا، میں نے عطا کیا، میں نے تجھے یہ کھانا کھلایا اگرچہ یہ مزاح کے طریقہ پر ہو۔ اگر وہ کہے: میں نے تجھے اپنی زمین کھانے کو دی تو یہ معاملہ مختلف ہوگا یہ عاریہ ہوگا رقبہ زمین کا یعنی زمین کی ذات اور اس کے غلہ کا اطعام ہوگا، ''بحر''۔ یا ہبہ کو مضاف کیا جائے ایسے جز کی طرف جو جز بول کر کل مراد لیا جاتا ہے جیسے میں نے اس کی فرج تجھے ہبہ کی۔ میں نے اسے تیرے لیے بنا دیا۔ کیونکہ لام تملیک کیلئے ہے اگر وہ کہے: میں نے اسے تیرے نام کر دیا ہے تو معاملہ مختلف ہوگا۔

29086۔(قولہ: فَلَوْ شَرَطَهُ) اسکی صورت یہ ہے کہ وہ اسے ہبہ کرے اس شرط پر تو موہوب لہ کو تین دن کا اختیار ہوگا۔

29087۔(قولہ: وَكَذَا لَوْ الخ) یعنی خیار شرط صحیح نہ ہوگا۔ یعنی اگر وہ اسے اس شرط پر بری کر دے کہ اسے تین دن کا خیار ہوگا تو بری کرنا صحیح ہوگا اور خیار باطل ہو جائے گا۔ ''منح''۔ یہ اس کے خلاف ہے جو باب خیار الشرط میں گزر چکا ہے۔

29088۔(قولہ: الْمِزَاحِ) ''مقدسی'' نے صاحب ''بحر'' کا رد کیا ہے۔ ہم نے اس کے ''حاشیہ'' میں ان کی طرف سے جواب دیا ہے۔

''لک'' کے ساتھ قید لگانے کا فائدہ

29089۔(قولہ: بِخِلَافِ جَعَلْتُهُ بِاسْمِكَ) ''البحر'' میں کہا: اپنے قول لک کے ساتھ قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر اس نے کہا: میں نے اسے تیرے نام کر دیا ہے تو یہ ہبہ نہ ہوگا۔ اسی وجہ سے ''الخلاصہ'' میں کہا: اگر ایک آدمی نے اپنے بیٹے کے لیے انگور کی بیلیں لگائیں اگر اس نے یہ کہا: میں نے یہ اپنے بیٹے کے لیے کر دی ہیں تو یہ ہبہ ہوگا۔ اگر اس نے کہا: میں نے اپنے بیٹے کو دی ہیں تو یہ ہبہ نہ ہوگا۔ اگر اس نے کہا: میں اپنے بیٹے کے نام پر لگا رہا ہوں تو امر متردد ہوگا یہ صحت کے زیادہ قریب ہے۔

اس کے بعد ''منح'' میں ''الخانیہ'' سے مروی ہے: اس نے کہا: میں نے اسے اپنے بیٹے کے لیے کر دیا ہے تو یہ ہبہ نہ ہوگا۔ کیونکہ جعل کا معنی مالک بنانا ہے۔ اگر اس نے کہا: میں اپنے بیٹے کے نام لگاتا ہوں تو یہ ہبہ نہ ہوگا۔ اگر اس نے کہا: میں نے اسے اپنے بیٹے کے نام کر دیا ہے تو وہ ہبہ ہوگا۔ کیونکہ لوگ اس سے تملیک اور ہبہ مراد لیتے ہیں۔ اس میں اس کی مخالفت ہے جو

فَإِنَّهُ لَيْسَ بِهِبَةٍ وَكَذَا هِيَ لَكَ حَلَالٌ إِلَّا أَنْ يَكُونَ قَبْلَهُ كَلَامٌ يُفِيدُ الْهِبَةَ خُلَاصَةٌ (وَأَعْمَرْتُكَ هَذَا الشَّيْءَ وَحَمَلْتُكَ عَلَى هَذِهِ الدَّابَّةِ) نَاوِيًا بِالْحَمْلِ الْهِبَةَ كَمَا مَرَّ (وَكَسَوْتُكَ هَذَا الثَّوْبَ وَدَارِي لَكَ هِبَةٌ) أَوْ عُمْرَى (تَسْكُنُهَا)

کیونکہ یہ ہبہ نہیں۔ اسی طرح اس کا یہ کہنا: یہ تیرے لیے حلال ہے مگر اس سے پہلے ایسی کلام ہو جو ہبہ کا فائدہ دے، ''خلاصہ''۔ میں نے تجھے یہ شے بطور عمریٰ دی اور میں نے تجھے اس جانور پر سوار کیا جب کہ حمل سے مراد وہ ہبہ لے جس طرح گزر چکا ہے۔ میں نے تجھے یہ کپڑا پہنایا اور میرا گھر تیرے لیے ہبہ ہے یا عمریٰ ہے جس میں تو رہائش رکھ۔

''الخلاصہ'' میں ہے جس طرح یہ امر مخفی ہے۔

''رملی'' نے کہا: میں کہتا ہوں: ''الخانیہ'' میں جو قول ہے وہ لوگوں کے عرف کے زیادہ قریب ہے۔ تامل

یہاں اس کا تکملہ ہے لیکن میں گمان کرتا ہوں کہ یہ اس پر مثال دی گئی ہے۔ کیونکہ یہ جو گزر چکا ہے اس میں سمجھا جا سکتا ہے یہ ظاہر ہے کہ انہوں نے اسے مخالفت پر ثابت رکھا ہے۔ اس میں ہے کہ ''خانیہ'' میں جو قول ہے اس میں جعل کا لفظ ہے اس سے مراد تملیک ہے۔ ''الخلاصہ'' میں جو قول ہے وہ اس کے خلاف ہے، تامل۔ ہاں لوگوں کا عرف مطلقاً تملیک ہے۔ تامل

29090۔ (قولہ: لَيْسَ بِهِبَةٍ) یہ باقی رہ گیا ہے اگر اس نے کہا: مثلاً میں نے اس کپڑے کا تجھے مالک بنا دیا اگر ہبہ پر قرینہ قائم ہو جائے تو ہبہ صحیح ہو گا ورنہ ہبہ صحیح نہ ہو گا۔ کیونکہ تملیک ہبہ سے عام ہے۔ کیونکہ تملیک بیع، وصیت، اجارہ وغیرہ پر صادق آتی ہے۔ ہم نے ''حامدیہ'' کے کتاب الہبہ کے آخر میں جو کچھ لکھا ہے اسے دیکھ لیجئے۔ ''کازرونی'' میں ہے: یہ ہبہ ہے۔

فروع: حاشیہ میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے سے کہا: میں نے تجھے اس کپڑے سے لطف اندوز کیا یا ان دراہم سے لطف اندوز کیا تو یہ ہبہ ہو گا۔ اسی طرح اگر اس نے ایک عورت سے کہا جس سے اس نے مہر مسمی پر شادی کی تھی: میں نے تجھے یہ کپڑے بطور متعہ دیے یا دراہم بطور متعہ دیے تو یہ ہبہ ہو گا۔ ''محیط سرخسی'' میں یہ اسی طرح ہے۔ ''فتاویٰ ہندیہ''۔

نوٹ: یہاں متعہ سے مراد نکاح متعہ نہیں۔ ''مترجم''۔

ایک آدمی نے اپنی بیوی کو دنانیر دیئے تا کہ ان سے وہ کپڑے بنوا لے اور اس کے پاس ان کو پہنا کرے عورت نے وہ بطور معاملہ کے دے دیئے تو وہ اس عورت کے ہوں گے۔ ''قنیہ''۔

اس نے چھوٹے بچے کے لیے کپڑے بنائے وہ بچہ اس کا مالک ہو جائے گا اسی طرح بوڑھا بھی مالک ہو جائے گا جب وہ اس کے سپرد کر دے۔

اگر ایک آدمی نے دوسرے کو کپڑا دیا اور کہا خود پہن لے تو اس نے اسی طرح کیا تو وہ ہبہ ہو گا اگر اس نے دراہم دیئے اور کہا: اسے اپنی ذات پر خرچ کر لو تو وہ قرض ہوں گے۔ ''باقانی''۔

ایک آدمی نے اپنے بچے کے لیے کپڑے بنائے تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہو گا کہ وہ کپڑے کسی اور کو دے مگر جب بناتے

لِأَنَّ قَوْلَهُ تَسْكُنُهَا مَشُورَةٌ لَا تَفْسِيرٌ لِأَنَّ الْفِعْلَ لَا يَصْلُحُ تَفْسِيرًا لِلِاسْمِ فَقَدْ أَشَارَ عَلَيْهِ فِي مِلْكِهِ بِأَنْ يَسْكُنَهُ فَإِنْ شَاءَ قَبِلَ مَشُورَتَهُ، وَإِنْ شَاءَ لَمْ يَقْبَلْ (لَا) لَوْ قَالَ (هِبَةَ سُكْنَى أَوْ سُكْنَى هِبَةٍ) بَلْ تَكُونُ عَارِيَّةً أَخْذًا بِالْمُتَيَقَّنِ وَحَاصِلُهُ أَنَّ اللَّفْظَ إِنْ أَنْبَأَ عَنْ تَمَلُّكِ الرَّقَبَةِ فَهِبَةٌ أَوْ الْمَنَافِعِ فَعَارِيَّةٌ أَوْ احْتَمَلَ أُعْتُبِرَ النِّيَّةُ نَوَازِلُ وَفِي الْبَحْرِ أَغْرِسُهُ بِاسْمِ ابْنِي، الْأَقْرَبُ الصِّحَّةُ (وَ) تَصِحُّ (بِقَبُولٍ)

کیونکہ اس کا قول: تو اس میں رہائش رکھ مشورہ ہے تفسیر نہیں۔ کیونکہ فعل اسم کی تفسیر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو اس نے اسے مشورہ دیا کہ اس کی ملک میں وہ اس میں رہے اگر وہ چاہے تو مشورہ قبول کرے اگر چاہے تو مشورہ قبول نہ کرے۔ اگر وہ کہے: ہبہ سکنی یا کہے: سکنی ہبہ تو ہبہ نہ ہوگا بلکہ یہ عاریۃ ہوگا۔ یہ یقینی امر کو اپنانے کی وجہ سے ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ لفظ اگر رقبہ کی ملکیت کے بارے میں آگاہ کرے تو یہ ہبہ ہوگا اگر منافع کے مالک بنانے کے بارے میں آگاہ کرے تو یہ عاریہ ہوگا یا احتمال رکھے گا تو نیت کا اعتبار کیا جائے گا''نوازل''۔''البحر'' میں ہے: میں اسے اپنے بیٹے کے نام پر لگاتا ہوں اقرب یہ ہے کہ ہبہ صحیح ہے۔ اور موہوب لہ کے حق میں قبول کرنے سے یہ صحیح ہوگا

وقت وہ واضح کرے کہ یہ عاریۃ ہیں۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر اس نے اپنے شاگرد کے لیے کپڑے بنائے تو شاگرد بھاگ گیا تو اس نے یہ ارادہ کیا کہ وہ کسی اور کو دے''بزازیہ''۔''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

29091۔(قولہ: مَشُورَةٌ) یہ لفظ شین کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ یعنی اس نے موہوب لہ کو مشورہ دیا کہ موہوب کی ملک میں رہتے ہوئے اس میں رہائش اختیار کرے۔ اگر وہ چاہے تو اس کا مشورہ قبول کرے اگر چاہے تو مشورہ قبول نہ کرے۔ جس طرح اس کا یہ قول ہے: یہ کھانا تیرے لیے ہے تو اس کو کھا، یا کپڑا تیرے لیے ہے تو اسے پہن۔''بحر''۔

29092۔(قولہ: لَوْ قَالَ هِبَةَ سُكْنَى) ہبۃ اور سکنی حال یا تمیز کے طور پر منصوب ہے۔''بحر''۔

29093۔(قولہ: أَوْ سُكْنَى هِبَةٍ) یہ منصوب ہے۔

29094۔(قولہ: بِاسْمِ ابْنِي) ہم نے اس بارے میں قریب ہی کلام کی ہے۔

میں کہتا ہوں: ان کا قول: جعلتہ باسمك یہ غیر صحیح ہے جس طرح گزر چکا ہے تو جو اس سے مرتبہ میں کم ہے وہ صحت کے زیادہ قریب کیسے ہو سکتا ہے؟''سائحانی''۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات یوں فرق کیا جاتا ہے کہ جو گزر چکا ہے وہ اس کا بیٹے کو خطاب نہیں بلکہ اجنبی کو خطاب ہے۔ جو یہاں ہے وہ عرف پر مبنی ہے۔ تامل

ہبہ قبول کے ساتھ صحیح ہو جاتا ہے خواہ فعل کے طریقہ پر ہو

29095۔(قولہ: وَ تَصِحُّ بِقَبُولٍ) یعنی اگرچہ فعل کے طریقہ پر قبول ہو۔ اسی سے یہ ہے: میں نے اپنی یہ لونڈی تم میں سے کسی ایک کو ہبہ کی پس جو چاہے اسے لے لے تو دونوں میں سے ایک نے وہ لے لی تو وہ اس کی ہوگی اور اس کا اسے

أَيْ فِي حَقِّ الْمَوْهُوبِ لَهُ أَمَّا فِي حَقِّ الْوَاهِبِ فَتَصِحُّ بِالْإِيجَابِ وَحْدَهُ؛ لِأَنَّهُ مُتَبَرِّعٌ حَتَّى لَوْ حَلَفَ أَنْ يَهَبَ عَبْدَهُ لِفُلَانٍ فَوَهَبَ وَلَمْ يَقْبَلْ بَرَّ وَبِعَكْسِهِ حَنِثَ بِخِلَافِ الْبَيْعِ (وَ) تَصِحُّ (بِقَبْضٍ بِلَا إِذْنٍ فِي الْمَجْلِسِ) فَإِنَّهُ هُنَا كَالْقَبُولِ فَاخْتُصَّ بِالْمَجْلِسِ (وَبَعْدَهُ بِهِ) أَيْ بَعْدَ الْمَجْلِسِ بِالْإِذْنِ، وَفِي الْمُحِيطِ لَوْ كَانَ أَمْرُهُ بِالْقَبْضِ حِينَ وَهَبَهُ لَا يَتَقَيَّدُ بِالْمَجْلِسِ وَيَجُوزُ الْقَبْضُ بَعْدَهُ (وَالتَّمَكُّنُ مِنَ الْقَبْضِ كَالْقَبْضِ فَلَوْ وَهَبَ لِرَجُلٍ ثِيَابًا فِي صُنْدُوقٍ مُقْفَلٍ وَدَفَعَ إِلَيْهِ الصُّنْدُوقَ لَمْ يَكُنْ قَبْضًا) لِعَدَمِ تَمَكُّنِهِ مِنَ الْقَبْضِ (وَإِنْ مَفْتُوحًا كَانَ قَبْضًا لِتَمَكُّنِهِ مِنْهُ) فَإِنَّهُ كَالتَّخْلِيَةِ فِي الْبَيْعِ اخْتِيَارٌ وَفِي الدُّرَرِ وَالْمُخْتَارُ صِحَّتُهُ بِالتَّخْلِيَةِ فِي صَحِيحِ الْهِبَةِ لَا فَاسِدِهَا

جہاں تک واہب کے حق کا تعلق ہے تو صرف ایجاب سے ہبہ صحیح ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ متبرع ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ قسم اٹھائے کہ وہ اپنا غلام فلاں کو ہبہ کرے گا اس نے غلام ہبہ کر دیا اور دوسرے آدمی نے اسے قبول نہ کیا تو وہ بری ہو جائے گا اور اس کے برعکس وہ حانث ہوگا بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ اور اذن کے بغیر مجلس میں قبضہ کر لیا تو ہبہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ یہاں یہ قبول کی طرح ہے۔ پس یہ مجلس کے ساتھ خاص ہوگا اور مجلس کے بعد اذن کے ساتھ قبضہ سے ہبہ صحیح ہوگا۔ ''المحیط'' میں ہے: جس نے وہ چیز ہبہ کی اسی وقت قبضہ کرنے کا امر کر دیا تو وہ مجلس کے ساتھ مقید نہ ہوگا اور اس کے بعد قبضہ کرنا جائز ہوگا۔ اور قبضہ کی قدرت دینا قبضہ کی طرح ہے۔ اگر ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کو ایک مقفل صندوق میں کپڑے ہبہ کرے اور اسے صندوق دے دے تو یہ قبضہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ قبضہ پر قدرت حاصل نہیں۔ اگر وہ صندوق کھلا ہوا ہو تو اس پر قدرت ہونے کی وجہ سے قبضہ ہوگا۔ کیونکہ یہ بیع میں تخلیہ کی طرح ہے۔ ''اختیار''۔ ''الدرر'' میں ہے: مختار قول یہ ہے کہ صحیح ہبہ میں تخلیہ کی صورت میں ہبہ صحیح ہو جاتا ہے فاسد ہبہ میں اس طرح نہیں۔

لے لینا قبول کرنا ہوگا۔ ''المحیط'' میں جو قول ہے کہ یہ دلالت کرتا ہے کہ ہبہ میں قبول شرط نہیں وہ مشکل ہے۔ ''بحر''۔

میں کہتا ہوں: میرے لیے یہ امر ظاہر ہوا ہے کہ قبول سے مراد قول لیا ہے غیر کا کلام بھی اسی پر محمول کیا جائے گا۔ اس سے ان دو قولوں کہ قبول شرط ہے یا شرط نہیں میں تطبیق ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی توفیق دینے والی ہے۔ عاریہ میں اس کی مثال ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ ''البحر'' پر جو کچھ ہم نے لکھا ہے اس میں غور و فکر کیجئے۔ ہاں قبول شرط ہے اگر موہوب لہ اس کے قبضہ میں ہو جس طرح آگے آئے گا۔

29096۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْبَيْعِ) اگر وہ قبول نہ کرے تو حانث نہ ہوگا۔

29097۔ (قولہ: صِحَّتُهُ) یعنی تخلیہ کی صورت میں قبضہ۔ ''تاتر خانیہ'' میں کہا ہے: یہ اختلاف ہبہ صحیحہ میں ہے۔ جہاں تک ہبہ فاسدہ کا تعلق ہے تو تخلیہ بالاتفاق قبضہ نہیں ہے۔ اصح یہ ہے کہ ہبہ کا اقرار یہ قبض کا اقرار نہیں۔ ''خانیہ''۔

وَفِي النُّتَفِ ثَلَاثَةَ عَشَرَ عَقْدًا لَا تَصِحُّ بِلَا قَبْضٍ (وَلَوْ نَهَاهُ) عَنْ الْقَبْضِ (لَمْ يَصِحَّ) قَبْضُهُ (مُطْلَقًا) وَلَوْ فِي الْمَجْلِسِ؛ لِأَنَّ الصَّرِيحَ أَقْوَى مِنْ الدَّلَالَةِ (وَتَتِمُّ) الْهِبَةُ (بِالْقَبْضِ) الْكَامِلِ (وَلَوْ الْمَوْهُوبُ شَاغِلًا لِمِلْكِ الْوَاهِبِ لَا مَشْغُولًا بِهِ) وَالْأَصْلُ أَنَّ الْمَوْهُوبَ إنْ مَشْغُولًا بِمِلْكِ الْوَاهِبِ مُنِعَ تَمَامُهَا،

''النتف'' میں ہے: تیرہ (13) عقد قبضہ کے بغیر صحیح نہیں ہوتے۔ اگر وہ قبضہ سے منع کرے تو قبضہ مطلقاً صحیح نہ ہوگا اگرچہ مجلس میں ہو۔ کیونکہ صریح، دلالت سے اقوی ہوتا ہے۔ اور ہبہ کامل قبضہ کے ساتھ مکمل ہو جاتا ہے اگرچہ موہوب واہب کی ملکیت کو شاغل ہو نہ کہ مشغول بہ ہو۔ اصل یہ ہے کہ موہوب اگر واہب کی ملکیت کے ساتھ مشغول ہو تو اس کا مکمل ہونا ممنوع ہو جاتا ہے

وہ تیرہ عقود جو قبضہ کے بغیر صحیح نہیں ہوتے

29098۔(قولہ: وَفِي النُّتَفِ ثَلَاثَةَ عَشَرَ) ان میں سے ایک ہبہ ہے۔ دوسرا صدقہ ہے۔ تیسرا رہن ہے۔ چوتھا امام ''محمد بن حسن''، امام ''اوزاعی''، ''ابن شبرمہ''، ''ابن ابی لیلیٰ'' اور ''حسن بن صالح'' کے قول میں وقف ہے۔ پانچواں عمری ہے۔ چھٹا نحلہ (عطیہ) ساتواں جنین ہے۔ آٹھواں صلح ہے۔ نواں بیع سلم میں رأس المال ہے۔ دسواں بیع سلم میں بدل ہے جب ان میں سے بعض کو زیوف پائے۔ جب جدا ہونے سے پہلے اس کے بدل پر قبضہ نہ کرے تو بیع سلم میں سے اس کا حصہ باطل ہو جاتا ہے۔ گیارہواں صرف ہے۔ بارہواں جب کیلی کو کیلی سے بیچے جب کہ جنس مختلف ہو جس طرح گندم جو کے بدلے میں۔ اس میں تفاضل تو جائز ہوتا ہے ادھار جائز نہیں ہوتا۔ تیرہواں جب وزنی چیز کو وزنی چیز سے بیچے جب کہ وہ دونوں مختلف ہوں جیسے لوہے کو پیتل سے، پیتل کو تانبے اور تانبے کو سکہ سے۔ ان میں تفاضل جائز ہے ادھار جائز نہیں۔ ''منح الغفار''۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

29099۔(قولہ: بِالْقَبْضِ) پس موت سے قبل قبضہ کرنا شرط ہے۔ اگر مرض الموت میں اجنبی کے لیے ہبہ ہو جس طرح کتاب الوقف میں گزر چکا ہے۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

29100۔(قولہ: بِالْقَبْضِ الْكَامِلِ) موہوب نے دو آدمیوں کو گھر پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا تو دونوں نے اس پر قبضہ کر لیا تو یہ جائز ہوگا۔ ''خانیہ''۔

موہوب اگر واہب کی ملکیت کے ساتھ مشغول ہو تو اس کا مکمل ہونا ممنوع ہو جاتا ہے

29101۔(قولہ: مُنِعَ تَمَامُهَا) کیونکہ قبضہ کرنا شرط ہے ''فصولین''۔ ''زیلعی'' کی کلام یہ فائدہ دیتی ہے کہ مشغول کا ہبہ فاسد ہوتا ہے۔ ''عمادیہ'' میں جو قول ہے وہ یہ ہے کہ وہ غیر تامہ ہوتا ہے۔ ''حموی'' نے ''حاشیۃ الاشباہ'' میں کہا ہے: یہ احتمال موجود ہے کہ مسئلہ میں دو روایتیں ہیں۔ جس طرح مشاع (مشترک) کے ہبہ میں اختلاف واقع ہوا ہے جو تقسیم کا احتمال رکھتا ہو کیا یہ فاسد ہوتا ہے یا غیر تامہ ہوتا ہے۔ اصح جس طرح ''بنایہ'' میں ہے کہ یہ غیر تامہ ہے اسی طرح یہاں ہے۔ ہمارے شیخ کی تحریر اسی طرح ہے۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے جس کی طرف ''الدر المختار'' میں اشارہ کیا گیا ہے دونوں قولوں میں سے

وَإِنْ شَاغِلًا لَا فَلَوْ وَهَبَ جِرَابًا فِيهِ طَعَامُ الْوَاهِبِ أَوْ دَارًا فِيهَا مَتَاعُهُ، أَوْ دَابَّةً عَلَيْهَا سَرْجُهُ وَسَلَّمَهَا كَذٰلِكَ لَا تَصِحُّ وَبِعَكْسِهِ تَصِحُّ فِي الطَّعَامِ

اگر شاغل ہوتو ممنوع نہیں۔ اگر ایک آدمی نے تھیلا ہبہ کیا جس میں واہب کا کھانا ہے یا گھر ہبہ کیا جس میں اس کا سامان تھا یا جانور ہبہ کیا جس پر اس کی زین ہوا اور اس طرح جانور اس کے سپرد کر دیا تو یہ ہبہ صحیح نہ ہوگا۔ اس کے برعکس کھانے ،

ایک قول کی طرف اشارہ کیا ہے جسے پہلے ذکر کیا ہے کہ مکمل نہ ہوگا اور دوسرے قول کی طرف اشارہ کیا ہے جسے آخر میں ذکر کیا کہ صحیح نہیں ہے پس تدبر کیجئے۔ ''ابوسعود''۔

جان لو کہ اس مقام پر جو ضابطہ ہے کہ موہوب جب واہب کی ملک کے ساتھ خلقت کے اتصال کے ساتھ متصل ہو اور اس کا جدا کرنا ممکن ہو تو اس کا ہبہ جائز نہیں ہوتا جب تک انفصال اور تسلیم نہ پایا جائے جس طرح جب وہ کھیتی یا پھل زمین اور درختوں کے بغیر ہبہ کرے یا اس کے برعکس کرے اگر وہ مجاورت کے اتصال سے متصل ہو۔ اگر موہوب واہب کے حق کے ساتھ مشغول ہو تو یہ جائز نہیں جس طرح وہ سواری پر زین ہبہ کرے۔ کیونکہ زین کا استعمال یہ دابہ کے لیے ہوتا ہے پس واہب کا اس پر قبضہ استعمال کا قبضہ ہے پس یہ قبضہ میں نقص کو ثابت کرتا ہے۔ اگر وہ مشغول نہ ہو تو یہ جائز ہوگا جس طرح ایک آدمی جانور ہبہ کرے جس پر زین پڑی ہو مگر زین ہبہ نہ کرے۔ کیونکہ جانور سے زین کے بغیر بھی کام لیا جاتا ہے۔ اگر وہ جانور پر موجود بوجھ کو ہبہ کرے سواری ہبہ نہ کرے تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ بوجھ جانور کے بغیر مستعمل نہیں ہوتا۔ اگر ایک آدمی گھر ہبہ کرے اس میں جو سامان ہے وہ ہبہ نہ کرے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اگر اس میں جو موجود ہے وہ ہبہ کرے اور وہ سپرد کر دے گھر نہ دے تو یہ جائز ہوگا۔ ''المحیط''،''شرح المجمع'' میں اسی طرح ہے۔

29102۔ (قولہ: وَإِنْ شَاغِلًا) شاغل کا ہبہ جائز ہوتا ہے مشغول کا جائز نہیں ہوتا۔ ''فصولین''۔

میں کہتا ہوں: یہ اپنے اطلاق پر نہیں۔ کیونکہ زمین میں کھیت اور درخت شاغل ہیں مشغول نہیں اس کے باوجود اس کا ہبہ جائز نہیں کیونکہ یہ اس کے ساتھ متصل ہے۔ تامل۔ ''خیر الدین علی الفصولین''۔

29103۔ (قولہ: فَلَوْ وَهَبَ الخ) اگر ایک آدمی نے ایسا گھر ہبہ کیا جس میں سامان تھا اور اسی طرح گھر اس کے حوالے کر دیا پھر سامان بھی اسے ہبہ کر دیا تو دونوں چیزوں میں ہبہ جائز ہو جائے گا۔

نوٹ: یہاں کلام میں انقطاع ہے۔ اصل عبارت یوں ہے: سامان میں خاص کر ہبہ صحیح ہوگا اگر وہ آغاز کرے اور اسے سامان ہبہ کر دے اور گھر میں سامان پر قبضہ کر لے پھر گھر ہبہ کرے تو دونوں میں ہبہ جائز ہوگا ''مترجم''۔

کیونکہ گھر ہبہ کرتے وقت واہب کی اس گھر میں کوئی شے نہ تھی اور پہلی صورت میں سامان کا ہبہ کرتے وقت مکان کے قبضہ سے مانع زائل ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے بعد گھر میں کوئی فعل نہیں پایا گیا تا کہ اس میں اس کا قبضہ مکمل ہو پس پہلا قبضہ گھر کے حق میں صحیح نہ ہوگا۔ ''بحر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔

29104۔ (قولہ: وَسَلَّمَهَا كَذٰلِكَ الخ) ''صاحب الفصولین'' نے کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ

وَالْمَتَاعِ وَالسَّرْجِ فَقَطْ لِأَنَّ كُلًّا مِنْهَا شَاغِلُ الْمِلْكِ لِوَاهِبٍ لَا مَشْغُولٌ بِهِ لِأَنَّ شُغْلَهُ بِغَيْرِ مِلْكِ وَاهِبِهِ لَا يَمْنَعُ تَمَامَهَا كَرَهْنٍ وَصَدَقَةٍ لِأَنَّ الْقَبْضَ شَرْطُ تَمَامِهَا وَتَمَامُهُ فِي الْعِمَادِيَّةِ وَفِي الْأَشْبَاهِ هِبَةُ الْمَشْغُولِ لَا تَجُوزُ إِلَّا إِذَا وَهَبَ الْأَبُ لِطِفْلِهِ

سامان اور زین میں صرف صحیح ہوگا۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک واہب کی ملکیت کو مشغول کیے ہوئے ہے وہ مشغول بہ نہیں۔ کیونکہ اس کا واہب کی ملکیت کے علاوہ کو مشغول ہونا اس کے تمام کے مانع نہیں جیسے رہن اور صدقہ ہے۔ کیونکہ قبضہ اس کے تمام کی شرط ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''عمادیہ'' میں ہے۔ ''الاشباہ'' میں ہے: مشغول ہبہ جائز نہیں ہوتا مگر جب باپ اپنے بچے کو ہبہ کرے۔

چوپایہ زین اور لگام کو شاغل ہے مشغول نہیں۔

بندہ حقیر کہتا ہے یعنی اس میں ضابطہ الٹ ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ صحیح ہے۔ ''قاضی خان'' میں جو قول ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے: ایک آدمی نے لونڈی ہبہ کی جس پر زیورات اور کپڑے تھے اور اسے سپرد کر دیا تو یہ جائز ہوگا۔ اور زیور اور ستر والے کپڑوں سے زائد جو کچھ ہوگا وہ واہب کا ہوگا۔ کیونکہ یہی عرض ہے۔ اگر وہ زیورات اور کپڑے ہبہ کرے لونڈی ہبہ نہ کرے تو یہ جائز نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ ان دونوں کو اتارے اور موہوب لہ کے حوالے کرے۔ کیونکہ وہ کپڑے جب تک اس کے اوپر ہیں وہ اس کے تابع ہوں گے اور اصل میں مشغول ہوں گے پس اس کا ہبہ جائز نہ ہوگا۔ ''نور العین''۔

29105۔ (قولہ: لِأَنَّ شُغْلَهُ) یہ ان کے قول: لا مشغول بہ کی علت ہے مشغول بہ میں ضمیر سے ملک واہب ہے کیونکہ ملک واہب کے ساتھ اسے مقید کیا ہے۔ فافہم

میں کہتا ہوں: ''البحر''، ''المنح'' وغیرہما میں مشغول بملک الغیر کی یہ صورت بیان کی ہے جب متاع کا کوئی اور مستحق ظاہر ہوا یا واہب نے اسے غصب کر لیا یا موہوب لہ نے اسے غصب کر دیا۔ ہم نے ''جامع الفصولین'' سے ''البحر'' پر جو کچھ لکھا ہے اسے دیکھیے۔

29106۔ (قولہ: بِغَيْرِ مِلْكِ وَاهِبِهِ) بعض نسخوں میں بملك غير واهبه ہے۔

29107۔ (قولہ: كَرَهْنٍ وَصَدَقَةٍ) یعنی جس طرح رہن اور صدقہ کا غیر راہن اور غیر متصدق کی ملک کے ساتھ مشغول ہونا اس کے مکمل ہونے کے مانع نہیں جس طرح ''المحیط'' وغیرہ میں ہے۔ ''مدنی''۔

''المنح'' میں کہا: ہر وہ جواب جسے تو دار کے ہبہ اور جوالق (سامان لادنے والے تھیلے) کے ہبہ میں پہچان چکا ہے جب کہ اس میں سامان ہو تو رہن اور صدقہ میں وہی جواب ہوگا کیونکہ قبضہ کرنا دونوں کے مکمل ہونے کی شرط ہے جس طرح ہبہ ہے۔

29108۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا وَهَبَ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ گھر ہبہ کرے اور باپ اس گھر میں رہائش پذیر ہو یا اس کا سامان اس میں پڑا ہوا ہو۔ کیونکہ وہ گھر قابض کے سامان کے ساتھ مشغول ہے یہ اس کے مخالف ہے جو کچھ ''الخانیہ'' میں ہے

قُلت وَكَذَا الدَّارُ الْمُعَارَةُ وَالَّتِي وَهَبَتْهَا لِزَوْجِهَا عَلَى الْمَذْهَبِ لِأَنَّ الْمَرْأَةَ وَمَتَاعَهَا فِي يَدِ الزَّوْجِ فَصَحَّ التَّسْلِيمُ وَقَدْ غَيَّرْتُ بَيْتَ الْوَهْبَانِيَّةِ فَقُلْتُ

وَمَنْ وَهَبَتْ لِلزَّوْجِ دَارًا لَهَا بِهَا مَتَاعٌ وَهُمْ فِيهَا تَصِحُّ الْمُحَرَّرُ

وَفِي الْجَوْهَرَةِ، وَحِيلَةُ هِبَةِ الْمَشْغُولِ أَنْ يُودِعَ الشَّاغِلُ أَوَّلًا عِنْدَ الْمَوْهُوبِ لَهُ ثُمَّ يُسَلِّمُهُ الدَّارَ مَثَلًا فَتَصِحُّ لِشُغْلِهَا بِمَتَاعٍ فِي يَدِهِ (فِي) مُتَعَلِّقٌ بِتَتِمُّ (مَحُوزٍ) مُفْرَغٍ (مَقْسُومٍ وَمُشَاعٍ لَا) يَبْقَى مُنْتَفِعًا بِهِ بَعْدَ أَنْ (يُقْسَمَ)

میں کہتا ہوں: اسی طرح وہ گھر ہے جو عاریۃً دیا ہوا ور وہ گھر ہے جو عورت نے اپنے خاوند کو ہبہ کیا یہ ظاہر مذہب کے مطابق ہے۔ کیونکہ عورت اور اس کا سامان خاوند کے قبضہ میں ہے پس سپردگی صحیح ہوگی۔ میں نے ''الوہبانیہ'' کے شعر میں تبدیلی کی ہے۔ پس میں کہتا ہوں: جس عورت نے اپنا گھر خاوند کو ہبہ کیا جہاں عورت کا سامان ہو جب کہ سب اس میں ہوتو ہبہ صحیح ہے یہی قول محرر معتمد ہے۔ ''جوہرہ'' میں ہے: مشغول کے ہبہ کا حیلہ یہ ہے کہ شاغل کو پہلے موہوب لہ کے ہاں ودیعت رکھے مثلاً پھر گھر اس کے حوالے کردے پس یہ ہبہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ یہ گھر اسی کے سامان سے مشغول ہے جس کے قبضہ میں وہ ہے۔ کامل قبضہ سے ہبہ مکمل ہوتا ہے ایسی چیز میں جو مفرغ ہو اور مقسوم ہو چکی ہو۔ اور ہبہ مکمل ہوتا ہے مشترک چیز کا جس کو تقسیم کرنے کے بعد اس سے نفع حاصل نہ کیا جاتا ہو

پہلے یقین سے بیان کیا ہے کہ یہ جائز نہیں۔ پھر کہا: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے ''المجرد'' میں منقول ہے کہ یہ ہبہ جائز ہے اور وہ اپنے بیٹے کے لیے قابض ہوگا۔ تامل

29109۔ (قولہ: وَكَذَا الدَّارُ) یہ اس سے مستدرک ہے کہ یہاں شغل واہب کی ملکیت کے بغیر ہے۔ اور مراد اس کی ملکیت کا شغل ہے۔

29110۔ (قولہ: الْمُعَارَةُ) اگر ایک آدمی نے اپنے بچے کو گھر ہبہ کیا جس میں ایک قوم اجرت کے بغیر رہتی ہے تو یہ جائز ہوگا اور وہ اپنے بیٹے کے لیے قابض ہوگا، اگر اجرت کے ساتھ وہ رہائش رکھیں تو یہ جائز نہ ہوگا۔ ''الخانیہ'' سے اسی طرح منقول ہے۔

29111۔ (قولہ: تَصِحُّ الْمُحَرَّرُ) اس کی اصل یہ ہے: وهم فيها فقولان يزبر۔ هم میم کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ یہ هم سے ہے۔ یہ ضمہ وزن کی وجہ سے ہے۔

29112۔ (قولہ: مُفْرَغٍ) یہ محوز کی تفسیر ہے اس کے ساتھ کھجور کے درخت پر جو پھل ہے اس کے ہبہ سے احتراز ہے۔ اس دلیل کی وجہ سے جو عنقریب آئے گی۔ ''درر''۔

29113۔ (قولہ: بَعْدَ أَنْ يُقْسَمَ) مشترک چیز وہ قدر معلوم ہوگی۔ جس کا احتمال رکھے اس کے ہبہ کے صحیح ہونے

كَبَيْتٍ وَحَمَّامٍ صَغِيرَيْنِ لِأَنَّهَا (لَا) تَتِمُّ بِالْقَبْضِ (فِيمَا يُقْسَمُ وَلَوْ) وَهَبَهُ (لِشَرِيكِهِ) أَوْ لِأَجْنَبِيٍّ لِعَدَمِ تَصَوُّرِ الْقَبْضِ الْكَامِلِ كَمَا فِي عَامَّةِ الْكُتُبِ فَكَانَ هُوَ الْمَذْهَبَ وَفِي الصَّيْرَفِيَّةِ عَنِ الْعَتَّابِيِّ وَقِيلَ يَجُوزُ لِشَرِيكِهِ، وَهُوَ الْمُخْتَارُ (فَإِنْ قَسَمَهُ وَسَلَّمَهُ صَحَّ) لِزَوَالِ الْمَانِعِ (وَلَوْ سَلَّمَهُ شَائِعًا لَا يَمْلِكُهُ فَلَا يَنْفُذُ تَصَرُّفُهُ فِيهِ) فَيَضْمَنُهُ وَيَنْفُذُ تَصَرُّفُ الْوَاهِبِ دُرَرٌ

جیسے کمرہ اور حمام جو دونوں چھوٹے ہوں۔ کیونکہ قبضہ کے ساتھ اس میں ہبہ مکمل نہیں ہوتا جو تقسیم ہوسکتا ہے اگر ایک آدمی نے اپنے شریک کو ہبہ کیا یا اجنبی کو ہبہ کیا۔ کیونکہ کامل قبضہ کا تصور نہیں ہوسکتا جس طرح عام کتب میں ہے پس یہی مذہب ہوگا، ''صیرفیہ'' میں ''عتابی'' سے مروی ہے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے شریک کے لیے یہ جائز ہے۔ یہی مختار قول ہے۔ اگر وہ اس چیز کو تقسیم کر دے اور موہوب لہ کے حوالے کر دے تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ مانع زائل ہو چکا ہے اگر وہ اسے تقسیم کے بغیر حوالے کر دے تو موہوب لہ اس کا مالک نہیں ہوگا۔ پس اس بارے میں اس کا تصرف نافذ نہیں ہوگا۔ پس وہ اس کا ضامن ہوگا اور واہب کا تصرف نافذ ہو جائے گا۔ ''درر''۔

کے لیے یہ شرط ہے یہاں تک کہ اگر وہ اپنا حصہ غلام کو ہبہ کر دے اور اسے اس کا علم نہ ہو تو یہ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ ایسی جہالت ہے جو منازع کو ثابت کرتی ہے۔ ''بحر''۔ ہم نے اس پر جو کچھ لکھا ہے اسے دیکھیے۔

29114۔ (قولہ: وَحَمَّامٍ) اس میں ہے کہ حمام ان چیزوں میں ہے جو مطلقاً تقسیم نہیں ہوتا۔ ''ح''۔ ''حاشیہ'' میں ہے۔

29115۔ (قولہ: فِي عَامَّةِ الْكُتُبِ) ''زیلعی'' اور ''صاحب البحر'' نے اس کی تصریح کی ہے۔ ''منح''۔

29116۔ (قولہ: هُوَ الْمَذْهَبَ) یہ شریک کے مسئلہ کی طرف راجع ہے جس طرح ''المنح'' میں ہے۔

29117۔ (قولہ: وَهُوَ الْمُخْتَارُ) ''رملی'' نے کہا: مولف یعنی صاحب ''المنح'' کی تحریر اس کے بالمقابل پائی گئی جو میں نے صورت بیان کی ہے: آپ پر یہ امر مخفی نہیں کہ یہ مشہور اختلاف ہے۔

29118۔ (قولہ: فَإِنْ قَسَمَهُ) یعنی واہب خود یا اس کا نائب اسے تقسیم کر دے یا موہوب لہ کو حکم دے کہ وہ اس کے شریک کے ساتھ تقسیم کرلے ان سب کے ساتھ ہبہ مکمل ہو جائے گا جس طرح یہ امر اس کے ہاں ظاہر ہے جو ادنیٰ سی سمجھ بوجھ رکھتا ہے۔ تامل۔ ''رملی''۔

ہبہ صحیح میں تخلیہ قبضہ ہے ہبہ فاسدہ میں تخلیہ قبضہ نہیں۔ ''جامع الفصولین''۔

ایسی مشترک چیز کا ہبہ جو تقسیم ہوسکتی ہو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ملکیت کا فائدہ نہیں دیتا

29119۔ (قولہ: وَلَوْ سَلَّمَهُ شَائِعًا الخ) ''فتاوی خیریہ'' میں کہا ہے: ظاہر روایت میں یہ ملکیت کا فائدہ نہیں دیتا۔ ''زیلعی'' نے کہا: اگر وہ اسے مشترک ہی سپرد کر دے تو وہ اس کا مالک نہیں ہوگا یہاں تک کہ اس کا اس پر تصرف نافذ نہیں ہو

....

گا۔ پس اس پر اس کی ضمانت ہوگی۔ اور اس میں واہب کا تصرف نافذ ہو جائے گا اسے ''طحاوی'' اور ''قاضی خان'' نے ذکر کیا ہے۔ ''ابن رستم'' سے اس کی مثل مروی ہے۔ ''عصام'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ ہبہ ملک کا فائدہ دے گا۔ بعض مشائخ نے یہی اخذ کیا ہے۔ بعض علما کے نزدیک ہبہ کے ملک کا فائدہ دینے کے باوجود سب علما نے اس پر اجماع کیا ہے کہ واہب کو حق حاصل ہے کہ وہ موہوب لہ سے واپس لے لے اگرچہ وہ واہب کا ذی رحم محرم ہو۔ ''جامع الفصولین'' میں ''فتاوی فضلی'' کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: پھر جب وہ ہلاک ہو جائے تو واہب کو فتویٰ دیا جائے گا کہ وہ اپنے ذی رحم محرم سے ہبہ فاسدہ کے طور پر واپس لے لے۔ کیونکہ ہبہ فاسدہ کی ضمانت ہوتی ہے اسی وجہ سے جو گزر چکا ہے جب ہلاکت کے بعد اس کی قیمت کی ضمانت ہے تو ہلاکت سے پہلے اس کے لوٹانے کا استحقاق ہوتا ہے۔ جس طرح ہبہ کرنے والے کو اس میں رجوع کا حق ہوتا ہے تو اس کی موت کے بعد اس کے وارث کو لوٹانے کا حق ہوگا۔ کیونکہ اس کے لوٹانے کا استحقاق ہوتا ہے۔ اور ہلاکت کے بعد اس کی ضمانت ہوتی ہے جس طرح بیع فاسد میں ہوتا ہے جب دونوں بیع و شرا کرنے والوں میں سے ایک مر جائے تو اس کے وارثوں کو اس کے توڑنے کا حق ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے لوٹانے کا استحقاق ہوتا ہے اور ہلاکت کی صورت میں اس کی ضمانت ہوتی ہے۔ پھر یہ امر ثابت شدہ ہے کہ قضا خاص ہوتی ہے جب سلطان نے قاضی کو والی بنایا تا کہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے تو دوسرے امام کے مذہب کے مطابق اس کی قضا نافذ نہ ہوگی۔ کیونکہ تخصیص کی وجہ سے وہ اس سے معزول ہے تو اس میں وہ رعیت کے ساتھ لاحق ہے۔ اس پر ہمارے علما نے وضاحت کی ہے۔ جو کچھ ''خیریہ'' میں ہے ''حامدیہ'' میں بھی اور ''تاجیہ'' میں اسی کا فتویٰ دیا ہے ''جوہرہ'' اور ''بحر'' میں اس کو یقین سے بیان کیا ہے۔

''المبتغی''، یہ لفظ غین معجمہ کے ساتھ ہے، سے نقل کیا ہے: اگر موہوب لہ نے اسے بیچ دیا تو صحیح نہ ہوگا۔ ''نور العین'' میں ''الوجیز'' سے منقول ہے: ہبہ فاسدہ پر قبضہ کیا گیا ہو تو اس کی ضمانت ہوگی اور اس میں ملکیت ثابت نہیں ہوتی مگر عوض دینے کے ساتھ ودیعت ثابت ہوتی ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''المبسوط'' میں اس پر نص قائم کی ہے۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ کیونکہ ہبہ عقد معاوضہ میں منقلب ہو جاتا ہے۔ اس سے قبل ذکر کیا ہے: ایسی مشترک چیز جو تقسیم ہو سکتی ہو اس کا ہبہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ملکیت کا فائدہ نہیں دیتا۔ ''قہستانی'' میں ہے: یہ ملکیت کا فائدہ نہیں دیتا یہی قول مختار ہے جس طرح ''مضمرات'' میں ہے۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے یہی قول صحیح ہے۔

جب تو جان چکا ہے کہ یہ ظاہر روایت ہے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو بیان کیا ہے اور علما نے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ اس پر عمل ہے اگرچہ یہ تصریح کی ہے کہ مفتی بہ قول اس کے خلاف ہے۔ خصوصاً کہ یہ خبیث ملکیت ہے جس طرح آگے آئے گا اور اس کی ضمانت ہوگی جس طرح تو جان چکا ہے پس موہوب لہ کے لیے کوئی نفع نہیں پایا۔ پس اس کو غنیمت جان۔ اس جیسی صورت میں، میں نے کثرت سے گفتگو کی ہے کیونکہ اس کا وقوع زیادہ ہے اور اکثر لوگ اس امر پر متنبہ نہیں کہ مخالف کے قول پر ضمانت لازم آتی ہے اور غیب میں نفع مند دعوت کی امید ہے۔

لَكِنْ فِيهَا عَنِ الْفُصُولَيْنِ الْهِبَةُ الْفَاسِدَةُ تُفِيدُ الْمِلْكَ بِالْقَبْضِ وَبِهِ يُفْتَى وَمِثْلُهُ فِي الْبَزَّازِيَّةِ عَلَى خِلَافِ مَا صَحَّحَهُ فِي الْعِمَادِيَّةِ لَكِنَّ لَفْظَ الْفَتْوَى آكَدُ مِنْ لَفْظِ الصَّحِيحِ كَمَا بَسَطَهُ الْمُصَنِّفُ مَعَ بَقِيَّةِ أَحْكَامِ الْمُشَاعِ وَهَلْ لِلْقَرِيبِ الرُّجُوعُ فِي الْهِبَةِ الْفَاسِدَةِ؟ قَالَ فِي الدُّرَرِ نَعَمْ، وَتَعَقَّبَهُ فِي الشُّرُنْبُلَالِيَّةِ بِأَنَّهُ غَيْرُ ظَاهِرٍ عَلَى الْقَوْلِ الْمُفْتَى بِهِ مِنْ إِفَادَتِهَا الْمِلْكَ بِالْقَبْضِ فَلْيُحْفَظْ (وَالْمَانِعُ) مِنْ تَمَامِ الْقَبْضِ

لیکن اس میں ''فصولین'' سے مروی ہے: ہبہ فاسدہ قبضہ کے ساتھ ملکیت کا فائدہ دیتا ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اسی کی مثل ''بزازیہ'' میں ہے جو اس کے برعکس ہے ''عمادیہ'' میں اس کی تصحیح کی ہے۔ لیکن فتویٰ کا لفظ یہ صحیح کے لفظ سے زیادہ مؤکد ہوتا ہے جس طرح مصنف نے مشاع کے باقی ماندہ احکام کو کھول کر بیان کیا ہے۔ کیا قریبی کو ہبہ فاسدہ میں رجوع کا حق حاصل ہے؟ ''الدرر'' میں کہا: ہاں۔ ''شرنبلالیہ'' میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ مفتی بہ قول کے مطابق غیر ظاہر ہے کہ یہ قبضہ کی صورت میں ملکیت کا فائدہ دے پس اس کی حفاظت کی جانی چاہیے۔ اور قبضہ کے مکمل ہونے سے مانع ایسا اشتراک ہے

29120۔ (قولہ: بِالْقَبْضِ) قبضہ کے ساتھ ہبہ ملکیت کا فائدہ دے گا مگر ملک خبیث کا فائدہ دے گا۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''قہستانی''۔ یعنی اس کی ضمانت ہوگی جس طرح تو ابھی اس پر آگاہ ہو چکا ہے پس متنبہ رہ۔

''حاشیۃ المنح'' میں ہے: ملکیت کا فائدہ دینے کے باوجود اس کے توڑ دینے کا حکم دیا جائے گا کیونکہ اس میں فساد ہے جس طرح بیع فاسد کو توڑ دیا جاتا ہے۔ تامل

29121۔ (قولہ: فِي الْبَزَّازِيَّةِ) اس کی عبارت یہ ہے: کیا قبضہ کے ساتھ ملکیت ثابت ہوتی ہے۔ ''ناطفی'' نے کہا: ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ملکیت کا فائدہ نہیں دیتا۔ بعض فتاویٰ میں ہے کہ اس میں ملکیت فاسدہ ثابت ہوتی ہے اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

''الاصل'' میں یہ نص قائم کی ہے: اگر ایک آدمی نے اپنے گھر کا نصف دوسرے کو ہبہ کیا اور اسے وہ گھر سپرد کر دیا موہوب لہ نے اسے بیچ دیا یہ جائز نہ ہوگا۔ یہ نص اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ مالک نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے بیع کو قبضہ کے بعد باطل کر دیا ہے۔ فتاویٰ میں اس پر نص قائم کی ہے کہ یہی مختار ہے۔ میں نے ''المنح'' کے حاشیہ پر اس قول کے نقل کرنے کے بعد ایک فاضل کی تحریر دیکھی ہے تو اسے دیکھ رہا ہے کہ ملک کے فائدہ دینے کی روایت کو قبض کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کے مطابق فتویٰ دینے کو بعض فتاویٰ کی طرف منسوب کیا ہے تو اصل کی روایت میں کوئی تعارض نہیں۔ اسی وجہ سے ''قاضی خان'' نے اسے اختیار کیا ہے۔ اور ان کا قول لفظ الفتوی الخ بعض اوقات اس کے عموم کے ممنوع ہونے کا قول کیا جاتا ہے۔ خصوصاً یہ صیغہ جب ''بزازی'' کے سیاق کی مثل میں ہو جب تو غور کرے گا تو تو اس کے رجحان کا فیصلہ کرے گا جس پر اصل دلالت کرتی ہے۔

29122۔ (قولہ: وَتَعَقَّبَهُ) اس میں جو ضعف ہے اس سے تو آگاہ ہو چکا ہے جو ہم پہلے ''خیریہ'' سے نقل کر چکے ہیں۔ پس اس پر متنبہ ہو جایئے۔

(شُيُوعٌ مُقَارِنٌ) لِلْعَقْدِ (لَا طَارِئٌ) كَأَنْ يَرْجِعَ فِي بَعْضِهَا شَائِعًا فَإِنَّهُ لَا يُفْسِدُ اتِّفَاقًا (وَالِاسْتِحْقَاقُ) شُيُوعٌ (مُقَارِنٌ) لَا طَارِئٌ فَيَفْسُدُ الْكُلُّ حَتَّى لَوْ وَهَبَ أَرْضًا وَزَرْعًا وَسَلَّمَهُمَا فَاسْتَحَقَّ الزَّرْعَ بَطَلَتْ فِي الْأَرْضِ، لِاسْتِحْقَاقِ الْبَعْضِ الشَّائِعِ فِيمَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ، وَالِاسْتِحْقَاقُ إِذَا ظَهَرَ بِالْبَيِّنَةِ كَانَ مُسْتَنِدًا إِلَى مَا قَبْلَ الْهِبَةِ فَيَكُونُ مُقَارِنًا لَهَا لَا طَارِئًا كَمَا زَعَمَهُ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ وَإِنْ تَبِعَهُ ابْنُ الْكَمَالِ فَتَنَبَّهْ (وَلَا تَصِحُّ هِبَةُ لَبَنٍ فِي ضَرْعٍ وَصُوفٍ عَلَى غَنَمٍ وَنَخْلٍ فِي أَرْضٍ وَتَمْرٍ فِي نَخْلٍ) لِأَنَّهُ كَمُشَاعٍ

جو عقد کے ساتھ ملا ہو نہ کہ وہ اشتراک ہے جو طاری ہے جیسے وہ اس کے بعض اشتراک کی حیثیت سے راجع ہو۔ کیونکہ یہ بالاتفاق فاسد نہیں۔ استحقاق یہ ایسا اشتراک ہے جو متعارف ہے یہ طاری نہیں پس یہ سب کو فاسد کر دے گا یہاں تک کہ اگر وہ زمین اور کھیتی ہبہ کرے اور دونوں سپرد کر دے پس وہ کھیتی کا کوئی مستحق نکل آیا تو زمین میں ہبہ باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ بعض ایسے مشترک میں استحقاق ثابت ہوا ہے جو تقسیم کا احتمال رکھتا ہے استحقاق جب گواہوں کے ساتھ ظاہر ہو جائے تو وہ ہبہ سے پہلے کی طرف منسوب ہو پس وہ اس کے مقارن ہو گا نہ کہ طاری جس طرح ''صدرالشریعہ'' نے گمان کیا ہے اگرچہ ''ابن کمال'' نے اس کی پیروی کی ہے پس اس پر متنبہ ہو جایئے۔ اور کھیری میں موجود دودھ کو ہبہ کرنا، غنم پر موجود اون کو ہبہ کرنا، زمین میں لگے ہوئے کھجور کے درختوں کو ہبہ کرنا اور کھجور کے درخت پر موجود کھجوروں کو ہبہ کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ مشترک کی طرح ہیں

29123۔(قولہ: لِلْعَقْدِ لَا طَارِئٌ) میں کہتا ہوں: اسی میں سے ہے: اگر وہ اپنی مرضی سے گھر ہبہ کرے اور اس کا اس کے سوا کوئی گھر نہ ہو پھر وہ مر جائے اور وارث ہبہ کو جائز قرار نہ دیں تو ہبہ اس کے ایک تہائی میں باقی رہے گا اور دو تہائی میں باطل ہو جائے گا جس طرح ''الخانیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔

29124۔(قولہ: الْبَعْضِ الشَّائِعِ) یعنی حکماً مشترک ہو۔ کیونکہ کھیتی کا زمین کے ساتھ شے واحد کی طرح اتصال کا حکم ہے جب وہ دونوں میں سے ایک کا مستحق نکل آئے تو وہ یوں ہو جائے گا جس طرح وہ اس میں بعض مشترک کا مستحق نکل آیا ہے جو تقسیم کا احتمال رکھتی ہے۔ پس باقی ماندہ میں ہبہ باطل ہو جائے گا۔ ''الکافی'' میں اسی طرح ہے، ''درر''۔ ''الخانیہ'' میں کہا: کھیتی سامان کے مشابہ نہیں۔

29125۔(قولہ: بِالْبَيِّنَةِ) چاہیے کہ اس میں غور و فکر کیا جائے اگر وہ موہوب لہ کے اقرار سے ظاہر ہو۔ جہاں تک واہب کے اقرار کا تعلق ہے تو ظاہر یہ ہے کہ یہ لغو ہے کیونکہ اس نے غیر کی ملک کا اقرار کیا ہے۔

مشترک کی نظائر

29126۔(قولہ: لِأَنَّهُ كَمُشَاعٍ) ''شرح الدرر'' میں کہا: یہ مشترک کی نظائر ہیں یہ اس کی امثلہ نہیں پس ان میں سے کسی میں کوئی اشتراک نہیں۔ لیکن یہ مشترک کے حکم میں ہیں یہاں تک کہ اگر ان کو الگ کر دیا جائے اور سپرد کر دیا جائے تو ہبہ صحیح ہو جائے گا۔

(وَلَوْ فَصَلَهُ وَسَلَّمَهُ جَازَ) لِزَوَالِ الْمَانِعِ وَهَلْ يَكْفِي فَصْلُ الْمَوْهُوبِ لَهُ بِإِذْنِ الْوَاهِبِ؟ ظَاهِرُ الدُّرَرِ نَعَمْ (بِخِلَافِ دَقِيقٍ فِي بُرٍّ وَدُهْنٍ فِي سِمْسِمٍ وَسَمْنٍ فِي لَبَنٍ) حَيْثُ لَا يَصِحُّ أَصْلًا: لِأَنَّهُ مَعْدُومٌ

اگر انہیں جدا کیا اور موہوب لہ کے سپرد کر دیا تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ مانع زائل ہو چکا ہے۔ کیا واہب کی اجازت سے موہوب لہ کا اس سے جدا کر لینا کافی ہوگا؟ ''الدرر'' کی عبارت کا ظاہر معنی ہے: ہاں۔ گندم میں آٹے، تلوں میں تیل اور دودھ میں گھی کا مسئلہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ اصلاً صحیح نہیں کیونکہ یہ معدوم ہے

ان کا قول: کیونکہ یہ مشاع کے قائم مقام ہے میں کہتا ہوں: تجھ پر یہ بات نہیں جانی چاہیے کہ یہ لازم نہیں آتا کہ ہر شے میں اس کا حکم لے اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ زمین کی ملک کی جانب سے کھجوروں کا ہبہ جائز نہیں۔ اسی طرح اس کے برعکس معاملہ ہے ظاہر اس کے خلاف ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ مشترک میں سے کوئی جز نہیں اگر چہ وہ جز دقیق ہو مگر شریک کا اس میں حصہ ہوتا ہے۔ پس اس کا ہبہ صحیح نہیں ہوتا اگر چہ یہ ہبہ شریک کی جانب سے ہو۔ کیونکہ اس میں کامل قبضہ متصور نہیں ہوتا۔ جہاں تک زمین میں کھجور کے درختوں کا معاملہ ہے، اور زمین میں کھیتی کا معاملہ ہے اگر یہ سب ایک شخص کے ہوں تو کھجوروں کے مالک نے کھجوروں کے تمام درخت زمین کے مالک کو ہبہ کر دیے یا اس کے برعکس کیا تو ہبہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک کی ملک دوسرے سے ممتاز ہے پس تمام پر اس کا قبضہ صحیح ہوگا۔ میں نے کسی عالم کو نہیں دیکھا جس نے اس امر کی تصریح کی ہو لیکن ان کی کلام سے حکم اخذ کیا جاتا ہے لیکن جب قول منقول پایا جائے تو تسلیم کیے بغیر ہمارے لیے کوئی گنجائش نہیں۔

فرع: ایک آدمی کے دوسرے پر دس لازم ہوں تو دوسرے نے اسے وہ دے دیئے تو قبضہ کرنے والے نے ایک دانق زائد پایا تو اس نے دائن یا بائع کو وہ ہبہ کر دیے کہ درہم صحیح ہے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا انہیں نقصان دے گا تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ یہ مشترک ہے جو تقسیم کو قبول نہیں کرتا۔ اسی طرح بعض دراہم اور دنانیر کا ہبہ ہے اگر تبعض انہیں نقصان پہنچائے تو یہ صحیح ہوگا ورنہ صحیح نہیں ہوگا۔ ''بزازیہ''۔

29127۔ (قولہ: ظَاهِرُ الدُّرَرِ نَعَمْ) میں کہتا ہوں: ''الخانیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے اور کہا: اگر اس نے زمین کے بغیر کھیتی یا کھجور کے درختوں کے بغیر کھجوریں ہبہ کیں اور اس نے ان سے کاٹنے کا حکم دیا تو موہوب لہ نے اس کے بیے وہ عمل کیا تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ اذن کے ساتھ قبضہ مجلس میں اور اس کے بعد صحیح ہوتا ہے۔

''حامدیہ'' میں ''جامع الفتاویٰ'' سے مروی ہے: اگر اس نے زمین میں کھیتی کو، درخت میں پھل کو، تلوار کے زیور کو، حویلی کی عمارت، ایک آدمی پر لازم دینار کو یا ڈھیر میں سے ایک قفیز کو ہبہ کیا اور اسے فصل کاٹنے، پھل اتارنے، زیور الگ کرنے، ملبہ پر قبضہ کرنے اور کیل کرنے کا حکم دیا تو اس نے اسی طرح کیا تو یہ بطور استحسان صحیح ہوگا۔ الخ

29128۔ (قولہ: أَصْلًا) یعنی اگر چہ اسے الگ کر کے حوالے کیا۔

29129۔ (قولہ: لِأَنَّهُ مَعْدُومٌ) یعنی حکماً وہ معدوم ہے۔ اسی طرح اگر اس نے حمل کو ہبہ کیا اور ولادت کے بعد اسے

فَلَا يُمْلَكُ إِلَّا بِعَقْدٍ جَدِيدٍ (وَمُلِكَ) بِالْقَبُولِ (بِلَا قَبْضٍ جَدِيدٍ لَوْ الْمَوْهُوبُ فِي يَدِ الْمَوْهُوبِ لَهُ) وَلَوْ بِغَصْبٍ أَوْ أَمَانَةٍ؛ لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ عَامِلٌ لِنَفْسِهِ، وَالْأَصْلُ أَنَّ الْقَبْضَيْنِ إِذَا تَجَانَسَا نَابَ أَحَدُهُمَا عَنْ الْآخَرِ، وَإِذَا تَغَايَرَا نَابَ الْأَعْلَى عَنْ الْأَدْنَى لَا عَكْسُهُ

پس وہ عقد جدید کے ساتھ اس کا مالک ہوگا۔ اور موہوب لہ قبول کے ساتھ مالک ہو جائے گا اگرچہ اپنا قبضہ نہ ہوا گر موہوب بہ چیز موہوب لہ کے قبضہ میں ہوا گرچہ غصب یا امانت سے ہو۔ کیونکہ اس وقت وہ اپنے لیے عمل کر رہا ہے۔ قاعدہ یہ ہے جب دونوں قبضے ہم جنس ہوں تو دونوں میں سے ایک دوسرے کا نائب ہوگا۔ جب دونوں متغایر ہوں تو اعلیٰ ادنی کا نائب ہوگا لیکن اس کے برعکس نہیں ہوگا۔

سپرد کر دیا تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کے وجود میں احتمال ہے پس وہ چیز معلوم کی طرح ہوگئی۔ ''منح''۔

29130۔ (قولہ: جَدِيدٍ) یہ حکم اس لیے ہے کیونکہ گندم متغیر ہو چکی ہے اور وہ آٹا بن چکی ہے۔ اسی طرح اس کے علاوہ کا معاملہ ہے۔ متغیر ہونے کے بعد وہ دوسرا عین ہے جس طرح غصب میں معروف ہے۔ مشترک کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ ملکیت کا محل ہے نہ کہ اس کا تقسیم کرنا ممکن نہیں جب مانع زائل ہوگا تو ہبہ جائز ہو جائے گا۔ ''منح''۔

29131۔ (قولہ: بِالْقَبُولِ) واضح کلام کے ساتھ قبول کی شرط لگائی ہے کیونکہ جب وہ اس طرح نہ پائی جائے تو اس میں ملکیت بغیر رضامندی کے پائی جائے گی۔ کیونکہ اس کے قبضہ کی کوئی حاجت نہیں۔ اور یہ جائز نہیں کیونکہ اس میں ضرر کا وہم ہے جب وہ اس کے قبضہ میں نہ ہو اور اس کے قبضہ کا وہ حکم دے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ یہ اس وقت صحیح ہوگا جب وہ قبضہ کرے گا۔ اور قبول کرنا شرط نہ ہوگا۔ کیونکہ جب اس نے قبضہ کا اقرار کیا تو یہ اس کی جانب سے قبول اور رضا ہوگی۔ کیونکہ اس کے لیے ملکیت واقع ہوگی پس وہ اس کا مالک ہوگا۔ ''ط'' ملخص۔ یہ اس قبول کا معنی ہے جو بعد میں ہے: لانہ حینئذ عامل لنفسہ، یعنی جب اس نے صریحاً قبول کیا۔

29132۔ (قولہ: بِلَا قَبْضٍ) یعنی اس کی صورت یہ ہے وہ اسی جگہ کی طرف لوٹ آئے جس میں عین ہے اور وہ وقت گزر جاتا ہے جس میں اس پر قبضہ کرنا ممکن ہوتا ہے۔ ''قہستانی''۔

29133۔ (قولہ: وَلَوْ بِغَصْبٍ) ''زیلعی'' کو دیکھیے۔

29134۔ (قولہ: عَنْ الْآخَرِ) جس طرح اس کے پاس ودیعت ہو تو اس کے مالک نے اسے وہ عاریۃ دے دی ہو تو ہر ایک نے امانت پر قبضہ کیا تو دونوں میں سے ایک دوسرے کا نائب ہو۔

29135۔ (قولہ: عَنْ الْأَدْنَى) پس مغصوب اور مبیع جو فاسد ہو یہ مبیع صحیح کے قبضہ کا نائب ہوگا امانت کا قبضہ اس کا نائب نہ ہوگا۔ ''منح''۔

29136۔ (قولہ: لَا عَكْسُهُ) پس ودیعت کا قبضہ ہبہ کے قبضہ کے ہم جنس ہے کیونکہ یہ دونوں امانت کا قبضہ ہے اور

(وَهِبَةُ مَنْ لَهُ وِلَايَةٌ عَلَى الطِّفْلِ فِي الْجُمْلَةِ) وَهُوَ كُلُّ مَنْ يَعُولُهُ فَدَخَلَ الْأَخُ وَالْعَمُّ عِنْدَ عَدَمِ الْأَبِ لَوْ فِي عِيَالِهِمْ (تَتِمُّ بِالْعَقْدِ) لَوْ الْمَوْهُوبُ مَعْلُومًا وَكَانَ فِي يَدِهِ أَوْ يَدِ مُودِعِهِ، لِأَنَّ قَبْضَ الْوَلِيِّ يَنُوبُ عَنْهُ،

اور جسے بچے پر فی الجملہ ولایت ہو اس کا ہبہ، اس سے مراد وہ ہے جو اس کی کفالت کرتا ہو پس باپ نہ ہونے کی صورت میں بھائی اور چچا اس میں داخل ہیں اگر وہ بچہ ان کے عیال میں ہو، عقد کے ساتھ مکمل ہو جاتا ہے اگر موہوب معلوم ہو اور وہ اس کے قبضہ میں ہو یا اس کے مودع کے قبضہ میں ہو۔ کیونکہ ولی کا قبضہ اس کے قبضہ کے قائم مقام ہوتا ہے۔

شرا کے قبضہ کے متغایر ہیں۔ کیونکہ شرا کا قبضہ ضمان کا قبضہ ہے پس پہلا اس کا نائب نہ ہوگا جس طرح ''المحیط'' میں ہے۔ اسی کی مثل ''شرح الطحاوی'' میں ہے۔ لیکن وہ اپنے اطلاق پر نہیں۔ جب وہ غیر کے ساتھ مضمون ہو جیسے بیع ثمن کے ساتھ مضمون ہوتی ہے اور مرہون دین کے بدلے مضمون ہوتا ہے تو اس کا قبضہ واجب قبضہ کے قائم مقام نہیں ہوتا جس طرح ''المستصفی'' میں ہے۔ اس کی مثل ''زاہدی'' میں ہے۔ اگر اس نے مودع کے ہاتھ بیچا تو قبض جدید کی ضرورت ہوگی۔ اس کی مکمل بحث ''عمادی'' میں ہے۔ ''قہستانی''۔

29137۔ (قولہ: عَلَى الطِّفْلِ) اگر وہ بچہ بالغ ہو چکا ہو تو اس کا قبضہ شرط ہوگا اگرچہ وہ اسکے عیال میں ہو۔ ''تاتر خانیہ''۔

29138۔ (قولہ: فِي الْجُمْلَةِ) یعنی اگرچہ اس کے مال میں اس کا تصرف نہ ہو۔

29139۔ (قولہ: بِالْعَقْدِ) یعنی صرف ایجاب کے ساتھ جس طرح شارح اس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب وہ آگاہ کرے اور اس پر گواہ بنالے۔ اور گواہ اس لیے بنائے جائیں تاکہ اس کی موت کے بعد انکار سے بچا جا سکے۔ اور اعلام لازم ہے کیونکہ یہ قبض کے قائم ہے۔ ''بزازیہ''۔

''تاتر خانیہ'' میں کہا ہے: اگر غلام کو کسی کام کے لیے بھیجا یا وہ دار السلام میں بھاگا ہوا غلام تھا اس نے وہ غلام اپنے بیٹے کو ہبہ کر دیا تو ہبہ صحیح ہوگا۔ اگر غلام نہ لوٹے یہاں تک کہ باپ مرجائے تو وہ باپ کی جانب سے میراث نہ ہوگی۔

29140۔ (قولہ: لَوْ الْمَوْهُوبُ الخ) شاید یہ اس جیسی صورتحال سے احتراز ہے ''میں نے اسے اپنے مال میں سے کوئی شے ہبہ کی''۔ تامل

29141۔ (قولہ: مَعْلُومًا) امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ہر شے جو اس کے اپنے بیٹے کو ہبہ کی اور اس پر گواہ بنائے [illegible] شے فی نفسہ معلوم ہے تو یہ جائز ہے۔ اور ارادہ یہ کیا کہ اسے جو ہبہ کیا ہے اس کے بارے میں آگاہ کر دے۔ گواہ بنانا کوئی لازمی نہیں کیونکہ ہبہ آگاہ کرنے سے مکمل ہو جاتا ہے۔ ''تاتر خانیہ''۔

29142۔ (قولہ: أَوْ يَدِ مُودِعِهِ) وہ مودع کے قبضہ میں ہو یا مستعیر کے قبضہ میں ہو نہ کہ وہ غاصب کے قبضہ میں ہو یا مرتہن کے قبضہ میں ہو یا اس مشتری کے قبضہ میں ہو جس نے شراء فاسد کے ساتھ خرید اہو۔ ''بزازیہ''۔

''سائحانی'' نے کہا: جب اجارہ ٹوٹ گیا یا غصب لوٹ گیا تو ہبہ مکمل ہو جائے گا جس طرح اس کی نظائر میں مکمل ہوتا ہے۔

وَالْأَصْلُ أَنَّ كُلَّ عَقْدٍ يَتَوَلَّاهُ الْوَاحِدُ يُكْتَفَى فِيهِ بِالْإِيجَابِ (وَإِنْ وَهَبَ لَهُ أَجْنَبِيٌّ يَتِمُّ بِقَبْضِ وَلِيِّهِ) وَهُوَ أَحَدُ أَرْبَعَةٍ الْأَبُ، ثُمَّ وَصِيُّهُ، ثُمَّ الْجَدُّ، ثُمَّ وَصِيُّهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِي حِجْرِهِمْ،

قاعدہ یہ ہے ہر وہ عقد جس کا ذمہ دار ایک ہو اس میں ایجاب کافی ہوتا ہے اگر کوئی اجنبی اسے ہبہ کرے تو اسکے ولی کے قبضہ سے ہبہ مکمل ہو جائے گا۔ اور وہ چار میں سے ایک ہے: باپ، اس کا وصی پھر دادا پھر اس کا وصی اگر چہ وہ ان کی گود میں پرورش نہ پا رہا ہو۔

29143۔ (قولہ: يَتَوَلَّاهُ) جس طرح وہ اپنا مال اپنے بیٹے کے ہاتھ بیچ دے۔ ''تاتر خانیہ''۔

اگر بچے کو کوئی اجنبی ہبہ کرے تو اس کے ولی کے قبضہ سے ہبہ مکمل ہو جائے گا

29144۔ (قولہ: ثُمَّ وَصِيُّهُ) پھر اس کا والی، پھر قاضی اور قاضی کا وصی جس طرح ماذون میں آئے گا جس طرح وکالت سے تھوڑا پہلے کتاب الخصومۃ میں گزر چکا ہے۔ وصی باپ کی طرح ہے اور ماں اسی طرح ہے اگر چہ ان کے عیال میں ہو اگر ماں اسے ہبہ کرے یا باپ اسے ہبہ کرے ماں قبضہ کی مالک ہوگی۔ یہ اس صورت میں ہے جب بچے کا نہ باپ ہو نہ دادا ہو اور نہ ہی ان کا وصی ہو۔

''صدر'' نے یہ ذکر کیا ہے: ماں کے اس ہبہ پر قبضہ کرنے کے لیے باپ کا نہ ہونا شرط نہیں۔ ایک مرد کے بارے میں ذکر کیا ہے جب وہ اپنی چھوٹی بچی کا ایک آدمی سے نکاح کرے اور مرد نے اس سے شادی کر لی تو وہ اس عورت کے ہبہ پر قبضہ کرنے کا مالک ہو جائے گا زفاف سے پہلے اور بلوغ کے بعد خاوند کا قبضہ کرنا جائز نہیں۔

''التجرید'' میں ہے: خاوند کا قبضہ کرنا جائز ہوگا جب باپ زندہ نہ ہو اگر باپ، اس کا وصی، دادا اور اس کا وصی غائب ہو اور غیبت منقطع ہو تو اس کا قبضہ کرنا جائز ہوگا اس کا والی ہو ان چار کے علاوہ کا قبضہ کرنا جائز نہیں جب ان میں سے کوئی ایک موجود ہو خواہ صغیر اس کے عیال میں ہو یا نہ ہو وہ ذی رحم محرم ہو یا نہ ہو یا وہ اجنبی ہو۔ اگر ان چار میں سے کوئی بھی نہ ہو تو بچہ جس کے گود میں پرورش پا رہا ہو اس کا قبضہ کرنا جائز ہوگا۔ اور جو اس کے عیال میں نہ ہو اس کا قبضہ کرنا جائز نہیں، ''بزازیہ''۔ ''البحر'' میں کہا: وجود سے مراد حاضر ہونا ہے۔

''غایۃ البیان'' میں ہے: ماں اور جو کوئی بچے کی کفالت کرے باپ کی موجودگی میں اس کے ہبہ کے قبضہ کی مالک نہیں۔ ہمارے بعض مشائخ نے کہا: یہ جائز ہے جب وہ ان کے عیال میں ہو جیسے خاوند۔ ان سے یہ مروی ہے متن میں اپنے اس قول سے احتراز کیا ہے فی الصحیح۔

خاوند باپ کی موجودگی میں ہبہ پر قبضہ کرنے کا مالک ہوتا ہے۔ ماں کا معاملہ مختلف ہے۔ ماں اور جو اس کی کفالت کرتا ہے، جو خاوند کے علاوہ ہو، کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ باپ کی موت یا اس کی غیبت منقطعہ کے بعد اس کے مالک ہوتے ہیں یہ صحیح قول کے مطابق ہے۔ کیونکہ ان کا تصرف ضرورت کی بنا پر ہوتا ہے باپ کی طرف سے تفویض کرنے کی بنا پر نہیں ہوتا باپ کی موجودگی میں کوئی ضرورت نہیں۔ ''جوہرہ''۔

وَعِنْدَ عَدَمِهِمْ تَتِمُّ بِقَبْضِ مَنْ يَعُولُهُ كَعَمِّهِ (وَأُمِّهِ وَأَجْنَبِيٍّ) وَلَوْ مُلْتَقِطًا (لَوْ فِي حِجْرِهِمَا) وَإِلَّا لَا، لِفَوَاتِ الْوِلَايَةِ (وَبِقَبْضِهِ لَوْ مُمَيِّزًا) يَعْقِلُ التَّحْصِيلَ (وَلَوْ مَعَ وُجُودِ أَبِيهِ) مُجْتَبَى لِأَنَّهُ فِي النَّافِعِ الْمَحْضِ كَالْبَالِغِ، حَتَّى لَوْ وُهِبَ لَهُ أَعْمَى لَا نَفْعَ لَهُ وَتَلْحَقُهُ مُؤْنَتُهُ لَمْ يَصِحَّ قَبُولُهُ أَشْبَاهٌ قُلْتُ لَكِنْ فِي الْبُرْجَنْدِيِّ أُخْتُلِفَ فِيمَا لَوْ قَبَضَ مَنْ يَعُولُهُ،

اوران کے نہ ہونے کی صورت میں اس کے قبضہ کے ساتھ ہبہ مکمل ہوجاتا ہے جو اس کی کفالت کرتا ہے جیسے اس کا چچا، اس کی ماں اور اجنبی اگرچہ وہ ملتقط ہو اگر وہ ان دونوں کی گود میں پرورش پا رہا ہو ورنہ نہیں کیونکہ ولایت فوت ہو چکی ہے اور اس کے قبضہ کے ساتھ ہبہ مکمل ہوجاتا ہے اگر وہ سمجھ بوجھ رکھتا ہو یعنی اس کے حاصل کرنے کی سمجھ رکھتا ہو اگرچہ اس کا باپ پایا جاتا ہو، ''مجتبیٰ''۔ کیونکہ وہ خالص نفع میں بالغ کی طرح ہے یہاں تک کہ اگر اس کو نابینا ہبہ کیا گیا جس کا کوئی نفع نہ ہو اور اس نابینا کی مؤنت اسے لاحق ہوتی ہو تو اس کا قبول کرنا صحیح نہ ہوگا ''الاشباہ''۔ میں کہتا ہوں: لیکن ''برجندی'' میں ہے: اس میں اختلاف کیا گیا ہے اگر وہ اس پر قبضہ کرے جو اس کی کفالت کرتا ہے

جب تو اس سے ایک غیبت منقطعہ کے ساتھ غائب ہو تو اس کا قبضہ کرنا جائز ہوتا ہے جو ولایت میں اس کے بعد ہوتا ہے۔ کیونکہ غائب کے آنے تک کی تاخیر صغیر کے منفعت کو فوت کرنا ہے۔ پس ولایت اس کی طرف منتقل ہو جاتی ہے جو اس کے بعد ہو جس طرح نکاح کرنے میں ہوتا ہے۔ ان میں سے کوئی ایک موجود ہو تو کسی اور کا اس پر قبضہ کرنا جائز نہیں ہوگا اگرچہ وہ قابض کے عیال میں سے ہو یا اس کا ذی رحم محرم ہو جیسے بھائی، چچا اور ماں ''بدائع''۔ ملخص

اگر باپ کی موجودگی میں اس پر وہ قبضہ کرے جو اس کے عیال میں ہو تو ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز ہے اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''مشتمل الاحکام''۔ صحیح یہ ہے کہ یہ جائز ہے جس طرح اگر خاوند قبضہ کرے جب کہ باپ حاضر ہو، ''خانیہ''۔ فتویٰ اس پر ہے کہ یہ جائز ہے، ''اسروشنی''۔ تو یہ جان چکا ہے کہ ''ہدایہ'' اور ''جوہرہ'' اس کے قبضہ کے عدم جواز کا قول کرتے ہیں جو کفالت کرتا ہے جب کہ باپ غائب نہ ہو۔ صاحب ''البدائع'' نے اس کو جزم سے بیان کیا ہے۔ ''قاضی خان'' اور دوسرے علماء نے اس کے برعکس کی تصحیح کی ہے۔ جو کچھ انہوں نے ذکر کیا ہے وہ ''قاضی خان'' کی تصحیح سے ہم پلہ نہیں ہوسکتا کیونکہ ''قاضی خان'' ''فقیہ النفس'' ہے خصوصاً اس میں صغیر کا نفع ہے پس فتویٰ کے وقت اس میں غور کیجئے۔ میں نے منقولہ روایات بہت ہی زیادہ نقل کی ہیں کیونکہ یہ واقعۃ الفتویٰ ہے۔ ان میں سے بعض روایات میں نے ''منلا علی ترکمانی'' کی تحریر سے نقل کی ہیں اور ان کے منسوب کرنے پر میں نے اعتماد کیا ہے کیونکہ وہ ثقہ اور ثبت ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ

29145۔ (قولہ: وَعِنْدَ عَدَمِهِمْ) اگرچہ غیبت منقطعہ کے ساتھ ہو۔

29146۔ (قولہ: يَعْقِلُ التَّحْصِيلَ) یہ تمیز کی تفسیر ہے۔

29147۔ (قولہ: لَكِنْ) یہ ان کے قول وعند عدمھم پر استدراک ہے۔ ''ح''۔

وَالْأَبُ حَاضِرٌ فَقِيلَ لَا يَجُوزُ وَالصَّحِيحُ هُوَ الْجَوَازُ وَظَاهِرُ الْقُهُسْتَانِيِّ تَرْجِيحُهُ، وَعَزَاهُ لِفَخْرِ الْإِسْلَامِ وَغَيْرِهِ عَلَى خِلَافِ مَا اعْتَمَدَهُ الْمُصَنِّفُ فِي شَرْحِهِ، وَعَزَاهُ لِلْخُلَاصَةِ لَكِنَّ مَتْنَهُ يَحْتَمِلُهُ بِوَصْلٍ وَلَوْ بِأُمِّهِ وَالْأَجْنَبِيِّ أَيْضًا فَتَأَمَّلْ (وَصَحَّ رَدُّهُ لَهَا كَقَبُولِهِ) سِرَاجِيَّةٌ وَفِيهَا حَسَنَاتُ الصَّبِيِّ لَهُ وَلِأَبَوَيْهِ أَجْرُ التَّعْلِيمِ وَنَحْوِهِ، وَيُبَاحُ لِوَالِدَيْهِ أَنْ يَأْكُلَا مِنْ مَأْكُولٍ وُهِبَ لَهُ، وَقِيلَ لَا، انْتَهَى، فَأَفَادَ أَنَّ غَيْرَ الْمَأْكُولِ لَا يُبَاحُ لَهُمَا إِلَّا لِحَاجَةٍ وَضَعُوا هَدَايَا الْخِتَانِ بَيْنَ يَدَيِ الصَّبِيِّ

جب کہ باپ حاضر ہو ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز نہیں صحیح یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔ ''قہستانی'' کا ظاہر معنی ہے کہ اس کو ترجیح دی جائے گی اور اسے فخر الاسلام وغیرہ کی طرف منسوب کیا ہے جب کہ یہ اس کے خلاف ہے جس پر مصنف نے اپنی شرح میں اعتماد کیا ہے اور اسے ''خلاصہ'' کی طرف منسوب کیا ہے لیکن اس کا متن ولو بامه و الاجنبی ایضا کے ساتھ وصل کرنے کی صورت میں اس کا احتمال رکھتا ہے، فتامل۔ اس کا ہبہ کو رد کرنا صحیح ہے جس طرح اس کا قبول کرنا صحیح ہے ''سراجیۃ''۔ اس میں ہے: بچے کی نیکیاں بچے کے لیے ہیں اور اس کے والدین کے لیے تعلیم وغیرہ کا اجر ہے۔ اس کے والدین کے لیے مباح ہے کہ کھانے کی چیز میں سے کھالیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جائز نہیں۔ کلام ختم ہوئی۔ اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ غیر ماکول چیز حاجت کے سوا ان کے لیے مباح نہیں۔ لوگوں نے ختنہ کے ہدایا بچے کے سامنے رکھے

29148۔ (قوله: بِوَصْلٍ وَلَوْ بِأُمِّهِ) یعنی متن کے قول: ولو مع وجود ابیه کو ان کے قول: بامه و اجنبی کے ساتھ ملانا جائز ہے۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

29149۔ (قوله: وَلَوْ بِأُمِّهِ) یہ وصل کے متعلق ہے۔

29150۔ (قوله: وَصَحَّ رَدُّهُ) یعنی بچے کا ہبہ کا لوٹا دینا صحیح ہے۔ ولی کے لوٹانے کا حکم دیکھیے۔ ظاہر یہ ہے یہ صحیح نہیں یہاں تک کہ ولی کے لوٹانے کے بعد اگر بچہ قبول کر لے تو یہ صحیح ہوگا۔ ''ط''۔

29151۔ (قوله: لَهَا) ضمیر سے مراد ہبہ ہے۔

29152۔ (قوله: وُهِبَ لَهُ) ''تاتر خانیہ'' میں کہا: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے نصاً مروی ہے کہ یہ مباح ہے۔ ''الذخیرہ'' میں اور بخاری کے اکثر مشائخ اس پر ہیں کہ یہ مباح نہیں۔ ''فتاویٰ سمرقند'' میں ہے: جب بچے کو پھل ہدیہ کیے گئے تو والدین کے لیے حلال ہے کہ ان سے کھالیں جب اس سے مراد والدین ہوں۔ لیکن صغیر کو ہدیہ دینا یہ ہدیہ کو صغیر جاننا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس سے تطبیق ظاہر ہوتی ہے اور یہ امر قرائن سے ظاہر ہوتا ہے اس تعبیر کی بنا پر ماکول اور غیر ماکول میں کوئی فرق نہیں بلکہ اس کا غیر زیادہ ظاہر ہے۔ فتامل

29153۔ (قوله: فَأَفَادَ) اس کی اصل یعنی یہ قول صاحب ''البحر'' کا ہے اور ''منح'' میں ''البحر'' کی پیروی کی ہے۔

29154۔ (قوله: إِلَّا لِحَاجَةٍ) ''تاتر خانیہ'' میں کہا: جب باپ اپنے بیٹے کے مال کا محتاج ہوا اگر وہ دونوں شہر میں

فَمَا يَصْلُحُ لَهُ كَثِيَابِ الصِّبْيَانِ فَالْهَدِيَّةُ لَهُ، وَإِلَّا فَإِنَّ الْمُهْدِيَ مِنْ أَقْرِبَاءِ الْأَبِ أَوْ مَعَارِفِهِ فَلِلْأَبِ أَوْ مِنْ مَعَارِفِ الْأُمِّ فَلِلْأُمِّ، قَالَ هَذَا لِلصَّبِيِّ أَوْ لَا، وَلَوْ قَالَ أَهْدَيْتُ لِلْأَبِ أَوْ لِلْأُمِّ فَالْقَوْلُ لَهُ، وَكَذَا زِفَافُ الْبِنْتِ خُلَاصَةٌ وَفِيهَا اتَّخَذَ لِوَلَدِهِ

جو اس بچے کے مناسب ہوں جس طرح بچوں کے کپڑے تو ہدیہ اس بچے کا ہوگا ورنہ اگر ہبہ دینے والا باپ کا قریبی ہو یا اس کی جان پہچان والا ہو تو ہدیہ باپ کا ہوگا یا ماں کے تعلق داروں سے ہو تو ہدیہ ماں کا ہوگا۔ اس نے یہ قول کیا ہو کہ یہ بچے کا ہے یا بچے کا نہیں ہے اگر وہ ہدیہ دینے والا کہے: میں نے باپ کو ہدیہ دیا ہے یا ماں کو ہدیہ دیا ہے تو قول اس کا معتبر ہوگا۔ اس طرح لڑکی کے شب زفاف کے تحفوں کا معاملہ ہے،''خلاصہ''۔ اس میں ہے: اس نے اپنے لڑکے

ہوں اور وہ اپنے فقر کی وجہ سے اس شے کا محتاج ہو تو بغیر کسی شے کے اسے کھائے۔ اگر وہ جنگل و بیابان میں ہو اور وہ اس کا محتاج ہو جائے کیونکہ اس کے پاس کھانا نہیں تو قیمت کے ساتھ کھانا کھانے کی اجازت ہوگی۔

29155۔(قولہ: فَالْقَوْلُ لَهُ) کیونکہ وہی مالک بنانے والا ہے۔

شب زفاف کے تحائف کے احکام

29156۔(قولہ: وَكَذَا زِفَافُ الْبِنْتِ) اس تفصیل کی بنا پر کہ وہ خاوند یا عورت کے رشتہ داروں میں سے ہو یا ہدیہ دینے والا کہے: میں نے یہ ہدیہ خاوند کو دیا ہے یا بیوی کو دیا ہے جس طرح''تاتر خانیہ''میں ہے۔''الفتاویٰ الخیریہ''میں ہے: اس چیز کے بارے میں پوچھا گیا جو ایک آدمی کسی دوسرے کی طرف شادی وغیرہ میں بھیجتا ہے کیا اس کا حکم قرض کا حکم ہے اس کی ادائیگی اس پر لازم ہے یا ادائیگی لازم نہیں؟

اس کا جواب یہ دیا: اگر عرف یہ ہو کہ وہ لوگ بدل کے طریقہ پر دیتے ہیں تو مثل بمثل ادائیگی لازم ہوگی اگر وہ ذوات القیم میں سے ہو تو اس کی قیمت ادا کرے گا۔ اگر عرف اس کے برعکس ہو اگر وہ ہبہ کے طریقہ پر دیتے ہیں اور بدل کے عطا کرنے کی طرف نہیں دیکھتے تو تمام احکام میں اس کا حکم ہبہ کا حکم ہے ہلاک ہونے یا ہلاک کرنے کے بعد اس میں کوئی مطالبہ نہیں۔ اس میں اصل یہ ہے کہ عرف کے طور پر معروف شرط کے مشروط کی طرح ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: ہمارے علاقوں میں عرف مشترک ہے۔ ہاں بعض دیہاتی لوگ اسے قرض شمار کرتے ہیں یہاں تک کہ ہر ولیمہ پر خطیب کو بلاتے ہیں جو ان کے لیے ہدایا لکھتا ہے۔ جب ہدیہ دینے والا ولیمہ کا اہتمام کرتا ہے تو ہدیہ لینے والا دوبارہ دفتر کا جائزہ لیتا ہے پس پہلا شخص دوسرے کو اس کی مثل دیتا ہے جو دوسرے شخص نے اسے ہدیہ دیا تھا۔

29157۔(قولہ: لِوَلَدِهِ) مراد چھوٹا بچہ ہے جہاں تک بڑے بچے کا تعلق ہے تو اس کو سپرد کرنا ضروری ہے۔ جس طرح''جامع الفصولین''میں ہے۔ جہاں تک شاگرد کا معاملہ ہے اگر وہ بڑا ہو تو معاملہ اسی طرح ہوگا۔ وہ ہبہ واپس لینے کا مالک ہوگا اگر وہ اجنبی ہو تو یہ کراہت کے ساتھ ہے ان کا قول لیس له الرجوع علیه کو اس پر محمول کرنا ممکن ہے۔''سائحانی''۔

أَوْ لِتِلْمِيذِهِ ثِيَابًا ثُمَّ أَرَادَ دَفْعَهَا لِغَيْرِهِ لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ مَا لَمْ يُبَيِّنْ وَقْتَ الِاتِّخَاذِ أَنَّهَا عَارِيَةٌ، وَفِي الْمُبْتَغَى ثِيَابُ الْبَدَنِ يَمْلِكُهَا بِلُبْسِهَا بِخِلَافِ نَحْوِ مِلْحَفَةٍ وَوِسَادَةٍ وَفِي الْخَانِيَّةِ لَا بَأْسَ بِتَفْضِيلِ بَعْضِ الْأَوْلَادِ فِي الْمَحَبَّةِ لِأَنَّهَا عَمَلُ الْقَلْبِ، وَكَذَا فِي الْعَطَايَا إِنْ لَمْ يَقْصِدْ بِهِ الْإِضْرَارَ، وَإِنْ قَصَدَهُ فَسَوَّى بَيْنَهُمْ يُعْطِي الْبِنْتَ كَالِابْنِ عِنْدَ الثَّانِي وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى وَلَوْ وَهَبَ فِي صِحَّتِهِ كُلَّ الْمَالِ لِلْوَلَدِ جَازَ وَأَثِمَ وَفِيهَا لَا يَجُوزُ أَنْ يَهَبَ شَيْئًا مِنْ مَالِ طِفْلِهِ وَلَوْ بِعِوَضٍ لِأَنَّهَا تَبَرُّعٌ ابْتِدَاءً، وَفِيهَا وَيَبِيعُ الْقَاضِي مَا وُهِبَ لِلصَّغِيرِ حَتَّى لَا يَرْجِعَ الْوَاهِبُ فِي هِبَتِهِ (وَلَوْ قَبَضَ زَوْجُ الصَّغِيرَةِ) أَمَّا الْبَالِغَةُ بِالْقَبْضِ لَهَا

یا شاگرد کے لیے کپڑے بنائے پھر وہ کپڑے کسی اور کو دینے کا ارادہ کیا اسے یہ حق حاصل نہ ہوگا یہاں تک کہ بناتے وقت وہ یہ بیان نہ کرے کہ یہ عاریہ ہوں گے۔''المبتغی'' میں ہے: بدن کے کپڑے انہیں پہننے کے ساتھ ان کا مالک ہو جاتا ہے۔ لحاف اور تکیہ وغیرہ کا معاملہ مختلف ہے۔''الخانیہ'' میں ہے: محبت میں کسی بچے کو فضیلت دینے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ دل کا عمل ہے۔ اسی طرح عطیات کا معاملہ ہے جب وہ اس سے نقصان پہنچانے کا قصد نہ کرے اگر وہ اس کا قصد کرے اور اولاد میں برابری کرے بیٹی کو اسی طرح دے جس طرح بیٹے کو دیتا ہے۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ اگر ایک آدمی نے اپنی حالت صحت میں تمام مال بیٹے کو ہبہ کر دیا تو یہ جائز ہوگا اور وہ گناہگار ہوگا۔ اس میں ہے: اس کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بیٹے کے مال میں سے کوئی شے ہبہ کرے اگرچہ عوض کے ساتھ ہو۔ کیونکہ یہ ابتداءً تبرع ہے۔ اس میں ہے: چھوٹے بچے کو جو کچھ ہبہ کیا گیا ہے قاضی اس کو بیچ دے گا یہاں تک کہ ہبہ کرنے والا اسے واپس نہیں لے سکتا۔ اگر چھوٹی بچی کے خاوند نے ان ہدایہ پر شب زفاف کے بعد قبضہ کیا جو اسے ہبہ کیے گئے تو اس کا قبضہ کرنا صحیح ہوگا اگرچہ باپ کی موجودگی میں ہو۔ جہاں تک بالغ کا تعلق ہے تو اسے قبضہ کرنے کا حق ہوگا۔

29158۔ (قولہ: أَوْ لِتِلْمِيذِهِ) تلمیذ کا مسئلہ اس صورت پر مفروض ہوگا جب کپڑے اسے دے چکا ہو۔''الخانیہ'' میں کہا: ایک استاد نے اپنے شاگرد کے لیے کوئی چیز بنائی جب استاد اسے کپڑے دے چکا تھا اس کے بعد شاگرد بھاگ گیا اگر کپڑے بناتے وقت اس نے یہ وضاحت کی کہ یہ اعارہ ہے تو اسے دینا ممکن ہے (شاید صحیح کسی اور کو دینا ممکن ہے) فافہم

29159۔ (قولہ: وَإِنْ قَصَدَهُ) یہ صاد کے سکون اور دال کے رفع کے ساتھ ہے (شاید صحیح یہ ہے کہ قصدہ فعل ماضی ہے) اگر وہ اس سے نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے۔ میں نے ''الخانیہ'' میں اسی طرح دیکھا ہے۔

29160۔ (قولہ: وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى) یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہے کہ مذکر اور مونث میں نصف نصف کے اعتبار سے ہدیہ دینا یہ تہائی کے اعتبار سے افضل ہے۔ یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔''رملی''۔

کسی کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بیٹے کے مال میں سے کوئی شے ہبہ کرے اگرچہ عوض کے ساتھ ہو

29161۔ (قولہ: وَلَوْ بِعِوَضٍ) امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے عوض مساوی کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے جس طرح آنے

(بَعْدَ الزِّفَافِ مَا وُهِبَ لَهَا صَحَّ) قَبْضُهُ وَلَوْ بِحَضْرَةِ الْأَبِ فِي الصَّحِيحِ لِنِيَابَتِهِ عَنْهُ فَصَحَّ قَبْضُ الْأَبِ كَقَبْضِهَا مُمَيِّزَةً (وَ قَبْلَهُ) الزِّفَافِ (لَا) يَصِحُّ لِعَدَمِ الْوِلَايَةِ (وَهَبَ اثْنَانِ دَارًا لِوَاحِدٍ صَحَّ) لِعَدَمِ الشُّيُوعِ (وَبِقَلْبِهِ)

خاونداس لیے قبضہ کرسکتا ہے کیونکہ خاونداس کا نائب ہے باپ کا قبضہ کرنا صحیح ہے جس طرح وہ بچی سمجھ بوجھ رکھتے ہوئے اس پر قبضہ کرلے۔ اورزفاف سے پہلے قبضہ کرنا صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ خاوند کو ولایت حاصل نہیں۔ دوآدمیوں نے ایک کو گھر ہبہ کردیا تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ اشتراک نہیں

والے باب کے آخر میں ذکر کیا جائے گا۔''المجمع'' کی عبارت ہے: امام''محمد'' رحلیٹھیہ نے عرض مساوی کی شرط کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے۔ متفرقات سے تھوڑا پہلے آئے گا۔''ابو مطیع'' سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے دوسرے سے کہا: میرے انگور کے باغ میں داخل ہو اور اس سے انگور لے۔ وہ کتنے انگور لے؟ فرمایا: وہ صرف ایک گچھا لے۔''العتابیہ'' میں ہے: یہی مختار مذہب ہے۔''ابولیث'' نے کہا: اتنی مقدار لے لے جو انسان کو سیر کردے۔''تاتر خانیہ''۔ اس میں''تتمہ'' سے مروی ہے:''عمر نسفی'' سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی اولاد کو یہ حکم دیا کہ وہ اس کی اس زمین کو تقسیم کرلیں جو فلاں جانب ہے اور اس قول سے وہ مالک بنانے کا ارادہ کرتا ہے انہوں اس زمین کو تقسیم کرلیا اور اس پر راضی ہو گئے۔ کیا ان کے لیے اس زمین کی ملکیت ثابت ہو جائے گی یا انہیں اس بات کی ضرورت ہوگی کہ وہ کہے: میں نے تمہیں ان زمینوں کا مالک بنا دیا ہے یا وہ ان میں سے ہر ایک کو کہے: میں نے تجھے اس الگ کیے گئے حصہ کا مالک بنا دیا ہے؟ تو جواب دیا: نہیں۔ اس بارے میں''حسن'' سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا ان کی ملکیت تقسیم سے ہی ثابت ہو جائے گی۔''ناصری'' کی''تجنیس'' میں ہے: اگر ایک آدمی نے اپنے چھوٹے بیٹے کو ایک گھر ہبہ کیا پھر اس گھر کے بدلے میں دوسرا گھر خریدا تو دوسرا گھر اس کے چھوٹے بیٹے کا ہوا۔ امام''زفر'' نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر ایک آدمی نے اپنے بیٹے کو مال دیا بیٹے نے اس میں تصرف کیا تو وہ مال اس بیٹے کا ہوگا جب تملیک پر کوئی شے دلالت کرے۔ فقیہ سے ایسی عورت کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنا وہ مہر جو اس کے خاوند کے ذمہ تھا اس خاوند کے چھوٹے بیٹے کو ہبہ کردیا اور باپ نے اسے قبول کرلیا؟ فرمایا: میں اس مسئلہ میں شک کرنے والا ہوں۔ یہ جواز کا احتمال رکھتا ہے جس طرح ایک آدمی کا غلام کسی آدمی کے ہاں ودیعت ہو غلام بھاگ گیا اس کے آقا نے وہ غلام مودع کے بیٹے کو ہبہ کردیا تو یہ جائز ہوگا۔ ایک اور دفعہ ان سے اسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا: یہ جائز نہیں ہوگا۔ فقیہ''ابولیث'' نے کہا: ہم اسی کو اپناتے ہیں۔''العتابیہ'' میں ہے: یہی مختار ہے۔''تاتر خانیہ''۔

29162۔ (قولہ: دَارًا) اس سے مراد وہ گھر ہے جو تقسیم ہو سکتا ہو۔

29163۔ (قولہ: وَبِقَلْبِهِ) یہ ایک آدمی کی جانب سے دو کو ہبہ ہے۔ حاشیہ میں کہا: ایک آدمی نے دو کو دو کپڑے دیئے اور کہا: ان دونوں میں سے جو تو چاہے وہ تیرے لیے ہے اور دوسرا کپڑا تیرے فلاں بیٹے کے لیے ہے اگر دونوں کے جدا ہونے سے پہلے ہو تو یہ جائز ہوگا ورنہ جائز نہیں ہوگا۔

لِكَبِيرَيْنِ (لَا) عِنْدَهُ لِلشُّيُوعِ فِيمَا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ أَمَّا مَا لَا يَحْتَمِلُهُ كَالْبَيْتِ فَيَصِحُّ اتِّفَاقًا قَيَّدْنَا بِكَبِيرَيْنِ؛ لِأَنَّهُ لَوْ وَهَبَ لِكَبِيرٍ وَصَغِيرٍ فِي عِيَالِ الْكَبِيرِ أَوْ لِابْنَيْهِ صَغِيرٍ وَكَبِيرٍ لَمْ يَجُزْ اتِّفَاقًا

اور اس کے برعکس اگر وہ دو بڑوں کو ہبہ کرے تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں اشتراک ہے جو تقسیم کا احتمال رکھتا ہے۔ جہاں تک اس چیز کا تعلق ہے جو اس کا احتمال نہ رکھے جیسے گھر تو بالاتفاق صحیح ہے ہم نے دو بڑوں کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر وہ صغیر اور کبیر کے لیے ہبہ کرے جو کبیر کے عیال میں ہو یا اپنے دو بیٹوں صغیر اور کبیر کو ہبہ کرے تو بالاتفاق یہ جائز نہیں۔

اس کا دوسرے پر ہزار نقد ہے اور ہزار غلہ کرایہ یا زمین کے حاصل کے طور پر ہے اس نے کہا: میں نے تجھے دونوں مالوں میں سے ایک دے دیا تو یہ جائز ہوگا اسکی وضاحت کا اختیار اسے ہوگا اور اسکی موت کے بعد اسکے ورثاء کو اختیار ہوگا۔ ''بزازیہ''۔

29164۔(قولہ: لِكَبِيرَيْنِ) یعنی بڑے جو فقیر نہیں۔ ورنہ وہ صدقہ ہوگا تو وہ صحیح ہوگا جس طرح آگے آئے گا۔

29165۔(قولہ: يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ) ''قہستانی'' کو دیکھ لیجئے۔

29166۔(قولہ: بِكَبِيرَيْنِ) یہ ''البحر'' کی عبارت سے مصنف نے اس کی پیروی کی ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ میں کہتا ہوں: اولی یہ ہے کہ یہ قید نہ لگائی جائے۔ کیونکہ دو بڑوں اور دو چھوٹوں میں اور ایک بڑے اور ایک چھوٹے میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کوئی فرق نہیں اور وہ فرماتے ہیں اس نے مطلق کلام کی ہے۔ پس اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ کوئی فرق نہیں کہ دونوں بڑے ہوں یا دونوں چھوٹے ہو یا ایک بڑا ہو اور دوسرا چھوٹا ہو۔ پہلے دو میں ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کا اختلاف ہے۔ ''رملی''۔

29167۔(قولہ: فِي عِيَالِ الْكَبِيرِ) صحیح یہ ہے: فی عیال الواهب وہ ہبہ کرنے والے کے عیال میں ہو جس طرح ''البحر'' وغیرہ کی کلام اس پر دلالت کرتی ہے۔

29168۔(قولہ: أَوْ لِابْنَيْهِ الخ) ''الخانیہ'' کی عبارت ہے: ایک آدمی نے اپنے دو بیٹوں کو گھر ہبہ کیا ان دونوں میں سے ایک صغیر ہے جو اس کے عیال میں ہے تو سب کے نزدیک ہبہ فاسد ہوگا۔ اگر دو بڑوں کو ہبہ کرے اور دونوں کو اکٹھا ہبہ کر دے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ ہبہ جائز ہے۔ کیونکہ عقد کے وقت اشتراک نہیں اور نہ ہی قبضہ کے وقت اشتراک ہے مگر جب دونوں میں سے ایک صغیر ہو تو جیسے ہی ہبہ کرے گا تو وہ صغیر کے حصہ پر قابض ہو جائے گا اور قبضہ کے وقت اشتراک ممکن ہو جائے گا۔ فلیتامل۔ پھر یہ امر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ تفصیل ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے قول پر مبنی ہے۔ جہاں تک ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے تو فساد میں بڑوں اور ان کے علاوہ میں کوئی فرق نہیں۔

29169۔(قولہ: لَمْ يَجُزْ) حیلہ یہ ہے کہ گھر بڑے کے حوالے کرے اور ان دونوں کو وہ گھر ہبہ کر دے۔ ''بزازیہ''۔ اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ وہ گھر دو چھوٹوں کو ہبہ کیا جائے تو ہبہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ دونوں میں سے ایک کے قبضہ کے پہلے ہونے کا مرجح نہیں ہے اور جب دونوں کا ولی ایک ہے تو اس کے قبضہ کرنے میں کوئی اشتراک نہیں۔ اس کی تائید ''خانیہ'' کا

وَقَيَّدْنَا بِالْهِبَةِ لِجَوَازِ الرَّهْنِ وَالْإِجَارَةِ مِنَ اثْنَيْنِ اتِّفَاقًا (وَإِذَا تَصَدَّقَ بِعَشَرَةٍ) دَرَاهِمَ (أَوْ وَهَبَهَا لِفَقِيرَيْنِ صَحَّ) لِأَنَّ الْهِبَةَ لِلْفَقِيرِ صَدَقَةٌ، وَالصَّدَقَةُ يُرَادُ بِهَا وَجْهُ اللهِ تَعَالَى، وَهُوَ وَاحِدٌ فَلَا شُيُوعَ (لَا لِغَنِيَّيْنِ) لِأَنَّ الصَّدَقَةَ عَلَى الْغَنِيِّ هِبَةٌ فَلَا تَصِحُّ لِلشُّيُوعِ أَيْ لَا تُمْلَكُ

ہم نے ہبہ کی قید لگائی ہے کیونکہ رہن اور اجارہ دو افراد کی جانب سے بالاتفاق جائز ہے۔ جب ایک آدمی نے دس دراہم صدقہ کیے یا دو فقیروں کو ہبہ کیے تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ فقیر کو ہبہ صدقہ ہے اور صدقہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا ارادہ کیا جاتا ہے جب کہ وہ ایک ہے پس اشتراک نہیں۔ دو غنی افراد پر صدقہ کرے تو صحیح نہ ہوگا کیونکہ غنی پر صدقہ ہبہ ہوتا ہے پس اشتراک کی وجہ سے صحیح نہیں۔ یعنی ان پر ملکیت ثابت نہ ہوگی

قول کرتا ہے: میرا یہ گھر میرے چھوٹے بچوں کے لیے ہے تو یہ باطل ہوگا۔ کیونکہ یہ ہبہ ہے جب اس نے اولاد کی وضاحت نہ کی تو یہ باطل ہوگا۔ اس قول نے یہ فائدہ دیا اگر وہ وضاحت کر دے تو یہ صحیح ہو جائے گا۔

میں نے ''انقروی'' میں ''بزازیہ'' سے منقول یہ قول دیکھا ہے: بڑے کے ساتھ چھوٹے کے لیے ہبہ کے صحیح ہونے کا حیلہ ہے کہ وہ بڑے کو گھر ہبہ کرے اور ان دونوں کو وہ گھر دے۔ اور ''الخزانہ'' سے جو قول گزرا ہے وہ بطور اعتراض اس پر وارد نہیں آتا۔ اگر ایک آدمی اپنے دو چھوٹے بیٹوں پر گھر صدقہ کرے تو یہ جائز نہ ہوگا کیونکہ یہ اس کے مخالف ہے جو متون اور شروح میں ہے۔ ''سائحانی''۔ یعنی اس کے لیے ہبہ جس کی ولایت حاصل ہو وہ عقد کے ساتھ مکمل ہو جاتی ہے۔

29170۔ (قولہ: اتِّفَاقًا) کیونکہ قبضہ میں فرق ہے۔

29171۔ (قولہ: صَدَقَةٌ) باب کے بعد ہم متن کے قول والصدقۃ کالھبۃ کے ہاں جو لکھنے والے ہیں اسے دیکھو۔ ''مضمرات'' میں جو قول ہے: اگر وہ کہے: میں نے تمہیں یہ گھر ہبہ کیا اور جن دونوں کو گھر ہبہ کیا گیا وہ دونوں فقیر ہیں تو بالاجماع صحیح ہوگا۔ ''تاتر خانیہ''۔

لیکن اس کے بعد کہا: ''الاصل'' میں ہے: دو آدمیوں کو گھر ہبہ کرنا جائز نہیں اسی طرح صدقہ کرنا جائز نہیں پس یہ احتمال رکھتا ہے کہ ان کا قول وکذا الصدقۃ، یہ دو غنی افراد پر صدقہ کے بارے میں ہو۔ اظہر قول یہ ہے کہ مسئلہ میں دو روایتیں ہیں۔ ''البحر'' میں کہا ہے: ''ہدایہ'' میں اس فرق کو صحیح قرار دیا ہے جس کا ذکر کیا ہے۔

29172۔ (قولہ: لَا لِغَنِيَّيْنِ) یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے کہا: یہ جائز ہے۔ اصل میں ہے کہ ہبہ جائز نہیں۔ اسی طرح ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صدقہ ہے صدقہ کے بارے میں ان سے دو روایتیں ہیں۔ ''خانیہ''۔

29173۔ (قولہ: لَا تُمْلَكُ) یہ بات گزر چکی ہے کہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ ہبہ فاسدہ کی صورت میں قبضہ کے ساتھ ملکیت حاصل ہو جاتی ہے پس یہ اس پر مبنی ہے جس کی ترجیح کو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں۔ تامل

حَتّٰی لَوْ قَسَّمَهَا وَسَلَّمَهَا صَحَّ فُرُوعٌ وَهَبَ لِرَجُلَيْنِ دِرْهَمًا إِنْ صَحِيحًا صَحَّ، وَإِنْ مَغْشُوشًا لَا لِأَنَّهُ مِمَّا يُقْسَمُ لِكَوْنِهِ فِي حُكْمِ الْعُرُوضِ مَعَهُ دِرْهَمَانِ فَقَالَ لِرَجُلٍ وَهَبْتُ لَكَ أَحَدَهُمَا أَوْ نِصْفَهُمَا إِنْ اسْتَوَيَا لَمْ يَجُزْ، وَإِنْ اخْتَلَفَا جَازَ؛ لِأَنَّهُ مُشَاعٌ لَا يُقْسَمُ؛ وَلِذَا لَوْ وَهَبَ ثُلُثَهُمَا جَازَ مُطْلَقًا تَجُوزُ هِبَةُ حَائِطٍ بَيْنَ دَارِهِ وَدَارِ جَارِهِ لِجَارٍ، وَهِبَةُ الْبَيْتِ مِنْ الدَّارِ فَهٰذَا يَدُلُّ عَلَى كَوْنِ سَقْفِ الْوَاهِبِ عَلَى الْحَائِطِ وَاخْتِلَاطِ الْبَيْتِ بِحِيطَانِ الدَّارِ لَا يَمْنَعُ صِحَّةَ الْهِبَةِ مُجْتَبٰى

یہاں تک کہ اگر وہ ان کو تقسیم کرے اور سپرد کر دے تو یہ صحیح ہو جائے گا۔ فروع: ایک آدمی نے دو آدمیوں کو ایک درہم ہبہ کیا اگر وہ دراہم صحیح ہوں تو یہ صحیح ہوگا اگر ان میں کھوٹ ہو تو یہ صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جسے تقسیم کیا جاتا ہے کیونکہ وہ عروض کے حکم میں ہے۔ اس کے پاس دو درہم ہیں اس نے ایک آدمی سے کہا: میں نے تجھے ان میں سے ایک یا ان کا نصف ہبہ کیا اگر دونوں برابر ہوں تو جائز نہیں اگر مختلف ہوں تو جائز ہے۔ کیونکہ وہ ایسا مشترک ہے جو تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اسی وجہ سے اگر وہ دونوں کا ایک تہائی ہبہ کرے تو مطلقاً جائز ہوگا۔ وہ دیوار جو اس کے گھر اور اس کے پڑوسی کے گھر کے درمیان واقع ہو پڑوسی کو اس کا ہبہ جائز ہے اور حویلی میں موجود کمرے کا ہبہ جائز ہے یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ واہب کا چھت دیوار پر ہے کمرے کا حویلی کی دیواروں کے ساتھ خلط ملط ہونا یہ ہبہ کے صحیح ہونے کے مانع نہیں، ''مجتبیٰ''۔

29174۔ (قولہ: لَوْ قَسَّمَهَا الخ) یہ ''البحر'' میں قول کیا ہے۔

29175۔ (قولہ: إِنْ اسْتَوَيَا) یعنی وزن اور عمدہ ہونے میں برابر ہوں۔ ''خانیہ''۔

29176۔ (قولہ: جَازَ) یہ اس کے مخالف ہے جو ''الخانیہ'' میں ہے۔ کیونکہ یہ اس بارے میں تفصیل کو ذکر کیا جب وہ کہے: نصفھما۔ پھر کہا: اگر اس نے کہا: ان دونوں میں سے ایک تیرے لیے ہبہ ہے تو یہ جائز نہ ہوگا وہ دونوں برابر ہوں یا مختلف ہوں۔

29177۔ (قولہ: ثُلُثَهُمَا جَازَ) یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ ان کے سابقہ قول او نصفھما سے مراد ان دونوں میں سے ایک ہے نہ کہ ہر ایک کا نصف۔ ورنہ اس میں اور تہائی میں اشتراک کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔ یہ صورت مختلف ہو گی کہ مراد دونوں میں سے ایک ہے وہ مجہول ہے پس وہ صحیح نہیں۔

29178۔ (قولہ: مُطْلَقًا) وہ دونوں برابر ہوں یا مختلف ہوں۔ ''منح''۔

29179۔ (قولہ: تَجُوزُ هِبَةُ حَائِطٍ الخ) ''الذخیرہ'' میں ہے: زمین کے بغیر عمارت کو ہبہ کرنا جائز ہے۔ ''الفتاویٰ'' میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس آدمی کے بارے میں مروی ہے جس نے دوسرے آدمی کو محاصل ہبہ کیے جب کہ وہ قائم ہیں وہ ان پر قبضہ کرنے والا نہیں ہوگا یہاں تک کہ انہیں کاٹے اور اس کے سپرد کر دے۔ خریداری کی صورت میں جب موہوب لہ اور اس کے درمیان رکاوٹ ختم کر دے تو وہ ان پر قبضہ کرنے والا ہوگا۔ متفرقات، ''تاتر خانیہ''۔ ہم نے اسی کی مثل پہلے ''رملی'' کے ''حاشیہ الفصولین'' سے نقل کر دیا ہے۔

بَابُ الرُّجُوعِ فِي الْهِبَةِ

(صَحَّ الرُّجُوعُ فِيهَا بَعْدَ الْقَبْضِ) أَمَّا قَبْلَهُ فَلَمْ تَتِمَّ الْهِبَةُ (مَعَ انْتِفَاءِ مَانِعِهِ) الْآتِي (وَإِنْ كُرِهَ) الرُّجُوعُ (تَحْرِيمًا) وَقِيلَ تَنْزِيهًا نِهَايَةٌ (وَلَوْ مَعَ إِسْقَاطِ حَقِّهِ مِنَ الرُّجُوعِ) فَلَا يَسْقُطُ بِإِسْقَاطِهِ خَانِيَةٌ وَفِي الْجَوَاهِرِ لَا يَصِحُّ الْإِبْرَاءُ عَنِ الرُّجُوعِ وَلَوْ صَالَحَهُ مِنْ حَقِّ الرُّجُوعِ عَلَى شَيْءٍ صَحَّ وَكَانَ عِوَضًا عَنِ الْهِبَةِ لَكِنْ سَيَجِيءُ اشْتِرَاطُهُ فِي الْعَقْدِ (وَيَمْنَعُ الرُّجُوعَ فِيهَا) حُرُوفُ (دمع خزقه)

ہبہ میں رجوع کے احکام

ہبہ میں قبضہ کے بعد رجوع صحیح ہے۔ جہاں تک قبضہ سے قبل کا تعلق ہے تو ہبہ مکمل نہیں ہوتا جب کہ آنے والے موانع موجود نہ ہوں اگرچہ رجوع یہ مکروہ تحریمی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ مکروہ تنزیہی ہے "نہایہ" اگرچہ وہ رجوع سے اپنے حق کو ساقط کر چکا ہو۔ پس اس کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا، "خانیہ"۔ "الجواہر" میں ہے: رجوع سے بری کرنا صحیح نہیں۔ اگر وہ رجوع کے حق سے کسی شے پر صلح کر چکا ہو تو وہ صحیح ہوگا اور وہ ہبہ کا عوض ہوگا۔ لیکن عنقریب عقد میں اس کا شرط ہونا آئے گا۔ اور ہبہ میں رجوع کے مانع دمع خزقہ ہے

"حاشیہ" میں ہے: اگر واہب نے کہا: میں نے رجوع میں اپنا حق ساقط کر دیا ہے تو اس میں اس کا حق ساقط نہیں ہوتا۔ "بزازیہ"۔

29180۔ (قولہ: لَكِنْ سَيَجِيءُ) یعنی "المجتبیٰ" سے آئے گا اور اشتراطہ میں ضمیر عوض کے لیے ہے۔ "رملی" نے کہا: بعض اوقات کہا جاتا ہے: جو "جواہر" میں ہے وہ "مجتبیٰ" کی کلام میں داخل نہیں۔ کیونکہ جو کچھ "جواہر" میں ہے وہ نصاً رجوع کے حق کی صلاحیت رکھتی ہے جب کہ صلح صحیح ہو چکی ہے پس اس کا سقوط ضمناً ہوگا۔ اگر وہ قصداً ساقط کرے تو معاملہ مختلف ہو گا۔ تو کتنی ہی چیزیں ہیں جو ضمناً ثابت ہوتی ہیں اور قصداً ثابت نہیں ہوتیں۔ یہ محض حق نہیں یہاں تک کہ یہ کہہ دیا جائے کہ اس کا عوض لینا ممنوع ہے جس طرح ظاہر ہے۔ "المجتبیٰ" میں جو ہے وہ دوسرا مسئلہ ہے پس اس میں غور و فکر کیجئے۔

29181۔ (قولہ: اشْتِرَاطُهُ) یعنی عوض کا شرط ہونا۔ لیکن اس کی شرط ہونے میں بحث عنقریب آئے گی۔

ہبہ سے رجوع کے موانع

29182۔ (قولہ: وَيَمْنَعُ الرُّجُوعَ الخ) یہ ان میں سے بعض کے قول کی مثل ہے۔

و يمنع الرجوع فى فضل الهبة يا صاحبى حروف دمع خزقه

اے میرے دوست ہبہ کی فضیلت میں رجوع سے دمع خزقہ کے حروف مانع ہیں۔

يَعْنِى الْمَوَانِعَ السَّبْعَةَ الْآتِيَةَ (فَالدَّالُ الزِّيَادَةُ) فِى نَفْسِ الْعَيْنِ الْمُوجِبَةِ لِزِيَادَةِ الْقِيمَةِ (الْمُتَّصِلَةِ) وَإِنْ زَالَتْ قَبْلَ الرُّجُوعِ كَأَنْ شَبَّ ثُمَّ شَاخَ لَكِنْ فِى الْخَانِيَّةِ مَا يُخَالِفُهُ، وَاعْتَمَدَهُ الْقُهُسْتَانِىُّ فَلْيُتَنَبَّهْ لَهُ؛

یعنی آنے والے سات موانع ہیں۔ دال سے مراد نفس عین میں ایسی متصل زیادتی ہے جو قیمت میں زیادتی کو واجب کرے اگرچہ رجوع سے پہلے وہ زیادتی زائل ہو جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ نوجوان ہو پھر بوڑھا ہو جائے لیکن ''الخانیہ'' میں ایسا قول ہے جو اس کے مخالف ہے ''قہستانی'' نے اس پر اعتماد کیا ہے پس اس پر متنبہ ہونا چاہیے۔

''رملی'' نے کہا: میرے والد علامہ شیخ الاسلام ''محی الدین'' نے انہیں نظم کیا ہے اور کہا:

منعَ الرجوعَ من المواهب سبعةٌ فزيادةٌ موصولةٌ موتٌ عوض

و خروجها عن ملكِ موهوبٍ له زوجيةٌ قربٌ هلاكٌ قد عوض

ہبہ کی گئی چیزوں کے رجوع سے سات موانع ہیں: ایسی زیادتی جو ہبہ کے ساتھ متصل ہو، ہبہ پر موت طاری ہو چکی ہو اور اس کا عوض دیا گیا ہو۔

وہ موہوب لہ کی ملکیت سے نکل چکا ہو بیوی کو ہبہ کیا گیا ہو، قریبی کو ہبہ کیا گیا ہو ہلاکت لاحق ہو چکی ہو۔

29183۔ (قولہ: يَعْنِى الْمَوَانِعَ) یہ اعتراض نہ کیا جائے گا کہ موانع سے فقر باقی ہے کیونکہ عنقریب یہ آئے گا کہ فقیر کو جو چیز ہبہ کی جائے اس کے لیے کوئی رجوع نہیں کیونکہ وہ صدقہ ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔

29184۔ (قولہ: فَالدَّالُ الزِّيَادَةُ) اس کے ساتھ قید لگائی ہے کیونکہ نقصان جیسے حمل کا ٹھہر جانا اور کپڑے کو کاٹ دینا وہ موہوب لہ کے فعل کے ساتھ ہو یا اس کے ساتھ نہ ہو غیر نافع ہے، ''بحر''۔ حیلوں کے بارے میں کلام آگے آئے گی۔

29185۔ (قولہ: فِى نَفْسِ الْعَيْنِ) بھاؤ کے اعتبار سے زیادتی اس سے خارج ہے پس اسے رجوع کا حق حاصل ہو گا۔ ''بحر''۔

29186۔ (قولہ: الْقِيمَةِ) صرف عین میں زیادتی اس سے خارج ہو گئی جیسے غلام کا لمبا ہو جانا اگر موہوب خطاءً جنایت کرے تو موہوب لہ کا اسے حوالے کر دینا، ''بحر''۔ اس کی تمام بحث اس میں ہے۔

وہ زیادتی جو عین میں ہو رجوع سے مانع ہے

29187۔ (قولہ: كَأَنْ شَبَّ ثُمَّ شَاخَ) اس میں ہے کہ یہ مانع کے زوال کے قبیل سے ہے جس طرح ''اسبیجابی'' نے کہا ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے انہیں موانع کا نام دیا ہے۔ ''قہستانی'' کی عبارت ہے: زیادتی کا مانع اس وقت ہے جب وہ اس پر بلند ہو جس طرح ایک آدمی کوئی عمارت تعمیر کرتا ہے پھر وہ عمارت گر جاتی ہے تو رجوع کا حق پھر لوٹ آتا ہے جس طرح ''المحیط'' وغیرہ میں ہے۔

یہ گمان ہے کہ ''النہایہ'' میں جو قول ہے وہ اس کے منافی ہے کہ جب وہ زائد ہو جائے تو اس کے بعد رجوع کا حق نہیں لوٹتا۔

لِأَنَّ السَّاقِطَ لَا يَعُودُ (كَبِنَاءٍ وَغَرْسٍ) إِنْ عُدَّا زِيَادَةً فِي كُلِّ الْأَرْضِ وَإِلَّا رَجَعَ وَلَوْ عُدَّا فِي قِطْعَةٍ مِنْهَا امْتَنَعَ فِيهَا فَقَطْ زَيْلَعِيٌّ (وَسِمَنٍ) وَجَمَالٍ وَخِيَاطَةٍ وَصَبْغٍ وَقَصْرِ ثَوْبٍ وَكِبَرِ صَغِيرٍ وَسَمَاعِ أَصَمَّ وَإِبْصَارِ أَعْمَى وَإِسْلَامِ عَبْدٍ وَمُدَاوَاتِهِ وَعَفْوِ جِنَايَةٍ وَتَعْلِيمِ قُرْآنٍ أَوْ كِتَابَةٍ أَوْ قِرَاءَةٍ وَنَقْطِ مُصْحَفٍ بِإِعْرَابِهِ، وَحَمْلِ تَمْرٍ مِنْ بَغْدَادَ إِلَى بَلْخٍ مَثَلًا وَنَحْوِهَا

کیونکہ جو چیز ساقط ہو جائے وہ واپس نہیں لوٹتی۔ جیسے عمارت اور درخت اگر وہ تمام زمین میں زیادتی شمار ہوں ورنہ وہ رجوع کر لے اگر وہ زمین کے ٹکڑے میں زیادتی شمار ہوں صرف اس حصہ میں رجوع ممتنع ہوگا ''زیلعی''۔ اس کے موٹا ہو جانے، اس کے جمال، کپڑے کے سینے، رنگ لگانے، کپڑے کے دھونے، چھوٹے کے بڑے ہو جانے، بہرے کے سننے، نابینا کے دیکھنے، غلام کے اسلام قبول کرنے، اس کی دوائی کرنے، جنایت کے معاف ہونے، قرآن کی تعلیم، کتابت یا قراءت، مصحف پر نقطے لگانے کے ساتھ ہی اعراب لگانے اور بغداد سے بلخ تک مثلاً کھجور لے جانے وغیرہما۔

کیونکہ اس نے یہ اس کے بارے میں کہا ہے جب وہ اکٹھے زائد اور کم ہو جس طرح اس کی انہوں نے بذات خود تصریح کی ہے۔

میں کہتا ہوں: ''تاتر خانیہ'' میں ہے: اگر زیادتی عمارت ہو تو رجوع کا حق لوٹ آئے گا اور رجوع سے مانع وہ زیادتی ہے جو عین میں زیادتی ہے۔ شمس الائمہ ''سرخسی'' نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

29188۔ (قولہ: لِأَنَّ السَّاقِطَ) یہ ان کے قول: فلیتنبہ لہ کے مفہوم کی تعلیل ہے۔ کیونکہ یہ ان کے قول: وفیہ نظر کے قائم مقام ہے۔ ''ح''۔

29189۔ (قولہ: وَإِلَّا رَجَعَ) اگر وہ دونوں زیادتی شمار نہ ہوں تو وہ ہبہ میں رجوع کر لے۔ ''الخانیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے گھر ہبہ کیا تو موہوب لہ نے بیت الضیافۃ جسے فارسی زبان میں کاسناہ کہتے ہیں روٹیوں کا تنور لگایا تو واہب کو حق حاصل ہے کہ وہ ہبہ میں رجوع کر لے کیونکہ اس جیسی چیز کو نقصان شمار کیا جاتا ہے زیادتی شمار نہیں کی جاتی۔

29190۔ (قولہ: وَلَوْ عُدَّا الخ) یہ انکے قول: فی کل الارض اور فی قطعۃ منہا کا مفہوم ہے اسی طرح وہ قطعہ عظیم ہو۔

29191۔ (قولہ: وَمُدَاوَاتِهِ) یعنی اگر وہ اس سے پہلے مریض ہوا اگر وہ اس کے پاس مریض ہوا اور وہ اس کی دوائی کرے تو یہ رجوع کے مانع نہیں۔ ''بحر''۔

29192۔ (قولہ: حَمْلِ تَمْرٍ) ''زیلعی'' نے کہا: اگر اس نے ایک جگہ سے دوسری جگہ کھجوروں کو منتقل کیا یہاں تک کہ اس کی قیمت بڑھ گئی اور اس میں سے اسے منتقل کرنے کے اخراجات برداشت کرنا پڑے۔ ''منتقی'' میں یہ ذکر کیا ہے: طرفین کے نزدیک اس کا رجوع ختم ہو چکا ہے اور امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رجوع کا حق ختم نہیں ہوا۔ کیونکہ زیادتی عین میں حاصل نہیں ہوئی۔ پس یہ اس طرح ہو گیا جس طرح بھاؤ کی زیادتی ہے۔ طرفین کی دلیل ہے: رجوع کرایہ اور منتقل کرنے کی مؤنت میں موہوب لہ کے حق کو باطل کرنے کو ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ غلام کے نفقہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ بدل کے

وَفِی الْبَزَّازِیَّةِ وَالْحَبَلُ إِنْ زَادَ خَیْرًا مَنَعَ الرُّجُوعَ وَإِنْ نَقَصَ لَا، وَلَوْ اخْتَلَفَا فِی الزِّیَادَةِ فَفِی الْمُتَوَلِّدَةِ کَکِبَرٍ الْقَوْلُ لِلْوَاهِبِ، وَفِی نَحْوِ بِنَاءٍ وَخِیَاطَةٍ وَصَبْغٍ لِلْمَوْهُوبِ لَهُ خَانِیَّةٌ وَحَاوِی وَمِثْلُهُ فِی الْمُحِیطِ لَکِنَّهُ اسْتَثْنَی مَا لَوْ کَانَ لَا یَبْنِی فِی مِثْلِ تِلْكَ الْمُدَّةِ (لَا) تَمْنَعُ الزِّیَادَةُ (الْمُنْفَصِلَةُ کَوَلَدٍ وَأَرْشٍ وَعُقْرٍ) وَثَمَرَةٍ فَیَرْجِعُ فِی الْأَصْلِ لَا الزِّیَادَةِ لَکِنْ لَا یَرْجِعُ بِالْأُمِّ

''بزازیہ'' میں ہے: حمل اگر خیر میں اضافہ کرے تو رجوع کے مانع ہوگا اگر اس میں نقص واقع کرے تو رجوع کے مانع نہیں ہوگا۔ اگر دونوں زیادتی میں اختلاف کریں تو وہ زیادتی جو متولدہ ہوتی ہے جیسے بڑھاپا تو قول واہب کا معتبر ہوگا عمارت بنانے، سینے اور رنگ کرنے میں قول موہوب لہ کا معتبر ہوگا ''خانیہ''، ''حاوی''۔ اسی کی مثل ''المحیط'' میں ہے۔ لیکن اگر اتنی مدت میں ایسی چیز نہیں بنائی جاسکتی تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہوگی۔ منفصل زیادتی مانع نہیں ہوتی جیسے بچہ، چٹی، عقر (مہر) اور پھل تو وہ اصل میں رجوع کرے گا زیادتی میں رجوع نہیں کرے گا لیکن ماں میں رجوع نہیں کرے گا

ساتھ ہوتا ہے جب کہ وہ بدل کے بغیر منفعت اور مؤنت ہے۔

میں کہتا ہوں: میں نے ''سرخسی'' کی ''شرح سیر کبیر'' میں دیکھا ہے: اگر ہبہ دار الحرب میں ہو اور موہوب لہ اسے ایسی جگہ کی طرف لے جائے جہاں سے اس سے اٹھانے پر وہ قادر ہے تو واہب کو رجوع کا حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس میں موہوب لہ کے عمل سے زیادتی واقع ہو چکی ہے۔ کیونکہ وہ چیز ضائع ہونے کی جگہ میں ہلاک ہونے والی تھی تو موہوب لہ نے اسے وہاں سے نکال کر زندہ کیا لیکن اسے ایسی صورت میں ذکر کیا ہے جب وہ کوئی شے پھینکے اور پھینکتے وقت وہ کہے: جس نے اسے لے لیا وہ اسی کی ہوگی۔ اس کا ذکر نانوے میں کیا ہے۔

29193۔ (قولہ: وَفِی الْبَزَّازِیَّةِ) میں کہتا ہوں: ''بزازیہ'' میں جو قول ہے ''خلاصہ'' میں اسے جزم و یقین سے بیان کیا ہے۔

حمل اگر خیر میں اضافہ کرے تو رجوع کے مانع ہوگا

29194۔ (قولہ: وَإِنْ نَقَصَ لَا) ''ہدایہ'' میں کہا: اس میں لونڈیوں کی حالت مختلف ہوتی ہے ان میں سے کچھ وہ ہوتی ہیں کہ جب وہ حاملہ ہوں تو اس کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے اور اس کی پنڈلی باریک ہو جاتی ہے پس یہ اس میں نقص ہوگا یہ واہب کو رجوع سے مانع نہیں ہوتی۔ چاہیے کہ اس صورت کو اس صورت پر محمول کیا جائے جب وہ حمل موہوب لہ کا نہ ہو اگر حمل اس کا ہو تو اسے رجوع کا حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ حمل سے اس کے لیے ایسا وصف ثابت ہوا ہے جس کا زوال ممکن نہیں۔ کیونکہ وہ اصلا اہل ہو چکی ہے کہ وہ ام ولد ہو جس طرح وہ لونڈی بالفعل اس سے بچہ جن دے جس طرح بعض متاخرین نے اسے تفقہ کے طور پر ذکر کیا۔ علماء نے یہ ذکر کیا ہے کہ موہوب لہ جب موہوب غلام کو مدبر بنا دے تو اس کا رجوع ختم ہو جائے گا۔ ''ط''۔

29195۔ (قولہ: کَوَلَدٍ) وہ بچہ نکاح سے ہو یا بے حیائی سے ہو۔ ''بزازیہ''۔

حَتّٰی یَسْتَغْنِیَ الْوَلَدُ عَنْھَا کَذَا نَقَلَهُ الْقُهُسْتَانِیُّ لٰكِنْ نَقَلَ الْبُرْجَنْدِیُّ وَغَیْرُهُ أَنَّهُ قَوْلُ أَبِی یُوسُفَ فَلْیُتَنَبَّهْ لَهُ وَلَوْ حَبِلَتْ وَلَمْ تَلِدْ هَلْ لِلْوَاهِبِ الرُّجُوعُ؟ قَالَ فِی السِّرَاجِ لَا وَقَالَ الزَّیْلَعِیُّ نَعَمْ وَفِی الْجَوْهَرَةِ مَرِیضٌ مَدْیُونٌ بِمُسْتَغْرِقٍ وَهَبَ أَمَةً فَمَاتَ

یہاں تک بچہ اس سے مستغنی نہ ہو جائے۔ ''قہستانی'' نے اسی طرح نقل کیا ہے۔ لیکن ''برجندی'' وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے پس اس پر متنبہ ہو جایئے۔ اگر وہ لونڈی حاملہ ہو جائے اور بچہ نہ جنے کیا واہب کو رجوع کا حق ہوگا؟ ''سراج'' میں کہا: رجوع کا حق نہیں ہوگا۔ ''زیلعی'' نے کہا: ہاں۔ ''جوہرہ'' میں ہے: ایک آدمی مریض ہے، مدیون ہے دین اس کے تمام مال کو محیط ہے اس نے ایک لونڈی کسی کو ہبہ کی اور خود مر گیا

29196۔ (قولہ: قَوْلُ أَبِی یُوسُفَ) میں کہتا ہوں: ''خانیہ'' کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اس کے برعکس پر اعتماد کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے کہا: اگر ہبہ کی گئی لونڈی بچہ جن دے تو واہب کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ فی الحال ماں میں رجوع کرے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وہ رجوع نہ کرے یہاں تک کہ بچہ ماں سے مستغنی ہو جائے پھر ماں میں رجوع کر لے بچے میں رجوع نہ کرے۔ ہم نے کتاب العتق کے آغاز میں ان کے قول: والولد تبع الام الخ کے ہاں حمل کا مسئلہ لکھا ہے اس کی طرف رجوع کر لیجئے۔

29197۔ (قولہ: وَلَوْ حَبِلَتْ) قریب ہی گزرا ہے اگر حمل خیر میں اضافہ کر دے تو رجوع کے مانع ہوگا۔ اگر اس میں کمی کر دے تو مانع نہیں ہوگا۔ پس اس طرح تطبیق ہو جائے گی۔ ''سائحانی''۔

29198۔ (قولہ: وَلَمْ تَلِدْ) اس کا مفہوم یہ ہے اگر اس نے بچہ جن دیا تو رجوع ثابت ہو جائے گا جس طرح عمارت زائل ہو جائے۔ تامل

29199۔ (قولہ: وَقَالَ الزَّیْلَعِیُّ الخ) تطبیق وہی ہے جو ''بزازیہ'' اور ''ہندیہ'' میں سے گزر چکی ہے۔

29200۔ (قولہ: نَعَمْ) کیونکہ یہ نقصان ہے خیار العیب میں ''النہر'' سے گزر چکا ہے کہ عورتوں میں حمل عیب ہے چوپاؤں میں حمل عیب نہیں۔

ایک آدمی نے اپنی مرضی سے ہبہ کیا اور سپرد نہ کیا یہاں تک کہ مر گیا تو ہبہ باطل ہو جائے گا

29201۔ (قولہ: مَرِیضٌ مَدْیُونٌ الخ)

فروع: ایک آدمی نے اپنی مرض میں ہبہ کیا اور سپرد نہ کیا یہاں تک کہ مر گیا تو ہبہ باطل ہو جائے گا اگرچہ یہ وصیت ہے یہاں تک اس میں ایک تہائی کا اعتبار ہوگا۔ پس یہ حقیقت میں ہبہ ہے پس قبضہ کی ضرورت ہوگی۔

مریض نے ایک غلام ہبہ کیا اس کے پاس اس کے سوا کوئی مال نہ تھا پھر وہ مر گیا جب کہ موہوب نے اسے آگے بیچ دیا تو یہ اس بیع کو نہ توڑے گا اور اس کی دو تہائی قیمت کا ضامن ہوگا۔ اگر موہوب لہ نے اس غلام کو آزاد کر دیا جب کہ ہبہ کرنے والا

وَقَدْ وُطِئَتْ يَرُدُّهَا مَعَ عُقْرِهَا هُوَ الْمُخْتَارُ وَالْمِيمُ مَوْتُ أَحَدِ الْعَاقِدَيْنِ بَعْدَ التَّسْلِيمِ

جب کہ اس لونڈی سے وطی کی جا چکی ہے اسے اس کے مہر کے ساتھ واپس لوٹا یا جائے گا۔ یہی قول مختار ہے۔ میم سے مراد دونوں عقد کرنے والوں میں سے کسی ایک کا سپرد کرنے کے بعد مر جانا۔

مدیون ہو اور اس کا اس کے سوا کوئی مال نہ ہو اگر یہ آزاد کرنا واہب کی موت سے پہلے ہو تو یہ جائز ہوگا اور واہب کی موت کے بعد آزاد کرے تو آزاد نہیں ہوگا۔ کیونکہ مرض کی حالت میں آزاد کرنا یہ وصیت کرنا ہوتا ہے۔ اور دین موجود ہو تو وصیت مؤثر نہیں ہوتی۔ اگر واہب نے اسے اپنی موت سے پہلے آزاد کر دیا اور خود مر گیا تو غلام پر کوئی کمائی لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ آزاد کرنا جائز ہے اور موت کے دن مالک کی اس پر ملکیت نہ تھی، ''بزازیہ''۔ میں نے ''منلا علی'' کے ''مجموعہ صغیرہ'' میں ان کی تحریر ''جواہر الفتاویٰ'' سے منقول دیکھی ہے حضرت امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ حج پر گئے ہوئے تھے تو کوفہ میں مسئلہ دور واقعہ ہوا۔ ہر فریق نے ایک الگ نوع کی کلام کی جب علماء نے ان کا استقبال کیا تو آپ کے سامنے اس کا ذکر کیا تو آپ نے سوچ و بچار کے بغیر اور کسی روایت کو نقل کیے بغیر کہا: اس سہم کو ساقط کر دو جو دائر ہے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔

اس کی مثال یہ ہے: ایک مریض نے اپنا غلام ایک مریض کو ہبہ کیا اور وہ غلام اس کے سپرد کر دیا پھر اس نے پہلے واہب کو ہبہ کر دیا اور اس کے سپرد کر دیا پھر دونوں مر گئے اور اس غلام کے سوا ان دونوں کا کوئی مال نہ تھا اس میں دور واقع ہوتا ہے یہاں تک کہ اس سے ایک ایسی شے لوٹتی ہے جو اس کے مال میں اضافہ کرتی ہے جب اس کے مال میں اضافہ کرتی ہے تو اس کے ایک تہائی میں اضافہ کرتی ہے جب اس کے ایک تہائی میں اضافہ کرتی ہے تو اس میں اضافہ کرتی ہے جو اس کی طرف لوٹتا ہے جب اس میں اضافہ کرتی ہے جو اس کی طرف لوٹتی ہے تو اس کے ایک تہائی میں اضافہ کرتی ہے پھر یہ سلسلہ یوں ہی رہتا ہے پس حساب کی تصحیح کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ تو ایسا حساب طلب کرے جس کا ایک تہائی ہو اور اس کا اقل نو ہو پھر تو کہے: اس میں سے تین کے اندر ہبہ صحیح ہو گیا ہے اور تین میں سے ایک سہم (حصہ) پہلے واہب کی طرف لوٹے گا یہی وہ سہم ہے جو سہم دور ہے۔ اس کو اصل سے گرا دے تو آٹھ باقی رہ جائیں گے ان سے مسئلہ صحیح ہو جائے گا۔ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد: اسقطوا السهم الدائر کا یہی معنی ہے۔ اور ہبہ آٹھ میں سے تین میں صحیح ہو جائے گا اور دوسرا ہبہ ایک سہم میں صحیح ہوگا۔ پس پہلے واہب کو چھ سہم حاصل ہوں گے یہ اس کا دوگنا ہے جو ہم نے اس کے ہبہ میں تصحیح کی ہے اور دوسرے ہبہ کو ہم نے ایک تہائی صحیح قرار دیا ہے جو ہم نے عطا کیا پس یہ ثابت ہو گیا کہ اس کی تصحیح سہم دور کے ساقط کرنے سے ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دور کو ہوا میں گھومتا ہوا چھوڑ دو ملخص۔ اس میں امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک حکایت ہے پس اس کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

29202_(قولہ: وَقَدْ وُطِئَتْ) یعنی موہوب کی جانب سے یا کسی اور کی طرف سے اس لونڈی سے وطی کی گئی۔ ''ط''۔

29203_(قولہ: وَالْمِيمُ الخ) مگر اس پر مرتد کی حیثیت سے دار الحرب میں چلے جانے کا حکم لگا دیا جائے تو چاہیے کہ اس کے حکم پر غور و فکر کیا جائے۔ مگر جب موہوب لہ مر جائے تو ملکیت وارثوں کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ مگر جب واہب

فَلَوْ قَبْلَهُ بَطَلَ، وَلَوِ اخْتَلَفَا، وَالْعَيْنُ فِي يَدِ الْوَارِثِ فَالْقَوْلُ لِلْوَارِثِ، وَقَدْ نَظَمَ الْمُصَنِّفُ مَا يَسْقُطُ بِالْمَوْتِ فَقَالَ

كَفَّارَةٌ دِيَةٌ خَرَاجٌ وَرَابِعٌ　ضَمَانٌ لِعِتْقٍ هَكَذَا نَفَقَاتُ
كَذَا هِبَةٌ حُكْمُ الْجَمِيعِ سُقُوطُهَا　بِمَوْتٍ لِمَا أَنَّ الْجَمِيعَ صِلَاتُ

اگر اس سے قبل ہو تو عقد ہبہ باطل ہو جائے گا۔ اگر دونوں میں اختلاف ہو گیا جب کہ عین وارث کے قبضہ میں ہو تو قول وارث کا معتبر ہوگا۔ مصنف نے اشعار میں ان حقوق کو نظم کیا ہے جو موت سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ تو کہا: کفارہ، دیت، خراج اور چوتھا عتق کی ضمان اسی طرح نفقات ہیں۔ اسی طرح ہبہ ہے۔ سب کا حکم موت کے ساتھ سقوط ہے کیونکہ یہ سب صلات (صلہ کی جمع) ہیں۔

مر جائے تو نص نے رجوع کا حق صرف واہب کے لیے ثابت کیا ہے اور وارث واہب نہیں۔ ''درر''۔

میں کہتا ہوں: تعلیل سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ اگر مرتد کی حیثیت سے اس پر دار الحرب میں لاحق ہونے کا حکم لگا دیا جائے تو حکم اسی طرح ہوگا۔ پس صریح نقل کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔ واللہ اعلم

29204۔(قولہ: بَطَلَ) یعنی عقد ہبہ باطل ہو جائے گا۔ اور پہلا ہبہ باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ ہبہ کے مکمل ہونے سے پہلے ملکیت وارث کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔ ''سائحانی''۔

29205۔(قولہ: وَلَوِ اخْتَلَفَا) یعنی دو شخص اختلاف کریں۔ واہب اور موہوب لہ کی قید نہیں ہے اگرچہ ترکیب اس امر کا وہم دلاتی ہے کہ واہب کے وارث نے کہا: اس کا قبضہ اس کی زندگی میں نہیں ہوا تھا اس کا قبضہ اس کی وفات کے بعد ہوا تھا۔ موہوب لہ نے کہا: میں نے اس پر قبضہ اس کی زندگی میں کر لیا تھا جب کہ غلام وارث کے قبضہ میں ہے۔

29206۔(قولہ: فَالْقَوْلُ لِلْوَارِثِ) کیونکہ قبضہ کا علم اس وقت ہوا ہے اور میراث قبضہ سے پہلے متحقق ہو چکی تھی۔ ''بحر''۔

29207۔(قولہ: كَفَّارَةٌ) جب وہ اس کے بارے میں وصیت نہ کرے تو یہ ساقط ہو جائے گا۔ اسی طرح خراج کا معاملہ ہے۔

29208۔(قولہ: دِيَةٌ) یہ لفظ ہا کے سکون کے ساتھ ہے اور خراج جیم کے سکون کے ساتھ ہے۔ اگر وہ اس طرح کہتے: خراج دیات ثم کفارۃ کذا، تو موزوں ہوتا۔

29209۔(قولہ: ضَمَانٌ) یعنی جب وہ خوشحال ہو اور غلام میں اپنا حصہ آزاد کر دے تو اس کا شریک اس سے ضمانت لے گا۔

29210۔(قولہ: نَفَقَاتُ) اس سے مراد ایسے نفقات ہیں جو قاضی کے امر سے قرض نہیں لیے گئے۔

29211۔(قولہ: صِلَاتُ) یہ لفظ صاد کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

(وَالْعَيْنُ الْعِوَضُ) بِشَرْطِ أَنْ يَذْكُرَ لَفْظًا يَعْلَمُ الْوَاهِبُ أَنَّهُ عِوَضُ كُلِّ هِبَتِهِ (فَإِنْ قَالَ خُذْهُ عِوَضَ هِبَتِكَ أَوْ بَدَلَهَا) أَوْ فِي مُقَابَلَتِهَا وَنَحْوُ ذَلِكَ (فَقَبَضَهُ الْوَاهِبُ سَقَطَ الرُّجُوعُ) وَلَوْ لَمْ يَذْكُرْ أَنَّهُ عِوَضٌ رَجَعَ كُلٌّ بِهِبَتِهِ (وَ) لِذَا (يُشْتَرَطُ فِيهِ شَرَائِطُ الْهِبَةِ) كَقَبْضٍ وَإِفْرَازٍ وَعَدَمِ شُيُوعٍ،

عین سے مراد عوض ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ ایسا لفظ ذکر کرے جس سے ہبہ کرنے والا جان لے کہ یہ راستہ کل ہبہ کا عوض ہے۔ اگر موہوب لہ نے کہا: اسے اپنے ہبہ کا عوض، اس کا بدل یا اس کے مقابلہ میں لے لے وغیرہ۔ واہب نے اس پر قبضہ کر لیا تو رجوع ساقط ہو جائے گا۔ اگر وہ یہ ذکر نہ کرے کہ یہ عوض ہے تو ہر ایک اپنا ہبہ واپس لے سکتا ہے۔ اسی وجہ سے اس میں ہبہ کی شرط کا ہونا شرط ہے جیسے قبضہ کرنا، اسے الگ کرنا، اشتراک کا نہ ہونا،

29212۔ (قولہ: وَالْعَيْنُ الْعِوَضُ) ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو ایک غلام ہبہ کیا شرط یہ رکھی کہ وہ اسے عوض میں کپڑا رکھے گا اگر دونوں نے بدل لے لیا تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔ ''خانیہ''۔

29213۔ (قولہ: سَقَطَ الرُّجُوعُ) یعنی واہب اور معوض کا رجوع ساقط ہو جائے گا جس طرح ''انقروی'' میں ہے۔ شارح کا مفہوم اسی طرف اشارہ کرتا ہے، ''سائحانی''۔ ''حاشیہ'' میں کہا: عورت یہ ارادہ کرے کہ اس مرد سے نکاح کر لے جس نے اس عورت کو طلاق دی تھی طلاق دینے والے نے کہا: میں تجھ سے شادی نہ کروں گا یہاں تک کہ تو مجھے وہ ہبہ نہ کرے جو تیرا میرے ذمہ لازم ہے تو عورت نے اسے وہ مہر ہبہ کر دیا جو اس کے ذمہ تھا اس شرط پر کہ مرد اس سے عقد نکاح کر لے پھر مرد نے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ علماء نے کہا: عورت کا وہ مہر جو مرد کے ذمہ تھا وہ اپنی حالت پر رہے گا مرد عورت سے شادی کرے یا شادی نہ کرے۔ کیونکہ عورت نے اپنے ذمہ مال، نکاح کے عوض میں لازم کیا تھا اور نکاح میں عوض ہوتا ہے وہ عورت کے ذمہ نہیں ہوتا، ''خانیہ''۔ ''خیریہ'' میں اسی کے متعلق فتویٰ دیا ہے۔

29214۔ (قولہ: رَجَعَ كُلٌّ) کل کا لفظ مرفوع ہے اور منون ہے۔ یہ تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔ کیونکہ تملیک مطلق ابتدا کا احتمال رکھتی ہے اور مجازات کا بھی احتمال رکھتی ہے۔ پس شک کی وجہ سے رجوع کا حق باطل نہیں ہوا۔ ''مستصفی''۔

29215۔ (قولہ: بِهِبَتِهِ) یہاں کلام ہے۔ وہ یہ ہے کہ اصل معروف ملفوظ کی طرح ہوتا ہے جس طرح ''کافی'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ عرف میں عوض دینے کا قصد کیا جاتا ہے اور حیا کرتے ہوئے یہ الفاظ استعمال نہیں کرتے: خذ بدل هبتك وغیرہ۔ پس چاہیے کہ ہبہ میں رجوع نہ ہو اگرچہ بدلیت کا ذکر نہ ہو۔ ''خانیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے اپنی بیوی کی طرف ہدایا بھیجے عورت نے اس کی طرف ہدایا اور تحفے بھیجے پھر مرد نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی مرد نے یہ دعویٰ کر دیا کہ اس نے جو تحفے بھیجے تھے وہ ادھار تھے اور یہ ارادہ کیا کہ انہیں واپس لے عورت نے ارادہ کیا کہ وہ عوض واپس لے تو مرد کے سامان میں قول مرد کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ اس نے مالک بنانے کا انکار کیا ہے۔ اور عورت نے جو تحائف بھیجے تھے اسے بھی حق ہے کہ واپس لے کیونکہ وہ گمان کرتی ہے کہ وہ ہبہ کا عوض تھے جب وہ ہبہ نہیں تو یہ عوض نہیں تو ہر ایک کو اپنا سامان واپس لینے کا حق ہوگا۔

وَلَوْ الْعِوَضُ مُجَانِسًا أَوْ يَسِيرًا، وَفِي بَعْضِ نُسَخِ الْمَتْنِ بَدَلَ الْهِبَةِ الْعَقْدُ وَهُوَ تَحْرِيفٌ (وَلَا يَجُوزُ لِلْأَبِ أَنْ يُعَوِّضَ عَمَّا وَهَبَ لِلصَّغِيرِ مِنْ مَالِهِ) وَلَوْ وُهِبَ الْعَبْدُ التَّاجِرُ ثُمَّ عُوِّضَ فَلِكُلٍّ مِنْهُمَا الرُّجُوعُ بَحْرٌ (وَلَا يَصِحُّ تَعْوِيضُ مُسْلِمٍ مِنْ نَصْرَانِيٍّ عَنْ هِبَتِهِ خَمْرًا أَوْ خِنْزِيرًا) إذْ لَا يَصِحُّ تَمْلِيكًا مِنْ الْمُسْلِمِ بَحْرٌ (وَيُشْتَرَطُ أَنْ لَا يَكُونَ الْعِوَضُ بَعْضَ الْمَوْهُوبِ، فَلَوْ عَوَّضَهُ الْبَعْضَ عَنْ الْبَاقِي) لَا يَصِحُّ

اگر چہ عوض ہم جنس ہو یا تھوڑا سا ہو۔ متن کے بعض نسخوں میں الهبة کی جگہ العقد ہے جب کہ یہ تحریف ہے۔ باپ کے لیے جائز نہیں ہے کہ چھوٹے بچے کو جو ہبہ کیا گیا ہے اس بچے کے مال میں سے ہبہ کا عوض دے۔ اگر غلام تاجر کو کوئی چیز ہبہ کی گئی پھر اس نے عوض دیا تو دونوں میں سے ہر ایک کو رجوع کا حق ہوگا، ''بحر''۔ کسی مسلمان کا کسی نصرانی کو اس کے ہبہ کے عوض شراب یا خنزیر دینا جائز نہیں کیونکہ مسلمان کی جانب سے اس کا مالک بنانا صحیح نہیں، ''بحر''۔ اور یہ شرط ہے کہ عوض موہوب لہ کا بعض نہ ہو اگر اس نے موہوب کا بعض باقی کے بدلے میں دے دیا تو یہ صحیح نہ ہوگا

ابوبکر اسکاف نے کہا: اگر عورت نے یہ تصریح کی کہ وہ عوض تھا تو حکم اسی طرح ہوگا۔ اگر وہ عورت اس کی تصریح نہ کرے لیکن وہ یہ نیت کرے کہ یہ عوض ہو تو یہ عورت کی جانب سے ہبہ ہو۔ اور اس کی نیت باطل ہو جائے گی۔ اور اس میں کوئی خفا نہیں کہ اس تعبیر کی بنا یہ چاہیے کہ ہمارے اس مسئلہ میں اختلاف ہو۔ ''یعقوبیہ''۔

29216۔ (قولہ: أَوْ يَسِيرًا) یعنی موہوبہ چیز سے وہ اقل ہو کیونکہ عوض حقیقت میں بدل نہیں۔ ورنہ اقل کے ساتھ جائز نہ ہوتا کیونکہ ربا متحقق ہوتا ہے۔

29217۔ (قولہ: أَنْ يُعَوِّضَ) اگر وہ عوض دے تو واہب کو رجوع کا حق ہوگا۔ کیونکہ اسے بطور عوض دینا باطل ہے۔ ''بزازیہ''۔

29218۔ (قولہ: مِنْ مَالِهِ) یعنی صغیر کے مال میں سے۔ اگر باپ کے مال سے عوض دیا جائے تو یہ صحیح ہوگا کیونکہ عنقریب آئے گا کہ اجنبی کی جانب سے عوض دینا صحیح ہے۔ ''سائحانی''۔

29219۔ (قولہ: وُهِبَ الْعَبْدُ) وہب مجہول کا صیغہ ہے یعنی اسے کسی شخص نے کوئی چیز ہبہ کی۔

29220۔ (قولہ: ثُمَّ عُوِّضَ) یعنی غلام نے اس ہبہ کا عوض دیا۔

29221۔ (قولہ: الرُّجُوعُ) کیونکہ ماذون تاجر ہبہ کا مالک نہیں بن سکتا پس عوض دینا صحیح نہ ہوگا۔

29222۔ (قولہ: بَحْرٌ) کیونکہ ماذون غلام اس کا مالک نہیں ہوتا کہ وہ پہلے ہبہ کرے اور نہ ہی بعد میں بطور عوض ہبہ کرے۔ ''سائحانی''۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وھب معروف کا صیغہ ہو اور عوض یہ مجہول کا صیغہ ہو۔

29223۔ (قولہ: مِنْ نَصْرَانِيٍّ) من یہ لام کے معنی میں ہے۔

29224۔ (قولہ: خَمْرًا) یہ تعویض مصدر کا مفعول ہے۔

(فَلَهُ الرُّجُوعُ فِي الْبَاقِي) وَلَوِ الْمَوْهُوبُ شَيْئَيْنِ فَعَوَّضَهُ أَحَدَهُمَا عَنِ الْآخَرِ إِنْ كَانَا فِي عَقْدَيْنِ صَحَّ، وَإِلَّا لَا لِأَنَّ اخْتِلَافَ الْعَقْدِ كَاخْتِلَافِ الْعَيْنِ وَالدَّرَاهِمُ تَتَعَيَّنُ فِي هِبَةٍ وَرُجُوعٍ مُجْتَبَى (وَدَقِيقُ الْحِنْطَةِ يَصْلُحُ عِوَضُهَا عَنْهَا) لِحُدُوثِهِ بِالطَّحْنِ وَكَذَا لَوْ صَبَغَ بَعْضَ الثِّيَابِ أَوْ لَتَّ بَعْضَ السَّوِيقِ ثُمَّ عَوَّضَهُ صَحَّ خَانِيَّةٌ (وَلَوْ عَوَّضَهُ وَلَدَ إِحْدَى جَارِيَتَيْنِ مَوْهُوبَتَيْنِ وَجَدَ) ذَلِكَ الْوَلَدَ (بَعْدَ الْهِبَةِ امْتَنَعَ الرُّجُوعُ وَصَحَّ) الْعِوَضُ (مِنْ أَجْنَبِيٍّ وَيَسْقُطُ حَقُّ الْوَاهِبِ فِي الرُّجُوعِ إِذَا قَبَضَهُ) كَبَدَلِ الْخُلْعِ (وَلَوْ) التَّعْوِيضُ بِغَيْرِ إِذْنِ (الْمَوْهُوبِ لَهُ) وَلَا رُجُوعَ وَلَوْ بِأَمْرِهِ إِلَّا إِذَا قَالَ عَوِّضْ عَنِّي عَلَى أَنِّي ضَامِنٌ،

تو اسے باقی ماندہ میں رجوع کا حق ہوگا۔ اگر موہوب دو چیزیں ہوں تو وہ اسے ایک کو دوسرے کا عوض بنا کر دے دے اگر وہ دونوں دو عقدوں میں ہوں تو یہ صحیح ہوگا ورنہ صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ عقد کا اختلاف عین کے اختلاف کی طرح ہے۔ اور دراہم ہبہ اور رجوع میں متعین ہو جاتے ہیں۔ ''مجتبیٰ''۔ گندم کا آٹا گندم کا عوض بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کیونکہ آٹا اسے پیسنے سے بنتا ہے۔ اسی طرح اگر اس نے بعض کپڑوں کو رنگا یا بعض ستو کو لت پت کیا پھر اس کا عوض دیا تو یہ صحیح ہوگا ''خانیہ''۔ اگر اس نے دوسرے شخص کو دو ایسی لونڈیوں میں سے ایک کا بچہ عوض کے طور پر دیا جو دونوں لونڈیاں ہبہ کی گئی تھیں وہ بچہ ہبہ کے بعد پایا گیا تو رجوع ممتنع ہوگا اور اجنبی کی جانب سے عوض صحیح ہوتا ہے اور واہب کا حق رجوع میں ساقط ہو جاتا ہے جب وہ اس پر قبضہ کرے جس طرح بدل خلع ہے اگر چہ عوض کا دینا موہوب لہ کی اجازت کے بغیر ہو اور اسے رجوع کا حق نہیں ہوگا اگر چہ اس کے امر سے ہو مگر جب موہوب لہ اسے کہے: میری جانب سے عوض دے دو اس شرط پر کہ میں ضامن ہوں۔

29225۔ (قولہ: فِي هِبَةٍ) یعنی جب وہ دراہم ہبہ کر دے گا تو متعین ہو جائیں گے۔ اگر وہ ان کو ان کے علاوہ سے بدل دے تو اس کی جانب سے ہبہ سے اعراض ہوا اگر وہ ان دراہم کے عوض دراہم لایا اور اسے دے دیا تو یہ نیا ہبہ ہوگا۔ جب موہوب لہ نے ان پر قبضہ کر لیا اور ان کی جنس یا غیر سے بدل دیا تو اس پر رجوع کا حق نہیں ہوگا۔ دراہم کی مثل دنانیر ہیں۔ ''ط''۔

29226۔ (قولہ: وَرُجُوعٍ) یعنی اسے رجوع کا حق نہیں ہوگا مگر اس صورت میں جب ہبہ کے دراہم بذات خود قائم ہوں۔ اگر وہ ان دراہم کو خرچ کر دے تو یہ انہیں ہلاک کرنا ہوگا جو رجوع کے مانع ہے۔ ''ط''۔

29227۔ (قولہ: بِالطَّحْنِ) یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ یہ موہوب لہ کا عین یا اس کا بعض ہے۔

29228۔ (قولہ: ثُمَّ عَوَّضَهُ) ہا ضمیر سے مراد بعض ہے۔ یعنی زیادتی کے حصول کے لیے اس نے اسے ہبہ کا عوض بنایا ہے۔ گویا یہ ایک اور شے ہے۔

29229۔ (قولہ: امْتَنَعَ الرُّجُوعُ) کیونکہ اسے بچے میں رجوع کا حق نہیں پس عوض صحیح ہوگا۔

29230۔ (قولہ: وَلَا رُجُوعَ) یعنی عوض دینے والے کو موہوب لہ سے مطالبہ کا حق نہ ہوگا اگر چہ وہ اس کا شریک ہو خواہ اس کے اذن سے دے یا اذن کے بغیر دے۔ کیونکہ عوض دینا اس پر واجب نہیں پس وہ اس طرح ہو گیا کہ وہ دوسرے آدمی کو کہتا

لِعَدَمِ وُجُوبِ التَّعْوِيضِ بِخِلَافِ قَضَاءِ الدَّيْنِ (وَ) الْأَصْلُ أَنَّ (كُلَّ مَا يُطَالَبُ بِهِ الْإِنْسَانُ بِالْحَبْسِ وَالْمُلَازَمَةِ يَكُونُ الْأَمْرُ بِأَدَائِهِ مُثْبِتًا لِلرُّجُوعِ مِنْ غَيْرِ اشْتِرَاطِ الضَّمَانِ وَمَا لَا فَلَا) إِلَّا إِذَا شَرَطَ الضَّمَانُ ظَهِيرِيَّةٌ وَحِينَئِذٍ (فَلَوْ أَمَرَ الْمَدْيُونُ رَجُلًا بِقَضَاءِ دَيْنِهِ رَجَعَ عَلَيْهِ) وَإِنْ لَمْ يَضْمَنْ لِوُجُوبِهِ عَلَيْهِ لَكِنْ يَخْرُجُ عَنِ الْأَصْلِ مَا لَوْ قَالَ أَنْفِقْ عَلَى بِنَاءِ دَارِي أَوْ قَالَ الْأَسِيرُ اشْتَرِنِي فَإِنَّهُ يَرْجِعُ فِيهِمَا بِلَا شَرْطِ رُجُوعٍ كَفَالَةِ خَانِيَّةٌ مَعَ أَنَّهُ لَا يُطَالَبُ بِهِمَا لَا بِحَبْسٍ وَلَا بِمُلَازَمَةٍ فَتَأَمَّلْ (وَإِنِ اسْتَحَقَّ نِصْفَ الْهِبَةِ رَجَعَ بِنِصْفِ الْعِوَضِ وَعَكْسُهُ لَا)

کیونکہ عوض دینا واجب نہیں۔ دین ادا کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔ ضابطہ یہ ہے: ہر وہ چیز جس کے بدلے میں انسان کے بارے میں محبوس کرنے اور اس کا پیچھا کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو اس کی ادائیگی عدم رجوع کے حق کو ثابت کرے گا جب کہ ضمان کی شرط نہ لگائی ہو اور جس میں ایسا حق حاصل نہ ہو تو اس میں رجوع کا حق نہیں ہوگا مگر جب وہ ضمان کی شرط لگائے، ''ظہیریہ''۔ اس وقت اگر مدیون کسی آدمی کو اپنے دین کے ادا کرنے کا امر کرے تو دین ادا کرنے والا اس مدیون سے مطالبہ کر سکتا ہے اگرچہ اس نے ضمانت نہ اٹھائی ہو۔ کیونکہ دین اس پر واجب تھا۔ لیکن اس قاعدہ سے یہ صورت نکل جاتی ہے اگر وہ کہے: میرے گھر کی تعمیر پر خرچ کر دیا۔ اسیر نے کہا: مجھے خرید لو تو ان دونوں صورتوں میں وہ واپسی کا مطالبہ کرے گا جب کہ رجوع کی شرط نہیں لگائی۔ کتاب الکفالہ، ''خانیہ''۔ ساتھ ہی ان دونوں چیزوں کی وجہ سے مطالبہ نہیں کیا جا سکتا یعنی نہ محبوس کرنے کا نہ پیچھا کرنے کا۔ پس اس میں غور و فکر کیجئے۔ اگر ہبہ کے نصف کا کوئی مستحق نکل آیا تو نصف عوض واپس لے سکتا ہے اور اس کے برعکس صورت ہو تو واپس نہیں لے سکتا

ہے کہ انسان کے ساتھ نیکی کر مگر جب وہ کہے: میں ضامن ہوں۔ مدیون کا معاملہ مختلف ہے جب وہ کسی کو کہتا ہے کہ اس کا دین دور کر دے تو اس دین کا اس سے مطالبہ کرے گا اگرچہ اس نے ضمانت نہ اٹھائی تھی کیونکہ دین مدیون پر واجب تھا۔ ''منح''۔

29231۔ (قولہ: لِعَدَمِ) یہ ان کے قول ولا رجوع کی علت ہے۔

29232۔ (قولہ: وَالْأَصْلُ الخ) دو آدمیوں کی کفالت سے پہلے دو اور ضابطے گزر چکا ہے۔

29233۔ (قولہ: لَكِنْ) یہ ان کے قول: وما لا فلا پر استدراک ہے۔

29234۔ (قولہ: رَجَعَ بِنِصْفِ الْعِوَضِ) ''الجوہرہ'' میں کہا ہے: یہ رجوع اس میں ہے جب وہ تقسیم کا احتمال نہ رکھے اگر رجوع اس میں ہو جو تقسیم کا احتمال رکھے جب بعض ہبہ کا کوئی اور مستحق نکل آیا تو باقی میں یہ باطل ہو جائے گا اور وہ عوض واپس لے سکے گا۔ یعنی کیونکہ موہوب لہ پر یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ وہ اس بعض کا مالک نہیں جس کا کوئی اور مستحق نکل آیا ہے تو عقد اصل سے ہی باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ اس مشترک کا ہبہ ہے جو تقسیم کا احتمال رکھتا ہے۔

29235۔ (قولہ: وَعَكْسُهُ لَا) یعنی اگر وہ نصف عوض کا مستحق نکل آئے تو وہ نصف ہبہ کو واپس نہیں لے سکے گا۔

مَا لَمْ يَرُدَّ مَا بَقِيَ) لِأَنَّهُ يَصْلُحُ عِوَضًا ابْتِدَاءً فَكَذَا بَقَاءً لَكِنَّهُ يُخَيَّرُ لِيَسْلَمَ الْعِوَضُ، وَمُرَادُهُ الْعِوَضُ
الْغَيْرُ الْمَشْرُوطِ أَمَّا الْمَشْرُوطُ فَمُبَادَلَةٌ كَمَا سَيَجِيءُ فَيُوَزَّعُ الْبَدَلُ عَلَى الْمُبْدَلِ نِهَايَةٌ (كَمَا لَوْ اسْتَحَقَّ كُلَّ
الْعِوَضِ حَيْثُ يَرْجِعُ فِي كُلِّهَا إنْ كَانَتْ قَائِمَةً لَا إنْ كَانَتْ هَالِكَةً) كَمَا لَوْ اسْتَحَقَّ الْعِوَضَ وَقَدْ ازْدَادَتْ الْهِبَةُ
لَمْ يَرْجِعْ خُلَاصَةٌ (وَإِنْ اسْتَحَقَّ جَمِيعَ الْهِبَةِ كَانَ لَهُ أَنْ يَرْجِعَ فِي جَمِيعِ الْعِوَضِ إنْ كَانَ قَائِمًا وَبِمِثْلِهِ إنْ)
الْعِوَضُ (هَالِكًا وَهُوَ مِثْلِيٌّ وَبِقِيمَتِهِ إنْ قِيَمِيًّا) غَايَةٌ (وَلَوْ عَوَّضَ النِّصْفَ رَجَعَ بِمَا لَمْ يُعَوِّضْ) وَلَا يَضُرُّ
الشُّيُوعُ لِأَنَّهُ طَارِئٌ تَنْبِيهٌ نُقِلَ فِي الْمُجْتَبَى أَنَّهُ يُشْتَرَطُ فِي الْعِوَضِ

جب تک مابقی کو واپس نہ کر دے۔ کیونکہ یہ ابتداءً عوض بننے کی صلاحیت رکھتی ہے تو بقاءً عوض بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ لیکن اسے اختیار دیا جائے گا تا کہ عوض محفوظ رہے۔ اس سے مراد ایسا عوض ہے جو غیر مشروط ہے۔ جہاں تک مشروط عوض کا تعلق ہے وہ مبادلہ ہے جس طرح عنقریب آئے گا پس بدل کو مبدل منہ پر تقسیم کیا جائے گا، ''نہایہ''۔ اگر تمام عوض کا کوئی مستحق نکل آیا تو وہ سب ہبہ میں واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے اگر وہ ہبہ کی چیز موجود ہوا گر وہ ہلاک ہو چکی ہو تو مطالبہ نہیں کر سکتا۔ جس طرح عوض کا کوئی مستحق نکل آیا جب کہ ہبہ میں زیادتی ہو چکی ہو تو وہ واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ ''خلاصہ''۔ اگر تمام ہبہ کا کوئی مستحق نکل آیا تو اسے حق حاصل ہوگا کہ تمام عوض میں واپسی کا مطالبہ کرے اگر وہ قائم ہو۔ اگر عوض ہلاک ہو چکا ہو تو اس کی مثل میں مطالبہ کیا جا سکتا ہے جب کہ وہ چیز مثلی ہو۔ اگر وہ ذوات القیم میں سے ہو تو اس کی قیمت کا مطالبہ کر سکتا ہے ''غایہ''۔ اگر نفس ہبہ کا عوض دیا تو اس کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے جس کا عوض نہیں دیا اور اشتراک کوئی نقصان نہیں دیتا کیونکہ یہ طاری ہے۔ تنبیہ: ''مجتبیٰ'' میں یہ منقول ہے کہ عوض میں یہ شرط ہے

کیونکہ باقی نصف یہ تمام ہبہ کے عوض میں ہے۔ کیونکہ باقی ماندہ ابتداءً عوض بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ پس یہ اسے باقی رکھنا ہے مگر اسے اختیار ہوگا کیونکہ اس نے رجوع میں اپنے حق کو ساقط نہیں کیا مگر اس لیے تا کہ اس کا کل عوض محفوظ رہے جب کہ وہ اس کے لیے محفوظ نہیں پس اسے لوٹانے کا حق ہوگا۔

29236۔(قولہ: لِيَسْلَمَ) زیادہ بہتر یہ عبارت تھی: لانہ لم یسلم لہ العوض کیونکہ اس کیلئے عوض سلامت نہیں رہا۔

29237۔(قولہ: الْغَيْرُ الْمَشْرُوطِ) یعنی عقد میں اس کی شرط نہ لگائی گئی ہو۔

29238۔(قولہ: وَلَوْ عَوَّضَ النِّصْفَ) اس کے بعض ہبہ میں نصف کو اسے عوض کے طور پر دیا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ہبہ ہزار تھا ہزار میں سے ایک درہم اسے عوض کے طور پر دیا۔ یہ عقد ہبہ ایک درہم کے حق میں فسخ ہو جائے گا اور باقی ماندہ میں وہ واپسی کا مطالبہ کرے گا اسی طرح گھر کے حق میں کمرہ ہے۔ ''بزازیہ''۔

29239۔(قولہ: وَلَا يَضُرُّ الشُّيُوعُ) وہ اشتراک جو رجوع کی وجہ سے نصف میں واقع ہوا ہے وہ نقصان نہیں دے گا۔

أَنْ يَكُونَ مَشْرُوطًا فِي عَقْدِ الْهِبَةِ أَمَّا إِذَا عَوَّضَهُ بَعْدَهُ فَلَا، وَلَمْ أَرَ مَنْ صَرَّحَ بِهِ غَيْرَهُ، وَفُرُوعُ الْمَذْهَبِ مُطْلَقَةٌ
کہ وہ عقد ہبہ میں مشروط ہومگر جب وہ اس کے بعد اس کا عوض دے تو وہ رجوع کے مانع نہیں۔ ان کے علاوہ میں میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے اس کی تصریح کی ہو۔ اور مذہب کی فروع مطلق ہیں

عوض میں انہیں شرائط کا اعتبار کیا جائے گا جو ہبہ میں معتبر ہیں

29240۔(قولہ: وَلَمْ أَرَ مَنْ صَرَّحَ الخ) اس قول کے قائل صاحب ''المنح'' ہیں۔

میں کہتا ہوں: ''غایۃ البیان'' میں اس کی تصریح کی ہے اس کی نص یہ ہے: ہمارے اصحاب نے کہا: بے شک وہ عوض جس سے رجوع ساقط ہو جاتا ہے وہ وہ ہے جس کی عقد کرتے وقت شرط لگائی ہو۔ جہاں تک اس عوض کا تعلق ہے جو عقد کے بعد دیا گیا اس سے رجوع ساقط نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ عوض موہوب لہ پر لازم نہیں۔ بے شک اس نے یہ بطور تبرع و نیکی ایسا کیا ہے تا کہ اس سے رجوع ساقط ہو جائے۔ پس یہ ابتداءً ہبہ ہوگا۔ جب وہ عقد میں شرط لگائے تو امر اس طرح نہیں۔ کیونکہ یہ اس امر کو واجب کرتا ہے کہ عقد کا حکم بیع کا حکم ہو جائے اس کے ساتھ شفعہ متعلق ہوگا اور عیب کے ساتھ اسے رد کر دیا جائے گا۔ پس یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ اس کا عوض ہو گیا ہے۔

علما نے یہ بھی کہا ہے: کہ عوض میں انہیں شرائط کا اعتبار کیا جائے جو شرائط ہبہ میں معتبر ہیں جیسے قبضہ اور اس کا مشترک نہ ہونا کیونکہ یہ ہبہ ہے۔ ''شرح الاقطع'' میں اسی طرح ہے۔

''التحفہ'' میں کہا: جہاں تک اس عوض کا تعلق ہے جو عقد سے متاخر ہو تو رجوع کو ساقط کرنے کے لیے ہے پس وہ معاوضہ کے معنی میں نہیں ہوگا۔ نہ ابتداءً اور نہ ہی انتہاءً۔ بے شک دوسرا پہلے کا عوض ہوگا جب نص کے ساتھ اس کی طرف مضاف کیا جائے جس طرح وہ کہے: یہ تیرے ہبہ کا عوض ہے۔ بے شک یہ عوض ہے جب قبضہ پایا جائے اور یہ ہبہ ہوگا۔ عوض صحیح اور باطل ہوگا ان میں جن میں ہبہ صحیح اور باطل ہوتا ہے۔ مگر جب وہ اسے اول کی طرف منسوب نہ کرے تو وہ ابتداءً ہبہ ہوگا۔ اور دونوں ہبوں میں رجوع کا حق ثابت ہو جائے گا یہ کچھ اختصار کے ساتھ ہے۔

اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ دو قول ہیں یا دو روایتیں ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ عقد اس کا شرط ہونا لازم ہے۔ دوسرا قول یہ ہے: یہ شرط نہیں بلکہ پہلے کی طرف منسوب ہونا لازم ہے۔ یہ اختلاف رجوع کے ساقط ہونے میں ہے۔ جہاں تک انتہاءً اس کے بیع ہونے کا تعلق ہے تو عقد میں اس شرط کے لازم ہونے میں کوئی نزاع نہیں۔ تامل

29241۔(قولہ: فُرُوعُ الْمَذْهَبِ) میں کہتا ہوں: نظر کا شرط ہونا اس وجہ سے ہے جو پہلے گزر چکا ہے کہ بدل کو مبدل منہ پر تقسیم کیا جائے گا نہ کہ یہ مطلقاً شرط ہے۔ اس وقت جو قول ''مجتبیٰ'' میں ہے وہ مذہب کے فروع کے اطلاق کے منافی نہیں اس پر غور و فکر کیجیے۔ ''ابو سعود مصری''۔

وَفُرُوعُ الْمَذْهَبِ مُطْلَقَةٌ كَمَا مَرَّ فَتَدَبَّرْ (وَالْخَاءُ خُرُوجُ الْهِبَةِ عَنْ مِلْكِ الْمَوْهُوبِ لَهُ) وَلَوْ بِهِبَةٍ إِلَّا إِذَا رَجَعَ الثَّانِي فَلِلْأَوَّلِ الرُّجُوعُ سَوَاءٌ كَانَ بِقَضَاءٍ أَوْ رِضًا لِمَا سَيَجِيءُ أَنَّ الرُّجُوعَ فَسْخٌ حَتَّى لَوْ عَادَتْ بِسَبَبٍ جَدِيدٍ بِأَنْ تَصَدَّقَ بِهَا الثَّالِثُ عَلَى الثَّانِي أَوْ بَاعَهَا مِنْهُ لَمْ يَرْجِعْ الْأَوَّلُ، وَلَوْ بَاعَ نِصْفَهُ رَجَعَ فِي الْبَاقِي لِعَدَمِ الْمَانِعِ، وَقَيَّدَ الْخُرُوجَ بِقَوْلِهِ (بِالْكُلِّيَّةِ) بِأَنْ يَكُونَ خُرُوجًا عَنْ مِلْكِهِ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ ثُمَّ فَرَّعَ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ (فَلَوْ ضَحَّى الْمَوْهُوبُ لَهُ بِالشَّاةِ الْمَوْهُوبَةِ أَوْ نَذَرَ التَّصَدُّقَ بِهَا، وَصَارَتْ لَحْمًا لَا يَمْنَعُ الرُّجُوعَ)، وَمِثْلُهُ الْمُتْعَةُ وَالْقِرَانُ وَالنَّذْرُ مُجْتَبَى وَفِي الْمِنْهَاجِ وَإِنْ وَهَبَ لَهُ ثَوْبًا فَجَعَلَهُ صَدَقَةً لِلّٰهِ تَعَالَى فَلَهُ الرُّجُوعُ خِلَافًا لِلثَّانِي (كَمَا لَوْ ذَبَحَهَا مِنْ غَيْرِ تَضْحِيَةٍ) فَلَهُ الرُّجُوعُ اتِّفَاقًا

جس طرح گزر چکا ہے پس ان میں غور کر لے۔ خا سے مراد ہبہ کا موہوب لہ کی ملکیت سے خارج ہونا ہے اگر وہ نکلنا ہبہ کی وجہ سے ہو مگر جب دوسرا رجوع کر لے تو پہلے کو بھی رجوع کا حق ہوگا۔ خواہ وہ رجوع قاضی کے فیصلے سے ہو یا باہمی رضامندی سے ہو۔ کیونکہ عنقریب آئے گا کہ رجوع فسخ ہے یہاں تک کہ اگر وہ سبب جدید کے ساتھ لوٹے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ تیسرا دوسرے پر اسے صدقہ کرے یا تیسرا دوسرے کے ہاتھ اسے بیچ دے تو پہلا واپس نہیں لے سکتا تو پہلا واپس نہیں لے سکتا اگر وہ نصف بیچے تو باقی ماندہ میں وہ رجوع کر سکتا ہے کیونکہ مانع موجود نہیں۔ اور خروج کی اپنے اس قول بالکلیہ کے ساتھ قید لگائی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ من کل الوجوہ اس سے نکل جائے۔ پھر اپنے اس قول کے ساتھ اس پر تفریع ذکر کی ہے۔ اگر موہوب لہ نے ہبہ شدہ بکری کو قربانی دے دیا یا اس کے صدقہ کرنے کی نذر مانی اور وہ بکری گوشت بن گئی تو یہ رجوع کے مانع نہیں۔ اسی کی مثل حج متعہ، حج قران اور نذر کی ہدی کا معاملہ ہے، ''مجتبیٰ''۔ ''المنہاج'' میں ہے: اگر وہ اسے کوئی کپڑا ہبہ کر دے پس موہوب لہ اسے اللہ تعالیٰ کے لیے صدقہ کر دے تو اسے رجوع کا حق ہوگا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ جس طرح وہ اسے قربانی کے ارادہ کے بغیر ذبح کر دے تو اسے بالاتفاق رجوع کا حق ہوگا۔

29242۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) گندم سے حاصل ہونے والا آٹا اور دو لونڈیوں میں سے ایک کا پیدا ہونے والا بچہ (عوض کے طور پر دے)

29243۔ (قولہ: سَوَاءٌ كَانَ) یعنی دوسرے کا رجوع۔

29244۔ (قولہ: فَسْخٌ) جب دوسرے واہب کی طرف اس کی ملکیت لوٹ آئے گی تو اس کے جو متعلقات ہوں گے ان کے ساتھ وہ لوٹے گی۔

29245۔ (قولہ: لَمْ يَرْجِعْ الْأَوَّلُ) کیونکہ رجوع کا حق اس ملکیت میں ثابت نہیں۔ ''درر'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے۔

29246۔ (قولہ: لَا يَمْنَعُ الرُّجُوعَ) اور قربانیاں جائز ہوں گی جس طرح ''المنح'' میں ''المجتبیٰ'' سے مروی ہے۔

29247۔ (قولہ: فَجَعَلَهُ) یعنی موہوب لہ نے اسے بنا دیا۔

فَرْعٌ عَبْدٌ عَلَيْهِ دَيْنٌ أَوْ جِنَايَةٌ خَطأً فَوَهَبَهُ مَوْلَاهُ لِغَرِيمِهِ أَوْ لِوَلِيِّ الْجِنَايَةِ سَقَطَ الدَّيْنُ وَالْجِنَايَةُ، ثُمَّ لَوْ رَجَعَ صَحَّ اسْتِحْسَانًا، وَلَا يَعُودُ الدَّيْنُ وَالْجِنَايَةُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ، وَرِوَايَةٌ عَنْ الْإِمَامِ كَمَا لَا يَعُودُ النِّكَاحُ لَوْ وَهَبَهَا لِزَوْجِهَا ثُمَّ رَجَعَ خَانِيَّةٌ (وَالزَّايُ الزَّوْجِيَّةُ وَقْتَ الْهِبَةِ فَلَوْ وَهَبَ لِامْرَأَةٍ ثُمَّ نَكَحَهَا رَجَعَ وَلَوْ وَهَبَ لِامْرَأَتِهِ لَا) كَعَكْسِهِ فَرْعٌ لَا تَصِحُّ هِبَةُ الْمَوْلَى لِأُمِّ وَلَدِهِ، وَلَوْ فِي مَرَضِهِ وَلَا تَنْقَلِبُ وَصِيَّةً؛ إذْ لَا يَدَ لِلْمَحْجُورِ، أَمَّا لَوْ أَوْصَى لَهَا بَعْدَ مَوْتِهِ تَصِحُّ لِعِتْقِهَا بِمَوْتِهِ فَيُسَلَّمُ لَهَا كَافِي

فرع: ایک غلام ہے جس پر دین ہے یا اس کے ذمہ خطاءً جنایت ہے پس اس کے آقا نے اس کو قرض خواہ یا جنایت کے ولی کے حوالے کر دیا تو دین اور جنایت ساقط ہو جائیں گے۔ پھر اگر وہ رجوع کرے تو بطور استحسان صحیح ہوگا۔ اور دین اور جنایت امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نہیں لوٹیں گے۔ اور ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت یہی ہے جس طرح نکاح نہیں لوٹے گا اگر وہ اپنی لونڈی اس کے خاوند کو ہبہ کر دے پھر اس سے رجوع کر لے ''خانیہ''۔ زا سے مراد ہبہ کے وقت زوجیت ہے۔ اگر ایک آدمی نے کسی عورت کو کوئی چیز ہبہ کی پھر اس سے نکاح کر لیا تو وہ رجوع کر سکتا ہے۔ اگر اس نے اپنی بیوی کو کوئی چیز ہبہ کی تو وہ رجوع نہیں کر سکتا ہے جس طرح اس کے برعکس معاملہ ہے۔ فرع: آقا کا اپنی ام ولد کے لیے ہبہ صحیح نہیں اگرچہ وہ اپنی مرض میں ہبہ کرے اور یہ وصیت میں منقلب نہیں ہوگا۔ کیونکہ مجور کے لیے کوئی قبضہ نہیں ہوتا اگر وہ اپنی موت کے بعد اس کے لیے وصیت کرے تو ہبہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ آقا کی موت کے ساتھ وہ ام ولد آزاد ہو چکی ہے پس وہ اس کے سپرد کر دیا جائے گا۔ ''کافی''۔

29248۔ (قولہ: عَبْدٌ عَلَيْهِ دَيْنٌ) ایک بچہ ہے اس کے لیے مملوک کے ذمہ دین کی وصیت ہے۔ پس وصی نے اپنا غلام بچے کو عطا کر دیا پھر وصی نے رجوع کا ارادہ کیا ظاہر روایت میں یہ اس کا ہوگا۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے منع مروی ہے۔ ''بزازیہ''۔

29249۔ (قولہ: اسْتِحْسَانًا) ''خانیہ'' میں کہا: قیاس تو یہ ہے کہ ہبہ میں اس کا رجوع صحیح نہ ہو۔ یہ ''حسن'' کی امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے، ''معلّی'' کی امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے اور ''ہشام'' کی امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت مروی ہے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق جب اس نے ہبہ میں رجوع کیا دین اور جنایت لوٹ آئیں گے۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو بہت ہی فحش قرار دیا ہے کہا: مجھے بتاؤ تو سہی اگر غلام کے ذمہ صغیر کا دین ہو غلام کے آقا نے غلام اس کے حوالے کر دیا پس وصی نے اسے قبول کر لیا اور اس پر قبضہ کر لیا پس دین ساقط ہو جائے گا۔ اگر اس کے بعد وہ رجوع کرے اگر ہم کہیں: دین نہیں لوٹے گا تو وصی کا ہبہ قبول کرنا صغیر کے خلاف ایسا تصرف ہے جو نقصان دینے والا ہے۔ اور وہ اس کا مالک نہیں ہوگا۔ جہاں تک نکاح کے مسئلہ کا تعلق ہے تو اس بارے میں امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں ہے: جب واہب نے رجوع کیا تو نکاح لوٹ آئے گا۔

29250۔ (قولہ: كَعَكْسِهِ) یعنی اگر عورت نے مرد کو کوئی چیز ہبہ کی پھر اس عورت سے نکاح کر دیا تو وہ عورت رجوع

(وَالْقَافُ الْقَرَابَةُ، فَلَوْ وَهَبَ لِذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنْهُ) نَسَبًا (وَلَوْ ذِمِّيًّا أَوْ مُسْتَأْمَنًا لَا يَرْجِعُ) شُمُنِّيٌّ (وَلَوْ وَهَبَ لِمَحْرَمٍ بِلَا رَحِمٍ كَأَخِيهِ رَضَاعًا) وَلَوْ ابْنَ عَمِّهِ (وَلِمَحْرَمٍ بِالْمُصَاهَرَةِ كَأُمَّهَاتِ النِّسَاءِ وَالرَّبَائِبِ وَأَخِيهِ وَهُوَ عَبْدٌ لِأَجْنَبِيٍّ أَوْ لِعَبْدِ أَخِيهِ رَجَعَ وَلَوْ كَانَا) أَيْ الْعَبْدُ وَمَوْلَاهُ

قاف سے مراد قرابت ہے۔ اگر ایک آدمی نے اپنے ذی رحم محرم کو کوئی چیز ہبہ کی اگرچہ وہ ذمی ہو یا مستامن ہو تو وہ رجوع نہیں کرے گا، ''شمنی''۔ اگر وہ محرم کو ہبہ کرے جو ذی رحم نہ ہو جس طرح اس کا رضاعی بھائی ہو اگرچہ وہ اس کا چچا زاد ہو اور مصاہرت کی وجہ سے محرم کو ہبہ کرے جس طرح بیویوں کو مائیں، بیٹوں کی بیویاں اور بیٹیوں کے خاوند اور اپنے بھائی کو اگرچہ وہ غلام ہو اجنبی شخص یا اپنے بھائی کے غلام کے لیے تو وہ رجوع کرسکتا ہے۔ اگر وہ غلام اور اس کا آقا

کرے گی اگرچہ اپنے خاوند سے رجوع کرے۔

29251۔ (قولہ: لِذِي رَحِمٍ مَحْرَمٍ) وہ اس سے خارج ہو گیا جو ذی رحم تو ہو مگر محرم نہ ہو اور جو محرم تو ہے ذی رحم نہیں، ''درر''۔ پہلا چچا زاد ہے جب وہ اس کا رضاعی بھائی بھی ہے تو وہ بھی اس سے خارج ہوگا۔ نسبا کے قول سے اس سے احتراز کیا ہے۔ کیونکہ وہ نسبی ذی رحم محرم نہیں۔ جس طرح ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔ اور رضاعی بھائی کی طرح ہے۔

29252۔ (قولہ: مِنْهُ نَسَبًا) منه میں ضمیر رحم کے لیے ہے تو ایسا ذی رحم خارج ہو گیا جو غیر محل ہے جس طرح چچا زاد، اور محرم غیر ذی رحم خارج ہو گیا جس طرح رضاعی بھائی، اور ذی رحم محرم جس کی محرمیت رحم کی وجہ سے نہیں جیسے چچا زاد جو رضاعی بھائی ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر نسبا کے قول کی کوئی حاجت نہیں۔ ہاں اس کی ضرورت ہوگی اگر ضمیر واہب کے لیے بنائی جائے تاکہ اس سے اخیر نکل جائے۔ تدبر

29253۔ (قولہ: وَلَوْ ابْنَ عَمِّهِ) یعنی اگر اس کا رضاعی بھائی اس کا چچا زاد ہو۔ یہ ان کے قول منه یا ان کے قول نسبا سے خارج ہے۔ کیونکہ اس کی محرومیت نسب سے نہیں بلکہ رضاعت سے ہے۔ اور یہ مخفی نہیں کہ اس کا ماقبل کے ساتھ وصل ظاہر نہیں۔ کیونکہ ان کا قول: المحرم بلا رحم۔ اسے جامع نہیں کیونکہ وہ رحم ہے یہ قول کرنا ممکن ہے کہ ان کے قول بلا رحم میں با سبب ہے یعنی ایسے محرم کے لیے ایسے سبب سے جو رحم کے علاوہ ہے جس طرح اس کے مابعد جو قول ہے اس میں بالمصاهرة میں با ہے۔

29254۔ (قولہ: لِمَحْرَمٍ) اس کا عطف لمحرم پر ہے پس یہ رجوع کے مانع نہیں۔ ''باقانی''۔

29255۔ (قولہ: وَالرَّبَائِبِ) اس سے مراد بیٹوں کی بیویاں اور بیٹیوں کے خاوند۔ ''خانیہ''۔

29256۔ (قولہ: رَجَعَ) کیونکہ ملک، قریب کے لیے من کل الوجوہ واقع نہیں ہوئی، اس کی دلیل یہ ہے کہ غلام اس کا زیادہ مستحق ہے جو اس کو ہبہ کیا گیا جب وہ اس کا محتاج ہو۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ نے کہا: وہ پہلی صورت میں رجوع کرے گا نہ کہ دوسری صورت میں۔ جس طرح ''البحر'' میں آیا ہے۔

(ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ مِنَ الْوَاھِبِ فَلَا رُجُوعَ فِیھَا اتِّفَاقًا عَلَی الْأَصَحِّ) لِأَنَّ الْھِبَۃَ لِأَیِّھِمَا وَقَعَتْ تَمْنَعُ الرُّجُوعَ بَحْرٌ فَرْعٌ وَھَبَ لِأَخِیہِ وَأَجْنَبِیٍّ مَا لَا یُقْسَمُ فَقَبَضَاہُ لَہُ الرُّجُوعُ فِی حَظِّ الْأَجْنَبِیِّ لِعَدَمِ الْمَانِعِ دُرَرٌ (وَالْھَاءُ ھَلَاکُ الْعَیْنِ الْمَوْھُوبَۃِ وَلَوْ ادَّعَاہُ) أَیْ الْھَلَاکَ (صُدِّقَ بِلَا حَلِفٍ) لِأَنَّہُ یُنْکِرُ الرَّدَّ (فَإِنْ قَالَ الْوَاھِبُ ھِیَ ھَذِہِ) الْعَیْنُ (حَلَفَ) الْمُنْکِرُ (أَنَّھَا لَیْسَتْ ھَذِہِ) خُلَاصَۃٌ (کَمَا یَحْلِفُ) الْوَاھِبُ (أَنَّ الْمَوْھُوبَ لَہُ لَیْسَ بِأَخِیہِ إِذَا ادَّعَی) الْأَخُ (ذَلِکَ) لِأَنَّہُ یَدَّعِی مُسَبِّبَ النَّسَبِ لَا النَّسَبَ خَانِیَّۃٌ (وَلَا یَصِحُّ الرُّجُوعُ إِلَّا بِتَرَاضِیھِمَا أَوْ بِحُکْمِ الْحَاکِمِ)

واہب کے ذی رحم محرم ہوں تو اصح قول کے مطابق بالاتفاق کوئی رجوع نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہبہ ان میں سے جس کے لیے واقع ہو وہ رجوع کے مانع ہے، ''بحر''۔ فرع: ایک آدمی نے اپنے بھائی اور اجنبی کو ایسی چیز ہبہ کی جو تقسیم نہیں ہو سکتی دونوں نے اس پر قبضہ کر لیا تو اسے اجنبی کے حصہ میں رجوع کا حق ہوگا۔ کیونکہ مانع موجود نہیں۔ ''درر''۔ ہا سے مراد ہبہ کی گئی چیز کے عین کا ہلاک ہو جانا ہے۔ اگر دونوں نے ہلاکت کا دعویٰ کیا تو قسم کے بغیر اس کی تصدیق کی جائے گی۔ کیونکہ وہ رد کا انکار کرتا ہے اگر ہبہ کرنے والا یہ کہے: یہ وہی عین ہے تو منکر سے یہ قسم لی جائے گی کہ یہ وہ نہیں، ''خلاصہ''۔ جس طرح واہب قسم اٹھائے گا کہ موہوب لہ اس کا بھائی نہیں جب بھائی اس کا دعویٰ کرے۔ کیونکہ وہ نسب کے مسبّب کا دعویٰ کرتا ہے نسب کا دعویٰ نہیں کرتا، ''خانیہ''۔ رجوع صحیح نہیں ہوتا مگر باہمی رضامندی سے یا حاکم کے حکم سے۔

29257۔ (قولہ: ذَا رَحِمٍ مَحْرَمٍ) جس طرح ایک آدمی کے دو بھائی ہیں دونوں میں سے ہر ایک کا بچہ ہے اور دونوں بچوں میں سے ایک دوسرے کا مملوک ہے یا اس کا باپ یا ماں کی جانب سے بھائی ہے اور دونوں میں سے ایک دوسرے کا مملوک ہے۔

29258۔ (قولہ: ھَلَاکُ الْعَیْنِ) یہی حکم ہوگا جب وہ جان بوجھ کر اسے ہلاک کر دے جس طرح امر ظاہر ہے۔ اصحاب الفتاویٰ نے اس کی تصریح کی ہے، ''رملی''۔ میں کہتا ہوں: ''بزازیہ'' میں ہے: اگر اس نے بعض کو جان بوجھ کر ہلاک کر دیا تو وہ باقی میں رجوع کر سکتا ہے۔

29259۔ (قولہ: مُسَبِّبَ النَّسَبِ لَا) مسبب یہ میم کے ضمہ، سین کے فتحہ اور با کی تشدید کے ساتھ ہے۔ یہ مال ہے۔ یعنی اس نے نسب کے سبب لازم ہونے والے مال کا دعویٰ کیا مقصود اس کا ثابت کرنا تھا نہ کہ نسب کو ثابت کرنا تھا، ''منح''۔

29260۔ (قولہ: وَلَا یَصِحُّ الخ) ''قاضی خان'' نے کہا: ایک آدمی نے دوسرے کو کپڑا ہبہ کیا پھر پھرتی سے اسے اچک لیا اور اسے ہلاک کر دیا تو واہب موہوب لہ کے کپڑے کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ ہبہ میں رجوع قضا یا رضا سے ہوتا ہے۔ ''سائحانی''۔

29261۔ (قولہ: أَوْ بِحُکْمِ الْحَاکِمِ الخ) واہب جب موہوب لہ کی مرض میں قاضی کے فیصلہ کے بغیر ہبہ میں رجوع

لِلِاخْتِلَافِ فِيهِ فَيَضْمَنُ بِمَنْعِهِ بَعْدَ الْقَضَاءِ لَا قَبْلَهُ (وَإِذَا رَجَعَ بِأَحَدِهِمَا) بِقَضَاءٍ أَوْ رِضًا (كَانَ فَسْخًا) لِعَقْدِ الْهِبَةِ (مِنَ الْأَصْلِ وَإِعَادَةً لِمِلْكِهِ) الْقَدِيمِ لَا هِبَةً لِلْوَاهِبِ (فَ) لِهَذَا (لَا يُشْتَرَطُ فِيهِ قَبْضُ الْوَاهِبِ وَصَحَّ) الرُّجُوعُ (فِي الشَّائِعِ) وَلَوْ كَانَ هِبَةً لَمَا صَحَّ فِيهِ (وَلِلْوَاهِبِ رَدُّهُ عَلَى بَائِعِهِ مُطْلَقًا) بِقَضَاءٍ أَوْ رِضًا (بِخِلَافِ الرَّدِّ بِالْعَيْبِ بَعْدَ الْقَبْضِ بِغَيْرِ قَضَاءٍ) لِأَنَّ حَقَّ الْمُشْتَرِي فِي وَصْفِ السَّلَامَةِ لَا فِي الْفَسْخِ فَافْتَرَقَا ثُمَّ مُرَادُهُمْ بِالْفَسْخِ مِنَ الْأَصْلِ أَنْ لَا يَتَرَتَّبَ عَلَى الْعَقْدِ أَثَرٌ فِي الْمُسْتَقْبَلِ لَا بُطْلَانُ أَثَرِهِ أَصْلًا

کیونکہ اس میں اختلاف ہے پس قضا کے بعد روکنے سے وہ ضامن ہوگا اس سے قبل ضامن نہیں ہوگا۔ جب اس نے دونوں صورتوں میں سے ایک یعنی قضا یا رضا سے رجوع کیا تو یہ اصل سے ہی عقد ہبہ کا فسخ ہوگا اور اس کی قدیمی ملک کا اعادہ ہوگا یہ واہب کو ہبہ نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے واہب کا قبضہ کرنا شرط نہیں۔ اور مشترک چیز میں رجوع صحیح ہے اگر یہ ہبہ ہوتا تو اس میں یہ صحیح نہ ہوتا۔ واہب کو حق حاصل ہے کہ وہ بائع کو مطلقاً لوٹا دے وہ قضا کے ساتھ ہو یا باہمی رضا کے ساتھ ہو۔ قبضہ کے بعد قضا کے بغیر عیب کی وجہ سے لوٹانے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ مشتری کا حق سلامتی کے وصف میں ہے فسخ میں اس کا حق نہیں پس دونوں جدا ہو گئے۔ پھر اصل سے ہی فسخ ہونے سے ان کی مراد یہ ہے کہ مستقبل میں عقد پر کوئی اثر مرتب نہ ہو نہ کہ اصلا اس کے اثر کا باطل ہونا ہے

کرتا ہے تو اس کا اعتبار موہوب لہ کے تمام مال سے ہوگا یا ایک تہائی سے ہوگا۔ اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ''ابن سماعہ'' نے قیاس میں یہ ذکر کیا ہے: اس کے تمام مال سے قیاس کیا جائے گا۔ ''خانیہ''۔

29262۔(قولہ: بِمَنْعِهِ) واہب نے اس سے طلب کیا اور اس نے روک لیا تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے تعدی کی۔ اگر اس نے قضا سے پہلے اسے آزاد کر دیا تو وہ آزادی نافذ ہو جائے گی۔ اگر اس نے واپس کرنے سے روک دیا اور وہ چیز ہلاک ہو گئی تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کی اس میں ملکیت قائم ہو چکی ہے۔ اسی طرح جب وہ قضا کے بعد ہلاک ہو کیونکہ یہ قبضہ کا آغاز ہے جس پر ضمانت نہیں یہ اس پر دوام ہے۔ ''بحر''۔

29263۔(قولہ: وَإِعَادَةً) یہ منصوب ہے اور فسخا پر اس کا عطف ہے۔

29264۔(قولہ: لَا هِبَةً) جس طرح امام ''زفر'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔

29265۔(قولہ: فِي الشَّائِعِ) اس کی صورت یہ ہے اس نے جو ہبہ کیا تھا اس کے بعض میں رجوع کر لے۔

29266۔(قولہ: عَلَى بَائِعِهِ) یعنی خیار عیب کے حکم سے۔ یعنی ہبہ سے پہلے عیب کا علم نہیں۔ ''ابو سعود''۔

29267۔(قولہ: مُطْلَقًا) یہ رجوع الواہب سے حال ہے۔

29268۔(قولہ: وَصْفِ السَّلَامَةِ) اسی وجہ سے اگر عیب زائل ہو جائے تو رد کرنا ممتنع ہو جائے گا۔

وَإِلَّا لَعَادَ الْمُنْفَصِلُ إِلَى مِلْكِ الْوَاهِبِ بِرُجُوعِهِ فُصُولَيْنِ (اتَّفَقَا) الْوَاهِبُ وَالْمَوْهُوبُ لَهُ (عَلَى) الرُّجُوعِ فِي (مَوْضِعٍ لَا يَصِحُّ) رُجُوعُهُ مِنَ الْمَوَاضِعِ السَّبْعَةِ السَّابِقَةِ (كَالْهِبَةِ لِقَرَابَتِهِ جَازَ) هَذَا الْإِنْفَاقُ مِنْهُمَا جَوْهَرَةٌ وَفِي الْمُجْتَبَى لَا تَجُوزُ الْإِقَالَةُ فِي الْهِبَةِ وَالصَّدَقَةِ فِي الْمَحَارِمِ إِلَّا بِالْقَبْضِ؛ لِأَنَّهَا هِبَةٌ ثُمَّ قَالَ وَكُلُّ شَيْءٍ يَفْسَخُهُ الْحَاكِمُ إِذَا اخْتَصَمَا إِلَيْهِ فَهَذَا حُكْمُهُ، وَلَوْ وَهَبَ الدَّيْنَ لِطِفْلِ الْمَدْيُونِ لَمْ يَجُزْ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مَقْبُوضٍ، وَفِي الدُّرَرِ قَضَى بِبُطْلَانِ الرُّجُوعِ لِمَانِعٍ ثُمَّ زَالَ الْمَانِعُ عَادَ الرُّجُوعُ (تَلِفَتْ) الْعَيْنُ

ورنہ رجوع کرنے سے منفصل واہب کی ملکیت کی طرف لوٹ آئے گی، ''فصولین''۔ واہب اور موہوب لہ نے ان سات سابقہ مواضع جن میں رجوع صحیح نہیں ہوتا ان میں سے کسی ایک موضع میں رجوع پر اتفاق کیا جس طرح قریبی کے لیے ہبہ کیا گیا تھا تو دونوں کی جانب سے یہ اتفاق صحیح ہوتا ہے، ''جوہرہ''۔ ''المجتبیٰ'' میں ہے۔ ہبہ اور صدقہ جو محارم میں کیا جاتا ہے ان میں اقالہ جائز نہیں ہوتا مگر جب قبضہ کر لیا جائے۔ کیونکہ اقالہ ہبہ ہوتا ہے پھر کہا: ہر وہ شے جسے حاکم فسخ کر دے جب دونوں اس کے پاس خصومت لے کر آئیں تو یہ اس کا حکم ہوگا۔ اگر اس نے دین مدیون کے بچے کو ہبہ کر دیا تو یہ جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ اس پر قبضہ نہیں کیا گیا، ''الدرر'' میں ہے: کسی مانع کی وجہ سے رجوع کے باطل ہونے کا فیصلہ کیا گیا پھر مانع زائل ہو گیا تو رجوع لوٹ آئے گا۔ عین موہوبہ تلف ہو گیا

29269۔ (قولہ: الْمُنْفَصِلُ) ایسے زوائد جو منفصل ہوں اور موہوب سے متولد ہوں جس طرح ''حاشیہ'' میں ہے۔

29270۔ (قولہ: لَا يَصِحُّ رُجُوعُهُ) یہ موضع کی صفت ہے۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

29271۔ (قولہ: لِأَنَّهَا هِبَةٌ) یعنی اقالہ مستقل ہبہ ہے۔ ''بزازیہ'' کی عبارت ہے: جس پر صدقہ کیا گیا تھا اس سے صدقہ میں اقالہ کا مطالبہ کیا تو اس نے اقالہ کر دیا تو یہ جائز نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ قبضہ نہ کر لے۔ کیونکہ یہ مستقل ہبہ ہے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا جب ہبہ ذی رحم محرم کا ہو ہر وہ شے جسے حاکم فسخ نہیں کرتا جب وہ دونوں اس کے سامنے مسئلہ لے کر جاتے ہیں تو یہ اس کا حکم ہوگا۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے پس اس کی طرف رجوع کیجیے جب کہ وہ نسخہ صحیحہ ہو۔

29272۔ (قولہ: وَكُلُّ شَيْءٍ يَفْسَخُهُ) ظاہر یہ ہے کہ لا کا لفظ ساقط ہے اصل لا یفسخہ ہے جس طرح ''الخانیہ'' میں واقع ہے۔ اس سے معنی ظاہر ہو جاتا ہے اس سے مراد محارم اور غیر کو شامل کرنا ہے جن کے ہبہ میں رجوع نہیں ہوتا۔

29273۔ (قولہ: وَلَوْ وَهَبَ الخ) دوسرے ورقہ میں عنقریب آئے گا کہ قابل اعتماد اس کا صحیح ہونا ہے۔ ''سائحانی''۔

29274۔ (قولہ: عَادَ الرُّجُوعُ) جو قول ''الخانیہ'' سے پہلے نقل کیا ہے یہ اس پر مبنی ہے۔ ''قہستانی'' نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ لیکن وہاں کلام میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اعتماد اس کے برعکس پر ہے۔

میں کہتا ہوں: ''الدرر'' میں اطلاق ہے وہ مخفی نہیں۔ کیونکہ مانع بعض اوقات ہبہ کا اس کی ملک سے نکل جانا ہے پھر سبب جدید کے ساتھ لوٹتا ہے۔ بعض اوقات مانع زوجیت کی وجہ سے ہوتا ہے پھر وہ زائل ہو جاتا ہے اس صورت میں رجوع نہیں

(الْمَوْهُوبَةُ وَاسْتَحَقَّهَا مُسْتَحِقٌّ وَضَمَّنَ) الْمُسْتَحِقُّ (الْمَوْهُوبَ لَهُ لَمْ يَرْجِعْ عَلَى الْوَاهِبِ بِمَا ضَمِنَ) لِأَنَّهَا عَقْدُ تَبَرُّعٍ فَلَا يَسْتَحِقُّ فِيهِ السَّلَامَةَ (وَالْإِعَارَةُ كَالْهِبَةِ) هُنَا لِأَنَّ قَبْضَ الْمُسْتَعِيرِ كَانَ لِنَفْسِهِ، وَلَا غُرُورَ لِعَدَمِ الْعَقْدِ، وَتَمَامُهُ فِي الْعِمَادِيَّةِ (وَإِذَا وَقَعَتْ الْهِبَةُ بِشَرْطِ الْعِوَضِ الْمُعَيَّنِ فَهِيَ هِبَةٌ ابْتِدَاءً فَيُشْتَرَطُ التَّقَابُضُ فِي الْعِوَضَيْنِ وَيَبْطُلُ) الْعِوَضُ (بِالشُّيُوعِ) فِيمَا يُقْسَمُ بَيْعٌ انْتِهَاءً فَتُرَدُّ بِالْعَيْبِ وَخِيَارِ الرُّؤْيَةِ، وَتُؤْخَذُ بِالشُّفْعَةِ) هَذَا إذَا قَالَ وَهَبْتُكَ عَلَى أَنْ تُعَوِّضَنِي كَذَا، أَمَّا لَوْ قَالَ وَهَبْتُكَ بِكَذَا،

اور اس کا کوئی مستحق نکل آیا اور مستحق نے موہوب لہ سے چٹی لے لی تو اس نے جو ضمانت دی ہے اس کا واہب سے مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ احسان کا عقد ہے پس اس میں سلامتی کا مستحق نہیں۔ اور اعارہ یہاں ہبہ کی طرح ہے۔ کیونکہ مستعیر کا قبضہ اپنی ذات کے لیے تھا اور عقد نہ ہونے کی وجہ سے کوئی دھوکہ نہیں۔ اس کی مکمل بحث ''عمادیہ'' میں ہے۔ جب ہبہ معین عوض کی شرط کے ساتھ واقع ہو تو وہ ابتداءً ہبہ ہوگا دونوں عوضوں میں باہم قبضہ کرنا شرط ہے۔ اور اشتراک کی وجہ سے عوض باطل ہو جائے گا ان چیزوں میں جو تقسیم ہو سکتی ہیں اور یہ انتہاءً بیع ہوگی۔ پس عیب اور خیار رویت کی وجہ سے اسے رد کیا جا سکے گا اور شفعہ کی وجہ سے اسے لیا جائے گا۔ یہ حکم اس وقت ہوگا جب وہ کہے: میں نے تجھے ہبہ کیا ہے اس شرط پر کہ تو مجھے اتنا عوض دے گا۔ اگر وہ کہے: میں نے تجھے اس کے عوض سے یہ ہبہ کیا ہے

لوٹے گا جس طرح علما نے اس کی تصریح کی ہے۔ ہاں علما نے اس صورت میں اس کی تصریح کی ہے جب وہ گھر میں کوئی چیز بنائے پھر عمارت کو گرا دے اور اس صورت میں اس کی تصریح کی ہے جب وہ کسی اور کو ہبہ کرے پھر رجوع کر لے۔ شاید مراد عارضی مانع کا زائل ہونا ہے۔ زوجیت اگرچہ زائل ہو چکی ہے لیکن یہ اصل سے مانع ہے۔ اور سبب جدید کے ساتھ لوٹنا یہ اس ملک کے تجدد کے قائم مقام ہے جو واہب کے علاوہ کی جانب سے پیدا ہوئی ہے۔ پس یہ موہوم کے علاوہ دوسرے عین کے قائم مقام ہوگی۔ جب وہ ہبہ اس کی طرف لوٹ آئے جو عقد کا فسخ ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے پس اس پر غور کر لیجئے۔

29275۔ (قولہ: وَضَمَّنَ) یہ لفظ میم کی تشدید کے ساتھ ہے مستحق اس کا فاعل ہے اور موہوب اس کا مفعول ہے۔

29276۔ (قولہ: التَّقَابُضُ) یعنی مجلس میں اور اس کے بعد اجازت سے باہم قبضہ کیا۔

29277۔ (قولہ: فِي الْعِوَضَيْنِ) جب تقابض نہ پایا گیا تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو رجوع کرنے کا حق ہوگا۔ اسی طرح اگر دونوں میں سے ایک قبضہ کرے تو ہر ایک کو رجوع کا حق ہوگا۔ قابض اور غیر قابض برابر ہوں گے۔ ''غایۃ البیان''۔

29278۔ (قولہ: بَيْعٌ انْتِهَاءً) یعنی جب قبضہ دونوں عوضوں کے ساتھ متصل ہو جائے۔ ''غایۃ البیان''۔

مگر جب وہ عوض کی مقدار میں اختلاف کریں تو باہم قسم اٹھانا نہیں ہوگا۔ کیونکہ ''مقدسی'' میں ''ذخیرہ'' سے مروی ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ یہ ہبہ عوض کے ساتھ ہے اور دونوں کا اس کی مقدار میں اختلاف ہو گیا ہے اور اس پر قبضہ نہیں کیا گیا جب کہ

فَهُوَ بَيْعٌ ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً وَقَيَّدَ الْعِوَضَ بِكَوْنِهِ مُعَيَّنًا ؛ لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ مَجْهُولًا بَطَلَ اشْتِرَاطُهُ فَيَكُونُ هِبَةً ابْتِدَاءً وَانْتِهَاءً فَرْعٌ وَهَبَ الْوَاقِفُ أَرْضًا شَرَطَ اسْتِبْدَالَهُ بِلَا شَرْطِ عِوَضٍ لَمْ يَجُزْ وَإِنْ شَرَطَ كَانَ كَبَيْعٍ، ذَكَرَهُ النَّاصِحِيُّ وَفِي الْمَجْمَعِ وَأَجَازَ مُحَمَّدٌ هِبَةَ مَالِ طِفْلِهِ بِشَرْطِ عِوَضٍ مُسَاوٍ وَ مَنَعَاهُ قُلْت فَيُحْتَاجُ عَلَى قَوْلِهِمَا إِلَى الْفَرْقِ بَيْنَ الْوَقْفِ وَمَالِ الصَّغِيرِ انْتَهَى، وَاللَّهُ أَعْلَمُ

تو یہ ابتداءً اور انتہاءً بیع ہوگی۔ فرع: واہب نے عوض کی شرط کے بغیر زمین ہبہ کی بدلہ لینے کی شرط کے ساتھ تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اگر وہ شرط لگائے تو وہ بیع کی طرح ہوگی۔ ''ناصحی'' نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ''المجمع'' میں ہے: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بچے کے مال کے ہبہ کو جائز قرار دیا ایسے عوض کی شرط کے ساتھ جو مساوی ہو اور شیخین نے اس سے منع کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: شیخین کے قول کے مطابق وقف اور صغیر کے مال میں فرق کرنے کی ضرورت ہوگی۔ کلام ختم ہوئی۔ واللہ اعلم۔

ہبہ قائم ہے۔ واہب کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ موہوب لہ کی تصدیق کر دے اور ہبہ میں رجوع کر لے یا اس کی قیمت لے لے اگر وہ چیز ہلاک ہو چکی ہو۔

اگر وہ دونوں عوض کی اصل میں اختلاف کریں تو اس کے انکار میں موہوب لہ کے قول کا اعتبار ہوگا اور واہب کو رجوع کا حق ہوگا اگر وہ موجود ہو اگر اسے ہلاک کر دیا جائے تو اس کے لیے کوئی شے نہ ہوگی۔ اگر وہ رجوع کا ارادہ کرے اور وہ کہے: میں تیرا بھائی ہوں، میں نے تجھے عوض دے دیا ہے یا تو نے یہ صدقہ کیا ہے تو بطور استحسان قول واہب کا معتبر ہوگا۔ ملخص

29279۔ (قولہ: بِلَا شَرْطٍ) یہ وھب کے متعلق ہے۔

29280۔ (قولہ: إِلَى الْفَرْقِ) میرے والد کے شیخ نے کہا: دونوں میں بعض اوقات یہ فرق کیا جاتا ہے کہ واقف جب بدل لینے کی شرط لگائے جب کہ یہ ہر عقد کے ساتھ حاصل ہوتا ہے تو یہ معاوضہ کا فائدہ دیتا ہے یہ عقد اس کی شرط میں داخل ہوتا ہے۔ باپ جب اپنے چھوٹے بچے کے مال کو ہبہ کرے تو معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ ''رملی'' نے ''المنح'' پر اپنے حاشیہ میں اسی طرح کا قول کیا ہے۔ ''مدنی''۔

فَصْلٌ فِي مَسَائِلَ مُتَفَرِّقَةٍ

(وَهَبَ أَمَةً إِلَّا حَمْلَهَا، وَعَلَى أَنْ يَرُدَّهَا عَلَيْهِ أَوْ يُعْتِقَهَا أَوْ يَسْتَوْلِدَهَا أَوْ) وَهَبَ (دَارًا عَلَى أَنْ يَرُدَّ عَلَيْهِ شَيْئًا مِنْهَا) وَلَوْ مُعَيَّنًا كَثُلُثِ الدَّارِ أَوْ رُبُعِهَا (أَوْ عَلَى أَنْ يُعَوِّضَ فِي الْهِبَةِ وَالصَّدَقَةِ شَيْئًا عَنْهَا صَحَّتْ) الْهِبَةُ (وَبَطَلَ الِاسْتِثْنَاءُ) فِي الصُّورَةِ الْأُولَى (وَ) بَطَلَ (الشَّرْطُ) فِي الصُّوَرِ الْبَاقِيَةِ؛ لِأَنَّهُ بَعْضٌ أَوْ مَجْهُولٌ وَالْهِبَةُ لَا تَبْطُلُ بِالشُّرُوطِ

متفرق مسائل کے احکام

ایک آدمی نے کسی کو لونڈی ہبہ کی مگر اس کا حمل ہبہ نہ کیا یا اس شرط پر ہبہ کی کہ موہوب لہ لونڈی اس کی طرف پھیر دے گا یا اسے آزاد کر دے گا یا اسے ام ولد بنا لے گا یا گھر اس شرط پر ہبہ کیا کہ موہوب لہ گھر میں سے کوئی شے اس کی طرف لوٹا دے گا اگر وہ معین ہو جس طرح گھر کا تیسرا حصہ یا چوتھا حصہ یا ہبہ اور صدقہ میں کوئی شے عوض دینے کی شرط پر ہبہ کیا ہے ہبہ صحیح ہو گا اور پہلی صورت میں استثنا باطل ہو جائے گی۔ اور باقی صورتوں میں شرط باطل ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ بعض ہے یا مجہول ہے اور ہبہ شروط کے ساتھ باطل نہیں ہوتا۔

محل کی استثنا کی اقسام

29281_(قولہ: إِلَّا حَمْلَهَا) یہ جان لو کہ حمل کی استثنا تین اقسام میں منقسم ہے۔ ایک قسم میں تصرف جائز ہوتا ہے اور استثنا باطل ہو جاتا ہے جیسے ہبہ، نکاح، خلع اور دم عمد کی صلح۔

ایک قسم میں اصل تصرف جائز نہیں ہوتا جیسے بیع، اجارہ اور رہن۔ کیونکہ یہ ایسے عقود ہیں جو شروط کے ساتھ باطل ہو جاتے ہیں اسی طرح حمل کی استثنا ہے۔

ایک میں تصرف اور استثنا دونوں جائز ہیں جیسے وصیت کیونکہ وصیت کے ساتھ حمل کو علیحدہ کرنا جائز ہوتا ہے اسی طرح اس کی استثنا ہے۔ ''یعقوبیہ''۔

29282_(قولہ: شَيْئًا عَنْهَا) یعنی مجہول شے (لوٹانے کی شرط لگاتا ہے)۔ ''ح''۔

29283_(قولہ: لِأَنَّهُ بَعْضٌ) متن میں یہ گزر چکا ہے کہ یہ شرط ہے کہ عوض موہوب لہ کا بعض نہ ہو۔

29284_(قولہ: أَوْ مَجْهُولٌ) پہلا گھر ہبہ کرنے کی صورت کی طرف راجع ہے دوسرا ان کے قول: او علی ان یعوض کی طرف راجع ہے اور پہلی کے بعد جو تین صورتیں ہیں ان کو جامع نہیں۔ زیادہ مقدار ''ہدایہ'' کی تعلیل ہے کہ یہ شروط مقتضائے عقد کے خلاف ہیں پس یہ شروط فاسد ہیں اور ہبہ ان شروط کے ساتھ باطل نہیں ہوتا مگر یہ کہا جائے کہ ان کا قول

وَلَا تَنْسَ مَا مَرَّ مِنِ اشْتِرَاطِ مَعْلُومِيَّةِ الْعِوَضِ أَعْتَقَ حَمْلَ أَمَةٍ ثُمَّ وَهَبَهَا صَحَّ وَلَوْ دَبَّرَهُ ثُمَّ وَهَبَهَا لَمْ يَصِحَّ لِبَقَاءِ الْحَمْلِ عَلَى مِلْكِهِ فَكَانَ مَشْغُولًا بِهِ بِخِلَافِ الْأَوَّلِ (كَمَا لَا يَصِحُّ) تَعْلِيقُ الْإِبْرَاءِ عَنِ الدَّيْنِ بِشَرْطٍ مَحْضٍ كَقَوْلِهِ لِمَدْيُونِهِ إِذَا جَاءَ غَدٌ أَوْ إِنْ مِتَّ بِفَتْحِ التَّاءِ فَأَنْتَ بَرِيءٌ مِنَ الدَّيْنِ أَوْ إِنْ مِتُّ مِنْ مَرَضِكَ هَذَا أَوْ إِنْ مِتُّ مِنْ مَرَضِي هَذَا فَأَنْتِ فِي حِلٍّ مِنْ مَهْرِي فَهُوَ بَاطِلٌ؛

اور معلوم عوض کی شرط ہونے کے بارے میں جو گزرا ہے اسے نہ بھولو۔ لونڈی کا حمل آزاد کر دیا پھر لونڈی ہبہ کر دی تو یہ صحیح ہے۔ اگر اس نے حمل کو مدبر بنایا پھر لونڈی ہبہ کر دی تو یہ صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ حمل اس کی ملک پر باقی رہے گا پس ہبہ مشغول بہ رہا۔ پہلی صورت کا معاملہ مختلف ہے جس طرح یہ صحیح نہیں کہ دین سے بری کرنے کو شرط محض سے معلق کیا جائے جس طرح وہ اپنے مدیون کو کہے: جب کل آجائے یا اگر تو مر جائے تو تو دین سے بری ہوگا یا اگر تو اس مرض سے مر جائے یا میں اس مرض سے مر جاؤں تو میرے مہر سے پاک ہے تو یہ باطل ہے۔

والهبة لاتبطل بالشرط یہ تعلیل کے تتمہ سے ہے۔

29285۔ (قولہ: وَلَا تَنْسَ الخ) ''زیلعی'' نے ''نہایہ'' کی اتباع میں جو قول کیا اس کے رد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس پر متنبہ کیا کہ ان کے قول: او علی ان یعوض الخ میں اشکال ہے۔ کیونکہ اگر انہوں نے عوض کی شرط کے ساتھ ہبہ کا ارادہ کیا ہے تو ہبہ اور شرط دونوں جائز ہوں گے۔ پس ان کا قول بطل الشرط درست نہ ہوگا۔ اگر اس سے یہ ارادہ کیا کہ عین موہوب سے کسی شے کو بغیر عوض لوٹائے تو یہ تکرار محض ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے اس کا ذکر اپنے اس قول: علی ان یرد علیه شیئا منها سے کر دیا ہے۔ اس اعتراض کے رد کا حاصل یہ ہے کہ مراد اول ہی ہے اور عوض کو جہالت کی وجہ سے شرط باطل ہے۔ ''البحر'' میں اسی طرح بیان کیا ہے پھر میں نے ''صدر الشریعہ'' کو دیکھا ہے جنہوں نے اس کی تصریح کی ہے تو انہوں نے کہا: ان کی مراد ہے جب عوض مجہول ہو۔ عوض صحیح ہوگا جب وہ معلوم ہو۔

29286۔ (قولہ: بِشَرْطٍ مَحْضٍ الخ) فروع: ایک عورت نے اپنا مہر اس شرط پر اپنے خاوند کے لیے کر دیا کہ وہ جس عورت سے اس پر شادی کرے گا اس کا معاملہ اس کے ہاتھ میں دے گا خاوند نے اس کی یہ بات قبول نہ کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: خاوند مہر سے بری نہیں ہوگا۔ مختار یہ ہے کہ ہبہ مدیون کے قبول کرنے کے بغیر صحیح ہو جائے گا۔ اگر خاوند نے اسے قبول کر لیا۔ اگر عورت کا معاملہ عورت کے ہاتھ میں دے دیا تو بری کرنا نافذ ہو جائے گا۔ اگر وہ اس طرح نہ کرے تو بعض کے نزدیک معاملہ اسی طرح ہے۔ مختار مذہب یہ ہے کہ مہر لوٹ آئے گا۔

اسی طرح اگر عورت نے مرد کو اس شرط پر مہر سے بری کر دیا کہ وہ اس عورت کو نہیں مارے گا، اس پر حجر نہیں کرے گا یا اسے فلاں چیز ہبہ کرے گا اگر یہ ہبہ میں شرط نہ ہو تو یہ نہیں لوٹے گا۔

خاوند نے عورت کو اس چیز سے روک لیا کہ وہ اپنے والدین کے پاس جائے یہاں تک کہ عورت اسے مہر ہبہ کر دے تو ہبہ باطل

لِأَنَّهُ مُخَاطَرَةٌ وَتَعْلِيقٌ (إلَّا بِشَرْطٍ كَائِنٍ) لِيَكُونَ تَنْجِيزًا كَقَوْلِهِ لِمَدْيُونِهِ إنْ كَانَ لِي عَلَيْكَ دَيْنٌ أَبْرَأْتُكَ عَنْهُ، صَحَّ وَكَذَا إنْ مِتُّ بِضَمِّ التَّاءِ فَأَنْتَ بَرِيءٌ مِنْهُ أَوْ فِي حِلٍّ جَازَ وَكَانَ وَصِيَّةً خَانِيَّةٌ (جَازَ الْعُمْرَى) لِلْمُعَمَّرِ لَهُ وَلِوَرَثَتِهِ بَعْدَهُ لِبُطْلَانِ الشَّرْطِ

کیونکہ یہ مخاطرہ اور تعلیق ہے مگر ایسی شرط سے معلق کرے جو ہو چکی ہو تا کہ وہ تنجیز ہو جائے جس طرح وہ اپنے مدیون سے کہے: اگر میرا تجھ پر دین ہے تو میں نے تجھے اس سے بری کر دیا تو یہ صحیح ہوگا۔ اسی طرح اگر میں مر جاؤں تو تو اس سے بری ہے یا تو دین سے پاک ہے تو یہ جائز ہوگا اور یہ وصیت ہوگی،''خانیہ''۔ عمریٰ اس کے لیے جائز ہے جس کے لیے عمر بھر کے لیے اسے مختص کیا گیا اور اس کے بعد اس کے ورثاء کے لیے ہے۔ کیونکہ شرط باطل ہے،

ہوگا۔ کیونکہ وہ عورت اس عورت کی طرح ہے جس پر جبر واکراہ کیا جا رہا ہے۔''شمس الاسلام'' نے ذکر کیا ہے کہ خاوند نے بیوی کو مار سے ڈرایا یہاں تک کہ عورت اپنا مہر ہبہ کر دے اگر خاوند مارنے پر قادر ہے تو یہ اکراہ ہے اور بکر نے مہر کے سقوط کا ذکر کیا ہے۔

شرط کے ساتھ معلق کرنے کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیا تو نہیں دیکھتا اگر عورت نے اپنے خاوند سے کہا: اگر تو نے یہ کہا تو مہر سے بری ہے تو یہ صحیح نہیں۔

ایک آدمی نے اپنے مدیون سے کہا: میرا جو تجھ پر حق ہے اگر میں تجھ سے اس کا تقاضا کروں یہاں تک کہ تو مر جائے تو تو اس سے پاک ہے تو یہ باطل ہے۔ کیونکہ یہ تعلیق ہے اور براءت اس کا احتمال نہیں رکھتی۔''بزازیہ''۔

29287۔ (قولہ: لِأَنَّهُ مُخَاطَرَةٌ) کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ کل آنے سے قبل یا مدیون کی موت سے قبل وغیرہ وہ مر جائے کیونکہ معنی یہ ہے: جب تو مجھ سے پہلے مر گیا اور اگر کل آ گیا اور دین تجھ پر ہو تو یہ احتمال موجود ہے کہ دائن کل آنے سے قبل یا مدیون کی موت سے قبل مر جائے تو یہ مخاطرہ ہوگا۔ ہمارے شیخ نے اسی طرح اسے ثابت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ مراد ہے کہ یہ اس جیسی صورت میں مخاطرہ ہے''اگر تو اپنی اس مرض میں مر گیا اور اس جیسی صورت میں تعلیق ہے اگر کل آیا'' اور بری کرنا ان دونوں کا احتمال نہیں رکھتا۔ اور شرط کائن سے مراد وہ شرط ہے جو بری کرنے کی حالت میں موجود ہے۔ جہاں تک ان کا قول: اگر میں مر جاؤں کا تعلق ہے تو یہ صحیح ہے اگرچہ تعلیق ہے۔ کیونکہ وہ وصیت ہے پس یہ تعلیق کا احتمال رکھتی ہے فافہم۔

مسئلہ کتاب البیوع کے متفرقات میں گزر چکا ہے کہ جو شرط کے ساتھ باطل ہو جاتے ہیں اور شرط کے ساتھ جن کی تعلیق صحیح نہیں ہوتی۔

عمریٰ اور رقبیٰ میں فرق اور ان کا حکم

29288۔ (قولہ: جَازَ الْعُمْرَى) عمریٰ کا لفظ اعمار سے عین کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ جس طرح''صحاح'' میں ہے۔ حاشیہ میں کہا: عمریٰ یہ ہے کہ وہ اپنا گھر اس کے عمر بھر کے لیے خاص کر دے جب وہ مرے تو اسے اصل کی طرف لوٹا دیا جائے۔

(لَا تَجُوزُ (الرُّقْبَى) لِأَنَّهَا تَعْلِيقٌ بِالْخَطَرِ وَإِذَا لَمْ تَصِحَّ تَكُونُ عَارِيَّةً شُمُنِّيٌّ لِحَدِيثِ أَحْمَدَ وَغَيْرِهِ مَنْ أَعْمَرَ عُمْرَى فَهِيَ لِمُعْمَرِهِ فِي حَيَاتِهِ وَ مَوْتِهِ لَا تَرْقُبُوا فَمَنْ أَرْقَبَ شَيْئًا فَهُوَ سَبِيلُ الْمِيرَاثِ (بَعَثَ إِلَى امْرَأَتِهِ مَتَاعًا) هَدَايَا إِلَيْهَا (وَبَعَثَتْ لَهُ أَيْضًا) هَدَايَا عِوَضًا لِلْهِبَةِ صَرَّحَتْ بِالْعِوَضِ أَوْ لَا (ثُمَّ افْتَرَقَا بَعْدَ الزِّفَافِ وَادَّعَى) الزَّوْجُ (أَنَّهُ عَارِيَّةٌ) لَا هِبَةٌ وَحَلَفَ (فَأَرَادَ الِاسْتِرْدَادَ وَأَرَادَتْ) هِيَ (الِاسْتِرْدَادَ) أَيْضًا يَسْتَرِدُّ كُلٌّ مِنْهُمَا (مَا أَعْطَى)

رقبیٰ جائز نہیں۔ کیونکہ یہ خطر کیساتھ معلق کرنا ہے جب رقبیٰ جائز نہیں تو یہ عاریہ ہوگا ''شمنی''۔ کیونکہ امام ''احمد بن حنبل'' وغیرہ کی حدیث ہے: جس نے عمر بھر کیلئے کوئی چیز کسی کیلئے مختص کی تو یہ زندگی اور موت دونوں صورتوں میں معمرلہ کیلئے ہوگی۔ رقبیٰ نہ کیا کرو جس نے رقبیٰ کے طور پر کوئی شے کسی کیلئے مختص کی تو وہ میراث کے طریقہ پر ہے(1)۔ ایک مرد نے اپنی عورت کی جانب سے سامان بطور ہبہ کے بھیجا اور عورت نے بھی اسے ہبہ کے عوض کے طور پر ہدایا بھیجے عوض کی تصریح کی یا نہ کی پھر زفاف کے بعد دونوں جدا ہو گئے اور خاوند نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ عاریہ ہے اور ہبہ نہیں اور یہ قسم اٹھادی مرد نے واپس لینے کا ارادہ کیا اور عورت نے بھی واپس لینے کا ارادہ کیا ہر ایک نے جو عطا کیا وہ واپس لوٹانے کا ارادہ کیا اور عورت نے بھی واپس لے لے

29289۔ (قولہ: لَا تَجُوزُ الرُّقْبَى) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: اگر وہ تجھ سے قبل مر گیا تو یہ تیرے لیے ہوگا کیونکہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ ''ابوداؤد'' اور ''نسائی'' کی مرفوع حدیث ہے: من اعمر عمری الخ(2)، کافی الحاکم الشہید باب الرقبی میں حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

ایک آدمی کی موت کا وقت قریب آ پہنچا اس نے کہا: میرا یہ گھر حبیس (وقف) ہے وہ حبیس نہ ہوگا جب کہ وہ میراث ہوگا۔ اسی طرح اگر اس نے کہا: میرا یہ گھر میرے بعد میرے عقب پر حبیس ہوگا۔ رقبیٰ سے مراد حبیس ہے جب کہ یہ کچھ بھی نہیں۔

ایک آدمی نے دو آدمیوں سے کہا: میرا یہ غلام تم دونوں سے جو زندگی کے اعتبار سے طویل ہے اس کے لیے ہے یا میرا غلام تم میں سے جو زندگی کے اعتبار سے لمبا ہے اس کے لیے وقف ہے۔ یہ باطل ہے یہی رقبیٰ ہے۔ اسی طرح اگر اس نے ایک آدمی سے کہا: میرا یہ گھر تیرے لیے وقف ہے۔ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔

امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جہاں تک میرا تعلق ہے تو میری رائے یہ ہے جب اس نے کہا: تیرے لیے حبیس (وقف) ہے تو جب وہ اس کو قبضہ میں لے لے گا تو وہ گھر اس کا ہوگا اور اس کا قول حبیس باطل ہے۔ اسی طرح اگر اس نے کہا: ھی لك رقبی تو حکم یہی ہوگا۔ اس میں یہ بھی ہے: جب اس نے کہا: میرا یہ گھر تیرے لیے عمریٰ ہے جس میں تو رہے گا اور وہ گھر اس کے حوالے کر دیا تو وہ گھر ہبہ ہوگا۔ یہ ان کے قول: طعامی هذا لك تاكله کے قائم مقام ہے میرا یہ کھانا تیرے لیے ہے تو اسے کھائے یہ کپڑا تیرے لیے ہے تو اسے پہنے۔ اگر اس نے کہا: میں نے تیرے لیے یہ گھر تیری زندگی اور اس کی زندگی

1۔ سنن نسائی، کتاب الرقبی، جلد 2، صفحہ 655، حدیث 3679

2۔ مسند امام احمد بن حنبل، جلد 5، صفحہ 686

إِذْ لَا هِبَةَ فَلَا عِوَضَ وَلَوِ اسْتَهْلَكَ أَحَدُهُمَا مَا بَعَثَهُ الْآخَرُ ضَمِنَهُ، لِأَنَّ مَنِ اسْتَهْلَكَ الْعَارِيَّةَ ضَمِنَهَا خَانِيَّةٌ (هِبَةُ الدَّيْنِ مِمَّنْ عَلَيْهِ الدَّيْنُ وَإِبْرَاؤُهُ عَنْهُ يَتِمُّ مِنْ غَيْرِ قَبُولٍ) إِذْ لَمْ يُوجِبِ انْفِسَاخَ عَقْدِ صَرْفٍ أَوْ سَلَمٍ لَكِنْ يَرْتَدُّ بِالرَّدِّ فِي الْمَجْلِسِ وَغَيْرِهِ لِمَا فِيهِ مِنْ مَعْنَى الْإِسْقَاطِ،

کیونکہ جب ہبہ نہیں تو عوض نہیں۔ اگر دونوں میں سے ایک نے وہ چیز ہلاک کر دی جو دوسرے نے بھیجی تھی تو وہ اس کی ضمانت دے گا۔ کیونکہ جس نے عاریہ کو جان بوجھ کر ہلاک کیا تو وہ اس کی ضمانت دے گا، ''خانیہ''۔ جس کے ذمہ دین ہوا سے دین ہبہ کرنا اور اسے دین سے بری کرنا یہ قبول کے بغیر مکمل ہو جاتا ہے جب یہ عقد صرف یا عقد سلم کے فسخ ہونے کا موجب نہ ہو لیکن یہ مجلس اور مجلس کے علاوہ میں رد کرنے سے رد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس میں اسقاط کا معنی موجود ہے

میں ہبہ کر دیا اور اس کا قول حیاتک باطل ہوگا۔ اسی طرح اگر اس نے کہا: میں نے اپنا یہ گھر تیری زندگی تک تجھے عمری پر دیا یا اس نے کہا: میں نے یہ تجھے تیری زندگی تک دے دیا جب میں مرجاؤں گا تو یہ میرے لیے ہوگا جب میں مرجاؤں گا تو یہ میرے وارث کے لیے ہوگا۔ اسی طرح اگر اس نے کہا: وہ تیرے لیے اور تیرے بعد تیری نسل کے لیے ہوگا اگر اس نے کہا: میں نے تجھے اپنے اس گھر میں تیری زندگی تک اور تیرے بعد تیری نسل کو سکونت عطا کی تو یہ ادھار ہوگا۔ اگر اس نے کہا، یہ تیرے لیے اور تیرے بعد تیری نسل کے لیے ہوگا تو یہ اس کے لیے ہبہ ہے اور عقب کا ذکر لغو ہے۔

29290۔ (قولہ: فَلَا عِوَضَ) کیونکہ عورت نے ہبہ کے عوض کا قصد کیا ہے۔ جب اس نے عاریہ کا دعویٰ کیا اور رجوع کر لیا تو عوض کا دینا نہ پایا گیا تو اسے رجوع کا حق ہوگا۔

29291۔ (قولہ: مِنْ غَيْرِ قَبُولٍ) کیونکہ اس میں اسقاط کا معنی پایا جاتا ہے۔ ''ح''۔

29292۔ (قولہ: عَقْدِ صَرْفٍ أَوْ سَلَمٍ) کیونکہ عقد سلم اور عقد صرف میں قبول پر موقوف نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ دونوں میں فسخ کا موجب ہے۔ اس لیے نہیں کہ یہ ہبہ ہے۔ ''منح''۔

29293۔ (قولہ: لَكِنْ يَرْتَدُّ الخ) یہ ان کے قول: یتم من غیر قبول پر استدراک ہے اس معنی میں کہ اگرچہ قبولیت کے بغیر یہ مکمل ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں اسقاط کا معنی پایا جاتا ہے لیکن رد کرنے کے ساتھ رد ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں تملیک کا معنی پایا جاتا ہے۔

''الاشباہ'' میں کہا ہے: بری کرنا یہ رد کرنے کے ساتھ رد ہو جاتا ہے مگر چند مسائل میں رد نہیں ہوتا (۱) جب محتال، محال علیہ کو بری کر دے پس اس نے رد کر دیا تو وہ رد نہیں ہوگا (۲) اسی طرح اگر مدیون نے کہا: مجھے بری کر دے تو اس نے اسے بری کر دیا (۳) اسی طرح جب طالب کفیل کو بری کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ رد ہو جاتا ہے (۴) جب وہ اسے قبول کرے پھر اسے رد کرے تو رد نہیں ہوتا۔

29294۔ (قولہ: الْإِسْقَاطِ) یہ تعمیم کی تعلیل ہے یعنی غیر مجلس میں رد کرنا صحیح ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں اسقاط کا معنی پایا

وَقِيلَ يَتَقَيَّدُ بِالْمَجْلِسِ، كَذَا فِي الْعِنَايَةِ لَكِنْ فِي الصَّيْرَفِيَّةِ لَوْ لَمْ يَقْبَلْ، وَلَمْ يَرُدَّ حَتَّى افْتَرَقَا ثُمَّ بَعْدَ أَيَّامٍ رَدَّ لَا يَرْتَدُّ فِي الصَّحِيحِ لَكِنْ فِي الْمُجْتَبَى الْأَصَحُّ أَنَّ الْهِبَةَ تَمْلِيكٌ، وَالْإِبْرَاءَ إِسْقَاطٌ (تَمْلِيكُ الدَّيْنِ مِمَّنْ لَيْسَ عَلَيْهِ الدَّيْنُ بَاطِلٌ إِلَّا) فِي ثَلَاثٍ حَوَالَةٌ، وَصِيَّةٌ، وَ (إِذَا سَلَّطَهُ) أَيْ سَلَّطَ الْمُمَلِّكُ غَيْرَ الْمَدْيُونِ (عَلَى قَبْضِهِ) أَيْ الدَّيْنِ (فَيَصِحُّ) حِينَئِذٍ وَمِنْهُ مَا لَوْ وَهَبَتْ مِنْ ابْنِهَا

ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ مجلس کے ساتھ متقید ہوتا ہے۔''العنایہ'' میں اسی طرح ہے۔لیکن ''صیرفیہ'' میں ہے: اگر اس نے قبول نہ کیا اور رد بھی نہ کیا یہاں تک کہ دونوں جدا ہو گئے پھر چند دنوں بعد اس کو رد کیا تو صحیح قول کے مطابق یہ رد نہیں ہوگا۔لیکن ''المجتبیٰ'' میں ہے: اصح یہ ہے کہ ہبہ تملیک ہے اور بری کرنا ساقط کرنا ہے۔دین کا مالک بنا دینا جس پر دین لازم نہ ہو تو یہ باطل ہے مگر تین چیزوں میں باطل نہیں۔حوالہ، وصیت اور جب مملک غیر مدیون کو دین کے قبضہ کرنے پر مسلط کر دے تو اس وقت یہ صحیح ہوگا۔اسی میں سے یہ صورتحال بھی ہے کہ اگر عورت نے بیٹے کو وہ کچھ ہبہ کیا

جاتا ہے۔کیونکہ تملیک محض کا رد مجلس کے ساتھ متقید ہوتا ہے۔یہ ان کے قول: یرتد بالرد کی علت نہیں کیونکہ تو جان چکا ہے کہ اس کی علت وہ ہے جس میں تملیک کا معنی پایا جاتا۔فتنبہ ''ح''۔

29295۔(قولہ: لَكِنْ فِي الصَّيْرَفِيَّةِ) صاحب ''العنایہ'' نے جو دوسرے قول کو ضعیف قرار دیا ہے اس پر استدراک ہے۔

29296۔(قولہ: لَكِنْ فِي الْمُجْتَبَى) علماء نے جو ہبہ اور ابرا میں سے ہر ایک کو من وجہ اسقاط اور من وجہ تملیک بنایا ہے پر استدراک ہے اور تو باخبر ہے کہ یہ استدراک مشہور کے مخالف ہے۔''ح''۔

29297۔(قولہ: تَمْلِيكٌ) یعنی وہ تملیک کا محتاج ہوگا۔''حاشیہ'' میں کہا: جس نے تملیک کا قول کیا ہے وہ جواب کا محتاج ہے۔''منح''۔

29298۔(قولہ: إِسْقَاطٌ) جس نے اسقاط کا قول کیا ہے وہ اس کا محتاج نہیں۔''منح''۔''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

29299۔(قولہ: عَلَى قَبْضِهِ) یعنی وقبضہ ہے۔''جامع الفصولین'' میں ہے: جس کے ذمہ دین نہ ہو اسے دین ہبہ کر دینا یہ جائز ہی نہیں مگر جب وہ اسے ہبہ کرے اور اسے اس پر قبضہ کرنے کی اجازت دے دے۔مگر جب وہ اس کے قبضہ پر اسے مسلط کر دے تو وہ یوں ہو جائے گا گویا جب اس نے اس پر قبضہ کیا اس وقت اس نے ہبہ کیا اور یہ صحیح نہ ہوگا مگر جب وہ اس پر قبضہ کرے پس اس لیے متنبہ ہو جائے۔''رملی''۔

''سائحانی'' نے کہا: اس وقت وہ آمر کی جانب سے قبضہ کرنے کا وکیل ہو جائے گا پھر اپنے لیے قبضہ کرنے کا اصیل ہو جائے گا اس کا مقتضا یہ ہے کہ قبضہ سے قبل اسے مسلط کرنے سے معزول کر سکتا ہے جب اس نے دراہم کے بدلے دنانیر پر قبضہ کیا تو یہ صحیح ہوگا۔کیونکہ حق موہوب لہ کے لیے ہو چکا ہے۔پس وہ استبدال کا مالک ہو جائے گا۔جب وہ اس تصدیق میں

مَا عَلَى أَبِيهِ فَالْمُعْتَمَدُ الصِّحَّةُ لِلتَّسْلِيطِ، وَيَتَفَرَّعُ عَلَى هَذَا الْأَصْلِ لَوْ قَضَى دَيْنَ غَيْرِهِ عَلَى أَنْ يَكُونَ لَهُ لَمْ يَجُزْ وَلَوْ كَانَ وَكِيلًا بِالْبَيْعِ فُصُولَيْنِ (وَ) لَيْسَ مِنْهُ مَا (إِذَا أَقَرَّ الدَّائِنُ أَنَّ الدَّيْنَ لِفُلَانٍ وَأَنَّ اسْمَهُ) فِي كِتَابِ الدَّيْنِ (عَارِيَّةٌ) حَيْثُ (صَحَّ) إِقْرَارُهُ لِكَوْنِهِ إِخْبَارًا لَا تَمْلِيكًا فَلِلْمُقَرِّ لَهُ قَبْضُهُ بَزَّازِيَّةٌ وَتَمَامُهُ فِي الْأَشْبَاهِ مِنْ أَحْكَامِ الدَّيْنِ وَكَذَا لَوْ قَالَ الدَّيْنُ الَّذِي لِي عَلَى فُلَانٍ لِفُلَانٍ بَزَّازِيَّةٌ وَغَيْرُهَا قُلْت وَهُوَ مُشْكِلٌ؛ لِأَنَّهُ مَعَ الْإِضَافَةِ إِلَى نَفْسِهِ يَكُونُ تَمْلِيكًا، وَتَمْلِيكُ الدَّيْنِ مِمَّنْ لَيْسَ عَلَيْهِ بَاطِلٌ،

جو اس کے باپ کے ذمہ تھا تو قابل اعتماد قول یہ ہے کہ یہ صحیح ہو کیونکہ اسے مسلط کیا گیا ہے۔ اسی اصل پر متفرع ہوتا ہے اگر وہ غیر کا دین ادا کرے اس شرط پر کہ وہ دین اس کا ہوگا تو یہ جائز نہ ہوگا اگرچہ وہ بیع کا وکیل ہو، ''فصولین''۔ اس میں سے یہ بھی ہے کہ جب دائن یہ اقرار کرے کہ دین فلاں کا ہے اور کتاب الدین میں اس کا نام عاریہ ہے تو اس کا اقرار صحیح ہوگا۔ کیونکہ یہ اخبار ہے تملیک نہیں پس مقرلہ کو اس پر قبضہ کرنے کا حق ہوگا، ''بزازیہ''۔ اس کی مکمل بحث ''الاشباہ'' کے احکام الدین میں ہے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ یہ کہے: میرا وہ دین جو فلاں کے ذمہ ہے وہ فلاں کے لیے ہے، ''بزازیہ'' وغیرہا۔ میں کہتا ہوں: یہ تو اشکال کا باعث ہے کیونکہ اپنی ذات کی طرف منسوب کرنے کے حوالے سے یہ تملیک ہے اور دین کا اسے مالک بنانا جس پر دین نہ ہو یہ باطل ہے

زکوٰۃ کی نیت کرے تو یہ اسے کافی ہوگا جس طرح ''الاشباہ'' میں ہے۔

29300۔ (قولہ: عَلَى أَبِيهِ) یعنی اس عورت نے بیٹے کو اس دین پر قبضہ کرنے کا امر کر دیا، ''بزازیہ''، ''مدنی''۔

29301۔ (قولہ: لِلتَّسْلِيطِ) یعنی جب اس نے قبضہ کرنے پر مسلط کیا جس طرح ان کا قول و منه اشارہ کرتا ہے۔ اور ''خانیہ'' میں ہے: عورت نے اپنا مہر اس چھوٹے بیٹے کو ہبہ کر دیا جو اس خاوند سے ہے صحیح یہ ہے کہ ہبہ صحیح نہیں مگر جب وہ اپنے بچے کو اس کے قبضہ پر مسلط کر دے تو وہ جائز ہو جائے گا اور جب وہ قبضہ کرے گا تو وہ بچے کی ملکیت ہو جائے گا۔ شارح کا قول للتسلیط اس سے مراد صراحۃً مسلط کرنا ہے حکماً مسلط کرنا نہیں۔ جس طرح ''سائحانی'' وغیرہ نے اسے سمجھا ہے۔ لیکن چاہیے کہ اس میں غور و فکر کیا جائے جب بیٹا سمجھ بوجھ نہ رکھتا ہو تو اس وقت قبضہ اس کے باپ کے لیے ہوگا۔ تو کیا یہ شرط ہے کہ باپ مہر کی مقدار کو الگ کر دے اور اپنے بیٹے کے لیے اس پر قبضہ کر لے یا اس کا قبول کرنا کافی ہو جائے گا جس طرح اس دین کے ہبہ میں ہے جس پر دین ہو۔

29302۔ (قولہ: بِالْبَيْعِ) اگر موکل کو مشتری کا دین دے دیا گیا اس شرط پر کہ جو مشتری کے ذمہ ہے وہ وکیل کے لیے ہوگا تو یہ جائز نہیں ہوگا۔

29303۔ (قولہ: وَلَيْسَ مِنْهُ) یعنی جس پر دین نہیں یہ صورت اس میں سے نہیں ہے۔

فَتَأَمَّلْهُ وَفِي الْأَشْبَاهِ فِي قَاعِدَةِ تَصَرُّفِ الْإِمَامِ مَعْزِيًّا لِصُلْحِ الْبَزَّازِيَّةِ اصْطَلَحَا أَنْ يُكْتَبَ اسْمُ أَحَدِهِمَا فِي الدِّيوَانِ فَالْعَطَاءُ لِمَنْ كُتِبَ اسْمُهُ إلَخْ (وَالصَّدَقَةُ كَالْهِبَةِ) بِجَامِعِ التَّبَرُّعِ، وَحِينَئِذٍ (لَا تَصِحُّ غَيْرَ مَقْبُوضَةٍ وَلَا فِي مُشَاعٍ يُقْسَمُ، وَلَا رُجُوعَ فِيهَا) وَلَوْ عَلَى غَنِيٍّ؛

پس اس میں غور وفکر کیجئے۔ ''الاشباہ'' میں ہے: قاعدۃ تصرف امام میں جب کہ اسے ''بزازیہ'' کے کتاب الصلح کی طرف منسوب کیا گیا ہے دو افراد نے آپس میں صلح کی کہ دونوں میں سے ایک کا نام دیوان میں لکھا جائے تو عطیہ اس کے لیے ہوگا جس کا وہ نام لکھے گا الخ۔ صدقہ ہبہ کی طرح ہے کیونکہ دونوں میں تبرع پایا جارہا ہے اس وقت جس پر قبضہ نہ کیا گیا ہے اس میں صدقہ صحیح نہ ہوگا اور نہ ایسے مشترک میں جو تقسیم ہوسکتا ہو اور صدقہ میں رجوع نہیں اگرچہ صدقہ غنی پر کیا جائے۔

باپ کا چھوٹے بیٹے کے حق میں اپنے مال میں سے معین چیز کے اقرار کا حکم

29304۔(قولہ: فَتَأَمَّلْهُ) یوں جواب دینا ممکن ہے کہ مراد وہ دین ہے جو میرا فلاں کے ذمہ ظاہر کے اعتبار سے ہے وہ نفس الامر میں فلاں کے لیے ہے۔ پس کوئی اشکال نہیں پس اس میں تدبر کیجئے۔

میں کہتا ہوں: ممکن ہے کہ یہ اختلاف پر مبنی ہو۔ کیونکہ ''القنیہ'' میں کہا جب کہ ''علی سعدی'' کے لیے رقم کیا ہے (نشان لگایا ہے): باپ کا اپنے چھوٹے بیٹے کے حق اپنے مال میں سے معین چیز کا اقرار یہ تملیک ہے اگر وہ اقرار میں اسے اپنی ذات کی طرف منسوب کرے۔ اگر وہ مطلقاً ذکر کرے تو یہ اقرار ہوگا۔ جس طرح وہ کہے: میرے گھر کا چھٹا حصہ اور اس گھر کا چھٹا حصہ۔ پھر ''نجم الائمہ بخاری'' کے لیے رقم کیا یہ دونوں حالتوں میں اقرار ہے تملیک نہیں۔

''المنح'' کے کتاب الاقرار میں کہا ہے: یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے لیکن اصل مذکور ہی مشہور ہے۔ ''خانیہ'' وغیرہا میں اس پر کئی تفریعات ذکر کی گئی ہیں۔ بعض اوقات اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ان کے قول الدین الذی لی میں اضافت یہ نسبت کی اضافت ہے ملک کی اضافت نہیں۔ جس طرح شارح نے کتاب الاقرار میں ان کے قول کا جواب دیا ہے میرے گھر میں جو کچھ ہے وہ اقرار ہے۔ اسی طرح علماء نے کہا: اقرار کے الفاظ میں سے یہ بھی ہے جو کچھ میرا معروف ہے یا جو کچھ میری طرف منسوب ہے واللہ اعلم۔ مریض کے اقرار سے تھوڑا پہلے مسئلہ کچھ گزر چکا ہے اور ہم نے یہاں کی بنسبت وہاں بہت اچھا جواب دیا ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

29305۔(قولہ: غَيْرَ مَقْبُوضَةٍ) اگر تو یہ کہے: یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ دو فقیروں کو ایسی چیز کا صدقہ کرنا جائز ہے جو تقسیم ہوسکتی ہو اس کا ذکر اس قول سے کیا ہے: دس افراد کا دو فقیروں کے لیے صدقہ صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں: یہاں مشاع سے مراد یہ ہے کہ اس مال کا بعض صرف ایک فقیر کو ہبہ کرے پس اس وقت وہ مشترک ہے جو تقسیم کو قبول کرتا ہے دو فقیروں کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اس میں کوئی اشتراک نہیں جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ ''بحر''۔

29306۔(قولہ: وَلَوْ عَلَى غَنِيٍّ) ''الہدایہ'' میں اس پر اکتفا کرتے ہوئے اختیار کیا ہے۔ کیونکہ غنی پر عیال کے زیادہ

لِأَنَّ الْمَقْصُودَ فِيهَا الثَّوَابُ لَا الْعِوَضُ، وَلَوْ اخْتَلَفَا فَقَالَ الْوَاهِبُ هِبَةٌ، وَالْآخَرُ صَدَقَةٌ فَالْقَوْلُ لِلْوَاهِبِ خَانِيَّةٌ فُرُوعٌ كَتَبَ قِصَّةً إلَى السُّلْطَانِ يَسْأَلُهُ تَمْلِيكَ أَرْضٍ مَحْدُودَةٍ فَأَمَرَ السُّلْطَانُ بِالتَّوْقِيعِ فَكَتَبَ كَاتِبُهُ جَعَلْتهَا مِلْكًا لَهُ هَلْ يَحْتَاجُ إلَى الْقَبُولِ فِي الْمَجْلِسِ؟ الْقِيَاسُ نَعَمْ لَكِنْ لَمَّا تَعَذَّرَ الْوُصُولُ إلَيْهِ أُقِيمَ السُّؤَالُ بِالْقِصَّةِ مَقَامَ حُضُورِهِ أَعْطَتْ زَوْجَهَا مَالًا بِسُؤَالِهِ لِيَتَوَسَّعَ فَظَفِرَ بِهِ بَعْضُ غُرَمَائِهِ إنْ كَانَتْ وَهَبَتْهُ أَوْ أَقْرَضَتْهُ لَيْسَ لَهَا أَنْ تَسْتَرِدَّ مِنْ الْغَرِيمِ، وَإِنْ أَعْطَتْهُ لِيَتَصَرَّفَ فِيهِ عَلَى مِلْكِهَا فَلَهَا ذَلِكَ لَا لَهُ دَفَعَ لِابْنِهِ مَالًا لِيَتَصَرَّفَ فِيهِ فَفَعَلَ وَكَثُرَ ذَلِكَ فَمَاتَ الْأَبُ إنْ أَعْطَاهُ هِبَةً فَالْكُلُّ لَهُ، وَإِلَّا فَمِيرَاثٌ وَتَمَامُهُ فِي جَوَاهِرِ الْفَتَاوَى بَعَثَ إلَيْهِ بِهَدِيَّةٍ فِي إنَاءٍ هَلْ يُبَاحُ أَكْلُهَا فِيهِ إنْ كَانَ ثَرِيدًا وَنَحْوَهُ

کیونکہ صدقہ میں مقصود ثواب ہے عوض نہیں۔ اگر دونوں آپس میں اختلاف کریں واہب کہے: یہ ہبہ تھا اور دوسرا کہے: صدقہ تھا تو قول واہب کا معتبر ہوگا ''خانیہ''۔ فروع: سلطان کی طرف اپنا حال لکھا جس میں وہ سوال کرتا ہے کہ سلطان محدود زمین کی ملکیت عطا کر دے سلطان نے فرمان لکھنے کا حکم دیا اس کے کاتب نے لکھا: میں نے یہ زمین اسکی ملک میں کر دی کیا مجلس میں قبول کی ضرورت ہوگی؟ قیاس یہ ہے کہ ہاں۔ لیکن جب سلطان تک رسائی مشکل ہو تو حال بیان کرنے کے ساتھ سوال کو اس کے حضور کے قائم مقام رکھا جائے گا۔ ایک عورت نے اپنے خاوند کے سوال کرنے پر مال دیا تا کہ اس میں وسعت پیدا ہو اس کے بعض قرض خواہ اس کا مال پانے پر کامیاب ہو گئے اگر عورت نے اپنے خاوند کو مال ہبہ کیا یا اسے قرض دیا تو اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ قرض خواہ سے مال واپس لے۔ اگر وہ اپنے خاوند کو مال دے تا کہ عورت کی ملکیت میں رہتے ہوئے اس میں تصرف کرے تو عورت کو یہ حق ہوگا مرد کو یہ حق نہیں ہوگا۔ ایک آدمی نے اپنے بیٹے کو مال دے دیا تا کہ اس میں تصرف کرے تو اس نے اس طرح کر دیا اور مال بہت زیادہ ہو گیا اگر باپ نے اسے وہ مال ہبہ کے طور پر دیا تھا تو تمام مال اس کا ہوگا ورنہ سارا مال میراث ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ''جواہر الفتاویٰ'' میں ہے۔ ایک آدمی نے دوسرے کی طرف ایک برتن میں ہدیہ دیا کیا اس کے لیے اس برتن میں کھانا مباح ہے اگر تو وہ کھانا ثرید وغیرہ ہو

ہونے کی بنا پر صدقہ کرنے میں ثواب کا قصد کیا جاتا ہے، ''بحر''۔ باب الرجوع سے تھوڑا پہلے جو گزر چکا ہے یہ اس کے مخالف ہے کہ غنی پر صدقہ یہ ہبہ ہے شاید یہ دو قول ہوں۔ تامل

29307۔(قولہ: فَأَمَرَ السُّلْطَانُ) یہ ایسی زمین میں مکمل ہوگا جب وہ زمین موات ہو یا سلطان کی ملکیت میں ہو۔ اگر امام نے اس کے علاوہ زمین سے اس کے حق میں قطعہ مختص کیا تو امام کو یہ حق حاصل ہے کہ جب چاہے اس سے خارج کر دے جس طرح عشر و خراج کے باب میں گزر چکا ہے۔ ''ط''۔

29308۔(قولہ: أَوْ أَقْرَضَتْهُ) عنقریب اس کا ذکر آئے گا کہ اگر مرد نے ایسی چیز میں تصرف کیا جو عورت کی تھی اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ عورت کے اذن سے ہوا ہے۔

29309۔(قولہ: وَإِلَّا فَمِيرَاثٌ) اس کی صورت یہ ہے کہ باپ اسے دیتا ہے تا کہ وہ باپ کے لیے عمل کرے۔

مِمَّا لَوْ حَوَّلَهُ إِلَى إِنَاءٍ آخَرَ ذَهَبَتْ لَذَّتُهُ يُبَاحُ وَإِلَّا فَإِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا انْبِسَاطٌ يُبَاحُ أَيْضًا وَإِلَّا فَلَا دَعَا قَوْمًا إِلَى طَعَامٍ وَفَرَّقَهُمْ عَلَى أَخْوِنَةٍ لَيْسَ لِأَهْلِ خِوَانٍ مُنَاوَلَةُ أَهْلِ خِوَانٍ آخَرَ،

یعنی ان کھانوں میں سے ہو اگر انہیں دوسرے کسی برتن میں تبدیل کیا جائے تو اس کی لذت جاتی رہتی ہے؟ تو یہ مباح ہوگا ورنہ اگر دونوں میں بے تکلفی ہے تو بھی مباح ہوگا ورنہ مباح نہیں ہوگا۔ ایک آدمی نے کچھ لوگوں کو کھانے پر دعوت دی اور انہیں مختلف دستر خوانوں پر تقسیم کر دیا تو ایک دستر خوان کے لوگوں کو یہ حق حاصل نہیں کہ دوسرے دستر خوان کے لوگوں کو کوئی چیز دیں

فروع: ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو دراہم دیئے اور کہا: انہیں خرچ کرلو دوسرے آدمی نے اس طرح کیا تو وہ قرض ہو گا۔ اگر اسے کپڑا دیا اور کہا: اسے خود پہن لو تو وہ ہبہ ہوگا۔ دونوں صورتوں میں تملیک ہے اس کے باوجود فرق یہ ہے کہ تملیک بعض اوقات عوض کے ساتھ ہوتی ہے جب کہ یہ منفعت کی تملیک سے ادنی ہوتی ہے جب کہ پہلی صورت میں یہ ممکن ہے کہ دراہم کا قرض جائز ہوتا ہے۔ دوسری صورت کا معاملہ مختلف ہے۔ ''ولولوالجیہ''۔

اس میں ہے: دو شریکوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: نفع میں سے اپنا حصہ میں نے تجھے ہبہ کر دیا جب کہ مال قائم ہو یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ اس مشترک چیز کا ہبہ ہے جو تقسیم کا احتمال رکھتا ہے اگر شریک اسے جان بوجھ کر ہلاک کر دے تو یہ صحیح ہوگا۔

ایک آدمی نے زیور خریدا اور اپنی بیوی کو دے دیا عورت نے اسے استعمال کیا پھر وہ عورت مرگئی پھر خاوند اور عورت کے وارثوں میں اختلاف ہوگیا کہ وہ زیور ہبہ تھا یا ادھار تھا تو قول قسم کے ساتھ خاوند کا معتبر ہوگا کہ اس نے عورت کو یہ زیور ادھار دیا تھا کیونکہ وہ ہبہ کا انکار کرنے والا ہے۔ ''منح''۔ ہم نے کتاب الہبۃ کے آغاز میں ''خزانۃ الفتاویٰ'' سے جو کچھ نقل کیا ہے اسے دیکھو۔

''رملی'' نے کہا: یہ اکثر عوام کی گفتگو کو رد کرنے میں صریح ہے کہ عورت کا اس سے فائدہ اٹھانا یہ تملیک کو واجب کرنا ہے اس قول کے فاسد ہونے میں کوئی شک نہیں۔ صاحب ''البحر'' اس امر کی طرف سبقت لے گئے جس طرح ہم نے باب التحالف میں ان سے یہ ذکر کیا ہے۔ ہم نے وہاں ''البدائع'' سے نقل کیا ہے: عورت اگر یہ اقرار کرے کہ یہ سامان خاوند نے میرے لیے خریدا ہے تو عورت کا قول ساقط ہوگا۔ کیونکہ عورت نے خاوند کے لیے ملکیت کا اقرار کیا پھر اس کی ملکیت اپنی جانب منتقل ہونے کا دعویٰ کیا تو یہ انتقال گواہوں کے ساتھ ثابت ہوگا۔ اس قول کا ظاہر بدن کے کپڑوں کو جامع ہوگا۔ شاید یہ واجب کپڑوں کے علاوہ میں ہے جب کہ یہ کپڑے اس پر زائد ہیں۔ تامل وراجع

کتاب الہبہ کے آغاز میں جو گزرا ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے: اتخذ لولدہ ثیابا الخ وہاں اس کے لیے رجوع کا حق نہیں جب تک وہ عاریہ کی تصریح نہ کرے تو یہاں بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

29310۔ (قولہ: خِوَانٍ) یہ لفظ خا کے کسرہ کے ساتھ ہے اور اس سے قبل اخونۃ تا کے کسرہ کے ساتھ تنوین کے ساتھ ہے۔

وَلَا إِعْطَاءُ سَائِلٍ وَخَادِمٍ وَهِرَّةٍ لِغَيْرِ رَبِّ الْمَنْزِلِ وَلَا كَلْبٍ، وَلَوْ لِرَبِّ الْمَنْزِلِ إِلَّا أَنْ يُنَاوِلَهُ الْخُبْزَ الْمُحْتَرِقَ لِلْإِذْنِ عَادَةً، وَتَمَامُهُ فِي الْجَوْهَرَةِ۔ وَفِي الْأَشْبَاهِ لَا جَبْرَ عَلَى الصِّلَاتِ إِلَّا فِي أَرْبَعٍ شُفْعَةٌ وَنَفَقَةُ زَوْجَةٍ وَعَيْنٌ مُوصًى بِهَا، وَمَالُ وَقْفٍ وَقَدْ حَرَّرْتُ أَبْيَاتَ الْوَهْبَانِيَّةِ عَلَى وَفْقِ مَا فِي شَرْحِهَا لِلشُّرُنْبُلَالِيِّ فَقُلْتُ

وَوَاهِبُ دَيْنٍ لَيْسَ يَرْجِعُ مُطْلَقًا وَإِبْرَاءُ ذِي نِصْفٍ يَصِحُّ الْمُحَرَّرُ

عَلَى حَجِّهَا أَوْ تَرْكِهِ ظُلْمَهُ لَهَا إِذَا وَهَبَتْ مَهْرًا وَلَمْ يُوفِ يَخْسَرُ

نہ کسی سائل کو، نہ کسی خادم کو کھانا دیں اور نہ کسی ایسی بلی کو جو اس مالک کی نہ ہو اور نہ ہی کتے کو کھانا ڈالیں اگرچہ وہ مالک مکان کا ہو مگر یہ کہ جلی ہوئی روٹی اسے ڈال سکتے ہیں۔ کیونکہ عادت میں اس امر کی اجازت ہوتی ہے۔ اس کی مکمل بحث ''الجوہرہ'' میں ہے۔ ''الاشباہ'' میں ہے: صلات (جو بغیر عوض کے ہوں) میں جبر نہیں مگر چار میں جبر ہے شفعہ، بیوی کا نفقہ، جس چیز کی وصیت کی گئی ہے اس کا عین اور وقف کا مال۔ میں نے ''وہبانیہ'' کے اشعار کی ''شرنبلالی'' کی جو اس کی شرح ہے اس کے موافق تنقیح کی ہے تو میں نے کہا: دین کو ہبہ کرنے والا وہ مطلقاً رجوع نہیں کر سکتا نصف دین والے کا بری کرنا صحیح ہے۔ یہی محرر محقق ہے۔ عورت کو حج کرانے یا اس پر ظلم کو ترک کرنے پر جب وہ عورت مہر ہبہ کر دے اور وعدہ پورا نہ کرے تو اس خاوند کا نقصان ہوگا۔

29311۔ (قولہ: عَلَى الصِّلَاتِ) یہ صاد کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

29312۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی خواہ مدیون سے پہلے ہو یا نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قبول ضروری ہے۔ ''البحر'' کی کلام میں جو ضعف ہے تیرے لیے اس قول سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ باب الرجوع کے شروع میں کہا: ہبہ کو مطلقاً ذکر کیا تو وہ اعیان کی طرف راجع ہوگا مدیون جب دین کا ہبہ قبول کر لے تو اس کے بعد رجوع کا اسے کوئی حق نہیں ہوگا۔ اس سے قبل جو قول ہے وہ اس کے خلاف ہے کیونکہ یہ اسقاط ہے۔ گو یا رد، رجوع کے ساتھ مشتبہ ہو گیا ہے۔ تامل

29313۔ (قولہ: وَإِبْرَاءُ ذِي نِصْفٍ الخ) ''قاضی خان'' نے کہا: جب دو شریکوں کا دین ہو دونوں میں سے ایک نے اپنا حصہ مدیون کو ہبہ کر دیا تو یہ جائز ہوگا اگر مطلقاً نصف دین ہبہ کرے تو وہ چوتھائی حصہ میں نافذ ہوگا جس طرح اگر وہ مشترک غلام کا نصف ہبہ کرے۔ حاشیہ میں اسی طرح ہے۔

29314۔ (قولہ: عَلَى حَجِّهَا الخ) بیت دو مسئلوں پر مشتمل ہے۔

(۱) عورت نے اپنا مہر خاوند کے لیے چھوڑ دیا اس شرط پر کہ خاوند اسے حج پر لے جائے گا۔ تو خاوند اسے حج پر نہ لے گیا ''محمد بن مقاتل'' نے کہا: وہ اپنے مہر کا مطالبہ کر سکتی ہے۔ کیونکہ ہبہ کے ساتھ رضا یہ ہبہ عوض کی شرط کے ساتھ ہوتی ہے جب عوض منعدم ہوگا تو رضا منعدم ہو جائے گی اور ہبہ رضا کے بغیر صحیح نہیں ہوتا۔

(۲) جب عورت نے اپنے خاوند سے کہا: میں نے اپنا مہر تجھے ہبہ کر دیا شرط یہ ہے کہ تو مجھ پر ظلم نہیں کرے گا۔ مرد نے

مُعَلِّقُ تَطْلِيقٍ بِإِبْرَاءِ مَهْرِهَا وَإِنْكَاحِ أُخْرَى لَوْ بَرَدٌ فَيَظْفَرُ
طلاق کو عورت کے مہر سے بری کرنے پر اور دوسری عورت سے نکاح پر معلق کرنے والا اگر وہ بری کرنے کو رد کر دے تو ایسا مرد کامیاب ہوگا۔

وہ شرط قبول کر لی تو ہبہ صحیح ہوگا اگر اس کے بعد مرد نے عورت پر ظلم کیا تو ہبہ نافذ ہو جائے گا۔ بعض علماء نے کہا: اگر وہ ظلم کرے تو اس کا مہر باقی رہے گا۔''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

اگر مرد نے عورت کی طلاق کو مہر سے بری کرنے پر معلق کیا پھر عورت کو مہر دے دیا تو تعلیق باطل نہ ہوگی

29315۔ (قولہ: مُعَلِّقُ تَطْلِيقِ الخ) شعر ''شرنبلالی'' کا ہے۔ انہوں نے اس میں ایسے مسئلہ کا ذکر کیا ہے جس کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا۔ وہ مسئلہ یہ ہے: مرد نے عورت سے کہا: جب میں تجھ پر کسی اور سے شادی کروں اور تو مجھے اپنے مہر سے بری کر دے تو تجھے طلاق ہوگی۔ تو کیا جب وہ یہ دعویٰ کرے کہ اس نے مہر ادا کر دیا ہے تو کوئی چیز باقی نہیں بچی۔ عورت خاوند کو جس سے بری کرے اور عورت اس سے انکار کر دے تو حانث نہ ہونے میں مرد کا قول قبول کیا جائے گا؟ اگرچہ عورت کے حق کے ساقط نہ ہونے کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر مرد کا قول قبول نہ کیا جائے گا جس طرح اس کا قول قبول کر لیا جاتا ہے۔ اگر دونوں میاں بیوی شرط کے پائے جانے میں آپس میں اختلاف کریں؟

اس کا یہ جواب دیا کہ یہ عورت کی سے جانب بری کرنے کے رد کرنے سے وہ حانث نہیں ہوگا۔ کیونکہ اگر معاملہ اس طرح ہو جس طرح عورت نے دعویٰ کیا پس مرد نے اس کا رد کر دیا تو مرد نے اسے باطل کر دیا اگر معاملہ اس طرح ہو جس طرح مرد نے دعویٰ کیا تھا تو رد معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ بری کرنا باطل ہو رہا ہے جو حنث کا تقاضا کر رہا تھا۔ بے شک دفع کے دعویٰ کے ساتھ رد کا اعتبار کیا گیا ہے کیونکہ جو آگے آ رہا ہے کہ جب اس نے اپنے دین پر قبضہ کر لیا پھر اس نے اپنے غریم کو بری کر دیا اور اس بری کرنے کو قبول کیا گیا تو ابرا کرنا صحیح ہوا اور جو قبضہ کیا گیا اس کا وہ اس سے مطالبہ کرے گا۔ ملخص

اس کا مفہوم یہ ہے اگر وہ قبول نہ کرے تو بری کرنا صحیح نہ ہوگا۔ کہا: میں نے اس اعتراض کو ختم کرنے کے لیے یہ وضاحت کی کہ جو یہ وہم کیا گیا تھا کہ محض بری کرنے سے وہ حانث ہو جاتا ہے۔ باب التعلیق کے آخر میں شارح نے جو ذکر کیا ہے اس کو دیکھیے۔ حاشیہ میں کہا: جب ایک خاوند نے اپنی بیوی کی طلاق کو دوسری عورت سے نکاح پر معلق کیا ساتھ ہی مہر سے بری کرنے کی شرط لگائی۔ پس مرد نے شادی کی تو عورت نے مہر سے بری کرنے کا دعویٰ کر دیا تو مرد نے مہر ادا کرنے کا دعویٰ کر دیا تو حانث نہ ہونے میں مرد کا قول معتبر ہوگا۔ لیکن ''الاشباہ'' میں کہا: قضا کے بعد بری کرنا صحیح ہے۔ اگر مرد نے عورت کی طلاق کو عورت کی جانب سے مہر سے بری کرنے پر معلق کیا پھر عورت کو مہر دے دیا تو تعلیق باطل نہ ہوگی۔ جب عورت نے اسے براءت اسقاط سے بری کر دیا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

وَإِنْ قَبَضَ الْإِنْسَانُ مَالَ مَبِيعِهِ　　فَأَبْرَأَ يُؤْخَذُ مِنْهُ كَالدَّيْنِ أَظْهَرُ
وَمِنْ دُونِ أَرْضٍ فِي الْبِنَاءِ صَحِيحَةٌ　　وَعِنْدِي فِيهِ وَقْفَةٌ فَيُحَرَّرُ

قُلْت وَجْهُ تَوَقُّفِي تَصْرِيحُهُمْ فِي كِتَابِ الرَّهْنِ بِأَنَّ رَهْنَ الْبِنَاءِ دُونَ الْأَرْضِ وَعَكْسَهُ لَا يَصِحُّ؛ لِأَنَّهُ كَالشَّائِعِ فَتَأَمَّلْهُ وَأَشَارَ بِ أَظْهَرُ لِمَا فِي الْعِمَادِيَّةِ عَنْ خُوَاهَرْ زَادَهْ أَنَّهُ لَا يَرْجِعُ وَاخْتَارَهُ بَعْضُ الْمَشَايِخِ، فَيَظْفَرُ أَيْ بِنِكَاحِ ضَرَّتِهَا؛ لِأَنَّهُ بِرَدِّهِ لِلْإِبْرَاءِ أَبْطَلَهُ فَلَا حِنْثَ فَلْيُحْفَظْ

اگر انسان نے اپنے بیع کے مال پر قبضہ کیا اور بری کر دیا تو اس سے ثمن لے لیا جائے گا جس طرح دین لے لیا جاتا ہے۔ یہ اظہر قول ہے۔ عمارت کے بغیر زمین کو وقف کرنا صحیح ہے میرے نزدیک اس میں توقف ہے پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ میں کہتا ہوں: میرے توقف کی وجہ یہ ہے کہ علماء نے کتاب الرہن میں یہ تصریح کی ہے کہ عمارت کو زمین کے بغیر رہن رکھنا اور اس کے برعکس کرنا یہ صحیح نہیں ہوتا کیونکہ یہ مشترک کی طرح ہے۔ پس اس میں غور وفکر کرلو میں نے ''عمادیہ'' میں ''خواہرزادہ'' سے جو مروی ہے اس کی طرف لفظ اظہر سے اشارہ کیا ہے کہ وہ رجوع نہیں کرے گا بعض مشائخ نے اسے پسند کیا ہے۔ پس وہ کامیاب ہو گیا یعنی اس کی سوکن کے ساتھ نکاح کرنے میں کامیاب ہو گیا کیونکہ جب اس نے بری کرنے کو رد کر دیا تو اس نے طلاق کی تعلیق کو باطل کر دیا تو کوئی قسم کا توڑنا نہیں پس اس کو یاد رکھا جائے۔

29316۔(قولہ: وَإِنْ قَبَضَ الْإِنْسَانُ) ایک آدمی نے سامان بیچا اور مشتری سے ثمن لے لی پھر بائع نے مشتری کو ثمن پر قبضہ کرنے کے بعد ثمن سے بری کر دیا تو اس کا بری کرنا صحیح ہوگا اور مشتری نے جو ثمن بائع کو دی تھی وہ اس سے واپس لے لے گا۔ ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

29317۔(قولہ: صَحِيحَةٌ) یعنی یہ صحیح ہے ''حاشیہ'' میں اسی طرح ہے۔

29318۔(قولہ: بِنِكَاحِ) ''شرنبلالی'' کی عبارت ہے: یعنی عورت کے مقہور ہونے کے ساتھ۔ کیونکہ وہ عورت مرد کے ساتھ سوکن کے ساتھ نکاح میں رہے گی۔ یہی زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ جس کو معلق کیا گیا تھا وہ اس عورت کی طلاق تھی سوکن کی طلاق نہ تھی۔

فائدہ: ''زاہدی'' نے اپنی کتاب جس کا نام ''حاوی مسائل المنية'' جو قاضی ''عبدالجبار'' کی تالیف ہے میں کہا: اس نے دلہن کی کرسی کا تکیہ اچک لیا اور اسے بیچ ڈالا تو وہ حلال ہوگا اگر اس تکیہ کو اچک لینے کے لیے رکھا گیا تھا۔

میں کہتا ہوں: شادی اور ولادت کے موقع پر رکھی گئی شمعوں کو اس پر قیاس کیا جائے گا۔ ''رملی علی المنح'' واللہ سبحانہ اعلم

کِتَابُ الْإِجَارَةِ

قَدَّمَ الْهِبَةَ لِكَوْنِهَا تَمْلِيكَ عَيْنٍ، وَهَذِهِ تَمْلِيكُ مَنْفَعَةٍ (هِيَ) لُغَةً اسْمٌ لِلْأُجْرَةِ وَهُوَ مَا يُسْتَحَقُّ عَلَى عَمَلِ الْخَيْرِ وَلِذَا يُدْعَى بِهِ،

اجارہ کے احکام

کتاب الہبہ کو مقدم کیا کیونکہ ہبہ عین کا مالک بنانا ہے اور اجارہ نفع کا مالک بنانا ہے۔ لغت میں اجارہ اجرت کا نام ہے۔ وہ وہ ہے جس کا وہ عمل خیر پر مستحق بنتا ہے۔ اس وجہ سے اس کے ساتھ دعا دی جاتی ہے

میں کہتا ہوں: اجارہ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے یہی مشہور ہے۔ ''رافعی'' نے اس کے ضمہ کی حکایت بیان کی ہے۔ صاحب ''المحکم'' نے کہا ہے: ضمہ کے ساتھ یہ ماخوذ کا نام ہے۔ یہ اجر سے مشتق ہے یہ عمل کا عوض ہے۔ ''ثعلب'' سے فتحہ نقل کیا گیا ہے۔ اس کے ہمزہ پر تینوں حرکتیں آتی ہیں۔ علامہ ''عبدالقادر طوری'' کی ''تکملۃ البحر'' میں ہے: اگر وہ ایجار کا لفظ ذکر کرتے تو یہ اولیٰ ہوتا۔ کیونکہ جو معروف ہے وہ ایجار ہے یہ منافع کی بیع کرنا ہے۔ اس سے مراد اجارہ نہیں جو اجرت ہے۔

''قاضی زادہ'' نے کہا: لغت میں یہ مسموع نہیں کہ اجارہ مصدر ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اجرہ، جب وہ اسے اجرت عطا کرے اور اجرت وہ ہوتی ہے جس کا عمل خیر پر وہ مستحق ہوتا ہے۔

''الاساس'' میں ہے: آجرنی دارہ واستاجرتھا وھو مؤجر۔ مؤجر نہ کہہ کیونکہ یہ خطا اور قبیح ہے۔ اس کا آجر یہ فاعل کا وزن نہیں بلکہ یہ افعل کا وزن ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''رملی'' نے حاشیۃ ''البحر'' میں کہا ہے: ''واحدی'' نے ''مبرد'' سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے: یہ جملہ بولا جاتا ہے اجرت داری و مملوکی۔ یعنی اجرت کا ہمزہ مد کے بغیر اور مد کے ساتھ ہے پہلا اجارہ اور اجارۃ اکثر استعمال ہوتا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر کوئی اعتراض نہیں۔ تدبر

29319۔ (قولہ: لِكَوْنِهَا تَمْلِيكَ عَيْنٍ) یعنی اعیان منافع پر مقدم ہوتے ہیں اس لیے کہ ہبہ عوض کے بغیر ہوتا ہے اور یہ عوض کے ساتھ ہوتا ہے اور عدم مقدم ہے۔ پھر اجارہ کی صدقہ کے فعل کے ساتھ خاص مناسبت ہے۔ کیونکہ یہ دونوں لازم کے طور پر واقع ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے اسے اس کے پیچھے ذکر کیا ہے۔ ''طوری'' نے یہ بیان کیا ہے۔

اجارہ کی لغوی تعریف

29320۔ (قولہ: اسْمٌ لِلْأُجْرَةِ) ''زیلعی'' نے کہا، لغت میں اجارہ فعالہ کا وزن ہے یہ اجرت کا اسم ہے۔ اس سے مراد وہ ہے جو مزدور کو کرایہ دیا جاتا ہے۔ قد اجرہ جب اسے اجرت عطا کی۔ ''عینی'' میں ہے: فعالہ او اعالۃ۔ یعنی دوسری

يُقَالُ أَعْظَمَ اللهُ أَجْرَكَ وَشَرْعًا (تَمْلِيكُ نَفْعٍ) مَقْصُودٍ مِنَ الْعَيْنِ

یہ جملہ بولا جاتا ہے: اللہ تعالیٰ تیرے اجر کو عظیم کرے۔ اور شرع میں اجارہ سے مراد نفع کا مالک بنانا ہے یعنی وہ نفع جو عین سے مقصود ہوتا ہے

تعبیر میں فعل کا فا کلمہ محذوف ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ مصدر ہے۔

29321۔ (قولہ: وَهُوَ مَا يُسْتَحَقُّ) ضمیر کو مذکر ذکر کیا ہے۔ کیونکہ وہ اس اجر کی طرف لوٹ رہی ہے جو اس کے مقابل کے ذکر سے مفہوم ہے جب کہ وہ اجرت ہے۔ زیادہ واضح اظہار کرنا ہے۔ پس اس کی کلام میں کوئی خلل نہیں۔ پس سمجھ لیجئے۔

اجارہ کی شرعی تعریف

29322۔ (قولہ: تَمْلِيكُ) یہ ایسی جنس ہے جو عین اور منفعت کی بیع کو شامل ہے اگرچہ یہ جنس ہے جس طرح داخل کرنے والا ہے اسی طرح خارج کرنے والا ہے۔ تملیک کے لفظ کے ساتھ عاریہ اس میں داخل ہو جائے گا۔ کیونکہ عاریہ منافع کا مالک بناتا ہے اور نکاح داخل ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ بضع کا مالک بنانا ہے جب کہ وہ منفعت نہیں نفع کے قول سے عین کا مالک بنانا اور عوض کے قول سے تعریف کی تکمیل ہے۔ ''طوری''۔

''المنح'' میں کہا: یہ قول ان کے قول: تمليك نفع معلوم بعوض كذلك کی بنسبت قبول کیے جانے کے زیادہ لائق ہے۔ کیونکہ اگرچہ یہ اجارہ صحیحہ کی تعریف ہے مگر یہ اس کے مانع نہیں کہ شرط فاسد اور جس میں اصلی اشتراک ہو کے ساتھ اجارہ فاسدہ کو شامل ہو۔ اگر یہ اعم کی تعریف ہو تب بھی نفع اور عوض معلوم کی قید لگانا صحیح نہیں۔ ''الدرر'' کی تبع میں اس مختصر میں جسے اختیار کیا گیا ہے وہ اعم کی تعریف ہے۔

اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ ائمہ مذہب نے جس اجارہ کی تعریف کی ہے وہ اجارہ شرعیہ ہے وہ اجارہ صحیحہ ہے۔ اور اجارہ فاسدہ اس کی ضد ہے پس تعریف اس کو شامل نہ ہوگی۔

''المبسوط'' میں کہا: جس پر عقد اجارہ واقع ہوتا ہے اس کے متعلق اس طریقہ پر آگاہ کرنا ضروری ہے جس سے منازعہ ختم ہو جائے جیسے مدت، مسافت اور بدن کا بیان اور بدل سے باخبر کرنا بھی ضروری ہے ورنہ عقد عبث ہو جائے گا جس طرح ''البدائع'' میں ہے۔ کیونکہ عوض غیر معلوم کے بدلے میں کوئی تملیک نہیں ہوتی۔

پس یہ ان کے کلام کی طرف راجع ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''شرنبلالیہ'' میں ہے۔

29323۔ (قولہ: مَقْصُودٍ مِنَ الْعَيْنِ) یعنی شرع میں اور عقلا کی نظر میں۔ جس کا وہ عنقریب ذکر کریں گے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ وہ اگرچہ مستاجر کا مقصود ہے لیکن اس میں کوئی نفع نہیں اور وہ مقاصد شرعیہ میں سے نہیں اور جو مقصود ہے اس کو شامل ہوگا اگرچہ مقصود اس امر غیر کی وجہ سے ہو۔ کیونکہ عنقریب ''البحر'' سے آئے گا کہ یہ جائز ہے کہ زمین کو اجرت پر دینا

(بِعِوَضٍ) حَتَّى لَوْ اسْتَأْجَرَ ثِيَابًا أَوْ أَوَانِي لِيَتَجَمَّلَ بِهَا أَوْ دَابَّةً لِيَجْنُبَهَا بَيْنَ يَدَيْهِ أَوْ دَارًا لَا لِيَسْكُنَهَا أَوْ عَبْدًا أَوْ دَرَاهِمَ أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ لَا لِيَسْتَعْمِلَهُ بَلْ لِيَظُنَّ النَّاسُ أَنَّهُ لَهُ فَالْإِجَارَةُ فَاسِدَةٌ فِي الْكُلِّ، وَلَا أَجْرَ لَهُ لِأَنَّهَا مَنْفَعَةٌ غَيْرُ مَقْصُودَةٍ مِنْ الْعَيْنِ بَزَّازِيَّةٌ وَسَيَجِيءُ (وَكُلُّ مَا صَلُحَ ثَمَنًا) أَيْ بَدَلًا فِي الْبَيْعِ (صَلُحَ أُجْرَةً) لِأَنَّهَا ثَمَنُ الْمَنْفَعَةِ

کسی عوض کے بدلہ میں یہاں تک کہ اگر کپڑے اجرت پر لے یا برتن اجرت پر لے تا کہ ان سے خوبصورتی حاصل کرے، یا جانور لیا اپنے سامنے چلائے، یا گھر اجرت پر لیا اس لیے نہیں کہ اس میں سکونت اختیار کرے یا غلام اجرت پر لیا یا دراہم اجرت پر لیے یا کوئی چیز اجرت پر لی، اس لیے نہیں کہ اسے استعمال کرے بلکہ اس لیے کہ لوگ گمان کریں کہ یہ اس کا ہے تو اجارہ تمام صورتوں میں فاسد ہوتا ہے اور اس کے لیے کوئی اجرت نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ ایسی منفعت ہے جو عین سے مقصود نہیں ہوتی۔ ''بزازیہ''۔ عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔ ہر وہ چیز جو بیع میں بدل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے تو وہ اجرت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ کیونکہ یہ منفعت کی ثمن ہوگی

جائز ہے تا کہ وہاں قیلولہ کیا جائے اور وہاں راحت حاصل کی جائے۔ کیونکہ زمین کے اجارہ کا مقصود زراعت کے لیے اجرت پر لینا ہے مثلاً اسے اس کے لزوم کے حیلہ کے طور پر ذکر کریں گے جب اس کی کاشت ممکن نہ ہو۔

29324۔ (قولہ: أَوْ أَوَانِي) یہ منصوب ہے یا پر فتحہ ظاہر ہے۔ بعض نسخوں میں اس کے حذف کے ساتھ ہے گویا یہ نساخ (لکھنے والے) کی تحریف ہے۔

29325۔ (قولہ: أَنَّهُ لَهُ) انہ کی ضمیر سے مراد دار، عبد اور اس کا مابعد ہے۔ ضمیر کو مفرد ذکر کیا کیونکہ او کے ساتھ عطف ہے۔ یہ مسائل آنے والے باب میں متن میں آئیں گے۔

29326۔ (قولہ: وَلَا أَجْرَ لَهُ) اگر اس نے ان کو ان مقاصد میں استعمال کیا جس کا ذکر کیا تھا۔ اور علماء کا یہ قول کہ اجارہ فاسدہ میں نفع حاصل کرنے کی صورت میں اجرت واجب ہوتی ہے یہ ان صورتوں میں ہوتا ہے جب نفع مقصود ہو'' ط''۔ ''الخلاصہ'' میں ان مسائل کی جس میں اجرت نہ ہونے کی قید لگائی ہے۔ ان کا قول یہ ہے: مگر جب وہ کسی چیز کو اجرت پر لیتا ہے بعض اوقات وہ اجرت پر لیتا ہے تا کہ اس سے نفع حاصل کرے۔ تمام کلام اس میں آئے گی۔

29327۔ (قولہ: سَيَجِيءُ) یعنی باب مایجوز فی الاجارۃ میں آئے گا۔

29328۔ (قولہ: أَيْ بَدَلًا فِي الْبَيْعِ) اس میں اعیان داخل ہوں گے کیونکہ یہ مقایضہ میں بدل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے پس یہ اجرت بننے کی صلاحیت رکھے گا۔

29329۔ (قولہ: لِأَنَّهَا ثَمَنُ الْمَنْفَعَةِ) جب کہ یہ عین کے تابع ہے اور جو اصل کا بدل بننے کی صلاحیت رکھے وہ تبع کا بدل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

وَلَا يَنْعَكِسُ كُلِّيًّا، فَلَا يُقَالُ مَا لَا يَجُوزُ ثَمَنًا لَا يَجُوزُ أُجْرَةً لِجَوَازِ إجَارَةِ الْمَنْفَعَةِ بِالْمَنْفَعَةِ إذَا اخْتَلَفَا كَمَا سَيَجِيءُ (وَتَنْعَقِدُ بِأَعَرْتُكَ هَذِهِ الدَّارَ شَهْرًا بِكَذَا)؛ لِأَنَّ الْعَارِيَّةَ بِعِوَضٍ إجَارَةٌ بِخِلَافِ الْعَكْسِ (أَوْ وَهَبْتُكَ) أَوْ أَجَرْتُكَ (مَنَافِعَهَا) شَهْرًا بِكَذَا؛

اور یہ کلی طور پر منعکس نہیں ہوگا۔ یہ نہ کہا جائے گا کہ جو چیز ثمن نہیں بن سکتی اس کا اجرت بننا جائز نہیں۔ کیونکہ منفعت کا منفعت کے بدلے اجارہ جائز ہے جب وہ دونوں مختلف ہوں جس طرح عنقریب آئے گا۔ اجارہ منعقد ہوجاتا ہے جب وہ یہ کہے: میں نے یہ گھر تجھے ایک ماہ کے لیے اتنے کے عوض میں اجارہ پر دیا ہے۔ کیونکہ عاریہ جب عوض کے ساتھ ہوتو اجارہ ہوجاتا ہے۔ اس کے برعکس کا معاملہ مختلف ہے۔ یا وہ کہے: میں نے تجھے اس کے منافع ایک ماہ کیلئے اتنے کے عوض میں ہبہ کیے یا اجرت پر دیے۔

29330۔ (قولہ: وَلَا يَنْعَكِسُ كُلِّيًّا) اس کی قید لگائی ہے تاکہ یہ سمجھا جائے کہ اس سے مراد عکس لغوی ہے عکس منطقی نہیں وہ موجبہ کلیہ کا موجبہ جزیہ سے عکس ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض وہ چیزیں جو اجرت بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں وہ ثمن بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

29331۔ (قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) یعنی اجارہ فاسدہ کے باب کے آخر میں آئے گا۔

وہ الفاظ جن کے ساتھ اجارہ منعقد ہوتا ہے

29332۔ (قولہ: وَتَنْعَقِدُ بِأَعَرْتُكَ الخ) اور صلح کے لفظ کے ساتھ منعقد ہوجاتا ہے جس طرح ''حلوانی'' نے ذکر کیا ہے۔ اظہر یہ ہے کہ لفظ بیع کے ساتھ منعقد ہوجاتا ہے جب اس کا وقت پایا جائے۔ اسی طرف امام ''کرخی'' نے رجوع کیا ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ لیکن ''شرنبلالی'' میں ہے: ''برہان'' میں اس طرح کے اجارہ کے منعقد نہ ہونے کو جزم ویقین سے ذکر کیا ہے۔ کہا: بعت منفعتها (میں نے اس کی منفعت کو بیچا) سے عقد اجارہ منعقد نہیں ہوگا کیونکہ معدوم شے کی بیع باطل ہے۔ پس بیع اور شرا کے لفظ سے تملیک صحیح نہ ہوگی۔ ''الخانیہ'' سے اس کی مثل نقل کیا ہے۔

29333۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْعَكْسِ) یعنی بغیر عوض کے اجارہ سے اعارہ منعقد نہیں ہوگی۔ ''بزازیہ'' میں کہا: اگر اس نے کہا: میں نے تجھے اس کے منافع سال بھر کے لیے عوض کے بغیر اجرت پر دے دیئے تو یہ اجارہ فاسد ہوگا اعارہ نہیں ہوگا۔

''المنح'' میں ''الخانیہ'' سے مروی ہے: اگر میں نے تجھے یہ گھر عوض کے بغیر اجرت پر دیا تو وہ اجارہ فاسدہ ہوگا اور عاریہ نہیں ہوگا۔ جس طرح اگر وہ کہے: میں نے تجھے یہ عین بغیر عوض کے بیچ دیا تو یہ باطل یا فاسد ہوگا ہبہ نہ ہوگا۔ اس کے مخالف وہ قول ہے جو ''البحر'' کے کتاب العاریہ میں ''الخانیہ'' سے منقول ہے: میں نے تجھے یہ گھر ایک ماہ کے لیے عوض کے بغیر اجرت پر دیا تو یہ اعارہ ہوگا۔ اگر وہ ایک ماہ کا لفظ ذکر نہ کرے تو اجارہ نہ ہوگا۔ ''تاتر خانیہ'' میں کہا: بلکہ یہ اجارہ فاسدہ ہوگا۔ بعض اوقات اس کے خلاف قول کیا جاتا ہے۔ ہم نے کتاب العاریہ میں پہلے جو گفتگو کر دی ہے اس میں نظر کیجئے۔

29334۔ (قولہ: مَنَافِعَهَا شَهْرًا بِكَذَا) ان تین معمولات میں ان دو فعلوں نے عمل میں تنازع کیا ہے جو ان سے

أَفَادَ أَنَّ رُكْنَهَا الْإِيجَابُ وَالْقَبُولُ وَشَرْطُهَا كَوْنُ الْأُجْرَةِ وَالْمَنْفَعَةِ مَعْلُومَتَيْنِ؛ لِأَنَّ جَهَالَتَهُمَا تُفْضِي إِلَى الْمُنَازَعَةِ وَحُكْمُهَا وُقُوعُ الْمِلْكِ فِي الْبَدَلَيْنِ
اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ اس کا رکن ایجاب اور قبول ہے۔اس کی شرط یہ ہے کہ اجرت اور منفعت دونوں معلوم ہوں۔کیونکہ دونوں کی جہالت منازعہ کی طرف لے جاتی ہے۔اس کا حکم یہ ہے: دونوں بدلوں میں ملکیت کا وقوع

پہلے ہیں متن میں جو قول ہے۔''البحر'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔لیکن اس کے بعد ذکر کیا ہے: اگر عقد کو منافع کی طرف منسوب کیا تو یہ جائز نہ ہوگا۔اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: میں نے اس گھر کے منافع ایک ماہ کے لیے اتنے کے بدلے میں تجھے اجارہ پر دیے اور اسے عین کی طرف منسوب کرنا صحیح ہوگا۔ان دونوں کے درمیان منافات ہے۔

لیکن ''رملی'' نے کہا: ''بزازیہ'' اور کثیر کتب میں مسئلہ میں دو قول ذکر کیے ہیں۔''شرنبلالیہ'' میں ''برہان'' سے مروی ہے: ''میں نے اس کی منفعت اجرت پر دی'' کے قول سے اجارہ منعقد نہیں ہوگا۔کیونکہ منفعت معدوم ہے۔عقد کو عین پر وارد کیا جائے تو یہ جائز ہوگا جب کہ وہ نہیں پایا گیا۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے ساتھ اجارہ منعقد ہو جاتا ہے کیونکہ وہ کلام مقصود لایا ہے کہ اس نے اجارہ کو عین کی طرف مضاف کیا ہے۔اس کا ظاہر معنی یہ ہے: مصنف اور شارح نے جس قول کو اپنایا ہے اس کے خلاف کو ترجیح دی ہے۔اسی وجہ سے ''زیلعی'' میں اس پر اکتفا کیا ہے۔

اجارہ کا رکن

29335۔(قولہ: أَفَادَ أَنَّ رُكْنَهَا الْإِيجَابُ وَالْقَبُولُ) یعنی ان کے تملیک یا ان کے قول تنعقد نے اس امر کا فائدہ دیا کہ اجارہ کا رکن ایجاب اور قبول ہے، تامل۔پھر ان دونوں یعنی ایجاب و قبول کے بارے میں کلام اور ان کی صفات میں کلام اسی طرح ہے جس طرح بیع میں کلام ہوتی ہے۔''بدائع''۔

''تکملہ طوری'' میں ''تاتر خانیہ'' سے روایت مروی ہے: یہ لفظ کے بغیر بھی منعقد ہو جاتا ہے جس طرح اگر ایک آدمی ایک گھر سال بھر کے لیے اجرت پر لیتا ہے جب مدت پوری ہو جاتی ہے تو اس کا مالک مستاجر سے کہتا ہے: میرے لیے آج ہی فارغ کر دو ورنہ ہر ماہ ہزار کے بدلے میں ہوگا۔جتنے دنوں میں وہ سامان منتقل کرے گا اسے اجرت مثلی کے ساتھ اندازہ لگایا جائے گا اگر وہ پورا مہینہ اس گھر میں رہتا ہے تو اس پر اتنا لازم ہو جائے گا جو اس نے کہا تھا۔

اجارہ کی شرائط

29336۔(قولہ: وَشَرْطُهَا الخ) اس کی کئی انواع ہیں۔ان میں سے بعض انعقاد کی شرط ہیں ان میں سے بعض نفاذ کی شرط ہیں۔ان میں سے بعض اس کے صحیح ہونے کی شرط ہیں اور بعض اس کے لزوم کی شرط ہیں۔ان کی تفاصیل ''بدائع'' میں مفصل موجود ہیں۔''طحطاوی'' نے ''ہندیہ'' سے اس کی تلخیص نقل کی ہے۔

29337۔(قولہ: كَوْنُ الْأُجْرَةِ وَالْمَنْفَعَةِ مَعْلُومَتَيْنِ) جہاں تک پہلے کا تعلق ہے تو وہ اس کے اس قول کی طرح

سَاعَةً فَسَاعَةً وَهَلْ تَنْعَقِدُ بِالتَّعَاطِي؟
لمحہ بلمحہ ہوگا۔ کیا اجارہ باہم لینے اور دینے سے واقع ہو جاتا ہے۔

ہے: اتنے دراہم یا اتنے دنانیر کے بدلے۔ اور وہ شہر کی غالب نقدی کی طرف پھر جائے گی۔ اگر غلبہ مختلف ہو تو اجارہ فاسدہ ہو جائے گا جب تک ان میں سے کسی نقدی کو واضح نہ کرے۔ اگر وہ کیلی، وزنی یا عددی متقارب ہو تو قدر اور صفت کا بیان کرنا شرط ہوگا۔ اسی طرح جس جگہ ادا کرنا ہے اس کا معلوم ہونا بھی شرط ہے اگر اسے اٹھانے کی ضرورت ہو اور اس میں مشقت ہو۔ یہ ''امام اعظم'' کے نزدیک ہے ورنہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں جس طرح اجل کے بیان کرنے کا معاملہ ہے۔

اگر وہ کپڑے یا دوسرا سامان ہو تو شرط اجل، قدر اور صفت کو بیان کرنا ہوگا اگر چہ وہ اسے تبدیل کر دے جس کی طرف اشارہ کیا ہو اگر وہ حیوان ہو تو جب تک معین نہ ہو جائز نہ ہوگا۔ ''بحر'' ملخص جہاں تک دوسرے کا تعلق ہے تو متن میں قریب ہی آئے گا۔

اجارہ کا حکم

29338۔ (قولہ: سَاعَةً فَسَاعَةً) کیونکہ منفعت ایک عرض ہے جو دو زمانوں تک باقی نہیں رہتا۔ جب اس کا حدوث اس طرح ہے تو اس کے بدل کا اس طرح مالک ہوگا تا کہ دونوں میں برابری کا قصد کیا جائے۔ لیکن اسے بدل کے مطالبہ کا حق نہیں ہوگا مگر مقصود منفعت گزر چکی ہو جیسے گھر اور زمین میں ایک دن اور سواری کے بارے میں مرحلہ و منزل جس طرح عنقریب آئے گا۔

کیا اجارہ باہم لینے اور دینے سے منعقد ہو جاتا ہے

29339۔ (قولہ: وَهَلْ تَنْعَقِدُ بِالتَّعَاطِي) ''الوہبانیہ'' میں کہا ہے: وقد جوزوها فی القدور تعاطیا۔

''شرنبلالیہ'' میں کہا: مسئلہ ''ظہیریہ'' کا ہے: ایک آدمی نے دوسرے سے کئی ہانڈیاں غیر معین اجرت پر لیں تو یہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ صغر و کبر کے اعتبار سے ان میں تفاوت ہوتا ہے۔ اگر مستاجر نے پہلے کرایہ پر انہیں قبول کر لیا تو جائز ہوگا اور یہ اجارہ باہم لینے اور دینے سے نیا ہوگا شعر میں قدور کی تخصیص نقل کی پیروی ہے ورنہ وہ اس کے علاوہ میں عام ہے۔

''بزازیہ'' میں ہے: اجارہ طویلہ کے علاوہ باہم لین دین سے منعقد ہو جاتا ہے۔ اجارہ طویلہ اس سے منعقد نہیں ہوتا کیونکہ اجرت غیر معلوم ہے۔ کیونکہ یہ سال میں دانق یا اس سے کم یا اس سے اکثر ہوتی ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں ''تتمہ'' سے مروی ہے: میں نے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا جو کشتی میں داخل ہوتا ہے، پچھنے لگواتا ہے، فصد کرواتا ہے، حمام میں داخل ہوتا ہے یا سقاء سے پانی پیتا ہے پھر وہ اجرت اور پانی کی قیمت دیتا ہے۔ فرمایا: بطور استحسان جائز ہے اور اس سے قبل کی کوئی ضرورت نہیں۔

میں کہتا ہوں: اسی میں سے وہ ہے جسے ہم نے پہلے ''بزازیہ'' سے نقل کیا ہے کہ لفظ کے بغیر اجارہ منعقد ہو جاتا ہے عنقریب ''الاشباہ'' سے متفرقات میں آئے گا کہ اجارہ میں سکوت رضا اور قبول ہوتا ہے۔ ''حاوی زاہدی'' میں اشارہ کرتے

ظَاهِرُ الْخُلَاصَةِ نَعَمْ إِنْ عُلِمَتْ الْمُدَّةُ وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ إِنْ قَصُرَتْ نَعَمْ وَإِلَّا لَا (وَيُعْلَمُ النَّفْعُ بِبَيَانِ الْمُدَّةِ كَالسُّكْنَى وَالزِّرَاعَةِ مُدَّةً كَذَا) أَيَّ مُدَّةٍ كَانَتْ وَإِنْ طَالَتْ وَلَوْ مُضَافَةً كَآجَرْتُكَهَا غَدًا وَلِلْمُؤَجِّرِ بَيْعُهَا الْيَوْمَ، وَتَبْطُلُ الْإِجَارَةُ بِهِ يُفْتَى خَانِيَّةٌ

''الخلاصہ'' کا ظاہر معنی یہ ہے: ہاں اگر مدت معلوم ہو۔ ''بزازیہ'' میں ہے: اگر کمتر ہو تو اجارہ منعقد ہو جاتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو اجارہ منعقد نہیں ہوتا۔ نفع کا علم مدت کے بیان سے ہو جاتا ہے جیسے اتنے عرصہ کی رہائش اور زراعت کا اختیار ہے وہ کوئی بھی مدت ہو اگر چہ وہ مدت طویل ہو اگر چہ وہ مدت مضاف ہو جیسے: میں نے تجھے وہ چیز کل اجرت پر دی ہے موجر کو آج وہ چیز بیچنے کا حق ہے اور (اس طرح کرنے سے) اجارہ باطل ہو جائے گا۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، ''خانیہ''۔

ہوئے کہا: نگران سے ایک گھر اجارہ پر لیا اور اس میں سکونت اختیار کی پھر دوسرے سال عقد کے بغیر رہائش رکھے رہا اور نگران نے اجرت میں سے کوئی چیز لے لی اس کے ساتھ پورہ سال کے لیے عقد منعقد ہو جائے گا نہ کہ صرف اس حصہ میں اجارہ منعقد ہو گا جو اس نے حصہ لیا ہے۔ اس کی مثل ''القنیۃ'' میں باب انقضاء الاجارۃ بعد انقضاء مدتہا و وجوب الامر بغیر عقد میں ہے۔ ''حامدیہ''۔

29340۔ (قولہ: ظَاهِرُ الْخُلَاصَةِ نَعَمْ) اس کی عبارت ''بزازیہ'' کی اس عبارت کی طرح ہے جو ابھی گزری ہے۔

29341۔ (قولہ: إِنْ عُلِمَتْ الْمُدَّةُ) اس کا صحیح قول الاجرۃ ہے۔ ''الخلاصہ'' میں جو کچھ ہے اس کا قول نقل کرنے کے بعد کہا: ''المنح'' میں کہا: اس سے یہ امر مستفاد ہوتا ہے کہ جب اجرت اجارہ طویلہ میں معلوم ہو تو باہم لینے دینے سے اجارہ منعقد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اجارہ کے عدم انعقاد میں اس امر کو علت بنایا ہے کہ اس میں اجرت غیر معلوم ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

29342۔ (قولہ: وَفِي الْبَزَّازِيَّةِ) یہ قول اس امر کا وہم دلاتا ہے کہ ''خلاصہ'' میں اسے تبدیل کر دیا ہے جب کہ ان دونوں کی عبارت ایک ہے۔ پھر اجارہ طویلہ جس کی وضاحت آگے آئے گی۔ اس میں اجرت معلوم ہے لیکن سوائے آخری سال کے اجارہ تھوڑی سی چیز کے بدلے میں ہے پس اس میں غور وفکر کیجئے۔

29343۔ (قولہ: بِبَيَانِ الْمُدَّةِ) کیونکہ جب مدت معلوم ہو گی تو منفعت کی مقدار بھی معلوم ہو گی۔

29344۔ (قولہ: وَإِنْ طَالَتْ) اگر چہ وہ اتنی مدت ہو جس مدت تک مثلاً وہ زندہ نہیں رہ سکتے ''خصاف'' نے اسے اختیار کیا ہے۔ بعض علماء نے اس سے منع کیا ہے، ''بحر''۔ متون کے اطلاق کا ظاہر معنی یہ ہے کہ پہلے قول کو راجح قرار دیا جائے۔

29345۔ (قولہ: وَلِلْمُؤَجِّرِ بَيْعُهَا الْيَوْمَ) یعنی اس کا وقت آنے سے پہلے یہ قول اس امر پر مبنی ہے کہ جس اجارہ کو کسی وقت کی طرف منسوب کیا جائے وہ اجارہ منعقد ہو جاتا ہے لیکن یہ اجارہ لازم نہیں ہوتا۔ یہ دو تصحیحوں میں سے ایک ہے۔ اس کا لازم نہ ہونا اس امر کی تائید کرتا ہے کہ فتویٰ اس پر ہے جس طرح متفرقات میں آئے گا۔ ''بزازیہ'' میں ہے: اگر کل آئے اور وہ اجارہ والی چیز نئے سبب سے اس کی ملکیت کی طرف لوٹے تو اجارہ نہیں لوٹے گا۔ اگر عیب کی وجہ سے قاضی کے فیصلہ

(وَلَمْ تَزِدْ فِي الْأَوْقَافِ عَلَى ثَلَاثِ سِنِينَ) فِي الضِّيَاعِ وَعَلَى سَنَةٍ فِي غَيْرِهَا كَمَا مَرَّ فِي بَابِهِ وَالْحِيلَةُ

اوقاف میں اجارہ تین سال سے زیادہ پر نہیں ہوگا جب کہ وہ وقف کی زمین ہو اور زمین کے علاوہ وہ چیز ہو تو ایک سال سے زیادہ میں اجارہ نہیں ہوگا جس طرح اس کے باب میں گزر چکا ہے اس کا حیلہ یہ ہے

کے ساتھ اس چیز کو لوٹا یا گیا یا ہبہ میں رجوع کیا تو کل آنے سے پہلے اجارہ لوٹ آئے گا۔

اوقاف میں اجارہ کی مدت

29346۔ (قولہ: فِي الْأَوْقَافِ) اسی طرح یتیم کی زمین ہے جس طرح ''جوہرہ'' میں ہے۔ صاحب ''البحر'' اور مصنف نے یہی فتویٰ دیا ہے۔ علماء کی اکثر کلام یہی ہے کہ یہی مختار اور مفتی بہ ہے۔ کیونکہ دونوں میں علت موجود ہے وہ یہ ہے کہ مدت کی طوالت کی وجہ سے ملکیت کے دعویٰ سے اسے بچایا جائے بلکہ یہ تو بدرجہ اولیٰ ہے، ''رملی''۔ ''الخانیہ'' سے بھی عنقریب یہ آئے گا۔

''فتاویٰ کازرونی'' میں ان کے شیخ ''حنیف الدین مرشدی'' سے منقول ہے: جہاں تک بیت المال کی اراضی کا تعلق ہے تو علماء کا اسے مطلق ذکر کرنا یہ مطلقاً اس کے جواز کا تقاضا کرتا ہے نیز علماء کا ایسی زمینوں میں امام کا تصرف کرنا، خواہ بیع کی صورت میں ہو یا کسی کو عطا کرنے کی صورت میں ہو، اسے درست قرار دیا ہے یہ اسی امر کا فائدہ دیتا ہے۔ ملخص۔ لیکن ''حاشیۃ الرملی'' میں ہے کہ یہ یتیم کی جائیداد کی طرح ہے۔ ''حامدیہ'' میں کہا: اس کی دلیل وہی ہے جو انہوں نے کہا ہے: ''خیریہ'' کے کتاب الدعویٰ میں ہے: بیت المال کی زمینوں پر دائمی وقف کے احکام جاری ہوئے ہیں۔

29347۔ (قولہ: عَلَى ثَلَاثِ سِنِينَ) اس کا محل یہ ہے کہ جب غیر واقف سے اجرت پر دیا پھر وہ پانچ سال کے بعد مر گیا اور وہ چیز دوسرے مصرف کی طرف منتقل ہوگئی تو اجارہ ختم ہو جائے گا اور جو باقی ماندہ ہے وہ میت کے ترکہ میں لوٹ جائے گا۔ ''طحطاوی'' نے ''سری الدین'' سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے شارح باب الفسخ کے آخر میں اس کا ذکر کریں گے۔

29348۔ (قولہ: فِي غَيْرِهَا) جیسے گھر اور دکان۔

29349۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ فِي بَابِهِ) یعنی کتاب الوقف میں متن میں گزر چکا ہے۔ شارح نے وہاں کہا: مگر جب مصلحت اس کے خلاف ہو۔ یہ ان چیزوں میں سے ہے جو زمانہ اور موضع کے حوالہ سے مختلف ہے یہاں مصنف نے جو اطلاق کو اپنایا ہے وہ متون کی تبع میں ہے۔

''الہدایہ'' میں کہا: یہی مختار قول ہے۔ شارح نے جس پر اسے محمول کیا ہے یہ اس کے موافق ہے جسے پہلے وقف میں بیان کیا ہے۔ یہ وہی ہے جس پر ''صدر شہید'' نے فتویٰ دیا ہے۔

''المحیط'' میں کہا ہے: یہی فتویٰ کے لیے مختار ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

29350۔ (قولہ: وَالْحِيلَةُ) یعنی جب قیم (نگران) اس امر کا محتاج ہو کہ وہ وقف کو طویل اجارہ پر دے۔

أَنْ يَعْقِدَ عُقُودًا مُتَفَرِّقَةً كُلُّ عَقْدِ سَنَةٍ بِكَذَا، فَيَلْزَمُ الْعَقْدُ الْأَوَّلُ؛ لِأَنَّهُ نَاجِزٌ، لَا الْبَاقِي؛ لِأَنَّهُ مُضَافٌ، وَلِلْمُتَوَلِّي فَسْخُهُ خَانِيَّةٌ وَفِيهَا لَوْ شَرَطَ الْوَاقِفُ مُدَّةً يَتْبَعُ إِلَّا إِذَا كَانَتْ إِجَارَتُهَا أَكْبَرَ نَفْعًا فَيُؤَجِّرُهَا الْقَاضِي لَا الْمُتَوَلِّي؛ لِأَنَّ وِلَايَتَهُ عَامَّةٌ

کہ وہ متفرق عقد کرے یہ عقد فلاں ایک سال کا اتنے کے عوض میں ہے پس پہلا عقد لازم ہوگا۔ کیونکہ وہ حتمی ہے باقی لازم نہ ہوں گے کیونکہ وہ منسوب ہیں اور متولی کو حق حاصل ہوگا کہ ان کو فسخ کر دے ''خانیہ''۔ اس میں ہے: اگر واقف نے ایک کی مدت شرط لگائی تو وہ اس شرط کی پیروی کرے مگر جب اس کا اجارہ بڑے نفع والا ہو۔ پس قاضی اسے اجرت پر دے گا متولی اجرت پر نہیں دے گا۔ کیونکہ قاضی کی ولایت عام ہے۔

29351۔ (قولہ: مُتَفَرِّقَةً) ''خانیہ'' کی عبارت ہے: مترادفۃ۔ کہا: وہ دستاویز میں لکھے گا فلاں بن فلاں نے فلاں زمین یا فلاں گھر تیس سال کے لیے تیس عقدوں میں اجرت پر لیا ہر عقد سال بھر کا اتنے کے عوض ہے اس کے بغیر کہ اس کا بعض بعض میں شرط ہو اس میں غور کیا جانا چاہیے۔ کیا یہ شرط ہے کہ ہر سال کے بارے میں مستقل عقد کرے یا اس کے لیے یہ قول کافی ہے: میں نے تیس سالوں کا تیس عقدوں کے ساتھ عقد کیا پس یہ عقود کے تکرار کے قائم مقام ہوگا۔ ظاہر پہلا قول ہے اس کی دلیل ان کا یہ قول ہے: الحیلۃ ان یعقد عقود مترادفۃ۔ تامل

29352۔ (قولہ: كُلُّ عَقْدِ سَنَةٍ) میں کہتا ہوں: سنہ کی قید لگائی ہے تا کہ یہ زمین وغیرہ میں صحیح ہو جائے نہ کہ اس لیے کہ یہ مطلقاً لازم ہے۔ کیونکہ اگر وہ زمین میں یوں کرے تو ہر عقد تین سال کا ہو تو صحیح ہوگا۔ چار سالوں اور اس سے اکثر کا معاملہ مختلف ہے۔ اور دوسری چیزوں میں سال سے بڑھ کر کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس وقت حیلہ میں کوئی نفع نہ دے گا۔

29353۔ (قولہ: لَا الْبَاقِي) یہ مفتی بہ قول پر مبنی ہے کہ جو عقد اجارہ زمانہ کی طرف منسوب ہو وہ لازم نہیں ہوتا جس طرح پہلے بیان کیا ہے اور آگے آئے گا۔

29354۔ (قولہ: يَتْبَعُ) یعنی اپنی شرط کی پیروی کرنا لازم ہے۔

29355۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا كَانَتْ الخ) اس کی صورت یہ ہے کہ لوگ ایک سال تک زمین کو اجرت پر لینے میں رغبت نہیں کرتے اور اسے سال سے زیادہ پر اجرت پر دینا یہ وقف کیلئے زیادہ خیر کا باعث اور فقراء کے لیے نفع کا باعث ہے۔ ''اسعاف''۔

29356۔ (قولہ: فَيُؤَجِّرُهَا الْقَاضِي) ''الاسعاف'' میں کہا: اگر وہ اپنے وقف کی تحریر میں استثنا کرے اور کہے سال سے زیادہ پر اجرت پر نہ دیا جائے مگر جب وہ فقراء کے لیے زیادہ نافع ہو تو اس وقت اسے اجرت پر دینا جائز ہوگا جب وہ اس میں خیر دیکھے جب کہ قاضی کے سامنے پیش کیے بغیر ایسا کرے۔ کیونکہ اسے اس کی جانب سے اس میں اجازت ہوتی ہے۔

29357۔ (قولہ: لِأَنَّ وِلَايَتَهُ عَامَّةٌ) کیونکہ اسے فقراء غائبین اور اموات کے منافع میں توجہ کرنے کی ولایت ہوتی ہے۔ ''اسعاف''۔

قُلْتُ وَقَدَّمْنَا فِي الْوَقْفِ أَنَّ الْفَتْوَى عَلَى إِبْطَالِ الْإِجَارَةِ الطَّوِيلَةِ وَلَوْ بِعُقُودٍ، وَسَيَجِيءُ مَتْنًا فَلْيُرَاجَعْ وَلْيُحْفَظْ (فَلَوْ آجَرَهَا الْمُتَوَلِّي أَكْثَرَ لَمْ تَصِحَّ) الْإِجَارَةُ وَتُفْسَخُ فِي كُلِّ الْمُدَّةِ؛ لِأَنَّ الْعَقْدَ إِذَا فَسَدَ فِي بَعْضِهِ فَسَدَ فِي كُلِّهِ فَتَاوَى قَارِئِ الْهِدَايَةِ، وَرَجَّحَهُ الْمُصَنِّفُ عَلَى مَا فِي أَنْفَعِ الْوَسَائِلِ

میں کہتا ہوں: ہم کتاب الوقف میں پہلے بیان کر چکے ہیں کہ فتویٰ اس پر ہے کہ اجارہ طویلہ باطل ہے اگرچہ کئی عقود کے ساتھ ہو عنقریب یہ متن میں آئے گا۔ پس اس کی طرف رجوع کیا جائے اور اسے یاد رکھا جائے۔ اگر متولی نے اس سے زیادہ عرصہ اسے اجرت پر دیا تو اجارہ صحیح نہ ہوگا اور تمام مدت میں فسخ ہو جائے گا۔ کیونکہ عقد جب بعض میں فاسد ہو جائے تو تمام میں فاسد ہو جائے گا، ''فتاویٰ قاری الہدایہ''۔ مصنف نے اسے اس پر ترجیح دی ہے جو ''انفع المسائل'' میں ہے۔

ظاہر یہ ہے اگر متولی کو اس کی اجازت ہو تو یہ صحیح ہوگا۔ فافہم

29358۔ (قولہ: قُلْتُ الخ) اس وقت حیلہ یہ ہے کہ حنبلی اس کا فیصلہ کرے جس طرح ہمارے زمانہ میں ہوتا ہے۔

29359۔ (قولہ: وَسَيَجِيءُ مَتْنًا) میں نے اسے متن میں نہیں دیکھا ہاں شرح میں ایک صفحہ کے آئے گا۔

29360۔ (قولہ: وَتُفْسَخُ فِي كُلِّ الْمُدَّةِ) یعنی تمام مدت میں یہ منسوخ ہو جائے گا نہ صرف زائد مدت میں فسخ ہوگا۔

29361۔ (قولہ: لِأَنَّ الْعَقْدَ الخ) یہ وہ ہے جسے ''الخانیہ'' میں ظاہر روایت قرار دیا ہے۔

''المنح'' میں کہا: ''فتاویٰ قاضی خان'' میں ہے: ولی جب یتیم کی زمین کو اجرت پر دے یا یتیم کے مال سے یتیم کے لیے زمین طویل اجارہ پر لے جس کو تین سال کا عنوان دے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اس طرح صغیر کے باپ اور وقف کے متولی کا معاملہ ہے۔ کیونکہ اس میں رسم یہ ہے کہ اجارہ کے مال میں سے تھوڑی سی شے کو پہلے سالوں کے مقابلہ میں اور زیادہ مال کو آخری سال کے مقابلہ میں رکھے اگر اجارہ یتیم کی زمین یا وقف کے لیے ہو تو پہلے سالوں کے لیے صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ اجرت مثلی سے کم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر اس نے یتیم کی زمین اجرت پر لی یا وقف کی زمین اجرت پر لی تو آخری سال میں اجرت مثلی سے زیادہ کے ساتھ اجارہ ہوگا تو یہ صحیح نہ ہوگا۔ جب دونوں صورتوں میں بعض میں اجارہ فاسد ہو گیا تو کیا اس صورت میں صحیح ہوگا جس میں یتیم کے لیے خیر کا باعث ہو؟ اور وہ علما جو اجارہ طویلہ کو ایک عقد قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک وقف کی زمین کا اجارہ صحیح نہیں ہوتا۔ اور جو اسے کئی عقود بناتے ہیں ان کے نزدیک وہ صحیح ہوگا جب وہ یتیم کے لیے خیر ہو اور جو اس کے لیے شر ہو اس میں صحیح نہیں ہوتا۔ ظاہر روایت یہ ہے کہ سب میں اجارہ فاسد ہے۔ ان کا قول ثلاث سنین ظاہر یہ ہے کہ مراد عقود ہیں ہر عقد تین سال کا ہو جس پر کلام کا اول اور آخر دلالت کرتا ہے۔ فتامل

29362۔ (قولہ: وَرَجَّحَهُ الْمُصَنِّفُ عَلَى مَا فِي أَنْفَعِ الْوَسَائِلِ) کہ جاگیر وغیرہ میں تین سالوں سے زائد میں اجارہ فاسد ہو جاتا ہے اور دوسری چیزوں میں ایک سال سے زائد میں اجارہ فاسد ہو جاتا ہے خواہ وہ ایک عقد ہو جو مذکورہ سے زائد ہو یا وہ متفرق عقود ہوں یہاں تک کہ اگر وہ جاگیر میں چار سال کے لیے مثلاً ایک عقد کے ساتھ عقد کرے یا زیادہ عرصہ

وَأَفَادَ فَسَادَ مَا يَقَعُ كَثِيرًا مِنْ أَخْذِ كَرْمِ الْوَقْفِ أَوِ الْيَتِيمِ مُسَاقَاةً، فَيَسْتَأْجِرُ أَرْضَهُ الْخَالِيَةَ مِنَ الْأَشْجَارِ بِمَبْلَغٍ كَثِيرٍ، وَيُسَاقِي عَلَى أَشْجَارِهَا
یہ قول اس امر کے فاسد ہونے کا فائدہ دیتا ہے جو یہاں اکثر واقع ہوتا ہے کہ وقف یا یتیم کی بیلیں مساقاۃ پر لی جاتی ہیں پس وہ درختوں سے خالی زمین مبلغ کثیر پر اجرت پر لیتا ہے اور ہزار حصوں میں سے ایک حصہ کے عوض

کے لیے عقد کرے تو تین سالوں کے لیے اجارہ صحیح ہو جائے گا اور باقی ماندہ میں فسخ ہو جائے گا۔ کیا اس فسخ کے لیے نگران کے مطالبہ کی ضرورت ہوگی یا زائد مدت کے داخل ہونے کے ساتھ اجارہ فسخ ہو جائے گا؟ ظاہر پہلا قول ہے۔ اس کی مکمل بحث ''انفع الوسائل'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''شرح البیری'' میں ''خزانۃ الاکمل'' سے مروی ہے: ایک آدمی نے وقف شدہ کمرہ ایک قفیز گندم کے بدلے میں اجرت پر لیا تو یہ اجارہ باطل ہوگا مگر پہلے سال میں باطل نہیں ہوگا۔ اس کی مثل ''تلخیص الکبریٰ'' میں ہے جب کہ یہ ''ابوجعفر'' کی طرف منسوب ہے۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ مطالبہ کے بغیر عقد باطل ہو جائے گا۔

29363۔ (قولہ: أَفَادَ) مصنف نے یہ بیان کیا جب کہ ''الخانیہ'' کی عبارت کے بعد کہا: میں کہتا ہوں: اس سے اس کا فساد مستفاد ہوتا ہے جو واقع ہوگا۔ الخ

29364۔ (قولہ: فَيَسْتَأْجِرُ أَرْضَهُ الْخَالِيَةَ) یعنی سفیدہ زمین درختوں کے بغیر اجرت پر لیتا ہے۔ درختوں کو اجرت پر لینا صحیح نہیں کیونکہ یہ گزر چکا ہے کہ یہ منفعت کی تملیک ہے۔ اگر قصداً عین کے ہلاک کرنے پر اجارہ واقع ہو تو یہ اجارہ باطل ہو جائے گا۔ ''رملی'' نے کہا: اجارۃ الظئر میں عنقریب آئے گا کہ اجارہ کا عقد اعیان کے ارادۃً ہلاک کرنے پر ہوتا ہے۔ جس طرح ایک آدمی گائے کو اجرت پر لے تاکہ اس کا دودھ پیے تو یہ صحیح نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ باغ اجرت پر لے تاکہ اس کا پھل کھائے۔ کہا: اس سے ان زمینوں اور دیہاتوں، جو مزارعین کے قبضہ میں ہوتی ہیں کے اجارات کا حکم معلوم ہو جاتا ہے وہ اجارات اس لیے کرتے ہیں تاکہ ان کا خراج مقاسم کھائیں ان کے باطل ہونے میں کوئی شک نہیں جب کہ صورتحال یہ ہو۔ میں نے اس بارے میں بار بار فتویٰ دیا۔

29365۔ (قولہ: بِمَبْلَغٍ كَثِيرٍ) یعنی اتنی مقدار کے عوض جو زمین کی اجرت اور پھلوں کی ثمن کے برابر ہو جائے۔

29366۔ (قولہ: وَيُسَاقِي عَلَى أَشْجَارِهَا) یعنی عقد اجارہ سے پہلے ورنہ اب زمین کا اجارہ ہوگا جو درختوں سے مشغول ہے۔ پس وہ صحیح نہ ہوگا جس طرح عنقریب آئے گا۔ ''بزازیہ'' کے مسائل شیوع میں ہے: ایک آدمی نے زمین اجرت پر لی جس میں درخت ہوں یا اس نے زمین زراعت کے لیے لی جس میں درخت ہیں اگر وہ اس زمین کے وسط میں ہیں تو یہ جائز نہیں ہوگا مگر جب درمیان میں دو چھوٹے درخت ہوں جن پر ایک سال یا دو سال گزر چکے ہوں بڑے نہ ہوں۔ کیونکہ دونوں کے پتے اور سایہ زمین کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور چھوٹے درختوں کی جڑیں نہیں ہوتیں اگر وہ درخت زمین کی ایک جانب ہوں جیسے مسناۃ اور حد اول وغیرہ تو عقد جائز ہوگا۔ کیونکہ ایسے درخت خلل کا باعث نہیں ہوتے۔

بِسَهْمٍ مِنْ أَلْفِ سَهْمٍ، فَالْحَظُّ ظَاهِرٌ فِي الْإِجَارَةِ لَا فِي الْمُسَاقَاةِ فَمُفَادُهُ فَسَادُ الْمُسَاقَاةِ بِالْأَوْلَى؛ لِأَنَّ كُلًّا مِنْهُمَا عَقْدٌ عَلَى حِدَةٍ قُلْتُ وَقَيَّدُوا سِرَايَةَ الْفَسَادِ فِي بَابِ الْبَيْعِ الْفَاسِدِ بِالْفَاسِدِ الْقَوِيِّ الْمُجْمَعِ عَلَيْهِ فَيَسْرِي كَجَمْعٍ بَيْنَ حُرٍّ وَعَبْدٍ، بِخِلَافِ الضَّعِيفِ فَيَقْتَصِرُ عَلَى مَحَلِّهِ وَلَا يَتَعَدَّاهُ كَجَمْعٍ بَيْنَ عَبْدٍ وَمُدَبَّرٍ فَتَدَبَّرْ،

اس کے درخت مساقات پر دیتا ہے تو حصہ اجارہ میں ظاہر ہے مساقات میں ظاہر نہیں تو اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مساقات بدرجہ اولیٰ فاسد ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک علیحدہ عقد ہے۔ میں کہتا ہوں: علماء نے باب بیع فاسد میں فساد کے سرایت کرنے میں قوی فاسد کی قید لگائی ہے جس پر سب کا اجماع ہو پس وہ فساد سرایت کرے گا جس طرح آزاد اور غلام کو جمع کرنا۔ ضعیف کا معاملہ مختلف ہے۔ پس یہ فساد اپنے محل تک محدود رہے گا اور اس سے تجاوز نہیں کرے گا جس طرح غلام اور مدبر کو جمع کرنا پس اس پر تدبر کیجئے۔

29367۔(قولہ: بِسَهْمٍ) یعنی یتیم یا وقف کو ایک حصہ دیا جائے اور باقی سب عامل کا۔

29368۔(قولہ: فَمُفَادُهُ) یعنی ان کا قول فتنفسخ فی کل المدۃ جو گزر چکا ہے سے یہ مستفاد ہوتا ہے ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مصنف نے ''الخانیہ'' کے کلام سے استفادہ کیا ہے۔ شارح نے اس سے جو استفادہ کیا ہے اس کا وہی معنی ہے۔ فافہم

29369۔(قولہ: بِالْأَوْلَى) اولویت کی وجہ یہ ہے کہ جب تمام مدت فاسد ہو جائے جب کہ وہ عقد ایسی چیز پر مشتمل ہو جو یتیم کے لیے بہترین ہے اور جو اس کیلئے شر ہو۔ پس ایسے مستقل عقد کا فساد جو یتیم کے لیے محض شر ہے وہ فساد میں اولیٰ ہے۔

پھر یہ جان لو جب مساقات فاسد ہے تو زمین مشغول رہی تو اجارہ کا فساد بھی لازم ہوگا اگر چہ اس میں حصہ اور مصلحت ظاہر ہوں پس اس دقیقہ پر متنبہ ہو جایئے۔

''فتاوی حانوتی'' میں ہے: اجارہ میں سفیدہ زمین پر نص یہ اجارہ کی صحت کا فائدہ نہیں دیتی۔ کیونکہ عقد اجارہ عقد مساقات پر مقدم ہے۔ مگر جب عقد مساقات اپنی شروط کے ساتھ متقدم ہو تو اجارہ صحیح ہوگا جس طرح ''بزازیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ جب اجارہ فاسد ہو جائے تو اجرت وقف کی جہت سے غیر لازم ہوگی جو لازم ہے وہ پھل ہے۔ جب مساقات فاسد ہو گئی۔ کیونکہ مساقات جہت وقف کی وجہ سے تھوڑے سے جز کے ساتھ ہے تو عامل کے لیے اجرت مثلی ہوگا۔ یہ وقف کی طرف نسبت کے اعتبار سے ہے۔ جہاں تک مالک کی مساقات کا تعلق ہے تو اس میں مصلحت کی طرف نہیں دیکھا جائے گا جس طرح اگر وہ اجرت مثلی کے بغیر دی جائے۔ ملخص۔ اس میں اس کی تصریح ہے جو مصنف نے مستفاد کیا ہے اور جس پر ہم نے متنبہ کیا ہے۔ فلیحفظ

29370۔(قولہ: قُلْتُ الخ) یہ اس کی تائید ہے جو ''انفع المسائل'' میں ہے۔ ''ح''۔

29371۔(قولہ: فَتَدَبَّرْ) اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ اس کا مقتضا یہ ہے کہ صرف قدر زائد میں فاسد ہو۔ کیونکہ اس

وَجَعَلُوهُ أَيْضًا مِنَ الْفَسَادِ الطَّارِئِ فَتَنَبَّهْ وَمِنْ حَوَادِثِ الرُّومِ وَصِيُّ زَيْدٍ بَاعَ ضَيْعَةً مِنْ تَرِكَتِهِ لِدَيْنٍ عَلَى أَنَّهَا مِلْكُهُ ثُمَّ ظَهَرَ أَنَّ بَعْضَهَا وَقْفُ مَسْجِدٍ هَلْ يَصِحُّ الْبَيْعُ فِي الْبَاقِي؟ أَجَابَ فَرِيقٌ بِنَعَمْ وَفَرِيقٌ بِلَا، وَأَلَّفَ بَعْضُهُمْ رِسَالَةً مُلَخَّصُهَا تَرْجِيحُ الْأَوَّلِ فَتَأَمَّلْ وَفِي جَوَاهِرِ الْفَتَاوَى

علماء نے اسے بھی فساد طاری میں سے بنایا ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ روم کے حوادث میں سے یہ ہے: زید کے وصی نے دین کے لیے اس کے ترکہ میں سے زمین بیچی اس شرط پر کہ زمین اس کی ملکیت ہے۔ پھر یہ امر ظاہر ہوا کہ اس زمین کا بعض مسجد کا وقف ہے کیا باقی ماندہ میں بیع صحیح ہو جائے گی۔ ایک فریق نے جواب دیا۔ ہاں۔ دوسرا فریق نے جواب دیا: نہیں۔ علما میں سے بعض نے ایک رسالہ تالیف کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے قول کو راجح قرار دیا ہے۔ فتامل۔ ''جواہر الفتاویٰ'' میں ہے:

نے ایک عقد میں جائز اور فاسد کو جمع کر دیا ہے اور فساد قوی نہیں۔ کیونکہ اس پر اتفاق نہیں پس وہ سرایت نہیں کرے گا۔ کیونکہ متقدمین نے اسے کسی مدت کے ساتھ مقدر نہیں کیا۔

29372۔ (قولہ: وَجَعَلُوهُ أَيْضًا مِنَ الْفَسَادِ الطَّارِئِ) یہ دوسری تقویت ہے یعنی وہ فساد سرایت نہیں کرے گا اور اس میں کہ یہ فساد طاری ہو۔ تامل۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: شاید اس کے طاری ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ساعت بساعت واقع ہوتا ہے۔

29373۔ (قولہ: فَتَنَبَّهْ) شاید اس لفظ کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا ہے جو ہم نے کہا ہے۔

29374۔ (قولہ: وَمِنْ حَوَادِثِ الرُّومِ) یہ ایک اور تقویت ہے: کیونکہ بیع اجارہ سے اقوی ہے۔ ملک اور وقف میں ایک عقد کے ساتھ صادر ہوا ہے اور ملک میں صحیح ہے۔ ''ط''۔

29375۔ (قولہ: لِدَيْنٍ) یعنی اس دین کے لیے جو زید پر واقع ہے جو زید مر چکا ہے۔

29376۔ (قولہ: عَلَى أَنَّهَا مِلْكُهُ) یعنی یہ اس امر پر مبنی ہے کہ یہ سب زید کی ملکیت ہے جو زید فوت ہو چکا ہے۔

29377۔ (قولہ: مُلَخَّصُهَا تَرْجِيحُ الْأَوَّلِ) ہم پہلے باب بیع الفاسد میں ''النہر'' سے قول: بخلاف بیع قن ضم الی مدبر کے ہاں ذکر کر چکے ہیں جو اس کی تائید کرتا ہے۔

29378۔ (قولہ: فَتَأَمَّلْ) اس کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ اجارہ اسی طرح زائد کے علاوہ میں صحیح ہے بلکہ بدرجہ اولیٰ صحیح ہوتا ہے۔ اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے۔

29379۔ (قولہ: فِي جَوَاهِرِ الْفَتَاوَى الخ) یہ احتمال موجود ہے کہ اس قول: ولو قضی قاض بصحتها یجوز کے ساتھ چوتھی تائید ہو۔ یعنی اگر قاضی اس کے صحیح ہونے کا فیصلہ کر دے تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ یہ قول فائدہ دیتا ہے کہ انہوں نے غلام اور مدبر میں جمع کی مثال دی ہے آزاد اور غلام کو جمع کرنے کی مثال نہیں دی۔ پس یہ پہلی تائید کی تائید ہوگی۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ اس تائید میں شروع ہو رہے ہیں پس جسے مصنف نے اختیار کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے عدم صحت کو مطلق ذکر کیا ہے۔ پس

آجَرَ ضَيْعَةً وَقْفًا ثَلَاثَ سِنِينَ وَكَتَبَ فِي الصَّكِّ أَنَّهُ أَجَرَ ثَلَاثِينَ عَقْدًا كُلُّ عَقْدٍ عَقِيبَ الْآخَرِ لَا تَصِحُّ الْإِجَارَةُ وَهُوَ الصَّحِيحُ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى صِيَانَةً لِلْأَوْقَافِ ثُمَّ قَالَ وَلَوْ قَضَى قَاضٍ بِصِحَّتِهَا تَجُوزُ وَيَرْتَفِعُ الْخِلَافُ قُلْتُ وَسَيَجِيءُ أَنَّ الْمُتَوَلِّيَ وَالْوَصِيَّ لَوْ آجَرَ بِدُونِ أُجْرَةٍ يَلْزَمُ الْمُسْتَأْجِرَ تَمَامُ أَجْرِ الْمِثْلِ وَأَنَّهُ يَعْمَلُ بِالْأَنْفَعِ لِلْوَقْفِ وَفِي صُلْحِ الْخَانِيَّةِ

اس نے وقف زمین تین سال کے لیے اجرت پر دی اور دستاویز میں یہ لکھا کہ اس نے تیس عقد کے ساتھ اجرت پر دی ہے ہر عقد دوسرے کے بعد ہوگا تو یہ اجارہ صحیح نہ ہوگا۔ یہی قول صحیح ہے اسی پر فتویٰ ہے تا کہ اوقاف کی حفاظت ہو سکے۔ پھر کہا: اگر قاضی نے اس کی صحت کا فیصلہ کیا تو یہ جائز ہو جائے گا اور اختلاف ختم ہو جائے گا۔ میں کہتا ہوں: اور عنقریب یہ آئے گا کہ متولی اور وصی اگر اجرت کے بغیر اجارہ کرے تو مستاجر پر مکمل اجرت مثلی لازم ہوگی اور اس پر عمل کیا جائے گا جو وقف کے لیے زیادہ نافع ہو، ''الخانیہ'' کے کتاب الصلح میں ہے:

یہ تمام عقود کو جامع ہے جب کہ پہلا عقد ناجز ہے اور عقد کا صحیح نہ ہونا کلام کا ظاہر بھی ہے۔ اس کی وجہ جس طرح ''ولوالجیہ'' میں ہے کہ یہ عقد صورت میں ایک عقد ہے اگرچہ معنی کے اعتبار سے کئی عقود ہیں۔ ان میں سے بعض فی الحال منعقد ہو جاتے ہیں اور ان میں سے بعض زمانہ مستقبل کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔

29380۔(قولہ: ثَلَاثَ سِنِينَ) صحیح ثلاثین سنة ہے جس طرح ''المنح'' وغیرہا میں ہے۔ بعض نسخوں میں اس طرح تصحیح شدہ دیکھا ہے۔

29381۔(قولہ: صِيَانَةً لِلْأَوْقَافِ) کہیں ایسا نہ ہو کہ مدت کے لمبا ہونے کی وجہ سے وہ ملکیت کا دعویٰ ہی نہ کر دے ورنہ وجہ پہلے عقد کے صحیح ہونے کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ وہ حتمی ہے اور اس کا مابعد زمانہ کی طرف منسوب ہے۔ اس کے لزوم میں دو تصحیحیں ہیں جس طرح ہم پہلے اسے بیان کر چکے ہیں۔ لیکن اسے اسی وجہ سے ایک عقد اعتبار کیا گیا ہے جس طرح گزر چکا ہے۔ اسی وجہ سے متاخرین نے اس کا عرصہ سال یا تین سال مقدر کیا ہے جو متقدمین کے مذہب کے خلاف ہے۔

29382۔(قولہ: وَلَوْ قَضَى قَاضٍ الخ) یعنی اس مال میں فیصلہ کرے کہ وہ قضا کی تمام شرائط پوری کرنے والا ہو لیکن یہ حنفی قاضی کے علاوہ میں ہے۔ جہاں تک ہمارے زمانہ کے قضاۃ کا تعلق ہے تو وہ مذہب کے معتمد قول کے مطابق فیصلہ کرنے پر مامور ہیں پس وہ صحیح نہ ہوگا۔

29383۔(قولہ: قُلْتُ وَسَيَجِيءُ) یعنی اس باب کے اواخر میں یہ بھی اس قول کی تائید ہے جسے مصنف نے ترجیح دی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے جب فساد کے سرایت کرنے اور سرایت نہ کرنے میں آراء مختلف ہوں تو جو وقف کے لیے زیادہ نفع کا باعث ہوگا اسے راجح قرار دیا جائے گا۔ وہ فساد کا سرایت کرنا ہے تا کہ ایک دفعہ پھر اس عقد پر مقدم نہ کیا جائے۔

29384۔(قولہ: وَفِي صُلْحِ الْخَانِيَّةِ) مصنف نے ''المنح'' میں اس کی تائید میں اسے ذکر کیا ہے جسے ترجیح دی ہے

مَتَى فَسَدَ الْعَقْدُ فِي الْبَعْضِ بِمُفْسِدٍ مُقَارِنٍ يَفْسُدُ فِي الْكُلِّ (وَ) يُعْلَمُ النَّفْعُ أَيْضًا بِبَيَانِ (الْعَمَلِ كَالصِّيَاغَةِ وَالصَّبْغِ وَالْخِيَاطَةِ) بِمَا يَرْفَعُ الْجَهَالَةَ، فَيُشْتَرَطُ فِي اسْتِئْجَارِ الدَّابَّةِ لِلرُّكُوبِ بَيَانُ الْوَقْتِ أَوْ الْمَوْضِعِ، فَلَوْ خَلَا عَنْهُمَا فَهِيَ فَاسِدَةٌ بَزَّازِيَّةٌ (وَ) يُعْلَمُ أَيْضًا

جب بعض صورتوں میں عقد ایسے مفسد کے ساتھ فاسد ہو جائے جو مقارن ہو تو کل میں عقد فاسد ہو جائے گا۔ عمل کے بیان کرنے سے بھی نفع معلوم ہو جاتا ہے جس طرح زیور بنانا، رنگنا اور کپڑا سینا جو جہالت کو ختم کر دے جب کوئی جانور سواری کے لیے لیا جائے تو وقت کو بیان کرنا اور جگہ کو بیان کرنا شرط ہے۔ اگر وہ ان دونوں حالتوں سے خالی ہو تو یہ اجارہ فاسد ہو گا'' بزازیہ''۔ اور اشارہ سے بھی یہ معلوم

لیکن ''الخانیہ'' میں جو قول ہے وہ اس بارے میں ہے کہ زوج اپنے حصہ کے بارے میں صلح کرے کہ دین میں سے اس کا حصہ وارثوں کے لیے ہو اور اس بارے میں ذکر کیا ہے کہ یہ ہمارے مسئلہ کو جامع ہے، تامل۔ کیونکہ یہ بات گزر چکی ہے کہ انہوں نے فساد طاری میں سے بنایا ہے اور جو ''الخانیہ'' میں سے ہے اسے فساد مقارن میں سے بنایا ہے۔ وہاں ہم نے ''الخانیہ'' سے جو پہلے ان کا قول نقل کیا ہے: والظاهر هو الفساد فی الکل وہ اس کی ترجیح کا فائدہ دیتا ہے اور تو یہ جان چکا ہے جو ''جواہر الفتاویٰ'' سے گزرا ہے کہ اجارہ طویلہ صحیح نہیں جب وہ کئی عقود پر مشتمل ہو جب کہ پہلا عقد نافذ ہوتا ہے تو تیرا اس عقد کے بارے میں کیا گمان ہوگا جب وہ لفظ اور معنی کے اعتبار سے ایک عقد ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ اس پر اعتماد کیا جائے جسے مصنف نے ترجیح دی ہے یعنی جو ''قاری الہدایہ'' کی کلام ہے۔ کیونکہ اس کی سند قوی ہے اور وہ وہی ہے جو ''الخانیہ'' اور ''جواہر الفتاویٰ'' میں ہے۔ یہ وہ امر ہے جو اس فہم قاصر کے لیے ظاہر ہوا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

29385۔ (قولہ: بِمَا يَرْفَعُ الْجَهَالَةَ) ضروری ہے کہ وہ اس کپڑے کو معین کرے جسے رنگ کیا جانا ہے اور رنگ کا نام جیسے سرخ وغیرہ اور رنگنے کی مقدار جب وہ مختلف ہو جاتا ہے۔

''المحیط'' میں ہے: اگر ایک آدمی نے دس کپڑے دھونے کے لیے اجرت پر رکھا اور اجیر نے ان کپڑوں کو نہ دیکھا تو اجارہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ کپڑے کے موٹا ہونے اور اس کے باریک ہونے سے یہ عمل مختلف ہو جاتا ہے ''البحر'' میں اسے ذکر کیا ہے۔

29386۔ (قولہ: بَيَانُ الْوَقْتِ أَوْ الْمَوْضِعِ) ''بزازیہ'' میں کہا: ایک آدمی نے ایک جانور اجرت پر لیا تا کہ اس پر سوار ہو کر الوداع کہے یا حاجیوں کا استقبال کرے جب تک وقت یا جگہ کا ذکر نہ کرے تو وہ صحیح نہ ہوگا۔ اس میں ہے: ایک آدمی نے اسے کوفہ سے لے کر حیرہ تک اجرت پر لیا اس جانور پر اپنی منزل تک پہنچے اور اپنی منزل سے اس پر سوار ہوگا۔ اس طرح سامان اٹھانے کا معاملہ ہے۔ اس میں ہے: ایک آدمی نے ایک مزدور اجرت پر لیا تا کہ وہ ایک دن اس کے لیے کام کرے تو معمول کے مطابق سورج کے طلوع سے شروع کرے گا۔

29387۔ (قولہ: فَهِيَ فَاسِدَةٌ) یعنی اجرت مثلی واجب نہ ہوگی مگر حقیقی طور پر نفع حاصل کرنے سے'' ط''۔

(بِالْإِشَارَةِ كَنَقْلِ هٰذَا الطَّعَامِ إِلَى كَذَا وَ) اعْلَمْ أَنَّ (الْأَجْرَ لَا يَلْزَمُ بِالْعَقْدِ فَلَا يَجِبُ تَسْلِيمُهُ) بِهِ (بَلْ بِتَعْجِيلِهِ أَوْ شَرْطِهِ فِي الْإِجَارَةِ) الْمُنَجَّزَةِ،

ہو جاتا ہے جس طرح اس کھانے کو فلاں جگہ تک منتقل کرنا۔ یہ جان لو کہ اجر عقد سے لازم نہیں ہوتا پس اس کا سپرد کرنا واجب نہیں بلکہ اس کی تعجیل کے ساتھ بھی لازم آجاتا ہے یا وہ اجارہ منجزہ میں اس کی شرط لگائے۔

29388۔(قولہ: بِالْإِشَارَةِ الخ) کیونکہ جب منقولہ چیز اور وہ مکان جس کی طرف سامان لے جانا ہے اس کا علم ہو جائے تو منفعت معلوم ہو جائے گی۔ یہ نوع پہلی نوع سے قریب ہے۔ ''زیلعی''۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ اشارہ نے صرف مقدار کے بیان کرنے سے غنی کر دیا ہے۔

29389۔(قولہ: لَا يَلْزَمُ بِالْعَقْدِ) یعنی اس عقد کے ساتھ وہ مالک نہیں ہو جاتا جس طرح ''الکنز'' میں تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ عقد منفعت پر واقع ہوا ہے اور منفعت تھوڑی تھوڑی پیدا ہوتی ہے۔ بدل کی شان یہ ہے کہ مبدل کے مقابل ہو۔ جب اس کا فی الحال وصول کرنا ممکن نہ ہو تو اس کا بدل فی الحال لازم نہ ہوگا۔ مگر جب وہ اس کی شرط لگائے اگرچہ حکماً ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس میں تعجیل کرے۔ کیونکہ اس وقت وہ اسے اپنے لیے لازم کرنے والا ہوگا اور اس نے اس مساوات کو باطل کر دیا جس کا عقد نے تقاضا کیا پس یہ صحیح ہے۔

29390۔(قولہ: بَلْ بِتَعْجِيلِهِ) ''العتابیہ'' میں ہے: جب اس نے اجرت پہلے دے دی تو وہ اس کو واپس لوٹانے کا مالک نہیں اگر وہ اجرت عینی چیز ہو اور اس نے اعارہ پر دے دی یا رب الدار نے اسے ودیعت رکھ دیا تو یہ تعجیل کی طرح ہے۔ ''المحیط'' میں ہے: اگر اس نے ایسی چیز ایسی اجرت کے بدلے میں بیچ دی جو عینی چیز ہے اور اس پر قبضہ کر لیا تو یہ جائز ہو گا۔ کیونکہ یہ تعجیل اجرت کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے۔ ''طوری''۔

29391۔(قولہ: أَوْ شَرْطِهِ) یا شرط لگائی ہو تو اسے اس اجرت کے مطالبہ کا حق ہوگا اور مستاجر علیہا اور عین موجرہ کو محبوس کرنے کا اسے حق ہوگا اور اسے فسخ کا حق ہوگا اگر مستاجر نے اسے پہلے ادا نہ کی ہو۔ ''المحیط'' میں یہ اسی طرح ہے۔ لیکن اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اسے بیچنے کا حق نہیں ہوگا۔ ''بحر''۔ اس میں غور کیجئے کہ یہ شرط کیسے جائز ہے ساتھ ہی عقد کے مقتضا کے خلاف ہے اور اس میں دونوں میں سے ایک کا نفع ہے۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: حقیقت میں یہ اس مساوات کا اسقاط ہے جس مساوات کا وہ مستحق تھا جس کا عقد نے تقاضا کیا تھا۔ پس وہ اس مشتری کی طرح ہے جو بیع میں سلامتی کے وصف میں اپنے حق کو ساقط کرنے والا ہے بائع کا ثمن کو پہلے وصول کرنے کا حق کو ساقط کرنا اس طرح کہ مشتری سے لینے میں اسے موخر کیا ہو جب کہ عقد نے سلامتی کا تقاضا کیا اور بیع پر قبضہ سے پہلے ثمن پر قبضہ کرنے کا تقاضا کیا تھا۔ تامل

أَمَّا الْمُضَافَةُ فَلَا تُمْلَكُ فِيهَا الْأُجْرَةُ بِشَرْطِ التَّعْجِيلِ إِجْمَاعًا وَقِيلَ تُجْعَلُ عُقُودًا فِي كُلِّ الْأَحْكَامِ فَيُفْتَى بِرِوَايَةِ تَمَلُّكِهَا بِشَرْطِ التَّعْجِيلِ لِلْحَاجَةِ شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ لِلشُّرُنْبُلَالِيِّ

جہاں تک ایسا اجارہ جو علانیہ منسوب ہوتو بالا جماع تعجیل کی شرط کے ساتھ اس میں اجرت کا مالک نہیں ہوا جاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام احکام میں اجارہ مضافہ کو عقود بنایا جائے گا تو حاجت کی بنا پر شرط تعجیل سے اجرت کے مالک ہونے کا فتویٰ دیا جائے گا ''شرح وہبانیہ'' للشرنبلالی۔

اجارہ مضافہ کا حکم

29392۔ (قولہ: أَمَّا الْمُضَافَةُ الخ) پس یہ شرط باطل ہوگی اور فی الحال کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ اس میں اجرت کے وجوب کا ممتنع ہونا مستقبل کی طرف اضافت کی تصریح کے ساتھ ہے۔ اور جو کسی وقت کی طرف مضاف ہو وہ اس وقت سے پہلے موجود نہیں ہوتا۔ پس وہ شرط کے ساتھ اس معنی سے متغیر نہیں ہوگا۔ منجزہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ عقد نے مساوات کا تقاضا کیا اور وہ صریحا نہیں پس تصریح کے ساتھ جس مخالف سمت کا تقاضا کیا تھا وہ باطل ہو جائے گا۔ ''زیلعی''، ملخص۔

29393۔ (قولہ: وَقِيلَ تُجْعَلُ عُقُودًا الخ) یہ کلام اس کے بارے میں ہے جو طویل عرصہ کی طرف منسوب ہو یہ وہی ہے جسے شارح نے پہلے ''جواہر الفتاویٰ'' سے نقل کیا ہے۔ اس کی ایک اور صورت بھی ہے۔ وہ یہ ہے: ایک آدمی اسے تیس سال کے لیے پے درپے عقود کے ساتھ اجرت پر دے مگر ہر سال کے آخر کے تین دن اس اجارہ میں شامل نہ ہوں اور آخری سال کی اجرت زیادہ رکھی جائے اور باقی ماقبل کے مطابق رکھی جائے۔ جہاں تک دونوں کی استثنا کا تعلق ہے تو دونوں میں سے ہر ایک اس کے فسخ کرنے پر قادر ہوتا ہے آخری کے علاوہ میں قلیل اجرت کا رکھنا اس لیے ہے تا کہ موجر ان دنوں میں اجارہ کو فسخ نہ کردے۔ اگر دونوں فسخ سے امن میں ہوں تو وہ قیود لازم نہ ہوں گی۔ یہ اس پر مبنی ہے کہ زمانہ کی طرف منسوب اجارہ لازم ہوتا ہے۔ جب نگران پہلے اجرت لینے کی ضرورت محسوس کرے تو اسی طرح عقد کرلے۔ لیکن اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ اسے ایک عقد اعتبار کیا گیا تو ایک عقد میں خیار تین دنوں سے زیادہ ثابت ہونا لازم آتا ہے۔ اگر وہ کئی عقود بنیں تو اجرت پہلے ادا کرنے سے اجرت پر کوئی ملکیت حاصل نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کی شرط لگانے سے اجرت لازم ہوتی ہے کیونکہ یہ وقت کی طرف منسوب ہے پس غرض فوت ہو جاتی ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا: ''صدر شہید'' نے اسے اختیار کیا ہے کہ اجرت کی ملکیت کے حق میں اسے ایک عقد بنا دیا جائے وہ اجرت پہلے دے دی جائے یا اس کی شرط لگادی جائے اور باقی احکام میں اسے کئی عقود بنادیا جائے اور ہم ان ایام کو خیار کی مدت نہ بنائیں بلکہ عقد سے خارج کردیں۔ اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ شارح کی کلام غیر واضح ہے۔

(أَوِ الِاسْتِيفَاءِ) لِلْمَنْفَعَةِ (أَوْ تَمَكُّنِهِ مِنْهُ) إلَّا فِي ثَلَاثٍ مَذْكُورَةٍ فِي الْأَشْبَاهِ ثُمَّ فَرَّعَ عَلَى هَذَا بِقَوْلِهِ (فَيَجِبُ الْأَجْرُ

یا منفعت پوری حاصل کرنے کے ساتھ اجرت لازم ہوتی ہے یا اس سے منفعت حاصل کرنے کی قدرت پر اجرت لازم ہوتی ہے مگر ان تین چیزوں میں جو ''الاشباہ'' میں مذکور ہیں۔ پھر اس پر اپنے اس قول سے تفریع کا ذکر کیا ہے اس گھر کی اجرت واجب ہو جائے گی۔

اجارہ میں اجرت پوری منفعت حاصل کرنے یا منفعت حاصل کرنے کی قدرت پر لازم ہوتی ہے

29394۔(قولہ: أَوْ تَمَكُّنِهِ مِنْهُ) ''ہدایہ'' میں ہے: جب مستاجر گھر اپنے قبضہ میں لے لے تو اس پر اجرت لازم ہو گی اگرچہ وہ اس میں رہائش نہ رکھے۔

''النہایہ'' میں کہا ہے: یہ چیز قیود کے ساتھ مقید ہے (۱) قدرت ہونا۔ اگر مالک اسے منع کر دے یا اجنبی منع کر دے یا گھر سپرد کر دے جب کہ وہ اس کے سامان کے ساتھ مشغول ہو تو اجرت واجب نہ ہو گی۔

(۲) وہ اجارہ صحیح ہو۔ اگر فاسد ہو تو حقیقی انتفاع ضروری ہے۔

(۳) قدرت ثابت ہوتی ہے کہ وہ محل عقد میں ہو یہاں تک کہ اگر وہ اسے کوفہ کے لیے اجرت پر لے اور مدت گزرنے کے بعد وہ اسے بغداد میں حوالے کرے تو کوئی اجرت نہ ہو گی۔

یا وہ اس عرصہ میں قادر ہو۔ اگر وہ آج کے دن اسے کوفہ تک کے لیے اجرت پر لے اور آج کا دن گزرنے کے بعد وہ جانور لے جائے اور سوار نہ ہو تو اجرت واجب نہ ہو گی۔ کیونکہ وہ مدت گزرنے کے بعد اس پر قادر ہوا ہے ''طوری''۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ بہتر یہ تھا کہ قیود ذکر کی جائیں۔ پس قول: الا فی ثلاث سے استغنا نہ ہو گی جس طرح عنقریب تیرے لیے امر ظاہر ہو گا۔

29395۔(قولہ: إلَّا فِي ثَلَاثٍ) (۱) جب اجارہ فاسد ہو (۲) جب شہر سے باہر سواری کے لیے اس نے جانور اجرت پر لیا اسے اپنے پاس روکے رکھا اور اس پر سوار نہ ہوا (۳) اس نے کپڑا اجرت پر لیا ہر روز ایک دانق کے بدلے، اس کپڑے کو پہنے بغیر کئی سالوں تک روکے رکھا تو اس مدت کے بعد جس میں اس نے اگر وہ اس کپڑے کو پہنا تو وہ کپڑا پھٹ جاتا اس کے بعد کی اجرت واجب نہ ہو گی۔ اس استثنا میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ گفتگو اجارہ صحیحہ میں ہے جس طرح صریح متن ہے۔ کیونکہ اجارہ فاسدہ کو عنقریب ذکر کریں گے۔ اور کیونکہ دوسری اور تیسری صورت سے استغنا ہو جاتا ہے ان قیود کو ذکر کرنے کے ساتھ جو پہلے مسئلہ کی گزر چکی ہیں۔ کیونکہ دوسری صورت تیسری قید کے ساتھ خارج ہے۔ کیونکہ اس مکان میں قدرت نہیں جس کی طرف عقد مضاف ہے۔ اگر شہر میں سواری کے لیے وہ اسے اجرت پر لے تو معاملہ مختلف ہو گا۔ کیونکہ اس پر اسے قدرت حاصل ہے، ''اتقانی''۔ تیسری صورت اس میں اس مدت میں قدرت نہیں پائی گئی جس کا اجر ساقط ہو گیا پس یہ چوتھی کے ساتھ خارج ہو گئی۔

29396۔(قولہ: ثُمَّ فَرَّعَ عَلَى هَذَا) یعنی آخری پر تفریع کا ذکر کیا ہے انتفاع پر قادر ہونا ہے۔ ''ط''۔

لِدَارٍ قُبِضَتْ وَلَمْ تُسْكَنْ لِوُجُودِ تَمَكُّنِهِ مِنَ الِانْتِفَاعِ، وَهَذَا إذَا كَانَتْ الْإِجَارَةُ صَحِيحَةً، أَمَّا فِي الْفَاسِدَةِ فَلَا يَجِبُ الْأَجْرُ إلَّا بِحَقِيقَةِ الِانْتِفَاعِ كَمَا بَسَطَ فِي الْعِمَادِيَّةِ، وَظَاهِرُ مَا فِي الْإِسْعَافِ إخْرَاجُ الْوَقْفِ فَتَجِبُ أُجْرَتُهُ فِي الْفَاسِدِ بِالتَّمَكُّنِ كَذَا فِي الْأَشْبَاهِ قُلْتُ وَهَلْ مَالُ الْيَتِيمِ وَالْمُعَدُّ لِلِاسْتِغْلَالِ

جس گھر پر قبضہ کرلیا اور اس میں رہائش نہ رکھی۔ کیونکہ اس سے نفع حاصل کرنا ممکن تھا۔ یہ اس وقت ہے جب اجارہ صحیح ہو۔ جہاں تک اجارہ فاسدہ کا تعلق ہے تو اجرت حقیقی انتفاع سے واجب ہوتی ہے جس طرح ''عمادیہ'' میں بیان کیا ہے۔ ''الاسعاف'' میں جو قول ہے اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ وقف کو اس سے خارج کیا جائے پس قدرت کے ساتھ اجارہ فاسدہ میں اس کی اجرت واجب ہوگی۔ ''الاشباہ'' میں اسی طرح ہے۔ میں کہتا ہوں: یتیم کا مال، جو چیز کرایہ وغیرہ کے لیے تیار کی جائے گی

29397_(قولہ: لِدَارٍ قُبِضَتْ) یعنی موانع سے خالی ہو۔

اجارہ فاسدہ میں اجرت حقیقی انتفاع سے واجب ہوتی ہے

29398_(قولہ: إلَّا بِحَقِيقَةِ الِانْتِفَاعِ) یعنی جب آجر کی جہت سے مستاجر کو سپرد کرنا پایا گیا مگر جب اس کی جہت سے سپرد کرنا نہ پایا گیا تو کوئی اجر نہیں ہوگا اگرچہ وہ منفعت پوری پوری وصول کرلے۔ ''اتقانی''۔

یہ جان لو کہ اجارہ فاسدہ میں واجب اجر مختلف ہے۔ بعض اوقات مسمی ہوتا ہے، بعض اوقات سے اجر مثل ہوتا ہے وہ جہاں تک پہنچے، بعض اوقات وہ مسمی سے متجاوز نہیں ہوتا۔ اس کی وضاحت اس کے باب میں آئے گی۔

29399_(قولہ: وَظَاهِرُ مَا فِي الْإِسْعَافِ) کیونکہ اس نے کہا: اگر اس نے زمین یا گھر جو وقف تھا اجارہ فاسدہ پر لیا اس نے اس میں سکونت اختیار کی یا اس میں فصل کاشت کی تو اس پر اجرت مثلی لازم ہوگی ورنہ کوئی چیز لازم نہ ہوگی۔ یہ متقدمین کے قول کے مطابق ہے۔ ''المنح'' میں کہا: ہمارے آقا صاحب ''البحر'' نے اس کے مفہوم کو اپنایا ہے جس کا ذکر کیا۔ کیونکہ یہ متاخرین کے قول کے مطابق اجر کے لزوم کا فائدہ دیتا ہے۔ یہ امر ظاہر ہے۔

جب تو نے یہ جان لیا تو تیرے لیے یہ امر ظاہر ہوگیا کہ ''منلا خسرو'' نے تقیید کے محل میں مطلق کلام کی ہے۔ اور یہ امر تجھ پر مخفی نہیں کہ یہ اس کے متن پر بھی واقع ہوگا۔ علامہ ''بیری'' نے اس پر اعتراض کیا ہے۔ تو کہا: ہم نے مسئلہ میں متاخرین کی کوئی کلام نہیں دیکھی۔ ہم نے ''ناصحی'' کے کتاب الوقف میں یہ دیکھا ہے: اگر اجارہ فاسد ہو پس مستاجر نے اس پر قبضہ کرلیا اور زمین میں فصل کاشت نہ کی یا گھر میں رہائش نہ رکھی تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی۔ پھر اس نے کہا: اس سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ وقف چیز کو فاسد اجارہ کے ساتھ لینے والا غاصب شمار نہیں ہوتا اگر وہ اس سے نفع حاصل نہ کرے تو اس پر اجر واجب نہ ہوگا۔ پھر ''الاجناس'' سے تصریح نقل کی گئی ہے کہ اجرت صرف اور صرف اس وقت واجب ہوگی جب وہ حقیقی طور پر منافع لے لے۔ کہا: موجر اس پر راضی ہوا ہے اس سے اجرت نہ ہوگی۔

میں کہتا ہوں: متاخرین کے کلام میں اس کی تصریح پر آگاہی کا نہ ہونا ''ابوسعود'' ''حواشی اشباہ'' میں اس کے منافی قول

وَالْمُسْتَأْجَرُ فِي الْبَيْعِ وَفَاءً عَلَى مَا أَفْتَى بِهِ عُلَمَاءُ الرُّومِ كَذٰلِكَ؟ مَحَلُّ تَرَدُّدٍ فَلْيُرَاجَعْ، وَبِقَوْلِهِ (وَيَسْقُطُ الْأَجْرُ بِالْغَصْبِ) أَيْ بِالْحَيْلُولَةِ بَيْنَ الْمُسْتَأْجِرِ وَالْعَيْنِ؛

اور بیع الوفاء میں اجارہ والی چیز اسی طرح ہے جیسا علماء روم نے فتویٰ دیا ہے۔ یہ محل تردد ہے۔ پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔ اور اجر غصب کے ساتھ ساقط ہو جاتا ہے یعنی جب مستاجر اور عین کے درمیان حائل ہو جائے۔

کرنے والے نہیں۔ یعنی یہ احتمال کہ ''ناصحی'' اور ''اجناس'' کے کتاب الوقف میں جو کچھ ہے یہ متقدمین کے مذہب کے مطابق ہے پس وہ ''الاسعاف'' کے مفہوم کے منافی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

29400۔ (قولہ: وَالْمُسْتَأْجَرُ فِي الْبَيْعِ وَفَاءً) مستاجر کی جیم پر فتحہ ہے یعنی جب وہ مشتری سے وہ چیز اجرت پر لے جو اس کے ہاتھ میں بیچی تھی تا کہ وہ اپنا پورا حق لے یہ بیع پر قبضہ کے بعد ہو تو یہ صحیح ہوگا جس طرح کتاب الکفالہ میں تھوڑا پہلے گزرا ہے۔

شارح نے یہاں کہا ہے: میں کہتا ہوں: اس تعبیر کی بنا پر اگر مدت گزر جائے اور وہ چیز اس کے قبضہ میں رہے تو علماء روم نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اجرت مثلی لازم ہوگی۔ ہمارے مشائخ کے شیخ ''سائحانی'' نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ اجارہ فاسدہ میں املاک حقیقیہ قدرت کے باوجود اجرت کو واجب نہیں کرتیں تو یہ کیسے اجرت کو واجب کرے گی۔ ''طحطاوی'' نے کہا: اس میں ہے کہ مدت کے ختم ہونے کے بعد اجارہ اصلاً موجود نہیں۔ پس اس میں تدبر کیجئے۔

میں کہتا ہوں: خصوصاً معتمد قول کے مطابق یہ رہن کے حکم میں ہے اجرت اس پر لازم نہ ہوگی۔ اگر اس نے مدت میں منفعت پوری کی پوری لے لی اگر چہ قبضہ کے بعد ہو جس طرح ''النہایہ'' میں ہے۔

''خیریہ'' اور ''حامدیہ'' کے کتاب الرہن میں اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ شارح نے کتاب الکفالہ سے تھوڑا پہلے جو ''حلبی'' سے نقل کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ ''بزازیہ'' میں کہا: جس نے اسے فاسد بنایا ہے اس نے کہا: اجارہ صحیح نہ ہوگا اور کوئی شے واجب نہ ہوگی۔ اسی طرح اس کا نقطہ نظر ہے جس نے اسے رہن بنایا ہے جس نے اسے جائز قرار دیا ہے اس نے بائع وغیرہ کو اجرت پر دینے کو جائز قرار دیا اور اجرت کو واجب کیا ہے۔

29401۔ (قولہ: مَحَلُّ تَرَدُّدٍ) میں کہتا ہوں: یتیم کے مال میں کوئی تردد نہیں۔ کیونکہ ان کے منافع کو غصب کیا جائے تو ضمانت واجب ہوتی ہے یہ اسی کے قبیل سے ہے، ''سائحانی''۔ ہم نے ابھی پہلے ''بیری'' سے جو نقل کیا ہے وہ اس کے منافی ہے کہ وقف شدہ کو اجارہ فاسدہ کے ساتھ اجارہ پر لینے والا غاصب شمار نہیں ہوتا، الخ۔

29402۔ (قولہ: بِالْغَصْبِ) محل کو سپرد کرنا یہ منفعت کو سپرد کرنے کے قائم مقام ہے کیونکہ نفع اٹھانا ممکن ہے۔ جب قدرت فوت ہو جائے تو سپرد کرنا فوت ہو جاتا ہے۔ ''منح''۔ ''رملی'' نے کہا: اگر غصب کے ساتھ منفعت فوت نہ ہو جس طرح زمین کو غصب کرنا جو درخت لگانے اور تعمیر کرنے کے لیے مقرر ہو ساتھ ہی وہاں درخت ہوں اور عمارت ہو تو منفعت ساقط

لِأَنَّ حَقِيقَةَ الْغَصْبِ لَا تَجْرِي فِي الْعَقَارِ، وَهَلْ تَنْفَسِخُ بِالْغَصْبِ؟ قَالَ فِي الْهِدَايَةِ نَعَمْ خِلَافًا لِقَاضِي خَانْ، وَلَوْ غُصِبَ فِي بَعْضِ الْمُدَّةِ فَبِحِسَابِهِ (إِلَّا إِذَا أَمْكَنَ إِخْرَاجُ الْغَاصِبِ) مِنَ الدَّارِ مَثَلًا (بِشَفَاعَةٍ أَوْ حِمَايَةٍ) أَشْبَاهٌ (وَلَوْ أَنْكَرَ ذَلِكَ) أَيِ الْغَصْبَ (الْمُؤَجِّرُ) وَادَّعَاهُ الْمُسْتَأْجِرُ (وَلَا بَيِّنَةَ لَهُ بِحُكْمِ الْحَالِ)

کیونکہ حقیقی غصب زمین میں جاری نہیں ہوتا کیا اجارہ غصب کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے؟ ''ہدایہ'' میں کہا: ہاں ''قاضی خان'' نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اگر وہ بعض مدت میں غصب کی جائے تو اسی حساب سے اجرت لازم ہوگی مگر جب غاصب کو گھر سے مثلاً سفارش یا حمایت سے خارج کرنا ممکن ہو، ''الاشباہ''۔ اگر مؤجر نے اس غصب کا انکار کیا اور مستاجر نے اس کا دعویٰ کیا اور اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو ظاہر حال کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا

نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ غصب کے ساتھ موجود ہے۔ یہ کثیر الوقوع ہے۔ فتامل

29403۔ (قولہ: لَا تَجْرِي فِي الْعَقَارِ) امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے یعنی امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زمین میں غصب جاری ہوتا ہے۔

29404۔ (قولہ: وَهَلْ تَنْفَسِخُ بِالْغَصْبِ الخ) اختلاف کا ثمرہ اس میں ظاہر ہوگا جب مدت گزرنے سے پہلے غصب زائل ہو جائے۔ اور جو عدم فسخ کا قول کرتا ہے اس کے مطابق وہ باقی ماندہ مدت میں حقوق پورے لے گا اور اس پر اسی حساب سے اجر ہوگا، ''ابوسعود''۔ مصنف کی کلام اس پر تفریع کے طور پر مذکور ہے۔

29405۔ (قولہ: وَلَوْ غُصِبَ فِي بَعْضِ الْمُدَّةِ فَبِحِسَابِهِ) جس طرح وہ اسے گھر سپرد کر دے مگر ایک کمرہ حوالے نہ کرے یا اس کے ساتھ اس میں رہے جس طرح ''البحر'' میں ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں ''برہان'' سے مروی ہے: کھیتی کاشت کرنے سے پہلے زمین غرق ہو جائے تو اجر ساقط ہو جائے گا۔ اگر اسے آفت سماویہ آ پہنچے تو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت کے مطابق اس پر مکمل اجر ہوگا۔ کیونکہ اس نے زمین کو کاشت کیا تھا۔ فتویٰ اس پر ہے کہ جو عرصہ گزر چکا ہے صرف اس کا اجر لازم ہوگا اگرچہ وہ ایسی کھیتی پر قادر نہ ہو جو زمین کو ضرر پہنچانے میں اس فصل کی مثل ہو۔ شارح فسخ الاجارہ سے تھوڑا پہلے اس کا ذکر کریں گے اور وہ ذکر کریں گے کہ ''الولوالجیہ'' میں اس پر اعتماد کیا ہے اور ''الخانیہ'' میں پہلے قول میں اس کو جزم سے بیان کیا ہے۔

29406۔ (قولہ: بِشَفَاعَةٍ) اس کی صورت یہ ہے کہ غاصب کے دل کو نرم کیا جائے یا حمایت کے ذریعے اس سے وہ چیز لے لی جائے یعنی صاحب شوکت اس سے دفاع کرے۔ اگر ایسا ممکن ہو تو اجرت ساقط نہ ہوگی اگرچہ وہ اسے باہر نہ نکالے۔ کیونکہ وہ خود کوتاہی کرنے والا ہے۔ مگر جب باہر نکالنا ممکن نہ ہو مگر مال خرچ کرنے کے ساتھ اسے باہر نکالے تو اس پر اجرت لازم نہ ہوگی جس طرح ''القنیہ'' وغیرہ میں ہے۔ ''ابوسعود'' نے ''حاشیۃ الاشباہ'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔

29407۔ (قولہ: بِحُكْمِ الْحَالِ) اگر اس میں غیر مستاجر ہو تو قول مستاجر کا ہوگا اور اس پر کوئی اجر نہیں ہوگا، ''بحر''۔

كَمَسْأَلَةِ الطَّاحُونَةِ، وَلَا يُقْبَلُ قَوْلُ السَّاكِنِ؛ لِأَنَّهُ فَرْدٌ ذَخِيرَةٌ وَبِقَوْلِهِ
جس طرح طاحونہ کا مسئلہ ہے۔ اور جس نے رہائش رکھی ہوئی ہے اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ فرد ہے ''ذخیرہ''۔

مدت گزرنے کے بعد پن چکی سے پانی کے منقطع ہونے کے بارے اختلاف ہوجائے تو اس کا حکم

29408۔ (قولہ: كَمَسْأَلَةِ الطَّاحُونَةِ) اگر مدت گزرنے کے بعد پن چکی سے پانی کے منقطع ہونے کے بارے میں دونوں میں اختلاف ہوجائے۔

''تاتر خانیہ'' کی فصل پچیس میں اختلاف کے بارے میں کہا: یہاں اختلاف دو وجوہ کے اعتبار سے ہے یا تو مدت کی مقدار میں ہے اس کی صورت یہ ہے کہ موجر کہے: پانی پانچ دن منقطع رہا اور مستاجر کہے: دس دن منقطع رہا۔ جہاں تک اصول انقطاع کے اختلاف کا تعلق ہے اس کی صورت یہ ہے: مستاجر یہ کہتا ہے: دس دن پانی منقطع رہا اور موجر اس کا انکار کرتا ہے پہلے قول میں بات قسم کے ساتھ مستاجر کی مانی جائے گی۔ اور دوسرے قول میں ظاہر حال کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔ اگر خصومت کے وقت پانی جاری ہو تو قسم کے ساتھ قول موجر کا معتبر ہوگا۔ اگر خصومت کے وقت پانی منقطع ہوجائے تو قول مستاجر کا معتبر ہوگا۔ ملخص

یہ امر مخفی نہیں یہ وہاں ہے جہاں گواہیاں نہ ہوں جس طرح مصنف نے ذکر کیا۔ اسی وجہ سے ''ذخیرہ'' میں کہا: اگر مستاجر گواہیاں قائم کردے کہ پانی گزشتہ دنوں میں منقطع رہا تو گواہیوں کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا اگرچہ پانی فی الحال جاری ہو۔ مصنف اس مسئلہ کو باب ضمان الاجیر کے آخر میں ذکر کریں گے۔

غصب کے مسئلہ میں رہائش رکھنے والے کا قول معتبر نہیں ہوگا

29409۔ (قولہ: وَلَا يُقْبَلُ قَوْلُ السَّاكِنِ الخ) یعنی غصب کے مسئلہ میں رہائش رکھنے والے کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ یعنی اگر ایک آدمی نے اسے گھر اجرت پر دیا اور اس میں ایک آدمی رہائش رکھے ہوئے ہو اور اس نے مستاجر اور گھر کے درمیان تمام موانع ختم کردیئے مدت گزرنے کے بعد وہ کہے: اس رہائش رکھنے والے نے مجھے روک دیا تھا جب کہ اس کے پاس گواہ نہ ہوں رہائش رکھنے والا اقرار کرنے والا ہو یا انکار کرنے والا ہو تو رہائش رکھنے والے کے قول کی طرف کوئی توجہ نہ کی جائے گی۔ کیونکہ وہ غیر پر شاہد ہے یا مقر ہے۔ فرد کی شہادت اور اقرار دوسرے آدمی کے بارے قبول نہیں کیا جاتا۔ پس دونوں کے بارے میں اختلاف باقی رہا۔ پس دیکھا جائے گا اگر منازعہ کی حالت میں مستاجر ہی ساکن رہا تو قول موجر کا معتبر ہوگا اگر رہائش رکھنے والا کوئی اور ہو قول مستاجر کا معتبر ہوگا۔ ''ذخیرہ''۔

29410۔ (قولہ: بِقَوْلِهِ) اس کا عطف ان کے سابقہ قول بقولہ پر ہے پس یہ قول فائدہ دیتا ہے کہ یہ بھی قدرت پر متفرع ہے۔ ساتھ ہی یہ ان کے قول والایلزم بالعقد کے فروع میں سے ہے۔ پس اس تعبیر کی بنا پر متن اپنی حالت پر باقی رہے گا اور اسے ایک مستقل مسئلہ بنا دیا ہے۔

(وَلَا يَعْتِقُ قَرِيبُ الْمُؤَجِّرِ لَوْ كَانَ أُجْرَةً) ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَمْلِكْهُ بِالْعَقْدِ، وَالْمُرَادُ مِنْ تَمَكُّنِهِ مِنَ الِاسْتِيفَاءِ تَسْلِيمُ الْمَحَلِّ إلَى الْمُسْتَأْجِرِ بِحَيْثُ لَا مَانِعَ مِنَ الِانْتِفَاعِ (فَلَوْ سَلَّمَهُ) الْعَيْنَ الْمُؤَجَّرَةَ (بَعْدَ مُضِيِّ بَعْضِ الْمُدَّةِ) الْمُؤَجَّرَةِ (فَلَيْسَ لِأَحَدِهِمَا الِامْتِنَاعُ) مِنَ التَّسْلِيمِ وَالتَّسَلُّمِ فِي بَاقِي الْمُدَّةِ (إذَا لَمْ يَكُنْ فِي مُدَّةِ الْإِجَارَةِ وَقْتٌ يُرْغَبُ فِيهَا لِأَجْلِهِ، فَإِنْ كَانَ فِيهَا) أَيْ فِي الْعَيْنِ الْمُؤَجَّرَةِ (وَقْتُ كَذَلِكَ) كَبُيُوتِ مَكَّةَ وَمِنًى وَحَوَانِيتِهِمَا زَمَنَ الْمَوْسِمِ فَإِنَّهُ لَا يُرْغَبُ فِيهَا بَعْدَ الْمَوْسِمِ، فَلَوْ لَمْ يُسَلِّمْ فِي الْوَقْتِ الَّذِي يُرْغَبُ لِأَجْلِهِ (خُيِّرَ فِي قَبْضِ الْبَاقِي)

اور مؤجر کا قریبی آزاد نہیں ہوگا اگر وہ قریبی اجرت ہو۔ کیونکہ صرف عقد اجارہ سے وہ اس بدل کا مالک نہیں بن جاتا۔ منفعت حاصل کرنے پر قدرت سے مراد یہ ہے کہ محل کو متاجر کے سپرد کر دے اس حیثیت میں کہ انتفاع سے کوئی مانع نہ ہو۔ اگر اجارہ کی بعض مدت گزرنے کے بعد وہ عین مؤجرہ کو حوالے کرے اور باقی مدت میں تسلیم و تسلم سے امتناع کسی ایک کے لیے مناسب نہیں جب اجارہ کی مدت میں کوئی ایسا وقت نہ ہو جس وقت کی وجہ سے اجارہ میں رغبت کی جاتی ہو۔ اگر عین موجرہ میں اس طرح کا وقت ہو جس طرح مکہ مکرمہ اور منی کے مکانات ہیں اور ان دونوں کی دکانیں ہیں جب حج کا موسم ہو۔ کیونکہ موسم حج کے بعد ان میں رغبت نہیں کی جاتی۔ اگر وہ اس وقت میں سپرد نہ کرے جس وقت کی وجہ سے اس میں رغبت کی جاتی ہے تو باقی مدت میں اسے اختیار دیا جائے گا

29411۔ (قولہ: لِأَنَّهُ لَمْ يَمْلِكْهُ بِالْعَقْدِ) اگر یہ اعتراض کیا جائے: اجرت سے بری کرنا، اس کی ضمانت اٹھانا اور اس کے بدلے میں رہن رکھنا ان تمام امور کا صحیح ہونا اس پر اشکال پیدا کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اشکال پیدا نہیں کرتا کیونکہ وہ سبب کے وجود پر مبنی ہے پس وہ زخم لگانے کے بعد قصاص سے معافی کی طرح ہے۔ ''اتقانی''۔

29412۔ (قولہ: وَالْمُرَادُ مِنْ تَمَكُّنِهِ الخ) اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ متن میں جو کچھ ہے یہ مقدر کلام پر تفریع ہے۔

29413۔ (قولہ: إلَى الْمُسْتَأْجِرِ) یہ قول اس وکیل کو جامع ہے جو اجرت پر کسی شے کے لینے کے لیے وکیل بنایا گیا ہو۔ لیکن اگر وکیل خود اس میں رہائش رکھے تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کوئی اجرت نہ ہوگی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: موکل پر اجرت ہوگی کیونکہ وکیل کا قبضہ موکل کے قبضہ کی طرح ہے پس پہلا قبضہ موکل کے لیے ہوگا پس وکیل رہائش رکھنے کے ساتھ غاصب ہوگا پس اس پر اجرت واجب نہ ہوگی۔ اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ متاجر سے کوئی چیز غصب کر لی جائے تو یہ عمل اجرت کو ساقط کر دیتا ہے۔ ''بزازیہ''۔

29414۔ (قولہ: فَلَوْ سَلَّمَهُ) یعنی سپرد کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ فافہم

29415۔ (قولہ: الْمُؤَجَّرَةَ) یہ حذف و ایصال کے باب میں سے ہے۔ ''ح''۔ یعنی کلام یوں ہے المؤجر فیہا مؤجر

كَمَا فِي الْبَيْعِ كَذَا فِي الْبَحْرِ وَلَوْ سَلَّمَهُ الْمِفْتَاحَ فَلَمْ يَقْدِرْ عَلَى الْفَتْحِ لِضَيَاعِهِ، وَإِنْ أَمْكَنَهُ الْفَتْحُ بِلَا كُلْفَةٍ وَجَبَ الْأَجْرُ وَإِلَّا لَا أَشْبَاهٌ قُلْتُ وَكَذَا لَوْ عَجَزَ الْمُسْتَأْجِرُ عَنْ الْفَتْحِ بِهَذَا الْمِفْتَاحِ لَمْ يَكُنْ تَسْلِيمًا؛ لِأَنَّ التَّخْلِيَةَ لَمْ تَصِحَّ صَيْرَفِيَّةٌ وَلَوْ اخْتَلَفَا بِحُكْمِ الْحَالِ،

جس طرح بیع میں ہے، ''البحر'' میں اسی طرح ہے۔ اگر آدمی نے اسے چابی سپرد کر دی اور چابی کے گم ہونے کی وجہ سے وہ اس کے کھولنے پر قادر نہ ہوا اگر کلفت کے بغیر اس کو کھولنا ممکن ہو تو اجر واجب ہوگا۔ اگر ممکن نہ ہو تو اجر واجب نہ ہوگا، ''اشباہ''۔ میں کہتا ہوں: اسی طرح اگر مستاجر اس چابی کے ساتھ تالا کھولنے سے عاجز آ گیا تو یہ سپرد کرنا نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ تخلیہ صحیح نہیں ''صیرفیہ''۔ اگر دونوں میں اختلاف ہو جائے تو ظاہر حال کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

اول کا معاملہ مختلف ہے جس طرح وہ ظاہر ہے۔

29416۔(قولہ: كَمَا فِي الْبَيْعِ) یعنی جب موسم حج کے زمانہ سے قبل مکہ کے گھر وغیرہ خریدے پس ان گھروں کو اس وقت سپرد کیا گیا جب حج کا موسم گزر چکا تھا کیونکہ مشتری کو اختیار دیا جاتا ہے کیونکہ اس کی رغبت فوت ہو چکی ہوتی ہے، ''ط''۔ امام ''طحطاوی'' نے اسے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔ ''حلبی'' نے کہا: جب وہ بعض مبیع کا مستحق نکل آیا تو مشتری کو اختیار دیا جائے گا۔ کیونکہ صفقہ متفرق ہے۔ ہمارے مشائخ کے شیخ ''رحمتی'' نے کہا: یہ قول اس کا تقاضا کرتا ہے کہ مستاجر کو مطلقاً خیار ہو خواہ ایسا وقت ہو جس میں رغبت کی جاتی ہے خواہ ایسا وقت نہ ہو۔ کیونکہ صفقہ متفرق ہے۔ اور اس لیے کیونکہ اس نے اول مدت میں سپرد کرنے سے روکا ہے۔ بعض اوقات وہ عین موجرہ کی طرف محتاج ہوتا ہے۔ پس اس کے غیر کو اجرت پر لے لے گا جب اس نے بعض مدت کے گزرنے کے بعد اسے لازم کیا بعض اوقات وہ اس سے نقصان اٹھاتا ہے۔ فلیتامل

اظہر قول وہ ہے: جو ابو الطیب نے کہا ہے: جب بیع میں وہ صفت نہ پائی گئی جس میں رغبت رکھتے ہوئے اس نے اسے خریدا تھا جیسے کپڑا سینا اور لکھنا تو مشتری کو اختیار دیا جائے گا۔

29417۔(قولہ: لِضَيَاعِهِ) یہ عدم قدرت کی علت ہے۔ ''الذخیرہ'' کی عبارت ہے: ''جامع اصغر'' میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے کو ایک دکان اجرت پر دی، اسے چابی دے دی اور وہ آدمی اس تالے کو کھولنے پر قادر نہ ہوا اور چند دن چابی گم رہی پھر اس نے چابی کو پایا اگر اس کے ساتھ اس کا کھولنا ممکن تھا تو اس پر گزشتہ عرصہ کا اجر لازم ہوگا ورنہ اجر لازم نہیں ہوگا۔ ''بزازیہ'' میں ہے: اگر بغیر مشقت کے اس کے کھولنے پر قادر ہوا تو اجرت لازم ہوگی ورنہ اجرت لازم نہ ہوگی۔ اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ استدلال کرے اور کہے: تو نے تالے کو توڑ کیوں نہیں دیا اور اس میں داخل کیوں نہیں ہو گیا۔

اگر عاجز آنے اور عاجز نہ آنے میں اختلاف ہو جائے تو فیصلہ ظاہر حال کے مطابق ہوگا

29418۔(قولہ: وَلَوْ اخْتَلَفَا) اگر عاجز آنے اور عاجز نہ آنے میں دونوں میں اختلاف ہو گیا تو ظاہر حال کے

وَلَوْ بَرْهَنَا فَبَيِّنَةُ الْمُؤَجِّرِ ذَخِيرَةٌ وَكَذَا الْبَيْعُ وَقِيلَ إِنْ قَالَ لَهُ اقْبِضْ الْمِفْتَاحَ وَافْتَحْ الْبَابَ فَهُوَ تَسْلِيمٌ وَإِلَّا لَا كَمَا بَسَطَهُ الْمُصَنِّفُ (وَلِلْمُؤَجِّرِ طَلَبُ الْأَجْرِ لِلدَّارِ وَالْأَرْضِ) كُلَّ يَوْمٍ (وَلِلدَّابَّةِ كُلَّ مَرْحَلَةٍ) إذَا أَطْلَقَهُ، وَلَوْ بَيَّنَ تَعَيَّنَ وَلِلْخِيَاطَةِ

اگر دونوں نے گواہیاں قائم کر دیں تو موجر کی گواہیاں معتبر ہوں گی، ''ذخیرہ''۔ اسی طرح بیع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر اس نے اسے کہا: چابی لے لو اور دروازے کھول دو تو یہ سپرد کرنا ہوگا ورنہ سپرد کرنا نہیں ہوگا جس طرح مصنف نے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ موجر کو حق حاصل ہے کہ ہر روز گھر اور زمین کی اجرت طلب کرے اور سواری کی ہر مرحلہ پر اجرت طلب کرے جب اس نے اجارہ پر دیتے ہوئے مطلق کلام کیا ہے اگر وہ واضح کر دے تو وہ متعین ہو جائے گا۔ کپڑا سینا

مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

''الذخیرہ'' میں کہا: اگر دونوں میں اختلاف ہو جائے اور دونوں کے پاس گواہ نہ ہوں تو اس چابی کو دیکھا جائے گا جو اسے اس وقت دی گئی اگر وہ اس تالے کے مناسب ہو اور اس چابی کے ساتھ اس کا کھولنا ممکن ہو تو قول موجر کا معتبر ہوگا ورنہ قول مستاجر کا معتبر ہوگا۔

29419۔ (قولہ: لَوْ بَرْهَنَا فَبَيِّنَةُ الْمُؤَجِّرِ) یعنی اگرچہ چابی مناسب نہ ہو کیونکہ ظاہر حال کے مطابق فیصلہ کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا جب گواہیاں اس کے برعکس پر واقع ہوں جس طرح طاحونہ کا مسئلہ ہے۔ بے شک گواہیاں قبول کی جائیں گی جب موجر یہ دعویٰ کرے کہ یہ چابی تالے کے موافق ہے لیکن یہ اس چابی کے علاوہ ہے مستاجر کہتا ہے نہیں بلکہ یہ چابی اصلاً اس تالے کے مناسب نہیں، ''ذخیرہ''۔

29420۔ (قولہ: وَكَذَا الْبَيْعُ) جب وہ گھر خریدے اور گھر کی چابی پر قبضہ کر لے اور اس گھر کی طرف نہ جائے۔ اگر چابی ایسی حالت پر ہو جو اس قابل ہو کہ وہ اس تالے کو بغیر کلفت کے کھول دے تو وہ گھر پر قبضہ کرنے والا ہوگا۔ ورنہ گھر پر قبضہ کرنے والا نہیں ہوگا۔ ''منح''۔

جو ثابت ہو چکا ہے اس سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ چابی دے دینا جب کہ مستاجر اور گھر کے درمیان کوئی مانع نہ ہو اور بغیر کلفت کے اس چابی سے تالا کو کھولنا ممکن ہو یہ گھر سپرد کرنا ہے۔ پس مدت گزرنے کے ساتھ اجر واجب ہوگا اگرچہ وہ اس میں نہ رہے۔ ''القنیہ'' میں یہ قید لگائی ہے کہ وہ شہر میں ہو کیونکہ کہا: دیہاتی علاقہ میں چابی سپرد کرنا یہ گھر کو سپرد کرنا نہیں اگرچہ اسے شہر میں محصور کر دیا جائے اور چابی اس کے ہاتھ میں ہو۔ ''البحر'' اور ''النہر'' میں اسے ثابت رکھا ہے۔ لیکن ''قاری الہدایہ'' نے جو فتویٰ دیا ہے وہ اس کے خلاف ہے اور ''الاشباہ'' کے محشیوں نے اسے ثابت کیا ہے جس طرح مسائل شتی سے تھوڑا پہلے آئے گا۔

29421۔ (قولہ: لِلدَّارِ وَالْأَرْضِ الخ) مراد ہر وہ چیز ہے جس میں اجارہ منفعت پر، قطع مسافت پر یا عمل پر واقع ہو۔

29422۔ (قولہ: وَلَوْ بَيَّنَ تَعَيَّنَ) اگر عقد میں استحقاق کے وقت کو بیان کیا تو وہ متعین ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے

(وَنَحْوِهَا) مِنْ الصَّنَائِعِ (إذَا فَرَغَ وَسَلَّمَهُ) فَهَلَكَهُ قَبْلَ تَسْلِيمِهِ يَسْقُطُ الْأَجْرُ،

وغیرہ جو صنائع ہیں ان کی اجرت اس وقت طلب کرے گا جب وہ اس سے فارغ ہوگا اور موجر کے حوالے کر دے گا۔ سپرد کرنے سے پہلے وہ چیز ہلاک ہو جائے تو اجرت ساقط ہو جائے گی۔

''عزمیہ'' میں کہا ہے: یہ حکم اس وقت ہے جب اجرت معجّل، موجل یا تھوڑی تھوڑی نہ ہو یہ سب علماء کا قول ہے جس طرح ''الخلاصہ'' میں بیان کیا ہے۔ مصنف نے جو کچھ ذکر کیا ہے یہ اس کے بارے میں ہے۔ مراد یہ ہے جب وہ وضاحت کرنے سے خاموش رہے۔

اگر اجارہ مدت پر واقع ہو تو جتنے منافع وصول کیے اس کے مطابق اجرت واجب ہوگی

29423۔ (قولہ: إذَا فَرَغَ وَسَلَّمَهُ) یہ جان لو کہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ پہلے یہ کہا کرتے تھے: اجرت میں سے کوئی شے واجب نہ ہوگی جب تک وہ پوری منفعت نہ لے لے اور عمل پورا نہ ہو جائے۔ کیونکہ عقد اسی پر ہوا تھا پس اجرا جزاء پر تقسیم نہیں ہوگا جس طرح ثمن بیع کے اجزاء میں تقسیم نہیں ہوگی۔ انہوں نے رجوع کر لیا اور فرمایا: اگر اجارہ مدت پر واقع ہو جس طرح گھر اور زمین کے اجارہ کا معاملہ ہے یا قطع مسافت کا معاملہ ہے جس طرح چوپائے کے بارے میں ہے تو جتنے منافع وصول کیے اس کے حصہ کے مطابق اجرت واجب ہوگی اگر مشقت کے بغیر اس کی معلوم اجرت ہو گھر میں ہر روز اجر دے گا اور مسافت میں ہر مرحلہ پر اجرت دے گا۔

قیاس یہ ہے: ہر ساعت میں اجرت حساب سے واقع ہو تا کہ مسافت کو ثابت کیا جائے۔ لیکن اس میں حرج ہے۔ اگر عمل پر اجارہ واقع ہو جیسے کپڑے لینا اور کپڑے دھونا تو اس وقت تک اجرت واجب نہ ہوگی جب تک وہ اس کام سے فارغ نہیں ہو گا پس وہ کل اجرت کا مستحق ہوگا۔ کیونکہ بعض میں عمل نافع نہیں۔ اسی طرح جب وہ مستاجر کے گھر میں عمل کرے۔ اور وہ فارغ نہ ہو تو اجرت میں سے کسی شے کا مستحق نہیں ہوگا جس طرح صاحب ''الہدایہ'' اور صاحب ''التجرید'' نے اس کا ذکر کیا ہے۔

''مبسوط''، ''فوائد ظہیریہ''، ''ذخیرہ''، ''مبسوط شیخ الاسلام''، فخر الاسلام کی ''شرح الجامع''، ''قاضی خان'' اور ''تمرتاشی'' میں ہے: جب اجیر نے مستاجر کے گھر میں بعض کپڑے کو سیا تو اس پر اس کے حساب سے اجر واجب ہوگا یہاں تک کہ اگر وہ کپڑا چوری کر لیا گیا جس کا بعض سیا گیا تھا تو وہ اس کا مستحق بن جاتا ہے۔ یہ قول اس امر پر دلالت کرتا ہے وہ تمام امور جو گزر چکے ہیں بعض عمل کے بدلے میں اجر کا مستحق ہو جاتا ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ مستاجر کے سپرد کر دے گھر کی رہائش اور قطع مسافت میں محض گھر حوالے کرنے اور مسافت طے کرنے سے وہ سپرد کرنے والا ہو جائے گا۔ اور کپڑے لینے کے معاملہ میں وہ حقیقت یا حکم میں سپرد کرنے سے سپرد کرنے والا ہوگا۔ حکم کی صورت یہ ہے کہ اس نے مستاجر کے گھر میں اس کو سیا ہو۔ کیونکہ اس کی منزل اس کے قبضہ میں ہے، ''زیلعی''، ملخص

اس کا حاصل یہ ہے کہ علماء نے امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اتفاق کیا ہے کہ بعض عمل پر اجر سپرد کیے بغیر اصلاً واجب

وَكَذَا كُلُّ مَنْ لِعَمَلِهِ أَثَرٌ، وَمَا لَا أَثَرَ لَهُ كَجَمَّالٍ لَهُ الْأَجْرُ كَمَا فَرَغَ وَإِنْ لَمْ يُسَلِّمْ بَحْرٌ (وَإِنْ) وَصْلِيَّةٌ (عَمِلَ فِي بَيْتِ الْمُسْتَأْجِرِ نَعَمْ لَوْ سُرِقَ) بَعْدَ مَا خَاطَ بَعْضَهُ

اسی طرح ہر اس عمل کی اجرت کا معاملہ ہے جس کے عمل کا کوئی اثر ہو جس عمل کا کوئی اثر نہ ہو جس طرح ساربان تو اس کے لیے اس وقت اجر ہوگا جب وہ فارغ ہوگا اگر چہ وہ سپرد نہ کرے ''بحر''۔ اگر چہ مستاجر کے گھر میں عمل کرے۔ اگر اس نے جو بعض سیا تھا وہ چوری کر لیا گیا

نہیں ہوگا۔ جہاں تک سپرد کرنے کے ساتھ کا معاملہ ہے تو گھر کی رہائش اور قطع مسافت میں بعض پر اجر واجب ہوگا۔

جب عمل پر کسی کو اجرت پر لیا جائے تو علماء نے ان کے قول پر اختلاف کیا ہے جیسے کپڑا سینے کا معاملہ ہے۔ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ سپرد کرنے کے ساتھ اجرت واجب ہو جائے گی اگر چہ سپرد کرنا حکما ہو۔ صاحب ''ہدایہ'' اور صاحب ''تجرید'' نے ان کی مخالفت کی ہے دونوں نے ارشاد فرمایا: اجر واجب نہیں ہوگا۔ ''زیلعی'' نے کہا: یہ اس مروی روایت کے زیادہ قریب ہے جو امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں میں فرق کرنے کے بارے میں ہے اس قول میں جس کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔ علماء نے جو ذکر کیا ہے اس کا اعتبار کیا جائے تو سب میں کوئی فرق نہیں۔

اس سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ مصنف کا فراغ اور تسلیم کی قید لگانا یہ اس پر مبنی ہے جو ''ہدایہ'' میں ہے۔ سپرد کرنا یہ حقیقی اور حکمی سب کو شامل ہے۔ یہ وہ قول ہے جسے اپنے اس قول کے ساتھ تعبیر کیا ہے: وان عمل فی بیت المستاجر۔ اگر وہ کہتے: ولو حکما تو یہ زیادہ مختصر اور زیادہ ظاہر ہوتا جس نے کہا: لا معنی لہ اس کے قول کا کوئی معنی نہیں۔ فافہم

29424۔ (قولہ: وَكَذَا كُلُّ مَنْ لِعَمَلِهِ أَثَرٌ) یعنی اگر وہ اس کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو اس کا کوئی اجر نہ ہوگا۔ شارح ایک ورقہ بعد اثر کی مراد کو ذکر کریں گے۔

29425۔ (قولہ: نَعَمْ لَوْ سُرِقَ الخ) یہ حکم ان اکثر علما کے قول پر مبنی ہے جو سپرد کرنے کی صورت میں ہو اگر چہ وہ حکما سپرد ہو۔ بعض عمل پر اجر کے وجوب کا قول کرتے ہیں اس کے ساتھ مصنف پر استدراک کا ارادہ کیا ہے اس قول کے ساتھ جس کا ''البحر'' میں ذکر کیا ہے۔ کیونکہ کہا: علامہ ''طوری'' اور ان کے شاگرد مصنف نے اپنی شرح میں ان کی پیروی کی ہے۔ تعبیر کرنے کے مسئلہ پر اصل میں نص موجود ہے۔ اجرت بعض عمل کے مقابلہ میں واجب ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ مستاجر کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ امام ''کرخی'' نے ہمارے اصحاب سے اسے نقل کیا ہے اور ''غایۃ البیان'' میں ''ہدایہ'' کا رد کرتے ہوئے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پس یہی مذہب ہوگا۔ اسی وجہ سے مصنف نے اسے اختیار کیا ہے یعنی صاحب ''الکنز'' نے ''المستصفی'' میں ذکر کیا ہے اگر چہ ان کی یہاں عبارت مطلق ہے۔ شارح کی کلام کی وجہ تو جیہ ہے جس طرح تو جان چکا ہے اگر چہ اس میں خفا ہے، فافہم۔ ''الہدایہ'' میں جو قول ہے اس کا خلاف مذہب ہونا اس میں تامل ہے یہ اس سے ظاہر ہوتا ہے جو زیلعی سے گزر چکا ہے۔ اگر اسے اصح قول کے خلاف قرار دیتے تو یہ زیادہ مناسب ہوتا۔ تامل

29426۔ (قولہ: بَعْدَ مَا خَاطَ بَعْضَهُ) یعنی مستاجر کے گھر میں۔ اگر وہ اجیر کے گھر میں عمل کرتا تو بالاتفاق اس پر

أَوْ انْهَدَمَ مَا بَنَاهُ فَلَهُ الْأَجْرُ بِحِسَابِهِ عَلَى الْمَذْهَبِ بَحْرٌ وَابْنُ كَمَالٍ (ثَوْبٌ خَاطَهُ الْخَيَّاطُ بِأَجْرٍ فَفَتَقَهُ رَجُلٌ قَبْلَ أَنْ يَقْبِضَهُ رَبُّ الثَّوْبِ فَلَا أَجْرَ لَهُ) بَلْ لَهُ تَضْمِينُ الْفَاتِقِ (وَلَا يُجْبَرُ عَلَى الْإِعَادَةِ، وَإِنْ كَانَ الْخَيَّاطُ هُوَ الْفَاتِقُ فَعَلَيْهِ الْإِعَادَةُ) كَأَنَّهُ لَمْ يَعْمَلْ، بِخِلَافِ فَتْقِ الْأَجْنَبِيِّ وَهَلْ لِلْخَيَّاطِ أَجْرُ التَّفْصِيلِ بِلَا خِيَاطَةٍ؟ الْأَصَحُّ لَا أَشْبَاهٌ

یا اس نے جو بنایا وہ چیز گر گئی تو مذہب کے مطابق اس کے حساب سے اس پر اجر لازم ہوگا ''بحر''، ''ابن کمال''۔ ایک کپڑا ہے جسے خیاط نے اجرت کے بدلے میں لیا ابھی کپڑے کے مالک نے اس پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ ایک آدمی نے اسے ادھیڑ دیا تو اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہوگا بلکہ اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ ادھیڑنے والے سے ضمانت لے لے اور درزی کو دوبارہ سینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اگر سینے والا ہی ادھیڑنے والا ہو تو اس پر دوبارہ سینا لازم ہوگا گویا اس نے عمل کیا ہی نہیں۔ اجنبی آدمی اسے ادھیڑ دے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیا خیاط کے لیے کپڑے قطع کرنے (بیونتنے) کی اجرت ہوگی جب کہ اس نے کپڑے کو سیا نہ ہو؟ اصح قول یہ ہے: نہیں، ''اشباہ''۔

کوئی اجر نہ ہوگا کیونکہ اصلاً سپرد کرنا نہیں پایا گیا۔

29427۔ (قولہ: أَوْ انْهَدَمَ مَا بَنَاهُ) یعنی اس سے فراغت سے پہلے۔

29428۔ (قولہ: قَبْلَ أَنْ يَقْبِضَهُ رَبُّ الثَّوْبِ) تو یہ جان چکا ہے کہ مستاجر کے گھر میں عمل کرنا سپرد کرنا ہوتا ہے۔

29429۔ (قولہ: فَلَا أَجْرَ لَهُ) کیونکہ سینے کا اس کپڑے پر اثر ہوتا ہے پس سپرد کرنے سے پہلے کوئی اجر نہیں ہوگا جس طرح بیع میں ہے۔

29430۔ (قولہ: بَلْ لَهُ) یعنی خیاط کو یہ حق حاصل ہے کیونکہ یہ اس کا بدل ہے جس کو اس نے تلف کیا ہے یہاں تک کہ اس کی اجرت ساقط ہوگئی۔ ''بحر''۔

29431۔ (قولہ: تَضْمِينُ الْفَاتِقِ) یعنی سلائی کی قیمت نہ کہ جو مزدوری مقرر کی تھی کیونکہ مسمی تو عقد کے ساتھ لازم ہوتا ہے خیاط اور ادھیڑنے والے کے درمیان کوئی عقد نہیں ہوا۔ ''رحمتی''۔

29432۔ (قولہ: وَلَا يُجْبَرُ الخ) کیونکہ اس نے عمل کو لازم کیا ہے اور اس کو پورا کر دیا۔ ''رحمتی''۔

29433۔ (قولہ: كَأَنَّهُ لَمْ يَعْمَلْ) اس نے جو عمل اپنے ذمہ لیا تھا اس کو پورا نہ کیا تو اس کو اس عمل پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ اجارہ کا عقد لازم ہے۔ ''رحمتی''۔

29434۔ (قولہ: بِخِلَافِ فَتْقِ الْأَجْنَبِيِّ) اس قول کی کوئی ضرورت نہیں۔ ''ط''۔

29435۔ (قولہ: الْأَصَحُّ لَا) ''الخلاصہ'' اور ''بزازیہ'' میں اس کی تصحیح کی ہے۔ مسئلہ کی یہ صورت بیان کی ہے جب اسے کپڑا دیا اس نے اس کپڑے کو کاٹا اور سیے بغیر مر گیا اور علما نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ عادت میں اجرت کپڑا لینے کی ہوتی ہے کپڑا قطع کرنے کی نہیں ہوتی۔

لَكِنَّ حَاشِيَتَهَا مَعْزِيًّا لِلْمُضْمَرَاتِ، الْمُفْتَى بِهِ نَعَمْ وَقَالَ الْمُصَنِّفُ يَنْبَغِي أَنْ يَحْكُمَ الْعُرْفُ ثُمَّ رَأَيْتُ فِي التَّتَارْخَانِيَّةِ مَعْزِيًّا لِلْكُبْرَى أَنَّ الْفَتْوَى عَلَى الْأَوَّلِ فَتَأَمَّلْ (وَ) لِلْخَبَّازِ طَلَبُ الْأَجْرِ (لِلْخُبْزِ فِي بَيْتِ الْمُسْتَأْجِرِ بَعْدَ إِخْرَاجِهِ مِنَ التَّنُّورِ)؛ لِأَنَّ تَمَامَهُ بِذَلِكَ وَبِإِخْرَاجِ بَعْضِهِ بِحِسَابِهِ جَوْهَرَةٌ (فَإِنِ احْتَرَقَ بَعْدَهُ) أَيْ بَعْدَ إِخْرَاجِهِ بِغَيْرِ فِعْلِهِ (فَلَهُ الْأَجْرُ) لِتَسْلِيمِهِ بِالْوَضْعِ فِي بَيْتِهِ (وَلَا غُرْمَ) لِعَدَمِ التَّعَدِّي وَقَالَا يَغْرَمُ مِثْلَ دَقِيقِهِ وَلَا أَجْرَ

لیکن اس کا حاشیہ جو ''مضمرات'' کی طرف منسوب ہے اس میں مفتی بہ قول یہ ہے کہ ہاں۔ مصنف نے کہا: یہ چاہیے کہ عرف کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ پھر میں نے ''تاتر خانیہ'' میں دیکھا جب کہ وہ ''کبری'' کی طرف منسوب ہے کہ فتویٰ پہلے قول پر ہے، فتامل۔ اور نانبائی کو حق حاصل ہے کہ روٹی پکانے کی اجرت طلب کرے جب کہ وہ مستاجر کے گھر میں روٹی پکار رہا ہو جب کہ روٹی کو تنور سے نکالا جا چکا ہو تو اس کے عمل کی تکمیل اسی سے ہوتی ہے اور اس کے بعض کو نکالنے سے اس کے حساب سے اجرت لازم ہوگی، ''جوہرہ''۔ اگر وہ روٹی تنور سے نکالنے کے بعد اس کے فعل کے بغیر جل جائے تو اس کے لیے اجر ہوگا۔ کیونکہ اس کے گھر میں رکھنے کے ساتھ وہ سپرد کر چکا ہے اور اس پر کوئی چٹی نہ ہوگی۔ کیونکہ تعدی نہیں پائی گئی۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: اس کے آٹے کی مثل اس سے چٹی لی جائے گی اور اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہوگا

میں کہتا ہوں: اگر وہ زندہ رہا تو ثمرہ ظاہر نہیں ہوگا۔ کیونکہ اسے کپڑا سینے پر مجبور کیا جائے گا لیکن اگر وہ قطع کے بعد دونوں عقد کو فسخ کر دیں تو ظاہر یہ ہے کہ اس کا حکم موت کی طرح ہے، تامل۔ تعلیل میں یہ ظاہر ہوتا ہے اگر اس نے کپڑا صرف کاٹنے کے لیے دیا ہو تو اس کا اجر اس پر لازم ہوگا۔ جب کہ یہ امر ظاہر ہے کیونکہ عقد صرف اس پر وارد ہوا ہے۔

29436_(قولہ: لَكِنَّ حَاشِيَتَهَا) جو شیخ ''شرف الدین غزی'' کا ہے کیونکہ اس نے کہا: میں کہتا ہوں: ''فتاویٰ قاضی خان'' اور ''ظہیریہ'' میں ہے: خیاط نے کپڑا کاٹا اور خیاطت سے پہلے وہ مر گیا تو اس کے لیے قطع کرنے کا اجر ہوگا۔ یہی قول صحیح ہے۔ ''جامع المضمرات'' اور ''مشکلات'' میں ''کبریٰ'' سے مروی ہے: اسی پر فتویٰ ہے چاہیے کہ اس پر اعتماد کیا جائے۔ کیونکہ اسے یہ قوت حاصل ہو چکی ہے کہ فتویٰ اس پر ہے۔ الخ

29437_(قولہ: أَنَّ الْفَتْوَى عَلَى الْأَوَّلِ) جب کہ صحیح قول یہ ہے کہ فتویٰ دوسرے قول پر ہے۔ کیونکہ ''الکبریٰ'' کی عبارت ابھی آپ سن چکے ہیں۔ یہی وہ قول ہے جسے میں نے ''تاتر خانیہ'' میں دیکھا ہے۔

29438_(قولہ: جَوْهَرَةٌ) اس کی مثل ''غایۃ البیان'' میں ہے جب کہ علت یہ بیان کی گئی ہے کہ اس مقدار میں عمل آنے والے کے سپرد ہو چکا ہے۔ اس کا ظاہر یہ ہے اس میں وہ اختلاف جاری نہیں ہوگا جو خیاط کے بارے میں گزر چکا ہے۔ شاید علت یہاں انتفاع کا پایا جاتا ہے۔ تامل

29439_(قولہ: وَقَالَا يَغْرَمُ الخ) ''الہدایہ'' میں اختلاف اسی طرح ذکر کیا گیا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر اس میں کوئی

وَإِنْ شَاءَ ضَمِنَ الْخُبْزَ وَأَعْطَاهُ الْأَجْرَ (وَلَوْ احْتَرَقَ (قَبْلَهُ لَا أَجْرَ لَهُ وَيَغْرَمُ) اتِّفَاقًا لِتَقْصِيرِهِ دُرَرٌ وَبَحْرٌ (وَإِنْ لَمْ يَكُنْ الْخُبْزُ فِيهِ) أَيْ فِي بَيْتِ الْمُسْتَأْجِرِ سَوَاءٌ كَانَ فِي بَيْتِ الْخَبَّازِ أَوْ لَا (فَاحْتَرَقَ) أَوْ سُرِقَ (فَلَا أَجْرَ لَهُ لِعَدَمِ التَّسْلِيمِ حَقِيقَةً (وَلَا ضَمَانَ) لَوْ سُرِقَ؛

اگر چاہے تو اس سے روٹی کی ضمانت لے لے اور اسے اجرت دے دے۔ اگر اس سے قبل جل جائے تو اس کے لیے کوئی اجرت نہیں ہوگی اور بالاتفاق وہ چٹی دے گا۔ کیونکہ اس نے کوتاہی کی ہے۔ ''درر''۔ ''بحر'' اگر مستاجر کے گھر میں روٹی پکانے کا عمل نہیں خواہ یہ عمل نانبائی کے گھر میں ہو یا نہ ہو پس وہ روٹی جل گئی یا اسے چوری کرلیا گیا تو اس کے لیے کوئی اجر نہیں۔ کیونکہ حقیقت میں اس کو سپرد نہیں کیا گیا اگر اسے چوری کرلیا گیا تو کوئی ضمانت نہ ہوگی۔

فرق نہیں کہ جب وہ مستاجر کے گھر میں ہو یا نہ ہو جس طرح عنقریب آئے گا۔ پس یہ بھی اس اجیر مشترک کے مسئلہ میں سے ہے جو ضمان الاجیر میں آرہا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے: ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متاع اس کے ہاتھ میں امانت ہے اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک وہ قابل ضمانت ہے۔ لیکن ''غایۃ البیان'' میں یہ ذکر کیا گیا ہے جو اختلاف ذکر کیا گیا ہے وہ ''قدوری'' نے ''ابن سماعہ'' کی جو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے، اس سے ذکر کیا ہے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''جامع صغیر'' میں اور اس کے شارحین نے اختلاف ذکر نہیں کیا۔ بلکہ علما نے کہا: مطلقاً کوئی ضمانت نہیں۔ اسی وجہ سے علما نے کہا: جو قول ''جامع'' میں ہے وہ اپنے عموم پر جاری ہے۔

جہاں تک امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے تو کیونکہ اس کے عمل سے وہ چیز ہلاک نہیں ہوئی۔ جہاں تک ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما کا تعلق ہے تو کیونکہ وہ سپرد کرنے کے بعد ہلاک ہوئی ہے۔ ''اتقانی'' نے جو ''غایۃ البیان'' میں ذکر کیا ہے۔ ''البحر'' اور ''المنح'' میں اس پر گامزن ہوئے ہیں۔ جب بعض علما نے دونوں کی مراجعت پر اکتفا کیا ہے تو کہا: شارح نے جو ذکر کیا ہے وہ سبقت قلم ہے ساتھ ہی جس نے ''الہدایہ'' کی پیروی کی وہ گمراہ نہیں ہوا۔ فافہم

29440۔(قولہ: لِتَقْصِيرِهِ) تو اس نے تنور سے روٹی کو الگ نہیں کیا اگر پکی ہوئی روٹی کی ضمانت لے تو اسے روٹی پکانے کی اجرت دے گا اگر آٹے کی ضمانت لے تو پھر مزدوری نہ ہوگی۔

29441۔(قولہ: لِعَدَمِ التَّسْلِيمِ حَقِيقَةً) جب وہ مستاجر کے گھر میں نہ ہو تو حکمی طور پر سپرد کرنا نہ پایا گیا پس حقیقی سپرد کرنا ضروری ہو گیا وہ بھی نہ پایا گیا اسی وجہ سے اجرت واجب نہ ہوگی۔

29442۔(قولہ: لَوْ سُرِقَ) مناسب یہ تھا کہ او احترق کا لفظ زائد ذکر کرتے۔ ''ط''۔

گویا انہوں نے اسے ترک کردیا۔ کیونکہ مراد نکالنے کے بعد ہے اور اس کے بعد جلنا نادر ہے۔ جس نے یہ کہا: کہ شارح نے اسے ترک کیا ہے کیونکہ اس میں وہ بالاتفاق ضامن ہوگا تو اس نے وہم کیا ہے۔

لِأَنَّهُ فِي يَدِهِ أَمَانَةٌ خِلَافًا لَهُمَا، وَهِيَ مَسْأَلَةُ الْأَجِيرِ الْمُشْتَرَكِ جَوْهَرَةٌ (وَإِنْ) احْتَرَقَ الْخُبْزُ أَوْ سَقَطَ مِنْ يَدِهِ (قَبْلَ الْإِخْرَاجِ فَعَلَيْهِ الضَّمَانُ) ثُمَّ الْمَالِكُ بِالْخِيَارِ، فَإِنْ ضَمَّنَهُ قِيمَتَهُ مَخْبُوزًا فَلَهُ الْأَجْرُ (وَإِنْ ضَمَّنَهُ قِيمَتَهُ دَقِيقًا فَلَا أَجْرَ لَهُ لِلْهَلَاكِ قَبْلَ التَّسْلِيمِ وَلَا يَضْمَنُ الْحَطَبَ وَالْمِلْحَ (وَلِلطَّبْخِ بَعْدَ الْغَرْفِ) إِلَّا إِذَا كَانَ لِأَهْلِ بَيْتِهِ جَوْهَرَةٌ،

کیونکہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے یہ اجیر مشترک کا مسئلہ ہے۔ ''جوہرہ''۔ اگر تنور سے باہر نکالنے سے پہلے روٹی جل گئی یا اس کے ہاتھ سے گر گئی تو اس پر ضمان ہوگی پھر مالک کو اختیار ہے۔ اگر اس سے پکی ہوئی روٹی کی ضمانت لے تو اس نانبائی کے لیے مزدوری ہوگی۔ اگر اس سے آٹے کی قیمت کی ضمانت لے تو اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہوگا۔ کیونکہ سپرد کرنے سے قبل وہ چیز ہلاک ہوگئی ہے۔ اور وہ لکڑیوں اور نمک کی ضمانت نہیں لے گا۔ اور سالن پکانے کی مزدوری سالن برتنوں میں ڈالنے کے بعد ہوگی مگر جب اہل خانہ کے لیے وہ سالن پکایا جائے۔ ''جوہرہ''۔

29443۔ (قولہ: وَإِنْ احْتَرَقَ الْخُبْزُ أَوْ سَقَطَ مِنْ يَدِهِ الخ) یہ پہلے گزر چکا ہے کہ حکم اسی طرح ہوگا اگرچہ وہ مستاجر کے گھر میں ہو۔ اگر مصنف اپنے سابقہ قول یعنی: و قبلہ لا اجر و یغرم کو حذف کر دیتے اور جو یہاں ہے اسے دونوں مسئلوں کی طرف لوٹا دیتے تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔ جس طرح ''طحطاوی'' نے بیان کیا ہے۔

29444۔ (قولہ: فَلَهُ الْأَجْرُ) کیونکہ مستاجر تک عمل معناً پہنچ چکا ہے کیونکہ اس کی قیمت اسے موصول ہو چکی ہے۔ ''ط''۔

29445۔ (قولہ: وَلَا يَضْمَنُ الْحَطَبَ وَالْمِلْحَ) کیونکہ یہ چیزیں اس پر ضمان واجب ہونے سے پہلے ہلاک ہو چکی تھیں۔ جب اس پر ضمان واجب ہوگی وہ راکھ بن چکی تھیں۔ ''زیلعی''۔

ولائم اور اس کی انواع

29446۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا كَانَ لِأَهْلِ بَيْتِهِ) اس قول نے یہ فائدہ دیا ہے کہ مصنف نے جو ولائم (ولیمہ کی جمع) اور اس کی انواع میں جو گیارہ چیزیں ذکر کیں بعض علماء نے ان کو اشعار میں نظم کیا ہے۔

إن الولائم عشرةٌ مع واحدٍ — من عدّها قد عز فی اقرانه

بے شک ولائم دس اور ایک یعنی گیارہ ہیں جس نے ان کو شمار کیا وہ اپنے ساتھیوں میں ممتاز ہو گیا۔

فالخرسُ عند نفاسها و عقیقةٌ — للطفلِ والاعذارُ عند ختانه

خرس، عورت کے نفاس یعنی بچہ جننے کا کھانا اور طفل کے لیے عقیقہ اور اس کے ختنہ کے وقت کا کھانا اعذار ہے۔

و لحفظ قرآن و آداب لقد — قالو الحُذاقُ لحذقِهِ و بیانِهِ

قرآن اور آداب کے حفظ کے لیے کھانا اور علماء نے کہا حذاق، اس کی مہارت اور اس کے بیان کا کھانا ہے۔

ثم الملاکُ لعقدِهِ و ولیمةٌ — فی عرسه فاحرص علی اعلانه

وَالْأَصْلُ فِي ذَلِكَ الْعُرْفُ (فَإِنْ أَفْسَدَهُ) أَيْ الطَّعَامَ (الطَّبَّاخُ أَوْ أَحْرَقَهُ أَوْ لَمْ يُنْضِجْهُ فَهُوَ ضَامِنٌ) لِلطَّعَامِ، وَلَوْ دَخَلَ بِنَارٍ لِيَخْبِزَ أَوْ لِيَطْبُخَ بِهَا فَوَقَعَتْ مِنْهُ شَرَارَةٌ فَاحْتَرَقَ الْبَيْتُ لَمْ يَضْمَنْ لِلْإِذْنِ، وَلَا يَضْمَنُ صَاحِبُ الدَّارِ لَوْ احْتَرَقَ شَيْءٌ مِنْ السُّكَّانِ لِعَدَمِ التَّعَدِّي جَوْهَرَةٌ (وَلِ) ضَرْبِ (اللَّبِنِ

اس میں اصل عرف ہے۔ اگر سالن پکانے والے نے کھانے کو خراب کر دیا یا اسے جلا دیا یا اسے نہ پکایا تو وہ طعام کا ضامن ہو گا۔ اگر وہ گھر آگ لایا تا کہ روٹی پکائے یا سالن تیار کرے اس سے ایک انگارہ گر پڑا تو گھر جل گیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اسے اس امر کی اجازت تھی۔ گھر کا مالک ضامن نہ ہوگا اگر وہاں رہنے والوں کی کوئی چیز جل گئی کیونکہ تعدی نہیں پائی گئی، ''جوہرہ''۔ اور کچی اینٹیں بنانے کی مزدوری

پھر ملاک اس کے عقد اور ولیمہ کا کھانا جو اس کی شادی میں ہوتا ہے اس کے اعلان کا حریص ہو جا۔

و كذاك مأدبةٌ بلا سببٍ يُرى و وكيرة لبنائه لمكانه

اور اسی طرح مادبہ کے سبب کے بغیر کھانا ہے جس کی وہ رائے رکھے اور وکیرہ (اٹھانا) جو اس کے مکان بنانے پر ہوتا ہے۔

و نقيعة لقدومه و وضيمةٌ لمصيبة و تكون من جيرانه

نقیعہ (کھانا) جو اس کے آنے پر ہو اور وضیمہ (کھانا) جو اس کی مصیبت پر ہو اور وہ اس کے پڑوس میں ہو۔

ولاول الشهر الاصم عتيرةٌ بذبيحة جاءت لرفعة شانه

اور شہر اصم کے شروع میں عتیرہ (کھانا) ہے جو ایک ذبیحہ کی صورت میں ہوتا ہے یہ اس کی رفعت شان کی بنا پر ہوتا ہے، ''ط''۔ ملخص

29447۔ (قولہ: لِأَهْلِ بَيْتِهِ) یعنی متاجر کے گھر والوں کے لیے۔ ''ح''۔

29448۔ (قولہ: وَالْأَصْلُ فِي ذَلِكَ الْعُرْفُ) مطلق عقد معتاد کو شامل ہوتا ہے جب اس کے برعکس کی شرط نہ پائی جائے۔ ''اتقانی''۔

29449۔ (قولہ: فَهُوَ ضَامِنٌ) روٹی کے بارے میں جو گزر چکا ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ اسے اختیار دیا جائے گا کہ کھانا پکانے سے پہلے کی اس سے ضمانت لے لیں تو اس کے لیے اجرت نہ ہوگی یا اس کے بعد کی ضمانت لے لیں تو اس وقت اس کے لیے اجر ہوگا۔ ''ط''۔

29450۔ (قولہ: لِلْإِذْنِ) کیونکہ وہ عمل تک رسائی اسی طریقہ سے کر سکتا ہے جب کہ اسے اس کی اجازت ہوتی ہے۔

29451۔ (قولہ: وَلِ ضَرْبِ اللَّبِنِ) لبن یہ لام کے فتحہ اور با کے کسرہ کے ساتھ ہے اور کسرہ سکون کے ساتھ ایک لغت ہے کچی اینٹوں کی تعیین کے بغیر یہ اجارہ فاسد ہو جائے گا جب تک ایک ان میں عرف کے اعتبار سے غالب نہ ہو یا اس کے علاوہ کوئی اور نہ ہو۔ ''قہستانی''، ملخص۔

بَعْدَ الْإِقَامَةِ وَقَالَا بَعْدَ تَشْرِيجِهِ أَيْ جَعْلِ بَعْضِهِ عَلَى بَعْضٍ، وَبِقَوْلِهِمَا يُفْتِي ابْنُ كَمَالٍ مَعْزِيًّا لِلْعُيُونِ، وَهَذَا إِذَا ضَرَبَهُ فِي بَيْتِ الْمُسْتَأْجِرِ، فَلَوْ فِي غَيْرِ بَيْتِهِ فَلَا حَتَّى يَعُدَّهُ مَنْصُوبًا عِنْدَهُ وَمُشَرَّجًا عِنْدَهُمَا زَيْلَعِيٌّ فُرُوعٌ الْمُلْبِنُ عَلَى اللَّبَّانِ، وَالتُّرَابُ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ، وَإِدْخَالُ الْحِمْلِ الْمَنْزِلَ عَلَى الْحَمَّالِ لَا صَبُّهُ فِي الْجَوَالِقِ أَوْ صُعُودُهُ لِلْغُرْفَةِ إِلَّا بِشَرْطٍ؛ وَإِيكَافُ دَابَّةٍ لِلْحَمْلِ عَلَى الْمُكَارِي،

اینٹیں کھڑی کرنے کے بعد ہوگی۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: جب انہیں ایک دوسرے پر کھڑی کرے گا اس وقت اس کی مزدوری لازم ہوگی۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر یہ فتویٰ دیا جاتا ہے ''ابن کمال'' جب کہ یہ عیون کی طرف منسوب ہے یہ حکم اس وقت ہے جب مستاجر کے گھر میں اینٹیں بنائے اگر اس کے گھر کے علاوہ میں اینٹیں بنائے تو اجرت لازم نہ ہوگی یہاں تک انہیں کھڑا کر دے۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور انہیں ایک دوسرے پر جمع کرے یہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ہے، ''زیلعی''۔ فروع: اینٹوں کا سانچہ اینٹیں بنانے والے کے ذمہ ہے اور مٹی مستاجر کے ذمہ ہے اور بوجھ کو گھر میں داخل کرنا بوجھ اٹھانے والے کے ذمہ ہے نہ کہ اسے بوریوں میں بھرنا یا اوپر والے کمرے میں لے جانا مگر شرط کے ساتھ ایسا کر سکتے ہیں، اور بوجھ لادنے کے لیے جانور پر پالان ڈالنا یہ کرایہ پر کام کرنے والے کے ذمہ ہے۔

29452۔ (قولہ: بَعْدَ الْإِقَامَةِ) کیونکہ یہ اطراف کو برابر کرنے کے لیے ہے پس اقامہ عمل میں سے ہے، ''کشف''، اقامہ سے مراد خشک ہونے کے بعد کھڑا ہونا ہے۔ اگر اس نے اینٹیں تھاپیں تو انہیں بارش نے آلیا بارش نے کھڑا کرنے سے پہلے انہیں خراب کر دیا تو اس کے لیے اجر نہیں ہوگا اگرچہ اس کے گھر میں عمل کرے۔ ''قہستانی''۔

کچی اینٹیں بنانے کی مزدوری اینٹیں کھڑی کرنے کے بعد ہوگی

29453۔ (قولہ: وَقَالَا بَعْدَ تَشْرِيجِهِ) یہ لفظ شین اور جیم معجمہ کے ساتھ ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا قول استحسان ہے، ''زیلعی''۔ شاید یہی اس کے مفتی بہ ہونے کا سبب ہے۔ لیکن ''اتقانی'' نے ذکر کیا ہے کہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کی دلیل ضعیف ہے۔ تامل

''البحر'' میں کہا: اختلاف کا فائدہ اس میں ظاہر ہوتا ہے جب اینٹیں اکٹھی کرنے سے پہلے تلف ہو جائیں۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مستاجر کے مال سے تلف ہوگا اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک مزدور کے مال سے تلف ہوگا مگر جب کھڑا کرنے سے تلف ہو جائیں تو بالاجماع اجر نہیں ہوگا۔

29454۔ (قولہ: أَيْ جَعْلِ بَعْضِهِ عَلَى بَعْضٍ) یعنی خشک ہونے کے بعد۔

29455۔ (قولہ: حَتَّى يَعُدَّهُ مَنْصُوبًا) ''مستصفی'' کی عبارت یہ ہے: حتی یسلمہ منصوبا عندہ و مشرجا عندھما یہاں تک کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انہیں کھڑا کر کے سپرد کر دے گا اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک ایک دوسرے پر جمع کر کے سپرد کرے گا۔ ''ایضاح'' اور ''مبسوط'' میں اسی طرح ہے۔ شمار کرنا شرط نہیں یہی اولیٰ ہے۔ کیونکہ اگر اس

وَكَذَا الْحِبَالُ وَالْجَوَالِقُ وَالْحِبْرُ عَلَى الْكَاتِبِ وَاشْتِرَاطُ الْوَرَقِ عَلَيْهِ يُفْسِدُهَا ظَهِيرِيَّةٌ (وَمَنْ) كَانَ (لِعَمَلِهِ أَثَرٌ فِي الْعَيْنِ كَالصَّبَّاغِ وَالْقَصَّارِ حَبَسَهَا لِأَجْلِ الْأَجْرِ) وَهَلْ الْمُرَادُ بِالْأَثَرِ عَيْنٌ مَمْلُوكَةٌ لِلْعَامِلِ كَالنَّشَاءِ وَالْغِرَاءِ أَمْ مُجَرَّدُ مَا يُعَايَنُ وَيُرَى؟

اسی طرح رسیاں اور بوریاں اس کے ذمہ ہیں۔ روشنائی کاتب کے ذمہ ہے اور کاغذوں کی کاتب پر شرط لگانا اس کو فاسد کر دے گا، ''ظہیریہ''۔ جس کے عمل کا عین میں اثر ہو جیسے رنگ ریز اور دھوبی تو وہ اجر وصول کرنے کے لیے اسے اپنے پاس روک سکتا ہے۔ کیا اثر سے مراد وہ چیز ہے جو عین مملوکہ ہوتا ہے جیسے نشاستہ اور صابن یا مجرد وہ چیز ہے جس کا معاینہ کیا جائے اور اسے دیکھا جائے؟

نے شمار کیے بغیر سپرد کر دیا تو اس کے لیے اجر ہوگا جس طرح یہ امر مخفی نہیں، ''بحر''۔ ''اتقانی'' نے ''شرح الطحاوی'' سے اسی کی مثل ذکر کیا ہے جو ''المستصفی'' میں ہے۔ اور سپرد کرنے کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ مستاجر اینٹوں کے درمیان کوئی رکاوٹ نہ چھوڑے۔

29456_(قولہ: وَاشْتِرَاطُ الْوَرَقِ عَلَيْهِ يُفْسِدُهَا) جہاں تک روشنائی کی شرط لگانے کا تعلق ہے تو یہ اسے فاسد نہ کرے گی۔ ''حموی''۔

وہ عمل جس کا عین میں اثر ہو اس کے سبب اجیر کا عین کو محبوس کرنا جائز ہے

29457_(قولہ: حَبَسَهَا) یہ فعل ماضی ہے یا مصدر ہے دوسرا مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے۔ جو لہ ہے اور جملہ من کی خبر ہے۔

یہاں ایک اشکال باقی ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ سپرد کرنے کے بعد مطالبہ کا مستحق ہو جاتا ہے جس طرح قول گزر چکا ہے جب وہ اسے روک لے نہ سپرد کرنا پایا گیا اور نہ مطالبہ ہوگا۔ اس اعتراض کو دور کرنا ممکن ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے کہ اس کا قول اس بارے میں ہے جو قول گزر چکا ہے جب وہ عمل سے فارغ ہو جائے اور سپرد کر دے تو اسے مطالبہ کا حق ہوگا۔ اس کا مفہوم یہاں منطوق کے ساتھ معطل ہے۔ ''سائحانی''۔

لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے اس وقت سپرد کرنے کے ذکر کا کوئی فائدہ نہیں جب کہ علما نے فرمایا: اجرت، سپرد کرنے سے ہی واجب ہوگی۔ اگر وہ چیز اس سے پہلے ہی اس کے ہاتھ میں ہلاک ہو گئی تو اجرت ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ معقود علیہ سپرد نہیں کیا گیا جب کہ وہ عمل کا اثر ہے۔ جس کا کوئی اثر نہ ہو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس میں فارغ ہونے کے ساتھ اجر واجب ہو جاتا ہے۔ اور سپرد کرنے کے بعد اسے محبوس کرنے پر محمول کرنا ممکن نہیں اس معنی میں کہ آنے والے قول کی وجہ سے واپس لوٹانے کا حق ہوتا ہے۔ اگر وہ محبوس رکھے اور وہ چیز ضائع ہو گئی تو کوئی اجر نہیں ہوگا ساتھ ہی سپرد کرنے سے اجر واجب ہو جاتا ہے اس بنا پر کہ حکمی طور پر سپرد کرنے کے بعد وہ مستاجر کے گھر میں عمل کرنے کی طرح ہے۔ اسے محبوس کرنے کا حق نہیں ہوگا جس طرح عنقریب اس کا ذکر کریں گے تو حقیقی طور پر سپرد کرنے کے بعد کیا حالت ہوگی۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ

قَوْلَانِ أَصَحُّهُمَا الثَّانِي فَغَاسِلُ الثَّوْبِ وَكَاسِرُ الْفُسْتُقِ وَالْحَطَبِ وَالطَّحَّانُ وَالْخَيَّاطُ وَالْخَفَّافُ وَحَالِقُ رَأْسِ الْعَبْدِ لَهُمْ حَبْسُ الْعَيْنِ بِالْأَجْرِ عَلَى الْأَصَحِّ مُجْتَبَى، وَهَذَا (إِذَا كَانَ حَالًّا أَمَّا إِذَا كَانَ) الْأَجْرُ (مُؤَجَّلًا فَلَا) يَمْلِكُ حَبْسَهَا كَعَمَلِهِ فِي بَيْتِ الْمُسْتَأْجِرِ بِتَسْلِيمِهِ حُكْمًا وَتُضَمَّنُ بِالتَّعَدِّي وَلَوْ فِي بَيْتِ الْمُسْتَأْجِرِ غَايَةٌ (فَإِنْ حُبِسَ فَضَاعَ فَلَا أَجْرَ وَلَا ضَمَانَ) لِعَدَمِ التَّعَدِّي (وَمَنْ لَا أَثَرَ لِعَمَلِهِ

اس بارے میں دو قول ہیں۔ ان دونوں میں اصح دوسرا قول ہے۔ پس کپڑے دھونے والا، پستہ توڑنے والا، لکڑیاں پھاڑنے والا، آٹا پیسنے والا، درزی، موزے بنانے والا اور غلام کے سر کا حلق کرنے والا ان سب کو اجر کے بدلے میں عین کو محبوس کرنے کا حق ہے۔ یہ اصح قول کے مطابق ہے، ''مجتبیٰ''۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب اجرت فی الحال دینی ہو مگر جب اجرت موجل ہو تو پھر اسے محبوس کرنے کا اختیار نہیں رکھتا جس طرح جو آدمی مستاجر کے گھر میں کام کرتا ہے۔ کیونکہ وہ حکماً اس کو سپرد کر چکا ہوتا ہے۔ تعدی کرنے کی صورت میں وہ ضامن ہوگا اگرچہ وہ مستاجر کے گھر میں ہو، ''غایہ''۔ اگر وہ محبوس کرے اور وہ چیز ضائع ہو جائے تو نہ اجرت ہوگی اور نہ ضمانت ہوگی کیونکہ تعدی نہیں پائی گئی۔ اور جس کے عمل کا اثر نہ ہو

صرف ضمان نہ ہوگی۔ کیونکہ اگر اسے محبوس کرنے کا حق نہ ہوگا تو اس کے بعد ضائع ہونے سے ضامن ہوگا، فلیتامل۔

29458۔ (قولہ: أَصَحُّهُمَا الثَّانِي) اسی طرح ''غرر الافکار'' اور ''غایۃ البیان'' میں ''قاضی خان'' کی پیروی میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ''البحر'' میں کہا ہے: ''نسفی'' نے اپنی ''مستصفی'' میں ''الذخیرہ'' کی طرف منسوب کرتے ہوئے پہلے قول کو صحیح قرار دیا ہے پس تصحیح مختلف ہو گئی۔ پس اس کی ترجیح کی جانی چاہیے۔ ''ہدایہ'' میں اپنے اس قول: و غسل الثوب نظیر الحمل کے ساتھ اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔

29459۔ (قولہ: وَالْخَيَّاطُ وَالْخَفَّافُ) یہ اس قول کے مطابق ظاہر روایت ہے کہ دھاگا کپڑے کے مالک کے ذمہ ہوگا۔ یہ صاحب ''ظہیریہ'' کے عرف کے مطابق ہے۔ جہاں تک ان سے ماقبل کے عرف کا معاملہ ہے وہی ہمارا عرف ہے کہ دھاگا خیاط کے ذمہ ہے پس ظاہر نہ ہوگا کیونکہ دھاگا رنگ کی طرح ہے۔ ''سائحانی''۔

29460۔ (قولہ: بِالْأَجْرِ) باسببیہ ہے یا علت کے لیے ہے۔

29461۔ (قولہ: بِتَسْلِيمِهِ حُكْمًا) کیونکہ کمرہ اس کے قبضہ میں ہے یہ حقیقی طور پر سپرد کرنے کی طرح ہے پس اس کے بعد محبوس کرنے کا مالک نہیں ہوگا۔

29462۔ (قولہ: فَإِنْ حُبِسَ) اگر وہ اس میں محبوس کرے جب اجر فی الحال لازم ہو۔

29463۔ (قولہ: لِعَدَمِ التَّعَدِّي) جس طرح وہ پہلے امانت تھا اسی طرح وہ امانت ہی رہے گا۔ یہ ضمانت نہ ہونے کی علت ہے اور اجر نہ ہونے کی علت مقصود علیہ کا سپرد کرنے سے پہلے ہلاک ہو جانا ہے۔

29464۔ (قولہ: وَمَنْ لَا أَثَرَ لِعَمَلِهِ) یعنی جس کے عمل کا اثر نہ ہو اس کا یہ حکم ہے مگر جو بھاگے ہوئے غلام کو واپس

كَالْحَمَّالِ عَلَى ظَهْرِ أَوْ دَابَّةٍ (وَالْمَلَّاحِ) وَغَاسِلِ الثَّوْبِ أَيْ لِتَطْهِيرِهِ لَا لِتَحْسِينِهِ مُجْتَبَى فَلْيُحْفَظْ (لَا يَحْبِسُ) الْعَيْنَ لِلْأَجْرِ (فَإِنْ حَبَسَ ضَمِنَ ضَمَانَ الْغَصْبِ) وَسَيَجِيءُ فِي بَابِهِ (وَصَاحِبُهَا بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ ضَمَّنَهُ قِيمَتَهَا) أَيْ بَدَلَهَا شَرْعًا (مَحْمُولَةً وَلَهُ الْأَجْرُ، وَإِنْ شَاءَ غَيْرَ مَحْمُولَةٍ وَلَا أَجْرَ) جَوْهَرَةٌ (وَإِذَا شَرَطَ عَمَلَهُ بِنَفْسِهِ) بِأَنْ يَقُولَ لَهُ اعْمَلْ بِنَفْسِكَ أَوْ بِيَدِكَ (لَا يَسْتَعْمِلُ غَيْرَهُ

جیسے اپنی پشت پر بوجھ اٹھانے والا یا جانور پر بوجھ لادنے والا اور جیسے ملاح اور کپڑے کو دھونے والا یعنی اس کو پاک کرنے کے لیے نہ اس کی خوبصورتی کے لیے "مجتبیٰ"۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ اجرت لینے کے لیے عین کو محبوس نہیں کیا جائے گا۔ اگر وہ محبوس کرے تو وہ غصب کی ضمان کی ضمانت اٹھائے گا۔ عنقریب اس کے باب میں آئے گا۔ اور اس کے صاحب کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو اس کی قیمت کی ضمانت لے لے یعنی شرعی طور پر اس کے بدل کی ضمانت لے لے جب کہ اسے اٹھایا گیا ہو اور اس کے لیے اجرت پر ہو اگر چاہے تو غیر محمولہ کی ضمانت لے لے اور اس کے لیے کوئی اجرت نہ ہوگی، "جوہرہ"۔ اس کے اپنے عمل کی شرط لگائی۔ اس کی صورت یہ ہے: خود عمل کرنا یا اپنے ہاتھ سے عمل کرنا وہ غیر سے عمل نہیں کرائے گا

لے کر آیا۔ "ابن کمال"۔

29465۔ (قولہ: كَالْحَمَّالِ) جیم کی بجائے حا سے لکھنا اولیٰ ہے تاکہ پشت پر بوجھ اٹھانے کو شامل ہو جائے جس طرح اتقانی نے ذکر کیا ہے۔ شارح نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

29466۔ (قولہ: وَالْمَلَّاحِ) یہ لفظ فتحہ اور تشدید کے ساتھ ہے۔ ملاح سے مراد کشتی والا۔

29467۔ (قولہ: لَا لِتَحْسِينِهِ) مگر جس کے عمل کا اثر ہو کیونکہ سفیدی پوشیدہ تھی جب کہ اس نے اسے ظاہر کر دیا۔ گویا اس نے اس میں سفیدی کو پیدا کیا تو اسے سابقہ اختلاف پر محبوس کرنے کا حق ہے۔

29468۔ (قولہ: وَسَيَجِيءُ فِي بَابِهِ) اس کی وجہ یہ ہے اگر وہ چیز مثلی ہے تو مثلی واجب ہوگی اگر اس کی مثل ختم ہو جائے تو اس کی قیمت لازم ہوگی وہ قضا کے دن کی ہو، غصب کے دن کی ہو یا بازار سے مثل کے منقطع ہونے کے دن کی ہو اسی اختلاف کی بنا پر جو آگے ذکر ہوگا۔ اگر وہ چیز ذوات القیم میں سے ہو تو بالاجماع اس کی قیمت غصب کے دن کی ہوگی۔

29469۔ (قولہ: أَيْ بَدَلَهَا) یہ عموم کو ظاہر کرنے کے لیے ہے تاکہ یہ مثلی چیزوں کو شامل ہو جائے "ح"۔

29470۔ (قولہ: بِأَنْ يَقُولَ لَهُ اعْمَلْ بِنَفْسِكَ أَوْ بِيَدِكَ) یہ متون کے اطلاق کا ظاہری معنی ہے شروح بھی اسی پر ہیں۔ "البحر" اور "المنح" میں "خلاصہ" سے جو زیادہ قول منقول ہے: ولا تعمل بيد غيرك تو ظاہر یہ ہے کہ یہ تاکید کی زیادتی کے لیے ہے۔ یہ قید احترازی نہیں تاکہ اس کے بغیر یہ اطلاق میں سے ہو جائے۔ تامل

اگر مستاجر یہ شرط لگائے کہ اجیر خود کام کرے گا تو کوئی دوسرا اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا

29471۔ (قولہ: لَا يَسْتَعْمِلُ غَيْرَهُ) خواہ اس کا غلام یا مزدور ہو، "قہستانی"۔ کیونکہ معقود علیہ محل معین میں عمل کرنا

إِلَّا الظِّئْرَ فَلَهَا اسْتِعْمَالُ غَيْرِهَا) بِشَرْطٍ وَغَيْرِهِ خُلَاصَةٌ (وَإِنْ أَطْلَقَ كَانَ لَهُ) أَيْ لِلْأَجِيرِ أَنْ يَسْتَأْجِرَ غَيْرَهُ، أَفَادَ بِالِاسْتِئْجَارِ أَنَّهُ لَوْ دَفَعَ لِأَجْنَبِيٍّ ضَمِنَ الْأَوَّلَ

مگر دائی، اسے حق حاصل ہے کہ اپنے علاوہ کسی اور سے کام لے شرط لگائی ہو یا شرط نہ لگائی ہو،''خلاصہ''۔اگر وہ مطلقاً عقد کرے تو مزدور کو حق حاصل ہوگا کہ وہ کسی اور کو اجرت پر رکھ لے استجار (اجرت پر لینا) کے ساتھ یہ بیان کیا کہ اگر اس نے کسی اجنبی کو وہ چیز دے دی تو پہلا ضامن ہوگا

ہے پس غیر اس کے قائم مقام نہیں ہوگا جس طرح معقود علیہ منفعت ہو۔اس کی صورت یہ ہے: وہ ایک آدمی کو ایک ماہ کے لیے خدمت پر لے تو کوئی اور اس کے قائم مقام نہیں ہوگا کیونکہ یہ عقد کے بغیر منفعت کا حصول ہے،''زیلعی''۔''العنایہ'' میں کہا: اس میں تامل ہے کیونکہ اگر وہ خیر کے معاملہ کی مخالفت کرے۔اس کی صورت یہ ہے: وہ ایسے آدمی سے کام لے جو اس سے زیادہ کاریگر ہو یا ایسا جانور سپرد کرے جو اس سے زیادہ قوی ہو تو چاہیے کہ وہ جائز ہو۔

''سائحانی'' نے یہ جواب دیا: وہ چیز جو مستعمل کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جائے تو اس میں قید لگانا مفید ہوگا اور جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ اسی قبیل سے تعلق رکھتا ہے۔''الخانیہ'' میں ہے: اگر وہ اپنے غلام یا اپنے شاگرد کو دے دے تو اجر واجب نہیں ہوگا۔گزشتہ تعلیل کے ساتھ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ کسی سے کام نہ لینے سے مراد یہ نہیں کہ وہ چیز اسے دینا حرام ہے ساتھ ہی اجارہ صحیح ہو، مسمی کا وہ مستحق نکل آئے یا اجارہ فاسد ہو اور وہ اجرت مثلی کا مستحق نکل آئے اور دوسرے کے لیے سامان کے مالک پر کوئی شے لازم نہ ہو۔کیونکہ دونوں کے درمیان اصلا عقد موجود نہیں کیا دینے والے پر اس کے لیے اجرت مثلی ہے۔یہ محل تردد ہے پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

29472۔(قولہ: بِشَرْطٍ وَغَيْرِهِ) لیکن شارح اجارہ فاسدہ میں''شرنبلالیہ'' سے عنقریب یہ ذکر کریں گے: اگر اس عورت نے وہ چیز اپنی خادمہ کو دے دی یا وہ ایسی عورت کو اجرت پر لے جو اسے دودھ پلائے تو اس کے لیے اجارہ ہوگا۔مگر جب وہ اس کے دودھ پلانے کی شرط لگائے۔یہ اصح قول کے مطابق ہے۔گویا جو قول یہاں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کئی عوارض پر پیش کیا جاتا ہے۔بعض اوقات بچے کو دودھ پلانا اس پر متعذر رہتا ہے پس ضرر لاحق ہوتا ہے پس یہ شرط لغو ہوگی۔تامل

29473۔(قولہ: وَإِنْ أَطْلَقَ) یعنی اس کے اپنے ہاتھوں سے کام کرنے کی قید نہ لگائے اور کہا: میرے لیے اس کپڑے پر خط لگا دو یا اسے رنگ دو جب کہ مزدوری ایک درہم ہوگی مثلاً کیونکہ مطلق کرنے کے ساتھ وہ غیر کے عمل کے پائے جانے سے راضی ہو گیا ہے،''قہستانی''۔اسی میں سے وہ ہے جسے مصنف عنقریب ذکر کریں گے۔

29474۔(قولہ: أَفَادَ بِالِاسْتِئْجَارِ) مراد ان کا یہ قول ہے یستاجر غیرہ۔

29475۔(قولہ: لِأَجْنَبِيٍّ) یعنی جو مزدور نہ ہو۔''ح''۔

29476۔(قولہ: ضَمِنَ الْأَوَّلَ) یعنی جب اسے چوری کر لیا گیا اس میں کوئی اختلاف نہیں۔''قہستانی''۔

لَا الثَّانِي، وَبِهِ صَرَّحَ فِي الْخُلَاصَةِ، وَقَيَّدَ بِشَرْطِ الْعَمَلِ؛ لِأَنَّهُ لَوْ شَرَطَهُ الْيَوْمَ أَوْ غَدًا فَلَمْ يَفْعَلْ وَطَالَبَهُ مِرَارًا فَفَرَّطَ حَتَّى سُرِقَ لَا يَضْمَنُ وَأَجَابَ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ بِالضَّمَانِ، كَذَا فِي الْخُلَاصَةِ (وَقَوْلُهُ عَلَى أَنْ تَعْمَلَ إِطْلَاقٌ) لَا تَقْيِيدٌ مُسْتَصْفًى، فَلَهُ أَنْ يَسْتَأْجِرَ غَيْرَهُ

دوسرا ضامن نہیں ہوگا،''الخلاصہ'' میں اسی کی تصریح کی ہے۔ عمل کی شرط لگائی ہے کیونکہ اگر وہ آج یا کل کی شرط لگائے اور اس نے وہ عمل نہ کیا اور اس نے مزدور سے بار بار مطالبہ کیا تو اس مزدور نے کوتاہی کی یہاں تک کہ اسے چوری کر لیا گیا تو وہ ضامن نہ ہوگا۔ ''شمس الائمہ'' نے ضمان کے لازم کرنے کے ساتھ جواب دیا ہے۔ ''الخلاصہ'' میں یہ اسی طرح ہے۔ اور اس کا قول ان تعمل تو عمل کرے یہ اطلاق ہے تقیید نہیں ''مستصفی''۔ پس اسے حق حاصل ہوگا کہ وہ کسی اور کو مزدوری پر رکھ لے۔

29477۔ (قولہ: لَا الثَّانِي) یہ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک اسے دونوں میں سے جس سے چاہے ضمانت لینے کا اختیار حاصل ہے۔ ''خلاصہ''۔

اگر مستاجر آج یا کل کام کرنے کی شرط لگائے اور مزدور کوتاہی کرے تو اس کا حکم

29478۔ (قولہ: وَقَيَّدَ بِشَرْطِ الْعَمَلِ) یعنی سستی کی اور اس مدت میں عمل نہ کیا اور اس کی حفاظت میں کوئی کوتاہی نہ کی۔

29479۔ (قولہ: فَفَرَّطَ) یعنی اس نے تساہل سے کام لیا اور اس مدت میں کام نہ کیا اور اسکی حفاظت میں کوتاہی نہ کی۔

29480۔ (قولہ: لَا يَضْمَنُ) گویا اس کی وجہ یہ ہے کہ الیوم کا لفظ مثلاً جلدی کرنے کے لیے ہے۔ ''ط''۔

29481۔ (قولہ: وَأَجَابَ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ) اس قول کا ظاہر یہ ہے کہ مراد صرف یہی عمل ہے کیونکہ قابل اعتماد قول پہلا ہے کیونکہ شمس الائمہ اس جواب میں منفرد ہیں۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: ''جامع الفصولین'' میں ہے: بخاری کے ائمہ سے ایک دھوبی کے بارے میں فتویٰ طلب کیا جس پر یہ شرط لگائی گئی تھی کہ وہ آج عمل سے فارغ ہو جائے پس وہ فارغ نہ ہوا اور وہ چیز اگلے دن تلف ہو گئی۔

ان ائمہ نے جواب دیا: وہ ضامن ہوگا۔ اس کی مثل ''الذخیرہ'' سے نقل کیا گیا پھر ''فتاویٰ دیناری'' سے نقل کیا گیا: اگر وہ دونوں آپس میں اختلاف کریں تو چاہیے کہ دھوبی کی تصدیق کی جائے۔ کیونکہ وہ شرط اور ضمان کا انکار کرتا ہے اور دوسرا اس کا دعویٰ کرتا ہے پھر اگر وہ شرط لگائے اور چند دنوں کے بعد وہ کپڑے دھو دے تو چاہیے کہ اجرت واجب نہ ہو۔ کیونکہ عقد اجارہ باقی نہیں رہا اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ ہلاک ہو جائے تو ضمان واجب ہوگی اور وہ اس طرح ہو گیا کہ اگر وہ کپڑے کا انکار کرے پھر انکار کے بعد دھلا ہوا اسے لے آئے۔

29482۔ (قولہ: إِطْلَاقٌ) یعنی اس کا حکم اطلاق کا حکم ہے۔ ''ح''۔

(اسْتَأْجَرَهُ لِيَأْتِيَ بِعِيَالِهِ فَمَاتَ بَعْضُهُمْ فَجَاءَ بِمَنْ بَقِيَ فَلَهُ أَجْرُهُ بِحِسَابِهِ) ؛ لِأَنَّهُ أَوْفَى بَعْضَ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ، وَقَيَّدَ بِقَوْلِهِ (لَوْ كَانُوا) أَيْ عِيَالُهُ (مَعْلُومِينَ) أَيْ لِلْعَاقِدَيْنِ لِيَكُونَ الْأَجْرُ مُقَابَلًا بِجُمْلَتِهِمْ (وَإِلَّا) يَكُونُوا مَعْلُومِينَ (فَكُلُّهُ) أَيْ لَهُ كُلُّ الْأَجْرِ

ایک آدمی نے کسی کو اجرت پر لیا تا کہ وہ اس کے عیال لے آئے تو ان میں سے بعض فوت ہو گئے تو جو باقی تھے ان کو لے آیا تو اس مزدور کے لیے اس کے حساب سے اجرت ہو گی۔ کیونکہ اس نے بعض معقود علیہ کو پورا کیا اور اپنے اس قول: لو کانوا معلومین کے ساتھ قید لگائی ہے یعنی اس کے عیال دونوں متعاقدین کو معلوم تھے تا کہ اجرت ان سب کے مقابل ہو اگر عیال معلوم نہ ہوں تو مزدور کے لیے مکمل اجرت ہو گی۔

29483_(قولہ: فَمَاتَ بَعْضُهُمْ الخ) اگر سب مر جائیں تو اصلاً اجرت نہ ہو گی۔ کیونکہ جس امر پر عقد کیا گیا تھا وہ ان کو لانا تھا جو نہیں پایا گیا۔ ''رملی''۔

کسی کو اجرت پر لیا گیا تا کہ وہ اس کے عیال لے آئے پھر ان میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اجرت کا حکم

29484_(قولہ: فَلَهُ أَجْرُهُ بِحِسَابِهِ) یعنی آنے کی اجرت جہاں تک جانے کی اجرت کا تعلق ہے تو وہ کامل ہو گی۔ ''مقدسی'' نے ''کفایہ'' سے نقل کیا ہے۔ ''سائحانی''۔

میں کہتا ہوں: ''معراج'' میں ''ہدایہ'' کی عبارت نقل کرنے کے بعد کہا: وہ یہ ہے اس نے اجرت پر لیا تا کہ اسے بصرہ لے جائے اور اس کے عیال کو لے آئے الخ۔ یہ ''ہندوانی'' کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ ''فضلی'' سے یہ مروی ہے: شہر میں اسے اجرت پر لیا گیا تا کہ دیہات سے گندم اٹھا لائے وہ آدمی مر گیا اور گندم نہ پائی اور واپس آ گیا اگر اس نے کہا تھا: میں نے تجھے اجرت پر لیا ہے یہاں تک کہ تو دیہات سے لے آئے تو کوئی شے واجب نہ ہو گی۔ کیونکہ پہلی صورت میں عقد دو چیزوں پر ہے دیہات کی طرف جانا اور وہاں سے گندم اٹھا لانا۔ اور دوسری میں اٹھانے کی شرط ہے جب کہ وہ شرط نہیں پائی گئی تو کوئی شے واجب نہ ہو گی۔ ''ذخیرہ'' اور ''تمرتاشی'' میں اسی طرح ہے۔ اس کی مثل ''تبیین'' میں ''ہدایہ'' سے مروی ہے۔ متون کا ظاہر یہ ہے کہ ''ہندوانی'' کے قول کو اختیار کیا گیا ہے۔ پس غور کرنا چاہیے کہ ''ہدایہ'' کی عبارت کی بنا پر کیا فرق ہے۔ کیونکہ اس میں دو چیزوں پر اجارہ کا عقد ہوا ہے۔ ہاں مصنف کی عبارت ''کنز'' کی طرح ظاہر ہے۔ شاید جانے کی تصریح قید نہیں پس فرق ظاہر ہو گیا، ''تاتر خانیہ'' میں جو قول ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے: ایک آدمی نے مزدور کو اجرت پر لیا تا کہ مطمورہ (تہہ خانہ) سے اس کے لیے اتنی اٹھا لائے وہ گیا اور اس نے مطمورہ نہ پایا تو وہ آدمی نصف اجرت کا مستحق ہو جائے گا اس تعبیر کی بنا پر اگر تمام عیال فوت ہو جائیں تو جانے کا اجر واجب ہو جائے گا۔ یہ اس کے مخالف ہے جو ہم نے پہلے ''رملی'' سے بیان کیا ہے۔ فتامل

29485_(قولہ: لِلْعَاقِدَيْنِ) یا مزدور کے لیے ان کی تعداد ذکر کی۔ ''شرنبلالیہ''۔

29486_(قولہ: أَيْ لَهُ كُلُّ الْأَجْرِ) ''قہستانی'' میں ہے: اگر وہ سب مجہول ہوں تو اجارہ فاسد ہو جائے گا اور اجرت

وَنَقَلَ ابْنُ الْكَمَالِ إِنْ كَانَتْ الْمُؤْنَةُ تَقِلُّ بِنُقْصَانِ عَدَدِهِمْ فَبِحِسَابِهِ وَإِلَّا فَكُلُّهُ (اسْتَأْجَرَ رَجُلًا لِإِيصَالِ خط) أَيْ كِتَابٍ (أَوْ زَادٍ إِلَى زَيْدٍ، إِنْ رَدَّهُ) أَيْ الْمَكْتُوبَ أَوْ الزَّادَ (لِمَوْتِهِ) أَيْ زَيْدٍ (أَوْ غَيْبَتِهِ لَا شَيْءَ لَهُ)؛ لِأَنَّهُ نَقَضَهُ بِعَوْدِهِ كَالْخَيَّاطِ إِذَا خَاطَ ثُمَّ فَتَقَ وَفِي الْخَانِيَّةِ اسْتَأْجَرَهُ لِيَذْهَبَ لِمَوْضِعِ كَذَا

''ابن کمال'' نے نقل کیا ہے۔ اگر ان کی تعداد کے کم ہونے سے مؤنت کم ہو جاتی ہے تو مزدوری اسی حساب سے ہو گی ورنہ پوری مزدوری ہو گی۔ ایک آدمی کو اجرت پر لیا تا کہ وہ مکتوب یا زاد زید تک پہنچائے اگر اس نے مکتوب یا زاد زید کی موت کی وجہ سے واپس کر دیا یا اس کے غائب ہونے کی وجہ سے واپس کر دیا تو اس کے لیے کوئی شے نہ ہو گی۔ کیونکہ اسے واپس کر کے اپنے عقد کو توڑ دیا جس طرح ایک درزی جب کپڑا سیے پھر اس کو ادھیڑ دے۔ ''الخانیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے کسی کو اجرت پر لیا کہ معین اجرت پر فلاں جگہ جائے

مثلی لازم ہو جائے گی۔ اگر یہاں کل کو اجرت مثلی کے کلی پر محمول کیا جائے تو تنافی زائل ہو جائے گی۔ ''ط''۔

29487۔ (قولہ: إِنْ كَانَتْ الْمُؤْنَةُ تَقِلُّ) یہ مصنف کے قول: فلہ اجرہ بحسابہ کے لیے قید ہے یہ امام ''ہندوانی'' سے منقول ہے۔

29488۔ (قولہ: وَإِلَّا فَكُلُّهُ) جس طرح فوت ہونے والی چیز چھوٹی ہو یا وہ کشتی کرایہ پر لینے کے بارے میں تھی کیونکہ اس میں عدد کے نقصان سے فرق ظاہر نہیں ہوتا اگر چہ کبار کی جانب سے ہو۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب اجرت پر لینا اس لیے ہو کہ وہ ان سب کو اٹھا لائے اگر اجرت پر لینا اس لیے ہو کہ ان کی سنگت اختیار کرے اور بوجھ اٹھانا مرسل پر ہو یا محل قریب ہو جب کہ وہ سب پیدل ہو یا محل بعید ہو اور انہیں چلنے پر قدرت ہو تو اس پر سب اجرت لازم ہو جائے گی۔ کیونکہ جماعت کی مصاحبت ایک فرد کے کم ہونے یا دو فردوں کے کم ہونے سے کم نہیں ہوتی مگر جب وہ سب غلام ہوں تو ان میں سے بعض کی حفاظت تمام کی حفاظت سے کم ہوتی ہے۔ ''حموی''، بحث۔ ''ط''۔

اگر کوئی کسی آدمی کو زاد یا مکتوب زید تک پہنچانے کے لیے اجرت پر لے تو اس کا حکم

29489۔ (قولہ: لِإِيصَالِ قِطٍّ) قط قاف کے کسرہ اور طا کی تشدید کے ساتھ ہے مراد ایسی شے پہنچانا جس میں مؤنت نہ ہو (بعض نسخوں میں خط کا لفظ ہے) اور ان کا قول او زاد یعنی جس کو پہچانے میں مؤنت ہو۔

29490۔ (قولہ: لَا شَيْءَ لَهُ) یعنی آنے اور جانے کی اجرت نہیں ہو گی۔ جہاں تک زاد کا تعلق ہے تو اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں اور مکتوب کا معاملہ ہو تو شیخین کے نزدیک کوئی اجرت نہ ہو گی۔ جہاں تک امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق ہے تو جانے کی اجرت واجب ہے خواہ جواب لانے کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو جس طرح ''نہایہ'' وغیرہ میں ہے۔ اور یہ ظن میں سے ہے کہ جواب لانے کی قید ضروری ہے یہاں تک امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ثابت ہو۔ اگر وہ یہ قید نہ لگائے تو چاہیے کہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکمل اجرت ہو۔ ''قہستانی''۔

وَيَدْعُوَ فُلَانًا بِأَجْرٍ مُسَمًّى فَذَهَبَ لِلْمَوْضِعِ فَلَمْ يَجِدْ فُلَانًا وَجَبَ الْأَجْرُ (فَإِذَا دَفَعَ الْخط إِلَى وَرَثَتِهِ) فِي صُورَةِ الْمَوْتِ (أَوْ مَنْ يُسَلِّمُ إِلَيْهِ إِذَا حَضَرَ) فِي صُورَةِ غَيْبَتِهِ (وَجَبَ الْأَجْرُ بِالذَّهَابِ) وَهُوَ نِصْفُ الْأَجْرِ الْمُسَمَّى كَذَا فِي الدُّرَرِ وَالْغُرَرِ، وَتَبِعَهُ الْمُصَنِّفُ،

اور فلاں کو بلا لائے وہ آدمی اس جگہ گیا اور فلاں کو نہ پایا تو اجرت واجب ہو جائے گی۔ جب موت کی صورت میں اس نے خط اس کے ورثاء کے حوالے کر دیا یا اس کے حوالے کر دیا جو اس کے آنے پر اس کے حوالے کر دے یہ اس صورت میں ہے جب وہ غائب ہو تو جانے کا اجر واجب ہوگا وہ معین کیے گئے اجر کا نصف ہے۔ ''الدرر'' اور ''الغرر'' میں اسی طرح ہے۔ مصنف نے اس کی پیروی کی ہے

میں کہتا ہوں: ہاں لیکن اس کی قید لگانا آنے والے مسئلہ جو ''الدرر'' سے لیا گیا ہے کو دیکھتے ہوئے واجب ہے جس طرح ''جامع صغیر''، ''ہدایہ'' اور ''کنز'' میں واقع ہے جس طرح عنقریب یہ ظاہر ہوگا۔ اختلاف کی بنیاد امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ اور شیخین کے درمیان ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اجرت مسافت طے کرنے کی بنا پر ہے۔ کیونکہ اس میں مشقت ہے مکتوب اٹھانے کی وجہ سے نہیں۔

شیخین کے نزدیک دونوں منتقل کرنے کی بنا پر ہے۔ کیونکہ یہ مقصود کا وسیلہ ہے وہ وہاں کھانا رکھنا ہے اور کتاب میں جو کچھ ہے اس میں آگاہی حاصل کرنا ہے۔ جب اس نے اسے رد کر دیا تو اس نے معقود علیہ کو توڑ دیا۔

29491۔ (قولہ: وَيَدْعُوَ فُلَانًا) ''قاضی خان'' نے رسالہ پہنچانے کی یہ صورت بیان کی ہے اور اس میں اور مکتوب پہنچانے کے مسئلہ میں یہ فرق بیان کیا کہ رسالہ کبھی مخفی ہوتا ہے مرسل اس پر راضی نہیں ہوتا کہ کوئی دوسرا اس پر مطلع ہو۔ جہاں تک مکتوب کا تعلق ہوتا ہے تو وہ مختوم ہوتا ہے اگر وہ اسے سربمہر چھوڑے تو کوئی دوسرا اس پر مطلع نہیں ہوگا۔ ''حلوانی'' نے اسے یقین سے بیان کیا ہے کہ رسالہ اور مکتوب حکم میں برابر ہیں۔ شارح نے اس کے بلانے کو رسالہ کی طرح قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یعنی یہ اس کے افراد میں سے ہے تامل۔ شارحین نے یہ ذکر کیا ہے: اگر وہ اس کو پائے اور اس کو رسالہ نہ پہنچائے اور لوٹ آئے تو اس کے لیے بالاجماع اجر ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے جس طرح ''زیلعی'' نے ''المحیط'' سے نقل کیا ہے کہ اجر قطع مسافت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ یہ اس کی وسعت میں ہے۔ جہاں تک رسالہ (پیغام) سنانے کا تعلق ہے یہ اس کی وسعت میں نہیں پس اجرت اس کے مقابل نہ ہوگی۔ فلیتامل

29492۔ (قولہ: وَجَبَ الْأَجْرُ بِالذَّهَابِ) یعنی جانے کا اجر بالاجماع واجب ہوگا جس طرح ''اتقانی'' وغیرہ نے اسے ذکر کیا ہے۔

29493۔ (قولہ: وَهُوَ نِصْفُ الْأَجْرِ الْمُسَمَّى) ''عزمیہ'' میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ یہ فحش غلطی ہے۔ کیونکہ جانے کی اجرت اور آنے کی اجرت مناصفہ کے طریقہ پر برابر ہو ان چیزوں میں سے جس پر اتفاق نہیں ہو سکتا۔ ہم نے ان کے علاوہ میں اس عبارت کو نہیں پایا۔

وَلَكِنْ تَعَقَّبَهُ الْمُحَشُّونَ وَعَوَّلُوا عَلَى لُزُومِ كُلِّ الْأَجْرِ، لَكِنْ فِي الْقُهُسْتَانِيِّ عَنْ النِّهَايَةِ أَنَّهُ إنْ شَرَطَ الْمَجِيءَ بِالْجَوَابِ فَنِصْفُهُ وَإِلَّا فَكُلُّهُ فَلْيَكُنْ التَّوْفِيقُ (وَإِنْ وَجَدَهُ وَلَمْ يُوصِلْهُ إلَيْهِ لَمْ يَجِبْ لَهُ شَيْءٌ) لِانْتِفَاءِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ وَهُوَ الْإِيصَالُ وَاخْتُلِفَ فِيمَا لَوْ مَزَّقَهُ (مُتَوَلِّي أَرْضِ الْوَقْفِ آجَرَهَا

لیکن محشیوں نے اس پر اعتراض کیا ہے اور اس پر اعتماد کیا کہ پورا اجر لازم ہوگا۔ لیکن ''قہستانی'' میں ''النہایہ'' سے مروی ہے: اگر اس نے جواب لانے کی شرط لگائی تھی تو نصف اجرت ہوگی ورنہ پوری اجرت ہوگی۔ پس اس طرح تطبیق ہو جائے گی۔ اگر اس نے اس متعلقہ شخص کو پایا اور اسے مکتوب نہ پہنچایا تو کوئی شے واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ معقود علیہ نہیں پایا گیا جو پہچانا ہے اگر وہ اس کو پھاڑ دے تو اس میں اختلاف کیا ہے۔ وقف کی زمین کے متولی نے اجرت

29494۔ (قولہ: وَلَكِنْ تَعَقَّبَهُ الْمُحَشُّونَ الخ) جس طرح ''وانی'' اور ''شرنبلالی'' ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں ہے: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے بلکہ اس کے لیے اجر کامل ہوگا۔ کیونکہ مقصود پہنچانا ہے کوئی اور مقصود نہیں جب کہ وہ مقصد پایا گیا پس نصف نصف کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ جب کہ متن تمام اجر کے وجوب پر صادق آتا ہے اس مسئلہ کی صورت صاحب ''المواہب'' نے کتاب الاستیجار میں بیان کیا ہے کہ مقصود پیغام پہنچانا اور جواب لانا ہوتا ہے۔

29495۔ (قولہ: عَنْ النِّهَايَةِ) اس کی تصریح اس کے علاوہ میں کی ہے۔

29496۔ (قولہ: فَلْيَكُنْ التَّوْفِيقُ) لیکن یہ صاحب ''الدرر'' پر اعتراض کو ختم نہیں کرتا۔ کیونکہ پہلے جواب کے لانے کی قید نہیں لگائی اور دوسری دفعہ نصف اجر کی قید لگائی ہے۔

اگر اجیر مکتوب کو پھاڑ دے تو اس کی اجرت کا حکم

29497۔ (قولہ: وَاخْتُلِفَ فِيمَا لَوْ مَزَّقَهُ) ''الخانیہ'' میں کہا: علما کے قول میں اس کے لیے اجر ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے عمل میں نقص پیدا نہیں کیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب اس نے اسے پھاڑ دیا تو چاہیے کہ اجر واجب نہ ہو۔ کیونکہ جب اس نے وہاں اسے چھوڑ دیا تو مکتوب الیہ کا وارث اس سے نفع حاصل کر سکتا ہے پس غرض حاصل ہو جاتی ہے۔ تمزیق کا معاملہ مختلف ہے۔ نظر وفکر کا مقتضا یہ ہے کہ جب اس نے مکتوب پہنچانے کے بعد اسے پھاڑ دیا تو اس کے لیے جانے کا اجر ہوگا۔ اگر اس سے پہلے اسے پھاڑ دیا تو اس کے لیے کوئی اجر نہ ہوگا۔ پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: ''خانیہ'' کا قول ہے: اس کے لیے اجر ہوگا یعنی جانے کا اجر ہوگا جس طرح ''قہستانی'' کی عبارت اس کو بیان کرتی ہے جب کہ یہ ظاہر ہے یہ حکم اس وقت ہے جب اس نے جواب لانے کی شرط ذکر کی ہو۔ چاہیے کہ اس میں غور وفکر کیا جائے۔ اگر مکتوب الیہ اسے پھاڑ دے یا مکتوب الیہ اسے جواب نہ دے جب کہ جواب لانے کی شرط لگائی گئی تھی کیا اس کے لیے نصف اجر ہوگا یا تمام اجر ہوگا؟ کیونکہ مکتوب الیہ نے جو کچھ کیا ہے وہ معنا جواب ہے۔ پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔

بِغَيْرِ أَجْرِ الْمِثْلِ يَلْزَمُ مُسْتَأْجِرَهَا) أَيْ مُسْتَأْجِرَ أَرْضِ الْوَقْفِ لَا الْمُتَوَلِّيَ كَمَا غَلِطَ فِيهِ بَعْضُهُمْ (تَمَامُ أَجْرِ الْمِثْلِ) عَلَى الْمُفْتَى بِهِ كَمَا فِي الْبَحْرِ عَنْ التَّلْخِيصِ وَغَيْرِهِ، وَكَذَا حُكْمُ وَصِيٍّ وَأَبٍ كَمَا فِي مَجْمَعِ الْفَتَاوَى (يُفْتَى بِالضَّمَانِ فِي غَصْبِ عَقَارِ الْوَقْفِ وَغَصْبِ مَنَافِعِهِ، وَكَذَا يُفْتَى بِكُلِّ مَا هُوَ أَنْفَعُ لِلْوَقْفِ) فِيمَا اخْتَلَفَ فِيهِ الْعُلَمَاءُ

مثلی کے بغیر زمین اجرت پر دی تو مکمل اجرت مثلی وقف کی زمین کے مستاجر پر لازم ہوگی متولی پر لازم نہ ہوگی جس طرح اس میں بعض علماء نے غلطی کی ہے۔ یہ مفتی بہ قول کے مطابق ہے جس طرح ''البحر'' میں ''تلخیص'' وغیرہ سے مروی ہے۔ وصی اور باپ کا حکم اسی طرح ہے جس طرح ''مجمع الفتاویٰ'' میں ہے۔ وقف کی جائیداد کے غصب کرنے میں اور اس کے منافع کے غصب میں ضمان کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر وہ چیز جو وقف کے لیے زیادہ نافع ہو اس کا فتویٰ دیا جاتا ہے جس میں علماء اختلاف کریں

29498۔(قولہ: بِغَيْرِ أَجْرِ الْمِثْلِ) زیادہ بہتر قول بدون اجر المثل ہے۔ کیونکہ غیر اکثر پر واقع ہوتا ہے اگرچہ مقام، مراد کو معین کردیتا ہے۔

29499۔(قولہ: كَمَا غَلِطَ فِيهِ بَعْضُهُمْ) ''البحر'' میں کہا: ''الخلاصہ'' میں ایک ایسی عبارت ہے جو اس امر کا وہم دلاتی ہے تو ناظر مکمل اجرت مثلی کا ضامن ہوگا۔ کہا: وقف کے متولی نے اجرت مثلی کے علاوہ پر وقف شدہ چیز اجرت پر دی اس پر مکمل اجرت مثلی لازم ہوگی۔ شیخ ''قاسم'' نے اپنے ''فتاویٰ'' میں اس کا رد کیا ہے کہ ضمیر مستاجر کی طرف لوٹتی ہے اس پر وہ قول دلالت کرتا ہے جسے ملخص ''الفتاوی الکبریٰ'' میں ذکر کیا ہے: ہمارے بعض علماء کے نزدیک اس کے مستاجر پر مکمل اجرت مثلی لازم ہوگی۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ ''الذخیرہ'' میں ہے: اگر مستاجر اسے سپرد کردے تو اس پر اجرت مثلی لازم ہوگی وہ کہاں تک پہنچے جس طرح مشائخ میں سے متاخرین نے اختیار کیا ہے۔ ملخص

29500۔(قولہ: وَكَذَا حُكْمُ وَصِيٍّ وَأَبٍ) یعنی جب دونوں نے بچے کی جائیداد اجرت مثلی کے بغیر اجرت پر دی اور مستاجر نے اسے اپنے قبضہ میں لے لیا تو اس پر مکمل اجرت لازم ہوگی۔ ''ط''۔

29501۔(قولہ: فِي غَصْبِ عَقَارِ الْوَقْفِ) ''الولوالجیہ'' میں کہا: عقار کے غصب اور وقف شدہ چیز کے غصب میں ضمان لازم ہونے کا فتویٰ دیا گیا ہے یہ وقف کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے جب اس پر قیمت کو لازم کیا گیا تو اس سے قیمت وصول کی جائے گی اور اس قیمت کے ساتھ ایک اور جاگیر خریدی جائے گی جو پہلے وقف کے طریقہ پر ہوگی۔ اسے ''شرح تنویر الاذہان'' میں ذکر کیا ہے۔ ''ط''۔

29502۔(قولہ: وَغَصْبِ مَنَافِعِهِ) ''جامع الفصولین'' میں کہا: ایک آدمی نے گھر خریدا پھر یہ ظاہر ہوا کہ یہ وقف ہے یا صغیر کی ملکیت ہے تو اس پر اجرت مثلی لازم ہوگا تا کہ دونوں کے مال کی حفاظت ہو اور مفتی بہ قول کے مقابل وہ ہے جسے

حَتَّى نَقَضُوا الْإِجَارَةَ عِنْدَ الزِّيَادَةِ الْفَاحِشَةِ نَظَرًا لِلْوَقْفِ وَصِيَانَةً لِحَقِّ اللهِ تَعَالَى حَاوِي الْقُدْسِيِّ (مَاتَ الْآجِرُ وَعَلَيْهِ دُيُونٌ) حَتَّى فُسِخَ الْعَقْدُ بَعْدَ تَعْجِيلِ الْبَدَلِ (فَالْمُسْتَأْجِرُ لَوِ الْعَيْنُ فِي يَدِهِ وَلَوْ بِعَقْدٍ فَاسِدٍ أَشْبَاهٌ (أَحَقُّ بِالْمُسْتَأْجَرِ مِنْ غُرَمَائِهِ) حَتَّى يَسْتَوْفِيَ الْأُجْرَةَ الْمُعَجَّلَةَ (إِلَّا أَنَّهُ لَا يَسْقُطُ الدَّيْنُ بِهَلَاكِهِ) أَيْ بِهَلَاكِ هَذَا الْمُسْتَأْجَرِ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِرَهْنٍ مِنْ كُلِّ وَجْهٍ (بِخِلَافِ الرَّهْنِ) فَإِنَّهُ مَضْمُونٌ بِأَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنَ الدَّيْنِ

یہاں تک کہ زیادۃ فاحشہ کی صورت میں اجارہ کو ختم کر دیا۔ یہ وقف کے منافع پیش نظر رکھنے اور اللہ تعالیٰ کے حق کی حفاظت کے پیش نظر کیا ہے،'' حاوی القدسی''۔ آجر فوت ہو گیا جب کہ اس پر دیون ہوں یہاں تک عقد بدل کی تعجیل کے ساتھ فسخ ہو گیا تو مستاجر، اگر عین اس کے قبضہ میں ہو اگرچہ عقد فاسد کے ساتھ ہو'اشباہ'، مستاجر کا اس کے غرما کی بنسبت زیادہ حقدار ہو گا یہاں تک کہ وہ اجرت معجلہ پوری پوری لے لے مگر اس مستاجر کے ہلاک ہونے کے ساتھ دین ساقط نہیں ہو گا۔ کیونکہ یہ ہر اعتبار سے رہن نہیں۔ رہن کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ اس کی اپنی قسمت اور دین سے جو کم ہو اس کے بدلے میں اس کی ضمانت ہو گی

عمدہ میں صحیح قرار دیا ہے کہ اس کے منافع کی ضمانت نہ ہو گی۔'' القنیہ'' میں اس کی پیروی کی ہے۔ ملخص

29503۔ (قولہ: عِنْدَ الزِّيَادَةِ الْفَاحِشَةِ) یعنی بغیر سرکشی کے اجرت مثلی سے زیادتی کے وقت جس طرح قریب ہی آئے گا'' ط''۔

29504۔ (قولہ: وَصِيَانَةً لِحَقِّ اللهِ تَعَالَى) کیونکہ وقف سے مراد عین کو محبوس کرنا اور اس کی منفعت کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر صدقہ کرنا ہے۔

29505۔ (قولہ: حَتَّى فُسِخَ الْعَقْدُ) یعنی موت کے سبب عقد فسخ ہو جائے بعض نسخوں میں حتی کی جگہ متی ہے۔ اگر فسخ کی جگہ انفسخ کا لفظ ذکر کرتے تو یہ زیادہ بہتر ہوتا۔

29506۔ (قولہ: لَوِ الْعَيْنُ فِي يَدِهِ) یعنی اگر عین موجرہ مستاجر کے ہاتھ میں مقبوض ہو،'' جامع الفصولین'' میں کہا: ایک آدمی نے ایک کمرہ اجارہ فاسدہ کے ساتھ اجرت پر لیا اور اجرت پہلے دے دی اور کمرے پر قبضہ نہ کیا یہاں تک کہ موجر مر گیا یا مدت ختم ہو گئی تو اس نے ارادہ کیا پہلے ادا کی گئی اجرت کے بدلے میں کمرے کو محبوس کرے جب کہ جائز اجارہ میں اسے یہ حق نہیں تو اجارہ فاسد میں بطور اولی جائز نہیں ہو گا۔ اگر مقبوض صحیح ہو یا مقبوض فاسد ہو تو اپنی پہلے ادا کی گئی اجرت کے بدلے میں اسے محبوس رکھنے کا حق ہو گا۔ اگر موجر مر جائے تو مستاجر اس کی ثمن کا زیادہ مستحق ہو گا یعنی جب موجر مر جائے اور اس کے ذمہ مستاجر کے علاوہ افراد کے دیون ہوں تو گھر بیچا گیا تو مستاجر دوسرے غرما کی بنسبت ثمن کا زیادہ حق دار ہو گا اگر ثمن اجرت معجلہ کی مقدار کا ہو۔ اگر ثمن زائد ہو تو زائد دوسرے قرض خواہوں کی ہو گی۔'' ابو سعود علی الاشباہ''۔

29507۔ (قولہ: بِأَقَلَّ مِنْ قِيمَتِهِ وَمِنَ الدَّيْنِ) یہ فاسد ترکیب ہے۔ صحیح یہ ہے: بالاقل من قیمتہ و من

كَمَا سَيَجِيءُ فِي بَابِهِ مَجْمَعُ الْفَتَاوَى فُرُوعٌ الزِّيَادَةُ فِي الْأُجْرَةِ مِنَ الْمُسْتَأْجِرِ تَصِحُّ فِي الْمُدَّةِ وَبَعْدَهَا وَأَمَّا الزِّيَادَةُ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ، فَإِنْ فِي الْمِلْكِ وَلَوْ لِيَتِيمٍ لَمْ تُقْبَلْ كَمَا لَوْ رَخِصَتْ،

جس طرح اس کے باب میں آئے گا۔ ''مجمع الفتاویٰ''۔ فروع: مستاجر کی جانب سے اجرت میں زیادتی مدت میں اور مدت کے بعد صحیح ہوتی ہے۔ جہاں تک مستاجر کی زیادتی کا تعلق ہے اگر یہ زیادتی ملک میں ہو اگرچہ یتیم کے لیے ہو تو زیادتی مقبول نہ ہوگی جس طرح اگر اجرت ارزاں ہو جائے۔

الدین، تو من بیانیہ ہوگا تفصیلیہ نہیں ہوگا، ''ح''۔ کیونکہ اس نے تقاضا کیا کہ مضمون ایسی شے ہے جو ان دونوں سے اقل ہے جب کہ وہ ان دونوں کے علاوہ ہے جب کہ وہ ان دونوں میں سے ایک ہے یہی اقل ہے۔ تامل

مستاجر کی طرف سے اجرت میں زیادتی مدت میں اور مدت کے بعد صحیح ہوتی ہے

29508۔ (قولہ: تَصِحُّ) اگر زیادتی اس جنس کے خلاف ہو جس پر اس نے اسے اجرت پر لیا ہے اگر اس کی جنس سے ہو تو پھر جائز نہیں۔ موجر کی جانب سے زیادتی کا معاملہ مختلف ہے پس مطلقاً جائز ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''ہندیہ'' سے نقل کیا ہے۔ ملخص

29509۔ (قولہ: بَعْدَهَا) صحیح لا بعدھا ہے جس طرح ''الاشباہ'' اور ''المنح'' میں ہے۔ کیونکہ عقد کا محل فوت ہو چکا ہے۔ مراد تمام مدت کے گزر جانے کے بعد ہے۔ جب بعض مدت گزر جائے تو ''خزانۃ الاکمل'' میں کہا: اگر ایک آدمی نے ایک گھر دو ماہ کے لیے اجرت پر لیا یا سواری اجرت پر لی تا کہ دو فرسخ اس پر سوار ہو جب وہ اس میں ایک ماہ رہا یا ایک فرسخ سفر کیا تو اجرت میں زیادتی کرے قیاس یہ ہے کہ ما بقی کے لیے زیادتی کا اعتبار کیا جائے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اسے استحسان قرار دیا ہے اور اسے ما بقی پر تقسیم کیا ہے۔ ''ابوسعود'' نے ''بیری'' سے اسے نقل کیا ہے۔

29510۔ (قولہ: وَلَوْ لِيَتِيمٍ) ''الاشباہ'' کی عبارت ہے: یہ اپنے عموم کی وجہ سے یتیم کے مال کو جامع ہے۔ ''حموی'' نے کہا: ''الاسعاف'' میں وقف اور یتیم کے مال میں برابری کی ہے۔ کیونکہ کہا: اگر مشرف نے وقف کی زمین کو یا یتیم کے وصی نے اجرت مثلی کے بغیر مکان اجرت پر دیا۔ ابن ''فضل'' نے کہا: چاہیے کہ مستاجر غاصب ہو۔ ''خصاف'' نے ذکر کیا ہے: وہ غاصب نہیں ہوگا اس پر اجرت مثلی لازم ہوگی۔ ''جوہرہ'' میں یہ تصریح کی ہے کہ یتیم کی زمین وقف کی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں: شارح نے چند سطور پہلے اس کا ذکر کیا ہے لیکن ہم جس بارے میں گفتگو کر رہے ہیں وہ اس کا غیر ہے جس طرح ذہین وفطین پر یہ امر مخفی نہیں۔ کیونکہ جس سے استشہاد کیا گیا ہے اس بارے میں ہے اجرت مثلی کے بغیر اجرت پر دیا گیا ہو اور ہماری گفتگو اس زیادتی کے بارے میں ہے جو عقد کے بعد ہو فرق صبح روشن کی طرح ہے۔

29511۔ (قولہ: لَمْ تُقْبَلْ) ''الاشباہ'' میں کہا: مطلقاً یعنی مدت سے پہلے اور اس کے بعد۔

29512۔ (قولہ: كَمَا لَوْ رَخِصَتْ) یعنی عقد کے بعد اجرت میں کمی واقع ہو گئی تو عقد فسخ نہیں ہوگا کیونکہ مستاجر اس پر راضی ہو گیا ہے۔

وَإِنْ فِي الْوَقْفِ فَإِنَّ الْإِجَارَةَ فَاسِدَةٌ آجَرَهَا النَّاظِرُ بِلَا عَرْضٍ عَلَى الْأَوَّلِ لَكِنَّ الْأَصْلَ صِحَّتُهَا بِأَجْرِ الْمِثْلِ وَلَوْ ادَّعَى رَجُلٌ أَنَّهَا بِغَبْنٍ فَاحِشٍ، فَإِنْ أَخْبَرَ الْقَاضِيَ ذُو خِبْرَةٍ أَنَّهَا كَذٰلِكَ فَسَخَهَا وَتُقْبَلُ الزِّيَادَةُ

اگر زیادتی وقف میں ہو اگر اجارہ فاسد ہو تو نگران پہلے پر پیش کیے بغیر اس چیز کو اجارہ پر دے دے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ اجرت مثلی کے ساتھ اجارہ صحیح ہوگا۔ اگر ایک آدمی دعویٰ کرے کہ اجارہ غبن فاحش کے ساتھ ہے اگر باخبر قاضی اس کی خبر دے کہ یہ معاملہ اس طرح ہے تو وہ اس کو فسخ کر دے اور زیادتی کو قبول کیا جائے گا

29513۔ (قولہ: فَإِنَّ الْإِجَارَةَ فَاسِدَةٌ الخ) عنقریب سوادہ کے آخر میں آئے گا۔ اگر اس نے اجرت پر دیا ایسی اجرت کے بدلے میں جس میں لوگ غبن نہیں کرتے تو وہ اجارہ فاسد ہو جائے گا۔ پس وہ پہلے کو اسے اجرت صحیحہ پر دے دے گا یا کسی اور کو اجرت مثلی پر دے دے گا الخ۔ یہ اس میں صریح ہے کہ اگر فساد غبن فاحش کے سبب سے تھا تو اسے پہلے پر پیش کرنا لازم نہیں۔ ''العمادیہ'' میں اس کے خلاف ہے۔ لیکن ''حاشیۃ الاشباہ'' میں ذکر کیا ہے کہ عام کتابوں میں جو ہے وہ پہلا ہے۔

29514۔ (قولہ: لَكِنَّ الْأَصْلَ صِحَّتُهَا بِأَجْرِ الْمِثْلِ) ''الاشباہ'' میں یہ اسی طرح ہے۔ بعض نسخوں میں الاصح ہے۔ الاستدراک کا معنی یہ ہے کہ کلام وقف میں مستاجر پر زیادتی ہے۔ اور ان کا قول: فان الاجارۃ فاسدۃ الخ مجمل کلام ہے۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ مراد اجارہ کا فساد اس سبب سے ہے کہ اجرت عقد کے وقت اجرت مثلی کے بغیر ہو۔ پس اگر وہ اس وجہ سے اس کے فساد کا دعویٰ کرے تو نگران پہلے پر پیش کیے بغیر اسے اجرت پر دے دے۔ کیونکہ اس کا کوئی حق نہیں پس اس پر استدراک کیا۔ کیونکہ مقام تفصیل کا محتاج ہے۔ وہ یہ ہے کہ اصل یہ ہے کہ اجارہ اجرت مثلی کے ساتھ صحیح ہو۔ پس محض زیادتی کا دعویٰ قبول نہیں ہوگا بلکہ اگر صرف اکیلا قاضی اس کی خبر دے تو اسے قبول کیا جائے گا آخر تک جسے شارح نے ثابت کیا ہے۔ اس عبارت کی وضاحت میں ''الاشباہ'' کے محشیوں اور دوسرے علماء کی آراء میں اضطراب ہے۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے، فلیتامل۔ پھر میں نے ''انفع المسائل'' میں دیکھا ان کی کلام کی اسی طرح وضاحت کی ہے اس تعبیر کی بنا پر یہ مناسب تھا کہ قول ولو ادعی میں واؤ کی بجائے فا کا لفظ تفریع کے لیے ذکر کرتے۔

29515۔ (قولہ: بِغَبْنٍ فَاحِشٍ) اس سے مراد وہ ہے جو قیمت لگانے والوں کی قیمت کے تحت داخل نہ ہو یہ مختار تفسیر میں ہے۔ اس کی تفصیل علامہ ''قنلی زادہ'' کے رسالہ میں ہے۔

29516۔ (قولہ: فَإِنْ أَخْبَرَ الخ) یعنی قاضی اس مدعی کے قول کو قبول نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس پر یہ تہمت ہے کہ وہ اسے اجرت پر لینا چاہتا ہے اگر وہ اجنبی ہو یا اس سے خلاصی دلانا چاہتا ہے اور پہلے مستاجر کے علاوہ کسی اور کو اجارہ پر دینا چاہتا ہے۔ اگر وہ عاقد ہو جب کہ عقود میں اصل یہ ہے کہ وہ صحیح ہوتے ہیں۔

29517۔ (قولہ: ذُو خِبْرَةٍ) اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ ایک کافی ہے۔ یہ شیخین کے نزدیک ہے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ''اشباہ''۔

وَإِنْ شَهِدُوا وَقْتَ الْعَقْدِ أَنَّهَا بِأَجْرِ الْمِثْلِ، وَإِلَّا فَإِنْ كَانَتْ إِضْرَارًا وَتَعَنُّتًا لَمْ تُقْبَلْ، وَإِنْ كَانَتْ الزِّيَادَةُ أَجْرَ الْمِثْلِ فَالْمُخْتَارُ قَبُولُهَا

اگرچہ وہ عقد کے وقت یہ شہادت دیں کہ یہ اجارہ اجرت مثلی کے ساتھ ہے ورنہ اگر تکلیف پہنچانا اور تعنت ہو تو اجارہ کو قبول نہ کیا جائے گا اگر زیادتی اجرت مثلی ہو تو مختار یہ ہے کہ اسے قبول کیا جائے گا

29518۔(قولہ: وَإِنْ شَهِدُوا الخ) اسے ماقبل کلام کے ساتھ جوڑا ہے۔ سوادہ کے آخر میں ''حانوتی'' سے ایسا قول آئے گا جو اس کے مخالف ہے مگر شہادت سے یہ ارادہ کیا جائے جو قضا کے ساتھ متصل نہ ہو۔ یہ اس کی جانب سے ہے جو اس کی رائے رکھتا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت وہاں آئے گی۔

29519۔(قولہ: وَإِلَّا) یعنی اگر باخبر اس کو خبر نہ دے کہ یہ اجارہ غبن فاحش کے ساتھ واقع ہوا ہے تو اس میں تفصیل ہے۔ یہ معنی میں ان کے قول: فان الاجارۃ فاسدۃ کے مقابل ہے۔ کیونکہ وہ اس وقت صحیح ہے پس کلام دو قسموں پر مکمل ہوئی۔

29520۔(قولہ: إِضْرَارًا وَتَعَنُّتًا) ''ابن نجیم'' نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تفسیر اس زیادتی کے ساتھ کی ہے جسے ایک یا دو آدمی ہی قبول کرتے ہیں۔ ''ینابیع'' میں ہے: بعض لوگوں نے اس کی اجرت میں اضافہ کیا تو ان کی طرف توجہ نہ کی جائے گی شاید وہ متعنت ہو۔ ''ط''۔

29521۔(قولہ: وَإِنْ كَانَتْ الزِّيَادَةُ أَجْرَ الْمِثْلِ) ''الاشباہ'' کی عبارت لام کی زیادتی کے ساتھ ہے۔ بعض نسخوں میں یہ اس طرح ہے۔ مراد یہ ہے کہ اجرت فی نفسہا زائد ہو۔ کیونکہ سب کے نزدیک اس کا بھاؤ زیادہ ہے مگر جب اجرت مثل زیادہ ہو جائے۔ کیونکہ لوگ اسے اجارہ پر لینے میں زیادہ رغبت رکھتے ہیں تو پھر نہیں جس طرح ''عینی'' کی ''شرح المجمع'' میں ہے۔ ''حموی'' اس کی مثل ''شرح ابن الملک'' میں ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ غیر معقول ہے کیونکہ اگر اجرت مثلاً گندم ہو اور مدت کے دوران اس کی قیمت بڑھ جائے جس طرح ''ابن ملک'' نے اس کی مثال دی ہے۔ پس اجارہ ختم کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ بلکہ مراد یہ ہے کہ اجرت مثلی رغبتوں کی زیادتی کی وجہ سے زائد ہو جائے جس طرح مذہب کے مشائخ کی عبارات میں واقع ہوا ہے۔ ''ابوسعود'' کے ''حاشیہ الاشباہ'' میں علامہ ''بیری'' سے منقول ہے جس کا حاصل یہ ہے: نفس اجرت میں بھاؤ کی زیادتی کا اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ اجارہ ختم کرنے میں نہ وقف کا کوئی فائدہ اور مصلحت ہے اور نہ ہی مستحقین کا کوئی فائدہ اور مصلحت ہے جس طرح علامہ ''طرابلسی'' نے اپنے ''فتاویٰ'' میں بیان کیا ہے جو ''شرح المجمع'' میں ہے اسے اس کے ساتھ رد کر دیا گیا ہے۔ اور اسے ان مواضع میں سے بنایا ہے جن میں ان پر تنقید کی گئی ہے۔

اجرت مثلی کی زیادتی سے مراد

ایک شے باقی رہ گئی ہے جس پر تنبیہ کرنا واجب ہے وہ یہ ہے کہ اجرت مثلی کی زیادتی سے کیا مراد ہے؟ ہم کہتے ہیں: ان

فَيَفْسَخُهَا الْمُتَوَلِّي، فَإِنْ امْتَنَعَ فَالْقَاضِي

پس متولی اس کو فسخ کردے گا۔ اگر وہ فسخ کرنے سے رک جائے تو قاضی اس کو فسخ کردے گا

کی غالب کلام میں زیادتی مطلق واقع ہوئی ہے۔ علماء نے کہا: جب وہ رغبتوں کی زیادتی کے ساتھ زائد ہو جائے۔ ''حاوی القدسی'' کی عبارت میں واقع ہے۔ زیادت فاحشہ کے وقت اجارہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ''البحر'' کے کتاب الوقف میں ہے: فاحشہ کی قید لگانا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ تھوڑی سی زیادتی کے ساتھ اجارہ نہیں ٹوٹتا۔ شاید فاحشہ سے مراد وہ ہے جس میں لوگ غبن نہیں کرتے جس طرح نقصان کی طرف میں ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اجرت مثلی کی بجائے جائز ہے اگر وہ غبن تھوڑا سا ہو۔ دس میں ایک ایسا ہے جس میں لوگ غبن کرتے ہیں جس طرح علماء نے کتاب الوکالہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ اچھی قید ہے جس کی حفاظت کرنا واجب ہے جب گھر کی اجرت مثلاً دس ہو اس نے اجرت مثلی پر ایک کا اضافہ کر دیا تو اجارہ نہیں ٹوٹے گا جس طرح متولی نو پر وہ اجارہ پر دے دے تو اجارہ نہیں ٹوٹے گا۔ دونوں طرفوں میں دو درہموں کا معاملہ مختلف ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن ''حاوی حصیری'' میں تصریح کی ہے جس طرح ان سے ''بیری'' وغیرہ نے نقل کیا ہے: زیادت فاحشہ کی مقدار یہ ہے کہ اس کا نصف جس کے ساتھ پہلے اجرت پر دیا گیا ہو علامہ ''قنلی زادہ'' نے اسے نقل کیا ہے۔ پھر اس نے کہا: ہم نے اسے کسی اور کے ہاں نہیں دیکھا۔

حق یہ ہے کہ جس میں غبن نہیں کیا جاتا تو وہ زیادت فاحشہ ہے وہ نصف ہو یا چوتھائی۔ ایک اور موقع پر کہا: کیا وہ دو روایتیں ہیں یا عام کی مراد بھی وہی ہے جو ''حصیری'' نے ذکر کیا ہے؟ ہم سے پہلے کسی نے اس کی وضاحت نہیں کی۔

میں کہتا ہوں: ان کی دوسری کلام زیادہ قابل قبول ہے۔ کیونکہ اس پر بطلان کے حکم کے لیے برہان ضروری ہے کہ اصل یہ ہے کہ روایت متعدد نہ ہو۔ پس عام کی کلام کو اس پر محمول کیا جائے گا جب تک صراحۃ اس کے خلاف پر نقل موجود نہ ہو۔ پس وہ مجبور ہوئے کہ انہیں دو روایتیں بنادے۔ علامہ ''بیری'' وغیرہ نے اسے ثابت رکھا ہے جس کا ذکر امام ''حصیری'' نے کیا ہے اور ''حامدیہ'' میں ان کی پیروی کی ہے اس شاندار فائدہ کو یاد رکھو۔

29522۔ (قولہ: فَيَفْسَخُهَا الْمُتَوَلِّي الخ) علامہ ''قنلی زادہ'' نے کہا: کیا مراد یہ ہے کہ قاضی فسخ کردے یا متولی فسخ کرے اور قاضی اس کا حکم دے؟ متقدمین نے اس کی وضاحت نہیں کی۔ صاحب ''انفع المسائل'' نے اس کا ذکر کیا اور دوسرے قول کو یقین سے بیان کیا جب نگران اس سے رک جائے تو قاضی اس کو فسخ کردے گا۔

میں کہتا ہوں: فسخ کا قول دو روایتوں میں سے ایک روایت ہے۔ عنقریب یہ قول آئے گا کہ یہی مفتی بہ قول ہے۔ پھر یہ جان لو کہ شارح نے یہاں فسخ کو مطلق ذکر کیا ہے ساتھ ہی بعد میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔

تفصیل کا حاصل یہ ہے: جس پر اجارہ واقع ہوا وہ اس سے خالی نہیں ہوگا یا تو وہ ایسی زمین ہوگی جو زیادتی کے وقت مستاجر کی ملک سے فارغ ہو جس طرح گھر، دکان اور سلیخہ زمین یا مستاجر کی ملک میں مشغول ہوگی جس طرح وہ اس میں کوئی

ثُمَّ يُؤَجِّرُهَا مِمَّنْ زَادَ فَإِنْ كَانَتْ دَارًا أَوْ حَانُوتًا أَوْ أَرْضًا فَارِغَةً عَرَضَهَا عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ، فَإِنْ قَبِلَهَا فَهُوَ أَحَقُّ وَلَزِمَهُ الزِّيَادَةُ مِنْ وَقْتِ قَبُولِهَا فَقَطْ، وَإِنْ أَنْكَرَ زِيَادَةَ أَجْرِ الْمِثْلِ وَادَّعَى أَنَّهَا إِضْرَارٌ

پھر اس کو اجرت پر دے دے گا جو اس میں زیادتی کرے۔ اگر وہ گھر، دکان یا فارغ زمین ہو جسے وہ مستاجر پر پیش کرے اگر وہ اسے قبول کرے تو وہ زیادہ مستحق ہوگا اور اس پر زیادتی صرف قبول کرنے کے وقت سے لازم ہوگی۔ اگر وہ اجرت مثلی کی زیادتی کا انکار کر دے اور یہ دعویٰ کر دے کہ یہ تو ضرر پہنچانا ہے

فصل کاشت کرے اس میں عمارت بنائے یا اس میں درخت لگائے۔ پہلی وجہ صورت میں متولی اس کو فسخ کر دے اور اسے کسی اور کو اجرت پر دے دے اگر وہ اس زیادتی کو قبول نہ کرے جو اس کے ثبوت کے بعد لاحق ہوئی۔

دوسری صورت میں، اگر وہ مدت میں اسے کاشت کرے تو وہ زمین کسی اور کو نہ دی جائے گی، اگر چہ پوری ہو چکی ہو، جب تک کھیتی کو کاٹ نہ لیا جائے بلکہ اس وقت سے فصل کاٹنے تک زیادتی کو اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ کیونکہ اس کی ملک میں زمین کا مشغول ہونا کسی اور کو اجارہ پر دینے سے مانع ہے جس طرح آگے آئے گا۔ اگر اس نے اس میں کوئی عمارت بنائی یا اس میں کوئی درخت لگایا اگر مدت فارغ ہو چکی تھی جس طرح اس نے مہینہ کے لیے اسے اجرت پر لیا تھا مہینہ گزر گیا تھا تو اجارہ کو فسخ کر دے اور کسی اور کو اجرت پر دے دے اگر وہ زیادتی کو قبول نہ کرے۔ اگر مدت باقی ہو تو وہ زمین کسی اور کو اجرت پر نہ دی جائے گی اس وجہ سے جو ہم نے قول کیا ہے کہ اس زمین کا اس کی ملک میں مشغول ہونا، مانع ہے بلکہ اس پر زیادتی کو ملایا جائے گا جس طرح مزروعہ زمین میں گزر چکا ہے۔ لیکن یہاں صرف عقد کی انتہا تک اجارہ باقی رہے گا۔ کیونکہ عمارت اور درخت لگانے کی انتہا معلوم نہیں۔ کھیتی کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ اس کا خلاصہ ہے جو شارح نے ''الاشباہ'' کی اتباع میں ذکر کیا ہے۔ یہ ''انفع المسائل'' سے ماخوذ ہے۔ وہ اسے ''بدائع'' وغیرہ سے دلالۃ اور صراحۃ نقل کرتے ہیں۔ پھر یہ امر مخفی نہیں کہ اس پر زیادتی کا ملانا یہ اس وقت ہے جب وہ راضی ہو۔ ورنہ اگر اس کا اکھیڑنا وقف کو نقصان نہ دیتا ہو تو یہ کچھ نقصان نہیں دے گا اور وقف کی حفاظت کی خاطر کسی اور کو اجارہ پر دے دیا جائے گا۔ یہ سب اس وقت ہے جب زمین کی اجرت فی نفسہا بڑھ جائے نہ کہ عمارت بنانے سے بڑھے مثلاً اور نہ اس پر زیادتی کو اصلاً شامل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ زیادتی اس کی ملک میں حاصل ہوئی ہے جس طرح یہ ظاہر ہے۔

29523۔ (قولہ: ثُمَّ يُؤَجِّرُهَا مِمَّنْ زَادَ) زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کو حذف کر دیا جائے تا کہ مذکورہ تفصیل اس کے بعد آئے جس طرح صاحب ''البحر'' نے کتاب الوقف میں کیا ہے اگر چہ ''الاشباہ'' میں تعبیر کیا ہے جس طرح یہاں ہے۔

29524۔ (قولہ: عَرَضَهَا عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ) اجارہ فاسدہ میں پیش نہ کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں بھی اسے پیش کرے گا۔ ''ط''۔

29525۔ (قولہ: فَقَطْ) یعنی پہلی مدت سے اضافہ لازم نہیں ہوگا ''اشباہ''۔ بلکہ اول وقت سے اجارہ کے فسخ ہونے تک اجر مسمی لازم ہوگا۔

فَلَا بُدَّ مِنَ الْبُرْهَانِ عَلَيْهِ، وَإِنْ لَمْ يَقْبَلْهَا آجَرَهَا الْمُتَوَلِّي، وَإِنْ كَانَتْ مَزْرُوعَةً لَمْ تَصِحَّ إِجَارَتُهَا لِغَيْرِ صَاحِبِ الزَّرْعِ لَكِنْ تُضَمُّ عَلَيْهِ الزِّيَادَةُ مِنْ وَقْتِهَا، وَإِنْ كَانَ بَنَى أَوْ غَرَسَ، فَإِنْ كَانَ اسْتَأْجَرَهَا مُشَاهَرَةً فَإِنَّهَا تُؤَجَّرُ لِغَيْرِهِ إِذَا فَرَغَ الشَّهْرُ إِنْ لَمْ يَقْبَلْهَا لِانْعِقَادِهَا عِنْدَ رَأْسِ كُلِّ شَهْرٍ، وَالْبِنَاءُ يَتَمَلَّكُهُ النَّاظِرُ بِقِيمَتِهِ مُسْتَحِقَّ الْقَلْعِ

تو اس پر دلیل لانا ضروری ہوگا۔ اگر وہ اس زیادتی کو قبول نہ کرے تو متولی اسے اجرت پر دے دے گا اگر اس زمین میں کھیتی کاشت کی گئی ہو تو کھیتی والے کے علاوہ کو وہ زمین اجارہ کے طور پر دینا صحیح نہیں لیکن زیادتی اس کے وقت سے ملا دی جائے گی۔ اگر اس نے اس زمین میں کوئی عمارت بنائی یا اس میں درخت لگایا اگر اس نے اسے مہینہ کے لحاظ سے اجرت پر لیا تھا تو وہ زمین کسی اور کو اجرت پر دے دی جائے گی جب مہینہ نکل جائے گا۔ اگر وہ اس زیادتی کو قبول نہ کرے کیونکہ اجارہ ہر مہینہ کے اختتام پر شروع ہوتا ہے اور نگران اس عمارت کا وقف کے لیے مالک ہو جائے گا اس قیمت کے ساتھ جو اس کا اکھیڑ دینے سے لازم ہوتی ہے

29526۔ (قولہ: عَلَيْهِ) یعنی منکر پر کیونکہ زیادتی ثابت ہے۔ کیونکہ قول اس کا معتبر ہوتا ہے اور گواہیاں مدعی کے ذمہ ہیں اصل یہ ہے کہ وہ چیز باقی ہو جو پہلے تھی۔ ''حموی''۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہے۔ کیونکہ یہ قول گزر چکا ہے کہ شیخین کے نزدیک ایک کافی ہے۔ تامل

29527۔ (قولہ: لَمْ تَصِحَّ إِجَارَتُهَا لِغَيْرِ صَاحِبِ الزَّرْعِ) یعنی اگر حق کے بدلے میں مزروع ہو۔ اگر حق کے بدلے میں نہ ہو جیسے غاصب اور اجارہ فاسدہ کی بنا پر اجارہ کرنے والا یہ اجارہ کے مانع نہیں جس طرح ''ظہیریہ'' اور ''سراجیہ'' میں ہے کیونکہ یہ تسلیم کے مانع نہیں، ''بحر''۔ شارح اس کا ذکر کریں گے اور ایک ورق بعد متن میں آ جائے گا۔

29528۔ (قولہ: مِنْ وَقْتِهَا) یعنی زیادتی کے وقت سے اور اس سے قبل جو گزر چکا ہے مسمی میں سے اسی حساب سے واجب ہوگا جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

29529۔ (قولہ: فَإِنْ كَانَ اسْتَأْجَرَهَا مُشَاهَرَةً) اس تعبیر میں مسامحت ہے۔ کیونکہ یہ آنے والے قول: وان كانت المدة باقية الخ کے مقابل ہے مناسب تھا یہ قول کرتے: فان كانت المدة قد فرغت فانها توجر لغيره ان لم يقبلها۔ لم يقبلها میں ھا ضمیر سے مراد زیادۃ ہے۔ لیکن جب مہینہ قلیل مدت ہے۔ تو یوں ہو گیا گویا مدت نکل گئی اگر اس نے مہینہ کے اعتبار سے اجرت پر وہ چیز ہر ماہ اتنے کے بدلے میں لی تو عقد ایک مہینہ میں صحیح ہوگا اور باقی ماندہ میں عقد فاسد ہو جائے گا جس کی وضاحت آنے والے باب میں آئے گی۔

29530۔ (قولہ: وَالْبِنَاءُ يَتَمَلَّكُهُ النَّاظِرُ بِقِيمَتِهِ) یعنی مستاجر پر جبر کرتے ہوئے اس کا مالک بن جائے گا اگرچہ اس کا اکھیڑنا زمین کو نقصان دے جس طرح اس کی وضاحت قریب ہی آئے گی۔

29531۔ (قولہ: مُسْتَحِقَّ الْقَلْعِ) اس کی وضاحت آنے والے باب میں آئے گی۔

لِلْوَقْفِ أَوْ يَصْبِرُ حَتَّى يَتَخَلَّصَ بِنَاؤُهُ وَإِنْ كَانَتِ الْمُدَّةُ بَاقِيَةً لَمْ تُؤَجَّرْ لِغَيْرِهِ وَإِنَّمَا تُضَمُّ عَلَيْهِ الزِّيَادَةُ كَالزِّيَادَةِ وَبِهَا زَرْعٌ وَأَمَّا إِذَا زَادَ أَجْرُ الْمِثْلِ فِي نَفْسِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَزِيدَ أَحَدٌ فَلِلْمُتَوَلِّي فَسْخُهَا وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى، وَمَا لَمْ تُفْسَخْ كَانَ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ الْمُسَمَّى أَشْبَاهٌ مَعْزِيًّا لِلصُّغْرَى قُلْتُ وَظَاهِرُ قَوْلِهِ الْبِنَاءُ يَتَمَلَّكُهُ النَّاظِرُ إِلَخْ أَنَّهُ يَتَمَلَّكُهُ لِجِهَةِ الْوَقْفِ قَهْرًا عَلَى صَاحِبِهِ، وَهَذَا لَوِ الْأَرْضُ تَنْقُصُ بِالْقَلْعِ

یا مستاجر صبر کرے یہاں تک کہ اس کی عمارت خلاصی پالے (یعنی عمارت کا جو ملبہ ہو اس کو استعمال میں لائے)۔ اگر مدت باقی ہو تو کسی اور کو اجرت پر نہ دے گا اس پر زیادتی کو ملا دیا جائے گا جس طرح اس زیادتی کو ملا دیا جاتا ہے جب اس میں کھیتی ہو مگر جب زیادتی فی نفسہ بڑھ جائے جب کہ کسی نے اس میں اضافہ نہ کیا تو متولی کو اس کے فسخ کرنے کا اختیار ہوگا اس پر فتویٰ ہے۔ جب اسے فسخ نہ کیا جائے تو مستاجر پر مسمی ہوگا، ''الاشباہ''۔ جب کہ قول صغریٰ کی طرف منسوب ہے۔ میں کہتا ہوں: ان کے قول: البناء یتملکہ الناظر کا ظاہر معنی یہ ہے وہ وقف کی جہت سے مستاجر پر قہراً مالک بن جائے گا۔ یہ اس صورت میں ہے جب اکھیڑنے سے زمین میں نقص واقع ہوتا ہو

29532۔ (قولہ: لِلْوَقْفِ) یہ ان کے قول یتملکہ کے متعلق ہے۔

29533۔ (قولہ: أَوْ يَصْبِرُ الخ) یعنی جب نگران اس پر راضی ہو اگر اکھیڑنا نقصان دیتا ہو۔ کیونکہ اس وقت نگران کو اس میں خیار ہوگا کہ وہ مستاجر پر جبر کرتے ہوئے مالک بن جائے اور اس میں خیار ہوگا کہ وہ عمارت کو چھوڑے رہے یہاں تک مستاجر کی عمارت زمین سے خلاصی پا جائے جب بھی کوئی شے اس سے گرے گی تو وہ نگران مستاجر کے حوالے کر دے گا۔ یہ اس پر مبنی ہے جو شروح سے آئے گا۔ ہاں اگر وہ نقصان نہ دے تو خیار مستاجر کو ہوگا جس طرح اس کی وضاحت آئے گی۔

اگر وقف کی عمارت میں زیادتی فی نفسہ بڑھ جائے تو متولی کو فسخ کرنے کا اختیار ہوگا

29534۔ (قولہ: وَأَمَّا إِذَا زَادَ الخ) اس سے ان کا سابقہ قول وان کانت الزیادۃ اجر المثل غنی کر دیتا ہے، ''ط''۔ اس قول کی تصحیح لفظ فتویٰ کے ساتھ کی گئی ہے جس طرح یہاں لفظ مختار سے کی گئی ہے اور لفظ اصح سے کی گئی ہے جس طرح کتاب الوقف میں ہے۔ پس یہی قابل اعتماد ہوگا اگرچہ ''اسعاف''، ''تاتر خانیہ'' اور ''خانیہ'' میں اس کے خلاف پر گامزن ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا: اجرت مثلی کا اعتبار عقد کے وقت معتبر ہوگا۔ پس اس کے بعد زیادتی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ لیکن ہم نے پہلے جو ''حصیری'' سے نقل کیا ہے اس سے تو جان چکا ہوگا کہ زیادتی سے کیا مراد ہے۔

29535۔ (قولہ: قُلْتُ الخ) مصنف کی اصل بحث ''المنح'' میں ہے جسے پہلے باب میں قول: فلو آجرھا المتولی اکثرلم تصح کے تحت ذکر کیا ہے۔

29536۔ (قولہ: أَنَّهُ يَتَمَلَّكُهُ) یعنی اگر نگران کا ارادہ کرے ورنہ اسے ترک کیا جائے گا یہاں تک عمارت اس سے خلاصی پائے پس مالک اسے (ملبہ کو) لے لے گا۔

وَإِلَّا شُرِطَ رِضَاهُ كَمَا فِي عَامَّةِ الشُّرُوحِ مِنْهَا الْبَحْرُ وَالْمِنَحُ، وَإِنْ صَحَّ فَيُعَوَّلُ عَلَيْهَا؛ لِأَنَّهَا الْمَوْضُوعَةُ لِنَقْلِ الْمَذْهَبِ بِخِلَافِ نُقُولِ الْفَتَاوَى

ورنہ اس کی رضا شرط ہوگی جس طرح عام شروح میں ہے۔ ان میں سے ''البحر'' اور ''المنح'' ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو اسی پر اعتماد کیا جائے گا۔ کیونکہ یہی مذہب کو نقل کرنے کے لیے موضوع ہے۔ فتاوی کی نقول کا معاملہ مختلف ہے۔

29537۔ (قولہ: كَمَا فِي عَامَّةِ الشُّرُوحِ) یعنی ''ہدایہ''، ''کنز'' وغیرہما کی شروح میں سے ہے۔ انہوں نے اس کا ذکر کرنے والے باب میں قول: الا ان يغرم له الموجر قيمته مقلوعا کے تحت ذکر کیا ہے۔ یہی متون کی عبارت کا مفہوم بھی ہے یہ اپنے اطلاق کی وجہ سے ملک اور وقف کو شامل ہوگا جس طرح مصنف نے اس پر متنبہ کیا ہے۔

29538۔ (قولہ: بِخِلَافِ نُقُولِ الْفَتَاوَى) ان میں ''المحیط''، ''التجنیس''، ''الخانیہ'' اور ''العمادیہ'' ہے۔ کیونکہ علما نے کہا: اگر وہ نقصان دیتا ہو تو مستاجر اسے اٹھا نہیں لے جائے گا بلکہ یا تو وہ اس پر راضی ہوگا کہ وقف کا نگران اس کا مالک بن جائے ورنہ مستاجر صبر کرے یہاں تک کہ اس کی مملوکہ چیز اس سے جدا ہو جائے۔ کیونکہ اس کی رضامندی کے بغیر مالک بنا جائز نہیں۔ ان میں سے وہ بھی ہے جسے شارح نے ''فتاویٰ مؤیدزادہ'' سے ذکر کیا ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ علماء نے خیار کا حق مستاجر کو دیا ہے اگر چہ اکھیڑنا نقصان دیتا ہو اصحاب شروح نے خیار نگران کو دیا ہے اگر اکھیڑنا نقصان دیتا ہو ورنہ خیار مستاجر کو ہوگا۔ پھر یہ حکم اس وقت ہے جب عمارت متولی کی اجازت کے بغیر بنائی ہو۔ اگر اجازت سے بنائی ہو تو وہ عمارت وقف کی ہوگی اور عمارت بنانے والا متولی سے اس پر ہونے والا خرچہ واپس لے گا جس طرح ''فتاویٰ ابواللیث'' میں ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ عمارت بنانے کی اجازت سے یہ ارادہ کیا ہے کہ یہ عمارت وقف کی ہوگی۔ اگر اس نے اپنے لیے بنائی اور اس پر گواہ بنائے تو اس وقت وقف کے لیے نہ ہوگی جس طرح علامہ ''قنلی زادہ'' نے بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: آنے والے باب میں آئے گا کہ مستاجر کو حق حاصل ہے کہ مدت گزرنے کے بعد مستاجر کو حق حاصل ہے کہ وہ عمارت اور درختوں کو جبراً رکھے اگر یہ عمل وقف کو نقصان نہ دے۔ یہ اس کے مخالف ہے جو پہلے شروح سے گزر چکا ہے اور جو پہلے فتاویٰ سے گزر چکا ہے اور متون سے جو آئے گا جس طرح ہم عنقریب اس پر آگاہ کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اہم تنبیہ

جب قاضی نے اجازت دی یا نگران نے اجازت دی ایسے امور میں جن میں قاضی کی اجازت کی ضرورت نہ ہو تو مستاجر کو عمارت بنانے کا حق حاصل ہوگا تاکہ وہ وقف پر دین ہو جائے۔ کیونکہ اس کی پیداوار میں سے کوئی زائد نہیں۔ ہمارے علاقوں میں اسے مرصد کہتے ہیں پس عمارت وقف کی ہوگی۔ جب نگران مستاجر کو نکالنا چاہے گا تو اسے وہ دے دے گا جس کو اس نے تعمیر کرنے پر خرچ کیا ہوگا۔ پھر یہ امر مخفی نہیں کہ تعمیر کرنے کی وجہ سے اجرت مثلی زائد ہو جاتی ہے تو ظاہر یہ ہے کہ اجرت مثلی کو مکمل کرے۔ اس میں اور جو پہلے ''اشباہ'' سے قول گزرا ہے اس میں فرق یہ ہے کہ یہاں تعمیر وقف کے لیے ہے پس اس

....

کی ملک کے سبب اضافہ نہ کرے گی۔ پھر میں نے ''فتاویٰ خیریہ'' میں ایک طویل سوال کے ضمن میں یہ تصریح دیکھی ہے کہ اجرت مثلی لازم ہوگی وہ جہاں تک پہنچے۔ یہ تعمیر کرنے سے پہلے ہو یا تعمیر کرنے کے بعد ہو اس نے جو کچھ صرف کیا ہے وہ اسے واپس لے گا۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔ ہمارے زمانہ میں جو واقع ہوا ہے وہ یہ ہے اکثر اجرت مثلی کے بغیر اجارہ پر چیز لی جاتی ہے اور وہ بعض اجرت ادا کرتا ہے اور بعض ان کی آبادی پر خرچ کرتا ہے۔

بعض اوقات یہ قول کیا جاتا ہے: اس کے جواز کی وجہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی اور آدمی نے ارادہ کیا کہ اسے اجرت پر لے اور پہلے نے جو تعمیر پر خرچ کیا ہے اسے دے دے تو وہ اسے اجرت پر نہ لے مگر اسی قلیل اجرت پر لے۔ ہاں اگر وقف مستغنی ہو اور نگران اسی اجرت پر دے دے جو اجرت پہلے کے لیے تھی تو ہر ایک اسے اجرت مثلی پر لیتا ہے۔ تو جب تک نگران وہ نہیں دیتا تو اجرت مثلی وہ قلیل اجرت ہی باقی رہے گی تو اس وقت مستاجر کی عمارت مملوکہ اور اس میں کوئی فرق نہ ہوگا۔

مطلب فی المرصد والقیمة و مشد المسکة

میں نے ''الحامدیہ'' کے کتاب الوقف میں ''فتاویٰ حانوتی'' سے منقول دیکھا: اجرت مثلی کے بغیر وقف کے اجارہ کے جواز کی شرط یہ ہے جب اسے کوئی مصیبت لاحق ہو یا کوئی دین ہو الخ۔ یہ اس کی تائید کرتا ہے جو ہم نے کہا ہے: کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مرصد وقف پر دین ہوتا ہے جس کے سبب سے اجرت کم ہو جاتی ہے۔ فتامل

''شرح الملتقی'' میں ''الاشباہ'' سے مروی ہے: وقف کی چیز کو اجارہ پر نہیں دیا جائے گا مگر اجرت مثلی کے ساتھ اجارہ پر دیا جائے گا مگر تھوڑے سے نقصان کے ساتھ اجارہ پر دیا جا سکتا ہے یا جب اس وقف میں رغبت ہی نہ رکھی جائے مگر تھوڑی اجرت کے ساتھ رغبت رکھی جائے۔ تامل

کدک کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے۔ کدک سے مراد وہ چیز ہے جو مستاجر وقف کی دکان میں بناتا ہے اور اسے وقف پر شمار نہیں کرتا مستاجران سب چیزوں کا ذمہ دار ہوتا ہے وہ تعمیر کرنا ہو، مرمت کرنا ہو، کنڈے لگانے ہوں وغیرہ اور وہ اسے ثمن کثیر کے ساتھ بیچتے ہیں۔ اب اس چیز کا اعتبار کیا جائے جو مستاجر اسے ثمن کثیر دیتا ہے اور جو وہ وقف کی زمین پر مستقبل میں صرف کرے گا تو اجرت مثلی وہ قلیل اجرت ہوگی جو وہ ادا کرتا ہے۔ بعض اوقات وقف کی تعمیر کی اصل صاحب کدک کی جانب سے ہوتی ہے واقف اس سے وہ لے لیتا ہے اور اس کے ساتھ اس کو آباد کرتا ہے اور مستاجر کے لیے مختص کر دیتا ہے اور اسے اجرت قلیلہ پر دے دیتا ہے اسی کو خلو کا نام دیا جاتا ہے۔ اسی کی مثل قیمت کے بارے میں اور باغوں وغیرہا میں مسکہ کے باندھنے کے بارے میں قول کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد کھاد ڈالنا، نالیاں کھودنا اور جو وہ کاشت کرتا ہے جس کی جڑیں باقی رہتی ہیں، درخت لگانے اور کھیتی کاشت کرنے کا حق ہے۔ کیونکہ انہیں کثیر ثمن کے بدلے میں بیچا جاتا ہے اس کے سبب سے زمین کی اجرت بہت بڑھ جاتی ہے۔ یہ نئے امور ہیں جو لوگوں میں متعارف ہوئے ہیں۔

وَفِي فَتَاوَى مُؤَيِّدِ زَادَهْ مَعْزِيًّا لِلْفُصُولَيْنِ حَانُوتُ وَقْفٍ بَنَى فِيهِ سَاكِنُهُ بِلَا إِذْنِ متوليه، إنْ لَمْ يَضُرَّ رَفْعُهُ رَفَعَهُ وَإِنْ ضَرَّ فَهُوَ الْمُضَيِّعُ مَالَهُ فَلْيَتَرَبَّصْ إلَى أَنْ يَتَخَلَّصَ مَالُهُ مِنْ تَحْتِ الْبِنَاءِ ثُمَّ يَأْخُذُهُ، وَلَا يَكُونُ بِنَاؤُهُ مَانِعًا مِنْ صِحَّةِ الْإِجَارَةِ لِغَيْرِهِ إذْ لَا يَدَ لَهُ

''فتاوی موید زادہ'' میں ''فصولین'' کی طرف منسوب ہے: وقف کی دکان ہے اس میں ساکن نے متولی کی اجازت کے بغیر کوئی شے تعمیر کی اگر اس کے ختم کرنے میں کوئی ضرر نہ ہو تو اس کو ختم کر دے اگر ضرر کا باعث ہو تو وہ اپنے مال کو ضائع کرنے والا ہے۔ پس وہ اس وقت تک انتظار کرے یہاں تک جو عمارت کے نیچے جو اس کا مال ہے وہ اس سے خلاصی پائے پھر اس سے لے لے اور اس کی بنا کسی اور کو اجارہ دینے کی صحت میں مانع نہ ہوگی۔ کیونکہ اس بنا پر اس کا کوئی قبضہ نہیں۔

علامہ محقق ''عبدالرحمٰن آفندی عمادی'' مفتی دمشق کے فتاویٰ میں اس خلو کے بارے سوال کا جواب ہے جو متعارف ہے جس کا حاصل یہ ہے: بعض علما کے نزدیک بعض اوقات عام حکم خاص عرف سے ثابت ہوتا ہے جس طرح ''نسفی'' وغیرہ ہے۔ انہیں میں سے احکار ہے جو ان علاقوں میں معمول جاری ہو چکا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ زمین کی پیمائش کی جاتی ہے، اس کے حصے پہچانے جاتے ہیں اور ذراع کی مقدار پر مخصوص دراہم معین کر دیئے جاتے ہیں اور زمین میں جو وہ تعمیر کرتا ہے وہ باقی رہتا ہے وہ اتنی مقدار ہر سال اجارہ کے بغیر ادا کرتا ہے جس طرح ''انفع المسائل'' میں اس کا ذکر کیا ہے جب وہ اس طرح ہو کہ اگر اس کی عمارت اٹھا دی جائے تو اسے زیادہ اجرت پر نہیں لیا جاتا تو وہ زمین اس کے ہاتھ میں اجرت مثلی کے ساتھ چھوڑ دی جائے گی۔ لیکن یہ نہیں چاہیے کہ عرف کے اعتبار سے مطلقاً فتویٰ دے دیا جائے۔ کیونکہ یہ خوف ہے کہ اس پر قیاس کا دروازہ کثیر منکرات اور بدعتوں میں کھل جائے گا۔ ہاں اس کے بارے میں فتویٰ دیا جائے گا جہاں اس کی حاجت ہو اور طویل مدت میں یہ عمارت بن چکی ہو اور بغیر کسی انکار کے اعیان متعارف ہوں جس طرح دکانوں میں خلو ہے جو متعارف ہے۔ وہ یہ ہے کہ واقف، متولی اور مالک، دکان پر ایک معین مقدار معین کر دیتا ہے جو معین مقدار ساکن سے لی جاتی ہے اور وہ اس کے بدلے میں ساکن کو شرعی تمسک دے دیتا ہے اس کے بعد دکان کا مالک اب ساکن کو نکالنے کا مالک نہیں ہوتا جس کے لیے خلو ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی وہ یہ دکان کسی اور کو اجارہ پر دینے کا مالک ہوتا ہے جب تک وہ رقم اسے نہیں دے دی جاتی۔ پس اس کے جواز کا فتویٰ دیا جائے گا۔ اسے بیع الوفاء پر قیاس کیا جائے گا جو متاخرین کے نزدیک متعارف ہے۔ علماء نے ربا سے بچنے کے لیے حیلہ کیا ہے یہاں تک ''مجموع النوازل'' میں کہا: اس زمانے کے مشائخ نے اس کے بیع کے طور پر صحیح ہونے کا اتفاق کیا ہے کیونکہ لوگ اس کے بڑے مجبور ہیں۔ قواعد کلیہ میں سے ہے جب امر تنگ پڑ جاتا ہے تو اس کے حکم میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے تحت اس کی امثال مندرج ہیں جو ان میں سے ہیں۔ ضرورت جن کی داعی بنی۔ واللہ اعلم

29539۔ (قولہ: رَفَعَهُ) یعنی جبراً اسے عمارت ختم کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

29540۔ (قولہ: مِنْ تَحْتِ الْبِنَاءِ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ تحت کا لفظ حذف کر دیا جاتا ''ط''۔

عَلَى ذَلِكَ حَيْثُ لَا يَمْلِكُ رَفْعَهُ وَلَوْ اصْطَلَحُوا أَنْ يَجْعَلُوا ذَلِكَ لِلْوَقْفِ بِثَمَنٍ لَا يُجَاوِزُ أَقَلَّ الْقِيمَتَيْنِ مَنْزُوعًا وَمَبْنِيًّا فِيهِ صَحَّ، وَلَوْ لَحِقَ الْآجِرَ دَيْنٌ رَفَعَ إِلَى الْقَاضِي لِيَفْسَخَ الْعَقْدَ، وَلَيْسَ لِلْآجِرِ أَنْ يَفْسَخَ بِنَفْسِهِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى وَتَجُوزُ بِمِثْلِ الْأُجْرَةِ أَوْ بِأَكْثَرَ أَوْ بِأَقَلَّ مِمَّا يَتَغَابَنُ فِيهِ النَّاسُ لَا بِمَا لَا يَتَغَابَنُ وَتَكُونُ فَاسِدَةً، فَيُؤْجِرُهُ إِجَارَةً صَحِيحَةً إِمَّا مِنْ الْأَوَّلِ أَوْ مِنْ غَيْرِهِ بِأَجْرِ الْمِثْلِ أَوْ بِزِيَادَةٍ بِقَدْرِ مَا يَرْضَى بِهِ الْمُسْتَأْجِرُ وَفِي فَتَاوَى الْحَانُوتِيِّ

کیونکہ وہ اس کے ختم کرنے کا مالک نہیں۔ اگر وہ مصالحت کرلیں کہ وہ ثمن کے بدلے میں اسے وقف کے لیے مختص کردیں تو دونوں قیمتوں یعنی اسے اکھیڑ لیا ہو یا بنی ہو میں سے اقل قیمت سے تجاوز نہ کرے تو یہ صحیح ہوگا۔ اگر آجر کو دین لاحق ہو جائے تو وہ معاملہ قاضی کے پاس پیش کرے تاکہ وہ عقد کو فسخ کردے اور آجر کو یہ حق حاصل نہیں کہ خود بخود اجارہ فسخ کردے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ اجرت مثلی کے ساتھ، اس سے زیادہ اور اس سے کم کے ساتھ اجارہ جائز ہوگا جس مقدار میں لوگ غبن کرتے ہیں ایسی اجرت کے ساتھ جائز نہیں جس میں لوگ غبن نہیں کرتے اور اجارہ فاسد ہو جائے گا۔ پس وہ اسے اجارہ صحیحہ کے طریقہ پر دے گا یا تو پہلے مستاجر کو یا کسی اور کو جو اجرت مثلی کے ساتھ ہو یا اس زیادتی کے ساتھ جتنی مقدار پر مستاجر راضی ہو جائے۔ ''فتاویٰ حانوتی'' میں ہے:

29541۔(قوله: حَيْثُ لَا يَمْلِكُ رَفْعَهُ) حیث یہ علت بیان کرنے کے لیے ہے۔ ''ط''۔

29542۔(قوله: وَلَوْ اصْطَلَحُوا الخ) یہ یا تو افضل کا بیان ہے پس یہ اس جبر کے منافی نہیں جب وہ مصالحت نہ ہو یا یہ ضعیف روایت ہے۔ ''رملی علی البحر'' ملخص۔ پہلی تعبیر کی بنا پر یہ اس کے موافق ہے جو شروع سے گزر چکا ہے اور دوسری تعبیر کی بنا پر یہ اس کے موافق ہے جس پر ارباب فتاویٰ نے اتفاق کیا ہے۔

29543۔(قوله: لَوْ لَحِقَ الْآجِرَ دَيْنٌ الخ) اس کا محل باب فسخ الاجارہ (مقولہ 30083) ہے اس کی وضاحت وہاں آئے گی۔

29544۔(قوله: وَتَجُوزُ بِمِثْلِ الْأُجْرَةِ الخ) یعنی اجارہ اجرت مثل یا اس سے زیادہ کے ساتھ مطلقاً جائز ہوگا جب تک وہ اجارہ وقف یا یتیم کے مال کے ساتھ نہ ہو جس طرح اس سے معلوم ہو گیا ہے جو ''الخانیہ'' سے اجارہ طویلہ میں گزر چکا ہے۔

29545۔(قوله: بِمَا يَتَغَابَنُ فِيهِ النَّاسُ) یہ اقل کی قید ہے فافہم پھر یہ سب مکرر ہے کیونکہ یہ اس سے معلوم ہے جو گزر چکا ہے۔

29546۔(قوله: وَفِي فَتَاوَى الْحَانُوتِيِّ الخ) اس کی نص یہ ہے: یہ پوچھا گیا: تمہارا اس بارے میں کیا قول ہے اگر حاکم وقف کے اجارہ کے صحیح ہونے کا فیصلہ کردے اور وہ یہ فیصلہ کردے کہ یہ اجرت اجرت مثلی ہے جب کہ اس کے بارے میں گواہیاں قائم ہو چکی ہیں پھر یہ گواہیاں قائم کی گئیں کہ یہ اجرت اجرت مثلی سے کم ہے تو کیا اجارہ کے باطل ہونے کی گواہیوں پر عمل کیا جائے گا یا عمل نہیں کیا جائے گا؟

بَيِّنَةُ الْإِثْبَاتِ مُقَدَّمَةٌ وَهِيَ الَّتِي شَهِدَتْ بِأَنَّ الْأُجْرَةَ أَوَّلًا أُجْرَةُ الْمِثْلِ وَقَدْ اتَّصَلَ بِهَا الْقَضَاءُ فَلَا تُنْقَضُ قَالَ وَبِهِ أَجَابَ بَقِيَّةُ الْمَذَاهِبِ فَلْيُحْفَظْ

امر کو ثابت کرنے کی گواہیاں مقدم ہوں گی وہ وہ ہوتی ہیں جو اس امر کی شہادت دیں تو پہلی اجرت اجرت مثلی ہے اس کے ساتھ قضا متصل ہو چکی ہے۔ پس یہ اجارہ ختم نہ ہوگا۔ باقی مذاہب نے یہی جواب دیا ہے پس اس کو یاد کیا جائے۔

انہوں نے جواب دیا: شیخ ''نورالدین طرابلسی'' قاضی القضاۃ حنفی نے جواب دیا جس کی صورت یہ ہے الحمد لله العلی الاعلی: اثبات کی گواہیاں مقدم ہیں یعنی گواہیاں ہیں جن میں یہ ہے کہ اجرت مثلی ہے۔ پس اس کے ساتھ قضا متصل ہو چکی ہے پس اجارہ ختم نہ ہوگا۔

شیخ ''ناصرالدین لقانی'' مالکی اور قاضی القضاۃ ''احمد بن نجار حنبلی'' نے میرے والا جواب اسی طرح دیا۔ میں نے جواب دیا: مذکورہ جواب صحیح ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ اس وقت ہے جب پہلی شہادت کو ظاہر نہ جھٹلائے ورنہ انہیں قبول نہ کیا جائے گا اور اجارہ ٹوٹ جائے گا جس طرح ''الحامدیہ'' میں ہے۔

29547۔ (قولہ: وَقَدْ اتَّصَلَ بِهَا الْقَضَاءُ) یعنی اور اس کی شروط مکمل ہو گئیں۔ ''فتاوی ابن نجیم'' میں ہے: اور یہ اس کے قبول میں مانع نہیں یعنی حنبلی کا صحیح ہونے کا حکم زیادتی کے قبول کے مانع نہیں کیونکہ وہ غیر صحیح ہے۔ ''حامدیہ'' میں کہا: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ حاکم کا حکم اختلاف کو ختم کر دیتا ہے۔ تامل

میں کہتا ہوں: اس کی مراد یہ ہے ابتداء اجارہ کے صحیح ہونے اور اس کے اجارہ کے اجرت مثلی کے ساتھ ہونا اس کے فسخ کے مانع نہیں اس عارضی زیادتی کی وجہ سے جس میں رغبتیں بہت زیادہ ہیں۔ یہ مفتی بہ قول پر مبنی ہے۔ کیونکہ یہ غیر محکوم بہ ہے۔ پس اسی وجہ سے حنبلی کے لیے حکم کا ممنوع ہونا غیر صحیح ہے۔ ہاں اگر وہ اس زیادتی کے خصوصی طور پر لغو قرار دینے کا حکم لگائے جو ایک حادثہ کی وجہ سے لاحق ہوئی ہے جب کہ وہ اس کی تمام شرائط کو جامع ہو تو اس کے قبول کرنے سے روک دیا جائے گا۔

''حانوتی'' نے اپنے فتاویٰ میں بھی اس کی تصریح کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے ذکر کیا ہے: حنبلی کا اجارہ کے صحیح ہونے کا حکم حنفی حاکم کے زیادتی کے قبول کرنے کے مانع نہیں۔ اگر وہ شرعی دعویٰ کے بعد واقع ہو۔ کیونکہ زیادتی کے قبول کرنے کو فسخ کرنا ایک اور حادثہ ہے جس کے متعلق حکم واقع نہیں ہوا۔ ایک اور جگہ اس کی مثل ذکر کیا ہے۔ ''علامہ قنلی زادہ'' نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ اور یہ ذکر کیا ہے کہ ان کا قول: ثبت عندی ان هذا من اجر المثل کافی نہیں اور نہ ہی ان کا قول الغیت الزیادة العارضة کافی ہے کیونکہ یہ فتاویٰ ہیں نہ احکام نافذہ ہیں جب تک جاحد خصم کے سامنے نہ ہوں۔ اس کی مثل ہوگا اگر مثلاً شافعی اجارہ کی قیمت کا حکم لگا دے تو وہ حنفی کو موت کے ساتھ اجارہ کے فسخ کرنے کے مانع نہ ہوگا جب تک شافعی خصوصی طور پر موت کے بعد اس بارے میں حکم نہ کرے جس طرح ''ابن غرس'' نے اس کی تصریح کی ہے۔ فتنبہ واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ مَا يَجُوزُ مِنَ الْإِجَارَةِ وَمَا يَكُونُ خِلَافًا فِيهَا أَيْ فِي الْإِجَارَةِ

(تَصِحُّ إِجَارَةُ حَانُوتٍ) أَيْ دُكَّانٍ وَدَارٍ بِلَا بَيَانِ مَا يُعْمَلُ فِيهَا) لِصَرْفِهِ لِلْمُتَعَارَفِ (وَ) بِلَا بَيَانِ (مَنْ يَسْكُنُهَا) فَلَهُ أَنْ يُسْكِنَهَا غَيْرَهُ بِإِجَارَةٍ وَغَيْرِهَا كَمَا سَيَجِيءُ (وَلَهُ أَنْ يَعْمَلَ فِيهِمَا) أَيْ الْحَانُوتِ وَالدَّارِ (كُلَّ مَا أَرَادَ)

اجارہ کے جواز کے متعلقہ احکام

دکان اور گھر کو اجارہ پر دینا صحیح ہے جب کہ یہ بیان نہ کیا جائے کہ وہ اس میں کیا کام کرے گا۔ کیونکہ وہ متعارف کی طرف پھر جاتا ہے۔ اور یہ بیان کیے بغیر کہ اس میں کوئی سکونت اختیار کرے گا۔ تو اسے حق حاصل ہوگا کہ ان دونوں میں ہر وہ عمل کرے جس کا وہ ارادہ کرے

29548۔ (قولہ: وَمَا يَكُونُ خِلَافًا) یعنی ایسا فعل جو اس فعل کے خلاف ہو جو اس میں جائز ہوتا ہے۔

لفظ حانوت کی لغوی تحقیق

29549۔ (قولہ: حَانُوتٍ) یہ فاعول کے وزن پر ہے اس کی تا، ہا کا بدل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فعلوت، ملکوت کی طرح ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح ''قاموس'' میں ہے: وہ دکان الخمار اور خمار بذات خود مذکر اور مونث ہے اس کی طرف نسبت حانی اور حانوتی ہے۔ دکان کی اس کے ساتھ تفسیر بیان کی گئی ہے۔ ''کرمان'' نے کہا: حانوت، اس کی جمع دکاکین ہے یہ معرب ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر حانوت اور دکان دونوں مترادف ہیں۔ یہاں اس سے مراد وہ ہے جسے اس لیے تیار کیا جاتا ہے تاکہ اس میں مطلقاً بیع کی جائے۔

دکان اور گھر کو اجارہ پر دینا یہ بیان کیے بغیر کہ وہ اس میں کیا کام کرے گا صحیح ہے

29550۔ (قولہ: بِلَا بَيَانِ مَا يُعْمَلُ فِيهَا) یعنی ان جگہوں میں وہ حانوت اور گھر ہے ایک سے جواز پر بنا پر جمع کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ تامل

29551۔ (قولہ: لِصَرْفِهِ لِلْمُتَعَارَفِ) وہ رہائش ہے جو متفاوت نہیں ہوتی۔ ''منح''۔

29552۔ (قولہ: فَلَهُ أَنْ يُسْكِنَهَا غَيْرَهُ) اگرچہ اس نے یہ شرط لگائی ہو کہ وہ اس میں اکیلا رہے گا، ''سری الدین''۔ یہ گھروں اور دکانوں میں ہوتا ہے، ''ط''۔ اس کی مثل خدمت کا غلام ہوتا ہے اسے حق حاصل ہوتا ہے کہ کسی اور کو اجارہ پر بھیج دے۔ جانور اور کپڑے کا معاملہ مختلف ہے۔ اسی طرح ہر اس چیز کا معاملہ ہے جو مستعمل کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتا ہے جس طرح ''المنح'' میں ہے۔

فَيَتِدُ وَيَرْبِطُ دَوَابَّهُ وَيَكْسِرُ حَطَبَهُ وَيَسْتَنْجِي بِجِدَارِهِ وَيَتَّخِذُ بَالُوعَةً إِنْ لَمْ تَضُرَّ وَيَطْحَنُ بِرَحَى الْيَدِ وَإِنْ بِهِ ضَرَّ بِهِ يُفْتَى قُنْيَةٌ (غَيْرَ أَنَّهُ لَا يُسْكِنُ) بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ أَوْ الْمَفْعُولِ

وہ کیل ٹھونکے گا، اپنی سواری باندھے گا، اپنی لکڑیاں کاٹے گا، اس کی دیوار کے ساتھ استنجا کرے گا اور بدرو بنائے گا اگر یہ نقصان نہ دے اور ہاتھ والی چکی سے آٹا پیسے گا اگرچہ اس میں ضرر ہو۔ اس پر فتویٰ دیا جاتا ہے،''قنیہ''۔مگر وہ لوہار، دھوبی یا آٹا پیسنے والے کو رہائش نہیں دے گا

عمارت میں مستاجر ہر ایسا عمل کرسکتا ہے جو ضرر کا باعث نہ ہو ورنہ مالک سے اجازت ضروری ہے

29553۔(قولہ: فَيَتِدُ) یہ مثال کے باب سے مضارع کا صیغہ ہے۔یعنی وہ کیل ٹھونکے۔''ح''۔

29554۔(قولہ: وَيَرْبِطُ دَوَابَّهُ) یعنی ایسی جگہ جانور باندھے جسے باندھنے کے لیے تیار کیا گیا ہو۔کیونکہ رہائش کی جگہ میں جانور کو باندھنا اس کو فاسد کرنا ہے جس طرح''غایۃ البیان''میں ہے۔''سائحانی''نے کہا: اس کے کنویں سے نفع حاصل کرے گا اگر کنواں خراب ہو جائے تو اس کو درست کرنے پر اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔اور اس میں تنور لگائے گا اگر اس سے شے جل جائے تو وہ ضامن نہ ہوگا۔میں کہتا ہوں: مگر وہ ایسی جگہ تنور لگائے جس میں تنور لگانا مناسب نہ ہو جیسے لکڑیوں کے قریب وہ تنور لگائے۔''مقدسی''۔

29555۔(قولہ: وَيَكْسِرُ حَطَبَهُ) چاہیے کہ ماقبل اور مابعد سے اخذ کرتے ہوئے اس کی قید لگاتے کہ وہ ایسے محل میں لکڑیاں پھاڑے جس سے زمین کو ضرر لاحق نہ ہو اور اس کے نیچے پانی کی گزرگاہ نہ ہو۔پھر میں نے''زیلعی''کو دیکھا کہا: اس تعبیر کی بنا پر اسے حق حاصل ہوگا کہ وہ کھانا پکانے کے لیے معتاد لکڑیاں کاٹے کیونکہ یہ عمل عمارت کو کمزور نہیں کرتا۔اگر معمول سے زیادہ لکڑیاں کاٹے اس طرح کہ وہ عمارت کو کمزور کردے تو پھر جائز نہیں مگر مالک کی رضامندی سے ایسا کرسکتا ہے۔اس تعبیر کی بنا پر چاہیے کہ دق (کوٹنا) اسی تفصیل پر ہے۔

29556۔(قولہ: وَيَطْحَنُ بِرَحَى الْيَدِ وَإِنْ بِهِ ضَرَّ بِهِ يُفْتَى قُنْيَةٌ) میں نے یہ مسئلہ''قنیہ''میں نہیں دیکھا بلکہ میں نے اس سے قبل والا مسئلہ دیکھا ہے۔جہاں تک اس مسئلہ کا تعلق ہے''البحر''میں''خلاصہ''کی طرف منسوب دیکھا ہے۔مصنف نے''المنح''میں ان کی پیروی کی ہے شارح نے ان دونوں کی پیروی کی ہے۔اس میں کوئی چیز حذف ہے۔کیونکہ ''الخلاصہ''میں جو میں نے پایا ہے وہ اس طرح ہے: اگر نقصان نہ دے تو ہاتھ والی چکی سے اسے منع نہیں کیا جائے گا اگر وہ نقصان دے تو اسے منع کیا جائے گا اسی پر فتویٰ ہے۔اس کی مثل''شرنبلالیہ''میں''ذخیرہ''سے مروی ہے۔

29557۔(قولہ: بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ أَوْ الْمَفْعُولِ) یہ اس کی جانب سے سہو ہے یہ ثلاثی مجرد سے یا کے فتحہ کے ساتھ ہے یا رباعی سے یا کے ضمہ کے ساتھ ہے۔حدادیہ پہلی تعبیر سے حال ہے اور دوسری تعبیر کے مطابق مفعول بہ ہے،''ح''۔سہو کی وجہ یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں معروف کا صیغہ ہے۔

(حَدَّادًا أَوْ قَصَّارًا أَوْ طَحَّانًا مِنْ غَيْرِ رِضَا الْمَالِكِ أَوْ اشْتِرَاطِهِ) ذَلِكَ (فِي) عَقْدِ (الْإِجَارَةِ): لِأَنَّهُ يُوهِنُ الْبِنَاءَ فَيَتَوَقَّفُ عَلَى الرِّضَا (وَإِنْ اخْتَلَفَا فِي الِاشْتِرَاطِ فَالْقَوْلُ لِلْمُؤَجِّرِ) كَمَا لَوْ أَنْكَرَ أَصْلَ الْعَقْدِ (وَإِنْ أَقَامَا الْبَيِّنَةَ فَالْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ الْمُسْتَأْجِرِ) لِإِثْبَاتِهَا الزِّيَادَةَ خُلَاصَةٌ وَفِيهَا اسْتَأْجَرَ لِلْقِصَارَةِ فَلَهُ الْحِدَادَةُ إِنْ اتَّحَدَ ضَرَرُهُمَا، وَلَوْ فَعَلَ مَا لَيْسَ لَهُ لَزِمَهُ الْأَجْرُ، وَإِنْ انْهَدَمَ بِهِ الْبِنَاءُ ضَمِنَهُ وَلَا أَجْرَ: لِأَنَّهُمَا لَا يَجْتَمِعَانِ (وَلَهُ السُّكْنَى بِنَفْسِهِ وَإِسْكَانُ غَيْرِهِ بِإِجَارَةٍ وَغَيْرِهَا)

مگر مالک کی رضا کے ساتھ ایسا کرے گا۔ لا یسکن فعل معروف کا صیغہ ہے یا مجہول کا صیغہ ہے۔ یا عقد اجارہ میں اس کی شرط لگا لے کیونکہ یہ عمل عمارت کو کمزور کر دیتا ہے پس یہ رضا پر موقوف ہوگا۔ اگر شرط ہونے میں دونوں میں اختلاف ہو جائے تو قول موجر کا معتبر ہوگا جس طرح اگر وہ اصل عقد کا انکار کرے۔ اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو گواہیاں مستاجر کی معتبر ہوں گی۔ کیونکہ انہوں نے زیادتی کو ثابت کیا ہے، ''خلاصہ''۔ اس میں ہے: اگر وہ کپڑے دھونے کے لیے اجرت پر لے تو اسے لوہار کا کام کرنے کا حق ہوگا اگر دونوں کی ضرر ایک جیسی ہو۔ اگر وہ ایسا کام کرے جو اسے کرنے کا حق نہ تھا تو اس پر اجر لازم ہوگا۔ اگر عمارت گر جائے تو ضامن ہوگا اور اس کے لیے اجر نہیں ہوگا کیونکہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ اسے خود رہنے کا حق ہوگا اور کسی اور کو بھی رہائش دینے کا حق ہوگا وہ اجارہ کے ساتھ ایسا کرے یا کسی اور وجہ سے ایسا کرے۔

29558۔ (قولہ: لِأَنَّهُ يُوهِنُ الخ) ''زیلعی'' نے کہا: اس کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ عمل جو بنا کو کمزور کر دے یا اس میں ضرر ہو تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ اس کے مالک کی اجازت کے بغیر اس میں عمل کرے۔ اور ہر وہ کام جس میں ضرر نہ ہو تو مطلق عقد سے اسے وہ عمل کرنا جائز ہے اور وہ اس کا مستحق ہو جائے گا۔

29559۔ (قولہ: فَيَتَوَقَّفُ عَلَى الرِّضَا) یعنی مالک کی رضا یا شرط لگانے پر موقوف ہے۔ ''ابوسعود'' میں ''حموی'' سے مروی ہے: اس کا مفہوم یہ ہے اگر وہ وقف ہو اور متولی اس کی رہائش پر راضی ہو تو حکم اس طرح نہ ہوگا۔

اگر شرط میں موجر اور مستاجر کے درمیان اختلاف ہو جائے تو قول موجر کا معتبر ہوگا

29560۔ (قولہ: كَمَا لَوْ أَنْكَرَ أَصْلَ الْعَقْدِ) کیونکہ قول اس کا ہوگا یعنی حکم اسی طرح ہوگا جب وہ اس کی نوع کا انکار کرے۔ ''ط''۔

29561۔ (قولہ: وَلَوْ فَعَلَ مَا لَيْسَ لَهُ) یعنی مدت ختم ہوگئی۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ مدت کا بعض گزر جائے تو کیا اس کی اجرت ساقط ہو جائے گی یا واجب ہوگی؟ اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ ''طحطاوی'' نے ''مقدسی'' سے نقل کیا ہے۔

29562۔ (قولہ: وَلَا أَجْرَ) یعنی جس میں اس نے ضمانت دی ہے اس میں اس کا اجر نہیں ہوگا۔ ''نہایہ''۔ جہاں تک ساحہ (صحن) کا تعلق ہے تو چاہیے کہ اس میں اجر ہو ''ذخیرہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''سائحانی''۔

وَكَذَا كُلُّ مَا لَا يَخْتَلِفُ بِالْمُسْتَعْمِلِ يُبْطِلُ التَّقْيِيدَ؛ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُفِيدٍ، بِخِلَافِ مَا يَخْتَلِفُ بِهِ كَمَا سَيَجِيءُ، وَلَوْ آجَرَ بِأَكْثَرَ تَصَدَّقَ بِالْفَضْلِ إلَّا فِي مَسْأَلَتَيْنِ إذَا آجَرَهَا بِخِلَافِ الْجِنْسِ أَوْ أَصْلَحَ فِيهَا شَيْئًا، وَلَوْ آجَرَهَا مِنَ الْمُؤَجِّرِ لَا تَصِحُّ وَتَنْفَسِخُ الْإِجَارَةُ فِي الْأَصَحِّ بَحْرٌ مَعْزِيًّا لِلْجَوْهَرَةِ،

اسی طرح جو مستعمل کے مختلف ہونے کے ساتھ مختلف نہیں ہوتا اس میں تقیید باطل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ غیر مفید ہے۔ وہ چیز جو مستعمل کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتی ہے ان کا معاملہ مختلف ہے جس طرح عنقریب آئے گا۔ اگر وہ اکثر کے بدلے میں اجرت پر دے تو زائد کو صدقہ کر دے مگر دو مسئلوں میں ایسا نہ کرے جب وہ اسے خلاف جنس کے بدلے میں اجرت پر دے یا اس میں کسی چیز کو درست کرے۔ اگر وہ موجر کو ہی اجرت پر دے تو اجارہ صحیح نہیں ہوگا اور اصح قول کے مطابق اجارہ منسوخ ہو جائے گا،''بحر''۔ یہ''جوہرہ'' کی طرف منسوب ہے۔

29563۔ (قولہ: يُبْطِلُ) یہ لفظ یا کے ضمہ کے ساتھ ہے یہ ابطل سے ہے۔ فتحہ بھی جائز ہے لیکن حق یہ ہے کہ اسے مستانفہ بنائے اور وہ کہے۔ ویبطل فیہ۔

29564۔ (قولہ: بِخِلَافِ مَا يَخْتَلِفُ بِهِ) جیسے سواری کرنا اور پہننا۔

29565۔ (قولہ: كَمَا سَيَجِيءُ) تقریباً ایک ورق بعد آئے گا۔

29566۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْجِنْسِ) جس جنس سے اجارہ پر لیا ہے اس کے برعکس۔ اسی طرح جس جنس کے ساتھ اجرت پر لیا تھا اس کے اپنے مال میں سے کوئی شے اجرت پر دی جائز ہے کہ اس پر اجارہ کا عقد کیا جائے تو اس کے لیے زیادتی پاکیزہ ہوگی جس طرح''الخلاصہ'' میں ہے۔

29567۔ (قولہ: أَوْ أَصْلَحَ فِيهَا شَيْئًا) جیسے اس نے چونا کیا یا اس میں مسناۃ بنائی۔ اسی طرح کا حکم ہوگا ہر ایسے عمل کا جو قائم ہو کیونکہ زیادتی اس کے مقابلہ میں ہے جو اس نے اپنے پاس سے زائد کیا یہ اس کے امر پر صلاح پر محمول کرنے کی بنا پر ہے جس طرح''المبسوط'' میں ہے۔ صفائی کرنا اصلاح نہیں۔ اگر اس نے نہر کھودی''خصاف'' نے کہا: زیادتی پاکیزہ ہوگی۔ ''ابو علی نسفی'' نے کہا: ہمارے اصحاب متردد ہیں مٹی اٹھانے سے زیادتی پاکیزہ نہ ہوگی اگرچہ زیادت میں آسانی ہو۔ اگر اس نے ایک صفقہ سے دو گھر اجرت پر لیے اور ایک میں اضافہ کیا تو دونوں کو اکثر کے بدلے میں اجارہ پر دے اگر دو صفقوں سے ہو تو پھر نہیں،''خلاصہ'' ملخص۔

29568۔ (قولہ: لَا تَصِحُّ) یعنی قبضہ سے پہلے اور قبضہ کے بعد صحیح نہیں ہوگا جس طرح''جوہرہ'' میں ہے۔ اگر تیسرا آدمی درمیان میں واقع ہو تو راجح قول کے مطابق صحیح نہیں۔ یہ امام''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے اسی پر فتویٰ ہے۔''بزازیہ''۔

29569۔ (قولہ: وَتَنْفَسِخُ الْإِجَارَةُ فِي الْأَصَحِّ) یعنی پہلا اجارہ فسخ ہو جائے گا جہاں تک دوسرے اجارہ کا تعلق ہے تو وہ بالاتفاق منسوخ ہو جائے گا۔

وَسَيَجِيءُ تَصْحِيحُ خِلَافِهِ فَتَنَبَّهْ (وَ) تَصِحُّ إِجَارَةُ (أَرْضٍ لِلزِّرَاعَةِ مَعَ بَيَانِ مَا يَزْرَعُ فِيهَا، أَوْ قَالَ عَلَى أَنْ أَزْرَعَ فِيهَا مَا أَشَاءُ) كَيْ لَا تَقَعَ الْمُنَازَعَةُ وَإِلَّا فَهِيَ فَاسِدَةٌ لِلْجَهَالَةِ، وَتَنْقَلِبُ صَحِيحَةً بِزَرْعِهَا وَيَجِبُ الْمُسَمَّى وَلِلْمُسْتَأْجِرِ الشِّرْبُ وَالطَّرِيقُ، وَيَزْرَعُ زَرْعَيْنِ رَبِيعًا وَخَرِيفًا وَلَوْ لَمْ يُمْكِنْهُ الزِّرَاعَةُ لِلْحَالِ لِاحْتِيَاجِهَا لِسَقْيٍ أَوْ كَرْيٍ إِنْ أَمْكَنَهُ الزِّرَاعَةُ فِي مُدَّةِ الْعَقْدِ جَازَ وَإِلَّا لَا،

اس کے بدلے کی تصحیح عنقریب آئے گی۔ پس اس پر متنبہ ہو جایئے۔ زراعت کے لیے زمین کا اجارہ صحیح ہوگا ساتھ ہی اس کی وضاحت کی جائے کہ جو وہ اس میں کاشت کرے گا یا وہ کہے کہ میں جو اس میں چاہوں گا اس میں کاشت کروں گا تاکہ منازعہ واقع نہ ہو ورنہ یہ اجارہ جہالت کی وجہ سے فاسد ہوگا۔ اور اس کو کاشت کرنے کے ساتھ صحیح ہو جائے گا اور مسمی واجب ہو جائے گا۔ مستاجر کے لیے پانی کی باری اور راستہ ہوگا۔ دو فصلیں کاشت کرے گا موسم بہار اور موسم خزاں کی فصل کاشت کرے گا اگر فی الحال زراعت ممکن نہ ہو۔ کیونکہ زمین کو سیراب کرنے اور نالی کھودنے کی ضرورت ہے۔ اگر عقد کی مدت میں زراعت ممکن ہو تو عقد جائز ہوگا ورنہ نہیں۔

29570۔ (قولہ: وَسَيَجِيءُ) یعنی متفرقات میں آئے گا شارح وہاں تطبیق ذکر کریں گے اور اس پر کلام واقع ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

زمین کو اجارہ پر لینے کے احکام

29571۔ (قولہ: لِلْجَهَالَةِ) یعنی ایسی جہالت جو عقد معاوضہ میں جہالت تک لے جائے۔ کیونکہ کھیتی میں سے کچھ ایسی ہوتی ہیں جو زمین کو نفع دیتی ہیں اور کچھ ایسی ہوتی ہیں جو اس کو نقصان دیتی ہیں۔

29572۔ (قولہ: وَتَنْقَلِبُ صَحِيحَةً بِزَرْعِهَا) یعنی یہ بطور استحسان ہے کیونکہ معقود علیہ استعمال کے ساتھ معلوم ہو گیا ہے اور معاملہ یوں ہو گیا گویا جہالت تھی ہی نہیں "زیلعی"، مختصر۔ علامہ "مقدسی" نے کہا: چاہیے کہ یہ قید ذکر کی جاتی: اذا علم الموجر بما زرع فرضی بہ الخ۔ جب موجر کو علم ہو جائے جسے وہ کاشت کرے گا اور اس پر وہ راضی ہو جائے اور کپڑا پہننے کے بارے میں اسے علم ہو جائے ورنہ نزاع ممکن ہے۔ "ط"، مختصر۔

29573۔ (قولہ: وَلِلْمُسْتَأْجِرِ الشِّرْبُ وَالطَّرِيقُ) یعنی اگرچہ اس نے ان دونوں کی شرط نہ لگائی ہو۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اجارہ انتفاع کے لیے کیا جاتا ہے اور انتفاع ان دونوں کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ پس یہ دونوں چیزیں تبعاً عقد میں داخل ہوں گی۔ جہاں تک بیع کا تعلق ہے تو اس سے مقصود ملک رقبہ ہوتا ہے فی الحال انتفاع نہیں ہوتا یہاں تک کہ جحش گدھے کا بچہ اور شوریدہ زمین کی بیع جائز ہے مگر ان کا اجارہ جائز نہیں۔ "منح"۔

29574۔ (قولہ: وَيَزْرَعُ زَرْعَيْنِ) "القنیہ" میں کہا: اگر اس نے سال بھر کے لیے کاشت کی غرض سے زمین اجرت پر لی اور یہ شرط لگائی کہ جو چاہے کاشت کرے اسے دو فصلیں کاشت کرنے کا حق ہوگا ربیع کی فصل اور خریف کی فصل تو دیکھا

وَتَمَامُهُ فِي الْقُنْيَةِ (آجَرَهَا وَهِيَ مَشْغُولَةٌ بِزَرْعِ غَيْرِهِ إِنْ كَانَ الزَّرْعُ بِحَقٍّ لَا تَجُوزُ الْإِجَارَةُ، لَكِنْ لَوْ حَصَدَهُ وَسَلَّمَهَا انْقَلَبَتْ جَائِزَةً (مَا لَمْ يُسْتَحْصَدْ الزَّرْعُ)

اس کی مکمل وضاحت ''القنیہ'' میں ہے۔ ایک آدمی نے زمین اجرت پر دی جب کہ وہ غیر کی کھیتی میں مشغول تھی اگر کھیتی کسی حق کے سبب سے ہو تو اجارہ جائز نہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ کھیتی کاٹ لے اور زمین حوالے کر دے تو اجارہ جائز ہو جائے گا جب تک کھیتی کو کاٹ نہ لیا جائے۔

ہے۔ یہ مسئلہ اس میں مفروض ہے کہ اتنی مدت کے لیے زمین اجرت پر لی جاتی ہے جس میں دو فصلیں کاشت کرنا ممکن ہوتا ہے۔ عقد اجارہ میں کلام مطلق ذکر کی ہے۔ ''ط''۔

29575۔ (قولہ: وَتَمَامُهُ فِي الْقُنْيَةِ) کیونکہ کہا: اگر آدمی نے موسم سرما میں نو ماہ کے لیے زمین اجرت پر لی اور موسم میں کاشت کرنا ممکن نہیں تو اتنی مدت کے لیے اجارہ ہوگا جس میں کاشت کرنا ممکن ہے۔ اگر اس زمین سے اصلاً انتفاع ممکن نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ زمین شوریدہ ہو تو اجارہ فاسد ہوگا۔ موسم سرما میں اجارہ پر لینے کا جو مسئلہ ہے تو اجرت مکمل مدت کے مقابل ہوگی نہ کہ جس میں نفع حاصل کرنا ہے۔ پس یہ کافی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اتنی مدت کے مقابلہ میں جس میں وہ انتفاع کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں: شارح باب الفسخ میں ''جوہرہ'' سے نقل کرتے ہوئے ذکر کریں گے: اگر اتنا پانی آیا جس کے ساتھ بعض زمین کاشت کر سکتا ہے اگر چاہے تو مکمل اجارہ فسخ کر دے یا اسے چھوڑے رکھے اور جس قدر زمین سیراب کی ہے اسی حساب سے اجرت دے دے۔

29576۔ (قولہ: بِزَرْعِ غَيْرِهِ) غیرہ کی ضمیر سے مراد مستاجر ہے۔ اگر کھیتی اس کی ہو تو اجارہ کے صحیح ہونے سے کوئی مانع نہیں۔ اور غیر کا لفظ موجر اور اجنبی دونوں کو شامل ہے۔ اگر وہ کھیتی موجر یعنی زمین کے مالک کی ہو تو حیلہ یہ ہے کہ وہ کھیتی کو اس کے ہاتھ معلوم ثمن کے عوض بیچ دے اور دونوں عوض پر قبضہ کر لیں پھر وہ زمین کو اس کے ہاتھ اجرت پر دے دے جس طرح ''الخلاصہ'' میں اصل سے منقول ہے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر دونوں اجارہ سے پہلے عقد مساقات کریں نہ کہ بعد میں عقد مساقات کریں جس طرح ہم نے پہلے اسے بیان کیا ہے۔

29577۔ (قولہ: إِنْ كَانَ الزَّرْعُ بِحَقٍّ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اجارہ کے سبب سے کھیتی کاشت کی گئی ہو اگرچہ اجارہ فاسد ہو تو اجرت مثلی کے بغیر جو مستاجر ہوتا ہے وہ غاصب نہیں ہوتا اور اس پر اجرت مثلی لازم ہوتی ہے۔ ''فتاویٰ قاری الہدایہ'' میں ہے: اجارہ فاسدہ کی بنا پر مستاجر جب کھیتی کاشت کرے گا تو وہ کھیتی باقی رہے گی اسی طرح مساقات ہے، ''ط''۔ عنقریب یہ آئے گا کہ مستعیر کو مستاجر کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا پس اس فصل کو پکنے تک چھوڑے رکھا جائے گا مگر اجرت مثلی لازم ہوگی۔

29578۔ (قولہ: مَا لَمْ يُسْتَحْصَدْ) یعنی وہ پک جائے اور کاٹنے کے قابل ہو جائے۔

فَيَجُوزُ وَيُؤْمَرُ بِالْحَصَادِ وَالتَّسْلِيمِ، بِهِ يُفْتَى بَزَّازِيَّةٌ (إِلَّا أَنْ يُؤَاجِرَهَا مُضَافَةً) إِلَى الْمُسْتَقْبَلِ فَتَصِحُّ مُطْلَقًا (وَإِنْ) كَانَ الزَّرْعُ (بِغَيْرِ حَقٍّ صَحَّتْ) لِإِمْكَانِ التَّسْلِيمِ بِجَبْرِهِ عَلَى قَلْعِهِ أَدْرَكَ أَوْ لَا، فَتَاوَى قَارِئِ الْهِدَايَةِ وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ تَصِحُّ إِجَارَةُ الدَّارِ الْمَشْغُولَةِ يَعْنِي وَيُؤْمَرُ بِالتَّفْرِيغِ، وَابْتِدَاءُ الْمُدَّةِ مِنْ حِينِ تَسْلِيمِهَا وَفِي الْأَشْبَاهِ اسْتَأْجَرَ مَشْغُولًا وَفَارِغًا صَحَّ فِي الْفَارِغِ فَقَطْ، وَسَيَجِيءُ فِي الْمُتَفَرِّقَاتِ (وَ) تَصِحُّ إِجَارَةُ أَرْضٍ (لِلْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ) وَسَائِرِ الِانْتِفَاعَاتِ كَطَبْخِ آجُرٍّ وَخَزَفٍ وَمَقِيلًا وَمُرَاحًا

پس عقد جائز ہو جائے گا اور فصل کاٹ لینے اور زمین سپرد کرنے کا حکم دیا جائے گا اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے،''بزازیہ''۔ مگر جب زمین کو زمانہ مستقبل کی طرف منسوب کرتے ہوئے اجرت پر دیا جائے۔ پس اجارہ مطلقاً صحیح ہوگا اگر کھیتی کسی حق کے بغیر ہو تو اجارہ صحیح ہوگا کیونکہ سپرد کرنا ممکن ہے۔ کیونکہ اسے فصل اکھیڑ لینے کا حکم دیا جا سکتا ہے وہ فصل پکی ہو یا نہ پکی ہو''فتاویٰ قاری الہدایہ''۔''وہبانیہ'' میں ہے: دار مشغول کا اجارہ صحیح ہے یعنی اسے فارغ کرنے کا حکم دیا جائے گا اور عرصہ کا آغاز زمین حوالے کرنے سے ہوگا۔''الاشباہ'' میں ہے: ایک آدمی نے مشغول اور فارغ چیز اجارہ پر لی تو اجارہ صرف فارغ میں صحیح ہوگا متفرقات میں عنقریب آئے گا۔ عمارت بنانے، درخت لگانے اور باقی منافع حاصل کرنے جیسے اینٹیں پکانے، برتن پکانے، قیلولہ کرنے اور اونٹوں کا باڑا بنانے کے لیے زمین کو اجارہ پر دینا صحیح ہے۔

29579۔ (قولہ: بِهِ يُفْتَى بَزَّازِيَّةٌ) اسی کی مثل''الخانیہ'' میں ہے۔

29580۔ (قولہ: إِلَى الْمُسْتَقْبَلِ) یعنی اس وقت تک جس میں کھیتی کو کاٹا جاتا ہے اور زمین اس کھیتی سے فارغ ہو جاتی ہے۔

29581۔ (قولہ: مُطْلَقًا) خواہ کھیتی حق کے سبب سے ہو یا حق کے سبب سے نہ ہو خواہ اسے کاٹنے کا مطالبہ کیا گیا ہو یا کاٹنے کا مطالبہ نہ کیا گیا ہو۔

29582۔ (قولہ: بِجَبْرِهِ) یعنی زارع کو مجبور کرنے کے سبب سے۔

29583۔ (قولہ: وَسَيَجِيءُ فِي الْمُتَفَرِّقَاتِ) یعنی کتاب الاجارہ کے متفرقات میں عنقریب یہ بھی آئے گا کہ ''الاشباہ'' میں جو قول ہے اسے اس پر محمول کیا جائے کہ اگر کسی عین کو اجرت پر لے جس کا بعض فارغ ہو اور اس کا بعض مشغول ہو یعنی جو مشغول ہے اس کو فارغ کرنے میں ضرر ہو تو یہ اس قول کے منافی نہیں ہوگا جو''وہبانیہ'' میں ہے۔

29584۔ (قولہ: وَمَقِيلًا وَمُرَاحًا) اس کا عطف ان کے قول للبناء پر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے ارشاد لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً (النحل: 8) میں زینت کا عطف لترکبوھا پر ہے۔ مقیل سے مراد قیلولہ کی جگہ ہے۔ مراح یہ لفظ میم کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد چوپاؤں کی جائے پناہ ہے۔ پہلی دونوں سے مراد مصدر میمی ہے تاکہ دونوں کو مفعول لہ بنانا صحیح ہو پھر صاحب''البحر'' نے اسے بحث کے انداز سے ذکر کیا ہے اور''طوری'' نے اس کی پیروی کی ہے''شہاب شلبی'' اور

حَتَّى تَلْزَمَ الْأُجْرَةُ بِالتَّسْلِيمِ أَمْكَنَ زِرَاعَتُهَا أَمْ لَا بَحْرٌ (فَإِنْ مَضَتِ الْمُدَّةُ قَلَعَهُمَا وَسَلَّمَهَا فَارِغَةً لِعَدَمِ نِهَايَتِهِمَا (إِلَّا أَنْ يَغْرَمَ لَهُ الْمُؤَجِّرُ قِيمَتَهُ) أَيِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ (مَقْلُوعًا) بِأَنْ تُقَوَّمَ الْأَرْضُ بِهِمَا

یہاں تک کہ زمین سپرد کرنے کے ساتھ اجرت لازم ہو جاتی ہے اس کی زراعت ممکن ہو یا ممکن نہ ہو، ''بحر''۔ اگر مدت گزر جائے تو ان دونوں کو اکھیڑ دے اور زمین فارغ حالت میں مالک کے حوالے کر دے۔ کیونکہ دونوں کی مدت کی انتہا نہیں مگر موجر اسے عمارت اور درختوں کی قیمت دے دے جب کہ وہ اکھڑے ہوئے ہوں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ زمین کی ان دونوں کے ساتھ

''حانوتی'' نے اس کا فتویٰ دیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ایسی زمین پر قدرت حاصل ہو جانا جس کو پانی لگتا ہو اجرت کو لازم کر دیتا ہے وہ اس زمین کی زراعت پر قادر ہو یا نہ ہو۔ کہا: اس کے عقد کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کیونکہ اس نے زمین خصوصی کھیتی کاشت کرنے کے لیے اجرت پر نہیں لی یہاں تک کہ اس زمین کی سیرابی کا نہ ہونا اجارہ کے فسخ کا باعث ہو۔ ''الاشباہ'' کے کتاب الوقف میں اس پر استدلال کرنے میں طویل گفتگو کی ہے۔ ''حموی'' نے یہ نقل کیا ہے کہ بعض علماء نے اس اجارہ کے صحیح ہونے میں توقف کیا ہے اور طویل گفتگو کی ہے پس ان دونوں کی طرف رجوع کیجئے۔

29585۔ (قولہ: أَمْكَنَ زِرَاعَتُهَا أَمْ لَا) یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ اسے کھیتی کاشت کرنے کے لیے اجرت پر نہ لے اگر وہ کھیتی کاشت کرنے کے لیے اجرت پر لے تو اس میں کھیتی کاشت کرنے کا ممکن ہونا ضروری ہے جس طرح یہ قول گزر چکا ہے اور عنقریب یہ قول آئے گا۔ ''فتنبہ''۔

29586۔ (قولہ: قَلَعَهُمَا) یعنی جب درختوں میں پھل ہوں پس پھل پکنے تک اجرت مثلی کے ساتھ وہ عقد باقی رہے گا۔

29587۔ (قولہ: وَسَلَّمَهَا فَارِغَةً) اس پر لازم ہوگا کہ زمین کو ہموار کرے کیونکہ وہ اس کو خراب کرنے والا ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''حموی'' سے نقل کیا ہے۔

29588۔ (قولہ: لِعَدَمِ نِهَايَتِهِمَا) یعنی عمارت اور درخت کی کوئی انتہا نہیں کیونکہ ان دونوں کی کوئی مدت معلوم نہیں۔ کھیتی کا معاملہ مختلف ہے جس طرح آگے آئے گا۔

29589۔ (قولہ: مَقْلُوعًا) یعنی جو قلع کا مستحق ہو کیونکہ ایسے درخت کی قیمت اکھیڑے گئے درخت سے کم ہوتی ہے جس طرح غصب میں ہے، ''قہستانی''۔ ''شرنبلالیہ'' میں ہے: ان دونوں کے مالک کو ان دونوں چیزوں کے اکھیڑنے کا حکم دیا جائے گا ہم نے اس کی یہ تفسیر بیان کی ہے۔ کیونکہ مقلوع کی قیمت اس سے زیادہ ہوتی ہے جس کے اکھیڑنے کا حکم دیا گیا ہو کیونکہ اکھیڑنے میں مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے۔ ''کفایہ'' میں اسی طرح ہے۔

29590۔ (قولہ: بِأَنْ تُقَوَّمَ الْأَرْضُ بِهِمَا) یعنی وہ چیزیں جن کا اکھیڑنا لازم ہے ان کے ساتھ زمین کی قیمت لگائی

وَبِدُونِهِمَا فَيَضْمَنَ مَا بَيْنَهُمَا اخْتِيَارٌ (وَيَتَمَلَّكَهُ) بِالنَّصْبِ عَطْفًا عَلَى يَغْرَمَ؛ لِأَنَّ فِيهِ نَظَرًا لَهُمَا قَالَ فِي الْبَحْرِ وَهٰذَا الِاسْتِثْنَاءُ مِنْ لُزُومِ الْقَلْعِ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ، فَأَفَادَ أَنَّهُ لَا يَلْزَمُهُ الْقَلْعُ لَوْ رَضِيَ الْمُؤْجِرُ بِدَفْعِ الْقِيمَةِ لٰكِنْ إِنْ كَانَتْ تَنْقُصُ بِتَمَلُّكِهَا جَبْرًا عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ وَإِلَّا فَبِرِضَاهُ (أَوْ يَرْضَى) الْمُؤْجِرُ عَطْفًا عَلَى يَغْرَمَ (بِتَرْكِهِ) أَيِ الْبِنَاءِ وَالْغَرْسِ (فَيَكُونَ الْبِنَاءُ وَالْغَرْسُ لِهٰذَا وَالْأَرْضُ لِهٰذَا)

اور ان دونوں کے بغیر قیمت لگائی جائے تو درمیان میں جو فرق ہے اس کی ضمانت دے دے،''اختیار''۔ اور موجر مالک بن جائے گا یہ نصب کے ساتھ یغرم پر معطوف ہے۔ کیونکہ اس میں دونوں کے فائدے کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔''البحر'' میں کہا ہے: یہ استثنا اس امر سے ہے کہ اکھیڑنا مستاجر پر لازم ہے۔ اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ اکھیڑنا اس پر لازم نہیں اگر موجر اس کی قیمت دینے پر راضی ہو جائے۔ لیکن اگر کھودنے سے زمین میں نقص واقع ہوتا ہو تو وہ مستاجر پر جبر کرتے ہوئے اس کا مالک ہو جائے ورنہ اس کی رضامندی سے مالک ہو گا۔ یا موجر اس عمارت اور درخت کے چھوڑنے پر راضی ہو۔ یرضی کا عطف یغرم پر ہے۔ پس عمارت اور درخت اس کے ہوں گے اور زمین اس کی ہوگی۔

جائے جس طرح تو جان چکا ہے۔ اس سے غصب میں جو''عینی'' کا اعتراض ہے وہ ختم ہو چکا ہے یعنی یہ اس کے اکھیڑے گئے کی قیمت کی ضمان نہیں بلکہ یہ اس کے اکھڑے ہونے کی حالت میں قیمت کی ضمان ہے۔''الکفایہ'' میں یہ اسی طرح ہے۔ بے شک یہ اس کے ملبہ کی قیمت کی ضمانت اس وقت ہوگی اگر عمارت اور درختوں کی قیمت اس وقت لگائی جائے جب وہ اکھڑے ہوئے ہوں اور زمین پر پڑے ہوئے ہوں۔ گویا اس سے یہ سمجھا گیا کہ زمین کی قیمت اس صورت میں لگائی جائے گی جب یہ بقا کے مستحق ہوں۔ یہ مراد نہیں اور نہ دوسری مراد ہے جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے بلکہ وہ مراد ہے جو گزر چکا ہے۔ فتدبر

29591۔ (قولہ: لِأَنَّ فِيهِ نَظَرًا لَهُمَا) کیونکہ ہم نے مدت گزرنے کے بعد موجر کے لیے زمین قبضہ میں لینے کو واجب کیا اور مستاجر کے لیے دونوں جو اکھیڑنے کے مستحق ہیں کی قیمت کو واجب کیا ہے۔ کیونکہ دونوں کو حق کے سبب سے زمین میں رکھا گیا ہے۔

29592۔ (قولہ: فِي الْبَحْرِ الخ) یہ امر مخفی نہیں کہ اس وقت کلام سے مستفاد یہ ہے کہ موجر کو حق حاصل ہے کہ مستاجر پر جبر کرتے ہوئے اسے اپنی ملک میں لے لے خواہ اکھیڑنے سے زمین میں نقص واقع ہوتا ہو اسی وجہ سے زیلعی وغیرہ شارحین ہدایہ نے کہا: یہ حکم اس وقت ہے جب اکھیڑنے سے زمین میں نقص واقع ہوتا کہ موجر سے ضرر کو دور کیا جائے اور مستاجر پر کوئی ضرر نہیں۔ لیکن کلام اکھیڑنے کے استحقاق کے بارے میں ہے اور قیمت اس کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ اگر اکھیڑنے سے زمین میں نقص واقع نہ ہوتا ہو تو مستاجر کی رضامندی کے بغیر وہ اس کا مالک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دونوں ملکیت کے ثبوت میں اور ایک کے دوسرے پر راجح نہ ہونے میں برابر ہیں۔ ملخص

استثنا کے مرجع کے بیان کے بعد اس حمل کی کوئی ضرورت نہیں جس طرح زیلعی وغیرہ نے کہا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا

وَهَذَا التَّرْكُ إِنْ بِأَجْرٍ فَإِجَارَةٌ وَإِلَّا فَإِعَارَةٌ، فَلَهُمَا أَنْ يُؤَاجِرَاهُمَا لِثَالِثٍ وَيَقْتَسِمَا الْأَجْرَ عَلَى قِيمَةِ الْأَرْضِ بِلَا بِنَاءٍ وَعَلَى قِيمَةِ الْبِنَاءِ بِلَا أَرْضٍ، فَيَأْخُذُ كُلٌّ حِصَّتَهُ مُجْتَبَى وَفِي وَقْفِ الْقُنْيَةِ بَنَى فِي الدَّارِ الْمُسَبَّلَةِ بِلَا إِذْنِ الْقَيِّمِ وَنَزْعُ الْبِنَاءِ يَضُرُّ بِالْوَقْفِ يُجْبَرُ الْقَيِّمُ عَلَى دَفْعِ قِيمَتِهِ لِلْبَانِي إلَخْ (وَلَوْ اسْتَأْجَرَ أَرْضَ وَقْفٍ وَغَرَسَ فِيهَا)

یہ ترک کرنا اگر اجرت کے بدلے میں ہوتو یہ اجارہ ہوگا ورنہ اعارہ ہوگا۔ پس ان دونوں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ کسی تیسرے آدمی کو اجرت پر دے دیں اور وہ دونوں اجر کو زمین کی قیمت پر جو عمارت کے بغیر ہو اور عمارت کی قیمت پر جو زمین کے بغیر ہو پر تقسیم کرلیں پس ہر ایک اپنا حصہ لے لے گا،''مجتبیٰ''۔''قنیہ'' کے کتاب الوقف میں ہے: ایسا گھر جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے چھوڑا گیا تھا اس میں رہنے والے نے نگران کی اجازت کے بغیر کوئی شے تعمیر کی اور اس تعمیر کو گرانا یہ وقف میں ضرر کا باعث ہے تو نگران کو حکم دیا جائے گا کہ وہ بنانے والے کو اس عمارت کی قیمت دے دے، الخ۔ اگر وقف کی زمین اجرت پر لی اس میں درخت لگائے

ہے کہ''البحر'' کا قول غیر ظاہر ہے جب کہ وہ دوبارہ اس کے محتاج ہوئے تو انہوں نے اس تفصیل کو ذکر کیا جس طرح ہمارے شارح نے اپنے اس قول لکن الخ کے ساتھ کیا ہے، فتنبہ۔ یہ وہ ہے جس کی طرف اشارہ اس باب سے پہلے گزر چکا ہے کہ جو کچھ فتاویٰ میں ہے وہ ان شروح کے خلاف ہے بلکہ جو متون میں ہے ان کے خلاف ہے۔ ہم وہاں پہلے مصنف سے نقل کر آئے ہیں کہ یہ قول ملک اور وقف کو شامل ہے۔

29593۔(قولہ: إِنْ بِأَجْرٍ) کہ وہ ان دونوں کی بقا کے لیے عقد اجارہ ان کی شروط کے ساتھ کرے۔

29594۔(قولہ: فَلَهُمَا) یہ ان کے قول والا فاعارۃ کے ساتھ مرتبط ہے۔''ط''۔ یعنی اگر ترک اجر کے بدلے میں ہو تو زمین کے مالک کے لیے کوئی عمل دخل نہیں ہوگا۔

29595۔(قولہ: الْمُسَبَّلَةِ)''رملی'' نے کہا: کتاب الوقف میں یہ قول گزر چکا ہے کہ سبیل اسے کہتے ہیں جو عام لوگوں پر وقف ہوتا ہے۔

29596۔(قولہ: إِلَى آخِرِهِ)''القنیہ'' کی مکمل عبارت یہ ہے: مستاجر کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ وقف شدہ زمین میں درخت اور انگور کی بیلیں لگائے جب یہ زمین کو نقصان نہ دیں جب کہ متولی کی جانب سے صریح اذن نہ ہو۔ حوض کھودنے کا معاملہ مختلف ہے۔ متولی کے لیے یہ حلال ہے کہ وہ اس چیز کا اذن دے دے جو وقف کے خیر میں اضافہ کا باعث ہو۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب عمارت کی پختگی اس میں نہ ہو۔ جب عمارت کی پختگی اس میں ہو تو کھودنا، درخت لگانا اور اس کی مٹی سے دیوار بنانا جائز ہوگا۔ کیونکہ اس جیسی چیزوں میں دلالت کے اعتبار سے اجازت ہوتی ہے۔''بحر''۔

29597۔(قولہ: وَلَوْ اسْتَأْجَرَ أَرْضَ وَقْفٍ) وقف کی قید لگائی ہے کیونکہ''خیریہ'' میں''حاوی زاہدی'' سے''الاسرار''

وَبَنَى (ثُمَّ مَضَتْ مُدَّةُ الْإِجَارَةِ فَلِلْمُسْتَأْجِرِ اسْتِيفَاؤُهَا بِأَجْرِ الْمِثْلِ إِذَا لَمْ يَكُنْ فِي ذَلِكَ ضَرَرٌ) بِالْوَقْفِ (وَلَوْ أَبَى الْمَوْقُوفُ عَلَيْهِمْ إِلَّا الْقَلْعَ لَيْسَ لَهُمْ ذَلِكَ) كَذَا فِي الْقُنْيَةِ قَالَ فِي الْبَحْرِ،

اور کوئی عمارت بنائی پھر اجارہ کی مدت ختم ہوگئی۔ جب وقف میں ضرر نہ ہو تو مستاجر کو حق حاصل ہوگا کہ اجرت مثلی کے ساتھ ان کو باقی رکھے۔ اگر موقوف علیہم درخت اکھیڑنے کے سوا ہر شے کا انکار کردیں تو انہیں یہ حق حاصل نہیں ہوگا ''قنیہ'' میں اسی طرح ہے۔''بحر'' میں کہا:

سے منقول ہے: یہ صورت مختلف ہوگی جب اس نے مملوک زمین اجرت پر لی کہ مستاجر کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا وہ انہیں اسی طرح باقی رکھے اگر مالک اسے اکھیڑنے کے بغیر راضی نہ ہو بلکہ اس کے اکھیڑنے پر اسے مجبور کرے گا مگر درختوں کی قیمت زمین کی قیمت سے زیادہ ہو تو مستاجر مالک کے لیے زمین کی قیمت کی ضمانت دے گا۔ پس درخت اور زمین غارس کے لیے ہوں گے۔ اس کے برعکس مالک درختوں کی ضمانت دے گا پس زمین اور درخت اس کے ہوں گے۔ عاریہ میں حکم اسی طرح ہے۔

29598۔(قولہ: وَبَنَى) یہاں واؤ، او کے معنی میں ہے۔''ط''۔

ہر عادل، عالم، قاضی اور امین نگران جو ظالم نہیں پر اوقاف کے مفادات کا خیال رکھنا واجب ہے

29599۔(قولہ: كَذَا فِي الْقُنْيَةِ) مصنف نے جو کچھ ذکر کیا ہے اس کی طرف اشارہ ہے۔''خیریہ'' میں اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے یہ کہتے ہوئے: تجھے علم ہے کہ شرع خصوصاً ضرر کا انکار کرتی ہے جب کہ لوگ بھی اس پر قائم ہیں جب کہ اکھیڑنے میں ان پر ضرر لاحق ہوتا ہے حدیث شریف میں نبی مختار سے مروی ہے: لاضرر ولا ضرار، نہ ابتداءً ضرر پہنچانا اور نہ بدلے میں ضرر پہنچانا(1)۔''حامدیہ'' میں اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔لیکن ''خیریہ'' میں ایک اور موقع پر اس کے برعکس پر فتویٰ دیا ہے اور کہا: درختوں کو اکھیڑا جائے گا اور زمین وقف کی نگران کے حوالے کردی جائے گی جس طرح تمام متون میں اس کی تصریح کی ہے۔

میں کہتا ہوں: جب یہ متون کے مخالف ہے تو اس کے مطابق فتویٰ دینا کیسے جائز ہوگا جب کہ یہ ''قنیہ'' کے کلام میں سے ہے۔اس میں جو کچھ ہے اس پر عمل نہیں کیا جائے گا جب یہ غیر کے خلاف ہو جس طرح اس امر کی ''ابن وہبان'' وغیرہ نے تصریح کی ہے۔متون میں جو ہے شارحین اور اصحاب فتویٰ نے اسے ثابت رکھا ہے۔علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ کیا موجر مستاجر پر جبر کرتے ہوئے عمارت اور درختوں کا مالک بن جائے گا جس طرح قول گزر چکا ہے۔کیونکہ شروح میں جو قول ہوتا ہے اسے اس قول پر مقدم کیا جاتا ہے جس پر اصحاب فتاویٰ نے اتفاق کیا ہو۔جس پر سب کا اتفاق ہو وہ تقدیم میں اولیٰ ہے۔کاش مصنف اسے اپنے متن میں ذکر نہ کرتے۔

''ابوسعود'' نے ''حاشیہ مسکین'' میں جو جواب دیا ہے کہ ''القنیہ'' میں جو قول ہے وہ اس بارے میں مفروض ہے جب وہ باقی رکھنے کی شرط لگائے گا اور متن میں جو موجر کے رضا کی شرط لگائی ہے وہ اس کے بارے میں ہے جب بقا کی شرط نہ لگائی ہو

1۔سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب بنی فی حقہ مایضر بجارہ، جلد 2، صفحہ 83، حدیث نمبر 2330

......	......	...	..	......	......	......	......	...

یہ مخالفت کے منافی نہیں۔ کیونکہ متون میں جو قول ہے وہ مطلق ہے اور ان کے مفاہیم حجت ہیں۔ بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے: یہ شرط مفسد ہے۔ کیونکہ اس میں مستاجر کا نفع ہے اگر یہ امر وقف پر اس کے غلبہ تک نہ لے جائے اس میں اس کا تصرف ملک کا تصرف ہے۔ جس طرح ہمارے زمانہ میں اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اور وہ قلیل اور بے وقعت چیز کے بدلے اجرت پر لے لینا ہے اور یہ دعویٰ کرنا کہ اس پر اجرت کی زیادتی ظلم اور بہتان ہے۔ اس کا منشا نگران ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کا نور بصارت سلب کرے ان کا مقصود اس سے رشوت ہوتا ہے جسے وہ خدمت کا نام دیتے ہیں۔ کیونکہ جو"القنیہ" میں ہے: اگر وہ اس قول سے قوی ہو جائے جس کا ذکر "خصاف" نے کیا جس طرح آگے آئے گا اور یہ فرض کیا گیا کہ یہ اس قابل ہو گیا ہے کہ وہ شروح، متون اور فتاویٰ کے معارض ہو تب بھی اس کے مطابق فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ گزر چکا کہ ہر اس قول کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے جو وقف کے لیے زیادہ نفع کا باعث ہو جس میں علماء نے اختلاف کیا ہو اور اس پر اس قول کی تصحیح کی بنیاد رکھی ہے جو اجرت مثلی میں زیادتی کے لیے اجارہ کے فسخ کرنے کا قول کرتے ہیں جس طرح قول گزر چکا ہے۔ ہمارے زمانہ میں معاملہ اس کے برعکس ہو چکا ہے یہاں تک قاضی وقف پر مذہب میں حیلہ نہیں پاتے تو غیر کے مذہب کو اس کے لیے وسیلہ بنا لیتے ہیں۔ پس امر کا انجام اس پر ہوتا ہے کہ اوقاف پر غلبہ ہو جاتا ہے، مساجد اور مدارس تباہ ہو جاتے ہیں، علماء ناپید ہو جاتے ہیں، مستحقین اور وقف کرنے والوں کی اولاد محتاج ہو جاتی ہے۔ جب لوگوں کے درمیان کوئی ایک اس کے متعلق گفتگو کرتا ہے تو لوگ اس کی کلام کو عجیب وغریب خیال کرتے ہیں۔ یہ پرانی مصیبت ہے۔ علامہ "قنلی زادہ" نے اسے ذکر کیا ہے جس کی تلخیص یہ ہے: وقف شدہ زمین پر عمارت تعمیر کرنے اور درخت لگانے کا مسئلہ شہروں میں خصوصاً دمشق میں بہت زیادہ واقع ہوا ہے۔ کیونکہ اس کے باغات زیادہ ہیں اکثر اوقاف ہیں اجرت پر لینے والے لوگوں نے وہ باغ لگائے اور انہیں اپنی ملک بنا لیا۔ ان میں سے اکثر کے اجارہ اجرت مثلی سے کم ہیں یا تو ابتدا سے ہی ایسا ہے یا رغبتوں کی زیادتی کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح شہروں کی دکانیں ہیں جب متولی یا قاضی اجرت مثلی تک ان کے اجارات کو بلند کرنا چاہتا ہے تو اجرت پر لینے والے مظلوم بن جاتے ہیں اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ ظلم ہے اور متولی قاضی ظالم ہیں جس طرح شاعر نے کہا:

تشكو المحب ويشكو وهي ظالمة　　كالقوس تصمي الرمايا وهي مرنان

وہ محب کی شکایت کرتی ہے اور محب شکایت کرتا ہے جب کہ وہ ظالم ہوتی ہے جس طرح قوس تیروں کو بے آواز چھوڑتی ہے جب کہ وہ خود آواز دے رہی ہوتی ہے۔

بعض مقتدر اور اکابر ان کی معاونت کرتے ہیں اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ یہ لوگوں میں فتنہ کی تحریک پیدا کرتا ہے اور وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ امور کو اسی طرح باقی رکھا جائے جس طرح وہ ہیں اور وہ یہ گمان کرتے ہیں امور میں سے سب سے برے نئے امور ہیں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ شر یہ ہے کہ شرع سے آنکھ کو بند کیا جائے۔ اور فساد امت کے وقت سنت کو زندہ کرنا بہترین جہاد ہے اور سب سے بڑی قربت ہے۔ پس ہر عادل، عالم، قاضی اور ہر امین نگران جو ظالم نہیں پر واجب ہے کہ

وَبِهَذَا تَعْلَمُ مَسْأَلَةَ الْأَرْضِ الْمُحْتَكَرَةِ، وَهِيَ مَنْقُولَةٌ أَيْضًا فِي أَوْقَافِ الْخَصَّافِ وَالرَّطْبَةُ) لِعَدَمِ نِهَايَتِهَا (كَالشَّجَرِ) فَتُقْلَعُ بَعْدَ مُضِيِّ الْمُدَّةِ، ثُمَّ الْمُرَادُ بِالرَّطْبَةِ مَا يَبْقَى أَصْلُهُ فِي الْأَرْضِ أَبَدًا،

اس سے ارض محتکرہ کا مسئلہ بھی معلوم ہو جاتا ہے جب کہ وہ بھی ''خصاف'' کے کتاب الاوقاف میں منقول ہے۔ اور سبزیاں ان کی انتہا کے نہ ہونے کی وجہ سے درخت کی مانند ہیں پس اجارہ کی مدت کے ختم ہونے کے بعد انہیں اکھیڑ دیا جائے گا۔ پھر رطبہ سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جس کی جڑ زمین میں ہمیشہ باقی رہتی ہے

وہ اوقاف کے مفادات کا خیال رکھے۔ اگر صورتحال یہ ہو کہ جب عمارت اور درخت کو ختم کر دیا جائے تو زمین کو زیادہ اجرت پر لیا جا سکتا ہے تو اس اجارہ کو فسخ کر دے اور اس کی عمارت اور درختوں کو اکھیڑ دیا جائے یا وہ اس اجرت کے ساتھ اسے قبول کرے عمارت کو ختم کرنا کم ہی ایسا ہوا کہ وہ زمین کو نقصان پہنچائے۔ کیونکہ اس میں غالب یہ ہوتا ہے کہ اس میں نفع ہوتا ہے اور وقف کے لیے رشک کا باعث ہوتا ہے الخ۔ یہ ایک ورق میں معلوم ہو گیا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

اس زمین کا بیان جو درختوں کے لیے روکی گئی ہو اور استحکار کا معنی

29600۔ (قولہ: الْمُحْتَكَرَةِ) ''خیریہ'' میں کہا: استحکار عقد اجارہ ہے جس کے ساتھ یہ قصد کیا جاتا ہے کہ وہ زمین کو باقی رکھے جب کہ وہ بنا اور درخت لگانے کے لیے مقرر کی گئی ہو یا ان دونوں میں سے ایک کے لیے مقرر کی گئی ہو۔

29601۔ (قولہ: وَهِيَ مَنْقُولَةٌ الخ) ضمیر ''القنیہ'' کے مسئلہ کے لیے ہے مقصود اس کی تقویت ہے۔ پس یہ متون کے کلام کے لیے مخصوص ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بغیر ضرر کے جانبین کی روایت کرنا ممکن ہے اور اکھیڑنے میں فائدہ نہیں۔ کیونکہ جب اسے اکھیڑا جاتا ہے تو اس سے زیادہ اجرت پر اسے نہیں دیا جاتا۔ اس تعبیر کی بنا پر اگر مستاجر مر جائے تو اس کے ورثاء کو حق حاصل ہوگا کہ اسے باقی رکھیں اگر کسی قسم کا ضرر حاصل ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ خود یا اس کا وارث مفلس ہو یا بدمعاملہ ہو یا غلبہ پانے کی خواہش رکھنے والا ہو جس سے وقف پر کوئی خوف ہو یا اس کے علاوہ ضرر کی صورت ہو تو جن پر اسے وقف کیا گیا ہے ان پر جبر نہیں کیا جائے گا، تامل۔ ''رملی''۔ ملخص

انہوں نے اپنے فتاویٰ میں باب ضمان الاجیر سے تھوڑا پہلے ارض محتکرہ کے بارے میں خصوصاً اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ تو کہا: قیم کو حق حاصل ہے کہ وہ عمارت کو ختم کرنے اور زمین کو فارغ سپرد کرنے کا مطالبہ کرے جس طرح ان کے اطلاقات سے مستفاد ہے۔ ان میں کوئی خفا نہیں کہ اس وقت ضرر متحقق ہے۔ ''الاسعاف'' میں اس کی تصریح کی ہے: اگر یہ امر واضح ہو جائے کہ مستاجر سے وقف کے غلام کے بارے میں خوف ہے تو قاضی اجارہ کو فسخ کر دے اور اس کے قبضہ سے اسے نکال دے تو اجارہ کی مدت گزر جانے کے بعد کیسے اسے اجارہ پر دیا جا سکتا ہے؟

29602۔ (قولہ: وَالرَّطْبَةُ كَالشَّجَرِ) یہ متون کے مسائل ہیں مصنف نے ان کے درمیان اور ماقبل مسائل کے درمیان ''القنیہ'' کی عبارت سے فاصلہ کیا ہے۔ ان کا قول کالشجر یعنی اس کا حکم وہی ہے جو گزشتہ حکم تھا کہ اکھیڑنا لازم ہے۔

وَإِنَّمَا يُقْطَفُ وَرَقُهُ وَيُبَاعُ أَوْ زَهْرُهُ. وَأَمَّا إذَا كَانَ لَهُ نِهَايَةٌ مَعْلُومَةٌ كَمَا فِي الْفُجْلِ وَالْجَزَرِ وَالْبَاذِنْجَانِ فَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ كَالزَّرْعِ يُتْرَكُ بِأَجْرِ الْمِثْلِ إلَى نِهَايَتِهِ كَذَا حَرَّرَهُ الْمُصَنِّفُ فِي حَوَاشِي الْكَنْزِ، وَقَوَّاهُ بِمَا فِي مُعَامَلَةِ الْخَانِيَّةِ فَلْيُحْفَظْ قُلْتُ بَقِيَ لَهُ نِهَايَةٌ مَعْلُومَةٌ لَكِنَّهَا بَعِيدَةٌ طَوِيلَةٌ كَالْقَصَبِ فَيَكُونُ كَالشَّجَرِ كَمَا فِي فَتَاوَى ابْنِ الْجَلَبِيِّ فَلْيُحْفَظْ (وَالزَّرْعُ يُتْرَكُ بِأَجْرِ الْمِثْلِ إلَى إدْرَاكِهِ) رِعَايَةً لِلْجَانِبَيْنِ؛ لِأَنَّ لَهُ نِهَايَةً كَمَا مَرَّ

اور اس کے اوراق کاٹے جاتے ہیں اور بیچے جاتے ہیں یا اس کی کلیاں کاٹی اور بیچی جاتی ہیں مگر جب ان کی معلوم انتہا ہو جس طرح مولی، گاجر اور بینگن میں ہے تو چاہیے کہ وہ کھیتی کی طرح ہو۔ اسے اس کی انتہا تک اجرت مثل کے ساتھ چھوڑا جاتا ہے۔ مصنف نے ''حواشی کنز'' میں اسی طرح بیان کیا ہے۔ اور ''الخانیہ'' کے کتاب المعاملہ میں جو قول ہے اس کے ساتھ اسے قوت بہم پہنچائی ہے پس اسے یاد رکھا جانا چاہیے۔ میں کہتا ہوں: ایک باقی رہ گیا ہے جس کی نہایت معلوم ہو لیکن وہ بعید اور طویل ہو جیسے سرکنڈہ تو وہ درخت کی مانند ہوگا جس طرح ''فتاویٰ ابن حلبی'' میں ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جائے۔ کھیتی کو اجرت مثلی کے ساتھ اس کے پکنے تک چھوڑ دیا جائے گا تاکہ جانبین کی رعایت کی جائے۔ کیونکہ اس کی نہایت ہے جس طرح گزر چکا ہے

مگر جب موجر ان کی قیمت چٹی کے طور پر دے دے الخ۔ اس سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ شارح کا قول فتقدع الخ صحیح تفریع ہے یہ اس کی تصریح نہیں جو ''قنیہ'' میں ہے۔ فافہم

29603۔ (قولہ: أَوْ زَهْرُهُ) زیادہ بہتر یہ تھا کہ اسے ثمر سے تعبیر کرتے تاکہ یہ زہر وغیرہ سب کو شامل ہو جاتا ''ط''۔

29604۔ (قولہ: كَمَا فِي الْفُجْلِ) یہ لفظ فا کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ اس میں ہے۔ مولی اور گاجر سبزیوں میں سے نہیں بلکہ انہیں صرف ایک دفعہ اکھیڑا جاتا ہے پھر یہ دوبارہ نہیں ہوتیں۔ ''ط''۔

29605۔ (قولہ: وَقَوَّاهُ بِمَا فِي مُعَامَلَةِ الْخَانِيَّةِ) معاملہ یعنی مساقات میں ہے۔ ''ہندیہ'' میں ذکر کیا ہے: اگر اس نے زمین کو کاشت کیا تاکہ اس میں سبزیاں کاشت کرے یا اس نے زمین حوالے کی جس میں سبزیوں کی جڑیں باقی تھیں اور مدت کا ذکر نہ کیا اگر وہ ایسی چیز ہے جس کی نبات کی نہ ہی ابتدا اور نہ ہی جس کے کاٹنے کی انتہا کا معلوم وقت ہو تو معاملہ فاسد ہوگا اگر اس کے کاٹنے کا وقت معلوم ہو تو یہ جائز ہوگا اور عقد پہلی دفعہ کاٹنے پر واقع ہوگا جس طرح پھلدار درخت میں ہوتا ہے۔ ''ط''۔

29606۔ (قولہ: قُلْتُ بَقِيَ الخ) بعض علاقوں میں بینگن اسی قبیل سے ہے اسی طرح بیقیا ہے۔ ''سائحانی''۔

29607۔ (قولہ: وَالزَّرْعُ يُتْرَكُ) یعنی قاضی کے فیصلہ سے یا باہمی رضامندی سے کھیتی کو ترک کیا جائے گا۔

29608۔ (قولہ: رِعَايَةً لِلْجَانِبَيْنِ) جر کی جانب کی رعایت اس طرح کی گئی کہ اس کے حق میں اجرت مثلی کو واجب کیا گیا اور مستاجر کی جانب کی یوں رعایت کی گئی کہ اس کی کھیتی اس کی انتہا تک باقی رکھی گئی۔

(بِخِلَافِ مَوْتِ أَحَدِهِمَا قَبْلَ إِدْرَاكِهِ فَإِنَّهُ يُتْرَكُ بِالْمُسَمَّى) عَلَى حَالِهِ (إِلَى الْحَصَادِ) وَإِنِ انْفَسَخَتْ الْإِجَارَةُ؛ لِأَنَّ إِبْقَاءَهُ عَلَى مَا كَانَ أَوْلَى مَا دَامَتْ الْمُدَّةُ بَاقِيَةً أَمَّا بَعْدَهَا فَبِأَجْرِ الْمِثْلِ (وَيُلْحَقُ بِالْمُسْتَأْجِرِ الْمُسْتَعِيرُ)

کھیتی کے پکنے سے پہلے دونوں میں سے ایک مرجائے تو فصل کاٹنے تک مسمی کے ساتھ اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے گا اگر اجارہ فسخ ہو جائے۔ کیونکہ اس کو باقی رکھنا اسی حال پر جس پر وہ ہے اولی ہے جب تک اجارہ کی مدت باقی ہے۔ جہاں تک مدت کے بعد کا تعلق ہے تو اجرت مثلی کے ساتھ عقد باقی رہے گا۔ معیر کو مستاجر کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔

29609_(قولہ: بِخِلَافِ مَوْتِ) فرق اس طرح ہے جس طرح شارح اس کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اجارہ کی مدت کے ختم ہونے کے بعد وہ حکم باقی نہ رہا مدت میں جس پر وہ باہمی راضی ہوئے تھے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ مدت کے ختم ہونے کے بعد وہ اجارہ ختم ہو گیا تو نئے تسمیہ کی ضرورت ہوئی اور یہ اجارہ کے ختم ہونے سے پہلے ایسا نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کی بعض مدت باقی ہے جس کو دونوں نے ذکر کیا تھا پھر اس اجارہ کا حکم ختم نہ ہوا پس نئے تسمیہ سے مستغنی ہو گئے۔ ''اتقانی''۔

اگر دو آدمی زمین اجرت پر لیں پھر دونوں میں سے ایک مرجائے تو اجارہ منسوخ نہیں ہوگا

29610_(قولہ: وَإِنِ انْفَسَخَتْ الْإِجَارَةُ) ''جواہر الفتاوی'' کے پانچویں باب میں جو قول ہے وہ اس کے خلاف ہے: اگر دو آدمیوں نے ایک آدمی سے زمین اجرت پر لی پھر دونوں مستاجروں میں سے ایک مر گیا تو اس کی موت سے اجارہ منسوخ نہیں ہوگا جب کھیتی زمین میں ہو۔ اور مسمی عوض اس کے وارثوں میں اسے چھوڑ دیا جائے گا نہ کہ اجرت مثلی کے ساتھ اسے چھوڑا جائے گا یہاں تک کہ کھیتی پک جائے یہی قول صحیح ہے۔ جب مدت ختم ہو جائے تو معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔ اس کی مثل وہ ہے جسے شارح باب فسخ الاجارہ میں ''المنیہ'' سے ذکر کریں گے کہ عقد مسمی کے عوض باقی رہے گا یہاں تک کہ وہ پک جائے۔ فتامل

پھر میں نے ''البدائع'' میں دیکھا کہ مسمی کا وجوب یہ استحسان ہے۔ قیاس یہ ہے کہ اجرت مثلی واجب ہو۔ کیونکہ عقد حقیقت میں فسخ ہو چکا ہے ہم نے اسے حکما باقی رکھا۔ پس یہ شبہ عقد کے مشابہ ہے۔ پس اجرت مثلی واجب ہوگی جس طرح مدت کے ختم ہونے کے بعد اس سے پورے منافع لے۔ ان کا قول لا تنفسخ اور ان کا قول یبقی العقد یعنی حکما عقد باقی رہے گا حقیقت میں باقی نہیں رہے گا۔

تنبیہ

اگر دونوں نے عقد اجارہ کو فسخ کر دیا جب کہ کھیتی ہو یہاں تین ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ زمین نہیں چھوڑے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اسے زمین میں چھوڑ دے گا ''ذخیرہ'' ''بزازیہ'' میں پہلے قول پر اکتفا کیا ہے کیونکہ مستاجر اس پر راضی ہے۔

فَيُتْرَكُ إِلَى إِدْرَاكِهِ بِأَجْرِ الْمِثْلِ (وَأَمَّا الْغَاصِبُ فَيُؤْمَرُ بِالْقَلْعِ مُطْلَقًا) لِظُلْمِهِ، ثُمَّ الْمُرَادُ بِقَوْلِهِمْ يُتْرَكُ الزَّرْعُ بِأَجْرٍ أَيْ بِقَضَاءٍ أَوْ بِعَقْدِهِمَا حَتَّى لَا يَجِبَ الْأَجْرُ إِلَّا بِأَحَدِهِمَا كَمَا فِي الْقُنْيَةِ فَلْيُحْفَظْ بَحْرٌ (وَ) تَصِحُّ (إِجَارَةُ الدَّابَّةِ لِلرُّكُوبِ وَالْحَمْلِ

پس اجرت مثلی کے ساتھ اس کے پکنے تک اسے باقی رکھا جائے گا۔ جہاں تک غصب کا تعلق ہے تو مطلقاً اسے اکھیڑنے کا حکم دیا جائے گا کیونکہ اس نے ظلم کیا۔ پھر اس کے قول یترک الزرع باجر سے مراد ہے یعنی قاضی کی قضا سے یا دونوں کے عقد سے یہاں تک کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے سوا واجب نہیں ہوتا جس طرح ''القنیہ'' میں ہے پس اس کو یاد رکھا جائے، ''بحر''۔ جانور سواری کے لیے، بوجھ لادنے کے لیے

29611۔ (قولہ: فَيُتْرَكُ إِلَى إِدْرَاكِهِ بِأَجْرِ الْمِثْلِ) خواہ اس نے اجارہ کا وقت ذکر کیا تھا یا وقت ذکر نہ کیا تھا۔ کلام میں اس امر کا شعور دلایا گیا ہے کہ اس نے کھیتی کے لیے اسے عاریۃ لیا تھا کتاب العاریہ میں پہلے ذکر کیا ہے اگر اس نے زمین عمارت بنانے اور درخت لگانے کے لیے عاریۃ لی تو یہ عقد صحیح ہوگا اور وہ جب چاہے اسے واپس لے لے اور وہ مستعیر کو مجبور کرے گا کہ ان دونوں کو اکھیڑ دے مگر جب اس طریقہ سے زمین میں ضرر لاحق ہوتا ہو پس وہ قیمت کے بدلے میں چھوڑ دیے جائیں گے اس حال میں کہ انہیں اکھیڑ دیا گیا ہو۔ اگر عاریہ کا وقت ذکر کیا تھا اور مالک نے وقت سے پہلے اسے واپس لے لیا ہو تو مستعیر کے لیے اس چیز کا ضامن ہوگا جو اکھیڑنے سے اس میں نقص واقع ہوا۔ ہم اس پر پہلے گفتگو کر چکے ہیں۔

29612۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی اگرچہ وہ فصل نہ پکی ہو ''ط''۔

29613۔ (قولہ: حَتَّى لَا يَجِبَ الخ) یہ حکم اس کے علاوہ کے بارے میں ہے جسے متاخرین نے وقف، محاصل حاصل کرنے کے لیے جسے تیار کیا گیا ہو اور یتیم کے مال میں سے جسے مستثنیٰ کیا ہے۔ کیونکہ جب مدت گزر جاتی ہے اور اس کے بعد کھیتی باقی ہے یہاں تک کہ وہ پک جائے تو مدت سے جتنا عرصہ زیادہ ہوا ہے اس میں مطلقاً اجرت مثلی کا فیصلہ کیا جائے گا۔ ''شرنبلالیہ''۔

جانور سواری کے لیے، بار برداری کے لیے اور کپڑا پہننے کے لیے اجرت پر لینا صحیح ہے

29614۔ (قولہ: لِلرُّكُوبِ وَالْحَمْلِ) لیکن اگر اس نے جانور اجرت پر لیا تا کہ اس پر بوجھ لادے تو اسے سوار ہونے کا حق حاصل ہوگا۔ اس کے برعکس معاملہ مختلف ہوگا۔ اگر اس پر بوجھ لادا تو اس پر کوئی اجرت لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ سوار ہونے کو حمل کہتے ہیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: حمل معہ غیرہ، لیکن اس کے برعکس نہیں ہوتا۔ ''بحر'' میں ''الخلاصہ'' سے مختصر مروی ہے اس میں ''عمادیہ'' سے منقول ہے: ایک آدمی نے جانور اجارہ پر لیا تا کہ اس پر گندم کو ایک جگہ سے اپنے گھر تک لادے ایک دن کے لیے رات تک تو اس نے اس پر بوجھ لادا جب بھی لوٹتا تو اس پر سوار ہوتا تھا۔ ''رازی'' نے کہا: وہ ضامن ہوگا اگر وہ سواری ہلاک ہوگئی۔ ''ابولیث'' نے استحسان میں کہا: ضمان نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس کے بارے میں معمول ہے اور دلالۃ اس کا اذن ہے۔ حاصل کلام یہ ہے: علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے اگر اسے بوجھ لادنے کے لیے کرایہ پر لیا تو اسے سواری کا حق ہوگا۔

وَالثَّوْبِ لِلُبْسٍ وَلَا تَصِحُّ إِجَارَةُ الدَّابَّةِ (لِيَجْنُبَهَا) أَيْ لِيَجْعَلَهَا جَنِيبَةً بَيْنَ يَدَيْهِ (وَلَا يَرْكَبُهَا وَلَا) تَصِحُّ إِجَارَتُهَا أَيْضًا (لِ) أَجْلِ أَنْ (يَرْبِطَهَا عَلَى بَابِ دَارِهِ لِيَرَاهَا النَّاسُ) فَيَقُولُوا لَهُ فَرَسٌ (أَوْ) لِأَجْلِ أَنْ (يُزَيِّنَ بَيْتَهُ) أَوْ حَانُوتَهُ (بِالثَّوْبِ) لِمَا قَدَّمْنَا أَنَّ هَذِهِ مَنْفَعَةٌ غَيْرُ مَقْصُودَةٍ مِنَ الْعَيْنِ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَلَا أَجْرَ:

اور کپڑا پہننے کے لیے اجرت پر لینا صحیح ہے۔ اور جانور کو اجارہ کے طور پر لینا صحیح نہیں تا کہ اسے اپنے سامنے کوتل کر کے چلے اور اس پر سوار نہ ہو اور اس کا اجرت پر لینا صحیح نہیں تا کہ اسے اپنے دروازہ پر باندھے تا کہ لوگ اسے دیکھیں اور کہیں کہ یہ اس کا گھوڑا ہے یا اس لیے اجرت پر لے کہ اپنے گھر کو یا اپنی دکان کو کپڑے سے مزین کرے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ یہ ایسی منفعت ہے جو غیر مقصود ہے۔ جب اجارہ فاسد ہو گیا تو کوئی اجر نہیں ہو گا۔

لیکن ''رازی'' نے یہ قید لگائی ہے کہ ان دونوں کو جمع نہیں کرے گا۔ ''فقیہ'' نے اسے عام کر دیا ہے۔

29615۔ (قولہ: وَالثَّوْبِ لِلُبْسٍ) اس کے اجارہ میں اس پر قدرت کافی ہے اگر چہ وہ اس کو نہ پہنچے وہ رہائش کی طرح ہے سواری میں قدرت کافی نہیں۔ کیونکہ ''عمادیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے جانور کرایہ پر لیا تا کہ معلوم مکان تک اس پر سوار ہو تو وہ اس سواری کو اپنے گھر میں شہر میں روک لے تو اجر واجب نہیں ہو گا اور اگر وہ ہلاک ہو جائے تو ضامن ہو گا۔ ''بحر'' ملخص۔ اور اس کی تکمیل میں سے یہ قول ہے۔

29616۔ (قولہ: لِيَجْنُبَهَا) یہ جملہ بولا جاتا ہے: جنب الدابة جنبا اپنے پہلو میں اس کی قیادت کی۔ اسی سے ان کا قول ہے: خیل مجنبة کثرت کی وجہ سے اسے شد دی۔ جنیبہ اس جانور کو کہتے ہیں جس کے آگے چلا جاتا ہے ہر مطیع فرمانبردار کو جنیب کہتے ہیں۔ اجنب اسے کہتے ہیں جو اطاعت نہیں کرتا۔ ''صحاح'' ملخص۔

29617۔ (قولہ: جَنِيبَةً بَيْنَ يَدَيْهِ) یعنی جس کو آگے چلایا جائے جس طرح یہ گزشتہ کلام سے معلوم ہو چکا ہے گویا ظرف کی قید عادت کے طور پر لگائی گئی ہے ورنہ ''صحاح'' کا ظاہر معنی اطلاق ہے۔

جب اجارہ فاسد ہو گیا تو کوئی اجر نہیں ہو گا

29618۔ (قولہ: وَلَا يَرْكَبُهَا) اس کے مفہوم کی تصریح نہیں کی۔ یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے اگر اس نے وہ جانور دونوں مقاصد کے لیے اجرت پر لیا تھا تو رکوب کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ صحیح ہو گا اور اس کا غیر اس کی تبع میں ہے اس کی وضاحت کی جائے۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: اس مسئلہ کی نظائر لانے کے بعد ''الخلاصہ'' اور ''تاتر خانیہ'' میں ذکر کیا ہے: اجارہ فاسد ہے اور اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہو گا مگر جس چیز کو اجرت پر لیا بعض اوقات اسے اجرت پر لیتا ہے تا کہ اس سے نفع حاصل کرے۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جب وہ اس طرح ہے تو اس پر اجر ہو گا اگر چہ وہ رکوب وغیرہ کا ذکر نہ کرے۔ جب اس نے دونوں مقاصد کے لیے اسے اجرت پر لیا تو بدرجہ اولیٰ اس پر لازم ہو گا۔ یہ حکم اجرت کے لازم ہونے کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے۔ جہاں تک

وَكَذَا لَوِ اسْتَأْجَرَ بَيْتًا لِيُصَلِّيَ فِيهِ أَوْ طِيبًا لِيَشُمَّهُ أَوْ كِتَابًا وَلَوْ شِعْرًا لِيَقْرَأَهُ أَوْ مُصْحَفًا شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ (وَإِنْ لَمْ يُقَيِّدْهَا بِرَاكِبٍ وَلَابِسٍ أَرْكَبَ وَأَلْبَسَ مَنْ شَاءَ) وَتَعَيَّنَ أَوَّلُ رَاكِبٍ وَلَابِسٍ،

اسی طرح اگر وہ کمرہ اجرت پر لے تا کہ اس میں نماز پڑھے یا خوشبو اجارہ پر لے تا کہ اسے سونگھے یا کتاب لے اگر چہ وہ کتاب شعروں کی ہو تا کہ وہ اسے پڑھے یا مصحف کو پڑھے،''شرح وہبانیہ''۔اگر اجارہ میں سوار اور پہننے والے کی قید نہ لگائے تو جس کو چاہے اسے سوار کرے اور جسے چاہے اسے لباس پہنائے۔ پہلا راکب اور پہلا پہننے والا متعین ہو جائے گا

اجارہ کے صحیح ہونے کا تعلق ہے تو یہ منفعت کے بیان کی طرف راجع ہے۔

عبادت کے لیے کمرہ اجرت پر لینے کا شرعی حکم

29619۔(قولہ: لِيُصَلِّيَ فِيهِ)''الخانیہ'' کی عبارت میں یہ واقع ہوا ہے: ایک مسلمان نے کمرہ اجرت پر لیا تا کہ اس میں نماز پڑھے''ابن وہبان'' نے یہ قول کر کے کافر سے احتراز کیا ہے''ابن شحنہ'' نے کہا: چاہیے کہ اس کا مفہوم مہجور ہو کیونکہ علت مدت کا مجہول ہونا ہے۔اگر مدت معلوم ہو جائے تو اجارہ صحیح ہوگا۔اسی طرح کا حکم ہوگا اگر منفعت غیر مقصود ہو۔ فتامله

میں کہتا ہوں:''تاتر خانیہ'' میں ہے: ایک ذمی نے دوسرے ذمی سے کمرہ اجرت پر لیا تا کہ اس میں عبادت کرے تو یہ جائز ہوگا۔ اگر مسلمان نے بیعہ اجرت پر لیا تا کہ اس میں نماز پڑھے تو یہ جائز نہ ہوگا۔سواد کے علاقہ میں یہ جائز ہے۔اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے کمرہ اجرت پر لے تا کہ مسجد بنالے تو ہمارے علماء کے قول کے مطابق یہ جائز نہیں۔ کیونکہ جو امر طاعت ہو اسے اجرت پر لینا جائز نہیں۔اسی طرح ذمی ہے وہ ایک آدمی کو اجرت پر لیتا ہے تا کہ لوگوں کو نماز پڑھائے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔اس قول میں یہ تصریح ہے کہ مسلمان کا لفظ قید نہیں اور مدت وہ نہیں جو ذکر کی ہے۔اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ یہ اجارہ جائز نہیں اگر چہ مدت بیان کر دی جائے۔

29620۔(قولہ: أَوْ كِتَابًا) کیونکہ قراءت اگر طاعت ہے جیسے قرآن یا معصیت ہے جیسے غنا تو اس پر اجارہ جائز نہیں ہوگا اگر قراءت مباح ہے جیسے ادب اور شعر یہ اجارہ سے پہلے اس کے لیے مباح ہے پس اجارہ جائز نہیں ہوگا۔ اگر اجارہ منعقد ہو تو اس کے اٹھانے اور اوراق الٹنے پر اجارہ منعقد ہوگا اور اس عمل پر اجارہ منعقد نہیں ہوگا اگر چہ اس پر نص قائم کرے۔ کیونکہ اس میں مستاجر کا فائدہ ہے۔''ولوالجیہ''۔

اگر مستاجر سواری یا کپڑے کے اجارہ میں پہننے اور سوار ہونے والے کی قید نہ لگائے تو اس کا حکم

29621۔(قولہ: وَإِنْ لَمْ يُقَيِّدْهَا) یہ اطلاق کے ساتھ صادق آتا ہے جس طرح اس کا قول ہے: سواری کے لیے یا پہننے کے لیے مثلاً اور اس پر کسی شے کا اضافہ نہ کرے۔ یہ تعمیم کے ساتھ صادق آتا ہے جس طرح اس کا قول ہے کہ جسے چاہوں اسے سوار کروں اور جسے چاہوں پہناؤں۔ یہاں یہی مراد ہے۔جس طرح شارح کے اس کے بعد والے قول سے پہلی مراد ہے اگر چہ وہ اس کی وضاحت نہ کرے لیکن دونوں تعبیروں میں خفا ہے۔ فافہم

وَإِنْ لَمْ يُبَيِّنْ مَنْ يَرْكَبُهَا فَسَدَتْ لِلْجَهَالَةِ وَتَنْقَلِبُ صَحِيحَةً بِرُكُوبِهَا (وَإِنْ قَيَّدَ بِرَاكِبٍ أَوْ لَابِسٍ فَخَالَفَ ضَمِنَ إِذَا عَطِبَتْ وَلَا أَجْرَ عَلَيْهِ وَإِنْ سَلِمَ) بِخِلَافِ حَانُوتٍ أَقْعَدَ فِيهِ حَدَّادًا مَثَلًا حَيْثُ يَجِبُ الْأَجْرُ إِذَا سَلِمَ ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا سَلِمَ عُلِمَ أَنَّهُ لَمْ يُخَالِفْ، وَأَنَّهُ مِمَّا لَا يُوهِنُ الدَّارَ كَمَا فِي الْغَايَةِ:

اگر یہ وضاحت نہ کرے کہ کون اس پر سواری کرے گا تو اجارہ جہالت کی وجہ سے فاسد ہو جائے گا اور اس کے سوار ہونے سے اجارہ صحیح ہو جائے گا۔ اگر اس نے راکب یا لابس کی قید لگائی اور اس کی مخالفت کی تو ضامن ہوگا جب وہ ہلاک ہو جائے اور اس پر کوئی اجر نہیں ہوگا اگرچہ وہ سلامت رہے۔ دکان کا معاملہ مختلف ہے جس میں مثلاً حداد کو بٹھائے جب وہ سلامت رہے تو اجر واجب ہوگا۔ کیونکہ جب وہ سلامت رہا تو معلوم ہو گیا کہ اس نے مخالفت نہیں کی اور یہ معلوم ہو گیا کہ یہ ان چیزوں میں سے نہیں جو گھر کو کمزور کر دے جس طرح ''الغایہ'' میں ہے۔

فرق یہ ہے کہ اطلاق کی صورت میں مثلاً دو سواریاں جو دو شخصوں سے ہوں دو جنسوں کی طرح ہیں پس معقود علیہ مجہول ہے۔ تعمیم کی صورت میں مالک اس مقدار پر راضی ہوا جو رکوب کے ضمن میں حاصل ہوتی ہے پس معقود علیہ معلوم ہو گیا۔ ''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے۔

29622۔ (قولہ: فَسَدَتْ) اسی کی مثل بوجھ لادنا ہے کیونکہ ''بزازیہ'' میں ہے: اس نے اجرت پر لیا اور یہ ذکر نہیں کیا کہ کیا بوجھ لادے گا تو اجارہ فاسد ہو جائے گا۔

''الخانیہ'' میں ہے: تاکہ اس کے ساتھ ہر دن ایک درہم اجرت پر پیسے اسی اثنا میں کہ وہ جو وغیرہ پیس رہا تھا۔ کتاب میں یہ ذکر کیا کہ یہ جائز ہوگا اگرچہ وہ اس کی مقدار بیان نہ کرے۔ ''خواہر زادہ'' نے کہا: اس مقدار کا بیان کرنا ضروری ہے جتنی مقدار وہ ہر روز پیسے گا۔ اسی پر فتویٰ ہے۔

29623۔ (قولہ: وَتَنْقَلِبُ صَحِيحَةً بِرُكُوبِهَا) خواہ اس پر خود سوار ہوا یا اس پر کسی اور کو سوار کیا اور بطور استحسان مسمی واجب ہوگا۔ کیونکہ جہالت زائل ہو چکی ہے۔ کیونکہ انتہاءً تعیین ہونا اسی طرح ہے جس طرح ابتداءً تعیین ہو۔ مخالفت نہ ہونے کی وجہ سے ہلاکت کے ساتھ ضمانت نہ ہوگی، ''زیلعی''۔ ملخص

29624۔ (قولہ: ضَمِنَ) کیونکہ وہ تعدی کرنے والا ہو چکا ہے۔ کیونکہ سوار ہونا اور لباس پہننا ان چیزوں میں سے ہے جس میں لوگ متفاوت ہوتے ہیں۔ بعض اوقات کم وزن والا جاہل آدمی وزنی عالم سے زیادہ ضرر کا باعث ہوتا ہے۔

29625۔ (قولہ: وَإِنْ سَلِمَ) کیونکہ وہ غاصب ہوا اور غصب کے منافع غیر مضمون ہوتے ہیں مگر جن میں استثنا کی جائے۔ ''ط''۔

29626۔ (قولہ: وَأَنَّهُ مِمَّا لَا يُوهِنُ) یعنی بالفعل اسے کمزور نہیں کرتا اگرچہ اس کی شان یہ ہے کہ وہ اسے کمزور کر دے۔ فافہم

لِأَنَّهُ مَعَ الضَّمَانِ مُمْتَنِعٌ (وَمِثْلُهُ) فِي الْحُكْمِ (كُلُّ مَا يَخْتَلِفُ بِالْمُسْتَعْمِلِ) كَالْفُسْطَاطِ (وَفِيمَا لَا يَخْتَلِفُ فِيهِ بَطَلَ تَقْيِيدُهُ بِهِ كَمَا لَوْ شَرَطَ سُكْنَى وَاحِدٍ لَهُ أَنْ يُسْكِنَ غَيْرَهُ)

کیونکہ ضمانت کے ساتھ اجر ممتنع ہے۔ اسی کی مثل حکم میں ہر وہ چیز ہے جو مستعمل کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتا جاتا ہے جس طرح خیمہ ہو اور جس میں مستعمل کے مختلف ہونے سے مختلف نہیں ہوتا تو اس کی اس کے ساتھ قید لگانا باطل ہے جس طرح اگر ایک آدمی کو رہائش دینے کی شرط لگائے تو اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ کسی اور کو رہائش دے۔

29627۔ (قولہ: لِأَنَّهُ مَعَ الضَّمَانِ مُمْتَنِعٌ) یہ ان کے قول: والاجر علیہ کی علت ہے لیکن یہ ہلاک ہونے کی حالت کے ساتھ خاص ہے۔ اگر وہ محفوظ رہے تو اس کی تعلیل گزر چکی ہے۔

29628۔ (قولہ: وَمِثْلُهُ فِي الْحُكْمِ) یعنی وہ ضامن ہوگا جب وہ مخالفت کرے جب کہ اس نے مخالفت کی اور قید لگائی۔ ''بحر''۔

ہر وہ چیز جو مستعمل کے مختلف ہونے سے مختلف نہیں ہوتی تو اس میں مستعمل کی قید لگانا باطل ہے

29629۔ (قولہ: كَالْفُسْطَاطِ) ''الدرر'' میں کہا: یہاں تک کہ اگر اس نے اجرت پر لیا اور کسی اور کو اجرت پر دے دیا یا عاریۃً دے دیا اس نے اسے نصب کیا اور وہ اس میں سکونت پذیر رہا تو امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ اسے نصب کرنے میں جگہ کے انتخاب میں اور کیلیں ٹھوکنے میں لوگ مختلف ہیں۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ ضامن نہیں ہوگا کیونکہ وہ رہائش کے لیے ہوتا ہے پس وہ گھر کی طرح ہو گیا۔ ان کا قول: ضمن عند ابی یوسف، ''ابو سعود'' نے کہا: اگر قید یہ تھی کہ وہ اس کو اپنی ذات کے لیے استعمال کرے، ''حموی''۔ ہمارے شیخ نے ''المفتاح'' سے جو قول نقل کیا ہے اس کے مطابق امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہی ہے۔

''تاتر خانیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے خیمہ اجرت پر لیا اس لیے تاکہ اپنے گھر میں ایک ماہ کے لیے پانچ دراہم کے عوض نصب کرے تو یہ جائز ہوگا اگرچہ وہ نصب کرنے کے مقام کا ذکر نہ کرے۔ اگر وہ سورج کی دھوپ میں یا بارش میں نصب کرے اس میں قبہ پر ضرر ہو تو وہ ضامن ہوگا اور اجرت نہ ہوگی۔ اگر وہ محفوظ رہے تو اس پر بطور استحسان اجر ہوگا۔ اگر اسی شہر میں کسی دوسرے گھر لگائے تو ضامن نہیں ہوگا۔ اگر اسے دیہاتی علاقے کی طرف لے جائے تو اجرت نہ ہوگی وہ محفوظ رہے یا ہلاک ہو۔ اگر وہ خیمہ اجرت پر لے جسے وہ مکہ مکرمہ کی طرف لے جائے تو وہ خود اور دوسرا بھی اس سے سایہ حاصل کر سکتا ہے کیونکہ کوئی تفاوت نہیں۔ اگر اس کی رسیاں منقطع ہو جائیں اور اس کے لکڑیاں ٹوٹ جائیں اور اسے نصب کرنے کی طاقت نہ رکھے تو اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہوگا۔ اگر انتفاع کی مقدار میں دونوں اختلاف کریں تو قول متاجر کا معتبر ہوگا اگرچہ اصل میں حکم ظاہر حال کا ہوگا جس طرح طاحون کا مسئلہ ہے۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

29630۔ (قولہ: لَهُ أَنْ يُسْكِنَ غَيْرَهُ) یعنی اس کے علاوہ ''شرح الزیلعی'' میں اس کے پہلے باب میں ہے: اسے

لِمَا مَرَّ أَنَّ التَّقْيِيدَ غَيْرُ مُفِيدٍ (وَإِنْ سَمَّى نَوْعًا أَوْ قَدْرًا كَكُرِّ بُرٍّ لَهُ حَمْلُ مِثْلِهِ وَأَخَفَّ لَا أَضَرَّ كَالْمِلْحِ) وَالْأَصْلُ أَنَّ مَنْ اسْتَحَقَّ مَنْفَعَةً مُقَدَّرَةً بِالْعَقْدِ فَاسْتَوْفَاهَا أَوْ مِثْلَهَا

کیونکہ یہ قول گزر چکا ہے کہ یہ تقیید غیر مفید ہے۔ اگر وہ نوع یا مقدار کا ذکر کر دے جیسے ایک کر گندم اسے اس کی مثل اور اس سے خفیف چیز کو لادنے کی اجازت ہوگی۔ اسے زیادہ ضرر والی چیز کو لادنے کی اجازت نہ ہوگی جیسے نمک۔ قاعدہ یہ ہے کہ جو آدمی عقد کے ساتھ ایک مقدر منفعت کا مستحق بنے تو وہ وہ منفعت لے، اس کی مثل لے

متاجر کو حق حاصل ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور اس کے ساتھ رہے یا وہ اکیلے رہے۔ کیونکہ رہائشیوں کی کثرت اسے کوئی نقصان نہیں دیتی بلکہ اس کی آبادی میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے۔ کیونکہ مسکن کی تباہی رہائش کے ترک کرنے سے ہوتی ہے۔ ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اسے یہ حق حاصل ہے اگرچہ اس نے یہ شرط لگائی کہ وہ صرف تنہا اس میں رہے۔

جو یہ قول کیا جاتا ہے کہ ایک آدمی کی رہائش جماعت کی رہائش کی طرح نہیں یہ ایسی بحث ہے جو منقول کے معارض ہے اگرچہ وہ ظاہر ہے۔ لیکن بعض اوقات یہ کہا جاتا ہے: ان کی کلام کا معنی یہ ہے کہ اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ گھر کے دوسرے کمروں میں اسے رہائش دے۔ کیونکہ جب وہ اس گھر کے ایک کمرے میں رہے اور باقی گھر کو خالی چھوڑ دے تو ضرر لازم ہوگا کیونکہ اس نے بارش وغیرہ کے ٹپکنے کا جائزہ نہیں لیا جس کے ساتھ گھر خراب ہو جاتا ہے۔ تامل

29631۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی باب کے شروع میں گزر چکا ہے۔

29632۔ (قولہ: كَكُرِّ بُرٍّ) کر ایک مقدار ہے، بر (گندم) ایک نوع ہے جو ساٹھ قفیز اور آٹھ مکاکیک کا ہوتا ہے مکوک ڈیڑھ صاع کا ہوتا ہے پس وہ بارہ وسق ہوگا ''مصباح''۔ یہ مقدار اہل بغداد اور اہل کوفہ کے ہاں ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''حموی'' سے روایت کی ہے۔

29633۔ (قولہ: لَهُ حَمْلُ مِثْلِهِ) وزن میں برابر کی شرط کے ساتھ ضرر میں اس کی مثل ہو۔ ''الدرر'' میں جو قول ہے وان تساویا فی الوزن ''شرنبلالی'' نے کہا: اس میں واؤ زائد ہے۔

مقدر منفعت سے زیادہ حاصل کرنا جائز نہیں

29634۔ (قولہ: مُقَدَّرَةً) یعنی جس کی مقدار معین ہو پس اس میں زمین کی کاشت داخل ہوگی جب وہ زراعت کے لیے ایک نوع معین کر دے اسے یہ حق حاصل ہے کہ اس کی مثل شے کاشت کرے جو اس سے خفیف ہو اس سے زیادہ ضرر کا باعث نہ ہو جس طرح ''البحر'' میں ہے۔

29635۔ (قولہ: أَوْ مِثْلَهَا) جس طرح ایک کر گندم کے بدلے کسی اور کی ایک کر گندم اس پر لادے۔ ''البحر'' میں کہا: جس نے مثل کی مثال جو سے دی ہے اس نے غلطی کی ہے کیونکہ اس پر یہ لازم آتا ہے کہ اگر اس نے ایک کر جو لادنے کے لیے دابہ کو اجارہ پر لیا تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ ایک کر گندم لادے جب کہ ایسا نہیں کیونکہ گندم، جو سے فائق ہے۔

أَوْ دُونَهَا جَازَ، وَلَوْ أَكْثَرَ لَمْ يَجُزْ، وَمِنْهُ تَحْمِيلُ وَزْنِ الْبُرِّ قُطْنًا لَا شَعِيرًا فِي الْأَصَحِّ

یا اس سے کم درجہ کی منفعت لے اگر اس سے زیادہ منفعت حاصل کرے تو یہ جائز نہ ہوگا۔ اسی سے یہ ہے گندم کے وزن کی روٹی اس پر لادسکتا ہے جو نہیں لادسکتا یہ اصح قول میں ہے۔

29636۔(قولہ: أَوْ دُونَهَا) جیسے گندم کے کر کے بدلے جو کا کر کیونکہ جو وزن میں گندم سے خفیف ہوتا ہے۔

29637۔(قولہ: وَمِنْهُ) ضمیر سے مراد مالم یخاجہ ہے یعنی اس میں سے جو اس سے خارج نہیں۔

وہ اختلاف جو جنس، قدر یا صفت میں ہو ضمان کا موجب ہوتا ہے

29638۔(قولہ: لَا شَعِيرًا فِي الْأَصَحِّ) یعنی اگر اس نے گندم میں سے ایک مقدار معین کی اور اس کے وزن کی مثل جو لادے تو یہ جائز ہوگا۔ اگر وہ جانور ہلاک ہو جائے تو وہ بطور استحسان ضامن نہیں ہوگا۔ یہی قول اصح ہے۔ کیونکہ جانور کے حق میں جو کا ضرر جب کہ دونوں وزن میں برابر ہوں گندم کے ضرر سے اخف ہوتا ہے۔ کیونکہ جو جانور کی پشت میں سے زیادہ حصہ لیتا ہے جتنا حصہ گندم لیتی ہے پس پھیل جانے کی وجہ سے یہ اس جانور پر خفیف ہوگا۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ گندم کے وزن کی مثل روئی لادے۔ کیونکہ روئی اس جانور کی پشت میں سے زیادہ حصہ لیتی ہے اور اس میں حرارت ہے پس روئی جانور کے لیے گندم کی بنسبت زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ پس وہ اسی طرح ہو گیا جس طرح وہ اس پر گھاس یا لکڑیاں لادے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ اس کے وزن کی مثل لوہا یا نمک لادے۔ کیونکہ یہ چیز اس کی پشت کے ایک ہی جگہ میں جمع ہو جاتے ہیں تو اسے زیادہ تکلیف دیتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے جب ان دونوں میں سے ایک کا ضرر دوسرے کے ضرر سے کسی بھی اعتبار سے بڑھ کر ہو تو یہ جائز نہیں ہوگا اگر چہ کسی بھی اعتبار سے ضرر میں اخف ہو۔ ''زیلعی'' نے اسی طرح بیان کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: ان وجوہ میں جس کا وہ ضامن ہوتا ہے اس کا ذکر نہیں کیا۔

''البدائع'' میں جو قول ہے اس کا حاصل یہ ہے: وہ اختلاف جو ضمان کا موجب ہوتا ہے وہ یا تو جنس میں ہوگا یا قدر میں ہوگا یا صفت میں ہوگا (۱) جیسے جب وہ جانور اجرت پر لیتا ہے تا کہ ایک کر جو اس پر لادے اس نے ایک کر گندم اس پر لادا تو وہ عام قیمت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ یہ گندم دوسری جنس ہے اور زیادہ وزنی ہے پس وہ غاصب ہوگا اور اس کے لیے کوئی اجرت نہ ہوگی کیونکہ اجرت اور ضمان جمع نہیں ہوتی۔

(۲) جیسے جب وہ جانور کرایہ پر لیتا ہے تا کہ دس قفیز گندم کے اس پر لادے تو اس نے گیارہ قفیز اس پر لادے اگر جانور سلامت رہا تو مسمی لازم ہوگا ورنہ وہ اس کی قیمت کے گیارہ اجزاء میں سے ایک جز کا ضامن ہوگا۔

(۳) جیسے جب وہ جانور اجرت پر لے تا کہ سو رطل روئی اس پر لادے تو اس نے اس کی مثل وزن یا اس سے کم وزن کا لوہا لادا تو وہ اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ ضرر وزن کی وجہ سے نہیں پس اس کو اجازت نہ ہوگی۔ اور اس کے لیے اجرت نہ ہوگی اس کی دلیل وہی ہے جو ہم نے کہی ہے اس کی مکمل بحث عنقریب آئے گی۔

(وَلَوْ أَرْدَفَ مَنْ يَسْتَمْسِكُ بِنَفْسِهِ وَعَطِبَتْ الدَّابَّةُ يَضْمَنُ النِّصْفَ) وَلَا اعْتِبَارَ لِلثِّقَلِ: لِأَنَّ الْآدَمِيَّ غَيْرُ مَوْزُونٍ، وَهَذَا (إِنْ كَانَتْ) الدَّابَّةُ (تُطِيقُ حَمْلَ الِاثْنَيْنِ وَإِلَّا فَالْكُلُّ) بِكُلِّ حَالٍ (كَمَا لَوْ حَمَلَهُ) الرَّاكِبُ (عَلَى عَاتِقِهِ) فَإِنَّهُ يَضْمَنُ الْكُلَّ (وَإِنْ كَانَتْ تُطِيقُ حَمْلَهُمَا) لِكَوْنِهِ فِي مَكَانٍ وَاحِدٍ (وَإِنْ كَانَ) الرَّدِيفُ صَغِيرًا لَا يَسْتَمْسِكُ

اگر ایک آدمی نے اسے اپنے پیچھے سوار کیا جوخود بخود سواری پر ٹھہرا رہتا ہے اور جانور ہلاک ہو جاتا ہے تو نصف کا ضامن ہوگا اور وزن کا کوئی اعتبار نہیں۔ کیونکہ آدمی کا وزن نہیں کیا جاتا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب وہ جانور دونوں کو اٹھانے کی طاقت رکھتا ہو۔ ورنہ ہر حال میں کل کا ضامن ہوگا جس طرح سوار نے اسے اپنے کندھے پر سوار کیا تو وہ کل کا ضامن ہوگا اگرچہ وہ دونوں کو اٹھانے کی طاقت رکھتا ہو۔ کیونکہ وہ دونوں سواری کی ایک جگہ پر واقع ہیں۔ اگر ردیف چھوٹا بچہ ہے جو خود بخود سواری پر نہیں ٹھہر سکتا

اپنے پیچھے کسی اور کو بٹھانے سے سواری ہلاک ہو جائے تو اس کا حکم

29639۔(قولہ: وَلَوْ أَرْدَفَ) ردیف اسے کہتے ہیں جسے تو اپنے پیچھے سواری کی پشت پر لادتا ہے اس قول کے ساتھ اس سے احتراز کیا ہے اگر وہ اسے زین میں بٹھائے۔ اس بارے میں گفتگو عنقریب آئے گی۔

29640۔(قولہ: يَضْمَنُ النِّصْفَ) خواہ وہ خفیف ہو یا ثقیل ہو''اتقانی''۔ کیونکہ دونوں میں سے ایک کے سوار ہونے کی اجازت تھی دوسرے کے سوار ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ اور اس پر اجر لازم ہوگا۔ کیونکہ اس نے معقود علیہ پورے کا پورا اور زائد لے لیا ہے مگر زیادتی عقد کے بغیر لی ہے پس اس کے لیے اجر نہیں ہوگا۔''بدائع''۔

29641۔(قولہ: وَلَا اعْتِبَارَ لِلثِّقَلِ) وزن میں جتنا اضافہ ہوا اس قدر ضامن نہیں ہوگا۔ یہ اسی طرح ہو گیا کہ ایک دیوار ہو جو دو شریکوں کے درمیان تہائی کے اعتبار سے ہو دونوں میں سے ایک کے خلاف گواہی دی گئی اس دیوار سے ایک پکی اینٹ ایک آدمی پر گری تو جس کے خلاف گواہی دی گئی اس پر نصف دیت ہوگی اگرچہ دیوار میں سے اس کا حصہ نصف سے کم ہو۔ کیونکہ جو ہلاکت ہوئی ہے وہ وزن سے نہیں ہوئی بلکہ زخم سے ہوئی ہے۔ اور تھوڑا سا زخم ضمان میں کثیر کی طرح ہے۔ جس طرح ایک آدمی نے انسان کو زخم لگایا اور اسے دوسرے آدمی نے دو زخم لگائے تو وہ آدمی مر گیا تو دونوں نصف نصف کے ضامن ہوں گے۔''بدائع''۔

29642۔(قولہ: بِكُلِّ حَالٍ) یعنی اگرچہ وہ خود اس پر نہ ٹھہر سکتا ہو''ط''۔

29643۔(قولہ: فِي مَكَانٍ وَاحِدٍ) پس وہ سواری پر زیادہ شاق ہوگا''زیلعی''۔

29644۔(قولہ: صَغِيرًا لَا يَسْتَمْسِكُ) یہ ان کے قول من يستمسك سے احتراز ہے۔ اس میں نظر و فکر کیجئے۔ کیا وہ جو بڑا ہے وہ خود بخود سواری پر نہیں ٹھہر سکتا وہ چھوٹے کی طرح ہوگا۔

يَضْمَنُ بِقَدْرِ ثِقَلِهِ) كَحَمْلِهِ شَيْئًا آخَرَ وَلَوْ مِنْ مِلْكِ صَاحِبِهَا كَوَلَدِ النَّاقَةِ لِعَدَمِ الْإِذْنِ، وَلَيْسَ الْمُرَادُ أَنَّ الرَّجُلَ يُوزَنُ بَلْ أَنْ يَسْأَلَ أَهْلَ الْخِبْرَةِ كَمْ يَزِيدُ، وَلَوْ رَكِبَ عَلَى مَوْضِعِ الْحَمْلِ ضَمِنَ الْكُلَّ لِمَا مَرَّ؛ وَكَذَا لَوْ لَبِسَ ثِيَابًا كَثِيرَةً، وَلَوْ مَا يَلْبَسُهُ النَّاسُ ضَمِنَ بِقَدْرِ مَا زَادَ مُجْتَبَى (وَإِذَا هَلَكَتْ بَعْدَ بُلُوغِ الْمَقْصِدِ وَجَبَ جَمِيعُ الْأَجْرِ) لِرُكُوبِهِ بِنَفْسِهِ (مَعَ التَّضْمِينِ) أَيْ لِنِصْفِ الْقِيمَةِ لِرُكُوبِ غَيْرِهِ؛

تو وہ اس کے وزن کے حساب سے ضامن ہوگا جس طرح اس سواری پر کوئی اور شے لاد دے اگرچہ وہ اس سواری کے مالک کی ملکیت ہو جس طرح اونٹنی کا بچہ ہو کیونکہ اس کی اجازت نہیں ہوتی۔ یہ مراد نہیں کہ آدمی کا وزن کیا جائے بلکہ دانا لوگوں سے پوچھا جائے کتنا وزن میں اضافہ ہوا اگر سامان کی جگہ وہ سوار ہوا تو تمام کی ضمانت دے گا اس کی دلیل وہی ہے جو گزر چکی ہے اس طرح اگر وہ بہت سے کپڑے زیب تن کرے اگر وہ اتنے کپڑے پہنے جو لوگ پہنتے ہیں تو اس مقدار کا ضامن ہوگا جتنے اس نے زائد پہنے۔ ''مجتبیٰ''۔ جب مقصد تک پہنچنے کے بعد وہ سواری ہلاک ہو جائے تو تمام اجر واجب ہوگا۔ کیونکہ وہ خود اس پر سوار ہوا ہے ساتھ ہی نصف قیمت کی ضمانت ہوگی۔ کیونکہ اس کے علاوہ دوسرا شخص سوار ہوا

29645۔ (قولہ: بِقَدْرِ ثِقَلِهِ) ''زیلعی'' اور ''اتقانی'' نے یہ ذکر کیا ہے۔ یہ گزشتہ تعلیل کے مخالف ہے۔ تامل۔ علت یہ ہے کہ خود اس پر نہ ٹھہر سکنے کی وجہ سے اسے بوجھ پر قیاس کیا جائے گا، ''اتقانی''۔ اس تعبیر کی بنا پر بڑا اعاجز اس کی مثل ہے پس کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔

29646۔ (قولہ: كَحَمْلِهِ شَيْئًا آخَرَ) یعنی وہ زیادتی کی مقدار کا ضامن ہوگا۔ جب وہ بوجھ کی جگہ پر سوار نہیں ہوگا۔

29647۔ (قولہ: وَلَيْسَ الْمُرَادُ الخ) یہ ایک سوال کا جواب ہے اعتراض یہ کیا جاتا ہے: وہ زیادتی جس کو سواری پر رکھا گیا ہے اس کی مقدار کا اندازہ اس زیادتی کے وزن اور آدمی کے وزن کے بعد ہوتا ہے پس یہ اس کے مخالف ہے جو گزر چکا ہے کہ آدمی کا وزن نہیں کیا جاتا۔

29648۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ) یعنی جو گزر چکا ہے کہ یہ دونوں ایک مکان میں ہوں۔

29649۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ لَبِسَ ثِيَابًا كَثِيرَةً) یعنی وہ سب کا ضامن ہوگا اگر وہ اس سے زائد کپڑے پہنے جو اس نے اجارہ کے وقت پہنے ہوئے تھے اور لوگ عام معمول میں اتنے کپڑے نہیں پہنتے۔ ''المجتبیٰ'' میں یہی قول مفہوم ہے۔

29650۔ (قولہ: لِرُكُوبِهِ بِنَفْسِهِ) اس کے ساتھ اور اس کے جو مابعد ہے اس کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کیا ہے جسے ''البحر'' میں کہا ہے۔

یہ اعتراض نہ کیا جائے گا کہ اجر اور ضمان کیسے جمع ہو سکتے ہیں کیونکہ ہم کہتے ہیں ضمان اس لیے ہے کہ دوسرا آدمی اس پر سوار ہوا اور اجر اس لیے ہے کہ وہ خود اس پر سوار ہوا۔ عنقریب اس کی وضاحت آئے گی۔

29651۔ (قولہ: لِرُكُوبِ غَيْرِهِ) اگر وہ ان لوگوں میں سے ہو جو خود بخود سواری پر ٹھہر سکتا ہے ورنہ تصریح پہلے گزر چکی

ثُمَّ إِنْ ضَمِنَ الرَّاكِبُ لَا يَرْجِعُ، وَإِنْ ضَمِنَ الرَّدِيفُ رَجَعَ لَوْ مُسْتَأْجِرًا مِنَ الْمُسْتَأْجِرِ وَإِلَّا لَا، قَيَّدَ بِكَوْنِهَا عَطِبَتْ: لِأَنَّهَا لَوْ سَلِمَتْ لَزِمَ الْمُسَمَّى فَقَطْ وَبِكَوْنِهِ أَرْدَفَهُ؛ لِأَنَّهُ لَوْ أَقْعَدَهُ فِي السَّرْجِ صَارَ غَاصِبًا فَلَا أَجْرَ عَلَيْهِ بَحْرٌ عَنِ الْغَايَةِ، لَكِنْ فِي السِّرَاجِ عَنِ الْمُشْكِلِ مَا يُخَالِفُهُ،

پھر اگر راکب سے ضمانت لی تو وہ کسی اور سے مطالبہ نہیں کرے گا۔ اگر وہ ردیف سے ضمانت لے تو وہ مطالبہ کرے گا اگر اس نے مستاجر سے اسے اجرت پر لیا ہو ورنہ ضمانت نہیں لے گا۔ اس کے ہلاک ہونے کی قید ذکر کی ہے۔ کیونکہ اگر وہ جانور سلامت رہا تو صرف مسمیٰ لازم ہوگا۔ اور یہ قید لگائی ہے کہ اس نے اسے اپنے پیچھے بٹھایا ہو۔ کیونکہ اگر وہ اسے زین میں بٹھائے تو وہ غاصب ہوگا تو اس پر کوئی اجر نہیں ہوگا،''بحر'' میں ''الغایہ'' سے مروی ہے۔ لیکن ''سراج'' میں ''مشکل'' سے مروی ہے جو اس کے مخالف ہے۔

ہے کہ وہ وزن کے برابر کا ضامن ہوگا نصف کا ضامن نہیں ہوگا۔ فافہم

29652۔(قولہ: ثُمَّ إِنْ ضَمِنَ الرَّاكِبُ) یہاں راکب سے مراد مستاجر ہے۔

29653۔(قولہ: لَا يَرْجِعُ) یعنی ردیف سے اس کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ ضمان کے ساتھ اس کا مالک ہوا ہے پس ردیف اس کی سواری پر اس کی اجازت سے سوار ہوا ہے۔ پس اس سے کوئی مطالبہ نہ ہوگا خواہ ردیف اس کا مستاجر ہو یا مستعیر ہو۔ ''رحمتی''۔

29654۔(قولہ: رَجَعَ) یعنی سوار سے اس کا مطالبہ کرے گا کیونکہ عقد معاوضہ کے ضمن میں اس نے ردیف کو دھوکہ دیا ہے اگرچہ مستعیر ہو تو وہ راکب سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ راکب نے اسے سلامتی کی ضمانت نہ دی تھی کیونکہ دونوں میں کوئی عقد نہیں۔ ''رحمتی''۔

29655۔(قولہ: وَإِلَّا لَا) یعنی اگر ردیف مردف کا مستاجر نہ ہو بلکہ وہ مستعیر ہو۔

29656۔(قولہ: لِأَنَّهَا لَوْ سَلِمَتْ) یعنی اگر وہ تمام صورتوں میں محفوظ رہے۔''ط''۔

29657۔(قولہ: عَنِ الْغَايَةِ) مراد ''غایۃ البیان'' ہے۔ اس کی نص یہ ہے: یہ حکم اس وقت ہے جب وہ اسے اپنے پیچھے بٹھاتے یہاں تک کہ وہ اجنبی کی طرح ہو جائے گا جس طرح اس کا تابع ہے۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے جب اسے زین میں بٹھائے تو غاصب ہوگا اور اجرت میں سے کوئی شے واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے اپنا قبضہ سواری سے ختم کر دیا ہے اور تعدی کرنے والے کے قبضہ میں دے دیا ہے پس وہ ضامن ہوگا اور اجر ضمان کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ اسے ''اسبیجابی'' کی ''شرح الکافی'' کی طرف منسوب کیا ہے۔

29658۔(قولہ: لَكِنْ فِي السِّرَاجِ الخ) کیونکہ اس نے کہا: ان کا قول اردف رجلا معه یہ عادت کے طور پر ہے۔ کیونکہ عادت یہ ہے کہ مستاجر اصل ہوتا ہے اور وہ ردیف نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر مستاجر اپنے آپ کو ردیف بنا لے اور غیر کو اصل بنا

فَلْيُتَأَمَّلْ عِنْدَ الْفَتْوَى وَكَيْفَ فِي الْأَشْبَاهِ وَغَيْرِهَا أَنَّ الْأَجْرَ وَالضَّمَانَ لَا يَجْتَمِعَانِ (وَإِذَا اسْتَأْجَرَهَا لِيَحْمِلَ عَلَيْهَا مِقْدَارًا فَحَمَلَ عَلَيْهَا أَكْثَرَ مِنْهُ

پس فتویٰ کے وقت اس میں غور کرنا چاہیے۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ ''الاشباہ'' وغیرہا میں ہے کہ اجر اور ضمان اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ جب ایک آدمی نے جانور اجرت پر لیا تا کہ اس پر مخصوص مقدار لا دے تو اس نے اس پر اس سے زیادہ لادا

لے تو اس کا حکم اس طرح ہوگا یعنی اس کا بھی نصف واجب ہوگا اگر وہ سواری اس کو اٹھانے کی طاقت رکھتی ہو ساتھ ہی اجر لازم ہوگا جس طرح ''البدائع'' سے گزرا ہے۔ اگر وہ طاقت نہ رکھتا ہو تو کل کا ضامن ہوگا۔ جب ''غایۃ البیان'' میں اسے پہلے کے مقابل بنا دیا اور اس امر کی تصریح کی کہ اس پر اجر میں سے کوئی شے واجب نہ ہوگی تو یہ مخالفت میں صریح ہے اس سے اس نے مخالفت کی جس نے اس کا وہم کیا۔

29659۔ (قولہ: فَلْيُتَأَمَّلْ عِنْدَ الْفَتْوَى) یہ اس کے اشکال کی طرف اشارہ ہے۔ جب تک اس کی وجہ ظاہر نہ ہو اس سے پہلے اس پر فتویٰ نہیں دینا چاہیے۔

29660۔ (قولہ: كَيْفَ فِي الْأَشْبَاهِ الخ) ''السراج'' میں جو قول ہے اس کو بعید خیال کیا ہے اور فتویٰ کے وقت توقف کی وجہ کو بیان کیا ہے کیونکہ یہ مذکورہ قاعدہ کے خلاف ہے۔

اجر اور ضمان کا اجتماع جائز نہیں

29661۔ (قولہ: لَا يَجْتَمِعَانِ) یہاں جب وہ غاصب بن گیا اور ضمانت دے دی تو وہ اس کا مالک بن جائے گا لیکن یہ ملک ملکِ مستند ہوگی۔ جب ردیف بننے سے ہم نے اس پر اجرت کو لازم کیا تو دونوں کا اجتماع لازم ہوگا۔ کیونکہ جس کا مالک ہوا ہے اس میں اجرت واجب ہوگئی ہے۔ اس میں اور اس میں اگر وہ غیر کو اپنا ردیف بنائے فرق یہ ہے یہاں جب اس نے اسے اپنے قبضہ سے نکالا تو وہ غاصب ہوگیا جس طرح اگر وہ اسے اجرت پر لے تا کہ اس پر سوار ہو تو اس نے کسی اور کو اس پر سوار کر دیا تو تمام قیمت واجب ہوگی جس طرح گزر چکا ہے جب وہ اس کے پیچھے ردیف بنا تو وہ تابع ہوگیا۔ اور اس کے ردیف بننے کے ساتھ اجرت کا وجوب ممکن نہیں۔ اس کی دلیل وہ ہے جو ہم نے کہا ہے۔ مگر جب وہ زین میں سوار ہوا تو اس نے وہ عمل کیا جس کی اسے اجازت تھی جب اس نے کسی اور کو ردیف بنایا تو اس نے اس امر میں مخالفت کی کہ اس نے غیر کو اس میں مشغول کر دیا جس کو اپنی ذات کی سواری میں مشغول کیا اس میں ضمان کے بدلے میں کسی شے کا ضامن نہیں ہوگا اور تمام مسمی اس کے مقابلہ میں ہوگا بے شک اس کا ضامن ہوگا جسے غیر کے سوار کرنے سے مشغول کیا اس کے مقابلہ میں کوئی اجر نہیں تا کہ اس سے حق ساقط ہو۔ جب تو ''نہایہ'' کی طرف رجوع کرے گا تو تیرے لیے وہ واضح ہو جائے گا جو ہم نے ثابت کیا ہے، فافہم

29662۔ (قولہ: أَكْثَرَ مِنْهُ) اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ بوجھ اس کی جنس سے تھا جس طرح اس کا ذکر اس کے محترز کے ساتھ آئے گا۔

فَعَطِبَتْ ضَمِنَ مَا زَادَ الثِّقَلُ) وَهٰذَا إِذَا حَمَلَهَا الْمُسْتَأْجِرُ (فَإِنْ حَمَلَهَا صَاحِبُهَا) بِيَدِهِ (وَحْدَهُ فَلَا ضَمَانَ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ)؛ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُبَاشِرُ عِمَادِيَّةٌ (وَإِنْ حَمَلَا) الْحِمْلَ (مَعًا) وَوَضَعَاهُ عَلَيْهَا (وَجَبَ النِّصْفُ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ) بِفِعْلِهِ وَهُدِرَ فِعْلُ رَبِّهَا مُجْتَبَى (وَلَوْ) كَانَ الْبُرُّ مَثَلًا فِي جُوَالِقَيْنِ فَ (حَمَلَ كُلُّ وَاحِدٍ) مِنْهُمَا (جُوَالِقًا) أَيْ وِعَاءً كَعِدْلٍ مَثَلًا (وَحْدَهُ) وَوَضَعَاهُ عَلَيْهَا مَعًا

تو وہ جانور ہلاک ہو گیا تو جتنا زائد کیا اس کا ضامن ہو گا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب مستاجر نے اس پر وزن لادا۔ اگر اس کا مالک اپنے ہاتھ سے اس پر وزن لادے تو مستاجر پر ضمان نہیں ہو گی۔ کیونکہ وہ خود عمل کرنے والا ہے، ''عمادیہ''۔ اگر دونوں اکٹھے اس پر وزن لادیں تو مستاجر پر اس کے فعل کی وجہ سے نصف واجب ہو گا اور اس کے مالک کا فعل رائیگاں چلا جائے گا، ''مجتبیٰ''۔ اگر گندم مثلاً دو بوریوں میں ہو تو دونوں میں سے ہر ایک نے اکیلے بوری اٹھائی۔ جولق ایک برتن ہے جس طرح عدل ایک برتن ہے۔ اور اس پر دونوں نے اسے اکٹھے رکھا

29663۔ (قولہ: ضَمِنَ مَا زَادَ الثِّقَلُ) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ضمان زائد کے مقابل میں ہے اور اجرت اس حمل کے مقابلہ میں ہے جس کا ذکر کیا۔ پس یہ دونوں جمع نہ ہوں گے جس طرح اس کی مثل گزر چکی ہے۔ ''البحر'' میں اسے بیان کیا ہے بعد میں بھی اس کی طرف اشارہ کریں گے۔

29664۔ (قولہ: عِمَادِيَّةٌ) اس کی عبارت اس طرح ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے: ایک آدمی نے اونٹ کرائے پر لیے اس شرط پر کہ ہر اونٹ پر سو رطل بوجھ لادے گا تو اس نے اس محل تک ایک سو پچاس رطل بوجھ لادا پھر جمال اونٹ لایا کرایہ پر لینے والے نے یہ خبر دی کہ ہر بوجھ سو رطل کا ہے۔ جمال (ساربان) نے اس جگہ تک بوجھ لادا اور بعض اونٹ ہلاک ہو گئے تو کرایہ پر لینے والے پر کوئی ضمان نہ ہو گی۔ کیونکہ اونٹوں والے نے خود اس پر بوجھ لادا تو اسے کہا جائے گا: تیرے لیے مناسب تھا کہ تو پہلے وزن کر لیتا۔

29665۔ (قولہ: وَجَبَ النِّصْفُ) یعنی جانور کی قیمت میں سے وہ واجب ہو گا جو زیادتی میں سے نصف کے مقابل ہو۔ پھر جو متن میں ہے اسے ''المنح'' میں ''المحیط'' سے نقل کیا ہے اور اس کی بعد جو ہے اسے ''خلاصہ'' سے نقل کیا ہے کہ وہ قیمت کی چوتھائی کا ضامن ہو گا۔ اسی کی مثل ''تاتر خانیہ'' میں ''الذخیرہ'' سے اور ''شرنبلالی'' میں ''تتمۃ الفتاویٰ'' سے منقول ہے۔

صحیح یہ ہے کہ مراد چوتھائی ہے جب زیادتی مشروط کے مساوی ہو۔ کیونکہ ''بزازیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے کو اجرت پر لیا تا کہ وہ دس مہر بند اٹھائے پس اس نے بیس کر دیئے اور دونوں نے اکٹھے انہیں اٹھایا تو وہ چوتھائی قیمت کا ضامن ہو گا کیونکہ نصف کی اجازت تھی اور نصف کی اجازت نہ تھی پس اس نصف کو نصف نصف کیا جائے گا۔

جُوَالِقَين کی لغوی تحقیق

29666۔ (قولہ: فِي جُوَالِقَيْنِ) جوالق جیم اور لام کے کسرہ کے ساتھ ہے اور جیم کے ضمہ، لام کے فتحہ اور کسرہ کے

أَوْ مُتَعَاقِبًا (لَا ضَمَانَ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ) وَيُجْعَلُ حَمْلُ الْمُسْتَأْجِرِ مَا كَانَ مُسْتَحَقًّا بِالْعَقْدِ غَايَةً، وَمَفَادُهُ أَنَّهُ لَا ضَمَانَ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ سَوَاءٌ تَقَدَّمَ أَوْ تَأَخَّرَ وَهُوَ الْوَجْهُ، وَمِنْ ثَمَّ عَوَّلْنَا عَلَيْهِ عَلَى خِلَافِ مَا فِي الْخُلَاصَةِ، كَذَا فِي شَرْحِ الْمُصَنِّفِ قُلْتُ وَمَا فِي الْخُلَاصَةِ هُوَ مَا يُوجَدُ فِي بَعْضِ نُسَخِ الْمَتْنِ مِنْ قَوْلِهِ (وَكَذَا لَا ضَمَانَ لَوْ حَمَلَ الْمُسْتَأْجِرُ أَوَّلًا ثُمَّ رَبُّ الدَّابَّةِ، وَإِنْ حَمَلَهَا رَبُّهَا أَوْ لَا ثُمَّ الْمُسْتَأْجِرُ ضَمِنَ نِصْفَ الْقِيمَةِ) انْتَهَى فَتَنَبَّهْ

یا یکے بعد دیگرے رکھا تو مستاجر پر کوئی ضمانت نہیں ہوگی اور مستاجر کا لادنا اسے بنا دیا جائے گا کہ یہ عقد کی وجہ سے لادنا تھا ''غایۂ''۔اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مستاجر پر کوئی ضمانت نہیں ہوگی خواہ وہ پہلے لادے یا بعد میں یہی مناسب ہے۔اسی وجہ سے ہم نے اس پر اعتماد کیا ہے جو اس کے برعکس ہے جو''الخلاصہ'' میں ہے۔اسی طرح مصنف کی شرح میں ہے۔میں نے کہا:''الخلاصہ'' میں جو کچھ ہے وہ وہی ہے جو متن کے بعض نسخوں میں پایا جاتا ہے۔ان کا قول ہے:اسی طرح کوئی ضمانت نہ ہوگی اگر مستاجر پہلے لادے پھر جانور کا مالک لادے اگر جانور کا مالک پہلے لادے پھر مستاجر لادے تو وہ نصف قیمت کا ضامن ہوگا۔کلام ختم ہوئی۔پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

ساتھ ہے۔یہ ایک معروف برتن ہے۔اس کی جمع جوالق آتی ہے جس طرح صحائف ہیں اور جوالقات جمع آتی ہے۔حق یہ ہے کہ واؤ کے بعد الف ہو اس کے تثنیہ میں اور اس کے مفرد میں بھی۔نسخوں میں جو دیکھا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔

29667۔(قولہ: أَوْ مُتَعَاقِبًا)''المنح'' میں اس کا ذکر نہیں کیا۔اور''غایۃ البیان'' کی عبارت میں میں نے اسے نہیں دیکھا۔

29668۔(قولہ: وَمَفَادُهُ الخ) اس کا یہ حکم اس وقت مستفاد ہوتا اگر''غایۃ البیان'' میں اسے اپنے قول: او متعاقبا کے ساتھ تعبیر کرتے اسے اپنے اس قول کے ساتھ تعبیر کیا: ووضعاہ علی الدابۃ جمیعا۔اور اسے''تتمۃ الفتاویٰ'' کی طرف منسوب کیا۔''تاتر خانیہ'' میں''الذخیرہ'' سے اسی طرح تعبیر کیا ہے۔''الخلاصہ'' سے اسی طرح تعبیر کیا گیا ہے اس کے بعد یہ اضافہ کیا: وکذا لو حمل المستاجر اولا الخ۔''الغایۃ'' میں جو قول ہے وہ اس کے مخالف نہیں جو''الخلاصہ'' میں ہے۔ بلکہ''الخلاصہ'' میں ایک دوسرے مسئلہ کو زائد ذکر کیا ہے جو''الغایۃ'' کی عبارت سے مفہوم نہیں۔وہ مسئلہ وہ ہے جس کی ماتن نے تفصیل ذکر کی ہے۔اگر یہ فرض کیا جائے کہ ان کا قول او متعاقب''الغایۃ'' کی عبارت میں موجود ہے تو وہ مفہوم ہے۔ ''الخلاصہ'' میں جو قول ہے وہ صریح منطوق ہے۔پس اس سے کیسے عدول کیا جا سکتا ہے۔علماء نے فرمایا: صاحب خلاصہ ان لوگوں میں سے سب سے زیادہ جلیل ہیں جن پر اعتماد کیا جاتا ہے تو ضروری ہے کہ جو انہوں نے کہا ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے تاکہ نقل کی پیروی کی جائے۔واللہ اعلم

29669۔(قولہ: فَتَنَبَّهْ) میں کہتا ہوں: اس پر متنبہ ہو جائیے جو ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے پس یہ زیادہ ظاہر ہے۔

(وَهٰذَا) أَيْ مَا مَرَّ مِنَ الْحُكْمِ (إِذَا كَانَتِ الدَّابَّةُ) الْمُسْتَأْجَرَةُ (تُطِيقُ مِثْلَهُ، أَمَّا إِذَا كَانَتْ لَا تُطِيقُ فَجَمِيعُ الْقِيمَةِ لَازِمٌ) عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ زَيْلَعِيٌّ وَيَجِبُ عَلَيْهِ كُلُّ الْأَجْرِ لِلْحَمْلِ، وَالضَّمَانُ لِلزِّيَادَةِ غَايَةٌ، وَأَفَادَ بِالزِّيَادَةِ أَنَّهَا مِنْ جِنْسِ الْمُسَمَّى، فَلَوْ مِنْ غَيْرِهِ ضَمِنَ الْكُلَّ، كَمَا لَوْ حَمَلَ الْمُسَمَّى وَحْدَهُ ثُمَّ حَمَلَ عَلَيْهَا الزِّيَادَةَ وَحْدَهَا بَحْرٌ قَالَ وَلَمْ يَتَعَرَّضُوا لِلْأَجْرِ إِذَا سَلِمَتْ لِظُهُورِ وُجُوبِ الْمُسَمَّى فَقَطْ وَإِنْ حَمَلَهُ الْمُسْتَأْجِرُ: لِأَنَّ مَنَافِعَ الْغَصْبِ لَا تُضْمَنُ عِنْدَنَا، وَمِنْهُ عُلِمَ حُكْمُ الْمُكَارِي فِي طَرِيقِ مَكَّةَ

یہ یعنی جو حکم سے گزرا ہے اس وقت ہے جب اجرت پر لیا جانے والا جانور اس کی مثل کی طاقت رکھتا ہو مگر جب وہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو تمام قیمت مستاجر پر لازم ہوگی، ''زیلعی''۔ اور بوجھ اٹھانے کی وجہ سے اس پر پوری اجرت لازم ہوگی اور ضمان زیادتی کی وجہ سے ہوگی، ''غایۃ''۔ زیادتی سے یہ بیان کیا ہے کہ یہ مسمی کی جنس سے ہے۔ اگر کسی اور جنس سے ہو تو سب کا ضامن ہوگا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ صرف مسمی کو اکیلے لادے پھر اس پر زیادتی کو اکیلے لادے، ''بحر''۔ کہا: علماء نے اجر سے تعرض نہیں کیا جب وہ سلامت رہے۔ کیونکہ صرف مسمی کا واجب ہونا ظاہر ہے اگرچہ مستاجر لادے کیونکہ غصب کے منافع کی ہماری ہاں ضمانت نہیں اس سے مکہ مکرمہ کے راستہ میں مکاری (کرایہ داری) کے حکم کا علم ہو گیا۔

29670۔ (قولہ: أَيْ مَا مَرَّ مِنَ الْحُكْمِ) اس سے مراد یہ ہے جو پہلے مسئلہ میں وزن زیادہ کرنے سے ضمان لازم آتی ہے۔

29671۔ (قولہ: الْأَجْرِ لِلْحَمْلِ الخ) یہ ان دونوں کے اجتماع کا جواب ہے جس طرح ہم نے ابھی اسے بیان کیا ہے۔

29672۔ (قولہ: وَأَفَادَ الخ) کیونکہ زیادتی مزید علیہ کی جنس سے ہے۔ ''ط''۔

29673۔ (قولہ: ثُمَّ حَمَلَ عَلَيْهَا الزِّيَادَةَ وَحْدَهَا) ''تاتر خانیہ'' میں اس کی یہ قید لگائی ہے اگر وہ معین مکان میں اس پر لادے اگر کسی اور جگہ اس پر لادے تو وہ زیادتی کی مقدار کا ضامن ہوگا۔ اسی کی مثل ''جامع الفصولین'' میں ہے۔ اس میں یہ بھی ہے: ''یہ صورت مختلف ہوگی اگر وہ ایک بیل اجرت پر لیتا ہے تا کہ اس کے ساتھ دس مختوم پیسے تو اس نے گیارہ مختوم پیسے یا اس کے ساتھ ایک جریب ہل چلائے تو اس نے ایک جریب اور نصف ہل چلایا تو وہ بیل ہلاک ہو گیا تو وہ مکمل قیمت کا ضامن ہو جائے گا۔ کیونکہ پیسنا تھوڑا تھوڑا ہوتا ہے جب دس پیس لیے تو عقد ختم ہو جائے گا تو وہ زیادتی میں ہر اعتبار سے مخالفت کرنے والا ہوگا پس سب کا ضامن ہوگا اور بوجھ لادنا ایک ہی دفعہ ہے اور بعض کی اجازت ہے پس اس کی مقدار کا ضامن نہیں ہوگا۔

29674۔ (قولہ: وَلَمْ يَتَعَرَّضُوا الخ) میں کہتا ہوں: ''البدائع'' میں اس کی تصریح کی ہے جس طرح ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

مالک گھر کا کچھ حصہ اپنے لیے مشغول رکھے تو اس کا حکم

29675۔ (قولہ: وَمِنْهُ عُلِمَ الخ) یعنی اس سے معلوم ہو گیا اگر وہ شے میں اضافہ کرے اور جانور سلامت رہے تو

(وَضَمِنَ بِضَرْبِهَا وَكَبْحِهَا) بِلِجَامِهَا لِتَقْيِيدِ الْإِذْنِ بِالسَّلَامَةِ، حَتَّى لَوْ هَلَكَ الصَّغِيرُ بِضَرْبِ الْأَبِ أَوْ الْوَصِيِّ لِلتَّأْدِيبِ ضَمِنَ لِوُقُوعِهِ بِزَجْرٍ وَتَعْرِيكٍ وَقَالَا لَا يَضْمَنَانِ بِالْمُتَعَارَفِ

اس جانور کو مارنے اور اس کی لگام کھینچنے سے ضامن ہوگا۔ کیونکہ اذن سلامتی کے ساتھ مقید ہے یہاں تک اگر بچہ باپ کے یا وصی کے مارنے سے ہلاک ہو جائے جب کہ انہوں نے ادب سکھانے کے لیے مارا تھا تو ضامن ہوگا۔ کیونکہ تادیب جھڑ کنے اور کان مروڑنے سے ہو سکتی ہے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ علیہما نے کہا: وہ متعارف مار سے ضامن نہیں ہوں گے۔

صرف مسمی واجب ہوگا اگرچہ مکاری کی اجازت کے بغیر زیادتی اس کے لیے حلال نہیں۔ اسی وجہ سے علما نے کہا: چاہیے کہ مکاری وہ تمام سامان دیکھ لے جس کو وہ اونٹ پر لادنا چاہتا ہے،''بحر''۔ اسی وجہ سے بعض علما سے یہ مروی ہے: اسے ایک دوست نے اسے کتاب دی تا کہ وہ اسے پہنچا دے تو اس نے کہا: یہاں تک کہ میں جمال سے اجازت لے لوں۔ یہ اس صورت میں ہے اگر وہ مقدار معین کر دے۔ مصنف متفرقات میں عنقریب ذکر کریں گے: ایک اونٹ اجرت پر لینا صحیح ہے تا کہ اس پر محمل اور دو آدمی مکہ مکرمہ تک سوار کرے۔ اس کے لیے معتاد بوجھ ہوگا اور جمال کا دیکھ لینا زیادہ محبوب ہے۔

فرع: ''المنح'' میں ''الخانیہ'' سے مروی ہے: جانور کے مالک کو یہ حق حاصل نہیں کہ مستاجر کے سامان کے ساتھ اپنا سامان رکھے۔ اگر وہ سامان رکھے اور سواری مقصد تک پہنچ جائے تو اجرت میں سے کوئی شے کم نہ کی جائے گی۔ یہ صورت مختلف ہوگی کہ مالک گھر کا کچھ حصہ اپنے لیے مشغول رکھے تو اس کی اجرت میں اس کے حساب سے کمی کی جائے گی۔

29676۔(قولہ: وَكَبْحِهَا) یہ لفظ با اور حا مہملہ کے ساتھ ہے۔''المغرب'' میں ہے: کبح الدابة باللجام، جب وہ اسے روکے۔ اس کا معنی یہ ہوتا ہے وہ سواری کو اپنی طرف کھینچے تا کہ وہ ٹھہر جائے اور نہ چلے۔''المنح'' میں اسی طرح ہے۔''ح''۔

29677۔(قولہ: لِتَقْيِيدِ الْإِذْنِ بِالسَّلَامَةِ) کیونکہ چلانا مارنے کے بغیر متحقق ہو جاتا ہے اسے اس لیے مارا جاتا ہے تا کہ وہ تیز چلے۔

29678۔(قولہ: ضَمِنَ) یعنی وہ دیت کا ضامن ہوگا اسی پر کفارہ ہے قاضی حد اور تعزیز لگائے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ ضمان واجب کے بجالانے سے واجب نہیں ہوتا۔''طحطاوی'' نے ''حموی'' سے نقل کیا ہے۔

29679۔(قولہ: لِوُقُوعِهِ) بے شک وہ ضامن ہوگا کیونکہ تادیب جھڑ کنے اور کان مرڑونے سے مارے بغیر واقع ہو جاتی ہے،''ح''۔ تعریک سے مراد کان مروڑنا ہے۔

باپ، وصی اور معلم متعارف مار سے ضامن نہیں ہوں گے

29680۔(قولہ: قَالَا لَا يَضْمَنَانِ بِالْمُتَعَارَفِ) یعنی باپ اور وصی متعارف مار سے ضامن نہیں ہوں گے۔ کیونکہ یہ مار چھوٹے بچے کی اصلاح کے لیے ہے۔ پس یہ معلم کے مارنے کی طرح ہے بلکہ اس سے اولی ہے۔ کیونکہ معلم ان دونوں کی مار سے استفادہ کرتا ہے جانور کو مارنے اور اس کی لگام کھینچنے میں بھی اختلاف جاری ہے۔ کیونکہ یہ مطلق عقد سے مستفاد ہے۔ یہ

وَفِي الْغَايَةِ عَنِ التَّتِمَّةِ الْأَصَحُّ رُجُوعُ الْإِمَامِ لِقَوْلِهِمَا (لَا) يَضْمَنُ (بِسَوْقِهَا) اتِّفَاقًا وَظَاهِرُ الْهِدَايَةِ أَنَّ لِلْمُسْتَأْجِرِ الضَّرْبَ لِلْإِذْنِ الْعُرْفِيِّ،

''الغایہ'' میں ''تتمہ'' سے منقول ہے: اصح یہ ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول کی طرف رجوع کرلیا تھا وہ جانور کو ہانکنے سے ضامن نہیں ہوگا اس پر سب کا اتفاق ہے۔ ''ہدایہ'' کی عبارت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ مستاجر کو حق حاصل ہے کہ اذن عرفی کی وجہ سے مارے۔

اس غلام کو مارنے کے خلاف ہے جسے خدمت کے لیے اجرت پر لیا گیا ہو اسے مارنے سے بالاجماع وہ ضامن ہوگا۔ فرق یہ ہے کہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کی دلیل یہ ہے اسے روکیا جاتا ہے اور نہی کی جاتی ہے تاکہ وہ سمجھ جائے پس اس کو مارنے کی ضرورت نہیں جانور کو مارنے اور اس کی لگام کھینچنے میں کلام مطلقاً ذکر کی ہے جب کہ یہ اس پر محمول ہے جب مالک کی اجازت کے بغیر ہو اگر اس کی اجازت سے ہو اور وہ ضرب معتاد جگہ پر لگے تو بالاجماع ضامن نہیں ہوگا جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔

29681۔ (قولہ: وَفِي الْغَايَةِ عَنِ التَّتِمَّةِ الخ) یہ امر ظاہر ہے کہ صغیر کے مسئلہ میں رجوع ہے جانور کے مسئلہ میں رجوع نہیں۔ چاہیے کہ معاملہ اسی طرح ہو۔ کیونکہ جانور کا مسئلہ وہ ہے جس پر اصحاب متون گامزن ہوئے۔ اگر ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا رجوع اس میں بھی ثابت ہوتا تو اصحاب متون اس کے خلاف نہ چلتے۔ کیونکہ مجتہد جس سے رجوع کر لے وہ مذہب نہیں ہوتا۔ جب کہ مصنف کتاب الجنایات میں صغیر کے مسئلہ میں ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر چلے ہیں اور آپ کے رجوع کو قیل کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ اس کی وضاحت وہاں آئے گی ان شاء اللہ۔

29682۔ (قولہ: لَا بِسَوْقِهَا) یعنی معتاد ہانکنا کیونکہ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: اگر چال میں سختی کی تو بالاجماع ضامن ہوگا۔

29683۔ (قولہ: وَظَاهِرُ الْهِدَايَةِ الخ) اسی طرح ''البحر'' میں کہا ہے۔ شاید انہوں نے اس سے اخذ کیا ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضمان کی علت یہ ہے کہ مارنے کی اجازت سلامتی کے ساتھ مقید ہے۔ پس یہ قول فائدہ دیتا ہے کہ بے شک مارنے کی اجازت ہے مگر سلامتی کی شرط ہے۔ ''معراج الدرایہ'' میں ہے: یہ صحیح اور ثابت ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نخس بعیر جابر و ضربہ (1)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اونٹ کو کچوکا دیا اور اسے مارا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے اونٹ کو اپنے محجن (ایسی چھڑی جس کا سر امڑا ہوا ہو) سے مارا کرتے۔ پھر کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس کی اباحت پر دلالت کرتا ہے۔ یہ ضمان کے منافی نہیں۔ کیونکہ یہ سلامتی کی شرط کے ساتھ مقید ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ ادب سکھانے کے لیے مالک اور دوسرا آدمی جانور کو مار سکتا ہے اگرچہ غیر مستاجر ہو۔ تامل

1۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب تزویج الثیبات، جلد 3، صفحہ 70، حدیث نمبر 4689

وَأَمَّا ضَرْبُهُ دَابَّةَ نَفْسِهِ فَقَالَ فِي الْقُنْيَةِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى لَا يَضْرِبُهَا أَصْلًا، وَيُخَاصَمُ فِيمَا زَادَ عَلَى التَّأْدِيبِ (وَ) ضَمِنَ (بِنَزْعِ السَّرْجِ وَ) وَضْعِ (الْإِيكَافِ)

جہاں تک اس کا اپنے جانور کو مارنا ہے تو ''القنیہ'' میں امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: وہ اسے اصلاً نہیں مارے گا۔ اور جو آدمی ادب سکھانے سے زائد مارے گا اس سے خصومت کی جائے گی۔ زین اتارنے اور ایکاف (پالان) ڈالنے سے وہ ضامن ہوگا

جانور کو مارنے کا شرعی حکم

29684۔(قولہ: وَأَمَّا ضَرْبُهُ دَابَّةَ نَفْسِهِ الخ) ''القنیہ'' میں کہا: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ اصلاً جانور کو نہیں مارے گا اگرچہ وہ جانور اس کی ملک میں ہو۔ یہی حکم ہے ہر اس حیوان کا جس سے کام لیا جاتا ہے۔ پھر کہا: ادب سکھانے کے لیے جس مارنے کا وہ محتاج ہوتے ہیں اس میں حیوان کو مارنے والے سے خصومت نہیں کی جائے گی اور جو اس سے زیادہ مارتا ہے اس میں اس سے خصومت کی جائے گی۔ ''البحر'' میں یہ اسی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول: لا یضربھا اصلا سے مراد یہ ہے یعنی اسے یہ نہ چاہیے اگرچہ وہ تادیب کے لیے مارے اگرچہ ادب سکھانے کے لیے معتاد مارنا مباح ہے۔ پس یہ اس قول کے منافی نہیں جس کو پہلے ذکر کیا ہے۔ اس پر یہ قول: لا یخاصم فیما یحتاج الیہ للتادیب دلالت کرتا ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''حموی'' کی ''شرح الکنز'' سے نقل کیا ہے: علماء نے کہا: حیوان کو بلاوجہ مارنے والے سے خصومت کی جائے گی۔ کیونکہ یہ منکر عمل کی حالت میں ناپسندیدگی کا اظہار کرنا ہے اس کا ہر کوئی مالک ہے۔ کسی وجہ سے اگر کوئی مار رہا ہو تو اس سے خصومت نہیں کی جائے گی مگر جب وہ چہرے پر مارے بے شک اسے روکا جائے گا اگرچہ وہ کسی وجہ سے مار رہا ہو۔ یہی امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا معنی ہے جو ''المبسوط'' میں ہے: حیوان کو مارنے والے کا مواخذہ کیا جائے گا جو کسی وجہ کے بغیر مار رہا ہو مگر جب وہ چہرے پر مارے تو ہر صورت میں اس سے خصومت کی جائے گی۔

29685۔(قولہ: وَ بِنَزْعِ السَّرْجِ وَ الْإِيكَافِ) ''حموی'' اور ''شلبی'' نے یہ بیان کیا ہے کہ محض زین کو اتارنا ضمان کا موجب ہے۔ ''جوہرہ'' میں ہے: ایک آدمی نے جانور اجرت پر لیا تاکہ زین کے ساتھ اس پر سوار ہو تو وہ اسے اس پر زین کے بغیر ننگی پیٹھ پر سوار نہ ہو اور اس پر سامان نہ لادے اس پر چت نہ لیٹے اس کی پشت پر ٹیک نہ لگائے بلکہ عرف اور عادت کے مطابق اس پر سوار ہو، ملخص۔ ایک چیز باقی رہ گئی ہے ایک آدمی نے زین کے بغیر اسے اجرت پر لیا اور اسے زین پہنادی۔ ''کافی الحاکم'' میں ہے: وہ ضامن ہوگا۔ ''اسبیجابی'' نے اپنی شرح میں کہا: یہ حکم اس صورت میں ہے اگر وہ گدھا ہو۔ عام معمول کے مطابق اس پر زین نہ ڈالی جاتی ہو اگر اس پر زین ڈالی جاتی ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ ''قدوری'' نے کہا: ہمارے اصحاب نے تفصیل بیان کی ہے۔ علما نے کہا: اگر شہر سے باہر اس پر سواری کرتا ہے تو ضامن نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ شہر میں

سَوَاءٌ وَكَفَ بِمِثْلِهِ أَوْ لَا (وَبِالْإِسْرَاجِ بِمَا لَا يُسْرَجُ) هَذَا الْحِمَارُ (وَبِمِثْلِهِ جَمِيعُ قِيمَتِهِ) وَلَوْ بِمِثْلِهِ

خواہ اس قسم کی ایکاف ڈالی جاتی ہو یا نہ ڈالی جاتی ہو۔ اور گدھے کو ایسی زین ڈالنا جس قسم کی زین اس پر نہ ڈالی جاتی ہو تو اس کی پوری قیمت کی ضمانت دینا ہوگی

ہے جب کہ وہ ذی وجاہت آدمی ہے ورنہ ضامن ہوگا۔ کیا وہ تمام قیمت کا ضامن ہوگا یا اس کی مقدار کا ضامن ہوگا جتنا اس نے زائد کیا؟ ''قاضی خان'' نے ''جامع'' میں پہلے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں: چاہیے کہ اصح دوسرا قول ہو کیونکہ وہ سوار ہونے پر زائد بوجھ کی طرح ہے۔ ''غایۃ البیان'' ملخص۔

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ یہ گزر چکا ہے اگر وہ سامان کی جگہ سوار ہو گیا تو تمام قیمت کا ضامن ہوگا۔ ''اتقانی'' نے خود اس کو نقل کیا ہے۔ پس اس میں تدبر کیجئے۔ ''البحر'' میں ہے: جو ''کافی'' میں قول ہے وہ مذہب ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر روایت ہے جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔

29686۔ (قولہ: وَضْعِ الْإِيكَافِ) اس مضاف کے مقدر ماننے کا کوئی معنی نہیں۔ کیونکہ الایکاف کا معنی پالان رکھنا ہے۔ ''ح''۔ یعنی ان پر ایکاف جو مصدر ہے اکاف جو اسم ہے کے ساتھ مشتبہ ہو گیا۔ اکاف اسے کہتے ہیں جسے جانور کی پشت پر رکھا جاتا ہے اور یہ جواب ممکن ہے کہ اضافت بیانیہ ہو اور مضاف کے مقدر ماننے کا داعی یہ ہے کہ یہ فائدہ دے کہ اس کا عطف ''نزع'' پر ہے ''السرج'' پر نہیں، تامل۔ تا کہ اس پر سامان لادا جائے اور زین ڈالی جاتی ہے تا کہ سوار ہوا جائے۔ اسی طرح دونوں میں سے ایک جانور کی پشت پر پھیل جاتا ہے جتنا دوسرا اس پر نہیں پھیلتا۔ پس یہ گندم اور لوہے کے اختلاف کی مثل ہے۔ ''زیلعی''

29687۔ (قولہ: سَوَاءٌ وَكَفَ بِمِثْلِهِ أَوْ لَا) کیونکہ جنس مختلف ہے کیونکہ اکاف اس لیے ہے۔

29688۔ (قولہ: وَبِالْإِسْرَاجِ) اس کا عطف الایکاف پر ہے۔ اولی یہ ہے کہ ''با'' جارہ کو حذف کر دیا جائے اور واو کے ساتھ اس کا عطف کیا جائے جس طرح ''الکنز'' میں ہے تا کہ حرف جر پر اس کے عطف کا وہم نہ دلائے۔ ''ابن کمال'' نے کہا: یعنی اگر اس نے زین اتار دی اور اسے دوسری زین اس پر ڈال دی اگر یہ زین ان میں سے ہے جس کی مثل اس گدھے پر زین نہیں ڈالی جاتی تو وہ ضامن ہوگا۔

29689۔ (قولہ: جَمِيعُ قِيمَتِهِ) یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ''جامع صغیر'' کی روایت ہے اور ''الاصل'' کی روایت میں اتنی مقدار کی ضمانت دے گا جتنا اس نے زائد وزن ڈالا۔ یہی ''صاحبین'' رحمہما اللہ کا قول ہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب گدھے پر اس قسم کا پالان ڈالا جاتا ہو اگر اس پر اصلاً پالان نہ ڈالا جاتا ہو یا اس کی مثل پالان نہ ڈالا جاتا ہو تو ان کے نزدیک مکمل قیمت کا ضامن ہوگا۔ ''حقائق'' میں اسی طرح ہے۔ ''ابن کمال''۔ ''شرنبلالی'' نے کہا: فتویٰ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول پر ہے۔

''زیلعی'' نے کہا: علماء نے ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول: یضمن بحسابہ کے معنی میں کلام کی ہے۔ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ

أَوْ أَسْرَجَهَا مَكَانَ الْإِيكَافِ لَا يَضْمَنُ إِلَّا إِذَا زَادَ وَزْنًا فَيَضْمَنُ بِحِسَابِهِ ابْنُ كَمَالٍ (كَمَا) يَضْمَنُ (لَوْ اسْتَأْجَرَهَا بِغَيْرِ لِجَامٍ فَأَلْجَمَهَا بِلِجَامٍ لَا يُلْجَمُ مِثْلُهُ) وَكَذَا لَوْ أَبْدَلَهُ؛ لِأَنَّ الْحِمَارَ لَا يَخْتَلِفُ بِاللِّجَامِ وَغَيْرِهِ غَايَةٌ (أَوْ سَلَكَ طَرِيقًا غَيْرَ مَا عَيَّنَهُ الْمَالِكُ تَفَاوَتَا) بُعْدًا أَوْ وَعْرًا أَوْ خَوْفًا بِحَيْثُ لَا يَسْلُكُهُ النَّاسُ ابْنُ كَمَالٍ (أَوْ حَمَلَهُ فِي الْبَحْرِ إِذَا قَيَّدَ بِالْبَرِّ مُطْلَقًا) سَلَكَهُ النَّاسُ أَوْ لَا لِخَطَرِ الْبَحْرِ،

یا اس نے پالان کی جگہ اس پر زین ڈالی ہو تو وہ ضامن نہ ہوگا مگر جب وزن میں اس سے بڑھ کر ہو تو اس کے حساب سے وہ ضامن ہوگا، ''ابن کمال''۔ اسی طرح وہ ضامن ہوگا اگر وہ اسے لگام کے بغیر اجارہ پر لے تو اسے ایسی لگام دی جس کی مثل اس کو لگام نہیں دی جاتی۔ اسی طرح اگر وہ لگام کو بدلے۔ کیونکہ گدھا لگام وغیرہ کے مختلف ہونے سے مختلف نہیں ہوتا، ''غایہ''۔ یا ایسے راستہ پر چلا جو اس راستہ کے علاوہ ہے جو مالک نے متعین کیا تھا جو دونوں راستوں دوری، پر پیچ ہونے یا خوف میں مختلف تھے اس حیثیت میں لوگ اس راہ پر نہیں چلتے۔ ''ابن کمال''۔ یا وہ اسے سمندر کے راستے لے جاتا ہے جب اس نے مطلقاً خشکی کی قید لگائی تھی لوگ اس پر چلتے ہوں یا نہ چلتے ہوں۔ کیونکہ سمندر کا خطرہ موجود ہے

سے مروی دو روایتوں میں سے ایک روایت یہی ہے۔ کچھ علماء نے فرمایا: اس کا اندازہ مساحت (پیمائش) سے لگایا جائے گا یہاں تک کہ اگر زین جانور کی پشت سے بالشت جگہ لیتی ہے اور پالان چار بالشت لیتا ہے تو اسی حساب سے ضامن ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وزن کا اعتبار ہوگا۔

29690۔(قولہ: مَكَانَ الْإِيكَافِ) یعنی ایکاف کے بدل میں۔

29691۔(قولہ: وَكَذَا لَوْ أَبْدَلَهُ) یہ متن کے مفہوم کے حکم کو تعلیل کے قرینہ سے تشبیہ دینا ہے اور شارح نے ''البحر'' اور ''المنح'' کی پیروی کی۔ ''غایۃ البیان'' میں جو قول ہے وہ اسی طرح ہے۔ ''کرخی'' نے کہا: اگر اس پر لگام نہ ہو تو اس نے اسے لگام دی تو اس پر ضمان نہ ہوگی جب وہ اس کی مثل ہو جو اسے لگام دی جاتی ہو۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ لگام کو بدل دے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گدھا لگام وغیرہ کے بدلنے سے مختلف نہیں ہوتا اور اسی لگام کے ساتھ وہ ہلاک نہیں ہوتا پس اس کو لگام دینے سے وہ ضامن نہیں ہوگا۔

29692۔(قولہ: غَيْرَ مَا عَيَّنَهُ الْمَالِكُ) یعنی طعام کے مالک نے اسے معین کیا جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔ اسی طرح دابہ کا مالک ہے جس طرح ''غایہ'' میں ہے۔ اگر وہ معین نہ کرے تو ضامن نہ ہوگا۔ ''بحر''۔

29693۔(قولہ: بِحَيْثُ لَا يَسْلُكُهُ النَّاسُ) مگر جب لوگ اس پر چلتے ہوں تو کتاب کا ظاہر معنی یہ ہے کہ اگر دونوں کے درمیان تفاوت ہو تو وہ ضامن ہوگا ورنہ ضامن نہ ہوگا، ''بحر''، ''زیلعی'' نے اسے ''کافی'' اور ''ہدایہ'' سے نقل کیا ہے جب کہ علت یہ بیان کی ہے جب تفاوت نہ ہو تو تعیین صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ کوئی فائدہ نہیں۔

29694۔(قولہ: أَوْ حَمَلَهُ فِي الْبَحْرِ) یعنی متاع (سامان) لے گیا۔

فَلَوْ لَمْ يُقَيِّدْ بِالْبَرِّ لَا ضَمَانَ (وَإِنْ بَلَغَ) الْمَنْزِلَ (فَلَهُ الْأَجْرُ) لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ (وَضَمِنَ بِزَرْعِ رَطْبَةٍ وَأُمِرَ بِالْبُرِّ) مَا نَقَصَ مِنَ الْأَرْضِ؛ لِأَنَّ الرَّطْبَةَ أَضَرُّ مِنَ الْبُرِّ (وَلَا أَجْرَ)؛ لِأَنَّهُ غَاصِبٌ إِلَّا فِيمَا اسْتُثْنِيَ

اگر وہ خشکی کی قید نہ لگائے تو کوئی ضمانت نہ ہوگی اگر وہ منزل پر پہنچ جائے تو اس کے لیے اجر ہوگا۔ کیونکہ مقصود حاصل ہو چکا ہے۔ گندم کاشت کرنے کا حکم دیا گیا تھا تو اس نے رطبہ کاشت کیں تو زمین کا جتنا نقصان ہوا اس کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ رطبہ گندم سے زیادہ ضرر کا باعث ہوتی ہیں اور اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ غاصب ہے مگر ایسی چیز میں جس کی استثنا کی

29695۔ (قولہ: وَإِنْ بَلَغَ الْمَنْزِلَ) بدغ میں جو سماع ثابت ہے وہ تشدید کے ساتھ باب تفعیل سے ہے۔ یعنی اگر جمال (ساربان) نے سامان اس جگہ تک پہنچا دیا جس جگہ کی شرط لگائی تھی۔ تخفیف بھی جائز ہے اس شرط پر کہ فعل متاع کی طرف منسوب ہے یعنی اگر سامان اس جگہ تک پہنچ گیا۔ ''اتقانی''۔

29696۔ (قولہ: فَلَهُ الْأَجْرُ) یعنی اس کے لیے معین مہر لازم ہوگا۔

29697۔ (قولہ: لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ) کیونکہ طریق کی جنس ایک ہے پس اختلاف کا حکم ظاہر نہیں ہوگا مگر تفاوت کا اثر ظاہر ہونے کے ساتھ جو ہلاکت ہے جب وہ مال سلامت رہا تو تفاوت صورت میں تو رہا معنی میں تفاوت نہ رہا پس مسمی واجب ہوگیا۔ ''اتقانی''۔

29698۔ (قولہ: بِزَرْعِ رَطْبَةٍ) جیسے ککڑی، بطیخ، بینگن اور جو اس کے قائم مقام ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''سمرقندی'' سے روایت کیا ہے۔

29699۔ (قولہ: وَأُمِرَ بِالْبُرِّ) واؤ حالیہ ہے۔

29700۔ (قولہ: لِأَنَّ الرَّطْبَةَ أَضَرُّ مِنَ الْبُرِّ) کیونکہ ان کی جڑیں پھیل جاتی ہیں اور ان کو سیراب کرنے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ پس اختلاف زیادہ شر کے بارے میں ہے جب کہ جنس میں اختلاف ہو۔ پس اس پر تمام نقصان واجب ہوگا۔ اگر کسی اور کو اپنا ردیف بنائے تو معاملہ مختلف ہوگا یا معین محمول سے زیادہ لاد دے تو اس کے حساب سے ضامن ہوگا۔ کیونکہ وہ ہلاک ہوا ہے اس کے سبب جس کی اجازت دی گئی تھی اور جس کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ پس جس قدر تعدی واقع ہوئی اس کا وہ ضامن ہوگا کیونکہ جنس متحد ہے۔ ''زیلعی''، ملخص

29701۔ (قولہ: وَلَا أَجْرَ) میں کہتا ہوں: چاہیے کہ یہ ان تمام مسائل کی طرف راجع ہو جن میں یہ قید ہے اور قید لگانا اس وقت فائدہ مند ہوتا ہے جب وہ مخالفت کرے۔ ''طوری''۔

29702۔ (قولہ: لِأَنَّهُ غَاصِبٌ) یعنی جب اس نے مخالفت کی تو وہ غاصب ہو گیا اور اس نے غصب کے ساتھ منفعت حاصل کی اور غصب کے ساتھ اجرت واجب نہیں ہوتی۔ ''زیلعی''۔

29703۔ (قولہ: إِلَّا فِيمَا اسْتُثْنِيَ) ''المنح'' میں کہا: میں کہتا ہوں: یہاں جو ذکر کیا گیا ہے کہ اجرت واجب نہ ہوگی

كَمَا سَيَجِيءُ، قَيَّدَ بِزَرْعِ الْأَضَرِّ؛ لِأَنَّهُ بِالْأَقَلِّ ضَرَرًا لَا يَضْمَنُ وَيَجِبُ الْأَجْرُ (وَ) ضَمِنَ (بِخِيَاطَةِ قَبَاءٍ) وَ (أُمِرَ بِقَمِيصٍ قِيمَةَ ثَوْبِهِ، وَلَهُ) أَيْ لِصَاحِبِ الثَّوْبِ (أَخْذُ الْقَبَاءِ وَدَفْعُ أَجْرِ مِثْلِهِ) لَا يُجَاوِزُ الْمُسَمَّى كَمَا هُوَ حُكْمُ الْإِجَارَةِ الْفَاسِدَةِ (وَكَذَا إِذَا خَاطَهُ سَرَاوِيلَ) وَقَدْ أُمِرَ بِالْقَبَاءِ، فَإِنَّ الْحُكْمَ كَذَلِكَ فِي الْأَصَحِّ) فَتَقْيِيدُ الدُّرَرِ بِالْقَبَاءِ اتِّفَاقِيٌّ (وَ) ضَمِنَ (بِصَبْغِهِ أَصْفَرَ)

جس طرح عنقریب آئے گا زیادہ نقصان کی قید لگائی۔ کیونکہ جو کم نقصان دینے والی ہو اس کے ساتھ وہ ضامن نہیں ہوگا اور اجر واجب ہوگا۔ اسے قمیص سینے کا حکم دیا گیا تھا تو اس نے قبا سی دی تو وہ اس کے کپڑے کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ اور کپڑے کے مالک کو حق حاصل ہے کہ قبا لے لے اور اس کو اجرت مثلی دے جو معین اجرت سے زائد نہ ہو۔ جس طرح یہ اجارہ فاسدہ کا حکم ہے۔ اسی طرح جب وہ پاجامہ سی دے جب کہ اسے قبا کا حکم دیا گیا تھا۔ کیونکہ اصح قول کے مطابق حکم اسی طرح تھا۔ ''الدرر'' میں قبا کی قید لگانا اتفاقی ہے۔ اور وہ اسے زرد رنگ کرنے کی وجہ سے سفید کپڑے کی قیمت کا ضامن ہوگا

اور زمین میں جو نقص واقع ہوا ہے وہ واجب ہوگا یہ متقدمین مشائخ کا مذہب ہے۔ جہاں تک متاخرین کے مذہب کا تعلق ہے تو غاصب پر وقف کی زمین کے لیے، یتیم کے لیے اور جسے محاصل کے لیے تیار کیا گیا تھا جیسے سرائے وغیرہ تو ان کے لیے اجرت مثلی واجب ہوگی۔

29704۔ (قولہ: بِخِيَاطَةِ قَبَاءٍ) قمیص جب سامنے سے پھاڑی گئی ہو تو وہ قبا طاق ہے جب اس کی دونوں اطراف کو سیا جائے تو وہ قمیص ہوگی۔ قرطق سے یہی مراد ہے، ''زیلعی''، ملخص۔ ''اتقانی'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ قرطق میں ''ہدایہ'' میں یہ سماع ہے کہ طا پر فتح ہے اور ''مقدمۃ الادب'' میں ثقات سے سماع ضمہ کے ساتھ ہے دونوں کی دلیل ہے۔

29705۔ (قولہ: وَلَهُ أَخْذُ الْقَبَاءِ) یعنی ظاہر روایت میں یہ ہے کیونکہ من وجہ قبا قمیص ہے۔ کیونکہ ترک اسے قمیص کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ''حسن'' سے یہ مروی ہے: اسے قبا لینے کا اختیار نہیں بلکہ وہ کپڑا چھوڑ دے گا اور اس کی قیمت کی ضمانت لے گا۔

29706۔ (قولہ: وَدَفْعُ أَجْرِ مِثْلِهِ) کیونکہ اس نے عمل کو اس پر تبدیل کر دیا ہے پس اس پر اجرت کو تبدیل کر دیا جائے گا۔ جس طرح اس نے جولاہے پر رقیق کی شرط لگائی تھی تو وہ اسے گھنا بن کر لایا یا اس نے اس کے برعکس کیا۔ ''اتقانی''۔ آنے والے باب کے آخر میں آئے گا جب وہ دونوں مامور بہ میں اختلاف کریں۔

29707۔ (قولہ: فَإِنَّ الْحُكْمَ كَذَلِكَ) پس تخییر ہے کیونکہ اصل منفعت متحد ہے یعنی پردہ پوشی، سردی اور گرمی کو دور کرنا اور کیونکہ نفس خیاطت میں موافقت موجود ہے۔ ''زیلعی''۔

29708۔ (قولہ: فِي الْأَصَحِّ) ایک قول یہ کیا ہے: اختیار کے بغیر وہ ضامن ہوگا کیونکہ منفعت اور ہیئت میں تفاوت ہے۔

29709۔ (قولہ: فَتَقْيِيدُ الدُّرَرِ) یعنی اپنے اس قول کے ساتھ وبخیاطۃ قباء اس کی مثل عام متون میں ہے۔ یہ

وَقَدْ أُمِرَ بِأَحْمَرَ قِيمَةَ ثَوْبٍ أَبْيَضَ، وَإِنْ شَاءَ الْمَالِكُ (أَخَذَهُ وَأَعْطَاهُ مَا زَادَ الصَّبْغُ فِيهِ وَلَا أَجْرَ لَهُ، وَلَوْ صَبَغَ رَدِيئًا إِنْ لَمْ يَكُنِ الصَّبْغُ فَاحِشًا لَا يَضْمَنُ) الصَّبَّاغُ (وَإِنْ) كَانَ (فَاحِشًا) عِنْدَ أَهْلِ فَنِّهِ (يَضْمَنُ) قِيمَةَ ثَوْبٍ أَبْيَضَ خُلَاصَةٌ فُرُوعٌ قَالَ لِلْخَيَّاطِ اقْطَعْ طُولَهُ وَعَرْضَهُ وَكُمَّهُ كَذَا فَجَاءَ نَاقِصًا، إِنْ قَدْرَ أُصْبُعٍ وَنَحْوِهِ عَفْوٌ، وَإِنْ كَثُرَ ضَمِنَهُ قَالَ إِنْ كَفَانِي قَمِيصًا فَاقْطَعْهُ بِدِرْهَمٍ وَخِطْهُ فَقَطَعَهُ ثُمَّ قَالَ لَا يَكْفِيكَ ضَمِنَهُ،

جب کہ اسے سرخ رنگ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اگر کپڑے کا مالک چاہے تو وہ رنگا ہوا کپڑا لے لے اور اس نے اس کپڑے کی قدر و قیمت میں جو اضافہ کیا ہے وہ رنگریز کو دے دے جب کہ اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہوگا۔ اگر اس نے زرد رنگ سے رنگا اگر رنگ فاحش نہ ہو تو رنگریز ضامن نہ ہوگا۔ اگر وہ اس فن کے لوگوں کے ہاں فاحش ہو تو سفید کپڑے کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ ''خلاصہ''۔ فروع: اس نے خیاط سے کہا: اس کپڑے کو کاٹو اس کا طول، اس کا عرض اور اس کی آستین اتنی ہو تو وہ اسے ناقص صورت میں لایا اگر تو وہ انگلی وغیرہ کے برابر ہو تو یہ معاف ہے۔ اگر اس سے زائد ہو تو اس کا ضامن ہوگا۔ کہا: اگر یہ کپڑا میری قمیص کے لیے کافی ہو تو ایک درہم کے بدلے میں اسے کاٹو اور اسے سی دو اس درزی نے اسے کاٹا پھر کہا: تیرے لیے یہ کافی نہیں تو اس کا ضامن ہوگا۔

امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ کی اتباع ہے جو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے ''جامع صغیر'' میں ذکر کیے ہیں۔ لیکن اس کے بعد ''الہدایہ'' اور ''الملتقی'' میں اس قول کا اضافہ کیا: و کذا اذا خاطہ سراویل اس قول نے اس امر کا فائدہ دیا کہ قید اتفاقی ہے۔

29710۔ (قولہ: قِيمَةَ ثَوْبٍ أَبْيَضَ) یعنی اگر اس کے مالک نے اسے یہ دیا ہو تو حکم اسی طرح ہوگا۔

29711۔ (قولہ: لَا يَضْمَنُ) جو امر ظاہر ہے اس میں اس کے لیے معین اجر ہوگا۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: اس پر آنے والے قول کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے: اگر انگلی وغیرہ کی مقدار کا ہو تو یہ معاف ہے۔ لیکن ''بزازیہ'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے: ایک آدمی نے اسے زعفرانی رنگ کرنے اور خوب رنگ لگانے کا حکم دیا اور اس نے اس پر خوب رنگ نہ چڑھایا تو رنگریز اس کے کپڑے کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ یا مالک اس سے کپڑے لے لے گا اور اسے اجرت مثلی دے دے گا۔ اور وہ معین اجرت سے زائد نہیں ہوگا۔ تامل

29712۔ (قولہ: عِنْدَ أَهْلِ فَنِّهِ) یعنی اس کی صنعت کے لوگوں کے ہاں۔

29713۔ (قولہ: كَذَا) یہ ماقبل تینوں مسائل کی طرف راجع ہے۔

29714۔ (قولہ: عَفْوٌ) یعنی اس کے لیے اجر ہوگا جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔ کیونکہ تفاوت قلیل ہے اور اس سے بچنا مشکل ہے۔ زیادہ بہتر یہی ہے کہ یہ معاف ہے۔

29715۔ (قولہ: ضَمِنَهُ) کیونکہ یہ مقصود میں مخل ہے پس اسے اتلاف شمار کیا جائے گا'' ط''۔

29716۔ (قولہ: لَا يَضْمَنُ) کیونکہ اس نے مالک کی اجازت سے کپڑا کاٹا ہے۔ پہلی صورت میں مالک نے کاٹنے

وَلَوْ قَالَ أَيَكْفِينِي قَمِيصًا؟ فَقَالَ نَعَمْ فَقَالَ اقْطَعْهُ فَقَطَعَهُ ثُمَّ قَالَ لَا يَكْفِيكَ لَا يَضْمَنُ نَزَلَ الْجَمَّالُ فِي مَفَازَةٍ وَلَمْ يَرْتَحِلْ حَتَّى فَسَدَ الْمَالُ بِسَرِقَةٍ أَوْ مَطَرٍ ضَمِنَ لَوْ السَّرِقَةُ وَالْمَطَرُ غَالِبًا خُلَاصَةٌ وَفِي الْأَشْبَاهِ اسْتَعَانَ بِرَجُلٍ فِي السُّوقِ لِيَبِيعَ مَتَاعَهُ فَطَلَبَ مِنْهُ أَجْرًا فَالْعِبْرَةُ لِعَادَتِهِمْ، وَكَذَا لَوْ أَدْخَلَ رَجُلًا فِي حَانُوتِهِ لِيَعْمَلَ لَهُ وَفِي الدُّرَرِ دَفَعَ غُلَامَهُ أَوْ ابْنَهُ لِحَائِكٍ مُدَّةً كَذَا لِيُعَلِّمَهُ النَّسْجَ وَشَرَطَ عَلَيْهِ كُلَّ شَهْرٍ كَذَا جَازَ، وَلَوْ لَمْ يَشْتَرِطْ فَبَعْدَ التَّعْلِيمِ طَلَبَ كُلٌّ مِنَ الْمُعَلِّمِ وَالْمَوْلَى أَجْرًا مِنَ الْآخَرِ اُعْتُبِرَ عُرْفُ الْبَلْدَةِ فِي ذَلِكَ الْعَمَلِ وَفِيهَا اسْتَأْجَرَ دَابَّةً إِلَى مَوْضِعٍ فَجَاوَزَ بِهَا إِلَى آخَرَ ثُمَّ عَادَ إِلَى الْأَوَّلِ فَعَطِبَتْ

اگر اس نے کہا: کیا یہ کپڑا میری قمیص کے لیے کافی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ تو مالک نے کہا: اسے کاٹ دو تو درزی نے اسے کاٹ دیا پھر اس نے کہا: تیرے لیے کافی نہیں تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ ساربان جنگل میں اترا اور وہاں سے کوچ نہ کیا یہاں تک مال چوری کی وجہ سے یا بارش کی وجہ سے ضائع ہو گیا تو ضامن ہوگا اگر وہاں چوری اور بارش اکثر ہوتی ہو'' خلاصہ''۔ ''الاشباہ'' میں ہے: بازار میں ایک آدمی سے مدد لی تا کہ اس کا سامان بیچ دے تو اس آدمی نے مالک سے اجرت طلب کی تو اعتبار وہاں کے لوگوں کی عادت کا ہوگا۔ اسی طرح اگر اس نے ایک آدمی کو اپنی دکان میں داخل کیا تا کہ اس کے لیے عمل کرے۔ ''الدرر'' میں ہے: ایک آدمی نے اپنا غلام یا اپنا بیٹا کسی جولاہے کو مخصوص مدت کے لیے سپرد کیا تا کہ اسے کپڑا بننے کی تعلیم دے اور اس پر یہ شرط لگائی کہ ہر مہینہ کے اتنے ہوں گے تو یہ جائز ہے۔ اگر وہ شرط نہ لگائے تو تعلیم کے بعد معلم اور مولی میں سے ہر ایک دوسرے سے اجرت کا مطالبہ کرے تو اس عمل میں شہر کے عرف کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس میں ہے: ایک آدمی نے فلاں جگہ تک ایک جانور اجرت پر لیا اور اسے دوسری جگہ تک لے گیا پھر پہلی جگہ کی طرف لوٹ آیا تو وہ جانور ہلاک ہو گیا

کی اجازت دی تھی جب کہ کافی ہونے کی شرط لگائی تھی۔ اسی طرح اگر خیاط نے کہا: ہاں تو مالک نے کہا: اسے کاٹ دو یا اس نے کپڑا کاٹ دیا تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ اس نے اجازت کو شرط کے ساتھ معلق کیا تھا۔ ''فصولین''۔

اس میں ہے: اسے کپڑا دیا تا کہ وہ کپڑے کو سیے تو اس نے قمیص سی کر دی جو خراب تھی اس کے مالک کو اس کا علم ہوا اور اس نے اسے پہن لیا تو مالک کو ضمانت لینے کا حق نہیں۔ کیونکہ اس نے رضامندی سے لباس پہنا تھا اس سے کثیر مسائل کا علم ہوتا ہے۔

29717۔ (قولہ: فَالْعِبْرَةُ لِعَادَتِهِمْ) یعنی جس طرح بازار والوں کا معمول ہے۔ اگر وہ اجرت پر عمل کرتے ہوں تو اجرت مثلی واجب ہوگی ورنہ اجرت مثلی واجب نہ ہوگی۔

29718۔ (قولہ: اُعْتُبِرَ عُرْفُ الْبَلْدَةِ الخ) اگر عرف استاد کے حق میں گواہی دے تو اس تعلیم پر اجرت مثلی کا حکم لگایا جائے گا اگر وہ آقا کے حق میں تائید کرے تو استاد پر غلام کی اجرت مثلی لازم ہوگی۔ ''درر''۔

ضَمِنَ مُطْلَقًا فِي الْأَصَحِّ كَمَا فِي الْعَارِيَةِ وَهُوَ قَوْلُهُمَا وَإِلَيْهِ رَجَعَ الْإِمَامُ كَمَا فِي مَجْمَعِ الْفَتَاوَى وَفِيهِ خَوَّرَ الْمُكَارِي فَرَجَعَ وَأَعَادَ الْحِمْلَ لِمَحَلِّهِ الْأَوَّلِ لَا أَجْرَ لَهُ، وَيَنْبَغِي أَنْ يُجْبَرَ عَلَى الْإِعَادَةِ وَفِيهِ دَفَعَ إِبْرَيْسَمًا إِلَى صَبَّاغٍ لِيَصْبُغَهُ بِكَذَا ثُمَّ قَالَ لَا تَصْبُغْهُ وَرُدَّهُ عَلَيَّ فَلَمْ يَرُدَّهُ ثُمَّ هَلَكَ

تو اصح قول کے مطابق وہ مطلقاً ضامن ہوگا جس طرح ''عاریہ'' میں ہے۔ یہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کا قول ہے۔ امام صاحب نے اسی طرف رجوع کیا ہے جس طرح ''مجمع الفتاویٰ'' میں ہے۔ اس میں ہے: انہوں نے کرایہ پر کام کرنے والے کو ڈرایا پس وہ لوٹ آیا اور اس نے سامان پہلی جگہ تک پہنچا دیا تو اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہوگا۔ پس چاہیے کہ اسے دوبارہ لوٹانے پر مجبور کیا جائے۔ اس میں ہے: ایک آدمی نے ریشم رنگریز کو دے دیا تا کہ اسے اتنے کے بدلے میں رنگ کر دے پھر اس نے کہا: اسے رنگ نہ کرنا اور اسے مجھ پر لوٹا دینا اس نے ریشم واپس نہ کیا پھر وہ ریشم ہلاک ہو گیا

29719۔ (قولہ: مُطْلَقًا فِي الْأَصَحِّ) یعنی اس جانور کو اجرت پر لیا صرف جانے پر یا جانے اور آنے پر۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حکم اس وقت ہے جب وہ اسے صرف جانے پر اجرت پر لے تا کہ پہنچنے کے ساتھ عقد ختم ہو جائے۔

29720۔ (قولہ: كَمَا فِي الْعَارِيَةِ) مودع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اسے قصداً حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ پس لوٹ آنے کے بعد امر اپنی جگہ پر رہے گا اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اجارہ اور اعارہ میں استعمال کی تبع میں اس کا حکم ہے۔ جب استعمال ختم ہو جائے گا تو وہ نائب باقی نہیں رہے گا۔ ''ہدایہ''۔

29721۔ (قولہ: لَا أَجْرَ لَهُ) کیونکہ اس نے عمل میں نقص پیدا کیا ہے۔ اس قول کا ظاہر یہ ہے کہ اس نے جس قدر اجرت کا سوال کیا ہے اس کے لیے اجرت نہ ہوگی۔ اس پر وہ کلام بھی دلالت کرتی ہے جو ان کے قول: استاجرہ لا یصال قط او زاد کے ہاں گزر چکی ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

لوگوں نے اسے چوروں سے ڈرایا اور وہ واپس نہ لوٹا

یہ امر باقی رہ گیا ہے اگر لوگوں نے اسے خوفزدہ کیا اور وہ نہ لوٹا کیا وہ ضامن ہوگا؟ ''بزازیہ'' میں کہا: ایک آدمی نے اسے ایک جگہ تک سامان پہنچانے کے لیے اجرت پر لیا تو اسے راستہ میں بتایا گیا کہ چور ہیں پس وہ اس کے باوجود اس راستہ پر چلا اور اس خبر کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ چوروں نے اس کا مال لے لیا اگر یہ خبر سننے کے باوجود لوگ اس راستہ پر چلے تھے تو وہ آدمی ضامن نہیں ہوگا ورنہ ضامن ہوگا۔

29722۔ (قولہ: وَيَنْبَغِي أَنْ يُجْبَرَ عَلَى الْإِعَادَةِ) اسے مجبور اس لیے کیا جائے گا کیونکہ عقد باقی ہے۔ اس پر وہ کلام دلالت کرتی ہے جو گزر چکی ہے کہ درزی اگر کپڑے کو ادھیڑ دے تو اسے دوبارہ سینے پر مجبور کیا جائے گا۔ اگر کسی اور نے اسے پھاڑا تو اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔ اسی کی مثل وہ ہے جو ''طوری'' میں ہے۔ اور ''محیط'' سے مروی ہے: ایک آدمی نے کشتی لوٹائی تو ملاح کے لیے کوئی اجرت نہیں۔ اس پر یہ لازم نہیں کہ وہ انسان اسے لوٹائے اگر ملاح اسے لوٹائے تو اس پر لوٹانا لازم ہے۔

لَا ضَمَانَ وَفِيهِ سُئِلَ ظَهِيرُ الدِّينِ عَمَّنِ اسْتَأْجَرَ رَجُلًا لِيَعْمَلَ لَهُ فِي الضَّيْعَةِ فَلَمَّا خَرَجَ نَزَلَ الْمَطَرُ فَامْتَنَعَ بِسَبَبِهِ هَلْ لَهُ الْأَجْرُ؟ قَالَ لَا اسْتَأْجَرَ دَابَّةً لِيُحَمِّلَهَا كَذَا فَمَرِضَتْ دُونَهُ هَلْ لِلْمُسْتَكْرِي الرُّجُوعُ بِحِصَّتِهِ؟ قَالَ لَا؛ لِأَنَّهُ رَضِيَ بِذَلِكَ اسْتَأْجَرَ رَحًى فَمَنَعَهُ الْجِيرَانُ عَنِ الطَّحْنِ لِتَوْهِينِ الْبِنَاءِ وَحَكَمَ الْقَاضِي بِمَنْعِهِ هَلْ تَسْقُطُ حِصَّتُهُ مُدَّةَ الْمَنْعِ؟ قَالَ لَا مَا لَمْ يُمْنَعْ حِسًّا مِنَ الطَّحْنِ اسْتَأْجَرَ حَمَّامًا سَنَةً فَغَرِقَ مُدَّةً هَلْ يَجِبُ كُلُّ الْأَجْرِ؟ قَالَ إِنَّمَا يَجِبُ بِقَدْرِ مَا كَانَ مُنْتَفِعًا بِهِ وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ

تو اس پر ضمانت نہ ہوگی۔ اس میں ہے: ''ظہیر الدین'' سے ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے ایک آدمی اجرت پر لیا تا کہ وہ اس کی جاگیر میں کام کرے جب وہ مزدور نکلا تو بارش برس پڑی تو بارش کے باعث وہ کام سے رک گیا کیا اس مزدور کے لیے اجرت ہے؟ فرمایا: نہیں۔ ایک آدمی نے ایک جانور اجرت پر لیا تا کہ اس پر اتنا بوجھ لادے وہ سواری بیمار ہو گئی اس نے جانور پر کم سامان لادا کیا کرایہ پر لینے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنا حصہ واپس لے فرمایا: نہیں کیونکہ وہ اس پر راضی ہے۔ ایک آدمی نے چکی اجرت پر لی تو پڑوسیوں نے اسے آٹا پینے سے روک دیا کیونکہ یہ عمل عمارت کو کمزور کر دیتا ہے اور قاضی نے اسے آٹا پینے سے منع کر دیا کیا روکنے کی مدت میں اس کا حصہ ساقط ہو جائے گا؟ کہا: نہیں جب تک وہ آٹا پینے سے حساً نہ روکیں۔ ایک آدمی نے ایک سال کے لیے حمام اجرت پر لیا وہ حمام ایک مدت تک پانی میں غرق رہا کیا تمام اجر لازم ہوگا؟ کہا: اتنا اجر واجب ہوگا جس قدر اس نے نفع اٹھایا تھا۔ ''وہبانیہ'' میں ہے:

29723۔ (قولہ: لَا ضَمَانَ) کیونکہ وہ اکیلے ساتھی کی رضامندی کے بغیر اجارہ فسخ کرنے پر قادر نہیں مگر عذر کے ساتھ ایسا کر سکتا ہے۔ پس نہی کے بعد عقد کا حکم رہے گا۔ اس کے حکم میں سے یہ ہے عین مزدور کے پاس امانت ہوتا ہے پس جب تک وہ کوتاہی نہ کرے ضامن نہیں ہوگا۔ اس کی مکمل بحث ''جامع الفصولین'' میں ہے۔

29724۔ (قولہ: لَا) عنقریب یہ آئے گا: ایک آدمی کا مزدور اجرت کا مستحق ہوگا اگرچہ وہ عمل نہ کرے۔ لیکن ''بزازیہ'' میں ہے: وہ عمل کے بغیر اجرت کا مستحق ہوگا لیکن اگر وہ عذر کی وجہ سے عمل نہ کرے جیسے بارش وغیرہ تو اجرت لازم نہ ہوگی۔ ''سائحانی''۔

29725۔ (قولہ: لِيُحَمِّلَهَا كَذَا فَمَرِضَتْ دُونَهُ) اگر وہ جانور چلنے سے عاجز آ گیا متاجر نے اسے چھوڑ دیا اور وہ جانور ضائع ہو گیا قاضی نے عدم ضمان کا فتویٰ دیا ہے۔ ''بزازیہ''۔

29726۔ (قولہ: مَا لَمْ يُمْنَعْ حِسًّا مِنَ الطَّحْنِ) اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ مراد ہے کہ وہ اس آدمی اور اسے گھمانے میں حائل ہو جائے پس وہ آٹا پینے پر قادر نہ ہوا۔ ''ط''۔

29727۔ (قولہ: فَغَرِقَ مُدَّةً) یعنی وہ یوں ہو گیا کہ اس سے اس طرح نفع حاصل نہیں کیا جا سکتا جیسا انتفاع اس کی مثل سے کیا جا سکتا ہے۔ ''بزازیہ''۔

وَيَسْقُطُ فِي وَقْتِ الْعِمَارَةِ مِثْلُ مَا لَوْ انْهَدَمَ بَعْضُ الدَّارِ فَالْهَدْمُ يُحْزَرُ وَخَالَفَ.........

اور تعمیر کے وقت اس کی مثل ساقط ہو جائے گا اگر بعض گھر گر جائے پس گرنے والے حصہ کا تخمینہ کیا جائے گا۔ عمارت

29728۔ (قولہ: وَيَسْقُطُ) اگر تمام گھر گر گیا تو مستاجر سے تعمیر کرنے کے عرصہ کی تمام اجرت ساقط ہو جائے گی'' ح''۔

29729۔ (قولہ: مِثْلَ مَا) مثل کا لفظ نصب کے ساتھ ہے۔ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے تقدیر کلام یہ ہوگی: سقوطا مماثلا لسقطه، یعنی اگر بعض گھر گر جائے تو بعض اجرت ساقط ہوگی۔

گھر کی گری ہوئی دیوار جو رہائش رکھنے میں مضر نہ ہو سے اجارہ فسخ نہیں ہوگا

29730۔ (قولہ: فَالْهَدْمُ يُحْزَرُ) یہاں زا، را پر مقدم ہے یعنی اندازہ اور تخمینہ لگا کر منہدم ہونے والے حصہ کی اجرت کو معلوم کیا جائے گا۔ اور وہ ساقط ہو جائے گا۔ اسی کی مثل ''بزازیہ'' میں ہے۔ لیکن ''ابن شحنہ'' نے کہا: ظاہر روایت یہ ہے کہ اجرت میں سے کوئی شے ساقط نہ ہوگی جب اس کا ایک کمرہ گر جائے یا دیوار گر جائے۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب موجر کوئی ایک کمرہ مشغول رکھے۔ کیونکہ یہ اس کے فعل میں سے ہے پس اس کے حساب سے اجرت ساقط ہو جائے گی۔ ملخص۔ اس کی مثل ''سائحانی'' نے ''مقدسی'' سے نقل کیا ہے۔ ''بزازیہ'' میں یہ ذکر کیا ہے: جب گھر کی ایک دیوار گر جائے اگر وہ رہائش رکھنے میں مضر نہ ہو تو اسے اجارہ فسخ کرنے کا حق نہیں ہوگا اگر ضرر کا باعث ہو تو اسے فسخ کرنے کا حق ہوگا۔ جب وہ اسے فسخ نہ کرے تو اس پر مسمی لازم ہو جائے گا۔

اگر گھر کا مالک مستاجر کو گھر کی کوئی چیز تعمیر کرنے کا کہے تو اس کا حکم

29731۔ (قولہ: وَخَالَفَ) یہ فعل ماضی کا صیغہ ہے آمر اس کا فاعل ہے اور مفعول محذوف ہے۔ یعنی خالف المستاجر۔ اس کی صورت یہ ہے گھر کے مالک نے اسے کوئی چیز تعمیر کرنے کا حکم دیا تاکہ اجرت میں سے اس کا حساب کرے۔ پس دونوں تعمیر پر متفق ہو گئے اور نفقہ کی مقدار میں دونوں نے اختلاف کیا تو قول قسم کے ساتھ گھر کے مالک کا ہوگا۔ کیونکہ وہ زیادتی کا انکار کرنے والا ہے۔ علماء نے کہا: یہ حکم اس وقت ہے جب صورت حال اشکال پیدا کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس صنعت کے لوگ اختلاف کریں۔ مگر جب وہ دونوں میں سے ایک کے قول پر اتفاق کر لیں کہ اس جیسی تعمیر میں اتنا مال صرف ہو جاتا ہے جو ان دونوں میں سے ایک کہتا ہے تو قول اس کا معتبر ہوگا اور دونوں کے قول کی طرف التفات نہیں کی جائے گی'' ذخیرہ''، مخلص۔ اسی کی مثل ''تاتر خانیہ'' اور ''بزازیہ'' میں ہے۔ ''رملی'' نے اس کا فتویٰ دیا ہے اس کی تصدیق کا حیلہ ہے کہ وہ اجرت میں سے کچھ مقدار پہلے دے دے اور موجر اس پر قبضہ کر لے پھر اس کو اس مال کے خرچ کرنے کا حکم دے دے پس قول مستاجر کا معتبر ہوگا۔ کیونکہ وہ رہن ہے جس طرح ''المحبیۃ'' میں اسے نظم کیا ہے۔

............فِي قَدْرِ الْعِمَارَةِ آمِرٌ يُقَدَّمُ فِيهَا قَوْلُهُ لَا الْمُعَمِّرُ

قُلْتُ وَمَفَادُهُ رُجُوعُ الْمُسْتَأْجِرِ بِمَا ثَبَتَ عَلَى الْمُؤَجِّرِ بِمُجَرَّدِ الْأَمْرِ، يَعْنِي إِلَّا فِي تَنُّورٍ وَبَالُوعَةٍ فَلَا بُدَّ مِنْ شَرْطِ الرُّجُوعِ عَلَيْهِ، وَلَوْ خَرِبَتْ الدَّارُ سَقَطَ كُلُّ الْأَجْرِ، وَلَا تَنْفَسِخُ بِهِ مَا لَمْ يَفْسَخْهَا الْمُسْتَأْجِرُ بِحَضْرَةِ الْمُؤَجِّرِ هُوَ الْأَصَحُّ،

کی مقدار میں آمر نے مخالفت کی تو اس میں آمر کا قول مقدم ہوگا تعمیر کرنے والے کا قول مقدم نہیں کیا جائے گا''۔ میں کہتا ہوں: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ متاجر محض امر کی وجہ سے اس چیز کا مطالبہ کرسکتا ہے جو موجر پر ثابت ہوا مگر تنور اور گندے پانی کی نالی اس میں رجوع کی شرط ضروری ہوگی اگر گھر کھنڈر بن جائے تو مکمل اجر ساقط ہو جائے گا۔ اور اس کے ساتھ اجارہ منسوخ نہیں ہوگا جب تک متاجر موجر کی موجودگی میں اس کو فسخ نہ کرے۔ یہی قول اصح ہے

29732۔(قولہ: فِي قَدْرِ الْعِمَارَةِ) یعنی خرچ کی مقدار میں۔

29733۔(قولہ: قُلْتُ) بحث ''شرنبلالی'' کی ہے۔''ح''۔

29734۔(قولہ: وَمَفَادُهُ) یعنی اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ آمر کی نظم رجوع کی قید سے مطلق ہے۔ فافہم

29735۔(قولہ: بِمُجَرَّدِ الْأَمْرِ) یعنی اگر وہ یہ نہ کہے کہ تو مجھ پر اس چیز کو لوٹائے گا۔ یہی قول صحیح ہے۔''خانیہ''۔ ''ابن شحنہ'' نے اسے ''القنیہ'' سے نقل کیا ہے۔

29736۔(قولہ: إِلَّا فِي تَنُّورٍ وَبَالُوعَةٍ الخ) کیونکہ دونوں سے مقصود متاجر کا نفع ہے۔

29737۔(قولہ: وَلَوْ خَرِبَتْ الدَّارُ الخ) یہ پہلے شعر کے پہلے حصہ کے ساتھ تکرار ہے ساتھ ہی ہم نے اسے بیان کر دیا ہے۔''ح''۔

29738۔(قولہ: بِحَضْرَةِ الْمُؤَجِّرِ) اس میں ''شرنبلالی'' کی پیروی کی ہے جب کہ انہوں نے ''الملتقی'' پر اپنی شرح میں وضاحت سے کہا جب کہ ''صغریٰ'' کی عبارت نقل کر رہے تھے۔ دیوار گر جائے یا گھر کا ایک کمرہ گر جائے تو موجر کی موجودگی میں اسے فسخ کر دے گا۔ جب سارا گھر گر جائے تو موجر کی عدم موجودگی میں اجارہ فسخ کر دے گا۔ اور اجارہ اس وقت تک منسوخ نہیں ہوگا جب تک وہ اسے فسخ نہ کرے۔ یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ گھر اس امر کی صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ فسطاط نصب کر دے۔ لیکن اجرت ساقط ہو جائے گی وہ اجارہ کو فسخ کرے یا فسخ نہ کرے۔ کیونکہ جس کا اس نے قصد کیا تھا وہ اس پر قادر نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ اس امر میں صریح ہے کہ تمام عمارت گر جائے اور بعض گر جائے تو فرق کیا جائے گا۔ پس یہ مخل اور غیر مخل کی طرف راجع ہوگا۔ غیر مخل میں اصلاً خیار نہیں ہوگا جیسے کئی دفعہ گزر چکا ہے پس اس میں تدبر کیجئے، ملخص۔ شارح نے اس کے ساتھ ''قہستانی'' کا رد کیا ہے۔ کیونکہ ''قہستانی'' نے حاضر ہونے کی شرط نہ ہونے کو مطلق ذکر کیا ہے یہاں اس کے شرط ہونے کو مطلق ذکر کیا ہے انہوں نے جو نقل کیا ہے اس میں یہاں اس کے اطلاق پر بھی رد ہے، ''خانیہ'' وغیرہ میں بھی تفصیل کی تصریح

وَإِذَا بُنِيَتْ لَا خِيَارَ لَهُ، وَفِي سُكْنَى عَرْصَتِهَا لَا يَجِبُ الْأَجْرُ قَالَهُ ابْنُ الشِّحْنَةِ قُلْتُ وَفِي نَفْيِهِ نَظَرٌ، وَلَعَلَّهُ أُرِيدَ الْمُسَمَّى، أَمَّا أُجْرَةُ الْمِثْلِ أَوْ حِصَّةُ الْعَرْصَةِ فَلَا مَانِعَ مِنْ لُزُومِهَا فَتَأَمَّلْهُ، وَسَيَجِيءُ فِي فَسْخِهَا مَا يُفِيدُهُ فَتَنَبَّهْ، وَاللهُ تَعَالَى أَعْلَمُ اسْتَأْجَرَ حَمَّامًا وَشَرَطَ حَطَّ أُجْرَةِ شَهْرَيْنِ لِلْعُطْلَةِ،

جب وہ تعمیر کر دیا جائے تو کوئی خیار نہیں ہوگا اور سفید ہ زمین رہائش رکھنے سے کوئی اجرت واجب نہ ہوگی۔ یہ قول ''ابن شحنہ'' کا ہے۔ میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ شاید اس سے مسمی کا ارادہ کیا ہو۔ جہاں تک اجرت مثلی یا سفید ہ زمین کے حصہ کا تعلق ہے تو اس کے لازم ہونے میں کوئی مانع نہیں۔ پس اس میں غور وفکر کیجئے۔ فسخ اجارہ میں وہ قول آئے گا جو اس کا فائدہ دیتا ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ایک آدمی نے حمام اجرت پر لیا اور یہ شرط لگائی کہ معطل ہونے کی وجہ سے دو ماہ کی اجرت نہ ہوگی

کی ہے۔ ''القنیہ'' میں ہے: اس کا بعض منہدم ہو گیا اور موجر غائب ہے یا بناوٹی مریض ہے وہ قاضی کی مجلس میں حاضر نہیں ہوتا قاضی اس کی جانب سے وکیل بنائے گا اور عقد کو فسخ کر دے گا۔ باب الفسخ میں اس پر مفصل گفتگو آئے گی اور قضا اور رضا کے شرط ہونے میں مکمل گفتگو آئے گی۔

29739۔(قولہ: وَإِذَا بُنِيَتْ لَا خِيَارَ لَهُ) کیونکہ فسخ سے پہلے اس کا سبب زائل ہو چکا ہے۔ ظاہر یہ ہے: اگر وہ اسی طرح بنائے جس طرح وہ پہلے تھی ورنہ اسے فسخ کرنے کا حق ہوگا۔ پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔

29740۔(قولہ: قَالَهُ ابْنُ الشِّحْنَةِ) ''ہندیہ'' میں ''محیط سرخسی'' سے اس کی مثل واقع ہے۔ ''ط''۔

29741۔(قولہ: قُلْتُ) بحث ''شرنبلالی'' کی ہے۔ ''ح''۔

29742۔(قولہ: أَمَّا أُجْرَةُ الْمِثْلِ) یعنی سفید ہ زمین کی مثل۔

29743۔(قولہ: أَوْ حِصَّةُ الْعَرْصَةِ) یعنی معین اجرت میں سے۔ ''ط''۔

29744۔(قولہ: مَا يُفِيدُهُ) وہ یہ قول ہے: ''التبیین'' میں ہے: اگر چکی کا پانی منقطع ہو جائے اور کمرہ ایسا ہے جس سے آٹا پیسنے کے علاوہ سے نفع حاصل کیا جا سکتا ہے۔ تو اس پر اس کے حصہ کے مطابق اجرت ہو گی۔ کیونکہ معقود علیہ باقی ہے جب وہ فائدہ اٹھالے تو اس کا حصہ اس پر لازم ہوگا۔ ''ح''۔

میں کہتا ہوں: ہم باب الفسخ میں عنقریب اس کا ذکر کریں گے جو اس کے اس امر کے ساتھ مقید ہونے کا فائدہ دے گا جب سکنی کی منفعت معقود علیہا ہو ساتھ ہی آٹا پیسنے کی منفعت ہو۔ اس کے ساتھ ''التبیین'' کا قول معقود علیہ کے باقی رہنے کا شعور دلاتا ہے اس وقت شبہ استشہاد مکمل نہ ہو گا، تامل۔ ہم نے پہلے جو ''شرح الملتقی'' سے قول نقل کیا ہے کہ جس کا قصد کیا تھا اس کی قدرت نہیں وہ بھی اس کا فائدہ دیتا ہے۔ اور اجر کے اصلا لازم نہ ہونے کا فائدہ دیتا ہے شاید اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

29745۔ (قولہ: لِلْعُطْلَةِ) یہ لفظ عین کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ یہ تعطل سے اسم ہے یعنی عمل کے بغیر باقی رہا۔

فَإِنْ شَرَطَ حَطَّهُ قَدْرَ الْعُطْلَةِ صَحَّ بَزَّازِيَّةٌ أُجْرَةُ السِّجْنِ وَالسَّجَّانِ فِي زَمَانِنَا يَجِبُ أَنْ تَكُونَ عَلَى رَبِّ الدَّيْنِ خِزَانَةُ الْفَتَاوَى انْقَضَتْ مُدَّةُ الْإِجَارَةِ وَرَبُّ الدَّارِ غَائِبٌ فَسَكَنَ الْمُسْتَأْجِرُ بَعْدَ ذَلِكَ سَنَةً لَا يَلْزَمُهُ الْكِرَاءُ لِهَذِهِ السَّنَةِ؛ لِأَنَّهُ لَمْ يَسْكُنْهَا عَلَى وَجْهِ الْإِجَارَةِ، وَكَذَلِكَ لَوْ انْقَضَتْ الْمُدَّةُ وَالْمُسْتَأْجِرُ غَائِبٌ وَالدَّارُ فِي يَدِ امْرَأَتِهِ؛ لِأَنَّ الْمَرْأَةَ لَمْ تَسْكُنْهَا بِأُجْرَةٍ

اگر تعطل کی مقدار اجرت کے ختم کرنے کی شرط لگائی تو یہ امر صحیح ہوگا ''بزازیہ''۔ ہمارے زمانہ میں سجن اور سجان کی اجرت دین کے مالک پر ہوگی ''خزانۃ الفتاویٰ''۔ اجارہ کی مدت ختم ہوگئی اور گھر کا مالک غائب ہے مستاجر اس کے بعد ایک سال تک رہا تو اس سال کا کرایہ اس پر لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ اجارہ کے طریقہ پر اس میں ساکن نہیں رہا۔ اسی طرح اگر مدت ختم ہو گئی اور مستاجر غائب تھا اور گھر اس کی بیوی کے قبضہ میں تھا کیونکہ عورت اس میں اجرت کے ساتھ نہیں رہی۔

''قاموس''۔ مراد یہ ہے کہ اجارہ فاسد نہ ہوگا۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ اس کی تصریح کی جاتی جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔ لیکن اس کا علم اس کے مقابل سے ہو جاتا ہے۔ فساد کی وجہ یہ ہے کہ عقد کا مقتضا یہ ہے کہ معطل ہونے کے عرصہ میں اجرت لازم نہ ہو مدت تھوڑی ہو یا زیادہ ہو جس طرح ''ذخیرہ'' میں ہے۔ پس دو ماہ کے حصہ کی قید لگانا یہ ان چیزوں میں سے ہے عقد جن کا تقاضا نہیں کرتا۔ اس کی مقدار کے مطابق کمی کرنے کی شرط لگانے کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ اس کی مثل ہے اگر وہ مشکیزہ میں تیل خریدے اور چند رطل کمی کی شرط لگائے وجہ مشکیزہ ہو تو یہ عقد فاسد ہو جائے گا۔ مشکیزہ کی مقدار کے برابر کمی کرنے کا معاملہ مختلف ہے۔

29746۔ (قولہ: أُجْرَةُ السِّجْنِ) ظاہر یہ ہے کہ یہ اس میں مفروض ہے اگر وہ کسی کا مملوک ہو اگر وہ بیت المال سے بنایا گیا ہو یا فی سبیل اللہ مختص کیا گیا ہو تو اس پر کوئی اجرت نہیں۔ تامل

29747۔ (قولہ: فِي زَمَانِنَا) شاید اس کی وجہ بیت المال کی جانب سے انتظام نہ ہونا ہے اگر انتظام ہو تو قید خانہ اور داروغہ کی اجرت اس کی جانب سے ہوگی۔ تامل

29748۔ (قولہ: عَلَى رَبِّ الدَّيْنِ) کیونکہ دین کے مالک کے لیے اسے محبوس کیا گیا ہے۔ علماء نے اس میں کوئی فرق نہیں کیا کہ مقروض ٹال مٹول کرنے والا ہو یا ٹال مٹول کرنے والا نہ ہو ''ط''۔

میں کہتا ہوں: شارح نے کتاب السرقہ میں یہ ذکر کیا ہے کہ خصومت کے لیے حاضر کرنے والی کی اجرت بیت المال میں سے ہوگی ایک قول یہ کیا گیا اجرت سرکشوں پر ہوگی۔ ''الخانیہ'' کے کتاب القضاء میں ہے: یہی صحیح ہے۔ لیکن ''بزازیہ'' کے کتاب القضاء میں ہے: ایک قول یہ کیا گیا: یہ مدعی کے ذمہ ہوگی یہی قول اصح ہے۔

29749۔ (قولہ: لَا يَلْزَمُهُ الْكِرَاءُ لِهَذِهِ السَّنَةِ الخ) باب الفسخ کے آواخر میں ''الخانیہ'' سے عنقریب آئے گا۔ ایک آدمی نے گھر یا حمام ایک ماہ کے لیے اجرت پر لیا تو اس میں دو ماہ کے لیے ٹھہرا تو اس پر دوسرے ماہ کی اجرت لازم ہوگی اگر وہ محاصل و منافع کے لیے تیار کیا گیا ہو ورنہ نہیں۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اس کی مکمل بحث آگے آئے گی۔

آجَرَ دَارَهُ كُلَّ شَهْرٍ بِكَذَا فَلِكُلٍّ الْفَسْخُ عِنْدَ تَمَامِ الشَّهْرِ، فَلَوْ غَابَ الْمُسْتَأْجِرُ قَبْلَ تَمَامِ الشَّهْرِ وَتَرَكَ زَوْجَتَهُ وَمَتَاعَهُ فِيهَا لَمْ يَكُنْ لِلْآجِرِ الْفَسْخُ مَعَ الْمَرْأَةِ؛ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِخَصْمٍ، وَالْحِيلَةُ إجَارَتُهَا لِآخَرَ قَبْلَ تَمَامِ الشَّهْرِ، فَإِذَا تَمَّ تَنْفَسِخُ الْأُولَى فَتَنْفُذُ الثَّانِيَةُ فَتَخْرُجُ مِنْهَا الْمَرْأَةُ وَتُسَلَّمُ لِلثَّانِي خَانِيَّةٌ

ایک آدمی نے اپنا گھر اجرت پر دیا ہر ماہ اتنے کے عوض ہوگا جب مہینہ مکمل ہوگا تو اجارہ فسخ ہو جائے گا۔ اگر مستاجر مہینہ مکمل ہونے سے قبل غائب ہو جائے اور وہ اپنی بیوی اور سامان اس میں چھوڑ جائے تو آجر کو یہ حق حاصل نہیں کہ عورت کے ساتھ اجارہ کو منسوخ کر دے کیونکہ وہ خصم نہیں۔ اس کا حیلہ یہ ہے کہ مہینہ مکمل ہونے سے پہلے وہ گھر کسی اور کو اجارہ پر دے جب مہینہ مکمل ہو جائے گا تو پہلا اجارہ منسوخ ہو جائے گا اور دوسرا نافذ ہو جائے گا پس عورت اس سے نکل جائے گی اور دوسرا اسے قبضہ میں لے لے گا ''خانیہ''۔

29750۔(قولہ: آجَرَ الخ) مصنف اس مسئلہ کو آنے والے باب میں متن میں ذکر کریں گے۔

29751۔(قولہ: فَلِكُلٍّ الْفَسْخُ الخ) کیونکہ پہلا مہینہ صحیح ہے اور اس کا مابعد فاسد ہے یا پہلا نافذ ہے اور اس کا مابعد زمانہ کی طرف مضاف ہے اس کے لزوم میں اختلاف ہے جس طرح گزر چکا ہے اور آگے آئے گا پھر فسخ اس کے صاحب کی موجودگی میں ہوگا ورنہ فسخ صحیح نہیں ہوگا۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ متفق علیہ ہے جس طرح ''طحطاوی'' میں ''ہندیہ'' سے مروی ہے۔

29752۔(قولہ: لِأَنَّهَا لَيْسَتْ بِخَصْمٍ) کیونکہ خصم کا حاضر ہونا شرط ہے جس طرح گزر چکا ہے۔

29753۔(قولہ: فَتَنْفُذُ الثَّانِيَةُ) یعنی اس کے عقد کا اثر ظاہر ہوگا ورنہ پہلا عقد صحیح ہوگا ''ط''۔ واللہ اعلم

بَابُ الْإِجَارَةِ الْفَاسِدَةِ

(الْفَاسِدُ) مِنَ الْعُقُودِ (مَا كَانَ مَشْرُوعًا بِأَصْلِهِ دُونَ وَصْفِهِ، وَالْبَاطِلُ مَا لَيْسَ مَشْرُوعًا أَصْلًا) لَا بِأَصْلِهِ وَلَا بِوَصْفِهِ (وَحُكْمُ الْأَوَّلِ) وَهُوَ الْفَاسِدُ (وُجُوبُ أَجْرِ الْمِثْلِ

اجارہ فاسدہ کے احکام

عقد میں سے فاسد عقد وہ ہوتا ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے مشروع ہو وصف کے اعتبار سے مشروع نہ ہو۔ باطل اسے کہتے ہیں جو اصلاً مشروع نہ ہو نہ اپنی اصل کے اعتبار سے اور نہ ہی وصف کے اعتبار سے۔ پہلی قسم جو فاسد ہے اس کا حکم یہ ہے: استعمال کی صورت میں اجرت مثلی واجب ہوتی ہے

اجارہ فاسدہ کو اجارہ صحیحہ کے پیچھے لانا یہ کسی معذرت کا محتاج نہیں کیونکہ یہ اپنے محل میں واقع ہے۔ ''منح''۔

عبادت فاسدہ اور باطلہ میں کوئی فرق نہیں

29754۔(قولہ: مِنَ الْعُقُودِ) یہ عبادات سے احتراز ہے کیونکہ عبادت فاسدہ اور عبادت باطلہ میں کوئی فرق نہیں۔

29755۔(قولہ: دُونَ وَصْفِهِ) اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو جہالت لاحق ہو یا ایسی شرط ہو عقد جس کا تقاضا نہیں کرتا یہاں تک کہ اگر عقد اس سے خالی ہو، تو عقد صحیح ہوتا۔ ''ط''۔

29756۔(قولہ: وَالْبَاطِلُ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ مردار یا خون کے عوض اجرت پر لے یا خوشبو اجرت پر لے تا کہ اسے سونگھے یا بکری اجرت پر لے تا کہ اس کا ریوڑ اس کے پیچھے چلے یا نر اجرت پر لے تا کہ جفتی کرائے یا کوئی آدمی اجرت پر لے جو اس کے لیے پتھر تراشے۔ ''ط''۔

29757۔(قولہ: وَلَا بِوَصْفِهِ) کیونکہ جب اصل باطل ہو گیا تو وصف اس کے تابع ہو گا۔

اجارہ فاسدہ کا حکم

29758۔(قولہ: وُجُوبُ أَجْرِ الْمِثْلِ) یعنی اس شخص کی اجرت جو اس عمل میں اس کی مماثل ہو اس میں اعتبار اجارہ پر لینے کا زمانہ اور مکان ہوگا۔ یہ اجرت مثلی دراہم اور دنانیر کی جنس سے ہو نہ کہ مسمی کی جنس سے ہو اگر وہ مسمی دراہم اور دنانیر کے علاوہ سے ہو۔ اگر اجرت مثلی لوگوں کے درمیان مختلف ہو تو پھر درمیانی اجرت ہوگی۔ اجرت پاکیزہ ہوگی اگرچہ سبب حرام ہو جس طرح ''المنیہ'' میں ہے، ''قہستانی''۔ ''المنح'' میں منقول ہے کہ شمس الائمہ ''حلوانی'' نے کہا: اجرت فاسدہ میں اجرت پاکیزہ ہوگی جب وہ اجرت مثلی ہو۔ اس مسئلہ میں دو قول ذکر کیے گئے ہیں ان دونوں میں سے ایک اصح ہے۔ پس صحیح نسخہ کی طرف رجوع کیجئے۔

بِالِاسْتِعْمَالِ) لَوْ الْمُسَمَّى مَعْلُومًا ابْنُ كَمَالٍ (بِخِلَافِ الثَّانِي) وَهُوَ الْبَاطِلُ فَإِنَّهُ لَا أَجْرَ فِيهِ بِالِاسْتِعْمَالِ حَقَائِقُ
اگر چہ مسمی معلوم ہو۔ ''ابن کمال''۔ دوسری قسم جو باطل ہے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کے استعمال میں کوئی اجرت مثلی نہیں۔ ''حقائق''۔

''غرر الافکار'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے: بدکارہ جو اجرت لیتی ہے اگر وہ عقد اجارہ کے طریقہ پر ہو تو وہ امام ''ابو حنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حلال ہے۔ کیونکہ اجارہ فاسدہ میں اجرت مثلی پاکیزہ ہوتی ہے اگر چہ کمائی حرام ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک یہ حرام ہے۔ اگر عقد کے بغیر ہو تو بالاتفاق حرام ہے۔ کیونکہ اس عورت نے بغیر حق کے اسے لیا ہے۔

29759۔ (قولہ: بِالِاسْتِعْمَالِ) یعنی حقیقت میں منفعت کو حاصل کیا پس اس پر قدرت ہونے کی صورت میں اجرت واجب نہ ہوگی جس طرح یہ گزر چکا ہے اور آگے آئے گا مگر وقف کے مسئلہ میں جیسا کہ ''الاسعاف'' کی ظاہر عبارت ہے جس طرح کتاب الاجارہ کے آغاز میں گزر چکا ہے۔

29760۔ (قولہ: لَوْ الْمُسَمَّى مَعْلُومًا) یہ صحیح ہوگا اگر مصنف یہ اضافہ کرے: لا يتجاوز به المسمى جس طرح ''ابن کمال'' نے ''ہدایہ'' اور ''کنز'' کی تبع میں کہا ہے۔ شارح پر یہ لازم تھا کہ کہتے: اذا لم یکن مسمی او لم یکن معلوما۔ کیونکہ اجرت مثلی کا وجوب وہ جہاں تک پہنچے جیسے مصنف نے کلام کی ہے بے شک یہ ان صورتوں میں واجب ہوتا ہے۔ مگر جب تسمیہ معلوم ہو تو وہ مسمی سے زائد نہیں ہوگا جس طرح آگے آئے گا۔

اجارہ باطلہ کا حکم

29761۔ (قولہ: فَإِنَّهُ لَا أَجْرَ فِيهِ بِالِاسْتِعْمَالِ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے اگر چہ اسے منافع و محاصل کرنے کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ کیونکہ اس میں اجر واجب ہوگا جب وہ اسے عقد کی تاویل یا ملک کی تاویل میں استعمال نہ کرے جب کہ یہاں اس نے اسے عقد باطل کی تاویل میں استعمال کیا ہے اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ ''ط''۔

اس میں یہ ہے کہ باطل کا اصلاً حکم نہیں ہوتا پس اس کا وجود اس کے عدم کی طرح ہے جس طرح ''البدائع'' میں ہے۔ تامل۔ وقف اور یتیم کے مال میں اس کا وجوب ہونا چاہیے۔ کیونکہ تاویل کی وجہ کے ساتھ استعمال کے نہ ہونے کی جو شرط لگائی ہے وہ اس چیز کے بارے میں ہے جو منافع و محاصل کے حصول کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ جس طرح غصب کے باب میں آئے گا۔ ''بزازیہ'' میں ہے: کیونکہ کہا: رہائش جو ملک کی تاویل کے ساتھ ہو یا وقف میں عقد کے ساتھ ہو یہ اجرت مثلی کے لازم ہونے کے مانع نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یتیم کا گھر وقف کی طرح ہے۔ پھر یہ ذکر کیا: اگر وہ ایسی دکانوں میں سکونت پذیر رہا جو منافع و محاصل کے حصول کے لیے بنائی گئی تھیں اور اس نے ملکیت کا دعویٰ کیا تو اجرت لازم نہ ہوگی اگر مالک نے اس پر گواہیاں قائم کر دیں پھر مستاجر نے یہ قول کیا: جب وہ فسخ اجارہ کے بعد تاویل کے ساتھ رہا۔ اسے محبوس کرنے کا حق ہوگا

(وَلَا تُمْلَكُ الْمَنَافِعُ بِالْإِجَارَةِ الْفَاسِدَةِ بِالْقَبْضِ، بِخِلَافِ الْبَيْعِ الْفَاسِدِ) فَإِنَّ الْمَبِيعَ يُمْلَكُ فِيهِ بِالْقَبْضِ، بِخِلَافِ فَاسِدِ الْإِجَارَةِ، حَتَّى لَوْ قَبَضَهَا الْمُسْتَأْجِرُ لَيْسَ لَهُ أَنْ يُؤَجِّرَهَا، وَلَوْ آجَرَهَا وَجَبَ أَجْرُ الْمِثْلِ وَلَا يَكُونُ غَاصِبًا، وَلِلْأَوَّلِ نَقْضُ الثَّانِيَةِ بَحْرٌ مَعْزِيًّا لِلْخُلَاصَةِ وَفِي الْأَشْبَاهِ الْمُسْتَأْجِرُ فَاسِدًا لَوْ آجَرَ صَحِيحًا

اجارہ فاسدہ کی صورت میں قبضہ کے ساتھ منافع کا مالک نہیں ہوا جاتا۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ بیع فاسد میں قبضہ کے ساتھ مبیع کا مالک بن جاتا ہے۔ اجارہ فاسدہ کا معاملہ مختلف ہے۔ یہاں تک اگر مستاجر اس عین پر قبضہ کر لے تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ اسے آگے اجارہ پر دے اگر اسے اجارہ پر دے تو اجرت مثلی واجب ہو جائے گی اور وہ غاصب نہیں ہوگا۔ اور پہلے موجر کو حق حاصل ہے کہ وہ دوسرے اجارہ کو توڑ دے، ''بحر''۔ ''خلاصہ'' کی طرف منسوب ہے، ''الاشباہ'' میں ہے: اجارہ فاسد کا مستاجر اگر وہ صحیح اجارہ کرے

یہاں تک کہ وہ پوری منفعت لے لے جس پر اس نے اسے اجرت دی تھی جب وہ منافع کے حصول کے لیے تیار کیے گئے تھے یہ مختار مذہب میں ہے۔ اسی طرح مختار مذہب کے مطابق وقف میں ہے۔ فتامل

علما نے اس کی تصریح کی ہے اگر اس نے گھر خریدا اور اس میں رہائش پذیر رہا پھر یہ ظاہر ہوا کہ یہ وقف ہے یا یہ یتیم کی ملکیت ہے تو اجرت مثلی لازم ہوگی تا کہ اس چیز کی حفاظت کی جائے جو ان دونوں کی ہے جس طرح کتاب الوقف میں گزر چکا ہے یہی قابل اعتماد ہے۔ کتاب الغصب میں یہ آئے گا۔

29762۔ (قولہ: بِخِلَافِ فَاسِدِ الْإِجَارَةِ) کیونکہ منفعت پر قبضہ کرنے کا تصور نہیں کیا جا سکتا مگر ہم نے عین پر قبضہ کرنے کو منفعت پر قبضہ کے قائم مقام کر دیا ہے یہ عقد صحیح میں واقع ہوتا ہے کیونکہ اس کے مکمل کرنے کی صورت ہوتی ہے۔

29763۔ (قولہ: حَتَّى لَوْ قَبَضَهَا الخ) یہ اس امر پر تفریع ہے کہ اجارہ فاسدہ میں ملکیت حاصل نہیں ہوتی۔

29764۔ (قولہ: وَجَبَ أَجْرُ الْمِثْلِ) یعنی پہلے مستاجر پر اجرت مثلی لازم ہوگی۔ کیونکہ اسے مستعمل شمار کیا جاتا ہے تو وہ ایسا فعل جو اس کا فعل نہیں اس کے ساتھ غاصب نہیں بنے گا یہاں تک کہ اس پر اجرت واجب نہ ہوگی۔ جہاں تک دوسرے مستاجر کا تعلق ہے جب ان دونوں کے درمیان کسی اجرت کا تعین کیا جائے کیا وہ معین اجرت واجب ہوگی یہ اس کے تسمیہ کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے جب کہ یہی ظاہر ہے یا اجرت مثلی واجب ہوگی۔ کیونکہ یہ اجارہ فاسد پر مترتب ہے؟ اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ ''ط''۔

29765۔ (قولہ: لِلْأَوَّلِ) یعنی پہلے موجر کو حق حاصل ہے کہ دوسرے اجارہ کو توڑ دے یعنی وہ گھر اپنے قبضہ میں لے لے۔ کیونکہ اگر اس نے بیع فاسد کی پھر مشتری نے اسے اجارہ پر دے دیا تو اسے حق حاصل ہوگا کہ وہ اجارہ کو ختم کر دے۔ اسی طرح یہ ہے۔ بیع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اجارہ عذروں کی وجہ سے فاسد ہو جاتا ہے بیع عذروں کی وجہ سے فاسد نہیں

جَازَ وَسَيَجِيءُ (تَفْسُدُ الْإِجَارَةُ بِالشُّرُوطِ الْمُخَالِفَةِ لِمُقْتَضَى الْعَقْدِ فَكُلُّ مَا أَفْسَدَ الْبَيْعَ) مِمَّا مَرَّ (يُفْسِدُهَا) كَجَهَالَةِ مَأْجُورٍ أَوْ أُجْرَةٍ أَوْ مُدَّةٍ أَوْ عَمَلٍ، وَكَشَرْطِ طَعَامِ عَبْدٍ وَعَلَفِ دَابَّةٍ

تو یہ جائز ہے۔اس کا بیان آگے آئے گا۔اجارہ فاسد ہو جاتا ہے ان شروط کے ساتھ جو عقد کے تقاضا کے خلاف ہوں۔پس جو چیزیں گزر چکی ہیں ان میں سے جو بیع کو فاسد کر دیتی ہیں وہ اجارہ کو بھی فاسد کر دیتی ہیں جس طرح ماجور، اجرت، مدت اور عمل کی جہالت اور جس طرح غلام کے کھانے، چوپائے کے چارہ

ہوتی ''مضمرات'' میں اسی طرح ہے۔''منح''۔

29766۔(قولہ: جَازَ) ''النصاب'' میں ہے یہ صحیح ہے۔''سراجیہ'' میں ہے: ''ظہیر الدین مرغینانی'' نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔''تاتر خانیہ''۔مصنف کے بیٹے نے ''بزازیہ''، ''عمادیہ'' اور ''خلاصہ'' سے اسی کی مثل نقل کیا ہے۔''رملی'' نے کہا: جو آدمی ان کی کتب کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ اس سے آگاہ ہو جاتا ہے کہ مسئلہ میں تصحیح اور فتویٰ دینے کے اعتبار سے اختلاف ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن اکثریت کی رائے یہ ہے کہ یہ جائز ہے جس طرح تو دیکھ رہا ہے اسی وجہ سے مصنف نے اس کے مقابل کو قیل کے ساتھ تعبیر کیا ہے اس میں جس کا ذکر عنقریب آئے گا۔

''بزازیہ'' میں کہا: صحیح میں جائز ہے۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز نہیں۔وہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر وہ ایک گھر اسے دیتا ہے تا کہ اس میں رہائش رکھے اور اس کی مرمت کرے اور اس کے لیے کوئی اجر نہ ہوگا۔مستاجر نے آگے کسی اور کو اجرت پر دے دیا اور دوسرے آدمی کے رہائش رکھنے سے وہ گھر گر گیا تو وہ بالاتفاق ضامن ہوگا۔کیونکہ وہ غاصب بن چکا ہے اور علماء نے یہ جواب دیا کہ اس عقد میں اعارہ ہے اجارہ نہیں ہے۔کیونکہ اس میں مرمت کا ذکر مشورہ کے طریقہ پر ہے شرط کے طریقہ پر نہیں۔

29767۔(قولہ: وَسَيَجِيءُ) یعنی عنقریب متفرقات کے آخر میں متن میں آئے گا۔

وہ چیزیں جو اجارہ کو فاسد کر دیتی ہیں

29768۔(قولہ: فَكُلُّ) یہ مقدر کلام پر تفریع ہے یعنی اجارہ بیع کی نوع ہے کیونکہ یہ منافع کی بیع ہے۔

29769۔(قولہ: أَوْ مُدَّةٍ) مگر جن امور میں استثنا کی ہے۔''بزازیہ'' میں کہا: سمسار (دلال) منادی، حمامی (حمام کا مالک، نگہبان) اور صکاک (وثیقہ نویس) اور وہ امور جن میں وقت اور عمل کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ان میں عقد اجارہ کرنا یہ جائز ہے۔کیونکہ اس میں لوگوں کی حاجت تھی اگر اجرت مثلی مقدر کی جائے تو لیا گیا اجر حلال ہوگا اور ایک ایسا قاعدہ ذکر کیا جس سے کثیر مسائل مستنبط کیے جا سکتے ہیں۔پس متفرقات کی نوع اور الاجرة علی المعاصی میں اس کی طرف رجوع کیجئے۔

29770۔(قولہ: وَكَشَرْطِ طَعَامِ عَبْدٍ وَعَلَفِ دَابَّةٍ) ''ظہیریہ'' میں ہے: ایک آدمی نے غلام یا جانور اجرت پر لیا اس شرط پر کہ اس کا چارہ مستاجر پر ہوگا۔کتاب میں یہ ذکر کیا ہے کہ یہ جائز نہیں۔فقیہ ''ابولیث'' نے کہا: جانور کے معاملہ میں

وَمَرَمَّةِ الدَّارِ أَوْ مَغَارِمِهَا وَعُشْرٍ أَوْ خَرَاجٍ أَوْ مُؤْنَةِ رَدٍّ أَشْبَاهٌ (وَ) تَفْسُدُ أَيْضًا

اور گھر کی مرمت کی شرط لگانا، یا اس کے اخراجات، عشر، خراج یا واپس لوٹانے کی مؤنت کی شرط لگائی، ''اشباہ''۔ یہ سب اجارہ کو فاسد کر دیتی ہیں۔ امتیاز نہ ہونے سے بھی اجارہ فاسد

ہم متقدمین کے قول کو اپناتے ہیں جہاں تک ہمارے زمانے کا تعلق ہے تو غلام عموماً مستاجر کے مال سے کھاتا ہے ''حموی'' نے کہا: یعنی اس کا شرط لگانا صحیح ہے ''طحطاوی'' نے اپنے اس قول کے ساتھ اس پر اعتراض کیا ہے: مستاجر کے مال سے کھانے میں شرط اور بغیر شرط کے کھانے میں فرق کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: معروف، مشروط کی طرح ہے۔ فقیہ کا کلام بھی اسی کا شعور دلاتا ہے جس طرح ایک ذہین آدمی پر مخفی نہیں۔ پھر فقیہ کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ یہ جانور میں متعارف ہو تو یہ جائز ہے، تامل۔ اس کا حیلہ ہے کہ وہ اجرت میں چارہ کے برابر زیادہ کرے پھر اس کا مالک کھلائے اس طرح کہ اس مال کو اس جانور پر صرف کرے اگر اسے خوف نہ ہو کہ وہ اس میں اس کی تصدیق نہ کرے گا تو حیلہ یہ ہے کہ وہ مالک کو پہلے ادا کرے پھر مالک مستاجر کو دے اور اسے جانور پر خرچ کرنے کا حکم دے پس اس طرح وہ امین بن جائے گا۔ ''بزازیہ''، ملخص۔

29771۔ (قولہ: وَمَرَمَّةِ الدَّارِ أَوْ مَغَارِمِهَا) ''البحر'' میں کہا: ''خلاصہ'' میں ہے جب کہ ''الاصل'' کی طرف منسوب ہے: اگر اس نے ایک گھر اجرت پر لیا اس شرط پر کہ وہ اس کی تعمیر کرے گا اور اس کے ٹیکس وغیرہ دے گا تو یہ اجارہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جو مقتضائے عقد کے مخالف ہے۔ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جو ہمارے زمانہ میں وقف کی زمین کے اجارہ کے بارے میں اجرت معلوم کے ساتھ واقع ہوتا ہے کہ تمام چٹیاں اور صورتحال کا جائزہ لینے والے کی کلفت مستاجر پر ہے یا نشان لگانا مستاجر کے ذمہ ہیں جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔

میں کہتا ہوں: ہمارے زمانہ میں یہی واقع ہے۔ لیکن بعض اوقات حجت میں صراحۃً شرط لکھی جاتی ہے پس کاتب کہتا ہے: ماجور چیز پر جو ٹیکس یا ذمہ داری وغیرہ ہے جیسے زمین کو ہموار کرنا، اور نہروں کی کھدائی یہ مستاجر کے ذمہ ہیں۔ اور بعض اوقات وہ کہتا ہے: دونوں نے یہ موافقت کی ہے کہ جو ٹیکس اور ذمہ داری ہے الخ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ سب مفسد ہے کیونکہ یہ ان کے درمیان معروف ہے اگرچہ اس کا ذکر نہیں کیا جاتا اور معروف مشروط کی طرح ہے۔ تامل

29772۔ (قولہ: أَوْ خَرَاجٍ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خراج مقاسم ہے۔ کیونکہ یہ مجہول ہے۔ جہاں تک خراج وظیفہ کا تعلق ہے تو یہ جائز ہے۔ لیکن فتویٰ اس بات پر ہے کہ یہ مطلقاً جائز نہیں۔ ''حلبی'' نے ''المنح'' سے نقل کیا ہے۔ اور ''حواشی الاشباہ'' میں فساد کو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق قرار دیا ہے۔ کیونکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خراج موجر کے ذمہ ہے۔ ''ط''۔

مفتی بہ قول کی دلیل یہ ہے کہ خراج وظیفہ کبھی کم ہوتا ہے جب زمین اس کی طاقت نہ رکھے تو بھی جہالت لازم آئے گی۔

(بِالشُّيُوعِ) بِأَنْ يُؤْجِرَ نَصِيبًا مِنْ دَارِهِ أَوْ نَصِيبَهُ مِنْ دَارٍ مُشْتَرَكَةٍ مِنْ غَيْرِ شَرِيكِهِ أَوْ مِنْ أَحَدِ شَرِيكَيْهِ أَنْفَعُ الْوَسَائِلِ وَعِمَادِيَّةٌ مِنَ الْفَصْلِ الثَّلَاثِينَ وَاحْتَرَزَ بِالْأَصْلِيِّ عَنِ الطَّارِئِ فَلَا يُفْسِدُ عَلَى الظَّاهِرِ، كَأَنْ آجَرَ الْكُلَّ ثُمَّ فَسَخَ فِي الْبَعْضِ أَوْ آجَرَا لِوَاحِدٍ فَمَاتَ أَحَدُهُمَا أَوْ بِالْعَكْسِ وَهُوَ الْحِيلَةُ فِي إِجَارَةِ الْمُشَاعِ.

ہو جاتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے گھر میں سے ایک حصہ یا اپنے مشترک گھر میں سے اپنا حصہ شریک کے علاوہ کسی اور کو یا دو شریکوں میں سے ایک شریک کو اجارہ پر دے ''انفع الوسائل'' اور ''عمادیہ'' کی تیسویں فصل میں ہے۔ اصلی کا لفظ ذکر کر کے طاری عدم امتیاز سے احتراز کیا ہے پس طاری ظاہر روایت کے مطابق اس کو فاسد نہیں کرے گا جیسے وہ پہلے تمام اجرت پر دے۔ پھر بعض میں اجارہ فسخ کر دے یا دونوں ایک کو اجرت پر دیں۔ پس دونوں میں سے ایک مر جائے یا اس کے برعکس صورت حال ہو۔ غیر ممتاز چیز کو اجارہ پر دینے میں یہی حیلہ ہے

29773۔ (قولہ: بِالشُّيُوعِ) یعنی اس صورت میں جب وہ تقسیم کا احتمال رکھے یا تقسیم کا احتمال نہ رکھے۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ ''خانیہ''۔

29774۔ (قولہ: بِأَنْ يُؤْجِرَ نَصِيبًا مِنْ دَارِهِ) اور اس پر اجرت مثلی واجب ہوگی یہی قول صحیح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے اجارہ منعقد نہ ہوگا یہاں تک اجرت اصلاً واجب نہ ہوگی۔ ''جامع الفصولین''۔

29775۔ (قولہ: أَوْ نَصِيبَهُ مِنْ دَارٍ مُشْتَرَكَةٍ) اس میں دو روایتیں ہیں۔ اظہر یہ ہے کہ یہ جائز نہیں۔ ''نور العین'' میں ''الخانیہ'' سے مروی ہے۔

29776۔ (قولہ: عَلَى الظَّاهِرِ) یعنی امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ یہ ظاہر روایت ہے۔ ''جامع الفصولین'' کی روایت اسے فاسد کر دیتی ہے۔

29777۔ (قولہ: أَوْ آجَرَا لِوَاحِدٍ الخ) یعنی میت کے حصہ میں اجارہ فاسد ہو جائے گا اور زندہ کے حصہ میں باقی رہے گا یہ دونوں صورتوں میں ہے۔ جس طرح ''جامع الفصولین'' میں ہے۔ اس میں ہے: اگر وہ اسے اس کے لیے وکیل بنائے تو اس نے دو آدمیوں کو اجارہ پر دے دیا اگر اس نے کلام مجمل کی اور کہا: میں نے تم دونوں کو مکان اجارہ پر دیا تو بالاتفاق یہ جائز ہوگا۔ اور اپنے قول کے ساتھ تفصیل بیان کی یعنی اس کا نصف تجھے اور اس کا نصف تجھے یا اس طرح کی کوئی جیسے تہائی یا چوتھائی تو یہ سب واجب ہوگا کہ یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہو۔ جو اس مسئلہ میں گزر چکا ہے وہ اس کے خلاف ہے جب وہ ان دونوں کے درمیان ہو اور ان دونوں میں سے ایک کسی اجنبی کو اجارہ پر دے دے۔ یہ گزر چکا ہے کہ عدم جواز زیادہ ظاہر ہے۔ اسی وجہ سے ''حامدیہ'' میں فتویٰ دیا ہے ایسے دو آدمی جنہوں نے زید سے برابر طور پر چکی اجرت پر لی۔ اس وجہ سے کہ سویہ کا لفظ تفصیل کے قائم مقام ہے پس اجارہ فاسد ہو جائے گا۔

29778۔ (قولہ: وَهُوَ الْحِيلَةُ الخ) ضمیر طاری کی طرف راجع ہے یعنی اس کی بعض صورتوں میں اور وہ پہلی صورت

كَمَا لَوْ قَضَى بِجَوَازِهِ (إِلَّا إِذَا آجَرَ) كُلَّ نَصِيبِهِ أَوْ بَعْضَهُ (مِنْ شَرِيكِهِ) فَيَجُوزُ، وَجَوَازُهُ بِكُلِّ حَالٍ، وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى زَيْلَعِيٌّ وَبَحْرٌ مَعْزِيًّا لِلْمُغْنِي، لَكِنْ رَدَّهُ الْعَلَّامَةُ قَاسِمٌ فِي تَصْحِيحِهِ بِأَنَّ مَا فِي الْمُغْنِي شَاذٌّ مَجْهُولُ الْقَائِلِ فَلَا يُعَوَّلُ عَلَيْهِ قُلْتُ وَفِي الْبَدَائِعِ لَوْ آجَرَ مَشَاعًا يَحْتَمِلُ الْقِسْمَةَ فَقَسَمَهُ وَسَلَّمَ جَازَ لِزَوَالِ الْمَانِعِ، وَلَوْ أَبْطَلَهَا الْحَاكِمُ ثُمَّ قَسَمَ وَسَلَّمَ لَمْ يَجُزْ

جس طرح جب اس کے جواز کا فیصلہ کر دیا جائے مگر جب وہ اپنا تمام حصہ یا اس کا بعض حصہ اپنے شریک کو اجارہ پر دے تو یہ جائز ہوگا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے ہر حال میں اس کو جائز قرار دیا ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے ''زیلعی''، ''بحر''۔ جب کہ مغنی کی طرف منسوب ہے لیکن علامہ ''قاسم'' نے اپنی تصحیح میں اسے رد کیا ہے کہ جو کچھ ''مغنی'' میں ہے یہ شاذ ہے اس کا قائل مجہول ہے پس اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ میں کہتا ہوں: ''البدائع'' میں ہے: اگر غیر ممتاز چیز اجارہ پر دی جو تقسیم کا احتمال رکھتی ہے اس نے اسے تقسیم کر دیا اور اسے سپرد کر دیا تو یہ جائز ہوگا۔ کیونکہ مانع زائل ہو چکا ہے اگر حاکم نے اسے باطل قرار دیا پھر اس نے اسے تقسیم کیا اور اسے سپرد کیا تو یہ جائز نہ ہوگا

ہے یا ضمیر اس فسخ کے لیے ہے جو فسخ سے مفہوم ہے۔ اسی کی مثل: مالو حکم بھا حاکم ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''ہندیہ'' سے نقل کیا ہے ثالث قاضی کی طرح ہے اگر قاضی کے سامنے مسئلہ پیش کرنا متعذر رہو۔

29779۔ (قولہ: فَيَجُوزُ) یعنی دو روایتوں میں سے جو ظاہر روایت ہے۔ ''خانیہ''۔

29780۔ (قولہ: وَجَوَازُهُ بِكُلِّ حَالٍ) خواہ وہ اس کا شریک ہو یا شریک نہ ہو اس چیز میں جو تقسیم کو قبول کرے یا تقسیم کو قبول نہ کرے، ''ح''۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اپنا حصہ بیان کر دے اگر اپنا حصہ بیان نہ کرے تو صحیح قول کے مطابق یہ جائز نہیں۔ ''زیلعی''۔

29781۔ (قولہ: فَلَا يُعَوَّلُ عَلَيْهِ) بلکہ جس پر اعتماد ہے وہ وہ قول ہے جو ''الخانیہ'' میں ہے کہ فتویٰ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے۔ اصحاب متون اور شروح نے اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے پس یہی مذہب ہے مصنف نے اسے بیان کیا ہے اور اسی پر آج عمل ہے۔

29782۔ (قولہ: وَفِي الْبَدَائِعِ) یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر تخریج ہے۔ ''ط''۔

29783۔ (قولہ: وَسَلَّمَ جَازَ) اس کا ظاہر معنی یہ ہے اگرچہ مجلس کے بعد سپرد کرے اس کا مابعد اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ حکم کا اعتبار کیا گیا ہے۔ ''ط''۔

29784۔ (قولہ: لَمْ يَجُزْ) چاہیے کہ باہم لینے دینے سے اجارہ جائز ہو کیونکہ پہلے اجارہ کے فسخ ہونے کے بعد اس سے کوئی مانع نہیں۔ ''رحمتی''۔

وَيُفْتَى بِجَوَازِهِ لَوْ الْبِنَاءُ لِرَجُلٍ وَالْعَرْصَةُ لِآخَرَ فُصُولَيْنِ مِنْ الْفَصْلِ الْحَادِي وَالْعِشْرِينَ يَعْنِي الْوَسَطَ مِنْهُ (وَ) تَفْسُدُ (بِجَهَالَةِ الْمُسَمَّى) كُلِّهِ أَوْ بَعْضِهِ كَتَسْمِيَةِ ثَوْبٍ أَوْ دَابَّةٍ أَوْ مِائَةِ دِرْهَمٍ عَلَى أَنْ يَرُمَّهَا الْمُسْتَأْجِرُ لِصَيْرُورَةِ الْمَرَمَّةِ مِنْ الْأُجْرَةِ فَيَصِيرُ الْأَجْرُ مَجْهُولًا (وَ) تَفْسُدُ (بِعَدَمِ التَّسْمِيَةِ)

اور عقد کے جواز کا فتویٰ دیا جائے گا۔ اگر عمارت ایک آدمی کی ہو اور سفیدہ زمین دوسرے کی ہو ''فصولین''، فصل نمبر اکیس یعنی مذکورہ فصل کے درمیان میں یہ ہے: اور اگر مسمی مکمل یا بعض مجہول ہو تو اجارہ فاسد ہو جائے گا جس طرح وہ کپڑا یا جانور یا سو درہم اجرت معین کرے شرط یہ ہو کہ متاجر اس کی مرمت کرے گا۔ کیونکہ مدت اجرت میں سے ہو جاتی ہے۔ پس اجرت مجہول ہو جائے گی

عمارت کے اجارہ کا بیان

29785۔ (قولہ: وَيُفْتَى بِجَوَازِهِ) ''الدر المنتقی'' میں کہا: ''قہستانی'' نے یہ ذکر کیا ہے کہ فتویٰ اس پر ہے کہ صرف عمارت کو اجرت پر دینا جائز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جائز نہیں۔ کیونکہ یہ مشترک غیر ممتاز کی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں: لیکن امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کیا ہے کہ جس نے زمین اجرت پر لی تو اس میں کوئی عمارت بنائی پھر اس کے مالک کو اجرت پر دے دی تو وہ اجرت میں سے عمارت کے حصہ کا مستحق ہو جائے گا۔ اگر عمارت کو اجارہ پر دینا جائز نہ ہوتا تو وہ اجرت کا مستحق نہ ہوتا اور اسے فسطاط پر قیاس کیا ہے۔ ہمارے مشائخ نے یہی فتویٰ دیا ہے۔ اگر عمارت ملکیت ہو اور سفیدہ زمین وقف ہو اور متولی مالک کی اجازت سے عمارت اجرت پر دے دے تو اجرت عمارت اور سفیدہ زمین پر تقسیم کی جائے گی۔ اور اس کی عمارت زمین کے مالک کو اجرت پر دینا جائز ہے اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اسی طرح کسی اور کو اجرت پر دینا جائز ہے یہ مفتی بہ قول ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''عمادیہ'' میں ہے۔ ''باقانی'' نے اسے ثابت رکھا ہے۔ اس کی مکمل وضاحت متفرقات کے آخر میں آئے گی۔

29786۔ (قولہ: يَعْنِي الْوَسَطَ مِنْهُ) یعنی مذکورہ فصل کے درمیان میں۔ زیادہ واضح تھا کہ یہ کہتے: اعنی، یہ اس فصل کے نصف ثانی کے قریب واقع ہے۔ ''ط''۔

29787۔ (قولہ: كَتَسْمِيَةِ ثَوْبٍ أَوْ دَابَّةٍ) یہ کل کے مجہول ہونے کی مثال ہے اور اس کا مابعد بعض کے مجہول ہونے کی مثال ہے۔ اس سے کل کی جہالت لازم آتی ہے پس اس کے بعد ان کا قول فیصیر الاجر مجهولا صحیح ہوگا۔

29788۔ (قولہ: لِصَيْرُورَةِ الْمَرَمَّةِ) یعنی مرمت کا نفقہ خرچہ۔

29789۔ (قولہ: وَبِعَدَمِ التَّسْمِيَةِ) جسے میں نے تجھے اپنا گھر ایک ماہ کے لیے یا ایک سال کے لیے اجرت پر دیا اور اس نے یہ نہ کہا: اتنی اجرت کے عوض۔ ''منح''۔

أَصْلًا أَوْ بِتَسْمِيَةِ خَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ (فَإِنْ فَسَدَتْ بِالْأَخِيرَيْنِ) بِجَهَالَةِ الْمُسَمَّى وَعَدَمِ التَّسْمِيَةِ (وَجَبَ أَجْرُ الْمِثْلِ) يَعْنِي الْوَسَطَ مِنْهُ وَلَا يَنْقُصُ عَنِ الْمُسَمَّى لَا بِالتَّمْكِينِ بَلْ (بِاسْتِيفَاءِ الْمَنْفَعَةِ) حَقِيقَةً كَمَا مَرَّ (بَالِغًا مَا بَلَغَ) لِعَدَمِ مَا يَرْجِعُ إِلَيْهِ وَلَا يَنْقُصُ عَنِ الْمُسَمَّى (وَإِلَّا) تَفْسُدُ بِهِمَا بَلْ بِالشُّرُوطِ أَوِ الشُّيُوعِ

اور اصلاً اجرت کا ذکر نہ کیا جائے یا شراب، خنزیر کو اجرت بنایا جائے تو اجارہ فاسد ہو جائے گا اگر آخری دو یعنی مسمی کی جہالت یا اجرت کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے اجارہ فاسد ہو تو اجرت مثلی واجب ہوگی یعنی درمیانی اجرت واجب ہوگی اور جو اجرت معین کی تھی اس سے کمی نہ کی جائے گی۔ یہ قدرت دینے کے ساتھ نہیں بلکہ حقیقت میں منفعت حاصل کرنے کے ساتھ ہے جس طرح گزر چکا ہے وہ اجرت جہاں تک بھی پہنچے۔ کیونکہ ایسی چیز موجود نہیں جس کی طرف رجوع کیا جائے اور وہ معین اجرت سے کم نہ ہو ورنہ وہ ان دونوں کے ساتھ فاسد ہو جائے گا بلکہ شروط یا امتیاز نہ ہونے کی وجہ سے فاسد ہو جائے گا

29790۔(قولہ: أَوْ بِتَسْمِيَةِ خَمْرٍ أَوْ خِنْزِيرٍ) یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ یہ اجارہ فاسدہ ہے باطلہ نہیں ہے۔ ''ط''۔ یعنی پس یہ اس کے مخالف ہے جو گزر چکا ہے۔

29791۔(قولہ: يَعْنِي الْوَسَطَ مِنْهُ) یعنی لوگوں کا اس میں اختلاف ہے۔''ط''۔

29792۔(قولہ: لَا بِالتَّمْكِينِ) یعنی مالک سے نفع اٹھانے کی قدرت دے دے بعض نسخوں میں تمکن کے الفاظ ہیں۔ یعنی مستاجر اس پر قادر ہے۔

29793۔(قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی ثمن میں اس باب کے شروع میں ان کے قول بالاستعمال میں اور کتاب الاجارہ کے شروع میں گزر چکا ہے۔ جہاں تک اجارہ فاسدہ کا تعلق ہے تو حقیقی انتفاع سے یہی اجرت واجب ہوگی۔ ہم نے اس کی قید اس کے ساتھ لگائی ہے جب اجارہ کی جہت سے سپرد کرنا پایا جائے۔ وہاں وقف کی استثنا اور شارح نے جو بحث کی ہے پہلے گزر چکی ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

29794۔(قولہ: بَالِغًا مَا بَلَغَ) جب موجر نے ابھی تک اسے بیان نہ کیا ہو۔ اگر اس نے بیان کر دیا ہو تو اس کے لیے اس سے زائد لینے کا حق نہیں۔ ''الولوالجیہ'' میں کہا: اگر بغداد تک ایک جانور کو کرایہ پر لیا گیا اگر وہ اسے وہاں تک پہنچا دے تو اس کے لیے وہ ہوگا جس پر وہ راضی ہوگا اس نے اسے پہنچا دیا تو اس نے کہا: میری رضا بیس دراہم میں ہے تو اس کے لیے اجرت مثلی ہوگی مگر اس صورت میں کہ اس کی اجرت مثلی بیس درہم سے زائد ہو اس سے زائد نہ ہوگی۔ کیونکہ اجرت مجہول ہے اسے بیس سے زائد نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ دابہ کے مالک نے اسے زیادتی سے بری کر دیا ہے۔ ''سائحانی''۔

29795۔(قولہ: وَلَا يَنْقُصُ عَنِ الْمُسَمَّى) دونوں جگہ اسی طرح پایا گیا ہے پہلی جگہ ان کے قول یعنی: الوسط منہ کے بعد اور دوسری جگہ ان کے قول لعدم ما یرجع الیہ کے بعد۔ ''محشی'' نے یہ بیان کیا ہے کہ اس زیادتی کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ دونوں مواقع پر اس کا کوئی معنی نہیں۔ کیونکہ مفروض مسمی کی جہالت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مگر وہ مسمی سے اس چیز کا ارادہ

مَعَ الْعِلْمِ بِالْمُسَمَّى لَمْ يَزِدْ) أَجْرُ الْمِثْلِ (عَلَى الْمُسَمَّى) لِرِضَاهُمَا بِهِ (وَيَنْقُصُ عَنْهُ) لِفَسَادِ التَّسْمِيَةِ وَاسْتَثْنَى الزَّيْلَعِيُّ مَا لَوِ اسْتَأْجَرَ دَارًا عَلَى أَنْ لَا يَسْكُنَهَا فَسَدَتْ، وَيَجِبُ إِنْ سَكَنَهَا أَجْرُ الْمِثْلِ بَالِغًا مَا بَلَغَ، وَحَمَلَهُ فِي الْبَحْرِ

جب کہ مسمی کا علم ہوتو اجرت مثلی کو مسمی پر زائد نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ دونوں اسی اجرت پر راضی تھے۔ اور اس میں سے کمی کی جا سکتی ہے کیونکہ تسمیہ میں فساد ہے۔ ''زیلعی'' نے اس کی استثنا کی ہے اگر وہ ایک گھر کو اجرت پر لے اس شرط پر کہ وہ اس میں رہائش نہیں رکھے گا تو اجارہ فاسد ہو جائے گا۔ اور اگر وہ اس میں رہائش رکھتا ہے تو اجرت مثلی واجب ہوگی جہاں تک پہنچے۔ ''البحر'' میں اسے اس شرط پر محمول کیا ہے

کرے جس کے بعض سے وہ جاہل ہے جس طرح دس کے بدلے میں اسے اجارہ پر دے اس شرط پر کہ وہ اس کی مرمت کرے گا۔

میں کہتا ہوں: یہ صحیح نہیں کیونکہ ''خانیہ'' میں ذکر کیا ہے کہ مکمل یا بعض جہالت کی صورت میں اجرت مثلی واجب ہوگی وہ جہاں بھی پہنچے۔ پھر کہا: مگر جب شرط فاسد وغیرہ کے حکم سے فاسد ہو جائے تو مسمی سے اسے زائد نہیں کیا جائے گا یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے ساتھ ہی ان کا قول ہے: لعدم ما یرجع الیہ۔

29796۔ (قولہ: لَمْ يَزِدْ عَلَى الْمُسَمَّى) اگر اجرت مثلی بارہ ہو اور جو اجرت معین کی گئی وہ دس ہو تو اس کے لیے اجرت دس ہی ہوگی۔

29797۔ (قولہ: وَيَنْقُصُ عَنْهُ) اس کی صورت یہ ہے کہ معین اجرت پندرہ ہو اور اجرت مثلی بارہ ہو تو اس کے لیے اجرت بارہ ہوگی۔

29798۔ (قولہ: لِفَسَادِ التَّسْمِيَةِ) یعنی عقد کے فاسد ہونے کے ساتھ تسمیہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ جب کوئی چیز فاسد ہو جاتی ہے تو اس کے ضمن میں جو کچھ ہوگا وہ بھی فاسد ہو جائے گا۔

29799۔ (قولہ: وَاسْتَثْنَى الزَّيْلَعِيُّ) یعنی جب شرط فاسد ہو تو اسے مسمی سے زائد نہیں کیا جائے گا شارح نے اس میں صاحب ''البحر'' کی پیروی کی ہے۔ ''زیلعی'' کی کلام میں استثنا نہیں بلکہ ان کی کلام کا ظاہر یہ ہے کہ یہ مسمی کی جہالت کی فروع میں سے ہے پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

29800۔ (قولہ: فَسَدَتْ) کیونکہ اس میں گھر کے مالک کا ایسا نفع ہے جس کا عقد تقاضا نہیں کرتا۔ کیونکہ جب وہ اسے گھر میں رہائش نہیں رکھے گا تو بالوعہ اور وضو کی جگہ نہیں بھرے گی۔ اگر گھر میں بالوعہ اور وضو کا کنواں نہیں ہوگا تو شرط لگانے سے اجارہ فاسد نہیں ہوگا کیونکہ جو ہم نے کہا وہ نہیں پایا گیا۔ ''بزازیہ'' وغیرہ میں ہے۔

29801۔ (قولہ: وَحَمَلَهُ فِي الْبَحْرِ الخ) کیونکہ کہا: اس میں یعنی ''زیلعی'' کی استثنا میں اعتراض ہے کیونکہ اجرت اگر معین نہ ہو تو یہ متقدمہ مسئلہ ہے اگر اجرت معین ہے تو چاہیے کہ معین اجرت سے تجاوز نہ کیا جائے جس طرح دوسری شروط ہیں۔

عَلَى مَا إِذَا جَهِلَ الْمُسَمَّى لَكِنْ أَرْجَعَهُ قَاضِي خَانْ فِي شَرْحِ الْجَامِعِ إِلَى جَهَالَةِ الْمُسَمَّى فَافْهَمْ،
جب مسمی مجہول ہو۔ لیکن ''قاضی خان'' نے ''شرح الجامع'' میں مسمی کی جہالت کی طرف لوٹایا ہے، فافہم۔

ان کا ''الخلاصہ'' میں ذکر کیا ہے اور اجرت سے تعرض نہیں کیا۔ ان کی کلام کا ظاہر یہ ہے کہ پہلی شق کو اختیار کیا جائے اس کی دلیل وہ ہے جس کا ذکر ''الخلاصہ'' سے کیا ہے: اس کا مسمی کی جہالت سے ہونا اس وجہ سے ہے جب کہ تسمیہ نہیں ہوا۔ کیونکہ مذکورہ شرط میں مالک کا نفع ہے جب کہ اس نے اسے بدل بنایا ہے جب کہ وہ مجہول ہے پس اجرت مثلی واجب ہوگی وہ جہاں بھی پہنچے۔ تامل

29802۔ (قولہ: لَكِنْ أَرْجَعَهُ الخ) اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ تو بعینہ وہ چیز ہے جو ''البحر'' میں ہے تو استدراک کی کوئی وجہ نہیں۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ انہوں نے اسے دوسری شق پر محمول کیا ہے۔ یہ اس وقت ہے جب اجرت معین ہو اسے مسمی کی جہالت کی طرف لوٹانے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اجرت مسمی اور عدم سکنی کو قرار دیا ہے۔ پس یہ اس کی مثل ہوگی جو صورت گزر چکی ہے کہ اس نے سو درہم پر اسے اجرت پر لیا شرط یہ رکھی کہ متاجر اس کی مرمت کرے گا۔ شارح نے مسئلہ کی علت اس قول کے ساتھ بیان کی ہے ''کیونکہ مرمت اجرت میں سے ہے پس اجرت مجہول ہوگئی''۔

اس کا حاصل یہ ہے: بعض کی جہالت سے کل کی جہالت حاصل ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے کہا ہے: اسے مسمی کی جہالت کی طرف اٹھایا ہے۔ ''البحر'' میں جو قول ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ ابتداءً کل کی جہالت پر محمول ہے۔ یہ امر میرے لیے ظاہر ہوا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

پھر میں نے ''غایۃ البیان'' میں وہ قول دیکھا ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے جو میں نے قول کیا ہے۔ للہ تعالیٰ الحمد۔ کیونکہ انہوں نے کہا: جب اس شرط کے فوت ہو جانے سے اجارہ فاسد ہو جائے اجیر (مزدور) کی جانب سے جس میں رغبت کی گئی تھی جس طرح ایک آدمی نے اپنا گھر دس کے عوض اجرت پر دیا اس شرط پر کہ وہ اس کی تعمیر کرے گا اور اس کے ٹیکس وغیرہ دے گا تو اجارہ فاسد ہو جائے گا۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اجرت مثل واجب ہوگی وہ جہاں بھی پہنچے اور اسے مسمی اجرت سے کم نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر اس نے کہا: میں نے تجھے یہ گھر دس کے عوض اجرت پر دیا اس شرط کے ساتھ کہ تو اس میں سکونت اختیار نہیں کرے گا تو اجارہ فاسد ہو جائے گا۔ اگر وہ اس میں رہائش رکھے تو اجرت مثلی واجب ہوگی وہ جہاں تک بھی پہنچے اور وہ مسمی سے کم نہ ہوگی۔ یہ بھی حقیقت میں مسمی کی جہالت کی طرف راجع ہوگی وہ جہاں بھی پہنچے۔ فخر الدین ''قاضی خان'' نے اسی طرح کہا ہے۔ پس مسئلہ اس میں مفروض ہوا کہ اگر اجرت معین ہو اور اسے مرمت والے کے مسئلہ کے ساتھ تشبیہ دی اور کہا: یہ بھی مسمی کی جہالت کی طرف راجع ہے یعنی جس طرح پہلا مسمی کی جہالت کی طرف راجع تھا۔ یہ بعینہ وہ چیز ہے جس پر میں نے ان کی کلام کو محمول کیا جب کہ ابھی میں نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ والحمد للہ

29803۔ (قولہ: فَافْهَمْ) شاید اس فرق کی طرف اشارہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس فاضل شارح کے نکات اس سے زیادہ دقیق ہیں جس طرح وہ آدمی جانتا ہے جو ان کے کلام کا تجربہ رکھتا ہے اور ان کے مقصود کو جانتا ہے۔

وَعَلَى كُلٍّ فَلَا اسْتِثْنَاءَ فَتَنَبَّهْ قُلْتُ وَيَنْبَغِي اسْتِثْنَاءُ الْوَقْفِ ؛ لِأَنَّ الْوَاجِبَ فِيهِ أَجْرُ الْمِثْلِ بَالِغًا مَا بَلَغَ فَتَأَمَّلْ (فَإِنْ آجَرَ دَارَهُ) تَفْرِيعٌ عَلَى جَهَالَةِ الْمُسَمَّى (بِعَبْدٍ مَجْهُولٍ فَسَكَنَ مُدَّةً وَلَمْ يَدْفَعْهُ فَعَلَيْهِ لِلْمُدَّةِ أَجْرُ الْمِثْلِ بَالِغًا مَا بَلَغَ، وَتُفْسَخُ فِي الْبَاقِي) مِنَ الْمُدَّةِ (آجَرَ حَانُوتًا كُلَّ شَهْرٍ بِكَذَا صَحَّ فِي وَاحِدٍ فَقَطْ)

ہر تقدیر پر استثنا نہیں پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ میں کہتا ہوں: مناسب ہے کہ وقف کی استثنا کی جائے۔ کیونکہ اس میں واجب اجرت مثلی ہے وہ جہاں تک بھی پہنچے، فتامل۔ اگر ایک آدمی نے کسی کو اپنا گھر مجہول غلام کے بدلے میں اجرت پر دیا یہ مسمی کی جہالت پر تفریع ہے وہ ایک مدت اس میں رہا اور مستاجر نے وہ غلام اس کے حوالے نہ کیا تو اس پر اس مدت کی اجرت مثلی واجب ہوگی اور جہاں بھی پہنچے۔ اور باقی مدت میں اجارہ فسخ ہو جائے گا۔ ایک آدمی نے ایک دکان اجرت پر دی ہر ماہ اتنی اجرت کے بدلے میں تو صرف ایک ماہ کے لیے عقد صحیح ہوگا۔

29804۔ (قولہ: قُلْتُ الخ) یہ ''جامع الفصولین'' میں منقول ہے۔ ''سائحانی''۔

میں کہتا ہوں: بلکہ متن میں گزر چکا ہے کیونکہ کہا: وقف زمین کے متولی نے اجرت مثل کے بغیر اسے اجارہ پر دیا تو اس کے مستاجر پر مکمل اجرت مثلی لازم ہوگی۔ شارح نے وہاں ''مجمع الفتاویٰ'' سے نقل کیا ہے: وصی اور باپ کا حکم اسی طرح ہے۔

جس کو مستثنیٰ کیا گیا ہے اس میں سے یہ ہے کہ اگر ایک آدمی نے ایک گھر معین غلام کے عوض اجرت پر لیا وہ آدمی اس میں ایک ماہ تک رہا اور مستاجر نے غلام حوالے نہ کیا یہاں تک کہ اسے آزاد کر دیا تو یہ صحیح ہوگا۔ اس پر گزشتہ مہینہ کی اجرت مثلی لازم ہوگی۔ وہ جہاں تک پہنچے اور باقی ماندہ عرصہ کے لیے اجارہ ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ اس غلام کے آزاد کرنے کی وجہ سے وہ فاسد ہو گیا ہے۔ اس میں تفصیل ہے جسے ''خزانۃ الاکمل'' میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ''بزازیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے گھر ایک معین چیز پر اجارہ پر لیا اور گھر میں سکونت اختیار کی اور سپرد کرنے سے پہلے وہ عین ہلاک ہو گیا یا مستاجر نے جان بوجھ کر اسے ہلاک کر دیا تو اجرت مثلی واجب ہوگی وہ جہاں تک پہنچے۔ باقی اجارات کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ معین اجرت سے زیادہ اجرت نہیں دی جاتی۔ یہ مسمی اس میں معلوم و معین ہے اور اجرت واجب ہوگی وہ جہاں تک پہنچے۔

29805۔ (قولہ: وَلَمْ يَدْفَعْهُ) جب اس نے اجرت پہلے دی اور موجر نے اس سے اجرت قبول کر لی تو اس سے زائد نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ وہ اس پر راضی ہے۔ کیا وہ اجارہ صحیح ہو جائے گا کتب کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے۔ ''رحمتی''۔

''شرنبلالیہ'' میں ہے: اجرت مثلی کا وجوب اس پر موقوف نہیں کہ اس نے اسے اجرت نہ دی ہو۔ کیونکہ اجارہ کے فساد کی وجہ سے یہی اجرت واجب ہوگی۔ پس اس کا کوئی مفہوم نہیں بلکہ یہ امر واقعہ کا بیان ہے۔ جب وہ اس کو معین کر دے تو معاملہ مختلف ہوگا۔

29806۔ (قولہ: حَانُوتًا) یہ مثال ہے کیونکہ اگر اس نے ایک بیل اجرت پر لیا تاکہ یہ دن میں ایک درہم کے عوض

وَفَسَدَ فِي الْبَاقِي لِجَهَالَتِهَا، وَالْأَصْلُ أَنَّهُ مَتَى دَخَلَ كُلٌّ فِيمَا لَا يُعْرَفُ مُنْتَهَاهُ تَعَيَّنَ أَدْنَاهُ، وَإِذَا مَضَى الشَّهْرُ فَلِكُلٍّ فَسْخُهَا بِشَرْطِ حُضُورِ الْآخَرِ

اور اجرت کی جہالت کی وجہ سے باقی عرصہ میں عقد فاسد ہو جائے گا۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب کل کا کلمہ ایسی چیز پر داخل ہو جس کی انتہا معروف نہ ہو تو اس کا ادنیٰ متعین ہو جاتا ہے۔ جب ایک ماہ گزرے گا تو موجر اور مستاجر میں سے ہر ایک کو دوسرے کی موجودگی میں اجارہ فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا

آٹا پیسے تو حکم اسی طرح ہوگا۔''طوری''۔

29807۔(قولہ: وَفَسَدَ فِي الْبَاقِي) یہ تین امور کے ساتھ مقید ہے جو مابعد سے معلوم ہوں گے وہ یہ ہیں وہ پہلے مہینہ کے بعد اس میں رہائش نہیں رکھتا، وہ اس کی اجرت پہلے ادا نہیں کرتا، وہ مجموعی مہینوں کو نہیں جانتا۔ اگر ان میں سے ایک بھی پائی جائے تو اس میں اجارہ کا عقد صحیح ہوگا۔''بزازیہ'' میں ہے: اگر اسے ہمیشہ کی اجرت سے بری کر دیا تو یہ صرف ایک ماہ سے بری کرنا صحیح ہوگا۔

29808۔(قولہ: لِجَهَالَتِهَا) کیونکہ مہینے مجہول ہیں۔

کل کا کلمہ ایسی چیز پر داخل ہو جس کی انتہا معلوم نہ ہو تو اس کا ادنیٰ متعین ہو جاتا ہے

29809۔(قولہ: مَتَى دَخَلَ) یعنی لفظ کل داخل ہو۔

29810۔(قولہ: فِيمَا لَا يُعْرَفُ مُنْتَهَاهُ) جیسے مہینے اور دن۔ یہ قول اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ ان کا قول کل شہر ایک مثال ہے اسی کی مثل کل سنة، کل یوم اور کل اسبوع ہے جس طرح ''رملی'' نے یہ بیان کیا ہے۔

29811۔(قولہ: تَعَيَّنَ أَدْنَاهُ) یعنی اجارہ کے صحیح ہونے کے لیے اس کا ادنیٰ متعین ہو جائے گا۔ جہاں تک پہلے کے بعد کا تعلق ہے وہ عقد کے تحت داخل ہیں۔ اسی وجہ سے فسخ کے وقت دونوں کا حاضر ہونا شرط ہے۔ پس ان میں عقد فاسد ہو جائے گا۔ لیکن رہائش رکھنے کے ساتھ وہ عقد صحیح ہو جائے گا۔ ان کی کلام سے یہ مستفاد ہوتا ہے۔ پھر میں نے ''طوری'' کو دیکھا کہا: ان کے قول: صح فی شہر واحد کا ظاہر معنی یہ ہے کہ باقی ماندہ میں عقد فاسد ہے۔''المحیط'' میں کہا: یہ ان کے بعض کا قول ہے۔ صحیح یہ ہے کہ تمام مہینوں کا اجارہ جائز ہے۔ اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کا اسے مطلق ذکر کرنا اس پر دلالت کرتا ہے۔ پس پہلے، دوسرے اور تیسرے مہینے میں عقد جائز ہے۔ بے شک فسخ کا خیار دوسرے مہینے کے شروع میں ثابت ہوگا۔ کیونکہ یہ اجارہ مستقبل کی طرف منسوب ہے اور دونوں میں سے ہر ایک کو مستقبل کی طرف منسوب اجارہ کو فسخ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ یہ مصنف کے قول کے مخالف ہے جس طرح ''ہدایہ'' اور ''تبیین'' ہے۔ اور باقی ماندہ میں عقد فاسد ہو جائے گا مگر جب یہ کہا جائے: فساد سے مراد لازم نہ ہونا ہے فساد کا اطلاق عدم لزوم کیا ہے کیونکہ یہ افساد کے مقابل ہے۔ تامل

29812۔(قولہ: بِشَرْطِ حُضُورِ الْآخَرِ) حیلہ یہ ہے: جب وہ غائب ہو تو کسی اور سے عقد اجارہ کر دے جب مہینہ

لِانْتِهَاءِ الْعَقْدِ الصَّحِيحِ (وَفِي كُلِّ شَهْرٍ سَكَنَ فِي أَوَّلِهِ) هُوَ اللَّيْلَةُ الْأُولَى وَيَوْمُهَا عُرْفًا وَبِهِ يُفْتَى (صَحَّ الْعَقْدُ فِيهِ) أَيْضًا، وَلَيْسَ لِلْمُؤْجِرِ إِخْرَاجُهُ حَتَّى يَنْقَضِيَ إِلَّا بِعُذْرٍ، كَمَا لَوْ عَجَّلَ أُجْرَةَ شَهْرَيْنِ فَأَكْثَرَ لِكَوْنِهِ كَالْمُسَمَّى زَيْلَعِيٌّ (إِلَّا أَنْ يُسَمِّيَ الْكُلَّ) أَيْ جُمْلَةَ شُهُورٍ مَعْلُومَةٍ فَيَصِحُّ لِزَوَالِ الْمَانِعِ

کیونکہ عقد صحیح ختم ہو چکا ہے۔ یہ مہینہ جس کے اول میں رہائش پذیر رہا اس میں عقد صحیح ہو جائے گا۔ مہینہ کا اول رات ہے۔ اور عرف میں اس کا دن ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ موجر کو یہ حق حاصل نہیں کہ متاجر کو گھر سے نکالے یہاں تک کہ وہ مہینہ گزر جائے مگر عذر کے ساتھ نکال سکتا ہے جس طرح اگر اس نے دو ماہ کی اجرت پہلے ادا کر دی یا اس سے زیادہ کی اجرت ادا کر دی تو نہیں نکال سکتا۔ کیونکہ یہ مسمی کی طرح ہے، ''زیلعی''۔ مگر وہ تمام مہینوں کو ذکر کر دے تو عقد اجارہ صحیح ہو جائے گا۔

گزرے گا تو دوسرے مہینہ میں دوسرے کے لیے عقد اجارہ صحیح ہو جائے گا اور پہلا عقد اجارہ منسوخ ہو جائے گا جس طرح ''جامع الفصولین'' میں ہے۔ کیونکہ ضمنی میں وہ چیز معاف ہوتی ہے جو صریح میں معاف نہیں ہوتی ''سائحانی''۔ شارح نے اس باب سے تھوڑا پہلے اس کو بیان کیا ہے۔

29813۔ (قولہ: وَبِهِ يُفْتَى) یہ ظاہر روایت ہے بعض مشائخ نے ذکر کیا ہے کہ وہ اس کے اول دن کی ساعت ہے ''قدوری'' اور ''صاحب الکنز'' اس پر گامزن ہوئے یہی قیاس ہے جب کہ اس میں حرج ہے۔ ''ہدایہ'' اور ''زیلعی'' میں اسی طرح ہے۔

''رملی'' نے کہا: ''بزازیہ'' میں ہے: اصح یہ ہے کہ فسخ کا دن، پہلا دن، اس کی رات، دوسرا اور تیسرا دن ہے۔ کیونکہ فسخ کا اختیار مہینے کا اول ہے اور مہینے کا اول یہی ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے یہ مذکورہ دو قولوں کے خلاف ہے۔ یہ تصریح کی گئی ہے کہ فتویٰ اس پر ہے پس اس میں تامل کیجئے شارح کے قول میں ہے: اسی پر فتویٰ ہے۔

یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ جب شروح اور فتاویٰ میں تعارض آ جائے تو اعتبار شروح کا ہوگا۔ ساتھ ہی شروح میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ظاہر روایت ہوتا ہے جس طرح تو جان چکا ہے۔

29814۔ (قولہ: حَتَّى يَنْقَضِيَ) یہاں تک کہ وہ مہینہ ختم ہو جائے جس کے اول میں تینوں اقوال پر وہ سکونت پذیر رہا۔

29815۔ (قولہ: إِلَّا بِعُذْرٍ) یعنی فسخ کے آنے والے اعذار میں سے کوئی عذر۔

29816۔ (قولہ: كَمَا لَوْ عَجَّلَ) یہ اس کے صحیح ہونے کی مثال دی جا رہی ہے۔ کیونکہ متن میں ہے: ''زیلعی'' نے کہا: جس قدر اجرت پہلے دے دی گئی اس میں کسی ایک کو بھی عقد فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ کیونکہ اجرت پہلے ادا کرنے کی صورت میں اس مقدار میں جہالت زائل ہو گئی۔ پس وہ عقد میں مسمی (معین) کی طرح ہو گئی۔

29817۔ (قولہ: إِلَّا أَنْ يُسَمِّيَ الْكُلَّ) یہ ان کے قول: و فسد فی الباقی سے مستثنیٰ ہے یعنی تمام وہ چوپائے جن میں عقد کرنے کا قصد کیا گیا۔ یہ حکم اسی طرح ہے جس طرح جب وہ کہے: میں نے یہ چھ ماہ کے لیے اجرت پر دی ہر ماہ اتنے کے

(وَإِذَا آجَرَهَا سَنَةً بِكَذَا صَحَّ وَإِنْ لَمْ يُسَمِّ أَجْرَ كُلِّ شَهْرٍ) وَتُقَسَّمُ سَوِيَّةً (وَأَوَّلُ الْمُدَّةِ مَا سَمَّى) إِنْ سَمَّى (وَإِلَّا فَوَقْتُ الْعَقْدِ) هُوَ أَوَّلُهَا (فَإِنْ كَانَ) الْعَقْدُ (حِينَ يُهَلُّ) بِضَمٍّ فَفَتْحٍ أَيْ يُبْصَرُ الْهِلَالُ، وَالْمُرَادُ الْيَوْمُ الْأَوَّلُ مِنَ الشَّهْرِ شمنى (اعْتُبِرَ الْأَهِلَّةُ وَإِلَّا فَالْأَيَّامُ) كُلُّ شَهْرٍ ثَلَاثُونَ، وَقَالَا يُتِمُّ الْأَوَّلَ بِالْأَيَّامِ

کیونکہ مانع زائل ہو چکا ہے۔ جب اس نے سال بھر کے لیے مخصوص مقدار کے عوض اجرت پر دیا تو یہ صحیح ہوگا اگر چہ ہر ماہ کی اجرت کا ذکر نہ کرے۔ اور اس اجرت کو برابر طور پر تقسیم کیا جائے گا۔ مدت کا آغاز اس سے ہوگا جس کا اس نے ذکر کیا اگر اس نے مدت کا ذکر کیا ورنہ عقد کا وقت ہی اس کا اول ہوگا اگر عقد اس وقت ہوا جب چاند نظر آئے۔ یھل یہ یا کے ضمہ اور ہا کے فتحہ کے ساتھ ہے مراد چاند دیکھا جائے۔ مراد مہینہ کا پہلا دن ہے، ''شمنی''۔ تو چاند کا اعتبار ہوگا ورنہ ایام کا اعتبار ہوگا اور ہر مہینہ تیس دنوں کا ہوگا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: پہلے مہینے کو دنوں کے ساتھ مکمل کیا جائے گا

عوض ہوگا۔

29818۔ (قولہ: لِزَوَالِ الْمَانِعِ) یعنی وہ مانع جو تمام مہینوں کا نام نہ لینے کی صورت میں تھا وہ زائل ہو گیا ہے۔

29819۔ (قولہ: وَتُقَسَّمُ سَوِيَّةً) یعنی مشہور قول کے مطابق انہیں برابر تقسیم کیا جائے گا۔ سب کا فائدہ اس صورت میں ظاہر ہوگا جب وہ مدت کے دوران سے فسخ کیا جائے۔ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: اگر اس نے کہا: میں نے تجھے ایک سال کے لیے ہزار کے بدلے میں اجرت پر دیا ہر ماہ ایک سو کے عوض میں ہے۔ اس نے اسے قبول کر لیا تو یہ اجارہ بارہ سو کے عوض ہوگا ہر ماہ ایک سو کے عوض ہوگا اور آخر کلام اول کے لیے فسخ کرنے والا ہوگا۔ ''فقیہ'' نے کہا: یہ اس صورت میں ہے جو یہ قصداً ہو اگر غلطی کے طور پر یہ کلام کی ہو تو اجرت پہلے ہوگی۔

29820۔ (قولہ: إِنْ سَمَّى) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: اس سال کے رجب سے لے کر۔ ''درر''۔ یعنی جب وہ خیار شرط نہ ہو۔ اگر خیار شرط ہو تو اس کے ساقط ہونے سے وقت سے مدت شمار کی جائے گی۔ ''سری الدین'' نے ''کافی'' سے اسے نقل کیا ہے۔ ''ط''۔

29821۔ (قولہ: وَالْمُرَادُ الْيَوْمُ الْأَوَّلُ) یعنی مراد پہلا دن ہے نہ کہ جس وقت وہ حقیقت میں چاند دیکھے۔

29822۔ (قولہ: اعْتُبِرَ الْأَهِلَّةُ) یہاں تک اگر مہینہ ایک دن کا ہو تو اس پر پوری اجرت ہوگی۔ ''بدائع''۔

29823۔ (قولہ: وَإِلَّا فَالْأَيَّامُ) یعنی اگر عقد اجارہ درمیان مہینہ میں ہو تو ایام کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ پہلا مہینہ دوسرے مہینہ کے ایام کے ساتھ پورا ہو جاتا ہے۔ پس دوسرے مہینہ کے اول دنوں کے اعتبار سے ہوا تو اسے تیسرے مہینہ کے ساتھ مکمل کیا جائے گا۔ اسی طرح یہ سلسلہ چلے گا۔ ''بدائع''۔

29824۔ (قولہ: وَقَالَا يُتِمُّ الْأَوَّلَ بِالْأَيَّامِ) ''ذخیرہ'' میں ہے: اگر اس نے عقد اجارہ کیا اس شرط پر کہ ہر مہینہ ایک درہم کے بدلے میں ہے اگر عقد اجارہ مہینہ کے وسط میں ہوا تو بغیر کسی اختلاف کے ہر مہینہ کا اعتبار دنوں کے اعتبار سے ہوگا۔

وَالْبَاقِيْ بِالْأَهِلَّةِ (اسْتَأْجَرَ عَبْدًا بِأَجْرٍ مَعْلُومٍ وَبِطَعَامِهِ لَمْ يَجُزْ) لِجَهَالَةِ بَعْضِ الْأَجْرِ كَمَا مَرَّ (وَجَازَ إِجَارَةُ الْحَمَّامِ)؛ لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ دَخَلَ حَمَّامَ الْجُحْفَةِ وَلِلْعُرْفِ وَقَالَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَا رَآهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ قُلْتُ وَالْمَعْرُوفُ وَقْفُهُ عَلَى ابْنِ مَسْعُودٍ

اور باقی چاند سے حساب کیا جائے گا۔ایک آدمی نے غلام معلوم اجرت پر اور اس کے کھانے کے بدلے میں اجارہ پر لیا تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ بعض اجر مجہول ہوگا جس طرح گزر چکا ہے۔حمام کا اجارہ جائز ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جحفہ کے حمام میں داخل ہوئے تھے۔اور اس کے جواز کی دلیل عرف بھی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: جسے مسلمان حسن خیال کریں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حسن ہے۔میں کہتا ہوں: معروف یہ ہے یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے

کیونکہ دونوں اس کا اعتبار کرتے ہیں کہ چاند کی واسطہ سے مدت کے آخر کا علم ہو جائے تو اس سے اس کی تکمیل ممکن ہوگی۔امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک اور روایت امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کی طرح ہے: پہلے مہینہ کا اعتبار دنوں کے حوالے سے ہوگا اور آخری مہینہ سے اسے مکمل کیا جائے گا اور باقی مہینے چاند کے اعتبار سے ہوں گے۔اگر ایک آدمی نے ذی الحجہ کی دس تاریخ کو ایک سال کے لیے اجارہ کیا تو ذوالحجہ اگر تیس دنوں پر مکمل ہوا تو امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سال دس ذی الحجہ پر ختم ہوگا۔اگر ذی الحجہ کا مہینہ انتیس دنوں پر مکمل ہو تو سال ذی الحجہ کی گیارہ تاریخ پر مکمل ہوگا۔

اگر تو یہ کہے: کیا یہ لازم نہیں آتا کہ عید الاضحیٰ ایک سال میں متکرر ہوئی ہے؟ میں کہتا ہوں: ہاں۔لیکن اس سال میں جس میں اجارہ کی مدت مقدر کی گئی نہ کہ معروف سال میں عید الاضحیٰ متکرر ہوگی پس ممنوع غیر لازم ہے اور لازم غیر ممنوع ہے۔

29825۔(قوله: كَمَا مَرَّ) اس کے بارے میں گفتگو ایک ورق پہلے گزر چکی ہے۔

29826۔(قوله: إِجَارَةُ الْحَمَّامِ) ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ اجارہ اجرت کا اسم ہے یعنی حمام والا حمام کی اجرت لے سکتا ہے۔''ابوسعود'' میں ''حموی'' سے مروی ہے۔حمام اغلب قول کے مطابق مؤنث ہے اس کی جمع قیاس کے مطابق حمامات آتی ہے۔میرے ذہن میں یہ ہے سب سے پہلے جس نے حمام بنایا ہے وہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حمام میں داخل ہونے اور حدیث ما رآہ المومنون حسنا کا مطلب

29827۔(قوله: لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ دَخَلَ حَمَّامَ الْجُحْفَةِ) ''منلا علی قاری'' نے کہا: ''دمیری'' اور ''نووی'' نے کہا: یہ روایت بہت ہی ضعیف ہے۔ہمارے شیخ ''ابن حجر مکی'' نے ''شرح الشمائل'' میں کہا ہے: حفاظ کے اتفاق کے مطابق یہ موضوع ہے اگرچہ ''دمیری'' وغیرہ کی کلام میں واقع ہے جو اپنے محل میں نہیں۔''ملخص''

29828۔(قوله: وَلِلْعُرْفِ) کیونکہ تمام شہروں میں لوگ حمام کی اجرت ادا کرتے ہیں اگرچہ یہ معلوم نہیں کہ وہ کتنا پانی استعمال کرے گا اور نہ اس کے بیٹھنے کی مقدار کا علم ہوتا ہے۔علما کا اجماع اس کے جواز پر دال ہے اگرچہ قیاس اس کے جواز کا انکار کرتا ہے۔کیونکہ یہ جہالت کے ساتھ عین کے اتلاف پر وارد ہے۔''اتقانی''۔

كَمَا ذَكَرَهُ ابْنُ حَجَرٍ (وَ) جَازَ (بِنَاؤُهُ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ) هُوَ الصَّحِيحُ لِلْحَاجَةِ، بَلْ حَاجَتُهُنَّ أَكْثَرُ لِكَثْرَةِ أَسْبَابِ اغْتِسَالِهِنَّ، وَكَرَاهَةُ عُثْمَانَ مَحْمُولٌ عَلَى مَا فِيهِ كَشْفُ عَوْرَةٍ زَيْلَعِيٌّ وَفِي إِحْكَامَاتِ الْأَشْبَاهِ وَيُكْرَهُ لَهَا دُخُولُ الْحَمَّامِ فِي قَوْلٍ، وَقِيلَ إِلَّا لِمَرِيضَةٍ أَوْ نُفَسَاءَ، وَالْمُعْتَمَدُ أَنْ لَا كَرَاهَةَ مُطْلَقًا

جس طرح ''ابن حجر'' نے ذکر کیا ہے حمام مردوں اور عورتوں کے لیے بنانا جائز ہے۔ یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ ضرورت ہے بلکہ عورتوں کی حاجت زیادہ ہے۔ کیونکہ عورتوں کے غسل کے اسباب زیادہ ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اسے مکروہ قرار دینا شرمگاہ کے ننگا ہونے کی وجہ سے ہے، ''زیلعی''۔ ''الاشباہ'' کے احکام میں ہے: ایک قول کے مطابق عورت کے لیے حمام میں داخل ہونا مکروہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مگر مریض، نفساء کے لیے مکروہ نہیں۔ قابل اعتماد یہ ہے کہ مطلقاً مکروہ نہیں۔

29829۔ (قولہ: كَمَا ذَكَرَهُ ابْنُ حَجَرٍ) امام ''احمد'' نے اسے ''کتاب السنہ'' میں حضرت ''ابی وائل'' کی حدیث سے حضرت ''ابن مسعود'' سے روایت کیا ہے: اللہ تعالیٰ نے بندوں کے دلوں میں نظر کی تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند کیا اور آپ کو اپنی رسالت کے ساتھ مبعوث کیا پھر بندوں کے دلوں کی طرف نظر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اصحاب کو دیکھا پس انہیں اپنے دین کے انصار اور اپنے نبی کے وزراء بنایا۔ پس مسلمان جسے حسن خیال کریں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حسن ہے اور جسے مسلمان قبیح خیال کریں وہ قبیح ہے (1)۔ یہ روایت موقوف حسن ہے۔ ''بزار''، ''طیالسی'' اور ''طبرانی'' نے حضرت ''ابن مسعود'' رضی اللہ عنہ کے تعارف میں ''حلیہ'' سے انہوں نے اسے ''مقاصد حسنہ'' سے نقل کیا ہے۔ ''ط''۔

29830۔ (قولہ: هُوَ الصَّحِيحُ) علما میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے اسے مکروہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ حضرت ''عمارہ بن عقبہ'' رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: میں حضرت ''عثمان بن عفان'' رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھ سے میرے مال کے بارے میں پوچھا تو میں نے آپ کو خبر دی کہ میرے غلام ہیں اور حمام ہیں جن کے منافع ہیں تو آپ نے پچھنے لگانے والوں اور حمام کی اجرت کو ناپسند کیا انہوں نے فرمایا: حمام شیطان کا گھر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے سب سے برا گھر قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس میں شرمگاہیں کھلی ہوتی ہیں اور جسم کے دھوون اور نجاستیں بہائی جاتی ہیں (2) علما میں سے کچھ وہ ہیں جو مردوں اور عورتوں کے حماموں میں فرق کرتے ہیں۔ ''زیلعی''۔

29831۔ (قولہ: لِكَثْرَةِ أَسْبَابِ اغْتِسَالِهِنَّ) یعنی انہیں حیض نفاس اور جنابت کا عارضہ لاحق ہوتا ہے اور ٹھنڈے پانی کا استعمال بعض اوقات نقصان دیتا ہے۔ بعض اوقات وہ اس کے ساتھ اپنے پورے جسم کا احاطہ نہیں کر پاتیں اور میل کچیل زائل نہیں کر پاتیں۔ ''زیلعی''۔

29832۔ (قولہ: وَقِيلَ إِلَّا لِمَرِيضَةٍ أَوْ نُفَسَاءَ) سنن میں حضرت ''عبداللہ بن مسعود'' رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب مسند

1۔ مسند امام احمد، مرویات ابن مسعود رضی اللہ عنہ، صفحہ 286، حدیث نمبر 3600

2۔ المبسوط السرخسی، کتاب الاجارات، باب اجارۃ الحمامات، جلد 15، صفحہ 176

قُلْتُ وَفِي زَمَانِنَا لَا شَكَّ فِي الْكَرَاهَةِ لِتَحَقُّقِ كَشْفِ الْعَوْرَةِ وَقَدْ مَرَّ فِي النَّفَقَةِ (وَالْحَجَّامِ): لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ احْتَجَمَ وَأَعْطَى الْحَجَّامَ أُجْرَتَهُ وَحَدِيثُ النَّهْيِ عَنْ كَسْبِهِ مَنْسُوخٌ

میں کہتا ہوں: ہمارے زمانہ میں اس کے مکروہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ کیونکہ بے پردگی ثابت ہے۔ کتاب النفقہ میں یہ گزر چکا ہے: پچھنے لگانے والے کو اجرت پر لینا جائز ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور پچھنے لگانے والے کو اجرت دی اور اس کی کمائی کے بارے میں نہی والی حدیث منسوخ ہے۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عنقریب عجم کی سرزمین تمہارے لیے مفتوح کر دی جائے گی تو تم وہاں ایسے مکانات پاؤ گے جنہیں حمامات کہا جاتا ہے پس مرد اس میں داخل نہ ہو مگر تہبند کے ساتھ داخل ہو، عورتوں کو حمامات میں جانے سے الگ کر دو مگر مریض عورت یا نفاس والی عورت وہاں جا سکتی ہے (1)۔ ''اتقانی''۔

29833۔ (قولہ: قُلْتُ) اس قول کے قائل ''ابن ہمام'' ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ عورتوں کے ساتھ خاص نہیں۔ کیونکہ ہمارے علاقوں میں عورت خفیفہ اور عورت غلیظہ عام مردوں میں سے فاسق لوگوں سے متحقق ہے چاہیے کہ اس کی تفصیل ذکر کی جائے۔ اگر حمام میں داخل ہونے والا اپنی نظر نیچی رکھتا ہے اس طرح کہ وہ کسی کی شرمگاہ نہیں دیکھتا اور اپنی شرمگاہ کسی کے لیے نہیں کھولتا ہے تو مطلقاً کوئی کراہت نہیں ورنہ دونوں فریقوں کے حمام میں داخل ہونے میں کراہت ہے کیونکہ جو علت ذکر کی گئی ہے وہ موجود ہے۔ فتدبر

پچھنے لگانے والے کی اجرت کا حکم

29834۔ (قولہ: لِأَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ احْتَجَمَ الخ) امام ''بخاری'' نے حضرت ''ابن عباس'' رضی اللہ عنہما سے ایک مسند روایت نقل کی ہے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور حجام کو اجرت عطا فرمائی (2)۔ اگر اس کے مکروہ ہونے کو جانتے تو آپ اسے اجرت عطا نہ کرتے۔ ''سنن'' میں روایت ہے: اگر اسے خبیث جانتے تو اسے اجرت عطا نہ فرماتے۔ ''اتقانی''۔

29835۔ (قولہ: حَدِيثُ النَّهْيِ) وہ وہ روایت ہے جسے صاحب سنن نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ''رافع بن خدیج'' رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

حجام (پچھنے لگانے والے) کی کمائی خبیث ہے، کتے کی کمائی ناپاک ہے اور بدکارہ کا مہر ناپاک ہے (3)۔ ''اتقانی''۔

29836۔ (قولہ: مَنْسُوخٌ) یہ اس روایت کے ساتھ منسوخ ہے کہ ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: میرے عیال اور ایک غلام حجام ہے کیا میں اس غلام حجام کی کمائی سے اپنے عیال کو کھلا سکتا ہوں؟ فرمایا: ہاں (4)۔ ''زیلعی''۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحمام، جلد 3، صفحہ 158، حدیث نمبر 3496

2۔ صحیح بخاری، کتاب الاجارہ، باب خراج الحجام، جلد 1، صفحہ 956، حدیث نمبر 2118

3۔ سنن ابی داؤد، ابواب الاجارہ، باب فی کسب الحجام، جلد 2، صفحہ 77-576، حدیث نمبر 2967

4۔ المبسوط للسرخسی، کتاب الاجارہ، جلد 15، صفحہ 94

(وَالظِّئْرُ) بِكَسْرٍ فَهَمْزٍ الْمُرْضِعَةُ (بِأَجْرٍ مُعَيَّنٍ) لِتَعَامُلِ النَّاسِ، بِخِلَافِ بَقِيَّةِ الْحَيَوَانَاتِ لِعَدَمِ التَّعَارُفِ

ظئر کا لفظ ظا کے کسرہ اور اس کے بعد ہمزہ کے ساتھ ہے یعنی دائی اسے معین اجرت پر لینا جائز ہے کیونکہ لوگوں کا اس بارے میں تعامل ہے۔ باقی حیوانات کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ تعارف نہیں۔

''اتقانی'' نے خبث والی حدیث کو مروت کے طریقہ سے طبعا کراہت پر محمول کیا ہے۔ کیونکہ اس میں خست اور کمینگی موجود ہے۔ کہا: ہم یہ نہیں کہیں گے کہ اس کے راوی حضرت ''رافع'' ضبط، اتقان اور فقہ میں حضرت ''ابن عباس'' رضی اللہ عنہما جیسے نہیں۔ پس حضرت ''ابن عباس'' رضی اللہ عنہما کی حدیث پر عمل کیا جائے گا ان کی حدیث پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ ''جوہرہ'' میں ہے: اگر حجام حجامت پر کسی شے کی شرط لگائے تو یہ مکروہ ہوگا۔

دائی کو اجرت پر لینے کا حکم

29837۔ (قولہ: وَالظِّئْرُ) یہ جر کے ساتھ ہے اس کا عطف حمام پر ہے۔

29838۔ (قولہ: بِكَسْرٍ فَهَمْزٍ) یعنی ظئر کا ظا مکسور اور اسکے بعد ہمزہ ساکن ہے اس میں تخفیف بھی جائز ہے۔ ''حموی''۔

29839۔ (قولہ: الْمُرْضِعَةُ) یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ ''قاموس'' میں ہے: ظئرا سے کہتے ہیں جو کسی اور کے بچے پر شفیق ہو وہ لوگوں میں اور ان کے علاوہ اس کو دودھ پلانے والی ہو۔ یہ لفظ مذکر اور مونث کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس کی جمع اظؤر، آظآر، ظؤر، ظؤورہ، ظؤار اور ظؤرۃ آتی ہے۔

29840۔ (قولہ: لِتَعَامُلِ النَّاسِ) یہ جواز کی علت ہے یہ استحسان ہے۔ کیونکہ یہ عقدعین کے ہلاک کرنے پر واقع ہوتا ہے جو دودھ ہے اس میں وقت کی تعیین شرط ہے اس پر اجماع ہے۔ ''حموی'' نے ''منصوریہ'' سے نقل کیا ہے۔ اس قول کا اطلاق اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مسلمان عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے آپ کو کافر کے بچے کو دودھ پلانے کے لیے اجرت پر دے سکتی ہے۔ ''الخانیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے: اگر وہ اپنے آپ کو کافر کی حکومت کے لیے پیش کرے تو یہ نا جائز ہے۔ ''الاشباہ'' میں کہا: ایک نصرانی نے ایک مسلمان کو خدمت کے لیے اجرت پر لیا تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ خدمت کے علاوہ کے لیے اجرت پر لیا تو یہ جائز ہوگا۔ ''ابوسعود''۔

حیوانات کو دودھ پلانے کے لیے اجرت پر لینا فاسد ہے

29841۔ (قولہ: بِخِلَافِ بَقِيَّةِ الْحَيَوَانَاتِ) یعنی اس کے علاوہ حیوانات کو دودھ پلانے کے لیے اجرت پر لینا یہ اس کے خلاف ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: ایک گائے اجرت پر لی تا کہ دودھ پیے یا انگور کی بیلیں یا درخت اجرت پر لیا تا کہ اس کا پھل کھائے یا زمین اجرت پر لی تا کہ اپنے ریوڑ کو اس کے سبزہ میں چرائے یا بکری اجرت پر لی تا کہ اس کی اون کاٹے تو یہ سب فاسد ہے۔ اس آدمی پر پھل، اون اور سبزہ کی قیمت لازم ہوگی۔ کیونکہ یہ سب آجر کی ملکیت ہے جب کہ اس نے ان کو عقد فاسد کے ساتھ حاصل کیا ہے۔ اگر وہ زمین کو اجرت پر لیتا ہے تا کہ اس کا گھاس کھلائے تو معاملہ مختلف ہوگا۔

(وَ) كَذَا (بِطَعَامِهَا وَكُسْوَتِهَا) وَلَهَا الْوَسَطُ، وَهَذَا عِنْدَ الْإِمَامِ لِجَرَيَانِ الْعَادَةِ بِالتَّوْسِعَةِ عَلَى الظِّئْرِ شَفَقَةً عَلَى الْوَلَدِ (وَلِلزَّوْجِ أَنْ يَطَأَهَا) خِلَافًا لِمَالِكٍ (لَا فِي بَيْتِ الْمُسْتَأْجِرِ) : لِأَنَّهُ مِلْكُهُ فَلَا يَدْخُلُهُ (إِلَّا بِإِذْنِهِ، وَ) الزَّوْجُ (لَهُ فِي نِكَاحٍ ظَاهِرٍ) أَيْ مَعْلُومٍ بِغَيْرِ الْإِقْرَارِ (فَسْخُهَا مُطْلَقًا) شَانَهُ إِجَارَتُهَا أَوْ لَا فِي الْأَصَحِّ (وَلَوْ غَيْرَ ظَاهِرٍ) بِأَنْ عَلِمَ بِإِقْرَارِهِمَا (لَا) يَفْسَخُهَا: لِأَنَّ قَوْلَهُمَا لَا يُقْبَلُ فِي حَقِّ الْمُسْتَأْجِرِ

اس طرح دایہ کے طعام اور لباس کے بدلے میں اجارہ جائز ہے اور دایہ کے لیے درمیانہ کھانا اور لباس ہوگا۔ یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ کیونکہ یہ عادت جاری ہے۔ بچے پر شفقت کی غرض سے دایہ پر وسعت کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ اور دایہ کے خاوند کو اس کے ساتھ وطی کرنے کا حق ہے۔ امام ''مالک'' نے اس کی مخالفت کی ہے مگر مستاجر کے گھر میں وہ وطی نہ کرے۔ کیونکہ یہ گھر مستاجر کی ملکیت ہے۔ وہ مستاجر کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہو۔ اور خاوند کو ظاہر نکاح، یعنی اقرار کے بغیر معلوم ہو، میں اس اجارہ کو مطلقاً فسخ کرنے کا حق حاصل ہے اس کی بیوی کا اجارہ اس کے لیے عیب کا باعث ہو یا عیب کا باعث نہ ہو۔ یہ اصح قول کے مطابق ہے۔ اگر نکاح ظاہر نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ نکاح دونوں کے اقرار سے معلوم ہو تو وہ اس اجارہ کو فسخ نہیں کرے گا۔ کیونکہ ان کا قول مستاجر کے حق میں قبول نہیں۔ اور مستاجر کو حق حاصل ہے

29842۔ (قولہ: وَ كَذَا بِطَعَامِهَا وَكُسْوَتِهَا) اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ ایک مستقل مسئلہ ہے اور یہ دونوں چیزیں دایہ کے ذمہ ہوں گی اگر عقد میں دونوں نے مستاجر کے ذمہ بطور شرط ذکر نہ کیں۔

29843۔ (قولہ: لِجَرَيَانِ الْعَادَةِ الخ) یہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کا جواب ہے۔ کیونکہ اجرت مجہول ہے اس کی دلیل یہ ہے: بچے پر شفقت کی وجہ سے دایہ پر یہ وسعت کی جاتی ہے یہ عام معمول ہے تو یہ جہالت نزاع تک لے جانے والی نہیں جہالت بالذات مانع نہیں بلکہ اس لیے مانع ہے کیونکہ وہ نزاع تک لے جانے والی ہے۔

29844۔ (قولہ: وَلِلزَّوْجِ أَنْ يَطَأَهَا) اگر خاوند اجارہ پر راضی ہو تو مستاجر کو یہ حق حاصل نہیں کہ اسے وطی سے روکے اس خوف کی بنا پر کہ اسے حمل نہ ہو جائے۔ کیونکہ حمل کا ٹھہر جانا یہ موہوم ضرر ہے اور وطی سے منع کرنا یہ متحقق ضرر ہے۔ دایہ کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خاوند کو اپنے آپ سے روکے۔ ''اتقانی''۔

29845۔ (قولہ: شَانَهُ إِجَارَتُهَا أَوْ لَا) خواہ یہ اجارہ خاوند کے لیے عیب کا باعث ہو یا عیب کا باعث نہ ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان ذی شان ہے یا ایسا نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عورت کو باہر نکلنے سے روک سکتا ہے اور بچے کو اس کے پاس آنے سے روک سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ دودھ پلانا اور رات کو جاگنا یہ عورت کو کمزور کر دیتا ہے اور اس کے جمال کو ختم کر دیتا ہے۔ پس مرد کو اس سے روکنے کا حق ہوگا جس طرح وہ نفلی روزے سے اسے روک سکتا ہے۔ ''زیلعی''۔

(وَلِلْمُسْتَأْجِرِ فَسْخُهَا بِحَبَلِهَا وَمَرَضِهَا وَفُجُورِهَا) فُجُورًا بَيِّنًا وَنَحْوِ ذَلِكَ مِنَ الْأَعْذَارِ (لَا بِكُفْرِهَا)؛ لِأَنَّهُ لَا يَضُرُّ بِالصَّبِيِّ، وَلَوْ مَاتَ الصَّبِيُّ أَوِ الظِّئْرُ انْتَقَضَتِ الْإِجَارَةُ وَلَوْ مَاتَ أَبُوهُ لَا،

کہ وہ دایہ کے حاملہ ہونے، اس کے مریض ہونے اور اس کے فجور سے جو کہ فجور بین ہو اور اس کے علاوہ جو دوسرے عذر ہیں کی وجہ سے اجارہ کو فسخ کردے۔ اس کے کفر کے سبب اجارہ کو فسخ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ امر بچے کو نقصان نہیں دے سکتا اگر بچہ مرجائے یا دایہ مرجائے اجارہ ختم ہو جائے گا۔ اگر اس کا باپ مرجائے تو اجارہ ختم نہیں ہوگا۔

مستاجر کے لیے دایہ کے اجارہ کو فسخ کرنے کی صورتیں

29846۔(قولہ: وَلِلْمُسْتَأْجِرِ فَسْخُهَا الخ) کیونکہ حاملہ اور مریضہ کا دودھ چھوٹے بچے کو نقصان دیتا ہے اور دودھ پلانا عورت کو بھی نقصان دیتا ہے پس اس عورت کو اور انہیں اجارہ فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔ اور دایہ کو بھی فسخ کرنے کا اختیار ہوگا اس کی وجہ سے بچے کے اہل اذیت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اس طرح اگر اس کی غیر کے بچے کو دودھ پلانے کی عادت نہ ہو۔ اسی طرح اگر وہ سب اسے (عورت کو) اس عمل کی وجہ سے عار دلائیں۔ کیونکہ اس وجہ سے اس عورت کو ضرر لاحق ہوتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے: شریف عورت بھوکی رہتی ہے اور اپنے پستان سے نہیں کھاتی۔ ''زیلعی''۔ یہ حکم اس وقت ہے جب غذا کے وقت اس کا علاج ممکن ہو یا عورت کے دودھ سے علاج ممکن ہو۔ ورنہ عورت کو اجارہ فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ اسی پر فتویٰ ہے جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔

29847۔(قولہ: وَفُجُورِهَا) مراد اس کی بدکاری ہے کیونکہ اس عمل کی وجہ سے وہ بچے کی حفاظت سے غافل ہو جاتی ہے۔

29848۔(قولہ: وَنَحْوِ ذَلِكَ) جس طرح بچے کے والدین سفر کا ارادہ کریں اور وہ دایہ ان کے ساتھ جانے کا انکار کر دے، وہ بدزبان ہو، چور ہو یا اس کا دودھ قے کا باعث ہو یا وہ اس کا پستان نہ پکڑتا ہو۔ اس طرح ہر وہ چیز جو بچے کے لیے لا محالہ ضرر کا باعث ہو جس طرح اس کے گھر سے کثیر زمانہ کے لیے گھر سے نکل جائے اور جو امر اس کے مشابہ ہیں۔ پس ان سب کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اسے اس امر سے روکیں نہ کہ وہ جو نقصان دہ نہ ہو مگر وہ امور جن میں ضرر کا وہم ہو تو اس امر سے بچے کے والدین کو حق نہیں ہوگا کہ وہ دایہ کو روکیں۔ اس دایہ پر یہ لازم نہیں کہ وہ اسے باپ کے گھر میں دودھ پلائیں جب تک لوگوں کے درمیان عرف نہ ہو یا وہ اس عورت پر اس امر کی شرط لگائیں۔ ''تاتر خانیہ'' وغیرہا۔

29849۔(قولہ: لَا بِكُفْرِهَا) کیونکہ اس کا کفر اس کے اعتقاد سے متعلق ہے۔ ''زیلعی''۔

''طحاوی'' نے کہا: ''خانیہ'' میں اس کی مخالفت کی ہے جب دایہ کافرہ، مجنونہ، زانیہ یا احمق ظاہر ہو پس بچے کے والدین کو اجارہ فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔

29850۔(قولہ: وَلَوْ مَاتَ أَبُوهُ لَا) یعنی اجارہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ اجارہ بچے کے لیے واقع ہوا ہے باپ کے لیے واقع نہیں ہوا۔ خواہ اس کا مال ہو یا مال نہ ہو۔ اسی وجہ سے اگر بچے کا مال ہو تو اجرت بچے کے مال سے لازم ہوگی۔ کیونکہ یہ

وَعَلَيْهَا غَسْلُ الصَّبِيِّ وَثِيَابِهِ وَإِصْلَاحُ طَعَامِهِ وَدَهْنُهُ بِفَتْحِ الدَّالِ أَيْ طَلْيُهُ بِالدُّهْنِ لِلْعُرْفِ وَهُوَ مُعْتَبَرٌ فِيمَا لَا نَصَّ فِيهِ، وَلَا يَلْزَمُهَا ثَمَنُ شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ، وَمَا ذَكَرَهُ مُحَمَّدٌ مِنْ أَنَّ الدُّهْنَ وَالرَّيْحَانَ عَلَيْهَا فَعَادَةُ أَهْلِ الْكُوفَةِ (وَهُوَ) أَيْ ثَمَنُهُ وَأُجْرَةُ عَمَلِهَا (عَلَى أَبِيهِ) إِنْ لَمْ يَكُنْ لِلصَّغِيرِ مَالٌ وَإِلَّا فَفِي مَالِهِ: لِأَنَّهُ كَالنَّفَقَةِ

اور دایہ پر لازم ہے کہ وہ بچے کے غسل، اس کے کپڑوں، اس کے کھانے کی اصلاح اور اسے تیل لگانے کا اہتمام کرے۔ یہ عرف کی وجہ سے ہے۔ اور عرف ان چیزوں میں معتبر ہے جس میں نص نہ ہو۔ ان میں سے کسی شے کی قیمت اس پر لازم نہ ہو گی۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے جو ذکر کیا ہے کہ تیل اور ریحان دایہ کے ذمہ ہے تو یہ اہل کوفہ کی عادت ہے۔ اس کی ثمن اور دایہ کے عمل کی اجرت بچے کے باپ کے ذمہ ہو گی اگر چھوٹے بچے کا اپنا مال نہ ہو، اگر اس کا مال ہو تو یہ اس کے مال میں سے ہو گی۔ کیونکہ یہ نفقہ کی طرح ہے۔

نفقہ کی طرح ہے۔ ''زیلعی''۔

وہ امور جو دایہ کے ذمے لازم ہیں

29851۔ (قولہ: وَثِيَابِهِ) یہ مجرور ہے اس کا عطف الصبی پر ہے اور کپڑے دھونے میں مطلقاً کلام کی ہے۔ ''الکفایہ'' میں ہے: صحیح یہ ہے کہ بچے کے کپڑوں کو بول وغیرہ سے دھونا یہ دایہ کے ذمہ ہے اور میل، کچیل سے کپڑوں کو دھونا یہ دایہ کے ذمہ لازم نہیں ہے، ''حموی''۔ اس کی مثل ''شرح المجمع'' میں ہے۔

29852۔ (قولہ: وَإِصْلَاحُ طَعَامِهِ) اس سے یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ بچے کے لیے کھانا تیار کرے اور وہ ایسی شے نہ کھائے جو اس کے دودھ کو فاسد کر دے اور بچے کو نقصان دے۔ ''تاتر خانیہ'' نے ''مضمرات'' سے نقل کیا ہے۔

عرف ان چیزوں میں معتبر ہے جس میں نص نہ ہو

29853۔ (قولہ: فَعَادَةُ أَهْلِ الْكُوفَةِ) علما نے عقود کے تابع ایسی چیزیں ذکر کی ہیں جن کا ان کے عقود میں کوئی ذکر نہیں۔ یہ سب شہر کے عرف و عادت پر محمول ہوگا جس طرح خیاط پر سلک لازم ہے اور وہ آٹا جس کے ساتھ جولاہا کپڑے کو درست کرتا ہے وہ کپڑے کے مالک کے ذمہ ہوگا۔ گندم کو گھر میں داخل کرنا یہ مکاری کے ذمہ ہوگا بالا خانے اور چھت پر لے جانے کا معاملہ مختلف ہے اور پالان جانور کے مالک کے ذمہ ہوگا۔ رسیاں اور بوریاں اسی پر لازم ہوں گی جو لوگوں کا عرف ہوگا۔ ''بدائع الصنائع''

29854۔ (قولہ: عَلَى أَبِيهِ) ''تاتر خانیہ'' میں ہے: ''ظہیریہ'' میں ہے: اگر اس بچے کا مال نہ ہو جب باپ اسے اجرت پر لے پھر بچے کو مال مل جائے کہا: میرے والد نے اس دایہ کے بارے میں پوچھا تو کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو عرصہ گزر چکا ہے اس کی اجرت باپ کے ذمہ ہوگی اور جو عرصہ باقی ہے اس کی اجرت چھوٹے بچے کے مال میں سے ہوگی۔ اس میں یہ ہے کہ یتیم کو دودھ پلانے کی اجرت اس پر ہوگی جس پر اس کا نفقہ واجب ہوگا اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو تو پھر بیت

(فَإِنْ أَرْضَعَتْهُ بِلَبَنِ شَاةٍ أَوْ غَذَّتْهُ بِطَعَامٍ وَمَضَتْ الْمُدَّةُ لَا أَجْرَ لَهَا)؛ لِأَنَّ الصَّحِيحَ أَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ هُوَ الْإِرْضَاعُ وَالتَّرْبِيَةُ لَا اللَّبَنُ وَالتَّغْذِيَةُ عِنَايَةٌ (بِخِلَافِ مَا لَوْ دَفَعَتْهُ إِلَى خَادِمَتِهَا حَتَّى أَرْضَعَتْهُ) أَوْ اسْتَأْجَرَتْ مَنْ أَرْضَعَتْهُ حَيْثُ تَسْتَحِقُّ الْأَجْرَةَ

اگر دایہ بچے کو بکری کا دودھ پلائے یا کھانے کی غذا دے اور مدت گزر جائے تو اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہوگا۔ کیونکہ صحیح یہ ہے کہ جس امر پر عقد کیا گیا ہے وہ عورت کا دودھ پلانا اور تربیت کرنا ہے صرف دودھ اور خوراک دینا نہیں ''عنایہ''۔ اگر وہ دایہ بچہ اپنی خادمہ کے حوالے کر دے یہاں تک وہ خادمہ اسے دودھ پلائے یا وہ دایہ کسی ایسی عورت کو اجرت پر رکھے جو اس بچے کو دودھ پلائے تو وہ اجرت کی مستحق ہو جائے گی

المال میں سے اس کا خرچہ ہوگا۔

اگر دایہ بچے کو بکری کا دودھ پلائے یا کھانے کی غذا دے اور مدت گزر جائے تو اس کے لیے کوئی اجر نہیں

29855۔ (قولہ: فَإِنْ أَرْضَعَتْهُ بِلَبَنِ شَاةٍ) اس کی صورت یہ ہے کہ وہ عورت خود اقرار کرے یا گواہ اس بارے میں گواہی دیں۔ اگر وہ اس امر کا انکار کر دے تو قول قسم کے ساتھ اس کا معتبر ہوگا۔ یہ بطور استحسان ہے۔ اگر بچے کے ورثا اس امر پر گواہی دیں کہ اس نے بچے کو اپنا دودھ نہیں پلایا تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ مقصود کے اعتبار سے شہادت نفی پر واقع ہے۔ پہلی صورت کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ وہ اثبات کے ضمن میں داخل ہے اگر وہ دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو دایہ کے گواہ تسلیم کیے جائیں گے جس طرح ''ذخیرہ'' میں ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔

29856۔ (قولہ: لِأَنَّ الصَّحِيحَ الخ) وہ عمل جو اس پر واجب تھا اس نے وہ عمل نہیں کیا۔ وہ اپنا دودھ پلانا ہے جب کہ اجارہ ہے یہ ارضاع نہیں ہے۔

''المحیط'' میں ہے: ایک آدمی نے بکری اجرت پر لی تاکہ میمنہ یا بچے کو دودھ پلائے تو یہ جائز نہیں۔ کیونکہ جانوروں کے دودھ کی قیمت ہوتی ہے۔ پس اجارہ اس پر واقع ہوا جو مجہول ہے پس یہ جائز نہیں۔ عورت کے دودھ کی قیمت نہیں پس اس پر اجارہ واقع نہیں ہوگا اس میں اجارہ فعل ارضاع، تربیت اور حضانہ پر واقع ہوگا۔ ''زیلعی''۔

ارضاع اور اطعام میں فرق

29857۔ (قولہ: هُوَ الْإِرْضَاعُ) ارضاع انسان کے دودھ سے واقع ہوتا ہے اور جو اس کے علاوہ ہے وہ اطعام ہوتا ہے۔ ''اتقانی''۔

29858۔ (قولہ: لَا اللَّبَنُ) یعنی مطلقاً۔

29859۔ (قولہ: حَيْثُ تَسْتَحِقُّ الْأَجْرَةَ) یعنی وہ بطور استحسان اجرت کی مستحق ہوگی۔ کیونکہ انسان بعض اوقات خود کام کرتا ہے اور بعض اوقات کسی اور کے ذریعے کام کرتا ہے اور کیونکہ جب پہلی کے امر سے عمل کیا گیا تو وہ یوں ہو گیا گویا وہ

إِلَّا إِذَا شَرَطَ إِرْضَاعَهَا عَلَى الْأَصَحِّ شُرُنْبُلَالِيَّةٌ عَنْ الذَّخِيرَةِ وَلَوْ آجَرَتْ نَفْسَهَا لِذَلِكَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ وَلَمْ يَعْلَمْ الْأَوَّلُونَ فَأَرْضَعَتْهُمَا وَفَرَغَتْ أَثِمَتْ، وَلَهَا الْأَجْرُ كَامِلًا عَلَى الْفَرِيقَيْنِ لِشَبَهِهَا بِالْأَجِيرِ الْخَاصِّ وَالْمُشْتَرَكِ، وَتَمَامُهُ فِي الْعِنَايَةِ

مگر جب وہ اس دایہ کے دودھ پلانے کی شرط لگائے۔ یہ اصح قول کے مطابق ہے۔ ''شرنبلالیہ'' نے ''ذخیرہ'' سے نقل کیا ہے: اگر وہ دایہ خود کو کسی اور قوم کو اجرت پر دے دے اور پہلوں کو اس کا علم نہ ہو اور وہ عورت دونوں بچوں کو دودھ پلائے اور فارغ ہوجائے تو گناہگار ہوگی۔ اور اس کے لیے دونوں فریقوں پر کامل اجر ہوگا۔ کیونکہ وہ اجیر خاص اور مشترک کے مشابہ ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''العنایہ'' میں ہے۔

خود عمل کر رہی ہے۔ ''بدائع''۔

29860۔ (قولہ: عَنْ الذَّخِيرَةِ) اس کی نص یہ ہے: مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے صحیح یہ ہے کہ وہ عورت مستحق نہیں۔ اس کی مثل ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔

29861۔ (قولہ: لِذَلِكَ) اسم اشارہ کا مشارالیہ ارضاع ہے۔

29862۔ (قولہ: وَلَمْ يَعْلَمْ الْأَوَّلُونَ) یہاں تک کہ وہ اس اجارہ کو فسخ کر دیں۔ ''تاتر خانیہ''۔

اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ انہیں دوسرے اجارہ کو فسخ کرنے کا حق حاصل ہے۔

29863۔ (قولہ: أَثِمَتْ) وہ گناہ گار ہوگی کیونکہ یہ لازم تھا کہ وہ رضاع کا عمل مکمل کرتی جب اس نے دو بچوں کو دودھ پلایا تو دونوں میں سے ایک کو نقصان پہنچایا کیونکہ دودھ کم ہوگیا تھا۔

29864۔ (قولہ: وَلَهَا الْأَجْرُ كَامِلًا عَلَى الْفَرِيقَيْنِ) اور عورت کے لیے وہ اجرت حلال، پاکیزہ ہوگی۔ اور اگر اس عورت نے مشروط مدت میں ان کے بچے کو دودھ پلایا تو پہلی اجرت میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ اور جس قدر اس نے مخالفت کی اسی حساب سے اجرت میں کمی کر دی جائے گی۔ ''تاتر خانیہ''۔

29865۔ (قولہ: لِشَبَهِهَا بِالْأَجِيرِ الْخَاصِّ وَالْمُشْتَرَكِ) یہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ وہ یہ ہے کہ ایک آدمی کا جو مزدور ہوا سے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی اور کے ساتھ اپنے بارے میں عقد اجارہ کرے۔ اگر وہ عقد اجارہ کرے تو پہلے مستاجر پر پوری اجرت لازم نہ ہوگی اور وہ مزدور گنہگار ہوگا۔

''الذخیرہ'' میں کہا: یہ امر اشکال کا باعث نہیں جب چھوٹے بچے کے باپ نے کہا: میں نے تجھے اجرت پر لیا ہے تا کہ تو اس سال اتنے کے عوض میرے بچے کو دودھ پلائے۔ کیونکہ اس صورت میں وہ اجیر مشترک ہے۔ کیونکہ پہلے اس نے عمل پر عقد کیا۔ بے شک یہ اشکال پیدا کرے گا جب وہ کہے: میں نے تجھے سال بھر کے لیے اجرت پر لیا تا کہ تو دودھ پلائے کیونکہ اس نے پہلا عقد مدت پر کیا ہے اس کی وضاحت آگے آئے گی۔ یہ وجہ کہ رضاعت میں ایک اجیر مشترک کے مشابہ ہے اس

(لَا تَصِحُّ الْإِجَارَةُ لِعَسْبِ التَّيْسِ) وَهُوَ نَزْوُهُ عَلَى الْإِنَاثِ (وَ) لَا (لِأَجْلِ الْمَعَاصِي مِثْلُ الْغِنَاءِ وَالنَّوْحِ وَالْمَلَاهِي) وَلَوْ أُخِذَ بِلَا شَرْطٍ يُبَاحُ (وَ) لَا لِأَجْلِ الطَّاعَاتِ

نرکو مادہ پر چھوڑنے کے لیے نرکو اجارہ پر لینا صحیح نہیں اور نہ معاصی کے لیے کسی کو اجارہ پر لینا صحیح ہے جیسے گانا گانا، نوحہ کرنا اور لہولعب کرنا۔ اگر کسی شرط کے بغیر لیا تو یہ مباح ہوگا۔ اور نہ ہی طاعات کے لیے اجارہ پر لینا صحیح ہے

حیثیت سے ہے کہ اس کے لیے ممکن ہے کہ ہر ایک کے لیے عمل کو مکمل کرنا ممکن ہے جیسے خیاط ہے وہ ایک کا اجیر ہو تو وہ گناہگار ہوگا کیونکہ وہ ایک آدمی کے اجیر کے مشابہ ہے اور اس کے لیے کامل اجرت ہوگی کیونکہ یہ اجیر مشترک کے مشابہ ہے۔ ''ملخص''

29866۔ (قولہ: لَا تَصِحُّ الْإِجَارَةُ لِعَسْبِ التَّيْسِ) کیونکہ یہ ایک ایسا عمل ہے جس پر قدرت حاصل نہیں ہوتی جو حمل کا ٹھہرانا ہے۔

معاصی میں اجرت پر لینے کا مطلب

29867۔ (قولہ: مِثْلُ الْغِنَاءِ) غناء کا لفظ مد اور کسرہ کے ساتھ ہے اس سے مراد آواز ہے مگر جب یہ ممدودہ نہ ہو بلکہ الف مقصورہ کے ساتھ ہو تو مراد خوشحالی ہے۔ ''صحاح''۔

29868۔ (قولہ: وَالنَّوْحِ) اس سے مراد میت پر رونا ہے اور اس کے محاسن کو شمار کرنا ہے۔

29869۔ (قولہ: وَالْمَلَاهِي) جیسے مزامیر اور طبل ہے۔ جب طبل بجانا لہو ولعب کے علاوہ کے لیے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں جس طرح غازیوں کا طبل بجانا اور شادی کے موقع پر طبل بجانا۔ کیونکہ ''الاجناس'' میں ہے: اس میں کوئی حرج نہیں کہ شادی کی رات دف ہو جسے بجایا جائے تا کہ اس کے ساتھ نکاح کیا جائے۔ ''الولوالجیہ'' میں ہے: اگر طبل جنگ یا قافلہ کے لیے ہو تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔ ''اتقانی''، ''ملخص''

29870۔ (قولہ: يُبَاحُ) ''المحیط'' میں اسی طرح ہے۔

''المنتقی'' میں ہے: نوحہ کرنے والی عورت، طبل بجانے والی عورت یا مزمار والی نے مال کمایا تو وہ اس مال کو اس کے مالکوں کی طرف لوٹا دے گی اگر مالکوں کا علم ہو ورنہ وہ اس مال کو صدقہ کردے گی اگر شرط کے علاوہ ہو تو وہ مال اس کا ہوگا۔ امام ''استاذ'' نے کہا: یہ مال اس کے لیے حلال و پاکیزہ نہیں اور معروف مشروط کی طرح ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: ہمارے زمانہ میں اس کے بدلے میں اجر لینا متعین ہو چکا ہے کیونکہ سب لوگ جانتے ہیں کہ یہ لوگ اجرت کے بغیر بالکل نہیں جاتے۔ ''ط''۔

طاعات میں اجارہ پر لینے کا مطلب

29871۔ (قولہ: وَلَا لِأَجْلِ الطَّاعَاتِ) قاعدہ یہ ہے: ہر ایسی طاعت جو مسلمان کے ساتھ خاص ہے اس پر اجرت

مِثْلُ (الْأَذَانِ وَالْحَجِّ وَالْإِمَامَةِ وَتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَالْفِقْهِ) وَيُفْتَى الْيَوْمَ بِصِحَّتِهَا لِتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ وَالْفِقْهِ وَالْإِمَامَةِ وَالْأَذَانِ (وَيُجْبَرُ الْمُسْتَأْجِرُ عَلَى دَفْعِ مَا قَبِلَ) فَيَجِبُ الْمُسَمَّى بِعَقْدٍ وَأَجْرُ الْمِثْلِ إِذَا لَمْ تُذْكَرْ مُدَّةٌ شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ مِنَ الشَّرِكَةِ (وَيُحْبَسُ بِهِ) بِهِ يُفْتَى (وَيُجْبَرُ عَلَى) دَفْعِ (الْحَلْوَةِ الْمَرْسُومَةِ) هِيَ مَا يُهْدَى لِلْمُعَلِّمِ عَلَى رُءُوسِ بَعْضِ سُوَرِ الْقُرْآنِ، سُمِّيَتْ بِهَا: لِأَنَّ الْعَادَةَ إِهْدَاءُ الْحَلَاوَى (وَلَوْ دَفَعَ غَزْلًا لِآخَرَ لِيَنْسِجَهُ لَهُ بِنِصْفِهِ) أَيْ بِنِصْفِ الْغَزْلِ (أَوْ اسْتَأْجَرَ بَغْلًا لِيَحْمِلَ طَعَامَهُ بِبَعْضِهِ أَوْ ثَوْرًا لِيَطْحَنَ بُرَّهُ بِبَعْضِ دَقِيقِهِ)

جیسے اذان، حج، امامت، قران اور فقہ کی تعلیم۔ آج کل قرآن، فقہ امامت اور اذان کی تعلیم کے اجرت پر لینا صحیح ہے۔ اور مستاجر نے جو قبول کیا تھا اس کے دینے پر اسے مجبور کیا جائے گا اور عقد کے ساتھ مسمّی واجب ہوگا اور اجرت مثلی واجب ہوگی جب مدت مذکور نہ ہوئی ''شرح وہبانیہ''۔ کتاب الشرکۃ۔ اور مستاجر کو اس کے بدلے میں محبوس کیا جائے گا اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے اور جو رسم ہے وہ مٹھائی اسے دینے پر مجبور کیا جائے گا حلوہ مرسومہ وہ ہے جو معلم کو قرآن کی بعض سورتوں کے آغاز پر دیا جاتا ہے۔ اسے یہ نام دیا گیا ہے کیونکہ معمول یہ ہے کہ حلوہ دیا جائے۔ اور ایک آدمی نے دوسرے کو سوت دیا تا کہ اس کے نصف سوت کے بدلے میں اسے بن دے یا خچر اجرت پر لیا تا کہ اس کا کھانا اس کے بعض کے بدلے میں اٹھا کر لے جائے یا بیل اجرت پر لیا تا کہ اس کی گندم کو اس کے بعض آٹے کے بدلے میں پیس دے

اجارہ پر لینا جائز نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: اقرؤا القرآن ولا تاکلوا بہ (1) قرآن پڑھو اور اس کے بدلے میں نہ کھاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو جو وصیت کی اس کے آخر میں ہے: اگر تجھے موذن رکھا جائے تو آذان پر اجرت نہ لینا (2)۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ جب قربت حاصل ہو تو وہ عامل پر واقع ہوتی ہے اسی وجہ سے اس کی اہلیت متعین ہو جاتی ہے۔ پس اس کے لیے غیر سے اجرت لینا جائز نہیں جس طرح روزے اور نماز میں ہے۔ ''ہدایہ''۔

تلاوت اور تہلیل وغیرہ میں اجارہ کے عدم جواز میں اہم تحریر

29872۔ (قولہ: يُفْتَى الْيَوْمَ بِصِحَّتِهَا لِتَعْلِيمِ الْقُرْآنِ الخ) ''ہدایہ'' میں کہا: آج کل قرآن کی تعلیم پر اجرت پر لینا، علما نے اسے مستحسن قرار دیا ہے۔ کیونکہ امور دینیہ میں سستی ظاہر ہو چکی ہے اور اجرت نہ دینے میں قرآن کے حفظ میں ضیاع ہوتا ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ ''کنز'' کے متن، ''مواہب الرحمٰن'' کے متن اور کثیر کتب میں قرآن کی تعلیم کے استثنا پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ''مختصر الوقایہ'' اور ''اصلاح'' کے متن میں فقہ کی تعلیم کو زائد کیا ہے۔ ''المجمع'' کے متن میں امامت کو زائد کیا ہے۔ اسی کی مثل ''الملتقی'' اور ''درر البحار'' کا متن ہے۔ بعض علما نے اذان، اقامت اور وعظ کو زائد کیا ہے۔ مصنف نے ان میں سے اکثر کا

1۔ الکامل فی ضعفاء الرجال ابن عدی راوی ضحاک بن نبراس، جلد 5، صفحہ 152، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

2۔ سنن ترمذی، ابواب الآذان، باب ماجاء فی کراھیۃ ان یاخذ السوذن علی الآذان اجرا، جلد 1، صفحہ 163، حدیث نمبر 193

....

ذکر کیا ہے۔ لیکن اکثر کتب میں اسی پر اکتفا ہے جو ''ہدایہ'' میں ہے۔ یہ اس کا مجموعہ ہے ہمارے مشائخ میں سے متاخرین نے فتویٰ دیا ہے وہ بلخ کے علماء ہیں جب کہ اس کے بعض میں اختلاف ہے جب کہ وہ اس امر کی مخالفت کرنے والے ہیں جس طرف امام اور ان کے ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما گئے ہیں جب کہ شروح اور فتاویٰ میں سب کی کلام اس پر متفق ہو چکی ہے کہ اس کی علت ضرورت ہے وہ قرآن حکیم کے ضیاع کا خوف ہے جس طرح ''ہدایہ'' میں ہے۔ میں نے تیرے لیے وہ کچھ نقل کر دیا ہے جو مذہب کے مشہور متون میں ہے جو فتویٰ کے لیے وضع کیے گئے ہیں پس جو کچھ شروح اور فتاویٰ میں ہے اس کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ جب سب اس تصریح پر متفق ہیں کہ اصل مذہب یہ ہے کہ یہ جائز نہیں۔ پھر اس کے بعد اس کی استثنا کی جس کو تو جان چکا ہے۔ یہ اس امر پر دلیل قطعی اور روشن برہان ہے کہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ ہر طاعت پر اجرت پر لینا جائز نہیں بلکہ صرف اس عادت پر اجرت لینا جائز ہے جن کا صرف علماء نے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ اس میں ضرورت ظاہر ہے جو اصل مذہب سے نکلنے کو مباح کر دیتا ہے جو اصل مذہب منع کے متعلق ہے۔ کیونکہ کتابوں کے مفاہیم حجت ہیں اگرچہ وہ مفہوم لقب ہو جیسا کہ ''اصولیین'' نے اس کی تصریح کی ہے بلکہ یہ مفہوم منطوق ہے کیونکہ استثنا عموم کے ادوات میں سے ہے جس طرح علماء نے اس کی بھی تصریح کی ہے۔

علماء نے اس پر بھی اتفاق کیا ہے کہ غیر کی جانب سے یہ نیابت کے طریقہ پر ہے استئجار کے طریقہ پر نہیں۔ اسی وجہ سے اگر نفقہ میں سے کوئی شے نائب کے پاس بچ جائے تو اس پر لازم ہے کہ اسے اصل یا اس کے وارثوں کی طرف لوٹا دے۔ اگر یہ اس کا اجر ہوتا تو اس کو واپس کرنا اس پر واجب نہ ہوتا۔ اس سے تیرے لیے یہ ظاہر ہو گیا ہو گا کہ ''جوہرہ'' میں جو قول ہے وہ صحیح نہیں قول یہ ہے: قرآن کی قراءت کے لیے مخصوص مدت کے لیے کسی کو اجرت پر لینے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ بعض علماء نے کہا: یہ جائز نہیں۔ بعض علماء نے کہا: یہ جائز ہے یہی مختار ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یوں قول کیا جاتا: علی تعلیم القرآن۔ کیونکہ جس طرح تو جان چکا ہے اختلاف اس میں ہے صرف قراءت میں نہیں ہے کیونکہ اس میں کوئی ضرورت نہیں۔ ''جوہرہ'' میں جو کلام کی ہے اگر وہ سبقت قلم ہے تو اس میں کوئی کلام نہیں۔ اگر وہ جان بوجھ کر ہے تو یہ ان سب علماء کی کلام کے مخالف ہے۔ پس اس کو قبول نہیں کیا سکتا۔

''صاحب تبیین المحارم'' نے ان کا رد کرنے میں طویل گفتگو کی ہے جب کہ نقول صریحہ کا انہوں نے سہارا لیا ہے۔ ان کی کلام میں سے یہ ہے ''تاج الشریعہ'' نے ''شرح ہدایہ'' میں فرمایا: اجرت کے ساتھ پڑھا جانے والا قرآن ثواب کا مستحق نہیں ہوتا نہ میت کے لیے اور نہ قاری کے لیے۔ ''عینی'' نے ''شرح الہدایہ'' میں فرمایا: قاری کو دنیا کے لیے (قراءت کرنے سے) منع کیا جائے گا لینے والا اور دینے والا دونوں گناہگار ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے: ہمارے زمانے میں جو یہ عام ہے کہ اجزاء کی قراءت اجرت کے بدلے میں کی جاتی ہے یہ جائز نہیں۔ کیونکہ اس میں قراءت کا امر ہوتا ہے اور آمر کو ثواب دیا جاتا ہے اور قراءت مال کے لیے ہوتی ہے۔ جب صحیح نیت نہ ہونے کی وجہ سے قاری کے لیے ثواب نہیں تو متاجر کو کہاں سے ثواب ملے گا اگر اجرت نہ دی جائے تو اس زمانہ میں کوئی کسی

کے لیے قراءت نہ کرے بلکہ انہوں نے قرآن حکیم کو کمائی اور دنیا جمع کرنے کا وسیلہ بنا دیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

''جوہرہ'' میں جو قول ہے اس سے صاحب ''البحر'' نے کتاب الوقف میں دھوکہ کھایا ہے اور شارح نے کتاب الوصایا میں ان کی پیروی کی ہے۔ کیونکہ ان کا قول اس امر کا شعور دلاتا ہے کہ تمام طاعات پر اجرت لینا جائز ہے ان طاعات میں سے قراءت بھی ہے۔

''شیخ خیر الدین رملی'' نے ''حاشیۃ البحر'' میں کتاب الوقف میں اس کا رد کیا ہے کیونکہ کہا: میں کہتا ہوں: مفتی بہ قول یہ ہے قرآن کی تعلیم پر اجرت لینا یہ بطور استحسان جائز ہے محض قراءت پر اجرت لینا جائز نہیں۔ جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ کیونکہ کہا: اس وصیت کا کوئی معنی نہیں اور قاری کو اس کی قراءت کے بدلے میں صلہ و انعام دینے کا کوئی معنی نہیں۔ کیونکہ یہ صلہ اجرت کے قائم مقام ہے اور اس میں اجارہ باطل ہے۔ یہ عمل بدعت ہے اور خلفاء میں سے کسی نے یہ عمل نہیں کیا ہم نے قرآن کی تعلیم کا مسئلہ استحسان کی بنیاد پر ذکر کیا ہے۔ یعنی یہ ضرورت کی بنا پر ہے اور قبر پر قرآن حکیم کی قراءت پر اجرت پر رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ''زیلعی'' اور کثیر کتب میں ہے: اگر ان کے لیے اجرت کے بدلے میں تعلیم کا دروازہ نہ کھولا جاتا تو قرآن (ہاتھوں سے) نکل جاتا پس علماء نے اس کے جواز کا فتوی دیا اور اسے حسن قرار دیا ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ ''کلام الرملی''۔

''تاتر خانیہ'' میں جو قول ہے یہ اس کا رد ہے جس نے یہ کہا: اگر ایک آدمی نے قاری کو وصیت کی کہ وہ اس کی قبر پر اتنی اجرت کے عوض قرآن پڑھے تو چاہیے کہ یہ صلہ کے طور پر جائز ہو اجرت کے طور پر جائز نہ ہو۔ جن علماء نے اس وصیت کے بطلان کا قول کیا ہے وہ صاحب ''الولوالجیہ''، ''محیط'' اور ''بزازیہ'' ہیں۔ اس میں صاحب ''البحر'' پر رد ہے۔ کیونکہ انہوں نے بطلان کی یہ علت بیان کی ہے کہ یہ اس قول پر مبنی ہے کہ قبر پر قرآن پڑھنا مکروہ ہے جب کہ معاملہ اس طرح نہیں۔ بلکہ یہ اس وجہ سے ہے کہ قراءت پر اجرت لینے کا شبہ ہے جس طرح تو جان چکا ہے ''الاختیار'' وغیرہ میں اس کی تصریح کی ہے۔ اسی وجہ سے ''الولوالجیہ'' میں کہا: جس کی نص یہ ہے: اگر ایک آدمی نے اپنے حرم یا قریبی کی قبر کی زیارت کی اور اس کے پاس قرآن حکیم میں سے کچھ پڑھا تو یہ حسن ہے۔ جہاں تک اس بارے میں وصیت کا تعلق ہے تو اس کا کوئی معنی نہیں اور نہ ہی قاری کو صلہ و انعام دینے کا کوئی معنی ہے کیونکہ یہ اسے قرآن حکیم پڑھنے پر اجرت پر رکھنے کے معنی میں ہے اور عمل باطل ہے اور خلفاء میں سے کسی نے یہ عمل نہیں کیا۔ کیونکہ اگر علت وہ ہو جو انہوں نے قول کیا تو ان کا یہاں قول صحیح نہ ہوگا وہ قول یہ ہے فہو حسن۔ جس نے اس وصیت کے باطل ہونے کا قول کیا ہے وہ ''خیر رملی'' ہیں جس طرح ان کے فتاویٰ کے کتاب الوصایا میں اس پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

علامہ ''حلوانی'' نے ''حاشیۃ المنتہی الحنبلی'' میں شیخ الاسلام ''تقی الدین'' سے نقل کیا ہے: جس کی نص یہ ہے: قراءت قرآن پر اجرت لینا اور اس کا ثواب میت کو ہدیہ کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ ائمہ میں سے کسی سے اس بارے میں اجازت منقول

....

نہیں۔علما نے کہا: بے شک قاری جب مال کے لیے قراءت کرے تو اس کے لیے کوئی ثواب نہیں تو وہ میت کو کون سی شے ہدیہ کرے گا؟ میت تک عمل صالح پہنچتا ہے۔محض تلاوت پر کسی کو اجرت پر رکھنا اس کے بارے میں ائمہ میں سے کسی نے نہیں کہا: علما نے قرآن کی تعلیم کے بارے کسی کو اجرت پر رکھنے کے بارے میں باہم منازعہ کیا ہے جنہوں نے اس بارے میں تصریح کی ہے ان میں سے امام برکوی قدس سرہ العزیز ہیں انہوں نے ''الطریقۃ المحمدیہ'' کے آخر میں کہا: تیسری فصل ان امور کے بارے میں ہے جو بدعت باطلہ ہیں لوگ ان پر منہ کے بل گر پڑے ہیں یہ گمان کرتے ہوئے کہ یہ قربت مقصودہ ہیں یہاں تک کہ انہوں نے کہا: ان میں سے ایک میت کی جانب سے وصیت ہے کہ کھانا پکایا جائے اور اس کی موت کے دن اور اس کے بعد ضیافت کا اہتمام کیا جائے اور جو آدمی اس کی روح کو ایصال ثواب کرنے کے لیے قرآن پڑھے، تسبیح و تہلیل کرے اسے دراہم دیئے جائیں سب کے سب امور بدعت، منکر اور باطل ہیں۔اور لینے والا جو لیتا ہے وہ اس کے لیے حرام ہے وہ دنیا کے لیے تلاوت اور ذکر کرنے کی بنا پر نافرمان ہے، ''ملخص''۔اور یہ ذکر کیا ان کے اس میں چار مسائل ہیں۔

جب تو یہ جان چکا ہے تو تیرے لیے ہماری گفتگو کی حقیقت ظاہر ہو چکی ہے اور اس کے برعکس مذہب سے خارج ہے اور اس سے خارج ہے جس کا بلخیوں نے فتویٰ دیا ہے اور اس سے خارج ہے جس پر ہمارے ائمہ نے متون، شروح اور فتاویٰ میں اتفاق کیا ہے اس کا کوئی انکار نہیں کرتا مگر تکیہ کرنے والا اور جاہل ہی انکار کرتا ہے وہ اکابر کی کلام کو نہیں سمجھتا۔بعض مشائخ نے لدیغ والی حدیث (1) جو بخاری شریف میں ہے سے استدلال کیا ہے اور جواز کا استدلال کیا ہے وہ خطا ہے۔کیونکہ متقدمین جو مطلقاً اجرت پر رکھنے سے منع کرتے ہیں انہوں نے اجرت کے بدلے دم کرنے کو جائز قرار دیا ہے اگرچہ دم قرآن حکیم پڑھ کر کیا جائے جس طرح یہ امام ''طحاوی'' نے ذکر کیا ہے۔کیونکہ یہ محض عبادت نہیں بلکہ یہ دوائی میں سے ہے۔بعض حاشیوں سے جو یہ منقول ہے اور اسے ''حاوی زاہدی'' کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ پینتالیس درہموں میں سے کم پر ختم کے لیے اجرت پر لینا جائز نہیں یہ قول اس سے خارج ہے جس پر تمام اہل مذہب نے اتفاق کیا ہے۔اس وقت تیرے لیے اس امر کا بطلان ظاہر ہو چکا ہے جس پر اہل زمانہ منہ کے بل گر چکے ہیں کہ وہ قرآن حکیم کے ختم کرنے اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تسبیح کی وصیت کرتے ہیں اس سے قطع نظر کرتے ہوئے جو اس میں منکرات حاصل ہوتی ہیں جن کا انکار نہیں کرتا مگر جس کی بصیرت ناپید ہو جاتی ہے۔

میں نے اس بارے میں ایک رسالہ جمع کیا ہے جس کا نام میں نے ''شفاء العلیل وبل الغلیل فی حکم الوصیۃ بالختمات والتہالیل'' رکھا۔میں نے جو یہاں ذکر کیا ہے وہ اس رسالہ کے مقابلہ میں ایسے ہی ہے جس طرح قطرہ کی سمندر سے نسبت ہوتی ہے اور سونے کے ٹکڑے کو گلے کے ہار سے جو نسبت ہوتی ہے۔اس پر، اس کتاب کے محشی اپنے زمانہ کے فقیہ، اپنے زمانے کے یگانہ روزگار سید ''احمد طحطاوی'' جو مصر کے سابقہ مفتی تھے، مطلع ہوئے اس پر لکھا اور اچھی تعریف کی اللہ تعالیٰ اسے عظیم خیر بطور جزا عطا فرمائے اور زمانہ کے فقہاء میں سے کئی دوسرے علماء نے بھی اس پر لکھا۔

1۔صحیح بخاری، کتاب الاجارہ، باب ما یعطی فی الرقیۃ علی احیاء العرب بفاتحۃ الکتاب، جلد 1، صفحہ 955، حدیث نمبر 2115

فَسَدَتْ فِي الْكُلِّ: لِأَنَّهُ اسْتَأْجَرَهُ بِجُزْءٍ مِنْ عَمَلِهِ، وَالْأَصْلُ فِي ذٰلِكَ نَهْيُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَفِيزِ الطَّحَّانِ وَقَدَّمْنَاهُ فِي بَيْعِ الْوَفَاءِ وَالْحِيلَةُ أَنْ يَفْرِزَ الْأَجْرَ أَوَّلًا أَوْ يُسَمِّيَ قَفِيزًا بِلَا تَعْيِينٍ ثُمَّ يُعْطِيَهُ قَفِيزًا مِنْهُ فَيَجُوزُ وَلَوْ اسْتَأْجَرَهُ لِيَحْمِلَ لَهُ نِصْفَ هٰذَا الطَّعَامِ بِنِصْفِهِ الْآخَرِ لَا أَجْرَ لَهُ أَصْلًا

تو اجارہ سب میں فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے اسے اس کے بعض عمل کے بدلے میں اجرت پر لیا ہے اس میں اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طحان کے قفیز سے نہی ہے(1)۔ ہم اسے باب بیع الوفاء میں ذکر کر چکے ہیں۔ اس کو صحیح کرنے کا حیلہ یہ ہے کہ وہ پہلے اجرت کو الگ کر دے یا تعیین کے بغیر قفیز ذکر کر دے پھر اس آٹے میں سے قفیز دے دے تو یہ جائز ہوگا۔ اگر اس نے اسے اجرت پر لیا تا کہ اس کے لیے نصف کھانا نصف کھانے کے عوض اٹھا کر لے جائے تو اس کے لیے اجرت نہ ہوگی

بعض عمل کے بدلے اجرت پر لینا اجارہ کو فاسد کر دیتا ہے

29873۔ (قولہ: فَسَدَتْ فِي الْكُلِّ) اجرت مثلی واجب ہوگی جو مسمی سے متجاوز نہ ہوگی، ''زیلعی''۔

29874۔ (قولہ: بِجُزْءٍ مِنْ عَمَلِهِ) یعنی اس بعض کے بدلے میں جو اس کے عمل سے نکلتا ہے سپرد کرنے پر قدرت یہ شرط ہے جب کہ وہ خود اس پر قادر نہ ہو۔ ''زیلعی''۔

29875۔ (قولہ: عَنْ قَفِيزِ الطَّحَّانِ) یہ تیسرا مسئلہ ہے جن کا مصنف نے ذکر کیا۔ جس طرح ''زیلعی'' نے اس کا ذکر کیا ہے۔

اس اجارہ فاسدہ کو صحیح کرنے کا حیلہ

29876۔ (قولہ: وَالْحِيلَةُ أَنْ يَفْرِزَ الْأَجْرَ أَوَّلًا) یعنی مزدور کے سپرد کر دے اگر اس نے بعد میں اسے خلط ملط کر دیا اور سب کو پیس دیا پھر اجرت کو الگ کیا اور باقی ماندہ کو رد کر دیا تو یہ جائز ہوگا۔ طحان کے قفیز کے معنی میں یہ نہیں ہوگا جب وہ اسے اجرت پر نہ لے کہ وہ اسے اس کے خبز کے بدلے میں پیس کر دے یا اس کے قفیز کے بدلے پیس کر دے جس طرح ''المنح'' میں ''جواہر الفتاویٰ'' سے مروی ہے۔ ''رملی'' نے کہا: اس سے اس کا جواز بدرجہ اولی معلوم ہو جاتا ہے جو ہمارے علاقوں میں کیا جاتا ہے کہ گندم اور دراہم دونوں سے اجرت لی جاتی ہے اس کے جواز میں کوئی شک نہیں۔

29877۔ (قولہ: بِلَا تَعْيِينٍ) یہ شرط لگائے بغیر کہ یہ محمول میں سے ہے یا مطحون میں سے ہے پس مستاجر کے ذمہ یہ واجب ہوگا۔ ''زیلعی''۔

29878۔ (قولہ: لَهُ نِصْفَ هٰذَا الطَّعَامِ) نصف کی قید لگائی کیونکہ اس نے اگر اسے اجرت پر لیا تا کہ تمام اس کے نصف کے عوض اٹھائے تو وہ شریک نہیں ہوگا۔ پس اجرت مثلی واجب ہوگی یہ متن کا مسئلہ ہے۔

29879۔ (قولہ: لَا أَجْرَ لَهُ أَصْلًا) یعنی معین کی گئی اجرت واجب ہوگی یا اجرت مثلی واجب ہوگی۔ ''عنایہ''۔

1۔ سنن دار قطنی، کتاب البیوع، جلد 3، صفحہ 47، حدیث نمبر 155

لِصَيْرُورَتِهِ شَرِيكًا، وَمَا اسْتَشْكَلَهُ الزَّيْلَعِيُّ أَجَابَ عَنْهُ الْمُصَنِّفُ
کیونکہ یہ اس کا شریک بن چکا ہے۔ ''زیلعی'' نے جس اشکال کا ذکر کیا تھا مصنف نے اس کا جواب دیا ہے۔

علامہ زیلعی کا اشکال اور مصنف کی طرف سے جواب

29880۔(قولہ: لِصَيْرُورَتِهِ شَرِيكًا) ''زیلعی'' نے کہا: کیونکہ اجیر تعجیل کی وجہ سے فی الحال نصف کا مالک ہے پس کھانا ان میں مشترک ہو جائے گا۔ پس وہ اجر کا مستحق نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنے شریک کے لیے عمل نہیں کرتا مگر اس کا بعض اس کی ذات کے لیے واقع ہوتا ہے۔

اس میں دو اشکال ہیں (۱) اجارہ فاسد ہے اور ہمارے اجارہ صحیحہ میں عقد کے ساتھ اجرت کا مالک نہیں بنا جاتا خواہ وہ عین ہو یا دین ہو جس طرح ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ یہاں وہ شے سپرد کیے بغیر اور تعجیل کی شرط کے ساتھ کیسے اس کا مالک بن جائے گا۔

(۲) کہا: وہ فی الحال مالک بن جائے گا اور ان کا قول: لا یستحق الاجر یہ ملک کے منافی ہے۔ کیونکہ جب وہ اس کا مالک بنے گا تو وہ صرف اجرت کے طریقہ پر مالک بنے گا جب وہ کسی شے کا مستحق نہیں بنے گا تو وہ اس کا مالک کیسے بن سکتا ہے تو وہ کس سبب سے مالک بنے گا۔

29881۔(قولہ: أَجَابَ عَنْهُ الْمُصَنِّفُ) میں کہتا ہوں: ''حواشی سعدیہ'' میں اس قول کے ساتھ جواب دیا: شاید ان کے قول لا یستحق الاجر سے مراد یہ ہے کہ ملک کی نفی کی جائے۔ کیونکہ ان کا وجود اس کے عدم کی طرف لے جاتا ہے۔ اور جو امر اس طرح ہو وہ باطل ہو جاتا ہے۔ ان کا قول ملک الاجر فی الحال یہ ایسا کلام ہے جو فریق اور تقدیر کی بنا پر ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ مسئلہ اس صورت میں وضع کیا گیا ہے کہ جب وہ تمام کھانا اجیر کے سپرد کر دے تو تقدیر کلام یہ ہوگی۔ اگر صورت مفروضہ میں اجرت ثابت ہو جائے۔ کیونکہ پہلے ادا کرنے کی وجہ سے اجیر فی الحال اجرت کا مالک بن چکا ہے دوسری صورت باطل ہے کیونکہ اس وقت وہ مشترک ہے پس یہ اجرت کے عدم وجوب کی طرف لے جائے گا۔ پس ہر وہ چیز جس کا وجود اس کے لزوم کے انتفا کی طرف لے جائے تو وہ باطل ہوتی ہے۔

مصنف نے جو پہلے اعتراض کا جواب دیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں اجرت معجّل ہے جس طرح ''زیلعی'' نے اپنی تقریر کے آغاز میں تصریح کی ہے تو اجرت پر تعجیل کے ساتھ مالک ہوا جاتا ہے جس طرح شرط لگانے کے ساتھ اس کا مالک ہوا جاتا ہے۔

دوسرے اعتراض کے جواب کا حاصل یہ ہے جب وہ اجیر اجرت جلدی ادا کرنے کی وجہ سے اس کا مالک بن گیا ہے اور اس نے عمل کر لیا تو عمل کے بعد یہ واضح ہو گیا کہ وہ اجرت میں سے کسی شے کا وہ مستحق نہیں جس طرح اس نے عقد کے وقت اجرت پہلے دے دی تو اس اجرت کا ایسا مستحق ہوا جس سے یہ واضح ہوا کہ وہ اس پر اجرت کا مالک نہیں۔

قَالَ وَصَرَّحُوا بِأَنَّ دَلَالَةَ النَّصِّ لَا عُمُومَ لَهَا فَلَا يُخَصَّصُ عَنْهَا شَيْءٌ بِالْعُرْفِ كَمَا زَعَمَهُ مَشَايِخُ بَلْخٍ (أَوْ اسْتَأْجَرَ (خَبَّازًا لِيَخْبِزَ لَهُ كَذَا) كَقَفِيزِ دَقِيقٍ (الْيَوْمَ بِدِرْهَمٍ) فَسَدَتْ عِنْدَ الْإِمَامِ لِجَمْعِهِ بَيْنَ الْعَمَلِ وَالْوَقْتِ وَلَا تَرْجِيحَ لِأَحَدِهِمَا

کہا: علما نے اس کی تصریح کی ہے کہ دلالۃ النص میں عموم نہیں ہوتا پس عرف کے ساتھ اس میں سے کسی شے کو خاص نہیں کیا جائے گا جس طرح مشائخ بلخ نے اس کا گمان کیا ہے یا اس نے ایک خباز اجرت پر لیا تا کہ اس کے لیے اتنی روٹیاں پکائے جس طرح ایک قفیز آٹے کی روٹیاں آج ایک درہم کے عوض پکائے تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اجارہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے عمل اور وقت کو جمع کیا ہے پس دونوں میں سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں

اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ یہ عقد اس امر سے خالی نہیں ہوتا کہ یا تو وہ باطل ہو، فاسد ہو یا صحیح ہو۔ جہاں تک باطل کا تعلق ہے تو اس میں اس کے لیے اصلاً اجرت نہیں ہے جس طرح باب کے شروع میں گزر چکا ہے تو وہ پہلے اجرت ادا کرنے کے ساتھ کیسے اس کا مالک بنے گا؟ جہاں تک اجارہ فاسد کا تعلق ہے تو اس میں اجرت واجب نہیں مگر جب مستاجر حقیقی طور پر اس سے نفع حاصل کرے جس طرح کئی دفعہ یہ بات گزر چکی ہے۔ پس پہلے اجرت ادا کرنے کی صورت میں بھی عمل سے پہلے وہ اجرت کا مالک نہیں ہوگا اور عمل کے بعد اجرت مثلی واجب ہوگی۔ یہاں مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ اجرت اصلاً واجب نہ ہوگی۔ جہاں تک صحیح کا تعلق ہے تو وہ اجرت کا مستحق ہو جائے گا جب وہ پہلے اجرت دے اور الگ کر کے دے یہاں اجرت تعلیم کے ضمن میں حاصل ہوئی ہے۔ کیونکہ اگر وہ اس کو الگ کرے اور مزدور کے حوالے کر دے پھر وہ ملا دے اور سب کو اکٹھا اٹھالے تو یہ جائز ہوگا جس طرح ہم ابھی ''جواہر الفتاویٰ'' سے نقل کر آئے ہیں مگر یہ کہا جائے: وہ عقد صحیح منعقد ہوا پھر عمل کے وقت الگ کرنے سے پہلے اس پر فساد طاری ہوا۔ اس وقت ''زیلعی'' کا قول یہ اجارہ فاسد ہے یعنی مال کے اعتبار سے اجارہ فاسدہ ہے جہاں تک فی الحال کا تعلق ہے تو وہ اجارہ صحیح ہے۔

قیاس اور اثر عرف عام کے ساتھ خاص ہوتا ہے نہ کہ خاص کے ساتھ

29882۔ (قولہ: كَمَا زَعَمَهُ مَشَايِخُ بَلْخٍ) ''التبیین'' میں کہا: بلخ کے مشائخ اور نسفی اسے جائز قرار دیتے ہیں کہ کھانے کے اٹھانے کا اجارہ بعض محمول کے عوض اور کپڑا بننے کا اجارہ بعض منسوج کے عوض صحیح ہے۔ کیونکہ علاقوں کے لوگوں کے ہاں یہاں معمول ہے۔ جس نے اسے جائز قرار نہیں دیا اس نے اسے طحان کے قفیز پر قیاس کیا ہے۔

اور قیاس عرف کی وجہ سے ترک کر دیا جاتا ہے اگر ہم کہیں: یہ قیاس کے طریقہ پر نہیں بلکہ نص، دلالت کے اعتبار سے اسے شامل ہے۔ پس نص عرف کے ساتھ خاص ہو جاتی ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ استصناع میں قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے اور تعامل کے ساتھ قواعد شرعیہ خاص ہو جاتے ہیں۔ ہمارے مشائخ نے اس تخصیص کو جائز قرار نہیں دیا۔ کیونکہ یہ صرف ایک شہر کے لوگوں کا تعامل ہے اس کے ساتھ اثر خاص نہیں ہوتا۔ استصناع کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کے بارے میں تعامل ہر شہر

فَيُفْضِي لِلْمُنَازَعَةِ، حَتَّى لَوْ قَالَ فِي الْيَوْمِ أَوْ عَلَى أَنْ تَفْرَغَ مِنْهُ الْيَوْمَ
پس یہ منازعہ کی طرف لے جائے گا یہاں تک کہ اگر وہ یہ کہتا آج میں یا تو آج اس سے فارغ ہو جائے گا

میں جاری ہے اس جیسی صورتحال سے قیاس ترک کر دیا جاتا ہے اور اثر خاص ہو جاتا ہے۔

''العنایہ'' میں ہے: اگر یہ کہا جائے: ہم اسے ترک نہیں کریں گے بلکہ دلالت سے بعض ان چیزوں کو خاص کیا جائے گا جو طحان کے قفیز کے معنی میں ہے اور یہ تخصیص عرف کے ساتھ ہوگی۔ جس طرح بلخ کے بعض مشائخ نے کپڑوں کے بارے میں جو قول کیا ہے کیونکہ اس بارے میں ان کا عرف جاری ہے۔

میں کہتا ہوں: دلالت میں کوئی عموم نہیں ہوتا کہ اسے خاص کیا جائے۔ ''ط''۔

اگر موجر اور مستاجر کے درمیان معقود علیہ میں اختلاف ہو جائے تو اس کا حکم

29883۔ (قولہ: فَيُفْضِي لِلْمُنَازَعَةِ) موجر کہتا ہے مقصود علیہ عمل ہے اور وقت جلدی کے لیے ذکر کیا گیا ہے مستاجر کہتا ہے بلکہ معقود علیہ وقت ہے اور عمل بیان کے لیے ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا: یہ صحیح ہے اور عقد عمل پر واقع ہوگا۔ اور وقت کو ذکر کیا یہ تعجیل کے لیے ہے مقصود عقد کو صحیح قرار دینا ہے جب دونوں کو جمع کرنا متعذر رہو۔ پس جہالت ختم ہو جائے گی۔ ''زیلعی'' کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کو ترجیح دی جائے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب اجرت کو موخر کرے مگر جب وہ اجرت کو درمیان میں رکھے تو معقود علیہ وہ ہوگا جو متقدم ہے۔ کیونکہ اجرت کے ذکر کرنے کے ساتھ عقد مکمل ہو جاتا ہے پھر متاخر اگر وقت ہے تو یہ تعجیل کے لیے ہے۔ اگر عمل ہے تو اس وقت میں عمل بیان کرنے کے لیے ہے۔ پس عقد فاسد نہیں ہوگا جس طرح ''ابن کمال'' نے ''خانیہ'' سے نقل کیا ہے۔ اسی کی مثل ''قہستانی'' میں ''کرمانی'' سے منقول ہے۔ ''المنیہ'' سے یہ زائد نقل کیا ہے: جب وہ اجرت مقدم کرے تو بھی اجارہ فاسد ہو جائے گا۔

پھر یہ جان لو کہ یہ اختلاف بھی اس میں ہے جب عمل ایسا ہو جس کی مقدار واضح ہو اور وہ معلوم ہو یہاں تک کہ وہ اس کی صلاحیت رکھتا ہو کہ وہ معقود علیہ ہو پس وہ وقت کے مزاحم ہوگا پس عقد فاسد ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے کہا: تاکہ وہ اس کے لیے اتنے قفیز آٹے سے روٹیاں پکائے اگر وہ واضح نہ کرے تو یہ عقد صحیح ہوگا۔ کیونکہ اس کی جہالت کی وجہ سے اس نے صرف وقت کا ذکر کیا ہے جس طرح ایک آدمی ایک آدمی کو ایک دن اجرت پر لے تاکہ وہ اس کے لیے پکی اینٹوں اور چونے سے عمارت تعمیر کرے تو یہ عقد کسی اختلاف کے بغیر جائز ہوگا اگر وہ عمل کو اس طریقہ پر بیان کر دے کہ اس پر عقد کو وارد کرنا جائز ہو اس کی صورت یہ ہے کہ وہ عمارت کی مقدار بیان کرے تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہوگا جس طرح اصل میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس وقت جو عنقریب اجیر خاص کی بحث میں آئے گا وہ اشکال پیدا نہیں کرے گا۔ اگر وہ اسے ایک ماہ کے لیے اتنے کے عوض ریوڑ چرانے کے لیے اجرت پر رکھتا ہے تو یہ عقد صحیح ہوگا ساتھ ہی اس میں مدت اور عمل کو جمع کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس نے اس ریوڑ کی مقدار کو بیان نہیں کیا جس کو چرایا جاتا ہے جس طرح علامہ ''طوری'' نے اس پر

جَازَتْ إِجْمَاعًا (أَوْ أَرْضًا بِشَرْطِ أَنْ يُثْنِيَهَا) أَيْ يَحْرُثَهَا (أَوْ يُكْرِيَ أَنْهَارَهَا)
تو بالاجماع یہ جائز ہو جائے گا۔ یا زمین اجرت پر لے اس شرط پر کہ وہ اس میں دوبارہ ہل چلائے گا یا بڑی نہروں کو کھودے گا

متنبہ کیا ہے۔ اسے یاد کرلو۔

29884_(قولہ: جَازَتْ إِجْمَاعًا) جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تو یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے جس طرح ''زیلعی'' نے اسے ذکر کیا ہے۔ کیونکہ فی کا کلمہ ظرف کے لیے ہے یہ مدت کی تقدیر کے لیے نہیں پس یہ استغراق کا تقاضا نہیں کرے گا گویا یہ مقصود علیہ عمل ہے جب کہ وہ معلوم ہے جب یہ حذف ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ وہ استغراق کا تقاضا کرتا ہے اس کی مثل کتاب الطلاق میں گزر چکی ہے: انت طالق غدا او فی الغد۔

جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے کیونکہ یوم کا لفظ قصد کرتے ہوئے ذکر نہیں کیا گیا جس طرح عمل ذکر کیا گیا ہے یہاں تک کہ عقد کو دونوں کی طرف مضاف کیا جائے بلکہ اس لیے ذکر کیا گیا ہے تا کہ عمل میں صفت کو ثابت کیا جائے اور صفت موصوف کے تابع ہوتی ہے عقد میں ایک مقصود نہیں ہوتی جس طرح ''تبیین'' میں ہے۔

وہ افعال جن کے اثرات مالک زمین کے لیے باقی رہتے ہیں اجارہ کو فاسد کر دیتے ہیں

29885_(قولہ: بِشَرْطِ أَنْ يُثْنِيَهَا) ''قاموس'' میں ہے: ثناہ تثنية۔ اسے دو بنا دینا۔ اس کا مضاف حذف ہے مراد ہے دوبارہ ہل چلائے گا۔

''المنح'' میں ہے: اگر اس سے مراد یہ ہے اس میں ہل چلا کر واپس کرے گا تو اس عقد کے فاسد ہونے میں کوئی شک نہیں ورنہ اگر زمین ایسی ہو جو فصل صرف اسی صورت میں دیتی ہے مگر جب اس میں دو دفعہ ہل چلایا جائے تو عقد اجارہ فاسد نہ ہوگا اگر زمین ایسی ہو جو اس کے بغیر فصل دیتی ہو۔ اگر اس عمل کا اثر عقد کے ختم ہونے کے بعد باقی رہے تو عقد فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس میں زمین کے مالک کی منفعت ہے ورنہ عقد فاسد نہ ہوگا۔ ''ملخص''

''تاتر خانیہ'' میں ''شیخ الاسلام'' سے ذکر کیا ہے جن کا حاصل یہ ہے کہ فساد اس صورت میں ہے جب اسے واپس لوٹانے کی شرط لگائے کہ اسے ہل چلا کر واپس کیا جائے اور یہ عمل اجارہ کی مدت میں ہو مگر جب وہ یہ کہے کہ تو مدت کے گزرنے کے بعد اس میں ہل چلائے یا اس نے اسے مطلق ذکر کیا تو عقد صحیح ہوگا اور یہ اجارہ کی مدت کے بعد کی طرف پھر جائے گا۔ ''صغری'' میں ہے ہم نے یہ تفصیل اس جہت سے بیان کی ہے اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کی وجہ یہ ہے کہ ہل چلانا اس وقت اجرت میں سے ہوگا۔ تامل

29886_(قولہ: يَحْرُثَهَا) حرث کا معنی ہل چلانا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کھیتی کاشت کرنے کے لیے زمین کو الٹ دینا جس طرح کراب ہے۔ ''قاموس''۔

29887_(قولہ: أَوْ يُكْرِيَ) یہ رمی یرمی کے باب سے ہے یعنی اسے کھولنا۔

الْعِظَامَ أَوْ يُسَرْقِنَهَا) لِبَقَاءِ أَثَرِ هٰذِهِ الْأَفْعَالِ لِرَبِّ الْأَرْضِ، فَلَوْ لَمْ تَبْقَ لَمْ تَفْسُدْ (أَوْ بِشَرْطِ (أَنْ يَزْرَعَهَا بِزِرَاعَةِ أَرْضٍ أُخْرَى) لِمَا يَجِيءُ أَنَّ الْجِنْسَ بِانْفِرَادِهِ يُحَرِّمُ النَّسَاءَ، وَقَوْلُهُ (فَسَدَتْ) جَوَابُ الشَّرْطِ وَهُوَ قَوْلُهُ وَلَوْ دَفَعَ إلَخْ (وَصَحَّتْ لَوْ اسْتَأْجَرَهَا عَلَى أَنْ يَكْرِبَهَا وَيَزْرَعَهَا أَوْ يَسْقِيَهَا وَيَزْرَعَهَا): لِأَنَّهُ شَرْطٌ يَقْتَضِيهِ الْعَقْدُ (وَلَوْ) اسْتَأْجَرَهُ (لِحَمْلِ طَعَامٍ) مُشْتَرَكٍ

یا اس میں کھاد ڈالے گا۔ کیونکہ ان افعال کے آثار مالک زمین کے لیے باقی رہتے ہیں۔ اگر آثار باقی نہ رہیں تو اجارہ فاسد نہیں ہوگا یا اس شرط پر زمین اجرت پر دیتا ہے کہ وہ اس کے عوض ایک زمین میں کاشت کرے گا۔ کیونکہ عنقریب آئے گا کہ جنس کا اتحاد یہ موخر کرنے کو حرام کر دیتا ہے۔ اور ان کا قول فسدت یہ جواب شرط ہے اور شرط ان کا یہ قول ہے: ولو دفع الخ۔ اور یہ اجارہ صحیح ہوگا اگر اسے اس شرط پر اجارہ پر لیتا ہے کہ وہ اس میں ہل چلائے گا، اس میں فصل کاشت کرے گا، اس کو سیراب کرے گا اور اس میں کاشت کرے گا کیونکہ یہ ایسی شرط ہے عقد جس کا تقاضا کرتا ہے۔ اگر اس نے اسے اجرت پر لیا تا کہ اس کھانے کو اٹھائے جو ان دونوں کے درمیان مشترک ہے

29888۔ (قولہ: الْعِظَامَ) کیونکہ اس کا اثر آنے والے عرصہ تک باقی رہتا ہے یہی معمول ہے جداول کا معاملہ مختلف ہے۔ یعنی چھوٹی نالیاں جب ان کے کھودنے کی شرط لگائی جائے تو اجارہ فاسد نہ ہوگا۔ یہی قول صحیح ہے۔ ''ابن کمال''۔

29889۔ (قولہ: أَوْ يُسَرْقِنَهَا) یعنی اس میں سرقین ڈالے گا اس سے مراد کھاد ہے تا کہ کھیتی کو جوش دلائے۔ ''ط''۔

29890۔ (قولہ: فَلَوْ لَمْ تَبْقَ) اس کی صورت یہ ہے کہ اگر مدت طویل ہے تو اجارہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ یہ صرف مستاجر کے نفع کے لیے ہے۔

29891۔ (قولہ: أَوْ بِشَرْطِ أَنْ يَزْرَعَهَا الخ) یعنی ایک آدمی نے زمین اجرت پر لی تا کہ اسے کاشت کرے اور اجرت یہ ہوگی کہ موجر ایک اور زمین کاشت کرے گا جو مستاجر کی ہے تو ہمارے نزدیک یہ جائز نہیں۔ ''منح''۔ یہ ایک منفعت کو منفعت متحدہ کے عوض اجرت پر دینا ہے۔ اس کے متعلق کلام عنقریب آئے گا۔

29892۔ (قولہ: لِمَا يَجِيءُ) یعنی قریب ہی آئے گا۔ ''ح''۔

29893۔ (قولہ: أَنَّ الْجِنْسَ بِانْفِرَادِهِ يُحَرِّمُ النَّسَاءَ) زراعت مطلقہ، زراعت مطلقہ کی جنس میں سے ہے۔

اگر تو کہے: عین، منفعت کے قائم مقام ہے جیسا کہ ثابت ہے پس تاخیر نہ پائی گئی ہم نے کہا: عین منفعت کے قائم مقام ہوگی یہ ضرورت کی بنا پر خلاف قیاس ہے یہ اس صورت میں ہے جب منفعت معقود علیہا ہو یہ ہمارے مسئلہ میں اس وقت ہوگی جب با اس کے ساتھ نہ ہو۔ جب با اس کے ساتھ ہو تو اس میں عین منفعت کے قائم مقام نہیں ہوگی۔ پس یہ اپنے اصل پر تاخیر پر رہے گا۔ ''ح''۔

29894۔ (قولہ: لِأَنَّهُ شَرْطٌ يَقْتَضِيهِ الْعَقْدُ) کیونکہ اس کا نفع صرف مستاجر کے لیے ہے۔

(بَيْنَهُمَا فَلَا أَجْرَ لَهُ)؛ لِأَنَّهُ لَا يَعْمَلُ شَيْئًا لِشَرِيكِهِ إِلَّا وَيَقَعُ بَعْضُهُ لِنَفْسِهِ فَلَا يَسْتَحِقُّ الْأَجْرَ (كَرَاهِنٍ اسْتَأْجَرَ الرَّهْنَ مِنَ الْمُرْتَهِنِ) فَإِنَّهُ لَا أَجْرَ لَهُ لِنَفْعِهِ بِمِلْكِهِ

تو اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنے شریک کے لیے کوئی عمل نہیں کرتا مگر اس عمل کا بعض اس کی اپنی ذات کے لیے ہوتا ہے۔ پس وہ اجر کا مستحق نہیں ہوگا جس طرح ایک رہن ہے جو رہن کو مرتہن سے اجرت پر لیتا ہے تو اس کے لیے کوئی اجر نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنی ملک سے نفع اٹھا رہا ہے،

29895۔ (قولہ: فَلَا أَجْرَ لَهُ) یعنی نہ معین کردہ اجر اور نہ اجرت مثلی لازم ہوگی '' زیلعی ''۔ کیونکہ اجرت اجارہ فاسدہ میں واجب ہوتی ہے جب جائز اجارہ میں اس کی مثال ہو یہ ایسی صورت ہے جس کی نظیر نہیں۔ '' اتقانی ''۔ '' قاضی خان '' کی '' الجامع '' میں جو کلام ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ عقد باطل ہے کیونکہ انہوں نے کہا عقد منعقد نہیں ہوا۔ تامل

مشترک عین میں عمل کو واقع کر کے اجرت کا مستحق بننا جائز نہیں

29896۔ (قولہ: لِأَنَّهُ لَا يَعْمَلُ الخ) اگر یہ قول کیا جائے اپنے فعل پر اس کا اجرت پر مستحق نہ ہونا یہ اس امر کو مستلزم نہیں کہ جو عمل غیر کے لیے واقع ہوا ہے اس کے لیے اجرت نہ ہو۔

جواب اس کا یہ ہے کہ وہ صرف اپنے لیے عمل کر رہا ہے کیونکہ یہی اصل ہے اور اس کا غیر کے لیے عمل ایسے امر پر مبنی ہے جو قیاس کے خلاف ہے پس اول کا اعتبار ہوگا۔ کیونکہ وہ جز جس کو وہ اٹھاتا ہے وہ اس میں شریک ہوتا ہے۔ پس معقود علیہ کا سپرد کرنا متحقق نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ عمل کو غیر کے سپرد کرنے کے مانع ہے پس کوئی اجر نہیں ہوگا '' عنایہ ''، '' تبیین ''، '' ملخص ''۔

'' غایۃ البیان '' میں ہے: کھانا ہے جو دو افراد میں مشترک ہے ان دو میں سے ایک کی کشتی ہے دوسرے نے اس کشتی کا نصف دس دراہم کے عوض اجرت پر لیا تو یہ جائز ہے۔ اسی طرح اگر وہ یہ ارادہ کرے کہ وہ دونوں کھانے کو پیسیں تو اس نے وہ نصف چکی اجرت پر لی جو اس کے شریک کی ہے یا اس نے اس کی نصف بوریاں اجرت پر لیں تا کہ مکہ تک اسے اٹھا کر لے جائے تو یہ جائز ہے۔ اگر ایک آدمی نے اپنے ساتھی کا غلام اجرت پر لیا یا اپنے ساتھی کے غلام کا جانور اجرت پر لیا یا اس کا جانور اجرت پر دیا تا کہ اس پر سامان لادے یا غلام اجرت پر لیا تا کہ وہ کھانے کی حفاظت کرے تو یہ جائز نہیں خواہ وہ غلام کو اجرت پر لے یا جانور اجرت پر لے سارے کا سارا لے یا اس کا نصف اجرت پر لے اس کے لیے اجرت نہ ہوگی۔

قاعدہ یہ ہے: ہر وہ عمل جس کے اجر کا وہ مستحق نہیں بنتا مگر مشترک عین میں عمل کو واقع کر کے وہ اجرت کا مستحق بنتا ہے وہ جائز نہیں اور ہر وہ عمل جس میں اجرت کا مستحق اس کے بغیر بن جاتا ہے وہ جائز ہے۔ کیونکہ اجرت واجب ہوتی ہے جب وہ عین کو گھر میں، کشتی اور چکی میں رکھے یہ عمل کو واقع کرنے سے اجرت واقع نہیں ہوتی، ملخص۔ یعنی غلام اور جانور کا عین مشترک میں عمل ہے وہ اٹھانا یا حفاظت کرنا ہے جہاں تک مثلاً کشتی کا تعلق ہے تو اس کا اصلاً کوئی عمل نہیں ہوتا۔

29897۔ (قولہ: لِنَفْعِهِ بِمِلْكِهِ) جو مناسب ہے کہ قول کرتے وہ یہ ہے لانتفاعه بملكه '' ح ''۔

وَفِي جَوَاهِرِ الْفَتَاوَى وَلَوْ اسْتَأْجَرَ حَمَّامًا فَدَخَلَ الْمُؤَجِّرُ مَعَ بَعْضِ أَصْدِقَائِهِ الْحَمَّامَ لَا أَجْرَ؛ لِأَنَّهُ يَسْتَرِدُّ بَعْضَ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ وَهُوَ مَنْفَعَةُ الْحَمَّامِ فِي الْمُدَّةِ، وَلَا يَسْقُطُ شَيْءٌ مِنَ الْأَجْرَةِ : لِأَنَّهُ لَيْسَ بِمَعْلُومٍ (اسْتَأْجَرَ أَرْضًا وَلَمْ يَذْكُرْ أَنَّهُ يَزْرَعُهَا أَوْ أَيَّ شَيْءٍ يَزْرَعُهَا) فَسَدَتْ إِلَّا أَنْ يُعَمِّمَ، بِخِلَافِ الدَّارِ لِوُقُوعِهِ عَلَى السُّكْنَى كَمَا مَرَّ، وَإِذَا فَسَدَتْ، (فَزَرَعَهَا فَمَضَى الْأَجَلُ) عَادَ صَحِيحًا (فَلَهُ الْمُسَمَّى) اسْتِحْسَانًا،

''جواہر الفتاویٰ'' میں ہے: اگر ایک آدمی نے حمام اجرت پر لیا اور موجر اپنے دوستوں کے ساتھ حمام میں داخل ہوا تو اس پر کوئی اجرت نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ بعض معقود کی واپسی کا مطالبہ کر رہا ہے وہ مدت میں حمام کی منفعت ہے اور اجرت میں سے کوئی شے ساقط نہیں ہوگی کیونکہ یہ معلوم نہیں۔ ایک آدمی نے زمین اجرت پر لی اور یہ ذکر نہ کیا کہ وہ اس میں فصل کاشت کرے گا یا کون سی شے کاشت کرے گا تو اجارہ فاسد ہو جائے گا مگر وہ عام لفظ ذکر کرے۔ گھر کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ عقد صرف رہائش رکھنے پر واقع ہوتا ہے جس طرح قول گزر چکا ہے جب اجارہ فاسد ہو جائے اور وہ اس زمین میں فصل کاشت کرے اور مدت گزر جائے تو وہ اجارہ صحیح ہو جائے گا اور اس کے لیے معین اجرت ہوگی یہی قول صحیح ہے۔

یہ حکم اسی طرح ہے کیونکہ مرتہن منافع کا مالک نہیں پس ان کو مالک بنانے کا مالک نہیں ہوگا۔ بے شک یہ منافع راہن کے ہیں لیکن اس کو ان سے فائدہ اٹھانے سے منع کر دیا گیا ہے کیونکہ مرتہن کا حق متعلق ہو چکا ہے۔ جب وہ اسے اجرت پر دے گا تو اپنا حق باطل کر دے گا۔

29898۔ (قولہ: لِأَنَّهُ يَسْتَرِدُّ الخ) اس کی وضاحت یہ ہے اس نے حمام کی منفعت معلوم مدت کے لیے اس کے ہاتھ بیچ دی موجر نے ان میں سے بعض کو پا لیا پس اسی مقدار کے مطابق وہ عقد منسوخ ہو جائے گا۔ پھر مستاجر کے ذمہ اجرت عقد کے ساتھ ثابت ہوتی ہے اور وہ مقدار جس میں عقد فسخ ہوا وہ غیر معلوم ہے اور جہالت کی وجہ سے اس کے حساب کے مطابق کسی شے کو ساقط کرنا ممکن نہیں۔ پس تمام اجرت مستاجر کے ذمہ ہوگی۔ ''رحمتی''۔

29899۔ (قولہ: أَوْ أَيَّ شَيْءٍ يَزْرَعُهَا) وہ کون سی شے کاشت کرے گا یا وہ یہ ذکر کرے وہ اس میں فصل کاشت کرے گا اور یہ ذکر نہ کرے کہ کون سی شے کاشت کرے گا۔

29900۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) باب ما یجوز من الاجارہ کے شروع میں جو گزر چکا ہے۔ یہ مسئلہ حقیقت میں وہاں جو ان کا قول ہے وارض للزراعۃ الخ کے مفہوم کی تصریح ہے۔

29901۔ (قولہ: عَادَ صَحِيحًا) ''الملتقی''، ''الغرر''، ''الاصلاح'' اور ''المنح'' میں اسی طرح ہے۔ ''شرنبلالیہ'' میں اس پر اعتراض کیا ہے کہ عقد زراعت کے بعد مدت کے گزرنے پر موقوف نہیں بلکہ جب اس نے فصل کاشت کی تو جہالت ختم ہوگئی۔

میں کہتا ہوں: انہوں نے یہ ذکر کیا ہے تا کہ اس پر اپنے اس قول فلہ المسمی کو بطور تفریع ذکر کریں۔ کیونکہ اگر وہ عقد عقد فاسد کے طور پر باقی رہا تو اجر مثل واجب ہوگا۔

وَكَذَا لَوْ لَمْ يَمْضِ الْأَجَلُ لِارْتِفَاعِ الْجَهَالَةِ بِالزِّرَاعَةِ قَبْلَ تَمَامِ الْعَقْدِ قُلْتُ فَلَوْ حُذِفَ قَوْلُهُ فَمَضَى الْأَجَلُ كَقَاضِي خَانْ فِي شَرْحِ الْجَامِعِ لَكَانَ أَوْلَى (وَإِنْ اسْتَأْجَرَ حِمَارًا إِلَى بَغْدَادَ وَلَمْ يُسَمِّ حَمْلَهُ فَحَمَّلَهُ الْمُعْتَادَ فَهَلَكَ) الْحِمَارُ (لَمْ يَضْمَنْ) لِفَسَادِ الْإِجَارَةِ،

اسی طرح کا حکم ہوگا اگر مدت نہ گزرے۔ کیونکہ عقد مکمل ہونے سے پہلے کاشت کرنے سے جہالت ختم ہوگئی ہے۔ میں کہتا ہوں: اگر وہ اپنے قول فمضی الاجل کو حذف کر دیتے جس طرح ''قاضی خان'' نے ''شرح الجامع'' میں کیا ہے تو بہترین ہوتا۔ اگر ایک آدمی نے ایک گدھا بغداد تک کے لیے اجرت پر لیا اور اس پر جو لادے گا اس کا ذکر نہ کیا اور اس نے معتاد سامان اس پر لادا اور گدھا ہلاک ہوگیا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اجارہ فاسد ہوگیا ہے۔

29902۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ لَمْ يَمْضِ الْأَجَلُ) یعنی وہ عقد صحیح ہو جائے گا۔ یہ اس کی طرف اشارہ ہے جو ہم نے پہلے شرنبلالی سے ذکر کیا ہے اعتراض کا منشا ان کے قول عاد صحیحا کی زیادتی ہے اس کو ذکر کیا پھر اس پر اعتراض کیا۔ کیونکہ مصنف نے اپنے متن کی شرح کی تقریر میں ذکر کیا پس یہ ان کی مراد ہوگی۔

اعتراض کو یہ چیز ختم کر دیتی ہے کہ کاشت کے بعد اس کا صحیح ہو جانا اور مدت کا گزر جانا صحیح ہے یعنی ان دونوں چیزوں کے مجموعہ کے بعد، پس اس میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس امر کا تقاضا کرے کہ اس کا صحیح ہو کر لوٹنا یہ اجل کے گزرنے پر موقوف ہے۔ فتامل

29903۔ (قولہ: قَبْلَ تَمَامِ الْعَقْدِ) یعنی عقد کی مدت کے مکمل ہونے سے پہلے۔ ''العنایہ'' کا قول ہے: قبل تمام العقد الخ یعنی عقد کے مکمل ہونے سے قبل حاکم اس عقد کو ختم کر دے یہ ان چیزوں میں سے ہے جسے فطرت سلیمہ قبول نہیں کرتی کیونکہ حاکم کے عقد کو ختم کر دینے سے عقد اصل سے ہی منسوخ ہو جاتا ہے۔ پس وہ کیسے اس کے ساتھ مکمل ہوگا اور کسی شے کا مکمل ہونا اس کے بقا کے آثار میں سے ہے۔ ''طوری''۔

29904۔ (قولہ: كَقَاضِي خَانْ) اس کی عبارت ہے: اگر وہ اس کو کاشت کرے تو اس کے لیے وہ اجر ہے جس اجرت کا وہ ذکر کرے کیونکہ وہ جائز نہ ہونے کی حیثیت سے لوٹ آیا ہے۔ یہ استحسان ہے کیونکہ اجارہ ساعت بساعت منفعت کے پیدا ہونے کے حساب سے منعقد ہوگا اور فساد جہالت کی وجہ سے تھا۔ جب جہالت ختم ہوگئی تو اس ساعت جو اس کا ختم ہونا ہے وہ عقد کے وقت اس کا ختم ہونا ہے پس وہ جائز ہونے کی حیثیت سے لوٹ آئے گا۔

29905۔ (قولہ: فَحَمَّلَهُ الْمُعْتَادَ) غیر معتاد اس سے خارج ہوگیا اگر وہ ہلاک ہو جائے تو وہ ضامن ہوگا جس طرح ''اتقانی'' میں ہے۔

29906۔ (قولہ: لِفَسَادِ الْإِجَارَةِ) ''الدرر'' اور ''المنح'' میں اسی طرح ہے۔ زیادہ بہتر ''ہدایہ'' کا قول ہے: لان العین زمانہ وان کانت الاجارۃ فاسدۃ کیونکہ عین امانت ہے اگرچہ اجارہ فاسد ہے۔

فَالْعَيْنُ أَمَانَةٌ كَمَا فِي الصَّحِيحَةِ (فَإِنْ بَلَغَ فَلَهُ الْمُسَمَّى) لِمَا مَرَّ فِي الزِّرَاعَةِ (فَإِنْ تَنَازَعَا قَبْلَ الزَّرْعِ) فِي مَسْأَلَةِ الزِّرَاعَةِ (أَوْ الْحَمْلِ) فِي مَسْأَلَتِنَا (فُسِخَتْ الْإِجَارَةُ دَفْعًا لِلْفَسَادِ) لِقِيَامِهِ بَعْدُ (اسْتَأْجَرَ دَابَّةً ثُمَّ جَحَدَ الْإِجَارَةَ فِي بَعْضِ الطَّرِيقِ وَجَبَ عَلَيْهِ أَجْرُ مَا رَكِبَ قَبْلَ الْإِنْكَارِ، وَلَا يَجِبُ لِمَا بَعْدَهُ) عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ؛ لِأَنَّهُ بِالْجُحُودِ صَارَ غَاصِبًا وَالْأَجْرُ وَالضَّمَانُ لَا يَجْتَمِعَانِ، وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يَجِبُ الْمُسَمَّى دُرَرٌ وَكَأَنَّهُ لَا قَوْلَ لِلْإِمَامِ

پس عین امانت ہے جس طرح اجارہ صحیحہ میں ہے۔ اگر وہ وہاں پہنچ جائے تو اس کے لیے معین اجرت ہوگی اس دلیل کی وجہ سے جو زراعت میں گزر چکی ہے۔ اگر وہ کھیتی کاشت کرنے سے پہلے زراعت کے ساتھ مسئلہ میں باہم تنازع کریں یا بوجھ لادنے سے پہلے ہمارے مسئلہ میں تنازع کریں تو اجارہ فسخ کر دیا جائے گا تا کہ فساد کو دور کر دیا جائے کیونکہ عقد میں ابھی تک قائم ہے۔ ایک آدمی نے جانور اجرت پر لیا پھر راستہ میں سے بعض میں اجارہ کا انکار کر دیا انکار سے پہلے جتنا سوار رہا اس پر اس کی اجرت واجب ہوگی اور مابعد کی اجرت واجب نہ ہوگی۔ یہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے۔ کیونکہ انکار کرنے کے ساتھ وہ غاصب بن چکا ہے اجرت اور ضمانت دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسمی واجب ہوگا، ''درر''۔ گویا ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا اس بارے میں کوئی قول نہیں ہے۔

29907۔ (قولہ: لِمَا مَرَّ فِي الزِّرَاعَةِ) یعنی عقد مکمل ہونے سے پہلے جہالت اٹھ گئی۔ اب کلام کا ظاہر یہ ہے کہ بغداد پہنچنے سے پہلے محض معتاد سامان لانے سے اجارہ صحیح ہو جائے گا۔ ''اتقانی'' نے اس کی تصریح کی ہے۔ شارح کی کلام میں باب مایجوز من الاجارۃ میں گزر چکا ہے کیونکہ کہا: اگر وہ یہ واضح نہ کرے کہ کوئی اس پر سوار ہوگا تو جہالت کی وجہ سے اجارہ فاسد ہو جائے گا اور اس پر سوار ہونے سے وہ اجارہ صحیح ہو جائے گا یہ قول اس کے مخالف ہے جو بھی ''ہدایہ'' سے گزر چکا ہے۔ تامل

29908۔ (قولہ: فُسِخَتْ) یعنی قاضی نے اسے باطل کر دیا کیونکہ عقد فاسد کو توڑنا اور باطل کرنا واجب ہے۔ ''ذخیرہ''

29909۔ (قولہ: دَفْعًا لِلْفَسَادِ) زیادہ بہتر دفعا کی جگہ رفعا ہے کیونکہ فساد قائم ہے جو ختم کر دینے کا محتاج ہے نہ کہ وہ غیر قائم ہے جو دفع کا محتاج ہو فافہم۔ ''اتقانی''۔

29910۔ (قولہ: لِقِيَامِهِ بَعْدُ) یعنی فی الحال وہ قائم ہے۔

29911۔ (قولہ: وَالْأَجْرُ وَالضَّمَانُ لَا يَجْتَمِعَانِ) یعنی انکار کے بعد اجر، ساتھ جانور کی ضمانت، اگر انکار کے بعد جانور ہلاک ہو جائے۔ ''ح''۔

میں کہتا ہوں: جہاں تک انکار سے قبل کا اجر ہے تو یہ واجب ہوگا اگرچہ اس کے بعد وہ ہلاک ہو جائے جہتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے دونوں کا اجتماع لازم نہیں ہوتا جس طرح اس کی نظیر گزر چکی ہے۔ تامل

29912۔ (قولہ: وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ يَجِبُ الْمُسَمَّى) یعنی اگر جانور سلامت رہے تو معین کردہ اجرت واجب ہوگی

وَفِي الْأَشْبَاهِ قَصَرَ الثَّوْبَ الْمَجْحُودَ، فَإِنْ قَبْلَهُ فَلَهُ الْأَجْرُ وَإِلَّا لَا وَكَذَا الصَّبَّاغُ وَالنَّسَّاجُ (إجَارَةُ الْمَنْفَعَةِ بِالْمَنْفَعَةِ تَجُوزُ إذَا اخْتَلَفَا) جِنْسًا كَاسْتِئْجَارِ سُكْنَى دَارٍ بِزِرَاعَةِ أَرْضٍ (وَإِذَا اتَّحَدَا لَا تَجُوزُ

''الاشباہ'' میں ہے: اس نے اس کپڑے کو دھویا جس کا انکار کیا تھا اگر انکار سے قبل اس کو دھویا تھا تو اس کے لیے اجر ہوگا ورنہ اجر نہ ہوگا اسی طرح رنگریز اور جولاہے کا حکم ہے۔ منفعت کا منفعت کے بدلے اجارہ جائز ہوتا ہے جب وہ دونوں منفعتیں مختلف جنس کی ہوں۔ جس طرح زمین کی زراعت کے بدلے گھر کی رہائش اجرت پر لے جب دونوں متحد ہو جائیں تو پھر اجارہ جائز نہ ہوگا۔

مقدسی نے شرح ''الکنز'' میں کہا ہے: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اجرت کو واجب کیا ہے۔ کیونکہ وہ استعمال کرنے کے باوجود سلامت رہی ہے پس ضمان ساقط ہوگئی۔ ''التبیین'' اور ''شروح المجمع'' میں اسی طرح ہے۔ تو اچھی طرح باخبر ہے کہ سابقہ مسئلہ اور اس کی نظائر اس کی تائید کرتی ہیں جو انہوں نے قول کیا ہے۔ ''ح''۔

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ سابقہ مسئلہ میں وہ غاصب نہیں کیونکہ اس نے اقرار کا اجارہ کیا ہے اور جہالت کے ختم ہو جانے کے بعد وہ اجارہ صحیح ہو چکا ہے جس طرح یہ قول گزر چکا ہے۔

ایسی چیز کے استعمال میں جو غلہ حاصل کرنے کے لیے تیار کی گئی ہو اجرت واجب ہوگی اگرچہ وہ زمین نہ ہو

ہاں اجر واجب ہونا چاہیے اگر وہ ایسی مدت ہو جو منافع و محاصل کرنے کے لیے ہو۔ کیونکہ یہ عقار کے ساتھ خاص نہیں جس طرح وہم کیا گیا۔ ''حامدیہ'' میں یہ فتویٰ دیا ہے کہ مکاری کے دابہ کو استعمال کرنے والے پر اجر واجب ہوگا یہ نقل کی طرف منسوب ہے جس طرح ہم عنقریب کتاب الغصب میں اس کا ذکر کریں گے۔ اس کی مثل ''مرادیہ'' میں ہے۔ فتنبہ

29913۔ (قولہ: وَفِي الْأَشْبَاهِ الخ) یہ مجمل کلام ہے اس کی وضاحت وہ ہے جو ''الولوالجیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے دھوبی کو کپڑا دیا تا کہ وہ اس کو دھوئے اس نے انکار کر دیا پھر دھوبی دھلا ہوا وہ کپڑا لایا اور اس کا اقرار کیا اگر انکار سے پہلے اس کو دھویا تو اس کے لیے اجر ہوگا۔ کیونکہ عمل کپڑے والے کے لیے واقع ہوا ہے۔ اگر اس نے اس کے بعد اس کو دھویا تو اجرت کا مستحق نہیں ہوگا۔ کیونکہ عمل عامل کے لیے واقع ہوا ہے۔ کیونکہ انکار کرنے کے ساتھ وہ غاصب ہو گیا تھا۔ اگر وہ رنگریز ہو تو مسئلہ اپنی حالت پر رہے گا اگر اس نے انکار سے پہلے اسے رنگا تھا تو اس کے لیے اجر ہوگا۔ اگر اس کے بعد اس نے رنگا تو اس کے لیے کوئی اجر نہ ہوگا اور کپڑا اپنے والے کے لیے ہوگا اور اس پر مدت کی قیمت ہوگی جس طرح جب وہ گندم ہو پس اس نے اس کو پیسا۔

منفعت کا اجارہ

29914۔ (قولہ: إجَارَةُ الْمَنْفَعَةِ الخ) یہ ان کے سابقہ قول: او ان یزرعھا بزراعۃ ارض اخری سے عام ہے۔

كَإِجَارَةِ السُّكْنَى بِالسُّكْنَى وَاللُّبْسِ بِاللُّبْسِ وَالرُّكُوبِ بالركوب وَنَحْوِ ذَلِكَ، لِمَا تَقَرَّرَ أَنَّ الْجِنْسَ بِانْفِرَادِهِ يُحَرِّمُ النَّسَاءَ فَيَجِبُ أَجْرُ الْمِثْلِ بِاسْتِيفَاءِ النَّفْعِ كَمَا مَرَّ لِفَسَادِ الْعَقْدِ (اسْتَأْجَرَهُ لِيَصِيدَ لَهُ أَوْ يَحْتَطِبَ لَهُ، فَإِنْ) وَقَّتَ لِذَلِكَ (وَقْتًا جَازَ) ذَلِكَ (وَإِلَّا لَا) فَلَوْ لَمْ يُوَقِّتْ وَعَيَّنَ الْحَطَبَ فَسَدَ (إِلَّا إِذَا عَيَّنَ الْحَطَبَ وَهُوَ) أَيْ الْحَطَبُ (مِلْكُهُ فَيَجُوزُ) مُجْتَبَى، وَبِهِ يُفْتَى صَيْرَفِيَّةٌ

جس طرح رہائش کے بدلے رہائش کا اجارہ، لباس کے بدلے لباس کا اجارہ اور سوار ہونے کے بدلے سوار ہونے کا اجارہ اور اسی طرح کا معاملہ ہے۔ کیونکہ یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ جب جنس منفرد ہو تو یہ تاخیر کو حرام کر دیتا ہے پس جب منافع مکمل حاصل کر لیے تو اجرت مثلی واجب ہوگی جس طرح گزر چکا ہے۔ کیونکہ عقد فاسد ہو چکا ہے۔ ایک آدمی نے کسی کو اجرت پر لیا تا کہ وہ اس کے لیے شکار کرے یا اس کے لیے لکڑیاں بنائے اگر وہ اس کام کے لیے وقت کا ذکر کرے تو یہ جائز ہوگا ورنہ جائز نہ ہوگا۔ اگر وہ وقت کا ذکر نہ کرے اور لکڑیاں معین کر دے تو عقد فاسد ہو جائے گا مگر جب وہ لکڑیوں کو معین کرے اور وہ لکڑیاں اس کی ملکیت ہیں تو یہ جائز ہوگا، ''مجتبیٰ''۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے، ''صیرفیہ''۔

29915۔ (قولہ: كَإِجَارَةِ السُّكْنَى بِالسُّكْنَى) یعنی ایک گھر کی رہائش دوسرے گھر کے عوض۔ اگر دکان کے بدلہ میں ہو تو عقد اجارہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ منفعت مختلف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: صحیح نہیں۔ گائے کا گائے کے بدلے میں اجارہ اکداس میں جائز نہیں کیونکہ جنس متحد ہے اور بیل کی گدھے کے بدلے میں ہو تو یہ جائز ہے۔ ''جامع الفصولین''۔ کدس ضمہ کے ساتھ ہو تو مراد وہ دانا ہے جو کاٹا گیا ہوا جمع کیا گیا ہو'' قاموس''۔ شرح '' قاضی خان'' میں ہے: غلام اور لونڈی کی خدمت ایک جنس ہے۔ اگر دونوں میں سے ایک نے دوسرے کے بغیر خدمت کی، ایک روایت میں ہے: اجرت مثلی واجب ہوگی ایک روایت میں ہے کوئی شے واجب نہ ہوگی، '' تاتر خانیہ'' میں ہے: جب منفعت کا اس کی جنس سے مقابلہ کیا جائے اور دوسرے نے منفعت پوری کی پوری لے لی تو ظاہر روایت کے مطابق اس میں اجرت مثلی ہوگی۔ اسی پر فتویٰ ہے۔

29916۔ (قولہ: لِمَا تَقَرَّرَ الخ) اس بارے میں کلام گزر چکی ہے۔ ایک علت بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ یہ ان کے نزدیک ملک کے اعتبار سے اس کی جنس سے ہے اور اجارہ ضرورت کے لیے جنس کے خلاف جائز قرار دیا گیا ہے۔

29917۔ (قولہ: لِفَسَادِ الْعَقْدِ) زیادہ بہتر یہ قول کرنا ہے: بحکم عقد فاسد، جار مجرور استیفا کے متعلق ہے،'' ط''۔

29918۔ (قولہ: جَازَ) کیونکہ وہ اکیلا مزدور ہے اس کی شرط، بیان ہے، وقت نہیں۔

29919۔ (قولہ: وَإِلَّا لَا) یعنی لکڑیاں عامل کی ہوں گی۔'' ط''۔

29920۔ (قولہ: فَسَدَ) ''ہندیہ'' میں کہا: اگر اس نے کہا: یہ لکڑیاں، تو اجارہ فاسد ہوگا اور لکڑیوں مستاجر کی ہوں گی اور اس پر اجرت مثلی ہوگی۔'' ط''۔

29921۔ (قولہ: وَبِهِ يُفْتَى صَيْرَفِيَّةٌ) اس میں کہا: اگر یوم کا ذکر کیا تو چارہ آمر کا ہوگا ورنہ چارہ مامور کا ہوگا۔ یہ

فُرُوعٌ اسْتَأْجَرَ امْرَأَتَهُ لِتَخْبِزَ لَهُ خُبْزًا لِلْأَكْلِ لَمْ يَجُزْ، وَلِلْبَيْعِ جَازَ صَيْرَفِيَّةٌ أَجَّرَتْ دَارَهَا لِزَوْجِهَا فَسَكَنَاهَا فَلَا أَجْرَ أَشْبَاهٌ وَخَانِيَّةٌ قُلْتُ لَكِنْ فِي حَاشِيَتِهَا تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ عَنِ الْمُضْمَرَاتِ مَعْزِيًّا لِلْكُبْرَى قَالَ قَاضِي خَانْ هُنَا الْفَتْوَى عَلَى الصِّحَّةِ

فروع: ایک آدمی نے اپنی بیوی کو اجرت پر لیا تا کہ وہ اس کے لیے کھانے کے لیے روٹیاں پکائے تو یہ جائز نہ ہوگا اور بیع کے لیے اجارہ کرنا جائز ہوگا۔ ''صیرفیہ''۔ ایک عورت نے اپنا گھر اپنے خاوند کو اجرت پر دیا پس دونوں اس میں رہے تو بیوی کے لیے کوئی اجرت نہ ہوگی، ''اشباہ''، ''خانیہ''۔ میں کہتا ہوں: لیکن اس کے حاشیہ ''تنویر البصائر'' میں ''مضمرات'' سے مروی ہے: جب کہ وہ کبریٰ کی طرف منسوب ہے۔ ''قاضی خان'' نے کہا: یہاں فتویٰ عقد کے صحیح ہونے پر ہے۔

''حاوی'' کی روایت ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''المنح'' میں کہا: یہ قول اس کے موافق ہے جو ہم نے پہلے ''مجتبیٰ'' سے نقل کیا ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے ''المختصر'' میں اس پر اعتماد کیا ہے۔

عورت پر امور خانہ داری دیانۃً واجب ہے

29922۔ (قولہ: لَمْ يَجُزْ) کیونکہ یہ ایسا عمل ہے جو عورت پر بطور دیانت کے واجب ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے درمیان اعمال تقسیم کیے اور گھر کے اندر کے اعمال حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ذمہ کیے اور باہر کے اعمال حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے ذمہ کیے (1)۔ مصنف نے باب کے آخر میں بیان کیا کہ عورت کو سالن پکانے، روٹی پکانے اور باقی ماندہ گھر کے اعمال پر اجرت پر رکھا جائے تو اجارہ منعقد نہیں ہوتا۔ اسے ''مضمرات'' سے نقل کیا ہے۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: گویا یہ اس پر بطور دیانت واجب ہے۔ پھر میں نے باب النفقۃ کی طرف رجوع کیا تو میں نے اسے دیکھا کہ اس کے ساتھ ہی اس کی علت بیان کی گئی اور یہ زائد کلام کی ولو شریفۃ۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال کو تقسیم کیا الخ۔ یہ کلام اس پر دلالت کرتی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ متاخرین کے نزدیک اجارہ میں مفتی بہ قول ان طاعات پر ہے جن طاعات کو علماء نے بیان کیا ہے ہر طاعت مراد نہیں۔

29923۔ (قولہ: فَلَا أَجْرَ) کیونکہ سکونت کی منفعت عورت کی طرف لوٹتی ہے اور اس لیے بھی کہ خاوند بعض اوقات گھر سے نکلتا ہے ممکن ہے کہ اس کے دن کا اکثر حصہ بازار میں گزرے اور گھر عورت کے قبضہ میں ہو۔ ''خانیہ''۔

29924۔ (قولہ: قَالَ قَاضِي خَانْ) ''قاضی خان'' نے اسے ''جامع صغیر'' پر اپنی شرح میں اسے ذکر کیا ہے۔ ''زیادات'' میں ہے: ان کا وہ قول ہے جس کا ذکر ان کے فتاویٰ میں ہے۔ مصنف نے اسے ''المنح'' میں بیان کیا ہے جب

1۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب خادم المرأۃ، جلد 17، صفحہ 124

فتح الباری شرح صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب خادم المرأۃ، جلد 12، صفحہ 633

لِتَبَعِيَّتِهَا لَهُ فِي السُّكْنَى فَلْيُحْفَظْ وَجَازَ إِجَارَةُ الْمَاشِطَةِ لِتُزَيِّنَ الْعَرُوسَ إِنْ ذُكِرَ الْعَمَلُ وَالْمُدَّةُ بَزَّازِيَّةٌ وَجَازَ إِجَارَةُ الْقَنَاةِ وَالنَّهْرِ مَعَ الْمَاءِ بِهِ يُفْتَى لِعُمُومِ الْبَلْوَى مُضْمَرَاتٌ

کیونکہ عورت رہائش میں خاوند کے تابع ہے۔ پس اس کو یاد رکھا جائے۔ کنگھی کرنے والی کو اجرت پر لینا جائز ہے تا کہ وہ دلہن کو آراستہ کرے اگر عمل اور مدت کا ذکر کر دیا جائے،''بزازیہ''۔ پانی کی چھوٹی نالی اور نہر کو پانی کے ساتھ اجارہ پر لینا جائز ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ عموم بلویٰ ہے،''مضمرات''۔

اسے شرح میں ذکر کیا ہے تو یہی قابل اعتماد ہے۔ اسی وجہ سے شیخ ''شرف الدین'' نے کہا: ان کا قول یہ ہے کوئی اجرت نہ ہو گی۔ میں کہتا ہوں: یہ ایک قول ہے اور مفتی بہ قول اجرت کا وجوب ہے الخ۔

29925۔(قولہ: لِتَبَعِيَّتِهَا لَهُ فِي السُّكْنَى) پس وہ تخلیہ اور سپرد کرنے سے مانع نہیں۔

29926۔(قولہ: وَالْمُدَّةُ)''ذخیرہ'' وغیرہا میں ''او'' کے ساتھ تعبیر کیا گیا پس یہاں واؤ، او کے معنی میں ہے۔

پانی گزرگاہ سمیت اجارہ پر لینا اور جنگل اور مچھلیوں کے لیے تالاب اجارہ پر لینے کا مطلب

29927۔(قولہ: وَالنَّهْرِ) اس سے مراد پانی کی گزرگاہ ہے۔

29928۔(قولہ: مَعَ الْمَاءِ) یعنی پانی نہر کی تبع میں۔''بزازیہ'' کی کتاب الشرب میں کہا: صرف پانی کی باری پر اجارہ کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ اجارہ عین کے ہلاک کرنے پر واقع ہوتا ہے جب کہ اس کا قصد کیا جاتا ہے مگر جب وہ اجارہ کرے یا زمین کے ساتھ بیچے تو اس وقت تبعاً یہ جائز ہوگا۔ اگر ایک آدمی زمین بیچے جب کہ دوسری زمین کے پانی کی باری بیچے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یہ جائز ہے اگر ایک آدمی نے زمین اجرت پر دی جب کہ دوسری زمین کی باری اجرت پر دی تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اس کی مکمل وضاحت اس میں ہے۔

جب اجارہ عین پر واقع ہو تو صحیح نہیں ہوگا

یہاں ذکر کیا ہے: جب اجارہ عین پر واقع ہو تو وہ صحیح نہیں ہوتا جنگلوں اور حوضوں کو مچھلی کا شکار کرنے، سرکنڈا ختم کرنے، لکڑیاں کاٹنے، اس کی زمین کو سیراب کرنے یا ان سے ان کے ریوڑ کو پانی پلانے کے لیے اجرت پر لینا جائز نہیں۔ چراگاہ کو اجارہ پر دینے کا یہی حکم ہے۔ سب میں حکم یہ ہے کہ وہ معلوم جگہ مویشی بٹھانے کے لیے اجرت پر لے اور پانی اور گھاس کو مباح کر دے کنویں اور چشمے کے پانی کو مباح کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جب شرب کا اطلاق تمام پانیوں پر ہو ورنہ اذن کی کوئی حاجت نہیں جب وہ کنویں اور نہر کے حریم کو نقصان نہ دے۔ ایک آدمی نے خشک نہر یا زمین یا سطح معلوم مدت تک اجرت پر لی اور کچھ نہ کہا تو یہ عقد صحیح ہوگا۔ اسے حق حاصل ہوگا کہ اس میں پانی جاری کرے۔

....

دلال کی اجرت کا بیان

تتمہ: ''تاتر خانیہ'' نے کہا: دلال اور ایجنٹ میں اجرت مثلی واجب ہوگی۔ اور جس پر انہوں نے اتفاق کیا کہ یہ دس دینار میں اتنا ہے تو یہ ان پر حرام ہے۔ ''حاوی'' میں ہے: ''محمد بن مسلمہ'' سے سمسار کی اجرت کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا: میں امید کرتا ہوں کہ اس میں کوئی حرج نہیں اگر چہ اصل میں یہ فاسد ہے۔ کیونکہ اس میں تعامل کثرت سے متحقق ہوتا ہے ان میں سے کثیر صورتیں جائز نہیں۔ علما نے لوگوں کی حاجت کے پیش نظر اسے جائز قرار دیا ہے جس طرح حمام میں جانا۔ ان سے یہ مروی ہے فرمایا: میں نے ''ابن شجاع'' کو دیکھا وہ کپڑا بننے والے کو معین اجرت پر کام لیتے جو ہر سال ان کے لیے کپڑا بنتا۔

مقرض کو اپنے گھر میں رکھا تو اجرت مثل واجب ہوگی

''خانیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے چند دراہم قرض لیے اور مقرض کو اپنے گھر میں رکھا علماء نے کہا: مقرض پر اجرت مثلی واجب ہوگی۔ کیونکہ مستقرض نے اسے اپنے گھر میں رہائش دی یہ قرض کی منفعت کے عوض ہے نہ کہ عوض کے بغیر اس نے رہائش دی ہے اس طرح اگر مقرض نے مستقرض سے ایک گدھا لیا تا کہ اس سے کام لے یہاں تک کہ وہ اس پر دراہم کو لوٹا دے یہ امر بہت زیادہ واقع ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بَابُ ضَمَانِ الْأَجِيرِ

(الْأُجَرَاءُ عَلَى ضَرْبَيْنِ مُشْتَرَكٌ وَخَاصٌّ، فَالْأَوَّلُ مَنْ يَعْمَلُ لَا لِوَاحِدٍ) كَالْخَيَّاطِ وَنَحْوِهِ

اجیر کی ضمانت کے احکام

اجیر کی دو قسمیں ہیں: مشترک، خاص۔ پہلا وہ ہے جو کسی ایک آدمی کے لیے کام نہیں کرتے جیسے درزی وغیرہ

جب اجارہ کی انواع صحیح اور فاسد سے فارغ ہوئے تو ضمان کے بیان میں شروع ہوئے۔ کیونکہ یہ ان عوارض میں سے ہے جو عقد اجارہ پر مقرب ہوتے ہیں۔ پس ان کے بیان کی ضرورت ہے، ''غایۃ البیان'' میں اسی طرح ہے۔ یہ مخفی نہیں کہ ضمان اجیر کا معنی اثبات اور نفی کی صورت میں ہے۔ اگر اس کا یہ معنی نہ ہو بلکہ صرف ضمان کا ثابت کرنا ہو تو یہ لازم آئے گا کہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق باب کا عنوان اصلاً صحیح نہ ہو۔ کیونکہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اجیر مشترک اور اجیر خاص میں سے کسی پر ضمانت نہیں۔ ''طوری''۔

اجیر مشترک کی بحث

29929۔ (قولہ: فَالْأَوَّلُ الخ) ''العنایۃ'' میں کہا ہے: اجیر مشترک کو اجیر خاص پر مقدم کرنے کی وجہ کے بارے میں سوال ہے ''طوری''۔ یعنی اگر اجیر خاص کو مقدم کیا جاتا تو سوال اس سبب کے بارے میں متوجہ ہوتا کہ اجیر خاص کو کیوں اجیر مشترک پر مقدم کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ ایک کو دوسرے پر مقدم کرنے کی وجہ ہے۔ جہاں تک اجیر مشترک کا تعلق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خاص کی طرف نسبت کے اعتبار سے عام کے قائم مقام ہے۔ ساتھ ہی اس کی مباحث بہت زیادہ ہیں۔ جہاں تک خاص کا تعلق ہے تو یہ مفرد کو مرکب کے ہاں جو مقام حاصل ہے اس کے قائم مقام ہے۔ لیکن یہاں اجیر مشترک کو مقدم کرنا اولیٰ ہے۔ کیونکہ باب باب ضمان الاجیر ہے اور یہ مشترک میں ہوتا ہے، فتامل۔ کیونکہ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس سے مشترک کو مقدم کرنے کے اختیار کی وجہ ظاہر نہیں ہوتی جس طرح یہ امر مخفی نہیں جب کہ یہ ضروری ہے۔ ''سعدیہ''۔

اجیر مشترک کی تعریف

29930۔ (قولہ: مَنْ يَعْمَلُ لَا لِوَاحِدٍ) ''زیلعی'' نے کہا: اس کا معنی یہ ہے جس پر یہ واجب نہ ہو کہ وہ کسی ایک کے ساتھ خاص ہو جائے وہ کسی اور کے لیے عمل کرے یا عمل نہ کرے۔ یہ شرط نہیں کہ وہ کئی افراد کے لیے عمل کرے۔ بلکہ جب وہ ایک آدمی کے لیے عمل کرے تو بھی وہ مشترک ہوگا۔ جب وہ ممتنع نہ ہو اور اس پر یہ متعذر نہ ہو کہ وہ کسی اور کے لیے عمل کرے۔

29931۔ (قولہ: وَنَحْوِهِ) اس کا ذکر کیا حالانکہ کاف نے اس سے غنی کر دیا تھا تا کہ یہ وہم پیدا نہ ہو کہ کاف استقصائی ہے۔ فافہم

(أَوْ يَعْمَلُ لَهُ عَمَلًا غَيْرَ مُؤَقَّتٍ) كَأَنْ اسْتَأْجَرَهُ لِلْخِيَاطَةِ فِي بَيْتِهِ غَيْرِ مُقَيَّدَةٍ بِمُدَّةٍ كَانَ أَجِيرًا مُشْتَرَكًا وَإِنْ لَمْ يَعْمَلْ لِغَيْرِهِ (أَوْ مُوَقَّتًا بِلَا تَخْصِيصٍ) كَأَنْ اسْتَأْجَرَهُ لِيَرْعَى غَنَمَهُ شَهْرًا بِدِرْهَمٍ كَانَ مُشْتَرَكًا، إلَّا أَنْ يَقُولَ وَلَا تَرْعَى غَنَمَ غَيْرِي وَسَيَتَّضِحُ وَفِي جَوَاهِرِ الْفَتَاوَى اِسْتَأْجَرَ حَائِكًا لِيَنْسِجَ ثَوْبًا ثُمَّ آجَرَ الْحَائِكُ نَفْسَهُ مِنْ آخَرَ لِلنَّسْجِ صَحَّ كِلَا الْعَقْدَيْنِ لِأَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ الْعَمَلُ لَا الْمَنْفَعَةُ (وَلَا يَسْتَحِقُّ الْمُشْتَرَكُ الْأَجْرَ حَتَّى يَعْمَلَ كَالْقَصَّارِ وَنَحْوِهِ)

یا اس کے لیے عمل کرتا ہے مگر وہ موقت نہیں ہوتا۔ اس کی صورت یہ ہے وہ اسے کپڑے سینے کے لیے اپنے گھر میں اجرت پر رکھتا ہے جو مدت کے ساتھ مقید ہوتا ہے تو وہ اجیر مشترک ہوگا اگر چہ وہ کسی اور کے لیے کام نہ کرے یا اس کا وقت تو معین کیا جائے مگر تخصیص نہ ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اسے اجازت پر لیتا ہے تا کہ وہ اس کے ریوڑ کو ایک ماہ دراہم کے بدلے چرائے تو وہ اجیر مشترک ہوگا مگر وہ یہ کہے: اور تو میرے سوا کسی اور کا ریوڑ نہیں چرائے گا عنقریب اس کی وضاحت آئے گی۔ ''جواہر الفتاویٰ'' میں ہے: ایک آدمی نے ایک جولاہے کو اجرت پر لیا تا کہ کپڑا بنے پھر جولاہے نے اپنے آپ کو کسی اور آدمی کے ہاتھ میں اجرت پر دے دیا تا کہ وہ کپڑا بنے تو دونوں عقد صحیح ہوں گے۔ کیونکہ معقود علیہ عمل ہے منفعت نہیں مشترک اجیر اجر کا مستحق نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ عمل کرے جس طرح دھوبی وغیرہ

''طوری'' نے کہا: ''عنایہ'' میں ہے: اجیر مشترک یہ ہے: سامان اٹھانے والا، ملاح، جولاہا، درزی، روئی دھنے والا، رنگریز، دھوبی، چرواہا، حجام، پچھنے لگانے والا، مستری اور گڑھا کھودنے والا۔

29932۔ (قولہ: وَسَيَتَّضِحُ) اجیر خاص کی بحث میں ہے لیکن وہاں اپنی تحقیق کو ''درر'' کی طرف پھیر دیا ہے عنقریب اس کا ذکر کریں گے ان شاء اللہ۔

اجیر مشترک اور اجیر خاص کا حکم

29933۔ (قولہ: وَفِي جَوَاهِرِ الْفَتَاوَى) اجیر مشترک اور معقود علیہ پر حکم لگانے کی تنبیہ کا ارادہ کیا ہے۔ ''زیلعی'' نے کہا ہے: دونوں یعنی اجیر مشترک اور اجیر خاص کا حکم یہ ہے کہ مشترک کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ کئی اشخاص سے عمل کو قبول کرے۔ کیونکہ اس کے حق میں معقود علیہ عمل اور اس کا اثر ہوتا ہے۔ پس اسے حق حاصل ہوگا کہ وہ عام لوگوں سے عمل کو قبول کرے۔ کیونکہ اس کے منافع ایک فرد کے لیے ثابت نہیں ہوتے اسی وجہ سے اسے مشترک کہتے ہیں۔ اور اجیر خاص کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ کسی اور کے لیے کام کرے۔ کیونکہ مدت میں اس کے منافع مستاجر کے لیے ثابت ہو جاتے ہیں اور اجرت منافع کے مقابل ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اجرت لازم کے طور پر باقی رہتی ہے اگر چہ عمل میں نقص پیدا ہو جائے۔ ''ابو سعود'' نے کہا: اگر چہ کوئی آدمی اجیر کے عمل میں نقص پیدا کر دے۔ اگر نقص امیر کی جانب سے ہو تو وہ ضامن ہوگا جس طرح عنقریب آئے گا۔

29934۔ (قولہ: حَتَّى يَعْمَلَ) کیونکہ اجارہ عقد معاوضہ ہے پس یہ دونوں میں مساوات کا تقاضا کرتا ہے۔ جب

كَفَتَّالٍ وَ حَمَّالٍ وَ دَلَّالٍ وَ مَلَّاحٍ وَلَهُ خِيَارُ الرُّؤْيَةِ فِي كُلِّ عَمَلٍ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْمَحَلِّ مُجْتَبٰى (وَلَا يَضْمَنُ مَا هَلَكَ فِي يَدِهِ وَإِنْ شَرَطَ عَلَيْهِ الضَّمَانَ) لِأَنَّ شَرْطَ الضَّمَانِ فِي الْأَمَانَةِ بَاطِلٌ كَالْمُودَعِ (وَبِهِ يُفْتٰى)

جیسے رسی بانٹنے والا، سامان اٹھانے والا، دلال اور ملاح۔ اس کے لیے ہر عمل میں خیار رؤیت ہوگا جو محل کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہوگا۔ ''مجتبیٰ''۔ اس کے ہاتھ میں جو چیز ہلاک ہوگئی اس کا ضامن نہیں ہوگا اگرچہ اس پر ضمانت کی شرط لگائی گئی ہو۔ کیونکہ امانت میں ضمانت کی شرط لگانا باطل ہے جیسے مودع اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے

تک مستاجر کو معقود علیہ کے سپرد نہیں کیا جائے گا عوض اس کو سپرد نہیں کیا جائے گا اور معقود علیہ عمل اور اس کا اثر ہے جیسا ہم بیان کر چکے ہیں پس عمل ضروری ہے۔ ''زیلعی''۔ مراد ہے امور خارجیہ سے قطع نظر وہ اجرت کا مستحق نہیں جس طرح جب اسے اجرت پہلے دی جائے یا اجرت پہلے دینے کی شرط لگائی جائے۔ جس طرح ''سعدیہ'' میں ہے۔ ہم نے اسے کتاب الاجارہ کے اوائل میں بیان کر دیا ہے وہاں یہ بات گزر چکی ہے اگر وہ اجرت کو طلب کرے جب وہ عمل سے فارغ ہوا اور وہ چیز اس کے حوالے کر دے تو سپرد کرنے سے پہلے وہ چیز ہلاک ہو جائے تو اجرت ساقط ہو جائے گی۔ یہ حکم ہر اس عمل کا ہے جس کا کوئی اثر ہو اور جس کا کوئی اثر نہ ہو جیسے سامان اٹھانے والا اس کے لیے اجرت ہوگی جونہی وہ فارغ ہوگا اگرچہ وہ سپرد نہ کرے۔

عمل اور محل کے مختلف ہونے یا نہ ہونے میں خیار رؤیت کا حکم

29935۔ (قولہ: مُجْتَبٰى) اس کی عبارت یہ ہے: اس نے دھوبی سے یہ شرط لگائی کہ وہ اسے ہروی کپڑا ایک درہم کے بدلے دھو کر دے اور وہ اس پر راضی ہو گیا جب دھوبی نے اس کپڑے کو دیکھا تو کہا: میں اس پر راضی نہیں تو اسے یہ حق حاصل ہوگا۔ اسی طرح درزی ہے اس میں اصل یہ ہے کہ ہر وہ عمل جو محل کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جائے تو اس میں محل کو دیکھنے کے وقت خیار رؤیت ثابت ہوگا۔ اور ہر وہ عمل جو محل کے مختلف ہونے سے مختلف نہ ہو اس میں خیار رویت ثابت نہ ہوگا۔ جس طرح ایک آدمی کسی کو اجرت پر رکھتا ہے تاکہ وہ اس کے لیے یہ گندم کیل کرے یا اس کے غلام کے بال کاٹے جب اس نے عمل کے محل کو دیکھا تو وہ عمل کرنے سے رک گیا تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا۔ پھر کہا: قاعدہ یہ ہے ایسے محل میں عمل پر کسی کو اجرت پر لینا جو محل اس کے پاس ہے تو یہ عقد جائز ہے اور جو محل اس کے پاس نہ ہو وہ عقد جائز نہیں۔ جس طرح جو چیز اس کے پاس نہ ہو اس کی بیع کرنا جائز نہیں، ''منح''۔ اسی کی مثل ''بزازیہ'' میں پانچویں فصل سے تھوڑا پہلے ہے''۔

29936۔ (قولہ: وَلَا يَضْمَنُ الخ) یہ جان لو اگر ہلاکت یا تو اجیر کے فعل سے ہوگی یا اجیر کے فعل سے نہیں ہوگی۔ پہلی صورت میں یا تو تعدی کے ساتھ ہوگی یا تعدی کے ساتھ نہیں ہوگی۔ دوسری صورت میں یا تو اس سے بچنا ممکن ہوگا یا بچنا ممکن نہ ہوگا۔ پہلی صورت میں دونوں قسموں میں ضامن ہوگا اور دوسری قسم میں دوسری صورت میں وہ بالاتفاق ضامن نہیں ہوگا۔ اور اس کی پہلی صورت میں وہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا اور ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک مطلقاً ضامن ہوگا۔ متاخرین نے مطلقاً نصف قیمت پر صلح کا فتویٰ دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اگر وہ مصلح ہو تو وہ ضامن نہیں ہوگا اگر غیر مصلح

......	......	......	......	......	......	......	......	......	......	......	......

ہوتو ضامن ہوگا اگر مستور الحال حال ہوتو صلح (جائز ہوگی)''ح''۔ دونوں مواقع پر اطلاق سے مراد مصلح اور غیر مصلح ہے۔

''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر قیاس کے مطابق فتویٰ دیا جائے گا

''بدائع'' میں ہے: ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا جو اس کے عمل کے بغیر ہلاک ہو جائے یہ عمل سے پہلے ہو یا عمل کے بعد ہو۔ کیونکہ یہ چیز اس کے قبضہ میں امانت ہے یہی قیاس ہے۔

''صاحبین'' رحمہما اللہ نے کہا: وہ ضامن ہوگا مگر ایسی آگ سے جل جائے جو آگ غالب ہو یا ایسے چوروں کی وجہ سے ضائع ہو جائے جو مکابر ہیں یہی استحسان ہے۔ ''خیریہ'' میں کہا: یہ چار اقوال ہیں سب کے سب صحیح ہیں اور یہ مفتی بہ قول ہے آخری تفصیل سب سے اچھی ہے (۱) یہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ان میں سے بعض نے کہا: امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کا قول ''عطا'' اور ''طاؤس'' کا قول ہے۔ یہ دونوں کبار تابعین کا قول ہے۔

''صاحبین'' رحمہما اللہ کا قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ فتویٰ کی علت حضرت عمر اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہما کی شان ہے اور ساتھ ہی لوگوں کی حفاظت کا اہتمام ہے۔ واللہ اعلم

''التبیین'' میں ہے: ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ لوگوں کے احوال تبدیل ہو چکے ہیں اور اسی سے لوگوں کے اموال کی حفاظت ہوتی ہے۔ کیونکہ جب یہ معلوم ہوگا کہ وہ ضامن نہیں ہوگا تو وہ بعض اوقات یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ مال چوری ہو گیا ہے اور مال اس کے ہاتھ سے ضائع ہو گیا ہے۔ ''الخانیہ''، ''المحیط'' اور ''تتمہ'' میں ہے: فتویٰ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے پس فتویٰ مختلف ہو گیا۔ میں نے اسے سنا جو ''خیریہ'' میں ہے۔

''ابن ملک'' نے ''شرح المجمع'' میں کہا: ''المحیط'' میں ہے: اختلاف اس صورت میں ہے جب اجارہ صحیح ہو۔ اگر وہ فاسد ہو تو بالاتفاق ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ عین اس وقت امانت ہوتی ہے۔ کیونکہ معقود علیہ جو منفعت ہے وہ اجرت مثلی کے ساتھ مضمون ہے۔

میں کہتا ہوں: محل اختلاف بھی اس میں ہے جب ہلاک ہونے والی چیز وہ ہو جس میں عمل واقع کیا جاتا ہے جس طرح ''حدادی'' کی ''جوہرہ'' میں ہے یا اس سے مستغنی نہ ہو جس میں عمل واقع ہوتا ہے۔ کیونکہ ''البدائع'' میں ہے: ''ہشام'' نے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے اس آدمی کے بارے میں روایت کیا ہے جس نے ایک آدمی کو مصحف دیا جس میں وہ عمل کرے اور ساتھ ہی غلاف دیا یا چھری دی تا کہ اسے صیقل کرے اور ساتھ ہی نیام دیا۔

امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وہ مصحف، غلاف، تلوار اور نیام کا ضامن ہوگا کیونکہ مصحف اور تلوار غلاف اور نیام سے مستغنی نہیں ہوتے۔ اگر اسے مصحف دیا تا کہ اس کے لیے غلاف بنائے یا چھری دی تا کہ وہ اس کا دستہ بنا دے تو مصحف یا چھری ضائع ہو جائے گا تو وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے اس لیے اجرت پر نہیں لیا کہ ان دونوں میں یہ عمل کرے بلکہ ان

كَمَا فِي عَامَّةِ الْمُعْتَبَرَاتِ وَبِهِ جَزَمَ أَصْحَابُ الْمُتُونِ فَكَانَ هُوَ الْمَذْهَبُ خِلَافًا لِلْأَشْبَاهِ وَأَفْتَى الْمُتَأَخِّرُونَ بِالصُّلْحِ عَلَى نِصْفِ الْقِيمَةِ وَقِيلَ إِنِ الْأَجِيرُ مُصْلِحًا لَا يَضْمَنُ وَإِنْ بِخِلَافِهِ يَضْمَنُ وَإِنْ مَسْتُورَ الْحَالِ يُؤْمَرُ بِالصُّلْحِ عِمَادِيَّةٌ قُلْتُ وَهَلْ يُجْبَرُ عَلَيْهِ؟ حَرَّرَ فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ نَعَمْ كَمَنْ تَمَّتْ مُدَّتُهُ فِي وَسْطِ الْبَحْرِ أَوِ الْبَرِيَّةِ

جس طرح عام معتبر کتابوں میں ہے۔ اصحاب متون نے اسے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پس یہی مذہب ہوگا۔ (صاحب) ''الاشباہ'' نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ متاخرین نے نصف قیمت پر صلح کا فتویٰ دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اجیر مصلح ہو تو ضامن نہیں ہوگا اگر اس کے برعکس ہو تو ضامن ہوگا اگر مستور الحال ہو تو اسے صلح کا حکم دیا جائے گا۔ ''عمادیہ''۔ میں کہتا ہوں: کیا اس پر اسے مجبور کیا جائے گا۔ ''تنویر البصائر'' میں وضاحت کی ہے: ہاں جس طرح جس کے اجارہ کی مدت سمندر کے وسط میں یا جنگل کے درمیان مکمل ہو جائے گی

کے غیر میں عمل کرنے کے لیے اجرت پر لیا ہے۔

29937۔ (قولہ: وَبِهِ جَزَمَ أَصْحَابُ الْمُتُونِ) جیسے ''الوقایہ''، ''الملتقی''، ''الغرر'' اور ''الاصلاح'' سب نے ضمان نہ ہونے کی تصریح کی ہے اگرچہ وہ ضمان کی شرط لگائے۔ جہاں تک ''قدوری''، ''ہدایہ''، ''کنز'' اور ''مجمع'' کا تعلق ہے تو سب نے ضمان نہ ہونے کو مطلقاً ذکر کیا ہے تو یہ ان کی کلام سے مفہوم ہوتا ہے۔

29938۔ (قولہ: خِلَافًا لِلْأَشْبَاهِ) یعنی ''الاشباہ'' میں ہے: اگر اس نے اس کی ضمان کی شرط لگائی تو بالاجماع ضامن ہوگا، ''ح''۔ یہی ''الخلاصہ'' سے منقول ہے۔ ''ابن ملک'' نے اسے جامع کی طرف منسوب کیا ہے۔

29939۔ (قولہ: وَأَفْتَى الْمُتَأَخِّرُونَ بِالصُّلْحِ) یعنی دونوں قولوں پر عمل کرتے ہوئے یہ فتویٰ دیا ہے اس کا معنی یہ ہے: ہر نصف میں ایک قول پر عمل کیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے نصف پر عمل کیا اور نصف کو واجب کیا، بزازیہ۔ ''شرح الملتقی'' میں کہا: ''زاہدی'' نے کہا: اس نقطہ نظر پر میں نے خوارزم میں اپنے مشائخ کو پایا ہے۔ ''قہستانی'' نے اسے ثابت رکھا ہے۔ ''جامع الفصولین'' میں ہے: ان میں سے ''شمس الائمہ اوزجندی'' اور فرغانہ کے ائمہ ہیں۔

29940۔ (قولہ: وَقِيلَ إِنِ الْأَجِيرُ مُصْلِحًا الخ) اسے ''جامع الفصولین'' میں ''فوائد صاحب المحیط'' کی طرف منسوب کیا ہے۔

اجارہ ایک ایسا عقد ہے جس میں جبراز روئے بقا جاری ہوتا ہے

29941۔ (قولہ: وَهَلْ يُجْبَرُ عَلَيْهِ) علیہ کی ضمیر سے مراد صلح ہے۔ کیا اسے صلح پر مجبور کیا جائے گا۔

29942۔ (قولہ: حَرَّرَ فِي تَنْوِيرِ الْبَصَائِرِ نَعَمْ) کیونکہ کہا: اگر تو کہے: جبراً صلح کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟ میں کہتا ہوں: اجارہ ایک ایسا عقد ہے جس میں جبراز روئے بقا جاری ہوتا ہے کیا تو نہیں دیکھتا جس نے ایک جانور اجرت پر لیا یا کشتی معلوم

تَبْقَى الْإِجَارَةُ بِالْجَبْرِ (وَ) يَضْمَنُ (مَا هَلَكَ بِعَمَلِهِ كَتَخْرِيقِ الثَّوْبِ مِنْ دَقِّهِ

تو اجارہ جبر کے ساتھ باقی رہے گا اور جو اس کے عمل سے ہلاک ہو جائے اس کا ضامن ہو گا جس طرح اس کے کوٹنے سے کپڑا پھٹ جائے اور سامان اٹھانے والے کے

مدت کے لیے اجرت پر لی اور مدت جنگل کے وسط میں یا کھلے گہرے سمندر میں ختم ہو گئی تو اجارہ بالجبر واقع ہو گا۔ یہ حالت بقا کی حالت ہے پس اس میں جبر واقع ہو گا۔

میں کہتا ہوں: یہ سوال اور جواب ''بزازیہ'' میں مذکور ہیں ساتھ ہی جواب ہے۔ صاحب ''بزازیہ'' نے دونوں کو ان کے اس قول: و بعضهم افتوا بالصلح کے بعد ذکر کیا ہے۔ پھر ان دونوں کے بعد کہا: اس پر وہ اعتراض وارد نہیں ہوتا جو انہوں نے ''العون'' میں کہا: بعض اوقات وہ دونوں یعنی اجیر اور مستاجر صلح قبول نہیں کرتے تو میں نے ''امام صاحب'' رضی اللہ عنہ کے قول کو پسند کیا ہے۔ کیونکہ ہم نے کہا: بے شک صلح کی کرنے سے مجاز ہے۔ پھر ''بزازیہ'' میں کہا: سمرقند کے ائمہ نے جبر کے بغیر صلح کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جبر اور عدم جبر میں یہ دو قول ہیں۔ ان کی دلیل ان کا یہ قول ہے: حط النصف او جب النصف کیونکہ ایجاب جبری ہے اور اس میں صلح کی کرنے سے مجاز ہے جس طرح تو جان چکا ہے۔ یہ ''اوزجندی''، ائمہ خوارزم اور ائمہ فرغانہ کا قول ہے جس طرح گزر چکا ہے۔

دوسرا قول ائمہ سمرقند کا ہے جو ''المنح'' میں ہے جو اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ امام ''ظہیر الدین'' نے جبر والے قول سے رجوع کر لیا یہ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس بارے میں مجبور ہے مگر رجوع ہر اس قول سے منقول ہو جو انہوں نے کہا تھا۔

29943۔ (قوله: تَبْقَى الْإِجَارَةُ بِالْجَبْرِ) یہ اس وجہ شبہ کا بیان ہے جسے کاف اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے'' ط''۔ اس میں بعض علما نے بحث کی ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ مقیس علیہ ضرورت کے طور پر متحقق ہے۔

29944۔ (قوله: وَ يَضْمَنُ مَا هَلَكَ بِعَمَلِهِ) یعنی ارادہ کے بغیر جو اس کے عمل سے ہلاک ہو جائے اس کا ضامن ہو گا۔ یہ ہمارے تینوں ائمہ کے قول میں ہے اور وہ اجرت کا مستحق نہیں ہو گا۔ کیونکہ اس نے منفعت نہیں پہنچائی بلکہ مضرت پہنچائی ہے، ''بدائع''۔ اس کے مزدور کا عمل اس کی طرف منسوب ہو گا۔ پس وہ اس کا ضامن ہو گا اگرچہ مزدور ضامن نہ ہو۔ کیونکہ یہ صرف اس کا اجیر ہے جب تک وہ تعدی نہ کرے جس طرح عنقریب اس کا ذکر کریں گے۔

29945۔ (قوله: مِنْ دَقِّهِ) اس کے خود کوٹنے سے یا اس کے مزدور کے کوٹنے سے۔ اگر مزدور کپڑے کے مالک سے مدد طلب کرے پس وہ کپڑا پھٹ گیا اور یہ معلوم نہ ہو کہ کس کے کوٹنے سے وہ پھٹا ہے تو ''امام صاحب'' رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق چاہیے شک کی وجہ سے ضمانت نہ ہو۔ امام ''ابو یوسف'' رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: وہ نصف نقصان کا ضامن ہو گا جس طرح اجر لینے کے لیے وہ اس کے ساتھ چمٹ جائے تو اس کا مالک اسے کھینچے تو وہ کپڑا پھٹ جائے۔ ''حموی'' نے ''ظہیریہ'' سے روایت کیا ہے۔ ''ملخص''۔

وَزَلَقِ الْحَمَّالِ وَغَرَقِ السَّفِينَةِ) مِنْ مَدِّهِ جَاوَزَ الْمُعْتَادَ أَمْ لَا بِخِلَافِ الْحَجَّامِ وَنَحْوِهِ كَمَا يَأْتِي عِمَادِيَّةٌ وَالْفَرْقُ فِي الدُّرَرِ وَغَيْرِهِ

پاؤں کے پھسل جانے سے اور کشتی ملاح کے کھینچنے سے غرق ہونے کی صورت میں وہ مال ہلاک ہو جائے اس نے معتاد جگہ سے تجاوز کیا ہو یا تجاوز نہ کیا ہو۔ حجام وغیرہ کا معاملہ مختلف ہے جس طرح عنقریب آئے گا ''عمادیہ''۔ ''الدرر'' وغیرہ میں فرق اس کے

''التبیین'' میں کہا: پھر کپڑے کا مالک اگر چاہے تو اس سے ضامن لے جب کہ اس پر عمل نہ کیا گیا ہو اور اسے اجرت نہ دے اگر چاہے تو اس سے ضمانت لے جب کہ اس پر عمل کیا گیا ہو اور اسے اجرت دے دے۔ ''ط''، ''ملخص''۔

29946۔ (قولہ: وَزَلَقِ الْحَمَّالِ) ظاہر یہ ہے کہ یہ لفظ حا مہملہ کے ساتھ ہے۔ مراد وہ آدمی ہے جو اپنی پشت پر سامان اٹھاتا ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے جب یہ لفظ جیم کے ساتھ ہو تو مضاف مقدر ہو گا یعنی جمل الجمال۔

''الملتقی'' پر اپنی شرح میں کہا: جب لوگوں کی جانب سے بھیڑ نہ ہو اگر لوگوں کی جانب سے بھیڑ ہو تو وہ ضامن نہ ہو گا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے جس طرح ''شرح المجمع'' میں ہے۔ کہا: اسی طرح وہ ضامن ہو گا اگر شکاری اپنے جانور کو ہانکے تو وہ لڑکھڑا جائے تو سامان گر جائے۔ اسی طرح اس رسی کے ٹوٹ جانے سے وہ ضامن ہو گا جسے مکاری باندھتا ہے جس طرح ''الکنز'' اور ''الملتقی'' میں ہے۔ اگر رسی سامان کے مالک کی ہو اور وہ رسی ٹوٹ جائے تو وہ ضامن نہیں ہو گا۔ ''تاتر خانیہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''بدائع'' میں ہے: اسی طرح مشترک چرواہا ضامن ہو گا جب وہ جانوروں کو تیزی سے ہانکے تو وہ پل پر جمع ہو جائیں یا کنارے پر بھیڑ کریں تو ان میں سے بعض بعض کو دھکیلیں تو وہ جانور پانی میں گر جائیں یا چوپایہ ہلاک ہو جائے اس کے ہانکنے کی وجہ سے اور اس کے مارنے سے اگر چہ وہ مار معتاد ہو۔

29947۔ (قولہ: وَغَرَقِ السَّفِينَةِ مِنْ مَدِّهِ) مد کی قید لگائی ہے کیونکہ اگر وہ ہوا، موج یا کسی ایسی شے سے ہلاک ہوئی جو اس پر واقع ہوئی یا پہاڑ کے ٹکرانے سے غرق ہوئی تو جو کچھ اس میں تھا وہ سب ہلاک ہو گیا تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق وہ ضامن نہیں ہو گا۔

میں کہتا ہوں: مستاجر پر اجرت حساب سے واجب ہو گی غرق ہونے سے قبل جتنی کشتی چلی ہے۔ مذہب کی فروع اس کی گواہ ہیں۔ ''سری الدین'' نے ''مجتبیٰ'' سے نقل کیا ہے۔ یہ امر ظاہر ہوتا ہے جب مستاجر اس کے ساتھ ہو ورنہ سپرد کرنا نہ پایا گیا۔ یہ امر پہلے گزر چکا ہے کہ اجیر مشترک کے لیے اس کے سوا کوئی اجرت نہیں۔ فتامل، ''ط''۔

29948۔ (قولہ: وَنَحْوِهِ) جیسے پچھنے لگانے والا اور فصد کرنے والا۔

29949۔ (قولہ: وَالْفَرْقُ فِي الدُّرَرِ وَغَيْرِهِ) اس کا حاصل یہ ہے: کپڑے کی قوت اور اس کے رقیق ہونے سے اجتہاد سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کتنا کوٹنا برداشت کرتا ہے پس اس سے سلامتی کی قید لگانا ممکن ہے۔ فصد وغیرہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ طبیعت کی قوت اور ضعف پر مبنی ہے۔ یہ بذات خود نہیں پہچانا جا سکتا اور نہ یہ معروف ہے کہ وہ کس قدر

عَلَى خِلَافِ مَا بَحَثَهُ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ فَتَأَمَّلْ، لَكِنْ قَوَّى الْقُهُسْتَانِيُّ قَوْلَ صَدْرِ الشَّرِيعَةِ
برعکس ہے جس کی بحث ''صدرالشریعہ'' میں کی ہے، فتامل۔ لیکن ''قہستانی'' کا قول ''صدرالشریعہ'' کا قول ہے

برداشت کرسکتا ہے پس سلامتی کی قید لگانا ممکن نہیں پس اس کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔ ''ح''۔

29950۔ (قولہ: عَلَى خِلَافِ مَا بَحَثَهُ صَدْرُ الشَّرِيعَةِ) کیونکہ کہا: چاہیے کہ ان کے قول ما تلف بعملہ سے مراد ایسا عمل ہو جس میں وہ معتاد مقدار سے تجاوز کرجاتا ہے جس کا ذکر حجام میں آئے گا۔ ''ح''۔

ہر وہ عمل جو تلف کرنے والا ہو وہ غیر معتاد ہوتا ہے

29951۔ (قولہ: لَكِنْ قَوَّى الْقُهُسْتَانِيُّ) کیونکہ کہا: بلکہ حیوان وغیرہ میں سے جو اس کے ایسے عمل سے ہلاک ہوا جس کی اجازت نہ تھی جیسے ایسا کوٹنا جو کپڑے کو پھاڑ دے جس طرح ''محیط'' وغیرہ میں ہے تو اس کے اس عمل سے ضمانت ہو گی۔ پس یہ بدیہی طور پر غیر معتاد ہے۔ اسی وجہ سے مصنف نے یعنی ''صدرالشریعہ'' نے اس پر عمل کرنے کے ساتھ تفسیر بیان کی ہے یہ باطل میں سے ہے جو یہ گمان کیا گیا ہے کہ مصنف کی تفسیر اس قول سے باطل ہو گئی جو ''کافی'' میں ہے کہ کپڑے کی قوت اور اس کی رقت مثلاً اجتہاد سے پہچانی جاسکتی ہے پس مصلح کی قید لگانا ممکن ہے۔ ''ح''۔

میں کہتا ہوں: اس کی کلام کا مقتضا یہ ہے کہ ہر عمل جو تلف کرنے والا ہو وہ غیر معتاد ہوتا ہے۔ پس ''صدرالشریعہ'' کا ما تلف بعملہ کو عمل غیر معتاد سے مقید کرنا صحیح نہیں۔ پس یہ اس کے مخالف ہوگا جو ''الکافی'' میں ہے جو اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ تلف کرنے والا عمل بعض اوقات معتاد ہوتا ہے۔

اسے ذہن نشین کرلو۔ جو امر میرے لیے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کی کلام میں کوئی منافات نہیں اور میرے لیے یہ امر ظاہر ہوا ہے کہ سب یہ کہتے ہیں کہ کپڑے کو تلف کرنے والا غیر معتاد ہے جب حجام وغیرہ کی ضمانت غیر معتاد کے ساتھ مقید ہے معتاد کے ساتھ مقید نہیں تو انہوں نے اس پر تنبیہ کی کہ (دھوبی) وغیرہ اس قید کے ساتھ مقید نہیں تاکہ دونوں میں فرق کا فائدہ دے لیکن معتاد سے نکلنا جیسے کپڑا وغیرہ تو ہمارے لیے سوائے اتلاف کے ظاہر نہیں ہوتا جب وہ تلف کرنے والا ہو تو اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ معتاد نہیں پس وہ اپنی کوتاہی کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ اپنی صنعت میں ماہر تلف ہونے والی چیز کا تدارک کر لیتا ہے۔ حجام وغیرہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کے عمل کا مخصوص محل ہوتا ہے جب وہ اس محل سے تجاوز نہ کرے تو ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کا ادراک مہارت سے نہیں ہوسکتا۔ پس ضمان کا دارومدار محل مخصوص سے تجاوز کرنے کی بنا پر ہوگا۔ اس سے یہ امر ظاہر ہو جاتا ہے کہ عمل میں ہر تلف کرنے والا جیسے دھوبی معتاد سے خارج ہو جائے گا۔ ''البدائع'' میں جو قول ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے اور کوشش سے اس سے بچنا ممکن ہے۔ اس کی صحت یہ ہے کہ کوٹنے کے آلہ، اس کے محل اور محل پر صدقہ کے چھوڑنے میں نظر و فکر کیجئے اسی قدر جس کا وہ احتمال رکھے ساتھ ہی عمل میں ذہانت ملحوظ خاطر ہوگی۔ ان شرائط کو ملحوظ خاطر رکھنے کی بنا پر فساد حاصل نہیں ہوگا۔ جب فساد حاصل ہو تو یہ اس امر پر دال ہوگا کہ وہ کوتاہی کرنے والا ہے اور حقوق

فَتَنَبَّهْ وَفِي الْمُنْيَةِ هَذَا إِذَا لَمْ يَكُنْ رَبُّ الْمَتَاعِ أَوْ وَكِيلُهُ فِي السَّفِينَةِ فَإِنْ كَانَ لَا يَضْمَنُ إِذَا لَمْ يَتَجَاوَزْ الْمُعْتَادَ ؛ لِأَنَّ مَحَلَّ الْعَمَلِ غَيْرُ مُسَلَّمٍ إلَيْهِ وَفِيهَا حَمَلَ رَبُّ الْمَتَاعِ مَتَاعَهُ عَلَى الدَّابَّةِ وَرَكِبَهَا فَسَاقَهَا الْمُكَارِي فَعَثَرَتْ وَفَسَدَ الْمَتَاعُ لَا يَضْمَنُ إجْمَاعًا

پس اس پر متنبہ ہو جایئے۔ ''المنیہ'' میں ہے: یہ حکم اسی وقت ہے جب سامان کا مالک یا اس کا وکیل کشتی میں نہ ہو اگر وہ کشتی میں ہوتو ضامن نہ ہوگا جب وہ معتاد سے متجاوز نہ ہو۔ کیونکہ عمل کا محل اس کے سپرد نہیں۔ اس میں ہے: سامان کے مالک نے اپنا سامان جانور پر لادا اور اس پر سوار ہوا سکاری نے اسے ہانکا وہ جانور پھسلا اور سامان خراب ہو گیا تو بالا جماع ضامن نہیں ہوگا

العباد میں یہ عذر نہیں۔ اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ دونوں کلاموں میں کوئی فرق نہیں اگرچہ تعبیر میں مسامحت ہے۔ فافہم

29952۔(قولہ: فَتَنَبَّهْ) شاید اسی کی طرف اشارہ کر رہے ہوں جو کچھ ہم نے کہا ہے۔

29953۔(قولہ: هَذَا إِذَا لَمْ يَكُنْ الخ) یہ اسی ضمان کی طرف اشارہ ہے جو متن میں ضمناً مذکور ہے۔

اجیر مشترک کی ضمان کی تین شرائط ہیں

''طوری'' میں ''المحیط'' سے مروی جو کچھ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ مشترک کی ضمانت جس کو وہ تلف کرے تین شرائط کے ساتھ مقید ہے اس کی قدرت میں ہو کہ وہ اس کو ختم کرے اگر وہ کشتی موج، ہوا یا پہاڑ کے ساتھ ٹکرانے سے غرق ہو جائے تو وہ ضامن ہوگا۔ (۲) عمل کا محل تخلیہ کے ساتھ اس کے سپرد کیا جا چکا ہو اگر سامان کا مالک یا اس کا وکیل کشتی میں ہوں تو وہ ضامن نہیں ہوگا (۳) مضمون ان چیزوں میں سے ہو جن کی ضمانت عقد کے ساتھ جائز ہو پس وہ آدمی رضامند نہ ہوگا جس طرح آگے آئے گا۔

29954۔(قولہ: إِذَا لَمْ يَتَجَاوَزْ الْمُعْتَادَ) اور اس نے فساد کا ارادہ نہ کیا ہو۔ ''شرنبلالیہ'' میں ''خانیہ'' سے مروی ہے۔ وہ ایسے امر سے ہو جس سے بچنا ممکن ہو، ''مکی'' نے یہ بیان کیا ہے۔ ''ط''۔

29955۔(قولہ: وَرَكِبَهَا الخ) اسی طرح کا حکم ہوگا اور مکاری جانور پر سوار ہوں یا دونوں ہانک رہے ہوں یا دونوں قیادت کر رہے ہوں کیونکہ دونوں کے قبضہ میں سامان ہے پس مزدور قبضہ میں منفرد نہیں۔

''بشر'' نے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے: جب سامان اٹھانے والے کے سر سے کوئی شے چوری کی گئی جب کہ سامان کا مالک اس کے ساتھ چل رہا ہو تو ضمانت نہ ہوگی کیونکہ مالک اور اس کے سامان کے درمیان کوئی حائل نہیں۔

علماء نے کہا: جب سامان دو کشتیوں میں ہو اور اس کا مالک ایک کشتی میں ہو جب کہ وہ دونوں کشتیاں باندھی ہوئی ہوں یا باندھی ہوئی نہ ہوں مگر ان دونوں کا چلنا اور ان دونوں کا رکنا اکٹھے ہو تو ملاح ضامن نہیں ہوگا۔ اسی طرح اونٹوں کی قطار کا معاملہ ہے جب اس پر سامان ہو اور اس کا مالک اونٹ پر ہو تو سامان اس کے مالک کے قبضہ میں ہے کیونکہ وہ اس کا حافظ ہے۔ ''بدائع''۔ اس میں کلام ہے جو قریب ہی آئے گا۔

وَقَدَّمْنَا قُلْتُ عَنْ الْأَشْبَاهِ مَعْزِيًّا لِلزَّيْلَعِيِّ إنَّ الْوَدِيعَةَ بِأَجْرٍ مَضْمُونَةٌ فَلْيُحْفَظْ (وَلَا يَضْمَنُ بِهِ بَنِي آدَمَ مُطْلَقًا مِمَّنْ غَرِقَ فِي السَّفِينَةِ أَوْ سَقَطَ عَنْ الدَّابَّةِ وَإِنْ كَانَ بِسَوْقِهِ أَوْ قَوْدِهِ)؛ لِأَنَّ الْآدَمِيَّ لَا يَضْمَنُ بِالْعَقْدِ بَلْ بِالْجِنَايَةِ وَلَا جِنَايَةَ لِإِذْنِهِ فِيهِ (وَإِنْ انْكَسَرَ دَنٌّ

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ میں کہتا ہوں: ''اشباہ'' سے قول مروی ہے جو ''زیلعی'' کی طرف منسوب ہے: بے شک ایسی ودیعت جو اجرت کے بدلے میں ہو وہ مضمون ہوتی ہے۔ پس اس کو یاد رکھنا چاہیے۔ عقد اجارہ کی وجہ سے انسان کی مطلقاً ضمانت نہیں لی جائے گی وہ آدمی کشتی میں غرق ہو یا جانور سے گر جائے اگرچہ اس کے ہانکنے سے ہو یا اس کی قیادت کرنے سے ہو۔ کیونکہ آدمی کی ضمانت عقد کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ جنایت کی وجہ سے ہوتی ہے اور یہاں کوئی جنایت نہیں۔ کیونکہ اس میں اس کا اذن موجود ہے۔ اگر راستہ میں مٹکا ٹوٹ

29956۔ (قولہ: قَدَّمْنَا) یعنی ہم کتاب الودیعہ میں ذکر کر چکے ہیں اس سے اس امر پر تنبیہ کا ارادہ کیا ہے کہ جسے اجرت کے ساتھ مودع بنایا گیا ہو وہ اجیر مشترک کے خلاف ہوتا ہے اگرچہ اس پر ضمان کی شرط لگائے۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ اس کا ذکر مصنف کے قول والا یضمن الخ کے ہاں ہوتا جس طرح ''زیلعی'' نے کہا ہے۔ اور فرق ذکر کیا کہ اجیر مشترک میں معقود علیہ عمل ہے اور حفاظت تبعاً واجب ہے۔ جو اجرت کے ساتھ مودع ہوتا ہے اس کا معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ اس پر بدل کے ساتھ بطور مقصود واجب ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: مصنف نے کتاب الودیعہ میں ذکر کیا ہے کہ امین پر ضمانت کی شرط لگانا باطل ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے ''بزازیہ'' میں ہے: حمام کے مالک کو کوئی چیز دی اور اس کے ساتھ عقد اجارہ کیا اور جب وہ چیز تلف ہو تو اس پر ضمان کی شرط لگائی جس قول پر فتویٰ ہے اس میں اس شرط کا کوئی اثر نہیں۔ کیونکہ حمام کا مالک جب اجرت کی شرط لگائے تو یہ حفظ کی اجرت ہوتی ہے اور جو کپڑوں کی نگہبانی کرتا ہے وہ مشترک مزدور کی طرح ہوتا ہے۔

29957۔ (قولہ: مُطْلَقًا) یعنی وہ انسان چھوٹا بچہ ہو یا بڑا ہو۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے جس طرح ''تبیین'' میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمانت اس وقت نہیں ہے جب وہ بڑا ہو خود بخود سواری پر ٹھہر سکتا ہے اور اکیلے سوار ہو سکتا ہے۔ ورنہ وہ سامان کی طرح ہوگا ''طحطاوی'' نے ''مکی'' سے روایت نقل کی ہے۔

29958۔ (قولہ: بِالْجِنَايَةِ) اسی وجہ سے اس کو ضمانت اس کی عاقلہ (قبیلہ) پر لازم ہوتی ہے اور عقود کی ضمانت کی ذمہ دار عاقلہ نہیں ہوتی۔ ''ابن کمال''۔

29959۔ (قولہ: لِإِذْنِهِ فِيهِ) کیونکہ مستاجر کو اس کی اجازت ہوتی ہے وہ اصل ہو یا ولی ہو وہ ولی کسی چھوٹے کا ہو یا غلام کا ہو۔

29960۔ (قولہ: وَإِنْ انْكَسَرَ دَنٌّ الخ) ''بزازیہ'' میں ''منتقی'' سے مروی ہے: ایک آدمی نے سامان اٹھایا اور اس کا

فِي الطَّرِيقِ) إنْ شَاءَ الْمَالِكُ (ضَمَّنَ الْحَمَّالَ قِيمَتَهُ فِي مَكَانِ حَمْلِهِ وَلَا أَجْرَ أَوْ فِي مَوْضِعِ الْكَسْرِ وَأَجْرُهُ بِحِسَابِهِ) وَهَذَا لَوْ انْكَسَرَ بِصُنْعِهِ وَإِلَّا بِأَنْ زَاحَمَهُ النَّاسُ فَانْكَسَرَ فَلَا ضَمَانَ خِلَافًا لَهُمَا (وَلَا ضَمَانَ عَلَى حَجَّامٍ وَبَزَّاغٍ)

جائے اگر مالک چاہے تو سامان اٹھانے والا اس کی قیمت کا ضامن ہوگا اس جگہ میں جہاں سے اس نے اٹھایا تھا اور اس کے لیے کوئی اجر نہیں ہوگا یا جہاں اس نے مٹکا توڑا ہے وہاں ضمانت دے گا اور اس کا اجر اس کے حساب سے ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے اگر وہ مٹکا اس کے عمل سے ٹوٹے۔ اگر ایسی صورت نہ ہو جیسے لوگ اس کے ساتھ بھیڑ کریں تو کوئی ضمانت نہیں ہوگی۔''صاحبین'' رحمۃاللہ علیہما نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ اور ضمان نہیں پچھنے لگانے والے پر، سلاتری پر

مالک اس کے ساتھ ہو مزدور کا پاؤں پھسلا اور سامان ضائع ہو گیا تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ پھسلنا اس کی جنایت ہے۔ ایک آدمی نے جانور اجرت پر لیا جب کہ سامان کا مالک ساتھ ہے مکاری نے اس جانور کو ہانکا تو جانور کا پاؤں پھسل گیا ہمارے نزدیک مکاری ضامن ہوگا۔ کیونکہ مکاری مشترک اجیر ہے جس نے اپنے ہاتھ سے اسے فاسد کیا ہے۔ پس چاہیے اس میں اور جو ہم نے پہلے ''بدائع'' سے قول نقل کیا ہے اس میں فرق کو دیکھا جائے شاید یہ روایت کا اختلاف ہے یا اس حالت پر محمول ہے جب وہ اسے سختی کے ساتھ ہانکے۔ تامل

پھر میں نے صاحب ''الذخیرہ'' کو دیکھا انہوں نے اس میں فرق کیا ہے جب سامان والا اس پر سوار ہو تو مزدور کے ہانکنے سے اس کا پاؤں پھسلے تو وہ ضامن نہ ہوگا اور اس میں فرق کیا ہے کہ جب وہ مزدوروں کے ساتھ اس جانور کے پیچھے چل رہا تھا تو وہ اجیر ضامن ہوگا۔ اس کی مکمل بحث اس میں ہے۔

29961۔ (قولہ: فِي الطَّرِيقِ) یہ قید لگائی ہے کیونکہ ''بدائع'' میں موجود ہے: اگر اسے اٹھا کر لے گیا اس کے مالک کے گھر تک پھر سامان اٹھانے والے اور بوری کے مالک نے اسے اس کے سر سے اتارا تو وہ ان دونوں کے ہاتھوں سے گر گئی تو وہ ضامن ہوگا۔ یہ امام ''محمد'' رحمۃاللہ علیہ کا پہلا قول ہے پھر آپ نے اس سے رجوع کر لیا تھا اور کہا: وہ ضامن نہیں ہوگا۔

29962۔ (قولہ: بِصُنْعِهِ) یہ قول اس کو شامل ہے اگر اس کا پاؤں راستہ میں پھسلا یا کسی اور کا پاؤں پھسلا تو وہ گر گیا اور اس کا سامان خراب ہو گیا۔ ''بدائع''۔

29963۔ (قولہ: فَلَا ضَمَانَ) کیونکہ اس کے پاس سامان امانت ہے۔

29964۔ (قولہ: خِلَافًا لَهُمَا) پس وہ اس کی قیمت کی ضمانت دے گا جہاں وہ ٹوٹا ہے اسے کوئی اختیار نہیں ہوگا جس طرح ''التبیین'' میں ہے۔ ''البدائع'' میں ہے: اگر لوگوں نے اس کے ساتھ مزاحمت کی یہاں تک کہ وہ سامان خراب ہو گیا تو بالاجماع وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس سے اس کے لیے اپنی حفاظت کرنا ممکن نہیں پس یہ اس آگ کے معنی میں ہوگی جو غالب ہے اگر سامان اٹھانے والے نے خود لوگوں کے ساتھ بھیڑ کی تو ہمارے تینوں علماء کے نزدیک وہ ضامن ہوگا۔ فتامل

أَيْ بَيْطَارٍ (وَفَصَّادٍ لَمْ يُجَاوِزْ الْمَوْضِعَ الْمُعْتَادَ، فَإِنْ جَاوَزَ) الْمُعْتَادَ (ضَمِنَ الزِّيَادَةَ كُلَّهَا إذَا لَمْ يَهْلِكْ) الْمَجْنِيُّ عَلَيْهِ (وَإِنْ هَلَكَ ضَمِنَ نِصْفَ دِيَةِ النَّفْسِ) لِتَلَفِهَا بِمَأْذُونٍ فِيهِ وَغَيْرِ مَأْذُونٍ فِيهِ فَيَتَنَصَّفُ، ثُمَّ فَرَّعَ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ فَلَوْ قَطَعَ الْخَتَّانُ الْحَشَفَةَ وَبَرِئَ الْمَقْطُوعُ تَجِبُ عَلَيْهِ دِيَةٌ كَامِلَةٌ: لِأَنَّهُ لَمَّا بَرِئَ كَانَ عَلَيْهِ ضَمَانُ الْحَشَفَةِ وَهِيَ عُضْوٌ كَامِلٌ كَاللِّسَانِ (وَإِنْ مَاتَ فَالْوَاجِبُ عَلَيْهِ نِصْفُهَا) لِحُصُولِ تَلَفِ النَّفْسِ بِفِعْلَيْنِ أَحَدُهُمَا مَأْذُونٌ فِيهِ وَهُوَ قَطْعُ الْجِلْدَةِ وَالْآخَرُ غَيْرُ مَأْذُونٍ فِيهِ وَهُوَ قَطْعُ الْحَشَفَةِ فَيَضْمَنُ النِّصْفَ وَلَوْ شَرَطَ عَلَى الْحَجَّامِ وَنَحْوِهِ الْعَمَلَ عَلَى وَجْهٍ لَا يَسْرِي لَا يَصِحُّ:

اور فصاد پر جو معتاد جگہ سے تجاوز نہ کرے اگر معتاد جگہ سے تجاوز کر جائے تو تمام تر زیادتی کا ضامن ہوگا جب وہ ہلاک نہ ہو جس پر جنایت کی گئی ہو اگر وہ ہلاک ہو جائے تو نفس کی دیت کے نصف کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ وہ نفس ہلاک ہوا ہے دو فعلوں سے جن میں سے ایک کی اجازت دی گئی تھی اور ایک کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ پس نصف نصف ہوگی۔ پھر اس پر اپنے اس قول سے تفریع کا ذکر کیا: اگر ختنہ کرنے والے نے حشفہ کو قطع کر دیا اور مقطوع صحت مند ہو گیا تو اس پر مکمل دیت لازم ہو گی۔ کیونکہ جب وہ صحت مند ہو گیا تو اس پر حشفہ کی ضمانت لازم ہوگی یہ کامل عضو ہے جیسے زبان۔ اگر وہ مر جائے تو اس پر اس کا نصف لازم ہوگی۔ کیونکہ نفس کا تلف ہونا دو فعلوں سے واقع ہوا ان میں سے ایک کی اجازت تھی اور وہ جلد کو کاٹنا تھا اور دوسرے کی اجازت نہ تھی وہ حشفہ کو کاٹنا ہے۔ پس وہ نصف کا ضامن ہوگا۔ اگر اس نے پچھنے لگانے والے پر اور اس جیسے آدمی پر ایسے عمل کی شرط لگائی جو سرایت نہ کرے تو یہ شرط صحیح نہ ہوگی۔

29965۔(قولہ: بَيْطَارٍ) یہ چوپاؤں کے ساتھ خاص ہے۔

29966۔(قولہ: لَمْ يُجَاوِزْ الْمَوْضِعَ الْمُعْتَادَ) یعنی وہ عمل اجازت سے تھا۔

''کافی'' میں ہے: ''مختصر'' کی عبارت عدم تجاوز کے بارے میں ناطق ہے اور اذن سے خاموش ہے اور ''جامع صغیر'' کی عبارت اذن کے بارے میں ناطق ہے اور تجاوز سے خاموش ہے۔ جس نے جس کی وضاحت کی وہ اس کا بیان ہو گئی جس سے دوسری عبارت خاموش ہے۔ دونوں روایتوں کے مجموعہ سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ عدم تجاوز شرط ہے اور اجازت عدم ضمان کی شرط ہے یہاں تک کہ اگر دونوں میں سے ایک معدوم ہو جائے یا دونوں معدوم ہو جائیں تو ضمان واجب ہوگی کلام مختصر ہوئی۔ ''طوری''۔ اس تعبیر پر مبنی ہے جو ''عمادیہ'' سے عنقریب آئے گا۔

29967۔(قولہ: فَلَوْ قَطَعَ الْخَتَّانُ الْحَشَفَةَ) یعنی اگر ختنہ کرنے والا مکمل حشفہ کاٹ دے۔ ''شرنبلالیہ'' میں کہا: اگر اس کا بعض کاٹ دے تو عادل کا فیصلہ واجب ہوگا۔ جس طرح ''اتقانی'' نے اس کو ذکر کیا ہے۔

29968۔(قولہ: دِيَةٌ كَامِلَةٌ) ''زیلعی'' نے کہا: یہ عجیب ترین مسائل میں سے ہے کہ صحت مند ہونے سے اکثر واجب ہوتا ہے اور ہلاک ہونے سے اقل واجب ہوتا ہے۔

لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي وُسْعِهِ إِلَّا إِذَا فَعَلَ غَيْرَ الْمُعْتَادِ فَيَضْمَنُ عِمَادِيَّةٌ وَفِيهَا سُئِلَ صَاحِبُ الْمُحِيطِ عَنْ فَصَّادٍ قَالَ لَهُ غُلَامٌ أَوْ عَبْدٌ أَفْصِدْنِي فَفَصَدَ فَصْدًا مُعْتَادًا فَمَاتَ بِسَبَبِهِ قَالَ تَجِبُ دِيَةُ الْحُرِّ وَقِيمَةُ الْعَبْدِ عَلَى عَاقِلَةِ الْفَصَّادِ؛ لِأَنَّهُ خَطَأٌ وَسُئِلَ عَنْ مَنْ فَصَدَ نَائِمًا وَتَرَكَهُ حَتَّى مَاتَ مِنَ السَّيَلَانِ قَالَ يَجِبُ الْقِصَاصُ (وَالثَّانِي) وَهُوَ الْأَجِيرُ (الْخَاصُّ) وَيُسَمَّى أَجِيرَ وَاحِدٍ (وَهُوَ مَنْ يَعْمَلُ لِوَاحِدٍ

کیونکہ یہ اس کی وسعت میں نہیں مگر جب وہ غیر معتاد فعل کرے تو وہ ضامن ہوگا۔ ''عمادیہ''۔ اس میں ہے: صاحب ''المحیط'' سے فصاد کے بارے میں پوچھا گیا جیسے بچے یا غلام نے کہا: میرا فصد کرو تو اس نے معتاد فصد کیا اور وہ اس سبب سے مر گیا اس پر آزاد کی دیت واجب ہوگی اور غلام کی قیمت فصاد کی عاقلہ پر ہوگی۔ کیونکہ یہ قتل خطا ہے۔ اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے ایک ایسے آدمی کا فصد کیا جو سویا ہوا تھا اور اسے اسی حال میں چھوڑ دیا یہاں تک کہ خون بہنے سے وہ مر گیا کہا: قصاص واجب ہوگا۔ دوسرا وہ اجیر خاص ہے اس کو ایک کا اجیر کہتے ہیں وہ وہ ہوتا ہے جو ایک آدمی کے لیے عمل کرتا ہے

29969۔ (قولہ: تَجِبُ دِيَةُ الْحُرِّ) یعنی اگر بچہ آزاد ہو اور غلام کی قیمت واجب ہوگی اگر وہ غلام ہو۔ ''حلبی'' نے کہا: کیونکہ اس کا فعل ایسا تھا جس کی اجازت نہ تھی کیونکہ دونوں کو تمام اقوال میں حجر کی وجہ سے اس امر کی اجازت کا اعتبار نہیں۔

29970۔ (قولہ: لِأَنَّهُ خَطَأٌ) یعنی یہ قتل خطا میں سے ہے کیونکہ اس نے اس کے قتل کا قصد نہیں کیا تھا اس کی دلیل یہ ہے کہ فعل معتاد تجاوز نہیں کیا گیا'' ط''۔

29971۔ (قولہ: قَالَ يَجِبُ الْقِصَاص) کیونکہ اس نے تیز دھار آلہ سے قتل کیا ہے۔'' ط''۔
وہ اس کے قتل کا قصد کرنے والا تھا پس وہ قتل عمد ہوگا۔

29972۔ (قولہ: وَيُسَمَّى أَجِيرَ وَاحِدٍ) اجیر واحد یہ اضافت کی ترکیب ہے۔ مشترک کا معاملہ مختلف ہے۔ یہ الوحد سے مشتق ہے جو وحید کے معنی میں ہے۔ اس کا معنی ہے مستاجر واحد کا مزدور۔ اسی معنی میں اجیر خاص ہے۔ اگر حا کو حرکت دی جائے تو یہ صحیح ہوگا۔ کیونکہ یہ جملہ کہا جاتا ہے رجل وحد۔ یعنی وحد دو فتحوں کے ساتھ ہو یعنی منفرد آدمی۔ ''مغرب''۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ ہم عنقریب اس کا ذکر کریں گے جو اس امر کا فائدہ دے گا کہ ان دونوں کے درمیان عموم مطلق کی نسبت پائی جا رہی ہے۔

29973۔ (قولہ: وَهُوَ مَنْ يَعْمَلُ) صحیح یہ ہے کہ حرف عطف کو ساقط کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ مبتدا کی خبر ہے۔

اجیر خاص کی بحث

29974۔ (قولہ: لِوَاحِدٍ) یہاں واحد معنی معین ہے وہ ایک ہو یا زیادہ ہوں۔ ''قہستانی'' نے کہا: اگر دو یا تین آدمیوں نے کسی شخص کو ریوڑ چرانے کے لیے اجرت پر لیا وہ ریوڑ ان دونوں کا ہو یا ان سب کا ہو دراں حالیکہ وہ ریوڑ ان کا ہی ہو تو وہ اجیر خاص ہوگا جس طرح ''المحیط'' وغیرہ میں ہے تو اس سے وہ نکل گیا کہ جو غیر کے لیے کام کرے اس نے اسے اجرت

عَمَلًا مُؤَقَّتًا بِالتَّخْصِيصِ وَيَسْتَحِقُّ الْأَجْرَ بِتَسْلِيمِ نَفْسِهِ فِي الْمُدَّةِ وَإِنْ لَمْ يَعْمَلْ كَمَنْ اُسْتُؤْجِرَ شَهْرًا لِلْخِدْمَةِ أَوْ شَهْرًا (لِرَعْيِ الْغَنَمِ) الْمُسَمَّى بِأَجْرٍ مُسَمًّى بِخِلَافِ مَا لَوْ آجَرَ الْمُدَّةَ بِأَنْ اسْتَأْجَرَهُ لِلرَّعْيِ شَهْرًا حَيْثُ يَكُونُ مُشْتَرَكًا إِلَّا إِذَا شَرَطَ أَنْ لَا يَخْدُمَ غَيْرَهُ وَلَا يَرْعَى لِغَيْرِهِ فَيَكُونُ خَاصًّا

جو تخصیص کے ساتھ معین ہوتا ہے اور اس عرصہ میں اپنے آپ کو سپرد کرنے کی وجہ سے اجر کا مستحق ہو جاتا ہے اگر چہ وہ عمل نہ کرے جس طرح وہ آدمی جس کو خدمت کے لیے ایک ماہ کی اجرت پر لیا گیا یا بکریاں چرانے کے لیے اجرت پر لیا گیا جس اجرت کو معین اجرت کا نام دیا گیا۔ یہ صورت مختلف ہوگی کہ اگر ایک عرصہ کے لیے اجرت پر دے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اسے ایک ماہ کے لیے بکریاں چرانے کے لیے اجرت پر لے تو وہ اجیر مشترک ہوگا مگر جب وہ شرط لگائے کہ وہ کسی اور کی خدمت نہیں کرے گا اور نہ ہی کسی اور کی بکریاں چرائے گا تو وہ اجیر خاص ہوگا۔

پر لیا ہو یا اجرت پر نہ لیا ہو۔

29975۔(قولہ: عَمَلًا مُؤَقَّتًا) اس سے وہ مزدور خارج ہو گیا جو کسی کے لیے کام کرتا ہو مگر کسی وقت کی قید نہ ہو جس طرح درزی۔ جب وہ کسی کے لیے کام کرے اور مدت کا ذکر نہ کرے۔''ح''۔

29976۔(قولہ: بِالتَّخْصِيصِ) اس قید کے ساتھ وہ داعی وغیرہ نکل گیا جب وہ کسی ایک شخص کے لیے کام کرے جس کا وقت معین ہو مگر اس پر یہ شرط نہ لگائی ہو کہ وہ کسی اور کے لیے کام نہ کرے گا۔''طحطاوی'' نے کہا ہے: اس میں ہے کہ جب اسے ایک ماہ کے لیے ریوڑ چرانے کے لیے اجرت پر رکھا گیا تو وہ اجیر خاص ہوگا اگر چہ تخصیص کا ذکر نہ کرے شاید تخصیص سے مراد یہ ہے کہ وہ عموم کا ذکر نہ کرے۔ خواہ وہ تخصیص کا ذکر کرے یا اسے مہمل چھوڑ دے۔ کیونکہ خاص تعمیم کے ذکر کے ساتھ مشترک ہو جاتا ہے جس طرح''الدرر'' کی عبارت میں آئے گا۔

29977۔(قولہ: وَإِنْ لَمْ يَعْمَلْ) جب وہ عمل پر قادر ہو۔ اگر اس نے اپنا آپ سپرد کر دیا اور کسی وجہ سے کام پر قادر نہ ہوا جیسے بارش وغیرہ ہو تو اس کے لیے کوئی اجرت نہ ہوگی جس طرح''المعراج'' میں''ذخیرہ'' سے مروی ہے۔

29978۔(قولہ: لِلْخِدْمَةِ) یعنی مستاجر، اس کی بیوی اور اس کی اولاد کی خدمت کے لیے اور اس کا فریضہ متعاد خدمت ہوگی جو سحری سے لے کر عشا کے بعد لوگوں کے سونے تک ہوگی اور اس کا کھانا موجر کے ذمہ ہوگا۔ اگر وہ کھانا مستاجر پر شرط لگائے جس طرح جانور کے چارے کی شرط لگائے تو عقد فاسد ہو جائے گا۔ اسی طرح کثیر کتب میں ہے۔ لیکن ''فقیہ'' نے کہا ہے: ہمارے زمانہ میں غلام، مستاجر کے مال سے کھاتا ہے۔''حموی'' میں''ظہیریہ'' سے وہاں''خانیہ'' سے مروی ہے: اس میں جو ضعف ہے وہ گزر چکا ہے،''ط''۔ یعنی سابقہ باب کے شروع میں گزر چکا ہے۔

عمل اور اجرت کو جمع کرنا اجارہ کو فاسد کر دیتا ہے

29979۔(قولہ: أَوْ لِرَعْيِ الْغَنَمِ الْمُسَمَّى)''الدرر'' اور''التبیین'' میں اسی طرح قید لگائی ہے۔ مصنف نے سابقہ

وَتَحْقِيقُهُ فِي الدُّرَرِ
اس کی مکمل تحقیق ''الدرر'' میں ہے۔

باب میں ذکر کیا ہے: اگر ایک آدمی نے نانبائی کو اجرت پر لیا تا کہ اس کے لیے اتنی روٹیاں آج ایک درہم کے بدلے میں پکائے تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اجارہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے عمل اور وقت کو جمع کر دیا ہے پس وہ اس قول کے مخالف ہے جو یہاں ہے۔ اسی وجہ سے ''شرنبلالی'' نے کہا: جب عقد اس ترتیب پر واقع ہو تو وہ عقد فاسد ہوگا جس طرح ہم اسے پہلے بیان کر آئے ہیں اور اس کی صحت اس صورت میں ہے کہ مدت کے ساتھ ذکر کے بعد اجر کا ذکر کرے۔

میں کہتا ہوں: ہم وہاں پہلے وہ بیان کر آئے ہیں جو ان کے قول المسمی کے حذف کے وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔ پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

اجیر خاص میں مدت پر اجارہ صحیح نہیں ہوتا جب تک عمل کی نوع بیان نہ کرے

29980۔ (قولہ: وَتَحْقِيقُهُ فِي الدُّرَرِ) اس کی نص یہ ہے: یہ جان لو کہ خدمت کے لیے یا ریوڑ چرانے کے لیے مزدور سے وہ اجیر خاص ہوگا جب وہ اس پر یہ شرط لگائے کہ وہ کسی اور کی خدمت نہیں کرے گا، کسی اور کے جانور نہیں چرائے گا یا پہلے ہی مدت ذکر کر دے۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ ایک چرواہے کو ایک ماہ کے لیے اجرت پر لے تا کہ وہ اس کا معین ریوڑ چرائے اس کے بدلے میں معلوم اجر ہو وہ اول کلام کے ساتھ اجیر خاص ہوگا۔

میں کہتا ہوں: اس کا راز یہ ہے کہ وہ شروع میں ہی کلام کو مدت پر واقع کر دے۔ پس اس مدت میں اس کے منافع مستاجر کے لیے خاص ہو گئے پس یہ ممتنع ہو گیا کہ اس مدت میں کسی اور کے لیے ہوں۔ اس کے بعد جو قول ہے لترعی الغنم یہ احتمال رکھتا ہے کہ یہ عقد کو عمل پر واقع کرنے کے لیے ہو پس وہ اجیر مشترک ہوگا۔ کیونکہ وہ ہے جس کا عقد عمل پر واقع ہوا ہے اور یہ احتمال رکھتا ہے کہ اس عمل کی نوع کو واجب کرنے کے لیے ہو جو موت میں اجیر خاص پر واجب ہوتا ہے۔ کیونکہ مدت پر اجارہ اجیر خاص میں صحیح نہیں ہوتا جب تک عمل کی نوع بیان نہ کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: میں نے تجھے ایک ماہ خدمت کے لیے یا فصل کاٹنے کے لیے اجرت پر لیا ہو پس احتمال کے ساتھ اس کا حکم متغیر نہیں ہوگا۔ یہ ایک آدمی کا اجر ہوگا جب تک اس کے خلاف یہ نص قائم نہ کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کہے: تو میرے ریوڑ کے ساتھ کسی اور کی بکریاں چرائے گا۔ یہ امر ظاہر ہے یا مدت کو مؤخر کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ اسے اجرت پر لے تا کہ معین ریوڑ چرائے یہ عمل معلوم اجرت کے بدلے میں ایک ماہ کے لیے ہو۔ پس اس وقت وہ کلام کے اول کے ساتھ اجیر مشترک ہوگا۔ کیونکہ اس کے شروع میں عقد کو عمل پر واقع کیا ہے اور کلام کے آخر میں اشہر کا لفظ یہ احتمال رکھتا ہے کہ یہ عقد کو مدت پر واقع کرنے کے لیے ہو پس یہ ایک آدمی کا اجیر ہو جائے اور یہ احتمال رکھتا ہے کہ یہ اس عمل کی تقدیر کے لیے ہو جس پر عقد واقع ہے۔ پس احتمال سے اس کے کلام کا اول حصہ متغیر نہ ہوگا جب تک اس کے خلاف واقع نہ ہو۔

وَلَيْسَ لِلْخَاصِّ أَنْ يَعْمَلَ لِغَيْرِهِ، وَلَوْ عَمِلَ نَقَصَ مِنْ أُجْرَتِهِ بِقَدْرِ مَا عَمِلَ فَتَاوَى النَّوَازِلِ (وَإِنْ هَلَكَ فِي الْمُدَّةِ نِصْفُ الْغَنَمِ أَوْ أَكْثَرُ مِنْ نِصْفِهِ (فَلَهُ الْأَجْرَةُ كَامِلَةً) مَا دَامَ يَرْعَى مِنْهَا شَيْئًا، لِمَا مَرَّ أَنَّ الْمَعْقُودَ عَلَيْهِ تَسْلِيمُ نَفْسِهِ جَوْهَرَةٌ، وَظَاهِرُ التَّعْلِيلِ بَقَاءُ الْأَجْرَةِ لَوْ هَلَكَ كُلُّهَا وَبِهِ صَرَّحَ فِي الْعِمَادِيَّةِ

اور اجیر خاص کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ کسی اور کا کام کرے اگر وہ عمل کرے گا تو جس قدر اس نے عمل کیا ہوگا اسی قدر اس کی اجرت میں کمی کردی جائے گی۔ ''فتاویٰ النوازل''۔ اگر مدت میں نصف ریوڑ یا نصف سے زاید ہلاک ہو جائے تو اس کے لیے کامل کی اجرت ہوگی جب تک وہ اس ریوڑ میں سے کوئی شے چراتا رہے۔ کیونکہ یہ امر گزر چکا ہے کہ معقود علیہ اپنے نفس کو سپرد کرنا ہے،''جوہرہ''۔ تعلیل کا ظاہر یہ ہے کہ اجرت باقی رہے گی اگر تمام ریوڑ ہلاک ہو جائے۔ ''العمادیہ'' میں اس کی تصریح کی ہے۔

اجیر خاص کو حق حاصل نہیں کہ وہ نفل نماز ادا کرے

29981۔ (قولہ: وَلَيْسَ لِلْخَاصِّ أَنْ يَعْمَلَ لِغَيْرِهِ) اجیر خاص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی اور کے لیے عمل کرے بلکہ اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ نفل نماز ادا کرے۔ ''تاتر خانیہ'' میں کہا: ''فتاویٰ فضلی'' میں ہے: جب ایک آدمی نے ایک دن کے لیے اجرت پر لیا کہ وہ یہ کام کرے گا تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ یہ کام مدت کے مکمل ہونے تک کرے اور فرض نماز کے علاوہ کسی اور شے میں مشغول نہ ہو۔ ''فتاویٰ سمرقند'' میں ہے: ہمارے بعض مشائخ نے کہا: اسے یہ حق حاصل ہوگا کہ سنت ادا کر لے اور اس پر تمام علما کا اتفاق ہے کہ وہ نفل ادا نہ کرے اسی پر فتویٰ ہے۔ ''غریب الروایہ'' میں ہے: ''ابوعلی دقاق'' نے کہا: شہر میں اسے جمعہ ادا کرنے سے منع نہ کیا جائے گا اگر وہ دور ہو تو اس کی اجرت سے اتنی کمی کی جائے گی جس قدر مشغول رہا۔ اگر وہ قریب ہو تو کسی شے میں کمی نہ کی جائے گی۔ اگر وہ دور ہو اور دن کے چوتھائی تک مشغول رہا تو اس سے چوتھائی اجرت کم کردی جائے گی۔

29982۔ (قولہ: وَلَوْ عَمِلَ نَقَصَ مِنْ أُجْرَتِهِ الخ) ''تاتر خانیہ'' میں کہا: ایک بڑھئی ہے اسے مدت تک اجرت پر لیا گیا تو اس نے دوسرے آدمی کے لیے ایک درہم کے بدلہ میں دوات بنائی جب کہ وہ نجار جانتا ہو تو وہ گناہگار ہوگا۔ اگر نہ جانتا ہو تو اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی اور اس کی اجرت میں اس قدر کمی کردی جائے گی جس قدر اس نے دوات میں عمل کیا۔

29983۔ (قولہ: وَظَاهِرُ التَّعْلِيلِ الخ) یعنی ''جوہرہ'' کا قول ہے: ما دام یرعی منھا شیئا اس کا کوئی مفہوم نہیں۔ میں نے بعض فضلاء کی تحریر دیکھی کہ ''جوہرہ'' کی مراد یہ ہے کہ اس کے بدلے میں اپنے نفس کو سپرد کرے۔ یہ اجرت کے مستحق ہونے کی شرط نہیں جس طرح مصنف اور متون نے سمجھا اور تعلیل اس کا فائدہ دیتی ہے جب کہ یہ قول حسن ہے۔

29984۔ (قولہ: وَبِهِ صَرَّحَ فِي الْعِمَادِيَّةِ) یہ متون کی تصریح کے موافق ہے کہ اس مدت میں اپنے آپ کو سپرد کر دینے سے اجرت کا مستحق ہو جائے گا اگرچہ وہ عمل نہ کرے۔

فرع: ریوڑ کے مالک نے یہ ارادہ کیا کہ وہ بھیڑ بکریوں میں اضافہ کرے جس کی چرواہا طاقت رکھتا ہو تو اسے یہ حق حاصل ہوگا اگر وہ اجیر خاص ہو۔ کیونکہ وہ ریوڑ چرانے کے حق میں غلام کے قائم مقام ہے اور مالک کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ غلام جتنے

(وَلَا يَضْمَنُ مَا هَلَكَ فِي يَدِهِ أَوْ بِعَمَلِهِ) كَتَخْرِيقِ الثَّوْبِ مِنْ دَقِّهِ إِلَّا إِذَا تَعَمَّدَ الْفَسَادَ فَيَضْمَنُ كَالْمُودَعِ ثُمَّ فَرَّعَ عَلَى هَذَا الْأَصْلِ بِقَوْلِهِ

جو چیز اس کے ہاتھ میں یا اس کے عمل سے ہلاک ہوگئی جس طرح اس کے کوٹنے سے کپڑا پھٹ جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا مگر جب وہ فساد کا قصد کرے تو ضامن ہوگا جس طرح مودع فساد کا قصد کرے تو ضامن ہوگا۔ پھر اس ضابطہ پر اپنے اس قول سے تفریع کا ذکر کیا:

جانور چرانے کی طاقت رکھتا ہے اتنے جانور چرانے کا اسے مکلف بنادے۔

اجیر خاص سے فساد کے قصد کے بغیر جو چیز ہلاک ہوگئی وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا

29985۔(قولہ: وَلَا يَضْمَنُ مَا هَلَكَ فِي يَدِهِ) یعنی اس کے عمل کے بغیر جو چیز ہلاک ہوگئی اس پر اجماع ہے۔اور ان کا قول: او بعملہ، یعنی ایسا عمل جس کی اجازت دی گئی ہو۔ اگر مستاجر نے اسے ایک کام کا حکم دیا اور اس نے کوئی اور عمل کیا تو اس عمل سے جو کچھ وقوع پذیر ہوگا اس کا ضامن ہوگا۔''تاتر خانیہ''۔اس میں ہے: جب چرواہے نے ریوڑ کو ہانکا تو اس نے کسی کو سینگ دے مارا یا اس کے ہانکنے سے اس میں سے کسی نے کسی کو روند ڈالا اگر وہ راعی (چرواہا) مشترک ہو تو ہر حال میں ضامن ہوگا۔اسی طرح اگر وہ ریوڑ مختلف لوگوں کا ہو اور وہ ان میں سے کسی ایک کا مزدور ہو۔ اگر وہ اجیر ضامن ہوا گر وہ ریوڑ ایک آدمی کا ہو تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔اگر وہ دو یا تین افراد کا ہو تو وہ ضامن ہوگا۔دو یا تین آدمیوں کے حق میں اجیر خاص کی صورت یہ ہے کہ دو یا تین آدمی ایک چرواہا ایک ماہ کے لیے اجرت پر لے تا کہ وہ ان دونوں یا سب کا ریوڑ چرائے۔ ''ذخیرہ''میں کہا: اجیر خاص ایک آدمی کا ہو یا ایک کے علاوہ کا ہو تو تفریق کی گئی ہے اسے اچھی طرح یاد رکھا جانا چاہیے۔

میں کہتا ہوں: اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اجیر خاص اور ایک آدمی کے مزدور میں عموم مطلق کی نسبت پائی جاتی ہے۔جس طرح ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے۔''جامع الفصولین''میں ہے: اگر کوئی چیز پانی پلانے یا چرانے میں ہلاک ہوگئی تو وہ ضامن نہ ہوگا۔اگر چرواہے نے اسے ذبح کیا یا اجنبی نے ذبح کیا اگر اس کی زندگی کی امید ہو تو وہ ذبح کرنے والا ضامن ہوگا یا اس امر کے اشکال کا باعث ہو تو وہ ضامن ہوگا۔اگر اس جانور کی موت کا یقین ہو تو ضامن نہ ہوگا۔کیونکہ اسے دلالۃً اذن حاصل ہے۔ یہی قول صحیح ہے۔وہ گدھے کو ذبح نہیں کرے گا اور نہ ہی خچر کو ذبح کرے گا۔کیونکہ ان کا گوشت کھانے کے مناسب نہیں اور نہ ہی''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گھوڑا ذبح کیا جائے گا۔کیونکہ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مکروہ تحریمی ہے۔اگر اجیر کہے: میں نے اس کے مرض کی وجہ سے ذبح کیا تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اگر مستاجر اس کو جھٹلائے۔کیونکہ اس نے ضمان کے سبب کا اقرار کیا ہے اور اس کے ہلاک ہو جانے میں اس کی تصدیق کی جائے گی اگرچہ وہ یہ شرط لگائے کہ اس کے ہلاک ہونے کی علامت لانے کا کہے، ملخص۔یعنی قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کی جائے گی۔جس طرح''الجوہرۃ''میں ہے۔

29986۔(قولہ: كَالْمُودِعِ) یعنی مودع جب فساد کا قصد کرے گا تو وہ ضامن ہوگا۔''ط''۔

(فَلَا ضَمَانَ عَلَى ظِئْرٍ فِي صَبِيٍّ ضَاعَ فِي يَدِهَا أَوْ سَرَقَ مَا عَلَيْهِ) مِنْ الْحُلِيِّ لِكَوْنِهَا أَجِيرَ وَاحِدٍ وَكَذَا لَا ضَمَانَ عَلَى حَارِسِ السُّوقِ وَحَافِظِ الْخَانِ

اس بچے کے بارے میں دائی پر کوئی ضمانت نہ ہوگی جو اس کے ہاں ضائع ہو گیا یا جو زیور اس پر تھا اس کو چوری کر لیا گیا۔ کیونکہ یہ ایک فرد کی اجیر ہے اسی طرح جو بازار کا چوکیدار ہے یا سرائے کا نگہبان ہے اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔

29987_(قولہ: لِكَوْنِهَا أَجِيرَ وَاحِدٍ) ''ابوسعود'' نے کہا: حاصل کلام یہ ہے: دائی میں مسائل متعارض ہیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں: یہ ایک آدمی کے اجیر کی طرح ہے جس طرح ان کا قول ہے کہ اس صورت میں ضمانت نہ ہوگی۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ اجیر مشترک کے معنی میں ہے جس طرح ان کا قول ہے: وہ دونوں فریقوں کے خلاف اجرت کا مستحق ہوگا جب اس نے اپنے آپ کو ان دونوں کے حوالے کر دیا۔

''اتقانی'' نے کہا: صحیح یہ ہے کہ اگر اس نے اپنا بچہ اس عورت کے حوالے کر دیا تا کہ وہ عورت اس بچے کو دودھ پلائے تو یہ اجیر مشترک ہوگا اگر گھر تک بچے کو لوٹائی جائے تو یہ ایک آدمی کا اجیر ہوگا۔ ملخص۔ ط۔

سرائے کے محافظ کا بیان

29988_(قولہ: وَكَذَا لَا ضَمَانَ عَلَى حَارِسِ السُّوقِ وَحَافِظِ الْخَانِ) ''جامع الفصولین'' میں اسی طرح ہے۔ ایک آدمی کو سرائے کی حفاظت کی خاطر یا اس نے دو کانوں کی حفاظت کے لیے کسی کو اجرت پر لیا تو اس میں سے کوئی شے ہلاک ہو گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک وہ ضامن ہوگا اگر وہ کمرے سے باہر وہ چیز ضائع ہو گئی کیونکہ وہ اجیر مشترک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ضامن نہ ہوگا۔ یہ صحیح قول کے مطابق ہے۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اجیر خاص ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا اگر وہ یہ ارادہ کرے کہ وہ اپنے آپ کو کسی اور کام میں مشغول کرے تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا۔ اگر اس کی اندر کی جانب سے کوئی شے ضائع نہ ہو جائے اس کی صورت یہ ہے کہ چور نے چوری کر لی تو اصح قول کے مطابق حارس ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ گھروں میں محفوظ مالک کے قبضہ میں ہوتے ہیں اور بازار کے چوکیدار کا معاملہ اسی طرح ہے۔ ''ذخیرہ'' کے چوبیس میں اسی طرح ہے۔ ''حامدیہ'' میں کہا: اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے جب دکان کا قفل توڑا گیا اور سامان لے لیا گیا تو نگہبان ضامن ہوگا۔

میں کہتا ہوں: یہ اس قول پر امر ظاہر ہے کہ یہ اجیر مشترک ہے۔ جہاں تک اس قول کا تعلق ہے تو یہ اجیر خاص ہے تو ظاہر نہیں کیونکہ تو مفتی بہ قول سن چکا ہے۔

ہاں: جو قول ابھی ''تاتر خانیہ'' اور ''ذخیرہ'' سے چرواہے کے بارے میں گزرا ہے اگر وہ ایک سے زائد کا اجیر خاص ہو تو وہ ضامن ہوگا وہ اس میں اشکال پیدا کرتا ہے۔ فلیتامل۔

مگر جب یہ کہا جائے: جب تالا توڑا گیا اور تالا توڑنے کا عمل اس کی نیند یا اس کے غائب ہونے کی وجہ سے ہے تو وہ

(وَصَحَّ تَرْدِيدُ الْأَجْرِ بِالتَّرْدِيدِ فِي الْعَمَلِ) كَإِنْ خطته فَارِسِيًّا بِدِرْهَمٍ أَوْ رُومِيًّا بِدِرْهَمَيْنِ (وَزَمَانِهِ فِي الْأَوَّلِ) كَذَا بِخَطِّ الْمُصَنِّفِ مُلْحَقًا وَلَمْ يَشْرَحْهُ وَسَيَتَّضِحُ قَالَ شَيْخُنَا الرَّمْلِيُّ وَمَعْنَاهُ يَجُوزُ فِي الْيَوْمِ الْأَوَّلِ دُونَ الثَّانِي كَإِنْ خطته الْيَوْمَ فَبِدِرْهَمٍ أَوْ غَدًا فَبِنِصْفِهِ (وَمَكَانِهِ) كَإِنْ سَكَنْتَ هَذِهِ الدَّارَ فَبِدِرْهَمٍ أَوْ هَذِهِ فَبِدِرْهَمَيْنِ (وَالْعَامِلِ)

عمل میں تردید کی صورت میں اجرت میں تردید صحیح ہے جیسے وہ کہے: اگر تو نے فارسی طرز کا سیا تو ایک درہم یا رومی طرز کا سیا تو دو درہم اور پہلی صورت میں زمانہ میں تردید صحیح ہے۔ مصنف کی تحریر سے اسی طرح لاحق کیا گیا ہے اور اسی کی وضاحت نہیں کی عنقریب اس کی وضاحت آئے گی۔ ہمارے شیخ ''رملی'' نے کہا: اس کا معنی ہے: پہلے دن میں یہ جائز ہے دوسرے دن میں جائز نہیں جس طرح اگر وہ کہے: تو آج سی کر دے تو ایک درہم یا کل سی کر دے تو اس کا نصف۔ اور مکان میں تردید کو صحیح قرار دیا ہے: اگر تو اس گھر میں سکونت اختیار کرے تو ایک درہم اجرت ہوگی اس گھر میں سکونت اختیار کی تو دو درہم اجرت ہو گی اور عامل میں تردید ہے اجرت میں تردید صحیح ہے

کوتاہی کرنے والا ہے پس وہ ضامن ہوگا۔

''الخلاصہ'' میں ہے: اگر بازار والوں میں سے کسی نے اسے اجرت پر لیا تو گویا سب نے اسے اجرت پر لیا لیکن یہ اس صورت میں ہے جب وہی ایک ان کا رئیس ہو اور اس کے لیے اجرت لینا حلال ہوگا۔ ''المحیط'' میں ہے: اگر وہ سب ناپسند کریں اور وہ راضی نہ ہوں تو ان کی کراہت باطل ہے۔

اجرت میں تردید کے صحیح ہونے کا بیان

29989۔ (قولہ: وَصَحَّ تَرْدِيدُ الْأَجْرِ) یہ اتفاقی قید ہے کیونکہ اس کی نفی اور تردید میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ ''المحیط'' میں ہے: اگر تو نے آج سیا تو تیرے لیے ایک درہم ہے اگر کل سی کر دیا تو تیرے لیے کوئی اجر نہیں۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر اس نے پہلے دن اسے سی کر دے دیا تو اس کے لیے ایک درہم ہوگا اگر دوسرے دن سی کر دیا تو اس کے لیے اجرت مثلی ہوگی جو ایک درہم سے زائد نہ ہوگی یہ ان سب کے قول میں ہے۔ ''طوری''۔

29990۔ (قولہ: فِي الْأَوَّلِ) یہ ان کے قول صح کے متعلق ہے۔

29991۔ (قولہ: مُلْحَقًا) رملی نے کہا: یہ ان کے متن میں نہیں۔ شرح میں اسے سرخ روشنائی کے ساتھ حاشیہ میں لاحق کرتے ہوئے لکھا ہے۔

29992۔ (قولہ: وَلَمْ يَشْرَحْهُ) ہاں اس کے متصل بھی اس کی شرح نہیں کی بلکہ اس کی شرح قول والحمل کے بعد کی ہے اور اس میں طویل گفتگو کی ہے اور محشی نے اس کی عبارت نقل کی ہے۔ گویا شارح نے ان کی مکمل کلام نہیں دیکھی۔

29993۔ (قولہ: سَيَتَّضِحُ) یعنی چند سطور بعد اس کے حکم کی وضاحت کریں گے اس کے ساتھ قول قال شیخنا الخ

کَإِنْ سَکَنْتَ عَطَّارًا فَبِدِرْهَمٍ أَوْ حَدَّادًا فَبِدِرْهَمَيْنِ (وَالْمَسَافَةِ) کَإِنْ ذَهَبْتَ لِلْکُوفَةِ فَبِدِرْهَمٍ أَوْ لِلْبَصْرَةِ فَبِدِرْهَمَيْنِ (وَالْحَمْلِ) کَإِنْ حَمَلْتَ شَعِيرًا فَبِدِرْهَمٍ أَوْ بُرًّا فَبِدِرْهَمَيْنِ وَکَذَا لَوْ خَيَّرَهُ بَيْنَ ثَلَاثَةِ أَشْيَاءَ وَلَوْ بَيْنَ أَرْبَعَةٍ لَمْ يَجُزْ کَمَا فِي الْبَيْعِ وَيَجِبُ أَجْرُ مَا وَجَدَ إِلَّا فِي تَخْيِيرِ الزَّمَانِ فَيَجِبُ بِخِيَاطَتِهِ فِي الْأَوَّلِ مَا سَمَّى وَفِي الْغَدِ أَجْرُ الْمِثْلِ لَا يُزَادُ عَلَى دِرْهَمٍ

اگر تو عطار کی حیثیت سے رہے تو ایک درہم ہوگی یا حداد کی حیثیت سے رہائش رکھے تو اجرت دو درہم ہوگی اور مسافت کی تردید سے اجرت میں تردید صحیح ہے اگر تو کوفہ لے جائے تو ایک درہم اجرت ہوگی اگر بصرہ لے جائے تو دو درہم اجرت ہوگی اور بوجھ میں تردید سے اجرت میں تردید صحیح ہوگی۔ جیسے اگر تو جو اٹھا کر لے جائے تو ایک درہم یا گندم اٹھا کر لے جائے تو دو درہم اجرت ہوگی۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر وہ تین اشیا میں اختیار دے۔ اگر چار چیزوں میں اختیار دے تو صحیح نہ ہوگا۔ تو جو عمل پایا جائے گا اجرت وہی ہوگی مگر زمانہ میں اختیار کا معاملہ مختلف ہوگا۔ پہلے زمانہ میں وہ سی کر دے تو وہی کچھ واجب ہوگا جس اجرت کا نام لیا تھا اور کل میں اجرت مثلی لازم ہوگی۔ جو ایک درہم سے زیادہ نہیں ہوگی۔

سے مستغنی ہو گئے جس طرح ''حلبی'' نے کہا ہے۔

29994۔ (قولہ: وَکَذَا لَوْ خَيَّرَهُ بَيْنَ ثَلَاثَةٍ) یہ ان تمام مسائل میں ہے ''ط''۔

29995۔ (قولہ: کَمَا فِي الْبَيْعِ) یہ تین اور چار کے لیے قید ہے علت حاجت کو دور کرنا ہے ''العزمیہ'' میں جو قول ہے اسے دیکھیے۔

29996۔ (قولہ: إِلَّا فِي تَخْيِيرِ الزَّمَانِ الخ) اس کی مثال پہلے گزر چکی ہے۔ کیونکہ وہ عقد جو آنے والے کی طرف منسوب ہے وہ آج ثابت نہیں پس آج میں دونوں معین کی گئی اجرت میں جمع نہ ہوئی پس آج اجرت مجہول نہ ہوئی اور جو آج کی طرف منسوب تھا وہ آنے والے دن تک باقی رہا۔ پس آنے والے دن میں دو معین اجرتیں جمع ہو گئیں یعنی درہم اور نصف درہم۔ پس اجرت مجہول ہو گئی اور اجرت کا مجہول ہونا یہ عقد کے جائز ہونے کے مانع ہے ''درر''۔

یہ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک دونوں شرطیں جائز ہیں اور امام ''زفر'' کے نزدیک دونوں فاسد ہیں۔ اس کی مکمل وضاحت ''المنح'' میں ہے۔

29997۔ (قولہ: لَا يُزَادُ عَلَى دِرْهَمٍ) نہ درہم سے زائد اجرت ہوگی اور نہ یہ نصف سے کم کی جائے گی۔ یہ قول اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ بعض اوقات وہ نصف درہم سے زائد ہو سکتی ہے۔ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: یہ نصف درہم سے زائد نہ ہوگی کیونکہ یہ صراحۃً معین کی گئی ہے۔ پس ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ سے دو روایتیں ہیں۔ ظاہر روایت کی دلیل یہ ہے کہ آنے والے دن میں دو معین اجرتیں جمع ہو گئیں پس پہلی کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ اس پر زیادتی ممنوع ہے اور دوسری کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ کمی کرنا ممنوع ہے تاکہ دونوں پر عمل ہو جائے۔ یہ مصرح کو ترجیح دینے سے اولیٰ ہے۔ ''کفایہ'' ملخص۔

وَلَوْ خَاطَهُ بَعْدَ غَدٍ لَا يُزَادُ عَلَى نِصْفِ دِرْهَمٍ وَفِيهِ خِلَافُهُمَا (بَنَى الْمُسْتَأْجِرُ تَنُّورًا أَوْ دُكَّانًا) عِبَارَةُ الدُّرَرِ أَوْ كَانُونًا (فِي الدَّارِ الْمُسْتَأْجَرَةِ فَاحْتَرَقَ بَعْضُ بُيُوتِ الْجِيرَانِ أَوْ الدَّارُ لَا ضَمَانَ عَلَيْهِ مُطْلَقًا) سَوَاءٌ بَنَى بِإِذْنِ رَبِّ الدَّارِ أَوْ لَا (إِلَّا أَنْ يُجَاوِزَ مَا يَصْنَعُهُ النَّاسُ) فِي وَضْعِهِ وَإِيقَادِ نَارٍ لَا يُوقَدُ مِثْلُهَا فِي التَّنُّورِ وَالْكَانُونِ (اسْتَأْجَرَ حِمَارًا فَضَلَّ عَنِ الطَّرِيقِ، إِنْ عَلِمَ أَنَّهُ لَا يَجِدُهُ بَعْدَ الطَّلَبِ لَا يَضْمَنُ،

اگر کل کے بعد اسے سی کر دیا تو نصف درہم سے زائد کچھ نہیں ہوگا اس میں ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کا اختلاف ہے۔ مستاجر نے تنور یا دکان بنائی درر کی عبارت ہے یا بھٹی بنائی اس گھر میں جس کو اجرت پر لیا تو پڑوسیوں کے گھروں میں سے بعض یا گھر کا بعض جل گیا تو اس پر مطلقاً ضمان نہ ہوگی۔ خواہ اس نے وہ تنور وغیرہ گھر کے مالک کی اجازت سے بنایا تھا یا اجازت کے بغیر بنایا تھا مگر جب وہ اس عمل سے تجاوز کرے جو لوگ کرتے ہیں اس کا یہ عمل رکھنے میں ہو یا ایسی آگ کے روشن کرنے میں ہو جس قسم کی آگ تنور اور بھٹی میں نہیں جلائی جاتی۔ ایک آدمی نے اجرت پر گدھا لیا تو وہ راستہ میں گم ہو گیا اگر اسے علم ہو کہ وہ تلاش کے بعد اسے نہیں پا سکے گا تو ضامن نہیں ہوگا۔

''زیلعی'' نے دوسری روایت کو صحیح قرار دیا ہے اس کی مثل ''الایضاح'' میں ہے اور یہ ذکر کیا کہ یہ ''الاصل'' کی روایت ہے۔

29998۔(قولہ: وَفِيهِ خِلَافُهُمَا) ''زیلعی'' نے کہا: اگر اس نے اگلے دن کے بعد اسے سیا تو صحیح قول یہ ہے کہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نصف درہم سے زائد نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ کل تک تاخیر کرنے کی صورت میں وہ نصف درہم سے زائد پر راضی نہیں تھا۔ تو یہ امر بدرجہ اولیٰ ہوگا کہ کل کے بعد وہ نصف سے زائد پر راضی نہ ہوگا۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے مطابق صحیح یہ ہے کہ نصف درہم سے کم نہ کی جائے گی اور نہ ہی اس پر زائد کی جائے گی۔

29999۔(قولہ: أَوْ كَانُونًا) جل جانے کے ذکر کے بعد کانون کا لفظ مناسب ہے۔ ''حلبی'' نے یہ بیان کیا ہے۔

30000۔(قولہ: لَا ضَمَانَ عَلَيْهِ) یہ گھر کے ظاہر سے ایسا انتفاع ہے جو باقی ماندہ گھر کی ہیئت کو نقصان کی صورت میں متغیر نہیں کرتی۔ گڑھا کھودنے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ اس کی ذات میں تصرف ہے۔ عمارت بنانے کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ باقی ماندہ کو نقصان کی طرف متغیر ہو جانے کو واجب کرتا ہے۔ ''جامع الفصولین''۔

30001۔(قولہ: إِنْ عَلِمَ أَنَّهُ لَا يَجِدُهُ) ظاہر یہ ہے کہ مراد غلبہ ظن ہے۔ اس عمل کا ظاہر یہ ہے کہ وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے کہ وہ اس کو نہیں پائے گا۔ ''ط''۔

میں کہتا ہوں: ''بزازیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے اجیر مشترک کو چرنے کے لیے بیل دیا چرواہے نے کہا: میں نہیں جانتا بیل کہاں چلا گیا تو یہ ہمارے زمانہ میں اس کو ضائع کرنے کا اقرار ہے۔

30002۔(قولہ: بَعْدَ الطَّلَبِ) یعنی جس جگہ وہ گم ہوا ہے اس جگہ کے اردگرد کے مقامات میں اس نے تلاش کیا۔ اگر وہ تلاش میں گیا اور اسے دیکھ لیا اور اسے نہ روکا تو ضامن ہوگا۔ اس سے یہ ارادہ کرتا ہے اگر وہ اس کی آنکھوں سے غائب

كَذَا رَاعٍ نَدَّ مِنْ قَطِيعِهِ شَاةٌ فَخَافَ عَلَى الْبَاقِي الْهَلَاكَ (إِنْ تَبِعَهَا) : لِأَنَّهُ إِنَّمَا تَرَكَ الْحِفْظَ بِعُذْرٍ فَلَا يَضْمَنُ كَدَفْعِ الْوَدِيعَةِ حَالَ الْغَرَقِ وَقَالَا إِنْ كَانَ الرَّاعِي مُشْتَرَكًا ضَمِنَ، وَلَوْ خَلَطَ الْغَنَمَ إِنْ أَمْكَنَهُ التَّمْيِيزُ لَا يَضْمَنُ وَالْقَوْلُ لَهُ فِي تَعْيِينِ الدَّوَابِّ أَنَّهَا لِفُلَانٍ، إِنْ لَمْ يُمْكِنْهُ ضَمِنَ قِيمَتَهَا يَوْمَ الْخَلْطِ وَالْقَوْلُ لَهُ فِي قَدْرِ الْقِيمَةِ عِمَادِيَّةٌ: وَلَيْسَ لِلرَّاعِي أَنْ يُنْزِيَ عَلَى شَيْءٍ مِنْهَا بِلَا إِذْنِ رَبِّهَا، فَإِنْ فَعَلَ فَعَطِبَتْ ضَمِنَ وَإِنْ نَزَى بِلَا فِعْلِهِ فَلَا ضَمَانَ جَوْهَرَةٌ

اسی طرح چرواہے کا حکم ہے اس کے ریوڑ سے ایک بکری بھاگ گئی تو اسے باقی ریوڑ کے بارے میں ہلاکت کا خوف ہوا اگر وہ اس کا پیچھا کرے۔ اس نے اس کا پیچھا کرنا عذر کی وجہ سے ترک کیا ہے پس وہ ضامن نہیں ہوگا۔ جس طرح غرق ہونے کے وقت ودیعت کسی کو دے دینا ہے۔ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما نے کہا: اگر راعی مشترک ہو تو ضامن ہوگا اگر اس نے بھیڑ بکریوں کو ملا دیا اگر تمیز دینا ممکن ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔ جانوروں کی تعیین میں قول اسی کا معتبر ہوگا کہ یہ جانور فلاں کا ہے۔ اگر ممکن نہ ہو تو جس روز اس نے جانوروں کو ملایا ہے اس دن کی قیمت لازم ہوگی اور قیمت کی مقدار میں قول اس کا معتبر ہوگا۔ ''عمادیہ''۔ چرواہے کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مالک کی اجازت کے بغیر کسی پر نر چھوڑے۔ اگر اس نے نر چھوڑا اور وہ جانور ہلاک ہو گیا تو وہ ضامن ہوگا۔ اگر چرواہے کے عمل کے بغیر نر مادہ پر جا پڑا تو ضمان نہیں ہوگی۔ ''جوہرہ''۔

ہو جائے تو اس نے نہ روک کر اس کی حفاظت میں کوتاہی کی ہے۔ اسی تعبیر کی بنا پر اگر وہ اس گدھے کو نانبائی کے پاس لایا اور روٹیاں خریدنے میں مشغول ہو گیا اور وہ گدھا ضائع ہو گیا اگر وہ اس کی آنکھوں سے غائب ہو گیا تو ضامن ہوگا ورنہ ضامن نہ ہوگا، ''خلاصہ''۔ ''خانیہ'' میں ہے: جب اسے اپنی نظروں سے غائب کر دیا تو وہ اس کا محافظ نہیں ہوگا اگرچہ کسی شے کے ساتھ اسے باندھا ہے۔

30003۔ (قولہ: فَلَا يَضْمَنُ) یعنی بالاجماع وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا اگرچہ اجیر خاص ہو۔ اگر اجیر مشترک ہو تو ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حکم اسی طرح ہے۔ ''منح''۔

30004۔ (قولہ: ضَمِنَ) کیونکہ اس نے ایسے عذر کے ساتھ حفاظت کو ترک کیا ہے جس سے بچنا ممکن ہے۔ ''الذخیرہ'' میں کہا: میں نے بعض نسخوں میں دیکھا ہے: اس پر اس بکری کے بارے میں ضمانت نہیں ہوگی جب وہ بھاگ گئی جب اس چرواہے کے پاس کوئی ایسا آدمی نہ ہو جو اسے واپس لانے کے لیے بھیجے یا اسے اس بکری کے مالک کے پاس بھیجے تاکہ اس کے مالک کو اس بارے میں باخبر کرے۔ اسی طرح اگر وہ ریوڑ مختلف ٹکڑوں میں بٹ گیا اور وہ سب کا پیچھا کرنے پر قادر نہ ہوا۔ کیونکہ اس نے عذر کی وجہ سے حفاظت کو ترک کیا ہے ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک وہ ضامن ہوگا۔ ''بزازیہ'' میں کہا: کیونکہ یہ وافر اجر میں طمع کرنے کی وجہ سے متعذر ہوا ہے اور وافر اجر کثیر ریوڑ کو اپنانے کے ساتھ حاصل ہوا ہے۔

30005۔ (قولہ: يَوْمَ الْخَلْطِ) کیونکہ یہی ہلاک کرنے کا دن ہے۔

(وَلَا يُسَافِرُ بِعَبْدٍ اسْتَأْجَرَهُ لِلْخِدْمَةِ) لِمَشَقَّتِهِ (إلَّا بِشَرْطٍ)؛ لِأَنَّ الشَّرْطَ أَمْلَكُ عَلَيْكَ أَمْ لَكَ، وَكَذَا لَوْ عَرَفَ بِالسَّفَرِ؛ لِأَنَّ الْمَعْرُوفَ كَالْمَشْرُوطِ (بِخِلَافِ الْعَبْدِ الْمُوصَى بِخِدْمَتِهِ فَإِنَّ لَهُ أَنْ يُسَافِرَ بِهِ مُطْلَقًا)؛ لِأَنَّ مُؤْنَتَهُ عَلَيْهِ (وَلَوْ سَافَرَ) الْمُسْتَأْجِرُ (بِهِ فَهَلَكَ ضَمِنَ) قِيمَتَهُ؛ لِأَنَّهُ غَاصِبٌ

اور وہ اس غلام کو سفر پر نہ لے جائے جس کو خدمت کے لیے اجرت پر لیا ہو۔ کیونکہ سفر میں مشقت ہوتی ہے مگر شرط لگائی ہو تو اسے سفر پر لے جا سکتا ہے۔ کیونکہ شرط یا تو تیرے خلاف ملکیت کا سبب ہے یا تیرے حق میں ملکیت کا سبب ہے۔ اسی طرح اگر سفر کے بارے میں معروف ہو۔ کیونکہ معروف مشروط کی طرح ہے۔ اس غلام کا معاملہ مختلف ہے جس کے متعلق خدمت کرنے کی وصیت کی گئی ہو۔ تو موصی لہ کو حق حاصل ہوگا کہ اسے مطلقاً سفر پر لے جائے۔ کیونکہ اس غلام کی مؤنت موصی لہ پر ہوتی ہے۔ اگر مستاجر اسے سفر پر لے گیا تو وہ ہلاک ہو گیا تو اس کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ کیونکہ وہ غاصب ہے

30006۔ (قولہ: وَلَا يُسَافِرُ بِعَبْدٍ) بلکہ اس سے شہر میں ہی خدمت لے گا اور اپنے ایسے دیہات میں جو سفر سے کم ہو۔ ''طحطاوی'' نے ''بزازیہ'' سے نقل کیا ہے۔

30007۔ (قولہ: لِمَشَقَّتِهِ) یعنی سفر کی مشقت کی وجہ سے اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ واپس لوٹانے کی مؤنت آقا کے ذمہ ہوگی اس وجہ سے اسے ضرر لاحق ہوتا ہے۔ پس وہ مستاجر مالک کی اجازت کے بغیر اسے سفر پر لے جانے کا مالک نہیں۔ ''زیلعی''۔

30008۔ (قولہ: إلَّا بِشَرْطٍ) شرط لگائے تو لے جا سکتا ہے یا اس پر اس کے بعد راضی ہو۔ ''ط''۔

30009۔ (قولہ: لِأَنَّ الشَّرْطَ أَمْلَكُ) یعنی ملک میں شدید ہے اور اتباع میں اس کا زیادہ عمل دخل ہے۔ پس یہ معروف یا مجہول ہے اسم تفصیل کا صیغہ ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی: اشد مالکیۃ اشد مملوکیۃ۔ اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے جس کے حق میں شرط لگائی جائے یا جس کے خلاف شرط لگائی جائے۔ ''ط''۔

30010۔ (قولہ: عَلَيْكَ) یہ محذوف کے متعلق ہے یہ املک کی ضمیر سے حال ہے۔ ''ط''۔

30011۔ (قولہ: أَمْ لَكَ) اس پر جناس تام لفظی قاعدہ جاری ہو رہا ہے۔ جس طرح یہ شعر ہے۔

اذا ملك لم یكن ذاهبة　فدعه　فدولته　ذاهبه

جب بادشاہ جانے والا نہیں تو اس کو چھوڑ دو اس کی حکومت جانے والی ہے۔

ذاہبہ میں قاعدہ جاری ہو رہا ہے۔

30012۔ (قولہ: وَكَذَا لَوْ عَرَفَ بِالسَّفَرِ) یعنی وہ اس کی تیاری کرنے والا تھا جس طرح ''التبیین'' میں ہے۔

30013۔ (قولہ: بِخِلَافِ الْعَبْدِ الْمُوصَى بِخِدْمَتِهِ) اس کی مثل ہے: المصالح عن خدمته جس غلام کی خدمت پر صلح کی گئی ہو۔ ''طحطاوی'' نے ''سری الدین'' سے نقل کیا ہے۔

30014۔ (قولہ: مُطْلَقًا) خواہ اس کے سفر کی شرط لگائی ہو یا شرط نہ لگائی ہو۔ ''منح''۔

(وَلَا أَجْرَ عَلَيْهِ وَإِنْ سَلِمَ): لِأَنَّ الْأَجْرَ وَالضَّمَانَ لَا يَجْتَمِعَانِ وَعِنْدَ الشَّافِعِيِّ لَهُ أَجْرُ الْمِثْلِ (وَلَا يَسْتَرِدُّ مُسْتَأْجِرٌ مِنْ عَبْدٍ) أَوْ صَبِيٍّ (مَحْجُورٍ) أَجْرًا دَفَعَهُ إِلَيْهِ (لِ) أَجْلِ (عَمَلِهِ) لِعَوْدِهَا بَعْدَ الْفَرَاغِ صَحِيحَةً

اور اس پر کوئی اجرت نہ ہوگی اگرچہ وہ سلامت رہے۔ کیونکہ اجرت اور ضمان جمع نہیں ہو سکتے۔ امام ''شافعی'' رطیٹھیہ کے نزدیک اس کے لیے اجرت مثلی ہوگی۔ اور مستاجر غلام یا ایسے بچے سے جو مجور ہوں ان سے اس اجرت کو واپس لینے کا حقدار نہیں جو اجرت اس نے ان کو دی ہو۔ کیونکہ اس غلام، بچے نے عمل کیا ہے اور فراغت کے بعد وہ اجرت صحیح ہو چکی ہے

30015۔ (قولہ: لِأَنَّ الْأَجْرَ وَالضَّمَانَ لَا يَجْتَمِعَانِ) یعنی ایک حالت میں اگر ہم سفر میں سلامتی کے وقت اجر کو واجب کر دیں اور ہلاکت کے وقت ضمان کو واجب کریں تو یہ دونوں چیزیں ایک ہی حالت میں جمع ہو گئیں وہ سفر کی حالت ہے۔ ''ط''

30016۔ (قولہ: مِنْ عَبْدٍ أَوْ صَبِيٍّ) یعنی جس غلام یا بچے نے اپنے آقا یا ولی کی اجازت کے بغیر کسی کو اجرت پر دیا۔

30017۔ (قولہ: أَجْرًا) یہ یسترد کا مفعول ہے اس سے مراد دونوں صورتوں میں اجرت مثلی ہے جس طرح ''التبیین'' میں ''النہایہ'' سے مروی ہے۔

30018۔ (قولہ: لِعَوْدِهَا بَعْدَ الْفَرَاغِ صَحِيحَةً) کیونکہ اسے نقصان پہنچانے والے تصرف سے مجور کیا گیا ہے۔ نفع پہنچانے والے تصرف سے منع نہیں کیا گیا۔ اسی وجہ سے اجازت کے بغیر ہدیہ قبول کرنا جائز ہے جب وہ عمل سے سلامت رہا تو اس کے بعد اجارہ کا جواز محض نفع ہے۔ کیونکہ ضرر کے بغیر نفع حاصل ہو رہا ہے پس اجرت پر اس کا قبضہ کرنا صحیح ہے۔ کیونکہ وہی عقد کرنے والا ہے پس مستاجر واپس لینے کا مالک نہیں ہوگا ''زیلعی'' ملخص۔ ''طحطاوی'' نے کہا: یہ تعلیل اجر مسمی کے لزوم کا تقاضا کرتی ہے۔

جب مجور عمل سے ہلاک ہو گیا اگر وہ بچہ ہو تو مستاجر کی عاقلہ پر اس کی دیت ہوگی اور مستاجر پر اجرت ہوگی اس عمل میں جو اس بچے نے ہلاک ہونے سے پہلے عمل کیا۔ اگر وہ مجور غلام ہو تو اس پر اس کی قیمت لازم ہوگی اور مستاجر کے لیے اس نے جو عمل کیا ہے اس کی اجرت نہ ہوگی۔ کیونکہ جب اس نے اس کی قیمت کی ضمانت دے دی تو جب اسے اس سے کام لیا ہے اس وقت سے وہ اس کا مالک ہو جائے گا پس وہ اپنے غلام کی منفعت کو حاصل کرنے والا ہو جائے گا ''کفایہ'' ملخص۔

''زیلعی'' نے کہا: اگر آقا نے اسے نصف مدت میں آزاد کر دیا تو اجارہ نافذ ہو جائے گا اور غلام کے لیے کوئی خیار نہ ہوگا۔ پس جو وقت گزر چکا ہے اس کی اجرت آقا کے لیے ہوگی اور جو آنے والا وقت ہے اس کی اجرت غلام کے لیے ہوگی۔ اگر آقا اسے اجرت پر دے پھر نصف مدت میں اس کو آزاد کر دے تو غلام کو اختیار ہوگا اگر وہ اجارہ کو فسخ کر دے تو جو وقت گزر چکا ہے اس کی اجرت آقا کے لیے ہوگی اگر وہ اس اجارہ کو جائز قرار دے تو آنے والے وقت کی اجرت غلام کے لیے ہوگی اور قبضہ کرنے کا حق آقا کو ہوگا۔ کیونکہ وہی عقد کرنے والا ہوگا۔

اسْتِحْسَانًا (وَلَا يَضْمَنُ غَاصِبُ عَبْدٍ مَا أَكَلَ) الْغَاصِبُ (مِنْ أَجْرِهِ) الَّذِي آجَرَ الْعَبْدَ نَفْسَهُ بِهِ لِعَدَمِ تَقَوُّمِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ (كَمَا) لَا يَضْمَنُ اتِّفَاقًا (لَوْ آجَرَهُ الْغَاصِبُ)؛ لِأَنَّ الْأَجْرَ لَهُ لَا لِمَالِكِهِ (وَجَازَ لِلْعَبْدِ قَبْضُهَا) لَوْ آجَرَ نَفْسَهُ لَا لَوْ آجَرَهُ الْمَوْلَى إِلَّا بِوَكَالَةٍ؛ لِأَنَّهُ الْعَاقِدُ عِنَايَةٌ

یہ استحسان ہے۔اور غلام کا غاصب اس کا ضامن نہیں ہوگا جو غاصب نے اس غلام کی اجرت میں سے کھایا غلام نے جس اجرت کے بدلے میں اپنے آپ کو اجرت پر دیا تھا۔کیونکہ امام ''ابوحنیفہ'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس منفعت کی کوئی قیمت نہیں جس طرح وہ بالاتفاق ضامن نہیں ہوگا اگر غاصب نے اسے اجرت پر دیا کیونکہ اجرت اس غاصب کی ہوگی اس کے مالک کی نہیں ہوگی۔غلام کے لیے اس اجرت پر قبضہ کرنا جائز ہوگا اگر وہ خود اپنے آپ کو اجرت پر دے اگر آقا اسے اجرت پر دے تو اسے قبضہ کرنے کا حق نہیں ہوگا مگر وکالت کے ساتھ اجرت پر قبضہ کر سکتا ہے۔کیونکہ عاقد وہی ہے،''عنایہ''۔

30019۔(قولہ: اسْتِحْسَانًا) قیاس یہ ہے کہ اسے حق حاصل ہو کہ وہ اس پر قبضہ کرے۔کیونکہ جس پر حجر ہو اس کا عقد جائز نہیں ہوتا پس وہ مستاجر کی ملکیت پر رہا کیونکہ اس سے کام لے کر اس پر غصب کرنے والا ہوگا۔''زیلعی''۔

30020۔(قولہ: وَلَا يَضْمَنُ غَاصِبُ عَبْدٍ الخ) یعنی کوئی آدمی غلام کو غصب کرلے تو غلام نے اپنے آپ کو اجرت پر دیا تو غاصب نے غلام کے ہاتھ سے اجرت لے لی اس کو کھالیا تو اس پر کوئی ضمانت نہ ہوگی۔''زیلعی''۔

30021۔(قولہ: لِعَدَمِ تَقَوُّمِهِ) کیونکہ وہ محفوظ نہیں کیونکہ حفاظت حفاظت والے کے ہاتھ سے ہوتی ہے جیسے مالک کا قبضہ ہو یا اس کے نائب کا قبضہ ہو اور مالک کا قبضہ اس پر ثابت نہیں اور غلام کا قبضہ آقا کا قبضہ نہیں۔کیونکہ غاصب کے قبضہ میں غلام پر ضمانت ہوتی ہے اور وہ اپنے آپ کو غاصب سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔تو اس کے قبضہ میں جو کچھ ہے وہ کیسے محفوظ ہوگا۔''کفایہ''۔

30022۔(قولہ: عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ)''صاحبین'' رحمہما اللہ نے کہا: اس پر ضمانت ہوگی کیونکہ اس نے غیر کا مال اس کی اجازت کے بغیر تاویل کے تلف کر دیا ہے۔

30023۔(قولہ: وَجَازَ لِلْعَبْدِ قَبْضُهَا) یعنی وہ اجرت جو اسے اس لیے حاصل ہوئی کہ اس نے اپنے آپ کو اجرت پر دیا اس پر اتفاق ہے۔کیونکہ یہ محض نفع ہے جس کی اجازت ہے جس طرح ہدیہ قبول کرنا اس کا فائدہ اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ مستاجر اسے ادا کرنے کے ساتھ اجرت کی ذمہ داری سے خارج ہو جائے گا۔''درر''۔

''طوری'' نے کہا: یہ ان کے قول ولا یسترد مستاجر الخ کے ساتھ مکرر ہے کیونکہ اس نے قبضہ کے صحیح ہونے اور لینے کے منع کا فائدہ دیا ہے۔فتامل

30024۔(قولہ: لِأَنَّهُ الْعَاقِدُ) یعنی آقا عقد کرنے والا ہے۔''العنایہ'' کی عبارت اسی طرح کا فائدہ دیتی ہے۔یہ ان کے قول: وجاز للعبد قبضها لو آجر نفسه کی علت نہیں اگرچہ وہ اس کی علت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔اس میں

(فَلَوْ وَجَدَهَا مَوْلَاهُ) قَائِمَةً (فِي يَدِهِ أَخَذَهَا) لِبَقَاءِ مِلْكِهِ كَمَسْرُوقٍ بَعْدَ الْقَطْعِ (اسْتَأْجَرَ عَبْدًا شَهْرَيْنِ شَهْرًا بِأَرْبَعَةٍ وَشَهْرًا بِخَمْسَةٍ صَحَّ) عَلَى التَّرْتِيبِ الْمَذْكُورِ، حَتَّى لَوْ عَمِلَ فِي الْأَوَّلِ فَقَطْ فَلَهُ أَرْبَعَةٌ وَبِعَكْسِهِ خَمْسَةٌ (اخْتَلَفَا) الْآجِرُ وَالْمُسْتَأْجِرُ (فِي إِبَاقِ الْعَبْدِ أَوْ مَرَضِهِ أَوْ جَرْيِ مَاءِ الرَّحَى حُكِمَ الْحَالُ فَيَكُونُ الْقَوْلُ قَوْلَ مَنْ يَشْهَدُ لَهُ) الْحَالُ

اگر آقا اسے غلام کے قبضہ میں موجود پائے تو اسے لے لے کیونکہ اس کی ملکیت باقی ہے جس طرح ہاتھ کاٹ دینے کے بعد مال مسروق کا حکم ہوتا ہے۔ ایک آدمی نے ایک غلام دو ماہ کے لیے اجرت پر لیا ایک ماہ چار کے عوض اور ایک ماہ پانچ کے عوض تو مذکورہ ترتیب کے اعتبار سے عقد صحیح ہوگا یہاں تک کہ اگر اس نے صرف پہلے ماہ میں عمل کیا تو اس کے لیے چار ہوں گے اور اس کے برعکس پانچ ہوں گے۔ آجر اور مستاجر میں غلام بھاگ جانے، اس کے مریض ہونے اور چکی کے پانی کے جاری ہونے میں اختلاف ہوا تو فیصلہ حال کے مطابق ہوگا۔ پس قول اس کا معتبر ہوگا ظاہر حال جس کی شہادت دے،

غور و فکر کیجئے اگر غاصب اسے اجرت پر دے کیا غلام قبضہ کرنے کا مالک ہے؟ تعلیل سے تو یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اس کا قبضہ کرنا جائز نہیں۔ ''ط''۔

30025۔(قولہ: أَخَذَهَا) کیونکہ اس نے اپنے مال کے عین کو پالیا۔ ''ابن کمال''۔

30026۔(قولہ: كَمَسْرُوقٍ بَعْدَ الْقَطْعِ) کیونکہ وہ متقوم نہیں رہا یہاں تک کہ وہ تلف کرنے کے ساتھ ضامن نہیں ہوگا اور اس میں ملکیت باقی رہے گی یہاں تک کہ مالک اسے لے لے گا۔ ''زیلعی''۔

30027۔(قولہ: صَحَّ عَلَى التَّرْتِيبِ) کیونکہ عقد اگر پہلے مذکور کی طرف نہ پھرے جو عقد کے ساتھ ملا ہوا ہے تو اس کی عمر کے مہینوں میں سے کوئی ایک مہینہ عقد میں داخل ہوگا۔ یہ قول پس ضروری ہے کہ اسے اس کی طرف پھیر دیا جائے جو عقد کے ساتھ ملا ہوا ہے تاکہ اس کے جواز کو تلاش کیا جائے۔ اسی طرح اجارہ پر اقدام اس امر کی دلیل ہے کہ حاجت غلام کی منفعت کے مالک بننے کی حتمی ہے۔ پس وہ مہینہ جس کو پہلے ذکر کیا گیا ہے اس کو اس کی طرف پھیرنا واجب ہے جو اس کے ساتھ ملا ہوا ہے تاکہ اس حتمی ضرورت کو پورا کیا جائے۔ ''کفایہ''۔

موجر اور مستاجر کے درمیان اختلاف کی بحث

30028۔(قولہ: فِي إِبَاقِ الْعَبْدِ أَوْ مَرَضِهِ) اس کی صورت یہ ہے کہ مستاجر مہینہ کے آخر میں کہتا ہے کہ غلام مدت میں بھاگ گیا یا مریض ہو گیا اور آقا اس امر کا انکار کر دے یا اسے اول مدت کی طرف نسبت کا انکار کرے اور کہے: اسے یہ عارضہ اس کے میرے پاس آنے سے ایک لمحہ پہلے لاحق ہوا ہے۔ ''زیلعی''۔

30029۔(قولہ: فَيَكُونُ الْقَوْلُ قَوْلَ مَنْ يَشْهَدُ لَهُ الْحَالُ) کیونکہ اس کا فی الحال وجود زمانہ گزشتہ میں پائے جانے پر دلالت کرتا ہے پس ظاہر حال ترجیح کی صلاحیت رکھتا ہے اگرچہ حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ لیکن اگر موجر کا شاہد

مَعَ يَمِينِهِ كَمَا يَحْكُمُ الْحَالُ (لَوْ بَاعَ شَجَرًا فِيهِ ثَمَرٌ وَاخْتَلَفَا فِي بَيْعِهِ) أَيِ الثَّمَرِ (مَعَهَا) أَيِ الشَّجَرِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ مَنْ فِي يَدِهِ الثَّمَرُ الْأَصْلُ أَنَّ الْقَوْلَ لِمَنْ يَشْهَدُ لَهُ الظَّاهِرُ وَفِي الْخُلَاصَةِ انْقَطَعَ مَاءُ الرَّحَى سَقَطَ مِنَ الْأَجْرِ بِحِسَابِهِ وَلَوْ عَادَ عَادَتْ. وَلَوِ اخْتَلَفَا فِي قَدْرِ الِانْقِطَاعِ فَالْقَوْلُ لِلْمُسْتَأْجِرِ وَلَوْ فِي نَفْسِهِ حُكِّمَ الْحَالُ (وَالْقَوْلُ قَوْلُ رَبِّ الثَّوْبِ) بِيَمِينِهِ (فِي الْقَمِيصِ وَالْقَبَاءِ وَالْحُمْرَةِ وَالصُّفْرَةِ)

ساتھ ہی اس سے قسم لی جائے گی جس طرح ظاہر حال کے مطابق کیا جاتا ہے۔ اگر ایک آدمی درخت بیچے جس میں پھل ہو اور دونوں میں درخت کے ساتھ پھل کی بیع میں اختلاف ہو جائے تو قول اس کا معتبر ہوگا جس کے قبضہ میں پھل ہو قاعدہ یہ ہے کہ قول اس کا معتبر ہوتا ہے ظاہر جس کی تائید کرے۔ ''الخلاصہ'' میں ہے: چکی کا پانی منقطع ہو گیا تو اس کے حساب سے اجرت ساقط ہو جائے گی اگر پانی لوٹ آئے تو اجرت لوٹ آئے گی اگر اختلاف انقطاع کی مقدار میں ہو تو قول مستاجر کا معتبر ہوگا اگر نفس انقطاع میں اختلاف ہو تو ظاہر حال کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا قمیص، قبا، سرخ اور زرد رنگ کے بارے میں اختلاف ہو تو قول قسم کے ساتھ کپڑے کے مالک کا ہوگا۔

تو قول میں اس حیثیت سے اشکال ہے کہ وہ ظاہر کے اعتبار سے اجرت کا مستحق ہے جب کہ یہ استحقاق کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ سبب سابق کے ساتھ اس کا مستحق بنتا ہے جو عقد ہے۔ بے شک ظاہر اس وقت تک اس کے باقی رہنے پر شہادت دیتا ہے۔ ''زیلعی'' ملخص۔

30030۔(قولہ: فَالْقَوْلُ قَوْلُ مَنْ فِي يَدِهِ الثَّمَرُ) یہ حکم اس صورت میں ہے جب پھل باقی ہو مگر جب پھل ہلاک ہو چکا ہو یا اسے جان بوجھ کر ہلاک کر دیا گیا ہو تو اس کے متعلق کلام نہیں کی۔ ظاہر یہ ہے کہ جس کے پاس وہ پھل ہلاک ہوا یا اسے ہلاک کیا گیا اس کے قبضہ کو دیکھا جائے گا۔ اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔ ''ط''۔

30031۔(قولہ: فَالْقَوْلُ لِلْمُسْتَأْجِرِ) کیونکہ وہ زائد کی ضمانت کا انکار کرتا ہے۔

30032۔(قولہ: وَلَوْ فِي نَفْسِهِ) یعنی نفس انقطاع میں اختلاف ہو پس ''خلاصہ'' میں جو قول ہے یہ اس کا تتمہ ہے۔ متن میں جو قول ہے وہ اس سے غنی کر دیتا ہے۔

30033۔(قولہ: وَالْقَوْلُ قَوْلُ رَبِّ الثَّوْبِ الخ) جیسے کپڑے کا مالک یہ کہے: میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ تو اسے قبا بنائے گا۔ درزی نے کہا: تو نے مجھے قمیص بنانے کا امر کیا تھا یا مالک کہتا ہے میں نے تجھے کہا تھا کہ تو اسے سرخ رنگ کرے گا اور صباغ کہتا ہے: تو نے مجھے زرد رنگ کرنے کا کہا تھا یا مالک کہتا ہے: میں نے تجھے کہا تھا تو اجرت کے بغیر میرے لیے کام کرے گا اور صباغ کہتا ہے: بلکہ اجرت کے ساتھ کام کرنے کی بات ہوئی تھی تو قول کپڑے کے مالک کا ہوگا۔ کیونکہ اذن اس کی جہت سے مستفاد ہوتا ہے پس وہ اس کی کیفیت سے زیادہ آگاہ ہے اور اس کی علت یہ بھی ہے کہ وہ اس کے عمل کی قیمت لگانے اور اس پر اجر کے واجب ہونے کا انکار کرتا ہے۔ ''زیلعی'' ملخص

30034۔(قولہ: بِيَمِينِهِ) جب پہلی صورت میں قسم اٹھائے: اگر چاہے تو اس سے کپڑے کی قیمت کی ضمانت لے

وَكَذَا فِي الْأَجْرِ وَعَدَمِهِ) وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ إِنْ كَانَ الصَّانِعُ مُعَامِلًا لَهُ فَلَهُ الْأَجْرُ وَإِلَّا فَلَا (وَقِيلَ) أَيْ وَقَالَ مُحَمَّدٌ (إِنْ كَانَ الصَّانِعُ مَعْرُوفًا بِهَذِهِ الصَّنْعَةِ بِالْأَجْرِ وَقِيَامِ حَالِهِ بِهَا) أَيْ بِهَذِهِ الصَّنْعَةِ (كَانَ بِيَمِينِ الْقَوْلُ قَوْلَهُ) بِشَهَادَةِ الظَّاهِرِ (وَإِلَّا فَلَا، وَبِهِ يُفْتَى) زَيْلَعِيٌّ وَهَذَا بَعْدَ الْعَمَلِ، أَمَّا قَبْلَهُ فَيَتَحَالَفَانِ اخْتِيَارٌ فُرُوعٌ فِعْلُ الْأَجِيرِ فِي كُلِّ الصَّنَائِعِ يُضَافُ لِأُسْتَاذِهِ

اسی طرح کا حکم ہوگا جب اختلاف اجر اور اجر نہ ہونے کے بارے میں ہو۔ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر صانع اس کے ساتھ معاملہ کرنے والا ہو تو اس کے لیے اجرت ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے۔ یعنی قول کرنے والے امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ ہیں: اگر صانع اس صنعت میں اجرت کے ساتھ کام کرنے میں معروف ہو اور اس کی ضروریات اسی پیشے سے پوری ہوتی ہوں تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ ظاہر حال اس کی شہادت دیتا ہے ورنہ اس کا قول معتبر نہیں ہوگا اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے ''زیلعی''۔ یہ حکم اس وقت ہے جب اختلاف عمل کے بعد ہو جہاں تک اس سے قبل کا تعلق ہے تو دونوں قسم اٹھائیں گے ''اختیار''۔ فروع: تمام صنعتوں میں اجیر کا فعل اس کے استاد کی طرف منسوب ہوگا

لے جب کہ اس پر عمل نہ کیا گیا ہو اور اس کے لیے کوئی اجر نہ ہوگا اگر چاہے تو اس کپڑے کو لے لے اور اس کو اجرت مثلی دے دے جو معین کردہ اجرت سے زیادہ نہ ہو۔ کیونکہ اس مزدور نے اس کے حکم کی اطاعت کی ہے جس کا اسے حکم دیا گیا تھا وہ حکم قطع کرنا اور سینا ہے لیکن صفت میں اس کی مخالفت کی ہے۔ پس دونوں میں سے جسے چاہے گا اسے اختیار کرے گا اور دوسری صورت میں اگر چاہے تو سفید کپڑے کی قیمت کی ضمانت لے لے اور اگر چاہے تو اس کا کپڑا لے لے اور اس کو اجرت مثلی دے دے جو معین اجرت سے متجاوز بھی نہ ہو ''درر''۔

30035۔ (قولہ: مُعَامِلًا لَهُ) ''العنایہ'' میں کہا: اس کی صورت یہ ہے کہ وہ معاملہ ان دونوں کے درمیان اجرت کے ساتھ متکرر ہو۔ ''التبیین'' میں ہے: اس کی صورت یہ ہے کہ وہ عمل کے لیے اسے کوئی شے دیتا ہے اور اس پر اجرت کو معین کرتا ہے۔

30036۔ (قولہ: بِشَهَادَةِ الظَّاهِرِ) کیونکہ جب اس نے اس مقصد کے لیے دکان کھولی تو یہ اس پر بطور نص کے جاری ہوگی یہ معتاد کے ظاہر کا اعتبار کرنے کی بنا پر ہے۔ ''زیلعی''۔

اگر مستاجر اور آجر میں اختلاف ہو جائے تو اس کا حکم

30037۔ (قولہ: فَيَتَحَالَفَانِ) مستاجر کی قسم سے آغاز کیا جائے گا کیونکہ یہ ایک عقد کا دعویٰ کرتا ہے اور آجر اس کا انکار کرتا ہے پس دونوں میں سے ایک عمل کے ہبہ کا دعویٰ کرتا ہے اور دوسرا اس کی بیع کا دعویٰ کرتا ہے۔ ''اختیار''۔

تتمہ: ''الخانیہ'' میں کہا: ایک آدمی نے کوئی شے اجرت پر لی اور اس میں تصرف نہ کیا یہاں تک کہ دونوں میں اختلاف ہوا مستاجر نے کہا اجرت پانچ دراہم ہے۔ موجر نے کہا: دس دراہم ہیں تو دونوں قسم اٹھائیں گے۔ اور جو قسم سے انکار کرے گا اس

فَمَا أَتْلَفَهُ يَضْمَنُهُ أُسْتَاذُهُ اخْتِيَارٌ، يَعْنِي مَا لَمْ يَتَعَدَّ فَيَضْمَنُهُ هُوَ عِمَادِيَّةٌ وَفِي الْأَشْبَاهِ ادَّعَى نَازِلُ الْخَانِ

پس جس کو مزدور تلف کرے گا اس کا استاد اس کا ضامن ہوگا،''اختیار''۔یعنی یہ حکم اس وقت ہے جب وہ تعدی نہ کرے اگر وہ تعدی کرے تو ضامن ہوگا،''عمادیہ''۔''الاشباہ''میں کہا: اس سرائے میں اترنے والے،

پر لازم ہو جائے گا اور متاجر کی قسم سے آغاز کیا جائے گا۔ جب دونوں قسم اٹھالیں گے تو قاضی عقد کو ختم کر دے گا اور جو بھی گواہیاں قائم کر دے اسے قبول کر لیا جائے گا۔ اگر دونوں گواہیوں گواہیوں قائم کر دیں تو موجر کی گواہیاں کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ کیونکہ وہ اپنا حق ثابت کرتا ہے۔ اسی طرح اگر دونوں مدت یا مسافت میں اختلاف کریں مگر ان دونوں صورتوں میں موجر کی قسم سے آغاز کیا جائے گا اور جو بھی گواہیاں قائم کرے گا اس کی گواہیاں قبول کی جائیں گی اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو متاجر کی گواہیوں کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ اگر متاجر کہے: تو نے دس کے عوض میں دو ماہ کے لیے اجرت پر دیا ہے دوسرا کہے: بلکہ ایک ماہ دس کے عوض اجرت پر دیا ہے تو جس نے بھی گواہیاں قائم کر دیں اس کی گواہی کو قبول کر لیا جائے گا اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو متاجر کی گواہیاں قبول کی جائیں گی۔

اگر وہ اجرت اور خدمت دونوں میں اختلاف کریں یا اجرت اور مسافت دونوں میں اختلاف کریں تو دونوں قسم اٹھائیں گے اور اجارہ فسخ ہو جائے گا اور جو بھی گواہیاں پیش کرے اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اگر دونوں گواہیاں قائم کر دیں تو دونوں کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ پس وہ موجر کی گواہیوں سے اجرت کی زیادتی کا فیصلہ کرے گا اور متاجر کی گواہیوں سے مدت اور مسافت کی زیادتی کا فیصلہ کرے گا۔ پس جو بھی دعویٰ کا آغاز کرے گا اس سے پہلے قسم لی جائے گی اگر اجارہ کی مدت کے گزر جانے کے بعد دونوں ان وجوہ میں اختلاف کریں جب کہ وہ چیز متاجر کے پاس ہو یا اس کے بعد اختلاف ہو جب وہ مقصد کو پا چکا تھا تو قول قسم کے ساتھ متاجر کا ہوگا اور وہ دونوں بالاجماع قسم نہیں اٹھائیں گے۔ اگر بعض مدت کے گزرنے کے بعد اجرت میں اختلاف کریں یا وہ کچھ راستہ چل چکا تھا تو دونوں قسم اٹھائیں گے اور باقی ماندہ میں اجارہ فسخ ہو جائے گا اور ماضی کے حصہ میں قول متاجر کا معتبر ہوگا''۔

تمام صنعتوں میں اجیر کا فعل اس کے استاد کی طرف منسوب ہوگا

30038۔(قولہ: يَضْمَنُهُ أُسْتَاذُهُ) کیونکہ اس مزدور نے استاد کی اجازت سے عمل کیا اور وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ مزدور ایک آدمی یعنی اپنے استاد کا مزدور ہے جب اس نے اس عرصہ میں اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیا ہے تو اجرت کا مستحق ہوگا جس طرح ہم نے اسے پہلے بیان کیا ہے۔

غصب کے منافع کی ضمانت میں متقدمین اور متاخرین کا نظریہ

30039۔(قولہ: ادَّعَى نَازِلُ الْخَانِ الخ)''تاتر خانیہ''میں کہا: یہ اس امر پر مبنی ہے کہ سرائے عموماً کرایہ کے لیے تیار کی جاتی ہے پس اس کا رہائش رکھنا یہ اجرت پر راضی ہونا ہے۔ بعض مشائخ نے کہا ہے: فتویٰ اجرت کے لزوم پر ہے۔ مگر

وَدَاخِلُ الْحَمَّامِ وَسَاكِنُ الْمُعَدِّ لِلِاسْتِغْلَالِ الْغَصْبَ لَمْ يُصَدَّقْ وَالْأَجْرُ وَاجِبٌ قُلْتُ وَكَذَا مَالُ الْيَتِيمِ عَلَى الْمُفْتَى بِهِ فَتَنَبَّهْ وَفِيهَا الْأُجْرَةُ لِلْأَرْضِ كَالْخَرَاجِ عَلَى الْمُعْتَمَدِ، فَإِذَا اسْتَأْجَرَهَا لِلزِّرَاعَةِ فَاصْطَلَمَ الزَّرْعَ آفَةٌ وَجَبَ مِنْهُ لِمَا قَبْلَ الِاصْطِلَامِ وَسَقَطَ مَا بَعْدَهُ

حمام میں داخل ہونے والے اور جسے محاصل و منافع کے لیے تیار کیا گیا تھا اس میں سکونت اختیار کرنے والے نے غصب کا دعویٰ کیا تو اس کی تصدیق نہ کی جائے گی اور اجرت واجب ہوگی۔ میں کہتا ہوں: اسی طرح یتیم کا حال ہے یہ مفتی بہ قول ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جایئے۔ اس میں ہے: زمین کی اجرت خراج کی طرح ہے یہ قابل اعتماد ہے جب وہ زمین کو زراعت کے لیے اجرت پر لے تو کھیتی کو آفت آ پہنچی تو آفت آنے سے پہلے کی اجرت واجب ہوگی اور مابعد کی اجرت ساقط ہو جائے گی۔

جب اس کے خلاف پر معروف ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ وہ یہ تصریح کرے کہ وہ اس میں بطریق غصب اترا ہے یا لوگوں کے گھر میں رہے وہ ظلم میں معروف ہو، اترنے میں مشہور ہو اجارہ کے طریقہ پر اترنے میں معروف نہ ہو۔

میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ یہ متقدمین کے قول پر مبنی ہے کہ غصب کے منافع کی مطلقاً ضمانت نہیں مگر جو متاخرین نے فتویٰ دیا ہے کہ جو چیزیں منافع کے حصول کے لیے تیار کی گئی ہوں، وقف کے مال اور یتیم کے مال کی ضمانت لازم ہوگی۔ پس اجرت لازم ہوگی وہ غصب کا دعویٰ کرے یا غصب کا دعویٰ نہ کرے وہ اس میں معروف ہو یا معروف نہ ہو۔ تامل۔

30040۔ (قولہ: سَاكِنُ الْمُعَدِّ لِلِاسْتِغْلَالِ) یہ عام کا خاص پر عطف ہے۔

30041۔ (قولہ: وَالْأَجْرُ وَاجِبٌ) یعنی اجرت مثلی واجب ہے۔ ''ط''۔

30042۔ (قولہ: كَالْخَرَاجِ) یعنی خراج موظف یہ شرط اس لیے لگائی تا کہ خراج مقاسم و خارج کیا جائے جب کہ یہ ظاہر ہے۔ ''ط''۔

30043۔ (قولہ: عَلَى الْمُعْتَمَدِ) یہ اس کے مخالف ہے جو ''حواشی الاشباہ'' میں ''الولوالجیہ'' سے مروی ہے کہ آفت آنے سے قبل جو اجرت واجب ہوئی ہے وہ ساقط نہیں ہوگی اور جو اس کے بعد واجب ہوگی وہ ساقط ہو جائے گی۔ اس خراج وصول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ خراج کے وجوب کا سبب ایسی زمین کی ملکیت ہے جو فصل اگانے والی ہو اس کی ملکیت ایک سال تک حقیقت میں رہے یا اعتبار اً رہے۔ اعتماد اس روایت پر ہے۔

30044۔ (قولہ: وَسَقَطَ مَا بَعْدَهُ) لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جب کھیتی کے ہلاک ہونے کے بعد اتنی مدت رہ جائے جس میں کھیتی کے اعادہ پر قادر نہ ہو اگر وہ پہلے والی کھیتی کے اعادہ پر قادر ہو جائے یا ایسی فصل کاشت کرنے پر قادر ہو جائے جو ضرر میں اس سے کم ہو تو اجرت واجب ہوگی ''بزازیہ'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے: اسی پر فتویٰ ہے۔ اسی کی مثل ''الذخیرہ''، ''خانیہ''، ''خلاصہ'' اور ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ پہلی کھیتی کی مثل یا اس سے کم درجہ کی فصل کے اعادہ کی قید اس میں مفروض ہے جب وہ زمین اجرت پر اس شرط پر لے کہ وہ اس میں ایک خاص نوع کی فصل کاشت کرے گا مگر جب اس نے یہ

قُلْتُ وَهُوَ مَا اعْتَمَدَهُ فِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ، لَكِنْ جَزَمَ فِي الْخَانِيَّةِ بِرِوَايَةِ عَدَمِ سُقُوطِ شَيْءٍ حَيْثُ قَالَ أَصَابَ الزَّرْعَ آفَةٌ فَهَلَكَ أَوْ غَرِقَ وَلَمْ يُنْبِتْ لَزِمَ الْأَجْرُ: لِأَنَّهُ قَدْ زَرَعَ، وَلَوْ غَرِقَتْ قَبْلَ أَنْ يَزْرَعَ فَلَا أَجْرَ عَلَيْهِ

میں کہتا ہوں: ''الولوالجیہ'' میں اس پر اعتماد کیا ہے۔ لیکن ''خانیہ'' میں کسی شے کے ساقط نہ ہونے کی روایت کو یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔ کیونکہ کہا: کھیتی کو آفت پہنچی پس وہ کھیتی ہلاک ہوگئی یا غرق ہوگئی اور وہ نہ اگی تو اجرت لازم ہوگی کیونکہ اس نے کھیتی کو کاشت کیا اگر وہ زراعت سے پہلے غرق ہو جائے تو اس پر کوئی اجرت نہ ہوگی۔

کہا ہو اس میں، میں جو چاہوں گا کاشت کروں گا تو پھر اس کی کوئی قید نہیں کیونکہ تعمیم صحیح ہے جس طرح گزر چکا ہے، تامل

30045۔ (قولہ: وَهُوَ مَا اعْتَمَدَهُ فِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ) ہم اس عبارت کا حاصل ''حواشی الاشباہ'' سے نقل کر چکے ہیں۔

30046۔ (قولہ: لَكِنْ جَزَمَ فِي الْخَانِيَّةِ الخ) ''الخانیہ'' میں جو ذکر کیا ہے اسے ''الولواجیہ'' میں بھی ذکر کیا ہے اور اس کے خلاف پر اعتماد کیا ہے جس طرح تو سن چکا ہے۔ کیونکہ ''خانیہ'' میں گزشتہ تفصیل کا ذکر ہے اور کہا: یہی فتویٰ کے لیے مختار ہے۔ پس اس کے برعکس پر کیسے جزم کا اظہار کر سکتے ہیں؟ جب کہ تو یہ تصریح جان چکا ہے کہ فتویٰ اس پر ہے یہ متعدد کتب سے ماخوذ ہے۔

30047۔ (قولہ: لَزِمَ الْأَجْرُ) یعنی مکمل اجرت لازم ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ فَسْخِ الْإِجَارَةِ

تُفْسَخُ بِالْقَضَاءِ أَوِ الرِّضَا (بِخِيَارِ شَرْطٍ وَ رُؤْيَةٍ)

اجارہ فسخ کرنے کے احکام

اجارہ خیار شرط اور خیار رویت کی صورت میں قضا یا باہم رضامندی کے ساتھ فسخ کر دیا جاتا ہے

اس باب کو مؤخر لانے کی مناسبت ظاہر ہے کیونکہ کسی عقد کا فسخ اس کے وجود کے بعد ہوتا ہے۔''معراج''۔

30048۔(قولہ: تُفْسَخُ) تفسخ کہا ہے: کیونکہ انہوں نے عام مشائخ کے قول کو اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ عذر کی موجودگی میں عقد منسوخ نہیں ہوتا یہی صحیح ہے۔''الذخیرہ'' میں اسے بیان کیا ہے۔ یہ عقد منسوخ نہیں ہوا اس لیے نہیں کہ کسی دوسری صورت سے نفع حاصل کرنا ممکن ہے کیونکہ یہ لازم نہیں بلکہ اس لیے کہ منافع اس طریقہ سے فوت ہوئے ہیں جن کے لوٹ آنے کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ اسے ''ہدایہ'' میں ذکر کیا۔''ابن کمال''

''فتاویٰ صغریٰ'' اور ''تتمہ'' میں ہے: جب کوئی دیوار گر جائے یا گھر کا کمرہ گر پڑے تو متاجر کو حق حاصل ہوگا کہ وہ اس عقد کو فسخ کر دے اور اجماع اس پر ہے کہ مالک کی عدم موجودگی میں وہ عقد فسخ کرنے کا مالک نہیں ہوگا۔ اگر مکمل گھر گر پڑے تو مالک کی موجودگی کے بغیر وہ فسخ کر سکتا ہے لیکن جب تک وہ فسخ نہ کرے عقد منسوخ نہ ہوگا کیونکہ سفید و زمین سے نفع حاصل کرنا ممکن ہے۔

''شمس الائمہ'' کے کتاب الاجارات میں ہے جب تمام گھر گر جائے تو صحیح یہ ہے کہ عقد منسوخ نہ ہوگا۔ لیکن اجرت ساقط ہو جائے گی وہ عقد فسخ کرے یا عقد فسخ نہ کرے۔''اتقانی''۔ ہم نے الاجارات الفاسدہ سے تھوڑا پہلے اسے بیان کیا ہے۔

30049۔(قولہ: بِالْقَضَاءِ أَوِ الرِّضَا) اس کا ظاہر معنی تو یہ ہے تو یہ خیار شرط، خیار رویت، خیار عیب اور عذر میں شرط ہے۔ کیونکہ اسے تمام کے ساتھ مربوط کیا ہے۔ اس میں کلام ہے جو عنقریب آئے گی۔

30050۔(قولہ: بِخِيَارِ شَرْطٍ الخ) یعنی تین دن گزرنے سے پہلے۔ اگر ایک آدمی نے دکان مہینہ کے لیے اجرت پر لی اس شرط پر کہ اسے تین دن میں اختیار ہوگا جس میں عقد کو فسخ کر دے اگر وہ ان دنوں میں سے تیسرے دن عقد کو فسخ کر دے تو دو دنوں کی اجرت واجب نہ ہوگی۔ کیونکہ مدت کا آغاز خیار کے ساقط ہونے کی مدت سے ہوگا۔ اس میں اس امر کا شعور دلایا ہے کہ اس کے مالک کا حاضر ہونا شرط نہیں اور نہ ہی اس کا علم ہونا شرط ہے۔ طرفین نے اس سے اختلاف کیا ہے جب کہ پہلا قول اصح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مفتی کو اس میں اختیار ہوگا جس طرح ''المضمرات'' میں ہے،''قہستانی''۔ یہ اس کے خلاف قول ہے شارح کا کلام جس کا شعور دلاتا ہے۔

30051۔(قولہ: وَ رُؤْيَةٍ) اگر ایک آدمی نے زمین کے چند قطعات ایک صفقہ کے ساتھ اجرت پر لیے پھر ان میں

كَالْبَيْعِ خِلَافًا لِلشَّافِعِيِّ (وَ) بِخِيَارِ (عَيْبٍ) حَاصِلٍ قَبْلَ الْعَقْدِ أَوْ بَعْدَهُ بَعْدَ الْقَبْضِ أَوْ قَبْلَهُ (يَفُوتُ النَّفْعُ بِهِ) صِفَةُ عَيْبٍ

جس طرح بیع ان صورتوں میں فسخ کر دی جاتی ہے۔ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے اور اجارہ ایسے خیار عیب سے فسخ کر دیا جاتا ہے جو عیب عقد سے پہلے یا اس کے بعد قبضہ کے بعد یا قبضہ سے پہلے حاصل ہو جس عیب کے ساتھ منفعت فوت ہو جاتی ہو۔ یہ جملہ: یفوت النفع بہ عیب کی صفت ہے۔

سے بعض کو دیکھا تو اسے تمام میں اجارہ فسخ کرنے کا حق ہوگا۔ اس میں اس امر کا شعور دلایا گیا ہے کہ اس فسخ میں نہ قضا کی شرط ہے نہ ہی رضا کی شرط ہے۔ چاہیے کہ اس میں خیار شرط والا اختلاف ہو، ''قہستانی''، باب ضمان الاجیر کے شروع میں یہ پہلے گزر چکا ہے کہ اجیر مشترک کو ہر اس عمل میں خیار رویت حاصل ہوگا جو محل کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ خیار شرط اور خیار رویت میں قضا یا رضا کی شرط نہیں۔ جہاں تک خیار عیب کا تعلق ہے تو مکمل گھر گر جانے کی صورت میں اس کے ساتھی کی عدم موجودگی میں وہ عقد فسخ کر سکتا ہے۔ دیوار وغیرہ گر جائے تو معاملہ مختلف ہوگا جس طرح قول گزر چکا ہے۔ جہاں تک دوسرے اعذار کا تعلق ہے تو عنقریب یہ آئے گا کہ اصح یہ ہے کہ عذر اگر ظاہر ہو تو وہ اکیلے فسخ کر سکتا ہے اگر مشتبہ ہو تو اکیلے فسخ نہیں کر سکتا۔ پھر خیار شرط دونوں عقد کرنے والوں کے لیے ثابت ہوتا ہے۔ جہاں تک خیار رویت کا تعلق ہے تو یہ موجر کو حق حاصل نہیں جس طرح بیع میں ہے۔ ''حموی'' نے کہا: میں نے یہ نہیں دیکھا دوسرے علماء نے اسی طرح بحث کی ہے یہاں ان کا اس حدیث: من اشتری شیئا ولم یرہ فلہ الخیار (1) سے استدلال ظاہر ہے اور ان کے قول: انہا بیع المنفعۃ سے استدلال ظاہر ہے۔ ''منلا علی ترکمانی'' نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔

اجارہ ایسے (خیار) عیب کے سبب فسخ کر دیا جاتا ہے جس کے ساتھ منفعت فوت ہو جاتی ہے

30052۔(قولہ: حَاصِلٍ قَبْلَ الْعَقْدِ) اور اس نے اس سے پہلے وہ عیب نہ دیکھا ہو۔ اگر اس نے پہلے اسے دیکھا ہو تو اس کے لیے کوئی خیار نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اس عیب پر راضی ہے جس طرح ''الاختیار'' میں ہے۔ جس میں اسے اختیار تھا اگر اس نے اس سے پوری منفعت لے لی تو اس پر کامل اجر لازم ہوگا جس طرح شارح اس کو ذکر کریں گے۔

''الخلاصہ'' میں ہے: اجارہ میں خیار عیب بیع میں اجارہ سے مختلف ہے کہ بیع میں قبضہ سے پہلے مشتری اس کو روکنے میں اکیلا با اختیار ہے اس کے بعد اسے یہ حق حاصل نہیں اجارہ میں قبضہ سے پہلے اور قبضہ کے بعد مستاجر واپس کرنے میں تنہا با اختیار ہے اور جو قول گزر چکا ہے اس کو نہ بھولنا۔

30053۔(قولہ: يَفُوتُ النَّفْعُ بِهِ) اس میں قاعدہ یہ ہے کہ عیب جب اس شے میں واقع ہو جس کو اجرت پر لیا تھا اگر وہ عیب منافع میں موثر ہو تو خیار مستاجر کے لیے ثابت ہوگا جس طرح غلام جب مریض ہو جائے۔ اور گھر جب اس کا بعض

1۔ دارقطنی، جلد 5، صفحہ 5، مطبوعہ دار المحاسن للطباعۃ 241 شارع الجیش القاہرہ

(كَخَرَابِ الدَّارِ وَانْقِطَاعِ مَاءِ الرَّحَى وَ) انْقِطَاعِ (مَاءِ الْأَرْضِ) وَكَذَا لَوْ كَانَتْ تُسْقَى بِمَاءِ السَّمَاءِ فَانْقَطَعَ الْمَطَرُ فَلَا أَجْرَ خَانِيَّةٌ أَيْ وَإِنْ لَمْ تَنْفَسِخْ عَلَى الْأَصَحِّ كَمَا مَرَّ وَفِي الْجَوْهَرَةِ لَوْ جَاءَ مِنَ الْمَاءِ مَا يَزْرَعُ بَعْضَهَا

جیسے گھر کھنڈر بن جائے، چکی کا پانی منقطع ہو جائے اور زمین کا پانی منقطع ہو جائے۔ اسی طرح اگر اسے بارش کے پانی سے سیراب کیا جاتا تھا تو بارش منقطع ہوگئی تو اس کے لیے کوئی اجرت نہ ہوگی، ''خانیہ''۔ یعنی اگرچہ اصح قول کے مطابق اجارہ منسوخ نہ ہو جس طرح گزر چکا ہے۔ ''جوہرہ'' میں ہے: اگر اتنا پانی آئے جو اس زمین کا بعض سیراب کرے

گر جائے کیونکہ منفعت میں سے ہر چیز معقود علیہ کی طرح ہے پس قبضہ سے پہلے عیب کا واقع ہو جانا یہ خیار کو ثابت کرتا ہے۔ اگر وہ منافع میں موثر نہ ہو تو پھر خیار تو ثابت نہیں کرتا جس طرح وہ غلام جسے خدمت کے لیے اجرت پر لیا گیا ہو جب اس کی دو آنکھوں میں سے ایک آنکھ جاتی رہے یا اس کے بال گر جائیں اور اس گھر کی طرح جب اس میں سے دیوار گر جائے جس کی وجہ سے اس میں رہائش سے نفع حاصل نہ کیا جا سکے۔ کیونکہ عقد منفعت پر واقع ہوا ہے ذات پر واقع نہیں ہوا۔ یہ نقص ذات کی وجہ سے حاصل ہوا ہے منفعت کی وجہ سے حاصل نہیں ہوا اور ایسا نقص جو معقود علیہ کے علاوہ سے ہو تو وہ خیار کو ثابت نہیں کرتا۔ ''اتقانی''۔ ''ذخیرہ'' میں ہے: جب موجر جاگیر کے درختوں میں سے کوئی درخت کاٹ دے جو اجرت پر لی گئی تھی تو مستاجر کو اجارہ فسخ کا حق ہوگا اگر درخت مقصود تھے''۔

30054۔ (قولہ: وَانْقِطَاعِ مَاءِ الرَّحَى) اگر عقد اجارہ کو فسخ نہ کرے یہاں تک کہ پانی لوٹ آئے تو اجارہ لازم ہو جائے گا اور اس کے حساب سے اجرت کو منہا کر دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انقطاع کے دنوں کے حساب سے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس قدر پانی منقطع رہا اس کے حساب سے۔ پہلا قول اصح ہے۔ کیونکہ ظاہر روایت اس کی شاہد ہے۔ کیونکہ انہوں نے ''الاصل'' میں کہا: پانی جب پورا مہینہ منقطع رہا اور مستاجر نے اجارہ کو منسوخ نہ کیا یہاں تک کہ مہینہ گزر گیا تو اس بارے میں اس پر کوئی اجر نہیں ہوگا۔ اگر رہائش کی منفعت آٹا پیسنے کی منفعت کے ساتھ خاص ہوگی تو اسی قدر اجرت واجب ہو گی، ''تاتر خانیہ'' میں اسی طرح ہے۔ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ چکی کا کمرہ جو آٹا پیسنے کے علاوہ کی بھی صلاحیت رکھتا ہو جیسے رہائش، اس کی اجرت واجب نہ ہوگی جب تک وہ معقود علیہ نہ ہو۔ اس کے بعد ''قدوری'' سے نقل کیا ہے: اگر کمرہ ایسا ہو جس سے پیسنے کے علاوہ نفع حاصل کیا جا سکتا ہے تو اس پر اس کے حصہ کے مطابق اجرت ہوگی۔ اسی کی مثل وہ ہے جو ''التبیین'' سے منقول آئے گا، تامل۔ انقطاع قید نہیں۔ کیونکہ ''تاتر خانیہ'' میں بھی ہے: جب پانی کم ہو جائے۔ اگر وہ بہت زیادہ ہو تو مستاجر کو اجارہ فسخ کرنے کا حق ہوگا۔ ورنہ اجارہ فسخ کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

''قدوری'' نے کہا: جب وہ نصف سے کم پیسے تو یہ کمی فاحش ہے۔ ''واقعات الناطفی'' میں ہے: اگر وہ نصف پیسے تو اسے فسخ کرنے کا حق ہوگا۔ یہ روایت ''قدوری'' کی روایت کے مخالف ہے۔ اگر وہ اسے رد نہ کرے یہاں تک کہ آٹا پیس لے تو یہ اس کی جانب سے رضامندی ہوگی اور اسے بعد میں رد کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

30055۔ (قولہ: كَمَا مَرَّ) یعنی اجارہ فاسدہ سے تھوڑا پہلے صراحۃً گزرا ہے کیونکہ کہا: اگر گھر کھنڈر بن گیا تو تمام

وَفِي الْجَوْهَرَةِ لَوْ جَاءَ مِنَ الْمَاءِ مَا يَزْرَعُ بَعْضَهَا فَالْمُسْتَأْجِرُ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ فَسَخَ الْإِجَارَةَ كُلَّهَا أَوْ تَرَكَ وَدَفَعَ بِحِسَابِ مَا رَوَى مِنْهَا وَفِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ لَوْ اسْتَأْجَرَهَا بِغَيْرِ شُرْبِهَا فَانْقَطَعَ مَاءُ الزَّرْعِ عَلَى وَجْهٍ لَا يُرْجَى فَلَهُ الْخِيَارُ، وَإِنْ انْقَطَعَ قَلِيلًا قَلِيلًا وَيُرْجَى مِنْهُ السَّقْيُ فَالْأَجْرُ وَاجِبٌ وَفِي لِسَانِ الْحُكَّامِ اسْتَأْجَرَ حَمَّامًا فِي قَرْيَةٍ

تو مستاجر کو خیار حاصل ہوگا اگر چاہے تو تمام اجارہ فسخ کر دے یا اسے اسی حال پر چھوڑے رکھے اور زمین میں سے جو سیراب کرے اس کے حساب سے وہ اجرت دے۔ ''ولوالجیہ'' میں ہے: اگر اس نے زمین اس کے پانی کی باری کے بغیر اجرت پر لی تو کھیتی کا پانی اس طریقہ پر منقطع ہو گیا جس کی امید نہیں کی جاتی اسے خیار حاصل ہوگا۔ اگر وہ تھوڑا تھوڑا منقطع ہوا اور اس سے سیراب کرنے کی امید ہو تو اجرت واجب ہوگی۔ ''لسان الحکام'' میں ہے: اس نے ایک حمام دیہات میں اجرت پر لیا

اجرت ساقط ہو جائے گی اور جب تک مستاجر اسے منسوخ نہ کرے وہ اجارہ منسوخ نہ ہوگا۔ یہی قول اصح ہے۔ اور مصنف کے قول تفسخ کی دلالت یہ اس کے منسوخ نہ ہونے کا فائدہ دیتی ہے ہم اس کے بارے میں تصریح ''تاتر خانیہ'' اور ''اتقانی'' سے نقل کر چکے ہیں۔

30056۔ (قوله: وَدَفَعَ بِحِسَابِ مَا رَوَى مِنْهَا) اس کی مثل وہ ہے جسے شارح نے ''وہبانیہ'' سے اجارہ فاسد سے تھوڑا پہلے نقل کیا ہے۔ اگر گھر کا ایک کمرہ گر جائے تو اس کی اجرت میں سے اس کے حساب سے ساقط ہو جائے گی۔ لیکن ہم نے وہاں پہلے ''ابن شحنہ'' وغیرہ سے نقل کر چکے ہیں کہ یہ ظاہر روایت کے خلاف ہے۔ فتامل

30057۔ (قوله: وَفِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ الخ) اسے کتاب المزارعہ کی تیسری فصل میں ذکر کیا ہے اس میں ہے: اگر اس نے زمین اس کے پانی کی باری کے ساتھ اجرت پر لی تھی تو اس سے اجرت ساقط ہو جائے گی۔ کیونکہ اس سے نفع حاصل کرنے کی قدرت ختم ہو چکی ہے۔ پھر کہا: اگر پانی منقطع نہ ہو لیکن وہ اس زمین پر بہہ جائے یہاں تک کہ وہ زراعت کے قابل نہ رہے تو اس پر کوئی اجرت نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ نفع حاصل کرنے سے عاجز آ چکا ہے۔ اور وہ یوں ہو گیا ہے کہ ایک غاصب نے اسے غصب کر لیا ہو۔

30058۔ (قوله: بِغَيْرِ شُرْبِهَا) میں کہتا ہوں: باب ما یجوز من الاجارۃ وما لا یجوز میں یہ گزر چکا ہے کہ مستاجر کو پانی کی باری اور راستہ کا حق ہوتا ہے تامل۔ وہاں ایسی فروع گزر چکی ہیں جو زراعت پر قدرت نہ ہونے کے متعلق ہیں پس اس کی طرف رجوع کیجئے۔

30059۔ (قوله: اسْتَأْجَرَ حَمَّامًا الخ) ''تاتر خانیہ'' میں ہے: شمس الائمہ ''حلوانی'' سے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا گیا جو ایک دیہات میں حمام کرایہ پر لیتا ہے تو لوگ وہاں سے کوچ کر جاتے ہیں اور جلا وطنی واقع ہو جاتی ہے اور اجارہ کی مدت گزر جاتی ہے کیا اجرت واجب ہوگی؟ فرمایا: اگر وہ حمام سے نفع حاصل کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اجرت نہ ہوگی۔ رکن

فَفَزِعُوا وَرَحَلُوا سَقَطَ الْأَجْرُ عَنْهُ، وَإِنْ نَفَرَ بَعْضُ النَّاسِ لَا يَسْقُطُ الْأَجْرُ (أَوْ يُخِلُّ) عَطْفٌ عَلَى يَفُوتُ (بِهِ) أَيْ بِالنَّفْعِ بِحَيْثُ يُنْتَفَعُ بِهِ فِي الْجُمْلَةِ (كَمَرَضِ الْعَبْدِ وَدَبَرِ الدَّابَّةِ) أَيْ قُرْحَتِهَا وَبِسُقُوطِ حَائِطِ دَارٍ وَفِي التَّبْيِينِ لَوْ انْقَطَعَ مَاءُ الرَّحَى

لوگ خوفزدہ ہوئے اور وہاں سے کوچ کر گئے اس سے اجرت ساقط ہو جائے گی۔ اگر بعض لوگ کوچ کر گئے تو اجرت ساقط نہ ہوگی یا وہ نفع میں خلل کا باعث ہو اس طرح کہ اس سے فی الجملہ نفع نہ اٹھایا جا سکتا ہو تو اجارہ فسخ کیا جا سکتا ہے جیسے غلام مریض ہو جائے، جانور زخمی ہو جائے اور گھر کی دیوار گر جائے۔ ''التبیین'' میں ہے: اگر چکی کا پانی منقطع ہو گیا اور چکی کا کمرہ ایسا تھا

الاسلام ''سغدی'' نے لا کے ساتھ مطلقاً جواب دیا ہے۔ اگر بعض لوگ باقی رہیں اور کچھ لوگ چلے جائیں تو اجرت واجب ہوگی۔ ظاہر یہ ہے کہ رفق سے مراد ارتفاق ہے۔ یعنی نفع حاصل کرنا جیسے رہائش رکھنا وغیرہ۔ مسئلہ کی صورت اس میں فرض ہوگی جب مدت گزر جائے۔ اگر مدت نہ گزرے تو ظاہر یہ ہے کہ اسے فسخ کرنے کا اختیار ہوگا کیونکہ وہ منفعت میں مخل ہے جس طرح ''جوہرہ'' کا مسئلہ ہے، تامل۔ اجارہ فاسدہ سے تھوڑا پہلے گزرا ہے کہ حمام اگر غرق ہو جائے تو جس قدر نفع اٹھایا تھا اس قدر اجرت واجب ہوگی۔

30060۔ (قولہ: فَفَزِعُوا وَرَحَلُوا) ''لسان الحکام'' کی عبارت ہے: فوقع الجلاء ونفر الناس۔

30061۔ (قولہ: فِي الْجُمْلَةِ) یعنی معتاد نفع اٹھائے بغیر۔

30062۔ (قولہ: كَمَرَضِ الْعَبْدِ) ''بزازیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے خدمت کے لیے ایک غلام اجرت پر لیا تو غلام مریض ہو گیا اگر وہ پہلے عمل سے کم درجہ عمل کرتا ہو تو اسے اٹھانے کا حق حاصل ہوگا اگر وہ واپس نہ لوٹائے اور مدت مکمل ہو جائے تو اس پر اجرت لازم ہوگی۔ اگر وہ اصلاً عمل پر قادر نہ ہو تو اجرت واجب نہ ہوگی چکی کے مسئلہ پر قیاس کیا جائے تو یہ کہنا واجب ہوگا اگر وہ اپنے عمل کے نصف سے کم عمل کرے تو اسے لوٹانے کا حق ہوگا۔

''الولوالجیہ'' میں ہے: اسی طرح اگر وہ بھاگ گیا تو یہ عذر ہوگا یا وہ چور تھا کیونکہ یہ خدمت میں نقصان و خیانت کرتا ہے۔ غلام کے مریض ہونے کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ اگر آزاد مستاجر مریض ہو گیا اگر وہ اپنے مزدوروں کے ذریعے عمل کرتا ہو تو یہ عذر نہیں ہوگا اگر وہ خود عمل کرتا ہے تو عذر ہوگا جس طرح ''بزازیہ'' میں ہے۔

30063۔ (قولہ: وَدَبَرِ الدَّابَّةِ) دبر کا لفظ دال کے فتحہ کے ساتھ ہے مراد جانور کی پشت یا اس کے سم پر زخم ہے۔ ابن اثیر نے یہ قول کیا ہے۔ ''ط''۔

30064۔ (قولہ: وَبِسُقُوطِ حَائِطِ دَارٍ) یعنی اگر وہ رہائش میں نقصان دیتا ہو ورنہ اسے حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ اسے فسخ کرے جس طرح ہم نے اسے پہلے ''بزازیہ'' سے نقل کر دیا ہے۔

30065۔ (قولہ: وَفِي التَّبْيِينِ) اس کی مثل ''الہدایہ'' میں ہے۔

وَالْبَيْتُ مِمَّا يُنْتَفَعُ بِهِ لِغَيْرِ الطَّحْنِ فَعَلَيْهِ مِنَ الْأَجْرِ بِحِصَّتِهِ لِبَقَاءِ بَعْضِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ، فَإِذَا اسْتَوْفَاهُ لَزِمَتْهُ حِصَّتُهُ (فَإِنْ لَمْ يُخِلَّ الْعَيْبُ بِهِ أَوْ أَزَالَهُ الْمُؤَجِّرُ)

جس سے آٹا پیسنے کے علاوہ اور بھی نفع حاصل کیا جا سکتا تھا تو اس پر اس کے حصہ کے مطابق اجرت لازم ہوگی۔ کیونکہ معقود علیہ کا بعض باقی ہے جب اس نے اسے حاصل کر لیا تو اس پر اس کا حصہ لازم ہو جائے گا اگر عیب اس میں مخل نہ ہو یا موجر نے عیب کو زائل کر دیا

30066۔ (قوله: وَالْبَيْتُ) یعنی چکی والا کمرہ۔

30067۔ (قوله: لِغَيْرِ الطَّحْنِ) جیسے مثلاً رہائش رکھنا۔

30068۔ (قوله: بِحِصَّتِهِ) یعنی آٹا پیسنے کے علاوہ جو نفع حاصل کیا جاتا ہے اس کے حصہ کے مطابق۔

30069۔ (قوله: لِبَقَاءِ بَعْضِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ) یہ قول اس امر کا شعور دلاتا ہے کہ آٹا پینے کے علاوہ کی منفعت پر عقد کیا گیا ہے۔ اگر وہ معقود علیہ نہ ہوتو کوئی اجرت نہ ہوگی۔ ہم پہلے ''تاتر خانیہ'' سے نقل کر چکے ہیں کہ یہ اصح ہے۔ اور ظاہر روایت اس کی شاہد ہے لیکن ان کا قول: فاذا استوفاہ الخ اس امر کا فائدہ دیتا ہے۔ اور ظاہر روایت اس کی شاہد ہے اگر وہ بالفعل اس سے فائدہ نہ اٹھائے تو اجر واجب نہ ہوگا۔ اگر وہ معقود علیہ ہوتا تو اجر واجب ہوتا اگر چہ اسے حاصل نہ کرے، فتامل۔ پہلے پر وہ قول دلالت کرتا ہے جو ''زیلعی'' وغیرہ نے اس قول کو ''گھر کے منہدم ہونے سے اجارہ فسخ نہیں ہوتا جب تک وہ اسے منسوخ نہ کرے'' پر استدلال کیا ہے۔ کیونکہ جگہ کی اصل عمارت کے گر جانے کے بعد مسکن ہے۔ اس میں خیمے نصب کرنے کے ساتھ رہائش رکھی جا سکتی ہے پس عقد باقی رہے گا لیکن مستاجر پر اجرت نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس طریقہ سے نفع حاصل کرنا ممکن نہیں اجرت پر لینے کے ساتھ جس کا قصد کیا تھا۔ اجارہ فاسد سے تھوڑا پہلے اس بارے میں کلام گزر چکی ہے اگر صحن میں سکونت اختیار کرے۔

30070۔ (قوله: فَإِنْ لَمْ يُخِلَّ الْعَيْبُ بِهِ) بہ کی ضمیر سے مراد نفع ہے۔ جس طرح ہم غلام کے کور چشم ہونے، اس کے بالوں کے گرنے اور گھر کی وہ دیوار گرنے جو رہائش میں مخل نہ ہو، کے متعلق پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

30071۔ (قوله: أَوْ أَزَالَهُ الْمُؤَجِّرُ) یعنی موجر عیب کو زائل کر دے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ منہدم کو تعمیر کر دے۔ اسی کی مثل صورت ہوگی اگر وہ عیب خود بخود زائل ہو جائے جس طرح اگر مریض غلام صحت مند ہو جائے۔

''تاتر خانیہ'' وغیرہا میں ہے: امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ نے اس کشتی کے متعلق فرمایا جس کو اجرت پر لیا گیا تھا جب ٹوٹ جائے اور وہ کشتی تختے تختے ہو جائے پھر انہیں جوڑ دیا جائے اور وہ کشتی بن جائے تو اسے مجبور نہیں کیا جائے گا تا کہ وہ کشتی مستاجر کے حوالے کر دے۔ کیونکہ ٹوٹ جانے کے بعد وہ کشتی نہیں رہی پس محل فوت ہو گیا جس طرح غلام مر جائے گھر کے منہدم ہونے کا معاملہ مختلف ہے۔ تامل

أَوْ انْتَفَعَ بِالْمَحَلِّ (سَقَطَ خِيَارُهُ) لِزَوَالِ السَّبَبِ (وَعِمَارَةُ الدَّارِ) الْمُسْتَأْجَرَةِ (وَتَطْيِينُهَا وَإِصْلَاحُ الْمِيزَابِ وَمَا كَانَ مِنْ الْبِنَاءِ عَلَى رَبِّ الدَّارِ) وَكَذَا كُلُّ مَا يُخِلُّ بِالسُّكْنَى (فَإِنْ أَبَى صَاحِبُهَا) أَنْ يَفْعَلَ (كَانَ لِلْمُسْتَأْجِرِ أَنْ يَخْرُجَ مِنْهَا إِلَّا أَنْ يَكُونَ) الْمُسْتَأْجِرُ (اسْتَأْجَرَهَا وَهِيَ كَذَلِكَ وَقَدْ رَآهَا) لِرِضَاهُ بِالْعَيْبِ (وَإِصْلَاحُ بِئْرِ الْمَاءِ وَالْبَالُوعَةِ وَالْمَخْرَجِ عَلَى صَاحِبِ الدَّارِ) لَكِنْ (بِلَا جَبْرٍ عَلَيْهِ):

یا مستاجر نے محل سے نفع حاصل کرلیا تو اس کا خیار ساقط ہو جائے گا کیونکہ خیار کا سبب زائل ہو گیا ہے۔ جو گھر اجرت پر لیا ہو اس گھر کی مرمت، اس کو مٹی لیپنا، پرنالہ کو درست کرنا اور اس میں جو کوئی چیز تعمیر کرنے سے متعلق ہو وہ سب گھر کے مالک کے ذمہ ہے اسی طرح ہر وہ چیز جو رہائش میں خلل کا باعث ہو اس کو درست کرنا یہ مالک مکان کے ذمہ ہے۔ اگر اس کا مالک ایسا کرنے سے انکار کر دے تو مستاجر کو حق حاصل ہے کہ اس گھر سے نکل جائے مگر مستاجر اسے اجرت پر لے جب کہ وہ گھر اسی طرح تھا اور اس نے گھر دیکھ لیا تھا تو کیونکہ وہ عیب پر راضی ہے۔ پانی کے کنویں، بالوعہ اور گندے پانی کی بدبو کی اصلاح گھر کے مالک کے ذمہ ہے لیکن اس پر جبر نہیں کیا جا سکتا

30072۔ (قولہ: أَوْ انْتَفَعَ بِالْمُخِلِّ) المخل خا معجمہ کے ساتھ ہے اور اسم فاعل کا صیغہ ہے یعنی اس شے سے جس کو اجرت پر لیا گیا تھا جو ایسے عیب پر مشتمل تھی جو خلل کا باعث ہے یا یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ ''زیلعی'' نے کہا: کیونکہ وہ عیب پر راضی ہے پس تمام بدل اس کو لازم ہوگا جس طرح بیع میں ہے۔

30073۔ (قولہ: لِزَوَالِ السَّبَبِ) یہ ان کے قول: او ازالہ المؤجر کی علت ہے۔ کیونکہ عقد لحہ بلحہ متجدد ہوتا ہے پس عیب اس میں نہ پایا گیا جو بعد میں آئے گا پس خیار ساقط ہو گیا۔ ''زیلعی''۔

30074۔ (قولہ: وَتَطْيِينُهَا) یعنی اس کی چھت پر مٹی لیپنا۔ جس طرح ''الولوالجیہ'' میں اس سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ اسے مٹی نہ لیپی جائے تو یہ رہائش میں مخل ہوتی ہے دیواروں کو مٹی لگانے کا معاملہ مختلف ہے۔ تامل

پانی کے کنویں، نالی اور مخرج کی اصلاح کی ذمہ داری مالک پر ہے جب کہ مٹی نکالنا اور ریت نکالنے کی ذمہ داری مستاجر پر ہے

30075۔ (قولہ: وَإِصْلَاحُ بِئْرِ الْمَاءِ الخ) یہ مسئلہ ہر اعتبار سے ماقبل مسئلہ کی مثل ہے پس علیحدہ کلام کے ساتھ اسے علیحدہ کرنے کا کوئی معنی نہیں جب کنواں بھر جائے تو اس سے ملبہ نکالنا یہ بھی مالک کے ذمہ ہے مگر اس پر جبر نہ کیا جائے گا۔ ''الولوالجیہ'' میں کہا: کیونکہ معقود علیہ (جس پر عقد کیا گیا) وہ رہائش کی منفعت ہے اور زمین کے باطن کا مشغول ہونا یہ رہائش کی حیثیت سے اس کے ظاہر سے انتفاع کے مانع نہیں۔ اسی وجہ سے اگر وہ اس میں رہائش پذیر رہا باوجود اس کے وہ مشغول تھا تو اس پر تمام اجر لازم ہوگا بے شک مستاجر کو فسخ کی ولایت حاصل ہوگی۔ کیونکہ معقود علیہ عیب دار ہو چکا ہے۔

30076۔ (قولہ: وَالْبَالُوعَةِ وَالْمَخْرَجِ) اس کا عطف الماء پر ہے۔ کیونکہ ''بزازیہ'' کا قول ہے: واصلاح بئر

لِأَنَّهُ لَا يُجْبَرُ عَلَى إِصْلَاحِ مِلْكِهِ (فَإِنْ فَعَلَهُ الْمُسْتَأْجِرُ فَهُوَ مُتَبَرِّعٌ) وَلَهُ أَنْ يَخْرُجَ إِنْ أَبَى رَبُّهَا خَانِيَّةٌ أَيْ إِلَّا إِذَا رَآهَا كَمَا مَرَّ وَفِي الْجَوْهَرَةِ وَلَهُ أَنْ يَنْفَرِدَ بِالْفَسْخِ بِلَا قَضَاءٍ وَلَوِ اسْتَأْجَرَ دَارَيْنِ فَسَقَطَتْ

کیونکہ اسے اپنی مملوکہ چیز کی اصلاح پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اگر مستاجر نے یہ عمل کیا تو وہ تبرع و احسان کرنے والا ہوگا۔ اگر اس کا مالک اس سے انکار کر دے تو مستاجر کو حق حاصل ہے کہ گھر سے نکل جائے، ''خانیہ''۔ یعنی مگر جب وہ اسے دیکھے جس طرح گزر چکا ہے۔ ''جوہرۃ'' میں ہے: اسے حق حاصل ہے کہ وہ قاضی کے فیصلے کے بغیر اکیلے ہی فسخ کر دے اگر وہ دو گھروں کو اجرت پر لے دونوں میں سے ایک گر گیا

البالوعۃ والبئر الخ اسی طرح دونوں کو خالی کرنا ہے اگرچہ وہ دونوں مستاجر کی وجہ سے بھر جائیں تب بھی مالک کے ذمہ ہوگا جس طرح ''المنح'' میں ہے۔ ''حامدیہ'' میں اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ ''خیریہ'' میں اسی طرح ہے۔ اسے کئی کتابوں سے نقل کیا ہے۔ ''الولوالجیہ'' میں کہا: جہاں تک بالوعہ اور اس جیسی چیزوں کا تعلق ہے تو مستاجر پر انہیں خالی کرنا لازم نہیں۔ یہ بطور استحسان ہے۔ قیاس تو یہ ہے کہ انہیں خالی کرنا مستاجر پر واجب ہو۔ کیونکہ اس کا بھرنا اس کی جہت سے واقع ہوا ہے۔

استحسان کی دلیل یہ ہے کہ ان اشیاء سے مشغول زمین کا باطن ہے جب عقد ختم ہوگا تو یہ سپرد کرنے کے مانع نہیں۔ اگر مالک مستاجر پر اسے واجب کر دے۔ جب اسے اجارہ پر دے استحسان میں یہ جائز نہ ہوگا اور عقد فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ عقد اس شرط کا تقاضا نہیں کرتا اور دونوں میں سے ایک کی اس میں منفعت ہے۔

''بزازیہ'' میں ہے: اگر حمام کا سیل (پانی بہنے کی جگہ) بھر جائے تو مستاجر پر لازم ہے کہ اسے صاف کرے وہ ظاہر ہو یا باطن میں ہے۔

اس میں ہے: حمام کے پانی کو جاری کرنا اور اس کو صاف کرنا یہ مستاجر کے ذمہ ہے۔ اگر حمام کا مالک مستاجر پر یہ شرط لگائے کہ راکھ اور گوبر منتقل کرے گا تو یہ شرط عقد کو فاسد نہ کرے گی۔ اگر حمام کے مالک پر اس کی شرط لگائی تو عقد فاسد ہو جائے گا، فتامل۔ شاید یہ قیاس پر تفریع ہے یا عرف پر مبنی ہے۔ ''بزازیہ'' میں ہے: پن چکی کو اجرت پر لیا اس میں نہر کو کھودنا عرف پر مبنی ہوگا۔ اس میں ہے: مستاجر گھر سے نکل گیا جب کہ اس میں مٹی یا راکھ تھی تو مستاجر کے ذمہ ہے کہ اسے نکالے۔ بالوعہ کا معاملہ مختلف ہے۔ اگر پاکیزہ مٹی میں دونوں اختلاف کریں تو قول مستاجر کا معتبر ہوگا کہ اس نے اسے اجرت پر لیا تھا جب کہ وہ مٹی اس میں تھی۔

30077۔ (قولہ: لِأَنَّهُ لَا يُجْبَرُ عَلَى إِصْلَاحِ مِلْكِهِ) ''حموی'' نے کہا: اس تعلیل سے یہ سمجھ آتا ہے اگر گھر وقف ہو تو نگران کو اس پر مجبور کیا جائے گا ''ط''۔

30078۔ (قولہ: فَهُوَ مُتَبَرِّعٌ) یعنی اس کے لیے اجرت کا حساب نہیں کیا جائے گا۔ یہ امر باقی رہ گیا ہے کیا اسے اکھیڑنے کا حق ہوگا؟ اس میں تفصیل ہے۔ ''جامع الفصولین'' میں ہے: اس نے امر کے بغیر کوئی چیز بنائی پھر اجارہ منسوخ ہو

أَوْ تَعَيَّبَتْ إِحْدَاهُمَا فَلَهُ تَرْكُهُمَا لَوْ عَقَدَ عَلَيْهِمَا صَفْقَةً وَاحِدَةً قُلْتُ وَفِي حَاشِيَةِ الْأَشْبَاهِ مَعْزِيًّا لِلنِّهَايَةِ،

یا دونوں میں سے ایک عیب دار ہو جائے تو اسے دونوں کو ترک کرنے کا حق ہے اگر اس نے دونوں پر ایک ہی عقد کیا تھا۔ میں کہتا ہوں: ''حاشیۃ الاشباہ'' میں ''النہایہ'' کی طرف منسوب ہے:

گیا یا اس کی مدت ختم ہوگئی اگر عمارت پکی اینٹوں کی بنائی گئی تھی جو گھر کی مٹی سے بنائی گئی تھیں تو مستاجر کو حق حاصل ہے کہ وہ عمارت اکھیڑنے اور مٹی کی قیمت اس گھر کے مالک کو چٹی کے طور پر دے دے اگر وہ صرف مٹی سے بنائی گئی ہو تو اسے نہ توڑے کیونکہ اگر وہ توڑے گا تو وہ مٹی ہی ہو جائے گا۔

اس کا حاصل یہ ہے: اگر وہ کوئی چیز اس سے تعمیر کرے اگر اسے توڑا جائے تو وہ مال باقی رہے تو اسے توڑنے کا اختیار ہوگا ورنہ اختیار نہیں ہوگا۔ اس پر بہت سے امور متفرع ہوتے ہیں۔ ''سائحانی''۔

30079۔ (قولہ: فَلَهُ تَرْكُهُمَا) ''بزازیہ'' کی عبارت ہے: اسے دوسرا گھر اسی طرح چھوڑنے کا حق حاصل ہے کیونکہ صفقہ الگ ہے۔

قاضی خان فقیہ النفس ہیں ان کی تصحیح دوسروں کی تصحیح پر مقدم ہوگی

30080۔ (قولہ: وَفِي حَاشِيَةِ الْأَشْبَاهِ الخ) ''ابوسعود'' نے اس کے حاشیہ میں کہا: پھر ''زیادات'' کی روایت کے مطابق فسخ عقد قاضی کے فیصلے سے ہوگا یہاں تک کہ اگر موجر قضا سے پہلے اپنی دکان کو بیچے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ اور ''الاصل'' کی روایت یہ ہے: فسخ قاضی کے فیصلہ کے بغیر ہوگا پس اس کی بیع جائز ہوگی اور پہلا قول اصح ہے۔ کیونکہ فسخ ایسا عمل ہے جس میں اختلاف کیا گیا ہے پس یہ قاضی کے فیصلے پر موقوف ہوگا جس طرح ہبہ میں رجوع کرے تو قاضی کے فیصلہ پر متفق ہوگا۔

''ولوالجی'' نے کہا: یہ صرف دین میں ہے۔ جہاں تک دوسرے عذروں کا تعلق ہے تو جس کا عذر ہوا سے اکیلے ہی قضا کے بغیر فسخ کا حق ہوگا یہی صحیح روایت میں ہے۔ مشائخ میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دونوں کے درمیان تطبیق دی ہے۔ ان کی صورت یہ ہے: اگر عذر ظاہر ہو تو قضا کی ضرورت نہ ہوگی ورنہ اس دین کی طرح ہوگا جو اقرار سے ثابت ہو وہ قاضی کے فیصلہ کا محتاج ہوگا تا کہ قضا کے ساتھ عذر ظاہر ہو جائے۔

''قاضی خان'' اور ''محبوبی'' نے کہا: تطبیق والا قول ہی اصح ہے۔ شیخ ''شرف الدین'' نے اسے اس کے ساتھ قوت بہم پہنچائی ہے: اس میں دونوں روایتوں پر عمل ہے ساتھ ہی تقسیم میں مناسبت ہے۔ پس اس پر اعتماد کیا جانا چاہیے۔

''تصحیح غلام قاسم'' میں ہے: جسے ''قاضی خان'' صحیح قرار دیں وہ اس پر مقدم ہوگا جسے کوئی اور صحیح قرار دے کیونکہ ''قاضی خان'' فقیہ النفس ہیں۔ اس سے یہ امر ظاہر ہو جاتا ہے کہ شارح کا باب کے شروع میں قول تفسخ بالقضاء او الرضا اس پر مبنی نہیں جو چاہیے۔ ساتھ ہی یہ وہم دلاتا ہے کہ یہ خیار شرط اور خیار رؤیت میں بھی شرط ہے۔ اس میں جو ضعف ہے اس کو تو اس قول سے پہچان چکا ہے جو ہم نے وہاں ''قہستانی'' سے نقل کیا ہے پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

إِنَّ الْعُذْرُ ظَاهِرًا يَنْفَرِدُ، وَإِنْ مُشْتَبِهًا لَا يَنْفَرِدُ وَهُوَ الْأَصَحُّ (وَبِعُذْرٍ) عَطْفٌ عَلَى بِخِيَارِ شَرْطٍ (لُزُومِ ضَرَرٍ لَمْ يُسْتَحَقَّ بِالْعَقْدِ إِنْ بَقِيَ) الْعَقْدُ

عذر اگر ظاہر ہو تو وہ اکیلے ہی فسخ کرنے کا اختیار رکھے گا۔ اگر مشتبہ ہو تو وہ اکیلے فسخ کرنے کا اختیار نہیں رکھے گا۔ یہی قول اصح ہے۔ اور ایسے ضرر کے لازم ہونے کے عذر سے عقد فسخ کیا جا سکتا ہے عقد کی وجہ سے جس ضرر کا مستحق نہیں تھا اگرچہ عقد باقی ہو بعذر کا عطف بخیار شرط پر ہے

30081۔(قولہ: إِنَّ الْعُذْرُ ظَاهِرًا) جیسے داڑھ کا پرسکون ہو جانا اور عورت کا خلع لے لینا۔

30082۔(قولہ: وَبِعُذْرٍ الخ) پس اس کے بغیر اجارہ فسخ نہ ہو گا مگر جب اجارہ عین کے ہلاک کر دینے پر واقع ہو جیسے کسی سے کوئی شے لکھنے کا عقد ہو، کاغذ کے مالک کو حق حاصل ہے کہ وہ عذر کے بغیر اسے فسخ کر دے۔ اس کی اصل مزارعت میں ہے۔ بیج کے مالک کو فسخ کرنے کا اختیار ہے عامل کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں۔''اشباہ''۔

اس کے حاشیہ جو''ابوسعود'' کا ہے میں''بیری'' سے منقول ہے: حاصل کلام یہ ہے: ہر عذر جس کے ساتھ معقود علیہ کو حاصل کرنا ممکن نہ ہو مگر ایسی ضرر کے ساتھ جو اس کی ذات میں یا اس کے مال میں لاحق ہو اس کے لیے فسخ کا حق ثابت ہو جائے گا۔

جنوں کی طرف سے گھر میں پتھروں کا پڑنا فسخ کا عذر ہے؟

بیری نے کہا: اس سے یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ وہ پتھروں کا پڑنا جو گھروں میں اکثر واقع ہوتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ یہ جنوں میں سے ہے یہ اجارہ کے فسخ کرنے میں عذر ہے کیونکہ اس سے ضرر حاصل ہوتا ہے۔ الخ ماذکرہ۔

میں کہتا ہوں: یہ امر ظاہر ہوتا ہے اگر پتھروں کا گرنا گھر کی وجہ سے ہو اگر پتھروں کا گرنا مخصوص شخص کی وجہ سے ہو تو یہ عذر نہیں ہو گا۔ مجھے بعض دوستوں نے بتایا کہ اس کی بیوی کے گھر والوں نے اس کی ماں پر جادو کیا جب بھی وہ اس کے گھر میں داخل ہوتی تو پتھر پڑنا شروع ہو جاتے اور جب وہ گھر سے نکل جاتی تو وہ منقطع ہو جاتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مستاجر کا فسق فسخ کا عذر نہیں

فرع کثیر الوقوع۔''لسان الحکام'' میں کہا: اگر مستاجر گھر میں برائی اور شر کو ظاہر کرے جیسے شراب نوشی، سود کھانا، بدکاری اور لواطت اسے نیکی کا حکم دیا جائے گا نہ موجر کو اور نہ ہی اس کے پڑوسیوں کو حق حاصل ہو گا کہ اسے گھر سے نکال دیں۔ یہ اجارہ فسخ کرنے میں عذر نہیں ہو گا۔ اس میں ائمہ اربعہ کا کوئی اختلاف نہیں۔

''الجواہر'' میں ہے: اگر سلطان کی یہ رائے ہو کہ اسے اس گھر سے نکال دے تو وہ ایسا کر دے۔ ہم نے پہلے''الاسعاف'' سے نقل کیا ہے: اگر یہ واضح ہو جائے کہ مستاجر سے نفس وقف کے بارے میں خوف ہے تو قاضی اس کو فسخ کر دے اور اس کے قبضہ سے اسے خارج کر دے۔ فلیحفظ

كَمَا فِي سُكُونِ ضِرْسٍ اُسْتُؤْجِرَ لِقَلْعِهِ وَمَوْتِ عُرْسٍ أَوْ اخْتِلَاعِهَا اُسْتُؤْجِرَ طَبَّاخٌ (لِطَبْخِ وَلِيمَتِهَا) (وَ) بِعُذْرِ (لُزُومِ دَيْنٍ) سَوَاءٌ كَانَ ثَابِتًا

جس طرح داڑھ پر سکون ہو جائے جب کہ اس کو اکھیڑنے کے لیے کسی کو اجرت پر لیا گیا تھا، دلہن مر جائے یا وہ خلع لے لے جس کے ولیمہ کو پکانے کے لیے باورچی اجرت پر لیا گیا تھا۔ اور ایسے دین کے لازم ہونے کے عذر سے عقد فسخ کیا جا سکتا ہے جو دین

ہر وہ فعل جو مال کو کم کرنے یا اس کے تلف کا سبب ہو تو یہ اس کے فسخ کا عذر ہے

30083۔ (قولہ: كَمَا فِي سُكُونِ ضِرْسٍ الخ) داڑھ کے درد سے سکون، دلہن کی موت یا اس کے خلع لینے کی قید سے یہ سمجھ آتا ہے کہ اس کے بغیر اسے فسخ کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ ''حموی'' نے کہا: ''المبسوط'' میں ہے: جب وہ اسے اجرت پر لے تاکہ اس کا ہاتھ کاٹ دے کیونکہ اس کے ہاتھ کو بیماری لگی ہے یا اس نے مکان گرانے کے لیے اجرت پر لیا پھر اس کے لیے امر ظاہر ہوا تو یہ عذر ہوگا۔ کیونکہ عقد کو باقی رکھنے میں اس کے بدن یا اس کے مال میں سے کسی شے کا اتلاف ہے۔ یہ اس میں صریح ہے کہ اگر درد کو سکون نہ ہو تو اس کے لیے عقد کو فسخ کرنے کا حق ہوگا۔

میں کہتا ہوں، ''جامع الفصولین'' میں ہے: ہر وہ فعل جو مال کے کم کرنے یا اس کے تلف کا سبب ہو تو یہ اس کے فسخ کا عذر ہے جس طرح وہ کسی کو اجرت پر لے تاکہ وہ اس کے لیے کپڑا سیے یا اس کو دھوئے یا عمارت بنائے یا اس کی زمین کاشت کرے پھر شرمندہ ہوا تو اسے عقد فسخ کرنے کا حق ہوگا۔ ''غایۃ البیان'' میں ''کرخی'' سے یہ زائد نقل کیا ہے: یا وہ فصد کروائے، پچھنے لگوائے یا داڑھ اکھیڑے پھر اس کے لیے یہ ظاہر ہوا کہ وہ یہ عمل نہ کروائے تو اسے ان تمام میں فسخ کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ اس میں مال کو جان بوجھ کر ہلاک کرنا ہے یا چٹی لازم آتی ہے یا ضرر لاحق ہوتا ہے۔ پھر میں نے ''شرنبلالی'' کو دیکھا انہوں نے اس طرح بحث کی ہے جس طرح ہم نے کہا ہے۔ اور کہا: پھر میں نے ''البدائع'' میں دیکھا مگر خلع کا مسئلہ نہیں دیکھا لیکن یہ اس کا فائدہ دیتا ہے۔

میں کہتا ہوں، ''جامع'' کے شارحین نے ذکر کیا ہے کہ امام ''شافعی'' رحمۃ اللہ علیہ کو کہا جائے گا: آپ اس آدمی کے بارے میں کیا کہتے ہیں جسے دانت اکھیڑنے کے لیے یا ولیمہ بنانے کے لیے اجرت پر لیا جائے پھر درد زائل ہو گیا اور دلہن مر گئی تو اس وقت وہ اپنے قول سے رجوع پر مجبور ہو جائیں الخ۔ پس یہ امر ظاہر ہو گیا کہ قید الزام کی زیادتی کے لیے ذکر کی گئی۔ پس اس کا کوئی مفہوم نہیں ہوگا پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

30084۔ (قولہ: وَبِعُذْرِ لُزُومِ دَيْنٍ) اسے مطلق ذکر کیا ہے پس یہ قلیل اور کثیر کو شامل ہوگا جس طرح ''شرح البیری'' میں ''جوامع الفقہ'' میں ہے۔ جب عقد فسخ کر دیا جائے تو ثمن سے مستاجر کے دین سے آغاز کیا جائے گا اور جو باقی بچے گا وہ غرماء کے لیے ہوگا یہاں تک کہ اگر ثمن سے زیادتی نہ ہو تو اسے فسخ نہ کیا جائے گا جس طرح ''زیادات'' میں ہے۔

(بِعِيَانٍ) مِنَ النَّاسِ (أَوْ بَيَانٍ) أَيْ بَيِّنَةٍ (أَوْ إِقْرَارٍ وَ) الْحَالُ أَنَّهُ (لَا مَالَ لَهُ غَيْرُهُ) أَيْ غَيْرُ الْمُسْتَأْجَرِ: لِأَنَّهُ يُحْبَسُ بِهِ فَيَتَضَرَّرُ إِلَّا إِذَا كَانَتْ الْأُجْرَةُ الْمُعَجَّلَةُ تَسْتَغْرِقُ قِيمَتَهَا أَشْبَاهٌ

لوگوں کی دانست سے لازم ہو گواہوں سے لازم ہو یا اقرار سے لازم ہو جب کہ صورتحال یہ ہے کہ اس کا اس مستاجر کے سوا کوئی مال نہ ہو۔ کیونکہ اس عقد کی وجہ سے موجر کو محبوس کیا جائے گا۔ پس اسے ضرر لاحق ہوگا مگر اجرت پہلے ادا کر دی گئی ہو جو اس کی قیمت کو مستغرق ہو''الاشباہ''۔

''بزازیہ'' میں ہے: درہم قدح والا دین ہے جس کے ساتھ اجارہ کو فسخ کیا جائے گا۔ اقل کا معاملہ مختلف ہے۔ ''ولوالجیہ'' میں ہے: اس نے اپنے اور اہل کے نفقہ کے لیے اجارہ کو ختم کرنے اور گھر کو بیچنے کا ارادہ کیا کیونکہ وہ تنگ دست ہے تو اسے یہ حق حاصل ہوگا۔ ''سرخسی'' کی ''شرح الشہادات'' میں ہے: ایک قول یہ کیا گیا قاضی اس کو فسخ کر دے گا پھر اسے بیچ دے گا۔ مختار مذہب یہ ہے کہ اجارہ بیع کے نفاذ کی قضا کے ضمن میں منسوخ ہو جائے گا ''ابوسعود علی الاشباہ''۔

''الخلاصہ'' میں نفقہ کے لیے اجارہ کے فسخ میں دو قول ذکر کیے ہیں (۱) ''ابولیث'' سے مروی ہے (۲) فسخ نہیں ہوگا۔ یہ ''ظہیر الدین'' سے مروی ہے۔

30085۔ (قولہ: بِعِيَانٍ أَوْ بَيَانٍ الخ) ظاہر یہ ہے کہ ان میں سے ایک دوسرے سے غنی کر دیتا ہے اور اقرار سے مراد اجازت پر سابقہ اقرار ہے ورنہ یہ لازم آتا ہے کہ وہ حجت متعدیہ ہو۔ ''منلا مسکین''۔

شارح کی کلام میں پہلے قول کے رد کی طرف اشارہ ہے کیونکہ عیان سے مراد لوگوں کا مشاہدہ ہے۔ اور بیان سے مراد حجت کو قائم کرنا ہے۔ اور دوسرے قول کے مخالف علماء کا وہ قول ہے جو امام کے حق میں استدلال ہے جب کہ وہ ''صاحبین'' رحمۃ اللہ علیہما کے قول کا جواب ہے۔ یہ اقرار مستاجر کو نقصان دیتا ہے۔ پس اس کے حق میں یہ جائز نہیں ہوگا۔ ''امام صاحب'' رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے: اقرار مقر کے ذمہ سے ملاقات کرتا ہے اور اس میں کسی کا کوئی حق نہیں پس یہ صحیح ہوگا پھر متعدی ہوگا۔ تامل

پھر میں نے ''غایۃ البیان'' ''شرح الطحاوی'' سے دیکھا انہوں نے عقد اجارہ کے بعد دین کے اقرار کی تصریح کی ہے پس جو قول ہم نے کیا اسے تائید حاصل ہوگی۔

فرع: ایک آدمی نے اپنے گھر کا کسی کے لیے اقرار کیا اس کے بعد کہ اس نے وہ گھر کسی کو اجرت پر دیا تھا یہ اقرار اس کی ذات کے حق میں صحیح ہے مستاجر کے حق میں صحیح نہیں جب مدت ختم ہو جائے گی تو مقر لہ کے حق میں اس کا فیصلہ کر دیا جائے گا ''ولوالجیہ''۔

30086۔ (قولہ: أَيْ غَيْرُ الْمُسْتَأْجَرِ) یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے یہ غیرہ میں جو ضمیر ہے اس کی تفسیر ہے یا یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے اور لہ کی ضمیر کی تفسیر ہے ہر ایک تعبیر کا مرجع موجود ہے۔ فتبصر

30087۔ (قولہ: لِأَنَّهُ يُحْبَسُ بِهِ) اسے محبوس اس لیے کیا جاتا ہے کہ اس مال کے علاوہ دوسرے مال کے نہ ہونے کی تصدیق نہیں کی جاتی۔ ''ابن کمال''۔

30088۔ (قولہ: تَسْتَغْرِقُ قِيمَتَهَا) یعنی اس عین کی قیمت جس کو اجرت پر لیا گیا ہو یعنی مستاجر سے جو معجّل اجرت

(وَ) بِعُذْرِ (إِفْلَاسِ مُسْتَأْجِرِ دُكَّانٍ لِيَتَّجِرَ وَ) بِعُذْرِ (إِفْلَاسِ خَيَّاطٍ يَعْمَلُ بِمَالِهِ) لَا بِإِبْرَتِهِ (اسْتَأْجَرَ عَبْدًا لِيَخِيطَ فَتَرَكَ عَمَلَهُ وَ) بِعُذْرِ (بَدَاءِ مُكْتَرِي دَابَّةٍ مِنْ سَفَرٍ) وَلَوْ فِي نِصْفِ الطَّرِيقِ فَلَهُ نِصْفُ الْأَجْرِ إِنْ اسْتَوَيَا صُعُوبَةً

اور وہ آدمی جس نے دکان اجرت پر لی تا کہ تجارت کرے اس کے افلاس کے عذر سے اجارہ فسخ کیا جا سکتا ہے اور وہ درزی جو اپنے مال سے کام کرتا ہے نہ کہ جو اپنی سوئی سے کام کرتا ہے اس کے افلاس کے عذر سے عقد اجارہ فسخ کیا جا سکتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس درزی نے ایک غلام اجرت پر لیا تا کہ کپڑا سیے اس غلام نے اس کے افلاس کے باعث اس کا کام چھوڑ دیا۔ جانور کو کرایہ پر لینے والے کا دل سفر سے ہٹ گیا اگر چہ نصف راستہ میں ہو تو اس کے لیے نصف اجر ہوگا اگر راستہ کے دونوں حصے صعوبت

لی ہے اس کے دین پر اس عین کی قیمت میں سے کوئی زائد چیز نہیں۔ ''زیادات'' میں اس کی تصریح کی ہے۔ ''حانوتی'' کا قول: هذا قيد حسن في فسخها وهو غريب لم اقف عليه غير مسلم ہے۔ ''ابو سعود'' نے اسے بیان کیا ہے۔

30089۔ (قولہ: وَ بِعُذْرِ إِفْلَاسِ مُسْتَأْجِرِ دُكَّانٍ) اسی طرح کا حکم ہے جب اس کا بازار کساد بازاری کا شکار ہو جائے یہاں تک کہ تجارت کرنا ممکن نہ رہا۔ ''ہندیہ''۔

''المنیہ'' میں ہے: کساد بازاری عذر نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ اسے کساد بازاری کی ایک نوع پر محمول کیا جائے۔ ''سائحانی''۔ مگر جب وہ کسی اور دکان کی طرف جانے کا ارادہ کرے جو زیادہ وسیع ہو یا زیادہ سستی ہو اور وہ وہی عمل کرنا چاہتا ہو تو یہ عذر نہ ہوگا۔ اگر وہ کوئی اور عمل کرنا چاہتا ہو تو صغریٰ میں ہے کہ یہ عذر ہے۔ ''فتاوی الاصل'' میں ہے: اگر دوسرا عمل اسی دکان میں کیا جا سکتا ہو تو یہ عذر نہیں ہوگا ورنہ عذر ہوگا۔ ''تاتر خانیہ''۔ افلاس قید نہیں۔ عنقریب اس کا ذکر آئے گا۔

30090۔ (قولہ: لَا بِإِبْرَتِهِ) کیونکہ جب وہ اپنی سوئی سے کام کرتا ہو تو اس کا راس المال اس وقت سوئی اور قینچی ہوگا پس وہ اجرت کے ساتھ کام کرتا ہے اس کے حق میں عذر متحقق نہیں ہوگا مگر اس صورت میں جب اس کی خیانت لوگوں کے ہاں ظاہر ہو پس وہ اس آدمی کے کپڑے سپرد کرنے سے منع کرتے ہیں۔ ''تاتر خانیہ''۔

30091۔ (قولہ: اسْتَأْجَرَ عَبْدًا الخ) یہ خیاط کی دوسری صفت ہے۔

30092۔ (قولہ: وَ بِعُذْرِ بَدَاءِ مُكْتَرِي دَابَّةٍ) بداء کالفظ الف ممدودہ اور دو فتحوں کے ساتھ ہے یہ بدا للہ مصدر ہے یعنی اس کے لیے پہلی رائے کے علاوہ رائے ظاہر ہوئی جس نے اسے اس سفر سے روک دیا۔ ''منح''۔ ظاہر یہ ہے کہ من سفر میں من، عن کے معنی میں ہے یا یہ بدلیہ ہے۔ تامل

''خلاصہ'' میں ہے: اگر مستاجر نے اونٹ خرید لیا تو یہ عذر ہوگا اگر وہ گھر خریدے اور اس کی طرف منتقل ہونے کا ارادہ کرے تو معاملہ مختلف ہوگا۔ فرق گھر کو کرایہ پر دینے کا مکان ہے جانور نہیں کیونکہ سواری کرنا یہ مستعمل کے مختلف ہونے سے

وَسُهُولَةً وَإِلَّا فَبِقَدْرِهِ شَرْحُ وَهْبَانِيَّةٍ وَخَانِيَّةٌ (بِخِلَافِ بَدَاءِ الْمُكَارِي) فَإِنَّهُ لَيْسَ بِعُذْرٍ إِذْ يُمْكِنُهُ إِرْسَالُ أَجِيرِهِ وَفِي الْمُلْتَقَى وَلَوْ مَرِضَ فَهُوَ عُذْرٌ فِي رِوَايَةِ الْكَرْخِيِّ دُونَ رِوَايَةِ الْأَصْلِ، قُلْتُ وَبِالْأُولَى يُفْتَى ثُمَّ قَالَ لَوْ اسْتَأْجَرَ دُكَّانًا لِعَمَلِ الْخِيَاطَةِ فَتَرَكَهُ لِعَمَلٍ آخَرَ فَعُذْرٌ وَكَذَا لَوْ اسْتَأْجَرَ عَقَارًا

اور سہولت میں برابر ہوں ورنہ اس کی مقدار کے برابر اجرت ہوگی،''شرح وہبانیہ''،''خانیہ''۔سواری کے مالک یعنی مکاری کا دل سفر سے ہٹ گیا تو اس کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ یہ عذر نہیں۔ کیونکہ مکاری کے لیے ممکن ہے کہ وہ اپنے مزدور کو بھیج دے ''الملتقی'' میں ہے: اگر وہ مریض ہو تو یہ عذر ہے یہ ''کرخی'' کی روایت میں ہے ''الاصل'' کی روایت میں نہیں۔ میں کہتا ہوں: پہلی روایت پر فتویٰ ہے۔ پھر کہا: اگر اس نے ایک دکان کپڑے سینے کے لیے اجرت پر لی تو اس نے کپڑے سینے کے عمل کو دوسرے کام کی وجہ سے ترک کر دیا تو یہ عذر ہوگا۔ اسی طرح اگر ایک آدمی نے کوئی جائیداد اجرت پر لی

مختلف ہو جاتا ہے رہائش کا معاملہ مختلف ہے۔''بزازیہ''۔

30093۔(قولہ: وَسُهُولَةً) واؤ یہ او کے معنی میں ہے۔''ط''۔

30094۔(قولہ: بِخِلَافِ بَدَاءِ الْمُكَارِي) یعنی ظاہر سبب کے بغیر جو عذر بننے کی صلاحیت رکھتا ہو (مکاری کا ارادہ بدلنا یہ عذر نہیں)۔ جس طرح وہ ایسے آدمی کو پائے جو زیادہ اجرت کے عوض اسے اجرت پر لینے کے لیے تیار ہو۔ شارح عنقریب یہ ذکر کریں گے: اگر مکاری راستہ میں مر جائے۔

30095۔(قولہ: قُلْتُ وَبِالْأُولَى يُفْتَى) اسے اپنی شرح میں ''قہستانی'' سے نقل کیا ہے کہا: مصنف کے نزدیک یہ مختار ہے یعنی آپ نے اسے مقدم ذکر کیا ہے جس طرح ان کی عادت ہے۔

30096۔(قولہ: ثُمَّ قَالَ) یعنی ''الملتقی'' میں کہا ہے۔

30097۔(قولہ: فَعُذْرٌ) ''بزازیہ'' میں اسی طرح مطلق ذکر کیا ہے پھر ''المحیط'' میں وہ نقل کیا ہے جو ہم نے ابھی تفصیل ذکر کی ہے۔ عنقریب اسے ''ولوالجیہ'' سے ذکر کریں گے۔

اصلاً عمل کو ترک کر دینا عذر ہوگا

ایک شے باقی رہ گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان کا قول ہے اس نے اس کام کو دوسرے کام کی وجہ سے ترک کر دیا۔ اس تفصیل کے باوجود یہ فائدہ دیتا ہے اگر اس نے عمل اصلاً ترک کر دیا تو یہ عذر ہوگا۔ اس پر وہ واقعہ دلالت کرتا ہے جو ''الخانیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے زمین اجرت پر لی تا کہ اسے کاشت کرے پھر اس کے لیے یہ امر ظاہر ہوا کہ زراعت کو اصلاً ترک کر دے تو یہ عذر ہوگا۔ تو یہ جان چکا ہے کہ دکان کے مسئلہ میں افلاس قید نہیں۔ ''رملی'' نے اپنے حاشیہ میں اس طرح تحریر کیا ہے اور اس کی تائید اس سے حاصل کی۔ ''جواہر الفتاویٰ'' میں ہے: ایک آدمی نے ایک حمام سال بھر کے لیے اجرت پر لیا اور ایسے حال پر ہو گیا کہ وہ منافع سے اجرت کی مقدار حاصل نہیں کر سکتا اور اس نے یہ ارادہ کیا کہ وہ حمام واپس کر دے اگر حمام والا کام نہ

لَا يَلْزَمُ الْمُكَارِيَ الذَّهَابُ مَعَهَا وَلَا إِرْسَالُ غُلَامٍ وَإِنَّمَا يَجِبُ الْأَجْرُ بِتَخْلِيَتِهَا (وَ) بِخِلَافِ (تَرْكِ خِيَاطَةِ مُسْتَأْجِرٍ عَبْدٍ لِيَخِيطَ (لِيَعْمَلَ) مُتَعَلِّقٌ بِتَرَكَ (فِي الصَّرْفِ) لِإِمْكَانِ الْجَمْعِ (وَ) بِخِلَافِ (بَيْعِ مَا آجَرَهُ فَإِنَّهُ أَيْضًا لَيْسَ بِعُذْرٍ بِدُونِ لُحُوقِ دَيْنٍ كَمَا مَرَّ وَيُوقَفُ بَيْعُهُ إِلَى انْقِضَاءِ مُدَّتِهَا هُوَ الْمُخْتَارُ، لَكِنْ لَوْ قَضَى بِجَوَازِهِ نَفَذَ وَتَمَامُهُ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ وَفِيهِ مَعْزِيًّا لِلْخَانِيَّةِ لَوْ بَاعَ الْآجِرُ الْمُسْتَأْجَرَ فَأَرَادَ الْمُسْتَأْجِرُ

مکاری پر یہ لازم نہیں کہ وہ سواری کے ساتھ جائے اور نہ ہی اس پر یہ لازم ہے کہ اپنے غلام کو بھیجے۔ یہ صورت مختلف ہوگی کہ درزی ایک غلام کو اجرت پر لیتا ہے تا کہ وہ کپڑے سیئے تو وہ خیاطی کو ترک کرتا ہے تا کہ وہ سنار کا کام کرے۔ لیعمل یہ ترک کے متعلق ہے۔ یہ عذر اس لیے نہیں کیونکہ جمع کرنا ممکن نہیں۔ اور یہ صورت مختلف ہوگی کہ جس کو اجرت پر دیا تھا اس کی بیع کرے۔ کیونکہ یہ دین کے لاحق ہوئے بغیر عذر نہیں جس طرح قول گزر چکا ہے۔ اس کی بیع اجارہ کی مدت کے ختم ہونے تک موقوف ہوگی یہی قول مختار ہے۔ لیکن اگر اس کے جواز کا فیصلہ کر دیا جائے تو وہ بیع نافذ ہوگی۔ اس کی مکمل بحث ''شرح الوہانیہ'' میں ہے۔ اس سے ''الخانیہ'' کی طرف منسوب ہے۔ اگر آجر مستاجر کو بیچ دے اور مستاجر یہ ارادہ کرے

''الکتاب'' میں ذکر کیا ہے: اسے حکم دیا جائے گا کہ وہ ایک غلام بھیجے جو جانور کے پیچھے پیچھے چلے۔ کیونکہ جو چیز آجر پر لازم تھی وہ یہ تھی کہ وہ جانور اور مستاجر کے درمیان حائل نہ ہو جو چیز پائی گئی ہے پس اجر واجب ہوگا۔ یہ پہلے قول کی تعلیل ہے جس طرح یہ مخفی نہیں۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ یہ اس کی ترجیح میں ہے۔ اسی وجہ سے ''الاشباہ'' میں اس پر اکتفا کیا ہے۔ تامل

30102۔ (قولہ: وَ بِخِلَافِ تَرْكِ خِيَاطَةِ الخ) یہ ترکیب رکیک معنی والی ہے ساتھ ہی پے در پے اضافت موجود ہے۔ اگر وہ یوں قول کرتے وبخلاف خیاط استاجر عبد اللخیاطۃ فترکھا لیعمل فی الصرف تو یہ زیادہ واضح ہوتا۔ ''ط''۔

30103۔ (قولہ: لِيَخِيطَ) یہ مستاجر کے متعلق ہے۔

30104۔ (قولہ: لِإِمْكَانِ الْجَمْعِ) کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ دکان کے ایک کونہ میں کپڑے سینے کا عمل کرے اور دوسرے کونے میں سنار کا کام کرے۔ ''منح''۔

30105۔ (قولہ: وَ بِخِلَافِ بَيْعِ مَا آجَرَهُ) یعنی مستاجر کی اجازت کے بغیر۔

''بزازیہ'' میں کہا: اگر اس نے اجازت دی یہاں تک کہ اجارہ منسوخ ہو گیا پھر مشتری نے بیع کو ایسے طریقہ سے رد کر دیا جو فسخ نہیں تو بغیر کسی اشکال کے اجارہ نہیں لوٹے گا اگر ایسے طریقہ سے رد ہو جو فسخ ہو تو اجارہ لوٹ آئے گا اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ بیع کی قید لگائی ہے۔ کیونکہ ''تاتر خانیہ'' میں ''المحیط'' سے مروی ہے: ایک آدمی نے کوئی شے خریدی اور کسی کو وہ اجرت پر دے دی پھر وہ عیب پر مطلع ہوا تو عیب کی وجہ سے اسے لوٹانے کا حق ہوگا اور اجارہ فسخ ہو جائے گا۔

30106۔ (قولہ: نَفَذَ) کیونکہ امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیع جائز ہے۔ ''بزازیہ''۔

میں کہتا ہوں: یہ ہمارے زمانہ کے قضاۃ کے علاوہ میں ہے۔ فتدبر

أَنْ يَفْسَخَ بَيْعَهُ لَا يَمْلِكُهُ هُوَ الصَّحِيحُ، وَلَوْ بَاعَ الرَّاهِنُ الرَّهْنَ لِلْمُرْتَهِنِ فَسْخُهُ (وَتَنْفَسِخُ) بِلَا حَاجَةٍ إِلَى الْفَسْخِ (بِمَوْتِ أَحَدِ عَاقِدَيْنِ) عِنْدَنَا لَا بِجُنُونِهِ مُطْبِقًا (عَقَدَهَا لِنَفْسِهِ) إِلَّا لِضَرُورَةٍ كَمَوْتِهِ

کہ اس کی بیع کو فسخ کر دے تو وہ اس کا مالک نہیں ہوگا یہی قول صحیح ہے اگر راہن رہن کو بیچ دے تو مرتہن کو حق حاصل ہے کہ اس عقد کو فسخ کر دے۔ فسخ کی حاجت کے بغیر عقد اجارہ منسوخ ہو جائے گا جب دونوں عقد کرنے والوں میں سے ایک مر جائے۔ یہ ہمارے نزدیک ہے۔ اگر اسے ایسا جنون لاحق ہو جو ہر وقت لاحق رہتا ہے تو اس سے اجارہ فسخ نہیں ہوگا جس عقد اجارہ کو اس نے اپنے لیے عقد کیا تھا مگر ضرورت کی بنا پر اجارہ باقی رہے گا جس طرح وہ مکہ مکرمہ کے

30107۔ (قولہ: لِلْمُرْتَهِنِ فَسْخُهُ) ''شرنبلالی'' نے ''شرح الوہبانیہ'' میں کہا: مختار یہ ہے کہ یہ موقوف ہے۔ پس یہ فتویٰ دیا جائے گا کہ مستاجر کی بیع صحیح ہے لیکن غیر نافذ ہے۔ صحیح قول کے مطابق دونوں اس کو فسخ کرنے کا اختیار نہیں رکھتے اسی پر فتویٰ ہے۔ جب مشتری کو علم ہو کہ یہ چیز مرہون ہے یا مستاجر ہے۔ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک وہ اس کے توڑ دینے کا مالک ہوگا امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک علم ہونے کی صورت وہ مالک نہیں ہوگا۔ مشائخ نے یہی اخذ کیا ہے۔ ''رحمتی''۔

30108۔ (قولہ: بِلَا حَاجَةٍ إِلَى الْفَسْخِ) جو گزر چکا ہے وہ اس کے خلاف ہے اسی وجہ سے وہاں اسے اپنے قول تفسخ کے ساتھ اور یہاں تنفسخ کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

30109۔ (قولہ: لَا بِجُنُونِهِ مُطْبِقًا) ''الدر المنتقی'' میں کہا: اور نہ ہی اس کے مرتد ہونے سے اجارہ فسخ ہوگا مگر وہ ان کے دار میں جالاحق ہو اور اس بارے میں فیصلہ کر دیا جائے۔ اگر مدت میں وہ مسلمان کی حیثیت سے لوٹ آئے تو اجارہ لوٹ آئے گا جس طرح ''باقانی'' میں ''الظہیریہ'' سے مروی ہے۔

اگر مستاجر، عین مستاجر کا مالک بن جائے تو اجارہ باطل ہو جائے گا

30110۔ (قولہ: إِلَّا لِضَرُورَةٍ) ''الدر المنتقی'' میں کہا: ضروریات کی استثنا ثابت ہو چکی ہے۔ یہ گمان میں سے ہے کہ مزارع کی مدت کے ساتھ یا مکاری کی مکہ کے راستہ میں موت کے ساتھ عقد اجارہ ٹوٹ جائے گا بے شک عقد ختم نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ امن والی جگہ پہنچ جائے۔ کیونکہ اجارہ جس طرح عذروں سے ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح عذروں کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ فلیحفظ۔ ہاں معقود علیہ کی موت کے ساتھ اشکال پیدا کرتا ہے جس طرح اجارہ میں جانور معین ہو کیونکہ یہ عقد منسوخ ہو جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: مکاتب نے کوئی شے اجرت پر لی تھی اس کے بعد مکاتب عاجز آ گیا تو اس کے ساتھ اجارہ باطل ہو جائے گا جس طرح ''البدائع'' میں ہے۔ اسی طرح مستاجر میراث، ہبہ یا اس جیسی کسی اور صورت کے ساتھ عین مستاجر کا مالک بن جائے تو اجارہ باطل ہو جائے گا جس طرح ''تاتر خانیہ'' میں ہے۔

30111۔ (قولہ: كَمَوْتِهِ) یعنی موجر مر جائے۔ اگر مستاجر مر جائے تو جتنا عرصہ اس نے سفر کیا تھا اسی حساب سے اس پر اجرت لازم ہوگی۔ ''ولوالجیہ''۔

فِي طَرِيقِ مَكَّةَ وَلَا حَاكِمَ فِي الطَّرِيقِ فَتَبْقَى إِلَى مَكَّةَ، فَيَرْفَعُ الْأَمْرَ إِلَى الْقَاضِي لِيَفْعَلَ الْأَصْلَحَ فَيُؤَجِّرُهَا لَهُ لَوْ أَمِينًا أَوْ يَبِيعُهَا بِالْقِيمَةِ وَيَدْفَعُ لَهُ أُجْرَةَ الْإِيَابِ إِنْ بَرْهَنَ عَلَى دَفْعِهَا وَتُقْبَلُ الْبَيِّنَةُ هُنَا بِلَا خَصْمٍ: لِأَنَّهُ يُرِيدُ الْأَخْذَ مِنْ ثَمَنِ مَا فِي يَدِهِ أَشْبَاهٌ وَفِي الْخَانِيَةِ اِسْتَأْجَرَ دَارًا أَوْ حَمَّامًا أَوْ أَرْضًا شَهْرًا فَسَكَنَ شَهْرَيْنِ هَلْ يَلْزَمُهُ أَجْرُ الثَّانِي ؟ إِنْ مُعَدًّا لِلِاسْتِغْلَالِ نَعَمْ وَإِلَّا لَا وَبِهِ يُفْتَى

راستہ میں مرجائے اور راستہ میں کوئی حاکم نہ ہو۔ پس وہ عقد اجارہ مکہ مکرمہ تک باقی رہے گا۔ پس امر قاضی کے سامنے پیش کیا جائے گا تا کہ وہ اصلح عمل کرے۔ اگر مستاجر امین ہو تو قاضی اسے اجرت پر دے گا یا اسے قیمت کے بدلے میں بیچ دے گا اور لوٹنے کی اجرت دے گا۔ اگر مستاجر ہو تو قاضی اسے اجرت پر دے گا یا اسے قیمت کے بدلے میں بیچ دے گا اور اسے لوٹنے کی اجرت دے گا۔ اگر مستاجر اس امر پر گواہیاں پیش کر دے کہ اس نے اجرت دے دی ہے یہاں خصم کے بغیر گواہیاں قبول کی جائیں گی۔ کیونکہ وہ اس کی ثمن لینا چاہتا ہے جو اس کے قبضہ میں ہے،''الاشباہ''۔''خانیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے گھر، حمام یا زمین ایک ماہ کے لیے اجرت پر لی تو وہ دو ماہ تک اس میں رہا کیا دوسرے مہینہ کی اجرت اس پر لازم ہو گی اگر اسے منافع کے حصول کے لیے تیار کیا گیا تھا تو اجرت لازم ہوگی ورنہ اجرت لازم نہ ہوگی۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

30112۔ (قوله: فِي طَرِيقِ مَكَّةَ وَلَا حَاكِمَ) ''الولوالجیہ'' میں کہا: علماء نے کہا ہے: یہ اس صورت میں ہے جب وہ ایسی جگہ ہو جہاں خوف ہو کہ اس کا زادراہ ختم ہو جائے گا اور وہاں کوئی قاضی نہیں اور نہ ہی سلطان ہے جس کی بارگاہ میں معاملہ پیش کیا جائے عقد اجارہ کو باقی رکھنے میں دونوں معناً موثر ہیں۔''تاتر خانیہ'' میں یہ ذکر کیا ہے کہ مستاجر جب راستہ میں اس چیز پر خرچ کرے یا اس کو اجرت پر لیا جو اس کے معاملات کی نگرانی کرے تو وہ مکاری کے ورثاء سے واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔

30113۔ (قوله: فَيُؤَجِّرُهَا) جس کے قبضہ میں وہ ہے لوٹانے کے لیے اسے اجرت پر لے گا۔

30114۔ (قوله: بِلَا خَصْمٍ) یا قاضی اس کی جانب سے وصی معین کرے گا جس طرح ''ولوالجیہ'' میں ہے۔

30115۔ (قوله: لِأَنَّهُ يُرِيدُ الخ) بینہ کے قبول کرنے کے لیے خصم کی شرط ہوتی ہے جب مدعی یہ ارادہ کرے کہ وہ اس سے وہ چیز لے جو اس کے قبضہ میں ہے۔''ولوالجیہ''۔

30116۔ (قوله: إِنْ مُعَدًّا لِلِاسْتِغْلَالِ نَعَمْ) شارح نے کتاب الغصب میں کہا ہے: اس مقصد کے لیے اسے بنایا ہو یا اس مقصد کے لیے اسے خریدا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یا اسے پے در پے تین سال کے لیے اجرت پر دیا گھر کے مالک کی موت کے ساتھ اور اسے بیچ دینے کے ساتھ منافع کے لیے تیار کرنے کا عمل ختم ہو جاتا ہے۔ اگر ایک آدمی نے اپنے لیے اسے بنایا پھر ارادہ کیا کہ اسے منافع کے لیے تیار کرے اگر اپنی زبان سے کہا اور لوگوں کو خبر دے تو وہ اس کیلئے ہو جائے گا۔ مصنف نے اسے ذکر کیا ہے۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ عقار کے ساتھ خاص نہیں کتاب الغصب میں یہ آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

30117۔ (قوله: وَإِلَّا لَا) لیکن اگر اس نے اس عرصہ کی اجرت دے دی جتنا عرصہ وہ اس میں سکونت پذیر رہا تو وہ

قُلْتُ فَكَذَا الْوَقْفُ وَ مَالُ الْيَتِيمِ وَ كَذَا لَوْ تَقَاضَاهُ الْمَالِكُ وَ طَالَبَهُ بِالْأَجْرِ فَسَكَتَ يَلْزَمُهُ الْأَجْرُ بِسُكْنَاهُ بَعْدَهُ وَلَوْ سَكَنَ الْمُسْتَأْجِرُ بَعْدَ مَوْتِ الْمُؤَجِّرِ هَلْ يَلْزَمُهُ أَجْرُ ذٰلِكَ؟ قِيلَ نَعَمْ لِمُضِيِّهِ عَلَى الْإِجَارَةِ وَقِيلَ هُوَ كَمَسْأَلَةِ الْأُولٰى وَيَنْبَغِي أَنْ لَّا يَظْهَرَ الْإِنْفِسَاخُ هُنَا

میں کہتا ہوں: وقف اور یتیم کے مال کا حکم اسی طرح ہے۔ اسی طرح اگر مالک نے اس کا تقاضا کیا اور اجرت کا مطالبہ کیا اور مستاجر خاموش رہا اس کے بعد اس کی رہائش رکھنے سے اس پر اجرت لازم ہوگی۔ اگر مستاجر موجر کی موت کے بعد سکونت پذیر رہا کیا اس پر اس کا اجر لازم ہوگا؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہاں۔ کیونکہ وہ اجارہ پر جاری ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ پہلے مسئلہ کی طرح ہے۔ چاہیے کہ یہاں عقد اجارہ کا منسوخ ہونا ظاہر نہ ہو

اجرت واپس نہیں لے گا۔ ''تاتر خانیہ'' میں اسی طرح ذکر کیا ہے اور اس کی قید معد للاستغلال سے بیان نہیں کی۔

30118۔(قولہ: قُلْتُ فَكَذَا الْوَقْفُ الخ) ان ملحقات کی ''شرح الوہبانیہ'' میں تصریح کی گئی ہے۔ ''ح''۔

30119۔(قولہ: وَ طَالَبَهُ بِالْأَجْرِ) تقاضا پر عطف عطف تفسیری ہے یعنی اسی مستاجر سے دوسرے ماہ کی اجرت طلب کی۔ ''ح''۔

30120۔(قولہ: قِيلَ نَعَمْ) ''تاتر خانیہ'' میں ''جامع الفتاویٰ'' سے مروی ہے: اسی پر فتویٰ ہے۔ کیونکہ یہ اجارہ پر اور جو غصب کیا گیا ہے خصوصاً ایسے مواضع میں جو عقد کے لیے تیار کیے گئے پر جاری ہے۔

30121۔(قولہ: وَقِيلَ هُوَ كَمَسْأَلَةِ الْأُولٰى) یعنی وہ مسئلہ جب وہ اس میں دو ماہ رہے، ''ح''۔ یہ وہ قول ہے جسے ''بزازیہ'' میں ترجیح دی ہے کیونکہ کہا: موجر کی موت کے بعد مستاجر اس میں رہا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہر حال میں اجرت واجب ہوگی۔ کیونکہ وہ اجارہ پر قائم ہے۔ فتویٰ کے لیے مختار ''کتاب'' کا جواب ہے۔ وہ اس کے مطالبہ سے پہلے اجر کا لازم نہ ہونا ہے۔ مگر جب وہ اجرت کے مطالبے کے بعد وہاں سکونت پذیر رہا تو اجرت لازم ہوگی جسے منافع کے حصول کے لیے تیار کیا گیا یا اس کے علاوہ کی صورت ہو اس میں کوئی فرق نہیں۔ فرق طلب کی ابتدا میں ہے۔ ''المحیط'' میں ہے: صحیح یہ ہے کہ ہر حال میں اجرت لازم ہوگی اگر اسے محاصل کے لیے تیار کیا گیا ہو۔

حاصل کلام یہ ہے کہ موت کے بعد اس میں رہائش کو ترجیح دی جائے گی جس طرح اس سے قبل اسے ترجیح حاصل تھی اگر وہ منافع کے حصول کے لیے تیار کیا گیا ہو یا اس نے خود یا اس کے وارث نے اجرت کا تقاضا کیا ہو تو اجرت لازم ہوگی ورنہ اجرت لازم نہ ہوگی۔ اسی کی مثل یہ صورت ہوگی جب یتیم کا ولی اس کا تقاضا کرے یہاں وقف واقع نہیں ہوگا۔ کیونکہ وقف میراث نہیں ہوتا اور موجر کی موت سے اجارہ فاسد نہیں ہوگا۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ منافع کے لیے تیار کرنا موت کے ساتھ باطل نہیں ہوتا۔ پس یہ اس کے مخالف ہے جو ہم نے پہلے شارح سے بیان کیا ہے۔ فتامل

30122۔(قولہ: وَ يَنْبَغِي الخ) ''خانیہ'' میں مذکور ہے ''المنح'' میں اسے نقل کیا جب کہ شروع میں یہ کہا: قال مولانا

مَالَمْ يُطَالِبِ الْوَارِثُ بِالتَّفْرِيْغِ أَوْ بِالْتِزَامِ أَجْرٍ آخَرَ وَلَوْ مُعَدًّا لِلْاِسْتِغْلَالِ لِأَنَّهُ فَصْلٌ مُجْتَهَدٌ فِيْهِ وَهَلْ يَلْزَمُ الْمُسَمّٰى أَوْ أَجْرُ الْمِثْلِ؟ ظَاهِرُ الْقُنْيَةِ الثَّانِي، وَتَمَامُهُ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ وَفِي الْمُنْيَةِ

جب تک وارث اس کے فارغ کرنے یا دوسرے اجر کے لازم ہونے کا مطالبہ نہ کرے اگرچہ اسے محاصل ومنافع کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ کیونکہ یہ ایسی فصل ہے جس میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔ اور کہا: اجر مسمی لازم ہوگا یا اجرت مثلی لازم ہوگی، ''قنیہ'' کی عبارت کا ظاہر معنی دوسرا ہے۔ اس کی مثل بحث ''شرح الوہانیہ'' میں ہے۔ ''المنیہ'' میں ہے:

الخ، اس سے مراد ''قاضی خان'' ہیں صاحب ''البحر'' نہیں جو مصنف کے شیخ ہیں۔ فافہم۔ پھر ان کا قول: لا یظہر الانفساخ، یعنی اس کا حکم ظاہر نہیں ہوگا اس کا مقتضا یہ ہے کہ سابقہ عقد میں اجر مسمی واجب نہیں ہوگا جس طرح مسالة الزرع میں ''المنیہ'' میں عنقریب ذکر کریں گے۔

30123۔ (قولہ: مَالَمْ يُطَالِبِ الْوَارِثُ الخ) یعنی منسوخ ہونے کا حکم ظاہر ہو جائے گا۔ کیونکہ فارغ کرنے کا مطالبہ اس امر پر دلیل ہے کہ وہ سابقہ عقد کو جاری رکھنے پر راضی نہیں اور لاحق عقد کو نئے سرے سے واقع کرنے پر دلیل ہے۔ دوسرے اجر کے لازم کرنے کا مطالبہ اس امر پر دلیل ہے کہ وہ عقد لاحق کو نئے سرے سے واقع کرنے اور عقد کے سابق کے حکم کو توڑنے پر دلیل ہے اس وقت انفساخ کا حکم ظاہر ہوگا وہ عقد سابق میں مسمی کا واجب نہ ہونا ہے۔

30124۔ (قولہ: وَلَوْ مُعَدًّا لِلْاِسْتِغْلَالِ) یہ امر مخفی نہیں کہ لو وصلیہ کا قاعدہ یہ ہے کہ اس کے مابعد کی نقیض حکم کی زیادہ مستحق ہے۔ جیسے اکرمك ولو اھنتنی۔ میں تیری عزت کروں گا اگرچہ تو میری اہانت کرے یہاں حکم اسی طرح ہے۔ کیونکہ محاصل کے لیے تیار کی گئی چیز میں جب مذکورہ مطالبہ کے ساتھ عقد کا انفساخ ظاہر ہو جاتا ہے جب کہ اسے منافع کے لیے تیار کرنا۔ یہ اجارہ کے باقی رہنے کی دلیل ہے تو جسے منافع کے لیے تیار نہ کیا گیا ہو وہ مطالبہ کے ساتھ فسخ کا زیادہ مستحق ہوگا۔ فافہم

30125۔ (قولہ: لِأَنَّهُ فَصْلٌ) یہ ان کے قول لا یظہر کی علت ہے۔

30126۔ (قولہ: وَهَلْ يَلْزَمُ الخ) یہ ان کے قول وینبغی سے ماقبل کی طرف راجع ہے جس کی ''الخانیہ'' میں بحث کی ہے۔ جہاں تک اس بحث کا تعلق ہے تو تو یہ جان چکا ہے اگر وہ مطالبہ سے پہلے اس میں رہے تو سابقہ عقد میں اجرت واجب ہو گی۔ جہاں تک اس کے بعد کا تعلق ہے اگر اس نے فارغ کرنے کا مطالبہ کیا اور وہ مستاجر اس کے بعد اس میں رہا تو چاہیے کہ اجرت مثلی واجب ہو اگر اسے منافع کے حصول کے لیے تیار کیا گیا ہو نہ کہ وہ اجرت واجب ہو جو سابقہ عقد میں معین کی گئی تھی۔ کیونکہ اس عقد کا منسوخ ہونا ظاہر ہو چکا ہے۔ اگر دوسرے اجر کا اس سے مطالبہ کیا اور وہ اس کے بعد سکونت پذیر رہا تو چاہیے کہ وہ اجرت لازم ہو جس کا اس نے مطالبہ کیا تھا جس طرح متفرقات میں ''الاشباہ'' سے ظاہر ہوگا۔

30127۔ (قولہ: وَفِي الْمُنْيَةِ الخ) اس کا حاصل وہ فرق ہے جو اس صورت میں ہے جب مدت کے دوران دونوں میں سے ایک کی موت اور مدت کی انتہا کے درمیان کھیتی تیار نہ ہو۔ پہلی صورت میں کھیتی کو فصل کاٹنے تک معین اجرت کے ساتھ ترک کر دیا جائے گا اور دوسری صورت میں اجرت مثلی کے ساتھ ترک کیا جائے گا۔ باب مایجوز من الاجارة میں متن

مَاتَ اَحَدُهُمَا وَالزَّرْعُ بَقْلٌ بَقِيَ الْعَقْدُ بِالْمُسَمّٰى حَتّٰى يُدْرِكَ وَ بَعْدَ الْمُدَّةِ بِاَجْرِ الْمِثْلِ وَفِيْ جَامِعِ الْفُصُوْلَيْنِ لَوْ رَضِيَ الْوَارِثُ هُوَ كَبِيْرٌ بِبَقَاءِ الْاِجَارَةِ وَ رَضِيَ بِهِ الْمُسْتَاْجِرُ جَازَ اَیْ فَيُجْعَلُ الرِّضَا بِالْبَقَاءِ اِنْشَاءَ عَقْدٍ اَیْ لِجَوَازِهَا بِالتَّعَاطِیْ فَتَامَّلْهُ وَفِیْ حَاشِيَةِ الْاَشْبَاهِ اَلْمُسْتَاْجِرُ وَالْمُرْتَهِنُ وَالْمُشْتَرِیْ اَحَقُّ بِالْعَيْنِ مِنْ سَائِرِ الْغُرَمَاءِ لَوِ الْعَقْدُ صَحِيْحًا وَلَوْ فَاسِدًا فَاسْتَوَى الْغُرَمَاءَ فَلْيُحْفَظْ (فَاِنْ عَقَدَهَا لِغَيْرِهٖ لَا تَنْفَسِخُ كَوَكِيْلٍ) اَیْ بِالْاِجَارَةِ

دونوں میں سے ایک مر گیا اور کھیتی ساگ ہے تو عقد اجرت معینہ کے ساتھ باقی رہے گا یہاں تک کہ وہ تیار ہو جائے اور موت کے بعد اجرت مثلی کے ساتھ عقد باقی رہے گا۔ ''جامع الفصولین'' میں ہے: اگر وارث اجارہ کی بقا پر راضی ہو جائے جب کہ وہ وارث بڑا ہے اور مستاجر بھی راضی ہو گیا تو یہ جائز ہوگا یعنی بقا پر رضا مندی کو نیا عقد بنا دیا جائے گا یعنی کیونکہ باہم لینے اور دینے سے اجارہ جائز ہو جاتا ہے پس اس میں غور و فکر کیجئے۔ ''حاشیۃ الاشباہ'' میں ہے: مستاجر، مرتہن اور مشتری باقی ماندہ غرماء کی بنسبت زیادہ حق دار ہیں اگر عقد صحیح ہو اگر عقد فاسد ہو تو وہ دوسرے غرماء کے ہم پلہ ہوگا پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔ اگر اس نے عقد اجارہ کسی اور کے لیے کیا ہو تو وہ منسوخ نہیں ہوگا جس طرح اجارہ کا وکیل ہو۔

میں مسئلہ میں پہلے گزر چکا ہے۔ ہم نے وہاں وضاحت کر دی تھی کہ عقد حقیقی موت کے ساتھ منسوخ ہو جاتا ہے اور ضرورت کی بنا پر حکماً باقی رہتا ہے۔ اسی وجہ سے معین اجرت واجب ہوتی ہے یہاں ان کا قول: بقی العقد کا مطلب ہے حکماً عقد باقی رہتا ہے حقیقۃً باقی نہیں رہتا، فتنبہ۔

30128_(قولہ: اَیْ لِجَوَازِهَا بِالتَّعَاطِیْ) کیونکہ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی سے لفظ صادر نہیں ہوا۔ اسی وجہ سے ''البدائع'' میں کہا: یہ نئے عقد کے قائم مقام ہے مگر جب وہ کہے: اسے میرے پاس سابقہ اجرت پر رہنے دیجئے تو اس نے کہا: میں راضی ہوں یا کہا: ہاں۔ تو یہ صریح ایجاب و قبول ہوں گے اس پر متنبہ کی ضرورت نہ ہوگی۔

''تاتر خانیہ'' میں ''الملتقط'' سے مروی ہے: ایک آدمی نے حفاظت کی خاطر کسی کو اجرت پر لیا ہر ماہ اتنے کے عوض یہ عقد ہے پھر وہ مر گیا اس کے وصی نے مزدور سے کہا: تو جو عمل کیا کرتا تھا وہ کر و ہم تجھ سے اجر کو نہیں روکیں گے پھر وصی نے جائیداد بیچ دیا تو مشتری نے اجیر کو اسی طرح کہا۔ پہلے کی زندگی میں جتنا اس نے کام کیا تو اس کے ترکہ میں سے اتنی اجرت واجب ہوگی اور جتنا عرصہ اس نے وصی اور مشتری کے لیے عمل کیا اس میں اجرت مثلی ہوگی۔ ''فقیہ'' نے کہا (یہ حکم اس وقت ہے) جب دونوں میت کی جانب سے مشروط کی مقدار کو نہ جانتے ہوں۔ اگر وہ دونوں جانتے ہوں تو اجرت معین لازم ہوگی۔ متفرقات میں عنقریب ہی ''الاشباہ'' سے مروی ہوگا: اجارہ میں سکوت رضا اور قبول ہے۔ الخ

30129_(قولہ: وَفِیْ حَاشِيَةِ الْاَشْبَاهِ الخ) باب مایجوز من الاجارۃ سے تھوڑا پہلے ذکر کیا ہے کہ مستاجر زیادہ حقدار ہے اگر عین اس کے قبضہ میں ہو اگرچہ عقد فاسد ہو۔ یہ اس کے مخالف ہے۔ متفرقات میں بھی عنقریب اسے ذکر کریں

وَ أَمَّا الْوَكِيلُ بِالِاسْتِئْجَارِ إِذَا مَاتَ تَبْطُلُ الْإِجَارَةُ لِأَنَّ التَّوْكِيلَ بِالِاسْتِئْجَارِ تَوْكِيلٌ بِشِرَاءِ الْمَنَافِعِ فَصَارَ كَالتَّوْكِيلِ بِشِرَاءِ الْأَعْيَانِ فَيَصِيرُ مُسْتَأْجِرًا لِنَفْسِهِ ثُمَّ يَصِيرُ مُؤَجِّرًا لِلْمُوَكِّلِ فَهُوَ مَعْنَى قَوْلِنَا إِنَّ الْمُوَكِّلَ بِالِاسْتِئْجَارِ بِمَنْزِلَةِ الْمَالِكِ كَذَا نَقَلَهُ الْمُصَنِّفُ عَنِ الذَّخِيرَةِ قُلْتُ وَ مِثْلُهُ فِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ وَالْبَزَّازِيَّةِ وَالْعِمَادِيَّةِ، ثُمَّ قَالَ الْمُصَنِّفُ قُلْتُ هٰذَا يَسْتَقِيمُ عَلَى مَا ذَكَرَهُ الْكَرْخِيُّ مِنْ أَنَّ الْمِلْكَ يَثْبُتُ لِلْوَكِيلِ ثُمَّ يَنْتَقِلُ إِلَى الْمُوَكِّلِ وَأَمَّا عَلَى مَا قَالَهُ أَبُو طَاهِرٍ مِنْ أَنَّهُ يَثْبُتُ لِلْمُوَكِّلِ ابْتِدَاءً، وَبِهِ جَزَمَ فِي الْكَنْزِ، وَهُوَ الْأَصَحُّ كَمَا فِي الْبَحْرِ لَا يَسْتَقِيمُ، وَاللّٰهُ تَعَالَى أَعْلَمُ قُلْتُ وَ تَعَقَّبَهُ شَيْخُنَا بِأَنَّهُ غَيْرُ مُسْتَقِيمٍ عَلَى مَا ذَكَرَهُ الْكَرْخِيُّ أَيْضًا لِاتِّفَاقِهِمْ عَلَى عَدَمِ عِتْقِ قَرِيبِ الْوَكِيلِ؛

جہاں تک اجرت پر لینے کے وکیل کا معاملہ ہے جب وہ وکیل مرجائے تو اجارہ باطل ہوجائے گا۔ کیونکہ اجارہ پر لینے کا وکیل منافع کے خریدنے کا وکیل ہے تو وہ اسی طرح ہوگیا جس طرح اعیان خریدنے کا وکیل بنانا ہے۔ پس وہ اپنی ذات کے لیے مستاجر ہوگا پھر موکل کے لیے موجر ہوگا۔ پس ہمارے قول: ان الموکل بالاستئجار بمنزلۃ المالك کا یہی معنی ہے۔ مصنف نے ''ذخیرہ'' سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کی مثل ''شرح المجمع''، ''بزازیہ'' اور ''عمادیہ'' میں ہے۔ پھر مصنف نے کہا: میں کہتا ہوں: امام ''کرخی'' نے جو ذکر کیا ہے کہ ملکیت پہلے وکیل کے لیے ثابت ہوتی ہے پھر موکل کی طرف منتقل ہوجاتی ہے اس کے مطابق صحیح ہے۔ مگر جو ''ابوطاہر'' نے کہا ہے کہ ملکیت ابتداءً موکل کے لیے ثابت ہوتی ہے ''الکنز'' میں اسے ہی یقین کے ساتھ بیان کیا ہے اور وہی اصح ہے جس طرح ''البحر'' میں ہے: یہ درست نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ میں کہتا ہوں: ہمارے شیخ نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ امام ''کرخی'' نے جو ذکر کیا ہے اس پر بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ وہ وکیل کے قریبی کے آزاد نہ ہونے پر متفق ہیں۔

گے ہم نے پہلے اس کی وضاحت ''جامع الفصولین'' سے بیان کردی ہے۔

''حموی'' میں ''عمادیہ'' اور ''بزازیہ'' سے مروی ہے: ان عقود کے فاسد اور صحیح میں ایک مسئلہ میں فرق ہے۔ وہ یہ ہے جب اجارہ یا بیع دین کے بدلے میں واقع ہو جو دین مستاجر یا مشتری کا آجر یا بائع پر تھا پھر انہوں نے عقد کو فسخ کردیا اور وہ عقد فاسد تھا تو مشتری اور مستاجر کو اپنا دین وصول کرنے کے لیے محبوس کرنے کا حق نہیں ہوگا اور اس وجہ سے وہ باقی غرماء سے زیادہ حقدار نہیں ہوگا۔ جب عقد صحیح ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ اور فاسد رہن زندگی اور موت میں صحیح کی طرح ہے پس مرتہن رہن کا زیادہ حقدار ہوتا ہے لیکن جب رہن فاسد کو دین لاحق ہو مگر جب دین پہلے ہو پھر اس پر قبضہ کے بعد دونوں فسخ کردیں تو وہ زیادہ حقدار نہیں ہوگا اور اسے محبوس کرنے کا حق نہیں ہوگا۔ ملخص

پس ظاہر یہ ہے جو ''حاشیۃ الاشباہ'' سے صحیح اور فاسد میں فرق نقل کیا ہے۔ اس سے مراد یہی مسئلہ ہے پس جو گزر چکا ہے یہ اس کے مخالف نہیں۔ فتدبر

30130۔ (قولہ: لِاتِّفَاقِهِمْ عَلَى عَدَمِ عِتْقِ قَرِيبِ الْوَكِيلِ) یعنی اگر اس کو خریدا۔ ان کے شیخ ''رملی'' کی مکمل

لِأَنَّ مِلْكَهُ غَيْرُ مُسْتَقِرٍّ وَالْمُوجِبُ لِلْعِتْقِ وَالْفَسَادِ الْمِلْكُ الْمُسْتَقِرُّ ثُمَّ قَالَ وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْأَصَحَّ أَنَّ الْإِجَارَةَ لَا تَنْفَسِخُ بِمَوْتِ الْمُسْتَأْجِرِ وَالنَّقْلُ بِهِ مُسْتَفِيضٌ اهـ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ (وَوَصِيٍّ) وَأَبٍ وَجَدٍّ وَقَاضٍ (وَ مُتَوَلِّي الْوَقْفِ) لِبَقَاءِ الْمُسْتَحِقِّ لَهُ وَالْمُسْتَحَقِّ عَلَيْهِ، حَتَّى لَوْ مَاتَ الْمَعْقُودُ لَهُ بَطَلَتْ دُرَرٌ، إِلَّا إِذَا كَانَ مُتَوَلِّي وَقْفٍ خَاصٍّ بِهِ وَجَمِيعُ غَلَّاتِهِ لَهُ كَمَا فِي وَقْفِ الْأَشْبَاهِ مَعْزِيًّا لِلْوَهْبَانِيَّةِ قَالَ وَإِطْلَاقُ الْمُتُونِ بِخِلَافِهِ

کیونکہ ان کی ملکیت ثابت نہیں اور آزاد اور فساد کا موجب ثابت ملکیت ہے۔ پھر کہا: حاصل یہ ہے کہ اصح یہ ہے کہ اجارہ مستاجر کی موت کے ساتھ منسوخ نہیں ہوتا اور اس بارے میں فقہاء سے روایت مشہور ہے۔ واللہ اعلم۔ جیسے وصی، باپ، دادا اور قاضی اور وقف کا متولی فوت ہو جائے تو اجارہ فسخ نہیں ہوتا۔ کیونکہ مستحق علیہ باقی ہے یہاں تک کہ معقود علیہ مر جائے تو اجارہ باطل ہو جائے گا،''درر''۔ مگر جب وہ متولی ایسا ہو وقف اس کے ساتھ خاص ہو اور تمام تر منافع اسی کے ہوں جس طرح ''الاشباہ'' کے کتاب الوقف میں ''وہبانیہ'' کی طرف منسوب ہے کہا: متون کا اطلاق اس کے خلاف ہے۔

عبارت یہ ہے: وعدم فساد نکاحھا لو اشتراھا۔

30131۔(قولہ: وَالْفَسَادِ) نکاح کا فساد اس صورت میں ہے جب وہ وکالت کے ساتھ اپنی بیوی اس کے آقا سے خریدے۔

30132۔(قولہ: بِمَوْتِ الْمُسْتَأْجِرِ) یعنی مستاجر و کیل مر جائے۔''ح''۔

30133۔(قولہ: وَالنَّقْلُ بِهِ مُسْتَفِيضٌ)''سائحانی'' نے کہا: ''بدائع'' میں ہے: اجارہ وکیل کی موت سے باطل نہیں ہوتا خواہ وہ موجر کی جانب سے وکیل ہو یا مستاجر کی جانب سے وکیل ہو۔

میں کہتا ہوں: اس کی مثل ''قہستانی'' میں ''قاضی خان'' سے مروی ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: جس کے حق میں عقد اجارہ واقع ہو جب وہ مر جائے تو اس کی موت کے ساتھ عقد اجارہ منسوخ ہو جائے گا۔ اور جس کے لیے عقد اجارہ واقع نہ ہو اس کی موت سے عقد اجارہ منسوخ نہیں ہوتا اگرچہ وہ عقد کرنے والا ہو مراد وکیل اور وصی ہے۔ اسی طرح وقف میں متولی ہے۔

30134۔(قولہ: لِبَقَاءِ الْمُسْتَحِقِّ لَهُ)''الدرر'' اور ''المنح'' کی عبارت ہے: کیونکہ مستحق علیہ اور مستحق باقی ہے۔ اول سے مراد مستاجر ہے۔ کیونکہ اسی پر اجرت لازم ہے۔ اور ثانی سے مراد وقف والے اور دوسرے لوگ ہیں۔ تامل

30135۔(قولہ: قَالَ وَإِطْلَاقُ الْمُتُونِ بِخِلَافِهِ) صاحب ''الاشباہ'' نے اس عبارت کو ذکر کیا ہے۔ بعض نسخوں میں قلت کی جگہ قال ہے۔ اس کی ضمیر صاحب ''الاشباہ'' کے لیے ہے۔ علامہ ''عبدالبر'' نے کہا: مذہب کی غالب کتب میں جو ہے وہ اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ وقف کی صورت میں موجر کی موت سے اجارہ باطل نہیں ہوتا خواہ واقف وغیرہ قیم ہو، وصی اور قاضی ہو۔ یہ ان کی تعلیلات کا مقتضا ہے کہ مستحق جب نگران ہو تو اس کی موت سے اجارہ باطل نہیں ہوتا اگرچہ وہ تمام منافع کا

قُلْتُ وَبِإِطْلَاقِ الْمُتُونِ أَفْتَى قَارِئُ الْهِدَايَةِ، فَكَانَ هُوَ الْمَذْهَبُ الْمُعْتَمَدُ كَمَا قَالَهُ الْمُصَنِّفُ فِي حَاشِيَتِهِ عَلَى الْأَشْبَاهِ، وَلِذَا قَالَ فِي الْأَشْبَاهِ بَعْدَ أَرْبَعِ أَوْرَاقٍ لَا تَنْفَسِخُ الْإِجَارَةُ بِمَوْتِ مُؤَجِّرِ الْوَقْفِ إِلَّا فِي مَسْأَلَتَيْنِ فِيمَا إِذَا آجَرَهَا الْوَاقِفُ ثُمَّ ارْتَدَّ ثُمَّ مَاتَ لِبُطْلَانِ الْوَقْفِ بِرِدَّتِهِ، وَفِيمَا إِذَا آجَرَ أَرْضَهُ ثُمَّ وَقَفَهَا عَلَى مُعَيَّنٍ ثُمَّ مَاتَ تَنْفَسِخُ وَفِي وَقْفِ فَتَاوَى ابْنِ نُجَيْمٍ سُئِلَ إِذَا آجَرَ النَّاظِرُ ثُمَّ مَاتَ فَأَجَابَ لَا تَنْفَسِخُ الْإِجَارَةُ فِي الْوَقْفِ بِمَوْتِ الْمُؤَجِّرِ وَالْمُسْتَأْجِرِ كَذَا رَأَيْتُهُ فِي عِدَّةِ نُسَخٍ لَكِنَّهُ مُخَالِفٌ لِمَا فِي إِجَارَةِ فَتَاوَى قَارِئِ الْهِدَايَةِ فَتَنَبَّهْ

میں کہتا ہوں: ''قاری الہدایہ'' نے متون کے اطلاق کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ پس یہی قابل اعتماد مذہب ہے جس طرح مصنف نے ''الاشباہ'' پر اپنے حاشیہ میں کہا ہے۔ اسی وجہ سے چار اوراق بعد ''الاشباہ'' میں کہا: وقف کو اجارہ پر دینے والے کی موت سے اجارہ منسوخ نہیں ہوتا مگر دو مسئلوں میں اجارہ منسوخ ہو جاتا ہے۔ مگر جب واقف نے اسے اجرت پر دیا ہو پھر وہ مرتد ہو جائے پھر وہ مر جائے۔ کیونکہ اس کے ارتداد کے ساتھ وقف باطل ہو گیا ہے۔ اور جب وہ اپنی زمین اجرت پر دے پھر اسے معین فرد پر وقف کر دے پھر مر جائے تو اجارہ منسوخ ہو جائے گا۔ ''فتاویٰ ابن نجیم'' کے کتاب الوقف میں ہے۔ ان سے سوال کیا گیا: جب نگران اجارہ پر دے پھر مر جائے تو انہوں نے جواب دیا: وقف میں اجارہ کی صورت میں موجر اور مستاجر کی موت سے اجارہ منسوخ نہیں ہوگا میں نے کئی نسخوں میں اسی طرح دیکھا ہے۔ لیکن یہ اس کے مخالف ہے جو ''فتاویٰ قاری الہدایہ'' کے کتاب الاجارہ میں ہے۔ پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔

مستحق ہو۔ کیونکہ ذات میں اس کی ملکیت نہیں ہوتی اس کا حق منافع میں ہوتا ہے۔ ''شرنبلالی'' نے اس کا ذکر کیا ہے۔ ''ط''۔

30136۔ (قولہ: أَفْتَى قَارِئُ الْهِدَايَةِ) کیونکہ کہا: موجر نگران کی موت سے اجارہ منسوخ نہیں ہوگا اگرچہ وہ اکیلے ہی مستحق ہو۔

30137۔ (قولہ: إِلَّا فِي مَسْأَلَتَيْنِ) استثنا منقطع ہے۔ جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تو اتداد کے ساتھ اجارہ باطل ہو جائے گا جس طرح تعلیل میں اس کی تصریح کی ہے اور موت کے ساتھ وہ میراث بن چکی ہے، فتامل۔ جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے تو جب ''ابن شحنہ'' نے کہا: اصل مسئلہ اس وقف میں ہے جس کو اجارہ پر دیا گیا ہو جب کہ یہ مملوکہ چیز کو اجارہ پر دینے والا ہے۔ وقف کو اجارہ پر دینے والا نہیں۔

30138۔ (قولہ: عَلَى مُعَيَّنٍ) ''معایاۃ الوہبانیہ'' اور اس کی شرح میں جو قول ہے: وہ عی غیر معین ہے۔

30139۔ (قولہ: تَنْفَسِخُ) کیونکہ عقد کا آغاز اس کی اپنی ذات کے لیے تھا۔ ''ح''۔

30140۔ (قولہ: لَكِنَّهُ مُخَالِفٌ الخ) میں کہتا ہوں: بلکہ یہ باقی ماندہ متون کے خلاف ہے اور یہ ممکن ہے کہ ''ابن نجیم'' کی جانب سے یہ جواب دیا جائے کہ ان کی کلام میں موجر اور مستاجر سے مراد نگران ہے اور انہوں نے دوستوں کا جواب

وَفِيهَا أَيْضًا لَا تَنْفَسِخُ بِمَوْتِ الْمُتَوَلِّي وَلَوِ الْغَلَّةُ لَهُ بِمُفْرَدِهِ فَتَنَبَّهْ وَفِي الْفَيْضِ الْوَاقِفُ لَوْ آجَرَ الْوَقْفَ بِنَفْسِهِ ثُمَّ مَاتَ، فَفِي الِاسْتِحْسَانِ لَا تَبْطُلُ: لِأَنَّهُ آجَرَ لِغَيْرِهِ وَمِثْلُهُ فِي الْبَزَّازِيَّةِ۔ وَفِي السِّرَاجِيَّةِ وَحُكْمُ عَزْلِ الْقَاضِي وَالْمُتَوَلِّي كَالْمَوْتِ فَلَا تَنْفَسِخُ (وَ) تَنْفَسِخُ أَيْضًا (بِمَوْتِ أَحَدِ مُسْتَأْجِرَيْنِ أَوْ مُؤَجِّرَيْنِ فِي حِصَّتِهِ) أَيْ حِصَّةِ الْمَيِّتِ لَوْ عَقَدَهَا لِنَفْسِهِ (فَقَطْ) وَبَقِيَتْ فِي حِصَّةِ الْحَيِّ فَرْعٌ فِي وَقْفِ الْأَشْبَاهِ تَخْلِيَةُ الْبَعِيدِ بَاطِلَةٌ، فَلَوِ اسْتَأْجَرَ قَرْيَةً وَهُوَ بِالْمِصْرِ لَمْ يَصِحَّ تَخْلِيَتُهَا عَلَى الْأَصَحِّ، فَيَنْبَغِي لِلْمُتَوَلِّي أَنْ يَذْهَبَ إِلَى الْقَرْيَةِ مَعَ الْمُسْتَأْجِرِ أَوْ غَيْرِهِ، فَيُخَلِّيَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا أَوْ يُرْسِلُ وَكِيلَهُ أَوْ رَسُولَهُ إِحْيَاءً لِمَالِ الْوَقْفِ فَلْيُحْفَظْ

اس میں یہ بھی ہے: متولی کی موت سے اجارہ منسوخ نہیں ہوگا اگرچہ غلہ صرف اسی کا ہو پس اس پر متنبہ ہو جائیے۔ ''الفیض'' میں ہے: واقف اگر وقف کو خود اجرت پر دے پھر مر جائے استحسان یہ ہے اجارہ باطل نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس نے اسے غیر کے لیے اجرت پر دیا۔ اسی کی مثل ''بزازیہ'' میں ہے۔ ''سراجیہ'' میں ہے: قاضی اور متولی کے معزول کرنے کا حکم موت کی طرح ہے۔ پس اس سے اجارہ منسوخ نہیں ہوگا اور اجارہ دو مستاجروں میں سے ایک یا دو موجروں میں سے ایک کی موت کے ساتھ اس کے حصہ میں اجارہ منسوخ ہو جائے گا یعنی صرف میت کا حصہ منسوخ ہو جائے گا اگر اس نے اپنے لیے عقد کیا ہو اور زندہ کے حصہ میں اجارہ باقی رہے گا۔ فرع: ''الاشباہ'' کے کتاب الوقف میں ہے: مکان بعید کی زمین کا تخلیہ باطل ہے۔ اگر ایک آدمی نے دیہات اجارہ پر لیا جب کہ وہ شہر میں ہے تو اصح قول کے مطابق اس کا تخلیہ صحیح نہیں۔ پس متولی کو چاہیے کہ وہ مستاجر کے ساتھ یا کسی اور کے ساتھ دیہات کی طرف جائے اور مستاجر اور زمین کے درمیان تخلیہ کرے یا اپنا وکیل یا قاصد بھیجے تاکہ وقف کے مال کا احیا کرے پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔

دینے کا ارادہ کیا ہے (۱) جب نگران وقف کی زمین کو اجرت پر دے (۲) جب نگران وقف کے مال میں سے ایسے شخص سے زمین اجرت پر لے جس سے وقف کے لیے منافع حاصل کرے۔ ''ح''۔

30141۔ (قولہ: وَفِيهَا أَيْضًا) یہ بھی ان میں سے ہے جو صاحب ''الاشباہ'' نے نقل کیا ہے اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے اس صورت میں جب موجر ایسے وقف کا متولی ہو جو اس کے ساتھ خاص ہو اور تمام منافع اسی کے لیے ہوں۔ زیادہ بہتر یہ تھا کہ اس کا ذکر ان کے قول ''وفی فتاوی ابن نجیم'' سے پہلے کرتے۔ اور اپنے قول فتنبہ کے ساتھ مذکورہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ''ط''۔

30142۔ (قولہ: وَبَقِيَتْ فِي حِصَّةِ الْحَيِّ) اشتراک اس کو کوئی نقصان نہیں دیتا کیونکہ یہ اشتراک طاری ہے جس طرح اس کے محل میں گزر چکا ہے۔

30143۔ (قولہ: أَوْ غَيْرِهِ) جیسے اس کا وکیل ہے جب کہ یہ ''الاشباہ'' کی عبارت میں موجود نہیں۔

30144۔ (قولہ: إِحْيَاءً لِمَالِ الْوَقْفِ) کیونکہ سپرد کرنے کے بغیر اجرت لازم نہیں ہوتی۔ لیکن یہ امر مخفی نہیں کہ یہ د

قُلْتُ لٰكِنْ نَقَلَ مُحَشِّيهَا ابْنُ الْمُصَنِّفِ فِي زَوَاهِرِ الْجَوَاهِرِ عَنْ بُيُوعِ فَتَاوَى قَارِئِ الْهِدَايَةِ أَنَّهُ مَتَى مَضَى مُدَّةٌ يَتَمَكَّنُ مِنَ الذَّهَابِ إِلَيْهَا وَالدُّخُولِ فِيهَا كَانَ قَابِضًا وَإِلَّا فَلَا فَتَنَبَّهْ

میں کہتا ہوں: اس کے محشی مصنف کے بیٹے نے ''زواہر الجواہر'' میں ''فتاویٰ قاری الہدایہ'' کے کتاب البیوع سے نقل کیا ہے: جب اتنی مدت گزر جائے جس میں اس کی طرف جانا اور اس میں داخل ہونا ممکن ہو تو وہ قبضہ کرنے والا ہوگا ورنہ نہیں پس متنبہ ہو جائیے۔

کرنا عقد کے صحیح ہونے کے لیے شرط نہیں۔ یہ پہلے گزر چکا ہے: جب اجارہ صحیح ہو اور نفع حاصل کرنا ممکن ہو تو اجرت واجب ہو گی۔ جہاں تک اجارہ فاسدہ کا تعلق ہے تو اجرت حقیقی انتفاع سے واجب ہوگی۔ یہ بھی پہلے گزر چکا ہے ''اسعاف'' کا ظاہر معنی یہ ہے کہ وقف کو خارج کیا جائے پس قدرت حاصل ہونے کے ساتھ اجارہ فاسدہ میں اس کی اجرت واجب ہوگئی۔ پس یہاں اس کی کلام کو اس پر محمول کرنا چاہیے جب وہ اس پر قادر نہ ہو۔ فتامل

30145۔ (قولہ: عَنْ بُيُوعِ فَتَاوَى قَارِئِ الْهِدَايَةِ) ان کی نص یہ ہے: ایک شخص سے سوال کیا گیا جس نے شہر میں دوسرے سے گھر خریدا جب کہ وہ دونوں شہر میں تھے اور دونوں شہروں کے درمیان دو دن کی مسافت ہے اور اس نے اس پر قبضہ نہ کیا۔ بلکہ بائع نے مشتری اور مبیع کے درمیان شرعی تخلیہ کیا تا کہ وہ اس پر قبضہ کر لے۔ کیا یہ صحیح ہوگا اور تخلیہ سپرد کرنے کی طرح ہوگا؟

اس کا جواب دیا: جب گھر ان کے سامنے نہ ہو اور بائع نے کہا: میں نے وہ تجھے سپرد کر دیا ہے مشتری نے کہا: میں نے لے لیا تو یہ قبضہ نہ ہوگا جب تک گھر ان دونوں کے قریب نہ ہو اس طرح کہ مشتری اس میں داخل ہونے پر قادر ہو اس وقت اس کو تالا لگانا یہ قابض ہونا ہوگا۔ ہمارے مسئلہ میں ہے جب تک وہ مدت نہیں گزری جس میں اس کی طرف جانا اور اس میں داخل ہونا ممکن ہو تو وہ قابض نہیں ہوگا۔

بعید کے تخلیہ کا معنی

''حاشیۃ الحموی'' میں ہے: بعض فضلا نے کہا: مصنف نے جو ذکر کیا ہے بعید کا تخلیہ باطل ہے یہ اس کے مخالف ہے جو ''المحیط'' میں ہے جس طرح وہ ''شرح الکنز'' میں ہے۔ اور ''ابن ہمام'' میں باب خیار الشرط سے تھوڑا پہلے ہے ہم نے اس میں طویل گفتگو کی ہے۔

30146۔ (قولہ: وَالدُّخُولِ فِيهَا) میں کہتا ہوں: اس کے ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ نفع حاصل کرنا ممکن ہے۔ اگر اس میں داخل ہونا ممکن نہ ہو۔ کیونکہ غاصب وغیرہ موجود ہے تو اجرت واجب نہ ہوگی جس طرح قول گزر چکا ہے۔ یہ مراد نہیں کہ نفس دخول شرط ہے۔ فافہم، واللہ تعالیٰ اعلم

مَسَائِلُ شَتّٰی

(أَحْرَقَ حَصَائِدَ) أَيْ بَقَايَا أُصُولِ قَصَبٍ مَحْصُودٍ (فِي أَرْضٍ مُسْتَأْجَرَةٍ أَوْ مُسْتَعَارَةٍ) وَمِثْلُهُ أَرْضُ بَيْتِ الْمَالِ الْمُعَدَّةِ لِحَطِّ الْقَوَافِلِ وَالْأَحْمَالِ وَمَرْعَى الدَّوَابِّ

متفرق مسائل کے احکام

ایک آدمی نے اجرت پر لی گئی زمین میں یا عاریۃً لی گئی زمین میں سرکنڈے وغیرہ کی کٹی ہوئی باقی ماندہ جڑیں جلائیں اسی کی مثل بیت المال کی وہ زمین ہے جس کو قافلوں کے اترنے اور سامان کے رکھنے، چوپاؤں کے چرنے

30147۔(قولہ: أَيْ بَقَايَا الخ) یہ مراد کی تفسیر ہے۔''المنح'' میں کہا ہے: حصائد یہ حصید یا حصیدہ کی جمع ہے دونوں سے مراد کٹی ہوئی فصل ہے یہاں اس سے مراد وہ ہے جو سرکنڈے وغیرہ کی جڑوں میں سے زمین میں کٹی ہوئی رہ جاتی ہیں۔ کیونکہ ان کو جلانے کا معمول ہوتا ہے۔

پانی اور آگ میں فرق

30148۔(قولہ: مُسْتَأْجَرَةٍ أَوْ مُسْتَعَارَةٍ)''منلا مسکین'' نے اپنی شرح میں کہا: مسئلہ کی وضع ان دونوں زمینوں میں ہے اس کی مملوکہ زمین میں نہیں۔ جب وہ یہاں ضامن نہیں تو اپنی زمین میں جلانے کی صورت میں بدرجہ اولی ضامن نہیں ہو گا۔ اس عبارت کا متن کی عبارت کے ساتھ مقتضا یہ ہے کہ اگر وہ غیر کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر جلائے تو وہ اس کا ضامن ہوگا جس کو وہ آگ ایسے مکان میں جلا دے جس کی طرف وہ متعدی ہوئی ہے۔ یہ اس کے خلاف ہے جو''جامع الفصولین'' اور دیگر کتب میں ہے۔''جامع الفصولین'' میں کہا: ایک آدمی نے مالک کی اجازت کے بغیر کسی زمین میں آگ جلائی تو جس جگہ آگ روشن کی ہے اس میں وہ جس چیز کو جلائے اس کا ضامن ہوگا نہ کہ اس کا ضامن ہوگا جسے دوسری جگہ اس نے اسے جلایا جس کی طرف آگ چلی گئی تھی۔ پانی اور آگ میں فرق کیا ہے۔ کیونکہ اگر وہ پانی کو اپنی مملوکہ چیز کی طرف بہائے اور وہ پانی دوسرے کی زمین کی طرف چلا جائے اور وہاں کسی شے کو تلف کر دے تو وہ ضامن ہوگا۔ آگ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ اس کی فطرت اس کا بلند جانا ہے۔ اور اس کا تجاوز کرنا یہ ہوا وغیرہ سے ہے اسے آگ جلانے والے کے فعل کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا پس وہ ضامن نہیں ہوگا۔ اور پانی کی طبیعت میں بہاؤ ہے پس تلف کرنا یہ اس کے فعل کی طرف منسوب ہوگا۔ فتدبر،''رملی''۔

میں کہتا ہوں: لیکن یہ اس وقت ہے جب وہ اس جگہ سے کسی زائل کرنے والے سے زائل ہوئی اگر وہ زائل ہوئی مگر مزیل کے بغیر زائل ہوئی تو وہ ضامن ہوگا جس طرح''خانیہ'' میں اسے ثابت کیا ہے۔ شارح قریب ہی اس کا ذکر کریں گے۔

30149۔(قولہ: وَمِثْلُهُ الخ) یہ شیخ''رملی'' نے بھی قول کیا ہے۔

وَطَرْحِ الْحَصَائِدِ قُلْتُ وَحَاصِلُهُ أَنَّهُ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَقُّ الِانْتِفَاعِ فِي الْأَرْضِ يَضْمَنُ مَا أَحْرَقَتْهُ فِي مَكَانِهِ بِنَفْسِ الْوَضْعِ لَا مَا نَقَلَتْهُ الرِّيحُ عَلَى مَا عَلَيْهِ الْفَتْوَى قَالَهُ شَيْخُنَا (فَاحْتَرَقَ شَيْءٌ مِنْ أَرْضِ غَيْرِهِ لَمْ يَضْمَنْ): لِأَنَّهُ تَسَبُّبٌ لَا مُبَاشَرَةٌ (إِنْ لَمْ تَضْطَرِبْ الرِّيَاحُ) فَلَوْ كَانَتْ مُضْطَرِبَةً

اور کٹی ہوئی فصل کے پھینکنے کے لیے تیار کی گئی ہو۔ میں کہتا ہوں: اس کا حاصل یہ ہے اگر اس زمین سے نفع حاصل کرنے کا اسے حق نہ ہو تو اس جگہ جسے وہ جلائے گا وہ نفس وضع سے اس کا ضامن ہوگا نہ کہ اس کا جسے ہوا وہاں منتقل کرے اسی پر فتویٰ ہے۔ ہمارے شیخ نے یہی کہا ہے۔ تو غیر کی زمین میں سے کوئی شے جل گئی تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ سبب بن رہا ہے مباشر نہیں ہے اگر ہوا مضطرب نہ ہو۔ اگر ہوا مضطرب ہو

30150۔(قولہ: وَحَاصِلُهُ) جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں یہ اس کا حاصل نہیں پس ان پر لازم تھا کہ اسے موخر کرتے۔''سائحانی''۔

30151۔(قولہ: بِنَفْسِ) یہ جار مجرور احرقتہ کے متعلق ہے۔

30152۔(قولہ: لَا مَا نَقَلَتْهُ الرِّيحُ) یعنی اس کے رکھنے کے بعد ہوا چلی جس طرح آنے والے قول سے معلوم ہو گا۔''ح''۔

30153۔(قولہ: عَلَى مَا عَلَيْهِ الْفَتْوَى) یعنی مذکورہ تفصیل پر فتویٰ ہے۔''الخانیہ'' میں کہا: یہ قول اظہر ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ اس کے مقابل وہ قول ہے جو''حلوانی'' نے کہا ہے: جب وہ راستہ میں انگارہ رکھے یا اپنی مملوکہ زمین میں آگ لے کر گزرے تو وہ ضامن نہیں ہوگا اور اس میں جواب کو مطلق ذکر کیا ہے۔

30154۔(قولہ: لِأَنَّهُ تَسَبُّبٌ) اس میں ضمانت لازم ہونے کی شرط تعدی ہے اور وہ نہیں پائی گئی پس وہ اس طرح ہو گیا جس طرح ایک آدمی نے اپنی ذاتی مملوکہ چیز میں گڑھا کھودا تو اس سے انسان تلف ہو گیا۔ یہ صورت مختلف ہوگی جب وہ اپنی مملوکہ زمین میں تیر چلائے تو وہ تیر کسی انسان کو لگے تو وہ ضامن ہوگا کیونکہ وہ مباشر ہے پس اس میں تعدی شرط نہیں۔''زیلعی''۔

30155۔(قولہ: إِنْ لَمْ تَضْطَرِبْ الرِّيَاحُ) یعنی اس کی صورت یہ ہے کہ رکھنے کے وقت ہوا پر سکون تھی،''ح''۔ ''جامع الفصولین'' میں''ذخیرہ'' سے یہ نقل کیا ہے: اگر وہ ایسی آگ جلائے جس کی مثل آگ جلائی جاتی ہے۔ دوسری کتب سے نقل کیا ہے کہ وہ مطلقاً ضامن نہیں ہوگا۔

پھر فتاویٰ''ابولیث'' سے نقل کیا ہے: ایک آدمی نے اپنی زمین میں کانٹے یا تنکے جلائے ہوا اس کے انگارے اس کے پڑوسی کی زمین کی طرف لے گئی اور اس کی کھیتی کو جلا دیا اگر پڑوسی کی زمین اس طرح دور ہو جہاں تک عموماً انگارہ نہیں پہنچتا تو وہ ضامن نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ آگ کے فعل سے واقع ہوا ہے اور یہ ہدر ہے۔ اگر اس کی زمین سے اس قدر قریب ہو جہاں تک عموماً شرارہ پہنچ جاتا ہے تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ سلامتی کی شرط کے ساتھ اپنی ذاتی ملک میں آگ جلانے کا اسے حق حاصل ہے۔ اسی کی مثل''غایۃ البیان'' میں ہے۔ کہا: یہ حکم اسی طرح ہے جب وہ اپنی زمین کو سیراب کرے تو پانی اس کے پڑوسی کی

ضَمِنَ: لِأَنَّهُ يَعْلَمُ أَنَّهَا لَا تَسْتَقِرُّ فِي أَرْضِهِ فَيَكُونُ مُبَاشِرًا (وَكَذَا كُلُّ مَوْضِعٍ كَانَ لِلْوَاضِعِ حَقُّ الْوَضْعِ فِيهِ) أَيْ فِي ذَلِكَ الْمَوْضِعِ (لَا يَضْمَنُ عَلَى كُلِّ حَالٍ إِذَا تَلِفَ بِذَلِكَ الْمَوْضُوعِ شَيْءٌ) سَوَاءٌ تَلِفَ بِهِ وَهُوَ فِي مَكَانِهِ أَوْ بَعْدَ مَا زَالَ عَنْهُ (بِخِلَافِ مَا إِذَا لَمْ يَكُنْ لِلْوَاضِعِ فِيهِ حَقُّ الْوَضْعِ) حَيْثُ يَضْمَنُ الْوَاضِعُ إِذَا تَلِفَ بِهِ شَيْءٌ وَهُوَ فِي مَكَانِهِ، وَكَذَا بَعْدَ مَا زَالَ، لَا بِمُزِيلٍ كَوَضْعِ جَرَّةٍ فِي الطَّرِيقِ ثُمَّ آخَرَ أُخْرَى فَتَدَحْرَجَتَا فَانْكَسَرَتَا ضَمِنَ كُلٌّ جَرَّةَ صَاحِبِهِ، وَإِنْ زَالَ بِمُزِيلٍ كَرِيحٍ وَسَيْلٍ لَا يَضْمَنُ الْوَاضِعُ، هَذَا هُوَ الْأَصْلُ فِي هَذِهِ الْمَسَائِلِ كَمَا حَقَّقَهُ فِي الْخَانِيَّةِ ثُمَّ فَرَّعَ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ (فَلَوْ وَضَعَ جَمْرَةً فِي الطَّرِيقِ فَاحْتَرَقَ بِذَلِكَ شَيْءٌ ضَمِنَ لِتَعَدِّيهِ بِالْوَضْعِ

تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ آگ اس کی زمین میں نہیں رہے گی پس وہ مباشر ہوگا۔ اسی طرح کا حکم ہوگا ہر اس موضع کا جس میں واضع کو اس جگہ میں چیز رکھنے کا حق ہوگا۔ اس رکھی گئی چیز کی وجہ سے کوئی شے تلف ہو جائے تو وہ کسی حال میں ضامن نہیں ہوگا خواہ اس سے وہ شے تلف ہو جائے جب کہ وہ اسی جگہ ہو یا اس کے زائل ہونے کے بعد وہ شے تلف ہو۔ جب واضع کو اس میں کوئی شے رکھنے کا حق نہ ہو تو معاملہ مختلف ہوگا۔ کیونکہ واضع ضامن نہ ہوگا جب اس سے کوئی شے تلف ہو جائے جب کہ وہ اسی جگہ ہو۔ اسی طرح اس کے زائل ہونے کے بعد تلف ہو جائے نہ کہ زائل کرنے والے سے تلف ہو جیسے ایک آدمی نے راستہ میں ایک گھڑا رکھا پھر دوسرے نے دوسرا گھڑا رکھا دونوں لڑھک پڑے پس دونوں ٹوٹ گئے تو ہر مٹکے کا اس کا مالک ضامن ہوگا اگر زائل کرنے والا زائل ہو جائے جیسے ہوا اور سیلاب تو واضع ضامن نہیں ہوگا۔ ان مسائل میں یہی اصل ہے جس طرح ''خانیہ'' میں اس کو ثابت کیا ہے۔ پھر اپنے اس قول کے ساتھ اس پر تفریع کا ذکر کیا ہے: اگر آدمی نے راستہ میں انگارہ رکھا تو اس سے کوئی شے جل گئی تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ رکھنے کے ساتھ وہ تعدی کرنے والا ہے۔

زمین کی طرف چلا جائے۔

30156۔ (قولہ: ضَمِنَ) وہ بطور استحسان ضامن ہوگا۔ طوری نے ''خانیہ'' سے نقل کیا ہے۔

30157۔ (قولہ: لِأَنَّهُ يَعْلَمُ الخ) اس سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے اگر ہوا ہلکی سی حرکت میں ہو کہ اس کا ضرر تجاوز نہ کرتا ہو پھر وہ بڑھ جائے تو وہ ضامن نہیں ہوگا پس اس کی وضاحت کی جانی چاہیے۔

30158۔ (قولہ: عَلَى كُلِّ حَالٍ) شارح نے اس کی تفسیر بعد میں اس قول کے ساتھ کی ہے: سواء تلف الخ۔

30159۔ (قولہ: ثُمَّ آخَرَ) یعنی ثم وضع آخر پس معطوف محذوف ہے۔ وہ وضع ہے۔ ''حلبی'' نے کہا: یہ وضع کے محذوف فاعل پر عطف ہے جیسے وضع شخص جرۃ فی الطریق ثم وضع آخر اخری۔ فلیتامل۔ ''ط''۔

30160۔ (قولہ: فَتَدَحْرَجَتَا) اگر دونوں گھڑوں میں سے ایک دوسرے پر لڑھک پڑا اور لڑھکنے والا ٹوٹ گیا تو جس کا گڑھا ٹھہرا رہا وہ ضامن ہوگا۔ اسی طرح دو جانور ہیں جن دونوں کو ٹھہرایا گیا اگر ٹھہرنے والا ہلاک ہو گیا تو کوئی ضمانت

(وَ كَذَا) يَضْمَنُ (فِیْ كُلِّ مَوْضِعٍ لَيْسَ لَهُ فِيْهِ حَقُّ الْمُرُوْرِ اِلَّا اِذَا هَبَّتْ بِهِ) اَیْ بِالْمَوْضِعِ (اَلرِّيْحُ فَلَا ضَمَانَ لِنَسْخِهَا فِعْلَهُ وَ كَذَا لَوْ دَحْرَجَ السَّيْلُ الْحَجَرَ وَ بِهِ يُفْتٰى) خَانِيَّةٌ- وَلَوْ اَخْرَجَ الْحَدَّادُ الْحَدِيْدَ مِنَ الْكِيْرِ فِیْ دُكَّانِهِ ثُمَّ ضَرَبَهُ بِمِطْرَقَةٍ فَخَرَجَ الشَّرَارُ اِلَى الطَّرِيْقِ وَاَحْرَقَ شَيْئًا ضَمِنَ وَلَوْ لَمْ يَضْرِبْهِ وَاَخْرَجَهُ الرِّيْحُ لَا- زَيْلَعِی (سَقٰى اَرْضَهُ سَقْيًا لَا تَحْتَمِلُهُ فَتَعَدّٰى) الْمَاءُ (اِلٰى اَرْضِ جَارِهٖ) فَاَفْسَدَهَا (ضَمِنَ)؛ لِاَنَّهُ مُبَاشِرٌ

اسی طرح ہر وہ ایسی جگہ میں ضامن ہوگا جس میں اسے گزرنے کا حق نہیں ہوگا مگر جب اسے اس جگہ ہوا لے جائے پس کوئی ضمانت نہیں ہوگی۔ کیونکہ ہوا نے اس کے فعل کو منسوخ کر دیا ہے۔ اسی طرح کا حکم ہوگا اگر سیلاب نے ایک پتھر لڑھکا یا اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ''خانیہ''۔ ایک لوہار نے لوہے کو اپنی دکان میں بھٹی سے نکالا پھر اس پر ہتھوڑا مارا تو ایک چنگاری راستہ کی طرف نکلی اور کسی شے کو جلا دیا تو وہ ضامن ہوگا۔ اگر وہ اس پر کوئی ضرب نہ لگائے اور ہوا اسے نکال دے تو ضامن نہیں ہوگا، ''زیلعی''۔ ایک آدمی نے اپنی زمین اتنی سیراب کی جس کو وہ زمین برداشت نہ کر سکتی تھی تو پانی اس کے پڑوسی کی زمین کی طرف تجاوز کر گیا تو اسے خراب کر دیا تو وہ ضامن ہوگا۔ کیونکہ یہ آدمی مباشر ہے۔

نہیں کیونکہ پہلے کا فعل منسوخ ہو چکا ہے ''سائحانی'' نے ''قاضی خان'' سے نقل کیا ہے۔

30161۔ (قولہ: وَ كَذَا يَضْمَنُ فِیْ كُلِّ مَوْضِعٍ الخ) صاحب ''خانیہ'' نے اسے ذکر نہیں کیا بلکہ اس شے کے رکھنے اور نہ رکھنے کے حق کا اعتبار کیا ہے پس گزرنے کا حق ثابت ہو گیا اور رکھنے کا حق ثابت نہ ہوا جس طرح راستہ میں ہے۔ جس نے گزرنے کے حق ہونے اور حق نہ ہونے کا اعتبار کیا ہے وہ صاحب ''الخلاصہ'' ہے اور یہ ذکر کیا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔

''المنح'' میں کہا: ''خلاصہ'' میں اس میں فرق کیا ہے کہ اگر اس سے کوئی انگارہ کسی جگہ گر پڑے جس میں اسے گزرنے کا حق نہ ہو اگر اس سے گرے تو وہ ضامن ہوگا اور اگر ہوا اسے لے جائے تو ضامن نہیں ہوگا۔ کہا: یہ زیادہ ظاہر ہے اسی پر فتویٰ ہے۔ غالب کتب اس پر ہیں جو ''قاضی خان'' نے ذکر کیا ہے۔ ''ط''۔

30162۔ (قولہ: مِنَ الْكِيْرِ) یہ کسرہ کے ساتھ ہے بھٹی جس میں لوہے کو گرم کیا جاتا ہے۔ جہاں تک اس چیز کا تعلق ہے جو مٹی سے بنائی جاتی ہے تو اسے کور کہتے ہیں اس کی جمع اکیار آتی ہے کیرۃ جیسے عنبۃ ہے اور کیران ہے ''قاموس''۔ مناسب کور ہے کیونکہ اسی سے لوہا نکالا جاتا ہے۔ ''ط''۔ لیکن حدیث طیبہ میں آیا ہے: المدينة كالكير تنفي خبثها (1)۔ مدینہ طیبہ بھٹی کی طرح ہے جو اس کے خبث کو دور کر دیتا ہے۔ شاید یہ مشترک ہو۔ تامل۔ ''اتقانی'' نے اسے کور سے تعبیر کیا ہے۔

30163۔ (قولہ: وَاَحْرَقَ شَيْئًا ضَمِنَ) اگر وہ کسی آدمی کی آنکھ کو پھوڑ دے تو اس کی دیت اس کی عاقلہ پر ہوگی۔

30164۔ (قولہ: لَا تَحْتَمِلُهُ) یعنی اس پانی کو باقی رکھنے کا احتمال نہیں رکھتی تھی۔ اس کی صورت یہ ہے وہ زمین اونچی ہو اور اس کے پڑوسی کی زمین پست ہو وہ جانتا ہے کہ اگر اس نے اپنی زمین کو سیراب کیا تو وہ اس کے پڑوسی کی جانب پانی نکل

1۔ سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب ماجاء فی فضل المدینۃ، جلد 2، صفحہ 912، حدیث نمبر 3885

لَا مُتَسَبِّبٌ (أَقْعَدَ خَيَّاطٌ أَوْ صَبَّاغٌ فِي حَانُوتِهِ مَنْ يَطْرَحُ عَلَيْهِ الْعَمَلَ بِالنِّصْفِ) سَوَاءٌ اتَّحَدَ الْعَمَلُ أَوْ اخْتَلَفَ كَخَيَّاطٍ مَعَ قَصَّارٍ (صَحَّ) اسْتِحْسَانًا لِأَنَّهُ شَرِكَةُ الصَّنَائِعِ، فَهَذَا بِوَجَاهَتِهِ يُقْبَلُ وَهَذَا بِحَذَاقَتِهِ يُعْمَلُ

متسبب نہیں۔ درزی یا رنگریز نے ایک ایسے آدمی کو اپنی دکان پر بٹھایا جو اس کو کام لے کر دے مزدوری نصف نصف ہوگی خواہ عمل متحد ہو یا مختلف ہو جیسے درزی دھوبی کے ساتھ یہ عمل کرے۔ تو یہ بطور استحسان صحیح ہوگا۔ کیونکہ یہ شرکت صنائع ہے۔ یہ اپنی وجاہت کی وجہ سے کام لے گا اور یہ اپنی مہارت کے ساتھ کام کرے گا

جائے گا تو وہ ضامن ہوگا۔ اگر وہ پانی اس کی اپنی زمین میں ٹھہرتا ہو پھر اس کے پڑوسی کی زمین کی طرف تجاوز کرتا ہو اگر اسے مضبوط کرنے کے بارے میں بات گزر چکی ہو اور اس نے اس طرح نہ کیا ہو تو وہ ضامن ہوگا۔ اور یہ اسی طرح ہوگا جس طرح وہ دیوار پر گواہ بنائے اگر پہلے اس بارے میں بات نہ ہوئی تو ضامن نہ ہوگا جس طرح ''جامع الفصولین'' میں ہے۔ ''شرنبلالیہ''۔

میں کہتا ہوں: ''نور العین'' میں ''الخانیہ'' سے ان کے قول ضمن نقل کرنے کے بعد یہ زائد ذکر کیا ہے۔ اس کی نص یہ ہے: اسے پانی روکنے والا بند بنانے کا حکم دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ مانع ہو جائے اور مسناۃ بنانے سے پہلے اسے سیراب کرنے سے منع کیا جائے گا۔

پہلی فصل میں اسے سیراب کرنے سے نہیں روکا جائے گا۔ پہلی فصل سے مراد پہلے باخبر نہ کرنے کی صورت ہے۔ اس زیادتی کے ساتھ ''طحطاوی'' کے اعتراض کا جواب حاصل ہو گیا ہے کہ یہ لازم کرتا ہے اوپر والی زمین کے نفع اٹھانے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ فافہم۔ عام کتب میں پانی کے بارے میں کی گئی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے: جب وہ غیر معتاد انداز میں سیراب کرے تو ضامن ہوگا۔ اگر معتاد طریقہ سے سیراب کرے تو ضامن نہیں ہوگا۔

30165۔ (قولہ: صَحَّ) کیونکہ شرکت صنائع میں دونوں میں سے ہر ایک عمل کو قبول کرتا ہے اس شرط پر کہ جس عمل کو وہ قبول کرتا ہے وہ اس میں اپنی ذات کے اعتبار سے اصل ہوتا ہے اور اپنے شریک کی جانب سے وکیل ہوتا ہے۔ پس نفع دونوں کے درمیان ہوتا ہے۔ یہاں معاملہ اسی طرح ہے بے شک دکان کا مالک اس پر جو کام لازم کرتا ہے صانع اسے اپنی جانب سے اصالۃً اور دکان کے مالک کی جانب سے وکالۃً عمل کرتا ہے پس اجر دونوں میں اسی طرح ہوگا۔ ''رحمتی''۔

30166۔ (قولہ: اسْتِحْسَانًا) قیاس یہ ہے کہ وہ صحیح نہ ہو۔ امام ''طحاوی'' نے اسے ہی اپنایا ہے۔ کیونکہ یہ اس کے نصف کے بدلے میں اجرت پر لینا ہے جو اس کے عمل سے پیدا ہوتا ہے جب کہ وہ مجہول ہے جس طرح طحان کا قفیز ہے۔

30167۔ (قولہ: لِأَنَّهُ شَرِكَةُ الصَّنَائِعِ) اس میں صاحب ''ہدایہ'' پر چوٹ ہے۔ کیونکہ انہوں نے اسے شرکت وجوہ قرار دیا ہے۔

''زیلعی'' نے اس کا رد کیا ہے۔ کیونکہ شرکت وجوہ یہ ہوتی ہے کہ وہ دونوں اس میں شریک ہوں کہ وہ اپنی وجاہت کی بنا پر خریدیں اور بیچیں جب کہ اس میں بیع و شرا نہیں۔ ''عزمیہ'' میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ انہوں نے اس کے ساتھ مصطدع

(كَاسْتِئْجَارِ جَمَلٍ لِيَحْمِلَ عَلَيْهِ مَحْمَلًا وَرَاكِبَيْنِ إِلَى مَكَّةَ وَلَهُ الْمَحْمَلُ الْمُعْتَادُ وَرُؤْيَتُهُ أَحَبُّ) وَكَذَا إِذَا لَمْ يَرَ الطَّرَّاحَةَ وَاللِّحَافَ وَفِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ وَلَوْ تَكَارَى إِلَى مَكَّةَ إِبِلًا مُسَمَّاةً بِغَيْرِ أَعْيَانِهَا جَازَ وَيَحْمِلُ الْمَعْقُودُ عَلَيْهِ حَمْلًا فِي ذِمَّةِ الْمُكَارِي وَالْإِبِلُ آلَةٌ وَجَهَالَتُهَا لَا تُفْسِدُ قُلْتُ فَمَا يَفْعَلُهُ الْحُجَّاجُ مِنَ الْإِجَارَةِ لِلْحَمْلِ أَوِ الرُّكُوبِ إِلَى مَكَّةَ بِلَا تَعْيِينِ الْإِبِلِ صَحِيحٌ، وَاللّٰهُ تَعَالَى أَعْلَمُ

جس طرح ایک آدمی اونٹ اجرت پر لیتا ہے تا کہ مکہ مکرمہ تک اس پر محمل اور دو سوار لے جائے اسے معتاد محمل ڈالنے کا حق ہو گا اور اس کا دیکھ لینا زیادہ محبوب ہے اس طرح کا حکم ہوگا جب وہ بچھونا اور لحاف نہ دیکھے۔''ولوالجیہ'' میں ہے: اگر اس نے مکہ مکرمہ تک کچھ اونٹ کرایہ پر لیے جو معین نہیں تو یہ جائز ہوگا اور معقود علیہ بوجھ مکاری کے ذمہ میں ہوگا اونٹ آلہ ہیں۔اور ان کی جہالت اجارہ کو فاسد نہیں کرتی۔ میں کہتا ہوں: حجاج جو مکہ مکرمہ تک جانے کے لیے بوجھ اور سواری کے لیے اجارہ کرتے ہیں جب کہ اونٹ کی تعیین نہیں کرتے یہ صحیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

علیھا کا ارادہ نہیں کیا بلکہ اس کا ارادہ کیا ہے جس میں وجاہت کے ساتھ عمل کا قبول کرنا واقع ہوتا ہے۔اس طرح ان کا یہ قول تیری رہنمائی کرتا ہے: ھذا بوجاھتہ یقبل و ھذا بحذاقتہ یعمل اور اس میں بہت ہی بعد ہے۔

30168۔(قولہ: كَاسْتِئْجَارِ جَمَلٍ) اس امر میں شبیہ کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ ہر ایک قیاس کے خلاف صحیح ہے۔

30169۔(قولہ: مَحْمَلًا) یہ لفظ پہلی میم کے فتحہ اور دوسری میم کے کسرہ کے ساتھ ہے یا اس کے برعکس ہے۔مراد بڑا ہودج ہے جو حاجی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔''اتقانی'' نے ''المغرب'' سے نقل کیا ہے۔

30170۔(قولہ: وَلَهُ الْمَحْمَلُ الْمُعْتَادُ) یعنی جو ہر شہر میں استعمال ہوتا ہے،''جوہرہ'' میں کہا: دونوں سواروں کی تعیین ضروری ہے یا وہ یہ کہے: میں جسے چاہوں گا سوار کروں گا۔مگر جب اس نے کہا: میں نے اسے سواری کے لیے اجرت پر لیا ہے تو اجارہ فاسد ہوگا مکر (جانور کے مالک یا اس کے نمائندہ) پر لازم ہے کہ حزام (جانور کا تنگ) قتب (کجاوہ) زین اور برہ جو اونٹ کی ناک میں ہوتا ہے،گھوڑے کے لیے زین اور گدھے کے لیے بردعہ (عرق گیر) دے۔اگر مکتری کے قبضہ میں کوئی شے تلف ہو جائے تو وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا جیسے جانور۔اور مکری پر محمل رکھنا اسے اتارنا، جانور کو ہانکنا اس کی نکیل پکڑنا اور سواروں کو وضو اور فرض نماز کے لیے اتارنا لازم ہے۔کھانا کھانے اور نفل نماز پڑھنے کے لیے نیچے اتارنا واجب نہیں۔کیونکہ یہ دونوں عمل پشت پر کیے جا سکتے ہیں۔اور اس پر لازم ہے کہ وہ عورت، مریض اور کمزور بوڑھے کے لیے اونٹ بٹھائے۔

30171۔(قولہ: وَرُؤْيَتُهُ أَحَبُّ) تا کہ جہالت کی نفی ہو جائے اور امام ''احمد'' کے اختلاف سے نکلا جائے۔

30172۔(قولہ: وَفِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ) اس کی عبارت یہ ہے: جب ایک آدمی نے کوفہ سے مکہ مکرمہ تک غیر معین چند اونٹ کرایہ پر لیے تو اجارہ جائز ہوگا چاہیے کہ اجارہ جائز نہ ہو۔کیونکہ اس وقت معقود علیہ مجہول ہے جس طرح ایک آدمی غیر معین اجرت پر لے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔

(اسْتَأْجَرَ جَمَلًا لِحَمْلِ مِقْدَارٍ مِنَ الزَّادِ فَأَكَلَ مِنْهُ رَدَّ عِوَضَهُ) مِنْ زَادٍ وَنَحْوِهِ (قَالَ لِغَاصِبِ دَارِهِ فَرِّغْهَا وَإِلَّا فَأَجْرَتُهَا كُلُّ شَهْرٍ بِكَذَا فَلَمْ يُفَرِّغْ وَجَبَ) عَلَى الْغَاصِبِ (الْمُسَمّٰى)؛ لِأَنَّ سُكُوتَهُ رِضًا (إِلَّا إِذَا أَنْكَرَ الْغَاصِبُ مِلْكَهُ وَإِنْ أَثْبَتَهُ بِبَيِّنَةٍ)؛ لِأَنَّهُ إِذَا أَنْكَرَهُ لَمْ يَكُنْ رَاضِيًا بِالْإِجَارَةِ (أَوْ أَقَرَّ) عَطْفٌ عَلَى أَنْكَرَ (بِهِ) أَيْ بِمِلْكِهِ (وَلٰكِنْ لَمْ يَرْضَ بِالْأُجْرَةِ)؛ لِأَنَّهُ صَرَّحَ بِعَدَمِ الرِّضَا. فِي الْأَشْبَاهِ السُّكُوتُ فِي الْإِجَارَةِ رِضًا وَقَبُولٌ،

ایک آدمی نے اونٹ کرایہ پر لیا تا کہ زادراہ میں سے معین مقدار اس پر لادے اس سے کچھ زاد کھالیا تو زادراہ وغیرہ میں سے اس کا عوض لوٹا سکتا ہے۔ ایک آدمی نے اس کے گھر کے غاصب سے کہا: اس گھر کو فارغ کر دو ورنہ ہر ماہ اس کی اتنی اجرت ہو گی اس غاصب نے گھر کو خالی نہ کیا تو غاصب پر وہ معین مقدار واجب ہو جائے گی۔ کیونکہ غاصب کا خاموش رہنا یہ رضا ہے۔ مگر جب غاصب اس کی ملک کا انکار کر دے اگر چہ مالک گواہوں سے اپنی ملکیت ثابت کر دے۔ کیونکہ جب اس نے انکار کیا تو وہ اجارہ پر راضی نہیں تھا یا اس نے مالک کی ملکیت کا اقرار کیا۔ اقر فعل انکر پر معطوف ہے۔ لیکن وہ اجرت پر راضی نہ ہوا کیونکہ اس نے راضی نہ ہونے کی تصریح کر دی۔ ''الاشباہ'' میں ہے: اجارہ میں خاموشی رضا اور قبول ہے۔

''خواہر زادہ'' نے ''شرح الکافی'' میں کہا: مسئلہ کی صورت یہ نہیں کہ وہ غیر معین اونٹ اجرت پر دے لیکن اس کی صورت یہ ہے کہ مکاری حمولہ کو قبول کرے جیسے مکتری کہتا ہے: مجھے مکہ مکرمہ تک اونٹ پر اتنے کے بدلے میں لے جاؤ مکاری کہے: میں نے یہ قبول کر لیا تو معقود علیہ حمل ہو گا جو مکاری کے ذمہ ہے جب کہ وہ معلوم ہے اور اونٹ مکاری کا آلہ ہے تا کہ اس کے ذمہ جو واجب ہے وہ اس کو ادا کرے اور آلہ کی جہالت اجارہ کے فاسد ہونے کو واجب نہیں کرتی۔

''صدر الشہید'' نے کہا: جس طرح ''کتاب'' میں ذکر کیا گیا ہے میرے نزدیک یہ جائز ہے۔ ''کتاب'' سے مراد امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کی ''الاصل'' ہے وہ پہلے مذکور ہے۔ ''تاتر خانیہ'' میں اس سے نقل کیا ہے۔ ''بزازیہ'' میں ہے: عرف کی وجہ سے جواز کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اگر وہ معتاد نہ ہو تو یہ جائز نہیں۔ پس شارح کا قول ویجعل المعقود علیہ الخ یہ ''خواہر زادہ'' کی تفسیر ہے۔ تو یہ جان چکا ہے کہ مفتی بہ اس کے برعکس ہو گا اگر متعارف ہو۔

30173۔ (قولہ: وَنَحْوِهِ) ''اتقانی'' نے کہا: اس طرح زادراہ کے علاوہ کیلی اور وزنی چیز کا معاملہ ہے جب اس میں کمی واقع ہو تو اسے حق حاصل ہے کہ اس کے عوض میں زائد کر لے۔

30174۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا أَنْكَرَ الخ) یعنی مسمی واجب نہیں ہو گا تو کیا اجرت مثلی واجب ہو گی؟ کتاب الغصب میں عنقریب یہ آئے گا کہ وقف، یتیم کے مال اور منافع کے حصول کے لیے جسے تیار کیا گیا ہو اس میں اجرت مثلی واجب ہو گی۔ تجھے یہ کہنے کا حق حاصل ہے: جب وہ اس چیز میں ملک کا انکار کر دے جسے منافع کے لیے تیار کیا گیا ہو تو وہ ظاہراً غاصب نہیں ہو گا۔ ''سائحانی''۔ یعنی اس پر اجرت لازم نہ ہو گی۔ کیونکہ عنقریب یہ آئے گا اگر وہ ایسی جگہ سکونت پذیر رہا جو منافع کے حصول

فَلَوْ قَالَ لِلسَّاكِنِ اُسْكُنْ بِكَذَا وَإِلَّا فَانْتَقِلْ أَوْ قَالَ الرَّاعِي لَا أَرْضَى بِالْمُسَمّٰى، بَلْ بِكَذَا فَسَكَتَ لَزِمَ مَا سَمّٰى بَقِيَ لَوْ سَكَتَ ثُمَّ لَمَّا طَالَبَهُ قَالَ لَمْ أَسْمَعْ كَلَامَكَ هَلْ يُصَدَّقُ إِنْ بِهِ صَمَمٌ؟ نَعَمْ وَإِلَّا لَا عَمَلًا بِالظَّاهِرِ (لِلْمُسْتَأْجِرِ أَنْ يُؤَجِّرَ الْمُؤَجَّرَ) بَعْدَ قَبْضِهِ قِيلَ وَقَبْلَهُ (مِنْ غَيْرِ مُؤَجِّرِهِ، وَأَمَّا مِنْ مُؤَجِّرِهِ فَلَا) يَجُوزُ

اگر اس نے ساکن سے کہا: اتنے کے بدلے میں رہو یا منتقل ہو جاؤ یا راعی نے کہا: میں مسمی پر راضی نہیں بلکہ میں اتنے پر راضی ہوں تو وہ خاموش ہو گیا تو جو معین کیا تھا وہ لازم ہو جائے گا۔ یہ صورت باقی رہ گئی ہے اگر وہ خاموش رہا پھر جب اس نے اس کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا: میں نے تیری کلام نہیں سنی کیا اس کی تصدیق کی جائے گی اگر اس میں بہرہ پن ہو؟ ہاں ورنہ تصدیق نہیں کی جائے گی یہ ظاہر پر عمل کرنے کی بنا پر ہے۔ مستاجر کو حق حاصل ہے کہ موجر پر قبضہ کرنے کے بعد اس کے موجر کے علاوہ کو اجارہ پر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قبضہ سے پہلے وہ ایسا کر سکتا ہے۔ جہاں تک اس کے موجر کو اجارہ پر دینے کا تعلق ہے تو یہ جائز نہیں ہوگا

کے لیے تیار کی گئی تھی جب کہ وہ ملک کی تاویل کرتا ہے تو اس پر اجرت لازم نہ ہوگی د

30175۔ (قولہ: فَلَوْ قَالَ الخ) ''تاتر خانیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے سال بھر کے لیے ایک گھر ہزار کے بدلے میں کرائے پر لیا جب سال گزر گیا تو کہا: اگر تو نے آج خالی کر دیا تو ٹھیک ورنہ تیرے ذمہ ہر ماہ کے عوض ہزار ہے اور مستاجر اس کے لیے گھر کا اقرار کرتا ہے تو جتنے عرصہ میں سامان منتقل ہو سکتا ہے اتنے میں اجرت مثلی اور اس کے بعد جو مالک نے کہا ہے وہ لازم ہو جائے گا۔

30176۔ (قولہ: بَقِيَ لَوْ سَكَتَ الخ) یہ بیت المقدس 996ھ کا واقعہ ہے۔ مصنف نے اسکا جواب وہ دیا جو ذکر کیا ہے جس طرح باب ضمان الاجیر سے تھوڑا پہلے یہ قول کیا ہے۔ پھر کہا، علماء نے اسی طرح بہت سے مسائل میں حکم کی تصریح کی ہے۔

موجر وغیرہ کے لیے مستاجر کے اجارہ کا بیان

30177۔ (قولہ: لِلْمُسْتَأْجِرِ أَنْ يُؤَجِّرَ الْمُؤَجَّرَ الخ) جسے اجرت پر لیا تھا اسے پہلی اجرت کی مثل یا اس سے کم اجرت پر دے۔ اگر زیادہ اجرت پر دے تو زائد کو صدقہ کر دے مگر دو مسئلوں میں ایسا نہیں کر سکتا۔ جس طرح باب ما یجوز من الاجارۃ کے شروع میں گزر چکا ہے۔

30178۔ (قولہ: قِيلَ وَقَبْلَهُ) یعنی اجارہ میں اختلاف اسی طرح ہے جس طرح بیع میں اختلاف ہے۔ شیخین کے نزدیک جائز ہے اور امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اجارہ میں اختلاف نہیں۔ یہ غیر منقول میں ہے۔ اگر منقول ہو تو قبضہ سے پہلے جائز نہیں۔ ''تاتر خانیہ'' میں اسی طرح ہے۔

30179۔ (قولہ: مِنْ غَيْرِ مُؤَجِّرِهِ) خواہ اس کا موجر مالک ہو یا مالک سے مستاجر ہو جس طرح آنے والی تعلیل اس امر کا فائدہ دیتی ہے۔ کیونکہ مالک سے مستاجر منفعت کا مالک ہوتا ہے۔ اور ''المنح'' میں ''الخلاصہ'' سے مروی ہے کہ دوسرا مستاجر

وَإِنْ تَخَلَّلَ ثَالِثٌ بِهِ يُفْتَى لِلُزُومِ تَمْلِيكِ الْمَالِكِ، وَهَلْ تَبْطُلُ الْأُولَى بِالْإِجَارَةِ لِلْمَالِكِ؟ الصَّحِيحُ لَا وَهْبَانِيَّةٌ قُلْتُ وَصَحَّحَهُ قَاضِي خَانْ وَغَيْرُهُ وَفِي الْمُضْمَرَاتِ وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى، وَقَدَّمْنَا عَنِ الْبَحْرِ مَعْزِيًّا لِلْجَوْهَرَةِ الْأَصَحُّ نَعَمْ، وَأَقَرَّهُ الْمُصَنِّفُ ثَمَّةَ، وَنَقَلَ هُنَا عَنِ الْخُلَاصَةِ

اگر چہ درمیان میں کوئی تیسرا شخص حائل ہو۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ مالک کو مالک بنانا لازم آتا ہے۔ کیا مالک کو اجارہ پر دینے سے پہلے اجارہ باطل ہو جاتا ہے؟ صحیح قول یہ ہے کہ نہیں ''وہبانیہ''۔ میں کہتا ہوں: ''قاضی خان'' وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے ''مضمرات'' میں ہے: اسی پر فتویٰ ہے۔ ہم نے پہلے ''البحر'' سے نقل کیا ہے جو ''جوہرہ'' کی طرف منسوب ہے۔ اصح یہ ہے: ہاں (باطل ہے)۔ مصنف نے اسے وہاں ثابت رکھا ہے۔ یہاں ''الخلاصہ'' سے منقول ہے

پہلے مستاجر کو اجارہ پر دے تو یہ صحیح ہوگا۔ میں نے ''الخلاصہ'' کی طرف رجوع کیا تو اس زیادتی کو نہ پایا۔ میں نے ''المنح'' کے حاشیہ میں بعض فضلاء کی تحریریں دیکھیں انہوں نے لکھا میں نے ''الخلاصہ'' کے کئی نسخوں کی طرف رجوع کیا تو اسے نہ پایا۔ فتنبہ

30180۔ (قولہ: وَإِنْ تَخَلَّلَ ثَالِثٌ) اس کی صورت یہ ہے کہ مستاجر سے ایک شخص نے اسے اجرت پر لیا تو اس مستاجر نے اسے موجر اول کو اجارہ پر دے دیا۔

30181۔ (قولہ: بِهِ يُفْتَى) یہی صحیح ہے یہی عام مشائخ نے کہا ہے۔ ''ابن الشحنہ''۔

30182۔ (قولہ: لِلُزُومِ تَمْلِيكِ الْمَالِكِ) کیونکہ منفعت کے حق میں مستاجر موجر کے قائم مقام ہے۔ پس مالک کو مالک بنانا لازم آتا ہے۔ ''منح''۔ ''تاتر خانیہ'' میں ہے: جسے اجرت پر دینے کے لیے وکیل بنایا گیا تھا اس نے مستاجر سے کوئی چیز اجرت پر لی تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ آجر اور مستاجر ہو جائے گا قاضی ''بدیع الدین'' نے کہا: میں یہ فتویٰ دیا کرتا تھا پھر میں نے رجوع کر لیا اور جواز کا فتویٰ دیا۔

میں کہتا ہوں: اس سے وقف کے متولی کا حکم ظاہر ہو جاتا ہے اگر وقف اس سے اجرت پر لیا جس کو وہ اجارہ پر دیا تھا ایک فاضل نے اس کی طرف توجہ کی اور کہا، میں نے اسے نہیں دیکھا۔ تامل

30183۔ (قولہ: الصَّحِيحُ لَا) بلکہ ''تاتر خانیہ'' میں ''شمس الائمہ'' سے مروی ہے کہ فسخ ہونے کا قول غلط ہے۔ کیونکہ دوسرا اجارہ فاسد ہے اور پہلا اجارہ صحیح ہے یعنی فاسد صحیح کو ختم نہیں کر سکتا۔

30184۔ (قولہ: قَدَّمْنَا) یعنی باب مایجوز من الاجارۃ، میں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

30185۔ (قولہ: عَنِ الْخُلَاصَةِ) اس کی نص یہ ہے: جو ''النوازل'' میں مذکور ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ آجر نے مستاجر سے مستاجر کو قبضہ میں لے لیا اس کے بعد کہ اس نے اسے اجرت پر لیا تھا۔ کیونکہ اگر وہ اجارہ کے بغیر اسے قبضہ میں لے تو مستاجر سے اجرت ساقط ہو جائے گی یہ اولیٰ ہے۔ ''المحیط'' میں کہا: اگر وہ اس سے قبضہ میں نہ لے تو پہلے مستاجر پر اجرت ہوگی۔

میں کہتا ہوں: اس میں اعتراض کی گنجائش ہے۔ کیونکہ کلام پہلے اجارہ کے منسوخ ہونے اور منسوخ نہ ہونے کے بارے میں ہے اور اجرت کا ساقط نہ ہونا یہ اجارہ کے منسوخ ہونے کو مستلزم نہیں جس طرح یہ امر مخفی نہیں۔ ''تاتر خانیہ'' میں جو ''العتابیہ''

مَا يُفِيدُ أَنَّهُ إِنْ قَبَضَهُ مِنْهُ بَعْدَ مَا اسْتَأْجَرَهُ بِطَلَبٍ وَإِلَّا لَا فَلْيَكُنِ التَّوْفِيقُ فَتَأَمَّلْ؛ وَهَلْ تَسْقُطُ الْأُجْرَةُ مَا دَامَ فِي يَدِ الْمُؤَجِّرِ؟ خِلَافٌ مَبْسُوطٌ فِي شَرْحِ الْوَهْبَانِيَّةِ (وَكَّلَهُ بِاسْتِئْجَارِ عَقَارٍ فَفَعَلَ) الْوَكِيلُ (وَقَبَضَ وَلَمْ يُسَلِّمْهَا) أَيْ لَمْ يُسَلِّمِ الْوَكِيلُ الْعَيْنَ الْمُؤَجَّرَةَ (إِلَيْهِ) أَيْ إِلَى الْمُوَكِّلِ (حَتَّى مَضَتِ الْمُدَّةُ) فَالْأَجْرُ عَلَى الْوَكِيلِ؛ لِأَنَّهُ أَصِيلٌ فِي الْحُقُوقِ وَ(رَجَعَ الْوَكِيلُ بِالْأُجْرَةِ عَلَى الْآمِرِ)

جو اس امر کا فائدہ دیتا ہے اگر اسے اس سے اجرت پر لینے کے بعد قبضہ میں لے لیا تو اجارہ باطل ہو جائے گا ورنہ باطل نہ ہو گا۔ پس تطبیق اس طرح ہوگی، فتامل۔ جب تک وہ موجر کے قبضہ میں ہو تو اجرت ساقط ہو جائے گی؟ اس میں اختلاف ہے جو ''شرح الوہبانیہ'' میں تفصیل سے موجود ہے۔ ایک آدمی نے جاندار کو اجرت پر لینے کے لیے وکیل بنایا تو وکیل نے اسی طرح کر دیا اور اس پر قبضہ کیا اور اسے موکل کے سپرد نہ کیا اگر اس وکیل نے عین موجر کو سپرد نہ کیا یہاں تک مدت گزر گئی تو اجرت وکیل کے ذمہ ہوگی۔ کیونکہ وہ حقوق میں اصیل ہے اور وکیل اجرت کا آمر سے مطالبہ کرے گا۔

سے منقول ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے اگر گھر کے مالک نے اسے قبضہ میں لے لیا تو متاجر سے اجرت ساقط ہو جائے گی جب تک وہ گھر اس کے قبضہ میں رہے گا اور متاجر کو حق حاصل ہے کہ وہ سپرد کرنے کا مطالبہ کرے۔ انہوں نے اجرت کے ساقط ہونے کی تصریح کی ہے۔ اور یہ تصریح کی ہے کہ اسے عین متاجر کے سپرد کرنے کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر وہ اجارہ منسوخ ہو جائے تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہوگا۔

30186۔ (قولہ: فَتَأَمَّلْ) تو یہ جان چکا ہے یہ تطبیق غیر ظاہر ہے پس انہوں نے جو قول کیا ہے وہ متعین ہے، ''ح''۔ جو ظاہر ہے وہ وہ ہے جو ''وہبانیہ'' میں ہے یہ علت کو پیش نظر رکھنے کی بنا پر ہے اور ''قاضی خان'' اور ''مضمرات'' کی تصحیح کی بنا پر ہے۔

30187۔ (قولہ: وَهَلْ تَسْقُطُ الْأُجْرَةُ الخ) میں کہتا ہوں: جو ''شرح الوہبانیہ'' میں ''ابو بکر بلخی'' سے مروی ہے وہ یہ ہے کہ متاجر سے اجرت ساقط نہیں ہوگی۔ ''بزازیہ'' میں ''ابولیث'' سے ''بلخی'' کے موافق نقل کیا ہے۔ ''المنتقی'' میں نون کے ساتھ ذکر کیا ہے: صحیح یہ ہے اجارہ اور اعارہ۔ یہ فسخ نہیں ہوں گے۔ لیکن متاجر پر اجرت واجب نہیں ہوگی جب تک وہ آجر کے قبضہ میں ہے۔ ملخص

تو اس سے باخبر ہے کہ اس سے پہلے جو تطبیق ذکر کی ہے اس کا محل یہاں ہے جس طرح ہم پہلے اسے ثابت کر چکے ہیں یہ کہا جائے: ان قبضه من المستاجر سقط الاجر والا لا پس اس میں تدبر کیجئے۔

''منتقی'' کی عبارت نے یہ بیان کیا کہ صحیح قول کے مطابق اعادہ کا حکم اجارہ کی طرح ہے۔

فرع: ''فتاوی ابن نجیم'' میں ہے: جب پہلے موجر اور اس کے متاجر نے اقالہ کیا تو اقالہ صحیح ہوگا اور پہلا اور دوسرا اجارہ منسوخ ہو جائے گا۔

30188۔ (قولہ: وَرَجَعَ الْوَكِيلُ بِالْأُجْرَةِ عَلَى الْآمِرِ) خواہ وکیل نے آمر کو اس سے روکا ہو یا نہ روکا ہو، ''درر''۔

لِنِيَابَتِهِ عَنْهُ فِي الْقَبْضِ فَصَارَ قَابِضًا حُكْمًا (وَكَذَا) الْحُكْمُ (إِنْ شَرَطَ) الْوَكِيلُ (تَعْجِيلَ الْأَجْرِ وَقَبْضَ) الدَّارَ (وَمَضَتِ الْمُدَّةُ وَلَمْ يَطْلُبِ الْآمِرُ الدَّارَ مِنْهُ فَإِنَّهُ يَرْجِعُ أَيْضًا لِصَيْرُورَةِ الْآمِرِ قَابِضًا بِقَبْضِهِ مَا لَمْ يَظْهَرِ الْمَنْعُ (وَإِنْ طَلَبَ) الْآمِرُ الدَّارَ (وَأَبَى) الْوَكِيلُ (لِيُعَجِّلَ) الْأَجْرَ (لَا يَرْجِعُ: لِأَنَّهُ لَمَّا حَبَسَ الدَّارَ بِحَقٍّ لَمْ تَبْقَ يَدُهُ يَدَ نِيَابَةٍ فَلَمْ يَصِرِ الْمُوَكِّلُ قَابِضًا حُكْمًا فَلَا يَلْزَمُهُ الْأَجْرُ (يَسْتَحِقُّ الْقَاضِي الْأَجْرَ عَلَى كُتُبِ الْوَثَائِقِ) وَالْمَحَاضِرِ وَالسِّجِلَّاتِ (قَدْرَ مَا يَجُوزُ لِغَيْرِهِ كَالْمُفْتِي)

کیونکہ وہ قبضہ میں اس کا نائب ہے۔ پس وہ حکماً قابض ہے۔ یہی حکم ہوگا اگر وکیل نے اجرت جلدی دینے کی شرط لگائی اور گھر پر قبضہ رکھا اور مدت گزر گئی اور آمر نے اس سے گھر کا مطالبہ نہ کیا تو وہ موکل سے اجرت کا مطالبہ کرے گا۔ کیونکہ آمر وکیل کے قبضہ کرنے کے ساتھ قابض ہو جاتا ہے جب تک اس کی جانب منع کرنا ظاہر نہ ہو۔ اگر آمر نے گھر کا مطالبہ کیا اور وکیل نے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تا کہ موکل اسے پہلے اجرت دے تو وہ واپسی کا مطالبہ نہیں کرے گا۔ کیونکہ جب اس نے حق کے بدلہ میں گھر کو روک لیا تو اس کا قبضہ محاضرات اور سجلات لکھنے پر اجرت کا مستحق ہوگا اسی قدر جو دوسرے کے لیے اجرت جائز ہے جس طرح مفتی ہوتا ہے۔

''بزازیہ'' میں امام ''ابو یوسف'' رحلیٹھایہ کا رجوع نقل کیا ہے۔ پھر کہا: صحیح یہ ہے کہ وہ آمر سے مطالبہ نہیں کرے گا یہ استحسان ہے کیونکہ جس کے ساتھ وہ غاصب بن چکا ہے۔ اور غیر مالک سے غصب متصور ہے۔ اس کی مثل خلاصہ وغیرہا میں صاحب المحیط کے حوالہ سے منقول ہے۔

فرع: آجر نے وکیل کو اجرت ہبہ کر دی یا اسے بری کر دیا یہ صحیح ہوگا اور وکیل کو حق حاصل ہوگا کہ وہ آمر کی طرف رجوع کرے۔ ''خلاصہ''۔

مفتی اور قاضی کی دستاویز کی اجرت کا بیان

30189۔ (قولہ: يَسْتَحِقُّ الْقَاضِي الْأَجْرَ الخ) ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اجرت مدعی کے ذمہ لازم ہے کیونکہ اس کے حق کا احیا ہو رہا ہے اور اس کا نفع اسے حاصل ہو رہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مدعی علیہ کے ذمہ ہے۔ کیونکہ وہی انکار لیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو کاتب کو اجرت پر لیتا ہے اگرچہ اسے کسی نے حکم نہ دیا ہو۔ اور قاضی نے اسے حکم دیا ہو تو جو انکار لے گا اجرت اس کے ذمہ ہوگی۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے صکاک (وثیقہ نویس) کی اجرت اس کے ذمہ ہوگی جو صک وصول کرتا ہے۔ یہ ہمارے عرف میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عرف کا اعتبار ہوگا'' جامع الفصولین''۔ ''المنح'' میں ''زاہدی'' سے مروی ہے: یہ اس صورت میں ہے جب بیت المال میں کوئی شے نہ ہو۔ تامل

30190۔ (قولہ: قَدْرَ مَا يَجُوزُ لِغَيْرِهِ) ''جامع الفصولین'' میں ہے: قاضی کے لیے وہ لینا جائز ہے جو کسی اور کے لیے جائز ہے۔ اور یہ جو قول کیا گیا ہے ہر ہزار میں پانچ دراہم ہم اس کا قول نہیں کرتے اور نہ ہی یہ فقہ کے مناسب ہے ثمن کی

فَإِنَّهُ يَسْتَحِقُّ أَجْرَ الْمِثْلِ عَلَى كِتَابَةِ الْفَتْوَى؛ لِأَنَّ الْوَاجِبَ عَلَيْهِ الْجَوَابُ بِاللِّسَانِ دُونَ الْكِتَابَةِ بِالْبَنَانِ، وَمَعَ هَذَا الْكَفُّ أَوْلَى احْتِرَازًا عَنْ الْقِيلِ وَالْقَالِ وَصِيَانَةً لِمَاءِ الْوَجْهِ عَنْ الِابْتِذَالِ بَزَّازِيَّةٌ، وَتَمَامُهُ فِي قَضَاءِ الْوَهْبَانِيَّةِ وَفِي الصَّيْرَفِيَّةِ حَكَمَ وَطَلَبَ أُجْرَةً لِيَكْتُبَ شَهَادَتَهُ جَازَ، وَكَذَا الْمُفْتِي لَوْ فِي الْبَلْدَةِ غَيْرُهُ، وَقِيلَ مُطْلَقًا؛ لِأَنَّ كِتَابَتَهُ لَيْسَتْ بِوَاجِبَةٍ عَلَيْهِ وَفِيهَا اسْتَأْجَرَهُ لِيَكْتُبَ لَهُ تَعْوِيذًا لِأَجْلِ السِّحْرِ جَازَ إنْ بَيَّنَ قَدْرَ الْكَاغِدِ وَالْخَطِّ

کیونکہ وہ فتویٰ لکھنے پر اجرت مثلی کا مستحق ہوتا ہے۔ کیونکہ اس پر واجب زبان سے فتویٰ دینا ہے پوروں سے لکھ کر دینا نہیں اس کے باوجود اجرت لینے سے رک جانا یہ اولی ہے تا کہ قیل وقال سے بچا جائے اور اپنی وجاہت کی حفاظت کی جائے۔ ''بزازیہ''۔ اس کی مکمل وضاحت قضاء ''الوہبانیہ'' میں ہے۔ ''صیرفیہ'' میں ہے: اس نے فیصلہ کیا اور اجرت طلب کی تا کہ اس کی شہادت لکھے تو یہ جائز ہے۔ اسی طرح اگر مفتی کسی اور شہر میں ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مطلقاً ایسا کرسکتا ہے کیونکہ اس کی کتاب اس پر واجب نہیں۔ اس میں ہے: ایک آدمی نے دوسرے کو اجرت پر لیا تا کہ جادو کے توڑ کے لیے اس کے لیے تعویذ لکھے اگر کاغذ اور خط کی

زیادتی میں کاتب کو کیا مشقت لاحق ہوتی ہے؟ بے شک اس کی اجرت مثلی اس کی مشقت کی مقدار اور اس کی صنعت میں اس کے عمل کی مقدار کے مطابق ہوتی ہے جیسے حکاک (رگڑائی کرنے والا) اور ثقاب (سوراخ کرنے والا) ہے وہ تھوڑی سی مشقت میں کثیر اجرت کے ساتھ اجرت پر لیے جاتے ہیں۔ ایک فاضل نے کہا: اس سے یہ فہم دلایا ہے کہ زائد اجرت لینا جائز ہے اگر چہ عمل کی مشقت قلیل ہو اور ان کی توجہ جس کے لیے وہ چیز لکھی جارہی ہے اس کی منفعت کی طرف ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ امر اسے اجرت مثل سے خارج نہیں کرتا کیونکہ جو آدمی اس عمل کے لیے فارغ رہتا ہے جس طرح جو موتیوں میں سوراخ کرتا ہے مثلاً وہ اپنی مشقت کی مقدار کے مطابق اجرت نہیں لیتا۔ کیونکہ یہ اس کی مؤنت کے قائم مقام نہیں اگر ہم اس پر اسے لازم کردیں تو اس صنعت کا ضائع ہونا لازم آجائے پس یہ اس کی اجرت مثلی ہوگی۔

30191۔ (قولہ: لِيَكْتُبَ شَهَادَتَهُ) شاید اس سے مراد وہ تحریر ہو جو وثیقہ پر لکھی جاتی ہے ورنہ کلام قاضی کے متعلق ہورہی ہے شاہد کے متعلق نہیں ہورہی۔ ''ط''۔

30192۔ (قولہ: وَقِيلَ مُطْلَقًا) یعنی اگر اس شہر میں اس کے علاوہ کوئی نہ ہو۔ متن میں جو گزرا ہے۔ یہی اس کا ظاہر ہے۔ اس کی وجہ مذکورہ تعلیل کی وجہ سے ظاہر ہے۔

30193۔ (قولہ: لِأَجْلِ السِّحْرِ) یعنی سحر کو باطل کرنے کے لیے ورنہ جادو بذات خود معصیت ہے بلکہ کفر ہے اس پر کسی کو اجرت پر لینا صحیح نہیں۔

30194۔ (قولہ: إنْ بَيَّنَ قَدْرَ الْكَاغِدِ) تا کہ اس کی مقدار ظاہر ہو جائے چوڑائی کی صورت میں سطور کی جتنی گنجائش ہے۔ بعض کلمات میں جو تفاوت کی زیادتی ہے وہ معاف ہے۔ ان کا قول: والخط ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد سطروں

وَكَذَا الْمَكْتُوبُ (الْمُسْتَأْجِرُ لَا يَكُونُ خَصْمًا لِمُدَّعِي الْإِيجَارِ وَالرَّهْنِ وَالشِّرَاءِ) : لِأَنَّ الدَّعْوَى لَا تَكُونُ إلَّا عَلَى مَالِكِ الْعَيْنِ (بِخِلَافِ الْمُشْتَرِي) وَالْمَوْهُوبِ لَهُ لِمِلْكِهِمَا الْعَيْنَ، وَهَلْ يُشْتَرَطُ حُضُورُ الْآجِرِ مَعَ الْمُشْتَرِي قَوْلَانِ (وَتَصِحُّ الْإِجَارَةُ وَفَسْخُهَا وَالْمُزَارَعَةُ وَالْمُعَامَلَةُ وَالْمُضَارَبَةُ وَالْوَكَالَةُ وَالْكَفَالَةُ وَالْإِيصَاءُ وَالْوَصِيَّةُ وَالْقَضَاءُ وَالْإِمَارَةُ) وَالطَّلَاقُ (وَالْعَتَاقُ وَالْوَقْفُ) حَالَ كَوْنِ كُلِّ وَاحِدٍ مِمَّا ذُكِرَ (مُضَافًا) إلَى الزَّمَانِ الْمُسْتَقْبَلِ كَأَجَرْتُكَ أَوْ فَاسَخْتُكَ رَأْسَ الشَّهْرِ صَحَّ بِالْإِجْمَاعِ (لَا يَصِحُّ مُضَافًا لِلِاسْتِقْبَالِ كُلُّ مَا كَانَ تَمْلِيكًا لِلْحَالِ مِثْلُ (الْبَيْعِ وَإِجَازَتِهِ وَفَسْخِهِ وَالْقِسْمَةِ وَالشَّرِكَةِ وَالْهِبَةِ وَالنِّكَاحِ وَالرَّجْعَةِ وَالصُّلْحِ

مقدار بیان کر دے تو یہ جائز ہوگا یہی حکم خط کا ہے۔ اجرت پر دینے، رہن اور خریداری کے مدعی کا خصم مستاجر نہیں ہوگا۔ کیونکہ دعویٰ عین کے مالک پر ہوتا ہے۔ مشتری اور موہوب لہ کا معاملہ مختلف ہے۔ کیونکہ دونوں عین کے مالک ہیں۔ کیا مشتری کے ساتھ آجر کا حاضر ہونا شرط ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ اجارہ کرنا، اس کا فسخ کرنا، مزارعت، معاملہ، مضاربت، وکالت، کفالت، وصیت کرنا، وصیت، قضا، امارت، طلاق، عتاق اور وقف صحیح ہے اس حال میں کہ ان مذکورہ میں سے ہر ایک زمانہ مستقبل کی طرف منسوب ہو جیسے میں نے تجھے مہینہ کے شروع پر اجرت پر دیا یا تیرے ساتھ اجارہ کو فسخ کیا یہ بالاجماع صحیح ہے۔ ہر وہ چیز جو فی الحال ملکیت عطا کرنے والی ہو اسے زمانہ مستقبل کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں جس طرح بیع، اس کی اجازت دینا، اس کو فسخ کرنا، تقسیم کرنا، شرکت، ہبہ، نکاح، رجوع، مال کے بارے نزاع ہو تو صلح

کی تعداد ہے۔''ط''۔

30195۔(قولہ: وَكَذَا الْمَكْتُوبُ) یعنی جب وہ ایک آدمی کو اجرت پر رکھے تا کہ اس کے دوست کی طرف مکتوب لکھ دے یہ جائز ہے جب وہ خط اور کاغذ کی مقدار بیان کر دے۔

30196۔(قولہ: بِخِلَافِ الْمُشْتَرِي) کیونکہ مشتری ہر کسی کا خصم (مدمقابل) ہوتا ہے۔''منح''۔

30197۔(قولہ: هَلْ يُشْتَرَطُ الخ)''المنح'' میں کہا: ''صغریٰ'' میں جو قول ہے کہ مشترک مستاجر کا خصم نہیں ہوتا اس سے مراد ہوتا ہے وہ اکیلے خصم نہیں ہوتا، بلکہ دوسرے فرد کا حاضر ہونا ضروری ہوتا ہے۔''بزازیہ'' میں ''فتاویٰ قاضی خان'' سے جو قول منقول ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ ایک آدمی نے اجرت پر دیا پھر اس نے بیع دیا اور اسے سپرد کر دیا تو مشتری کی جانب سے مستاجر کا دعویٰ سنا جائے گا اگرچہ آجر غائب ہو لیکن اس کے بعد وہ نقل کیا ہے جو اس کے موافق ہے جو''صغریٰ'' میں ہے۔ پس فتویٰ کے وقت غور کیا جانا چاہیے۔ ملخص

30198۔(قولہ: وَالْمُعَامَلَةُ) یعنی مساقات۔

30199۔(قولہ: كُلُّ مَا كَانَ تَمْلِيكًا لِلْحَالِ) یعنی فی الحال اس کا نفاذ ممکن ہے تو اس کو زمانہ مستقبل کی طرف منسوب

عَنْ مَالٍ وَإِبْرَاءِ الدَّيْنِ) وَقَدْ مَرَّ فِي مُتَفَرِّقَاتِ الْبُيُوعِ (زَادَ أَجْرُ الْمِثْلِ فِي نَفْسِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَزِيدَ أَحَدٌ فَلِلْمُتَوَلِّي فَسْخُهَا وَمَا لَمْ يُفْسَخْ كَانَ عَلَى الْمُسْتَأْجِرِ الْمُسَمَّى) بِهِ يُفْتَى (فُسِخَ الْعَقْدُ بَعْدَ تَعْجِيلِ الْبَدَلِ فَلِلْمُعَجِّلِ حَبْسُ الْمُبْدَلِ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ مَالَهُ مِنَ الْمُبْدَلِ) وَصَحِيحًا كَانَ الْعَقْدُ أَوْ فَاسِدًا لَوِ الْعَيْنُ فِي يَدِ الْمُسْتَأْجِرِ فَلْيُحْفَظْ (اسْتَأْجَرَ مَشْغُولًا وَفَارِغًا صَحَّ فِي الْفَارِغِ فَقَطْ) لَا الْمَشْغُولِ كَمَا مَرَّ، لَكِنْ حَرَّرَ مُحَشِّي الْأَشْبَاهِ أَنَّ الرَّاجِحَ صِحَّةُ إِجَارَةِ الْمَشْغُولِ،

اور دین سے بری کرنا۔ متفرقات البیوع میں یہ قول گزر چکا ہے۔ کسی کے زائد کیے بغیر اجرت مثلی بڑھ گئی تو متولی کو اجارہ فسخ کرنے کا حق ہے جب تک متولی فسخ نہ کرے مستاجر پر وہی اجرت لازم ہوگی جو معین کی گئی۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ بدل اجارہ پہلے وصول کرنے کے بعد موجر نے عقد اجارہ کو فسخ کر دیا پس جس نے اجرت پہلے دی ہے اسے مبدل کو روک لینے کا حق ہے یہاں تک کہ مبدل میں سے اپنا مال پورا لے لے۔ عقد اجارہ صحیح ہو یا فاسد ہو اگر عین مستاجر کے قبضہ میں ہو پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔ ایک آدمی نے مشغول اور فارغ چیز کو اجرت پر لیا تو صرف فارغ چیز میں اجارہ صحیح ہوگا مشغول میں اجارہ صحیح نہیں ہوگا جس طرح گزر چکا ہے۔ لیکن محشی ''الاشباہ'' نے واضح کیا ہے کہ راجح قول مشغول کے اجارہ کا صحیح ہونا ہے

کرنا ممکن نہیں۔ فصل اول کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ اجارہ اور جو اس کی مثل ہے فی الحال اس کا مالک بنانا ممکن نہیں اسی طرح وصیت ہے جہاں تک امامت اور قضا کا تعلق ہے وہ ولایت کے باب میں سے ہے اور کفالت التزام کے باب میں سے ہے۔ ''زیلعی''۔

30200۔ (قولہ: وَإِبْرَاءِ الدَّيْنِ) یہ کفالت سے بری کرنے سے احتراز ہے۔ پس بعض علماء کے نزدیک اس کو زمانہ کی طرف مضاف کرنا صحیح ہے۔ ''طحطاوی'' نے ''حموی'' سے نقل کیا ہے۔

30201۔ (قولہ: بِهِ يُفْتَى) اس کی صورت یہ ہے کہ متولی کو فسخ کرنے کا حق حاصل ہے۔ پس ان پر لازم تھا کہ اس کے بعد ذکر کرتے جس طرح باب مایجوز من الاجارۃ سے تھوڑا پہلے السوادہ میں کیا ہے۔

30202۔ (قولہ: أَوْ فَاسِدًا) یہ اس کے موافق ہے جسے باب مایجوز من الاجارۃ سے تھوڑا پہلے ذکر کیا ہے کہ وہ غرماء پر مقدم ہوگا اور اس کے ظاہر کے مخالف ہے جسے فان عقدھا لغیرہ سے تھوڑا پہلے ذکر کیا ہے۔ ہم نے اس کی تاویل پہلے ذکر کر دی ہے۔

30203۔ (قولہ: اسْتَأْجَرَ مَشْغُولًا وَفَارِغًا الخ) باب مایجوز کے شروع میں یہ پہلے گزر چکا ہے۔

30204۔ (قولہ: لَكِنْ حَرَّرَ مُحَشِّي الْأَشْبَاهِ الخ) کیونکہ کہا: مصنف نے جو ذکر کیا ہے چاہیے کہ اسے اس پر محمول کیا جائے جسے ''قاضی خان'' نے ذکر کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر وہ غیر منقولہ چیز اجرت پر لے اس کا بعض فارغ ہو اور اس کا بعض مشغول ہو۔ ''ابن الفضل'' نے کہا: اجارہ فارغ مشغول میں جائز ہے۔ کیونکہ جب اس نے ایک گھر اجرت پر لیا جو مشغول تھا تو وہ جائز نہیں اور اسے فارغ کرنے اور سپرد کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ اسی پر فتویٰ ہے جس طرح ''الخانیہ'' میں

وَيُؤْمَرُ بِالتَّفْرِيغِ وَالتَّسْلِيمِ مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ ضَرَرٌ فَلَهُ الْفَسْخُ فَتَنَبَّهْ (اسْتَأْجَرَ شَاةً لِإِرْضَاعِ وَلَدِهِ أَوْ جَدْيَةٍ لَمْ يَجُزْ لِعَدَمِ الْعُرْفِ (الْمُسْتَأْجِرُ فَاسِدًا إِذَا آجَرَ صَحِيحًا جَازَتْ) لَوْ بَعْدَ قَبْضِهِ فِي الْأَصَحِّ مُنْيَةٌ (وَقِيلَ لَا) وَتَقَدَّمَ الْكُلُّ، وَالْكُلُّ فِي الْأَشْبَاهِ فُرُوعٌ اعْلَمْ أَنَّ الْمُقَاطَعَةَ إِذَا وَقَعَتْ بِشُرُوطِ الْإِجَارَةِ فَهِيَ صَحِيحَةٌ:

اور موجر کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اسے فارغ کردے اور مستاجر کے حوالے کردے جب تک اس میں ضرر نہ ہو۔ اگر ایسا ہو تو اسے اجارہ فسخ کرنے کا حق ہوگا۔ پس اس پر متنبہ ہو جایئے۔ ایک آدمی نے ایک بکری اجرت پر لی تا کہ اپنے بچے کو دودھ پلائے یا اپنے محسن کو دودھ پلائے یہ عقد جائز نہیں۔ کیونکہ یہ عرف نہیں۔ فاسد اجارہ کے ساتھ اجرت پر لینے والا اگر صحیح اجارہ کرے اگر قبضہ کے بعد وہ عقد اجارہ کرے تو یہ صحیح ہوگا۔ "منیہ"۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اجارہ صحیح نہ ہوگا یہ سب پہلے گزر چکا ہے اور سب "الاشباہ" میں ہے۔ فروع: یہ جان لو کہ مقاطعہ اگر اجارہ کی شرطوں کے ساتھ ہو تو اجارہ صحیح ہوگا۔

ہے۔ پس ان کی کلام کو صرف جائیداد پر محمول کرنا متعین ہو گیا۔

"حاشیہ البیری" میں "جوامع الفقہ" سے مروی ہے: گھر آجر کے سامان میں مصروف تھا اور زمین میں کھیتی موجود ہے ایک قول یہ کیا گیا: اجارہ صحیح نہیں جب کہ صحیح قول یہ ہے کہ اجارہ صحیح ہے۔ لیکن اجرت اس وقت تک واجب نہ ہوگی جب تک وہ فارغ کر کے اسے سپرد نہ کیا جائے یا اس کے ہاتھ وہ اسے بیچ دے اگر گھر کو فارغ کر دیا اور اسے سپرد کر دیا تو اجرت لازم ہوگی۔

30205۔ (قولہ: مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ ضَرَرٌ) جس طرح جب کھیتی ابھی کاٹی نہ گئی ہو۔

30206۔ (قولہ: فَلَهُ الْفَسْخُ) یہ منفی پر تفریع ہے اور وہ یکن ہے۔

30207۔ (قولہ: لِعَدَمِ الْعُرْفِ) کیونکہ یہ اجارہ عین کے تلف کرنے پر واقع ہوا ہے جب کہ یہ باب الاجارۃ الفاسدۃ میں دایہ کو اجرت پر رکھنے میں گزر چکا ہے۔

30208۔ (قولہ: الْمُسْتَأْجِرُ فَاسِدًا الخ) باب الاجارۃ الفاسدۃ کے شروع میں یہ گزر چکا ہے۔

30209۔ (قولہ: وَتَقَدَّمَ الْكُلُّ) یعنی یہ تمام مسائل۔ میں نے ان کے مواضع میں انہیں بیان کر دیا ہے۔

30210۔ (قولہ: بِشُرُوطِ الْإِجَارَةِ) مگر لوگ جو اس زمانہ میں کرتے ہیں کہ جسے اس کی ولایت حاصل ہوتی ہے وہ اس کی ضمانت کسی آدمی کے لیے معلوم مال کے عوض اٹھا لیتا ہے تا کہ اس کے لیے خراج مقاسم وغیرہ ہو تو وہ باطل ہے۔ کیونکہ اجارہ صحیح نہیں کیونکہ یہ قصداً اعیان کے اتلاف پر واقع ہو رہا ہے نہ ہی بیع کے طور پر صحیح ہے کیونکہ وہ معدوم ہے جس طرح "ذخیرہ" میں اسے بیان کیا ہے۔

وقف کی اراضی کا اجارہ اور جس کو وقف کی گئی ہے کی موت کے ساتھ اس کے منسوخ ہونے کا بیان

30211۔ (قولہ: فَهِيَ صَحِيحَةٌ) علامہ "قاسم" سے سوال کیا گیا: کیا سپاہی کو حق حاصل ہے کہ امام نے بیت المال

لِأَنَّ الْعِبْرَةَ لِلْمَعَانِي وَقَدَّمْنَاهُ فِي الْجِهَادِ صَحَّ اسْتِئْجَارُ قَلَمٍ بِبَيَانِ الْأَجْرِ وَالْمُدَّةِ اسْتَأْجَرَ شَيْئًا لِيَنْتَفِعَ بِهِ خَارِجَ الْمِصْرِ فَانْتَفَعَ بِهِ فِي الْمِصْرِ، فَإِنْ كَانَ ثَوْبًا لَزِمَ الْأَجْرُ، وَإِنْ كَانَ دَابَّةً لَا سَاقَهَا وَلَمْ يَرْكَبْهَا لَزِمَ الْأَجْرُ إِلَّا لِعُذْرٍ بِهَا أَخْطَأَ الْكَاتِبُ فِي الْبَعْضِ،

کیونکہ اعتبار معانی کا ہوتا ہے۔ ہم کتاب الجہاد میں اسے بیان کر چکے ہیں اجرت اور مدت کے بیان کرنے کے ساتھ قلم کو اجارہ پر لینا صحیح ہے۔ کوئی چیز اجرت پر لی تا کہ اس سے شہر سے باہر نفع حاصل کرے تو اس نے اس سے شہر میں نفع حاصل کیا اگر وہ کپڑا ہو تو اجرت لازم ہوگی اگر وہ سواری ہو تو اجرت نہیں ہوگی۔ ایک آدمی نے اس جانور کو ہانکا اور اس پر سوار نہ ہوا تو اجرت دوسرے پر ہوگی مگر جب اس میں عذر ہو تو اجرت لازم نہ ہوگی۔ کاتب نے بعض میں خطا کی

کی اراضی میں سے جو اس کے لیے خاص کی ہیں کیا وہ اسے اجرت پر دے سکتا ہے؟

اس نے جواب دیا ہے: ہاں اسے حق حاصل ہے اور کوئی مدت نہیں ہوگی کیونکہ یہ جائز ہے کہ امام اسے مدت کے دوران خارج کر دے جس طرح کوئی مدت نہیں۔ کیونکہ یہ جائز ہے موجر اجارہ کی مدت کے دوران فوت ہو جائے۔ جب وہ مر جائے یا امام اسے خارج کر دے تو اجارہ منسوخ ہو جائے گا۔ ملخص

میں کہتا ہوں: ہم نے اس کے اجارہ کی مدت میں بحث پہلے کتاب الاجارہ کے شروع میں ان کے قول: ولم تزد فی الاوقاف علی ثلاث سنین کے ہاں کر دی ہے۔ کیا اجارہ منسوخ ہو جائے گا اگر موجر کسی اور کے لیے فارغ کر دے اور سلطان مفروغ کو اس کے لیے ثابت کر دے پہلے کو خارج کی وجہ سے وہ متضمن ہے یا متضمن نہیں جس طرح بیع ہے؟ میں نے اسے نہیں دیکھا۔ پس کتب کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہ حادثۃ الفتویٰ ہے۔ پھر میں نے اپنے مشائخ کے شیخ ''سائحانی'' کو دیکھا وہ اپنی کتاب ''الفتاوی النعمیہ'' میں فارغ ہونے اور مدت کی صورت میں اجارہ کے منسوخ ہونے کا ذکر کیا ہے جب کہ یہاں کے قول من عقد الاجارۃ لغیرہ لا تنفسخ بموتہ کو کیل سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ انہوں نے غیر کے لیے اجارہ کیا اور غیر کے لیے اجرت پر لیا۔ کہا: یہاں اس نے اپنے لیے اجارہ کیا۔ بعض اوقات جس کے لیے عقد ہوتا ہے اس کے لیے ضرر کا باعث ہوتا ہے اگر وہ اجارہ منسوخ نہ ہو۔ تامل

30212۔ (قولہ: اسْتِئْجَارُ قَلَمٍ) ''تاتر خانیہ'' میں ہے: ایک آدمی نے قلم اجرت پر لیا تا کہ اس کے ساتھ رکھے اگر اس کے لیے وقت بیان کر دیا تو اجارہ صحیح ہوگا۔ ورنہ اجارہ صحیح نہ ہوگا۔ ''نوازل'' میں ہے: جب وقت اور کتابت کو بیان کیا تو اجارہ صحیح ہوگا۔

30213۔ (قولہ: لَزِمَ الْأَجْرُ) فقیہ نے کہا: کپڑے میں اس نے عقد اجارہ میں خیر کے حصول کی طرف مخالفت کی ہے اور دابہ میں شر کے حصول کی طرف مخالفت کی ہے۔ کیونکہ وہ جانور میں مکان کے ذکر کا اور کپڑے میں وقت کے ذکر کا محتاج ہے۔ ''بزازیہ''۔ فتامل

30214۔ (قولہ: إِلَّا لِعُذْرٍ بِهَا) کیونکہ وہ سوار ہونے پر قادر نہیں جس طرح ''غایۃ البیان'' میں ہے۔

إنْ الْخَطَأُ فِي كُلِّ وَرَقَةٍ خُيِّرَ إنْ شَاءَ أَخَذَهُ وَأَعْطَى أَجْرَ مِثْلِهِ أَوْ تَرَكَهُ عَلَيْهِ وَأَخَذَ مِنْهُ الْقِيمَةَ، وَإِنْ فِي الْبَعْضِ أَعْطَاهُ بِحِسَابِهِ مِنْ الْمُسَمَّى الصَّيْرَفِيُّ بِأَجْرٍ، إذَا ظَهَرَتْ الزِّيَافَةُ فِي الْكُلِّ اسْتَرَدَّ الْأُجْرَةَ، وَفِي الْبَعْضِ بِحِسَابِهِ إنْ دَلَّنِي عَلَى كَذَا فَلَهُ كَذَا فَدَلَّهُ فَلَهُ أَجْرُ مِثْلِهِ إنْ مَشَى لِأَجْلِهِ

اگر خطا ہر ورقہ میں ہوتو اسے اختیار دیا جائے گا اگر چاہے تو اسے لے لے اور اسے اجرت مثلی دے دے یا اسے اسی پر چھوڑ دے اور اس سے قیمت لے لے اگر بعض اوراق میں غلطیاں ہوں تو معین اجرت میں سے اس کے حساب سے عطا کرے۔ صیرفی پر کھنے کی اجرت لیتا ہے جب تمام میں کھوٹ ظاہر ہو گیا تو اجرت واپس لے لے گا اور بعض میں اس کے حساب سے اجرت لے گا۔ اگر اس نے مجھے فلاں پر راہنمائی کی تو اس کے لیے اتنا ہے اگر اس کی وجہ سے چلا تو اس کے لیے اجرت مثلی ہوگی۔

30215۔(قولہ: وَأَعْطَى أَجْرَ مِثْلِهِ) اور مسمی سے وہ اجرت متجاوز نہ ہو۔''ولوالجیہ''۔

30216۔(قولہ: وَأَخَذَ مِنْهُ الْقِيمَةَ) یعنی کاغذ اور روشنائی کی قیمت لے لے۔

30217۔(قولہ: أَعْطَاهُ بِحِسَابِهِ مِنْ الْمُسَمَّى) یہ حکم اس میں ہے جس میں اس نے صائب لکھا اور جس میں اس نے خطا کی اس میں اسے اجرت مثلی دے گا۔ کیونکہ اس نے بعض میں موافقت کی اور بعض میں مخالفت کی۔''الولوالجیہ'' میں اسے ذکر کیا ہے۔

30218۔(قولہ: اسْتَرَدَّ الْأُجْرَةَ الخ) کیونکہ مستاجر نے اسے اجرت اس لیے دی تھی تا کہ عمدہ میں سے کھوٹے الگ کرے۔

دینے والا انکار کر دے اور کہے: یہ میرے دراہم میں سے نہیں تو قول قابض کا ہوگا

''ذخیرہ'' میں ہے اگر دینے والا انکار کر دے اور کہے: یہ میرے دراہم میں سے نہیں تو قول قابض کا قوی ہوگا۔ کیونکہ اگر قابض اصلاً انکار کر دے تو قبول قابض کا معتبر ہوگا۔

کسی آدمی کی چیز گم ہوگئی تو اس نے کہا جس نے میری اس پر رہنمائی کی تو اس کیلئے اتنے دراہم

30219۔(قولہ: إنْ دَلَّنِي الخ)''الاشباہ'' کی عبارت ہے: اگر تو نے میری راہنمائی کی۔''بزازیہ'' اور ''ولوالجیہ'' میں ہے: ایک آدمی ہے جس کی شے گم ہوگئی تو اس نے کہا: جس نے میری اتنے پر راہنمائی کی تو اس کے لیے اتنے ہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر وہ عموم کے طریقہ پر کہے: اس کی صورت یہ ہے کہ کہے: جس نے میری راہنمائی کی تو اجارہ باطل ہوگا۔ کیونکہ دلالت اور اشارہ ایسے عمل نہیں جس کے ساتھ وہ اجرت کا مستحق ہو اگر وہ علی سبیل الخصوص کہے اس کی صورت یہ ہے کہ وہ کسی معین آدمی کو کہے: اگر تو نے میری فلاں پر رہنمائی کی تو تیرے لیے اتنے ہیں۔ اگر وہ اس کے لیے چلا اور اس کی راہنمائی کی تو اس کے لیے اس کے لیے چلنے کی وجہ سے اجرت مثلی ہوگی۔ کیونکہ یہ ایسا عمل ہے جو عقد اجارہ کے ساتھ لازم ہو جاتا ہے مگر وہ کسی مقدار کے ساتھ مقدر نہیں پس اجرت مثلی واجب ہوگی۔ اگر وہ چلے بغیر راہنمائی کر دے تو یہ اور اول برابر ہیں۔

مَنْ دَلَّنِي عَلَى كَذَا فَلَهُ كَذَا فَهُوَ بَاطِلٌ وَلَا أَجْرَ لِمَنْ دَلَّهُ إِلَّا إِذَا عَيَّنَ الْمَوْضِعَ اسْتَأْجَرَهُ لِحَفْرِ حَوْضٍ
جس نے میری فلاں پر رہنمائی کی تو اس کے لیے اتنے ہیں تو یہ باطل ہے اور جس نے راہنمائی کی اس کے لیے کوئی اجرت نہیں ہے مگر جب جگہ کو معین کر دے۔ ایک آدمی نے دہ در دہ حوض کھودنے کے لیے

''سیر کبیر'' میں کہا: سریہ کے امیر نے کہا: جس نے فلاں جگہ پر ہماری رہنمائی کی تو اس کے لیے اتنا ہے تو یہ عقد صحیح ہوگا اور رہنمائی کرنے کے ساتھ اجرت متعین ہو جائے گی اور اجرت واجب ہوگی۔

اگر کوئی کہے جس نے میری فلاں پر رہنمائی کی تو اس کے لیے اتنے ہیں تو یہ باطل ہے

30220۔ (قولہ: إِلَّا إِذَا عَيَّنَ الْمَوْضِعَ) ''الاشباہ'' میں ''سیر کبیر'' کی کلام کے بعد کہا: اس کا ظاہر یہ ہے کہ معین اجرت واجب ہوگی اور ظاہر یہ ہے کہ اجرت مثلی واجب ہوگی۔ کیونکہ یہاں کوئی عقد اجارہ نہیں۔ دلالت کا مسئلہ جو عموم پر واقع تھا یہ اس کے لیے مخصص ہے۔ کیونکہ اس نے موضوع کو بیان کر دیا ہے یعنی عموم پر جو دلالت تھی وہ باطل ہو جائے گی مگر جب اس نے موضوع کو معین کر دیا پس یہ مخصص ہے یہ ''سیر'' کی کلام سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ امیر کا قول فلاں جگہ پر اس میں اس کی تعیین ہے۔ جس کی شے گم ہو جائے اس کا معاملہ مختلف ہے۔ وہ کہے: جس نے میری فلاں پر رہنمائی کی یعنی اس گم شدہ چیز پر راہنمائی کی تو یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ جگہ کی تعیین نہیں مگر جب اس کے نامہ کے ساتھ اس کی تعریف بیان کر دے اور اس کی بعینہ پہچان نہ کرائے پس اس نے کہا: جس نے فلاں جگہ میری میرے جانور پر راہنمائی کی تو وہ امیر کے مسئلہ کی طرح ہے۔ شارح کے قول: الا اذا عین الموضع اور ''الاشباہ'' کے قول: والظاهر وجوب اجر المثل الخ کا یہی معنی ہے۔ اس کا حاصل وہ بحث ہے جو ''السیر'' کے کلام میں ہے۔ کیونکہ جب وہ عام ہے تو کوئی قابل نہ پایا گیا جو عقد کو قبول کرے پس عقد منتفی ہو گیا۔

میں کہتا ہوں: جب عقد اصلاً منتفی ہو گیا تو ظاہر یہ تھا یہ کہا جاتا: کوئی چیز واجب نہیں ہوگی جس طرح گم شدہ کے مسئلہ میں ہے۔

جو انہوں نے کہا اس کا جواب وہ ہے جسے شیخ ''شرف الدین'' نے ذکر کیا ہے یہ شخص متعین ہو جاتا ہے اور عقد اس کے حاضر ہونے اور امیر کا خطاب قبول کرنے سے ثابت ہو جاتا ہے اس چیز کے ساتھ جو ذکر کیا گیا ہے پس معین اجرت واجب ہو جائے گی۔ کیونکہ عقد دو معین اشخاص کے درمیان معلوم فعل کے لیے متحقق ہو گیا۔ مگر جب فعل معلوم نہ ہو جس طرح گم شدہ چیز کا مسئلہ ہے تو کوئی شے واجب نہ ہوگی یہ صورت مختلف ہوگی جب شخص اس وقت چلنے پر عقد کے وقوع کے لیے معین ہو جائے لیکن وہ غیر مقدر ہے پس اجرت مثلی واجب ہوگی۔ پس تینوں مسائل کے درمیان فرق ظاہر ہو گیا۔ ''الاشباہ'' کے بعض محشیوں پر یہ امر مخفی رہا تو وہ اشتباہ میں جا پڑا۔ ہاں یہ کہنا ممکن ہے ان کے حاضر ہونے والا اور گم شدہ چیز کے مالک کے خطاب کو قبول کرنے سے شخص کیوں متعین نہ ہوا جس طرح امیر کا مسئلہ ہے۔ پس چلنے پر عقد متعین ہو جاتا ہے اگرچہ وہ جگہ کی تعیین نہ کرے جس طرح وہ معین کو خطاب کرے۔ فلیتامل

عَشَرَةٍ فِي عَشَرَةٍ وَبَيَّنَ الْعُمْقَ فَحَفَرَ خَمْسَةً فِي خَمْسَةٍ كَانَ لَهُ رُبْعُ الْأَجْرِ الْكُلُّ مِنَ الْأَشْبَاهِ - وَفِيهَا جَازَ اسْتِئْجَارُ طَرِيقٍ لِلْمُرُورِ إِنْ بَيَّنَ الْمُدَّةَ قُلْتُ وَفِي حَاشِيَتِهَا هٰذَا قَوْلُهُمَا وَهُوَ الْمُخْتَارُ شَرْحُ مَجْمَعٍ وَفِي الِاخْتِيَارِ مَنْ دَلَّنَا عَلَى كَذَا جَازَ؛ لِأَنَّ الْأَجْرَ يَتَعَيَّنُ بِدَلَالَتِهِ وَفِي الْغَايَةِ دَارِي لَكَ إِجَارَةٌ هِبَةٌ صَحَّتْ

کسی کو اجرت پر لیا اور گہرائی کو بیان کر دیا اور اس نے پانچ در پانچ کھودا تو اس کے لیے چوتھائی اجرت ہو گی اور تمام ''الاشباہ'' سے لیا گیا ہے۔ اس میں ہے: اگر مدت بیان کر دے تو گزرنے کے لیے راستہ اجرت پر لینا جائز ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کے حاشیہ میں ہے: یہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کا قول ہے اور وہی مختار ہے۔ ''شرح مجمع''۔ ''الاختیار'' میں ہے: جس نے ہماری فلاں پر رہنمائی کی تو یہ جائز ہو گا۔ کیونکہ اجر اس کی راہنمائی کے ساتھ متعین ہو جاتا ہے ''الغایہ'' میں ہے: میرا گھر تیرے لیے اجارہ ہبہ ہے تو اجارہ صحیح ہو گا

30221۔ (قولہ: عَشَرَةٍ فِي عَشَرَةٍ) یہ نصب کے ساتھ تمیز ہے تقدیر کلام یہ ہو گی ای مقدارا عشرۃ طولا فی عشرۃ عرضا۔

30222۔ (قولہ: وَبَيَّنَ الْعُمْقَ) وہ گہرائی اور جگہ کی وضاحت کر دے۔ ''تاتر خانیہ'' میں کہا: ضروری ہے کہ وہ جگہ، کنوئیں کی لمبائی، اس کی گہرائی اور اس کی گولائی واضح کر دے۔ اس کی تمام تفریعات اس میں، فصل نمبر پچیس میں موجود ہیں۔

30223۔ (قولہ: كَانَ لَهُ رُبْعُ الْأَجْرِ) کیونکہ دہ در دہ سو ہے اور پانچ در پانچ پچیس ہے۔ پس یہ ایک چوتھائی عمل ہوا۔ ''اشباہ''

30224۔ (قولہ: هٰذَا قَوْلُهُمَا وَهُوَ الْمُخْتَارُ) کیونکہ ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک مشترک چیز کا اجارہ صحیح نہیں لیکن یہ معتمد قول کے خلاف ہے جس طرح اجارہ فاسد میں گزرا ہے۔ ''البدائع'' میں ہے: ایک آدمی نے گھر میں سے راستہ معین وقت کے لیے اجرت پر لیا قیاس میں یہ جائز نہیں۔ ان کا قول ہے کیونکہ بقعہ ممتاز نہیں پس یہ مشترک کا اجارہ ہو گا۔ اور ''صاحبین'' رحمہما اللہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔

30225۔ (قولہ: مَنْ دَلَّنَا) یہ ''سیر کبیر'' کا مسئلہ ہے جب کہ تو یہ جان چکا ہے کہ اس میں معین کردہ اجرت واجب ہو گی۔ کیونکہ موضع اور عقد کو قبول کرنے والا حاضر ہونے کے ساتھ متعین ہو چکا ہے اگرچہ مَن کا لفظ عام ہے۔ اور ان کا قول لان الاجر یتعین یعنی اجرت لازم اور واجب ہو جاتی ہے۔

30226۔ (قولہ: إِجَارَةٌ هِبَةٌ الخ) ''الولوالجیہ'' میں کہا: اگر اس نے کہا: میرا گھر تیرے لیے ہبہ اجارہ ہے ہر ماہ ایک درہم کے بدلے میں ہے یا اجارہ ہبہ ہے پس یہ اجارہ ہو گا۔ جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے کیونکہ انہوں نے اپنی کلام کے آخر میں وہ ذکر کیا ہے جس نے اس کے اول کو تبدیل کر دیا ہے اور اس کا اول حصہ عوض کے ذکر کرنے کے ساتھ تغییر کا احتمال رکھتا ہے۔ جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے کیونکہ پہلے جس کا ذکر کیا گیا تھا وہ معاوضہ تھا پس وہ تبرع کی طرف تبدیل ہونے کا احتمال نہیں رکھتا۔ اسی وجہ سے اگر اس نے کہا: میں نے بغیر کسی شے کے تجھ سے اجارہ کیا یہ اعادہ نہیں ہو گا اور عاریہ

غَيْرَ لَازِمَةٍ فَلِكُلٍّ فَسْخُهَا وَلَوْ بَعْدَ الْقَبْضِ فَلْيُحْفَظْ وَفِي لُزُومِ الْإِجَارَةِ الْمُضَافَةِ تَصْحِيحَانِ أُرِيدُ عَدَمَ لُزُومِهَا بِأَنَّ عَلَيْهِ الْفَتْوَى وَفِي الْمُجْتَبَى لَا تَجُوزُ إِجَارَةُ الْبِنَاءِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ تَجُوزُ لَوْ مُنْتَفِعًا بِهِ كَجِدَارٍ وَسَقْفٍ وَبِهِ يُفْتَى وَمِنْهُ إِجَارَةُ بِنَاءِ مَكَّةَ وَكُرِهَ إِجَارَةُ أَرْضِهَا

جو لازم نہیں پس ہر ایک کو فسخ کرنے کا حق ہوگا اگر چہ قبضہ کے بعد ہو۔ پس اس کو یاد رکھا جانا چاہیے۔ وہ اجارہ جو زمانہ مستقبل کی طرف منسوب ہو اس کے لزوم میں دو تصحیحیں ہیں۔ اس اجارہ کے لازم نہ ہونے کی تائید اس لیے کی گئی ہے کہ اس پر فتویٰ ہے۔ ''المجتبیٰ'' میں ہے: عمارت کو اجارہ پر دینا جائز نہیں۔ امام ''محمد'' رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے: یہ اجارہ جائز ہے اگر اس سے نفع حاصل کرنا ممکن ہو جیسے دیوار اور چھت۔ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ اسی سے یہ مکہ مکرمہ کی عمارات کا اجارہ پر دینا ثابت ہوتا ہے اور مکہ مکرمہ کی زمین کو اجارہ پر دینا مکروہ ہے۔

کے لفظ سے اجارہ منعقد ہو جائے گا۔ ملخص

30227۔ (قولہ: غَيْرَ لَازِمَةٍ الخ) ''الاتقانی'' نے کہا: ''المبسوط'' میں یہ ذکر نہیں کیا کہ اجارہ لازم ہوگا یا اجارہ لازم نہیں ہوگا۔ ''ابو بکر بن حامد'' سے یہ حکایت بیان کی گئی ہے۔ کہا: میں ''خصاف'' کے ہاں داخل ہوا اور ہم نے ان سے کچھ فوائد حاصل کیے ان میں سے ایک یہ تھا کہ اجارہ لازم نہیں ہوگا اور ہر ایک کو قبضہ سے پہلے اور قبضہ کے بعد رجوع کا حق ہوگا لیکن جب وہ اس میں سکونت اختیار کرے تو اجرت واجب ہوگی کیونکہ دو لفظوں پر عمل کرنا ممکن ہے تو جس قدر ممکن ہوگا دونوں پر عمل کیا جائے گا جس طرح ایسا ہبہ جو عوض کی شرط کے ساتھ ہو۔ ملخص

اس کا ظاہر یہ ہے کہ معین اجرت واجب ہوگی ''بیری'' میں ''ذخیرہ'' سے یہ تصریح موجود ہے کہ اجرت مثلی واجب ہوگی۔

30228۔ (قولہ: وَفِي لُزُومِ الْإِجَارَةِ الْمُضَافَةِ تَصْحِيحَانِ) لفظ لزوم سے تعبیر کیا ہے کیونکہ اس کے صحیح ہونے میں کلام نہیں۔ پس یہ اس کے منافی نہیں جسے شارح نے قریب ہی پہلے ذکر کیا ہے کہ بالا جماع اجارہ صحیح ہے۔ فافہم

30229۔ (قولہ: بِأَنَّ عَلَيْهِ الْفَتْوَى) کیونکہ ''الخانیہ'' میں ہے: اگر یہ غد کی طرف منسوب ہو پھر وہ کسی اور کو بیچ دے۔ ''المنتقی'' میں کہا: اس میں دو روایتیں ہیں فتویٰ اس پر ہے کہ بیع جائز ہوگی اور وہ اجارہ باطل ہوگا جو زمانہ مستقبل کی طرف منسوب ہے۔ یہی ''حلوانی'' کا پسندیدہ قول ہے۔ ہم نے باقی کلام کتاب کے شروع میں ذکر کر دی ہے پھر ظاہر یہ ہے لازم نہ ہونا یہ جانبین سے ہے صرف موجر کی جانب سے نہیں ہے۔ پس ہر ایک کو فسخ کا حق ہوگا۔ جس طرح ان کے اطلاق کا مقتضا ہے۔ تامل

30230۔ (قولہ: وَبِهِ يُفْتَى) اس کی مثل اجارہ فاسدہ کے شروع میں پہلے گزر چکا ہے ہم نے اس پر وہاں کلام کی ہے ''القنیہ'' میں کہا: ظاہر روایت میں جائز نہیں۔ کیونکہ صرف عمارت سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔

30231۔ (قولہ: وَكُرِهَ إِجَارَةُ أَرْضِهَا) ''ہدایہ'' میں اسی طرح ہے۔ ''خزانۃ الاکمل'' میں ہے: اگر مکہ مکرمہ کی زمین اجرت پر دی تو یہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ نفس زمین پر کسی کی ملکیت نہیں۔ کہا: اس قول کا مفہوم اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ

وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ

وَفِي الْكَلْبِ وَالْبَازِي قَوْلَانِ وَالْبِنَا كَأُمِّ الْقُرٰى أَوْ أَرْضِهَا لَيْسَ تُؤْجَرُ

وَلَوْ دَفَعَ الدَّلَّالُ ثَوْبًا لِتَاجِرٍ يُقَلِّبُهُ لَوْ رَاحَ لَيْسَ يُخَسَّرُ

''وہبانیہ'' میں ہے: کتے اور باز کے اجارہ میں دو قول ہیں۔ اور مکہ مکرمہ کی عمارت کے اجارہ میں اختلاف ہے۔ کیونکہ اس کی زمین اجرت پر نہیں دی جاتی۔ اگر دلال نے کپڑا تاجر کو دیا جس کپڑے کو وہ لیے پھرتا ہے اگر وہ تاجر اسے لے کر سفر پر جائے تو دلال پر تاوان نہیں۔

عمارت کو اجرت پر دینا جائز ہے ''شرح ابن الشحنہ''۔

30232۔ (قولہ: وَفِي الْوَهْبَانِيَّةِ) اس میں ہے کہ پانچویں شعر اور چوتھے شعر کا دوسرا مصرعہ ''ابن شحنہ'' کے اشعار میں سے ہے اور ''شرنبلالی'' کے اشعار میں سے نہیں ہے جس طرح قول کیا گیا ہے۔

30233۔ (قولہ: وَفِي الْكَلْبِ) یعنی شکار یا نگہبانی کا کتا۔

30234۔ (قولہ: وَالْبَازِي) یہ لفظ یا کی شد کے ساتھ ہے۔

30235۔ (قولہ: قَوْلَانِ) یعنی دو روایتیں ہیں جن دونوں کو قاضی خان نے حکایت کیا ہے (۱) اجرت واجب نہ ہوگی (۲) اگر معلوم وقت بیان کر دیا تو اجرت واجب ہوگی ورنہ اجرت واجب نہ ہوگی۔ چوہے پکڑنے کے لیے بلی کی اجرت کی صورت کے لیے جائز نہ ہوگی۔ کیونکہ مستاجر کتا اور باز چھوڑتا ہے پس اس کے چھوڑنے کے ساتھ وہ جاتا ہے پس شکار کرتا ہے اور بلی کا شکار اس کے فعل کے ساتھ ہوتا ہے۔ گھر صاف کرنے کے لیے کسی کو اجرت پر لینے میں اختلاف ہے۔ اس کی مکمل وضاحت ''شرح'' میں ہے۔

30236۔ (قولہ: كَأُمِّ الْقُرٰى) یہ مکہ مشرفہ ہے۔ اس کی عمارت کے اجارہ میں دو قول ہیں اس کی مکمل وضاحت ''شرح'' میں ہے۔ ناظم نے کہا: میں نے اس پر نص قائم کی ہے اس خوف سے کہ یہ وہم نہ کیا جائے کہ یہ جائز نہیں جس طرح مکہ مکرمہ کی زمین کی بیع جائز نہیں۔

30237۔ (قولہ: أَوْ أَرْضِهَا) یہ مبتدا ہے اور اس کے بعد والا جملہ اس کی خبر ہے اور او، واو مستانفہ کے معنی میں ہے۔ تامل

30238۔ (قولہ: لَوْ رَاحَ الخ) اگر تاجر کپڑا لے گیا اور دلال اس کو پانے میں کامیاب نہ ہوا تو وہ ضامن نہیں ہوگا کیونکہ عام معمول کے مطابق اس طرح کپڑا دینے کی اسے اجازت ہوتی ہے۔ ''قاضی خان'' نے کہا: میرے نزدیک یہ ہے جب وہ اس کام سے الگ ہوگا تو ضامن ہوگا جس طرح دلال اس کپڑے کو اجنبی کے ہاں ودیعت رکھ دے یا اس کے ہاں چھوڑ دے جو خریدنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ یہ اشعار اس کا شعور نہیں دلاتے جو ''قاضی خان'' کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ ''شرح''۔

وَمَنْ قَالَ قَصْدِي أَنْ أُسَافِرَ فَافْسَخَنْ فَحَلِّفْهُ أَوْ فَاسْأَلْ رِفَاقًا لِيَذْكُرُوا
وَيُفْسَخُ مِنْ تَرْكِ التِّجَارَةِ مَا اكْتَرَى وَلَوْ كَانَ فِي بَعْضِ الطَّرِيقِ وَمُؤْجِرُ
لَهُ فَسْخُهَا لَوْ مَاتَ مِنْهَا مُعَيَّنٌ وَأَطْلَقَ يَعْقُوبُ وَبِالضَّعْفِ يُذْكَرُ
وَإِيجَارُ ذِي ضَعْفٍ مِنَ الْكُلِّ جَائِزٌ ....

جس نے کہا: میرا ارادہ یہ ہے کہ میں سفر کروں پس تو اجارہ کو فسخ کردے تو تو اس سے قسم لے یا اس کے ساتھیوں سے سوال کرتا کہ وہ اس کے بارے میں ذکر کریں۔ جس چیز کو کرایہ پر لیا تھا تجارت کے ترک کرنے سے اجارہ فسخ ہوگا اگرچہ وہ بعض راستہ میں ہو اور موجر کے لیے۔ اجارہ فسخ کرنا جائز ہے اگر اونٹوں میں سے معین اونٹ مرجائے امام ''ابو یوسف'' رحمۃ اللہ علیہ یعقوب نے اسے مطلق ذکر کیا ہے اور اس قول کو ضعف کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ بیمار آدمی کا تمام مال سے اجارہ کرنا جائز ہے

30239۔(قولہ: وَمَنْ قَالَ الخ) باب الفسخ میں اس پر گفتگو ہو چکی ہے۔

30240۔(قولہ: فَافْسَخَنْ) یہ لفظ فسخ سے امر کا صیغہ ہے یہ نون کے ساتھ موکد ہے۔ بعض نسخوں میں فامتحن کے الفاظ ہیں یہ الامتحان سے مشتق ہے۔ یہ تحکیم الزی والھیئۃ کے قول کی طرف اشارہ ہے۔ پہلا قول زیادہ بہتر ہے کیونکہ ان کا قول ہے: فحلفه، فافہم

30241۔(قولہ: مِنْ تَرْكِ التِّجَارَةِ) تجارت ترک کرنے کی وجہ سے اس پر گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

30242۔(قولہ: مَا اكْتَرَى) یہ یفسخ کا مفعول ہے۔

30243۔(قولہ: وَلَوْ كَانَ) ضمیر سے مراد مستاجر ہے یعنی اگر بعض رات میں چلا۔ پس اس کے لیے یہ ظاہر ہوا کہ وہ آگے نہ جائے اسے یہ حق ہوگا جس طرح اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

30244۔(قولہ: وَمُؤْجِرُ) یعنی ضعف الموجر یعنی موجر کو حق حاصل ہے کہ جب مریض ہو تو اجارہ کو فسخ کردے۔ ''ابن شحنہ'' نے کہا: یہ اس روایت کے خلاف ہے اپنے قول یذکر کے ساتھ اس طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن شارح نے پہلے بیان کردیا ہے کہ اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ تامل

30245۔(قولہ: بِالضَّعْفِ يُذْكَرُ) یعنی موجر کا ضعف یعنی موجر کو حق حاصل ہے کہ اسے فسخ کردے جب وہ مریض ہو جائے۔ ابن شحنہ نے کہا: یہ ظاہر روایت کے خلاف ہے اور یذکر کے قول کے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن شارح نے پہلے کہا ہے بہ یفتی۔ تامل۔

30246۔(قولہ: ذِي ضَعْفٍ) یعنی مرض الموت کا مریض۔

30247۔(قولہ: مِنَ الْكُلِّ جَائِزٌ) یہ اس کے تمام مال سے نافذ ہوگا۔ ''عمادیہ'' میں کہا ہے: مریض منافع میں تبرع

....	وَلَوْ أَنَّ أَجْرَ الْمِثْلِ مِنْ ذَاكَ أَكْثَرُ
وَمَنْ مَاتَ مَدْيُونًا وَأَجْرُ عَقَارِهِ	تَوَفَّاهُ لِلْمُسْتَأْجِرِ الْحَبْسُ أَجْدَرُ
اگر چہ اجرت مثلی معین اجرت سے زیادہ ہو اور وہ آدمی جو مدیون مر گیا اور اس نے اپنی غیر منقولہ چیز اجرت پر دی ہوئی تھی اور اس کی اجرت لکھی تھی تو مستاجر کے لیے موزوں ہے کہ اس چیز کو روک لے۔	

واحسان کرے تو یہ تمام مال سے معتبر ہوں گے۔ کیونکہ یہ موت کے بعد باقی نہیں رہتے یہاں تک کہ وارثوں اور غرباء کے حق متعلق ہو۔ ملخص۔

30248۔(قولہ: مِنْ ذَاكَ) اس نے آنے والی مدت کے لیے جلدی اجرت لی ہو۔

30249۔(قولہ: وَأَجْرُ عَقَارِهِ) یہ مبتدا ہے واؤ حالیہ ہے خبر اس کا قول توفاہ ہے یعنی مدت مستقبلہ کے لیے پہلے لے لے۔

30250۔(قولہ: أَجْدَرُ) یعنی مستاجر اس کا غرماء کی بنسبت زیادہ حق دار ہے۔ اگر وہ چیز اس کے پاس ہلاک ہو جائے تو اس کا دین ساقط نہیں ہوگا۔ رہن کا معاملہ مختلف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مترجم محمد بوستان عفی عنہ

مدرس دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف سرگودھا